

محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ کی تصانیف

زبان و بیان کے نئے ہلچل میں

منظاہر حق جدید

شیخ
فشکوۃ شریف

3

اذاقادات

علامہ تواب محمد قطب الدین خان دہلوی

ترجمہ و تہذیب: سعید

مولانا عبد اللہ جاوید حائری پوری (رحمۃ اللہ علیہ)

www.islamicbookslibrary.wordpress.com

دارالانشاء

اولیاء اسلام، السیاحہ روڈ، کراچی پاکستان 2213700

جدید نظر عالی شدہ کیو ریا ریٹرن

زبان و بیان کے نئے اسلوب میں

مظاہر حق جلد

شرح
مشکوۃ شریف

جلد سوم

از احادیث
علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی

ترتیب و ترمیم
مولانا احمد اللہ جاوید غازی ٹوپی (قاری)

دارالانشاء

لاہور پاکستان 2213769

جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

کاپی رائٹس رجسٹریشن نمبر (۳۷۴۹)

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی

طباعت : مارچ ۲۰۰۹ء، خلیل پریس کراچی۔

مخامات : صفحات ۸۵۲

مصححین : مولانا محمد شفیق صاحب فاضل جامعہ علوم اسلامیہ مدنی ڈکن

مولانا محمد اصغر فاضل صاحب فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

مولانا نادر شاد صاحب مدرس دارالعلوم سیدہ شہدائپر

﴿..... ملنے کے پتے﴾

بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت العلوم 20 بھدر روڈ، پرانی انارکلی لاہور

مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اردو بازار لاہور

مکتبہ سید احمد شہید اگریم ہارکیت، اردو بازار لاہور

مکتبہ شہید سیدہ عذرا، ارکیت، درجہ بازار دارالانشائی

انجمن تاجران کتب اردو بازار لاہور

ادارہ اسلامیات اردو بازار کراچی

ادارۃ العارف کورنگی کراچی نمبر ۱۲

ادارہ اسلامیات ۱۹، انارکلی لاہور

ادارۃ القرآن 437/D گارڈن ایسٹ سیدہ کراچی

مکتبہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۲

مکتبہ یک ڈپو، چنیوٹ بازار، فیصل آباد

یونین رشیک انجمنی نمبر بازار پشاور

فہرست — مظاہر حق جدید (جلد سوم)

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۷	بچنے لگانے والے کی کمائی کا حکم	۲۹	کتاب البیوع
۳۷	مستفید کی کمائی کھانے کی ممانعت	۲۹	خرید و فروخت کا بیان
۳۸	گائے والی لونڈیوں کی خرید و فروخت کا حکم	۲۹	بیع کے معنی، بیع کی شریعت، بیع کی قسمیں
۳۹	نطال روزی کتنا ایک فرض ہے	۳۰	کسب اور طلب حلال کا بیان
۳۹	کسائیت قرآن کی اجرت جائز ہے	۳۱	اپنے ہاتھ کی محنت کی روزی سب سے بہتر ہے
۳۹	کونسا کسب افضل ہے؟	۳۲	صرف حلال مال کھانے کی فضیلت اور حرام مال سے بچنے کا اثر
۵۰	دروہ کی قیمت کا حکم	۳۵	آنے والے زمانہ کے بارہ میں ایک پیش گوئی
۵۰	مقررہ کسب معاش کو بلا سبب ترک نہ کرو	۳۵	مشتبہ چیزوں سے بھی اجتناب کرنا چاہئے
۵۱	حضرت ابو بکر کا وصف احتیاط و تقویٰ	۳۷	زانیہ کی اجرت مال حرام ہے
۵۲	حرام مال کھانے پر وعید	۳۸	کھانے کی قیمت کا مسئلہ
۵۲	حضرت عمرؓ کے تقویٰ و احتیاط کی ایک مثال	۳۹	خون پینا حرام ہے
۵۳	حرام مال کا قلیل ترین جزء بھی عبادت کے نتیجہ پر اثر انداز ہوتا ہے	۴۰	حرام چیزوں کی خرید و فروخت بھی حرام ہے
۵۳	معاملات میں نرمی کرنے کا بیان	۴۱	یہودیوں کی ایک عیاری
۵۳	معاملات میں نرمی کرنے کے لئے آپؐ کی دعا و رحمت	۴۱	بلی کی خرید و فروخت کا مسئلہ
۵۳	ہم دوسروں کے معاملہ میں نرمی کرو اللہ تمہارے معاملہ میں نرمی کرے گا	۴۱	بچنے لگانے کا پیشہ حلال ہے
۵۵	خرید و فروخت میں زیادہ قسم نہ کھاؤ	۴۲	اولاد کی کمائی کھانا ہمارے ہے
۵۵	جھوٹی قسمیں کھا کر تجارت بڑھانے والے کے لئے وعید	۴۳	مال حرام کا حکم
۵۶	امانت دار کا ردیاری شخص کی فضیلت	۴۳	حرام مال کھانے پر وعید
۵۶	تجارت کے ساتھ صدقہ و خیرات کا حکم	۴۴	شبہات میں پڑنے سے بچو
۵۷	تاجروں کے لئے وعید	۴۵	امچائی اور برائی کی پہچان
۵۷	خیار کا بیان	۴۵	کامل پر بیہوش کاری کا درجہ
		۴۶	مستحقین شراب پر لعنت

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۷۸	سود خواروں کو حقیقی عزت حاصل نہیں ہوتی	۵۸	خیار مجلس کا مسئلہ
۷۹	آج کی بین الاقوامی بے چینی اور اقتصادی بد حالی سود	۶۰	خرید و فروخت میں غریب نہ کرو
۸۰	سود کے بارہ میں ایک شبہ اور اس کا جواب	۶۰	تہاڑی معاملات میں غریبین کی رضامندی و طاعت ضروری ہے
۸۲	سود خوار پر آپ کی لعنت	۶۱	عقد بیع کے بعد بیع کا اختیار
۸۳	ربا کی تصریح کے متعلق حضرت عمرؓ کا ارشاد	۶۱	سود کا بیان
۸۳	ایک شبہ اور غلط فہمی	۶۳	ربا کی تعریف
۸۳	قرض خواہ، قرض دہانہ سے کوئی تحفہ بھی قبول نہ کرے	۶۳	ربا اور سود میں فرق
۸۶	جن بیوع سے منع کیا گیا ہے ان کا بیان	۶۳	ربا کی قسمیں اور ان کے احکام
۸۹	وہ بیوع جن سے منع کیا گیا ہے	۶۶	سود لینے دینے والے پر لعنت
۹۱	بیع مرایا کا مسئلہ	۶۷	ہم جنس اشیاء کے باہمی تبادلہ و تجارت میں ربا کی صورت
۹۲	بیع شرکی ممانعت	۶۹	سوئے یا چاندی کے باہم لین دین کا حکم
۹۲	بیع شرف نام کی ممانعت	۶۹	ہم جنس چیزوں کا تبادلہ برابر سوا کر کرو
۹۲	پھل دار درختوں کو کئی سالوں کے لئے بیچنی بیچ ڈالنے کی ممانعت	۶۹	تھوڑا قدر چیزوں کے باہمی تبادلہ میں ادھار ناجائز ہے
۹۳	ضائع ہو جانے والی بیع کا ذمہ دار کون ہے؟	۷۰	اجبی اور خراب ہم جنس چیزوں کے تبادلہ میں کمی بیشی جائز نہیں
۹۳	بیع اشیاء متحولہ میں قبل قبضہ دوسری بیع جائز نہیں ہے	۷۰	ایک غلام کے بدلے میں دو غلام
۹۳	خرید و فروخت کے سلسلہ میں چندہ ایات	۷۱	ہم جنس چیزوں کا تفاوت کے ساتھ لین دین جائز نہیں
۹۷	کسی کے معاملہ میں اپنی ٹانگ نہ اڑاؤ	۷۱	سوئے کی خرید و فروخت کا مسئلہ
۹۷	شہر کی آدمی یا بیانی کمال فروخت نہ کرے	۷۲	سود کے بارہ میں آپ کی ایک چشم گوئی
۹۸	بیع ملاست و مہارت کی ممانعت	۷۳	مختلف مجلس چیزوں کے دست بدست باہمی لین دین میں کمی بیشی جائز و درست ہے
۹۹	بیع حصہ اور بیع غری کی ممانعت	۷۳	شنگ اور تازہ مہلوں کے باہمی لین دین کے مسائل
۹۹	بیع حبل الجملہ کی ممانعت	۷۴	گوشت اور جانور کے باہمی تبادلہ کا مسئلہ
۱۰۰	نر کواد پر چھوڑنے کی اجرت لینے کی ممانعت	۷۴	دو جانوروں کا باہمی تبادلہ ادھار کی صورت میں ناجائز ہے
۱۰۰	پانی بیچنے کی ممانعت	۷۴	غیر مشکی چیز کے قرض لینے کا مسئلہ
۱۰۰	ضرورت سے زائد پانی کو بیچنے کی ممانعت	۷۵	ادھار لین دین میں سود کا مسئلہ
۱۰۱	غریب دہی سے بچو	۷۶	سود کھانے پر وعید
۱۰۱	بیع خزی کی ممانعت	۷۸	سود خواروں کی ظاہری خوش حالی سے دھوکہ نہ کھائیے

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۱۹	ہب قول میں کی کرنے والے کے لئے وعید	۱۰۱	پہل اور گھٹتی پچنے کے بعد ہی فروخت کی جائے
۱۱۹	بیع سلم کی بیع کو قبل قبضہ فروخت کرنے کی ممانعت	۱۰۲	اوحار کو اوحار کے ساتھ بیچنے کی ممانعت
۱۱۹	احتکار کا بیان	۱۰۲	بیعانہ یا سالی کا مسئلہ
۱۱۹	احتکار کے معنی	۱۰۳	بیع مضطر کی ممانعت
۱۲۰	احتکار کا حکم	۱۰۳	نوکودہ پر چھوڑنے کے لئے اجرت لینا منوع ہے
۱۲۰	احتکار کرنے والا کا ناکارہ ہے	۱۰۳	جو چیز اپنے پاس نہ ہو اس کی بیع نہ کرو
۱۲۰	احتکار کرنے والے کے لئے وعید	۱۰۴	ایک بیع میں دوسری بیع نہ کرو
۱۲۰	جامک اپنی طرف سے ترخ مقرونہ کرے	۱۰۵	بیع کو قرض کے ساتھ نہ ملاؤ
۱۲۱	غلبہ کی ناجائز ذریعہ اندوزی کرنے والوں کے لئے موعظت و عبرت	۱۰۶	اواٹگی قیمت میں سکہ کی تبدیلی جائز ہے
۱۲۲	افلاس اور مہلت دینے کا بیان	۱۰۶	آپ سے متعلق ایک بیعانہ کا ذکر
۱۲۳	مغسل ہو جانے والے کے بارہ میں ایک مسئلہ	۱۰۷	بہر حق بیلام بیع جائز ہے
۱۲۳	مغسل ہو جانے والے کی مدد کرنے کا حکم	۱۰۸	میب دار چیز جو حکم سے بیچنے والے کے لئے وعید
۱۲۳	وصولی قرض میں درگزر کرنے کا اجر	۱۰۸	گدشتہ باب کے تعلقات کا بیان
۱۲۵	غوبی کے ساتھ قرض ادا کرنے والا بہترین شخص ہے	۱۰۸	پہل وار درخت کی بیع کا مسئلہ
۱۲۶	قرض خواہ قناعتاً کر سکتا ہے	۱۰۹	شرط بیع کا مسئلہ
۱۲۶	اواٹگی قرض پر قادر ہونے کے باوجود قرض ادا نہ کرنا ظلم ہے	۱۱۰	حق ولاء آزاد کرنے والے کو حاصل ہوتا ہے
۱۲۷	قرض خواہ قرض خدا کا تازعہ ختم کرانا جائز ہے	۱۱۱	حق ولاء کو پھٹایا اس کو ہمہ کرنا ناجائز ہے
۱۲۷	اواٹگی قرض میں تاخیر کرنے والوں کے لئے ایک عبرت خاک و آتش	۱۱۲	جو نقصان کا ذمہ دار ہے وہی نفع کا بھی حق دار ہے
۱۲۸	قرض کو ادا کرنے والے کی نیت صحیح ہو تو اللہ مدد فرماتا ہے	۱۱۲	بائع و مشتری کے نزاع کی صورت میں کس کا قول مستبرہ ہوگا
۱۲۹	اللہ تعالیٰ حقوق العباد و محافل نہیں کرتا	۱۱۳	اقتالہ بیع کا مسئلہ
۱۲۹	قرض خدا کی نماز جنازہ پڑھنے سے معصرت کا اجتناب	۱۱۳	ایک سبق آموز واقعہ
۱۳۰	دیوالیہ کا حکم	۱۱۳	بیع سلم اور رہن کا بیان
۱۳۱	قرض خدا کی روح قرض کی اواٹگی تک معلق رہتی ہے	۱۱۴	بیع سلم کی شرائط صحت
۱۳۲	بلا قدر قرض ادا نہ کرنے والا مستطیع شخص قابل ملامت ہے	۱۱۴	اوحار خریدنا اور مروی رکھنا جائز ہے
۱۳۳	قرض ادا نہ کرنے والے کی نماز جنازہ سے آپ کا انکار	۱۱۷	انتقال رہن کا مسئلہ
		۱۱۸	شے مرہون رہا اس کی ملکیت سے باہر نہیں ہوتی
			حقوق شریعہ میں بیعانہ اور وزن کا اعتبار

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۵۰	جانور کا ماریٹہ مانگ لیا جا کر ہے	۱۳۲	بالکل مفلسی کی حالت میں قرض وار مرنا ایک بڑا گناہ ہے
۱۵۱	خیر زمین آباد کرنے والا اس زمین کا مالک ہے	۱۳۳	حرام چیزوں پر صلح ناجائز ہے
۱۵۲	کسی دوسرے کا مال بغیر اجازت حلال نہیں ہوتا	۱۳۵	آنحضرت کا پانچواں خدیوہ
۱۵۲	کسی کی کوئی چیز کسی مذاق میں لے کر ہرپ نہ کر جاؤ	۱۳۵	قرض کی واپسی میں غیر مشروط زیادتی جائز ہے
۱۵۳	اپنا چوری کا مال جس کے پاس دیکھو اس سے لے لو	۱۳۶	اور ایسی قرض کا جلدی انتظام کرو
۱۵۳	جس سے کوئی چیز لو اس کو واپس کر دو	۱۳۶	سہلت دینے والے کو ثواب ملتا ہے
۱۵۳	کسی کے بارغ وغیرہ کو نقصان پہنچانے کا مسئلہ	۱۳۶	دین، میراث پر مقدم ہے
۱۵۴	حالت اضطرار میں دوسرے کے جانور کا دودھ پینے کی اجازت ہے	۱۳۷	بار بار کی شہادت فی سبیل اللہ بھی قرض کا قفادہ نہیں کر سکتی
۱۵۵	دوسرے کے بارغ کا پھل مالک کی اجازت کے بغیر کھانے کا مسئلہ	۱۳۷	شرکت اور وکالت کا بیان
۱۵۵	مستعار ہوئی چیز امانت کے حکم میں ہے	۱۳۸	مقود میں شرکت جائز ہے
۱۵۶	مستعار چیز کو واپس کر دینا واجب ہے	۱۳۸	انصار کے مال میں مہاجرین کی شرکت
۱۵۶	درخت سے گرنے والے پھل اٹھانے کا مسئلہ	۱۳۸	محاطات میں وکیل بنانا جائز ہے
۱۵۷	زمین غصب کرنے کی سزا	۱۳۸	امانت دار شرکاء کا اللہ تعالیٰ محافظ رہتا ہے
۱۵۷	شفعہ کا بیان	۱۳۹	غائب سے انتقام کا جذبہ تمسک خیانت پر نہ اُکلاوے
۱۵۸	حق شفہ صرف شریک کو حاصل ہوتا ہے یا ہمسایہ کو بھی؟	۱۳۹	آنحضرت کا وکیل
۱۵۹	حق شفہ صرف زمین اور مکان کے ساتھ مخصوص ہے	۱۳۹	شرکت مضاربت میں خیر و بھلائی ہے، ایک واقعہ
۱۵۹	مشترک زمین یا مکان کے کسی حصہ کی فروختگی کے وقت	۱۳۹	شرکت و وکالت کے کچھ مسائل، شرعی جماعت
۱۵۹	دوسرے شریک کو اطلاع دینا ضروری ہے	۱۴۰	فتح شراکت
۱۵۹	ہمسایہ کو حق شفہ حاصل ہونے کی دلیل	۱۴۰	فتح شراکت کی صورت میں تقسیم کی ترتیب
۱۶۰	ہمسائیگی کا حق	۱۴۰	وکالت کے احکام
۱۶۰	راستہ کے سلسلہ میں ایک ہدایت	۱۴۰	وسیل کی برطرفی
۱۶۰	غیر محقول جائداد کو بلا ضرورت بچنا مناسب نہیں	۱۴۱	غصب اور عاریت کا بیان
۱۶۱	ہمسایہ کو حق شفہ حاصل ہوتا ہے	۱۴۱	غصب کرنے والے کی سزا
۱۶۱	شفہ کا تعلق غیر محقول جائداد سے ہے	۱۴۱	کسی کے جانور کا دودھ مالک کی اجازت کے بغیر دھونے کا ایک واقعہ
۱۶۱	جہزی کے درخت کاٹنے پر وعید	۱۴۱	کسی مسلمان کا مال نو حاضر حرام ہے
۱۶۱	ہر غیر محقول جائداد میں شفہ ہے خواہ وہ تقسیم ہو سکتی ہو یا	۱۵۰	حاجبوں کا سامان چرانے والے کا عمر تک حشر

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۷۵	اقتادہ و غیر زمین کو آباد کرنے والا اس زمین کا مالک ہو جاتا ہے	۱۶۲	نا قابل تقسیم ہو
۱۷۵	کسی چراگاہ کو اپنے لئے مخصوص کر لینے کی ممانعت	۱۶۲	مساقات اور مزارعت کا بیان
۱۷۶	کھیتوں میں پانی بچانے کے سلسلہ میں ایک تنازعہ اور آپ کا فیصلہ	۱۶۳	غیر کسی زمین کا بندوبست
۱۷۸	جوپانی تہہاری ضرورت سے زائد ہو اسے جانوروں کو چلانے سے نہ روکو	۱۶۳	غارت کی مخالفت
۱۷۹	اقتادہ زمین کی دیوار کے ذریعہ حد بندی کرنے سے ملکیت ہوتی ہے یا نہیں؟	۱۶۳	اجرت یا لگان پر زمین دینے کا ذکر
۱۸۰	آنحضرت کی طرف سے صحابہ کو اقتادہ زمین کا جاگیر علیہ	۱۶۵	مزارعت کی ایک ممنوع صورت
۱۸۲	غدا کی تین تمام نعمتیں	۱۶۵	کسی کو اپنی زمین کاشت کرنے کے لئے بطور عاریت دینا بہتر ہے
۱۸۲	کسی مساح چیز کو جو شخص پہلے حاصل کرے گا وہ اسی کی ہو جائے گی	۱۶۵	اپنی زمین کو بے کار نہ چھوڑو
۱۸۲	جس قوم میں کمزور انسانوں کے حقوق محفوظ نہ ہوں وہ برائیوں سے پاک نہیں ہوتی	۱۶۶	زراعت میں مشغولیت کی وجہ سے جہاد کرنے پر وعید
۱۸۳	شہر و قریہ سے کھیتوں اور باغوں کو سیراب کرنے کا ضابطہ	۱۶۶	کسی کی زمین بلا اجازت کاشت نہ کرو
۱۸۳	اپنی جائداد کے ذریعہ کسی کو تکلیف نہ پہنچاؤ	۱۶۷	مزارعت کا ثبوت
۱۸۵	پانی، نمک اور آگ دینے سے انکار نہ کرو	۱۶۷	سجارہ کا بیان
۱۸۶	عطایا کا بیان	۱۶۸	اجازہ کا جواز
۱۸۷	حضرت عمرؓ کی طرف سے اپنی غیر کی زمین کا وقف نامہ	۱۶۸	سرماء و عالم نے اجرت پر بکریاں چرائی ہیں
۱۸۸	عمرؓ کا جائزہ	۱۶۹	مزدور کو اس کی مزدوری نہ دینے والے کے لئے وعید
۱۸۸	عمرؓ کی کیا ہے؟	۱۶۹	بھلا بیونک کرنے والا اپنے عمل کی اجرت لے سکتا ہے
۱۸۹	عمرؓ معمر لہ کے دور میں ملکیت میں جاتا ہے	۱۷۱	جس طرح غیر شری بھلا بیونک ناجائز ہے اسی طرح اس کی اجرت بھی حرام ہے
۱۹۰	مسک جنہور کے خلاف حضرت جابرؓ کی روایت اور اس کی تاویل	۱۷۲	مزدور کو اس کی مزدوری دینے میں تاخیر نہ کرو
۱۹۰	عمرؓ اور قتی سے آنحضرت کی ممانعت اور اس کی وضاحت	۱۷۲	سائل کسی بھی حال میں سوال کرے اس کا سوال پورا کرو
۱۹۱	عمرؓ اور قتی جائز ہے	۱۷۲	مزدوری کے سلسلے میں حضرت موسیٰؑ کا ذکر
۱۹۱	جواز عمرؓ کی بظاہر مخالف ایک اور حدیث	۱۷۳	خاند کی خدمت بیوی کا مہر ہو سکتا ہے یا نہیں؟
		۱۷۳	دین کی تعلیم دینے کی اجرت لینے کا مسئلہ
		۱۷۳	غیر آباد زمین کو آباد کرنے اور پانی کے حق کا بیان

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۰۸	لفظ استعمال میں آجانے کے بعد اس کا مالک طلب کرنے کو	۱۹۱	گذشتہ باب کے متعلقات کا بیان
۲۰۹	اس کا بدلہ دینا چاہئے	۱۹۱	خوشبودار پھول کا تحفہ واپس نہ کرو
۲۰۹	لفظ ریت کے ساتھ نہ اٹھاؤ	۱۹۲	کسی کو کوئی چیز دے کر پھر واپس لے لینا بری مثال ہے
۲۰۹	جب لفظ اٹھاؤ تو کسی کو گواہ بناؤ	۱۹۳	کوئی چیز دینے میں اولاد کے درمیان فرق و امتیاز نہ کرو
۲۰۹	لفظ کی وہ مقدار جس میں تشہیر و اعلان کی ضرورت نہیں	۱۹۳	ہر واپس لے لینا مناسب نہیں ہے
۲۱۰	فراغ نفس کا بیان	۱۹۳	سات صورتوں میں ہر واپس لینا جائز نہیں ہے
۲۱۰	در ثانی ترتیب	۱۹۵	کسی کو کوئی چیز دے کر پھر واپس لے لینا ضرورت کے خلاف ہے
۲۱۱	ذوی القروض کی تفصیل	۱۹۵	تحفہ کا بدلہ تحفہ
۲۱۱	ذوی القروض کے حصے	۱۹۷	حسن کے لئے دعاء اگر دہرے
۲۱۳	عصابت کی تفصیل	۱۹۷	راہ اشتقاق کا سنگ میل
۲۱۳	ذوی الارحام کی تفصیل	۱۹۷	انسان کا شکر ادا نہ کرنے والا اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا
۲۱۳	میراث پانے سے محروم کردینے والی چیزیں	۱۹۸	شکر ان نعمت کی اہمیت
۲۱۵	ریت کا ترکہ اس کے در ثانی کا حق ہے	۱۹۹	آپس میں بطور تحفہ لین دین مددگاروں کو دہر کرنا ہے
۲۱۶	ریت کا ترکہ پہلے ذوی القروض کو دہر	۱۹۹	کسی کس چیز کے تحفہ کا لینا دینا اختیار نہ سمجھو
۲۱۶	اختلاف مذہب میراث سے محروم کر دیتا ہے	۲۰۰	خوشبودار پھول کا تحفہ واپس نہ کرو
۲۱۷	آزاد کر کے والا غلام کا وارث ہوتا ہے	۲۰۰	اولاد میں کسی ایک کے ساتھ ترجیحی سلوک مناسب نہیں
۲۱۷	بھانجا، ماموں کے ترکہ کا وارث ہوتا ہے	۲۰۱	آنحضرتؐ نے بھل کا تحفہ کس طرح قبول فرماتے تھے
۲۱۸	مسلم، غیر مسلم کا اور غیر مسلم، مسلم کا وارث نہیں ہوتا	۲۰۱	لفظ کا بیان
۲۱۸	اپنے مورث کا قاتل میراث سے محروم ہو جاتا ہے	۲۰۱	لفظ کے معنی اور اس کا حکم
۲۱۸	جدہ کا چھٹا حصہ ہے	۲۰۳	بے وارث بچہ کو اٹھانے کا مسئلہ
۲۱۸	زندہ پیدا ہونے والا بچہ وارث ہے	۲۰۳	لفظ کے کچھ متفرق مسائل
۲۱۹	ابتداء اسلام کا ایک حکم	۲۰۴	کوئی شخص گری بڑی چیز یا نے کو کیا کرے
۲۱۹	ماموں اپنے بھانجے کا ذی رحم وارث ہوتا ہے	۲۰۶	لفظ کو بغیر تشہیر یاں رکھنا خیانت ہے
۲۲۰	عورت کن کن آدمیوں کی میراث پاتی ہے؟	۲۰۷	حنیفہ کے ہاں زمین صل و حرم کا لفظ برابر ہے
۲۲۰	ولدا لڑنا کا حکم	۲۰۷	دوران و غیر آباد زمین کے لفظ اور برآمد ہونے والے دفعہ کا حکم
۲۲۱	آزاد کردہ غلام کی میراث		
۲۲۱	انبیاء کسی کے وارث نہیں ہوتے		
۲۲۱	جس کا کوئی بھی وارث نہ ہو اس کا ترکہ ریت المسائل کے		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۳۷	نکاح کے فوائد و آکات	۲۳۲	مصرف میں وسعہ دیا جائے
۲۳۹	نکاح کے احکام	۲۳۲	میت کے قرض کی ادائیگی اس کی وصیت کی قبیل پر مقدم ہے
۲۳۹	نکاح کے مستحبات	۲۳۳	آیت میراث کا شان نزول
۲۴۰	لحباب و قبول اور ان کے صحیح ہونے کی شرط	۲۴۵	بیٹی اپنی اور بہن کے حصے
۲۴۱	جوانوں کو نکاح کرنے کا حکم	۲۴۶	دادا کا حصہ، جدہ کا حصہ
۲۴۱	جوانی کی حد	۲۴۷	باپ کی موجودگی میں وادی کو چھٹا حصہ دلوئے کا ایک خالص
۱۴۲	تہن کی ممانعت		واقعہ
۲۴۲	دیندار عورت سے نکاح کرنا بہتر ہے	۲۴۷	خون پیا کا مال مقتول کے ورثہ کو ملتا ہے
۲۴۳	نیک بخت عورت دنیا کی بہترین متر ہے	۲۴۸	سوالی آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے
۲۴۳	قریش کی نیک بخت عورتوں کی فضیلت	۲۴۸	آزاد شدہ غلام اپنے آزاد کرنے والے کا وارث ہوتا ہے یا نہیں؟
۲۴۳	عورتوں کا قتل زیادہ نقصان دہ ہے		ولاء کی وراثت کا مسئلہ
۲۴۴	عورت کے قتل سے بچو	۲۴۹	اسلام لانے سے پہلے جو میراث تقسیم ہو چکی ہو اسلام لانے کے بعد اس میں کوئی ترسیم نہیں ہوگی
۲۴۵	بنی اسرائیل پر بتائی کے دروازے کھولنے والا پہلا تختہ عورت ہے	۲۴۹	پہو بھویوں کے وارث نہ ہونے کے بارے میں حضرت عمرؓ کا تعجب
۲۴۶	وہ تین چیزیں جن میں نوحہ ہوتی ہے	۲۵۰	وصیتوں کا بیان
۲۴۷	اپنے نکاح کے لئے کنواری عورت کو ترجیح دو	۲۵۱	وصیت نامہ لکھ رکھنے کا حکم
۲۴۸	وہ تین شخص جن کی اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرماتا ہے	۲۵۱	اپنے ترکہ کے تہائی حصہ میں وصیت کی جاسکتی ہے
۲۴۸	عورت کے دلی کے لئے ایک ضروری ہدایت	۲۵۲	وارث کے حق میں وصیت درست نہیں
۲۴۹	محبت کرنے والی عورت سے نکاح کرو	۲۵۲	کسی دوسرے کے حق میں وصیت کر کے اپنے ورثہ کو نقصان نہ پہنچاؤ
۲۴۹	کنواری سے نکاح کرنا زیادہ بہتر ہے	۲۵۳	جا کر وصیت کر جانے والے کے لئے بشارت
۲۵۰	نکاح کی لاپک خصوصیت	۲۵۵	کافروں کو اعمال نیک کا ثواب نہیں پہنچتا
۲۵۰	آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی فضیلت	۲۵۵	دارثوں کا حق مارنے والے کے لئے وعید
۲۵۰	نیک بخت بیوی کی خصوصیات	۲۵۷	نکاح کا بیان
۲۵۱	نکاح آدھا دین ہے	۲۵۷	نکاح کی اہمیت
۲۵۱	کون سا نکاح باہر کت ہے		
۲۵۲	منسوبہ کو دیکھئے اور جن اعضا کو چھپانا واجب ہے ان کا بیان		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۶۳	نکاح کے ولی اور عورت سے نکاح کی اجازت لینے کا بیان	۲۵۲	منسوبہ کو دیکھنے کا مسئلہ
۲۶۵	نکاح سے پہلے عورت کی اجازت حاصل کر لینی چاہئے	۲۵۲	اپنی منسوبہ کو دیکھ لینا مستحب ہے
۲۶۷	بیزہ اپنی مرضی کے خلاف ہو جانے والے نکاح کو رد کر سکتی ہے	۲۵۲	کسی عورت کے جسم کا مال اپنے شوہر سے بیان نہ کرو
۲۶۷	نکاح کی طلب اجازت کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر کم سن بڑی کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا	۲۵۳	عورتوں اور مردوں کے لئے چند ہدایات
۲۶۹	نکاح کی طلب اجازت کے وقت عورت کی خاموشی ہی اس کی رضا ہے	۲۵۳	اجنبی عورت کے ساتھ خلوت گزینی کی ممانعت
۲۶۹	غلام کا نکاح اس کے آقا کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں ہوتا	۲۵۵	معالج عورت کا جسم دیکھ سکتا ہے
۲۷۰	بالغہ اپنے نکاح کے معاملہ میں خود مختار ہے	۲۵۵	کسی اجنبی عورت پر اچانک نظر نہ جانے کا مسئلہ
۲۷۰	بالغہ عورت کا نکاح ولی کو کرنا مستحب ہے	۲۵۶	کسی اجنبی عورت کو دیکھ کر برا خیال پیدا ہو تو بیوی کے پاس چلا جائے
۲۷۱	اولاد کے تئیں باپ کے فرائض	۲۵۶	اپنی منسوبہ کو نکاح سے پہلے دیکھ لینا مستحب ہے
۲۷۲	لڑکی کے بائیں ہوتے ہی اس کا نکاح کر دو	۲۵۷	کوئی اجنبی عورت نظر آ جائے تو اپنی بیوی سے شکستیں حاصل کر د
۲۷۲	نکاح کے اعلان اور نکاح کے خطبہ و شرط کا بیان	۲۵۷	عورت، بیگانی نظروں سے چھپنے کی چیز ہے
۲۷۳	شادی بیاہ کی رسوم و بدعات	۲۵۸	کسی عورت پر اتفاقی نظر پڑنے کے بعد دوسری نظر ڈالنا جائز نہیں
۲۷۳	نکاح کے وقت دف بچانا جائز ہے	۲۵۸	اپنی لونڈی کا نکاح کر دینے کے بعد اسے اپنے لئے حرام سمجھو
۲۷۳	شوال کے مہینہ میں نکاح کرنا مستحب ہے	۲۵۸	ران جسم کا مستور حصہ ہے
۲۷۵	ہر ادا کرنے کی تاکید	۲۵۹	بغیر ضرورت تنہائی میں بھی ستر کھولنا جائز نہیں
۲۷۵	کسی دوسرے کی منسوبہ کو اپنے نکاح کا بیخنام نہ دو	۲۵۹	عورت، مرد کو دیکھ سکتی ہے یا نہیں؟
۲۷۵	عورت اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے کسی دوسری عورت کو طلاق نہ دلوائے	۲۶۰	خلوت میں بھی اپنا ستر چھپائے رکھو
۲۷۶	شہاد کی ممانعت	۲۶۰	اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہو
۲۷۶	حد کی ممانعت	۲۶۱	غلام، اپنی مالک کے حق میں اجنبی مرد کی طرح ہے
		۲۶۲	عورتوں میں محبت کے آنے کی ممانعت
		۲۶۳	برہنگی کی ممانعت
		۲۶۳	شرم و حیا کا اچھائی درجہ
		۲۶۴	حسین عورت کی طرف نظر اٹھ جانے کے بعد نظر کو بھیر لینے کا اجر
		۲۶۴	ممنوع النظر چیز کی طرف تھماؤ دیکھنے والے کے لئے وعید

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۷۷	حصہ کے بارہ میں اہل تشیع کا مسلک	۲۷۷	دو بیویوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنے کی ممانعت
۲۷۸	نکاح کا خطبہ	۲۷۸	کافر میں بیوی میں سے کوئی ایک اسلام قبول کرے تو ان
۲۸۰	خطبہ کے بغیر نکاح بے برکت رہتا ہے	۲۸۰	دونوں کا نکاح باقی رہتا ہے یا نہیں؟
۲۸۱	نکاح کا اعلان کرنا مستحب ہے	۲۸۱	کون کون سے رشتہ والی عورتیں محرمات میں داخل ہیں؟
۲۸۶	شادی میں گانے کی اجازت	۲۸۶	اپنی بیوی کی بیٹی سے نکاح کی ممانعت
۲۸۲	دونوں کا حلقہ میں پہلا نکاح درست ہے	۲۸۲	مباشرت کا بیان
۲۸۳	حصہ ابتداء اسلام میں جائز تھا	۲۸۳	مباشرت کے سلسلہ میں یہود کے ایک قتلہ خیال کی تردید
۲۸۳	شادی بیاہ کے موقع پر گانے کی اجازت	۲۸۳	عزل کا مسئلہ
۲۸۵	جو عورتیں مرد پر حرام ہیں ان کا بیان	۲۸۵	اپنی بیوی کی پوشیدہ باتوں کو افشا کرنے والے کے بارہ میں
۲۸۵	محرمات کی تفصیل	۲۸۵	وعدہ
۳۰۶	مستقلہ ضروری مسائل	۳۰۶	ایام حیض میں بیوی کے پاس نہ جاؤ اور نہ بیوی سے بد فعلی کرو
۳۰۷	پھوجھی بھتیجی یا غلام، بھانجی کو بیک وقت نکاح میں نہ رکھا جائے	۳۰۷	اپنی بیوی کے ساتھ بد فعلی کرنے والا ملعون ہے
۳۰۷	حرمت رضاعت کا ذکر	۳۰۷	غیلہ کی ممانعت
۳۰۷	رضائی بھتیجی سے نکاح کرنا حرام ہے	۳۰۷	جزل کا شرط و جواز
۳۰۷	رضاعت کی مقدار	۳۰۷	لوٹنی آزاد ہونے کے بعد اپنا نکاح فسخ کر سکتی ہے
۳۱۰	حدت رضاعت کے بعد دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی	۳۰۷	مملوک غلامہ بیوی کو آزاد کرنا ہو تو پہلے غلامہ کو آزاد کیا جائے
۳۱۱	ثبوت رضاعت کے سلسلہ میں ایک عورت کی گواہی معتبر ہے یا نہیں	۳۱۱	اگر لوٹنی اپنی مرضی سے اپنا نکاح کرے تو آزاد ہونے کے بعد فسخ نکاح کا اختیار اسے حاصل نہیں ہوتا
۳۱۱	دارالحرب سے قید کر کے لائی جانے والی عورت کا حکم	۳۱۱	مہر کا بیان
۳۱۲	دو عورتیں جنہیں بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا منوع ہے	۳۱۲	مہر کی مقدار
۳۱۳	باپ کی بیوی سے نکاح کرنا حرام ہے	۳۱۳	ازواج مطہرات اور آپ کی صاحبزادیوں کا مہر
۳۱۳	حدت رضاعت گزرنے کے بعد دودھ پینا حرمت کو ثابت نہیں کرتا	۳۱۳	مہر کی کم سے کم مقدار کیا ہونی چاہئے
۳۱۳	دودھ چلانے والی کا حق کس طرح ادا ہو سکتا ہے؟	۳۱۳	ازواج مطہرات کے مہر کی مقدار بھاری ہر کی ممانعت
۳۱۵	آنحضرت کی طرف سے دایہ علیہ کی تعظیم و تکریم	۳۱۳	مہر میں سے کچھ حصہ علی الفور دے دینا بہتر ہے
۳۱۵	چار سے زیادہ نکاح کی ممانعت	۳۱۵	مہر شل واجب ہونے کی ایک ضرورت
		۳۱۵	مہر شل کے کہتے ہیں؟

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۳۷	باری مقرر کرنے کا بیان	۳۳۶	ام حبیبہؓ سے آپؐ کے نکاح کی تفصیل اور ان کے مہر کی مقدار
۳۳۸	آنحضرتؐ کی ازواج مطہرات کی تعداد	۳۳۷	قبولیت اسام مہر کا قائم مقام
۳۳۸	کوئی بیوی اپنی باری اپنی سوکن کو دے سکتی ہے	۳۳۷	ولیمہ کا بیان
۳۳۹	سفر میں ساتھ لے جانے کے لئے کسی بیوی کا انتخاب قرعہ کے ذریعہ کیا جائے	۳۳۷	ولیمہ کی شرعی حیثیت اور اس کا وقت
۳۴۰	باری مقرر کرنے کے سلسلہ میں ایک روایت	۳۳۸	خیافت کی قسمیں
۳۴۱	کوئی شخص اپنی تمام بیویوں سے یکساں محبت کر لے پر مجبور نہیں ہے	۳۳۸	ولیمہ کرنے کا حکم
۳۴۱	اپنی بیویوں کے درمیان غدل و برابری نہ کرنے والے کو وعید	۳۳۹	آنحضرتؐ نے سب سے بڑا ولیمہ حضرت زینبؓ کے نکاح میں کیا تھا
۳۴۲	آپؐ کی نو ازواج مطہرات میں سے آٹھ کے لئے باری مقرر تھے	۳۳۹	عورت کی آزادی کو اس کا مہر قرار دیا جاسکتا ہے نہیں؟
۳۴۲	عورتوں کے ساتھ صحبت و اختلاط اور ہر ایک عورت کے حقوق کا بیان	۳۴۰	حضرت صفیہؓ کے ولیمہ کا ذکر
۳۴۳	عورت کی کچی کو سخت دوی سے دور نہیں کیا جاسکتا	۳۴۰	حضرت ام سلمہؓ کا ولیمہ
۳۴۳	عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت اختیار کرو	۳۴۰	ولیمہ کی دعوت قبول کرنا چاہئے
۳۴۵	کچی ہر عورت کو درپیش ملی ہے	۳۴۱	ولیمہ میں صرف والدین کو بلانا انتہائی برا ہے
۳۴۵	عورت کو مارنے کی ممانعت	۳۴۲	غیر مذکور کو کھانا کھانا میزبان کی اجازت پر موقوف ہے
۳۴۶	اپنی بیوی کے ساتھ چھاپا ہوا ذکر کرو	۳۴۲	حضرت صفیہؓ کا ولیمہ
۳۴۷	آپؐ حضرت عائشہؓ کی خوش رو یا خوشی کو کس طرح پہچانتے تھے	۳۴۲	دنیادی ذیب و زینت کی چیزوں سے آنحضرتؐ کا اجتناب
۳۴۸	شوہر کی خواہش پر بیوی کو بیستر ہونے سے انکار نہ کرنا چاہئے	۳۴۲	کسی دعوت میں بغیر بلانے پہنچ جانے والے کی مذمت
۳۴۹	کوئی عورت اپنی سوکن کو خواہ خواہ چلانے کا کام نہ کرے	۳۴۲	اگر ایک وقت دو آدمی دعوت کریں تو کس کی دعوت قبول کی جائے؟
۳۴۹	ایلاء کا مطلب	۳۴۵	نام و غصہ کے لئے زیادہ دنوں تک ولیمہ کھانے والے کے بارہ میں وعید
۳۴۹	آنحضرتؐ کے ایلاء کا واقعہ	۳۴۶	اظہارِ فخر میں مقابلہ کرنے والے دونوں آدمیوں کی دعوت کھانا منسوخ ہے
۳۴۹	اپنی بیویوں کے ساتھ آنحضرتؐ کا حسن معاشرت	۳۴۶	فاسق کی دعوت قبول نہ کرو
۳۴۹	اپنے اہل و عیال کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا بہترین شخص ہے	۳۴۶	کسی متقی مسلمان کے ہاں کھانا کھانے جاؤ تو اس کے کھانے کے جائز و ناجائز ہونے کی تحقیق نہ کرو

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۷۹	واقع نہیں ہوتی	۳۶۵	فرمانبرداری بیوی کو جنت کی بشارت
۳۷۹	اختیار کا مسئلہ	۳۶۶	اگر غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز ہو تا تو خاوند کو بیوی کا مجبور قرار دینا
۳۷۹	کس حج کو اپنے اوپر حرام کر لینے سے کفارہ لازم آتا ہے		جانتا شوہر کی خوشنودی کی اہمیت
۳۸۱	بلا ضرورت طلاق مانگنے والی عورت کے حق میں وعید	۳۶۶	شوہر کی اطاعت کرو
۳۸۱	طلاق کوئی ہجرت نہیں ہے	۳۶۷	شوہر کو تکلیف پہنچو
۳۸۱	نکاح سے پہلے طلاق دینے کا مسئلہ	۳۶۷	شوہر پر بیوی کا حق
۳۸۳	طلاق نہ کا مسئلہ	۳۶۷	خاوند اپنی بیوی کو تادیب کر سکتا ہے یا نہیں؟
۳۸۳	نکاح و طلاق کے الفاظ اگر غشی میں بھی منہ سے نکالے جائیں	۳۶۸	بدر بیان بیوی کو طلاق دے دو
	تو ان کا حکم ثابت ہو جاتا ہے	۳۶۹	عورتوں کو مارنے کی ممانعت
۳۸۳	زبردستی دلوائی جانے والی طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟	۳۶۹	بیوی کو اس کے خاوند کے خلاف بیگانے والے کی مذمت
۳۸۳	دلوالے کی طلاق واقع نہیں ہوتی	۳۷۰	اپنے اہل و عیال کے حق میں کمال مہربانی کمال ایران کی دلیل
۳۸۵	تین شخص مرفوع اہکم ہیں		ہے
۳۸۵	لو نذی کے لئے دو طلاقیں ہیں	۳۷۰	حضرت عائشہ کے ساتھ آنحضرت کا ایک پر لطف واقعہ
۳۸۶	اپنے خاوند سے طلاق یا طلاق چاہنے والی عورت کے بارے میں وعید	۳۷۱	غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں
۳۸۶	عورت کے تمام مال کے عوض طلع کرنا مکروہ ہے	۳۷۲	نارہبان بیوی کو مارنے پر مواخذہ نہیں ہوگا
۳۸۶	ایک وقت تین طلاق و نزع حرام ہے	۳۷۲	بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر نعل روزہ نہ رکھے
۳۸۷	اللہ تعالیٰ کے نزدیک طلاق ایک ہی چیز ہے	۳۷۳	سخت سے سخت حکم میں بھی شوہر کی اطاعت کرو
۳۸۷	جس عورت کو تین طلاقیں دی جائیں اس کا بیان	۳۷۳	جس عورت کا خاوند ناراض ہو اس کی نماز پوری طرح قبول نہیں ہوتی
۳۸۸	حلالہ کا صحیح ہونا دو سرے خاوند کے جماع کرنے پر موقوف ہے	۳۷۳	بہترین بیوی کی پہچان
	ہے	۳۷۵	اہانت دار بیوی کی فضیلت
۳۸۸	محکم اور محکمہ لہ پر آنحضرت کی طرف سے لعنت	۳۷۵	خلع اور طلاق کا بیان
۳۸۹	حلالہ کے مکروہ تحریمی ہونے کی صورت	۳۷۵	خلع کا مطلب
۳۹۰	ایلاء کا مسئلہ	۳۷۶	طلاق کے معنی
۳۹۰	تجدید کا حکم	۳۷۶	ناپسند شوہر سے طلاق حاصل کی جاسکتی ہے
	اگر تہلہ کر کے والا کفارہ دینے سے پہلے جماع کر لے تب بھی	۳۷۷	حالات حیض میں طلاق دینے کی ممانعت
		۳۷۸	طلاق کی قسمیں
			کن لوگوں کی دہی ہوتی طلاق واقع ہوتی ہے اور کن لوگوں کی

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۱۱	کوشش کرتا ہے	۳۹۲	ایک ہی کفارہ واجب ہوگا
۳۱۲	عدت کا بیان	۳۹۳	کفارہ ظہار میں جو مردہ (غلام) آزاد کیا جائے اس کا سوگن ہوتا
۳۱۲	عدت کے معنی		ضروری ہے یا نہیں؟
۳۱۲	عدت کی مدت	۳۹۴	کفارہ ظہار کے کچھ مسائل
۳۱۳	عدت کی ابتداء کا وقت	۳۹۵	کفارہ میں اباحت جو کرے
۳۱۳	عدت کے دنوں میں شوہر نفقہ اور نفی واجب ہے یا نہیں؟	۳۹۶	لعان کا بیان
۳۱۴	عدت کے زمانہ میں کسی ضرورت سے گھر سے باہر نکلنا جائز ہے یا نہیں؟	۳۹۶	لعان کا معنی اور تشریف
۳۱۴	مالک کی عدت وضع حمل ہے	۳۹۶	در بارہ رسالت میں لعان کا ایک واقعہ
۳۱۵	عدت کے دنوں میں سرمہ لگانے کی ممانعت	۳۹۸	لعان کی صورت میں میاں بیوی کے درمیان تفریق کا مسئلہ
۳۱۸	زمانہ عدت میں سوگ کرنے کا حکم	۳۹۹	لعان کرنے والے کا عاصبہ آخرت میں ہوگا
۳۱۹	سوگ کے احکام و مسائل	۴۰۰	آیت لعان کا شان نزول
۴۰۱	مقتدہ کو چار ضرورت ایک مکان سے دوسرے میں منتقل ہونا	۴۰۱	زنا کی تہمت چار گواہوں کے ذریعہ ثابت ہوتی ہے
۴۰۱	جائز نہیں	۴۰۲	اللہ سے زیادہ غیرت مند کوئی نہیں ہے
۴۰۲	عدت کے دنوں میں بناؤ سنگار کی کوئی بھی چیز استعمال نہ کر جائے	۴۰۳	اللہ کی غیرت کا تقاضا کیا ہے؟
۴۰۳	مطلقہ کی عدت کے بارہ میں ایک بحث	۴۰۳	محض معمولی عدتوں کی بنا پر اپنے بچہ کا انکار نہ کرو
۴۰۳	مطلقہ کی عدت کا ایک مسئلہ	۴۰۳	زنا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچہ کا نسب زانی سے ثابت نہیں
۴۰۳	استبراء کا بیان	۴۰۴	اثبات نسب میں قیافہ شناس کا قول مستحب ہے یا نہیں؟
۴۰۴	استبراء کے غیر لونڈی سے جنم کرنے والا لبت کا حق ہے	۴۰۶	اپنے باپ کا انکار کرنے والے کے بارے میں وحید
۴۰۴	غیر استبراء لونڈی سے محبت کرنے کی ممانعت	۴۰۷	اپنے بچہ کا انکار کرنے والا نساء کے دیکھارے محروم رہے گا
۴۰۷	غیر حاضر لونڈی کے حق میں استبراء کی مدت	۴۰۷	بدکار بیوی کو طلاق دینا ادنیٰ ہے
۴۰۷	بکرہ لونڈی کے لئے استبراء واجب ہے یا نہیں؟	۴۰۸	اثبات نسب کے سلسلہ میں ایک واضح پرہیز و مضابطہ
۴۰۷	ام دلدلی کی عدت	۴۰۹	غیرت بعض صورتوں میں پسندیدہ اور بعض میں ناپسندیدہ ہے
۴۰۸	نفقات اور لونڈی غلام کے حقوق کا بیان	۴۱۰	ولد الزنا کا نسب زانی سے ثابت نہیں ہوتا
۴۰۸	بیوی کے فقہ کے احکام و مسائل	۴۱۰	وہ چار عورتیں جن سے لعان نہیں ہوتا
۴۱۰	اولاد کے فقہ کے احکام و مسائل	۴۱۱	حضرت حق الامکان لعان سے باز رکھنا چاہتے تھے
۴۱۰			شیعہ میں آیا بیوی کو ایک دوسرے سے بدظن کرنے کی

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۳۵	لوہڑی غلاموں کو اپنی اولاد اور اپنے بھائی کی طرح رکھو	۳۳۰	والدین کے نفقہ کے احکام و مسائل
۳۳۵	چھوٹے بچوں کی تربیت و پرورش اور ان کے بالغ ہونے کا بیان	۳۳۱	باندی اور غلام کے نفقہ کے احکام و مسائل
۳۳۶	بلوغ کی علامت و عمر	۳۳۲	بیوی اور اولاد کا بقدر ضرورت نفقہ مرد پر واجب ہے
۳۳۶	بچہ کی پرورش کا حق کس کو ہے؟	۳۳۳	غلام کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم
۳۳۶	حق پرورش کی مدت	۳۳۴	غلام کی روزی روکنا گناہ ہے
۳۳۷	عمر بلوغ پندرہ سال ہے	۳۳۴	اپنے غلام کو نوکر کے ساتھ کھانا کھانے میں غار محسوس نہ کرو
۳۳۷	حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی کی پرورش کا عازمہ اور اس کا حق	۳۳۴	غلام کے لئے دہرا اجر
۳۳۸	کمن بچہ کی پرورش کا سب سے زیادہ حق اس کی ماں کو ہے	۳۳۵	غلام کے لئے بہتریات کیا ہے؟
۳۳۹	مدت پرورش کے بعد لڑکے کو ماں باپ میں سے کئی کے بھی پاس رہنے کا اختیار ہے	۳۳۵	مفرور غلام کی نماز قبول نہیں ہوتی
۳۴۱	کتاب العتق	۳۳۶	غلام پر زنا کی جھوٹی جہت لگائے والے کا سزا
۳۴۱	غلام کو آزاد کرنے کا بیان	۳۳۶	غلام کو غلامی خطا مارنے کا نظارہ
۳۴۱	آزادی کی شرعی حیثیت	۳۳۷	اولاد کی کمائی باپ کا حق ہے
۳۴۱	آزاد کرنے کی شرط	۳۳۷	مرلے کے حق میں جہیم کے مال کا حکم
۳۴۱	آزاد کرنے کی حدیں	۳۳۸	غلاموں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید
۳۴۱	برودہ کو آزاد کرنے کا اجر	۳۳۸	اپنے مملوک کے ساتھ بد سلوکی کرنے والے کے بارہ میں وحید
۳۴۲	گماں قیمت اور اپنا بندیدہ غلام آزاد کرنا زیادہ بہتر ہے	۳۳۸	اپنے مملوک کے ساتھ حسن سلوک خرید و برکت کا باعث ہے
۳۴۳	برودہ کو آزاد کرنے سے برودہ کی آزادی میں سود کرنے کی افضلیت	۳۳۹	اگر غلام ہمارا کھاتے ہوئے خدا کا واسطہ دے تو اپنا ہاتھ روک لو
۳۴۵	کسی غلام کے حق میں سفارش کرنا بہترین صدقہ ہے	۳۳۹	کمن من برودہ (غلام) کو اس کی ماں و غیرہ سے الگ نہ کرو
۳۴۵	مشترک غلام کو آزاد کرنے، قرابتدار کو خریدنے اور بیماری کی حالت میں آزاد کرنے کا بیان	۳۴۱	غلام پر احسان کرنے کا اجر
۳۴۶	مشترک غلام کو آزاد کرنے کے بارے میں ایک روایت	۳۴۱	قرازی کو مارنے کی ممانعت
		۳۴۱	مملوک کی خطائیں معاف کرنے کا حکم
		۳۴۲	مملوک کے بارہ میں ایک ہدایت
		۳۴۲	چونو روں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم
		۳۴۳	مال جہیم کے بارہ میں حکم خداوندی
		۳۴۳	باپ بیٹوں یا دو بھائیوں میں جہدائی نہ ڈالو
		۳۴۳	کون لوگ برے ہیں

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۷۶	تو قسم پر موقوفہ نہیں ہوگا	۴۵۷	صالحین کی مستقل حدیث
۴۷۷	غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت	۴۵۷	مرض الموت میں اپنے تمام غلام آزاد کر کے اپنے ورثہ کی حق تلفی نہ کرو
۴۷۸	اسلام سے بخاری کی قسم کا مسئلہ	۴۵۸	عذر غلام کو بیعتا جائز ہے یا نہیں؟
۴۷۸	آنحضرت بعض مواقع پر کس طرح قسم کھاتے تھے	۴۵۹	ذی رحم محرم ملکیت میں آتے ہی آزاد ہو جاتا ہے
۴۷۹	قسم کے ساتھ "انشاء اللہ" کہنے کا مسئلہ	۴۶۰	مذہب اپنے آقا کی وفات کے بعد آزاد ہو جاتی ہے
۴۷۹	غیر مناسب قسم تو زور و اس کا کفارہ دو	۴۶۱	اگر آزادی کے وقت غلام کے پاس کچھ مال ہو تو آقا کی اجازت کے بعد غنی وہ اس مال کا مالک ہوگا
۴۸۰	نذروں کا بیان	۴۶۱	آزادی جزوی طور پر واقع ہوتی ہے یا نہیں؟
۴۸۰	نذر کی ممانعت	۴۶۱	مشروط آزادی کا ایک واقعہ
۴۸۰	جس نذر کو پورا کرنے میں گناہ ہوتا ہو اسے پورا نہ کرو	۴۶۲	مکاتب جب تک پورا بدل کتابت اور نہ کر دے غلام ہی رہے
۴۸۱	نذر کا کفارہ	۴۶۲	عورتوں کو اپنے مکاتب غلام سے پردہ کا حکم
۴۸۱	نذر کی جن باتوں کو پورا کرنا ممکن نہ ہو ان کو پورا نہ کرنے کی اجازت	۴۶۳	مکاتب کی طرف سے بدل کتابت کی جزوی عدم ادائیگی کا مسئلہ
۴۸۳	نذر مانگنے والے کے ورثہ پر نذر پوری کرنا واجب ہے یا نہیں؟	۴۶۳	مالی عبادت کا ثواب میت کو پہنچتا ہے
۴۸۳	اپنا سارا مال خیرات کر دینے کی ممانعت	۴۶۵	غیر مشروط طور پر غلام خریدنے والا اس غلام کے مال کا حقدار نہیں ہوگا
۴۸۳	گناہ کی نذر کو پورا کرنا جائز نہیں	۵۶۵	قسموں اور نذروں کا بیان
۴۸۵	غیر معین نذر کا کفارہ	۴۶۵	قسم کی قسمیں اور ان کے احکام
۴۸۵	صرف اس نذر کو پورا کرو جو جا کر ہے	۴۶۶	قسم کا کفارہ
۴۸۶	دف بجانے کی نذر کو پورا کرنے کا حکم	۴۶۶	قسم کے دیگر احکام و مسائل
۴۸۶	چٹائی مانی سے زیادہ عرصہ کرنے کی ممانعت	۴۶۷	نذر اور اس کے احکام
۴۸۷	کسی خاص جگہ نذر پڑنے کی نذر مانی جائے اور پھر اس نماز کو کسی دوسری جگہ پڑھ لیا جائے تو نذر پوری ہو جائے گی یا نہیں؟	۴۷۱	غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت
۴۸۸	نذر کا کوئی جزو اگر ناممکن فعل ہو تو اس کا کفارہ	۴۷۲	اسلام کے خلاف کسی دوسرے مذہب کی قسم کھانے کا مسئلہ
۴۸۹	ناجائز نذر کا کفارہ دو بتاوا واجب ہے	۴۷۳	اگر قسم توڑ دینے ہی میں بھلائی ہو تو اس قسم کو توڑ دینا چاہئے
۴۹۰	چاؤ اور ناچاؤ نذر	۴۷۶	کسی ترازو کی صورت میں قسم دینے والے کی نیت کا اعتبار
۴۹۰	جان قربان کرنے کی نذر کا مسئلہ		ہوگا

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۹۲	قتل سے دیت لینے کے بعد پھر اس کو قتل کر دینا ناقابل	۴۹۲	قصاص کا بیان
۴۹۲	معاہی جرم ہے	۴۹۲	خون مسلم کی حرمت
۵۱۰	زخمی کر دینے والے کو معاف کر دینے کا اجر	۴۹۳	خون ناقص رخصت خداوندی سے عروہم کر دیتا ہے
۵۱۰	ایک آدمی کو کئی آدمی مل کر قتل کریں تو سب ہی قصاص کے	۴۹۳	قیامت میں سب سے پہلے خون کے بارہ میں پریش ہوگی
	سزاوار ہوں گے	۴۹۳	جس شخص نے کلمہ پڑھ لیا وہ معصوم الدم ہو گیا
۵۱۰	قیامت کے دن مقتول اپنے قاتل کو پکڑ کر خدا سے فریاد کرے	۴۹۵	معاہد کو قتل کرنے کی ممانعت
	گا	۴۹۶	خود کشی حرام ہے
۵۱۱	قاتل کی مدد کرنے والے کے بارہ میں وعید	۴۹۷	خود کشی کے بارہ میں ایک سبق آموز واقعہ
۵۱۱	قاتل کے مددگار کو قتل پر قیاد کیا جائے	۴۹۷	مقتول کے در ثاء کو قصاص اور دیت دونوں میں سے کسی کا ایک
۵۱۲	دیات کا بیان		کو لینے کا اختیار ہے
۵۱۲	دیت کے معنی اور اس کی قسمیں	۴۹۸	عورت کے مرد قاتل کو قتل کیا جاسکتا ہے
۵۱۲	انگل کاٹنے کی دیت	۴۹۹	جو بیٹا کرے اس کو بیٹی ہی سزاوار
۵۱۳	حمل کے بچہ کی دیت	۵۰۰	مقتول کا فر کے بدلے میں قاتل مسلمان کو قتل کیا جاسکتا ہے یا
۵۱۳	چکر کے ذریعہ قتل ہونے والے کی دیت واجب ہوگی		نہیں؟
۵۱۳	قتل خطا اور شہر عمد کی دیت	۵۰۱	خون مسلم کی اہمیت
۵۱۵	خلفاء اعضاء جسم کی دیت	۵۰۲	قیامت کے دن مقتول کا استغاثہ
۵۱۷	دیت کے اعتبار سے تمام انگلیاں برابر ہیں	۵۰۲	اپنی مظلومیت کے دن حضرت عثمانؓ کی تقریر
۵۱۸	ذی کافر کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے	۵۰۳	قاتل، توفیق خیر سے عروہم رہتا ہے
۵۱۹	قتل خطا کی دیت	۵۰۳	قتل ناحق، ناقابل معافی جرم ہے
۵۲۰	دیت کی بنیاد اونٹ پر ہے	۵۰۳	باپ سے اولاد کو قصاص نہ لیا جائے
۵۲۱	امام شافعیؒ کی مسئلہ حدیث	۵۰۳	باپ بیٹے ایک دوسرے کے جرم میں قاتل مواخذہ ہیں
۵۲۱	دیت، مقتول کے در ثاء کا حق ہے	۵۰۵	بیٹے سے باپ کا قصاص لیا جائے
۵۲۱	قتل شہر عمد کے مرتکب کو سزائے موت نہیں دی جاسکتی	۵۰۵	غلام کے قصاص میں آزاد کو قتل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟
۵۲۲	زخم خوردہ آنکھ کی دیت	۵۰۶	قاتل کو مقتول کے در ثاء کے حوالے کر دیا جائے
۵۲۲	پیش کے بچہ کی دیت	۵۰۶	قصاص و دیت کے بارہ میں سب مسلمان برابر ہیں
۵۲۳	جملی طیبہ اگر کسی کی موت کا باعث بنے تو وہ ضامن ہوگا	۵۰۸	مقتول یا زخم خوردہ کے در ثاء کا حق
۵۲۳	دیت کی معافی کا ایک واقعہ	۵۰۸	قتل خطا کا حکم
۵۲۳	قتل شہر عمد اور قتل خطا کی دیت	۵۰۹	قتل کی قسمیں

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۳۶	مرتدوں اور فساد برپا کرنے والوں کو قتل کر دینے کا بیان	۵۳۳	پیش کے بچہ کی ویت
۵۳۶	مرتد کے کہتے ہیں؟	۵۳۵	جنایات کی جن صورتوں میں تاوان واجب نہیں ہوتا ان کا بیان
۵۳۶	مرتد کے بارہ میں حکم	۵۳۵	جانور کے مارنے کا ان میں وب جانے اور کنوئیں میں گر جانے کا کوئی تاوان نہیں
۵۳۶	فساد برپا کرنے والے کون ہیں؟	۵۳۶	مراغت میں کوئی تاوان واجب نہیں ہوتا
۵۳۷	ارتداد اور مرتد کے بارہ میں کچھ تفصیلی مسائل و احکام	۵۳۷	اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مر جانے والا شہید ہے
۵۴۰	وہ موجب کفر جن کا تعلق ایمان و اسلام سے ہے	۵۳۸	گھر میں جھانکنے والے کو زخمی کرونا معاف ہے
۵۴۱	وہ موجب کفر جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے ہے	۵۳۸	خواہ عوام سنگریاں نہ بھیٹو
۵۴۵	وہ موجب کفر جن کا تعلق انبیاء علیہ الصلوٰۃ و السلام سے ہے	۵۳۹	مجموع اور بازار میں ہتھیاروں کو احتیاط کے ساتھ رکھ کر کسی مسلمان کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرو
۵۴۹	وہ موجب کفر جن کا تعلق نماز، روزہ اور زکوٰۃ سے ہے	۵۴۰	دین یا کسی کو سخت اذیت میں مبتلا کرنے والا خود آخرت میں عذاب الہی میں گرفتار ہوگا
۵۵۱	وہ موجب کفر جن کا تعلق علم اور علماء سے ہے	۵۴۰	ظلم کے حاشیہ برداروں پر غضب خداوندی
۵۵۲	وہ موجب کفر جن کا تعلق حلال و حرام اور فاسق و فاجر وغیرہ کے کلام سے ہے	۵۴۱	ناروا فیشن کرنے والی عورتوں کے بارہ میں وعید
۵۵۳	وہ موجب کفر جن کا تعلق یوم قیامت اور قیامت سے متعلق چیزوں سے ہے	۵۴۱	کسی کے منہ پر نہ مارو
۵۵۳	وہ موجب کفر جن کا تعلق تلقین کفر و ارتداد وغیرہ سے ہے	۵۴۲	غیر کے گھر میں بلا اجازت جھانکنے اور داخل ہونے والا قاتل تصور ہے
۵۶۰	مرتد کی مزا قتل ہے	۵۴۳	ہاتھ میں نکلی تلوار رکھنے کی ممانعت
۵۶۰	کسی کو آگ میں جلائے کی مزانہ دو	۵۴۳	انگلیوں کے درمیان ہتھکڑی کی ممانعت
۵۶۰	فرق خوارج کی نشاندہی	۵۴۳	اپنے دین، اپنی جان، اپنے مال اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت میں مارا جائے والا شہید ہے
۵۶۱	خوارج کے بارہ میں علماء کا فیصلہ	۵۴۳	مسلمان پر تلوار اٹھانے والے کے بارہ میں وعید
۵۶۱	خوارج کے بارے میں آنحضرت کی پیش گوئی	۵۴۳	قسامت کا بیان
۵۶۲	مسلمان کا مسلمان کو قتل کرنا کفر کے قریب پہنچ جاتا ہے	۵۴۳	قسامت میں مدئی سے قسم لی جائے یا مدعا علیہ سے
۵۶۳	مرتد اور قزاقوں کی سزا	۵۴۵	قسم کی ابتدا مدعا علیہ سے ہونی چاہئے
۵۶۳	مشک کی ممانعت		
۵۶۳	جانوروں کے تئیں آنحضرت کا جذبہ رحمت		
۵۶۵	ایک باطل فرقہ کے بارے میں پیش گوئی		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۸۰	اقامت حد، گناہ کو ساقط کر دیتی ہے	۵۶۷	دو تین صورتیں جن میں ایک مسلمان کو سزائے موت دی جاسکتی ہے
۵۸۳	بدکار کو زندگی کی سزا	۵۶۸	کسی مسلمان کو خوف و دہشت میں جکڑا کر قتل کی ممانعت
۵۸۳	مریض پر حد جاری کرنے کا مسئلہ	۵۶۸	اسلام کی عزت کا کفر کی ذلت سے سودا نہ کرو
۵۸۵	اگر زنا کا اقرار ہی مجرم اپنے اقرار سے رجوع کرے تو حد ساقط ہو جائے گی یا نہیں؟	۵۶۸	مسلمان، کافروں میں مخلوط نہ رہیں
۵۸۶	باعض کا اعتراف جرم	۵۶۹	پلا تحقیق حال کسی کو قتل نہ کرو
۵۸۶	دوسروں کے عیب کی پردہ پوشی کرو	۵۶۹	دارالحرب بھاگ جانے والے غلام کو قتل کر دینے والا
۵۸۷	کسی حاکم کو حد معاف کرنے کا اختیار حاصل نہیں	۵۷۰	مستوجب مواخذہ نہیں
۵۸۷	عزت داروں کو لفظ شوش سے ورگذر کرنا چاہئے	۵۷۰	آنحضرت کی شان میں گستاخی کرنے والا ذی سباح اللہ ہے یا نہیں؟
۵۸۸	شیہ کا فائدہ طرم کو ملنا چاہئے	۵۷۰	ساحر کو قتل کر دیا جائے
۵۸۹	زنا بالجبر میں صرف مرد پر حد جاری ہوگی	۵۷۱	بغاوت کی سزا قتل ہے
۵۹۰	ایک زنا کی دو سزائیں	۵۷۱	خوارج کے متعلق پیشین گوئی
۵۹۰	بیار مجرم پر حد جاری کرنے کا طریقہ	۵۷۲	قیامت کے دن اہل حق کے چہرے منور اور اہل باطل کے چہرے سیاہ ہوں گے
۵۹۰	انظام کی سزا	۵۷۳	
۵۹۱	جانوروں کے ساتھ بد فعلی کرنے والے کی سزا	۵۷۳	
۵۹۲	انظام بدترین برائی ہے	۵۷۳	
۵۹۲	ایک ہی شخص کو پہلے زنا کی سزا اور پھر جہت زنا کی سزا	۵۷۳	
۵۹۲	حضرت عائشہؓ پر جہت لگانے والوں کو سزا	۵۷۳	
۵۹۳	زنا بالجبر میں صرف زانی حد کا سزا دار ہوگا	۵۷۳	
۵۹۳	باعض کے واقعہ زنا کی ایک اور تفصیل	۵۷۳	
۵۹۳	زنا اور رشوت کی کثرت کا وبال	۵۷۳	
۵۹۵	انظام، لعنت کا باعث ہے	۵۷۳	
۵۹۶	جانوروں کے ساتھ بد فعلی کرنے والا حد کا سزا دار نہیں ہوتا	۵۷۳	
۵۹۶	حد جاری کرنے میں کوئی فرق و امتیاز نہ کرو	۵۷۳	
۵۹۶	حد جاری کرنے کے دوران فوائد	۵۷۳	
۵۹۷	چور کے ہاتھ کاٹنے کا بیان	۵۷۳	
۵۹۷	سرقہ کے معنی	۵۷۳	
۵۹۷	چور کی سزا اور اس کا نصاب	۵۷۳	
			کتاب الحدود
			حدود کا بیان
			حد کے معنی
			سزائی تفصیل
			حد اور تعزیر میں فرق
			بارگاہ نبوت سے زنا کے ایک مقدمہ کا فیصلہ
			غیر محسن زانی کی سزا، محسن زانی کی سزا
			شادی شدہ زانی اور زانیہ کو سنگسار کیا جائے
			زنا کے اقرار ہی مجرم کے بارے میں آنحضرت کا فیصلہ رحم
			مساجد میں حد تعزیر جاری نہ کی جائے
			جب تک کہ زانی کے بارے میں پوری تحقیق نہ کر لو اس کی سزا
			کا فیصلہ نہ کرو

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۶۱۲	شرابی کو قتل کر دینے کا حکم منسوخ ہے	۵۹۸	نصاب سرقہ کے بارہ میں امام شافعی کی مسئلہ حدیث
۶۱۲	شرابی کی تہقیر	۵۹۸	ذہال کی قیمت کے تعین میں اختلافی اقوال
۶۱۳	شرابی کو سزا دو اس کو عار ولاؤ لیکن اس کے حق میں بددعا نہ کرو	۵۹۸	تمام ائمہ کے مسلک کے خلاف ایک حدیث اور اس کی وضاحت
۶۱۳	شیوت جرم کے بغیر سزا نہیں	۵۹۹	بچل وغیرہ کی چوری میں قطعید کی سزا ہے یا نہیں؟
۶۱۳	جو شخص سزا کوڑے کھاتا ہوا مر جائے اس کی دیت واجب نہیں	۶۰۰	غیر مملوک پہاڑی جانوروں پر چوری کا اطلاق نہیں ہوگا
۶۱۵	حضرت عمرؓ کی طرف سے شراب نوشی کی سزا کا تعین	۶۰۱	لیرے کی سزا قطعید نہیں ہے
۶۱۵	جس پر حد جاری کی جائے اس کے حق میں بددعا نہ کرنے کا بیان	۶۰۱	غاسق، قطعید کا سزاوار نہیں
۶۱۵	کسی کھجور پر لعنت بھیجنا جائز ہے	۶۰۲	سفر چاد میں چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے
۶۱۶	جو مجرم سزا پا چکا ہے اس کی تہذو و زری مردار کھانے کے مترادف ہے	۶۰۲	دوبارہ اور سہ بارہ چوری کی سزا
۶۱۷	حد گناہ کو مٹا دیتی ہے	۶۰۲	چور کا کان ہوا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکا دیے کا سکہ
۶۱۷	جس گناہ پر حد جاری ہو چکی ہے اس پر آخرت میں مواخذہ نہیں ہوگا	۶۰۳	جو غلام چوری کرنے لگے اس کو بیچ ڈالو
۶۱۸	اپنے گناہ کی پردہ پوشی کرنا اس کو ظاہر کرنے سے بہتر ہے	۶۰۵	مجرم کو معاف کر دینے کا حق حاکم کو حاصل نہیں ہے
۶۱۸	تغزیر کا بیان	۶۰۵	اگر غلام اپنے مالک کی چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا
۶۱۸	حد اور تغزیر میں فرق	۶۰۵	کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے یا نہیں؟
۶۱۸	بلور تغیر زیادہ سے زیادہ کتنی سزا دی جاسکتی ہے	۶۰۶	حد و دو کے مقدمہ میں سفارش کا بیان
۶۱۹	مجرم کے منہ پر نہ مارو	۶۰۶	حد و دو میں سفارش قبول نہیں کی جاسکتی
۶۱۹	بد زبانی کی سزا	۶۰۸	حد میں سفارش کرنے والا گویا خدا کے حکم کی مخالفت کرنے والا ہے
۶۲۰	مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کی سزا	۶۰۸	اقرار جرم پر چوری کی سزا
۶۲۰	شراب کی حقیقت اور شراب پینے والے کے بارے میں وعید کا بیان	۶۰۹	شراب کی حد کا بیان
۶۲۰	غریب کو کہتے ہیں؟	۶۰۹	شراب کی حرمت
		۶۱۰	شراب نوشی کی سزا
		۶۱۰	سزا کا نفاذ
		۶۱۱	آنحضرتؐ کے زمانے میں شراب نوشی کی سزا
		۶۱۱	ابھی کوڑے کی سزا عہد صحابہ میں متعین ہوئی تھی

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۶۳۲	امیر کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے	۶۳۱	نشد آور چیزوں کی قسمیں
۶۳۲	اگر کسی کسٹر شخص کو امیر بتایا جائے تو اس کی اطاعت بھی ضروری ہے	۶۳۲	شراب کن چیزوں سے بنتی ہے؟
۶۳۵	غیر شرعی حکم کی اطاعت واجب نہیں	۶۳۳	پہلے زیادہ تر سمجھو سے شراب بنتی تھی
۶۳۵	اطاعت و فرمانبرداری کا عہد	۶۳۳	ہر نشہ آور مشروب حرام ہے
۶۳۶	فسق و فجور محل منصب کی بنیاد بن سکتا ہے یا نہیں؟	۶۳۴	جو شخص اس دنیا میں شراب پئے گا وہ شراب ظہور سے محروم رہے گا
۶۳۶	فرمانبرداری بقدر طاقت	۶۳۴	شرابی کے بارے میں وعید
۶۳۷	ملت کی اجتماعیت میں ہر خدی لٹے والے کے بارے میں وعید	۶۳۴	نبی کے بارے میں ایک حکم
۶۳۸	بہترین دہتر ترین حاکم	۶۳۵	شراب کا سرکہ بنا کر اس کو کھانے پینے کے کام میں لانا جائز ہے
۶۳۹	حاکم کی بے راہ روی پر اپنی گول کو کتا ہر مسلمان کی ایک ذمہ داری ہے	۶۳۶	شراب کو دوائے طور پر بھی استعمال کرنا جائز نہیں ہے
۶۳۹	اگر حاکم کی طرف سے کسی کی حق تلفی ہو تب بھی اس کی فرمانبرداری کی جائے	۶۳۶	کسی حرام چیز میں اللہ نے شفا نہیں رکھی
۶۴۰	امام کی اطاعت سے دستبردار ہونے والے کے بارے میں وعید	۶۳۷	شراب نوشی کا وبال
۶۴۰	خلیفہ و امیر کی موجودگی میں اگر کوئی دوسرا شخص خلافت و امارت کا دعویٰ کرے تو اسی کو تسلیم نہ کرو	۶۳۷	نشد آور چیز کی قلیل مقدار بھی حرام ہے
۶۴۱	جو شخص امت میں تفرقہ پیدا کرے اس کو موت کے گھاٹ اتار دو	۶۳۷	شراب کن چیزوں سے بنتی ہے؟
۶۴۳	حکومت و امارت کے طالب نہ بنو	۶۳۸	شراب مال مستحق نہیں ہے
۶۴۳	جو شخص کسی عہدہ و منصب کا خود طلبگار ہو اس کو اس منصب پر فائز نہ کرو	۶۳۹	ہر مسکرو مفتخر چیز حرام ہے
۶۴۴	حکومت و امارت سے انکار کرنے والا بہترین شخص ہے	۶۳۹	شراب نوشی کی کسی حال میں اجازت نہیں
۶۴۵	قیامت کے دن ہر شخص کو اپنی ذمہ داری کی جوابدہی کرنی ہوگی	۶۳۹	شراب اور جوئے کی ممانعت
۶۴۵	خائن و ظالم حاکم کے بارے میں وعید	۶۴۰	شرابی جنت میں داخل نہیں ہوگا
	رعایا کے حق میں بھلائی و خیر خواہی نہ کرنے والا حاکم جنت کی	۶۴۰	شراب کے بارے میں ایک وعید
		۶۴۱	والدین کی نافرمانی کرنے والے، دیوث اور شرابی پر جنت کے دروازے بند ہیں
		۶۴۲	شراب نوشی بت پرستی کے مترادف ہے
		۶۴۳	کتاب الامارۃ والقضاء
		۶۴۳	امارت و قضا کا بیان
		۶۴۳	اسلام اور حکومت

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۵۷	ہلاؤ نہ تو اسٹین نو اور نہ ٹم بنو	۲۴۶	بوسے بھی محروم رکھا جائے گا
۲۵۸	حکراں کے حق میں حکومت کے تین تدوینی مرحلے	۲۴۶	بدترین حاکم وہ ہے جو اپنی رعایا پر ظلم کرے
۲۵۸	حضرت سلویہؑ کے حق میں آنحضرتؐ کی پیش گوئی	۲۴۶	عادل حکمران کا مرتبہ عظیم
۲۵۹	آلے والے زمانے کے بارے میں ایک پیش گوئی	۲۴۷	ہر حاکم و امیر کے ہمراہ پیشہ دو متضاد طاقتیں رہتی ہیں
۲۵۹	جیسے عمل کرو گے ویسے ہی حکمران مقرر ہوں گے	۲۴۸	آنحضرتؐ کے ہاں حضرت قیس بن سعد کا منصب
۲۶۰	بادشاہ روئے زمین پر خدا کا سایہ ہوتا ہے	۲۴۸	عورت کو اپنا حاکم بنانے والی قوم بھی صلاح نہیں پانکتی
۲۶۰	قیامت کے دن سب سے بلند مرتبہ ترم خواہ اور عادل حکمران ہوگا	۲۴۸	ملت کی اجتماعی ہیئت سے علیحدگی اختیار کرنے کے بارے میں
۲۶۱	کسی مسلمان کو محض ڈرنا دھمکانا بھی عذاب کا سزاوار کرنا ہے	۲۴۹	امیر و والی کی اہانت نہ کرو
۲۶۱	حکراں کے ظلم پر اس کو برا بھلا کہنے کی بجائے اپنے اعمال درست کرو	۲۵۰	اگر امیر و حاکم کسی گناہ کا حکم دے تو اس کی اطاعت نہ کرو
۲۶۲	حاکموں پر آسانی و نرمی کے واجب ہونے کا بیان	۲۵۰	امیر و حاکم کا انجام
۲۶۲	حکراں کو اپنی رعایا کے ساتھ نرم روی اختیار کرنی چاہئے	۲۵۰	قیامت کے دن امراء و حکام کی خسرتاکی
۲۶۳	قیامت کے دن مہد شکن کی رسوائی	۲۵۱	اکڑچھو دھری و وزخ میں چاہئیں گے
۲۶۳	رعایا کی ضروریات پوری نہ کرنے والے حکمران کے بارے میں	۲۵۱	احق سردار و حاکم سے خدا کی پناہ چاہو
۲۶۳	محمد و عید	۲۵۲	سربراہان حکومت کی حاشیہ نشینی دین و دنیا کی تباہی کا باعث ہے
۲۶۳	رعایا پر اپنے دروازے بند رکھنے والے حاکم پر رحمت خداوندی کے دروازے بند ہوں گے	۲۵۳	لوگوں سے خلاف شرع محصول و ٹیکس وصول کرنے والا
۲۶۳	اپنے حکام کو حضرت عمر فاروقؓ کی ہدایات	۲۵۳	حاکم جنت سے محروم رہے گا
۲۶۳	منتصب قضا کی انجام دہی اور اس سے ڈرنے کا بیان	۲۵۳	امام عادل کی فضیلت
۲۶۵	خدا کی حالت میں قضا کا فیصلہ نہ کیا جائے	۲۵۳	ظالم حاکم کے سامنے حق گوئی سب سے بہتر چہاؤ ہے
۲۶۵	قاضی کو اجتہاد کا اختیار ہے	۲۵۳	ظالم حکمران کے سامنے حق گوئی کا انداز
۲۶۶	منتصب قضا ایک اگلا ہے	۲۵۵	حکراں کے صالح مشیر و کار اس صلاح کا باعث ہوتے ہیں
۲۶۶	قاضی بننے کی خواہش نہ کرو	۲۵۵	رعایا کے تین حکمران کا شک و شبہ عام انتشار و بدولی کا باعث ہے
			حق بتا دینے والے حاکم کے خلاف تلواریں اٹھانے سے صبر کرنا بہتر ہے
			امام عادل کی فضیلت
			حکمرانوں کے ظلم سے آنحضرتؐ کا خوف

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۶۸۰	بغیر طلب کے گواہی دینی چاہئے یا نہیں؟	۶۸۷	جنتی اور دوزخی قاضی قیاس اور اجتہاد پر حق ہے
۶۸۱	جھوٹی گواہی دینے والوں کے بارے میں پیشین گوئی	۶۸۸	مدعا علیہ کا بیان نہ بغیر مدعی کے حق میں فیصلہ نہ کیا جائے
۶۸۱	قسم کے لئے قرعہ ڈالنے کا ذکر	۶۸۹	قیامت کے دن ظالم حاکم کا احتیاج
۶۸۲	گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ اور قسم کھانا مدعیہ کے ذمہ ہے	۶۸۹	قیامت کے دن قاضی کی حسرت کا آرزو
۶۸۲	اگر ایک ہی جج کے دو مدعی ہوں تو وہ چیز ان میں تقسیم کر دی جائے	۶۹۰	عادل و منصف قاضی کو حق تعالیٰ کی توفیق و تائید حاصل رہتی ہے
۶۸۳	قاضی کے حق میں فیصلہ	۶۹۰	منصب تقابل قبول کرنے سے حضرت ابن عمر کا انکار
۶۸۳	دو مدعیوں کے درمیان متنازع مال کی تقسیم	۶۹۱	حکام کو تنخواہ اور ہدا یا تحائف دینے کا بیان
۶۸۵	مدعا علیہ کی قسم	۶۹۱	بارگاہ رسالت سے مال کی تقسیم
۶۸۵	مدعا علیہ کو حلف کا حق دیا جائے گا خواہ وہ جھوٹا ہی کیوں نہ ہو	۶۹۲	قوی خزانے اور بیت المال میں ناقص تصرف کرنے والے کے بارے میں وعید
۶۸۶	جھوٹی قسم کے ذریعہ دوسرے کا مال ہتھ پکڑنے والے کے بارے میں وعید	۶۹۲	امام وقت بیت المال سے اپنی تنخواہ لینے کا حقدار ہے
۶۸۷	جھوٹی قسم کھانا ایک بڑا گناہ ہے	۶۹۲	طلیل القدر صحابہ کی تمنا تیں
۶۸۸	جھوٹی گواہی شریک کے برابر ہے	۶۹۲	تنخواہ سے زیادہ لینا خیانت ہے
۶۸۸	کن لوگوں کی گواہی کا اعتبار نہیں؟	۶۹۳	عالم کی اجرت، حضرت معاویہؓ کو ہدایت
۶۹۱	شہری کے حق میں یا اس کے خلاف جنگی کی شہادت قبول ہوگی یا نہیں؟	۶۹۳	چلا تنخواہ حاکم کے مصارف کا بیت المال کفیل ہوگا
۶۹۱	اپنے معاملے مقدمہ میں دوائی اور ہوشیاری کو ملحوظ رکھو	۶۹۴	قوی حاصل وہ بیت المال میں خیانت نہ کرو
۶۹۲	مذہب کو قید کرنا شرعی سزا ہے	۶۹۴	رشوت دینے لینے پر آنحضرتؐ کی لعنت
۶۹۳	مدعی اور مدعا علیہ دونوں حاکم کے سامنے موجود ہیں	۶۹۵	حلال ذرائع سے کمایا ہوا مال اچھا چیز ہے
۶۹۳		۶۹۵	سفارش کرنے والا کوئی بدیہ و خمنہ قبول نہ کرے
۶۹۳	کتاب الجہاد	۶۹۶	قتلیوں اور شہادتوں کا بیان
۶۹۳	جہاد کا بیان	۶۹۶	مدعی کا دعویٰ گواہوں کے بغیر مستبر نہیں
۶۹۳	جہاد کے معنی	۶۹۶	عدالت میں جھوٹی قسم کھانے والے کے بارے میں وعید
۶۹۳	جہاد کا نصب العین	۶۹۹	مدعا علیہ کی قسم کا اعتبار کیا جائے خواہ وہ حقیقت میں جھوٹی ہی ہو
۶۹۳	جہاد کا حکم		
۶۹۵	کون سا جہاد افضل ہے؟	۶۸۰	جہاد دعویٰ کرنے والے کا لھکا نہ دوزخ ہے
۶۹۶	جہاد کرنے والوں کی فضیلت	۶۸۰	بہترین گواہ کون ہے؟

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۷۰۷	حقیقی مجاہد کون ہے؟	۶۹۶	آنحضرت کا جذبہ جہاد اور شوق شہادت
۷۰۷	غزیر کی بنا پر جہاد میں نہ جانے والے کا حکم	۶۹۷	جہاد میں معمولی درجہ کی شرکت بھی دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے
۷۰۸	بائیں باپ کی خدمت کا درجہ	۶۹۷	جہاد میں ایک دن اور ایک رات کی چوکیداری ایک مہینے کے روزے اور شب بیداری سے بہتر ہے
۷۰۸	فتح مکہ کے بعد ہجرت کی فریضت ختم ہو گئی	۶۹۸	جہاد میں شرکت و زرع سے محفوظ رکھنے کی ضمانت ہے
۷۰۹	دین کی سرپرستی کے لئے امت محمدی کی کوئی نہ کوئی جماعت	۶۹۸	کافر کو مارنے والے مجاہد کے بارے میں ایک خاص بشریت
۷۱۰	بیش بر سر جہاد رہنے کی	۶۹۸	بہترین زندگی کون سی ہے؟
۷۱۰	جہاد میں کسی طرح بھی شرکت نہ کرنے والے کے بارے میں وعید	۶۹۹	گوشہ گزینی افضل ہے یا نہ اہلقت؟
۷۱۰	جان و مال اور زبان کے ذریعہ جہاد کا حکم	۶۹۹	مجاہد کا سامان جنگ تیار کرنا اور اہل و عیال کی نگہبانی کی فضیلت
۷۱۰	جنت کے وارث	۷۰۰	مجاہدین کی عورتوں کے احرام کا حکم
۷۱۱	جہاد میں پاسبانی کی فضیلت	۷۰۰	جہاد میں مالی مدد کرنے کی فضیلت
۷۱۱	جہاد میں شرکت نہ کرنے والے کی فضیلت	۷۰۰	مجاہد کے گھریلو کی نگہبانی کرنے کی فضیلت
۷۱۱	جہاد میں مال و اسباب خرچ کرنے کی فضیلت	۷۰۱	بیش امت محمدی کی کوئی نہ کوئی جماعت بر سر جہاد رہے گی
۷۱۲	مجاہد کی فضیلت	۷۰۱	خدا کی راہ میں زخمی ہونے والا مجاہد قیامت کے دن اسی حال میں اٹھے گا
۷۱۲	جہاد کی برتری و فضیلت	۷۰۱	شہادت کی فضیلت
۷۱۳	جہاد میں پاسبانی کی فضیلت	۷۰۱	شہداء کی حیات بعد الموت کے بارے میں آیہ کریمہ کی تفسیر
۷۱۳	شہداء و ابتداء ہی جنت میں داخل کئے جائیں گے	۷۰۲	جہاد حقوق العباد کے علاوہ تمام گناہوں کو مٹاتا ہے
۷۱۳	افضل مجاہد و افضل شہید	۷۰۳	وہ قاتل و مقتول جو جنت میں جائیں گے
۷۱۵	شہداء پر حق تعالیٰ کے انعامات	۷۰۳	شہادت کی طلب صادق کی فضیلت
۷۱۵	جہاد میں شرکت نہ کرنے والے کے بارے میں وعید	۷۰۳	شہداء کا مسکن فردوس اعلیٰ ہے
۷۱۶	شہید، قتل کی اذیت سے محفوظ رہتا ہے	۷۰۵	شہید کی منزل جنت
۷۱۶	جہاد میں موکن کا بیٹے والا قطرہ خون خدا کے نزدیک محبوب ترین چیز ہے	۷۰۶	شہداء کی انقسام
۷۱۷	بلا ضرورت شرعی عری سفر کی ممانعت	۷۰۶	مجاہد کے اجر کی تفسیر
۷۱۷	پانی کے سفر میں مرنے والا شہید کا درجہ پانے کا	۷۰۶	جس مومن کے دل میں جذبہ جہاد نہ ہو وہ منافق کی طرح ہے
۷۱۸	جہاد میں کسی بھی طرح مرنے والا شہید ہے		
۷۱۸	مجاہد اپنے مگر لوٹ آنے پر بھی جہاد کا ثواب پاتا ہے		
۷۱۸	جامل کو جہاد کا درجہ ثواب ملتا ہے		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۷۳۱	آنحضرت کی طرف سے تیر اندازی کی مکمل ترغیب	۷۱۹	بلا اجرت جہاد نہ کرنے والے کے بارے میں وعید
۷۳۱	حضرت ابو طلحہ کی تیر اندازی	۷۱۹	اجرت پر جہاد میں جانے والے کا مسئلہ
۷۳۱	گھوڑوں کی فضیلت	۷۲۰	کسی دنیاوی غرض سے جہاد کرنے والا ثواب سے محروم رہتا ہے
۷۳۲	اشکل گھوڑا ناپہنچیدہ	۷۲۱	حقیقی جہاد کس کا ہے؟
۷۳۳	گھوڑ دوڑ کا ذکر	۷۲۱	ناموری کے لئے جہاد کرنے والے کے بارے میں وعید
۷۳۳	آنحضرت کی ایک اونٹنی کا ذکر	۷۲۱	سرکش امیر کو معزول کر دینا چاہیئے
۷۳۳	جہاد میں کام آنے والا ہتھیار اپنے بنانے والے کو بھی جنت میں لے جائے گا	۷۲۲	اسلام میں رہبانیت کی گنجائش نہیں
۷۳۴	تیر انداز کے ثواب کا ذکر	۷۲۲	جہاد میں اخلاص نیت کا آخری درجہ
۷۳۵	جہاد کی جڑوں میں شرط کامل لینا جا کر ہے	۷۲۳	جہاد جنت میں ترقی درجہات کا باعث ہے
۷۳۶	بازی لگانے کا مسئلہ	۷۲۳	جنت کے دروازے سکواروں کے سامنے نہیں ہیں
۷۳۶	سابقیت میں محمل کے شامل ہونے کا مسئلہ	۷۲۴	شہداء اہل حق کے بارے میں بشارت
۷۳۷	گھوڑ دوڑ میں ”جلب اور جنب“ کی ممانعت	۷۲۴	مومنین کی اعلیٰ جماعت
۷۳۷	پسترن گھوڑے کی علامات	۷۲۵	شہید کی حرمیت
۷۳۸	گھوڑوں کی پیشانی کے بال اور ان کی ایال دوم نہ کالو	۷۲۵	ہر مومن پر شہید کا اطلاق
۷۳۸	گھوڑوں کے بارے میں چند ہدایات	۷۲۶	جہاد میں مال و جان دونوں سے شرکت کرنے والوں کی نفی
۷۳۹	اہل بیت رسول کے عین مخصوص احکام	۷۲۶	شہداء کی حمیت
۷۴۰	گھوڑی پر گدھا چھوڑنے کی ممانعت	۷۲۸	مناقیق کو جہاد میں شریک بھی ہو جائے تو جنت کا حقدار نہیں ہوگا
۷۴۰	سکوار کو گھوڑی بہت چاندی سے مزین کرنا جائز ہے	۷۲۸	جہاد میں پاسبانی کی خدمت انجام دینا بد عملیوں کا کفارہ اور نجات ابدی کا ذریعہ ہے
۷۴۰	جنگ میں حفاظت کے لئے زیادہ سے زیادہ سامان استعمال کرنا توکل کے منافی نہیں ہے	۷۲۹	سامان جہاد کی تیاری کا بیان
۷۴۱	آنحضرت کے جھڑے کا ذکر	۷۲۹	جہاد کے لئے بقدر استطاعت قوت و طاقت فراہم کرنے کا حکم
۷۴۱	آنحضرت کی نظر میں گھوڑوں کی قدر و قیمت	۷۳۰	دشمن جس چیز کو اپنی طاقت کا ذریعہ بنائے تم بھی اس میں
۷۴۱	جنگ میں حقیقی طاقت حق تعالیٰ کی مدد و نصرت سے حاصل ہوتی ہے	۷۳۰	مہارت حاصل کرو
۷۴۲	آداب سفر کا بیان	۷۳۰	تیر اندازی کی اہمیت
۷۵۵	صبح کے وقت سفر شروع کرنے کی فضیلت		
۷۵۶	چھپتی کھال استعمال کرنا ممنوع ہے		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۷۷۳	ہے	۷۵۶	امیر سفر کو سفر کے رفقاء کا خادم ہونا چاہئے
۷۷۳	میدان جنگ سے متعلق ایک فوجی حکم	۷۵۶	کفار کو خطوط لکھنے اور ان کو اسلام کی
۷۷۳	میدان جنگ میں لشکر کی تیاری		دعوت دینے کا بیان
۷۷۳	مجاہدین اسلام کے لئے امتیازی علامات	۷۵۷	کفار کے خلاف اعلان جنگ سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت
۷۷۵	مجاہد کرامؓ جنگ کے وقت شورو و شغب ناپسند کرتے تھے		دینا ضروری ہے
۷۷۵	دشمن کے بڑی عمروالوں کو قتل کرو اور چھوٹوں کو باقی رکھو	۷۵۷	قیصر روم کے نام کتبہ نبویؐ
۷۷۶	دشمن کے شہر اور ان کے کھیت وغیرہ جلاڑا لیا جائے	۷۵۹	کتبہ نبویؐ کے ساتھ شہنشاہ ایران کا تخت آئینہ معاملہ اور
۷۷۶	دشمن پر اس وقت حملہ کرو جب وہ بالکل قریب آجائے		اس پر اس کا وبال
۷۷۶	دشمن کے مزدوروں کو قتل کرنے کی ممانعت	۷۵۹	آنحضرتؐ نے تمام سربراہان مملکت کو خطوط لکھ کر اسلام کی
۷۷۷	مجاہدین کو میدان جنگ بھیجے وقت آنحضرتؐ کی ہدایت		دعوت دی
۷۷۷	ہر کے میدان جنگ میں بڑا فائدہ کہ دعوت مہارت	۷۶۲	جہاد کر لے والوں کے بارے میں چند ہدایات
۷۷۸	نئی ملک لانے کی غرض سے میدان جنگ سے بھاگ آنا جائز	۷۶۳	سورج اٹھنے کے بعد جنگ شروع کرنے کی حکمت
	ہے	۷۶۵	آنحضرتؐ صبح ہونے سے پہلے دشمن آبادی پر حملہ نہیں کرتے
۷۷۹	غزوہ طائف میں خبیث کا استعمال		تھے
۷۷۹	قیدیوں کے احکام کا بیان	۷۶۷	ظہر کے وقت آنحضرتؐ کی طرف سے جنگ کی ابتداء
۷۷۹	وہ کفار قیدی جو جنت میں داخل ہوں گے	۷۶۷	دوپہر اٹھنے جنگ کی ابتداء
۷۸۰	دشمن کے جاسوسوں کو قتل کرنے کا حکم	۷۶۸	آنحضرتؐ کی جنگ کے اوقات
۷۸۰	مدینہ کے ہمد شکرین یہودیوں کے متعلق فیصلہ	۷۶۸	مجاہدین اسلام کو ایک خاص ہدایت
۷۸۱	سرور ابراہیمہ کے اسلام لانے کا واقعہ	۷۶۸	زعیمہ امیران کے نام حضرت خالد بن ولیدؓ کا مکتوب
۷۸۳	جبیر ابن مطعمؓ کو آنحضرتؐ کی طرف سے ترغیب اسلام	۷۶۹	جہاد میں لڑنے کا بیان
۷۸۳	حدیبیہ میں آنحضرتؐ پر حملے کا ارادہ کرنے والے کفار کو	۷۶۹	شہید کی منزل جنت ہے
	گرفتار کر کے چھوڑ دیئے کا واقعہ	۷۶۹	اعلان جہاد کے سلسلے میں آنحضرتؐ کی جنگ کی حکمت عملی
۷۸۳	جنگ بدر کے بعد مقتولین مکہ سے آنحضرتؐ کا خطاب	۷۷۰	جنگ مکہ فریب کا نام ہے
۷۸۵	غزوہ حنین کے قیدیوں کی واپسی	۷۷۱	جہاد میں عورتوں کے لئے جانے کا مسئلہ
۷۸۶	گرفتاری کے بدلے گرفتاری	۷۷۱	جہاد میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کا مسئلہ
۷۸۷	جنگ بدر کے قیدیوں میں سے آنحضرتؐ کے داماد ابوالعاص	۷۷۲	دشمن کے درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا مسئلہ
	کی رہائی کا واقعہ		دشمن کی غفلت کا فائدہ اٹھا کر اس کا قتل اور غارت گری جائز
۷۸۹	جنگ بدر کے قیدیوں میں سے قتل کئے جانے والے کفار		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۸۰۳	مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کے بارے میں وعید	۷۸۹	جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں دیا گیا اختیار
۸۰۶	جس مال سے مسلمانوں کے حقوق متعلق ہوں اس میں ناقص	۷۹۱	قیدیوں کی عقیقت و تقبیل
	تعریف کرنے والوں کے بارے میں وعید	۷۹۱	کفار کے مسلمان ہو جانے والے غلاموں کو واپس کرنے
۸۰۷	جہادین کے مال غنیمت میں سے غرور و لوٹ کی چیزوں کو تقسیم		سے آنحضرت کا انکار
	سے پہلے استعمال کرنے کی اجازت	۷۹۲	حضرت خالد کی طرف سے عدم احتیاط کا ایک واقعہ
۸۰۷	مال غنیمت کے جواز کے ذریعہ امت محمدی کو دوسری امتوں	۷۹۳	امان دینے کا بیان
	پر فضیلت	۷۹۳	امانی کی طرف سے اپنے عزیز کو امان دینے کا واقعہ
۸۰۷	مقتول کمال قاتل کو ملے گا	۷۹۳	عورت کے عہد و حیض کی پاسداری سارے مسلمانوں پر
۸۰۸	غلام کو مال غنیمت میں سے حوزہ بہت دیا جاسکتا ہے		لازم ہے
۸۰۹	غیر کے مال غنیمت کی تقسیم	۷۹۳	اپنے عہد و حیض کو توڑنے والے کے بارے میں وعید
۸۰۹	چھوٹے زیادہ سنی و سخت کرنے والوں کے لئے مال غنیمت	۷۹۳	معاہدہ کی پوری طرح پابندی کرنی چاہئے
	میں سے خصوصی حصہ	۷۹۵	ایٹانے عہد اور احترام قاصد کی اہمیت
۸۱۰	مال فنی میں کوئی خصوصی حصہ نہیں	۷۹۶	زمانہ جاہلیت کے ان معاہدوں کو پورا کرنے کا حکم جو اسلام
۸۱۱	شریک محرکہ نہ ہونے والوں کو مال غنیمت میں سے خصوصی		کے متعلق نہ ہوں
	عطیہ	۷۹۷	قاصد اور انجیلوں کو قتل نہیں کیا جاسکتا
۸۱۲	مال غنیمت میں خیانت کرنے والوں کی نمرہ جتناہ پڑھنے سے	۷۹۸	مال غنیمت کی تقسیم اور اس میں خیانت
	آنحضرت کا انکار		کرنے کا بیان
۸۱۲	مال غنیمت جمع کرانے میں تاخیر کرنے والے کے بارے میں	۷۹۸	غنیمت کا مال مسلمانوں کے لئے حلال کیا گیا ہے
	وعید	۷۹۸	مقتول سے چھینا ہوا مال قاتل کا ہے
۸۱۲	مال غنیمت میں خیانت کی مزا	۸۰۰	مال غنیمت کی تقسیم
۸۱۳	خائن کی اطلاع نہ دینے والا بھی خائن کے حکم میں ہے	۸۰۰	مال غنیمت میں غلام اور عورتوں کا کوئی حصہ مقرر نہیں
۸۱۳	غنیمت کا مال تقسیم ہونے سے پہلے اس کی خرید و فروخت کی	۸۰۱	مخصوص طور پر بعض مجاہدین کو ان کے حصہ سے زائد دیا
	ممانعت		جاسکتا ہے
۸۱۳	مال غنیمت میں ناقص تعریف کرنے والے و دوزخ کی آگ	۸۰۲	مسلمانوں کے ان چالوروں اور غلاموں کا حکم جو دشمنوں کے
	کے مزا دار ہوں گے		ہاتھ لگ جائیں اور پھر مال غنیمت میں واپس آئیں
۸۱۳	ذوالفقار تلوار کا ذکر	۸۰۳	غیر کے مال غنیمت سے بنو جہد غنیمت اور بنو نضل کی محرومی
۸۱۳	تقسیم سے پہلے مال غنیمت کی کسی چیز کو استعمال کرنے کی	۸۰۳	مال فنی کا حکم
	ممانعت		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۸۲۹	صلح حدیبیہ	۸۱۵	مال غنیمت میں کھانے کی جو چیزیں ہاتھ میں آئیں ان کا حکم
۸۳۳	صلح حدیبیہ کی عین غامض شرطیں	۸۱۶	خیانت کرنے والوں کو قیامت کے دن بے عزت ہونا چاہیے
۸۳۵	عورتوں کی بیعت		کا
۸۳۶	مسلمانوں کی بیعت کی کچھ اور دفعات	۸۱۶	مال غنیمت میں حقیر ترین چیز کی بھی خیانت مستوجب مواخذہ
۸۳۶	غیر مسلموں سے کئے ہوئے معاہدوں کی پابندی نہ کرنے		ہے
	والوں کے خلاف آنحضرت کا احتجاج	۸۱۷	آنحضرتؐ: غصہ کا مال بھی مسلمانوں ہی کے اجتماعی منافع میں
۸۳۶	عورتوں کی اجتماعی بیعت کا سنون طریقہ		شرح کرتے تھے
۸۳۷	مسلمانوں کی بیعت کی کتابت آنحضرتؐ کے قلم سے	۸۱۷	ذوی القربیٰ میں مال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر حضرت عثمانؓ
۸۳۸	یہودیوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دینے کا بیان		وفیرہ کی عمر دی
		۸۱۸	اپو جہل کے قتل کا واقعہ
۸۳۹	جزیرۃ العرب سے یہودیوں کا اخراج	۸۲۰	کسی کو مال دینے سے اس کی وقتی فضیلت لازم نہیں آتی
۸۴۰	شرکین کو جزیرۃ العرب سے جلا وطن کر دینے کے لئے	۸۲۱	جنگ میں شریک نہ ہونے کے باوجود مال غنیمت میں سے
	آنحضرتؐ کی وصیت		حضرت عثمانؓ کا حصہ
۸۴۰	جزیرۃ العرب سے یہود و نصاریٰ کی جلا وطنی	۸۲۲	ایک اونٹ دس بکریوں کے برابر ہے
۸۴۱	جواز سے یہود و نصاریٰ کی جلا وطنی کا کام حضرت عمرؓ کے	۸۲۲	پہلی امتوں میں مال غنیمت کو آسانی آگ جلاؤ اسی قسمی
	ہاتھوں انجام لینا	۸۲۳	مال غنیمت میں خیانت کرنے والا دوزخ میں ڈالا جائے گا
۸۴۱	فنی کا بیان	۸۲۵	جزیرہ کا بیان
۸۴۱	فنی کس کو کہتے ہیں؟	۸۲۵	جزیرہ کس کو کہتے ہیں؟
۸۴۱	مال فنی کا مصرف	۸۲۵	موجودہ میں سے جزیرہ لیا جاسکتا ہے
۸۴۳	آنحضرتؐ کی طرف سے مال فنی کی تقسیم	۵۲۶	جزیرہ کی مقدار
۸۴۳	مال فنی کی تقسیم میں فرق مراتب کا لحاظ	۸۲۶	مسلمانوں پر جزیرہ واجب نہیں
۸۴۶	قتیہ فدک میں حضرت عمرؓ کا استدلال	۸۲۷	جزیرہ پر صلح
۸۴۷	قتیہ فدک وغیرہ کی تحصیل	۸۲۷	یہود و نصاریٰ سے مال تجارت پر محصول لینے کا مسئلہ
۸۵۲	خاتمہ الکتاب	۸۲۸	ذمیوں سے معاہدہ کی بشرطہ زبردستی پوری کرانی جاسکتی ہیں
		۸۲۸	ذمیوں پر جزیرہ کی مقررہ مقدار کے علاوہ مسلمانوں کی ضیافت
			بھی واجب کی جاسکتی ہے
		۸۲۹	صلح کا بیان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کتاب البیوع خرید و فروخت کا بیان

اسلامی نقطہ نظر سے کائنات انسانی کی محلی زندگی کے دو محور ہیں۔ اول ”حقوق اللہ“ کہ جسے عبادات کہتے ہیں اور دوم ”حقوق العباد“ کہ جسے معاملات کہا جاتا ہے، یہی دو اصطلاحیں ہیں جو انسانی نظام حیات کے تمام اصول و قواعد اور قوانین کی بنیاد ہیں۔ ان دونوں میں چونکہ حقوق اللہ کی عمومیت حاصل ہے کہ اس کا تعلق کائنات انسانی کے ہر فرد سے ہے اس لئے مصنف کتاب نے پہلے ان کو بیان کیا۔ اب اس کے بعد حقوق العباد یعنی معاملات کا بیان شروع کیا ہے جس کا سب سے اہم جزو ”بیع“ ہے۔

بیع کے معنی: ”بیع“ کے معنی ہیں ”چھپنا یعنی فروخت کرنا“ لیکن کبھی اس کے معنی ”خریدنا“ بھی مراد ہوتے ہیں، اس لئے بیع کا ترجمہ اصطلاحی طور پر ”خرید و فروخت“ کیا جاتا ہے۔

فخر الاسلام کا بیان ہے کہ اصطلاح شریعت میں ”ابہس کی رضامندی سے مال کے ساتھ مال بدلنا“ بیع کہلاتا ہے۔

بیع کی شریعت: بیع یعنی خرید و فروخت کا شری ہونا، قرآن کریم کی اس آیت واحل اللہ البیع وحرم الربوا (اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے) اور رسول کریم ﷺ کی احادیث (جو آگے آئیں گی) سے ثابت ہے۔

بیع کی قسمیں: بیع یعنی خرید و فروخت میں بنیادی طور پر تین چیزیں ہوتی ہیں۔ اول تو عقد بیع یعنی نفس معاملہ کہ ایک شخص کوئی چیز فروخت کرتا ہے اور دوسرا اسے خریدتا ہے، دوم بیع یعنی وہ چیز جس کو فروخت کیا جاتا ہے اور سوم ثمن یعنی قیمت۔ ان تینوں کے اعتبار سے فقہی طور پر بیع کی کچھ قسمیں ہیں، چنانچہ نفس معاملہ اور اس کے حکم، کہ بیع صحیح ہوئی یا نہیں، کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہیں۔ ① نافذ ② موقوف ③ فاسد ④ باطل۔ بیع نافذ اس بیع کو کہتے ہیں کہ طرفین میں مال ہو، یعنی بیچنے والے کے پاس بیع ہو اور خریدار کے پاس ثمن ہو، اور عاقدین یعنی بیچنے والا اور خریدار دونوں عاقل ہوں، نیز وہ دونوں بیع یا تو اسالۃ کریں یا وکالۃ اور دلالتہ جس بیع میں یہ تینوں چیزیں ہائی جائیں گی وہ بیع بالکل صحیح اور نافذ ہوگی۔ بیع موقوف اس بیع کو کہتے ہیں جس میں کوئی شخص کسی دوسرے کی چیز کو اس کی اجازت یا ولایت کے بغیر فروخت کرے۔ اس بیع کا حکم یہ ہے کہ جب تک کہ اصل مالک کی اجازت و رضامندی حاصل نہ ہو جائے یہ بیع صحیح نہیں ہوتی۔ اجازت کے بعد صحیح ہو جاتی ہے۔ بیع فاسد وہ بیع ہے جو باطل یعنی معاملہ کے اعتبار سے تو درست ہو مگر بوضفہ یعنی کسی خاص وجہ کی بناء پر درست نہ ہو۔ بیع باطل اس بیع کو کہتے ہیں جو نہ تو باطل درست ہو اور نہ بوضفہ۔ بیع فاسد اور بیع باطل کی تفصیل اور ان کی مثالیں انشاء اللہ ”باب المنہی عنہما البیوع“ میں ذکر کی جائیں گی۔

بیع یعنی فروخت کی جانے والی چیز کے اعتبار سے بھی بیع کی چار قسمیں ہیں۔ ① مقانفہ ② صرف ③ سلم ④ بیع مطلق۔ بیع مقانفہ

یہ ہے کہ بیع بھی مال اور ثمن بھی مال ہو مثلاً ایک شخص کپڑا دے اور دوسرا شخص اس کے بدلے میں اس کو غلہ دے۔ گویا بیع کی یہ وہ صورت ہے جسے عرف عام میں ”تبادلہ مال“ کہا جاتا ہے۔ بیع صرف یہ ہے کہ نقد کا تبادلہ نقد سے کیا جائے مثلاً ایک شخص ایک روپیہ کا نوٹ دے اور دوسرا شخص اس کے بدلے میں ایک روپیہ کے پچھلے یا ایک شخص اشرفی دے اور دوسرا شخص اس کے بدلے میں اسے روپے دے گویا روپیہ بھٹانا یا روپیہ کی ریز گاری لینا یا بیع صرف کی ایک قسم ہے۔ بیع حطم یہ ہے کہ بیچنے والا خریدار سے کسی چیز کی قیمت پیشگی لے لے اور یہ طے ہو جائے کہ خریدار یہ چیز اتنی مدت مثلاً ایک دو مہینے کے بعد لے لے گا۔ بیع مطلق یہ ہے کہ کسی چیز کی بیع نقد کے عوض کی جائے مثلاً بیچنے والا ایک من گیہوں کو دے اور خریدار اس کی قیمت کے طور پر تیس روپے ادا کرے۔

ثمن یعنی قیمت کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں یہ ہیں۔ ① مراکھ ② تولیت ③ ودیعت ④ مساومت مراکھ کی یہ صورت ہے کہ بیچنے والا بیچ کر اپنے خریدار سے نفع لے کر فروخت کرے۔ تولیت کی یہ صورت ہے کہ بیچنے والا بیچ کو بلا نفع کے اس قیمت پر فروخت کرے جس قیمت میں اس نے خود خریدی ہو۔ ودیعت کی صورت یہ ہے کہ بیچنے والا بیچ کو اس قیمت سے بھی کم میں فروخت کرے جتنی قیمت میں اس نے خود خریدی ہو اور مساومت کی صورت یہ ہے کہ بیچنے والا اور خریدار آپس کی رضامندی سے کسی چیز کی خرید و فروخت چاہے جس قیمت پر کریں اور اس میں بیچنے والے کی قیمت خرید کا کوئی لحاظ نہ ہو۔

بَابُ الْكَسْبِ وَطَلَبِ الْحَالِ

کسب اور طلب حلال کا بیان

”کسب اور طلب حلال“ کا مطلب ہے ”اپنی معاشی ضروریات مثلاً روٹی، کپڑے وغیرہ کے حصول کے لئے کمانا اور پاک روزی و حلال پیشہ کو ہر صورت اختیار کرنا“ چنانچہ اس باب میں کسب معاش کی فضیلت ذکر کی گئی ہے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ کون سا کسب اور کون سا پیشہ اچھا ہے اور کون سا برا ہے؟
نقد کی کتابوں میں اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ سب سے بہتر کسب پیشہ چادہ ہے، اس کے بعد تجارت، پھر زراعت اور پھر دستکاری (یعنی کتابت وغیرہ)۔

کسب یعنی کمانا فرض بھی ہے اور مستحب بھی، اسی طرح مہاج بھی ہے اور حرام بھی۔ چنانچہ اتنا کمانا فرض ہے جو کمائے والے اور اس کے اہل و عیال کی معاشی ضروریات کے لئے اور اگر اس کے ذمہ قرض ہو تو اس کی ادائیگی کے لئے کافی ہو جائے۔ اس سے زیادہ کمانا مستحب ہے بشرطیکہ اس نیت کے ساتھ زیادہ کمائے کہ اپنے اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات سے جو کچھ بچے گا وہ فقراء و مساکین اور اپنے دوسرے مسحق قریاء پر خرچ کر دے گا۔ اسی طرح ضروریات زندگی سے زیادہ کمانا اس صورت میں مہاج ہے جب کہ نیت اپنی شان و شوکت اور اپنے وقار و محکمات کی حفاظت ہو، البتہ محض مال و دولت جمع کر کے فخر و تکبر کے اظہار کے لئے زیادہ حرام ہے۔ اگرچہ حلال ذرائع ہی سے کیوں نہ کمایا جائے۔

کمائے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی کمائی کو اپنی ذات پر اور اپنے اہل و عیال پر اس طرح خرچ کرے کہ نہ تو اسراف میں مبتلا ہو اور نہ بخل و تنگی کرے۔

جو شخص کمائے اور اپنی روزی خود فراہم کرنے پر قادر ہو اس پر لازم ہے کہ وہ کمائے اور جس طرح بھی ہو سکے حلال ذرائع سے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی آبرو مندانه زندگی کے تحفظ کے لئے معاشی ضروریات خود فراہم کرے دوسروں پر بار نہ بنے، ہاں جو شخص کسی بھی مجبوری اور عذر کی وجہ سے کسب و کمائی پر قادر نہ ہو تو پھر اس کے لئے یہ ضروری ہو گا کہ وہ دوسروں سے سوال کر کے اپنی زندگی

حفاظت کرے اگر اس صورت میں کوئی شخص محض اس وجہ سے کہ دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلاتا اس کی غیرت کو گوارا نہیں، اس نے کسی سے سوال نہیں کیا یہاں تک کہ بھوک و افلاس نے اس کی زندگی کے چراغ کو گل کر دیا تو نہ صرف یہ کہ وہ اپنی موت کا خود مذمہ دار ہو گا بلکہ ایک گنہگار کی موت مرے گا۔ نیز جو شخص خود کا کار اپنا پیٹ بھرنے سے عاجز ہو تو اس کا حال جاننے والے پر یہ فرض ہے کہ وہ اس معذور شخص کی خبر گیری کرے ہاں طور کہ اس کا پیٹ بھرے یا وہ خود اس انسانی فریضہ کی ادائیگی پر قادر نہ ہو تو کسی ایسے شخص سے اس کی مدد کی سفارش کرے جو اس کی مدد کرنے پر قادر ہو۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے اس آیت کی تفسیر:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كَلِّمُوا هَٰؤُلَاءِ مِنْ حَيْثُ بَدَأَ قَوْلُكُم

”اے مومنو! تم صرف وہی پاک و طہل رزق کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے۔“

کی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ سب سے بہتر کسب چارہ ہے بشرطیکہ جہاد کے ارادے کے وقت مال غنیمت کے حصول کا خیال دل میں قطعاً نہ ہو بلکہ نیت میں اخلاص ہو، اس کے بعد تجارت کا درجہ ہے خاص طور پر وہ تجارت جو ایک ملک سے دوسرے ملک میں یا ایک شہر سے دوسرے شہر میں مسلمانوں کی ضروریات خاص کی چیزوں کو لانے و لے جانے کا ذریعہ ہو، اس قسم کی تجارت کرنے والا شخص اگر حصول منفعت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی خدمت اور ان کی حاجت روائی کی نیت بھی رکھے تو اس کی تجارت، عبادت کی بھی ایک صورت بن جائے گی۔ تجارت کے بعد زراعت کا درجہ ہے، زراعت کا پیشہ بھی دنیاوی منفعت کے علاوہ اجر و ثواب کا ایک بڑا ذریعہ بن جاتا ہے جب کہ اس میں مخلوق خدا یعنی انسانوں اور جانوروں کی غذائی ضروریات کی فراہمی کی نیت خیر اور اللہ تعالیٰ کی رحمت یعنی بارش و ہوا وغیرہ پر توکل و اعتماد ہو، ان تینوں پیشوں کے علاوہ اور پیشے آپس میں کوئی فضیلت نہیں رکھتے، البتہ کتابت کا پیشہ بہتر درجہ ضرور رکھتا ہے کیونکہ اس پیشے میں نہ صرف یہ کہ علم کی خدمت ہوتی ہے بلکہ دینی علوم، شرعی احکام انبیاء اور بزرگوں کے احوال بھی یاد ہو جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا پیشوں کے بعد ان پیشوں کا درجہ آتا ہے جو بقاء عالم اور معاشرت و تمدن کی اصل ضروریات کے ساتھ گہرا تعلق رکھتے ہیں مثلاً معماری، سیلہ اری، خشک سازی، چونا بنانا، کچی اور تھیل نکالنا، روٹی بچنا، سوت کا تار، کپڑے سینا اور آٹا پیسنا وغیرہ۔ یہ تمام کسب اور پیشے ان پیشوں سے بہتر ہیں جو محض تکلف و ترہین اور اظہار امارت و دولت کے کام آتے ہیں، جیسے زردوزی و نقاشی، مٹھائی بنانا، عطریں بنانا بچنا اور رنگرنگی وغیرہ۔ تاہم یہ پیشے بھی اگر حسب موقع ہوں ہاں طور کہ ان کی وجہ سے خلاف شرع امور کا ارتکاب نہ ہوتا ہو تو ان میں بھی کچھ کراہیت نہیں ہے۔ بخلاف ان پیشوں کے جن میں آلودگی، نجاست، مخلوق خدا بد خواہی، گناہوں کے ارتکاب میں اعانت، دین فروشی، کذب و جہل سازی اور فریب و دغا کا دخل رہتا ہو جیسے شاخ کشی، چاروب کشی، دیبائی، احتکار غلہ، جہلی، مروہ شوئی، کفن فروشی، کشتائی، ناچنا گانا، نقاشی، جبرہ بازی (پہلے زمانے میں ایک مستقل پیشہ تھا کہ کچھ چہل باز شارع عام پر ایک شخص کو کھڑا کر دیتے جو راہ چلتے آدمی کی کوکھ میں اس طرح ٹھوکا رہتا کہ اسے یہ پتہ نہ چلتا کہ یہ کس کی حرکت ہے چنانچہ جب وہ اس پر حیران و پریشان ہوتا تو سب چہل باز اس پر قہقہے لگاتے اس کو جبرہ بازی کہتے تھے) نقاشی، دولائی اور دولت (جس میں مجسوت فریب سے کام لیا جاتا ہو) امت، اذان اور خدمت مسجد کی اجرت اور قرآن کی تلاوت و تعلیم کا معاوضہ لینا وغیرہ سب پیشے مکروہ ہیں۔ (شاہ عبدالعزیزؒ)

منفی الطالع میں لکھا ہے کہ کسب اور کسب کرنے والے کی فضیلت احادیث میں بہت منقول ہے، اسی طرح جو شخص کسب پر قادر ہونے کے باوجود ازراہ کسل و سستی کسب نہ کرے بلکہ اپنی گذر اوقات کے لئے دوسروں سے مانگتا پھرے اس کے حق میں بڑی وعید بیان کی گئی ہے۔ لیکن جو شخص خدا کی رزائی پر اعتماد و بھروسہ کرتے ہوئے کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاتے اور نہ ہی اپنی دینی مصروفیت اور عبادت و اذکار میں خلل پڑنے کی وجہ سے کسب و غیرہ کرے تو اس وعید میں داخل نہیں بشرطیکہ اپنی امداد کے لئے دوسرے لوگوں کی طرف نہ تو اس کا دل متوجہ ہو اور نہ وہ کسی سے اپنی امداد و فروخت کی توقع رکھتا ہو کیونکہ اسے سوال دلی کہتے ہیں جو سوال زبانی سے کہیں بدتر چیز ہے۔

جو شخص اتنا مال دوزر رکھتا ہو جو اس کی معاشی ضروریات کے لئے کافی ہو یا اوقات وغیرہ سے اسے بقدر ضروریات روپیہ پیسہ مل جاتا ہو (مطلب یہ کہ گھر بیٹھے اسے کسی بھی جائز وسیلے سے بقدر ضروریات آمدنی ہو جاتی ہو) تو اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ عبادت وغیرہ میں مشغول رہے، اپنے اوقات کو کسی کسب وغیرہ میں صرف نہ کرے، اسی طرح دینی علوم کی تعلیم دینے والے مفتی، قاضی اور ایسی زمرہ کے دوسرے لوگوں کے لئے بھی یہی حکم ہے اگر یہ لوگ بقدر کفایت ضروریات آمدنی رکھتے ہوں تو ان کو اپنے امور ہی میں مصروف رہنا چاہئے کسب وغیرہ میں مصروف نہ ہوں۔

جو شخص کسی کسب مثلاً تجارت وغیرہ کا پیشہ اختیار کرے تو اس پر فرض ہے کہ وہ صرف حلال اور جائز مال کمائے، حرام سے کلیۃً اجتناب کرے اور اپنے پیشے و ہنر میں احکام شرعی کی رعایت ہر صورت ملحوظ رکھے، نیز اپنے پیشے میں تمام تر محنت و جدوجہد کے باوجود اللہ کی ذات پر توکل و اعتماد رکھے کہ رزاق مطلق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور کسب، محض ایک قمار ہی وسیلہ کے درجہ کی چیز ہے، اپنے پیشے و کسب کو رزاق ہرگز نہ سمجھے کیونکہ یہ شرک خفی ہے۔ حرام کسب کے ذریعے حاصل ہونے والے مال دوزر سے مکمل پرہیز کرے کیونکہ اس کے بارے میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی یہ وعید منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص حرام مال سے صدقہ و خیرات کرتا ہے تو اس کا صدقہ قبول نہیں ہوتا، اور مال حرام اپنے پیچھے یعنی مالک کی موت کے بعد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں رہتا کہ وہ (اپنے مالک کے لئے ایسا برا) ازوارہ بن جاتا ہے جو اسے (یعنی مالک کو) دوزخ کی آگ میں پہنچا دیتا ہے۔

بعض لوگ حرام مال کی بڑی مقدار سے تو پرہیز کرتے ہیں لیکن قلیل مقدار میں احتیاط نہیں کرتے، حالانکہ حرام مال کی قلیل ترین مقدار سے بھی اسی طرح اجتناب کرنا چاہئے جس طرح بڑی سے بڑی مقدار سے اجتناب ضروری ہے اس بارے میں یہ احساس ہونا چاہئے کہ حرام مال کی وہ قلیل ترین مقدار بقیہ تمام حلال مال میں مل کر سارے مال کو مشتبہ بنا دے گی اور مشتبہ مال و مشتبہ پیشے کے بارے میں بھی یہ مسئلہ ہے کہ اس سے اجتناب ہی اولیٰ ہے۔

اگر کوئی شخص کسی کو بطور ہدیہ وغیرہ کوئی ایسی چیز یا مال دے جس کی حرمت و حلت کے بارے میں شبہ ہو تو چاہئے کہ اس چیز یا اس مال کو اپنے اندر اڑیں اور نرمی کے ساتھ دینے والے کو واپس کر دے ہاں اگر واپس کرنے سے دینے والا آزر دہ خاطر ہو تو پھر واپس نہ کرنا چاہئے۔ یہ حکم اس مشتبہ مال کی تحقیق کرنے کا بھی ہے کہ اگر وہ مشتبہ مال دینے والا آزر دہ خاطر نہ ہو تو تب اس مال کی تحقیق کی جائے اور اگر وہ تحقیق کرنے سے آزر دہ خاطر ہو تو پھر تحقیق ہی نہ کی جائے کیونکہ کسی مسلمان کو آزر دہ خاطر کرنا حرام ہے جب کہ مشتبہ مال کی تحقیق کرنا اور با (تقویٰ) ہے اور اس بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ دوزخ کے لئے حرام کا ارتکاب نہ کرنا چاہئے ہاں جس مال کے بارے میں بالکل تحقیق ہو کہ یہ حرام محض ہے تو پھر اس کو واپس کر دینا ہر صورت ضروری ہے اگرچہ دینے والا آزر دہ خاطر ہی کیوں نہ ہو البتہ اگر اس مال کو واپس کرنے میں کسی قدر انگیزی کا خوف ہو تو پھر اسے بھی واپس نہ کرے بلکہ اسے لے کر کسی مضطر کو دے دے اور اگر خود مضطر ہو تو اسے اپنے استعمال میں لے آئے۔

جس بازار میں حرام مال کی تجارت ہوتی ہو اس بازار سے بھی اجتناب کرنا چاہئے کہ اس میں خرید و فروخت نہ کرے۔ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ فلاں مال حرام ہے مشتبہ ہے اس کی تحقیق و تحقیق ضروری نہیں ہے کیونکہ حرمت و شبہ کے معلوم نہ ہونے کی صورت میں ہر جگہ اور ہر چیز کی تحقیق و تجسس محض دوسرے ہے۔

غیر مشروع کسب کی اجرت بھی حرام ہے مثلاً مردوں کے لئے دیشی کپڑے سینا یا مردوں کے لئے سونے کے زیور تانا ای طرح غیر مشروع خرید و فروخت سے حاصل ہونے والا منافع و مال بھی حرام ہے جیسے منگرو غلہ چنل تمام تجارتوں میں سب سے بہتر تجارت برازی ہے ای طرح تمام پیشوں میں سب سے بہتر پیشہ منگرو تانا سینا ہے۔ خرید و فروخت میں کھونے سکوں کو پھیلانا قطعاً ناجائز ہے اگر کھونے ہاتھ لگیں تو انہیں کنویں وغیرہ میں ڈال کر ضائع کر دینا چاہئے۔

اسی طرح ہر تاجر اور دوکاندار کے لئے ضروری ہے کہ وہ معاملات میں مکرو فریب سے کام نہ لے، بات بات پر قسم نہ کھائے کسی چیز میں اگر کوئی عیب ہو تو اسے خریدار سے پوشیدہ نہ رکھے، اپنی اشیاء کی تعریف و توصیف حقیقت سے زیادہ نہ کرے، کوئی چیز کسی ایسے شخص کے ہاتھ فروخت نہ کرے جو اسے حرام کام میں استعمال کرے مثلاً انگور کسی شراب ساز کو نہ بیچے، یا ہتھیار وغیرہ کسی ڈاکو کو قراق وغیرہ کے ہاتھ فروخت نہ کرے، دستکار و صنعت گر اپنی بنائی ہوئی چیز میں کھوٹ ملاوٹ اور غلط چیزوں کی آمیزش نہ کرے کیونکہ ایسی چیز سے حاصل ہونے والی اجرت و قیمت حرام ہوتی ہے، ناپ تول میں کمی نہ کرے، غنیمت و حرمہ میں اپنا دامن لوٹ نہ کرے، ہمہ وقت یہ تصور رکھے کہ ناجائز طریقوں اور حرام ذرائع سے حاصل ہونے والا ایک پیسہ بھی جنت میں داخل ہونے سے روک دے گا، تھوڑے منافع پر اکتفا کرے کہ یہ مستحب ہے اور جس تجارت و حرفت میں مشغول ہو اور اس سے اس کی ضروریات پوری ہو جاتی ہوں تو اس پر قناعت کرے، اس کی موجودگی میں دوسری تجارتوں اور دوسرے کاروبار کے ذریعے زیادہ کمائے کی حرص نہ رکھے بلکہ اپنے بقیہ اوقات کو آخرت کی بھلائیوں کو حاصل کرنے میں صرف کرے کیونکہ صرف اس دنیا کی فانی زندگی کی راحت و تعیش کے حصول میں ہمہ وقت لگے رہنا اور آخرت کی ابدی زندگی کی سعادتوں سے بے پرواہ ہو جانا عقل و دانش سے بعید تر بات ہے۔

الفصل الأول

اپنے ہاتھ کی محنت کی روزی سب سے بہتر ہے

① عَنْ ابْنِ مَعْدِيٍّ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَكْمَلَ أَخَذَ عَطَاً قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلٍ يَنْدِبُهُ وَإِنْ نَبِيَّ اللَّهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلٍ يَنْدِبُهُ۔ (رواہ بخاری)

”حضرت مقدم ابن معدی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: کبھی کسی نے اپنے ہاتھ کی محنت کی روزی سے بہتر کوئی کھانا نہیں کھایا، بلکہ وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کی محنت سے کما لی ہوئی روزی کھاتے تھے۔“ (بخاری)

تشریح: حضرت داؤد علیہ السلام اللہ کے ایک جلیل القدر نبی تھے اور ساتھ ہی خدا نے انہیں دنیا کی سلطنت و حکومت بھی عطا کی تھی۔ ان کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اپنی حکومت میں لوگوں سے اپنے بارے میں تجسس کرتے رہتے تھے، چنانچہ جو شخص ان کو نہیں پہچانتا تھا اس سے وہ دریافت کرتے کہ بتاؤ داؤد کیا ہے؟ لوگوں میں اس کی سیرت و عادت کس درجے کی ہے، اور اس کے بارے میں تہہ را تاثر کیا ہے؟ ایک دن ایسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو آدمی کی صورت میں ان کے پاس بھیجا انہوں نے اس سے بھی اس قسم کے سوال کئے۔ اس نے کہا کہ داؤد عليه السلام ہیں تو اپنے آدمی، مگر اتنی بات ضرور ہے کہ وہ بیت المال سے روزی کھاتے ہیں۔ بس یہ سننا تھا کہ حضرت داؤد عليه السلام کے دل و دماغ میں ایک بجلی کی کوند گئی، توڑا اپنے پروردگار سے دعا کی کہ ”رب العالمین! مجھے بیت المال سے مستثنیٰ بنادے اور مجھے کوئی ایسا ہنر عطا کر دے کہ جس سے میں اپنی روزی کماسوں“ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور انہیں زرہ بنانے کا ہنر عطا فرمایا، منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو ایسی غایت عینیت کی کہ لوہا ان کے ہاتھوں میں پختہ ہی موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا جس سے وہ زرہ بناتے اور جو چار چار ہزار درہم میں فروخت ہوتی بلکہ بعض علماء نے تو یہ لکھا ہے کہ حضرت داؤد عليه السلام ہر روز ایک زرہ بناتے اور اس کو چھ ہزار درہم میں فروخت کرتے، پھر اس چھ ہزار کو اس طرح صرف کرتے کہ دو ہزار تو اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے اور چار ہزار درہم اپنی اسرا کیل کے قہراء و مسکین میں بطور صدقہ و خیرات تقسیم کر دیتے۔

بہر کیف ان حضرت عليه السلام نے مذکورہ بالا ارشاد گرامی کے ذریعے جہاں یہ ارشاد فرمایا کہ سب یعنی اپنی روزی خود پیدا کرنا انبیاء کی سنت ہے جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے عمل سے معلوم ہوا اس لئے تم بھی ان کے طریقے کو اختیار کرو، وہیں گویا آپ نے اپنی روزی خود اپنی صنعت و حرفت کے ذریعے پیدا کرنے پر لوگوں کو ترغیب دلائی ہے کیونکہ اس میں بڑے بڑے فائدے ہیں مثلاً جو شخص اپنی صنعت

و حُرُف سے کماتا ہے نہ صرف یہ کہ خود اسے منافع حاصل ہوتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اس کی منفعت و حرمت سے فائدہ پہنچتا ہے پھر یہ کہ ایسا شخص اپنے پیشے میں مصروف رہنے کی وجہ سے بری باتوں اور لہو و لعب سے محفوظ رہتا ہے، نیز چونکہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتے کی وجہ سے کس نفسی بھی پیہر ہوتی ہے اس لئے وہ اپنے نفس کی سرکشی سے بچتا ہے اور پھر سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایسا شخص کسی کا منہج نہیں رہتا، کسی کے آگے دست سوال دراز نہیں کرتا، کسی کے آگے جھکتا نہیں اور اسے ایک آبرو مند انسان زندگی حاصل رہتی ہے۔

صرف حلال مال کھانے کی فضیلت اور حرام مال سے بچنے کا اثر

② وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا وَإِنَّ اللَّهَ أَغْنَى الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَغْنَاهُ الْمُؤْمِنِينَ فَسَلِّ بِأَيِّهَا الرُّسُلُ كُلُّوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَالَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُّوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ لَمْ يَذْكُرِ الرَّجُلُ يُطْبِلُ الشُّفْرَ أَشْفَتُ أَعْبَرُ يَمْشِي يَذْنِبُهُ إِلَى السَّمَاءِ يَأْزِبُ يَأْزِبُ وَمَنْ مَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَهَشْوَنُهُ حَرَامٌ وَهَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُلْبَتُهُ بِالْحَرَامِ فَانْفَتَحَ عَلَيْهِ خَبَابٌ لِيَذْلِكَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ (تمام کی اور محبوب سے پاک ہے، اس پاک ذات کی بارگاہ میں صرف وہی (مصدقات و اعمال) مقبول ہوتے ہیں جو (شرعی) محبوب اور نیت کے فساد سے پاک ہوں یا در کما اللہ تعالیٰ نے جس چیز (یعنی حلال مال کھانے اور اچھے اعمال) کا حکم اپنے رسولوں کو دیا ہے اسی چیز کا حکم تمام مومنوں کو بھی دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے یا ایہا الرسل کلوا من الطیبات و اعملوا الصالحات (یعنی اسے رسولوا حلال روزی کھاؤ اور اچھے اعمال کرو نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یا ایہا الذین امنوا کلوا من طیبات ما رزقناکم (یعنی اے مومنو! تم صرف وہی پاک و حلال روزی کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے) پھر آپ ﷺ نے (بطور مثال) ایک شخص کا حال ذکر کیا کہ وہ طویل سفر اختیار کرتا ہے پر آگندہ مال اور غبار آلودہ ہے وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتا ہے اور کہتا ہے اے میرے رب! اے میرے رب! (یعنی وہ اپنے مقدمہ کے لئے دعاء مانگتا ہے) احوالانکہ کھانا اس کا حرام، لباس اس کا حرام (شروع سے اب تک) پرورش اس کی حرام ہی (خدا کو اس سے) ہوتی ہے کیونکہ اس کی دعا قبول کی جائے۔“ (مسلم)

تشریح: اس ارشاد گرامی میں پہلے تو حلال مال کھانے کی فضیلت اور اس کا حکم بیان کرتے ہوئے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کہ خود پاک ہے اور حلال رزق کو اس کی جانب پاک میں اس وجہ سے ایک نسبت حاصل ہے کہ حلال رزق بھی حرمت کی نجاستوں سے پاک ہوتا ہے تو کھانا عبودیت ہی سے ہے کہ بندہ حلال ہی رزق کھائے تاکہ اس پاک و حلال رزق کی وجہ سے اس بندہ کو بارگاہ خداوندی میں تقرب کی دولت حاصل ہو۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ بتایا ہے کہ حرام مال سے اجتناب نہ کرنے کا اثر دعا کا قبول نہ ہونا ہے، چنانچہ اس بات کو آپ ﷺ نے اس مثال کے ذریعے ظاہر فرمایا ہے کہ ایک شخص حج یا اور عبادات کے لئے طویل طویل سفر اختیار کرتا ہے وہ ان مقامات مقدسہ تک پہنچنے میں پوری مشقت و جدوجہد کرتا ہے جہاں مانگی جانے والی دعا باب قبولیت تک پہنچتی ہے یہاں تک کہ وہ ان مقامات تک پہنچ جاتا ہے۔ وہاں پہنچ کر وہ اس حال میں دست سوال اٹھاتا ہے کہ سفر کی مشقت و طوالت کی وجہ سے اس کے ہال پر آگندہ ہیں، پورا جسم گرد و غبار سے آلودہ ہے اور تصرف و افلاح کی پوری کیفیت اس پر طاری ہے، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اس کی دعا بظاہر قبول ہوتی جائے کیونکہ ازل تو ایک عبادت گزار بندہ ہے پھر وہ مسافر بھی ہے اور مسافر کے بارے میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس کی دعا بآب قبولیت تک پہنچ کر رہتی ہے دوسرے یہ کہ اس جگہ دعا مانگ رہا ہے جہاں مانگی جانے والی ہر دعا کی لاج رکھی جاتی ہے، غرضیکہ قبولیت دعا کے تمام آثار موجود ہیں مگر اس شخص کی دعا قبول نہیں ہوتی، کیوں؟ اس لئے کہ جانتے والا جانتا ہے کہ وہ حرام مال سے پرہیز نہیں

کرتا، گویا اس کی ساری محنت و مشقت اور اس کی ساری عبادت و حالت اس کی دعا کو صرف اس لئے مؤثر نہیں بنائی کہ وہ حرام مال کھاتا ہے، حرام لباس پہنتا ہے اور کمائی کے حرام ذرائع سے اجتناب نہیں کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا کی قبولیت حلال رزق پر موقوف ہے، اسی لئے کہا گیا ہے کہ دعا کے دو بازو ہیں (جن کے سہارے وہ دعا باب قبولیت تک پہنچتی ہے) ایک تو اکل حلال دوسرا صدق مقال یعنی حلال کھانا اور سچ بولنا۔

آنے والے زمانہ کے بارے میں ایک پیش گوئی

(۳) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبَالِي الْفَزَّةُ مَا أَخَذَ مِنْهُ أَمِنْ الْخَلَالِ أَمْ مِنْ الْحَزَامِ (رواد البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی کو جو مال ملے گا اس کے بارے میں وہ اس کی پرواہ نہیں کرے گا کہ یہ حلال ہے یا حرام۔“ (بخاری)

تشریح: قیامت کے قریبی زمانہ میں جہاں عام گمراہی کی وجہ سے افکار و اعمال کی اور بہت سی خرابیاں پیدا ہوں گی وہیں ایک بڑی خرابی یہ بھی پیدا ہوگی کہ لوگ حلال و حرام مال کے درمیان تمیز کرنا چھوڑ دیں گے جس کو جو بھی مال ملے گا اور جس ذریعہ سے بھی ملے گا اسے یہ دیکھے بغیر کہ یہ حلال ہے یا حرام مٹھ کر جائے گا۔ اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ یہ پیش گوئی آج کے زمانہ پر پوری طرح منطبق ہے۔ آج ایسے نئے لوگ ہیں جو حلال و حرام مال کے درمیان تمیز کرتے ہیں؟ ہر شخص مال و زر بخورنے کی ہوس میں مبتلا ہے مال حلال ہے یا حرام ہے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ بس ہاتھ لگنا چاہئے کسی نئے سچ کہا ہے۔

ہر چہ آمد بدان شای خورد و آنچه آمد بزبان شان گفتند
یہ اس دور کی عام وبا ہے جس سے کوئی طبقہ اور کوئی جماعت محفوظ نہیں ہے۔

مشتبہ چیزوں سے بھی اجتناب کرنا چاہئے

(۴) وَعَنِ الثَّعْمَانِ بْنِ نَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَلَالُ بَيْنَ وَالْحَزَامِ بَيْنَ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَفْلَهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنْ انْتَهَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِزِّهِ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَزَامِ كَالَّذِي يَرَى عَمَى حَوْلَهُ يَنْزِلُ فِيهِ الْوَيْلُ لَكُلِّ مَلِكٍ جَمْعِي أَلَا وَإِنْ جَمَعِيَ اللَّهُ مَحَارِمَهُ أَلَا وَإِنْ لَمْ يَجْمَعْهُ إِلَّا ضَلَحَتْ ضَلَحٌ خَلَعَتْ خَلَعٌ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْخَيْسُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ (مشق میر)

”اور حضرت ثعمانؓ ابن بشیر راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا حلال ظاہر ہے، حرام ظاہر ہے، اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے، جہذا جس شخص نے مشتبہ چیزوں سے پرہیز کیا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو پاک و محفوظ کر لیا۔ (یعنی مشتبہ چیزوں سے بچنے والے کے لئے تو دین میں کسی خرابی کا خوف رہیگا، اور نہ کوئی اس کی طرف طعن پہنچ کر یگا) اور جو شخص مشتبہ چیزوں میں مبتلا ہو وہ حرام میں مبتلا ہو گیا، اور اس کی مثال اس چرواہے کی ہے جو ممنوعہ چراگاہ کی میٹھ پر چراتا ہے اور ہر وقت اس کا امکان رہتا ہے کہ اس کے جانور اس ممنوعہ چراگاہ میں گھس کر مر جائیں۔ جان لو اگر بادشاہ کی ممنوعہ چراگاہ ہوتی ہے، اور یار کو اللہ تعالیٰ کی ممنوعہ چراگاہ حرام چیزیں ہیں۔ اور اس بات کو بھی ملحوظ رکھو کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست حالت میں رہتا ہے یعنی جب وہ ایمان و عرفان اور تقویٰ کے نور سے منور رہتا ہے تو اعمال خیر اور حسن اخلاق و احوال کی وجہ سے پورا جسم درست حالت میں رہتا ہے اور جب اس ٹکڑے میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے یا رکھو گوشت کا وہ ٹکڑا دل ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”حلال ظاہر ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ کچھ چیزیں تو وہ ہیں، جن کا حلال ہونا سب کو معلوم ہے۔ نیک کلام، اچھی باتیں وہ مباح چیزیں ہیں جن کو کرنا یا جن کی طرف دیکھنا درست ہے، شادی بیاہ کرنا اور چلنا پھرنا وغیرہ ای طرح حرام ظاہر ہے۔ ”کا مطلب یہ ہے کہ کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا حرام ہونا نفس کے ذریعہ بالکل واضح طور پر معلوم ہو گیا ہے۔ جیسے شراب، خنزیر، مردار، خون، زنا، سود، جھوٹ، غیبت، چغلی خوری، امر اور انجی عورت کی طرف بہ نظریہ دیکھنا وغیرہ۔ ایسے ہی کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جن کی حرمت یا حلت کے بارہ میں دلائل کے تقاضا کی بناء پر کوئی واضح حکم معلوم نہیں ہو سکا ہے۔ اشتباہ ہوتا ہے کہ یہ حرام ہیں یا حلال ایسی کتنی ہی چیزیں ہیں جن کے حلال ہونے کی دلیلیں بھی ہیں اور حرام ہونے کی بھی، اس صورت میں کوئی واضح فیصلہ کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہوتی، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسی چیزوں کی حقیقت بہت سے لوگ نہیں جان پاتے البتہ وہ علماء جو مرتبہ اجتہاد پر فائز ہوتے ہیں یا جن کا علم بہت وسیع و گہرا ہوتا ہے ایسی چیزوں کے بارہ میں دونوں طرف کی دلیلوں میں سے کسی ایک طرف کی دلیل کو اپنی قوت اجتہاد اور بصیرت فکر و نظر کے ذریعہ راجح قرار دیکر کوئی واضح فیصلہ کر لیتے ہیں۔ ہر کیف مشتبہ چیز کے بارہ میں علماء کے تین قول ہیں۔

- ۱) ایسی چیز کو نہ حلال سمجھائے نہ حرام اور نہ مباح یعنی قول سب سے زیادہ صحیح ہے اور اسی پر عمل کرنا چاہئے جس کا مطلب یہ ہے ایسی چیز سے اجتناب کرنا ہی بہتر ہے۔
- ۲) ایسی چیز کو حرام سمجھ جائے۔
- ۳) ایسی چیز کو مباح سمجھ جائے۔

اب ان تینوں اقوال کو ذہن میں رکھ کر مشتبہ کو بطور مثال اس طرح سمجھئے کہ مثلاً ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا۔ ایک دوسری عورت نے اگر کہا کہ میں نے ان دونوں کو اپنا دودھ پلایا ہے اس صورت میں وہ منکوحہ عورت اس شخص کے حق میں مشتبہ ہو گئی کیونکہ ایک طرف تو عورت کا بیان ہے کہ میں نے چونکہ ان دونوں کو دودھ پلایا ہے اس لئے یہ دونوں رضائی بہن بھائی ہونے اور ظاہر ہے کہ یہ رضائی بھائی بہن کے درمیان نکاح درست نہیں ہوتا لہذا اس دلیل کا تو یہ تقاضا ہے کہ اس نکاح کو قطعاً جائز کہا جائے مگر دوسری طرف نکاح کے جائز رہنے کی یہ دلیل ہے کہ صرف یہ ایک عورت کی بات ہے جس پر کوئی شرعی گواہی نہیں ہے اس پر کیسے یقین کر لیا جائے کہ یہ عورت صحیح ہی کہہ رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ شخص بدعتی کی وجہ سے یہ بات کہہ کر ان دونوں کے درمیان الزام کرنا چاہتی ہے، اس صورت میں کہا جائے گا نکاح جائز اور درست ہے دلائل کے اس تقاضا کی وجہ سے لامحالہ یہی حکم ہو گا کہ یہ ایک مشتبہ مسئلہ ہو گیا ہے اس لئے اس شخص کے حق میں بہتر یہی ہو گا کہ وہ اس عورت کو اپنے نکاح میں نہ رکھے کیونکہ مشتبہ چیز سے اجتناب ہی اولیٰ ہے مشتبہ چیز کی دوسری مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کے پاس کچھ روپے ہیں جن میں سے کچھ تو جائز آمدنی کے ہیں اور کچھ ناجائز آمدنی کے اس صورت میں وہ سب روپے اس شخص کے حق میں مشتبہ ہیں لہذا اس کو ان دونوں سے اجتناب و پرہیز کرنا چاہئے۔

ارشاد گرامی میں حرام چیزوں کو ممنوعہ چر اگاہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح کوئی حکم کسی خاص چر اگاہ کو دوسروں کے لئے ممنوع قرار دے دیتا ہے جس کے نتیجہ میں لوگوں کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے جانوروں کو اس ممنوعہ چر اگاہ سے دور رکھیں۔ اسی طرح جو چیزیں شریعت نے حرام قرار دی ہیں وہ لوگوں کے لئے ممنوع ہیں کہ ان کے ارتکاب سے اجتناب و پرہیز واجب و ضروری ہے اور مشتبہ چیزوں میں مبتلا ہونے کو ممنوعہ چر اگاہ کی حیثیت (منذر) پر عام جانور چرانے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح چرواہے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے جانوروں کو ممنوعہ چر اگاہ سے دور رکھ کر چرانے تاکہ اس کے جانور اس ممنوعہ چر اگاہ میں نہ گھس جائیں اور اگر وہ اپنے جانوروں کو ممنوعہ چر اگاہ کی حیثیت پر جانے لگے تو پھر اس بات کا ہر وقت احتمال رہے گا کہ اس کے جانور ممنوعہ چر اگاہ میں گھس جائیں جس کے نتیجہ میں اسے غم قرار دے دیا جائے گا اسی طرح ایمان کو چاہئے کہ وہ مشتبہ چیزوں سے دور رہے تاکہ حرمت (حرام چیزوں) میں مبتلا نہ ہو جائے اس کے بعد آپ نے مذکورہ بالا تشبیہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جان لو کہ ہر بادشاہ کا ایک

ایہ ممنوعہ علاقہ ہوتا ہے جس میں جانور چرانا جرم سمجھا جاتا ہے (یہ گویا زانہ جاہلیت کے بادشاہوں اور حکام کے بارہ میں خبر دی ہے یا یہ کہ مسلمانوں میں سے ان بادشاہوں اور حکام کے بارہ میں خبر دی ہے جو غیر عادل ہیں کیونکہ کسی علاقہ کی گھاس کو جانوروں کے چرنے سے روک کو ممنوعہ چراگا قرار دینا اور ست نہیں ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ممنوعہ علاقہ حرام چیزیں ہیں کہ جن میں مبتلا ہونا لوگوں کے لئے ممنوع قرار دے دیا گیا ہے لہذا جو کوئی اس ممنوعہ علاقہ میں داخل ہوگا یعنی حرام چیزوں کا ارتکاب کرے گا اسے مستوجب عذاب قرار دیا جائے گا اور پھر ان حرام چیزوں میں بھی بعض چیزیں تو ایسی ہیں جن کے مرکب کی بخشش ہی نہیں ہوگی جیسے شرک اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہیں کہ چاہے ان کے مرکب کو بخشے چاہے نہ بخشے البتہ سچے دل کے ساتھ توبہ استغفار سے ہر چیز بخش جاسکتی۔

حضرت شیخ علی متقیؒ نے اس موقع پر یہ ترتیب ضروری، مباح، مکروہ، حرام، مکفر قائم کر کے لکھا ہے کہ جب بندہ اپنی معاشی تمدنی اور سماجی زندگی کے تمام گوشوں میں اس قدر ضرورت پر ارتکاف کرتا ہے جس سے اس کا وجود اور اس کی عزت باقی رہے تو وہ اپنے دین میں ہر خطرہ سے سلامت رہتا ہے مگر جب حد ضرورت سے گزرنے کی کوشش کرتا ہے تو حد مکروہات میں داخل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ حرم و ہوس حد مکروہات سے نکال کر حرمت کی مد میں داخل کر دیتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا اگلا قدم کفر میں پہنچ جاتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

حدیث کے آخر میں انسانی جسم میں گوشت کے اس ٹکڑے کی اہمیت بیان کی گئی ہے جسے دل کہا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ جب وہ ٹکڑا بگڑ جاتا ہے یعنی انفار، شک اور کفر کی وجہ سے اس پر ظلمت طاری ہو جاتی ہے تو اس کے نتیجہ میں ارتکاب گناہ و مصیبت کی وجہ سے پورا جسم بگڑ جاتا ہے، لہذا ہر عاقل و بالغ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دل کی طرف متوجہ رہے اور اس کو خواہشات نفسانی میں مہمک ہونے سے روکے تاکہ وہ آگے بڑھ کر مشتبہ چیزوں کی حد میں داخل نہ ہو جائے کیونکہ جب دل خواہشات نفسانی کی طرف چل پڑتا ہے تو پھر خدا کی پناہ، وہ تمام حدود کو پھلانگتا ہوا ظلمت کی آخری حدود تک پہنچ جاتا ہے۔

آخر میں یہ سمجھ لیجئے کہ یہ حدیث اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ بدن کی بھلائی و بُتری طلال غذا پر موقوف ہے کیونکہ حلال غذا سے دل کو صفائی حاصل ہوتی ہے اور دل کی صفائی ہی سے تمام بدن اچھی حالت میں رہتا ہے باس طور کہ اس کے ایک ایک عضو سے اچھے اعمال ہی صادر ہوتے ہیں اور تمام اعضاء کابرائی کی طرف میلان ختم ہو جاتا ہے۔

اور اب ایک بات یہ جان لیجئے کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث علم و مسائل کے بڑے وسیع خزانے کی حامل ہے نیز جن حدیثوں پر اسلامی شرائع و احکام کا مدار ہے وہ تین ہیں ایک تو اِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ دوسری مِنْ حَسَنِ اسْلَامِ الْخَوْدِ تَوَكُّفًا عَلَى نَفْسِهِ اور تیسری لَيْسَ بِأَلْحَلَّالٍ نِيَّتُ الْبَغِ۔

زانیہ کی اجرت مال حرام ہے

⑤ وَعَنْ زَالِفِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَثَّى الْكَلْبُ خَبِيثًا وَ مَهْزُ الْبَغِيِّ خَبِيثٌ وَ كَسَنُ الْبَغِيِّ خَبِيثٌ۔ (ترمذی)

”اور حضرات رافع ابن خدیج کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”کے کی قیمت ناپاک مال ہے، زنا کار عورت کی اجرت، مال حرام ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: پہلے تو یہ سمجھ لیجئے کہ لفظ ”خبیثہ“ کے لغوی معنی ”ناپاک اور برا“ کے ہیں لیکن فقہی طور پر اس کے کوئی معنی نہیں ہیں ائمہ مجتہدین اور فقہاء حسب موقع و محل اس کے معنی کبھی حرام، کبھی ناپاک اور کبھی مکروہ وغیرہ مراد لیتے ہیں۔

چنانچہ حضرت امام شافعیؒ نے "لعن الکلب خبیث" میں "غیث" کے معنی حرام مراد لیے ہوئے کہا ہے کہ حدیث سے چونکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ کتے کی قیمت کے طور پر حاصل ہونے والا مال حرام ہے اس لئے کتے کی خرید و فروخت بھی ناجائز ہے کتا خواہ معلم (یعنی مدھایا ہوا) ہو خواہ غیر معلم (یعنی سدھایا ہوا) ہو۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ حضرت امام محمدؒ اور بعض دوسرے ائمہ کا قول یہ ہے کہ ان کتوں، چیتوں اور درندوں کی خرید و فروخت جائز ہے، جن سے فائدے حاصل ہوتے ہیں خواہ وہ معلم ہوں یا غیر معلم۔ ان حضرات نے "لعن الکلب خبیث" کے بارہ میں یہ کہا ہے کہ لفظ "غیث" محض حرمت ہی پر دلالت نہیں کرتا جس کی واضح مثال اس حدیث کے الفاظ "و کسب الحجام خبیث" ہیں۔ اگر لفظ "غیث" سے حرام مراد لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا۔ سبکی کھینچنے والے کو جو اجرت حاصل ہوتی ہے وہ بھی حرام ہے حالانکہ متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک وہ حرام نہیں ہے لہذا "لعن الکلب خبیث" میں لفظ غیث کے معنی "ناپاک" مراد لیے ہوئے اس جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ کتے کی قیمت کے طور پر حاصل ہونے والا مال ناپاک یعنی مکروہ ہے، حرام نہیں ہے۔

"کسب الحجام خبیث" میں لفظ غیث کے معنی "ناپسندیدہ" مراد لئے گئے ہیں کیونکہ خود آنحضرت ﷺ کے بارہ میں ثابت ہے کہ آپ نے سبکی کھینچنے والے کی اجرت ادا کی ہے اگر یہ اجرت حرام ہوتی تو آپ خود کیوں دیتے؟ لہذا اس جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ سبکی کھینچنے والے کو اپنی اجرت کے طور پر جو مال ملتا ہے وہ ناپسندیدہ یعنی مکروہ شرعی ہے۔

کتے کی قیمت کا مسئلہ

⑥ وَغَنِ أَبِیْنِ مَسْعُودٍ الْإِنْسَارِیَّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ قَتْلِ الْكَلْبِ وَمَنْعَهُ الْبَغِیَّ وَخُلُوَانِ الْكَاهِنِ۔ (مشق طبع)

"اور حضرت ابو مسعود انساریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت، بدکار عورت کی اجرت اور کاهن کے طوان یعنی اس کی اجرت (کے طور پر حاصل ہونے والے مال کو استعمال کرنے) سے منع فرمایا ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح : کتے کی خرید و فروخت اور اس کی قیمت کے طور پر حاصل ہونے والے مال کے سلسلہ میں تفصیلی بحث اس سے پہلی حدیث کی تشریح میں کی جا چکی ہے چنانچہ اس حدیث میں کتے کی قیمت کے ممنوع ہونے کا جو حکم بیان کیا گیا اس کے بارہ میں حنفی علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت تھا جب کہ آنحضرت ﷺ نے کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ نیز آپ نے کتوں سے فائدہ حاصل کرنے کی بھی ممانعت کر دی تھی مگر پھر بعد میں آپ نے یہ اجازت دے دی تھی کہ کتوں سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے یہاں تک کہ یہ بھی منقول ہے کہ ایک شخص نے ایک بکری کتے کو مار ڈالا تھا تو آپ نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ کتے کے مالک کو چائیں درم ادا کرے۔ اسی طرح ایک شخص نے ایک ریوڑ کے گھبہاں کتے کو مار ڈالا تو آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ مالک کو اس کتے کے بدلہ میں ایک دنبہ دے۔

علامہ طبریؒ فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ نہ تو کتے کی خرید و فروخت جائز ہے اور نہ کسی کتے کو مار ڈالنے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس کتے کی قیمت اس کے مالک کو ادا کرے کتا خواہ معلم ہو یا غیر معلم ہو، اسی طرح خواہ اس کتے کا پالنا جائز ہو یا نہ جائز ہو لیکن حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ نے اس کتے کی خرید و فروخت جائز قرار دی ہے جس سے فائدہ اٹھانا مقصود ہو مثلاً گھریا کی نگرانی یا ریوڑ گلوں کی گھربانی وغیرہ نیز حضرت امام اعظمؒ نے ایسے کتے کو مار ڈالنے والے کے لئے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ اس کتے کی قیمت اس کے مالک کو ادا کرے۔

بدکار عورت کے اس مال کا حکم جو اس نے اپنی بدکاری کی اجرت کے طور پر حاصل کیا ہو، گزشتہ حدیث کی تشریح میں ذکر کیا جا چکا

”کاہن“ اس شخص کو کہتے ہیں جو آنے والے زمانہ کی خبریں بتایا کرتا ہے، اسی طرح ”حلوٰن“ کے لغوی معنی اگرچہ ”شیرینی اور مٹھائی“ لیکن اصطلاحی طور پر عربی میں ”حلوٰن“ اس اجرت کو کہتے ہیں جو کاہن آئندہ کی خبریں معلوم کرنے والے سے وصول کرتا ہے، خواہ وہ مٹھائی اور کھانے وغیرہ کی صورت میں ہو یا کپڑے، زیور اور نقدی وغیرہ کی شکل میں، کاہن کی اجرت کو حلوٰن کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح شیرینی اور مٹھائی کھانے سے طبیعت کو فرحت محسوس ہوتی ہے اسی طرح کاہن کو اپنی یہ اجرت ملے کہ بہت ہی فرحت محسوس ہوتی ہے کیونکہ بغیر کسی محنت و مشقت کے وہ اچھا خاصا مال، ثور لیتا ہے۔

یہ بات تو معلوم ہی ہوگی کہ جس طرح کاہن کے پاس جانا اور ان سے آئندہ کی خبریں معلوم کرنا حرام ہے اسی طرح پوچھیدہ باتوں کو معلوم کرنے کے لئے نبوی اور پامست وغیرہ کے پاس جانا اور ان کی بتائی ہوئی باتوں پر یقین کرنا حرام ہے اس بارہ میں کسی عالم کا کوئی اختلاف نہیں ہے اس کی تفصیلی بحث انشاء اللہ ”باب السحر والکھانہ“ میں آئے گی۔“

خون چننا حرام ہے

﴿وَعَنْ أَبِي خُثَيْفَةَ أَنَّ الشَّيْخَ صَلَّيَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ ثَمَنِ الدَّمِّ وَثَمَنِ الْكَلْبِ وَثَمَنِ الْبَيْعِ وَثَمَنِ الْبَحْرِ الزَّيْتِ وَمُزْجِلَةِ وَالْوِاضِغَةِ وَالْمُسْتَوْضِغَةِ وَالْمُصَوِّرِ﴾۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے خون کی قیمت، کتے کی قیمت اور بدکار عورت کی اجرت (کے طور پر حاصل ہونے والے مال کے استیصال سے منع فرمایا ہے نیز آپ نے سود لینے والے اور سود دینے والے گودنے والے اور گودوانے والے اور مصور پر لعنت فرمائی ہے۔“ (بخاری)

تشریح: خون کی قیمت سے منع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے خون کی خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے کیونکہ خون نجس ہوتا ہے اور اس کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ جس چیز کی خرید و فروخت ناجائز ہوتی ہے اس کی قیمت کے طور پر حاصل ہونے والا مال بھی ناجائز ہوتا ہے۔ بعض حضرات نے ”ثمن الدم“ (خون کی قیمت) کو بیگنی کھینچنے والے کی اجرت پر محمول کیا ہے اس صورت میں ممانعت کا تعلق مکروہ تنزیہی سے ہوگا۔ کتے کی قیمت اور بدکار عورت کی اجرت کے بارہ میں گزشتہ احادیث بیان کی جا چکی ہیں۔

”گودنے“ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جسم کے کسی حصہ پر یا پورے جسم پر سوئی سے گود کر سرمہ یا تیل بھر دیتے ہیں جس سے سرمہ کی یا نیلے داغ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے گودنے والے پر بھی اور گودوانے والے پر بھی لعنت فرمائی ہے۔ کیونکہ یہ فاسقوں اور غیر مسلمانوں کا کام ہے، نیز اس طریقہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاشدہ جسم کی اصل خلقت میں تغیر پیدا ہوتا ہے۔ اگر کسی مسلمان کے جسم پر گودنے کے داغ ہوں تو اس کے بارہ میں تعلیق انفرادی میں لکھا ہے کہ اسے کسی بھی تدبیر سے مٹا دیا جائے اور اگر زخم و خراش پیدا کئے بغیر کسی بھی تدبیر سے اس کو مٹانا ممکن نہ ہو تو پھر چھوڑ دیا جائے ان کو مٹانے کے لئے زخم و خراش کی تکلیف برداشت کرنے کی ضرورت نہیں ہے تاہم ہر صورت اس قبیح فعل پر ندامت کے ساتھ توبہ کی جائے، توبہ کے بعد گناہ گار نہیں رہے گا۔

آپ نے مصور پر بھی لعنت فرمائی ہے، لیکن مصور سے مراد یہ ہے کہ وہ جانور کا ٹوکھینچنے یا جاندار کی تصویر بنانے یا تصویر کاڑھے، غیر جاندار چیزوں مثلاً مکانات، درخت اور پہاڑ وغیرہ کی تصویریں کھینچنا، بنانا اور گاڑھنا درست ہے۔

خطائی نے لکھا ہے کہ تصویر کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک تو یہ ہے کہ جس چیز پر تصویر بنائی جاتی ہے وہ چیز تصویر کی ایک عکس بنی ہوئی ہے اور تصویر مقصود بالذات ہوتی ہے مثلاً جب ٹوکھینچنا جاتا ہے یا کاغذ پر تصویر بنائی جاتی ہے تو اس ٹوکھینچنے یا تصویر کے کاغذ کی حیثیت محض عکس بنی ہوئی ہے اصل مقصد کا تعلق تصویر سے ہوتا ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ جس چیز پر تصویر بنی ہوئی ہوتی ہے وہ چیز مقصود بالذات ہوتی ہے اور تصویر اس چیز کا ایک عکس وصف ہوتا ہے مثلاً برتن، دیواریں، چھتوں، قالینوں اور پردوں وغیرہ پر بنی ہوئی تصویریں۔ لہذا دوسری

قسم کی خرید و فروخت جائز ہے جب کہ بنانا دونوں ہی کا جائز ہے۔

حرام چیزوں کی خرید و فروخت بھی حرام ہے

① وَعَنْ خَابِرِ اللَّهِ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ عَامَ الْفَتْحِ وَهُوَ بِمَكَّةَ إِنَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ حَزَمَ بَيْعَ الْحُمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ شُحُومَ الْمَيْتَةِ فَإِنَّهُ يُنْظَلُّ بِهَا الشُّفْنُ وَيُدَبُّ بِهَا الْجُلُودُ وَيَسْتَصْبَحُ بِهَا النَّاسُ فَقَالَ لَأَهْوَ حَزَمْتُ عَنْ ذَلِكَ قَاتِلَ اللَّهِ الْيَهُودَ إِنَّ اللَّهَ لَمَّا حَزَمَ شُحُومَهَا أَجْمَلَهَا ثُمَّ نَاغَوْهَا فَكَلَّوْا لَمَنْفَ (متفق علیہ)

”اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ سال کے سال میں رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید و فروخت کو حرام قرار دیا ہے جب آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ہمیں مردار کی چربی کا حکم بھی بتائیے جو کشتیوں پر ملی جاتی ہے نیز اس سے چڑوں کو چلنا کیا جاتا ہے اور لوگ (مگروں میں) اس سے چراغ جلاتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ مردار کی چربی بھی حرام ہے اس لئے اس سے یہ فائدہ اٹھانے جا کر نہیں۔ پھر آپ نے اسی وقت یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہودیہ لعنت فرمائے جب اللہ تعالیٰ نے مردار کی چربی کو حرام قرار دیا تو یہودیہ نے یہ حیلہ اختیار کیا کہ وہ چربی کو پتھلاتے اور بیچ دالتے اور پھر اس کی قیمت کھا جاتے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: عطاء نے لکھا ہے کہ شراب وغیرہ کے مذکورہ بالا حکم میں باجا بھی داخل ہے کہ اس کی خرید و فروخت بھی جائز نہیں ہے نیز اگر کوئی شخص کسی باجے کو تلف کر دے تو اس پر ضامن یعنی مالک کو اس کی قیمت ادا کرنا واجب نہیں ہوتا۔

حضرت امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ مردار کی چربی کی خرید و فروخت تو جائز نہیں ہے لیکن اس چربی سے فائدہ اٹھانا یعنی اس کو کھانے اور آدمی کے جسم پر ملنے کے علاوہ اور کام میں استعمال کرنا جائز ہے خواہ کشتی پر ملے، خواہ چراغ میں جلائے اور خواہ کسی اور کام میں لائے اسی طرح ان کے مسلک کے مطابق جو کچھ یا زیت یا اور کوئی تیل نجاست پر جانے کی وجہ سے نجس ہو گیا ہو تو اس کو چراغ میں جلانے یا اس کا صابون بنانا جائز ہے جب کہ جہور کا مسلک یہ ہے کہ جس طرح مردار کی خرید و فروخت ناجائز ہے اسی طرح اس سے کسی بھی طرح کا فائدہ اٹھانا یعنی اس کی کسی بھی چیز کو اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے کیونکہ مردار کی حرمت بطریق عموم ثابت ہے البتہ دباغت کیا ہوا چیز اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کا جو از خصوصی طور پر ثابت ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے تبعین علانہ نے نجس زیت کو بیچنے کی اجازت دی ہے البتہ ان کے نزدیک نجس تیل کو چراغ میں جلانا بالخصوص مسجد میں جلانا مکروہ ہے۔

حدیث کے آخر میں یہودیوں کی ایک خاص عیاری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جب ان کے لئے مردار کی چربی کو حرام قرار دیا تو انہوں نے یہ حیلہ اختیار کیا کہ وہ چربی کو پتھلا کر اس کو بیچ دیتے تھے اور پھر اس کی قیمت کے طور پر حاصل ہونے والے مال کو اپنے استعمال میں لے آتے اور یہ کہتے تھے کہ اللہ نے تو چربی کھانے سے منع کیا ہے اور ہم چربی نہیں کھاتے بلکہ اس کی قیمت کے طور پر حاصل ہونے والا مال کھاتے ہیں گو یادہ جاہل چربی کو پتھلا کر یہ سمجھتے تھے کہ ہم نے چربی کی حقیقت کو بدل دیا ہے کہ پتھلنے کے بعد وہ چربی نہیں رہ گئی ہے اس لئے اس صورت میں حکم الہی کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی اس عیارتہ چال کی وجہ سے ان کو اللہ کی لعنت کا حق قرار دیا اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ایسا حیلہ اختیار کرنا کہ جس کے سبب سے حرام کار تکاب ہوتا ہو بالکل غلط ہے، نیز یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ کسی چیز کی قیمت حکم کے اعتبار سے اسی چیز کے تابع ہے کہ اگر وہ چیز حرام ہوگی تو اس کی قیمت بھی حرام ہوگی اور جو چیز حلال ہوگی اس کی قیمت بھی حلال ہوگی۔

یہودیوں کی ایک عیاری

(۹) وَعَنْ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَاتِلِ الْيَهُودَ خَرِمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُومُ وَحُمُلُوهَا فَكَافُّوْهَا۔ (بخاری علیہ)

”اور حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ یہودیوں کو ہلاک کرے ان پر (مردار کی) چربیوں حرام کی گئیں تو انہوں نے اس کو پھلایا (تاکہ چربی کا نام باقی نہ رہے) اور پھر اس کی خرید و فروخت شروع کر دی (اس کی وضاحت حدیث بالا میں کی جا چکی ہے)۔“ (بخاری و مسلم)

بلی کی خرید و فروخت کا مسئلہ

(۱۰) وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَالْبِشْوَْرِ۔ (روہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے کتے اور بلی کی قیمت (کو استعمال میں لانے) سے منع فرمایا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: علامہ طبریؒ کہتے ہیں کہ بلی کی قیمت کو استعمال میں لانے کی یہ ممانعت نجی تبرکی کے طور پر ہے۔ چنانچہ تقریباً تمام علماء نے بلی کی خرید و فروخت، بہہ کرنے اور عارتہ دینے کو جائز کہا ہے۔ البتہ حضرت ابو ہریرہؓ اور تابعینؓ میں سے کچھ حضرات اس حدیث کے ظاہری معنی کے پیش نظر اس کے جواز کے قائل نہیں تھے۔

چھپنے لگانے کا پیشہ حلال ہے

(۱۱) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ حَجَّجَ أَبُو ظَلَيْبَةَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهُ بِضَاعٍ مِنْ تَمْرٍ وَأَمَرَ أَهْلَهُ أَنْ يُخَفِّفُوا غُلَّةَ مِنْ خَوَاجِمِهِ۔ (بخاری علیہ)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ابو ظبیبہؓ نے رسول کریم ﷺ کے چھپنے لگانے تو آپ نے اس کے مالکوں کو حکم دیا کہ وہ ابو ظبیبہؓ کی کمائی میں سے کم لیا کریں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ اپنے غلاموں اور لونڈیوں کو مختلف پیشوں میں لگا دیتے تھے اور ان سے یہ طے کر دیتے تھے اجرت کے طور پر حاصل ہونے والے مال میں سے اتنا حصہ ملے گا اور باقی کے تم حقدار ہو گے، چنانچہ ابو ظبیبہؓ نے جو بنی بیاضہ کے غلام تھے، آنحضرت ﷺ کی خدمت گزاری کی تو آپ ان سے بہت خوش ہوئے اور ان کے مالکوں سے کہا کہ تم لوگ ابو ظبیبہؓ کی کمائی میں جو کچھ روزانہ لیا کرتے ہو اس میں کمی کی کر دو۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ چھپنے لگانے کا پیشہ ایک حلال پیشہ ہے اور اس کی اجرت دینا جائز ہے نیز اس حدیث سے چند اور مسائل ثابت ہوتے ہیں اول یہ کہ علاج کرنا اور علاج کرانے کی اجرت دینا مباح ہے، دوم یہ کہ مالک کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے غلام کو کمائی پر لگا دے اور اس کے کمائے ہوئے مال میں سے اپنا کوئی حصہ مقرر کرے، سوم یہ کہ صاحب حق اور صاحب مطالبہ سے سفارش کرنا جائز ہے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

اولاد کی کمائی کھانا جائز ہے

(۱۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ أَطْلَبَ مَا أَكَلْتُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ وَإِنْ أَوْلَاكُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ

رواه الترمذی والتسالی و ابن حبانہ و فی رواية ابن خلدون اللذان یمنان ان اقلب ما اکل النجس من کسبه وان ولده من کسبه۔

”حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو کچھ تم کھاتے ہو اس میں سب سے بہتر وہ چیز ہے جو تمہیں کمائی سے حاصل ہوئی ہے اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہے۔“ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

ابوداؤد اور دارمی کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”انسان جو کچھ کھاتا ہے اس میں سب سے بہتر وہ چیز ہے جو اس کی کمائی سے حاصل ہوئی ہے اور اس کی اولاد بھی اس کی کمائی ہے۔“

تشریح: اولاد کو کمائی اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ وہ ماں باپ کے آپس کے نکاح کے نتیجہ ہی میں پیدا ہوتی ہے گویا اس ارشاد کے ذریعہ اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ماں باپ اگر خود کمانے کے قائل نہ ہوں تو ان کے لئے اپنی اولاد کی کمائی کھانا جانا ہے ہاں اگر ماں باپ اپنے دست و پاؤں کی محنت سے اپنے رزق کی راہیں خود بنا سکتے ہوں تو پھر ان کے لئے یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ اپنی اولاد پر بار نہیں، البتہ اولاد کی خوشنودی و مرضی اگر یہی ہو کہ ماں باپ اس کی کمائی کھائیں تو پھر بہر صورت اولاد کی کمائی کھانا جانا ہوگا چنانچہ حنفی علماء کا یہی قول ہے۔

علامہ طہیؒ کہتے ہیں کہ اگر والدین محتاج ہوں تو ان کی ضرورت زندگی کی کفالت لڑکے پر واجب ہے لیکن حضرت امام شافعیؒ کے مسلک میں اس وجوب کی شرط یہ ہے کہ وہ کمانے سے معذور بھی ہوں، جب کہ دوسرے علماء کے ہاں یہ شرط نہیں ہے۔

مال حرام کا حکم

⑬ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مسعودٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَكْسِبُ عَبْدٌ مَالًا حَرَامًا فَيَتَصَدَّقَ بِهِ فَيُغْفَلَ لَهُ مِنْهُ وَلَا يَنْفِقُ مِنْهُ لِيَتَزَاكَ لَهُ فِيهِ وَلَا يَتَزَكَّهُ حَلْفَ ظَهْرِهِ الْأَكْبَانُ زَادَهُ إِلَى الثَّانِي أَنَّ اللَّهَ لَا يَمْشُو السَّبْقَ بِالسَّبْقِ وَلَكِنْ يَمْشُو السَّبْقَ بِالْحَسَنِ إِنَّ الْحَبِثَ لَا يَمْشُو الْحَبِثَ وَوَاهُ أَحْمَدُ وَكَذَا فِي شَرْحِ الْمُسْتَدْرَكِ۔

”اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ایسا بھی نہیں ہوتا کہ کوئی بندہ حرام مال کما کر اس میں سے صدقہ و خیرات کرتا ہو اور اس کا وہ صدقہ قبول کر لیا جاتا ہو (یعنی اگر کوئی شخص حرام ذرائع سے کمایا ہو مال صدقہ و خیرات کرے تو اس کا صدقہ قلع قبول نہیں ہوتا اور نہ اسے کوئی ثواب ملتا ہے) اور نہ بھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ شخص اس حرام کو (اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال پر) خرچ کرنا ہو اور اس میں اسے برکت حاصل ہوتی ہو (یعنی حرام مال میں سے جو بھی خرچ کیا جاتا ہے اس میں بالکل برکت نہیں ہوتی) اور جو شخص اپنے (مرنے کے بعد) حرام مال چھوڑ جاتا ہے اس کی حیثیت اس کے علاوہ اور کچھ نہیں رہتی کہ وہ مال اس شخص کے لئے ایک ایسا توشہ بن جاتا ہے جو اسے دوزخ کی آگ تک پہنچا دیتا ہے اور (یہ بات یاد رکھو کہ) اللہ تعالیٰ برائی کو برائی کے ذریعہ دور نہیں کرتا بلکہ برائی کو بھلائی کے ذریعہ دور کرتا ہے، اسی طرح ناپاک مال ناپاک کو دور نہیں کرتا (یعنی حرام مال برائی کو دور نہیں کرتا بلکہ حلال مال برائی کو دور کرتا ہے)۔“ (جامع ترمذی ص ۱۸۷)

تشریح: خدا کی پناہ، مال و زر کی ہوس انسان کو کتنا اندھا بنا دیتی ہے کہ وہ اس چند روزہ دنیا کی جان و جان و آسائشوں کی خاطر عاقبت کی کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی کو تباہ و برباد کر لیتا ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتا کہ جس مال و زر کی خاطر وہ اپنی زندگی کو عزت و آبرو کی بڑی سے بڑی نیلام گاہ میں لاکھڑا کرتا ہے جس کے نتیجہ میں کبھی جھوٹ بولتا ہے، کبھی مکرو فریب سے کام لیتا ہے، کبھی دوسروں کا حق غصب کرتا ہے، کبھی غریبوں کا خون چوستا ہے یہاں تک کہ اپنے دین و ایمان کا سودا کرتا ہے۔ اپنے خمیر کو گروی رکھتا ہے، اپنی عزت کو داؤ پر لگاتا ہے اور ان کی شرف و عظمت کی ساری حدود کو پار کر جاتا ہے آخر کار ان تمام ذرائع اور حرام طریقوں سے کمایا ہوا وہی مال و زر اپنے کمانے والے کے لئے بعد

مرگ ایک ایسا توشہ اور ذریعہ بن جاتا ہے جو اسے جہنم کی آگ تک پہنچا دیتا ہے کیونکہ اقل تو حرام ذرائع سے کمانے اور پھر اس کمانے سے فائدہ اٹھانے کا گناہ اس پر ہوتا ہے اس کے علاوہ مرنے کے بعد وہ جو کچھ حرام مال و زر چھوڑ جاتا ہے وہ یکے بعد دیگرے اس کے وارثوں کی ملکیت میں جاتا ہے جس سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے وہ سب گناہ و معصیت میں مبتلا ہوتے ہیں اور انجام کار اس حرام مال کے ذریعہ قیامت تک صادر ہونے والے گناہوں کی سیاقی اس کے نامہ اعمال کو داغدار کرتی رہتی ہے۔

ان اللہ لا یصحو المسنی یہ جملہ مستانہ یعنی ایک طبعہ جملہ ہے جو بمنزلہ تحلیل عدم قبول یعنی مال حرام کے صدقہ کے قبول نہ ہونے کی علت کو بیان کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حرام مال میں سے صدقہ دینا ثواب کا ذریعہ تو کیا ہوتا یہ خود ایک برائی اور گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ برے اعمال کو برائیوں کے ذریعہ دور نہیں کرتا یعنی اگر کوئی یہ چاہے کہ اپنے حرام مال میں سے کچھ خدا کے نام پر صدقہ دے کہ اپنے گناہوں میں تخفیف کا سامان کرے تو یہ ناممکن ہے کیونکہ حرام مال میں سے صدقہ دینا خود گناہ ہے بلکہ بعض علماء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کوئی حرام مال میں سے صدقہ و خیرات کرے اور پھر اس پر ثواب کی امید رکھے تو وہ کفر کی حد تک پہنچ جاتا ہے نیز اگر کسی فقیر و محتاج کو یہ معلوم ہو جائے کہ اسے صدقہ دینے والا بطور صدقہ جو مال دے رہا ہے وہ حرام ذرائع سے حاصل کیا گیا ہے اور اس کے باوجود وہ صدقہ دینے والے کے لئے دعا کرے تو وہ بھی کفر کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔

”وَلَكِنْ يَنْصَحُوا الشُّعْبَةَ بِالْخَيْرِ“ کا تعلق باقبل کے جملہ سے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں میں تخفیف یا گناہوں کی بخشش تو نیک اعمال اور اچھے کاموں کے ذریعہ ہوتی ہے مثلاً حلال میں سے صدقہ کرنا ایک نیک عمل ہے۔ جو شخص اپنے حلال مال میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرے گا۔ اسے اس کا ثواب بھی ملے گا اور اس کے گناہ بھی دور کئے جائیں گے۔ گویا اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے۔

إِنَّ الْخَيْرَاتِ بَلَدٌ جَنَّاتُ الشَّيْطَانِ بِلَا شَرِّ نِكَايَا بَرَايَا كَوْدُور كَرْتِي هِي۔

اور یہ سب جیسے اصل حدیث کی آخری عبارت ”ان الخیرات“ کی تہدید و مقدمہ کے طور پر ہیں۔

حرام مال کھانے پر وعید

(۱۲) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَخْمٌ نَبَتْ مِنَ الشَّعْبَةِ وَكُلُّ لَخْمٍ نَبَتْ مِنَ الشَّعْبَةِ كَأَنْتَابِ النَّارِ أَوَّلِي بِهِ ذَوَاهُ أَخْمَدُ وَالذَّارِمِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعْبِ الْإِيمَانِ۔

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”وہ گوشت جس نے حرام مال سے پرورش پائی ہے جنت میں داخل نہیں ہوگا“ اور جو گوشت یعنی جو جسم حرام مال سے نشوونما پائے وہ دوزخ کی آگ ہی کے لائق ہے۔“ (احمد و دارمی و بیہقی)

تشریح: حرام مال سے نشوونما پانے والے جسم کے دوزخ میں داخل ہونے سے مراد تو یہ ہے کہ ایسا شخص شروع میں نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا بلکہ اس نے جتنا حرام مال کھایا ہوگا اس کے بقدر رجب سزا بھگت لے گا تو اس کو جنت میں داخل کیا جائے گا یا یہ کہ ایسا شخص جنت کے اعلیٰ درجات میں داخل نہیں ہو سکے گا یا یہ مراد ہے کہ وہ لوگ جنت میں داخل نہیں ہوں گے جو حرام مال کو حرام مال سمجھ کر نہیں بلکہ حلال مال یقین کر کے کھاتے ہیں۔ یا پھر یہ کہ اس ارشاد گرامی کا اصل مقصد حرام مال کھانے کی برائی بیان کرنا ہے اور اس سے مراد جزو توبہ، تہذیب اور سخت وعید ہے۔

جو شخص حرام مال کھانے کے بعد اپنے اس قبیح فعل پر ندامت و شرمندگی کے ساتھ سچے دل سے توبہ کرے، یا اللہ تعالیٰ اس کو بغیر توبہ کے معص اپنے فضل و کرم سے بخش دے اور اس نے جن لوگوں کا مال حرام طریقوں سے کھایا ہوگا ان کو راضی کر دے اور یا اسے کسی کی شفاعت حاصل ہو جائے تو وہ شخص اس وعید سے مستثنیٰ ہوگا۔

شہادت میں پڑنے سے بچو

(۱۵) وَعَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا مَا يُؤْتِيكَ إِلَى مَا لَا يُرِيكَ فَإِنَّ الصَّدَقَ طَمَآنِينَةٌ وَإِنَّ الْكَذِبَ رَنَفٌ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالتَّسَنُّيُّ وَرَوَى الدَّارِمِيُّ الْفَضْلُ الْأَوَّلُ -

”اور حضرت حسن ابن علیؑ جیسے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کو خود سنا ہے اور اسے یاد رکھا ہے کہ ”جو چیز تم کو شک میں ڈالے اس کو چھوڑ دو اور اس چیز کی طرف میلان نہ کرو جو تم کو شک میں نہ ڈالے کیونکہ دل حق کے اطمینان کا باعث ہے اور باطل شک و تردید کا موجب (احمد، ترمذی، نسائی اور دارمی نے حدیث کا صرف پیلا حصہ یعنی دَعَا مَا يُؤْتِيكَ إِلَى مَا لَا يُرِيكَ اُقل کیا ہے۔“

تشریح: ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ شہادت میں پڑنے سے بچو اور جو چیزیں شہادت میں مبتلا کرنے والی ہوں۔ ان سے اجتناب کرو بعض علماء کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ اتر قسم اقوال و افعال جس چیز کی حلت و حرمت کے بارہ میں تمہارا ضمیر شک میں مبتلا ہو جائے تو اس چیز کو چھوڑ کر اس چیز کو اختیار کر لو جس کے بارہ میں تمہارا ضمیر کسی شک میں مبتلا نہ ہو کیونکہ انسان کا ضمیر چونکہ غلط راہنمائی نہیں کرتا اس لئے کسی چیز کے بارہ میں ضمیر کا شک میں مبتلا ہونا اس چیز کے غلط اور باطل ہونے کی علامت ہے، اور کسی چیز کے بارہ میں ضمیر کا مطمئن ہو جانا اس چیز کے صحیح اور حق ہونے کی علامت ہے گویا کسی چیز کے صحیح یا غلط ہونے اور اس کے حلال یا حرام ہونے کی پہچان کے لئے یہ ایک قاعدہ اور کسوٹی ہے تاہم یہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ یہ بات ہر شخص کو حلال نہیں ہوتی بلکہ یہ وصف خاص ان صالح انسانوں کو نصیب ہوتا ہے، جن کے ذہن و فکر اور جن کے دل و دماغ تقویٰ و ایمان و ارادہ کی وجہ پستہ کی وجہ سے معمور ہوتے ہیں۔

اچھائی اور برائی کی پہچان

(۱۶) وَعَنْ أَبِيهِ بْنِ مَغْبُذٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا وَابِصَةُ جَنَّتْ تَسْأَلُ عَنِ الْبَرِّ وَالْإِيمِ فَلْتُ نَعَمْ قَالَ فَمَجْمَعٌ أَصَابِعُهُ فَضَرْبٌ بِهَا ضَرْوَةٌ وَقَالَ اسْتَغْتَبَ نَفْسَكَ اسْتَغْتَبَتْ قَلْبَكَ فَلَا تَأْكُلُوا أَلْبُومًا أَظْمَأَتْ إِلَيْهِ النَّفْسُ وَأَظْمَأَتْ إِلَيْهِ الْقَلْبُ وَالْإِيمُ مَا خَالَاهُ النَّفْسُ وَتَرَدَّدَ فِي الضُّدِّ وَإِنْ أَفْكَاتُ الْتَأْمُ - (ردہ احمد و الدارمی)

”اور حضرت وابصہ ابن مغبذؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا ”وابصہ! تم نیکی پوچھتے آئے ہو تاں کہ نیکی کیا ہے اور گناہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں“ ان کا بیان ہے کہ (یہ سن کر آپ نے اپنی انگلیوں کو اکٹھا کیا اور میرے سینے پر مار کر فرمایا کہ! اپنے آپ سے دریافت کرو۔ اپنے دل سے دریافت کرو آپ ﷺ نے یہ الفاظ سن کر تہہ فرمائے اور پھر فرمایا کہ ”نیکی وہ ہے جس سے انسان خود مطمئن ہو جائے اور جس سے اس کے دل کو سکون حاصل ہو جائے، اور گناہ وہ ہے جس سے انسان کا جو غلش محسوس کرے اور جس سے اس کے دل و سینہ میں شک و تردید پیدا ہو جائے اگرچہ لوگ اسے صحیح کہیں۔“ (احمد و دارمی)

تشریح: اس ارشاد گرامی میں نیکی و برائی اور اچھائی و برائی کو پہچاننے کی ایک ایسی واضح علامت بتائی گئی ہے جسے ہر صالح انسان اپنے ہر قول و فعل کی کسوٹی بنا سکتا ہے، جس قول اور جس عمل پر اپنا ہی مطمئن ہو جائے اور دل سکون محسوس کرے تو سمجھنا چاہئے کہ وہ قول یا عمل، نیک اور اچھا ہے اور جس قول یا عمل پر طبیعت میں غلش و جھین اور دل میں شک و تردید کی لک پید ہو جائے سمجھ لینا چاہئے کہ وہ قول یا فعل غلط اور برا ہے۔ چنانچہ حدیث کا حاصل یہی ہے کہ ہر قول و فعل کے بارہ میں خود اپنے ضمیر کی راہنمائی حاصل کرو۔ جن چیز سے خاطر جمعی حاصل ہو اور دل میں یہ خیال نہ ہو کہ یہ بری ہے سمجھو کہ وہی نیکی ہے اور جس چیز سے خاطر جمعی حاصل نہ ہو اور دل میں تردید و غلیان پیدا ہو جائے سمجھو کہ وہی گناہ ہے اگرچہ لوگ اس چیز کے بارہ میں یہی کہیں نہ کہیں کہ یہ صحیح اور اچھی ہے اور کوئی مفتی اس کے صحیح ہونے کا

فتویٰ ہی کیوں نہ دے دے لہذا ان کے کہنے پر عمل نہ کرو۔ مثلاً اگر کسی شخص کے بارہ میں تمہیں یہ معلوم ہو کہ اس کے پاس حلال مال بھی ہے اور حرام مال بھی، اور وہ شخص تمہیں اپنے مال میں سے کچھ دینا چاہتا ہے تو اگر تمہارا دل اس پر مطمئن ہو کہ وہ تمہیں جو مل دے رہا ہے وہ وہی مال ہے جو اس نے صرف حلال ذرائع سے کمایا ہے تو تم لے لو اور اگر تمہارا دل مطمئن نہ ہو اور تمہیں یہ خوف ہو کہ کہیں یہ وہ مال نہ ہو جو اس نے حرام ذرائع سے کمایا ہے تو تم اس سے ہرگز کچھ نہ لو اگرچہ وہ خود یہ کہے کہ میں تمہیں اپنے حلال میں سے دے رہا ہوں اور کوئی مفتی یہ فتوے بھی دے رہا ہو کہ تمہارے لئے یہ مال لینا جائز ہے کیونکہ فتویٰ اور چیز ہے اور تقویٰ اور چیز ہے، تقویٰ پر عمل کرنا فتویٰ پر عمل کرنے سے کہیں بہتر ہے۔

مگر شہ حدیث کی تشریح میں بھی یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ ضمیر کی صحیح رہنمائی کا جو ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتا اور اب اس موقع پر بھی جان لیجئے کہ حدیث میں اپنے دل سے دریافت کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا تعلق ان صالح لوگوں سے ہے جن کے دل خواہشات نفسانی کی کدورت سے صاف اور تقویٰ و خدا ترسی کے جوہر سے معمور ہوتے ہیں کیونکہ ان کے طبائع اور ان کے قلوب صرف خیر و بھلائی کی طرف مائل اور برائی سے بیزار رہتے ہیں جبکہ برے لوگ نفسانی خواہشات میں گرفتار رہتے ہیں اور قیل و بھدائی سے بے اعتنائی اختیار کئے ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں انہیں ضمیر کی صحیح رہنمائی حاصل نہیں ہو سکتی نیز یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ اپنے دل سے دریافت کرنے کا یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ کسی چیز کے بارہ میں کوئی واضح شرعی فیصلہ سامنے نہ ہو، چنانچہ جب کسی چیز کے حکم کے بارہ میں قرآن کی آیتوں میں تعارض نظر آئے تو واجب ہے کہ حدیث کی طرف رجوع کیا جائے حدیث جس آیت کے مطابق فیصلہ کرے اسی آیت پر عمل کیا جائے۔ اگر حدیثوں میں بھی تعارض ہو تو پھر علماء کے اقوال کی طرف رجوع کرنا واجب ہے اور اگر علماء کے اقوال میں بھی تعارض ہو تو پھر اس کے بعد اپنے دل کی رہنمائی حاصل کرے، اور ان اقوال میں سے اس قول کے مطابق عمل کرے جس کو انچاد دل صحیح و راجح تسلیم کرے اور اس پر مطمئن ہو جائے۔

آخر میں یہ بتانا ضروری ہے کہ جب حضرت وابعدہؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے اپنی حاضری کا مقصد خود بیان نہیں کیا تھا بلکہ یہ اعجاز نبوت تھا کہ آنحضرت ﷺ نے از خود ازراہ کاشفہ ان کے دل کی بات بیان فرمادی نیز آنحضرت ﷺ نے اپنی انگلیاں اٹھا کر ان کے سینہ پر اس لئے ماریں تاکہ آپ کے مبارک ہاتھوں کی برکت کی وجہ سے ان کو آپ کے کلام کی پوری سمجھ حاصل ہو جائے، دوسرے ان کے دل کی طرف اشارہ کرنا بھی مقصود تھا کہ دل یہاں ہے اس سے دریافت کرو۔

کامل پر بیزگاری کا درجہ

(۱۷) وَعَنْ عَطِيَّةِ الشَّعْبِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَلَفَعُ الْعَبْدُ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُتَّقِينَ حَتَّى يَنْفَعَهُ مَا نَاسَ بِهِ خَلْدُ الْبَاطِلِ مَا نَاسَ - (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

”اور حضرت عطیہ سعدی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”بندہ اس وقت تک (کامل) پر بیزگاریوں کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ ان چیزوں کو نہ چھوڑے جن میں کوئی قیامت نہیں ہے تاکہ اس طرح وہ ان چیزوں سے بچ سکے جن میں قیامت ہے۔“

(ترمذی ۱۰۱۰۱، ابن ماجہ)

تشریح: شرعی نقطہ نظر سے متقی یعنی پر بیزگاری وہ شخص ہے جو اپنے آپ کو ان چیزوں سے دور رکھے جنہیں اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے عذاب کا سبب ہو۔ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ تقویٰ یعنی پر بیزگاری کے تین درجے ہیں اول شرک سے اجتناب۔ چنانچہ جو بندہ شرک سے چٹا ہے وہ دائمی عذاب سے نجات پاتا ہے، اس آیت کریمہ اَلَّذِينَ هُمْ كَلِمَةُ التَّقْوَى (اور اللہ نے ان (مومنوں) کو پر بیزگاری کی بات (یعنی توحید) پر قائم کیا) میں بھی درجہ مراد ہے۔ دوم ہر گناہ یہاں تک کہ ضمیر گناہوں سے بھی اجتناب۔ چنانچہ بعض علماء کے

ثرویک تقویٰ کی جو مشہور شرعی اصطلاح ہے اس کا اطلاق اسی درجہ پر ہوتا ہے اور اس آیت کریمہ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقَرْيَةِ اٰمَنُوا (اور اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیزگار ہو جاتے) میں بھی یہی درجہ مراد ہے۔ سوم ہر چیز میں پوری احتیاط ملحوظ رکھنا یہاں تک کہ بعض مباح چیزوں کو بھی احتیاط اور مصلحت کے پیش نظر ترک کر دے یا اپنا دل غیر اللہ میں نہ لگاتا، اور غیر اللہ سے اپنا دھیان ہٹا کر صرف اسی کی طرف متوجہ رکھنا۔ چنانچہ اس آیت کریمہ اَتَقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ (اے مومنو!) اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے میں تقویٰ کے یہی معنی مراد ہیں اور مذکورہ بالا حدیث میں بھی تقویٰ یعنی پرہیزگاری کا یہی کامل درجہ مراد ہے۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کوئی بندہ اس وقت تک پورا تقی ہو پرہیزگار نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اس خوف کی وجہ سے مباح چیزیں بھی نہیں چھوڑ دیتا کہ مبادیہ مباح چیز کسی حرام یا مکروہ یا مشتبہ چیز تک پہنچنے کا ذریعہ بن جائے مثلاً اگر وہ شادی شدہ نہ ہو تو شہوت کا غلبہ بھی زیادہ ہوتا ہے اسی طرح خوشبود وغیرہ نہ لگانے اور نہ کوئی ایک مباح چیز استعمال کرے جس سے جذبات میں بیجاں پیدا ہوتا ہو۔ بہر کیف حرام، مکروہ اور مشتبہ چیزوں سے اجتناب کے بعد احتیاط کے پیش نظر بعض مباح چیزوں سے بھی بچنا تقویٰ پرہیزگاری کا کامل ترین درجہ ہے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ حرام میں مبتلا ہو جانے کے خوف سے دس حلال معصوم میں سے نو حصے چھوڑ دیتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے بارے میں منقول ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ حرام میں مبتلا ہو جانے کے خوف سے اڑھائی مباح شے ترک کر دیتے تھے۔

متعلقین شراب پر لعنت

① وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ لَقَدْ رَسُوْنُ اللّٰهَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ فِی الْخَمْرِ غَضْرَۃً غَاصِبَۃً وَ مُغْتَصِرَۃً هَا وَ شَارِبَۃً نَبَہَا وَ حَاجِلَۃً وَ الْمُخْمُوْلَۃَ الْیَبِیۡہَ وَ سَاقِیَہَا وَ نَابِعَہَا وَ اَجَلَّ ثَمْبِہَا وَ الْمُشْتَرٰی لَهَا وَ الْمُشْتَرٰی لَہُ۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

”اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے شراب کے معاملہ میں ان دس آدمیوں پر لعنت فرمائی ہے ① شراب کشید کرنے والا ② شراب کشید کرانے والا ③ شراب پینے والا ④ شراب اٹھانے والا یعنی وہ شخص جو کسی کو شراب اٹھا کر دے ⑤ شراب انھواسنے والا یعنی وہ شخص جو کسی کو شراب اٹھا لے یا نگھومے ⑥ شراب پلانے والا ⑦ شراب بیچنے والا ⑧ شراب کی قیمت کھانے والا ⑨ خریدنے والے والا یعنی وہ شخص جو کسی دوسرے کے پینے کے لئے یا اس کی تجارت کے لئے بطریق وکالت یا بطریق ولایت شراب خریدے ⑩ خریدنے والے والا یعنی وہ شخص جو کسی دوسرے کے اپنے پینے یا اپنی تجارت کے لئے شراب خریدے۔“ (ترمذی و ابن ماجہ)

تشریح: ”کشید کرنے والے“ سے مراد وہ شخص ہے جو شراب بنانے کے لئے انگور کا شیرہ کشید کرے خواہ اپنے لئے کشید کرے خواہ دوسرے کے لئے اسی طرح کشید کرانے والا خواہ اپنے لئے کشید کرانے خواہ دوسرے کے لئے بہر صورت وہ لعنت کا مستحق ہے۔ ”بیچنے والے“ سے مراد وہ شخص بھی ہے جو خود اپنی تجارت کے طور پر شراب بیچتا ہو اور وہ شخص بھی مراد ہے جو کسی دوسرے کی طرف سے بطور دال یا بطور وکیل بیچتا ہو۔ نیز جو شخص شراب کشید کرنے والے کے ہاتھ انگور بیچتا ہے اور اس انگور کی قیمت کے طور پر حاصل ہونے والا مال کھاتا ہے وہ بھی اس لعنت کا مستحق ہے۔

② وَعَنْ اَبِی غَضْرَۃٍ قَالَ لَقَدْ رَسُوْنُ اللّٰهَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ لَعْنُ اللّٰهُ الْخَمْرَ وَ شَارِبَہَا وَ سَاقِیَہَا وَ نَابِعَہَا وَ مُشْتَاۃًہَا وَ غَاصِبَہَا وَ مُغْتَصِرَہَا وَ حَاجِلَہَا وَ الْمُخْمُوْلَۃَ الْیَبِیۡہَ۔ (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے شراب پر، شراب پینے والے پر، شراب بیچنے والے پر، شراب خریدنے والے پر، شراب کشید کرنے والے پر، شراب کشید کرانے والے پر، شراب اٹھانے والے پر، شراب انھواسنے والے پر“۔“ (ابوداؤد و ابن ماجہ)

تشریح: شراب پر اللہ تعالیٰ نے لعنت اس لئے فرمائی ہے کہ شراب ام القیاس یعنی تمام برائیوں کی جڑ ہے تاہم یہ احتمال بھی ہے کہ یہاں ”شراب“ سے مراد وہ شخص ہو جو شراب کی قیمت کے طور پر حاصل ہونے والا مال کھاتا ہے۔

پچھنے لگانے والے کی کمائی کا حکم

﴿۲۵﴾ وَغَنِ مُحْضَةً أَتَىٰ اسْتَأْذَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أُخْزَةِ الْحِجَامِ فَتَنَهَا فَلَمْ يَزَلْ يَسْتَأْذِنُهُ حَتَّىٰ لَانَ غُلْفُهُ نَاصِلَتْهُ وَاطْلَعَتْهُ وَفِي قَلْبِهِ (رواہ مالک والترمذی والبیہقی وابن ماجہ)

”اور حضرت مجھؐ کے بارہا ہیں معقول ہے کہ انہوں نے رسول اللہؐ سے پچھنے لگانے والے کی کمائی کھانے کی اجازت مانگی تو آپؐ نے انہیں منع کر دیا چنانچہ جب وہ آپؐ سے بار بار اجازت مانگتے رہے تو آپؐ نے انہیں یہ حکم دیا کہ اس کمائی کا مال اپنے اونٹ کو کھلا دیا اپنے برہ (غلام، لونڈی) کو کھلا دے۔“ (مالک ترمذی والبیہقی وابن ماجہ)

تشریح: اگر صحابہؓ کی ملکیت میں غلاموں کی ایک بڑی تعداد رہتی تھی۔ جن میں سے کچھ غلاموں کو وہ پچھنے لگانے کے کام پر مامور کر دیتے تھے، اور پھر ان کی اجرت کے طور پر حاصل ہونے والے مال کو اپنے استعمال میں لاتے تھے۔ چنانچہ ایک صحابی حضرت مجھؐ نے آنحضرتؐ سے یہ جانا چاہا کہ پچھنے لگانے والے کی کمائی آیا جائے یا نہیں؟ اور یہ اجازت مانگی کہ میرا غلام پچھنے لگانے کی جو اجرت حاصل کرتا ہے چونکہ اس میں سے کچھ حصہ میری ملکیت میں آتا ہے اس لئے میں اپنے اس حصہ کو اپنے استعمال میں لاؤں یا نہیں؟ آنحضرتؐ نے انہیں اس کی اجازت نہیں دی، چونکہ صحابہؓ اپنے بعض غلاموں سے پچھنے لگانے کی حاصل ہونے والی اجرت میں سے اپنا حصہ لیکر اسے اپنی ضروریات میں صرف کرتے تھے اور اسے وہ پسند بھی کرتے تھے اس لئے آنحضرتؐ کے اس کی اجازت نہ دینے سے مجھؐ کو اس بارہا میں دشواری محسوس ہوئی اور اس امید کی بناء پر کہ آپؐ اجازت دے دیں وہ بار بار اجازت طلب کرتے تھے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے انہیں اتنی اجازت دے دی کہ وہ اس اجرت کو اپنے اونٹوں کے گھاس اور چارے میں ور اپنے غلاموں، لونڈیوں پر صرف کر لیں اور اس طرح آپؐ نے ایک طرف تو اشارہ فرمایا کہ پچھنے لگانے سے جو اجرت حاصل ہوتی ہے وہ اگرچہ جائز مال ہے مگر چونکہ وہ خون نکالنے کی کمائی ہے اس لئے اس کو شرفاء کے لئے استعمال کرنا مکروہ اور ان کی شان کے خلاف ہے اور لونڈی غلام چونکہ آزاد لوگوں کے برخلاف ایسا شرف نہیں رکھتے جو اس پیشہ کی دنائت کے مٹانی ہو اس لئے پچھنے لگانے کی کمائی کھانا اس کی شان سے فروتر نہیں ہے۔ دوسری طرف آپؐ نے اس کے ذریعہ گویا اولوالعزہ اور عالی ہمتی کی ترغیب بھی دی ہے کہ شرفاء کو بد وقتار پیشہ اور اسے دست و بازو کی محنت کی کمائی کھانی چاہئے۔

بہر کیف آنحضرتؐ نے حضرت مجھؐ کو جو اجازت نہیں دی وہ محض نبی تنزیہی کے طور پر ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پچھنے لگانے کی اجرت مال حرام ہے کیونکہ اگر یہ مال حرام ہوتا تو آپؐ نے ان کو اسے اپنے جانور اور اپنے غلام لونڈی پر خرچ کی اجازت نہیں دیتے اس لئے کہ آقا کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے جانوروں یا اپنے غلام لونڈی کو حرام مال کھلائے لہذا حدیث کا حاصل یہ ہے کہ پچھنے لگانے والے کی کمائی کھانا مکروہ تنزیہی ہے۔

مغنیہ کی کمائی کھانے کی ممانعت

﴿۲۶﴾ وَغَنِ ابْنُ هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَكَسْبِ الزُّمَارَةِ وَزَوَاهِ فِي شَوْحِ السَّنَةِ

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریمؐ نے ”کینے کی قیمت اور گانے والیوں کی کمائی کھانے سے منع فرمادیا ہے۔“ (شرح السنہ)

تشریح: بعض علماء و قول یہ ہے کہ ”زمارۃ“ سے مراد اختیہ یعنی گانے والی عورت کی بجائے اودہ خوب صورت عورت ہے جو بد کاری کرتی ہے۔ اسی طرح بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ لفظ ”زمارۃ“ شوق ہے۔ ”معرے“ جس کے معنی ہیں ”چشم و اوبرو کے ذریعہ اشارہ کرنا“ اور بدکار عورتیں چونکہ مردوں کو اپنے چشم و اوبرو کے اشاروں سے فریاد کر کے انہیں اپنے چنگل میں پھنساتی ہیں اس لئے ارشاد گرامی میں ”بدکار عورت“ کو ”زمارۃ“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

گانے والی لونڈیوں کی خرید و فروخت کا حکم

(۴۲) وَعَنْ أَبِي أَمَانَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبْتَاعُوا الْقَيْنَاتِ وَلَا تَشْتَرُوهُنَّ وَلَا تَعْلَمُوهُنَّ وَتَمْتَلِكُوهُنَّ خَرَامٌ وَفِيهِ مِثْلُ طَلَبِ الْأَنْرَثِ وَمِنْ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهَوَ الْخَدِيثِ - وَوَأَهْ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَعَلَيْهِ بَيِّنَةٌ الزَّائِرِيُّ يَضَعُفُ فِي الْحَدِيثِ وَتَعْدُكَ حَدِيثٌ جَابِرٌ نَهَى عَنْ أَكْلِ الْهَرَبِ فِي بَابِ مَا يَجِلُّ أَكْلُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى -

”اور حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”گانے والی لونڈیوں کو نہ بیجو، نہ ان کو خرید و اور نہ لہو لونڈیوں کو گانا سکھاؤ اور ان (گانے والی لونڈیوں) کی حاصل ہونے والی قیمت مال حرام ہے“ اور اسی سلسلہ میں (یعنی گانے والیوں کو خریدنے کی مذمت میں) یہ آیت نازل کی گئی ہے۔ ”وَمِنْ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهَوَ الْخَدِيثِ“ یعنی اور انسانوں میں بعض ایسے (ناؤدان و غلط کار) لوگ بھی ہیں جو کھیل کی بات خریدتے ہیں (احمد، ترمذی، تہامی، ماجہ) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے ایک راوی علی ابن یزید روایت حدیث کے سلسلہ میں ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔“

تشریح: بعض علماء نے حدیث کے ظاہر کی الفاظ و مضمون حرام (یعنی ان کی حاصل ہونے والی قیمت مال حرام ہے) کے پیش نظر یہ کہا ہے کہ گانے والی لونڈیوں کو بیچنا جائز نہیں ہے جبکہ بقیہ تمام علماء یہ کہتے ہیں کہ ان کو بیچنا جائز ہے۔ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے جس کی بناء پر اس کو کسی مسلک کی دلیل قرار دینا مناسب نہیں ہے لیکن اس کے باوجود (مضمون حرام) کی تائید یں کی جاتی ہے اس حدیث کا مطلب صرف ان کے گانے کی اجرت کی حرمت کو بیان کرنا ہے یعنی ان کے گانے سے حاصل ہونے والی اجرت مال حرام ہے۔ جیسا کہ کسی شراب فروش یا شراب بنانے والے کے ہاتھ جو انگو فروخت کئے جاتے ہیں کہ اس کی حاصل ہونے والی قیمت مال حرام کے حکم میں ہوتی ہے نہ کہ فی نفسہ انگو کی قیمت حرام ہوتی ہے اسی طرح گانے والی لونڈیوں کی وہ اجرت جو ان کے گانے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے اس لئے مال حرام ہے کہ وہ ایک حرام ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ اس لئے حرام ہے کہ ان لونڈیوں کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔

آیت کریمہ میں ”کھیل کی بات“ سے مراد ہیں وہ گانے، گیت اور حرام آوازیں جو ذکر اللہ سے باز رکھیں اور گناہ و معصیت کا سبب بنیں۔ چنانچہ کہانیاں، جھوٹی باتیں، خرافات، بکا، فتنے کی باتیں، موسیقی سیکھنا اور ایسی قسم کی اور تمام فضول و لغو چیزیں بھی اس حکم میں داخل ہیں۔ اس آیت کے نازل ہونے کا پس منظر یہ ہے کہ ایک شخص نصر ابن حارث تھا جو گانے والی لونڈیاں اس مقصد سے خریدتا تھا کہ ان کے ذریعہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے گمراہ کرے، چنانچہ اس کی مذمت میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ نصر ابن حارث نے مجبوس کی لکھی ہوئی چند کتابیں خریدی تھیں جن کی جھوٹی جی کہانیاں چھ کر قریش کو سنایا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ محمد ﷺ تو تمہارے سامنے قوم عاد و ثمود کے قصص بیان کرتے ہیں اور میں تمہارے سامنے رستم و اسفندیار اور بادشاہوں کی کہانیاں سناتا ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت بالا کے ذریعہ اس کی مذمت بیان فرمائی۔

وَسَدَّ كَثْرَ حَدِيثِ جَابِرٍ نَهَى عَنْ أَكْلِ الْهَرَبِ فِي بَابِ مَا يَجِلُّ أَكْلُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى -

اور حضرت جابرؓ کی روایت نہی عن اكل الهرب الخ انتفاء اللہ ہم باب ما يجل اكله میں ذکر کریں گے۔

الفصل الثالث

حلال روزی کمانا ایک فرض ہے

(۲۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ۔

(رواہ ابوداؤد البیہقی فی شعب الایمان)

”حضرت عبد اللہؓ ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”حلال روزی کمانا فرض کے بعد ایک فرض ہے۔“ (بیہقی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی معاشی ضروریات کی کفالت کے لئے اپنے دست و بازو کی محنت سے کمانا فرض ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جو فرائض مقرر کئے ہیں جیسے نماز، روزہ وغیرہ پہلے ان کا درجہ ہے کہ ان فرائض کی تکمیل کے بعد حلال روزی کمانا فرض ہے۔

اس بارے میں فقہی مسئلہ یہ ہے کہ کمانا اس شخص پر فرض ہے جو اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال کے جن کی کفالت اس کے ذمہ ضروری ہے) کی ضروریات زندگی کی کفالت کے لئے کمانی کا محتاج ہو۔

حدیث میں مذکور ”کسب حلال“ یعنی حلال کمانی سے مراد وہ روزی ہے جس کا حرام نہ ہونا یقینی ہو، گویا یہاں حلال روزی کا اطلاق اس مال پر بھی ہو سکتا ہے جو مشتبہ ہو، کیونکہ اجاریہ میں مشتبہ سے پرہیز کرنے کا حکم محض احتیاط کے طور پر ہے۔ فرض ہونے کے طور پر نہیں ہے۔ نیز ایک بات یہ بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ اس حدیث میں حلال روزی کمانے کو جو فرض کہا گیا ہے اس کا مخاطب ہر شخص بذاتہ نہیں ہے کیونکہ ایسے بہت سے لوگ ہیں جن کی ضروریات زندگی کی کفالت دوسروں پر واجب ہوئی ہے جس کی وجہ سے خود انہیں کمانا ضروری نہیں ہوتا۔

کتابت قرآن کی اجرت جائز ہے

(۲۴) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ شَبَّهَ عَنْ أَجْرِهِ كِتَابَةَ الْمُصْحَفِ فَقَالَ لَا تَبَسَّ إِنَّمَا هُمْ مَصْرُوفُونَ وَإِنَّمَا تَعْمَلُونَ مِنْ

عَمَلٍ الْبُلْدِيَّةِ۔ (رواہ زرین)

”اور حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے کتابت قرآن کی اجرت کا حکم دریافت کیا گیا کہ کتابت قرآن کی اجرت کمانا جائز ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ کاتب لوگ تو صرف تقش کھینچنے والے ہیں جو اپنے ہاتھوں کی کمانی کھاتے ہیں۔“ (زرین)

تشریح: سائل نے گویا کتابت قرآن کی اجرت لینے اور اس کے کھانے کو ایک بھیری بات جانی اس لئے اس نے حضرت ابن عباسؓ سے اس کا حکم دریافت کیا، چنانچہ ابن عباسؓ نے اسے جواب دیا کہ کاتب تو کاغذ پر الفاظ کا نقش بناتے ہیں۔ یعنی ان کا کام صرف کتابت کرنا اور لکھنا ہے جس کی وہ اجرت حاصل کرتے ہیں خواہ وہ قرآن کی کتابت کریں یا کسی اور کتاب کی اور یہی ان کا مندرجہ ہوتا ہے جو ان کی حلال روزی کا ذریعہ ہے۔

کون سا کسب افضل ہے؟

(۲۵) وَعَنِ زَيْدِ بْنِ خُبَيْبٍ قَالَ قِيلَ لِي يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ الْكَسْبِ أَطْيَبُ قَالَ عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهِ وَكُلُّ يَبْعٍ مَبْرُورٍ۔

(رواہ احمد)

اور حضرت رافع بن خدیج راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے یہ پوچھا گیا کہ کونسا کب پاکیزہ (یعنی افضل ہے) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ انسان کا اپنے ہاتھ سے کھانا اور ہر وہ تجارت جو مقبول (یعنی شرعی) اصول و قواعد کے مطابق ہو۔ (صحیح)

تشریح: آپ ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ سب سے بہتر تو وہ کسب و پیشہ ہے جس میں انسان کو اپنے ہاتھوں سے محنت کرنی پڑتی ہو جیسے زراعت اور کثرت وغیرہ اور اگر کوئی شخص ہاتھوں کی محنت والا کسب اختیار نہ کر سکے تو پھر ایسی تجارت کے ذریعے اپنی حلال روزی پیدا کرے جس میں دیانت و امانت کی روح بہر صورت کارفرما رہے کیونکہ ایسی تجارت بھی ایک پاک و حلال کسب ہے۔

دودھ کی قیمت کا حکم

﴿۲۶﴾ وَغَرَّ ابْنُ بَكْرٍ ابْنَ أَبِي عَرَبَةَ قَالَ كَانَتْ لِي مَقْدَامٌ مِنْ مَعْدِي كَرَبٍ حَارِثٌ فَبَيْعُ النَّبِيِّ وَبَقِيضُ الْبَقْدَامِ لَعْنَةُ فَتَيْسِلَ لَهُ شَبْحَانِ اللَّهُ اتَّبِعِ النَّبِيَّ وَتَقْبِضِ الشَّيْءَ فَقَالَ نَعَمْ وَمَا نَاسَ بِذَلِكَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَهَا بَيْنَ عَلِيِّ النَّاسِ وَخَاتَانِ لَا يَنْفَعُ بَيْنَهُمَا إِلَّا الذِّهْنُ وَالَّذِي هُمْ - (رواہ احمد)

”اور حضرت ابوبکرؓ ابن عمرؓ (تائلی) کہتے ہیں کہ حضرت مقدامؓ ابن معدی کربؓ (صحابی) کی ایک باندی (ان کے گھر کے جانوروں کا دودھ بچا کرتی تھی) اس دودھ کی حاصل ہونے والی قیمت لے لیا کرتے تھے چنانچہ ایک روز مقدامؓ سے کسی نے کہا کہ سبحان اللہ! (کتنی عجیب بات ہے کہ) باندی کا دودھ بچتی ہے اور تم اس کی قیمت لے لیتے ہو؟ مقدامؓ نے کہا کہ ٹھیک تو ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں ہر دم و بار کے علاوہ کوئی چیز فائدہ نہیں دے گی۔“ (صحیح)

تشریح: گویا لوگوں نے حضرت مقدامؓ کو طعن دیا کہ آپ کی باندی آپ کے جانوروں کا دودھ بچتی ہے اور آپ اس دودھ کی قیمت لے کر کھاتے ہیں حالانکہ دودھ کے بارے میں تو بہتر یہی ہے کہ اسے فقراء و مساکین میں صدقہ و خیرات کے طور پر تقسیم کر دیا جائے یا اسے اپنے دوستوں اور متعلقین پر صرف کیا جائے، دودھ کو بچنا اور ان کی قیمت وصول کرنا آپ جیسوں کی شان کے لائق نہیں ہے، اس کا جواب حضرت مقدامؓ نے یہ دیا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے جس میں کوئی شرعی نقصان ہو۔ دودھ بچنا اور اس کی قیمت وصول کرنا نہ ہی حرام ہے اور نہ مکروہ ہے، اور پھر میرا یہ فعل کسی لالچ کی بنا پر یا مال و زر کی ہوس میں نہیں ہے بلکہ دراصل میں اپنی ضروریات زندگی کی تکمیل کے لئے اس کا محتاج ہوں، اس کے بعد حضرت مقدامؓ نے آئے والے زمانے میں مال و زر کی طرف لوگوں کے شیعہ میلان کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی یہ پیش گوئی بیان کی کہ ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا جس میں لوگوں کی تمام تر توجہ اور کوششوں کا مرکز صرف مال و زر بن جائے گا۔ چونکہ لوگ اپنی ضروریات کا دائرہ وسیع کریں گے اور اسباب معیشت کی قلت و کمزوری ہمہ قسم کی پریشانیوں اور نقصانات میں مبتلا کر دے گی۔ اس لئے نہ علم و دین کی طرف توجہ ہوگی اور نہ اہل علم و کمال کی قدر و منزلت، بلکہ صرف مال و زر کی طرف توجہ ہوگی اور مالداروں کی قدر و منزلت۔

مقول ہے کہ صحابہؓ آپس میں فرمایا کرتے تھے کہ تمہارے محنت کے ذریعے اٹا مال و زر ضرور کھالیا کرو جس سے آہر و مندائے زندگی کا تحفظ ہو سکے، اور یاد رکھو کہ ایک ایسا بھی دور آنے والا ہے کہ جب تم میں سے کوئی محتاج و محتجہ مت ہوگا تو سب سے پہلے اپنے دین و ایمان ہی کو کھاجائے گا۔

مقررہ ذریعہ معاش کو پہلا سبب ترک نہ کرو

﴿۲۷﴾ وَغَرَّ نَافِعٌ قَالَ كُنْتُ أَحْبَبْتُ إِلَى النَّاسِ وَالِي مَضْرُ فَجَعَلْتُ إِلَى الْعَوَاقِ فَأَتَيْتُ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ عَائِشَةَ فَقُلْتُ لَهَا يَا

أَمَ الْمُؤْمِنِينَ كُنْتُ أَحْضَرُ إِلَى الشَّامِ فَجَهَّزْتُ إِلَى الْعِرَاقِ فَقَالَتْ لَا تَفْعَلْ مَا لَكَ وَلِمَ تَجْعَلُ فَاثْنَيْ سَبْعَتِ زُسُونِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا سَبَّ اللَّهُ لِأَحَدِكُمْ رِزْقًا مِنْ وَجْهِ فَلَا يَذْخَعُهُ حَتَّى يَتَغَيَّرَ لَهُ أَوْ يَتَنَكَّرَ لَهُ.

(رداء احمد وائیں ماجہ)

”اور حضرت نافع کہتے ہیں کہ میں (اپنی تجارت کا) مال واسباب تیار کر کے (اپنے ملازموں اور دیکھوں کی سپردگی میں) شام اور مصر بھیجا کرتا تھا، پھر بعد میں (ایک مرتبہ) میں نے اپنا تجارتی سامان عراق کی طرف بھیجے کا ارادہ کیا اور اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ اُم المؤمنین میں (پہلے تو) اپنا تجارتی سامان شام بھیجا کرتا تھا مگر اب میرا ارادہ ہے کہ اپنا تجارتی سامان لے کر عراق کی طرف جاؤں۔ (یہ سن کر) حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو، تمہیں اور تمہاری تجارت کو کیا ہوا ہے؟ کہ تم شام کے سلسلہ تجارت کو منقطع کرتے ہو میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کے رزق کا کوئی سبب کسی صورت میں پیدا کر دے تو اس کو چھوڑنا نہیں چاہئے حتیٰ کہ اس میں کوئی تبدیلی پیدا ہو جائے یا نقصان پہنچے۔“ (احمد وائیں ماجہ)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے رزق کا جو بھی جائز ذریعہ ہو مثلاً وہ سامان تجارت کہیں باہر بھیجتا ہو جس کے نفع سے اسے رزق حاصل ہوتا ہو تو وہ اس کو بلا سبب چھوڑے نہیں، ہاں اگر کوئی ایسا امر پیش آجائے جس کی بنا پر اس ذریعے کو ختم کرنا ہی ضروری ہو مثلاً نفع ہونا بند ہو جائے یا اصل مال میں نقصان واقع ہونے لگے تو ایسی صورت میں اسے چھوڑ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو شخص از قسم مباح کسی اچھی چیز کو حاصل کر لے تو اسے چاہئے کہ وہ اس کو اللہ کی ایک نعمت سمجھ کر اس پر قائم رہے اور بغیر کسی قوی ہمدردی کے اسے چھوڑ کر اس کے غیر کی طرف مائل نہ ہو۔

حضرت ابو بکرؓ کا وصف احتیاط و تقویٰ

(۲۸) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ لِابْنِ بَكْرٍ غُلَامٌ يُخَوِّجُ لَهُ الْخَوَاجَ فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يَأْكُلُ مِنْ خَوَاجِهِ فَبَعَا يَوْمًا بِشَيْئٍ فَأَكَلَ مِنْهُ أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ لَهُ الْغُلَامُ تَذَرُونِي مَاهَذَا فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ وَمَا هُوَ قَالَ كُنْتُ تَكْهَنُتُ لِإِنْسَانٍ فِي الْبَحَارِ هَلِيبَةً وَمَا أَحْسَنُ الْكُفَّاهَةَ إِلَّا أَنِّي خَدَعْتُهُ فَلَقَيْتَنِي فَأَعْطَانِي بِذَلِكَ فَهَذَا الَّذِي أَكَلْتُ مِنْهُ قَالَتْ فَادْخُلْ أَبُو بَكْرٍ يَذْهَبُ فَعَاءَ كُلِّ شَيْءٍ لِي نَظِيمٌ۔ (رداء البخاری)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس ایک غلام تھا جو اپنی کمائی میں سے ایک مقررہ حصہ حضرت ابو بکرؓ کو دیتا کرتا تھا، (جیسا کہ اہل عرب کا معمول تھا کہ وہ اپنے غلاموں کو کمائی پر لگا دیتے تھے اور ان کو حاصل ہونے والی اجرت میں سے کوئی حصہ اپنے لئے مقرر کر لیتے تھے) چنانچہ حضرت ابو بکرؓ اس غلام کی لائی ہوئی چیز کو کھالیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ غلام کو چڑھایا جس میں سے حضرت ابو بکرؓ نے بھی کھالیا، ان کے کھانے کے بعد غلام نے کہا کہ آپ جانتے بھی ہیں یہ کبھی چیز ہے؟ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ مجھے کیا معلوم، تم ہی بتاؤ یہ کبھی چیز ہے؟ غلام نے کہا کہ میں ایام جاہلیت میں (یعنی اپنی حالت کفر میں) ایک شخص کو نبیؐ کی باتیں بتاتا تھا حالانکہ میں کہانت کا فن (یعنی پوشیدہ باتیں بتانے کا فن) ابھی طرح نہیں جانتا تھا بلکہ میں اس کو (غلامی میں) بنا کر فریب دیا کرتا تھا (اٹھانا آج) اس شخص سے میری ملاقات ہو گئی تو اس نے مجھے یہ چیز دی، یہ وہی چیز ہے جو آپ نے کھائی ہے حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (یہ سنتے ہی) حضرت ابو بکرؓ نے اپنے منہ (یعنی طبع) میں ہاتھ ڈال کر دیکھا اور جو کچھ یہیٹ میں تھا (اور وہ احتیاط سبب باہر نکال دیا۔“ (بخاری)

تشریح: یہ حدیث حضرت ابو بکر صدیقؓ کی دینی احتیاط اور ان کے کمال تقویٰ کی واضح مثال ہے کہ انہیں جیسے ہی معلوم ہوا کہ ان کے پیٹ میں ایک چیز ایسی چل گئی ہے جو ایک حرام سلسلے میں حاصل ہوئی تھی، انہوں نے فوراً اسے نکال دیا، بلکہ وہ چیز جو نکال نہ

اور اس کے ساتھ ہی فریب کی آمیزش کی وجہ سے بڑی شدید حرمت کی حالت تھی اس لئے انہوں نے بے فکر کے صرف اسی چیز کو نکال دینے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ ہر اس چیز کو نکالنا ضروری سمجھا جو بیٹ کے اندر اس کے علاوہ تھی کیونکہ انہیں خوف تھا کہ اس چیز کے کسی بھی جزء نے پیٹ میں دوسری چیزوں کو بھی ملوث کر دیا ہو گا۔

حضرت ابو بکرؓ کے اس فعل سے حضرت امام شافعیؒ نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی حرام چیز کھائی ہو اور وہ اس نے اس کی حرمت کے علم کے باوجود کھائی ہو یا لاعلمی میں کھائی ہو اور بعد میں اسے معلوم ہوا کہ وہ حرام چیز تھی تو اس پر لازم ہے کہ فوراً بے فکر کے اس چیز کو پیٹ سے نکال دے۔

حضرت اہم غزالیؒ نے منہاج العبادین میں لکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کا یہ فعل، ورع یعنی تقویٰ و پرہیزگاری کی قسم سے ہے، نیز انہوں نے لکھا ہے کہ ورع کا حکم یہ ہے کہ تم کسی سے کوئی چیز اس وقت تک نہ لو جب تک کہ اس کے بارے میں پوری تحقیق نہ کرو، پھر تحقیق کے بعد یہ یقین بھی حاصل کر لو کہ اس چیز میں کسی بھی درجے کا کوئی اشتباہ نہیں ہے۔ اگر اس چیز کے بارے میں پوری تحقیق اور یہ یقین حاصل نہ ہو سکے تو اس چیز کو نہ لو اور اگر لے لی ہو تو اسے واپس کر دو۔

حرام مال کھانے پر وعید

(۴۹) عَنْ أَبِي نَكْرَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غَدِيَ بِالْحَرَامِ۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

”اور حضرت ابو بکرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جس بدن نے حرام مال سے پرورش پائی ہوگی وہ (شرور ہی میں نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ اور جزائے جنت میں داخل نہیں ہوگا۔“ (بیہقی)

حضرت عمرؓ کے تقویٰ اور احتیاط کی ایک مثال

(۵۰) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّهُ قَالَ شَرِبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَبَنًا وَأَعَجَبَهُ وَقَالَ لِلَّذِي سَقَاهُ مِنْ أَيْنَ لَكَ هَذَا اللَّبَنُ فَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ وَزَّادَ عَلَى مَاءٍ قَدْ سَمَاءُ فَإِذَا نَعَمَ مِنَ الصَّدَقَةِ وَهُمْ يَسْقُونَ فَخَلَّصُوا لِي مِنْ أَلَنِيهَا فَيَجْعَلُهُ فِي سِقَانِي وَهُوَ هَذَا فَأَذْخَلَ عُمَرُ زَيْدًا فَاسْتَقَاءَ زَوَاهِ الْبَيْتِ فِي شُعْبِ الْإِيمَانِ۔

”اور حضرت زید ابن سلم (جو حضرت عمر فاروقؓ کے آزاد کردہ غلام تھے) کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت عمر ابن خطابؓ نے دودھ پیا جو ان کو عجیب معلوم ہوا، انہوں نے اس شخص سے کہ جس نے دودھ لاکر پیا تھا، پوچھا کہ یہ دودھ تمہیں کہاں سے ملا؟ تو اس نے ان کو بتایا کہ وہ (یعنی میں) پالی کے ایک ڈبھے یا کنویں پر گیا تھا، اس نے ڈبھے یا کنویں کا نام بھی بتایا، وہاں میں نے دیکھا کہ زکوٰۃ کے کچھ جانور (یعنی اونٹ و بکری وغیرہ) پانی پینے کے لئے آئے ہوئے ہیں اور ان جانوروں کے گران ان کا دودھ نکال کر لوگوں کو پلا رہے ہیں، چنانچہ انہوں نے میرے لئے بھی دودھ دوایا۔ جسے میں نے لے کر اپنی مشک میں ڈال لیا یہ وہی دودھ تھا (یہ سن کر) حضرت عمرؓ نے (اپنے حلق میں) اچھٹا ڈاں کرتے کر دی (اور اس دودھ کو پیٹ سے باہر نکال دیا کیونکہ وہ زکوٰۃ کا مال تھا جو ان کے لئے جائز نہیں تھا) ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔“

تشریح: حضرت سید جمال الدینؒ محدث نے لکھا ہے کہ یہ حدیث مشکوٰۃ کے اکثر نسخوں میں اس موقع پر مذکور نہیں ہے چنانچہ ہم نے مشکوٰۃ کے جس نسخے میں اپنے استاد سے حدیثیں سماع کی ہیں اس میں بھی یہاں یہ حدیث نہیں ہے البتہ اس کے حاشیے میں لکھی ہوئی ہے اس لئے مناسب یہی ہے کہ یہ حدیث اس باب سے محذوف نہ کی جائے (ویسے بھی یہ حدیث چونکہ مشکوٰۃ کی کتاب الزکوٰۃ میں چند الفاظ تک

کی بیشی کے ساتھ نقل کی جا چکی ہے اس لئے یہاں دوبارہ نقل کرنا مشکوٰۃ کی ترتیب کے مطابق موزوں نہیں ہے۔
لہذا جن نسخوں میں اس موقع پر یہ حدیث نقل نہیں کی گئی ہے ان میں پہلی حدیث یعنی حضرت ابو بکرؓ کی روایت کے بعد یہ عبارت ”رواہما البیہقی“ لکھا ہوا ہے۔

حرام مال کا قلیل ترین جز بھی عبادت کے نتیجے پر اثر انداز ہو جاتا ہے

(۳۱) وَعَنْ ابْنِ عُثْمَرَ قَالَ مَنْ اشْتَرَى قَوْلًا بِعَشْرَةِ دَرَاهِمَ وَفِيهِ دِرْهَمٌ حَرَامٌ لَمْ يَقْبَلِ اللَّهُ تَعَالَى لَهُ صَلَاةً مَا دَامَ عَلَيْهِ ثُمَّ أَذْخَلَ أَصْغَرَهُ فِي أَذْنِهِ وَقَالَ ضَعُفًا إِنَّ لَكُمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُهُ يَقُولُ زَوْادُ اخْمَدُ وَابْنُ بَيْهَقِي فِي شُعْبِ الْإِيمَانِ وَقَالَ إِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ۔

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مثلاً ایک کپڑا دس درہم میں خریدے اور ان میں ایک درہم بھی حرام مال کا ہو تو اللہ تعالیٰ اس وقت تک اس شخص کی نماز نہیں قبول کرے گا جب تک کہ اس کی آوی کے جسم پر وہ کپڑا ہو گا۔ اس کے بعد حضرت ابن عمرؓ نے اپنی (شہادت کی) دونوں انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالیں اور کہا کہ یہ دونوں کان بہرے ہو جائیں مگر میں نے یہ رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے نہ سنا ہو۔ (احمد، بیہقی) اور بیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی اسناد ضعیف ہے۔“

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر حرام مال کا قلیل ترین جز بھی جسم پر موجود ہو تو اس سے عبادت کا نتیجہ اثر پذیر ہو جاتا ہے، چنانچہ اس بات کو بطور مثال بیان کیا گیا کہ اگر کوئی شخص ایک کپڑا دس درہم میں خریدے اور ان میں ایک درہم بھی حرام ہو جو اسے کسی بھی حرام ذریعے سے حاصل ہوا تو وہ کپڑا جب تک کہ اس کے جسم پر رہے گا اس کی نماز قبول نہیں ہوگی مگر چونکہ اس شخص کے ذمہ سے فرضیت ساقط ہو جائے گی، مگر اس کی نماز اس لائق نہیں ہوگی کہ اسے ثواب سے نوازا جائے جس طرح کہ اگر کوئی شخص کسی غصب کردہ زمین پر نماز پڑھتا ہے تو اگرچہ اس کے ذمہ سے فرضیت ساقط ہو جاتی ہے مگر اسے نماز کا پورا ثواب نہیں ملے گا۔

روایت کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جو بات میں نے کہی ہے وہ کوئی میری اپنی بات نہیں ہے بلکہ آنحضرت ﷺ کا وہ ارشاد گرامی ہے جسے خود میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے، اگر میں نے یہ حدیث اپنے کانوں سے نہ سنی ہو اور میں یہ غلط کہہ رہا ہوں تو خدا کرے میرے دونوں کان بہرے ہو جائیں۔

بَابُ الْمُسَاهَلَةِ فِي الْمُعَامَلَةِ

معاملات میں نرمی کرنے کا بیان

بانی لیون دین اور خرید و فروخت کے معاملات میں نرمی اور مسامحت اختیار کرنا معاشرتی تعلقات کے استحکام اور آپس کے تعاون و ہمدردی کے نقطہ نظر سے انتہائی ضروری ہے، چنانچہ اس باب میں اسی موضوع سے متعلق احادیث نقل کی جائیں گی۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

معاملات میں نرمی کرنے والے کے لئے آنحضرت ﷺ کی دعاء رحمت

(۱) عَنْ خَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجِمَ اللَّهُ ذُلًّا صَغِيرًا إِذَا بَاغَ وَإِذَا اشْتَرَى وَإِذَا اقْتَضَى۔

”حضرت چارہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص پر اپنی رحمت نازل فرمائے جو بیچنے میں خریدنے میں اور تقاضہ کرنے میں نرمی کرتا ہے۔“ (بخاری)

تم دوسروں کے معاملہ میں نرمی کرو اللہ تعالیٰ تمہارے معاملہ میں نرمی کرے گا

② وَعَنْ خُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ زَجَلًا كَانَ فِيمَنْ كَانَ فَيْدَلَكُمْ أَنَاهُ الْمَلِكُ لِيَقْبِضَ رَوْحَهُ لَقَبِيلَ لَهُ هَلْ عَمِلْتُمْ مِنْ غَيْرِ قَالَ مَا أَعْلَمُ قِيلَ لَهُ أَنْظِرْ قَالَ مَا أَعْلَمُ شَيْئًا غَيْرَ أَنِّي كُنْتُ أَبَايَعُ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا وَأُجَابِيَهُمْ فَأَنْظِرُوا عَنِ الْمُنْعِبِ فَإِذَا خَلَّ اللَّهُ الْحَيَّةَ مَتَّقُوا عَلَيْهِ وَلِي زَوَايِدَ لِمُسْلِمٍ لَعْنَةُ عَنْ غَفِيَّةِ بْنِ عَامِرٍ وَأَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ فَقَالَ اللَّهُ أَنَا أَحَقُّ بِذَا مِنْكَ فَجَاوَزُوا عَنْ غَفِيَّةِ

”اور حضرت خذیفہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ تم سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں (یعنی گذشتہ امتوں میں) سے ایک شخص کا واقعہ ہے کہ جب اس کے پاس موت کا فرشتہ اس کی روح قبض کرنے آیا تو اس سے پوچھا گیا کہ کیا تو نے کوئی نیک کام کیا ہے؟ اس نے کہا مجھے یاد نہیں ہے (کہ میں نے کوئی نیک کام کیا ہو) اس سے پھر کہا گیا کہ ابھی طرح سوچ لے اس نے کہا کہ مجھے قطعاً یاد نہیں آ رہا ہے ہاں (اتنا ضرور جانتا ہوں کہ) میں دنیا میں جب لوگوں سے (خرید و فروخت کے) معاملات کیا کرتا تھا تو تقاضہ کے وقت (یعنی مطالبات کی وصولی میں) ان پر احسان کیا کرتا تھا پس طور کہ مستحق لوگوں کو تو مہلت دے دیتا تھا اور جو غلام ہوتے ان کو معاف کر دیتا تھا (یعنی اپنے مطالبات کا کوئی حصہ یا پورا مطالبہ ان کے لئے معاف کر دیتا تھا) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (اس کے وہی عمل سے خوش ہو کر) اس کو جنت میں داخل کر دیا۔“ (بخاری و مسلم)

اور مسلمؓ کی ایک اور روایت میں جو عقیدہ ابن عامر اور ابو مسعود انصاریؓ نے اسی کے محل (یعنی کچھ الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ) نقل کی ہے، یہ الفاظ ہیں کہ (جب اس شخص نے اپنا یہ عمل بیان کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اس کا (یعنی معاف کرنے کا) حق تجھ سے زیادہ رکھتا ہوں، (اور پھر فرشتوں سے کہا کہ) میرے اس بندہ سے درگزر کرو۔

تشریح: ”انامہ الملک“ سے مراد یا تو یہ ہے کہ خود حضرت عزرائیل علیہ السلام ہی اس کی روح قبض کرنے آئے تھے یا پھر یہ کہ ان فرشتوں میں سے کوئی فرشتہ آیا ہو گا جو حضرت عزرائیل علیہ السلام کے مددگار و ماتحت ہیں، لیکن اغلب یہ ہے کہ خود حضرت عزرائیل علیہ السلام ہی آئے ہوں گے کیونکہ قبض روح کے سلسلے میں زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ ارواح قبض کرنے کا کام حضرت عزرائیل علیہ السلام ہی انجام دیتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي ذُكِّرَ بِكُمْ

”کہہ دیجئے کہ تمہیں وہ ملک الموت (عزرائیل علیہ السلام) مارتا ہے جو تم پر (اس کام کے لئے) متعین ہے۔“

چنانچہ حضرت عزرائیل علیہ السلام جب روح قبض کر لیتے ہیں تو جو ابھی یعنی پاکیزہ روح ہوتی ہے اسے رحمت کے فرشتے لے لیتے ہیں اور جو بری روح ہوتی ہے وہ عذاب کے فرشتوں کی نگرانی (CUSTODY) میں چلی جاتی ہے لیکن اتنی بات طوطا رہے کہ ملک الموت (خواہ وہ عزرائیل ہوں یا کوئی اور فرشتہ) روح قبض کرنے کا صرف ایک ظاہری ذریعہ بننا ہے ورنہ حقیقت میں تو روح قبض کرنے والا اور موت طاری کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے جیسا کہ خود اکی کا ارشاد ہے۔

اللَّهُ يَتَوَفَّي الْأَنفُسَ جِئِنَ هُوَ يَشاءُ

”ہر نفس کو اس کی موت کے وقت اللہ تعالیٰ ہی مارتا ہے۔“

فَقِيلَ لَهُ (تو اس سے پوچھا گیا) اس کے بارے میں بھی دونوں احتمال ہیں، یا تو اس سے یہ سوال اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا فرشتوں نے یہ بات پوچھی، نیز وقت سوال کے سلسلے میں زیادہ واضح بات تو یہ ہے کہ اس شخص سے یہ سوال روح قبض کرنے سے پہلے کیا گیا تھا جیسا کہ حدیث کے ابتدائی الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ یہ سوال روح قبض ہونے کے بعد قبر میں کیا گیا ہو جیسا کہ شیخ مظہر کا قول ہے اور علامہ طبری نے ایک یہ احتمال بھی بیان کیا ہے کہ دراصل یہ سوال قیامت میں کیا جائے گا۔ بہر کیف اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ملاقات کی وصولی میں مستطیع کو مہلت دینا اور نادار شخص کو معاف کر دینا بڑے ثواب کی چیز ہے۔

خرید و فروخت میں زیادہ قسم نہ کھاؤ

(۳) وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّا كُنْهُمْ وَكَثْرَةُ الْخَلْفِ لِيُتْبَعَ فَإِنَّهُ يُقْفَى ثُمَّ يَنْمُخُ.

(رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو قتادہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”اپنی تجارتی زندگی میں زیادہ قسمیں کھانے سے پرہیز کرو، کیونکہ تجارتی معاملات میں زیادہ قسمیں کھانا (پہلے تو کاروبار کو رواج دیتا ہے مگر پھر برکت کو کھو دیتا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگرچہ تجارتی معاملات میں زیادہ قسمیں کھانے کی وجہ سے وقتی طور پر کاروبار میں وسعت ہوتی ہے ہاں طور پر لوگ قسم پر اعتبار کر کے زیادہ خریداری کی طرف مائل ہوتے ہیں لیکن انجام کار زیادہ قسمیں کاروبار میں خیر و برکت کو ختم کر دیتی ہیں کیونکہ جس شخص کو زیادہ قسمیں کھانے کی عادت ہوگی اس سے جموئی قسموں کا بھی صدور ہونے لگے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک تو باطنی طور پر اس کی تجارت سے خیر و برکت کی روح نکل جائے گی اور دوسرے اس کا اعتبار آہستہ آہستہ ٹھنسنے لگے گا اور لوگ اس سے لین دین کرنے میں تامل کرنے لگیں گے۔

(۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْخَلْفُ شَفْعَةٌ لِلْمِسْلَعَةِ فَلْيَحْقِقْ لِيَلْبِزْ مَكَّةَ.

(مشق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ رسول کریم ﷺ یہ فرماتے تھے کہ ”قسم (شروع میں تو مال و اسباب میں منفعت کا سبب بنتی ہے لیکن (انجام کار) برکت کے خاتمے کا سبب بن جاتی ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: قسم سے مراد قسم کی کثرت و زیادتی بھی ہو سکتی ہے اور جموئی قسم بھی مراد لی جاسکتی ہے، حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص زیادہ قسمیں کھاتا ہے مگرچہ وہ قسمیں سچی ہوں یا جموئی قسم کھاتا ہے تو اس کی وجہ سے شروع میں اور وقتی طور پر اس کے مال و اسباب میں وسعت و زیادتی ہو جاتی ہے کہ لوگ اس کی قسم پر اعتبار کر کے اس سے لین دین کثرت سے کرتے ہیں لیکن آخر کار کسی چیز اس کے مال و اسباب میں برکت ختم ہو جانے کا سبب بن جاتی ہے ہاں طور پر تو اس کا مال و اسباب تلف ہو جاتا ہے یا وہ ایسی جگہ خرچ ہو جاتا ہے جس کا کوئی فائدہ نہ تو اسے دینا میں حاصل ہوتا ہے اور نہ اخروی طور پر اسے کچھ اجر و ثواب ملتا ہے۔

جموئی قسمیں کھا کر تجارت بڑھانے والے کے لئے وعید

(۵) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنِ الثَّبَعِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثَةٌ لَا يَكْلِمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ قَالَ أَبُو ذَرٍّ عَاتِبُوا وَخَسِرُوا عَنْهُمْ يَارَ رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الْمُسْبِلُ وَالْمُتَّعَانُ وَالْمُنْفِقُ يَبْلَعُنَّهُ بِالْخَلْفِ

الْمُكَادِبُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ذرؓ نے فرمایا میں نے آپ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تین شخص ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ تو ان سے

(مہربانی و عنایت کا کلام کرے گا نہ (منظر رحمت و عنایت) ان کی طرف دیکھے گا۔ اور نہ ان کو آگاہوں سے) پاک کرے گا اور ان بتوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ابوہریرہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) اخیر و بھلائی سے محروم اور اس لوٹنے میں رہنے والے وہ کون شخص ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ایک تو پانچے لٹکائے والا، دوسرا کسی کو کوئی چیز دے کر احسان جتانے والا اور تیسرا جھوٹی قسمیں کھا کر اپنی تجارت بڑھانے والا۔ (مسلم)

تشریح: ”پانچے لٹکائے والے“ سے مراد وہ شخص ہے جو ازراہ تکبر غنوں سے نیچا اجامہ پنتا ہے، چنانچہ اس میں وہ شخص بھی داخل ہے جو غنوں سے نیچا کرتے ہیں۔

”احسان جتانے“ کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے ساتھ کوئی اچھا سلوک کر کے مثلاً کسی کو کوئی چیز دے کر یا کسی کے ساتھ ہمدردی کا کوئی معاملہ کر کے اسے زبان پر لایا جائے، چنانچہ جو شخص کسی کے ساتھ ہمدردی و اعانت کا کوئی معاملہ کر کے پھر اس پر احسان جتاتا ہے تو وہ ثواب سے محروم رہتا ہے۔

”جھوٹی قسمیں کھا کر تجارت بڑھانے والے“ سے مراد وہ تاجر ہے جو زیادہ فہم حاصل کرنے کے لئے یا اپنا مال تجارت بڑھانے کے لئے جھوٹی قسمیں کھائے مثلاً اس نے کوئی چیز نوے روپے میں خریدی ہو مگر اپنے خریدار سے اس کی زیادہ قیمت وصول کرنے کے لئے یا اس کی ایت بڑھانے کے لئے جھوٹی قسم کھا کر کہے کہ خدا کی قسم میں نے یہ چیز سو روپے میں خریدی ہے۔

الفصل الثانی

امانت دار کاروباری شخص کی فضیلت

⑥ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاجِزُ الصَّدُوقُ الْأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصَّادِقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَرِوَاةُ الْبَيِّنَاتِ وَالْأَرْوَاحُ وَالْأَنْفُسُ حَاجَّةٌ عَنِ الْبَيْنِ عَمْرٌ وَقَالَ الْبَيْهَقِيُّ هَذَا حَدِيثٌ عَرَبِيٌّ۔

”حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ (قول و فعل میں) نہایت سچائی اور نہایت دیانداری کے ساتھ کاروبار کرنے والا شخص نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہو گا۔ (ترغی، واری، وار قلی) اور ابن ماجہؒ نے یہ روایت حضرت ابن عمرؓ سے نقل کی ہے، نیز ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: ”کاروباری“ سے مراد وہ شخص ہے جو تجارتی کاروبار اور اجارہ داری کرتا ہو اور یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ سب سے بہتر کاروبار پیرائے کی تجارت ہے اس کے بعد عطاری ہے۔

ارشاد گرامی ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ جو کاروباری شخص سچائی، دیانت داری اور امانت کے اوصاف سے متصف ہو گا۔ گویا اس کی زندگی تمام صفات کمالہ سے مزین ہوگی جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ یا تو میدانِ مشر میں نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہو گا، کہ جس طرح وہاں کی ہولناکیوں کے وقت یہ تینوں طبقے رحمت الہی کے سایہ میں ہوں گے اسی طرح وہ شخص بھی رحمت خداوندی کی خاص پناہ میں ہو گا یا یہ کہ اسے جنت میں ان کی رفعت کا شرف حاصل ہو گا، چنانچہ اسے انبیاء کی رفاقت تو ان کی اطاعت و فرمانبرداری کی وجہ سے حاصل ہوگی۔ صدیقوں کا ساتھ ان کی صفتِ خالص یعنی صدق کی موافقت کی وجہ سے ہو گا۔ اور شہیدوں کی رفاقت کی سعادت اسے اس لئے نصیب ہوگی کہ شہداء اس شخص کے وصفِ صدق و امانت کی شہادت دیں گے۔

تجارت کے ساتھ صدقہ و خیرات کا حکم

⑦ وَعَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي عَزْرَةَ قَالَ كُنَّا نَسْبِغِي فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّمَاةَ فَمَرَسْنَا رَسُولَ

اللّٰهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَسَمَانًا بِاسْمِهِ هُوَ اَحْسَنُ مِنْهُ فَقَالَ يَامَعْشَرَ التَّجَارِ اِنَّ الْبَيْعَ يَخْصُصُهُ النُّغُو وَالْحَلْفُ فَشَرُّ نُوْهُ بِالصَّدَقَةِ۔ (رواہ ابو داؤد و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ)

”اور قس بن غزہ (جو سوداگری کرتے تھے) کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم لوگوں کو (یعنی سوداگروں کو) ”سامرہ“ کہا جاتا تھا، چنانچہ (ایک دن کا ذکر ہے کہ) انہی کریم ﷺ کا نذر ہاری طرف ہوا تو آپ ﷺ نے ہمارے طبقے کو ایک ایسا نام عطا کیا جو ہمارے پیسے نام سے کہیں بہتر ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے طبقہ تجارتا تجارتا میں اکثر بے فائدہ باتیں اور (بہت زیادہ) قسم (یا کبھی کبھی جھوٹی قسم) کھانے کی صورتیں پیش آتی رہتی ہیں اس لئے تم تجارت کو صدقہ و خیرات کے ساتھ ملانے رکھو۔“ (ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: ”سامرہ“ دراصل لفظ ”سمسار“ کے جمع کا صیغہ ہے، جس کے معنی ہیں ”دلال“، یا کسی چیز کا مالک و مٹھل، چنانچہ پہلے زمانے میں تجارتی کاروبار کرنے والے کو ”سمسار“ ہی کہتے تھے، پھر آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو اس سے بہتر نام یعنی تجارتی جو لفظ تاجر کے جمع کا صیغہ ہے، عطا کیا۔ اس نام کے بہتر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خرید و فروخت کے کاروبار کو مذہبی طور پر لفظ ”تجارت“ کے ساتھ ذکر کیا ہے جیسے ایک آیت کی عبارت کا یہ ٹکڑا ہے **هَلْ اَذْكُم مِّنْ عَلٰی بَيْعَارٍ وَتَتَجَسَّوْنَ مِنْ عَذَابِ اَلْنِّمِ** (کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے) یا ایک اور آیت میں ہے **تَجَارَوْا عَنْ نِّزَاحٍ** (سوداگری آپس کی رضامندی سے) یا ایک آیت کے یہ الفاظ **وَتَجَارَوْا عَنْ نِّزَاحٍ** (تجارت کو صدقہ و خیرات کے ساتھ ملانے رکھو) کا مطلب یہ ہے کہ تجارتی زندگی میں عام طور پر بے فائدہ باتیں اور جھوٹی قسمیں کا صدور ہوتا رہتا ہے اور یہ دونوں ہی چیزیں پروردگار کے غضب و غصہ کا باعث ہیں، اس لئے تم ان دونوں چیزوں کے کفارہ کے طور پر اپنا کچھ مال صدقہ و خیرات کرتے رہا کرو، کیونکہ صدقہ و خیرات اللہ تعالیٰ کے غضب و غصہ کو دور کرتا ہے۔

تاجروں کے لئے وعید

① وَعَنْ عَبْدِ بْنِ دِفَاعَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ التَّجَارُ يُخْشَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِمَجَارَا الْاَمْنِ اَتَقَى وَبَرَّوْا صَدَقَاتِ زَوَاةِ الْبَرِّ مِثْلُ وَاَبْنِ حَاجَةِ وَالْذَّارِمِ وَزَوَى الْبَيْهَقِ فَنِي شَعْبِ الْاِيْمَانِ عَنِ الْبَرِّ وَوَقَالَ الْبَرِّ مِثْلُ هَذَا اُخْبِرْتُ خَسَنُ صَحِيحٌ۔

”اور حضرت صید ابن رفاعہ (تابعی) اپنے والد محترم (حضرت رفاعہ ابن رافع انصاری صحابی) سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ قیامت کے دن تاجر لوگوں کا مشرّفہ تاجروں (یعنی بروکر کو اور نافرمان لوگوں) کے ساتھ ہو گا ہاں (وہ تاجر اس سے متعلق ہوں گے) جنہوں نے پرہیزگاری اختیار کی (یعنی خیانت اور فریب دہی وغیرہ میں مبتلا نہ ہوئے) اور انکی (یعنی اپنے تجارتی معاملات میں لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا یا کہ عبارت خداوندی کرتے رہے) اور سچ قائم رہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) اور بیہقی نے شعب الایمان میں اس روایت کو حضرت براءؓ سے نقل کیا ہے، نیز امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔“

بَابُ الْخِيَارِ

خیار کا بیان

”خیار“ لفظ ”اختیار“ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں ”دو چیزوں میں سے کسی ایک اچھی چیز کا انتخاب کرنا“۔ چنانچہ کسی تجارتی معاملے کو صحیح کر دینے یا اس کو برقی رکھنے کا وہ اختیار جو خریدار اور تاجر کو حاصل ہوتا ہے، اصطلاح فقہ میں ”خیار کہلاتا ہے“ تجارتی معاملات میں اس اختیاری کئی قسمیں ہیں جن کے تفصیلی احکام اور فقہی اختلاف فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں، تاہم اس موقع پر ان قسموں کے نام اور

قرینات ذکر کرد یا ضروری ہے۔

خیار شرطہ تجارتی معاملے طے ہو جانے کے بعد، تاجر یا خریداریادوں کو اس معاملے کے ختم کر دینے یا باقی رکھنے کا حق دیا جاتا "خیار شرطہ" کہلاتا ہے، مثلاً تاجر نے ایک چیز فروخت کی جسے خریدار نے خرید لی مگر اس خرید و فروخت کے بعد تاجر نے یا خریدار نے یہ کہہ کہ باوجود بیع ہو جانے کے مجھ کو ایک روز، یا دو روز یا تین روز تک یہ اختیار حاصل ہو گا کہ خواہ اس بیع کو باقی رکھا جائے خواہ ختم کر دیا جائے۔ خرید و فروخت میں یہ صورت جائز ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مدت اختیار میں بیع کو فسخ کیا جائے تو وہ فسخ ہو جائے گی۔ اور اگر اس مدت کے ختم ہونے تک بیع کو برقرار رکھا یا سکوت کیا تو بعد ختم مدت، بیع پختہ ہو جائے گی، یہ بات ذہن میں رہے کہ "خیار شرطہ" کی مدت حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ تین دن تک ہے۔

خیار عیب: بیع ہو جانے کے بعد خریدی ہوئی چیز میں کوئی عیب معلوم ہونے کے بعد اس چیز کو رکھ لینے یا واپس کر دینے کا جو اختیار خریدار کو حاصل ہوتا ہے، اسے "خیار عیب" کہتے ہیں، مثلاً تاجر نے ایک چیز بیچی جسے خریدار نے خرید لی اب اس بیع کے بعد اگر خریدار کو پتہ چلے کہ میں نے جو چیز خریدی ہے اس میں یہ فلاں عیب ہے تو اسے اختیار ہو گا کہ چاہے تو وہ اس چیز کو رکھے اور چاہے بیچنے والے کو واپس کر کے اپنی دہی ہوئی قیمت لوٹالے البتہ اگر بیچنے والے نے اس چیز کو بیچنے کے وقت خریدار سے یہ کہہ دیا تھا کہ اس چیز میں جو کچھ عیب ہو میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں خواہ تم اس وقت اسے خریدو یا نہ خریدو اور اس کے باوجود بھی خریدار رضامند ہو گیا تھا تو خواہ کچھ ہی عیب اس میں لکھے خریدار کو واپس کا اختیار حاصل نہیں ہو گا۔

خیار رویت: بے شکم ہوئی چیز کو خریدنے کے بعد اس چیز کو رکھ لینے یا واپس کر دینے کا جو اختیار خریدار کو حاصل ہوتا ہے اسے "خیار رویت" کہتے ہیں، مثلاً کسی خریدار نے بغیر دیکھے کوئی چیز خریدی تو یہ بیع جائز ہو جائے گی لیکن خریدار کو یہ اختیار حاصل ہو گا کہ وہ اس چیز کو جس وقت دیکھے چاہے تو اسے رکھ لے اور چاہے بیچنے والے کو واپس کر دے۔

خیار تعین: چند چیزوں میں بعض کو رکھ لینے اور بعض کو واپس کر دینے کا جو اختیار خریدار کو حاصل ہوتا ہے اسے "خیار تعین" کہتے ہیں۔ مثلاً خریدار کسی تاجر سے کپڑے کے چند تھان لایا یا ان میں سے ایک کو لے لینے کی بات طے کر لی، اب اسے اختیار ہو گا کہ وہ ان میں سے جس تھان کو پسند کرے اسے لے لے اور بقیہ کو واپس کر دے۔

ان اقسام کے علاوہ اس باب میں خیاری کی ایک اور قسم ذکر ہوگی جسے "خیار مجلس" کہتے ہیں، اس کی صورت یہ ہے کہ کسی ایک مجلس میں تاجر و خریدار کے درمیان خرید و فروخت کا کوئی معاملہ طے ہو جائے کے بعد اس مجلس کے ختم ہونے تک تاجر اور خریدار دونوں کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اس معاملہ کو ختم کر سکتا ہے، مجلس ختم ہونے کے بعد یہ اختیار کسی کو بھی حاصل نہیں رہتا۔ لیکن خیاری کی اس قسم میں اختلاف ہے۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور بعض دوسرے علماء اس خیاری کے قائل ہیں جبکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور دوسرے علماء اس کے قائل نہیں ہیں، یہ حضرات کہتے ہیں کہ جب بیع کا ایجاب و قبول ہو گیا یعنی معاملہ تکمیل پا گیا تو اب کسی کو بھی اس معاملے کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہے گا اور یہ کہ معاملہ کے وقت خیاری کی شرط طے پاگئی ہو جسے "خیار شرطہ" کہتے ہیں اور جس کی مدت زیادہ سے زیادہ تین دن تک ہے۔ تین دن کے بعد خیار شرط کی صورت بھی ختم ہو جاتی ہے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

خیار مجلس کا مسئلہ

① عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُتَبَايعَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ عَلَى صَاحِبِهِ مَا لَمْ

يَنْتَفِرَ قَالَ أَيْبَحُ الْحَيَارِ - فَتَقَى عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ إِذَا تَبَايَعَ الْمُتَبَايِعَانِ فَكُنَّ وَاحِدٌ مِنْهُمَا بِالْحَيَارِ مِنْ بَيْعِهِ مَالَهُ
يَنْتَفِرَ أَوْ يَكُونُ بَيْعُهُمَا عَنْ حَيَارٍ فَإِذَا كَانَ بَيْعُهُمَا عَنْ حَيَارٍ فَقَدْ وَحَبَّ وَفِي رِوَايَةٍ لِلْمُتَبَايِعِ بِالْحَيَارِ سَلَمٌ
يَنْتَفِرَ أَوْ يَنْخَارُ وَهُوَ الْمُتَقَى عَلَيْهِ أَوْ يَنْفَرِي أَخَذَهُمَا لِصَاحِبِهِ اخْتَارَ بَدَلًا أَوْ يَنْخَارُ -

”حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں میں سے ہر ایک اپنے دوسرے صاحب معاملہ پر (اس بات کا) اختیار رکھتا ہے کہ چاہے تو وہ خرید و فروخت کے معاملے کو باقی رکھے اور چاہے تو ختم کر دے۔ جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں (یعنی جس مجلس میں وہ معاملہ طے پایا ہو گا جب وہ ختم ہو جائے گی یا اس طور کہ وہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے تو ان میں سے کسی کو بھی یہ اختیار حاصل نہیں رہے گا بلکہ بیچ و خرید اس سے مستثنیٰ ہے (یعنی بیچ میں خرید کرنے اس اختیار کی شرط طے کرنی ہوگی کہ اگر میں چاہوں تو اس خرید کی ہوئی چیز کو رکھوں گا اور اگر نہ چاہوں گا تو واپس کر دوں گا، اس بیچ میں ایک دوسرے سے جدا ہونے کے بعد بھی اختیار باقی رہتا ہے۔“ (بخاری، مسلم)

اور مسلمؒ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ”جب بیچنے والا اور خریدنے والا خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کریں تو ان میں سے ہر ایک کو (معاملے کو باقی رکھنے یا ختم کر دینے کا) اختیار حاصل ہو گا جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں یا یہ کہ ان کی خرید و فروخت کا معاملہ بشرط اختیار ہو، چنانچہ اگر وہ خرید شرط کے ساتھ کوئی تجارتی معاملہ کریں گے تو اس صورت میں (جدائی کے بعد بھی) اختیار کاق حاصل رہے گا۔“

ترمذیؒ کی روایت میں یوں ہے کہ بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں جب تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں (یعنی اختیار حاصل ہے والا یہ کہ وہ (اپنے تجارتی معاملے میں) خرید کی شرط طے کریں (یعنی اگر وہ اپنا تجارتی معاملہ مذکورہ بالا خرید شرط کے ساتھ طے کریں گے تو انہیں جدائی کے بعد بھی اختیار حاصل رہے گا)۔ لیکن بخاریؒ و مسلمؒ کی ایک روایت میں (ترمذیؒ کی اس روایت کے آخری الفاظ) (الا یہ کہ وہ اختیار کی شرط طے کریں) کی بجائے یہ الفاظ ہیں کہ الا یہ کہ ان دونوں میں سے ایک اپنے دوسرے صاحب معاملہ سے یہ کہہ دے کہ اختیار کی شرط طے کر لو (اور وہ دوسرا کہہ دے کہ مجھے یہ منظور ہے)

تشریح: اس حدیث سے بظاہر ”خیار مجلس“ کا جو اثر ثابت ہوتا ہے، لیکن جو حضرات ”خیار مجلس“ کے قائل نہیں ہیں (جیسے امام ابو حنیفہؒ) وہ یہ کہتے ہیں کہ حدیث میں ”ایک دوسرے سے جدا ہونے“ کا مطلب مجلس کا ختم ہو جانا نہیں ہے، بلکہ ”جدا ہونے“ سے مراد دونوں کی اس تجارتی معاملے کی گفتگو کا پایہ تکمیل کو پہنچ کر منقطع ہو جانا ہے، یعنی جب تک کہ وہ دونوں اس معاملے سے متعلق گفتگو کر رہے ہوں اور ایجاب و قبول پورا نہیں ہو (اس وقت تک ان میں سے ہر ایک کو یہ اختیار ہو گا کہ وہ چاہے تو زیر گفتگو معاملہ کو ختم کر دے چاہے اسے باقی رکھے لیکن جب ایجاب و قبول پورا ہو جائے گا (یعنی بیچنے والا یہ کہہ دے کہ میں نے یہ چیز تمہیں فروخت کر دی اور خریدنے والا یہ کہہ دے کہ میں نے یہ چیز خرید لی تو اب اس کے بعد ان میں سے کسی کو بھی اس معاملے کو ختم کرنے کا اختیار نہیں رہے گا۔ ان حضرات نے ”جدا ہونے“ کے یہی معنی مراد لینے کے سلسلے میں اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے۔

وَإِنْ يَنْتَفِرَا يَبْعَانِ اللَّهُ كَلَّا مِنْ مَنَعَتِهِ -

”اگر وہ دونوں جدا ہو جائیں گے تو اللہ اپنے فضل سے ان میں سے ہر ایک کو بے پروا کر دے گا۔“

چنانچہ اس آیت میں ”جدا ہونے“ کا مطلب مجلس سے جدا ہونا نہیں ہے بلکہ ”خاوند و بیوی کے درمیان طلاق کے ذریعے جدائی مراد ہے۔“

(۲) وَعَنْ حَكِيمِ بْنِ جَرَّاحٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْبَيْعَانِ بِالْحَيَارِ عَالِمٌ يَنْتَفِرُ فَإِنْ صَدَقَ وَتَبَا

نُورُكْ لِهْمَا فِي نِيْعِهِمَا وَإِنْ كُنْتُمَا وَكَلَّيَا مُبَحِّثَ يَوْمَ كُنْتُمَا فِيهِمَا۔ (متن علیہ)

”اور حضرت حکیمؒ ابن حزام کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں کو (اپنے تجارتی معاملہ کو باقی رکھنے یا فسخ کر دینے کا) اختیار حاصل رہتا ہے۔ (لیکن یہ اختیار اس وقت تک حاصل رہتا ہے) جب تک کہ وہ جدا نہ ہوں اور (یا در کھو) جب بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں (فروخت کی جانے والی چیز اور اس کی تعریف میں) بچ بولتے ہیں اور (اس چیز کو قیمت میں جو عیب و نقصان ہوتا ہے اس کو) ناخذ ہر کر دیتے ہیں (تاکہ کسی دھوکہ اور غریب کا غلط فہم نہ رہے) تو ان کے تجارتی معاملے میں برکت عطا کی جاتی ہے اور جب وہ عیب چھپاتے ہیں اور بھوت بولتے ہیں تو ان کی خرید و فروخت میں برکت ختم کر دی جاتی ہے۔“ (بخاری و مسلم)

خرید و فروخت میں فریب نہ کرو

③ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي أَخَذْتُ فِي النَّبِيِّ فَقَالَ إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ لَا خِلَابَةَ فَكَانَ الرَّجُلُ يَقُولُهُ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ ”میں خرید و فروخت کے معاملے میں فریب کھا جاتا ہوں“ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ ”ہم (جب) خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کر دو تو اس وقت یہ کہہ دیا کرو کہ (دین میں) فریب (کے لئے) کوئی گنجائش نہیں ہے“ چنانچہ وہ شخص اسی طرح کہہ دیا کرتا تھا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ارشاد گرامی فعل لا خلابۃ (ہم یہ کہہ دیا کرو کہ فریب نہیں ہے) کے بیان مطلب میں علماء کے مختلف اقوال ہیں کسی نے اس کا مطلب کچھ بیان کیا ہے اور کسی نے کچھ۔ ان اقوال کی تفصیل دیگر شروح میں مذکور ہے یہاں اختصار کے پیش نظر صرف وہ مطلب بیان کیا جاتا ہے جو تور پستی کے قول پر رہتا ہے اور جسے علامہ طہیؒ نے بھی پسند کیا ہے۔ چنانچہ تور پستی کے قول کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو یہ حکم دیا تھا کہ جب تم کسی شخص سے خرید و فروخت کا معاملہ کرو تو پہلے اس کو آگاہ کر دیا کرو کہ دیکھو بھائی، مجھے خرید و فروخت کے معاملات سے زیادہ واقفیت نہیں ہے، تم کوئی ایسی چیز اختیار نہ کرنا جس سے میں دھوکہ کھا جاؤں اور مجھے کوئی نقصان پہنچ جائے اور چونکہ ہمارے دین میں اس بات کی قطعاً گنجائش نہیں ہے کہ کسی بھی شخص کو دھوکہ و فریب میں مبتلا کیا جائے اس لئے ہماری کر کے تم میرے ساتھ کوئی دھوکہ فریب نہ کرنا۔

چنانچہ یہ اس پر خیر دور کی بات ہے جبکہ عام طور پر لوگ دیا نہ داری، امانت اور پرہیزگاری کے حامل تھے۔ مخلوق خدا کی ہمدردی و بھلائی کا جذبہ فراوان تھا۔ ہر مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے لئے وہی بات پسند کرتا تھا جو اپنی ذات کے لئے پسندیدہ ہوتی، خصوصاً اگر کوئی کسی کو آگاہ کر دیا کہ میرے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرنا جس سے مجھے نقصان و تکلیف پہنچے تو وہ اس کا بطور خاص خیال و کوشش رکھتا کہ میں کسی نادانگش میں بھی اس کو نقصان پہنچنے کا ذریعہ نہ بن جاؤں، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اسے اس بات کی تعلیم فرمائی کہ اگر وہ اپنے بارے میں اس طرح آگاہ کر دیا کرے گا تو لوگ اس کی خیر خواہی بہر صورت ملحوظ رکھیں گے۔

الفصل الثانی

تجارتی معاملات میں فریقین کی رضامندی و طمانیت ضروری ہے

④ عَنْ عُمَرَ بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْبَيْعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَنْفَرَقَا إِلَّا أَنْ يَكُونُ صَفَقَةُ خِيَارٍ وَلَا يَجِلُّ لَهُ أَنْ يَفَارِقَ صَاحِبَهُ خَشْيَةَ أَنْ يَنْتَقِطَ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد و النسائی)

”حضرت عمرو ابن شعیبؓ اپنے باپ سے اور وہ اپنے ذوالو سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”بیچنے والا اور خریدنے والا

دونوں (ا) وقت تک بیع کو باقی رکھنے یا اس کو فسخ کر دینے کا اختیار رکھتے ہیں جب تک کہ وہ چاہتے ہیں الایہ کہ ان بیع بشرط اختیار ہوا تو اس میں جدائی کے بعد بھی اختیار باقی رہتا ہے اور ان دونوں میں سے کسی کے لئے (ازروئے تقویٰ) یہ جائز نہیں ہے کہ وہ معاملہ کرتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہو اس خوف سے کہ مبادا دوسرا فرق معاملے کو فسخ کرنے کا اختیار مانگ لے یعنی جب تک کسی معاملے میں دونوں فرق پوری طرح مطمئن نہ ہو جائیں انجواب قبول میں ان میں سے کوئی محض اس لئے جلد بازی نہ کرے کہ مبادا فرق ثانی معاملے کو فسخ کر دے یا معاملے کرتے ہی ان میں سے کوئی محض اس وجہ سے نہ بھاگ کھڑا ہو کہ کہیں دوسرا فرق بیع کو فسخ کرنے کے اختیار کی شرط نہ چاہے لگے۔ (الہود ۱۷۰، ۱۷۱)

⑤ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَتَخَفُ قُرْنُ الْفَتَنِ إِلَّا عَنْ قَوْمٍ أَصْحَابٍ - (رواہ الہود ۱۷۱)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”جتنے دو لڑکے اور خریدنے والے دونوں آپس کی رضامندی کے بغیر جدا نہ ہوں۔“

(الہود ۱۷۱)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ دونوں صاحب معاملہ کوئی تجارتی معاملہ طے کرنے کے بعد اس وقت تک ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں جب تک کہ قیمت کی ادائیگی اور خرید کردہ چیز کی حوائج، دونوں میں برضا و رغبت طے نہ پا جائے یا عمل میں نہ آئے کیونکہ اس کے بغیر ایک دوسرے کو نقصان و تکلیف پہنچنے کا احتمال رہے گا، جو شریعت میں ممنوع ہے یا پھر اس سے مراد یہ ہے کہ جب معاملہ طے ہو جائے اور دونوں صاحب معاملہ میں سے کوئی ایک وہاں سے اٹھ کھڑے ہونے کا ارادہ کرے تو وہ دوسرے فرق سے پہلے یہ پوچھ لے کہ اب تمہیں کوئی اشکال و اعتراض تو نہیں ہے؟ اور کیا اس معاملے پر تم راضی ہو گئے ہو؟ اس کے بعد اگر وہ دوسرا فرق معاملے کو فسخ کرنا چاہے تو وہ بھی معاملے کو فسخ کر دے اور اگر وہ معاملے کی برقراری پر رضامند ہو تو پھر ٹھیک کے بعد اس سے الگ ہو۔ اس صورت میں یہ حدیث معنی کے اعتبار سے پہلی حدیث کے موافق ہوگی۔ نیز یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ ممانعت بھی تنزیہی کے طور پر ہے کیونکہ اس بات پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ ایک دوسرے کی اجازت کے بغیر جدا ہونا حلال ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

عقد بیع کے بعد فسخ کا اختیار

① عَنْ جَابِرٍ أَنَّ زُسْرَةَ ابْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَتَرَ اغْرَابًا بَعْدَ الْبَيْعِ - وَرَأَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا أَخْبَذْتُ حَسَنٌ صَدِيقٌ غَرِيبٌ -

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک اعرابی کو خرید و فروخت کا معاملہ ہو جانے کے بعد دوسرے فرق کی رضامندی سے اس معاملے کو فسخ کرنے کا اختیار دے دیا۔ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے (اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

بَابُ الرِّبَا

سود کا بیان

”سود“ ایک معاشرتی لعنت و عفریت ہے جس کی اقتصادی تباہ کاریوں نے ہمیشہ ہی غربت گئے لبو سے سرمایہ داری کی آبیاری کی ہے اور غریب کے سگتے وجود سے سرمایہ داری کو غذا بخشی ہے، چنانچہ اس لعنت میں مبتلا ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ نے یوں عیب کی ہے۔

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (البقرہ: ۲۹۰)

”پھر اگر تم اس (سود) کو خریدنے کے حکم پر عمل نہ کرو تو میں اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ من لو۔“

اسلام نے تجارت اور قرض دونوں میں سود کو حرام قرار دیا ہے اور اس کا ارتکاب گناہ کبیرہ بتایا ہے۔ جو مسلمان سود کے حرام ہونے کا قائل نہ ہو اسلامی قانون کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ کافر ہو جاتا ہے۔

یہ لعنت بہت پرانی ہے، اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں بھی اس کا طریقہ رائج تھا۔ چنانچہ قریش کہہ اور یہود مدینہ میں اس کا عام رواج تھا اور ان میں صرف شخصی ضرورتوں مثلاً قرض وغیرہ ہی کے لئے نہیں بلکہ تجارتی مقاصد کے لئے بھی سود کا لین دین جاری تھا۔ اسی طرح سود کی تباہ کاریاں بھی پیش ہی تسلیم شدہ رہی ہیں اور اس کو اختیار کرنے والے بھی کبھی اس کے مضر اثرات کے منکر نہیں رہے ہیں، البتہ ایک نئی بات یہ ضرور ہوئی ہے کہ جب سے یورپ کے دلال دنیا کی مسند اقتدار و تجارت پر چھائے ہیں انہوں نے مہاجنوں اور یہودیوں کے اس خاص کاروبار کو نئی نئی شکلیں اور نئے نام سے کر اس کا دائرہ انتظام اور وسیع کر دیا ہے کہ وہی سود جو پہلے انسان کی معاشرتی زندگی کا ایک گمن سمجھا جاتا تھا آج معاشیات، اقتصادیات اور تجارت کے لئے ریزہ کی ہڈی سمجھا جانے لگا ہے اور سطحی ذہن و فکر رکھنے والوں کو یقین ہو گیا ہے کہ آج کوئی تجارت یا صنعت یا اور کوئی معاشی نظام سود کے بغیر چل ہی نہیں سکتا، اگرچہ آج بھی اہل یورپ ہی میں سے وہ لوگ جو تقلید محض اور عصبیت سے بلند ہو کر وسیع نظر سے معاملات کا جائزہ لیتے ہیں اور جو معاشیات (ECONOMICS) کا وسیع علم ہی نہیں رکھتے بلکہ اس کے عملی پہلوؤں پر گہری نظر بھی رکھتے ہیں خود ان کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ سود، معاشیات اور اقتصادی زندگی کے لئے ریزہ کی ہڈی نہیں بلکہ ایک ایسا کیرا ہے جو ریزہ کی ہڈی میں لگ گیا ہے اور جب تک اس کیرے کو نہ نکالا جائے گا دنیا کی معیشت میں جو اضطراب و بیجان ہے وہ ختم نہیں ہوگا۔

اس میں شبہ نہیں کہ آج دنیا میں سود کا لین دین جتنا وسیع ہو گیا ہے اور دنیا کے اس کونہ سے لے کر اس کونہ تک تمام ہی تجارتوں میں اس کا جال جس طرح بچھاؤ لگایا ہے، افراد و اشخاص کی کیا معیشت، اگر کوئی پورا طبقہ و جماعت بلکہ کوئی پورا ملک بھی اس سے نکلنا چاہے تو اس کو اس کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا کہ یا تو اپنی تجارت ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے یا نقصان برداشت کرتا رہے یہی وجہ ہے کہ اب تو عام مسلمان تاجر الگ رہے وہ دیندار و پرہیزگار مسلمان تاجر جن کی اعتقادی و عملی زندگی بڑی پاکیزہ اور مثالی ہے اب انہوں نے بھی یہ سوچنا چھوڑ دیا ہے کہ سود جو حرام ترین چیز اور بدترین سرمایہ ہے اس سے کس طرح نجات حاصل کریں جس کا نتیجہ یہ ہے ان دیندار اور پابند شریعت مسلمانوں اور ایک خالص دیندار مہاجن میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

لہذا سود کی ہمہ گیری کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمان اس عام مجبوری کا سہارا لے کر اپنی بڑی لعنت سے بالکل بے پرواہ ہو کر بیٹھ جائیں اور ان کے دل میں ذرہ برابر کھٹک بھی پیدا نہ ہو کہ وہ کتنی بڑی حرام چیز میں جکڑ جائیں، آج سود کے بارے میں جو تاویلیں کی جاتی ہیں یا اس کو جو غلط فہمیاں پھیلی جاتی ہیں یاد رکھئے وہ سب ابی درجے میں حرام ہیں جس درجے میں خود سود کی حرمت ہے۔ اس لئے مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے تجارتی معاملات کو اس انداز میں استوار کریں جس سے حق الامکان اس لعنت سے نجات مل سکے، اگر موجودہ معاشی نظام میں اس حد تک تبدیلی ان کے بس میں نہیں ہے کہ جس میں سود کا دخل نہ ہو تو کم سے کم اپنی زندگی اور نجی معاملات ہی کو درست کریں تاکہ سود کی لعنت سے اگر بالکل نجات نہ ملے تو کم از کم اس میں کمی ہو جائے اور مسلمان ہونے کا یہ ادنیٰ تقاضہ تو پورا ہو کہ وہ حق الامکان حرام سے بچنے کی فکر میں رہے۔

بہر کیف اس باب میں اسی موضوع سے متعلق احادیث و ذکر ہوں گی جن کے ضمن میں حسب موقع سود کے احکام و مسائل بیان کئے جائیں گے لیکن یہ ضروری ہے کہ پہلے اس موضوع سے متعلق چند فیملی باتیں بتادی جائیں۔

ربا کی تعریف: لغت کے اعتبار سے ربا کے معنی ”زیادتی، برصورتی بلندی“ کے آتے ہیں اور اصطلاح شریعت میں ایک زیادتی کو ربا کہتے ہیں جو کسی مالی معاوضہ کے بغیر حاصل ہو۔

ربا اور سود میں فرق: قرآن کریم میں جس چیز کو لفظ ”ربا“ کے ساتھ حرام قرار دیا گیا ہے اس کا ترجمہ اردو میں عام طور پر ”سود“ کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے عموماً لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ربا اور مروجہ سود، دونوں عربی اور اردو میں ایک ہی چیز کے دو نام ہیں جتنی جس چیز کو عربی میں ربا کہتے ہیں اسی کو اردو میں سود کہا جاتا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ”ربا“ ایک عام اور وسیع مفہوم کا حامل ہے، جبکہ مروجہ سود ربا کی ایک قسم یا اس کی ایک شاخ ہے۔ کیونکہ مروجہ سود کے معنی ہیں ”روپیہ کی ایک متعین مقدار ایک متعین مہد کے لئے قرض دے کر متعین شرح کے ساتھ نفع یا زیادتی لینا“۔ بلاشبہ یہ بھی ربا کی تعریف میں داخل ہے مگر صرف اسی ایک صورت یعنی قرض و ادھار پر نفع و زیادتی لینے کا نام ربا نہیں ہے بلکہ ربا کا مفہوم اس سے بھی وسیع ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے وحی الہی کی روشنی میں ربا کے مفہوم کو وسعت دے کر لین دین اور خرید و فروخت کے معاملات کی بعض ایسی صورتیں بھی بیان فرمائی ہیں جن میں چیزوں کے باہم لین دین یا ان کی باہمی خرید و فروخت میں کمی بیشی کرنا بھی ربا ہے اور ان میں ادھار لین دین کرنا بھی ربا ہے اگرچہ اس ادھار میں اصل مقدار پر کوئی زیادتی نہ ہو بلکہ برابر سرابریا دیا جائے۔

ربا کی قسمیں اور ان کے احکام: ربا کے مذکورہ بالا وسیع مفہوم کے مطابق فقہانے ربا کی جو قسمیں مرتب کی ہیں ان میں سے عام طور پر یہ پانچ قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔ ① ربا قرض ② ربا رہن ③ ربا شراکت ④ ربا منیہ ⑤ ربا فضل۔

ربا قرض: کا مطلب ہے ”قرض خواہ کا قرض دار سے بحسب شرط، متعین مہد کے بعد اپنے اصل مال پر کچھ زائد مقدار لینا“۔ اس کی مثال مروجہ سود کی صورت ہے یعنی ایک شخص کسی کو اپنے روپیہ کی ایک متعین مقدار ایک متعین مہد کے لئے اس شرط پر قرض دیتا ہے کہ اتنا روپیہ اس کا ماہوار سود کے حساب سے دیتا ہو گا اور اصل روپیہ بدستور باقی رہے گا۔ ربا کی یہ صورت کلیہً حرام ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

ربا رہن: کا مطلب ہے ”ایک کسی مالی معاوضہ کے وہ نفع جو مرتن کو رہن سے پائے ہوئے سے حاصل ہو“۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص (یعنی رہن) اپنی کوئی ملکیت مثلاً زور یا مکان کسی دوسرے شخص (یعنی مرتن) کے پاس بطور ضمانت رکھ کر اس سے کچھ روپیہ قرض لے لے اور وہ مرتن اس رہن کی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھائے مثلاً اس مکان میں رہے یا اسے کرایہ پر چلائے اور یا یہ کہ اس رہن رکھی ہوئی چیز سے فائدہ نہ اٹھائے بلکہ رہن سے نفع حاصل کرے یا اس طور کہ قرض دی ہوئی رقم پر سود حاصل کرے۔ رہن کی یہ دونوں ہی صورتیں حرام ہیں۔

ربا شراکت: کا مطلب ہے ”کسی مشترک کاروبار میں ایک شریک اپنے دوسرے شریک کا نفع متعین کر دے“ اور جملہ نقصانوں اور فائدوں کا خود مستحق بن جائے۔ یہ بھی حرام ہے۔

ربا منیہ: کا مطلب ہے ”دو چیزوں کے باہم لین دین یا دو چیزوں کے باہم خرید و فروخت“ میں ادھار کرنا خواہ اس ادھار میں اصل مال پر زیادتی لی جائے۔ مثلاً ایک شخص کسی دوسرے کو ایک کن گیبوں دے اور دوسرا شخص اس کے بدلہ میں اسے ایک ہی من گیبوں دے مگر ایک دو دن یا ایک دو ماہ بعد دے۔ یہ اس صورت کی مثال ہے کہ دو چیزوں میں باہم تبادلہ ہو مگر یہ تبادلہ دست بدست نہیں ہوا بلکہ ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار معاملہ ہوا نیز اس ادھار میں اصل مال پر کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی۔ کمی بیشی کے ساتھ ادھار لین دین کی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کسی دوسرے کو ایک من گیبوں دے گا۔ ربا منیہ کی یہی صورت ہے جو زمانہ جاہلیت میں بھی رائج تھی اور اب بھی مروجہ سود کی شکل میں موجود ہے اور ایک اعتبار سے یہ ”ربا قرض“ کی قسم میں بھی داخل ہے۔

رباء فضّل: کا مطلب ہے دو چیزوں میں باہم لین دین کی پیشگی کے ساتھ دست بدست لین دین ہو۔ مثلاً ایک شخص کسی کو ایک من گیہوں دے اور اس سے اسی وقت اپنے ایک من گیہوں کے بدلہ میں سواکن گیہوں لے۔ رباء کی یہ دونوں قسمیں یعنی نیہ اور فضّل چونکہ باہم لین دین کی دو بنیادی صورتیں ہیں نیز لاعلمی کی بناء پر عام طور پر لوگ ان میں سود کے پیدا ہونے والے حکم سے نااہل ہیں اس لئے مناسب ہے کہ ان کے احکام بیان کرنے سے پہلے چند باتیں بطور تمہید و قاعدہ بیان کر دی جائیں تاکہ ان احکام کو سمجھنے میں وقت نہ ہو۔

① لین دین اور تجارت کا معاملہ جن چیزوں سے متعلق ہوتا ہے وہ تین قسم کی ہیں ① یا تو ان کا لین دین وزن سے ہوتا ہے ② یا کسی برتن سے ناپی جاتی ہے ③ یا نہ تو وزن کی جاتی ہیں اور نہ کسی برتن سے ناپی جاتی ہیں۔ پہلی اور دوسری قسم کی مثال غلہ ہے کہ کہیں تو غلہ کو تول کر نیچے کا دستور ہے اور کہیں برتن میں بھر کر نانچے کا۔ لین دین اور خرید و فروخت میں جو چیزیں تولی جاتی ہیں ان کو ”موزون“ کہتے ہیں اور جو چیزیں ناپی جاتی ہیں ان کو ”مکیل“ کہتے ہیں۔ کسی چیز کے موزون یا مکیل ہونے کی صفت کو اصطلاح فقہ میں ”قدر“ کہتے ہیں اس مختصر سے لفظ ”قدر“ کو ذہن میں رکھئے۔

② ہر چیز کی ایک حقیقت ہوا کرتی ہے، مثلاً گیہوں کا گیہوں ہونا، چاندی کا چاندی ہونا اور کپڑے کا کپڑا ہونا، اسی حقیقت کو ”جنس“ کہتے ہیں۔ اور اس لفظ ”جنس“ کو بھی یاد رکھنا چاہئے۔

③ جن چیزوں کا باہم لین دین ہوتا ہے وہ بھی تو ”قدر“ میں متحد اور مشترک ہوتی ہیں اور ”جنس“ میں مختلف ہوتی ہیں مثلاً گیہوں اور چنا۔ یہ دونوں چیزیں قدر میں مشترک یعنی یکساں ہیں کیونکہ دونوں موزون ہیں یا مکیل ہیں۔ مگر جنس میں مختلف یعنی یکساں نہیں ہیں کیونکہ ایک کی حقیقت گیہوں ہے اور دوسرے کی حقیقت چنا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جن دو چیزوں میں باہم لین دین ہوتا ہے ان کی جنس تو متحد دیکساں ہوتی ہے مگر قدر میں یکسانیت جنس ہوتی مثلاً مکمل کا مکمل سے تباہ کہ دونوں کی جنس تو ایک ہے مگر چونکہ دونوں موزوں اور مکیل نہیں (کیونکہ مکمل کی خرید و فروخت نہ تو تول کر ہوتی ہے اور نہ کسی برتن سے ناپ کر) اس لئے جب یہ دونوں قدر ہی نہیں تو قدر میں ایک کیسے ہوں گی، یا بکری کا بکری سے تباہ کہ دونوں کی جنس تو ایک ہے مگر چونکہ موزوں اور مکیل نہیں اس لئے نہ قدر ہے اور نہ اتحاد قدر اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جن دو چیزوں میں باہم لین دین ہوتا ہے ان کی جنس بھی ایک ہوتی ہے اور قدر میں بھی یکسانیت ہوتی ہے جیسے گیہوں کا گیہوں سے تباہ کہ ان دونوں کی جنس بھی ایک ہے اور قدر بھی ایک ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جن دو چیزوں میں باہم لین دین ہوتا ہے ان میں نہ تو جنس کی یکسانیت ہوتی ہے اور نہ قدر کی جیسے روپیہ اور کپڑا یا روپیہ اور غلہ (گویا آج کل لین دین اور تجارت کی جو عام شکل ہے) کہ نہ تو ان کی جنس ایک ہے اور نہ قدر ایک ہے۔ لہذا باہم لین دین اور تجارت کی جانے والی چیزیں چار قسم کی ہوں گی۔ ① متحد القدر والجنس (یعنی دونوں کی جنس بھی ایک اور قدر بھی ایک) ② متحد القدر غیر متحد الجنس (یعنی دونوں کی قدر تو ایک مگر جنس الگ الگ) ③ متحد الجنس غیر متحد القدر (یعنی دونوں کی جنس تو ایک مگر قدر الگ الگ) ④ غیر متحد الجنس والقدر (یعنی دونوں کی نہ تو جنس ایک اور نہ قدر ایک)۔

اس تمہید کو جان لینے کے بعد چیزوں کے باہم لین دین اور تجارت کے حلقے میں وہ قاعدہ کلیہ سمجھ لیجئے جو اگر ذہن میں رہے تو نہ صرف اس باب کے احکام و مسائل سمجھنے میں آسانی ہوگی بلکہ اپنی ملی زندگی میں بھی رہا اور سو جیسے گناہ سے بچنا آسان ہو گا۔ وہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو دو چیزیں متحد القدر والجنس ہوں ان کے باہم تباہ و تجارت میں شرعی طور پر دو چیزیں ضروری ہیں ایک تو یہ کہ وہ دونوں چیزیں وزن یا پیمانے میں برابر ہوں دوسرے یہ کہ دونوں دست بدست ہوں مثلاً اگر تم کو شخص آپس میں گیہوں کو گیہوں سے بدلنا چاہیں تو اس میں کمی بیشی درست نہیں ہے۔ یعنی یہ درست نہیں کہ ہم میں سے ایک تو سیر بھر گیہوں دے اور دوسرا سیر دے بلکہ دونوں ہی کو سیر بھر یا سوا سوا سیر ہی دینا ضروری ہے اور نہ یہ درست ہے کہ ایک تو سیر دے اور دوسرا کل یا پھر سوا سوا سیر دے بلکہ دونوں ہی مجلس

میں اور ایک ہی وقت میں دونوں کو اپنا اپنا حق لینا واجب ہے اور جو چیزیں محمد القدر غیر محمد الجنس ہوں یا محمد الجنس غیر محمد القدر ہوں ان دونوں کا حکم ایک ہے وہ یہ کہ ان کے ہائم دین میں کی بیشی تو جائز ہے مگر ادھار جائز نہیں مثلاً یہیوں کو چنے سے بدلتا چاہیں کہ ان دونوں کی جنس تو الگ الگ ہے مگر قدر ایک ہے اس لئے ان دونوں کے تبادلہ میں کی بیشی تو جائز ہوگی کہ ایک شخص ایک سیر گہیوں دے اور دوسرا اس کے بدلے میں سوا سیر چنا دے مگر ان کے تبادلہ میں ادھار جائز نہیں ہوگا۔ یا اسی طرح ایک بکری کو دوسری بکری سے بدلنا چاہیں کہ ان دونوں کی جنس تو ایک ہے مگر قدر ایک نہیں کیونکہ قدر تو موزوں یا مکمل ہونے کو کہتے ہیں اور بکری نہ مکمل ہے اور نہ موزوں، لہذا ان میں بھی کی بیشی جائز ہے کہ ایک شخص تو ایک بکری دے اور دوسرا اس کے بدلے میں دو بکریاں دے مگر ان کے تبادلے میں بھی ادھار جائز نہیں ہوگا۔ اور جو چیزیں نہ محمد الجنس ہوں اور نہ محمد القدر ہوں ان میں کی بیشی بھی جائز ہے اور قدر و ادھار کا فرق بھی جائز ہے مثلاً روپیہ اور غلہ کی ہائم تجارت (جیسا کہ آج کل رائج ہے کہ اشیاء کا لین دین روپیہ کے ذریعہ ہوتا ہے) کہ ان دونوں کی نہ تو جنس ایک ہے اور نہ ان کی قدر ایک ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص روپیہ دے کر غلہ خریدنا چاہے تو اس صورت میں کی بیشی بھی جائز ہے کہ چاہے تو ایک روپیہ کے بدلے میں ایک سیر غلہ لیا جائے اور چاہے ایک روپیہ کے بدلے میں دو سیر غلہ لیا جائے اس طرح اس صورت میں ادھار لین دین بھی جائز ہے کہ چاہے تو دست بدست لین دین ہو چاہے ادھار کی صورت میں اب اس قاعدہ کلیہ کا حاصل چار قاعدے ہو گئے۔

۱۱) اشیاء محمد القدر و محمد الجنس کے لین دین میں برابری اور دست بدست ہونا واجب ہے۔

۱۲) اشیاء محمد القدر و غیر محمد الجنس کے لین دین میں نہ برابری واجب ہے اور نہ دست بدست ہونا واجب ہے۔

۱۳) اشیاء محمد الجنس غیر محمد القدر کے لین دین میں دست بدست ہونا ضروری ہے مگر برابری ضروری نہیں۔

۱۴) اشیاء محمد القدر غیر محمد الجنس کے لین دین میں دست بدست ہونا ضروری ہے مگر برابری ضروری نہیں۔

ان تمام بنیادی اور تمہیدی باتوں کو ذہن میں رکھ کر اب رہائی ان دونوں اقسام یعنی فیہ اور فضل کے احکام کی جانب آئیے جن کا ذکر شروع میں کیا گیا تھا چنانچہ اگر لین دین ایسی دو چیزوں کے درمیان ہو جن میں اتحاد جنس بھی پایا جائے اور اتحاد قدر بھی یعنی وہ دونوں محمد الجنس بھی ہوں اور محمد القدر بھی (جیسے گہیوں) تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس لین دین میں رہائی بھی حرام ہے اور بامضل بھی۔ اور یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ ”جنس“ سے مراد ہے اس چیز کی حقیقت اور قدر سے مراد ہے اس چیز کا مکمل یا موزوں ہونا، کیونکہ لین دین اور تجارت کے معاملات میں شرعی معیار کی مکمل یا موزوں نہ اس ضمن میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ شارع نے جس چیز کو مکمل (یعنی پیانہ سے ناپی جانے والی) کہا ہے وہ موزوں (یعنی قولی جانے والی) نہیں ہوگی اگرچہ عرف عام اور رواج کے اعتبار سے وہ موزوں ہی ہوں، اسی طرح جس چیز کو موزوں کہا ہے وہ مکمل نہیں ہوگی اگرچہ عرف عام اور رواج کے اعتبار سے وہ مکمل ہو، مثلاً یہیوں کو شارع نے ان چیزوں میں شمار کیا ہے جن کا لین دین پیانہ سے ناپ کر ہوتا ہے اگرچہ آج کل عام طور پر گہیوں کا لین دین وزن کے ذریعے ہوتا ہے (گو بعض علاقوں میں اب بھی اس کا لین دین ناپ کر ہی ہوتا ہے) اس لئے گہیوں کا گہیوں کے ساتھ لین دین کرنا وزن کے ذریعے جائز نہیں ہوگا، اسی طرح چاندی اور سونے کو شارع نے چونکہ موزوں کہا ہے اس لئے چاندی کا چاندی کے ساتھ یا سونے کا سونے کے ساتھ لین دین کیل کے ذریعے جائز نہیں ہوگا، اس حکم کی وجہ یہ ہے کہ کسی معاملے میں شارع کا واضح حکم، عرف عام اور رواج سے کہیں قوی اور برتر ہوتا ہے۔ ہاں جن چیزوں کو شارع نے نہ مکمل کہا ہے اور نہ موزوں، ان کے لین دین میں عرف عام اور رواج ہی کا اعتبار ہوگا۔ لیکن یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ حنفیہ میں سے حضرت امام ابو یوسفؒ نے مطلق طور پر عرف عام اور رواج ہی کا اعتبار کیا ہے ان کے نزدیک ان چیزوں کا لین دین وزن کے ذریعے جائز ہے جن کو شریعت نے مکمل کہا ہے۔ بشرطیکہ عرف عام اور رواج، وزن کے ذریعے ہی اس کے لین دین کا ہو۔ چنانچہ کمالؒ نے حضرت امام ابو یوسفؒ ہی کے قول کو ترجیح دی ہے اور اسی بناء پر انہوں نے

نقد و مسکو کہ (یعنی سونے اور چاندی کے سکہ مثلاً اشرفی وغیرہ کا کتنی کے ذریعے بطور قرض لین دین یا آنے کی وزن کے ذریعے خریدا و فروخت کو جائز قرار دیا ہے، نیز مستند ترین کتاب کافی میں بھی لکھا ہے کہ خفیہ کے ہاں اس بارے میں حضرت امام ابو یوسفؒ ہی کے قول پر فتویٰ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ شارع نے گہیوں (یا دوسرے غلوں) کو مکمل کہا ہے لیکن ان کا لین دین وزن کے ذریعے بلاشبہ جائز ہے کیونکہ آج کل عام طور پر ان کا لین دین وزن ہی کے ذریعے ہوتا ہے۔

بہر کیف اتحاد جس اور اتحاد قدر والی چیزوں کے لین دین کے بارے میں تو معلوم ہو گیا کہ ان میں ربا نہی بھی حرام ہے اور رباہ فضل بھی۔ اسی طرح اگر لین دین ایسی دو چیزوں کے درمیان ہو جن میں صنف قدر میں سے کسی ایک کا اتحاد پایا جائے مثلاً وہ حصہ انجنس تو ہوں مگر متحدہ القدر نہ ہوں۔ تو ان کے بارے میں یہ حکم ہے کہ ایسی چیزوں کے لین دین میں رباہ نہی تو حرام ہے مگر رباہ فضل حرام نہیں ہے۔ لہذا اگر گہیوں کا گہیوں کے ساتھ، یا چنے کا چنے کے ساتھ، یا چنے کا چوڑے کے ساتھ یا سونے کا سونے کے ساتھ، یا لوہے کا لوہے کے ساتھ لین دین کیا جائے تو اس صورت میں فضل (یعنی کمی بیشی کے ساتھ دست بدست لینا دینا) بھی حرام ہے۔ اور نہی (یعنی اوجار لینا دینا) بھی حرام ہو گا اور نہی (یعنی اوجار لینا دینا) بھی حرام ہو گا کیونکہ یہاں اتحاد قدر بھی پایا جاتا ہے اور اتحاد جس بھی ہے اور اگر گہیوں کا چنے کے ساتھ یا سونے کا چاندی کے ساتھ اور لوہے کا تانبے کے ساتھ لین دین کیا جائے تو اس صورت میں فضل (یعنی کمی بیشی کے ساتھ دست بدست لینا دینا) تو حلال ہو گا لیکن نہی (یعنی اوجار لینا دینا) حرام ہو گا کیونکہ یہاں صرف اتحاد قدر موجود ہے ہاں طور کہ گہیوں اور چنے کا لین دین بھی مکمل یا وزن کے ساتھ ہوتا ہے، لوہے اور تانبے کا لین دین بھی وزن کے ساتھ ہوتا ہے اور چاندی کا لین دین بھی وزن کے ساتھ ہوتا ہے لیکن یہاں اتحاد جس موجود نہیں ہے اور اگر کسی کپڑے کے ایک ٹکڑے کا اس کپڑے کے دوسرے ٹکڑے کے ساتھ یا گھوڑے کا گھوڑے کے ساتھ لین دین کیا جائے تو اس صورت میں بھی فضل حلال ہو گا اور نہی حرام ہو گا۔ کیونکہ یہاں اتحاد جس موجود ہے مگر اتحاد قدر نہیں ہے ہاں طور کہ نہ تو کپڑا ہی مکمل یا موزوں ہے اور نہ گھوڑا ہی مکمل یا موزوں ہے۔ جبکہ معیار شرعی، مکمل یا موزوں ہوتا ہے اور گرو غیرہ معیار شرعی نہیں ہے۔

اور اگر لین دین ایسی دو چیزوں کے درمیان ہو جن میں نہ تو اتحاد قدر ہو اور نہ اتحاد جس تو ان کے بارے میں یہ حکم ہے کہ ایسی چیزوں کے لین دین میں فضل بھی حلال ہو گا اور نہی بھی، مثلاً اگر گہیوں کا چاندی کا لوہے کے ساتھ لین دین کیا جائے تو اس صورت میں فضل اور نہی دونوں جائز ہیں اس لئے کہ یہاں نہ اتحاد جس ہے اور نہ اتحاد قدر ہاں طور کہ گہیوں تو مکمل ہے اور چاندی یا لوہا موزوں ہے، اسی طرح لوہے کا سونے کے ساتھ، یا سونے کا لوہے کے ساتھ لین دین کرنے کی صورت میں بھی فضل و نہی دونوں جائز ہیں کیونکہ یہاں بھی نہ اتحاد جس ہے اور نہ اتحاد قدر ہاں طور کہ سونا تو لئے کے ہاٹ تراؤ کی قسم الگ ہوتی ہے اور لوہا جن ہاٹ تراؤ سے تو لا جاتا ہے ان کی علیحدہ قسم ہوتی ہے۔ گہیوں کا چرنے کے ساتھ لین دین کرنے کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ ان میں بھی یہی صورت ہے کہ گہیوں کے لین دین کا پیمانہ الگ قسم کا ہوتا ہے اور چرنے کے لین دین کا پیمانہ الگ قسم کا ہوتا ہے (لیکن یہ ان علاقوں کی صورت ہے جہاں گہیوں اور چرنے کا لین دین وزن کے ساتھ نہیں بلکہ پیمانے کے ذریعے ہوتا ہے)۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

سو لینے دینے والے پر لعنت

① عَنْ حَابِرٍ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْبَلَ الزَّيْنِ وَأَوْفَكَلَةَ وَكَاتِبَتَهُ وَشَاهِدِيَهُ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ۔

(رواہ مسلم)

”حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے سو لینے والے پر سو دینے والے پر، سو دینے والے پر، سو لینے والے پر اور اس کے

گواہوں پر سب ہی پر لعنت فرمائی ہے، نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سب (اصل گناہوں میں) برابر ہیں (اگرچہ مقدار کے اعتبار سے مختلف ہوں۔) (مسلم)

تشریح: سودی لین دین کا کاغذ لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت اس لئے فرمائی کہ ایک غیر مشروع اور حرام کام میں یہ معاون ہوتے ہیں۔ اس سے یہ بات صراحت کے ساتھ معلوم ہوئی کہ سود و بیع کا تسک بلکہ تا اور اس کا گواہ بننا حرام ہے۔

ہم جنس اشیاء کے باہمی تبادلہ و تجارت میں ربا کی صورت

(۲) وَعَنْ عِبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِصَّةُ بِالْفِصَّةِ وَالنَّزْرُ بِالنَّزْرِ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ وَالشَّعْرُ بِالشَّعْرِ وَالْبَلْخُ بِالْبَلْخِ مِثْلًا بِمِثْلٍ مِثْوَاءً بِمِثْوَاءٍ يَدًا بِيَدٍ فَإِنَّا اخْتَلَفْتُ هَذِهِ الْأَصْنَافَ فَبَيْنَعُوا كَيْفَ بَيْنَعْتُمْ إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبادہ ابن صامت کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”سونا، سونے کے بدلے اور چاندی، چاندی کے بدلے اور گیہوں، گیہوں کے بدلے اور جو، جو کے بدلے اور نلک، نلک کے بدلے اگر لیا دیا جائے تو ان کا لین دین (مقدار) میں مثل بمثل یعنی برابر برابر اور دست بدست ہونا چاہئے، اگر یہ قسمیں مختلف ہوں (مثلاً گیہوں کا تبادلہ جو کے ساتھ یا جو کا تبادلہ گجور کے ساتھ ہو) تو پھر اجازت ہے کہ جس طرح چاہو خرید و فروخت کرو (یعنی برابر برابر ہونا ضروری نہیں ہے) البتہ لین دین کا دست بدست ہونا (اس صورت میں بھی) ضروری ہے۔“ (مسلم)

تشریح: ایک وہ حدیث ہے جس نے ربا کے مفہوم کو وسعت دے کر خرید و فروخت اور لین دین کے بعض معاملات کو ربا اور سود قرار دیا ہے چنانچہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہاں جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے اگر ان کا باہمی تبادلہ یا ان کی باہمی خرید و فروخت کی جائے تو یہ ضروری ہے کہ لین دین برابر برابر بھی ہو اور دست بدست بھی ہو، برابر برابر کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو اپنا گیہوں بطور تبادلہ بیچ دے تو اس سے اتنا ہی گیہوں لے جتنا خود دے۔ دست بدست کا مطلب یہ ہے کہ جس مجلس میں معاملہ طے ہو اس مجلس میں دونوں فریق اپنا اپنا حق ایک دوسرے سے الگ ہونے سے پہلے ہی اپنے قبضے میں لے لیں یہ نہ ہونا چاہئے کہ ایک فریق تو نقد دے اور دوسرا یہ وعدہ کرے کہ میں بعد میں دے دوں گا۔ اگر اس حکم کے برخلاف ہو گا کہ یا لین دین برابر برابر نہ ہو یا دست بدست نہ ہو تو اس صورت میں وہ معاملہ ربا یعنی سود کے حکم میں داخل ہو جائے گا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے آیا ربا کا حکم انہی چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے یا یہ چیزیں بطور مثال کے بیان فرمائی گئی ہیں۔ اور دوسری کچھ اشیاء بھی اس حکم میں داخل ہیں اور اگر دوسری اجناس بھی داخل ہیں تو ان کا ضابطہ کیا ہے؟

چنانچہ ائمہ مجتہدین کا یہ فیصلہ ہے کہ حدیث میں جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ محض مثال کے طور پر ہیں اور انہوں نے اپنے اجتہاد سے کچھ اور چیزوں مثلاً لوہے، چوڑے اور دیگر اجناس کو ان چیزوں پر قیاس کیا ہے اور اس سلسلے میں ایک ضابطہ بنانے کے لئے ہر ایک نے اپنے اپنے اجتہاد سے ان چیزوں میں ربا کی علت، الگ الگ مصلحتیں کی ہیں جس کی تفصیل یہ ہے۔

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک ان چیزوں میں سے سونے اور چاندی میں ربا کی علت تو ثمنیت (یعنی کسی چیز کی قیمت ہونے کی صلاحیت) ہے اور باقی چار چیزوں میں ربا کی علت، قوت مذخر (یعنی محفوظ رہنے والا وغیرہ) ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے ان چیزوں کے علاوہ بھی جن چیزوں میں ثمنیت پائی جاتی ہے یا جو چیزیں ”قوت مذخر“ ہوں گی ان سب میں ربا حرام ہو گا۔ لہذا حضرت امام مالکؒ کے مسلک میں ترکاریوں، بھیل اور کھالے کی ایسی اشیاء جو (کافی عرصے تک) محفوظ نہ رہ سکتی ہوں وہ چیزیں ہیں جن کے باہمی تبادلہ اور خرید و فروخت میں ربا یعنی کمی بیشی کے ساتھ لیا دیا جاتا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک بھی سونے اور چاندی میں تو ربائی علتِ حقیقت ہے، لیکن باقی چار چیزوں میں ربائی علتِ محض قوت (یعنی صرف غذا نیت) ہے۔ لہذا ان کے مسلک میں ترکاریوں، پھلوں اور ادویات کی چیزوں میں ربکا کا حکم جاری ہوگا کہ ان چیزوں کے باہمی تبادلہ میں برابر سراسر لیاؤ دینا ہوگا مگر کی بیشی کے ساتھ لیمن دین کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اسی طرح حضرت امام شافعیؒ کے ہاں لوہا، تانبہ، چمک، دھت، چونا اور اسی قسم کی دوسری اشیاء وہ چیزیں ہیں جن کے باہم تبادلہ میں ربکا کا حکم جاری نہیں ہوگا مثلاً ایک پتہ نہ چونے کے بدلے میں دو پتہ نہ چونے کا لیا دینا درست ہے۔ اسی طرح ایک سیر لوہے یا ایک سیر تانبے کے بدلے میں دو سیر لوہا یا دو سیر تانبہ لیا دینا جائز ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ہاں اصولی طور پر ربائی علت ”قدر مع الخس“ ہے اس اعتبار سے حنفی مسلک میں سونے اور چاندی میں ربائی علت چونکہ ”وزن“ ہے اس لئے ہر اس چیز کے باہمی لین دین میں ربکا کا حکم جاری ہوگا جو موزون (یعنی وزن کے ذریعے لی دی جانے والی) ہو جیسے لوہا، تانبہ وغیرہ۔ اور باقی چار چیزوں میں ربائی علت چونکہ ”کمیل“ ہے اس لئے ہر اس چیز کے باہمی لین دین میں ربکا کا حکم جاری ہوگا جو کمیل (یعنی پتہ نہ چونے کے ذریعے لی دی جانے والی) ہو جیسے چونا وغیرہ۔ اور یہ بات پہلے بھی بتائی جا چکی ہے کہ شریعت نے جس چیز کے کمیل یا موزون ہونے کا حکم صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے اس میں تبدیلی روا نہیں ہے مثلاً سونے اور چاندی کو شریعت نے ان چیزوں میں شمار کیا ہے جو وزن کے ذریعے لی دی جاتی ہیں اس لئے یہ دونوں ”موزون“ کے حکم میں ہیں اگرچہ عام رواج اس کے برخلاف ہو، اسی طرح گیہوں، جو، سمجور اور نمک کو شریعت نے ان چیزوں میں شمار کیا ہے جو کمیل یعنی پتہ نہ چونے کے ذریعے لی دی جاتی ہیں اس لئے یہ چیزیں ”کمیل“ کے حکم میں ہیں اگرچہ عام رواج اس کے برخلاف ہو۔ لہذا سونے یا چاندی کے باہم لین دین کے جائز ہونے میں وزن اور کمیل ہی کا اعتبار ہوگا کہ اگر سونے کو سونے کے بدلے یا چاندی کو چاندی کے بدلے لیا دیا جائے تو وزن کا برابر سراسر ہونا ضروری ہے وزن میں کمی بیشی قطعاً جائز نہیں ہوگی۔ اسی طرح باقی چار چیزوں کے باہم لین دین کے جائز ہونے میں کمیل کا اعتبار ہوگا کیونکہ اگرچہ عام رواج کے مطابق ان چیزوں کا لین دین وزن کے ذریعے ہوتا ہے لیکن شرعی طور پر یہ چیزیں کمیل ہی کے حکم میں ہوں گی۔ اس لئے اگر کوئی شخص کسی کو ایک من گیہوں کے بدلے میں ایک من گیہوں دے تو یہ لین دین جائز نہ ہوگا تاہم دو طرف کے گیہوں پتہ نہ چونے کے اعتبار سے برابر سراسر نہ ہوں (لیکن یہ بات بھی پہلے صاف کی جا چکی ہے کہ حنفیہ میں حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مطلقاً ہر چیز کے کمیل یا موزون ہونے میں عام رواج کا اعتبار ہے اور حنفیہ کے ہاں اس پر عمل ہے) جو، سمجور اور نمک کو بھی یی حکم ہے۔ ہاں چیز کا موزون یا کمیل ہونا شریعت نے صراحت کے ساتھ بیان نہیں کیا ہے اس کے بارے میں عام رواج ہی کا اعتبار ہوگا کہ اگر وہ چیز عام رواج کے مطابق وزن کے ذریعے لی دی جاتی ہوگی تو وہ شرعی طور پر بھی موزون ہی کے حکم میں ہوگی کہ اس کے باہم لین دین میں وزن کا برابر سراسر ہونا ضروری ہوگا۔ اس لئے لوہا اور تانبہ چونکہ عام رواج کے مطابق وزن کے ذریعے لیا دیا جاتا ہے۔ اس لئے ان کے باہم لین دین میں وزن کا برابر سراسر ہونا ضروری ہے اگر وزن میں کمی بیشی ہوگی تو یہ ربکا کے حکم میں داخل ہوگا۔

﴿وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّجِيرُ بِالشَّجِيرِ وَالنَّقْعُ وَالنَّقْعُ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ يَدًا بِيَدٍ فَتَنَزَّادَ أَوْ اسْتَزَادَ فَقَدْ أَزْنَى. إِلَّا جِدَّ وَالْمَغْطَى فِيهِ سَوَاءٌ﴾ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: سونا، سونے کے بدلے اور چاندی، چاندی کے بدلے اور گیہوں، گیہوں کے بدلے اور جو، جو کے بدلے اور سمجور، سمجور کے بدلے اور نمک، نمک کے بدلے میں اگر توازن ہو جائے تو ان کا لین دین برابر سراسر درست بدست ہونا چاہئے۔ لہذا جس نے (یا انہیں کیا بلکہ زیادہ دیکھنا زیادہ طلب کیا اور لیا تو کوئی اس نے سود لیا اور سود دیا اور لینے دینے والا دونوں اس میں برابر ہیں۔“ (مسلم)

سونے یا چاندی کے باہم لین دین کا حکم

④ وَعَنْ عَبْدِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَلَا تَبِيعُوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ وَلَا تَبِيعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَلَا تَبِيعُوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ وَلَا تَبِيعُوا مِنْهَا غَائِبًا بِنَاجِزٍ مُتَّفَقٍ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ وَلَا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ إِلَّا وَزْنًا بِوَزْنٍ۔

”اور حضرت ابو سعیدؓ غدیری کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”سونے کو سونے کے بدلے میں فروخت نہ کرو الا یہ کہ دونوں وزن میں برابر برابر ہوں لہذا دونوں میں کی بیشی نہ کرو، اسی طرح چاندی کو چاندی کے بدلے میں فروخت نہ کرو الا یہ کہ دونوں برابر برابر ہوں، لہذا دونوں میں کی بیشی نہ کرو نیز ان (سونے اور چاندی) میں سے کسی کا باہم لین دین اس طرح نہ کرو کہ ایک تو نقد دے اور دوسرا ادھار۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص سونے کے زیور کا سونے کے ساتھ، یا چاندی کے زیور کا چاندی کے ساتھ تبادلہ کرے تو اس صورت میں بھی دونوں کا وزن میں برابر برابر ہونا ضروری ہے۔ زیور کی نوائی بیشی جائز نہیں ہے کیونکہ پھر اس طرح کی بیشی لازم آئے گی جو سود کے حکم میں ہو جائے گی۔

بہم جنس چیزوں کا تبادلہ برابر برابر کرو

⑤ وَعَنْ مُعْمَرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كُنْتُ أَسْمَعُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْغَنَاءُ بِالْغَنَاءِ وَمِثْلًا بِمِثْلٍ۔

(رواہ مسلم)

”اور حضرت معمر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کرتا تھا کہ غدا کے بدلے میں (یعنی غلہ) غلہ جنس غلہ کے بدلے میں، اگر لیا دیا جائے تو یہ لین دین برابر برابر ہونا چاہئے۔“ (مسلم)

متحد القدر چیزوں کے باہمی تبادلہ میں ادھار ناجائز ہے

⑥ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الذَّهَبُ بِذَنَابِ الْأَهَاءِ وَهَاءُ وَالْوَرِقُ بِالْوَرِقِ ذَنَابِ الْأَهَاءِ وَهَاءُ وَالنَّبْزُ بِالنَّبْزِ ذَنَابِ الْأَهَاءِ وَهَاءُ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ ذَنَابِ الْأَهَاءِ وَهَاءُ وَالشُّقْرُ بِالشُّقْرِ ذَنَابِ الْأَهَاءِ وَهَاءُ۔ (مسلم علیہ)

”اور حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”سونے کا سونے کے ساتھ (برابر برابر بھی) تبادلہ سود ہے الا یہ کہ لین دین دست بدست ہو (یعنی اگر دونوں طرف سے برابر برابر اور دست بدست لین دین ہو تو پھر سود نہیں ہے)۔ اسی طرح چاندی کا چاندی کے ساتھ تبادلہ سود ہے الا یہ کہ لین دین دست بدست ہو، گہیوں کا گہیوں کے ساتھ تبادلہ سود ہے الا یہ کہ لین دین دست بدست ہو، جو کا جو کے ساتھ تبادلہ سود ہے الا یہ کہ لین دین دست بدست ہو، بھجور کا بھجور کے ساتھ تبادلہ سود ہے الا یہ کہ لین دین دست بدست ہو۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: بہم جنس چیزوں میں ایک دوسرے کے ساتھ باہمی تبادلہ کے معاملے میں تین صورتیں ہوتی ہیں۔ ① یا تو دونوں طرف موزون ہوں یا کمیل ہوں ② دونوں طرف اشیاء نقد ہوں یا دونوں طرف ادھار ہوں ③ ایک طرف نقد ہو اور دوسری طرف کچھ دنوں کے لئے یا زیادہ دنوں کے لئے ادھار ہو، ان تین صورتوں میں سے پہلی صورت کے مطابق تو لین دین جائز ہو گا بشرطیکہ دونوں طرف مقدار برابر برابر ہوں کہ اگر وہ دونوں چیزیں موزون ہیں تو وزن میں برابر ہوں اور اگر کمیل ہوں تو پیمانہ میں برابر ہوں اور یہ کہ دونوں طرف کی اشیاء نقد ہوں اور بعد کی دونوں صورتوں کے مطابق یعنی دونوں طرف ادھار یا ایک طرف ادھار ہونے کی صورت میں لین دین

کا معاملہ جائز نہیں ہو گا۔ اگرچہ مقدار کے اعتبار سے دونوں ہم جنس چیزیں برابر ضرر ہوں۔

اچھی اور خراب ہم جنس چیزوں کے تبادلہ میں بھی کمی بیشی کے ساتھ لین دین جائز نہیں

(۷) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَفْعَلَ رَجُلًا عَلَى خَيْتَرٍ فَخَاءُهُ بَشْمَرٍ حَبِيبٍ فَقَالَ أَكُلْ تَصْرُ خَيْتَرٍ هَكَذَا قَالَ لَا وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا لَنَأْخُذُ الصَّاعَ مِنْ هَذَا بِالصَّاعِغِينَ وَالصَّاعِغِينَ بِالصَّالِبَاتِ فَقَالَ لَا تَفْعَلْ بَعِ الْحَمْعَ بِاللَّذَرِ أَهْمُ ثُمَّ اتَّعَ بِاللَّذَرِ أَهْلَهُمْ خَيْتَرًا قَالَ فِي الْخَيْتَرِ مِثْلُ ذَالِكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

”حضرت ابو سعید اور ابو ہریرہؓ روایت ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک شخص کو خیر کا مال بنا کر بھیجا چنانچہ جب وہ شخص وہاں سے واپس آیا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بہت عمدہ قسم کی کجوریں لے کر حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے وہ کجوریں دیکھ کر اس سے پوچھا کہ کیا خیر کی سب کجوریں ایسی ہی اچھی ہوتی ہیں؟ اس نے کہا کہ نہیں! غذا کی قسم سب کجوریں ایسی نہیں ہوتیں، بلکہ ہم ایسا کرتے ہیں کہ دو صاع (خراب) کجور دس کے بدلے میں ایک صاع اچھی کجوریں اور تین صاع (خراب) کجور دس کے بدلے دو صاع اچھی کجوریں لے لیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”ایسا نہ کرو، بلکہ پہلے تمام کجوروں کو ملا کر درہوں کے عوض فروخت کر دو پھر ان درہوں کے عوض اچھی کجوریں خریدو۔“ اور پھر فرمایا جو چیزیں ترازو (یعنی وزن) کے ذریعے لی دی جاتی ہیں، ان کا گمانی حکم ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کجور اور ان چیزوں کے بارے میں کہ جو کیل یعنی پیمانے کے ذریعے لی دی جاتی ہیں یہ حکم بیان کیا گیا ہے اسی طرح ان چیزوں کے بارے میں بھی کہ جو وزن کے ذریعے لی دی جاتی ہیں جیسے سونا اور چاندی وغیرہ۔ یہی حکم ہے کہ اگر ان میں سے ایسی دو ہم جنس چیزوں کا باہمی تبادلہ کیا جائے جن میں سے ایک اچھی ہو اور دوسری خراب، تو اس صورت میں بھی یہ جائز نہیں ہے کہ اچھی چیز کم وزن میں دی جائے اور اس کے بدلے میں خراب چیز زیادہ وزن میں لی جائے، بلکہ اس صورت میں یہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ پہلے تو خراب چیز کو درہم یا روپیہ کے عوض فروخت کر دیا جائے اور پھر اس درہم یا روپیہ سے اچھی چیز خرید لی جائے۔

(۸) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ جَاءَ بِلَالٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَفَرٍ بَرَزِينَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَيْنَ هَذَا قَالَ عِنْدَنَا تَمْزُزٌ دِئْتٌ فَبَعَثَ مِنْهُ صَاعَيْنِ بِصَاعٍ فَقَالَ أَوْهَ عَيْنِ الزَّيْنَالَا تَفْعَلْ وَلَكِنْ إِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَشْتَرِيَ فَبِعِ الشَّمْرَ بِبَيْعِ أَحْوَرُ ثُمَّ اشْتَرِ بِهِ۔ (مشن علیہ)

”اور حضرت ابو سعید کہتے ہیں کہ (ایک دن) آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ابھی قسم کی کجور لے کر آئے تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ ”یہ کہاں سے لائے ہو؟“ انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس کچھ خراب کجوریں تھیں، اس میں سے میں نے دو صاع کجوریں دے کر اس کے بدلے میں ایک صاع (یعنی اچھی) کجوریں لے لی ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”اوہ! تو بالکل سو ہے، ایسا نہ کرو، البتہ جب تم (اچھی کجوریں) ابدلنا چاہو تو یہ طریقہ اختیار کرو کہ پہلے (خراب) کجوریں (درہم یا روپیہ کے عوض فروخت کر دو پھر ان درہوں یا روپیوں کے ذریعے اچھی کجوریں خرید لو۔“ (بخاری و مسلم)

ایک غلام کے بدلے میں دو غلام

(۹) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ خَافَ عِنْدَ قَبَائِعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمَهْجَرَةِ وَلَمْ يَشْفَرْ أَنَّهُ عِنْدَ فَجَاءَ سَيْدُهُ بِرَبْدَةٍ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعِيْهِ فَاشْتَرَاهُ بِعَيْنَيْنِ اسْوَدَيْنِ وَلَمْ يَتْبَاعِ أَحَدًا بَعْدَهُ حَتَّى يَسْأَلَ أَعْبَدُ هُوَ أَوْ خَرٌّ۔ رواہ مسلم۔

اور حضرت چارہ کہتے ہیں کہ ایک غلام نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ ﷺ سے ہجرت پر بیعت کی (مثنیٰ اس نے آپ ﷺ سے عہد کیا کہ میں اپنے وطن کو چھوڑ کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضریاں رہوں گا)۔ اور آنحضرت ﷺ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ غلام ہے (کچھ دنوں کے بعد جب اس کا مالک اس کو تلاش کرتا ہوا آیا تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ ”اس غلام کو میرے ہاتھ لگاؤ“ چنانچہ آپ ﷺ نے اس غلام کو دو سو بارہ رنگ کے غلاموں کے بدلے میں خرید لیا اور پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے کسی شخص سے بیعت نہ لی جب تک کہ یہ معلوم نہ کر لیا کہ وہ غلام ہے یا آزاد ہو۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک غلام کو دو غلاموں کے بدلے میں لینا دینا جائز ہے، نیز یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جو چیزیں ”مالِ رباً“ میں داخل نہیں ان کا لین دین اس طرح کرنا کہ ایک طرف کم ہو اور دوسری طرف زیادہ ہو جائز ہے، چنانچہ شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ علماء نے اسی بنیاد پر یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔ کہ ایک جانور کو دو جانوروں کے بدلے میں دست بدست لینا دینا جائز ہے خواہ دونوں طرف سے ایک ہی جنس کے جانور ہوں یا دو جنس کے۔ البتہ اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ آیا جانور کا جانور کے بدلے میں ادھار لین دین جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ صحابہؓ میں سے ایک جماعت اس کے عدم جواز کی قائل تھی نیز حضرت عطاء ابن ابی رباح بھی اسی کے قائل تھے اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کا بھی یہی مسلک ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے یہ منقول ہے کہ آپ ﷺ نے جانور کا جانور کے بدلے میں ادھار لین دین کرنے سے منع فرمایا ہے۔ لیکن بعض صحابہؓ اس کے جواز کے قائل تھے اور حضرت امام شافعیؒ کے مسلک میں بھی یہ جائز ہے۔

ہم جنس چیزوں کا تفاوت کے ساتھ لین دین جائز نہیں

⑩ وَعَنْهُ قَالَ لَمْ يَسْأَلِ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الصَّبْرِ وَمِنَ الصَّبْرِ لَا يَغْلَمُ مَكِيلَتُهَا بِالْكَيْلِ الْمُسْتَمَى مِنْ الصَّبْرِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت چارہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کھجور کے کسی ایسے ڈھیر کو کہ جس کی مقدار معلوم نہ ہو، ایک معین پیمانے کی کھجوروں کے بدلے میں لینے دینے سے منع فرمایا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: آپ ﷺ نے لین دین کی اس صورت سے منع فرمایا ہے کہ ایک طرف تو کھجوروں کی غیر معین مقدار کا ڈھیر ہو اور دوسری طرف کھجوروں کی ایک معین مقدار مثلاً دس یا بیس پیمانے (یا دس یا بیس کن) ہو کیونکہ ایسی صورت میں اس ڈھیر کی کھجوروں کی مقدار غیر معلوم ہوتی ہے، ہو سکتا ہے کہ یہ ڈھیر دوسری طرف کی معین مقدار سے کم رہ جائے یا اس سے زیادہ ہو جائے اس کی وجہ سے ان دونوں ہی صورتوں میں سود کی شکل ہو جائے گی۔ تاہم یہ ملحوظ رہے کہ لین دین کی یہ صورت باہم تبادلہ کی جانے والی ایک دو چیزوں کے درمیان ممنوع ہے جو ایک ہی جنس سے ہوں جیسا کہ اوپر کھجور کی مثال دی گئی ہے، ہاں مختلف اجنس چیزوں کے لین دین میں یہ صورت ممنوع نہیں ہے۔ کیونکہ مختلف اجنس چیزوں کا باہمی لین دین کی بیشی کے ساتھ بھی جائز ہے۔

سونے کی خرید و فروخت کا مسئلہ

⑪ وَعَنْ فَصَالَةَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ قَالَ اشْتَرَيْتُ يَوْمَ خَيْبَرَ فِلَادَةً يَابَنِي عَشِيرَةٍ دِينَارًا فَبَيْعْتُهَا ذَهَبًا وَخِزْرًا فَقَضَلْتُهَا فَوَجَدْتُ فِيهَا أَكْثَرَ مِنْ اثنَى عَشَرَ دِينَارًا فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تُبَاغِ حَتَّى تَقْضَلَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت فضل ابن عبید کہتے ہیں کہ میں نے خیبر کے سال ایک بار بارہ دینار میں خریدی جو سونے کا تھا اور اس میں تینے جڑے ہوئے تھے، پھر جب میں نے انہیں الگ الگ کیا (یعنی تینوں کو سونے سے نکال ڈالا) تو وہ سو بارہ دینار سے زائد قیمت کا نکلا، میں نے اس کا ذکر

رسول کریم ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ (ایسا بار) اس وقت تک فروخت نہ کیا جائے تا وقتیکہ سونا اور عینہ الگ الگ نہ کر لئے جائیں۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر مال رہائش سے دو ایسی ہم جنس چیزوں کا ایک دوسرے کے عوض لین دین کیا جائے کہ ان میں سے ایک طرف کی چیز میں کوئی اور غیر جنس کی چیز بھی شامل ہو تو یہ جائز نہیں ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص مثلاً سونے کا جڑاؤ زیور، سونے کے عوض میں خرید و فروخت کرے، خواہ وہ اشرفیوں کی صورت میں ہو یا کسی اور شکل میں تو لازم ہے کہ پہلے اس زیور میں سے عینہ وغیرہ الگ کر دیئے جائیں اور پھر اس زیور کا خالص سونا دوسری طرف کے سونے کے برابر سراہر وزن کے ساتھ لیا دیا جائے۔ یہی حکم چاندی کے بارے میں بھی ہے کہ اگر چاندی کا کوئی ایسا زیور وغیرہ کہ جس میں کوئی اور غیر جنس چیز مخلوط ہو، چاندی ہی کے بدلے میں خواہ وہ روپے کی صورت میں ہو یا کسی اور شکل میں خرید و فروخت کیا جائے تو ضروری ہے کہ اس زیور وغیرہ کی چاندی کو الگ کر کے دوسری طرف کی چاندی کے برابر سراہر وزن کے ساتھ خرید لیا جائے یا فروخت کیا جائے اور یہ حکم اس لئے ہے تاکہ ہم جنس چیزوں کا کمی بیشی کے ساتھ باہمی لین دین ہونے کی وجہ سے سود کی صورت پیدا نہ ہو جائے، ہاں اگر سونے کا جڑاؤ زیور وغیرہ چاندی کے بدلے میں خرید و فروخت کیا جائے خواہ وہ چاندی روپے کی صورت میں ہو یا کسی اور شکل میں یا اس کا برعکس ہو کہ چاندی کا جڑاؤ زیور، سونے کے بدلے میں خرید و فروخت کیا جائے۔ خواہ وہ سونا اشرفی وغیرہ کی صورت میں ہو یا کسی اور شکل میں، تو اس صورت میں اس جڑاؤ زیور سے عینہ وغیرہ اکھاڑ کر الگ کر دینا ضروری نہیں ہے کیونکہ مختلف اجنس چیزوں کا باہمی لین دین کمی بیشی کے ساتھ بھی جائز ہے، اس میں کمی زیادتی سے سود کی صورت پیدا نہیں ہوتی۔

الفصل الثانی

سود کے بارے میں آپ کی ایک پیش گوئی

﴿عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى أَخَذَ إِلَّا أَجَلَ الزَّيْنِ فَإِنَّ لِمَنْ يَأْكُلُهُ أَهْلَانَهُ مِنْ بُخَارٍ وَ يَبْرُؤُ مِنْ غُبَارِهِ﴾۔ (رواہ احمد و ابوداؤد و الترمذی و ابن ماجہ)

"حضرت ابو ہریرہؓ فرمادی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آنے کا مجھ میں سود کھانے والوں کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہے گا اور اگر کوئی شخص ایسا ہوائی بھی رہے گا۔ تو وہ سود کے بخار میں مبتلا ہو گا۔ نیز بعض کتابوں میں لفظ من بخارہ کی بجائے من غبارہ (یعنی وہ سود کے غبار میں مبتلا ہو گا) نقل کیا گیا ہے۔" (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: "بخار" یا "غبار" سے مراد سود کا اثر ہے، مطلب یہ ہے کہ سود کے عام ابتلاء کے زمانے میں اگر کوئی شخص براہ راست سود کے لین دین سے بچ بھی جائے گا تو وہ کسی نہ کسی صورت میں سود کے زیر اثر ضرور ہو گا۔ مثلاً وہ کسی سود خور کا ملازم ہو سکتا ہو گا یا کسی سودی معاملے کا گواہ ہو گا یا سودی کاروبار کے درمیان رابطہ پیدا کرنے والا ہو گا یا اس کے اپنے دوسرے ذاتی و تجارتی معاملات سود خواروں کے ساتھ استوار ہوں گے اس طرح ایسا شخص بھی بالواسطہ طور پر سود کے مال سے اپنے مال کو ملوث کرے گا یا یہ کہ جب سود کا دائرہ وسیع ہو کر تجارت و معیشت کے ہر گوشہ پر حاوی ہو گا (جیسا کہ آج کل ہے) تو پھر سود کا مال ہر شخص تک کسی نہ کسی حیثیت میں ضرور پہنچے گا۔ مثال کے طور پر اپنے ہی زمانے کو لے لیجئے، آپ ایک متقی شخص کو دیکھتے ہیں جو استادیندار اور انتابریز گارہ ہے کہ اس کی اعتقادی و عملی زندگی کا کوئی ایسا گوشہ نہیں ہے جہاں ذرا سا بھی بھول نظر آئے اور وہ اچھا اس شخص کی پاکبازی و برہیز گاری، ایک مثالی حیثیت رکھتی ہے۔ مگر جب وہی شخص اپنے بچوں کے لئے ایک آنے کی موچک بھلی خرید کر لاتا ہے تو کیا وہ شخص بھی اس کا تصور کرتا ہے کہ میں جو یہ ایک کتر سی چیز اپنے بچوں کو کھلا رہا ہوں یا خود کھارہا ہوں نہ معلوم یہ کتنے سودی ذرائع اور کتنے سودی لین دین کے مراحل سے گذر کر

میرے ہاتھوں تک پہنچی ہے؟ حدیث کا یہی مفہوم ہے کہ آنے والے زمانہ میں سود کی لعنت آتی ہے، گہرا اور وسیع ہوگی کہ ہر شخص شعوری و غیر شعوری طور پر اس میں مبتلا ہو گا کوئی بلا واسطہ سود کھائے گا کوئی بلا واسطہ اس کا سرگرم ہو گا اور کوئی بالکل ہی غیر شعوری طور پر اس کے زیر اثر ہو گا۔

مختلف انجنس چیزوں کے دست بدست باہمی لین دین میں کمی بیشی جائز ہے

(۱۲) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَبْتَاعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ وَلَا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ وَلَا الْبُرَّ بِالْبُرِّ وَلَا الشَّعِيرَ بِالشَّعِيرِ وَلَا الْبَلَّحَ بِالْبَلَّحِ إِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ عَيْنًا بَعِيْنًا يَدًا بِيَدٍ وَلَكِنْ يَبْتَاعُوا الذَّهَبَ بِالْوَرِقِ وَالْوَرِقَ بِاللَّحْمِ وَاللَّحْمَ بِالشَّعِيرِ وَالشَّعِيرَ بِالْبَلَّحِ وَالْبَلَّحَ بِالشَّعِيرِ يَدًا بِيَدٍ كَتِفَ بِشَتْمِهِ۔ (رواہ الشافعی)

”اور حضرت عبادۃ ابن صامت کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”تم کو سونا، سونے کے بدلے میں بچو، نہ چاندی، چاندی کے بدلے میں، نہ گیہوں، گیہوں کے بدلے میں، نہ جو، جو کے بدلے میں، نہ کجور، کجور کے بدلے میں اور نہ نمک، نمک کے بدلے میں، ہاں برابر برابر، نقد یعنی دست بدست لین دین جائز ہے چنانچہ سونا، چاندی کے بدلے میں اور چاندی، سونے کے بدلے میں گیہوں، جو کے بدلے میں، اور جو گیہوں کے بدلے میں، اور کجور، نمک کے بدلے میں اور نمک، کجور کے بدلے میں دست بدست جس طرح چاہو خرید و فروخت کرو۔“ (نسائی)

تشریح: حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ایسی دو چیزوں کا آپس میں لین دین کرو جو ہم جنس ہوں (جیسے گیہوں، گیہوں کے بدلے میں تو اس صورت میں برابر برابر اور دست بدست ہونا ضروری ہے اور اگر ایسی دو چیزوں کا آپس میں لین دین کیا جائے جو ہم جنس نہ ہوں بلکہ الگ الگ جنس کی ہوں (جیسے گیہوں، جو کے بدلے میں) تو اس صورت میں صرف دست بدست ہونا ضروری ہے برابر برابر ہونا ضروری نہیں ہے۔

شنگ اور تازہ پھلوں کے باہمی لین دین کا مسئلہ

(۱۳) وَعَنْ مُخَلَّبِ بْنِ أَبِي وَفَّاحٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ عَنْ شِوَاءِ الشَّعْرِ بِالْوَرِقِ فَقَالَ لَا يَنْفَضُّ الْوَرِقُ إِذَا بَيْسَ فَقَالَ نَعَمْ فَتَهَاةٌ عَنْ ذَالِغَةَ۔ (رد المحتار، الترمذی، ابو داؤد، والنسائی، ابی داؤد)

”اور حضرت سعد ابن ابی وقاص کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ رسول کریم ﷺ سے جب تازی کجور کے بدلے میں (شنگ) کجور خریدنے کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”کیا تازہ کجور شنگ ہونے کے بعد ہو جاتی ہے۔ عرض کیا گیا کہ ”جی ہاں اچانچہ آپ ﷺ نے اس طرح لین دین سے منع فرمایا۔“ (دک، ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابی داؤد)

تشریح: آپ ﷺ نے شنگ اور تازہ کجوروں کے باہم لین دین سے اس لئے منع فرمایا کہ اس صورت میں برابر برابر ہونے کی شرط فوت ہو جائے گی جس کی وجہ سے وہ سودی معاملہ ہو جائے گا، چنانچہ حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد اور دیگر اکثر علماء کے علاوہ حنفیہ میں سے حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد نے بھی اس حدیث پر عمل کیا ہے، جبکہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نے ہم جنس شنگ اور تازہ پھلوں کے باہمی لین دین کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ دونوں طرف کے محل مقدار یا وزن میں برابر برابر ہوں، انہوں نے اس حدیث کو نسیہ کی صورت پر محمول کیا ہے یعنی امام اعظم کے نزدیک حدیث میں مذکورہ ممانعت کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ ایک فریق تو نقد دے اور دوسرا فریق بعد میں دینے کا وعدہ کرے چنانچہ مذکورہ بالا حدیث سے امام اعظم نے جو مراد اختیار کی ہے اس کی تائید

ایک اور روایت سے ہوتی ہے جو یہ ہے کہ ”آنحضرت ﷺ نے تازہ بھجور کے بدلے میں خشک بھجور کالین دین ادھار کی صورت میں ممنوع قرار دیا ہے، نیز اس مسئلہ میں جو حکم خشک و تازہ بھجوروں کا ہے وہی حکم دیگر پھلوں مثلاً انگورو وغیرہ کا بھی ہے، نیز خشک و تازہ گوشت کا معاملہ بھی اسی حکم میں داخل ہے۔

گوشت اور جانور کے باہمی تبادلہ کا مسئلہ

(۱۵) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيْبِ قَدْ سَمِعَ أَنَا زَوْدُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ تَبَعِ اللَّحْمِ بِالْخَيْوَانِ قَالَ سَعِيدٌ كَانَ مِنْ مَنَسْرِ أَهْلِ الْحَاہِلِيَّةِ۔ (رواہ فی شرح السنہ)

”اور حضرت سعید ابن مسیب بطریق ارسال نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جانور کے بدلے میں گوشت کالین دین کرنے سے منع فرمایا ہے۔ نیز حضرت سعد کا بیان ہے کہ جانور کے بدلے میں گوشت کالین دین زمانہ جاہلیت کے جوئے کی قسم سے تھا۔“ (شرح السنہ)

تشریح: ”زمانہ جاہلیت کے جوئے کی قسم“ سے مراد یہ ہے کہ جس طرح جوئے کی صورت میں غلط ذرائع سے لوگوں کا دل کھایا جاتا ہے اس طرح اس میں بھی ایسی ہی صورت پیدا ہو جاتی ہے اگرچہ طریقہ کے اعتبار سے دونوں صورتیں مختلف ہیں کیونکہ اس میں جو اٹھایا جاتا ہے اور اس میں لین دین کا ایک معاملہ کیا جاتا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جانور کے عوض گوشت کے لین دین کا معاملہ حرام ہے۔ خواہ گوشت اس جانور کی جس کا ہویا کسی دوسری جنس کے جانور کا ہو نیز چاہے وہ جانور کھایا جاتا ہو چاہے نہ کھایا جاتا ہو جبکہ حضرت امام اعظمؒ ابوحنیفہ کے ہاں یہ معاملہ جائز ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اس معاملے میں ایک موزون چیز یعنی گوشت کہ اس کالین دین وزن کے ذریعے ہوتا ہے) کا تبادلہ ایک غیر موزون چیز یعنی جانور کا اس کالین دین وزن کے ذریعے نہیں ہوتا) کے ساتھ کیا جاتا ہے جس میں دونوں طرف کی چیزوں کا برابر برابر ہو نا ضروری نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ لین دین اور خرید و فروخت کی یہ صورت جائز ہے اس صورت میں چونکہ بین دین کا دست بدست ہو نا ضروری ہے اس لئے حدیث میں مذکورہ بالا ممانعت کا تعلق دراصل گوشت اور جانور کے باہم لین دین کی اس صورت سے ہے جبکہ لین دین دست بدست نہ ہو بلکہ ایک طرف تو نقد ہو اور دوسری طرف وعدہ یعنی ادھار ہو۔

دو جانوروں کا باہمی تبادلہ ادھار کی صورت میں ناجائز ہے

(۱۶) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ تَبَعِ الْخَيْوَانِ بِالْخَيْوَانِ نَسَبَةً۔

(رواہ الترمذی و ابوداؤد و السائی و ابن ماجہ و الدارمی)

”اور حضرت سمرہ ابن جندب کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جانور کا جانور کے بدلے میں ادھار لین دین کرنے سے منع فرمایا ہے۔“ (ترمذی و ابوداؤد و السائی و ابن ماجہ و دارمی)

غیر مثلی چیز کے قرض لینے کا مسئلہ

(۱۷) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ النَّعَاصَ بْنَ الشَّيْخِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهُ أَنْ يُعْجِزَ حَيْثُ فَصَدَّتِ الْإِبِلُ فَامْرَأَةٌ تَأْخُذُ عَلَى فَلَانٍ بَصِ الصَّدَقَةِ فَكَانَ يَأْخُذُ الْبُعِيزَ وَالْبُعِيزَ إِلَى إِبِلِ الصَّدَقَةِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ و ابن نعاصؓ کے بارے میں مروی ہے کہ (ایک غزوہ کے موقع پر) نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ شکر کا سامان دست کر لو۔ (یعنی لشکر میں شامل ہونے کے لئے سواری اور ہتھیار وغیرہ تیار رکھو) چنانچہ جب اونٹوں کی کمی ہوئی (یعنی جتنے اونٹ تھے وہ اکثر لوگوں میں تقسیم ہو گئے اور کچھ لوگ کہ جن میں حضرت عبداللہ ابن عمروؓ و ابن نعاصؓ بھی شامل تھے) اونٹ حاصل نہ کر سکے، تو

آنحضرت ﷺ نے عبد اللہ کو حکم دیا کہ ”وہ زکوٰۃ کے اونٹ کے بدلے میں اونٹ (قرض) لے لیں“ چنانچہ حضرت عبد اللہ زکوٰۃ کے اونٹ آنے تک (کے وعدے پر) او اونٹ کے عوض ایک اونٹ لے لیا کرتے تھے۔“ (ابو داؤد)

تشریح: حدیث کا مطلب سمجھنے سے پہلے قرض کے سلسلے میں یہ ایک بنیادی بات جان لیجئے کہ صرف اسی چیز کا قرض لینا درست ہے جو اپنی مثل رکھتی ہو یا جس کی اسی طرح کی چیز قرض خواہ کو واپس کی جاسکتی ہو جیسے اناج، انڈا، گوشت اور روپیہ وغیرہ، ایسی چیز کو مثلاً ”کبج“ جاتا ہے اور جو چیز ایسی ہو کہ اسی طرح کی چیز قرض خواہ کو واپس کرنا مشکل ہو تو اس کا قرض درست نہیں ہے جیسے پھل اور جانور وغیرہ، ایسی چیز کو ”غیر مثلی“ کہتے ہیں۔

اب حدیث کی طرف آئیے، حضرت عبد اللہؓ کو آنحضرت ﷺ کے اس حکم کہ ”وہ زکوٰۃ کے اونٹ کے بدلے میں اونٹ لے لیں“ کا مطلب یہ تھا کہ وہ کسی شخص سے اس شرط پر بطور قرض اونٹ لے لیں کہ جب زکوٰۃ میں حاصل ہونے والے اونٹ آجائیں گے تو وہ اس کا قرض ادا کر دیں گے۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک چونکہ ”غیر مثلی چیز کا قرض لینا جائز نہیں ہے“ اور اونٹ بھی ”غیر مثلی“ ہے اس لئے اس حدیث کے بارے میں حنفیہ یہ سمجھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبد اللہؓ کو یہ حکم اس وقت دیا تھا جبکہ غیر مثلی چیز کا قرض لینا بھی جائز تھا مگر بعد میں غیر مثلی چیز کے قرض لینے کا جائز نہ ہو گیا تھا اس لئے یہ حدیث گویا منسوخ ہے۔

لیکن شیخ عبدالحقؒ نے اس حدیث کے حکم کو کبج پر محمول کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جانور کا جانور کے بدلے میں ادھار لین دین جائز ہے جبکہ ہمارے (یعنی حنفی) علماء نے حضرت سرہؓ کی حدیث (جو اس سے پہلے گذری ہے) کے مطابق اس کو ممنوع قرار دیا ہے۔ چنانچہ تو یہ ”مثنیٰ“ نے کہا ہے کہ حضرت عبد اللہؓ ابن عمروؓ کی روایت ضعیف ہے جبکہ حضرت سرہؓ کی روایت اس سے کہیں زیادہ قوی ہے اس لئے حنفیہ نے حضرت سرہؓ کی حدیث پر عمل کیا ہے، یا پھر یہ کہ آنحضرت ﷺ نے یہ حکم اس وقت دیا تھا جبکہ دوہم جس چیزوں کا ابھی ادھار لین دین رہا کی قسم میں داخل نہیں تھا، لیکن جب لین دین کی یہ صورت ”مربا“ قرار پائی تو اس حدیث کا یہ حکم بھی منسوخ قرار ہوا۔

الْفَضْلُ الثَّالِثُ

ادھار لین دین میں سود کا مسئلہ

(۱۸) عَنْ أَسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الزَّيْنَابِيُّ التَّيْسِيَّةُ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ لَا زَيْنَابِيَّ مَكَانَ تَيْسِيَّةٍ۔

(تشریح)

”حضرت اسامہؓ ابن زیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ادھار لین دین میں سود ہو جاتا ہے“ ایک اور روایت میں یوں ہے کہ ”اس لین دین میں سود نہیں ہوتا جو دست بدست ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ادھار لین دین میں سود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سود کی صورت ایسے معاملے میں پیدا ہوتی ہے جس میں دو ہم قدر چیزوں کا باہمی تبادلہ ادھار کی شکل میں ہو کہ ایک فرق تو نقد دے اور دوسرا بعد میں دینے کا وعدہ کرے اگرچہ دونوں چیزوں کی جنسیں مختلف ہوں اور برابر برابر ہوں مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو جو دے کر اس سے گہیوں لے تو اس لین دین میں کمی بھی جائز ہے بشرطیکہ دست بدست لین دین ہو۔ اگر کسی ایک طرف سے بھی ادھار ہوگا تو پھر یہ معاملہ جائز ہوگا اور سود کی صورت ہو جائے گی اسی طرح ”اس لین دین میں سود نہیں ہوتا جو دست بدست ہو“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایسی دو چیزوں کا یا بھی تبادلہ کیا جائے جو ایک جنس کی ہوں اور برابر برابر ہوں، نیز دونوں وقت اپنی اپنی چیز اس جنس میں اپنے قبضے میں رکھیں تو یہ جائز ہوگا اور سود کی صورت نہیں ہوگی اور اگر دونوں چیزیں ایک جنس کی ہوں

اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔

(۲۰) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّكَاةُ مَبْعُوتُونَ جُزْءًا أَيْتَسَوَّاهَا أَنْ يَتَكَبَّرَ الْوَحْلُ أَهْلُهُ

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”سود کے کٹاؤں کے شرور بڑے ہیں، اور ان میں جو سب سے ادنیٰ درجہ ہے وہ ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنی ماں سے محبت کرے۔“

(۲۱) وَعَنْ ابْنِ مَسْغُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الزَّكَاةَ وَإِنْ كَثُرَ لَهَا عَاقِبَتُهُ تَقْصِيرُ إِلَى قَلْبٍ زَوَاهِمَا ابْنُ حَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ لِمَنْ شَعِبَ الْإِيمَانُ وَوَلَّى أَحْمَدُ الْأَجَبِيُّ

”اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”سود (سے حاصل شدہ مال) خواہ کتنی ہی زیادہ ہو مگر آخر کار اس میں کمی آجیسی ہے برکتی آجاتی ہے“ ان دونوں روایتوں کو ابن ماجہؒ نے اور شعب الایمان میں بیہقیؒ نے نقل کیا ہے نیز دوسری روایت کو امام احمدؒ نے بھی نقل کیا ہے۔“

تشریح: سودی ذرائع سے حاصل ہونے والا مال بظاہر تو بہت زیادہ محسوس ہوتا ہے مگر جب تک سودی مال میں خیر و برکت کا کوئی جز نہیں ہوتا اس لئے انعام کا وہ مال اس طرح تباہ و برباد اور ختم ہو جاتا ہے کہ اس کا نام و نشان تک باقی نہیں رہتا، یہ محض ایک و میدی بات نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو روزانہ نظروں کے سامنے آتی رہتی ہے، چنانچہ اسی حقیقت کو قرآن کریم نے بھی ان الفاظ میں واضح کیا ہے:

يَمْسُقْهُ اللَّهُ الزَّكَاةَ وَيُزِيلِ الْفَضْلَ قَانِدًا (البقرہ ۱۷۷:۱۷۸)

”اللہ تعالیٰ سود کو مٹا دیتا ہے اور صدقات کو بڑھا دیتا ہے۔“

اس آیت کا مطلب یہی ہے کہ انسان جو مال سود کے ذریعے حاصل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے نیست و نابود کر دیتا ہے۔ مگر انسان اپنی جائز محنت و حلال ذریعہ سے جو مال کماتا ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ بڑھا دیتا ہے۔ گویا اس آیت میں سود اور صدقہ کو ایک ساتھ ذکر کر کے جہاں یہ واضح کیا گیا ہے کہ ان دونوں کی حقیقت میں تضاد ہے وہیں ان دونوں کے متضاد نتائج کی نشاندہی بھی کی گئی ہے، چنانچہ ان دونوں کی حقیقت میں تضاد تو یہ ہے کہ صدقہ میں بغیر کسی معاوضے اور بغیر کسی لالچ کے انسان اپنا مال محض خدا کی خوشنودی کے لئے دوسروں کو دیتا ہے جبکہ سود میں بغیر کسی معاوضہ کے انسان محض مال و زر کی ہوس اور دولت کی فراوانی کے جذبے کے تحت دوسرے سے مال حاصل کرتا ہے، اس طرح دونوں کاموں کے کرنے والوں کی نیت اور غرض بالکل جدا جدا ہوتی ہے کہ صدقہ کرنے والا محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت کے ثواب کے لئے اپنے مال کو ختم کرنے یا کم کرنے کا فیصلہ کر کے ایک زبردست ایثار کرتا ہے اور سود لینے والا محض دنیاوی حرص و طمع کی بناء پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے غصہ و ناراضگی سے بالکل بے پروا ہو کر اپنے موجودہ مال میں ناجائز زیدتی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ یہ تو سود اور صدقہ کی حقیقت کا تضاد تھا۔ دونوں کے نتائج کا تضاد یہ ہے کہ جو مال اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی پرواہ کئے بغیر ناجائز طریقے یعنی سود سے حاصل کیا جاتا ہے اسے اللہ تعالیٰ مٹا دیتا ہے یا اس میں سے برکت اٹھا لیتا ہے اس کے برخلاف جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی و خوشنودی کی خاطر اپنا مال دوسروں کو دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے مال کو بڑھا دیتا ہے ایسے طور کہ اس کے موجودہ مال میں خیر و برکت عطا فرماتا ہے۔

اس آیت کے ضمن میں دونوں کے نتائج میں تضاد کا مطلب مفسرین نے اس انداز میں بیان کیا ہے کہ ”سود کو مٹانے اور صدقہ کو بڑھانے کا تعلق آخرت سے ہے، یعنی سود خوار کو اس کا مال آخرت میں کچھ بھی نفع نہیں پہنچائے گا بلکہ عذاب ہی کا موجب بنے گا۔ جبکہ صدقہ کرنے والے کا مال آخرت میں اس کے لئے ابدی سعادتوں اور راحتوں کا ذریعہ بنے گا۔“ پھر سود کا مٹایا جانا اور صدقہ کا بڑھا لیا جانا

آخرت سے تو تعلق رکھتا ہی ہے۔ مگر اس کے کچھ آثار و نمایاں مشاہدہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ سود، جس مال میں شامل ہو جاتا ہے بعض اوقات وہ مال اس طرح تباہ و برباد ہو جاتا ہے کہ اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا جیسا کہ سود اور شے کے بازاروں میں عام طور پر دیکھا جاتا ہے۔ کہ بڑے بڑے کروڑ پتی اور سرمایہ دار دیکھتے دیکھتے دیوالیہ ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ بے سود کی تجارتوں میں بھی نقص و نقصانات کے احتمال ضرور ہیں اور اسی وجہ سے بعض مرتبہ بے سود کی تجارت کرنے والوں کو بھی کسی تجارت میں نقصان ہو جاتا ہے، لیکن ایسا تاجر جو کل کروڑ پتی تھا اور آج ایک ایک پیسہ کی بھیک کا محتاج ہے۔ یہ صرف سود اور شے کے بازاروں میں ہی نظر آتا ہے۔

بہر کیف، جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے سود کی مال کا وقتی طور پر بڑھنا اور آخر میں تباہ و برباد ہو جانا، محض ایک شرعی وعید کے درجے کی بات نہیں ہے بلکہ اعلیٰ تجربہ کے بیانات بھی اس پر شاہد ہیں کہ سود کا مال فوری اور وقتی طور پر کتنا ہی بڑھ جائے لیکن وہ عموماً ایسا دیر پا نہیں ہوتا کہ اس کا فائدہ نسلوں تک پہنچے، اکثر ایسی کوئی نہ کوئی صورت پیش آ جاتی ہے جو سودی مال کو ختم یا کم کر دیتی ہے۔

سود خوروں کی ظاہری خوشحالی سے دھوکہ نہ کھائیے۔ آج کل سود کا کاروبار عام ہے، چہ چہ پر سود خوروں کا تین دین جاری ہے۔ ان کے یہاں ظاہری طور پر مال و دولت کی ریل قبل نظر آتی ہے، اسباب عیش و عشرت کی فراوانی ہر طرف رقصاں دیکھی جاتی ہے۔ اسی لئے عام سطح میں لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ آج کل تو سود خوروں کو بڑی سے بڑی راحت حاصل ہے۔ وہ کوٹھیاں، بنگلوں اور عایشان ٹارٹوں کے مالک ہیں، نوکر چاکر اور شان و شوکت کے تمام سامان موجود ہیں، اس لئے یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ سود خوروں کو دنیا میں بھی راحت حاصل نہیں ہوئی اور ان کا مال و زر ان کا ساتھ نہیں دیتا۔ حالانکہ غور کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح نظر آئے گی کہ سامان راحت اور راحت میں بڑا فرق ہے۔ سامان راحت تو آپ کارخانوں اور فیکٹریوں اور بازاروں سے حاصل کر سکتے ہیں وہ سونے چاندی اور سکوں کے عوض مل سکتا ہے لیکن جس چیز کا نام راحت ہے وہ نہ کسی فیکٹری میں بنتی ہے اور نہ کسی بازار سے دستیاب ہوتی ہے بلکہ وہ ایک ایسے روحانی اطمینان اور قلب و دماغ کے ایک ایسے سکون کا نام ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی صورت میں براہ راست انسان کو عطا ہوتا ہے جو بعض اوقات بالکل بے سرو سامان انسان اور جانوروں تک کو میسر آ جاتا ہے۔ اور بعض اوقات ہزاروں اسباب عیش و عشرت اور سامان راحت رکھنے کے وجود کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ ایک فینڈ کو لے لیجئے، یہ فینڈ کیا ہے؟ ایک راحت و سکون کا نام ہے، اس کو حاصل کرنے کے لئے آپ یہ سوچ سکتے ہیں کہ ایک اعلیٰ قسم کی خواب گاہ بنوائیں جس میں ہوا، روشنی کا پورا انتظام ہو، عمدہ قسم کے اور آرام دہ پلنگ ہوں، دھڑبھڑکے دل کش گدے لمبے بستر اور ملائم کنبے ہوں لیکن آپ خود بتائیے کیا ان سامانوں کے ہوتا ہو جانے پر فینڈ کا آج نالازی ہے؟ اگر آپ کو خود اس کا تجربہ نہیں ہے تو وہ ہزاروں آدمی اس کا جواب فی منہ میں گئے جنہیں کسی عارضے کی وجہ سے فینڈ نہیں آئی ان کے لئے یہ سامان دھڑبھڑکے رہ جاتے ہیں یہاں تک کہ خواب آدور و دنیاں بھی جواب دے دیتی ہیں، چنانچہ فینڈ کے سامان تو بازار سے آگئے لیکن فینڈ کسی بازار سے کسی بھی قیمت پر نہیں لائی جاسکتی۔ اسی طرح دوسری لذتوں اور راحتوں کا حال ہے۔ ان کے اسباب تو روپیہ پیسہ کے ذریعے حاصل ہو سکتے ہیں مگر ان راحتوں اور لذتوں کا حاصل ہونا ان اسباب کے باوجود بھی ضروری نہیں ہے، یہ بات سمجھ لینے کے بعد سود خوروں کے حالات کا جائزہ لیجئے، تو ان کے پاس آپ کو سب کچھ ملے گا مگر راحت اور اطمینان کا نام نہ پائیں گے۔ وہ اپنی حرص و ہوس میں اپنی تجویزوں کو بھرنے اور اپنے ایک کروڑ کو ڈیڑھ کروڑ و کروڑ بنانے میں ایسے مست نظر آتے ہیں کہ ان کو اپنے کھانے پینے کا ہوش رہتا ہے نہ اپنی بیوی بچوں کا خیال، ایمانداروں سے بتائیے کیا اطمینان و راحت اسی طرح حاصل ہوتا ہے، صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک، مال و دولت کو بڑھانے کی ادھیڑ بن میں اپنے آپ کو فخر کر دینے کا نام راحت ہے؟ کتنے بے وقوف ہیں وہ لوگ جنہوں نے اسباب راحت کا نام راحت رکھ لیا ہے اور جو حقیقی راحت ہے اس سے کوسوں دور ہیں۔

سود خوروں کو حقیقی عزت حاصل نہیں ہوتی۔ ایک دنیا دار انسان مال و دولت کے انبار ہی لئے جمع کرتا ہے کہ اسے دنیا کا اطمینان و سکون اور راحت حاصل ہو اور وہ سماج و معاشرہ میں عزت و وقار کی زندگی بسر کر سکے لیکن سود خوروں کی راحت کا حل تو معلوم ہوا کہ ان

کے ہاں ظاہری طور پر مال و دولت کی فراوانی، اور عیش و عشرت اور راحت و آرام کے تمام تر اسباب کی موجودگی کے باوجود ان بد نصیبوں کو حقیقی راحت و اطمینان کی دولت نصیب نہیں ہوتی۔ اور سکون قلب و دماغ جیسی اعلیٰ نعمت میں مسلسل مبتلا رہنے کی وجہ سے طبعی طور پر بھی بے رحم اور سنگ دل بن جاتا ہے اور اس کا پیشہ ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ مصیبت زدہ اور افلاس کے مارے لوگوں کی مصیبت و مفاسد سے اور کم مایہ انسانوں کی کم مائیگی سے فائدہ اٹھائے اور ان کا خون چوس کر اپنے بدن کو کسم و زور سے پالے۔ اس مفقود کے لئے وہ بھوک سے بلکتے معصوم بچوں کے ہاتھ سے سوکھی روٹی کا ٹکڑا پھینچنے اور افلاس زدہ کی ستائی ہوئی باحیا عورت کے جسم پر لپٹے ہوئے کپڑے کا آخری جھقڑا اتار لینے سے بھی دریغ نہیں کرتا، اس شقاوت اور سنگ دلی کی موجودگی میں یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں سود خوار کی عزت و وقار کے لئے کوئی گوشہ ہو۔ آپ اپنی آبادی کے کسی بھی بڑے سے بڑے سود خوار پر نظر ڈالئے۔ اس کی تجوریوں میں سوئے چاندنی اور روپیوں کے کتے ہی بڑے ذخیروں سے بھری پڑی ہوں۔ اس کے گھر میں مال و دولت کے کتے ہی خزانے محفوظ ہوں۔ لیکن کیا لوگوں کی نظروں میں اس کی ادنیٰ بھی وقعت ہوتی ہے بے کس و مجبور لوگ جیلے ہی اپنی ضرورت و احتیاج کی بناء پر اس کے آگے ہاتھ جوڑتے ہیں مگر ان کے دلوں میں بھی اس کے لئے عزت و احترام کا کوئی ادنیٰ سا جذبہ نہیں ہوتا۔ معاشرہ میں اس کی حیثیت اس درندے کے برابر نہیں ہوتی جو اپنے بچوں سے انسانوں کے جسم سے گوشت کے ٹکڑے لوچ کر انہیں ہڈیوں کے ڈھانچے میں تبدیل کر دیتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ انسانوں کے ہر طبقہ میں اس انسانی شرف و احترام سے بھی محروم رہتا ہے جو ایک انسان کو دوسرے انسان کے سامنے عزت و وقار کا پیکر بنا کر پیش کرتا ہے۔

آج کی بین الاقوامی بے چینی اور اقتصادی بد حالی سود خوروں ہی کی مسلط کی ہوئی ہے؛ بات جب چل نکلے تو پھر سود خوری کے ایک اور پہلو پر بھی نظر ڈال لیجئے، بڑی مصیبت یہ ہے کہ سائنسی ارتقاء اور مادی عروج نے انسان کو ”جی لینے کا سلیقہ“ کیا بخشا کہ سوچنے سمجھنے کے ڈھنگ تک بدل گئے، آج کا انسانی ذہن علم و دانش کی فراوانی اور فہم و فراست کی پختگی کے دعوے کے باوجود غور و فکر کے ایک مخصوص پنج سے آگے نہیں بڑھ سکا ہے، آج کی دنیائے انسان کے گرد خالص مادی سامانے میں ڈھلے ذہن جدید کے معنوی نظریات کا جو حصار کھینچ دیا ہے اس نے سوجھ بوجھ کی تمام ملامتوں کو کسم و زور کے ایک خالص ماحول میں مقید کر دیا ہے اور احساسات فکر و نظر کو حقیقی اچھائی اور برائی کی قوت امتیاز سے محروم کر کے صرف دنیا کے فنی اور ظاہری فائدوں اور تن آسانیوں کا امیر بنا دیا ہے۔ اسی لئے آج بیشہ کی تسلیم شدہ صداقتیں قابل انکار ہو گئی ہیں اور ہزاروں سال پرانے اہل اور حقیقی نظریات قابل شکست و ریخت سمجھے جانے لگے ہیں۔ اسلام کی یہ ایک اہل حقیقت ہے کہ سود حرام ہے ہر فرد کے لئے ہر طبقہ کے لئے ہر زمانہ کے لئے اور ہر حالت میں لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اگرچہ بظاہر ڈھے لکھے ہیں لیکن عہد حاضر کے معنوی افکار و نظریات نے انہیں دین و شریعت کے حقیقی راستے سے دور کر رکھا ہے اور ان کے ذہن و فکر پر موجودہ دور کی مخصوص چھاپ نے انہیں ”جہالت“ کی واویلوں میں بھنکار کھا ہے ان کے نزدیک نہ صرف حرمت سود جیسی مسلمہ حقیقت آج کے زمانہ میں ایک ناقابل عمل چیز ہے بلکہ مادی خوشحالی اور تجارتی کامیابیوں کی راہ میں ایک رکاوٹ بھی ہے ان کے نقطہ نظر سے آج کا معاشی نظام جو سود کی جکڑ بند یوں میں محصور ہے صرف ایک فرد ایک قوم ملک ہی کے لئے نہیں بلکہ پوری دنیا کے اقتصادی استحکام اور بنی نوع انسان کی معاشی خوشحالی کا ضامن ہے وہ بڑے بڑے سرمایہ دار ملک جنہوں نے سود کی شکل میں غریب قوموں اور ترقی پذیر ملکوں کی اقتصادیات و معاشیات کی روح کھینچ کر ان کو دنیا کا چیلوڑ مگر تباہیوں کا دیوانوں کی نظر میں بنی نوع انسان کی معاشی فلاح و بہبود اور ان کے اقتصادی اطمینان کے واحد سہارے ہیں یہ لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ سرمایہ دار طاقتوں نے غریب ملکوں اور اقتصادی بد حالی کی شکل قوموں کے لئے اپنے خزانوں کے جو منہ کھول رکھے ہیں وہ درحقیقت عائی جھانگ چارگی اور بین الاقوامی اقتصادی خوشحالی کے تئیں ان کے حقیقی جذبات و شمار و ہمدردی کا مظہر ہیں۔ حالانکہ اگر ذرا بھی غور و فکر سے کام لیا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو کر سامنے آجائے گی کہ یہ سب کچھ اسی ہوس و عیاری کا ترقی یافتہ راستہ ہے جس پر چل کر پہنچے تو ایک

انسان نے دوسرے انسان کا خون چوسا ہے اور اب اسی راستہ پر گامزن ایک قوم اور ایک ملک دوسری قوموں اور دوسرے ملکوں کا خون چوس رہے ہیں بس فرق امتناعی ہے کہ پہلے ایک فرد یا ایک طبقہ سود کی اقتصادی تباہ کاری کا شکار ہوا کرتا تھا اور اسے چھوٹا بھی کرتا تھا لیکن آج پورے پورے ملک اور پوری پوری قومیں سود کی اقتصادی تباہ کاری کا غیر محسوس طور پر شکار ہو کر اپنے باوقار وجود کو سود خوروں کے پاس رہن رکھ چکی ہیں۔ جن دانشوروں کی نظر دنیا کے ان اقتصادی منصوبوں پر ہے جن کے تحت سرمایہ دار ممالک ہمسامہ قوموں اور ترقی پزیر ملکوں کو ہر سال اربوں ڈالر کے امدادی قرض دیتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ ممالک کس طرح سود کی شکل میں ان غریب ملکوں کی اقتصادی دولت کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ کر اپنے ملک کے خزانے بھرنے میں ہیں۔ اس حقیقت سے کون باخبر اور باہوش انسان انکار کر سکتا ہے کہ ان سود خور ملکوں کی سود خوری نے دنیا کے ان تمام غریب ملکوں کے اقتصادی نظام میں جو شومی قسمت سے اپنے وسائل اور اپنے دست و پاؤں کی قوت محنت پر بھروسہ نہ کر کے سرمایہ دار ملکوں کے جال غریب میں پھنس گئے ہیں، غربت و افلاس اور مالی بد حالی کا ایسا زہر معمول دنیا ہے کہ ان کا تمام تر معاشی ڈھانچہ اپنی جگہ چھوڑ چکا ہے اور اقتصادی موت کے دروازے پر پہنچ گیا ہے۔ اس صورت حال نے دنیا کے اس و سکون کو بھی متزلزل کر کے رکھ دیا ہے آج آپ کو کتنے ہی ایسے ملک نظر آئیں گے جو ان کی سیاسی اور ملکی پالیسیوں کی بحیثیت چڑھ گئے ہیں کہ ان کی اقتصادی زندگی کا تمام دار و مدار انھیں سود خوروں کے امدادی اور سودی قرضوں پر ہے ان مسائل کا حل چونکہ ان کی سیاسی اور اقتصادی پالیسی کے خلاف ہے اس لئے وہ ان کو دنیا پر اس طرح مسلط کئے ہوئے ہیں کہ آج ان کی وجہ سے قوموں کی قومیں اور ملک کے ملک اپنی داخلی بے چینیوں بے اطمینانیوں اور نا اطمینانیوں کا شکار ہو کر موت و حیات کی کش مکش میں مبتلا ہیں۔ اس لئے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ آج پوری دنیا پر سیاسی بے اطمینانی اور اقتصادی بے چینی کا جو مہیب بادل چھایا ہوا ہے وہ دراصل سود خوروں کا مسلط کیا ہوا ہے جس سے کوئی نہ والی برقی کسی بھی لمحہ بنی نوع انسان کے پورے وجود کو محسوس کر سکتی ہے۔

سود کے بارے میں ایک شبہ اور اس کا جواب: بعض چڑھے لکھے لوگ اس شبہ میں بھی مبتلا ہیں کہ قرآن کریم نے جس ربا کو حرام قرار دیا ہے وہ ایک خاص قسم کا ربا تھا جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھا کہ کوئی غریب مصیبت زدہ شخص اپنی مصیبت دور کرنے کے لئے کسی سے قرض لے لیتا تھا اور قرض خواہ اس پر ایک متعین نفع (سود) لیا کرتا تھا یہ بے شک ایک سنگدلی کی بات تھی کہ کوئی شخص کسی کی مصیبت میں اس کی مدد کرنے کی بجائے ان کا اس کی مصیبت سے فائدہ اٹھائے قرآن نے سود کی اس صورت کو حرام قرار دیا زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس حرمت کا اطلاق آج کے زمانہ میں بھی سود کی اس صورت پر ہو سکتا ہے جو ہمارے سود خوروں کے ہاں شخصی اور انفرادی طور پر رائج ہے۔ کہ کوئی ضرورت مند غریب اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے (خواہ کوئی چیز رہے) دیکھو یہ ربا کی طرح کسی احمق پر ان سے قرض لیتا ہے اور اس پر حسب شرط و ضیق سود ادا کرتا ہے لیکن آج کل تجارتوں، بینکوں، کمپنیوں اور اجتماعی اداروں کے ذریعہ جو سودی کاروبار ہوتا ہے اس کی صورت بالکل مختلف ہے جس کی وجہ سے اب سود دینے والے مصیبت زدہ لوگ نہیں رہے بلکہ محمول اور سرمایہ دار تجارتیں جو غریبوں سے سود لینے کی بجائے خود ان کو دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں غریبوں کا حق فائدہ ہے کہ بہت سے قلیل سرمایہ والے لوگ مذکورہ بالا ذرائع سے کچھ نہ کچھ حاصل کر لیتے ہیں۔ لہذا موجودہ دور کے تجارتی سود پر حرمت کا اطلاق نہیں ہونا چاہئے۔

اس کے جواب کے سلسلہ میں پہلے تو ایک بنیادی بات یہ جان لینی چاہئے کہ شریعت کے کسی بھی حکم کا تعلق اصول اور کلیہ سے ہوتا ہے جو نیات اور اقسام کے اختلاف سے اس حکم کے نظائر اثر انداز نہیں ہوتے۔ شریعت نے جس چیز کو اصولی طور پر حرام قرار دیا ہے وہ چیز اپنے تمام اجزاء اور اپنی تمام اقسام کے ساتھ حرام ہوگی۔ یہ حق کسی کو حاصل نہیں ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں اس چیز کے کسی جز کو کسی قسم کو محض اپنے خیال سے مستثنیٰ کر دے یا اس حکم کے اطلاق کو کسی شرعی دلیل کے متعین و محدود کر سکے اگر کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ اس حرمت کا تعلق اس شراب سے ہے جو پہلے زمانہ میں خراب قسم کے برتنوں میں مڑا کر تائی جاتی تھی۔ اب تو چونکہ مغربی تھرائی کا بڑا

اہتمام ہے مشینوں کے ذریعہ سب کام ہوتا ہے اعلیٰ درجہ کی شرابیں بنتی ہیں لہذا موجودہ دور کی شراب پر حرمت کا اطلاق نہیں ہونا چاہئے تو ظاہر ہے کہ یہ بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جو اسلامی شریعت کا ذرا سا بھی علم نہ رکھتا ہو یا اسلامی شریعت کے مزاج سے قطعاً ناواقف ہو۔ اس کے علاوہ اس پر بھی غور کیجئے کہ اس طرح احکام قرآن کو اپنے خیالات کے تابع کرنے کا رد و انکار کمال جائے تو پھر کس چیز کی حرمت باقی رہ جائے گی قمار جو اچوری ڈاکہ زنا فواحش ان میں سے کون سی برائی ایسا ہے جس کی موجودہ صورت پہلے زندہ کی صورت سے مختلف نہیں ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہو گا کہ ان بھی برائیوں کو جائز کہنا پڑے گا۔ لہذا جب محض جولوہ بدلے سے کسی شخص کی حقیقت نہیں بدلا کرتی تو کوئی بھی برائی خواہ وہ کتنی صورت اختیار کرے اس کا حکم بھی کسی حال میں نہیں بدلے گا۔

اس بات کو سمجھ لینے کے بعد اب رہا کاروازہ لیجئے تو معلوم ہو گا۔ قرآن کریم میں رہائی مخالفت کا ذکر ایک جگہ نہیں، مختلف سورتوں کی کئی آیتوں میں آیا ہے اور چالیس سے زائد احادیث میں مختلف عنوان سے اس کی حرمت بیان کی گئی ہے ان میں سے کسی ایک جگہ کسی ایک لفظ میں بھی یہ اشارہ نہیں ہے کہ حرمت کا یہ حکم کسی خاص صورت یا کسی خاص مصلحت کے پیش نظر ہے۔ حرمت رہائی کسی بھی آیت یا کسی بھی حدیث سے یہ اشارہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ یہ حرمت صرف اس رہائی ہے جو شخصی اغراض کے لئے لیا دی جاتا تھا تجارتی سود اس سے مستثنیٰ ہے بلکہ اگر اس مسئلہ پر تاریخی نقطہ نظر سے غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ سرے سے یہ خیال ہی غلط ہے کہ نزول قرآن کے زمانہ میں سود کی صرف یہی صورت رائج تھی کہ کوئی مصیبت زدہ شخص یا غریب آدمی اپنی ضرورت پوری کر کے لئے سود پر قرض کا معاملہ کرتا تھا، اور تجارتی معاملات کے لئے سود پر روپیہ لینے دینے کا رواج نہیں تھا بلکہ آیات رہا کا شان نزول دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمت رہا کا جب نزول ہوا ہے تو اس وقت شخصی اغراض کے لئے سودی لین دین کے علاوہ تجارتی معاملات کے لئے بھی سود کا لین دین رائج تھا کیونکہ عرب اور بالخصوص قریش تجارت پیشہ لوگ تھے جو تجارتی اغراض ہی کے لئے سود کا لین دین کرتے تھے چنانچہ حضرت عباسؓ اور حضرت خالدؓ ابن ولید کے بارہ میں امام بخاریؒ نے لکھا ہے کہ یہ دونوں شرکت میں کاروبار کرتے تھے اور ان کا لین دین حائف کے بنو ثقیف کے ساتھ تھا حضرت عباسؓ کی ایک بڑی رقم سود کے طور پر بنو ثقیف کے ذمہ واجب الادا تھی انہوں نے بنو ثقیف سے اپنی سابقہ رقم کا مطالبہ کیا تو آنحضرت ﷺ نے قرآن کے اس حکم کے تحت کہ رہا حرام قرار دے دیا گیا ہے، اپنے چچا حضرت عباسؓ کو سود کی اپنی اتنی بڑی رقم چھوڑ دینے کا حکم دے دیا جس کا اعلان آپ ﷺ نے حبشہ انودار کے خلیفہ میں بھی ہوا فرمایا کہ۔

وَرَبَّنَا الْبَحَا هَلِيَّةٌ مَوْضُوعٌ وَ أَوَّلُ رَبَّنَا أَضْعُ مِنْ رَبَّنَا وَ نَاعْتَبِاسُ بْنُ عَبْدِ الْمَلْطَلَبِ۔

”زمانہ جاہلیت کا سود چھوڑ دیا گیا ہے اور سب سے پہلا سود جسے میں اپنے سودوں میں سے چھوڑتا ہوں عباسؓ ابن عبد المطلب کا سود ہے“

اس کے علاوہ اور بہت سے ایسے واقعات منقول ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک قبیلہ کا دوسرے قبیلہ کے ساتھ اور ایک خاندان کے ساتھ سودی لین دین تھا پھر اس کے ساتھ یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ جن قبائل یا خاندان کے باہمی سودی لین دین کا ذکر منقول ہے وہ کسی فوری ضرورت یا مصیبت کے تحت قرض لینے کی حیثیت سے نہیں تھا بلکہ اس انداز سے ہے کہ ان کے درمیان یہ لین دین کاروباری اور تجارتی حیثیت سے مسلسل جاری تھا جیسے ایک تاجر دوسرے تاجر سے یا ایک کمپنی دوسری کمپنی سے معاملہ کیا کرتی ہے، بلکہ سودی کاروبار کرنے والے لوگ ”رہا“ کو بھی ایک قسم کی تجارت ہی سمجھا کرتے تھے جس کی تردید قرآن کو کرنی پڑی اور خرید و فروخت کے معاملات کو سود ہی کی ایک قسم سمجھنے والوں کے لئے سخت تہدید و وعید نازل ہوئی۔

اب رہی یہ بات کہ بینکوں کے سودی کاروبار سے غریب عوام کا نفع ہے کہ انہیں اپنی رقموں پر کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے۔ تو یہ درکئے کہ یہی وہ حسین فریب ہے جس کی بنیاد پر یورپین اقوام نے سود جیسی بدی اور بیشی کی مسلم لعنت کو کاروبار کا ایک خوب صورت جامہ پہنا یا اور عوام نے اس فریب میں مبتلا ہو کر سود کے چند ٹکوں کے لالچ میں اپنی پونجی کو بینکوں کے حوالہ کر دیا اس طرح پوری قوم کا سرمایہ سمت کر بینکوں میں آگیا، اور ادھر اس سرمایہ کو بڑے بڑے تاجروں اور یوہاروں نے بینکوں سے بطور قرض لیکر اپنے اپنے کاروبار کو دوست دی

اور اس سے جو عظیم ایشان فسخ حاصل ہوا اس میں سے چند لکے بینکوں کو دے کر باقی سب اپنی تجویزوں میں بھرنے لگے۔ ان لوگوں میں سے سید محمد پوری قوم کے ان لوگوں کو بانٹ دیا جنہوں نے اپنی اپنی بینک کے حوالہ کی گئی اس طرح سرمایہ دار نے تو اپنے دس ہزار روپیہ سے ایک لاکھ روپیہ کمالیا اور سبے چارے غریبوں کے حقد میں کیا آیا؟ صرف چند لکے اب بتائیے کہ ان بینکوں سے بھی اصل فائدہ کسے حاصل ہوا سرمایہ دار کو یا غریب کو؟ غریب خوردہ غریب تو اس متوقع فائدہ سے بھی محروم رہا جو وہ اپنی اپنی کو بینک کے حوالے کر دینے کی بجائے کسی چھوٹی موٹی تجارت میں لگا دینے سے حاصل کرتا ہے تو اتنی بھی سہولت نہ ملی کہ وہ بینک سے کوئی بڑی رقم قرض لے کر کاروبار کر سکتا کیونکہ بینک تو کسی غریب کو پیسہ دینے سے رہا، وہ تو بڑے بڑے سرمایہ داروں اور ساتھ والوں کو قرض دیتا ہے لیکن اس کے برخلاف سرمایہ دار نے بینک سے کیا فائدہ حاصل کیا؟ اس نے بینک سے بڑی بڑی رقمیں قرض کے نام پر لیں ان رقموں سے تجارت و صنعت کی بڑی بڑی منڈیوں پر اپنا اجارہ، جمایا اور ہر قسم کے کاروبار پر قابض ہو گیا۔ کسی کم سرمایہ والے کو مقابلہ و مسابقت (competition) کے ذریعہ تجارت کے کسی میدان میں جمنے نہیں دیا۔ اور انجام کار تجارت کا کاروبار جو پوری قوم کے لئے فائدہ مند اور ترقی کا ذریعہ تھا چند مخصوص لوگوں میں محدود ہو کر گیا۔ اور پھر آخر میں جا کر اس سودی کاروبار کی تان غریبوں ہی پر اس طرح لوٹی کہ جب تجارت کے اڈوں پر مخصوص سرمایہ دار ناک ہیں کر بیٹھ گئے تو اشیاء کے نرخ بھی ان کے رحم و کرم پر ہو گئے۔ جس کا نتیجہ وہ ہے جو آج ہر جگہ سامنے آ رہا ہے کہ سامان معیشت میں روز بروز گرانی بڑھتی ہی جا رہی ہے اور اشیاء کی قیمتیں اس طرح چڑھ رہی ہیں کہ حکومتوں کی تمام تر کوششوں کے باوجود قابو میں نہیں آ رہی ہیں۔ اور انجام کار غریب خود وہ عوام کو سود کے نام پر جو چند لکے ملے تھے ان کے نتیجہ میں سامان معیشت دو گنی گئی قیمتوں تک پہنچا تو ان غریبوں کی جیب سے سود کے وہ چند لکے کچھ اور سود لے کر نکل گئے اور پھر لوٹ پھر کر انہیں سرمایہ داروں کی جیب میں پہنچ گئے لہذا بینکوں اور تجارتی اداروں کے سودی کاروبار کے اس غریب کا پردہ اٹھا کر دیکھئے تو معلوم ہو گا کہ سودی کاروبار کا نام نتیجہ کسی بھی طرح غریبوں کے حق میں مفید نہیں ہوتا بلکہ یہ درحقیقت پوری قوم کی غربت و افلاس اور چند سرمایہ داروں کے سرمایہ میں بے پناہ اضافہ کا ذریعہ ہے اور یہی وہ معاشی بے اعتدالی اور اقتصاد کی تباہ کاری ہے۔ جو پوری قوم اور پورے ملک کی تباہی کا سبب بنتی ہے اس لئے اسلام نے سود کے ہر طریقہ اور ہر ذریعہ پر قدغن لگائی ہے خواہ وہ انفرادی و شخصی اغراض کے لئے قرض لینے کی صورت میں ہو یا اجتماعی تجارت اور بینکوں کے کاروبار کی شکل میں کیونکہ دونوں ہی صورتوں میں غریب کا خون سود خواروں کی غذا بنتا ہے۔

(۲۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَيْتُ لَيْلَةَ أُسْرَى بَنِي عَلِيٍّ فَوَجَدْتُ لَهُمْ كَتَائِبَ زَبَدٍ فِيهَا الْحَيَاثُ تُزَيَّرُ مِنْ خَارِجٍ يَطْلُوْنَهُمْ فَقُلْتُ مَنْ هَؤُلَاءِ يَا جَبْرِئِيلُ قَالَ هَؤُلَاءِ أَكَلَةُ الزَّيْبِ۔ (رواہ احمد و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اسراج کی رات میرا گند کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کے پیٹ گھروں مکانوں کی مانند (بڑے بڑے) تھے اور ان کے پیٹوں میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو پیٹوں کے باہر سے بھی نظر آ رہے تھے، میں نے انہیں دیکھ کر بڑی حیرت کے ساتھ جبرئیلؑ سے پوچھا کہ جبرئیلؑ (علیہ السلام) یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ سود خور ہیں۔“ (احمد، ابن ماجہ)

سود خور پر آپ ﷺ کی لعنت

(۲۳) وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ أَكِلَ الزَّيْبِ وَمُؤْكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَمَانِعَ الصَّدَقَةِ وَكَانَ يَنْهَى

عَنْ النَّبِيِّ - (رواہ انس)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے سارے رسول کریم ﷺ سو لینے والے سو دینے والے سو کا تمسک لکھنے والے، سو کا حساب کتاب لکھنے والے، اور صدقہ سے منع کرنے والے پر لعنت فرماتے تھے، نیز آپ ﷺ نوحہ کرنے سے منع فرماتے تھے۔“ (نسائی)

تشریح: صدقہ سے منع کرنے والے سے مراد یا تو وہ شخص ہے جو کسی دوسرے کو صدقہ کو خیرات کرنے سے منع کرے اور روکے چنانچہ آپ ﷺ نے ایسے شخص پر لعنت فرمائی ہے یا پھر اس سے وہ شخص مراد ہے جو واجب صدقہ یعنی زکوٰۃ وغیرہ ادا نہ کرتا ہو۔ کسی مردہ شخص کے اوصاف بیان کر کے اور چلا چلا کر دنا ”نوحہ“ کہلاتا ہے چونکہ یہ ایک انتہائی نازیبا اور خلاف وقار و دانش فعل ہے اس لئے شریعت نے اس سے منع کیا ہے۔

ربا کی تشریح کے متعلق حضرت عمرؓ کا ارشاد

(۲۲) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بْنِ أَجْرٍ مَّا تَرَلْتُ أَيْدِيَ الزَّيْنَوَانِ زَمْزَمَ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبُضَ وَلَمْ يَفْسَرْ هَاتَانِ فَذَعُوَا الزَّيْنَوَانِ الزَّيْنَةَ - (رواہ ابن ماجہ والہادی)

”اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ جو چیز نازل ہوئی ہے یعنی قرآن کریم اس کا معاملات سے متعلق جو حصہ سب سے آخر میں نازل ہوا ہے وہ ربا کی آیت ہے چنانچہ رسول کریم ﷺ اس کو دینا سے اس حالت میں تشریف لے گئے کہ آپ ﷺ نے اس کی تفصیل بیان نہیں فرمائی لہذا سو کو بھی چھوڑ دو اور جس چیز میں سود کا شک و شبہ ہو اسے بھی چھوڑ دو۔“ (ابن ماجہ دارقطنی)

تشریح: یہ بات ابتداء میں بتائی جا چکی ہے کہ سود کی مروجہ شکل یعنی قرض و ادھار پر متعین نفع لینا اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں بھی رائج تھی اور لوگوں میں اس طرح کے سود کا بہت زیادہ رواج تھا چنانچہ قرآن کریم نے جب ربا کی حرمت بیان کی اور آیت ربا نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے حرمت کے اس حکم کو نہ صرف اس وقت کے رائج و متعارف سود پر نافذ کیا بلکہ ربا کے مفہوم کو وسعت دیکر اشیاء کے باہمی لین دین اور خرید و فروخت کی بعض صورتوں کو بھی ربا کے حکم میں داخل فرمایا جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں ذکر کی جا چکی ہے لیکن صورت یہ ہوئی کہ آیت ربا نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ اس دنیا میں بہت کم عرصہ تشریف فرما رہے اس تھوڑی مدت میں دیگر دینی و ضروری مصروفیات میں اتنا انہماک رہا کہ آپ ﷺ نے لین دین کی ان صورتوں کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان نہیں فرمایا یہاں تک کہ آپ واصل بھی ہو گئے چنانچہ حضرت فاروق اعظمؓ کے اس ارشاد میں تفصیل سے مروی انہیں صورتوں کی تشریح و تفصیل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جن چھ چیزوں (سونا، چاندی، گہیوں، جو، بھجور، نمک) کے باہمی لین دین کی بعض صورتوں کو ربا کے حکم میں داخل فرمایا تھا۔ آیا یہ حکم ان چھ چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے یا یہ چیزیں بطور مثال کے بیان فرمائی ہیں اور بقیہ چیزوں کو قیاس و اجتہاد پر موقوف رکھا؟ یہی وجہ ہے کہ بعد میں آنے والے ائمہ مجتہدین امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ ابن حنبلؒ نے اپنے اپنے اجتہاد سے ان چیزوں کا ایک ضابطہ بنایا اور دوسری چیزوں کو بھی اس ضابطہ کے تحت اس حکم میں داخل قرار دیا اس کی تفصیل بھی گزشتہ صفحات میں ذکر کی جا چکی ہے۔

حاصل یہ کہ نزول قرآن سے سود کا ایک مخصوص معاملہ یعنی قرض وے کر اس پر نفع لینا عربی زبان میں لفظ ”ربا“ کے ساتھ متعارف چلا آ رہا تھا اور پھر عرب میں اس کا رواج تھا چنانچہ اہل عرب صرف اسی خاص معاملہ کو ”ربا“ کہتے اور سمجھتے تھے اسی ”ربا“ کو قرآن کریم نے حرام فرمایا۔ لہذا ”ربا“ کی اس صورت میں نہ کوئی ایسا معاملہ تھا نہ اجمال اور اسی لئے جب قرآن کریم نے ”ربا“ کی حرمت کا ذکر کیا تو نہ کسی کو اس کے سمجھنے میں دقت ہوئی اور نہ کسی کو اس پر عمل کرنے میں ایک منٹ کا بھی تاثر و تردد ہوا۔ البتہ جب رسول ﷺ نے

بشارت دہی الہی ”ربا“ کے مفہوم میں اور چند معاملات کا اضافہ فرمایا تو چونکہ وہ معاملات اہل عرب کے متعارف مفہوم سے الگ اور ان کے مروجہ سود سے ایک زائد چیز تھی اور پھر اتفاق کی بات کہ آنحضرت ﷺ ربا کے اس وسیع مفہوم کی تفصیلات پوری تشریح کے ساتھ بیان فرمانے سے پہلے اس دنیا سے تشریف لے گئے، اسی لئے اس کی تشریحات میں حضرت فاروق اعظمؓ کو کچھ اشکالات پیش آئے بالآخر انہوں نے اپنے اجتہاد سے احتیاط کا پہلو اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ ربا کی جو صورتیں بالکل واضح اور متعین ہیں جیسے مروجہ سودی اشیاء کے بائمی لین دین کی وہ صورتیں جو آنحضرت ﷺ نے بیان فرمادی ہیں ان کو بھی ترک کر دو اور ان سے مکمل اجتناب کرو اور جس چیز میں سود کا شبہ اور شبہ بھی محسوس ہو جائے انہیں اور ربا و احتیاط اسے بھی چھوڑ دو اور اس سے پرہیز کرو۔

ایک شبہ اور غلط فہمی: سود کے بارے میں بعض لوگوں نے حضرت فاروق اعظمؓ کے اس ارشاد کو آڑ بٹایا جو سود کی اس خاص قسم کے بارہ میں تھا جس کا مروجہ سود کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں یعنی چھ چیزوں کا یا بھی بیع و شراء اور لین دین ان لوگوں نے اس ارشاد کا یہ نتیجہ نکالا کہ ”ربا“ کی حقیقت ہی مبہمہ رہی تھی۔ اس کے متعلق علماء اور فقہاء نے جو کچھ لکھا ہے وہ صرف ان کا اپنے اجتہاد تھا۔ لیکن جیسا کہ ابھی اوپر بتایا گیا حضرت فاروق اعظمؓ کو ربا کی صرف اس قسم کے بارہ میں تردد پیش آیا جو قرآن کے الفاظ سے ثابت نہیں تھا بلکہ آنحضرت ﷺ نے اپنے ارشاد کے ذریعہ اس کی حرمت کو بیان فرمایا تھا اور وہ چھ چیزوں کی آپس میں خرید و فروخت کا معاملہ تھا جو سود آج کل رائج ہے اور جو ایام جاہلیت میں بھی عام تھا۔ اس سے حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کو دور کا تعلق بھی نہ تھا۔ اور ہو بھی کیسے سکتا ہے، جب کہ زمانہ جاہلیت ہی سے اس کے معاملات رائج اور جاری تھے۔ پھر اس ارشاد کہ ان چھ چیزوں کے سود کے بارہ میں حضرت عمرؓ کو جو اشکال پیش آیا وہ بھی اس بات میں نہیں تھا کہ انہیں ان چھ چیزوں کے لین دین میں سود کو حرام سمجھنے میں تردد تھا بلکہ اشکال صرف یہ تھا کہ یہ حکم شاید ان چھ چیزوں (یعنی سونا، چاندی اور گہیوں وغیرہ) تک ہی محدود نہ ہو۔ بلکہ اس کے حکم کا دائرہ ان چھ چیزوں کے علاوہ دیگر اشیاء تک بھی وسیع ہو۔ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ لوگ یہ خیال کر کے کہ آنحضرت ﷺ نے صرف چھ چیزوں کے بارے میں یہ حکم فرمایا ہے دیگر اشیاء کے لین دین میں وہی صورتیں اختیار کر کے سود میں مبتلا ہو جائیں جنہیں آپ ﷺ نے چھ چیزوں کے لئے واضح طور پر ربا کہا ہے اس تردد کے پیش نظر آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ سود کے ساتھ ساتھ ان چیزوں کو بھی قطعاً چھوڑ دو جن میں سود کا شبہ نہ ہو۔ یہ حکم فرمایا ہے دیگر یہ حکم ظاہری نہیں تو اور کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے اشکال کا نتیجہ تو یہ ظاہر فرمایا کہ منصوبہ چیزوں میں بھی ایسے معاملات سے پرہیز کیا جائے جن میں سود کا شبہ بھی پایا جائے اور ان لوگوں نے حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کا تعلق اس سود کی اس مخصوص قسم سے منقطع کر کے عام سود و ربا کے معاملات سے جوڑ دیا اور پھر اس پر اکتفا نہ کیا بلکہ مزید ستم یہ کیا کہ محض اپنی ناانگہی کی وجہ سے حضرت عمرؓ کے ارشاد کی روشنی میں مگر سے سود کی حرمت ہی کو ایک مشتبہ مسئلہ قرار دے دیا۔

قرض خواہ، قرض دار کا کوئی تحفہ بھی قبول نہ کرے

(۲۵) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَرَضَ أَحَدُكُمْ قَرْضًا فَأَهْذَى إِلَيْهِ أَوْ خَصَلَهُ عَلَى الدَّائِيَةِ فَلَا يَزِمْ كِتَابَهُ وَلَا يَقْبَلُهَا إِلَّا أَنْ يَكُونَ جَرَى بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ قَبْلَ ذَلِكَ - وَهَذَا مِنْ حَاجَةِ وَابْنِ عَسَاكِرَ وَابْنِ عَسَاكِرَ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ -

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کسی کو قرض دے اور پھر قرض لینے والا اس قرض دینے والے کے پاس کوئی تحفہ بھیجے یا سواری کے لئے کوئی جانور دے تو وہ قرض دینے والا نہ اس جانور پر سوار ہو اور نہ اس کا تحفہ قبول کرے۔ ہاں اگر قرض دینے والے اور قرض لینے والے دونوں کے درمیان پہلے سے تحفہ یا سواری کے جانور کا لینا وینا جاری ہو تو پھر اس کو قبول کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔“ (ابن ماجہ، صحیح)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قرض خواہ اپنے قرض دار سے تحفہ و ہدیہ کے طور پر کوئی بھی چیز قبول نہ کرے۔ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس

صورت میں سود کا اشتباہ ہو سکتا ہے کیونکہ قرض خواہ کو قرض کے ذریعہ جو بھی منفعت حاصل ہوتی ہے وہ سود کے حکم میں ہے۔ ہاں اگر قرض کے لین دین سے پہلے ہی سے دونوں کے تعلقات کی نوعیت یہ ہو کہ ان کا آپس میں تحفہ تحائف لینے دینے کے رسوم جاری ہوں تو پھر اس صورت میں قرض لینے کے بعد بھی قرض دار کوئی چیز قرض خواہ کے پاس بھیجے تو قرض خواہ اسے قبول کر سکتا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں قرضدار اگر کوئی چیز بطور تحفہ دیدے قرض خواہ کو دے گا تو اس کا وہ دینا قرض کے دباؤ کی وجہ سے نہیں ہوگا بلکہ اپنے سابقہ تعلقات اور پہلے سے جاری رسوم کی بنیاد پر ہوگا۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو کچھ قرض دے رکھا تھا چنانچہ ایک دن جب وہ اپنے قرض دار کے ہاں تقاضہ کے لئے گئے تو اس وقت بڑی سخت دھوپ اور گرمی کی شدید چش بھی انہوں نے چاہا کہ جب تک قرض دار گھر میں سے نکل کر آئے میں اس کے مکان کی دیوار کے سایہ میں کھڑا ہو جاؤں مگر معاف انہوں نے سوچا کہ اگرچہ شرعی طور پر اس کی ممانعت نہیں ہے مگر تقویٰ اور احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ میں اس کی دیوار کے سایہ سے بھی فائدہ حاصل نہ کروں چنانچہ وہ قرض دار بہت دیر کے بعد گھر میں سے نکلا اور حضرت امام صاحبؒ اس وقت تک دھوپ ہی میں کھڑے رہے یہ گویا ان کی احتیاط کا درجہ کمال تھا کہ انہوں نے اپنے قرض دار کی دیوار کے سایہ سے بھی اجتناب کیا۔

مالابہنہ میں لکھا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو قرض قرض خواہ کو بیع بیچانے کا سبب بنے وہ ”ربا“ ہے لہذا قرض خواہ اپنے قرض دار کی دعوت بھی قبول نہ کرے ہاں اگر قرض سے پہلے سے دونوں کے درمیان ایک دوسرے کی دعوت میں آنے جانے کا معمول چلا آ رہا ہو تو پھر اس صورت میں دعوت قبول کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، نیز یہ بھی لکھا ہے قرض خواہ کے لئے اپنے قرضدار کی دیوار کے سایہ میں بیٹھنا بھی مکروہ ہے۔

(۲۶) وَعَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَقْرَضَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلَا يَأْخُذْ هَدِيَّتَهُ زَوْاهُ النِّحَارِ فِي نَارِ بَيْتِهِ هَكَذَا فِي الْمُتَنَقِي.

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی کو قرض دے تو وہ اپنے قرضدار سے بطور تحفہ بھی کوئی چیز قبول نہ کرے امام بخاریؒ نے اس روایت کو اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے نیز المتنقی میں بھی اسی طرح کی روایت منقول ہے۔“

(۲۷) وَعَنْ أَبِي بَرْزَةَ أَبِي مُوسَى قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فَلَقَيْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ سَلَامٍ فَقَالَ إِنَّكَ بَارِئٌ فِيهَا مِنَ الزَّيْنِ فَاشْ فَإِذَا كَانَ لَكَ عَلَى رَجُلٍ حَقٌّ فَأَهْذِ إِلَيْكَ جَمْلَ بَيْنِ أَوْ جَمْلَ شُعْبَةٍ أَوْ جَمْلَ قَلْبٍ فَلَا تَأْخُذْهُ فَإِنَّهُ رِبَا. (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو براءؓ ابن ابی موسیٰ (تابعی) کہتے ہیں کہ جب میں مدینہ میں آیا اور حضرت عبداللہؓ ابن سلام (صحابی) سے ملا تو انہوں نے فرمایا کہ تم ایک ایسی سرزمین پر ہو جہاں سود کا بہت رواج ہے لہذا اگر کسی پر تمہارا حق ہو یعنی کوئی تمہارا قرضدار ہو اور وہ تمہیں بھوسے کا ایک گھڑا جو کہ ایک گھڑی، یا گھاس کا ایک گٹھا بھی تحفہ کے طور پر دے تو تم اسے قبول نہ کرنا کیونکہ وہ سود کا حکم رکھتا ہے۔“ (بخاری)

تشریح: علماء لکھتے ہیں کہ محل قرض جَوْنَعًا فَهِيَ دَبُو (یعنی ہر قرض جس میں بیع لیا جائے سود ہے اس کے اصول کے تحت ہر وہ قرض جس میں کوئی نفع مشروط ہو ”ربا“ ہے اسی طرح قرض دینے والے کو قرض لینے والے سے قرض کے دباؤ یا قرض کی رعایت سے جو بھی نفع حاصل ہو گا وہ سود ہوگا۔

مسئلہ: اگر قرض خواہ اپنے قرض دار سے قرض کی ادائیگی سے پہلے کوئی نفع حاصل کرے تو دیکھا جائے گا کہ وہ نفع موعود و مشروط ہے یا نہیں؟ اگر وہ نفع موعود و مشروط ہو گا تو اس صورت میں اس کی حرمت میں کوئی شبہ نہیں یعنی وہ نفع سود کے حکم میں ہوگا اور اگر وہ نفع موعود و مشروط نہیں ہوگا تو پھر اس کے بارہ میں بھی علماء کے اختلافی اقوال ہیں حضرت امام محمدؒ تو جواز کے قائل ہیں مگر ایک جماعت

ممانعت کی طرف مائل ہے مگر بات یہی ہے کہ اگر وہ نفع قرض کے دباؤ قرض کی رعایت کی وجہ سے ہو گیا سہلت و تسامح کی بناء پر حاصل ہو گا تو بہر حال ناجائز ہے ہاں اگر محروم و احسان یا سابقہ تعلقات و مراکم کے تحت ہو گا تو پھر اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔

قرض میں لزوم مدت سے منع فرمایا گیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ تعین مدت سے کوئی خرابی واقع نہیں ہوتی اس لئے مسئلہ یہ ہے کہ اگر قرض ایک متعین مدت کی شرط کے ساتھ لیا دیا جائے گا تو وہ مدت بحیثیت شرط تو لازم ہوگی مگر بحیثیت قرض لازم نہیں ہوگی۔ اگر قرض خواہ اس مدت سے پہلے اپنا قرض طلب کرے تو اسے یہ حق ہے اور قرضدار کو چاہئے کہ وہ حتی الامکان ادا کرنے کی کوشش کرے۔

اگر کوئی شخص کسی کو قرض دیتے وقت یہ شرط عائد کر دے کہ میرا یہ قرض فلاں شہر میں ادا کرنا تو یہ شرط بطریق لزوم ناجائز ہوگی۔ بعض لوگ سودی بنکوں میں اپنا روپیہ بطور امانت جمع کر دیتے ہیں اور اس کا نفع و سود نہیں لیتے چونکہ جو روپیہ بنک میں جمع کیا جاتا ہے وہ حقیقی طور پر بعینہ محفوظ نہیں رہتا بلکہ کاروبار میں لگا رہتا ہے اس لئے وہ امانت نہیں رہتا بلکہ قرض ہو جاتا ہے گو اس شخص نے سود نہیں لیا مگر اس نے ایک طرح سے قرض کے ذریعہ سود لینے والوں کی اعانت کی اور سود لینے دینے والوں کی اعانت بھی گناہ ہے اس لئے اپنے روپیہ کو بینک میں داخل کرنا بھی درست نہیں ہے۔

بَابُ الْمَنْهِيِّ عَنْهَا مِنَ الْبَيْعِ جن بیعوں سے منع کیا گیا ہے ان کا بیان

شریعت اسلامی نے خرید و فروخت کے بعض معاملات اور لین دین کی کچھ صورتوں سے منع کیا ہے اسی طرح کچھ چیزیں اور اشیاء ایسی ہیں جن کی خرید و فروخت شرعی نقطہ، نظر سے ممنوع ہے پھر بعض معاملات اور بعض چیزوں کی ممانعت دینی بطریق حرمت (یعنی ان معاملات اور ان چیزوں کے حرام ہونے کی وجہ سے) ہے جیسے بیع باطل اور بیع فاسد کی ممانعت اور بعض ممانعت کا تعلق محض کراہت سے ہے جیسے جمعہ کی اذان کے وقت خرید و فروخت کا معاملہ کرنے کی ممانعت۔

چنانچہ خرید و فروخت کے جن معاملات یا جن چیزوں کی خرید و فروخت کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ وہ معاملات یا وہ چیزیں شریعت کی نظر میں حرام ہیں ان کی حنفی مسلک کے مطابق دو قسمیں ہیں ① بیع فاسد ② بیع باطل۔

بیع فاسد خرید و فروخت اور لین دین کے اس معاملہ کو کہتے ہیں جو اصول بیع کے پائے جانے کی وجہ سے تو یہ صحیح ہو جاتا ہے مگر بیع کے صحیح ہونے کی جو شرائط ہیں ان میں سے بعض شرطوں کے فوت ہو جانے کی وجہ سے وہ معاملہ جائز نہیں رہتا اس لئے ایسے معاملہ کو قسم کر دینا یا ضروری ہوتا ہے اسی کو فقہاء کی اصطلاح میں شروع بنفسہ اور ممنوع بوصفہ کہا جاتا ہے یعنی ایسی بیع باعتبار اصول مشروع و صحیح ہے اور باعتبار شروط و اوصاف ممنوع ہے۔

بیع باطل! خرید و فروخت اور لین دین کے اس معاملہ کو کہتے ہیں جو شرعی نقطہ نظر سے کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ وہ معاملہ نہ تو اصول بیع کے اعتبار سے صحیح ہوتا ہے اور نہ باعتبار شروط و اوصاف جائز ہوتا ہے۔

مناسب ہے کہ اس ضمن میں کچھ مسائل ذکر کر دیے جائیں جن سے نہ صرف مذکورہ بالا اقسام کی تعریفات سمجھنے میں آسانی ہوگی بلکہ باب کے موضوع کے اعتبار سے ان کا جاننا بھی ضروری ہے۔

اگر جمع (یعنی بیع اور خریدی جانے والی چیز) شرعی اعتبار سے "مال" نہ ہو جیسے خون، مردار، آزاد شخص، اتم الولد، مکاتب، بیہوشاب اور بالکل غمی چیز تو ایسی کسی بھی چیز کی بیع "باطل" ہے اسی طرح جمع مال تو ہو مگر محض نہ ہو جیسے شراب اور سود (خسیر) تو اس کی بیع اس صورت میں تو باطل ہوگی جبکہ اسے روپے کے عوض فروخت کیا جائے اور اگر اس کی بیع اسباب کے عوض کی جائیگی تو اس صورت میں

اسباب کی بیع فاسد ہوگی اور اس مال غیر مقوم کی بیع باطل ہوگی۔

”بیع باطل“ اور ”بیع فاسد“ میں فرق یہ ہے کہ بیع باطل میں تو بیع (بیچ جانے والی چیز) شرعی نقطہ نظر سے مشتری یعنی خریدار کی ملکیت میں سرے سے آتی ہی نہیں جبکہ بیع فاسد میں بیع قبل قبضہ تو کوئی حکم نہیں رکھتی مگر بعد قبضہ بطور حرام مشتری کی ملکیت میں آجاتی ہے اور نقد سے اس کی قیمت کی ادائیگی اس کے ذمہ ضروری ہوتی ہے لیکن قبضہ کے بعد بھی اس بیع کو فسخ کر دینا واجب ہوتا ہے بشرطیکہ بیع بعینہ خریدار کے پاس موجود ہو۔

جانور کے گھن میں دودھ کی بیع باطل ہے کیونکہ وہ مشکوک الوجود ہوتا ہے ہو سکتا ہے کہ جانور کے گھن کی ظاہری حالت دیکھ کر اس میں دودھ کی موجودگی کا یقین کرایا جائے اور اس دودھ کی بیع کر دی جائے مگر بعد میں پتہ چلے کہ گھن میں سرے سے دودھ تھا ہی نہیں بلکہ ہوا وغیرہ کی وجہ سے گھن پھولا ہوا تھا ایسی صورت میں یہ فریب اور دھوکہ دہی کا معاملہ ہو جائے گا۔

ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے بھی بیچنا جائز نہیں ہے بشرطیکہ وہ جانور ایسا نہ ہو جو لوٹ پھوٹ کر آجاتا ہو جیسے کبوتر تو اس کو ہوا میں اڑتے ہوئے بھی بیچنا درست ہے اسی طرح اس چھلی کی بیع بھی ناجائز ہے جو ابھی پکڑی نہ گئی ہو بلکہ پانی مثلاً دریا وغیرہ ہی میں ہو یا پکڑی جا چکی ہو مگر پھر اسے کسی ایسے حوض وغیرہ میں ڈال دیا گیا ہو جس میں اسے بغیر حال وغیرہ کے پکڑنا ناممکن نہ ہو ایسے ہی لونڈی یا جانور کا محل، وہ موتی جو سیپ میں ہو اور جانور کے ذبح ہونے اور کتنے سے پہلے اس کے گوشت کی بیع کرنا جو نہیں ہے سور (خنزیر) کے بالوں کی بیع کرنا بھی جائز نہیں ہے البتہ ان بالوں سے فائدہ اٹھانا مثلاً گون لٹنی وغیرہ بھر کر جانور کی چمچہ پر لادے جانے والے تھیلے اور بورے کو سینے کے مصارف میں لانا جائز ہے۔ لیکن آدمی کے بالوں کی بیع بھی ناجائز ہے اور ان سے فائدہ اٹھانا بھی ناجائز ہے۔

جو بیع آپس کے تراخ کا باعث بنتی ہو وہ فاسد ہے جیسے بکری وغیرہ کی چمچہ پر اس کی ٹھم کی بیع، یا چمٹ میں لگی ہوئی کڑی کی بیع، یا ایک بڑے کپڑے میں سے ایک گونڈے کی بیع، یا کسی بیع کرنا جس میں ادائیگی قیمت کی مدت کو مجبور رکھا جائے مثلاً یوں کہے کہ جس روز بارش برے گی یا جس روز تیز ہوا چلے اسی روز اس کی قیمت ادا کر دوں گا۔ لیکن اگر ان تمام صورتوں میں خریدار نے بیع کو فسخ نہ کیا اور بیچنے والے نے خریدار کو دینے کے لئے چمٹ میں سے کڑی کو جدا کر دیا بڑے کپڑے میں سے گھر بھر کپڑا جدا کر دیا خریدار نے ادائیگی قیمت کی مدت مجبور کو موخوف کر دیا تو بیع صحیح ہو جائے گی۔

شرط فاسد کے ساتھ کی جانے والی بیع فاسد ہوتی ہے اور شرط فاسدا سے کہتے ہیں جو اقتضائے عقد کے خلاف ہو اور اس میں یا بیچنے والے کا فائدہ ہو جیسے بیچنے والا یہ شرط عائد کرے کہ میں نے یہ مکان بیچا مگر ایک ماہ تک میں اسی مکان میں رہوں گا یا خریدار کا فائدہ ہو جیسے خریدار یہ شرط عائد کرے کہ میں نے یہ کپڑا خرید لیا لیکن یہ کپڑا مجھے ہی کر دے یعنی بیچ جانے والی چیز کا فائدہ ہو جب کہ انسان یعنی غلام و لونڈی ہو اور وہ نفع کا مستحق ہو جیسے بیچنے والا خریدار سے کہے کہ اس غلام کو آزاد کر دینا یا اس غلام کا نکاح کر دینا اس قسم کی شرطیں فاسد ہیں ان کی وجہ سے بیع بھی فاسد ہو جاتی ہے۔

خریدار کی ملکیت کی شرط کرنا چونکہ اقتضائے عقد کے خلاف نہیں ہے اس لئے فاسد نہیں اسی طرح اگر کوئی تاجر مثل کوئی کپڑا بیچتے ہوئے خریدار پر یہ شرط عائد کرے کہ اس کپڑے کو فروخت نہ کرنا تو یہ شرط اگرچہ اقتضائے عقد کے خلاف ہے لیکن چونکہ اس شرط میں کسی کی بھی منفعت نہیں ہے اس لئے یہ شرط فاسد نہیں ہوگی، نیز گھوڑا بیچنے والا اگر خریدار پر یہ شرط عائد کرے کہ اس گھوڑے کو فروغ نہ کرنا اگرچہ اس شرط میں بیچ کی منفعت ہے لیکن بیچ چونکہ انسان نہیں کہ وہ نفع کا مستحق ہو اس لئے یہ شرط بھی فاسد نہیں یہ شرط لغو و ساقط ہوگی اور بیع صحیح ہو جائے گی۔

بیع فاسد و باطل کی مزید تفصیل فقہ کی کتابوں میں درج ہے ان کو جاننا چاہئے تاکہ خرید و فروخت کے ان معاملات سے جو شریعت کی نظر

میں ناقابل اعتبار ہیں اور جن کا آج کل بہت رواج ہے اجتناب کیا جاسکے۔ اس موقع پر چند دیگر مسائل کی وضاحت بھی ضروری ہے مثلاً: بیچنے والے کی طرف سے بیع کے ناپ تول میں کیا خریدار کی طرف سے قیمت میں کتنی حرام ہے جس طرح بیچنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ بیع کو پورا پورا ناپ تول کر دے اسی طرح خریدار کے لئے بھی ضروری ہے کہ جو قیمت طے ہو چکی ہے اس میں ادائیگی کے وقت کمی نہ کرے جو لوگ اس کے خلاف کرتے ہیں ان کے بارہ میں قرآن کریم نے یوں تنبیہ فرمائی ہے۔

وَلَا تَلْطَفُوا فِي الْبَيْعِ الْغَيْرِ خَالٍ مِنْ نَافِعٍ وَلَا تَكُونُوا مِثْلَ الْفُلَانِ

معنی کی قیمت دیوں معجلہ اور مزدوروں کی ادائیگی میں بلا عذر تاخیر کرنا حرام ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد مگرانی ہے کہ "ہفتی (صاحب استطاعت) کی طرف سے (ادائیگی مطالبہ میں) تاخیر ظلم ہے لہذا مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دیدو"۔ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ جب کسی کا دین (مطالبہ) ادا کرتے تو مقدار واجب سے زیادہ ادا فرماتے مقدار واجب اگر آدھا دس ہوئی تو اس کی بجائے ایک دس دیتے اور اگر ایک دس واجب ہوتا تو اس کی بجائے دو دس عطا کرتے اور یہ فرماتے کہ یہ تو تمہارا حق ہے اور اس قدر مزید میری طرف سے (عطا) ہے، لیکن یہ ذہن میں رہے کہ اس طرح مقدار واجب سے زیادہ دینا سود کے حکم میں داخل نہیں ہے کیونکہ سود ترس وقت ہوتا ہے جب اس زیادتی کو پہلے سے مشروط کر دیا گیا ہو، بغیر شرط زیادہ دینا ہر جگہ مستحب ہے۔

معاملات میں عہد شکنی مکرو فریب اور جھوٹ کی آمیزش کسب حلال کو بھی حرام کو دیتی ہے لہذا ان سے اجتناب ضروری ہے۔ آنحضرت ﷺ کے بارہ میں منقول ہے کہ ایک دن آپ ﷺ نے بازار میں ایک دوکان پر رگھے ہوئے گیموں کے ایک ڈھیر کو دیکھا اور جب آپ ﷺ نے اس ڈھیر میں اپنا دست مبارک ڈالا تو اندر سے گیموں تر معلوم ہوئے آپ ﷺ نے دکاندار سے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ ان گیموں تک بادش کا پانی بیچ کر گھسا تھا جس کی وجہ سے یہ اندر کی جانب سے گیلے ہو گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو پھر تم نے ان گیلے گیموں کو ڈھیر کے اوپر کیوں نہیں رکھا (تاکہ کوئی لاعلم شخص ان کی وجہ سے دھوکے میں مبتلا نہ ہو جائے) یاد رکھو جو شخص مسلمانوں کو فریب دیتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

بیع مرابحت (قیمت خرید پر نقصان لے کر بیچنے کی صورت) اور بیع تولیت (قیمت خرید پر بلا نفع بیچنے کی صورت) میں خریدار کے سامنے پہلی قیمت، (یعنی جس قیمت پر خود بیچنے والے نے خرید لیا ہو) کو بلا کم و بیش ظاہر کر دینا واجب ہے۔ اگر بیچنے والے نے بیع پر قیمت کے علاوہ کچھ اور مثلاً مزدوری، ڈھلائی اور چٹائی وغیرہ کا خرچ برداشت کیا ہو تو اس کو بھی قیمت کے ساتھ ملا لے اور خریدار سے یوں کہے کہ اس چیز پر میرے اتنے روپے خرچ ہوئے ہیں یہ نہ کہے کہ میں نے یہ چیز اتنے روپے میں خریدی ہے تاکہ جھوٹا نہ بنے۔

اگر کسی شخص نے ایک کپڑا مثلاً دس روپے میں بیچا اور ہنوز خریدار نے بیچنے والے کو وہ دس روپے ادا نہیں کئے تھے کہ بیچنے والے نے پھر وہی کپڑا خریدار سے پانچ روپے میں خرید لیا اس کپڑے کو ایک اور کپڑے کے ساتھ دس روپے میں خرید لیا تو یہ بیع صحیح نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ سود کے حکم میں آجائے گی۔ بیع پر قبضے سے پہلے تصرف جبکہ بیع منقول ہو حرام ہے، چنانچہ منقول چیز کو قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے۔

کسی شخص نے ایک کپڑا (جو پٹانہ میں ناپ کر لی دی جاتی ہو) بشرطیکہ کپڑا خریدی اور بیچنے والے سے وہ چیز پٹانہ میں ہٹا کر لے لی اور پھر اسی چیز کو اس نے کسی دوسرے کے ہاتھ بشرط کپڑا بیچ کر تو اب اس دوسرے خریدار کے لئے ضروری ہے کہ جب تک وہ خود بھی اس پہلے خریدار سے اس چیز کو پٹانہ میں ہٹا دے، نہ تو اس چیز کو اپنے تصرف میں لائے اور نہ کسی اور کے ہاتھ بیچے کیونکہ پہلا ناپ کافی نہیں ہے۔ احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ اس کو پھر ناپ لیا جائے کہ مبلوا وہ چیز پٹانہ میں کچھ زائد نکلے اور وہ بائع کا مال نہ ہو۔

اگر ایک مسلمان کسی چیز کی خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کرتے ہوئے ایک نرخ ختمین کرتا ہے یا ایک مسلمان نے کسی عورت سے نکاح کا پیمانہ دیا ہے تو تا وقتیکہ اس کا معاملہ طے یا موقوف نہ ہو جائے کسی دوسرے کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کا معاملہ کرے یا اپنا

پیغام بھیجے۔ بوقت اذان جمعہ خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس کی وجہ سے سنی واجب (یعنی نماز جمعہ کی ضروری تیاریوں) میں خلل آتا ہے اگر متعدد مسجدوں میں جمعہ کی نماز ہوتی ہو تو جس مسجد میں نماز پڑھنے کا ارادہ ہو اس کی اذان سے بچ کر رک کرے۔ اگر دو بڑے چھوٹے غلام آپس میں محرمیت کی قرابت رکھتے ہوں تو ان کی علیحدہ علیحدہ بچ کرنا مکروہ و ممنوع ہے اسی طرح اگر ایک ان میں سے چھوٹا ہو اور دوسرا بڑا تب بھی مکروہ و ممنوع ہے بلکہ بعض علماء کے نزدیک تو یہ بچ ہی جائز نہیں ہوگی۔

مردار کی چربی پینا جائے نہیں ہے تجس کا تیل پینا حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ہاں تو جائز ہے لیکن دوسرے ائمہ کے ہاں جائز نہیں ہے۔ انسان کی غلاطی کی بیج جب کہ اس میں کچھ طمان ہو حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک مکروہ ہے اور اگر راکھ وغیرہ ملی ہوئی ہو تو جائز ہے حضرت امام اعظمؒ کے ہاں گوبر کا پینا بھی جائز نہیں اس سے فائدہ اٹھانا بھی جائز نہیں ہے۔

بادشاہ و حاکم کے لئے یہ مکروہ ہے کہ وہ اشیاءِ نزع متعین کر دیں۔ ہاں اگر تاجر غلہ و دیگر اشیاء کی گرانی میں حد سے تجاوز کرنے لگیں اور عوام پریشانی میں مبتلا ہو جائیں تو پھر حاکم کے لئے جائز ہے کہ وہ تجربہ کار و امراہن کے مشورہ سے نزع متعین کر دے۔

الفصل الأول

وہ بیوع جن سے منع کیا گیا ہے

① عن ابن عمر قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن المزابنة أن يبيع تمر حائطه إن كان نخلًا بتمر
 كثيرًا وإن كان كثرًا أن يبيعه بربيب كثيرًا أو كان - وعند مسلم - وإن كان زرعًا أن يبيعه بكيل طعام. نهى عن ذلك
 كله متفق عليه وفي رواية لهما نهى عن المزابنة قال والمزابنة أن يباع مائة رؤوس النحل بتمر بكيل مستفى إن
 زاد قلي وإن نقص فعلى - البخاري ومسلم

”حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مزانبہ سے منع فرمایا ہے اور مزانبہ ہے کہ کوئی شخص اپنے باغ کا میوہ (تازہ پھل) اگر کھجور ہو تو خشک کھجور اس کے بدلے پیانا دے ذریعہ (مثلاً اس پیمانے کے بعد راسخ یعنی ایک شخص کے باغ میں تازہ کھجوریں لگی ہوئی ہوں اور ایک دوسرے شخص کے پاس خشک کھجوریں رکھی ہوئی ہوں تو باغ والا شخص اس دوسرے شخص سے دس پیمانے بھر کو خشک کھجوریں لے لے اور اس کے عوض اپنے درخت پر لگی ہوئی تازہ کھجوریں اسی پیمانے کے مطابق اندازہ کر کے بیچ دے اور اگر میوہ انکھو تو اس کو خشک انکھو کے بدلے پیانا دے ذریعہ بیچ (حاصل ہے کہ بیع مزانبہ کا مطلب ہے درخت پر لگے ہوئے تازہ میوہ کو خواہ وہ کھجور ہو یا کوئی اور پھل، رکھے ہوئے خشک میوہ کے عوض بیچنا) اور مسلم میں ہے بھی ہے کہ اگر کھیتی ہو تو اس میں بیع مزانبہ کی قیل ہے کہ اس کو غلہ کے عوض پیانا دے ذریعہ بیچ (یعنی کھیت میں کمزری ہے اور ایک دوسرے شخص کے پاس گہوں رکھا ہوا ہے تو یہاں شخص اپنے کھیت میں کھڑے ہوئے گہوں کا اندازہ کر کے اس کو دوسرے شخص کے ہاتھ بیچ دے اور اس کے عوض اس شخص سے دہر کھا ہوا گہوں اپنے اندازے کے مطابق پیانا بھر کے لے لے) حضرت ﷺ نے بیع کی ان تمام قسموں سے منع فرمایا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

اور بخاری و مسلم ہی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بیخ مزایند سے منع فرمایا ہے نیز فرمایا کہ بیخ مزایند یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے درخت پر تھی کوئی تازہ سمجھو دروں کو کسی شخص کو کھاتے اس کے پاس رکھی ہوئی خشک سمجھو دروں کے عوض پینانہ معین کر کے بیچے اور خریدے اور سے کہہ دے کہ اگر درخت کی سمجھو دریں (معین پینانہ سے) فروخت ہوں گی تو سیریا میں ہیں (یعنی سیریا سے لے لوں گا) اور اگر تم انھیں قواہ کا میں ذمہ دار ہو کہ اس کی کو میں پورا کروں گا)۔

تشریح: ”عزائم“ لفظ ”زبر“ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ”دفع کرنا“ دور کرنا فتح عزائم سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے کہ اس بیج کی بنیادیں اور اندازہ سے برہوتی ہے اس میں فریقین کے لئے زیادتی اور نقصان دونوں کا احتمال رہتا ہے اس کی وجہ سے دونوں (یعنی بیجے

والے اور خریدار کے درمیان نزاع و فساد بھی پیدا ہو سکتا ہے اور انہیں میں ایک دوسرے کے ادفعیہ اور دوری کی نوبت بھی آسکتی ہے۔ یہاں دو روایتیں نقل کی گئی ہیں ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی روایت میں مزاہبہ کی تعریف لفظ ثمر کے ذکر سے کی گئی ہے جو عمومیت لئے ہوئے ہے۔ دوسری روایت میں مزاہبہ کی تعریف لفظ ثمر کے ذکر سے کی گئی ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیع مزاہبہ کا نقل صرف سمجھور سے ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ دوسری روایت میں بھی عمومیت ہی مراد ہے خاص طور پر سمجھور کا ذکر محض تخیل ہے۔

(۲) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمْ يَرْوِ اللَّهُ صَلَّي اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ الْمُخَاظَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُخَاظَلَةُ أَنْ يُبَيِّعَ الزُّجْلَ الزُّزْغَ بِمِائَةِ فَرْقٍ جَنْطَلَةٍ وَالْمُزَابَنَةُ أَنْ يُبَيِّعَ الثَّمَرُ فِي زَوْوَسٍ الثَّخِلِ بِمِائَةِ فَرْقٍ وَالْمُخَاظَلَةُ سَكْرَةُ الْأَزْهَبِ بِالْفَلْثِ وَالزُّزْغُ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ غمارہ، محاطہ اور مزاہبہ سے منع فرمایا ہے اور محاطہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بھتیجی کو سو فریق گیہوں کے بدلے میں بیچ دے اور مزاہبہ یہ ہے کہ کوئی شخص درختوں پر لگی ہوئی بھجوروں کو سو فریق رکھی ہوئی بھجوروں کے بدلے میں بیچ دے اور غمارہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی زمین کو ایک زمین جیسے تہائی یا چوتھائی پر کاشت کے لئے دے دے۔“ (مسلم)

تشریح: ”فرق“ راہ کے زر کے ساتھ ایک پیمانہ کا نام تھا جس میں سولہ رطل یعنی تقریباً سات ہیر غلہ آتا تھا اور ”فرق“ راہ کے ”؟“ سے ساتھ اس پیمانے کو کہتے تھے جس میں ایک سو میں رطل غلہ آتا تھا، حدیث میں سوہ فرق کا ذکر محض تخیل کے طور پر ہے۔ مقصود تو صرف یہ بتانا ہے کہ کتنے سے پہلے کھیت میں کھڑے ہوئے گیہوں کو رکھے ہوئے گیہوں کے عوض بیچنا، ہیقلہ، کہلاتا ہے۔

یہی مفہوم گذشتہ حدیث میں ”مزاہبہ“ کے ضمن میں بھی ذکر کیا جا چکا ہے لیکن ”مزاہبہ“ و بیع و عام کا حال ہے کہ اس کا اطلاق میوؤں اور پھلوں پر بھی آتا ہے اور بھتیجی اور غلوں کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے جبکہ ”ہیقلہ“ کا استعمال صرف بھتیجی اور غلوں ہی کے لئے کیا جاتا ہے اگرچہ بعض مواقع پر ”مزاہبہ“ بھی صرف میوؤں اور پھلوں ہی کے بارہ میں استعمال ہوتا ہے۔

”غمارہ“ کا مطلب ہے کہ اپنی زمین کو تہائی پر کاشت کے لئے کسی دوسرے کو دیدے یا مثلاً کوئی شخص اپنی زمین کسی دوسرے کو اس شرط کے ساتھ دے دے کہ اس زمین کو جو غمارہ یا اور جو کچھ اس میں پیدا ہو اس میں سے تہائی یا چوتھائی بچھے دیدے۔

حدیث بالا میں اس کی بھی ممانعت فرمائی گئی ہے کیونکہ اہل توبہ ہجرت کی ایک شکل ہوتی ہے اور اس میں اجرت جہول رہتی ہے۔ دوسرے حاصل ہونے والی چیز معدوم ہوتی ہے اور جو چیز معدوم ہوتی ہے اس کا کوئی معاملہ مقرر نہیں ہوتا۔ ”غمارہ“ کو ”مزارعت“ میں بھی کہتے ہیں لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ ”غمارہ“ کی صورت میں تو عجم و بیع کاشت کرنے والے کا ہوتا ہے اور ”مزارعت“ میں زمین کے مالک کا، مزارعت (اور غمارت بھی) حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں حکم ہے لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک درست ہے، حنفی مسلک میں فتویٰ صاحبین ہی کے قول پر ہے کیونکہ یہ کثیر الوقوع اور بہت زیادہ احتیاج کی چیز ہے، اس کو جائز نہ رکھنے کی صورت میں لوگوں کو بہت زیادہ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

(۳) وَعَنْهُ قَالَ لَمْ يَرْوِ اللَّهُ صَلَّي اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ الْمُخَاظَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُخَاظَلَةُ وَالْمُزَابَنَةُ وَالْمُخَاظَلَةُ سَكْرَةُ الْأَزْهَبِ وَالزُّزْغُ فِي الثَّخِلِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے محاطہ، مزابنت، غمارت، معلومت اور غمایا سے منع فرمایا ہے لیکن آپ ﷺ نے غرایا کی اجازت دی ہے۔“ (مسلم)

تشریح: محاطہ، مزابنت اور غمارت کے معنی تو یہاں کئے جا چکے ہیں ”معامومت“ کے معنی یہ ہیں کہ درختوں کے پھلوں کو نمودار ہونے سے پہلے ایک سال، دو سال، تین سال یا زیادہ مدت کے لئے فروخت کر دیا جائے اور ”غمایا“ کا مطلب یہ ہے کہ درختوں پر موجود (پھلوں)

کو بچا جائے لیکن ان میں سے ایک غیر معین مقدار مستثنیٰ کر لی جائے یعنی اسے نہ بچا جائے۔

”عرایا“ جمع ہے ”عریت“ کی اور ”عریت“ کھجور کے اس درخت کو کہتے ہیں جسے اس کا مالک کسی محتاج کو پھل کھانے کے لئے عاریتاً دیدے۔ ”عرایا کی اجازت دی ہے“ کی وضاحت یہ ہے کہ بعض لوگ اپنے باغ میں سے ایک درخت یا دو درخت کسی محتاج کو پھل کھانے کے لئے دیدیا کرتے تھے پھر جیسا کہ معمول تھا وہ (باغ کا مالک) اپنے اہل و عیال کے ساتھ جب باغ میں آتا اور ان سب لوگوں کی موجودگی میں وہ محتاج آجاتا تو اپنے باغ میں ایک شخص کے آجانے کی وجہ سے ان کو کچھ کبیدگی ہوتی اس لئے اس محتاج کو وہ اس درخت کی بجائے اپنے پاس سے کچھ پھل دے کر رخصت کر دیتے اور اس درخت کا پھل خود رکھ لیتے چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو رد کرکھا لیکن یہ پانچ وقت سے کم میں تو جائز ہے اس سے زیادہ میں درست نہیں جیسا کہ آگے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں آجائے گا۔

(۴) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَفْصَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الشُّعْبِ بِالشُّعْبِ إِلَّا أَفْضَلَ فِيهِ الْغَرَبَةُ أَنْ يُبَاعَ بِخَصْمِهَا ثُمَّ إِنَّا كُنْهَافًا أَهْلُهَا زَنْجَلًا أَتَقَلَّ عَلَيْهِ،

”اور حضرت سہل ابن ابی حنفہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو خشک کھجوروں کے بدلے بیچنے سے منع فرمایا ہے لیکن آپ ﷺ نے عریہ کسی محتاج کو دے دیئے درخت کے متعلق یہ اجازت دی کہ اس درخت پر لگے ہوئے پھل کو اس کے خشک ہونے کے بعد کی مقدار کا اندازہ کر کے بچا جائے (یعنی یہ اندازہ کر لیا جائے کہ اس درخت پر لگی ہوئی تازہ کھجوریں خشک ہونے کے بعد کتنی رہیں گی اور پھر اتنی ہی مقدار میں خشک کھجوریں اس محتاج کو دے کر اس درخت پر لگی ہوئی کھجوریں لے لی جائیں) اس طرح اس کے مالک اس درخت کا تازہ پھل کھائیں۔“ (بخاری و مسلم)

بیع عرایا کا مسئلہ

(۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْعَضَ لِي بَيْعِ الْغَرَبَاتِ بِخَصْمِهَا مِنَ الشُّعْبِ لِيُنْفَا ذُرْنُ خَضِشَةٍ أَوْ شِقِ أَوْ لِي خَضِشَةٍ أَوْ شِقِ خَشْكَ ذَاؤُودَ بْنِ الْخَضِشِيِّ۔ (بخاری و مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے عاریتاً (محتاجوں کو عریہ بتلادینے کے درختوں کے پھلوں کو خشک کھجوروں کے ساتھ ۲ اندازہ کر کے بیچنے کی اجازت دے دی ہے۔ یعنی اگر عریہ پر لگی ہوئی کھجوروں کو خشک کھجوروں سے بدلنا

ہو تو پیسے یہ اندازہ کر لیا جائے کہ یہ تازہ کھجوریں خشک ہونے کے بعد کتنی رہیں گی پھر اتنی ہی مقدار میں خشک کھجوریں لیکر وہ تازہ کھجوریں دیدی جائیں مگر اس اجازت کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ وہ پانچ وقت سے کم ہوں۔ یہ حدیث کے ایک راوی داؤد ابن حصین کا خشک ہے کہ انحضرت ﷺ کے ارشاد میں پانچ وقت سے کم کا تذکرہ تھا لیکن متن کا تذکرہ تھا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”پانچ وقت سے کم“ کی قید اس لئے ہے کہ اس اجازت کا تعلق احتیاج اور ضرورت سے ہے اور احتیاج و ضرورت پانچ وقت سے کم ہی ہوتی ہے، چنانچہ عرایا کے پھلوں کی لذت کو وہ بالا بیع و تبادلہ پانچ وقت سے کم میں سب ہی علماء کے نزدیک جائز ہے پانچ وقت سے زیادہ میں جائز نہیں ہے البتہ پورے پانچ وقت کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں زیادہ صحیح قول عدم جواز ہی کا ہے۔ کیونکہ بیان مقدار میں راوی نے خشک کا اظہار کیا ہے، لہذا ایسی صورت میں احتیاط کا تقاضا یہی ہوتا چاہئے کہ پانچ وقت سے کم مقدار پر عمل کیا جائے جو بہر حال متعین ہے۔ اس بات میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ اس اجازت کا تعلق صرف محتاجوں ہی سے ہے یا اغنیاء بھی اس اجازت کے دائرہ میں آتے ہیں، چنانچہ زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ یہ اجازت دونوں کے لئے ہے۔

”وَسَنَ“ ایک بیانا کا نام ہے ایک وقت ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع کے بیانا میں تقریباً ساڑھے تین سیر غلہ آتا ہے (انگریزی سیر کے اعتبار سے پانچ وقت تقریباً چھبیس من کا ہوتا ہے۔)

بیع شمر غلام کی ممانعت

① وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْبَتَارِ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا. نَهَى النَّبِيعَ وَالْمُسْتَعْتَرِ مَتَّقَ عَلَيْهِ. وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ نَهَى عَنْ بَيْعِ التَّخْلِ حَتَّى تَزْهَوْ وَغَنِ السَّنْبَلُ حَتَّى يَتَبَيَّنَ وَفِي مَنَافِعِ الْغَنَاءَةِ. بخاری و مسلم

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بھلوں کو اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ ان کی پھل ظاہر نہ ہو جائے یہ ممانعت بیچنے والے اور خریدنے والے دونوں کے لئے ہے۔“ (بخاری و مسلم)

مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ”آپ ﷺ نے کجور کے پھل اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ سرخ و زرد نہ ہو جائیں۔ نیز آپ ﷺ نے کھجور کے خوشوں کو اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ پختہ نہ ہو جائیں اور کسی آفت سے محفوظ نہ ہوں۔“

تشریح: بیچنے والے کے لئے ممانعت اس لئے ہے تاکہ وہ خریدار کا مال بغیر کسی چیز کے عوض کے حاصل نہ کرے اور خریدار کے لئے ممانعت اس لئے ہے تاکہ وہ اپنے مال کے نقصان و تباہی میں مبتلا نہ ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ غیر پختہ و غیر تیار پھل خرید لے اور اس کی قیمت ادا کر دے مگر پھل تیار و پختہ ہونے سے پہلے ہی کسی آفت مثلاً آندھی اور بارش وغیرہ کی وجہ سے ضائع ہو جائیں۔

② وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْبَتَارِ حَتَّى تَزْهَوْ قِيلَ وَمَا تَزْهَوْ قَالَ حَتَّى نَعْمُوَ وَقَالَ إِذَا بُعِثَ اللَّهُ الشَّمْرَ قَبْلَهُ يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ خَالَ أَخِيهِ. (مسلم علیہ)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بھلوں کو درختوں پر اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ خوش رنگ نہ ہو جائیں۔ عرض کیا گیا کہ خوش رنگ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”جب تک وہ سرخ نہ ہو جائیں یعنی پک نہ جائیں“ اور پھر فرمایا تم ہی بتاؤ جب اللہ تعالیٰ بھلوں کو دیکھنے سے روک دے تو تم میں سے کوئی کیا کرے گا اپنے بھائی کا خال لے لے گا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ پختہ و تیار ہونے سے پہلے بھلوں کی بیع میں اس بات کا خطرہ رہتا ہے کہ شاید کوئی آفت مثلاً آندھی وغیرہ آجائے اور پھل درختوں سے جھڑ کر ضائع ہو جائیں۔ اس صورت میں بیچنے والا خریدار سے بھلوں کی قیمت کے طور پر جو کچھ لے گا وہ اسے بلا عوض اور مفت مل جائے گا لہذا یہ ضروری ہے کہ بھلوں کے پختہ و تیار ہونے تک مبرور انتظار کیا جائے۔ جب وہ پک کر تیار ہو جائیں تو اس وقت خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کیا جائے۔

پھلدار درختوں کو کئی سالوں کے لئے پیشگی بیچ ڈالنے کی ممانعت

③ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ السَّيْنِ وَأَمْرٍ بِوَضْعِ الْخَوَالِجِ۔ (رد المسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے چند سالوں کا پھل بیچنے سے منع فرمایا ہے (یعنی ایک سال یا دو سال یا تین سال اور یا اس سے زائد سالوں کے لئے درختوں کا پھل پیشگی نہیں بیچنا چاہئے) نیز آپ ﷺ نے آفت زدہ کے ساتھ رعایت کرنے کا حکم فرمایا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: حدیث کے آخری جز کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص نے درخت پر لگے ہوئے پھل پختہ و تیار ہونے کے بعد خرید لے مگر سوہ اتفاق سے قبل اس کے کہ خریدار بھلوں کو اپنے تصرف میں آتا کسی بھی وجہ سے وہ پھل جھڑ گئے اور ضائع ہو گئے اس صورت میں بیچنے والے کو چاہئے کہ اگر اس نے ابھی تک قیمت وصول نہیں کی ہے تو اس میں کچھ کمی کر دے اور اگر قیمت وصول کر لی ہے تو اس میں سے کچھ خریدار کو واپس کر دے اگرچہ بیع ہو چکی ہے اور قاعدہ کے اعتبار سے وہ اس کے لئے مجبور نہیں ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ کا اس بارہ

میں مذکورہ بالا حکم صرف استحباب کے لئے ہے اور اس کا مقصد آفت زدہ خریدار کے ساتھ ممکن رعایت کے لئے پہنچنے والے کو ایک اخلاقی توجہ دلانا ہے، ورنہ تو جہاں تک فقہی مسئلہ کا تعلق ہے یہ بات بالکل صاف ہے کہ خریدار کے قبضہ و ملکیت میں آ جانے کے بعد بیع آخری ہوئی چیز کے ہر شیئ و نقصان کا ذمہ دار خریداری ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قبضہ میں آ جانے کے بعد اگر بیع کسی آفت کی وجہ سے ہلاک و ضائع ہو جاتی ہے تو وہ خریداری کا نقصان ہوتا ہے پہنچنے والے پر اس کا کوئی بدلہ وغیرہ واجب نہیں ہوتا۔

ضائع ہو جانے والی بیع کا ذمہ دار کون ہے؟

⑨ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ بَعْتُ مِنْ أَخِيكَ ثَمَرًا فَاصَابَهُ جَائِحَةٌ فَلَا يَجِدُ لَكَ أَنْ تَأْخُذَ بِهِ شَيْئًا بِهِ تَأْخُذُ ضَالًّا أَخِيكَ بِغَيْرِ حَقٍّ۔ (ردہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر تم نے اپنے مسلمان بھائی کے ہاتھ پھل بیچے اور کوئی ایسی آفت آئی کہ وہ پھل ضائع ہو گیا تو تمہارے لئے اس سے کچھ لینا حلال نہیں ہے (تم خود سوچو کہ ایسی صورت میں) ایک بھائی کا مال ناحق کیسے لوگے۔“ (مسلم)

تشریح: فَلَا يَجِدُ لَكَ ”اس سے کچھ بھی لینا حلال نہیں ہے“ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ بیع بالکلیہ اور مطلقاً ضائع ہو جائے اور اگر کوئی ایسی آفت آئے کہ جس سے بیع کا کچھ حصہ نقصان ہو تو اس صورت میں قیمت میں کچھ کمی کر دینی چاہئے۔ جب کہ گذشتہ حدیث کی تشریح میں بتایا گیا۔ اس حدیث کے بارے میں بھی وہی تشریح سامنے رہنی چاہئے جو گذشتہ حدیث کے مسئلے میں گذری ہے۔ چنانچہ اس موقع پر حضرت ابن مالکؓ نے بھی یہ وضاحت کی ہے کہ اگر بیع خریداری پر دوگی میں جانے سے پہلے ضائع ہو جائے تو اس کا نقصان پہنچنے والے کو برداشت کرنا ہو گا۔ اس صورت میں حدیث کی کوئی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی اور اگر بیع خریداری پر دوگی وقفے میں جانے کے بعد ضائع ہو تو پھر کہا جائے گا کہ حدیث گمراہی کے الفاظ ”اس سے کچھ بھی لینا حلال نہیں ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر ذروئے تقویٰ و ورع اور ازراہ اخلاق و احسان خریدار سے کچھ بھی لینا حلال (مناسب) نہیں ہے۔

اشیاء منقولہ میں قبل قبضہ دوسری بیع جائز نہیں ہے

⑩ وَعَنْ أَبِي عُمَرَ قَالَ كَانُوا يَتَنَاقَضُونَ الظَّعَامَ فِي أَعْلَى السُّوقِ فَيَبِيعُونَ فِي مَكَانِهِ فَتَهَا هُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِهِ فِي مَكَانِهِ حَتَّى يَتَقْلَبُوا وَرَأَاهُ أَنْ يُوَدَّ أَنْ يُوَدَّ وَلَمْ أَجِدْهُ فِي الصَّبْحِ خَبِيرًا۔

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ بازار کے اس حصے میں جو جانب بلندی واقع تھا لوگ غلہ خریدتے اور پھر اس کی اسی جگہ قبضہ میں لینے سے پہلے بیچ ڈالتے تھے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کو اس بات سے منع فرمایا کہ جب تک غلہ کو (خریدنے کے بعد) وہاں سے منتقل نہ کیا جائے اس کو اسی جگہ فروخت نہ کیا جائے۔“ (اس روایت کو ابو داؤد نے نقل کیا اور مجھے یہ روایت بخاری و مسلم میں نہیں ملی ہے)۔

تشریح: ”وہاں سے منتقل نہ کیا جائے“ کا مطلب یہ ہے کہ ”جب تک اسے اپنے قبضہ میں نہ لے لیا جائے“ اور اشیاء منقولہ کا قبضہ میں لینا یہ ہے کہ، اس کو خریدنے کے بعد اس کی جگہ سے اٹھا کر کسی دوسری جگہ رکھ دیا جائے چاہے وہ دوسری جگہ کتنی ہی قریب کیوں نہ ہو۔ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اگر اس چیز کو پیانے یا وزن کے ذریعے لیا ہے تو پیانے میں نہ تو اکر یا وزن کرانے کے بعد ہی اسے اٹھائے اور اگر بلا پیانے و وزن لیا ہے تو پھر اس کے بغیر ہی اٹھا کر رکھ دے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اشیاء منقولہ میں سے کوئی چیز خریدے اور پھر اسے کسی دوسرے کو فروخت کرنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے اس چیز کو اپنے قبضے میں لے۔ اس کے بعد اسے فروخت کرے کیونکہ بیع اشیاء منقولہ میں قبل قبضہ دوسری بیع جائز نہیں ہے۔

صاحب مشکوٰۃ نے ”مجھے یہ روایت بخاری و مسلم میں نہیں ملی ہے“ کے ذریعے دراصل صاحب مصابح پر اعتراض کیا ہے کہ اس روایت کو پہلی فصل میں ذکر کیا گیا ہے جب کہ یہ روایت نہ تو بخاری میں ہے اور نہ مسلم میں بلکہ ابوداؤد میں ہے اس لئے یہ روایت قاعدہ کے اعتبار سے دوسری فصل میں نقل کی جانی چاہئے تھی۔

(۱۱) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَبْ تَتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبْغُهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ وَلَفِي رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ حَتَّى يَكْتَالَهُ (متن علیہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص غلہ خریدے تو اس کو اس وقت تک فروخت نہ کرے جب تک کہ اسے پوری طرح نہ لے لے۔ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب تک اس کو ناپ نہ لے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”جب تک کہ اسے پوری طرح نہ لے لے“ کا مطلب یہ ہے کہ ”جب تک کہ اسے اپنے قبضہ میں نہ لے لے“۔ اس کی وضاحت گزشتہ حدیث کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔ اس موقع پر اس بارے میں یہ فقہی اختلاف بھی جان لیجئے کہ حضرت امام شافعیؒ اور حنفیہ میں سے حضرت امام محمدؒ کے نزدیک کسی چیز کو خرید کر پھر اسے کسی دوسرے کے ہاتھ قبضہ سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے وہ چیز خواہ اشیاء منقولہ میں سے ہو جیسے غلہ وغیرہ یا معقار یعنی زمین ہو۔

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک قبل قبضہ صرف غلے کا بیچنا تو جائز نہیں ہے اور سب چیزوں کا بیچنا جائز ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابوالوفاءؒ کے ہاں قبل قبضہ معقار یعنی زمین کا بیچنا تو جائز ہے لیکن اشیاء منقولہ میں سے کسی بھی چیز کا بیچنا جائز نہیں ہے۔ حضرت امام احمدؒ کا مسلک بھی بظاہر یہی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے الفاظ ”جب تک کہ اس کو ناپ نہ لے“ سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر بیچنے والا خریدار کے سامنے غلہ کو ناپ کر یا وزن کر کے دے تو یہ کافی نہیں ہے بلکہ خریدار کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کو اپنے قبضہ میں لے لینے کے بعد پھر دوبارہ خود بھی ناپے یا وزن کرے، لیکن اس بارے میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ خریدار کے سامنے بیچنے والے کا ناپنا یا وزن کرنا کافی ہے کیونکہ خریدار کے سامنے بیچنے والے کا ناپنا یا وزن کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ خود خریدار ناپے یا وزن کرے۔

(۱۲) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَمَّا الَّذِي نَهَى عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ الطَّعَامُ أَنْ يَبَاعَ حَتَّى يَفْتَضَّ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَلَا أَحَبُّ إِلَيَّ شَيْئًا إِلَّا بِفَضْلٍ (متن علیہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جس چیز کو منع کیا ہے وہ غلہ ہے کہ اس کو قبضہ میں لانے سے پہلے فروخت کرنا ممنوع ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے تھے کہ میرا مگن ہے کہ اس بارے میں ہر چیز غلہ کی مانند ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت ابن عباسؓ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح غلہ کو قبل قبضہ بیچنا جائز نہیں ہے اسی طرح کسی بھی چیز کو اس وقت تک بیچنا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ قبضہ میں نہ آجائے۔ یہ گویا حضرت ابن عباسؓ کا اپنا مگن و خیال ہے کہ انہوں نے اس مسئلے میں غلے پر غیر غلے کو قیاس کیا ہے۔

(۱۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَلْقُوا الزُّكَّانَ لِيَبْعَ وَلَا يَبْعَ نَعْضُكُمْ عَلَى نَبْعِ نَعْصٍ وَلَا تَأْكُلُوا وَلَا يَبْعَ خَاصِرَ لَيْلٍ وَلَا تَصْرُوا الْأَيْلَ وَالْقَسَمَ فَمَنْ اتَّبَعَهَا بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ بِغَيْرِ التَّطَرُّبِ نَعْدَانُ يَحْلِبُهَا إِنْ رَضِيَهَا أَمْسَكَهَا وَإِنْ سَخَطَهَا رَدَّهَا وَمَا عَيْنُ نَعْمٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَلَفِي رِوَايَةِ لِمُسْلِمٍ مِنَ الشَّعْرَى شَاةٌ مُصَرَّاةٌ فَهُوَ مَالٌ جَارٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَإِنْ رَدَّهَا رَدَّعَهَا صَاعًا مِنْ طَعَامٍ لَا مَسْرَاءَ۔

”اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تم آگے جا کر غلہ وغیرہ لانے والے قافلے سے خرید و فروخت کے لئے نہ ملو

اور تم میں سے کوئی شخص کسی کی بیع پر بیع نہ کرے اور نجش نہ کرو اور شہر کا آدمی کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے اور اونٹ و بکری کے عتوں میں دودھ جمع نہ کرو، اور اگر کوئی شخص ایسا جانور خریدے جس کے عتوں میں دودھ جمع کیا گیا ہو تو دودھ دہنے کے بعد اسے اس جانور کو رکھ لینے یا بھیر لینے کا اختیار ہو گا کہ اگر اس کی مرضی ہو تو اس جانور کو رکھ لے اور اگر مرضی ہو تو اس کو بھیر دے اور اس کے ساتھ ہی صاع (ساڑھے تین سیاهجوریں دے دے)۔ (بخاری و مسلم)

مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ جو شخص ایسی بکری خریدے جس کے عتوں میں دودھ جمع کیا گیا ہو تو اس بکری کو رکھ لینے یا بھیر دینے کا تین دن تک اختیار رہتا ہے چنانچہ اگر وہ ان تین دنوں میں اس بکری کو دوا پس کرے تو اس کے ساتھ ایک صاع بھجوریں دے دے مگر گھریں نہ دے۔

تشریح: پہلی ہدایت کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً تمہیں معلوم ہو کہ بیہاریوں کا کوئی گروہ غلہ وغیرہ لے کر شہر آ رہا ہے تو قبل اس کے کہ وہ بیہاری شہر میں پہنچیں اور وہاں بازار کا بھاؤ وغیرہ معلوم کر پس تم رستے میں جا کر ان سے خرید و فروخت کا کوئی معاملہ نہ کر لو یا یہ حکم آپ نے اس لئے دیا ہے تاکہ ان بیہاریوں اور تاجروں کو فریب دینے یا ان کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع پیدا نہ ہو جائے۔

”تم میں سے کوئی شخص کسی کی بیع پر بیع نہ کرے“ یعنی دو شخصوں میں خرید و فروخت کا کوئی معاملہ ہو رہا ہو تو تم اس میں دخل نہ دو یا اس طور کہ نہ تو چیز کے دام بڑھا کر کسی اور ذریعے سے اس کو خریدنے کا اظہار اس میں خریدار کا نقصان ہو گا اور نہ اپنا مال دکھا کر کم قیمت پر اسے بیچو کہ اس میں بیچنے والے کو نقصان ہو گا، یا مثلاً اگر کوئی شخص کسی سے کوئی چیز بشرط خیار خریدے تو تم اس خریدار کے پاس جا کر یوں کہو کہ تم اس معاملے کو ختم کر کے لے دو یا اس کردو میں ایسی ہی چیز تمہیں اس سے سستے داموں دے دوں گا۔ اس طرح اپنے فائدے کے لئے کسی کا معاملہ بگاڑنا رہا ہے مگر مقصد خود خرید یا خود بیچنا نہ ہو بلکہ محض معاملہ بگاڑنا ہی منظور ہو تو یہ بہت ہی برا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس مخالفت کا تعلق اس چیز سے ہے کہ جس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو، اور اگر کسی چیز میں کوئی شرعی قباحت ہو جیسے کوئی شخص کسی کو عین یا چوری کا مال بیچتا ہو تو اس صورت میں معاملہ کو ختم کر دینا جائز ہے۔

”نجش“ کے معنی ہیں ”زُغْبَت دِلانا اور فریب دینا“ اس کی صورت یہ ہے کہ دو شخصوں کے درمیان معاملہ ہو رہا ہو تو تیسرا شخص اگر اس چیز کی حریف کرنے لگے جس کا معاملہ ہو رہا ہے یا اس چیز کی قیمت زیادہ لگا دے اور اس سے اس کا مقصد خریداری نہ ہو بلکہ منظور یہ ہو کہ خریدار میری دیکھا دیکھی اس چیز کی خریداری کی طرف زیادہ راغب ہو جائے یا اس چیز کی قیمت اور زیادہ لگا دے، آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ اصل خریدار کو فریب میں مبتلا کرنے کی ایک بدترین صورت ہے۔

”شہری آدمی کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے“ مثلاً کوئی دیہاتی اپنا مال جیسے غلہ وغیرہ بازار کے بھاؤ فروخت کرنے کے لئے شہر لائے اور کوئی شہری اس سے آکر یہ کہے کہ تم اپنا یہ مال میرے پاس چھوڑ جاؤ میں اس کو بڑی آسانی کے ساتھ گراں نرخ پر بیچ دوں گا اس سے آپ ﷺ نے اس لئے منع فرمایا ہے کہ اس میں مخلوق خدا کو فتنے سے باز رکھنا ہے، چنانچہ یہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک حرام ہے اور حنفی مسلک کے مطابق مکروہ ہے۔

”اونٹ و بکری کے عتوں میں دودھ جمع نہ کرو“ مثلاً ایک شخص کے پاس دودھ والا کوئی جانور جیسے بکری و بھینس وغیرہ ہے۔ وہ اس کو بیچنا چاہتا ہے اس جانور کی زیادہ قیمت وصول کرنے کے لئے وہ یہ کرتا ہے کہ بیچنے سے دو تین دن یا دو تین وقت پہلے اس جانور کا دودھ دہتا نہیں بلکہ اس کے عتوں میں چھوڑ دے رکھتا ہے تاکہ عتوں میں زیادہ دودھ جمع ہو جائے اور خریدار یہ سمجھ کر کہ یہ جانور بہت زیادہ دودھ دینے والا ہے اس کی زیادہ قیمت دے دے! اس سے آپ ﷺ نے اس لئے منع فرمایا کہ یہ فریب دہی کا معاملہ ہے۔ اس ضمن میں آپ ﷺ نے جو مسئلہ بیان فرمایا اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر اور کوئی شخص ایسا جانور خرید لائے جس کا کئی دن یا کئی وقت کا دودھ اس کے عتوں میں جمع رکھا گیا اور پھر اس کا دودھ دہنے کے بعد معلوم ہو کہ یہ جانور کم دودھ دیتا ہے تو اسے اختیار حاصل ہو گا کہ چاہے تو اس

جانور کو واپس کر دے اور چاہے رکھ لے، مگر جب جانور کو واپس کرے تو اس کے ساتھ ایک صاع کھجوریں اس دودھ کے عوض میں دے جو اس نے دودھ پیے۔

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس دودھ کے عوض میں ایک صاع کھجوروں کا تقصین کیوں کیا گیا ہے جب کہ اس دودھ ہی کو واپس کر دینے یا اس دودھ کی قیمت دے دینے کا حکم بھی دیا جاسکتا تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ خریدار نے اس جانور کا جو دودھ دیا ہے اس میں کچھ حصہ تو وہ ہوگا جو خریدار کی ملکیت میں آنے کے بعد جانور کے تھن میں پیدا ہوا ہے اور کچھ حصہ وہ ہے جو جانور کی خریداری کے وقت اس کے تھن میں تھا اور جانور کے ساتھ اس دودھ کی بھی بیج ہوئی تھی ظاہر ہے کہ اس صورت میں دودھ کے ان دونوں حصوں کا تقصین و امتیاز ناممکن ہونے کی وجہ سے نہ تو دودھ واپس کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کی قیمت ہی متعین کر کے دی جاسکتی ہے لہذا شارع نے اس کا حل یہ نکالا کہ طرین میں فتنہ و فساد کے دفعیہ کے لئے ایسے دودھ کا عوض ایک صاع کھجوریں متعین کر دیں اور اس سلسلے میں دودھ کی کئی چیزیں کو بنیاد نہیں بنایا، چنانچہ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ شارع نے ثون نالقی کی دیت یعنی قتل کا مالی معاوضہ ایک سواونت مقرر کیا ہے۔ حالانکہ مراتب و حیثیت کے اعتبار سے ہر جان اور ہر خون یکساں نہیں ہوتا، لیکن اس بارے میں شریعت نے اس تفاوت کو بنیاد نہیں بنایا۔

اس حدیث پر امام شافعیؒ نے عمل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس طرح کے جانور کی بیج میں خیار (یعنی بیج کو فسخ کر دینے یا باقی رکھنے کا اختیار) حاصل ہوتا ہے، لیکن حضرت امام اعظمؒ ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ اس میں خیار نہیں ہے۔ ان کے نزدیک حدیث میں مذکورہ بالا حکم متروک ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ حکم ہمارے حرام ہونے سے پہلے تھا جب کہ معاملات میں اس قسم کی چیزیں جائز تھیں اب یہ منسوخ ہو گیا ہے۔

حدیث کے آخری حصے ”ایک صاع غلہ دے دے مگر کہیں نہ دے“ کے بارے میں علامہ ابن حجر شافعیؒ کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ جانور واپس کرتے ہوئے اس کے دودھ کے عوض میں کھجوروں کے علاوہ اور کچھ دینا جائز نہیں ہے، اگرچہ بیچنے والا کوئی بھی چیز بینے پر راضی ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب کی غذا کا زیادہ تر غلہ تھا اور دودھ ہی سے تھا اس لئے دودھ کی بجائے کھجور دینا مقرر کیا گیا۔ لیکن بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگر بیچنے والا راضی ہو تو کھجور کے علاوہ اور کوئی چیز بھی دی جاسکتی ہے۔

(۱۲) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلْقُوا الْخَلْبَ فَنَنْ تَلْقَاهُ فَاشْتَرِي بِهِ فَاذًا اَنِي سَيِّئَةُ الشُّوْقِ فَهُوَ بِالْخِيَارِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تم آگے جا کر غلہ و فہیرہ لانے والے قلعے سے نہ ملو، اگر کوئی شخص جا کر ملا اور کچھ سات خرید یا اور پھر سامان کلاںک بازار میں آیا تو اس کو اختیار ہوگا کہ چاہے بیج کو قاتل کر کے چاہے فسخ کر دے۔“ (مسلم، تشریح: مفت جب اور نظر رکبان جو گزشتہ حدیث میں منقول تھا دونوں کے ایک ہی معنی ہیں اور ان کی وضاحت گذشتہ حدیث کی تشریح میں کی جا چکی ہے۔

معاہدہ لکھتے ہیں کہ اس ممانعت کا تعلق اس صورت میں ہے جب کہ آنے والے بیوپاریوں سے راستے ہی میں خریداری کرنے کی وجہ سے اہل شہر کو نقصان و ضرر پہنچے اور خریدار شہر و بازار کے ترخ کو پوشیدہ رکھ کر بیوپاریوں کو فریب دے، اور اگر اہل شہر کو نقصان و ضرر نہ پہنچے، نیز نہ تو خریدار بیوپاریوں سے شہر کا رخ پھیلے اور نہ ان کو فریب میں مبتلا کرے تو اس صورت میں یہ ممانعت نہیں ہوگی۔

حدیث میں جس ”اختیار“ کو ذکر کیا گیا ہے اس کے بارے میں شافعیہ تو یہ کہتے ہیں کہ جب مالک (یعنی باہر سے مل لانے والے بیوپاری، شہر میں آئے اور اسے یہ معلوم ہو کہ خریدار نے اس شہر کی یہ نسبت سستالیا ہے تو اس صورت میں اسے اختیار ہوگا کہ چاہے تو بیج کو فسخ کرے۔ اپنا مال واپس لے لے اور چاہے بیج کو باقی رکھے۔ اور اگر اسے یہ معلوم ہو کہ خریدار نے شہر کے بھاؤ سے گرا لیا ہے یا شہر کے بھاؤ کے مطابق لیا ہے تو پھر اس صورت میں بیوپاری کو اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

اس مسئلے میں فقہ حنفی کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوپاری کو یہ اختیار اسی وقت حاصل ہوگا جب کہ اسے شہر میں آنے کے بعد معلوم ہو کہ خریدار نے اس سے کھانا ہوا فریب کیا ہے، اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر اسے یہ اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

(۱۵) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلْقُوا الْبَيْعَ حَتَّى يَهْتَضِبَهَا إِلَى الشُّوْقِ - (مشق سید)
”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”مسلمان (الانے والوں سے) ان کے شہر پہنچنے سے پہلے راستے ہی میں جا کر نہ ملو اور اس وقت تک ان سے کوئی معاملہ نہ کرو جب تک کہ ان کا سامان بازار میں اُگر نہ اتر جائے۔“ (بخاری و مسلم)

کسی کے معاملہ میں اپنی ٹانگ نہ اڑاؤ

(۱۶) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبِيعُ الرَّجُلُ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ وَلَا يَخْطُبُ عَلَى أَخِيهِ إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ لَهُ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”کوئی شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی بیچ پر بیچ نہ کرے اور نہ کوئی شخص اپنے (مسلمان) بھائی کے نکاح کے پیغام پر اپنے نکاح کا پیغام بھیجے الا یہ کہ اس کو اس کی اجازت دے دی جائے۔“ (مسلم)

تشریح: ”کوئی شخص اپنے بھائی کی بیچ پر بیچ نہ کرے“ کی وضاحت حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت نمبر (۱۳) کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔ حدیث کے دوسرے جزء کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص نے کسی عورت کے پاس اس سے اپنے نکاح کا پیغام بھیجا ہے۔ تو اب کسی دوسرے مرد کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ بھی اس عورت کے پاس اپنا پیغام بھیج دے، مگر یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ طرفین ہر ایک ایک معین مقدار پر راضی ہو گئے ہوں، تمام معاملات طے ہو چکے ہوں اور صرف نکاح ہونا باقی رہ گیا ہو۔

حدیث کے آخری جزء کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے معاملات خرید و فروخت یا پیغام نکاح میں مداخلت نہ کرنے کا حکم اسی وقت تک کے لئے ہے جب تک کہ فریقین معاملے کو ترک نہ کر دیں مثلاً اگر صاحب معاملہ یہ کہہ دے کہ میں یہ چیز نہیں خرید رہا ہوں نیز تم خرید لو، یا اس عورت سے میں نکاح نہیں کروں گا تم اپنا پیغام بھیج دو تو اس صورت میں اس چیز کو خریدنا یا نکاح کا پیغام بھیجنا جائز ہوگا۔

(۱۷) وَعَنِ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَسْمِعُ الرَّجُلُ عَلَى سَمْعِ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے سوادے پر سوادہ نہ کرے (یعنی کسی سے خرید و فروخت کا معاملہ ہو رہا ہو تو اس میں مداخلت نہ کرے اور چیز کے زیادہ و کم نہ لگائے۔“ (مسلم)

تشریح: یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ بیچنے والا اور خریدار دونوں کسی ایک قیمت پر راضی ہو گئے ہوں، لہذا اب کسی اور کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو لینے کا ارادہ کرے اور زیادہ دام لگا کر ان کا معاملہ خراب کرے، ایسا کرنا ٹکڑہ ہے اگرچہ بیچ بیچ ہو جائے گی۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں ”مسلمان“ کے حکم میں ذی (غیر مسلم جو اسلامی سلطنت میں رہے اور جزیہ ادا کرے) مسابہ (جس سے کسی مسلمان کا معاہدہ ہو) اور مستامن (جو کسی مسلمان کے زیرِ پناہ ہو) بھی داخل ہیں۔

شہری آدمی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے

(۱۸) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ دَعَا النَّاسَ يَرْوِي اللَّهُ نَعَضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”شہری آدمی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے۔ لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو کہ

اللہ تعالیٰ کسی کے ذریعہ کسی کو رزق پہنچاتا ہے۔ (مسلم)

تشریح: حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ دیہاتیوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو کہ وہ باہر سے غلہ لاکر شہر میں سستے داموں فروخت کریں اور اس طرح وہ اہل شہر کے رزق میں وسعت و فراخی کا باعث بنیں۔ بقیہ حدیث کی وضاحت حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت (نمبر ۱۳) کی تشریح میں کی جا چکی ہے۔

بیع بلا صورت و منازت کی ممانعت

(۱۹) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لَيْسَتَيْنِ وَعَنْ بَيْعَتَيْنِ نَهَى عَنِ الْفَلَأَسَةِ وَالْمُتَابَعَةِ فِي الْبَيْعِ وَالْمُتَابَعَةِ لِنَفْسِ الرَّجُلِ ثَوْبٌ الْآخَرُ بِيَدِهِ بِاللَّيْلِ أَوْ بِالنَّهَارِ وَلَا يُقْبَلُ إِلَّا بِذَلِكَ وَالْمُتَابَعَةُ أَنْ يُلْبَسَ الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ بَنْوِيهِ وَتَبْدَأُ الْآخَرُ ثَوْبَهُ وَيَكُونُ ذَلِكَ بَيْنَهُمَا عَنْ غَيْرِ نَظَرٍ وَلَا تَوَاضُعٍ وَاللَّيْسَتَيْنِ الشَّيْئَانِ الصَّخَاءُ وَالصَّخَاءُ أَنْ يَجْعَلَ ثَوْبَهُ عَلَى أَخِيذَعَا يَفْقِيهِ فَيَبْذُو أَخِيذَعَا يَفْقِيهِ لَيْسَ عَلَيْهِ ثَوْبٌ وَاللَّيْسَةُ الْآخَرَى اخْتِيَاءُ ثَوْبِيهِ وَهُوَ خَالِشٌ لَيْسَ عَلَى فَرْجِهِ مِنْهُ شَيْءٌ۔ (مسلم)

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے دو طرح کے بیعتوں سے منع کیا ہے وہ ملاست اور منابت ہیں۔ ملاست یہ ہے کہ ایک شخص (یعنی خریدار) دوسرے شخص (یعنی تاجر) کے کپڑے کو (جسے وہ لینا چاہتا ہے) ان میں یارات میں صرف ہاتھ سے چمولے اسے کھول، الٹ کر دیکھے نہیں اور اس کا یہ چھوٹا بیع کے لئے ہو۔ اور منابت یہ ہے کہ معاملہ کرنے والوں میں سے ہر ایک اپنے کپڑے کو دوسرے کی طرف پھینک دے اور اس طرح بغیر دیکھے بھالے اور بغیر اتھار ضماندی کے بیع ہو جائے۔ اور جن دو طرح کے پھینک دے سے منع فرمایا ہے ان میں سے ایک کپڑے کو صخاء کے طور پر پہنتا ہے اور صخاء کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے ایک مونڈے پر اس طرح کپڑا ڈال لے کہ اس کی دوسری سمت کہ جس پر کپڑا نہ ہوتا پورہ نہ رہے اور دوسرا پہنا دے (اس سے منع کیا گیا ہے) یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے گرو اس طرح کپڑا لپیٹ لے کہ جب وہ بیٹھے تو اس کی شرم گاہاں کپڑے سے بالکل عاری ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”ملاست“ کا طریقہ یہ تھا کہ ایک شخص کوئی چیز مثلاً کپڑا خریدنے کے جاتا تو کپڑے کو ہاتھ لگاتا، کپڑے کو ہاتھ لگاتے ہی بیع ہو جاتی تھی نہ تو انہیں میں قولی ایجاب و قبول ہوتا تھا کہ دوکاندار تو یہ کہتا کہ میں نے تمہارے ہاتھ یہ چیز بیچ دی اور خریدار یہ کہتا کہ میں نے تم سے یہ چیز خرید لی اور نہ فعلی لین دین (جسے اصطلاح فقہ میں تعالیٰ کہتے ہیں) ہوتا تھا کہ دوکاندار برضاء و رغبت خوشی کے ساتھ وہ چیز دیتا اور خریدار اس کی قیمت ادا کر دیتا بلکہ خریدار کا اس چیز کو ہاتھ سے چھو دینا ہی کافی سمجھا جاتا تھا۔

علامہ طہیؒ نے حدیث کے الفاظ لا یقبلہ الا بهذا الک (اسے کھول الٹ کر دیکھے نہیں اس) کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ”کپڑے کو علاوہ چھونے کے نہ اسنے نہ کھولے“۔ یعنی چاہئے تو یہ کہ کپڑے کو کھولا جائے اور اچھی طرح دیکھا بھالا جائے مگر بیع ملاست کرنے والا نہ کھولتا تھا نہ اسے دیکھتا بھالتا تھا، البتہ صرف اسے چھولتا تھا، ظاہر ہے کہ کسی چیز کو محض چھولنا اس کو الٹ کھول کر دیکھنے بھالنے کا درجہ حاصل نہیں کر سکتا۔

بہر کیف ”ملاست“ ایام جاہلیت میں خرید و فروخت کا ایک غلط طریقہ تھا کہ جہاں ایک نے دوسرے کے کپڑے کو ہاتھ لگایا، بس بیع ہو گئی نہ وہ اس کو دیکھتے بھالتے تھے اور نہ شرط خرید کرتے تھے کہ اس کو دیکھنے کے بعد اگر چاہیں گے تو رکھ لیں گے نہیں تو واپس کر دیں گے۔ چونکہ یہ ایک بالکل غلط طریقہ تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔

منابت کی صورت یہ ہوتی تھی کہ دونوں صاحب معاملہ نے جہاں آپس میں ایک دوسرے کی طرف کپڑا ڈالا بس بیع ہو گئی۔ بیع کو دیکھنے بھالنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔ یہی ایام جاہلیت میں رائج بیع کا ایک طریقہ تھا لہذا اس کی ممانعت بھی فرمائی گئی۔

حصّہ کے ایک معنی تو وہی ہیں جو ترجمہ میں ظاہر کئے گئے لیکن اس کا زیادہ واضح اور مشہور مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص ایک کپڑا لے کر اسے سر سے پاؤں تک اپنے بدن پر اس طرح لپیٹ لے کہ دونوں ہاتھ بھی اس کے اندر لپیٹے رہیں اور جسم کبیس سے کھلا نہ رہے، ظاہر ہے کہ اس طرح آدمی بالکل مظلوم و ناکارہ ہو کر رہ جاتا ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔

دوسرا یہ بتاؤ جس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص کوہوں پر بیٹھ جائے اور دونوں زنانوں کو کھڑا کرے اور پھر اپنے زنانوں اور کر کے گرد کوئی کپڑا اس طرح لپیٹ لے کہ سر کھلا رہے۔ آپ ﷺ نے اس سے اس لئے منع فرمایا کہ اس میں ستر کی پردہ پوشی نہیں ہوتی۔ چنانچہ اگر کوئی شخص مذکورہ بالا صورت میں اس طرح کپڑا لپیٹے کہ اس کا ستر چھپا رہے تو پھر یہ ممانعت نہیں رہے گی۔ بطور نکتہ ایک بات ذہن میں رہے کہ زنانوں کے گرد ہاتھوں کا حلقہ بنا کر بیٹھنا مستحسن ہے۔

بیع حصّہ اور بیع غرر کی ممانعت

(۲۰) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْخَصَاةِ وَعَنْ بَيْعِ الْغُرُورِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بیع غرر اور بیع غرر سے منع فرمایا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: ”بیع حصّہ“ کی صورت یہ ہے کہ خریدار دو کاندہ سے کہے کہ جب میں تیری اس چیز یعنی بیع (بیع) پر ٹکری مار دوں تو مجھ لینا کہ بیع واجب ہوگی، یاد کاندہ اگر خریدار سے کہے کہ میں نے اپنی چیزوں میں سے وہ چیز جس میں بیچ کر تمہاری جھنگلی ہوئی ٹکری اگر گرے، یا میں نے یہ زمین وہاں تک تمہارے ہاتھ فروخت کی جہاں تک تمہاری جھنگلی ہوئی ٹکری جا کر گرے اس بیع کا یہ طریقہ ایام جاہلیت میں رائج تھا آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

”بیع غرر“ اس بیع کو کہتے ہیں جس میں بیع (بیع) نہیں ہونے والی چیز، مجہول یا بیچنے والے کے قبضہ و قدرت سے باہر ہو جیسے اس محملی کو بیچنا جو دریا میں ہو، یا ہوا میں اڑتے ہوئے جانور اور مفرد غلام کو بیچنا۔

بیع حمل الحبلہ کی ممانعت

(۲۱) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ حَبْلِ الْحَبْلَةِ وَكَانَ يُنْفَا يَنْفَا بِنْدَةَ أَهْلِ الْبَحَاةِ لِئَلَّا تَكُنَ الْوَحْلُ يَنْفَا الْخَزْوِ وَهِيَ أَنْ تُنْفَخَ الْبَاةُ ثُمَّ تُنْفَخَ الْبَيْتُ فِي نَفْلَتِهَا۔ (مسند ابیہ)

”اور حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بیع حمل الحبلہ (یعنی جانور کا حمل) بیچنے سے منع فرمایا ہے (حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ بیع حمل الحبلہ ایام جاہلیت میں رائج ایک بیع محلی جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ کوئی شخص اس وقت تک کے وعدے پر اونٹنی خریدتا تھا جب تک کہ اس کے پیٹ سے بچہ پیدا ہو اور پھر اس بچے کے پیٹ سے بچہ پیدا ہو (یعنی وہ اس وعدے پر اونٹنی خریدتا تھا کہ جب اس اونٹنی کے پیٹ سے بچہ پیدا ہونے والے بچے کے پیٹ سے بچہ پیدا ہو گا تب اس کی قیمت ادا کروں گا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: جانور کے حمل کے حمل کی بیع کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً ایک اونٹنی کے پیٹ میں بچہ ہے۔ اب اس کا مالک اس طرح خریدار سے معاملہ کرے کہ اس اونٹنی کے پیٹ سے جو اونٹنی پیدا ہوگی اور وہ اونٹنی جو بچہ دے گی اس کی بیع کرتا ہوں! اس سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ ایک معدوم چیز یعنی اس بچہ کی بیع ہے جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوا ہے ظاہر ہے کہ جب کسی جانور کے حمل کی کو بیچنا جائز نہیں ہے تو اس بچہ کی بیع کیسے جائز ہو سکتی ہے جو اس حمل کے حمل سے پیدا ہوگا۔

بعض حضرات کے نزدیک ”بیع حمل الحبلہ“ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی حاملہ اونٹنی کو اس وعدے پر بیچے کہ اس کی قیمت اس وقت ادا ہوگی جب وہ بچہ بنے گی۔ حضرت ابن عمرؓ نے یہی مطلب مراد لیا ہے جیسا کہ روایت کے آخر میں وکان مبیعا الخ سے انہوں

نے خود اس کی وضاحت کی ہے۔

نر کو مادہ پر چھوڑنے کی اجرت لینے کی ممانعت

(۴۲) وَعَنْهُ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَشْبِ الْفَحْلِ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے نر کو مادہ پر چھوڑنے کی اجرت وصول کرنے سے منع فرمایا ہے۔“ (بخاری)

تشریح: نر جانور خواہ اونٹ ہو خواہ گھوڑا اور خواہ کوئی اور جانور اس کو مادہ پر چھوڑنے کے لئے کسی کو دیتا اور اس کی اجرت وصول کرنا منع ہے کیونکہ اس میں ایک ایسے کام کی اجرت وصول کرنا لازم آتا ہے جس کا وقوع نہ ہو یا متیقن نہیں ہوتا۔ ہاں طور کہ نر جانور بھی تو جست کر جاتا ہے اور بھی جست نہیں کرتا اسی طرح مادہ بھی تو بار آور ہوئی ہے اور بھی نہیں، اسی لئے اکثر صحابہؓ اور فقہاء نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ ہاں نر جانور کو مادہ پر جست کرنے کے لئے عاریہ دینا صحیح ہے البتہ عاریہ دینے کے بعد اگر مادہ کا مالک اپنی طرف سے اسے کچھ بطریق انعام دے تو اس کو قبول کر لینا درست ہے۔

پانی بیچنے کی ممانعت

(۴۳) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ حِزْوَابِ الْجَحْمَلِ وَعَنْ بَيْعِ الْمَاءِ وَالْأُزْهِي

لِفَخْرٍ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اونٹ کو جھتی کے لئے کرایہ پر دینے اور پانی وزمین کو کاشت کے لئے بیچنے سے منع فرمایا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: ”زمین وہابی کو کاشت کے لئے بیچنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی زمین اور وہ پانی جو اس زمین سے متعلق ہو کسی شخص کو اس شرط کے ساتھ دے کہ یہ زمین ہائی تو میرا ہے اور غم اور محنت تمہاری ہے زمین کو جو تو پودا اس میں سے جو کچھ پیدا ہو گا اس کا اتنا حصہ مثلاً تنہا پانچوٹھائی میں لے لوں گا اس کو ”عقارت“ کہتے ہیں۔ عقارت کے بارے میں تفصیلی حکم حضرت جابرؓ کی گزشتہ روایت (نمبر ۴۲) کی تشریح میں بیان کی جا چکا ہے۔

ضرورت سے زائد پانی کو بیچنے کی ممانعت

(۴۴) وَعَنْهُ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ فَضْلِ الْمَاءِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنی ضرورت سے زائد پانی کو بیچنے سے منع فرمایا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: یعنی اگر کسی شخص کی ملکیت میں اتنا پانی ہو جو اس کی ضروریات کو پورا کرنے کے بعد بچ جائے اور دوسرے لوگ اس کے حاجت مند ہوں تو اس سے بچے ہوئے پانی کو روکنا اور ضرورت مند لوگوں کے ہاتھ بیچنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ وہ پانی انہیں مفت ہی دے دینا چاہئے لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ ان لوگوں کی ضرورت کا تعلق اس پانی کو خوب چنے یا جانوروں کو پلانے سے ہو۔ اگر کوئی شخص اپنے کھیتوں یا درختوں کو سیراب کرنے کے لئے وہ پانی چاہے تو پھر مالک کے لئے جائز ہے کہ وہ اس پانی کو بغیر معاوضے کے نہ دے۔

(۴۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبِيعُ الْفَضْلَ الْمَاءَ لِيَبْتَاعَ بِهِ الْكَلَاءُ - (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اپنی ضرورت سے زائد پانی کو نہ بیچو کہ اس کی وجہ سے گھاس کا بلکنا لازم آئے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: پانی کے بیچنے سے گھاس کا بلکنا اس طرح لازم آتا ہے کہ مثلاً ایک شخص کسی دوسرے شخص کے پانی کے گرد اپنے جانوروں کو

چرانے اور ظاہر ہے کہ وہ جانور چرنے کے بعد پانی ضرور پئیں گے لیکن چونکہ پانی کا مالک کسی دوسرے کے جانوروں کو بلا قیمت پانی پینے نہیں دیتا اس لئے لامحالہ وہ شخص اس بات کے لئے مجبور ہوگا کہ پانی خریدے اور اپنے جانوروں کو پلانے اس طرح پانی کا پچھرا دراصل گھاس کا پچھرا ہوگا اور یہ معلوم ہی ہے کہ گھاس بچی جائے نہیں ہے۔
 علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ ممانعت آیا تحریمی ہے یا تنزیہی؟ بعض تو تحریمی کے قائل ہیں اور بعض تنزیہی کے، لیکن زیادہ صحیح یہی ہے کہ یہ ممانعت تنزیہی ہے۔

غریب دینی سے بچو

(۶۶) وَعَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى حَبِيزَةَ عُلَامٍ فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهَا فَقَالَتْ أَصْبَعُهُ بَلَدًا فَقَالَ مَا هَذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ قَالَ أَصَابَنِي الشَّيْءُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ حَتَّى يَرَاهُ النَّاسُ - مِنْ عَشْرِ فَلَيْسَ يَمْنَى - (رواه مسلم)

"اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ ایک ڈمیر کے پاس سے گذرے اور اپنا ہاتھ اس ڈمیر میں داخل کیا تو آپ ﷺ کی انگلیوں کو کچھ تری محسوس ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا اے غلے کے مالک! یہ تری کیسی ہے جی ڈمیر کے اندر یہ تری کہاں سے پہنچی اور تم نے غلے کو تریوں کیا؟ اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس تک بارش کا پانی پہنچ گیا تھا (جس کی وجہ سے غلے کا کچھ حصہ تر ہو گیا ہے میں نے قصداً تر نہیں کیا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا اتنو پھر تم نے غلے کو اوپر کی جانب کیوں نہیں رکھا تاکہ لوگ اس کو دیکھ لیتے (اور کسی غریب میں مبتلا نہ ہوتے) یا اور کھواجھو شخص غریب دے وہ مجھ سے نہیں ہے (یعنی میرے طریقہ پر نہیں ہے)۔" (مسلم)

الْفَصْلُ الثَّانِي

بچ غنیا کی ممانعت

(۶۷) عَنْ حَابِرٍ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الثَّنِيَا إِلَّا أَنْ يُعْلَمَ - (رواه الترمذی)

"حضرت حابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بیع غنیا یعنی اشتیاء کرنے سے منع فرمایا ہے الا یہ کہ مقدار حقیقہ کر دی جائے۔"

(ترمذی)

تشریح: کوئی شخص اپنی کوئی چیز کسی کو بیچے وقت پہ کہے کہ میں نے یہ چیز تمہارے ہاتھ بچی مگر اس میں سے کچھ حصہ میں نے نہیں بچا۔ پس بیع میں سے کچھ حصہ کا اشتیاء کرنا جہنا کہلاتا ہے، شارع نے اس سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس میں مقدار معین نہیں ہوتی۔ ہاں اگر بیع کی کوئی مقدار معین کر کے مستثنیٰ کی جائے مثلاً بیچنے والا اس طرح کہے کہ میں نے بیس یہ چیز فروخت کی مگر اس کی اتنی مقدار جیسے چوتھائی یا تہائی اور یا اتنے سیر اتنے میں نے اپنے لئے مستثنیٰ کر لیا ہے جو فروخت نہیں کر رہا ہوں تو یہ جائز ہے۔

پھل اور کھیتی پکنے کے بعد ہی فروخت کی جائے

(۶۸) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ بَيْعِ الْعُتْبِ حَتَّى يَسْوَدَّ وَعَنْ بَيْعِ الْخُبِّ حَتَّى يَشْتَدَّ هَكَذَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ

عَنْ أَنَسٍ وَالزَّيَادَةُ الثَّانِي فِي الْمَصَائِيحِ وَهِيَ قَوْلُهُ يَهَى عَنِ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتَّى تَزْهُو أَمَّا ثَبُتُ فِي رَوَايَتِهِمَا عَنِ ابْنِ عَمَرَ قَالَ نَهَى عَنِ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتَّى تَزْهُو وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ

حَسَنٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے انکو کو اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ بے نہ ہو جائے، یعنی تک نہ جائے، اسی طرح آپ ﷺ نے غلام کو بھی اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ سخت نہ ہو جائے، یعنی قابل انتفاع نہ ہو جائے، اس روایت کو ترمذیؒ اور ابوداؤد نے حضرت انسؓ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اور صاحب مصابیح نے اس روایت میں یہ الفاظ ”آپ ﷺ نے مجھ کو اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ خوش رنگ نہ ہو جائے۔“ جو مزید نقل کئے ہیں وہ ترمذیؒ و ابوداؤد میں حضرت انسؓ سے منقول نہیں ہیں بلکہ حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہیں اور وہ بھی اس طرح ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے کہا کہ ”انحضرت ﷺ نے مجھ کو اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ خوش رنگ نہ ہو جائے“ امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔“

تشریح: روایت کے آخر میں مشکوٰۃ کے مؤلف نے مصابیح کے مؤلف حضرت امام بغویؒ پر دو اعتراض وارد کئے ہیں اول تو یہ کہ روایت میں مذکور ہلامزید الفاظ کا ناقل انہوں نے حضرت انسؓ کو بتایا ہے جب کہ یہ الفاظ حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہیں۔ دوم یہ کہ انہوں نے ان مزید الفاظ میں بیع التمر نقل کیا ہے جب کہ اصل روایت میں بیع الفل ہے۔

ادھار کو ادھار کے ساتھ بیچنے کی ممانعت

(۲۹) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْكَالِيِّ بِالْكَالِيِّ (رواہ الدارقطنی)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ادھار کو ادھار کے ساتھ بیچنے سے منع فرمایا ہے۔“ (دارقطنی)

تشریح: لفظ ”کالی“ ہمزہ کے ساتھ بھی لکھا جاتا ہے اور بغیر ہمزہ یعنی ”کالی“ بھی استعمال ہوتا ہے دونوں ”کلاء“ سے مشتق ہیں جس کے معنی ہیں ”تاخیر یا ادھار“۔

”ادھار کو ادھار کے ساتھ بیچنے“ کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کسی سے کوئی چیز ایک متعین مدت کے بدلے پر خریدے اور یہ طے ہو جائے کہ خریدار اس چیز کی قیمت جب اسگے ملے گی فلاں تاریخ کو ادا کرے گا تو بیچنے والا وہ چیز اسے دے دے گا مگر جب وہ متعین تاریخ آجائے اور اس وقت بھی خریدار قیمت ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو بیچنے والے سے یہ کہے کہ اب اس چیز کو ایک اور مدت کے لئے کچھ زیادہ قیمت پر فروخت کر دو مثلاً اس نے وہ چیز دس روپے میں خریدی تھی اب یہ کہے کہ اسی چیز کو گیارہ روپے میں بیچ دو میں اسگے ملے گا کی فلاں تاریخ کو گیارہ روپے ادا کر دوں گا۔ بیچنے والا کہے کہ میں نے بیچ دی، اس طرح یہ معاملہ آپس کے قبضہ کے بغیر طے ہو جائے کہ نہ تو بیچنے والا بیچ دے اور نہ خریدار اس کی قیمت ادا کرے بلکہ جمع بیچنے والے کے پاس رہے اور قیمت خریدار کے پاس اور خریدار فروخت کا معاوضہ طے ہو جائے۔ اس طرح کی بیع کرنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا کیونکہ یہ ایک ایسی بیع ہے جس میں قبضہ حاصل نہیں ہوتا۔

بعض حضرات نے اس کی ایک دوسری صورت یہ بیان کی ہے کہ مثلاً عمرو کے پاس زید کا ایک کپڑا ہے اور عمرو ہی کے ذمہ بکر کے دس روپے ہیں اب زید بکر سے یہ کہے کہ عمرو کے پاس میرا جو کپڑا ہے اسے میں تمہارے ہاتھ میں اٹھ دس روپوں کے عوض کہ جو تمہارے عمرو کے ذمہ ہیں بیچتا ہوں میں عمرو سے دس روپے لے لوں گا تم اس سے کپڑا لے لیا اور بکر کہے کہ مجھے یہ منظور ہے۔ یہ بیع بھی ناجائز ہے کیونکہ اس میں بھی قبضہ حاصل نہیں ہوتا۔

بیعانہ یا سائی کا مسئلہ

(۳۰) وَعَنْ عُمَرَ وَابْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْغُرَّانِ۔

(رواہ مالک و ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بیع عریان سے منع فرمایا ہے۔“

(مالک، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: ”بیع عریان“ کی وضاحت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کسی سے کوئی چیز خریدے اور بیچنے والے کو کچھ رقم پیشگی دے دے اور یہ طے کر دے کہ اگر یہ معاملہ مکمل ہو گیا تو یہ رقم قیمت میں بھرا ہو جائے گی اور اگر معاملہ نہ ہوا یا اس طور کہ میں پوری قیمت ادا کر کے اس چیز کو اپنے قبضے میں نہ لے سکا تو پھر یہ رقم تہلے ہی پاس رہے گی میں اسے واپس نہ لوں گا۔ اسے ہماری زبان میں بیعانہ یا سائی کہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کیونکہ شرعی طور پر یہ بیع باطل ہے لیکن حضرت ابن عمرؓ اور امام احمدؒ اس کے جواز کے قائل ہیں، حنفیہ کے ہاں یہ اس صورت میں جائز ہے جب کہ یہ طے ہو کہ اگر معاملہ مکمل ہو جائے تو وہ رقم بیچنے والے کا حق ہو یا اس طور کہ وہ قیمت میں بھرا ہو جائے اور اگر معاملہ مکمل نہ ہوا تو پھر وہ خریداری کا حق رہے کہ وہ رقم اسے واپس ل جائے۔

بیع مضطر کی ممانعت

③۱ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْمُسْطَرِّ وَعَنْ بَيْعِ الْغَوْرِ وَعَنْ بَيْعِ الشَّوْءِ قَبْلَ أَنْ

تُدْرِكَهُ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بیع مضطر، بیع غورہ اور پختہ ہونے سے پہلے پھلوں کی ”بیع“ سے منع فرمایا ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”بیع مضطر“ میں ”بیع“ سے مراد خریدنا ہے یعنی آپ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کسی سے زبردستی کچھ خریدا جائے، کسی سے زبردستی خریدنا بیع فاسد کے حکم میں ہے جو مستفاد و نافذ نہیں ہوتی۔

یا پھر ”مضطر“ سے مراد ”محتاج“ ہے جو کسی مصیبت کی وجہ سے اپنا سامان بیچنے پر مجبور ہو۔ مثلاً زید کسی کا قرض دار ہے اور قرض کی ادائیگی کے لئے اسے روپے چائیس یا اس پر کوئی مصیبت آچڑی ہے جس کی وجہ سے اسے روپیوں کی شدید ضرورت ہے اور وہ اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے اپنے مال و اسباب میں سے کوئی چیز سستے داموں فروخت کر رہا ہو تو کسی کے لئے مناسب نہیں ہے۔ کہ وہ اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھائے اور اس کا سامان سستے داموں خریدے بلکہ مروت کا تقاضا یہ ہے کہ اس مجبور و مضطر کی مجبوری کا خیال کیا جائے۔ اس کا مال سستے داموں نہ خریدا جائے اور ایسے موقع پر اس کی اس طرح مدد کی جائے کہ یا تو اسے کچھ رقم بطور قرض دے دی جائے یا اس کا مال اصل قیمت کے عوض خریدا جائے۔ لیکن یہ بات غلط رہے کہ اس صورت میں بیع فاسد نہیں ہوگی بلکہ صحیح ہوگی لیکن کراہت کے ساتھ صحیح ہوگی، بیع غرری کی وضاحت ہی باب کے گذشتہ صفحات میں کی جا چکی ہے۔ اسی طرح پختہ ہونے سے قبل پھلوں کی بیع کا مسئلہ بھی بیان کیا جا چکا ہے۔

نر کو مادہ پر چھوڑنے کی اجرت لینا ممنوع ہے

③۲ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ زُحْلًا مِنْ بَنِي كَلَابٍ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ غَسْبِ الْفَخْلِ فَهَذَا فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ لِنَظَرِي فِي الْفَخْلِ فَتَكُونُ لَهُ فِي الْكَوْثَرِ أَفْءٌ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ قبیلہ کلاب میں سے ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے مادہ پر چھوڑنے کے لئے نر کو اجرت پر دینے کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے اس کو منع فرمایا (کہ اجرت نہ لو) پھر اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم نر کو عاریہ دیتے ہیں اور ہمیں اس سلسلے میں بطور انعام کچھ دیا جاتا ہے (یعنی ہم کوئی اجرت مقرر کر کے اپنا نر جانور نہیں دیتے بلکہ عاریہ دیتے ہیں مگر جانور لے

جانے والا بلا طلب ہمیں بطور انعام کچھ دیتا ہے تو کیا ہم پھر بھی نہیں آنحضرت ﷺ نے اسے انعام لینے کی اجازت عطا فرمائی۔“

(ترمذی)

جو چیز اپنے پاس نہ ہو اس کی بیع نہ کرو

(۳۲) وَعَنْ حَكِيمِ بْنِ حَزَامٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَبِيعَ عَالِيَتُسْ عِنْدِي زَوْأَهُ التَّوْبَلِيذِيَّ - وَفِيهِ رِوَايَةٌ لَهُ وَلَا يَنْبِي دَاوُدَ وَالنَّسَائِي قَالَ قُلْتُ يَأْتِي رَسُولُ اللَّهِ بِأَنْبِيئِ الرُّجُلِ فَيُرِيدُ بَيْعِي التَّبِيعَ وَلَيْسَ عِنْدِي فَأَبِيعَ لَهُ مِنْ التَّسْوِيقِ قَالَ لَا تَبِيعَ عَالِيَتُسْ عِنْدَكَ -

”اور حضرت حکیم ابن حزام کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے اس سے منع کیا کہ میں اس چیز کو نہ بیچوں جو میرے پاس نہیں۔“

(ترمذی)

”ترمذی، ابوداؤد اور نسائی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت حکیم کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ایک شخص میرے پاس ۳۲ ہے اور مجھ سے ایک ایسی چیز خریدنے کا ارادہ کرتا ہے جو میرے پاس نہیں ہوتی تو میں اس چیز کو بازار سے خرید لا تا ہوں (یعنی میں اس چیز کا سودا اس سے کر لیتا ہوں پھر وہ چیز بازار سے خرید لا تا ہوں اور اس شخص کے حوالے کر دیتا ہوں) آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ”تم کسی ایسی چیز کو نہ بیجو جو تمہارے پاس نہیں ہے۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو چیز خرید و فروخت کا معاملہ کرتے وقت اپنی ملکیت میں نہ ہو اسے نہیں بیچنا چاہئے، اب اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں اول تو یہ کہ وہ چیز نہ تو اپنی ملکیت میں ہو اور نہ اپنے پاس موجود ہی ہو اس صورت میں تو اس چیز کی بیع صحیح ہی نہیں ہوگی دوم یہ کہ وہ اپنی ملکیت میں نہیں ہے ایک دوسرا شخص اس کا مالک ہے لیکن ہے اپنے ہی پاس، اس صورت میں بھی مالک کی اجازت کے بغیر اس کی بیع نہیں کرنی چاہئے۔ اور اگر مالک کی اجازت لینے سے پہلے ہی اس کی بیع کر دی جائے گی تو حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد کے مسلک کے مطابق وہ بیع مالک کی منظوری پر موقوف رہے گی، اگر منظوری دے دے گا تو صحیح ہو جائے گی، نہیں تو کالعدم ہو جائے گی، لیکن حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ وہ بیع سرے سے صحیح ہی نہیں ہوگی، مالک خواہ منظوری دے یا نہ دے۔

پہلی صورت کے حکم میں اس چیز کی بیع داخل ہے جس پر قبضہ حاصل نہ ہوا ہو یا وہ چرگم ہوگی ہو، یا مفرد ہو جیسے غلام وغیرہ اور یا اس کو خریدار کے حوالے کرنے پر قادر نہ ہو، جیسے ہوا میں اڑتا ہوا جانور اور وہ پھلی جو ابھی پانی (یعنی دریا وغیرہ سے نہ نکالی گئی ہو) لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ یہ ممانعت ”بیع السلم“ کے علاوہ صورت میں ہے کہ نہ کہ بیع السلم معینہ و معسوف شرائط کے ساتھ بالاتفاق تمام علماء کے نزدیک جائز ہے بیع السلم اور اس کی شرائط کا تفصیلی ذکر انشاء اللہ باب السلم میں کیا جائے گا۔

ایک بیع میں دو بیع نہ کرو

(۳۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ طَيِّبَتَيْنِ - (رواہ مالک و الترمذی و ابوداؤد و النسائی)

”اور حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔“ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: ”ایک بیع میں دو بیع“ کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ کوئی شخص کسی سے یوں کہے کہ مثلاً میں اپنی بھینس ایک ہزار روپیے کے عوض تمہارے ہاتھ بیچتا ہوں مگر شرط یہ ہے کہ تم اپنا گھوڑا پانچ سو روپے کے عوض میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ اس طرح کی بیع درست نہیں ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص کسی سے کہے کہ میں اپنا گھوڑا تمہارے ہاتھ پانچ سو روپے نقد میں اور سات سو روپے ادھار

اور اسکی قیمت میں سکہ کی تبدیلی جائز ہے

(۲۷) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنْتُ أُنْبِغُ الْإِبِلَ بِالنَّقِيعِ بِالدَّنَائِيزِ فَأَخَذَ مَكَانَهَا الدَّنَاهِمُ وَأَبْنِغُ بِالْأَهَامِ فَأَخَذَ مَكَانَهَا الدَّنَائِيزُ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَذَكْرْتُ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ لَا تَبَاسُ أَنْ تَأْخُذَهَا بِسُغَيْرِ يَوْمِهَا مَا لَمْ تَنْفَرِ فَإِنْ وَبَيْتَكُمْ مَاشِيَةً - (رواہ الترمذی وادوارد ولسلئی والدہری)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نقیع میں اسب کے قریب ایک جگہ ہے) اونٹوں کو دیناروں کے عوض بچا کرتا تھا اور دیناروں کے بدلے درہم لے لیا کرتا تھا اسی طرح جب اونٹوں کو درہم کے عوض بچا تو درہم کے بدلے دینار لے لیا کرتا تھا۔ پھر (جب اس میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے (کہ تم دینار کے بدلے درہم اور درہم کے بدلے دینار لے لو) جب کہ نرخ اس دن کے مطابق ہو اور تم دونوں ایک دوسرے سے اس حال میں جدا ہو کہ تمہارے درمیان کوئی چیز نہ ہو۔“ (ترمذی، امام داؤد، نسائی)

ترجمہ: ”درہم اور دینار دو سکوں کے نام ہیں۔ درہم چاندی کا ہوتا ہے اور دینار سونے کا۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی سے کوئی چیز روپے کے عوض خریدے اور روپے کے بدلے اشرفیاں دے دے یا کوئی چیز اشرفیوں کے عوض خریدے اور اشرفیوں کے بدلے روپے دے دے تو جائز ہے۔

”اس دن کے نرخ“ کی قید اس اعتبار سے ہے یعنی مستحب و مناسب یہ ہے کہ اس دن کے نرخ کا لحاظ رکھا جائے ورنہ تو جہاں تک فقہی مسئلہ کا تعلق ہے یہ جائز ہے کہ جس نرخ سے چاہے۔

”تمہارے درمیان کوئی چیز نہ ہو“ میں ”کوئی چیز“ سے مراد بیع یا قیمت اور یا دونوں پر قبضہ نہ ہونا ہے مطلب یہ ہے کہ درہم دینار کو آپس میں بدلنا یا شرط جائز ہے جس مجلس میں خرید و فروخت کا معاملہ ہو اسی مجلس میں خرید و فروخت کی اپنی چیز پر قابض ہو جائیں تاکہ اس کے برخلاف ہونے کی صورت میں نقد کی بیع ادھار کے ساتھ لازم نہ آئے جو روپیہ کی ایک شکل ہونے کی وجہ سے حرام ہے، چنانچہ حضرت شیخ علی متقی کے بارے میں منقول ہے کہ وہ جب مکہ معظمہ میں اپنے خدام کو بازار بھیجے تو اسی حدیث کے پیش نظر اسے بطور خاص یہ نصیحت کرتے کہ خبردار! باقی قبضہ کرنے میں معاملہ دست بدست کرنا، درمیان میں فرق واقع نہ ہو۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ درہم (سکہ خلقی ہونے کی وجہ سے) چونکہ غیر مستحکم ہے اس لئے اگر کوئی شخص دو کاندار کو ایک درہم دکھا کر کہے کہ اس کے عوض فلاں چیز میرے ہاتھ بیچ دو اور پھر جب دو کاندار وہ چیز اسے بیچ دے تو اس درہم کی بجائے دو سرا درہم دے دینا جائز ہے بشرطیکہ وہ دونوں درہم بایمانت میں یکساں ہوں۔

آپ ﷺ سے متعلق ایک بیعانہ کا ذکر

(۲۸) وَعَنِ الْعَدَاءِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ هُوْدَةَ أَخْرَجَ يَكْتَابًا هَذَا مَا اشْتَرَى الْعَدَاءُ بْنُ خَالِدِ بْنِ هُوْدَةَ مِنْ مُخْتَبِدٍ وَسُؤْلُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرَى مِنْهُ عُنْدًا أَوْ أَمَةً لَأَدَاءٍ وَلَا غَائِلَةَ وَلَا جَنْبَةً يَبِيعُ الْمُسْلِمُ الْمُسْلِمَ - ذَوَاهُ التَّيْرُ مِلْأَى وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ

”اور حضرت عداء ابن خالد ابن ہودہؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک تحریر نکال کر دکھائی جس میں یہ لکھا تھا کہ ”یہ بیع نامہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ اور عداء بن خالد بن ہودہؓ کی خریداری سے متعلق ہے۔ عداء بن محمد ﷺ سے ایک غلام یا لونڈی خریدی، جس میں کوئی بیماری نہیں ہے کوئی ہڈی نہیں ہے اور کوئی برائی نہیں ہے، عداء نے اس کو اس طرح خرید لیا جس طرح ایک مسلمان ایک مسلمان سے خریدتا ہے۔“ (امام ترمذی نے اس روایت کو قتل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے)

تشریح: ”ایک غلام یا لونڈی خریدی کی“ میں لفظ ”یا“ راوی کے شک کو ظاہر کر رہا ہے، یعنی حدیث کے کسی راوی کو شک ہوا ہے کہ اس بیع نامہ میں غلام لکھا ہوا تھا یا لونڈی؟

”جس میں کوئی بیماری نہیں ہے“ میں بیماری سے مراد جنون، جذام اور کوزہ جیسے موزی امراض ہیں۔ اسی طرح ”کوئی بدی نہیں ہے“ میں بدی سے مراد وہ عیب ہے جو خریدار کے مال کے نقصان و ہلاکت کا باعث بنے جیسے غلام کا چور ہونا یا بھگوانا ہونا۔

”اور کوئی برائی نہیں ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اس کی خلقت و جبلت میں ایسی کوئی برائی نہیں ہے جس سے بڑے اور غلط افعال و افعال پیدا ہوں جیسے اس کا ولد اڑنا ہو یا غاسق یا جھوٹا اور یا جواری ہونا۔

آخری جیسے ”ایک مسلمان ایک مسلمان سے خریدتا ہے“ سے رعایت و خیر خواہی اور حقوق اسلام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی تعلیم کا یہ تقاضہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ہاتھ ہر معاملہ و عقد میں رعایت و خیر خواہی، مروت و ہمدردی اور ان حقوق کا جو ایک مسلمان کے تئیں دوسرے مسلمان پر عائد ہوتے ہیں پورا پورا لحاظ رکھے، بہر کیف مذکورہ بالا تحریر کا حاصل یہ ہوا کہ یہ غلام اچھا ہے اس میں کوئی عیب نہیں ہے، اور خرید و فروخت کے اس معاملہ میں فریقین نے ایک دوسرے کے ساتھ کوئی دغا اور فریب نہیں کیا ہے۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے کیونکہ یہ حدیث عباد ابن لیث کی سند کے علاوہ کسی سند سے ثابت نہیں ہے، نیز محدثین کے نزدیک عباد، روایت حدیث میں ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہجرت کے بعد کوئی بیع نہیں کی ہے اور اگر آپ ﷺ نے کوئی بیع کی ہے تو وہ شاذ و نادر کے درجے کی چیز ہے ہاں ہجرت سے پہلے آپ ﷺ بیع و شراء دونوں کرتے تھے۔

بخاری میں یہ حدیث یوں ہے۔ هَذَا مَا اشْتَرَى مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ خَالِدٍ (یعنی یہ بیع نامہ ہے جو عبد اللہ بن خالد سے محمد رسول ﷺ کی خریداری سے متعلق ہے) گویا بخاری کی روایت سے یہ معلوم ہوا کہ خریدار تو آنحضرت ﷺ تھے اور بیچنے والے عبد اللہ بن خالد جب کہ یہاں جو روایت نقل کی گئی ہے وہ اس کے برعکس ہے کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عبد اللہ بن خالد خریدار تھے اور آنحضرت ﷺ بیچنے والے۔

بطریق نیلام بیع جائز ہے

(۳۹) وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَاعَ جِلْسًا وَقَدْ خَافَقَالَ مَنْ يَشْتَرِي هَذَا الْجِلْسَ وَالْقَدْخَ فَقَالَ رَجُلٌ أَخَذَ هُمَا بِدُرْهِمٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَرِيدُ عَلَى دُرْهِمٍ فَأَعْظَمَهُ رَجُلٌ يَزْهَمُنِينَ فَبَاعَهُمَا جِلْسًا.

(رواہ الترمذی والبیہقی وابن ماجہ)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ بیچنے لگے تو فرمایا کہ اس ٹاٹ اور پیالہ کا خریدار کون ہے؟ (جو خریدنا چاہتا ہو وہ اس کی قیمت لگائے) ایک شخص نے عرض کیا کہ ”میں ان دونوں چیزوں کو ایک درہم کے عوض لے سکتا ہوں۔“ آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ ”ایک درہم سے زیادہ قیمت دینے والا کوئی ہے؟“ چنانچہ ایک دوسرے شخص نے آپ ﷺ کو دو درہم پیش کئے اور آپ ﷺ نے وہ دونوں چیزیں اس شخص کے ہاتھ دو درہم کے عوض فروخت کر دیں۔“ (ترمذی، البیہقی، ابن ماجہ)

تشریح: اس بیع کا اصل واقعہ یوں ہے کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ کے سامنے دست سوال دراز کیا اور یہ خواہش ظاہر کی کہ آپ ﷺ اسے کچھ عنایت فرمادیں تاکہ وہ اپنا پیٹ بھر سکے۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تمہارے پاس کچھ سامان بھی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ ”جی نہیں میرے پاس کوئی سامان نہیں ہے بلکہ ٹاٹ کا ایک ٹکڑا اور ایک پیالہ ضرور پڑا ہوا ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

پھر ان دونوں چیزوں کو بیچ دو اور اس کی قیمت کے طور پر جو کچھ وصول ہو اس سے اپنا پیٹ بھرو اس کے بعد جب تمہارے پاس کچھ بھی نہ رہ جائے تب صدقہ و خیرات مانگو، چنانچہ وہ شخص دونوں چیزیں لے آیا اور آپ ﷺ نے مذکورہ بالا طریقے پر (گویا بصورت بیلام) ان چیزوں کو فروخت فرمایا۔ بیچ کی صورت کو عربی میں ”بیع من یرید“ اور ”حراج“ کہتے ہیں شرعی طور پر یہ بیع درست ہے۔

اب رہی یہ بات کہ شارع نے چونکہ اس سے منع کیا ہے کہ کوئی شخص کسی ایسی چیز کے دام نہ لگائے جس کے دام کسی دوسرے شخص کی جانب سے لگ رہے ہوں، تو بیچ کی یہ صورت کیسے جائز ہوگی؟ تو اس بارے میں سمجھ لینا چاہئے کہ دام پر دام لگانے کی ممانعت کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ بیچنے والا اور خریدار دونوں ہی کسی ایک دام پر راضی ہو گئے ہوں اور معاملہ طے پا گیا ہو، ایسی صورت میں اب کسی دوسرے شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اس بیچ میں مداخلت کرے اور اپنی طرف سے بھی دام لگائے لگے، لیکن یہاں بیچ کی جو صورت ذکر کی گئی اس کی نوعیت بالکل دوسری ہے، اس بیچ میں تو بیچنے والے کا ارادہ ہی یہ ہوتا ہے کہ جو سب سے زیادہ دام لگائے گا اسی کو چوری جائے گی چنانچہ بیلام میں یکن ہوتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے بڑھ بڑھ کر دام لگاتے رہتے ہیں، جس شخص کی آخری بولی ہوتی ہے اُس کے ہاتھ چیز بیچ دی جاتی ہے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ معاملات یعنی بیچنے والے کا چیز دینا اور خریدار کا قیمت دے دینا کافی ہے اگرچہ وہ دونوں منہ سے کچھ نہ کہیں یعنی زبانی ایجاب قبول نہ ہو۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

عیب دار چیز دھوکے سے بیچنے والے کے لئے وعید

(۴۰) عَنْ وَائِلَةَ بْنِ الْأَسْفَعِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ بَاعَ عَيْبًا لَمْ يَتَبَهُ لَمْ يَزَلْ فِي مَقْتِ اللَّهِ أَوْ لَمْ يَزَلْ الْمَلَأِيكَةُ تَلْعَنُهُ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”حضرت وائلہ ابن اسفیع کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ رسول کریم ﷺ فرماتے تھے کہ جو شخص کسی عیب دار چیز کو اس طرح بیچے کہ ”اس کے عیب سے خریدار کو مطلع نہ کرے تو وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں رہتا ہے۔ یا یہ فرمایا کہ اس پر فرشتے ہمیشہ لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔“ (ابن ماجہ)

باب

گذشتہ باب کے تعلقات کا بیان

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

پھلہ اور درخت کی بیج کا مسئلہ

(۱) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اشْتَاَعَ أَنْ تُوَيَّرَ فَشَمَرُهَا لِلْبَائِعِ الْأَشْخَرِطِ الْمُنْتَاعِ وَهُوَ عَيْبٌ أَوْ لَهُ مَالٌ فَشَاوَهُ لِلْبَائِعِ إِلَّا أَنْ يَشْخَرِطَ الْمُنْتَاعِ وَوَيَّاهُ مُسْلِمٌ وَوَيَّاهُ الْبُخَارِيُّ الْمَغْنَى الْأَوَّلُ وَخُدَّة۔

”حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اگر کسی شخص نے تاجر کے ہوئے کمزور کا درخت خرید لیا تو اس کا پھل بیچنے والے کا ہے الا یہ کہ خریدنے والا پھل مشروط کر دے، اسی طرح اگر کسی شخص نے کوئی ایسا غلام خرید لیا جس کے پاس مال ہو تو اس کا وہ مال بیچنے والے کا ہے۔“

کا ہے۔ ”مسلم“ بخاری نے اس حدیث کا صرف پہلا جزو یعنی ”من ابنا عن خلا نقل کیا ہے۔“

تشریح: ”تاجیر“ کی صورت یہ ہے کہ کھجور کے زردخت کا پھول، کھجور کے مادہ درخت میں رکھ دیتے ہیں، عربوں کا اعتقاد تھا کہ اس وجہ سے زیادہ پھل پیدا کرتا ہے۔

حدیث بالا میں ایسے ہی درخت کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص تاجیر کیا ہو اور خت خریدے اور خریداری کے وقت اس درخت پر پھل لگے ہوئے ہوں تو وہ بیچنے والے کے ہوتے ہیں ہاں اگر خریداری خریداری کے وقت یہ سٹے کرے کہ میں اس درخت کو اس کے پھل سمیت خریدتا ہوں تو پھر وہ پھل خریدار کے ہوں گے۔ حنفیہ کے نزدیک بغیر تاجیر کئے ہوئے درخت کا بھی یہی حکم ہے۔ لیکن امام شافعی، امام مالک، امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ بغیر تاجیر کئے ہوئے درخت کا پھل بیچ میں شامل نہیں ہے بلکہ یہ میرے ہوں گے تو پھر اس صورت میں وہ بیچنے والے کے ہوتے ہیں۔

غلام چونکہ کسی مال کا مالک نہیں ہوتا اس لئے حدیث میں اس کی ملکیت کی نسبت ظاہر کے اعتبار سے ہے کہ اگر بیچ کے وقت اس کے ہاتھ میں کوئی مال ہو تو وہ مال بیچنے والے کا ہے۔ ہاں اگر خریداری اس مشروط طریقہ پر اسے خریدے کہ غلام کی خریداری میں یہ مال بھی شامل ہے جو اس کے ہاتھ میں ہے تو اس صورت میں وہ مال خریدار کا ہوگا۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ غلام کی بیچ کے وقت وہ کپڑے جو اس کے جسم پر ہوں بیچ میں داخل نہیں ہوتے الا یہ کہ خریدار ان کپڑوں سے بیچ کو مشروط کر دے، حنفیہ کے بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ کپڑے بیچ میں داخل ہوتے ہیں، بعض علماء کا یہ قول ہے کہ صرف اسی قدر بیچ میں داخل ہوتے ہیں جو ستر پوشی کے لئے کافی ہوں۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ حدیث کے ظاہر مفہوم کے مطابق اس کا کوئی بھی سامان اور سامان (یعنی کپڑے وغیرہ) کا کوئی بھی حصہ بیچ میں داخل نہیں ہوتا۔

مشروط بیچ کا مسئلہ

② وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّهُ كَانَ يَسِيرُ عَلَى جَمَلٍ لَهُ فَمَدَّ غَضِي فَمَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِ فَضَرَبَهُ فَسَازَ سَيْرًا لَيْسَ يَسِيرُ مِثْلَهُ ثُمَّ قَالَ بَعْثِي بِهِ فَبُعِثَ فَاسْتَقْبَلَتْ خَلَاتُهُ بِلَى أَهْلِي فَلَمَّا قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ أَتَيْتُهُ بِالْجَمَلِ وَفَقَدْتُهُ ثُمَّ رَأَيْتُهُ فَأَعْطَانِي ثَمَنَهُ وَزِدَّةً عَلَى ثَمَنِي وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ أَنَّهُ قَالَ لِبِلالٍ أَقْبَضَهُ وَزِدَّةً فَأَعْطَاهُ وَزَادَهُ قِيْرًا أَطْلًا۔

”اور حضرت جابرؓ کے بارہ میں مروی ہے کہ وہ (ایک سفر کے دوران جب کہ وہ مدینہ آ رہے تھے) اپنے اونٹ پر سوار چل رہے تھے اور وہ (اتنا) تھک گیا تھا (کہ مجھے سے محذور ہو رہا تھا) چنانچہ رسول کریم ﷺ جب جابرؓ کے قریب سے گزرے تو آپ ﷺ نے ان کے اونٹ کو کھڑی سے یا اس چابک سے جو آپ ﷺ کے دست مبارک میں تھا مارا پھر تو وہ (آپ ﷺ کے دست مبارک کی برکت سے) اتنی تیز رفتاری سے چلا کہ پہلے بھی اتنی تیز رفتاری سے نہ چلا تھا، پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت جابرؓ سے فرمایا کہ تم اس اونٹ کو میرے ہاتھ ایک ویرہ کے عوض بیچ دو! حضرت جابرؓ نے کہا کہ میں نے یہ اونٹ آپ ﷺ کے ہاتھ بیچ دیا لیکن میں اپنے گھرنیک اس پر سواری کو مستحق کرتا ہوں یعنی میں اس شرط کے ساتھ اس کو فروخت کرتا ہوں۔ کہ اپنے گھرنیک اسی اونٹ پر سوار ہو کہ جاؤں گا۔ چنانچہ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (جب میں مدینہ آیا تو وہ اونٹ لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ نے مجھے اس کی قیمت عطا فرمادی۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے مجھے قیمت عطا فرمائی اور اونٹ واپس کر دیا یعنی اس کی قیمت بھی دی اور اونٹ بھی عطا فرمادی (بخاری و مسلم)۔ بخاریؒ کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”جب حضرت جابرؓ نے آپ ﷺ کو اونٹ دیا تو“ آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ جابرؓ کو اونٹ کی قیمت دے دو کچھ زیادہ بھی دے دو، چنانچہ حضرت بلالؓ نے انیس اونٹ کی قیمت بھی دی۔“

ایک قیراط (چودریم کا چھٹا حصہ) ہوتا تھا زیادہ بھی دیا۔“

تشریح: دیکھ کہ جسے اوقیہ بھی کہا جاتا ہے چالیس سو روپے یعنی ساڑھے دس تولہ (۷۴۳۲۲۴ گرام) چاندی کے بقدر ہوتا ہے۔ فاسٹنسٹین حملانہ الی اہلی سے حضرت جابرؓ کا مطلب یہ تھا کہ میں اس اونٹ کو آپ ﷺ کے ہاتھ اس شرط کے ساتھ بیچتا ہوں کہ مدینہ تک اسی اونٹ پر سوار چلوں گا یا اپنا سامان لا دوں گے چلوں گا۔

لہذا اس کے ظاہر مفہوم سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنے کسی جانور کو اس شرط کے ساتھ بیچے کہ یہ جانور فلاں مدت تک میرے زیر سواری رہے گا تو جائز ہے، چنانچہ حضرت امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے، حضرت امام مالکؒ کے ہاں اتنی قید ہے۔ کہ اگر مسافت نزدیک ہو تو اس شرط کے ساتھ بیچ کرنا جائز ہے چنانچہ یہاں یہی صورت پیش آئی کہ حضرت جابرؓ کو صرف مدینہ تک جانا تھا اس لئے اس کم مسافت کی وجہ سے انہوں نے سواری کی شرط رکھی اور ان کی یہ شرط منظور کی گئی۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے ہاں وہی کسی بھی شرط کے ساتھ بیچ جائز نہیں ہے جس میں بیچنے والے کا یا خریدنے والے کا فسخ ہو خواہ مسافت قریب ہو یا بعید: ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے مشروط بیچ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اس حدیث کا جواب ان کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ یا تو یہ ایک وقتی رعایت تھی کہ حضرت جابرؓ کو اس مشروط بیچ کی بطور خاص اجازت دے دی گئی تھی کسی دوسرے کے لئے یہ جائز نہیں ہے، یا پھر یہ کہ حضرت جابرؓ نے مدینہ تک اپنی سواری کو بیچ کرنے کے بعد مشروط کیا ہوگا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے اونٹ کی بیچ کر دی اور آنحضرت ﷺ نے اسے خرید لیا تو اس کے بعد حضرت جابرؓ نے آپ ﷺ سے یہ رعایت چاہی کہ مجھے مدینہ تک اس پر سوار چلنے یا اپنا سامان لا دینے کی اجازت دیدی جائے جسے آنحضرت ﷺ نے منظور کر لیا۔

حق و لاء آزاد کرنے والے کو حاصل ہوتا ہے

(۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ بَرِيرَةَ فَقَالَتْ اِنِّي كَاتِبْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ فِي كُلِّ غَنَامٍ وَفِيَّةً فَاَعْيَبَنِي فَقَالَتْ عَائِشَةُ اِنْ اَحَبَّ اَهْلُكَ اَنْ اَعْذَهَا لَهُمْ غَدَةً وَاحِدَةً وَاَعْيَقَكَ فَعَلْتُ وَيَكُونُ وَلَا يَكُنْ لِي فَقَدْ هَبْتُ اِلَى اَهْلِهَا فَاتَوَّأُوا اِلَّا اَنْ تَكُونُ الْوَلَاءُ لَهُمْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلِّئِيهَا وَاعْيَبِيهَا ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ النَّاسُ فَحَمِدَ اللَّهُ وَأَنَّى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَمَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللَّهِ مَا كَانَ مِنَ شُرُوطِ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَهَبُوا تَجْلُوا وَإِنْ كَانَ مِثْلُ شُرُوطِ فَقَضَاءُ اللَّهِ أَحَقُّ وَشُرُوطُ اللَّهِ أَتَوْقُّ وَالْمَا الْوَلَاءُ لَيْسَ اَعْتَقَ۔

(بخاری)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (ایک دن) بریرہ میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میں نے نو اوقیہ پر اس شرط کے ساتھ مکتات کی ہے کہ ہر سال ایک اوقیہ ادا کیا کروں گی، لہذا آپ میری مدد کیجئے! حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ یہ سن کر میں نے کہا کہ ”اگر تمہارے اہلکوں کو یہ پسند ہو کہ میں سب کے سب اوقیہ ایک ہی مرتبہ میں انہیں دیدوں اور پھر مجھے آزاد کر دوں تو ایسا کر سکتی ہوں لیکن اس صورت میں حق و لاء مجھے حاصل ہوگا۔ بریرہ (یہ سن کر) اپنے لگوں کے پاس گئی (اور ان کے سامنے یہ صورت رکھی) مگر انہوں نے اسے نامنظور کر دیا اور کہا کہ ہم صرف اس شرط کے ساتھ (مجھے) بیچ سکتے ہیں کہ حق و لاء ہمیں حاصل ہو، آنحضرت ﷺ (کو جب اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ تم اسے نیکر آزاد کر دو اس کا حق و لاء تمہیں ہی حاصل ہوگا پھر آپ ﷺ نے لوگوں کے سامنے خُطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر کے بعد فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسی شرطیں کرتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں (یعنی مشروع نہیں ہیں) جو شرط کتاب

اللہ میں نہیں ہے وہ باطل ہے اگرچہ وہ سوشلٹیں ہوں (یعنی جو شرط ناجائز و نامشروع ہے اسے چاہے کوئی سوہوہ ابارہی کیوں نہ عائد کرے وہ باطل ہی رہے گی اور اس کی کوئی حیثیت نہیں رہے گی) اور خدا ہی کا حکم سب سے زیادہ اس لائق ہے کہ اس پر عمل کیا جائے اور اللہ تعالیٰ ہی کی شرط سب سے زیادہ مضبوط ہے (یعنی بیخ و براء کے معاملات میں خدا نے جو احکام دیئے ہیں ہر صورت ان ہی کی تعمیل ضروری ہے اور خدا نے جو شرائط مقرر ہیں صرف انہی کا لحاظ ضروری ہے اپنی طرف سے عائد کردہ کوئی شرط بھی قابل عمل نہیں ہوگی۔ جان لو، حق و لاء اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو آزاد کرے۔) (بخاری و مسلم)

تشریح: ”مکاتبت“ غلام اور اس کے مالک کے درمیان ایک خاص نوعیت کے معاملہ کا اصطلاحی نام ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ غلام کا مالک اسے اس شرط پر آزاد کرتا ہے کہ روپیہ کی اتنی مقدار اتنی مدت میں دینی ہوگی غلام اسے قبول و منظور کر لیتا ہے چنانچہ غلام اگر روپیہ کی وہ مقدار اس متعین مدت میں ادا کر لیتا ہے تو اپنے مالک کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے اور اگر وہ مقدار ادا نہیں کر پاتا تو پھر جوں کا توں اس کی غلامی میں رہتا ہے! اس معاملہ کو مکاتبت یا کاتبت اور اس غلام کو مکاتب کہتے ہیں۔

”ولاء آزاد کرنے کے اس حق کو کہتے ہیں جو غلام کے مالک کو حاصل ہوتا ہے“ یعنی اگر کوئی شخص اپنے کسی غلام کو آزاد کر دے اور وہ آزادی ہی کی حالت میں مرجائے اور اپنے پیچھے کچھ مال و اسباب چھوڑ جائے تو اس کے عصبہ کے نہ ہونے کی صورت میں اس کے تمام مال و اسباب کا حق واروثی آزاد کرنے والا نہیں ہوتا ہے بلکہ حق و لاء کہلاتا ہے۔

بریرہ، حضرت عائشہؓ کی لونڈی کا نام ہے، یہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں آنے سے پہلے ایک یہودی کی ملکیت میں تھیں جب انہوں نے اپنے مالکوں سے کتابت کی، تو وہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ان سے کہا کہ میں نے اپنے مالکوں سے نو اوقیہ پر اس شرط کے ساتھ کتابت کی ہے کہ ہر سال ایک اوقیہ (جو چالیس درہم کا ہوتا ہے) بویا کروں گی، اب میں آپ کے پاس اس لئے آئی ہوں کہ آپ میری مدد کریں اور مجھے اتنا دے دیں جو میں بدل کتابت کے طور پر اپنے مالکوں کو دیدوں، حضرت عائشہؓ نے کہا کہ اگر تمہارے مالکوں کو پسند ہو تو میں یہ کر سکتی ہوں کہ انہیں یہ نو اوقیہ یک مشت (تمہاری قیمت کے طور پر) انہیں دے دوں اور تمہیں خرید کر آزاد کر دوں (اگر مکاتب بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو تو اسے بیچنا خریدنا جائز ہے) ظاہر ہے کہ اس صورت میں تمہاری طرف سے حق و لاء بھی ہی حاصل ہو گا۔ لیکن جب یہ بات بریرہ کے مالکوں کو پہنچی تو انہوں نے اس سے انکار کر دیا کیوں کہ وہ بریرہ کو حضرت عائشہؓ کے ہاتھ اس شرط پر فروخت کرنا چاہتے تھے کہ بریرہ کا حق و لاء ان کو حاصل ہو، چونکہ ان کی یہ شرط کہ بریرہ کو خرید کر آزاد تو کریں عائشہؓ اور حق و لاء پہنچے ان کو بالکل نادانی کی بات تھی اور شرعی طور پر مطلقاً ناجائز، اس لئے جب حضرت عائشہؓ نے اس کا تذکرہ آنحضرت ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ ناراض ہوئے اور حدیث میں مذکورہ کلمات ارشاد فرمائے۔

حق و لاء کو بیچنا یا اس کو ہبہ کرنا ناجائز ہے

(۴) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَعَنْ هَبْيَبَةَ (بخاری طبع)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ولاء کو بیچنے یا اس کو ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یعنی مثلاً ایک شخص نے اپنے غلام کو آزاد کیا جس کی وجہ سے حق و لاء اس کے لئے ثابت ہو گیا، اب اگر وہ یہ چاہے کہ اس حق و لاء کو کسی کے ہاتھ بیچ دے یا کسی کو ہبہ کر دے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ ولاء کوئی مال نہیں ہے کہ اس کو بیچنا یا ہبہ کیا جاسکے اس بارہ میں تمام علماء کا متفقہ طور پر یہی مسلک ہے۔

الْفَضْلُ الثَّانِي

جو نقصان کا ذمہ دار ہے وہی نفع کا بھی حق دار ہے

⑤ عَنْ مُخْلَبِ بْنِ خُفَّالٍ قَالَ ابْتِغَتْ غَلَامًا فَاسْتَفْلَلْتُهُ ثُمَّ ظَهَرْتُ مِنْهُ عَلَى غَيْبٍ فَخَاصَمْتُ فِيهِ إِلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ فَقَضَى لِي بِرَدِّهِ وَقَضَى عَلَيَّ بِرَدِّ غَلِيْبِهِ فَأَتَيْتُ عَزْرَةَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ أَرَأَيْكَ الْغُصْبَةَ فَأَجَبْتُهُ أَنَّ غَابِشَةً أَخْبَرْتَنِي أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى لِي مِثْلَ هَذَا أَنَّ الْخَزَاجَ بِالضَّمَانِ فَرَأَخَ إِلَيْهِ عَزْرَةُ فَقَضَى لِي أَنَّ اخُذَ الْخَزَاجِ مِنَ الذَّيْنِ قَضَى بِهِ عَلَيَّ لَعَزْرَتِهِ فِي شَرْحِ الشُّعْبَةِ.

”حضرت ظہد ابن خفّال کہتے ہیں کہ میں نے ایک غلام خرید جس کی کمائی میں وصول کرتا رہا پھر مجھے اس کے ایک ایسے عیب کا علم ہوا جو اس میں خریداری سے پہلے تھا اور بیچنے والے نے مجھے اس سے مطلع نہیں کیا تھا چنانچہ اس غلام کے معاملہ کو میں نے حضرت عمر ابن عبدالعزیزؓ (خلیفہ وقت) کی خدمت میں پیش کیا انہوں نے مجھے یہ فیصلہ سنایا کہ غلام کو واپس کر دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی اس کی کمائی بھی واپس کر دی جائے۔ پھر میں حضرت عروہ ابن زبیرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا (جو ایک جلیل القدر تابعی اور فقہاء میں سے تھے) اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے فیصلہ سے انہیں آگاہ کیا حضرت عروہؓ نے فرمایا کہ میں شام کے وقت حضرت عمر ابن عبدالعزیزؓ کی خدمت میں جاؤں گا اور ان کو بتاؤں گا کہ حضرت عائشہؓ نے مجھ سے یہ نقل کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اُسی قسم کے ایک معاملہ میں یہ فیصلہ دیا تھا کہ ”منفعت“ ضمان (یعنی تاوان) کے ساتھ ہے چنانچہ حضرت عروہؓ، حضرت عمر ابن عبدالعزیزؓ کے پاس تشریف لے گئے (اور ان کو آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد بے مطلب کیا، حضرت عمر ابن عبدالعزیزؓ نے (یہ ارشاد گمراہی سننے کے بعد) پھر مجھے یہ حکم دیا کہ میں غلام کی کمائی اس شخص سے لے لوں جسے دینے کے لئے مجھے پہلے حکم دیا گیا تھا۔“ (شرح المست)

تشریح: ”منفعت“ ضمان (یعنی تاوان) کے ساتھ ہے ”کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اگر وہ غلام، خریدنے والے کے پاس مرجاتا یا اس میں کوئی نقص پیدا ہو جاتا تو ظاہر ہے کہ اس خریدار کا نقصان ہوتا بیچنے والے کا کچھ نہ جاتا یا اس طرح غلام سے کوئی منفعت حاصل ہوگی تو اس کا حقدار خریداری ہو گا بیچنے والے کا اس پر کوئی حق نہیں ہو گا۔“

بالغ و مشتری کے نزاع کی صورت میں کس کا قول معتبر ہوگا

⑥ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خْتَلَفَ الْبَيْعَانِ فَالْقَوْلُ النَّابِعِ وَالْمُبْتَاعِ بِالْخِيَارِ وَرَوَاهُ الْقَزَّيْنِيُّ - وَلَيْسَ بِرِوَايَةِ ابْنِ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيِّ قَالَ الْبَيْعَانِ إِذَا اخْتَلَفَا وَالْمُبْتَاعِ قَائِمٌ بَعَيْنِهِ وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا بَيِّنَةٌ فَالْقَوْلُ مَقَالِ النَّابِعِ أَوْ يَتَرَدَّدَانِ الْبَيْعُ - (ترمذی)

”اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب خریدار اور بیچنے والے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس صورت میں بیچنے والے کا قول معتبر ہوگا اور خریدار کو صحیح کر دینے یا باقی رکھنے کا اختیار حاصل ہوگا“ (ترمذی) ابن ماجہؓ اور دارمیؓ کی روایت میں یوں ہے کہ ”آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب خریدار بیچنے والے کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے اور بیچ (یعنی خریدی) جانے والی چیز جنوں کی توں ہوتی ہو اور ان دونوں کے درمیان کوئی گواہ نہ ہو تو اس صورت میں بیچنے والے کا قول معتبر ہوگا یا پھر وہ دونوں بیع کو فسخ کر دیں۔“ (ترمذی)

تشریح: خریدار بیچنے والے کے درمیان زیادہ اوقات اختلاف و نزاع کی صورت پیدا ہو جاتی ہے کبھی تو یہ اختلاف و نزاع قیمت کے تعین کے سلسلہ میں پیدا ہوتا ہے کہ خریدار کہتا ہے میں نے تم سے اس چیز کا معاملہ دس روپے میں طے کیا ہے اور بیچنے والا کہتا ہے کہ نہیں میں

نے یہ چیز بارہ روپے میں فروخت کی ہے، شرط خیار یا یقین مدت میں اختلاف ہو جاتا ہے اور کبھی ان کے علاوہ دیگر شروط میں نزاع کی صورت پیدا ہو جاتی ہے ایسے ہی مواقع کے لئے حدیث نے واضح ہدایات کی ہے کہ ان صورتوں میں بیچنے والے کا قول معتبر ہو گا بشرطیکہ اس کا قول قسم کے ساتھ ہو یعنی اس سے کہا جائے گا کہ تم قسم کھاؤ کہ تم نے یہ چیز اس قیمت پر نہیں بیچی ہے جو خریدار تیار رہا ہے۔ پھر خریدار کو اختیار ہو گا کہ چاہے تو بیچنے والے کی اس بات پر راضی ہو جائے جو اس نے قسم کھا کر کہی ہے اور بیچ کو برقرار رکھے اور چاہے وہ بھی قسم کھائے اور کہے کہ میں نے یہ چیز اس قیمت پر نہیں خریدی ہے جو بیچنے والا بتا رہا ہے اور جب دونوں اپنی اپنی بات پر قسم کھائیں گے تو ان کا معاملہ اسی صورت میں باقی رہے گا جب کہ ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی بات کو تسلیم کر لے گا، اگر ان میں سے کوئی بھی اپنے دوسرے فرق کی بات کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہو گا تو پھر آخری درجہ پر قاضی و حاکم کو اختیار ہو گا کہ وہ اس بیچ و معاملہ کو کس طرح کرادے خواہ بیچ (فروخت شدہ چیز) بعینہ باقی ہو یا بعینہ باقی نہ ہو جیسا کہ حضرت امام شافعی کا مسلک ہے لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ یہ کہتے ہیں کہ اگر بیچ باقی نہ ہو تو پھر دونوں فرق قسم نہ کھائیں بلکہ اس صورت میں خریدار کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہو گا۔

حدیث کے الفاظ اَلْمُبِيعُ قَائِمٌ اِنْ دُونَهُ كَقَوْلِ الْتَائِدِ كَرْتِیْ ہیں چنانچہ دوسری روایت (جسے ابن ماجہؒ اور دارمیؒ نے نقل کیا ہے) کے الفاظ فَاَلْقُولُ مَا قَالِ الْبَائِعُ (تو اس صورت میں بیچنے والے کا قول معتبر ہو گا) کا مطلب بھی حنفی مسلک کے مطابق یہ ہی ہے کہ اگر بیچ بعینہ باقی ہو تو بیچنے والے نے قسم کھائی جائے اگر وہ قسم کھالے تو خریدار کو اختیار ہو گا کہ چاہے تو بیچنے والے کی بات کو تسلیم کر دے اور چاہے خود بھی قسم کھائے یا پھر دونوں فرق بیچ کو فسخ کر دیں اور اگر اختلاف و نزاع کے وقت بیچ بعینہ باقی نہ ہو تو پھر اس صورت میں قسم کے ساتھ خریداری کا قول معتبر ہو گا بیچنے والے سے قسم نہ کھائی جائے۔

یہ مسلک یہاں اجمالی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ ہدایہ میں اسے بہت وضاحت و تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اہل علم ہدایہ میں یہ تفصیل دیکھ سکتے ہیں۔

اقالہ بیچ کا مسلک

(۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَقَالَ مُسْلِمًا أَقَالَهُ اللَّهُ عَزَّ وَتَعَالَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ زَوَاهِ أَلْوَدَاؤُهُ وَأَنْتُمْ مُنَاجَةٌ وَلَمْ يَنْشَرْهُ الشَّيْءُ بِلَفْظِ الْمَصَابِيحِ عَنْ شَرِيحِ الشَّامِيِّ مَوْسَلًا۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص مسلمان کی بیچ کو داہیں کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گناہ بخش دے گا“ (ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ) اور شرح السنہ میں یہ روایت ان الفاظ میں ذکر کی گئی ہے جو مصابیح میں شرح شامی سے بطریق ارسال منقول ہیں۔“

تشریح: ”اقالہ کا مطلب ہے“ بیچ کو داہیں کر دینا یعنی فتح کرنا۔ شرح السنہ میں لکھا ہے کہ بیچ اور سلم میں قبل قبضہ بھی اور بعد قبضہ بھی اقالہ جا کر ہے۔

اس روایت کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے متصل نقل کیا ہے اسی طرح حاکم نے بھی اس روایت کو حضرت ابو ہریرہؓ سے متصل ہی نقل کیا ہے لیکن مصابیح میں یہ روایت بطریق ارسال ان الفاظ میں منقول ہے مَنْ أَقَالَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ صَفْقَةً كَرِهَهَا أَقَالَ اللَّهُ عَزَّ وَتَعَالَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ (جو شخص مسلمان کی کسی ناپسندیدہ بیچ کو داہیں کر دے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گناہ بخش دے گا) چنانچہ مؤلف مشکوٰۃ نے روایت کے آخری الفاظ کے ذریعہ گویا مصابیح کے مصنف علامہ بیہقیؒ پر اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب مصابیح میں اولیٰ کو ترک کیا ہے بایں طور کہ ابوداؤد و ابن ماجہ کی نقل کردہ یہ متصل روایت تو نقل نہیں کی بلکہ حدیث مرسل نقل کی ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

ایک سبق آموز واقعہ

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرَى رَجُلٌ مِغَنَ سَكَنَ فَبَلَكَكُمْ عَقَارًا مِنْ رَجُلٍ فَوَجَدَ الْبُلَى اشْتَرَى الْعَقَارَ فِي عَقَارِهِ جَزْءٌ فَبَيَّهَا فَذَبْتَ فَقَالَ لَهُ الَّذِي اشْتَرَى الْعَقَارَ خُذْ هَذِهِكَ عَيْنَ إِنَّمَا اشْتَرَيْتَ الْعَقَارَ وَلَمْ أَتَبِعْ مِلْكَ اللَّهِ ذَبْتَ فَقَالَ بَائِعُ الْأَرْضِ إِنَّمَا بَيْعْتُكَ الْأَرْضَ وَمَا فِيهَا فَفَتَحَا كَمَا إِلَى رَجُلٍ فَقَالَ الَّذِي تَحَا كَمَا إِلَيْهِ الْكُفَا وَلَهُ فَقَالَ أَخَذَهُمَا لِي عِلَامٌ وَقَالَ الْأَخْزَلُ جَارِيَةً فَقَالَ انْكِحُوا الْعِلَامَ الْجَارِيَةَ وَانْفِقُوا عَلَيْهَا مِنْهُ وَتَصَدَّقُوا - (متفق علیہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ تم سے پہلے (زمانہ کے) لوگوں میں سے ایک شخص نے ایک دوسرے شخص سے زمین کا ایک قطعہ خریدا اور اس کو اپنے قصور میں لایا اتفاق کی بات کہ جس شخص نے زمین خریدی تھی اس نے اپنی اس خرید کردہ زمین میں ایک ایسا ٹھکانا یا جس میں سونا بھرا ہوا تھا اس نے زمین بیچنے والے سے کہا کہ تم اپنا یہ سونا لے لو کیونکہ میں نے تو صرف زمین خریدی تھی یہ سونا میں نے نہیں خریدا تھا بیچنے والے نے کہا کہ میں نے تمہارے ہاتھ صرف زمین ہی نہیں بیچی بلکہ ہر وہ چیز بیچ دی تھی جو اس زمین میں ہے ”اس لئے یہ سونا بھی تمہارا ہے اسے تم ہی رکھو خریداری اس پر تیار نہیں ہوا) یہاں تک کہ دونوں اپنا معاملہ ایک شخص حکم و ثالث کے پاس لے گئے جس نے حکم لے (واقعہ کی تفصیل سن کر) ان دونوں سے پوچھا کہ تم دونوں کے ہاں اولاد کیا ہے؟ ان میں سے ایک نے تو کہا کہ میرے ہاں لڑکا ہے اور دوسرے نے کہا کہ میرے ہاں لڑکی ہے۔ حکم نے یہ (سن کر) کہا کہ اس لڑکے کا نکاح لڑکی سے کر دو اور اس سونے کو اس دونوں پر خرچ کرو اور پھر جو کچھ بچے اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کر دو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ کا ہے جیسا کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ ان دونوں نے جس شخص کو اپنا حکم و ثالث بنایا تھا وہ حضرت داؤد علیہ السلام تھے، چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے صدور فیصلہ میں نکال دیا ثبوت و دلائل کا ثبوت دیا اور ایسا معتدل و معقول فیصلہ دیا کہ جو نبوت ہی کا خاصہ ہو سکتا ہے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بیچنے والے اور خریدنے والے کے درمیان صلح صفائی کرانے کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔ نیز علماء لکھتے ہیں کہ..... مخالف اشخاص میں صلح کرنا قاضی و حاکم کے لئے اسی طرح مستحب ہے جس طرح غیر قاضی کے لئے مستحب ہے۔

بَابُ السَّلَامِ وَالرَّهْنِ

بیع سلم اور رهن کا بیان

”سلم“ ایک بیع کا نام ہے جس میں بیع موبل اور رهن منقول ہوتا ہے، یعنی خریدی جانے والی چیز بعد میں لی جاتی ہے اور اس کی قیمت پہلے ہی دی جاتی ہے۔

اس کو مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ زید نے بکر سے مثلاً ایک سو سو روپے کے عوض دو من گھیوں کی خریداری کا معاملہ کیا، ہاں طور کہ زید نے بکر کو ایک سو سو روپے دیدے اور اس سے طے کر دیا کہ میں اتنی مدت کے بعد اس کے عوض غلاں قسم کے دو من گھیوں تم سے لے لوں گا۔ اس بیع و معاملہ کو عربی میں ”سلم“ کہتے ہیں، بعض مواقع پر ”سلف“ بھی کہا جاتا ہے، اپنی زبان میں اسے ”بدھنی“ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس بیع کے مشتری یعنی خریدار کو عربی میں ”حرب سلم“ رهن یعنی قیامت کو ”راس المال“ مانع یعنی بیچنے والے کو ”سلم الید“

اور بیع یعنی خریدی جانے والی چیز کو "مسلم فیہ" کہتے ہیں۔

یہ بیع شرعی طور پر جائز و درست ہے بشرطیکہ اس کی تمام شرائط پائی جائیں اور تمام شرائط کی تعداد سولہ ۱۶ ہے اس طرح کہ چھ شرطوں کا تعلق تو اس المال یعنی قیمت سے ہے اور دس شرطوں کا تعلق مسلم فیہ یعنی بیع سے ہے۔

اس المال سے متعلق چھ شرطیں یہ ہیں:

① جنس کو بیان کرنا یعنی یہ واضح کر دینا کہ یہ درہم ہیں یا دینار ہیں یا شریاں ہیں۔ اور یا روپے ہیں۔

② نوع کو بیان کرنا یعنی یہ واضح کر دینا کہ یہ روپے چاندی کے ہیں یا گلت کے ہیں یا نوٹ ہیں۔

③ صفت کو بیان کرنا یعنی یہ واضح کر دینا کہ روپے کھرے ہیں یا کھونے ہیں۔

④ مقدار کو بیان کرنا یعنی یہ واضح کر دینا کہ یہ روپے سو ۱۰۰ ہیں یا دو سو ۲۰۰ ہیں۔

⑤ روپے نقد دینا وعدہ پر نہ رکھنا۔

⑥ اور جس مجلس میں معاملہ طے ہوا اس مجلس میں بیچنے والے کا اس المال پر قبضہ کر لینا۔

مسلم فیہ سے متعلق دس شرطیں یہ ہیں:

① جنس کو بیان کرنا مثلاً یہ واضح کر دینا کہ مسلم فیہ گھیوں ہے یا چھ ہے اور یا چنا ہے۔

② نوع کو بیان کرنا یعنی یہ واضح کر دینا کہ گھیوں فلاں قسم یا فلاں جگہ کے ہیں۔

③ صفت کو بیان کرنا یعنی یہ واضح کر دینا کہ مثلاً گھیوں اچھے ہیں یا خراب ہیں۔

④ مسلم فیہ کی مقدار کو واضح کرنا کہ مثلاً ایک من ہیں یا دو من ہیں۔

⑤ مسلم فیہ کا وزنی یا کبلی یا ذری یا عددی ہونا تاکہ اس کا حقین و دائرہ کیا جاسکے۔

⑥ مدت کو بیان کرنا یعنی یہ واضح کر دینا کہ یہ چیز اتنی مدت کے بعد مثلاً ایک مہینہ یا دو مہینہ میں یا چار مہینے میں لیں گے لیکن یہ بات ملحوظ

رہے کہ کم سے کم مدت ایک مہینہ ہونی چاہئے۔

⑦ مسلم فیہ کا موقوف و معدوم نہ ہونا یعنی یہ ضروری ہے کہ مسلم فیہ عقد کے وقت سے ادائیگی کے وقت تک بازار میں برابر مل سکے تاکہ

معدوم کی بیع لازم نہ آئے۔

⑧ بیع مسلم کا معاملہ بغیر شرط خیار کے طے ہونا، یعنی اس بیع میں خیار بیع کو برقرار رکھنے یا فسخ کر دینے کے اختیار کی شرط نہیں ہونی چاہئے۔

⑨ اگر مسلم فیہ ایسی وزن دار چیز ہے جس کی بار بار واری وینا پڑے تو اس کے دینے کی جگہ کو حقین کرنا یعنی یہ واضح کر دینا کہ میں یہ چیز فلاں

جگہ یا فلاں مقام پر دوں گا۔

⑩ مسلم فیہ کا ایسی چیز ہونا جو جنس، نوع اور صفت بیان کرنے سے متعین و معلوم ہو جاتی ہو، جو چیز ایسی ہو کہ جنس، نوع اور صفت بیان

کرنے سے معلوم و متعین نہ ہوئی ہو جیسے حیوان یا بعض قسم کے کپڑے تو اس میں بیع مسلم جائز نہیں۔

بیع مسلم کی شرائط صحت

① عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَهُمْ يُسْلِفُونَ فِي الْبَيْعِ الشَّئَ وَالشَّئَيْنِ وَالثَلَاثَ فَقَالَ مَنْ أَسْلَفَ فَنِ شَيْءٍ فَلْيَسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَغْلُومٍ وَوَزْنٍ مَغْلُومٍ إِلَى أَجَلٍ مَغْلُومٍ۔ (ترمذی علیہ)

"حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ (جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو، اہل مدینہ پھلوں میں ایک ساں دو ساں، تین سال کی بیع مسلم کیا کرتے تھے یعنی پیشگی قیمت دیکر کہہ دیا کرتے تھے کہ ایک سال یا دو سال یا تین سال کے بعد پھل پہنچاؤں گا)

چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کہ جو شخص کسی چیز کی بیع مسلم کرے اسے چاہئے کہ معین بیانہ معین وزن اور معین مدت کے ساتھ مسلم کرے۔“
(بخاری مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس چیز کی بیع مسلم کی جارہی ہو اگر وہ بیانہ سے ناپ کر لی دی جاتی ہے تو اس کا بیانہ متعین کرنا ضروری ہے کہ یہ چیز وزن سے یا پاندہر سے بیان ہو اور اگر وہ چیز وزن کے ذریعہ لی دی جاتی ہے تو اس کا وزن متعین کرنا ضروری ہے کہ یہ چیز وزن سے ہوگی یا پاندہر سے، اسی طرح مسلم میں خریدی جانے والی چیز کی ادائیگی کی مدت کا معین بھی ضروری ہے کہ یہ چیز مثلاً ایک ماہ بعد دی جائے گی یا ایک سال بعد۔

اس حدیث کا ظہری منہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بیع مسلم میں مدت کا تعین بیع کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے جیسا کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا مسلک ہے لیکن حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تعین مدت ضروری اور شرط نہیں ہے۔

ادھار خریدنا اور گروی رکھنا جائز ہے۔

(۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اشْتَرَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثًا مِنْ يَهُودٍ إِلَى أَحَلٍ وَزَهْنَةُ دُزْغَالَهُ مِنْ حَذَلِيلٍ۔ (بخاری مسلم)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے کچھ غلہ ایک متعین مدت کے ادھار پر خریدا اور اپنے لوہے کی زرہ اس کے پاس گروی رکھی۔“ (بخاری مسلم)

تشریح: اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے اول یہ کہ کوئی چیز ادھار قیمت پر خریدنا اور اس ادھار قیمت کے بدلے اپنی کوئی چیز رہن رکھنا جائز ہے۔ دوم یہ کہ سفر کے علاوہ حضر (یعنی اپنے شہر و مسکن) میں بھی رہن رکھنا جائز ہے اگرچہ قرآن کریم نے جس آیت میں رہن رکھنے کی اجازت دی ہے اس میں سفر کی قید ہے اور وہ آیت یہ ہے وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ۔ (۱) قرہ (۲۸:۲۷) یعنی اگر تم کہیں سفر میں ہو اور وہاں دستاویز لکھنے کے لئے کوئی کاتب نہ پاؤ تو (اطمینان کا ذریعہ) رہن رکھنے کی چیزیں (ہیں) جو (صاحب حق کے) قبضہ میں دے دی جائیں۔

چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ اس آیت میں سفر کی قید محض اتفاق ہے، رہن رکھنا جس طرح سفر میں جائز ہے اسی طرح حضر میں بھی جائز ہے اور سوم یہ کہ (اہل ذمہ) اسلامی سلطنت میں جزیہ دے کر رہنے والے، اہل کتاب جیسے یہود و نصاریٰ کے ساتھ معاملات کرنے جائز ہیں چنانچہ تمام علماء کا بالاتفاق یہ مسلک ہے کہ اہل ذمہ اور کفار سے خرید و فروخت کا معاملہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ ان کے پاس جو مال ہے اس کا حرام نہ ہو ناقت و مظلوم ہو، لیکن اہل حرب کے ساتھ مسلمانوں کا تھیاریا مسلمان جنگ جیتا جائز نہیں ہے اسی طرح مطلقاً کسی بھی کافر کے ہاتھ ایسی کوئی چیز بیچنی یا خریدنی نہیں ہے جو اس کے دین و مذہب کی تقویت کا باعث ہو، نیز کفار کے ہاتھ مسلمانوں کا مصحف شریف (قرآن کریم) اور غلام بیچنا بھی جائز نہیں ہے۔

علامہ نوویؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث بڑی وضاحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ دنیا کا مال و اسباب نہیں رکھتے تھے اور یہ ننگ دستی و قلت مال آپ کی شانِ استغناء و توکل علی اللہ اور مال و زر سے آپ کی کلیۃً برہنیت کی ایک واضح مثال ہے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اہل ذمہ کے پاس مسلمانوں کا سامان جنگ گروی رکھنا جائز ہے نیز آپ ﷺ کے اس عمل یعنی گروی رکھنے کا یہ معاملہ آپ ﷺ نے ایک یہودی سے کیا صحابہؓ سے نہیں کیا۔ کے بارہ میں بعض علماء تو یہ کہتے ہیں کہ یہ شاید بیان جواز کی خاطر تھا یعنی اپنے اس عمل کے ذریعہ آپ ﷺ نے یہ واضح کیا کہ اہل ذمہ کے ساتھ بھی اپنے معاملے کرنا جائز ہے، اور بعض علماء

یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہودی کے ساتھ یہ معاملہ اس لئے کیا کہ اس وقت اپنی حاجت و ضرورت سے زیادہ غنہ یہودیوں کے علاوہ اور کسی کے پاس نہیں تھا۔

۳۰) وَعَنْهَا قَالَتْ تَوَفَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذُرْعُهُ مَرْهُونَةٌ عِنْدَ يَهُودِيٍّ بِشَلَاتَيْنِ صَاعَيْنِ شَعِيرٍ۔

(رواہ البخاری)

”اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کا اس حال میں وصال ہوا ہے کہ آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو کے بدلے گروی رکھی ہوئی تھی۔“ (بخاری)

انتفاع رہن کا مسئلہ

۳۱) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظَّهْرُ يَرْكَبُ بِتَفْقِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا وَلَيْسَ الدَّرُّ يَشْرَبُ بِتَفْقِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا وَعَلَى الذَّيْنِ يَرْكَبُ وَيَشْرَبُ التَّفَقُّهُ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر سواری کی جائے تو اس پر جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے اس کے بدلے میں اس پر سواری کی جاسکتی ہے اور اگر دودھ والا جانور گروی ہو تو اس پر جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے اس کے بدلے اس کا دودھ پیا جائے اور جو شخص سواری کرے اور دودھ پئے وہ اس کے مصارف کا ذمہ دار ہے۔“ (بخاری)

تشریح: حدیث کے پہلے جزو کی وضاحت کے جنس میں حاطی قادی نے جو مسئلہ لکھا ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا کوئی جانور کسی کے پاس رہن رکھے تو اس جانور کے مصارف مثلاً دانہ و چارہ وغیرہ کا بارچونکر راہن پر ہوتا ہے۔ اسے باربرداری کے کام میں لانے چنانچہ حضرت امام اعظمؒ ابو حنیفہ اور حضرت امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے۔

لیکن حضرت شیخ عبدالحیؒ نے حدیث کے آخری جملہ و علی الذی یربک ویشرب التفقہ (اور جو شخص سواری کرے اور دودھ پئے وہی مصارف کا ذمہ دار ہے) کے تحت یہ لکھا ہے کہ جو شخص گروی رکھے ہوئے جانور پر سوار ہو گیا اس کا دودھ پئے گا وہی اس کے مصارف کا بھی ذمہ دار ہو گا خواہ وہ راہن ہو یا مرتن، تو یہ مطلب یہ ہوا کہ اگر مرتن اپنے پاس گروی رکھے ہوئے جانور کا گھاس دانہ کرتا ہے اور اس کے مصارف برداشت کرتا ہے تو وہ اس جانور کو اپنے مصرف میں لاسکتا ہے اور اس کا دودھ پی سکتا ہے اور اگر راہن اس جانور کا (کہ جسے اس نے مرتن کے پاس گروی رکھا ہے) گھاس دانہ کرتا ہے اور اس کے مصارف برداشت کرتا ہے تو پھر اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس جانور کو اپنے استعمال میں لائے اور اس کا دودھ پئے۔

حضرت شیخؒ کی اس وضاحت کی روشنی میں حدیث کا یہ مطلب ہو گا کہ مرتن کو گروی رکھے ہوئے جانور سے نفع اٹھانا اور اس کے مصارف برداشت کرنا جائز ہے حالانکہ اکثر علماء اس کے برخلاف ہیں۔ چنانچہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ مرتن کے لئے یہ قطعاً حرام نہیں ہے کہ وہ اپنے پاس گروی رکھی ہوئی چیز سے نفع حاصل کرے اور یہ کہ گروی رکھی ہوئی چیز کا نفع (جیسے جانور کا گھاس دانہ) راہن کے ذمہ ہے، مرتن کے لئے رہن سے نفع حاصل کرنا اس لئے جائز ہے کہ یہ بالکل کھلا ہوا مسئلہ ہے کہ جو قرض نفع لانے کے لئے حرام ہے اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ یہ حدیث آگے آنے والی حدیث کے ذریعہ مشروخ ہے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

شے مرہون، راہن کی ملکیت سے باہر نہیں ہوتی

۵) عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَغْلِقُ الرَّهْنُ الرَّهْنَ مِنْ صَاحِبِهِ الَّذِي زَهَنَهُ لَهُ

غُفْمُهُ وَعَلَيْهِ عَزْمُهُ۔ زَوَاهُ الشَّافِعِيُّ فَرَسًا وَزَوَى مِثْلَهُ أَوْ مِثْلُ مِثْلَهُ لَا يُخَالِفُهُ غَنَةً عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مُتَّصِلًا۔

”حضرت سعید ابن مسیب (تائلی) کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کسی چیز کو گردی رکھنا مالک کو کہ جس نے وہ چیز گردی رکھی ہے (ملکیت سے) انہیں روکتا (یعنی کسی چیز کو گردی رکھ دینے سے راہن کی ملکیت ختم نہیں ہوتی) اس لئے اس گردی رکھی ہوئی چیز کے ہر لفظ و بدھوتری کا حقدار راہن ہے اور وہی اس کے نقصان کا ذمہ دار ہے۔ اس روایت کو امام شافعیؒ نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔ اور اس قسم کی ایک اور حدیث (یعنی ہم معنی بھی اور ہم لفظ بھی) حضرت سعید ابن مسیبؒ سے روایت کی گئی ہے جسے سعید ابن مسیبؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے بطریق اتصال نقل کیا ہے یا وہ روایت ہم معنی ہے اور اس کے الفاظ مختلف ہیں مگر الفاظ کا یہ اختلاف ایسا نہیں ہے جو اس کے ہم معنی ہونے کے منافی ہو۔“

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی کوئی چیز کسی کے پاس رہن رکھ دے تو اس کا یہ رہن رکھنا اس چیز کی ملکیت کو ختم نہیں کرتا بلکہ وہ چیز جو اس کی ملکیت میں رہتی ہے اس لئے حدیث نے اس کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ اس رہن رکھی ہوئی چیز سے اگر کوئی نفع حاصل ہوتا ہے یا اس میں کوئی بدھوتری ہوتی ہے تو وہ راہن ہی کا حق ہے باقی طور کہ اگر اس چیز کا کرایہ آتا ہے تو راہن وہ کرایہ وصول کر سکتا ہے اگر وہ کوئی جانور ہے تو اس پر سوار ہو سکتا ہے یا اسے اپنی بارہ واری میں استعمال کر سکتا ہے ایسے ہی اگر اس جانور کے بچے پیدا ہوں تو وہ بچے بھی راہن ہی کا حق ہوتے ہیں، پھر جس طرح راہن رہن رکھی ہوئی چیز کے منافع کا حقدار ہوتا ہے اسی طرح اس کے نقصان کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے باقی طور کہ اگر وہ چیز مرتن کے ہاں ہلاک و ضائع ہو جاتی ہے تو اس کا نقصان راہن ہی برداشت کرتا ہے اس کی وجہ سے مرتن کے حق (یعنی جو قرض وغیرہ اس نے راہن کو دیا ہے) اس سے کچھ بھی ساقط نہیں ہوتا بلکہ راہن کو پورا پورا قرض واپس کرنا ہوتا ہے۔

لفظ زوی مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں صیغہ معروف کے ساتھ یعنی زوی مقول ہے اس صورت میں اس کے فاعل امام شافعیؒ ہوں گے اور لفظ مثله اور مثل منصوب ہی رہیں گے۔

حقوق شرعیہ میں پیمانہ اور وزن کا اعتبار

① وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمِكْيَالُ مِكْيَالُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ وَالْمِيزَانُ مِيزَانُ أَهْلِ مَكَّةَ۔

(مدلہ ابو ہریرہؓ و انسؓ)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا (پیمانہ اہل مدینہ کا معیار ہے اور وزن اہل مکہ کا معیار ہے)۔“ (ابو ہریرہؓ و انسؓ)

تشریح: اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ حقوق شرعیہ مثلاً زکوٰۃ وغیرہ میں لین و دین کے لئے پیمانہ میں اہل مدینہ کے پیمانہ کا اعتبار ہے اور وزن میں اہل مکہ کے وزن کا اعتبار ہے۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مکہ اور مدینہ کے پیمانوں اور اوزان میں کچھ فرق و اختلاف تھا۔ مدینہ کے پیمانہ اور وزن کی مقدار کچھ اور تھی اور مکہ کے پیمانہ اور وزن کی کچھ اور اس کی وجہ سے حقوق شرعیہ یعنی زکوٰۃ و صدقہ فطرو وغیرہ میں لین دینا غلجیان کا باعث بنا ہوگا۔ اس لئے آپ ﷺ نے مذکورہ بالا ہدایت جاری فرمائی، گویا اس کا حاصل یہ تھا کہ مثلاً درہم میں زکوٰۃ اسی وقت واجب ہوگی جب کہ وہ مکہ کے وزن کے مطابق دو سو سو ہوں گے اور صدقہ فطرو دیگر صدقات واجبہ میں اہل مدینہ کا صاع معتبر ہوگا۔ مدینہ کے وزن کے مقابلہ میں مکہ کے وزن کو اور مکہ کے پیمانہ کے مقابلہ میں مدینہ کے پیمانہ کو ترجیح دینے کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں وہاں غلہ کالین دین پیمانہ ہی کے ذریعہ ہوا کرتا تھا اور اہل مدینہ چونکہ ذرا عت پرست تھے اس لئے انہیں پیمانوں کے بارہ میں زیادہ واقفیت رہا کرتی تھی اور اوزان کا استعمال چونکہ تجارت میں زیادہ ہوتا ہے اور اہل مکہ تجارت پرست تھے اس لئے وہ اوزان کی واقفیت زیادہ

رکھتے تھے۔

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے وعید

⑤ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَصْحَابِ الْكَيْلِ وَالْمِيزَانِ إِنَّكُمْ قَدْ وَلَيْتُمْ أَغْرَبِينَ هَلَكْتُ فِيْهِمَا الْأَهْمُ السَّابِقَةُ قَبْلُكُمْ۔ (الترمذی)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ناپ تول کرنے والوں سے فرمایا کہ تمہارے ذمہ ایسے دو کام ہیں (یعنی ناہن اور تولنا) جن کے سبب تم سے پہلی امتیں ہلاک کی جا چکی ہیں۔“ (ترمذی)

تشریح: امت محمدیہ سے قبل کچھ ایسی قومیں گذری ہیں جن کے افراد اس بدترین خصلت میں مبتلا تھے کہ جب وہ کوئی چیز لوگوں سے لیتے تھے تو اسے پورا پورا ناپتے تولتے تھے مگر جب کسی کو کوئی چیز دیتے تھے تو اس کی ناپ تول میں کمی کر دیتے تھے۔ ان کی اس عام برائی کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا اور وہ تمس کس کس کر دیئے گئے ایسی قوموں میں سرفہرست حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا نام آتا ہے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کے افراد کو تنبیہ کیا کہ تم اپنے تولنے میں کمی کرنے سے پوری طرح اجتناب کرو تاکہ اس لعنت میں مبتلا ہونے کی وجہ سے کہیں تم بھی خدا کے قہر و غضب کا شکار نہ ہو جاؤ۔

الفصل الثالث

بیع سلم کی بیع کو قبل قبضہ فروخت کرنے کی ممانعت

⑧ عَنْ ابْنِ سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَسْلَفَ فِي شَيْءٍ فَلَا يَصْرِفُهُ إِلَى غَيْرِهِ قَبْلَ أَنْ يَقْبِضَهُ۔ (رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ)

”حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی چیز کے لئے بیع سلم کا معاملہ کرے تو اس چیز کو قبضہ میں کرنے سے پہلے کسی دوسرے کی طرف منتقل نہ کرے۔“ (ابوداؤد و ابن ماجہ)

تشریح: ”کسی دوسرے کی طرف منتقل نہ کرے“ کا مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ چیز اپنے قبضہ میں نہ آجائے اسے کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت نہ کرے اور نہ ہیہ کرے، یا یہ مطلب ہے کہ اس چیز کو کسی دوسری چیز سے نہ بدلے یعنی جس چیز کی بیع سلم ہوئی ہے معاملہ کے مطابق اسی کو لے، قبل قبضہ اس کے بدلے میں کوئی دوسری چیز نہ لے۔

باب الاختیار

احکام کا بیان

احکام کے معنی: لغوی طور پر ”احکام“ کے معنی ہیں گراں فروشی کی نیت سے غلہ کی ذخیرہ اندوزی۔ اور شریعت کی اصطلاح میں احکام کا مفہوم ہے ہر ایسی چیز کو ہنگامی بیچنے کے لئے روک رکھنا جو انسان یا حیوان کی غذائی ضرورت میں کام آتی ہو۔ مثلاً گراں بازاری کے زمانہ میں جب کہ مخلوق خدا کو غلہ وغیرہ کی زیادہ ضرورت ہو کوئی شخص غلہ خرید کر اس نیت سے اپنے پاس روک رکھے کہ جب اور زیادہ گراں ہوگی تو اسے بیچوں گا یہ احکام کہلاتا ہے۔

احکام کا حکم: شرعی نقطہ نظر سے احکام حرام ہے اس قابل فخر فعل میں مبتلا ہونے والا شخص شریعت کی نظر میں انتہائی ناپسندیدہ ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص اپنی زمین سے پیدا شدہ غلہ کی ذخیرہ اندوزی کرے یا اور زانی کے زمانہ میں غلہ خرید کر رکھ چھوڑے اور پھر اسے گرائی کے وقت بیچے تو یہ حرام نہیں ہے اسی طرح ان اشیاء کو روک رکھنا جو غذائی ضروریات میں استعمال نہ ہوتی ہوں حرام نہیں ہے۔

ہدایہ میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ انسانوں اور جانوروں کی غذائی چیزوں کا احکام مکروہ ہے بشرطیکہ یہ احکام ایسے شہر میں ہو جہاں اس کی وجہ سے شہر والوں کو تکلیف و نقصان پہنچے، یعنی اگر کوئی چھوٹا شہر ہو تو وہاں احکام کی وجہ سے چونکہ غلہ کی قلت پیدا ہو جائے گی جس کی بناء پر غلہ کی گرائی بڑھ جائے گی اور لوگوں کو نقصان پہنچے گا اس لئے ایسے شہر میں احکام ممنوع ہوگا، ہاں اگر بڑا شہر ہو اور وہاں کسی کے احکام کی وجہ سے اہل شہر کو نقصان نہ پہنچ سکے تو پھر ایسے شہر میں احکام ممنوع نہیں ہوگا۔ اسی طرح ہدایہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زمین کے غلہ کا احکام کرے یا کسی اور شہر سے غلہ خرید کر لائے اور اس کو احکام کرے تو ایسے شخص کو شرعی طور پر احکام کرنے والا نہیں کہیں گے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

احکام کرنے والا گنہگار ہے

① عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ احْتَكَمَ فَمَنْ خَطِيئَتُهُ (رواه مسلم)

”حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص احکام کرے وہ گنہگار ہے۔“ (مسلم)

وَسَنَدُهُ كَثْرَةُ حَدِيثٍ عَنْهُ كَانَتْ أَمْوَالُ بَنِي النَّضِيرِ فِي بَابِ الْفَيْ بَابِ الْفَيْ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى اور حضرت عمرؓ کی روایت ”مکانت اموال بنی النضیر“ کو ہم انشاء اللہ باب الفی میں نقل کریں گے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

احکام کرنے والے کے لئے وعید

② عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجَائِلُ مَرْزُوقٌ وَالْمُحْتَكَى مُلْعُونٌ - زَوَاهِدُ ابْنِ مَاجَةَ وَالْذَّاهِرِيُّ -

”حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جائل کو رزق دیا جاتا ہے اور احکام کرنے والا ملعون ہے۔“ (ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص کہیں باہر سے شہر میں غلہ وغیرہ لاتا ہے کہ اسے موجودہ اور رائج نرخ پر فروخت کرے اور گراں فروشی کی نیت سے اس کی ذخیرہ اندوزی نہ کرے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق دیا جاتا ہے۔ یعنی اسے بغیر گناہ کے فائدہ حاصل ہوتا ہے اور اسے رزق میں برکت عطا کی جاتی ہے اس کے خلاف مخلوق خدا کی پریشانیوں اور غذائی قلت سے فائدہ اٹھا کر غلہ وغیرہ کی ناجائز ذخیرہ اندوزی کرنے والا گنہگار ہوتا ہے اور خیر و بھلائی سے دور رہتا ہے جب تک کہ وہ اس سختی میں مبتلا رہتا ہے اس کو برکت حاصل نہیں ہوتی۔

حاکم اپنی طرف سے نرخ مقرر نہ کرے

③ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ غَلَاَ الْبَعْرُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ سَبِّحْنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمُسَبِّحُ الْبَاسِطُ الْإِزَاقِ وَإِنِّي لَا زُجْوَانَ الْقَلْبِ وَبَيْنَ وَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْكُمْ يَنْظِلُنِي

بِمَنْظِلَةِ بَدْمٍ وَلَا مَالٍ - (رواه الترمذی، والبیہقی، والدارقطنی، وابن ماجہ)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں غلہ کا نرخ بڑھا ہوا گیا تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارے لئے نرخ مقرر فرمادیجئے یعنی تاجروں کو حکم دے دیجئے کہ وہ اس نرخ سے غلہ فروخت کیا کریں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”اللہ ہی نرخ مقرر کرنے والا“ اللہ ہی نگی پیدا کرنے والا ہے اللہ ہی فراخی دینے والا ہے اور اللہ ہی رزق دینے والا ہے اس بات کا امیدوار اور خواہشمند ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملوں کہ مجھ پر تم میں سے کسی کے خون اور مال کا کوئی مطالبہ نہ ہو۔“

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: اللہ ہی نرخ مقرر کرنے والا ہے کا مطلب یہ ہے کہ کرائی اور ارزانی اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ میں ہے۔ نرخ جس کا ظاہری سبب بنتا ہے، چنانچہ یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو کبھی تو نرخوں میں کمی اور ارزانی کے ذریعہ لوگوں کے رزق میں وسعت و فراخی پیدا کر دیتا ہے اسی کو بعض لوگ ”نرخ آسانی“ سے تعبیر کرتے ہیں لہذا جب گراں بازاری کا دور ہو اور نرخوں میں اضافہ ہو جائے تو اللہ کی طرف رجوع کیا جائے اور اسی سے مدد مانگی جائے، اپنے عقائد و اعمال میں دورتی اور اصلاح کی کر کے خدا کی رضا و خوشنودی کا سامان کیا جائے تاکہ وہ اپنے بندوں سے خوش ہو اور ان پر ارزانی وسعت رزق کی رحمت نازل فرمائے۔

حدیث کے آخری جز میں اس بات کا امیدوار اور خواہشمند ہوں سے دراصل اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ سرکار و حکومت کی طرف سے نرخ مقرر کیا جانا منور ہے کیونکہ اس طرح لوگوں کے معاملات میں بیجا دخل اندازی ہوتی ہے۔ اور ان کے مال میں ان کی اجازت و مرضی کے بغیر تعریف کرنا لازم آتا ہے جو ظلم کی ایک صورت ہے، پھر نرخ مقرر کرنے کا ایک برا نتیجہ یہ بھی برآمد ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے بسا اوقات لوگ کاروبار بند کر دیتے ہیں اور تجارتی زندگی میں اضطلال پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے قحط و قسوت تک کی نوبت آ جاتی ہے، انجام کار جو چیز مخلوق خدا کی بھلائی کے لئے اختیار کی جاتی ہے وہی ان کی پریشانیوں اور مصیبتوں کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

لہذا آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ نرخ مقرر کر کے لوگوں کو تکلیف و پریشانی میں مبتلا نہ کیا جائے اور تاجروں پر کوئی نرخ لازم نہ کیا جائے بلکہ اس کی بجائے تاجروں کو اس بات پر مجبور کیا جائے کہ وہ مخلوق خدا کے ساتھ ہمدردی و انصاف اور خیر خواہی کا معاملہ کریں اور ان کے ضمیر و احساس کو اس طرح بیدار کیا جائے کہ درجہ و نرخوں میں کمی کر کے لوگوں کی پریشانی و مصیبت دور کریں۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

غلہ کی ناجائز ذخیرہ اندوزی کرنے والوں کے لئے موعظت و عبرت

(۴) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنِ اسْتَخْرَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ ظَعْمَهُمْ حَبْرَةَ اللَّهِ بِالْجُلَامِ وَالْإِفْلَاسِ - زَوَاهِنُ مَاحِقَةٍ وَبِئْهَقِي فِي شَعْبِ الْإِيمَانِ وَزَيْنٌ فِي كِتَابِهِ -

(ابن ماجہ، ترمذی، روزبن)

”حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول کریم ﷺ یہ فرماتے تھے کہ جو شخص غلہ روک کر گراں نرخ پر مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جذام و افلاس میں مبتلا کر دیتا ہے۔“ (ابن ماجہ، ترمذی، روزبن)

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص مخلوق خدا اور خاص طور پر مسلمانوں کو تکلیف و نقصان میں ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جسمانی و مالی بلاؤں میں مبتلا کرتا ہے اور جو شخص انہیں نفع و فائدہ پہنچاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے جسم و مال میں خیر و برکت عطا فرماتا ہے۔

(۵) وَعَنْ أَنَسٍ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَخْرَ ظَعْمَهُمَا أَنْ يَبْعِنَ يَوْمًا يُرِيدُ بِهِ الْغَلَاءَ فَقَدْ نَرَى مِنَ اللَّهِ وَنَرَى اللَّهَ مِنْهُ (رواہ روزبن)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے چالیس دن تک گرائی کے خیال سے غلہ کو روک رکھا گویا وہ خدا سے بیزار ہوا اور خدا اس سے بیزار ہوگا۔“ (رزق)

تشریح: ”وہ خدا سے بیزار ہوا“ کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کا وہ عہد توڑ دیا جو اس نے احکام شریعت کی بجا آوری اور مخلوق خدا کے ساتھ ہمدردی و شفقت کے سلسلہ میں پابند رہا ہے۔

اسی طرح اور خدا اس سے بیزار ہوا کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے اس بدترین عمل کے ذریعہ مخلوق خدا کی پریشانی و تکلیف کا سامان کیا تو خدا نے اس پر سے اپنی حفاظت اٹھائی اور اس کو اپنی نظر کرم و عنایت سے دور کر دیا۔

① وَعَنْ شُعَابٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يَنْتَسِ الْعَبْدُ الْمَخْتَكِرُ إِنْ أَزْخَصَ اللَّهُ الْأَسْعَاذَ خَيْرَ وَإِنْ أَغْلَاهَا فَحَسْرَةً زَوَاهُ الْيَتَهُقِيُّ فِي شُحْبِ الْإِيمَانِ وَزَيْنٌ فِي كَيْفَانِهِ۔

”اور حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”غلہ و فیروہ کی ناجائز ذخیرہ اندوزی کرنے والا بندہ برا ہے، اگر اللہ تعالیٰ نرطوں میں اڑائی کرتا ہے تو وہ سجدہ ہوتا ہے اور اگر نرطوں کو گراں کرتا ہے تو خوش ہوتا ہے۔“ (بخاری، ترمذی)

② وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ احْتَكَرَ طَعَامًا أَوْ بَعْضَ يَوْمَاتِهِ تَصَدَّقَ بِهِ لَمْ يَكُنْ لَهُ كَفَّارَةٌ۔ (رواہ رزق)

”اور حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے گراں فروشی کی نیت سے غلہ کو چالیس روز تک روک رکھا اور پھر اسے خدا کی راہ میں خیرت کر دیا تو وہ اس کے لئے کفارہ نہیں ہوگا۔“ (رزق)

تشریح: یہ گویا اس شخص کے لئے وعید و سزا ہے جو چالیس دن تک گراں فروشی کی نیت سے غلہ کو روک رکھے کہ نہ تو اسے بازار میں لاکھ بیچے اور نہ اس کے ذریعہ مخلوق خدا کی غذائی ضروریات کو پورا کرے، اور جو شخص اس سے کم مدت کے لئے احتکار کرے اس کے لئے بھی سزا ہے مگر اس سے کم درجہ کی۔

بَابُ الْإِفْلَاسِ وَالْإِنْتِظَارِ

افلاس اور مہلت دینے کا بیان

انسانی زندگی میں کسی ایک حالت کو قرار دوام نہیں ہے آج کچھ ہے کل کچھ، یہ روزانہ کے مشاہدہ کی بات ہے، انسان کی اقتصادی و مالی زندگی ہی کو دیکھ لیجئے جس طرح ایک مفلس اور طافش شخص راتوں رات رحمت خداوندی کے نتیجہ میں مال و زر کے خزانوں کا لکھ بن جاتا ہے اسی طرح بڑے بڑے کاروباری دیکھتے ہی دیکھتے دیوالیہ ہو جاتے ہیں جو لوگ ہر وقت لاکھوں میں کھیلے رہتے ہیں۔ مال و زر ہی جن کا اوڑھنا، چھوٹا ہوتا ہے چشم زدن میں وہ پانی پانی کے محتاج نظر آتے ہیں۔ یہی کائنات کا نظام ہے اور یہی تقدیر کا کھیل ہے۔ حالات کو کسی ایک راستے پر برقرار رکھنا نہ کبھی کسی کے بس میں رہا ہے اور نہ کبھی کسی کے بس میں رہے گا۔ یہ سارے کھیل قدرت خداوندی کے پابند رہے ہیں اور ہمیشہ اسی طرح پابند رہیں گے۔ لیکن بدلے ہوئے حالات کو متوازن بنانا اور متوازن بنانے میں مدد دینا انسان کے بس میں ہے جسے وہ اختیار کر کے ایک دوسرے کے دکھ درد کو بانٹ بھی سکتا ہے اور بدلے ہوئے حالات کو سنوارنے میں مدد بھی دے سکتا ہے چنانچہ یہاں جو باب قائم کیا گیا ہے اس کے تحت نقل کی جانے والی احادیث کا یہی حاصل ہے کہ اگر کوئی شخص حالات کی تبدیلی کا شکار ہو جائے یا اس طور کہ افلاس و تنگدستی اسے اپنی پلیٹ میں لے لے تو دوسرے انسانوں کا نہ صرف یہ فریضہ ہے کہ اس کے ساتھ اظہار ہمدردی کریں بلکہ اگر اس شخص پر کسی کا کوئی حق و مطالبہ ہو اور وہ مفلس ہو جانے کی وجہ سے اس کی ادائیگی سے وقتی طور پر عاجز ہو تو

صاحب حق اسے اتنی مہلت دیدے کہ جب بھی اس کے حالات مدح میں وہ اس کا حق ادا کر دے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

مفلس ہو جانے والے کے بارے میں ایک مسئلہ

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَارُ جُلِي الْفُلْسِ فَأَذْرَكَ جُلِي مَالَهُ بَعْضُهُمْ فَبُهِتُوا أَحَقُّ بِهِ مِنْ غَيْرِهِ - (مشق علیہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص مفلس ہو جائے اور وہ شخص (کہ جس نے اس کے ہاتھ اپنے مال بچا تھا اس کے پاس) اپنا مال بیٹھ جائے تو وہ کسی دوسرے کے مقابلے میں اس مال کا زیادہ حق دار ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس ارشادِ گرامی کو مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ زید نے بکر سے کوئی مال خریدا، مگر اس کی قیمت ابھی ادا نہیں کر پایا تھا کہ مفلس ہو گیا اور حاکم وقاضی نے بھی اس کے مفلس ہو دینا ہیہ ہو جانے کا فیصلہ کر دیا، اب بکر (یعنی بیچنے والے) نے دیکھا کہ زید کے پاس اس کا بیچا ہوا مال جو اس کا توں موجود ہے۔ یعنی نہ تو وہ ظاہری طور پر ضائع و ہلاک ہوا ہے اور نہ تصرقات شرعیہ مثلاً بیہ و وقف کے ذریعہ معنوی طور پر ختم ہوا ہے تو اس صورت میں بکر کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی کی ہوئی بیع کو فسخ کر دے اور زید سے اپنا مال واپس لے لے کیونکہ دوسرے قرض خواہوں کی یہ نسبت وہ مقدم ہے لہذا بجائے اس کے کہ وہ مال دوسرے قرض خواہ زید سے لیں بکر اس کے لینے کا زیادہ حقدار ہے۔ اور اگر زید نے مال کی خریداری کے وقت قیمت کا کچھ حصہ ادا کر دیا ہو اور بقیہ حصہ ادا کرنے سے پہلے مفلس ہو دیا ہو تو اس صورت میں بکر اس مال کی اتنی ہی مقدار لے جو قیمت کے بقیہ حصہ کے بقدر ہو۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کا یہی مسلک ہے ان حضرات کی طرف سے اس حدیث کا یہی مطلب بیان کیا جاتا ہے۔

لیکن حنفیہ کے نزدیک چونکہ اس صورت میں بیچنے والے کو نہ تو بیع صحیح کر دینے کا اختیار ہے اور نہ وہ مال واپس لے لینے کا حق اسے پہنچتا ہے اس لئے حنفیہ اس حدیث کو عقدِ اختیار پر محمول کرتے ہیں یعنی ان کے نزدیک اس حدیث کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ بیع اس شرط کے ساتھ ہوئی ہو کہ بیچنے والے کو فسادِ مدت تک اس بیع کو فسخ کر دینے کا اختیار حاصل ہوگا، چنانچہ بیع کے بعد اگر خریدار مفلس ہو دیا ہو تو اسے اور مدتِ اختیار کے اندر بائع کو معلوم ہو گیا کہ خریدار مفلس ہو دیا ہو تو اب اس کے لئے زیادہ بہتر یہی ہے کہ بیع کو فسخ کر دے اور اپنا مال واپس لے لے۔

مفلس ہو جانے والے کی امداد کرنے کا حکم

② وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ أَصْحَبْتُ زَجْلًا فِي عَهْدِ الشَّيْخِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُنَادِيَ ابْتِغَاءً فَكَثُرَ ذَلِيلُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقُوا عَلَيْهِ فَتَصَدَّقَ النَّاسُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَتَلَعْ ذَلِكَ وَفَاءً ذَلِيلُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُعْرِضَ مَالَهُ خُدَّوْا وَخَاوْ جَدَّكُمْ وَلَيْسَ لَكُمْ إِلَّا ذَلِكَ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک شخص بطلوں کے تحت نقصان میں مبتلا ہو گیا جو اس نے خریدے سے تھے اور اس کی وجہ سے وہ بہت زیادہ تر خدا ہو گیا۔“ اس کی حالت دیکھ کر رسول کریم ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ صدقہ کے ذریعہ اس کی مدد کرنا کہ یہ قرض کے بوجھ سے ہلکا ہوا لوگوں کے صدقہ کے ذریعہ اس کی مدد کی، مگر لوگوں کی مدد بھی اس کے قرض کی پوری ادائیگی کے لئے کافی نہ ہو سکی اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کے قرض خواہوں سے فرمایا کہ تمہیں اس سے جو کچھ بھی حاصل ہو بس وہ لے لو، اس سے اس کے علاوہ اور کچھ تمہیں نہیں ملے گا۔“ (مسلم)

تشریح: اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ایک شخص نے ایک پھل دار درخت خرید لیا، درخت پر لگے ہوئے پھل ابھی اس کے تصرف میں نہیں آئے تھے، سوء اتفاق سے ان پر آفت نازل ہوئی اور وہ سب جھڑ گئے اور اس نے اس کی قیمت بھی ادا نہیں کی تھی، چنانچہ جب بیچنے والے نے قیمت کا مطالبہ کیا تو اس نے لوگوں سے قرض لے کر وہ قیمت ادا کی، اس کی وجہ سے وہ بہت زیادہ قرض دار ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ نے جب اس کی پریشان حالی دیکھی تو لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کیا کہ وہ صدقہ و خیرات کے ذریعہ ہی اس کی مدد کر دیں تاکہ وہ قرض کے بارے سے بھگتا ہو جائے۔ لوگوں نے اس کی مدد کی مگر ان کی مدد بھی اس کے قرض کی ادائیگی کے لئے کافی نہیں ہو سکی، لوگوں کی مدد سے جتنا قرض وہ ادا کر سکتا تھا اتنا ادا کر دیا، باقیہ قرض کی ادائیگی سے جب وہ بالکل ہی عاجز ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے قرض خواہوں سے وہ الفاظ ارشاد فرمائے جو حدیث کے آخر میں نقل کئے گئے ہیں۔

چنانچہ قرض خواہوں سے آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ جب اس شخص کا افلاس بالکل ظاہر ہو گیا ہے اور اس کی خستہ حالی عیاں ہو گئی ہے تو اب تمہارے لئے یہ قطعاً مناسب نہیں ہے کہ تم اسے پریشان کرو، اسے ڈراؤ اور دھکا دیا اسے قید و بند کی مصیبت میں مبتلا کرو، بلکہ اس صورت میں تم لوگوں پر واجب ہے کہ اسے مہلت دے دو، جب دیکھو کہ اس کے پاس ادائیگی قرض کا کچھ سامان فراہم ہو گیا ہے اس وقت اپنا مطالبہ کرنا اور اس سے اپنا قرض واپس لے لیا، آپ ﷺ کے ارشاد کا یہ مطلب قطعاً نہیں تھا کہ قرضدار کے ذمہ سے قرض خواہوں کا حق ہی ہرے سے ساقط ہو گیا ہے بلکہ جیسا کہ ابھی بتایا گیا اس سے آپ ﷺ کا مقصد صرف یہ تھا کہ قرض دار کو مہلت مل جائے۔

وصولی قرض میں درگزر کرنے کا اجر

(۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ زَيْدُ بْنُ النَّاسِ فُكْرًا يَنْقُولُ لِقَتْلِهِ إِذَا أَتَيْتَ مُغْسِزًا تَحَاوَرْتَهُ لَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يَتَحَاوَرَ عَنَّا قَالَ فَلَقِيَ اللَّهَ فَتَحَاوَرَ عَنْهُ (بخاری ص ۱۷۸)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ایک شخص تَحَاوَر لوگوں سے قرض لیں دین کا معاملہ کرتا تھا یعنی لوگوں کو قرض دینے کرتا تھا اور اس نے اپنے کارندے سے یہ کہہ رکھا تھا کہ جب کسی عہدہ ست کے پاس (قرض وصول کرنے جاتی) تو اس سے درگزر کرو شاید اللہ تعالیٰ ہم سے درگزر فرمائے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”جب اس نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی (یعنی اس کا انتقال ہوا) تو اللہ تعالیٰ نے اس سے درگزر کیا (اور اس کے گناہوں پر مواخذہ نہیں کیا)۔“ (بخاری و مسلم)

(۴) وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَوَّاهُ أَنْ يُلْجِئَهُ اللَّهُ مِنْ حُزْبٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَلْيُبْتَغِ عَنْهُ مَغْفِرَةً (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن کی غیبیوں سے محفوظ رکھے تو اسے چاہئے کہ وہ مغفلس و عجز ست سے اپنا قرض وصول کرنے میں تاخیر کرے یا اس کو معاف کر دے (یعنی اپنا پورا قرض یا جس قدر ممکن ہو معاف کر دے)۔“ (مسلم)

تشریح: یہیوں تو فرض اعمال، نفل اعمال سے حذر رہنے زیادہ فضیلت کے حامل ہیں لیکن بعض مسائل و معاملات میں نفل اعمال فرض اعمال سے زیادہ فضیلت رکھتے ہیں، انہیں میں سے ایک تو عجز ست و مغفلس کو اپنا حق (مثلاً قرض وغیرہ) معاف کر دینا ہے کہ یہ اگرچہ مستحب ہے لیکن مغفلس و عجز ست کو قرض وغیرہ ادا کرنے میں مہلت دینے سے افضل ہے جو واجب ہے دوسرے سلام کرنے میں پہل کرنا شریف ہے لیکن یہ افضل ہے سلام کا جواب دینے سے جو فرض ہے، تیسرے وقت سے پہلے وضو کرنا مستحب ہے لیکن یہ افضل ہے وقت شروع ہونے کے بعد وضو کرنے سے جو فرض ہے۔

⑤ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ أَنْظَرَ مُغْسِرًا أَوْ وَضَعَ عَنْهُ أَلْبَاحَهُ اللَّهُ مِنْ كُحْرٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ - (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ فرماتے تھے ”جو شخص (اپنا مطالبہ وصول کرنے میں) مفلس کو مہلت دے یا اس کو اپنا پورا مطالبہ یا اس کا کچھ حصہ (معاف کر دے) تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن کی غتیبوں سے نجات دے گا۔“ (مسلم)

⑥ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ أَنْظَرَ مُغْسِرًا أَوْ وَضَعَ عَنْهُ أَظْلَةَ اللَّهِ لَيْلِي ظِلِّهِ - (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول کریم ﷺ فرماتے تھے ”جو شخص غنہ ست کو مہلت دے یا اس کو معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے گا جتنی قیامت کے دن اس کی مرضی اور اس دن کی غتیبوں سے محفوظ رکھے گا۔“ (مسلم)

تشریح: امام احمد، ابن ماجہ اور حاکم نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا ہے کہ جو شخص مفلس و غنہ ست کو مہلت دے تو ادائیگی کا دن آنے تک اس کو ہر دن کے بدلے اس کے قرض کے برابر صدقہ کا ثواب ملے گا اور پھر جب ادائیگی کا دن آئے اور وہ پھر اسے مہلت دے دے اور اس کی ادائیگی کا دن آئے تک ہر دن کے بدلے اس کے قرض کے برابر صدقہ کا ثواب ملے گا اور پھر جب ادائیگی کا دن آئے اور وہ پھر اس مہلت دے دے تو اس کو ہر دن کے بدلے اس کے قرض کی وہی مقدار کے برابر صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔

اس روایت کو تین طرحوں پر یوں سمجھئے کہ مثلاً ایک شخص نے کسی کو دو مہینے کے وعدے پر ایک سو روپے قرض دیئے اور دو مہینے کے بعد اس کی مفیسی و غنہ ستی کو دیکھتے ہوئے اس نے ایک مہینے کی مہلت دے دی تو اسے پورے مہینے اس طرح ثواب ملتا رہے گا کہ گویا وہ ہر دن ایک سو روپے صدقہ و خیرات کرتا ہے، اسی طرح ایک مہینے کی مدت گزر جانے کے بعد دوبارہ مہلت دینے میں ایسا ہی ثواب ملتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب تیسری مرتبہ مہلت دے گا تو اسے ہر دن ایسا ثواب ملے گا جیسے کہ وہ ہر دن دو سو روپے صدقہ و خیرات کرتا ہے۔

خوبی کے ساتھ قرض ادا کرنے والا بہترین شخص ہے

⑦ وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُونُ أَفْجَاءً ثُمَّ إِبِلٌ مِّنَ الصَّدَقَةِ قَالَ أَبُو ذَرٍّ أَوْعَى الْفَأْمَرَيْنِ أَنْ أَفْصَى الْوَجَلِ يَكُونُهُ فَقُلْتُ لَا أَجِدُ إِلَّا جَعْلًا خَيْرًا وَزَيْلًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَغْطَهُ إِثْمًا فَإِنْ غَضِبَ النَّاسُ أَحْسَنَهُمْ قَضَاءً - (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ نے ایک جوان اونٹ قرض لیا اور پھر جب آپ ﷺ کے پاس زکوٰۃ کے اونٹ آئے تو ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں اس شخص کو کہ جس سے آپ ﷺ نے اونٹ قرض یا تھا یا میری ایک اونٹ دے دوں۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے ایسا ہی اونٹ کوئی نظر نہیں آ رہا ہے البتہ ایک اونٹ ہے جو اس کے اونٹ سے اچھا ہے اور ساتویں برس میں لگا ہے (لہذا میں اس کے اونٹ سے اچھا اونٹ کیسے دوں) آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”اسے اچھا ہی اونٹ دے دو کیونکہ لوگوں میں بہترین شخص وہی ہے جو ادائیگی قرض میں سب سے اچھا ہو۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جانور کا قرض لینا جائز ہے جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ اور اکثر علماء کا مسلک ہے۔ لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ سے واضح ہوا کہ جو چیز قرض لی ہے اس کی واپسی میں اس کی بہ نسبت اچھی چیز دینا مستحب بھی ہے ورنہ علیٰ ہر بھی بشرطیکہ قرض لینے وقت اس کی شرط نہ کی گئی ہو۔

قرض خواہ قضاہ کر سکتا ہے

⑧ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْلَفَ لَهُ فِيمَ أَصْحَابِهِ فَقَالَ دَعُوهُ فَإِنْ لِيَصَاحِبُ الْبَحْرِ مَقَالًا فَاشْتَرَوْا لَآ يَبْعَثُوا فَأَعْظَمُوا إِيَّاهُ قَالُوا لَا نَجِدُ إِلَّا أَفْضَلَ مِنْ صِيبِهِ قَالَ اشْتَرَوْهُ فَأَعْظَمُوا إِيَّاهُ فَإِنْ تَوَخَّوْكُمْ أَخْشَبُكُمْ قَضَاءً۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ سے ”اس اونٹ کا قضاہ کیا (جو آپ ﷺ نے اس سے بطور قرض لیا تھا) اور قضاہ بھی بڑی سخت کاری کے ساتھ کیا۔ آپ ﷺ کے صحابہؓ نے جب اس کو ”اس سخت کھائی اور آداب نبوت کے خلاف اس کی حرکت پر اسرا دینی چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اسے کچھ نہ کہو، کیونکہ جس کا حق ہے اسے کہنے کا اختیار ہے البتہ ایسا کرو کہ ایک اونٹ خرید کر اسے دو (تاکہ اس کا مطالبہ ادا ہو جائے اور اسے پھر کہہ سکیں کہ حق نہ رہے) صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”اس نے آپ ﷺ کو بطور قرض جو اونٹ دیا تھا اس کی عمر کا کوئی اونٹ نہیں مل رہا ہے بلکہ اس سے زیادہ عمر کا مل رہا ہے۔ (یعنی اس کا اونٹ چھوٹا اور کمتر تھا اور ہمیں جو اونٹ مل رہا ہے وہ اس کے اونٹ سے بڑا اور اچھا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا (جو اونٹ نہیں مل رہا ہے) اسی کو خرید لو (اگرچہ وہ اس کے اونٹ کی یہ نسبت بڑا اور اچھا ہے) اور اسے دو، یاد رکھو، تم میں بہتر وہ شخص ہے جو قرض ادا کرنے میں اچھا ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آپ ﷺ سے اپنے قرض کا قضاہ کرنے والا اور پھر قضاہ میں سخت کھائی کرنے والا کوئی کافر یا ہوجا خواہ وہ یہودی ہو یا کوئی اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ شاید کوئی اچھوت گنہگار وودھیائی ہو گا جو مجلس نبوت اور مقام نبوت کے آداب سے مطابقت ہے، بہرہ تھا، جسے یہ سلیقہ بھی نہیں تھا کہ کس سے کس طرح بات کی جاتی ہے۔ اس کے برعکس سرکار دو عالم ﷺ نے اس کی باتوں کو جس عالی ظرفی اور خوش اخلاقی کے ساتھ برداشت کیا وہ صرف نبوت ہی کا خاصہ ہو سکتا ہے۔

”جس کا حق ہے اسے کہنے کا اختیار ہے“ کے بارے میں ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ یہاں ”حق“ سے مراد قرض ہے، یعنی اگر کسی شخص کا کسی پر قرض ہو اور وہ قرض دار اور گنہگار میں تاخیر کرے تو قرض خواہ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اس سے سختی کے ساتھ قضاہ کرے، اس پر اظہار ناراضگی کرے اور اگر وہ پھر بھی قرض ادا نہ کرے تو محاکمہ عدالت کی طرف رجوع کرے۔

ادائیگی قرض پر قادر ہونے کے باوجود قرض ادا نہ کرنا ظلم ہے

⑨ وَعَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَقْلُ الْغَنِيِّ ظَلَمٌ فَإِذَا اتَّعَى أَحَدُكُمْ عَلَى مَلِيئَةٍ فَلْيَتَنَبَّحْ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”صاحب استطاعت کا (ادائیگی قرض میں تاخیر کرنا ظلم ہے۔ اور جب تم میں سے کسی کو صاحب استطاعت کے حوالہ کیا جائے تو اسے اس حوالہ کو قبول کر لینا چاہئے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کوئی چیز خریدے اور اس کی قیمت ادا کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود قیمت ادا نہ کرے یا کسی کا قرض دار ہو اور ادائیگی قرض پر قادر ہوئے کے باوجود قرض ادا کرنے میں تاخیر کرے تو یہ ظلم ہے۔ بلکہ بعض علماء نے تو یہ لکھا ہے کہ یہ فتنہ ہے اور اس کی وجہ سے ایسے شخص کی گواہی رد ہوتی ہے، اگرچہ یہ نادرہنگی ایک ہی مرتبہ کیوں نہ ظاہر ہوئی ہو، لیکن بعض دوسرے علماء کا قول یہ ہے کہ اس شخص کی گواہی قابل رد ہے جو صاحب استطاعت ہونے کے باوجود بار بار نادہنگی میں مبتلا ہو اور ادائیگی میں تاخیر کرنا اس کی عادت بن چکی ہو۔

حدیث کے دوسرے جزء ”اور جب تم سے کسی کو صاحب استطاعت کے حوالہ کیا جائے“ کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص کا کسی پر قرض ہو اور وہ قرض دار ادائیگی قرض پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے کسی مالدار شخص سے یہ کہے کہ تم میرا قرض ادا کر دینا تو قرض خواہ کو چاہئے

کہ وہ قرضہ دار کی اس بات کو فوراً قبول کر لے تاکہ اس کا مال ضائع نہ ہو، یہ حکم استحباب کے طور پر ہے، لیکن بعض علماء کا قول ہے کہ یہ حکم بطریق وجوب ہے جب کہ کچھ علماء اس حکم کو بطریق اجابت کہتے ہیں۔

قرض خواہ و قرض دار کا تنازعہ ختم کرنا جائز ہے

①۹ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ تَقَاعَضَى ابْنُ أَبِي حَذْرَجٍ ذَيْتَانَهُ عَلَيْهِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَإِذَا تَقَعَضَتْ أَصْوَرُهُمَا حَتَّى سَمِعَهُمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي بَيْتِهِ فَخَرَجَ إِلَيْهِمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى تَخَشَفَ وَخَجَفَ حُجُوبَهُ وَنَادَى كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ يَا كَعْبُ قَالَ لَيْتَكَ يَأْزِسُكَ رَسُولُ اللَّهِ فَأَحْبَابُ بَيْتِهِ أَنْ ضَمِيَ الشَّطْرُ مِنْ ذَيْنِكَ قَالَ كَعْبٌ قَدْ فَعَلْتُ يَأْزِسُكَ رَسُولُ اللَّهِ قَالَ فَمَنْ قَدْ قَضَيْتَ (بخاری)

”اور حضرت کعب ابن مالکؓ کے بارے میں منقول ہے کہ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں (ایک دن) انہوں نے مسجد نبوی ﷺ میں ابن ابی حذرہ سے اپنے قرض کی واپسی کا تقاضہ کیا یہاں تک کہ جب دونوں کی آوازیں بلند ہوئیں اور رسول کریم ﷺ نے جو اس وقت اپنے حجرہ مبارک میں تشریف فرما تھے۔ ان دونوں کی آوازیں سنیں تو حجرہ سے باہر آئے کاراؤہ فرمایا، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے حجرہ کا پردہ ہٹایا اور کعب ابن مالکؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ”کعب! کعب ابن مالکؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! حاضر ہوں“ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کے ذریعے ان کی طرف اشارہ کیا کہ اپنے قرض کا نصف حصہ معاف کر دو کعبؓ نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! میں نے معاف کیا“ اس کے بعد آپ ﷺ نے ابن ابی حذرہ سے فرمایا کہ ”اب! اٹھ جاؤ اور باقی قرض ادا کر دو۔“ (بخاری)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں کسی سے اپنے قرض کی واپسی کا مطالبہ کرنا جائز ہے، نیز حذرہ سے سفارش کرنا جھگڑنے والوں میں صلح صفائی کرنا اور کسی کی سفارش قبول کرنا بشرطیکہ اس سفارش کا تعلق کسی مصیبت دہرائی سے نہ ہو، جائز ہے۔

ادائیگی قرض میں تاخیر کرنے والوں کے لئے ایک عبرتناک واقعہ

①۱ وَعَنْ سُلَيْمَةَ بْنِ الْأَكْحَمِ أَنَّ كَتَا جَلَسُوا مَعَ عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ أَتَى بِخَنَازَةِ فَقَالُوا أَصْلَ عَلَيْهِمَا فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ ذَيْنَ قَالَوَا لَا فَفَضَّلَى عَلَيْهِمَا ثُمَّ أَتَى بِخَنَازَةِ أُخْرَى فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ ذَيْنَ فَقِيلَ نَعَمْ قَالَ فَهَلْ تَرَكَ شَيْئًا قَالُوا ثَلَاثَةٌ ذَنَابِيْنُ فَفَضَّلَى عَلَيْهِمَا ثُمَّ أَتَى بِالْثَالِثَةِ فَقَالَ عَلَيْهِ ذَيْنَ قَالُوا ثَلَاثَةٌ ذَنَابِيْنُ قَالَ هَلْ تَرَكَ شَيْئًا قَالُوا لَا قَالَ صَلُّوا عَلَيَّ صَاحِبِكُمْ قَالَ أَبُو قَتَادَةَ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللَّهُ وَعَلَى ذِيْنَهُ فَفَضَّلَى عَلَيْهِ (رواہ البخاری)

”اور حضرت سلمہ بن اکحہؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول کریم ﷺ کی مجلس میں حاضر تھے کہ ایک خزانہ لایا گیا، صحابہؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ خزانہ کی نماز پڑھ لیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر قرض تو نہیں ہے؟ صحابہؓ نے کہا کہ نہیں! چنانچہ آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ پھر ایک اور خزانہ لایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اس پر قرض تو نہیں ہے“ عرض کیا گیا کہ ”ہاں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”یہ کچھ چھوڑ کر بھی مرا ہے یا نہیں؟“ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”تین دینار اس نے چھوڑے ہیں“ (یہ سن کر) آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی! پھر ایک تیسرا جنازہ لایا گیا، آپ ﷺ نے پوچھا کہ ”اس پر قرض تو نہیں ہے؟“ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”ہاں تین دینار اس پر قرض ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”یہ کچھ چھوڑ کر بھی مرا ہے یا نہیں؟“ عرض کیا گیا کہ ”کچھ نہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تو پھر تم اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو“ ابو قتادہؓ نے (جب یہ سنا تو) کہا کہ ”یا رسول اللہ! آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھ لیجئے اس کا قرض میں ادا کر دو گا“ تب آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔“ (بخاری)

تشریح: ہو سکتا ہے کہ تینوں جنازہ ایک ہی دن اور ایک ہی مجلس میں لائے گئے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ایک دن اور ایک ایک

جلس میں یہ جنازہ لائے گئے ہوں۔

دوسرے شخص پر جو قرض تھا اس کی مقدار انیس تین دینار کے برابر رہی ہوگی جو وہ چھوڑ کر مرا تھا اس لئے جب آپ ﷺ کو یہ معلوم ہو گیا کہ اس شخص پر جتنا قرض ہے اس کی ادائیگی کے بعد راتاً چھوڑ کر مرا ہے تو آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھ لی۔ تیسرا چونکہ اپنے قرض کی ادائیگی کے بعد رات چھوڑ کر نہیں مرا تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا، اس انکار کی وجہ یا تو یہ تھی کہ اس سے لوگوں کو عبرت حاصل ہو اور وہ قرض سے پرہیز کریں اور اگر بدوہ مجبور کی قرض لیں تو اس کی ادائیگی میں تاخیر و تقصیر سے باز رہیں۔ یا پھر آنحضرت ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھنا اس لئے مناسب نہیں سمجھا کہ میں اس کے لئے دعا کروں اور دعا قبول نہ ہو کیونکہ اس پر لوگوں کا حق تھا جس سے بری الذمہ ہوئے بغیر وہ مر گیا تھا۔

اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ میت کی طرف سے ضامن ہونا جائز ہے خواہ میت نے ادائیگی قرض کے لئے مال چھوڑا ہو یا نہ چھوڑا ہو۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور اکثر علماء کا یہی مسلک ہے۔ بخلاف حضرت امام ابوحنیفہؒ کے کہ ان کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔

بعض حنفی علماء لکھتے ہیں کہ حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمدؒ اور حنفیہ میں سے حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ نے اس حدیث سے اس بات کا استدلال کیا ہے کہ اس میت کی طرف سے کفالت جائز ہے جس نے کچھ بھی مال نہ چھوڑا ہو اور اس پر قرض ہو۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ اگر میت کی طرف سے کفالت جائز نہ ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس تیسرے جنازہ کی نماز نہ پڑھتے۔

لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مفلس میت کی طرف سے کفالت صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ مفلس میت کی طرف سے کفالت دراصل دین ساقی کی کفالت ہے اور یہ بالکل صاف مسئلہ ہے کہ دین ساقی کی کفالت باطل ہے۔

اب رہی یہ بات کہ حضرت ابو قتادہؓ نے میت کی طرف سے اس کے قرض کی کفالت کی اور آنحضرت ﷺ نے ابو قتادہؓ کی کفالت کو تسلیم کر کے اس کی نماز جنازہ پڑھ لی، تو اس کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ سے صرف یہی ثابت نہیں ہوتا کہ ابو قتادہؓ نے اس شخص کی زندگی ہی میں اس کی طرف سے کفالت کر لی ہوگی، اس موقع پر تو انہوں نے صرف آپ ﷺ کے سامنے اس بات کا اقرار و انہماک کیا کہ میں اس کی کفالت پہلے ہی کر چکا ہوں اب میں اس کے قرض کا فتنہ دار ہوں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کے اس اقرار و اظہار پر نماز جنازہ پڑھی۔

اس کے علاوہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ابو قتادہؓ نے اس وقت میت کی طرف سے کفالت کی نہیں تھی بلکہ ازراہ احسان و جبراع یہ وعدہ کیا تھا کہ میں اس کا قرض ادا کر دوں گا۔

قرض کو ادا کرنے کی نیت رکھنے والے کی اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے

(۱۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ آذَاءَ مَا أَدَّى اللَّهُ عَنْهُ وَمَنْ أَخَذَ يُرِيدُ إِفْلَاقَهَا أَنْفَلَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ۔ (رواہ البخاری)

”حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص لوگوں کا مال لے اور اس کے ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو (یعنی کسی ضرورت و احتیاج ہی کی بناء پر قرض لے اور قرض کی ادائیگی کا ارادہ بھی رکھتا ہو اور اس کو ادا کرنے کی کوشش بھی کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس سے وہ مال ادا کر دیتا ہے (یعنی قرض کو ادا کرنے کی نیت رکھنے والے کی اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے) یا اس طور کہ یا تو وہ یا نہیں قرض ادا کرنے کی استطاعت دے دیتا ہے یا آخرت میں ہمدار کو راضی کر دیتا ہے) اور جو شخص لوگوں کا مال لے اور ضائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہو (یعنی

احتیاج و ضرورت کے بغیر کسی سے قرض لے اور پھر اس قرض کی ادائیگی کی نیت بھی نہ رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے مال کو ضائع کر دیتا ہے۔ (یعنی جو شخص کسی سے قرض لے اور اس قرض کو نہ ادا کرے اور نہ ادا کرنے کی نیت رکھے تو اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ کہ ادائیگی قرض پر اس کی مدد نہیں کرتا اور اس کے رزق میں وسعت و فراخی عطا نہیں کرتا بلکہ اس کا مال تلف و ضائع بھی کر دیتا ہے کیونکہ وہ ایک مسلمان کا مال ضائع کرنے کی نیت رکھتا ہے۔) (بخاری)

اللہ تعالیٰ حقوق العباد و معاف نہیں کرتا

(۱۲) وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ زَجَلْتُ يَارَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ إِنْ قُبِلْتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ضَائِبًا مُتَحَبِّبًا مُتَبَلِّغًا غَيْرَ مُذْهِبٍ يَكْفُرُ اللَّهُ عَنِّي غُطَّيْتُ لِقَائِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعْمَ فَلَمَّا أَذْبَرَ نَادَاهُ فَقَالَ نَعْمَ إِلَّا الَّذِينَ كَذَبُوا قَالِ جَبُولُ - (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے بتائیے اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں اس حال میں کہ میں مہر کرنے والا اور ثواب کا خواہش مند ہوں (یعنی میں دکانے سے سنانے کی غرض سے نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی خاطر اور ثواب کی طلب میں جہاد کروں) اور اس طرح جہاد کروں کہ میدان جنگ میں دشمن کو چھو نہ دکانیں بلکہ ان کے سامنے سینہ سپر ہوں (یہاں تک کہ میں لڑتے لڑتے مارا جاؤں) تو کیا اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف کر دے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا کہ ”ہاں! پھر جب وہ شخص (اپنے سوال کا جواب پا کر) واپس ہوا تو آپ ﷺ نے اسے آواز دی اور فرمایا کہ ”ہاں! اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ یقیناً معاف کر دے گا مگر قرض کو معاف نہیں کرے گا۔ مجھ سے جبریلؑ نے لگایا کہ ہے۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حقوق العباد کا معاملہ بڑا سخت اور گھٹن ہے، اللہ تعالیٰ اپنے حقوق یعنی عبادات و طاعات میں کوتاہی اور گناہ و معصیت کو معاف کر دیتا ہے مگر بندوں کے حقوق یعنی قرض وغیرہ کو معاف نہیں کرتا۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت جبریل علیہ السلام آنحضرت ﷺ تک اللہ تعالیٰ کا صرف وہی پیغام نہیں پہنچاتے تھے جو قرآن کریم کی شکل میں ہمارے سامنے ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی دیگر ہدایات و احکام پہنچاتے رہتے تھے۔

(۱۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَغْفِرُ لِلشَّهِيدِ كُلَّ ذَنْبٍ إِلَّا الذَّنْبَ - (رواه مسلم)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”شہید کے تمام گناہ (مگر وہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ مگر دین (یعنی حقوق کی معافی نہیں ہوتی۔)“ (مسلم)

تشریح: ”دین“ سے مراد حقوق العباد ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص پر بندہ کو کوئی حق ہو یعنی خواہ اس کے ذمہ کسی کا مال ہو یا اس کے کسی کا ناقص خون کیا ہو، یا کسی کی آبروریزی کی ہو، یا کسی کو برا کہا ہو، یا کسی کی خیریت کی ہو تو اگر وہ شخص شہید بھی ہو جائے تب بھی یہ چیزیں معاف نہیں کی جائیں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کے حقوق کی حال میں معاف نہیں کرتا۔

لیکن ابن مالکؓ کہتے ہیں کہ بعض علماء کا یہ قول ہے کہ اس حدیث کا تعلق ”شہداء بر“ یعنی بری جنگ میں شہید ہونے والوں سے ہے، بری جنگ میں شہید ہونے والے اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ابن ماجہؒ نے ابو امامہؓ کی یہ مرفوع روایت نقل کی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ بری جنگ میں شہید ہونے والوں کے تمام گناہ حتیٰ کہ دین (یعنی حقوق العباد) بھی بخشے جاتے ہیں۔

قرض دار کی نماز جنازہ پڑھنے سے آنحضرت ﷺ کا اجتناب

(۱۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُؤْتِي بِالزَّجَلِ الْمُتَوَقِّفِ عَلَيْهِ الَّذِينَ قُبِلَتْ تَوَلَّى لَدَيْهِ قَضَاءُ قَبْلِ

خَذْتُ اَمَةً تَرَكْتُكَ وَفَاءً صَلَّيْتُ وَالْاَقَالَ لِلْمُسْلِمِينَ صَلَّوْا عَلَيَّ صَاحِبُكُمْ فَلَمَّا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْنَا الْفَتْخَ قَامَ قَالَ اَنَا اَوَّلِي
بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ فَمَنْ تَوَقَّي مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَتَرَكْتُكَ ذِيًا فَعَلَيْ قَضَاؤُهُ وَمَنْ تَرَكْتَ مَالًا فَهُوَ لِي وَرَثَتِيهِ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ کے سامنے کسی ایسے شخص کا جنازہ لایا جاتا جس پر قرض ہوتا تو آپ ﷺ پہلے پوچھتے کہ کیا یہ شخص اپنا قرض ادا کرنے کے لئے کچھ مال چھوڑ کر مرے؟ اگر یہ بتایا جاتا کہ یہ شخص اتنا مال چھوڑ کر مرے جس سے اس کا قرض ادا ہو سکتا ہے تو آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھ لیتے اور اگر یہ معلوم ہوتا کہ کچھ بھی چھوڑ کر نہیں مرے تو پھر آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ خود نہ پڑھتے بلکہ مسلمانوں سے فرماتے کہ تم اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے فتوحات کے دروازے کھول دیئے (اور مشرکین و کفار سے جنگ کے بعد غنیمت کی صورت میں مال و زر میں وسعت و کشادگی نصیب ہوئی) تو آپ ﷺ (ایک دن) خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور (مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے میں) (دین و دنیا کے تمام امور میں) مسلمانوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھتا ہوں لہذا جو مسلمان اس حالت میں مرے کہ اس پر قرض ہو (اور اس نے اتنا مال نہ چھوڑا جو جس سے اس کا قرض ادا ہو سکے) تو اس کے قرض کو ادا کرنے کا میں ذمہ دار ہوں اور جو مسلمان مال چھوڑ کر مرے (تو اس مال سے اس کا قرض ادا کرنے کے بعد جو کچھ بچے وہ اس کے وارثوں کا حق ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”میں (دین و دنیا کے تمام امور میں) مسلمانوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھتا ہوں“ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز و محبوب رکھیں، آپ ﷺ کے حکم اور آپ ﷺ کی خواہش کو اپنے نفس کے حکم اور اپنے نفس کی خواہش پر مقدم رکھیں، آپ ﷺ کے حق کو اپنی جانوں کے حق سے مقدم جانیں اور ان کے قلوب اپنی جانوں کی شفقت و محبت سے زیادہ آنحضرت ﷺ کی شفقت و محبت سے لبریز ہوں، اسی طرح آنحضرت ﷺ کی شان رحمت بھی یہی ہے کہ ایک مسلمان اپنی ذات پر جتنا شفیق و مہربان ہو سکتا ہے۔ آنحضرت ﷺ اس کے حق میں اس سے کہیں زیادہ شفیق و مہربان ہیں، ایک مسلمان کی جان، اس کی عزت و آبرو اور اس کا دین آنحضرت ﷺ کو جتنا زیادہ عزیز و محبوب ہے اتنا خود اس کو نہیں ہے، چنانچہ مسلمانوں پر یہ آپ ﷺ کی بے پناہ شفقت ہی کا پر تو ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فتوحات جنگ میں حاصل ہونے والی غنیمت کے ذریعے آپ ﷺ پر مال و زر کے دروازے کھول دیئے تو آپ ﷺ کو یہ ہرگز گوارا نہیں ہوا کہ اس مال و زر کو صرف اپنی ہی ذات تک محدود رکھیں بلکہ آپ ﷺ نے خود تو بخیر و نیکوئی کی سابقہ حالت پر ہی قناعت کی اور سارا مال و زر مسلمانوں ہی کے لئے وقف رکھا۔ اسی لئے آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ اب جب کہ خدا نے مال و زر کے خزانے میرے تصرف میں دے دیئے ہیں تو میں اس بات کا زیادہ ہتھار ہوں کہ مسلمانوں کی مال عزت و آبرو کا تحفظ کروں لہذا مسلمانوں کے قرض کی ادائیگی کا میں خود ذمہ دار ہوں کہ اگر کوئی مسلمان اس حال میں اس دنیا سے رخصت ہو گیا ہے کہ اس پر قرض ہے اور وہ قرض کی ادائیگی کے ہتھار مال نہیں چھوڑ گیا ہے تو اس کا قرض میں ادا کروں گا۔ بعض حضرات تو یہ فرماتے تھے کہ آنحضرت ﷺ مردوں کے قرض کی ادائیگی بیت المال سے فرمایا کرتے تھے اور یہی بات زیادہ قرین قیاس ہے لیکن بعض علماء کا قول یہ ہے کہ آپ ﷺ ان کا قرض اپنے مال میں سے ادا کرتے تھے۔

اسی طرح بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ مردوں کی طرف سے قرض کی ادائیگی آنحضرت ﷺ پر واجب تھی اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ ان کا قرض ادا کرنا آپ ﷺ پر واجب نہیں تھا بلکہ آپ ﷺ عمر عائشہؓ اور ابوہریرہؓ سے شفقت ان کے قرض کی ادائیگی کرتے تھے۔

الفصل الثانی

وہو الیہ کا حکم

(۱۶) عَنْ اَبِي خَلْدَةَ الرَّزْقِيِّ قَالَ جِئْنَا اَبَا هُرَيْرَةَ فِي صَاحِبٍ لَنَا قَدْ اَفْلَسَ فَقَالَ هَذَا الَّذِي قَضَىٰ فِيهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّي

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا زَجَلٍ مَاتَ أَوْ أَمَلَسَ فَصَاحِبُ الْمَتَاعِ أَحَقُّ بِمَتَاعِهِ إِذَا وَجَدَهُ بَعِيْنَهُ - زَوَاهِ الشَّافِعِيِّ وَالْإِسْلَامِيَّةِ -
حضرت ابی غلدہ زرقی کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس اپنے ایک ساتھی کا معاملہ لے کر آئے جو غفلت ہو گیا تھا اگر اس کے پاس
لوگوں کا وہ سامان موجود تھا جس کی قیمت اس نے ادا نہیں کی تھی ہم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟
حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ اس شخص کا معاملہ بالکل اس شخص جیسا ہے جس کے بارے میں رسول کریم ﷺ نے یہ فیصلہ صادر فرمایا تھا
کہ جو شخص مرنے یا غفلت ہو جائے (اور اس کے ذمے لوگوں کے مطالبات ہوں) تو جس شخص کا مال اس کے پاس ہے وہی شخص اس مال کا
زید وہ تھا رہے بشرطیکہ وہ مال جوں کا توں موجود ہو۔ اس کی وضاحت کے لئے اسی باب کی پہلی فصل میں حدیث نمبر ۱۰۱۰ لکھئے۔

(شافعی، ۱۰۱۰، ج ۱)

قرض دار کی روح قرض کی ادائیگی تک معلق رہتی ہے

(۱۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعْلَقَةٌ بِذَنْبِهِ حَتَّى يَقْضَى عَنْهُ -

(رواہ الشافعی و احمد و الترمذی و ابن ماجہ و الدارمی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”مؤمن کی روح اپنے قرض کی وجہ سے اس وقت تک معلق رہتی ہے جب
تک کہ اس کا قرض ادا نہ ہو جائے (یعنی جب کوئی شخص قرضدار مرتا ہے تو اس کی روح اس وقت تک بند گان صالح کی جماعت میں داخل
نہیں ہوتی جب تک کہ اس کا قرض ادا نہ ہو جائے۔“ (شافعی، ۱۰۱۰، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ جو قرض اپنی ادائیگی کے وقت تک مؤمن کی روح کو جنت اور بند گان صالح کی جماعت میں داخل
ہونے سے روکتا ہے وہ قرض وہ ہے جو بلا ضرورت واقعی مال و زر کی صورت میں کسی سے لیا گیا ہو اور وہ مال و زر و اہیات اور فضول کاموں
میں خرچ کیا گیا ہو اور اسے اسراف کے طور پر لٹایا گیا ہو۔ ہاں جس شخص نے اپنی واقعی ضرورت کے لئے مثلاً حقوق واجبیہ کی تکمیل یا کسی
کے مالی مطالبہ کی ادائیگی کے بقدر ضرورت روپیہ یا مال قرض لیا ہو اور پھر قرضدار اس کو ادا کرنے سے پہلے مر گیا ہو تو ایسا قرض اس کو
جنت اور بند گان صالح کی جماعت میں داخل ہونے سے انشاء اللہ نہیں روکے گا مگر ایسے قرض کے بارے میں سلطان وقت یعنی حاکم (یا
قرض دار کے متعلقین میں سے مستطیع لوگوں) کا یہ اخلاقی فریضہ ہے کہ اس کا قرض ادا کر دیں اور اگر کوئی بھی اس کا قرض ادا نہیں کرے گا تو
پھر امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں قرض خواہوں کو راضی کر دے گا تاکہ وہ اس قرض دار سے آخرت میں کوئی مطالبہ نہ کریں۔

(۱۸) وَعَنِ النَّبَاِ بْنِ عَزَابٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاحِبُ الدِّينِ مَا سُوءُ بِذَنْبِهِ يَشْكُرُ إِلَى رَبِّهِ
الْوَحْدَةَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ زَوَاهِ الشَّافِعِيِّ وَرَوَى أَنَّ مُعَاذًا كَانَ يَدَّانِ فَأَتَانِي غُرْمَاؤُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَبَاغَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالَهُ كُلَّهُ لِي ذَنْبِهِ حَتَّى قَامَ مُعَاذٌ بِغَيْرِ شَيْءٍ فَوَسَّلَ هَذَا الْقَوْلَ الْمُصَابِيحُ وَلَمْ أَجِدْهُ
فِي الْأَصُولِ إِلَّا فِي الْمُتَفَقِّهِ. وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ كَعْبٍ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ مُعَاذٌ بْنُ جَبَلٍ شَابًا سَحِيحًا وَكَانَ
لَا يَمْسِكُ شَيْئًا فَلَمْ يَزَلْ يَدَّانِ حَتَّى أَغْرَقَ مَالَهُ كُلَّهُ فِي الدِّينِ فَأَتَانِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَهُ لِي كَلِمَةً غُرْمَاءُ
مَعُوذُ تَرَكُوهُ لِأَخِي لَتَرَكَوُ الْمُعَاذَ لِأَجْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَاغَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُمْ
مَالَهُ حَتَّى قَامَ مُعَاذٌ بِغَيْرِ شَيْءٍ - زَوَاهِ سَعِيدٍ فِي شَيْبِهِ مَرْسَلًا -

”اور حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”قرض دار اپنے قرض کی وجہ سے محسوس کر دیا جائے گا (یعنی جنت میں
داخل ہونے اور بند گان صالح کی محبت میں پہنچنے سے روک دیا جائے گا) چنانچہ وہ قیامت کے دن اپنے پروردگار سے اپنی تنہائی کی شکایت
کرے گا۔“ (شرح الحدیث)

”منقول ہے کہ حضرت معاذ ابن جبلؓ قرض لیا کرتے تھے (ایک مرتبہ) ان کے قرض خواہ (اپنے قرض کی وصولی کے سلسلے میں) آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے معاذؓ کا سارا مال واسباب ان کے قرض کی ادائیگی کے لئے بیچ ڈالا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معاذؓ مفلس ہو گئے۔ یہ حدیث مرسل ہے اور یہ الفاظ صحاح کے نقل کردہ ہیں۔ (مشکوٰۃ کے مؤلف کہتے ہیں کہ) مجھے یہ روایت اصول یعنی صحاح ستہ وغیرہ میں نہیں ملی ہے، البتہ یہ روایت متنی میں ملی ہے اور وہ بھی اس طرح ہے کہ ”حضرت عبدالرحمن ابن مالکؓ کہتے ہیں کہ حضرت معاذؓ ابن جبلؓ ایک غنی جوان تھے اور (اپنی سلاطت کی وجہ سے) کوئی مال واسباب اپنے پاس نہیں رکھتے تھے (کیونکہ ان کے پاس جو کچھ بھی ہوتا تھا وہ سب دوسروں کو دے دیا کرتے تھے) اسی وجہ سے وہ ہمیشہ قرض لینے رہتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے اپنا مال واسباب قرض کی نذر کر دیا۔ پھر وہ (ایک دن) آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (اور اس بات کی خواہش کی کہ آپ ﷺ ان کے قرض خواہوں سے سفارش کر دیں) کہ وہ سارا قرض یا قرض کا کچھ حصہ معاف کر دیں) چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے قرض خواہوں سے اس سلسلے میں گفتگو کی مگر انہوں نے کچھ بھی معاف نہیں کیا اور اگر وہ کسی کا قرض معاف کر سکتے تو آنحضرت ﷺ کی وجہ سے معاذؓ کا قرض ضرور معاف کر دیتے (لہذا جب انہوں نے معاف کرنے سے صاف انکار کر دیا تو) آنحضرت ﷺ نے ان قرض خواہوں کے مطالبات پورے کرنے کے لئے معاذؓ کا سارا مال واسباب بیچ دیا یہاں تک کہ ”اس کی وجہ سے معاذؓ مفلس ہو گئے“ اسیدؒ نے اس روایت کو اپنی سنن میں بطریق ارسال نقل کیا ہے۔“ (شرح السنہ)

تشریح: ”اپنے پروردگار سے اپنی تنہائی کی شکایت کرے گا“ کا مطلب یہ ہے کہ جب اس شخص کو نہ تو جنت میں داخل ہونے کی اجازت ملے گی اور نہ نیک لوگوں کی صحبت میں اسے جالے دیا جائے گا اور اس طرح جب وہ یہ دیکھے گا کہ تمام ہی نیک بخت لوگ تو جنت میں جا رہے ہیں اور میں ایسا بد بخت ہوں کہ ان کی رفاقت و صحبت کی سعادت سے بھی محروم ہوں، نیز اسے کوئی ایسا سفارشچی بھی نظر نہیں آئے گا جو اسے اس قید تنہائی سے نجات دلانے کی قہرہ اپنی تنہائی اور اس قید کو دشت سے مضطرب ہو کر بارگاہ خداوندی میں شکوہ کرے گا۔ چنانچہ جب تک وہ قرض کی وجہ سے چمکدار نہ پا جائے گا۔ بایں طور کہ یا تو وہ اس قرض کے عوض میں اپنی نیکیاں قرض خواہوں کو دے دے، یا قرض خواہوں کے گناہوں کو ان کے قرض کے عوض اپنے اوپر لاوے، یا اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کے قرض خواہوں کو راضی کر دے اور وہ اپنا حق معاف کر دیں۔ اس وقت تک وہ اپنی تنہائی میں رہے گا، گویا یہ تنہائی بھی اس کے لئے ایک عذاب کے درجے کی چیز ہوگی جس سے وہ سخت رنج و اذیت محسوس کرے گا۔

ایک روایت میں یوں منقول ہے کہ قرض دار اپنے قرض کی وجہ سے اپنی قبر میں قید کیا جائے گا اور پھر وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی قید تنہائی کا شکوہ کرے گا۔

”اصول“ ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں حدیثیں سند کے ساتھ نقل کی گئی ہیں۔ ”متنی“ ابن تیمیہؒ کی ایک کتاب کا نام ہے۔ لہذا مشکوٰۃ کے مؤلف روایت کے الفاظ لم اجد الخ کے ذریعے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ صحاح کے مصنف نے یہ روایت ورویٰ ان معاذ کا ان الخ جن الفاظ میں نقل کی ہے ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت مجھے اصول کی کتابوں میں نہیں ملی ہے بلکہ یہ روایت متنی میں منقول ہے اور وہ بھی ان الفاظ میں وعن عبد الرحمن الخ۔

علامہ طبرانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ متنی کے ہیں اور ان کو یہاں مؤلف مشکوٰۃ نے اس لئے نقل کیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ حدیث اگرچہ اصول کی ان کتابوں میں نہیں ہے جنہیں مؤلفؒ نے دیکھا ہے لیکن متنی میں موجود ہے لہذا یہ روایت اگر اصول کی کتابوں میں نہ ہوتی تو صاحب متنی اس کو اپنی کتاب میں نقل نہ کرتے۔

بلا عذر قرض ادا نہ کرنے والا مستطیع شخص قابل ملامت ہے

(۱۹) وَعَنْ الشَّرِيدِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَ الْوَاجِدِ يُعْلِلُ عِزَّةً وَغَفْوَةً قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ

يُجَلَّ عِزُّهُ يَغْلُظُ لَهُ وَعَقُوبَتُهُ يُخَبِّشُ لَهَا (رواہ ابو داؤد و ترمذی)

”اور حضرت شریفؒ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا مستطیع شخص کا (ادانگی قرض میں تاخیر کرنا) اس کی بے آبروئی اور اسے سزا دینے کو طہال کرنا ہے۔ “ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کی بے آبروئی کا طہال ہوتا ہے کہ اسے طامست کی جائے اور اسے سزا دینا یہ ہے کہ اس کو قید کر دیا جائے۔ “(ابو داؤد و ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص صاحب استطاعت اور مالدار ہونے کے باوجود بلا عذر اپنے قرض خواہ کا قرض ادا نہ کرے تو اس کی آبروریزی بھی مباح ہے اور اس کو سزا دینا بھی درست ہے کیونکہ اس کی طرف سے بلا عذر ادا انگی قرض میں نال منول اور تاخیر ایک طرح کا ظلم ہے۔ آبروریزی کا مطلب تو یہ ہے کہ اسے سرزنش کی جائے اور اسے برا بھلا کہا جائے۔ اور اس کو سزا دینے کا مطلب یہ ہے کہ حاکم و عدالت سے چارہ جوئی کر کے اسے قید خانہ میں ڈلوادیا جائے۔

قرض دار مرنے والے کی نماز جنازہ پڑھنے سے آنحضرت ﷺ کا انکار

(۲۰) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ أَمَّا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِجَنَازَةٍ لِيَصَلِّيَ عَلَيْهَا فَقَالَ هَلْ عَمِيَ صَاحِبُكُمْ ذَيْنَ قَالُوا نَعَمْ قَالَ هَلْ تَرَكَ لَهُ مِنْ وَفَاءٍ قَالُوا لَا قَالَ صَلُّوا عَلَيَّ صَاحِبُكُمْ قَالَ عَلَيَّ نُنْ أَيْنَ ظَالِمٌ عَلَى دَيْتِهِ يَأْزُ سَوْلَ اللَّهِ فَتَقْدَمُ فَصَلِّيْ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ مِّنْهَا وَقَالَ قُلْتُ اللَّهُ رَهَانِكَ مِنَ النَّارِ كَمَا فَكَّكَتْ رِهَانُ أَخِيكَ الْمُسْلِمِ لَيْسَ مِنْ عِنْدِ مُسْلِمٍ يَقْضِي عَنْ أَخِيهِ دَيْتَهُ إِلَّا قُلْتُ اللَّهُ رَهَانَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (رواہ فی شرح السنہ)

”اور حضرت ابو سعید خدریؒ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک جنازہ لایا گیا تاکہ آپ ﷺ اس کی نماز پڑھیں، آپ ﷺ نے (جنازہ لانے والوں سے) دریافت فرمایا کہ ”کیا تمہارے اس صاحب کی قرض بھی ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ ”ہاں!“ آپ ﷺ نے پھر پوچھا کہ ”کیا یہ شخص اپنے قرض کی ادانگی کے بعد (مال) چھوڑ دیا ہے؟ جواب دیا گیا کہ ”نہیں!“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تو پھر تم لوگ اس کی نماز جنازہ پڑھ لو (میں نہیں چھوڑ گا) حضرت علیؓ نے یہ سن کر کہا کہ ”یا رسول اللہ! اس کے قرض کی ادانگی میں اپنے ذمہ لیا ہوں۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ آگے بڑھے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ ایک اور روایت میں جو ای مضمون کی مقول ہے (مگر اس کے الفاظ اس سے مختلف ہیں) ایہ الفاظ بھی نقل کئے گئے ہیں کہ ”آنحضرت ﷺ نے (حضرت علیؓ سے) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری جان کو دوزخ کی آگ سے اسی طرح نجات دے جس طرح تم نے اپنے ایک مسلمان بھائی کی جان کو (قرض کے بوجھ سے) نجات دی، (یاد رکھو) جو بھی مسلمان بندہ اپنے مسلمان بھائی کا قرض ادا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی جان کو نجات دے گا“ (شرح السنہ)

قرض کے بوجھ سے پاک ہو کر مرنے والے کے لئے بشارت

(۲۱) وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَن مَاتَ وَهُوَ بَرِيٌّ مِنَ الْكِبْرِ وَالْغُلُولِ وَالذَّيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ (رواہ الترمذی و ابن ماجہ و الدلمی)

”اور حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اس حالت میں مرے کہ وہ کبر، غیبت اور قرض سے پاک ہو تو وہ (مقبول بندوں کے ساتھ) جنت میں داخل ہوگا۔“ (ترمذی، ابن ماجہ، دارقطنی)

بالکل مفلس کی حالت میں قرض دار مرنے کا ایک بڑا گناہ ہے

(۲۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَعْظَمَ الذُّنُوبِ عِنْدَ اللَّهِ أَنْ يُلْقَاهَا بِهَا عِنْدَ الْكِبَارِ الَّذِي نَهَى اللَّهُ عَنْهَا أَنْ يَمُوتَ وَخَلَّ وَعَلَيْهِ ذَيْنَ لَا يَدْعُ لَهُ قَضَاءً (رواہ ابو داؤد و ترمذی)

”اور حضرت ابو موسیٰ ثمالیؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیونکہ گناہ کہ جن سے اللہ نے منع فرمایا ہے اللہ کے نزدیک ان کے بعد عظیم ترین گناہ کہ جس کا مرتکب ہو کر بندہ خدا سے ملے یہ ہے کہ کوئی شخص اس حالت میں مرے کہ اس پر قرض کا بوجھ ہو اور اس نے اپنے پیچھے اتنا مال نہ چھوڑا ہو جس سے اس کا قرض ادا ہو جائے۔“ (احمد، ابوداؤد)

تشریح: بالکل مفلس کی حالت میں قرض کا بوجھ لے کر مرنے کے گناہ کو ”گناہ کبیرہ“ کے بعد کارہ ہے اس لئے دیا گیا ہے کہ ”گناہ کبیرہ“ تو بذات خود ممنوع ہے لیکن قرض لینا بذات خود ممنوع نہیں ہے کہ وہ گناہ کبیرہ ہو بلکہ بعض احادیث میں تو (اپنی واقعی ضروریات کی تکمیل کے لئے) قرض لینے کو مستحب کہا گیا ہے، چنانچہ بعض مواقع پر قرض کی جو ممانعت منقول ہے وہ اس عارض کی بناء پر ہے کہ بسا اوقات قرض لینے میں لوگوں کے حقوق ضائع ہوتے ہیں یعنی قرض لینے والا جب قرض کی ادائیگی نہیں کرتا تو قرض خواہ کا مال بلاوجہ ضائع ہو جاتا ہے اس صورت میں قرض لینا گناہ بن جاتا ہے۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ حدیث میں منقول ”گناہ کبیرہ“ کی اگر یہ وضاحت کر دی جائے کہ ایسے گناہ کبیرہ جو مشہور ہیں۔ جیسے شرک اور زنا وغیرہ تو مطلب یہ ہو گا کہ بالکل مفلس کی حالت میں قرض دار مرنے کے گناہ کارہ مشہور کبیرہ گناہ جیسے شرک وغیرہ کے بعد ہے، اس صورت میں یہ بھی (مشہور کبیرہ گناہوں کے علاوہ) دوسرے کبیرہ گناہوں کے زمرہ میں آ جائے گا۔

حرام چیزوں میں صلح ناجائز ہے

(۲۲) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ الْمَرْثِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصُّلْحُ حَائِزٌ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا صُلْحًا حَزَمَ حَلَالًا أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا وَالْمُسْلِمُونَ عَلَى شُرُوطِهِمْ إِلَّا شُرُطًا حَزَمَ حَلَالًا أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا زَوَاهِ الْبَرِّ مَذْبُوحًا وَابْنُ مَرْجَانَةٍ وَأَبُو دَاوُدَ وَاشْتَهَتْ رَوَائِثُهُ عَنْهُ قَوْلُهُ عَلَى شُرُوطِهِمْ۔

”اور حضرت عمرو ابن عوفؓ مرنے والے نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے ہاں وہ صلح جائز نہیں ہے جو حلال چیز کو حرام یا حرام چیز کو حلال کر دے اور مسلمان اپنی شرطوں پر ہیں (یعنی مسلمان صلح و جنگ یا ان کے علاوہ دوسرے معاملات میں آپس میں جو شرطیں یعنی عہد و پیمان کرتے ہیں ان کی پاسداری اپنا پندی ضروری ہے) ہاں اس شرط کی پابندی جائز نہیں ہے جو حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر دے۔“ (ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد، ابوداؤد نے اس روایت کو لفظ علی شرطہم تک نقل کیا ہے)

تشریح: ناجائز صلح کی مثال یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص اس بات پر صلح کرے کہ میں بیوی کی سوکن سے جماع نہیں کروں گا یہ صلح درست نہیں ہے کیونکہ اس میں ایک ایسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینا لازم آتا ہے جو بالکل جائز اور حلال ہے اسی طرح وہ صلح بھی جائز نہیں ہے جو حرام چیز کو حلال کر دے مثلاً کوئی اس بات پر صلح کرے کہ میں شراب پیوں گا یا سونے کھاؤں گا اس میں ایک چیز کو اپنے لئے حلال سمجھ لینا ہے جو قطعاً حرام ہے۔

جس طرح کی پاسداری دہا بندی جائز نہیں ہے اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ شرط و عہد کر لے کہ میں اپنی لونڈی سے جماع نہیں کروں گا، اس میں ایک ایسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے کی شرط ہے جو حلال ہے یا مثلاً کوئی اس بات کی شرط کرے کہ میں اپنی بیوی کی موجودگی میں اس کی بہن سے شادی کر لوں گا اس شرط و عہد کی پاسداری بھی درست نہیں کیونکہ اس میں ایک ایسی چیز کو اپنے لئے حلال قرار دے لینا لازم آتا ہے جو قطعاً حرام ہے۔

بظاہر یہ حدیث اس باب سے کوئی تعلق نہیں رکھتی لیکن چونکہ مؤلف کتاب نے اس حدیث کو یہاں نقل کیا ہے اس لئے کہا جائے گا کہ خرید و فروخت کے معاملات میں مفلس و دلولیہ ہو جانے کے وقت اگر صلح و شرائط کی نوبت آتی ہے اس لئے اس مناسبت سے اس

حدیث کو یہاں نقل کیا گیا ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

آنحضرت ﷺ کا پانچواں خریدنا

(۳۳) عَنْ شَوْلِبِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ جَلَسْتُ أَنَا وَمَعْرُوفَةُ الْعَبْدِيُّ بَرَاءُ بْنُ هَجْرٍ فَأَتَانَا بِهِ مَكَّةَ فَبَعَا نَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفْسَيْنِ فَسَأَوْنَا بِسَبْأَوِيلَ فَبَعَاهُ وَقَمَرٌ حُلَيْيُونَ بِالْأَخْرِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْنٌ وَأَزْجَعٌ - زَوْفَا أَعْمَدٌ وَأَبُو ذَاؤَدَ وَالْقَزْمَلِيُّ وَأَبْنَى مَاجَةَ وَالذَّارِمِيُّ وَقَالَ الْقَزْمَلِيُّ هَذَا خَدِيتُ حَسَنٌ صَحِيحٌ -

”حضرت سید ابن قیسؒ کہتے ہیں کہ میں اور حفصہ عہدی نے مقام ہجر (جو مدینہ کے قریب واقع ہے) پہنچنے کے لئے کپڑا لیا اور اسے لے کر مکہ میں آئے، رسول اللہ ﷺ (کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہم بیچنے کے لئے کپڑے کر مکہ آئے ہیں تو آپ ﷺ) بہ نفس نفیس چل کر (بغیر سواری کے) ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم سے ایک پانچواں خریدنا چنانچہ جب ہم نے وہ پانچواں آپ ﷺ کو بیچا تو آپ ﷺ نے اس شخص سے کہ جو اس جگہ اجرت پر لوگوں کے اسباب کو کھاتا تھا فرمایا کہ تم (میرے چاندی کے یہ ٹکڑے) تول دو تاکہ میں یہ ٹکڑے اس پانچواں کی قیمت کے طور پر دے دوں (اور بیچنے ٹکڑوں کی بات طے ہوئی ہے اس سے) کچھ زیادہ ہی تول دینا۔“ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) اور امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: ابویعلیٰ نے اپنی سند میں حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وہ پانچواں چار درہم کے عوض خرید فرمایا تھا۔ احادیث سے صرف آپ ﷺ کا پانچواں خریدنا ثابت ہوتا ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ نے وہ پانچواں یہنا بھی تھا۔ اس حدیث میں جہاں آنحضرت ﷺ کی توضیح و تفسیر کی گئی ہے کہ آپ ﷺ پانچواں خریدنے کے لئے خود بہ نفس نفیس چل کر تشریف لائے وہیں اس حدیث سے آپ ﷺ کے کمال اخلاق و کرم فرمائی کا اظہار بھی ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے پانچواں بیچنے والے کو طے شدہ قیمت سے زائد مال عنایت فرمایا۔

یہ حدیث بھی بظاہر اس باب کے موضوع سے متعلق نہیں ہے البتہ یہ کہ یہ کہا جائے کہ بعض وقت بیچنے والے کے افلاس اور اس کی خستہ حالت کی وجہ سے اس کو ازراہ احسان و بھلائی صحیحہ قیمت سے کچھ زائد بھی دے دیا جاتا ہے اس مناسبت سے یہ حدیث یہاں نقل کی گئی ہے۔

قرض کی واپسی میں غیر مشروط زیادتی جائز ہے

(۳۵) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ لِنِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَيْنِ فَقَضَانِي وَزَادَنِي - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ پر میرا کچھ قرض تھا، چنانچہ جب آپ ﷺ نے وہ قرض واپس کیا تو مجھے کچھ زیادہ دیا۔“

(ابوداؤد)

تشریح: ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی کا کوئی مطالبہ (مثلاً قرض وغیرہ) ادا کرے اور اپنی طرف سے کچھ زیادہ بھی دے دے بشرطیکہ وہ زیادتی سرے سے مشروط نہ ہو تو یہ درست ہے۔ اس زیادتی کو سود نہیں کہیں گے۔ کیونکہ سود تو اس زیادتی کو کہتے ہیں جو قرض خواہ قرض دیتے وقت مشروط کر دے مثلاً ایک سو روپیہ ایک شخصین مدت کے وعدے سے بطور قرض کسی کو دے اور یہ شرط عامہ کر دے کہ اس قرض کی واپسی کے وقت دس روپیہ مزید لوں گا یہ قطعاً حرام ہے۔

ادائیگی قرض کا جلد انتظام کرو

(۲۱) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي زُبَيْعَةَ قَالَ اسْتَفْرَضَ رَسُوْلُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعِينَ أَلْفًا فَجَاءَهُ مَالٌ فَدَفَعَهُ إِلَيْهِ وَقَالَ بَارَكَ اللَّهُ تَعَالَى فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ إِنَّمَا جَزَاءُ الشَّلْفِ الْخُذُو الْأَذْفَاءَ (رواه النسائي)

”اور حضرت عبداللہ ابن ابی زبیعہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھ سے ایک سو بیس ہزار (درہم) قرض لئے تھے، پھر جب آپ ﷺ کے پاس ایک بڑی مقدار میں مال آیا تو آپ ﷺ نے مجھے (وہ سب مال یا اس مال میں سے میرے قرض کے بقدر دیا) اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اہل و عیال اور تمہارے اسوئل میں برکت عطا فرمائے قرض کا بدلہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ (جب قرض مل جائے تو) شکرو شاکر کی جائے اور (جلد سے جلد) اس کی ادائیگی کا انتظام کیا جائے۔“ (نسائی)

مہلت دینے والے کو ثواب ملتا ہے

(۲۲) وَعَنْ جُمُرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لِرَّءِيٍّ عَلَى رَجُلٍ حَقٌّ فَمَنْ أَخَّرَهُ كَانَ لَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ صَدَقَةٌ (رواه احمد)

”اور حضرت عمران بن حصینؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”جس شخص کا کسی پر کوئی حق (یعنی قرض وغیرہ) ہو اور وہ اس (کو) وصول کرنے میں تاخیر کرے (یعنی قرض واد کو مہلت دے) تو اسے (دی ہوئی مہلت کے) ہر دن کے بدلے صدقہ کا ثواب ملے گا۔“ (احمد)

دین میراث پر مقدم ہے

(۲۸) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ الْأَنْطَرِ قَالَ مَاتَ أَخِي وَتَرَكَ ثَلَاثَةَ دِينَارٍ وَتَرَكَ وَلَدًا صَغِيرًا فَأَرَدْتُ أَنْ أَتَّقِ عَلَيْهِمْ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحْقَابَ مَخْبُوشٍ بِدِينِهِ فَأَقْضِ عَنْهُ قَالَ فَلَمَّ بَيْتٌ فَقَضَيْتُ عَنْهُ ثُمَّ جِئْتُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ قَضَيْتُ عَنْهُ وَلَمْ تَبْقَ إِلَّا أَمْرَةٌ تَدْعِي دِينَارَيْنِ وَلَيْسَتْ لَهَا بَيْتَةٌ قَالَ اعْطِهَا فَإِنَّهَا صَادِقَةٌ (رواه احمد)

”اور حضرت سعد ابن انطالؓ کہتے ہیں کہ جب میرا بھائی مرا تو اس نے تین سو دینار اور چھوٹے چھوٹے لڑکے چھوڑے تھے، چنانچہ میں نے چاہا کہ ان تین سو دیناروں کو اس کے چھوٹے بچوں پر خرچ کر دوں (اور اس کا قرض ادا نہ کروں) لیکن رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تمہارا بھائی اپنے قرض کی وجہ سے (عالم برزخ میں) محبوس کر دیا گیا ہے جس کے سبب وہ وہاں کی نعمتوں اور صلہ کی محبت سے محروم ہے لہذا تم اس کا قرض ادا کر دو۔ حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ (یہ سننے پر) میں گھرا آیا اور اپنے بھائی کا قرض ادا کیا۔ پھر میں آپ ﷺ کی رحمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے اپنے بھائی کا قرض ادا کر دیا ہے، اب کسی کا کوئی مطالبہ باقی نہیں ہے ہاں ایک عورت باقی رہ گئی ہے جو دو دینار کا دعویٰ کر رہی ہے لیکن اس کا کوئی گواہ نہیں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ”اس کو بھی دو دینار دے دو وہ بھی ہے۔“ (احمد)

تشریح: یا تو آپ ﷺ کو سعدؓ کے بھائی کے قرض کا حال بغیر دینی کے کسی اور ذریعہ سے معلوم ہوا ہو گا اس لئے آپ ﷺ نے سعدؓ کو اس کا قرض ادا کرنے کا حکم دیا کیونکہ حاکم کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی معلومات پر احمک کرتے ہوئے حکم جاری کر دے یا پھر آپ ﷺ کو دینی کے ذریعے اس کے قرض کا حال معلوم ہوا ہو گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دین، میراث پر مقدم ہے، یعنی مرنے والے کے مال و زر میں سے پہلے لوگوں کے وہ مطالبات ادا کئے جائیں جو اپنے ذمہ چھوڑ گیا ہو اس کے بعد جو کچھ بچے وہ داروں میں تقسیم کیا جائے

بار بازی شہادت بھی قرض کا کفارہ نہیں ہو سکتی

(۲۹) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَحْشٍ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا بِقِنَاءِ الْمَسْجِدِ حَيْثُ يُوَضَّعُ الْخَنَائِرُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ بَيْنَ ظَهْرَيْنَا فَرَفَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَصْرَهُ قَبْلَ الشَّمَاةِ فَهَظُوهُ ثُمَّ طَاطَأَ بَصْرَهُ وَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى جَنْبَيْهِ قَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ سُبْحَانَ اللَّهِ مَاذَا أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ يَذُوقُنَا فَنَسْكُنُا يَوْمَنَا وَلَيْلَتَنَا فَلَمْ نَرِ إِلَّا خَيْرًا حَتَّى أَصْبَحْنَا قَالَ مُحَمَّدٌ فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا السَّيِّئُ الَّذِي أَنْزَلَ قَالَ فِي الدُّنْيَى وَالْآخِرَةِ لَنْفُسٍ مُعْتَمِدَةٍ بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ زَجَلًا قُبِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ عَاشَ ثُمَّ قُبِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ عَاشَ ثُمَّ قُبِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ عَاشَ وَغَيْرُهُ ذَئِبٌ مَادَّحِلَ الْحَنَّةِ حَتَّى يَفْطِنَ ذَيْتُهُ زَوَاهُ أَخْنَدُ وَفِي شَرْحِ الشُّبَّةِ نَحْوُهُ۔

”اور حضرت محمد بن عبد اللہ ابن جحشؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ہم لوگ مسجد نبویؐ کے قریب اس محن میں بیٹھے ہوئے تھے جہاں جنازے لا کر رکھے جاتے تھے، ہمارے درمیان رسول کریمؐ بھی تشریف فرما تھے، اچانک آپؐ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور ادرود کیا پھر اپنی نظر جمالی اور اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھ کر (نبیائی تعجب کے عالم میں) فرمایا کہ ”سبحان اللہ! سبحان اللہ! کس قدر سختی نازل ہوئی ہے؟“ راوی کہتے ہیں کہ ”ہم خاموش رہے (یعنی ہم نے آپؐ سے کوئی سوال نہیں کیا) یہاں تک کہ وہ پورا دن گزرا، پوری رات گزری اور ہمیں اچھائی کے علاوہ کوئی سخت بات نظر نہیں آئی (یعنی صحابہؓ آپؐ کے اس ارشاد سے یہ سمجھے کہ شاید اسی وقت کوئی عذاب نازل ہونے والا ہے یا کوئی سخت مصیبت آنے والی ہے مگر وہ پورا دن گزرا، پوری رات گزری نہ کوئی عذاب نازل ہوا اور نہ کوئی مصیبت پیش آئی اتنا کہ صبح ہو گئی۔ حدیث کے راوی محمد ابن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ ”اس کے بعد میں نے رسول کریمؐ سے پوچھا کہ وہ کیا سختی ہے جو نازل ہوئی ہے“ (اور جس کا اظہار آپؐ نے اسے تعجب کے ساتھ کل فرمایا تھا) آپؐ نے فرمایا (دین) یعنی قرض وغیرہ کے بارے میں وہ سختی نازل ہوئی ہے، قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد کرتے ہوئے) مارا جائے اور پھر زندہ ہو، پھر اللہ کی راہ میں مارا جائے اور پھر زندہ ہو، پھر اللہ کی راہ میں مارا جائے اور پھر زندہ ہو اور اس پر قرض ہو تو وہ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوگا جب تک کہ اس کا قرض ادا نہ کر دیا جائے (یعنی اگر کوئی قرض دہرا ہو یا جو بھی اللہ کی راہ میں مارا جائے تو یہ بار بار کی شہادت بھی اس کے قرض کا کفارہ نہیں ہو سکتی) اس روایت کو امام احمدؒ نے نقل کیا ہے۔ نیز شرح السنہ میں بھی اسی طرح کی حدیث منقول ہے۔“ (جس کا مضمون تو یہی ہے مگر الفاظ دوسرے ہیں)

تشریح: اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرتؐ اور صحابہؓ جتناہ کی نماز مسجد میں نہیں پڑھتے تھے بلکہ مسجد سے باہر دوسری جگہ پڑھتے تھے۔

بَابُ الشَّرَكَةِ وَالْوَكَالَةِ

شرکت اور وکالت کا بیان

لغت میں ”شرکت“ کے معنی ہیں ”ملنا“ لیکن اصطلاح شریعت میں ”شرکت کہتے ہیں دو آدمیوں کے درمیان ایک ایسا (مثلاً تجارتی) عقد و معاملہ ہونا جس میں وہ اصل اور نفع دونوں میں شریک ہوں

”شرکت“ کی دو قسمیں ہیں، ”شرکت ملک“ اور ”شرکت عقد“ شرکت ملک اسے کہتے ہیں کہ دو آدمی یا کئی آدمی بذریعہ خرید یا ہبہ یا میراث کسی ایک چیز کے مالک ہوں، یا دو شخص مشترک طور پر کسی مہاجر چیز کو حاصل کریں، مثلاً دو آدمی مل کر شکار کریں اور وہ شکار دونوں کی مشترک ملکیت ہو۔ یا دو آدمیوں کا ایک ہی شخص کا مالک مال ایک دوسرے میں اس طرح مل جائے کہ ان دونوں کے مال کا امتیاز نہ

ہو سکے۔ مثلاً زید کا دودھ بکر کے دودھ میں مل جائے یا وہ دونوں اپنے اپنے مال کو قطعاً ایک دوسرے کے مال میں ملا دیں۔ یہ سب شریک ملک کی صورتیں ہیں۔ اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ ہر شریک اپنے دوسرے شریک کے حصے میں انجمنی آدمی کی طرح ہے، اور ہر شریک اپنا حصہ اپنے دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر اس شریک کو یا کسی (دوسرے شخص (یعنی غیر شریک کو) فروخت کر سکتا ہے البتہ آخری دونوں صورتوں میں (یعنی ایک دوسرے کے مال کے آپس میں مل جانے یا اپنے مال کو ایک دوسرے کے مال میں قطعاً ملا دینے کی صورت میں) کوئی بھی شریک اپنا حصہ کسی دوسرے شخص (یعنی غیر شریک) کو اپنے دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر نہیں بیچ سکتا۔

”شرکت عقد“ کا مطلب ہے ”شرکاء کا ایجاب و قبول کے ذریعے اپنے اپنے حقوق و اموال کو متحد کر دینا“ اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک دوسرے سے یہ کہے کہ میں نے اپنے فلاں حقوق اور فلاں معاملات (یعنی تجارت وغیرہ) میں شریک کیا اور دوسرا کہے کہ میں نے قبول کیا۔ اس طرح ”شرکت عقد“ کا رکن (یعنی اس کی بنیاد) ایجاب و قبول ہے اور اس کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ معاہدہ شرکت میں ایسی کوئی دفعہ مطلقاً شامل نہ ہو جو شرکت کے بنیادی اصولوں کو فوت کر دے جیسے شرکاء میں سے کسی ایک کا فائدہ میں سے کچھ حصے کو اپنے لئے متعین و مخصوص کر لینا مثلاً کسی تجارت میں دو آدمی شریک ہوں اور ان میں سے کوئی ایک شریک یہ شرط عائد کر دے کہ اس تجارت سے حاصل ہونے والے فائدے میں سے پانچ سو روپے ماہوار لیا کروں گا۔ یہ شرط مشترک و متحد معاملات کے بالکل متنافی ہے۔ جو شرکت کے بنیادی اصول و مقاصد ہی کو فوت کر دیتی ہے، اس لئے معاہدہ شرکت میں ایسی کسی دفعہ کا شامل نہ ہونا شرکت کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے۔

پھر شرکت عقد کی چار قسمیں ہیں۔ ① شرکت مفوضہ ② شرکت عمان ③ شرکت منافع و اقبل ④ اور شرکت وجوہ۔

”شرکت مفوضہ“ تو یہ ہے کہ دو شخص یہ شرط کریں یعنی آپس میں شہر آپس کے مال میں تعریف میں مفوضہ میں دونوں شریک رہیں گے لیکن اس شرکت کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ دونوں دین و ذمہ میں بھی یکساں اور برابر ہوں۔ یہ شرکت ایک دوسرے کی وکالت اور کفالت کو لازم کر دیتی ہے، یعنی شرکت مفوضہ میں شرکاء ایک دوسرے کے وکیل اور کفیل ہوتے ہیں۔ لہذا یہ شرکت مسلمان اور ذمی کے درمیان جائز نہیں ہوتی کیونکہ دین و ذمہ کے اعتبار سے دونوں مساوی اور یکساں نہیں ہیں، اسی طرح غلام اور آزاد کے درمیان اور بالغ و نابالغ کے درمیان بھی یہ شرکت جائز نہیں کیونکہ یہ تعریف میں مساوی و یکساں نہیں ہیں۔

اس شرکت کے معاہدہ و شرائط میں لفظ ”مفوضت“ یا اس کے تمام معنیات کو بیان کر دینا ضروری ہے۔ اس شرکت میں عقد و معاہدہ کے وقت شرکاء کا اپنا اپنا مال دینا یا اپنے مال کو ملانا شرط نہیں ہے۔ اس شرکت میں شرکاء چونکہ ایک دوسرے کے کفیل و وکیل ہوتے ہیں اس لئے اگر اس میں سے کوئی بھی اپنے مال بچوں کے کھانے اور کپڑے کے علاوہ جو کچھ خریدے گا وہ تمام شرکاء کی ملکیت ہوگا۔

حضرت امام محمدؒ کے نزدیک شرکت مفوضت اور عمان صرف ایسے سرمایہ اور مال میں صحیح ہو سکتی ہے جو روپے، اشرفی اور رائج الوقت سکوں کی شکل میں ہو۔ ہاں سونے اور چاندی کے ذلوں اور ٹکڑوں میں بھی جائز ہے بشرطیکہ ان کے ذریعے لین دین ہوتا ہو اور اگر شرکاء میں سے کوئی ایک وارث یا کسی اور ذریعے سے کسی ایسے مال کا مالک ہو جس میں مفوضت درست ہو سکتی ہے جیسے روپے اور اشرفی وغیرہ تو شرکت مفوضت باطل ہو کر شرکت عمان ہو جائے گی اور اگر شرکاء میں سے کوئی ایک کسی ایسے مال کا وارث ہو گیا جس میں شرکت مفوضت نہیں ہو سکتی جیسے اسباب، مکان اور زمین وغیرہ تو شرکت مفوضت باقی رہے گی۔

”شرکت عمان“ یہ ہے کہ دو آدمی ایک خاص طور کے معاملہ مثلاً تجارت میں شریک ہوں اور وہ دونوں مذکورہ بالا چیزوں یعنی تعریف اور دین و ذمہ وغیرہ میں یکساں و برابر ہوں یا یکساں و برابر نہ ہوں۔ یہ شرکت ایک دوسرے کی وکالت کو تو لازم کرتی ہے مگر کفالت کو لازم نہیں کرتی۔ ہاں شرکاء ایک دوسرے کے وکیل ہونے کے ساتھ ساتھ کفیل و امین بھی ہوتے ہیں مگر اسی کام میں جس میں وہ شریک

ہوں۔

”شرکت منافع و اہتیل“ یہ ہے کہ دو پیشہ ور مثلاً دو درزی یا دو گرجاں اس شرط پر شرکت میں کام کریں کہ دونوں شریک کام میں گئے اور دونوں اس کام کو مل جل کر کریں گے اور پھر جو اجرت حاصل ہوگی اسے دونوں تقسیم کریں گے۔ اگر ان کے معاہدہ شرکت میں یہ شرط ہو کہ کام تو دونوں آدموں آدھ کریں گے مگر نفع میں سے ایک تو دو تہائی لے گا اور دوسرا ایک تہائی تو یہ شرط جائز ہے۔ دونوں شرکاء میں سے جو بھی کسی کام لے گا اس کو کرنا دونوں کے لئے ضروری ہوگا یہ نہیں کہ جس شریک نے کام لیا ہو وہی اسے کرے بھی، اسی طرح ان کے یہاں کام کرانے والا دونوں شرکاء میں سے کسی سے بھی اپنا کام طلب کر سکتا ہے ایسے ہی دونوں شرکاء میں سے ہر ایک کو مساوی طور پر یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ کسی بھی کام کی اجرت حاصل کر لے اور ان میں سے کسی ایک کو اجرت دینے والا بری الذمہ ہو جائے گا۔ کام کے منافع اور کمائی میں دونوں شریک حصہ دار ہوں گے خواہ کام دونوں کریں یا صرف ایک کرے۔

”شرکت وجہ“ یہ ہے کہ ایسے دو آدمی جن کے پاس اپنا کوئی سرمایہ نہ ہو اس شرط پر مشترک کاروبار کریں کہ دونوں اپنی اپنی حیثیت اور اپنے اپنے اعتبار پر قرض سامان لاکر فروخت کریں گے اور اس کا نفع و ہسب تقسیم کریں گے۔ اگر ان دونوں کی شرکت میں مفاد مضرت کی شرط ہوگی تو وہ صحیح ہو جائے گی اور اگر وہ شرکت کو بلا شرط مفاد مضرت یعنی مطلق رہیں گے تو ان کی یہ شرکت بطور ضمان ہوگی، یہ شرکت تجارت کے لئے خریدے گئے مال میں وکالت کو لازم کرتی ہے، یعنی وہ اپنے یہاں فروخت کرنے کے لئے جو مال خرید کر لائیں گے اس میں وہ ایک دوسرے کے وکیل ہوں گے، لہذا اگر دونوں میں یہ شرط ملے پائی ہو کہ تجارت کے لئے جو مال خریدا جائے گا وہ دونوں کا آدھوں آدھ رہے گا تو اس کے نفع میں بھی دونوں آدھوں آدھ کے حصہ دار ہوں گے اور اگر یہ شرط ملے پائی ہو کہ جو مال خریدا جائے گا اس میں سے ایک کا تو ایک تہائی ہوگا اور دوسرے کا دو تہائی یا ایک کا دو تہائی ہوگا اور دوسرے کا ایک تہائی تو اس کا نفع بھی اسی اعتبار سے تقسیم ہوگا نفع میں کی بیش کی شرط باطل ہوگی یعنی یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ مال کو تو آدھوں آدھ حصہ اور نفع میں کی بیش کریں ہاں طور کہ ایک تو نفع میں دو حصے لے لے اور دوسرا ایک حصہ لے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نفع کا استحقاق ضمان یعنی ذمہ داری کی وجہ سے ہوتا ہے اور ضمان اس خریدی ہوئی چیز کی ملک کے تابع ہے مثلاً اگر ان میں سے کوئی مال کے نصف حصہ کا مالک بنا ہے تو اسے نصف قیمت ادا کرنی ہوگی اور جو دو حصوں کا مالک بنا ہے اسے دو حصوں کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔ اس لئے نفع بھی ملکیت کے مطابق ہی قرار پائے گا جو جتنے حصہ کا مالک بنے گا اسے اتنا ہی نفع ملے گا۔ اور اس چیز میں شرکت جائز نہیں ہے جس میں وکالت صحیح نہ ہو جیسے لکڑی کا ٹٹا، گھاس کھودنا، شکار کرنا اور پانی لانا۔ دونوں میں سے جو شخص پانی لانے گا وہی اس کا مالک ہوگا، اگر دوسرا اس میں اس کی مدد کرے گا تو وہ رائج اجرتوں کے مطابق اپنی اجرت بانے کا حق ہوگا۔

”وکالت“ کے معنی ہیں اپنے حقوق و مال کے تصرف (یعنی لینے دینے) میں کسی دوسرے کو اپنا قائم مقام بنانا۔ وکالت کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ موکل (یعنی کسی دوسرے کو اپنا وکیل بنانے والا) تصرف (یعنی لینے دینے) کا مالک ہو اور جس شخص کو وکیل بنایا جا رہا ہو وہ اس معاملہ کو جانتا ہو جس میں وہ وکیل بنایا گیا ہے۔

اور جو معاملہ آدمی کو خود کرنا جائز ہے اس میں دوسرے کو وکیل کرنا بھی جائز ہے اور جو معاملہ آدمی کو خود کرنا جائز نہیں ہے اس میں وکیل کرنا بھی جائز نہیں ہے مثلاً کوئی شخص شراب یا سورہ وغیرہ حرام چیزوں کی خرید و فروخت کے لئے کسی کو وکیل کر دے تو یہ درست نہیں ہوگا۔ تمام حقوق کو ادا کرنے اور ان کے حاصل کرنے میں وکیل کرنا جائز ہے اسی طرح حقوق پر قبضہ کرنے کے لئے بھی وکیل کرنا جائز ہے مگر حدود اور قصاص میں جائز نہیں ہے کیونکہ ان کی انجام دہی پر باوجود موکل کے اس جگہ موجود نہ ہونے کے وکالت درست نہیں دیتی۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حقوق کی جواب دہی کے لئے وکیل کرنا فریق ثانی کی رضامندی کے بغیر جائز نہیں ہے ہاں اگر

کل تیار ہوا تین منزل کی مسافت یا اس سے زیادہ کی دوری پر ہو تو جائز ہے لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کہتے ہیں کہ فرق ثانی کی رضامندی کے بغیر بھی حقوق کی جواب دہی کے لئے وکیل کرنا جائز ہے۔
شرکت اور وکالت کے بارے میں یہ چند اصول و مسائل فقہ کی کتابوں سے منتخب کر کے لکھ دیئے ہیں مزید تفصیل کے لئے اہل علم فقہ کی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

عقد میں شرکت جائز ہے

① عَنْ زُهْرَةَ بْنِ مُعْبِدٍ أَنَّهُ كَانَ يَخْرُجُ بِهِ خَدُّهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ هِشَامٍ إِلَى السُّوقِ فَيَشْتَرِي الطَّعَامَ فَيُلْقَاهُ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ الزُّبَيْرِ فَيَقُولَانِ لَهُ أَشْرَكْنَا فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ دَعَاكَ بِالْبَيْزِ كَيْفَ فَيُشِيرُ كُفَّهُمْ فَوُتِنَا أَصَابَ الزُّبَيْرُ أَجَلَةً كَمَا هِيَ فَيَنْتَعِثُ بِهَا إِلَى الْمَنْزِلِ وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ هِشَامٍ ذَهَبَتْ بِهِ أُمُّهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ زَانَهُ وَدَعَا لَهُ بِالْبَيْزِ كَيْفَ (رواه البخاری)

”حضرت زہرہ ابن معبدؒ (تابعی) کے بارہ میں معلوم ہے کہ ان کو ان کے دادا حضرت عبداللہ بن ہشامؒ بازار لے جایا کرتے تھے جہاں وہ غلہ خرید کر لے جاتے تھے چنانچہ (جب وہ غلہ خرید لیتے تو وہاں انکو حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن زبیرؓ ملتے اور وہ دونوں ان سے کہتے کہ ہم کو اپنا شریک بنا لو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے تمہارے لئے برکت کی دعا کی ہے (حضرت زہرہؓ کہتے ہیں کہ میرے دادا انکو شریک کر لیا کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ کی دعا کی برکت سے انکو ایسی نقصان و خسارہ کے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر نفع کا فائدہ ہوتا تھا جسے وہ اپنے گھر بچھڑا کرتے تھے۔ اور انکے حق میں آنحضرت ﷺ کے دعا کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن ہشامؓ کی والدہ انہیں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے گئیں تو آپ ﷺ نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور ان کے لئے برکت کی دعا کی۔“ (بخاری)

انصار کے مال میں مہاجرین کی شرکت

② وَعَنْ ابْنِ مُرَّةٍ قَالَ قَالَتْ الْأَنْصَارُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْقَسِمْنَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ إِخْوَانِنَا التَّجِيزِ قَالَ لَا تَكْفُرُونَا الْمُؤْمِنَةُ وَنُشْرُكُمْ فِي الْمُؤْمِنَةِ قَالُوا أَسْمِعْنَا وَأَطَعْنَا۔ (رواه البخاری)

”اور حضرت ابو مرہؓ کہتے ہیں کہ (جب مکہ سے مہاجرین مدینہ آئے تو انصار (یعنی مدینہ کے لوگوں) نے نبی ﷺ سے درخواست کی کہ ہمارے مجبوروں کے درختوں کو ہمارے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم فرما دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں درختوں کو تقسیم نہیں کروں گا تم ہی لوگ ہماری (یعنی مہاجرین کی) طرف سے بھی محنت کر لیا کرو ہم پیداوار میں تمہارے شریک رہیں گے۔ انصار نے کہا کہ ہم آپ ﷺ کی اس بات کو بسر و چشم قبول کرتے ہیں۔“ (بخاری)

تشریح: جب مکہ کے مسلمانوں پر ان کے وطن کی زمین تک کر دی گئی اور خدا اور خدا کے رسول کے حکم پر وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تو چونکہ انہوں نے اپنا سارا سامان و اسباب اور مال و متاع مکہ ہی میں چھوڑ دیا تھا اس لئے یہاں مدینہ میں ان کی معاشی زندگی کا تکفل مدینہ کے مسلمانوں نے کیا کہ جنہیں ”انصار“ کہا جاتا ہے اپنے وقتہ لیا اس کی شکل یہ کی گئی کہ نبی کریم ﷺ نے انصار مدینہ اور مہاجرین مکہ کے درمیان ”بھائی چارہ“ کر لیا چنانچہ انصار مدینہ نے اپنے تمام مال و اسباب میں مہاجرین کو برابر شریک بنا لیا۔ اسی موقع پر انصار نے آپ سے درخواست کی کہ ہمارے مجبوروں کے درختوں کو بھی ہماری اور ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان تقسیم فرما دیجئے مگر ہم اپنے اپنے حصہ کے درختوں میں محنت مشقت کریں اور ان سے پھل پیدا کریں، آپ نے ان سے فرمایا کہ میں درختوں کی تقسیم

نہیں کروں گا، بلکہ تمہیں لوگ ان درختوں کی دیکھ بھال کرو اور ان میں پانی وغیرہ دینے کی محنت و مشقت خود گوارہ کر لو کیونکہ تمہارے ان پیارے مہاجرین بھائیوں سے یہ محنت و مشقت برداشت نہیں ہوگی۔ پھر جب محل تیار ہو جائے گا تو میں تمہارے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دوں گا۔ آپ کے اس فیصلہ کو انصار نے برضاء و رغبت اور بسر و چشم قبول کر لیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کرنا، ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور ان کی طرف سے محنت و مشقت کرنا مستحب ہے نیز یہ حدیث بھی شرکت کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔

معاملات میں وکیل بنانا جائز ہے

(۳) وَعَنْ عُرْوَةَ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ الْبَارِقِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاهُ دِينَارًا لِلشَّيْخِ لِيُشْتَرِيَ لَهُ شَاتِبَ قَبَاعٍ إِخْذًا هُمَا بَدِيقًا وَأَنَا بِشَاةٍ وَدِينَارٍ فَقَدَّعَالَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُبَيْعَهُ بِالْبَزْخَةِ فَكَانَ لَوْ اشْتَرَى ثَوْبًا لَوَيْحَ فِيهِ۔ (رواه البخاری)

”اور حضرت عروہ ابن الجعد باریؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ رسول کریم ﷺ نے انہیں ایک دینار دیا تاکہ وہ آپ ﷺ کے لئے ایک بکری خرید لائیں، چنانچہ انہوں نے ایک دینار میں دو بکریاں خرید لیں اور پھر ان میں سے ایک بکری کو ایک دینار کے عوض (کسی کے ہاتھ) بیچ دیا، اس طرح انہوں نے انحضرت ﷺ کو ایک بکری دی اور ایک دینار بھی دیا۔ رسول کریم ﷺ نے ان کی اس ذہانت سے خوش ہو کر ان کے خرید و فروخت کے معاملات میں برکت کی دعا فرمائی، جس کا اثر یہ ہوا کہ اگر وہ مٹی خرید بیچے تو انہیں بھی انہیں فائدہ ہوتا۔“

(بخاری)

تشریح: ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تجارتی معاملات میں وکالت جائز ہے اسی طرح ان تمام چیزوں میں بھی کسی کو اپنا وکیل بنانا درست ہے جن میں نیابت اور قائم مقامی چلتی ہو۔

اگر کوئی شخص کسی کمال اس کی اجازت کے بغیر بیچ تو بیع منعقد ہو جاتی ہے لیکن اس کا صحیح ہونا مال کے مالک کی اجازت پر موقوف رہتا ہے اگر مال کا مالک اجازت دے دے گا تو بیع صحیح ہو جائے گی۔ یہ حنفیہ کا مسلک ہے، لیکن حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مالک کی اجازت کے بغیر اس کا مال بیچنا سب سے جائز ہی نہیں ہے اگرچہ بعد میں مالک کی اجازت بھی حاصل کیوں نہ ہو جائے۔

الفصل الثانی

امانت دار شرکاء کا اللہ تعالیٰ محافظ رہتا ہے

(۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ قَالَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُولُ أَنَا ثَالِثُ الشَّرِيكَينِ مَنَّا مَن يَخُنْ أَخَذَهُمَا ضَاحِحَةً فَإِذَا خَانَهُ خَوَّضَتْ مِنْ يَنْبِهِم۔ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَدَقَّاقُ زَيْدٍ وَجَاءَ الشَّيْخَانُ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میں دو شرکیوں کے درمیان ایک تیسرا (گنہگار) ہوں جب تک کہ ان میں سے کوئی اپنے دوسرے شریک کے ساتھ خیانت نہیں کرتا“ اور جب وہ خیانت و بددیانتی پر اتر آتے ہیں تو میں ان کے درمیان سے ہٹ جاتا ہوں (ابوداؤد) اور زہبیؒ نے اس روایت کے آخر میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں کہ ”اور پھر ان کے درمیان شیطان آجاتا ہے۔“

تشریح: ”میں دو شرکیوں کے درمیان ایک تیسرا ہوں“ کا مطلب یہ ہے کہ شرکاء جب تک دیانت، امانت اور ایمان داری کے ساتھ باہم شریک رہتے ہیں میری محافظت و برکت کا سایہ ان پر رہتا ہے یاں طور کہ میں انہیں ہر نقصان و تباہی سے محفوظ رکھتا ہوں۔ ان کے مال پر

کوئی آفت نازل نہیں کرتا، ان کے رزق میں وسعت بخشتا ہوں، ان کے معاملات میں خیر و بھلائی برقرار رکھتا ہوں، ان کے مال پر کوئی آفت نازل نہیں کرتا، ان کے رزق میں وسعت بخشتا ہوں، ان کے معاملات میں خیر و بھلائی برقرار رکھتا ہوں اور ہر موقع پر ان کی مدد نصرت کرتا ہوں۔

ان کے درمیان سے بہت آتا ہوں۔ کامطلب یہ ہے کہ جب شرکاء میں بددیانتی کے جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ خیانت کرنے لگتے ہیں تو میری مخالفت و برکت کا سایہ ان پر سے ہٹ جاتا ہے اور اس کے بجائے شیطان اپنا تسلط جمالیتا ہے جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ شرکاء مکمل نقصان و تباہی کے کنارے پہنچ جاتے ہیں اور ان کے مال و رزق سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معاملات بطور خاص تجارت وغیرہ میں شرکت مستحب ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے کاروبار اور مال و سرمایہ میں اللہ تعالیٰ کی وہ برکت نازل ہوتی ہے جو تنہا کاروبار کرنے والے کو حاصل نہیں ہوتی، اس لئے کہ جب کسی کاروبار میں دو آدمی شریک ہوتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک اپنے دوسرے شریک کے مال کی حفاظت و نگرانی میں کوشاں رہتا ہے، اور یہ معلوم ہی ہے کہ کوئی بندہ جب تک اپنے مسلمان بھائی کی مدد اور خیر خواہی میں لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے شامل حال رہتی ہے۔

خائن سے انتقام کا جذبہ تمہیں خیانت پر نہ اکساوے

⑤ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا لَأَمَانَةٌ إِلَىٰ مِنْ اتَّقَمْتِكَ وَلَا تَخُنْ مِنْ خَائِنِكَ.

(رواہ الترمذی، ابوداؤد، والدارمی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے جس میں امانت بنایا ہے اس کی امانت اس تک پہنچاؤ جو شخص تمہارے ساتھ خیانت کرے تم اس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔“ (ترمذی، ابوداؤد، داؤدی)

تشریح: ”بخاشی“ کہتے ہیں کہ حدیث کی آخری ہدایت سے مراد یہ ہے کہ خائن نے تمہارے ساتھ جو معاملہ کیا ہے وہی معاملہ تم اس کے ساتھ نہ کرو یعنی اگر کسی شخص نے تمہارے ساتھ خیانت کی ہے تو تم بھی اس کے ساتھ خیانت نہ کرو کیونکہ اگر تم بھی خیانت کرو گے تو پھر جس طرح وہ خائن ہے اسی طرح تم بھی خائن قرار دیئے جاؤ گے۔ ہاں اس سے وہ شخص مستثنیٰ ہے جو ظالم کسی کا مال لیکر کر جانے والے (لے اپنے حق کے بقدر اس کا مال لے لے، کیونکہ وہ تو اپنا حق اس سے لیتا ہو جو کوئی عدوان یعنی ظلم و زیادتی نہیں ہے جب کہ خیانت ایک مرتع عدوان (ظلم) ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کا کوئی حق مثلاً مال کسی کے ذمہ واجب ہو اور اس کا مال اس صاحب حق کی دسترس میں ہو تو وہ اپنے مال کے بقدر اس کے مال میں سے لے لے بشرطیکہ جو مال کی دسترس میں ہے وہ اس مال کی جس سے ہو جو مال والے کے ذمہ ہے مثلاً زیادہ کے دس روپے ہر کے ذمہ واجب ہیں اور... ہر کے کچھ روپے زیادہ کی دسترس میں ہیں تو اب زیادہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان روپوں میں سے اپنے دس روپے لے لے۔

آنحضرت ﷺ کا وسیل

⑥ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ أَرَدْتُ الْخُرُوجَ إِلَىٰ خَيْبَرَ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ وَقُلْتُ إِنَِّّي أَرَدْتُ الْخُرُوجَ إِلَىٰ خَيْبَرَ فَقَالَ إِذَا أَتَيْتَ وَكَيْلِي فُخْذُ مَنَةِ خَمْسَةِ عَشْرَ وَسَقَالَانِ ابْتَغِي مِنْكَ أَيْةً فَيَضَعُ يَدَكَ عَلَىٰ تَرْفُوقِهِ.

(رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں نے خیبر جانے کا ارادہ کیا تو (ارخصت ہونے کے ارادہ سے) نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہوا میں نے آپ ﷺ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ میں نے خیر جانے کا ارادہ کر لیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم خیر میں میرے وکیل کے پاس جاؤ تو اس سے پندرہ سو (مکھوڑیں) لے لینا اگر وہ تم سے کوئی نشانی مانگے تو اپنا ہاتھ اس کے حلق پر رکھ دینا۔ (ابو داؤد)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے جس شخص کو خیر میں اپنا وکیل مقرر کر رکھا تھا اسے یہ ہدایت دے رکھی ہوگی کہ اگر کوئی شخص میری طرف سے کچھ مانگے آئے اور تم اس سے میرا فرستادہ ہونے کی کوئی نشانی و علامت طلب کرو اور وہ اپنا ہاتھ تمہارے حلق پر رکھ دے تو سمجھ لینا کہ اس شخص کو میں نے بھیجا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت جابرؓ کو یہی نشانی سکھا کر بھیجا کہ وکیل اس نشانی کے ذریعہ ان کو پندرہ سو مکھوڑیں دیدے۔

الفصل الثالث

شرکت مضاربت میں خیر و بھلائی ہے

⑥ عَنْ ضُحَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ فِيهِنَّ الْبَيْعَةُ الْبَيْنَةُ إِلَى أَخِيهِ وَالْمُقَارَضَةُ وَالْإِخْلَاطُ الْبَيْعُ بِالشَّعِيرِ لِلْبَيْعِ لَا لِلْبَيْعِ - (رواہ ابن ماجہ)

”حضرت ضحیبؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تین چیزیں ایسی ہیں جن میں برکت (یعنی بہت زیادہ خیر و بھلائی) حاصل ہوتی ہے“ ① وعدہ پر بیچنا یعنی خریدار کو اور منگلی قیمت میں مہلت دینا ② مضاربت ③ گہیہوں میں جو ملتا مگر کے خرچ کے لئے بیچنے کے لئے نہیں۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: مضاربت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اپنا مال تجارت کے لئے دے اور وہ اپنی محنت سے کاروبار کرے پھر اس کاروبار سے جو نفع حاصل ہو وہ دونوں آپس میں تقسیم کر لیں۔

”مگر کے خرچ کے لئے گہیہوں میں جو ملتا ایک فائدہ مند چیز ہے کیونکہ اس طرح مگر کی غذائی ضرورت کی تکمیل کفایت کے ساتھ ہو جاتی ہے، البتہ بیچ جانے والے گہیہوں میں جو ملتا مطلقاً ممنوع ہے کیونکہ یہ گناہ و فریب ہے۔“

ایک واقعہ

⑦ وَعَنْ حُكَيْمِ بْنِ حِزَامٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مَعَهُ بِدَيْتَارٍ لِيَشْفِيَ لَهُ مِنْهُ أَضْعَفَةُ فَاشْفَى كُنُفًا بِدَيْتَارٍ وَبَاعَهُ بِدَيْتَارٍ فَرَجَعَ فَاشْفَى أَضْعَفَةَ بِدَيْتَارٍ فَجَاءَ يَهْأُو بِالْبَيْتَارِ الَّذِي اسْتَفْصَلَ مِنَ الْآخَرِ فَتَصَدَّقَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبَيْتَارِ فَذَعَا لَهُ أَنْ يُبَارِكَ لَهُ فِي بَيْعَارِهِ - (رواہ الترمذی والدارقطنی)

”اور حضرت حکیم ابن حزامؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ رسول کریم ﷺ نے انہیں ایک دیتار دیکر بھیجا کہ وہ اس دیتار سے آپ ﷺ کے لئے قربانی کا جانور خرید لیں، چنانچہ انہوں نے اس دیتار کے عوض ایک جینٹل جانور خرید لیا اور پھر اسے دو دیتار میں بیچ دیا، اس سے فارغ ہو کر انہوں نے قربانی کا جانور ایک دیتار میں خرید لیا اور اس جانور کے ساتھ وہ دیتار بھی لاکر آنحضرت ﷺ کو دیدیا جو پیسے خریدے گئے جانور کی وصول شدہ قیمت میں سے بیچ گیا تھا، آنحضرت ﷺ نے اس دیتار کو تو صدقہ کر دیا اور حضرت حکیم ابن حزامؓ کے حق میں یہ دعا فرمائی کہ خدا ان کی تجارت میں برکت عطا فرمائے۔“ (ترمذی، ابوداؤد)

شرکت و وکالت کے کچھ مسائل: شرکت و وکالت کے بارہ میں کچھ اصولی باتیں باب کی ابتداء میں اور پھر کچھ مسائل احادیث کی تشریحات میں بیان ہو چکے ہیں، چونکہ باب ختم ہو رہا ہے اس لئے مناسب ہے کہ اس موضوع سے متعلق کچھ اور ضروری مسائل کی کجاطور پر

ذکر کردیے جائیں۔

شرائعتی جماعت: کسی تجارتی کاروبار یا معاملہ میں جو لوگ شریک و حصہ دار ہوتے ہیں ان کی دو شکلیں ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ اس کاروبار یا معاملہ کا ہر شریک مالک و متصرف یا صرف متصرف ہوتا ہے اس طرح اس کاروبار یا معاملہ میں جملہ شرکاء کے باہمی مشورے پر عمل درآمد ہوتا ہے۔ اسی شکل کی وہ چار قسمیں، شرکت مفادہ، شرکت عنان، شرکت صنائع و اہل اور شرکت وجوہ ہیں جن کا بیان باب کی ابتدا میں ہو چکا ہے۔

شرکاء کی دوسری شکل یہ ہوتی ہے کہ چند افراد کی ایک جماعت کسی تجارتی معاملہ میں شریک و حصہ دار ہو اور وہ تمام افراد کسی قانونی نظام اور مقررہ قواعد و ضوابط کے پابند و ماتحت ہوں اور ان میں سے ہر ایک شریک اپنے آپ کو مالکانہ حیثیت سے علیحدہ تصور کرے۔ اس شکل کو موجودہ دور کے مشترک تجارتی اداروں اور کمپنیوں پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔

اس بارہ میں فقہی مسئلہ یہ ہے کہ:

۱) ایسے کسی بھی مشترک تجارتی ادارے یا کمپنی کا نظم و نسق چلانے، قانون پر عملدرآمد کرنے اور اجرائے کار کے لئے شرکاء ہی میں سے یا ان کے علاوہ لوگوں میں سے ایک شخص یا کئی آدمیوں کو جملہ شرکاء کے مشورے سے منتخب کیا جائے۔

۲) کوئی بھی شریک بالضرر اور تصرف کا حق نہیں رکھتا البتہ حق ملک ہر شریک کو حاصل ہوتا ہے۔

۳) جملہ شرکاء کی جماعت، ہیئت مجموعی مالک و متصرف ہوگی اور یہ ہیئت مجموعی خواہ با اتفاق کل حاصل ہو یا بکثرت آراء۔

۴) کوئی بھی شریک اپنے مشترک تجارتی ادارہ کا اجرو ملازم بن سکتا ہے۔

۵) کوئی بھی شریک علیحدگی اختیار نہیں کر سکتا البتہ اپنا حصہ بذریعہ بیابلیہ بیع منتقل کر سکتا ہے۔

۶) جب تعداد شرکاء محدود و مکمل ہو جائے اور کوئی شریک اپنا حصہ بیچے تو دوسرے شرکاء مقدم سمجھے جائیں گے۔

۷) اگر کوئی حصہ میراث یا بیع وغیرہ کے ذریعہ تقسیم ہو جائے تو کارکنان کمپنی اس بات پر مجبور ہوں گے کہ اس حصہ کے جملہ ورثاء یا حقداروں سے لین دین کرنے میں جو کچھ زحمت ہو اسے برداشت کریں اس حصہ کے جملہ ورثاء یا شرکاء خواہ مل کردار و سند (لین دین) کریں یا کسی ایک کو وکیل بنادیں، ایسے حصہ کے جملہ شرکاء کا مجموعہ ایک ذات کے برابر سمجھا جائے گا۔

۸) شرکاء کمپنی کاروبار چلانے کے لئے جو قانون مرتب و نافذ کریں گے ان کی پابندی تمام شرکاء پر ضروری ہوگی البتہ خلاف شرع قانون بنانا محضیت و گناہ اور اس کی پابندی ناجائز ہے۔

۹) ایسے جملہ قانون جو کسی نظم و نسق کی حالت کے لئے وضع کئے جائیں صرف مباحات سے متعلق رہیں گے، منصوصات شرعیہ میں اثر انداز نہیں ہوں گے۔

۱۰) یہ شرط کہ شرکاء ذاتی طور پر کسی دین اور نقصان کے ذمہ دار نہیں صرف اس صورت میں معتبر ہے جب کہ اس کا اعلان کیا جا چکا ہو۔

فتح شراکت: جو تجارتی کاروبار یا کوئی معاملہ دو ذوق کے زیر شرکت ہو اس کو فتح کر دینے یعنی شرکت کو ختم کر دینے کی دو صورتیں ہیں۔

اول یہ کہ شرکت کو ختم کر دینے پر دونوں ذوق رضی ہیں۔

دوم یہ کہ ایک ذوق علیحدگی چاہے جیسے وہ مرگیا یا بخون ہو گیا یا کسی مطالبے میں مال دیتا ہے جس سے سراپہ قائم نہیں رہ سکتا یا علیحدگی کی کوئی اور وجہ ہو۔ ان تمام صورتوں میں شرکت ختم ہو کر تقسیم عمل میں آجائے گی اگرچہ قیمت کے ورثاء اور بخون کے اولیاء شراکت کھاتی رکھنا چاہیں۔

فتح شراکت میں فقہی ہدایت یہ ہے کہ:

۱) پہلے تمام مطالبات ادا کئے جائیں۔

- ۱۲ ان معاہدوں کی تکمیل کا انتظام بھی ہو جائے جو شراکت کے ذمہ تھے۔
 - ۱۳ وہ تمام حقوق جو ”اصل و ہم“ میں معتبر سمجھے گئے ہیں مثل اموال قیمتی کے تقسیم ہوں گے۔
 - ۱۴ جو مطالبات دوسروں پر واجب ہیں اور جن کا وصول ہونا باقی ہے وہ بوقت وصول بقدر حصہ ملا کریں گے اور ہر شریک دوسرے کا وکیل سمجھا جائے گا تاکہ تقاضہ اور وصول کرتا رہے۔
 - ۱۵ شراکت کی دوسری صورت میں ان دو چیزوں کا لحاظ ضروری ہے اول یہ کہ شراکت سے علیحدگی اختیار کرنے والا فریق یا اس کے قائم مقام ذمہ داروں کے ہارے میں سبکدوش نہیں ہو سکیں گے۔ دوم یہ کہ جملہ حقوق معتبرہ مثل دوکان و نام وغیرہ میں فریق خارج کو کوئی حق نہیں دیا جائے گا۔
 - ۱۶ شراکتی جماعتوں یعنی مشرک تجارتی اداروں اور کمپنیوں پر اس ادارہ یا کمپنی کے مقررہ قانون کے حکم یا حاکم کے حکم کے بغیر ایسے انفساخ کا اثر نہیں چسکا کیونکہ کسی شریک کی موت و جنون کا انفسا وغیرہ سے اس کا تعلق نہیں ہے۔
 - ۱۷ شراکت کی صورت میں تقسیم کی ترتیب: جب شراکت ختم ہو جائے اور فریقین کے درمیان سرمایہ و اموال کی تقسیم ہونے لگے تو ان امور کی ترتیب اور ان کا لحاظ ضروری ہے۔
 - ۱۸ جو مطالبات شراکت کے ذمہ ہوں ان کی ادائیگی یا جو معاہدات کئے گئے ہوں ان کی تکمیل کا انتظام پیش نظر ہے۔
 - ۱۹ جملہ حقوق معتبرہ اور اموال قیمتی کی قیمت متعین کر دی جائے اور در صورت اختلاف و نزاع قرعہ سے فیصلہ کرنا شرعاً جائز ہے۔
 - ۲۰ فریق خارج کو کوئی حق آئندہ نہ دلایا جائے گو ذمہ داری کے ہارے وہ سبکدوش نہیں ہے۔
 - ۲۱ شراکت کے جو مطالبات دوسروں کے ذمہ ہوں ان میں حسب دستور و کالت رہے گی، وصول ہونے پر بقدر حصہ تقسیم کرنا چاہئے۔
- وکالت کے احکام:**
- ۱ وکالت کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ وکیل اور موکل، مجنون، نابالغ، غلام اور مجنون نہ ہوں۔
 - ۲ کسی ایسی شے میں وکیل بنانا جائز نہیں جو کسی کی ملکوت نہ ہو جیسے جنگل کی گھاس یا کھڑیاں جمع کرنا، دریا سے پانی لانا، غوطہ لگا کر موتی نکالنا، یا صدقہ لینے کے لئے وکیل بنانا۔
 - ۳ جائز ہے کہ وکیل چاہے تو مفت خدمات انجام دے، چاہے اپنی اجرت وصول کر لے اور چاہے نفع میں شریک ہو۔
 - ۴ ہر ایسے تصرف میں جس کی نسبت اپنی اور موکل دونوں کی طرف کر سکتا ہے، وکیل مثل اصل کے مدعی اور مدعا علیہ بن سکتا ہے جیسے خرید و فروخت، اور ہر ایسے امر میں جس کی نسبت اپنی طرف نہیں کر سکتا وکیل کو حقوق عقد سے کوئی واسطہ نہیں جیسے نکاح، طلاق۔
 - ۵ وکیل کو یہ حق حاصل نہیں کہ اپنی ذات کے لئے مالکانہ تصرف کرے کیونکہ وہ صرف امین ہے۔
 - ۶ موکل اپنے وکیل کو تصرف سے پہلے معزول کر سکتا ہے، تصرف کے بعد اسے وکیل کے انجام دیئے ہوئے کام کو قبول و تسلیم کر لینے کے علاوہ اور کوئی حق حاصل نہیں۔
 - ۷ وکیل کو حق ہے کہ وہ موکل کے لئے جو مال لایا ہے اس کے دام وصول کئے بغیر اس کے حوالے نہ کرے مگر دے کر واپس نہیں کر سکتا۔
 - ۸ جب تک وکیل دام وصول کرنے کے لئے مال نہ روکے امن نہ ہے اور روکے کے بعد ضامن ہو جائے گا۔
 - ۹ وکیل کو جائز نہیں کہ جس چیز کے لئے وکیل بنایا گیا ہے اس کا معاملہ اپنی ذات کے لئے کرے۔
 - ۱۰ ذیل نے اپنے نوکر سے کسی دوکان سے کوئی چیز منگوائی اور نوکر وہ چیز دوکاندار سے ادا حوالہ لے آیا تو وہ دوکاندار ذیل سے قیمت کا

تقاضہ نہیں کر سکتا بلکہ اسی نوکر سے تقاضہ کرے اور وہ نوکر زید سے تقاضا کرے۔ بشرطیکہ زید نے قیمت اسے نہ دی ہو۔ اسی طرح اگر زید نے اپنی کوئی چیز اپنے نوکر سے کوئی نو زید کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ خریدار سے تقاضہ کرے یا اس سے قیمت وصول کرے، کیونکہ خریدار نے جس شخص سے وہ چیز حاصل کی ہے اسی کو قیمت ادا کرے گا، ہاں اگر خریدار زید کو اپنا خود قیمت دیدے تو یہ جائز ہے مطلب یہ ہے کہ اگر خریدار زید کو قیمت نہ دے تو زید زبردستی نہیں کر سکتا۔

⑦ زید نے اپنے نوکر سے ایک من گچھ منگوایا تھا گر وہ ڈیڑھ من اٹھا لیا تو زید کو پورا ڈیڑھ من لینا واجب نہیں ہے بلکہ اگر وہ نہ لے تو آدھ من نوکر کو لینا پڑے گا۔

⑧ زید نے کسی سے کھانا بکری جو فلاں کے یہاں ہے تم جا کر اس کو پندرہ روپے میں لے آؤ تو اب وہ شخص وہی بکری خود اپنے لئے نہیں خرید سکتا، مطلب یہ ہے کہ جو چیز خاص کر کے وکیل کو بتادی جائے اس وقت تک وکیل کو خود اپنے لئے اس کو خریدنا جائز نہیں ہے، البتہ موکل نے جو دام بتائے ہیں اس سے زیادہ میں اگر وکیل اپنے لئے خریدے تو جائز ہے اور اگر موکل نے کچھ دام نہ بتائے ہوں صرف خریدنے کے لئے کہا ہو تو پھر کسی صورت میں بھی وہ چیز وکیل اپنے لئے نہیں خرید سکتا۔

⑨ زید کے وکیل نے زید کے لئے ایک بکری خریدی پھر بھی وکیل زید کو دینے نہ پایا تھا کہ بکری مر گئی یا چوری ہو گئی تو اس بکری کے دام زید ہی کو دینا پڑیں گے، اگر زید وکیل سے یہ کہے کہ تم نے وہ بکری میرے لئے نہیں بلکہ اپنے لئے خریدی تھی تو زید کی اس بات کا اعتبار نہیں ہوگا بشرطیکہ زید نے اس بکری کے دام وکیل کو پہلے ہی دے دیئے ہوں، ہاں اگر اس نے دام پہلے نہیں دئے تھے تو اس صورت میں اگر زید قسم کھا کر وکیل سے یہ کہے کہ تم نے وہ بکری اپنے لئے خریدی تھی تب اس کی بات کا اعتبار ہوگا اور اس بکری کا نقصان وکیل کو برداشت کرنا ہوگا، اور اگر زید قسم نہ کھائے تو پھر وکیل ہی کی بات کا اعتبار کرنا ہوگا۔

⑩ زید کا نوکر اگر کوئی چیز گراں خرید لائے تو اگر تمہارا ہی فرق ہو تب تو وہ چیز زید کو ملنی پڑے گی اور اس کی قیمت ادا کرنا ہوگی اور اگر بہت زیادہ گراں خرید لاتا ہے کہ وہ چیز اتنی قیمت میں کوئی نہیں خرید سکتا تو اس کا لینا واجب نہیں ہے۔ اگر زید وہ چیز نہ لے تو خود نوکر اس چیز کا ذمہ دار ہوگا۔

⑪ زید نے اپنی کوئی چیز بکر کو دی کہ وہ اسے فروخت کر دے تو بکر کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اس چیز کو خود لے لیوے اور اس کے دام زید کو دیوے، اسی طرح اگر زید نے بکر سے کہا کہ فلاں کی چیز مجھے خرید لاؤ تو بکر کو یہ اجازت نہیں ہوگی۔ کہ وہ اپنی چیز زید کو لا کر دیوے اور اس سے اس کی قیمت وصول کرے، اگر بکر اپنی چیز دنیا یا خود لینا چاہے تو زید سے صاف صاف کہہ دے کہ یہ چیز میں لیتا ہوں مجھ کو دے دو یا یوں کہہ دے کہ یہ میری چیز ہے لے لو اور اتنی قیمت مجھے دیدے بغیر بتائے ہوئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

⑫ زید نے اپنے نوکر سے بکری کا گوشت منگوایا اور وہ بیچنے کا لے آیا تو زید کو اختیار ہوگا کہ چاہے لے چاہے نہ لے اسی طرح زید نے نوکر سے آلو منگوائے اور بھڑی لے آیا تو اس کا لینا ضروری نہیں اگر زید لینے سے انکار کر دے تو نوکر کو خود لینا پڑے گا۔

⑬ زید نے دو آدمیوں کو بھیجا کہ بازار جا کر فلاں چیز لے آؤ تو اس چیز کی خریداری کے وقت ان دونوں آدمیوں کو موجود رہنا ضروری ہے۔ صرف ایک آدمی کو خریدنا جائز نہیں ہے اگر ایک ہی آدمی خریداری کرے تو بیع موقوف رہے گی۔ اگر زید صرف ایک آدمی کی خریداری کو منظور کر لے گا تو صحیح ہو جائے گا۔

⑭ زید نے کسی شخص سے کہا کہ بازار سے فلاں چیز خرید لاؤ مگر اس شخص نے وہ چیز خود نہیں خریدی بلکہ کسی دوسرے سے خریدنے کے لئے کہہ دیا تو اب اس چیز کو لینا زید پر واجب نہیں رہے گا۔ چاہے وہ لے لے چاہے لینے سے انکار کر دے دونوں اختیار ہیں البتہ اگر وہ شخص خود خریدے تو پھر زید کو لینا پڑے گا۔

وکیل کی برطرفی: وکیل کو قبل تصرف برطرف کر دینے کا ہر وقت اختیار ہے مثلاً زید نے کسی سے کہا تھا کہ مجھے ایک بکری کی ضرورت ہے

کہیں مل جائے تو لے لینا پھر منع کر دیا کہ میں نے تم سے جو بکری خریدنے کے لئے کہا تھا اب نہ خریدنا، اس کے باوجود وہ شخص بکری خریدنے لے تو زیہ کے لئے یہ ضروری نہیں ہوگا کہ وہ بکری لے لے کیونکہ منع کرنے کے بعد اس شخص کو زیہ کے لئے بکری خریدنے کا اختیار نہیں رہا تھا۔ ہاں اگر اس نے بکری خرید لی اور پھر اس کے بعد زیہ نے منع کیا تو اس صورت میں زیہ پر واجب ہوگا کہ وہ بکری لے لے اور اس کی قیمت ادا کرے۔

اور اگر یہ صودت ہو کہ زیہ نے خود اس کو منع نہیں کیا بلکہ خط لکھ کر بھیجا یا آدمی بھیج کر اطلاع دی کہ اب میرے لئے بکری نہ خریدنا تب بھی وہ شخص وکالت سے برطرف ہو گیا، اور اگر زیہ نے برطرفی کی اطلاع نہیں دی بلکہ کسی اور آدمی نے اس سے کہہ دیا کہ زیہ نے تمہیں وکالت سے برطرف کر دیا ہے اب اس کے لئے نہ خریدنا تو اس صورت میں اگر اطلاع دینے والے دو آدمی ہوں یہ ایک ہی آدمی نے اطلاع دی مگر وہ معتبر اور پابند شرع ہے تو اس اطلاع پر بھکر طرفی عمل میں آجائے گی اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ شخص وکالت سے برطرف نہیں ہوگا اگر اس نے بکری خرید لی تو زیہ کو کچھ بچے گی۔

بَابُ الْغَصَبِ وَالْعَارِيَةِ

غصب اور عاریت کا بیان

”غصب“ کے معنی چھیننے کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں ”غصب“ کہتے ہیں چوری کے بغیر اذراہ عظیم و جوہر کسی کامل زبردستی چھین لینا۔ ایسے شخص کو کہ جو کسی کی کوئی چیز زبردستی چھین لے یا ہڑپ کر لے ”غاصب کہتے ہیں“ اور معصوب اس چھینی ہوئی یا ہڑپ کی ہوئی چیز کو کہتے ہیں خواہ وہ کچھ ہو۔

”عاریت“ کے معنی ہیں ماگنی ہوئی۔ چیز اصطلاحی طور پر بغیر کسی عوض کے کسی دوسرے شخص کو اپنی کسی چیز کے نفع و فائدہ کا مالک بنادینا عاریت کہلاتا ہے۔

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

غصب کرنے والی کی سزا

① عَنْ سَعْدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَخَذَ شَيْئًا مِنَ الْأَرْضِ غُلْبًا فَإِنَّهُ يُنْظَرُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَنَةٍ أَوْ عَيْنَيْنِ۔ (مسلم علیہ)

”حضرت سعید ابن زید کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص (کسی کی) بالشت بھر زمین بھی اذراہ عظیم لے گا قیامت کے دن ساتوں زمینوں میں سے اتنی ہی زمین اس کے گھگھے میں بطور طوق ڈالی جائے گی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: کسی کی کوئی بھی چیز خواہ وہ زیادہ ہو یا کتنی کم ہو، اور راز زبردستی چھین لینا یا ہڑپ کر لینا نہ صرف سماجی طور پر ایک ظلم اور اخلاقی طور پر ایک بھلائی نہ برائی ہے بلکہ شرعی طور پر بھی انتہائی خست جرم اور گناہ ہے۔ اسلام نے انسانی حقوق کے تحفظ کا جو اعلیٰ تصور پیش کیا ہے اور اسلامی شریعت نے حقوق العباد پر ڈاکہ ڈالنے والوں کو جن سخت سزائیں اور عقوبتوں کا مستوجب گردانا ہے، یہ حدیث گرامی اس کا ایک نمونہ ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کی زمین کا ایک بالشت بھر حصہ بھی زبردستی چھینے کا اسے اس کے ظلم و جور کی یہ سزا دی جائے گی کہ قیامت کے دن زمین کا صرف وہی حصہ نہیں جو وہ غصب کرے گا بلکہ ساتوں زمینوں میں سے اتنی ہی زمین لے کر اس کے گھگھے میں بطور طوق ڈالی دی جائے گی، العباد باللہ۔

شرح السنۃ میں ”طریق ڈالنے کا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے جو شخص کسی کی زمین کا باشت بھر حصہ بھی غصب کرے گا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے زمین میں و حسائے کا چنانچہ زمین کا وہ قطعہ جو اس نے غصب کیا ہو گا اس کے گلے کو طوق کی مانند جکڑے گا۔

کسی جانور کا دودھ مالک کی اجازت کے بغیر نہ دو ہو

(۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْلِبُنَّ أَحَدٌ خَادِمَةً يَتَوَلَّيْنِهَا زَيْنَةً يَحِبُّ أَحَدُكُمُ أَنْ يُولِي مَشْرُوقَةً فَتُكْسِرَ بِمِزَانِهِ فَيُنْقَلَطَ طَعَامُهُ وَانْشَاءُ يَخْزُونُ لَهُمْ مَشْرُوقٌ مَوَالِيهِمْ أَطْعَمَاهَا يَمُوتُ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے جانور کا دودھ اس کی اجازت (یعنی اس کے حکم و رضا) کے بغیر نہ دے کہ اس میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کر سکا ہے کہ کوئی شخص اس کے خزانہ (یعنی اس کے غلہ کو گودام میں) آئے اور اس کا خزانہ (گودام) کھول دے یہاں تک کہ اس کا غلہ اضمایا جائے؟“ اسی طرح (جان لو کہ) دوسروں کے جانوروں کے حصن ان کی غذائی ضرورت (یعنی دودھ) کی حفاظت کرتے ہیں۔“ (مسلم)

تشریح: جانوروں کے حصن کو غلہ وغیرہ کے گودام سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح تم اپنے غلوں کو گوداموں میں بھر کر محفوظ رکھتے ہو اسی طرح دوسرے لوگوں کے جانور اپنے حصنوں میں اپنے مالک کی غذائی ضرورت یعنی دودھ کو محفوظ رکھتے ہیں لہذا جس طرح تم اس بات کو بھی پسند نہ کروا رہے ہو کہ کوئی دوسرا شخص تمہارے گوداموں اور تمہارے خزانوں کو غیر محفوظ بنا کر وہاں سے غلہ یا دوسری محفوظ اشیاء نکال لے اسی طرح تمہارا یہ فعل بھی جانوروں کے مالکوں کو کیسے گوارہ ہو سکا ہے کہ تم ان جانوروں کے حصنوں سے دودھ نکال لو۔

حاصل یہ کہ تم دوسروں کے مال پر بری نگاہ نہ ڈالو اور دوسروں کے حقوق کو غصب نہ کرو تاکہ کوئی دوسرا تمہارے مال کو غصب نہ کرے۔ اور جس طرح تم اپنا مال غصب کیا جانا گوارہ نہیں کر سکتے اسی طرح کسی دوسرے کا مال خود غصب کرنا بھی گوارہ نہ کرو۔

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ اکثر علماء نے اس ارشاد گرامی پر عمل کرتے ہوئے یہ فتویٰ دیا ہے کہ کسی کے جانور کا دودھ مالک کی اجازت کے بغیر دھونا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص بھوک سے بے حال ہو رہا ہو تو اس کے لئے اتنی اجازت ہے کہ وہ بقدر ضرورت کسی کے جانور کا دودھ پی لے مگر پھر اس کی قیمت ادا کرے۔ اگر اس کے پاس موجود ہو تو اسی وقت یہ قیمت دے دے ورنہ بعد میں جب بھی قادر ہو قیمت کی ادائیگی کر دے۔

ایک واقعہ

(۳) وَعَنِ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ بَعْضِ نِسَائِهِ فَلَازَسَلَتْ إِحْدَى امْتِهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ بِصُخْفَةٍ فِيهَا طَعَامٌ فَضَرَبَتْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي يَتِيهَا يَدَ الْخَادِمِ فَسَقَطَتِ الصُّخْفَةُ فَانْفَلَقَتْ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَقِيَ الصُّخْفَةَ ثُمَّ جَعَلَ يَجْتَمِعُ فِيهَا الطَّعَامَ الَّذِي كَانَ فِي الصُّخْفَةِ وَيَقُولُ غَارَتْ أَمْكُمُ ثُمَّ حَبَسَ الْخَادِمَ حَتَّى أَتَى بِصُخْفَةٍ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ هُوَ فِي يَتِيهَا فَذَفَعَ الصُّخْفَةَ الصَّحِيحَةَ إِلَى النَّبِيِّ كَسِيرَتْ صُخْفَتُهَا وَافْتَسَلَتْ الْمَكْسُورَةُ فِي يَتِي النَّبِيِّ كَسِيرَتْ (رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ اپنی کسی زوجہ مطہرہ (یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ) کے ہاں قیام فرما رہے تھے کہ ازدواج مطہرات میں سے کسی نے (یعنی حضرت زینبؓ یا حضرت صفیہؓ اور یا حضرت ام سلمہؓ) ایک رکابی بھیجی جس میں کھانے کی کوئی چیز تھی (اسے دیکھتے ہی) ان زوجہ مطہرہ نے جن کے ہاں آپ ﷺ قیام فرما رہے (یعنی حضرت عائشہؓ) نے خادمہ کے ہاتھ پر (اس طرح) مارا کہ وہ رکابی گر پڑی اور ٹوٹ گئی۔ نبی کریم ﷺ نے رکابی کے وہ ٹوٹے ہوئے ٹکڑے اکٹھے کیے اور پھر ان ٹکڑوں میں کھانے کی وہ چیز جمع کی جو

رکابی میں تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تمہاری ماں کو غیرت مگنی تھی“ بہر کیف آپ ﷺ نے (کچھ دیر) خادم کو روکے رکھا یہاں تک کہ جن زوجہ مطہرہ کے گھر آپ ﷺ قیام فرماتے (یعنی حضرت عائشہؓ) آگے ہیں سے دوسری رکابی مہتابی گئی اور پھر آپ ﷺ نے (ای) خادم کے ذریعہ ان زوجہ مطہرہ کے ہاں کہ جن کی رکابی ٹوٹ گئی تھی وہ صحیح و سالم رکابی بچھری اور وہ لوٹی ہوئی رکابی ان زوجہ مطہرہ کے گھر رکھ لی جہوں نے اس رکابی کو توڑا تھا۔“ (بخاری)

تشریح: ”خادم“ خادم کو بھی کہتے ہیں اور لونڈی کو بھی۔ چنانچہ یہاں ”خادم“ سے مراد لونڈی ہی ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ کے ہاں لونڈی ہی وہ رکابی اور اس میں کھانے کی کوئی چیز لے کر آئی تھی۔

جب وہ رکابی گر کر ٹوٹ گئی اور اس میں سے کھانے کی وہ چیز بھی زمین پر گر گئی جو اس رکابی میں تھی تو آنحضرت ﷺ نے نہ صرف رکابی کے ٹکڑوں کو اٹھا کیا بلکہ کھانے کی اس چیز کو بھی نہایت احتیاط کے ساتھ جمع کیا، اس صل سے آپ ﷺ کے کمال عقل، انتہائی تواضع اور ازدواج مطہرات کے ساتھ آپ ﷺ کی خوش مزاجی اور خود روگذر کے عالی جذبات ہی کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی بہت زیادہ تعظیم کرتے تھے۔

”تمہاری ماں کو غیرت مگنی“ یہ دراصل اس واقعہ کو سننے پر چمکنے والوں سے آپ ﷺ کا خطاب عام ہے، اس ارشاد کے ذریعہ گویا آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کی طرف سے عذریہ بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ سے جو یہ اضطرابی فعل صادر ہوا وہ درحقیقت اس غیرت کی بناء پر تھا جو ہر عورت کی جبلت و سرشت میں داخل ہے کہ کوئی بھی عورت خواہ وہ کتنی ہی اونچے مقام پر ہو یا فخر ہو اپنی سوکن کے تئیں مخصوص رقبہ اور رشک آمیز جذبات و احساسات سے عاری نہیں ہو سکتی اور نہ کسی بھی عورت کے بس کی یہ بات ہے کہ وہ اپنی طبیعت اور اپنے نفس کو اس طبعی اور جبلی جذبہ سے محفوظ رکھ لے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے تاکہ لوگ حضرت عائشہؓ کے اس فعل کو برائی پر محمول نہ کریں بلکہ یہ جان لیں کہ ان سے یہ فعل بظاہر بے ہمتی سرزد ہو گیا تھا جس میں ان کے مقصد و ارادے یا کسی برائی کا قطعاً دخل نہیں تھا۔

قاضیؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو اس باب میں نقل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ رکابی توڑ دینا ایک طرح کا غضب تھا کیونکہ اس سے ایک دوسرے کا مال تلف ہوا اگرچہ اس کا سبب خواہ کچھ ہی رہا ہو۔
یا پھر یہ کہ کھانے کی جو چیز بھیجی گئی تھی وہ تو تحفہ کے طور پر تھی لیکن جس رکابی میں وہ چیز بھیجی گئی تھی وہ بطریق عاریت کے تھی اس لئے اس مناسبت سے یہ حدیث اس باب میں ذکر کی گئی۔

کسی مسلمان کا مال لوٹنا حرام ہے

﴿وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَرْثَدَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى عَنِ الْتَهْنَةِ وَالْمُتْلَفَةِ﴾ (رواہ البخاری)

”اور حضرت عبد اللہ ابن مرثدہؓ نے نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے لوٹنے اور شلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔“ (بخاری)

تشریح: کسی مسلمان کا مال لوٹنا حرام ہے لیکن اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ غیر مسلم کا مال لوٹنا حرام نہیں ہے بلکہ مقصد تو صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو کسی بھی حال میں اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ مسلمان بھائیوں کے مال کو ناحق طور پر اور زور زور دہی سے لوٹ مار لیں کیونکہ اس کا تعلق صرف حقوق العباد کی پامالی ہی سے نہیں ہے بلکہ معاشرہ اور سوسائٹی کے امن و سکون کی مکمل تباہی سے بھی ہے، لہذا امن و سلامتی کے سرچشمہ ”اسلام“ کا تابعدار ہونے کے ناطے ایک مسلمان پر یہ ذمہ داری سب سے زیادہ عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے معاشرہ، اپنی قوم اور اپنے ملک کے نظام امن و امان کو درہم برہم ہونے اور لاقانونیت پھیلنے سے بچائے جس کا بنیادی پہلو یہ ہے کہ دوسرے کے مال، دوسرے کی جائیداد اور دوسرے کے حقوق کی پامالی اور لوٹ مار کو اسی طرح ناقابل برداشت سمجھا

جائے جس طرح اپنے مال، اپنی جائیداد اور اپنے حقوق پر کسی کی دست درازی قطعاً رواست نہیں ہو سکتی۔
 ”مثلاً“ جسم کے کسی عضو مثلاً ناک اور کان وغیرہ کاٹ ڈالنے کو کہتے ہیں، اسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے کیونکہ اس طرح خدا کی تخلیق میں بگاڑ اور بد نمائی پیدا کرنا لازم آتا ہے۔

حاجیوں کا سامان چرانے والے کا عمر تناک حشر

⑤ وَعَنْ حَابِرٍ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ مَاتَ ابْنُ مَرْثَدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَرَأَى النَّاسَ بِسَبِّ وَكُفَّاتٍ بِأَرْبَعِ سَجَدَاتٍ فَانْصَرَفَ وَقَدْ أَصَبَتِ الشَّمْسُ وَقَالَ مَا مِنْ شَيْءٍ نُوْعِدُّونَهُ إِلَّا قَدْ رَأَيْتُهُ فِي صَلَاتِي هَذِهِ لَقَدْ جِئْتُ بِالنَّارِ وَذَلِكَ جِئْتُ رَأَيْتُمُونِي تَأَخَّرْتُ مُحَافَةً أَنْ لَيْسَ بَيْنِي مِنْ لَفْجِهَا وَحَتَّى رَأَيْتُ فِيهَا صَاحِبَ الْمَحْجَنِ يَخْرُجُ قُضْبَةً فِي النَّارِ وَكَانَ يَسُرُّ الْمَخَاحَ بِمَحْجَبِهِ فَإِنْ قُطِعَ لَهُ فَهَالِ انَّمَا تَعْلُقُ بِمَحْجَبِي وَإِنْ غُفِلَ عَنْهُ ذَهَبَ بِهِ وَحَتَّى رَأَيْتُ فِيهَا صَاحِبَةَ الْهَيْرَةِ الَّتِي زَيْنُهَا فَلَمْ تَطْعَمْهَا وَلَمْ تَدْعُهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ حَتَّى مَاتَتْ جُوعًا لَمْ جِئْتُ بِالْجَنَّةِ وَذَلِكَ جِئْتُ رَأَيْتُمُونِي تَقَدَّمْتُ حَتَّى لَفْتُ فِي مَقَامِي وَلَقَدْ مَذَذْتُ يَدِي وَأَنَا أَرِيدُ أَنْ أَتَاوُلَ مِنْ لَمَعَتِهَا لِنَظَرِي إِلَيْهِ ثُمَّ تَذَلَّنِي أَنْ لَا أَفْعَلَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی وفات کے دن سورج گرہن ہوا، چنانچہ آپ ﷺ نے لوگوں کو سورج گرہن کی نماز پر رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ بڑھائی (یعنی دو رکعتیں پڑھیں اور ہر رکعت میں تین تین رکوع اور دو دو سجدے کئے) اور جب آپ نماز کے فارغ ہوئے تو سورج پہلی طرح روشن ہو چکا تھا پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس چیز کا بیشی جنت اور دوزخ کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ میں نے آج اپنی اس نماز میں دیکھ لی ہے، چنانچہ دوزخ کو میرے سامنے پیش کیا گیا اور دیکھ کر وہ وقت تھا جب (نماز کے دوران) تم نے مجھے پیچھے ہٹنے ہوئے دیکھا تھا اور میں اس خوف سے پیچھے ہٹ گیا تھا کہ کہیں اس کی گرمی مجھ تک نہ پہنچ جائے، میں نے ”اس وقت (دوزخ) میں خمدار لکڑی والے (یعنی مرد و ان کی) کو اس حال میں دیکھا کہ وہ اس میں اپنی انگوٹھوں کو کھینچ رہا تھا، فہم اپنی خمدار لکڑی کے ذریعہ حاجیوں کا سامان چرایا کرتا تھا (جس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ وہ چلتے چلتے کسی کی کوئی چیز اپنی خمدار لکڑی میں الجھا لیتا تھا) اگر کوئی اس کی حرکت دیکھ لیتا تو وہ یہ کہہ دیتا کہ یہ چیز اپنے آپ میری لکڑی میں الجھ آئی ہے اور اگر کوئی نہ دیکھ پاتا تو وہ اس چیز کو غائب کر دیتا تھا۔ نیز میں نے اس وقت دوزخ میں اس بلی والی عورت کو بھی دیکھا جس نے ایک بی ہاندھ رکھی تھی جسے نہ وہ کھاتی تھی اور نہ اسے چھوڑتی تھی کہ وہ حشرات الارض یعنی چوہے وغیرہ کھالے یہاں تک کہ وہ بلی ہارسے بھوک کے مر گئی۔ پھر میرے سامنے جنت کو پیش کیا گیا اور دیکھ کر وہ وقت تھا جب تم نے مجھے آگے بڑھتے ہوئے دیکھا تھا مگر پھر میں اپنی جگہ ٹھہر گیا اور میں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تاکہ میں اس کے پھل توڑ لوں جسے تم بھی دیکھ لو لیکن میں نے سوچا کہ مجھے ایب نہیں کرنا چاہیے (تاکہ تمہارے ایمان بالغیب میں رخنہ نہ پڑے)۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے کئی باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ جنت اور دوزخ عالم وجود میں آچکی ہیں اور موجود ہیں چنانچہ اہل منت کا یہی مسلک ہے، دوم یہ کہ عذاب اور بلاکت کی جگہ سے ہٹ جانا منت ہے، سوم یہ کہ بعض لوگ اس وقت بھی دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہیں اور چہارم یہ کہ تھوڑا سا عمل نماز کو باطل نہیں کرتا جیسا کہ آنحضرت ﷺ نماز کے دوران جنت اور دوزخ کو دیکھ کر آگے بڑھے اور پیچھے ہٹے۔

جانور کا عاریہ مانگ لینا جائز ہے

⑥ وَعَنْ قُتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ كَانَ فَرَسٌ بِالْمَدِينَةِ فَاسْتَعَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسًا مِنْ أَبِي

طَلْحَةُ يُقَالُ لَهُ الْمُنْدُوبُ فَرَجَبٌ فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ مَا أَيْتَانِي مِنْ شَيْءٍ وَإِنْ وَجَدْتُهُ لَبِثْتُ حَتَّى أَسْتَقْبِلَهُ .

”اور حضرت قتادہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ایک ایک دن اس خیال سے کہ کفار کا لشکر مدینہ کے قریب آگیا ہے مدینہ میں گھبراہٹ اور خوف کی ایک فضا پیدا ہوگئی ہے۔ (یہ دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے حضرت طلحہؓ کا گھوڑا کہ جسے مندوب یعنی شست کہا جاتا تھا، عاریہ مانگا اور اس پر سوار ہو کر تحقیق حال کے لئے مدینہ سے باہر نکلا پھر جب آپ ﷺ واپس آئے تو فرمایا کہ میں نے خوف و گھبراہٹ کی کوئی چیز نہیں دیکھی ہے، نیز میں نے اس گھوڑے کو کٹارہ دم یعنی تیز رفتار پایا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت ابو طلحہؓ کا گھوڑا پہلے بہت ڈھیلا اور شست رفتار تھا اسی واسطے اس کا نام ہی ”مندوب“ یعنی شست رکھ دیا گیا تھا مگر جب آنحضرت ﷺ اس پر سوار ہوئے تو آپ ﷺ کی برکت سے وہی گھوڑا اچاق و چرند اور تیز رفتار ہو گیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی جانور کو عاریہ مانگنا اور اسے اپنے استعمال میں لانا جائز ہے نیز کسی جانور کو کسی نام سے موسوم کر دینا بھی جائز ہے اسی طرح سادن جنگ کا نام رکھنا بھی جائز ہے۔

یہ حدیث جہاں آنحضرت ﷺ کی شجاعت و بہادری اور کمال جانبازی کو ظاہر کرتی ہے کہ جب دشمن کی فوج کے مدینہ کے قریب آجانے کے خوف سے پورے مدینہ میں اضطراب و گھبراہٹ کی ایک عام فضا پیدا ہوگئی تھی تو آپ ﷺ بالکل بے خوف ہو کر تحقیق حال کے لئے تنہا مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے، وہیں یہ حدیث اس بات کی بھی غماز ہے کہ دشمنوں کی ٹوہ لٹنی اور ان کے حالات پر مطلع ہونے کے لئے کسی کار ضروری ہے۔ نیز حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی خوف و اضطراب کے موقع پر خوف کے خاتمہ کی خوشخبری لوگوں کو دینا مستحب ہے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

خبر زمین کا آباد کرنے والا اس زمین کا مالک ہے

① عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ أَخَذَ أَرْضًا مَيْتَةً فَلَهَا وَلَيْسَ لِعِزْقِ ظَلَمٍ حَقٌّ . زَوْاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَزَوْاهُ مَالِكٌ عَنْ غَزْوَةِ مُزَسَّلَا وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ عَوِيثٌ .

”حضرت سعید بن زیدؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص مردہ زمین کو زندہ کرے یعنی خبر و ویران زمین کو آباد کرے وہ اسی کی ہے اور ظالم کی رگ کا کوئی استحقاق نہیں ہے“ اس روایت کو احمد، ترمذی، ابوداؤد نے (بدرجہ اقصا) نقل کیا ہے جب کہ مالکؓ نے اس روایت کو عروہ سے بطریق ارسال کیا ہے، نیز امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔“

تشریح: حدیث کے پہلے جزء کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی زمین ویران و خبری ہوئی ہو اور کوئی شخص اپنی محنت و مشقت سے اس زمین کو قابل کاشت بنائے یا اس کو آباد کرے تو وہ زمین اسی شخص کی ملکیت ہو جاتی ہے بشرطیکہ وہ پہلے سے کسی مسلمان کی ملکیت میں نہ ہو اور نہ شہر و گاؤں کی کسی ضرورت و مصلحت سے متعلق ہو جیسے وہ جانوروں کے چبھنے کی جگہ ہو، کلیں کے کام آتی ہو، یا دھو بی پرنے دھو کر وہاں پھیلاتے ہوں اور یہ اس سے کسی بھی عوامی فائدہ کا تعلق ہو، حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک خبر و ویران زمین کو قابل کاشت یا قابل آبادی کر کے اپنی ملکیت بنانے کی ایک شرط امام (یعنی حکومت وقت) کی اجازت بھی ہے اگر اسے سرکاری طرف سے اجازت مل جائے تب وہ اس کا مالک ہو سکتا ہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ حضرت امام احمدؒ اور حنفیہ میں سے حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے ہاں یہ اجازت شرط نہیں ہے، ان سب کی دلیلیں فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

”اور ظالم کی رگ کا کوئی استحقاق نہیں ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی آباد کی ہوئی زمین میں کاشت کرے یا

اس میں کوئی درخت لگائے تو وہ اس کی وجہ سے اس زمین کا مالک نہیں بن جائے گا۔

کسی دوسرے کا مال بغیر اجازت حلال نہیں ہے

⑧ وَعَنْ أَبِي حُرَيْرَةَ الرَّقَابِيِّ عَنْ عَبْدِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا تَنْظِلُونَا أَلَا لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ
الْأَبْطِيطِ نَفْسٍ مِنْهُ وَآوَاهُ النَّبِيُّ فَيَنْفِي عَنْ شَعْبِ الْإِيمَانِ وَالنَّارِ قَطِيعًا فِي الْمُحْتَجِّ-

”اور حضرت ابو حرہ رثائی (تابعی) اپنے چچا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا خیرادر کسی پر ظلم نہ کرنا! جان لو کہ کسی بھی دوسرے شخص کا مال (لیا یا استعمال کرنا) اس کی مرضی و خوشی کے بغیر حلال نہیں۔ اس روایت کو یحییٰ نے شعب الایمان میں اور دار قطنی نے مختاری میں نقل کیا ہے۔“

کسی کا مال لوٹنے والا اسلامی برادری کا فروجنے کے قابل نہیں

⑨ وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ خُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لَا حِلَّيْ وَلَا حَنْبٍ وَلَا شِعَارَ فِي الْإِسْلَامِ وَفِي
النَّهْبِ نَهْبَةٌ فَلْيَنْسَ وَفَافًا (رواد السرخسی)

”اور حضرت عمران ابن حصینؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا نہ ”جلب“ (جانب) نہ ”شعار“ (پرچم) اور نہ ”نہب“ (چوری) اسلام میں (جائز) ہے اور یاد رکھو جو شخص (کی کوئی چیز) وہ ہم میں سے نہیں ہے (یعنی وہ ہماری) جماعت میں سے نہیں ہے یا ہمارے طریقہ پر نہیں ہے حاصل یہ کہ ایسا شخص اس قابل نہیں کہ اسے اسلامی برادری کا ایک فرد سمجھا جائے۔“ (ترمذی)

تشریح: جلب اور جنب یہ دو اصطلاحی الفاظ ہیں۔ ان کا تعلق ”سباق“ سے بھی ہے اور ”صدقہ“ سے بھی سباق و مسابقت یعنی گھوڑ دوڑ کے مقابلہ کو کہتے ہیں مثلاً دو آدمی اس شرط کے ساتھ آپس میں گھوڑے دوڑائیں کہ دیکھیں کون آگے نکل جاتا ہے، لہذا سباق میں جلب یہ ہے کہ گھوڑا دوڑانے والا ایک آدمی اپنے گھوڑے کے پیچھے رکھے جس کا کام یہ ہو کہ وہ گھوڑے کو مارے، آوازیں لگائے اور اس کو دوڑائے۔ اور جنب یہ ہے کہ گھوڑا اپنے ساتھ رکھے تاکہ سواری کا گھوڑا اگر تھک جائے تو اس دوسرے گھوڑے پر سوار ہو کر آگے نکل جائے۔

”صدقہ“ میں جلب کی صورت یہ ہے کہ صدقات و زکوٰۃ وصول کرنے والا جب صدقہ و زکوٰۃ وصول کرنے لوگوں کے پاس جائے تو آبادی سے باہر ان لوگوں سے دور کہیں بھی دو سڑی جگہ ٹھہر جائے اور کسی دوسرے آدمی کو ان لوگوں کے پاس یہ کہلا کر بھیجے کہ جن جن لوگوں پر زکوٰۃ واجب ہے وہ اپنی زکوٰۃ کا مال لے کر یہاں آجائیں۔

اسی طرح ”جنب“ یہ ہے کہ جس شخص پر زکوٰۃ واجب ہو وہ اپنا مال لے کر اپنے مکان سے کہیں دور چلا جائے اور زکوٰۃ وصول کرنے والے سے کہے کہ وہ اس کے پاس وہیں پہنچ کر زکوٰۃ وصول کرے، اس کا بیان کتاب زکوٰۃ میں گذر چکا ہے چنانچہ یہاں بھی جلب و جنب سے منع فرمایا گیا ہے خواہ ان کا تعلق سباق سے ہو یا صدقہ سے۔

”شعار“ یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح کسی سے اس شرط کے ساتھ کرے کہ وہ اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح اس کے ساتھ کر دے اور ہر کچھ نہ مقرر ہو بلکہ یہ شرط ہی ہر کے قائم مقام ہو۔ حدیث میں اس قسم کے عقد کو اسلام کے طریقہ کے خلاف فرمایا گیا ہے چنانچہ اکثر علماء کے نزدیک ایسا عقد فاسد ہے لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ اور سفیانؒ کے نزدیک یہ عقد نہ کرنا چاہئے۔

کسی کی کوئی چیز کسی مذاق میں لیکر ہڑپ نہ کر جاؤ

⑩ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ عَصَا أَخِيهِ لَاعِبًا جَادًا

فَمَنْ أَخَذَ غَصًّا أَخِيهِ فَلْيَبْزُهَا إِلَيْهِ زَوَاهِ التَّيْرِ مَذِيَّةً وَأَيُّوَذَاؤُورَ وَابْتِهَ إِلَى قَوْلِهِ نَجَادًا۔

”اور حضرت سائب ابن زیدؓ اپنے والد محرم سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اپنے کسی بھائی کا عصار (لاٹھی) کسی مذاق میں اس مقصد سے نہ لے کہ وہ اس کو رکھ لے گا جو شخص اپنے کسی بھائی سے عصار لے تو اسے واپس کرنا چاہئے۔ (ترمذی، ابوداؤد، لیکن ابوداؤد کی روایت قطعاً جادانک ہے۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص کسی سے اس کی لاٹھی یا چمڑی یا ظاہر تو نبی مذاق میں لے کر مقصد یہ ہو کہ اسے ہرپ کر لوں گا جیسا کہ آج کل اس کا بہت رواج ہے کہ ایک دوسرے کی چیز نبی مذاق میں چمڑی جاتی ہے اگر مالک کو اس کا علم ہو جاتا ہے تو وہ چیز اسے واپس دیدی جاتی ہے اگر اسے علم نہیں ہو پاتا تو پھر پیش کے لئے غائب کر دی جاتی ہے اس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔
حدیث میں بطور خاص عصار کا ذکر بطریق مبالغہ ہے جس کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ جب اتنی حقیر اور کم تر چیز کا لینا مانع ہے تو اس سے زیادہ حیثیت کی چیز کا لینا بطریق اولیٰ ممنوع ہو گا۔

اپنا چوری کا مال جس کے پاس دیکھو اس سے لے لو

⑪ وَعَنْ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ وَخَذَ حَنْتَ مَالِهِ جَنْدَ رَجُلٍ فَهُوَ أَخِي لَهُ وَيُشِيعُ النَّبِيعُ مِنْ بَاطِلِهِ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد و الترمذی)

”اور حضرت سمرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنا مال بعینہ کسی کے پاس دیکھے تو وہ ”اس کو لے لینے کا“ حقدار ہے اور اس کو خرید لے وہ اس شخص کا بچھا کرے جس نے اسے بچھا ہے۔“ (احمد، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: حدیث کے مفہوم کا حاصل یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص نے کسی کا کوئی مال غصب کیا، یا کسی کی کوئی چیز چوری کی یا کسی شخص کی کوئی گمشدہ چیز اس کے ہاتھ لگ گئی اور اس نے وہ چیز کسی دوسرے شخص کو بیچ دی تو اب اگر مالک اپنی وہ چیز خرید لے والے کے پاس دیکھے تو اسے اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اپنی چیز اس سے لے لے اور خریدنے والے نے وہ چیز جس سے خریدی ہے اس کا بچھا کر کے اس سے اپنی قیمت واپس لے لے۔

جس سے کوئی چیز لو اس کو واپس کر دو

⑫ وَعَنْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَلَى الْيَدِيمَا أَخَذَتْ حَنْتِي قَوْلِي۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت سمرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کسی سے لٹی گئی چیز لینے والے کے ہاتھ کے اوپر ہے جب تک کہ وہ واپس نہ کر دی جائے۔“ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے کسی سے کوئی چیز لی ہے وہ اس کے ذمہ واجب الادا ہے جب تک کہ وہ چیز اس کے مالک کو واپس نہ کر دی جائے۔ حاصل یہ کہ اگر کسی شخص نے کسی کی کوئی چیز چھین رکھی ہے یا کسی کی کوئی چیز چار رکھی ہے یا کسی کی کوئی چیز مستعار لے رکھی ہے اور یا کسی کی کوئی چیز اپنے پاس بطور امانت رکھ چھوڑی ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اس چیز کو مالک کے حوالے کر دے، لہذا چھین ہوا مال اس کے مالک کو واپس کر دینا واجب ہے اگرچہ مالک اس کا مطالبہ نہ کرے، اسی طرح عاریت لی ہوئی چیز وہ مدت پوری ہو جانے کے بعد مالک کو واپس کر دینا ضروری ہے اگر کوئی مدت مقرر کی گئی ہو یا جو چیز بطور امانت اپنے پاس رکھی ہوئی ہو اس کو اسی وقت واپس کرنا لازم ہو گا جب کہ مالک مطالبہ کرے مالک کے مطالبہ سے پہلے واپس کرنا واجب نہیں ہے۔

کسی کے باغ وغیرہ کو جانور کے نقصان پہنچانے کا مسئلہ

(۱۲) وَعَنْ حُرَامِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ مَخْصُصَةَ أَنَّ نَافِعَةَ لَبَّيْءَ بْنَ عَزَابٍ ذَخَلَتْ حَائِطًا فَافْتَدَتْ فَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ عَلَى أَهْلِ الْحَوَائِطِ جَفَظَهَا بِالْهَارِ وَأَنَّ مَا أَفْتَدَتْ الْعَوَاشِيَّ بِاللَّيْلِ حَصَابٌ عَلَى أَهْلِهَا۔

(رواہ مالک و ابو داؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت حرام ابن سعد ابن محصہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت براء ابن عازبؓ کی اونٹنی ایک باغ میں گھس گئی اور باغ کو خراب کر ڈالا جب یہ معاملہ رسول کریم ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ ﷺ نے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ دن کہ دن میں باغات کی حفاظت باغ والوں کے ذمہ ہے اور جو جانور رات میں باغات کو خراب کرے تو اس کا نشان یعنی تاوان جانوروں کے مالکوں پر ہے۔“ (مالک، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی جانور دن میں کسی کے باغ کو خراب کر دے تو اس کا تاوان جانور کے مالک پر نہیں آتا کیونکہ دن میں باغ کی حفاظت کرنا باغ والے کی ذمہ داری ہے لہذا یہ اس کی اپنی کوتاہی ہے کہ اس نے اپنے باغ کی نگہبانی کیوں نہیں کی اور کسی جانور کو باغ میں کیوں گھسنے دیا اور اگر کوئی جانور رات میں کسی کے باغ کو نقصان پہنچائے تو اس کا تاوان اس جانور کے مالک پر واجب ہو گا کیونکہ یہ جانور کے مالک کا قصور ہے کہ جب رات میں اپنے جانور کی نگہبانی اس کے ذمہ ہے تو اس نے اپنے جانور کو آزاد چھوڑ کر ایک دوسرے شخص کے نقصان کا باعث کیوں بنا۔

یہ ساری تفصیل اس صورت میں ہے جب کہ جانور کا مالک جانور کے ساتھ نہ ہو۔ اگر مالک جانور کے ساتھ ہو گا خواہ وہ جانور پر سوار ہو یا اسے کھینچ کر لے جا رہا ہو تو پھر دن میں بھی جانور کے پہنچانے ہوئے نقصان کا تاوان جانور کے مالک پر ہو گا چاہے وہ جانور اپنے ہاتھ پاؤں سے نقصان پہنچائے چاہے منہ سے۔

یہ تو حضرت امام، مالک اور حضرت امام شافعی کا مسلک ہے اس بارہ میں حنفی مسلک یہ ہے کہ اگر جانور کا مالک جانور کے ساتھ نہ ہو تو پھر اس پر نقصان کا تاوان واجب نہیں ہوتا خواہ وہ جانور دن میں نقصان پہنچائے خواہ رات میں۔

(۱۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرَّجُلُ جَبَّارٌ وَقَالَ النَّاسُ جَبَّارٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا پاؤں کا رد ہوا صاف ہے اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا کہ آگ کا جلایا ہوا صاف ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: یعنی اگر کوئی جانور کسی کی چیز کو پاؤں سے روند کھل کر تلف و ضائع کر دے تو اس کی وجہ سے اس جانور کے مالک پر تاوان واجب نہیں ہو گا بشرطیکہ وہ مالک جانور کے ساتھ نہ ہو۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی برے مفید مثلاً اذیر سنی وغیرہ کے بغیر محض اپنی ضرورت یا کسی اور وجہ سے آگ جلائی اور اس کی کوئی چکاری ہو یا اس کو کسی دوسرے کے سامان پر چاڑھی جس سے وہ سامان جل گیا تو اس صورت میں آگ جلائے والے پر نقصان کا تاوان نہیں واجب ہو گا۔ بشرطیکہ اس نے جس وقت آگ جلائی ہو اس وقت ہوا گھمیری ہوئی ہو اور آگ جلنے کے بعد چلی ہو، اور اگر اس نے ایسے وقت آگ جلائی جب کہ ہوا چل رہی تھی اور اس کی وجہ سے آگ سے نقصان پہنچ جانے کا احتمال تھا تو پھر اس پر تاوان واجب ہو گا۔

حالت اضطرار میں دوسرے کے جانور کا دودھ پینے کی اجازت

(۱۵) وَعَنْ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا آمَى أَخَذْتُمْ عَلَى مَا شِئْتُمْ فَإِنْ كَانَ فِيهَا صَاحِبُهَا فَلْيَسْتَأْذِنْهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهَا فَلْيَصَوِّتْ ثَلَاثًا فَإِنْ أَجَابَهُ أَخَذْ فَلْيَسْتَأْذِنْهُ وَإِنْ لَمْ يَجِبْهُ أَخَذْ فَلْيَصَلِّبْ

وَلَيْسَ ثَوْبٌ وَلَا يَنْخَمِلُ - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت حسن حضرت سرہ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص دودھ کے جانوروں کے پاس آئے تو اگر وہاں ان جانوروں کا مالک موجود ہو تو اس سے دودھ پینے کی اجازت مانگے اور اگر وہاں مالک موجود نہ ہو تو اس شخص کو چاہئے کہ وہ تین مرتبہ آواز دے اس کی آواز سن کر اگر کوئی جواب دے تو اس سے پوچھ لے اور اگر کوئی جواب نہ دے تو وہ بقدر ضرورت دودھ وہہ کر لے مگر دودھ اپنے ساتھ بالکل نہ لے جائے۔“ (ابو داؤد)

تشریح: اس حدیث میں مذکورہ ہدایت کا تعلق اس شخص سے ہے جو حالت اضطراب کو پہنچ چکا ہو یعنی بھوک کے مارے مراجرہا ہو ایسے شخص کے لئے یہ اجازت ہے کہ اگر وہ دودھ کے جانور کے پاس ہو اور وہاں ان کا مالک موجود نہ ہو جس سے وہ اجازت لے کر دودھ پی سکے تو وہ مذکورہ ہدایت کے مطابق ان جانوروں کا بقدر ضرورت دودھ وہہ کر لے۔

دوسرے کے باغ کا پھل مالک کی اجازت کے بغیر کھانے کا مسئلہ

(۱۶) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ الشَّيْبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ دَخَلَ حَائِطًا فَلْيَا كُنْ وَلَا يَنْخَبِذْ حُيْنَةً. زَوَاهِ النَّزْمِيُّ وَالْزَّاهِقَةُ وَقَالَ النَّزْمِيُّ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ.

”اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی دوسرے شخص کے باغ میں جائے تو اسے چاہئے کہ وہ وہاں کے پھل کھالے، جب اور بھولے میں پھر کر نہ لے جائے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: اس حدیث کا مقصد اس بات کی عام اجازت دینا نہیں ہے کہ جو بھی چاہے کسی غیر شخص کے باغ میں جا کر پھل توڑے اور کھالے کیونکہ کسی دوسرے کی کوئی بھی چیز اس کی اجازت و مرضی کے بغیر لینا اور کھانا مطلقاً درست نہیں ہے بلکہ یہ حدیث بھی پہلی حدیث کی طرح یا تو حالت اضطراب پر معمول ہے یا اس کا تعلق ایسے مقامات سے ہے جہاں کسی کے باغ میں پہنچ کر باغ والے کی اجازت کے بغیر پھل کھالینا منسوخ نہیں ہوتا۔

مستعار لی ہوئی چیز امانت کے حکم میں ہے

(۱۷) وَعَنْ أُمِّئَةَ بِنِ صَفْوَانَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ الشَّيْبَاءَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَعَارَ مِنْهُ أَذْرَاعَهُ يَوْمَ حُنَيْنٍ فَقَالَ أَعْضُنَا يَا مُحَسَّدُ قَالَ بَلْ عَارِيَةٌ مُضْمُونَةٌ. (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت امیہ ابن صفوان اپنے والد صفوان سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حنین کی جنگ کے دن ان (صفوان) سے کئی زرہیں عاریت میں انہوں نے پوچھا کہ اسے محمد ﷺ کیا آپ ﷺ) یہ زرہیں نصب کے طریقہ پر لے رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ عاریت لے رہا ہوں جو واپس کر دی جائیگی۔“ (ابو داؤد)

تشریح: غزوہ حنین کے موقع پر جب کہ آپ ﷺ نے کچھ زرہیں صفوان سے مستعار لیں تو چونکہ صفوان اسلام کی دولت سے بہرہ ور نہیں تھے اسی لئے انہوں نے آپ ﷺ کو زرہیں دیتے ہوئے جو سوال کیا وہ بظاہر حد ادب سے گذر رہا معلوم ہوتا ہے لیکن بعد میں صفوان اسلام کی دولت سے مشرف ہو گئے تھے رضی اللہ عنہ۔

حضرت شریح، حضرت نخعی، حضرت سفیان ثوری اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ جو چیز مستعار لی جاتی ہے وہ مستعار لینے والے کے پاس بطور امانت ہوتی ہے کہ اگر وہ تلف و ضائع ہو جائے تو اس کا بدلہ دینا واجب نہیں ہوتا، ہاں اگر مستعار

لینے والا اس چیز کو قطعاً ضائع کر دے تو پھر اس پر اس چیز کا بدلہ واجب ہوتا ہے لیکن حضرت ابن عباسؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر وہ چیز ضائع و تلف ہو جائے تو مستعار لینے والے پر اس کا بدلہ یعنی اس چیز کی قیمت ادا کرنا واجب ہوتا ہے اسی لئے ان حضرات کے نزدیک لفظ مضبوطہ (جو واپس کر دی جائے گی) کے یہ معنی ہیں (تلف ہو جانے کی صورت میں) ان کا بدلہ ادا کیا جائے گا۔

مستعار چیز کو واپس کر دینا واجب ہے

(۱۸) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْغَابِئَةُ مُزْدَاةٌ وَالْجَنَاحَةُ مُزْدُودَةٌ وَالَّذِينَ مَقْضِيٌّ وَالزَّعِيمُ غَارِمٌ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

”اور حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول کریم ﷺ فرماتے تھے کہ مستعار چیز واپس کی جائے (یعنی کسی کی کوئی چیز مستعار لینے والے پر واجب ہے کہ وہ اس چیز کو اس کے مالک کے پاس واپس پہنچا دے) مگر کا داپس کرنا ضروری ہے، قرض کو ادا کیا جائے (یعنی قرض کو ادا کرنا واجب ہے) اور ضامن ضمانت پوری کرنے پر مجبور ہے (یعنی اگر کوئی شخص کسی کے قرض وغیرہ کا ضامن ہو تو اس کی ادائیگی اس پر لازم ہے)۔“ (ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: ”منہ“ اسے کہتے ہیں کہ کوئی شخص کسی کو اپنا جانور دودھ پینے کے لئے دے دے، یا کسی کو اپنی زمین یا اپنا باغ پھل وغیرہ کھانے کے لئے دے دے، لہذا منہ میں چونکہ صرف منعت کا مالک بتایا جاتا ہے نہ کہ اصل اس چیز کا اس لئے اس چیز (مثلاً جانور سے) فائدہ اٹھانے کے بعد اسے مالک کو واپس کر دینا واجب ہے۔

درخت سے گرے ہوئے پھل اٹھانے کا مسئلہ

(۱۹) وَعَنْ زَافِعِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْغَفَارِيِّ قَالَ كُنْتُ غُلَامًا أَرْمِي نَعْلَ الْإِنْسَانِ فَأَتَانِي بَنِي النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا غُلَامُ لِمَ تَرْمِي النَّشْلَ قُلْتُ أَكُلُ قَالَ فَلَا تَزِرُ وَكَفَّلَ مَا سَقَطَ فِي أَصْفَلِهَا ثُمَّ مَسَحَ وَاسْتَعَاذَ فَقَالَ اللَّهُمَّ اشْفَعْ لِي نَظَنَّهُ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت زافع ابن عمرو غفاریؓ کہتے ہیں کہ جب میں بچہ تھا تو انصار کے مجوروں کے درختوں پر چڑھ چکا کرتا تھا (ایک دن) انصار مجھے پکڑ کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے گئے، آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا ”اڑ کے ان مجوروں پر چڑھ کیوں پہنچتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ مجبوریں کھاتا ہوں (یعنی مجبوریں کھانے کے لئے ان کے درختوں پر چڑھتا ہوں) کسی اور مقصد سے چڑھ نہیں پہنچتا، آپ ﷺ نے فرمایا ”چڑھنا پیچھا کر دہاں جو مجبوریں درخت کے نیچے گری پڑی ہوں ان کو کھالیا کر دے۔“ پھر آپ ﷺ نے میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیلا اور فرمایا کہ ”اے اللہ! تو اس کا بیٹ بھر۔“ (ترمذی، ابوداؤد و ابن ماجہ)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے رافع کو درخت کے نیچے گری پڑی مجبوریں کھالینے کی اجازت اس لئے عطا فرمائی کہ عام طور پر درختوں پر سے گرے ہوئے پھلوں کو کھانے سے کوئی منع نہیں کرتا۔ خاص طور پر بچے چونکہ کچے کچے اور گرے پڑے پھلوں کی طرف بہت راغب ہوتے ہیں اس لئے ان کو اس سے کوئی بھی منع نہیں کرتا کہ وہ درخت کے نیچے گرے پڑے پھل اٹھا کر کھالیں۔

علامہ حلیؒ فرماتے ہیں کہ اگر رافعؓ حالت اضطراب میں ہوتے یعنی بھوک کی وجہ سے مجبور ہوتے تو آنحضرت ﷺ انہیں گرے پڑے پھلوں ہی کے کھانے کی اجازت دینے پر اکتفا نہ فرماتے بلکہ درخت پر سے مجبوریں توڑ کر کھالینے کی بھی اجازت دے دیتے۔

وَسَنَدُ كَثْرَ حَدِيثِ عَمْرٍو بْنِ شُعَيْبٍ فِي بَابِ اللَّقْظَةِ إِنَّ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى۔

”اور حضرت عمرو ابن شعیب کی حدیث کو ہم انشاء اللہ باب القسط میں ذکر کریں گے۔“

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

زمین غصب کرنے کی سزا

(۴۵) عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَخَذَ مِنَ الْأَرْضِ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهِ خَسِفَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى مَسْجِدٍ أَوْ حِجْرٍ - (رواہ البخاری)

”حضرت سالم اپنے والد کرم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بیان کیا کہ ”جو شخص زمین کا کوئی حصہ بھی ناحق لے گا۔ (یعنی کسی کی زمین کا کوئی بھی قطعہ ازراہ ظلم و زبردستی لے گا) تو قیامت کے دن اسے زمین کے ساتویں طبقہ تک دھنسیا جائے گا۔“ (بخاری)

(۴۶) وَعَنْ يَعْقُبِ بْنِ مَرْثُةٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ أَخَذَ أَرْضًا بِغَيْرِ حَقِّهَا كُتِفَ أَنْ يَحْمِلَ ثَوَابَهَا الْمُحْشَرُ - (رواہ احمد)

”اور حضرت یحییٰ ابن مرثہؒ کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول کریم ﷺ یہ فرماتے تھے کہ ”جو شخص زمین کا کوئی بھی حصہ ناحق (یعنی ازراہ ظلم) لے گا۔ اسے حشر کے دن اس بات پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس زمین کی (ساری) مٹی اپنے سر پر اٹھائے۔“ (احمد)

تشریح: ازراہ ظلم کسی کی زمین غصب کرنے والے کی مختلف سزاؤں کا ذکر کیا گیا ہے، پہلی قصص میں تو یہ فرمایا گیا تھا کہ قیامت کے دن ایسے شخص کے گلے میں زمین کا وہ قطعہ طوق بنا کر ڈالا جائے گا جو اس نے کسی سے زبردستی ہتھیا یا ہوگا، اوپر کی حدیث میں یہ بیان کیا گیا کہ کسی کی زمین پر ناحق قبضہ کرنے والا قیامت کے دن زمین کے ساتویں طبقہ تک دھنسیا جائے گا۔ یہاں اس حدیث میں یہ سزا ذکر کی گئی ہے کہ کسی کی زمین پر ناجائز طریقہ سے قبضہ کرنے والا حشر کے دن اس بات پر مجبور کیا جائے گا کہ اس زمین کی ساری مٹی اپنے سر پر اٹھائے۔ آنے والی حدیث اس بارے میں سزا کی ایک اور قسم کو بیان کر رہی ہے۔

گویا عذاب و سزا کی مختلف صورتیں اور قصمیں ہیں، چنانچہ کسی کو اس طرح عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور کسی کو اس طرح سزا دی جائے گی۔

(۴۷) وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَيُّمَا زَجَلٍ ظَلَمَ ذِبْتُوا مِنَ الْأَرْضِ كُلُّهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يَخْفُوهُ حَتَّى يَتَلَفَّ أَحَدٌ مَسْجِدٍ أَوْ حِجْرٍ ثُمَّ يَطْفُوهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ حَتَّى يَقْضَى بَيْنَ النَّاسِ - (رواہ احمد)

”اور حضرت یحییٰ ابن مرثہؒ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”جو شخص (کسی کی) مالیت بھری زمین ازراہ ظلم لے گا اسے“ (اس کی قبر میں) اللہ تعالیٰ اس بات پر مجبور کرے گا کہ وہ اس زمین کو ساتویں طبقہ زمین تک کھودتا رہے پھر وہ زمین اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈالی جائے گی۔ اور وہ قیامت تک اسی حال میں رہے گا حتیٰ کہ (قیامت کے دن) لوگوں کا حساب کتاب ہو جائے۔“ (احمد)

بَابُ الشُّفْعَةِ

ملانے کا بیان

”شفعہ“ مشتق ہے ”شفع“ سے، جس کے لغوی معنی ہیں ”ملانا اور جفت کرنا“ شفعہ اصطلاح فقہ میں اس ہمسنگی یا شرکت کو کہتے ہیں

جس کی وجہ سے کسی ہمسایہ یا کسی شریک کو اس کے دوسرے ہمسایہ یا دوسرے شریک کے فروخت ہونے والی زمین یا فروخت ہونے والے مکان کو خریدنے کا ایک مخصوص حق حاصل ہوتا ہے اور یہ حق صرف زمین یا مکان کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے جس شخص کو یہ حق حاصل ہوتا ہے اسے "شفیع" کہتے ہیں۔ اس حق کا نام "شفعہ" اس لئے ہے کہ یہ خاص حق فروخت ہونے والی زمین یا مکان کو شفیع کی زمین یا مکان سے ملتا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک حق شفیعہ صرف شریک کو حاصل ہوتا ہے ہمسایہ کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا۔ جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ حق شفیعہ جس طرح شریک کے لئے ثابت ہے اسی طرح ہمسایہ کے لئے بھی ثابت ہے۔

ایک صحیح روایت کے مطابق حضرت امام احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں، ہمسایہ کے حق شفیعہ کے ثبوت میں احادیث منقول ہیں جو بالکل صحیح درجے کی ہیں ان کی موجودگی میں ہمسایہ کو حق شفیعہ دینے سے انکار ایک بے دلیل بات ہے۔

حقل مسلک کے مطابق شفیع کے تین درجے ہیں اول "خلیط فی النصف المبیع" یعنی فروخت ہونے والے مکان کی ملکیت میں کئی آدمی شریک ہوں خواہ وہ مکان ان سب شرکاء کو وراثت میں پہنچا ہو یا ان سب نے مشترک طور پر اسے خریدا ہو اور یا کسی نے ان سب کو مشترک طور پر ہیہ کیا ہو۔

دوم "خلیط فی النصف المبیع" یعنی اس فروخت ہونے والے مکان یا زمین کی ملکیت میں شریک نہ ہو بلکہ اس زمین یا مکان کے حقوق میں شریک ہو جیسے حق مرور (یعنی آمد و رفت کا حق) حق سیل (یعنی پانی کے نکاس کا حق) اور حق شرب (یعنی کھیت وغیرہ کو سیراب کرنے کے لئے پانی لے جانے کی نالی وغیرہ کا حق)۔

سوم "جار" یعنی ہمسایہ جس کا مکان فروخت ہونے والے مکان سے متصل ہو اور ان دونوں مکانوں کی دیواریں مل ہوئی ہوں نیز دونوں کے دروازوں کا راستہ ایک ہو۔

ان تینوں کے علاوہ اور کوئی شفیعہ نہیں ہو سکتا لہذا سب سے پہلے تو حق شفیعہ اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو اس فروخت ہونے والے مکان یا زمین کی ملکیت میں شریک ہو۔ اس کی موجودگی میں حق شفیعہ نہ تو حقوق میں شریک کو حاصل ہوگا اور نہ ہمسایہ کو، اگر یہ شریک حق شفیعہ سے دست کشی اختیار کرے تو پھر حق شفیعہ اس شخص کو پہنچے گا جو حقوق میں شریک ہو اور یہ بھی دست کشی اختیار کر لے تب حق شفیعہ ہمسایہ کو حاصل ہوگا اور اگر یہ ہمسایہ بھی اپنے اس حق سے دست کش ہو جائے تو اس کے بعد کسی کو بھی حق شفیعہ حاصل نہیں ہوگا۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

حق شفیعہ صرف شریک کو حاصل ہوتا ہے یا ہمسایہ کو بھی

① عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ مَالَةٍ يَتَمَسَّكُهَا فَاذَا وَقَعَتِ الْخُلُودُ وَصُرِفَتِ الظُّرُوفُ فَلَا شُفْعَةَ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہر اس (غیر منقول) چیز میں حق شفیعہ ثابت ہونے کا فیصلہ صادر فرمایا ہے جو اشتراک میں ہو اور شرکاء کے درمیان تقسیم نہ کی گئی ہو، لہذا جب حدود مقرر ہو جائیں (یعنی مشترک ملکیت کی زمین یا مکان، ہم تقسیم ہو جائے) اور ہر ایک حصہ کے برابر سے الگ الگ کر دیے جائیں تو پھر شفیعہ باقی نہیں رہتا (یعنی اس صورت میں چونکہ شرکت باقی نہیں رہتی اس لئے کسی کو بھی حق شفیعہ حاصل نہیں ہوتا۔" (بخاری)

ترجمہ: جب کسی زمین یا کسی مکان کے مشترک طور پر کئی مالک ہوں تو اس کے شرکاء کو ہر ایک کے حصہ میں حق شفیعہ اسی وقت تک

حاصل رہتا ہے جب تک کہ اس زمین یا اس مکان کی باہم تقسیم نہ ہو۔ اگر وہ زمین یا مکان شرکاء آپس میں تقسیم کریں، اور سب کے حصے الگ ہو جائیں اور سب حصوں کے راستے بھی جدا جدا ہو جائیں تو اس صورت میں کسی کو بھی حق شفعہ حاصل نہیں رہتا۔ اس طرح یہ حدیث اس بات کی دلیل ہوگی کہ حق شفعہ صرف شریک کو حاصل ہوتا ہے، ہمسایہ کو حاصل نہیں ہوتا چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یکنی ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے پاس ہمسایہ کو بھی حق شفعہ حاصل ہوتا ہے ان کی دلیل دو سری احادیث ہیں، ان کے نزدیک اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ اس زمین یا مکان کی تقسیم کے بعد شرکت کا شفعہ باقی نہیں رہتا، لہذا حدیث کا یہ مفہوم مراد لینے کی صورت میں ہمسائیگی کے شفعہ کی نفی لازم نہیں آتی۔

حق شفعہ صرف زمین اور مکان کے ساتھ مخصوص ہے

② وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالشَّفْعَةِ فِي كُلِّ شَيْءٍ كَلَّمَتْ لَمْ تَقْسَمْ زُبْعَةً أَوْ خَابِطَةً لَا يَبْجَلُ لَهُ أَنْ يَبْيِغَ حَتَّى يُؤْذِنَ شَرِيكَهُ فَإِنْ شَاءَ أَخَذَ وَإِنْ شَاءَ تَرَكَ فَلِذَا بَاعَ وَلَمْ يُؤْذِنْهُ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے یہ حکم صادر فرمایا کہ ہر ایسی مشترک زمین میں شفعہ ثابت ہے۔ جو تقسیم نہ کی گئی ہو خواہ وہ گھر ہو یا باغ ہو۔ نیز ایسی مشترک زمین کے کسی بھی شریک کو اپنا حصہ بیچنا حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ اپنے دوسرے شریک کو مطلع نہ کر دے (اطلاع کے بعد) وہ دوسرا شریک چاہے تو وہ حصہ خود خرید لے اور چاہے چھوڑ دے (یعنی کسی دوسرے کو بیچنے کی اجازت دے دے) اور اگر کسی شریک نے اپنے دوسرے شریک کو اطلاع دیئے بغیر اپنا حصہ بیچ دیا تو وہ دوسرا شریک اس (بات) کا حقدار ہے (کہ وہ اس فروخت شدہ حصہ کو خرید لے)۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حق شفعہ صرف غیر متحول جائیداد (یعنی زمین، مکان اور باغ کے ساتھ مخصوص ہے اشیاء منقولہ جیسے اسباب اور جانور وغیرہ میں شفعہ کا حق نہیں ہوتا، چنانچہ تمام علماء کا متفقہ طور پر یہی مسلک ہے پھر حق شفعہ صرف مسلمان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ مسلمان اور ذمی کے درمیان بھی شفعہ کا حق جاری ہوتا ہے (ذی اس غیر مسلم کو کہتے ہیں جو جزیہ یعنی اپنے جان و مال اور اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کا ایک مخصوص ٹیکس ادا کر کے اسلامی سلطنت کا اطاعت گزار شہری ہوا)۔

مشترک زمین یا مکان کے کسی حصہ کے فروختگی کے وقت دوسرے شریک کو اطلاع دینا ضروری ہے

ارشاد گرامی کے الفاظ لَا يَبْجَلُ لَهُ أَنْ يَبْيِغَ (کسی بھی شریک کو اپنا حصہ بیچنا حلال نہیں ہے) سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اگر کسی مشترک زمین یا مکان کا کوئی حصہ دار اپنا حصہ بیچنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ فروختگی کے ارادے کے وقت ہی اپنے دوسرے حصہ دار کو اس کی اطلاع دے دے تاکہ اگر وہ خریدنا چاہے تو اس حصہ کو خرید لے ورنہ عدم اطلاع کی صورت میں اس دوسرے حصہ دار کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ بذریعہ شفعہ اس حصہ کو حاصل کرے۔

ہمسایہ کو حق شفعہ حاصل ہونے کی دلیل

③ وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْبَسَ أَحَقُّ بِشَفْعِهِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ہمسایہ اپنے قریب ہونے کی وجہ سے زیادہ حقدار ہے۔“ (بخاری)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ہمسایہ شفعہ کا زیادہ حق دار ہے اور یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ شفعہ کا حق صرف اسی ہمسایہ کو ہوتا ہے کہ جو نزدیک

اور متصل ہو۔

یہ حدیث بڑی وضاحت کے ساتھ حنفیہ کے اس مسلک کی دلیل ہے کہ حق شیعہ صرف شریک ہی کو حاصل نہیں ہوتا بلکہ ہمسایہ کو بھی حاصل ہوتا ہے۔

ہمسائیگی کا حق

④ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمْنَعُ جَلَّ جَارُهُ أَنْ يَقْرُبَ حَبْشَةً فِي جَدَارِهِ۔

(متن جدید)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”کوئی ہمسایہ اپنے دوسرے ہمسایہ کو اپنی دیوار میں گھڑی سے منع نہ کرے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: منع نہ کرنے کا یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ گھڑی گھڑنے کی وجہ سے کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو۔ حضرت امام احمدؒ اور محدثین کے نزدیک مذکورہ بالا حکم وجوب کے طور پر ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم استحباب کے طور پر ہے۔

راستے کے سلسلے میں ایک ہدایت

⑤ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خْتَلَفْتُمْ فِي الطَّرِيقِ جَعَلْ غَرَضُكُمْ سُبُعَةَ أَذْنَع۔

(رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب راستہ کی بات تم میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کی چوڑائی سات ہاتھ متعین کرو۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کسی افرادہ زمین پر راستہ بنا دے اور وہاں کچھ لوگ عمارت بنانا چاہیں تو بہتر یہی ہے کہ انہیں کے اتفاق و اتحاد (سے) مناسب راستہ کے لائق زمین کا کچھ حصہ چھوڑ کر اس کے ارد گرد عمارت بنائی جائے لیکن اگر راستہ کے لئے زمین کی کسی مقدار پر اتفاق نہ ہو اور آپس میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس صورت میں واضح ہدایت یہ ہے کہ راستہ کے لئے چوڑائی میں سات ہاتھ زمین متعین کر دی جائے اور اس سات کے اندر کوئی کچھ نہ بنائے۔

مذکورہ بالا حدیث کی مراد تو یہ ہے لیکن اس بارے میں ایک یہ مسئلہ بھی ذہن نشین رہنا چاہئے کہ اگر کوئی چلنا ہو اور راستہ سات ہاتھ سے زائد چڑھا ہو تو اس صورت میں کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے وہ اس پورے زائد حصے یا اس میں سے کچھ پر قابض ہو جائے اور یہ کہے کہ راستہ کی سات ہاتھ چوڑائی کافی ہے۔

الفصل الثانی

غیر منقولہ جائداد کو بلا ضرورت بیچنا مناسب نہیں ہے

⑥ عَنْ سَعِيدِ بْنِ حُزَيْبٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ بَاعَ مِنْكُمْ دَارًا أَوْ غَنَاءً أَوْ قَمِيْنًا أَنْ لَا يَبَازِلَهُ إِلَّا أَنْ يَجْعَلَ فِيهِ مَثْلَهُ۔ (رواہ ابن ماجہ والدارمی)

”حضرت سعید ابن حریثؒ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم میں سے جو شخص اپنے مکان یا زمین

فروخت کرے تو مناسب یہ ہے کہ اس (کی قیمت) میں برکت نہ ہو الا یہ کہ وہ اس (قیمت) کو اس ہی جیسی جائیداد کی خریداری میں صرف کرے۔“ (ابن ماجہ، دارقطنی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ غیر منقولہ جائیداد (مثلاً مکانات اور زمین کو بلا ضرورت بیچنا اور اس سے حاصل ہونے والی قیمت سے منقولہ اشیاء خریدنا غیر مستحب اور غیر مناسب ہے کیونکہ غیر منقولہ جائیداد میں منافع بھی بہت ہیں اور اس کے اختلاف و نقصان کے خطرات بھی کم ہوتے ہیں، جیسے اسے کوئی چور چرائیں سکتا اور کوئی لیرا لوٹ کر لے نہیں جاسکتا، بخلاف اشیاء منقولہ کے کہ ان کی چوری کا ہر وقت خوف رہتا ہے۔ لہذا عقل و دانش کا تقاضہ یہی ہونا چاہئے کہ بلا ضرورت غیر منقولہ جائیداد کو فروخت نہ کیا جائے، اگر فروخت ہی کیا جائے تو اس کی قیمت کو دوسرے مکانات و زمین کی خریداری میں صرف کیا جائے۔

ہمسایہ کو حق شفعہ حاصل ہوتا ہے

④ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَارِءُ حَقٌّ بِشَفْعَتِهِ يَنْتَقِظُ لَهَا وَإِنْ كَانَ غَائِبًا إِذَا كَانَ ظُلْمَ يُلْقِيْهَا وَاجْتِدَاد (رواہ احمد و الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ و العسقلانی)

”اور حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ہمسایہ اپنے شفعہ کا زیادہ حقدار ہے اگر وہ موجود نہ ہو تو اس کے شفعہ کی وجہ سے اس کا انتظار کیا جائے (اور ہمسایہ شفعہ کا اس صورت میں حق دار ہے) جب کہ دونوں کا راستہ ایک ہو۔“ (احمد، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ)

شفعہ کا تعلق ہر غیر منقول جائیداد سے ہے

⑤ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الشَّرِيكَ خَلِيفٌ وَ الشُّفْعَةُ فِي كُلِّ شَيْءٍ۔ وَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ قَالَ وَقَدْ رَوَى عَنْ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْسَلًا وَهُوَ أَصَحُّ۔

”اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا وہ شخص جو (فروخت کی جانے والی جائیداد میں) شریک ہو، شفعہ کا حق رکھتا ہے اور شفعہ کا تعلق ہر (اس) چیز سے ہے (جو غیر منقولہ جائیداد ہو جیسے زمین اور باغ وغیرہ) اس روایت کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ سے بطریق اس سال نقل کی ہے اور وہی زیادہ صحیح ہے۔“

بیری کا درخت کاٹنے پر وعید

⑥ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ حُنَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَطَعَ بَسْزَةَ حُثُوبِ اللَّهِ وَاسْتَفَى النَّارَ۔ وَ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَقَالَ هَذَا الْخَدِيثُ مُخْتَصَرٌ يَنْفَعُ مَنْ قَطَعَ بَسْزَةَ فِي فَلَاةٍ يَسْتَظِلُّ بِهَا ابْنُ السَّبِيلِ وَ النَّهْيَانِمْ غَشْمًا وَ ظُلْمًا بَعْدَ حَقٍّ يَكُونُ لَهُ فِيهَا حُثُوبِ اللَّهِ وَاسْتَفَى النَّارَ۔

”اور حضرت عبد اللہ ابن حنین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص بیری کا درخت کاٹے گا اللہ تعالیٰ اسے اگلے سرد روز میں ڈالے گا امام ابو داؤد نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث مختصر ہے جس کا پورا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص جنگل میں بیری کے کسی ایسے درخت کو کہ جس کے سایہ میں مسافر اور جانور پناہ حاصل کرتے ہیں، اذراہ ظلم و زیادتی اور بغیر حق کے کاٹے گا تو اللہ تعالیٰ اسے اگلے سرد روز میں ڈالے گا۔“

تشریح: جملہ غشما و ظلمنا بغیر حق میں لفظ ”ظلم“ اور ”بغیر حق“ لفظ ”غشما“ کی تاکید کے طور پر استعمال کیا گیا ہے یا پھر یہ کہ

لفظ ”ظلم“ تو عسف کی تاکید کے طور پر ہے لیکن ”تغیر حق“ سے مراد شفعہ ہے۔

ابوداؤد کی کتاب ”مرقات الصعود“ میں لکھا ہے کہ طبرانی نے اپنی کتاب ”اوسط“ میں یہ وضاحت کی ہے کہ جو شخص حدود حرم میں جبری کارِ درخت کاٹے گا اس کے لئے یہ وعید ہے، بعضوں نے کہا ہے کہ یہاں غنہ کی جبری کارِ درخت مراد ہے، بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ جنگل کی وہ جبری کارِ درخت مراد ہے جس کے سائے میں مسافر اور جانور راحت پاتے ہیں، اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس وعید کا تعلق اس شخص سے ہے جو کسی دوسرے شخص کا جبری کارِ درخت ازراہ ظلم و زیادتی کاٹ ڈالے۔

الفصل الثالث

ہر غیر منقول جائیداد میں شفعہ ہے خواہ وہ تقسیم ہو سکتی ہے یا ناقابل تقسیم ہو

(۱۰) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانٍ قَالَ إِذَا وَقَعْتَ الْخُنُودَ فِي الْأَرْضِ فَلَا شَفْعَةَ لَهَا وَلَا شَفْعَةَ لِي بِهَا وَلَا فَخْلُ الْفَخْلِ۔

(رداء مالک)

”حضرت عثمان ابن عفانؓ فرماتے ہیں کہ جب زمین میں حدیں قائم ہو جائیں یعنی مشترک زمین شرکاء میں بانٹ تقسیم ہو جائے اور ہر ایک کے حصے الگ الگ ہو جائیں (تو) شرکت (کا) شفعہ باقی نہیں رہتا اور نہ کنوس میں شفعہ کا حق حاصل ہوتا ہے اور نہ نہر مجبور کے درخت میں۔“

(مالک)

تشریح: کنوس ایک ایسی چیز ہے جو تقسیم کا احتمال نہیں رکھتا اور چونکہ شفعہ کا حق اسی زمین میں حاصل ہوتا ہے جو تقسیم کا احتمال رکھتی ہو اس لئے کنوس میں شفعہ نہیں ہوتا، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک شفعہ ہر زمین میں ثابت ہے خواہ وہ تقسیم کا احتمال رکھے جیسے مکانات اور باغات وغیرہ یا تقسیم کا احتمال نہ رکھے جیسے کنوس، حمام اور کھجور وغیرہ حنفیہ کی دلیل انحضرت ﷺ کا یہ واضح ارشاد گرامی ہے کہ اَلشَّفْعَةُ فِي كُلِّ شَيْءٍ یعنی شفعہ ہر چیز میں ہے۔

”اور نہ نہر مجبور کے درخت میں یعنی مثلاً چند لوگوں کو مجبور کے کچھ درخت مشترک طور پر وراثت میں حاصل ہوئے۔ جنہیں انہوں نے آپس میں تقسیم کر لیا لیکن ان میں ایک درخت بھی تھا جس کے پھول بے کسب ہی لوگ اپنے اپنے مجبور کے درختوں پر ڈالتے تھے، اب ان ہی میں کا ایک شخص اپنے حصہ کے مجبور کے درختوں کے ساتھ اس درخت کے اپنے حقوق بھی فروخت کرے تو شرکاء کو اس فروخت میں شفعہ کا حق حاصل نہیں ہوگا کیونکہ نہ تو وہ کوئی زمین ہے اور نہ اس کو تقسیم کر لینا ممکن ہے۔“

بَابُ الْمَسَاقَاةِ وَالْمُزَارَعَةِ

مساقات اور مزارعت کا بیان

”مساقات“ کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ذیہ اپنا باغ یا اپنے کچھ درخت بکر کو اس شرط کے ساتھ دے کہ گرم ان درختوں کو سیراب کرنا، ان کی دیکھ بھال کرنا، پھر ان پر جو پھل آئیں گے ان کو آدموں آدھ پاتھائی یا جو حنائی وغیرہ (جو بھی مقدار مقرر ہو) آپس میں تقسیم کر لیں گے۔ ”مزارعت“ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً ذیہ اپنی زمین بکر کو اس شرط کے ساتھ دے کہ گرم اس کو جو تالو یا نا، اس کی چوپیدہ اوار ہوگی اسے آدموں آدھ پاتھائی اور یا جو حنائی (جو بھی مقدار مقرر ہو) آپس میں تقسیم کر لیں گے۔

گویا ”مساقات“ اور ”مزارعت“ دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے یعنی ”بٹائی پر دینا“ فرق صرف اتنا ہے کہ مساقات کا تعلق تو درختوں سے ہوتا ہے اور مزارعت کا تعلق زمین سے ہے، ان دونوں کا فقہی حکم بھی ایک ہی ہے، مساقات اور مزارعت یعنی اپنے درختوں یا زمین

نیکو بنائی پر دینا حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک قاسم ہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمدؒ اور حنفیہ میں سے حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ نیز دوسرے علماء کے نزدیک یہ جائز ہے۔

حضرت امام اعظمؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ ایک ایسا اجارہ ہے جس میں اجر مجہول اور معدوم ہوتا ہے پھر یہ کہ آنحضرت ﷺ سے منابر (مزارعت) کی بھی ثابت ہے، لیکن فتویٰ چونکہ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے قول پر ہے اس لئے حنفیہ کے ہاں بھی مساوات اور مزارعت جائز ہے۔

الفصل الأول

خیبر کی زمین کا بندوبست

① عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَفَعَ إِلَى يَهُوذَا بْنِ خَنِيْزٍ فُخْلَ خَنِيْزٍ وَأَرْضَهَا إِلَى أَنْ يَنْتَمِلُوا هَاهُنَا أَمْوَالَهُمْ وَلَوْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَطْرَ فَخْرَهَا - وَرَأَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةِ الْبُخَارِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَى خَنِيْزَ الْيَهُودَ أَنْ يَنْتَمِلُوا هَاهُنَا وَيَزْغُوا هَاهُنَا وَلَهُمْ شَطْرُ مَا يَنْتَاجُ مِنْهَا -

”حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے خیبر کی بھوروں کے درخت اور وہاں کی زمین اس شرط پر خیبر کے یہودیوں کے حوالہ کر دی کہ وہ اس میں اپنی جان اور اپنا مال لگائیں اور اس کا آدھا بھل رسول کریم ﷺ کے لئے ہو گا۔“ (مسلم)

”اور بخاریؒ کی روایت میں یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے خیبر کو (یعنی وہاں کی زمین اور درخت کو) اس شرط پر خیبر کے یہودیوں کے حوالہ کر دیا تھا کہ وہ اس میں محنت کریں اور کاشت کاری کریں اور پھر اس کی پیداوار کا آدھا حصہ یہودیوں کا حق ہو گا اور آدھا حصہ آنحضرت ﷺ کے لئے لیں گے۔“

تشریح: خیبر ایک بستی کا نام ہے جو مدینہ سے تقریباً (۶۰) میل شمال میں ایک حرمے کے درمیان واقع ہے۔ پہلے یہ ایک مشہور مقام رہ چکا ہے جہاں یہودیوں کی بود و باش تھی، لیکن اب یہ بستی چند گاؤں کا مجموعہ ہے، چونکہ اس کی آب و ہوا اچھی نہیں ہے اس لئے یہاں لوگ اقامت اختیار کرتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ اس کے علاقہ میں مجبور و غمیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔

بہر حال یہ حدیث علاوہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے تمام علماء کے اس مسلک کی دلیل ہے کہ مساوات و مزارعت جائز ہے حضرت امام اعظمؒ یہ فرماتے ہیں کہ خیبر کی زمین اور درختوں کو وہاں کے یہودیوں کو دینا مساوات و مزارعت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ کیونکہ خیبر کی زمین اور وہاں کے درخت آنحضرت ﷺ کی ملکیت میں نہیں تھے کہ آپ ﷺ بطور مساوات و مزارعت وہاں کے یہودیوں کو دیتے بلکہ وہ زمین بھی یہودیوں ہی کی ملکیت تھی اور وہاں کے درختوں کے مالک بھی یہودی ہی تھے۔ آپ ﷺ نے ان کی اطاک کو انہیں کے حوالے کیا اور اس کی پیداوار کا نصف بطور خراج اپنے لئے مقرر فرمایا، چنانچہ خراج کی دو قسمیں ہیں۔ ① خراج موظف ② خراج مقاسمت۔

خراج موظف کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اسلامی مملکت کی طرف سے جن لوگوں پر خراج عائد کیا جاتا ہے ان سے سربراہ مملکت ہر سال کچھ مال لین مقرر کر لیتا ہے جیسا کہ اہل نجران سے ہر سال بارہ سو ملے یعنی جوڑے لئے جاتے تھے۔

خراج مقاسمت کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جن لوگوں پر خراج عائد کیا جاتا ہے ان کی زمین کی پیداوار ان لوگوں اور اسلامی حکومت کی درمیان کسی مقررہ مقدار میں تقسیم ہوتی ہے جیسا کہ اہل خیبر کے ساتھ ہوا کہ ان کی زمین اور درختوں کی نصف پیداوار آنحضرت ﷺ کے لئے لیتے تھے۔

منابر کی ممانعت

② وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا نَحْبِرُ وَلَا تَزِي بِذَلِكَ بَأْسًا حَتَّى دَعَمَ وَافِعُ بْنُ عُذَيْبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ نَهَى عَنْهَا فَتَرَكَهَا مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ - (روہ مسلم)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حجرت کیا کرتے تھے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے یہاں تک کہ جب حضرت رافعؓ ابن خدیجؓ نے یہ بتایا کہ رسول کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے تو ہم نے اس وجہ سے اسے ترک کر دیا۔“ (مسلم)

تشریح: ”حجرت“ اس مزارعت کو کہتے ہیں جس کا ذکر اوپر کی حدیث میں ہوا، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک چونکہ مزارعت ممنوع ہے اس لئے یہ حدیث ان کی دلیل ہے۔

اجرت یا لگان پر زمین دینے کا ذکر

(۳) وَعَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ قَبِيصٍ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ اخْتَرَنِي عُمَارُ بْنُ الْأَنْصَرِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْلِكُ عَلَى الْأَنْبَاءِ أَوْ خَطِيئَتِهِمْ صَاحِبُ الْأَرْضِ فَتَهَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ فَقُلْتُ لِرَافِعٍ لَكَيْفَ هِيَ بِالْأَنْبَاءِ وَالْمُتَأَنِّبِ فَقَالَ لَيْسَ يَمْلِكُ بِأَنْشٍ وَكَانَ الَّذِي نَهَى عَنْ ذَلِكَ مَالُوهُ نَظَرُونِيهِ ذُرُوءَهُ الْفُقَهَاءُ بِالْخَالِ وَالْخَوَامِ لَمْ يَجِئُوا لِيَمْلِكُوا فِيهِ مِنَ الْمُخَاطَرَةِ - (مسلم علیہ)

”اور حضرت حنظلہ ابن قبیصؓ (تابعی) حضرت رافع بن خدیجؓ (صحابی) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے (یعنی رافعؓ نے) فرمایا کہ مجھے میرے دو چاؤں نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں صحابہ کرامؓ تالیوں پر ہونے والی پیداوار کے عوض اپنی زمین اجرت پر دیا کرتے تھے (یعنی صحابہؓ اپنی زمین کو کسی دوسرے شخص کو اس شرط کے ساتھ اجرت پر دے دیا کرتے تھے کہ وہ شخص اپنی محنت اور اپنا تخم لگا کر اس میں کاشت کرے اور اس زمین کی پانی کی تالیوں کے کناروں پر جو کچھ پیدا ہو گا وہ اس زمین کی اجرت میں مالک کا حق ہو گا اور اس کے علاوہ باقی زمین کی پیداوار کاشت کرنے والے کا حق ہو گا) اپنی زمین کو اس قطعہ (کی پیداوار) کے عوض اجرت پر دیتے تھے جسے مالک اپنے لئے عیوہ کر لیتا تھا (یعنی زمین کو اجرت پر دینے کی دوسری صورت یہ ہوتی تھی کہ وہ اپنی زمین جب کسی کو کاشت کے لئے دیتے تو اس کا کوئی قطعہ اپنے لئے متعین کر دیتے تھے اور یہ طے ہو جاتا تھا کہ کاشت کرنے والا اپنی محنت اور اپنا تخم لگا کر پوری زمین پر کاشت کرے پھر اس متعین قطعہ کی جو کچھ پیداوار ہو وہ تو مالک نے لے گا اور باقی زمین کی پیداوار کاشت کرنے والا لے گا چنانچہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں اس سے منع فرمایا (کیونکہ اس میں نقصان اور قریب میں بیگانہ ہونے کا خوف رہتا تھا) حدیث کے راوی حضرت حنظلہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت رافعؓ سے پوچھا کہ درہم و دینار کے عوض مزارعت کا کیا حکم ہے (یعنی اپنی زمین کسی کو کاشت کرنے کے لئے دے دی جائے اور اس کے عوض بطور لگان روپے لئے جائیں تو کیا حکم ہے؟) حضرت رافعؓ نے فرمایا کہ ”اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور جس چیز سے رسول کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ (یعنی مزارعت کی مذکورہ دونوں صورتیں) وہ ایسی چیز ہے کہ اگر حرام و حلال کی سمجھ رکھنے والا شخص اس میں غور کرے تو نقصان پہنچنے کے خوف سے اسے پسند نہ کرے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: (یعنی زمین کو کاشت کے لئے دینے کی جو دو صورتیں ذکر کی گئی ہیں اور جن سے رسول کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے وہ ان علماء کے نزدیک بھی مکمل ٹھیک ہیں جو مزارعت کے جواز کے قائل ہیں۔

مزارعت کے سلسلے میں چونکہ مختلف احادیث منقول ہیں اس لئے جو علماء مزارعت کو جائز کہتے ہیں وہ بھی اپنے مسلک کو حدیث سے ثابت کرتے ہیں اور وہ علماء بھی حدیث ہی سے استدلال کرتے ہیں جن کے نزدیک مزارعت جائز نہیں ہے، گویا دونوں طرف کے علماء کے لئے تاویل کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ اکثر علماء مزارعت کو جائز کہتے ہیں، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اس کے عدم جواز کے قائل ہیں۔ لیکن حنفیہ کے دو جنس القدر انہر حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ چونکہ جواز ہی کے قائل ہیں پھر یہ کہ وضع ضرورت کی مصلحت بھی

پیش نظر ہے اس لئے حنفی مسک میں بھی فتویٰ اسی بات پر ہے کہ مزارعت جائز ہے۔

مزارعت کی ایک ممنوع صورت

(۴) وَعَنْ زَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ كُنَّا أَكْثَرَ أَهْلِ الْمَدِينَةِ حَقْلًا وَكَانَ أَخَدْنَا يُكْرَهُ أَنْزَصَةَ فَيَقُولُ هَذِهِ الْقِطْعَةُ لِي وَهَذِهِ لَكَ فَتَوَاصَا حَزْرَجَتْ وَهَذَا لَمْ تَخْرُجْ وَهَذَا فَهَذَا هُمْ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت زافع ابن خدیجؓ کہتے ہیں کہ ہم اکثر مدینہ والے کاشتکاری کیا کرتے تھے اور ہم میں سے بعض لوگ اپنی زمین کو بیٹا پر کاشت کر لے کے لئے کسی دوسرے کو بارے دیا کرتے تھے اور اس سے یہ کہہ دیتے تھے کہ (تم اس پوری زمین پر کاشت کرو، اس کے عوض میں) اس زمین کا یہ قلعہ میرے لئے ہے (یعنی اس قلعہ کی پیداوار میں لے لوں گا) اور یہ قلعہ تمہارے لئے ہے (یعنی اس دوسرے قلعہ کی پیداوار تم لے لیا) اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ایک قلعہ میں پیداوار ہو جاتی تھی لیکن دوسرے قلعہ میں کچھ بھی پیدا نہیں ہوتا تھا، چنانچہ رسول کریم ﷺ نے (مزارعت کی اس صورت سے) منع فرمایا۔ (کیونکہ اس کی وجہ سے ایک شخص کو تو زمین کی پوری پیداوار مل جاتی تھی اور دوسرے شخص کا حق بالکل ضائع ہو جاتا تھا)۔“ (بخاری و مسلم)

کسی کو اپنی زمین کاشت کرنے کے لئے بطور رعایت دینا بہتر ہے

(۵) وَعَنْ عُمَرَ وَقَالَ قُلْتُ لِمَاؤُسَ لَوْ تَوَكَّتِ الْمُخَابِرَةُ فَنُتِّمَ بَرَّ عُمَرُو أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْهُ قَالَ أَيْ عُمَرُو إِنِّي أَغْلِبُهُمْ وَأُعِيشُكُمْ وَإِنْ أَعْلَمْتُهُمْ أَخْبَرْتَنِي بِغَيْبِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَنْهَ عَنْهُ وَلَكِنْ قَالَ أَنْ يَمْنَحَ أَخَاهُ خَبْرًا لَهُ يَمْنُ أَنْ يَأْخُذَ عَلَيْهِ خَرْجًا مَعْلُومًا۔ (متن علیہ)

”اور حضرت عمرو ابن دینارؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ملاؤسؓ (تابعی) سے کہا کہ اگر آپ مزارعت کو ترک کر دیتے تو بہتر تھا کیونکہ علماء کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ ”ملاؤسؓ نے کہا کہ عمرو! میں (اپنی زمین کاشت کرنے کے لئے) لوگوں کو دیتا ہوں اور ان کی مدد کرتا ہوں اور سب سے بڑے عالم یعنی حضرت ابن عباسؓ نے مجھے بتایا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اس سے منع نہیں فرمایا ہے لیکن آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ اپنے کسی بھائی کو اپنی زمین کاشت کرنے کے لئے دے دے ورنہ اس سے بہتر ہے کہ اس پر اس زمین کا کوئی ٹکڑا وغیرہ عین کر کے لے لیا جائے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مزارعت میں تو یہ ہوتا ہے کہ کچھ دیا جاتا ہے اور کچھ لیا جاتا ہے، یعنی اپنی زمین دی جاتی ہے اور اس کے عوض اس کی پیداوار میں سے کچھ حصہ ختمین کر کے لیا جاتا ہے، لیکن اس کے برعکس اگر کسی کے ساتھ احسان کیا جائے یا اس طور کہ اسے اپنی زمین بغیر کچھ کے بطور رعایت دی جائے تو وہ اس سے فائدہ اٹھائے تو یہ بہتر ہے۔

اپنی زمین کو بے کار نہ چھوڑو

(۶) وَعَنْ جَابِرِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كَاتِبٍ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزِرْهَا أَوْ يَمْنَحْهَا أَخَاهُ فَإِنْ أَلْيَا فَلْيَمْسِكْ أَرْضَهُ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس شخص کے پاس زمین ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اس میں خود کاشت کرے یا خود کاشت نہ کر سکے تو اپنے کسی بھائی کو عاریتہ دے دے اور اگر یہ دونوں ہی باتیں پسند نہ ہوں تو پھر چاہئے کہ اپنی زمین اپنے پاس رکھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: شیخ مظہر فرماتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی کے پیش نظر انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے مال سے نفع حاصل کرے، لہذا جس شخص کے پاس زمین ہو اسے چاہئے کہ وہ اس میں خود کھیتی باڑی کرے تاکہ اس سے پیداوار ہو اور اس کی وجہ سے اسے نفع ہو، اور اگر کسی وجہ سے وہ خود کاشت نہ کر سکتا ہو تو پھر وہ اس زمین کو اپنے کسی مستحق مسلمان بھائی کو عاریتہ دے دے تاکہ وہ اس میں محنت مشقت کر کے اپنا پیٹ بھرے، اس صورت میں انسانی اخلاق و بہرہ رسانی کا ایک قصہ بھی پورا ہو گا اور اسے ثواب بھی ملے گا لیکن اگر وہ ان دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت پسند نہ کرے تو پھر اپنی زمین کو اپنے پاس رہنے دے، یہ آخری حکم گویا ان دونوں صورتوں کو ترک کرنے اور مزارعت کو اختیار کرنے پر اصرار ہے۔ دیکھ لیا ہے کہ اگر کوئی شخص نہ تو اپنی زمین سے مالی فائدہ حاصل کرے کہ اس پر خود کاشت کرے اور نہ کسی مسلمان بھائی کو عاریتہ دے کہ اس سے روحانی نفع حاصل کرے تو پھر ہتھکنی ہے کہ وہ اس زمین کو یوں ہی چھوڑ دے کسی کو بطور مزارعت نہ دے، نیز اس میں ایسے لوگوں کے لئے بھی حبیہ ہے جو اپنے مال سے نہ تو خود ہی فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ دوسرے کو نفع پہنچاتے ہیں۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ”جو پھر چاہئے کہ اپنی زمین اپنے پاس رکھے، کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص اس کی زمین عاریتہ قبول کرنے سے انکار کر دے تو اپنی زمین اپنے پاس رہنے دے، اس صورت میں یہ حکم اباحت کے طور پر ہو گا۔“

زراعت میں مشغولیت کی وجہ سے جہاد ترک کرنے پر وعید

④ وَعَنْ أَبِي إِمَامَةَ وَزَائِي سَكَنَةً وَشَيْئَانِ مِنَ اللَّهِ الْخَزْبُ فَقَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَدْخُلُ هَذَا بَيْتَ قَوْمٍ إِلَّا أَذْخَلَهُ اللَّهُ النَّارَ۔ (رواہ البخاری)

”منقول ہے کہ حضرت ابوامامہؓ نے (ایک جگہ) بل اور کھیتی باڑی کا کچھ دیکھ کر مسلمان دیکھا تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ سامان جس گھر میں داخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس گھر میں دولت داخل کر دیتا ہے۔“ (بخاری)

تشریح: اس حدیث سے اس غلط فہمی میں جلا نہ ہونا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کے نزدیک زراعت کا پیشہ ناپسندیدہ یا معیوب تھا یا اس سے آپ ﷺ کا مقصد کھیتی باڑی کرنے والوں کی مذمت کرنا تھا بلکہ درحقیقت اس ارشاد گرامی کا منشاء جہاد کی ترغیب دینا ہے اور یہ آگاہ کرنا ہے کہ زراعت میں مشغول ہو کر جہاد کو ترک نہ کر دیا جائے، اگر کوئی شخص اپنی معاش ضروریات کی جائز و حلال تکمیل کے لئے زراعت کے پیشے کو اختیار کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ کوئی غیر پسندیدہ بات نہیں ہے اور نہ ایسا شخص اس وعید میں داخل ہے۔

بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس وعید کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو دشمنانِ دین کے قریب یا ان کے ملک کی سرحدوں سے متصل اقامت پذیر ہوں کہ اگر ایسے لوگ اپنی تمام تر توجہ زراعت کی طرف مبذول کر کے جہاد کی ضرورت و اہمیت کو فراموش کر دیں گے تو دشمن ان پر غالب آجائیں گے جس کا نتیجہ ہو گا کہ وہ اپنے دشمن کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہو جائیں گے۔

الفصل الثانی

کسی کی زمین میں بلا اجازت کاشت نہ کرو

⑤ عَنْ زَائِعِ بْنِ خُلَيْبٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ زَرَعَ فِي أَرْضٍ قَوْمٍ بَغْيٍ اذْبَعُوا ذُنُوبَهُمْ فَلَنْتَسِلَ لَهُ مِنَ الزَّرْعِ شَيْئًا وَلَهُ نَفَقَتُهُ۔ زَوَّاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”حضرت رافع بن خدیجؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”جو شخص کسی کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر (یعنی مالک کی رضا اور حکم کے بغیر) کاشت کرے تو اس کے لئے اس زمین کی پیداوار میں سے علاوہ اس کے کہ جو اس نے خرچ کیا ہے اور

کچھ نہیں ہوگا۔“ (ترمذی، ابوداؤد، امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کسی کی زمین میں مالک کی اجازت و مرضی کے بغیر اگر کوئی شخص کاشت کرے تو اس زمین کی ساری پیداوار زمین کے مالک ہی کو ملے گی ہاں کاشت کرنے والے نے اپنا جو حجم اس کاشت میں لگایا ہو گا وہ اسے مل جائے گا اس کے علاوہ اور کچھ اسے نہیں ملے گا۔ چنانچہ حضرت امام احمد کا یہی مسلک ہے۔

لیکن دوسرے علماء یہ کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں زمین کی پیداوار کاشت کرنے والے ہی کو ملے گی البتہ اس کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ وہ زمین کا نقصان اس کے مالک کو ادا کرے۔ حقیقہ کے بعض علماء نے بھی اسی قول کو ذکر کیا ہے اور ابن مالکؒ نے یہ کہا ہے کہ ایسے شخص پر زمین پر قبضہ کے دن سے اس کی کاشت کے دن سے زمین خالی ہونے کے دن تک اس زمین کا معاوضہ واجب ہوگا اور اس کی جو کچھ پیداوار ہوگی وہ اس شخص کی ہوگی۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

مزارعت کا ثبوت

④ عَنْ قَيْسِ بْنِ مَسْلَمٍ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ قَالَ مَا بِالْمَدَنِيِّتِ أَهْلٌ يَتَّبِعُونَ إِلَّا يَزْعُمُونَ عَلَى الثَّلْثِ وَالرُّبْعِ وَزَادَ عَلِيُّ بْنُ سَعْدٍ بْنُ مَالِكٍ وَغُنْدَلَةُ بْنُ مَسْعُودٍ وَغَمْرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَالْقَاسِمُ وَغَزْوَةُ وَأَبِي بَكْرٍ وَأَبِي عَلِيٍّ وَابْنُ سَبْرِينَ وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْأَسَدِ كُنْتُ أَشَارُكَ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ فِي الرُّبْعِ وَغَامِلُ غُنْمِ النَّاسِ عَلِيٌّ إِنْ جَاءَ غَمْرٌ بِالْبَدْرِ مِنْ عِنْدِهِ فَلَهُ الشُّطْرَانِ جَاءَ وَابْنُ الْبَدْرِ فَلَهُمُ كَذَا۔ (ردہ البخاری)

”حضرت قیس بن مسلم، حضرت ابو جعفر یعنی امام محمد باقر سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا مدینہ میں مہاجرین کا کوئی ایسا گھرنہ تھا جو تہائی اور چوتھائی (کی بنائی پر اکتفا نہ کرتا ہو۔ اور حضرت علیؑ حضرت سعد ابن مالکؓ یعنی سعد ابن ابی وقاصؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ، قاسم، غمروہ، حضرت ابو بکرؓ کی اولاد، حضرت عمرؓ کی اولاد، حضرت علیؑ کی اولاد اور ابن سیرینؓ یہ سب کہیں کرتے تھے۔ حضرت عبدالرحمن ابن اسودؓ، تاملی کا بیان ہے کہ میں حضرت عبدالرحمن ابن یزیدؓ کی شرکت میں مزارعت کیا کرتا تھا، نیز حضرت عمرؓ نے لوگوں سے اس شرط پر (مزارعت کا) معاملہ کیا تھا کہ اگر عمرؓ اپنے پاس سے دیں گے تو (پیداوار کا) نصف حصہ ان کا ہوگا اور اگر وہ لوگ بچ دیں گے تو پیداوار میں اس کے مطابق ان کا حصہ ہوگا (یعنی نصف یا تہائی یا چوتھائی جو بھی مقرر ہوتا ہو)۔“ (بخاری)

تشریح: میرک شہؒ نے کہا ہے کہ خود بخاری کی عبارت اور اس کی شرحوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو جعفرؑ کی عبارت لفظ والرربع پر ختم ہو گئی ہے اس کے آگے و زائد سے آخر تک ساری عبارت خود بخاری کی ہے، اور یہ سب آثار (یعنی صحابی یا تابعی کے اقوال) ہیں جن کو بخاریؒ نے چونکہ بغیر اسناد کے نقل کیا ہے اس لئے معتق ہیں، چنانچہ مؤلف مشکوٰۃ کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ روایت کے آخر میں ردہ بخاری تعلیقاً (اس روایت کو بخاری نے بطریق تعلیق نقل کیا ہے) لکھتے۔

بَابُ الْإِجَارَةِ

اجارہ کا بیان

”اجارہ“ کے معنی ہیں ”کسی چیز کو کرایہ پر دینا“ اور اصطلاح شریعت میں اجارہ کا مفہوم ہے ”اپنی کسی چیز کی منفعت کا کسی کو مالک بنا

فقہی طور پر قیاس تو یہ کہتا ہے کہ اجارہ میں چونکہ مقصد معدوم ہوئی ہے اس لئے اجارہ جائز ہونا چاہئے لیکن شریعت نے لوگوں کی احتیاج و ضرورت کے پیش نظر اس کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ اجارہ احادیث و آثار سے ثابت ہے۔

الفصل الاول

اجارہ کا جواز

① عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَفْعَلٍ قَالَ زَعَمَ ثَابِتُ بْنُ الصَّخَالِ أَنْ زَسُوهُ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُزَارَعَةِ وَأَهْرَبَ بِالْمُزَارَعَةِ وَهَانَ لِأَهْلَائِهِمْ (رواه مسلم)

”حضرت عبد اللہ ابن مفعل کہتے ہیں کہ حضرت ثابت ابن خثاکؓ نے یہ بیان کیا کہ رسول کریم ﷺ نے مزارعت سے منع فرمایا ہے اور اجارہ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔“ (مسلم)

تشریح: ”مزارعت سے منع فرمایا ہے“ میں مزارعت سے مراد مزارعت کی وہ صورتیں ہیں جس کا حکم جواز معصوم و متعین ہے اور جن کا تذکرہ گذشتہ باب کی حدیث نمبر (۳) میں (جو حضرت حذیفہ ابن یشیمؓ سے منقول ہے) کیا گیا ہے۔

② وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَحْتَجَمَ فَاغْطَى الْحَجَّامُ أَجْرَهُ وَاسْتَنْقَطَ (بخاری)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ روایت ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (ایک مرتبہ) بھری ہوئی سیکی بھجوائی اور سیکی بھجنے والے کو اجرت عطا فرمائی، نیز آپ ﷺ نے اپنی ناک میں دو اڑائی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شاخ کش (سیکی بھجنے) کا پیشہ اور اجارہ مباح ہے اور علاج کرنا جائز ہے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے اجرت پر بکریاں چرائی ہیں

③ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا بَعَثَ اللَّهُ نَبِيًّا إِلَّا رَعَى النِّعَمَ فَقَالَ أَصْحَابُهُ وَأَنْتَ فَقَالَ نَعَمْ كُنْتُ أَرْعَى عَلَى قَرَأَتِي لَأَهْلٍ مَكَتَ (رواه البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی نبی مبعوث نہیں کیا ہے جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں“ یہ سن کر آپ ﷺ کے صحابہؓ نے پوچھا کہ ”کیا آپ ﷺ نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟“ فرمایا ”ہاں میں چند قیراؤں کی اجرت پر اہل مکہ کی بکریاں چراتا تھا۔“ (بخاری)

تشریح: منصب نبوت کے فریضہ کی ادائیگی جن اوصاف و خصوصیات کی حامل ہوتی ہے یا یوں کہنے کہ نبی کو اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے معاشرہ اور سانچے سے جو قریبی ربط و تعلق رکھنا پڑتا تھا اس کے لئے چونکہ یہ ضروری تھا کہ دعوت و تبلیغ اور اصلاح اور رہنمائی کے کسی بھی موڑ پر پورے معاشرے کے افراد اور نبی کے درمیان اجنبیت اور غیریت کی دیوار حاصل نہ رہے اس لئے قدرت کی طرف سے ایسا ہی ہوتا تھا کہ ایک ایسے تربیتی اور آزمائشی دور سے گزارا جاتا تھا جس کے بعض مرحلے بظاہر تو بہت غلیظ کے معلوم ہوتے تھے لیکن نتائج و اثرات کے اعتبار سے وہی مرحلے بہت ہی دور رس اور کارآمد ثابت ہوتے تھے، ایسا ہی ایک مرحلہ بکریوں کا چراتا بھی ہے جو اگرچہ بہت معمولی درجہ کی چیز معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہی بکریوں کا چراتا محبت و شفقت، محنت و مشقت، باہمی ربط و تعلق اور عام خیر خواہی و عہدہ اشت کا ایک بہترین سبق ہے جو کسی رہبر کی حیات کا ایک بنیادی وصف ہے، چنانچہ ہر نبی اسی لئے بکریاں چراتا تھا کہ اس تجربہ سے گذرنے کے بعد امت کی نگہبانی و شفقت اور معاشرے سے ربط و تعلق کا حقیقی جذبہ

پوری زندگی میں سرایت کے رہے اور قوم کی طرف سے پیش آنے والی ہر سختی و مشقت پر مبروحہ کی قوت حاصل رہے۔ نیز اس ذریعے سے وہ حقیقی خلوت و تنہائی بھی حاصل ہو جاتی تھی جو نبی کی ابتدائی زندگی کا ایک مطلوب ہوتی تھی۔
مذکورہ بالا نکتہ زیادہ واضح ہو جاتا ہے اگر یہ تجزیہ پیش نظر ہو کہ ایک مہر اور ایک بادشاہ اپنی قوم پر اپنی رعایا کے ساتھ وہی نسبت و تعلق رکھتا ہے جو ایک چرواہا اپنی بکریوں کے ساتھ رکھتا ہے۔

مزدور کو اس کی مزدوری نہ دینے والے کے لئے وعید

﴿وَعَنْهُ قَالَ فَإِنَّ زَسْوَئِلَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصَّمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ زُحْلٌ أَغْطَى بَيْنَ ثُمَّ عَذْرُو زُحْلٌ بَاغَ خُرَافًا كُلَّ فَسَنَةٍ وَزُحْلٌ اسْتَجَارَ أَجِيرًا مَسْتَوْفِي مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهِ أَجْرَهُ﴾۔ (رداء البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن سے میں قیامت کے دن جھگڑوں گا، ایک تو وہ شخص ہے جس نے میرے نام اور میری سوگند کے ذریعے کوئی عہد کیا اور پھر اس کو توڑ ڈالا، دوسرا شخص وہ ہے جس نے ایک آزاد شخص کو فروخت کیا اور اس کا مول کھایا اور تیسرا شخص وہ ہے جس نے کسی مزدور کو مزدوری پر لگایا اور اس سے کام لیا (یعنی جس کام کے لئے لگایا تھا وہ پورا کام اس سے کرایا لیکن اس کو اس کی مزدوری نہیں دی۔“ (بخاری)

تشریح: اس حدیث میں ایسے تین اشخاص کی نشان دہی کی گئی ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کا خاص طور سے نشانہ ہوں گے، ان میں سے پہلا شخص تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نام پر یعنی اس کی قسم کھا کر کوئی عہد و معاہدہ کرتا ہے اور پھر اس کو توڑ ڈالتا ہے یوں تو عہد و معاہدہ کی پاسداری بہر صورت ایک ضروری چیز ہے کیونکہ انسان کی شرافت و انسانیت کا تقاضہ یہی ہے کہ وہ جو عہد و معاہدہ کرے اسے پورا کرے، کسی معاہدہ کو بلا عذر ختم کر دینا انسانی شرف کے خلاف بھی ہے اور انسانیت کی توہین بھی، لیکن اگر کوئی عہد و معاہدہ کے نام پر کیا جاتا ہے تو پھر اس کی تکمیل کہیں زیادہ ضروری ہو جاتی ہے، اس لئے جو شخص اللہ کے نام پر کئے ہوئے عہد و معاہدہ کو توڑتا ہے وہ بجا طور پر غضب خداوندی کا مستحق ہے۔

دوسرا شخص وہ ہے جو کسی آزاد انسان کو بیچ ڈالے، شرف انسانی کی توہین اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک انسان اپنے ہی بیسے ایک دوسرے آزاد انسان کو ایک بازاری مالی بنادے اور اس کی خرید و فروخت کرے چنانچہ ایسے شخص کو بھی قیامت کے دن عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔

اس بارے میں یہ نکتہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ مذکورہ بالا ارشاد گرامی میں ”اس کا مول کھانے“ کی قید محض زیادتی عجیبہ کے لئے ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی آزاد انسان کو فروخت کرنا ہی ایک بڑے گناہ کی بات ہے خواہ اس کا مول کھائے یا نہ کھائے، مگر اس کا مول نہیں کھائے گا تب بھی گنہگار ہو گا اور اس وعید میں داخل ہو گا۔

تیسرا شخص وہ ہے جو کسی مزدور کو اپنے کسی کام کی تکمیل کے لئے مزدوری پر لگائے اور اپنا وہ کام پورا کرانے کے بعد اس کی مزدوری نہ دے، یہ ایک انتہائی قابل نفرت فعل ہے۔ کسی شخص کی محنت اس کی زندگی کا ایک قیمتی اثاثہ ہوتا ہے جسے حاصل کر کے اس کی اجرت نہ دینا شیوہ انسانیت کے خلاف ہے۔ یہ کتنے ظلم کی بات ہے کہ کوئی غریب اپنا بیٹ بھرنے کے لئے اپنا خون پینہ ایک کر کے کسی کے یہاں محنت کرے مگر اس کی محنت کی اجرت اسے نہ دی جائے، چنانچہ ایسے شخص کے بارے میں بھی کہ جو مزدور کی مزدوری نہ دے اللہ تعالیٰ نے یہ آگاہی دی ہے کہ ایسے شخص قیامت کے دن اپنے اس انسانی ظلم کی ضرور سزا پائے گا۔

جھاڑ پھونک کرنے والا اپنے عمل کی اجرت لے سکتا ہے

﴿وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ تَفَرُّاجَ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرُّوا بِمَاءٍ فِيهِمْ لَدِينُغٌ أَوْ سَلِيمٌ فَعَرَضَ لَهُمْ

رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْمَاءِ فَقَالَ هَلْ فِيكُمْ مَنْ رَأَى ابْنَ أَبِي الْعَاءِ لَدَيْنَا أَوْ سَلِمًا فَأَنْطَلَقَ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ عَلَى شَاءٍ فَقَرَأَ فَجَاءَ بِالشَّيْءِ إِلَى أَصْحَابِهِ فَكَرَهُوا ذَلِكَ وَقَالُوا أَخَذْتَ عَلَى كِتَابِ اللَّهِ أَجْرًا حَتَّى قَدِمُوا الْمَدِينَةَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَخَذَ عَلَى كِتَابِ اللَّهِ أَجْرًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللَّهِ - وَفِي رِوَايَةِ الْبُخَارِيِّ وَفِي رِوَايَةِ أَصْحَابِنَا وَفِي رِوَايَةِ مُعْتَمِدَتِنَا -

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ کی ایک جماعت ایک ایسے گاؤں سے گزری جس میں کسی شخص کو بچھو یا سانپ نے ڈس رکھا تھا، چنانچہ اس بستی کا ایک شخص ان صحابہؓ کے پاس آیا اور ان سے پوچھا کہ کیا آپ لوگوں میں کوئی شخص بھڑک کر اٹھ کر آیا ہے؟ کیونکہ ہماری بستی میں ایک شخص کو بچھو یا سانپ نے ڈس لیا ہے؟ (اگر ایسا کوئی شخص ہے تو وہ میرے ساتھ چل کر اس شخص پر دم کر دے)۔ چنانچہ ان میں سے ایک صحابیؓ تشریف لے گئے اور انہوں نے بکریوں کے عوض سورۃ فاتحہ پڑھی۔ یعنی انہوں نے کہا کہ میں اس شخص پر اس شرط کے ساتھ بھڑک چھوٹ کر دوں گا کہ میں اس کے عوض اپنی بکریاں لوں گا، اسے بستی والوں نے منظور کر لیا لہذا ان صحابیؓ نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر اس شخص پر دم کیا کیونکہ منقول ہے کہ فاتحۃ الكتاب شففاء من السم یعنی سورۃ فاتحہ زہر کے لئے شفاء ہے۔ لہذا وہ شخص اچھا ہو گیا، پھر جب وہ صحابیؓ بکریاں لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس آئے تو ان ساتھیوں نے اس کو ناپسند کیا اور کہا کہ (جو سے) تجب کی بات ہے کہ تم نے کتاب اللہ (پڑھنے پر) مزدوری لی ہے یہاں تک کہ وہ سب صحابہؓ مدینہ پہنچے اور (آنحضرت ﷺ سے) عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! اطلاق صحابیؓ نے کتاب اللہ (پڑھنے پر) مزدوری لی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”جین چیزوں کی اجرت لینے ہو ان میں سب سے بہتر کتاب اللہ ہے۔“ (بخاری)

”ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ ”تم نے اچھا کیا، ان بکریوں کو (ابن میں) تقسیم کر لو اور اپنے ساتھ میرا حصہ بھی لگاؤ۔“

تشریح: لفظ سلیم اور لفظ لدینغ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں یعنی سانپ کا ڈسا ہوا۔ چنانچہ روایت کے الفاظ لدینغ أو سلیم میں أو سلیم راوی کے لفظی شک کو ظاہر کرتا ہے۔ یعنی راوی نے یہ دونوں لفظ نقل کر کے یہ ظاہر کیا ہے کہ مجھے یہ صحیح یاد نہیں ہے کہ اس موقع پر لفظ ”لدینغ“ کہا گیا تھا یا لفظ ”سلیم“ اور علامہ طبریؒ یہ کہتے ہیں کہ اکثر و بیشتر لفظ لدینغ کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جسے بچھو کاٹ لے اور ”سلیم“ کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جسے سانپ ڈس لے، اس صورت میں کہا جانے گا کہ اس موقع پر راوی کو کسی کے اعتبار سے شک ہوا ہے کہ یا تو وہ شخص بچھو کاٹا ہوا تھا یا سانپ کا ڈسا ہوا تھا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ جن صحابیؓ نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تھا وہ حضرت ابوسعید خدریؓ تھے اور صحابہؓ کی وہ جماعت تیس نفوس پر مشتمل تھی۔ اسی اعتبار سے سورۃ فاتحہ پڑھنے والے صحابیؓ نے تیس بکریاں لی تھیں۔

آنحضرت ﷺ نے ان بکریوں میں اپنا حصہ لگانے کے لئے اس واسطے فرمایا تھا کہ وہ صحابہؓ خوش بھی ہوں اور یہ بھی جان میں کہ سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے کے عوض حاصل ہونے والی بکریاں بلا شک و شبہ حلال ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی آیتوں اور ذکر اللہ کے ذریعے بھڑک چھوٹ کرنا اور اس کی اجرت لینا جائز ہے، چنانچہ عامل روحانیات یعنی قرآن کریم کی آیتوں اور دیگر منقول دعا و عملیات کے ذریعے علاج کرنے والے اپنے مکمل یعنی تعویذ و کنوؤں اور بھڑک چھوٹ کرنا جو اجرت لینے ہیں اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ تلاوت قرآن کی اجرت لینا جائز ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں فرق ہے اور وہ یہ کہ تلاوت قرآن ایک عبادت ہے۔ اور عبادت کی قیمت لینا قطعاً جائز نہیں ہے اور کسی مریض و دیکھی شخص پر قرآن پڑھ کر دم کرنا اور اس کی بکرت سے شفا حاصل ہو جانا عبادت نہیں ہے لہذا اس کی اجرت لینا جائز ہے۔ اس سے گویا یہ بھی ثابت ہوا کہ مصحف (یعنی قرآن کریم کو کتابی صورت میں) بیچنا، اس کو خریدنا، اجرت پر اس کی کتابت کرنا اور دین

کی دوسری کتابوں کو مزدوری پر لکھنا جائز ہے۔ اسی طرح متاخرین (یعنی بعد کے علماء) نے قرآن کریم کی تعلیم کو بھی اس پر قیاس کرتے ہوئے کہا ہے کہ تعلیم قرآن کی اجرت لینا جائز ہے جب کہ حقد میں (یعنی پہلے زمانے کے علماء) جیسے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ وغیرہ نے تعلیم قرآن کی اجرت لینے کو حرام کہا ہے۔

الفصل الثانی

جس طرح غیر شرعی جھاڑ پھونک ناجائز ہے اسی طرح اس کی اجرت بھی حرام ہے

(۷) عَنْ خَارِجَةَ بِنِ الصُّلْتِ عَنْ عَمِّهِ قَالَ أَقْبَلْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَيْنَا عَلِيَّ بْنَ أَبِي قُرَيْبٍ فَقَالُوا يَا أَبَتُنَا أَنْتُمْ قَدْ جِئْتُمْ مِنْ عِنْدِ هَذَا الرَّجُلِ بِخَيْرٍ قَهْلٍ عِنْدَكُمْ مِنْ دَوَاءٍ أَوْ زُفْيَةٍ فَإِنْ عِنْدَنَا مَغْضُوبٌ هَافِي الْقَيْدِ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ فَبَاءَ وَأَبْعَثُوهُ فِي الْقَيْدِ فَقَرَأَتْ عَلَيْهِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَلَا تُلَاقُ عَذْرَاءٌ وَغَشِيَتْهُ احْمَةُ لَزِقِي ثُمَّ أَتَقَلُّ قَالَ فَكَأَنَّمَا الشَّيْطَانُ مِنْ عَقَالٍ فَأَعْظَمُونِي جُعَلًا فَقُلْتُ لَا خَشِيَ أَسْأَلُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَنَا بَنِي فَالْعُصْرَى لَمْ يَأْكُلْ بِزُفْيَةٍ بَابِلٍ لَقَدْ أَكَلْتُ بِزُفْيَةٍ حَقًّا - (رواه احمد والبخاري)

"حضرت خارجہ ابن الصلتؓ اپنے چچا سے نقل کرتے ہیں کہ (انہوں نے کہا کہ) جب ہم لوگ رسول کریم ﷺ سے رخصت ہو کر اپنے وطن کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں ہمارا گزر عرب کے ایک قبیلے پر ہوا جس (کے کچھ لوگوں) نے ہم سے کہا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے تم اس شخص (یعنی رسول کریم ﷺ) کے پاس سے بھلائی (یعنی قرآن کریم اور ذکر اللہ) لے کر آئے ہو، تو کیا تمہارے پاس کوئی (دوا یا جھاڑ پھونک) بھی ہے کیونکہ ہمارے ہاں ایک شخص پاگل ہو گیا ہے جو بیڑوں میں جکڑا پڑا ہے؟ ہم نے کہا کہ ہاں (ہمارے پاس ایسا عمل ہے جس سے ہم اس کا علاج کر سکتے ہیں) چنانچہ وہ اس پاگل کو بیڑوں میں جکڑے ہوئے، پاس لائے، اور میں نے اس پر تین دن تک صبح و شام سورۃ فاتحہ اس طرح پڑھی کہ (پڑھتے وقت) اپنا تموک جکڑتا رہتا اور پھر (پڑھنے کے بعد) اس پر تموک دیتا۔ راوی کہتے ہیں کہ میرے چچا نے فرمایا کہ اس کے بعد (وہ اتنی جلدی اچھا ہو گیا) گویا اسے بندھی ہوئی رسی سے کھول دیا گیا ہو پھر انہوں نے مجھے اس کی اجرت (کے طور پر کوئی چیز) دی تو میں نے کہا کہ یہ چیز اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک کہ میں اس کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے نہ پوچھ لوں، چنانچہ (میں) نے آپ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جو کچھ تمہیں ملا ہے اسے کھا لو کیونکہ قسم ہے! اپنی زندگی کی، جو شخص باطل منتر کی اجرت کھاتا ہے وہ ہر اکرتا ہے تم نے تو حق اور سچ منتر کی اجرت کھائی ہے۔" (احمد، ابوداؤد)

تشریح: "باطل منتر" ایسی جھاڑ پھونک کو کہتے ہیں جس میں ستاروں، اور ارواح خبیثہ، جنات اور اللہ کے علاوہ دوسری چیزوں کا ذکر ہو اور ان میں سے مدد مانگی جاتی ہو چنانچہ ایسے عملیات جو غیر اللہ کے ذکر یا غیر اللہ سے مدد مانگنے کی وجہ سے غیر شرعی ہوں جس طرح ان کو اختیار کرنا ناجائز ہے اسی طرح ان کی اجرت کھانا بھی حرام ہے۔

"حق منتر" ایسی جھاڑ پھونک اور عملیات کو کہتے ہیں جن میں ذکر اللہ اور قرآن کریم کی آیتیں ہوں خواہ ان کا تعلق پڑھ کر دم کرنے سے ہو یا تعویذ وغیرہ لکھ کر دینے سے ہو۔

حدیث کے الفاظ فلعمری (یعنی قسم ہے اپنی زندگی کی) سے یہ اشکال واقع ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسری چیزوں کی قسم کھانا منع ہے پھر آپ ﷺ نے اپنی زندگی کی قسم کس طرح کھائی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ "فلعمری" سے قسم مراد نہیں ہے بلکہ دراصل یہ اہل عرب کے کلام کا ایک خاص لفظ ہے جو اکثر و بیشتر دور ان گفتگو ان کی زبان پر جاری ہوتا ہے۔ یا پھر یہ کہا جائے گا کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت ہوئی تھی۔

اور علامہ طبریؒ یہ کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اس قسم کی قسمیں کھانے کی اجازت حاصل ہو لہذا اس کا تعلق ان چیزوں

ہے ہو گا جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ شخص ہیں کہ وہ آپ ﷺ کے لئے تو جائز تھیں دوسروں کے لئے جائز نہیں ہیں۔

مزدور کو اس کی مزدوری دینے میں تاخیر نہ کرو

④ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَغْضُوا الْأَجْزَاءَ قَبْلَ أَنْ يُجِفَّ عَرْفُهُ.

(رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو یعنی جب مزدور اپنا کام پورا کر چکے تو اس کی مزدوری کو دے دو اس میں تاخیر نہ کرو۔“ (ابن ماجہ)

⑤ وَعَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلشَّائِلِ حَقٌّ وَإِنْ جَاءَ عَلَى فَرْسٍ - زَوْاهُ أَخْمَلُهُ وَأَبْزَاؤُهُ وَلِي الْمَصَابِيحِ مِنْ سَلٍّ -

”اور حضرت حسین ابن علیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مساکن کے بارے میں فرمایا کہ ”وہ بہر صورت دیئے جائے گا مستحق ہے اگرچہ گھوڑے پر آئے۔“ (احمد، ابوداؤد) اور مصابیح میں کہا گیا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے

تشریح: اس ارشاد گرامی کا مقصد یہ تعلیم دینا ہے کہ مساکن کو خالی ہاتھ واپس نہ کرنا چاہئے اگرچہ وہ گھوڑے پر چڑھ کر بھی مانگے آئے تو اس کا سوال پورا کیا جائے۔ چنانچہ قاضی نے کہا ہے کہ مساکن کو خالی نہ بھیجو اگرچہ ایسی حالت میں تمہارے پاس مانگتے آئے جو اس کے مستحق ہونے پر دلالت کرے، کیونکہ ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ اگر اسے سوال کرنے کی حاجت نہ ہوتی تو وہ اپنا دست سوال دراز کر کے تمہارے آگے اپنے آپ کو ذلیل و خوار کیوں کرتا۔

یہ حدیث بظاہر اس باب سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ مساکن کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ گویا اس کے سوال کی اجرت ہے لہذا اس مناسبت سے اس حدیث کو اب الاحارہ میں نقل کیا گیا ہے۔

اس حدیث کی اسناد میں عمارؓ نے نقل کیا ہے، چنانچہ حضرت امام احمدؒ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے اور کہا ہے کہ یہ بازار میں گشت کرتی ہے۔ امام ابوداؤدؒ نے البیہ اس بارے میں سکوت اختیار کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث قابل استدلال ہے۔ مصابیح میں اس حدیث کو مرسل کہا گیا ہے لیکن تحقیق بات یہ ہے کہ یہ مندرجہ چنانچہ مصابیح کے بعض نسخوں میں لفظ ”مرسل“ مذکور بھی نہیں ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

مزدوری کے سلسلے میں حضرت موسیٰ کا ذکر

⑥ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ الْمُنْذِرِ قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ طَبِيعٌ حَتَّى نَبَلَ قِصَّةَ مُوسَى قَالَ إِنَّ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ أَجَزَ نَفْسَةً لِمَنْ مِثْلُ أَوْ عَشْرًا عَلَى عِقَّةٍ فَوْجٍ وَطَعَامٍ بَطْنِيَّةٍ - (رواہ احمد و ابن ماجہ)

”حضرت عثمٰ بن منذرؓ کہتے ہیں کہ ایک دن) ہم رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ ﷺ نے طبعیت پڑی اور جب آپ ﷺ حضرت موسیٰؑ کے قصہ پر پہنچے تو فرمایا کہ موسیٰؑ نے اپنی شرم گاہ کو پچانے کے لئے اور ہیبت بھرنے کے لئے اپنے آپ کو آٹھ سال یا دس سال تک مزدوری میں دے رکھا تھا۔“ (احمد، ابن ماجہ)

تشریح: طبعیت یعنی سورہ قصص میں حضرت موسیٰؑ کا تذکرہ ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ مدین پہنچے وہاں حضرت شعیبؑ سے کن کی ملاقات ہوئی، پھر ان کی صاحبزادی سے حضرت موسیٰؑ کا نکاح ہوا اور حضرت موسیٰؑ نے اس سے عوض میں

اپنے آپ کو حضرت شعیب علیہ السلام کی مزدوری میں دیا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ اس سورۃ کی تلاوت کے وقت جب حضرت بیویؑ کے اس تذکرہ پر پہنچے تو آپ ﷺ نے مذکورہ بالا کلام ارشاد فرمایا۔

”شرم گاہ بچانے“ سے مراد نکاح ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے اس معاہدہ پر نکاح کیا کہ میں آٹھ یا دس سال تک تمہاری بکریاں چراؤں گا گویا اخیامت تک بکریاں چرانے کو انہوں نے اپنی بیوی کا ہر قرار دیا۔ چنانچہ ان کی شریعت میں یہ جانو تھا کہ اگر وہ شخص کی خدمت کو اس کی بیوی کا ہر قرار دیا جاسکتا تھا، لیکن حضرت موسیٰؑ کے اس معنے میں یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کا ہر تو کچھ اور مقرر کیا ہو گا اور بکریاں چرانے کی یہ خدمت بطریق احسان قبول کی ہوگی۔

خاوند کی خدمت بیوی کا ہر ہو سکتا ہے یا نہیں؟

اس بارے میں علماء کا فقہی اختلاف ہے۔ چنانچہ حنفی علماء تو یہ کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے کہ کسی عورت کا نکاح اس چیز کے عوض کیا جائے کہ اس کا آزاد خاوند مثلاً ایک سال تک اس کی خدمت کرے گا۔ ہاں یہ جائز ہے کہ عورت کا نکاح اس چیز کے عوض میں کیا جائے کہ اس کے خاوند کا کلام مثلاً ایک سال تک اس کی خدمت کرے گا۔ شافعی علماء کے نزدیک بعض کاموں کی مزدوری و خدمت کے عوض نکاح کرنا درست ہے۔ جب کہ مستاجر لہ (وہ کام جو اجیر و مزدور انجام دے) اور مخدوم فیہ (وہ خدمت جو انجام دی جائے) معلوم و متعین چیز ہو۔

دین کی تعلیم دینے کی اجرت لینے کا مسئلہ

⑩ وَعَنْ عَبْدِ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَجَلَّ أَهْلِي إِلَى قَوْمٍ وَمِنْ كُنْتُ أُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْقُرْآنَ وَلَيْسَتْ بِمَالٍ فَأَرْزَمَنِي عَلَيْهَا فِي مَسْبِلِ اللَّهِ قَالَ إِنْ كُنْتَ تُحِبُّ أَنْ تَطْلُقَ قَوْلًا مِّنْ نَّارٍ فَأَقْبَلْهَا۔ (رواہ ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ)

”اور حضرت عبادہ ابن صامتؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! ایک شخص نے مجھے بطور تحفہ ایک کمان بھیجی ہے اور وہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جنہیں میں کتاب و قرآن کی تعلیم دیکر کرتا تھا، اور (میں سمجھتا ہوں کہ اس کمان کو قبول کر لینے میں اس لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ) کمان کوئی مال نہیں ہے۔ چنانچہ اس کمان کے ذریعے راہ خدا (یعنی جہاد) میں تیر اندازی کروں گا۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”مگر تمہیں یہ پسند ہو کہ تمہارے گلے کو آگ کا طوق پہنایا جائے تو اسے قبول کر لو۔“ (ابوداؤد و ابن ماجہ)

تشریح: ”کمان کوئی مال نہیں ہے“ سے حضرت عبادہ کی یہ مراد تھی کہ کمان ایسی کوئی چیز نہیں ہے جسے مال یا اجرت شمار کیا جائے بلکہ یہ تو لڑائی کا ایک سامان ہے جسے میں خدا کی راہ میں استعمال کروں گا یاں طور کہ جہاد میں اس کے ذریعے تیر اندازی کروں گا۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے انہیں متنبہ فرمایا کہ یہ کمان اگرچہ تمہیں کلام اللہ کی تعلیم کی اجرت کے طور پر پیش لی ہے اور نہ یہ کوئی ایسی چیز ہے جسے اجرت شمار کیا جاسکے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ یہ تمہارے اس اخلاص کو ختم کر دے گی۔ جو تمہاری خدمت تعلیم کا محور تھا جس سے سرشار ہو کر تم نے ان لوگوں کو قرآن و دین کی تعلیم دی تھی، لہذا تمہارے لئے مناسب یہی ہے کہ تم اسے قبول نہ کرو۔ جو عوام قرآن و دین کی تعلیم دینے کی اجرت لینے کو حرام کہتے ہیں وہ اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے استدلال کرتے ہیں۔

بَابُ أَحْيَاءِ الْمَوَاتِ وَالشَّرْبِ

غیر آباد زمین کو آباد کرنے اور پانی پلانے کے حق کا بیان

نہ یہ میں لکھا ہے کہ ”موات“ اس زمین کو کہتے ہیں جس میں نہ کوئی گھٹی ہو نہ مکان ہو اور نہ اس کا کوئی ملک ہو اور ہدایہ میں لکھا ہے

کہ "موات" اس زمین کو کہتے ہیں جو پانی کے منقطع ہونے یا اکثر زیر آب رہنے کی وجہ سے ناقابل انتفاع ہو یا اس میں ایسی کوئی چیز ہو جو زراعت سے مانع ہو، لہذا ایسی زمین جو عادی یعنی قدیم ہو کہ اس کا کوئی مالک نہ ہو یا اسلامی سلطنت کی مملوک ہو اور اس کے مالک کا پتہ نامعلوم ہو اور وہ زمین بستی سے اس قدر دور کی ہو کہ اگر کوئی شخص بستی کے کنارے پر کھڑا ہو کر آواز بلند کرے تو اس کی آواز اس زمین تک نہ پہنچے تو وہ زمین "موات" ہے۔

"احیاء موات" سے مراد ہے اس زمین کو آباد کرنا ہے اور اس زمین کو آباد کرنے کی صورت یہ ہے کہ یا تو اس زمین میں مکان بنایا جائے یا اس میں درخت لگایا جائے یا اس میں زراعت کی جائے، یا اسے سیراب کیا جائے اور یا اس میں مل چلا دیا جائے۔ اس قسم کی زمین یعنی موات کا شرعی حکم یہ ہے کہ جو شخص اس زمین کو آباد کرنا ہے وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے لیکن اس بارے میں علماء کا تھوڑا سا اختلاف ہے اور وہ یہ کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ اس زمین کو آباد کرنے کے لئے امام (یعنی حکومت وقت) سے اجازت لینا شرط ہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ اور صاحبین (یعنی حنفیہ کے حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ) کے نزدیک اجازت شرط نہیں ہے۔

شرب کے لغوی معنی ہیں "پینے کا پانی" پانی کا حصہ، گھاٹ اور پینے کا وقت، اصطلاح شریعت میں اس لفظ کا منہوہم ہے "پانی سے فائدہ اٹھانے کا وہ حق جو پینے، برتنے، اپنی گھٹی اور بارگ کو سیراب کرنے اور جانوروں کو پلانے کے لئے ہر انسان کو حاصل ہوتا ہے۔" چنانچہ پانی جب تک اپنے معدن یا پانی اور تالاب وغیرہ میں ہے کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتا، اس سے بلا تخصیص ہر انسان کو فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے جس سے منع کرنا اور روکنا کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔

لیکن اس سلسلے میں دریا، نہروں، تالوں کے پانی اور اس پانی میں کہ جو ریتوں میں بھریا گیا ہو، فرق ہے۔ جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ اس موقع پر تو صرف اس قدر جان لیجئے کہ حنفی مسلک کے مطابق دریا کے پانی پر تمام انسانوں کا یکساں حق ہے چاہے کوئی اس کا پانی پینے پلانے کے استعمال میں لائے، چاہے کوئی اس سے اپنی زمین سیراب کرے اور چاہے کوئی نہروں اور تالیوں کے ذریعے اس کا پانی اپنے ملکیت و باغات میں لے جائے کسی کو بھی اور کسی صورت میں بھی دریا کے پانی کے استعمال سے نہیں روکا جاسکتا اور نہ کسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی کو روکے یا منع کرے، چنانچہ دریا کے پانی سے فائدہ اٹھانا، چاند، سورج اور ہوا سے فائدہ اٹھانے کی طرح ہے کہ خدا نے ان نعمتوں کو بلا تخصیص کائنات کے ہر فرد کے لئے عام کیا ہے ان کا نفع و فائدہ کسی خاص شخص یا کسی خاص طبقے کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ ان سے فائدہ اٹھانے میں سب یکساں شریک ہیں، اسی طرح کنوئیں اور نہروں کے پانی پر بھی سب کا حق ہے لیکن اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ کسی کنوئیں یا کسی نہر کے پانی سے موات کا احیاء کرنے یعنی فائدہ زمین میں زراعت کرے تو اس صورت میں ان لوگوں کو کہ جن کے علاقے میں وہ کنواں اور نہر ہے منع کر دینے کا حق حاصل ہے خواہ اس شخص کے فائدہ زمین میں پانی لے جانے سے اس کنوئیں اور نہر کے پانی میں کمی اور نقصان واقع ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو کیونکہ ان کے علاقے میں اس کنوئیں یا اس نہر کے ہونے کی وجہ سے ان کے پانی پر انہیں بہر حال ایک خاص حق حاصل ہے۔ اور جو پانی کسی برتن یا گدی وغیرہ میں بھریا جاتا ہے وہ اس برتن و گدی والے کی ملکیت ہو جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس پانی پر ہر شخص کا حق ہوتا ہے کہ جو چاہے مارے لیکن جب اسے کوئی شکاری پکڑ لیتا ہے تو اس کے قبضہ میں آتے ہی وہ اس شکاری کی ملکیت ہو جاتا ہے اور اس پر بھیہ سب کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔

اور کوئی کنواں یا نہر اور چشمہ کسی ایسی زمین میں ہو جو کسی خاص شخص کی ملکیت ہو تو اس شخص کو یہ حق حاصل ہوگا کہ اگر وہ چاہے تو اپنی حدود و ملکیت میں پانی کے جلب کار کسی غیر شخص کے داخلے پر پابندی عائد کر دے، بشرطیکہ وہ پانی کا طلبکار شخص وہاں کسی ایسے قریبی مقام سے اپنی حاصل کر سکتا ہو جو کسی غیر کی ملکیت میں نہ ہو اور اگر وہاں کسی اور قریبی جگہ سے پانی کا حصول اس کے لئے ممکن نہ ہو تو پھر ای۔ ملک سے کہہ جائے گا کہ یا تو وہ خود اس نہر یا کنوئیں سے پانی لا کر روے دے یا اسے اجازت دے دے کہ وہ وہاں اگر پانی لے سکے لیکن اس شرط

کے ساتھ کہ وہ کنویں یا نہر کے کنارے کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔

اگر موات زمین میں کوئی کنواں کھدوایا گیا ہو تو اس زمین کو آباد کرنے والے کو یہ حق نہیں پہنچے گا کہ وہ اس کنویں سے پانی لینے سے لوگوں کو منع کرے کیونکہ آباد کرنے کی وجہ سے جس طرح وہ زمین اس ملکیت میں آگئی ہے اس طرح اس کنویں کا پانی اس کی ملکیت میں نہیں آیا ہے اگر وہ کسی ایسے شخص کو منع کرے گا جو اس کنویں سے خود پانی پینا چاہتا یا اپنے جانور کو پلانا چاہتا ہے اور پانی نہ پینے کی صورت میں خود اس کی یا اس کے جانور کی بلائیت کا خدشہ ہے تو اسے اس بات کی اجازت ہوگی کہ وہ زبردستی اس کنویں سے پانی حاصل کرے چاہے اس مقصد کے لئے اس کو لڑنا ہی کیوں نہ پڑے اور اس لڑائی میں ہتھیار استعمال کرنے کی نوبت کیوں نہ آجائے۔

کنواں بے شک کسی کی ذاتی ملکیت ہو سکتا ہے مگر اس کنویں کا پانی کنویں والے کی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ وہ ہر شخص کے لئے مباح ہوتا ہے، بخلاف اس پانی کے جو کسی نے اپنے برتن یا سن میں بھریا ہو کہ وہ ذاتی ملکیت ہو جاتا ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص پیاس کی شدت سے بے حال ہو اچار ہوا اور اس شخص سے وہ پانی مانگے جو اس نے اپنے برتن یا سن میں بھریا ہو اور وہ پانی دینے سے انکار کر دے تو اس پر پابندی ہے کہ وہ لڑ جھگڑ کر اس سے پانی حاصل کر لے بشرطیکہ پانی نہ پینے کی صورت میں جان بچائی جائے کا خدشہ ہو اور وہ لڑائی میں کسی ہتھیار وغیرہ کا استعمال نہ کرے یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص بھوک کی وجہ سے مرا جارہا ہو اور کسی کھانے والے سے کھانا مانگے اور وہ کھانا نہ دے تو اسے حق ہوتا ہے کہ اپنی جان بچانے کے لئے اس سے لڑ جھگڑ کر کھانا حاصل کرے مگر اس کو لڑائی میں ہتھیار وغیرہ استعمال کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہوتی۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے کنویں سے پانی نہ لینے دے تو اس بارے میں زبردستی پانی حاصل کرنے کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ کنویں والے سے بغیر ہتھیار استعمال کئے لڑے جھگڑے اور اس کی اجازت بھی اس لئے ہے کہ کسی کو پانی جیسی خدا کی عام نعمت سے روکنا گناہ کا ارتکاب کرنا ہے اور یہ لڑ جھگڑ کر پانی حاصل کرنا اس کے حق میں تحریر (مزا) کے قائم مقام ہوگا۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

افتادہ و ہجر زمین کو آباد کرنے والا اس زمین کا مالک ہو جاتا ہے

① عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ عَمَّرَ أَرْضًا لَيْسَتْ لِأَحَدٍ فَهُوَ أَحَقُّ قَالَ غَزْوَةُ قُضَىٰ بِهِ غَنَمٌ هِيَ جِلْدُ قَبْطَةٍ۔ (رواہ البخاری)

”حضرت عائشہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص کسی ایسی (افتادہ و ہجر) زمین کو آباد کرے جس کا کوئی مالک نہ ہو تو وہ آباد کرنے والا شخص ہی اس زمین کا سب سے زیادہ حق دار ہے“ حضرت عروہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے خلافت کے دور میں اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا تھا۔“ (بخاری)

تشریح: حضرت عروہؓ کے یہ الفاظ کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا تھا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث منسوخ نہیں ہے۔

کسی چراگاہ کو اپنے لئے مخصوص کر لینے کی ممانعت

② وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ الصُّغْبَةَ بْنَ جَنْطَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا حِمَى الْأَلْبَةِ وَرَسُولُهُ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت صعب ابن جشمہ نے کہا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کسی

چراگاہ کو مخصوص کر لینے کا حق اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہے۔ (بخاری)

تشریح: جمی (حاء کے زیر کے ساتھ) اس زمین (چراگاہ) کو کہتے ہیں جس میں جانوروں کے لئے گھاس روکی جاتی ہے اور اس میں کسی دوسرے کے جانوروں کو چرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

لہذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات مناسب نہیں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اجازت کے بغیر کسی چراگاہ کو صرف اپنے جانوروں کے لئے مخصوص کر لیا جائے اور اس میں دوسرے کے جانوروں کے چرنے پر پابندی عائد کر دی جائے۔

اس حکم کی ضرورت یوں عیاں آئی کہ زمانہ جاہلیت میں یہ معمول تھا کہ جس زمین میں گھاس اور پانی ہوتا اسے عرب کے سردار اپنے جانوروں کے لئے اپنی مخصوص چراگاہ بنالیتے تھے جس میں ان کے علاوہ دوسروں کے جانوروں کو چرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا تاہم آپ ﷺ نے جہاد میں کام آنے والے گھوڑوں اور اونٹوں نیز زکوٰۃ میں آئے ہوئے جانوروں کے لئے اہل مخصوص چراگاہوں قائم کرنے کی اجازت عطا فرمادی تھی۔ لیکن اب آنحضرت ﷺ کے بعد کسی بھی حاکم و سردار کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی چراگاہ کو اپنے لئے یا کسی اور کے لئے مخصوص کر دے۔

اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ کسی فرد کے لئے نہیں بلکہ اکثر مسلمانوں کے لئے کسی چراگاہ کو مخصوص کرنا بھی ناجائز ہے یا یہ جائز ہے؟ چنانچہ بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے جہاد کے گھوڑوں اور اونٹوں نیز زکوٰۃ میں آئے ہوئے جانوروں کے لئے چراگاہ کو مخصوص کرنے کی اجازت دے دی تھی لیکن بعض دوسرے حضرات اس کو بھی ناجائز کہتے ہیں بشرطیکہ اکثر مسلمانوں کے لئے کسی چراگاہ کو مخصوص کر دینا یا شہر کی تکلیف و پریشانی کا باعث ہو۔

کھیتوں میں پانی لے جانے کے سلسلے میں ایک تنازعہ اور آنحضرت ﷺ کا فیصلہ

(۳) وَعَنْ غَزْوَةٍ قَالَ خَاصِمَ الزُّبَيْرِ وَجَلَاءِ مِنَ الْأَنْصَارِ فِي زَوْجٍ مِنَ الْحِوَّةِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْبِقْ بَارِئُ ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ أَنْ كَانَ ابْنُ عَتِّكَ قَتْلًا وَجْهَهُ ثُمَّ قَالَ اسْبِقْ بَارِئُ ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى الْبَحْرِ ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ فَاسْتَوْعَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلزُّبَيْرِ حَقَّهُ فِي صَرْفِجِ الْحَكْمِ حِينَ أَخْفَظَهُ الْأَنْصَارِيُّ وَكَانَ أَشَارَ عَلَيْهِمَا بِأَمْرِ لَهَا فِيهِ سَعْفٌ (متن علیہ)

”اور حضرت عروہؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) زبیرؓ اور انصار کے درمیان ایک تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا (جب وہ مغلہ بارگاہ رسالت میں پہنچا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”زبیر! پہلے تم اپنے کھیتوں میں پانی لے جاؤ پھر اپنے ہمسایہ (یعنی اس انصاری) کے کھیتوں میں پانی چھوڑ دو۔“ (یہ فیصلہ سن کر) اس انصاری نے کہا کہ آپ ﷺ نے یہ فیصلہ اس لئے کیا ہے کہ زبیرؓ آپ ﷺ کی جو بھی کھیتی کے بیٹے ہیں (یعنی سنی)؟ آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ (غصہ کی وجہ سے) متغیر ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ”زبیر! اپنے کھیت میں پانی لے جاؤ اور پھر پانی کو روکے رکھو (یعنی پانی کو اس انصاری کے کھیت میں نہ جانے دو) تاکہ (تمہارا پورا کھیت اچھی طرح سیراب ہو جائے) اور پانی کھیت کی منڈ پر تک پہنچ جائے اس کے بعد نالی کا رخ اپنے ہمسایہ (یعنی اس انصاری) کے کھیت کی طرف کر دو۔ گویا آپ ﷺ نے اس مرتبہ حکم کے ذریعے حضرت زبیرؓ کو ان کا پورا حق دلویا اس لئے کہ اس انصاری نے آپ ﷺ کو غصب آمیز کر دیا تھا حالانکہ آنحضرت ﷺ نے ابتداء میں ان دونوں کے بارے میں جو فیصلہ صادر فرمایا تھا اس میں دونوں ہی کے لئے آسانی تھی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت عروہؓ ابن زبیرؓ بن العوامؓ طبل القدر اور بڑے اونچے درجے کے تابعین میں سے ہیں، اس وقت مدینہ میں جو سات فقیر تھے جن کا علم و فضل سب پر حاوی تھا ان میں سے ایک حضرت عروہؓ بھی ہیں۔ ان کی والدہ محترمہ مشہور صحابیہ حضرت اماءؓ ہیں جو

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی حد جزاوی ہیں اور ان کے والد حضرت زبیرؓ مشہور صحابی اور آنحضرت ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کے صاحبزادے تھے۔ حضرت زبیرؓ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ قدیم الاسلام ہیں یعنی آنحضرت ﷺ کی دعوت کے بالکل ابتدائی دور ہی میں مشرف باسلام ہو گئے تھے جب کہ ان کی عمر صرف سولہ سال کی تھی، ایک طرف تو یہ ان کی سعادت تھی کہ انہوں نے اتنی چھوٹی سی عمر ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا وہ سری طرف ان کے ظالم چچا کی شقاوت تھی کہ اس نے ان کو اسلام لانے کے "جرم" میں طرح طرح کی سزا اور اذیتوں میں مبتلا کیا یہاں تک کہ وہ بد بخت ان کو راہ مستقیم سے ہٹانے کے لئے وجوہ میں ڈال دیا کرتا تھا، مگر یہ نوخیز جان ساری اذیتیں برداشت کرتی، تمام مصیبتوں اور تکلیفوں کو برداشت کرتی مگر اسلام کی راہ میں جو قدم اٹھ چکا تھا وہ پیچھے ہٹنے کی بجائے آگے ہی بڑھتا رہا۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تمام غزوات (جنگوں) میں شرکت کی اور اسلام کا پرچم ہند کربے کے لئے شہادت دیہادری کے جوہر دکھائے رسول کریم ﷺ نے جن دس خوش نصیب صحابہؓ کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت دے دی تھی۔ اور جنہیں "عشرہ مبشرہ" کہا جاتا ہے اس میں سے ایک حضرت زبیرؓ بھی ہیں۔

انہی حضرت زبیرؓ کا واقعہ ہے کہ یہ اور ایک انصاری ایک عی نالی کے ذریعے اپنے اپنے کھیتوں میں پانی لے جاتے تھے۔ سو اتفاق کہ ایک مرتبہ اسی نالی سے پانی لے جانے کے بارے میں ان دونوں میں یہ تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا کہ وہ انصاری تو کہتا تھا کہ پہلے میں اپنے کھیت میں پانی لے جاؤں گا اور حضرت زبیرؓ یہ کہتے تھے کہ پہلے میں اپنے کھیت کو سیراب کروں گا، جب یہ بات زیادہ الجھ گئی اور وہ آپس میں کوئی تعصیب نہ کر سکے تو اپنا معاملہ لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ آپ ﷺ کا فیصلہ حاصل کریں۔

موقع کی نوعیت یہ تھی کہ حضرت زبیرؓ کی زمین بلندی پر بھی تھی اور نالی کے قریب بھی تھی جب کہ اس انصاری کی زمین نیچے تھی اور نالی سے دور تھی، قاعدہ کے مطابق پانی پہلے حضرت زبیرؓ ہی کے کھیت میں جانا چاہئے تھا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس صورت حال کے پیش نظریہ منصفانہ فیصلہ صادر فرمایا کہ پہلے زبیرؓ اپنے کھیت میں پانی لے جائیں بعد میں ان کا ہمایہ یعنی وہ انصاری اپنے کھیت میں پانی لے جائے۔ حق و صداقت کا صحیح شعور کو دینے والے انسان کی جبلت یہ ہوتی ہے کہ جب وہ کسی معاملہ میں حق پر نہیں ہوتا اور اس کی وجہ سے فیصلہ اس کی خواہش کے برخلاف ہوتا ہے تو وہ بجائے اس کے کہ قبول کر کے انصاف کی برتری کو تسلیم کر لے، کرتا یہ ہے کہ فیصلہ کرنے والے پر فیصلہ میں جانب داری کا الزام عائد کر دیتا ہے، چنانچہ اس موقع پر بھی ایسی ہی ہو ا وہ انصاری چونکہ حق پر نہیں تھا اس لئے جب بارگاہ رسالت سے اس کی خواہش کے برخلاف فیصلہ صادر ہوا تو اس فیصلے کو براہ تسلیم قبول کرنے کی بجائے اس نے یہ کہا کہ زبیرؓ چونکہ آپ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں اس لئے یہ فیصلہ کیا ہے، اسی طرح گویا اس نے آپ ﷺ پر جانب داری کا الزام عائد کیا ظاہر ہے کہ کسی منصف و عدل کے لئے ذہنی اذیت و کوفت کا اس سے بڑا اور کوئی سبب نہیں ہو سکتا کہ اس کے کسی منصفانہ فیصلے پر جانبداری اور تعصیب کا الزام عائد کر دیا جائے۔

اسی لئے جب اس انصاری نے یہ بات کہی تو آنحضرت ﷺ کی جبین پر بل نہڑ گئے اور غصے کے شدید ترین جذبات نے آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ خفیر کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ ﷺ کے اس فیصلے نے (جس میں تھوڑی بہت رعایت اس انصاری کی بھی تھی) اس صریح حکم کی صورت اختیار کر لی کہ "تو میرا آپ تم اپنا حق پورا پورا لو، اور وہ یہ کہ نہ صرف پہلے تم اپنے کھیت میں پانی لے جاؤ بلکہ اہمیت کو پوری طرح سیراب کرو، اس میں اچھی طرح پانی دو، جب تمہارا کھیت منڈیروں تک بھر جائے تب نالی کا رخ اس انصاری کے کھیت کی طرف کرو۔"

چنانچہ روایت کے آخری جملوں کا مطلب یہی ہے کہ ابتداء میں آنحضرت ﷺ نے جو فیصلہ صادر فرمایا تھا اس میں حضرت زبیرؓ کو یہ اشارہ بھی تھا کہ اپنا کچھ حق الزماں احسان اپنے ہمایہ کے لئے چھوڑ دو، تاکہ تمہارا کام بھی ہو جائے جو انصاف کا تقاضہ ہے اور اس انصاری کے ساتھ بھی کچھ رعایت ہو جائے جو اگرچہ تم پر واجب نہیں ہے مگر آپس کے معاملات میں بہتری و بھلائی پیدا کرنے کے نقطہ نظر

مناسب ہے۔ مگر جب اس انصاری نے اس قبیلے کو قبول نہیں کیا تو پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیر کو اپنا حق پورا پورا حاصل کرنے کا حکم دیا۔

اب رہی یہ بات کہ آنحضرت ﷺ کی شان میں اس انصاری کی دس گستاخی کا کیا سبب تھا؟ تو بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ وہ انصاری دراصل منافق تھا اور منافقوں کا یہ رویہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کی گستاخی اور آپ ﷺ کو ذمہ کی ازیت و کوفت میں مبتلا کرنے کا کوئی موقع باجھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ منافق تھا تو اسے ”انصاری“ کیوں کہا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو انصاری اس مناسبت سے کہا گیا کہ وہ انصار کے قبیلے سے تعلق رکھتا تھا، چنانچہ انصار کے قبیلوں میں بعض منافق بھی تھے مثلاً عبداللہ ابن ابی وغیرہ۔

بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی، یہاں پہنچ کر ایک یہ نیا سوال سرا بھارتا ہے کہ جب وہ منافق تھا اور اس نے شان رسالت میں اتنی بڑی گستاخی کی تھی تو اسے سزا کیوں نہیں دی گئی؟ اسے تو قودا قتل کروانا چاہئے تھا؟ اس سلسلے میں یہ کہا جاتا ہے کہ اسے سزا قتل نہ کرنے کا سبب یہاں تو اس کی تالیف یعنی ازراہ الفت و رعایت اس کو رہا کرنا تھا، یا یہ کہ آپ ﷺ کے اس صبر و تحمل نے اس کو قتل کرنا گوارا نہ کیا جو ہمیشہ ہی منافقوں کی ایذا، رسائیوں پر ظاہر ہوتا تھا، پھر اگر اسے قتل کر دیا جاتا تو مخالفین اسلام طعن کرتے کہ محمد ﷺ تو اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں کیونکہ منافق بہر حال ظاہر طور پر اپنے کو مسلمان کہتے تھے اور آپ ﷺ کا ساتھی ہونے کا نظہر کرتے تھے۔ بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ وہ انصاری مؤمن ہی تھا مگر غصہ اور جھجھکاہٹ نے اس کے دل و دماغ کو اس طرح دھوکا دیا تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کی شان میں یہ گستاخی کر بیٹھا۔ واللہ اعلم

جوپانی تمہاری ضرورت سے زائد ہو اسے جانوروں کو پلانے سے نہ روکو

(۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوا أَفْضَلَ الْخَيْلِ لِتَمْنَعُوا أَفْضَلَ الْكَلْبِ۔

(متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”جوپانی تمہاری ضرورت سے زائد ہو اسے (جانوروں کو پلانے سے) منع نہ کرو تاکہ اس کی وجہ سے ضرورت سے زائد گھاس سے منع نہ آئے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: عام طور پر جانوروں کو گھاس وہاں چرائی جاتی ہے جہاں پانی ہوتا ہے، اس لئے اگر جانوروں کو پانی پلانے سے روک دے تو کوئی وہاں اپنے جانور کا بے کو چرائے گا؟ اس طرح پانی پلانے سے روکنے کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم بالواسطہ طور پر گھاس چرانے سے روک رہے ہو، اور گھاس چونکہ جانوروں کی عام غذا ہونے کی وجہ سے جانوروں کے لئے بہت زیادہ ضرورت کی چیز ہے اس لئے اس سے منع کرنا درست نہیں ہے، لہذا آپ ﷺ نے منع فرمایا کہ جانوروں کو پانی پلانے سے کسی کو نہ روکو تاکہ اس کی وجہ سے گھاس چرانے سے باز رکھنا لازم نہ آئے۔ ”ضرورت سے زائد“ کی قید اس لئے ہے کہ اگر پانی اور گھاس اپنی اور اپنے جانوروں کی ضرورت کے بقدر رہی ہو تو اس صورت میں اپنی ضرورت کو مقدم رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ہاں اگر ضرورت سے زائد ہو تو پھر دوسرے کو منع کرنا انتہائی نامناسب بات ہے۔

(۸) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا يَكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ رَجُلٌ خَلَفَ عَلَى سُلْطَةٍ لَقَدْ أُعْطِيَ بِهَا أَكْثَرُ مِمَّا أُعْطِيَ وَهُوَ كَاذِبٌ وَرَجُلٌ خَلَفَ عَلَى بَيْعَةٍ كَاذِبٌ يَغْذِي الْعَصْرَ لِيَقْطَعَ بِهَا مَالٌ رَجُلٌ مُسْلِمٌ وَرَجُلٌ مَعَ أَفْضَلِ مَاءٍ يَقْبِضُ اللَّهُ الْيَوْمَ أَمْتَكُمْ فَضْلِي كَمَا مَتَّعْتُ فَضْلِي مَا لَمْ تَعْمَلْ يَذْكَبُ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تین شخص ایسے ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ (رحم، کم) کی بات

نہیں کرے گا اور نہ ان کی طرف (منظر عیالت) دیکھے گا ایک تو وہ (تاجر) شخص ہے جو قسم کھا کر (خرید اورے) کہتا ہے کہ اس چیز کے چودام تم نے دیئے ہیں اس سے زیادہ (م) اسے مل رہے تھے (یعنی جب وہ کسی کو اپنی کوئی چیز بیچتا ہے اور خریدار اس کی قیمت دیتا ہے تو وہ قسم کھا کر کہتا ہے کہ مجھے اس چیز کی اس سے زیادہ قیمت مل رہی تھی) حالانکہ وہ شخص (اپنی قسم میں) بھونکا ہے (کیونکہ درحقیقت اس سے زیادہ قیمت اسے نہیں مل رہی تھی) اور سرانجام وہ ہے جو عصر کے بعد جموں قسم کھائے اور اس (جموں قسم کھانے) کا مقصد کسی مسکین شخص (یا زنی) کا کوئی مال لینا ہو اور تیسرا شخص وہ ہے جو فاضل پانی (پینے پلانے) سے لوگوں کو منع کرتا ہو ایسے شخص سے (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس طرح تو نے (دنیا میں) اپنے فاضل پانی سے لوگوں کو باز رکھا تھا (جو یہ کہ وہ پانی تو نے اپنے ہاتھ سے نہیں نکالا تھا اسی طرح میں بھی آج تجھے اپنے فضل سے باز رکھوں گا۔“ (بخاری)

تشریح: ”عصر کے بعد“ کی تخصیص یا تو اس لئے ہے کہ مختلف قسمیں اسی وقت کھائی جاتی ہیں، یا یہ تخصیص اس لئے ہے کہ عصر کے بعد کا وقت چونکہ بہت ہی بافضیلت اور بابرکت ہے اس لئے اس وقت جموں قسم کھانا بہت ہی زیادہ گناہ کی بات ہے۔
 ”باد جو کہ کہ وہ پانی تو نے اپنے ہاتھ سے نہیں نکالا تھا“ یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص پر طعن کرے گا کہ اگر وہ پانی تیری قدرت کا ربین منت ہوتا اور تو اسے پیدا کرتا تو ایک طرح سے تیرا یہ عمل موزوں بھی ہوتا مگر اس صورت میں جب کہ وہ پانی کھل میری قدرت سے پیدا ہوا تھا اور اسے میں نے ایک عام نعمت کے طور پر تمام مخلوق کے لئے مہیا کر دیا تھا تو پھر تیری یہ مجال کیسے ہوئی کہ تو نے مخلوق خدا کو میری اس نعمت سے باز رکھا۔

اگرچہ کنواں اور نہرو وغیرہ انسان کی مشقت و محنت سے وجود میں آتے ہیں مگر اس کی اصل چیز یعنی پانی صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت سے پیدا ہوتا ہے، مگر کوئی شخص کنواں بنوائے، نہر کھدوائے یا پینڈ پمپ وغیرہ لگوائے اور اس میں پانی نہ آئے تو اس کنواں یا نہر وغیرہ کی کیا حقیقت رہ جائے گی۔ اس لئے کھلی کنواں بنوا دینا یا پینڈ پمپ وغیرہ لگوا دینا اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ اس شخص کو دو سروں پر پانی استعمال کرنے کی پابندی عائد کر دینے کا حق مل گیا ہے۔

وَذِكْرِ حَدِيثِ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ فِي بَابِ الْمَنْهِيِّ عَنْهَا مِنَ الْبَيْتِ ع-

”اور حضرت جابرؓ کی روایت باب المنہی عنہا من البیت میں مذکور کی جا چکی ہے۔“

یعنی حضرت جابرؓ کی یہ روایت نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع فضل الماء (رسول کریم ﷺ نے اپنی ضروریات سے زائد پانی کو بیچنے سے منع فرمایا ہے) صاحب معانی نے یہاں نقل کی تھی لیکن صاحب مشکوٰۃ نے اسے ”باب المنہی عنہا من البیت“ میں نقل کیا ہے جو بیچے گزر چکا ہے۔

الفصل الثانی

افتادہ زمین کی دیوار کے ذریعے حد بندی کر دینے سے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے یا نہیں؟

① عَنْ الْحُسَيْنِ عَنْ سَمُرَةَ عَنِ الشَّيْبِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَخَاطَ حَائِظًا عَلَى الْأَرْضِ فَهُوَ لَهُ۔ (رواہ ابو ذر)

”حضرت حسن بصریؒ، حضرت سمرہؓ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص (افتادہ) زمین پر دیوار گھیرے تو وہ اس کی ہو جاتی ہے۔“ (ابو داؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص موات (یعنی افتادہ وغیرہ آباد) زمین پر دیوار گھیرے گا وہ زمین اس کی ملکیت ہو جائے گی۔ گو یہ حدیث اپنے ظاہری مفہوم کے مطابق اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ موات زمین کی ملکیت کے ثبوت کے لئے اس پر دیوار کھینچ دینا کافی ہے بیہ

کہ مشہور ترین روایت کے مطابق حضرت امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے جب کہ بقیہ تینوں ائمہ کے نزدیک ایسی زمین کی ملکیت کے ثبوت کے لئے احیاء یعنی اس کو آباد کرنا شرط ہے۔ جس کی وضاحت باب کے شروع میں کی جا چکی ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ دیوار کھینچنا احیاء یعنی آباد کرنے کے مفہوم میں داخل ہی نہیں ہے لہذا تینوں ائمہ کے مسلک کے مطابق اس حدیث کی تاویل یہ ہوگی کہ اس سے ”سکونت کے لئے دیوار کھینچنا“ مراد ہے۔

آنحضرت ﷺ کی طرف سے صحابہؓ کو آبادہ زمین کا جاگیر عطیہ

⑥ وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْطَعَ لِلزَّيْبِ مِائَةَ مِائَةٍ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت زبیرؓ کے لئے گھجوروں کے درخت جاگیر کر دیئے تھے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس بارے میں ایک احتمال یہ ہے کہ گھجور کے جو درخت حضرت زبیرؓ کو بطور جاگیر عطا کئے گئے تھے وہ دراصل شمس میں سے تھے جو ان کا حق تھا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ درخت اس موات (آبادہ وغیر آباد زمین میں تھے جسے حضرت زبیرؓ نے آباد کیا ہوگا۔

⑧ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْطَعَ لِلزَّيْبِ خُمْسَ قَوْسِهِ فَأَجَزَى قَوْسَهُ حَتَّى قَامَ فَمَزَّهَى بِسَوْطِهِ فَقَالَ أَغْطُوهُ مِنْ حَيْثُ بَلَغَ السَّوْطُ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو ان کے گھوڑے کی دوڑ کے بقدر زمین بطور جاگیر (یعنی ایک دوڑ میں گھوڑا جہاں تک پہنچ کر ٹھہر جائے وہاں تک کی زمین عطا کر دی چنانچہ (اس مقصد کے لئے) حضرت زبیرؓ نے اپنا گھوڑا دوڑایا اور وہ گھوڑا ایک جگہ پہنچ کر ٹھہر گیا پھر حضرت زبیرؓ نے اپنا گھوڑا پیچھا اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ زبیرؓ کا گھوڑا جہاں جا کر گرادہاں تک کی زمین زبیرؓ کو دے دی جائے۔“ (ابوداؤد)

⑨ وَعَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْطَعَ أَرْضًا بِحَضْرَةِ مَوْتٍ قَالَ فَأَرْسَلَ مَعِيَ مُعَاوِيَةَ قَالَ أَغْطُهَا يَأْتَا (رواہ الترمذی والحدادی)

”اور حضرت علقمہ ابن وائلؓ اپنے والد حضرت وائلؓ (جسے قتل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان (وائلؓ ابن حجرؓ) کو حضرموت میں کچھ زمین بطور جاگیر عطا فرمائی، چنانچہ حضرت وائلؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاویہؓ کو میرے ہمراہ بھیجا تاکہ وہ اس زمین کی پیمائش کرویں، اور معاویہؓ نے فرمایا کہ وہ زمین (تاپ کر وائلؓ کو دے دو۔“ (ترمذی والحدادی)

تشریح: موجودہ جغرافیائی نقشے کے مطابق جبل الرساء کا ایک سلسلہ یمن سے گذر کر جزیرہ العرب کے جنوب مغربی گوشے سے مشرق کی طرف مڑ گیا ہے پھر جنوبی ساحل کے قریب قریب دور تک چلا گیا ہے، جبل الرساء کا یہی سلسلہ جن علاقوں پر مشتمل ہے انہیں ”حضرموت“ کہا جاتا ہے۔ یوں تو حضرموت کا پورا علاقہ عموماً بنجر اور غیر شاداب پہاڑی سلسلوں پر مشتمل ہے۔ چونکہ زیادہ بلند ہیں اور بارش کم ہونے کی وجہ سے ناقابل زراعت ہیں، لیکن ان سلسلوں میں کچھ دواہیاں ہیں جو نہ شاداب ہیں، ان میں سے ایک دواہی کا نام دادی حضرموت ہے۔

حضرت وائلؓ ابن حجرؓ اسی علاقے کے قدیم شاہی خاندان کے ایک فروتھے ان کے والد وہاں کے بادشاہ تھے۔ یہ جب پیغمبر اسلام کی دعوت سن کر اپنے ملک کے ایک وفد کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے کے لئے حضرموت سے روانہ ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں ان کی آمد سے پیشتر صحابہؓ کو مطلع کر دیا تھا، اور وہ بقیۃ الانباء الملوک (اور وہ شاہی خاندان کے چشم و چراغ ہیں) کے ذریعے ان کا تعارف کرایا تھا، پھر جب وہ مدینہ پہنچے اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان کی حیثیت کے مطابق

ان کا استقبال کیا، انہیں اپنے قریب بٹھایا اور ان کے لئے اپنی مبارک چادر بچھادی، اور پھر آپ ﷺ نے ان کو حضرموت کے عداۃ کا حاکم مقرر فرمایا اور وہاں کی کچھ زمین انہیں بطور جائیداد عطا فرمائی۔

(۱۰) وعن ابیہ بن حنبل النّاصریّ امّہ وفدّہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاستقطع المبلّغ الذی منارت فاقطعہ ایّاہ فلما ولی قال زحلّ یناز رسول اللہ انما اقطعت لہ الماء البعد قال فوجعہ منہ قال وسأله ماذا ینحی من اذک ما لم تزلہ اخفاف الابل۔ (رواہ الترمذی داکن ماہ والدارقطنی)

”اور حضرت ابیہ بن حنبل ماریہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ درخواست پیش کی کہ ماریہ میں نمک کی جو کان ہے وہ ان کے لئے جاگیر کر دی جائے، چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں نمک کی وہ کان بطور جائیداد عطا فرمادی، جب ابیہ واپس ہوئے تو ایک شخص (یعنی اقرع ابن جابس حمیری) نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! آپ (ﷺ) نے تو ابیہ کو تیار پانی (یعنی کان میں بالکل تیار نمک) اوسے دیا ہے؟“ راوی کہتے ہیں کہ (جب آپ ﷺ کو حضرت اقرع سے یہ معلوم ہوا کہ ابیہ کو ایک ایسی کان دے دی گئی ہے جس میں نمک بالکل تیار ہے تو آپ ﷺ نے وہ کان ابیہ سے واپس لے لی۔ راوی کہتے ہیں کہ اس شخص (یعنی حضرت اقرع) نے آپ ﷺ سے یہ بھی دریافت کیا کہ درختوں کی کون سی زمین گھیری جائے؟ یعنی کون سی اقدودہ وغیرہ آباد زمین کو آباد کر کے اپنی ملکیت بنایا جائے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”وہ زمین جہاں اونٹوں کے پاؤں نہ پچھیں۔“ (ترمذی، ابیہ ماجہ، دارقطنی)

تشریح: ”ماریہ“ یمن کے ایک شہر کا نام ہے جو صنعاء سے ۶۰ میل مشرق میں تقریباً چار چار ارفٹ بلند سطح زمین پر واقع ہے یمن میں پہلی صدی عیسوی تک سبائی نسل کے اقدودہ کے زمانے میں ”ماریہ“ یمن کا دار السلطنت ہونے کی وجہ سے نہ صرف ایک بڑا شہر تھا بلکہ ایک عظیم تجارتی مرکز بھی تھا، حضرت ابیہؓ اسی شہر کے رہنے والے تھے اسی لئے انہیں ماریہ کہا جاتا ہے۔

الماء البعد یعنی تیرہائی کا مطلب ہے بالکل تیار پیشہ رہنے والا کہ اس کا مادہ مشقّق نہ ہو۔ اس سے کان میں نمک کی بالکل تیار حالت کی طرف اشارہ ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے شروع میں تو سمجھا تھا کہ ابیہؓ نے نمک کی جس کان کی فرمائش کی ہے وہ بالکل ابتدائی حالت میں ہے جس سے محنت و مشقت اور سخت جدوجہد کے بعد نمک نکلے گا، مگر جب حضرت اقرع کی توجہ دلانے سے آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ وہ کان ابتدائی حالت میں نہیں ہے بلکہ اس میں نمک تیار ہو چکا ہے۔ جو بغیر کسی محنت و مشقت کے تیار پانی اور گھاس کی طرح حاصل کیا جاسکتا ہے تو آپ ﷺ نے وہ کان واپس لے لی، کیونکہ اس صورت میں اس کان اور اس میں تیار شدہ نمک پر سب لوگوں کا حق تھا اسے کسی فرد واحد کی ملکیت بنانا مناسب نہیں تھا اس لئے آپ ﷺ نے تمام لوگوں کے حقوق کی رعایت کے پیش نظر اس کان کو واپس لے لینا ہی بہتر سمجھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام (یعنی حکومت و وقت) کی طرف سے کوئی کان کسی شخص کو بطور جائیداد عطا ہو سکتی ہے بشرطیکہ وہ کان زیر زمین پوشیدہ ہو اور اس سے محنت و مشقت اور جدوجہد کے بغیر کچھ حاصل نہ ہو سکتا ہو۔ ہاں جو کانیں برآمد ہو چکی ہوں اور ان سے نکلنے والا مال کسی محنت و مشقت اور جدوجہد کے بغیر حاصل ہو سکتا ہو تو انہیں کسی فرد واحد کی جائیداد بنانا جائز نہیں ہے بلکہ گھاس اور پانی کی طرح ان کی منفعت میں بھی تمام لوگ شریک ہوں گے اور ان پر سب کا استحقاق ہوگا۔ اس حدیث سے یہ نکتہ بھی معلوم ہوا کہ اگر حاکم کسی معاملے میں کوئی حکم و فیصلہ صادر کرے اور پھر اس پر یہ ظاہر ہو کہ یہ حکم و فیصلہ حقیقت کے معافی ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس فیصلے و حکم کو منسوخ کر دے اور اس سے رجوع کر لے۔

”وہ زمین جہاں اونٹوں کے پاؤں نہ پچھیں“ سے مراد وہ زمین ہے جو چراگاہ اور عمارات سے الگ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس موات (اقدودہ) زمین کا احیاء (یعنی اسے آباد کرنا) جائز نہیں ہے جو عمارات کے قریب ہو کیونکہ وہ جانوروں کو چراانے اور اہل ہستی کی دیگر ضرورت کے لئے استعمال ہوتی ہے۔

خدا کی تین عام نعمتیں

⑪ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمُونَ شَرُكَاءُ فِي ثَلَاثٍ فِي الْمَاءِ وَالْخَلَاءِ وَالنَّارِ - (رواہ ابوداؤد وائبن ماجہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تین چیزیں یعنی پانی، گھاس اور آگ ایسی ہیں جن میں تمام مسلمان شریک ہیں۔“ (ابوداؤد وائبن ماجہ)

تشریح: اس حدیث میں خدا کی ان تین عام نعمتوں کا ذکر ہے جو کائنات کے ہر فرد کے لئے ہے، ان میں کسی کی ذاتی ملکیت و خصوصیت کا کوئی دخل نہیں ہے۔

”پانی“ سے مراد دریا، تالاب اور کنوئیں وغیرہ کا پانی ہے، وہ پانی مراد نہیں ہے جو کسی شخص کے برتن یاں میں بھرا ہوا ہو، چنانچہ اس کی وضاحت باب کی ابتداء میں کی جا چکی ہے، اسی طرح ”گھاس“ سے وہ گھاس مراد ہے جو جنگل میں اگی ہوئی ہو۔

”آگ“ سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس آگ ہو تو اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دوسرے کو آگ لینے سے منع کرے، یا چراغ جلانے سے روکے اور یا اس کی روشنی میں بیٹھنے سے منع کرے وغیرہ۔ آگ ہاں اگر کوئی شخص اس آگ میں سے وہ لگائی لیتا چاہے جو اس میں جل رہی ہو تو اس صورت میں اس کو روکنا جائز ہے کیونکہ اس کی وجہ سے آگ میں کمی آجائے گی اور بجھ جائے گی اور بعض مہمانوں نے کہا ہے کہ اس سے ”سنگ چھتا“ (یعنی وہ پتھر جس کے مارنے سے آگ نکلتی ہے) مراد ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو اس پتھر کے لینے سے نہ روکا جائے بشرطیکہ وہ پتھر موات (یعنی اموات و زمین میں ہو)۔

کسی مباح چیز کو جو شخص پہلے حاصل کرے گا وہ اسی کی ہو جائے گی

⑫ وَعَنْ أَسْمَدِ بْنِ مُضَرٍّ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَتْهُ فَقَالَ مَنْ سَبَقَ إِلَى مَاءٍ لَمْ يَسْبِقْهُ إِلَّا يَهُودٌ مُسْلِمٌ فَهُوَ لَهُ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت اسم بن مضرؓ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے بیعت ہوا (یعنی اسلام قبول کیا) چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”جو شخص کسی ایسے پانی کی طرف سبقت کرے (یعنی اس پانی کو حاصل کرے) جسے کسی مسلمان نے حاصل نہ کیا ہو تو وہ اسی کا ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص مباح پانی یعنی دریا یا تالاب وغیرہ میں سے کوئی مقدار لے لیتا ہے تو پانی کی وہی ہوئی مقدار اس شخص کی ملکیت ہو جاتی ہے اور جو پانی اس جگہ یعنی دریا یا تالاب وغیرہ میں باقی رہ جاتا ہے وہ اس کی ملکیت میں نہیں آتا، بلکہ وہ جوں کا توں مباح رہتا ہے۔ اسی طرح دوسری مباح چیزیں مثلاً گھاس اور کھڑکی وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔

جس قوم میں کمزور انسانوں کے حقوق محفوظ نہ ہوں وہ برائیوں سے پاک نہیں ہوتی

⑬ وَعَنْ طَارِسِ مَرْسَلًا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَسْخَا عَوَاثِمُ مِنَ الْأَرْضِ فَهُوَ لَهُ عَادِي الْأَرْضِ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ لَمْ يَكُنْ حَقًّا - زَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَزَوَى فِي شَرْحِ الشُّعْبَةِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْطَعَ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ الدَّوْرَ بِالْمَدِينَةِ وَهِيَ تَيْنَ ظَهْرَانِي عِمَارَةَ الْأَنْصَارِ مِنَ الْمَنَازِلِ وَالشَّجَلِ فَقَالَ بَنُو عَبْدِ شَرْهُوَةَ نَكَّتْ عَنْكَ أَنْ تَمَّ عَبْدٌ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلِمَ اتَّعَنَتِي اللَّهُ إِذَا إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْدَسُ أَمَةً لَا يُؤْخَذُ لِلصَّعِيفِ فِيهِمْ حَقٌّ -

”اور حضرت طاہرؑ بطریق ارسال نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”اتقاہو عنجر زمین کو جو شخص آباد کرے گا وہ اس کی ملکیت ہو جائے گی۔ اور قدیم زمین اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے اور پھر وہ میری طرف سے تمہارے لئے ہے (شافعی) اور شرح السنۃ میں منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو مدینہ میں جو مکانات دیئے وہ انصار کی آبادی (یعنی ان کے مکان اور ان کے کھجور کے درختوں کے درمیان واقع تھے) چنانچہ عبداللہ ابن زہرہ کے بیٹوں نے کہا کہ آپ اُمّ عبد کے بیٹے (یعنی عبداللہ ابن مسعودؓ) کو ہم سے دور رکھئے (اس کے جواب میں رسول کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ”پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے کیوں بھیجا ہے (اور رکھو اللہ تعالیٰ اس قوم کو پاکیزگی عطا نہیں کرتا جس میں کمزور کے حق کو تحفظ حاصل نہ ہو۔“

تشریح: عادی الارض (قدیم زمین) سے مراد وہ افتادہ و عنجر زمین ہے جس کے مالک کا کوئی علم نہ ہو، اس میں زمین کی لفظی نسبت ”عادی“ یعنی حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کی طرف محض ایسی زمین کی قدامت کے اظہار میں مبالغہ کے لئے ہے کیونکہ حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کی مدت قدامت بہت زیادہ ہے۔

”اور اس کے رسول کے لئے ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ ایسی تمام افتادہ و عنجر زمینیں جن کا کوئی مالک نہیں ہے، میرے تسلط میں ہیں، اپنی مرضی و مصمت کے مطابق ان میں تصرف کرتا ہوں کہ جسے چاہتا ہوں عطا کرتا ہوں اور اس کو آباد کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔

قاضی کہتے ہیں کہ یہ بھی لکھ منی (اور پھر وہ میری طرف سے تمہارے لئے ہے) اسے معلوم ہوا کہ اس جیسے ”اور قدیم زمین اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں“ میں ”اللہ“ کی عقلت شان کے پیش نظر آپ ﷺ کے ذکر کی حمید کے طور پر ہے ورنہ بظاہر ”اللہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اللہ کا حکم و فیصلہ گویا اللہ کا حکم و فیصلہ ہے۔“

عبداللہ ابن زہرہ کے بیٹوں نے اپنے مکانات اور کھجوروں کے درختوں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو مکان دیئے جانے کی جو مخالفت کی اس کا ایک جذباتی پس منظر تھا اور وہ یہ کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے والد یعنی مسعود زمانہ جاہلیت میں عبداللہ ابن زہرہ کے بیٹوں کے حریف (مقابل) تھے، نیز حضرت عبداللہؓ کی والدہ یعنی اُمّ عبد ان کے خدمت گاروں میں سے تھیں، چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو ایسی جگہ مکانات دیئے جو عبداللہ ابن زہرہ کے بیٹوں کے مکانات اور ان کے کھجوروں کے فہات کے درمیان واقع تھے تو یہ ان کو گوارا نہیں ہوا کہ عبداللہ ابن مسعودؓ کا مکان ان کے مکانات کے درمیان واقع ہو، گو آپ اس طرح انہوں نے اپنے ان جذبات و عداوت کا اظہار کیا جو وہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے تئیں رکھتے تھے۔

لہذا آنحضرت ﷺ نے ان کے غلط جذبات پر برہمی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ اگر حقوق العباد اس قسم کے احساسات سے متعلق ہوتے اور کمزور انسانوں کے تئیں یہ جذبات و عداوت جائز ہوتے تو میں اللہ کا رسول بن کر اس دنیا میں کیوں آتا؟ اگر میں کمزور و ناتواں اور مسکینوں کی تقویت کا باعث اور ان کا مددگار نہ بنوں تو میری بعثت کا ایک بڑا مقصد کیسے پورا ہوا گا اور میری بعثت میں اللہ کی کیا حکمت رہ جائے گی؟ جنہیں نہ بھولنا چاہئے کہ میرے بنیادی مقاصد میں یہ بات داخل ہے کہ میں انسانوں کے درمیان اونچ نیچ اور معاشرتی فرق و امتیاز کی خود ساختہ دیواروں کو ڈھا دوں، جو لوگ اپنے آپ کو طاقتور و بڑا سمجھتے ہوں انہیں راہ اعتدال پر لاؤں اور جو کمزور و ناتواں ہوں انہیں اپنی مدد و نصرت سے طاقت بخشوں پھر آپ نے قوموں کے کیر کھڑے کردار کے ایک بڑے نازک گوشے کی طرف اشارہ فرمایا کہ جو قوم اپنے کمزور افراد کے حقوق کا تحفظ نہیں کرتی اور جن قوم میں کمزور انسانوں کی کوئی اہمیت و وقعت نہیں ہوتی وہ قوم نہ صرف یہ کہ کائنات انسانی کا ایک بدترین حصہ ہوتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اس قوم کو گناہوں اور برائیوں سے پاکیزگی عطا نہیں کرتا، جس قوم کے طاقتور لوگ کمزور لوگوں کے حقوق کو پامال کرتے ہیں ان کی ساری و معاشرتی زندگی پر، بد عنوانیوں اور گناہ و معصیت کی دہریں جم جاتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قوم نہ تو معاشرہ میں کوئی باوقار اور صالح کردار انجام دیتی ہے اور نہ خدا کی طرف سے ان پر رحمت و برکت نازل ہوتی ہے،

ہذا آپ ﷺ نے عبداللہ ابن زہرہ کے بیٹوں کو اچھ فرمایا کہ یہ مت سمجھو کہ عبداللہ ابن مسعودؓ چونکہ دنیاوی طور پر تم سے کتر ہیں اور وہ

ایک کمزور انسان ہیں۔ اس لئے تم ان کا یہ جائز حق کہ وہ جس موزوں جگہ پر چاہیں اپنی سکونت اختیار کریں، غضب کر لو گے، میں ان کا مددگار و معین ہوں اور مجھ پر یہ لازم ہے کہ میں ان کی حمایت کروں۔

نہرو وغیرہ نے کھیتوں اور باغوں کو سیراب کرنے کا ضابطہ

(۱۴) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَىٰ هِيَ السَّيْلُ الْمَهْزُورُ أَنْ يَنْسَلُ خَشْيَ يَتَلَعُ كَغَيْبٍ ثُمَّ يَرْسُلُ الْأَعْلَىٰ عَلَى الْأَسْفَلِ - زوائد ابو داؤد و ابن ماجہ

”اور حضرت عمرو ابن شعیبؓ اپنے والد (حضرت شعیب) سے اور وہ اپنے دادا (یعنی حضرت عبداللہ ابن عمروؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مہزور کے پانی کے بارے میں یہ حکم دیا کہ (جب اس کا پانی گیتہ وغیرہ میں ٹخنوں تک بھر جائے تو اسے بند کر دیا جائے اور پھر اوپر والا نیچے والے کے لئے (اس کا پانی) چھوڑ دے۔“ (ابوداؤد و ابن ماجہ)

تشریح: ”مہزور“ مدینہ کی ایک وادی کا نام ہے جو بنی قریظہ کے علاقے میں واقع تھی، بنی قریظہ کے کھیتوں اور باغوں میں ایک وادی سے پانی آتا تھا، اسی کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے یہ حکم صادر فرمایا کہ اس وادی سے پانی لانے والی نالی کے قریب جس شخص کی زمین ہو اس کا حق مقدم ہے کہ پہلے وہ اپنی زمین میں پانی لے جائے جب اس کی زمین میں ٹخنوں تک پانی پہنچ جائے یعنی پوری طرح سیراب ہو جائے تب وہ اس پانی کو چھوڑ دے تاکہ اس کے بعد وہ اس زمین میں جائے جو اس کی زمین سے نیچے ہے۔

چنانچہ پھر اس نہر کے بارے میں نیکی ضابطہ ہے جو کسی شخص کی ذاتی محنت و مشقت کے بغیر از خود جاری ہو کہ جس شخص کی زمین اس نہر کے قریب اور بلندی پر ہو پہلے وہ اپنی زمین میں پانی لاکر روکے رکھے یہاں تک کہ اس کی زمین میں ٹخنوں تک پانی بھر جائے پھر وہ پانی کا رخ اپنی زمین سے سڑے تاکہ وہ اس زمین میں چلا جائے جو اس کی زمین سے متصل اور اس سے نیچے ہو۔

اپنی جائیداد کے ذریعے کسی کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔

(۱۵) وَعَنْ سَيِّدِ بْنِ جَنْدُبٍ أَنَّهُ كَانَتْ لَهُ غَضَبٌ مِنْ نَخْلٍ فِي حَائِطٍ وَجَلَّ مِنْ الْأَنْصَارِ وَمَعَ الرُّجُلِ أَهْلُهُ فَكَانَ سَلْمَةُ يَدْخُلُ عَلَيْهِ فَيَتَأَذَّى بِهِ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ فَطَلَبَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُؤَيِّمَهُ فَأَتَى فَطَلَبَ أَنْ يَتَأَفَّفَهُ فَأَبَى قَالَ فَهَبْهُ لَهُ وَلَكَ كُنْذَا أَمْوَاؤُهُ فِيهِ فَأَبَى فَقَالَ أَنْتَ مُعَصِّرٌ فَقَالَ لِلْأَنْصَارِ اذْهَبْ فَاقْطَعْ نَخْلَهُ زَوَاهُ أَبْذَوْا وَذَكَرَ حَدِيثُ جَابِرٍ مِنْ أَخِي أَزْهَضَنِي بَابُ الْغَضَبِ بِرِوَايَةِ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ۔

”اور حضرت سرہ ابن جندبؓ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کے مجوروں کے چند درخت ایک انصاری (جن کا نام بعض علماء نے مالک ابن قیس لکھا ہے) کے باغ میں تھے جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ اسی باغ میں رہتے تھے، چنانچہ جب سرہؓ (اپنے ان درختوں کی وجہ سے) باغ میں آتے تو ان انصاری کو اس سے تکلیف ہوتی (ایک دن وہ انصاری نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا، آپ ﷺ نے سرہؓ کو اپنی مجلس میں طلب کیا تاکہ (ان سے یہ فرمائیں کہ) وہ (اپنے مجبور کے ان درختوں کو) انصاری کے ہاتھ فروخت کر دیں (تاکہ ان درختوں کی وجہ سے انصاری کو جو تکلیف پہنچتی ہے وہ اس سے نجات پا جائیں) لیکن سرہؓ نے (اپنے درختوں کو فروخت کرنے سے) انکار کر دیا، پھر آپ ﷺ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ سرہؓ اپنے ان درختوں کو انصاری کے (ان ان درختوں سے بدل لیں) جو کسی دوسری جگہ واقع تھے مگر سرہؓ اس پر بھی تیار نہیں ہوئے، تب آپ ﷺ نے سرہؓ سے یہ فرمایا کہ اچھا اپنے درخت انصاری کو بطور ہدیہ دے دو جہاں اس کا اجر (محبت کی نعمتوں کی صورت میں) مل جائے گا۔ گویا آپ ﷺ نے (بطور سفارش) اور رغبت دلانے کے لئے یہ حکم دیا یا اموال وغیرہ کا ترہم ہے کہ آپ ﷺ نے سرہؓ سے ترغیب کی ایک بات فرمائی یعنی اپنے درخت کو

بطور یہ دے دینے کا ثواب ذکر فرمایا، لیکن سرہ نے اس سے بھی انکار کر دیا۔ آخر میں آپ ﷺ نے سرہ سے فرمایا کہ ”اس کا یہ مطلب ہے کہ تم (واقعی) اس انصاری کو ضرور تکلیف پہنچانا چاہتے ہو“ اور جو شخص کسی کو ضرور تکلیف پہنچائے اس کا رذیہ چونکہ ضروری ہے اس لئے آپ ﷺ نے انصاری سے فرمایا کہ ”تم جاؤ اور سرہ کے درختوں کو کاٹ بیچو۔“ (ابوداؤد ۱)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے حضرت سرہ کو اپنے درختوں کو انصاری کے ہاتھ فروخت کر دینے یا تبادلہ کر لینے اور بہہ کرنے کا جو حکم دیا اور انہوں نے وہ حکم نہیں مانا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ نے وہ حکم بطریق وجوب نہیں دیا تھا کہ اس کا، نا ضروری ہوتا، بلکہ بطور سفارش تھا یعنی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے جو آخری صورت حضرت سرہ کے سامنے رکھی تھی ثواب کی ترغیب دلائی تھی۔ اگر آنحضرت ﷺ کے اس حکم کا تعلق وجوب سے ہوتا کہ جس کو ماننا حضرت سرہ کے لئے ضروری ہوتا تو یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت سرہ اتنی صفائی کے ساتھ انکار کر دیتے بلکہ وہ ایک فرمانبردار و مطیع صحابی ہونے کے ناطے فوراً مان لیتے۔ اب رہا یہ بات کہ اگر آپ ﷺ نے یہ حکم بطریق وجوب نہیں دیا تھا بلکہ اس کا تعلق سفارش سے تھا تو پھر آپ ﷺ نے انصاری کو حضرت سرہ کے درخت کاٹ ڈالنے کا حکم کیوں دیا؟

اس کا جواب بالکل صاف ہے کہ پہلے تو آپ ﷺ نے سفارش کے ذریعے اعتلاقی طور پر حضرت سرہ کو اس بات پر تیار کرنا چاہا کہ وہ اپنے درختوں سے دست کش ہو جائیں مگر جب سرہ نے دست کشی سے انکار کر دیا تو آپ ﷺ پر یہ بات ظاہر ہوئی کہ سرہ نے انصاری کے بغ میں عاریتہ درخت لگائے تھے مگر اب نہ وہ ان درختوں کو بیچے ہیں نہ تبادلہ کرتے ہیں اور نہ بہہ کرتے ہیں تو گویا وہ واقعہ انصاری کو ضرور تکلیف پہنچانا چاہتے ہیں اس صورت میں یہ ضروری تھا کہ انصاری کو اس ضرور تکلیف سے نجات دلائی جائے اس لئے اس کی آخری صورت یہی رہ گئی تھی کہ آپ ﷺ ان درختوں کو کاٹ ڈالنے کا حکم دے دیں۔

وَذَكَرَ حَدِيثَ جَابِرٍ مِّنَ اَخْبَانِي اَوْصَافِي بَابِ الْغَضَبِ بِرِوَايَةِ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ وَسَنَدُهُ كَثْرَ حَدِيثُ ابْنِ صَرْفَةَ مِّنْ صُحَاظِ اَصْحَابِ اللّٰهِ بِرِوَايَةِ نَابِ مَائِنَهِي مِّنَ التَّهَاجُورِ۔

اور حضرت جابر کی حدیث مِّنَ اَخْبَانِي اَوْصَافِي بَابِ الْغَضَبِ بِرِوَايَةِ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ بَابِ الْغَضَبِ میں نقل کی جا چکی ہے اور حضرت ابی صرہ کی حدیث مِّنْ صُحَاظِ اَصْحَابِ اللّٰهِ بِرِوَايَةِ نَابِ مَائِنَهِي مِّنَ التَّهَاجُورِ میں نقل کی جائے گی۔ (یہ دونوں حدیثیں صاحب مصراع سے ہیں نقل کر رکھی تھیں۔)

الفصل الثالث

پانی، نمک اور آگ دینے سے انکار نہ کرو

① عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ يَارَ سَلَمَةَ اللّٰهُ مَا الشَّيْءُ الَّذِي لَا يُجْعَلُ مِنْهُ قَالِ الْمَاءُ وَالْمِلْحُ وَالتَّارُ قَالَتْ قُلْتُ يَارَ سَلَمَةَ اللّٰهُ هَذَا الْمَاءُ قَدْ عَزَّ قُلْنَا بَالِ الْمِلْحِ وَالتَّارِ قَالِ يَا خَمِيرَاءُ مِّنْ اَعْطَى نَارًا فَكَأَنَّمَا تَصَدَّقُ بِجَمِيعِ مَا اَنْصَحْتَ بِلَكَ النَّارُ وَمِنْ اَعْطَى مِلْحًا فَكَأَنَّمَا تَصَدَّقُ بِجَمِيعِ مَا ظَلَمْتَ بِلَكَ الْمِلْحُ وَمِنْ سَقَى مُسْلِمًا شَرْبَةً مِّنْ مَّاءٍ خَيْرٌ يُّؤْخَذُ الْمَاءُ فَكَأَنَّمَا اَعْطَى زَقْنَةً وَمِنْ سَقَى مُسْلِمًا شَرْبَةً مِّنْ مَّاءٍ خَيْرٌ لَّا يُوْخَذُ الْمَاءُ فَكَأَنَّمَا اَحْيَاهَا۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اُم المؤمنین حضرت عائشہ کے بارے میں روایت ہے کہ (ایک دن) انہوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! وہ کوئی چیز ہے جس کو دینے سے انکار کرنا درست نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”پانی، نمک اور آگ“ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! پانی کا معاملہ تو مجھے معلوم ہے کہ یہ خدا کی ایک ایسی عام نعمت ہے جو کسی شخص کی ذاتی ملکیت نہیں ہے اور چونکہ کیا اسات

اور کیا حیوان ساری ہی مخلوق کی ضرورتیں اس سے وابستہ ہیں اس لئے اس سے منع کرنا بہت زیادہ تکلیف و ضرر کا باعث بن سکتا ہے، لیکن نمک و روغنی کی بات سمجھ میں نہیں آتی (کہ یہ دونوں چیزیں پانی کے مثل نہیں ہیں اور بظاہر بالکل حقیقہ و کسر چیزیں ہیں جن کا دیا جانا اور نہ دیا جانا یک ہی حیثیت رکھ سکتا ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا ”تھیرا“ (یہ مت سمجھو کہ ان دونوں چیزوں کے دینے یا نہ دینے کی کوئی اہمیت نہیں ہے کیونکہ) جس شخص نے کسی کو روغنی دیا تو گویا اس نے وہ تمام چیزیں بطور صدقہ دیں جو اس روغنی پر پکائی گئیں۔ اسی طرح جس نے کسی کو نمک دیا تو گویا اس نے وہ تمام چیزیں بطور صدقہ دیں جنہیں اس نمک نے ذائقہ دار بنایا اور پانی کی اہمیت تو ہم جانتی ہو۔ لیکن ہمیں یہ معلوم نہیں کہ جس شخص نے کسی کو اس جگہ کہ جہاں پانی ملتا ہو ایک بار پانی پلایا تو گویا اس نے ایک غلام آزاد کیا اور جس شخص نے کسی کو اس جگہ کہ جہاں پانی دستیاب نہ ہوتا ہو ایک بار پانی پلایا تو گویا اس نے اس کو یعنی ایک مسلمان کو آزاد کر دیا۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: حضرت عائشہؓ نے چونکہ پانی اہمیت اور اس کی کیفیت حال کو جاننے کا دعویٰ کیا تھا اس لئے آپ ﷺ نے ان کے دعویٰ کو روکنے کے لئے آخر میں پانی دینے اور پلانے کا ثواب اور اس کی فضیلت کو ذکر کرتے ہوئے گویا یہ ظاہر فرمایا کہ ہمیں صرف یہ تو معلوم تھا کہ پانی ایک عام ضرورت کی چیز ہونے کی وجہ سے ایک بڑی اہم نعمت ہے لیکن اس کے بارے میں یہ تفصیل کہ پانی دینے والے کا کیا راجہ ہوتا ہے اور اسے کتنا زیادہ ثواب ملتا ہے ہم نہیں جانتی تھیں۔

بَابُ الْعَطَايَا

عطايا کا بیان

”عطايا“ غلط طبع کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ”بخشش“ یعنی اپنی کسی چیز کی ملکیت اور اس کے حق تصرف کو کسی دوسرے کی طرف منتقل کر دینا۔ کسی کو اپنی کوئی چیز بلا کسی عوض دے دینا۔ چنانچہ اس باب میں عطایا و بخشش کی تمام قسموں مثلاً وقف، ہبہ، عمری اور رقبی کا ذکر کیا جائے گا۔

ملائی قاریؒ نے لکھا ہے کہ ”عطايا“ سے مراد ”امراء و سلاطین اور سربراہان مملکت کی بخششیں اور ان کے انعام ہیں۔“ امام غزالیؒ نے منہاج العابدین میں لکھا ہے کہ امراء و سلاطین کی بخششوں اور سرکاری انعامات کو قبول کرنے کے سلسلے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔ چنانچہ بعض علماء تو یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ بخشش و انعام کسی ایسے مال کی صورت میں ہو جس کے حرام ہونے کا یقین نہ ہو تو اسے قبول کر لینا درست ہے، لیکن بعض حضرات کا یہ قول ہے کہ جب تک اس مال کے حلال ہو جانے کا یقین نہ ہو تو اسے قبول نہ کرنا ہی اولیٰ اور زیادہ بہتر ہے کیونکہ موجودہ زمانے میں سلاطین کے پاس اور سرکاری خزانوں میں اکثر و بیشتر غیر شرعی ذرائع سے حاصل ہونے والا مال و زر ہوتا ہے۔

بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ فقیہ اور فقیر (یعنی مستطیع و مفلس) دونوں کے لئے امراء و سلاطین کے صلے (تھے و دیا) حلال ہیں جب کہ ان کا مال حرام ہونا حقیقی طور پر ثابت نہ ہو۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسنادِ ریحہ کے بابوشہ متوفی قس کا تحفہ قبول فرمایا تھا، اور آئین یہودی سے قرض یا استحباب وجود یہ کہ یہودیوں کے بارے میں قرآن نے اَلْكَافِرِينَ لِلْسَّحْتِ (حرام مال کھانے والے) فرمایا ہے۔ اور بعضوں نے یہ کہا ہے کہ جس مال کے حرام ہونے کا یقین نہ ہو وہ فقیر (مفلس) کے لئے تو حلال ہے لیکن غنی مستطیع کے لئے حلال نہیں ہے۔

آخر میں خلاصہ کے طور پر یہ مسئلہ جان لیجئے کہ جو شخص مفلس ہو ناچار ہو اس کے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ سلاطین کا مال قبول کرے کیونکہ اگر وہ مال سلطان کی ذاتی ملکیت میں سے ہے تو اس کو لے لینا بلاشبہ درست ہے، اور اگر وہ مال فی مال غنیمت خرین

یا عشر میں سے ہے تو پھر مفلس اس کا حقدار ہی ہے۔ اسی طرح ایسے مال میں (جوئی اور خراج عشر میں حاصل ہوا ہو) اہل علم کا بھی حق ہے کہ اسے وہ مال لے لینا چاہئے چنانچہ منقول ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا تھا کہ جو شخص برضا و رغبت اسلام میں داخل ہوا اور اس نے قرآن یاد کر لیا تو وہ بیت المال سے ہر سال دو سو درہم لینے کا حق دار ہے، اگر وہ اپنے اس حق کو دنیا میں نہیں لے گا تو وہ (یعنی اس کا اجر) اسے جہنم میں مل جائے گا۔

لہذا ثابت ہوا کہ مفلس اور عالم دین کو بیت المال سے اپنا حق لے لینا چاہئے۔

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

حضرت عمرؓ کی طرف سے اپنی خیر کی زمین کا وقف نامہ

① عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ أَصْحَابَ أَرْضًا بِخَيْبَرَ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَصْبَحْتُ أَرْضًا بِخَيْبَرَ لَمْ أَصِبْ مَالًا فَقُلْتُ النَّفْسُ جَدْبَى مِنْهُ فَمَا لَمْ أَزِنْ بِهِ قَالَ إِنَّ شَيْئًا حَبَسَتْ أَصْلَهَا وَتَصَدَّقَتْ بِهَا فَتَصَدَّقْ بِهَا عُمَرُ إِنَّهُ لَا يَبَاغُ أَصْلُهَا وَلَا يُؤْزَبُ وَلَا يُؤْزَلُ وَتَصَدَّقْ بِهَا فِي الْفَقَرَاءِ وَفِي الْقُرْبَى وَفِي الزُّقَابِ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَالطَّيِّفِ لَا خَنَاحَ عَلَيَّ مِنْ وَلِيِّهَا أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوفِ أَوْ يَنْظِعَ غَيْرَ مَشْمُولٍ قَالَ ابْنُ سَبْرِينَ غَيْرَ مَشْمُولٍ مَالًا - مثل علیہ

”حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ خیر کی کچھ زمین کہ جس میں مجھ پر پیدا ہوئی تھی۔ حضرت عمرؓ کو (مال قیمت کے حصے کے طور پر) ملی تو وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! میں نے خیر میں (اپنے حصے کی) ایسی زمین پائی ہے کہ اس سے زیادہ بہتر و عمدہ مال مجھے کبھی نہیں ملا ہے (اور اس میں) چاہتا ہوں کہ اسی زمین کو اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی میں دے دوں (اس لئے) آپ ﷺ مجھے حکم فرمائیے کہ میں اس بارے میں کیا کروں) آپ ﷺ نے فرمایا ”اگر تم چاہتے ہو تو اصل زمین کو وقف کر دو اور اس سے جو کچھ پیدا ہوا اسے بطور صدقہ تقسیم کر دو۔“ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس زمین کو اس شرط کے ساتھ خدا کی راہ میں دے دیا (یعنی اسے وقف کر دیا) کہ اصل زمین کو نہ تو فروخت کیا جائے، نہ ہبہ کیا جائے اور نہ اسے کسی کی سیراث قرار دی جائے اور اس کی پیداوار کو بطور صدقہ اس طرح صرف کیا جائے کہ اس سے فقیروں، قراہت داروں کو وقف پہنچایا جائے، غلاموں کی مدد کی جائے (یعنی جس طرح مکاتب کو زکوٰۃ دے دی جاتی ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے اپنے مالک کو بدل کتابت دے کر آزاد ہو جائے) اسی طرح اس زمین کی پیداوار سے بھی مکاتب کی اعانت کی جائے، اللہ کی راہ میں یعنی غازیوں اور حانیوں پر خرچ کیا جائے، مسافروں کی ضرورتیں پوری کی جائیں، نادار و بیکہ وہ اپنے وطن میں مال و زر کے مالک ہوں) اور مہمانوں کی مہمانداری کی جائے، اور اس زمین کا متولی بھی بقدر حاجت اس میں سے کھائے یا اپنے اہل و عیال کو (جو مستطیع نہ ہونے کی وجہ سے اس کے ذریعہ کفالت ہوں) کھلائے تو اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں ہے بشرطیکہ وہ متولی (اس وقف کی آمدنی سے) مالدار نہ بنے (یعنی جو شخص اس زمین کی دیکھ بھال کرنے اور اس کی پیداوار کو نہ کورہ بالا لوگوں پر خرچ کرنے کی ذمہ داری پر بطور متولی معمر کیا جائے اگر وہ بھی اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات زندگی پوری کرنے کے لئے اس زمین کی پیداوار اور آمدنی میں سے کچھ لے لیا کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ہاں اسے اس بات کی اجازت نہیں ہوگی کہ وہ اس زمین کے ذریعے مالدار و حمول بن جائے چنانچہ ابن سیرینؒ نے (غیر حمول کا مطلب ایسا بیان کیا ہے کہ وہ متولی اس زمین کو اپنے لئے مال و زر جمع کرنے کا ذریعہ نہ بنائے۔“ بخاری، مسلم)

تشریح: یہ حدیث وقف کے صحیح ہونے کی دلیل ہے چنانچہ تمام مسلمانوں کا بالاتفاق یہ مسلک ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی جائیداد مثلاً زمین و مکان وغیرہ کسی نیک مقصد اور اچھے کام کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی راہ میں وقف کر دیتا ہے تو یہ جائز ہے اور وہ

وقف کرنے والا بیشتر اجر و ثواب سے نوازا جاتا ہے، نیز یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ وقف جائیداد نہ فروخت کی جاسکتی ہے نہ بیع ہو سکتی ہے اور نہ کسی کی میراث بن سکتی ہے۔ یہ حدیث وقف کی فضیلت کو بھی ظاہر کرتی ہے کیونکہ وقف ایک صدقہ جاریہ ہے جس کا ثواب وقف کرنے والے کو برابر ملتا رہتا ہے۔

”غیر“ ایک بستی کا نام ہے جو مدینہ سے تقریباً ۹۰ میل شمال میں ایک حرے کے درمیان واقع ہے اس علاقے میں مجبور و غریب کی کاشت ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اس بستی پر مسلمانوں نے ”عنود“ یعنی بزور طاقت فتح اور غلبہ حاصل کیا تھا، اسی موقع پر غمغین (یعنی بال غنیمت لینے والے) اس کی زمین و باغات کے مالک قرار پائے اور انہوں نے اسے آپس میں تقسیم کیا جس کا ایک حصہ حضرت عمر فاروقؓ کو بھی ملا، اپنے اسی حصے کی زمین کو انہوں نے اللہ کی راہ میں وقف کر دیا۔

شرح السنہ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ وقف کرنے والے کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے اس وقف سے بقدر ضرورت نفع حاصل کرے یاں طور کہ اس آمدنی کا کچھ حصہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات زندگی پر خرچ کرے یا اس سے فائدہ اٹھائے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کے مذکورہ وقف نامہ کی شرائط کی گواہی و توثیق فرما کر وقف کی آمدنی میں سے بقدر ضرورت حصہ اس شخص کے لئے مباح قرار دیا جو اس کا متولی ہو اور یہ بالکل ظاہری بات ہے کہ وقف کرنے والا اپنے وقف کا متولی ہوتا ہے۔

نیز اس بات کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے (ایک موقع پر) یہ فرمایا کہ ایسا کوئی شخص ہے جو بیرومہ (مدینہ کا ایک کنواں جو ایک یہودی کی ملکیت تھا) خریدے؟ (جو شخص اس کنویں کو خرید کر عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دے گا تو اس کنویں میں اس شخص کا ذول مسلمانوں کے ذول کی طرح ہوگا یعنی جس طرح عام مسلمان اس کنویں سے پانی حاصل کریں گے اسی طرح وہ شخص بھی اس سے پانی حاصل کرتا رہے گا) چنانچہ حضرت عثمانؓ نے اس کنویں کو خرید لیا اور عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔

عمری جائز ہے

② وعن ابن ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الغنوی جائزۃ (بخاری طبع)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”عمری جائز ہے۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: آپس کالین دین معاشرۂ انسانی کے باہمی ربط و تعلق کے احکام کا ذریعہ ہے، آپس کے تعلقات، ایک دوسرے سے محبت اور باہمی اہتمام کی خوشگواہی و پائیداری آپس کے ہدایا و تحائف پر بھی محصور ہوتی ہے کیونکہ اس ذریعہ فطرت انسانی ایک خاص قسم کی محبت و مسرت اور جذبہ ممنونیت سے سرشار ہوتی ہے۔ یہ آپس کالین دین کئی طریقوں سے ہوتا ہے، ہدیہ و تحفہ اور ہبہ کے ساتھ ساتھ ایک صورت ”عمری“ بھی ہے جو بظاہر ہبہ کی ایک شاخ ہے، چنانچہ حدیث بالا اسی کے جواز کو ظاہر کر رہی ہے۔

عمری کیا ہے؟

ابتداء باب کے حاشیہ میں ”عمری“ کے معنی بیان کئے جا چکے ہیں، چنانچہ اس موقع پر بھی جان لیجئے کہ عمری کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً کوئی شخص کسی سے یہ کہے کہ میں نے اپنا یہ مکان تمہیں تمہاری زندگی تک کے لئے دیا ہے، اس صورت میں جب تک وہ شخص (جس کو مکان دیا گیا ہے) زندہ ہے، اس سے وہ مکان واپس نہیں لیا جاسکتا۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد وہ مکان واپس لیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس پر بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے کہ عمری کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔

اول یہ کہ کوئی شخص مثلاً اپنا مکان کسی کو دے اور یہ کہے کہ میں نے اپنا یہ مکان تمہیں دے دیا، جب تک تم زندہ رہو گے یہ تمہاری

ملکیت میں رہے گا، تمہارے مرنے کے بعد تمہارے وارثوں اور اولاد کا ہو جائے گا۔ اس صورت کے بارے میں تمام علماء کا بالاتفاق یہ مسلک ہے کہ یہ ہبہ ہے، اس صورت میں مکان مالک کی ملکیت سے نکل جاتا ہے اور جس شخص کو دیا گیا ہے اس کی ملکیت میں آ جاتا ہے، اس شخص کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء اس مکان کے مالک ہو جاتے ہیں، اگر ورثاء نہ ہوں تو بیت المال میں داخل ہو جاتا ہے۔

عمری کی دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ دینے والا ایک قید و شرط کے تحت مطلقاً کہے کہ یہ مکان تمہاری زندگی تک تمہارا ہے۔ اس صورت کے بارے میں علماء کی اکثریت یہ کہتی ہے کہ اس کا بھی حکم وہی ہے جو پہلی صورت کا حکم ہے۔ چنانچہ حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ حضرت امام شافعی کا قول بھی یہی ہے۔ لیکن بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں وہ مکان اس شخص کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کا حق نہیں ہوتا بلکہ اصل مالک (یعنی جس نے اس شخص کو دیا تھا) کی ملکیت میں واپس آ جاتا ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ دینے والا یوں کہے کہ یہ مکان تمہاری زندگی تک تمہارا ہے، تمہارے مرنے کے بعد میری اور میرے وارثوں کی ملکیت میں آ جائے گا۔ اس صورت کے بارے میں بھی زیادہ صحیح یہی بات ہے کہ اس کا حکم بھی وہی ہے جو پہلی صورت ہے۔ حنفیہ کے نزدیک یہ شرط کہ ”تمہارے مرنے کے بعد میری اور میرے وارثوں کی ملکیت میں آ جائے گا“ فاسد ہے اور مسلک یہ ہے کہ کسی فاسد شرط کی وجہ سے ہبہ فاسد نہیں ہوتا۔

حضرت امام شافعی کا بھی زیادہ صحیح قول یہی ہے، لیکن حضرت امام احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ عمری کی یہ صورت ایک فاسد شرط کی وجہ سے فاسد ہے۔

عمری کے بارے میں حضرت امام مالکؒ کا یہ قول ہے کہ اس کی تمام صورتوں میں بیابوی مقصد دی جانے والی چیز کی منفعت کا مالک کرنا ہوتا ہے۔

عمری معمر لہ، کے ورثاء کی ملکیت بن جاتا ہے

(۳) وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْعُمَرَى مِيرَاثٌ لِأَهْلِهَا (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ”عمری اپنے مالک (یعنی معمر لہ) کے ورثاء کی میراث ہو جاتا ہے۔“

تشریح: ”معمر لہ“ اس شخص کو کہتے ہیں جسے بطور عمری کوئی چیز دی جاتی ہے، چنانچہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو مثلاً کوئی مکان بطور عمری دیا جاتا ہے۔ وہ مکان اس کی زندگی تک تو اس کی ملکیت رہتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء کی ملکیت بن جاتا ہے، گویا یہ حدیث اپنے ظاہری مفہوم کے اعتبار سے جمہور علماء کے مسلک کی دلیل ہے۔

(۴) وَعَنْهُ قَالَ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَاهُ زُجَلٌ أَعْمَوْهُ غَمُوزِي لَهُ وَلَعَقِبَهُ فَإِنَّهَا لِلَّذِي أُعْطِيَهَا لَا يَزِيدُ

إِلَى الَّذِي أُعْطَاهَا لِأَنَّهُ أَعْطَاهُ غَضَاءً وَقَعَتْ فِيهِ الْمَوَارِثَةُ (متن طبع)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر کسی شخص اور اس کے ورثاء کو کوئی چیز بطور عمری دی جاتی ہے تو وہ عمری اسی شخص کا ہو جاتا ہے جسے وہ دیا گیا ہے“ (یعنی وہ چیز اس کی ملکیت ہو جاتی ہے) عمری دینے والے کی ملکیت میں واپس نہیں آتا کیونکہ دینے والے نے اس طرح دیا ہے کہ اس میں میراث جاری ہو جاتی ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو چیز کسی شخص کو بطور عمری دی جاتی ہے وہ اس شخص کی ہو جاتی ہے، اور اس کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کی ملکیت میں چلی جاتی ہے دینے والے کی ملکیت میں واپس نہیں آتی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی جو روایت (۴) اور گرد ری ہے اس کی تشریح کے ضمن میں عمری کی تین صورتیں بیان کی گئی تھیں۔ اس حدیث میں انہیں سے پہلی صورت کا بیان ہے۔ اس بارے میں جو

فقہی اختلاف ہے اس کی تفصیل وہاں ذکر کی جا چکی ہے۔

مسکک جنہور کے خلاف حضرت جابرؓ کی روایت اور اس کی تاویل

⑤ وَعَنْهُ قَالَ إِنَّمَا الْعُمْرِيُّ الَّذِي أَحْزَنَ وَنَزَلَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَقُولَ هِيَ لَكَ وَنَعْفِكَ فَإِنَّمَا إِذَا قَالَ هِيَ

لَكَ مَا عَشِيتُ لَهَا تَزَجُّعَ إِلَى صَاحِبِهَا (بخاری ص ۱۷۸)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے عمریؓ کی جس صورت کو جائز قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ مالک (یعنی دینے والا) یوں کہے کہ ”یہ چیز (تہمداری زندگی تک) تمہاری ہے اور (تہمدارے مرنے کے بعد) تہمدارے ورثہ کی ہے! اور اگر صرف یوں کہے کہ ”یہ عمری تمہاری زندگی تک تمہارے لئے ہے“ تو اس صورت میں (اس شخص کے مرنے کے بعد) وہ عمریؓ مالک (یعنی دینے والے) کی ملکیت میں داخل آجائے گا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ حدیث بظاہر جمہور علماء کے مسلک کے خلاف ہے اور جمہور علماء کا مسلک حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کی تشریح میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ لہذا جمہور علماء اس حدیث کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث مرفوعہ نہیں ہے یعنی یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نہیں ہے بلکہ خود حضرت جابرؓ کا اپنا قول ہے جو ان کی اپنی رائے اور اپنے اجتہاد پر مبنی ہے۔ اس صورت میں اس قول کا جمہور علماء کے مسلک پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

الفصل الثانی

عمریؓ اور رقبیؓ سے آنحضرت ﷺ کی ممانعت اور اس کی وضاحت

⑥ عَنْ حَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَرْقُوا وَلَا تَعْمُرُوا فَمَنْ أَوْقَبَ شَيْئًا أَوْ أَعْمَرَ فَهُوَ لَوْزَنْتِهِ۔

رواہ ابو داؤد

”حضرت جابرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”رقبی کرنا اور نہ عمری کرنا، کیونکہ جو چیز (یعنی شے) مکان یا زمین) بطور رقبی یا بطور عمری دی جاتی ہے وہ اس کے ورثہ کی ملکیت میں چلی جاتی ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: عمریؓ کی طرح ”رقبیؓ“ بھی یہی معنی کی ایک شاخ ہے۔ اس کی وضاحت بھی ابتداء باب کے حاشیہ میں کی جا چکی ہے۔ چنانچہ رقبیؓ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے یہ کہے کہ میں اپنا مکان جس میں اس شرط کے ساتھ دیتا ہوں کہ اگر میں تم سے پہلے مر گیا تو یہ مکان تمہاری ملکیت میں رہے گا اور اگر تم مجھ سے پہلے مر گئے تو پھر یہ میری ملکیت میں آجائے گا۔ رقبیؓ شتق ہے ”ارقاب“ سے جو عراقب کے معنی میں ہے گویا رقبیؓ میں ہر ایک دوسرے کی موت کا منظر رہتا ہے۔

اس حدیث میں عمریؓ اور رقبیؓ سے منع کیا گیا ہے، اور اس کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ تم جو چیز بطور عمری یا رقبی کسی کو دیتے ہو وہ اس شخص کی ملکیت میں چلی جاتی ہے اور تمہاری ملکیت چونکہ کلیۃً ختم ہو جاتی ہے اس لئے اس شخص کے مرنے کے بعد وہ چیز اس کے ورثہ کی ملکیت میں منتقل ہو جاتی ہے، لہذا تم اپنے مال کو بطور عمری یا رقبی اپنی ملکیت سے نکال کر اپنا نقصان نہ کرو۔

اب رہی یہ بات کہ جب پہلے ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ عمریؓ اور رقبیؓ جائز ہیں تو پھر اس ممانعت کا محمول کیا ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو یہ ممانعت اس وقت فرمائی گئی ہوگی جب یہ دونوں جائز نہیں تھے، اس صورت میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ یا پھر اس ارشادِ گرامی کی مراد یہ ظاہر کرنا ہے کہ عمریؓ اور رقبیؓ اگرچہ مصلحت کے خلاف ہیں لیکن جب یہ وقوع پذیر ہو جاتے ہیں (یعنی کسی کو کوئی چیز بطور عمری یا رقبی دے دی جاتی ہے) تو شرعی طور پر یہ صحیح ہو جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ چیز نہ صرف اس کی ملکیت میں آ جاتی ہے کہ جس کو دی گئی ہے بلکہ اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ کی ملکیت میں پہنچ جاتی ہے۔ اس صورت میں اس

حدیث کو منسوخ قرار دینے کی کوئی ضرورت نہیں رہے گی۔

عمری کے بارے میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ یہ حنفیہ کے ہاں جائز ہے لیکن رقبی کے بارے میں ملا علی قاریؒ یہ لکھتے ہیں کہ یہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک تو جائز نہیں ہے لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق جائز ہے۔
حنفی علماء میں سے بعض شریعت میں اس حدیث کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ یہ نبی (ممانعت) ارشاد دی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنا مال کسی مدت متعینہ تک کے لئے ہبہ نہ کرو۔ کہ جب وہ مدت پوری ہو جائے تو اپنا مال واپس لے لو، کیونکہ جب تم اپنی کوئی چیز کسی کو دے دو تو وہ تمہاری ملکیت سے نکل گئی اب وہ تمہاری ملکیت میں نہیں آئے گی خواہ تم وہ چیز ہبہ کی صراحت کر کے دیا عمری و رقبی کے طور پر دو۔

عمری اور رقبی جائز ہے

⑥ وَ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْغَنَمُ حَنْزُورٌ لَا مِلْهَا وَالْزَّهْنِيُّ حَنْزُورٌ لَا مِلْهَا (رواہ الترمذی و ابوداؤد)
”اور حضرت جابرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: عمری، عمری والوں کے لئے جائز ہے (یعنی جس شخص کو عمری چیز بطور عمری دی گئی وہ اس کے لئے جائز ہے، اور رقبی، رقبی والوں کے لئے جائز ہے) (یعنی جو چیز بطور رقبی کسی کو دی گئی وہ اس کے لئے جائز ہے۔“ (ترمذی، ابوداؤد)

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

جواز عمری کی نظر مخالف ایک اور حدیث

⑧ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْبَسُوا أَنْبَسُوا عَلَيْكُمْ لَا تَنْفَسِدُوا هَذَا فَإِنَّهُ مِنْ أَعْمُرٍ لِيَهِيَ لِلْبُيُوتِ أَعْمُرٌ حَيًّا وَمَيِّتًا وَلِعَقَبِهِ (رواہ مسلم)

”حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: تم اپنے مال اپنے پاس رکھو ان میں نقصان پیدا نہ کرو، کیونکہ جو شخص کسی کو اپنی کوئی چیز عمری کے طور پر دیتا ہے تو وہ چیز ایسی مکان یا زمین) کہ جو بطور عمری دی گئی ہے زندگی و موت دونوں حالت میں اس شخص کی ملکیت رہتی ہے جسے وہ چیز بطور عمری دی گئی ہے (پاسی طور کہ جب تک وہ زندہ رہتا ہے تو خود اس چیز کا مالک رہتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد، پھر اس کی اولاد مالک ہو جاتی ہے۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کے ظاہری منہوم کے پیش نظر عمری کے جواز میں اشکال پیدا ہو سکتا ہے لیکن دوسری فصل کی حدیث نمبر ۶ کی وضاحت اگر پیش نظر رہے تو یہ اشکال ختم ہو جائے گا کیونکہ اس حدیث کی تاویل بھی وہی ہے جو اس حدیث کی بیان کی گئی ہے۔

باب

گذشتہ باب کے متعلقات کا بیان

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

خوشبودار پھول کا تحفہ واپس نہ کرو

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَرَضَ عَلَيْهِ وَبَحَّانٌ فَلَا يَرُدُّهُ فَإِنَّهُ حَفِيفٌ

المحتمل طیب الترتیب۔ (رواہ مسلم)

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس شخص کو خوشبودار پھول (تحفہ کے طور پر) دیے جائے تو وہ اسے واپس نہ کرے کیونکہ (اول تو وہ بیکار یعنی بہت بکا احسان) ہے اور (دوسرے یہ کہ) وہ ایک اچھی خوشبو ہے۔“ (مسلم)

تشریح: یہی حکم کہ اسے واپس نہ کیا جائے ہر اس تحفہ کا ہے جو بظاہر کم تر ہونے کی وجہ سے زیادہ احسان نہ رکھتا ہو مگر نفع و خوشگوار کی اعتبار سے بہت مفید اور نافع ہو تاکہ جس شخص نے وہ تحفہ دیا ہے اس کی دل شکنی نہ ہو۔

(۲) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ النَّبْخِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَقْرُدُ الْبَطْنِيَّةَ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ خوشبو (کے تحفے) کو واپس نہیں کیا کرتے تھے۔“ (بخاری)

کسی کو کوئی چیز دے کر پھر واپس لے لینا ایک بری مثال ہے

(۳) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَائِبُ فِي هَيْبَةٍ كَالْغَلْبِ يَفْزِدُ فِي فَيْبِهِ لَيْسَ لَنَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اپنے ہمہ کو واپس لینے والا (یعنی کسی کو کوئی چیز بطور ہدیہ و تحفہ دے کر پھر اسے واپس لے لینے والا) اس کی طرح ہے جو اپنی تے چانتا ہے اور ہمارے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم کسی بری مثال سے تشبیہ دیے جائیں۔“ (بخاری)

تشریح: حدیث کے آخری حصے کا مطلب یہ ہے کہ ہماری ملت اور ہماری قوم جس عز و شرف کی حامل ہے اور اسے انسانیت کے جن اعلیٰ اصول اور شرافت و تہذیب کے جس بلند معیار سے نوازا گیا ہے اس کے پیش نظر ہماری ملت و قوم کے کسی بھی فرد کے لئے یہ بات قطعاً مناسب نہیں ہے کہ وہ کوئی بھی ایسا کام کرے جو اس کے ملی شرف اور اس کی قومی عظمت کے منافی ہو اور اس کی وجہ سے اس پر کوئی بری مثال چسپاں کی جائے۔

اس سے گویا آپ ﷺ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ کسی کو کوئی چیز بطور ہدیہ و تحفہ دے کر واپس لینا چونکہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کتا اپنی تے چات لینا ہے اس لئے کسی مسلمان کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنی کوئی چیز ہدیہ کرے اور پھر اسے واپس لے لے اور اس طرح اس پر بری مثال چسپاں کی جائے۔

یہ تو حدیث کی وضاحت اور اس سے پیدا ہونے والا ایک اخلاقی اور نفسیاتی پہلو تھا۔ لیکن اس کا فقہی اور شرعی پہلو یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مسلک کے مطابق کسی کو کوئی چیز بطور ہدیہ یا بطور صدقہ دینا اور پھر لینے والے کے قبضے میں اس چیز کے چلے جانے کے بعد اس کو واپس لے لینا جہت تو ہے مگر مکروہ ہے البتہ بعض صورتوں میں جائز نہیں ہے۔ جس کی تفصیل دوسری فصل کی پہلی حدیث کے ضمن میں ذکر کی جائے گی اور اس بارے میں ایک حدیث بھی منقول ہے۔

یہاں مذکورہ حدیث کے بارے میں حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ کراہت پر محمول ہے اور اس کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ کسی کو کوئی چیز دے کر واپس لے لینا بے سروئی اور غیر پسندیدہ بات ہے لیکن بقیہ تینوں ائمہ یعنی حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک چونکہ یہ حدیث حرمت پر محمول ہے اس لئے ان تینوں کا مسلک یہ ہے کہ ہدیہ اور صدقہ دے کر واپس لے لینا جائز نہیں ہے البتہ حضرت امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کو کوئی چیز ہدیہ کرے تو وہ اس سے واپس لے سکتا ہے۔

ایک روایت کے مطابق حضرت امام احمدؒ کا قول بھی یہی ہے اور آگے آنے والی بعض احادیث بھی ان پر دلالت کرتی ہیں لیکن ان احادیث کے جو معنی حنفیہ نے مراد لئے ہیں وہ بھی آگے مذکور ہوں گے۔

کوئی چیز دینے میں اولاد کے درمیان فرق و امتیاز نہ کرو

④ وَعَنِ الثُّغْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ أَنَّ أَبَاهُ أَتَى بِهِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي نَحَلْتُ ابْنِي هَذَا عِلَامًا فَقَالَ أَكُلْ وَلَدَكَ نَحَلْتُ بِمِثْلِهِ قَالَ لَا قَالَ فَاذْجَعْنِي فِي رِوَايَةِ أَنَّهُ قَالَ أَيَسْرُوكَ أَنْ يَكُونُوا إِلَيْكَ فِي الْبَرِّ سَوَاءً قَالَ بَلَى قَالَ فَلَا إِذَا وَلِي رِوَايَةَ أَنَّهُ قَالَ أَعْطَانِي أَبِي عَطِيَّةً فَقَالَتْ عُمَرَةُ بَنْتُ زَوْجَةٍ لَا أَرْضَى حَتَّى تُشْهِدَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي أَعْطَيْتُ ابْنِي مِنْ عُمَرَةَ بَنْتُ زَوْجَةٍ عَطِيَّةً فَأَمَرَنِي أَنْ أَشْهَدَكَ بِمَا رَسُولُ اللَّهِ قَالَ أَعْطَيْتُ مِثْلَهُ وَلَدَكَ مِثْلَ هَذَا؟ قَالَ لَا قَالَ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْبُدُوا ابْنَيْنِ أَوْلَادَكُمْ قَالَ فَرَجَعَ فَوَدَّ عَطِيَّتَهُ وَلِي رِوَايَةَ أَنَّهُ قَالَ لَا أَشْهَدُ عَلَى جُزْءٍ - (بخاری)

”اور حضرت نعمان ابن بشیرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ (ایب دن) ان کے والد حضرت بشیرؓ انیس رسول کریم ﷺ کی خدمت میں لائے اور عرض کیا کہ میں نے اپنے اس بیٹے (نعمان) کو ایک غلام عطا کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”کیا تم نے اپنے سب بیٹوں کو اسی طرح ایک ایک غلام دیا ہے؟“ انہوں نے کہا کہ ”نہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تو پھر (نعمان سے بھی) اس غلام کو واپس لے لو۔“ ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے (نعمان کے والد سے) فرمایا کہ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہارے سب بیٹے تمہاری نظر میں سب کے اعتبار سے یکساں ہوں (یعنی کیا تم یہ چاہتے ہو) ”کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہارے سب بیٹے تمہاری نظر میں سب کے اعتبار سے یکساں ہوں (یعنی کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارے سب بیٹے تمہارے ساتھ اچھا سلوک کریں اور سب ہی تمہاری فرمائندہ داری اور تمہاری تعظیم کریں؟“ انہوں نے کہا کہ ”ہاں“ آپ ﷺ نے عرض کیا کہ ”اس صورت میں (جب کہ تم نے اپنے تمام بیٹوں سے اپنے میں یکساں اچھے سلوک کے خواہشمند ہو تو) صرف اپنے ایک بیٹے (نعمان) کو غلام نہ دو۔ ایک اور روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ ”حضرت نعمانؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میرے والد نے مجھے ایک چڑی تو عمرہ بنت رواحہ (میری والدہ) نے (میرے والد حضرت بشیرؓ سے) کہا کہ میں اس پر اس وقت تک رضامند نہیں ہوں جب تک کہ تم اس (بیر) پر رسول کریم ﷺ کو گواہ نہ بتاؤ چنانچہ حضرت بشیرؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! میں نے اپنے بیٹے (نعمان) کو جو عمرہ بنت رواحہ کے بطن سے ہے ایک چڑی ہے اور عمرہ بنت رواحہ نے مجھ سے کہا ہے کہ میں اس بیر پر آپ ﷺ کو گواہ بتاؤں۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ ”جس طرح تم نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام دیا ہے کیا اسی طرح اپنے سب بیٹوں کو بھی ایک ایک غلام دیا ہے؟“ انہوں نے کہا کہ ”نہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو“ حضرت نعمانؓ کہتے ہیں کہ میرے والد آپ ﷺ کا یہ ہر شاد گرامی سن کر واپس آئے اور مجھے جو چڑی تھی وہ واپس لے لی۔“

”ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ ”آپ ﷺ نے حضرت بشیرؓ کی بات سن کر فرمایا کہ ”میں ظلم پر گواہ نہیں ہوتا۔“ (بخاری)

(مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی اولاد کے درمیان فرق و امتیاز کرنا انتہائی نامناسب بات ہے، چنانچہ ارشاد گرامی کی روشنی میں یہ حجب ہے کہ کوئی چیز اپنے کسی ایک بیٹے، بیٹی کو نہ دی جائے بلکہ وہ چیز برابری کے طور پر سب بیٹے بیٹیوں کو دی جائے۔

حضرت بشیرؓ کو آنحضرت ﷺ کا یہ حکم کہ ”اس غلام کو واپس لے لو“ اولیت پر محمول ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس غلام کو واپس لے لینا ہی اولیٰ اور زیادہ بہتر ہے۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی اولاد میں بعضوں کو کچھ دے تو اس کا یہ صحیح ہو گا مگر کراہت کے ساتھ۔

اس کے برعکس حضرت امام احمدؒ، ثوریؒ اور اسحاقؒ وغیرہ کے نزدیک یہ حرام ہے، آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی لَا أَشْهَدُ عَلَى جُزْءٍ

(میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا) ان حضرات کی دلیل ہے جب کہ اہل الذکر یعنی حضرت امام ابوحنیفہؒ آپ ﷺ کے ان الفاظ مبارک سے استدلال کرتے ہیں جو ایک روایت میں منقول ہیں کہ فَأَشْهَدُ عَلَى هَذَا غَيْرِي یعنی آپ ﷺ نے بشر سے کہا کہ تم اس بارے میں میرے علاوہ کسی اور کو گواہ بناؤ۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اگر یہ بہہ (یعنی حضرت بشیرؒ) اپنے ایک بیٹے کو غلام دینا حرام یا باطل ہوتا تو آپ ﷺ یہ نہ فرماتے کہ کسی اور کو گواہ بناؤ۔ کیونکہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بشیرؒ کا یہ بہہ بہر حال صحیح اور جائز تھا لیکن چونکہ غمیرہؒ یہ اور مکروہ تھا اس لئے آپ ﷺ نے خود کو گواہ بنانا مناسب نہیں سمجھا اور یہ فرما دیا کہ کسی اور کو گواہ بناؤ۔

الفصل الثانی

بہہ واپس لے لینا مناسب نہیں ہے

⑤ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ غُفْرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزُجُّ أَحَدٌ فِي هَيْبَتِهِ إِلَّا الْوَالِدُ مِنْ وَلَدِهِ.

(رواہ النسائی وابن ماجہ)

”حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”کوئی شخص اپنا بہہ واپس نہ لے (یعنی بہہ واپس لے لینا مناسب نہیں ہے) ہاں باپ بیٹے سے (بہہ واپس لے سکتا ہے۔“ (نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: یہ حدیث امام شافعیؒ کی دلیل ہے کیونکہ ان کے ہاں بہہ واپس لے لینا جائز نہیں ہے لیکن باپ اپنے بیٹے سے اپنا بہہ واپس لے سکتا ہے۔

حضرت امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ ”باپ اپنے بیٹے سے اپنا بہہ واپس لے سکتا ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی باپ ضرورت و حاجت کے وقت اپنی اولاد کے مال و زور میں سے کچھ لے کر اپنے اوپر صرف کر سکتا ہے اسی طرح جو چیز اس نے اپنے بیٹے کو بطور بہہ دی ہے بوقت ضرورت اس کو لے کر اپنے معرف میں لاسکتا ہے۔

سات صورتوں میں بہہ واپس لے لینا جائز نہیں ہے

یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ہاں بہہ واپس لے لینا جائز ہے لیکن مکروہ ہے، چنانچہ جن احادیث سے بہہ واپس لے لینے کا حکم جو از مسلمین پہنچا، وہ ان کو کراہت پر محمول کرتے ہیں، ہاں بہہ کی سات صورتیں ایسی ہیں جن میں امام اعظمؒ کے نزدیک بھی اپنا بہہ واپس لے لینا جائز نہیں ہے۔

چنانچہ فقہ کی بعض کتابوں میں سات حرفوں کے اس مجموعہ خرقہ سے ان ساتوں صورتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ہاں طور کہ اس مجموعہ کا ہر حرف ایک صورت کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کی تفصیل وضاحت یہ ہے کہ ہر حرف دال سے مراد ”زیاداً مٹھل“ ہے۔ یعنی جس بہہ میں کسی چیز کا اضافہ ہو گیا ہو یا اس میں کوئی چیز ملائی گئی ہو تو اس بہہ کی واپس و رست نہیں۔

مثال کے طور پر اس صورت کو یوں سمجھئے کہ زید نے بکر کو زمین کا ایک ایسا قطعہ بہہ کیا جس میں نہ کوئی عمارت تھی اور نہ درخت وغیرہ تھے اب بکر نے اس زمین میں کوئی عمارت بنائی یا اس میں کوئی درخت وغیرہ لگائے تو اس صورت میں بہہ کرنے والے یعنی زید کے لئے یہ جائز نہیں ہو گا کہ وہ اپنا بہہ یعنی اس زمین کو واپس لے لے۔

حرف ”یم“ ”واہب یا موبہ“ کی موت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ فرض کیجئے حسن نے فیم کو اپنی کوئی چیز بہہ کر دی اور پھر حسن مر گیا، تو اب حسن کے ورثاء کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ موبہ لے یعنی فیم سے اس چیز کی واپس کا مطالبہ کریں جو حسن

نے اس کو بہرہ کی تھی یا اگر فہم مرجائے تو وہ بہرہ یعنی حسن کو بہرہ حق نہیں پہنچے گا کہ وہ فہم کے ورثاء سے اس چیز کے بارے میں کسی قسم کا کوئی مطالبہ کرے جو اس نے فہم کو بہرہ کر دی تھی۔

حرف ر سے اشارہ ہے ”بہرہ بالعرض“ کی طرف یعنی اگر کوئی شخص کسی کو اپنی کوئی چیز کسی چیز کے عوض میں بہرہ کرے تو وہ بہرہ کو اپنے اس بہرہ کو واپس لے لینے کا حق نہیں پہنچتا۔

حرف خ سے اشارہ ہے ”مخروج کی طرف یعنی اگر مہوب، مہوبہ لہ کی ملکیت سے نکل گئی ہاں طور کہ اس نے وہ چیز یا تو کسی کے ہاتھ فروخت کر دی یا کسی کو دے ڈالی تو اس صورت میں وہ بہرہ مہوب لہ سے اس چیز کا تقاضہ کر کے نہیں لے سکتا۔

حرف ز سے ”زوجهین“ کی طرف اشارہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر خاوند اپنی بیوی کو یا بیوی اپنے خاوند کو کوئی چیز بہرہ کر دے تو وہ ایک دوسرے سے اس چیز کو واپس نہیں لے سکتے۔

حرف ق سے قرابت (رشتہ داری) کی طرف اشارہ ہے اور قرابت بھی وہ جس میں حریت ہو۔ یعنی اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کو یا کوئی بیٹا اپنے باپ کو، یا ماں کو، یا دادا کو، یا نانا کو، یا بھائی کو، یا بہن کو اور یا کسی بھی ایسے عزیز کو کہ جس سے حریت کی قرابت ہو، اپنی کوئی چیز بہرہ کر دے تو اس کو اس بہرہ کو واپس لے لینا اس کے لئے جائز نہیں ہوگا۔

اور حرف ہ سے مہوب کے ہلاک یا ضائع ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اگر مہوب (وہ چیز جو بہرہ کی گئی تھی) مہوب لہ کے پاس سے ہلاک یا ضائع ہو گئی تو وہ بہرہ کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مہوب لہ سے اس کی واپس کا مطالبہ کرے۔

کسی کو کوئی چیز دے کر پھر واپس لے لینا مروت کے خلاف ہے

⑥ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَجُوزُ لِلرَّجُلِ أَنْ يُعْطِيَ عَطِيَّةً ثُمَّ يَرْجِعَ فِيهَا إِلَّا الْوَالِدَ فَيُعْطِي وَلَدَهُ وَمَنْزِلَ الَّذِي يُعْطِي الْعَطِيَّةَ ثُمَّ يَرْجِعُ فِيهَا كَمَقْلٍ الْكَلْبِ أَكَلَ حَتَّى إِذَا شَبِعَ قَاءَ ثُمَّ عَادَ فِي قَبِيلِهِ. (رواہ ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ و صحیح الترمذی)

”اور حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”کسی شخص کے لئے یہ حلال نہیں ہے (یعنی ازراہ مروت یہ بات مناسب نہیں ہے) کہ وہ کسی کو اپنی کوئی چیز دے اور پھر اس کو واپس لے لے، البتہ باپ اپنی اس چیز کو واپس لے سکتا ہے جو وہ اپنے بیٹے کو دے! اور جو شخص کسی کو کچھ دے کر پھر واپس لے لیتا ہے اس کی مثال اس کتے کی ہے جس نے (پیٹ بھر کر کھایا اور جب اس کا پیٹ بھر گیا تو بے کڑائی اور پھر اس نے گوچاٹے لگے۔“ ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

تحفہ کا بدلہ تحفہ

⑦ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ أَعْرَابِيًّا أَهْدَى لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكْرَةً فَعَوَّضَهُ مِنْهَا بِسِتٍّ بَكْرَاتٍ فَتَسَعَطَ فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَبَدَ اللَّهُ وَأَنَّى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنْ فَلَانَا أَهْدَى إِلَيْنَا فَعَوَّضْتُهُ مِنْهَا بِسِتٍّ بَكْرَاتٍ فَظَلَّ سَاعِبًا لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ لَا أَقْبَلَ هَدِيَّةً إِلَّا مِنْ قُرْبَشِي أَوْ أَنْصَارِي أَوْ ثَقَفِي أَوْ دَوْسِي۔

(رواہ الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی رسول کریم ﷺ کے لئے بطور ہدیہ ایک جوان اونٹنی لے کر آیا، چنانچہ آپ ﷺ نے بھی اس دیہاتی کو اس ایک اونٹنی کے بدلے میں چھ جوان اونٹنیاں عطا فرمائیں لیکن وہ دیہاتی پھر بھی خوش نہ ہوا۔ جب آپ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے پہلے خدا کی حمد و ثنائیاں کی (جیسا کہ آپ ﷺ کا معمول تھا) آپ ﷺ جب خطبہ دیتے یا کوئی بات شروع کرتے تو پہلے خدا کی حمد و ثنائیاں فرماتے ابجد ازاں آپ ﷺ نے فرمایا کہ فلاں شخص بطور ہدیہ میرے لئے ایک اونٹنی لایا تھا، میں نے بھی اس کے

بدلے میں اس کو چھ اونٹنیاں دیں مگر وہ پھر بھی ناخوش رہا، چنانچہ میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اب میں قریشی، ثقیلی اور دوسری کے علاوہ اور کسی کا کوئی ہدیہ قبول نہ کروں۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: اگر آپ کسی کو اپنی کوئی چیز بطور ہدیہ دے کر خوش دہا کر دے تو اس کے عوض بدلہ کی توقع رکھنا آپ کے غلوں کے منافی ہو گا لیکن اگر آپ کو کوئی شخص اپنی کوئی چیز بطور تحفہ دے تو کسی بھی صورت میں آپ کی طرف سے اس کے بدلے کی ادائیگی آپ کی حالی ہستی، بلند حوصلگی اور آپ کے احساس حرمت و محبت کے عین مطابق ہو گا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کو جب کوئی صحابی اپنی کوئی چیز بطور ہدیہ دیتے تھے تو اس کا بدلہ سننے کی ہلکی سی خواہش بھی ان کے ذہن میں نہیں ہوتی تھی، کیونکہ ان کا ہدیہ سراپا غلوں اور سہ تن نیاز مندی کا ایک اظہار محبت ہوتا تھا جو اپنے دامن میں کسی مادی خواہش کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نہیں آنے دیتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود آنحضرت ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب بھی کوئی شخص آپ ﷺ کی خدمت میں کوئی چیز بطور ہدیہ پیش کرتا تو آپ ﷺ کسی نہ کسی صورت میں اس کو اس کا بدلہ اس سے کہیں زیادہ کر کے عطا فرماتے تھے۔ اور آپ ﷺ کا یہ معمول صرف آپ ﷺ کے جذبہ سخاوت و فیاضی اور آپ ﷺ کی عالی ہستی نیز ایسی رابطہ و تعلق کے ایک عظیم جذبہ کا مظہر ہوتا تھا۔

چنانچہ جب ایک دیہاتی آپ ﷺ کی خدمت میں بطور ہدیہ ایک اونٹنی لے کر آیا تو آپ ﷺ نے حسب معمول اس کے ہدیہ سے کئی گنا زیادہ بدلہ یعنی چھ اونٹنیاں اسے دیں، مگر اس پر بھی وہ خوش نہیں ہوا۔ یہ بات یقیناً بڑی عجیب تھی۔ ایک تو اس وجہ سے کہ بظاہر وہ اپنے ہدیہ میں گویا خلص نہیں تھا، اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں اونٹنی اس لئے لے کر آیا تھا کہ آپ ﷺ اسے بدلہ دیں اور بدلہ بھی ایسا جو اس کی خواہش کے مطابق ہو چنانچہ جب آپ ﷺ نے اسے چھ اونٹنیاں دیں تو وہ اس پر خوش نہیں ہوا اور اس طرح اس نے دنیاوی مال میں اپنے جذبہ حرص کا اظہار کیا، چنانچہ اس کی یہ بات آنحضرت ﷺ کو اتنی ناگوار ہوئی کہ آپ ﷺ کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ میں نے قریشی، انصاری، ثقیلی اور دوسری کے علاوہ اور کسی کا ہدیہ قبول نہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔

قریشی ان لوگوں کو کہتے ہیں جن کا تعلق قبیلہ قریش سے ہے اور ”انصاری“ سے مراد انصاریہ ہیں۔ ثقیلی اور دوسری دو قبیلوں کے نام ہیں۔ آپ ﷺ نے ان قبیلوں کو بطور خاص اس لئے ذکر کیا اور ان کا استثناء کیا کہ یہ قبیلے عالی ہستی، بلند حوصلگی اور سخاوت و فیاضی میں امتیازی حیثیت کے مالک تھے۔

① وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ الشَّيْخِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أُعْطِيَ عَطَاءً فَوَجَدَ فَلْيَجْزِ بِهِ وَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيَلِشْ فَإِنَّ مَنْ أُلْئِي فَقَدْ شَكَرَ وَمَنْ سَتِمَ فَقَدْ كَفَرَ وَمَنْ فَخَلَ بِمَالِهِمْ نَعَطَ كَانَ كَلَابِيسٍ ثَوْبَيْنِ زَوْجٍ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

”اور حضرت جابرؓ ہی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص کو کوئی چیز بطور ہدیہ دی جائے اور وہ اس کا بدلہ دینے پر قادر ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اس کا بدلہ دے اور جو شخص بدلہ دینے پر قادر نہ ہو تو وہ ہدیہ دینے والے کی تعریف و توصیف کرے (اور اس کے دیئے ہوئے ہدیہ کا اظہار کرے) کیونکہ جس شخص نے اپنے محسن کی تعریف کی اس نے گویا اس کا شکر ادا کیا (یعنی فی الجملہ اس کا بدلہ ادا کیا) اور جس شخص نے کسی کا احسان چھپایا (یعنی نہ تو اس نے کچھ دے کر اور نہ تعریف کر کے اس کا بدلہ ادا کیا) تو اس نے کفرانِ نعمت کیا اور یاد رکھو جو شخص اپنے آپ کو کسی ایسی چیز سے آراستہ کرے جو اسے نہیں دی گئی ہے تو اس کی مثال جھوٹ موٹ کے دوپٹے پہننے والے کی سی ہے۔“ (ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: محسن کی تعریف کرنے کو اس کا شکر ادا کرنے کا قائم مقام اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ تعریف دراصل شکر ہی کی ایک شرح ہے۔ کیونکہ شکر کا مفہوم ہے ”دل میں محبت رکھنا، زبان سے تعریف کرنا اور ہاتھ پاؤں سے خدمت کرنا۔“

حدیث کے آخری جزء کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے اندر کسی ایسے دینی یا دنیاوی کمال و صفت کا اظہار کرے جو درحقیقت اس میں نہیں ہے تو وہ جھوٹ موٹ کے دوپٹے پہننے والے کی مانند ہے۔ جھوٹ موٹ کے دوپٹے پہننے والے سے مراد وہ شخص ہے جو علماء

اور صلحاء کا لباس پہن کر اپنے آپ کو عالم و صالح ظاہر کرے حالانکہ واقعہ کے اعتبار سے نہ وہ عالم ہو اور نہ صالح ہو۔ اور بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو کوئی ایسا پیرا نہیں پہنے جس کی آستینوں کے نیچے مزید دو آستینیں لگائے تاکہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ اس نے دو پیرا پہن چکے ہیں۔ اور بعضوں نے یہ کہا ہے کہ عرب میں ایک شخص تھا جو انتہائی نفیس قسم کے دو کپڑے پہنتا تھا تاکہ لوگ اسے عزت دار اور باحیثیت سمجھیں اور جب وہ کوئی جھوٹی گواہی دے تو اس کی اس ظاہری پوشاک کو دیکھ کر اسے جھوٹا نہ سمجھیں۔ آپ ﷺ نے اسی شخص کے ساتھ اس شخص کو تشبیہ دی جو اپنے آپ کو کسی ایسے کمال کا حامل ظاہر کرے جو اس کے اندر نام و نشان کو بھی موجود نہ ہو۔

محسن کے لئے دعاء اجر و خیر

⑨ وَعَنْ أَنَسَ مَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ضَيَّعَ إِلَيْهِ مَغْزُوفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِهِ جَزَاءَكَ اللَّهُ خَيْرًا أَفَلَا أَتْلَعُ فِي النَّشَاءِ - (رواه الترمذی)

”اور حضرت انسہ ابن زیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس شخص کے ساتھ کوئی احسان کیا جائے اور وہ احسان کرنے والے کے حق میں یہ دعا کرے جَزَاءَكَ اللَّهُ خَيْرًا (یعنی اللہ تعالیٰ تجھے اس کا بہتر بدلہ دے) تو اس نے اپنے محسن کی کامل تعریف کی۔“ (ترمذی)

تشریح: ”کامل تعریف کی“ یعنی اس نے اپنے محسن کے حق میں یہ دعائیہ الفاظ کہہ کر گویا اس کے ستیں اور انگی شکر کا حق ادا کر دیا کیونکہ اس نے اپنے محسن کا بدلہ اتارنے اور اس کی تعریف کرنے میں اپنے قصور و کوتاہی کا اعتراف اور اپنے عاجز ہونے کا اقرار کر کے اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سونپ دیا کہ اللہ تعالیٰ اسے دنیا اور آخرت میں پورا پورا اجر عطا فرمائے اور ظاہر ہے کہ اللہ کے اجر سے بہتر اجر کون دے سکتا ہے۔

راہ استقامت کا سنگ میل

جلیل القدر بزرگ اور شیخ باکمال حضرت عبدالوہاب متقیؒ فرمایا کرتے تھے کہ صوفی کو چاہیے کہ وہ مخلوق خدا کے دینے یا نہ دینے دونوں ہی صورتوں میں دائرہ استقامت سے نہ نکلے اور نہ راہ حق سے قدم کو ہٹائے۔ اگر کوئی فاسق و فاجر شخص اسے کچھ (بطور بدیہ) دے تو وہ اس کی اتنی تعریف نہ کرے کہ اسے صالح اور ولی کی صف میں گھڑا کر دے بلکہ اس کے حق میں یہ دعائیہ الفاظ کہے کہ ”اللہ تعالیٰ اسے جزاء خیر عطا کرے“۔ اور اگر اسے کسی صالح و متقی شخص سے کوئی رنج و تکلیف پہنچے تو محض اس کی وجہ سے اس کے صلاح و تقویٰ کی نفی نہ کرے اور اسے برا بھلا نہ کہے بلکہ اس کے حق میں یہ دعائیہ الفاظ کہے کہ غَفَرَ اللَّهُ لَنَا وَ لَكَ (یعنی اللہ تعالیٰ اسے اور ہمیں مغفرت و بخشش سے نوازے) اہل استقامت کا ایسی طریقہ ہے اور یہی ان کی راہ عمل ہے۔

انسان کا شکر ادا نہ کرنے والا اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا

⑩ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللَّهَ - (رواه احمد و الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص لوگوں کا شکر نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔“

(احمد، ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے شکر کی اور انگی کی تعمیل اس بات پر منحصر ہے کہ اس کی تابعداری کی جائے یا نہیں طور کہ اس نے ان

انسانوں کا جو کہ اس تک اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے پہنچنے کا ظاہری واسطہ اور وسیلہ بنے ہیں، شکر ادا کرنے کا جو حکم دیا ہے اس کی پیروی کی جائے لہذا جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی تابعداری نہیں کی اور اس کے حکم کی پیروی نہیں کی یا اس معنی کہ اس نے ان لوگوں کا شکر ادا نہیں کیا جن کے واسطے سے اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں اسے دی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا۔ یا پھر اس ارشاد گرامی کی مراد یہ ہے کہ جو شخص اپنے محسن کا شکر ادا نہیں کرتا اور اپنے ساتھ کئے گئے احسان اور اچھے سلوک کا اقرار نہیں کرتا وہ کفرانِ نعمت کی اپنی اس عادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔

شکرانِ نعمت کی اہمیت

⑪ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ آمَنَهُ الْمُهَاجِرُونَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَاذَا آتَانَا قَوْمًا أَبْذَلُوا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَا أَحْسَنَ مَوَاسِقًا مِنْ قَبْلِنَا مِنْ قَوْمٍ تَرَكْنَا بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ لَقَدْ كَفَلُونَا الْمَوْتَةَ وَأَشْرَكُونَا فِي الْمُهَنَّا حَتَّى لَقَدْ جَعَلْنَا أَنْ يَذْهَبُوا بِأَلْوَجْرٍ كُلِّهِ فَقَالَ لَا مَادَ عَزَمْتُمُ اللَّهُ لَهُمْ وَأَنْجَيْتُمُ عَلَيْهِمْ زَوْاءَ الْيَتِيمِ وَلِذِي وَصَحْتُهُ۔

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ (مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے تو ایک دن) یہاں جبرین کی ایک جماعت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! ہم نے ایسی کوئی قوم نہیں دیکھی جو زیادہ مالدار اور زیادہ غریب کرنے والے اور کم مالدار اور کم تر متعنت اور مدد کرنے کے وصف میں اس قوم سے بہتر ہو جس میں ہم اگر اترے ہیں، انہوں نے (یعنی انصار نے) ہمیں محنت سے سیکھوٹ کر دیا اور تمام تر منفعات میں ہمیں شریک کر لیا ہے، اور اب (اگلے) اس جذبہ سخاوت و ایثار کو دیکھتے ہوئے ہمیں تو یہ اندیشہ ہے کہ تمام تر ثواب ہمیں انہی کے حصہ میں نہ آجائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں (تمام تر ثواب انہی کے حصہ میں نہیں آئے گا) جب تک کہ تم ان کے لئے اللہ سے دعا کرتے رہو گے اور ان کی تعریف (یعنی شکرانہ نعمت ادا) کرتے رہو گے۔“ امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اسے صحیح کہلے ہے۔“

تشریح: جب نبی کریم ﷺ نے مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ میں اقامت اختیار فرمائی اور آپ ﷺ کے ساتھ ہی یہاں جبرین کی ایک بہت بڑی تعداد بھی مدینہ میں اقامت گزری ہوئی تو مدینہ کے رہنے والوں یعنی انصار نے ان کے ساتھ جو حسن سلوک کیا اور ایثار و سخاوت نیز اخوت و محبت کی جو عظیم روایت قائم کی، بلا حائلہ تاریخ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، انصار مدینہ نے یہاں جبرین مکہ کے لئے اپنے دیہ و دل ہی فرش راہ نہیں کئے بلکہ اپنے خون پینے کی گاڑی کھائی بھی ان کے لئے وقف کر دی۔ انہوں نے اپنی زمین اپنے باغات اور اپنے مکانات آدموں آدھوں آدھوں میں تقسیم کر دیے، ان کی خدمت گذاری اور خاطر تواضع میں شرافت انسانی کی ساری بلندیوں کو پیچھے چھوڑ دیا، چنانچہ ان کے اسی طرز عمل اور ان کے بے پایاں احسانات نے یہاں جبرین کو اتنا متاثر کیا کہ وہ باقاعدہ بارگاہ رسالت میں اپنا یہ اندیشہ مکہ کر حاضر ہونے کے یا رسول اللہ! یہ انصار ہمیں سارا ثواب ہی نہ لے لیجئے، کیونکہ ہم نے تو آج تک ان سے زیادہ ایثار پسند غمخوار و خوشی اور احسان کرنے والی کوئی قوم نہیں دیکھی ہے، انہوں نے مال و زر کی کمی بیشی سے بے نیاز ہو کر ہماری خاطر داری کی ہے، جس کے پاس زیادہ مال تھا اس نے ہم پر اتنا ہی زیادہ خرچ کیا جس کے پاس کم مال تھا اس نے اسی کے مطابق ہماری اعانت کی، گویا جس کی جتنی استطاعت تھی اس نے اسی حیثیت سے ہماری مہمندی اور غم خواری کی، یہاں تک کہ انہوں نے حصول معاش میں ہمیں محنت و مشقت سے بھی باز رکھا یا جس طور کہ کھیتی باڑی کی محنت، باغات اور درختوں کی دیکھ بھال کی صورت اور مکانات بنانے کی مشقت انہوں نے خود اپنے ذمہ لی مگر منفعت و پیداوار میں ہمیں برابر کا شریک رکھا ہے کہ وہ اپنی زمین اور اپنے باغات میں اپنی محنت سے جو کچھ کرتے ہیں ادا ہا ہمیں تقسیم کر دیتے ہیں، چنانچہ اب تو ڈرنے لگے ہیں کہ یہ ہمارا سارا ثواب خود ہی حاصل نہ کریں اور یہ اندیشہ ہے کہ ہماری ہجرت اور ہماری عبادتوں کا اجر اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے اعانت کی بے پناہ زیادتی کی وجہ سے ان کے نامہ اعمال میں لکھ دے۔

لیکن آنحضرت ﷺ نے انہیں بتایا کہ ایسا نہیں ہو سکا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم بہت وسیع ہے، اس کے ہاں اجر کی کمی نہیں ہے، تمہیں تمہاری عبادت کا ثواب ملے گا اور انصار کو ان کی مددگاری اور ان کے ایثار و سخاوت کا اجر دیا جائے گا، تاؤ فیکہ تم ان کے لئے بھلائی کی دعا کرتے رہو، کیونکہ ان کے حق میں تمہاری یہی دعا ان کے احسان کا بدلہ ہو جائے گی اور تمہاری عبادتوں کا ثواب تمہیں ہی ملنا رہے گا۔

آپس میں بطور تحفہ لین دین عداوتوں کو دور کرتا ہے

⑪ وَعَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَهَادُوا فَإِنَّ الْهَدْيَةَ تَذْهَبُ الصَّغَائِرَ - (رواہ الترمذی)

”اور ام المومنین حضرت عائشہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”ایمن میں تحفہ کا لین دین کیا کرو، کیونکہ تحفہ کا لین دین بائینوں کو دور کرتا ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آپس میں تحفہ کے لین دین سے باہمی بغض و عداوت کے جذبات ختم ہو جاتے ہیں اور اس کے بجائے آپس کی الفت و محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

مشکوٰۃ کے اصل نسخہ میں لفظ رواہ کے بعد جگہ خالی تھی جس کا مطلب یہ ہے کہ مؤلف مشکوٰۃ کو اس حدیث کے ماخذ کا علم نہیں ہو سکا تھا چنانچہ بعد میں کسی نے الترمذی بڑھادیا۔

کمتر چیز کے تحفہ کا لین دینا حقیر نہ سمجھو

⑫ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَهَادُوا فَإِنَّ الْهَدْيَةَ تَذْهَبُ وَخِرَ الصَّدْرِ وَلَا تَخْفِرُ حَارَةً

لِحَاذِ تَهَادُوا وَلَوْ شِقَ فِرْسِنَ شَاةٍ - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”تپس میں تحفہ دیا یا کرو کیونکہ تحفہ سننے کی کدورت کو دور کرتا ہے اور (یار کھو کوئی ہمسایہ اپنے دوسرے ہمسایہ کے واسطے (کسی کمتر چیز کے) تحفہ کو حقیر نہ سمجھے اگرچہ وہ بکری کے کھرا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کوئی اپنے ہمسایہ کو کسی کمتر اور تھوڑی سی چیز کے بطور تحفہ بھیجے تو اس ہمسایہ کے حق میں حقیر نہ سمجھے بلکہ جو بھیجتا چاہے اسے بیحدے خواہ وہ کتنی ہی کمتر اور تھوڑی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح جس ہمسایہ کو تحفہ بھیجا گیا ہو اس کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ اپنے ہمسایہ کے کسی تحفہ کو حقیر سمجھے بلکہ اس کے پاس جو بھی تحفہ آئے اسے رغبت و دباحت کے ساتھ قبول کر لے اگرچہ وہ کتنی ہی تھوڑی اور گھسی ہی خراب چیز کیوں نہ ہو۔

⑬ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا تَرُدُّ الْوَسَائِدَ وَالذَّهْنَ وَاللَّيْنُ زَوْاهُ الْقِرْمِذِ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ طَرِيفٌ قِيلَ أَرَأَيْتَ بِالذَّهْنِ الْوَسَائِدَ -

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تمیں چیزیں ایسی ہیں جنہیں قبول کرنے سے انکار نہ کرنا چاہئے ① نکیہ ② تیل ③ دودھ۔“ امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ نیز کہا جاتا ہے کہ ”تیل“ سے آنحضرت ﷺ کی مراد خوشبو تھی۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے مہمان کو تواضع کے طور پر نکیہ دے یا تیل دے اور یا پینے کے لئے دودھ دے تو اس مہمان کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اسے قبول کرنے سے انکار کر دے، بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ ”وہن“ یعنی تیل سے مراد خوشبو

ہے جیسا کہ ترجمہ میں ذکر کیا گیا۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ ”وہن“ سے مراد تیل ہی ہے کیونکہ اس زمانہ میں بھی اہل عرب اپنے سروں میں عمومیت کے ساتھ تیل لگایا کرتے تھے۔

خوشبودار پھول کا تحفہ واپس نہ کرو

(۱۵) وَعَنْ أَبِي غُلَظَّانَ الْهَدَيْيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُعْطِيَ أَحَدُكُمْ الزَّيْبَحَانَ فَلَا يَزِدُّهُ فَإِنَّهُ خَوْضٌ مِنَ الْحَتَّةِ - رواه الترمذی مؤسلاً۔

”اور حضرت ابو عثمان ہندیؓ (تابعی) کی روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کسی کو خوشبودار پھول (بطور تحفہ و ہدیہ) دیا جائے تو وہ اسے قبول کرنے سے انکار نہ کرے کیونکہ وہ پھول جنت سے آیا ہے“ اس روایت کو امام ترمذیؒ نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔“

تشریح: ”وہ پھول جنت سے آیا ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ خوشبودار پھول کی ایک فضیلت و خصوصیت یہ ہے کہ اس کی جڑ جنت سے آئی ہے، اس طرح اس میں سے جو خوشبو آتی ہے وہ گویا جنت کی خوشبو ہے، پھر یہ کہ پھول کا تحفہ بہت بکسر یعنی بہت کم احسان رکھتا ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں اس کی وضاحت بیان کی جا چکی ہے۔ لہذا جب کسی کو خوشبودار پھول دیا جائے تو اسے قبول کرنے سے انکار نہ کرنا چاہئے۔

الْفَضْلُ الثَّالِثُ

اولاد میں سے کسی ایک کے ساتھ ترجیحی سلوک مناسب نہیں ہے

(۱۶) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَتْ إِيمَرَةُ ابْنَةُ أَبِي نَحْلٍ غُلَامَتِي وَأَشْهَدُنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ ابْنَةَ فَلَانٍ مَأْتَنِي أَنْ أَنْحَلَ ابْنَهَا غُلَامَتِي وَقَالَتْ أَشْهَدُنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَلَهُ إِخْوَةٌ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَلَكُلَّهُمْ أَغْضَبْتَهُمْ مِثْلَ مَا أَغْضَبْتَهُ قَالَ لَا قَالَ فَلَيْسَ يَصْلُحُ هَذَا وَإِنِّي لَا أَشْهَدُ إِلَّا عَلَى حَقٍّ - (رواه مسلم)

”حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (ایک محالی) حضرت بشرؓ کی بیوی نے ان سے کہا کہ تم ”میرے بیٹے (نعمان) کو اپنا غلام میرے کرو اور اس پر میرے اطمینان کے لئے رسول اللہ ﷺ کو گواہ بنالو، چنانچہ بشرؓ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ فلاں کی بیٹی (یعنی عمرہ بنت رواد) نے (جو میری بیوی ہے) مجھ سے یہ خواہش کی ہے کہ میں اس کے بیٹے (نعمان) کو اپنا غلام میرے کروں، نیز اس نے یہ بھی کہا ہے کہ (اس بارہ میں) میرے اطمینان کے لئے رسول اللہ ﷺ کو گواہ بنالو! آپ ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ”کیا اس بیٹے کے اور بھائی بھی ہیں؟“ انہوں نے کہا کہ ”ہاں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”کیا تم نے ان سب کو اسی طرح (ایک ایک غلام) دیا ہے جس طرح اس بیٹے (نعمان) کو دیا ہے؟“ انہوں نے کہا کہ ”نہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”یہ مناسب نہیں ہے اور میں صرف حق بات پر گواہ بنتا ہوں۔“ (مسلم)

تشریح: ”حق“ سے مراد یہ تو یہ ہے کہ میں صرف اسی معاملہ میں گواہ بناتا ہوں جو بلا شک و شبہ اور بلا کراہت خالص طور پر حق اور صحیح ہو، یا پھر یہ کہ آپ ﷺ نے عمومی طور پر یہ فرمایا کہ میں حق پر گواہ بناتا ہوں باطل پر گواہ نہیں بنتا۔ ہر کیف اس سلسلہ میں تفصیلی بحث پہلی فصل کی حدیث نمبر ۴ کے ضمن میں گذر چکی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے پھل کا ہدیہ کس طرح قبول کرتے تھے

(۱۷) وعن ابنِ عمرٍو قال رأيتُ رسولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إذا أتته نبتٌ كوزةٌ، ألقاها فَوَضَعَهَا عَلَى عَيْنَيْهِ وَغَلَى شَفَتَيْهِ وَقَالَ اللَّهُمَّ كَمَا أَرَيْتَنَا أَنْزَلْنَا أَنْزَلَهُ لَنَمُتَّ بِهَا مَنْ يَكُونُ عِنْدَهُ مِنَ الصَّيْبَانِ - زَوَاهِ النَّبِيِّ لِي - اللَّهُ عَوَاتِبُ الْكَبِيرِ -

”اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول کریم ﷺ کو جب کوئی ناپھل پیش کیا جاتا تو پہلے اس پھل کو قبول فرما کر اپنی آنکھوں اور ہونٹوں پر رکھتے پھر یہ فرماتے ”اے اللہ! جس طرح تو نے ہمیں اس پھل کی ابتداء دکھائی اسی طرح اس کی انجام بھی رکھا۔“ اس کے بعد آپ ﷺ وہ پھل کسی اس بچے کو دے دیتے جو آپ ﷺ کے پاس ہوتا۔“ (متفق)

تشریح: تازہ پھل کو اپنی آنکھوں پر رکھنے سے آپ ﷺ کا مقصد اللہ تعالیٰ کی ایک تازہ نعمت کی تعظیم ہوتا تھا۔ ”ابنہا“ کا تعلق اگر دنیا سے ہے تو پھر یہ دعا درازی عمر کے لئے ہوگی اور اگر اس کا تعلق عقی سے ہے تو اس سے اس طرف اشارہ ہوگا کہ آخرت کے آگے دنیا کی کیا حقیقت ہے۔ بڑی نعمت تو آخرت کی نعمت ہے، اس طرح اس دعا کا مطلب یہ ہوگا کہ اے اللہ! جس طرح تو نے ہمیں اس دنیا کی نعمت عطا کی ہے اسی طرح آخرت کی نعمت بھی کہ حقیقی نعمت وہی ہے، عطا فرما۔

بَابُ اللَّقْظَةِ

لقطہ کا بیان

لقطہ کے معنی اور اس کا مفہوم

”لقطہ“ لام کے پیش اور قاف کے زیر کے ساتھ یعنی ”لقطہ“ بھی مقول ہے اور قاف کے جزم کے ساتھ یعنی ”لقطہ“ بھی لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ محدثین کے پاس قاف کے زیر کے ساتھ یعنی ”لقطہ“ مشہور ہے۔

”لقطہ“ اس چیز کو کہتے ہیں جو کہیں (مثلاً راستہ وغیرہ میں) گری پڑی پائی جائے اور اس کے مالک کا کوئی علم نہ ہو۔ اس بارہ میں شرعی حکم یہ ہے کہ اگر کہیں کوئی گری پڑی چیز پائی جائے تو اسے (یعنی لقطہ کو) اٹھا لیا مستحب ہے بشرطیکہ اپنے نفس پر یہ اعتماد ہو کہ اس چیز کی تشہیر کر اگر اسے اس کے مالک کے حوالہ کر دیا جائے گا، اگر اپنے نفس پر یہ اعتماد نہ ہو تو پھر اسے وہیں چھوڑ دینا بہتر ہے، لیکن اگر یہ خوف ہو کہ اس چیز کو یوں ہی بیزار بنے دیا گیا تو یہ ضائع ہو جائے گی تو اس صورت میں اسے اٹھا لینا واجب ہوگا۔ اگر دیکھنے والا اسے نہ اٹھائے گا اور وہ چیز ضائع ہو جائے گی تو وہ گنہگار ہوگا یہ لقطہ کا اصولی حکم ہے۔ اب اس کے چند تفصیلی مسائل ملاحظہ کیجئے۔

لقطہ، اس شخص کے پاس بطور امانت رہتا ہے جس نے اسے اٹھا لیا ہے بشرطیکہ وہ اس پر کسی کو گواہ کر لے کہ میں اس چیز کو حفاظت سے رکھنے یا اس کے مالک کے پاس پہنچا دینے کے لئے اٹھا تا ہوں، اس صورت میں وہ لقطہ اٹھانے والے کے پاس سے ضائع ہو جائے تو اس پر تاوان واجب نہیں ہوگا۔ اور اگر اٹھانے والے نے کسی کو اس پر گواہ بنایا اور وہ لقطہ اس کے پاس سے تلف ہو گیا تو اس پر تاوان واجب ہوگا بشرطیکہ لقطہ کا مالک یہ انکار کر دے کہ اس نے وہ چیز مجھے دینے کے لئے نہیں اٹھائی تھی۔

لقطہ جہاں سے اٹھا لیا جائے اس جگہ بھی اور ان مقامات پر بھی کہ جہاں لوگوں کا اجتماع رہتا ہے اس کی تشہیر کی جائے (یعنی اٹھا لے والا کہتا پھرے کہ یہ چیز کس کی ہے؟ اور یہ تشہیر اس وقت تک کی جانی چاہئے جب تک کہ اٹھانے والے کو یقین نہ ہو جائے کہ اب اسے دونوں کے بعد اس کا مالک مطالبہ نہیں کرے گا، لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک مدت تشہیر

ایک سال ہے یعنی ان کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ لفظ کی ایک سال تک تشہیر کی جانی چاہئے اور جو چیز زیادہ دن تک نہ ٹھہر سکتی ہو اس کی تشہیر صرف اسی وقت تک کی جائے کہ اس کے خراب ہو جانے کا خوف نہ ہو۔

مدت تشہیر کے دوران اگر اس مالک آجائے تو اسے وہ چیز دے دی جائے ورنہ مدت تشہیر گزر جانے کے بعد اس چیز کو خیرات کر دیا جائے اب اگر خیرات کرنے کے بعد مالک آئے تو چاہے وہ اس خیرات کو برقرار رکھے اور اس کے ثواب کا حق دار ہو جائے اور چاہے اس اٹھانے والے سے تاوان لے لیا اس شخص سے اپنی چیز واپس لے لے جس کو وہ بطور خیرات دی گئی ہے اور اگر وہ چیز اس کے پاس موجود نہ ہو تو اس سے تاوان لے لے جیسا کہ بطور لفظ ملے ہوئے جانور کا حکم ہے۔

جانوروں میں بھی لفظ ہونا جائز ہے یعنی اگر کسی کا کوئی گم شدہ جانور کسی شخص کو مل جائے تو اسے پکڑ لینا اور اس کی تشہیر کر کے اس کے مالک تک پہنچا دینا جائز ہے۔ اس بارہ میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر مدت تشہیر کے دوران اس جانور کے کھلانے پلانے پر کچھ خرچ ہوا ہے تو وہ احسان شمار ہوگا یعنی اس کا مطالبہ مالک سے نہیں کیا جائے گا بشرطیکہ وہ خرچ حاکم کی اجازت کے بغیر کیا گیا ہو۔ اور اگر جانور پکڑنے والے نے اس شرط کے ساتھ کہ اس جانور پر جو کچھ خرچ ہوگا جانور کے مالک سے لے لوں گا۔ حاکم کی اجازت سے اس جانور پر کچھ خرچ کیا تو اس کی ادائیگی مالک پر بطور قرض واجب ہوگی کہ جب وہ مالک اپنا جانور حاصل کرے تو اس کے جانور کو پکڑنے والے نے اس پر کچھ خرچ کیا ہے وہ سب ادا کر دے۔ اس صورت میں لفظ رکھنے والے کو یہ حق حاصل ہوگا کہ جب تک مالک اسے سارے اخراجات ادا نہ کر دے وہ لفظ کو اپنے پاس روکے رکھے۔

اس سلسلہ میں حاکم و قاضی کے لئے بھی یہ ہدایت ہے کہ بطور لفظ ملنے والی چیز اگر ایسی ہے جس سے منفعت حاصل ہو سکتی ہو جیسے بھگا ہوا غلام تو اس سے محنت و مزدوری کرائی جائے اور وہ جو کچھ کمائے اسی سے اس کے اخراجات پورے کئے جائیں اور اگر لفظ کسی ایسی چیز کی صورت میں ہو جس سے کوئی منفعت حاصل نہیں ہو سکتی اور اس کو رکھنے میں کچھ خرچ کرنا پڑتا ہو جیسے جانور تو قاضی اس کے اخراجات پورے کرنے کی اجازت دے دے اور یہ ملے کر دے کہ اس پر جو خرچ ہوگا وہ مالک سے وصول کر لیا جائے گا۔ بشرطیکہ اس میں مالک کے لئے بہتری ہو، اور اگر قاضی یہ دیکھے کہ اس صورت میں مالک کو بچانے کا فائدہ ہے تو پھر اس چیز کو فروخت کر دے اور اس کی قیمت کو رکھ چھوڑے تاکہ جب مالک آجائے تو اسے دے دی جائے۔

اگر کسی شخص کے پاس کوئی لفظ ہو اور وہ اس کی علامات یا کر اپنی ملکیت کا دعویٰ کرے تو وہ لفظ اسے دے دینا جائز ہے اس صورت میں گواہوں کا ہونا ضروری نہیں ہوگا۔ ہاں اگر وہ علامات نہ بتا سکے تو پھر گواہوں کے بغیر وہ لفظ اسے نہیں دینا چاہئے۔ اگر لفظ پانے والا کوئی مفلس ہے تو مدت تشہیر ختم ہو جانے کے بعد وہ خود اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، اور اگر وہ خود مالدار ہے تو پھر اسے خیرات کر دے۔ اس بارہ میں اسے یہ اجازت ہوگی کہ اگر وہ چاہے تو اپنے اصول یعنی ماں باپ اور اپنے فرد یعنی بیٹی بیٹی اور بیوی کو بطور خیرات وہ لفظ دے دے بشرطیکہ یہ لوگ مفلس و ضرورت مند ہوں۔

بھگے ہوئے غلام کو پکڑ لینا اس شخص کے لئے مستحب ہے جو اس کو پکڑنے کی طاقت رکھتا ہو، اسی طرح اس غلام کو بھی اپنے پاس رکھ لیا مستحب ہے جو راستہ بھول جانے کی وجہ سے بھگ رہا ہو۔

اگر کسی کا کوئی غلام بھگا جائے اور تین دن کی مسافت یا اس سے زیادہ دور سے کوئی شخص اسے پکڑ کر اس کے مالک کے پاس پہنچا دے تو وہ لانے والا اس بات کا متفق ہوگا کہ غلام کے مالک سے اپنی مزدوری کے طور پر چالیس درہم وصول کرے گا اگرچہ وہ غلام چالیس درہم سے کم ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ لانے والے نے اس بات پر کسی کو گواہ نہ بتایا ہو کہ میں اس غلام کو اس لئے پکڑتا ہوں تاکہ اسے اس کے مالک کے پاس پہنچا دوں۔ اور اگر کوئی شخص بھگے ہوئے غلام کو اس کے مالک کے پاس تین دن کی مسافت سے کم دوری سے لایا ہو تو اسی حساب سے اجرت دی جائے گی۔ مثلاً اگر وہ دن کی مسافت کی دوری سے لایا ہے تو اسے تیس درہم دیئے جائیں گے اور

اگر وہ غلام اس شخص سے بھی چھوٹ کر بھاگ گیا جو اسے پکڑ کر لایا تھا تو اس پر کوئی تاوان واجب نہیں ہوگا۔ بشرطیکہ اس نے کسی کو ہار دیا ہو اور اگر گواہ نہ بنایا ہو گا تو اس صورت میں نہ صرف یہ کہ اسے کوئی اجرت نہیں ملے گی۔ بلکہ اس پر تاوان بھی واجب ہوگا۔

بے وارث بچے کو اٹھانے کا مسئلہ

لغیہ (یعنی بے وارث بچہ) اگر کہیں پڑا ہوا ملے تو اسے اٹھا لیا مستحب ہے اور اگر اس کے ہلاک ہو جانے کا خوف ہو تو پھر اسے اٹھنا واجب ہوگا۔ ایسا بچہ جب تک مملوک (غلام) ہوتا ثابت نہ ہو حرج یعنی آزاد ہے، لقیط کا لفظ اور اس کا خون بھائییت اہل کے ذمہ ہوگا۔ اسی طرح اس کی میراث بھی بیت المال کی تحویل میں رہے گی۔ جس شخص نے لقیط کو اٹھا لیا ہے اس سے کسی اور کو لینے کا اختیار نہیں ہوگا۔ اگر کسی شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ میرا بچہ ہے تو قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا اور اس بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا۔ اور اگر وہ آدمی ایک ساتھ اس کا دعویٰ کریں تو اس کو لینے کا زیادہ حقدار وہ شخص ہوگا جو اس بچہ سے بدن میں کوئی علامت بتائے اور دیکھنے پر وہ علامت موجود پائی جائے مثلاً وہ یہ بتائے کہ اس کی جینہ پر مس ہے اور پھر جب دیکھا جائے تو اس کی جینہ پر مسہ موجود ہو۔ اگر کوئی غلام یہ دعویٰ کرے کہ یہ لقیط میرا لڑکا ہے تو اس کا دعویٰ صحیح تسلیم کیا جائے گا، لیکن وہ بچہ مسلمان رہے گا۔ بشرطیکہ وہ مسلمانوں کی آبادی یا مسلمانوں کے محلہ میں ملا ہو۔ اور اگر وہ ذمیوں کی بستی میں یا ان کے محلہ یا ان کے گرجا مندر میں ملے ہو گا تو اس صورت میں وہ ذمی رہے گا۔ اگر لقیط کے ساتھ بندھا ہوا کچھ مال یا اس کے جسم پر کوئی زیور وغیرہ ملے تو اسے قاضی کے حکم کے بعد لقیط پر خرچ کیا جائے اگرچہ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ قاضی کے حکم و اجازت کے بغیر بھی اس کے مال کو اس پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔ زیادہ صحیح قول کے مطابق اٹھانے والے کے لئے یہ تو جائز ہے کہ وہ اس لقیط کو کوئی پیشہ سیکھنے کے لئے کسی پیشہ در کے سپرد کر دے مگر اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس کا کالاج کر دے یا اس کے مال میں تصرف کرے اور یا اس سے محنت و مزدوری کرائے۔

لقطہ کے کچھ متفرق مسائل

مسئلہ: فرض سمجھنے ایک شخص نے کسی جگہ اپنے جوتے اتار کر رکھے، ایک دوسرا شخص آیا اور اس نے بھی اپنے جوتے اتار کر وہیں رکھ دیئے۔ اب پہلا شخص جب وہاں سے چلا تو اپنے جوتے پہننے کی بجائے اس دوسرے شخص کے جوتے پہن لئے اور چلا گیا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں وہ دوسرا شخص کیا کرے؟ کیا اس کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ پہلے شخص کے جوتے لے لے؟ اس بارہ میں مختار مسئلہ یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے بشرطیکہ اس پہلے شخص کے جوتے کی مانند ہوں یا اس کے جوتے سے بہتر ہوں، ہاں اگر وہ جوتے اس کے جوتے سے خراب ہوں، تو پھر ان کو استعمال کرنا بلاشبہ جائز ہوگا۔

مسئلہ: جو شخص کسی دوسرے کی گری پڑی چیز پاتا ہے اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ چیز اتنی کمتر ہوتی ہے جس کے بارہ میں پاسلے والا یہ جانتا ہے کہ اس کا مالک اس کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ جیسے ادھر ادھر پڑی ہوئی کھلیاں وغیرہ یا متفرق جگہوں پر پڑے ہوئے اتار کے پھٹکے وغیرہ، ایسی چیز کے بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ اٹھانے والا اس کو اپنے استعمال میں لاسکتا ہے یا وہ جو دیکھ وہ اس کی ملکیت میں نہیں آتی اور اس کے مالک کو لینے کا حق پہنچتا ہے لیکن شیخ الاسلام کا قول یہ ہے کہ ایسی چیز لینے والے کی ملکیت میں آ جاتی ہے۔ گری پڑی ہونے والی چیز کی دوسری قسم ایسا مال ہے جس کے بارہ میں پائے والا جانتا ہے کہ اس کا مالک اس کا مطالبہ کرے گا۔ جیسے سونا چاندی وغیرہ اور دیگر تمام اشیاء ایسی چیز کے بارہ میں یہ حکم ہے اگر اس قسم کی کوئی چیز گری پڑی نظر آئے تو اسے اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا جائے اور اس کی تفسیر کرائی جائے یہاں تک کہ وہ چیز اس کے مالک کے پاس پہنچادی جائے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص ایک روٹی یا ایک روٹی کے بقدر کھانے کی کوئی چیز اور یا اس سے کم پائے تو اسے فرائض کی حالت میں بھی کھا لینا جائز

مسئلہ: اگر کسی بھی میں گیسوں پر دایا جائے اور اس کے آنے میں وہ آتا مل جائے جو عام طور پر گیس میں باقی رہ جاتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کسی کی جہاز میں سے کوئی ٹھکڑا اتوں میں خلال کرنے کے لئے لیا جائے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔
مسئلہ: سرائے میں مسافروں کے جو جانور لیدرو وغیرہ کرتے ہیں وہ ان جانوروں کے مالک کے چلے جانے کے بعد اس شخص کی ملکیت ہو جاتے ہیں جو انہیں پہلے اٹھائے، سرائے کے مالک یا عظم کی ملکیت میں نہیں آتے۔

الفصل الاول

کوئی شخص گری پڑی چیز پائے تو وہ کیا ہے؟

① عَنْ زَيْدِ بْنِ حَبْلٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ عَنِ الْقِطْعَةِ فَقَالَ اغْرِفْ عِفَافَهَا وَوَكَّاءَهَا ثُمَّ اغْرِفْهَا سَةً فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَالْأَفْسَانُكَ بِهَا قَالَ فَصَالَةُ الْعَنَمِ قَالَ هِيَ لَكَ أَوْ لِحَبْلِكَ أَوْ لِلذَّبِّ قَالَ فَصَالَةُ الْإِبِلِ قَالَ مَالُكَ وَلَهَا مَعَهَا بَقَاءُهَا وَجَذَاءُهَا تَرِدُ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ حَتَّى يُلْقَاهَا وَبُيُهَا مُتَقَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةِ لِمُسْلِمٍ فَقَالَ غَرَفَهَا سَةً ثُمَّ اغْرِفْ وَكَاءَهَا وَعِفَافَهَا ثُمَّ اسْتَفِيقْ بِهَا فَإِنْ جَاءَ رَجُلٌ فَادَّعَاهَا إِلَيْهِ۔

”حضرت زید بن حبلہ کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ ﷺ سے لقطہ کے بارے میں پوچھا کہ اگر کوئی گری پڑی چیز پائی جائے تو کیا کیا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”پہلے تو اس کا ظرف پہچان لو (یعنی اگر وہ چیز کسی کپڑے یا جڑے کے تھیلے وغیرہ میں ہے تو اسے شناخت میں رکھو) اور اس کا سرہند بھی پہچانے رہو پھر ایک سال تک اس کی تہبیر کرو (ایک سال کی مدت میں) اگر اس کا مالک آجائے تو وہ چیز اس کے حوالہ کر دو اور اگر وہ نہ آئے تو پھر اسے اپنے استعمال میں لے آؤ۔ پھر اس شخص نے گمشدہ برکی کے بارہ میں پوچھا کہ اگر کسی کی گمشدہ برکی کوئی شخص پکڑ لائے تو اس کا کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”وہ تہبیری ہے یا تہبارے بھائی کی ہے یا بھٹیڑے کی ہے؟“ اس کے بعد اس شخص نے پوچھا کہ ”گمشدہ اونٹ کے بارے میں کیا حکم ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تمہیں اس سے کیا مطلب ہے (یعنی اسے نہ پکڑو کیونکہ وہ ضائع ہو جانے والی چیز نہیں ہے اس لئے اس کو پکڑ کر لانے کی ضرورت نہیں) اس کی ملک اور اس کے موزے اس کے ساتھ ہیں کہ وہ جب تک اپنے مالک کے پاس نہ پہنچے پائی تک جاسکتا ہے اور درخت کے چے کھ سکتا ہے۔“ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ ”جب اس شخص نے لقطہ کے بارہ میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک سال تک اس کی تہبیر کرو اور اس کا سرہند اور ظرف (تھیلا وغیرہ) پہچانے رکھو (اس مدت تہبیر میں اگر اس کا مالک نہ آئے تو) پھر اسے اپنے استعمال میں لے آؤ اور اگر اس کے بعد اس کا مالک آجائے تو اس کی وہ چیز (بیشریکہ) تمہارے پاس جوں کی توں موجود ہو (دے دو) (اور نہ اس کی قیمت ادا کرو)۔“

تشریح: ابن مالک کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس چیز کا ظرف اور سرہند پہچان لینے کا حکم اس لئے دیا تاکہ جو شخص اس چیز کی ملکیت کا دعویٰ کرے اس پہچان کی وجہ سے اس کا سچا یا جھوٹا ہونا معلوم ہو جائے۔ لیکن اس بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ اگر کوئی شخص لقطہ اٹھانے والے کے پاس آئے اور اپنا ظرف اور اس کا سرہند پہچان کر اس لقطہ کے مالک ہونے کا دعویٰ کرے تو وہ لقطہ اسے دے دینا واجب ہے یا نہیں؟ چنانچہ امام مالک اور امام احمد تو یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں وہ لقطہ اسے کسی گواہی کے بغیر ہی دے دینا واجب ہے کیونکہ ظرف اور اس کے سرہند کی پہچان رکھنے کا یہی مقصد ہے لیکن امام شافعی اور حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص لقطہ کا ظرف اور اس کا سرہند پہچان لے اور اس لقطہ کا وزن یا عدد بتا دے، نیز لقطہ اٹھانے والے کے دل میں یہ بات بیٹھ جائے کہ یہ شخص سچا

سے تب وہ لفظ اس شخص کو دے دینا چاہئے کہ وہ شخص گواہوں کے بغیر لفظ اٹھانے والے کو دینے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اس صورت میں کہا جائے گا کہ ”طرف اور سرحد کی پہچان رکھنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس کی وجہ سے وہ لفظ اٹھانے والے کے مال میں اس طرح خطہ ملے نہیں ہو جائے گا کہ جب لفظ کا لک آئے تو وہ اپنے مال و اسباب اور اس لفظ کے درمیان امتیاز نہ کر سکے۔

ثُمَّ عَزَّوْفُهَا (پھر اس کی تشہیر کرو) کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ وہ لفظ پایا گیا ہے نہ صرف وہاں بلکہ بازاروں میں، مسجدوں میں اور ان تمام مقامات پر کہ جہاں لوگوں کا اجتماع ہوتا ہو، اس لفظ کی بابت لوگوں میں یہ اعلان کرو اور کراؤ کہ جس شخص کی کوئی چیز ہم ہو گئی ہو وہ فلاں کے پاس پہنچ کر اس چیز کی تفصیل و علامات بیان کر کے لے جائے۔ مدت تشہیر کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمدؒ اور حنفیہ میں سے حضرت امام محمدؒ تو حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کے لئے ایک سال کی مدت متعین ہے یعنی لفظ کی ایک سال تک تشہیر کرانی چاہئے، لیکن صحیح تر روایت کے مطابق حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول یہ ہے کہ مدت متعین کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ حدیث میں ”ایک سال“ کا ذکر باعتبار غالب کے بر سبیل اتفاق ہے۔ لیکن پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں ایک سال کی مدت اگر اتفاقاً طور پر ذکر کی گئی ہے۔ اور متعین طور پر مذکور نہیں ہے۔ تو پھر تشہیر کی مدت متعین کی جائے؟ اس کی وضاحت دہرایہ نے امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت کے مطابق یوں کی ہے کہ اگر لفظ دس درہم سے کم قیمت کا ہو تو اس کی تشہیر چند دن تک کرنا کافی ہے۔ اگر دس درہم کی مالیت کا ہو تو ایک مہینہ تک تشہیر کی جائے اور وہ سو درہم کی مالیت کا ہو پھر ایک سال تک کی تشہیر کی جائے۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ مالیت کی مذکورہ بالا مقدار کی جو مختلف مدتیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے لازم کوئی بھی نہیں ہے۔ بلکہ یہ لفظ اٹھانے والے کی رائے پر موقوف ہے کہ وہ لفظ کی اس وقت کی تشہیر کرے جب تک کہ اسے یہ غالب گمان نہ ہو جائے کہ اب کوئی نہیں آئے گا اور اس مدت کے بعد اس لفظ کو طلب نہیں کرے گا۔ ان علماء کی دلیل مسلم کی وہ روایت ہے جس میں لفظ سنۃ (ایک سال) کی قید کے بغیر صرف عَزَّوْفُهَا (اس کی تشہیر کی جائے) منقول ہے۔

لفظ اگر کسی چیز کی صورت میں ہو جو زیادہ دنوں تک نہ ٹھہر سکتی ہو۔ اور موسمی حالات کے تغیر و تبدل سے متاثر ہوتی ہو جیسے کھانے کی کوئی چیز پھل وغیرہ تو اس کے بارہ میں یہ حکم ہے کہ اس کی تشہیر اسی وقت تک کی جائے جب تک کہ وہ خراب نہ ہو۔ اور اگر لفظ کوئی بہت ہی حقیر و کستری چیز ہو جیسے گٹھنل اور اتار کا چمکا وغیرہ تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی تشہیر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اسے بغیر تشہیر و اعلان استعمال کر لینے کی اجازت ہے مگر اس کے مالک کو یہ حق حاصل ہوگا کہ اگر وہ چاہے تو اپنی اس چیز کا مطالبہ کرے۔

ہاں جاء صاحبہا و الافشاں تک بھلا کا مطلب یہ ہے کہ لفظ کی تشہیر کے بعد اگر اس کا مالک آجائے تو اسے وہ لفظ دے دینا چاہئے اگر اس مالک سے کچھ گواہ بھی ہوں جو اس کے دعویٰ کی ملکیت کی گواہی دیں تو لفظ اٹھانے والے پر یہ واجب ہوگا کہ وہ اسے لفظ دے دے اور اگر گواہ نہ ہوں گے تو پھر دے دینا واجب نہیں جائے گا جیسا کہ اوپر کسی کی وضاحت کی گئی۔ اور اگر مدت تشہیر گزر جانے کے بعد اس لفظ کا مالک نہ آئے تو پھر لفظ اٹھانے والا اس لفظ کو اپنے استعمال میں لے آئے۔ اس سے گویا یہ معلوم ہوا کہ لفظ اٹھانے والا اصل مالک کے نہ آنے کی صورت میں اس لفظ کا خود ممالک بن جاتا ہے خواہ وہ مالدار ہو یا مفلس ہو، چنانچہ اکثر مفسرینؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے لیکن بعض صحابہؓ کا قول یہ ہے کہ اگر لفظ اٹھانے والا خود مالدار ہو تو وہ اس لفظ کا مالک نہیں بن سکتا بلکہ اسے چاہئے کہ وہ اس لفظ کو فقراء و مساکین کو بطور صدقہ دے دے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سفیان ثوریؒ ابن المبارکؒ اور حنفیہ کا یہی قول ہے نیز اس بارہ میں یہ بھی حکم ہے کہ اگر صدقہ کروینے کے بعد مالک آئے تو اسے یہ اختیار ہوگا کہ چاہے تو وہ اس صدقہ کو برقرار رکھے اور اس کے ثواب کا حصہ دار بن جائے اور چاہے لفظ اٹھانے والے یا اس مفلس سے کہ جس کو وہ لفظ بطور صدقہ دے دیا تھا تو اسے لے لے بیٹھ لے وہ چیز ناک و ضائع ہو گئی ہو۔ لیکن ان دونوں میں سے جو بھی تھا تو اسے دے گا وہ دوسرے سے کوئی مطالبہ نہیں کر سکتا یعنی اگر

لفظ اٹھانے والے نے تاوان دیا تو اسے مفلس سے کوئی مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہوگا اور اگر مفلس سے تاوان لیا تو وہ لفظ اٹھانے والے سے کوئی مطالبہ نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر وہ لفظ ہلاک و ضائع نہ ہوا ہو بلکہ جوں کا توں موجود ہو تو دوسرے لے لے گیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ مالک کو تاوان لینے کا حق اسی صورت میں پہنچے گا۔ جب کہ وہ لفظ ہلاک و ضائع ہو گیا ہو۔ اور اگر وہ ہلاک و ضائع نہ ہوا ہو تو پھر دوسری لینا ہوگا۔ شرع وقایہ کے بعض حاشیوں میں نہیں لے لے گا، لیکن اگر تشبیر کے بعد لفظ کو حد قریب چڑھ کر لے لے گا، لیکن اسے رکھ چھوڑنا عزیمت ہے۔ ہی لک (وہ تمہاری ہے) کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بکری بطور لفظ تم نے پکڑی اور پھر تم نے اس کی تشبیر کی جس کے نتیجے میں اس کا مالک آگیا تو وہ تم سے لے لے گا، لیکن اگر تشبیر کے بعد مالک نہ آیا تو پھر وہ بکری تمہاری ہو جائے گی تم اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو اسی طرح اولاً خبیثہ۔ الاخ (یا تمہارے بھائی کی ہے اس) کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے وہ بکری پکڑ لی اور اس کا مالک آگیا تو وہ اسے لے لے گا۔ اور اگر تم نے پکڑی اور مالک کے ہاتھ لگ گئی تب بھی وہ لے لے گا، یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے وہ بکری نہ پکڑی تو تمہارے بھائی کوئی اور تمہارا مسلمان بھائی اسے پکڑ لے گا اور اگر ان میں سے کوئی بھی صورت نہ ہوئی تو پھر بھی بھائی اس بکری کو پکڑ لے گا، گو یا اس ارشاد کا مقصد اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ اگر کوئی بکری بطور لفظ لے تو اسے پکڑ لینا اور مالک کے نہ آنے کی صورت میں اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے تاکہ وہ بکری لوں ہی ضائع نہ ہو اور بھیڑ وغیرہ اسے نہ کھالے۔ یہ حکم ہر اس جانور کے بارہ میں ہے جو اپنے نگہبان (یعنی چرانے والے) کی عدم موجودگی میں بھیڑیے کی گرفت میں جانے سے محفوظ نہ رہ سکتا ہو۔

”اونٹ کی مشک“ سے مراد اس کا پیٹ ہے یعنی اونٹ کا پیٹ مشک کی طرح ہوتا ہے جس میں اتنی رطوبت رہتی ہے جو اس کو بہت دنوں تک بغیر پانی کے رکھ سکتی ہے چنانچہ اونٹ کی روز تک پیاس کو برداشت کر لیتا ہے جب کہ دوسرے جانوروں میں یہ چیز نہیں ہوتی۔ اس بارہ میں مشہور ہے کہ اونٹ پندرہ روز تک اپنی پیاس برداشت کر لیتا ہے۔

”اونٹ کے موزے“ سے مراد اس کے مضبوط قوی تلوے ہیں کہ وہ راجھ چلے اور پانی گھاس تک پہنچے اور درندوں سے اپنے آپ کو بچانے کی خوب طاقت رکھتا ہے۔ گو یا اس ارشاد گرامی میں مشک اور موزے کے ذریعہ اونٹ کو اس سفر سے تشبیر دی گئی ہے جو اپنے ساتھ سامان سفر رکھتا ہے جس کی موجودگی میں اسے کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس معاملہ میں ہر وہ جانور اونٹ کے حکم میں ہے جو اپنے نگہبان (یعنی چرانے والے) کی عدم موجودگی میں (بھیڑیے وغیرہ کے چنگل میں پھنس کر) ضائع و ہلاک نہیں ہوتا جیسے گھوڑا، گائے اور گدھا وغیرہ، حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک نے اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ جنگل میں اونٹ اور گائے وغیرہ بطور لفظ نہیں پکڑے جاسکتے کیونکہ وہاں ان کے ضائع ہوجانے کا کوئی خدشہ نہیں ہوتا البتہ دیہات اور شہروں میں اگر یہ جانور ملیں تو انہیں بطور لفظ پکڑنا جائز ہے۔ خفیہ کے ہاں تمام جانوروں کا انقطاع اور تعریف (یعنی انہیں بطور لفظ پکڑنا اور اس کی تشبیر کرنا) لوگوں کے مال کی حفاظت کے پیش نظر ہر جگہ مستحب ہے خواہ جنگل ہو یا آبادی۔ حضرت زید کی اس روایت کے بارہ میں خفیہ یہ کہتے ہیں کہ اس میں مذکور حکم کہ اونٹ کو پکڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس زمانہ میں تھا جب کہ امانتدار اور خیر و بھلائی کے حامل لوگوں ہی کا غلبہ تھا جس کی وجہ سے اگر کسی جانور کوئی نہ پکڑتا تھا تو کسی خائن کا ہاتھ ان تک نہیں پہنچتا تھا لیکن اب اس زمانہ میں یہ بات مفقود ہے اور اہانت و دیانت کے حامل لوگ بہت ہی کم ہیں اس لئے مخلوق خدا کے مال کی حفاظت کا تقاضا یہی ہے کہ جو جانور جہاں مل جائے اسے بطور لفظ پکڑ لایا جائے اور اس کے مالک تک پہنچانے کی کوشش کی جائے۔

لفظ کو بغیر تشبیر اپنے پاس رکھنا خیانت ہے

(۲) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أُوِي ضَالَّةً فَهُوَ ضَالٌّ مَالَهُ يَنْعِقُهَا، وَرَسُولُ

”اور حضرت زید کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی کی (کوئی) گم شدہ چیز اٹھا کر رکھ لے تو وہ گمراہ ہے جب تک کہ وہ اس کی

تشریح نہ کرے۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص کسی کی کوئی گم شدہ چیز بطور لفظ اپنے پاس رکھے تو اسے چاہئے کہ وہ اس چیز کی تشریح و اعلان کرتا رہے بغیر تشریح اپنے پاس نہ رکھ چھوڑے کیونکہ یہ خیانت اور گمراہی ہے۔

حنفیہ کے ہاں زمین حل اور زمین حرم کا لفظ برابر ہے

③ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَثْمَانَ التَّيْمِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ لِقَظَةِ الْخَاجِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبدالرحمن ابن عثمان تیمی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مہاجرین کی گری چڑی چڑاٹھانے سے منع کیا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: گویا حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حرم مکہ کی حدود میں پائے جانے والے لفظ کا تشریح و اعلان کے بعد بھی مالک ہونا جائز نہیں ہے بلکہ اٹھانے والے کے لئے واجب ہے کہ وہ اسے اپنے پاس اس وقت تک جوں کا توں رہنے دے جب تک کہ اس کا دلک لینے نہ آئے خواہ کتنی ہی مدت گزر جائے چنانچہ امام شافعی کا یہی مسلک ہے لیکن حنفیہ کے مسلک میں زمین حل اور زمین حرم کا لفظ برابر ہے چنانچہ اس کا بیان ”باب حرم مکہ“ میں مکرر ہے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

دیران وغیر آباد زمین کے لفظ اور برآمد ہونے والے وفینہ کا حکم

④ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ سَبَّلَ عَنِ الشَّيْءِ الْمَعْلُوقِ قَدْرَ مَنْ أَصَابَ مِنْهُ مِنْ ذِي حَاجَةٍ غَيْرِ مُتَّحِدٍ خَبْثَةً فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ وَمَنْ خَرَجَ بِشَيْءٍ مِنْهُ فَعَلَيْهِ غَرَامَةٌ مِثْلُهُ وَالْعُقُوبَةُ وَمَنْ سَرَقَ مِنْهُ شَيْئًا بَعْدَ أَنْ يَتَوَيَّعَ الْخَبْرَيْنِ قَبْلَهُ ثَمَّنَ الْبَيْعِ فَقَطْعَةُ الْفَقْلِ وَذَكَرَ فِي ضَلَالَةِ الْإِبِلِ وَالْعِجَمِ كَمَا ذَكَرَ غَيْرُهُ قَالَ وَسَبَّلَ عَنِ اللَّفْظَةِ فَقَالَ مَا كَانَ مِنْهَا فِي الطَّرِيقِ الْمَيْتَاءِ وَالْقَرْيَةِ الْحَاجِمَةِ فَغَرَفَهَا سِتَّةً فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا فَأَدْفَعَهَا إِلَيْهِ وَإِنْ لَمْ يَأْتِ فَهُوَ لَكَ وَمَا كَانَ فِي الْخَرَابِ الْعَادِي فَقَبْلَهُ وَفِي الزُّكَاةِ الْخُمْسُ - زَوَادَةُ السَّائِي وَزَوَى أَنْوَادُ عَنْهُ مِنْ قَوْلِهِ وَسَبَّلَ عَنِ اللَّفْظَةِ إِلَى آخِرِهِ۔

”حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد (حضرت شعیب) سے اور شعیب اپنے دادا (یعنی حضرت عبداللہ ابن عمرو) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے (درختوں پر) لٹکے ہوئے پھلوں کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی ضرورت مند کچھ پھل (توڑ کر) کھا لے مگر اپنی جھولی میں بھر کر نہ لے جائے تو اس پر کچھ گناہ نہیں اور جو شخص کھا لے بھی اور جھولی بھر کر لے بھی جائے تو اس پر دو گنا تاواں ہے اور سزا ہے اور جو شخص ان پھلوں میں سے کچھ چرائے جو کھلیان میں رکھے جا چکے ہوں اور وہ چرائی ہوئی مقدار ایک سیر (وزن) کی قیمت کے بقدر ہو تو اس کے لئے ہاتھ کاٹنے کی سزا ہے۔ راوی نے گمشدہ اونٹ اور برکی کے بارہ میں اس سوال و جواب کا ذکر کیا جو دوسرے راویوں نے بیان کیا ہے (اور جو پہلے مکرر ہے) اس کے بعد راوی کہتے ہیں کہ پھر آنحضرت ﷺ سے لفظ کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”جو لفظ کسی ایسے راستہ پر پایا جائے جس پر آمد و رفت نہ رہی ہو اور گاؤں و آبادی کے قریب ہو تو اس کے بارہ میں ایک سال تک تشریح و اعلان کرو اور پھر جب مالک آجائے تو وہ لفظ اس کے سپرد کرو اور اگر مالک نہ آئے تو وہ لفظ تمہارا ہے (کہ تم اسے اپنے کام میں لا سکتے ہو) اور وہ لفظ جو دیرات قدیم میں پایا جائے اس کا اور زمین سے برآمد ہونے والے دینے کا یہ حکم ہے کہ اس کا پانچواں حصہ خدا کی راہ میں دے دیا جائے (سائے) اور ابو داؤد نے اس روایت کو عمرو ابن شعیب سے و سئل عن اللفظة تک نقل کیا ہے۔“

تشریح: ضرورت مند سے مراد یا تو مطلقاً فقیر و مفلس ہے کہ اگرچہ وہ حالت افطرار میں نہ ہو اور یا اس سے مضطر یعنی وہ شخص مراد ہے جو بھوک کی وجہ سے مرا جا رہا ہو۔ گویا اس کا حاصل یہ ہے کہ ضرورت مند و رخت سے بقدر ضرورت پھل توڑ کر کھالے مگر اپنی جھولی میں بھر کر نہ لے جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ ابن مالک کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص گناہ گار تو نہیں ہوتا۔ لیکن اس پر تاوان یعنی اسنے پھل کی قیمت دینا واجب ہوتا ہے یا پھر یہ کہ اس حکم کا تعلق اسلام کے ابتدائی زمانہ سے تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ "اور اس پر دو گنا تاوان ہے۔" کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص پھل توڑ کر کھائے بھی اور اپنی جھولی میں بھر کر لے بھی جائے تو اس سے اس پھل کی دو گنی قیمت وصول کی جائے گی لیکن ابن مالک فرماتے ہیں کہ حکم بطریق خمیرہ ہے ورنہ مسئلہ یہ ہے کہ اس پھل کی دو گنی قیمت دینا واجب نہیں ہوتا بلکہ صرف اصل قیمت لی جاسکتی ہے۔ اگرچہ حضرت امام احمد کا مسلک بھی یہی ہے۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ حکم اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ "اور سزا ہے" میں "سزا" سے مراد "تقدیر" ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ ہاں بطور تحریر کوئی سزا دی جاسکتی ہے اور یہ اس لئے ہے کہ اس زمانہ میں باغات محفوظ اور گھرے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔ جو کھلیان میں رکھے ہوئے اناج و پھل اگر اتنی مقدار میں چرائے جو ایک سیر کی قیمت کے بقدر ہو تو شرعی قانون کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس وقت ایک سیر کی قیمت تین یا چار درہم ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک چوری کے مال کی وہ مقدار کہ جس پر ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جاتی ہے چار درہم یا اس سے زیادہ مالیت کی ہے۔ لیکن حنفیہ کے مسلک میں ابتدائی دس درہم ہے۔ چنانچہ شافعیؒ نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں سیر کی قیمت دس درہم ہوتی تھی۔

اور جو لقطہ کسی ایسے راستہ پر پایا جائے جو آبادی کے قریب ہونے کی وجہ سے گزرگاہ عام و خاص ہو تو اس کی تشہیر و اعلان واجب ہے کیونکہ اس بات کا غالب گمان ہو سکتا ہے کہ وہ کسی مسلمان کا ہو۔ اور جو لقطہ کسی ویرانہ قدیم یعنی کسی ایسے ویران گاؤں یا قدیم و غیر آباد زمین پر پایا جائے جہاں مسلمانوں کی عمارت نہ ہوں اور نہ وہ کسی مسلمان کی ملکیت میں ہوں تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں سے پانچواں حصہ نکال کر اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات کر دیا جائے۔ اور بغیر اپنے استعمال میں لے آیا جائے خواہ وہ لقطہ سونے چاندی کی صورت میں ہو یا ان کے علاوہ کسی اور سامان و زیورات کی شکل میں ہو، اسی طرح کسی ویرانہ قدیم سے اگر کوئی دھینڈو وغیرہ برآمد ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

لقطہ استعمال میں آجانے کے بعد اس کا مالک طلب کرے تو اس کا بدل دینا چاہئے

⑤ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَجَدَ دِينَارًا فَانْفَضَّ بِهِ فَاطْمَعَةً فَمَسَّ أَنْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا رِزْقُ اللَّهِ فَارْزُقْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَكْلَ عَلَيْهِ وَفَاطْمَعَةً فَلَمَّا كَانَ بَعْدَ ذَلِكَ أَتَتْ امْرَأَةً تَنْشُبُ الدِّينَارَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ أَقْبِلْ الدِّينَارَ۔

(رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے (کئی راستہ میں بطور لقطہ) ایک دینار پایا حضرت علیؓ اسے حضرت فاطمہؓ کے پاس لائے اور پھر جب حضرت علیؓ نے اس کے بارہ میں رسول کریم ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "یہ اللہ کا دیا ہوا رزق ہے" پھر اس دینار سے خریدی ہوئی چیزیں کو آنحضرت ﷺ نے بھی کھایا اور حضرت علیؓ و حضرت فاطمہؓ نے بھی کھیا اس کے بعد جب ایک عورت اپنا دینار دھونڈتی ہوئی آئی تو آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ "علی! اس عورت کو دینار دے دو۔"

(ابوداؤد)

تشریح: روایت کے مفہوم سے یہ بالکل ظاہر نہیں ہوتا کہ حضرت علیؓ نے تشہیر و اعلان کے بغیر اس دینار کو صرف کیا بلکہ احتمال یہی ہے

کہ پہلے انہوں نے اس کی تشہیر کی پھر بعد میں اسے خرچ کیا۔ آنحضرت ﷺ نے جو اس عورت کے محض کہنے پر اس کو دینا رد فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو اس عورت نے اس دینار کی علامت بیان کی ہوگی یا آنحضرت ﷺ کو کسی اور ذریعہ سے علم ہو گیا ہو گا کہ وہ دینار اسی عورت کا تھا۔

لقطہ بری نیت سے نہ اٹھاؤ

⑥ وَعَنْ الْمَجَازِ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَالَّةً لِمُسْلِمٍ خِزْفِي الثَّانِي - (رواہ الدارمی)

”اور حضرت مجازؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”مسلمان کی گم شدہ چیز (دوزخ کی) آگ کا ایک شعلہ ہے۔“ (دارمی تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی لقطہ کو اس مدیجہ کے ساتھ اٹھائے کہ میں اس کا مالک ہو جاؤں گا۔ نیز وہ ان احکام کو پورا نہ کرے۔ جو لقطہ کے سلسلہ میں اقسام تشہیر وغیرہ شریعت نے نافذ کئے ہیں تو وہ لقطہ اس شخص کو دوزخ کی آگ کے حوالہ کر دے گا۔

جب لقطہ اٹھاؤ تو کسی کو گواہ بناؤ

⑦ وَعَنْ عِيَّاضِ بْنِ جَمَادٍ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ وَجَدَ لِقْطَةً فَأَتَى شَهِدًا ذَا عُدْلٍ أَوْ ذُو عِيٍّ غَدِلٍ وَلَا يَنْتَفِعُ فَإِنَّ وَجَدَ صَاحِبَهَا فَلْيُرْ دَهَا عَلَيْهِ وَالْأَقْفَرُ مَالُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ - (رواہ احمد والبخاری والدارمی)

”اور حضرت عیاض ابن جمادؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص کسی جگہ کوئی گری پڑی چیز پائے تو چاہئے کہ وہ کسی عادل شخص کو یہاں لے کر دے۔ دو عادل شخصوں کو گواہ بنائے اور (اس کی تشہیر و اعلان نہ کرے) اس لقطہ کو چھپائے نہیں اور نہ اسے (کسی دوسری جگہ بھیج کر) غائب کر دے۔ پھر اگر مالک آجائے تو وہ لقطہ اس کے حوالہ کر دے اور اگر مالک نہ آجائے تو پھر وہ اللہ کا دیوا مال ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے غیب سے مال دیتا ہے۔“ (احمد، ابوداؤد، دارمی)

تشریح: جب کوئی شخص لقطہ اٹھائے تو وہ اس وقت کسی کو اس بات پر گواہ بنائے کہ مجھے یہ چیز بطور لقطہ ملی ہے تاکہ کوئی دوسرا شخص (مثلاً مالک) نہ تو اس پر چوری وغیرہ کی تہمت لگا سکے اور نہ کسی بیشی کا دعویٰ کر سکے گواہ بنا لینے میں ایک مصلحت و فائدہ یہ بھی ہے کہ اس صورت میں اس کا نفس، حرص و طمع میں مبتلا نہیں ہو گا کیونکہ بغیر گواہ کے یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ نفس بدبختی میں مبتلا ہو جائے اور یہ سوچ کر کہ جب کوئی گواہ نہیں ہے تو یہ چیز مالک کو دینے کی بجائے خود کیوں نہ رکھ لوں جب کہ گواہ بنا لینے سے نہ صرف یہ کہ طمع نہیں ہوتی بلکہ وہ لقطہ مالک کے حوالہ کرنا یوں بھی ضروری ہو جاتا ہے پھر اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اٹھانے والے کی ناگہانی موت کے بعد اس کے ورثاء اس لقطہ کو اپنی میراث اور ترکہ میں داخل نہیں کر سکتے۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ گواہ بنا لینے کا یہ حکم بطریق استحباب ہے جب کہ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم بطریق وجوب ہے۔ اس حدیث میں تو یہ فرمایا گیا ہے کہ ”وہ اللہ کا دیا ہوا مال ہے“ جب کہ اوپر کی حدیث میں اسے ”اللہ کا دیا ہوا رزق ہے“ کہا گیا ہے ہذا ان دونوں سے مراد ”حلال“ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مالک کے نہ آنے کی صورت میں وہ لقطہ ایک ایسا حلال مال ہے جس سے وہ شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے جسے خدا نے غیب سے دیا ہے۔ ہاں اگر بعد میں مالک آجائے تو پھر اس کا بدل دینا ہو گا۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا۔

لقطہ کی وہ مقدار جس میں تشہیر و اعلان کی ضرورت نہیں

⑧ وَعَنْ جَابِرٍ فَإِنَّ رَحْضَ لَنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْغَصَا وَالسُّوْطِ وَالْحَبْلِ وَأَشْبَاهِهِ يَنْتَفِعُ - (رواہ ابوداؤد)

لَرْحُلٍ يَنْتَفِعُ بِهِ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں، لاشی کوڑے ری اور اسی کی مانند ان چیزوں کے بارہ میں (کہ جو عام طور پر کم تر سمجھی جاتی ہیں) ایہ اجازت دی تھی کہ جو شخص چاہے اٹھالے اور اسے اپنے کام میں لے آئے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: یعنی اگر لفظ ان میں سے کسی چیز کا ہو تو اسے اٹھانے والا جب کہ وہ خود مالدار نہ ہو بغیر تشہید و اعلان اس کو اپنے استعمال میں لے آئے۔

شرح السنہ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر لفظ کسی کتہرہ کی صورت میں ہو تو اس کی تشہید نہ کی جائے لیکن اس قول پر تنقید کی گئی ہے۔ رہا یہ سوال کہ ”کتہرہ“ کی حد کیا ہے تو بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ لفظ دس درہم سے کم مالیت کا ہو وہ کتہرہ مال ہے اور دس گھنٹہ کہتے ہیں کہ جو لفظ ایک دینار یا ایک دینار سے کم مالیت کا ہو وہ ”کتہرہ“ ہے جیسا کہ حضرت علیؓ کے بارہ میں منقول حدیث سے معلوم ہوا۔

وَذَكَرَ حَدِيثُ الْمُفَضَّلِ بْنِ مُعَذِّبٍ كَرِهَ ابْنُ الْأَثَبِ جُلَّ فِي بَابِ الْأَعْتَصَامِ
اور حضرت مقدم ابن معدی کرب کی روایت ابْنُ الْأَثَبِ جُلَّ الخ باب الاعتصام بالكتاب والسنة میں نقل کی جا چکی ہے۔

بَابُ الْفَرَائِضِ فَرَائِضُ كَابِيَانِ

”فرائض“ جمع ہے ”فرضہ“ کی جو ”فرض“ سے مشتق ہے۔ فرائض میراث کے ان حصوں کو کہتے ہیں جو قرآن یا حدیث میں متعین و مقرر ہیں۔ گویا اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ جو شخص مر جائے اس کے کون کون عزیز و اقارب اس کے وارث ہوں گے اور اس کا چھوڑا ہوا مال و اسباب اور ثناء میں کس طرح تقسیم ہوگا۔ یہ باب چونکہ ایک بڑے اہم موضوع سے متعلق ہے اس لئے مناسب ہے کہ ابتدائی طور پر چند اصولی باتیں اور کچھ ضروری مسائل کی کتابکی انداز میں نقل کر دیے جائیں۔

ورثاء کی ترتیب

علماء کہتے ہیں کہ میت کے ترکہ (یعنی اس کے چھوڑے ہوئے مال و اسباب) کے ساتھ چار حق متعلق ہوتے ہیں جس کی ترتیب یہ ہے کہ ① پہلے تو میت کی تجہیز و تکفین کی جائے یعنی اسے غسل دیا جائے، پھر کفن دیا جائے، اس کے بعد اس کی نماز جنازہ پڑھا کر قبرستان لے جایا جائے اور پھر قبر میں دفن کیا جائے، ان چیزوں میں جو کچھ خرچ کرنے کی ضرورت ہو وہ اس کے ترکہ میں سے اس طرح خرچ کیا جائے کہ نہ تنگی کی جائے اور نہ اسراف کیا جائے۔

① اس کے بعد اگر میت کے ذمہ کوئی قرض و مطالبہ ہو تو اس کی ادائیگی کی جائے۔ پھر قرض و مطالبہ کی ادائیگی کے بعد۔

② جہاں مال و اسباب بچے اس میں سے تہائی حصہ میں وصیت جاری کی جائے بشرطیکہ اس نے وصیت کی ہو ان تین مرحلوں کے بعد۔

③ اس کا بقیہ تمام مال و اسباب اس کے وارثوں کے درمیان تقسیم کیا جائے جس کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے جائیں اور ان کو دینے کے بعد جو کچھ بچے وہ میت کے مصیبت نسبی کو دے دیا جائے کیونکہ ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچتا ہے وہ مصیبت نسبی کا حق ہوتا ہے اور اگر میت کے وارثوں میں ذوی الفروض موجود نہیں ہوتے تو پھر اس کا تمام ترکہ مصیبت نسبی کو ملتا ہے اور اگر اس کے وارثوں میں مصیبت نسبی نہیں ہوتے تو ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچتا ہے وہ آزاد کرنے والے کو ملتا ہے بشرطیکہ میت غلام رہا ہو اور اس کو آزاد کیا گیا ہو اور اگر آزاد کرنے والا موجود نہ ہو تو پھر اس کو آزاد کرنے والے کے مرد مصیبت کو دیا جاتا

ہے اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو بھی وہ بچا ہوا ترکہ ذوی الفروض کی طرف لوٹ جائے گا علاوہ زوجین کے کیونکہ اس دوبارہ تقسیم میں ذوی الفروض میں سے زوجین کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

اور اگر میت کے ورثاء میں نہ تو ذوی الفروض میں سے کوئی ہو اور نہ عصبائ نسبیہ سببی ہوں تو اس کا ترکہ ذوی الارحام کو دیا جائے اور اگر ذوی الارحام بھی نہ ہوں تو مولیٰ مولات کو دیا جائے اور اگر کوئی مولا مولات بھی نہ ہو تو پھر وہ تمام ترکہ اس غیر شخص کو ملے گا جس کے نسب کا میت نے اقرار کیا ہو مثلاً اس نے زید کے بارہ میں کہا ہو کہ یہ میرے باپ کا بیٹا ہے حالانکہ زید کا یہ نسب (یعنی اس میت کے باپ کا بیٹا ہونا) اس اقرار کے علاوہ اور کسی صورت میں ثابت نہ ہو لیکن پھر بھی وہ میت کے ترکہ کا حقدار قرار پائے گا۔ اور اگر ایسا بھی کوئی شخص نہ ہو تو پھر وہ ترکہ اس شخص کو دیا جائے گا۔ جس کے لئے میت نے اپنے تمام مال کی وصیت کی ہو اور اگر ایسا بھی کوئی شخص نہ ہو جس کے لئے میت نے اپنے تمام مال و اسباب کی وصیت کی ہو تو پھر اس کا سارا مال و اسباب بیت المال میں رکھا جائے گا۔ اور اگر میت المال بھی نہ ہو تو پھر آخر میں بیت المال کے مصرف میں صرف کیا جائے یعنی مدارس و مساجد یا فقراء و مساکین وغیرہ کو دے دیا جائے۔

ذوی الفروض کی تفصیل

ذوی الفروض بارہ ہیں۔ ① باپ۔ ② دادا خواہ اوپر کے درجہ کے ہوں جیسے پردادا اور سکترو دادا وغیرہ۔ ③ اخیانی بھائی (اخینیان) ان بھائیوں کو کہتے ہیں جن کے باپ الگ الگ ہوں اور ماں ایک ہو۔ ④ بیوی۔ ⑤ خاوند۔ ⑥ ماں۔ ⑦ جدہ (یعنی دادی یا نانی خواہ اوپر کے درجہ کی ہوں جیسے پردادی اور سکترو دادی یا پردانی اور سکتروانی۔ ⑧ بیٹی۔ ⑨ پوتی۔ ⑩ حقیقی بہن۔ ⑪ سوتیلی بہن۔ اور ⑫ اخیانی بہن۔

ذوی الفروض کے حصے

میت کے ترکہ میں باپ کا چھٹا حصہ ہوتا ہے جب کہ میت کا بیٹا یا پوتا اور یا پڑپوتا بھی موجود ہو، اور اگر یہ نہ ہوں بلکہ بیٹی یا پوتی اور یا پڑپوتی موجود ہو تو باپ کو چھٹا حصہ بھی ملے گا اور وہ عصبہ بھی ہو گا اور اگر نہ تو بیٹا یا پوتا اور پڑپوتا ہو اور نہ بیٹی یا پوتی اور یا پڑپوتی ہو تو باپ صرف عصبہ ہو گا۔ حاصل یہ ہے کہ پہلی صورت میں تو باپ صرف صاحب فرض ہوتا ہے اور دوسری صورت میں صاحب فرض بھی ہوتا ہے اور عصبہ بھی اور تیسری صورت میں صرف عصبہ ہوتا ہے۔ اگر میت کا باپ موجود نہ ہو تو نہ کورہ بالائینوں صورتوں میں اس کا دادا باپ کی مانند ہو گا، اور اگر میت کے باپ اور دادا دونوں زندہ ہوں تو پھر دادا محروم ہو گا یعنی اسے میت کے ترکہ میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ اخیانی بھائی اور اخیانی بہن کو میراث کا چھٹا حصہ ملے گا بشرطیکہ وہ ایک ہو، اور اگر وہ دو یا دو سے زائد ہوں تو ان کے لئے تہائی حصہ ہے جو مرد و عورت پر برابر تقسیم ہو گا، اور اگر میت کا باپ یا دادا زندہ ہو یا اس کا بیٹا یا بیٹی کی اولاد موجود ہو تو پھر اخیانی بھائی بہن محروم ہوں گے۔

اگر بیوی مر جائے اور اس کا بیٹا بیٹی نہ ہو اور بیٹے کی اولاد بھی نہ ہو تو اس کے ترکہ میں سے شوہر کو نصف حصہ ملے گا اور اگر بیٹی بیٹی یا بیٹے کی اولاد موجود ہو تو شوہر کو چھٹا حصہ ملے گا۔

اگر خاوند مر جائے اور نہ تو اس کے بیٹے بیٹی ہوں اور نہ بیٹے کی اولاد ہو تو اس کے ترکہ میں سے بیوی کو چوتھا حصہ ملے گا اور اگر میت کے بیٹے بیٹی یا بیٹے کی اولاد موجود ہو تو بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا، یہ بات ملحوظ رہے کہ اگر میت کی ایک ہی بیوی ہو تو اس کو بھی وہی حصہ ملے گا جو ذکر کیا گیا ہو اور اگر ایک سے زائد یعنی دو یا تین اور چار بیویاں ہوں تب بھی بیٹی حصہ ملے گا فرق صرف اتنا ہے کہ اگر ایک بیوی ہوگی تو نہ کورہ بالا حصہ کی وہ تہا حق دار ہوگی اور ایک سے زائد بیویاں ہوں گی تو وہ اس حصہ کو باہم برابر تقسیم کر لیں گی۔

میت کے ترکہ میں سے ماں کو چھٹا حصہ ملے گا بشرطیکہ میت کے بیٹے بیٹی یا پوتا یا اس کی اولاد یا ایک بہن یا دو بھائی اور دو بہن یا دو سے

زائد بھائی اور بہن (خواہ حقیقی بھائی بہن ہوں یا سوتیلی اور اختیائی ہوں) موجود ہوں۔ اگر ان میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو گا تو اس کو کل ترکہ میں سے تنہائی حصہ ملے گا۔ اور اگر ماں کے ساتھ باپ اور خاندان یا بیوی بھی ہو تو اس صورت میں باپ اور خاندان یا بیوی کا حصہ دے کر جو باقی بچے گا اس میں سے ماں کو تنہائی حصہ ملے گا اور اگر نہ کورہ بالا صورت میں بیوی یا خاندان کے ساتھ باپ کے بچے کے دادا موجود ہو تو پھر ماں کو تمام ترکہ کا تنہائی حصہ ملے گا کیونکہ اس صورت میں دادا، باپ کا قائم مقام نہیں ہوتا۔

دادی اور نانی کا چھ حصہ ہوتا ہے خواہ وہ ایک ہوں یا کئی ہوں جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر صرف ایک دادی یا صرف ایک نانی ہوگی تو وہ میت کے ترکہ کے چھ حصہ کی تہا حق دار ہوگی اور اگر ایک سے زائد ہوں گی مثلاً ایک دادی اور ایک نانی ہو یا دو دادی یا دو نانی ہوں تب وہ سب ۶ حصے حصہ کو باہم برابر تقسیم کر لیں گی بشرطیکہ وہ سب درجہ میں برابر ہوں اور اگر درجہ میں برابر نہ ہوں بلکہ درجہ میں متفاوت ہوں (جیسے ایک دادی ہو اور ایک پڑدادی ہو یا ایک نانی ہو اور ایک پڑنانی ہو) تو دور کے درجہ والی (یعنی پڑنانی یا پڑدادی) کے سامنے محروم ہوگی، اسی طرح ماں کی موجودگی میں تمام ہی جدات (یعنی دادی و نانی وغیرہ) محروم ہوتی ہیں، نیز دادا کی موجودگی میں باپ کی دادیاں محروم ہوتی ہیں لیکن دادا کی بیوی یعنی باپ کی ماں محروم نہیں ہوتی۔

میت کی بیٹی میراث سے کبھی محروم نہیں ہوتی اگر اس کا بھائی یعنی میت کا بیٹا موجود ہو تب وہ عصبہ بن جاتی ہے ورنہ ذیلی الفروض رہتی ہے، چنانچہ بیٹی کے میراث پانے کی دو تین صورتیں ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ اگر صرف ایک بیٹی ہو اور اس کے ساتھ اس کا کوئی حقیقی یا سوتیل بھائی نہ ہو تو میت کے ترکہ میں سے اس کو نصف حصہ ملتا ہے (اور اگر کوئی دوسرا وارث بھی نہ ہو تو باقی نصف حصہ بھی اسی کو مل جاتا ہے) دوم یہ کہ اگر دو بیٹیاں ہوں یا دو سے زائد ہوں اور ان کے ساتھ ان کا کوئی حقیقی یا سوتیل بھائی نہ ہو تو ان بیٹیوں کو ترکہ میں سے دو تنہائی ملے گا جسے وہ سب آپس میں برابر تقسیم کر لیں گی۔ سوم یہ کہ اگر بیٹیوں کے ساتھ میت کا بیٹا موجود ہو تو اس صورت میں بیٹی کا کوئی حصہ مقرر نہیں بلکہ وہ عصبہ بن جاتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میت کے ترکہ میں سے جس قدر بچے کو ملے گا اس کا آدھا برابر ایک بیٹی کو ملے گا خواہ ایک بیٹی ہو یا دو چار بیٹیاں ہوں، چنانچہ اگر کسی میت کے متعدد بیٹے اور متعدد بیٹیاں ہوں تو ان میں ترکہ کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ ہر بیٹے کو دو حصے اور بیٹی کو ایک حصہ دیا جائے گا۔

اگر میت کے بیٹی بیٹا یا پوتا موجود نہ ہو صرف ایک پوتی ہو تو اس کو ترکہ میں سے نصف ملے گا اور اگر دو یا دو سے زیادہ پوتیاں ہوں تو ان کو کل ترکہ میں سے دو تنہائی دیا جائے گا جسے وہ سب آپس میں برابر تقسیم کر لیں گی، اگر میت کے بیٹا، پوتا یا پڑپوتا موجود نہ ہو بلکہ صرف ایک بیٹی ہو تو پوتی کو چھ حصہ ملے گا خواہ ایک پوتی ہو یا متعدد پوتیاں ہوں، اور اگر میت کے دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں موجود ہوں گی تو اس صورت میں پوتی بالکل محروم رہے گی ہاں اگر پوتی کے ساتھ میت کا پوتا بھی موجود ہو (خواہ وہ بچے ہی کے درجہ کا کیوں نہ ہو) یعنی پوتا اور خواہ یہ پوتا اس پڑپوتی کا حقیقی بھائی ہو یا سوتیل بھائی ہو اور یا پڑداد بھائی ہو تو پھر چاہے میت کی ایک ہی بیٹی ہو یا متعدد بیٹیاں ہوں وہ پوتی عصبہ ہو جائے گی۔ جس کا مطلب یہ ہو گا کہ ذیلی الفروض کے حصے دینے کے بعد جو کچھ بچے کا یہ پوتی اور پوتا آپس میں بطور عصبہ تقسیم کر سکیں گے یعنی پوتے کو دو حصے اور پوتی کو ایک حصہ ملے گا، لیکن یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اگر میت کا بیٹا موجود ہو گا تو پھر یہ پوتی ہر حال میں بالکل محروم رہے گی۔ نیز اگر نہ تو میت کی اولاد موجود ہو اور نہ میت کے بیٹے کی اولاد موجود ہو تو نہ کورہ بالا تمام صورتوں میں میت کی پوتی اس کی پوتی کے قائم مقام ہوگی اور اگر بیٹی موجود ہے تو بیٹی کی اولاد محروم رہے گی اور اگر پوتی موجود ہے تو پوتی کی اولاد محروم قرار پائے گی۔

اگر میت کی اولاد موجود ہو یا اس کے بیٹے کی اولاد موجود ہو (خواہ وہ بچے ہی کے درجہ کی کیوں نہ ہو) تو اختیائی بہن بھائی محروم قرار پاتے ہیں اسی طرح اگر میت کا باپ یا دادا موجود ہو تو اختیائی بہن بھائی محروم ہوتے ہیں۔

اگر میت کے کوئی بیٹا بیٹی یا پوتا پوتی اور یا پڑپوتا پڑپوتی موجود نہ ہو بلکہ صرف ایک حقیقی بہن ہو تو وہ ہر حال میں بیٹی کے قائم مقام ہوگی یعنی

اگر ایک بہن ہوگی تو اسے میت کے کل ترکہ میں سے نصف ملے گا اور اگر دو یا دو سے زائد بہنیں ہوں گی تو انہیں کل ترکہ میں سے دو تہائی ملے گا جسے وہ آپس میں برابر تقسیم کر لیں گی۔ مذکورہ بالا صورت میں سوتیلی بہن کا بھی یہی حکم ہے بشرطیکہ حقیقی بہن موجود نہ ہو۔

اگر میت کی بیٹی یا پوتی یا پڑپوتی اور سکر پوتی موجود ہو (خواہ ایک ہو یا زیادہ ہوں) تو اس صورت میں حقیقی بہن (اور اگر حقیقی بہن نہ ہو تو سوتیلی بہن) عصبہ ہو جاتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میت کے ترکہ میں سے ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ اس بہن کو مل جائے گا۔

اگر میت کے حقیقی بھائی (ایک یا زیادہ) موجود ہو تو حقیقی بہن اسکے ساتھ مل کر عصبہ بن جائے گی اور اگر بھائی حقیقی نہ ہو بلکہ سوتیلہ ہو تو حقیقی بہن اس سوتیلی بھائی کی موجودگی میں ذوی الفروض میں شامل ہو جائے گی۔

اگر میت کے ایک حقیقی بھائی ہو اور اس کے ساتھ ہی سوتیلی بھائی بہن بھی ہوں تو اس حقیقی بھائی کی موجودگی میں وہ سوتیلی بھائی بہن محروم ہوں گے۔

اگر میت کی ایک حقیقی بہن موجود ہو تو اس کی موجودگی میں سوتیلی بہن کو چھٹا حصہ ملے گا خواہ وہ ایک ہو یا ایک سے زائد ہوں اور اگر حقیقی بہنیں ایک سے زائد ہوں تو پھر سوتیلی بہن سا قضا ہو جائے گی اسے کچھ نہیں ملے گا ہاں اگر سوتیلی بہن کے ساتھ سوتیلہ بھائی ہو تو پھر یہ سوتیلی بہن محروم نہیں ہوگی بلکہ خواہ ایک حقیقی بہن ہو ایک سے زائد ہوں اور خواہ ایک بھی نہ ہو ہر صورت میں سوتیلی بہن سوتیلی بھائی کے ساتھ عصبہ ہو جائے گی جس کا مطلب یہ ہوگا کہ ذوی الفروض کو دینے کے بعد میت کے ترکہ میں سے جو کچھ بھی بچے گا وہ سب ان سوتیلی بہن بھائی کے درمیان بطور حصص تقسیم ہو جائے گا۔ اور اگر میت کی حقیقی بہن، میت کی بیٹی یا پوتی یا پڑپوتی اور یا سکر پوتی کے ساتھ عصبہ ہو جائے گی تو اس صورت میں سوتیلہ بھائی اور سوتیلی بہن بالکل محروم رہیں گے۔

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ اگر میت کے بیٹا یا پوتا یا پڑپوتا اور یا سکر پوتا موجود ہو گا تو میت کا حقیقی بھائی، حقیقی بہن اور سوتیلی بھائی بہن محروم رہیں گے اسی طرح میت کے باپ یا دادا کی موجودگی میں بھی میت کے حقیقی اور سوتیلی بہن بھائی محروم رہیں گے۔

عصبات کی تفصیل

میت کے ترکہ میں سے ذوی الفروض کے حصے دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ عصبات میں تقسیم ہوگا۔ گویا ذوی الفروض پہلے درجہ کے وارث ہیں اور عصبات دوسرے درجہ کے وارث ہیں۔ چنانچہ عصبات کے بھی چار درجے ہیں۔ اول بیٹا، پوتا، پڑپوتا، سکر پوتا (یا اس کے بیٹے کے درجہ کے) دوم باپ، دادا، پڑدادا، (یا اس کے اوپر کے درجہ کے) سوم۔ حقیقی اور سوتیلی بھائی اور ان کے لڑکے (اگرچہ بیٹے کے درجہ کے ہوں) چہارم میت کے چچا میت کے باپ کے چچا، میت کے دادا کے چچا اور ان چچاؤں کے بیٹے، پوتے، پڑپوتے اور سکر پوتے۔

اب ان چاروں درجوں کی ترتیب یہ ہوگی، ان چاروں درجوں میں مقدم بننے ہیں پھر پوتے پھر پڑپوتے پھر سکر پوتے، پھر باپ پھر دادا پھر پڑدادا پھر سکر دادا، پھر بھائی پھر بہن پھر بیٹے (اگرچہ بیٹے کے درجہ کے ہوں) پھر چچا پھر چچا کی اولاد۔ لہذا جب ان چاروں درجوں میں سے پہلے درجہ کا کوئی عصبہ موجود ہو گا تو باقی تینوں درجوں کے عصبات بالکل محروم قرار پائیں گے۔ اسی طرح اگر پہلے درجہ کا کوئی عصبہ یعنی بیٹا یا پوتا یا پڑپوتا اور یا سکر پوتا موجود نہ ہو گا اور دوسرے درجہ میں کا کوئی عصبہ موجود ہو گا تو باقی دو درجوں کے عصبات بالکل محروم ہو جائیں گے اور اگر نہ تو پہلے درجہ کے عصبات میں سے کوئی موجود ہو اور نہ دوسرے درجہ کے عصبات میں سے بلکہ تیسرے درجہ کے عصبات میں سے کوئی موجود ہو تو پھر چوتھے درجہ کے عصبات بالکل محروم رہیں گے۔ ایسے ہی ان چاروں درجوں میں سے ہر درجہ میں قریب کا عصبہ بعید کے عصبہ پر مقدم ہو گا یعنی قریب کے عصبہ کی موجودگی میں بعید کے عصبہ کو کچھ نہیں ملے گا۔ مثلاً میت کے بیٹا بھی موجود ہو اور پوتا بھی موجود ہو اور یہ دونوں ہی درجہ اول کے عصبہ ہیں مگر اس صورت میں قریب کا عصبہ یعنی بیٹا مقدم ہوگا کہ اسے میت کا ترکہ ملے گا اور بعید کا عصبہ یعنی پوتا محروم ہو جائے گا، اسی طرح حقیقی عصبہ سوتیلی عصبہ پر مقدم ہوگا اور میت کے چچاؤں کے پوتے

میت کے باپ کے چچاؤں پر مقدم ہوں گے۔ اور میت کے باپ کے چچاؤں کے پوتے میت کے دادا کے چچاؤں پر مقدم ہوں گے۔

ذوی الارحام کی تفصیل

جیسا کہ پہلے بتایا گیا تھا کہ میت کے وارثوں میں سب سے پہلا درجہ ذوی الفروض کا ہے اور دوسرا درجہ عصباء کا ہے، اب یہ سمجھئے کہ اگر کسی میت کے وارثوں میں نہ تو ذوی الفروض ہوں اور نہ عصباء ہوں تو پھر اس کا ترکہ ذوی الارحام کو ملے گا، گویا ذوی الارحام کے وارثوں کا تیسرا درجہ ہے، چنانچہ جس طرح عصباء کے چار درجے ہیں اسی طرح ذوی الارحام کے بھی چار درجے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

اول۔ میت کی بیٹی، پوتی اور پردتی (خواہ اس سے بچے کے درجہ کی) اولاد یعنی میت کے نواسہ، نواسی، میت کے بیٹے کا نواسہ، نواسی، میت کے نواسے کا بیٹا، بیٹی کی نواسی کا بیٹا بیٹی اور میت کے پوتے کے نواسہ نواسی وغیرہ۔

دوم۔ دادا فاسدہ، دادی فاسدہ اور نانی فاسدہ (خواہ یہ سب اوپر کے درجہ کے ہوں) اس موقع پر یہ سمجھ لیجئے کہ دادا فاسدہ اس دادا کو کہتے ہیں جس کے اور میت کے درمیان عورت کا واسطہ ہو جیسے میت کا نانا اور میت کی دادی یا نانی کا باپ۔ اور دادی فاسدہ اور نانی فاسدہ اس دادی یا نانی کو کہتے ہیں جس کے اور میت کے درمیان عورت کا واسطہ ہو جیسے میت کی ماں اور دادی یا نانی کے باپ کی ماں۔ یہ سب ذوی الارحام ہیں جب کہ دادا صحیح اور دادی و نانی صحیحہ ذوی الفروض ہیں چنانچہ دادا صحیح اس دادا کو کہتے ہیں جس کے اور میت کے درمیان عورت کا واسطہ نہ ہو جیسے دادا اور پردتی یا اس سے اوپر کے درجہ کے) اور دادی و نانی صحیحہ اس دادی یا نانی کو کہتے ہیں جس کے اور میت کے درمیان دادا فاسدہ کا واسطہ نہ ہو جیسے دادی یا پردتی یا نانی (یا اس سے اوپر کے درجہ کی)۔

سوم۔ حقیقی بیٹوں کی اولاد، سوگنی بیٹوں کی اولاد، اختیائی بیٹوں کی اولاد، اختیائی بھائی کی اولاد حقیقی بھائی کی بیٹیاں اور سوگیلے بھائی کی بیٹیاں۔

چہرم۔ چھوٹیاں خواہ حقیقی ہوں یا سوگنی اور اختیائی ہوں۔ اختیائی چچا، ماموں اور خالائیں۔

ذوی الارحام کے یہ چار درجے ہیں اور عصباء کی طرح ان کی ترتیب بھی یہ ہے کہ اگر ان چاروں درجوں میں سے اول درجہ کے ذوی الارحام وارث موجود ہوں گے یا ان کی اولاد (خواہ وہ کتنے ہی بچے کے درجہ کی ہو) موجود ہوگی تو باقی تینوں درجوں کے ذوی الارحام محروم ہوں گے، اسی طرح درجہ دوم کے ذوی الارحام وراثہ کی موجودگی میں سوم اور چہارم درجہ کے اور تیسرے درجہ کے ذوی الارحام کی موجودگی میں چوتھے درجہ کے ذوی الارحام محروم ہوں گے، نیز عصباء کی طرح ذوی الارحام میں بھی اس کے ہر درجہ میں قریب کا ذی رحم بعید کے ذی رحم پر مقدم ہوگا۔

میراث پانے سے محروم کردینے والی چیزیں

اللہ تعالیٰ نے میت کا مال و اسباب اس کے موجودہ ورثاء کو متعینہ حصوں اور مقررہ ضابطوں کے تحت دینے کا جو حکم دیا ہے اس میں دراصل میت اور اس کے ورثاء کے درمیان ایک خاص علاقہ، تعلق اور رشتہ داری کو ملحوظ رکھا گیا ہے، چنانچہ اگر کوئی ایسی بات پیش آئے جس سے نہ صرف یہ کہ میت اور اس کے وارث کے درمیان کسی خاص علاقہ و تعلق کا اظہار نہ ہوتا ہو بلکہ وہ ایک قسم کی ہمدانی عینیت اور نفرت ثابت کرنے کا ذریعہ بن جائے تو وہ وارث میراث میت کا حق دار نہیں ہوگا اور اسے کوئی میراث نہیں ملے گی۔ لہذا ایسی چار چیزیں ہیں جو کسی شخص کو میراث پانے سے محروم کر دیتی ہیں، ان چار چیزوں کی تفصیل یہ ہے۔

① غلامی۔ نہ تو کسی غلام کا وارث کوئی آزاد شخص ہوتا ہے اور نہ خود غلام کسی آزاد شخص کا وارث بن سکتا ہے کیونکہ غلام شرعی طور پر کسی چیز کا ملک ہونے کی قابلیت ہی نہیں رکھتا اور نہ کوئی چیز اس کی ملکیت ہوتی ہے۔

۵ قتل۔ اگر کوئی بالغ وارث اپنے مورث کو قتل کر دے تو وہ وارث، میراث پانے سے بالکل محروم رہے گا، لیکن یہاں قتل سے مراد وہ قتل ہے جس کی وجہ سے قاتل پر قصاص یا کفارہ واجب ہوتا ہے، چنانچہ قتل کی پانچ قسمیں ہیں (جن کی تفصیل انشاء اللہ اپنے موقع پر آئے گی) ان میں سے چار قسمیں ایک ہیں کہ کسی میں قصاص واجب ہوتا ہے اور کسی میں کفارہ اور دیت۔ لہذا ان چاروں صورتوں میں خطی مسلک کے مطابق قاتل میراث سے محروم ہو جاتا ہے جب کہ وہ اپنے مورث کو ناحق قتل کرے، ہاں اگر وارث اپنے مورث کو ظلماً قتل نہ کرے بلکہ دفاع کرتے ہوئے مورث پر وار کرے اور مورث مارا جائے۔ مثلاً مورث ناحق اس وارث پر حملہ کرے اور پھر وہ وارث اپنے کو بچانے کے لئے مورث پر وار کرے اور اس کے وار کے نتیجہ میں مورث مارا جائے، یا مورث پر شرعاً کسی وجہ سے بطور سزا قتل واجب ہو (مثلاً قصاص کے طور پر) یا اس پر کوئی حد جاری کی جانی ضروری ہو اور بادشاہ یا قاضی کے حکم سے وارث نے اس مورث کو قتل کیا یا اس پر حد جاری کی اور وہ مر گیا تو اس صورت میں بھی وارث میراث سے محروم نہیں ہوگا۔

قتل کی پانچ قسموں میں ایک قسم ”قتل بالنسب“ ہے۔ قتل کی اس قسم پر نہ قصاص لازم آتا ہے اور نہ کفارہ بلکہ صرف دیت واجب ہوتی ہے چنانچہ اس قسم کے قتل میں بھی قاتل میراث سے محروم نہیں ہوتا۔ قتل بالنسب کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی زمین میں، لنگ کی اجازت کے بغیر پھر رکھ دے یا کنواں خود دے اور پھر سے ٹھوکر کھا کر یا کنویں میں گر کر کوئی شخص مر جائے تو اس شخص پر دیت واجب ہوتی ہے۔

اسی طرح خفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی نابالغ یا مجنون اپنے مورث کو قتل کر دے تو وہ میراث سے محروم نہیں ہوتا کیونکہ نابالغ اور مجنون کے اکثر افعال پر شرعی طور پر کوئی سزا واجب نہیں ہوتی۔

۳ اختلاف مذہب۔ دو مذہبوں کا اختلاف میراث سے محروم کر دیتا ہے، یعنی اگر وارث مسلمان ہے اور مورث غیر مسلم ہے (خواہ وہ ہندو ہو یا عیسائی اور یہودی وغیرہ) تو اس کی میراث مسلمان کو نہیں ملے گی، اسی طرح اگر وارث غیر مسلم ہے اور مورث مسلمان ہے تو اس کی میراث غیر مسلم کو نہیں ملے گی۔

۴ اختلاف دارین۔ یعنی ممالک و وطن کا اختلاف۔ میت اور وارث کے ملک و وطن کا مختلف ہونا میراث سے محروم کر دیتا ہے مثلاً ایک شخص دارالاسلام میں رہتا ہے اور ایک شخص دارالحرب میں تو دونوں ایک دوسرے کی میراث سے محروم رہیں گے۔ لیکن یہ حکم غیر مسلم کے لئے ہے۔ مسلمان مورث و وارث اگر اختلاف دارین بھی رکھتے ہوں گے تب بھی ایک دوسرے کی میراث کے حقدار ہوں گے۔

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

میت کا ترکہ اس کے ورثاء کا حق ہے

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَنَا أَوَّلُ بِالْمَوْتِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ فَضَنْ مَاتَ وَعَنْهُ ذَيْنَ وَلَمْ يَتْرَكْ وَفَاءً فَعَلَى قَبْلَةٍ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلَوْزَنْهُ وَفِي رِوَايَةٍ مَنْ تَرَكَ ذَيْنًا أَوْ حَبِيبًا فَلْيَابِيئِي فَإِنَّا مَوْلَاهُ وَلِي رِوَايَةٍ مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلَوْزَنْهُ وَمَنْ تَرَكَ كَذًا فَلْيَتَا۔ الحسن علیہ السلام

”حضرت ابو ہریرہ نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”میں مسلمانوں کے حق میں خود ہوں سے بھی زیادہ عزیز ہوں (یعنی دین و دنیا کے ہر معاملہ میں ایک مسلمان اپنے اوپر خود جتنا شفیق و مہربان ہو سکتا ہے میں اس پر اس سے بھی زیادہ شفیق و مہربان ہوں اس لئے ان کے قرضوں کو ادا کرنے میں زیادہ تنہا دار ہوں) لہذا جو شخص (یعنی مسلمان) مر جائے اور اس پر قرض ہو اور اس نے اتنا مال نہ چھوڑا ہو جس سے اس کا قرض ادا ہو سکتا ہو تو اس کے قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہے اور جو شخص (اتنا مال چھوڑ جائے) جو اس کے قرض کی ادائیگی اور اس کی کی ہوئی وصیت کی شرعی تکمیل کے بعد بھی بچ جائے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”جو شخص قرض دار یا

عیال دار مر جائے اور اس نے اتنا مال نہ چھوڑا جو جس سے اس کے قرض کی ادائیگی ہو سکے یا اس کے عیال کی پرورش ہو سکے تو اس کا وکیل دس مہینے میرے پاس آئے میں اس کا انتظام کروں گا۔ یعنی میں اس کا قرض ادا کروں گا اور اس کے عیال کی عہدداشت و غم خواری کروں گا۔ ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص مال چھوڑ کر مرے تو وہ مال اس کے وارثوں کا ہے اور جو بھاری چیز (یعنی قرض اور عیال) چھوڑ کر مرے تو اس کا انتظام کرنا میرے ذمہ ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: شروع میں آنحضرت ﷺ کا یہ معمول تھا کہ اگر کوئی شخص مرتا جس کے ذمہ قرض ہوتا اور اس کے ترکہ میں اتنا مال نہ ہوتا جو اس قرض کی ادائیگی کے لئے کافی ہوتا تو آپ ﷺ اس کے جائزہ کی نماز پڑھنے سے احتراز فرماتے لیکن جب حق تعالیٰ نے وسعت عطا فرمائی اور آپ ﷺ کو کثرت مال کی نعمت میسر ہوئی تو آپ ﷺ نے یہ معمول بنالیا کہ جو شخص قرضدار مر جاتا آپ ﷺ اس کا قرض ادا کرتے اور اس کے جائزہ کی نماز پڑھتے۔ یہ بات حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت سے مفہوم ہوتی ہے جو باب الافلاس والاظهار کی پہلی فصل میں گزر چکی ہے۔ اور یہ گویا آنحضرت ﷺ کے اس بے پناہ جذبہ شفقت و مہربانی اور کمال رحمت و ہمدردی کا مظہر ہے جو آپ ﷺ تمام مسلمانوں کے تئیں رکھتے تھے۔

میت کا ترکہ پہلے ذوی الفروض کو دو

② وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيَتَامَى وَالْفُقَرَاءُ يَأْخُذُهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلَى زَحَلٍ ذَكَرَ - (متن بیہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ میراث کے حصے (جو قرآن کریم میں تحقین کئے گئے ہیں) حصہ داروں کو دو پھر جو کچھ بچے وہ میت کے اس مرد وارث (عصبہ) کا حق ہے جو میت کا سب سے قریبی عزیز ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ میت کا ترکہ سب سے پہلے ان لوگوں کو دو جن کے حصے قرآن کریم میں مقرر ہیں کہ جنہیں ذوی الفروض کہہ جاتا ہے۔ ان کو معینہ حصے دینے کے بعد جو کچھ بچے وہ عصبہات کو دو، اور پھر عصبہات میں مقدم وہ عصبہ ہے جو میت کا سب سے قریبی عزیز ہو، چنانچہ قریب کے عصبہ کی موجودگی میں بعید کا عصبہ میت کے ترکہ کا وارث نہیں ہوتا، ابتداء باب میں ذوی الفروض اور عصبہات کا تفصیلی ذکر کیا جا چکا ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ زحل ذکر میں لفظ ”ذکر“ تاکید کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے اور اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ نفی سے احتراز ہو جائے۔

شرح السنہ میں لکھا ہے کہ یہ ارشاد گرامی اس بات کی دلیل ہے کہ بعض وارث بعض دوسرے وارثوں کے حق میں حاجب (یعنی میراث سے روکنے والے) ہوتے ہیں، چنانچہ جب یعنی میراث سے روکنا دو طرح سے ہوتا ہے۔ اول ”جب نقصان“ دوم ”جب حرمان“ اس موقع پر اجمالی طور پر ان دونوں کی یہ تعریف جان لیجئے کہ بعض وارث ایسے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے دوسرے وارثوں کا حصہ کم ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب میت کے اولاد نہ ہو تو میت کی ماں کو ترکہ میں سے ایک تہائی ملتا ہے۔ اور اگر میت کی اولاد موجود ہو تو میت کی ماں کو صرف چھ حصہ ملتا ہے اس کو جب نقصان کہتے ہیں، اسی طرح بعض وارث ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی وجہ سے بعض عزیزوں کو میراث میں سے کچھ بھی نہیں ملتا مثلاً میت کے بیٹے کے موجودگی میں بھائی میراث سے بالکل محروم رہ جاتا ہے۔ اس کو جب حرمان کہتے ہیں۔

اختلاف مذہب میراث سے محروم کر دیتا ہے

③ وَعَنْ اسْمَاعِيلَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ - (متن بیہ)

”اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”تم تو مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہوتا ہے۔“ بخاری و مسلم۔

تشریح: علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بات پر تو تمام مسلمانوں کا اتفاق و اجماع ہے کہ کافر، مسلمان کا وارث نہیں ہوتا یعنی اگر مورث مسلمان ہو اور وارث کافر ہو تو مسلمان مورث کے مرنے کے بعد اس کا کافر وارث میراث سے محروم رہے گا۔ لیکن اس بارہ میں اختلاف ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے یا نہیں، چنانچہ اکثر علماء تو یہ کہتے ہیں کہ جس طرح کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا، اسی طرح مسلمان بھی کافر کا وارث نہیں ہوتا، مگر صحابہ اور تابعین میں سے بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے چنانچہ حضرت امام مالکؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔

اسی طرح اس بات پر بھی تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ کافر کی طرح مرتد بھی مسلمان کا وارث نہیں ہوتا لیکن اس بارہ میں اختلاف ہے کہ مسلمان، مرتد کا وارث ہوتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت ربیعؒ اور حضرت ابن ابی لیلیٰؒ وغیرہ تو یہ کہتے ہیں کہ مسلمان بھی مرتد کا وارث نہیں ہوتا، حضرت امام ابو حنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ مرتد نے اپنے ارتداد کی زندگی میں جو کچھ کمایا ہے وہ بیت المال میں جانے کا اور حالت اسلام میں جو کچھ کمایا ہے وہ اس کے مسلمان ورثاء کو ملے گا۔

آزاد کرنے والا غلام کا وارث ہوتا ہے

(۴) وَعَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَوْلَى الْقَوْمِ مِنَ أَنْفُسِهِمْ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”قوم کا مولیٰ ای قوم میں سے ہے۔“ (بخاری)۔

تشریح: ارشاد گرامی میں ”مولیٰ“ سے مراد ”آزاد کرنے والا“ ہے گویا اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ آزاد شدہ غلام کا وارث وہ شخص ہوتا ہے جس نے اسے آزاد کیا ہے، اس کے برخلاف آزاد شدہ غلام اپنے آزاد کرنے والے کا وارث نہیں ہوگا۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ”مولیٰ“ سے مراد ”آزاد شدہ غلام“ ہے یعنی جس قبیلہ و فرد سے کسی غلام کو آزاد کیا گیا ہو تو اس آزاد شدہ غلام کا وہی حکم ہوگا جو اس کو آزاد کرنے والے قبیلے یا فرد کا ہوگا۔ مثلاً بنی ہاشم (سیدانے) کسی غلام کو آزاد کیا تو اب وہ آزاد شدہ غلام زکوٰۃ کے باب میں بنی ہاشم ہی کا حکم رکھے گا کہ جس طرح بنی ہاشم پر زکوٰۃ کا مال حرام ہے اسی طرح اس آزاد شدہ غلام پر بھی زکوٰۃ کا مال حرام ہوگا۔

بھانجا، ماموں کے ترکہ کا وارث ہوتا ہے

(۵) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنُ أَخْبِ الْقَوْمِ مِنْهُمْ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کسی قوم کا بھانجا ای قوم میں سے ہے۔“ (بخاری و مسلم)۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ بھانجا اپنے ماموں کا وارث ہوتا ہے اور یہ ذوی الارحام میں سے ہے، چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک ذوی الارحام میت کے وارث ہوتے ہیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ذوی الارحام کو میت کے ترکہ میں سے میراث اسی صورت میں ملتی ہے جب کہ میت کے ذوی الفروض اور عصابت موجود نہ ہوں، ان دونوں کی موجودگی میں ذوی الارحام کو کچھ نہیں ملتا۔ اس کی تفصیل ابتداء باب میں مقرر ہو چکی ہے۔

بہر کیف حضرت امام ابو حنیفہؒ نے ذوی الارحام کے وارث ہونے پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

وَذَكَرَ حَدِيثَ عَائِشَةَ أَنَّهَا تَوَلَّاهُ فِي بَابِ قَتْلِ بَابِ الشَّلْمِ وَتَذَكَرَ حَدِيثَ الْبَرَاءِ الْحَالَةَ بِمَثَلِ الْأُمِّ فِي بَابِ بُلُوغِ الصَّغِيرِ وَحَضَاتِنَهُ إِنَّ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى۔

”اور حضرت عائشہؓ کی روایت اشعۃ التواریخ باب اسلم سے پہلے باب میں نقل کی جا چکی ہے اور حضرت براءؓ کی روایت الحاحۃ بمنزلۃ الام الحاء اشعۃ اللہ باب بلوغ الصغیر وحنانیہ میں ذکر کی جائے گی۔“

الفصل الثانی

مسلم، غیر مسلما کا اور غیر مسلم، مسلم کا وارث نہیں ہوتا

① عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَوَارَثُ أَهْلُ الْمِلَتَيْنِ شَيْءٌ زَوْأَهُ الْيَهُودِ وَالنَّصْرَانِ وَالزُّنَادِ عَنْ جَابِرٍ۔

”حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا دو مختلف مذہب کے لوگوں کے درمیان وراثت قائم نہیں ہوتی۔ (الہوداد، ابن ماجہ) امام ترمذی نے اس روایت کو حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ نہ تو مسلمان، غیر مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے، اور نہ غیر مسلمان، مسلمان کا وارث بن سکتا ہے۔

اپنے مورث کا قاتل میراث سے محروم ہو جاتا ہے

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَاتِلُ لَا يَرِثُ۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”قاتل کرنے والا وارث نہیں ہو سکتا۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے مورث کو ناحق قتل کر دے وہ اس کی میراث پانے سے محروم ہو جاتا ہے چنانچہ اس بارہ میں تفصیل ابتداء باب میں تحریر کی ہے۔

جہدہ کا چھنا حصہ ہے

③ وَعَنْ ثَوْبَانَ أَنَّ التَّبَّيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَعَلَ لِلْجَدَّةِ الشَّدَسَ إِذَا لَمْ تَكُنْ ذُو نَهَا أُمَّ۔ (رواہ الہوداد)

”اور حضرت ربیعہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جہدہ کا چھنا حصہ مقرر کیا ہے جب کہ ماں اسے محجوب نہ کر دے۔“ (ہوداد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر میت کی ماں زندہ ہوگی تو اس کی وجہ سے میت کی جہدہ محروم ہو جائے گی۔ ہاں اگر میت کی ماں زندہ نہ ہوگی تو اس کے ترکہ میں سے جہدہ کو چھنا حصہ ملے گا۔ یہاں جہدہ کے عام معنی یعنی دادی اور نانی دونوں مراد ہیں۔

زندہ پیدا ہونے والا بچہ وارث ہے

④ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَهْلَ الْغُضِيُّ صُلْبِي عَلَيْهِ وَوَرِثَ۔

(رواہ ابن ماجہ والدارقطنی)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”اگر بچہ کوئی آواز نکالی ہو تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور اسے وارث قرار دیا جائے۔“ (ابن ماجہ، دارقطنی)

تشریح: ”آواز نکالنے سے مراد“ علامت زندگی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بچہ پیدائش کے وقت ماں کے پیٹ سے آدھے سے زیادہ نکلا اور اس میں زندگی کی کوئی علامت پائی گئی ہاں طور کہ اس کے منہ سے آواز نکلی، یا سانس لیا، یا چھٹکا اور یا اس کا کوئی عضو بدل اور پھر وہ مر گیا تو اس بچہ کی بھی نماز جنازہ پڑھی جائے اور اس کو وارث قرار دے کر اس کا ورثہ بھی تقسیم کیا جائے۔

اب حدیث کی اس وضاحت کی روشنی میں یہ مسئلہ جان لیجئے کہ اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کا وارث ماں کے پیٹ میں ہو تو اس کی میراث رکھ چھوڑی جائے پھر اگر وہ زندہ پیدا ہوا تو وہ وارث قرار پائے گا اور اس کی میراث اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گی اور اگر وہ زندہ پیدا نہ ہوا تو پھر وارث نہیں ہوگا اور وہ میراث دوسرے وارثوں کو مل جائے گی۔

ابتداء اسلام کا ایک حکم

(۱۰) وَعَنْ كَثِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حَبِيبَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْهُمْ وَخَلِيفَ الْقَوْمِ مِنْهُمْ وَإِنْ أَخْبِتَ الْقَوْمِ مِنْهُمْ۔ (رواہ الدارمی)

”اور حضرت کثیر ابن عبد اللہ اپنے والد (حضرت عبد اللہ تابعی) اور وہ کثیر کے دادا (یعنی اپنے والد حضرت عمر و ابن عوف مزی صحابی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”کسی قوم کا مولیٰ ای قوم میں سے ہے، کسی قوم کا صیف ای قوم میں سے ہے اور کسی قوم کا بھانجا ای قوم میں سے ہے۔“ (دارمی)

تشریح: پہلے فصل میں حضرت انسؓ کی جو روایت (۴) مگروری ہے اس کی تشریح میں ”مولیٰ کی وضاحت کی جا چکی ہے“ کسی قوم کا حلیف ای قوم میں سے ہے کی وضاحت یہ ہے کہ پہلے اہل عرب میں یہ دستور تھا کہ دو شخص آپس میں قسم و حلف کے ذریعہ یہ باہمی عہد و اقرار کر لیتے تھے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے رنج و راحت اور موت و حیات میں شریک رہیں گے ایک کا خون دوسرے کا خون ہوگا، ایک کی صبح دوسرے کی صبح ہوگی، اور ایک کی جنگ دوسرے کی جنگ ہوگی، ہم میں سے کسی پر کوئی تادان لازم ہوگا تو دوسرا ادا کرے گا، ای طرح ایک دوسرے کی میراث کے بارہ میں بھی ایک دوسرا یہ اقرار کرتا تھا کہ میں تمہارا وارث ہوں گا اور تم میرے وارث ہو گے، چنانچہ میراث کے سلسلہ میں اسلام کے ابتدا کی زمانہ میں بھی اس پر عمل ہوتا رہا، مگر جب قرآن کریم میں وارثت کا ایک واضح ضابطہ نازل کیا گیا اور ورثاء اور ان کے حصے متعین و مقرر کر دیئے گئے تو یہ پرانا دستور بھی ختم ہو گیا۔ اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی منسوخ ہو گیا۔ ”اور کسی قوم کا بھانجا ای قوم میں سے ہے“ اس کی وضاحت بھی حضرت انسؓ کی روایت (۵) کی تشریح کے تحت کی جا چکی ہے۔

ماموں اپنے بھانجے کا ذی رحم وارث ہوتا ہے

(۱۱) وَعَنِ الْمُقَدِّمِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَوَّلِي بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهِ فَمَنْ تَزَوَّجَ ذِيْنًا أَوْ صَبِيْعَةً فَلَيْتَنَّا وَمَنْ تَزَوَّجَ مَالًا فَلَنَوْفِيْهِ وَأَنَا مَوْلَى مَنْ لَا مَوْلَى لَهُ أَوْ مَالَةً وَأَهْلُكَ عَائَةُ وَالْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهُ يَرِثُ مَالَهُ وَيَنْفُكُ عَنْهُ وَلَعِنَ رِبَايَئِئُ وَأَنَا وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهُ أَغْفِلُ عَنْهُ وَارِثَةُ وَالْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهُ يُغْفِلُ عَنْهُ وَيَرِثُهُ۔

(رواہ بخاری)

”اور حضرت مقدمؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”میں ہر مؤمن کے حق میں خود اس سے زیادہ عزیز و خیر خواہ ہوں لہذا جو شخص اپنے ذمہ عیال یا قرض چھوڑ کر مرتے تو اس کے قرض کی ادائیگی اور اس کے عیال کی پرورش میرے ذمہ ہے اور جو شخص ماں، چھوڑ کر مرتے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے۔ اور میں اس شخص کا کارساز (یعنی ختم) ہوں جس کا کوئی کارساز نہیں چنانچہ میں اس کے مال کا وارث ہوتا ہوں اور اس کے قیدی کو نجات دلاتا ہوں (یعنی اس کی زندگی میں اس پر جو خون بہا لازم ہوا تھا اور وہ خون بہا ادا کر نے سے پہلے مر گیا تو اس کی وجہ سے چونکہ اس کا نفس عالم برزخ میں ایک قیدی کی طرح خفتوں میں مبتلا ہے اس لئے میں اس کا خون بہا اپنے پاس سے ادا کر کے اسے نجات دلاتا ہوں) اور ماموں اس شخص کا وارث ہوتا ہے جس کا کوئی وارث نہیں، وہ میت کی میراث پاتا ہے اور اس کے قیدی کو نجات دلاتا ہے (یعنی جس شخص کے ذوی الفروض اور عصبی وارث نہیں ہوتے اس کا ماموں کہ جو اس کے ذوی الارحام میں سے ہے اس کا وارث ہوتا

ہے چنانچہ وہ میت کا ترکہ پاتا ہے اور اس پر جو خوں بہا وغیرہ لازم تھا اس کو ادا کر کے اس کی روح کو عالم برزخ کے بذاب سے نجات دلاتا ہے) ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "میں اس شخص کا وارث ہوتا ہوں جس کا کوئی وارث نہیں چنانچہ میں اس کی طرف سے اس کا خون بہا ادا کرتا ہوں اور اس کا وارث ہو جاتا ہوں (یعنی اس کا ترکہ اپنی عمرانی میں لے کر بیت المال میں داخل کر دیتا ہوں) اور جس شخص کا ذوی القربی و عصبہ میں سے کوئی وارث نہیں ہوتا تو ذی القربی و عصبہ میں سے اس کا ماموں اس کا وارث ہوتا ہے جو اس کی طرف سے خون بہا ادا کرتا ہے اور اس کی میراث پاتا ہے۔" (ابوداؤد)

عورت کن تین آدمیوں کی میراث پاتی ہے؟

(۱۲) وَعَنْ وَائِلَةَ بْنِ الْأَسْفَعِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْزَنُ الْمَرْءَةُ ثَلَاثَ مَوَارِيثَ عَقِبَتَهَا وَلَقَبَتْهَا وَوَلَدَهَا الَّذِي لَا عَقَّ عَنْهُ۔ (رواۃ الترمذی و ابوداؤد)

"اور حضرت دائمہ ابن اسفیع کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا عورت تین آدمیوں کی میراث لیتی ہے، ایک تو اپنے آزاد کئے ہوئے غلام کی، دوسرے اپنے لقیط کی اور تیسرے اپنے بچے کی جس کی وجہ سے لعلیہ ہوا۔" (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: "اپنے آزاد کئے ہوئے غلام کی" سے مراد یہ ہے کہ مثلاً ایک عورت نے کسی غلام کو آزاد کیا اور وہ آزاد شدہ غلام اس حالت میں مرا کہ اس کا کوئی نسبی عصبہ نہیں تھا تو جس طرح ایک مرد اس صورت میں اپنے آزاد شدہ غلام کا وارث ہوتا اسی طرح یہ عورت بھی اپنے اس آزاد شدہ غلام کی میراث پائے گی۔

"دوسرے اپنے لقیط کی" سے مراد یہ ہے کہ مثلاً کسی عورت نے کہیں راستہ میں بچہ پایا اور اسے پالا پوسا، تو اب یہ عورت اس کی وارث ہوگی کہ اس لقیط کے مرنے کے بعد اس کی میراث پائے گی، چنانچہ حضرت اعلیٰ ابن رہو کا بچی مسلک ہے۔ لیکن دوسرے علماء کا یہ مسلک ہے کہ لقیط (یعنی لقیط کو اٹھانے والا) حق ولاء نہیں رکھتا جس کا مطلب یہ ہے کہ جو عورت کسی بچہ کو اٹھالے اور اسے پالے پوسے تو وہ اس کی وارث نہیں ہوتی، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اس ارشاد گرامی لاؤ لہا الا ولاء العنقاۃ کے ذریعہ لقیط کے حق ولاء کو آزاد کرنے والے کے ساتھ مختص کیا ہے چنانچہ ان علماء کے نزدیک یہ حکم کہ "عورت اپنے لقیط کی وارث ہوتی ہے" منسوخ ہے۔

البتہ قاضی نے اس حکم کا جو مطلب بیان کیا ہے اس کے پیش نظر اس کو منسوخ کہنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ قاضی کہتے ہیں کہ اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ لقیط کا چھوڑا ہونا مال و اسباب بیت المال کا حق ہے، ہاں جس عورت نے لقیط کو اٹھایا اور اسے پالا پوسا دوسرے مسلمانوں کے مقابلہ میں اس بات کی زیادہ مستحق اور اولیٰ ہے کہ بیت المال کی طرف سے وہ مال جو اس لقیط نے چھوڑا ہے۔ اس عورت پر صرف کیا جائے۔

"نعمان" اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے یا جو بچہ پیدا ہوا ہے، اس کے بارہ میں یہ کہے کہ یہ میرا نہیں ہے اور وہ اس کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے پر لعنت ملامت کریں، اس کا قصی ذکر ان شاء اللہ باب النعمان میں آئے گا، لہذا جس بچہ کے پیدا ہونے میں حن ہوا ہے۔ اس بچہ کا نسب باپ سے ثابت نہیں ہوتا اور نہ وہ بچہ اور باپ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں کیونکہ وراثت کا قلعق نسب سے ہوتا ہے جو اس صورت میں متنی ہوتا ہے البتہ اس بچہ کا نسب چونکہ ماں سے ثابت ہوتا ہے اس لئے وہ بچہ اور ماں آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔ ولد الزنا کا بھی یہی حکم ہے۔

ولد الزنا کا حکم

(۱۳) وَغَنِ غُفْرُو بْنُ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيْمَانُ زَجَلٍ غَاهِرُ سُخْرٍ أَوْ أَمَةٍ

فَالْوَلَدُ وَلَدُ زَيْنَا لَا يَرِثُ وَلَا يُورَثُ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد حضرت شعیبؓ اور حضرت شعیبؓ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص کسی آزاد عورت یا لونڈی سے زنا کرے تو اس کے نتیجہ میں اس کا بچہ پیدا ہو گا وہ ولد الزنا (حرامی بچہ) کہلائے گا وہ بچہ نہ کسی کا وارث ہو گا اور نہ اس کی میراث کسی کو ملے گی۔“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ زنا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا بچہ نہ تو زنا کرنے والے کا وارث ہوتا ہے اور نہ اس کے اقرباء کی کوئی میراث اسے ملتی ہے کیونکہ وراثت نسب کی وجہ سے ہوتی ہے جب کہ ولد الزنا اور زنا کرنے والے کے درمیان نسب کا کوئی وجود نہیں ہوتا، اسی طرح زنا کرنے والا بھی اپنے ولد الزنا کا وارث نہیں ہوتا اور نہ اس کے اقرباء اس کی میراث پاتے ہیں اس کے برعکس ولد الزنا کی ماں اس کی وارث ہوتی ہے اور ولد الزنا اپنی ماں کی میراث پاتا ہے۔

آزاد شدہ غلام کی میراث

(۱۴) وَعَنْ غَايِشَةَ أَنْ مَوْلَى لِي مَوْلَى اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ وَتَرَكَ شَيْئًا وَلَمْ يَدْعُ حَمِيئًا وَلَا وَلَدًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَغْظَرُ امْتِرَافَةٍ جَلَاءٍ مِنْ أَهْلِ قَرْيَتِهِ۔ (رواہ ابو داؤد و الترمذی)

”اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کا ایک آزاد کیا ہوا غلام مر گیا اور اس نے کچھ مال چھوڑا لیکن نہ تو اس نے کوئی ناطے دار چھوڑا اور نہ فرزند جو (اس کے ترکہ کا وارث ہوتا) چنانچہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس کا چھوڑا ہوا مال اس کی ہستی کے کسی آدمی کو (دے دو۔) (ابو داؤد و ترمذی)

تشریح: چونکہ اس آزاد شدہ غلام نے کوئی وارث نہیں چھوڑا تھا اس لئے اس کے ترکہ کا حقدار بیت المال تھا اور بیت المال کا مصرف چونکہ فقراء و مساکین وغیرہ ہوتے ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ نے اسے مال کو اس کی ہستی کے کسی محتاج و مستحق کو دے دینا مناسب سمجھا۔

انبیاء کسی کے وارث نہیں ہوتے

یہ بات پہلے ہو چکی ہے کہ آزاد شدہ غلام کے اگر عصباء نسبی نہیں ہوتے تو اس کا حق ولاء اس کو آزاد کرنے والے کو پہنچتا ہے یعنی اس کے مرنے کے بعد اس کو آزاد کرنے والا اس کی میراث کا مالک بنتا ہے۔ اس قاعدہ کے مطابق جب آنحضرت ﷺ کا آزاد کردہ غلام مر گیا اور اس کا کوئی نسبی وارث نہیں تھا۔ تو اس کی میراث آنحضرت ﷺ کو ملنی چاہئے تھی۔ لیکن انبیاء چونکہ کسی کے وارث نہیں ہوتے اور نہ کوئی شخص انبیاء کا وارث ہوتا ہے اس لئے اس آزاد شدہ غلام کی میراث آپ ﷺ نے خود نہیں لی۔ بیت المال کے مصرف میں دے دی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء کسی کے وارث کیوں نہیں ہوتے اور ان کی میراث کسی کو کیوں نہیں ملتی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام دنیا کی بے ثباتی، دنیا کے مال و اسباب سے بے تعلقی اور دنیا کی خواہشات سے احتساب کی صرف تعلیم ہی نہیں دیتے تھے بلکہ اپنی تعلیم پر خود عمل بھی کرتے تھے اور دنیا داری کی کوئی چیز ان کے لئے اہمیت نہیں رکھتی تھی چنانچہ ان کی حقیقت شناس نظر یہ چونکہ خلقت کا پردہ نہیں تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ کے حقیقی مالک و متصرف ہونے کا مشاہدہ اور کامل یقین ان کو حاصل ہوتا تھا، دنیا کے مال و اسباب کے مستعار ہونے اور دنیا میں انسان کی مسافرت حالت کا قشر ان کے پیش نظر رہتا تھا اس لئے انہیں نہ تو دنیا کے مال و اسباب اور یہاں کے سارے سامان سے کوئی دلچسپی ہوتی تھی اور نہ انہیں یہ خواہش ہوتی تھی کہ ہمارے قلال عزیز و رشتہ دار کا متروکہ ہمیں مل جائے

اور نہ ہی اس دنیا سے رخصت ہونے کے وقت انہیں اپنے مال و اسباب کے چھوٹے کا کوئی افسوس ہوتا تھا کیونکہ اول تو انبیاء کے پاس دنیا کا مال و اسباب ہوتا ہی کیا تھا اور جو کچھ تھوڑا بہت ہوتا بھی تھا تو اس سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی تھی لہذا انبیاء کی اس شان کے پیش نظر قانون الٰہی نے یہ فیصلہ نافذ کیا انبیاء اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد جو تھوڑا بہت سامان و اسباب چھوڑ جاتے وہ بھی کسی کی وراثت نہیں ہوگا اور نہ انبیاء اپنی زندگی میں اپنے اقرباء کی میراث سے کوئی حصہ لیں گے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے تمام انبیاء کی شان ان الفاظ میں ظاہر فرمائی:

إِنَّمَا مَعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ لَا تُوَرِّثُ مَا تَرَكُوا حَصْدَةً

”یعنی ہم نبیوں کے مال و اسباب میں میراث جاری نہیں ہوگی، ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہے۔“

جس کا کوئی بھی وارث نہ ہو اس کا ترکہ بیت المال کے مصرف میں دے دیا جائے

(۱۵) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ مَاتَ رَسُولُ اللَّهِ مِنْ خُرَاعَةٍ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعِزِّهِ فَقَالَ التَّجَسُّؤُا لَهُ وَإِذَا أُوذِيَ رَجِمَ فَلَمْ يَجِدُوا لَهُ وَارِدًا وَلَا ذَا رَجِمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَغْطَوْهُ الْكُبْرَى مِنْ خُرَاعَةٍ رَوَاهُ أَبُو ذَوْدٍ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ قَالَ أَنْظَرُوا الْكُبْرَى رَجُلٍ مِنْ خُرَاعَةٍ

”اور حضرت بريدہ کہتے ہیں کہ قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص مر گیا تو اس کی میراث نبی کریم ﷺ کے پاس لائی گئی آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا کوئی وارث تلاش کرو۔ (یعنی پہلے تو ذوی الفروض اور عصبات میں سے کوئی وارث دیکھو اگر ان میں سے کوئی وارث نہ ملے تو چاہے کوئی ذی رحم ہی وارث ہو، چنانچہ (طرحش کے بعد) نہ تو ذوی الفروض اور عصبات میں سے کوئی وارث پایا گیا اور نہ ذی رحم اس لئے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”اس کی میراث قبیلہ خزاعہ کے کسی بڑے پوڑھے کو دے دو (ابوداؤد) اور ابو داؤد ہی کی ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”قبیلہ خزاعہ کے کسی بڑے پوڑھے شخص کو دیکھو (اور اس کو یہ میراث دے دو)۔“

تشریح: اس حدیث کی وضاحت بھی وہی ہے جو اوپر کی حدیث میں کی گئی ہے کہ اس شخص کا چونکہ کوئی بھی وارث نہیں تھا اس لئے اس کے ترکہ کو بیت المال میں داخل کیا جاتا لہذا آپ ﷺ نے یہ مناسب سمجھا کہ اس کا ترکہ اس کے قبیلہ کے کسی بڑے پوڑھے کو دے دیا جائے کیونکہ ایسا شخص بیت المال کا مصرف بھی ہے اور اس کے قبیلہ کا ایک فرد ہونے اور اپنے بڑھاپے کی وجہ سے اس کا سب سے زیادہ محتق بھی ہے۔

میت کے قرض کی ادائیگی اس کی وصیت کی تعمیل پر مقدم ہے

(۱۶) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ أَلَيْسَ بِكُمْ تَقْرَؤُنَ هَذِهِ آيَةَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تَوْضُونَ بِهَا أَوْذِينَ وَإِنْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى بِالذَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ وَإِنْ أَغْنَى بَيْنِي الْأَمْ يَتَوَارَثُونَ ذَوْنُ بَنِي الْعَلَاتِ الرَّجُلُ يَرِثُ أَغْنَاهُ لِأَبْنِهِ وَأُمُّهُ ذَوْنُ أَخِيهِ لَا يَبْنُو. رواه الترمذی وابن ماجه وفي رواية الدارمی: قال ”الآخِرَةُ مِنَ الْأَمْ يَتَوَارَثُونَ ذَوْنُ بَنِي الْعَلَاتِ“ الى اخره۔

”اور حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ (ایک دن) انہوں نے (لوگوں سے) کہا کہ تم اس آیت کو پڑھتے ہو: وَبَعْدِ وَصِيَّةٍ تَوْضُونَ بِهَا أَوْذِينَ ذَيْنِ جب کہ نبی کریم ﷺ نے وصیت پوری کرنے سے پہلے قرض ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور آپ ﷺ نے یہ حکم بھی صادر فرمایا ہے کہ محتق بھائی وارث ہوتے ہیں نہ کہ سوتیلے بھائی (یعنی حقیقی بھائیوں کی موجودگی میں سوتیلے بھائیوں کو کچھ نہیں ملتا) اور یہ کہ آدمی اپنے حقیقی بھائی کا وارث ہوتا ہے۔ نہ کہ سوتیلے بھائی کا (یہ جملہ پہلے جملہ کی تاکید کے طور پر استعمال کیا گیا ہے) (ترمذی، ابن ماجہ) اور دارمی

کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ”وہ بھائی جو اس میں بھی شریک ہوں (یعنی باپ اور ماں دونوں میں شریک ہوں کہ جنہیں حقیقی بھائی کہتے ہیں) وارث ہوتے ہیں نہ کہ وہ بھائی جو صرف باپ میں شریک ہوں (یعنی سوتیلے بھائی) آگے حدیث کے وہی الفاظ ہیں جو اوپر نقل ہوئے۔“

تشریح: حدیث میں مذکور آیت کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ اگر میت نے کوئی وصیت کی ہے تو اس کو پوری کرنے کے بعد اگر اس کے ذمہ کوئی قرض ہو تو اس کو ادا کرنے کے بعد اس کے ورثاء کو اس کی میراث تقسیم کی جائے گی۔ گویا آیت کریمہ میں ہذا ہر وصیت کی تعمیل کو قرض کی ادائیگی پر مقدم کیا گیا ہے جب کہ آنحضرت ﷺ کا معمول یہ تھا کہ آپ ﷺ وصیت کی تعمیل سے پہلے قرض ادا کرنے کا حکم دیتے تھے۔ چنانچہ اسی بارہ میں حضرت علیؑ نے لوگوں سے پوچھا کہ تم یہ آیت پڑھتے ہو کیا اس کی مراد بھی سمجھتے ہو یا نہیں؟ گویا اس طرح حضرت علیؑ نے لوگوں کو آگاہ کیا کہ یہ نہ سمجھ لینا کہ قرآن کریم کی اس آیت اور آنحضرت ﷺ کے فعل میں کوئی تضاد نظر آتا ہے۔ یا یہ کہ آیت کریمہ میں چونکہ وصیت کو مقدم کیا گیا ہے اس لئے وصیت کی تعمیل قرض کی ادائیگی پر مقدم ہے بلکہ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ آیت میں الفاظ کے اعتبار سے قرض کی ادائیگی کو اگرچہ بعد میں ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن حقیقت اور حکم کے اعتبار سے یکی ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے حکم کے ذریعہ اس کو واضح کر دیا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ پھر آیت کریمہ میں وصیت کا ذکر پہلے کیوں ہے؟ تو اس کا مختصر ترین جواب یہ ہے کہ میت کی وصیت کی تعمیل چونکہ گراماں گراماں ہو سکتی ہے اور اس میں کوتاہی ہو سکتی ہے اس لئے وصیت کے ذکر کو مقدم کر کے یہ آگاہی دی گئی ہے کہ میت کی تعمیل کو آسان اور غیر ضروری نہ سمجھا جائے بلکہ اسے ایک اہم اور ضروری چیز سمجھ کر پورا کیا جائے۔

آیت میراث کا شان نزول

(۱۶) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَتْ اَمْرَأَةٌ سَعْدَ بْنَ الزَّيْنِعِ بِابْنَتَيْهَا مِنْ سَعْدِ بْنِ الزَّيْنِعِ اِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَاتَانِ ابْنَتَا سَعْدِ بْنِ الزَّيْنِعِ قَبْلُ ابْنُوهُمَا مَعَكَ يَوْمَ اَخَذْتَهُمَا وَانْ عَمَّهُمَا اَخَذَ مَا لَهُمَا وَلَمْ يَدَعْ لَهُمَا مَالًا وَلَا تَحْكُمَانِ اِلَّا وَلَهُمَا مَالٌ قَالَ يَقْبَضِي اللّٰهُ فِي ذَلِكَ فَتَرَلْتِ اَيُّهُ الْبَيِّنَاتِ فَنَعَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى عَمَّهُمَا فَقَالَ اَعْطِ لَا بُنْتِي سَعْدُ الثَّلَاثَيْنِ وَاَعْطِ امَّهُمَا الثَّمَنَ وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لَكَ زَوْجُ الْتَزْمِيْدِيِّ وَالْاَنْوَاذُ وَابْنُ مَاجِجَةٍ وَقَالَ التَّزْمِيْدِيُّ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت سعد ابن زہریؓ کی زوجہ اپنی دونوں بیٹیوں کو جو حضرت سعد ابن زہریؓ سے قصص، لے کر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ یہ دونوں بیٹیاں سعد ابن زہریؓ کی ہیں، ان کا باپ جو غزوہ احد کے دن آپ کے ہمراہ تھا، میدان جنگ میں شہید ہو گیا اور ان کا مال ان کے چچا نے لے لیا ہے (یعنی ان کے باپ کا جو ترکہ ان لڑکیوں کو چاہیئے وہ زناہر جاہلیت کی رسم کے مطابق سعد کے بھائی نے لے لیا ہے) اور ان کے لئے کچھ بھی مال نہیں چھوڑا ہے، اب تاؤ تلیکہ ان کے پاس مال نہ ہو ان سے کوئی نکاح کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”(کچھ دنوں کے لئے ممبر کرد) ان لڑکیوں کے معاملہ کا اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے گا (یعنی ان کے بارہ میں جب کوئی وحی نازل ہوگی تو فیصلہ ہوگا) چنانچہ (کچھ دنوں کے بعد) آیت میراث یعنی ہو وہ حکم اللہ فی اولادکم الخ نازل ہوئی تو آپ نے کسی کو ان لڑکیوں کے چچا کے پاس بھیجا (اور بلا کر کہا کہ سعدؓ کی بیٹیوں کو) سعدؓ کے ترکہ میں سے دو تہائی اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دے دو اور جو کچھ باقی بچے وہ تمہارا ہے۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) اور اہم ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔“

تشریح: آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے اور اسلام کا اجالا پھیلنے سے پہلے زمانہ جاہلیت میں یہ طریقہ رائج تھا کہ میت کا ترکہ صرف

يُؤْصِيكُمْ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلَّذِ كَرِهْتُمْ خَظَّ الْأُنثَىٰ الْخِـ (آخری رکوع تک، النساء: ۳۴)

”یعنی اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارہ میں کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر ہے۔“

اس آخری فیصلہ کے بعد جب تمام ورثاء کے حصوں کا تقسیم ہو گیا تو آپ ﷺ نے سودا بن ریحؓ کے بھائی کے پاس کہا ابھی کہ حکم الہی کے پیش نظر اپنے بھائی کے ترکہ میں سے دو تہائی لڑکیوں کو دے دو اور آٹھواں حصہ ان کی ماں کو، اس کے بعد جو کچھ باقی بچے وہ تم لے لو۔ یعنی سوداؓ کے بچے کو کچھ چھوڑا ہے پہلے اس کے چوتیس حصے کر لو پھر ان چوبیس حصوں میں سے آٹھ آٹھ حصے دو نوں لڑکیوں کو دو، تین حصے ان کی ماں کو دو اور باقی پانچ حصے تم لے لو اس طرح اس تقسیم کو یوں ظاہر کریں گے۔

۳۳
میں سے
سعد
بنت ۸
بنت ۸
زوجہ ۳
اخ ۵

بچی، پوتی اور بہن کے حصے

①۸ وَعَنْ هُرَيْرٍ بْنِ شُرَيْبٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا مُوسَىٰ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَبَنَاتِ ابْنِ وَأَخْبَتْ فَقَالَ لِلْبَنَاتِ التَّصْفُفُ وَالْأَخْبَتْ التَّصْفُفُ وَأَبَتْ ابْنِ مَسْعُودٍ فَسَمِعْتُ بَنَاتِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَأَخْبَتْ يَقُولُ ابْنِ مَسْعُودٍ فَقَالَ لَقَدْ خَلَلْتُ لِقَ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهَنْتِ بَيْنَ أَطْفَلٍ فِيهَا بِمَا لَقِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْبَنَاتِ التَّصْفُفُ وَلَا تَجْعَلْنَ الشُّدُوسَ تَكْمَلَةَ الشُّفُوفِ وَمَا بَقِيَ فَلِلْأَخْبَتْ فَأَمَّا ابْنِ مَسْعُودٍ فَأَخْبَتْ فَأَخْبَتْ يَقُولُ ابْنِ مَسْعُودٍ فَقَالَ لَا تَسْأَلُونَنِي مَا قَامَ هَذَا الْحِزْبُ فِيكُمْ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ہریر بن شریبؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ (صحابی) سے یہ سوال کیا گیا کہ (مثلاً زید مرگیا اور اس کے وارثوں میں) ایک بچی ایک پوتی اور ایک بہن ہے (زید کی میراث کو کس طرح تقسیم کیا جائے گا؟) حضرت ابو موسیٰ نے جواب دیا کہ (زید کا ترکہ) آدھا بچی کو اور آدھا بہن کو ملے گا (پوتی محروم رہے گی) پھر حضرت ابو موسیٰ نے سوال کرنے والے سے کہا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے پاس جاؤ (اور ان سے بھی بچی مسکے پوچھو وہ بھی میرے اس جواب سے اتفاق کریں گے) (یعنی اس مسئلہ کا جو جواب میں نے دیا ہے یہی جواب وہ بھی دیں گے) چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے بھی یہ مسئلہ پوچھا گیا اور اس کا جو جواب حضرت ابو موسیٰ نے دیا تھا وہ بھی انہیں بتایا گیا، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے (مسئلہ اور حضرت ابو موسیٰ کا جواب سن کر) کہا کہ ایسی صورت میں (یعنی ابو موسیٰ نے جو فتویٰ دیا ہے وہی فتویٰ اگر میں بھی دوں تو میں گمراہ سمجھا جاؤں گا اور بچے کو راہ ہدایت پر نہ پاؤں گا، لہذا اس مسئلہ میں میں وہی فیصلہ دوں گا جو رسول کریم ﷺ کے حکم کے مطابق ہے اور وہ یہ ہے کہ بچی کو آدھا ملے گا اور دو تہائی پورا کرنے کے لئے پوتی کو چھٹا حصہ ملے گا (یعنی میت کے ترکہ میں سے دو یا دو سے زائد بیٹیوں کو تہائی ملے گا اب چونکہ بچی ایک ہے اور اس کو آدھا حصہ ملا ہے تو پوتی کو چھٹا حصہ دے کر دو تہائی پورا کر دیا جائے گا) اور جو کچھ باقی بچے (یعنی ایک تہائی) وہ بہن کا ہے (یعنی اس حدیث ”بیٹوں کی موجودگی میں بہن کو حصہ قرار دو“ کے مطابق بہن حصہ ہو کر باقی ماندہ ترکہ لے لے گی) چنانچہ اگر علماء کا یہی مسلک ہے (روای کہتے ہیں کہ) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا یہ جواب سن کر ہم حضرت ابو موسیٰ کے پاس آئے اور انہیں حضرت ابن مسعودؓ کے جواب سے آگاہ کیا حضرت ابو موسیٰ نے فرمایا کہ (مجھے اپنی غلطی کا اعتراف ہے کیونکہ ابن مسعودؓ نے جو فتویٰ دیا ہے وہی صحیح اور (جس کا) جب تک تمہارے درمیان یہ عالم (یعنی ابن مسعودؓ) موجود ہیں مجھ سے کوئی مسئلہ نہ پوچھا کرو۔“ (بخاری)

تشریح: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے جواب کا حاصل یہ تھا کہ میت کے کل ترکہ کے چھ حصے کر کے اس طرح تقسیم کرو یعنی لڑکی کو تین حصے، پوتی کو ایک حصہ اور بہن کو دو حصے دو۔

رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا تو میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے جہدہ کو چمٹا حنفہ دلویا۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت مغیرہ سے کہا کہ تمہارے علاوہ کوئی اور شخص بھی تمہارے ساتھ تھا؟ (یعنی حضرت ابو بکرؓ نے بطور احتیاط ان سے پوچھا کہ تمہارے علاوہ کسی اور شخص نے بھی رسول کریم ﷺ سے یہ حکم سنایا دیکھا ہے؟) چنانچہ (ایک اور صحابی) حضرت محمد ابن مسلمہؓ نے (حضرت مغیرہ کے قول کی تائید کی یعنی انہوں نے وہی کہا جو حضرت مغیرہؓ نے کہا تھا حضرت ابو بکرؓ کو جب اطمینان ہو گیا کہ میت کے ترکہ میں سے جہدہ کا بھی حصہ ہے تو انہوں نے اس جہدہ کو میت کے ترکہ میں سے چمٹا حنفہ دے جانے کا فیصلہ کر دیا۔ پھر دوسری جہدہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے ان سے اپنی میراث دلوائے جانے کا مطالبہ کیا حضرت عمرؓ نے کہا وہی چمٹا حنفہ تمہارے لئے بھی ہے، اگر تم دو تو وہ چمٹا حنفہ تم دونوں کے درمیان مشترک ہے۔ اور اگر تم میں سے کوئی ایک ہے تو وہ چمٹا حنفہ اس ایک کے لئے ہو گا۔“

(مالک، احمد، ترمذی، ابوداؤد، دارمی، ابن ماجہ)

تشریح: ”جہدہ“ دادی کو بھی کہتے ہیں اور نانی کو بھی کہتے ہیں، چنانچہ حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں جو عورت آئی تھی وہ تو میت کی نانی تھی اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں جو عورت آئی تھی وہ اس میت کی دادی تھی، جیسا کہ ایک اور روایت میں یہ وضاحت موجود ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ میت کے ترکہ میں جہدہ کا چمٹا حنفہ ہوتا ہے خواہ ایک ہو یا کئی ہوں، اگر ایک جہدہ ہوگی تو وہ اس چمٹے حصہ کی تنہا مالک ہوگی اور اگر کئی ہوں گی تو اس چمٹے حصہ کو سب آپس میں برابر تقسیم کر لیں گی، چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے وہ چمٹا حنفہ تنہا ایک جہدہ یعنی نانی کو دے جانے کا حکم دیا کیونکہ انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ میت کی دوسری جہدہ یعنی دادی بھی موجود ہے لیکن حضرت عمرؓ کو جب یہ معلوم ہوا کہ میت کی دوسری جہدہ بھی ہے تو انہوں نے یہ حکم دیا کہ اس چمٹے حصہ میں دونوں جہدہ شریک ہوں۔

باپ کی موجودگی میں دادی کو چمٹا حنفہ دلوائے جانے کا ایک خاص واقعہ

(۲۱) وَعَنِ ابْنِ مَسْرُودٍ قَالَ فِي الْجَدَّةِ مَعَ ابْنَيْهَا أَنَّهَا أَوَّلُ جَدَّةٍ أَقْلَعَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ شَاغِعِ ابْنَيْهَا وَابْنَيْهَا حَتَّى زَوَّاهُ التَّيْمِيَّ وَالذَّارِيَّ وَالْأَيُّمِيَّ وَالْأَيُّمِيَّ ضَعُفٌ

”اور حضرت ابن مسرودؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس جہدہ کے بارے میں جس کا بیٹا موجود ہو یہ کہا کہ (میراث دلوائی جانے والی وہ پہلی جہدہ تھی جسے رسول کریم ﷺ نے اس کے بیٹے کی موجودگی میں اسے چمٹا حنفہ دلوایا تھا اور اس کا بیٹا زندہ تھا۔ (ترمذی، دارمی) اور امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔“

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص دادی اور باپ چھوڑ کر مرا تو آنحضرت ﷺ نے اس کے ترکہ میں سے دادی کو چمٹا حنفہ دلوایا باوجودیکہ اس کا بیٹا یعنی میت کا باپ موجود تھا۔ حالانکہ علما کا مسلک یہ ہے کہ اگر میت کا باپ موجود ہو تو اس کے ترکہ میں سے دادی کو کچھ نہیں ملتا، گویا دادی اپنے بیٹے یعنی میت کے باپ کی موجودگی میں پوتے کے ترکہ سے محروم رہتی ہے، مذکورہ بالا حدیث پر علماء نے اس لئے عمل نہیں کیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے جس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا، دلیل کے طور پر صحیح حدیث ہی اختیار کی جاسکتی ہے۔ یا پھر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک خاص صورت تھی جس میں آپ نے جہدہ کو اس کے بیٹے یعنی میت کے باپ کی موجودگی میں تیرے عینی ازاہ احسان حصہ دلوایا تھا، بطریق میراث نہیں دلوایا تھا۔

خون بہا کا مالِ مقتول وراثہ کو ملتا ہے

(۲۲) وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَيْهِ أَنْ وَرِثَ امْرَأَةً أَشْهِمَ الصَّبَايَ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا۔ زَوَّاهُ التَّيْمِيَّ وَأَبُو دَاوُدَ وَقَالَ التَّيْمِيَّ هَذَا خَلِيفَتُ حَسَنٍ ضَجِجَتْ

”اور حضرت شہاکؓ ابن سہیان سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے انہیں لکھا کہ ایشیم ضبابی کی بیوی کو اس کے خاوند کے خون بہا میں سے میراث دی جائے امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔“ (ترمذی، ابو داؤد)

تشریح: ایشیم ضبابی، آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں قتل کر دیے گئے تھے لیکن یہ قتل قصداً نہیں ہوا تھا بلکہ خطا ہوا تھا، چنانچہ جس شخص کی خطا اور غلطی سے وہ قتل ہو گئے تھے، اس پر خوں بہا واجب ہوا۔ اور جب اس نے خون بہا دیا تو آپ ﷺ نے شہاک کو لکھا کہ مقتول یعنی ایشیم ضبابی کے خوں بہا کے طور پر جو مال حاصل ہوا ہے اس میں سے اس کی بیوی کو میراث دے دی جائے۔

شرح السنہ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ دیت پہلے تو مقتول کے لئے واجب ہوتی ہے پھر اس دیت میں حاصل ہونے والا مال مقتول کی دوسری املاک کی طرح اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، چنانچہ اکثر علماء کا یہی قول ہے۔

مقول ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے کہ عورت اپنے خاوند کی دیت میں حاصل ہونے والے مال کی وارث نہیں ہوتی، چنانچہ حضرت شہاکؓ نے ان کے سامنے یہ حدیث بیان کی اور یہ ثابت کیا کہ خاوند کی دیت میں حاصل ہونے والے مال میں سے اس کی بیوی کو میراث ملتی ہے۔

موالی آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے

(۲۳) وَعَنْ قَتَنِيمِ الدَّارِيِّ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الشُّعْبَةُ فِي الْمَرْجُلِ مِنَ أَهْلِ الْيُسُوفِ يُسْلِمُ عَلَى يَدَي زُبُلٍ مِنَ الْيُسُوفِيِّينَ فَقَالَ هُوَ أَوْلَى النَّاسِ بِمَحْضِهِ وَوَسَائِهِ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارقطنی)

”اور حضرت قنیم داریؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا کہ اس مشرک کے بارہ میں کیا حکم ہے جو کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام لایا ہو (یعنی وہ مسلمان اس کو مسلم کا سوا ہوتا ہے یا نہیں؟) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ مسلمان (جس کے ہاتھ پر وہ مشرک اسلام لایا ہے) اس کی زندگی میں اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے اور مرنے کے بعد بھی سب سے زیادہ حقدار رہی ہے (یعنی وہ مسلمان اس کو مسلم کا سوا ہے)۔“ (ترمذی، ابن ماجہ، دارقطنی)

تشریح: حضرت قنیم داریؓ ایک علیل القدر اور مشہور صحابی ہیں، یہ پہلے عیسائی تھے، پھر اللہ نے انہیں ہدایت بخشی اور وہ میں مشرف باسلام ہوئے اسلام قبول کرنے کے بعد ان کی زندگی خوف خدا اور عبادت گزاری سے اس قدر معمور ہوئی کہ شب بیداری جیسے عظیم وصف میں امتیازی حیثیت کے مالک ہونے رات میں ایک رکعت میں پورا قرآن کریم ختم کیا کرتے تھے اور کبھی کبھی ایک ہی آیت پڑھتے پڑھتے صبح کر دیتے، اتفاقی سے ایک رات تہجد کی نماز نہ پڑھ سکے تو اپنے نفس کو اس کی اس طرح سزا دی کہ پورے ایک برس تک مسلسل سوئے نہیں۔ حضرت قنیم داریؓ کو ایک تاریخی امتیاز یہ بھی حاصل ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مسجد میں چراغ روشن کیا ہے۔

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا ہے تو وہ مسلمان اس کو مسلم کا سوا ہوتا ہے چنانچہ ابتداء اسلام میں یہی حکم تھا کہ موالی آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ ”وہ سب سے زیادہ حقدار ہے“ کی مراد یہ ہے کہ مسلمان کرنے والے پر یہ حق سب سے زیادہ ہے کہ وہ اس کو مسلم کی زندگی میں تو اس کی اعانت و خیر خواہی کرے اور اس کے مرنے کے بعد اس کی نماز جنازہ پڑھے۔

آزاد شدہ غلام اپنے آزاد کرنے والے کا وارث ہوتا ہے یا نہیں؟

(۲۴) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ زَجْلًا مَاتَ وَلَمْ يَدَعْ وَارِثًا إِلَّا غُلَامًا كَانَ أَعْتَقَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ لَكَ

أَخَذَ؟ قَالُوا لَا إِلَّا غَلَامٌ لَهُ كَانَ أَعْتَقَهُ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِيرَاثَهُ لَهٗ۔ (رواہ ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ ایک ایسا شخص مر گیا جس نے اپنے ایک غلام کو جسے وہ آزاد کر چکا تھا اور کوئی وارث نہیں چھوڑا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کیا اس کا کوئی وارث ہے یا نہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ کوئی وارث نہیں ہے، البتہ ایک غلام ہے جسے اس نے آزاد کر دیا تھا۔ لہذا آنحضرت ﷺ نے اس میت کی میراث اس کے آزاد کردہ غلام کو دلوادی۔“

(ابو داؤد - ترمذی - ابن ماجہ)

تشریح: چونکہ آزاد شدہ غلام اپنے آزاد کرنے والا کا وارث نہیں ہوتا اس لئے اس حدیث کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس آزاد شدہ غلام کو اس کے آزاد کرنے والے کی میراث ازراہ تبرع (احسان کے طور پر) دلوائی تھی۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث (۱۳) میں گزرا کہ آنحضرت ﷺ نے ایک لاوارث میت کی میراث کے بارہ میں فرمایا کہ اس کی میراث اس کی بہتی کے کسی شخص کو دے دو، چنانچہ اس موقع پر جو وضاحت کی گئی تھی وہی وضاحت یہاں بھی ہے۔

حضرت شریحؒ اور حضرت طاؤسؒ نے اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے پیش نظر کہا ہے کہ جس طرح آزاد کرنے والا اپنے آزاد کردہ غلام کا وارث ہوتا ہے اسی طرح آزاد شدہ غلام بھی اپنے آزاد کرنے والے کا وارث ہو سکتا ہے۔

ولاء کی وراثت کا مسئلہ

(۲۵) وَعَنْ عُمَرَو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْتُ الْوَلَاءِ مِنْ يَوْتُ الْمَالِ - زَوَاهُ الْيَزِيدِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ إِسْنَادُهُ لَيْسَ بِالْقَوِيٍّ۔

”اور حضرت عمر ابن شعیبؓ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص مال کا وارث ہوتا ہے وہ ولاء کا بھی وارث ہوتا ہے۔“ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی اسناد قوی نہیں ہے۔“

تشریح: آزاد شدہ غلام کے مال کو ”ولاء“ کہتے ہیں۔ لہذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص مثلاً زید کا باپ مر گیا پھر اس کے بعد اس کے باپ کا آزاد کردہ غلام یا اس کے باپ کا آزاد کردہ غلام مرے تو اب یہ شخص یعنی زید اس کے مال کا وارث ہو گا کیونکہ جس طرح یہ اپنے باپ کی دیگر املاک کا وارث ہوتا ہے اسی طرح اپنے باپ کے ولاء کا بھی وارث ہے۔ لیکن یہ حکم صرف عصبہ کے ساتھ مخصوص ہے جنہی جو عصبہ وارث (مثلاً بیٹا) بنفسہ ہونے کی حیثیت سے میت کے مال کا وارث ہوتا ہے وہی عصبہ ولاء کا وارث ہو گا لہذا آزاد کرنے والے کی بیٹی اپنے باپ کے ولاء کی وارث نہیں ہوگی کیونکہ اگرچہ وہ اپنے باپ کے مال کی وارث ہوتی ہے مگر عصبہ نہیں ہوتی بلکہ عصبہ بنفسہ تو صرف مرد ہونے ہیں عورتیں عصبہ بنفسہ نہیں ہوتیں، ہاں عورت ایسے آزاد شدہ غلام کے مال کی وارث ہوتی ہے جسے اس نے خود آزاد کیا ہو یا اس کو اسکے آزاد کردہ غلام نے آزاد کیا ہو۔

الفصل الثالث

اسلام لانے سے پہلے جو میراث تقسیم ہو چکی ہے اسلام لانے کے بعد اس میں کوئی ترمیم نہیں ہوگی

(۲۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا كَانَ مِنْ مِيرَاثٍ قُسِمَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَهُوَ عَلَى فِئَةِ الْجَاهِلِيَّةِ وَمَا كَانَ مِنْ مِيرَاثٍ أُذِرَ كَهَذَا الْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى فِئَةِ الْإِسْلَامِ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو میراث زمانہ جاہلیت میں تقسیم ہو چکی ہے وہ زمانہ جاہلیت ہی کی تقسیم

کے مطابق رہے گی اور جس میراث نے اسلام کا زمانہ نہ پایا وہ اسلام ہی کے مطابق تقسیم ہوگی۔ (ابن ماجہ)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جو میراث زمانہ جاہلیت میں تقسیم ہو چکا ہے اب اس میں کوئی ترمیم نہیں ہوگی جس کو جتنا مل چکا ہے وہ اتنے ہی کا مالک رہے گا، مگر اس زمانہ میں کسی کے پاس زیادہ چلا گیا ہے تو اب اس کی داہمی ضرورت نہیں ہے اور اگر کسی کو کم حصہ ملا ہے تو اسے باقی کے مطابق کا حق پہنچنا ہاں اسلام لانے کے بعد جو بھی میراث تقسیم ہوگی، اسلامی احکام و قواعد کے مطابق ہی تقسیم ہوگی۔

پھوپھیوں کے وارث نہ ہونے کے بارہ میں حضرت عمرؓ کا تعجب

(۲۷) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ بْنِ خُوَيْلِدٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ كَيْتَبُ بْنُ قُتَيْبَةَ يَقُولُ كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَقُولُ غَضِبْنَا لِلْعَمَّةِ ثَوْرُثٌ وَلَا قَرَبٌ۔ (رواہ داک)

”اور حضرت محمد بن ابی بکر بن خویلدؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے باپ سے سنا جو اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے تھے کہ پھوپھی کے بارہ میں تعجب ہے کہ اس کا بھیجا تو اس کا وارث ہو جاتا ہے مگر وہ اپنے بھتیجے کی وارث نہیں ہوتی۔“ (داک)

تشریح: حضرت عمرؓ کا یہ تعجب محض عقل و قیاس کی بنیاد پر ہے ورنہ اگر بجا آوری حکم کے تحت نظر سے دیکھا جائے یا یہ بات پیش نظر ہو کہ اس کی حکمت و مصلحت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے تو تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔

حدیث کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی پھوپھی مر جائے تو وہ اپنی پھوپھی کا وارث ہو سکتا ہے اس کے برعکس اگر وہ شخص مر جائے تو اس کی پھوپھی اس کی وارث نہیں ہو سکتی چنانچہ حدیث کا یہ مفہوم اور حضرت عمرؓ کا یہ تعجب ان علماء کے مسلک کے مطابق ہے جن کے نزدیک ذی الارحام میت کے وارث نہیں ہوتے جب کہ پھوپھی ذی الارحام میں سے ہونے کی وجہ سے ان علماء کے نزدیک اپنے بھتیجے کی وارث ہو سکتی ہے جو ذی الارحام کو علم فرائض میں مذکورہ تفصیل کے مطابق میت کا وارث قرار دیتے ہیں۔

فرائض کا علم سیکھنے کا حکم

(۲۸) وَعَنْ عُمَرَ قَالَ تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ وَالْفَرَائِضَ وَزَادَ ابْنُ عَبَّاسٍ مَسْئِدَ الْقُلَاقِ وَالْحَجَّ قَالَا فَإِنَّهُ مِنْ دِينِكُمْ۔ (رواہ الدارمی)

”اور حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ”فرائض کے احکام و مسائل سیکھو“ نیز حضرت ابن مسعودؓ نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے ”طلاق اور حج کے احکام و مسائل (بھی) سیکھو“ انہوں نے کہا کہ (اس کا سیکھنا اس لئے ضروری ہے کہ) یہ علم تمہاری دینی ضروریات میں سے ہے۔“ (دارمی)

بَابُ الْوَصَايَا

وصیتوں کا بیان

”وصایا“ وصیت کی جمع ہے ”خطایا“ خطیہ کی جمع ہے: ”وصیت“ اسے کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنے وارثوں سے یہ کہہ جائے کہ میرے مرنے کے بعد یہ فلاں فلاں کام کرنا مثلاً میری طرف سے مسجد بنواؤ، کنواں بنواؤ، یا درہ اور خاقانہ وغیرہ میں اتنا روپیہ دینا، یا فلاں شخص کو اتنا روپیہ یا مال دے دینا، یا فقراء و مساکین کو طعام وغذایا کھرنے تقسیم کرو دینا وغیرہ اور یا جو فرائض و واجبات مثلاً نماز اور زکوٰۃ وغیرہ اس کی غفلت کی وجہ سے تھا ہو گئے تھے ان کے بارے میں اپنے ورثاء سے کہے کہ یہ ادا کر دینا یا ان کا کفارہ دے دینا، اسی طرح بعض مواقع پر ”وصیت“ فصیحت کے معنی میں بھی استعمال ہوتی ہے۔

علماء ظواہر (یعنی وہ علماء جو ہر صورت قرآن و حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے ہیں) کے نزدیک وصیت کرنا واجب ہے، جب کہ

دوسرے تمام علماء کے ہاں پہلے تو وصیت واجب تھی یعنی اپنے اختیار سے والدین اور رشتہ داروں کے لئے اپنے مال و اسباب میں سے حصے مقرر کر جانا ہر مال دار پر واجب تھا لیکن جب آیت میراث نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے خود تمام حصے متعین و مقرر فرما دیئے تو یہ حکم منسوخ ہو گیا اسی لئے وارث کے لئے وصیت کرنا درست نہیں ہے، البتہ آیت میراث کے بعد بھی تہائی مال میں وصیت کرنے کا اختیار باقی رکھا گیا تاکہ اگر کوئی شخص اپنے آخری وقت میں فی سبیل اللہ مال خرچ کر کے اپنی عمر عمر کی تقصیرات مثلاً بخل وغیرہ کا کفارہ اور مکافات کرنا چاہے تو یہ سعادت حاصل کر لے یا اگر اپنے کسی دوست یا دور کے رشتہ دار یا غلام وغیرہ کو کچھ دینا چاہے تو اس تہائی میں سے دے کر اپنا دل خوش کر لے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص پر کوئی قرض وغیرہ ہو یا اس کے پاس کسی کی امانت رکھی ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کی ادائیگی و واپسی کی وصیت کر جائے اور اس بارہ میں ایک وصیت نامہ لکھ کر اس پر گواہیں کرالے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

وصیت نامہ لکھ رکھنے کا حکم

① عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا حَقَّ اغْرِيءُ مُسْلِمٍ لِقَوْمٍ لَمْ يَشَأْ يُوْضِئْ لَهُمْ نَبِيئًا لَيْلَتَيْنِ إِلَّا وَوَجِيهَتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ۔ (بخاری ص ۱۷۷)

”حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس مسلمان مرد کے (مال یا آپس تعلقات کے) معاملے میں کوئی بات وصیت کے قابل ہو تو اسے چاہئے کہ وہ دو راتیں بھی وصیت لکھ رکھے بغیر نہ گزرے۔“ (بخاری ص ۱۷۷)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے ذمہ کسی کا کوئی حق ہو یا لوگوں کا کوئی معاملہ اس کے سپرد ہو تو اسے چاہئے کہ وہ دو راتیں گزرنے سے پہلے وصیت نامہ لکھ کر رکھ لے۔ ”دو راتوں“ سے مراد ”عرصہ قلیل“ ہے یعنی کم سے کم عرصہ بھی ایسا نہ گزرتا چاہئے جس میں وصیت نامہ لکھا ہو نہ رکھا ہو، کیونکہ انسان کی زندگی کا کوئی پھر سوہ نہیں، نہ معلوم کس لمحہ زندگی کا سلسلہ منقطع ہو جائے اور وصیت نامہ کی عدم موجودگی میں درویشوں کے لاعلم ہونے کی وجہ سے حق تعالیٰ کا وبال اس دنیا سے اس کے ساتھ جائے۔

علماء خواہرا ہی حدیث کے پیش نظر وصیت کے واجب ہونے کے قائل ہیں حالانکہ یہ حدیث عمومی طور پر وصیت کے واجب ہونے پر دلالت نہیں کرتی البتہ اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ جس شخص پر کسی کا قرض ہو یا اس کے پاس کسی کی امانت ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس قرض یا امانت کے بارہ میں وصیت کر جائے۔

علماء کہتے ہیں کہ جس معاملہ میں (یعنی قرض اور امانت وغیرہ کے سلسلہ میں) وصیت کرنا لازم ہو اس کا وصیت نامہ جلد سے جلد مرتب کر لیا یا مستحب ہے۔ نیز یہ ضروری ہے کہ وصیت نامہ لکھ کر اس وصیت نامہ پر دو اشخاص کی گواہیاں ثبت کرادی جائیں۔

اپنے ترکہ کے تہائی حصہ میں وصیت کی جاسکتی ہے

② وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ مَرَّ بِي عَامُ الْفَتْحِ مَرَّحًا أَشْفَقْتُ عَلَى الْمَوْتِ فَأَتَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخُودُنِي فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ لِي عَمَلًا كَثِيرًا وَلَيْسَ يَرْتَضِي إِلَّا ابْنَتِي أَوْ ابْنِي بِمَا لِي كُلِّهِ قَالَ لَا قُلْتُ فَنُفْسِي مَا لِي قَالَ لَا قُلْتُ فَالْطَّرْفَانِ لَا قُلْتُ فَالْقُلْتُ قَالَ الْقُلْتُ وَالْقُلْتُ كَثِيرًا إِنَّكَ أَنْ تَذَرُوا نَفْسَكَ أَعْيَبَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ وَإِنَّكَ لَنْ تَلْبِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللَّهِ إِلَّا أَجَزْتَ بِهَا حَتَّى تَلْقَى الْقَوْمَ تَرْفَعُهَا إِلَى فِيهِمْ أَمْوَالُكَ۔ (بخاری ص ۱۷۷)

”اور سعد ابن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ میں حج مکہ کے سال اتنا سخت بیمار ہوا کہ موت کے کنارہ پر پہنچ گیا، چنانچہ جب رسول کریم ﷺ میری عیادت کے لئے میرے پاس تشریف لائے تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے پاس بہت مال ہے، مگر ایک نبی کے سوا میرا کوئی وارث نہیں ہے تو کیا میں اپنے سارے مال کے بارہ میں وصیت کر جاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں“ پھر میں نے عرض کیا کہ ”کیا وہ تہائی مال کے بارہ میں وصیت کر دوں؟“ آپ نے فرمایا: ”نہیں۔ میں نے پوچھا نصف کے لئے؟“ فرمایا: ”نہیں۔ میں نے پوچھا ایک تہائی کے لئے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں۔ تہائی مال کے بارہ میں وصیت کر سکتے ہو مگر یہ بھی بہت ہے۔ اور یاد رکھو، اگر تم اپنے وارثوں کو مال دارو خوش حال چھوڑ جاؤ گے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو مفلس چھوڑ جاؤ اور وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھرں، جان لو، تم اپنے مال کا جو بھی حصہ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے جذبہ سے خرچ کرو گے تو تمہیں اس کے خیر کا ثواب ملے گا، یہاں تک کہ تمہیں اس قسم کا بھی ثواب ملے گا جو تم اپنی بیوی کے منہ تک لے جاؤ گے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”میرا کوئی وارث نہیں ہے“ سے حضرت سعدؓ کی مراد یہ تھی کہ ذوی الفروض سے میرا کوئی وارث نہیں ہے، یا یہ کہ ایسے وارثوں میں سے کہ جن کے بارہ میں مجھے یہ خوف نہ ہو کہ وہ میرا مال ضائع کر دیں گے، علاوہ ایک نبی کے اور کوئی وارث نہیں ہے۔ حضرت سعدؓ کے اس جملہ کی یہ تاویل اس لئے کی گئی ہے کہ حضرت سعدؓ کے کسی بھی وارث تھے۔ یہ حدیث جہاں اس بات کی دلیل ہے کہ مال جمع کرنا مباح ہے وہیں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ وارثوں کے حق میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس میت کے وارث موجود ہوں تو اس کی وصیت اس کے تہائی مال سے زائد میں جاری نہیں ہوتی البتہ اگر وہ ورثہ اپنی اجازت و خوشی سے چاہیں تو ایک تہائی سے زائد میں بھی بلکہ سارے ہی مال میں وصیت جاری ہو سکتی ہے بشرطیکہ سب وارث عاقل و بالغ اور موجود ہوں۔ اور جس میت کا کوئی وارث نہ ہو تو اس صورت میں بھی اکثر علماء کا یہی مسلک ہے کہ اس کی وصیت بھی ایک تہائی سے زائد میں جاری نہیں ہو سکتی۔ البتہ حضرت امام اعظم اور ان کے متبعین علماء اس صورت میں ایک تہائی سے زائد میں بھی وصیت جاری کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ نیز حضرت امام احمد اور حضرت احنفؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔

اس حدیث میں اس بات کی ترغیب دلائی گئی ہے کہ رشتہ داروں اور عزیزوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے، ان کے حق میں ہمیشہ خیر خواہی کا جذبہ رکھا جائے اور وارثوں کے تین شفقت و محبت ہی کے طریقے کو اختیار کیا جائے علاوہ ان میں اس حدیث سے اور بھی کئی باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ اپنا مال فیروں کو دینے سے افضل یہ ہے کہ اس کو اپنے قریبہ ہوں پر خرچ کیا جائے، دوم یہ کہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے سے ثواب ملے۔ یہ بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی طلب نہیں نظر ہو، اور سوم یہ کہ اگر کسی مباح کام میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی نیت کرنی جائے تو وہ مباح کام بھی طاعت و عبادت بن جاتا ہے چنانچہ بیوی اگرچہ جسمانی و نیوی لذت و راحت کا ذریعہ ہے اور خوشی و مسرت کے وقت اس کے منہ میں نوالہ دینا محض ایک خوش طبعی ہے جس کا طاعت و عبادت اور امور آخرت سے کوئی بھی تعلق نہیں ہوتا مگر اس کے باوجود آنحضرت ﷺ نے یہ بتایا کہ اگر بیوی کے منہ میں نوالہ دینے میں اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی طلب کی نیت ہو تو اس میں ثواب ملے گا لہذا اس کے علاوہ دوسری حالتوں میں بطریق اولیٰ ثواب ملے گا۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

(۳) عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ سَأَلْتُ عُمَرَ بْنَ الْكَلاَّبِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَسَلَّمَ وَأَنَا نَرِضُ فَقَالَ أَوْصَيْتُ فَلَنْ نَعْمَ قَالَ بَكُمْ فَلَنْ يَمَانِي كُلُّهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ فَمَا تَوَكَّلْتُ لَوْلَا ذَلِكَ قُلْتُ هُمْ أَغْنَيْنِي بِعَيْنِهِ فَقَالَ أَوْصِ بِالْعَشِيرَةِ فَمَارِلْتُ أَنَا قِصَّةُ خَشْيَ قَالَ أَوْصِ بِالْقُلْتِ وَالْقُلْتِ كَيْفَ؟ (رواه الترمذی)

”حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ جب میں بیمار تھا تو رسول کریم ﷺ مجھے پوچھے آئے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”کیا تم نے وصیت کرنے کا ارادہ کیا ہے؟“ میں نے کہا کہ ”ہاں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تکے مال کی وصیت کام نے ارادہ کیا ہے؟“ میں نے عرض کیا کہ ”میں نے تو اللہ کی راہ میں اپنے سارے مال کی وصیت کرنے کا ارادہ کر لیا ہے“ آپ ﷺ نے فرمایا: اولاد کے لئے کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا وہ خود مال دار خوشحال ہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر وصیت کرنا ہی چاہتے ہو تو اسے مال کے دسویں حصہ کے بارہ میں وصیت کرو“ حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ جب میں آپ ﷺ کی بٹائی ہوئی اس مقدار کو بار بار کم کرتا رہا تو (میرے اصرار پر) آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اچھا تمہارا مال کے بارہ میں وصیت کرو اگرچہ یہ تمہاری بھی بہت ہے۔“ (ترمذی)

وارث کے حق میں وصیت درست نہیں

④ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي خُطْبَتِهِ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَغْطَى كُلَّ دَيْءٍ حَتَّى حَقَّقَهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِرِثٍ رِوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ ”الْوَلَدُ لِلْفَرَّاشِ وَلِلْعَاهِرِ حَجَرٌ وَحَبُّ بَيْهَمٍ عَلَى اللَّهِ“ وَيُرَوَّى عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا وَصِيَّةَ لِرِثٍ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْوَارِثُ مُنْقَطِعٌ هَذَا لَفْظُ الْمُصَابِيحِ وَفِي رِوَايَةِ الدَّارِ الْقُطَيْبِيِّ قَالَ لَا يَجُوزُ وَصِيَّةُ لِرِثٍ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْوَارِثُ۔

”اور حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو حجۃ الوداع کے سال اپنے خطبہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دیدیہ ہے۔ لہذا وارث کے لئے وصیت نہیں ہے۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

اور امام ترمذیؒ نے یہ مزید نقل کیا ہے کہ بچہ صاحب فراش کے لئے ہے، اور زنا کرنے والے کے لئے پتھر ہے، نیز ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، اور حضرت ابن عباسؓ نے نبی کریم ﷺ سے یہ نقل کیا ہے کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) ”وارث کے لئے وصیت نہیں ہے مگر جب کہ وارث چاہیں“ یہ حدیث منقطع ہے اور بعض اصحاب کے الفاظ ہیں۔

اور دارقطنیؒ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) ”وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں ہوتی مگر جب کہ وارث چاہیں۔“

تشریح: ”اللہ تعالیٰ نے ہرق دار کو اس کا حق دیدیا ہے اس لئے کہ اس مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ورثہ کے لئے حصے متعین و مقرر فرمادیئے ہیں خواہ وہ کسی وارث کے حق میں یہ وصیت کر بھی جائے کہ اسے دوسرے وارثوں سے اتنا زیادہ حصہ دیا جائے تو شرعی طور پر اس کا کچھ اعتبار نہیں، ہاں اگر تمام ورثاء عاقل و بالغ ہوں اور وہ برضاء و رغبت کسی وارث کو میت کی وصیت کے مطابق اس کے حصے سے زیادہ دے دیں تو کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں، آیت میراث نازل ہونے سے پہلے اپنے اقرباء کے حق میں وصیت کر جانا واجب تھا مگر جب آیت میراث نازل ہوئی اور تمام ورثہ کے حصے متعین و مقرر ہو گئے تو وصیت کا واجب ہونا منسوخ ہو گیا۔

”فراش“ دیکھ تو عورت کو کہتے ہیں لیکن یہاں الولد للفراش اور ابیہ ابیہ کے مراد ”صاحب فراش“ (یعنی عورت کا مالک) ہے۔ حدیث گرامی کے اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا کرے اور اس کے نتیجہ میں بچہ پیدا ہو تو اس بچہ کا نسب زنا کرنے والے سے قائم نہیں ہوتا بلکہ وہ صاحب فراش کی طرف منسوب ہوتا ہے خواہ وہ صاحب فراش زنا کرنے والی عورت کا غلام ہو یا (لوٹری ہوئے کی صورت میں) اس کا آقا ہو اور یا وہ شخص جس نے شہر میں جنگا ہو کر اس عورت سے صحبت کر لی تھی۔

اور زنا کرنے والے کے لئے پتھر ہے یہ جملہ زنا کرنے والے کی محرومی کی طرف اشارہ کرتا ہے جیسا کہ ہماری عام بول چال میں کسی ایسے شخص کے بارہ میں کہ جسے کچھ نہیں ملتا کہہ دیا کرتے ہیں کہ اس خاک پتھر لے گا، لہذا اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ زنا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچہ کا نسب چونکہ زنا کرنے والے سے قائم نہیں ہوتا اس لئے ولد ازنا کی میراث میں سے اس کو کچھ نہیں ملے گا۔ یا پھر یہ کہ یہاں ”پتھر“ سے مراد سنگ رکنے کا ہے کہ اس زنا کرنے والے کو (اگر وہ شادی شدہ تھا) سنگسار کیا جائے گا۔

”ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اس بدکاری میں مبتلا ہونے والوں کا حساب و کتاب اللہ پر ہے کہ وہ ہر ایک کو ان کے کرمات کے مطابق بدلے گا۔ ویسے یہ جملہ ایک دوسرے محکمے سے زیادہ مستحب و مکنت ہے اور وہ یہ کہ جہاں تک دنیا کا تعلق ہے تو یہاں ہم زنا کرنے والوں کو سزا دیتے ہیں پس طور کے ان پر حد جاری کرتے ہیں۔ اب رہا وہاں یعنی آخرت کا معاملہ تو یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی و مشاء پر موقوف ہے چاہے تو مواخذہ کرے اور چاہے تو اپنے بے پایاں رحم و کرم کے صدقہ میں انہیں بخش دے۔

مذکورہ بالا عبارت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو شخص زنا کرے یا کسی اور گناہ میں مبتلا ہو اور اس پر کوئی حد قائم نہ ہو یعنی دنیا میں اسے کوئی سزا نہ دی جائے تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے وہ چاہے تو اسے بخش دے اور چاہے اسے عذاب میں مبتلا کرے۔

کسی دوسرے کے حق میں وصیت کرنے کے اپنے ورثا کا نقصان نہ پہنچاؤ

⑤ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ وَالْعَمَلُ بَطَاطَةُ اللَّهِ بَيِّنَتَيْنِ سَنَةً ثُمَّ يَخْضَلُ هُمَا السَّنَتَيْنِ فَيُضَارِّانِ فِي الْوَصِيَّةِ فَتَجِبُ لَهُمَا النَّارُ ثُمَّ قَوْلُ أَفْهُوَ خَيْرٌ مِنَ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُؤْضِي بِهَا أَوْ ذَنْبٍ غَيْرِ مُضَارٍّ إِلَى قَوْلِهِ تَعَالَى وَذَلِكَ الْقَوْلُ الْعَظِيمُ۔ (رواہ احمد و ترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”مرد اور عورت ساٹھ برس تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں مگر جب ان کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو وصیت کے ذریعہ (داروں کو) نقصان پہنچاتے ہیں۔ لہذا ان کے لئے دوزخ ضروری ہو جاتی ہے“ اس کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ آیت کریمہ پڑھی۔ ”وَصِيَّةٌ يُؤْضِي بِهَا أَوْ ذَنْبٌ غَيْرُ مُضَارٍّ“۔ (یعنی اور ثناء اپنے حصے کی) وصیت پوری کرنے کے بعد جس کی وصیت کی جائے یا دینا کے بعد بشرطیکہ (وصیت کرنے والا) کسی کو ضرر نہ پہنچائے۔“

حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ آیت ارشاد فرمائی وَذَلِكَ الْقَوْلُ الْعَظِيمُ (اور یہ بڑی کامیابی ہے) تک سلامت کی ہے۔

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: یہ حدیث حقوق العباد کی اہمیت ظاہر کرتی ہے کہ جو لوگ اپنی ساری زندگی عبادت الہی میں گزار دیتے ہیں مگر حقوق العباد کو نقصان پہنچانے سے اجتناب نہیں کرتے وہ اپنی تمام عبادتوں کے باوجود خدا کی ناراضگی کا مورد بن جاتے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ خواہ وہ مرد ہوں یا عورت ساٹھ سال تک عبادت کرتے ہیں مگر اپنی زندگی کے آخری لمحات میں یہ وبال اپنے سر لے لیتے ہیں کہ وہ اپنے مال میں تہائی سے زیادہ کی وصیت کسی غیر شخص کے حق میں کر جاتے ہیں یا اپنا سارا مال ایک وراثت کو بہرہ کر دیتے ہیں تاکہ دوسرے وارثوں کو کچھ نہ ملے اور اس طرح وہ اپنے وارثوں کو نقصان پہنچاتے ہیں تو وہ اسے طویل عرصہ کی اپنی عبادتوں کے باوجود اپنے آپ کو دوزخ کے عذاب کا سزاوار بنا لیتے ہیں۔ کیونکہ اپنے وارثوں کو نقصان پہنچانا حقوق العباد کی ناراضگی میں کوتاہی کی وجہ سے غیر مناسب و ناجائز نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے روگردانی اور اس کی مقررہ ہدایات سے تمناور بھی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے آنحضرت ﷺ کا ارشاد بیان کرنے کے بعد بطور تائید مذکورہ بالا آیت کریمہ پڑھی۔ کیونکہ اس آیت سے بھی یقینی ثابت ہوتا ہے کہ مورث کو چاہئے کہ وہ اپنے مال کے تہائی حصے سے زائد کے بارہ میں وصیت کر کے اپنے وارثوں کو نقصان نہ پہنچائے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

جائز وصیت کر جانے والے کے لئے بشارت

⑥ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ عَلَى وَصِيَّةٍ مَاتَ عَلَى سَبِيلٍ وَسُنَّةٍ وَمَاتَ عَلَى نَفَى وَشَهَادَةٍ مَاتَ مَقْفُوزًا لَكَ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص وصیت کر کے مرا (یعنی جس شخص نے اپنی موت کے وقت اپنے مال کا کچھ حصہ خدا کی راہ میں مثلاً اقراء کو دینے کی وصیت کی) تو وہ راہِ مستقیم اور پُر ندریہ طریقہ پر اور تقویٰ و شہادت پر مرا (یعنی متقیوں اور شہیدوں میں داخل ہوا) اور اس حال میں مرا کہ اس کی مصفرت کی گئی۔“ (ابن ماجہ)

کافروں کو اعمال نیک کا ثواب نہیں پہنچتا

④ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ الْعَاصِمَ بْنَ وَائِلٍ أَوْحَىٰ أَنْ يُعْتَقَ عَنْهُ مَائَةٌ زَقَبَةٍ فَأَعْتَقَ اللَّهُ هِشَامَ خُمَيْمِينَ زَقَبَةً فَأَزَادَ اللَّهُ عَمْرُوًّا أَنْ يُعْتَقَ عَنْهُ الْخُمَيْمِينَ الْبَاقِيَةَ فَقَالَ حُثَيِّ أَسْأَلُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَمَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أَيْنِ أَوْحَىٰ أَنْ يُعْتَقَ عَنْهُ مَائَةٌ زَقَبَةٍ وَإِنْ هِشَامًا أَعْتَقَ عَنْهُ خُمَيْمِينَ وَيَقْبِثَ عَلَيْهِ خُمُسُونَ زَقَبَةً فَأَعْتَقَ عَنْهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ لَوْ كَانَ مُسْلِمًا فَأَعْتَقْتُمْ عَنْهُ أَوْ نَصَدَقْتُمْ عَنْهُ أَوْ حَبَسْتُمْ عَنْهُ بَلَّغْتُمْ ذَلِكَ۔ (رواه ابو داؤد)

”اور حضرت عمرو بن شعیبؓ اپنے والد (حضرت شعیب) سے اور شعیبؓ اپنے دادا (حضرت عبد اللہؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ عامل ابن وائل نے یہ وصیت کی تھی کہ میری طرف سے سو غلام آزاد کئے جائیں چنانچہ پچاس غلام تو ان کے بیٹے ہشامؓ نے آزاد کر دیے پھر جب ان کے (دوسرے) بیٹے عمروؓ نے یہ ارادہ کیا کہ باقی پچاس غلام اس وقت تک آزاد نہیں کروں گا جب تک کہ رسول کریم ﷺ سے نہ پوچھ لوں۔ کہ آیا اپنے دل میں سوچا کہ میں یہ پچاس غلام اس وقت تک آزاد کرنا جائز اور مفید بھی ہے یا نہیں؟ چنانچہ عمروؓ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! میرے باپ (عامل) نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کی طرف سے سو غلام آزاد کئے جائیں۔ لہذا ہشامؓ نے پچاس غلام تو آزاد کر دیے ہیں ان پر (یعنی ہشامؓ ہی کے ذمہ یا میرے ذمہ) پچاس غلام باقی رہ گئے ہیں۔ تو کیا میں اپنے باپ کی طرف سے (وہ باقی پچاس غلام آزاد کروں؟) رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”وہ (تہمارے باپ عامل) اگر مسلمان ہوتے اور تم ان کی طرف سے غلام آزاد کرتے یا ان کی طرف سے صدقہ دیتے یا ان کی طرف سے حج کرتے تو ان کو اس کا ثواب پہنچتا۔“ (ابو داؤد)

تشریح: عامل ابن وائل نے اسلام کا زمانہ پایا تھا لیکن بد قسمتی سے وہ اسلام کی دولت سے بہرہ ور نہیں ہو سکے اور کفر ہی کی حالت میں مر گئے ان کے دو بیٹے تھے ایک حضرت ہشامؓ ابن عامل اور دوسرے حضرت عمروؓ ابن عامل ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے راستہ پر گامزن کیا، چنانچہ یہ دونوں شرفِ اسلام ہوئے اور رسول کریم ﷺ کے صحابی ہوئے کا اعزاز پایا رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

آنحضرت ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ تہمارے والد عامل اگر مسلمان ہوتے اور اسلام ہی کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوتے تو ان کی طرف سے جو بھی عبادت دین کی جاتی اس کا ثواب انہیں پہنچتا لیکن چونکہ وہ مسلمان نہیں ہوئے اور کفر ہی کی حالت میں اس دنیا سے چلے گئے تو اب تم ان کی طرف سے کوئی بھی عبادت کرو یا کوئی بھی نیک کام کرو اس کا ثواب انہیں نہیں پہنچے گا۔ لہذا حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ وغیرہ کافر کے لئے فائدہ مند نہیں ہے اور نہ اس کی وجہ سے اسے عذاب سے نجات ملتی ہے جب کہ یہ مسلمان کے لئے مفید ہے۔

وارثوں کا حق مارنے والے کے لئے وعید

⑤ وَغُلَّ أَنْسَ فَإِنْ قَاتَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَطْعِ مِيرَاثٍ وَأَرَادَهُ قَطْعُ اللَّهِ مِيرَاثَهُ مِنَ الْحَيَّةِ يُؤْمِ الْفِيَامَةِ۔ زَوَّاهُ ابْنُ مَاحَةَ وَزَوَّاهُ ابْنُ يَهُفَىٰ فِي شَعْبِ الْإِيْمَانِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ۔

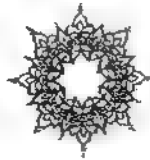
”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اپنے وارث کی میراث کاٹے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی جشتا

کی میراث کاٹ لے گا (ابن ماجہ) اور بیہقی نے اس روایت کو حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے۔
تشریح: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو جنت کا وارث بتانے کا وعدہ بائیں طور کیا ہے کہ:

يُورَثُونَ الْفَرْدَوْسَ۔

”یعنی وہ (مومن) بہشت کے وارث ہوں گے۔“

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اسی کے پیش نظر فرمایا کہ جو شخص ناجائز طور پر اپنے وارث کو میراث سے محروم کر دیا، اللہ قیامت کے دن اس کو جنت کی وراثت سے محروم رکھے گا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص ابتداء ہی میں نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل نہیں کیا جائے گا۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کتاب النکاح

نکاح کا بیان

”نکاح“ کے لغوی معنی جمع کرنا۔ لیکن اس لفظ کا مطلق ”مجامعت کرنے“ اور ”عقد“ کے معنی پر بھی ہوتا ہے کیونکہ مجامعت اور عقد دونوں ہی میں ”جمع ہونا اور ملنا“ پایا جاتا ہے لہذا اصول فقہ میں نکاح کے یہی معنی جمع ہونا، معنی ”مجامعت کرنا“ مراد لینا چاہئے بشرطیکہ ایسا کوئی قرینہ نہ ہو جو اس معنی کے خلاف دلائل کرتا ہو۔

”علماء فقہ کی اصطلاح میں ”نکاح“ اس خاص عقد و معاہدہ کو کہتے ہیں جو مرد و عورت کے درمیان ہوتا ہے اور جس سے دونوں کے درمیان زوجیت کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔

نکاح کی اہمیت

نکاح یعنی شادی صرف دو افراد کا ایک سماجی بندھن، ایک شخصی ضرورت، ایک طبعی خواہش اور صرف ایک ”ذاتی معاملہ“ ہی نہیں ہے بلکہ یہ معاشرہ انسانی کے وجود و بقاء کا ایک بنیادی ستون بھی ہے اور شرعی نقطہ نظر سے ایک خاص اہمیت و فضیلت کا حامل بھی ہے۔ نکاح کی اہمیت اور اس کی بنیادی ضرورت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے شریعت محمدی ﷺ تک کوئی ایسی شریعت نہیں گزری ہے جو نکاح سے خالی رہی ہو اسی لئے علماء لکھتے ہیں کہ ایسی کوئی عبادت نہیں ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک مشروع ہو اور جنت میں بھی باقی رہے سوا نکاح اور ایمان کے چنانچہ ہر شریعت میں مرد و عورت کا اجتماع ایک خاص معاہدہ کے تحت مشروع رہا ہے اور بغیر اس معاہدہ کے مرد و عورت کا باہمی اجتماع کسی بھی شریعت و مذہب نے جائز قرار نہیں دیا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ اس معاہدہ کی صورتیں مختلف رہی ہیں اور اس کے شرائط و احکام میں تغیر و تبدل ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ اس بارہ میں اسلام نے جو شرائط مقرر کی ہیں، جو احکام نافذ کئے ہیں اور جو قواعد و ضوابط وضع کئے ہیں اس باب سے ان کی ابتداء ہو رہی ہے۔

نکاح کے فوائد و آفات

نکاح کا جہاں سب سے بڑا عمومی فائدہ نسل انسانی کا بقاء اور باہم قواعد و ضوابط کا جاری رہنا ہے وہیں اس میں کچھ مخصوص فائدے اور بھی ہیں جن کو پانچ قسموں میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔

① نکاح کر لینے سے بیجان کم ہو جاتا ہے یہ جنسی بیجان انسان کی اخلاقی زندگی کا ایک بلاکت خیز مرحلہ ہوتا ہے جو اپنے سکون کی خاطر مذہب و اخلاقی ہی کی نہیں شرافت و انسانیت کی بھی ساری پائندیاں توڑ ڈالنے سے گزر نہیں کرتا، مگر جب اس کو جائز ذرائع سے سکون مل جاتا ہے تو پھر یہ پابند اعتدال ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جائز ذریعہ صرف نکاح ہی ہو سکتا ہے۔

۱) نکاح کرنے سے اپنا گھر بٹا ہے، خانہ داری کا آرام ملا ہے گھر کی زندگی میں سکون و اطمینان کی دولت نصیب ہوئی ہے اور گھر کی زندگی کے اس اطمینان و سکون کے ذریعہ حیات انسانی کو فکرو عمل کے ہر موڑ پر سہارا ملا ہے۔

۲) نکاح کے ذریعہ سے کنبہ بڑھتا ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے آپ کو مضبوط و زبردست محسوس کرتا ہے اور معاشرہ میں اپنے حقوق و مفادات کے تحفظ کے لئے اپنا ہر عہد و اب قائم کر سکتا ہے۔

۳) نکاح کرنے سے نفس مجاہدہ کا عادی ہوتا ہے کیونکہ گھریلو اور اہل و عیال کی خبر گیری و نگہداشت اور ان کی پرورش و پرداخت کے سلسلہ میں حدود و حدود کا پختہ ہوتا ہے اس سلسلہ میں جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان بے غلی اور لا پرواہی کی زندگی سے دور رہتا ہے جو اس کے لئے دنیاوی طور پر بھی نقص بخش ہے اور اس کی وجہ سے وہ دینی زندگی یعنی عبادات و طاعات میں بھی جاتی وچہ بند رہتا ہے۔

۴) نکاح ہی کے ذریعہ صالح و نیک بخت اولاد پیدا ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی شخص کی زندگی کا سب سے گراں مایہ سرمایہ اس کی صالح اور نیک اولاد ہی ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ نہ صرف دنیا میں سکون و اطمینان اور عزت و نیک نامی کی دولت حاصل کرتا ہے بلکہ اخروی طور پر بھی فلاح و سعادت کا حصہ دار بنتا ہے۔

یہ تو نکاح کے فائدے تھے لیکن کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جو نکاح کی وجہ سے بعض لوگوں کے لئے نقصان و تکلیف کا باعث بن جاتی ہیں اور جنہیں نکاح کی آفات کہا جاتا ہے چنانچہ ان کو بھی چند نمبروں میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔

۱) طلب حلال سے عاجز ہونا یعنی نکاح کرنے کی وجہ سے چونکہ گھریلو کی ضروریات لاحق ہو جاتی ہیں اور طرح طرح کے فکرو اعتکبار رہتے ہیں اس لئے عام طور پر طلب حلال میں وہ ذوق بیکاری نہیں رہتا جو ایک مجرد تنہا زندگی میں رہتا ہے۔

۲) حرام امور میں زیادتی ہونا۔ یعنی جب بیوی کے آجانے اور بال بچوں کے ہو جانے کی وجہ سے ضروریات زندگی بڑھ جاتی ہیں تو بے اوقات اپنی زندگی کا جو وہ معیار برقرار رکھنے کے لئے حرام امور کے ارتکاب تک سے گریز نہیں کیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ ذہن و عمل سے حلال و حرام کی تمیز بھی اٹھ جاتی ہے اور بلا تکلف حرام چیزوں کو اختیار کر لیا جاتا ہے۔

۳) محسوسات کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہونا۔ اسلام نے عورتوں کو جو بلند و بالا حقوق عطا کئے ہیں ان میں بیوی کے ساتھ اچھے سلوک اور حسن معاشرت کا ایک خاص درجہ ہے لیکن ایسے بہت کم لوگ ہیں جو بیوی کے حقوق کا لحاظ کرتے ہوں، بلکہ بد قسمتی سے چونکہ بیوی کو ”زیر دست“ سمجھ لیا جاتا ہے اس لئے عورتوں کے حقوق کی پامالی اور ان کے ساتھ برے سلوک و برتاؤ بھی ایک ”ذاتی معاملہ“ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا حالانکہ یہ چیز ایک انسانی اور معاشرتی بد اخلاقی ہی نہیں ہے بلکہ شرعی طور پر بھی بڑے گناہ کی حامل ہے اور اس سے دین و دنیا دونوں کا نقصان ہوتا ہے۔

۴) عورتوں کی بد مزاجی پر صبر نہ کرنا عام طور پر شوہر چونکہ اپنے آپ کو بیوی سے برتر سمجھتا ہے اس لئے اگر بیوی کی طرف سے زرا بھی بد مزاجی ہوئی تو ناقابل برداشت ہو جاتی ہے اور مصروف حال کا دامن اتھارے تو ڈانچا جھوٹ جاتا ہے۔

۵) عورت کی ذات سے تکلیف اٹھانا بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں جو اپنی بد مزاجی و بد اخلاقی کی وجہ سے اپنے شوہروں کے لئے تکلیف و پریشانی کا ایک مستقل سبب بن جاتی ہیں اس کی وجہ سے گھر کی ماحول غیر خوشگوار اور زندگی غیر مطمئن و اضطراب انگیز بن جاتی ہے۔

۶) بیوی بچوں کی وجہ سے حقوق اللہ کی ادائیگی سے باز رہنا یعنی ایسے لوگ کم ہی ہوتے ہیں جو اپنی گھر کی زندگی کے استحکام اور بیوی بچوں کے ساتھ حسن معاشرت کے ساتھ ساتھ اپنی دینی زندگی کو پوری طرح برقرار رکھتے ہوں جب کہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ بیوی بچوں اور گھر بار کے ہنگاموں اور مصروفیتوں میں بے پرواہی زندگی میں بے پرواہی ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ تو عبادات و طاعات کا خیال رہتا ہے نہ حقوق اللہ کی ادائیگی پورے طور پر ہوتی ہے۔

نکاح کے ان فوائد و آفات کو سامنے رکھ کر اب یہ سمجھنے کے قابل ہوں۔ یعنی فوائد و آفات برابر برابر ہوں۔ تو جس چیز

سے دین کی باتوں میں زیادتی ہوتی ہو اسے ترجیح دی جائے مثلاً ایک طرف تو نکاح کا یہ فائدہ ہو کہ اس کی وجہ سے جنسی ہیجان کم ہوتا ہے اور دوسری طرف نکاح کرنے سے یہ دینی نقصان سامنے ہو کہ عورت کی بد مزاجی پر صبر نہیں ہو سکے گا تو اس صورت میں نکاح کرنے ہی کو ترجیح دی جائے کیونکہ اگر نکاح نہیں کریگا تو زمانہں مبتلا ہو جائے گا اور ظاہر ہے کہ یہ چیز عورت کی بد مزاجی پر صبر نہ کرنے سے کہیں زیادہ دینی نقصان کا باعث ہے۔

نکاح کے احکام

① حنفی مسلک کے مطابق نکاح کرنا اس صورت میں فرض ہو جاتا ہے جب کہ جنسی ہیجان اس درجہ غالب ہو کہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں زنا میں مبتلا ہو جائے گا یقیناً ہو اور بیوی کے مہر پر اور اس کے نفقہ پر قدرت حاصل نہ ہو اور یہ خوف نہ ہو کہ بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی بجائے اس کے ساتھ ظلم و زیادتی کا برتاؤ ہو گا۔

② نکاح کرنا اس صورت میں واجب ہو جاتا ہے جب کہ جنسی ہیجان کا غلبہ ہو مگر اس درجہ کا غلبہ نہ ہو کہ زنا میں مبتلا ہو جائے گا یقیناً ہو، نیز مہر و نفقہ کی ادائیگی کی قدرت رکھتا ہو اور بیوی پر ظلم کرنے کا خوف نہ ہو۔ اگر کسی شخص پر جنسی ہیجان کا غلبہ تو ہو مگر وہ مہر اور بیوی کے اخراجات کی ادائیگی پر قادر نہ ہو تو ایسی صورت میں اگر وہ نکاح نہ کرے تو اس پر گناہ نہیں ہو گا، جب کہ مہر اور نفقہ پر قادر شخص جنسی ہیجان کی صورت میں نکاح نہ کرنے سے گناہ گار ہوتا ہے۔

③ اعتدال کی حالت میں نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہے "اعتدال کی حالت" سے مراد یہ ہے کہ جنسی ہیجان کا غلبہ تو نہ ہو لیکن بیوی کے ساتھ مہر و نفقہ کی قدرت رکھتا ہو اور مہر و نفقہ کی ادائیگی پر بھی قادر ہو۔ لہذا اس صورت میں نکاح نہ کرنے والا گناہ گار ہوتا ہے جب کہ زنا سے بچنے اور افزائش نسل کی نیت کے ساتھ نکاح کرنے والا اجرو ثواب سے نوازا جاتا ہے۔

④ نکاح کرنا اس صورت میں مکروہ ہے جب کہ بیوی پر ظلم کرنے کا خوف ہو، یعنی اگر کسی شخص کو اس بات کا خوف ہو کہ میرا مزاج چونکہ بہت برا اور سخت ہے اس لئے میں بیوی پر ظلم و زیادتی کروں گا تو ایسی صورت میں نکاح کرنا مکروہ ہے۔

⑤ نکاح کرنا اس صورت میں حرام ہے جب کہ بیوی پر ظلم کرنے کا یقین ہو۔ یعنی اگر کسی شخص کو یہ یقین ہو کہ میں اپنے مزاج کی سختی و تندی کی وجہ سے بیوی کے ساتھ اچھا سلوک قطعاً نہیں کر سکتا بلکہ اس پر میری طرف سے ظلم ہونا بالکل یقینی چیز ہے تو ایسی صورت میں نکاح کرنا اس کے لئے حرام ہو گا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شریعت نے نکاح کے بارے میں مختلف حالات کی رعایت رکھی ہے بعض صورتوں میں تو نکاح کرنا فرض ہو جاتا ہے بعض میں واجب اور بعض میں سنت مؤکدہ ہوتا ہے جب کہ بعض صورتوں میں نکاح کرنا مکروہ بھی ہوتا ہے اور بعض میں تو حرام ہو جاتا ہے لہذا ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اسی صورت کے مطابق عمل کرے جو اس کی حالت کے مطابق ہو۔

نکاح کے مستحبات

جب کوئی شخص نکاح کرنا چاہے خواہ مرد ہو یا عورت تو چاہئے کہ نکاح کا پیغام دینے سے پہلے ایک دوسرے کے حالات کی اور عادات و اطوار کی خوب اچھی طرح جستجو کر لی جائے تاکہ ایسا نہ ہو کہ بعد میں کوئی ایسی چیز معلوم ہو جو طبیعت و مزاج کے خلاف ہونے کی وجہ سے زوجین کے درمیان ناچاقی و کشیدگی کا باعث بن جائے۔

یہ مستحب ہے کہ عمر، عزت، نسب اور مال میں بیوی، خاوند سے کم ہو اور اخلاق و عادات، خوش خلقی و آداب، حسن و جمال اور تقویٰ میں خاوند سے زیادہ ہو مرد کے لئے یہ بھی مستحسن ہے کہ وہ جس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے اس کو نکاح سے پہلے دیکھ لے بشرطیکہ یہ یقین ہو کہ میں اگر اس کو پیغام دوں گا تو منظور ہو جائے گا۔

مستحب ہے کہ نکاح کا اعلان کیا جائے اور نکاح کی مجلس اعلیٰ طہر پر منعقد کی جائے جس میں دونوں طرف سے اعزاء و احباب نیز بعض علماء و صلحا بھی شریک۔ اسی طرح یہ بھی مستحب ہے کہ نکاح پر حائے والا نیک بخت و صالح ہو اور گواہ عادل و پرہیزگار ہوں۔

ایجاب و قبول اور ان کے صحیح ہونے کی شرائط

نکاح، ایجاب و قبول کے ذریعہ منعقد ہوتا ہے اور یہ ایجاب و قبول دونوں ماضی کے لفظ کے ساتھ ہونے چاہئیں (یعنی ایسا لفظ استعمال کیا جائے جس سے یہ بات سمجھی جائے کہ نکاح ہو چکا ہے) جیسے عورت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تمہاری زوجیت میں دیا، یا عورت کا ولی، مرد سے یہ کہے کہ میں نے فلاں عورت کا جس کا نام یہ ہے، تمہارے ساتھ نکاح کیا اور اس کے جواب میں مرد یہ کہے کہ میں نے منظور کیا یا ایجاب و قبول میں سے کوئی ایک ماضی کے لفظ کے ساتھ ہو جیسے عورت یہ کہے کہ مجھ سے نکاح کر لیا عورت کا ولی، مرد سے یہ کہے کہ فلاں عورت سے جس کا نام یہ ہے نکاح کر لو اور اس کے جواب میں مرد یہ کہے کہ میں نے نکاح کر لیا۔ یا اس کا برعکس ہو، جیسے مرد یہ کہے کہ میں نے تمہارے ساتھ اپنا نکاح کر لیا اور اس کے جواب میں عورت یہ کہے کہ میں منظور کرتی ہوں۔ اور اگر مرد، عورت سے یوں کہے کہ ”کیا تم نے اپنے آپ کو میری زوجیت میں دیا؟ یا کہے کہ ”کیا تم نے مجھے قبول کیا؟“ اور اس کے جواب میں عورت (یاں میں نے دیا یا ہاں میں نے قبول کیا کہنے کی بجائے) صرف یہ کہے کہ ہاں دیا۔ یا ہاں قبول کیا (یعنی لفظ ”میں“ نہ کہے) تو اس صورت میں بھی نکاح ہو جاتا ہے۔ البتہ گواہوں کے سامنے صرف یہ کہنے سے کہ ”تم بیوی خاوند ہیں“ نکاح نہیں ہوتا۔

جس طرح ایجاب و قبول میں ماضی کا لفظ استعمال کرنا ضروری ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ایجاب و قبول میں خاص کر نکاح اور ترویج کا لفظ استعمال کیا جائے مثلاً یوں کہا جائے کہ میں نے تمہارے ساتھ نکاح کیا یا تمہارے ساتھ ترویج کیا۔ یا نکاح و ترویج کے ہم معنی کوئی دوسرا لفظ استعمال کیا جائے جو نکاح کا مطلب مراد ہو اور اگر تاہو جیسے مرد یوں کہے کہ میں نے تمہیں اپنی بیوی نہ لیا یا یوں کہے کہ میں تمہارا شوہر ہو گیا۔ یا یوں کہے کہ تم میری ہو گئیں۔ اور نکاح و ترویج یا اس کا ہم معنی لفظ مراد استعمال نہ کیا جائے بلکہ کوئی ایسا لفظ استعمال کیا جائے جس سے کنایہ نکاح کا مفہوم سمجھا جاتا ہو تو یہ بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ لفظ ایسا ہو جس کے ذریعہ سے کسی ذات کامل کی ملکیت فی الحال حاصل کی جاتی ہو جیسے یہ کہ لفظ، یا حدیث، یا تملیک، یا عقد، یا بیع و شراء کا لفظ جیسے بیوی یوں کہے کہ میں نے اپنی زوجیت تمہیں بیہ کر دی، یا میں نے اپنی ذات تمہیں بطور صدقہ دے دی۔ یا میں نے تمہیں اپنی ذات کا مالک بنا دیا، یا یوں کہے کہ میں نے تمہیں اس قدر روپیہ کے عوض خرید لیا اور ان سب کے جواب میں مرد یہ کہے کہ میں نے قبول کیا، لیکن ایس کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ منکح نے اس لفظ سے نکاح مراد لیا ہو اور کوئی قرینہ اس پر دلالت کرنا ہو اور اگر کوئی قرینہ نہ ہو تو قبول کرنے والے نے منکح کی مراد کی تصدیق کر دی ہو، نیز گواہوں نے بھی سمجھ لیا ہو کہ اس لفظ سے مراد نکاح ہے خواہ انہوں نے کسی قرینہ سے سمجھا یا بتا دینے سے سمجھا ہو۔

ایجاب و قبول کے وقت عاقدین (دو عاقدوں میں سے ہر ایک کے لئے دوسرے کا کلام مناسبت ضروری ہے خواہ وہ بالا صالطہ (یعنی خود) سین خواہ دونو کا لہ سین (یعنی ان کا دل میں سے) اور خواہ بالاولا (یعنی ان کا ولی سے)

ایجاب و قبول کے وقت دو گواہوں کی موجودگی، نکاح صحیح ہونے کی شرط ہے۔ اور یہ گواہ خواہ دو مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں، گواہوں کا آثار و ما ضروری ہے۔ کوئی یا غلام گواہوں کی گواہی معتبر نہیں ہوتی، اسی طرح گواہوں کا عقل اور مسلمان ہونا بھی ضروری ہے۔ مسلمانوں کی گواہی ہر حال میں کافی ہوگی خواہ وہ پرہیزگار ہوں یا فاسق ہوں اور خواہ ان پر حد قذف لگائی جا چکی ہو۔ گواہوں کا بیٹا ہو یا نیا زوجین کا رشتہ دار نہ ہونا شرط نہیں ہے، چنانچہ اندھوں کی گواہی اور زوجین کے رشتہ داروں کی گواہی معتبر ہوگی خواہ وہ زوجین کے یا ان میں سے کسی ایک کے بیٹے کی ہوں۔ ہوں۔ گواہوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ دونوں ایجاب و قبول کے الفاظ کو ایک ساتھ سین اور سکر یہ بھی لیں کہ نکاح ہو رہا ہے گواہوں کے الفاظ کے معنی نہ تمہیں (مثلاً ایجاب و قبول کسی ایسی زبان میں ہو جسے وہ نہ جانتے ہوں) اگر دونوں گواہ

اجاب و قبول کے الفاظ ایک ساتھ نہ پیش بلکہ الگ الگ پیش تو نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ اگر کسی شخص نے کسی دوسرے شخص سے کہا کہ میری فلاں نابالغ لڑکی کا نکاح فلاں شخص کے ساتھ کر دو اور اس شخص نے اس لڑکی کا نکاح اس باپ اور ایک دوسرے مرد کی موجودگی میں کیا تو یہ جائز ہوگا لیکن اگر باپ موجود نہ ہو تو پھر دونوں مردوں یا ایک مرد اور عورتوں کی موجودگی کے بغیر نکاح درست نہیں ہوگا۔

الفصل الاول

جوانوں کو نکاح کرنے کا حکم

① عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مِنْ اسْتِظْطَاعِ مِنْكُمْ النِّسَاءَ فَلْيَنْتَزِعْنَ فَإِنَّهُ أَغْضَى لِلْبَصَرِ وَأَخْضَلَ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَشْتَغَعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وَجَاءٌ۔ (بخاری)

”حضرت عبداللہ ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اے جوانوں کے گروہ! تم میں سے جو شخص جماعت کے لوازمات (یعنی بوی بچوں کا نقشہ اور مہر ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہو، اسے چاہئے کہ وہ نکاح کرے، کیونکہ نکاح کرنا نظر کو بہت چھپاتا ہے اور شرم گاہ کو بہت محفوظ رکھتا ہے (یعنی نکاح کر لینے سے اجنبی عورت کی طرف نظر پائل نہیں ہوتی اور انسان حرام کاری سے بچتا ہے) اور جو شخص جماعت کے لوازمات کی استطاعت نہ رکھتا ہو، اسے چاہئے کہ وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ رکھنا اس کے لئے خصی کرنے کا فائدہ دیتا (یعنی جس طرح خصی ہو جانے سے جنسی بیجان ختم ہو جاتا ہے اسی طرح روزہ رکھنے سے بھی جنسی بیجان ختم ہو جاتا ہے)۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس خطاب عام کے ذریعہ نبی کریم ﷺ نے جوانوں کو نکاح کی ترغیب دلاتے ہوئے نکاح کے دو بڑے فائدے ظاہر فرمائے ہیں ایک تو یہ کہ انسان نکاح کرنے سے اجنبی عورتوں کی طرف نظر بازی سے بچتا ہے دوسرے یہ کہ حرام کاری سے محفوظ رہتا ہے۔

جوانی کی حد

انسان بالغ ہونے کے بعد جوان کہلاتا ہے۔ لیکن جوانی کی یہ حد کہاں تک ہے؟ اس میں اختلاف ہے چنانچہ امام شافعی کے نزدیک جوانی کی حد تیس برس کی عمر تک ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ ایک انسان چالیس برس کی عمر تک جوان کہلاتا ہے کا سن رہتا ہے۔

تبتل کی ممانعت

② وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ رَوَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى عَثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ التَّبْتُ وَلَوْ أَتَوْنَهُ لَا تُخْضَعُ لَكَ۔ (بخاری و مسلم)

”اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ ”رسول کریم ﷺ نے حضرت عثمان ابن مظعونؓ کو بتل (یعنی نکاح ترک کرنے) سے منع کر دیا تھا، اگر آپ حضرت ﷺ ان کو بتل کی اجازت دیتے تو ہم بھی خصی ہو جاتے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”بتل“ کے معنی ہیں ”عورتوں سے انقطاع اور ترک نکاح“ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تہمتیں) کے پانی بتل ایک اچھا اور پسندیدہ فعل ہے کیونکہ ان کے نزدیک دینداری کی آخری حد یہ ہے کہ انسان عورتوں سے اجتناب کرے اور نکاح وغیرہ سے پرہیز کرے۔ لیکن جس طرح حیسانیت یا بعض دوسرے مذاہب میں نکاح کو ترک کر دینا اور لذائذ زندگی سے کنارہ کش ہو جانا عبادت اور نیکی و تقویٰ کی آخری حد سمجھا جاتا ہے اس طرح کی کوئی بات اسلام میں نہیں ہے بلکہ شریعت اسلام نے نکاح کو انسانی زندگی کے لئے ایک ضرورت قرار دیکر اس کی اہمیت کو واضح کیا ہے اور بتایا ہے کہ لذائذ زندگی سے مکمل کنارہ کشی اور خود ساختہ تکالیف برداشت کرنا عبادت

نہیں ہے بلکہ ”ربانیت“ ہے جسے اس دین فطرت میں کوئی مقام حاصل نہیں ہے۔ ہاں امام شافعی، تناصر در کہتے ہیں کہ بغیر نکاح زندگی گزارنا افضل ہے لیکن امام شافعی کا یہ قول بھی نکاح کے بارے میں شریعت اسلامیہ کے بنیادی منشاء کے متافی نہیں ہے کیونکہ اول تو اس کا تعلق صرف افضلیت سے ہے اور دوسرے یہ ہے کہ یہ افضلیت بھی نفس نکاح (یعنی کرنے یا نہ کرنے) کے درجہ میں نہیں ہے بلکہ صرف ”تحلی للعبادة“ (یعنی عبارت کے لئے مجبور رہنا) کے تحت نظر سے ہے گویا امام شافعی کا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ عبادات میں مشغول رہنا نکاح کی مشغولیت سے افضل ہے۔ چنانچہ طاعلی قاریؒ نے حرقات میں امام شافعیؒ کی دلیلیں نقل کرنے کے بعد امام اعظم ابو حنیفہؒ کی بہت سی دلیلیں نقل کی ہیں جن سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ مجرد (بغیر نکاح رہنے) کے مقابلہ میں تامل (نکاح کرنا ہی) افضل ہے۔ بہر کیف حضرت عثمان ابن مظعونؓ نے جب آنحضرت ﷺ سے تہنیک کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے انہیں اس کی اجازت دینے سے انکار کر دیا کیونکہ اسلام مسلمانوں کے ہاں نکاح کے ذریعہ افزائش نسل کو پسند کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ دنیا میں زیادہ سے زیادہ خدا کے حقیقی پیام لیا مسو جو رہیں اور وہ ہمیشہ تقرب باطن کے خلاف جہاد کرتے رہیں۔ اسی سلسلہ میں حدیث کے راوی حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ نے یہ کہا کہ اگر آنحضرت حضرت عثمانؓ کو تہنیک کی اجازت دیدیتے تو ہم سب اپنے آپ کو خسی کر ڈالتے تاکہ ہمیں عورتوں کی ضرورت پڑتی اور نہ ہمیں عورتوں سے متعلق کسی برائی میں مبتلا ہو جانے کا خوف رہتا۔

طبیحاً کہتے ہیں کہ اس موقع کے مناسب تو یہ تھا کہ حضرت سعدؓ یہ کہتے کہ اگر آنحضرت ﷺ حضرت عثمانؓ کو تہنیک کی اجازت دیدیتے تو ہم بھی تہنیک کرتے۔ مگر حضرت سعدؓ نے کہنے کی بجائے یہ کہا کہ ہم سب اپنے آپ کو خسی کر ڈالتے لہذا حضرت سعدؓ نے یہ بات دراصل بطور مبالغہ کہی یعنی اپنی اس بات سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر آنحضرت ﷺ حضرت عثمانؓ کو اجازت دیدیتے تو ہم بھی تہنیک میں اتنا مبالغہ اور اتنی سخت کوشش کرتے کہ آخر کدھ خسی کی مانند ہو جاتے۔ گویا اس جملہ سے حضرت سعدؓ کی مراد حقیقہً خسی ہو جانا نہیں تھا۔ کیونکہ یہ فعل (یعنی اپنے آپ کو خسی کر ڈالنا) جائز نہیں ہے۔

اور علامہ نوویؒ کہتے ہیں کہ حضرت سعدؓ نے یہ بات اس وجہ سے کہی کہ ان کا گمان یہ تھا کہ خسی ہو جانا جائز ہے حالانکہ ان کا یہ گمان حقیقت و واقعہ کے خلاف تھا کیونکہ خسی ہو جانا انسان کے لئے حرام ہے خواہ چھوٹی عمر کا یا بڑی عمر کا اس موقع پر جانوروں کے بارہ میں جان لینا چاہئے کہ ہر اس جانور کو خسی کرنا حرام ہے جو غیر یا کول (یعنی کھانا نہ جاتا) ہو اور جو جانور کھایا جاتا ہے اس کو خسی کرنا چھوٹی عمر میں تو جائز ہے لیکن بڑی عمر میں حرام ہے۔ جانوروں کو خسی کرنے کے بارہ میں مذکورہ بالا تفصیل علامہ نووی شافعیؒ نے لکھی ہے جب کہ فقہ حنفی کی کتابوں اور مختار اور ہدایہ میں ”بڑی عمر اور چھوٹی عمر“ کی تفصیل کے بغیر صرف یہ لکھا ہے کہ جانوروں کو خسی کرنا جائز ہے۔

دیندار عورت سے نکاح کرنا بہتر ہے

(۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَنْكِحُ الْمَرْأَةَ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسْبِهَا وَلِحَمَالِهَا وَلِدِينِهَا فَاطْفَرُ بِذَاتِ الدِّينِ قَرِيبَتْ يَدُ الْإِثْمِ (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”کسی عورت سے نکاح کرنے کے بارہ میں چار چیزوں کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اول اس کا مالدار ہونا دوم اس کا نسب والی ہونا سوم اس کا دین و جمیل ہونا اور چہارم اس کا دین دار ہونا۔ لہذا دیندار عورت کو اپنا مطلوب قرار دو اور خاک آلودہ ہوتے تیرے دونوں ہاتھ۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”حسب و نسب والی“ سے مراد وہ عورت ہے جو نہ صرف اپنی ذات میں شرف و بلندی اور وجاہت رکھتی ہو۔ بلکہ وہ جس خاندان و قبیلہ کی فرد ہو وہ خاندان و قبیلہ بھی عزت و وجاہت اور شرف و بلندی کا حامل ہو چنانچہ انسان کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ وہ اسی عورت سے بیاہ کرے جو باحیثیت و باعزت خاندان و قبیلہ کی فرد ہو تاکہ اس عورت کی وجہ سے اپنی اولاد کے نسب میں شرف و بلندی کا

امتیاز حاصل ہو۔

ہر ایک حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عام طور پر لوگ عورت سے نکاح کرنے کے سلسلہ میں مذکورہ چار چیزوں کو بطور خاص ملحوظ رکھتے ہیں کہ کوئی شخص تو والد ار عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ بعض لوگ اچھے حسب و نسب کی عورت کو بیوی بنانا پسند کرتے ہیں، بہت سے لوگوں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ایک حسین و جمیل عورت ان کی رفیقہ حیات بنے اور کچھ نیک بندے دین دار عورت کو ترجیح دیتے ہیں لہذا دین و مذہب سے تعلق رکھنے والے ہر شخص کو چاہئے کہ وہ دین دار عورت ہی کو اپنے نکاح کے لئے پسند کرے کیونکہ اس میں دنیا کی بھی بھلائی بھی ہے اور آخرت کی بھی سعادت ہے۔

”اور خاک آلودہ ہوں تیرے دونوں ہاتھ“ دینے تو یہ جملہ لفظی مفہوم کے اعتبار سے ذلت و خوارگی اور ہلاکت کی بددعا کے لئے کہنا یہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، لیکن یہاں اس جملہ سے یہ بدعائد نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد دین دار عورت کو اپنا مطلوب قرار دینے کی ترغیب دلانا ہے۔

نیک بخت عورت دنیا کی بہترین متاع ہے

④ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا النِّكَاحُ الصَّالِحَةُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”پوری دنیا ایک متاع ہے اور دنیا کی بہترین متاع نیک بخت عورت ہے۔“ (مسلم)

تشریح: متاع کے معنی ہیں ”وہ چیز جس سے تمہارا فائدہ اٹھایا جائے پھر فنا ہو جائے۔“ لہذا پوری دنیا کو ایک متاع کہنے کا مطلب یہ ہے کہ پوری دنیا ایک ایسی چیز ہے جس کا فائدہ کلل الابدت ہے اور جس کا فتنہ جلد ہی فنا ہو جائے والا ہے! اس طرح ”دنیا کی بہترین متاع نیک بخت عورت ہے“ کا مطلب یہ ہو گا کہ اس دنیا میں جن چیزوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں ان میں کی بہترین چیز نیک بخت عورت ہے کیونکہ نیک بخت عورت آخرت کے کاموں میں بہت مددگار و مفید ثابت ہوتی ہے۔

قریش کی نیک بخت عورتوں کی فضیلت

⑤ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ نِسَاءٍ وَكَبِيرُ الْإِبِلِ صَالِحُ نِسَاءٍ فَوَئِشَ أَخْنَاهُ عَلَى وَلَدَيْهِ جَعْفَرَهُ وَأَزْعَاهُ عَلَى رُوحٍ لِي ذَاتِ يَدَيْهِ۔ (مسلم علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اوتوں پر سوار ہونے والی عورتوں میں بہترین عورتیں قریش کی ہیں جو چھوٹے بچوں پر بہت شفقت ہوتی ہیں اور اپنے شوہر کے اس مال کی جو ان کے قبضہ میں ہوتا ہے بہت زیادہ حفاظت کرتی ہیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”اوتوں پر سوار ہونے والی عورتوں“ سے مراد عرب کی عورتیں کیونکہ عرب کی عورتیں عام طور پر اوتوں کی سواری کی عادی ہوتی تھیں لہذا حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ عرب کی عورتوں میں بہترین عورتیں قریش کی نیک بخت عورتیں ہیں۔

عورتوں کا فتنہ زیادہ نقصان دہ ہے

⑥ وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنْ النِّسَاءِ۔ (مسلم علیہ)

”اور حضرت اسامہ ابن زیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”میں نے اپنے بعد ایسا کوئی فتنہ نہیں چھوڑا ہے جو مردوں کے حق میں عورتوں کے فتنے سے زیادہ ضرور ساں ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مردوں کے حق میں عورتوں کے فتنے کو سب سے زیادہ ضرور ساں اس اعتبار سے فرمایا گیا ہے کہ اول تو مردوں کی طبائع عام طور پر عورتوں کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں وہ دوسرے یہ کہ مرد عام طور پر عورتوں کی خواہشات کے زیادہ پابند ہوتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ حرام امور میں گرفتار ہوتے ہیں اور عورتوں ہی کہ وجہ سے آپس کے لڑائی جھگڑے نفرت و عداوت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ یہ عورتیں ہی ہیں جن کی بے جا تازرواریاں مردوں کو دنیا داری کی طرف راغب کرتی ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ دنیا داری سے زیادہ اور کراہی چیز ضرور ساں ہو سکتی ہے، کیونکہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس کے بارہ میں فرمایا ہے کہ۔

حُبُّ الدُّنْيَا زَانٌ مَثَلُ غُطَيْنَةٍ

”دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔“

ارشادِ گرامی ”اپنے بعد“ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ عورتوں کے فتنے آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں کم تھے اور ان کا زیادہ ظہور آپ ﷺ کے بعد ہوا کیونکہ اس وقت حق کا غلبہ تھا اور نیکی کی طاقت تمام برائیوں کو دبائے ہوئے تھی جب کہ آنحضرت ﷺ کے بعد آہستہ آہستہ باطل کی قوت بڑھتی گئی اور برائیوں کا غلبہ ہوتا گیا۔

عورت کے فتنے سے بچو۔

⑥ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّنْيَا خُلُوفٌ شَيْصُورَةٌ وَإِنَّ اللَّهَ مُسْتَفْخِرٌ بِكُمْ فِيهَا فَيَنْظُرُ كَيْفَ تَعْمَلُونَ فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ فَإِنَّ أَوَّلَ فِتْنَةٍ بَيْنِي وَبَيْنَ الزَّيْلِ كَانَتْ لِي النِّسَاءَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”دنیا شیریں اور بڑا جاذب نظر ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس دنیا کا خلیفہ بنایا ہے اس لئے وہ ہر وقت ابھکتا ہے کہ تم اس دنیا میں کس طرح عمل کرتے ہو، لہذا دنیا سے بچو اور عورتوں (کے فتنے) سے بچو کیونکہ بنی اسرائیل کی تباہی کا باعث سب سے پہلا فتنہ عورتوں ہی کی صورت میں تھا۔“ (مسلم)

تشریح: ”دنیا شیریں اور سبز ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح شیریں، طبیعت کے لئے ایک مرغوب چیز ہوتی ہے اور جس طرح سبز چیز آنکھوں کو بہت بھائی ہے اسی طرح دنیا بھی دل کو بہت پیدلی لگتی ہے اور آنکھوں کو بھی بہت بھلی معلوم ہوتی ہے۔

”اللہ تعالیٰ نے تمہیں دنیا کا خلیفہ بنایا ہے“ اس لفظ کا مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، وہی اس کا حقیقی مالک و حاکم ہے تمہیں اس نے زمین پر اپنا خلیفہ بنا کر گویا اس دنیا کے تصرفات میں تمہیں اپنا وکیل بنایا ہے لہذا اللہ تعالیٰ تمہیں ہر وقت دیکھتا ہے کہ تم اس زمین پر اس کے بارخلاف کس طرح اٹھارہ ہو اور اپنی ملی زندگی کے ذریعہ تصرفات و دنیا میں حق و کالت کس طرح ادا کر رہے ہو؟ یا اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ تم سے پہلے اس دنیا سے چلے گئے ہیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کا خلیفہ (وارث) بنایا ہے، لہذا ان کے پاس جو کچھ تھا وہ سب تمہیں دیدیا ہے اور اب وہ تمہیں دیکھتا ہے کہ تم اپنے اسلاف کے احوال و کوائف سے کس طرح عبرت لے رہے ہو اور ان کے اموال و میراث میں کس طرح تصرف و انتظام کرتے ہو:

”دنیا سے بچو“ اس لفظ کا مطلب یہ ہے کہ دنیا بکھر و غریب کا بچھاوا ایک جال ہے اس جال سے حتی الامکان بچتے رہو، ایسا نہ ہو کہ اس جال میں پھنس کر دنیا کے ظاہری مال و جاہ پر اپنی دینداری گوارا دینا کیونکہ دنیا کو شامت نہیں ہے، یہ ایک فتنہ جانے والی چیز ہے، پھر اس فتنہ کے بعد کل جب تم ہمیشہ کی زندگی کے لئے اٹھائے جاؤ۔ اس کی حلال چیزوں کا حساب دینا ہو گا اور اس کی حرام چیزوں پر عذاب میں

بتلا کئے جاؤ گے۔ اس طرح عورتوں کے مکرو فریب سے بھی بچتے رہو، کیونکہ ایک مٹت خاک کا یہ دل فریب مجسمہ جہاں نیت عورت کی صورت میں خدا کی ایک نعمت ہے وہیں بری عورت کے روپ میں فتنہ عالم بھی ہے ایسا نہ ہو کہ بری عورتوں کی مکاریاں اپنی بیویوں کی بے جانہ برداریاں جنہیں ممنوع و حرام چیزوں کی طرف مائل کر دیں اور ان کی وجہ سے تم تباہی و ہلاکت کی کھائیوں میں دھکیل دیئے جاؤ۔

بنی اسرائیل پر تباہی کے دروازے کھولنے والا پہلا فتنہ عورت

تباہیوں کے دروازے کھلنے کا پہلا سبب اور ذریعہ بنا۔ چنانچہ اس کی تفصیل یوں بیان کی جاتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص جس کا نام بلعم بن باعور تھا، بہت مستجاب اللہ دعوات تھا، اسے ام اعظم یاد تھا جس کے ذریعہ وہ اپنی ہر دعا مقبول کرا لیتا تھا، چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ”جباروں“ سے لڑنے کے لئے علاقہ شام میں واضح بنی کعنان کے ایک حصہ میں خیمہ زن ہونے کو بلعم کی قوم کے لوگ بلعم کے پاس آئے اور کہا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے پیروکاروں کا ایک عظیم لشکر لے کر ہمیں قتل کرنے اور اس علاقہ سے لٹکانے کے لئے آئے ہیں تم ان کے لئے کوئی ایسی دیکھو عاکرو کہ وہ یہاں سے واپس بھاگ جائیں۔ بلعم نے جواب دیا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں تم وہ نہیں جانتے بھلا میں خدا کے پیغمبر علیہ السلام اور اس کے مانتے والوں کے حق میں بددعا کیسے کر سکتا ہوں؟ اگر میں ان کے لئے بددعا کرتا ہوں تو میری دنیا اور آخرت دونوں تباہ ہو جائیں گی! جب اس قوم کے لوگوں نے بہت منت سماجت کی اور وہ بددعا کرنے پر اصرار کرتے رہے تو بلعم نے کہا کہ اچھا میں استخارہ کروں گا اور دیکھوں گا کہ کیا حکم ہوتا ہے پھر اس کے بعد کوئی فیصلہ کروں گا۔ بلعم کا یہ معمول تھا کہ وہ بغیر استخارہ کوئی بھی کام نہیں کرتا تھا، چنانچہ اس نے جب استخارہ کیا تو خواب میں اسے ہدایت کی گئی کہ پیغمبر اور مومنوں کے حق میں ہرگز بددعا مت کرنا! بلعم نے اس خواب سے اپنی قوم کو مطلع کیا اور بددعا نہ کرنے کے لئے اپنے ارادہ کا پھر اظہار کیا، قوم کے لوگوں نے غور و فکر کے بعد ایک طریقہ اختیار کیا اور وہ یہ کہ وہ لوگ اپنے ساتھ بیش قیمت حقے لے کر بلعم کے پاس آئے اور پھر اس کے سامنے بہت ہی زیادہ منت سماجت کی، رونے لگے گونگوائے اور اسے اتنا مجبور کیا کہ آخر کار وہ ان کے جال میں پھنس ہی گیا، چنانچہ وہ بددعا کرنے کی غرض سے اپنے گدھے پر سوار ہو کر جنتان پہاڑ کی طرف چلا جس کے قریب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لشکر مقیم تھا، راستہ میں کئی مرتبہ گدھا گر بجے وہ مار کر اٹھا تا رہا، یہاں تک کہ جب یہ سلسلہ دراز ہوا اور بلعم بھی اپنے گدھے کو مار مار کر اٹھا تا ہوا پریشان ہو گیا تو حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے گدھے کو گویائی عطا کی چنانچہ گدھا بولا کہ ”نادان! بلعم! تجھے براہمنوس ہے، کیا تو یہ نہیں دیکھتا کہ تو کہیں جا رہا ہے، تو مجھے آگے چلانے کی کوشش کر رہا ہے اور لگاؤ میرے آگے اگر مجھے پیچھے دھکیل رہے ہیں؟“ بلعم نے جب چشم حیرت سے گدھے کو بولتے دیکھا تو بجائے اس کے کہ اس غیبی پر اپنے ارادہ سے باز آجاتا گدھے کو وچیں چھوڑا..... پیادہ پا پہاڑ پر چڑھ گیا اور وہاں بددعا کرنے لگا، مگر یہاں بھی قدرت خداوندی نے پہاڑ پر کرشمہ دکھایا کہ بلعم اپنی بددعائیں جب بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے لشکر کا نام لینا چاہتا، اس کی زبان سے بنی اسرائیل کے بجائے بلعم کی قوم کا نام نکلتا، یہ سن کر اس کی قوم کے لوگوں نے کہا کہ ”بلعم! یہ کیا حرکت ہے؟ بنی اسرائیل کی بجائے ہمارے حق میں بددعا کر رہے ہو۔“ بلعم نے کہا کہ اب میں کیا کروں، یہ حق تعالیٰ میرے قبعد و ارادہ کے بغیر میری زبان سے تمہارا نام نکلوا رہا ہے۔ لیکن بلعم پھر بھی اپنی بددعا سے باز نہ آیا اور اپنی ہی کوشش کرتا رہا یہاں تک کہ عذاب الہی کی وجہ سے بلعم کی زبان اس کے منہ سے نکل کر سینہ پر آچڑی، پھر تو گویا بلعم کی عقل بالکل ہی ماری گئی اور دیوانہ وار کہنے لگا کہ لو اب تو میری دنیا اور آخرت دونوں ہی برباد ہو گئی اس لئے اب ہمیں بنی اسرائیل کی تباہی کے لئے کوئی دوسرا جال تیار کرنا پڑے گا۔ پھر اس نے مشورہ دیا کہ تم لوگ اپنی اپنی عورتوں کو اچھی طرح آراستہ پیراستہ کر کے اور ان کے ہاتھوں میں کچھ چیزیں دے کر ان چیزوں کو فروخت کرنے کے بہانہ سے عورتوں کو بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیج دو اور ان سے کہہ دو کہ اگر بنی اسرائیل میں سے کوئی شخص ہمیں اپنے پاس بلائے تو انکار نہ کرنا یا دیکھو اگر بنی اسرائیل میں سے ایک شخص بھی کسی عورت کے ساتھ حرام کاری میں مبتلا ہو گیا تو تمہاری ساری کوششیں کا سیاب ہو جائیں گی۔ چنانچہ بلعم کی قوم نے اس مشورہ پر عمل کیا اور اپنی عورتوں کو تیار سنوار کر بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیج دیا۔ وہ عورتیں جب لشکر میں پہنچیں اور

ان میں سے ایک عورت جس کا نام کسی بنت صورتہ بنی اسرائیل کے ایک سردار زرم بن شلوم نامی کے سامنے سے گذری تو وہ اس عورت کے حسن و جمال کا اسیر ہو گیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لے گیا اور ان سے کہنے لگا کہ کیا آپ اس عورت کو میرے لئے حرام قرار دیتے ہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ ہاں اس عورت کے پاس ہر گزمت جانا، تو زرم نے کہا کہ میں اس بارہ میں آپ کا حکم نہیں مانوں گا چنانچہ وہ اس عورت کو اپنے خیمہ میں لے گیا اور وہاں اس کے ساتھ منہ کالا کیا بس پھر کیا تھا حکم الہی نے قبر کی شکل اختیار کر لی اور اس سر ملر کی شامت عمل سے ایک ایسی وبا پورے لشکر پر نازل ہوئی کہ ان کی آن میں شہر ہزار آدمی ہلاک و تباہ ہو گئے اور حجب فحاش کو کہ جو حضرت ہرون علیہ السلام کا پوتا اور ایک قوی جنگل آدمی تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نگہبان تھا، یہ معلوم ہوا کہ ہمارے ایک سردار کی شامت عمل نے قبر خداوندی کو دعوت دے دی ہے تو فوراً اپنا ہتھیار لے کر زرم کے خیمہ میں داخل ہوا اور پلک چمکتے ہی زرم اور اس عورت کا کام تمام کر ڈالا اور پھر لولا کہ ”اللہ تعالیٰ نے اسی شخص کی وجہ سے ہم سب کو ہلاک و تباہ کر دیا ہے“ چنانچہ ان دونوں کے قتل ہوئے یہ وہاں جو خدا رب خداوندی کی صورت میں نازل ہوئی تھی ختم ہو گئی۔

وہ تین چیزیں جن میں نحوست ہوتی ہے

(۸) وَعَنْ أَنَسٍ غَضَزَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشُّؤْمُ فِي الْخَزَاةِ وَالذَّارِ وَالْفَرْسِ - فَتَفَقَّ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةِ الشُّؤْمُ فِي فَلَانَةٍ فِي الْخَزَاةِ وَالْمَسْكَنِ وَالذَّائِدِ

”اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”عورت، گھر اور گھوڑے میں نحوست ہوتی ہے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”نحوست تین چیزوں میں ہوتی ہے عورتوں میں، مکان میں اور جانور میں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”شوم ضد ہے“، ”یعنی“ کی جس کے معنی ہیں ”بے برکتی“ اور اسی کو ”نحوست“ بھی کہتے ہیں۔ لہذا حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ ان تین چیزوں میں نحوست ہوتی ہے تو تفصیل کے ساتھ سمجھ لیجئے کہ ”نحوست“ سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ”گھر کی نحوست“ سے گھر کی تنگی اور بری مسکنی مراد ہے، یعنی جو گھر تنگ و تاریک ہو اور اس کا پڑوس برا ہو تو وہ گھر تکلیف دہ پریشانی کا باعث ہو جاتا ہے، ”عورت کی نحوست“ سے ہمہ کی زیادتی، اس کی بد مزاجی و زبان درازی اور ہاتھ پٹن مراد ہے یعنی جس عورت کا ہر زیادہ مقرر کیا گیا ہو، وہ بد مزاجی و تند خو، زبان دراز ہو اور یہ کہ ہاتھ ہو تو ایسی عورت راحت و سکون کی بجائے اذیت و کوفت کا ذریعہ بن جاتی ہے اسی طرح گھوڑے کی نحوست ”سے“ اس کا شوح ہونا، مضائقہ ہونا، اور اس پر سوار ہو کر جہاد نہ کیا جانا، مراد ہے یعنی جو گھوڑا ایسا ہو کہ اپنی شوخی کی وجہ سے پریشان کرتا ہو، شست رفتار ہو اور ٹھہ ہو اور اس پر سوار ہو کر جہاد کرنے کی کبھی نوبت نہ آئی ہو تو وہ گھوڑا اپنے، لنگ کے لئے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

کچھ علماء یہ کہتے ہیں کہ ان تین چیزوں میں نحوست کے اظہار کرنے کا مقصد دراصل یہ بتانا ہے کہ اگر بالفرض کسی چیز میں نحوست کا ہونا اپنی کوئی حقیقت رکھتا تو ان تین چیزوں میں نحوست ہوتی۔ گویا اس تشریح سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کسی چیز میں نحوست کا ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا چنانچہ یہ کہنا کہ فلاں چیز منحوس ہے یا فلاں چیز میں نحوست ہے صرف ایک واہمہ کدھر دیکھ کر ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ اگر واقعہ نحوست کسی چیز میں ہوا کرتی تو ان تین چیزوں میں ضرور ہوتی کیونکہ یہ تین چیزیں نحوست کے قابل ہو سکتی تھیں۔ چنانچہ یہ ارشاد ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک روایت میں فرمایا گیا ہے کہ ”اگر کوئی چیز تقدیر کے دائرہ سے باہر ہو تو وہ نظر بد تھی“ یعنی کائنات کی ہر چیز و حرکت اور یہاں کا ذرہ ذرہ پابند تقدیر ہے، اس عالم میں صرف وہی ظہور میں آتا ہے جو پہلے سے مقرر ہو چکا ہو کوئی چیز تقدیر سے باہر نہیں ہے اور اگر بغرض حال کوئی چیز مقدرات کے دائرہ سے باہر ہو تو وہ تقدیر ہے (کہ جسے عام طور پر نظر لگتے کہتے ہیں) لہذا جس طرح اس ارشاد کا مقصد یہ ظاہر کرنا نہیں ہے کہ تقدیر تقدیر کے دائرہ سے باہر ہے اسی طرح مذکورہ بالا تین چیزوں کے ساتھ

نحوست کا ذکر کرنے کا یہ مقصد نہیں ہے۔ کہ ان تین چیزوں میں نحوست ہوتی ہے۔ اور بعض عہدہ یہ کہتے ہیں کہ اس ارشادِ گرامی کے ذریعہ دارِ صلِ اُفت کے لوگوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اگر کسی کے پاس ایسا مکان ہو جس میں رہنا وہ ناپسند کرتا ہو، یا کسی کی ایسا بیوی ہو جس کے ساتھ صحبت و معاشرت اسے ناگوار ہو، یا کسی کے پاس ایسا گھوڑا ہو جو اسے اچھا معلوم نہ ہوتا ہو تو ان صورتوں میں یہ چیزیں چھوڑ دینی چاہئیں یعنی مکان والا اس مکان سے منتقل ہو جائے بیوی والا اس کو طلاق دیدے اور گھوڑے والا اس گھوڑے کو بیچ ڈالے۔

حدیث کی ان توضیحات کی روشنی میں یہ بات صاف ہو گئی کہ یہ ارشادِ گرامی طہرۃ منہی عیہا (بدھگوئی لینے کی ممانعت) کے منافی نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ عام طور پر لوگ جو یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ مکان منحوس ہے یا فلاں عورت یا فلاں گھوڑا سبز قدم ہے، تو یہ بات یہاں مراء نہیں ہے۔

اپنے نکاح کے لئے کنواری عورت کو ترجیح دو

⑨ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عَزْوَةٍ فَلَمَّا قَعَلْنَا كُنَّا قُرْبَيْنَا مِنَ الْمَدِينَةِ فَلَمَّا تَأَخَّرَ النَّبِيُّ إِلَيْنَا خَلَفَتْ عَهْدُ بَغْرَسٍ فَإِنْ تَرَوُحْتَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ أَيْكُتْرُ أَمْ تَيْبٌ قُلْتُ نَبْلُ تَيْبٌ قَالَ فَهَلَّا يَكُونُ ثَلَاثًا عِنْدَهَا وَثَلَاثًا عِنْدَكَ فَلَمَّا قَعَلْنَا ذَهَبْنَا لِتَدْخُلَ فَقَالَ أَصْهَلُ أَوْ أَحْسَنُ لَدْخُلِ اللَّيْلَ أَمْ عِشَاءُ لَكُنْ فَتَنْبِطُ الشَّيْخَةَ وَتَسْقِجُ الْمَغْبِيَةَ (مشق علیہ)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک جہاد میں ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے چنانچہ جب ہم جہاد سے واپس ہوئے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو میں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! میری نئی شادی ہوئی تھی کہ میں جہاد میں چلا گیا اب اگر حکم ہو تو میں آگے چلا جاؤں تاکہ اپنے گھر جلد سے جلد پہنچ سکوں" آپ ﷺ نے فرمایا "تم نے نکاح کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں" آپ ﷺ نے پوچھا "بیوی کنواری تھی یا بیوہ تھی؟ میں نے عرض کیا کہ "بیوہ تھی، آپ ﷺ نے فرمایا "تو تم نے کنواری سے کیوں نکاح نہیں کیا تاکہ تم اس کے ساتھ کھیٹے اور وہ تمہارے ساتھ کھیٹتی، پھر جب ہم مدینہ پہنچ گئے اور ہم سب نے اپنے اپنے گھروں میں جانے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ابھی غصہ جاؤ، ہم رات میں (یعنی شام کے وقت) گھروں میں داخل ہوں گے تاکہ جس عورت کے بال پر آئندہ ہوں وہ نکلی چلی کر لے اور وہ عورت جس کا خاوند موجود نہیں تھا (بلکہ ہمارے ساتھ جہاد میں گیا ہوا تھا) اپنے زائد بال صاف کر لے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: ہم اس کے ساتھ کھیٹنے (مخ) سے آپ کی بے تکلفی اور کمال الفت و رغبت مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ کنواری عورت سے نکاح کرنے میں آپس کی زندگی زیادہ الفت و رغبت کے ساتھ گذرتی ہے اور بے تکلفی اور جاہت زیادہ ہوتی ہے، اس کے برخلاف بیوہ عورت جب کسی دوسرے کی زوجیت میں آتی ہے چونکہ اس کا دل پہلے خاوند کی یاد کی لکک محسوس کرتا ہے دوسرے سے یہ اگر گہر بن سکن اور میل ملاپ میں اس دوسرے خاوند کو اپنے پہلے خاوند کی طرح نہیں پاتی تو اس کی طبیعت اچاٹ ہو جاتی ہے، ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اتنی زیادہ بے تکلف اور خوش مزاج ثابت نہیں ہوتی جتنی ایک کنواری عورت ہوتی ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے گھروں میں جانے میں جلدی نہ کرو بلکہ کچھ دیر توقف کرو، تاکہ تمہاری بیوی رات سے پہلے اپنا بناؤ سنگھار کر کے تمہاری جماعت کے لئے اپنے آپ کو تیار کر لیں اور جب تمہرات میں ان کے پاس پہنچو تو تمہیں کسی قسم کا کوئی شکہ راور کوئی بے لطفی نہ ہو۔ اس موقع پر یہ غلیان پیدا ہو سکتا ہے کہ دوسری حدیثوں میں تو اپنے گھروں میں آنے والے مسافر کو رات کے وقت گھر میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے جب کہ یہاں رات کے وقت گھروں میں داخل ہونے کو فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ گھر لوٹنے والے مسافر کو رات کے وقت گھر میں داخل ہونے کی جو ممانعت ہے اس کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ بغیر اطلاع کے یکایک گھر میں چلا جائے اور اگر گھروں کو پہلے سے اطلاع ہو جیسا کہ اس موقع پر ہوا تو اس صورت میں رات کے وقت اپنے گھر میں

داخل ہونا ممنوع نہیں ہوگا۔

الفصل الثانی

وہ تین شخص جن کی اللہ تعالیٰ ضرور مدد کرتا ہے

⑩ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثَةٌ حَقَّ عَلَى اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ أَنْ يَنْصُرَهُمُ الْمَلَائِكَةُ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْأَذَى وَالنَّاصِيحَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْعَفْافَ وَالْمُضَاهِدِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ (رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ایسے تین شخص ہیں جن کی مدد اللہ پر (اس کے وعدہ کے مطابق) واجب ہے ایک تو وہ مکاتب جو اپنا بدل کتابت ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو و سوا وہ نکاح کرنے والا شخص جو حرام کاری سے بچنے کی نیت رکھتا ہو، اور تیسرا خدا کی راہ میں جہاد کرنے والا۔“

تشریح: مکاتب اس غلام کو کہتے تھے جس کا آقا اس سے یہ کہہ دیتا تھا کہ اگر تم مجھے اعتماد ہے کیا کرویدو گے تو تم آزاد ہو جاؤ گے۔ اسی طرح زید ہے کہ وہ مقدار جو اس غلام کا آقا آزادی کے لئے ضروری قرار دیتا تھا ”بدل کتابت“ کہلاتی تھی۔

عورت کے ولی کے لئے ایک ضروری ہدایت

⑪ وَعَنْهُ قَالَ لَنْ يَنْصُرَهُ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خُطِبَ إِلَيْهِمْ مِنْ تَرْتُونٍ وَنِسَاءٍ وَخُلَفَاءَ فِرْزٍ حَوْزَةٍ إِنْ لَا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةً لِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيشِي۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب تمہارے پاس کوئی شخص نکاح کا پیغام بھیجے اور تم اس شخص کی رضامندی اور اس کے اخلاق سے مطمئن و خوش ہو تو (وہ اس کا پیغام منظور کرے) اس سے نکاح کرو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین پر فتنہ اور بڑا فساد برپا ہو جائیگا۔“ (ترمذی)

تشریح: یہ ارشاد گرامی دراصل عورتوں کے سرپرست اور ولیوں سے ایک خطاب اور ان کے لئے ایک ضروری ہدایت ہے کہ اگر کوئی دیندار اور اچھے اخلاق و اطوار کا حامل شخص تمہاری بیٹی یا تمہاری بہن وغیرہ سے نکاح کا پیغام بھیجے تو منظور کر لو اور اس سے نکاح کر دو، اگر ایسا نہ کرو گے بلکہ ایسے شخص کے پیغام کو نظر انداز کر کے کسی مالدار یا ثروت دار شخص کے پیغام کی انتظار میں رہو گے جیسا کہ اکثر دینداروں کی عادت ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اکثر عورتیں بغیر خاندان کے بیٹھی رہ جائیں گی اور اکثر مرد بغیر بیوی کے پڑے رہیں گے اس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ بدکاری اور برائیوں کا عام چلن ہو جائے گا بلکہ ان عورتوں کے سرپرست اور ولی بڑی بری قسم کی عار و غیرت میں مبتلا ہوں گے پھر جو لوگ ان کو عار و غیرت دلائیں گے وہ ان سے لڑنے جھگڑنے لگیں گے آخر کار اس برائی و فحاشی اور لڑائی جھگڑے سے ایک ہمہ گیر فتنہ و سادہ کی شکل پیدا ہو جائے گی۔

طبیعی کہتے ہیں کہ ایک طرح سے یہ حدیث حضرت امام مالکؒ کی دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ کفایت (زوجین میں سے ایک دوسرے کا کفو ہونے کا لحاظ صرف دین کے وصف میں کیا جائے گیا ان کے نزدیک ایک دوسرے کا کفو صرف دین میں ہو سکتا ہے جب کہ علماء کی اکثریت کا مسلک یہ ہے کہ ان چار اوصاف میں ایک دوسرے کا کفو (شریک) ہونے کا لحاظ کیا جائے ① دین، حریت، نسب، پیشہ۔ چنانچہ کسی مسلمان عورت کا نکاح کافر سے نہ کیا جائے نہ کسی غیر معلوم النسب سے کیا جائے اور کسی سودا گریا اچھے پیشے والے کی بیٹی کا نکاح کسی حرام یا مکروہ پیشہ والے سے نہ کیا جائے۔ لیکن اس بارہ میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ اگر کسی عورت کا ولی اور خود وہ عورت کسی غیر کفو والے سے نکاح کرنے پر راضی ہو جائے تو نکاح صحیح ہو جائے گا۔

محبت کرنے والی عورت سے نکاح کرو

(۱۲) وَعَنْ مُنْقَلَبِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجُوا النُّذُودَ فَإِنَّهُنَّ مُكَابِرَاتُكُمْ بِالْأَمَةِ-

(رواہ ابو داؤد و الترمذی)

”اور حضرت منقلاب بن یسارؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تم ایسی عورت سے نکاح کرو جو اپنے خاوند سے محبت کرنے والی ہو اور زیادہ بچے جننے والی ہو، کیونکہ دوسری امتوں کے مقابلہ میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔“ (ابو داؤد و ترمذی)

تشریح: منکوحہ عورت میں مذکورہ بالا دو صفوں کو ساتھ ساتھ اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کسی عورت کے ہاں بچے تو بہت پیدا ہوتے ہوں مگر وہ اپنے خاوند سے محبت کم کرتی ہو تو اس صورت میں خاوند کو اس کی طرف رغبت کم ہوگی اور اگر کوئی عورت خاوند سے محبت تو بہت کرے مگر اس کے یہاں بچے زیادہ نہ ہوں تو اس صورت میں مطلوب حاصل نہیں ہوگا۔ اور مطلوب اہمیت محمدیہ ﷺ کی کثرت ہے جو ظاہر ہے کہ زیادہ بچے ہونے کی صورت میں لیکن ہے۔ اگر مسلمان عورتوں کے ہاں زیادہ بچے ہوں گے تو امت میں کثرت ہوگی جو پیغمبر اسلام کے نزدیک پسندیدہ اور مطلوب ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نکاح سے پہلے یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ کون سی عورت اپنی آنکھ زندگی میں ان اوصاف کی حامل ثابت ہو سکتی ہے؟ تو اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ کسی خاوند کو کہہ کا عام مشاہدہ اس کی کسی عورت کے لئے ان صفوں کا معیار بن سکتا ہے چنانچہ ان اکثر لڑکیوں میں یہ صفیں موجود ہو سکتی ہیں جن کے خاوندان و قرابت داروں میں ان صفوں کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے، عام طور پر چونکہ اقرباء کے طبعی اوصاف ایک دوسرے میں سرایت کئے ہوئے ہیں اور عادت و مزاج میں کسی خاوندان و کنبہ کا ہر فرد ایک دوسرے کے ساتھ یکسانیت رکھتا ہے اس لئے کسی خاوندان کی لڑکی کے بارہ میں اس کے خاوندان کے عام مشاہدہ کے پیش نظر ان اوصاف کا اندازہ لگالینا کوئی مشکل نہیں ہے۔

بہر کیف، اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ شوہر بہت زیادہ محبت کرنے والی اور بچے پیدا کرنے والی عورت سے نکاح کرنا مستحب ہے، نیز یہ کہ زیادہ بچے ہونا بہتر اور پسندیدہ ہے کیونکہ اس سے آنحضرت ﷺ کا مقصد (یعنی امت کی زیادتی و کثرت کا فخر حاصل ہوتا ہے۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہاں ”نکاح کرنے“ سے مراد یہ تعلیم دینا ہے کہ تمہاری جن بیویوں میں یہ اوصاف موجود ہوں ان کے ساتھ زوجیت کے تعلق کو ہمیشہ قائم رکھو اور اس بات کی کوشش کرو کہ آپس میں کبھی کوئی تفرقہ اور جدائی نہ ہو۔

کنواری سے نکاح کرنا زیادہ بہتر ہے

(۱۳) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مَالِكٍ بْنِ عَثِمَةَ بْنِ عَوْفٍ عَنْ عَائِشَةَ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ خَدِجَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالْأَبْكَارِ فَإِنَّهُنَّ أَغْذِيَةُ الْفُؤَادِ وَانْتَفَى أَرْحَامُهُنَّ وَأَرْضَى بِالْيَسِيرِ - وَوَاهِشٌ مَاجَهٌ مُؤَسَّلًا-

”اور حضرت عبدالرحمن بن مالک بن عثیمہؓ ابن عوفؓ ابن عاصیؓ اپنے والد حضرت سالم سے اور وہ عبدالرحمن کے دادا یعنی حضرت عتبہؓ (تابعی) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تمیں کنواری عورتوں سے نکاح کرنا چاہئے کیونکہ وہ شریں دین ہوتی ہیں (یعنی کنواری عورتیں شریں زبان و خوش کلام ہوتی ہیں کہ وہ بزرگائی نفس کوئی میں جٹا نہیں ہوتیں) اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہوتی ہیں نیز وہ تمہارے پر بھی راضی رہتی ہیں (یعنی تمہارا مال و اسباب پالنے پر بھی راضی رہتی ہیں) اس روایت کو ابن ماجہ نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔“

تشریح: اس ارشاد گرامی کے ذریعہ کنواری عورتوں کی خصوصیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو یہ عورتوں میں نہیں پائی جاتیں مثلاً

کنواری عورت زیادہ بچے پیدا کرنے کے قابل ہوتی ہے کیونکہ اس کے رحم میں حرارت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے اس کا رحم، مرد کا مادہ تولید بہت جلد قبول کر لیتا ہے لیکن یہ چیز محض ظاہری اسباب کے درجہ کی ہے جو حکم الہی کے بغیر کوئی اہمیت نہیں رکھتی، کنواری عورتوں کی ایک نفسیاتی خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ تھوڑے سے مال و اسباب پر بھی راضی و خوش رہتی ہیں ان کا شوہر انہیں جو کچھ دیتا ہے اس کی کور و خاشاک قبول کر لیتی ہیں اور اس پر قانع رہتی ہیں کیونکہ وہ یہود عورت کی طرح پیٹلے سے کسی خاندان کا کچھ دیکھے ہوئے تو ہوتی نہیں کہ انہیں کچھ بیشی کا احساس ہو اور وہ اپنے شوہر سے زیادہ مال و اسباب کا مطالبہ کریں۔

الْفَضْلُ الثَّالِثُ

نکاح کی ایک خصوصیت

(۱۳) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ تَزَلْ بَيْنَ عَتَمَاتَيْنِ مِثْلَ الْيَتَامَى.

”حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اے عتس! تو نے نکاح کی مانند دو عورتوں کی چیز نہیں دیکھی ہوگی جو دو محبت کرنے والوں کے درمیان محبت کو زیادہ کرے۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ نکاح کے ذریعہ جس طرح خاوند اور بیوی کے درمیان بغیر کسی قرابت کے بے پناہ محبت و الفت پیدا ہو جاتی ہے اس طرح کائنات کے تعلق ایسا نہیں ہے جو دو شخصوں کے درمیان، جو ایک دوسرے کے لئے بالکل اجنبی ہوں، اس درجہ کی محبت و الفت پیدا کر دے۔

آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی فضیلت

(۱۵) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ زَادَ أَنْ يَلْقَى اللَّهَ ظَاهِرًا مُظْهِرًا الْفَلَيْتُ رُوحَ الْحَزَنِ.

”اور حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اس بات کا خواہشمند ہو کہ وہ (زمانہ کی نجاست سے) پاک کی حالت میں اور پاکیزہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے تو اسے چاہئے کہ آزاد عورتوں سے نکاح کرے۔“

تشریح: اس کی وجہ عام طور پر آزاد عورتیں، لونڈیوں کی بہ نسبت زیادہ پاک و پاکیزہ ہوتی ہیں اس لئے ان کی پاکیزگی مخالفت و مباشرت کے ذریعہ ان کی شوہروں میں سرایت کرتی ہے پھر یہ کہ آزاد عورتیں اپنی اولاد کو جو ادب و حلیہ اور تہذیب سکھا سکتی ہیں وہ لونڈیوں کے پس کی بات نہیں ہے کیونکہ جب وہ خود بھی کتر و پست حیثیت ہوتی ہیں تو اپنی اولاد کو ادب و تہذیب اور اخلاق سے کیسے مزین کر سکتی ہیں۔

نیک بخت بیوی کی خصوصیت

(۱۶) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ الثَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ يَقُولُ مَا اسْتَفَادَ الْمُؤْمِنُ بَعْدَ تَقْوَى اللَّهِ خَيْرًا مِنَ زَوْجَةٍ صَالِحَةٍ إِلَّا أَمَرَهَا أَطَاعَتْهُ وَإِنْ نَظَرَ إِلَيْهَا سَرَتْهُ وَإِنْ أَقْسَمَ عَلَيْهَا أَبْرَأَتْهُ وَإِنْ غَابَ عَنْهَا نَصَحَتْهُ لَمْ يَنْفَسْهَا وَمَالَهُ رَوَى ابْنُ مَاجَةَ الْأَحَادِيثُ الثَّلَاثَةَ.

”اور حضرت ابوامامہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”مومن اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کے بعد جو سب سے بہتر چیز اپنے لئے منتخب کرنا ہے وہ نیک بخت و خوب صورت بیوی، نیک بیوی کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر شوہر اس کو کوئی حکم دیتا ہے تو وہ اس کی تعمیل کرتی ہے، جب وہ اس کی طرف دیکھتا ہے تو وہ (اپنے حسن اور پاکیزگی اور اپنی خوش خلقی و پاک سیرت سے) اس کا دل خوش کرتی ہے، جب وہ اس کو قسم دیتا ہے تو

اس قسم کو پورا کرتی ہے اور جب اس کا خاوند موجود نہیں ہوتا تو وہ اپنے نفس کے بارہ میں (یہ) خیر خواہی کرتی ہے کہ اس کو ضائع و خراب ہونے سے بچتی ہے اور اس میں کوئی خیانت نہیں کرتی بلکہ کورہ بالاتین حد میں ایمان ماجہ نے نقل کی ہیں۔“

تشریح: اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کو اور ممنوعات سے بچنے کو ”تقویٰ“ کہتے ہیں لہذا ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ خدا کا نیک و صالح بندہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری اور ممنوعات سے اجتناب کے بعد اپنی دینی و دنیاوی بھلائی کے لئے جو سب سے بہتر چیز پسند کرتا ہے وہ نیک بخت و خوب صورت بیوی ہے۔

”وہ اس کی تعمیل کرتی ہے“ کا تعلق ان چیزوں سے ہے جو کتاہ و معصیت کا باعث نہیں ہوتیں۔ یعنی وہ اپنے شوہر کی انہیں باتوں اور انہی احکام کی تعمیل کرتی ہے جو شریعت کے خلاف اور خدا کی ناراضگی کا باعث نہیں ہوتے، یہ قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ شریعت کا یہ حکم ہے کہ مخلوق (یعنی کسی شخص) کا کوئی بھی ایسا حکم تعمیل نہ کرنا چاہئے جو غافل (یعنی اللہ تعالیٰ) کی ناراضگی سے متعلق ہو۔

”وہ اس کی قسم کو پورا کرتی ہے، کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی خواہش و مرضی پر اپنے شوہر کی خواہش و مرضی کو مقدم رکھتی ہے مثلاً جب اس کا شوہر اس کو کسی ایسے کام کے کرنے کی قسم دیتا ہے جو اس کی خواہش کے خلاف ہوتا ہے تو وہ اپنی خواہش کو چھوڑ کر وہ اپنے شوہر کی قسم و مرضی کے مطابق وہی کام کرتی ہے یا جب اس کا شوہر اس کو کسی ایسے کام کے نہ کرنے کی قسم دیتا ہے جو اس کی خواہش کے مطابق ہے تو وہ اپنی خواہش کی پروا رکھنے بغیر اپنے شوہر کی قسم و مرضی کی مطابق اس کام کو ترک کر دیتی ہے۔

نکاح، آدھا دین ہے

(۱۷) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَزَوَّجَ الْغَنِيُّ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ بَعْضَ الدِّينِ فَلْيَتَّقِ اللَّهَ فِي التَّصَدُّقِ الْبَاقِيَةِ۔

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس بندہ نے نکاح کیا اس نے اپنا آدھا دین پورا کر لیا اب اسے چاہئے کہ باقی آدھے کے بارے میں خدا سے ڈرے۔“

تشریح: انسان کے جسم میں دو چیزیں ایسی ہیں جو عام طور پر دین میں فساد و نقصان کا سبب بنتی ہیں یعنی شرمگاہ اور پیٹ، لہذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی شخص نے نکاح کر کے شرمگاہ کے فتنہ و فساد سے نجات پائی تو اب اسے چاہئے کہ پیٹ کے فتنے و فساد کو دور کرنے کے بارے میں خدا سے ڈرتا رہے یعنی حلال کماٹی اور حلال رزق ہی کے ذریعہ اپنا اور اپنے اہل و عیال کا پیٹ بھرے تاکہ دین کی بھلائی پوری حاصل ہو۔

کون سا نکاح باہر رکھتا ہے؟

(۱۸) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَعْظَمَ الْإِنِّكَاحِ تَرْكُ أَنْتَسُوهُ مُؤْنَةً۔ ذَوَاهُمَا النِّبْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ۔

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”بلاشبہ بہت زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جو محنت کے لحاظ سے آسان ہو“ دو لوں روایتیں پہنچی“ نے شعب الایمان میں نقل کی ہیں۔“

تشریح: ”محنت کے لحاظ سے آسان نکاح“ سے مراد وہ نکاح ہے جس میں بیوی کا مہر کم ہو اور عورت زیادہ مال و اسباب اور حیثیت سے زیادہ ضروریات زندگی (یعنی روٹی کپڑا) طلب کر کے مرد کو پریشان نہ کرے بلکہ شوہر کی طرف سے جو کچھ اور جیسا کہ سال جائے برضا و رغبت اکی پر قانع رہے۔

بَابُ النَّظَرِ إِلَى الْمَخْطُوبَةِ وَيَسَارِ الْعُورَاتِ

منسوبہ کو دیکھنے اور جن اعضاء کو چھپانا واجب ہے ان کا بیان

”مخطوبہ“ سے مراد وہ عورت ہے جس سے نکاح کا پیغام دیا گیا ہو ”عورت“ سے مراد جسم کے وہ اعضاء ہیں جن کو چھپانے کا حکم دیا گیا ہے۔

منسوبہ کو دیکھنے کا مسئلہ

حضرت امام عظیم، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد، اور اکثر علماء کے نزدیک اپنی منسوبہ کو نکاح سے پہلے دیکھ لینا جائز ہے خواہ منسوبہ اس بات کی اجازت دے یا نہ دے۔ حضرت امام مالک کے ہاں اپنی منسوبہ کو نکاح سے پہلے دیکھنا اسی صورت میں جائز ہے جب کہ اس کی اجازت حاصل ہو، اس کی اجازت کے بغیر دیکھنا جائز نہیں ہے، لیکن ایک روایت کے مطابق حضرت امام مالک کے ہاں منسوبہ کو دیکھنا مطلقاً منوع ہے۔

اس بارہ میں فقہی مسئلہ یہ بھی ہے کہ بہتر اور مناسب یہی ہے کہ مرد اپنی منسوبہ کو دیکھنے کی بجائے کسی تجربہ کار اور معتمد عورت کو بھیج دے تاکہ وہ اس کی منسوبہ کو دیکھ کر مطلوبہ معلومات فراہم کر دے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

اپنی منسوبہ کو دیکھ لینا مستحب ہے

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَتَنِي تَرَوْجِثُ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ فَانْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّ فِي الْأَنْصَارِ شَيْئًا۔ (رواہ مسلم)

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں ایک انصاری عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں (اس بارہ میں آپ ﷺ کی کیا ہدایت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم اس عورت کو دیکھ لو (تو اچھا ہے) کیونکہ (بعض) انصاریوں کی آنکھوں میں کچھ خرابی ہے۔“ (مسلم)

تشریح: آپ ﷺ کی اس ہدایت کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ بعض انصاریوں کی آنکھ میں کچھ خرابی ہے جس سے طبیعت میں تکدر پیدا ہوتا ہے اس لئے مناسب ہے کہ تم اپنی منسوبہ کو دیکھ کر یہ اطمینان کر لو کہ اس کی آنکھوں میں تو کوئی نقص نہیں ہے۔ علامہ نوویؒ نے فی احسن الانصار شینا کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ ”بعض انصاریوں کی آنکھیں کیری یا کمرٹی ہوئی ہیں“ بہر کیف اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ خیر خواہی کے نکتہ نظر سے کسی چیز کا عیب و نقصان بیان کر دینا جائز ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نکاح کا پیغام بھیجنے سے پہلے اپنی منسوبہ کو دیکھ کر مرد سے اس کے حالات بتادے نیز اس بارہ میں مسئلہ ذہن میں رہنا چاہئے کہ اپنی منسوبہ کا صرف منہ اور اس کی ہتھیلیاں ہی دیکھنا مباح ہے اگرچہ جنسی بیجان سے مامون نہ ہو کیونکہ اس کے لئے یہ دونوں اعضاء ”ستر“ کے حکم میں نہیں ہیں۔

کسی عورت کے جسم کا حال اپنے شوہر سے بیان نہ کرو

② وَعَنْ أَبِي سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبَايِسُوا الْمَرْأَةَ الْمَرْأَةَ فَتَنْفَعَهَا لِيُزَوَّجَهَا كَأَنَّهُ يَنْظُرُ

(النہا۔ متعل علیہ)

”اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”کوئی عورت اپنا برہنہ جسم کسی دوسری عورت کے برہنہ جسم سے نہ لگائے اور نہ اس عورت کے جسم کا حال اپنے خاوند کے سامنے بیان کرے (کیونکہ اپنے خاوند کے سامنے کسی اجنبی عورت کے جسم کا حال بیان کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ اس کا خاوند اس عورت کے جسم کو خود کچھ رہا ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: کسی عورت کا اپنے جسم کو برہنہ کر کے کسی دوسری عورت کے برہنہ جسم سے مس کرنا اور پھر اس عورت کے جسم کی خصوصیات یعنی گدازہنہ وغیرہ اپنے شوہر کے سامنے بیان کرنا انتہائی معیوب بات ہے چنانچہ آپ ﷺ نے اس سے عورتوں کو منع کیا ہے، کیونکہ یہ نہ صرف بے شرمی کی بات اور غیر اخلاقی حرکت ہے بلکہ اس سے یہ بھی خطرہ ہے کہ اس کا خاوند کسی اجنبی عورت کے جسم کی پرکشش خصوصیات نظر نفسانی بیجان اور گندے خیالات میں مبتلا ہو جائے جو فتنہ ویرانی کی جڑ ہے۔

عورتوں اور مردوں کے لئے چند ہدایات

(۳) وَغَايِبُ سَجْدَةٍ قَالَ زَمْزَلُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلَا النِّعْمَةُ إِلَى عَوْرَةِ النِّعْمَةِ وَلَا يَفْضِي الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ فِي قَوْبٍ وَاحِدٍ وَلَا تَفْضِي النِّعْمَةُ إِلَى النِّعْمَةِ فِي قَوَابٍ وَاحِدَةٍ۔ (ردالمسم)

”اور حضرت ابو سعیدؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”کوئی مرد کسی دوسرے مرد کے ستر کی طرف نہ دیکھے کوئی عورت کسی دوسری عورت کے ستر کی طرف نہ دیکھے، دوسرے مرد ایک کپڑے میں جمع نہ ہوں اور نہ دوسری عورتیں ایک کپڑے میں جمع ہوں۔“

(مسلم)

تشریح: شریعت نے مرد و عورت کے جسم کے جن حصوں اور اعضاء کو باہم دیکھنے اور چھونے کی ممانعت کی ہے ان کو ”ستر“ کہا جاتا ہے اور جسم کے ان حصوں کو عام نظروں سے چھپانا ڈھانکنا ضروری ہے، اس بارہ میں جو تقبی تفصیل ہے وہ اس طرح ہے:

مرد کا ستر اس کے جسم کا وہ حصہ ہے جو زیر ناف سے گھٹنوں کے نیچے تک ہوتا ہے اس کے جسم کے اس حصہ کو بلا ضرورت دیکھنا نہ تو کسی مرد کے لئے جائز ہے اور نہ کسی عورت کے لئے ہاں اس مرد کی بیوی یا لونڈی دیکھ سکتی ہے، مرد کے جسم کے اس حصہ کے علاوہ بقیہ حصوں کو دیکھنا مرد کے لئے بھی جائز ہے اور عورت کے لئے بھی بشرطیکہ عورت جنسی بیجان سے مامون ہو اگر عورت جنسی بیجان سے مامون نہ ہو تو پھر وہ غیر مرد کے جسم کے کسی بھی حصہ کو مطلقاً نہ دیکھے۔ اسی طرح عورت کا ستر عورت کے حق میں اس کے جسم کا زیر ناف سے زانوں تک کا حصہ ہے، لہذا عورت کے جسم کے اس حصہ کو بلا ضرورت دیکھنا عورت کے لئے بھی جائز نہیں ہے جب کہ عورت کا ستر، اجنبی مرد کے حق میں اس کا پورا جسم ہے، یعنی مرد کے لئے کسی اجنبی عورت کے جسم کے کسی بھی حصہ پر نظر ڈالنا جائز نہیں ہے، ہاں ایک روایت کے مطابق عورت کا چہرہ اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر اس کے ”ستر“ میں داخل نہیں ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی اجنبی عورت کا ان اعضاء کا دیکھنا غیر مرد کے لئے جائز ہے بشرطیکہ وہ مرد جنسی بیجان سے مامون ہو، اگر جنسی بیجان سے مامون نہ ہو تو پھر اس کے لئے ان اعضاء کا دیکھنا بھی جائز نہیں ہو گا۔ البتہ کسی خاص ضرورت کے وقت دیکھنا جائز ہو گا۔ خواہ جنسی بیجان سے مامون ہو یا مشلاً گواہ کسی معاملہ میں گواہی کے وقت یا حاکم کسی معاملہ کے فیصلہ کے وقت ہر حالت میں ان اعضاء کو دیکھ سکتا ہے اسی طرح عورت کے ان اعضاء یعنی چہرہ اور ہاتھ کو چھونا غیر مرد کے لئے جائز نہیں ہے اگرچہ وہ جنسی بیجان سے مامون ہی کیوں نہ ہو بشرطیکہ عورت جو ان ہاتھوں کو دیکھنا عورت اتنی عرصہ سیدہ ہو کہ نفسانی خواہش اس کی طرف مائل نہ ہو، ہوا سیدہ اور عائدہ صا ہو کہ خود بھی اپنے نفس پر قابو رکھتا ہو اور اس عورت کے نفس کی طرف سے بھی مطمئن ہو تو اس صورت میں ان اعضاء کو چھونا جائز ہو گا۔

مرد کو اپنی بیوی کے جسم کا ہر حصہ دیکھنا جائز ہے اسی طرح اپنی اس لونڈی کو پورا جسم دیکھنا جائز ہے جس سے جماعت حلال ہو۔

عورت کا ستر اس کے محرم کے حق میں اس کی بیٹھ، پیٹ اور زیر ناف سے گھٹنوں کے نیچے تک کا حصہ ہے۔ لہذا کسی عورت کے جسم کے ان حصوں اور اعضاء کو دیکھنا اور چھونا اس کے محرم کے لئے جائز نہیں ہے اگرچہ وہ عجمی بیجان سے مامون ہی کیوں نہ ہو اگرچہ عورت کا سر، پنڈلی، بازو اور سینا اس کے محرم کے حق میں ستر نہیں ہے اس لئے ان اعضاء کو محرم دیکھ سکتا ہے بشرطیکہ عجمی بیجان سے مامون ہو۔

مرد کے حق میں ٹھیکہ کی لونڈی کا ستر اس کی عمرہ کے ستر کی مانند ہے یعنی فٹھ، پیٹ اور زیر ناف سے گھٹنوں کے نیچے تک کا حصہ لہذا غیر کی لونڈی کے جسم کے ان حصوں اور اعضاء کو جو اس کے ستر کے حکم میں ہے دیکھنے اور چھونے کے بارہ میں وہی تفصیل ہے جو اپنی عمرہ کے جسم کے مستور حصوں کو دیکھنے اور چھونے کی ہے۔

خصوصاً مرد کو نفسانی خواہش کے وقت دیکھنا یا اس کو ہاتھ لگانا حرام ہے۔ کسی عورت کو اس سے نکاح کے ارادہ کے وقت، یا کسی لونڈی کو اس کی خریداری کے وقت نفسانی خواہش کے خوف کے باوجود دیکھنا یا ہاتھ لگانا جائز ہے۔

غلام اپنی مالک، یعنی مالک کی بیوی کے حق میں اجنبی مرد کی طرح ہے یعنی جس طرح اس کے لئے اجنبی مرد سے پردہ کرنا ضروری ہے اسی طرح غلام سے بھی پردہ کرنا چاہئے، ایسے ہی بیچہ اور خواجہ سرا بھی مرد کی مانند ہے۔ علماء فقہ لکھتے ہیں کہ اجنبی عورت پر نظر ڈالنا حرام ہے خواہ یہ نظر ڈالنا نفسانی خواہش کے تحت ہو یا اس کے بغیر ہو۔

"دور بہ مرد ایک کپڑے میں جمع نہ ہوں" کے بارہ میں علماء لکھتے ہیں کہ دو نیچے مردوں کا ایک کپڑے میں یکجا ہونا یا دو نیچے عورتوں کا ایک کپڑے میں اکٹھا ہونا اگرچہ بحسب عادت کسی برائی کا عمل نہیں رکھتا لیکن اس کے باوجود یہ حرام اور مکروہ ہے کیونکہ یہ چیز بہر حال شرم و حیا کے منافی ہے۔

اجنبی عورت کے ساتھ خلوت گزینی کی ممانعت

④ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا لَا يَتَخَيَّرُ رَجُلٌ عِنْدَ امْرَأَةٍ تَيْبٍ إِلَّا أَنْ يَكُونُ نَاجِسًا أَوْ ذَا مَخْرُومٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "خیر واراکوئی مرد کسی تیب عورت کے ساتھ شب نہ گزارے (یعنی کہ وہ مرد منکوح یعنی خاوند ہو یا محرم ہو۔" (مسلم)

تشریح: یہاں "رات گزارنے سے مراد" تنہائی میں ملنا" ہے لہذا اس حکم کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مرد کسی اجنبی تیب عورت کے ساتھ کسی جگہ تنہائی میں اکٹھا نہ ہو خواہ رات ہو یا دن ہو۔

شیب اس عورت کو کہتے ہیں جس سے جماع ہو چکا ہو۔ یا جو خاوند کر چکی ہو۔ لیکن یہاں شیب سے مراد جو ان عورت ہے خواہ وہ کنواری ہو یا غیر کنواری ہو۔

"محرم" سے مراد ہے جس سے نکاح کرنا ابدی طور پر ناجائز ہو جیسے بیٹا، بھائی اور داماد وغیرہ اگرچہ یہ حریمیت دودھ کے رشتہ ہی کی وجہ سے کیوں نہ ہو۔

⑤ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاكُمْ وَاللَّخْوَلُ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ الْخَفْوَ قَالَ الْخَفْوَ الْعَمَزُ۔ (بخاری)

"اور حضرت عقبہ ابن عامر کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ (اجنبی) عورتوں کے نزدیک جانے سے اجتناب کرو (جب کہ وہ تنہائی میں ہوں)۔ لنگی کھلی بیٹھی ہوں، ایک شخص نے (یہ سن کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ) احمق کے بارہ میں آپ (ﷺ) کا کیا حکم ہے؟

اکیان کے لئے بھی یہ ممانعت ہے) آپ ﷺ نے فرمایا ”حو تو موت ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حو شوہر کے قرابت داروں کو کہتے ہیں جیسے بھائی (یعنی عورت کا دیوہ وغیرہ) شوہر کا باپ اور شوہر کا بیٹا حو میں داخل نہیں ہے۔

”حو تو موت ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح موت انسان کی ظاہری اور دنیوی زندگی کو ہلاک کر دیتی ہے اس طرح حو کا تنہائی میں غیر محرم عورت کے پاس جانا اس کی دینی اور اخلاقی زندگی کو ہلاک و تباہی کے راستہ پر ڈال دیتا ہے، کیونکہ عام طور پر لوگ غیر محرم عورتوں کے ساتھ حو کے خطہ طہ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اس لئے ان کے عورتوں کے پاس ہر وقت آتے جاتے رہتے اور ان کے ساتھ بے حجاب نشست و برخاست رکھنے کی وجہ سے ان کا کسی برائی میں مبتلا ہو جانا زیادہ مشکل نہیں رہتا اس کی وجہ سے فتنے سرا بھارتے ہیں اور نفس برائیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

یہ جملہ المحمو الموت (یعنی حو تو موت ہے) لفظ ”موت“ کا ذکر دراصل اس محاورہ کی بنیاد پر ہے جو اہل عرب کے ہیں عام طور پر کسی خطرناک چیز سے خوف دلانے کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ اہل عرب کہہ دیا کرتے ہیں کہ شیر مرگ ہے یا بادشاہ آگ ہے۔ چنانچہ ان جملوں کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ شیر کے قریب جانا، موت کی آغوش میں چلا جانا ہے یا بادشاہ کی قربت آگ کی قربت کی مانند ہے لہذا ان سے بچنا چاہئے۔

معانِ عورت کا جسم دیکھ سکتا ہے

⑥ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ اسْتَأْذَنَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحِجَابَةِ فَأَمَرَ أَبَا طَلِيحَةَ أَنْ يَخْصِفَ بِهَا فَنَظَرَ حَيْثُ شَاءَ اللَّهُ كَانَ أَخَاهَا مِنَ الرِّضَاعَةِ وَغُلَامًا لَمْ يَخْصِفْ لَهُ - (ردہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے رسول کریم ﷺ سے بیٹی کھجوانے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے حضرت ابو طلیحہؓ کو بیٹگی کھینچنے کا حکم دیا۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ حضرت ابو طلیحہؓ (کو بیٹگی کھینچنے کا حکم دینے کی وجہ سے قہمی کہ دو) حضرت ام سلمہؓ کے درود شریک بھائی تھے یا ابھی بالغ نہیں ہوئے تھے۔“ (مسلم)

تشریح: حضرت جابرؓ کا اپنے گمان کا اظہار کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ کو بیٹگی کھجوانے کی ضروری حاجت نہیں تھی، کیونکہ ضرورت کے وقت اجنبی مرد کے لئے بھی جائز ہے کہ وہ کسی عورت کے بیٹگی کھینچے اور قصد کھولے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی بھی معانِ عورت کے وقت عورت کے پورے جسم کو دیکھ سکتا ہے۔

کسی اجنبی عورت پر اچانک نظر پڑ جانے کا مسئلہ

⑦ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَظَرِ الْمَجْنُونِ فَأَمَرَنِي أَنْ أَصْرِفَ بَصَرِي - (ردہ مسلم)

”اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے کسی اجنبی عورت پر ناگہاں نظر پڑ جانے کے بارہ میں پوچھا تو آپ ﷺ نے مجھے یہ حکم دیا کہ میں اپنی نظر (نور) پھیر لوں۔“ (مسلم)

تشریح: اس حکم کا مطلب یہ ہے کہ کسی اجنبی عورت کی طرف دیکھتا نہ رہے بلکہ فوراً اپنی نظر پھیر لے اور پھر دوبارہ اس کی طرف نہ دیکھے، کیونکہ یہی نظر جو بلا قصد و ارادہ پڑی ہو وہ محاف ہے مگر فی الفور نظر پھیر لینا چونکہ واجب ہے اس لئے پہلی نظر کے بعد اس عورت کی طرف دیکھتے رہنا گناہ کی بات ہے چنانچہ قرآن کریم کی اس آیت میں بھی یہی حکم ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَنْفَعُوْا مِنْ اَيْصَارِهِمْ۔ (نور ۲۳-۳۰)

”مومنوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں پست کریں۔“

ہاں کسی ضرورت کے وقت مثلاً نکاح وغیرہ کے لئے پہلی نظر کے بعد بھی کوئی کھانا جائز ہے۔ اگر کسی عورت کے جسم کے کسی حصے پر زخم وغیرہ ہو، یا قصد کھولائی ہو، اور یا جسم کا کوئی حصہ کسی مرض کی وجہ سے معالج کو دیکھنا ہو تو وہ اپنے جسم کے صرف اسی حصہ کو دکھائے جہاں زخم ہو، یا جس جگہ قصد کھولائی ہو اور یا جس حصہ کو دکھانا ضروری ہو اور جسم کے باقی حصہ کو کورے سے چھپائے رکھے۔

کسی اجنبی عورت کو دیکھ کر برا خیال پیدا ہو تو بیوی کے پاس چلے جانا چاہئے

⑧ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَرْأَةَ تَقْبَلُ فِيْ صُوْرَةِ شَيْطَانٍ وَتَذُوْبُ فِيْ صُوْرَةِ شَيْطَانٍ إِذَا أَخَذَتْكُمْ أَعْيُنُهُنَّ الْمَرْأَةَ فَوَقَعَتْ فِيْ قَلْبِهِ فَلْيَتَمَيِّذْ إِلَى اقْرَأْتِهِ فَلْيَوَقَّعْهَا فَإِنَّ ذَلِكَ يَرُدُّهَا فِيْ نَفْسِهِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے اور شیطان کی صورت میں جاتی ہے۔ لہذا جب تم میں سے کسی کو کوئی اجنبی عورت ابھی لگے اور وہ اس کے دل میں گھر کرنے لگے تو اسے چاہئے کہ وہ نوڑا اپنی بیوی کے پاس چلا جائے اور اس سے مباشرت کر لے کیونکہ یہ مباشرت اس چیز کو ختم کر دے گی جو اس کے دل میں پیدا ہو گئی ہے (یعنی جیسی خواہش)۔“ (مسلم)

تشریح: ”عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے اگرچہ یہ دراصل گندے خیالات، برے دوسوسوں اور گمراہی میں مبتلا کرنے کے سلسلہ میں عورت کو شیطان کے ساتھ مشابہت دینے کا ایک اسلوب ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح شیطان انسانوں کے دل و دماغ میں برے خیالات ڈال کر گمراہ کرتا ہے اسی طرح عورت کا جمال مرد کی نظر کو اپنا اسیر بنا کر اس کے دل کو بری خواہشات اور گندے خیالات کی گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے، لہذا اجنبی عورت کو دیکھنا فتنہ و شر کا باعث بن جاتا ہے اس سے غلامی کے مسئلہ اخذ کیا ہے کہ عورت کو تو یہ چاہئے کہ وہ بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکلے اور کسی ضرورت کے تحت باہر نکلے تو بناؤ سنگار کر کے نہ نکلے اور مرد کو یہ چاہئے کہ وہ اجنبی عورت کی طرف نہ دیکھے اور نہ اس کے کپڑوں کی طرف نظر کرے۔“

اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا جاتا ہے کہ اس بات میں کوئی مفاضلہ نہیں ہے کہ مرد اپنی بیوی کو مباشرت کے لئے دن میں اپنے پاس بلا لے اگرچہ بیوی کسی ایسے کام میں مشغول ہو جس کو اس وقت چھوڑ دینا ممکن ہو، کیونکہ بسا اوقات مرد پر جنسی پہچان کا غلبہ ہوتا ہے کہ مباشرت میں تاخیر اس کے دل و دماغ یا جسم کی کسی تکلیف و مرض کا باعث بن جاتی ہے۔

الفصل الثانی

اپنی منسوبہ کو نکاح سے پہلے دیکھ لینا مستحب ہے

⑨ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمْ الْمَرْأَةَ فَإِنْ اسْتَطَاعَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى بَدْنِهَا فَلْيَفْعَلْ۔ (رواہ ابوداؤد)

”حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ نکاح کا پیغام بھیجے تو اگر وہ اس (عورت کے ان اعضاء) کو دیکھنے پر قادر ہو جو اس کو نکاح کی رغبت دلاتے ہیں (یعنی انھو کو چروا تو ایک نظر دیکھ لے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا کہ اپنی منسوبہ کو نکاح کا پیغام بھیجنے سے پہلے ایک نظر دیکھ لینا مستحب ہے کیونکہ اگر وہ عورت پسند آئی اور

طبیعت کو بھائی تو اس نکاح کے بعد وہ اس عورت کی وجہ سے بدکاری سے بچا رہے گا جو نکاح کا اصل مقصود ہے۔ اس موقع پر یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ ایک موقع پر جو یہ فرمایا گیا ہے کہ کسی عورت سے اس کے حسن و جمال کی وجہ سے نکاح نہ کیا جائے تو اس حکم کا یہ مقصد نہیں ہے کہ حسن و جمال کو ملحوظ نہ رکھا جائے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ کسی حسین و جمیل عورت سے نکاح کرنے میں کوئی دینی نقصان و فساد ہو تو اس دینی نقصان و کوتاہی سے بالکل صرف نظر کر کے اس سے محض اس بناء پر نکاح نہ کیا جائے کہ وہ حسن و جمال کی حامل ہے۔

(۱۰) وَعَنِ الْمُطَهَّرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ خَطَبْتُ امْرَأَةً فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ نَظَرْتَ إِلَيْهَا فَلَمْ تَلَا قَالَ فَاَنْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ أُخْرَى أَنْ يُؤْذِمَ بَيْنَكُمَا۔ (رواہ احمد و الترمذی و ابی داؤد و ابن ماجہ و الدارمی)

”اور حضرت مغیرہ ابن شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے محبت کی کا اور وہ کیا تو رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ”کیا تم نے اس عورت کو دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ”نہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تم اس عورت کو ایک نظر دیکھ لو کیونکہ دیکھ لینا بہت مناسب و بہتر ہے۔“ (احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: جیسا اگر تم اپنی منسوب کو ایک نظر دیکھ لینے کے بعد اس سے نکاح کرو گے تو آپس میں ایک دوسرے کیساتھ محبت الفت بہت زیادہ ہوگی کیونکہ جب منسوب کو دیکھ لینے کے بعد نکاح ہوتا ہے تو عام طور پر کوئی بچھتاوا نہیں ہوتا اور نہ اپنے اس انتخاب پر کوئی شرمندگی و پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔

کسی اجنبی عورت پر نظر پڑ جائے تو فوراً اپنی بیوی سے تسکین حاصل کر لو

(۱۱) وَعَنِ ابْنِ مَسْرُودٍ قَالَ رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَةً فَأَعْرَضَ عَنْهَا فَاتَتْهُ سَوْدَةٌ وَهِيَ تَصْطَعُ طَبِئًا وَعِنْدَهَا نِسَاءٌ فَأَخْلَيْتُهُ فَقَضَى حَاجَتَهُ ثُمَّ قَالَ إِنَّمَا وَجَلَّيْ رَأَى امْرَأَةً تُعْجِبُهُ فَلْيَتَّقِ إِلَى أَهْلِهَا فَإِنَّ مَعَهَا مِثْلَ الذَّبْحِ مَعَهَا۔ (رواہ الدارمی)

”اور حضرت ابن مسرود کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ کی نظر ایک عورت پر پڑی تو وہ آپ ﷺ کو اچھی لگی، چنانچہ آپ ﷺ (فوراً) اُمّ المؤمنین حضرت سودہؓ کے پاس تشریف لائے وہ اس وقت خوشبو تیار کر رہی تھیں اور چند عورتیں ان کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں، ان عورتوں نے خلوت کر دی (یعنی حضرت سودہؓ کے پاس سے اٹھ کر باہر آگئیں) پھر آپ ﷺ نے اپنی ضرورت پوری کی (یعنی حضرت سودہؓ سے جماعت فرمائی) اور فرمایا کہ ”جس مرد کی کسی ایسی عورت نظر پڑ جائے جو اسے اچھی لگے تو اسے چاہئے کہ وہ (توڑا) اپنی بیوی کے پاس چلا جائے (اور اس کے ذریعہ جنسی تسکین حاصل کر لے تاکہ اس کی جنسی خواہش پوری ہو جائے اور اسے خیالات میں مبتلا نہ ہو) کیونکہ اس کی بیوی کے پاس بھی وہی چیز ہے جو اس عورت کے پاس ہے۔“ (دارمی)

تشریح: اس عورت پر آنحضرت ﷺ کی نظر پڑ جانا ایک اتفاقی امر تھا جس پر کوئی اختیار نہیں تھا اور پھر اس عورت کا آپ ﷺ کی نظر میں اچھا لگنا انسانی طبیعت و جبلت کا تقاضا تھا جو ایک فطری ہے۔

عورت بیگنی نظروں سے چھپنے کی چیز ہے

(۱۲) وَعَنْهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَرْأَةُ عَزْوَةٌ فَإِذَا خَرَجَتْ اسْتَشْفَرَهَا الشَّيْطَانُ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن مسرود راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”عورت پردہ میں رہنے کی چیز ہے، چنانچہ جب کوئی عورت اپنے پردہ سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو مردوں کی نظر میں اچھا کر کے دکھاتا ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: المرأة عورة کا فعلی ترجمہ ہے "عورت، ستر ہے" یعنی جس طرح ستر (شرمگاہ) کو عام نظروں سے چھپائی ہے اسی طرح عورت بھی ایک ایسی چیز ہے جس کو بیگانے مرد کی نظروں سے چھپ کر پردہ میں رہنا چاہیے اور جس طرح سب کے سامنے ستر کو کھولنا ایک برا فعل سمجھا جاتا ہے اسی طرح عورت کا بھی لوگوں کے سامنے آنا برا ہے۔

کسی عورت پر اتفاقی نظر پڑ جانے کے بعد دوسری نظر ڈالنا جائز نہیں ہے

(۱۳) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ يَا عَلِيُّ لَا تَنْتَبِهُ النَّظْرَةَ فَإِنَّ لَكَ الْإِذْنَ وَلَيْسَتْ لَكَ الْإِحْرَافُ۔ (رداء احمد و الترمذی و ابو داؤد)

"اور حضرت بريدؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ "علی! نظر پڑ جانے کے بعد پھر نظر نہ ڈالو (یعنی اگر کسی عورت پر ناگہاں نظر پڑ جائے تو پھر اس کے بعد دوبارہ اس کی طرف نہ دیکھو) کیونکہ تمہارے لئے پہلی نظر تو جائز ہے جب کہ اس میں قصد و ارادہ کو قطع و غل نہ ہو (مرد و سوری نظر جائز نہیں ہے)۔" (احمد، ترمذی، ابو داؤد، دارقطنی)

اپنی لونڈی کا نکاح کر دینے کے بعد اسے اپنے لئے حرام سمجھو

(۱۴) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا زَوَّجَ أَحَدُكُمْ عَيْدَةً أَمَنَتْ فَلَا يَنْظُرُونَ إِلَيْهَا غَوْرًا وَ لَوْ فِي رِوَابَةٍ فَلَا يَنْظُرُونَ إِلَيْهَا مَا دُونِ الشَّرْطِ وَفَوْقَ الرُّكْبَتَيْنِ۔ (رداء ابو داؤد)

"اور حضرت عمرو بن شعبؓ اپنے والد سے اور وہ دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص اپنے غلام کا نکاح اپنی لونڈی سے کر دے تو پھر اس لونڈی کی (شرمگاہ) کو نہ دیکھے (کیونکہ نکاح کے بعد وہ اپنے آقا کے لئے حرام ہو جاتی ہے) اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "تو وہ (اس لونڈی کے جسم کے) اس حصہ کو نہ دیکھے جو ناف کے نیچے سے زانو کے اوپر تک ہے۔"

(ابو داؤد)

تشریح: جب اپنے غلام کے ساتھ نکاح کر دینے کی صورت میں یہ حکم ہے تو پھر کسی دوسرے کے غلام کے ساتھ اپنی لونڈی کا نکاح کر دینے کی صورت میں یہ حکم بطریق اولیٰ ہو گا کہ اس لونڈی کو اپنے لئے بالکل حرام سمجھا جائے۔ لہذا اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جب اس لونڈی کو بیاہ دیا جائے تو پھر اس کے جسم کی اس حد کو دیکھنا حرام ہو گا جو ناف اور زانو کے درمیان ہوتا ہے۔

اس بارہ میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ بیاہ ہو جانے کے بعد لونڈی اپنے آقا کے حق میں کسی غیر کی لونڈی کی مانند ہو جاتی ہے اور غیر کی لونڈی کے جسم کے مستور حصہ کی تفصیل اور اس کا حکم جیسے حضرت ابو سعیدؓ کی روایت کی تشریح میں گذر چکا ہے، لیکن حضرت امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ بیاہ ہو جانے کے بعد لونڈی کا ستر (یعنی اس کے جسم کا مستور حصہ) مرد کے ستر کی مانند ہے، دونوں کے دلائل فقہ کی بڑی کتابوں میں مذکور ہیں۔

ران، جسم کا مستور حصہ ہے

(۱۵) وَعَنْ حَوْزِبَانَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَمَّا عَلِيٌّ أَنْ الْقَحْظَ عَوْرَةً۔ (رداء احمد و الترمذی، ابو داؤد)

"اور حضرت جریدؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "کیا تم نہیں جانتے کہ ران ستر ہے (یعنی ران جسم کا وہ حصہ ہے جسے چھپا ہوا ہونا چاہئے)۔" (ترمذی، ابو داؤد)

تشریح: کتاب "اسد الغابہ" میں یہ لکھا ہے کہ ایک دن نبی کریم ﷺ مسجد میں حضرت جریدؓ کے پاس سے گذرے تو دیکھ کہ ان کی

ران کھلی ہوئی ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی ران ڈھانک لو کیونکہ ران ستر ہے۔ لہذا یہ ارشاد و گرامی ان علماء کے مسلک کے خلاف دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ران ستر نہیں ہے، چنانچہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ ان کے نزدیک ران ستر میں داخل نہیں ہے۔

﴿۱۶﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا بَا عَلِيٍّ لَا تَبْرُزْ فَجَذْلَكَ وَلَا تَنْظُرْ إِلَى فَجِذِخِي وَلَا مَتَبٍ۔

(رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ”علیؓ اپنی ران کو (لوگوں کے سامنے) مت کھولو اور نہ زندہ شخص کی ران دکھو اور نہ مردے کی ران دکھو۔“ (امرواؤ ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ستر کے حکم میں زندہ اور مردہ دونوں برابر ہیں، یعنی جس طرح زندہ شخص کے جسم کے ان حصوں کو دیکھنا ممنوع ہے جن کا چھپایا جانا شرعی طور پر ضروری ہے اسی طرح مردہ کے جسم کے ان حصوں کو دیکھنا بھی ممنوع ہے۔

﴿۱۷﴾ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَحْشٍ قَالَ مَرَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مَغْمَرٍ وَفَجَذَاهُ مَكْشُوفَتَانِ فَقَالَ يَا مَغْمَرُ غَطِّ فَجْذَكَ فَإِنَّ الْفَجْذَيْنِ عَوْرَتُكَ۔ (رواہ ابن شریح المستدرک)

”اور حضرت محمد ابن جحشؒ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ حضرت مغمرؓ کے پاس سے اس حال میں گزرے کہ ان کی دونوں رانیں کھلی ہوئی تھیں چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”مغمر! اپنی رانوں کو چھپا لو کیونکہ ران ستر ہے۔“ (شرح المستدرک)

بغیر ضرورت تنہائی میں بھی ستر کھولنا اچھا نہیں ہے

﴿۱۸﴾ وَعَنْ ابْنِ عُثْمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَّاكُمْ وَالَّتَعْرَى فَإِنَّ مَعَكُمْ مَنْ لَا يَفَارِقُكُمْ إِلَّا عِنْدَ الْغَائِبِ وَجِنِّ يَقْصِرُ الرِّجْلَ إِلَى أَهْلِهِ فَاسْتَحْذَرُوهُمْ وَأَكْرَهُهُمْ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم پر یہ نہ ہوئے سے اجتناب کرو (اگرچہ تنہائی کیوں نہ ہو) کیونکہ باخاندانہ اور اپنی بیوی سے مجامعت کے اوقات کے علاوہ تمہارے ساتھ ہر وقت وہ (فرشتے) ہوتے ہیں (جو تمہارے اعمال لکھنے پر مامور ہیں) لہذا تم ان (فرشتوں) سے حیا کرو اور ان کی تعظیم کرو۔“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ہم ہر وقت اپنے ستر کو چھپائے رکھو، اچھے کام کرتے رہو اور بری باتوں اور فحش اعمال سے اجتناب کرتے رہو تاکہ ان فرشتوں کی شان میں حیا سوزی نہ ہو اور ان کی تعظیم و تکریم میں کوئی فرق نہ آئے ان ملک کہتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی ضرورت مثلاً مجامعت یا رفع حاجت وغیرہ کے علاوہ ستر کو کھولنا جائز نہیں ہے کیونکہ بڑی بے شرعی اور بے غیرتی کی بات ہے۔

عورت، مرد کو دیکھ سکتی ہے یا نہیں؟

﴿۱۹﴾ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِنْهُمُ إِذَا قُبِلَ إِلَيْهِ أُمُّ مَكْنُومٍ فَلَمْ يَخُلْ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجِبِي مَنَّهُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَيْسَ هُوَ أَعْمَى لَا يَتَبَصَّرُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَعَمِيَا وَنِ انْتُمَا أَلَيْسَ تَتَبَصَّرَانِ۔ (رواہ احمد و الترمذی و ابو داؤد)

”اور حضرت ام المومنین ام سلمہؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) وہ ام المومنین حضرت میمونہؓ رسول کریم ﷺ کے پاس موجود تھیں کہ اچانک ابن ام مکتومؓ (جو ایک نابینا صحابی تھے) آئے، آنحضرت ﷺ نے (ابن ام مکتومؓ کو دیکھ کر) ان دونوں ازواج مطہرات سے فرمایا کہ ”ان سے چھپ جا“ ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ (آپ ﷺ کا یہ حکم سن کر) میں نے عرض کیا کہ ”کیا وہ نابینا نہیں ہیں وہ ہمیں نہیں دیکھ سکتے،“

آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیونکہ تم دونوں بھی اندھی ہو چکے ہو؟“ (یعنی اگر وہ اندھے ہیں تو تم تو اندھی نہیں ہو۔“

(احمد، ترمذی، ابوداؤد، ۱)

تشریح: اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح مرد کا اجنبی یعنی غیر محرم عورت کو دیکھنا حرام ہے اس کی طرح عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنا بھی حرام ہے لیکن علماء یہ لکھتے ہیں کہ یہ تو یہ ارشاد گرامی درج، اور تقویٰ پر محمول ہے یا یہ کہ اس سے آنحضرت ﷺ کی مراد یہ تھی کہ عورت، مرد کو بطور اختلاط نہ دیکھے یعنی ایسا ہونا چاہئے کہ وہ اجنبی مرد عورت ایک جگہ باہم ہوں اور دونوں ایک دوسرے سے بات چیت کریں اور عورت، مرد کو شوق و دل چسپی کے ساتھ غور سے دیکھے، چنانچہ اس بارہ میں صحیح مسئلہ یہی ہے کہ عورت، مرد کو دیکھ سکتی ہے۔ لیکن ناف سے زانوں تک کے حصہ پر نظر ڈالنا جائز نہیں ہے اس مسئلہ کی دلیل حضرت عائشہ کا یہ قول ہے کہ ”جب مجھی نیزہ بازی کر رہے تھے تو میں ان کو دیکھ رہی تھی“ حضرت عائشہ کی جشیوں کو دیکھنا وہ کی بات ہے جب کہ حضرت عائشہ کی عمر ۱۶ سال کی تھی اور پردہ کا حکم نافذ ہو چکا تھا، لہذا اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا مرد کو دیکھنا جائز ہے۔ علاوہ اس کے جسم کے اس مذکورہ حصہ کے جو ستر میں داخل ہے، لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ اجازت اس صورت میں ہے جب کہ جشی خواہش سے عورت سے عورت ہو، اگر جشی خواہش سے عورت نہ ہو تو پھر مرد کو بالکل نہ دیکھے۔

خلوت میں بھی اپنا ستر چھپائے رکھو

(۲۰) وَعَنْ يٰهٰؤُا۟نِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمْ اَحْفَظْ عَوْرَتَكَ الْاَمِنْ رُوْحَیْنِ اَوْ مَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ فَلْتَ یَا رَسُوْلُ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ اِنَّا کَانَ الرَّجُلُ خَالِیًا قَالَ قَالَ اللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ یُّسْتَحْشٰی مِنْہٗ۔

(رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت ہیزان بن حکیمؓ اپنے والد محرمؓ حضرت حکیمؓ سے اور وہ بیڑ کے دادا (حضرت معاویہؓ امین حیدرہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”جتم اپنا ستر چھپائے رکھو علاوہ اپنی بیوی یا اپنی لونڈی کے (کہ ان کے سامنے اپنا ستر چھپانا ضروری نہیں ہے) حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کہ آدمی جب خلوت (تہائی) میں ہو تو کیا وہ بھی اپنا ستر چھپائے رکھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ لائق تر ہے کہ اس سے شرم کی جائے۔“ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: آپ ﷺ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ خلوت میں اگرچہ کوئی موجود نہیں ہو تا لیکن اس وقت بھی اپنا ستر کھونا مناسب نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ تو ہر صورت کو دیکھتا ہے جو انسانوں سے زیادہ اس بات کا لائق ہے کہ اس سے شرم و حیا کی جائے۔ لہذا اس سے معلوم ہوا کہ خلوت میں بھی ستر کو چھپائے رکھنا واجب ہے ہاں کسی ضرورت کی بناء پر کھولنا جائز ہے۔

حدیث میں ستر کو چھپانے کا حکم دیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں بیوی اور لونڈی کا جو اشتہاء کیا گیا ہے کہ اپنی بیوی یا اپنی لونڈی کے سامنے اپنا ستر چھپانا ضروری نہیں ہے تو اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ ملک اور نکاح، جائین (یعنی مرد و عورت) کے لئے ایک دوسرے کے ستر کی طرف دیکھنے کو مباح نہ دیتے ہیں۔

اجنبی عورت کے ساتھ تہائی میں نہ رہو

(۲۱) وَعَنْ عُثْمٰنَ بْنِ الشَّيْبِیْنِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ قَالَ لَا یَغْلُوْنَ وَجْہُ الْاَمَّاَنِ ثَالِثُہُمَا الشَّیْطَانُ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت عثمان بن شیبہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جب بھی کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ تہائی میں یک جا ہوتا ہے تو وہاں ان میں اس کا تیسرا شیطان ہوتا ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: جب دو اجنبی مرد و عورت کہیں خلوت میں جمع ہوتے ہیں تو ہاں شیطان خود بخود پہنچ جاتا ہے جو ان دونوں کے جنسی جذبات کو برانگیختہ کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ ان پر جنسی ہیجان کا غلبہ ہو جاتا ہے اور وہ بد کاری میں مبتلا ہو جاتے ہیں لہذا حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تم کسی اجنبی عورت کے ساتھ خلوت میں نہ بیجا ہونے کا کوئی موقع ہی نہ آئے دو کہ شیطان تمہارے درمیان آجائے اور تمہیں برائی کے راستہ پر لگا دے۔

(۲۲) وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَلْبِسُوا عَلَى الْمُغْتَبَاتِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَخْشَى مِنْ أَحَدِكُمْ مَخْشَى الْمَذْمُومِ فَلَمَّا نَازَسْتُمُ اللَّهَ قَالَ وَمِثْنِي وَلَكِنَّ اللَّهَ أَعَانَنِي فَلَا تَلْبِسُوا (رواہ الترمذی)

”اور حضرت جابرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”ان عورتوں کے پاس (تمہائی میں) نہ جاؤ جن کے خاندان موجود نہ ہوں کیونکہ تمہارے جسموں میں خون دوڑنے کی جگہ شیطان دوڑتا رہتا ہے (یعنی شیطان کا بہکاوا اور اس کا تعارف انسان کے تمام رگ و پوست میں سرایت کرتا ہے) ہم نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! کیا شیطان آپ ﷺ کے جسم میں بھی دوڑتا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں! میرے جسم میں بھی دوڑتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے شیطان کے مقابلہ پر میری اعانت فرمائی ہے چنانچہ میں اس سے محفوظ رہتا ہوں۔“ (ترمذی)

تشریح: یوں تو کسی غیر حرم عورت کے پاس تمہائی میں جانا اس کے ساتھ اختلاط رکھنا ممنوع ہے لیکن اس حدیث میں ان عورتوں کا کہ جن نے خدو نہ گھر پر موجود نہ ہوں (مثلاً باہر سفر میں گئے ہوں) غرض طور پر اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ عام طور پر شادی کے بعد چونکہ عورتوں کے جنسی جذبات بیدار ہو جاتے ہیں اور ان پر نفسانی خواہش کا غلبہ رہتا ہے اس لئے ان کے خاندان کی غیر موجودگی میں ان کے پاس تمہائی میں غیر حرم مرد کا جانبارائی میں مبتلا ہو جانے کے بہت زیادہ احتمال رکھتا ہے۔

لفظ مخفی الذم کا ترجمہ حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ نے ”خون دوڑنے کی جگہ یعنی رگ“ کیا ہے جیسا کہ یہاں نقل کر گیا ہے لیکن ملاحظہ قارئین! اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ (تمہارے اندر شیطان اس طرح دوڑتا ہے) جس طرح تمہاری رگوں میں خون دوڑتا ہے جو تمہیں نظر نہیں آتا“ یعنی جس طرح تمہاری رگوں میں خون دوڑتا رہتا ہے اور تم اسے دیکھ نہیں پاتے ایسے ہی تم پر شیطان اس طرح مستط اور چھپا ہوا ہے کہ باوجودیکہ وہ تم پر اپنا تعارف کرتا رہتا ہے لیکن تم اسے دیکھ نہیں پاتے ابال کمال اور نتیجہ کے اعتبار سے دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔

لفظ اسبہم مضارع متکلم کے صیغہ کے ساتھ منقول ہے اور بعض روایتوں میں صیغہ ماضی کے ساتھ بھی نقل ہوا ہے اور یہ دونوں صحیح ہیں چنانچہ مضارع متکلم کا ترجمہ تو وہی ہے جو یہاں نقل کیا گیا اور اگر اسے صیغہ ماضی کے ساتھ پڑھا جائے تو پھر اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ (اللہ تعالیٰ نے شیطان کے مقابلہ پر میری اعانت فرمائی ہے) چونکہ وہ شیطان (میرے حق میں) مسلمان (یعنی مطیع و مغلوب) ہو گیا ہے۔

غلام، اپنی مالک کے حق میں اجنبی مرد کی طرح ہے

(۲۳) وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى فَاطِمَةَ بِعَبْدٍ مَوْلَانِهَا وَعَلَى فَاطِمَةَ ثَوْبٌ إِذَا قَعَقَتْ بِهِ زَانِسَهَا لَمْ يَبْلُغْ رَجُلَانِهَا وَإِذَا غَطَّتْ بِهِ رَجُلَانِهَا لَمْ يَبْلُغْ زَانِسَهَا فَلَمَّا زَاىَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَلَقَّى قَالَ إِنَّهُ لَيْسَ عَلَيْكَ بَأْسٌ إِنَّهَا هُوَ أَبْنُوكَ وَغُلَامُكَ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لائے اس وقت حضرت فاطمہؓ کی خدمت میں وہ غلام بھی موجود تھا جو ان کو آنحضرت ﷺ نے عطا کیا تھا اور حضرت فاطمہؓ کے جسم پر ایک ایسا (چھوٹا) کپڑا تھا کہ جب وہ اس سے اپنے سر کو چھپاتیں تو پاؤں کھلے رہ جاتے تھے اور جب اس سے اپنے پاؤں کو چھپاتیں تو ان کا سر کھلا رہ جاتا تھا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت

فاطمہؑ کو اس پریشانی میں دیکھا کہ وہ شرم و حیا کی وجہ سے اپنے پورے جسم کو چھپانے کی غیر معمولی کوشش میں کامیاب نہیں ہو رہی ہیں تو فرمایا کہ ”(فاطمہ! اتنا کیوں پریشان ہوتی ہو) اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ (جس سے حم و انتشار برائی ہو) وہ کوئی غیر نہیں ہے بلکہ تمہارا باپ ہے یا تمہارا اقطاع ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے حضرت امام شافعیؒ نے یہ استدلال کیا ہے کہ عورت کا غلام اس کا محرم ہے یعنی پردہ وغیرہ کے بارہ میں جو محرم کا حکم ہے وہی اس کے غلام کا ہے، جب کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غلام اپنی مالکہ کے حق میں اجنبی مرد کی طرح ہوتا ہے لہذا غلام کے لئے اپنی مالکہ کے جسم کے صرف انہی حصوں کی طرف نظر اٹھانا جائز ہے جن حصوں کی طرف ایک اجنبی مرد نظر اٹھا سکتا ہے یعنی چہرہ اور ہاتھ پاؤں۔ حنفیہ کی طرف سے اس حدیث کے بارہ میں حضرت امام شافعیؒ کا یہ جواب یہ دیا جاتا ہے کہ حضرت امام شافعیؒ جو بات کہتے ہیں وہ اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتی کیونکہ وہ غلام جو حضرت فاطمہؑ کے پاس تھا اس وقت نابالغ ہو۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

عورتوں میں منٹ کے آنے کی ممانعت

(۲۳) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عِنْدَهَا وَفِي الْبَيْتِ مَخَضَاتٌ فَقَالَ لِعَبْدِ اللَّهِ ابْنِ أَبِي أُحْمَةَ اخْشِ أُمَّ سَلَمَةَ يَا عَبْدَ اللَّهِ إِنَّ فَتْحَ اللَّهِ لَكُمْ غَدًا الظَّالِمُ فَاتِي أَذْلَكَ عَلَى ابْنَةِ عِيْلَانَ فَإِنَّهَا تَقْبِلُ بِأَرْبَعٍ وَتَذُبُّ بِمِثْلٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلْنَ هَؤُلَاءِ عَلَيْكُمْ۔ (بخاری)

”ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف فرما تھے اور گھر میں ایک منٹ (بھی موجود) تھا وہ منٹ حضرت عبداللہ ابن امیرؓ سے کہ جو حضرت ام سلمہؓ کے بھائی تھے کہنے لگا کہ ”عبداللہ اگر اللہ تعالیٰ نے کل آپ لوگوں کو طائف پر فتح بخشی تو میں آپ کو عثمان کی بیٹی کو کھلاؤں گا جو چار کے ساتھ آئی ہے اور اٹھ کے ساتھ جاتی ہے“ رسول کریم ﷺ نے (جب اس منٹ کی یہ بات سنی تو) فرمایا کہ ”یہ منٹ تمہارے پاس نہ آیا کریں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: لفظ ”منٹ“ نون کے زیر کے ساتھ یعنی ”منٹ“ بھی لکھا جاتا ہے اور نون کے زیر کے ساتھ ”منٹ“ بھی استعمال ہوتا ہے لیکن زیادہ صحیح زیر کے ساتھ یعنی ”منٹ“ ہی ہے جب کہ مشہور زیر کے ساتھ یعنی عام طور ”منٹ“ لکھا جاتا ہے۔ منٹ اس شخص کو کہتے ہیں جو عادات و اطوار، بول چال اور حرکات و سکنات میں عورتوں کے مشابہ ہو جس کو ہمارے ہاں زنانہ اور زنگاہ کہتے ہیں۔ یہ مشابہت بھی تو ظنی طور پر ہوتی ہے اور بھی مصنوعی طور پر اختیار کی جاتی ہے ظنی طور پر جو مشابہت ہوتی ہے اس میں کوئی گناہ نہیں کیونکہ یہ ایک قدرتی چیز ہوتی ہے جس میں انسانی اختیار کو دخل نہیں ہوتا۔ ہاں جو مشابہت مصنوعی ہوتی ہے کہ بعض عورتوں کی مشابہت اختیار کر لیتے ہیں اور اپنے رہن سہن، عادات و اطوار اور بول چال میں اپنے آپ کو بالکل عورت ظاہر کرتے ہیں یہ بہت برائی اور گناہ کی بات ہے ایسے لوگ لعنت کے مستحق ہیں کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ان عورتوں پر اللہ کی لعنت ہو جو مردوں کے مشابہت اختیار کرتی ہیں اور ان مردوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔

یہاں حدیث میں جس منٹ کا ذکر کیا گیا ہے اس کا نام بیعت تھا بعض نے اس کا نام طمع لکھا ہے، اس کے بارہ میں علماء لکھتے ہیں کہ یہ پہلے آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کے گھروں میں آیا جاتا تھا کیونکہ ازواج مطہرات کا یہ گمان تھا کہ یہ ظنی طور پر اوصاف مردانگی سے عاری اور جذبات نفسانی سے خالی ہے، اسے عورتوں کی طرف نہ کوئی رغبت و حاجت ہے اور نہ بھینایت سے اسے کوئی دلچسپی ہے بلکہ یہ ”غیر اولی الارہہ“ میں سے ہے جن کا ذکر قرآن مجید نے کیا ہے اور کہا ہے کہ ان سے پردہ کرنا عورتوں کے لئے واجب نہیں

ہے۔ مگر جب آنحضرت ﷺ نے اس کی یہ بات سنی جو جنسی معاملات میں اس کی دلچسپی کی منظر کشی تو آپ ﷺ کو اندازہ ہو گیا کہ عنث عیروہ اولی الارہہ میں سے نہیں بلکہ اولی الارہہ میں سے ہیں اور عنثیات کی طرف خواہش و رغبت رکھتے ہیں لہذا آپ ﷺ نے فوراً منع کر دیا کہ اب عنث گھروں میں داخل نہ ہوا کریں۔ اور عورتوں کے پاس آیا جائیادہ کریں۔ فقہاء لکھتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی کی روشنی میں نہ صرف یہ کہ عنث کے لئے گھروں میں داخل ہونے اور عورتوں کے پاس آنے جانے کی ممانعت ہے بلکہ خاصی اور محبوب کا بھی یہی حکم ہے اور پردہ وغیرہ کے سلسلہ میں تینوں ان مردوں کی مانند ہیں جن سے پردہ کرنا عورتوں پر واجب ہے۔

”جو چار کے ساتھ آئی ہے اور آٹھ کے ساتھ جاتی ہے“ اس بات سے اس عنث کا مقصد غیلان کی بیٹی تھی کہ جس کا نام ہادیہ تھا کہ فریبی و تنومندی کو بیان کرنا تھا کیونکہ عام طور پر جس شخص کا جسم فریبہ ہوتا ہے اس کے پیٹ پر چار شکن پڑے ہوتے ہیں جو سامنے سے چار ہی نظر آتے ہیں مگر پیچھے سے دیکھنے پر وہ آٹھ نظر آتے ہیں ہاں طور کہ ان چاروں شکنوں کے سرے دونوں پہلوں کی طرف نمایاں ہوتے ہیں، لہذا عنث نے جو یہ بات کہی تو اس کی مراد یہی تھی کہ غیلان کی بیٹی جب آتی ہے تو اس کے پیٹ پر چار شکن نظر آتے ہیں اور جب وہ بیٹھ بھیر کر جاتی ہے تو پیچھے آٹھ شکن معلوم ہوتے ہیں جو دراصل پیٹ کے ان چاروں شکنوں کے دو دونوں طرف کے سرے ہوتے ہیں جو دونوں پہلوں کی طرف نمایاں ہوتے ہیں حاصل یہ ہے کہ عرب کے لوگ چونکہ فریبہ جسم والی عورتوں کی طرف زیادہ میلان رکھتے تھے اس لئے اس عنث نے غیلان کی بیٹی کی فریبی کو ظاہر کرنے کے لئے یہ طرز تعبیر اختیار کیا۔

برہنگی کی ممانعت

(۲۵) وَعَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ خَمَلْتُ حَجْرًا أَقِيلًا فَبَيَّنَّا أَنَا أَمْسَيْتُ مَقَطَ عَنِّي ثَوْبِي فَلَمْ أَسْتَطِعْ أَحْذُهُ فَرَأَيْتُ زَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِيْ خُذْ عَلَیْكَ ثَوْبَكَ وَلَا تَمَشُوا عُرَاؤَ (رواہ مسلم)

”اور حضرت مسور ابن مخرمہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن اپنی کسی ضرورت کے تحت) میں نے ایک بڑا بیماریا پتھر اٹھایا اور اسے لے کر چلا تو (راستہ میں) امیر اکبرؓ (یعنی تہجد) میرے بدن سے گر پڑا جس کی وجہ سے میرا ستر کھل گیا شرم میں ابوجھ کی وجہ سے فوری طور پر اپنے کپڑے کو اٹھائیں سکا اور اسی دوران رسول کریم ﷺ نے مجھے (برہنگی کی حالت میں) دیکھ لیا، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (تو!) اپنا کپڑا اٹھاؤ (اور ستر پوشی کرو) اور پھر آپ ﷺ نے یہ علم عطا کیا کہ (مجھے نہ چلا کرو۔)“ (مسلم)

شرم و حیا کا انتہائی درجہ

(۲۶) وَعَنِ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا نَظَرْتُ أَوْ مَا زَأَنْتُ فَرَجَ زَسُوْلٍ اللّٰهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَطُّ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ستر کی طرف کبھی نظر نہیں اٹھائی۔ یا یہ فرمایا کہ میں نے آپ ﷺ کا ستر کبھی نہیں دیکھا۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: حرف ”او“ دراصل راوی کے اس شک کو ظاہر کرتا ہے کہ روایت میں ما نظر (میں نے کبھی نظر نہیں اٹھائی) کے الفاظ ہیں یا ما زانت (میں نے کبھی نہیں دیکھا) کے الفاظ نقل ہوئے ہیں بہر حال ان دونوں کے معنی ایک ہی ہیں ان کے مفہوم و مطلب میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ایک روایت میں حضرت عائشہؓ کے یہ الفاظ ہیں کہ نہ تو آنحضرت ﷺ نے میرا ستر کبھی دیکھا اور نہ کبھی میں نے آنحضرت ﷺ کا ستر دیکھا۔ ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ اگرچہ شوہر اور بیوی ایک دوسرے کا ستر دیکھ سکتے ہیں لیکن آداب زندگی اور شرم و حیا کا انتہائی درجہ یہی ہے کہ شوہر اور بیوی بھی آپس میں ایک دوسرے کا ستر نہ دیکھیں۔

حسین عورت کی طرف اپنا نگاہ نظر اٹھ جانے کے بعد پھر فوراً اپنی نظر پھیر لینے کا اجر

(۲۷) وَعَنْ ابْنِ أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَنْظُرُ إِلَى مَخَاجِسِ امْرَأَةٍ وَلَمْ يَرْفَعْ يَدَهُ يَغْفُصْ بَصَرُهُ إِلَّا أَخَذَتْهُ اللَّهُ لِعِبَادَةٍ يُجْزِلُهَا وَتَهْلُكُ رَوْحُهُ

”اور حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جس مسلمان کی نظر چلی مرتبہ (ملاحظہ وارادہ) کسی عورت کے حسن و جمال کی طرف اٹھ جائے اور پھر وہ (فوراً) اپنی نظر پھیر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک عبادت پیدا کر دے گا جس سے وہ شخص لذت حاصل کرے گا۔“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے چونکہ اپنے رب کی فرمانبرداری میں ایک حسن و جمال کی طرف اٹھی ہوئی نظر کو فوراً پھیر لیا اور اس طرح اس نے کو یا اپنے جمال پائی ذوق کو تسکین پہنچانے کی بجائے اپنے پروردگار کے حکم کے سامنے اپنے نفس کی خواہش کو پاگل کر دیا اس لئے حق تعالیٰ اس کے اس فعل (نظر پھیر لینے) کو ایک ایسی عبادت میں تبدیل کر دے گا جس کی وجہ سے وہ اپنے قلب و دماغ میں حکم خداوندی کی تعمیل کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے مخصوص سکون قلب کی لذت محسوس کرے گا اور یہ لذت دراصل اس کی ناجی کا بدلہ ہوگی جو اس نے اپنے نفس کی خواہش پر صبر و ضبط کر کے برداشت کی تھی۔

ممنوع النظر چیز کی طرف قصد دیکھنے والے کے لئے وعید

(۲۸) وَعَنْ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ بَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللَّهُ الشَّاهِدَ وَالْمَنْظُورَ إِلَيْهِ زَوَاةَ النِّبْهَةِ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ۔

”اور حضرت حسن بصریؒ نے بطریق ار سال روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھے (صحابہؓ) سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اس شخص پر کہ جس نے (بلا ضرر و بغیر اضرار) دیکھا اور اس پر کہ جس کو دیکھا گیا اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جو اس چیز کی طرف قصد اور ارادہ دیکھے جس کو دیکھنا جائز نہیں ہے وہ چیز خواہ کوئی اجنبی عورت ہو یا کسی کا سر ہو یا اور کوئی ممنوع النظر چیز ہو۔ اسی طرح اس کو بھی حق لعنت قرار دیا گیا ہے جس کو دیکھا جائے۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ اس نے بغیر عذر اور اضرار کے قصد اپنے آپ کو دکھا یا ہو مثلاً کوئی عورت اپنے آپ کو قصد کسی اجنبی مرد کو دکھائے تو اس صورت میں وہ بھی اس لعنت میں داخل ہوگی ہاں اگر کسی عورت کو کسی اجنبی مرد نے اس طرح دیکھا کہ اس میں اس عورت کے قصد وارادہ کو قطعاً دخل نہ ہو تو وہ بھی اس لعنت کا مورد نہیں بنے گی۔

بَابُ الْوَلِيِّ فِي النِّكَاحِ وَاسْتِثْنَاءِ الْمَرْأَةِ

نکاح کے ولی اور عورت سے نکاح کی اجازت لینے کا بیان

”ولی“ لغوی طور پر ”کار ساز خنظم“ کو کہتے ہیں یعنی وہ شخص جو کسی کام کا خنظم ہو۔ لیکن یہاں ”ولی“ سے مراد وہ شخص ہے جو کسی عورت کے نکاح کا متولی و ذمہ دار ہوتا ہے یا اس طور کہ اس عورت کے نکاح کا اختیار اسے حاصل ہوتا ہے۔

اس باب میں وہ احادیث نقل کی جائیں گی جن سے یہ معلوم ہو گا کہ نکاح کے بارے میں ولی کی اجازت کا حاصل ہونا اور عورت کی رضا و محرم کرنا ضروری ہے۔

اس موقع پر یہ بتادینا ضروری ہے کہ ولایت (یعنی کسی کے ولی ہونے کا حق) کن کن لوگوں کو حاصل ہے؟ چنانچہ جانا جائے کہ نکاح کے

سلسلہ میں ولایت نے اختیار اس کے ان رشتہ دار کو حاصل ہوتے ہیں جو عصبہ بنفس ہوں اگر کئی عصبات بنفس ہوں تو انہیں مقدمہ ہوا ہوگا جو وراثت میں مقدم ہوگا اس بارہ میں عصبات کی وہ ترتیب رہے گی جو وراثت میں ہوتی ہے۔ اگر عصبات بنفس میں کوئی نہ ہو تو ان کو ولایت حاصل ہوگی پھر وادی کا اقلیتہ میں اس کے برعکس ترتیب مذکور ہے (پھر بیٹی کو پھر پوتی کو پھر نوای کو پھر پوتے کی بیٹی کو۔ اور اگر انہیں سے کوئی بھی نہ ہو تو پھر نانا کو ولایت حاصل ہوگی، پھر حقیقی بہن کو، پھر سوئی بہن کو، پھر ماں کی اولاد کو (خواہ مرد یا عورت ہوں) پھر اسی ترتیب کے مطابق ان کی اولاد کو، اور اگر ان میں سے کوئی بھی نہ ہو تو پھر زوی الارحام کو حاصل ہوگی، زوی الارحام میں سب سے پہلے چوپھیاں ولی ہوں گی، ان کے بعد ماموں، ان کے بعد خالائیں، ان کے بعد چچا کی بیٹیاں اور ان کے بعد اسی ترتیب سے مطابق ان کی اولاد اور اگر ان میں سے کوئی بھی نہ ہو تو حق ولایت مولیٰ الموالات کو حاصل ہوگا (مولیٰ الموالات کے معنی باب الفرائض میں بیان ہو چکے ہیں اگر مومن الموالات بھی نہ ہو تو پھر بادشاہ دقت ولی ہوگا۔ بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔ اس کے بعد بادشاہ وقت کا کوئی نائب مثل قاضی مجلس ولی ہو سکتا ہے بشرطیکہ بادشاہ کی طرف سے اس کو یہ اختیار دیا گیا ہو اس کے بعد قاضی کے نائبوں کو حق ولایت حاصل ہوگا بشرطیکہ اپنا نائب بنانے کی اجازت و اختیار قاضی کو حاصل ہو۔ اگر قاضی کو یہ اجازت حاصل نہیں ہوگی تو پھر اس کا کوئی بھی نائب ولی نہیں ہو سکے گا۔

ولایت کا حق حاصل ہونے کے لئے آزاد ہونا، عاقل ہونا بالغ ہونا اور مسلمان ہونا شرط ہے، لہذا کوئی غلام کسی کا ولی نہیں ہو سکتا، کوئی نابالغ کسی کا ولی نہیں ہو سکتا، کوئی دیوانہ اور پاگل کسی کا ولی نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی کافر کسی مسلمان کا ولی ہو سکتا ہے، اسی طرح کوئی مسلمان بھی کسی کافر کا ولی نہیں ہو سکتا لہذا یہ کہ کوئی عام سبب پایا جائے جیسے کوئی مسلمان کسی کافر کو لڑی کا آقا ہو، یا مسلمان بادشاہ یا بادشاہ کا نائب ہو تو اس صورت میں مسلمان، کافر کا ولی ہو سکتا ہے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

نکاح سے پہلے عورت کی اجازت حاصل کر لینی چاہئے

① عن ابن ہریرۃ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَنْكِحُ الْأَيِّمَ حَتَّى تَسْتَأْذِنَ وَلَا تَنْكِحُ الْبِكْرَ حَتَّى تَسْتَأْذِنَ فَلَمَّا يَأْذِنُ اللَّهُ وَكَيْفَ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تَسْتَأْذِنَ (متن علیہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ایم (یعنی بیوہ بالغہ) کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس کا حکم حاصل نہ کر لیا جائے، اسی طرح کنواری عورت (یعنی کنواری بالغہ) کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس کی اجازت حاصل نہ کر لی جائے“ (یہ سنکر صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! اس کنواری عورت کی اجازت کیسے حاصل ہوگی کیونکہ کنواری عورت تو بہت شرم و حیا کرتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ”اس طرح کہ وہ چمکی رہے یعنی کوئی کنواری عورت اپنے نکاح کی اجازت مانگے جانے پر اگر بسبب شرم و حیا وہاں سے ہاں نہ کرے بلکہ خاموش رہے تو اس کی یہ خاموشی بھی اس کی اجازت سمجھی جائے گی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ایم اس عورت کو کہتے ہیں جس کا خاندان نہ ہو خواہ وہ باکرہ ہو (پہلے کبھی اس کی شادی نہ ہوئی ہو) خواہ شیب ہو کہ پہلے اس کی شادی ہو چکی ہو اور پھر تو اس کا خاندان مر گیا ہو یا اس نے طلاق دیدی ہو (لیکن یہاں ایم سے مراد شیب بالغہ ہے یعنی وہ عورت جو بالغہ ہو اور اس کا پہلا شوہر مر گیا ہو یا اس نے طلاق دیدی ہو۔

عورت سے اس کے نکاح کی اجازت حاصل کرنے کے سلسلہ میں حدیث نے باکرہ (کنواری) اور شیب (بیوہ) کا ذکر اس فرق کے ساتھ کیا ہے کہ شیب کے بارہ میں تو یہ فرمایا گیا کہ ”جب تک اس کا حکم حاصل نہ کر لیا جائے“ اور باکرہ کے بارہ میں یہ الفاظ ہیں کہ ”جب تک کہ اس کی اجازت حاصل نہ کر لی جائے“ لہذا ”حکم“ اور ”اجازت“ کا یہ فرق اس لئے ظاہر کیا گیا ہے کہ شیب یعنی بیوہ عورت اپنے نکاح کے سلسلہ میں زیادہ شرم و حیا نہیں کرتی بلکہ وہ خود کھلے الفاظ میں اپنے نکاح کا حکم کرتی ہے یا حکم سے کم صریح اشارات کے ذریعہ اپنی

خوہش کا زہد و انظہار کر دیتی ہے اور اس بارہ میں اسے کوئی غاص جھجک نہیں ہوتی اس کے برخلاف باکرہ یعنی کنواری عورت چونکہ بہت زیادہ شرم و حیا کرتی ہے اس لئے وہ نہ تو کھلے الفاظ میں اپنے نکاح کا حکم کرتی ہے اور نہ صریح اشارت کے ذریعہ ہی اپنی خواہش کا انظہار کرتی تھیں جب اس کے نکاح کی اجازت اس سے لی جائے تو وہ اپنی رضامندی و اجازت دیتی ہے بلکہ زیادہ تر تو یہ ہوتا ہے کہ طلب اجازت کے وقت وہ زبان سے اجازت دیتا بھی شرم کے خلاف سمجھتی ہے اور اپنی خاموشی و سکوت کے ذریعہ ہی اپنی رضامندی کا انظہار کر دیتی ہے۔

اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے حکم یا اجازت کے بغیر نکاح جائز نہیں ہوتا، لیکن فقہاء کے یہاں اس بارہ میں تفصیل ہے اور وہ یہ کہ تمام عورتوں کی چار قسمیں ہیں اول شیبہ بالغہ یعنی وہ بیوہ عورت جو بالغ ہو، ایسی عورت کے بارہ مختلف طور پر تمام علماء کا قول یہ ہے کہ اس کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کرنا جائز نہیں ہے بشرطیکہ وہ عاقلہ ہو یعنی دیوانہ نہ ہو، اگر عاقلہ نہ ہوگی تو ولی کی اجازت سے اس کا نکاح ہو جائے گا۔

دوم باکرہ صغیرہ یعنی وہ کنواری لڑکی جو نابالغ ہو، اس کے بارہ میں بھی تمام علماء کا مختلف طور پر یہ قول ہے کہ اس کے نکاح کے لئے اس کی اجازت کی ضرورت نہیں بلکہ اس کا ولی اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کر سکتا ہے۔ سوم شیبہ صغیرہ یعنی وہ بیوہ جو بالغ نہ ہو، اس کے بارہ میں حنفی علماء کا تو یہ قول ہے کہ اس کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر ہو سکتا ہے لیکن شافعی علماء کہتے ہیں کہ اس کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔

چہارم باکرہ بالغہ یعنی وہ کنواری جو بالغ ہو، اس کے بارہ میں حنفی علماء تو یہ کہتے ہیں کہ اس کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں لیکن شافعی علماء کے نزدیک جائز ہے۔

گویا تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ حنفی علماء کے نزدیک ولایت کا مدار صغر پر ہے یعنی ان کے نزدیک ولی کو عورت کی اجازت کے بغیر نکاح کر دینے کا حق اسی صورت میں حاصل ہوگا جب کہ وہ کس یعنی نابالغ ہو خواہ وہ باکرہ (کنواری) ہو یا شیبہ (بیوہ) ہو۔ جب کہ شافعی علماء کے نزدیک ولایت کا مدار بکارت پر ہے یعنی ان کے نزدیک ولی کو عورت کی اجازت کے بغیر نکاح کر دینے کا حق اس صورت میں حاصل ہوگا جب کہ وہ باکرہ ہو۔ خواہ بالغ ہو یا نابالغ ہو۔ لہذا یہ حدیث حنفیہ کے نزدیک بالغہ پر محمول ہے خواہ وہ شیبہ ہو یا باکرہ ہو۔ اور آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی وَلَا تُنْكَحُ الْبُكَوْرُ حَتَّىٰ تُشَاذَّذَ (کنواری عورت کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس کی اجازت حاصل نہ کر لی جائے) شوافع کے قول کے خلاف ایک واضح دلیل ہے۔

② وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَنْكِحُوا حَتَّىٰ يَنْفُسِهِنَّ مِنْ وَلِيِّهِنَّ وَالْبُكَوْرُ تُشَاذَّذُ فِي نَفْسِهِنَّ وَإِذَا نَفْسُهَا مِنْ وَلِيِّهَا قَالَ النَّبِيُّ حَتَّىٰ يَنْفُسَهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبُكَوْرُ تُشَاذَّذُ وَإِذَا نَفْسُهَا مِنْ وَلِيِّهَا قَالَ النَّبِيُّ حَتَّىٰ يَنْفُسَهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبُكَوْرُ تُشَاذَّذُ وَإِذَا نَفْسُهَا مِنْ وَلِيِّهَا قَالَ النَّبِيُّ حَتَّىٰ يَنْفُسَهَا مِنْ وَلِيِّهَا (ردہ مسلم)

”اور حضرت ابن عباسؓ سے کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”اے عورت جو بیوہ بالغہ اور عاقلہ ہو اپنے (نکاح) کے معاملہ میں اپنے ولی سے زیادہ خود اختیار رکھتی ہے اور کنواری لڑکی (جو بالغ ہو) بھی اس کی حق دار ہے کہ اس کے نکاح کی اس سے اجازت حاصل کی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔ (یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنی زبان سے اجازت دے بلکہ اس کی شرم و حیا کے پیش نظر اس کا خاموش رہنا ہی اس کی اجازت کے لئے کافی ہے)۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”شیبہ (یعنی بیوہ عورت) اپنے بارہ میں اپنے ولی سے زیادہ خود اختیار رکھتی ہے اور کنواری لڑکی سے بھی (اس کے نکاح کی) اجازت حاصل کی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔

۱. اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”شیبہ اپنے بارہ میں اپنے ولی سے زیادہ خود اختیار رکھتی ہے اور کنواری لڑکی سے

بھی اس کا باپ اس کے نکاح کے بارہ میں اجازت حاصل کرے اور اس کی اجازت اس کا چچا رہتا ہے۔ ”اسلم“
 تشریح: ”اپنے ولی سے زیادہ خود اختیار رکھتی ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ بیوہ عورت اپنے نکاح کی اجازت دینے یا نہ دینے کے معاملہ میں بالکل خود مختار ہے اور یہ کہ جب تک وہ خود اپنی زبان سے اجازت نہ دے اس کا نکاح نہیں ہوگا بخلاف کنواری عورت کے کہ اس کے لئے زبان سے اجازت دینا ضروری نہیں ہے بلکہ وہ خاموشی کے ذریعہ بھی اپنی اجازت کا اظہار کر سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں باقی تفصیل و تشریح وہی ہے جو اس سے پہلے ذکر کی گئی ہے۔
 یہاں جو کئی روایتیں نقل کی گئی ہیں ان میں صرف تھوڑا سا اختلاف ہے مفہوم و معنی کے اعتبار سے تمام روایتیں تقریباً یکساں ہیں۔

بیوہ اپنی مرضی کے خلاف ہو جانے والے نکاح کو رد کر سکتی ہے

(۳) وَعَنْ خُنْسَاءَ بِنْتِ خَدَّامٍ أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ نَبِيْثٌ فَكَرِهَتْ ذَلِكَ فَأَتَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّ نِكَاحَهَا زَوَّاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِي رِوَايَةِ أَبِي مَاجَةَ نِكَاحُ أَبِيهَا۔

”اور حضرت خنسہ بنت خدامؓ سے روایت ہے کہ ان کے والد نے ان کا نکاح (ان کی اجازت حاصل کے بغیر) کر دیا جب کہ وہ بیوہ (اور بالغہ) تھیں چنانچہ انہوں نے اس عقد کو پسند کیا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں (اپنا معاملہ لیکر) حاضر ہوئیں، لہذا آپ ﷺ نے ان کا نکاح (یعنی ان کے والد کے نکاح کرنے کو) رد کر دیا“ (بخاری) اور ابن ماجہؒ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے ان کا نکاح جو ان کے والد نے کیا تھا، رد کر دیا۔“

آنحضرت ﷺ سے نکاح کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر

(۴) وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهِيَ بِنْتُ سِتِّينَ وَرَفَّتْ إِلَيْهِ وَهِيَ بِنْتُ ثَمَنٍ مِائَةٍ وَلَعْنَهَا مَعَهَا وَمَاتَ عَنْهَا وَهِيَ بِنْتُ ثَمَنٍ عَشْرَةَ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے اس وقت نکاح کیا جب کہ ان کی عمر سات سال کی تھی اور جب وہ آنحضرت ﷺ کے گھر بھیجی گئیں تو ان کی عمر نو سال کی تھی اور ان کے (کہنے کے لئے) کھلونے ان کے ساتھ تھے اور جب آنحضرت ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور حضرت عائشہؓ سے عیشہ کے لئے جدا ہوئے تو اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔“ (مسلم)

تشریح: یہ حدیث حضرت عائشہؓ کی ابتدائی زندگی کے تین اہم موڑ اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان کی رفاقت کی مدت کو ظاہر کرتی ہے۔ چنانچہ سات سال کی عمر میں حضرت عائشہؓ نبی کریم ﷺ کی زوجیت میں آئیں، نو سال کی عمر میں رخصت ہو کر استاد نبوتؐ میں لائی گئیں اور نو سال کی رفاقت کے بعد جب کہ ان کی عمر صرف اٹھارہ سال کی تھی، آنحضرت ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ نو سال کی عمر بچپن کی عمر ہوتی ہے یعنی وجہ ہے کہ حضرت عائشہؓ جب آنحضرت ﷺ کے ہاں تشریف لائیں تو ان کے ساتھ وہ کھلونے بھی آئے جن سے وہ اپنے گھر کھیلنا کرتی تھیں اور یہ کھلونے بھی کیا تھے وہ گزیاں تھیں جو عام طور پر بچوں کا سب سے محبوب کھلونا ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب ان کو گویوں کو دیکھا تو ان پر اظہار پسندیدگی نہیں کیا لہذا اس سے یہ معلوم ہوا کہ گویوں کا بنانا بچہ بچہ اور بچوں کو گویوں سے کھیلنا مباح ہے، اس کا سبب علماء نے یہ لکھا ہے کہ گویوں سے کھیلنا دراصل بچوں کے لئے ایک سبق بھی ہے جس سے وہ اولاد کی پرورش میں تیار ہوتا اور گھر کی اصلاح و انتظام کی تربیت حاصل کرتی ہیں تاہم اس بارہ میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ واقعہ ہجرت کا ہے اور اس وقت تک تصویر کی حرمت نافذ نہیں ہوئی ہوگی۔ جب کہ علماء نے یہ کہا ہے کہ حضرت عائشہؓ اپنے ساتھ گزیاں لیکر آئی تھیں ان میں صورتیں بھی ہوتی تھیں جو تصویروں میں ہوتی ہیں اور حرام ہیں بلکہ کہڑوں اور

چیتھڑوں کو لپیٹ کر بغیر صورتوں کے یوں ہی بتائی گئی تھیں۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

کس لڑکی کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا

⑤ عَنْ أَبِي مُؤَسَّسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا بَيْعَ لِكَاكِحٍ إِلَّا بِوَلِيِّهِ۔ (ردوہ احمد و الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ و الدارمی)

”حضرت ابو موسیٰ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔“

(احمد، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: حنفیہ کے نزدیک اس حدیث کا تعلق نابالغہ اور غیر عاقلہ سے ہے۔ یعنی کس لڑکی اور دہائی کا نکاح اس کے ولی کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا جب کہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ نے حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ نکاح اسی وقت صحیح ہوتا ہے جب کہ ولی عقد کرے اور عورتوں کی عبارت کے ساتھ نکاح معتقد نہیں ہوتا عورت خواہ امیدلہ ہو خواہ وکیلہ ہو۔

علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کو نابالغہ اور غیر عاقلہ پر محمول نہ مانتے بلکہ رکھنے کی صورت میں جمہور علماء نے نفی صحت پر اور امام ابو حنیفہؒ نے نفی کمال پر محمول کیا ہے۔

⑥ وَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا امْرَأَةٌ تَكَتُ نَفْسَهَا بِغَيْرِ أَذْنٍ وَلَيْتَهَا فَتَكَ خُهَا

مَاطِلٌ فَتَكَ خُهَا مَاطِلٌ فَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ يَمَّا اسْتَحْلَ مِنْ فَرْجِهَا فَإِنْ اسْتَحْزَوْا فَالْإِسْطُلَانُ وَلَيْتَ

مَنْ لَوْ لَيْتَ لَمْ۔ (ردوہ احمد و الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ و الدارمی)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”جس عورت نے اپنا نکاح اپنے ولی کی اجازت کے بغیر کیا تو اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، پھر اگر شوہر نے اس کے ساتھ جماعت کی تو وہ ہمہ کی حق تیار ہوگی کیونکہ شوہر نے اس کی شرم گاہ سے فائدہ اٹھایا ہے، اور اگر کسی عورت کے ولی یا ہمہ نکاح کرے تو جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی بادشاہ ہے۔“

(احمد، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: ”اس کا نکاح باطل ہے۔“ یہ الفاظ آپ ﷺ نے جن بار ارشاد فرما کر گویا ولی کی اجازت کے بغیر ہونے والے نکاح پر مستحبہ کیا اور اس بات کی تاکید فرمائی کہ نکاح کے معاملہ میں ولی کی اجازت و مرضی کو بغیر درجہ حاصل ہونا چاہئے، اس طرح یہ حدیث اور اسی مضمون کی دوسری حدیثیں ارشاد گرائی اَلْأَبْنَاءُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا (ابن ماجہ کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس کا حکم حاصل نہ کر لیا جائے اس کے معارض و برکس ہیں۔ اس لئے حنفیہ کی طرف سے اس حدیث کی تاویل کی جاتی ہے کہ یہاں مراد یہ ہے کہ جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے یا یہ کہ جو کس لڑکی، یا لونڈی اور یا مکتاہ اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے گی تو اس کا نکاح باطل ہوگا۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ یہ حدیث اور اس سے پہلے کی حدیث، یہ دونوں فنی طور پر اس درجہ کی نہیں ہیں کہ انہیں کسی سلسلہ کے خلاف بطور دلیل اختیار کیا جاسکے کیونکہ ان دونوں حدیثوں کے صحیح ہونے میں متہ ثین نے کلام کیا ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی عورت کے ولی آپس میں اختلاف و نزاع کرتے ہیں اور کسی فیصلہ پر شفق نہیں ہو پاتے تو وہ سب کا عدم ہو جاتے ہیں اور اس صورت میں ولایت کا حق بادشاہ وقت کو حاصل ہوتا ہے ورنہ تو یہ معلوم ہی ہے کہ ولی کی موجودگی میں بادشاہ کو ولایت کا حق حاصل نہیں ہوتا۔

بغیر گواہوں کے نکاح صحیح نہیں ہوتا

⑥ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الْبَغَايَا اللَّائِيْنَ يَنْكِحُنَّ أَنْفُسَهُنَّ بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ وَالْأَصْحَابُ أَنَّهُ مَوْقُوفٌ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”وہ عورتیں زنا میں مبتلا ہوتی ہیں جو بغیر گواہوں کے اپنا نکاح کر لیتی ہیں“ اس روایت کے بارہ میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عباسؓ پر موقوف ہے یعنی یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نہیں ہے بلکہ خود حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: نکاح کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ دو گواہوں کے سامنے منعقد ہو۔ چنانچہ اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ بغیر گواہوں کے نکاح صحیح نہیں ہوتا ہے۔ تمام ائمہ کا بھی یہی مسلک ہے اور صحابہؓ و تابعین سے بھی یہی منقول ہے۔

نکاح کی طلب اجازت کے وقت عورت کی خاموشی ہی اس کی رضا ہے

⑧ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْبَيْعَةُ تَنْتَازِمُ فِي نَفْسِهَا فَإِنْ صَمَتَتْ فَهُوَ ادْتِهَا وَإِنْ أَنْتَ فَلَا جَوَازَ عَلَيْهِمَا - وَاهُ التَّيْمِذِيُّ وَأَبُو ذَاوُدَ وَالتَّسْلَفِيُّ وَرَوَاهُ اللَّهُ دَاوُدُ بْنُ غُنَيْمٍ غُنَيْمٌ -

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”بائعہ کنواری عورت سے اس کے نکاح کے بارہ میں اجازت حاصل کی جائے اور اگر وہ (طلب اجازت کے وقت) خاموش رہے تو اس کی خاموشی ہی اس کی اجازت ہے اور اگر وہ انکار کر دے تو اس پر جبر نہ کیا جائے (ترمذی، ابو داؤد، نسائی، دارمی) نے اس روایت کو حضرت ابو موسیٰؓ سے نقل کیا ہے۔“

تشریح: شادی بیاہ کا معاملہ انسانی زندگی کا بڑا اہم موڑ ہوتا ہے، اس موڑ پر زوجین کی مرضی و خواہش کے علی الرغم والدین اور وں و سرپرست کا کوئی بھی فیصلہ اور اس میں ادنیٰ درجہ کی کوتاہی اور غیور و تشدد کی زوجین کی پوری زندگی کو جہنم بنا دیتی ہے۔ اس لئے شریعت نے ہر بالغ مسلمان کو خواہ مرد ہو یا عورت یہ حق دیا ہے کہ وہ اس مرحلہ پر اپنی مرضی و خواہش اور اپنی پسند و ناپسند کا پورا پورا اظہار کرے۔ خاص طور پر عورتوں کے بارہ میں ان کے باپ اور ولی و سرپرست پر زیادہ زور دیا گیا ہے کہ وہ اس معاملہ میں اپنی ذاتی پسند و ناپسند ہی کو مدار قرار نہ دیں بلکہ عورت کو خود بھی سوچنے سمجھنے کا موقع دیں اور اس کی اجازت و مرضی ہی کو اصل فیصلہ سمجھیں۔ پھر اس کی اجازت کے بارہ میں یہ آسانی بھی دی گئی ہے کہ اگر کوئی عورت شرم و حیا کی وجہ سے اپنی اجازت و مرضی کا زبان سے اظہار نہیں کر سکتی تو اس کی خاموشی ہی کو اس کی اجازت سمجھا جائے۔

لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ عورت کی خاموشی کو اس کی اجازت کا قائم مقام ہونا صرف اس کے ولی کے حق میں ہے یعنی عورت اگر اپنے ولی کی طلب اجازت کے موقع پر خاموش رہے تو اس کی خاموشی اس کی اجازت سمجھی جائے گی اور اگر ولی کے علاوہ کوئی اور اجازت طلب کرے تو اس صورت میں عورت کے لئے ضروری ہو گا کہ وہ زبان سے اجازت دے۔

غلام کا نکاح اس کے آقا کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں ہوتا

⑨ وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَيْمَانُ عَبْدٍ تَزْوِجُ بِغَيْرِهِ إِذْنُ مَوْلَاهُ فَهُوَ غَاوٍ -

(رواہ الترمذی و ابو داؤد و دارمی)

”اور حضرت جابرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جو غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے وہ زانی ہے۔“ (ترمذی، ابو داؤد، دارمی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مملوک کا نکاح مالک کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں ہوتا، لہذا اگر کوئی مملوک اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے گا اور اس نکاح کے بعد منکوحہ سے جماعت کرے گا تو یہ فعل حرام ہوگا اور وہ زنا کا رکن بن جائے گا، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے کہ غلام کا نکاح اس کے آقا کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہوتا اور نکاح کے بعد اگر آقا اجازت دیدے تب بھی وہ عقد صحیح نہیں ہوتا جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ آقا کی اجازت کے بغیر نکاح تو ہو جاتا ہے مگر اس کا نافذ ہونا یعنی صحیح ہونا آقا کی اجازت پر موقوف رہتا ہے کہ جب آقا اجازت دیدے گا تو صحیح ہو جائے گا جیسا کہ فضولی کے نکاح کا حکم ہے۔

الفصل الثالث

بالغہ اپنے نکاح کے معاملہ میں خود مختار ہے

⑩ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّ جَارِيَةً بَكَرَتْ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ تَحْتَ أَنْ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ بَخَارَةٌ فَخَيَّرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ ابوہریرہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک کنواری عورت (جو بالغ تھی) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے یہ بیان کیا کہ اس کے باپ نے اس کا نکاح کر دیا ہے جسے وہ ناپسند کرتی ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اسے اختیار دیدیا کہ چاہے تو وہ نکاح کو باقی رکھے اور چاہے تو رخصت کر دے۔“ (ابوہریرہؓ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ولی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ نکاح کے معاملہ میں عورت پر جبر کرے اگرچہ وہ باکرہ ہی کیوں نہ ہو اور ولی خواہ باپ دادا ہو یا اور کوئی عز چنانچہ حنفیہ کا یہی مسلک ہے۔

اس مسئلہ میں حضرت امام شافعیؒ مخالف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جو عورت کنواری نہ ہو گو وہ بالغ ہو تو ولی کو اس کا نکاح کرنے کے معاملہ میں اس پر جبر کرنے کا حق نہیں ہے لیکن عورت کنواری ہو اس (کی اجازت) کے بغیر نکاح کر دینے کا اختیار ولی کو حاصل ہے۔ اگرچہ وہ عورت بالغہ ہی کیوں نہ ہو۔

بالغہ عورت کا نکاح ولی کو کرنا مستحب ہے

⑪ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَوِّجُ الْمَرْأَةَ الْمَرْأَةَ وَلَا تَزَوِّجُ الْمَرْأَةَ نَفْسَهَا قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ هِيَ الَّتِي تَزَوِّجُ نَفْسَهَا۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”عورت کسی عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ عورت خود اپنا نکاح کرے کیونکہ وہ عورت زنانہں ملتا رہتی ہے جو اپنا نکاح خود کرتی ہے۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: ”عورت کسی عورت کا نکاح نہ کرے“ حنفیہ کے نزدیک اس ممانعت کا تعلق یا تو اس عورت سے ہے جس کو ولایت حاصل نہ ہو یا پھر یہ نہی تنزیہی پر محمول ہے کیونکہ اگرچہ بالغہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنا نکاح اپنے ولی کی اجازت کے بغیر خود کر لے یا کسی کو بھی اپنا وکیل بنا دے۔ لیکن اس کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ اپنے نکاح کا معاملہ اپنے ولی ہی کو سپرد کر دے چنانچہ اگر کسی عورت کا ولی موجود ہو تو اس عورت کا نکاح اسی کو کرنا مستحب ہے اور یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے اگر کسی کا کوئی بھی ولی موجود نہ ہو تو پھر اس کا ولی قاضی ہوتا ہے۔

لہذا حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ بہتر اور مناسب بات یہ ہے کہ جس عورت کا ولی موجود ہو تو کوئی دوسری عورت اس کا نکاح نہ کرے

بلکہ وہ اپنی خود کرے اور اگر وہی موجود نہ ہو تو پھر قاضی کو حق ولایت حاصل ہوگا جو اس عورت کا نکاح کرے گا۔

”نہ عورت خود اپنا نکاح کرے“ حنفیہ کے نزدیک اس ممانعت کی مراد یہ ہے کہ کوئی عورت اپنے ولی کے بغیر نکاح نہ کرے۔ اس طرح حدیث کے نہ کرے۔ جب کہ حضرت امام شافعی کے نزدیک مراد یہ ہے کہ کوئی عورت اپنے ولی کے بغیر نکاح نہ کرے۔ اس طرح حدیث کے آخری جملہ کا مطلب حنفیہ کی مراد کی روشنی میں تو یہ آدھا کہ جو عورت اس شوہر سے جماعت کرے گی جس سے اس نے بغیر گواہوں کے اور اس کے بغیر کفو ہونے کے باوجود نکاح کیا ہے تو اس کی جماعت زنا کے حکم میں ہوگی۔ اور حضرت امام شافعی کی مراد کی روشنی میں یہ مطلب ہوگا کہ جو عورت اپنے ولی کے بغیر اپنا نکاح کرے گی تو وہ جب بھی اپنے اس شوہر سے جماعت کرے گی گویا زنا کا ارتکاب کرے گی۔ کیونکہ حضرت امام شافعی کے نزدیک جس طرح کسی عورت کو کسی دوسری عورت کا عقد کرنے کی ولایت حاصل نہیں ہوتی اسی طرح کوئی عورت خود اپنا عقد نکاح کرنے کا بھی اختیار نہیں رکھتی۔ چنانچہ شوافع کے ہاں عورتوں کی عبادت کے ساتھ نکاح صحیح نہیں ہوتا۔

اولاد کے تئیں باپ کے فرائض

(۱۲) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَابْنِ عَسَامٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَلَدَ لَهُ وَلَدٌ فَلْيَبْجِسْهُ اسْمَهُ وَأَذْنَهُ فَيَذَانِعْ فَلْيَبْجِسْهُ وَلَمْ يَنْبَغْ وَلَمْ يَنْبَغْ فَاصْطَبِ اسْمًا فَإِنَّمَا ابْنُهُ عَلَى أَبِيهِ۔

”اور حضرت ابوسعید اور ابن عسام نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص کے پاس لڑکا پیدا ہو تو چاہئے کہ وہ اس کا اچھا نام رکھے اور اسے نیک ادب سکھائے (یعنی اسے شریعت کے احکام و آداب و زندگی کے بہترین طریقے سکھائے تاکہ وہ دنیا و آخرت میں کامیاب و سربلند ہو) اور پھر جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے۔ اگر لڑکا بالغ ہو (اور غیر متعلق ہو) اور اس کا باپ اس (اس کا نکاح کرنے پر قادر ہونے کے باوجود) اس کا نکاح نہ کرے اور پھر وہ لڑکا رانی میں مبتلا ہو جائے (یعنی بے راہروی کا شکار ہو جائے) تو اس کا گنہ باپ پر ہوگا۔“

تشریح: صالح معاشرہ کی حقیقی بنیاد وہ نوخیز ذہن ہیں جو اپنے والدین اور سرپرست کی آغوش پرورش میں اعمال و کردار کی بنیادی تربیت حاصل کرتے ہیں۔ اگر اس بنیادی تربیت کا فقدان ہوتا ہے تو کائنات انسانی کا ہر طبقہ بھینانک قسم کی برائیوں سے متاثر ہوتا ہے کیونکہ آگے چل کر یہی نوخیز معاشرہ کا فعال جز بنتے ہیں اور ان کا ایک ایک فعل و عمل اپنے اثرات پیدا کرتا ہے۔

آج کے دور میں لٹاکی و بے حیائی اور جنسی بے راہروی کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ جو بھی نئی نسل سامنے آتی ہے وہ اعمال و کردار اور ذہن و عقیدہ کی اس بنیادی تربیت سے یکسر محروم رہتی ہے جو والدین اور سرپرستوں کے زیر سایہ ملتی چاہئے۔ اسی لئے یہ حدیث اس اہم نکتہ کی طرف متنبہ کر رہی ہے اور والدین کو ان کے اس فریضہ سے آگاہ کر رہی ہے کہ جب ان کے لڑکا پیدا ہو تو پہلے وہ اس کا اچھا نام رکھیں کیونکہ اچھا نام پوری زندگی پر اچھے اثرات مرتب کرتا ہے، پھر جب وہ شوٹ سنبلالے تو اس کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دیں باہم طور کہ اسے دین کی تعلیم دلوائیں۔ اسلامی احکام و آداب سے روشناس کرائیں اور اسے زندگی کے اعلیٰ اصول اور چھپے طریقوں کے سانچے میں ڈھالیں تاکہ سب سے پہلے تو اس کا قلب و دماغ نیکی و راستی کے امتیاز کو جان لے اور پھر اس کا کردار اس چٹائی کے حال ہو جائے جو زندگی کے ہر راستہ پر اسے نیکی و بھلائی ہی کی طرف لے جائے۔

جب تعلیم و تربیت کا یہ مرحلہ گزر جائے اور وہ لڑکا بالغ ہو جائے تو اس کے بعد والدین کا بڑا فریضہ یہ ہے کہ اس کی شادی کی طرف فورا متوجہ ہوں تاکہ وہ مرد زندگی کی وجہ سے جنسی جذبات کی مغلوبیت کا شکار نہ کر رہائیوں کے راستہ پر نہ گم ہو جائے چنانچہ اس فریضہ کی اہمیت کو بتانے اور اس بات کی تاکید کے لئے بطور جزو و تہید یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے بالغ لڑکے کی شادی نہیں کی تو وہ

نرکا جنسی ہے راہروی کا شکار ہو کر بدکاری میں مبتلا ہو گیا تو اس کا گناہ اور وبال باپ پر ہو گا۔ اس بارے میں خدام اور لونڈی کا بھی وہی حکم ہے جو لڑکے کا ہے۔

لڑکی کے بالغ ہوتے ہی اس کا نکاح کر دو

(۱۲) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَأَنْسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي التَّزْوِاجِ مَكْتُوبٌ مَنْ بَلَغَتْ الْبُتَّةُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً وَلَمْ يَزَوْجْهَا فَاصْبَتْ لَهَا فَاثِمٌ ذَلِكَ عَلَيْهِ - زَوَّاهُمَا اللَّهُمَّ لِي شُعْبِ الْإِيمَانِ -

”اور حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت انس ابن مالکؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تورات میں لکھا ہوا ہے کہ جس شخص کی لڑکی کی عمر بارہ سال کی ہو جائے اور وہ (کنو پانے کے باوجود) اس کا نکاح نہ کرے اور پھر وہ لڑکی برائی (یعنی بدکاری وغیرہ) میں مبتلا ہو جائے تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہے۔“ ان دونوں روایتوں کو نبیؐ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔“

بَابُ اِعْلَانِ النِّكَاحِ وَالْخُطْبَةِ وَالشَّرْطِ

نکاح کا اعلان اور نکاح کے خطبہ و شرط کا بیان

”اعلان نکاح“ نکاح کا اعلان کرنا مستحب ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ ”نکاح کا اعلان کرو اگرچہ دف بجا کر ہی کیوں نہ اعلان کرنا پڑے“ دف بجانے کے سلسلہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، چنانچہ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ دف بجنا تو حرام ہے۔ یا مطلقاً مکروہ ہے اور بعض علماء نے اس کو مطلقاً مباح کہا ہے، زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ بعض مواقع پر جیسے ”عید کے دن، کسی معزز مسافر و مہمان کے آنے کے وقت اور نکاح کے موقع پر دف بجنا مباح ہے۔ ان کے علاوہ اور کسی بھی وقت اور کسی بھی موقع پر دف بجنا حرام ہے۔“ ”خطبہ“ علماء نے اسے حج کے پیش کے ساتھ (یعنی خطبہ) بھی صحیح کہا ہے اور حج کے زیر کے ساتھ (یعنی خطبہ) کو بھی صحیح قرار دیا ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ ”خطبہ“ سے مراد نکاح کا پیغام بھیجنا اور خطبہ اس خطبے کو کہتے ہیں جو نکاح میں پڑھا یا جاتا ہے۔ چنانچہ یہاں عنوان میں خطبہ سے مراد نکاح کا پیغام بھیجنا ————— (کہ جسے منگنی کہتے ہیں) بھی ہو سکتا ہے لیکن زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ یہاں ”خطبہ“ سے وہی مراد ہے جو نکاح کے وقت پڑھا جاتا ہے۔

حفظ کے نزدیک عقد نکاح کے وقت خطبہ پڑھنا سنون ہے، شوافع کے نزدیک بھی سنون ہے لیکن ان کے ہاں عقد نکاح ہی نہیں بلکہ ہر عقد مثلاً بیع و شراء وغیرہ کے وقت بھی خطبہ پڑھنا سنون ہے۔

شادی بیاہ کی رسوم و بدعات

”شرط“ سے مراد وہ شرطیں ہیں جو نکاح میں ذکر کی جائیں خواہ وہ فاسد ہوں یا صحیح ہوں۔

یہ مسلمانوں کی بدعتی ہے کہ نکاح جیسا پاکیزہ معاملہ بھی غیر مسلموں کی ناپاک رسموں اور ٹکڑی رواجوں سے محفوظ نہیں رہا ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس ملک کی غیر شرعی رسمیں جس کثرت اور شدت کے ساتھ مسلمانوں کے شادی بیاہ کے معاملات میں داخل ہو گئی ہیں اس نے ایمان کے اسلامی اور مسنون طریقے کو بالکل ہی او جھل کر دیا ہے اور اب تو جس قدر رسمیں رائج ہیں یا پہلے رائج تھیں ان سب کا احاطہ کرنا ناممکن، تاہم ان موقع پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پھر رسوم اور بدعتوں کا ذکر کروں گا جسے تائید و تنقید کا حق ہے۔

احرام، جوں اور مزامیر کا استعمال کرنا، ناچ گانے اور قوالی کا انتظام کرنا، سہرا باندھنا، کچھ پتیوں کے ٹھیل جیسی لغویت کرنا، سحر، بدن غیر معمولی اور اسراف کی حد تک زیبائش و آرائش کرنا جیسے دیواروں کو کپڑے سے ڈھانکا، گھوڑے پر سواری کرنا، بار بار تیلر بد ضرورت

شہر میں پھرنا، دولہا کا شہر و آبادی کے مزارات پر جانا اور ہاں کچھ نقد چڑھا کر پھر رات میں شامل ہو جانا، بارات کے ساتھ وصول باج ہونا، یا گانے والوں کا اور گانے والیوں کو بارات میں شامل کرنا، آتش بازی کے ذریعہ اپنا مال ضائع کرنا، اور بارات میں مردوں کے سامنے عورتوں کا جلوہ آرائی کرنا، یہ سب چیزیں بہت سی برائی کی ہیں اور حرام ہیں۔

اسی طرح یہ چیزیں بھی حرام ہیں: مثلاً نکاح کی مجلس میں مستور چیزوں کو ظاہر کرنا، دولہا کو ریشی مسند پر بٹھانا، دولہا کی ہجڑی کو ڈوری سے تاپنا اور پھر اس ڈوری کو ٹوٹا کر کے والے یا ساحر کو دیدینا تاکہ وہ اس کے ذریعہ دولہا کو دہن کے درمیان محبت کے لئے بولی ٹوٹا کر دے، سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا، باراتیوں اور دولہا کے قرابت داروں کی حد سے زیادہ تعریف و توصیف کرنا اور ان کی بے جا خوشامد و چاپلوسی میں ایسی باتیں کرنا جو بالکل بھڑائی ہوں۔

ایسے ہی یہ چیزیں بھی حرام ہیں: دولہا کا حریر یا زعفرانی رنگ کا یا کسبنا اور یا زیشی کپڑا پہننا (مردوں کے لئے ایسے کپڑے شادی کے عداوہ بھی پہننے حرام ہیں) دولہا کے سر پہ ہجڑی اتار کر دوہن کے سر پر رکھ دینا، دولہا کا دوہن کے گرد سات پار پھر لگانا، اجنبی عورتوں کا دولہا کے پاس آنا اور اسے ہاتھ لگانا یا اس کے ناک کان پکڑنا اور اس کے ساتھ بے حیائی کی باتیں کرنا، دولہا کا انگوٹھا دودھ کے ذریعہ عورت سے دھلوانا، عورتوں کا دولہا کو شکر کھلانا اور روزہ پلانا، مصری کی ڈلی دوہن کے بدن پر رکھ کر دولہا سے کہنا کہ اے اپنے منہ سے اٹھ لو اور غلوٹ میں جب دولہا کو دہن جمع ہوں تو عورتوں کا انہیں گھیرے رہنا۔ یہ سب چیزیں بدعت اور حرام ہیں جن کا شریعت و سنت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان سے اجتناب کرنا انتہائی ضروری ہے۔

الفصل الاول

نکاح کے وقت دف بجانا جائز ہے

① عَنْ الرَّبِيعِ بْنِ عَفْرَاءَ قَالَ: جَاءَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَّ جِئْنَ بِنْتِ عُلَى لَمَخْلَسَ عَلَى فَوَافَقَتْهُمُ خَدَمَتُهُ بِنْتُ خَدَمَتِهِ فَوَافَقَتْهُمَا بِنْتُ خَدَمَتِهِمَا بِالدَّفِّ وَنَدَبْنِ مِنْ قَبْلِ هُنَّ أَمَّا يَوْمَ يَذَرُ إِذْ قَالَتْ: اخْلُصْنِي وَفِيْنَا نَبِيٌّ نَعْلَمُ مَا لِي عَبْدُ لَقَالِ دَعِيَ هَذِهِ وَقَوْلِي بِالدِّينِ كُنْتُ تَقُولُنَّ - (رواہ البخاری)

”حضرت ربیع بنت معوذ بن عفرہ کہتی ہیں کہ جب میں (نکاح کے بعد) اپنے شوہر کے گھر رخصت ہو کر آئی تو نبی کریم ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے اور میرے بستر پر اس طرح بیٹھ گئے جس طرح تم میرے بستر پر بیٹھ گئے (اور حج) نے یہ بات حضرت خالد ابن ذکوان کو مخاطب کرتے ہوئے کہی جنہوں نے یہ روایت نقل کی ہے) اور ہمارے خاندان کی بیچوں نے (جو اس وقت ہمارے گھر میں جو جو تھیں) دف بجانا شروع کیا اور ہمارے آباء میں سے جو لوگ بدر کے دن شہید ہو گئے تھے ان کی خویوں اور شجاعت پر مشتمل اشعار پڑھنے لگیں، اسی دوران ان میں سے ایک انہی نے کہا کہ ”اور ہمارے درمیان وہ نبی ﷺ ہیں جو کل ہونے والی بات کو جانتے ہیں“ آپ ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ”اس بات کو چھوڑ دو (یعنی اس قسم کی باتیں نہ کہو) بلکہ وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”عفرہ“ حضرت معوذہ کی والدہ کا نام ہے، حضرت معوذہ ایک عظیم المرتبت صحابی ہیں جنہوں نے غزوہ بدر کے موقع پر حق کا پرچم سر بلند کرتے ہوئے میدان کارزار میں جام شہادت نوش کیا اور تاریخ اسلام کا ایک وہ عظیم ہستی ہے جس نے اپنے بھائی معاذؓ کی معیت میں اس غزوہ بدر میں اوجہل لعین کو قتل کیا۔

”بیچوں“ سے اشارہ کی وہ چھوٹی بچیاں مراد ہیں جو ابھی بچپن کے دور سے گذر رہی تھیں اور حد بلوغ کو نہیں پہنچی تھیں۔

اکمل الدینؒ نے کہا کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ وقت نکاح اور زفاف کے اعلان کے لئے دف بجانا جائز ہے پھر بعض علماء

نے اس جواز میں ختم، عیدین، مسافری آمد اور قریب مسرت میں احباب و اقارب کے اجتماع کو بھی شامل کر دیا ہے یعنی نکاح کی طرح ان مواقع پر بھی دف بچانا جائز ہے۔ لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ ”دف“ سے مراد وہ دف ہے جس میں جھانج نہ ہو، کیونکہ جھانج و ابد دف بچانا متفقہ طور پر مکروہ ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کی وضاحت یہ ہے کہ اس وقت جب کہ وہ بچیاں اپنے آباء و اجداد کے بہادرانہ کارناموں اور حق کی راہ میں ان کے قربان ہو جانے کی پر شجاعت داستانوں کے گیت گانے لگیں تو اسی دوران ایک بچی نے جو ابھی عقائد کے نازک گوشوں سے ناواقف تھی، گویا آپ ﷺ کی توصیف میں یہ کہا کہ ہمارے درمیان وہ نئی موجود ہیں جو یہ جانتے ہیں کہ آنے والی نکل میں کیا وقوع پزیر ہوگا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے یہ سنتے ہی اسے روک دیا کیونکہ اس نے علم غیب کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف کی تھی جو ظاہر ہے آپ ﷺ کو کہیے گویا ہو سکتی تھی اس لئے کہ عقائد کا یہ کھلا ہوا مسئلہ ہے کہ غیب کی باتوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، ہاں یہ اور بات ہے کہ غیب کی جن باتوں کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اپنے رسولوں پر مکشف کر دیتا ہے۔

یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جن اشعار میں شریعت کے خلاف اور عقائد کے مٹانی کوئی بات نہ ہو اور فحش کذب شامل نہ ہو انہیں چھنا اور سننا جائز ہے۔

① وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ رَأَيْتُ امْرَأَةً اَتَتْ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كُنْ فَمَعَكُمْ لَهْوَ فَاِنَّ الْأَنْصَارَ يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک عورت نکاح کے بعد رخصت کرا کر انصار کے ایک شخص کے ہاں لائی گئی تو رسول کریم ﷺ نے (اس شخص سے) فرمایا کہ ”کیا تمہارے ساتھ کھیل (یعنی دف اور گانا) نہیں ہے (یعنی شریعت نے شادی یہ وہ میں جس دف کے بجائے کی اجازت دی ہے اور جس قسم کے گیت جائز قرار دیئے ہیں تمہاری شادی ان چیزوں سے خالی کیوں ہے؟ کیونکہ انصار تو ان چیزوں کو بہت پسند کرتے ہیں۔“ (بخاری)

شوال کے مہینے میں نکاح کرنا مستحب ہے

② وَعَنْهَا قَالَتْ تَرَوْنَ حَبِيبَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شَوَّالٍ وَبَنِي فِي شَوَّالٍ فَأَيُّ نِسَاءٍ رَسُوْلُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَخْطَى عِنْدَهُ حَبِيبًا - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھ سے شوال کے مہینے میں نکاح کیا اور پھر آٹھ سال کے بعد شوال ہی کے مہینے میں مجھے رخصت کرا کر اپنے گھر لائے۔ اب (تم ہی بتاؤ) رسول کریم ﷺ کی ازواج مطہرات میں کون سی زوجہ مطہرہ مجھ سے زیادہ خوش نصیب تھی۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض جاہل لوگ شوال کے ماہ میں شادی بیاہ کرنے کو جو منحوس سمجھتے ہیں وہ بالکل غلط ہے بلکہ اس مہینے میں شادی بیاہ کرنا یاد دہن کو رخصت کرا کر اپنے گھر لانا مستحب ہے۔ چنانچہ عرب میں بھی زمانہ جاہلیت کے لوگ بیک عقیدہ رکھتے تھے اور شوال میں نکاح کرنے اور دو رہن کو گھر میں لانے کو برا سمجھتے تھے، اسی غلط عقیدہ کی تردید میں حضرت عائشہؓ نے یہ بات فرمائی کہ اگر شوال کے مہینے میں شادی بیاہ کرنا اپنے اندر کوئی نحوست رکھتا ہے۔ تو پھر آخر میں شادی میرے حق میں منحوس کیوں نہیں رہی جب کہ شوال ہی کے مہینے میں میرا نکاح ہوا اور شوال ہی کے مہینے میں رخصت کرا کر میں آپ ﷺ کے گھر آئی اور اس بات کو دینا جانتی ہے آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات میں جو خوش نصیب تھیں اور آپ ﷺ کی محبت مجھے نصیب ہوئی وہ کسی بھی زوجہ کو حاصل نہیں ہوئی۔

مہر ادا کرنے کی تاکید

④ وَغْنُ عَقْبَةِ بْنِ عَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشَّوْطُ أَنْ تَوْفُّوا بِهِ مَا اسْتَخْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ۔
(متن طبع)

”اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جن شرطوں کا پورا کیا جانا تمہارے لئے ضروری ہے ان میں سب سے اہم شرط وہ ہے جس کے ذریعہ تم نے شرمگاہوں کو طحال کیا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”سب سے اہم شرط“ سے مراد بیوی کا مہر یا پھر بیوی کے وہ تمام حقوق مراد ہیں جو شوہر کے ذمہ ہوتے ہیں لہذا حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تم اپنی بیوی کے مہر ادا کرو۔ ان کے کھانے پینے کا خرچ ان کو دو، انہیں رہنے کے لئے مکان دو اور ان کی دیگر ضروریات زندگی اپنی استطاعت کے مطابق پوری کرو اور صرف یہ نہیں بلکہ ان کے ساتھ اپنی زندگی اس حسن سلوک میل جول اور پر محبت انداز سے گزارو جو ایک باوقار اور شریف انسان کی شان کے عین مطابق ہے۔

اب رہی یہ بات کہ ان چیزوں کو ”شرط“ کیوں کہا گیا ہے تو واضح یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرتا ہے۔ تو اس کے ذہن میں تصور کے ہر گوشہ میں یہی عزم ہوتا ہے کہ وہ جس عورت کو اپنی بیوی بنا کر اپنے گھر لا رہا ہے اس کے تمام حقوق کی ادائیگی پورے طور پر کریگا اور پھر وہ ان حقوق کی ادائیگی کا التزام بھی کرتا ہے لہذا اس کا یہ عزم اور پھر یہ التزام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ گویا اس نے حقوق کی ادائیگی کی شرط کی ہے۔

کسی دوسرے کی منسوبہ کو اپنے نکاح کا پیغام نہ دو

⑤ وَغْنُ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلَى عَقْبَتِهِ أَخِيهِ خَشْيَ بَنِكَحٍ أَوْ يَنْكُحُ۔ (متن طبع)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”کوئی مرد اپنے نکاح کا پیغام اپنے کسی مسلمان بھائی کے پیغام پر نہ بھیجے تا آنکہ وہ اس سے نکاح کر لے یا اس کو ترک کر دے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: کسی شخص کی منسوبہ سے نکاح کا پیغام بھیجنے کی ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ ان دونوں کی شادی کا معاہدہ تقریباً طے ہو چکا ہو۔ جی لڑکی اور لڑکا دونوں راضی ہو گئے ہوں اور مہر متعین ہو چکا ہو، لہذا اس صورت میں اب کسی دوسرے شخص کے لئے جائز نہیں ہو گا کہ وہ اپنے نکاح کا پیغام بھیجے، اگر کوئی دوسرا شخص اس ممانعت کے باوجود کسی کی منسوبہ کے پاس نکاح کا پیغام بھیج دے اور اس پہلے شخص کی اجازت کے بغیر نکاح بھی کر لے تو یہ نکاح توجیح ہو جائے گا لیکن یہ دوسرا شخص (جس نے پہلے شخص کی منسوبہ سے نکاح کیا ہے) گناہ گار ہو گا۔

عورت اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے کسی دوسری عورت کو طلاق نہ دلوائے

⑥ وَغْنُ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسْأَلُ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أَخِيهَا لِيَسْتَفْزِعَ صَخْفَتَهَا وَلِيَسْكَحَ فَإِنَّ لَهَا مَا قَدْزَلَهَا۔ (متن طبع)

اور حضرت ابو ہریرہؓ مراد ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”عورت (کسی شخص سے) اپنی کسی (دینی) بہن کے بارہ میں یہ نہ کہے کہ اس کو طلاق دے دو اور اس عورت کو طلاق دلوانے کا مقصد یہ ہو کہ وہ اس کے پیالہ کو خالی کر دے (یعنی اس کو طلاق دلوا کر اس کے

سارے حقوق خود سمیٹ لے) اور اس کے خاوند سے خود نکاح کر لے، کیونکہ اس کے لئے وہی ہے جو اس کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔“
(بخاری و مسلم)

تشریح: فرض کیا جائے کہ زید شادی شدہ ہے اور خالده اس کی بیوی کا نام ہے۔ اب زید کسی دوسری عورت مثلاً زہرہ سے بھی شادی کرنا چاہتا ہے لیکن زہرہ کہتی ہے کہ میں تم سے شادی تو کر لوں گی مگر تم اپنی پہلی بیوی خالده کو طلاق دیدو! یا یہ صورت ہے کہ مثلاً زید نے دو شادیوں کر رکھی ہیں ایک بیوی کا نام خالده ہے اور دوسری کا نام زہرہ ہے۔ اب زہرہ اپنے شوہر سے کہتی ہے کہ اپنی دوسری بیوی خالده کو طلاق دے دو۔ اسی بات سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ کوئی عورت کسی دوسری عورت کو طلاق دوانے کے لئے نہ کہے کیونکہ اپنی اپنی عقد پر اپنے ساتھ ہے کسی دوسرے کا ہر اچا ہے نہ کیا فائدہ۔

حدیث کی وضاحت کے سلسلہ میں اگر پہلی صورت کا اعتبار کیا جائے تو لتکح کا ترجمہ وہی ہو گا جو اوپر نقل کیا گیا جب کہ دوسری صورت مراد لیجائے تو پھر اس جملہ کا ترجمہ یہ ہو گا کہ ”اور (اس عورت کا طلاق دوانے سے یہ مقصد ہو کہ) اس کی سوکن کسی اور مرد سے نکاح کر لے۔“

شغار کی ممانعت

⑥ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الشِّغَارِ وَالْبَيْعَانِ أَنْ تَرْجُلَ الزَّجُلُ ابْنَةُ عَلِيٍّ أَنْ يَرْجُوهُ إِلَّا غُرْبَتَهُ وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا صَدَاقٌ - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ لَا شِغَارَ فِي الْإِسْلَامِ -

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے شغار سے منع کیا ہے اور شغار یہ ہے کہ کوئی شخص (کسی دوسرے آدمی سے) اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کر دے کہ اس دوسرے شخص کو اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کرنا ہو گا اور دونوں میں مہر نہ ہو۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اسلام میں شغار (جائز) نہیں ہے۔“

تشریح: ”شغار“ دو آدمیوں کے درمیان ایک دوسرے کی بیٹی سے نکاح کرنے کی ایک خاص صورت کا نام ہے جیسے کہ زید بکر سے (اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کرے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح زید سے کر دینگا۔ اور ان دونوں کے نکاح میں مہر کچھ بھی متعین نہ ہو بلکہ ان دونوں کے دو میان ایک دوسرے کی بیٹی کا تبادلہ ہی کیا مہر ہو۔ اس طرح کا نکاح زمانہ جاہلیت میں لوگ کر لیا کرتے تھے مگر اسامہ نے اس سے منع کیا ہے۔

اس بارہ میں فقہی اختلاف یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے ہاں تو اس طرح کا نکاح سرے سے صحیح ہی نہیں ہوتا جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس طرح سے نکاح کرے تو وہ نکاح صحیح ہو جائے گا اور مہر شل دینا لازم ہو گا لیکن حکم یہ ہے کہ اس طرح کے نکاح سے اجتناب کرنا چاہئے۔

ختمہ کی ممانعت

⑧ وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ خُتْمَةِ الْبَيْتَاءِ يَوْمَ خَيْبَرَ وَعَنْ أَكْثَرِ لُحُومِ الْخُمْرِ الْبَيْتِيَّةِ - (متفق علیہ)

”اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے خیمبر کے دن عورتوں کے ساتھ ختمہ کرنے سے منع فرمایا ہے نیز آپ ﷺ نے گھروں میں رہنے والے گدھوں کا گوشت کھانے سے بھی منع فرمایا ہے (گھروں میں رہنے والے گدھوں سے مراد وہ گدھے ہیں جو لوگوں کے پاس رہتے ہیں اور بار برداری وغیرہ کے کام آتے ہیں، جنگلی گدھا کہ جس کو گوشت خریدتے ہیں حلال ہے اس کا گوشت کھایا جا سکتا ہے۔“
(بخاری و مسلم)

تشریح: کسی متعین مدت کے لئے ایک متعین رقم کے عوض نکاح کرنے کو "محدد" کہتے ہیں جیسے کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ یہ کہہ کر نکاح کرے کہ فلاں مدت مثلاً دو سال تک اسے روپے (مثلاً ایک ہزار روپے) کے عوض تم سے فائدہ اٹھاؤں گا! نکاح کا یہ خاص طریقہ جتنی متحدہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تو جائز تھا مگر بعد میں حرام قرار دیا گیا۔

علماء لکھتے ہیں کہ متحدہ کے مسئلے میں تحقیقی بات یہ ہے کہ متحدہ دو مرتبہ تو حلال قرار دیا گیا اور دو مرتبہ حرام ہوا، چنانچہ پہلی مرتبہ تو جنگ خیر سے پہلے کسی جہاد میں جب صحابہ تجرو کی وجہ سے سخت پریشان ہوئے یہاں تک کہ بعض لوگوں نے رسول کریم ﷺ سے خطی کرانے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے انہیں متحدہ کرنے کی اجازت دیدی۔ پھر جنگ خیر کے دن جو ۷ھ کا واقعہ ہے، آپ ﷺ نے ہمیشہ کے لئے حرام قرار دے دیا، چنانچہ جواز متحدہ کا فتح ہونا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

اسی سلسلہ میں حضرت ابن عمرؓ نے اپنی روایت میں یہ ذکر کیا ہے کہ جس طرح حالت اضطرار میں بھوکے و مرادار کھانے کی اجازت ہے، اسی طرح اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اس شخص کے لئے جو بہت تجرد، جسی یمان کی وجہ سے حالت اضطرار کو پہنچ گیا ہو، یہ اجازت تھی کہ وہ متحدہ کر لے مگر جب بعد میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ حرام قرار دیا گیا تو پھر صحابہؓ نے اجتماعی طور پر یہ فیصلہ کیا کہ متحدہ کے طور پر جو بھی نکاح ہوا سے باطل قرار دیا جائے۔

اس لئے ہر دور میں تمام اہل اسلام کا اس بات پر اجماع و اتفاق رہا ہے کہ متحدہ حرام ہے، کیا صحابہؓ کیا فقہاء اور کیا محدثین سبھی کے نزدیک اس کا حرام ہونا ایک متفقہ مسئلہ ہے صحابہؓ میں صرف ابن عباسؓ پہلے اضطرار کی حالت میں متحدہ کو مباح سمجھتے تھے مگر جب حضرت علی مرتضیٰؓ نے ان کو سخت تہدید کی اور متحدہ کی قطعی و ابدی حرمت سے ان کو واقف کیا تو حضرت ابن عباسؓ نے اپنے قول سے رجوع کیا اور وہ بھی اس کی حرمت کے قائل ہو گئے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کا اپنے اباحت کے قول سے رجوع کرنا حدیث و فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

"ہدایہ" فقہ حنفی کی ایک مشہور ترین اور اونچے درجہ کی قابل اعتماد کتاب ہے، اس کے مصنف اپنے عمل و فضل اور فقیہی بصیرت و کثرت روی کے اعتبار سے فقہ کی جماعت میں سب سے بلند مرتبہ معیشت کے حامل ہیں، لیکن یہ واقعہ ہے کہ متحدہ کے سلسلہ میں انہوں نے حضرت امام مالکؒ کی طرف قول جواز کی جو نسبت کی ہے وہ ان کی سخت علمی چوک ہے نہ معلوم انہوں نے یہ بات کہاں سے لکھ دی کہ امام مالکؒ متحدہ کے جائز ہونے کے قائل تھے، امام مالکؒ بھی متحدہ کو اسی طرح حرام کہتے ہیں جس طرح تمام اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے۔ چنانچہ نہ صرف ابن ہمامؒ نے ہدایہ میں مذکورہ امام مالکؒ کی طرف قول جواز کی نسبت کو غلط کہا ہے بلکہ ہدایہ کے بعد فقہ کی جتنی بڑی کتابیں تالیف ہوئیں تقریباً سب ہی میں ہدایہ کی اس غلطی کو بیان کرنا لازم سمجھا گیا ہے۔

متحدہ کے بارے میں شیعوں کا مسلک

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ متحدہ حرام ہے، لیکن نہ معلوم شیعہ کیوں اب بھی اسے جائز کہتے ہیں۔ بڑی عجیب بات یہ ہے کہ شیعوں کی کتابوں میں تو انہی کی صحیح احادیث میں ان کے متحدہ کی حرمت منقول ہے، مگر شیعوں کا عمل یہ ہے کہ وہ نہ صرف متحدہ کے حلال ہونے پر اصرار کرتے ہیں بلکہ اس کے فضائل بھی بیان کرتے ہیں، اور پھر مزید ختم نظر یہ ہے کہ شیعہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ متحدہ کو دراصل حضرت عمرؓ نے حرام کیا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، حضرت عمرؓ کو حرام کرنے کا کیا اختیار تھا۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ انہوں نے جس طرح دوسرے اسلامی احکام کی تبلیغ میں بڑی شدت کے ساتھ حصہ لیا ہے۔ اسی طرح انہوں نے متحدہ کی حرمت کے اعلان میں بھی بڑی شہود کے ساتھ کوشش کی ہے۔ چنانچہ ان کا آخری اعلان یہ تھا کہ اگر میں نے سنا کہ کسی نے متحدہ کیا ہے تو میں اس کو زنا کی سزا دوں گا۔ ان کے اسی اعلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ اسی وقت کہ متحدہ کی حرمت سے ناواقف تھے وہ بھی واقف ہو گئے، لہذا حضرت عمرؓ نے تو صرف اتنا کیا کہ رسول کریم ﷺ کے ایک حکم کی تبلیغ کر دی اب اگر شیعہ یہ

کہیں کہ جبکہ حضرت عمرؓ نے حرام کیا ہے تو اس کی ایک محکمہ خیر الزام سے زیادہ اور کوئی اہمیت نہیں ہوگی۔

⑨ وَعَنْ سُلَيْمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ رَخَّصَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ أُوطَاسٍ فِي الْمُنْعَةِ ثَلَاثًا ثُمَّ نَهَى عَنْهَا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت سلمہ ابن اکوعؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جنگ اوطاس کے تین یوم کے لئے حد کی اجازت دی تھی پھر اس سے (بیشہ کے لئے) منع کر دیا۔“ (مسلم)

تشریح: ”اوطاس“ ایک واوی کا نام ہے جو مکہ مکرمہ کے قریب طائف جانے والے راستے میں واقع ہے اور جس کے گرد و پیش قبیلہ ہوازن کی شاخیں آباد تھیں اس کو ”واوی حنین“ بھی کہتے ہیں۔ جب رمضان المبارک ۸ھ میں مکہ فتح ہو گیا اور اسلام کی طاقت نے گویا پورے رب کے باطل عناصر کو حق کے سامنے سرنگوں کر دیا تو اوطاس میں بسنے والے ہوازن اور ثقیف کے قبیلوں کو بڑی غیرت آئی اور انہوں نے پوری حشر سامانیوں کے ساتھ ایک مرتبہ اسلام کے مقابلہ کی عثمانی چنانچہ شوال ۸ھ میں ان قبیلوں کے لوگوں کے ساتھ اوطاس میں آنحضرت ﷺ کی قیادت میں وہ جنگ ہوئی جسے ”غزوہ حنین“ کہا جاتا ہے اور غزوہ اوطاس اور غزوہ ہوازن کے نام سے بھی اس کو یاد کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حق کو سر بلند کیا اور اسلامی لشکر کو فتح عطا فرمائی، اس غزوہ میں قیمت کے طور پر مسلمانوں کو بہت زیادہ مال و اسباب ہاتھ لگا، چوبیس ہزار اونٹ چالیس ہزار بکریاں اور تقریباً چالیس ہزار روپیہ کی مالیت کی چاندی پر مسلمانوں نے قبضہ کیا اور آنحضرت ﷺ نے یہ سارا مال قیمت دہیں اوطاس میں مسلمانوں کے درمیان تقسیم فرمایا۔

بہر حال حد کی تحلیل و تحریم دوسری مرتبہ اسی جنگ اوطاس کے موقع پر ہوئی ہے اور یہ جنگ چونکہ فتح مکہ کے فوراً بعد ہوئی ہے اس لئے اس موقع پر حد کی ہونے والی تحلیل و تحریم کی نسبت کو فتح مکہ کے دن کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ گویا اس سے پہلے کی حدیث کی تشریح میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ حد کی تحلیل و تحریم دوسری مرتبہ فتح مکہ کے دن ہوئی ہے تو وہاں ”فتح مکہ کے دن“ سے مراد فتح مکہ کے سال ہے، لہذا اب بات یوں ہوگی کہ دوسری مرتبہ حد کی تحلیل و تحریم فتح مکہ کے سال یعنی ۸ھ میں جنگ اوطاس کے موقع پر ہوئی ہے۔

الفصل الثانی

نکاح کا خطبہ

⑩ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مسعودٍ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّشَهُّدَ فِي الصَّلَاةِ وَالتَّشَهُّدَ فِي الْحَاجَةِ قَالَ التَّشَهُّدُ فِي الصَّلَاةِ التَّحِيّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ كَأَنَّهُ السَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَالتَّشَهُّدُ فِي الْحَاجَةِ أَنْ الْحَمْدُ لِلَّهِ نُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّهُ فَلَا مُهَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَيَقْرَأُ ثَلَاثَ آيَاتٍ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ وَقِينًا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ مِمَّنْ يَنْقُضُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ فَقَدْ فَازَ قَوْلًا عَظِيمًا وَرَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتَّسَالُيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَفِي خَامِعِ التِّرْمِذِيِّ فَسَّرَ الْآيَاتِ الثَّلَاثَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَزَادَ ابْنُ مَاجَةَ بَعْدَ قَوْلِهِ أَنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ تَحْمُدُهُ وَبَعْدَ قَوْلِهِ مَنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَبَبَاتِ أَعْمَالِنَا وَالدَّارِمِيُّ بَعْدَ قَوْلِهِ عَظِيمًا ثُمَّ يَتَكَلَّمُ بِحَاجَتِهِ وَرَوَى فِي شَرْحِ الشَّعْبَةِ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ فِي حُطْبَةِ الْحَاجَةِ مِنَ التَّكْبِيرِ وَغَيْرِهِ۔

”حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں نماز میں پڑھا جانے والا تہجد بھی سکھایا ہے اور کسی حاجت و ضرورت کے وقت جو تہجد پڑھا جائے اس کی تعلیم بھی دی ہے۔ چنانچہ نماز کا تہجد تو یوں ہے:

اَلشَّجَنَاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوَاتُ وَالْقَلْبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَىٰ عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔

”زبان کی دعا میں، بدنی عبادتیں اور مالی عبادتیں سب اللہ کے لئے ہیں۔ اسے نبی (ﷺ) آپ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت و برکت ہو، اور ہم پر اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر بھی سلامتی ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“

اور کسی حاجت و ضرورت کے وقت پڑھا جانے والا تہجد یہ ہے:

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نُسَبِّحُہٗ وَنُسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْطِ اَنْفُسِنَا مِنْ يَّہْدِہٖ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ يُّضِلِلْہٗ فَلَا هَادِیَ لَہٗ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُولُہٗ۔

”تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، ہم اس سے مدد چاہتے ہیں اور اسی سے بخشش کے طلب گار ہیں اور ہم اپنے نفس کی ہر رائی سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، جس کو اللہ ہدایت (کی توفیق) ہو پھر اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں (یعنی نہ شیطان نہ کما سکتا ہے نہ نفس گمراہ کر سکتا ہے اور نہ کوئی اور گمراہی میں مبتلا کر سکتا ہے) اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“

پھر اس تہجد کے بعد آپ ﷺ قرآن کریم کی تین آیتیں پڑھئے، ایک آیت یہ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِہٖ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ۔

”اے ایمان والو! خدا سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔“

دوسری آیت یہ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَنْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ مَقِيتًا۔

”اے ایمان والو! خدا سے ڈرو جس کے نام کو تم اپنی حاجت برآ کر یا کاذب یہ بتاتے ہو اور (قطع سوخت) اور حرام سے (بچو) بیشک خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔“

تیسری آیت یہ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ قُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ مَنِ اطَّعَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا۔

”اے ایمان والو! خدا سے ڈرا کرو، اور بات سیدھی کہا کرو، وہ تمہارے سب اعمال درست کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور جو شخص خدا اور اس کے رسول کی فرمائیداری کرے گا تو بے شک بڑی مہربانی کا۔“

اور چاب ترمدی میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ”ان تینوں آیتوں کو سفیان ثوریؒ نے بیان کیا ہے۔

ابن ماجہؒ نے ان الحمد للہ کے بعد نحمدہ اور من شرو و انفسا کے بعد من مینات اعمالنا کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے ورواردیؒ نے اپنی روایت میں ”عظیما“ کے بعد یہ اضافہ کیا ہے کہ (یہ تہجد اور آیتیں پڑھنے کے بعد) اپنی حاجت (یعنی عقد کے الفاظ)

بیان کرے۔

اور شرح السنہ میں ابن مسعودؓ کی اس روایت کو نقل کیا ہے اس میں خطبہ حاجت کی وضاحت نکاح وغیرہ سے کی گئی ہے (یعنی شرح السنہ نے لفظ "حاجت" کی توضیح میں من السکاح وغیرہ کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے)۔ "ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی تشریح: "تشمید" کے معنی "ایمان کی گواہی کا اظہار کرنا" اور زین العرب نے کہا ہے کہ یہاں "تشمید" سے مراد وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی تحریف اور دونوں کلمہ شہادت کا ذکر ہو۔

"حاجت و ضرورت" سے مراد نکاح وغیرہ ہے اور حاجت و ضرورت کے وقت پر مے جانے والے تشہد سے مراد وہ خطبہ ہے جو نکاح وغیرہ کے وقت پڑھا جاتا ہے۔ یہ بات پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک صرف نکاح ہی میں نہیں بلکہ تمام عقود کے وقت خطبہ پڑھنا منسوخ ہے۔

روایت میں جو دوسری آیت نقل کی گئی ہے۔ اس میں بَاتِلُهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا کے الفاظ بھی ہیں اور یہ آیت مشکوٰۃ کے تمام نسخوں میں اسی طرح نقل ہوئی ہے حالانکہ قرآن کریم میں یہ آیت یوں نہیں ہے بلکہ دراصل سورہ نساء کی پہلی آیت کا ٹکڑا ہے جو بَاتِلُهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا کے بغیر اس طرح ہے وَ اَنۡتَوُا۟ لِلّٰهِ الَّذِي۟ تَسۡتَعِي۟نُوۡنَ بِهٖۤ اِلَّا زَحٰمًاۙ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰی كَمۡفِیۡهِۭۙ هٰذَاۙ هُوَ سَکۡتَہٗۙ هٖۤ اِنَّ اللّٰهَ کَرِیۡمٌۭۙ حُصۡفُۙ حضرت ابن مسعودؓ کے پاس تھا اس میں یہ آیت اسی طرح ہو۔

حصن حصین سے مفہوم ہوتا ہے کہ ابو داؤد نے مذکورہ خطبہ میں لفظ "در سولہ" کے بعد یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں اَوْ سَلَّهٖ بِالْحَقِّ نَبِیۡہٗۤ اَوْ یَلِیۡہٗۤ اٰمِنِیۡنَ یَذِی السَّعَۃَۤ اَمِّنَ نَطِیۡعَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلَہٗ فَقَدَرۡ شَدُوۡنَ مِنْ نَفۡصِہِمَا فَلَیۡ نَطِیۡعُۙ اَلۡاَنۡفُسَہٗۙ وَ لَا یَطِیۡعُ اللّٰہُ شَیۡئًا۔ جو محض عقد کرانے کے بعد پہلے یہ خطبہ پڑھے اور پھر اس کے بعد ایجاب و قبول کرانے اور ایجاب و قبول میں ان باتوں کا لحاظ رکھے جو ضروری ہیں اور جن کا ذکر کتاب النکاح کی ابتدا میں ہو چکا ہے۔

خطبہ کے بغیر نکاح بے برکت رہتا ہے

⑪ وَعَنْ اَبِیۡنِ ہُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کُلُّ خُطْبَۃٍ لَیْسَ فِیۡہَا تَشۡہِیۡدٌ فَہِیۡ کَمَایِیۡدِ الْجَدَمَآءِ رَوَّاهُ النَّبَیۡزُ حَدِیۡثٌ وَقَالَ هٰذَا حَدِیۡثٌ حَسَنٌ غَرِیۡبٌ۔

"اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس خطبہ میں عہد (یعنی عدا کی حمد و ثناء) نہ ہو وہ کئے ہوئے ہاتھ کی طرح ہے" ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس طرح کتا ہوا ہاتھ بے فائدہ ہوتا ہے کہ ہاتھ والا اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا اسی طرح خطبہ کے بغیر نکاح بھی بے فائدہ ہے کہ وہ جمود برکت سے خالی رہتا ہے۔

ملا علی قاریؒ نے اپنی شرح میں لفظ "خطبہ" کو "کوٹ" کے زیر کے ساتھ لکھا ہے اور اس کے معنی "ترویج" یعنی نکاح کرنا" بیان کئے ہیں جب کہ حضرت مولانا شاہ اتحق دہلویؒ نے کہا ہے کہ ہم نے اپنے اساتذہ سے اس لفظ کو "کوٹ" کے پیش کے ساتھ یعنی خطبہ سنا ہے اور حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ کے کلام سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے۔

⑫ وَعَنْہٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کُلُّ اَمْرٍ دَعِیۡ بَاۡلٍ لَا یَبِیۡنُ فِیۡہِ بِالْحَمْدِ لِلّٰہِ فَہُوَ اَقْطَعُ۔ (روایت ابن ماجہ)

"اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس ایہم اور عظیم الشان کام کو خدا کی حمد و ثناء کے بغیر شروع کیا جائے وہ بے برکت ہوتا ہے۔" (ابن ماجہ)

نکاح کا اعلان کرنا مستحب ہے

(۱۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَغْلِظُوا هَذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوا فِيهِ الْمَسَاحِدَ وَاضْرَبُوا عَلَيْهِ بِالذُّفُوفِ - رواه الترمذی وقال هذا حديث غریب۔

”اور اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تم نکاح کا اعلان کیا کرو۔ نکاح مسجد کے اندر کیا کرو اور نکاح کے وقت دف بجو یا کرو“ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: ”اعلان“ سے مراد اگر گواہوں کی موجودگی ہو کہ نکاح گواہوں کے سامنے کیا جائے تو یہ حکم بطریق وجوب ہوگا۔ اور اگر ”اعلان“ سے مراد ”تشہیر“ ہو کہ نکاح کی مجلس اعلانیہ طور پر منعقد کرو تو پھر یہ حکم بطریق استحباب ہوگا۔ مسجد میں نکاح کرنا مستحب ہے، اسی طرح بعد کے دن نکاح کرنا مستحب ہے کیونکہ مسجد میں اور جمعہ کے دن نکاح کرنے سے برکت حاصل ہوتی ہے۔

(۱۴) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَاطِبٍ الْجُدَحِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَضِّلْ مَتَانَيْنِ الْخَلَالَ وَالْخَزَامِ الصُّوْتِ وَالذَّفَّ لِي النِّكَاحِ - (رواه احمد و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ)

”اور حضرت محمد ابن حاطبؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”خلال اور حرام کے درمیان فرق، نکاح میں آواز اور دف بجانا ہے۔“ (احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: ”آواز“ سے مراد تو گانا ہے یا لوگوں کے درمیان نکاح کا ذکر و اعلان کرنا ہے۔ حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بغیر آواز اور دف کے نکاح ہوتا ہی نہیں کیونکہ نکاح دو گواہوں کے سامنے بھی ہو جاتا ہے بلکہ اس حدیث کا مقصد لوگوں کو اس بات کی ترغیب دلانا ہے کہ نکاح کی مجلس اعلانیہ طور پر منعقد کی جائے اور لوگوں میں اس کی تشہیر کی جائے اب رہی یہ بات کہ تشہیر کی حد کیا ہے؟ تو وہ یہ ہے کہ اگر ایک مکان میں نکاح ہو تو دوسرے مکان میں یا پڑوس میں اس کا علم ہو جائے اور یہ چیز دف بجانے یا آواز کے ذریعہ (یعنی کوئی نظم و گیت پڑھنے گانے سے) حاصل ہو جاتی ہے، تشہیر کا مطلب قطعاً نہیں ہے کہ محلوں اور شہروں میں شہنائی، ٹوبہ اور ہاجون کے شور و شغب کے ذریعہ نکاح کا اعلان کیا جائے۔

شادی گانے کی اجازت

(۱۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ جَارِيَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ رَوَّجَتْهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَائِشَةُ الْأَنْعَاسُ فَإِنَّ هَذَا الْخَيْلَ مِنَ الْأَنْصَارِ يَنْحَثُونَ الْغَنَاءَ زَوَّاهُ ابْنُ جَبْرِ طَيِّبٌ صَحِيحُهُ۔

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میرے پاس ایک انصاری لڑکی تھی جب میں نے اس کا نکاح (کسی سے) کیا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”عائشہ! کیا تم گانے کے لئے کسی سے نہیں کہہ رہی ہو؟ کیونکہ یہ انصاری قوم گانے کو بہت پسند کرتی ہے۔“ (اس روایت کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔)

تشریح: یہ لڑکی جو حضرت عائشہؓ کے پاس رہا کرتی تھی اور جس کا نکاح انہوں نے کیا تھا تو ان کے قریب تاروں میں سے کسی کی تھی جیسا کہ آگے آنے والی حدیث وضاحت کر رہی ہے یا پھر کوئی تیرہ رہی ہوگی جسے انہوں نے اپنے بیان رکھ کر بالا پوچھا تھا۔ مشکوٰۃ کے اصل نسخہ میں لفظ رواہ کے بعد کوئی عبارت نہیں لکھی ہوئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مؤلف مشکوٰۃ کو اس روایت کے اصل، فہد کا علم نہیں ہو سکا تھا، پھر بعد میں دوسرے علماء نے حاشیہ پر یہ عبارت ”ابن حبان فی صحیحہ“ یعنی اس روایت کو ابن حبان نے اپنی

صحیح میں نقل کیا ہے، لکھدی ہے۔

(۱۶) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ انْكَحَتْ عَائِشَةُ ذَاتَ قُرْبَى لَهَا مِنْ الْأَنْصَارِ فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هَذَيْنِ الْفَتَاةُ قَالُوا نَعَمْ قَالَ أَرْسَلْتُمْ مَعَهَا مَنْ تَعْنِي قَالَتْ لَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْأَنْصَارَ قَوْمٌ فِيهِمْ غُرْلٌ فَلَوْ بَعَثْتُمْ مَعَهَا مَنْ يَقُولُ أَتَيْنَاكُمْ أَتَيْنَاكُمْ فَحَيَّانَا وَحَيَّاكُمْ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ نے ایک لڑکی کا نکاح کیا جو انصاری تھی اور ان کے قرائد اوروں میں سے تھی چنانچہ جب (نکاح کے بعد) رسول کریم ﷺ (مگر میں) تعریف لائے تو پوچھا کہ کیا تم نے اس لڑکی کو کہ جس کا نکاح کیا گیا ہے۔ اس کے خاوند کے گھر بھیجا ہے؟“ مگر والوں نے کہا کہ ”ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے اس کے ساتھ کسی گائے والے کو بھی بھیجا ہے؟“ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ”نہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”انصار ایک ایسی قوم ہے جس میں گائے کا شوق ہے، کاش! تم اس کے ساتھ کسی ایسے شخص کو بھیج دیتیں جو یہ گاتا ہو اجاتا اَتَيْنَاكُمْ أَتَيْنَاكُمْ فَحَيَّانَا وَحَيَّاكُمْ (یعنی ہم تمہارے پاس آئے، تم تمہارے پاس آئے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اور تمہیں بھی سلامتی کے ساتھ رکھے۔)“ (ابن ماجہ)

تشریح: شادی بیاہ کے موقع پر طریہ اشعار کے ذریعہ خوشی و مسرت کا اظہار ایک قدیم روایت ہے، چنانچہ انصار میں بھی یہ روایت جاری تھی اور وہ اسے بہت پسند کرتے تھے، اسی وجہ سے جب حضرت عائشہؓ نے اس انصاری لڑکی کا نکاح کیا اور اس کے ساتھ کسی گائے والے کو نہیں بھیجا تو آنحضرت ﷺ نے اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ اگر اس لڑکی کے ساتھ کوئی گائے والا بھی جاتا تو اس موقع پر اس کے طریہ اشعار لڑکی کے سسرال والوں کے جذبات مسرت و خوشی میں یقیناً اضافہ کرتے، پھر آپ ﷺ نے اس طریہ گیت کا ایک مصرعہ بھی پڑھ کر سنایا جو عرب میں شادی بیاہ کے موقع پر پڑھا جاتا تھا، چنانچہ وہ پورا شعر یوں ہے۔

أَتَيْنَاكُمْ أَتَيْنَاكُمْ فَحَيَّانَا وَحَيَّاكُمْ وَلَوْلَا الْحَنْظَلَةُ الشَّمْرَاءُ لَمْ تَسْمَعْنَ عَذَاؤَنَا

ہم تمہارے پاس آئے خداوند تعالیٰ تمہیں بھی اور ہمیں بھی سلامتی کے ساتھ رکھے۔ اگر سرخ گیہوں نہ ہوتے تو تمہاری کنواریاں گدازیدن والی نہ ہوتیں۔

بعض لوگوں نے کہا ہے دوسرا مصرعہ ”وَلَوْلَا الْحَنْظَلَةُ الْخُحُ“ کی بجائے یہ ہے:

وَلَوْلَا الْغُصْوَةُ، الشَّوْذَاءُ، مَا كُنَّا بِوَأْوَانِكُمْ

اگر سیاہ بھجوریں نہ ہوتیں تو ہم تمہارے مکانوں میں نہ رہتے (بلکہ بھوک کے مارے کہیں نکل جاتے)

دونوں کا حوں میں پہلا نکاح درست ہے

(۱۷) وَعَنْ سَمُرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَتَيْنَا امْرَأَةً زَوْجَهَا وَلِثَانِ فِيهِمَا لِلْأَوَّلِ مِنْهُمَا وَمِنْ بَاغِ نَيْتِنَا مِنْ زُخْلِفٍ فَهُوَ لِلْأَوَّلِ مِنْهُمَا۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد و النسائی و الدارمی)

”اور حضرت سمرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس عورت کے دو ولی اس کا نکاح کر دیں تو وہ عورت ان دونوں میں سے اس کے لئے ہے جس کا ساتھ نکاح پہلے ہوا ہے، اور جو شخص (کسی ایک چیز کو) دو آدمیوں کے ہاتھ میں بیچے تو وہ چیز ان دونوں میں سے اس کے لئے ہے جسے پہلے بیچ لیا گیا ہے۔“ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

تشریح: کسی عورت کے دو ولی ہوں اور دونوں ولی اس عورت کا نکاح الگ الگ وقتوں میں و مردوں سے کر دیں یاں طور کہ پہلے ایک ولی نے کسی شخص سے نکاح کر دیا پھر دوسرے ولی نے کسی دوسرے شخص سے نکاح کر دیا تو دوسرے ولی کا کیا ہوا نکاح باطل ہوگا اور وہ

عورت اسی شخص کی بیوی ہوگی جس سے پہلے نکاح ہوا ہے لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ دونوں ولی ایک ہی درجہ کے ہوں یعنی دونوں یکساں قربت رکھتے ہوں، اگر دونوں ولی ایک درجہ کے نہ ہوں تو پھر وہ ولی مقدم ہوگا۔ جو اقرب ہو یعنی قریبی قربت رکھتا ہو لہذا اس صورت میں وہ عورت اس شخص کی بیوی ہوگی جس سے اس کے قریبی قربت والے ولی نے نکاح کیا ہے چاہے اس نے پہلے نکاح کیا ہو اور چاہے بعد میں کیا ہو۔ اور اگر عورت کے یکساں درجہ والے دو ولی اس کا نکاح ایک وقت میں دو الگ الگ مردوں سے کر دیں مثلاً ایک ولی نے زید سے نکاح کیا اور ٹھیک اسی وقت دوسرے ولی نے بکر سے اس کا نکاح کیا تو اس صورت میں متفقہ طور پر تمام علماء کا مسلک یہ ہے کہ دونوں ہی نکاح باطل ہو گئے۔

الفصل الثالث

حدہ ابتداء اسلام میں جائز تھا

①۸ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كُنَّا نَقْرُو مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مَعَنَا نِسَاءٌ فَقُلْنَا أَلَا نَخْتَصِمُ فِيهَا نَاعِلٌ ذَلِكَ ثُمَّ رَخِصَ لَنَا أَنْ نَسْتَفْهِجَ فَكَانَ أَحَدًا يَتَكَبَّرُ الْمَرْأَةُ بِالنُّثْبِ إِلَى أَجَلٍ ثُمَّ قَرَأَ عَبْدُ اللَّهِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْزَنْهُمْ ظَنَبَاتٌ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ۔

”حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ (ایک غزوہ کے موقع پر) ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ شریک جہاد تھے اور اس وقت ہمارے ساتھ ہماری عورتیں (یعنی بیویاں اور لونڈیاں) نہیں تھیں چنانچہ (جب عورتوں کے نہ ہونے کی وجہ سے ہم بھی بیجان سے پریشان ہوئے تو) ہم نے کہا کہ کیا ہم نصی نہ ہو جائیں (تاکہ بعض بیجان اور شیطان کے وسوسوں سے ہمیں نجات مل جائے) لیکن رسول کریم ﷺ نے ہم کو اس سے توسع فرمایا البتہ ہمیں حدہ کرنے کی اجازت دیدی چنانچہ ہم میں سے بعض لوگ کپڑے کے معاوضہ پر ایک معتد مدت کے لئے عورت سے نکاح (یعنی حدہ) کر لیتے تھے۔ اس کے بعد ابن مسعود نے یہ آیت پڑھی: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْزَنْهُمْ ظَنَبَاتٌ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ (ایمان والو! جن پاک چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے ان کو حرام نہ سمجھو۔“ (نکاری و مسلم)

تشریح: یہ حدیث حدہ کی اجازت پر دلالت کرتی ہے، چنانچہ ابتداء اسلام میں حدہ کی اجازت تھی مگر بعد میں یہ اجازت منسوخ ہو گئی اور اب حدہ کرنا حرام ہے جیسا کہ آگے آنے والی حدیث سے بھی معلوم ہوگا اور پہلے بھی وہ احادیث گذر چکی ہیں جن سے حدہ کی اجازت کا منسوخ ہونا ثابت ہو چکا ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ کا مذکورہ بالا آیت پر حنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ بھی حضرت ابن عباسؓ کی طرح حدہ کی مباح ہونے کے قائل تھے، لیکن حضرت ابن عباسؓ کے بارہ میں تو یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انہوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا اور وہ بھی حدہ کے حرام ہونے کے قائل ہو گئے تھے جیسا کہ آگے آنے والی حدیث سے معلوم ہوگا اب رہی حضرت ابن مسعودؓ کی بات تو ہو سکتا ہے کہ انہوں نے بھی اس کے بعد اس سے رجوع کر لیا ہو اور وہ بھی حدہ کے حرام ہونے کے قائل ہو گئے ہوں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہیں جواز حدہ کے منسوخ ہونے کا صریح حکم معلوم ہی نہ ہوا ہو اور اس وجہ سے وہ آخر تک جواز حدہ کے قائل رہے ہوں۔

①۹ وَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّمَا كَانَتْ الْمُنْعَةُ فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ كَانَ الزَّوْجُ يُقَدِّمُ الْبِلْدَةَ لَيْسَ لَهُ بِهَا مَعْرِفَةٌ فَيَنْزُو حَتَّى الْمَرْأَةُ يَقْدِرَ مَا يُؤَيُّ أَنْهُ يُقْبِلُ فَتَحْفَظُ لَهُ مَتَاعَهُ وَتُصْلِحُ لَهُ شَيْئَهُ حَتَّى إِذَا تَرَكْتَ الْأَيَّةَ الْأَعْلَى أَرْوَاهُمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ يُنْمَانُهُمْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَكُلُّ فَرْحٍ مَوْأَهًا فَهُوَ حَرَامٌ۔ (ردہ المشرقی)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حدہ (کا جواز) صرف ابتداء اسلام میں تھا اور اس وقت حدہ کی ایک صورت یہ ہوتی تھی کہ (جب کوئی

مرد کسی شہر میں جاتا اور وہاں (لوگوں سے) اس کی کوئی شناسائی نہ ہوتی (کہ جن کے ہاں وہ اپنے قیام و طعام کا بندوبست کرتا) تو وہاں کسی عورت سے ان کی مدت کے لئے نکاح کر لیا جتنی مدت اس کو ٹھہرنا ہوتا، چنانچہ وہ عورت اس کے سامان کی دیکھ بھال کرتی، اور اس کا کھانا پکائی، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی **اِنَّ عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ**۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ان دونوں (یعنی بیوی اور لونڈی) کی شرمگاہ کے علاوہ ہر شرم گاہ حرام ہے۔ **اِنَّ اَرْوَاحَهُنَّ**

تشریح: آیت کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ اپنی شرم گاہوں کو اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے علاوہ دوسری عورتوں سے محفوظ رکھتے ہیں ان پر کوئی ملامت نہیں ہے لیکن جو لوگ اپنی بیویوں اور لونڈیوں پر قناعت نہیں کرتے یا جو لوگ نکاح کے ذریعہ اپنی شرعی طور پر اپنی جنسی خواہش کی تسکین کا سامان نہیں کرتے بلکہ غیر عورتوں کی طرف مائل ہوتے ہیں وہ دراصل حلال سے گذر کر حرام کی طرف تہود کرنے والے ہیں جن کے لئے سخت ملامت ہے۔

طبی کہتے ہیں کہ اس ارشاد سے حضرت ابن عباسؓ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ ہر ہیزگار بندوں کی تعریف بیان کی ہے کہ وہ عورتوں سے اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں البتہ اپنی بیویوں اور اپنی لونڈیوں سے اجتناب نہیں کرتے بلکہ ان کے ذریعہ اپنے جنسی جذبات کو تسکین پہنچاتے ہیں اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ حد کی صورت میں جو اس عورت پر تسلط حاصل ہوتا ہے وہ نہ تو بیوی ہوتی ہے اور نہ محبہ کہ (لونڈی) ہوتی ہے کیونکہ اگر وہ بیوی ہوتی تو اس کے اور اس کے مرد کے درمیان میراث کا سلسلہ ضرور ہوتا اور یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ حد کی عورت کے ساتھ میراث کا کوئی سلسلہ قائم نہیں ہوتا چونکہ وہ عورت محض چند روز (یعنی ایک تسکین مدت) کے لئے اجرت پر اپنے نفس کو اس مرد کے حوالہ کرتی ہے۔ اس لئے وہ مملوکہ بھی نہیں ہو سکتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص حد کے طور پر کسی عورت سے جنسی تسکین حاصل کرتا ہے۔ تو وہ ان لوگوں کے زمرہ میں نہیں ہے جن کی تو صیف مذکورہ آیت بیان کر رہی ہے۔ امام فخر الدین رازیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں مذکور لکھا ہے کہ جو شخص کسی عورت سے حد کرتا ہے تو وہ عورت اس کی بیوی نہیں بنتی اور جب وہ بیوی نہیں بنتی تو پھر لا محالہ یہ واجب ہو گا کہ وہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہو۔

شیعوں کے بارہ میں پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ ان کے نزدیک حد جائز ہے، چنانچہ بڑی مشککہ خیز بات یہ ہے کہ وہ حضرت ابن عباسؓ کے قول پر تو عمل کرتے ہوئے حد کو جائز کہتے ہیں۔ باوجودیکہ جو از حد کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ کا اپنے قول سے رجوع کرنا ثابت ہو چکا ہے اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے مسلک و عقیدہ کو ترک کرتے ہیں اور ان کے خلاف عمل کرتے ہیں جب کہ صحیح مسلم میں یہ روایت موجود ہے کہ جب حضرت علیؓ نے یہ سنا کہ حضرت ابن عباسؓ حد کو جائز کہتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ ابن عباسؓ! ایسا نہ کہو کیونکہ میں نے خود سنا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے خیر کے دن حد اور بالآخر حد سے کا گوشت کھانے سے منع فرما دیا تھا۔

شادی بیاہ کے موقع پر گانے کی اجازت

(۴۵) وَعَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى فِرْعَاطِ بْنِ كَعْبٍ وَابْنِ مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ لَمَّا عَرَّسَ وَابْنُ أَخِي عَامِرٍ نِكَاحًا فَقُلْتُ أَيْ هَٰذَا جُنَيْتَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَهْلًا تَذَرُ تَفْعَلُ هَٰذَا جُنَيْتَ كُمْ فَقَالَ اجْلِسْ إِنَّ هَٰذَا سَمِعَ مَعَنَا وَإِنْ هَٰذَا هَبْ فَإِنَّهُ قَدْ وَجَّضَ لِمَا فِي اللَّهِ عِنْدَ الْغُرَسِ۔ (رواہ النسائی)

اور حضرت عامر بن سعدؓ اتالیقی کہتے ہیں کہ جب ایک شادی میں شرکت کے لئے پہنچا جہاں (دو صحابی) حضرت قرظہ ابن کعبؓ اور حضرت ابو مسعودؓ انصاریؓ بھی موجود تھے، تو دیکھا کہ چند بچیاں گاری میں نے کہا کہ "اے رسول کریم (ﷺ) کے صحابیوں اور جنگ رزمیوں شریک رہنے والو! کیا تمہارے سامنے بھی یہ (گانا) ہو رہا ہے؟" (یہ سکر) ان دونوں صحابیوں نے کہا کہ "بیٹھ جاؤ اگر تمہارا بی بی چاہے تو تم بھی ہمارے ساتھ سنو اور چاہے چلے جاؤ، کیونکہ شادی بیاہ کے موقع پر ہمیں گیت (گانے سننے کی) اجازت دی گئی ہے۔" (نسائی)

تشریح: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی گانے کی حرمت و کراہت ہی مشہور تھی، عیدیں اور نکاح وغیرہ کی تخصیص بعض لوگوں کو تو معلوم تھی اور بعض لوگوں کو معلوم نہیں تھی، چنانچہ حضرت مامر ابن سعدؓ انہیں لوگوں میں سے تھے جنہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ عیدیں اور شادی بیاہ وغیرہ میں گانا ناجائز ہے۔

بَابُ الْمُحَرَّمَاتِ

جو عورتیں مرد پر حرام ہیں ان کا بیان

نکاح کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ عورت محرمات میں سے نہ ہو، لہذا اس باب میں یہی بتایا جائے گا کہ کون کون عورتیں محرمات میں سے ہیں کہ جن سے نکاح کرنا حرام ہے! ان عورتوں کی تفصیل فقہ حنفی کی مشہور و معتد کتاب فتاویٰ عالمگیری میں بڑی عمدگی کے ساتھ بیان کی گئی ہے، من سب معلوم ہوتا ہے کہ فتاویٰ عالمگیری کی اس تفصیل کو یہاں ذکر کر دیا جائے۔

محرمات کی تفصیل

جو عورتیں محرمات میں سے ہیں ان کی قسمیں ہیں یا یوں کہئے کہ نکاح کے حرام ہونے کے نو سبب ہیں جن کی نمبر وار تفصیل یوں ہے۔ پہلا سبب — نسبی رشتہ: جو عورتیں نسبی رشتہ کے سبب حرام ہوتی ہیں وہ یہ ہیں۔ ماں، بیٹی، بہن، چھو بھئی، خالہ۔ بھتیجی اور بھائی۔ لہذا ان رشتوں سے نکاح کرنا حرام کرنا اور ایسے کام کرنا جو جماع کے محرک اور سبب بن جاتے ہیں۔ جیسے بوسہ لینا وغیرہ یہ سب کام ہمیشہ کے لئے حرام ہیں۔

”ماں“ سے اپنی ماں بھی مراد ہے اور دادی اور نانی (خواہ اوپر کے درجہ کی ہوں جیسے پردادی یا پرنانی وغیرہ) بھی مراد ہیں اپنی کے حکم میں اپنی حقیقی بیٹی، اپنے بیٹے کی بیٹی (پوتی) اپنی بیٹی کی بیٹی (پوتی نواسی) اور اس طرح نیچے تک سب شامل ہیں۔ اسی طرح ”بہن“ منخواہ حقیقی ہو خواہ سوئی صرف باپ شریک ہو اور خواہ اختیائی (صرف ماں شریک ہو) سب حرام ہیں۔

”بھتیجی اور بھائی“ سے بھی تین طرح کی بھتیجیاں اور بھانجیاں یعنی حقیقی بھائی بہن کی اولاد، سوئیے بھائی بہن کی اولاد اور اختیائی بھائی بہن کی اولاد مراد ہیں (اگرچہ نیچے درجہ کی ہوں) کہ یہ سب محرمات میں سے ہیں۔

چھو بھئی بھی تینوں طرح کی مراد ہیں یعنی حقیقی چھو بھئی، سوئی (باپ شریک) چھو بھئی اور اختیائی (صرف ماں شریک) چھو بھئی، اسی طرح چھو بھئی کے حکم میں باپ کی چھو بھئی اور دادی کی چھو بھئی بھی شامل ہیں کہ یہ سب چھو بھیاں بھی محرمات میں سے ہیں: ہاں چھو بھئی کی چھو بھئی حرام ہے یا نہیں اس میں تفصیل ہے۔ اگر مثلاً زید کی چھو بھئی اس کے باپ کی حقیقی بہن ہو یا سوئی (یعنی صرف باپ شریک) بہن ہو تو اس چھو بھئی کی چھو بھئی زید کے لئے حرام ہوگی اور اگر زید کی چھو بھئی اس کے باپ کی اختیائی (یعنی صرف ماں شریک) بہن ہو تو ایسی چھو بھئی زید کے لئے حرام نہیں ہوگی۔

خالہ بھی کی طرح کی مراد ہیں تفصیل ہے، اگر مثلاً سوئی خالہ، اختیائی خالہ، اپنے باپ کی خالہ اور اپنی ماں کی خالہ یہ سب خالائیں حرام ہیں لیکن خالہ کی خالہ کے بارہ میں تفصیل ہے، اگر مثلاً زید کی خالہ اس کی ماں کی حقیقی بہن ہو یا اختیائی (یعنی صرف ماں شریک) بہن ہو تو اس خالہ کی خالہ زید کے لئے حرام ہوگی یعنی اس سے زید کا نکاح نہیں ہو سکتا اور اگر زید کی خالہ اس کی ماں کی سوئی (یعنی صرف باپ شریک) بہن ہو تو ایسی خالہ حرام نہیں ہوگی۔ اس سے زید کا نکاح جائز ہوگا۔

دوسرا سبب — سسرالی رشتہ: وہ عورتیں جو سبب صریح یعنی سسرالی رشتہ کی وجہ سے حرام ہو جاتی ہیں ان کی چار قسمیں ہیں۔ ایک

ساحس یعنی بیوی کی ماں، دو بیہ ساحس، یعنی بیوی کی دادوی، نیا ساحس یعنی بیوی کی نانی اور اس سے اوپر کے درجہ کی ششاپ بیوی کے باپ اور ماں کی دادوی وغیرہ بیوی کی بیٹی اور اور بیوی کے بیٹوں کی اولاد اور اس سے نیچے کے درجہ کی ششاپ بیوی کی نواسی کی اولاد وغیرہ یہ سب حرام ہیں بشرطیکہ بیوی سے جماع کر لیا ہو، خواہ وہ (بیوی کی) بیٹی اس مرد کی پرورش میں ہو یا نہ ہو اور حنفی علماء نے بیوی کی بیٹیوں کی حرمت کے سلسلہ میں خلوت سمجھ کر جماع کا قائم مقام قرار نہیں دیا یعنی بیوی کی بیٹیوں کی حرمت ثابت کرنے کے لئے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ مرد نکاح کے بعد بیوی سے جماع بھی کر لے اگر صرف خلوت سمجھ ہوئی ہو۔ (یعنی جماع کرنے کا پورا موقع مل گیا ہو) مگر دونوں نے جماع نہ کیا ہو تو اس صورت میں اس بیوی کی بیٹی (جو دوسرے شوہر کے نطفہ سے ہوئی) حرمت ثابت نہیں ہوگی بہو یعنی بیٹی کی بیوی، پوتہ بہو یعنی پوتے کی بیوی اور نواسی بہو یعنی نواسے کی بیوی اور اس سے نیچے کے درجہ کی (یعنی پڑپوتے کی بیوی وغیرہ) اور ان عورتوں کے ساتھ ان کے شوہروں یعنی بیٹے اور پوتے وغیرہ نے جماع کیا ہو تو کیا ہو دونوں صورتوں میں حرام ہیں۔ ہاں لے پالک یعنی منہ بولے بیٹے کی بیوی حرام نہیں ہوتی یعنی مثلاً زید بکر کا منہ بولا بیٹا ہے تو زید کی بیوی بکر کے حق میں حرمت میں سے نہیں ہوگی اگر زید اپنی بیوی کو طلاق دے دے یا وہ مرجائے تو بکر اس کی مطاق یا وہ بیوہ سے اپنا نکاح کر سکتا ہے باپ کی بیوی یعنی سوتیلی ماں اور دادا اور نانا کی بیویاں یعنی سوتیلی دادی اور سوتیلی نانی اور اس سے اوپر کے درجہ کے یہ سب بھی ہمیشہ کے لئے حرام ہیں نہ ان سے نکاح ہو سکتا ہے اور نہ کسی دوسرے طریقہ سے جماع ہو سکتا ہے۔

سسرالی رشتہ سے حرمت اس صورت میں ثابت ہوتی ہے جب کہ نکاح صحیح ہو، فاسد نکاح سے حرمت ثابت نہیں ہوگی، چنانچہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے زنا کیا تو زنا کرنے والے کے لئے اس عورت کی ماں، دادوی، نانی اور اس عورت کی بیٹی پوتی نواسی سب حرام ہو جائیں گی اسی طرح اس عورت کے لئے زنا کرنے والے کے باپ، دادا، نانا اور اس عورت کے لڑکے، پوتے نواسے سب حرام ہو جائیں گے۔

اگر کسی شخص نے ایک عورت سے جماع کیا جس کی وجہ سے اس عورت کے پیشاب اور پاخانہ کا مقام ایک ہو گیا تو اس عورت کی ماں جماع کرنے والے کے لئے حرام نہیں ہوگی کیونکہ اس صورت میں یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے عورت کے پیشاب کے مقام ہی میں جماع کیا ہے، ہاں اگر جماع کے بعد وہ عورت حاملہ ہو جائے اور یہ معلوم بھی ہو جائے کہ یہ حمل اسی شخص کے نطفہ سے قرار پایا ہے تو اس صورت میں اس کی ماں اس کے لئے حرام ہو جائے گی۔ اور جس طرح یہ حرمت جماع کرنے سے ثابت ہوتی ہے اسی طرح (شہوت کے ساتھ) عورت کو چھونے، بوسہ لینے اور شہوت کے ساتھ عورت کی شرمگاہ کی طرف دیکھنے سے ثابت ہو جاتی ہے۔ اور یہ مذکورہ چیزیں یعنی چھونا وغیرہ خواہ نکاح کی صورت میں پیش آئیں یا خواہ ملکیت کی صورت اور خواہ غور کی صورت میں خفیہ کے نزدیک یہ تینوں یکساں ہیں۔ نیز حنفی علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس بارہ میں شہد اور غیر شہد برابر ہیں اور اس سلسلہ میں شہوت کے ساتھ مباشرت (مرد و عورت کا شہوت کے ساتھ ایک دوسرے سے لپٹنا) بھی بوسہ کے حکم میں ہے اسی طرح مصافحہ کا بھی یہی حکم ہے، ایسی ہی اگر شہوت کے ساتھ دانتوں سے اس کو کاٹنا تو بھی یہی حکم ہے یعنی ان تمام صورتوں میں حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔

اگر کسی نے شہوت کے ساتھ مرد کے عضو خصوصاً کی طرف دیکھا یا شہوت کے ساتھ اس کو ہاتھ لگایا یا بوسہ لیا تو اس صورت میں اس کے ساتھ حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی اور بقیہ دوسرے تمام اعضاء کی طرف دیکھنے سے اور ان کو ہاتھ لگانے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی ہاں اگر یہ دیکھنا یا ہاتھ لگانا شہوت کے ساتھ ہو تو پھر بغیر کسی اختلاف کے حرمت ثابت ہو جائے گی۔ حرمت کے سلسلہ میں عورت کی شرمگاہ کے ظاہری حصہ کو دیکھنے کا اعتبار نہیں ہے بلکہ اندر کے حصہ کو دیکھنے سے حرمت ثابت ہو کر رہتی ہے چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ اگر مرد کسی کھڑی ہوئی عورت کی شرمگاہ کو دیکھ لے تو اس صورت میں حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ عورت جب کھڑی ہوئی ہو تو اس کی شرمگاہ کے اندر زنی حصہ پر نظر نہیں پڑتی بلکہ شرمگاہ کے اندر زنی حصہ پر اس وقت نظر پڑے گی جب

وہ پشت سے نکلے لگائے ہوئے بیٹھی ہو۔ اگر کسی مرد نے عورت کی شرم گاہ کے اندرونی حصہ کو اس طرح دیکھا کہ درمیان میں باریک پردہ یا شیش حائل تھا لیکن اندرونی حصہ نظر آ رہا تھا تو بھی حرمت ثابت ہو جائے گی۔ ہاں اگر کوئی شخص آئینہ دیکھ رہا تھا اور اس میں کسی عورت کی شرم گاہ نظر آگئی اور پھر مرد نے اس کو شہوت کے ساتھ دیکھا تو اس مرد پر نہ اس عورت کی ماں حرام ہوگی اور نہ بی بی حرام ہوگی کیونکہ اس نے شرم گاہ کو نہیں دیکھا بلکہ کہ اس کا کس دیکھا ہے۔ اگر کوئی عورت پانی کے حوض کے کنارے پر پائل پر بیٹھی ہو اور کسی مرد نے اس کا عکس پانی میں دیکھا اور پھر اس کے بعد وہ شہوت کے ساتھ پانی ہی میں اس کی شرم گاہ کا کس دیکھا تو اس صورت میں بھی حرمت ثابت نہیں ہوگی ہاں اگر عورت پانی میں ہو اور مرد کی نگاہ اس کی شرم گاہ پر پڑ جائے اور پھر اسے شہوت کے ساتھ دیکھے تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔

کسی عورت کو شہوت کے ساتھ چھونے سے حرمت ثابت ہونے کے سلسلہ میں یہ ضروری نہیں ہے کہ قصداً چھوئے تب ہی حرمت ثابت ہوگی بلکہ چاہے قصداً چھوئے یا چاہے بھول کر چھوئے، چاہے کسی کے زبردستی کرنے سے (یا غلطی سے) چھوئے اور چاہے نیند کی حالت میں چھوئے ہر صورت میں حرمت ثابت ہو جائے گی۔ چنانچہ اگر کسی مرد نے جماع کرنے کے لئے اپنی بیوی کو نیند سے اٹھانا چاہا مگر غلطی سے اس کا ہاتھ لڑکی پر پڑ گیا اور پھر یہ سمجھ کر کہ یہ لڑکی میری بیوی ہے شہوت کے ساتھ اس کے جنگلی لی اور وہ لڑکی بھی جوان تھی قابل شہوت تھی تو اس صورت میں اس مرد کے لئے اس لڑکی کی ماں یعنی اس کی بیوی پیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی۔

اگر کسی مرد نے شہوت کے ساتھ عورت کے ان بالوں کو ہاتھ لگایا جو سر سے ملے ہوئے ہیں تو حرمت ثابت ہو جائے گی اور اگر لٹکے ہوئے بالوں کو ہاتھ لگایا تو حرمت ثابت نہیں ہوگی مگر غلطی سے۔ یہ اس شخص کے بغیر مطلقاً بالوں کے چھونے کو حرمت کا باعث لکھا ہے اسی طرح اگر مرد نے عورت کے ناخن کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔

یہ جو بتایا گیا ہے کہ عورت کو شہوت کے ساتھ چھونا اور ہاتھ لگانا حرمت کو ثابت کر دیتا ہے تو اس بارہ میں یہ بات ملحوظ رہے کہ عورت کو چھونے اور ہاتھ لگانے سے اسی صورت میں حرمت معاہرت ثابت ہوتی ہے جب کہ دونوں کے درمیان کپڑا یا کحل نہ ہو اور اگر کپڑا یا کحل ہو تو وہ اس قدر باریک ہو کہ چھونے والے کا ہاتھ بدن کی حرارت محسوس نہیں ہوتی تو حرمت ثابت نہیں ہوگی خواہ اس کی وجہ سے مرد کے عضو مخصوص میں استادگی ہی کیوں نہ ہو جائے، اسی طرح اگر کسی مرد نے عورت کے موزے کے نیچے کا حصہ چھوا تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔ ہاں اگر موزے پر چمڑا چڑھا ہوا ہو جس کی وجہ سے عورت کے پاؤں کی اڑھی چھونے والے کو محسوس نہ ہو تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

اگر کسی مرد نے عورت کا بوسہ لیا اسی حالت میں کہ دونوں کے درمیان کپڑا یا کحل ہو تو حرمت ثابت ہو جائے گی بشرطیکہ بوسہ سینے والے کو عورت کے دانتوں کی یا ہونٹوں کی ٹھنڈک محسوس ہو۔

حرمت ثابت ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ چھونے کے بعد دیر تک چھونتا رہے چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے شہوت کے ساتھ اپنی بیوی کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن وہ ہاتھ بیوی کی بجائے اپنی لڑکی کی ناک پر پڑ گیا اور اس کے ساتھ ہی شہوت زیادہ ہو گئی تو اس لڑکی کی ماں یعنی بیوی اس مرد کے لئے حرام ہو جائے گی اگرچہ اس نے اپنا ہاتھ فوراً ہی ہٹالیا ہو۔

حرمت ثابت ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ جس عورت کو ہاتھ لگایا جائے یا بوسہ لیا جائے اور وہ قابل شہوت ہو اور فتویٰ اس پر ہے کہ کم سے کم نو سال کی لڑکی قابل شہوت ہوتی ہے اس سے کم نہیں، چنانچہ اگر کسی مرد نے کسی ایسی نابالغ لڑکی سے جماع کیا جو قابل شہوت نہیں تو حرمت ثابت نہیں ہوگی اس کے برخلاف اگر عورت اپنی بوڑھی ہو جائے کہ قابل شہوت نہ رہے تو وہ حرمت ثابت ہونے کا باعث بن جاتی ہے کیونکہ وہ حرمت کے حکم میں داخل ہو چکی تھی اور بڑھاپے کی وجہ سے اس حکم سے باہر نہیں ہو سکتی جب کہ نابالغہ ابھی حرمت کے حکم میں داخل ہی نہیں ہوئی۔

جس طرح حرمت ثابت ہونے کے لئے عورت کا قابل شہوت ہو یا شرط ہے اسی طرح مرد کا بھی قابل شہوت ہو یا شرط ہے، لہذا اگر چار سال کے بچے نے مثلاً اپنے باپ کی بیوی (یعنی اپنی سوتیلی ماں) سے جماع کر لیا تو اس کی وجہ سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی۔ لیکن اگر جماع کرنے والا ایسا بچہ ہو جس کے ہم عمر بچے عام طور پر جماع کر سکتے ہوں تو اس کا وہی حکم ہو گا جو بالغ کا ہوتا ہے اور اس بارہ میں علماء نے لکھا ہے کہ ایسے بچے کی پہچان یہ ہے کہ وہ جماع کرنے پر قادر ہو، عورت کی طرف اس کا میلان ظاہر ہوتا ہو، اور عورتیں اس سے شرم کرتی ہوں۔

مذکورہ بالا چیزوں یعنی چھوٹے اور دیکھنے کے بارہ میں شہوت (یعنی حیجان) کا ہو یا شرط ہے یعنی عورت کو ہاتھ لگانے، بوسہ لینے اور شرم گاہ کے اندر دینی حصّہ کی طرف دیکھتے وقت اگر شہوت ہو تب حرمت ثابت ہوگی لہذا اگر یہ دونوں چیزیں بغیر شہوت کے پائی جائیں اور پھر بعد میں شہوت پیدا ہو تو حرمت ثابت نہیں ہوگی اور شہوت کا معیار مرد کے لئے ہے کہ اس کے عضو مخصوص میں استادگی ہو جائے اور اگر استادگی پہلے سے تھی تو اس میں زیادتی ہو جائے۔ اس مسئلہ میں یہی قول صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، لہذا اگر کسی مرد کے عضو مخصوص میں استادگی تھی ایسی حالت میں اس نے اپنی بیوی کو اپنے پاس بلایا اور پھر اسی دوران کسی طرح اس کا عضو مخصوص اس کی لڑکی کی دونوں رانوں کے درمیان داخل ہو گیا۔ تو اس صورت میں اگر اس کے عضو مخصوص کی استادگی میں زیادتی نہ پیدا ہو گئی ہو تو اس لڑکی کی ماں یعنی اس کی بیوی اس کے لئے حرام نہیں ہوگی۔ اور شہوت کا معیار اس مرد کے لئے ہے جو جوان اور جماع کرنے پر قادر ہو اور اگر مرد پوزنا ہو تو اس کے حق میں شہوت کا معیار یہ ہے کہ خواہش کے وقت اس کے قلب میں حرکت پیدا ہو جائے اگر پہلے سے حرکت نہیں تھی اور اگر قلب میں پہلے سے حرکت موجود تھی تو اس خواہش میں زیادتی ہو جائے اور عورت کے لئے اور اس مرد کے لئے جس کا عضو مخصوص کٹا ہوا ہو شہوت کا معیار یہ ہے کہ قلب میں خواہش پیدا ہو اور ہاتھ لگانے وغیرہ سے جنسی لذت حاصل ہو۔ اگر خواہش وغیرہ پہلے سے موجود نہ تھی۔ اور اگر پہلے سے موجود تھی تو اس میں زیادتی ہو جائے، اور یہ بات طوطا ہے کہ مرد و عورت میں سے کسی ایک میں شہوت کا ہونا حرمت ثابت ہونے کے لئے کافی ہے۔

ہاتھ لگانے یا بوسہ لینے وغیرہ سے جو حرمت ثابت ہوتی ہے اس میں یہ شرط اور ضروری ہے کہ انزال نہ ہو، اگر ہاتھ لگانے یا شرم گاہ کی طرف دیکھنے کے وقت انزال ہو گیا تو حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس انزال ہونے سے یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ چھوٹا وغیرہ جماع لینے کا سبب نہیں بنا۔ اگر کسی مرد نے عورت کی متد کی طرف دیکھا تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی اسی طرح اگر کسی مرد نے عورت کے پیچھے کی طرف بد فعلی کی تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ ایسے ہی اگر مرد کے ساتھ جماع کے افعال کئے تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کے ساتھ حرمت مصاہرت کا اقرار کیا تو اس کا اعتبار کیا جائے گا اور ان دونوں یعنی میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کرادی جائے گی اسی طرح اگر مرد نکاح سے قبل زمانہ کی طرف حرمت کی نسبت کرے یعنی اپنی بیوی سے یوں کہے کہ میں نے تم سے نکاح کرنے سے پہلے تمہاری ماں سے جماع کیا تھا تو اس کی بات کا اعتبار کیا جائے گا اور دونوں میں جدائی کرادی جائے گی لیکن اس عورت کا پورا ہر (جو نکاح کے وقت حقیقت ہوا تھا) واجب ہو گا عقد واجب نہیں ہو گا اور اس اقرار کے لئے مداومت شرط نہیں ہے یعنی صرف ایک مرتبہ اقرار کر لینا کافی ہے بار بار اقرار کرنا ضروری نہیں ہے اسی لئے اگر کوئی شخص اپنے اقرار سے رجوع کر لے یعنی ایک مرتبہ اقرار کرنے کے بعد پھر انکار کر دے تو قاضی اس نکاح کو صحیح تسلیم نہیں کرے گا ہاں اگر اس نے واقعہ غلط اقرار کیا تھا تو عند اللہ وہ عورت اس کی بیوی رہے گی اگرچہ ظاہر افاضی جدائی کر دے گا۔

اگر کسی شخص نے ایک عورت کے بارہ میں یہ کہا کہ میری رضائی ماں ہے (یعنی اس عورت نے مجھے دودھ پلایا ہے) اور پھر کچھ عرصہ بعد جب اس عورت سے نکاح کرنا چاہے اور یہ کہے کہ میں نے پہلے یہ غلط کہا تھا کہ یہ میری رضائی ماں ہے تو اس صورت میں اس کے

لئے اس عورت سے نکاح کرنا مستحسانا جائز ہو گا۔

اگر کسی شخص نے عورت کا بوسہ لیا اور پھر کہنے لگا کہ یہ شہوت کے ساتھ نہیں تھا، یا عورت کو چھوا اور یا اس کی شرم گاہ کی طرف دیکھا اور کہا کہ یہ شہوت کے ساتھ نہیں تھا تو بوسہ لینے کی صورت میں تو فوراً حرمت کا حکم لگایا جائے گا جب تک کہ یہ یقین نہ ہو جائے کہ اس نے واقعی شہوت کے ساتھ بوسہ نہیں لیا تھا اور دوسری دونوں صورتوں میں حرمت کا حکم لوڑ لگا دیا جائے گا بلکہ جب یہ یقین ہو جائے کہ یہ چیز شہوت کے ساتھ سرزد ہوئی ہے تو حرمت کا حکم لگایا جائے گا۔ اور یہ فرق اس وجہ سے ہے کہ بوسہ عام طور پر شہوت کے ساتھ لیا جاتا ہے اور بوسہ کی بنیاد ہی شہوت پر ہوتی ہے بخلاف چھونے اور دیکھنے کے کہ یہ دونوں فعل بغیر شہوت کے بھی سرزد ہوتے ہیں مگر یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب کہ شرم گاہ کے علاوہ کسی اور عضو کو چھوا ہو اور اگر کسی شخص نے عورت کی شرم گاہ کو چھوا اور پھر کہا کہ یہ شہوت کے ساتھ نہیں تھا تو ایسی صورت میں اس کی بات کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اگر کسی شخص نے عورت کی چھائی پکڑ لی اور کہا کہ شہوت کے ساتھ نہیں پکڑی تھی تو اس کی بات کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اسی طرح اگر عورت کے ساتھ جانور پر سوار ہوا تو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ ہاں اگر عورت کی پشت پر سوار ہو کر دریا کو پار کیا اور کہا کہ اس وقت شہوت نہیں تھی۔ تو اس کی بات کا اعتبار کیا جائے گا۔

ایک شخص نے لوگوں کے سامنے اقرار کیا کہ میں نے فلاں عورت کو شہوت کے ساتھ چھوا ہے یا اس کا بوسہ لیا ہے اور ان لوگوں نے اس کے اس اقرار کی گواہی دی تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی اور حرمت معاہرت ثابت ہو جائے گی اسی طرح اگر گواہ یہ کہیں کہ فلاں شخص نے فلاں عورت کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا تھا یا بوسہ لیا تھا تو ان کی گواہی مانی جائے گی کیونکہ شہوت ایک ایسی چیز ہے جو فی الجملہ معلوم ہو جاتی ہے چنانچہ جن لوگوں کے عضو میں حرکت ہوتی ہے اس کو دیکھ کر اور جن کے عضو میں حرکت نہیں ہوتی ان کے بارہ میں دوسری علامتوں سے شہوت کا معلوم ہو جاتا ہے۔

قاضی علی سعدی فرماتے ہیں کہ اگر فقہ میں مدعوئی کسی شخص نے اپنی لڑکی کو پکڑ کر اپنے بدن سے لپٹا لیا اور اس کا بوسہ لیا اور پھر جب اس سے جماع کرنے کا ارادہ کیا تو لڑکی نے کہا کہ میں تمہاری لڑکی ہوں، یہ سکر اس شخص نے لڑکی کو چھوڑ دیا تو اس صورت میں بھی لڑکی کی ماں یعنی اس شخص کی بیوی اس کے لئے حرام ہو جائے گی۔

اگر کسی شخص سے پوچھا گیا کہ تم نے اپنی ساس کے ساتھ کیا کیا ہے؟ اس نے جواب میں کہا کہ میں نے جماع کیا ہے تو اس صورت میں بھی حرمت معاہرت ثابت ہو جائے گی اگرچہ سوال کرنے والے نے مذاق میں سوال کیا ہو اور اس شخص نے بھی اذراہ مذاق ہی جواب دیا ہو، پھر اس کے بعد وہ شخص لاکھ کہے کہ میں نے یہ بات غلط کہی تھی اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اگر کسی شخص نے کسی ایسی لونڈی کے بارہ میں جو اس کی ملکیت میں ہو، یہ کہا کہ میں نے اس لونڈی سے جماع کیا ہے تو وہ لونڈی اس کے لڑکے کے لئے حلال نہیں ہوگی اور اگر اس نے کسی ایسی لونڈی کے بارہ میں جو اس کی ملکیت میں نہیں ہے بلکہ کسی اور کی ہے یہ کہا کہ میں نے اس سے جماع کیا ہے تو اس صورت میں اس کے لڑکے کے لئے یہ جائز ہوگا کہ اپنے باپ کی اس بات کا اعتبار نہ کرے اور اس لونڈی کو اپنی ملکیت میں لے کر اس سے جماع کر لے، اور اگر کسی شخص کو اپنے باپ کی میراث میں کوئی لونڈی ملی تو وہ اس سے جماع کر سکتا ہے جب تک کہ یقین کے ساتھ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ باپ نے اس لونڈی کے ساتھ جماع کیا ہے۔

اگر کسی شخص نے کسی عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ وہ باکرہ ہے لیکن شادی کے بعد جب اس سے جماع کرنے کا ارادہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ باکرہ نہیں ہے، پھر اس نے عورت سے پوچھا کہ تمہارا پردہ نکارت کس طرح زائل ہوا ہے (یعنی تمہارے ساتھ کسی مرد نے جماع کیا ہے؟) عورت نے جواب دیا کہ تمہارے باپ نے۔ اس صورت میں اگر وہ شخص (خاوند) اس کی بات کا اعتبار کرے تو نکاح ختم ہو جائے گا۔ اور عورت مہر کی حقدار نہیں ہوگی اور اگر وہ شخص اس کی بات کا اعتبار نہ کرے اور کہے کہ تم بھوت ہو تو نکاح باقی

رہے گا۔

اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کے لڑکے کے بارہ میں کہا کہ اس نے مجھے شہوت کے ساتھ چھوا ہے لہذا میں اپنے شوہر کی بیوی نہیں رہی تو عورت کی اس بات کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ شوہر کے لڑکے کا قول مستحب ہوگا۔

کسی شخص نے اپنے باپ کی بیوی کا شہوت کے ساتھ زبردستی بوسہ لیا یا کسی باپ نے اپنے لڑکے کی بیوی کا شہوت کے ساتھ زبردستی بوسہ لیا اور شوہر نے کہا کہ یہ عمل شہوت کے ساتھ نہیں تھا تو شوہر کی بات کا اعتبار کیا جائے گا اور یہ اسی کی بیوی رہے گی، لیکن اگر شوہر نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ بوسہ لینا واقعی شہوت ہی کے ساتھ تھا تو پھر دونوں (میاں بیوی) میں جدائی ہو جائے گی، لیکن اگر شوہر نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ بوسہ لینا واقعی شہوت ہی کے ساتھ تھا تو پھر دونوں (میاں بیوی) میں جدائی ہو جائے گی اور شوہر پر مہر واجب ہوگا مگر شوہر وہ رقم جو اس نے مہر میں ادا کی ہے اس شخص سے وصول کر لے گا جس کی وجہ سے یہ صورت حال پیدا ہوئی ہے بشرطیکہ اس نے قنہ پھیلانے کے لئے یہ حرکت کی ہو اور اگر یہ حرکت قنہ پھیلانے کے مقصد سے نہیں تھی تو پھر کچھ بھی وصول کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ اور اگر اس مسئلہ میں بوسہ لینے کی بجائے (باپ نے لڑکے کی بیوی سے یا لڑکے نے باپ کی بیوی سے) جماع کر لیا تو اس صورت میں شوہر مہر میں دی ہوئی رقم کسی طرح بھی وصول نہیں کر سکتا کیونکہ جماع کرنے والے پر حدود واجب ہوگی اور ضابطہ یہ ہے کہ شرعی حد کے ساتھ کوئی مالی جرمانہ واجب نہیں ہوا کرتا۔

کسی شخص نے کسی دوسرے شخص کی باندی کے ساتھ نکاح کیا اور پھر اس کے قبل کہ اس کا خاوند جماع کرتا باندی نے شوہر کے لڑکے کا شہوت کے ساتھ بوسہ لیا، خاوند نے دعویٰ کیا کہ میری بیوی نے میرے لڑکے کا بوسہ شہوت کے ساتھ لیا ہے مگر باندی کے آگے کہا کہ یہ غلط ہے، اس صورت میں نکاح ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ شوہر نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ میری بیوی نے شہوت کے ساتھ بوسہ لیا ہے، لیکن شوہر پر پورا مہر واجب نہیں ہوگا بلکہ نصف مہر واجب ہوگا کیونکہ اس باندی کے مالک نے اس کی بات کو جھٹلایا ہے اس بارہ میں لونڈی کا قول مستحب نہیں ہوگا کہ میں نے شہوت کے ساتھ بوسہ لیا تھا لہذا پورا مہر دو۔

اگر کسی عورت نے لڑائی جھگڑے میں اپنے دادا کا عضو مخصوص پکڑ لیا اور کہا کہ میں نے شہوت کے ساتھ نہیں پکڑا تھا تو اس کی بات کا اعتبار کیا جائے گا۔

حرمت مصہرت یا حرمت رضاعت کی وجہ سے نکاح بالکل باطل نہیں ہو جاتا بلکہ فاسد ہو جاتا ہے (جس کی وجہ سے جماع کرنا حرام ہو جاتا ہے) لہذا شوہر کو چاہئے کہ طلاق دیدے اگر وہ طلاق نہ دے تو پھر قاضی دونوں کے درمیان جدائی کرادے چنانچہ جدائی سے پہلے اگر شوہر نے جماع کر لیا تو اس پر حدود واجب نہیں ہوگی خواہ اس نے جماع شبہ میں جماع ہو کر کیا ہو یا بغیر شبہ کے کیا ہو۔ اگر کسی شخص نے ایک عورت سے حرام کاری کی یا ایسا کوئی بھی فعل کیا جس سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے جیسے چھونا وغیرہ اور پھر توبہ کر لی تو یہ شخص اس عورت کی لڑکی کا محرم ہی رہے گا اس لئے کہ اس کی لڑکی سے نکاح کرنا اس کے حق میں ہمیشہ کے لئے حرام ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عورت، زنا سے ثابت ہوتی ہے اور ایسے ہی ان تمام چیزوں سے بھی ثابت ہو جاتی ہے جن سے حرمت مصہرت ثابت ہوتی ہے جیسے چھونا وغیرہ۔

اگر مثلاً زید نے خالہ سے نکاح کیا اور زید کے لڑکے نے (جو خالہ کے بیٹ سے نہیں ہے) خالہ کی بیٹی سے (جو خالہ کے پہلے شوہر سے ہے) نکاح کر لیا یا خالہ کی ماں سے نکاح کر لیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اگر کسی شخص نے عضو مخصوص پر کپڑا لپیٹ کر اپنی بیوی سے جماع کیا تو دیکھا جائے گا کہ وہ کپڑا ایک تھا اور مرد کے عضو مخصوص کو حرارت محسوس ہونے سے نہیں روکتا تھا تو وہ عورت کے جماع کے بعد پہلے شوہر کے لئے (جس نے اسے طلاق مخطوہ دے دی تھی) حلال ہو جائے گی اور اگر کپڑا ایسا تھا جس کی وجہ سے اس کے عضو مخصوص کو حرارت محسوس نہیں ہو رہی تھی تو وہ عورت اپنے شوہر کے لئے

حلال نہیں ہوگی۔

تیسرا سبب --- دودھ کا رشتہ: یعنی وہ عورتیں جو رضاعت (دودھ پلانے) کی وجہ سے حرام ہیں، چنانچہ تمام وہ رشتے جو نسبی اور سرسالی ہونے کی وجہ سے حرام ہیں رضاعت کی وجہ سے بھی حرام رہیں گے اگر کسی عورت نے کسی بچہ کو اس کی شیرخوارگی کی عمر میں دودھ پلایا ہے تو ان دونوں میں ماں اور اولاد کا تعلق پیدا ہو جائے گا لہذا دودھ پلانے والی عورت کا شوہر دودھ پینے والے بچے کا رضائی باپ ہوگا جس کی وجہ سے رضائی ماں اور باپ کے تمام وہ رشتے دار اس بچہ کے لئے حرام ہوں گے۔ جو حقیقی ماں اور باپ کی رشتہ داری کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔

شیرخوارگی کی عمر میں مطلقاً دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے خواہ زیادہ دودھ پیا ہو خواہ کم پیا ہو اور کم کی آخری حد یہ ہے کہ دودھ کا پیٹ میں مطلقاً پہنچ جانا یقین کے ساتھ معلوم ہو جائے۔ شیرخوارگی کی عمر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے قول کے مطابق تو تیس مہینے تک ہے اور ماہ حسین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کے قول کے مطابق دو برس تک ہے۔ اگر کسی بچہ نے شیرخوارگی کی عمر میں دودھ چٹا بند کر دیا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد اس نے شیرخوارگی کی عمر میں دودھ پیا تو یہ رضاعت کے حکم میں داخل ہوگا کیونکہ دودھ پلانا شیرخوارگی کی مدت میں واقع ہوا ہے۔ شیرخوارگی کی مدت رضاعت گزر جانے کے بعد دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

علامہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دودھ پلانے کی اجرت کے استحقاق کے سلسلہ میں شیرخوارگی کی مدت دو برس ہی تسلیم کی گئی ہے چنانچہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور اس مطلقہ نے اس کے بچہ کو دو برس کی عمر کے بعد دودھ پلانے کی اجرت کا مطالبہ بچہ کے باپ (یعنی اپنے سابق شوہر) سے کیا تو اس کا مطالبہ تسلیم نہیں ہوگا اور بچہ کے باپ کو اس بات پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ اپنی مطلقہ کو دو برس کے بعد کے عرصہ کے دودھ پلانے کی اجرت دے ہاں اس کی مطلقہ نے دو برس کے عرصہ میں جو دودھ پلایا ہے اس کی اجرت دینے پر اسے مجبور کیا جائے گا۔

حرمت رضاعت جس طرح رضائی ماں (یعنی دودھ پلانے والی) کی رشتہ داروں میں ثابت ہوتی ہے اسی طرح رضائی باپ کے رشتہ داروں میں بھی ثابت ہوتی ہے اور ”رضائی باپ“ سے مراد دودھ پلانے والی کا وہ خاوند ہے جس کے جماع کی وجہ سے دودھ اترتا ہے۔ ”رضیع“ (یعنی دودھ پینے والے) پر اس کے رضائی ماں باپ اور ان رضائی ماں باپ کے اصول (یعنی ان کے باپ دادا وغیرہ) اور ان کے فروغ (یعنی ان کی اولاد) خواہ وہ نسبی ہوں یا رضائی، سب حرام ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے دودھ پینے سے پہلے اس کی رضائی ماں کے ہاں جو اولاد ہو چکی ہوگی، یا اس کے دودھ پینے کے بعد جو اولاد ہوگی اور وہ اولاد خواہ اس کے رضائی باپ سے ہو خواہ اس کی رضائی ماں کے کسی دوسرے شوہر سے ہو، یا اس کی رضائی ماں نے کسی دوسرے شخص کے بچہ کو دودھ پلایا اس کے رضائی باپ کی کسی دوسری بیوی کے ہاں کوئی بچہ ہو، یا تو یہ سب رضیع کے رضائی بہن اور بھائی بہن کی اولاد اس کے بھتیجے، بھینجی اور بھانجے، بھانجی ہوں گے، اسی طرح رضائی باپ کا بھائی اس کا چچا ہوگا، رضائی باپ کی بہن اس کی پھوپھی ہوگی، رضائی ماں کا بھائی اس کا ماموں ہوگا رضائی ماں کی بہن اس کی خالہ ہوگی اور رضائی ماں کا دادا اور اس کی دادی دنانی رضیع کا دادا اور اس کی دادی دنانی ہوگی۔

جس طرح رضاعت میں نسبی رشتوں کی حرمت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا اسی طرح رضاعت میں حرمت مصاہرت یعنی سرسالی رشتہ کی حرمت بھی ثابت ہوتی ہے چنانچہ رضائی باپ کی بیوی، اور رضیع (دودھ پینے والے) پر حرام ہے اور رضیع کی بیوی اس کے رضائی باپ پر حرام ہے، اس پر دوسرے رشتوں کو بھی قیاس کیا جاتا ہے لیکن دو صورتیں مستثنیٰ ہیں۔ اول تو یہ کہ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ اپنے نسبی بیٹے کی بہن سے نکاح کر لے تو یہ اس کے لئے جائز نہیں ہے لیکن رضاعت یعنی دودھ کے رشتہ میں یہ جائز ہے کیونکہ کسی شخص کے نسبی بیٹے کی بہن اگر اس کے نطفہ سے ہے تو وہ اس کی حقیقی بیٹی ہوگی اور اگر اس کے نطفہ سے نہیں ہے تو پھر یہ (یعنی اس کی

سوتیلی بیٹی) ہوگی جب کہ دودھ کے رشتہ میں یہ دونوں باتیں مفقود ہوتی ہیں چنانچہ اگر نسبی رشتہ میں بھی ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی بات نہیں پائی جائے گی تو نکاح درست ہوگا مثلاً کسی ایسی لونڈی کے بچہ پیدا ہوا جو دواؤں کی مشترک مملوکہ ہے اور وہ دونوں شریک اس بچہ پر اپنا اپنا دعویٰ کرتے ہیں یہاں تک کہ اس بچہ کا نسب ان دونوں سے ثابت ہو گیا، اور ان دونوں کے ہاں اپنی اپنی عورت سے ایک ایک بیٹی ہے تو اب ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ دوسرے شریک کی بیٹی سے اپنا نکاح کر لے کیونکہ اس صورت میں دونوں باتوں میں سے ایک بات بھی نہیں پائی گئی باوجودیکہ ان میں سے جس نے بھی دوسرے کی بیٹی سے نکاح کیا ہے اس نے گویا اپنے نسبی بیٹے کی بہن سے نکاح کیا ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے نسبی بھائی کی ماں سے نکاح کرے اور دودھ کے رشتہ میں یہ جائز ہے کیونکہ نسبی رشتہ میں یا تو یہ صورت ہوگی کہ وہ دونوں اختیائی (یعنی سسرالی صرف یا شریک بھائی ہوں گے۔ اسی طرح دونوں کی ماں ایک ہی ہوگی یا یہ صورت ہوگی کہ وہ دونوں سوتیلی (صرف باپ شریک) بھائی ہوں گے اسی طرح بھائی کی ماں اپنے باپ کی بیوی ہوگی جب کہ دودھ کے رشتہ میں یہ دونوں باتیں مفقود ہوتی ہیں۔

دودھ شریک بھائی کی بہن سے (یعنی جس نے اس کی ماں کا دودھ پیلا ہے اس کی بہن سے) نکاح کرنا جائز ہے جس طرح کہ نسبی رشتہ میں جائز ہے مثلاً زید کا ایک سوتیلہ بھائی ہے جس کا نام کریم ہے اور کریم کی ایک اختیائی بہن ہے (یعنی دونوں کی ماں تو ایک ہے مگر باپ الگ الگ ہیں) تو کریم کی اس اختیائی بہن سے نکاح کرنا زید کے لئے جائز ہوگا جو کریم کا سوتیلہ بھائی ہے۔

دودھ شریک بھائی کی ماں (یعنی جس نے اس کی ماں کا دودھ پیلا ہے اس کی ماں) محرمات میں سے نہیں ہے، اسی طرح رضائی چچا، رضائی ماموں، رضائی چھوٹی بیٹی اور رضائی خالہ کی ماں بھی محرمات میں سے نہیں۔ اپنی رضائی پوتی کی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے اسی طرح اپنے رضائی بیٹے کی دادی اور نانی سے بھی نکاح کرنا جائز ہے۔ رضائی بیٹے کی چھوٹی بیٹی، اس کی بہن کی ماں، اس کی بھانجی اور اس کی چھوٹی بیٹی کی بیٹی سے بھی نکاح کرنا جائز ہے۔ اسی طرح عورت کو اپنی رضائی بہن کے باپ، اپنے رضائی بیٹے کی بھائی، اپنے رضائی پوتے کے باپ اور اپنے رضائی بیٹے کے دادا اور ماموں سے نکاح کرنا جائز ہے جب کہ نسبی رشتہ میں یہ سب محرمات میں سے ہیں جن سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوتا۔

کسی شخص نے اپنی بیوی کو جس کے دودھ اتر اہوا متعلقہ دی ہے پھر اس مطلقہ نے عدت کے دن گواہ کر ایک دوسرے شخص سے نکاح کر لیا اور اس دوسرے خاوند نے اس سے جماع کیا تو اس بارہ میں علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب اس دوسرے خاوند کے نطفہ سے اس کے بچہ پیدا ہوگا، تو اس عورت کے دودھ کا سبب بھی دوسرا خاوند قرار پائے گا، اس کے دودھ سے پہلے خاوند کا کوئی تعلق باقی نہیں رہے گا ہاں اگر دوسرے خاوند سے حاملہ نہیں ہوگی تو اس دودھ کا سبب پہلا ہی خاوند سمجھا جائے گا۔ لیکن اگر یہ صورت ہو کہ دوسرے شوہر سے حاملہ تو ہوئی مگر ابھی بچہ پیدا نہیں ہوا ہے تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب تک اس دوسرے شوہر کا بچہ پیدا نہ ہو جائے وہ دودھ پہلے شوہر ہی کا کہلائے گا۔

ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا لیکن اس سے کبھی بھی کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا پھر بغیر کسی ولادت کے اس کے دودھ اتر آیا اور وہ دودھ اس نے کسی دوسرے کے بچہ کو پلایا تو وہ دودھ اسی عورت کا کہلائے گا اس کے خاوند کا اس دودھ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا اس صورت میں اس دودھ پینے والے بچہ اور اس شخص کی اس ولادت کے درمیان جو دوسری بیوی سے ہو، حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

ایک شخص نے کسی عورت سے زنا کیا جس کے نتیجہ میں اس کے ہاں ولادت ہوئی اور پھر اس عورت نے کسی دوسری لڑکی کو دودھ پلایا تو اس زنا کرنے والے اس کے باپ دادا، اور اس کی اولاد کو اس دودھ پینے والی لڑکی سے نکاح کرنا جائز نہیں، ہاں زنا کرنے والے کا چچا اور اس کا ماموں نکاح کر سکتا ہے جس طرح کہ زنا کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی لڑکی سے زنا کرنا چچا اور ماموں نکاح کر سکتا

ہے۔ کسی شخص نے شہر میں مبتلا ہو کر اپنی کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر ایک عورت سے جماع کر لیا جس سے وہ حاملہ ہو گئی اور پھر اس نے کسی بچہ کو دودھ پلایا تو یہ بچہ اس جماع کرنے والے کا رضائی بیٹا ہو گا اس پر یہ قیاس کیا جانا چاہئے کہ جن صورتوں میں بچہ کا نسب جماع کرنے والے سے ثابت ہوتا ہے انہی صورتوں میں رشتہ رضاعت بھی اس سے ثابت ہو گا اور جن صورتوں میں بچہ کا نسب جماع کرنے والے سے ثابت نہیں ہوتا اس صورت میں رشتہ رضاعت دودھ پلانے والی عورت سے ثابت ہو گا۔

کسی شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس سے عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ عورت نے اپنے بچہ کو دودھ پلایا اور بعد میں دودھ خشک ہو گیا، کچھ عرصہ کے بعد دودھ پھر اتر آیا اور اس نے کسی دوسرے لڑکے کو دودھ پلایا تو اس لڑکے کے لئے اس شخص کی اس اولاد سے نکاح کرنا جائز ہو گا جو اس دودھ پلانے والی عورت کے علاوہ کسی دوسری بیوی کے بطن سے ہو،

کسی کنواری لڑکی کے دودھ اتر آیا اور اس نے وہ دودھ کسی بچی کو پلایا تو یہ بچی کی رضائی ماں ہوگی اور رضاعت کے تمام احکام دونوں کے حق میں ثابت ہوں گے لہذا اگر کسی شخص نے اس کنواری لڑکی سے نکاح کیا اور جماع سے پہلے اسے طلاق دیدی تو اس شخص کے لئے اس دودھ پینے والی لڑکی نے نکاح کرنا جائز ہو گا (کیونکہ اس صورت میں بیوی کی بچی کا بھی یہی حکم ہے) اور اگر جماع کے بعد طلاق دی تو اس لڑکی سے نکاح کرنا ناجائز ہو گا۔

اگر کسی ایسی لڑکی کے دودھ اتر آیا جس کی عمر نو برس سے کم تھی اور پھر اس نے وہ دودھ ایک لڑکے کو پلایا تو اس سے دونوں کے درمیان حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ حرمت رضاعت اسی صورت میں ثابت ہوتی ہے جب کہ دودھ نو برس یا نو برس سے زائد کی عمر میں اترے۔ اسی طرح اگر کسی کنواری لڑکی کی چھاتیوں میں زرد رنگ کا پانی اتر آیا تو اس کے پلانے سے بھی حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

کسی عورت نے ایک بچہ کے منہ میں اپنی چھاتی داخل کر دی لیکن بچہ کا اس کی چھاتی سے دودھ جو سنا معلوم نہیں ہوا تو اس صورت میں خشک کی وجہ سے حرمت رضاعت کا حکم نافذ نہیں کیا جائے گا البتہ احتیاطاً کا تقاضا یہی ہو گا کہ حرمت ثابت کی جائے۔

کسی عورت کی چھاتی سے زرد رنگ کی بننے والی پتلی چیز بچہ کے منہ میں پہنچ گئی تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی اور یہی کہا جائے گا کہ یہ دودھ ہی ہے جس کا رنگ خفیہ ہو گیا ہے۔

اگر کسی مروی چھاتیوں میں دودھ اتر آیا اور اس نے کسی بچہ کو پلایا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی اور حرمت ثابت ہونے کے لئے زندہ اور مردہ عورت کے دودھ کا یکساں حکم ہے۔ اور اگر دو بچوں نے کسی ایک چارپائے جانور کا دودھ پیا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

رضاعت کا حکم دارالاسلام اور دارالحرب دونوں جگہ یکساں ہے، لہذا اگر کسی (کافر عورت نے دارالحرب میں) کسی کافر بچہ کو دودھ پلایا اور پھر وہ (دودھ پلانے والی، اس کے قریب رہا اور دودھ پینے والا بچہ) مسلمان ہو گئے یا وہ (دارالحرب میں اسلام ہی کی حالت میں تھے اور پھر دارالحرب سے دارالاسلام میں آ گئے تو پھر رضاعت کے تمام احکام نافذ ہوں گے۔

جس طرح عورت کی چھاتی سے دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے اسی طرح بچہ کے منہ میں دودھ ڈال دینے یا ناک میں نہچوڑنے سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے البتہ کان میں نہکانے، عضو خصوص کے سوراخ میں ڈالنے، حقہ کے ذریعہ استعمال کرنے اور مقعد میں اور دماغ اور پیٹ کے زخم میں ڈالنے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی اگرچہ دودھ ان زخموں کے ذریعہ دماغ اور پیٹ میں پہنچ جائے۔ لیکن حضرت امام محمدؒ کے نزدیک حقہ کے ذریعہ استعمال کرنے سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔

اگر غذا کی کسی چیز میں دودھ مل گیا اور اسے اٹکی پکڑا یا بنا لیا جس کی وجہ سے دودھ کی حقیقت بدل گئی تو اس کو کھانے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی خواہ دودھ غالب ہو یا مغلوب ہو، اور اگر دودھ ملی ہوئی چیز گدھ پر پکائی نہیں گئی تو اس صورت میں بھی اس کو کھانے سے

حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ بشرطیکہ اس چیز میں دودھ غالب نہ ہو اور اگر وہ دودھ غالب ہوگا تو بھی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حرمت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ جب پینے والی چیز بھی ہوئی چیز میں شرط ہوگی تو پینے والی چیز اس بھی ہوگی چیز کے تابع ہوگی اور مشروبات کی قسم سے خارج ہوگی۔ چنانچہ پینے کے قابل نہیں رہی اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ جس چیز میں دودھ مخلوط ہو گیا اگر وہ غالب نہ ہو اور اب بھی دودھ پینے کے قابل ہو تو اس کے پینے سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔

اگر عورت کا دودھ کسی جانور مثلاً بکری کے دودھ میں مخلوط ہو گیا اور عورت کا دودھ غالب ہے تو اس کو پینے سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر عورت نے اپنے دودھ میں روٹی بھگوئی اور روٹی نے دودھ کو جذب کر لیا یا اپنے دودھ میں ستو گھولا اور پھر وہ روٹی یا ستو کسی بچہ کو کھلایا تو اگر اس میں دودھ کا ذائقہ موجود ہو تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔ لیکن ذائقہ کی موجودگی کی شرط اسی صورت میں ہے جب کہ اس کو قہقہہ کر کے کھلایا جائے اور اگر گھونٹ گھونٹ کر کے پلایا گیا تو پھر اگر ذائقہ موجود نہ ہو تب بھی حرمت ثابت ہو جائے گی۔

اگر عورت کا دودھ پانی یا دوا چانور کے دودھ میں مخلوط ہو گیا تو اس میں غالب کا اعتبار ہوگا معنی اگر وہ دودھ غالب ہوگا تو اس کو پینے سے حرمت ثابت ہو جائے گی اور اگر پانی وغیرہ غالب ہوگا تو حرمت ثابت نہیں ہوگی اس طرح اگر عورت کا دودھ کسی بھی پتلی (سیل) چیز یا کسی بھی چیز میں مخلوط ہو جائے تو غالب کا اعتبار ہوگا۔ اور ”غالب“ سے مراد یہ ہے کہ اس کا رنگ ”لو“ اور ذائقہ تینوں چیزوں یا ان میں سے کوئی ایک چیز محسوس و معلوم ہو۔ اور اگر دونوں چیزیں (یعنی دودھ اور دوا چانور) جس میں دودھ مخلوط ہو گیا ہے برابر ہوں تو حرمت کا ثابت ہونا ضروری ہو جائے گا کیونکہ دودھ مغلوب نہیں ہے۔

اگر دو عورتوں کا دودھ باہم مل گیا ہے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس عورت سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی جس کا دودھ زیادہ اور غالب ہو لیکن حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں دونوں عورتوں سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی، حضرت امام ابوحنیفہؒ کا ایک قول بھی اسی کے مطابق ہے اور یہی قول زیادہ صحیح اور اقرب الی الاحتیاط ہے اور اگر دونوں عورتوں کا دودھ برابر ہو تو متفقہ طور پر (یعنی ان تینوں ائمہ کے نزدیک) مسئلہ یہی ہے کہ دونوں عورتوں کے ساتھ حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

اگر کسی عورت نے اپنے دودھ کا چھاپا یا دیکھا یا پیو اور یا دوا وغیرہ بنالیا اور اسے کسی بچہ کو کھلایا تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ اس پر رضاعت (یعنی دودھ پینے) کا اطلاق نہیں ہوتا۔

بہتی و گاؤں کی کسی عورت نے ایک بچی کو دودھ پلایا مگر بعد میں یہ کسی کو بھی یا دوا معلوم نہیں رہا کہ وہ دودھ پلانے والی عورت کون تھی اور پھر اس بہتی کے کسی شخص نے اس لڑکی سے نکاح کر لیا تو یہ نکاح جائز ہو جائے گا۔

عورتوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ بلا ضرورت کسی بچہ کو اپنا دودھ نہ پلائیں اور اگر کسی بچہ کو اپنا دودھ پلائیں تو یا دیکھیں یا لکھ لیا کریں، عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ بلا ضرورت دوسروں کے بچوں کے منہ میں اپنی چھاتی دیرتی ہیں اور انہیں دودھ چلا دیتی ہیں اور پھر بعد میں انہیں یہ بھی نہیں رہتا کہ کسی بچہ کو منہ بے اپنا دودھ پلایا ہے اس کی وجہ سے حرمت رضاعت کے احکام کی صریح خلاف ورزی ہوتی ہے لہذا اس بارہ میں احتیاط ضروری ہے!

دودھ خواہ پیسے پلایا ہو خواہ بعد میں پلایا گیا ہو حرمت رضاعت بہر صورت ثابت ہو جائے گی پہلے اور بعد میں کوئی فرق نہیں ہوگا مگر کسی شخص نے ایک شیر خوار بچی سے نکاح کر لیا اور پھر بعد میں اس شخص (یعنی خاوند کی کسی یا رضاعی ماں نے یا بہن نے یا لڑکی نے) اگر اس کو اپنا دودھ پلایا تو یہ بچی اس شخص کے لئے حرام ہو جائے گی اور اس پر نصف مہر واجب ہوگا لیکن اس نصف مہر کے طور پر جو رقم وہ ادا کرے گا۔ اسے وہ مرضعہ (یعنی دودھ پلانے والی) سے وصول کرے بشرطیکہ اس دودھ پلانے والی نے محض شرارت (یعنی نکاح ختم کرنے

کے لئے اپنا دودھ چلا دیا ہو اور اگر اس نے شرارت کی نیت سے دودھ نہ چلایا ہو (بلکہ وہ بچی بھوک سے بلک رہی تھی اور اس عورت نے بھروئی کے جذبہ سے اسے دودھ چلایا) تو پھر خاوند اس سے اپنی رقم کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

کسی شخص نے دو شیر خوار بچوں سے نکاح کیا اس کے بعد ایک اجنبی عورت نے اگر ان دونوں بچوں کو ایک ساتھ یا علیحدہ دیکر سے دودھ چلایا تو وہ دونوں بچیاں شوہر کے لئے حرام ہو جائیں گی اور پھر اس کے بعد وہ ان دونوں میں سے کسی ایک سے جسے وہ پسند کرے نکاح کر سکتا ہے۔ اور اگر (اس کے نکاح میں دو کی بجائے) تین بچیاں ہوں۔ اور اس عورت نے ان تینوں کو ایک تھ دودھ چلایا تو وہ تینوں حرام ہو جائیں گی اس کے بعد وہ ان تینوں میں سے جس سے چاہے نکاح کر سکتا ہے۔ اور اگر تینوں کو علیحدہ دیکر سے چلایا تو پہلی دو تو حرام ہو جائیں گی اور تیسری اس کی بیوی رہے گی۔ اور اگر پہلے تو دو بچوں کو ایک ساتھ چلایا اور اس کے بعد تیسری کو چلایا تو بھی نیک حکم ہو گا۔ اور اگر پہلے ایک لڑکی کو چلایا اور بعد میں دو کو ایک ساتھ چلایا تو تینوں حرام ہو جائیں گی اور ان میں سے ہر ایک بچی کا عھف مہر اس پر واجب ہو گا جسے وہ دودھ پلانے والی سے وصول کرے گا۔ بشرطیکہ اس نے شرارت کی نیت سے دودھ چلایا ہو اور اگر اس کے نکاح میں چار بچیاں ہوں اور اس عورت نے ان چاروں بچوں کو ایک ساتھ یا علیحدہ دیکر سے ایک ایک کر کے دودھ چلایا ہو تو چاروں حرام ہو جائیں گی اور اگر پہلے ایک کو اور پھر تین کو ایک ساتھ چلایا ہو تو بھی یہی حکم ہو گا۔ اور اگر پہلے تین کو ایک ساتھ اور بعد میں چوتھی کو چلایا تو چوتھی حرام نہیں ہوگی۔

اگر کسی شخص نے ایک بڑی عورت سے اور ایک شیر خوار بچی سے نکاح کیا اور پھر بڑی نے چھوٹی کو اپنا دودھ چلا دیا تو شوہر کے لئے دونوں حرام ہو جائیں گی اب اگر اس شخص نے بڑی سے جماع نہیں کیا تھا تو اس کو کچھ مہر نہیں ملے گا۔ اور چھوٹی کو اس کا آدھا مہر دینا واجب ہو گا جسے وہ بڑی سے وصول کر لے گا۔ بشرطیکہ اس نے شرارت کی نیت سے اسے دودھ چلایا ہو اور اگر اس نے دودھ شرارت کی نیت سے نہیں چلایا تو اس سے کچھ وصول نہیں کیا جائے گا اگرچہ اس بڑی کو یہ معلوم ہو کہ یہ چھوٹی بچی میرے شوہر کی بیوی ہے۔

رضاعت (دودھ پلانے) کا ثبوت دو باتوں میں سے کسی ایک بات سے ہو جاتا ہے ایک تو اقرار (یعنی کوئی عورت خود اقرار کرے کہ میں نے فلاں کو دودھ پلایا ہے اور دوسرے گواہی (یعنی گواہیوں کے فلاں عورت نے فلاں بچے کو دودھ پلایا ہے) اور رضاعت کے سلسلہ میں گواہی یا تو دو مردوں کی معتبر ہوتی ہے یا ایک مرد اور دو عورتوں کی بشرطیکہ وہ عادل ہوں۔

(احرم رضاعت کی وجہ سے مہاں بیوی کے درمیان احوال تفریق (جداگانی) ہوتی ہے وہ قاضی کے حکم کے ذریعہ ہی ہو سکتے ہیں اور جب دو عادل مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں کسی میاں بیوی کے درمیان رضاعت کے رشتہ کی گواہی دیں اور اس کی بنیاد پر قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے تو عورت کو کچھ نہیں ملے گا بشرطیکہ اس کے ساتھ جماع نہ ہوا ہو اور اگر جماع ہو چکا ہو گا تو ہر شل اور مہر متعین میں سے جس کی مقدار کم ہوگی وہ مہر خاوند پر واجب ہو گا اور نفقہ و سکنہ (یعنی کھانے پینے کا خرچہ اور رہنے کے لئے مکان) ادا واجب نہیں ہو گا۔

اگر دو عادل مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں نے نکاح ہو جانے کے بعد شادی شدہ عورت کے سامنے گواہی دی (اور کہا کہ شوہر کے ساتھ تمہارا رشتہ رضاعت ثابت ہوتا ہے) تو اس عورت کے لئے شوہر کے ساتھ رہنا جائز نہیں کیونکہ یہ شہادت صحیح ہے ہاں طور کہ جس طرح یہ شہادت اگر قاضی کے سامنے دی جاتی تو رضاعت ثابت ہو جاتی اور وہ دونوں کے درمیان تفریق کر دیتا) اسی طرح جب یہ شہادت عورت کے سامنے آنے کی تو اس کا حکم بھی وہی ہو گا اور اگر رضاعت کی یہ خبر صرف ایک شخص دے اور اس عورت کے دل میں یہ بات پیدا ہو جائے کہ یہ شخص سچ کہہ رہا ہے تو شوہر سے پرہیز کرنا بہتر ہے لیکن واجب نہیں ہے۔

ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس کے بعد ایک دوسری عورت نے اگر ان دونوں میاں بیوی سے کہا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے تو اس مسئلہ کی چار صورتیں ہوں گی۔

۱) اگر دونوں میاں بیوی نے اس عورت کا اعتبار کر لیا تو نکاح قاسد ہو جائے گا اور عورت کو کچھ مہر نہیں ملے گا بشرطیکہ اس کے ساتھ

جماع نہ ہوا ہو۔

۱۰ اگر دونوں میاں بیوی نے اس عورت کا اعتبار نہ کیا تو نکاح بحالہ باقی رہے گا لیکن اگر وہ عورت (جس نے رشتہ رضاعت کی خبر دی ہے) عدل ہے تو پھر احتیاط کا تقاضہ یہی ہوگا کہ خاوند اپنی بیوی کو چھوڑ دے، اب اگر اس نے چھوڑ دیا تو بہتر یہ ہے کہ خاوند نصف مہر دیے اور عورت کے لئے بہتر یہ ہے کہ کچھ نہ لے بشرطیکہ چھوڑنا جماع سے پہلے ہو، اور اگر چھوڑنے سے پہلے جماع ہو چکا ہو تو مرد کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ اس کا پورا مہر بھی دینے اور (عدت کے ایام پورے ہونے تک) نفقہ دے سکے بھی دے اور عورت کے لئے بہتر یہ ہے کہ مہر مثل و مہر متعین میں سے جس کی مقدار کم ہو وہ لے لے اور نفقہ دے سکے نہ لے، اور اگر خاوند نے بیوی کو نہیں چھوڑا (یعنی اس نے طلاق نہیں دی) تو بیوی کو خاوند کے پاس رہنا جائز ہے، اسی طرح اگر دو عورتوں نے، یا ایک مرد اور ایک عورت نے یا دو غیر عادل مردوں نے یا غیر عادل ایک مرد اور دو عورتوں نے رضاعت کی تو اسی دی تو اس کا بھی یہی حکم ہوگا۔ یعنی خاوند کے لئے بہتر یہی ہوگا کہ وہ اپنی بیوی کو چھوڑ دے۔

۱۱ اگر خاوند نے اس عورت کا اعتبار کیا اور بیوی نے اعتبار نہیں کیا تو نکاح فاسد ہو جائے گا اور مہر دنیا واجب ہوگا۔

۱۲ اگر بیوی نے اس عورت کا اعتبار کیا مگر خاوند نے اس کا اعتبار نہیں کیا تو نکاح بحالہ باقی رہے گا لیکن بیوی کے لئے ضروری ہے کہ وہ خاوند سے قسم کھلائے (کہ وہ واقعہ اس عورت کی بات کو صحیح نہیں سمجھتا) اور اگر خاوند قسم کھائے سے انکار کر دے تو دونوں کے درمیان جدائی کرادی جائے گی۔

ایک مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور پھر کہنے لگا کہ یہ میری رضائی بہن ہے یا اس کی طرف اسی قسم کے کسی اور رضائی رشتہ کی نسبت کی، اس کے بعد اس نے کہا کہ مجھے وہیم ہو گیا تھا میں نے جو کچھ کہا تھا غلط تھا اور استسنا ان دونوں کے درمیان تفریق نہیں کرانے چاہئے گی بشرطیکہ وہ اپنی اس دوسری بات پر قائم رہے (کہ میں نے جو کچھ کہا تھا غلط ہے) اور اگر وہ اپنی پہلی بات پر قائم رہے اور یہ کہے کہ میں نے جو کچھ کہا تھا صحیح ہے تو اس صورت میں دونوں کے درمیان تفریق کرادی جائے گی پھر اس کے بعد وہ اپنی پہلی بات سے انکار کرے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اور اگر عورت نے اپنے خاوند کی اس بات کی تصدیق کر دی تو اس کو کچھ مہر نہیں ملے گا (بشرطیکہ اس کے ساتھ جماع نہ ہوا ہو) اور اگر عورت نے اپنے خاوند کی اس بات کی تکذیب کی تو مرد پر اس عورت کا نصف مہر واجب ہوگا (بشرطیکہ اس کے ساتھ جماع نہ ہوا ہو) اور اگر اس عورت کے ساتھ جماع ہو چکا ہو اور وہ اپنے خاوند کی اس بات کی تصدیق نہ کرے تو مرد پر اس کا پورا مہر اور نفقہ دے سکے واجب ہوگا۔

اور اگر مرد نے کسی عورت کے بارہ میں اس سے نکاح کرنے سے پہلے یہ کہا کہ یہ میری رضائی بہن ہے یا رضائی ماں ہے اور پھر بعد میں کہنے لگا مجھے وہیم ہو گیا تھا یا مجھ سے چوک ہو گئی تھی (یعنی میں نے پہلے جو کچھ کہا تھا غلط ہے) تو اس شخص کو اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہوگا۔ اور اگر اپنی سابقہ بات پر قائم رہا یعنی بعد میں اس نے کہا کہ میں نے جو کچھ پہلے کہا تھا وہ صحیح ہے تو اس صورت میں اس عورت سے اس کو نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا اور اگر وہ اس کے باوجود نکاح کر لے تو ان دونوں کے درمیان جدائی کرادی جائے گی اور اگر وہ اپنے سابقہ اقرار ہی سے مکر جائے (یعنی یہ کہنے لگے کہ میں نے یہ اقرار نہیں کیا تھا کہ یہ میری رضائی ماں یا بہن ہے) لیکن دو شخص اس بات کی گواہی دیں کہ اس نے اقرار کیا تھا تو پھر اس صورت میں ان کے درمیان جدائی کرادی جائے گی۔

اگر کسی عورت نے کسی مرد کے بارہ میں اقرار کیا کہ یہ میرا رضائی باپ رضائی بھائی یا رضائی بھتیجا ہے لیکن مرد نے اس کا انکار کیا اور اس کے بعد پھر عورت نے بھی اپنے قول کی تردید کی اور کہا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی تھی تو اس عورت سے نکاح جائز ہو جائے گا اور اسی طرح اگر مرد نے اس عورت سے نکاح کر لیا لیکن اس کے بعد وہ عورت اپنے قول کی تردید کرتی تو نکاح صحیح ہوگا۔

اگر کسی مرد نے کسی عورت (جو اس کے نکاح میں ہو) اپنے کسی رشتہ کا اقرار کیا یعنی یوں کہا کہ یہ عورت میری حقیقی ماں ہے یا حقیقی

بہن ہے یا حقیقی بیٹی ہے اور اس عورت کا نسب کسی کو معلوم نہیں ہے نیز وہ مرد یہ صلاحیت رکھتا ہے (یعنی اس کے بارہ میں یہ گمان ہو سکتا ہے کہ وہ عورت اس کی ماں یا بیٹی ہو تو) اس مرد سے دوبارہ پوچھا جائے گا اب اگر وہ یہ کہے کہ مجھے وہم ہو گیا تھا، یا میں چونک گیا تھا، یا میں نے غلط کہا تھا تو، مستحانان کا نکاح باقی رہے گا اور اگر دوبارہ پوچھے جانے پر اس نے یہ کہا کہ میں نے جو کچھ کہا تھا وہی صحیح ہے تو پھر دونوں میں تفریق کرادی جائے گی۔ اور اگر مرد یہ صلاحیت نہیں رکھتا (یعنی ان دونوں کی عمر میں اس قدر تفاوت ہے کہ وہ اس بات کا امکان نہیں رکھتا) کہ وہ عورت جس عمر کی ہے اس عمر کی کوئی عورت اس کی حقیقی ماں یا اس کی حقیقی بہن ہو سکے تو نسب ثابت نہیں ہوگا اور ان دونوں کے درمیان جدائی نہیں کرائی جائے گی اور اگر مرد نے اپنی بیوی کے بارہ میں کہا کہ یہ میری حقیقی لڑکی ہے اور پھر بعد میں اپنی اس بات کی تردید بھی نہیں کی بلکہ اس پر اصرار کرتا رہا حالانکہ لوگوں کو اس لڑکی کا نسب معلوم ہے (یعنی دنیا جانتی ہے کہ یہ لڑکی اس کی نہیں ہے بلکہ وہ دوسرے کے ہے) تو ان دونوں کے درمیان جدائی نہیں کرائی جائے گی اور اسی طرح اگر اس نے یہ کہا کہ یہ میری حقیقی ماں ہے حالانکہ لوگوں کو اس کا نسب معلوم ہے (یعنی سب جانتے ہیں کہ یہ اس کی ماں نہیں ہے) تو اس صورت میں بھی دونوں کے درمیان تفریق نہیں کرائی جائے گی۔

چوتھا سبب — جمع کرنا: یعنی وہ عورتیں جو دوسری عورتوں کے ساتھ جمع ہو کر محرمات میں سے ہو جاتی ہیں اور ان کی دو قسمیں ہیں۔
 ① انہی عورتوں کو جمع کرنا۔ ② ذوات الارحام کو جمع کرنا۔

پہلی قسم یعنی انہی عورتوں کو جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ (شریعت نے جس قدر نکاحوں کی اجازت دی ہے ان سے زیادہ نکاح کرنا چنانچہ شریعت نے آزاد مرد کو ایک وقت میں چار نکاح تک کی اجازت اور غلام کو ایک وقت میں دو نکاح تک کی اجازت دی ہے لہذا کسی آزاد شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایک وقت میں چار سے زیادہ عورتوں کو جمع کرے (یعنی چار سے زیادہ عورتوں کو اپنی بیوی بنائے) اور غلام کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایک وقت میں دو سے زیادہ عورتوں کو جمع کرے آزاد شخص کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ ایک وقت میں جتنی چاہے (بغیر نکاح) باندیاں رکھے باندیاں رکھنے کی تعداد کی کوئی قید نہیں ہے لیکن غلام کو (بغیر نکاح) باندی رکھنا جائز نہیں ہے اگرچہ اس کا آقا اجازت دے دے آزاد شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے اور وہ چار عورتیں خواہ آزاد ہوں خواہ باندیاں ہوں خواہ باندی اور آزاد دونوں ملی جلی ہوں۔

اگر کسی شخص نے پانچ عورتوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کیا تو پہلی چار کا نکاح جائز اور پانچویں کا باطل ہو گا اور اگر پانچوں سے ایک ہی عقد میں نکاح کیا تو پانچوں کا نکاح باطل ہو گا اسی طرح اگر کسی غلام نے تین عورتوں سے نکاح کیا تو پہلی تفصیل ہوگی (کہ ان تینوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کرنے کی صورت میں تو پہلی دو دونوں کا نکاح صحیح ہو جائے گا اور تیسری کا باطل ہو گا اور اگر تینوں سے ایک ہی عقد میں نکاح کیا تو تینوں کا نکاح باطل ہو گا۔

اگر کسی حربی کافر نے پانچ کافرو عورتوں سے نکاح کیا اور پھر وہ سب (یعنی پانچوں بیویاں اور شوہر) مسلمان ہو گئے تو اگر یہ پانچوں نکاح یکے بعد دیگرے ہوئے تھے تو پہلی چار بیویاں جائز رہیں گی اور پانچویں بیوی سے جدائی کرادی جائے گی اور اگر پانچوں نکاح ایک ہی عقد میں ہوئے تھے تو پانچوں کا نکاح باطل ہو جائے گا اور ان پانچوں سے شوہر کی جدائی کرادی جائے گی۔

اگر کسی شخص نے پہلے تو ایک عورت سے نکاح کیا اور پھر چار عورتوں سے ایک ساتھ نکاح کیا تو صرف پہلی کا نکاح درست ہوگا بعد کی ان چاروں کا نکاح درست نہیں ہوگا۔

اگر کسی عورت نے ایک عقد میں دو مردوں سے نکاح کیا اور ان میں سے ایک شخص کے نکاح میں پہلے سے چار عورتیں تھیں تو اس کا نکاح (اس) دوسرے شخص کے ساتھ صحیح ہوگا (جس کے نکاح میں پہلے سے چار بیویاں نہیں تھیں اور ان دونوں کے نکاح میں پہلے سے چار چار بیویاں تھیں یا ان میں سے کسی ایک کے بھی نکاح میں چار عورتیں نہیں تھیں تو یہ نکاح کسی کے ساتھ بھی صحیح نہیں ہوگا۔

منع کرنے کی دوسری قسم یعنی ذوات الارحام کو جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسی دو عورتوں کو ایک وقت اپنے نکاح میں رکھا جائے جو آپس میں ذی رحم اور سبب رشتہ دار ہوں چنانچہ دو بیٹوں کو ایک وقت اپنے نکاح میں رکھنا حرام ہے اسی طرح دو بیٹوں کو باندی بنا کر ان سے جماع کرنا بھی حرام ہے (یعنی اگر دو بیٹیں بطور باندی کسی کی ملکیت میں ہوں تو دونوں سے جماع نہ کیا جائے اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے) خواہ وہ دونوں نسبی (حقیقی) بیٹیں ہوں یا رضائی بیٹیں ہوں۔

اس بارہ میں اصول اور ضابطہ یہ ہے کہ ایسی دو عورتیں جو ایک دوسرے کی رشتہ دار ہوں اور ایسا رشتہ ہو کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو مرد فرض کر لیا جائے تو آپس میں ان دونوں کا نکاح درست نہ ہو خواہ وہ رشتہ نسبی (حقیقی) ہو یا رضائی ہو تو ایسی دو عورتوں کو ایک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہوتا لہذا (جس طرح دو حقیقی یا رضائی بیٹوں کو جمع کرنا حرام ہے اسی طرح) لڑکی اور اس کی حقیقی یا رضائی پھوپھی کو ایک وقت اپنے نکاح میں رکھنا حرام ہے۔ ایسے ہی کسی لڑکی اور اس کی حقیقی یا رضائی خالہ یا اسی قسم کی کسی اور رشتہ دار کو ایک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے۔ ہاں کسی عورت اور اس کے (پہلے) خاوند کی لڑکی کو (جو اس عورت کے بطن سے نہیں ہے) ایک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز ہے کیونکہ اگر اس عورت کو مرد فرض کر لیا جائے تو اس کے شوہر کی اس لڑکی سے اس کو نکاح کرنا جائز ہوگا بخلاف اس کے عکس کے (کہ اگر اس لڑکی کو مرد فرض کر لیا جائے تو اس کے لئے اس عورت یعنی باپ کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا) اسی طرح کسی عورت اور اس کی باندی کو ایک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز ہے بشرطیکہ پہلے اس باندی سے نکاح کیا ہو۔

اگر کسی شخص نے دو بیٹوں سے ایک ہی عقد میں نکاح کیا تو (نکاح باطل ہوگا اور) ان دونوں کو ان کے شوہر سے جدا کر دیا جائے گا اور پھر یہ جدا کر دینا (اگر دخول (یعنی جماع) سے پہلے ہوگی تو ان دونوں کو مہر کے طور پر کچھ نہیں دلوانا پائے گا اور اگر جدا کر دینا دخول کے بعد ہوگی تو مہر مثل اور مہر متعین میں سے جس کی مقدار کم ہوگی وہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو دیا جائے گا۔ اگر کسی شخص نے دو بیٹوں سے مختلف عقد میں (یعنی یکے بعد دیگرے) نکاح کیا تو جو نکاح بعد میں ہوگا وہ فاسد ہو جائے گا اور شوہر کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اس سے علیحدگی اختیار کرے اگر وہ خود سے علیحدگی اختیار نہ کرے اور قاضی کو اس کا علم ہو جائے تو قاضی علیحدگی کرادے۔ اور پھر یہ علیحدگی اگر دخول (جماع) سے پہلے واقع ہوگی تو علیحدگی کے احکام (یعنی مہر عدت وغیرہ) میں سے کوئی حکم نافذ نہیں ہوگا اور اگر دخول کے بعد علیحدگی واقع ہوگی تو مہر مثل اور مہر متعین میں سے جس کی مقدار کم ہوگی وہ مہر مل جائے گا اور اس پر عدت واجب ہوگی اور اگر بچہ پیدا ہوا تو اس کا نسب ثابت ہوگا اور اس شخص کو اپنی بیوی (یعنی پہلی منکوحہ) سے اس وقت تک علیحدہ رہنا ہوگا جب تک کہ اس کی بہن کی عدت پوری نہ ہو جائے اور اگر کسی شخص نے دو بیٹوں سے دو عقد میں (یعنی یکے بعد دیگرے) نکاح کر لیا مگر یہ معلوم نہیں کہ کس بہن سے پہلے اور کس بہن سے بعد میں نکاح کیا تھا تو ایسی صورت میں شوہر کو حکم دیا جائے گا کہ وہ بیان کرے، اگر وہ بیان کر دے (کہ فلاں بہن سے پہلے اور فلاں بہن سے بعد میں نکاح ہوا تھا) تو اس کے بیان کے مطابق عمل کیا جائے (یعنی پہلی کا نکاح باقی اور دوسری کا نکاح باطل قرار دیا جائے) اور اگر شوہر بھی بیان نہ کر سکے تو پھر قاضی ان دونوں میں سے شوہر کی علیحدگی کرادے، علیحدگی کے بعد ان دونوں کو نصف مہر ملے گا بشرطیکہ دونوں کا مہر برابر ہو اور عقد کے وقت متعین ہوا ہو اور یہ علیحدگی بھی جماع سے پہلے واقع ہوئی ہو۔ اور اگر دونوں کا مہر برابر نہ ہو تو ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کے مہر کا چوتھائی حصہ ملے گا۔ اور اگر عقد کے وقت مہر متعین نہ ہوا تو آدھے مہر کی بجائے ایک جوڑا کپڑا دونوں کو دیا جائے گا۔ اور اگر یہ علیحدگی جماع کے بعد ہوئی ہو تو ہر ایک کو اس کا مہر ملے گا۔

اور ابو جعفر ہندوانی فرماتے ہیں کہ مسئلہ مذکور کا یہ حکم اس وقت ہوگا جب کہ ان دونوں میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے کہ پہلے مجھ سے نکاح ہوا ہے اور گواہ کسی ایک کے بھی پاس نہ ہو تو دونوں کو نصف مہر دیا جائے گا لیکن اگر دونوں یہ کہیں کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ ہم میں سے کس کا نکاح پہلے ہوا ہے تو ان کے بارہ میں کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے گا جب تک کہ دونوں کسی ایک بات پر متفق ہو کر صلح نہ کریں اور دونوں کے صلح کی صورت یہ ہوگی کہ وہ دونوں قاضی کے پاس چاکر یہ کہیں کہ ہم دونوں کا مہر ہمارے خاوند پر واجب ہے اور

ہو رہے اس مطالبہ میں کوئی تیسرا دعویٰ وار شریک نہیں ہے (یعنی ہمارے خاوند پر مہر کی جو رقم واجب ہے اس میں ہم دونوں کے ملوہ اور کسی تیسری عورت کا کوئی حق نہیں ہے لہذا ہم دونوں اس بات پر صلح و اتفاق کرتی ہیں کہ نصف مہر لے لیں۔ اس کے بعد قاضی فیصدہ کر دے گا۔ اور اگر ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنا نکاح پہلے ہونے پر گواہ پیش کئے تو مہر پر نصف مہر واجب ہو گا جو دونوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔ اس حکم میں تمام علماء کا اتفاق ہے انیزو بیٹوں کے سلسلہ میں جو احکام بیان کئے گئے ہیں وہ ایک تمام عورتوں میں بھی جاری ہوں گے جن کا جمع کرنا (یعنی جن کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا) حرام ہے اور اگر یہ شخص (یعنی جس نے دو بیٹوں سے ایک عقد میں نکاح کر لیا تھا اور یہ نکاح باطل ہونے کی وجہ سے ان دونوں بیٹوں اور اس کے درمیان طہجہ کی گرا دی تھی) ان دونوں بیٹوں کے پیچھے ہو جائے گا۔ بعد پھر ان دونوں میں سے کسی ایک سے نکاح کرنا چاہے تو نکاح کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ طہجہ کی جگہ سے پہلے ہوئی ہو اور اگر یہ طہجہ کی جگہ سے بعد ہوئی تھی تو اس صورت میں دونوں بیٹوں کی عدت گزار جانے سے پہلے نکاح کرنا جائز نہیں ہو گا اور اگر ایک عدت میں ہے اور دوسری کی عدت پوری ہو گئی ہے تو اس بہن سے نکاح کرنا جائز ہو گا جو عدت میں ہے دوسری سے اس وقت تک نکاح کرنا جائز نہیں ہو گا جب تک اس بہن کی عدت پوری نہ ہو جائے جو عدت میں ہے اور اگر طہجہ کی سے پہلے ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ جماع ہو گیا تھا تو اس بہن سے نکاح کرنا جائز ہو گا جس سے جماع ہو چکا تھا اور اگر اس بہن سے نکاح کرنا چاہے جس سے جماع نہیں ہوا تھا تو اس سے اس وقت تک نکاح کرنا جائز نہیں ہو گا جب تک اس بہن کی عدت پوری نہ ہو جائے جس سے جماع ہوا تھا۔ ہاں اگر اس بہن کی عدت پوری ہو جائے جس سے جماع ہوا تھا تو پھر ان دونوں میں سے جس سے چاہے نکاح کر سکتا ہے۔

جس طرح بیک وقت دو بیٹوں کو اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے اسی طرح بیک وقت دو باندی بیٹوں سے جنسی لطف حاصل کرنا (یعنی مس و جماع وغیرہ کرنا) بھی جائز نہیں ہے (یعنی اگر کسی شخص کی ملکیت میں بیک وقت دو بیٹیاں بطور باندی ہوں تو وہ ان دونوں سے جنسی تعلق نہ کرے بلکہ ان میں سے کسی ایک ہی سے مس و جماع وغیرہ کرے) کیونکہ ان دونوں میں سے کسی ایک سے جنسی لطف لینے کے بعد دوسری بہن حرام ہو جائے گی اس دوسری بہن سے اسی وقت جنسی لطف حاصل کر سکتا ہے جب کہ پہلی بہن کو اپنے اوپر حرام کرے۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے ایک باندی خریدی اور اس سے جماع کر لیا پھر اس کے بعد اس کی بہن کو خرید لیا تو صرف پہلی ہی سے جماع کر سکتا ہے دوسری سے جماع اس وقت تک حرام ہو گا جب تک کہ پہلی کو اپنے لئے حرام نہ کر لے اور حرام کرنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ یا تو کسی سے اس کا نکاح کر دے یا اپنی ملکیت سے نکال دے یا آزاد کر دے یا کسی کو بہ کر دے یا فروخت کر دے۔ یہ حدیث کر دے اور یا کتاب بنا دے۔

اس سلسلہ میں یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ بعض حدتہ کو آزاد کرنا، کل حصہ کو آزاد کرنے کے مرادف ہے۔ (مثلاً کسی نے اپنی باندی سے کہا کہ میں نے تیرا آدھا حصہ یا تیرا چوتھا حصہ آزاد کرنا تو یہ کل کو آزاد کرنے کے مرادف ہو گا اور اس سے جماع کرنا جائز ہو گا) اسی طرح اس کے بعض حدتہ کو اپنی ملکیت سے نکالنا کل کو اپنی ملکیت سے نکالنے کے مرادف ہو گا۔ اگر صرف یہ کہہ دیا جائے کہ پہلی مجھ پر حرام ہے تو اس کو کہہ دینے کی وجہ سے دوسری سے جماع کرنا جائز نہیں ہو گا۔ جیسا کہ ایک کے حیض و نفاس اور احرام و روزہ کی وجہ سے دوسری حلال نہیں ہو جاتی (یعنی جس طرح اگر ایک بہن حیض وغیرہ کی حالت میں حرام ہو جاتی ہے تو محض اس کی وجہ سے اس کی دوسری بہن حلال نہیں ہو جاتی، اسی طرح فقہانہ خانہ کے پہلی میرے لئے حرام ہے۔ دوسری کو حلال کر دینے کے لئے کافی نہیں ہے)۔

اگر کسی شخص نے ان دونوں بیٹوں سے جماع کر لیا جو بطور باندی اس کی ملکیت میں تھیں تو اس کے بعد ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ جماع نہیں کر سکتا تا وقتیکہ نہ کوہ بالا طریقہ کے مطابق دوسری کو اپنے لئے حرام نہ کر لے۔

اگر کسی شخص نے (ان دونوں باندی بیٹوں میں سے کہ جو بیک وقت اس کی ملکیت میں تھیں) کسی ایک کو فروخت کر دیا یا ان کو کسی عیب کی وجہ سے وٹ کر اٹھی یا اس کو بہ کر دیا تھا لیکن اپنے بہہ کو ختم کر کے اسے واپس لے لیا یا اس کا نکاح کر دیا تھا مگر اس کے شوہر سے اس

کو طلاق دے دی اور اس کی عدت بھی پوری ہو گئی تو ان صورتوں میں وہ شخص ان میں سے کسی ایک سے بھی جماع نہ کرے تاوقتیکہ دوسری بہن کو اپنے لئے حرام نہ کر لے۔

کسی شخص نے ایک باندی سے نکاح کر لیا اور اس کے ساتھ جماع کرنے سے پہلے اس کی بہن کو خرید لیا تو اس کے لئے خریدی ہوئی باندی سے جنسی لطف حاصل کرنا جائز نہیں ہو گا کیونکہ فراش (یعنی زوجیت کا استحقاق) نفس نکاح سے ثابت ہوتا ہے اس لئے اگر وہ خریدی ہوئی باندی سے جماع کرے گا تو یہی کہا جائے گا کہ اس نے فراش (یعنی زوجیت کے استحقاق) میں دو بہنوں کو جمع کیا اور یہ حرام ہے۔

اگر ایک شخص نے اپنی باندی سے جماع کر لیا اور اس کے بعد اس کی بہن سے نکاح کیا تو یہ نکاح صحیح ہو گا اور جب نکاح صحیح ہو گیا تو اب وہ باندی سے جماع نہ کرے گا اگرچہ ابھی تک منکوحہ سے جماع نہ کیا ہو اور اس منکوحہ سے اس وقت تک جماع نہ کرے جب تک کہ اپنی باندی (یعنی منکوحہ کی بہن) کو نہ کوہ بالا طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے اپنے لئے حرام نہ کر لے اور اگر اس نے اپنی باندی کی بہن سے ایسی صورت میں نکاح کیا کہ اس باندی سے جماع نہیں ہوا ہے تو پھر منکوحہ سے جماع کر سکتا ہے۔

اگر کسی شخص نے اپنی باندی سے جماع کے بعد اس کی بہن سے نکاح کیا مگر وہ نکاح کسی وجہ سے فاسد ہو گیا تو شخص نکاح سے وہ باندی حرام نہ ہو گی ہاں اگر نکاح کے بعد وہ منکوحہ سے جماع کر لے تو باندی سے جماع کرنا حرام ہو جائے گا۔

اگر دو بہنوں نے کسی شخص سے یہ کہا کہ ہم نے اتنے ہر کے عوض تمہارے ساتھ اپنا نکاح کیا اور یہ الفاظ دونوں کی زبان سے ایک ساتھ ادا ہوئے اور اس شخص نے ان میں سے ایک کا نکاح قبول کر لیا تو یہ نکاح جائز ہو جائے گا اور اگر پہلے خود اس شخص نے ان دونوں بہنوں سے یہ کہا کہ میں نے تم میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک ہزار روپیہ کے عوض اپنا نکاح کیا اور ان میں سے ایک نے قبول کر لیا اور دوسری نے انکار کر دیا تو دونوں کا نکاح باطل ہو گا۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے اپنا نکاح کرانے کے لئے ایک آدمی کو اپنا وکیل بنایا اور پھر کسی دوسرے آدمی کو بھی اسی کام کے لئے اپنا وکیل بنادیا۔ اس کے بعد ان دونوں میں سے ہر ایک وکیل نے ایک ایک عورت سے اس شخص کا نکاح ان عورتوں کی اجازت کے بغیر کر دیا اور پھر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دونوں عورتیں رضائی نہیں ہیں، نیز ان دونوں وکیلوں کی زبان سے نکاح کے الفاظ ایک ساتھ ادا ہوئے تھے تو اس صورت میں دونوں عورتوں کے نکاح باطل ہوں گے۔ اسی طرح اگر یہ دونوں نکاح ان عورتوں کی اجازت سے ہوں یا ایک کی اجازت سے اور ایک کی بغیر اجازت تو بھی یکی حکم ہو گا۔

ایک شخص شاذیہ نے دو بہنوں سے نکاح کیا حالانکہ ان میں سے ایک بہن کسی دوسرے شخص کے نکاح میں تھی یا کسی دوسرے شوہر کے طلاق دینے کی وجہ سے ابھی عدت کے دن گزار رہی تھی تو اس صورت میں زید کا نکاح صرف دوسری بہن کے ساتھ صحیح ہو گا۔

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی، یا ایک طلاق بائن یا تین طلاق دی یا نکاح فاسد ہو جانے کی وجہ سے نکاح فسخ ہو گیا یا شہد ہو کر کسی عورت سے جماع کر لیا، غرضیکہ ان میں سے کسی بھی صورت کے پیدا ہونے کی وجہ سے وہ عورت کہ عدت کے دن گزار رہی ہو تو اس کے زمانہ عدت میں اس کی بہن سے وہ شخص نکاح نہیں کر سکتا اور جس طرح اس کے زمانہ عدت میں اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں اسی طرح اس کی کسی بھی ایسی رشتہ داری عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں جو اس کے لئے ذوات الارحام میں سے ہو اور دونوں کا ایک وقت کسی ایک کے نکاح میں رہنا حرام ہو (مثلاً اس کے زمانہ عدت میں اس کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز نہیں) اور اسی طرح اس کے زمانہ عدت میں اس کے علاوہ مزید چار عورتوں سے نکاح کرنا بھی حلال نہیں۔

اگر کسی شخص نے اپنی باندی کو جو حاملہ (یعنی اس کے بچہ کی ماں) تھی آزاد کر دیا تو جب تک اس کی عدت پوری نہ ہو جائے اس کی بہن سے شادی کرنا جائز نہیں ہو گا۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کے زمانہ عدت میں اس کے ماسوا چار عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہو گا

جب کہ صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اس کے زمانہ عدت میں اس کی بہن سے بھی نکاح کر سکتا ہے۔

اگر کسی شوہر نے کہا کہ میری مطلقہ بیوی نے بتایا کہ اس کی عدت کے دن پورے ہو گئے ہیں (اللہ اعلم) اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہوں تو اس صورت میں دیکھا جائے گا کہ طلاق دینے ہوئے کتنا عرصہ ہوا ہے، اگر طلاق دینے ہوئے تھوڑا عرصہ ہوا ہے جس میں عدت پوری ہوئے گا کوئی امکان ہی نہیں تو شوہر کا قول مستتر ہو گا اس طرح اس کی مطلقہ بیوی کا یہ کہنا کہ ”میری عدت پوری ہو گئی ہے“ قابل اعتبار نہ ہو گا ہاں اگر وہ کوئی ایسی صورت بیان کرے جس میں عدت پوری ہونے کا احتمال ہو جیسے وہ یہ بیان کرے کہ طلاق کے دوسرے دن میرا حمل جس کے اعضاء پورے تھے سابقہ ہو گیا ہے تو اس صورت میں اس کا قول مستتر ہو گا۔ اور طلاق کو اتنا عرصہ گزر چکا ہو کہ اس میں عدت پوری ہونے کا امکان ہو تو اگر عورت اپنے شوہر کے قول کی تصدیق کر دے یا اس مجلس میں موجود نہ ہو تو شوہر کا قول مستتر ہو گا اور اس کے لئے بیک وقت چار دوسری عورتوں سے یا سابقہ بیوی کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہو گا بلکہ حنفی علماء تو یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں اگر بیوی شوہر کو بھلا دے تو بھی شوہر کا قول مستتر ہو گا۔

کسی شخص کی بیوی مرتد ہو کر دار الحرب چلی جائے تو شوہر کے لئے اس کی عدت پوری ہونے سے پہلے اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے جیسا کہ اس کے مرجع کے لئے اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے پھر اگر وہ مرتدہ عورت مسلمان ہو کر دار الحرب سے لوٹے اور اس کا شوہر اس کی بہن سے نکاح کر چکا ہو تو اس کی بہن کا نکاح فاسد نہیں ہو گا اور اگر وہ بہن کے ساتھ نکاح ہونے سے پہلے لوٹے تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تو اس صورت میں بھی وہ شخص اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص اس صورت میں اس کی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا۔

ایسا دو عورتوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے جو ایک دوسرے کی پھوپھی یا ایک دوسرے کی خالہ ہوں اور اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً زید نے عمرو کی ماں سے اور عمرو نے زید کی ماں سے نکاح کیا اور ان دونوں کے ہاں لڑکیاں پیدا ہوئیں تو ان میں ہر ایک لڑکی دوسری لڑکی کی پھوپھی ہوگی یا یہ کہ مثلاً زید نے عمر کی لڑکی سے اور عمر نے زید کی لڑکی سے نکاح کیا اور ان کے ہاں لڑکیاں پیدا ہوئیں تو ان میں سے ہر ایک لڑکی کی خالہ ہوگی اور ان دونوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہو گا۔

اگر کسی شخص نے ایسا دو عورتوں سے نکاح کر لیا جن میں سے ایک تو اس شخص کے لئے حرام تھی خواہ اس کی عہد ہونے کی وجہ سے یا شادی شدہ ہونے کی وجہ سے اور یا مت پرست ہونے کی وجہ سے اور دوسری عورت ایسی تھی جس سے اس شخص کو نکاح کرنا جائز تھا تو ایسی صورت میں اس کا اس عورت کے ساتھ نکاح صحیح ہو گا جو اس کے لئے حلال تھی اور اس عورت کے ساتھ نکاح باطل ہو گا جو اس کے لئے حرام تھی اور مقرر کردہ کل جہر ای عورت کو ملے گا جس کے ساتھ نکاح صحیح ہوا ہے۔ یہ حکم امام اعظم ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق ہے اور اگر اس شخص نے نکاح کے بعد اس عورت سے جماع کر لیا جس کے ساتھ نکاح کرنا اس کے لئے حلال نہیں تھا تو اس کو مہر مثل ملے گا خواہ وہ کسی مقدار میں ہو اور مقرر کردہ کل جہر اس عورت کو ملے گا جس کے ساتھ نکاح کرنا حلال تھا۔

پانچواں سبب — مملوک کہ ہوتا: یعنی وہ باندیاں جن کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے جب کہ پہلے سے آزاد عورت نکاح میں ہو۔ اسی طرح آزاد عورت اور باندی سے ایک ساتھ نکاح کرنا بھی حرام ہے۔ مگر (یعنی وہ لونڈی جس سے اس کا آقا کہہ دے کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہو جائے گی) اور ام ولد (یعنی وہ باندی جس کے پیٹ سے اس کے آقا کا بچہ پیدا ہو) اس کا بھی بیک حکم ہے۔

اگر کسی شخص نے ایک عقد میں ایک آزاد عورت اور ایک باندی سے نکاح کیا تو آزاد عورت کا نکاح صحیح ہو گا اور باندی کا نکاح باطل ہو جائے گا بشرطیکہ وہ آزاد عورت ایسی ہو جس سے نکاح کرنا اس کے لئے جائز تھا اگر وہ آزاد عورت ایسی ہو جس کے ساتھ نکاح کرنا اس کے لئے جائز نہیں تھا جیسے وہ اس کی پھوپھی یا خالہ تھی تو پھر باندی کا نکاح باطل نہیں ہو گا۔ اور اگر کسی شخص نے پہلے باندی سے نکاح کیا

اور پھر آزاد عورت سے نکاح کیا تو دونوں کا نکاح صحیح ہوگا۔

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو جو ایک آزاد عورت ہے طلاق بائن یا تین طلاق دیدیں اور وہ ابھی تک اپنی عدت کے دن گزار رہی تھی کہ اس شخص نے ایک باندی سے نکاح کر لیا تو اس صورت میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا قول تو یہ ہے کہ باندی کا نکاح جائز نہیں ہوگا اور ابو یوسف و امام محمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ جائز ہو جائے گا اور اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی طلاق رجعی کی عدت کے دوران کسی باندی سے نکاح کر لے تو اس کے بارہ میں مشفقہ طور پر یہ مسئلہ ہے کہ اس کا نکاح جائز نہیں ہوگا۔

اگر کسی شخص نے ایک باندی اور ایک ایسی آزاد عورت کے ساتھ نکاح کیا جو نکاح قاسد یا جماع بشبہ کی عدت کے دن گزار رہی تھی تو باندی کا نکاح صحیح ہو جائے گا۔

اگر کسی شخص نے اپنی منکوحہ باندی کی طلاق رجعی کی عدت کے دوران کسی آزاد عورت سے نکاح کیا اور پھر اپنی اس منکوحہ باندی سے رجوع کر لیا (یعنی اپنی دی ہوئی طلاق واپس لے کر پھر اسے بیوی بنالیا) تو یہ جائز ہوگا۔

کسی غلام نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر ایک آزاد عورت سے نکاح کیا اور اس سے جماع بھی کر لیا اور پھر آقا کی اجازت کے بغیر کسی باندی سے بھی نکاح کر لیا اور اس کے بعد اس کے آقا نے اس کو دونوں سے نکاح کی اجازت دے دی تو اس صورت میں آزاد عورت کا نکاح صحیح اور باندی کا نکاح باطل ہوگا۔

اگر کسی شخص نے کسی دوسرے شخص کی باندی سے اس کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا لیکن اس کے ساتھ جماع نہیں کیا اور پھر کسی آزاد عورت سے بھی نکاح کر لیا اور اس کے بعد باندی کے مالک نے نکاح کی اجازت دے دی تو اس صورت میں بھی باندی کا نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ اور اگر کسی شخص نے ایک باندی سے اس کے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کیا اور پھر اس باندی کی لڑکی سے جو آزاد تھی، نکاح کر لیا اور اس کے بعد باندی کے مالک نے باندی کے نکاح کی اجازت دی تو لڑکی کا نکاح صحیح ہوگا۔ باندی کا نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

ایک شخص مثلاً زید کے ایک باندہ لڑکی اور ایک باندہ باندی ہے، زید نے کسی شخص سے کہا کہ میں نے دنوں کا نکاح اسٹے ہر کے عوض تمہارے ساتھ کر دیا، اس شخص نے باندی کا نکاح قبول کر لیا تو یہ نکاح باطل ہوگا اور اگر اس کے بعد اس شخص نے آزاد لڑکی کا نکاح قبول کر لیا تو یہ نکاح جائز ہو جائے گا۔

اور اگر کوئی شخص آزاد عورت سے نکاح کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود کسی باندی سے نکاح کر لے اور وہ باندی خواہ مسلمان ہو یا اہل کتاب (یعنی یہودی اور عیسائی) تو نکاح صحیح ہو جائے گا لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ آزاد عورت سے نکاح کرنے کی استطاعت و قدرت رکھنے کے باوجود باندی سے نکاح کرنا مکروہ ہے۔

اگر کسی شخص نے ایک ہی عقد میں چار باندیوں اور پانچ آزاد عورتوں کے ساتھ نکاح کیا تو صرف باندیوں کا نکاح صحیح ہوگا۔

چھٹا سبب — تعلق حق غیر: یعنی ان عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے جن کے ساتھ کسی دوسرے مرد کا حق متعلق ہو۔ چنانچہ جو عورت کسی کے نکاح میں ہو، یا کسی کی عدت میں ہو اور عدت خواہ طلاق کی ہو، یا موت کی، یا نکاح قاسد کی کہ جس میں جماع ہو گیا تھا اور یہ شبہ نکاح کی، تو ایسی عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں۔

اگر کسی شخص نے انجانے میں دوسرے کی منکوحہ عورت سے نکاح کر لیا اور اس کے ساتھ جماع بھی کر لیا تو اب جب کہ ان میں جدائی ہوگئی تو عورت پر عدت واجب ہوگی اور اگر وہ شخص جانتا تھا کہ یہ دوسرے کی بیوی ہے تو جدائی کے بعد اس عورت پر عدت واجب نہیں ہوگی اور اس کے خاوند کے لئے اس سے جماع کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اور اگر اس کا خاوند اسے طلاق دے دے تو صاحب عدت کے لئے زنا نہ عدت میں اس سے نکاح کرنا جائز ہوگا بشرطیکہ عدت کے علاوہ اور کوئی مانع موجود نہ ہو۔

جس عورت کو زنا کا حامل ہو اس سے نکاح کرنا جائز ہے لیکن جب تک ولادت نہ ہو جائے خاوند کو اس سے جماع کرنا ناجائز ہے اور

اسباب جماع (یعنی بوسہ اور مساس وغیرہ) بھی ناجائز ہیں۔ اور اگر اس حاملہ زنانے وہ شخص نکاح کرے جس نے اس کے ساتھ زنا کیا تھا تو اس کا نکاح بھی صحیح ہوگا اور وہ وضع حمل سے قبل جماع بھی کر سکتا ہے اور وہ عورت منتقد کی تفتی ہوگی۔

ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا، کچھ عرصہ بعد عورت کا حمل اسقاط ہو گیا جس کے اعضاء ظاہر ہو چکے تھے۔ اب اگر یہ اسقاط حمل، نکاح سے چار ماہ یا اس سے زائد عرصہ بعد ہوا ہے تو نکاح جائز ہوگا اور اگر چار مہینے سے کم عرصہ میں یہ اسقاط ہوا ہے۔ تو نکاح جائز نہیں ہوگا اس لئے کہ حمل کے اعضاء چار مہینے سے کم میں ظاہر نہیں ہوتے (حاصل یہ کہ اگر اسقاط نکاح سے چار ماہ یا اس سے زائد عرصہ کے بعد ہوا ہے اور حمل کے اعضاء ظاہر ہیں تو یہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ وہ حمل اسی شخص کا ہے جس نے نکاح کیا ہے اور اگر چار ماہ سے کم عرصہ میں اسقاط ہوا ہے اور حمل کے اعضاء ظاہر ہیں تو پھر یہ احتمال ہوگا کہ وہ عورت کسی دوسرے شخص کے نکاح میں تھی اور اس کا یہ حمل ہے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں نکاح صحیح نہیں ہوتا) اور ایسی حاملہ عورت جس کے بارہ میں یہ معلوم ہو کہ اس کا حمل ذلالت شخص کے جائز نطفہ سے ہے تو متفقہ طور پر یہ مسئلہ ہے کہ اس سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوتا۔ اور امام ابو یوسفؒ نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر کوئی ایسی عورت ہو جو حربی کافر سے حاملہ ہوئی ہو اور وہ ہجرت کر کے یا باندی بنا کر دارالاسلام میں لائی گئی ہو تو اس سے نکاح کرنا جائز ہے لیکن جب تک اس کے ہاں ولادت نہ ہو جائے اس سے جماع کرنا جائز نہیں ہوگا۔ امام غلامیؒ نے اسی قول پر اعتماد کیا ہے، لیکن حضرت امام محمدؒ نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا ایک یہ قول نقل کیا ہے کہ اس صورت میں نکاح جائز نہیں ہوتا، اسی پر امام کرغنیؒ نے اعتماد کیا ہے اور یہی قول زیادہ صحیح اور قابل اعتماد ہے۔

اگر کسی شخص نے اپنی اہم ولد باندی کا نکاح کسی کے ساتھ کر دیا رکھ لیا تو اسے حاملہ تھی تو یہ نکاح باطل ہوگا۔ ہاں اگر وہ حاملہ نہ ہو تو پھر نکاح صحیح ہوگا۔

ایک شخص نے اپنی باندی سے جماع کیا اور اس کے بعد کسی سے اس کا نکاح کر دیا تو نکاح جائز ہوگا لیکن آقا کے لئے یہ مستحب ہوگا کہ وہ اپنے نطفہ کی حفاظت کی خاطر اس باندی سے استبراء کرائے (یعنی ایک حیض آنے کے بعد اس کو خاوند سے جماع کرانے دے) اور جب یہ نکاح جائز ہو گیا تو خاوند کے لئے (استبراء کا انقضاء کے بغیر) اس سے جماع کرنا بھی جائز ہوگا۔ یہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول ہے اور حضرت امام محمدؒ کا یہ قول ہے کہ میں اسے پسند نہیں کرتا کہ اس کا خاوند اس کے استبراء کے بغیر اس سے جماع کر لے۔ فقیہ ابولیسؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں حضرت امام محمدؒ کا قول جتنی بر احتیاط ہے اور ہم اسی پر عمل کرتے ہیں لیکن اس مسئلہ میں ائمہ کا یہ اختلاف قول اس صورت میں ہے جب کہ آقا نے باندی کا نکاح استبراء کرانے بغیر کر دیا ہو، اور اگر نکاح سے پہلے استبراء ہو چکا تھا (یعنی آقا سے مجامعت کے بعد باندی کو ایک حیض آگیا تھا) تو اس صورت میں سب کا متفقہ قول یہی ہے کہ خاوند کو استبراء کے بغیر اس سے جماع کرنا جائز ہوگا۔

کسی شخص نے ایک عورت کو زنا کرتے دیکھا اور پھر بعد میں خود اس سے نکاح کر لیا تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کو استبراء سے پہلے بھی اس سے جماع کرنا جائز ہوگا لیکن حضرت امام محمدؒ کا اس صورت میں بھی یہی قول ہے کہ میں اسے پسند نہیں کرتا کہ اس کا خاوند اس سے استبراء کے بغیر جماع کر لے۔ اگر کوئی شخص اپنے لڑکے کی باندی سے نکاح کر لے تو حنفیہ کے نزدیک یہ نکاح جائز ہو جائے گا۔

اگر کسی عورت کو قید کر کے دارالحرب سے دارالاسلام لایا گیا اور اس کا شوہر ساتھ نہیں ہے تو اس پر عدت واجب نہ ہوگی اور اس سے کوئی بھی شخص نکاح کر سکتا ہے، اسی طرح اگر کوئی عورت مسلمان ہو کر دارالحرب سے ہجرت کر کے دارالاسلام آجائے تو امام ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق اس پر بھی عدت واجب نہیں ہوگی اور اس سے کوئی بھی شخص نکاح کر سکتا ہے لیکن صاحبین یعنی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس پر عدت واجب ہوگی۔ (جب تک اس کی عدت پوری نہ ہو جائے) اس سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا لیکن اس بارہ

میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس سے جماع کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہوگا جب تک کہ ایک حیض آجائے کی وجہ سے استبراء نہ ہو جائے۔

سماقواں سبب — اختلاف مذہب: یعنی وہ عورتیں جن کے مشرک ہونے کی وجہ سے ان سے نکاح کرنا حرام ہے، چنانچہ آتش پرست اور بت پرست عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں خواہ وہ آزاد ہوں یا باندی۔ اور بت پرستوں کے حکم میں وہ عورتیں بھی داخل ہیں جو سورج اور ستاروں کی پرستش کرتی ہیں، یا اپنی پسندیدہ تصویروں کی پوجا کرتی ہیں، یا یونانی حکماء کے نظریہ کے مطابق خدا کے بے کار (معطل) ہونے کا عقیدہ رکھتی ہیں، یا زندقہ (یعنی دہریت) میں مبتلا ہیں یا فرقہ باطنیہ اور فرقہ اباحیہ سے تعلق رکھتی ہیں (فرقہ باطنیہ سے وہ فرقہ مراد ہے جو قرآن کے باطنی معنی کا عقیدہ رکھتا ہے اور فرقہ اباحیہ سے وہ فرقہ مراد ہے جس کے ہاں دنیا کا ہر کام خواہ وہ اچھا ہو یا برا کرنا جائز ہے) اسی طرح ہر اس مذہب کو ماننے والی عورت بھی اہل حکم میں داخل ہے جس کو اختیار کرنا کفر کا باعث ہو، اسی طرح اپنی اس باندی سے جو آتش پرست مشرک ہو، جماع کرنا بھی ناجائز ہے۔

مسلمان کو کتابیہ (یعنی یہودی یا عیسائی) عورت سے جو دار الحرب میں رہتی ہو اور ذمیہ کافرو (یعنی مسلمانوں کے ملک میں خراج دے کر رہنے والی) عورت سے شادی کرنا جائز ہے خواہ وہ آزاد ہو یا باندی ہو لیکن اولیٰ یکنی ہے کہ ان سے بھی شادی نہ کی جائے اور نہ ان کا ذبح کیا ہو اور جانور بغیر ضرورت کے کھایا جائے۔ اگر کسی مسلمان نے کسی یہودی یا عیسائی عورت سے شادی کر لی تو اس کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ اپنی بیوی کو اس کے عبادت خانہ (یعنی گرجا گھر وغیرہ) نہ جانے دے اور نہ اسے اپنے گھر میں شراب پنانے دے لیکن مسلمان شوہر کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ وہ اپنی عیسائی یا یہودی بیوی کو حیض و نفاس کے منتقطع ہونے اور جنابت لاحق ہونے پر غسل کے لئے مجبور کرے۔

اگر کسی مسلمان نے دار الحرب میں کتابیہ عورت سے نکاح کر لیا تو اس کا نکاح جائز ہو جائے گا لیکن مکروہ ہوگا اور پھر اس نکاح کے بعد دونوں میاں بیوی دارالاسلام آجائیں تو دار الحرب میں کیا ہو دار الحرب باقی رہے گا۔ ہاں اگر یہ صورت ہو کہ شوہر دارالاسلام آجائے، بیوی کو وہاں چھوڑ آئے تو متاخرین دارین (ملک بدل جانے کی وجہ سے دونوں میں جدائی ہو جائے گی۔

جو لوگ کسی آسمانی مذہب کے پیروکار ہوں اور ان کے فرقہ کے لئے آسمانی کتاب بھی ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت شیث علیہ السلام کے صحیفے اور حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور وغیرہ، تو وہ لوگ اہل کتاب میں شمار ہوں گے اور ان کی عورتوں سے مسلمانوں کی شادی بھی جائز ہوگی اور ان کا ذبح کیا ہو جانور کھانا بھی حلال ہوگا۔ اگر کسی شخص کے والدین میں سے ایک تو کتابی یعنی یہودی یا عیسائی ہو اور دوسرا آتش پرست ہو تو وہ شخص اہل کتاب میں شمار کیا جائے گا۔

ایک مسلمان نے کسی کتابیہ عورت سے شادی کی اور پھر وہ عورت (اپنا مذہب تبدیل کر کے) آتش پرست ہو گئی تو وہ اپنے مسلمان شوہر کے لئے حرام ہو جائے گی اور دونوں کی شادی کا عہد قہراً پائے گی۔ اور اگر یہودی عورت سے شادی کی اور پھر وہ عیسائی ہو گئی، یا عیسائی عورت سے شادی کی اور شادی کے بعد وہ یہودی ہو گئی تو اس صورت میں نکاح باقی رہے گا۔ اس بارہ میں یہ اصول و ضابطہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ تبدیل مذہب کے وقت یہ دیکھا جائے گا کہ خاوند بیوی میں سے جس نے بھی اپنا مذہب چھوڑ کر کوئی دوسرا مذہب قبول کیا ہے وہ کوئی ایسا مذہب تو نہیں ہے کہ اگر وہ دونوں از سر نو شادی کریں تو اس مذہب کی وجہ سے ان کی شادی جائز نہ ہو سکے (مثلاً آتش پرستی ایسا مذہب ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی آتش پرست عورت سے شادی کرنا چاہے تو اس کے لئے یہ جائز نہیں ہوگا) چنانچہ اگر وہ مذہب ایسا ہوگا جس کے پیروکار اور مسلمان کے درمیان شادی بیاہ سرے سے جائز ہی نہیں ہوتا تو خاوند و بیوی میں سے جو بھی اپنا مذہب چھوڑ کر اس مذہب کو قبول کرے گا شادی کا عہد ہو جائے گی۔ اب رعایہ بات کہ اگر مسلمان خاوند اور یہودی یا عیسائی بیوی میں سے کوئی بھی مجوسیت (یعنی آتش پرستی) اختیار کر لے اور اس کی عورت سے ان دونوں کی شادی فاسد ہو جائے تو اس کے بعد کیا حکم ہوگا؟ تو اس بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر شادی کے فاسد ہونے کا سبب عورت بنی ہے یعنی بیوی نے مجوسیت اختیار کر لی ہے تو دونوں کے درمیان جدائی

ہو جائے گی اور اسے نہ مہر ملے گا اور نہ متعہ بشرطیکہ اس نے جماع سے پہلے اپنا تہب تبدیل کیا ہو، اور اگر اس نے اس وقت نجوسیت کو اختیار کیا جب کہ اس کا شوہر اس سے جماع کر چکا تھا تو پھر اس کو پورا مہر دیا جائے گا۔ اور اگر شادی کے فائدہ ہونے کا سبب مردنا ہے یعنی خاوند نے اپنا تہب چھوڑ کر نجوسیت کو اختیار کر لیا ہے اور خاوند بیوی میں جدائی ہو گئی ہے تو اسے عورت کو مقررہ مہر کا آدھا دینا ہوگا بشرطیکہ یہ صورت حال جماع سے پہلے ہی واقع ہو چکی ہو اور اگر مہر مقرر نہیں تھا تو حجب (ایک جوڑا کپڑا) دینا ہوگا اور اگر جماع کے بعد ایسا ہوا تو پھر اس عورت کو پورا مہر دینا واجب ہوگا۔

جو مسلمان مرتد ہو گیا ہو اس کا نکاح نہ تو کبھی مرتد سے جائز ہوتا ہے نہ کسی کافر سے اور نہ کسی مسلمان عورت سے، اسی طرح جو مسلمان عورت، مرتد ہو جائے اس کا نکاح بھی کسی کے ساتھ جائز نہیں ہوتا۔

کسی مسلمان عورت کی شادی نہ تو مشرک سے جائز ہوتی ہے اور نہ کتابی یعنی یہودی یا عیسائی سے۔ بت پرست و اثنس پرست عورت کی شادی ہر مشرک و کافر سے صحیح ہو جاتی ہے مگر مرتد کے ساتھ صحیح نہیں ہوتی۔ ذی کافروں کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ شادی کرنا جائز ہے اگرچہ ان کے مذہب مختلف ہوں۔

مسلمان کے لئے اپنی مسلمان بیوی کی موجودگی میں کتابیہ (یعنی یہودی یا عیسائی عورت) سے اور اپنی کتابیہ بیوی کی موجودگی میں مسلمان عورت سے عقد ثانی جائز ہے اور نوبت (یعنی شب گزاری کے لئے باری) مقرر کرنے کے سلسلہ میں دونوں کے حقوق برابر ہوں گے۔

آٹھواں سبب — مالک ہونا: یعنی وہ عورتیں جو مالک ہونے کی وجہ سے اپنے مملوک (غلام) کے لئے حرام ہیں چنانچہ کسی عورت کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے غلام سے نکاح کرے۔ اسی طرح اس کو اس غلام کے ساتھ بھی نکاح کرنا جائز نہیں ہے جو اس کے اور کسی دوسرے شخص کے درمیان مشترک ہو۔ اگر نکاح کے بعد خاوند بیوی میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کے کل یہ جزد کا، لک ہو جائے تو نکاح باطل ہو جائے گا۔

اگر کسی مرد نے اپنی لونڈی سے نکاح کر لیا، یا اس لونڈی سے نکاح کیا جس کا وہ جزوی مالک ہے تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ لیکن اس بارہ میں یہ بات ملحوظ رہے کہ ہمارے زمانہ میں لونڈی غلاموں کی خرید و فروخت کا بالکل رواج نہیں رہا اور نہ آج کے دور میں وہ شرائط و قیود پائی جاتی ہیں جن کی موجودگی میں لونڈی سے جماع جائز ہوتا ہے اسی لئے بعض علماء لکھتے ہیں کہ اگر کہیں لونڈی رکھنے کا کوئی رواج ہو تو (اس سے جماع نہ کرنا چاہئے بلکہ) اس لونڈی سے نکاح کر لینا چاہئے۔ تاکہ اگر واقعہ لونڈی نہ ہو بلکہ آزاد عورت ہو تو نکاح کی وجہ سے اس سے جماع کرنا جائز ہو جائے۔

اگر کسی آزاد مرد نے اپنی بیوی کو (جو کسی کی باندی ہو) شرط خیار کے ساتھ خرید لیا تو اس صورت میں اس کا نکاح باطل نہیں ہوگا۔ یہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کا قول ہے۔

ثوابع سبب — طلاق: یعنی وہ عورتیں جو طلاق سے حرام ہو جاتی ہیں چنانچہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو جو آزاد عورت ہو تین طلاق دے دیں تو اس کے بعد اس سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوتا ہاں اگر وہ عورت (اپنی عدت پوری کر کے) دوسرے کسی مرد سے نکاح کر لے اور دونوں میں جماعت ہو جائے اور پھر وہ مرد اس کو طلاق دے دے تو عدت گزرنے کے بعد پہلے شوہر کے لئے اس سے نکاح کرنا ناجائز ہو جاتا ہے اور اگر کسی شخص نے کسی باندی سے نکاح کیا اور پھر اسے دو طلاقیں دے دیں تو اس کے بعد اس سے بھی نکاح کرنا جائز نہیں ہوتا اور جس طرح اس سے نکاح کرنا جائز نہیں اسی طرح اس کو باندی بنا کر اس سے جماع کرنا بھی درست نہیں۔

ایک شخص نے کسی کی باندی سے نکاح کیا اور پھر دو طلاقیں دے دیں اس کے بعد اس کو خرید کر آزاد کر دیا اب اگر وہ اس سے نکاح کرنا چاہے تو وہ اس صورت میں جائز ہوگا کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے اور وہ مرد اس کے ساتھ جماع کرے اور پھر اس کو

طلاق دے دے اور جب عدت کے دن پورے ہو جائیں تو وہ شخص (یعنی پہلا شوہر) اس سے نکاح کر لے۔

متعلقہ ضروری مسائل

یہاں تک محرمات کا ذکر پورا ہو گیا، اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس باب سے متعلق چند ضروری مسائل نقل کر دیے جائیں۔
نکاح منع باطل ہے، اور جب کسی عورت سے اس طرح کا نکاح (یعنی حنفی جاکر نہیں ہوگا تو نہ اس سے جماع کرنا حلال ہوگا، نہ پر طلاق واقع ہوگی اور نہ اس پر ایلاء اور ظہار کے احکام نافذ ہوں گے، اسی طرح ان کے درمیان وراثت کا کوئی سلسلہ بھی قائم نہیں

نکاح حنفی کی صورت یہ ہے کہ کوئی مرد کسی ایسی عورت سے جو سوانح (یعنی کسی دوسرے کی زوجیت یا عدت وغیرہ) سے خالی ہو، یہ کہے کہ میں مال کی اتنی مقدار مثلاً ایک ہزار روپیہ کے عوض اتنی مدت مثلاً دس روز کے لئے قبیح یعنی فائدہ اٹھاؤں گا۔ یا یوں کہے کہ ”تم اسے روپیہ کے عوض دس روز یا چند روز تک اپنے نفس سے مجھے متبیح یعنی بہرہ مند کرو“ اور جس طرح نکاح منع ناجائز ہے اسی طرح نکاح موقت بھی ناجائز ہے اور نکاح موقت میں مدت قلیل ہو یا کثیر، متعین ہو یا غیر متعین، بہر صورت نکاح ناجائز ہوگا، ہاں اگر دونوں کسی ایسی مدت کا تعین کریں جو اتنی طویل ہو کہ اتنی مدت تک دونوں کا زندہ رہنا ممکن ہو مثلاً یہ کہیں کہ ہم نے ایک ہزار سال کے لئے نکاح کیا، تو اس صورت میں نکاح موقت کا حکم جاری نہیں ہوگا بلکہ نکاح صحیح ہو جائے گا اور وقت کی شرط باطل ہو جائے گی۔ جیسا کہ نکاح کا وقت وقوع قیامت یا خروج دجال یا نزول عیسیٰ تک کی مدت بیان کرنے کی صورت میں نکاح صحیح ہو جاتا ہے اور وقت کی شرط باطل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر نکاح کا وقت متعین نہیں کیا لیکن دل میں مدت متعین تھی یعنی نکاح کرنے والے کا یہ خیال تھا کہ اس کو ایک سال تک اپنے پاس رکھوں گا، پھر چھوڑ دوں گا تو اس صورت میں بھی نکاح صحیح ہو جاتا ہے اور اگر کسی شخص نے کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ ایک ماہ بعد طلاق دے دوں گا، تو نکاح صحیح ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے نکاح کے وقت عورت سے یہ شرط کی کہ میں دن میں تمہارے ساتھ رہا کروں گا رات میں نہیں تو یہ نکاح بھی صحیح ہو جائے گا۔

اگر مرد عورت دونوں احرام باندھے ہوئے ہوں تو ان کے لئے احرام کی حالت میں نکاح کرنا جائز ہے، اسی طرح اگر کوئی دلی احرام باندھے ہوئے ہو تو احرام کی حالت میں اس عورت کا نکاح کر سکتا ہے جس کا وہ دلی ہے۔

ایک عورت نے (قاضی کی عدالت میں) کسی مرد مثلاً زید کے بارہ میں دعویٰ کیا کہ اس نے میرے ساتھ نکاح کیا ہے اور ثبوت کے طور پر اس نے دو گواہ بھی پیش کر دیئے، قاضی نے فیصلہ کر دیا کہ زید اس عورت کا شوہر ہے حالانکہ واقعہ زید نے اس عورت سے نکاح نہیں کیا تھا تو اس عورت کے لئے جائز ہوگا کہ وہ زید کے ساتھ رہنے لگے اور زید کے لئے یہ جائز ہوگا کہ اگر وہ عورت اس سے جماع کی خواہش ظاہر کرے تو جماع کرے۔

یہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا قول ہے اور حضرت امام ابو یوسفؒ کا پہلا قول بھی یہی ہے لیکن ان کا دوسرا قول اس کے خلاف ہے اور حضرت امام محمدؒ کے قول کے مطابق ہے، امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ اس صورت میں مرد کے لئے اس عورت سے جماع کرنا جائز نہیں ہوگا۔ مسئلہ مذکورہ میں قاضی کا فیصلہ عقد نکاح کے حکم میں ہوگا (یعنی یہ سمجھا جائے گا کہ گواہ قاضی نے اس وقت نکاح کر دیا اس لئے عورت کو مرد کے ساتھ رہنے اور امام اعظمؒ کے قول کے مطابق اس کی خواہش پر زید کو اس سے جماع کرنے کی بھی اجازت ہے) لیکن شرط یہ ہے کہ اس وقت عورت میں نکاح کی صلاحیت ہو (یعنی ایسا کوئی مانع موجود نہ ہو جو اس کو زید کی بیوی بننے سے روک دے) چنانچہ اگر یہ صورت ہو کہ قاضی کے فیصلہ کے وقت وہ عورت کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہو یا پہلے شوہر کے طلاق دے دینے کی وجہ سے عدت کے دن گزار رہی ہو، یا اس مرد یعنی زید نے اس کو تنہا طلاق دے رکھی ہو تو پھر قاضی کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا اور یہ عورت زید کی بیوی نہیں بنے گی، اسی طرح اکثر علماء کے نزدیک قاضی کے فیصلہ کے نفاذ کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس فیصلہ کے وقت گواہ بھی موجود ہوں۔ اور اگر

خود زید کسی عورت کے بارہ میں دعویٰ کرے کہ میں نے اس عورت سے نکاح کیا تھا اور اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ پیش کرے تو اس کا بھی وہی حکم ہو گا جو اوپر ذکر کیا گیا اسی طرح اگر کوئی عورت قاضی کی عدالت میں یہ دعویٰ کرے کہ میرے شوہر زید نے مجھے طلاق دے دی تھی اور اس نے جھوٹے گواہ بھی پیش کئے تو قاضی طلاق کا فیصلہ صادر کر دے گا یا جو دیکھ وہ عورت جانتی ہے کہ میں نے جھوٹ بولا ہے ہذا قاضی کا یہ فیصلہ طلاق کے حکم میں ہو گا اور اس عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی اس کے بعد وہ عورت عدت کے دن گزار کر کسی دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے اور گواہ کے لئے بھی اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہو گا نیز وہ عورت نہ تو پہلے شوہر زید کے لئے حلال ہوگی یعنی اس سے نکاح نہیں کر سکتی اور نہ اس کے لئے کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنا جائز ہوگا، نیز وہ عورت اپنے پہلے خاوند یعنی زید کے لئے حرام ہو جائے گی لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں وہ عورت نہ تو پہلے شوہر زید کے لئے حلال ہوگی یعنی اس سے نکاح نہیں کر سکتی اور نہ اس کے لئے کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنا جائز ہوگا، حضرت امام محمدؒ کا یہ قول ہے کہ جب تک دوسرا مرد (جس سے اس نے نکاح کر لیا ہو) اس سے جماع نہ کرے پہلے شوہر کے لئے حلال رہے گی، اگر دوسرا مرد اس سے جماع کر لے گا، تو پھر جب تک اس کی عدت پوری نہ ہو جائے عدت واجب ہونے کی وجہ سے پہلے شوہر کے لئے حرام رہے گی، گویا امام محمدؒ کے نزدیک دوسرے کے ساتھ اس کا نکاح سرے سے جائز ہی نہیں ہوتا۔

ایک شخص مثلاً زید نے کسی عورت مثلاً خالدہ کے بارہ میں دعویٰ کیا کہ اس نے میرے ساتھ نکاح کیا تھا لیکن خالدہ نے اس سے انکار کیا اس کے بعد زید نے خالدہ سے صلح کر لی چاہی اور اس سے کہا کہ اگر تم اقرار کر لو تو میں تمہیں ایک سو روپے دوں گا۔ خالدہ نے اقرار کر لیا تو اب زید پر یہ مال یعنی خالدہ کو ایک سو روپے دینا واجب ہو گا اور خالدہ کا یہ اقرار عقد نکاح سمجھا جائے گا چنانچہ خالدہ نے یہ اقرار اگر گواہوں کے سامنے کیا ہو گا تو نکاح صحیح ہو جائے گا اور خالدہ کے لئے زید کے ساتھ رہنا عند اللہ بھی صحیح سمجھا جائے گا (یعنی اس صورت میں وہ دونوں نہ صرف دنیاوی اور قانونی طور پر میاں بیوی سمجھے جائیں بلکہ اس کی وجہ سے ان پر کوئی گناہ بھی نہیں ہوگا) ہاں اگر خالدہ کے اقرار کے وقت گواہ موجود نہ ہوں گے تو نہ نکاح منعقد ہو گا اور نہ خالدہ کے لئے زید کے ساتھ رہنا جائز ہوگا۔

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

پھوپھی اور بھتیجی یا خالہ اور بھانجی کو ایک وقت اپنے نکاح میں نہ رکھا جائے

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْتُمِعُ بَيْنَ الْمُزْنِ أَقْوَامٌ عَشِيَّتُهَا وَلَا بَيْنَ الْمُزْنِ أَقْوَامٌ خَالِيَتُهَا۔

(بخاری)

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”کسی عورت کو اس کی پھوپھی کے ساتھ اپنے نکاح میں نہ رکھا جائے اور نہ کسی عورت کو اس کی خالہ کے ساتھ اپنے نکاح میں رکھا جائے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”پھوپھی اور خالہ“ سے عمومیت مراد ہے یعنی خواہ حقیقی پھوپھی اور خالہ ہوں جیسے اس عورت کے باپ اور ماں کی بہن یا چھائی ہوں جیسے اس عورت کے دادا اور پردادا (یا اس سے اوپر کے درجہ) کی بہن اور نانی و پرنانی (یا اس سے اوپر کے درجہ) کی بہن۔ حدیث میں پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کی تخصیص محض اتفاقی ہے کہ کسی شخص نے ان دونوں ہی کے بارہ میں پوچھا ہو گا اس لئے آپ ﷺ نے صرف انہی دو کا تذکرہ فرمایا اور نہ ان دونوں کے علاوہ اور بھی کچھ عورتیں ایسی ہیں جن کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا حرام ہے گزشتہ صفحات میں اس کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہوگا۔

حرمت رضاعت کا ذکر

② وَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْتُمِعُ مِنَ الرِّضَاعَةِ مَا يَخْتُمِعُ مِنَ الْوِلَادَةِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”دودھ پینے کی وجہ سے دوشے حرام ہوتے ہیں جو پیدائش کی وجہ سے حرام ہیں۔“ (بخاری)

تشریح: یعنی جو رشتے، نسب کی وجہ سے ایک دوسرے کے لئے حرام ہیں وہی رشتے دودھ پینے کی وجہ سے بھی ایک دوسرے کے لئے حرام ہو جاتے ہیں مثلاً جس طرح نبیؐ یعنی ختی بہن اپنے بھائی کے لئے حرام ہے اسی طرح رضائی بہن بھی حرام ہے۔ ہاں کچھ مسائل ایسے ہیں جو اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں، چنانچہ بعض صورتوں میں نبیؐ رشتہ اور رضائی رشتہ کے درمیان فرق ہو جاتا ہے جس کی تفصیل پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگرچہ رضاعت سے نکاح حرام ہو جاتا ہے اور نظرو غلوٹ اور مسافرت حلال ہو جاتی ہے (یعنی مثلاً رضائی ماں بیٹے کے درمیان نکاح تو حرام ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے کی طرف نگاہ ڈالنا، اور ایک دوسرے کے ساتھ تنہائی میں انھن بیٹھنا اور ایک دوسرے کے ساتھ تنہا سفر کرنا جا کر ہو جاتا ہے لیکن رضائی رشتہ پر نبیؐ رشتہ کے تمام احکام نافذ نہیں ہوتے چنانچہ رضائی رشتہ میں نہ تو ایک دوسرے کا وارث ہوتا ہے، نہ ایک دوسرے پر نان نفقہ واجب ہوتا ہے، نہ ایک دوسرے کی ملکیت میں آجانے سے آزادی مل جاتی ہے اور اگر دودھ پلانے والی اپنا دودھ پینے والے کو قتل کر دے تو اس کے ذمہ سے اس کا قصاص بھی ساقط نہیں ہوتا چنانچہ ان تمام صورتوں میں وہ دونوں رضائی رشتہ دار بالکل اجنبیوں کی طرح ہوتے ہیں۔

(۳) وَعَنْهَا قَالَتْ جَاءَهُ عَمِّي مِنَ الرِّضَاعَةِ فَأَسْتَأْذَنَ عَلَيَّ فَأَبَيْتُ أَنْ أَذِنَ لَهُ حَتَّى أَسْأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَاءَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَنِي فَقَالَ إِنَّهُ عَمَلِي فَأَذِنْتُ لَهُ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّمَا أَرْضَعُنِي الْمَرْأَةَ وَلَمْ يَرْضَعْنِي الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ عَمَلِي فَأَبَيْتُ أَنْ أَذِنَ لَهُ وَذَلِكَ بَعْدَ مَا ضَرَبَ عَلَيْنَا الْحِجَابَ۔ (بخاری)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (ایک دن) میرے رضائی چچا میرے گھر آئے اور انہوں نے میرے پاس آنے کی اجازت مانگی، میں نے ان کو اجازت دینے سے انکار کر دیا تاکہ میں رسول کریم ﷺ سے پوچھ لوں کہ ان کا میرے پاس آنارست ہے یا نہیں؟ (چنانچہ جب رسول کریم ﷺ تشریف لائے تو میں نے آپ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”وہ تمہارے چچے ہیں، ان کو اپنے پاس آنے کی اجازت دے دو“ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ اے سن کر اس نے عرض کیا کہ ”مجھ کو تو عورت نے دودھ پلایا تھا کسی مرد نے تو دودھ نہیں پلایا تھا“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ تمہارے چچے ہیں اس لئے وہ تمہارے پاس آ سکتے ہیں“ (حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ) میرے رضائی چچا کی یہ آمد اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ ہمارے لئے (اجنبی مردوں سے) پردہ کرنا واجب ہو چکا تھا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت عائشہؓ کے جن رضائی چچا کا ذکر کیا گیا ہے ان کا نام اہل قح تھا اور حضرت عائشہؓ نے جس عورت کا دودھ پیا تھا اس کے خاوند ابوالقیس تھے وہ اہل قح بھائی تھے اس رشتہ سے وہ حضرت عائشہؓ کے رضائی چچا ہوئے۔

”مجھ کو تو عورت نے دودھ پلایا ہے اہل قح“ سے حضرت عائشہؓ کا مطلب یہ تھا کہ میں نے چونکہ عورت کا دودھ پیا ہے اس لئے میرا رضاعت کا تعلق تو عورت سے قائم ہوا ہے نہ کہ مرد سے، گویا حضرت عائشہؓ نے سمجھی تھیں کہ کسی عورت کا دودھ پلانا اس کے خاوند کے قریبیت داروں سے رضاعت کا تعلق قائم نہیں کرتا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے اس گمان کی تصحیح کی کہ کسی عورت کا دودھ پلانا جس طرح اس عورت سے اور اس کے قریبیت داروں سے رضاعت کا رشتہ قائم کر دیتا ہے اسی طرح رضائی ماں کی بہن رضائی خالہ اور اس کی بیٹی رضائی بہن ہوتی ہے

اسی طرح اس کے خاوند کا بھائی بھی رضائی چاہتا ہے اور رضائی چاہا تو حقیقی چچا کی مانند ہے اس لئے اہل تمہارے پاس شوق سے آئیں ان سے کوئی شرم و پردہ نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح دودھ پلانے والی کے قربت و اوروں کے ساتھ حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے اس طرح اس کے خاوند کے قربت و اوروں سے بھی حرمت رضاعت کا تعلق ہو جاتا ہے۔

رضائی بھتیجی سے نکاح کرنا حرام ہے

④ وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ قَالَ بَارَزَ سُلَيْمٌ اللَّهَ هَلْ لَكَ فِي بَيْتِ عَمَّتِكَ حَفْزَةٌ فَأَنَّهُمَا اجْتَمَعَا فَتَنَّا فِي فُرْشَةٍ فَقَالَ لَهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ حَفْزَةً أَجْنَبِي مِنَ الرِّضَاعَةِ وَأَنَّ اللَّهَ حَزَمَ مِنَ الرِّضَاعَةِ مَا حَزَمَ مِنَ النَّسَبِ (رواہ مسلم)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! آپ (ﷺ) کے چچا (حزہ) کی لڑکی آپ (ﷺ) کو اپنے نکاح کے لئے، کیوں پسند نہیں ہے؟ وہ تو قریش کی جوان عورتوں میں ایک حسین ترین لڑکی ہے؟ آنحضرت (ﷺ) نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حزہ میرے دودھ شریک بھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام قرار دیئے ہیں وہی رشتے رضاعت کی وجہ سے حرام قرار دیئے ہیں۔“ (مسلم)

تشریح: یوں تو حضرت حزہ ابوبلب کی طرح آنحضرت (ﷺ) کے حقیقی چچا تھے لیکن وہ آپ (ﷺ) کے دودھ شریک بھائی بھی تھے، جس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ ابوبلب کے ہاں ایک لونڈی تھی جس کا نام ثویہ تھا۔ ثویہ نے پہلے حضرت حزہ کو دودھ پلایا تھا اور پھر چار برس کے بعد آنحضرت (ﷺ) کو بھی دودھ پلایا یہ وہی ثویہ ہے جس نے جب ابوبلب کو آنحضرت (ﷺ) کے پیدا ہونے کی خوش خبری سنائی تو ابوبلب نے بھتیجی کی پیدائش کی خوشی میں اس کو آزاد کر دیا، بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرت (ﷺ) کی پیدائش پر ابوبلب نے اپنی اسی خوشی و مسرت کا جو اظہار کیا تھا اس کی وجہ سے پھر اسو موراء کے دن حق تعالیٰ کی طرف سے ابوبلب کے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے کیونکہ آنحضرت (ﷺ) پر ہی کے دن پیدا ہوئے تھے۔

آنحضرت (ﷺ) کو چار عورتوں نے دودھ پلایا تھا، آپ (ﷺ) کی والدہ محترمہ نے، حضرت حلیمہؓ نے، ثویہ نے اور اہم ایمن نے جو آپ کے والد محترم حضرت عبداللہ کی لونڈی تھیں۔

رضاعت کی مقدار

⑤ وَعَنْ أُمِّ الْفَضْلِ فَانَّهُ إِنْ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَحْزِمِ الرِّضْعَةَ أَوْ الرِّضْعَتَيْنِ وَفِي رِوَايَةٍ عَائِشَةُ قَالَ لَا تَحْزِمِ الرِّضْعَةَ وَالْمَضْنَيْنِ وَفِي أُخْرَى لَا تَحْزِمِ الرِّضْعَةَ وَالْمَضْنَيْنِ وَلَا مَخْلُجَتَيْنِ هَذِهِ رِوَايَاتٌ لِمُسْلِمٍ۔

”اور حضرت اُم الفضل کہتی ہیں کہ نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا ”ایک بار یا دو بار دودھ پنا حرام نہیں کرتا“ (یعنی ایک بار یا دو بار جو سے سے نکاح کے لئے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی) اور حضرت عائشہؓ کی روایت میں یوں ہے کہ آپ (ﷺ) نے فرمایا ”ایک بار یا دو بار جو سے نکاح کو حرام نہیں کرتا“ اور اُم الفضل کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ (ﷺ) نے فرمایا ”ایک بار یا دو بار (منہ میں) چھائی داخل کر لینا (نکاح کو) حرام نہیں کرتا“ (یہ سب روایتیں مسلم نے نقل کی ہیں)۔“

تشریح: بظاہر ان روایتوں سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ایک بار یا دو بار دودھ جو سے سے نکاح حرام نہیں ہوتا ہاں تین بار یا اس سے زائد مرتبہ دودھ جو سے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے، چنانچہ بعض علماء نے اسی پر عمل کرنے کا فتویٰ دیا ہے، لیکن حنفیہ اور اکثر علماء کے نزدیک مسک یہ ہے کہ مطلق دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے خواہ وہ مقدار کے اعتبار سے کم ہو یا زیادہ ہو بشرطیکہ

دودھ بچہ کے حلق سے نیچے اتر کر پیٹ میں پہنچ جائے اور وہ دودھ بھی مدت رضاعت (شیر خورگی کی مدت) میں پیا گیا ہو۔ اور مدت رضاعت اکثر علماء بشمول صاحبین یعنی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک دو سال کی عمر تک ہے جب کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ مدت رضاعت ڈھائی سال کی عمر تک ہے لیکن حنفی مسلک میں صاحبینؒ ہی کے قول پر فتویٰ ہے۔ جو علماء یہ کہتے ہیں کہ مطلق دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے ان کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

وَأَمَّا فَرْكُكُمْ اللَّائِقُ أَزْضَعْتُمْ (النساء: ۳۳)

”اور تم پر جہادی رضائی نہیں حرام ہیں۔“

اس روایت میں مطلق دودھ پینے کی حرمت رضاعت کا ذکر ہے کم و زیادہ کی کوئی قید نہیں لہذا خبر واحد کو چونکہ یہ درجہ حاصل نہیں ہوگا کہ وہ قرآن کریم کے کسی مطلق حکم کو مقید کرے اس لئے ذکر وہ روایت اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی کہ حرمت رضاعت اسی صورت میں ثابت ہوتی ہے جب کہ بچہ نے تین بار یا تین بار سے زائد دودھ چوسا ہو، نیز ان حضرات کی ایک دلیل حضرت عائشہؓ کی وہ روایت ہے (۲) بھی ہے جس میں مطلق دودھ پینے سے حرمت ثابت ہو جانے کو ان الفاظ کے ذریعہ بیان کیا گیا ہے۔

يُخْرُجُ مِنَ الرِّضَاعَةِ مَا يَخْرُجُ مِنَ الْوَلَدِ ذِي

”دودھ پینے سے دہر شے حرام ہو جاتی ہے جو پیدا کس کی وجہ سے حرام ہیں۔“

حرمت رضاعت کے سلسلہ میں حضرت امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی بچہ پانچ بار سے کم دودھ پئے تو حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی، ان کی دلیل آگے آنے والی حدیث ہے۔

① وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا رَأَتْ بَنِيَّ الْقُرْآنِ عَشْرَ رَضَاعَاتٍ يَخْرُجُ مِنْ قَمِيْسَتِي خَمْسَ مَغْلُوظَاتٍ فَتَوَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجْهِي فَيَمْنُ يَقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ (رواد مسلم)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ قرآن کریم میں یہ حکم نازل ہوا تھا کہ ”دس بار دودھ پینا جب کہ اس کے پینے کا کمال یقین ہو (کالح کو) حرام کرتا ہے“ پھر یہ حکم پانچ بار پینے کے ساتھ کہ جس کے پینے کا کمال یقین ہو، منسوخ ہو گیا (یعنی جب بعد میں یہ حکم نازل ہوا کہ پانچ بار دودھ پینا کہ اس کے پینے کا کمال یقین ہو، حرمت رضاعت ثابت کرتا ہے تو پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔ اس کے بعد رسول کریم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور یہ آیت قرآن کریم میں تلاوت کی جاتی رہی۔“ (مسلم)

تشریح: پہلے یہی حکم تھا کہ اگر کوئی بچہ کسی عورت کا دس بار دودھ پی لے تو ان دونوں کے درمیان حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے، بعد میں نہ صرف یہ کہ یہ حکم ہی منسوخ ہو گیا بلکہ اس آیت کی تلاوت بھی منسوخ ہو گئی جس میں یہ حکم تھا اور یہ آیت نازل ہوئی کہ پانچ بار دودھ پینا کالح کو حرام کرتا ہے اور پھر اس آیت کی تلاوت بھی تمام صحابہؓ کے نزدیک تو منسوخ ہو گئی لیکن حضرت عائشہؓ کی قرأت میں اس کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی یہاں تک کہ اب حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا حکم توراتی ہے کہ حرمت رضاعت پانچ بار دودھ پینے ہی سے ثابت ہوتی ہے اور اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی ہے لیکن حضرت امام اہل علمؒ اور دیگر علماء کے نزدیک اس آیت کی تلاوت بھی منسوخ ہو گئی اور اس کا حکم بھی اس مطلق آیت وَأَمَّا فَرْكُكُمْ اللَّائِقُ أَزْضَعْتُمْ کے ذریعہ منسوخ ہو گیا۔

مدت رضاعت کے بعد دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی

② وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا رَجُلٌ فَكَانَتْ تَكْرَهُ ذَلِكَ فَقَالَتْ اللَّهُ أَحَقُّ فَتَأْتِي النَّظَرُ مِنْ إِخْوَانِكُمْ فَإِنَّمَا الرِّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ (مسلم علیہ)

”اور ائمہ المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو اس وقت ان کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا (اسے دیکھ کر) آنحضرت ﷺ کو گویا ناگواری ہوئی۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے (آپ ﷺ) کی اس ناگواری کو محسوس کر کے عرض کیا کہ ”یہ میرے دودھ شریک بھائی ہیں“ آپ نے فرمایا کہ دیکھا (یعنی یہ غور کرو اور سوچو) کہ تمہارا بھائی کون ہو سکتا ہے، کیونکہ شرعی طور پر رضاعت کا اعتبار بھوک کے وقت ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ دودھ پینے کے احکام کی صورت میں جاری ہوتے ہیں جب کہ دودھ بطور غذا پیا گیا ہو اور اس سے بھوک دور کی گئی ہو۔ چنانچہ یہ بات خورد و سالی یعنی ایام شیر خوارگی ہی میں ہوتی ہے۔ اور شیر خوارگی کی مدت اکثر علماء کے نزدیک دو سال اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق دھائی سال کی عمر تک رہتی ہے اس مدت میں بچہ کی غذائی ضرورت و خواہش کا دار و مدار عورت کے دودھ پر ہوتا ہے، جب تک وہ دودھ نہیں پیتا اس کی بھوک ختم نہیں ہوتی، لہذا حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ بڑی عمر میں یعنی مدت رضاعت ختم ہو جانے کے بعد کسی عورت کا دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی اور وہ شخص جو اس وقت حضرت عائشہؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور بے حضرت عائشہؓ نے اپنا دودھ شریک بھائی کہا تھا اس نے دراصل بڑی عمر میں دودھ پیا تھا اور چونکہ بڑی عمر میں دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی اس لئے آنحضرت ﷺ کو ان کا حضرت عائشہؓ کے پاس بیٹھنا ناگوار ہوا۔

ثبوت رضاعت کے سلسلہ میں ایک عورت کی گواہی معتبر ہے یا نہیں؟

⑧ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ أَنَّ تَرْوَجَ ابْنَةَ أَبِي إِيَّادٍ بِنْتِ عَزْرَةَ ابْنِ عَزْرَةَ قَالَتْ قَدْ أَوْضَعْتُ عُقْبَةَ وَابْنِي تَرْوَجَ بِهَا فَقَالَ لَهَا عُقْبَةُ مَا عَلِمْتُ أَنَّكَ قَدْ أَرْضَعْتَنِي وَلَا أَخْبَرْتَنِي فَأَرْسَلَ إِلَى أَبِي إِيَّادٍ فَسَأَلَهُمْ فَقَالُوا مَا عَلِمْنَا أَوْضَعْتَ صَاحِبَتَنَا فَرَكِبَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعِدَّةِ فَسَأَلَهُ فَقَالَ زَوْجُكَ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ وَقَدْ قِيلَ فَقَارَ قَهَا عُقْبَةُ وَتَكَتَحَتْ زَوْجًا غَيْرَهُ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت عقبہ ابن حارثؓ کے بارہ میں متحول ہے کہ انہوں نے ابوالہب ابن عزیٰ کی بیٹی سے نکاح کیا تو ایک عورت نے آکر کہا کہ میں نے عقبہ کو اور ابوالہب کی بیٹی کو جس سے عقبہؓ نے شادی کی ہے دودھ پلایا ہے (لہذا عقبہ اور ابوالہب کی بیٹی چونکہ دودھ شریک بھائی بنیں ہوئے اس لئے ان کا نکاح باطل ہوا) عقبہؓ نے اس عورت سے کہا کہ مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ تم نے مجھے دودھ پلایا ہے اور نہ تم نے مجھے (اس سے پہلے) اس بارہ میں بتایا، پھر عقبہؓ نے ایک آدمی کو ابوالہب کے خاندان والوں کے پاس یہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا کہ کیا اس عورت نے تمہاری بیٹی کو دودھ پلایا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ اس عورت نے ہماری لڑکی کو دودھ پلایا ہو۔ اس کے بعد عقبہؓ سوار ہو کر مدینہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس گئے اور آپ ﷺ سے اپنے نکاح کے بارہ میں پوچھا کہ (یہ صورت پیدا ہو گئی ہے) آیا میرا نکاح باطل ہو گیا ہے یا باقی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تم اس لڑکی کو کس طرح اپنے نکاح میں رکھ سکتے ہو جب کہ یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ وہ تمہاری دودھ شریک بنی ہے“ چنانچہ عقبہؓ نے اس لڑکی کو علیحدہ کر دیا اور اس لڑکی نے ایک دوسرے شخص سے نکاح کر لیا۔“ (بخاری)

تشریح: حضرت امام احمدؒ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ ثبوت رضاعت کے سلسلہ میں ایک عورت کی گواہی قبول ہوتی ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور اکثر علماء کے نزدیک چونکہ دودھ پلانے کا ثبوت دوسری ایک مرد اور دو عورت جو عادل ہوں، کی گواہی سے ہوتا ہے اس لئے یہ حضرات اس حدیث کے بارہ میں یہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا تعلق محض تقویٰ اور احتیاط سے ہے کہ آپ ﷺ نے احتیاطیہ مناسب نہیں سمجھا کہ عقبہؓ اس لڑکی کو اپنے نکاح میں رکھیں۔

دار الحرب سے قید کر کے لائی جانے والی عورت کا حکم

⑨ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ زَوْجَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حَنْزِيٍّ بَعَثَ جَيْشًا إِلَى أَوْطَاسٍ فَلَقُوا غَدُوًّا

فَقَاتِلْهُمْ فَبَطَلُوا عَنْهُمْ وَأَصْلَحُوا لَكُمْ سُبُلًا فَكَانَ تَامًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَخَرَّجُوا مِنْ عَشَائِهِمْ مِنْ اخْلُ أَرْوَاهُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى فِي ذَلِكَ وَالْمُحْصَنَاتِ مِنَ النَّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ أَيْ فُهِمَ لَكُمْ حِلَالٌ إِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُهُنَّ زَوَّاهُ مُسْلِمٌ۔

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے غزوہ حنین کے دن ایک لشکر کو ادھاس کی جانب روانہ کیا جو طائف کے قریب واقع ہے (چنانچہ وہ لشکر دشمنوں سے نیرو آزما ہوا اور جنگ کے بعد ان پر فتح یاب ہوا اور بہت سارے قیدی ان کے ہاتھ لگے جن میں عورتیں بھی تھیں اور وہ عورتیں بطور لونڈی یا عیدین کی ملکیت میں آئیں) لیکن رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ میں سے بعض حضرات نے گویا ان لونڈیوں سے باہر وجہ جماع کرنے سے پرہیز کیا کہ وہ خاوند والی تھیں اور ان کے خاوند مشرک تھے چنانچہ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَالْمُحْصَنَاتِ مِنَ النَّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ اور حرام کی گئی ہیں تم پر وہ عورتیں جو خاوند والی ہیں مگر وہ عورتیں تم پر حرام نہیں ہیں جو تمہاری ملکیت میں آئیں ہوں۔ یعنی (وہ عورتیں جنہیں تم جنگ کے بعد دارالحرب سے بطور باندی پکڑ لائے ہو اور ان کے شوہر دارالحرب میں رہ گئے ہیں) وہ عورتیں عدت گزر جانے کے بعد تمہارے لئے حلال ہیں۔“ (مسلم)

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ جو عورت کسی مرد کے نکاح میں ہو کسی دوسرے مرد کو تو اس سے نکاح کرنا درست ہے اور نہ اسے اپنے تصرف میں لانا جائز ہے ہاں کافروں کی وہ بیویاں جنہیں جنگ و جدل کے بعد دارالحرب سے پکڑ کر لایا جائے اور ان کے خاوند دارالحرب میں رہ گئے ہوں تو ان عورتوں کو ان کی عدت گزر جانے کے بعد اپنے تصرف میں لانا جائز ہے اور یہاں عدت سے مراد ”استبراء“ ہے یعنی اگر وہ عورت حامد ہو تو جب اس کے ہاں ولادت ہو جائے اور اگر اسے حیض آتا ہو تو جب اسے ایک حیض آجائے اور اگر اسے حیض نہ آتا ہو تو چھرب ایک مہینہ گزر جائے تب اس سے جماع کرنا جائز ہو جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں طہیٰ نے یہ کہا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کریمہ کے پیش نظر یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ جب کوئی خاوند والی لونڈی فروخت کی جاتی ہے تو اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور جو شخص اسے خریدتا ہے اس کے لئے استبراء کے بعد اس سے جماع کرنا جائز ہو جاتا ہے۔ گویا ابن عباسؓ نے اس آیت کے حکم کو عمومیت پر محمول کیا ہے جب کہ اور تمام علماء کا یہ متفقہ مسلک ہے کہ اس کا نکاح نہیں ٹوٹتا ان کے نزدیک یہ آیت ہر خاوند والی لونڈی کے بارہ میں نازل نہیں ہوئی ہے بلکہ یہ صرف ان لونڈیوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو دارالحرب سے پکڑ کر لائی گئی ہوں۔

الفصل الثانی

وہ عورتیں جنہیں بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا ممنوع ہے

(۱۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ تُنْكَحَ الْمَرْأَةُ عَلَى عَشِيهَا أَوْ النِّعَةِ عَلَى بَنَتِ أَخِيهَا وَالْمَرْأَةُ عَلَى خَالَتِهَا أَوْ الْخَالََةَ عَلَى بَنَتِ أَخِيهَا لَا تُنْكَحُ الصُّغْرَى عَلَى الْكُبْرَى وَلَا الْكُبْرَى عَلَى الصُّغْرَى رَوَاهُ الْقِزْلَبِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ إِلَى قَوْلِهِ بِبَنَتِ أَخِيهَا۔

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کسی عورت سے اس کی چھوٹی بیٹی کی موجودگی میں یا کسی عورت سے اس کی بیٹی کی موجودگی میں نکاح کیا جائے اور اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ کسی عورت سے اس کی خالہ کی موجودگی میں یا کسی عورت سے اس کی خالہ کی موجودگی میں نکاح کیا جائے نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ بڑے رشتہ والی کی موجودگی میں چھوٹے رشتہ والے سے اور چھوٹی رشتہ والی کی موجودگی میں بڑی رشتہ والی سے نکاح کیا جائے۔ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی، نسائی) اور نسائی نے اس روایت کو مست احثھا

نک نقل کیا ہے۔

تشریح: حدیث کا دوسرا جز یعنی لا تنکح الصغریٰ علی الکبریٰ الخ دراصل حدیث کے پہلے جزء یعنی ان تکح المرأة علی عمتها الخ کے حکم کی تاکید کے طور پر ہے چنانچہ بڑے رشتہ والی سے پھونگی اور خالہ مراد ہیں اور چھوٹے رشتہ والی سے بھینجی اور بھانجی مراد ہیں۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر پہلے سے خالہ اپنے نکاح میں ہو تو اس کی موجودگی میں اس کی بھانجی سے یا پہلے سے بھانجی نکاح میں ہو تو اس کی موجودگی میں اس کی خالہ سے یا اس کی طرح پہلے سے پھونگی نکاح میں ہو تو اس کی موجودگی میں اس کی بھینجی سے یا پہلے سے بھینجی نکاح میں ہو تو اس کی موجودگی میں اس کی پھونگی سے نکاح کرنا ناجائز ہے ہاں ان میں سے کسی ایک کو طلاق دینے اور اس کے مدت کے دن گزر جانے کے بعد دوسری سے نکاح کیا جاسکتا ہے یا ان میں سے کسی ایک کے مرنے کے بعد دوسری سے نکاح کرنا درست ہے۔

باپ کی بیوی سے نکاح کرنا حرام ہے

⑪ وَعَنِ الزَّوَّائِرِ عَنِ عَارِبٍ قَالَ مَرْثِيْنُ خَالِي أَبُو زُوْدَةَ بْنِ بِيَارٍ وَمَعَهُ لَوَاءٌ فَقُلْتُ أَنْ تَذْهَبَ فَقَالَ نَعْسِي الشَّيْءُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى زُجَلٍ تَزُوِّجُ إِهْرَاقَهُ أَنْبَهَ بِرَأْسِهِ زَوْاهُ التَّزْمِدِيُّ وَأَبُو ذُوْدَ وَلِيْنِ رَوَانَةُ لَهُ وَلِلشَّاسِيْنَ وَالْبِ حَاجَةٌ وَالذَّارِبِيْنَ فَأَخْبَرْنِي أَنَّ أَحْسَبَ عَقِيْدَةً وَأَخْذَ مَالَهُ وَفِيْ هَذِهِ الزَّوَانَةِ قَالَ عَمِيْ بَنُوْ خَالِي۔

”اور حضرت براء ابن عازب کہتے ہیں کہ (ایک دن) میرے ماموں حضرت ابو زودہ ابن بیار میرے پاس سے اس حال میں گزرے کہ ان کے ہاتھ میں ایک نشان تھا، میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ایک شخص نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے رسول کریم ﷺ نے مجھے اس شخص کے پاس بھیجا ہے تاکہ میں اس کا سرکٹ کر آپ کی خدمت میں لے آؤں۔ (ترمذی، ابو داؤد) اور ابو داؤد کی ایک اور روایت میں نیز نسائی، ابن ماجہ اور دارمی کی روایت میں یوں ہے کہ (ابو زودہ) نے کہا کہ (آنحضرت ﷺ) نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کی گردن مار دوں اور اس کا مال و اسباب لے آؤں۔ اور اس روایت میں ”میرے، ماموں“ کی جگہ ”میرے چچا“ کے الفاظ ہیں۔ (لہذا یہ بات مختلف نہ ہوگی کہ حضرت بروہ ابن زیاد، حضرت براء ابن عازب کے ماموں تھے یا چچا تھے؟“

تشریح: آنحضرت ﷺ نے ابو زودہ کو اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرنے والے کی گردن مارنے کے لئے بھیجا تو ان کے ہاتھ میں بطور نشان ایک جھنڈا دے دیا تھا تاکہ لوگ اس علامتی جھنڈے کو دیکھ کر جان لیں کہ یہ شخص مذکورہ بالا خدمت کی انجام دہی کے لئے دربار رسالت کا فرستادہ ہے۔

طبی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ابو زودہ کو جس شخص کی گردن مارنے کا حکم دیا تھا اس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر کے شریعت اسلام کے ایک ظاہری حکم کی محض خلاف ورزی ہی نہیں کی تھی بلکہ اس کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ باپ کی بیوی کے ساتھ نکاح کرنا حلال ہے جیسا کہ اہل جاہلیت یعنی کفار ایسا عقیدہ رکھتے تھے لہذا اسلامی شریعت کا یہ فیصلہ ہے کہ جو شخص کسی حرام چیز کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھے وہ کافر ہو جاتا ہے اور ایسے شخص کو قتل کر دینا اور اس کا مال و اسباب ضبط کر لینا جائز ہے۔

مدت رضاعت گزرنے کے بعد دودھ پینا حرمت کو ثابت نہیں کرتا

⑫ وَعَنِ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحْتَزُّ مِنَ الرِّضَاعِ إِلَّا مَا فَتَّقَ الْأَمْعَاءُ فِي الْبُذَى وَكَانَ قَبْلَ الْبَطْنِ۔ رواه، ترمذی

”اور حضرت ام سلمہ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”وہ دودھ پینا حرمت رضاعت کو ثابت کرتا ہے جو چھاتی سے پینے کی وجہ سے

کے اس حق سے میں سبکدوش ہو جاؤں جو اس کا دودھ پینے کی وجہ سے مجھ پر ہے! آنحضرت ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اگر تم اس عورت کو کہ جس نے تمہیں دودھ پلایا ہے کوئی غلام یا لونڈی دے دو تو اس کے دودھ پلانے کا حق ادا ہو جائے گا۔ گویا حاصل یہ ہوا کہ دودھ پلانے والی چونکہ ایک بڑی خدمت انجام دیتی ہے اس لئے اس کو بھی کوئی غلام دے دیتا چاہے تاکہ وہ خادم اس کی خدمت کرے اور اس طرح ”خدمت“ کا بدلہ ”خدمت“ ہو جائے۔

آنحضرت ﷺ کی طرف سے دایہ حلیمہؓ کی تعظیم و تکریم

(۱۳) وَعَنْ أَبِي الطُّغَيْلِ الْغَنَوِيِّ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَلْبُ امْرَأَةٍ فَيَسُطُّ الشَّيْءُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَاءُ هُ حَتَّى قَعَدَتْ عَلَيْهِ فَلَمَّا ذُهِبَتْ قِيلَ هَذِهِ أَرْضُ عَتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواه ابو داؤد)

”اور حضرت ابو طغیل غنویؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں نبی کریم ﷺ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک خاتون (یعنی دایہ حلیمہؓ) آئیں آنحضرت ﷺ نے (ان کی تعظیم و تکریم اور ان کی خوشی کے لئے) اپنی مبارک چادر بچھا دی اور وہ اس پر بیٹھ گئیں پھر جب وہ (بہیں) اٹھیں گئیں تو ان لوگوں کو جو آپ ﷺ کی اس تعظیم و تکریم کی وجہ سے اور آپ ﷺ کی مبارک چادر پر ان خاتون کے بیٹھ جانے سے حیران و حجب تھے بتایا گیا کہ یہ وہ خاتون ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کو دودھ پلایا ہے۔“ (ابوداؤد)

چار سے زیادہ نکاح کی ممانعت

(۱۵) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَسْلَمَ وَلَهُ عَشْرُ نِسْوَةٍ فِي الْخِزْيَانَةِ وَأَسْلَمَتْ مَعَهُ فَفَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْسِكْ أَرْبَعًا وَفَارِقْ سَائِرَهُنَّ. (رواه احمد و الترمذی و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب عثمان ابن مسعودؓ کو تین مسلمان ہوئے تو ان کے دس بیویاں تھیں جن سے انہوں نے ایام جاہلیت میں شادیوں کی تھیں چنانچہ ان کے ساتھ ان کا وہ دس بیویاں بھی مسلمان ہو گئیں پھر رسول کریم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ ان میں سے چار عورتوں کو (اپنے نکاح میں) رکھو اور باقی کو علیحدہ کر دو۔“ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفر کی حالت میں جو شادی کی جاتی ہے وہ معتبر ہوتی ہے، چنانچہ اگر کافر میاں بیوی اسلام لے آئیں تو انہیں تجدید نکاح کا حکم نہیں دیا جائے گا بشرطیکہ ان کے نکاح میں ایسے رشتوں والی عورتیں نہ ہوں جنہیں بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا شریعت اسلامی نے منوع قرار دیا ہے۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چار سے زیادہ عورتوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے۔

(۱۶) وَعَنْ زَوْفِلِ بْنِ مَعَاوِنَةَ قَالَ أَسْلَمْتُ وَتَخَنِي خُمْسُ نِسْوَةٍ فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ فَارِقْ وَاجِدَةً وَأَمْسِكْ أَرْبَعًا فَعَمِدْتُ إِلَى أَقْدَحِيهِمْ طُغَيْلَةَ عِنْدِي عِنْدَ مِثْنَيْنِ مَسْنَةً فَقَارِقْتُهَا. (رواہ لی شرح السنہ)

”اور حضرت زوفل ابن معاویہؓ کہتے ہیں کہ جب میں مسلمان ہوا تو میرے نکاح میں پانچ عورتیں تھیں چنانچہ میں نے (اس بارہ میں) رسول کریم ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”ایک کو علیحدہ کر دو اور چار کو باقی رکھو“ آپ ﷺ کا یہ حکم سن کر میں نے اپنی سب سے پہلی بیوی کو علیحدہ کر دیا جو باغی تھی اور ساٹھ سال سے میرے ساتھ تھی۔“ (شرح السنہ)

دو بیویوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنے کی ممانعت

(۱۷) وَعَنْ الصَّخَالِيِّ بْنِ فَيْرُوزٍ الَّذِي لَبِيَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَسْلَمْتُ وَتَخَنِي اخْتَانٌ قَالَ اخْتَرِ ابْنَتَهُمَا شَيْئًا. (رواه الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت خضاک ابن فیروز طبعی اپنے والد (حضرت فیروز) سے قتل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں مسلمان ہو گیا ہوں اور میرے نکاح میں دو بیٹیاں ہیں (اس بارہ میں کیا حکم ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا ”ان دونوں میں جس ایک کو چاہو رکھ لو۔“ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: منظر کہتے ہیں کہ حضرت امام شافعی، حضرت امام مالک، کاسلک تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس حال میں اسلام قبول کرے کہ اس کے نکاح میں دو بیٹیاں ہوں اور وہ دونوں بھی اس کے ساتھ اسلام قبول کر لیں تو اس کے لئے جائز ہو گا کہ وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو اپنے نکاح میں برقرار رکھے خواہ وہ پہلی منکوحہ ہو یا دوسری منکوحہ ہو لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر اس شخص نے ان دونوں میں سے ایک ساتھ عقد کیا تھا تو اس صورت میں اس کے لئے ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی اپنے نکاح میں برقرار رکھنا جائز نہیں ہو گا بلکہ اگر اس نے ان دونوں سے آگے پیچھے عقد کیا تھا تو ان میں سے ایک اس کو اپنے نکاح میں رکھنا جائز ہو گا، جس سے اس نے پہلا نکاح کیا تھا، جس سے بعد میں نکاح کیا تھا اس کو کسی صورت میں بھی اپنے نکاح میں برقرار رکھنا جائز نہیں ہو گا۔

کافر میاں بیوی میں سے کوئی ایک اسلام قبول کر لے تو ان دونوں کا نکاح باقی رہتا ہے یا نہیں؟

(۱۸) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اسْتَلَمْتُ امْرَأَةً فَتَزَوَّجْتُ فِجَاءً زَوْجَهَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي قَدْ اسْتَلَمْتُ وَعَلِمْتُ بِاسْلَامِهَا فَانْتَزَعَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ زَوْجِهَا الْأَخِيرِ وَرَدَّهَا إِلَى زَوْجِهَا الْأَوَّلِ وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهُ قَالَ إِنَّمَا اسْتَلَمْتُ مَعِيَ فَرَدَّهَا عَلَيْهِ زَوْاهُ أَبُو دَاوُدَ وَزَوَّى فِي شَرْحِ الشُّنَّةِ أَنَّ جَمَاعَةً مِنَ النِّسَاءِ رَدَّهِنَّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنِّكَاحِ الْأَوَّلِ عَلَى أَزْوَاجِهِمْ عِنْدَ اجْتِمَاعِ الْإِسْلَامِيِّينَ بَعْدَ اخْتِلَافِ الَّذِينَ وَالِدَارٍ مِنْهُمْ بَنَتْ الْوَلِيدُ بَنٍ مُفِيزَةً كَانَتْ تَحْتَ صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ فَاسْتَلَمْتُ يَوْمَ الْفَتْحِ وَهَرَبَ زَوْجُهَا مِنَ الْإِسْلَامِ فَبَعَثَ إِلَيْهِ ابْنُ عَمِّهِ وَهَبُ بْنُ عُمَيْرٍ بِوَدَاعٍ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا ابْنُ لُصْفَوَانَ فَلَمَّا قَدِمَ جَعَلَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْبِيحًا أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ حَتَّى اسْتَلِمَ فَاسْتَقْرَزَتْ عَنْهُ وَاسْتَلَمْتُ أُمَّ حَكِيمٍ بَنَتْ الْخَارِثُ بْنُ هِشَامٍ امْرَأَةً عِكْرَمَةَ بْنِ أَبِي جَهْلٍ يَوْمَ الْفَتْحِ بِمَكَّةَ وَهَرَبَ زَوْجُهَا مِنَ الْإِسْلَامِ حَتَّى قَدِمَ النِّعَمُ فَازْتَحَلَّتْ أُمَّ حَكِيمٍ حَتَّى قَدِمْتُ عَلَيْهِ الْيَمَنُ فَدَعَا عَنْهُ إِلَى الْإِسْلَامِ فَاسْتَلِمَ فَتَبَا عَلَى نِكَاحِهَا زَوْاهُ مَالِكُ عِ بْنِ شِهَابٍ هُوَ سَلَا۔

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک عورت نے اسلام قبول کیا اور پھر اس نے (ایک شخص سے) نکاح کر لیا، اس کے بعد اس کا پہلا شوہر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اسلام قبول کر چکا ہوں اور میری اس بیوی کو میرے اسلام قبول کر لینے کا طہم تھا (لیکن اس کے باوجود اس نے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا) چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو دوسرے خاندان سے علیحدہ کر کے پہلے خاندان کے حوالے کر دیا۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ”اس پہلے خاندان سے یہ کہہ کر وہ عورت (یعنی میری بیوی جس نے اب دوسرے شخص سے نکاح کر لیا ہے) میرے ساتھ ہی مسلمان ہوئی تھی آپ ﷺ نے یہ (سن کر) اس عورت کو اسی (پہلے شوہر) کے حوالہ کر دیا“ (ابوداؤد) اور شرح السنہ میں یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان جیسی بہت سی عورتوں کو ان کے پہلے نکاح کے مطابق ان کے شوہروں کے حوالہ کر دیا تھا جن کے شوہروں اور ملک کے فرق کے بعد ان کے ساتھ اسلام کی صف میں شامل ہو گئے تھے (یعنی غیر مسلم میاں بیوی میں سے کسی ایک کے اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے اور ایک کے گوارا اسلام میں اور دوسرے کے دار الحرب میں رہنے کی وجہ سے) گویا دونوں کے درمیان فرق نہیں تھا بلکہ بعد اختلاف واقع ہو جاتا تھا کہ جب وہ دوسرا بھی اسلام قبول کر لیتا تو آنحضرت ﷺ ان کے سابقہ نکاح کو باقی رکھتے ہوئے بیوی کو شوہر کے حوالہ کر دیتے تھے گویا قبولیت اسلام کے بعد تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی تھی (چنانچہ ان عورتوں میں ایک عورت ولید ابن مغیرہ کی بیٹی بھی تھی جو صفوان ابن امیہ کی بیوی تھی، یہ

عورت (اپنے شوہر سے پہلے) فتح مکہ کے دن مسلمان ہوگئی اور اس کے شوہر نے اسلام سے گرتے کیا، آنحضرت ﷺ نے اس کے شوہر (صفوان ابن امیہ) کے پاس اس کے چچا کے بیٹے وہب بن عمیرؓ کو اپنی مبارک چادر دے کر بھیجا اور اس کو امان عطا کیا (یعنی آپ ﷺ نے وہبؓ کو بطور عداوت اپنی چادر دے کر بھیجا کہ وہ صفوان کو یہ چادر دکھا کر مطلق کرے کہ قتل و تشدد سے جس امان دی گئی ہے ہم بلا خوف آسکتے ہو) پھر جب صفوان آئے تو ان کی سیر کے لئے چار مہینے مقرر کئے گئے (یعنی انہیں اجازت دی گئی کہ وہ پورے امان کے ساتھ چار مہینے تک مسلمانوں کے درمیان گھومیں پھر اس تاکہ وہ مسلمانوں کی عادات و اطوار کا اچھی طرح مشاہدہ کر لیں چنانچہ وہ چند دنوں تک مسلمانوں کے درمیان گھومتے پھرتے رہے یہاں تک کہ صفوان بھی (اپنی بیوی کے مسلمان ہونے کے دو مہینے بعد) مسلمان ہو گئے اور ولید کی بیٹی جو ان کے نکاح میں تھی ان کی بیوی برقرار رہی۔ اسی طرح ان عورتوں میں ایک عورت اُم حکیمہ جس جو عاتر ابن ہشام کی بیٹی اور ابو جہل کے بیٹے عکرمہؓ کی بیوی تھیں، انہوں نے بھی فتح مکہ کے دن مکہ میں اسلام قبول کیا پھر ان کے خاندان (عکرمہ) نے اسلام سے گرتے کیا اور یمن چلے گئے چنانچہ (کچھ دنوں کے بعد) اُم حکیمہ بھی (آنحضرت ﷺ کے حکم سے اپنے خاندان کو راہ راست پر لانے کے لئے) یمن پہنچیں اور انہوں نے اپنے خاندان عکرمہؓ کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی تاکہ انہیں وہ مسلمان ہو گئے اور ان دونوں کا نکاح باقی رہا۔

اس روایت کو امام مالکؒ نے ابن شہاب سے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

تشریح: اگر غیر مسلم میاں بیوی میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے اور دوسرا مسلمان نہ ہو تو ان دونوں کا نکاح باقی رہے گا یا نہیں؟ اس بارہ میں مظہرؒ کہتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں اگر دوسرا (کہ جس نے پہلے کے ساتھ اسلام قبول نہیں کیا تھا) خواہ وہ بیوی ہو یا خاندان ہو (عدت کے ایام گزرنے سے پہلے اسلام قبول کر لے تو ان کا نکاح باقی رہے گا خواہ ان دونوں کا سابقہ مذہب یکساں رہا ہو مثلاً دونوں عیسائی یا یہودی اور یا بت پرست رہے ہوں، خواہ دونوں کا سابقہ مذہب یکساں نہ رہا ہو مثلاً ایک کا مذہب بت پرستی رہا ہو اور دوسرا عیسائی یا یہودی رہا ہو، اسی طرح خواہ وہ دونوں ہی دارالاسلام میں رہنے والے ہوں یا دارالحرب میں اور خواہ ان میں ایک تو دارالاسلام میں رہتا ہو اور دوسرا دارالحرب میں۔

اور حضرت امام اعظمؒ ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں ان دونوں کے درمیان تفریق ان تین وجوہ میں سے کسی ایک وجہ ہی سے ہو سکتی ہے، اول یہ کہ عدت کے دن پورے ہو جائیں۔ دوم یہ کہ ان دونوں میں سے جس نے اسلام قبول کر لیا ہے وہ اسلام قبول نہ کرنے والے کو اسلام کی دعوت دے اور وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کر دے۔ سوم یہ کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک دارالاسلام سے منتقل ہو کر دارالحرب چلا جائے یا دارالحرب چھوڑ کر دارالاسلام آجائے۔ نیز امام اعظمؒ کے نزدیک ان دونوں میں سے کسی ایک کا اسلام قبول کرنا خواہ جماعت سے پہلے واقع ہوا ہو یا بعد میں دونوں صورتوں کا یکساں حکم ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

کون کون رشتہ والی عورتیں محرمات میں داخل ہیں

(۱۹) عَبَّ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حُزْمٌ مِّنَ التَّبَسُّبِ مَنَعٌ وَمِنَ الصَّهْرِ مَنَعٌ ثُمَّ قَرَأَ حَزْمَتٌ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ أَلَا يَهُ (رواہ البخاری)

”حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ازروئے نسب سات رشتوں کی عورتیں حرام کی گئی ہیں اور ازروئے مصارت بھی سات رشتوں کی عورتیں حرام کی گئی ہیں پھر حضرت ابن عباسؓ نے یہ آیت حَزْمَتٌ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ (النساء: ۳۳) آخر تک پڑھی۔“ (بخاری)

تشریح: ازروئے نسب جو سات رشتہ والی عورتیں حرام قرار دی گئی ہیں وہ یہ ہیں۔ ① ماں۔ ② بیٹی۔ ③ بہن۔ ④ پو بھی۔ ⑤ خالہ۔ ⑥ بہن۔ ⑦ بھانجی۔

حدیث روایت کرنے کے سلسلہ میں ضعیف شمار کئے جاتے ہیں (گویا یہ حدیث اپنے راویوں سے اعتبار سے تو صحیح نہیں ہے لیکن اپنے مفہوم و معنی کے اعتبار سے صحیح ہے کیونکہ اس حدیث میں جو مفہوم بیان کیا گیا ہے وہ قرآن کی آیت کے مطابق ہے۔“

تشریح: حدیث میں اپنی بیوی کی بیٹی سے نکاح کے عدم جواز کا جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ قرآن کریم کی اس آیت سے ثابت ہے:

وَذُنَابَيْكُمُ النِّسَاءُ لِيْنِ حُجُوْبِكُمْ مِّنْ نِّسَاءِكُمْ الَّتِيْ ذَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا ذَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنَّ جُنَاحَ عَلَيْنَكُمْ۔

(النساء ۴: ۲۳)

”اور حرام ہیں تم پر تمہاری بیویوں کی وہ بیٹیاں جو ان کے لئے پہلے شوہر سے ہیں اور تمہاری پردوش میں ہیں اور جو تمہاری ان بیویوں سے ہیں جن سے تم جماع کر چکے ہو اور اگر تم نے ان بیویوں سے جماع نہیں کیا ہے تو اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم ان کی بیٹیوں سے نکاح کرو۔“

اور بیوی کی ماں یعنی اپنی ساس سے نکاح کے عدم جواز کا جو مطلق حکم بیان کیا گیا ہے وہ قرآن کریم کی اس مطلق آیت سے ثابت ہے۔

وَأُمَّهَاتُ بَنَاتِكُمْ۔

”اور حرام ہیں تم پر تمہاری بیویوں کی مائیں۔“

بَابُ الْمُبَاشَرَةِ

مباشرت کا بیان

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

مباشرت کے سلسلہ میں یہود کے ایک غلط خیال کی تردید

① عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَتْ يَهُودٌ تَقُولُ اِذَا اَتَى الرَّجُلُ امْرَاَتَهُ مِنْ دُبُرِهَا فَيَنْقُلُهَا كَانَ الْوَلَدُ اَخْوَلَ فَزَلْتُ بِنَسَاءِ كُتْمٍ خَزَتْ لَكُمْ فَاَنْتَوُا اَخْوَفَكُمْ اَتَى شَيْئَكُمْ۔ (متن علیہ)

”حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ یہودی یہ کہا کرتے تھے کہ جو شخص اپنی عورت کے پیچھے کی طرف سے اس کے اگلے حصہ (یعنی شرم گاہ) میں جماع کرتا ہے تو اس کے بیٹے کا پیدائش ہوتا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: بِنَسَاءِ كُتْمٍ خَزَتْ لَكُمْ فَاَنْتَوُا اَخْوَلَ لَكُمْ اَتَى شَيْئَكُمْ تمہاری عورتیں (یعنی تمہاری بیویاں اور لونڈیاں) تمہاری سختی ہیں لہذا تمہیں اعتبار ہے کہ ان کے پاس جس طرح چاہو آؤ۔ (اس روایت کو بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے۔“

تشریح: یہودی یہ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص عورت سے اس طرح جماع کرے کہ اس کے پیچھے کھڑا ہو کر یا بیٹھ کر اس کے اگلے حصہ یعنی شرم گاہ میں اپنا عضو داخل کرے تو اس کی وجہ سے بیٹے کا پیدائش ہوگا، چنانچہ ان کے اس غلط خیال اور وہم کی تردید کے لئے یہ آیت نازل ہوئی کہ تمہاری بیویاں تمہاری سختی ہیں کہ جس طرح تمہارے بھتیجوں میں تمہارے لئے فصل پیدا ہوتی ہے اسی طرح تمہاری بیویوں کے ذریعہ تمہاری اولاد پیدا ہوتی ہے اس لئے تم اپنی سختی میں آنے میں خود مختار ہو کہ جس طرح چاہو آؤ خواہ لیٹ کر خواہ بیٹھ کر خواہ کھڑے ہو کر خواہ پیچھے ہو کر اور خواہ آگے ہو کر جس طرح بھی تمہاری چاہے ان سے جماع کرو کسی صورت میں کوئی نقصان نہیں ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ جماع بہر صورت عورت کے اگلے حصہ یعنی شرم گاہ ہی میں کیا جائے کیونکہ جس اعتبار سے عورت کو سختی کہا گیا ہے اس کا اطلاق عورت کی شرم گاہ ہی پر ہو سکتا ہے مقعد پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا، اسی وجہ کہ مقعد اولاد پیدا ہونے کی جگہ نہیں ہے بلکہ پاخانہ کی جگہ۔

ہے اس لئے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ پیچھے کے حصہ میں بد فعلی یعنی افلام کرنا صرف اسلام ہی نہیں بلکہ ہر دین میں حرام ہے۔

عزل کا مسئلہ

﴿وَعَنْهُ قَالَ كُنَّا نَعْمَلُ وَالْقُرْآنُ يَنْزِلُ فَتَقُولُ عَلَيْهِ وَذَاكَ الْمُسْلِمُ قَبْلَهُ ذَلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَنْهَئْنَا۔

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ (رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں) عزل کرتے تھے اور قرآن نازل ہوتا رہتا تھا (یعنی نزول کا سلسلہ جاری تھا مگر اس بارہ میں کوئی ممانعت نازل نہیں ہوئی)۔ (بخاری و مسلم) نے اپنی روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ ”ہمارے اس فعل کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو تھی مگر آپ ﷺ نے ہمیں اس سے منع نہیں فرمایا۔“

تشریح: ”عزل“ کا مطلب یہ ہے کہ عورت سے اس طرح جماع کیا جائے کہ مرد جب منزل ہونے لگے تو وہ اپنا عضو مخصوص عورت کی شرم گاہ سے باہر نکال کر مادہ کا باہر ہی اخراج کر دے۔ اس طریقہ سے مادہ منویہ چونکہ اندر نہیں پہنچتا اس لئے عورت حاملہ ہونے سے بچ جاتی ہے۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء اس بات کے قائل ہیں کہ عزل جائز ہے اور بعض حضرات جن میں سے کچھ صحابہؓ بھی شامل ہیں اس کو ناجائز کہتے ہیں لیکن زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ عزل کرنا جائز ہے چنانچہ در مختار میں بھی یہی لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی خاص مصلحت یا عذر کی بنا پر عزل کرنا چاہے تو اس کی اجازت ہے لیکن یہ ملحوظ رہے کہ اپنی لونڈی سے عزل کرنا تو اس کی اجازت کے بغیر بھی جائز ہے جب کہ اپنی آزاد منکوحہ سے اس کی اجازت کے بعد ہی عزل کرنا جائز ہو گا اسی طرح اگر کسی دوسرے کی لونڈی اپنے نکاح میں ہو تو اس کے مالک کی اجازت حاصل کرنے کے بعد اس سے عزل کرنا جائز ہو گا حضرت امام شافعیؒ کے بارہ میں سید نے یہ لکھا ہے کہ ان کے نزدیک بھی اپنی آزاد منکوحہ سے اس کی اجازت کے بعد ہی عزل کرنا جائز ہے لیکن لونڈی خواہ اپنی ملکوک ہو یا منکوحہ ہو اس کی اجازت کے بغیر بھی عزل کرنا جائز ہے۔ اور امام نوویؒ نے (جو شافعی المسلک ہیں) یہ لکھا ہے کہ ہمارے بعضی شوافع کے نزدیک عزل کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ انقطاع نسل کا سبب ہے۔

﴿وَعَنْهُ قَالَ إِنَّ زَوْجًا آتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ لِي جَارَةً هِيَ حَادِثُنَا وَأَنَا أَطْلُوفُ عَلَيْهَا وَآكُلُوهَا أَنْ تَحْمِلَ فَقَالَ اغْوِلْ عَنْهَا إِنَّ بَيْتَ فَاتَةٍ سَيَأْتِيهَا مَا قَدِّرَ لَهَا فَلَبِثَ الرَّجُلُ ثُمَّ أَتَاهُ فَقَالَ إِنَّ الْجَارِيَةَ قَدْ حَمَلَتْ فَقَالَ قَدْ أَخْبَرْتُكَ أَنَّ سَيَأْتِيهَا مَا قَدِّرَ لَهَا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے پاس لونڈی ہے جو ہماری خدمت کرتی ہے اور میں اس سے جماع بھی کرتا ہوں لیکن میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ وہ حاملہ ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”اگر تم چاہو تو عزل کر لیا کرو لیکن اس (لونڈی) کے ذریعہ جو چیز پیدا ہوئی مقدار ہو گئی ہے وہ ضرور پیدا ہوگی“ اس کے بعد کچھ عرصہ تک وہ شخص نہیں آیا اور پھر جب آیا تو کہنے لگا کہ میری لونڈی حاملہ ہو گئی ہے، آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ”میں نے تو تمہیں پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا کہ اس کے ذریعہ جو چیز پیدا ہوئی مقدار ہو گئی ہے وہ ضرور پیدا ہوگی“ (مسلم)

تشریح: علامہ نوویؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عزل کرنے کے باوجود اگر حمل ٹھہر جائے تو اس کا نسب ثابت ہو گا اور علامہ ابن ہمامؒ نے اس بارہ میں لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے عورت کی اجازت کے بعد یا اس کی اجازت کے بغیر عزل کیا اور اس کے باوجود اس عورت کے حمل ٹھہر گیا۔ تو آیا اس شخص کے لئے اس حمل سے انکار کرنا (یعنی یہ کہنا کہ یہ حمل میرا نہیں ہے) جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں تفصیل ہے، چنانچہ علامہ کا قول ہے کہ اگر اس شخص نے عزل کرنے کے بعد پھر دخول نہیں کیا تھا یا دخول کیا تھا مگر اس سے پہلے پیشاب نہیں کیا تھا تو پھر اس کے لئے اس حمل سے انکار کرنا جائز نہیں ہو گا کیونکہ اس صورت میں اس بات کا کوئی احتمال

ہو سکتا ہے کہ اس کے ذکر میں مٹی کا کوئی قطرہ باقی رہ گیا ہو اور وہ اب دخول کی صورت میں عورت کے رحم میں چلا گیا ہو۔ اسی طرح حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کا یہ مسلک ہے کہ اگر کسی شخص نے (مثلاً جماع سے فارغ ہونے کے بعد) پیشاب کرنے سے پہلے غسل جنابت کیا اور اس کے بعد جب اس نے پیشاب کیا تو مٹی کا کوئی قطرہ نکل آیا تو اس صورت میں اس پر واجب ہوگا کہ وہ اب پھر غسل کرے۔

④ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ بَنِي الْمُضْطَلِّقِ فَأَصَابَنَا سَيْبٌ مِنْ سَيْبِ الْعَرَبِ فَأَشْفَهَيْنَا النَّسَاءَ وَاسْتَدَثَّ عَلَيْنَا الْعَزْمَةُ وَاحْتَبَا الْعَزْلُ فَأَرَدْنَا أَنْ نَعْزِلَ وَلَقَدْ نَعَزَلُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَظْهُرِنَا قَبْلَ أَنْ نَسْأَلَ فَنَأْتَاهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ مَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَا تَفْعَلُوا مَا مِنْ لُسْمَةٍ كَاتِبَةٍ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِلَّا وَهِيَ كَاتِبَةٌ أَتَى عَلَيْهِ

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ جب ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ بنی امطلق کی جنگ میں گئے تو عرب قوم میں سے کچھ لونڈی غلام ہمارے ہاتھ آئے، ہمیں عورتوں کی خواہش ہوئی اور غمزدہ ہمارے لئے سخت مشکل ہو گیا اور ان لونڈیوں سے جو ہمارے ہاتھ لگی تھیں (ہم نے عزل کرنا چاہا) تاکہ ان کے حمل نہ ٹھہر جائے (آخر ہم نے عزل کا ارادہ کر لیا مگر پھر ہم نے سوچا کہ جب رسول کریم ﷺ ہمارے درمیان ہیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ آپؐ نے اس کے بارہ میں دریافت تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”مگر تم عزل نہ کرو تو اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہے اس لئے کہ قنات تک جو جان پیدا ہونے والی ہے وہ تو پیدا ہو کر رہے گی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: امام نوویؒ کہتے ہیں کہ مسلمان العرب سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اہل عرب پر بھی رقی جاری ہوتا ہے جب کہ وہ مشرک ہوں۔ (یعنی جس طرح غیر عرب مشرک و کافر جنگ میں پکڑ لئے جانے کے بعد غلام و لونڈی بنائے جاسکتے ہیں اسی طرح اگر وہ مشرک و کافر جن کا تعلق عرب و نسل سے ہو کسی جنگ میں بطور قیدی ہاتھ لگیں تو وہ بھی مسلمانوں کے حق میں لونڈی غلام ہو جاتے ہیں کیونکہ یہاں جن لونڈی غلاموں کا ہاتھ لگنا کر کیا گیا ہے ان کا تعلق بنی امطلق سے تھا جو قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ تھی اور قبیلہ خزاعہ والے اہل عرب میں سے تھے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔

ما علیکم ان لا تفعلوا میں حروف ”ان“ الف کے زمر کے ساتھ یعنی۔ ان بھی صحیح ہے اور الف کے زمر کے ساتھ یعنی ان بھی صحیح ہے اس جملہ کے معنی نوویؒ نے یہ بیان کئے ہیں کہ اگر تم عزل نہ کرو تو اس میں کوئی نقصان نہیں ہے کیونکہ جب یہ بات طے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس نفس کو پیدا کرنا مقدر کر دیا ہے تو وہ ضرور پیدا ہو کر رہے گا اس لئے تم عزل کرو یا عزل نہ کرو پیدا ہونے والی جان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا اگر اسے دنیا میں آنا ہے تو تم لاکھ عزل کرو ضبط ولادت کے لاکھ طریق آزمائو وہ اس دنیا میں آکر رہے گی اور اگر اس کا پیدا ہونا مقدر نہیں ہے۔ تو پھر اگر عزل نہ کرو تو تمہارا کوئی نقصان نہیں حاصل ہے کہ تمہارا عزل کرنا کوئی فائدہ مند چیز نہیں ہے۔ اس اعتبار سے یہ حدیث عزل کے عدم جواز کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ ان لا تفعلوا میں حرف لازمہ ہے اس صورت میں اس جملہ کے یہ معنی ہوں گے کہ ”عزل کرنے میں کوئی قنات نہیں“ اس اعتبار سے یہ حدیث عزل کے جائز ہونے کی دلیل ہوگی۔

⑤ وَعَنْ قَالَ سَيْبٌ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَزْلِ فَقَالَ مَا مِنْ لُسْمَةٍ كَاتِبَةٍ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِلَّا وَهِيَ كَاتِبَةٌ أَتَى عَلَيْهِ خَلْقٌ شَيْئًا وَلَمْ يَشْفَعْ شَيْئًا ۖ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے عزل کرنے کے بارہ میں پوچھا گیا (کہ عزل کرنا جائز ہے یا نہیں؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا ”ہی“ (جی نہیں) بلکہ اور جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو پیدا ہونے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔“ (مسلم)

تشریح: بظاہر اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ سوال اور جواب میں کوئی مطابقت نہیں ہے حالانکہ اگر حدیث کے حقیقی مفہوم پر نظر ہو تو یہ اشکال پیدا ہونے کا کوئی عمل ہی نہیں رہ جاتا کیونکہ سوال کا مقصد یہ تھا کہ عزل کرنے کی اجازت مل جائے تاکہ عورت کے باں ولادت ہونے کا کوئی خوف نہ رہے۔ سوال کے اسی حقیقی مفہوم کے پیش نظر آپ ﷺ نے جواب دیا کہ تم لوگ تو یہ سمجھتے ہو کہ مرد کی منی کا عورت کے رحم میں گرنا عورت کے باں ولادت ہونے کا سبب ہے اور عزل کر لینا ولادت نہ ہونے کا سبب ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ منی کے ہر پانی سے بچہ نہیں بنتا کثیر ایسا ہوتا ہے کہ مرد کی منی عورت کے رحم تک پہنچ جاتی ہے مگر اس سے بچہ نہیں بنتا اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے لوگ عزل کرتے ہیں مگر اس کے باوجود عورت حاملہ ہو جاتی ہے لہذا اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا حاملہ ہونا مرد کے مادہ تولید کے اندر کرنے پر موقوف نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ پر موقوف ہے، اسی طرح عورت کا حاملہ نہ ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ ہی پر موقوف ہے عزل پر موقوف نہیں ہے۔ ہاں یہ ثابت ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تولد و تحامل کا ایک نظام مقرر کر دیا ہے کہ مرد کے نطفہ سے بچہ کی تولید ہوتی ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ عزل کرنے کی صورت میں بھی نطفہ کا کوئی حصہ بلا اختیار عورت کے رحم میں چلا جائے اور اس سے بچہ بن جائے بلکہ اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ اگر کسی بچہ کا پیدا ہونا ہی اللہ پر الٰہی میں ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت حاصل ہے کہ وہ اس بچہ کو بغیر نطفہ کے بھی پیدا کر دے۔

بظاہر یہ احادیث عزل کے جائز نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے لیکن ان کا حقیقی مفہوم و منشاء اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ عزل کرنا پسندیدہ نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے، اس مسئلہ میں حنفیہ اور دوسرے علماء کا جو فقہی مسلک ہے اس کا بیان حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کی تشریح میں گزر چکا ہے۔

① وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وقاصٍ أَنَّ زَجَلًا جَاءَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي أَغْزُلُ عَنْ امْرَأَتِي فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ تَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَالَ الزَّخْلُ أَشْفَقُ عَلَى وَلَدِهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْ ذَلِكَ حَضَارًا فَارِسَ وَالزُّومَ. (رواه مسلم)

”اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ نے ایک (دن) ایک شخص رسول کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ میں اپنی عورت سے عزل کرتا ہوں“ آنحضرت ﷺ نے (اپنے من کر فرمایا کہ ”تم ایسا کیوں کرتے ہو؟“ اس شخص نے کہا کہ ”میں اس کے شیر خوار بچہ کی وجہ سے ڈرتا ہوں کہ“ ”نہیں مدت رضاعت میں وہ حاملہ نہ ہو جائے اور اس حالت میں بچہ کو دودھ پلانا نقصان پہنچائے گا“ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”اگر یہ نقصان پہنچتا تو روم و فارس والوں کو ضرور نقصان پہنچاتا۔“ (مسلم)

تشریح: لوگوں کا خیال یہ تھا کہ مدت رضاعت میں جماع اور پھر حمل ٹھہرنے سے چونکہ عودت کے دودھ میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے اس لئے اس دودھ کو پینے سے شیر خوار بچہ کو نقصان پہنچتا ہے اس کے علاوہ اسی حالت میں عورت کا دودھ بھی کم ہو جاتا ہے اس کا حاصل یہ تھا کہ اسی خوف کی بناء پر اس شخص نے آنحضرت ﷺ سے عزل کی اجازت چاہی، اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے جو فرمایا اس کا حاصل یہ تھا کہ اگر مدت رضاعت میں جماع کرنا اور حمل ٹھہر جانا شیر خوار بچہ کو نقصان دہ ہوتا تو یہ روم و فارس والوں کو ضرور نقصان پہنچاتا کیونکہ وہ اس کے عادی ہیں اور جب ان کی یہ عادت ان کے لئے نقصان دہ نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ مدت رضاعت میں حمل ٹھہر جانا نقصان دہ نہیں ہے لہذا عزل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور حمل ٹھہر جانے کے خوف کی وجہ سے عزل نہ کرو۔ گویا آپ کا یہ ارشاد عزل کی کراہت و نا پسندیدگی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

② وَعَنْ خَدِيجَةَ بِنْتِ وَهَبٍ قَالَتْ حَضَرْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَأَمٍ وَهُوَ يَقُولُ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آتِيَهُ عِزِّي فَتَغْلِظَ فِي الزُّومِ وَفَارِسَ إِذَا هُمْ يُعِيلُونَ أَوْ لَا ذَهْمَ فَلَا يَنْظُرُونَ أَوْ لَا ذَهْمَ ذَلِكَ شَيْئَانِ مِمَّا سَأَلُوهُ عَنِ الْعَزْلِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ الْوَأْدُ الْخَفِيُّ وَهِيَ وَإِذَا الْمُؤَدَّةُ مَبْلُتٌ. (رواه مسلم)

”اور حضرت جدامہ بنت وہبؓ کہتی ہیں کہ (ایک دن) میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس وقت لوگوں کی ایک جماعت وہاں موجود تھی اور آپ ﷺ (ان کو مخاطب کر کے) فرما رہے تھے کہ ”میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ لوگوں کو ”غیلہ“ سے منع کروں لیکن پھر میں نے دیکھا کہ روم و فارس کے لوگ اپنی اولاد کی موجودگی میں ”غیلہ“ کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے ان کی اولاد کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا (تو میں نے اس ارادہ کو ترک کر دیا) پھر لوگوں نے آپ ﷺ سے عزل کرنے کے بارہ میں پوچھا کہ (اس کا کیا حکم ہے) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”یہ (عزل کرنا) تو پوچھنا شیعہ طور پر زندہ گاڑ دینا ہے اور یہ ایک بری عادت ہے جو اس آیت کریمہ: وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ لِأَيِّ ذَنْبٍ جُوزَ أَنْ يَأْخُذَ رِجْلُهَا نَارًا“ (اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے پاداش میں قتل کی گئی تھی) کہ حکم میں داخل ہے۔“ (مسلم)

تشریح: ”غیلہ“ کے معنی ہیں ”جمل کی حالت میں بچہ کو دودھ پلانا“ اور نہایہ میں لکھا ہے کہ ”غیلہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ایام رضاعت میں اپنی بیوی سے جماع کرے چنانچہ اہل عرب غیلہ (یعنی ایام رضاعت میں اپنی بیوی سے جماع کرنے) سے احتراز کرتے تھے اور اس کی وجہ ان کا یہ گمان تھا کہ اس صورت میں شیر خواہ بچہ کو نقصان پہنچتا ہے اسی لئے آنحضرت ﷺ نے بھی یہ ارادہ فرمایا کہ لوگوں کو ایام رضاعت میں اپنی بیوی کے پاس جانے سے منع کر دیں لیکن جب آپ نے دیکھا کہ روم و فارس کے لوگ ایب کرتے ہیں اور ان کی اولاد کو کوئی نقصان نہیں ہوتا تو آپ ﷺ نے ممانعت کا ارادہ ترک فرما دیا۔

۔ داد کے معنی ہیں ”زندہ درگور کرنا، جیتا گاڑ دینا۔“ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب تلکھ سخی کے خوف اور عار کی وجہ سے اپنی بیویوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے، مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان والدین سے سخت باز پرس کی جائے گی جو اپنے ہاتھوں اپنی بیویوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے عزل کو بھی ”وَأَذْهَبْنِي“ یعنی پوشیدہ زندہ گاڑ دینے سے تعبیر فرمایا۔ اس طرح یہ حدیث منسوخ ہے یا آپ نے یہ بات محض تہدید و تنبیہ کے طور پر فرمائی ہے یا پھر یہ کہ اس ارشاد کے ذریعہ گویا اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ عزل نہ کرنا ہی اولیٰ اور زیادہ بہتر ہے۔

ان حضرات کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ کے صحابہ کی ایک مجلس منعقد تھی۔ حاضرین میں حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت سعدؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کے علاوہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ بھی موجود تھے، عزل کے سلسلہ میں مباحثہ ہو رہا تھا، صحابہؓ کی رائے تھی کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن ایک صحابیؓ نے یہ کہا کہ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ (عزل کرنا) موءودۃ (چھوڑی موءودۃ) ہے (یعنی جس طرح اپنی اولاد کو زندہ گاڑ دینا موءودۃ کہی جاتا ہے) ابی طرح عزل کرنا موءودۃ صغریٰ ہے حضرت علیؓ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ”اس سلسلہ میں حاصل کلام یہ ہے کہ جب تک بچہ میں جان نہ پڑے موءودۃ کے مفہوم کا اطلاق نہیں ہو گا یعنی اگر جان پڑ جائے کے بعد اسقاط حاصل کر لیا جائے یا زندہ پیدا ہونے کے بعد اسے جیتا جاگسا گاڑ دیا جائے تو اس کو موءودۃ کہا جائے گا۔“ حضرت علیؓ کا یہ جواب سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ علیؓ اللہ تعالیٰ تمہاری عمر روز کرے تم نے سچ کہا ہے۔“ چنانچہ فقہی مسئلہ یہ کہ جب تک بچہ میں جان نہ پڑے اسقاط حاصل جائز ہے اور قرار حمل کے بعد ایک سو بیس دن میں حمل کے اندر جان پڑتی ہے گویا قرار حمل کے بعد ایک سو بیس دن کے اندر اندر اسقاط حاصل جائز ہے اس کے بعد جائز نہیں ہے۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد گرامی عزل کے حرام ہونے پر دلالت نہیں کرتا البتہ اس کے مکروہ ہونے پر ضرور دلالت کرتا ہے پس معنی کہ عزل کرنا، وادھتی (یعنی واقعہ زندہ درگور کر دینے) کے حکم میں داخل نہیں ہے کیونکہ ”وَادْهَبْنِي“ کا مطلب ہوتا ہے ایک جان کو ہلاک کر دینا جب کہ عزل میں یہ صورت نہیں ہوتی البتہ عزل کرنا وادھتی کے مشابہ یقیناً ہے اسی واسطے اس کو ”پوشیدہ زندہ گاڑ دینا“ فرمایا گیا ہے جو اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ عزل کے ذریعہ چونکہ اپنے مادہ تولید (نطفہ) کو ضائع کیا جاتا ہے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ مادہ تولید اللہ تعالیٰ نے بچہ پیدا ہونے کے لئے مہیا کیا ہے اسلئے یہ فعل (یعنی عزل کرنا) اپنے بچہ کو ہلاک کرنے یا اس کو زندہ درگور کر دینے کے مشابہ ہے۔

علامہ ابن ہمام کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ کے بارہ میں یہ صحیح روایت منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ عزل مودودہ صغریٰ ہے۔ نیز حضرت ابو امامہؓ کے بارہ میں یہ منقول ہے کہ جب ان سے عزل کا حکم پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے کسی مسلمان کو عزل کر کے نہیں دیکھا سنا اس سے معلوم ہوا کہ عزل کرنا پسندیدہ نہیں ہے۔

اسی طرح حضرت ابن عمرؓ سے یہ منقول ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے بعض لوگوں کو عزل کرنے پر مارا ہے اور حضرت عثمان غنیؓ کے بارہ میں یہ منقول ہے کہ وہ عزل کرنے سے منع کرتے تھے۔ ان تمام روایات سے عزل کی ممانعت ثابت ہوئی ہے لیکن علماء کہتے ہیں کہ یہ ممانعت ہی تنہائی کے طور پر ہے۔

اپنی بیوی کی پوشیدہ باتوں کو افشاء کرنے والے کے بارہ میں وعید

⑧ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَعْظَمَ الْأَمَانَةِ عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهِيَ رِوَايَةُ ابْنِ مِنْ أَشْرَفِ النَّاسِ عِنْدَ اللَّهِ مَنْزِلَةَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ التَّحِلُّ يُقْضَى إِلَى أَهْلِهَا وَمَنْ يُقْضَى إِلَيْهِ ثُمَّ يَشْهَرُ بِسَوِّهَا - (رواه مسلم)

"اور حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑی امانت - ایک روایت میں یوں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک باقاعدہ مرتبہ کے سب سے برا شخص وہ ہو گا جو اپنی بیوی سے ہم بستری ہو اور اس کی بیوی اس کی ہم آغوش ہو اور پھر وہ اس کی پوشیدہ باتیں ظاہر کرنا پھرے" (بخاری و مسلم)

تشریح: علامہ طبریؒ "إِنَّ أَعْظَمَ الْأَمَانَةِ" کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بہت بڑی امانت کہ جس میں خیانت کرنے والے سے قیمت کے دن سخت باز پرس ہوگی شوہر و بیوی کے درمیان جنسی معاملات اور ان کی امور سے متعلق باتیں ہیں یعنی خاوند بیوی کے درمیان جنسی افعال اور راز و نیاز کی باتیں ایک بہت بڑی امانت ہے جس کی حفاظت ہر شوہر کی ذمہ داری ہے، جو شوہر اس امانت کی حفاظت نہیں کرے گا یا اس طور کہ وہ اپنی بیوی سے بھرتی کے بعد اس کے راز افشاء کرے گا اس سے قیامت کے دن باز پرس کی جائے گی اور اشرفؒ کے قول کے مطابق اس اور شاد کے معنی یہ ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑی امانت میں خیانت اس شخص کے خیانت ہوگی جو اپنی بیوی سے بھرتی کرے اور پھر اس کے راز کو افشاء کر دے اور افشاء کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان راز و نیاز کی جو باتیں ہوئی ہوں اور جنہیں اس سے حلقہ جو افعال ہوئے ہوں ان کو لوگوں سے کہتا پھرے جیسا کہ بے حیالوگوں کی عادت ہے، یا اپنی بیوی کے کسی عیب کو بیان کرنا پھرے اور یا یہ کہ اپنی بیویوں کی ان خوبیوں اور اوصاف کو ذکر کرتا پھرے جن کو چھپانا شرعاً غلطاً اور عرفاً واجب ہے۔

ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ اس اور شاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ خاوند و بیوی میں سے ہر ایک اپنے دوسرے کے افعال و اقوال کا امین ہے لہذا ان میں سے جو بھی اپنے دوسرے کے ان افعال و اقوال کو ظاہر کرے گا جن کو ظاہر کرنا وہ دوسرا پسند کرتا ہو تو وہ خیانت کرنے والا کہلائے گا۔

ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ اس اور شاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ خاوند و بیوی میں سے ہر ایک اپنے دوسرے کے افعال و اقوال کا امین ہے لہذا ان میں سے جو بھی اپنے دوسرے کے ان افعال و اقوال کو ظاہر کرے گا جن کو ظاہر کرنا وہ دوسرا پسند کرتا ہو تو وہ خیانت کرنے والا کہلائے گا۔

بہر کیف حدیث کا حاصل یہ ہے کہ خاوند و بیوی کے درمیان جنسی معاملات اور ذاتی امور سے متعلق جو باتیں ہوتی ہیں یا جو افعال ہوتے ہیں ان کو غیروں کے سامنے بیان کرنا یا ایک دوسرے کے عیوب و خیرہ کو ظاہر کرنا غلطی فکرتنہری سے معیوب نہیں ہے بلکہ شرعی طور پر آخرت میں مواخذہ خداوندی کا موجب ہے۔

اس سلسلہ میں ایک سبق آموز واقعہ بیان کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے ایک مرتبہ ایک صاحب علم و دانش نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے پوچھا کہ ایسا کیوں کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ میں اپنی بیوی کے عیوب کیونکر ذکر کروں (یعنی اگر میں طلاق کی وجہ بیان کروں تو گویا میں اس کے عیوب کو جو طلاق کی وجہ ہیں، تمہارے سامنے بیان کر دوں اور یہ مجھے گوارہ نہیں ہے کہ جب تک وہ میری بیوی ہے اس کے عیوب دوسروں کے سامنے نہیں) پھر جب اس نے طلاق دے دی تو پھر کچھ اور لوگوں نے پوچھا کہ تم نے اپنی بیوی کو طلاق کیوں دی؟ اس نے کہا کہ میں ایک انجمنی عورت کے عیوب کیسے ظاہر کر دوں؟ (یعنی اگر میں طلاق کی وجہ بیان کروں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں ایک انجمنی عورت کے عیوب تمہارے سامنے بیان کر دوں اور اسے میں مطلقاً مناسب نہیں سمجھتا) بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ خاوند و بیوی کے لئے ایک دوسرے کی باتوں کو ظاہر کرنے کی یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ اس کا کوئی فائدہ اور مقصد نہ ہو، ہاں اگر اس کا کوئی فائدہ یا اس کی کوئی معقول وجہ ہو تو پھر یہ ممانعت نہیں ہوگی مثلاً اگر عورت کا دعویٰ ہو کہ اس کا خاوند اس کی جنسی خواہش کی تسکین کا اہل نہیں ہے، یا بیوی یہ شکایت کرے کہ اس کا شوہر اس کے ساتھ سے بیزار ہو رہا ہے یا کبریاؤ کرتا ہے تو اس صورت میں بیوی کے لئے ان چیزوں کا ذکر کرنا غیر پسندیدہ نہیں ہوگا جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا يَجِبُ لِلْمَرْأَةِ الْخَبْرُ بِالسَّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مِمَّا ظَلَمَ -

”اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کسی بری بات کو اعلانیہ بیان کیا جائے ہاں اگر کسی پر ظلم کیا گیا ہے تو وہ اسے علانیہ بھی بیان کر سکتا ہے۔“

ایام حیض میں اپنی بیوی کے پاس نہ جاؤ اور نہ بیوی کے ساتھ بد فعلی کرو

(۹) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَوْحَى إِلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِسَاءَكُمْ حَزَنٌ لَكُمْ فَأَتُوا حَزَنَكُمْ إِلَّا يَهُدَى وَأَذْبُرُوا نَفْسَ الدُّنْيَا وَالْحَيِضَةَ - (رواہ احمد و ابن ماجہ و الدارمی)

”حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ پر یہ آیت نازل کی گئی نِسَاءَكُمْ حَزَنٌ لَكُمْ فَأَتُوا حَزَنَكُمْ إِلَّا يَهُدَى (یعنی تمہاری عورتیں تمہاری کھیتاں ہیں پس آؤ تم اپنی کھیتوں میں آؤ) لہذا تم جس طرح چاہو ان سے جماعت کرو خواہ آگے سے اگلی جانب میں آؤ یا پیچھے سے اگلی جانب آؤ لیکن مقعد میں داخل کرنے سے اجتناب کرو اور حیض کی حالت میں جماع نہ کرو۔“ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: لفظ ”اقبل“ (خواہ آگے سے اگلی جانب میں آؤ) اور (یا پیچھے سے اگلی جانب میں آؤ) یہ دونوں لفظ آیت کریمہ کے الفاظ فَاَتُوا حَزَنَكُمْ إِلَّا يَهُدَى کی تفسیر و بیان ہیں، یعنی ان دونوں الفاظ کے ذریعہ یہ وضاحت تحریر کی گئی ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ خواہ آگے کی طرف سے آؤ یا پیچھے کی طرف سے آؤ مگر دخول بہر صورت اگلے حصہ یعنی شرمگاہ ہی میں کر دینا چاہیہ بد فعلی کرنا یعنی مقعد میں دخول کرنا قطعاً حرام ہے اس طرح حیض کی حالت میں اگلے حصہ میں بھی دخول کرنا حرام ہے۔

(۱۰) وَعَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ لَا تَأْتُوا النِّسَاءَ فِي أَذْبَارِهِنَّ - (رواہ احمد و الترمذی و ابن ماجہ و الدارمی)

”اور حضرت خزیمہ ابن ثابتؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے حیا نہیں کرتا تم عورتوں کی مقعد میں بد فعلی نہ کرو۔“ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: ”حیا“ اس ”تغیر“ کو کہتے ہیں جو عیب لگنے اور برا کہے جانے کے خوف سے انسان میں واقع ہوتا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی تغیر کا واقع ہو نا ممکن ہے اس لئے یہاں ”حیا“ سے حقیقی حیا مراد نہیں ہے بلکہ مجازی حیا یعنی ”ترک کرنا“ مراد ہے جو ”حیا“ کا مقصد

ہے۔ اس طرح ان اللہ لا ینسخن فی الخ کا مطلب یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ حق بات کہتے اور اس کے اظہار کو ترک نہیں کرتا۔ لہذا حدیث میں کسی بات کو بعد کے مضمون (عمودت کے ساتھ بد فعلی کی ممانعت) کی تمہید و مقدمہ کے طور پر ذکر کرنا گویا اس فعل بد کی انتہائی برائی اور اس کے حرام ہونے پر متنبہ کرنا ہے کہ یہ بات آتی تاپہندیدہ اور مکروہ ہے کہ اس کو زبان پر لانا اور اس کا ذکر کرنا ناجی شرم و حی کے منافی ہے اگرچہ اس کا ذکر کرنا اس سے روکنے کی وجہ سے کیوں نہ ہو لیکن چونکہ یہ ایک شرعی مسئلہ ہے اور شرعی مسئلہ کو بیان کرنے کے عداوہ کوئی چارہ نہیں ہے اس لئے سن لو کہ عورتوں کے ساتھ ”ان کی مقصد میں“ بد فعلی کرنا حرام ہے اس لئے اجتناب کرو۔ اس سے معصوم ہوا کہ جب عورتوں کے ساتھ بد فعلی کرنا حرام ہے تو مردوں کے ساتھ یہ فعل بد طریقہ اولیٰ حرام ہو گا۔

طبی کہتے ہیں کہ اس موقع پر مناسب تو یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ یہ فرماتے ہیں کہ ”میں حق بات بیان کرنے سے حیا نہیں کرتا۔“ لیکن آپ ﷺ نے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا اور اس سے آپ ﷺ کا مقصد اس حکم کی اہمیت کو ظاہر کرنا اور اس فعل بد کی برائی کو بطور مبالغہ بیان کرنا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے ساتھ بد فعلی کرنا حرام ہے لہذا جو لوگ اس کو جان کر کہتے ہیں وہ سخت گمراہی میں مبتلا ہیں۔

علامہ طبی کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی اجنبی عورت کے ساتھ یہ فعل بد کرے تو وہ زانی کے حکم میں ہو گا، اور اگر اپنی بیوی یا اپنی لونڈی کے ساتھ کرے تو وہ حرام کا مرتکب ہوا لیکن اس کی پاداش میں اسے سنگد نہیں کیا جائے گا اور نہ اس پر حد جاری کی جائے گی البتہ اسے کوئی سزا ضروری جائے گی۔ اور نووی کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام کے ساتھ (اعظام) کرے تو وہ اجنبی کے ساتھ بد فعلی کرنے والے کے حکم میں ہو گا، نیز حضرت امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اس فعل بد پر فاعل اور مفعول (یعنی یہ فعل بد کرنے والا اور کرانے والا) دونوں مستوجب تعزیر ہوتے ہیں کہ ان دونوں کو ان کے حال کے مناسب کوئی سزا دی جائے گی ہاں اگر مفعول (یعنی جس کے ساتھ یہ بد فعلی کی گئی ہے) چھوٹا ہو یا دیوانہ ہو یا اس کے ساتھ زبردستی یہ فعل بد کیا گیا ہو تو اسے سزا نہیں دی جائے گی۔

اپنی بیوی کے ساتھ بد فعلی کرنے والا ملعون ہے

⑪ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَلْعُونٌ مَن آتَى امْرَأَتَهُ فِي ذُبُرِهَا۔ (رواہ احمد و ابوداؤد)

”اور حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”وہ ملعون ہے جو اپنی عورت کے ساتھ بد فعلی کرے۔“ (ابوداؤد، احمد)

⑫ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الذِّي يَأْتِي امْرَأَتَهُ فِي ذُبُرِهَا لَا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَيْهِ۔

(رواہ فی شرح السنہ)

”اور حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اپنی عورت کے ساتھ بد فعلی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف (رحمت و شفقت کی نظر سے) نہیں دیکھتا۔“ (ترمذی)

⑬ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَى رَجُلٍ آتَى زَوْجَتَهُ أَوْ امْرَأَةً فِي الذُّبُرِ۔

(رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف (رحمت و شفقت کی نظر سے) نہیں دیکھتا جو مرد یا عورت کے ساتھ بد فعلی کرتا ہے۔“ (ترمذی)

غیلہ کی ممانعت

⑭ وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تَغْتَابُوا أَوْلَادَكُمْ سِرًّا فَإِنَّ الْغَيْلَ

يَذْرُكُ الْغَارِ مَن فَيَدَّ عِثْرَهُ عَنْ فَرْسِهِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت اسماء بنت زید رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم اپنی اولاد کو غشی طور پر قتل نہ کرو کیونکہ غشی سوار پر اثر انداز ہوتا ہے اور اسے گھوڑے سے گرا دیتا ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”اپنی اولاد کو غشی طور پر قتل نہ کرو“ کا مطلب یہ ہے کہ غیلہ کے ذریعہ اولاد کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اور یہ پہلے تب ہی جانچا کہ اصل کی حالت میں دو درجہ پلانے یا مدت رضاعت میں جماع کرنے کو غیلہ کہتے ہیں لہذا حدیث کا حاصل تو وہ کہ غیلہ کی وجہ سے بچے کے مزاج میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے قوی ضعیف ہو جاتے ہیں اور اس خرابی و ضعف کا اثر اس کے بالغ ہونے کے بعد تک رہتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بچہ ذرا ہونے کے بعد جب میدان کارزار میں جاتا ہے تو دشمن کے مقابلہ میں شست اور کمزور پڑ جاتا ہے اور گھوڑے سے گر پڑتا ہے اور یہ چیز اس کے حق میں ایسی ہے جیسا کہ اسے مقابلہ سے پہلے ہی قتل کر دیا گیا ہو لہذا اعلیٰ نہ کر دتا کہ غیلہ کی وجہ سے اپنے بچے کے قتل ہو جانے کا باعث نہ بنو۔

اس موقع پر یہ مفہان پیدا ہو سکتا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہو کہ بچہ پر غیلہ کا اثر چڑتا ہے جب کہ اس سے پہلے گزرنے والی بعض احادیث سے یہ معلوم ہوا تھا کہ غیلہ، بچہ پر اثر انداز نہیں ہوتا؟ اس کا جواب بھی ہے یہ دیا ہے کہ گزشتہ احادیث میں بچہ پر غیلہ کے اثر انداز ہونے کی نفی زمانہ جاہلیت کے اس اعتقاد کی تردید کے لئے تھی کہ لوگ غیلہ ہی کو حقیقی مؤثر سمجھتے تھے۔ اور اس حدیث کے ذریعہ غیلہ کے اثر انداز ہونے کا جو اثبات کیا گیا ہے وہ اس بات کے پیش نظر ہے کہ غیلہ فی الجملہ سبب بنتا ہے اور مؤثر حقیقی حق تعالیٰ کی مرضی اور اس کا حکم ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ اس حدیث میں غیلہ کی جو ممانعت بیان کی گئی ہے وہ نہی تنزیہی کے طور پر ہے اور آپ ﷺ کا گزشتہ ارشاد لَقَدْ خَفَفْتُ الْخَیْ (حدیث نمبر ۱۰) تحریم پر محمول ہے، اسی طرح دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد باقی نہیں رہے گا، اس کے علاوہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے (ان دونوں کی بنیاد آپ ﷺ کا اجتہاد تھا یعنی جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ عرب کے لوگ جب غیلہ کرتے ہیں تو ان کے بچے ضعیف و کمزور ہو جاتے ہیں تو آپ ﷺ نے غیلہ سے منع کیا مگر جب بعد میں آپ ﷺ نے روم و فارس کے لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہاں غیلہ کی وجہ سے بچہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا تو آپ ﷺ نے غیلہ کی ممانعت کو ختم کر دیا چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود روایت نمبر ۱۰ سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

عزل کا مشروط جواز

(۱۵) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُعْزَلَ عَنِ الْخُرُوفِ الْأَبَاذِيهَا۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت عمر ابن خطاب کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حرۃ (آزاد عورت) کے ساتھ اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع فرمایا ہے۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: آزاد عورت سے جماع کے وقت اگر عزل کیا جائے تو اس سے اجازت لینی ضروری ہے اس کی اجازت حاصل کئے بغیر عزل نہ کیا جائے کیونکہ عزل کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ بچہ نہیں ہوتا بلکہ عورت کی جنسی لذت میں کمی بھی ہو جاتی ہے اور ان دونوں چیزوں سے آزاد عورت کا حق متعلق ہے کہ اگر عورت بچہ کی پیدائش چاہتی ہے تو مرد کو یہ اختیار نہیں کہ وہ عورت کی اس خواہش کو پورا نہ ہونے دے اسی طرح عورت اگر عزل کی وجہ سے اپنی جنسی لذت میں کمی محسوس کرتی ہے تو یہ اس کے ساتھ جے انصافی ہے اس لئے ضروری ہے کہ عزل کے لئے عورت کی اجازت حاصل کر لی جائے اگر وہ اجازت دے تو عزل کیا جائے اور اگر اجازت نہ دے تو عزل نہ کیا جائے۔ گویا یہ حدیث آزاد عورت کی اجازت کی شرط کے ساتھ اور لونڈی کی اجازت کے بغیر بھی عزل صحیح ہونے پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے۔

بَاب

گزشتہ باب کے متعلقات کا بیان

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

لوٹنی آزاد ہونے کے بعد اپنا نکاح فسخ کر سکتی ہے

① عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهَا فِي بَرِيْرَةَ خُدَيْجِيَّهَا فَأَغْبَيْتُهَا وَكَانَ زَوْجُهَا عَبْدَ اللَّهِ أَخِيَّ هَازِمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْذَتْ نَفْسَهَا وَلَوْ كَانَ خِرَازِمٌ يَغْتَبِرُهَا - (مثل علیہ)

”حضرت عروہ ام المؤمنین حضرت عائشہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ان (یعنی حضرت عائشہ) سے بریرہؓ کے بارہ میں فرمایا کہ اسے خرید لو اور پھر اس کو آزاد کرو اور بریرہؓ کا خاوند چونکہ غلام تھا اس نے آنحضرت ﷺ نے اسے اختیار دے دیا تھا اور بریرہؓ نے (اس اختیار کے مطابق) اپنے آپ کو (اپنے خاوند سے) علیحدہ کر لیا تھا۔ اور اگر اس کا خاوند آزاد ہوتا تو آپ ﷺ اسے یہ اختیار نہ دیتے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: بریرہؓ کا مذکورہ بالا واقعہ تفصیلی طور پر کتاب البیوع میں گزر چکا ہے، یہ بطور لوٹنی ایک یہودی کی ملکیت میں تھیں، پھر حضرت عائشہؓ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا تھا چنانچہ بریرہؓ کی خریداری کے وقت آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ پہلے اسے اس کے مالکوں سے خرید لو اور پھر اس کو آزاد کرو، آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق حضرت عائشہؓ نے اسے خرید لیا اور پھر آزاد کر دیا، بریرہؓ کا خاوند چونکہ ایک غلام تھا اس نے آنحضرت ﷺ سے یہ اختیار ﷺ نے بریرہؓ کو یہ اختیار دے دیا تھا کہ آزاد ہونے کے بعد اگر چاہو تو تم اپنے خاوند کے نکاح میں حسب سابق رہو اور اگر اس کے نکاح میں رہنا نہ چاہو تو اس سے علیحدہ ہو جاؤ، اس اختیار کے پیش نظر بریرہؓ نے علیحدگی کو اختیار کیا اور اپنے خاوند سے قطع تعلق کر لیا۔ حدیث کا آخری جملہ ولو کان خیرا اور اگر اس کا خاوند آزاد ہوتا (یعنی) بظاہر حضرت عروہ کا اپنا قول معلوم ہوتا ہے اور آئمہ ثلاثہ یعنی حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا مسکن بھی یہی ہے کہ لوٹنی کو آزاد ہونے کے بعد اپنے نکاح کو باقی یا فسخ کرنے کا اختیار اسی صورت میں ہوتا ہے جب کہ اس کا خاوند غلام ہوتا کہ وہ آزاد ہو جانے کے بعد ایک غلام کے نکاح میں رہنے کو عار محسوس نہ کرے، اگر اس کا خاوند غلام نہ ہو تو پھر اسے یہ اختیار حاصل نہیں ہوگا، لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اسے ہر صورت یہ اختیار حاصل ہوتا ہے خواہ اس کا شوہر غلام ہو یا آزاد ہو۔ دونوں طرف کے علماء کی دلیل فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اور اگر میان یہودی دونوں ایک ساتھ آزاد ہوں تو تمام علما کا متفقہ طور پر یہ مسلک ہے کہ اس صورت میں یہودی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہوتا اسی طرح اگر شوہر آزاد ہو جائے تو اسے اپنا نکاح باقی رکھنے یا فسخ کر دینے کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔ خواہ اس کی یہودی آزاد عورت ہو یا لوٹنی ہو۔

② وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ زَوْجُ بَرِيْرَةَ عَبْدًا اسْوَدَ فَقَالَ لَهُ مُعِيْثٌ كَاَنِّي اَنْظُرُ اِلَيْهِ يَطْلُوْفُ خَلْفَهَا فِي سِكَكِ الْمَدِيْنَةِ يَبْكِيْنَ وَذُمُوْهُ فَبَسِلَ عَلٰى لِحْيَتَيْهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِّلْعَبَّاسِ يَا عَبَّاسُ اَلَا تَتَعَجَّبُ مِنْ حُبِّ مُعِيْثِ بَرِيْرَةَ وَمِنْ نَفْضِ بَرِيْرَةَ مُعِيْثًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ رَاَ احْبَبْتُهُ فَقَالَ مَا رَسُوْلُ اللَّهِ فَاَمَرُوْنِيْ قَالَ اَلَا شَا اَشْفَعُ قَالَتْ لَا خَافَةَ اِلٰى فَيُبَّ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ بریرہؓ کا شوہر ایک سیاہ فام تھا جس کو معیثؓ کہا جاتا تھا، میری آنکھوں کے سامنے اب بھی وہ منظر

جب وہ بریرہؓ کے پیچھے پیچھے مدینہ کی گلیوں میں روتا پھرتا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک ٹپک کر اس کی داڑھی پر گرتے تھے چنانچہ لایک دن آنحضرت ﷺ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ”عباس! کیا تجیس اس پر حیرت نہیں ہے کہ مغیثؓ بریرہؓ کو کتنا چاہتا ہے اور بریرہؓ مغیثؓ سے کس قدر نفرت کرتی ہے؟“ پھر آپ ﷺ نے بریرہؓ سے بھی فرمایا کہ ”بریرہ! کاش تم مغیثؓ سے رجوع کرتیں (یعنی مغیثؓ سے دوبارہ نکاح کر لیتیں) بریرہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ مجھے (بطور وجوب) اس کا حکم دے رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”بریرہ! اس تو سفارش کر رہا ہوں (یعنی بطور وجوب نہیں بلکہ بطریق استحباب تمہیں حکم دے رہا ہوں) بریرہؓ نے کہا کہ مجھے اس سے رجوع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے (یعنی مجھے اس کی پاس رہنا منظور نہیں ہے)۔“ (بخاری)

تشریح: چونکہ بعض روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مغیثؓ یعنی بریرہؓ کا شوہر آزاد تھا اس لئے اگر اس حدیث کے اخیر کی جملہ کی یہ وضاحت کی جائے کہ مغیثؓ بد صورتی میں ایک سیاہ فام غلام کی مانند تھا۔ یا یہ کہ مغیثؓ پہلے تو غلام تھا (جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے) لیکن پھر آزاد کیا گیا اور وہ آزاد ہو گیا۔ تو اس صورت میں روایتوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں رہے گا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سردار حاکم کو اپنی رعایا سے کسی کے حق میں جائز کام کی سفارش کرنا ایک اچھی بات ہے، اسی طرح حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ اپنے سردار حاکم کی سفارش کو قبول کرنا واجب نہیں ہے اور نہ اس سفارش کو نہ ماننے کی وجہ سے اس سے سردار حاکم کو کوئی مواخذہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ نیز حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی سے اس کی بد صورتی و بد خلقی کی وجہ سے تعلق نہ رکھنا جائز ہے۔

الفصل الثانی

مملوک خاوند بیوی کو آزاد کرنا ہو تو پہلے خاوند کو آزاد کیا جائے

(۳) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا أَرَادَتْ أَنْ تَعْتِقَ مَمْلُوكَتَيْنِ لَهَا زَوْجٌ فَسَأَلَتْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهَا أَنْ تَنْتَظِرَ بِالزَّوْجِ قَبْلَ الْعِتْقِ - (رواہ ابو داؤد و الترمذی)

”حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے دو مملوکوں کو آزاد کرنے کا ارادہ کیا جو آپس میں خاوند بیوی تھے تو نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا، آپ نے انہیں عورت سے پہلے مرد کو آزاد کرنے کا حکم دیا تاکہ عورت کو نکاح کے قبح کرنے کا اختیار باقی نہ رہے۔“ (ابو داؤد، سنن)

تشریح: اگر حضرت عائشہؓ پہلے عورت کو آزاد کرتیں تو وہ آزاد ہونے کے بعد ایک غلام کے نکاح میں رہتی اس صورت میں اسے یہ اختیار حاصل ہو جاتا کہ اگر وہ چاہتی تو اپنا نکاح باقی رکھتی اور اگر اسے شوہر کے ساتھ رہنا گوارہ نہ ہوتا تو نکاح کس کر دیتی (جیسا کہ آئمہ علماء کا مسلک ہے اور جس کی تفصیل ابھی پیچھے گزری ہے) چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو پہلے مرد کو آزاد کرنے کا حکم دیا تاکہ یہ اختیار نہ رہے اور مرد کی دل شکنی نہ ہو۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے پہلے مرد کو آزاد کرنے کا حکم اس لئے دیا کہ مرد، عورت کی بہ نسبت زیادہ کامل اور افضل ہوتا ہے لہذا اس کو مقدم رکھنا چاہئے، یا پھر یہ کہ آپ ﷺ اس بات کو محسوس کرتے تھے کہ مرد تو لونڈی بیوی کو گوارا کر لیتا ہے لیکن عورت اگر کسی غلام کے نکاح میں ہوتی ہے تو پھر اکثر اس سے بیزار رہتی ہے اور ہمہ وقت ذہنی آزیت و کوفت میں مبتلا رہتی ہے اس لئے آپ ﷺ نے پہلے مرد کو آزاد کرنے کا حکم دیا تاکہ اس کی بیوی اپنے شوہر کی طرف سے کسی بیزاری میں مبتلا نہ ہو۔

اگر لونڈی اپنی مرضی سے اپنا نکاح کرے تو آزاد ہونے کے بعد فسخ نکاح کا اختیار اسے حاصل نہیں ہوتا

(۴) وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ بَرِيرَةَ عَتِقَتْ وَهِيَ عِنْدَ مَعِيْنٍ فَخَيَّرَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ لَهَا إِنَّ قَوْلَكَ

فلا حیار لٹ۔ (رد الوہود ۱۰)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ بریرہؓ اس حال میں آکر ہوئی تھی کہ وہ منیث کے نکاح میں تھی چنانچہ رسول کریم ﷺ نے اسے اپنا نکاح باقی رکھنے یا فسخ کر دینے کا اختیار دے دیا لیکن یہ بھی فرمایا کہ اگر تیرا شوہر تجھ سے جماع کرے گا تو تجھے یہ اختیار حاصل رہے گا (کیونکہ اس صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ تو اس کی زوجیت پر راضی ہے)۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ہدایہ میں لکھا ہے کہ اگر کسی لونڈی نے اپنے مالک کی رضامندی سے اپنا نکاح کیا یا اس کے مالک نے اس کا نکاح اس کی رضامندی سے یا اس کی رضامندی کے بغیر کر دیا اور پھر وہ لونڈی آزاد ہو گئی تو اس کو اپنا نکاح باقی رکھنے یا فسخ کر دینے کا اختیار حاصل ہوتا ہے خواہ اس کا خاوند ہو یا غلام ہو اور اگر لونڈی اپنے مالک کی رضامندی و اجازت کے بغیر اپنا نکاح خود کرے اور پھر اس کا مالک اس کو آزاد کر دے تو آزاد ہونے ہی اس کا نکاح منقطع یعنی صحیح ہو جاتا ہے لیکن اسے مذکورہ اختیار حاصل نہیں رہتا۔ ائمہ ثلاثہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر لونڈی کسی آزاد کے نکاح میں ہو تو آزاد ہونے کے بعد اس لونڈی کو اپنے نکاح کے باقی یا فسخ کر دینے کا اختیار نہیں ہوتا۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ائمہ ثلاثہ کے درمیان اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ بریرہؓ کے خاوند کے ہرہ میں متعارض روایتیں منقول ہیں بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت بریرہؓ کو اس حال میں اختیار دیا تھا کہ اس کا شوہر غلام تھا لیکن بخاری و مسلم ہی میں یہ بھی منقول ہے کہ جب بریرہؓ کو آزاد کیا گیا تو اس کا شوہر ایک آزاد مرد تھا۔

اسی طرح کی روایت سنن اربعہ یعنی ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ اور ابن ماجہؒ نے بھی نقل کی ہے، نیز ترمذیؒ نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے، لہذا ائمہ ثلاثہ نے تو پہلی روایت کو ترجیح دی اور حضرت امام ابوحنیفہؒ نے دوسری روایت کو راجح قرار دیا۔ ملاحظہ فرمائیے! انہوں نے اس کوئی کو مرقعات میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، یہاں طوالت کے خوف سے اس کا خلاصہ نقل کر دیا گیا ہے۔

بَابُ الصَّدَاقِ

مہر کا بیان

”مہر“ حقوق زوجیت حاصل ہونے کے اس معاوضہ کو کہتے ہیں جو عورت کو اس کے شوہر کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ مہر کے نہ دینے کی نیت نہ ہونا نکاح کے صحیح ہونے کی ایک شرط ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص نکاح کے وقت یہ نیت کر لے کہ مہر دیا ہی نہ جائے گا۔ تو اس کا نکاح صحیح نہ ہو گا۔ نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہ نکاح صحیح ہونے کے لئے شرط نہیں ہے، اگر مہر کا ذکر نہ کیا جائے تو نکاح صحیح ہو جائے گا اور شوہر مہر میں واجب ہو گا۔

مہر کی مقدار: نہ تو شریعت نے مہر کے لئے کسی خاص مقدار کو متعین کر کے اسے واجب قرار دیا ہے اور نہ اس کی زیادہ سے زیادہ کوئی حد مقرر کی گئی ہے بلکہ اسے شوہر کی حیثیت و استطاعت پر موقوف رکھا ہے کہ جو شخص جس قدر مہر دینے کی استطاعت رکھتا ہو اسی قدر مقرر کرے البتہ مہر کی کم سے کم ایک حد ضرور مقرر کی گئی ہے تاکہ کوئی شخص اس سے کم مہر نہ باندھے، چنانچہ حنفیہ کے مسلک میں مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم (۶۱۲-۶۱۳ گرام چاندی) ہے اگر کسی شخص نے اتنا مہر باندھا جو دس درہم یعنی ۶۱۲-۶۱۳ گرام چاندی کی قیمت سے کم ہو تو مہر صحیح نہیں ہو گا۔

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک کم سے کم مہر کی آخری حد چھ تھائی دینار ہے اور حضرات امام شافعیؒ و حضرت امام احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ جو بھی چیز شرم یعنی قیمت ہونے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو اس کا مہر باندھنا جائز ہے۔

ازواج مطہراتؓ اور صاحبزادیوںؓ کا مہر؟: ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کے علاوہ تمام ازواج مطہراتؓ اور حضرت فاطمہؓ کے علاوہ

تمام صاف زردیوں کا مہر چانچ سو درہم چاندی کی مقدار۔ ۵۷۵ ماشہ یعنی ایک کلو ۵۳۰ گرام ہوتی ہے آجکل کے نرخ کے مطابق ایک کلو ۵۳۰ گرام چاندی کی قیمت تقریباً ۹۸ روپے ہوتی ہے۔ اتم خوشن اتم حبیبہ کا مہر چار ہزار دو سو پانچ سو تار تھا، چار ہزار درہم بارہ ہزار چھ سو ماشہ یعنی بارہ کلو ۲۳ گرام چاندی کے بقدر ہوتے ہیں اور چاندی کے موجودہ نرخ کے مطابق اس کی قیمت سات ہزار تین سو اڑتالیس روپیہ (۷۳۳۸/۷) ہوتی ہے۔

حضرت فاطمہ زہراءؑ کا مہر چار سو حشاش فقرہ تھا، چار سو حشاش ۱۰ شمارہ سو ماشہ یعنی ایک کلو ۵۷۵ گرام چاندی کے بقدر ہوتے ہیں اور چاندی کے موجودہ نرخ کے مطابق اس کی قیمت ایک ہزار پچاس روپیہ (۱۵۵۰/۱) ہوتی ہے۔
(اس قدر چاندی کے ساتھ روپے کی یہ مطابقت آج کل کے دور میں درست نہیں کیونکہ پاکستان میں روپے کی قیمت بہت زیادہ گر چکی ہے۔ اس ہرزمانے میں چاندی کی قیمت معلوم کر کے روپے کی قیمتیں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ازراہ ضرب م۔)

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

مہر کی کم سے کم مقدار کیا ہونی چاہئے؟

① وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَهُ إِهْرَاقُ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي وَهَيْتُ نَفْسِي لَكَ فَقَامَتْ طَوْلِيلاً فَقَامَ وَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ زَوْجِيهَا إِنْ لَمْ تَكُنْ لَكَ فِيهَا حَاجَةٌ فَقَالَ هَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ تُصِدِّقُهَا فَإِنْ مَا عِنْدِي إِلَّا زَوْجِي هَذَا قَالَ فَالْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ فَالْتَمَسَتْ فَلَمْ يَجِدْ شَيْئًا فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْءٌ قَالَ نَعَمْ سُورَةُ كَذَا وَسُورَةُ كَذَا فَقَالَ قَدْ زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ وَلَيْسَ رِوَايَةُ قَالَ النُّظْلِيُّ فَقَدْ زَوَّجْتُكَهَا فَعَلِيْنَهَا مِنَ الْقُرْآنِ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت سہل ابن سعدؓ کہتے ہیں کہ ایک دن ایک عورت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! میں نے اپنے آپ کو آپ ﷺ کے لئے بہ کر دیا“ (یہ کہہ کر وہ عورت دیر تک کھڑی رہی یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور ابھی آپ ﷺ خاموش ہی تھے کہ ایک صحابیؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ ﷺ اس عورت کی ضرورت محسوس نہ کرتے ہوں تو اس سے میرا نکاح کر دیجئے۔“ آپ ﷺ نے پوچھا ”کیا تمہارے پاس کوئی ایسی چیز بھی ہے جسے تم اس عورت کو ہر میں دے سکو؟“ انہوں نے عرض کیا کہ ”اس نے بند کے علاوہ کچھ نہیں دیا“ (یہ کہہ کر وہ عورت نے بہت تلاش کیا اور انہیں کوئی چیز نہیں ملی تو پھر آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ ”کیا تمہیں قرآن میں سے کچھ یاد ہے؟“ انہوں نے عرض کیا کہ ”ہاں اقلان فلاں سورہ میں یاد ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”قرآن میں سے جو کچھ تمہیں یاد ہے اس کے سبب میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا۔“ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جاؤ میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا، تم اس کو قرآن کی تعلیم دیا کرو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ میں یہ حکم تھا کہ اگر کوئی عورت اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ کے لئے بہ کر دیتی تھی اور آپ ﷺ اس کے ہر قول کو لیتے تھے تو وہ عورت آنحضرت ﷺ کے لئے حلال ہو جاتی تھی اور آپ ﷺ پر اس کا کچھ مہر واجب نہیں ہوتا تھا۔ یہ اور کسی کے لئے نہ آپ ﷺ کے وقت میں جائز تھا اور نہ اب جائز ہے بلکہ یہ آپ ﷺ کے خصائص میں سے تھا۔ یعنی صرف آپ ﷺ ہی کے لئے جائز تھا، چنانچہ قرآن کریم کی یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے۔

وَأَمَّا أُمَّةٌ مُّؤْمِنَةٌ إِنَّا فَحَسبْنَاهَا لِنَفْسِهِ إِنَّ أَزْوَاجَ النَّسَاءِ أَنْ يَسْتَكْبِرُوا بِهَا خَالِصَةً لِّكَ مِنْ ذُنُوبِ الْمُؤْمِنِينَ (النساء ۱۵۰-۱۵۲)

”اور اگر کوئی مؤمن عورت اپنے تئیں پیغمبر (ﷺ) کو بہرہ کر دے (یعنی بہرہ لینے کے بغیر نکاح میں آنا چاہے) اور پیغمبر (ﷺ) بھی اس سے نکاح کرنا چاہیں (تو وہ عورت حلال ہے لیکن اسے عمر (ﷺ) یہ اجازت صرف آپ ہی کو ہے سب مسلمانوں کو نہیں۔“

اس بارہ میں فقہی تفصیل یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک بغیر ہر کے لفظ بہرہ کے ذریعہ نکاح کا جواز صرف آنحضرت ﷺ کے لئے تھا یہ کسی اور کے لئے جائز نہیں ہے جب کہ حنفی مسلک یہ ہے کہ لفظ بہرہ کے ذریعہ نکاح کرنا تو سب کے لئے جائز ہے مگر اس صورت میں بہرہ کا واجب نہ ہونا صرف آنحضرت ﷺ کے لئے تھا لہذا اگر کوئی عورت اپنے آپ کو کسی شخص کے لئے بہرہ کرے اور وہ شخص اس بہرہ کو قبول کرے تو اس بہرہ کے ذریعہ دونوں کے درمیان نکاح صحیح ہو جائے گا اور اس شخص پر ہر شل واجب ہو گا۔ اگرچہ وہ عورت بہرہ کا کوئی ذکر نہ کرے یا بہرہ کی نفی ہی کیوں نہ کر دے لہذا حنفی مسلک کے مطابق مذکورہ بالا آیت کے الفاظ خالصہ لک ارغ کے معنی ہیں کہ اپنے آپ کو بہرہ دینے والی عورت کا بہرہ واجب ہوئے بغیر حلال ہونا صرف آپ ﷺ کے لئے ہے۔

وَلَوْ خَالَفْتُنَّ خَدِيدًا (اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو) سے معلوم ہوا کہ اگر قسمال کسی بھی چیز کا بہرہ نہ ماننا چاہتا ہے خواہ وہ چیز کتنی ہی کم تر کیوں نہ ہو بشرطیکہ مرد و عورت دونوں اس پر راضی ہوں چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے اس بارہ میں امام ابو نعیمؒ اور حضرت امام مالکؒ کا جو مسلک ہے وہ ابتداء سے باب میں ذکر کیا جا چکا ہے خنیفہ کی دلیل حضرت جابرؓ کی یہ روایت ہے جس کو دار قطنیؒ نے نقل کیا ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَكْخُوا النِّسَاءَ إِلَّا الْإِكْفَاءَ وَلَا يَزُوجُهُنَّ إِلَّا الْإِلْيَاءُ وَلَا مَهْرَ دُونَ عَشْرَةِ

دراہم۔

”رسول کریم ﷺ نے فرمایا عورتوں کا نکاح ان کے کنوے سے کیا جائے اور عورتوں کا نکاح ان کے ولی کریں اور دوسرے کم بہرہ کا اعتبار نہیں ہے۔“

یہ حنفی مسلک کی تائید دار قطنیؒ اور بیہقیؒ میں منقول حضرت علیؓ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ:

لَا صَدَاقَ أَفَلٍ مِنْ عَشْرَةِ دَرَاهِمٍ۔

”حضرت علیؓ نے فرمایا کہ (دس درہم سے کم بہرہ معتبر نہیں۔“

حضرت سہیلؒ کی اس روایت کو خنیفہ نے بہر مجلس پر محمول کیا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا یہ معمول تھا کہ آپ ﷺ ازواج مطہرات کے مقررہ بہر میں سے کچھ حصہ علی انفور میں جماع کرنے سے پہلے دے دیتے تھے اسی لئے آپ ﷺ نے ان صحابیؓ کو بھی یہ حکم فرمایا کہ اگر تم میں کوئی بھی چیز خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو مل جائے تو لے آؤ تاکہ نکاح کے بعد اس عورت کو بہرہ کے طور پر کچھ نہ دے سکو۔ اسی بناء پر بعض علماء نے یہ مسئلہ اٹھایا ہے کہ نکاح کے بعد اپنی بیوی سے اس وقت تک جماع نہ کیا جائے جب تک اس کے بہر میں سے کچھ نہ کچھ اسے دے دیا جائے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت زہریؓ اور حضرت قتادہؓ کا یہی مسلک تھا ان کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے نکاح کیا تو آنحضرت ﷺ نے انہیں حضرت فاطمہؓ کے پاس اس وقت تک جانے سے ممانعت کر دی جب تک کہ وہ حضرت فاطمہؓ کو ان کے بہر میں سے کچھ نہ دے دیں حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! اس وقت تو میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم فاطمہؓ کو اپنی زرہ دے دو۔“ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کو اپنی زرہ دے دی اور اس کے بعد ان کے پاس گئے۔ اور یہ معلوم ہے کہ حضرت فاطمہؓ کا بہر چار سو مثقال چاندی کا تھا اور آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو اس مقررہ بہر سے ایک زرہ کی بعد روپے کا حکم دیا تھا لہذا ان حضرات کے نزدیک مقررہ بہر میں

سے علی الغرر (یعنی جماع سے قبل) کچھ دے دینا واجب ہے جب کہ خفیہ کے اہل یہ مستحب ہے واجب نہیں ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے تعلیم قرآن کو مہر قرار دیا، چنانچہ بعض ائمہ نے اسے جائز رکھا ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں (یعنی تعلیم قرآن کو مہر قرار دے کے نکاح کر لینے کی صورت میں) نکاح تو صحیح ہو جاتا ہے مگر خاوند پر مہر شل واجب ہوتا ہے اور جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے تو ارشاد گرامی بصامعک الہ میں حرف بادل کے لئے نہیں ہے بلکہ بیعت کے اظہار کے لئے ہے یعنی اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ قرآن میں سے جو کچھ تمہیں یاد ہے اس کے سبب میں تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا گیا تمہیں قرآن کا یاد ہونا اس عورت کے ساتھ ہوا تھا تو قبولیت اسلام ان کے نکاح کا سبب تھا اسے مہر قرار نہیں دیا گیا تھا۔

”تم اس کو قرآن کی تعلیم دیا کرو“ یہ حکم بطور وجوب نہیں تھا بلکہ بطریق استحباب تھا لہذا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تعلیم قرآن کو مہر قرار دیا تھا۔

ازواج مطہرات کے مہر کی مقدار

② وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَ صَدَاقُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ صَدَاقُهُ لَا زَوْجَهُ بِنَتْنِ عَشْرَةَ أَوْقِيَّةً وَنَتْنِ قَالَتْ أَنْتِ عَائِشَةُ قَالَتْ لَا قَالَتْ يَصِفُ أَوْقِيَّةٌ فَيَلْكَ خَمْسَ سِجَابَةٍ دِرْهَمٍ - زَوْادَةُ مُسْلِمٌ وَنَتْنِ بِالزَّوْفِ فِي شَرْحِ الشُّوْخِ وَفِي جَمِيعِ الْأَمْثَلِ -

”اور حضرت ابوسلمہؓ کہتے ہیں کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ نے (اپنی ازواج مطہرات کا) کتنا مہر مقرر کیا تھا؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے (اپنی ازواج کے لئے) بارہ اوقیہ اور ایک نش کا مہر مقرر فرمایا تھا۔“ پھر حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ ”جانتے ہو نش کسے کہتے ہیں؟“ میں نے عرض کیا کہ ”نہیں“ انہوں نے فرمایا کہ ”ایک نش آدھے اوقیہ کے برابر ہوتا ہے اس طرح بارہ اوقیہ ایک نش کی مجموعی مقدار پانچ سو درہم کے برابر ہوتی (کیونکہ ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا ہے) اس روایت کو مسلم نے نقل کیا ہے اور شرح السنہ اور اصول کی تمام کتابوں میں لفظ نش نون کے پیش کے ساتھ یعنی نش مقول ہے۔“ اصول حدیث کی ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں تمام احادیث سند کے ساتھ لکھی گئی ہوں۔“

تشریح: پانچ سو درہم کے موجودہ وزن اور موجودہ حیثیت کی تفصیل ابتداء باب میں بیان کی جا چکی ہے اس حدیث سے شوافع یہ استدلال کرتے ہیں کہ پانچ سو درہم کا مہر یاد ہوا مستحب ہے۔

یہاں ایک غلط فہمی پیدا ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ کی تمام ازواج مطہرات کی مقدار پانچ سو درہم بتائی ہے حالانکہ حضرت ام حبیبہؓ کا مہر چار ہزار درہم یا چار سو درہم تھا اور حضرت ام حبیبہؓ بھی آنحضرت ﷺ کی زوجہ مطہرہ تھیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے تمام ازواج مطہرات کے مہر کی مقدار بتائی ہے جن کا مہر خود آنحضرت ﷺ نے مقرر فرمایا تھا، جب کہ حضرت ام حبیبہؓ کا مہر حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے باندھا تھا۔

بھاری مہر کی ممانعت

③ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ أَلَا تَعْلَمُونَ أَنَّ صَدَقَةَ النِّسَاءِ فَإِنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَكْنُومَةً فِي الدُّنْيَا وَتَقْوَى عِنْدَ اللَّهِ لَكِنْ أَوْ لَا تَكُنْ نَهَا نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَلِمْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَكَحَ شَيْئًا مِنْ بَنَاتِهِ وَلَا نَكَحَ شَيْئًا مِنْ بَنَاتِهِ عَلَى أَكْثَرِ مِنَ النِّتْنِ عَشْرَةَ أَوْقِيَّةً (رواہ احمد والترمذی والبیہقی والدارقطنی وابن ماجہ والدارقطنی)

”حضرت عمر ابن خطابؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: خرددار اور عورتوں کا بھاری ہر نہ باندھا اگر بھاری ہر باندھنا دنیا میں بزرگی و عظمت کا سبب اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ کا موجب ہوتا تو یقیناً نبی کریم ﷺ اس کے زیادہ سختی سے (آپ ﷺ بھاری سے بھاری ہر باندھے مگر میں نہیں جانتا کہ رسول کریم ﷺ نے بارہ اوقیہ سے زیادہ ہر پر اپنی ازدواج مطہرات سے نکاح کیا ہو یا اس سے زیادہ ہر پر اپنی صاحبزادیوں کا نکاح کر لیا ہو۔“ (صحیح ترمذی، ابوداؤد، سنن ابی داؤد، سنن ابی ماجہ، دارقطنی)

تشریح:- تقویٰ سے مراد زیادہ تقویٰ ہے اور آیت کریمہ:

إِن أَخَذْتُمْ مَعَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ یعنی اللہ کے نزدیک تم میں سب سے بڑے مرتبہ والا وہی ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ ہو۔ کہ بموجب اللہ تعالیٰ کے نزدیک امتیاز عطا کرنے والی بزرگی و فضیلت کا سختی بتاتا ہے حاصل یہ کہ بھاری ہر باندھنے سے نہ صرف یہ کہ دنیا میں کوئی عظمت و بزرگی حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کی وجہ سے آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک امتیازی بزرگی و فضیلت کا درجہ حاصل نہیں ہوگا اور جب اس کی وجہ سے نہ دنیا کا کوئی فائدہ ہے اور نہ دین کا کوئی نفع تو پھر اس لا حاصل چیز کو کیوں اختیار کیا جائے! ازدواج مطہرات کے ہر کے سلسلہ میں تین روایتیں ہیں جو بظاہر متضاد معلوم ہوتی ہیں، ایک تو حضرت عائشہؓ کی روایت ہے دوسری روایت یہ ہے جس میں بارہ اوقیہ یعنی چار سو اسی درہم کی مقدار ذکر کی گئی ہے اور ایک روایت آگے آگے کی جس میں حضرت ام حبیبہؓ کے ہر کی مقدار چار ہزار درہم ذکر ہوگی ان تینوں روایتوں میں سے حضرت ام حبیبہؓ کے ہر والی روایت کو سختی مانتا ہے۔ کیونکہ ان کا ہر آنحضرت ﷺ نے مقرر نہیں کیا تھا بلکہ حبش کے بادشاہ نجاشیؓ نے باندھا تھا اور نجاشیؓ بادشاہ نے بھی امتیاز ہر بخش آپ ﷺ کی تعظیم و تکریم کے پیش نظر باندھا تھا۔ اب رضی حضرت عائشہؓ اور حضرت عمرؓ کی روایتیں تو دونوں کے درمیان بھی دور حقیقت کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ نے ہر کی اصل مقدار کی وضاحت کرتے ہوئے اوقیہ کے ساتھ کریمہ یعنی آدھے اوقیہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور حضرت عمرؓ نے صرف اوقیہ کا ذکر کیا کہ جو کمزور یا اس کے علاوہ یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت عمرؓ نے بارہ اوقیہ سے زیادہ کی نفی اپنے علم کے مطابق کی ہے یعنی حضرت عمرؓ کو صرف بارہ اوقیہ ہی کا علم ہوگا اور حضرت عائشہؓ نے جو ایک لٹ (آدھا اوقیہ) زیادہ ذکر کیا ہے وہ حضرت عمرؓ کے علم میں نہیں آیا ہوگا۔

یہ بات ملحوظ ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہاں صرف اولیٰ اور افضل کو بیان کیا ہے یعنی ان کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ زیادہ بہتر اور افضل و اولیٰ یہ ہے کہ ہر کم ہی باندھا جائے جس کی مسنون مقدار بارہ اوقیہ ہے ورنہ تو جہاں تک جواز کا تعلق ہے یہ بتایا ہی جا چکا ہے کہ اس سے زیادہ ہر باندھنا بھی جائز ہے۔

ہر میں کچھ حصہ علی الفور دے دینا بہتر ہے

(۴) وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَغْطَى فِي حُدُودِ امْرِئِهِ مِلًّا كَفَّيْتَهُ سَوِيْقًا أَوْ تَمْرًا فَقَدْ اسْتَحْلَلَ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اپنی بیوی کے ہر میں سے (کچھ حصہ بطور ہر منجمل دے دیا مثلاً دونوں ہاتھ بھر کر ستویا بھجوریں دے دیں تو اس نے اس عورت کو اپنے لئے حلال کر لیا۔“ (ابوداؤد)

(۵) وَعَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ بَنِي قُرَظَةَ تَزَوَّجَتْ عَلَى ثَعْلَبَيْنِ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَزْصِيبُ مِنْ ثَعْلَبٍ وَمَالِكٍ بِنِثْلَيْنِ قَالَتْ نَعَمْ فَأَجَازَهُ - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت عامر ابن ربیعہؓ کہتے ہیں کہ (قبیلہ) بنی قُرَظہ کی ایک عورت نے ایک جوڑی جوئی پر ایک شخص سے نکاح کیا تو رسول کریم ﷺ نے اس سے فرمایا: کیا تم اپنی والداری کے باوجود اپنے آپ کو ایک جوڑا جوئی کے بدلے حوالے کر دینے پر راضی ہو گئیں۔“ یعنی

اس کے باوجود کہ تم خود مالدار اور باحیثیت خاتون ہو کیا صرف ایک جوڑا جوئی کے بدلے اپنے آپ کو حوالے کر دینے پر راضی ہو؟“ اس عورت نے کہا کہ ہاں (میں راضی ہوں) آپ ﷺ نے (یہ جواب سن کر) اس کو جائز رکھا۔ (ترمذی)

تشریح: رفع تعارض کے پیش نظر اس حدیث کو بھی ”مہر متعلیٰ“ پر محمول کیا جائے گا لیکن اس کی یہ توضیح زیادہ مناسب ہے کہ جب اس عورت نے ایک جوڑا جوئی کے عوض نکاح کیا تو اس کا نکاح صحیح ہو گیا اور اسے اپنے ہر مثل کے مطالبہ کا حق حاصل ہو گیا جب وہ ایک جوڑا جوئی پر راضی ہو گئی تو گویا وہ اپنے ہر مثل میں سے ایک جوڑا جوئی کے حق سے دست بردار ہو گئی لہذا رسول کریم ﷺ نے اس کو جائز رکھا اور چونکہ اس صورت میں اس کے جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اس لئے یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ وغیرہ کے مسلک کی دلیل نہیں ہو سکتی اور ویسے بھی یہ حدیث ضعیف ہے۔

مہر مثل واجب ہونے کی ایک صورت

① وَعَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ مَثِلُ عَن زَوْجٍ قَرَّحَ امْرَأَةً وَلَمْ يَغْرِضْ لَهَا شَيْئًا وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا حَتَّى مَاتَ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ لَهَا مِثْلُ صَدَاقِ نِسَائِهَا لَا وَكُنْ وَلَا تَحْطُطْ وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ وَلَهَا الْمِيرَاثُ فَقَامَ مَعْقِلُ بْنُ بَسَنَانَ الْأَشْجَعِيُّ فَقَالَ قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبِزَوْجٍ وَابْنِ امْرَأَةٍ مِثْلُ مِثْلٍ مَا قَضَيْتَ فَقَرَّحَ بِهَا ابْنُ مَسْعُودٍ۔ (ردہ الترمذی و ابوداؤد والنسائی والدارمی)

”اور حضرت علقمہؒ حضرت ابن مسعودؓ کے بارہ میں نقل کرتے ہیں کہ ان سے ایک ایسے شخص کے متعلق پوچھا گیا جس نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کا کچھ ہر مقرر نہیں کیا اور پھر اس نے ابھی دخول نہیں کیا تھا یعنی نہ تو بٹی بیوی کے ساتھ جماع کیا تھا اور نہ طوط سمجھ ہوئی تھی۔ کہ اس کا انتقال ہو گیا، حضرت ابن مسعودؓ نے ایک مہینہ تک اس مسئلہ پر غور و فکر کیا اور پھر اپنے اجتہاد کی بنیاد پر فرمایا کہ ”اس عورت کو وہ ہر ملے گا، جو اس کے خاندان کی عورتوں کا ہے (یعنی اس شخص کی بیوہ کو ہر ملے جائے گا) نہ اس میں کوئی کمی ہوگی نہ زیادتی اور اس عورت پر شوہر کی وفات کی عدت بھی واجب ہوگی اور اس کو میراث بھی ملے گی۔ (یہ سن کر) حضرت معقلؓ ابن شان انجلی کہنے ہوئے اور کہنے لگے کہ ”یہی کریم ﷺ نے ہمارے خاندان کی ایک عورت بروح بنت واشق کے بارہ میں یہی حکم دیا تھا جو اس وقت آپ نے بیان کیا ہے۔“ حضرت ابن مسعودؓ (یہ بات سن کر) بہت خوش ہوئے۔“ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

تشریح: حضرت ابن مسعودؓ کو اللہ تعالیٰ نے علم و فضل، ذہانت و ذکاوت اور دینی فہم و فراست کی دولت بڑی فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی تھی کسی بھی اچھے ہوئے مسئلے کو اپنی بے پناہ قوت اجتہاد کے ذریعہ اس طرح حل فرما دیتے تھے کہ وہ قرآن و حدیث کے بالکل مطابق ہوتا تھا، چنانچہ اس موقع پر بھی جب یہ مسئلہ آپؓ سے پوچھا گیا تو وہ اس پر ایک ماہ تک قرآن و سنت کی روشنی میں غور و فکر کرتے رہے پھر جب انہوں نے اپنی قوت اجتہاد سے اس کا شرعی فیصلہ سنایا تو ایک صحابی حضرت معقلؓ نے علی الاطلاق یہ شہادت دی کہ حضرت ابن مسعودؓ کا یہ فیصلہ آنحضرت ﷺ کے حکم کے عین مطابق ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے بھی اسی قسم کے ایک معاملہ میں ایسا ہی فیصلہ صادر فرمایا تھا چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ نے اپنی اس بات پر بہت زیادہ خوشی کا اظہار فرمایا کہ حق تعالیٰ نے میری رہبری فرمائی اور میرا یہ فیصلہ آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق ہوا۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں حضرت علیؓ اور صحابہ کی ایک جماعت کا یہ مسلک تھا کہ اس صورت میں عورت عدم دخول کی وجہ سے ہر کی حقدار نہیں ہوتی، ہاں اس پر عدت واجب ہوتی ہے اور اسے شوہر کی میراث بھی ملتی ہے اس بارہ میں حضرت امام شافعیؒ کے دو قول ہیں ایک تو حضرت علیؓ کے موافق ہے اور دوسرا قول حضرت ابن مسعودؓ کے مطابق ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک وہی ہے جو حضرت ابن مسعودؓ نے بیان کیا ہے۔

مہر مثل کے کہتے ہیں: ”مہر مثل“ عورت کے اس مہر کو کہتے ہیں جو اس کے باپ کے خاندان کی ان عورتوں کا ہجو ان باتوں میں اس کے مثل ہوں عمر، جمال، مال، زمانہ، عقل، دینداری، بکارت و شہوت، علم و ادب اور اخلاق و عادات۔

الفصل الثالث

اتم حبیبہؑ سے آنحضرت ﷺ کے نکاح کی تفصیل اور ان کے مہر کی مقدار

⑥ عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ أُمِّهَا كَانَتْ تَحْتَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَعْفَرٍ فَمَاتَ بِأَرْضِ الْخَيْفَةِ فَرَوَّجَهَا الشَّجَاعِيُّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمْنَهُمَا عِنْدَ أَرْبَعَةِ آلَافٍ وَفِي زَوَاجِهِ أَرْبَعَةُ آلَافٍ ذُرِّيَّتُهُمْ وَبَعَثَ بِهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ شَرِّ حَبِيبٍ ابْنِ حَسَنَةَ (رواه ابو داؤد والنسائي)

”اتم المؤمنین حضرت اُم حبیبہؑ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ (پہلے) عبد اللہ ابن جعفر کے نکاح میں تھیں پھر جب ملک حبشہ میں عبد اللہ کا انتقال ہو گیا تو حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے ان کا نکاح نبی کریم ﷺ کے ساتھ کر دیا اور نجاشی نے آنحضرت ﷺ کی طرف سے اُم حبیبہؑ کا مہر چار ہزار مقرر کیا ایک اور روایت میں چار ہزار درہم کے الفاظ ہیں (یعنی یہاں جو روایت نقل کی گئی ہے اس میں ”درہم“ کا لفظ نہیں ہے بلکہ صرف چار ہزار کا ذکر ہے جب کہ ایک دوسری روایت میں چار ہزار کے ساتھ درہم کا لفظ بھی ہے اور یہی مراد ہے اور نجاشی نے نکاح کے بعد اُم حبیبہؑ کو شریعل ابن حسنہ کے ہمراہ آنحضرت ﷺ کے پاس بھیج دیا۔“ (ابو داؤد، نسائی)

تشریح: حضرت اُم حبیبہؑ کے پہلے شوہر کا نام مشکوٰۃ کے تمام نسخوں میں عبد اللہ ابن جعفر ہی لکھا ہوا ہے حالانکہ یہ غلط نام ہے صحیح نام عبید اللہ ابن جعفر (تغییر کے صیغہ کے ساتھ) ہے چنانچہ سنن ابو داؤد اور اصول وغیرہ میں اسی طرح لکھا ہوا ہے۔

حضرت اُم حبیبہؑ کا اصل نام رطلہ تھا یہ حضرت ابوسفیانؓ کی صاحبزادی اور حضرت معاویہؓ کی بہن تھیں، پہلے ان کی شادی عبید اللہ ابن جعفر کے ساتھ ہوئی تھی، عبید اللہ نے اسلام قبول کر لیا تھا اور اُم حبیبہؑ کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے پھر وہاں پہنچ کر مرتد ہو گئے یعنی اسلام ترک کر کے عیسائی ہو گئے اور وہیں مر گئے اُم حبیبہؑ اسلام پر ثابت قدم رہیں پھر آنحضرت ﷺ نے عمرو ابن امیہ ضمریؓ کو حبشہ کے بادشاہ اسعد بن ابی کلابہ نجاشیؓ سے کہہ کر کہا کہ تم میری بہن اُم حبیبہؑ کو آپ ﷺ کے نکاح کا پیغام دیں چنانچہ نجاشی نے آنحضرت ﷺ کا یہ حکم آپ کی اپنی ایک لونڈی ابراہہ کے ذریعہ حضرت اُم حبیبہؑ کی خدمت میں بھیجا ابراہہ نے ان سے کہا کہ مجھے بادشاہ نے آپ ﷺ کے پاس بھیجا ہے اور کہا ہے کہ مجھے رسول کریم ﷺ کا یہ حکم ملا ہے کہ آپ سے رسول کریم ﷺ کا نکاح کروں حضرت اُم حبیبہؑ نے یہ پیغام طیب خاطر قبول کیا اور فوراً ایک آدمی کو حضرت خالد ابن سعیدؓ کے پاس بھیج کر ان کو اپنا وکیل مقرر کیا جو ان کے والد کے چچا اور بھائی تھے اور ساتھ ہی ابراہہ کو یہ خوشخبری سنانے کے عوض دو کپڑے اور چاندی کی ایک انگوٹھی عطا کی، پھر جب شام ہوئی تو نجاشی نے حضرت جعفر ابن ابی طالبؓ کو اور ان تمام مسلمانوں کو جو اس وقت حبشہ میں موجود تھے جمع ہونے کا حکم دیا جب سب لوگ جمع ہو گئے تو نجاشی نے یہ خطبہ پڑھا۔

أَلْحَمْدُ لِلَّهِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ السَّلَامِ الْمُؤْمِنِ الْمُتَعَبِّدِ الْعَزِيزِ الْخَبِيرِ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ أَرْسَلَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظَاهِرَهُ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا وَلِيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلِيُؤْتِيَهُمُ الْفَتْحَ كُلَّ يَوْمٍ.

پھر یہ الفاظ کہے ”بعد ازاں میں نے اس چیز کو قبول کیا جو رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے اور میں نے چار سو دینار مہر مقرر کیا۔“ اس کے بعد انہوں نے وہ چار سو دینار لوگوں کے سامنے پیش کر دیئے اس کے بعد حضرت خالد ابن سعیدؓ نے یہ خطبہ پڑھا۔

أَلْحَمْدُ لِلَّهِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ السَّلَامِ الْمُؤْمِنِ الْمُتَعَبِّدِ الْعَزِيزِ الْخَبِيرِ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ أَرْسَلَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظَاهِرَهُ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا وَلِيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلِيُؤْتِيَهُمُ الْفَتْحَ كُلَّ يَوْمٍ.

رَسُولُهُ اِذْ سَلَّمَ بِالْهَدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ۔

پھر یہ الفاظ کہ ”بعد ازاں میں نے اس چیز کو قبول کیا جو رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے اور میں نے ابوسفیان کی بیٹی اُم حبیبہ سے آنحضرت ﷺ کا نکاح کروایا اللہ تعالیٰ رسول کریم ﷺ کو یہ نکاح مبارک کرے۔“ اس انجباب و قبول کے بعد مہر کے وہ چار سو دینار حضرت خالد ابن سعیدؓ کو دے دیئے گئے جنہیں انہوں نے رکھ لیا پھر جب لوگوں نے اُنہیں کا ارادہ کیا تو نجاشی نے کہا کہ ابھی آپ لوگ بیٹھے رہیں کیونکہ نکاح کے وقت کھانا کھانا انبیاء کی سنت ہے چنانچہ انہوں نے کھانا کھلایا اور سب لوگ کھانا کھا کر اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ یہ سن کر کواقدہ ہے اس وقت حضرت اُم حبیبہؓ کے والد ابوسفیان مشرک تھے اور آنحضرت ﷺ کے سخت دشمن تھے پھر بعد میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

قبولیت اسلام مہر کا قائم مقام

⑧ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ تَزَوَّجَ أَبُو ظَلْحَةَ أُمَّ سَلِيمٍ فَكَانَ صَدَاقُ مَا بَيْنَهُمَا إِسْلَامًا أَسْلَمَتْ أُمُّ سَلِيمٍ قَبْلَ أَبِي ظَلْحَةَ فَخَطَبَهَا فَقَالَتْ (يُنَى) قَدْ أَسْلَمْتُ فَإِنِ أَسْلَمْتُ لَكَ خُلُقٌ فَاسْلَمْ فَكَانَ صَدَاقُ مَا بَيْنَهُمَا۔ (رواہ نسائی)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ابو ظحطہ نے جب اُم سلیمؓ سے نکاح کیا تو قبولیت اسلام انہیں میں مہر قرار پایا۔ اُم سلیم نے ابو ظحطہ سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا اور پھر جب ابو ظحطہ نے اُم سلیمؓ کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا تو اُم سلیمؓ نے کہا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ تو میں تم سے نکاح کر لوں گی۔ (اور تم سے ہر نہیں لوں گی) چنانچہ ابو ظحطہ نے اسلام قبول کر لیا اور اسلام قبول کر لینا ہی انہیں میں مہر قرار پایا۔“ (ابن ابی)

تشریح: حضرت اُم سلیمؓ طحان کی بیٹی اور حضرت انسؓ بن مالک کی ماں ہیں پہلے ان کی شادی مالک ابن نضر کے ساتھ ہوئی تھی جس سے حضرت انسؓ پیدا ہوئے مالک کو قبولیت اسلام کی توفیق نصیب نہیں ہو سکی اور وہ حالت شریک میں مارا گیا پھر اُم سلیمؓ نے اسلام قبول کر لیا اور ابو ظحطہ نے جو اس وقت تک مشرک تھے ان کو اپنے نکاح کا پیغام دیا اُم سلیمؓ سے ان کا نکاح ہو گیا۔ لہذا حدیث کے الفاظ ”اور اسلام قبول کر لینا ہی مہر قرار پایا“ کی وضاحت حنفیہ کے مسلک کے مطابق یہ ہے کہ اُم سلیمؓ کے ساتھ ابو ظحطہ کا نکاح تو مہر کے ساتھ ہی ہوا لیکن اُم سلیمؓ نے اپنے وعدہ کے مطابق ابو ظحطہ کے اسلام لانے کی وجہ سے اپنا مہر بخش دیا لہذا ابو ظحطہ کا اسلام قبول کرنا ان کے آپس کے نکاح کا سبب ہوا نہ یہ کہ قبولیت اسلام ان کا مہر تھا یاں دوسرے آئمہ اس حدیث کو ظاہری معنی پر محمول کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ابو ظحطہ کا اسلام قبول کرنا ہی ان کا مہر تھا۔

بَابُ الْوَلِيْمَةِ

ولیمہ کا بیان

”ولیمہ“ اس کھانے کو کہتے ہیں جو نکاح میں کھلایا جاتا ہے اور چونکہ ولیمہ شوق ہے التیام سے جس کے معنی اجتماع کے ہیں اس لئے اس کھانے کو ”ولیمہ“ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ اجتماع دو زمین کی تقریب میں کھلایا جاتا ہے۔

ولیمہ کی شرعی حیثیت اور اس کا وقت: اکثر علماء کے قول کے مطابق ”ولیمہ“ مسنون ہے جب کہ بعض علماء اسے مستحب کہتے ہیں اور بعض حضرات نے نزدیک ہے یا واجب ہے اسی طرح ”ولیمہ“ کے وقت کے بارے میں بھی اختلاف اقوال ہیں بعض علماء تو یہ فرماتے ہیں کہ ولیمہ کا اصل وقت دخول (یعنی شب زفاف) کے بعد ہے بعض حضرات کا یہ قول ہے کہ ولیمہ عقد نکاح کے وقت کھانا چاہئے۔ اور بعض علماء یہ

کہتے ہیں کہ عقد نکاح کے وقت بھی کھانا چاہئے اور دخول کے بعد بھی۔

دو دن سے زیادہ وقت تک ولیمہ کھلانے کے بارے میں بھی علماء کے مختلف قول ہیں ایک طبقہ تو اسے مکروہ کہتا ہے یعنی علماء کے اس طبقہ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ دو دن تک کھلایا جاسکتا ہے اس سے زیادہ وقت تک کھانا مکروہ ہے حضرت امام مالکؒ کے ہاں ایک ہفتہ تک کھانا مستحب ہے لیکن اس سلسلہ میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس کا انحصار عائد کی حیثیت و استطاعت پر ہے اگر وہ صرف ایک ہی وقت پر انکفار کے لئے اور اگر کن دن اور کنی وقت تک کھلانے کی استطاعت رکھتا ہے تو کن دن اور کنی وقت تک کھلا سکتا ہے۔

ضیافت کی قسمیں: مجمع البیہار میں لکھا ہے کہ ضیافت یعنی دعوت کی آٹھ قسمیں ہیں۔ ① ولیمہ ② خرس ③ اعذار ④ وکیرہ ⑤ نقیوہ ⑥ وفسیرہ ⑦ عقیدہ ⑧ مادہ۔ چنانچہ ولیمہ اس دعوت کو کہتے ہیں جو شادی بیاہ کے موقعہ پر کی جائے خرس اس دعوت کو کہتے ہیں کہ جو بچہ کی پیدائش کی خوشی میں کی جائے اعزاز اس دعوت کو کہتے ہیں جو ختمہ کی تقریب میں کی جائے وکیرہ اس دعوت کو کہتے ہیں جو مکان بننے کی خوشی میں کی جائے نقیوہ اس دعوت کو کہتے ہیں جو مسافر کے آنے کی تقریب میں کی جائے عقیدہ اس دعوت کو کہتے ہیں جو بچہ کا نام رکھنے کی تقریب میں کی جائے اور مادہ ہر اس دعوت کو کہتے ہیں جو بلا کسی خاص تقریب کے کی جائے ضیافت کی یہ تمام قسمیں مستحب ہیں البتہ ولیمہ کے بارے میں بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ دعوت واجب ہے۔

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

ولیمہ کرنے کا حکم

① وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى عَلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَزَبٍ أَكُوَ صُفْرَةً فَقَالَ مَا هَذَا قَالَ أَتَيْنَ قُرُوبًا وَجِئْتُ أَفْزَاةً عَلَى وَدُنٍ نَوَافٍ مِنْ ذَهَبٍ قَالَ بَارَكَ اللَّهُ لَكَ أُولَئِكَ أُولَئِكَ وَلَوْ بِشَاةٍ (بخاری ص ۱۸۱)

"حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے عبد الرحمن بن عوفؓ (کے بدن یا کپڑے) پر زعفران کا زرد نشان دیکھا تو پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ عبد الرحمن نے کہا کہ میں نے ایک نواف سونے کے عوض ایک عورت سے نکاح کیا ہے۔" آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ تمہیں مبارک کرے، تم ولیمہ کرو یعنی کھانا پکوا کر کھانا اگرچہ وہ ایک بکری کا ہو۔" (بخاری ص ۱۸۱)

تشریح: حضرت عبد الرحمنؓ کے کپڑوں پر یا ان کے بدن پر زعفران کا نشان دیکھ کر آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانہ کہ "یہ کیا ہے؟" کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس زعفران کے لگنے کا سبب دریافت فرمایا ہو اور یہ بھی اجمال ہے کہ آنحضرت ﷺ چونکہ مردوں کو خلوق استعمال کرنے سے منع کرتے تھے (خلوق ایک خوشبو کا نام ہے جو زعفران و فیروز سے بنتی ہے) اس لئے آپ ﷺ نے ان الفاظ کے ذریعہ ان کو تنبیہ فرمائی کہ جب مردوں کے لئے یہ ممنوع ہے تو تم نے کیوں لگائی؟ چنانچہ عبد الرحمنؓ نے جواب دیا کہ میں نے قصداً نہیں لگائی ہے بلکہ دہن سے اختلاط کی وجہ سے بغیر میرے قصد اور بغیر علم کے لگ گئی ہے۔

تجانیؒ کہتے ہیں کہ جس طرح "نوش" میں درہم اور اوقیہ چالیس درہم کے برابر وزن کو کہتے ہیں اسی طرح "نواف" پانچ درہم کے برابر وزن کا نام ہے۔ لہذا ایک نواف سونے کے عوض کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اس عورت کا ہر پانچ درہم کے برابر یعنی پونے سولہ ماشر سونا مقرر کیا ہے۔ بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ "نواف" سے نواف تری یعنی بھجوری تھنلی مراد ہے اور بظاہر یہی مراد زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اس صورت میں حضرت عبد الرحمنؓ کے کہنے کا مطلب یہ ہو گا کہ میں نے بھجوری تھنلی کے بقدر سونے کا ہرمانہ دیا ہے۔

"تم ولیمہ کرنا اگرچہ وہ ایک بکری کا ہو" اس طرح کی عبارت تفہیل "مک" سے کم مقدار بیان کرنے کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے اور یہاں تکثیر مراد ہے یعنی آنحضرت ﷺ کا مقصود یہ بیان کرنا تھا کہ اگرچہ زیادہ خرچ ہو تب بھی ولیمہ کرو۔ اور "تکثیر" مراد لینے کی وجہ یہ

ہے کہ اس زمانہ میں بکری کو ایک قلیل ترین مقدار کے انہار کے لئے ذکر کرنا بعد از قیاس معلوم ہوتا ہے کیونکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کی مالی اور اقتصادی حالت بہت کمزور تھی لوگ ستوا اور آبی قسم کی دوسری کم تر چیزوں کے ذریعہ دلیہ کی سنت پوری کیا کرتے تھے۔ پھر یہ کہ خود حضرت عبدالرحمن ابن عوف کی مالی حیثیت اس وقت اتنی زیادہ نہیں تھی کہ آنحضرت ﷺ ان کے سامنے بکری جیسی چیز کو کم سے کم مقدار کی صورت میں بیان کرتے۔

آنحضرت ﷺ نے سب سے بڑا دلیہ حضرت زینبؓ کے نکاح میں کیا تھا

(۲) وَعَنْهُ قَالَ مَا أَوْلَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَحَدٍ مِنْ نِسَائِهِ مَا أَوْلَمَ عَلَيَّ زَيْنَبُ أُولَمَ بَشَرَةً۔

(بخاری علیہ)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنی کسی بھی زوجہ مطہرہ کا اتنا بڑا دلیہ نہیں کیا جتنا بڑا دلیہ حضرت زینبؓ کے نکاح میں کیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کے نکاح میں ایک بکری کا دلیہ کیا تھا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس سے پہلے حدیث کی تشریح میں جو یہ بتایا گیا تھا کہ بکری کا ذکر بیان بخیر کے لئے ہے تو اس حدیث سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ ایسا دلیہ جس میں ایک بکری استعمال کی گئی ہو ایک بڑے اور کثیر خرچ دلیہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۳) وَعَنْهُ قَالَ أَوْلَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِزْنَ بَنِي يَزُوتَ بَنَتَ جَنْشِبٍ فَأَشْبَعَ النَّاسَ خُبْرًا أَوْ لُحْخَامًا۔

(رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت زینب بنت جحشؓ کے ساتھ شب زفاف گزارنے کے بعد دلیہ کیا اور (اس دلیہ میں) لوگوں کا پیٹ گوشت اور روٹی سے بھریا۔“ (بخاری)

عورت کی آزادی کو اس کا مہر قرار دیا جاسکتا ہے

(۴) وَعَنْهُ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْتَقَ صُفْيَةَ وَتَزَوَّجَهَا وَجَعَلَ عَقْدَهَا صَدًّا قَهًّا وَأَوْلَمَ عَلَيْهَا بِحَنْسِبٍ۔ (بخاری علیہ)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت صفیہؓ کو (پہلے) آزاد کیا اور (پھر) ان سے نکاح کر لیا۔ آپ ﷺ نے ان کی آزادی ہی کو ان کا مہر قرار دیا اور ان کے نکاح میں جس کا دلیہ کیا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت صفیہؓ ثنی ابن اخطب کی بیٹی تھیں جو خیر میں آباد قبیلہ بنو قریظہ و بنو نضیر کے سردار تھے جب خیر کے یہودیوں سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح عطا کی تو صفیہؓ بھی ہاتھ لگیں اور بطور لونڈی آنحضرت ﷺ کی ملکیت میں آئیں مگر آپ ﷺ نے ان کو آزادی کے خلعت سے نوازا اور پھر اپنی زوجیت میں لے کر انہیں دین و دنیا کی سب سے بڑی سعادت سے سرفراز کیا۔

اس مسئلہ میں اہل علم کے اختلافی اقوال ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی لونڈی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرے اور اس کی آزادی ہی کو اس کا مہر قرار دے تو یہ چاہے یا نہیں؟ چنانچہ صحابہؓ کی ایک جماعت اور بعض علماء اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے پیش نظر اس کے جواز کے قائل ہیں جب کہ صحابہؓ اور علماء کی ایک جماعت نے اسے جائز نہیں کہا ہے اور حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے ان کی طرف سے اس حدیث کی یہ تاویل کی جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے حضرت صفیہؓ کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا جانا ایک استثنائی صورت ہے جو صرف آنحضرت ﷺ کی ذات کے ساتھ شخص ہے لہذا یہ آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے تھا اور کسی کو جائز نہیں ہے۔

شرح ہدایہ میں لکھا ہے اگر کوئی شخص اپنی لونڈی کو آزاد کرے اور اس کی آزادی کو ہر قرار دے ہاں طور کہ اس سے یہ کہے کہ میں نے تجھ کو اس شرط پر آزاد کیا کہ تو مجھ سے آزادی کے عوض نکاح کر لے اور پھر اس لونڈی نے اسے قبول کر لیا تو یہ آزاد کرنا صحیح ہو جائے گا جتنی وہ آزاد ہو جائے گی البتہ نکاح کے معاملہ میں وہ خود مختار ہوگی یہاں تک کہ اگر اس نے اس شخص سے نکاح کر لیا تو اس کے لئے اس کا ہر مثل واجب ہوگا۔

”میں“ ایک کھانے کا نام ہے جو طوے کی قسم کا ہوتا ہے اور مجبور بھی اور اقطہ سے بنتا ہے۔ ”اقطہ“ کہ جس کا دوسرا نام قروط“ ہے بغیر کی طرح ہوتا ہے اور وہی سے بنایا جاتا ہے۔

حضرت صفیہؓ کے ولیمہ کا ذکر

⑤ وَعَنْهُ قَالَ أَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ خَيْبَرَ وَالْمَدِينَةِ فَلَاثَ لَيَْالٍ بَنِي نَسَائِهِ بَصِيَّةً فَذَعُوتُ الْمُسْلِمِينَ إِلَى وَلِيمَتِهِ وَمَا كَانَ فِيهَا مِنْ خَبْزٍ وَلَا لَحْمٍ وَمَا كَانَ فِيهَا إِلَّا أَنْ أَمَرَ بِالنَّطَاجِ فَنَبِطَتْ فَأَلْبَقِيَ عَلَيْهَا الشَّعْرُ وَالْإِبْطُ وَالشَّعْرُ - (رداء البخاری)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے خیر اور مدینہ کے درمیان تین رات قیام فرمایا اور صفیہؓ کے ساتھ ”ان کے نکاح کے بعد“ شب زفاف گزاری اور میں نے مسلمانوں کو آپ ﷺ کی دعوت ولیمہ میں بلایا ولیمہ میں نہ تو گوشت تھا اور نہ روٹی تھی بلکہ آپ ﷺ نے دسترخوان چھانے کا حکم دیا اور جب دسترخوان بچھلوا لیا تو اس پر مجبوریں اقطہ اور بھی رکھ دیا گیا۔“ (بخاری)

تشریح: اوپر کی حدیث میں حضرت صفیہؓ کے ولیمہ میں جس ”میں“ کا ذکر کیا گیا ہے اسی کی تفصیل اس حدیث میں بیان کی گئی ہے کہ صیس کے اجزاء مجبور اقطہ اور بھی تھے۔

حضرت اُم سلمہؓ کا ولیمہ

⑥ وَعَنْ صُلَيْبَةَ بِنْتِ شَيْبَةَ قَالَتْ أَوْلِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيَّ بَعْضَ نِسَائِهِ بِمُثَنِّينَ مِنْ شَعِيرٍ - (رداء البخاری)

”اور حضرت صفیہؓ بنت شیبہ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی زوجہ مطہرہ (غالباً اُم سلمہؓ) کا ولیمہ دوسیر جو کے ساتھ کیا۔“ (بخاری)

ولیمہ کی دعوت قبول کرنا چاہئے

⑦ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْوَلِيمَةِ فَلْيَأْتِهَا مُتَعَفِّقًا عَلَيْهِ وَفِي زَوَائِجِ الْمُسْلِمِينَ فَلْيَجِبْ غُرْمًا كَانَ أَوْ نَحْوَهُ (حسن علیہ)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کسی کو شادی کے کھانے پر بلایا جائے تو اسے جانا چاہئے اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ”دعوت قبول کرنی چاہئے خود وہ ولیمہ کی دعوت ہو یا اسی قسم کی کوئی اور دعوت۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: ”یا اسی قسم کی کوئی اور دعوت“ سے قصد و حقیقت وہی دعوت مراد ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان روایتوں میں ”ولیمہ“ سے مراد صرف وہی کھانا ہے جو شادی یا بیاہ کے موقع پر کھلایا جاتا ہے۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ شادی بیاہ کے کھانے کی دعوت قبول کرنا واجب ہے اگر کوئی شخص بلا کسی عذر کے دعوت قبول نہ کرے تو وہ گناہ کا ہوتا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ تَرَكَ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَرَسُولَهُ

”جس شخص نے دعوت قبول نہ کی اس نے خدا اور رسول (ﷺ) کی نافرمانی کی۔“

اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے لیکن یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ ”قبول کرنے“ سے مراد دعوت میں جانا یعنی اگر کسی شخص کو شادی میں بلایا جائے تو اس کے لئے اس دعوت میں جانا بعض علماء کے نزدیک واجب ہے اور بعض علماء کے نزدیک مستحب ہے اب رہی یہ بات کہ کھانے میں شریک ہونے کی تو اس کے بارہ میں متفقہ طور پر مسئلہ یہ ہے کہ اگر روزے سے نہ ہو تو کھانے میں شریک ہونا مستحب ہے شادی کے کھانے کی دعوت کے علاوہ دوسری دعوتوں کا قبول کرنا مستحب ہے۔

طبیعی اور ابنِ ملکؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ دعوت قبول کرنے کا وجوب یا استحباب بعض صورتوں میں ساقط ہو جاتا ہے یہ شہد ہونا کہ دعوت میں جو کھانا کھلایا جائے گا وہ حلالِ مال کا نہیں ہو گا یا اس دعوت میں مالداروں کی تخصیص ہو یا اس دعوت میں کوئی ایسا شخص شریک ہو جس سے یہ تو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو یا وہ اس قابل نہ ہو کہ اس کے ساتھ کہیں بیٹھا جائے ان صورتوں میں اگر کوئی شخص دعوت قبول نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اسی طرح اگر کسی شخص کو دعوت میں محض اس لئے بلایا جائے کہ اس کی خوشنودی مزاج حاصل ہو جائے اور اس سے کوئی نقصان نہ پہنچے یا اس کی ذات و ماہ سے کوئی دنیاوی غرض پوری ہو جائے تو ایسی دعوت کو قبول نہ کرنا ہی ادنیٰ ہے یا ایسے ہی اگر کچھ لوگ کسی شخص کو اس مقصد کے لئے دعوت میں بلائیں کہ وہ ان لوگوں کے باطل ارادوں یا غیر شرعی کاموں میں مدد کرے یا کسی دعوت میں ممنوع چیزیں جیسے شراب وغیرہ موجود ہو یا وہاں ناچ گانے یا غیر شرعی تفریحات کی چیزیں ہوں یا جس جگہ دعوت ہو وہاں حریر وغیرہ کا فرش، بچھا ہو تو ایسی دعوت میں شریک نہ ہونا چاہئے۔ یہ بات مد نظر رہنی چاہئے کہ آج کل کی مجالس مذکورہ بالا چیزوں سے خالی نہیں تھیں اگر سب چیزیں نہیں ہوں تو ان میں بعض چیزیں اکثر مجلسوں میں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے عفوِ احوال کا قول ہے کہ عزالت (گوشہ نشینی) حلال ہو گئی ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ آج کل گوشہ نشینی واجب ہوئی ہے۔ لہذا جو شخص احتیاط کے پیش نظر گوشہ نشینی اختیار کرنا چاہے اور کسی بھی مجلس یا دعوت میں شریک ہو نا مناسب نہ سمجھتا ہو تو اس کے لئے گوشہ نشینی ہی بہتر ہے۔

① وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دُعِيَ إِلَى طَعَامٍ فَلْيَحِبْ فَإِنْ شَاءَ طَعِمَ وَإِنْ شَاءَ تَوَلَّى (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کسی کو شادی یا دوسری قسم کی کسی اور تقریب کے کھانے پر بلایا جائے تو اسے چاہئے کہ وہ دعوت قبول کر لے (یعنی دعوت میں چلا جائے) پھر وہاں جا کر اس کی مرضی پر موقوف ہو گا کہ چاہے تو کھائے چاہے تو نہ کھائے“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے بھی یہ معلوم ہوا کہ دعوت قبول کرنے کا مطلب وہاں کے یہاں جانا ہے اور یہ واجب یا سنت ہے ہاں دعوت کے کھانے میں شریک ہونا سنت ہے بشرطیکہ روزہ سے نہ ہو۔

ابنِ ملکؒ فرماتے ہیں کہ اگر شاد گرامی میں دعوت کو قبول کا جو حکم دیا گیا ہے وہ بطریقِ وجوب ہے لیکن اس کا تعلق اس شخص سے ہے جس کو کوئی عذر لاحق نہ ہو، اگر کوئی شخص معذور ہو مثلاً دعوت کی جگہ اتنی دور ہے کہ وہاں جانا تکلیف و مشقت برداشت کرنے کا مرادف ہے تو اس صورت میں اس دعوت کو قبول نہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

ولیمہ میں صرف مالداروں کو بلانا انتہائی برا ہے

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيْمَةِ يُدْعَى فِيهَا الْأَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ وَمَنْ تَرَكَ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَرَسُولَهُ (حسن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”برکھانا اس ولیمہ کا کھانا ہے جس میں مالداروں کو بلایا جائے اور فقراء کو چھوڑ دیا جائے اور جس شخص نے دعوت کو (کوئی عذر نہ ہونے کے باوجود) قبول نہ کیا تو اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی۔“ (بخاری)

تشریح: ”شر الطعام“ یعنی برے کھانے کا مطلب یہ ہے کہ جہاں اور بہت سے برے کھانے ہیں اس میں سے ایک یہ بھی ہے یہ اس لئے کہا گیا ہے۔ کہ بعض کھانے اس سے بھی برے ہوتے ہیں چنانچہ جہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ شَرُّ النَّاسِ مَنْ أَكَلَ وَحْدَهُ (یعنی برا شخص وہ ہے جس نے تنہا کھانا کھایا) وہاں بھی یہ مراد ہے کہ جہاں اور بہت سے برے شخص ہیں ان میں سے ایک برا شخص وہ بھی ہے جو تنہا کھانا کھاتا ہے۔

اس حدیث کا مقصد مطلقاً ولیمہ کے کھانے کی برائی بیان کرنا نہیں ہے کیونکہ نہ صرف دعوت ولیمہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بلکہ اس دعوت کو قبول کرنے کی تاکید بھی فرمائی گئی ہے اور جو شخص دعوت ولیمہ کو قبول نہیں کرتا وہ گنہگار ہوتا ہے لہذا حدیث کی مراد یہ ہے کہ جو ولیمہ ایسا ہو کہ اس میں صرف مالداروں کو بلایا جائے اور غریب کو نہ پوچھا جائے تو وہ ایک برا ولیمہ ہے۔ چنانچہ اس وقت کچھ لوگوں کی یہ عادت تھی، کہ وہ اپنے ولیمہ میں صرف مالداروں کو بلاتے ہیں اور انہیں اچھا اچھا کھانا کھلاتے اور پچارے غریبوں کی بات بھی نہ پوچھتے تھے لہذا آپ ﷺ نے فرمایا اس ارشاد گرامی کے ذریعہ اس بری عادت سے منع فرمایا۔

دعوت قبول نہ کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اس طرح ہوتی ہے کہ اللہ کے رسول نے دعوت قبول کرنے کا حکم دیا ہے لہذا جس نے دعوت قبول نہ کر کے اللہ کے رسول کے حکم کی نافرمانی کی اس نے گویا اللہ ہی کے حکم کی نافرمانی کی۔ جو حضرات دعوت کے قبول کرنے کو واجب کہتے ہیں انہوں نے اس حدیث کو اپنے قول کی دلیل قرار دیا ہے جب کہ جمہور علماء نے اس حدیث کو تا کیڑا استحباب پر محمول کیا ہے۔

غیر مدعو کو کھانا کھانا، میزبان کی اجازت پر موقوف ہے

⑩ وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ كَانَ زُحْلٌ مِنْ الْأَنْصَارِ يَكْنَى أَبَا شُعَيْبٍ كَانَ لَهُ غُلَامٌ لَعَامٌ فَقَالَ اصْنَعْ لِي قَلْعًا يَكْفِينِ خَمْسَةَ لَعَالٍ أَذْغُو الشَّيْءَ صَلَّيَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَامِسَ خَمْسَةِ فَصْنَعَ لَهُ طَعِيمًا ثُمَّ أَتَاهُ فَدَعَاهُ فَصَبَّغَهُمْ زُحْلٌ فَقَالَ الشَّيْءُ صَلَّيَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا شُعَيْبٍ إِنَّ زُجْلًا بَيْنَنَا فَإِنْ شِئْتَ أَذْنْتُ لَهُ وَإِنْ شِئْتَ تَوَكَّنْتُ فَلَا لَاحِلَ أَذْنْتُ لَهُ۔ (بخاری)

”اور حضرت ابو مسعود انصاری کہتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی کے ہاں جن کی کنیت ابو شعیبہ تھی ایک غلام تھا جو گوشت پھی کرتا تھا (ایک دن) ان انصاری صحابہؓ (یعنی ابو شعیبہ) نے اپنے اس غلام سے کہا کہ میری ہدایت کے مطابق اتنا کھانا تیار کرو جو پانچ آدمیوں کے لئے کافی ہو کیونکہ میں رسول کریم ﷺ کی دعوت کروں گا اور آپ ﷺ پانچ آدمیوں میں سے ایک ہوں گے (یعنی ایک آنحضرت ﷺ ہوں گے اور چار آدمی آپ ﷺ کے ساتھ ہوں گے) چنانچہ اس غلام نے ان کی ہدایت کے مطابق آنحضرت ﷺ کے لئے تھوڑا سا کھانا تیار کر لیا پھر وہ (ابو شعیبہ) آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو (اور آپ ﷺ کے چار صحابہؓ کو) اس کھانے پر مدعو کیا۔ (جب آنحضرت ﷺ ان کے گھر تشریف لے چلے تو) ایک شخص آپ ﷺ کے ساتھ ہو لیا آپ ﷺ نے (ان کے گھر پہنچ کر فرمایا کہ ”ابو شعیبہ! ایک اور شخص ہمارے ساتھ ہو لیا ہے اگر تم چاہو تو اس کو بھی کھانے پر آنے کی اجازت دے دو ورنہ اس کو (دروازہ ہی پر) چھوڑ دو (اور دوسرے دو) پر پہنچنے کی اجازت نہ دو (ابو شعیبہ) نے کہا کہ ”نہیں (اس کو دوسرے دو) پر پہنچنے کی اجازت نہ دینا میں مناسب نہیں سمجھتا بلکہ میں اس کو بھی اجازت دیتا ہوں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ کسی بھی شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کی دعوت میں بن بلائے پہنچ جائے اور اسی طرح کسی مہمان کے لئے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ کسی بن بلائے شخص کو اپنے ساتھ دعوت میں لے جائے ہاں اگر میزبان نے اس بات کی صریح اجازت دی ہو یا کوئی ایک دعوت ہو جہاں اذن عام ہو یا مہمان یہ جانے ہو کہ اگر کسی بن بلائے مہمان شخص کو اپنے ساتھ دعوت میں لے گیا تو میزبان کی مرضی کے خلاف نہیں ہوگا۔ تو ان صورتوں میں مدعو کسی غیر مدعو کو اپنے ساتھ دعوت میں لے جاسکتا ہے۔

اس کے علاوہ اس حدیث سے اور بھی کئی باتیں معلوم ہوئی۔ اول یہ کہ صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر اس کے گھر میں داخل ہونا جائز نہیں ہے دوم یہ کہ اگر کوئی شخص چند مخصوص آدمیوں کی دعوت کرے اور ان کے ساتھ کوئی بن بلائے شخص بھی ہونے تو ان مہمانوں کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ صاحب خانہ یعنی میزبان سے اس شخص کے لئے کھانے میں شریک ہونے کی اجازت لے لیں۔ سوم یہ کہ بن بلائے مہمان کے بارہ میں میزبان کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ اس کو دسترخوان پر بیٹھنے سے نہ روکے الا یہ کہ اس کی وجہ سے مہمانوں کو کوئی نقصان یا تکلیف پہنچنے کا خوف ہو، اور اگر اس کو کھانے میں شریک کے بغیر واپس کرے تو نرزی کے ساتھ واپس کرے لیکن بہتر یہی ہے کہ اس کو کھانے میں سے کچھ دے دے بشرطیکہ وہ اس کا شفیق ہو۔

شرح السنہ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کسی غیر مدعو کو دعوت کے کھانے میں شریک ہونا جائز نہیں ہے اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ جب ایک شخص نے کسی کی دعوت کی اور اس کے سامنے کھانا رکھ کر اس کو اس کھانے کا مالک بنادیا تو اب وہ شخص (یعنی مہمان) مختار ہے کہ چاہے تو اس کھانے کو خود کھائے چاہے کسی اور کو کھائے اور چاہے اٹھ کر اپنے گھر لے جائے ہاں اگر یہ صورت ہو کہ میزبان دسترخوان بچھا کر اس پر کھانا چن دے جو اس بات کی علامت ہو کہ اس نے مہمان کو اس کھانے کا مالک نہیں بنایا ہے بلکہ اسے اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ یہیں بیٹھ کر کھائے اور جو کچھ چاہے جائے اسے میزبان اٹھ کر لے جائے تو اب مہمان کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ دسترخوان پر بیٹھ کر حسب قاعدہ اور حسب رواج کھانا کھائے نہ تو اس کھانے میں سے کچھ اٹھ کر اپنے گھر لے جائے اور نہ اس میں سے کسی اور کو کھلائے۔

بعض اہل علم نے اس چیز کو بہت اچھا جانا ہے کہ جب ایک دسترخوان پر کچھ لوگ کھانا کھائے جن میں سے دو دسترخوان پر موجود کھانے کی چیزیں آپس میں ایک دوسرے کے سامنے کرتے رہیں ہاں اگر وہ لوگ دو دسترخوانوں پر بیٹھے ہوں تو ایک دسترخوان کے لوگوں کو دوسرے دسترخوان کے لوگوں کے سامنے اپنے دسترخوان کے کھانے پیش کرنا جائز نہیں ہے۔

الفصل الثانی

حضرت صفیہ کا ولیمہ

(۱۱) وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلَ مَا عَلَى صَفِيَّةَ بَسُوهُنَّ وَتَقَرُّوا - (رواه احمد و الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)
”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے آم المؤمنین حضرت صفیہؓ کا ولیمہ ستوار مجبور کے ساتھ کیا تھا۔“

(احمد و ترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

تشریح: حضرت صفیہؓ کے ولیمہ کے سلسلہ میں جو حدیث پہلے گھڑی ہے اس میں ان کے ولیمہ کا کھانا میں ذکر کیا گیا تھا جب کہ یہاں ستوار مجبور کا ذکر ہے۔ ان دونوں روایتوں میں اس طرح مطابقت ہوگی کہ حضرت صفیہؓ کے ولیمہ میں دونوں چیزیں تھیں جس بھی حوالہ ستوار مجبور میں بھی تھیں راویوں میں سے جس نے جو دیکھا اسی کو بیان کر دیا۔

دنیاوی زیب و زینت کی چیزوں سے آنحضرت ﷺ کا اجتناب

(۱۲) وَعَنْ صَفِيَّةَ أَنَّ زَجَلًا حَذَفَ عَنْهُ بَنُ آيَةَ طَالِبٍ فَصَنَعَ لَهُ طَعَامًا فَقَالَتْ لَوْ دَعَوْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَكَلَ مَعَهُ فِدْعَاهُ فَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى عِضَادَتِي الْبَابِ فَرَأَى الْقِرَامَ قَدْ صُرِبَ فِي نَاحِيَةِ الْبَيْتِ
فَوَجَعَ قَالَتْ فَاطِمَةُ فَتَبِعْنَاهُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ إِنَّهُ لَيْسَ لِي أَوْلِيَّةٌ أَنْ يَدْخُلَ بَيْتًا مَرُوفًا۔ (رواہ احمد و ابن ماجہ)

”اور حضرت عیسیٰؑ کہتے ہیں کہ (ایک دن حضرت علیؑ اپنی طالبہ کے ہاں ایک مہمان آیا تو حضرت علیؑ نے اس کے لئے کھانا تیار کر دیا! حضرت فاطمہؑ نے کہا کہ اگر ہم رسول کریم ﷺ کو بھی مدعو کر لیں اور آپ ﷺ ہمارے ساتھ کھانا کھا لیں تو بڑا اچھا ہو، چنانچہ آپ ﷺ کو بلایا گیا جب آپ ﷺ تشریف لائے اور (مکان میں داخل ہونے کے لئے جیسے ہی) دروازے کے دونوں بازوؤں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے آپ ﷺ کی نظر اس پردہ پر پڑی جو گھر کے ایک کونے پر پڑا ہوا تھا آپ ﷺ (اس پردہ کو دیکھتے ہیں) وہاں ہو گئے حضرت فاطمہؑ کہتی ہیں کہ میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے گئی اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ آپ! ہمیں کیوں ہو گئے؟“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”مجھ کو کیا کسی بھی نبی کو زینت والے گھر میں داخل ہونا مناسب نہیں ہے۔“ (احمد و ابن ماجہ)

تشریح: قرام باریک اور متشدد پردہ کو کہتے ہیں بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہؑ کے گھر کے گوشہ میں جو پردہ پڑا ہوا تھا وہ متشدد نہیں تھا لیکن اس پردہ سے دیوار کو اس طرح ڈھکا گیا تھا جیسے دیواروں کے چمپرکٹ کو پردوں سے بچانے اور ڈھکنے ہیں اور یہ چونکہ دنیا داروں اور اپنی دہاست و مالداری کا بے جا نگہار کرنے والوں کا طریقہ ہے اس لئے آپ ﷺ اس پردہ کو دیکھتے ہی وہاں ہو گئے اور اسی طرح آپ ﷺ نے گویا یہ شبیہ فرمائی کہ دیواروں کو اس طرح پردوں سے بچانا اور ڈھکنا مناسب نہیں ہے کیونکہ یہ دنیا کی بیجا زیب و زینت ہے جو آخرت کے لئے نقصان دہ بھی ہو سکتی ہے۔

کسی دعوت میں بغیر بلائے پہنچ جانے والے کی مذمت

(۱۲) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ دَعِيَ فَلَمْ يَجِبْ فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَرَسُولَهُ
وَمَنْ دَخَلَ عَلَى غَيْرِ دَعْوَةٍ دَخَلَ مَسَاقًا وَخَرَجَ مُفْتَرًا۔ (رواہ احمد و ابن ماجہ)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس شخص کو کھانے پر بلا یا جائے اور وہ دعوت قبول نہ کرے تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرنے والا ہو گا اور جو شخص بغیر بلائے کسی کے ہاں کھانے کی مجلس میں چلا جائے تو وہ چوروں کی طرح کہا اور مال کوٹ کر نکل گیا۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: کسی دعوت میں بغیر بلائے پہنچ جانے والے کو چور کے ساتھ اس وجہ سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح کوئی چور چھپ کر کسی کے گھر میں داخل ہوتا ہے اسی طرح ”بن بلا یا مہمان“ بھی صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر اس کے کھانے کی مجلس میں گویا چور کی طرح چپکے سے آتا ہے لہذا جس طرح چور کسی کے گھر میں گھسنے کی وجہ سے گنہگار ہوتا ہے اسی طرح ”بن بلا یا مہمان“ بھی اپنے اس غیر اخلاقی اور بیجا فعل کی وجہ سے گنہگار ہوتا ہے گویا آنحضرت ﷺ نے اس ارشاد گرامی کے ذریعہ اپنی امت کے لوگوں کو اخلاق و زندگی کے دو دنیاوی سبق دیئے ہیں جو ایک انسان کی معاشرتی برائی اور انسانی وقار کے ضامن ہیں اول تو یہ کہ کسی کی دعوت کو بلائے کے بغیر نہ کرنا نفس کے تکبر و رعوت اور عدم اہم الفطرت پر دلالت کرتا ہے دوم یہ کہ بغیر دعوت کے کسی کے ہاں پہنچ جانا نفس کے حرم و لالچ اور اپنی عزت اپنے ہاتھوں خراب کرنے پر دلالت کرتا ہے۔

اگر دو آدمی بیک وقت دعوت کریں تو ان میں سے کسی کی دعوت قبول کی جائے

(۱۳) وَعَنْ زُجَلٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا اجْتَمَعَ
الدَّاعِيَانِ فَاجِبْ أَفْرَقَهُمَا تَابَا وَابْنُ مَسْقٍ أَخْبَرَهُمَا فَاجِبِ الَّذِي سَبَقَ۔ (رواہ احمد و ابن ماجہ)

”اور نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ میں سے ایک شخص سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”اگر میری فقہ و جمعہ نہ ہوتی تو ان میں سے اس شخص کی دعوت قبول کرو جس کا دروازہ زیادہ قریب ہو اور اگر ان میں سے ایک نے پہلے دعوت کیا (اور دوسرے نے اس کے بعد دعوت دی) تو (اس صورت میں) اس شخص کی دعوت قبول کی جائے جس نے پہلے دعوت کیا۔“ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: مظاہر یہ حکم (اس صورت سے متعلق ہے جب کہ ایک ہی وقت ہونے کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے دونوں کی دعوت میں شریک ہونا ممکن نہ ہو، ہاں اگر دونوں کی دعوت میں شریک ہونا ممکن ہو تو پھر یہی حکم ہو گا کہ دونوں کی دعوت میں شرکت کی جائے نیز یہ حکم دو مسابوں کی دعوت کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اگر ایک ہی وقت میں چاروں کے دو آدمی دعوت کریں تو اس چاروں کی دعوت کو ترجیح حاصل ہوگی جس کا دروازہ زیادہ قریب ہو اور اگر مسابوں کے علاوہ شہر آبادی کے دوسرے دو آدمی ایک وقت دعوت کریں تو اس صورت میں دوسری وجہ مثلاً معرفت، اصلاح اور حقوق کے پیش نظر ترجیح دی جائے گی۔ یعنی ان دونوں میں سے اس شخص کی دعوت کو ترجیح حاصل ہوگی جو دوسرے سے زیادہ قریب، مہمان پرہیزگار، جلیل القدر، بخت وصال ہو، مہذب و متواضع ہو اور دوسرے سے زیادہ قریب ہو۔ اس حدیث سے ایک نکتہ یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی استاد کے پاس اس کے دو شاگرد ایک وقت، جتن چڑھنے یا کسی عالم کے پاس ایک ہی وقت میں دو آدمی مسئلہ پوچھنے آئیں تو پہلے اس کو سنبھال دیا جائے یا مسئلہ بتایا جائے جو پہلے آیا ہے۔

نام و نمود کے لئے زیادہ دونوں تک ولینہ کھانے والے کے بارے میں وعید

(۱۵) وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامُ أَقْوَلِ يَوْمٍ حَقٌّ وَ طَعَامُ يَوْمِ الثَّانِي سُنَّةٌ وَ طَعَامُ يَوْمِ الثَّالِثِ سُنَّةٌ وَ عَنِ مَسْعُودٍ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ -ﷺ- (ابن ماجہ، ترمذی)

”اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”پہلے دن (شادی کا) کھانا کھانا جتن ہے، دوسرے دن کھانا سنت ہے اور تیسرے دن کھانا (اپنے آپ کو سنانا ہے اور جو اپنے آپ کو سنانے کا خواہشمند ہو گا اللہ تعالیٰ اسے سنانے لگا۔“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ شادی یاہ میں پہلے دن لوگوں کو کھانے پر بلانا اور لوگوں کا اس دعوت کو قبول کرنا سنتِ مکتبہ ہے (اور جن علماء نے ولیمہ کی دعوت کو واجب کہا ہے۔ ان کے نزدیک ”حق“ سے مراد ”واجب“ ہے اور دوسرے دن کو دعوت کرنا مسنون و مستحب دونوں کے بعد جب تیسرے دن بھی کوئی دعوت کرے تو کھانا چاہئے کہ اب اس کی دعوت میں نام و نمود کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔ یعنی اس نے تیسرے دن لوگوں کو کھانے پر اس لئے بلایا ہے تاکہ شہرت ہو جائے اور لوگ اس کی تعریف کریں اس کے بارے میں یہ تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ جو شخص اپنے نام و نمود کے تحت تیسرے دن بھی لوگوں کو کھانے پر بلائے گا اور خواہش مند ہو گا کہ اس کی سخاوت کی تعریف کریں تاکہ وہ اظہارِ فخر کر سکے، تو ایسے شخص کو جان لینا چاہئے کہ میدانِ شہر میں اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں یہ اعلان کرانے لگا کہ دیکھو یہ شخص مجھوتا اور مغربی ہے جس نے محل دکھانے سنانے کے لئے لوگوں کو کھانا کھلایا تھا چنانچہ وہ شخص تمام مخلوق خدا کے سامنے سخت رسوا اور ذلیل ہو گا۔

طبیب کہتے ہیں کہ جس بندہ کو اللہ تعالیٰ کوئی نعمت عطا کرے (مثلاً اس کا علاج ہو جائے) تو اس پر لازم ہے کہ وہ شکر ادا کرے (اور شکر یہ ہے کہ دعوت ولیمہ میں لوگوں کو بلا کر کھانا کھائے اور یہ (یعنی شکر ادا کرنا) دعوت کرنا پہلے دن تو ضروری ہے اور دوسرے دن مستحب ہے تاکہ پہلے دن اگر کوئی ہمت نہ ہو تو دوسرے دن ان کی عطا ہو جانے اس لئے کہ سنت واجب کو مکمل کر دیتی ہے اور تیسرے دن (دعوت کرنا) بس دکھانے سنانے کے لئے ہے (یعنی تیسرے دن دعوت کرنے کا نہ صرف یہ کہ کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ نام و نمود کی وجہ سے آخرت کا نقصان ہی ہوتا ہے) اسی طرح جن لوگوں کی دعوت کی جائے ان کے بارے میں یہ مسئلہ ہے کہ پہلے دن کی دعوت قبول کرنا ان کے لئے واجب ہے، دوسرے دن کی دعوت قبول کرنا مستحب ہے اور تیسرے دن کی دعوت قبول کرنا مکروہ بلکہ حرام ہے۔ اس حدیث سے مالک کے اس مسلک کی صریح تردید ہوتی ہے کہ سات دن تک ولیمہ کی دعوت کرتے رہنا مستحب ہے۔

اظہار فخر میں مقابلہ کرنے والے دونوں آدمیوں کی دعوت کھانا ممنوع ہے

(۱۶) وَعَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ طَعَامِ الْمُتَنَابِذِينَ أَنْ يُؤْكَلَ - وَوَاهُ أَبُو ذَاوُدَ وَفِي مَعْنَى الشُّبُهَةِ وَالصَّحِيحِ أَبُوهُ عَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ سَلَامٌ -

”اور حضرت عکرمہؓ حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان دونوں آدمیوں کا کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے جو آپس میں فخر کا مقابلہ کریں۔“ (ابوداؤد) اور بھی السنہ نے کہا ہے کہ صحیح الفاظ یہ ہیں ”حضرت عکرمہؓ نبی کریم ﷺ سے بطریق ارسال نقل کرتے ہیں۔“ یعنی روایت کی سند میں ابن عباسؓ کے الفاظ کو نہیں ہیں بلکہ یہ یہاں زیادہ نقل کئے گئے ہیں۔“

تشریح: متنازعیں ان دو شخصوں کو کہتے ہیں جو زیادہ کھانا پکائے گا آپس میں مقابلہ کریں اور ان میں سے ہر ایک کی اپنی کوشش ہو کہ وہ دوسرے کی ضد میں زیادہ سے زیادہ کھانا پکوائے اور زیادہ لوگوں کی دعوت کرے تاکہ وہ برتر اور دوسرا کمتر رہے گویا اس مقابلہ سے دونوں ہی کا مقصد اظہار فخر اور محض نام و نمود ہو۔ چنانچہ ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں حکم دیا گیا ہے کہ ان کی دعوت نہ قبول کی جائے اور نہ ان کے کھانے میں شرکت کجائے۔

آجکل تو اس سلسلہ میں احتیاء نہیں رہتی جاتی لیکن پہلے زمانہ کے بزرگوں کا یہ حال تھا کہ اگر انہیں کسی شخص کی دعوت کے بارہ میں یہ شبہ بھی ہو جاتا تھا کہ اس دعوت کا مقصد محض اظہار فخر اور نام و نمود ہے تو وہ اس دعوت میں شرکت کرنے سے پرہیز کرتے تھے۔

الفصل الثالث

(۱۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُتَنَابِذَانِ لَا يَخَابَانِ وَلَا يُؤْكَلُ طَعَامُهُمَا قَالَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ نَهَى الْمُتَنَابِذِينَ بِالْعِيَالَةِ فَخَرَّجُوهُمَا -

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ان دو شخصوں کی دعوت قبول نہ کی جائے اور نہ ان کا کھانا کھایا جائے جو اظہار فخر کے لئے کھانا پکائے کھلائے گا آپس میں مقابلہ کریں۔“ امام احمدؒ نے لفظ متنازبان کی وضاحت میں کہا ہے کہ متنازبان سے آنحضرت ﷺ کی مراد وہ شخص ہیں جو ازراہ فخر زیادہ اور بطریق مقابلہ یعنی ایک دوسرے کی ضد میں دعوت کریں۔“

فاستق کی دعوت قبول نہ کرو

(۱۸) وَعَنْ عُمَرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ إِجَابَةِ طَعَامِ الْفَاسِقِينَ -

”اور حضرت عمران بن حصینؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فاسق لوگوں کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمایا ہے۔“

تشریح: ”فاستق“ سے مراد مطلق فاسق ہے خواہ وہ کسی طرح کے فسق میں مبتلا ہو، فاستق کی دعوت قبول کرنے کی ممانعت کا سبب یہ ہے کہ اکثر فاسق اپنے مزاج و کردار کے اعتبار سے ظالم بھی ہوتا ہے اور یہ مسئلہ ہے کہ ظالم جو لوگوں کا مال ازراہ ظلم لیتا ہے اس کے کھانے میں شریک ہونا حرام ہے اس کے علاوہ فاستق کی دعوت قبول کرنا گویا اس فاسق کو خوش کرنا اور اس کی عزت کرنے ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے۔

کسی متقی کے ہاں کھانا کھانے جاؤ تو اس کے کھانے کے جائز و ناجائز ہونے کی تحقیق نہ کرو

(۱۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ عَلَى أَخِيهِ الْمُسْلِمِ فَلْيَأْكُلْ مِنْ طَعَامِهِ وَلَا يَسْأَلْ وَيَسْأَلُ مِنْ شَرِبِهِ وَلَا يَسْأَلْ رَوْيَ الْأَخَادِيثِ الثَّلَاثَةِ النَّبِيِّ فِي شُعْبِ الْإِيمَانِ وَقَالَ هَذَا مِنْ صَحِيحِ فَلَانٍ -

الْمُطَاهَرُونَ الْمُسْلِمُونَ لَا يَنْظُرُهُمْ وَلَا يَنْشَقُّوهُ إِلَّا مَا هُوَ خَالِفٌ عَنْدَهُ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص کسی مسلمان بھائی کے ہاں جائے تو اس کا کھانا کھائے اور پیانی پئے اور یہ نہ پوچھے کہ وہ کھانا اور پیانی کیسا ہے اور کہاں سے آیا ہے۔“ ان تینوں حدیثوں کو جتنی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ (آخری حدیث اگر صحیح ہے تو اس حکم کی وجہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو وہی چیز کھاتا پلاتا ہے جو اس کے نزدیک حلال ہوتی ہے۔“

تشریح: ”مسلمان“ سے کامل یعنی تقی و پرہیزگار مسلمان مراد ہے چنانچہ اس کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے ہاں کھانا کھائے جائے تو اس کے کھانے کے جائز و ناجائز ہونے کی تحقیق نہ کرے بلکہ جو کچھ اس کے سامنے آنے بلا شک و شبہ اسے کھانی لے کیونکہ اول تو اس کے تقی و پرہیزگار ہونے کی وجہ سے اس کے بارہ میں یقین نیک گمان رکھا جائے کہ وہ ناجائز و حرام چیز نہیں کھائے گا دوسرے یہ کہ اگر اس کے کھانے کے جائز و ناجائز کی تحقیق کی جائے گی تو اسے تکلیف پہنچے گی جو مناسب نہیں ہے۔ ہاں اگر یہ یقین ہو کہ جو چیز کھائی پلائی جا رہی ہے اس کا کوئی جز حرام ذریعہ سے آیا ہوا ہے یا اس کھانے کا اکثر حصہ حرام ہے تو پھر اس کو نہ کھائے نہ پیئے۔

بَابُ الْقَسَمِ باری مقرر کرنے کا بیان

اگر کسی شخص کے ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے ساتھ شب باشی کے لئے نوبت (باری) مقرر کرنا واجب ہے یعنی ان بیویوں کے پاس باری باری سے جانا چاہئے۔ اس سلسلہ میں چند باتوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

① جب باری مقرر ہو جائے تو ایک بیوی کی باری میں دوسری بیوی کے پاس شب باشی جائز نہیں ہے مثلاً جس رات میں پہلی بیوی کے پاس جانا ہو اس رات میں دوسری بیوی کے پاس نہ جائے۔

② ایک رات میں بیک وقت دو بیویوں کے ساتھ شب باشی جائز نہیں ہے اگر وہ دونوں بیویاں اس کی اجازت دے دیں اور وہ خود بھی اس کے لئے تیار ہوں تو جائز ہے آنحضرت ﷺ کے بارہ میں جو یہ منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ایک رات میں ایک سے زائد بیویوں سے جماع کیا ہے تو یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کے باری مقرر کرنا واجب نہیں تھا یا یہ کہ اس سلسلہ میں آپ ﷺ کو ان بیویوں کی اجازت حاصل تھی اس کے علاوہ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ باری مقرر کرنا آنحضرت ﷺ پر واجب نہیں تھا۔ بلکہ آپ ﷺ نے محض اپنے کرم اور اپنی عنایت سے اپنی ہر زوجہ مطہرہ کے پاس رہنے کی باری مقرر کر دی تھی۔

③ سفر کی حالت میں بیویوں کو باری کا حق حاصل نہیں ہوتا اور نہ کسی بیوی کی باری کا لحاظ رکھنا ضروری ہے بلکہ اس کا انحصار خاوند کی مرضی پر ہے کہ وہ جس بیوی کو چاہے اپنے ساتھ سفر میں لے جائے اگرچہ بہتر اولیٰ یحییٰ ہے کہ خاوند اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈال لے اور جس کا نام قرعہ میں نکلے اس کو سفر میں ساتھ رکھے۔

④ عقیقہ کے حق میں اصلی باری کا تعلق رات سے ہے اور دن رات کا تعلق ہے ہاں جو شخص رات میں اپنے کام کاج میں مشغول رہتا ہو مثلاً چوپیداری وغیرہ کرتا ہو اور اس کی وجہ سے وہ رات اپنے گھر میں بسر نہ کر سکا ہو تو اس کے حق میں اصل باری کا تعلق دن سے ہوگا۔

در مختار میں یہ لکھا ہے کہ جس شخص کے ایک سے زائد بیویاں ہوں تو اس پر ان بیویوں کے پاس رات میں رہنے اور ان کے کھانے پلانے میں برابری کرنا واجب ہے ان کے ساتھ جماع کرنے یا جماع نہ کرنے اور پیار و محبت میں برابری کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔ کسی عورت کا جماع سے متعلق اس کے شوہر پر حق ہوتا ہے وہ ایک بار جماع کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے جماع کرنے کے بارہ میں

شوہر خود مختار ہے کہ جب چاہے کرے لیکن کبھی کبھی جماع کر لینا اس پر دیا نہ واجب ہے اور مدت ایلاء کے بقدر (یعنی چار چار مہینہ تک) جماع نہ کرنا خاوند کے لئے مناسب نہیں ہے ہاں اگر بیوی کی مرضی سے اتنے دنوں جماع نہ کرے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے، ہر بیوی کے ہاں ایک ایک رات اور ایک ایک دن رہنا چاہئے۔ لیکن برابری کرنا رات ہی میں ضروری ہے چنانچہ اگر کوئی شخص ایک بیوی کے ہاں مغرب کے فوراً بعد چلا گیا اور دوسری بیوی کے ہاں عشاء کے بعد گیا تو اس کا یہ فعل برابری کے معنی ہو گا اور اس کے بارہ میں کہا جائے گا۔ اس نے باری کے حکم کو ترک کیا کسی بیوی سے اس کی باری کے علاوہ (یعنی کسی دوسری بیوی کی باری میں) جماع نہ کرے اسی طرح کسی بیوی کے پاس اس کی باری کے علاوہ کسی رات میں نہ جائے ہاں اگر وہ بیوی بیمار ہو تو اس کی عیادت کے لئے جاسکتا ہے بلکہ اگر اس کا مرض شدید ہو تو اس کی باری کے علاوہ بھی اس کے پاس اس وقت تک رہنا جائز ہے جب تک کہ وہ شفا یاب ہو یا اس کا انتقال ہو جائے لیکن یہ اس صورت میں جائز ہے جب کہ اس کے پاس کوئی اور تیمار دار اور غم خواہ نہ ہو اور اگر خاوند اپنے گھر میں بیماری کی حالت میں ہو تو وہ اپنی بیوی کو اس کی باری میں بلاتا رہے۔

الفصل الاول

آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کی تعداد

① عن ابی عتّاسٍ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَبِضَ عَنْ بَسْمِ نِسْوَةٍ وَكَانَ یَقْسِمُ مِنْہُمْ لِفَتَانٍ۔ (بخاری ص ۱۰۰)

”حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جس وقت رسول کریم ﷺ نے وفات پائی اس وقت آپ ﷺ کے نکاح میں تو بیویاں تھیں جن میں سے آٹھ بیویوں کی باری مقرر تھی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یوں تو آنحضرت ﷺ کی گیارہ بیویاں تھیں یہاں صرف ان بیویوں کی تعداد کا ذکر کیا گیا ہے جو آپ ﷺ کی وفات کے وقت آپ ﷺ کے نکاح میں تھیں اور جن کے اسماء یہ ہیں۔

① حضرت عائشہؓ - ② حضرت حفصہؓ - ③ حضرت اُمّ حبیبہؓ - ④ حضرت سووہؓ - ⑤ حضرت اُمّ سلمہؓ - ⑥ حضرت صفیہؓ - ⑦ حضرت میمونہؓ - ⑧ حضرت زینب بنت جحشؓ - ⑨ حضرت جویریہؓ۔

ان بیویوں میں سے آٹھ کی باری مقرر تھی اور نویں حضرت سووہؓ کے لئے کوئی باری نہ تھی کیونکہ انہوں نے اپنی مرضی سے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے دی تھی چنانچہ آپ ﷺ ان کی باری میں حضرت عائشہؓ کے پاس رہتے تھے جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہو گا۔

کوئی اپنی باری اپنی کسی سوکن کو دے سکتی ہے

② وَحَبِیْ عَائِشَۃُ اَنَّ سُوْدَہَ لَمَّا کَثِرَتْ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَذْ جَعَلْتَ یَوْمَیْنِ مِنْکَ لِعَائِشَۃَ فَکَانَ زَمْرُؤُ اللّٰهِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْسِمُ لِعَائِشَۃَ یَوْمَیْنِ یَوْمَہَا وَیَوْمَ سُوْدَہَ۔ (بخاری ص ۱۰۰)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ حضرت سووہؓ کی عمر بڑھ زیادہ ہو گئی تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں نے اپنی باری کا دن جو آپ ﷺ نے میرے لئے مقرر کیا تھا عائشہؓ کو دے دیا چنانچہ اس کے بعد آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کے ہاں دو دن رہنے لگے ایک دن تو ان کی باری میں اور ایک دن حضرت سووہؓ کی باری میں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت سووہؓ کے والد کا نام زمرہ اور والدہ کا نام سموں تھا پہلے ان کی شادی حضرت سکرانؓ کے ساتھ ہوئی تھی یہ دونوں آنحضرت ﷺ کی بیعت کے ابتدائی ایام میں اسلام لے آئے تھے اور ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے جب ان کے خاوند حضرت سکرانؓ کا انتقال ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد کہ میں ان سے نکاح کیا حضرت عائشہؓ سے آپ ﷺ کا نکاح ان

کے نکاح کے بعد ہوا۔ حضرت عمرؓ یا حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں ان کا انتقال ہوا اور مدینہ منورہ میں مدفون ہو گئے۔
 فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کی کوئی بیوی اپنی باری اپنی کسی سوکن کو دے تو جائز ہے بشرطیکہ اس میں شوہر کی طرف سے کسی لالچ یا جبر کا دخل نہ ہو نیز اپنی باری اپنی کسی سوکن کو دینے والی عورت کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ وہ جب چاہے اپنی پیش کش کو واپس لے لے۔

(۳) وَعَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْأَلُ فِي مَوْجِبِ اللَّذِي مَاتَ فِيهِ أَيْنَ أَنَا عَدَا أَيْنَ أَنَا عَدَا يُرِيدُ يَوْمَ عَائِشَةَ فَأَذِنَ لَهُ أَزْوَاجُهُ يَكُونُ حَيْثُ شَاءَ فَكَانَ فِي نَيْبِ عَائِشَةَ حَتَّى مَاتَ عِنْدَهَا۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ اپنی اس بیماری میں کہ جس میں آپ ﷺ نے وفات پائی (روزانہ) یہ پہنچا کرتے تھے کہ کل میں کہاں رہوں گا کہ کل میں کس بیوی کے گمرہوں کا اور اس دریافت کرنے سے آپ ﷺ کا مشاء یہ معلوم کرنا ہوتا تھا کہ عائشہؓ کی باری کس دن ہے (کیونکہ آپ ﷺ کو حضرت عائشہؓ سے بہت زیادہ محبت تھی اس لئے آپ ﷺ ان کی باری کے شدت سے خطر رہتے تھے) چنانچہ ازواج مطہرات نے آپ ﷺ کے اس طبی اضطراب کو محسوس کیا تو سب نے آپ ﷺ کی اجازت دے دی کہ آپ ﷺ جس کے ہاں چاہیں رہیں پھر آپ ﷺ حضرت عائشہؓ ہی کے ہاں مقیم رہے یہاں تک کہ انہیں کے پاس آپ ﷺ کی وفات ہوئی۔“ (بخاری)

تشریح: یہ یہودیم عائشہؓ قابل جملہ کی وضاحت ہے یعنی آپ ﷺ کا روزانہ پہنچنا ازواج مطہرات سے طلب اجازت کے لئے تھا کہ تمام ازواج مطہرات آپ ﷺ کو حضرت عائشہؓ ہی کے ہاں رہنے کی اجازت دے دیں چنانچہ یہ جملہ فاذن لہ ازواجہ ازواج مطہرات نے آپ ﷺ کو اجازت دے دی اسی بات پر دلالت کرتا ہے۔

سفر میں ساتھ لے جانے کے لئے کسی بیوی کا انتخاب قرعہ کے ذریعہ کیا جائے

(۴) وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَدَسَفُوا أَفْرَعَيْنِ يَسْأَلُهُ فَيُتْلِي خَرَجَ سَهْمِهَا خَرَجَ بَهَا مَعَهُ۔ (متن طبع)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالتے، ان میں سے جس کا نام قرعہ میں نکلتا ہی کو آپ ﷺ اپنے ساتھ سفر میں لے جاتے۔“ (بخاری و مسلم)

(۵) وَعَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ مِنَ الشُّعْبَةِ إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْيَكُونُ عَلَى النَّبِيِّ أَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا وَقَسَمَ: وَإِذَا تَزَوَّجَ النَّبِيُّ أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَسَمَ قَالَ أَبُو قِلَابَةَ وَلَوْ شِئْتُ لَقُلْتُ إِنَّ أَنْتَ سَارَ لِقَعَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (متن طبع)

”اور حضرت ابو قلابہ (تابعی) حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا یہ مسنون ہے کہ جب کوئی شخص شیبہ کی موجودگی میں کسی باکرہ سے نکاح کرے تو سات رات تک اس کے پاس رہے اور پھر اس میں اور پرانی بیویوں کے درمیان باری مقرر کر دے اور کسی شیبہ (یعنی کسی بیوہ یا مطلقہ عورت سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین رات رہے اور پھر اس میں باری مقرر کر دے۔ حضرت ابو قلابہؓ کہتے ہیں کہ اگر میں چاہتا تو یہ کہتا کہ حضرت انسؓ نے یہ حدیث انحضرت ﷺ سے نقل کی ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت امام شافعیؒ نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کے نکاح میں کئی عورتیں ہوں یا ایک عورت ہو اور پھر وہ ایک عورت سے نکاح کرے تو اگر وہ عورت یا اگر وہ (کنواری) ہو تو اس کے پاس سات رات تک رہے اور اگر وہ شیبہ (یعنی بیوہ یا مطلقہ) ہو تو اس کے پاس تین رات تک رہے اور پھر اس میں باری مقرر کر دے کہ ہر ایک کے پاس برابر برابر ایک ایک رات جایا کرے لیکن حضرت امام اہم ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس سلسلہ میں باکرہ اور شیبہ یا کئی اور پرانی کے درمیان کوئی فرق

نہیں ہے۔ باری کے اعتبار سے سب برابر ہیں انہوں نے ان دونوں حدیثوں پر عمل کیا ہے۔ جو اس باب کی دوسری فصل میں آئیں گی اور جن میں اس قسم کا فرق و امتیاز بیان نہیں کیا گیا ہے، امام اعظمؒ کے نزدیک اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی ایک یا ایک سے زائد بیویوں کی موجودگی میں کسی باکرہ سے نکاح کرے تو اس کے پاس سات رات تک رہے اور پھر پہلی بیویوں میں سے بھی ہر ایک کے پاس سات سات رات تک رہے اور اگر شیبہ کے ساتھ نکاح کرے تو اس کے پاس تین رات تک رہے اور پھر پہلی بیویوں سے بھی ہر ایک کے پاس تین تین رات تک رہے۔

روایت کے آخر میں ابو قتادہؓ کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں چاہتا تو اس حدیث کو مرفوع کہتا یعنی یہ کہتا کہ اس حدیث کو حضرت انسؓ نے آنحضرت ﷺ سے نقل کیا ہے کیونکہ صحابہؓ کا یہ کہنا کہ ”یہ مسنون ہے مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔“

① وَعَنْ ابْنِ بَكْرٍ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ أُمِّ سَلَمَةَ وَأَصْبَحَتْ بَعْدَهُ فَانْهَى النَّبِيُّ عَلَى أَهْلِهَا هُوَ أَنْ يَنْتِفِعَ مِنْكَ وَتَنْتِفِعَ مِنْكَ وَأَنْ يَنْتِفِعَ مِنْكَ وَأَنْ يَنْتِفِعَ مِنْكَ وَذُنْتُ قَالَتْ ثَلَاثٌ وَفِي رِوَايَةٍ أُخَرٍ أَنَّهَا لَهَا ثَلَاثٌ مَسِيحٌ وَالثَّلَاثُ - (ردہ مسلم)

”اور حضرت ابوبکر بن عبد الرحمنؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جب حضرت ام سلمہؓ سے نکاح کیا تو دوسرے دن صبح کو ان سے فرمایا کہ تمہارے خاندان والوں کے لئے تہمدی طرف سے اس میں کوئی ذلت نہیں کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس سات رات رہوں اور پھر دوسری تمام بیویوں کے پاس بھی سات سات رات تک رہوں اور اگر تم چاہو تو تمہارے پاس تین رات تک رہوں اور پھر اس کے بعد دورہ کروں (یعنی تمام بیویوں کے پاس بھی تین تین رات تک رہوں) حضرت ام سلمہؓ نے (یہ سن کر کہا کہ) ”آپ ﷺ میرے پاس تین راتیں رہئے۔“ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ سے فرمایا کہ ”کنواری کے پاس سات رات تک رہنا چاہئے اور شیبہ کے پاس تین رات تک۔“ (مسلم)

تشریح: ”اس میں کوئی ذلت نہیں ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ میں تہمدی پاس جو تین رات رہوں گا تو اس کی وجہ سے تمہارے خاندان و قبیلہ پر کسی حارث یا ذلت کا داغ نہیں لگے گا کیونکہ تمہارے ساتھ میرا تین رات تک رہنا تمہاری محبت و اشتیاق سے بے رشتگی کے سبب سے نہیں ہے۔ بلکہ شرعی حکم کی بناء پر ہے۔ ان الفاظ کے ذریعہ گو آپ ﷺ نے اس عذر کی تہمد بیان فرمائی ہے جس کی وجہ سے شادی کی ابتداء کے ایام میں حضرت ام سلمہؓ کے ہاں شب باشی کے لئے صرف تین راتوں پر اکتفا کرنا پڑا اور وہ عذر یہ شرعی حکم ہے کہ اگر اپنی پہلی بیوی کی موجودگی میں کسی اور عورت سے نکاح کیا جائے۔ تو اس نئی بیوی کے ساتھ مسلسل سات دن تک شب باشی اس صورت میں جا کر ہوگی جب کہ وہ باکرہ (کنواری) ہو لیکن اس کے بعد پہلی بیویوں میں سے بھی ہر ایک کے پاس سات سات دن تک شب باشی ہونی چاہئے۔ تاکہ باری کے اعتبار سے کسی کے ساتھ بے انصافی اور حق تلفی نہ ہو اور اگر وہ نئی بیوی شیبہ (کسی کی بیوی یا مطلقہ) ہو تو پھر اس کے ساتھ تین دن تک شب باشی کی جائے لیکن اس کے بعد پہلی بیویوں میں سے بھی ہر ایک کے ساتھ تین تین دن تک شب باشی کی جائے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ کے سامنے اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے یہاں بھی سات راتوں تک رہ سکتا ہوں۔ لیکن یہ حق کنواری عورت کے لئے ہے اور تم شیبہ ہو اور پھر یہ کہ بعد میں مجھے دوسری تمام بیویوں کے پاس بھی سات سات راتوں تک رہنا ہو گا اس لئے بہتر یہ ہے کہ شیبہ کے حق میں جو حکم ہے اسی کے مطابق میں تمہارے پاس تین دن تک شب باشی کروں اور پھر بعد میں ہر ایک بیوی کے ہاں تین تین دن تک شب باشی کر کے تمہارے سب کے درمیان باری مقرر کر دوں لہذا حضرت ام سلمہؓ نے فشاء شریعت اور مزاج نبوت کے مطابق اسی بات کو قبول کیا کہ آپ ﷺ کے ہاں تین رات تک رہیں۔

کوئی شخص اپنی تمام بیویوں سے یکساں محبت کرنے پر مجبور نہیں ہے۔

④ عن عائشة أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقيم بين نسائه فيعدل ويقول اللهم هذا قسمي فيما أملك فلا تلمني فيها تملك ولا أملك (رواه الترمذي والبيهقي وابن ماجه والدارمي)

”حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ اپنی بیویوں کے درمیان باری مقرر فرماتے اور عدل سے کام لیتے (یعنی ان کے پاس رات رہنے کے سلسلہ میں برابری کا خیال رکھتے) اور پھر اس احتیاط اور عدل کے باوجود یہ دعا مانگا کرتے کہ ”اے اللہ! جس چیز کا میں مالک ہوں اس میں باری مقرر کر دی ہے لہذا جس کا توہا لکھ ہے میں مالک نہیں ہوں اس پر مجھے حلاوت نہ کیجئے۔“

(ترقی، بہبود، خوشحالی، امن، چم، راری،

تشریح: دعا کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بیویوں کے پاس جانے کی باری مقرر کرنے اور ان کے نان نفقہ کا میں مالک ہوں لہذا ان چیزوں میں عدل و برابری کرنا میری ذمہ داری ہے جسے میں پورا کرتا ہوں اور کسی بھی بیوی کے ساتھ نا انصافی یا اس کی حق تلفی نہیں کرتا ہاں پیارو محبت کا معاملہ دل سے متعلق ہے جس پر میرا کوئی اختیار نہیں ہے، میں اس میں برابری نہیں کر سکتا اس لئے اگر مجھے کسی بیوی سے زیادہ محبت اور کسی سے کم محبت ہو تو چونکہ میرے قصود ارادہ کو دخل نہیں ہوگا لہذا اس پر مجھ سے مواخذہ نہ کیجئے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے ایک سے زائد بیویاں ہوں تو اس پر یہ لازم ہوگا کہ وہ ان بیویوں کے پاس جائے، ان کے ہاں شب گزارے اور ان کے نان و نفقہ میں پورا پورا عدل کرے اور ان چیزوں میں ان کے درمیان اس طرح برابری کرے کہ کسی بھی بیوی کو فرق و امتیاز کی شکایت نہ ہو ہاں پیار و محبت، مباشرت و جماع اور جنسی لطف حاصل کرنے کے بارے میں عدل و برابری لازم نہیں ہوتی کیونکہ یہ چیزیں دل و طبیعت سے متعلق ہیں جس پر کسی انسان کا اختیار نہیں ہوتا۔

اپنی بیویوں کے درمیان عدل و برابری نہ کرنے والے کے بارہ میں وعید

﴿٨﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانَتْ عِنْدَ الرَّجُلِ امْرَأَتَانِ فَلَمْ يَعْبُدْ يَنْتَهِي حَاجَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشَقَّةً سَاقِطَةً (رواه الترمذي و الهيثمي و النسائي و ابن ماجه و الدرر)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے نکاح میں (ایک سے زائد مثلاً) دو بیویاں ہوں اور وہ ان دونوں کے درمیان عدل و برابری نہ کرنا ہو تو وہ حیات کے دن (میدانِ حشر میں) اس طرح آئے گا کہ اس کا اوجھا حشر ساقط ہو گا۔“ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابوداؤد)

تشریح: جس شخص کے ہاں ایک سے زائد بیویاں ہوں خواہ وہ ہوں اور خواہ تین یا چار ہوں اور وہ ان دونوں کے درمیان عدل و برابری نہ کرتا ہو تو اس کی اس بے انصافی پر مذکورہ بالا سزا کی دیکھی گئی ہے لہذا بادی میں برابری کرنا پائیں اعتبار سے واجب ہے کہ رات جتنا حصہ ایک بیوی کے ہاں گزارتا ہو اتنا ہی حصہ دوسری بیوی کے ہاں بھی گزارنا چاہئے مثلاً اگر ایک بیوی کے ہاں مغرب کے بعد چلا جاتا ہے تو دوسری بیوی کے ہاں بھی مغرب کے بعد ہی چلا جائے اگر اس کے پاس عشاء کے بعد جانے کا تو یہ عدل و انصاف کے خلاف ہو گا یہاں صحت کے معاملہ میں برابری کرنا واجب نہیں ہے۔

اس بارہ میں یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے اس حکم میں باکرہ، شیعہ، فنی پر اپنی مسلمان اور کتا یہ سب برابر ہیں اور سب کے حقوق یکساں ہیں ابستہ آزاد عورت کی یہ نسبت لونڈی، مکاتبہ، مدبرہ اور اتم ولد کی لئے آدھی ماری ہے یعنی اگر کسی شخص کے نکاح میں ایک آزاد عورت ہو اور کسی کی لونڈی وغیرہ سے بھی اس نے نکاح کر رکھا ہو تو لونڈی وغیرہ کے پاس ایک رات رہے اور آزاد عورت کے پاس دو راتیں رہے ا

حرم (باندی) کے لئے باری مقرر کرنا واجب نہیں ہے۔

الْفَضْلُ الثَّالِثُ

آنحضرت ﷺ کی نوازدواج مطہرات میں سے آٹھ کے لئے باری مقرر تھی

⑨ عَنْ عَطَاءٍ قَالَ خَضِرَ نَافِعُ ابْنِ عَبَّاسٍ جَنَازَةَ مَيْمُونَةَ بِسَرَفٍ فَقَالَ هَلْبَهُ زَوْجَةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا وَفَّقْتُمْ نَفْسَهَا فَلَا تَزْعُرْ عَرْفَهَا وَلَا تَزُلْ لَوْحَهَا وَارْزُقُوا بِهَا فَإِنَّهُ كَانَ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْبُغُ بِنِسْوَةٍ كَانَ يَغْتَسِمُ مِنْهُنَّ الْفَخَّانُ وَلَا يَغْتَسِمُ لَوْ أَحَدُهُ قَالَ عَطَاءُ ابْنُ عَطَاءٍ الَّذِي كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْتَسِمُ لَهَا بَلْفُهَا أَتَاهَا صَبِيغَةٌ وَكَانَتْ أَخْرَجَتْ عَوْزًا مَمْلُوكَةً بِالْمَدِينَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَقَالَ وَزَيْنٌ قَالَ غَيْرُ عَطَاءٍ هِيَ سَوْدَةُ وَهِيَ صَاحِبَةٌ وَهِيَ يَوْمَئِذٍ بِهَا لَعَائِشَةُ حِينَ أَرَادَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَخْلَاقَهَا فَقَالَتْ لَهُ أَسْبِكْنِي فَلَمْ يَسْبِكْنِي يَوْمَئِذٍ لَعَائِشَةُ لَعَلِّي أَنْ أَكُونُ مِنْ نَسَائِكَ فِي الْجَنَّةِ

”حضرت عطاء ابن رباحؓ“ تابعی کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عباسؓ کے ہمراہ مقام سرف میں آقم المؤمنین حضرت میمونہؓ کے جنازہ میں شریک ہوئے تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ (دیکھو) یہ رسول کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں جب تم ان کا جنازہ اٹھاؤ تو اس کو زیادہ حرکت دیجئیں نہ دینا بلکہ (تعظیم و تکریم کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر) انتہایت آسگنی سے اٹھاؤ اس لئے کہ یہ ان نوازدواج مطہرات میں سے ہیں جن کے لئے آنحضرت ﷺ نے باری مقرر کر رکھی تھی چنانچہ آنحضرت ﷺ کی نوبت یہاں تھیں آپ ﷺ نے ان میں سے آٹھ کے لئے باری مقرر کر رکھی تھی اور ایک کے لئے کوئی باری نہیں تھی۔ ”حضرت عطاءؓ کہتے ہیں کہ وہ زوجہ حضرت صفیہؓ تھیں اور رسول کریم ﷺ کی بیویوں میں حضرت صفیہؓ کا سب سے آخر میں مدینہ میں انتقال ہوا ہے۔ ”بخاری و مسلم“ اور زر بن کاہنان ہے کہ عطاء کے علاوہ دوسرے آئمہ حدیث سے منقول ہے کہ وہ زوجہ مطہرہ جن کے لئے باری مقرر نہیں تھی (حضرت صفیہؓ نہیں تھیں بلکہ) حضرت سودہؓ تھیں اور یہی قول زیادہ صحیح ہے اور حضرت سودہؓ (کے لئے باری مقرر نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے) اپنی باری کا دن حضرت عائشہؓ کو دے دیا تھا (جس کی تفصیل یہ ہے کہ) جب رسول کریم ﷺ نے حضرت سودہؓ کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میں اپنی باری کا دن عائشہؓ کو دے رہی ہوں آپ ﷺ مجھے اپنے نکاح میں رہنے دیجئے تاکہ جنت میں آپ ﷺ کی بیویوں میں شامل رہنے کا شرف مجھے بھی حاصل رہے۔“

تشریح: حضرت میمونہؓ جو آنحضرت ﷺ کی ایک زوجہ مطہرہ ہیں حضرت ابن عباسؓ کی خالہ تھیں ان کے والد کا نام حارث تھا ان کا نام ہمدہ تھا ہمدہ ان کا بہنوئی تھا اگر آنحضرت ﷺ نے میمونہؓ کو یہ پہلے مسودہ ابن عمروؓ کے نکاح میں تھیں پھر ابوہریرہؓ کے ساتھ شادی ہوئی ان کا رسول کریم ﷺ کے ساتھ ذی قعد سن ۶ ہجری میں مقام سرف جو مکہ معظمہ سے آٹھ میل کا فاصلہ ہے وہاں ان کا نکاح ہوا انکس شب زفاف گزری اور اتفاق کی بات کہ اسی مقام سرف میں وفات پائی اور یہیں مدفون ہوئیں۔

جن زوجہ مطہرہ کے لئے باری مقرر نہیں تھی وہ حضرت صفیہؓ تھیں یا حضرت سولہ؟ اس بارہ میں اظہارِ رد و تضاد رواایتیں ہیں لیکن حقیقی بات یہی ہے کہ وہ حضرت سودہؓ تھیں بلکہ خطابی نے تو عطاءؓ کے اس قول کو کہ ”وہ حضرت صفیہؓ تھیں کے بارے میں یہ کہا ہے کہ کسی راوی کی چوک ہے یعنی حضرت عطاءؓ نے تو یہاں ”حضرت سودہؓ“ ہی کہا تھا مگر کسی راوی کی چوک سے ”حضرت صفیہؓ“ نقل ہو گیا۔

وكانت اخرهن عَوْزًا مَمْلُوكَةً بِالْمَدِينَةِ اور آنحضرت ﷺ کی بیویوں میں حضرت صفیہؓ کا سب سے آخر میں مدینہ میں انتقال ہوا ہے، تو صحیح سے پہلے یہ جان لیجئے کہ آنحضرت ﷺ کی نوازدواج مطہرات میں سے کس زوجہ مطہرہ کا انتقال کب ہوا ہے صاحبِ مواہب نے لکھا ہے کہ حضرت صفیہؓ کا انتقال سن ۵۰ ہجری کے بارہ رمضان میں ہوا ہے اور بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ ان کا انتقال حضرت معاویہؓ

کے زمانہ سن ۵۲ یا ۵۵ ہجری میں ہوا ہے اور بیعت میں مد فون ہوئیں ہیں۔ حضرت میمونہؓ کا انتقال ۵۱ ہجری میں ہوا اور بعض علماء کے قول کے مطابق ۶۶ یا ۶۳ ہجری میں ہوا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے مدینہ میں ۵۷ ہجری میں وفات پائی جب کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ ان کی وفات سن ۵۸ میں ہوئی ہے حضرت سودہؓ نے سن ۵۳ ہجری میں حضرت حفصہؓ نے سن ۵۰ یا بعض علماء کے قول کے مطابق ۴۱ ہجری میں حضرت سلمہؓ نے سن ۵۹ ہجری میں حضرت اُمّ حبیبہؓ نے سن ۴۴ ہجری یا بعض علماء کے قول کے مطابق ۴۳ ہجری میں حضرت زینب بنت جحشؓ نے سن ۴۰ ہجری میں یا بعض علماء کے قول کے مطابق سن ۶۱ ہجری میں اور حضرت جویریہؓ نے سن ۵۰ ہجری میں انتقال کیا ہے حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہجرت سے پہلے ہی مکہ میں ہو گیا تھا اور حضرت زینب بنت خزیمہؓ بھی آنحضرت ﷺ کے سامنے ہی وفات پائی تھیں۔ اب اس تفصیل کو دیکھ جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ کہنا کہ ”حضرت صفیہؓ کا سب سے آخر میں انتقال ہوا ہے“ صحیح نہیں ہے اور اگر لفظ کانت کی ضمیر کا مرجع حضرت میمونہؓ کو قرار دیا جائے تو بھی بات صحیح نہیں ہوگی کیونکہ اگر بعض علماء کے قول کے مطابق حضرت میمونہؓ کا سن وفات سن ۶۶ ہجری یا ۶۳ زیادہ صحیح تسلیم کر لیا جائے تو ازواج مطہرات میں ان کا سب سے آخر میں انتقال ہونا تو ثابت ہو جائے گا مگر یہ بات خود اسی عبارت کے اگلے ملے ہائے بالحدیثہ کے مطابق نہیں ہوگی کیونکہ اس بارہ میں حدیث نے وضاحت کر دی ہے کہ ان کا انتقال مقام سرف میں ہوا ہے۔ لہذا اس عبارت کا صحیح مفہوم متعین کرنا بڑا مشکل ہے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس عبارت میں کیا مفہوم پوشیدہ ہے اور اس کا صحیح مطلب کیا ہے؟

بَابُ عَشْرَةِ النِّسَاءِ وَمَالِ الْكُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنَ الْحَقُوقِ

عورتوں کے ساتھ صحبت و اختلاط اور ہر ایک عورت کے حقوق کا بیان

اس باب میں وہ احادیث نقل کی جائیں گی جو عورتوں کے ساتھ صحبت و اختلاط اور حسن معاشرت اور ہر ایک عورت کے حق کے بارے میں منقول ہیں۔ عنوان میں ”ہر ایک عورت کے حقوق“ کہنے کی بجائے ”عورتوں کے حقوق“ کہنا بظاہر زیادہ مناسب تھا لیکن اس میں نکتہ یہ ہے کہ یہاں عورتوں کی جنس مراد نہیں ہے بلکہ عورتوں کی اقسام مراد ہے۔ یعنی جن عورتوں سے نکاح کیا جاتا ہے وہ کئی قسم کی ہوتی ہیں کوئی تو بارہ ہوتی ہے اور کوئی شیبہ ہوتی ہے اور کوئی خوش خلق ہوتی ہے کوئی بد خلق ہوتی ہے اسی طرح کوئی عورت الدار ہوتی ہے اور کوئی مفلس ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ لہذا یہاں چونکہ عورتوں کی یہ اقسام مراد نہیں اس لئے عنوان میں ”ہر ایک عورت کے حقوق“ کہا گیا۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

عورت کی کچی کو سخت روی سے دور نہیں کیا جاسکتا

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَوْضُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَإِنَّهُنَّ خُلُفٌ مِّنْ ضَلَعٍ وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَغْلَظُ فَإِنَّ ذُنُوبَ نَفِيقَةٍ كَسُوفَةٌ وَإِنْ تَرَكَتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ فَاسْتَوْضُوا بِالنِّسَاءِ۔ (متن مدید)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”عورتوں کے حق میں بھلائی کی وصیت قبول کرو، اس لئے کہ وہ پٹلی سے پیدا کی گئی ہیں جو نیزگی ہے اور سب سے زیادہ نیزہ چاکن اس پٹلی میں ہے جو اوپر کی ہے لہذا اگر تم اپنی کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو اس کو توڑ دو گے اور اگر پٹلی کو اپنے حال پر چھوڑ دو تو وہ ہمیشہ نیزگی کی نیزگی رہے گی اس لئے عورتوں کے حق میں بھلائی کی وصیت قبول

لرو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس ارشاد گرامی نے عورتوں کی خلقت و طبیعت کے بارہ میں دو بنیادی نکتے بیان کئے ہیں اول تو یہ کہ عورتوں کی اصل و بنیاد حضرت حوا ہیں جو حضرت آدم کی اوپر کی پہلی سے پیدا ہوئی ہیں جو بہت زیادہ نیچی ہوتی ہے لہذا عورتوں کی اصل خلقت ہی میں نیچے پائین ہے جسے کوئی درست نہیں کر سکتا دوم یہ کہ جس طرح پہلی کا حال ہے کہ اگر کوئی اسے سیدھا کرنا چاہے تو سیدھی نہیں ہوگی۔ بلکہ لوٹ جائے گی اور اگر اس کو اسی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو بیش نیچی رہے گی ٹھیک اسی طرح عورتوں کا حال ہے کہ ان کی اصل خلقت ہی میں چونکہ اعمال و اخلاق کی کمی ہے اس لئے اگر مرد چاہیں کہ ان کی کمی کو درست کر دیں تو وہ اس میں کامیاب نہیں ہوں گے بلکہ اس کو توڑ ڈالیں گے (توڑنے سے مراد طلاق دینا ہے جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہو گا)۔ لہذا عورتوں سے فائدہ اٹھانا اور ان کا کارآمد رہنا اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ ان کو ان کے خلقی نیچے پن پر چھوڑے رکھا جائے پس حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ عورتوں کی اصلاح و درستگی کا معاملہ بہت پیچیدہ اور نازک ہے ان کی غلطیوں اور کوتاہیوں پر سخت روی اور غیظ و غضب کی بجائے ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے اور اس بنیادی نکتہ کو ملحوظ رکھنا چاہئے کہ ان کے نیچے پن کو درست کرنے کے لئے اگر سختی سے کام لیا جائے گا۔ اس کا انجام ان کی توڑ پھوڑ یعنی طلاق کی صورت میں ظاہر ہو گا جو ان عورتوں ہی کے لئے تباہی کا باعث نہیں ہو گا بلکہ خود اپنی زندگی کے لئے بھی نقصان دہ اور اضطراب انگیز ہو گا۔ اس لئے اپنی عورتوں کے ساتھ نرم معاملہ رکھو اور ان کے نیچے پن پر مبرکرو اور یہ طریقہ چھوڑ دو کہ وہ سب باتوں میں تمہاری مرضی اور تمہاری خواہش کے مطابق عمل کریں گی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان کا نیچہ پائین اگر روزمرہ کی گھریلو زندگی اور معاشرتی امور سے گزر کر گناہ و معصیت کی حدود میں پہنچ جائے تب بھی اس پر مبرک کیا جائے بلکہ ان کے نیچے پن پر مبرک کرنا اور اس سے چشم پوشی کرنا اس وقت تک مناسب ہو گا جب تک کوئی گناہ لازم نہ آئے۔ اگر گناہ لازم آئے تو پھر تغافل اور چشم پوشی بالکل مناسب نہیں ہوگی۔

(۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ لَنْ تَسْتَقِيمَ لَكَ عَلَى ظَرْفٍ فَإِنْ اسْتَفْتَعَتْ بِهَا اسْتَفْتَعْتَ بِهَا وَبِهَا عَافَ وَإِنْ فَتَعْتَ بِهَا فَتَعْتَ بِهَا كَسَتْ وَبِهَا ظَلَمَ لَهَا۔ (رواہ مسلم)

”حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”عورت کی اصل اور بنیاد یعنی اس کی ماں حوا چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی پہلی سے پیدا کی گئی ہے۔ (اس لئے تمہارے لئے کسی ایک راہ پر ہرگز سیدھی نہیں ہوگی۔ لہذا اگر تم اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو اس کے نیچے پن ہی کی حالت میں اس سے فائدہ اٹھاؤ اور اگر تم اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو گا کہ تم اسے توڑ ڈالو گے اور اس کا توڑنا اس کو طلاق دینا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: ”ہرگز سیدھی نہیں ہوگی“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم یہ چاہو کہ کوئی عورت کسی ایک حالت پر ہمیشہ قائم رہے تو یہ ناممکن ہے کیونکہ اس کی خلقت ہی میں چونکہ کمی ہے اسی لئے اس کی حالت بدلتی رہتی ہے گی کبھی شکر گزاری کی راہ چھوڑ کر ناشکری کا راستہ اختیار کرے گی کبھی طاعت و فرمانبرداری کے راستہ پر چلے چلے نا فرمانی کی راہ پر چڑ جائے گی کبھی قناعت کو بالائے طاق رکھ کر طمع و حرص کے جال میں پھنس جائے گی غرضیکہ اسی طرح اس کے مزاج و عمل میں دوسرے تغیرات پیدا ہوتے رہیں گے۔

عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت اختیار کرو

(۳) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَفْزُكَ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً أَنْ يَكْرِهَ مِنْهَا خُلُقًا وَحِسِيٍّ مِنْهَا اخْو۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”کوئی مسلمان مرد کسی مسلمان عورت سے بغض نہ رکھے اگر اس کی نظر میں اس عورت کی کوئی خصلت و عادت نا پسندیدہ ہوگی تو کوئی دوسری خصلت و عادت پسندیدہ بھی ہوگی۔“ (مسلم)

تشریح: حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ کسی انسان کے تمام افعال و خصائل برے نہیں ہوتے بلکہ اگر اس کے کچھ افعال و خصائل برے ہوتے ہیں تو اس میں کچھ اچھی عادتیں اور اچھے خصائل بھی ہوتے ہیں لہذا ہر مسلمان مرد کو چاہئے کہ وہ اپنی عورت کے ان اچھے افعال و اخلاق کو پیش نظر رکھے جو اس کی نظر میں پسندیدہ ہیں اور جو افعال و اخلاق برے ہوں ان پر مبرو عمل کرے گویا اس ارشاد کا مقصد اس بات کی ترغیب دلاتا ہے کہ عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت اختیار کرو ان کی معیت میں خوشگوار و پر مسرت زندگی گزارنے کی کوشش کرو اور اگر ان کی طرف سے کوئی ایسی کوتاہی یا غلطی ہو جائے یا ان میں کوئی ایسی بری عادت و خصلت ہو جس سے تکلیف پہنچتی ہے تو اس تکلیف پر مبرو کرو۔

اس حدیث میں ایک بہت بڑے لطیف نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ بے عیب یار اور اپنے مزاج کے بالکل موافق ہاتھ نہیں لگا کرتا۔ اگر کوئی شخص بالکل بے عیب یار و معونہ نہ ملے تو وہ ہمیشہ بے یار و مددگار رہے گا کیونکہ ایسا کوئی انسان نہیں ہے جس میں کوئی عیب اور کوئی ناپسندیدہ بات نہ ہو اس طرح کوئی انسان خصوصاً مسلمان اچھے خصائل اور اچھی عادتوں سے بالکل بھی خالی نہیں ہوتا لہذا مثل کا تقاضا یہی ہونا چاہئے۔ کہ اس کے ان اچھے خصائل کو تو پیش نظر رکھا جائے اور برے خصائل سے چشم پوشی کی جائے۔

کبھی ہر عورت کو ورثہ میں ملی ہے

﴿وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا بَشَرٌ إِلَّا فِيهِ لَمْ يَخْتَرْ اللَّهُ خَيْرًا لَمْ يَخْوَ لَمْ يَنْحُزْ لَمْ يَزَلْ وَلَوْ لَا خَوْفٌ لَمْ يَنْحُزْ أَنْتُمْ رِزْقُهَا الذَّهْرُ﴾ (بخاری ص ۱۷۱)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر نبی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت نہ سزا کرتا اور اگر حوا نہ ہوتی تو عورت اپنے شوہر سے خیانت نہ کرتی۔“ (بخاری ص ۱۷۱)

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ان کی قوم بنی اسرائیل یعنی یہودیوں کے لئے جنگل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے من و سلوی کا خوان نعمت اترا کرتا تھا اور اس کا یہ حکم تھا کہ انہیں جتنی ضرورت ہو اسی کے بقدر اس میں سے لے لیا کریں ضرورت سے زائد لے کر ذخیرہ نہ کریں مگر وہ یہودی کیا جو اپنی کج فطرتی اور خدا کی نافرمانی سے باز آجائیں چنانچہ اس موقع پر بھی انہوں نے حکم خداوندی کی نافرمانی کی اور اس خوان نعمت سے اپنی ضرورت سے زائد لے کر ذخیرہ کرنے لگے، مگر قدرت کا کرنا ایسا ہوتا کہ جب وہ ذخیرہ کرتے تو وہ گوشت سبز جاتا تھا۔ چنانچہ یہ گوشت کا سزنا ان کے اس فعل بد یعنی اللہ تعالیٰ پر توکل و اعتماد نہ کرنے اور محض حرص و طمع کی وجہ سے ذخیرہ کرنے کی سزا کے طور پر تھا اس کے بعد نظام قدرت نے ہمیشہ کے لئے گوشت کا سزنا لازم کر دیا لہذا اس کے بارہ میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر نبی اسرائیل اس بری عادت میں مبتلا نہ ہوتے اور ان کو یہ سزا نہ ملتی تو گوشت سبز نہ کرتا بلکہ جب تک لوگ چاہتے اسے اپنی ضرورت کے مطابق رکھا کرتے۔

یہاں ”خیانت“ کے وہ معنی مراد نہیں ہیں جو امانت و دیانت کی ضد ہے بلکہ ”خیانت“ سے ناراضی یعنی کبھی مراد ہے لہذا حضرت حوا کی کبھی یہ تھی کہ انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت کا وہ درخت کھانے کی ترغیب دی جس سے اللہ تعالیٰ نے روک رکھا تھا۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو کبھی حضرت حوا سے سرزد ہو گئی تھی وہ ہر ایک عورت کی سرشت کا جزو بن گئی ہے اگر حضرت حوا سے یہ کبھی سرزد نہ ہوئی تو کسی بھی عورت میں کبھی کا ذخیرہ نہ ہوتا اور وہ اپنے خاوند کے ساتھ کج روی کا کوئی بھی رتاوند نہ کرتی۔

عورت کو مارنے کی ممانعت

﴿وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَمْعَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجْلِدُ أَحَدُكُمْ امْرَأَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ يَجَامِعُهَا فِي أَجْرِ الْيَوْمِ وَفِي رِوَايَةٍ يَغْمِدُ أَحَدُكُمْ فَيَجْلِدُ امْرَأَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ فَلَعَنَهُ يَضَاهَا فِي أَحْرَ يَوْمِهِ لَمْ وَغَطْلَهُمْ﴾

فِي صَلَاتِهِمْ مِنَ الصَّلَاةِ فَقَالَ لِمَ يَصْنَعُونَ ذَلِكَ أَخَذَكُمْ وَمَا يَفْعَلُونَ - (متن ملہ)

”اور حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ کوئی شخص اپنی بیوی کو غلام کی طرح (بدولے سے) نہ دے اور پھر دن کے آخری حصہ میں اس سے جماع کرے۔“ ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تم میں ایک شخص اپنی بیوی کو غلام کی طرح نہ دے حالانکہ یہ نہیں سوچتا کہ شاید وہ اسی دن کے آخری حصہ میں اس سے ہم بستری ہو۔ پھر آپ ﷺ نے ریح خارج ہونے پر ہنسنے والوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس چیز پر کیوں دست ہے جس کو وہ خود بھی کرتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اور پھر دن کے آخری حصہ میں اس سے جماع کرے۔“ اس کے ذریعہ آپ ﷺ نے ایک بڑا نفسیاتی نکتہ بیان فرمایا کہ جو شخص اپنی بیوی سے جتنی لذت حاصل کرتا ہے اس کے لئے یہ بات کس طرح مناسب ہو سکتی ہے کہ ایک طرف تو اس کے ساتھ ایسا برکف معاملہ ہو دوسری طرف اس کے ساتھ اتنا وحشیانہ اور بے دروازہ سلوک کرے؟ اگرچہ اپنی بیوی کو اس کی مسلسل نافرمانی اور سرکشی پر مارنے کی اجازت ہے لیکن اس طرح نہیں کہ غلاموں کی طرح بے دردی سے اسے مارا جینا جائے یہ ایک غیر شرعی فعل ہی نہیں ہے بلکہ ایک انہائی غیر انسانی اور غیر مہذب حرکت بھی ہے! اس سے مظلوم ہوا کہ اپنی بیوی کے ساتھ پیار و محبت اور اتفاق و سلوک کے ساتھ رہنا چاہئے۔

حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا کسی ایسی عجیب بات پر ہنسنا تو اجماعاً معلوم ہوتا ہے جو عام طور پر نہ پائی جاتی ہو لیکن جب ایک چیز خود اپنے اندر موجود ہے تو پھر جب وہ کسی دوسرے سے سرزد ہوتی ہے۔ تو اس پر ہنسنے کا کیا موقع ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص کی ریح خارج ہو جائے تو اسے تعادل کھاجانے تاکہ وہ نجاست اور شرمندگی کر کے کبید خاطر نہ ہو۔

اس سلسلہ میں یہ سبق آموز واقعہ دیکھنے کے قابل ہے کہ ایک بہت بڑے عالم گزرے ہیں جن کا نام عالم تھا یہ اگرچہ حقیقت میں بہرے نہیں تھے لیکن انہوں نے دنیا کی نظروں میں اپنے آپ کو بہر اہلکار کھاجا جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دن ایک عورت کوئی مسئلہ پوچھنے کے لئے ان کے پاس آئی جب وہ ان سے مسئلہ پوچھ رہی تھی تو اسی اثنا میں اس کی ریح خارج ہو گئی۔ عالم نے سوچا کہ یہ عورت ذات ہے اب یہ بہت زیادہ شرمندگی و نجاست محسوس کر رہی ہوگی لہذا انہوں نے اس کی شرمندگی و نجاست دور کر کے لئے کہا کہ ذرا زور سے کہو کہ یہ ریح ہو گویا انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ میں ادنیٰ غما ستا ہوں وہ عورت بڑی خوش ہوئی اس نے بتایا کہ یہ تو بہرے ہیں انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں اور اس طرح اس کی شرمندگی دور ہو گئی مگر عالم نے پھر اپنی اس بات کو نہانے کے لئے اپنے آپ کو ہمیشہ بہرا بنائے رکھا۔

علامہ طہیٰ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ تشریح پوشیدہ ہے کہ ہر عقل مند انسان کو چاہئے کہ جب وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کی عیب گیری کا ارادہ کرے تو اپنے دل میں سوچے کہ آیا یہ عیب یا کسی طرح کا کوئی اور عیب میری ذات میں بھی موجود ہے یا نہیں؟ اگر وہ اپنے آپ کو کسی عیب سے پاک نہ پائے تو پھر اس کے لئے اس مسلمان بھائی کی عیب گیری سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس عیب سے پاک کرنے پر توجہ دے کسی مرد دانانے کیا خوب کہا ہے کہ میں اکثر لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ دوسروں کے عیب کو دیکھ لیتے ہیں لیکن خود ان کے اندر جو عیب ہیں ان سے وہ اندھے ہیں۔

اپنی بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو

⑥ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَلْعَبُ بِالْبَنَاتِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ لِي صَوَاجِبٌ يَلْعَبْنَ مَعِيَ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ يَتَقَبَّضُ مِنْهُ فَيَسْتَوِيهُنَّ إِلَى فَيْلَعَتَيْنِ مَعِيَ - (متن ملہ)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (جب میں چھوٹی تھی اور میری شادی کا ابتدائی دور تھا تو) میں رسول کریم ﷺ کے ہاں گلوں سے کھیل

کرتی تھی اور میری بھولیاں بھی میرے ساتھ کیلتی تھیں اور پھر جب رسول کریم ﷺ (مکرمیں) تشریف لائے تو میری ہم جوہاں (شرم کی وجہ سے) آپ ﷺ سے چھپ جاتی تھیں لیکن آنحضرت ﷺ ان کو میرے پاس بھیج دیا کرتے تھے اور وہ میرے ساتھ کھینے لگتی تھیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں گویا اس بات کا بیان ہے کہ اپنی بیوی کے ساتھ ہنسی خوشی رہنا اس کے جائز جذبات و شوق کا لحاظ رکھنا ایک برصورت زندگی کا بنیادی باب ہے جس کے بغیر انسان کو اطمینان و سکون کی دولت نصیب نہیں ہوتی۔ گزلیوں سے ٹھیلنے کے بارہ میں جو حکم و تفصیل ہے۔ باب الولی میں اس کا بیان مکرر چکا ہے۔

④ وَعَنْهَا قَالَتْ وَاللَّهِ لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُومُ عَلَى بَابِ خُجْرَتِي وَالْحَبَشَةُ يُلْعَنُونَ بِلَحْزَابِ فِي الْمَسْجِدِ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَنْبِئُ بِوَدَائِهِ لَا يَنْظُرُ إِلَيَّ تَعْصِيَهُمْ نَبِيٍّ أَذْنِبَ وَغَائِبَهُ ثُمَّ يَقُومُ مِنْ أَجْلِنِي حَتَّى أَكُونَ أَنَا التَّيْنُ أَنْصَرِفَ فَمَا قَدْ زُوِّقْتُ الْخَلَاةَ الْخَدِيزَةَ الْبَسِيَّ الْخَرِيقَةَ عَلَى اللَّهْوِ۔ (بخاری و مسلم)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے دیکھا (اور مجھے اچھی طرح یاد ہے) کہ رسول کریم ﷺ میرے حجرہ مبارک کے دروازہ پر کھڑے تھے اور جتنی لوگ مسجد میں اپنی برچھیوں کے کرب دکھا رہے تھے اور رسول کریم ﷺ نے اپنی چادر سے میرے لئے پردہ کر رکھا تھا تاکہ میں بھی آپ ﷺ کے کان اور مونہ سے کے درمیان سے ان حبشیوں کا کھیل کر تب نہ سمجھتی رہوں یہاں تک کہ آپ ﷺ اس وقت تک (پردہ کئے) کھڑے رہے جب تک کہ میں خود وہاں سے نہ ہٹ گئی اس سے تم اس حجرہ کا اندازہ کر لو جس میں ایک صغیر اسن لڑکی جو کھیل تماشا کی شائق ہو کھڑی رہ سکتی ہے (یعنی خیال کرو کہ خود رسال لڑکیاں کھیل تماشا دیکھنے کی کتنی شائق ہوتی ہیں اور زیادہ سے زیادہ دیر تک کھڑے رہنا بھی ان کے لئے ایک معمولی بات ہوتی ہے چنانچہ میں بھی اس وقت جتنی دیر تک کھڑی رہی، آپ ﷺ بھی میری وجہ سے پردہ کئے کھڑے رہے، حاصل یہ کہ آپ ﷺ بہت دیر تک وہاں کھڑے ہو کر مجھے ان حبشیوں کا کھیل کر تب دکھاتے رہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”مسجد“ سے مراد ”حجرہ مسجد“ ہے جو مسجد سے ملا ہوا ایک چوترہ تھا، یعنی وہ حبشی مسجد میں اپنا کرب تب نہیں دکھا رہے تھے بلکہ مسجد سے متصل حجرہ میں اپنے کمالات کا مظاہرہ کر رہے تھے اور اگر نفس مسجد ہی مراد لی جائے یعنی یہ کہا جائے کہ ان کا کھیل کر تب مسجد ہی کے اندر ہو رہا تھا تو اس میں بھی کوئی قباحیت نہیں ہے کیونکہ ان کا برچھیوں کا کرب دکھانا گویا چھوڑ کر ایک علامتی مشق تھی لہذا تیر اندازی کی طرح ان کا یہ کھیل کر تب بھی عبادت کی مانند تھا، ایسے ہی ان کا کھیل دیکھنا بھی پسندیدہ تھا باظہار معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ پردہ واجب ہونے سے پہلے کا ہے۔

آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کی خوشی و ناخوشی کو کس طرح پہچانتے تھے

① وَعَنْهَا قَالَتْ فَإِنْ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِي لَا عَلِمَ إِذَا كُنْتُ عَنِّي وَاحِدَةً وَإِذَا كُنْتُ عَلَى عَضْنِي فَقُلْتُ مِنْ آيِنَ تَعْرِفُ ذَلِكَ فَقَالَ إِذَا كُنْتُ عَنِّي وَاحِدَةً فَإِنَّكَ تَقُولِينَ لَا وَزَيْتُ مُحْتَدٍ وَإِذَا كُنْتُ عَلَى عَضْنِي فَقُلْتُ لَا وَزَيْتُ الْوَاهِمِ قَالَتْ فَلَنْ أَجَلَ وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا أَهْجُو إِلَّا اسْمَكَ۔ (بخاری و مسلم)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ مجھ سے فرمانے لگے کہ جس وقت تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو میں جان جاتا ہوں اور جب تم (کسی دنیوی معاملہ میں) مجھ سے ناراض ہوتی ہو (جیسا کہ میاں بیوی کے درمیان کسی بات پر خفگی ہو جاتی ہے) تو مجھے وہ بھی معلوم ہو جاتا ہے میں نے عرض کیا کہ ”آپ ﷺ یہ کس طرح پہچان لیتے ہیں؟“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا (اس طرح کہ) جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو اس طرح کہا کرتی ہو ”یہ بات نہیں ہے مجھ ﷺ کے پروردگار کی قسم“ اور جب تم مجھ سے غما ہوئی ہو تو اس طرح کہتی ہو کہ ”یہ

بات نہیں ہے ابراہیم علیہ السلام کے پروردگار کی قسم (یعنی جب تم مجھ سے خفا ہونے کی حالت میں قسم کھاتی ہو تو میرا نام نہیں لیتیں بلکہ ابراہیم علیہ السلام کا پروردگار کہتی ہو) حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (یہ سن کر میں نے عرض کیا کہ "ہاں یا رسول اللہ! یہ بات ٹھیک ہے، لیکن میں صرف آپ ﷺ کا نام ہی چھوڑتی ہوں۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "لیکن میں صرف آپ کا نام ہی چھوڑتی ہوں" کا مطلب یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں مغلوب الحش ہو جاتی ہوں اگرچہ میں آپ ﷺ کا نام نہیں لیتی مگر میرے دل میں آپ ﷺ کے لئے پیار و محبت کا جو دریا موجزن ہے اس کے تلاطم میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں ہوتی، بلکہ میرا دل آپ ﷺ کی محبت میں جوں کا توں مستغرق رہتا ہے۔

شوہر کی خواہش پر بیوی کو ہم بستر ہونے سے انکار نہ کرنا چاہئے

⑨ وَغَنَ ابْنُ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الزَّوْجُ أُمْرَأَتَهُ إِلَى فَرْشِهَا فَلَا تَبْتَغِ فَتَاتَ غُطَّيَانِ لَعْنَتْهُمَا الْمَلَائِكَةُ حَتَّى تَضَعُ خَشْفَكَ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لَهَا قَالِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا مِنْ زَوْجٍ لَدَخَلَ يَدْخُلُ أُمْرَأَتَهُ إِلَى فَرْشِهَا فَلَا تَبْتَغِي عَلَيْهِ إِلَّا كَانَ الذَّنْبُ فِي السَّمَاءِ مَا خِطَا عَلَيْهَِا حَتَّى يَرْضَى عَنْهَا۔

"اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "اگر کوئی مرد اپنی عورت کو ہم بستر ہونے کے لئے بلائے اور وہ عورت انکار کر دے۔ اور پھر شوہر (اس کے انکار کی وجہ سے ارات بھر غصہ کی حالت میں رہے تو فرشتے اس عورت پر صبح تک لعنت بھیجتے رہتے ہیں (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں (یعنی جس کے قبضہ تصرف میں) میری جان ہے، جو شخص اپنی عورت کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے تو وہ جو آسمان میں ہے اس سے اس وقت تک ناراض رہتا ہے جب تک اس کا شوہر اس سے راضی نہ ہو۔

تشریح: یہ وعید اس صورت میں ہے جب کہ بیوی کوئی شرعی عذر نہ ہونے کے باوجود شوہر کے بستر پر آنے سے انکار کر دے۔ بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ حیض ایسا عذر نہیں ہے جس کی موجودگی میں بیوی کو شوہر کے بستر پر آنے سے انکار کر دینے کا حق پہنچتا ہو، کیونکہ جہود علماء کے نزدیک شوہر کو اس صورت میں بھی کپڑوں کے اوپر سے جسمی لطف حاصل کرنا (یعنی بدن سے بدن ملانا اور بوسہ وغیرہ لینا) جائز ہے اور بعض علماء کے نزدیک شرم گاہ کے علاوہ جسم کے بقیہ حصوں سے لطف اندوزی جائز ہے۔

"صبح تک" غالب کے اعتبار سے فرمایا گیا ہے۔ یعنی اکثر یہ صورت حال چونکہ رات میں پیش آتی ہے اس لئے "صبح تک" کا ذکر کیا گیا ورنہ اگر شوہر کی طرف سے خواہش اور بیوی کی طرف سے انکار کی یہ صورت حال دن میں پیش آئے اور اس کی وجہ سے شوہر دن بھر ناراض رہے تو فرشتے اسی طرح شام تک اس عورت پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔

"وہ جو آسمان میں ہے" کا مطلب یہ ہے کہ وہ ذات جس کا ظم آسمانوں میں جاری ہے۔ یا وہ ذات جس کی آسمانوں میں عبادت کی جاتی ہے اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یوں کہ اللہ تعالیٰ زمین اور زمین کی ساری مخلوقات کا بھی معبود اور آسمان اور آسمان کی ساری مخلوقات کا بھی معبود ہے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌ وَفِي الْأَرْضِ ذُئِلَةٌ۔

"اور وہ (اللہ تعالیٰ) ایسا ہے کہ جو آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے۔"

لیکن حدیث میں صرف آسمان کا معبود اس لئے کہا گیا ہے زمین کی بہ نسبت آسمان زیادہ شرف رکھتا ہے اور صرف آسمان کا ذکر اظہار مقصد کے لئے کافی ہے تاہم یہ بھی احتمال ہے کہ "وہ جو آسمان میں ہے" سے فرشتے مراد ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خاوند کی ناراضگی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے اور جب جنسی جذبات کی تسکین کے بارہ میں خاوند کی ناراضگی کی یہ اہمیت ہے تو کسی معاملہ میں خاوند کی ناراضگی کی کتنی اہمیت ہوگی۔

کوئی عورت خواہ مخواہ اپنی سوکن کو جلانے کے کام نہ کرے

(۱۵) وَعَنْ أَسْمَاءَ أَنَّ أُمِّ أُمِّ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي لَأُحِبُّ حَتَّى أَفُتِّحَ عَلَىَّ حَتَّى أَفُتِّحَ مِنْ زَوْجِي عَنِ الَّذِي يُعْطِينِي فَقَالَ الْمُنْشِقُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَّا بَسِ تَوْتِي زَوْدًا - (مشق علیہ)

”اور حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ ایک عورت نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! میری ایک سوکن ہے۔ اگر میں اس کے سامنے اپنے خاوند کی کسی ایسی چیز کا اظہار کروں جو اس نے مجھے نہیں دی ہے تو کیا یہ گناہ ہے؟“ یعنی میرا خاوند مجھے جو کچھ دیتا ہے اگر میں اپنی سوکن کو جلانے کے لئے اس کے سامنے اس چیز کو زیادہ کر کے بیان کروں کہ دیکھو مجھے تم سے زیادہ ملے تو کیا اس میں کوئی برائی ہے؟“ آپ نے فرمایا ”اہاں یہ بہت بری بات ہے کیونکہ اللہ کی چیز کا اظہار کرنے والا دوجھوت موٹ کے کپڑے پہننے والے کے مانند ہے۔“ (عکلی و مسلم)

تشریح: دو کپڑوں سے مراد چادر اور تہبند ہیں اور جھوٹ موٹ کے کپڑے پہننے والے سے وہ شخص مراد ہے جو کسی کا مانگا ہوا یا کسی کی امانت کا کپڑا اپنے اور ظاہر سے کرے کہ گویا وہ کپڑے اسی کے ہیں یا وہ شخص مراد ہے جو زناہدوں اور زمرگوں کا لباس پہنے حالانکہ واقعہ اسے زہد و بزرگی سے کوئی نسبت نہ ہو بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ حدیث میں اس شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو ایسا تمیص و کرت پہنے جس کی آستینوں کے نیچے دو اور آستینیں لگی ہوئی ہوں تاکہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ دو کپڑے پہن رکھے ہیں اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ عرب میں ایک شخص تھا جو شخص اس لئے دو بہت عمدہ اور نفیس کپڑے پہنتا تھا تاکہ لوگ اسے عزت و احترام کی نظر دیکھیں اور اگر وہ کوئی جھوٹی گواہی دے تو کوئی آدمی اس کی کسی گواہی کو جھوٹی نہ جانے لہذا حدیث میں اس شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

ایلاء کا مطلب

(۱۱) وَعَنْ اِسْمَاءَ قَالِ اَلِیْ زَوْجِیْ اَللّٰہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ مِنْ بَسْمِہٖ شَہْرًا وَكَتَابَتْ اَنْفَکَتْ رَحْلَہٗ فَاَقَامَ فِیْ مَشْرِئَہٗ تِسْعًا وَعِشْرَیْنِ لَیْلَۃً ثُمَّ نَزَلَ فَقَالُوْا اَیَا زَوْجِیْ اَللّٰہُ اَلِیْتَ شَہْرًا فَقَالَ اِنَّ الشَّہْرَ یُکُوْنُ تِسْعًا وَعِشْرَیْنِ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت اسماءؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنی بیویوں سے ایک مہینہ کا ایلاء کیا اور اسی زمانہ میں آپ ﷺ کے پاؤں میں موج آگئی تھی چنانچہ آپ ﷺ انیس راتوں تک بلا غارتی پر رہے پھر جب آپ ﷺ نے شریف لائے تو لوگوں نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے تو ایک مہینہ کا ایلاء کیا تھا اور مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے پھر آپ تیس دن کے بعد کیوں اتر آئے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا مہینہ تیس دن کا بھی ہوتا ہے۔“ (بخاری)

تشریح: ”ایلاء“ کے لغوی معنی ہیں ”قسم کھانا“ اور اصطلاح شریعت میں ایلاء اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اس بات کی قسم کھائے کہ میں چار مہینہ یا اس سے زیادہ تک اپنی بیوی کے پاس نہیں جاؤں گا یعنی اس سے جماع نہیں کروں گا اگر قسم پوری ہو جائے یعنی وہ شخص اپنی قسم کے مطابق چار مہینہ تک یا اس سے بھی زیادہ اس مدت تک جو اس نے متعین کی ہو، اپنی بیوی کے پاس نہ جائے تو طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے اور اگر وہ قسم پوری نہ کرے یعنی اس مدت کے پوری ہونے سے پہلے ہی بیوی کے پاس چلا جائے تو ایلاء ساقط ہو جاتا ہے اور اس پر قسم پوری نہ کرنے کا کفارہ واجب ہو جاتا ہے یا جزاء لازم ہو جاتی ہے اور اگر کسی شخص کے نکاح میں کسی کی لونڈی ہو یعنی اس کی بیوی آزاد عورت نہ ہو بلکہ کسی کی لونڈی ہو اور وہ اس سے ایلاء کرے تو اس کی کم سے کم مدت تین چار مہینہ کے دو مہینہ ہوگی اور اگر کسی شخص نے آزاد عورت کے حق میں چار مہینہ سے کم اور لونڈی کے حق میں دو مہینہ سے کم مدت کے لئے قسم کھائی تو یہ ایلاء شرعی نہیں کہلائے گا

چنانچہ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کی طرف جس ایلاء کی نسبت کی گئی ہے وہ شرعی ایلاء نہیں ہے۔ بلکہ ایلاء لغوی مراد ہے یعنی آپ ﷺ نے یہ قسم کھائی تھی کہ میں اپنی بیویوں کے پاس ایک مہینہ تک نہیں جاؤں گا جس کا سبب یہ تھا کہ آپ ﷺ کی بیویوں نے آپ ﷺ سے کچھ زیادہ نفقہ کا مطالبہ کیا تھا جس سے آپ ﷺ کو سخت ناگوار ہوئی اور آپ ﷺ نے قسم کے ساتھ یہ عہد کیا کہ میں ان بیویوں کے پاس ایک مہینہ تک نہیں جاؤں گا انہیں دونوں میں یہ حادثہ پیش آیا کہ آپ ﷺ گھوڑے پر سے گر پڑے جس کی وجہ سے آپ ﷺ کے پاسے مبارک میں چوٹ آئی پھر آپ ﷺ ایک مہینہ بالاحسانہ عی پر رہے نیچے نہیں آئے مگر وہ مہینہ غالباً انیس دن کا تھا اس لئے آپ ﷺ نے انیس پر اکتفا کیا اور نیچے شریف لے آئے۔

آنحضرت ﷺ کے ایلاء کا واقعہ

(۱۲) وَحِينَ جَابِرٍ قَالَ دَخَلَ أَبُو بَكْرٍ يَسْتَأْذِنُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ النَّاسَ جُلُوسًا بِبَابِهِ لَمْ يَزِدْ أَحَدٌ مِنْهُمْ قَالَ فَأَذِنَ لِأَبِي بَكْرٍ فَدَخَلَ ثُمَّ أَقْبَلَ عُمَرُ فَاسْتَأْذَنَ فَأَذِنَ لَهُ فَوَجَدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا خَوْلَةَ نِسَاءً وَأَوَّجَمًا سَاكِتًا قَالَ فَقُلْتُ لَا قَوْلَ لِي شَيْئًا أَصْحَبُكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَوْ زَأَيْتُ بِنْتُ خَلِجَةَ سَأَلْتَنِي الثَّقَفَةَ فَقُتِلْتُ إِلَيْهَا فَوَجَّاتُ عَنْقَهَا فَضَحِكْتُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ هُوَ خَوْلِي كَمَا تَرَى بِسَأَلْتَنِي الثَّقَفَةَ فَقَامَ أَبُو بَكْرٍ إِلَى عَائِشَةَ بَجَأَ عَنْقَهَا وَقَامَ عُمَرُ إِلَى حَفْصَةَ بَجَأَ عَنْقَهَا كِلَاهُمَا يَقُولُ تَسَالَيْنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَيْسَ عَنْده فَقُلْنَا وَاللَّهِ لَا نَسْأَلُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا أَبَدًا لَيْسَ عَنْده ثُمَّ اعْتَزَلْنَاهُ شَهْرًا أَوْ مِثْلَهُ ثُمَّ تَرَلْنَا هَذِهِ الْأَيَةَ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَا زَوَاجَ لَكَ حَتَّى يَبْلُغَ إِلَيْنَا حَسَنَاتُ مَبْكُورٍ أَجْزَاءً عَظِيمًا قَالَ قَبْلًا بِعَائِشَةَ فَقَالَ يَا عَائِشَةَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَعْرِضَ عَلَيْكَ امْرَأَةً أَحِبُّ أَنْ لَا تَعْرِضِي لِي فِيهِ حَتَّى تَسْتَشِيرِي أَبَا بَكْرٍ فَأَنْتَ وَأَمَّا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ اللَّهُ فَتَلَا عَلَيْهَا الْأَيَةَ فَأَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اسْتَشِيرِي أَبَا بَكْرٍ بَلْ أَخْشَارُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ وَالذَّارُ الْأَجْرَةَ وَأَسْأَلُكَ أَنْ لَا تُخَيِّرَ امْرَأَةً مِنْ نِسَائِكَ بِالْبَيِّنِ قُلْتُ قَالَ لَا تَسْأَلُنِي امْرَأَةً مِنْهُنَّ إِلَّا أَخْبَرْتُهَا إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَخْلُقْنِي مُعَيَّنًا وَلَا مُتَعَيَّنًا وَلَكِنْ بَغْنِي مُعَلَّبًا مُتَسَرِّيًا (رواه مسلم)

”اور حضرت جابر کہتے ہیں کہ جس زمانہ میں آنحضرت ﷺ اپنی بیویوں سے ایک مہینہ کی علیحدگی اختیار کئے ہوئے مکان میں گوشہ نشین تھے تو ایک دن حضرت ابوبکرؓ آئے اور رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت کے طلب گار ہوئے انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کے دروازہ پر لوگ جمع ہیں۔ اور کسی کو حاضر ہونے کی اجازت نہیں مل رہی مگر حضرت ابوبکرؓ کو اجازت مل گئی اور وہ آپ ﷺ کی خدمت میں طے کئے پھر حضرت عمرؓ اور ارقمؓ آئے اور انہوں نے حاضر ہونے کی اجازت مانگی ان کو بھی اجازت مل گئی چنانچہ حضرت عمرؓ (جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے آپ ﷺ کو اس حالت میں پایا کہ آپ ﷺ کے ارد گرد آپ ﷺ کی بیویاں بیٹھی ہوئی تھیں اور آپ ﷺ اس وقت ٹھکیں اور خاموش تھے حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے (یہ صورت حال دیکھ کر اپنے دل میں کہا کہ اس وقت مجھے کوئی ایسی بات کہنی چاہئے جس سے نبی کریم ﷺ خس چریں، چنانچہ انہوں نے کہا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ ہمیں کسی خارجی کی بیٹی (یعنی میری بیٹی) مجھ سے روٹی پانی کا خرچ (معمول سے) زیادہ طلب کرے تو میں کہتا ہوں کہ اس کی گردن پر مار لگاؤں“ (حضرت عمرؓ نے یہ بات کچھ اس انداز سے کہی کہ) آنحضرت ﷺ خس پڑے اور پھر فرمایا کہ ”یہ (میری) عورتیں جنہیں تم میرے ارد گرد جھمی دیکر رہے ہو مجھ سے (معمول سے) زیادہ خرچ مانگ رہی ہیں (یہ سننے ہی) حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہوئے اور اپنی صاحبزادی) حضرت عائشہؓ کی گردن پر مارنے لگے اسی طرح حضرت عمرؓ بھی کھڑے ہوئے اور وہ بھی (اپنی صاحبزادی) حضرت حفصہؓ کی گردن پر مارنے لگے اور پھر ان دونوں (یعنی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ) نے کہا کہ کیا تم آنحضرت ﷺ سے

بیشہ کے لئے تم سے علیحدگی اختیار کر لوں) اور اگر تم میرے غم پر راضی ہو اور یہ بچاؤ ہو کہ تمہیں خدا اور اس کے رسول (ﷺ) کی رضا مندی حاصل ہو اور جنت تمہارا ٹھکانا بنے تو اس کو کس طرح جو نیکو کاری کرنے والی ہیں ان کے لئے خدا نے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے (یعنی تمہاری اس مشقت کے عوض جو تمہیں میری حقروقت کی زندگی کی رفیق بننے میں اٹھانی پڑے گی اللہ تعالیٰ تمہیں بے اندازہ اجر و ثواب عطا کرے گا۔)

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت (ﷺ) نے اپنی بیویوں میں سب سے پہلے حضرت عائشہؓ سے رابطہ قائم کیا اور ان کے سامنے اس آسانی پر اہمیت کو رکھنے سے پہلے ان پر واضح کر دیا کہ میں تمہارے سامنے جو ہدایت و ضابطہ رکھنے والا ہوں میں چاہتا ہوں کہ تم اس کے بارہ میں کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے والدین سے مشورہ کا حکم اس لئے دیا کہ حضرت عائشہؓ اگرچہ سب سے زیادہ مسجد ار اور عقل مند تھیں مگر بہر حال صغیر اہل تھیں آپ (ﷺ) کو یہ خوف تھا کہ کہیں عائشہؓ غم عمری کے جذبات میں نہ بہر جائیں اور وہ دنیا کی عیش و عشرت کی خاطر مجھے چھوڑ کر آخرت کی ابدی سعادتوں سے منہ نہ موڑ لیں جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اس سے صرف عائشہؓ ہی کو نقصان اور تباہی سے دوچار ہونا نہیں پڑے گا، بلکہ ان کے والدین کو بھی سخت آذیت اور تکلیف پہنچے گی لیکن اگر اس معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ کریں گی تو وہ انہیں وہی صلاح دیں گے جو ان کی دینا اور ان کے دین کی بھلائی اور بہتری کے مطابق ہوگی۔ مگر یہ حضرت عائشہؓ کی فطری سعادت کی بات تھی کہ انہوں نے اپنے والدین کے مشورہ کے بغیر اپنا یہ فیصلہ سنا دیا کہ میں دنیا کی آہام و زندگی پر آخرت کی ابدی سعادتوں کو ترجیح دیتی ہوں اور اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مرضی و منشا ہی کو اختیار کرتی ہوں۔

حضرت عائشہؓ نے آنحضرت (ﷺ) سے یہ جو درخواست کی کہ میں نے آپ (ﷺ) کو جو کچھ جواب دیا ہے وہ آپ (ﷺ) اپنی کسی اور بیوی سے ذکر نہ کریں تو ان کا یہ خیال تھا کہ شاید اس موقع پر کوئی بیوی آپ (ﷺ) کے غم پر راضی نہ ہو کہ دنیا کی آرام و زندگی کے لئے آپ (ﷺ) سے سیدہ ہو جائے اس لئے انہوں نے سوچا کہ اگر کسی بیوی کو میرے اس ایمان و یقین سے بھرپور فیصلہ کا علم ہوا تو شاید اسے بھی راہبندی مل جائے اور وہ بھی ایسی ہی فیصلہ کرے لیکن اگر میرے اس فیصلہ سے لاعلمی رہے گی تو بہت ممکن ہے کہ کوئی بیوی دنیا کے عیش و آرام کو آنحضرت (ﷺ) کی ہر مشقت و رفاقت پر ترجیح دے اس لئے اچھا یہ ہو گا اگر کوئی بیوی آنحضرت (ﷺ) کے نکاح سے نکل جائے تو کیا حضرت عائشہؓ کی اس خواہش کا محرک آنحضرت (ﷺ) سے ان کی وہ بے پناہ محبت تھی جس میں وہ کسی دوسری عورت کو شریک دیکھنا گوارا نہیں کرتی تھیں۔ لیکن بہر حال رسول کریم (ﷺ) کی نظر میں تمام بیویوں کی بھلائی و برائی یکساں حیثیت رکھتی تھی، آپ (ﷺ) یہ کیسے گوارا کر سکتے تھے کہ ایک بیوی تو آخرت کی سعادتوں سے نوازی جائے اور دوسری بیوی کو اختیار کر کے تباہی کے راستہ پر لگے جائے چنانچہ آپ (ﷺ) نے حضرت عائشہؓ کی اس درخواست کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ان پر واضح کر دیا کہ مجھ سے جو بھی بیوی پوچھے گی میں اس کو بتا دوں گا کیونکہ اس کی بھلائی اسی میں پوشیدہ ہے اگر میں کسی کو نہ بتاؤں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ میں نے اس کے میں شفقت کا رویہ نہیں اپنایا اور اس کو وہ راستہ نہیں دکھایا جو اس کی راحت، اس کی بھلائی اور اس کا اخروی فلاح کے لئے ضروری ہے حالانکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس لئے مبعوث نہیں کیا ہے کہ میں لوگوں کے حق میں بدخواہی کروں یا کسی کو تکلیف و مصیبت اور رنج و غم میں مبتلا کروں اس دنیا میں اس لئے آیا ہوں کہ کائنات انسانی کے ہر فرد کو دنیا و آخرت کی بھلائی کی تعلیم دوں اور ہر انسان کو اس کے دینی و دنیاوی معاملات میں آسانی و سہولت کی راہ دکھاؤں۔

(۱۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَعَارِضُ عَلَى الْأَنْحَى وَهَبْنِ أَنْفُسَهُنَّ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ أَتَهْتِ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا فَلَمَّا أُنْزِلَ اللَّهُ تَعَالَى تَوَجَّعِي مِنْ تَشَاءٍ وَنَفْثُ وَتَوَوَّعِي إِلَيْكَ مِنْ تَشَاءٍ وَمَنْ ابْتِغَيْتَ مَعْنَى عَزَلْتُ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ قُلْتُ مَا أَرَى ذَلِكَ إِلَّا يُنَاسِرُ غَفِي هُوَ الْكَ (متن علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں ان عورتوں کو ابھی نظر سے نہیں دیکھتی تھی جو اپنے نفس کو رسول اللہ (ﷺ) کے لئے بہرہ کر دیتی تھیں

چنانچہ میں کہا کرتی تھی کہ کوئی عورت اپنا نفس بہہ کر سکتی ہے؟ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی ”اے محمد ﷺ ان عورتوں میں سے جس کو آپ ﷺ چاہیں بیحدہ کر دیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس یکہ دیں اور جن عورتوں کو آپ ﷺ نے علیحدہ کر دیا ہے اگر ان میں سے بھی کسی کو آپ بلائیں تو کوئی گناہ نہیں“ تو میں نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ میں دیکھتی ہوں کہ آپ ﷺ کا پروردگار آپ ﷺ کی مرضی و خواہش کو جلد پورا کر دیتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: جو عورتیں اپنا نفس آنحضرت ﷺ کو بہہ کر دیتی تھیں ان کو حضرت عائشہؓ اس لئے ابھی نظر سے نہیں دیکھتی تھیں کہ کسی عورت کا اپنے نفس کو کسی غیر مرد کو بہہ کر دینا گویا عورت کی عزت و شرف کے منافی ہے اور اس کی حرم و قلت حیا پر دلالت کرتا ہے اگرچہ جو عورتیں آنحضرت ﷺ کو اپنا نفس بہہ کر دیتی تھیں ان عورتوں کے نقطہ نظر سے اور واقعہً بھی ان کا یہ بہہ ان کے لئے باعث عزت ہوتا تھا جسے وہ اپنی خوش قسمتی تصور کرتی تھیں۔

”کوئی عورت اپنا نفس بہہ کر سکتی ہے“ حضرت عائشہؓ یہ بات ان عورتوں کے بہہ کی مخالفت میں کہا کرتی تھیں جس سے ان کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ کسی عورت کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنا نفس کسی غیر مرد کو بہہ کر دے اور ایک روایت میں حضرت عائشہؓ کے یہ الفاظ معقول ہیں کہ کیا عورت اپنا نفس بہہ کرتے ہوئے کوئی شرم و حیا محسوس نہیں کرتی؟

مذکورہ آیت کا مطلب یا تو یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی ازواج میں سے جس کو چاہیں اپنا نام بستر نامیں اور جس کو چاہیں اپنے سے الگ رکھیں یا یہ مطلب ہے کہ آپ ﷺ اپنی ازواج میں سے جس کو چاہیں اپنے نکاح میں باقی رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے نکاح سے الگ کر دیں یعنی طلاق دے دیں اور یا یہ مطلب ہے کہ آپ ﷺ اپنی اہمت کی عورتوں میں جس سے چاہیں نکاح کریں اور جس سے چاہیں نکاح نہ کریں۔

اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت دراصل اس آیت لَا تَجْعَلُ لِّلْفِتْنَةِ سَبِيلًا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کی وفات تک آپ ﷺ کے لئے ازواج مطہرات کے علاوہ اور بھی عورتیں مباح رہی تھیں۔

مشہور مفسر امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ (حدیث میں مذکورہ آیت کے بارہ میں) سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ آیت دراصل آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کی باری کے سلسلہ میں نازل ہوئی تھی جس کی تفصیل یہ ہے کہ اپنی بیویوں کے لئے باری مقرر کرتا پہلے آنحضرت ﷺ پر بھی واجب تھا لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی تو یہ وجوب آپ کے حق میں منقطع ہو گیا اور آپ ﷺ کو اختیار مل گیا کہ اپنی بیویوں کو آپ ﷺ نے باری سے الگ کر دیا ہے اور ان میں سے بھی کسی کو اپنے پاس بلانا اور ہم بستر ہونا چاہیں تو آپ ﷺ ایسا کر سکتے ہیں اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اہمت کے دوسرے مردوں پر آپ ﷺ کی فضیلت و برتری ظاہر کرتے ہوئے اپنی بیویوں کے لئے باری مقرر کرنے کے حکم پر عمل نہ کرنا آپ ﷺ کے لئے مباح کر دیا کہ جس بیوی کے بارہ میں آپ ﷺ کی خواہش ہو اسے آپ ﷺ اس کی باری کے علاوہ بھی اپنا نام بستر نامتے ہیں اور اگر آپ ﷺ اپنی کسی بیوی کو اس باری میں بھی اپنے پاس سلانا چاہیں تو آپ ﷺ کے لئے اس کی بھی اجازت ہے۔

ما ازید بئذ الخ کے معنی یہ ہیں کہ میرا گناہ یہ ہے کہ آپ ﷺ جس چیز کی خواہش کرتے ہیں آپ ﷺ کا پروردگار سے جلد پورا کر دیتا ہے۔ علامہ لوطیؒ کہتے ہیں اس بات سے حضرت عائشہؓ کی مرویہ تھی کہ اللہ تعالیٰ بعض احکام کی پابندی کو آپ ﷺ کے حق میں نرم کر دیتا ہے اور آپ ﷺ کو اس پر عمل نہ کرنے کی آسانی فرما دیتا ہے اسی لئے مذکورہ بالا معاملہ میں بھی آپ ﷺ کو اپنی مرضی و خواہش کے مطابق عمل کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون خاتون تھیں جنہوں نے اپنا نفس آپ ﷺ کو بہہ کیا تھا؟ چنانچہ بعض علماء کے قول کے مطابق وہ حضرت میمونہؓ تھیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ حضرت اُمّ شریکؓ تھیں بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ حضرت زینبؓ بنت خزیمہؓ تھیں اور

بعض نے کہا ہے کہ قولہ ”بنت حکیم تھیں لیکن اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ کوئی ایک خاتون نہیں تھیں بلکہ وہ کئی عورتیں تھیں:

وَحَدِيثُ جَابِرٍ أَنَّ اللَّهَ فِي النِّسَاءِ ذَكَرَ فِي قِصَّةِ حَبَّةِ الْوَدَّاعِ.

”اور حضرت جابرؓ کی حدیث اتقوا اللہ فی النساء الخ حمد الوداع کے بیان میں نقل کی جا چکی ہے۔“

الفصل الثالث

اپنی بیویوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا حسن معاشرت

(۱۳) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا كَانَتْ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ قَالَتْ فَتَسَابَقْنَاهُ فَنَسَبَفْنَاهُ عَلَى رِجْلَيْ فَلَمَّا خَمَلَتْ اللَّحْمَ فَتَسَابَقْنَاهُ فَتَسَبَفْنَاهُ قَالَ هَذِهِ بَيْتُكَ الشَّيْخُ (رواه ابو داود)

”حضرت عائشہؓ جو ایک سفر میں رسول کریم ﷺ کے ہمراہ تھیں، کہتی ہیں کہ (اس سفر میں ایک موقع پر) میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے پیروں کے ذریعہ دوڑی (یعنی ہم دونوں نے دوڑ میں باہم مقابلہ کیا) اور میں آپ ﷺ سے آگے نکل گئی پھر جب میں (عرصہ و راز کے بعد) فریہ ہو گئی تو پھر ہم دونوں کی دوڑ ہوئی اور اس مرتبہ آنحضرت ﷺ مجھ سے آگے نکل گئے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اس مرتبہ میرا آگے نکل جانا پہلی مرتبہ تمہارے آگے نکل جانے کے بدلہ میں ہے (یعنی پہلی مرتبہ تم جیت گئی تھیں اس مرتبہ میں جیت گیا ہوں اور دونوں برابر رہے)۔“ (ابو داؤد)

تشریح: ”اپنے پیروں کے ذریعہ“ سے اس بات کو مؤکد کرنا مقصود ہے کہ میں کسی سواری پر بیٹھ کر نہیں دوڑی تھی بلکہ اپنے پیروں پر دوڑی تھی چنانچہ طبریؒ نے یہی فرمایا ہے کہ اس جملہ سے تاکید مقصود ہے جیسا کہ کوئی یوں کہے کہ میں نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ یا میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔

یہ روایت اپنی بیویوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے حسن معاشرت کی ایک مثال ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی ازواج کے ساتھ ایک مسرت اور خوشگوار زندگی بسر کرتے تھے اور اپنی بیویوں کے حق میں انتہائی مہربان اور نرم تھے۔ نیز اس روایت میں امت کے لئے بھی یہ سبق ہے کہ اپنی عائلی زندگی میں آنحضرت ﷺ کے اس حسن معاشرت کی پیروی کی جائے اور اپنی بیویوں کے ساتھ ایسی خوشی اور باہمی پیادہ محبت کے ساتھ رہا جائے۔

قاضی خانؒ فرماتے ہیں کہ سابق یعنی باہمی دوڑ وغیرہ کا مقابلہ چار چیزوں میں جائز ہے اونٹ میں، گھوڑے میں، تیر اندازی میں اور پیادہ پھرنے میں۔ نیز یہ مقابلہ اگر کسی شخص سے کسی شرط کے ساتھ ہو تو وہ ایسی صورت میں جائز ہو گا جب کہ دونوں مقابل میں سے صرف ایک طرف سے شرط ہو یعنی مثلاً زید اور کریم کے درمیان مقابلہ ہوا اور زید بکر سے یہ کہے کہ اگر میں جیت گیا تو میں اتنے روپے یا فلاں چیز لے لوں گا۔ اور اگر میرے مقابلہ میں تم جیت گئے تو تمہیں کچھ نہیں ملے گا اور اگر دونوں طرف سے شرط ہو یعنی دونوں مقابل ایک دوسرے کے ساتھ یہ شرط کریں کہ ہم دونوں میں سے جو بھی جیت جائے گا اسے اتنے روپے یا فلاں چیز ملے گی تو یہ حرام ہے کیونکہ یہ جو ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر دونوں مقابل ایک مکمل کو (یعنی دونوں کی شرط حلال کرانے والے ایک تیسرے شخص کو اپنے میں شامل کریں تو اس صورت میں دونوں طرف سے شرط بھی جائز ہو جائے گی، مکمل کو اپنے میں شامل کرنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً زید اور بکر آپس میں یہ شرط کریں کہ ہماری باہمی دوڑ میں ہم دونوں سے جو بھی آگے نکل جائے گا تو اسے روپے یا فلاں چیز ملے گی اور اس کے ساتھ ہی وہ ایک تیسرے شخص مثلاً خالد کو بھی اپنی دوڑ میں شامل کر لیں اور یہ ملے ہو جانے کے اگر یہ تیسرا شخص یعنی خالد آگے نکل جائے گا تو

اسے کچھ نہیں ملے گا۔ لہذا یہ صورت جائز ہے اور حلال ہے لیکن جائز ہونے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں جیتنے والے کو جو چیز ملے گی وہ اس کے حق میں حلال اور طیب مال ہو گا نہ یہ کہ وہ اس چیز کا شرعی طور پر کوئی استحقاق رکھے گا کیونکہ شریعت کی نظر میں جیتنے والا محض اس مقابلہ سے اس روپیہ پر کوئی قانونی حق نہیں رکھتا دوڑ کے اضافی مقابلے جائز ہیں یعنی کسی فرو یا ادارہ کی طرف سے بطور انعام کچھ روپے یا کوئی چیز مقرر کر کے دوڑنے والوں سے کہا جاتا ہے کہ تم میں سے جو شخص بھی آگے نکل جائے گا اسے یہ روپے یا چیز دی جائے گی فقہاء نے اسے جائز کہا ہے۔

اپنے اہل و عیال کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا بہترین شخص ہے

(۱۵) وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرُكُمْ غَيْرُكُمْ لَا خَيْرَ لَكُمْ إِلَّا خَيْرُكُمْ لَا خَلِيلَ وَإِذَا مَاتَ صَاحِبُكُمْ فَذُفِرَ عَنْهُ وَوُفِّدَ الْخَيْرُ مَعَهُ وَالْأَهْلُ حَاجَةٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ إِلَى غُزَلِهِ لَا خَلِيلَ۔

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل (بیوی) بچوں، اقرباء اور خدمت گاروں کے حق میں بہترین ہو اور میں اپنے اہل کے حق میں تم میں بہترین ہوں (یعنی اپنے اہل و عیال جتنا بہتر سلوک میں کرتا ہوں اسے اپنے اہل و عیال کے ساتھ اتنا بہتر سلوک تم میں سے کوئی بھی نہیں کرتا) اور جب تمہارا صاحب مر جائے تو اس کو چھوڑ دو“ (ترمذی و دارمی) اور ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت ابن عباسؓ سے لفظ لَا خَلِيلَ تک نقل کیا ہے۔“

تشریح: حدیث کے پہلے جزو کے معنی یہ ہیں کہ خدا اور خدا کی مخلوق کے نزدیک تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اپنی بیوی اپنے بچوں اپنے عزیزوں و اقارب اور اپنے خدمت گاروں و ماتحتوں کے ساتھ بھلائی اور اچھا سلوک کرتا ہے کیونکہ اس کا بھلائی اور اچھا سلوک کرنا اس کی خوش اخلاقی و بخوش مزاجی پر دلالت کرتا ہے۔

”اور جب تمہارا صاحب مر جائے تو تم“ کا مطلب یہ ہے کہ جب تمہارا کوئی عزیز و رشتہ دار یا دوست وغیرہ مر جائے تو اس کی برائیوں کو ڈکڑ کرنا چھوڑ دو۔ گویا اس جملہ کے ذریعہ یہ تعلیم مقصود ہے کہ جو لوگ اس دنیا سے اٹھ چکے ہیں ان کی فہیت نہ کرو۔ جیسا کہ ایک روایت میں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ ”اپنے مرے ہوئے لوگوں کو بھلائی کے ساتھ یاد کرو“ یعنی صرف ان کی خوبیاں ہی ذکر کرو ان کی برائیوں کا تذکرہ نہ کرو۔

بعض علماء نے اس جملہ کی یہ مراد بیان کی ہے کہ جب کوئی شخص مر جائے تو اس کی محبت اور اس کی موت پر رونا و ہونا چھوڑ دو۔ اور یہ سمجھ لو کہ اب اس کے ساتھ تمہارا کوئی جسمانی تعلق باقی نہیں رہا ہے۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس جملہ میں ”صاحب“ سے اپنی ذات مبارک مراد رکھی ہے جس کا مطلب اُمت کو یہ تلقین کرنا ہے کہ جب میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو تم تاسف اور تہیو و اضطراب کا اظہار نہ کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا کارساز ہے جس ذات پاک نے میری حیات کو تمہاری ہدایت و سعادت کا ذریعہ بنایا تھا، وہی ذات پاک میرے انتقال کے بعد بھی تمہیں اسی ہدایت و سعادت پر قائم رکھے گی۔

بعض حضرات نے اس جملہ کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ جب میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو تم مجھے چھوڑے رکھنا بایں معنی کہ میرے اہل بیت، میرے صحابہ اور میری شریعت کے متبعین یعنی علماء و اولیاء کو ایذا پہنچا کر مجھے ایذا پہنچانے کا سبب نہ بننا کیونکہ اگر تم انہیں تکلیف دینا یا ہتھیار ڈالنے کی تکلیف سے مجھے تکلیف پہنچے گی۔

فرمانبردار بیوی کو جنت کی بشارت

(۱۶) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَرْأَةُ إِذَا صَلَّتْ خَمْسَ صَلَّاتِهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَاحْتَصَنَتْ

فَرَّجَهَا وَأَطَاعَتْ بَعْلَهَا فَلَقْنَاهُ مِنْ آيِ الْبُيُوتِ الْخَيْرَةِ شَاءَتْ زَوْجَاهُ أَنْ يُنْعِمَ فِي الْحَلِيقَةِ۔

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس عورت نے اپنی پاک کے دونوں میں پابندی کے ساتھ اپنا بچوں وقت کی نماز پڑھی، رمضان کے (ادا اور قضاء) روزے رکھے، اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی (یعنی فواحش اور برائیوں سے اپنے نفس کو محفوظ رکھا) اور اپنے خاوند کی (ان چیزوں میں) فرمانبرداری کی (جن میں فرمانبرداری کرنا اس کے لئے ضروری ہے) تو اس عورت کے لئے یہ بشارت ہے کہ وہ جس دروازہ سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے“ اس روایت کو ابوہریرہؓ میں نقل کیا ہے۔“

اگر غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو خاوند کو بیوی کا معبود قرار دیا جاتا

(۱۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتُ أَفْرَأَ أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِأَخِي لَا يَمُرُّتُ الْمَرْأَةُ أَنْ تَسْجُدَ لِرَجُلٍ وَجْهًا۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر میں کسی کو یہ حکم کر سکتا کہ وہ کسی (غیر اللہ) کو سجدہ کرے تو میں یقیناً عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ رب معبود کے علاوہ اور کسی کو سجدہ کرنا درست نہیں ہے اگر کسی غیر اللہ کو سجدہ کرنا درست ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے کیونکہ بیوی پر اس کے خاوند کے بہت زیادہ حقوق ہیں جن کی ادائیگی شکر سے وہ عاجز ہے گو اس ارشاد گرامی میں اس بات کی اہمیت و تاکید کو بیان کیا گیا ہے کہ بیوی پر اپنے شوہر کی اطاعت فرمانبرداری واجب ہے۔

شوہر کی خوشنودی کی اہمیت

(۱۸) وَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا امْرَأَةٌ ثَانَتْ وَ زَوْجُهَا عَنْهَا زَاهِبٌ دَخَلَتْ الْخَيْثَةَ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو عورت اس حال میں مرے کہ اس کا شوہر اس سے راضی و خوش ہو، تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔“ (ترمذی)

تشریح: جو شوہر عالم و متقی ہو اس کی رضامندی اور خوشنودی کا یہ اجر بیان کیا گیا ہے، فاسق و جاہل شوہر کی رضامندی خوشنودی کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

شوہر کی اطاعت کرو

(۱۹) وَعَنْ ظَلْفِ بْنِ عُلَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا الرِّجُلُ دَعَا زَوْجَتَهُ لِأَخِي جَنِبِهِ فَلْتَأْتِيهِ وَإِنْ كَانَتْ عَلَى التَّنْؤُرِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ظلف بن علیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی عادت پوری کرنے کے لئے (یعنی جماع کے لئے) بلائے تو بیوی کو شوہر کے پاس پہنچ جانا چاہئے اگرچہ وہ چوہلے کے پاس ہو۔“ (ترمذی)

تشریح: ”اگرچہ وہ چوہلے کے پاس ہو“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر بیوی کسی ضروری کام میں مشغول ہو اور کسی چیز کے نقصان کا احتمال بھی ہو تب بھی شوہر کی اطاعت کی جائے اور اس کے بلائے پر فوراً اس کے پاس پہنچ جانا چاہئے مثلاً بیوی چوہلے کے پاس ہو اور روٹی تو بے پر دال رکھی ہو اور اسی حالت میں شوہر جماع کے لئے بلائے تو اس بات کی پرواہ کئے بغیر کہ آنے روٹی کا نقصان ہو جائے گا شوہر کے حکم کی

فرہادہراری کرتے ہوئے اس کے پاس پہنچ جائے۔

شوہر کو تکلیف مت پہنچاؤ

(۲۰) وَعَنْ مُعَاذٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُؤْذِي امْرَأَةً زَوْجَهَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا قَالَتْ زَوْجِي مِنْ الْخَوَرِ الْعَبِيْنِ لَا تُؤْذِيهِ فَإِنَّكَ لَتَلْكُ اللَّهُ فَإِنَّمَا هُوَ عِنْدَكَ ذَعِيجٌ يَوْشَكَ أَنْ يَفَارِقَكَ الْيَتَامَى زَوْاهُ الْبَرِّ مِثْلِي وَأَبْنَى مَا جَاءَ وَقَالَ الْبَرِّ مِثْلِي هَذَا اخْلَافٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت معاذؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جب کوئی عورت دنیا میں اپنے شوہر کو تکلیف پہنچاتی ہے تو اس کی (جنت والی) بیوی یعنی بڑی آنکھوں والی حور محبتی ہے کہ تجھ پر اللہ کی مار پڑے (یعنی اللہ تجھے جنت اور اپنی رحمت سے دور رکھے) اپنے شوہر کو تکلیف نہ پہنچاؤ کیونکہ وہ (دنیا میں) تیرا مہمان ہے جو جلد ہی تجھ سے جدا ہو کر ہمارے پاس (جنت میں) آئے گا“ (ترمذی) امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: ایک دوسری روایت میں یوں فرمایا گیا ہے کہ لَعَنَ الْمَلَائِكَةُ لِعَاصِيَةِ الزَّوْجِ یعنی فرشتے اس عورت پر لعنت بھیجتے ہیں جو اپنے شوہر کی نافرمانی کرتی ہے ان دونوں روایتوں سے جہاں شوہر کی نافرمانی کرنے یا اس کو تکلیف پہنچانے کی سخت برائی ثابت ہو رہی ہے وہیں یہ بھی واضح ہوا کہ اس دنیا میں انسان جو کچھ کرتا ہے وہ بلاء اعلیٰ یعنی آسمان کے رہنے والوں کے علم میں آ جاتا ہے۔

شوہر پر بیوی کا حق

(۲۱) وَعَنْ حَكِيمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْقَشِيرِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا حَقُّ زَوْجَةٍ أَحَدِنَا عَلَيْهِ قَالَ أَنْ تَقْطَعَهَا إِذَا ظَعِمَتْ وَتَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَبَتْ وَلَا تَضْرِبَ الْوُجْهَ وَلَا تَقْبِضَ وَلَا تَهْجُرَ إِلَّا فِي الْبَيْتِ۔ (رواہ احمد والبخاری وابن ماجہ)

”اور حضرت حکیم ابن معاویہ قشیریؒ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! ہم میں سے کسی کی بیوی کا اس کے شوہر پر کیا حق ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”یہ کہ جب تم کھانا کھاؤ تو اس کو بھی کھانا دے جب تم پہنو تو اس کو بھی پہناؤ۔“ یعنی جس طرح تم کھانا پہنو اسی طرح اپنی بیوی کو بھی کھانا پہناؤ۔ اس کے منہ پر نہ مارو نہ اس کو برا کہو اور نہ یہ کہو کہ اللہ تیرا برا کرے اور اس سے صرف گھر کے اندر ہی عیلاج کی اختیار کرو۔“ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: بطور خاص منہ پر نہ مارنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ تمام اعضاء میں منہ ہی افضل ہے اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ کسی معقول وجہ کی بنیاد پر مثلاً فواحش کے صمد وزیر یا فرائض ترک کر دینے پر اور یا مصلحت تادیب کے پیش نظر منہ کے علاوہ کسی اور جگہ پر مارے تو جائز ہے اور منہ پر مارنا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے۔

خاوند اپنی بیوی کو تاؤ بنا مار سکتا ہے یا نہیں؟

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مرد و عورت انسانی نقطہ نظر سے یکساں مرتبہ کے حامل ہیں اور اسلام کی نظر میں عورت کو بھی وہی شرف و مرتبہ حاصل ہے جو ایک مرد کو ہوتا ہے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جب ایک مرد اور ایک عورت آپس میں رشتہ ازدواج میں منسلک ہو کر ایک دوسرے کے رفیق حیات بن جاتے ہیں تو ان دونوں کی شرعی اور معاشرتی حیثیت میں تمیز و اسافرق ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ خاوند کو قدرتی طور پر ایک مخصوص قسم کی برتری حاصل ہو جاتی ہے جس کا تعلق انسانی شرف و مرتبہ کے فرق و امتیاز سے نہیں ہوتا بلکہ ان کے باہمی رشتہ کے تقاضوں اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی سے ہوتا ہے چنانچہ شوہر اپنی اسی مخصوص برتری کی بنیاد پر بیوی کو ان معاملات میں اپنے حکم کا پابند بنانے کا اختیار رکھتا ہے جن کا شریعت نے اسے استحقاق عطا کیا ہے یا جن کا تعلق شرعی فرائض و واجبات

رکھے کی کوشش کرو اگر اس پر زبانی نصیحت و تنبیہ کا کوئی اثر نہ ہو تو پھر اس کو مارو لیکن بے رحمی کے ساتھ نہ مارو بلکہ ہلکے سے اور تھوڑا سا مارو۔

عورتوں کو مارنے کی ممانعت

(۲۱) وَعَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَضْرِبُوا إِمَاءَ اللَّهِ فَجَاءَ عُمَرُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ذَرُونِي أَوْسَاهُ عَلَى أَرْوَاحِهِمْ فَخَصَّ هُنَّ ضَرْبَهُنَّ فَأُطَاعَ بِأَمْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِسَاءٌ كَثِيرٌ يَشْكُونَ أَرْوَاحَهُمْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ طَافَ بِأَمْرِ مُحَمَّدٍ نِسَاءً كَثِيرٌ يَشْكُونَ أَرْوَاحَهُنَّ لَنَسْ أُولَئِكَ بِخِيَارِ كَثْمٍ - (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ و الترمذی)

”اور حضرت ایسا ابن عبد اللہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”خدا کی لونڈیوں (یعنی اپنی بیویوں) کو نہ مارو۔“ پھر اس حکم کے کچھ دنوں بعد حضرت عمرؓ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ (آپ ﷺ) نے چونکہ عورتوں کو مارنے سے منع فرمایا ہے اس لئے عورتیں اپنے خاوند پر دلیر ہو گئی ہیں، آپ ﷺ نے عورتوں کو مارنے کی اجازت عطا فرمادی، اس کے بعد بہت سی عورتیں رسول کریم ﷺ کی ازدواج مطہرات کے پاس جمع ہوئیں اور اپنے خاوندوں کی شکایت کی کہ وہ ان کو مار رہے ہیں، رسول کریم ﷺ (کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ ﷺ) نے فرمایا محمد (ﷺ) کی بیویوں کے پاس بہت سی عورتیں اپنے خاوندوں کی شکایت لے کر آئی ہیں، یہ لوگ (جو اپنی بیویوں کو مار رہے ہیں) تم میں سے بہتر لوگ نہیں ہے۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی)

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنی بیویوں کو بہت مار رہے ہیں یا مطلق مار رہے ہیں تم میں سے بہتر لوگ نہیں ہیں بلکہ بہتر لوگ وہی ہیں جو اپنی بیویوں کو نہیں مار رہے ان کی ایذا اور تکلیف دہی پر مبرا محض کرتے ہیں یا ان کو اتنا زیادہ نہیں مار رہے جو ان کی شکایت کا باعث ہو بلکہ بطور تادیب تھوڑا سا مار دیتے ہیں۔

شرح السنہ میں لکھا ہے کہ اس روایت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی بیوی اپنے شوہر کے حقوق نکاح کی ادائیگی سے انکار کرے تو اس کو مارنا مباح ہے لیکن بہت نہیں مارنا چاہئے۔

پچھلے صفحات میں حضرت حکیم ابن معاویہؒ کی جو روایت (۳۰) گزری ہے اور اس کی تشریح میں جو آیت نقل کی گئی ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بطور تادیب اپنی بیویوں کو مارنے کی اجازت دی گئی ہے جب کہ اس روایت سے اس کی ممانعت ثابت ہوتی ہے؟ گویا دونوں میں بظاہر تضاد و تعارض معلوم ہوتا ہے لہذا اس تضاد و تعارض کو حضرت امام شافعیؒ سے متقول اس وجہ تطبیق کے ذریعہ ختم کیا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے عورتوں کو مارنے سے منع کیا ہو گا پھر جب عورتیں شوہروں پر غالب ہو گئیں اور ان کی جرات و دلیری بڑھ گئی تو آپ ﷺ نے ان کو مارنے کی اجازت دے دی اور آپ ﷺ کے حکم کی توثیق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ لیکن اس کے بعد جب عورتوں کی طرف سے یہ شکایت کی گئی کہ ان کے خاوند ان کو بہت مار رہے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے اعلان کیا کہ اگرچہ بیوی کی بد اطواری پر اس کو مارنا مباح ہے لیکن اس کی بد اطواری پر مبرا محض کرتا اور ان کو نہ مارتا بلکہ بہتر اور افضل ہے۔

بیوی کو اس کے خاوند کے خلاف بہکانے کی مذمت

(۲۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنَسْ مِثَاحُنْ خَيْبٍ إِمْرَأَةً عَلَى رَوْحِهَا أَوْ عِنْدَ غُلَمِي

نسبتہ ۵۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”وہ شخص ہمارے تابعہ عورتوں میں سے نہیں ہے جو کسی عورت کو اس کے

خود کے خلاف یا کسی غلام کو اس کے آقا کے خلاف بد راہ کرے۔ (ابوداؤد)

تشریح: کسی بیوی کو اس کے خاوند کے خلاف یا کسی غلام و لونڈی کو اس کے مالک کے خلاف گمراہ کرنا انتہائی نازیبا فعل ہے، چنانچہ اس حدیث کا یہی مطلب ہے کہ وہ شخص ہمارے تابعداروں میں سے نہیں ہے جو کسی بیوی کا دل اس کے خاوند کی طرف سے برا کرے مثلاً بیوی کے سامنے اس کے خاوند کی برائی کرے یا اس کے سامنے کسی اجنبی شخص کی خوبیاں اور برائیاں بیان کرے۔ یا اس کو بہکائے کہ اپنے خاوند سے زیادہ مال و اسباب کا مطالبہ کر دیا اپنے شوہر کی خدمت و اطاعت نہ کرو، اسی طرح کسی غلام و نوکر کو بہکائے کہ تم اپنے مالک کا گھر چھوڑ کر چلے جاؤ یا اس کی خدمت میں کوتاہی کرو۔ اسی طرح بیوی کے خلاف خاوند کو یا لونڈی کو اس کے مالک کے خلاف یا ایک کو اس کے غلام و لونڈی کے خلاف بہکانا بھی اسی حکم میں داخل ہے۔

اپنے اہل و عیال کے حق میں کمال مہربانی، کمال ایمان کی دلیل ہے

(۲۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَكْمَلِ الْمُؤْمِنِينَ إِيْمَانًا أَحْسَنَهُمْ خُلُقًا وَأَلَطَهُمْ بِأَهْلِهِ۔ (رواد احمدی)

”اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”مؤمنین میں کمال ترین ایمان اس شخص کا ہے جو خوش اخلاق ہو اور اپنے اہل و عیال پر بہت مہربان ہو۔“ (ترمذی)

تشریح: خوش اخلاق اور اپنے اہل و عیال پر بہت مہربان مسلمان کو کمال ترین مومن اس لئے فرمایا گیا ہے کہ کمال ایمان، خوش اخلاق اور مخلوق خدا پر مخصوص اپنے اہل و عیال کے حق میں سراپا مہربان و خوش اخلاق ہوگا۔

(۲۶) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيْمَانًا أَحْسَنَهُمْ خُلُقًا وَجَيِّزًا زَكَمًا۔ (بخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”مؤمنین میں کمال ترین ایمان اس شخص کا ہے جو ان میں بہت زیادہ خوش اخلاق ہو (یعنی پوری مخلوق خدا کا ساتھ خوش خلقی کا برتاؤ کرے) اور تم میں بہترہ شخص ہے جو اپنی عورتوں کے حق میں بہتر ہے (کیونکہ عورتیں اپنے بھروسہ کمزوری کی بناء پر زیادہ مہربانی اور مروت کی توقع ہیں) امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے نیز امام ابوداؤدؒ نے اس روایت کو لفظ خُلُقًا تک نقل کیا ہے۔“

حضرت عائشہؓ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا ایک پُر لطف واقعہ

(۲۷) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَزْوَةِ تَبُوكَ وَأَوْحَيْنَ فِي مَسْجِدِهَا سِتْرٌ فَهَبْتُ رِيحٌ فَكَشَفْتُ نَاحِيَةَ السَّيْرِ عَنْ بَنَاتٍ لِعَائِشَةَ لَعَبَ فَقَالَ مَا هَذَا يَا عَائِشَةُ قَالَتْ بَنَاتِي وَرَأَيْتُ يَنْتَهَنَ فَرَسَالَهُ جَنَاحَانِ مِنْ رِقَاعٍ فَقَالَ مَا هَذَا الَّذِي أَرَى وَسَطَهُنَّ؟ قَالَتْ فَرَسٌ قَالَ وَمَا الَّذِي عَلَيْهِ قَالَتْ حَنَاحَانِ قَالَ فَرَسٌ لِدُجَانِ؟ قَالَتْ أَمَا سَمِعْتِ أَنْ لِسَانِي خَالَهَا أَجْحَةٌ قَالَتْ فَضَحِكْتُ حَتَّى زَايَتْ نَوَاجِدُهُ۔ (رواد ابو داؤد)

”اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ غزوہ تبوک یا غزوہ حنین سے واپس مگر تشریف لائے تو اس وقت، ان کے (یعنی عائشہؓ کے گھر کے درِ بیچ پر پردہ چڑھا ہوا تھا جب وہ اہلی تو اس پردہ کا ایک کو تامل گیا جس نے عائشہؓ کے بھینے کی گزیاں نظر آئیں (جو اس درِ بیچ میں رکھی ہوئی تھیں آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ ”عائشہؓ یہ کیا ہے“ عائشہؓ نے کہا کہ ”یہ میری گزیاں ہیں“ ان گزریوں میں آنحضرت ﷺ نے ایک گھوڑا بھی دیکھا جس کے کپڑے یا کاغذ کے دو پر تھے چنانچہ آپ ﷺ نے پھر پوچھا کہ ان گزریوں کے درمیان جو

چیز میں دیکھ رہا ہوں یہ کیا بات ہے؟ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ ”کیا آپ ﷺ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس جو گھوڑے تھے اس کے پے تھے“ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ (میرا یہ جواب سن کر) انہیں چڑے یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کی کچیاں دیکھیں۔“ (بخاری ۱۸/۱۸۱)

تشریح: ”تبوک یا نین“ میں حرف باراوی کے ٹک کو ظاہر کرتا ہے یعنی راوی کو نین کے ساتھ یاد نہیں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس موقع پر غزوہ تبوک کا ذکر کیا تھا یا غزوہ حنین کا ؟

”ہجوک“ ایک جگہ کا نام ہے جو دہلی سے ۲۶۵ میل کے فاصلہ پر دیش اور دہلی کے درمیانی راستہ پر واقع ہے ۱۹۹۹ء میں نبی کریم ﷺ یہاں فوج لے کر گئے تھے لیکن دشمن کو مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی اس لئے جنگ نہ ہو سکی۔

۸۸ میں فتح مکہ کے کچھ ہی دنوں بعد مشہور ”غزوہ خنین“ ہو اتھا۔ گزریوں نے بچیوں کے کھیلنے کا جو شرعی حکم ہے اس کی تفصیل باب الاول میں گزر چکی ہے۔

الفصل الثالث

غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں

(٢٨) وعن قيس بن سعد قال أتيت الحيرة فرأيتهم يسجدون لمزربان لهم فقلت لرسول الله صلى الله عليه وسلم أحق أن يسجد له فأتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت إني أتيت الحيرة فرأيتهم يسجدون لمزربان لهم فأتيت أحق بأن يسجد لك فقال لي أرايت لומרرت بقبري أكنث تسجد له فقلت لا فقال لا تفعلوا لمررت أنا أحدا أن يسجد لأحد لأمرت النساء أن يسجدن لأزواجهن لما جعل الله لهم عليهن من حق رواه الترمذي وأوردوه أحمد عن معاذ بن جبل -

”حضرت قیس ابن سعدؓ کہتے ہیں کہ میں (کوفہ کے قریب ایک شہر) حیرہ پہنچا تو میں نے وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں۔ میں نے (اپنے دل میں) کہا کہ رسول کریم ﷺ بہت زیادہ اس کے متقی ہیں کہ آپ ﷺ کو سجدہ کیا جائے، چنانچہ جب میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا کہ میں حیرہ گیا تو وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں، لہذا آپ ﷺ اس کے زیادہ متقی ہیں کہ آپ ﷺ کو سجدہ کیا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے بتاؤ اگر تم میری قبر پر چڑھو تو کیا تم میری قبر کو سجدہ کرو گے؟ میں نے عرض کیا کہ ”نہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا: (تو پھر میری زندگی میں بھی) ایسا نہ کرو، اگر میں کسی کو یہ حکم کر سکتا کہ وہ اللہ کے عطا کردہ کسی کو سجدہ کرے تو میں عورتوں کو حکم کرنا کہ وہ اپنے شہرہوں کو سجدہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر مردوں کا (بہت زیادہ) حق مقرر کیا ہے۔ (البوداؤد) اس روایت کو احمد نے بھی معاذ بن جبلؓ سے نقل کیا ہے۔“

تشریح: حضرت قیس ابن الحداد نے جب حیرہ میں لوگوں کو اپنے سردار کو سجدہ کرنے دیکھا تو ان کے دل میں یہ خیال گزرا کہ اگر یہ لوگ اپنے سردار کی عظمت و مرتبہ کے پیش نظر اس کے سامنے سجدہ کر رہے ہوتے ہیں تو کائنات انسانی میں سرکارِ دو عالم ﷺ سے زیادہ عظمت و مرتبہ کا حامل کون شخص ہو سکتا ہے تو کیوں نہ آپ ﷺ کو سجدہ کیا جائے، چنانچہ ان کے اس خیال نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی صورت اختیار کر لی جہاں اس عرض کو بڑے لطیف انداز میں رد کر دیا گیا اور یہ واضح ہو گیا کہ انسان کی پیشانی اتنی مقدس ہے کہ وہ نہ صرف اپنے خالق ہی کے سامنے سجدہ کر رہے ہو سکتے کسی مخلوق کے سامنے نہیں۔ خدا متی خواہ وہ مخلوق تھی ہی باعظمت و بافضلیت ذات

کیوں نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِنِّي أَخَشُّهُمْ إِنِّي أَنَا تَعَالَىٰ (نصرت ۳، ۴، ۵)

”نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو سجدہ کرو بلکہ صرف اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے اگر تم اللہ کی عبادت کرتے ہو۔“

نافرمان بیوی کو مارنے پر مواخذہ نہیں ہوگا

(۲۹) وَعَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُسْتَلُّ الرَّجُلُ فَيَضْرِبُ مَرْأَتَهُ عَلَيْهِ - (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت عمرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر مرد اپنی عورت کو کسی (مستقول) چیز پر مارے تو کاقابل

مواخذہ نہیں ہوتا۔“ (ابو داؤد ۱۸۰۱، ابن ماجہ ۱۸۰۱)

تشریح: ”قابل مواخذہ نہیں ہوتا“ کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بیوی کو مارنے سے کوئی گناہ لازم نہیں ہوتا کہ جس پر اس سے دنیا اور آخرت میں باز پرس ہو بشرطیکہ بیوی کو مارنے کی جو قیود و شرائط ہیں ان کو ملحوظ رکھا جائے اور حد سے تجاوز نہ کیا جائے۔

لفظ علیہ کی ضمیر مجرور حرف ہا کی طرف راجع ہے اور اسے مراد نشوز (نافرمانی) ہے جو اس آیت وَاللَّائِي تَحَاوِيْنَ نَشْوَزَهُنَّ الْخِمْشِ میں مذکور ہے لہذا اس جملہ ”اس چیز پر مارنے“ کا حاصل یہ ہوگا جو مرد اپنی بیوی کو اس کی نافرمانی پر مارے تو وہ گناہ نہیں ہوگا۔

بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر نفل روزہ نہ رکھے

(۳۰) وَعَنْ ابْنِ سَعِيدٍ قَالَ جَاءَتْ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَحْنُ عَنْهُ فَقَالَتْ رَوْحِي صَفْوَانُ لِي الْمَعْطَلُ بَصْرَيْنِ إِذَا صَلَّيْتُ وَيَقْطُرُ بِي إِذَا ضَمُتُ وَلَا يُصَلِّيُ الْفَجْرَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ وَصَفْوَانُ عَنْهُ قَالَ فَسَأَلَهُ عَمَّا قَالَتْ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَمَا قَوْلُهَا يَبْصُرُ بِي إِذَا صَلَّيْتُ فَإِنَّهَا تَقْرَأُ بِشُورَتَيْنِ وَقَدْ نَهَيْتُهَا قَالَ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَتْ مَسْوَءَةً وَاجِلَةً لَكُنْتُ النَّاسَ قَالَ وَأَمَّا قَوْلُهَا يَقْطُرُ بِي إِذَا ضَمُتُ فَإِنَّهَا تَنْطَلِقُ تَصُومُ وَأَنَا وَخَلٌّ شَابٌ فَلَا أَصُومُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصُومِي امْرَأَةٌ إِلَّا بِإِذْنِ رَوْحِهَا وَأَمَّا قَوْلُهَا أَنِي لَا أَصَلِّي حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَإِنَّا أَهْلُ بَيْتٍ قَدْ عَرَفْنَا ذَلِكَ لَا نَكَاذُ نَسْتَهْجِطُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ فَإِذَا اسْتَيْقَظْتَ يَا صَفْوَانُ فَصَلِّي - (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ہم رسول کریم ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عورت بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میرا شوہر صفوان ابن ماعط، جب میں نماز چڑھتی ہوں تو مجھے ہارتا ہے اور جب روزہ رکھتی ہوں تو میرا روزہ ٹردا دیتا ہے اور وہ خود فجر کی نماز اس وقت چڑھتا ہے جب کہ سورج (یا تو نکلنے کے قریب ہوتا ہے یا نکل چکا ہوتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ) جس وقت صفوان کی بیوی یہ حکایت کر رہی تھی اس وقت (صفوان) آنحضرت کے پاس ہی موجود تھے اور اسی کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صفوان سے ان کی بیوی کی ذکر کردہ باتوں کے بارے میں پوچھا تو صفوان نے کہا کہ ”یا رسول اللہ! میری بیوی کا کہنا کہ جب میں نماز چڑھتی ہوں تو مجھ کو مارتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نماز کی ایک ہی رکعت میں یا دو رکعتوں میں دو (لمبی لمبی) سورتیں چڑھتی ہے حالانکہ میں نے اس کو (لمبی لمبی سورتیں چڑھنے) سے منع کیا ہے۔“ راوی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے صفوان کی تصدیق کے لئے فرمایا ”(سورۃ فاتحہ کے بعد) ایک سورۃ پڑھنا لوگوں کے لئے کافی ہوتا ہے“ پھر صفوان نے کہا ”اور اس کا کہنا کہ جب میں روزہ رکھتی ہوں تو میرا روزہ ٹردا دیتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ روزے رکھے جلی جاتی ہے (یعنی پیش نفل روزے رکھتی رہتی ہے) اور میں ایک جوان آدمی ہوں اور چونکہ رات میں مجھے مباشرت کا موقع نہیں ملتا اس لئے اگر دن میں مجھے جماع کی خواہش ہوتی ہے تو میں صبر نہیں کر سکتا“ آپ ﷺ نے فرمایا ”کوئی عورت

اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر (نقل) روزہ نہ رکھے۔“ (پھر صفوان نے کہا کہ) اور اس کا یہ کہنا کہ میں سورج نکلنے کے وقت نماز پڑھتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ ہم کام کاج والے لوگ ہیں (زیادہ رات گئے تک اپنے کھیتوں اور باغوں میں پانی دیتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے رات میں سونا میر نہیں ہوتا) اور ہم لوگوں کی یہ عادت ہو گئی ہے کہ (جب ہم رات کے آخری حصہ میں سوئے ہیں تو اس وقت چائے پیئیں جب سورج (یا تو نکلنے کے قریب ہوتا ہے یا نکل چکا ہوتا ہے) آپ ﷺ نے (یہ عذر سن کر فرمایا کہ) ”صفوان! جس وقت اٹھ کر نماز پڑھ لو۔“ (بروداؤر، ماہنامہ)

تشریح: صفوانؓ زراعت پیشہ آدمی تھے وہ بہت رات گئے تک اپنے کھیتوں اور باغوں میں پانی دیتے تھے اور پھر وہیں پڑ کر سو جاتے تھے اور چونکہ وہاں جنگلے والے کوئی نہیں ہوتا تھا اس لئے ان کی آنکھ دیر سے کھلتی تھی اس اعتبار سے وہ گویا معذور تھے لہذا آپ ﷺ نے ان کے عذر کے بناء پر ان کو حکم دیا کہ اگر تمہاری آنکھ وقت پر نہ کھل سکے تو جب بھی جا کو پہلے نماز پڑھو اس کے بعد کسی اور کام میں لگو۔

سخت سے سخت حکم میں بھی شوہر کی اطاعت کرو

(۳۱) وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي نَفَرٍ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ فَبَعَثَ نَعِيْمًا فَتَسَخَّلَ لَهُ فَقَالَ أَصْحَابُهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ تَسَخَّلْ لَكَ الْمُهَاجِرُ وَالْأَنْصَارُ فَتَسَخَّلَ أَحَقُّ أَنْ تَسَخَّلَ لَكَ فَقَالَ اعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ أَتَاخَاكُمْ وَلَوْ كُنْتُمْ أَهْلًا أَنْ تَسَخَّلَ أَحَدٌ لَمْ يَمُوتَ الْمَرْءُ أَنْ تَسَخَّلَ لِرَجُلٍ وَجْهًا وَلَوْ أَهْوَاهَا أَنْ تَقْلَ مِنْ جَبَلٍ أَهْطَرَ إِلَى جَبَلٍ أَسْوَدَ وَمِنْ جَبَلٍ أَسْوَدَ إِلَى جَبَلٍ أَهْيَضَ كَانَ يَشْفِي لَهَا أَنْ تَفْعَلَ. (ترمذی)

”اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کے درمیان تشریف فرما تھے کہ ایک اونٹ آیا اور آپ ﷺ کے سامنے سجدہ کر رہا ہوا دیکھ کر آپ ﷺ کے صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! (جب) چوپایہ (جانور) اور درخت آپ ﷺ کو سجدہ کرتے ہیں (جو ناگجہ ہیں اور آپ ﷺ کی تعظیم و احترام کے مکلف بھی نہیں ہیں) تو ہم (ان سے) زیادہ اس لائق ہیں کہ آپ ﷺ کو سجدہ کریں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”اپنے رب کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کی (یعنی میری) تعظیم کرو، اگر میں کسی کو کسی (غیر اللہ) کا سجدہ کرنے کا حکم دے سکتا تو یقیناً عورت کو یہ حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے! اگر اس کا شوہر اس کو یہ حکم دے کہ وہ زور رنگ کے پیڑ سے پھراٹھا کر سیاہ پیڑ پر لے جائے اور سیاہ پیڑ سے پھراٹھا کر سفید پیڑ پر لے جائے تو اس عورت کے لئے یہی لائق ہے کہ وہ اپنے شوہر کا یہ حکم بجالائے۔“ (ترمذی)

تشریح: ”اپنے پروردگار کی عبادت کرو“ کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ و راصل عبادت ہے اور عبادت کا مستحق صرف پروردگار ہے اللہ کے علاوہ کوئی بھی ذات خواہ نبی ہی کیوں نہ ہو کسی کا معبود نہیں بن سکتی تو مجھے اپنا معبود بنا کر گویا مجھے خدا کی بندگی میں شریک کرنا چاہتے ہو، حالانکہ خدا نے مجھے نبی بنا کر تمہارے درمیان اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ میں تم سے اپنی عبادت کرا کر تمہیں شرک کی آلائش میں مبتلا کروں بلکہ میں تو اس دنیا میں اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں شرک کی غفلت سے نکال کر خدا کے واحد کی بندگی کے راستہ پر لگاؤں اور تمہیں یہ تعلیم دوں کہ تمہاری اس مقدس پیشانی کو صرف خدا کے سامنے ٹھکانا چاہئے چنانچہ آپ ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعہ گویا قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكْفِيَ اللَّهُ الْكَفَابَ وَالْحُكْمَ وَالشُّوْبَةَ ثُمَّ يَقُولُ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادَ لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّائِي. (آل عمران ۷۳)

”کسی آدمی کو شایاں نہیں کہ خدا تو اسے کتاب، دین کا فہم اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ۔ بلکہ (اس کو کہنا چاہئے کہ اے لوگو! تم اللہ والے بن جاؤ۔“

جہاں تک آپ ﷺ کو اونٹ کے سجدہ کرنے کا سوال ہے تو اس میں کوئی غلیظ نہیں ہوتا چاہئے کیونکہ اونٹ کا سجدہ کرنا خرق عادت یعنی عادت اور قنون قدرت کے خلاف ایک انوکھی بات ہونے کے طور پر تھا جو اونٹ کو اللہ تعالیٰ کے مسخر کردینے کے سبب واقع ہوا تھا اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم و فعل میں آنحضرت ﷺ کا کوئی دخل نہیں تھا پھر یہ کہ اونٹ معذور شخص تھا کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا اس وجہ سے محل اشکال نہیں ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری پر مجبور تھے اسی طرح اونٹ کو بھی حق تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کو سجدہ کرے اور وہ اس حکم کی تعمیل پر مجبور تھا۔

”اور اپنے بھائی کی یعنی میری تعظیم کرو“ کا مطلب یہ ہے کہ میری ذات اور میرے منصب کے تئیں تمہاری عقیدت و محبت کا لباس اتنا تقاضہ ہونا چاہئے کہ تم اپنے دل میں میری محبت رکھو اور ظاہر و باطن میں میری اطاعت کرو۔

پہاڑوں کے رنگ کا مقصد ان پہاڑوں کے درمیان فاصلہ کی مسافت و دوری کو زیادہ سے زیادہ بیان کرنا ہے کیونکہ اس طرح کے پہاڑ ایک دوسرے کے قریب نہیں پائے جاتے لہذا اس جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ اگر دو پہاڑ ایک دوسرے سے بہت دور واقع ہوں اور خاوند اپنی بیوی کو یہ حکم دے کہ ایک پہاڑ سے پھر اٹھا کر دوسرے پہاڑ پر جاؤ تو بیوی کو اس سخت حکم کی تعمیل کرنی چاہئے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر خاوند اپنی بیوی کو اتنا سخت ترین حکم بھی دے تو بیوی کے لئے یہی لائق ہے کہ وہ اس حکم کو بجالائے۔

جس عورت کا خاوند ناراض ہو اس کی نماز پوری طرح قبول نہیں ہوتی

(۳۲) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تُقْبَلُ لَهُمْ صَلَاتُهُمْ وَلَا تُصْعَدُ لَهُمْ حَسَنَةُ الْغَنَاءِ الْإِبْرَاقِ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى مَوَالِيهِ فَيَضَعُ بَنَدَهُ فَيُنَادِيَهُمْ وَالْمَرْأَةُ السَّاحِظَةُ عَلَيْهَا زَوْجُهَا وَالشَّكْرَانِ حَتَّى يَصْخُورَ زَوْاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعْبِ الْإِيمَانِ۔

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ایسے تین شخص ہیں جن کی نماز (پوری طرح) قبول نہیں ہوتی اور نہ ان کی کوئی نیکی اور (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف) جاتی ہے ایک تو بھاگا ہوا غلام جب تک کہ وہ اپنے مالکوں کے پاس واپس آکر ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ نہ رکھ دے (یعنی جب تک واپس آکر اپنے آپ کو اپنے مالکوں کے حوالے نہ کر دے اور ان کی اطاعت نہ کرنے لگے۔ اس کی نماز پوری طرح قبول نہیں ہوتی) دوسری وہ عورت جس کا خاوند اس سے ناراض ہو اور تیسرا ان کے بازو جب تک ہوش میں نہ آئے۔ (اس روایت کو شعب الایمان نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔“

تشریح: ”مالکوں“ یعنی جمع کے صیغہ میں گویا مالک اور اس کی اولاد کی طرف اشارہ ہے کہ غلام کو صرف اپنے مالک ہی کی نہیں بلکہ اس کی اولاد کی بھی وفاداری کرنی چاہئے۔

ایک اور روایت میں لفظ زوجہا کے بعد حَتَّى يَضَاعَتْهَا کے الفاظ بھی منقول ہیں یعنی جس عورت کا خاوند اس سے ناراض ہو اس کی نماز اس وقت تک پوری طرح قبول نہیں ہوتی اور اس کی کوئی نیکی اور نہیں چڑھتی جب تک کہ اس کا خاوند اس سے خوش نہ ہو جائے اس روایت میں ان الفاظ کو اس لئے نقل نہیں کیا کہ یہ مفہوم خود بخود واضح ہے اور مراد یہ ہے کہ یا تو اس کا خاوند اس سے خوش ہو جائے یا اس کو طلاق دے دے۔

بہترین بیوی کی پہچان

(۳۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ التَّسَاءِ خَيْرٌ قَالَ الَّتِي نَسَرُّهُ إِذَا مَطَرٌ وَتُطْبَعُهُ إِذَا

امرو لا نحالفہ فی نفسہا ولا فی مالہا بما یکرہ ذواہ النسانی والنبیہ فی شعب الایمان۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون کی بیوی بہتر ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ عورت جب اس کا خاوند اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کو خوش کر دے اور جب شوہر اس کو کوئی حکم دے تو اس کو بجالائے (بشرطیکہ وہ حکم خلاف شرع نہ ہو) اور اپنی ذات اور اپنے مال میں اس کے خلاف کوئی ایسی بات نہ کرے جس کو وہ پسند نہ کرتا ہو۔ اس روایت کو تنہائی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔“

تشریح: اس روایت میں ایک اچھی بیوی کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ جب اس کا شوہر اس کی طرف دیکھے یعنی اس کی خوش اخلاقی و خوش اطواری کو دیکھے تو وہ خوش ہو جائے، اور اگر کہیں وہ بیوی صورت و سیرت دونوں میں اچھی ہو تو پھر کیا کہنا، نور علی نور اور سرور علی سرور ہے اسی طرح ایک پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اپنی ذات اور اپنے مال میں ایسی کوئی بات نہ کرے جو اس کے شوہر کی نظر میں پسندیدہ نہ ہو۔ ”یہاں اپنے مال“ سے خود اس بیوی کا مال بھی مراد ہو سکتا ہے یعنی جس مال کی حقیقت میں وہ خود مالک ہو اس مال کو بھی وہ اپنے شوہر کی مرضی کے خلاف خرچ نہ کرے اور اس سے وہ مال بھی ہو سکتا ہے جو خود اس کی ملکیت نہ ہو بلکہ حقیقت میں مالک تو اس کا خاوند ہو اب اس عورت کے قبضہ تصرف میں ہو۔ اس صورت میں بھی یہ مطلب ہو گا کہ اس کا خاوند اس کو جو کچھ مال و اسباب اور روپیہ یہ دے دے وہ اس کو ایک امانت کے طور پر اپنے پاس رکھے اس میں نہ تو خیانت کرے اور نہ اپنے خاوند کی مرضی کے خلاف اس کو خرچ کرے۔

امانت دار بیوی کی فضیلت

(۳۲) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَرْبَعٌ مَنْ أُعْطِيَهُنَّ فَقَدْ أُعْطِيَ خَيْرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ قُلْتُ شَاكِراً وَلَسْتُ عَلَى الْبَلَاءِ صَابِراً وَرَوْحَةً لَا تَبْعِيهِ خَوْفَانِ نَفْسَهُمَا وَلَا مَالُهُ ذَوَاهُ النَّبِيَّهِ فِي شَعْبِ الْإِيمَانِ۔

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”چار چیزیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص کو مل جائیں اس کو دنیا و آخرت کی بھلائی نصیب ہو جائے“ اول (حق تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنے والا دل، دوم (خوشی اور رنج ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والی زبان، سوم ہواؤں پر صبر کرنے والا جسم اور چارم وہ عورت جو اپنی ذات اور اپنے خاوند کی مال میں خیانت نہ کرے۔ اس روایت کو تنہائی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔“

بَابُ الْخُلْعِ وَالطَّلَاقِ خُلْعٌ اور طَلَّاقٌ کا بیان

خُلْعٌ کا مطلب: خُلْع (خ کے پیش کے ساتھ) خُلْع (خ کے زر کے ساتھ) اسم ہے خُلْع کے لغوی معنی ہیں ”کسی چیز کو نکالنا“ اور عام طور پر یہ لفظ بدن سے کسی پہنی ہوئی چیز مثلاً کپڑے اور مونہ سے وغیرہ اتارنے کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے لیکن شرعی اصطلاح میں اس لفظ کے معنی ہیں ”ملکیت نکاح کو مال کے عوض میں لفظ خُلْع کے ساتھ زائل کرنا۔ یا ملکیت نکاح ختم کرنے کے لئے لفظ خُلْع کے ساتھ اپنی عورت سے مال لینا“ اس شرعی اصطلاح کی توضیح یہ ہے کہ اگر میاں بیوی میں اختلاف ہو جائے اور دونوں میں کسی طرح نباہ نہ ہو سکے اور مرد طلاق بھی نہ دے تو عورت کو جائز ہے کہ کچھ مال دے کر اپنا ہر دے کر نجات حاصل کر لے مثلاً اپنے مرد سے کہے کہ اتنا روپیہ لے

کر قطع کر دو۔ جتنی میری جان چھوڑ دو۔ یا یوں کہے کہ جو میرا تہلے ذمہ ہے اس کے عوض میری جان چھوڑ دو۔ اس کے جواب میں مرد کہے کہ میں نے چھوڑ دی تو اس سے عورت پر ایک طلاق بائن پڑ جائے گی اور دونوں میں جدائی ہو جائے گی۔

منظہر نے لکھا ہے کہ اس بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ اگر مرد، عورت سے کہے کہ میں نے اسے دل کے عوض تم سے قطع کیا اور بیوی کہے کہ میں نے قبول کیا اور پھر میاں بیوی کے درمیان جدائی واقع ہو جائے تو آیا یہ طلاق ہے یا ختم ہے؟ چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ یہ طلاق بائن ہے حضرت امام شافعیؒ کا زیادہ صحیح قول بھی یہی ہے لیکن حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ یہ قطع ہے اور حضرت امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔

اگر میاں بیوی کے باہمی اختلاف کی بنیاد شوہر کی زیادتی و سرکشی ہو اور شوہر کی اس زیادتی و سرکشی کی وجہ سے بیوی قطع چاہتی ہو تو اس صورت میں شوہر کے لئے یہ مکروہ ہے کہ وہ قطع کے معاوضہ کے طور پر کوئی چیز مثلاً روپیہ وغیرہ لے اور اگر میاں بیوی کے باہمی اختلاف کی بنیاد بیوی کی نافرمانی و سرکشی ہو یعنی بیوی کی نافرمانی و بد اطواری کی وجہ سے قطع کی نوبت آئی ہو تو اس صورت میں شوہر کے لئے یہ مکروہ ہے کہ وہ اس قطع کے عوض میں اس قدر رقم لے کہ اس نے عورت کے مہر میں جو رقم دی ہے اس سے بھی زیادہ ہو۔

طلاق کے معنی: منت میں طلاق کے معنی ہیں "کھونا، چھوڑنا" لیکن اصطلاح شریعت میں "مرد کا عورت کو نکاح سے عائد ہونے والی پابندیوں سے آزاد کر دینا" طلاق کہلاتا ہے۔ طلاق کی قسمیں اور اس کے احکام انشاء اللہ آگے بیان ہوں گے۔

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

ناپسند شوہر سے طلاق حاصل کی جاسکتی ہے

① عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ ابْنُ قَيْسٍ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَاتِلْتُ نَفْسِي مَا اغْتَبْتُ عَلَيْهِ فِي خُلُقٍ وَلَا دِينٍ وَلَكِنِّي أَكْثَرُ الْكَفَرِ فِي الْأَسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَوَدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيثُ فَقَالَتْ نَعَمْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَقْبِلُ الْحَدِيثَ وَتَطْلِقُهَا تَطْلِيْقَةً (رواہ البخاری)

"حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ثابت ابن قیسؓ کی بیوی رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ ﷺ) ثابت ابن قیس پر مجھے غصہ نہیں آتا اور نہ میں ان کی عادات اور ان کے دین میں کوئی عیب لگاتی ہوں لیکن میں اسلام میں کفر (یعنی نفرانِ نعمت یا گناہ) کو پسند نہیں کرتی، رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ کیا تم ثابت ابن قیسؓ کا باغ (جو انہوں نے تمہیں مہر میں دیا ہے) ان کو واپس کر دو گی؟ ثابت کی بیوی نے کہا کہ "ہاں" رسول کریم ﷺ نے (پس من کر ثابت سے) فرمایا کہ تم اپنا باغ لے لو اور اس کو ایک طلاق دے دو۔" (بخاری)

تشریح: ثابت ابن قیسؓ کی بیوی کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں اپنے شوہر سے اس لئے جدائی اختیار کرنا نہیں چاہتی کہ وہ بد اخلاق ہیں یا ان کی عادات مجھے پسند نہیں ہیں یا یہ کہ ان کے دین میں کچھ نقصان ہے بلکہ صورت حال یہ ہے کہ مجھے ان سے محبت نہیں ہے اور وہ طبعی طور پر مجھے ناپسند ہیں لیکن بہر حال وہ میرے شوہر ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں ان کے تئیں میری طرف سے کوئی ایسی حرکت نہ ہو جائے جو انسانی حکم کے خلاف ہو مثلاً مجھ سے کوئی نافرمانی ہو جائے یا ان کی مرضی کے خلاف کوئی فعل سرزد ہو جائے تو ایسی صورت میں گویا نفرانِ نعمت یا گناہ ہو گا جو مجھے گوارہ نہیں ہے اس لئے میں کہوں نہ ان سے جدائی اختیار کر لوں۔

کہ جاتا ہے کہ ثابت ابن قیسؓ بہت بد صورت اور جھگڑے پرست تھا اور ان کی بیوی کا نام حبیبہ یا جمیلہ تھا بہت خوبصورت اور حسین تھیں ان کے ان دونوں کا جوڑا بہت ناموزوں تھا اور ان کی بیوی ان کو پسند نہیں کرتی تھیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کی عرض کے

مطابق حضرت ثابتؓ کو مصلحت یہ حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو ایک طلاق دے دیں اس سے معلوم ہوا کہ طلاق دینے والے کے حق میں یہ اولیٰ و افضل ہے کہ وہ ایک طلاق دے تاکہ اگر رجوع کرنا منظور ہو تو رجوع کر لے نیز اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ طلع طلاق ہے فتح نہیں ہے چنانچہ صاحب ہدایہ نے اس سلسلہ میں آنحضرت ﷺ سے ایک حدیث بھی نقل کی ہے کہ **الْخُلْعُ تَطْلِيقٌ لَا بَيِّنَةٌ** یعنی طلع طلاق بائن ہے۔

حالت حیض میں طلاق دینے کی ممانعت

② وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَةً لَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَذَكَرَ غَزَّو لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَعَقَّبَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ لَيْسَ أَجْعَلُهَا ثُمَّ يَنْسِبُ كَيْفَا حَتَّى تَطْفُرَ ثُمَّ تَحِضُ فَتَطْفُرُ فَإِنْ بَدَأَ أَنْ يَطْلُقَهَا فَلْيُطْلِقْهَا طَائِرًا قَبْلَ أَنْ يَنْمَسَّهَا فَلَنْتُ الْبَعْدَةَ النَّبِيَّ امْرَأَةَ اللَّهِ أَنْ تَطْلُقَ لَهَا التَّمَسُّاءَ وَفِي رِوَايَةٍ مُرَّةٌ فَلْيَبْرِجْهَا ثُمَّ لْيُطْلِقْهَا طَائِرًا أَوْ خَامِلًا۔ (متن میرا)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے بارہ میں روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تو حضرت عمرؓ نے اس کا ذکر رسول کریم ﷺ سے کیا، آنحضرت ﷺ اس واقعہ سے بہت غصہ ہوئے اور فرمایا کہ (اس گناہ کا تدارک کرنے کے لئے) عبداللہ کو چاہئے کہ وہ اس عورت سے رجوع کرے (یعنی طلاقوں کہے کہ میں نے اس کو اپنے نکاح میں واپس لے لیا) اور پھر اس کو اپنے پاس رکھے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے اور پھر جب وہ حائضہ ہو اور اس کے بعد پاک ہو جائے اور ضروری ہو تو پاکی کی حالت میں اسے طلاق دے قبل اس کے کہ اس سے جماع کرے، پس یہی دو مدت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس میں عورتوں کو طلاق دی جائے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ عبداللہ کو حکم دو کہ وہ اس عورت سے رجوع کرے اور پھر اس کو پاکی کی حالت میں (بشرطیکہ وہ حاملہ نہ ہو اور حیض آتا ہو) یا جس کی حالت میں طلاق دے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: فَتَعَقَّبَ إِلَيْهِ (آنحضرت ﷺ اس واقعہ سے بہت غصہ ہوئے) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حالت حیض میں طلاق دینا حرام ہے۔ کیونکہ اگر یہ حرام نہ ہوتا تو آنحضرت ﷺ اس واقعہ پر غصہ نہ ہوتے۔ اور حالت حیض میں طلاق دینا حرام اس لئے ہے کہ ہو سکتا ہے کہ طلاق دینے والے نے حالت حیض میں محض کراہت طبع کے سبب طلاق دی ہو اور وہ مصلحت اس کے طلاق دینے کی وجہ نہ ہو جس کی بناء پر طلاق دینا حرام ہے۔ مگر کوئی شخص اگر حالات حیض میں طلاق دے دے تو طلاق پڑ جائے گی یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عبداللہ کو رجوع کرنے کا حکم دیا اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ رجوع کرنا طلاق کے بعد ہی ہوتا ہے۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں دوسرے طہر (یعنی دوسرے حیض کے بعد پاکی کی حالت) تک طلاق کو مؤخر کرنے میں کیا مصلحت ہے؟ سیدھی بات تو یہ ہے کہ حکم یہ ہوتا کہ جس حیض میں طلاق دی گئی ہے اور پھر رجوع کیا گیا ہے اسی حیض کے گزرنے کے بعد پاکی کی حالت میں طلاق دی جائے لیکن اس کے برعکس اس کو دوسرے طہر تک مؤخر کیا گیا؟ چنانچہ اس کے بارہ میں علماء کہتے ہیں کہ اس کی کوئی وجہیں ہیں اول تو یہ کہ رجوع کرنا صرف طلاق کی غرض سے نہ ہو بلکہ طلاق دینے کو ایک ایک مدت تک کے لئے مؤخر کر دینا چاہئے جس میں ایک طرف تو طلاق دینا حلال اور دوسری طرف طلاق کے فیصلہ پر نظر ثانی کا موقع بھی مل جائے اور شاید کوئی ایسی راہ نکل آئے کہ طلاق دینے کی نوبت ہی نہ آئے اور ظاہر ہے کہ ان دونوں مصلحتوں کی رعایت دوسرے طہر ہی میں ہو سکتی ہے۔ دوم یہ کہ اتنی مدت تک کے لئے طلاق دینے کو مؤخر کرنا دراصل طلاق دینے والے کے اس فعل بد (یعنی حالت حیض میں طلاق دینے) کی سزا ہے۔ سوم یہ کہ جس حیض کی حالت میں طلاق دی گئی ہے وہ اور اس کے بعد کا طہر (یعنی پاکی کی حالت) دونوں گویا ایک ہی

چیز کے حکم میں ہیں لہذا اگر پہلے طہر میں دی گئی تو گویا حیض ہی کی حالت میں دی لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ ان تینوں وجہوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دوسرے طہر تک طلاق سے باز رہنا واجب نہیں ہے بلکہ اولیٰ ہے۔

طلاق کی قسمیں: یہ بات جانی چاہئے کہ وقت و محل کے اعتبار سے نفس طلاق کی تین قسمیں ہیں۔ ① احسن۔ ② حسن۔ ③ حسن کو کسی بھی کہتے ہیں۔ ④ بدی۔

طلاق احسن کی صورت یہ ہے کہ ایک طلاق رجعی ایسے طہر (یا کی حالت) میں دی جائے جس میں جماع نہ کیا ہو اور پھر اس کو اسی حالت میں چھوڑے (یعنی پھر نہ تو اس کو اور طلاق دے اور نہ اس سے جماع کرے) یہاں تک کہ اس کی عدت پوری ہو جائے۔ طلاق کی یہ پہلی قسم سب سے بہتر ہے۔

طلاق حسن کی صورت یہ ہے کہ ایک طلاق حسن رجعی ایسے طہر (یا کی حالت) میں دی جائے جس میں جماع نہ کیا ہو بشرطیکہ عورت بدخوش بہ ہو اور اگر عورت غیہ بدخول بہا ہو تو اس کے لئے ایک طلاق حسن ہے نیز اس کو حیض کی حالت میں بھی طلاق دی جاسکتی ہے اور آئسہ، صفیرہ اور حاملہ عورتوں کے لئے طلاق حسن یہ ہے کہ ان کو (تین مہینہ تک) ہر مہینہ میں ایک طلاق دی جائے نیز ان عورتوں کو جماع کے بعد بھی طلاق دینا جائز ہے طلاق کی یہ دوسری قسم بھی بہتر ہے۔

”طلاق بدی“ کی صورت یہ ہے کہ بدخول بہا کو ایک ہی طہر میں یا ایک ہی دفعہ میں تین طلاقیں دے دے یا ایسی دو طلاقیں دے جس میں رجعت کی گنجائش نہ ہو یا اس کو اس طہر میں طلاق دے جس میں جماع کر چکا ہو اس طرح اگر کسی شخص نے حیض کی حالت میں طلاق دی تو یہ بھی طلاق بدی کے حکم میں ہے اور اگر وہ عورت کہ جس کو حیض کی حالت میں طلاق دی ہے بدخول بہا ہو تو صحیح تر روایت کے مطابق اس سے رجوع کرنا واجب ہے جب کہ بعض علماء نے رجوع کرنے کو مستحب کہا ہے، پھر جب وہ پاک ہو جائے اور اس کے بعد دوسرا حیض آئے اور پھر اس سے بھی پاک ہو جائے تب اگر طلاق دینا ضروری ہو تو اس دوسرے طہر میں طلاق دی جائے۔ طلاق کی یہ تیسری قسم شریعت کی نظر میں ناپسندیدہ ہے گو طلاق واقع ہو جاتی ہے مگر طلاق دینے والا نہ گار ہوتا ہے۔

وقوع کے اعتبار سے طلاق کی دو قسمیں ہیں ① رجعی۔ ② بائن۔ طلاق رجعی کی صورت تو یہ ہے کہ طلاق دینے والا ایک بار یا دو صریح الفاظ میں یوں کہے کہ اَنْتَ طالق یا طَلَّقْتَکَ یا اردو میں یوں کہے ”تجھ پر طلاق ہے یا میں نے تجھے طلاق دی اس طرح طلاق دینے سے طلاق دینے والا ایم عدت میں بغیر نکاح کے رجوع کر سکتا ہے۔ یعنی اگر وہ یوں کہے کہ میں نے تجھ سے رجوع کیا یہ اس کو ہاتھ لگانے یا مہاس کرے اور یہ اس سے جماع کرے تو اس سے رجوع ہو جاتا ہے جدید نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی۔

”طلاق بائن“ کی صورت یہ ہے کہ طلاق کے صریح الفاظ کی بجائے ایسے الفاظ کے ذریعہ طلاق دی جائے جو اگرچہ صریح طلاق کے لئے استعمال نہ ہوتے ہوں مگر کیا وہ طلاق کا مقہوم بھی ادا کرتے ہوں علاوہ ان تین الفاظ کتابیات کے جن کو فقہانے صریح طلاق کے لئے تسلیم کر لیا، طلاق بائن کا حکم یہ ہے کہ عورت نکاح سے نکل جاتی ہے تجدید نکاح کے بغیر اس عورت کو بیوی بنا کر رکھنا حرام ہے۔

حکم اور نتیجہ کے اعتبار سے بھی طلاق کی دو قسمیں ہیں۔ ① مغلطہ۔ ② مخففہ۔ طلاق مخففہ کی صورت یہ ہے کہ یکبارگی تین طلاقیں دی جائیں (مثلاً یوں کہے کہ میں نے طلاق دی میں نے طلاق دی میں نے طلاق دی) اس طلاق کے بعد طلاق دینے والا اس عورت کو دوبارہ اپنے نکاح میں بغیر حلالہ نہیں لاسکتا حلالہ کی صورت یہ ہے کہ وہ عورت عدت گزارنے کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لے اور دوسرا مرد اس سے جماع کر کے اس کو طلاق دے دے اور پھر جب اس کی عدت پوری ہو جائے تو پہلا شوہر اس سے نکاح کر لے۔

”طلاق مخففہ“ کی صورت یہ ہے کہ یک بارگی یا الگ الگ دو طلاقیں دے یا ایک طلاق دے پھر اگر یہ دو طلاقیں یا ایک طلاق الفاظ صحیح کے ساتھ ہو تو عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے تجدید نکاح کی ضرورت نہیں اور اگر الفاظ کتابیہ کے ساتھ ہو تو تجدید نکاح کے بعد

اس کو اپنی بیوی بنا سکتا ہے حلالہ کی ضرورت نہیں۔

کن لوگوں کی طلاق واقع ہوتی ہے اور کن لوگوں کی واقع نہیں ہوتی: ہر عاقل و بالغ کی نکاحی طلاق واقع ہو جاتی ہے خواہ وہ آزاد ہو یا غلام اور خواہ وہ اپنی خوشی سے طلاق دے یا کسی کے جبر و اکراہ سے دے یا تنہا کی حالت میں دے۔

اسی طرح اگر عاقل و بالغ شوہر کو گناہ اور وہ اشارہ معبودہ کے ذریعہ طلاق دے تو اس کی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے اور لڑکے اور دیوانے کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر سواہر یا شخص طلاق دے اور پیدار ہونے کے بعد کہے کہ میں نے تجھے سوتے میں طلاق دی ہے تو اس کی طلاق بھی واقع نہیں ہوگی مگر کسی مالک نے اپنے غلام کی بیوی کو طلاق دی تو اس کی طلاق بھی واقع نہیں ہوگی۔

طلاق میں اصلی اعتبار عورت کا ہے چنانچہ آزاد عورت کے لئے تین طلاقیں ہیں اگرچہ وہ کسی غلام سے نکاح میں ہو۔ اسی طرح لونڈی کے لئے دو طلاقیں ہیں اگرچہ وہ کسی آزاد مرد کے نکاح میں ہو۔

اختیار کا مسئلہ

(۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَيْرُ نِكَاحٍ زَوْجُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْتَرَهُمَا اللَّهُ وَمَوْهُ فَلَئِمَ بَعْدَ ذَلِكَ عَلَيْهِمَا شَيْئًا.

متفق علیہ۔

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھیں اختیار دے دیا تھا کہ اگر تم دنیا اور دنیا کی زینت و آسائش کی طلب گار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دے کر چھوڑ دوں اور اگر تم خدا کے رسول اور دار آخرت کی طلب گار ہو تو پھر جان لو کہ تمہارے لئے خدا کے ہاں بے شمار اجر عظیم (ثواب ہے) چنانچہ ہم نے (دنیا اور دنیا کی زینت و آسائش کے مقابلہ میں) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اختیار کر لیا اور آنحضرت ﷺ نے اس اختیار کو ہمارے لئے (طلاق کی اقسام میں کوئی قسم جیسے ایک طلاق یا دو طلاق یا رجعی یا بائن۔) کچھ بھی اختیار نہیں کیا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی سے یوں کہے کہ ”اپنے نفس کو اختیار کر لو یا مجھے اختیار کر لو“ اور پھر بیوی خداوند کو اختیار کر لے تو اس سے کسی طرح کی طلاق واقع نہیں ہوتی چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا یہی مسک ہے۔ لیکن اگر بیوی اپنے نفس کو اختیار کر لے تو اس صورت میں حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک طلاق رجعی، حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک طلاق بائن اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں۔

منقول ہے کہ صحابہؓ میں سے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس بات کے قائل تھے کہ بیوی کو شوہر کے محض اختیار دے دینے ہی سے طلاق رجعی واقع ہو جاتی ہے خواہ وہ اپنے شوہر ہی کو کیوں نہ اختیار کر لے۔

اور حضرت زید ابن ثابتؓ اس بات کے قائل تھے کہ طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے چنانچہ حضرت عائشہؓ نے ان دونوں ہی کے اقوال کی تردید میں یہ حدیث بیان کر کے گویا یہ واضح کیا کہ شوہر کے محض اختیار دے دینے سے کوئی بھی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے سے کفارہ لازم آتا ہے

(۴) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فِي الْمَخْزُومِ يَنْكَحُزُّ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي زَوْجِ اللَّهِ أَمُورٌ خَسَنَةٌ. (متفق علیہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ (کسی چیز کی حرام کر لینے پر کفارہ دے اور اس سلسلہ میں) تمہارے لئے

رسول کریم ﷺ کی پیروی ہی بہتر ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے اوپر کسی چیز خواہ وہ اپنی ہو یا کسی دوسری چیز کو حرام کر لے تو اس پر قسم کا کفارہ لازم آتا ہے اور

وہ چیز حرام نہیں ہوتی حضرت ابن عباسؓ اسی کے قائل تھے۔ اور حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے اگرچہ وہ چیز بذات خود حرام کیوں نہ ہو یا کسی دوسرے کی ملکیت کیوں نہ ہو مثلاً ان کہے کہ مجھ پر شراب حرام ہے یا فلاں کا مال مجھ پر حرام ہے تو یہ بالکل بے بنیاد قسم ہے بشرطیکہ اگر اس نے کسی حرام چیز کے بارے میں یہ کہا کہ یہ چیز مجھ پر حرام ہے اور اس سے اس کا مقصد اس چیز کے حرام ہونے کی خبر دینا نہ ہو بلکہ واجب وہ اس چیز کو کہ جسے اس نے اپنے اوپر حرام کیا ہے کھانے یا استعمال کرے گا تو وہ گویا حائث یعنی قسم توڑنے والا ہو گا اور اس پر وہی کفارہ لازم آئے گا جو قسم کوڑنے پر لازم آتا ہے ہاں اگر اس نے اس چیز کو صدقہ کر دیا یا کسی کو بے کر دیا تو پھر حائث نہیں ہو گا اور اس پر کوئی کفارہ لازم نہیں آئے گا۔

چنانچہ حضرت ابن عباسؓ نے اپنی اس بات کی تائید میں یہ آیت لفظ کَانَ لَكُمْ الْاَيَةُ چڑھی اور اس طرف اشارہ کیا کہ جب آنحضرت ﷺ نے شہید کو اپنے اوپر حرام کیا تو اس آیت بِأَيِّهَا الشَّيْءُ لَمْ تُحَرِّمْ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ کے زیرِ باب ﷺ کو کفارہ دینے کا حکم دیا (جس کا تفصیلی ذکر اگلی روایت میں آئے گا) البتہ حرام پر آنحضرت ﷺ کی پیروی لازم ہے کہ اگر تم نے کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور پھر اس چیز کو استعمال کر کے حائث ہو گئے تو کفارہ دوا کرو۔

اگر کوئی شخص یوں کہے کہ ”تمام طلال مال مجھ پر حرام ہے یا عدا کی طلال کی ہوئی تمام چیزیں مجھ پر حرام ہیں“ تو ایسے قول کے بارے میں فتویٰ یہ ہے کہ اس طرح کہنے سے اس کی بیوی پر طلاق نہ جائے گی اگرچہ اس نے طلاق کی نیت نہ کی ہو اور اگر اپنی بیوی سے یہ کہے کہ ”تم مجھ پر حرام ہو“ تو یہ ایسا ہو جائے گا۔ بشرطیکہ اس نے واقعی حرام کرنے کی نیت کی ہو یا کچھ بھی نیت کی ہو اور اگر اس نے یہ کہتے وقت ظہار کی نیت نہ ہوگی تو ظہار ہو جائے گا۔ ہاں اگر اس نے یہ کہتے وقت کہ ”تم مجھ پر حرام ہو“ جھوٹ کی نیت کی ہو تو بھی یہ کہنا بدر (نہی) ہو گا یعنی اس نے نیت سے عند اللہ تو تہ نہیں ہو گا لیکن یہ معاملہ اگر حاکم کے پاس پہنچا تو حاکم ایلاء کا حکم نافذ کر دے گا۔ اور اگر یہ کہتے وقت اس نے طلاق کی نیت کی، تو طلاق بائن نہ جائے گی اور اگر تین طلاق کی نیت کی تو تین طلاقیں نہ جائیں گی۔ اور فتویٰ اسی پر ہے کہ اگر طلاق کی نیت نہ بھی کرے تو بھی طلاق بائن نہ جائے گی۔

⑤ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْكُحُ عِنْدَ زَيْبَ بِنْتِ جَخْشٍ وَطَرِبَ عِنْدَهَا عَسَلًا فَتَوَاصَّيْتُ أَنَا وَحَفْصَةُ أَنْ آتَيْنَا دَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَقْنَاهُ إِنَّا أَحَدُ مَنَّا رُبَّ مَغَافِرٍ أَكَلْتُ مَغَافِرًا لَمْ دَخَلْ عَلَى أَحَدٍ مِمَّا فَدَّاهُ فَذَلِكَ فَقَالَ لَا يَأْتِي شَرِيئَةً عَسَلًا عِنْدَ زَيْبَ بِنْتِ جَخْشٍ فَلَنْ أَغْزِيَهُ وَفَدَّ خَلْفْتُ لِأَخِي بِرٍّ بِدَالِيقٍ أَخَذَا يَتَبَغَّيَا مَرْصَدًا أَزْوَاجَهُ فَتَزَوَّجَتْ بِأَيِّهَا الشَّيْءُ لَمْ تُحَرِّمْ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَتَبَغَّيَا مَرْصَدَاتٍ أَزْوَاجَهُ الْاَيَةُ۔ (مشق خ)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ (اپنی ایک بیوی) حضرت زینب بنت جحش کے پاس غبار جایا کرتے تھے اور وہاں شہید کیا کرتے تھے چنانچہ (ایک دن) میں نے اور حفصہؓ نے انہیں میں سے ملے کیا کہ نبی کریم ﷺ ہم میں سے جس کے پاس تشریف آئیں وہ یہ کہے کہ آپ (ﷺ) کے منہ سے سفیر کی بو آتی ہے کیا آپ (ﷺ) نے سفیر کھایا ہے؟ چنانچہ جب ان دونوں میں سے ایک (یعنی حضرت عائشہؓ یا حضرت حفصہؓ) کے پاس تشریف لائے تو اس نے یہی کہا، آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ کوئی بات نہیں، میں نے زینب بنت جحشؓ کے پاس شہید پیایا ہے اب میں کبھی شہید نہیں ہوں گا۔ میں نے قسم کھالی ہے لیکن تم کسی کو یہ نہ بتانا (کہ اس بات سے زینبؓ کی دل شکنی نہ ہو کہ اب میں ان کے پاس شہید نہیں ہوں گا) اور اس سے اس شخص کو اپنے اوپر حرام کر لینے سے) آنحضرت ﷺ کا مقصد اپنی بیویوں کو خوش کرنا تھا چنانچہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَتَبَغَّيَا مَرْصَدَاتٍ أَزْوَاجَكَ الْاَيَةُ (یعنی اے نبی! آپ شخص اپنی بیویوں کی خوشنودی کے لئے اپنے اوپر اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہیں جس کو اللہ نے آپ (ﷺ) کے لئے حلال کیا ہے۔“ (نہی) دسلسلہ

تشریح: حضرت زینت بنت جحشؓ کے پاس ٹھہر جایا کرتے تھے۔ یہ ان کی نوبت (باری) کے دن کا ذکر نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جب اپنی ازواج مطہرات کے ہاں ٹھٹ کے لئے نکلتے اور حضرت زینبؓ کے گھر تشریف لاتے تو اس وقت ان کے پاس ٹھہر جایا کرتے تھے۔

”مغایر“ ایک درخت کے پھل کا نام ہے جو گوند کے مشابہ ہوتا ہے اس کی بو خراب ہوتی ہے اور ایک گوند شہد کی ہونک مشابہت رکھتی ہے۔

اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو شہد بہت مرغوب تھا، جب آپ ﷺ گفت کے وقت حضرت زینبؓ کے تشریف لے جاتے تو وہ آنحضرت ﷺ کو شہد پلایا کرتی تھیں۔ اس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ حضرت زینبؓ کے ہاں کچھ زیادہ دیر ٹھہر چکا کرتے تھے۔ یہ بات حضرت عائشہؓ کو ناگوار گزری اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کی ایک اور بیوی حضرت حفصہؓ سے کہہ کر جو حضرت عائشہؓ کے بہت قریب تھیں اور اکثر معاملات میں ان سے اتفاق کرتی تھیں، مذکورہ الامات کہنے کا مشورہ کیا تاکہ آنحضرت ﷺ حضرت زینبؓ کے ہاں ٹھہرنا اور ان کا شہد پنا چھوڑ دیں چنانچہ ایسا ہی ہوا یہ سنا کہ ذکر کیا گیا لیکن حق تعالیٰ کے ہاں اس بات کو پسند نہیں کیا گیا کہ آنحضرت ﷺ ایک حلال چیز کو کھل اپنی بیویوں کی خوشنودی کے لئے اپنے اوپر حرام کر لیں چنانچہ مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

بلا ضرورت طلاق مانگنے والی عورت کے حق میں وعید

(۶) وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا فَبِئْسَ مَا سَبَّهَا عَلَيْهِمَا الرَّحْمَةُ الْخَلَّةُ. (رواه احمد والترمذي وابن ماجه والدارمي)

”حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو عورت اپنے خاوند سے بلا ضرورت طلاق مانگے اس پر جنت کی بوجھرام ہوگی (یعنی جب میدانِ حشر میں خدا کے نیک اور پیارے بندوں کو جنت کی خوشبو پہنچے گی تو یہ عورت اس خوشبو سے محروم رہے گی۔“

(احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

طلاق کوئی اچھی چیز نہیں ہے

(۷) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَنْغَضَ الْحَلَالُ إِلَى اللَّهِ الطَّلَاقَ. (رواه ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”مباح چیزوں میں سے خدا کے نزدیک بغض ترین (یعنی سب سے بری) چیز طلاق ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگرچہ طلاق، حلال و مباح ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک بغض و مکروہ ہے چنانچہ ایسی بہت سی چیزیں ہیں جو اگرچہ مباح ہیں مگر مکروہ (نا پسندیدہ) سمجھی جاتی ہیں مثلاً مرض نماز بلا تدبیر گھر میں پڑھنا، اسی طرح غصب کی ہوئی زمین پر نماز پڑھنا اگرچہ مباح ہے (کہ فرض ادا ہوتا ہے) لیکن مکروہ ہے۔

نکاح سے پہلے طلاق دینے کا مسئلہ

(۸) وَعَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا طَلَاقَ قَبْلَ نِكَاحٍ وَلَا عَتَاقَ إِلَّا بَعْدَ مِثْلِهِ وَلَا رِصَالًا فِي صَبٍّ وَلَا يَنْتُمُ بَعْدَ اخْتِلَامٍ وَلَا رِضَاعَ بَعْدَ فِطَامٍ وَلَا ضَمَّتْ يَوْمَ إِلَى اللَّيْلِ. (رواه ترمذی شرح السنن)

”اور حضرت علیؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی۔ لک ہوئے سے پہلے غلام کو آزاد نہیں کیا جاسکتا اور بچے اور بچے کے روزے (یعنی رات کو افطار کئے بغیر مسلسل دو یکم روزے رکھے چلے جانا) جائز نہیں ہے۔ یہ صرف آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے تھا اور صرف آپ ﷺ ہی کے لئے جائز تھا، بالغ ہونے کے بعد کوئی عیتم نہیں رہتا (یعنی جس کے مال باپ نہ ہوں اور وہ بالغ ہو جائے تو اسے عیتم نہیں کہیں گے) اور وہ چینی کی مدت کے بعد دودھ پینا رضاعت میں شامل نہیں (یعنی دودھ پینے کی مدت دو سال یا دو سال کی سال ہے اور دودھ پینے کے سبب جو حرمت نکاح ہوتی ہے وہ اس مدت کے بعد دودھ پینے سے ثابت نہیں ہوتی۔ اور دن بھر چپ رہنا جائز نہیں ہے (یہ) کہ اس کا کوئی ثواب نہیں ہے۔“ (شرح المست)

تشریح: اس روایت میں چند اصولی باتوں کو ذکر کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص نکاح سے پہلے ہی طلاق دے تو وہ طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ طلاق دراصل نکاح کا جز ہے کہ اگر نکاح کا وجود پایا جائے گا تو اس پر طلاق کا اثر بھی مرتب ہو گا اور جب سرے سے نکاح ہی نہیں ہو گا تو طلاق کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہوگی۔

اسی طرح فرمایا گیا کہ غلام جب تک اپنی ملکیت میں نہ آجائے اس کو آزاد کرنے کے کوئی معنی نہیں ہوں گے، اگر کوئی شخص کسی ایسے غلام کو آزاد کر دے جس کا وہ اس تک مالک نہیں بنائے تو وہ غلام آزاد نہیں ہو گا اس اعتبار سے یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے مسلک کی دلیل ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نکاح سے پہلے طلاق کی اضافت، سبب ملک کی طرف کرے تو درست ہے مثلاً یہ کسی اجنبی عورت سے یوں کہے کہ اگر میں تم سے نکاح کروں تو تم پر طلاق ہے یا یہ کہے کہ میں جس عورت سے بھی نکاح کروں اس پر طلاق ہے تو اس صورت میں اگر یہ اس عورت سے نکاح کرے گا تو نکاح کے وقت اس پر طلاق پڑ جائے گی۔

اسی طرح اگر کوئی شخص آزاد کی اضافت، ملک کی طرف کرے مثلاً یوں کہے کہ اگر میں اس غلام کا مالک بنوں تو یہ آزاد ہے یا یہ کہے کہ میں جس غلام کا مالک بنوں وہ آزاد ہے تو اس صورت میں وہ غلام اس شخص کی ملکیت میں آئے ہی آزاد ہو جائے گا۔

لہذا یہ حدیث حنفیہ کے نزدیک نفی تنجیز پر محمول ہے یعنی اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ اس طلاق کا کبھی بھی کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا بلکہ اس کا مدح صرف یہ ہے کہ جس لمحہ اس نے طلاق دی ہے اس لمحہ طلاق نہیں پڑتی، اس طرح اس حدیث سے طلاق کی تعلیق کی نفی نہیں ہوتی۔

ایک بات یہ فرمائی گئی ہے کہ دن بھر چپ رہنا جائز یا لا حاصل ہے اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ تجملی امتوں میں چپ رہنا عبادت کے زمرہ میں آتا تھا۔ اور دن بھر چپ رہنا تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ ہماری امت میں یہ درست نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے کچھ ثواب حاصل نہیں ہوتا، ہاں اپنی زبان کو لائینی کلام اور بری باتوں میں مشغولیت سے بچائے یقیناً یہ زیادہ بہتر ہے کہ اپنی زبان کو ہر وقت خاموش رکھا جائے۔

⑨ وَعَنْ عُمَرُو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَذَرُ لَابِرِ أَدَمَ فَيَنْتَ لَا يَنْتَلِ وَلَا عَقْلُ فَيَنْتَ لَا يَنْتَلِ وَلَا خَلْقُ فَيَنْتَ لَا يَنْتَلِ - وَوَاهُ النَّبِيُّ وَزَادَ أَبُو دَاوُدَ وَلَا نَبِيٌّ إِلَّا فَيَنْتَ يَنْتَلِ -

”اور حضرت عمر ابن شعیبؓ اپنے والد (حضرت شعیب) سے اور حضرت شعیبؓ اپنے دادا (حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ابن آدم کی نذر اس چیز میں سمجھ نہیں ہوتی جس کا وہ مالک نہیں ہے نیز اس چیز (یعنی لونڈی و غلام کو آزاد کرنا) بھی سمجھ نہیں جس کا وہ مالک نہیں ہے نیز اس چیز (عورت) کو طلاق دینا بھی درست نہیں جس کا وہ مالک نہیں ہے۔“ (ترمذیؒ ابو داؤدؒ) اور ابو داؤدؒ نے اپنی روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ اس چیز کو فروخت کرنا بھی سمجھ نہیں (کی فروخت کا معاہدہ کرنے کا وہ) اصلہ یا کالہ یہ ولایت مالک نہیں ہے۔“

تشریح: نذر صحیح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں اللہ کی خوشنودی کے لئے اس غلام کو آزاد کرنے کی نذر دیتا ہوں، اس آزاد حال تک یہ نذر ماننے کے وقت وہ غلام اس کی ملکیت میں نہیں ہے تو یہ صحیح نذر نہیں ہوگی اور اگر اس کے بعد وہ اس غلام کا ملک ہو گیا تو وہ غلام آزاد نہیں ہوگا۔ طلاق اور آزاد کرنے کے سلسلہ میں اوپر کی حدیث کی تشریح میں وضاحت کی جا چکی ہے۔

طلاق بت کا مسئلہ

⑩ وَعَنْ رُكَيْنَةَ ابْنِ عَبْدِ بَرِّ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ سَهْبَةَ الْبَيْتَةِ فَأَخْبَرَ بِذَلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ وَاللَّهِ مَا أَزَدْتُ إِلَّا وَاحِدَةً فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللَّهِ مَا أَزَدْتُ إِلَّا وَاحِدَةً فَرَدَّهَا إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَطَلَّقَهَا الْقَائِمَةُ فِي زَمَانِ عُمَرَ وَالثَّالِثِ فِي زَمَانِ عُثْمَانَ وَزَوَّاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُو حَازِمَةَ وَالدَّارِمِيُّ إِلَّا أَنَّهُمْ لَمْ يَذْكُرُوا الْقَائِمَةَ وَالثَّالِثَةَ۔

”اور حضرت رکانہؓ ابن عبد البرؓ نے اپنے بارہ میں روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی سہبہؓ کو طلاق بت دی اور پھر اس کا ذکر رسول کریم ﷺ سے کیا اور کہا کہ خدا کی قسم میں نے ایک طلاق کی نیت کی تھی، آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ (کیا واقعی) خدا کی قسم تم نے ایک طلاق کی نیت کی تھی؟ (کہا کہ) ہاں! خدا کی قسم میں نے ایک طلاق کی نیت کی تھی، چنانچہ رسول کریم ﷺ نے ان کی عورت کو ان کی طرف لوٹا دیا پھر رکانہؓ نے اس عورت کو دوسری طلاق حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں اور تیسری طلاق حضرت عثمانؓ غنی کے عہد خلافت میں دی اس روایت کو ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور دارمی نے نقل کیا ہے لیکن ترمذی ابن ماجہ اور دارمی نے اپنی روایت میں دوسری اور تیسری طلاق کا ذکر نہیں کیا ہے۔“

تشریح: ”طلاق بت“ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت رکانہؓ نے ان الفاظ میں طلاق دی اَنْتِ طَلَائِقُ الْبَيْتَةِ (یعنی تجھ پر طلاق ابنتہ ہے) غلط البیتہ بت کا اسم صیغہ جس کے معنی ہیں کانا، قطع کرنا، اسلاف بت کا معنی ہے ہو کہ لیس طلاق جو نکاح کا تعلق بالکل باقی نہیں رہنے دیتی اور عورت کو نکاح سے قطعی طور پر نکال دیتا ہے۔

”ان کی عورت کو ان کی طرف لوٹا دیا“ کا مطلب حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہؓ کو رجوع کر لینے کا حکم دیا۔ اور گویا رکانہؓ نے رجوع کر لینے کے اس حکم کی بناء پر ان الفاظ زَاخَفْتُهَا اِلٰی نِكَاحِی (میں نے اس کو اپنے نکاح میں لوٹا لیا) کے ذریعہ اس عورت کو اپنے نکاح میں واپس کر لیا۔

حضرت امام شافعیؒ نے یہ مطلب اس لئے مراد لئے ہیں کہ ان کے نزدیک ”طلاق بت“ ایک طلاق رجعی ہے ہاں اگر اس کے ذریعہ دو یا تین طلاقیں کی نیت کی گئی ہو تو پھر نیت کے مطابق ہی دو یا تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک چونکہ اس لفظ کے ساتھ طلاق دینے سے ایک طلاق بائن پڑتی ہے خواہ ایک طلاق کی نیت کی گئی ہو یا دو طلاق کی یا اور کچھ بھی نیت نہ کی گئی ہو اس لئے ان کے نزدیک اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو جدید نکاح کے ذریعہ رکانہؓ کی طرف لوٹا دیا۔

نکاح و طلاق کے الفاظ کسی میں منہ سے نکالے جائیں تو حکم ثابت ہو جاتا ہے

⑪ وَعَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَلَا تَجِدُ جَدُّهُنَّ جَدًّا وَهَرُفُهُنَّ جَدًّا التَّكَاحُ وَالْطَّلَاقُ وَالتَّرْجُفَةُ۔ زَوَّاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تمیں چیریں یا کسی میں جن کا قصہ کرنا بھی قصہ ہے اور کسی نہ ان میں منہ سے نکالنا بھی قصہ ہے“ نکاح۔ ⑦ طلاق۔ ⑧ رجعت۔ (ترمذی، ابو داؤد، ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔“

تشریح: جد کے معنی ہیں ”کسی کام میں دوش کوش کرنا“ لیکن یہاں اس کے یہ معنی مراد ہیں کہ جو لفظ جس معنی کے لئے وضع کیا گیا ہو اس کو

زبان سے ادا کرتے وقت وہی معنی مراد لے جائیں مثلاً لفظ نکاح (میں نے نکاح کیا) زبان سے جب ادا کیا جائے تو اس کے معنی یعنی نکاح کرنا ہی مراد لیا جائے یا جب لفظ طلاق (میں نے طلاق دی) زبان سے ادا کیا جائے تو اس کے معنی یعنی طلاق دینا ہی مراد لیا جائے اور لفظ مزمل کے معنی یہ ہیں کہ کوئی لفظ زبان سے ادا کیا جائے مگر اس کے معنی مراد نہ ہوں۔

لہذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں جو زبان سے ادا ہوتے ہی وقوع پذیر ہو جاتی ہیں خواہ ان کے معنی مراد ہوں یا مراد نہ ہوں، چنانچہ اگر مرد اپنی مرد و عورت کے درمیان کسی ایسی چیز کو گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول ہو جائے تو بھی نکاح ہو جاتا ہے اور وہ دونوں میاں بیوی بن جاتے ہیں یا اگر کوئی ایسی مذاق میں طلاق دے دے تو بھی طلاق نہ جائے گی اسی طرح طلاق رجعی کے بعد کسی ایسی چیز میں رجوع کرنے سے بھی رجعت ثابت ہو جاتی ہے ان تین چیزوں کے علاوہ اور چیزیں مثلاً بیع و شراء وغیرہ اس طرح کسی مذاق میں وقوع پذیر نہیں ہوتیں۔ **زبردستی دلوائی جانے والی طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں**

(۱۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا طَلَاقَ وَلَا عَتَاقَ فِي غُلَاقٍ - رواه أبو داود وابن ماجه (ابو داؤد ابن ماجہ) اور بیان کیا جاتا ہے کہ اخلاق کے معنی اکراہ کے ہیں۔

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اکراہ کی حالت میں نہ تو طلاق واقع ہوتی ہے اور نہ آزادی (ابو داؤد ابن ماجہ) اور بیان کیا جاتا ہے کہ اخلاق کے معنی اکراہ کے ہیں۔“

تشریح: ”اکراہ“ کے معنی ہیں ”زبردستی کرنا“ لہذا حدیث کا یہ مطلب ہوا کہ اگر کوئی کسی سے زبردستی طلاق دلوادے یا اس کا غلام آزاد کرادے تو نہ طلاق پڑے گی اور نہ وہ غلام آزاد ہوگا۔

گویا یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کے مسلک کی دلیل ہے کیونکہ ان تینوں ائمہ کے نزدیک یہ دونوں چیزیں زبردستی کی حالت میں واقع نہیں ہوتیں جب کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ وہ بیع ہو جاتی ہیں انہوں نے اس کو ہزل پر قیاس کیا ہے۔ (جس کا بیان اوپر کی حدیث میں گزر چکا ہو) حضرت امام اعظمؒ نے اپنے مسلک کی دلیل میں جو کچھ پیش کیا ہے وہ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

اس موقع پر یہ بتادینا ضروری ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق زبردستی کی حالت میں بھی جن چیزوں کا حکم ثابت ہو جاتا ہے وہ گیارہ ہیں۔ ① نکاح۔ ② طلاق۔ ③ رجعت۔ ④ ایلاء۔ ⑤ فی یعنی ایلاء سے رجوع کرنا۔ ⑥ ظہار۔ ⑦ عتاق۔ ⑧ غرقصام یعنی قصاص کو معاف کردینا۔ ⑨ قسم۔ ⑩ نذر۔ ⑪ قبولیت اسلام۔

دیوانے کی طلاق واقع نہیں ہوتی

(۱۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ غُلَاقٍ جَانِبِ الْأَخْلَاقِ الْمَغْلُوبِ وَالْمَغْلُوبِ غُلَقٌ عَقْلُهُ - رواه البخاری (ابو ہریرہ) وفان هذا حديث غريب وعطاء بن سفيان عن الزواجر ضعيف ذا هب الخديث۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ہر طلاق واقع ہو جاتی ہے مگر بے عقل مغلوب عقل کی طلاق واقع نہیں ہوتی“ امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے ایک راوی عطاء بن سفيان (روایت حدیث میں) ضعیف شمار کئے جاتے ہیں کیونکہ ان کے حافظہ میں حدیث محفوظ نہیں رہتی تھی۔“

تشریح: امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک اس حدیث کے مطابق ہے کیونکہ ان کے نزدیک کبھی دیوانے کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ یہاں حدیث میں مغلوبہ سے ”دیوانہ“ مراد ہے یعنی وہ شخص جو کبھی تو مغلوب عقل رہتا ہو اور کبھی اس کی عقل ٹھکانے رہتی ہو، قاموس میں لکھا ہے کہ عتہ (جو معتہ کا مصدر ہے) کے معنی ہیں ”عقل ٹھکانا“ ہونا مدہوش ہونا اور صراح میں لکھا ہے کہ ”معتہ“ اٹلے ہوئے ذول اور بے عقل شخص

کو بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ فقہ کی کتابوں میں اس کے یکتا معنی بیان کئے گئے اس اعتبار سے حدیث کا یہ جملہ و المغلوب علی عقدہ گویا لفظ معتوہ کا عطف تفسیری ہے (یعنی اس جملہ میں معتوہ کی وضاحت مقصود ہے) اسی لئے بعض روایات میں المغلوب بغیر او منقول ہے۔ اس تفصیل سے یہ ثابت ہوا کہ جب معتوہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی تو مجنون مطلق (یعنی پاگل شخص) کہ جو سرے سے عقل و شعور رکھتا ہی نہیں اس کی طلاق بطریق اولیٰ واقع نہیں ہوگی چنانچہ زین العرب نے کہا ہے کہ یوں تو ”معتوہ“ ناقص العقل اور مغلوب العقل کو کہتے ہیں لیکن مجنون، سو یا ہوا شخص، مدہوش اور ایسا مریض کہ جس کی عقل اس کے مرض کی وجہ سے جاتی رہے وہ بھی اس لفظ کے مفہوم میں شامل ہیں۔ یعنی ان سب کی بھی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

لفظ ”معتوہ“ کے بارہ میں علامہ ابن ہمام نے بعض علماء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ معتوہ اس شخص کو کہتے ہیں جو ناقص العقل و کم سمجھ اور پریشان کلام ہو (یعنی بے عقل اور ناجبج کی باتیں کرتا ہو) اور فاسد التذہب (یعنی بے عقلی اور بے محجی کے کام کرتا ہو) لیکن نہ تو مارا پھرتا ہو اور نہ گالیاں بکتا پھرتا ہو بخلاف مجنون کے (کو کوں کو مارا اور گالیاں بکتا پھرتا ہے)۔

امام ترمذی کے قول کے مطابق اس حدیث کا راوی اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ کُلُّ طَلَاقٍ بَيْنَ الْأَنْدَاقِ الْمَعْتُوهُ یعنی ہر طلاق واقع ہو جاتی ہے مگر معتوہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

تین شخص جو مرفوع القلم ہیں

(۱۴) وَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ عَنْ النَّاسِمِ حَتَّى يَسْتَقِظَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَتَلْعَ وَ عَنِ الْمَعْتُوهِ حَتَّى يَنْقَلِبَ - وَ زَوَاهِ الْوَرْدِ مَيْثُ وَأَبُو ذَاؤُدَّ وَالنَّارِثُ عَنْ عَائِشَةَ وَابْنُ عَجَاجَةَ عَنْهَا -

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تین شخص مرفوع القلم ہیں (یعنی ان تین شخصوں کے اعمال نامہ اعمال میں نہیں لکھے جاتے کیونکہ ان کے کسی قول و فعل کا کوئی اعتبار نہیں اور وہ موافقہ سے بری ہیں) ایک تو سو یا ہوا شخص جب تک کہ وہ بیدار نہ ہو، دوسرا لڑکا جب تک وہ بالغ نہ ہو تیسرا بے عقل شخص جب تک کہ اس کی عقل درست نہ ہو جائے“ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی نے اس روایت کو حضرت عائشہؓ سے اور ابن ماجہؓ نے حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے۔“

لونڈی کے لئے دو طلاقیں ہیں

(۱۵) وَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ طَلَاؤُ الْأَمَةِ تَطْلِيقَتَانِ وَ عَدَّتْهَا خَبْصَتَانِ -

(رواہ الشرقی و ابوداؤد و ابن ماجہ و الدارمی)

”اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”لونڈی کے لئے دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت (کے مدت دو حیض ہیں)۔“ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس طرح آزاد عورت کی عدت تین حیض ہیں اور اگر اسے حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت کی مدت تین مہینہ ہے اسی طرح لونڈی کی عدت دو حیض ہیں اور اگر اسے حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت کی مدت ڈیڑھ مہینہ ہوگی۔

اس طرح یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ طلاق اور عدت میں عورت کا اعتبار ہے نہ مرد کا لہذا اگر عورت آزاد ہوگی تو اس کی طلاقیں تین ہوں گی اور اس کی عدت کی مدت تین حیض ہوں گے چاہے وہ کسی غلام عی کے نکاح میں کیوں نہ ہو اور اگر عورت لونڈی ہوگی تو اس کی طلاقیں دو ہوں گی اور اس کی عدت کی مدت دو حیض ہوں گے خواہ اس کا خاوند کوئی آزاد شخص ہی کیوں نہ ہو چنانچہ حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے لیکن حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک طلاق اور عدت میں مرد کا اعتبار ہے اگر مرد آزاد ہو گا تو اس کی بیوی کی طلاقیں تین

ہوں گی اور اس کی عدت تین حیض ہوں گے اگرچہ اس کی بیوی لونڈی ہو اور اگر مرد غلام ہو گا تو اس کی بیوی کی طلاقیں دو ہوں گی اور اس کی عدت کی مدت دو حیض ہوں گے خواہ اس کی بیوی آزاد عورت ہی کیوں نہ ہو۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عدت کا تعلق حیض سے ہے نہ کہ طہرے جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے گویا یہ حدیث اس بات کی دلیل ہوئی کہ عدت کی مدت کے سلسلہ میں قرآن کریم میں جو فلائقہ قزوۃ فرمایا گیا ہے تو اس سے تین حیض مراد ہیں تین طہر مراد نہیں ہیں۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

اپنے خاوند سے طلاق یا طلع چاہنے والی عورت کے بارہ میں وعید

(۱۱) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُتَزَوِّعَاتُ وَالْمُتَفَتِّحَاتُ هُنَّ الْمُتَأَفِّقَاتُ۔ (رواہ النسائی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”اپنے خاوند کی تافرائی کرنے والی اور اپنے خاوند سے طلع چاہنے والی عورتیں منافق ہیں۔“ (نسائی)

تشریح: مطلب یہ کہ جو عورتیں بلا سبب اپنے شوہروں سے طلاق مانگتی ہیں یا ان سے طلع چاہتی ہیں وہ منافق ہیں ”منافق“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ ظاہر میں تو احکام اسلام کی مطاع و فرمانبردار ہیں مگر باطنی طور پر گنہگار و عاصی ہیں۔

عورت کے تمام مال کے عوض طلع کرنا مکروہ ہے

(۱۲) وَعَنْ نَافِعٍ عَنْ مَوْلَاةٍ لِعِصْمَةَ بِنْتِ أَبِي عُبَيْدٍ أَنَّهَا اخْتَلَفَتْ مِنْ زَوْجِهَا بِكُلِّ خِصْمٍ لَهَا فَلَمْ يَلْكَزْ ذَلِكَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُثْمَانَ۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت نافعؓ معنیہ بنت ابو عبیدہ کی ایک آزاد کی ہوتی لونڈی سے روایت کرتے ہیں کہ معنیہؓ نے اپنی ہر اس چیز کے عوض جو ان کے پاس موجود تھی، اپنے خاوند (حضرت عبداللہ ابن عمرؓ) سے طلع کیا اور عبداللہؓ نے اس سے انکار نہیں کیا۔“ (مالک)

تشریح: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اس لئے انکار نہیں کیا کہ طلع بہر حال جائز تھا اگرچہ اس طرح (یعنی عورت کے تمام مال کے عوض) طلع کرنا مکروہ ہے۔

بیک وقت تین طلاق دینا حرام ہیں

(۱۸) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ لُبَيْدٍ قَالَ أَخْبَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثَ تَطْلِيقَاتٍ حَتَّىٰ مَاتَ فَقَامَ غَضَبَانِ ثُمَّ قَالَ أَيْلَعَبَ بِكِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ حَتَّىٰ قَامَ وَجَلَّ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَا أَفْتِنُكَ۔ (رواہ النسائی)

”اور حضرت محمد ابن لبیدؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ کو اس شخص کے بارہ میں بتایا گیا جس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دی تھیں تو آپ ﷺ غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کیا اللہ عزوجل کی کتاب کے ساتھ کھلیا جاتا ہے (یعنی حکم خداوندی کے ساتھ استہزاء کیا جاتا ہے اور آکا ایک میں تمہارے درمیان موجود ہوں؟) یہ سن کر مجلس نبوی میں موجود صحابہؓ میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ (کیا میں اس شخص کو قتل نہ کر دوں؟)۔“ (نسائی)

تشریح: ”اللہ عزوجل کی کتاب“ سے قرآن کریم کی یہ آیت الْفَلَاحُ مَوْزَانُ تَاوَلَاتِجُهُمْ وَابْتِ اللَّهُ هُرُؤًا مراد ہے۔

اس آیت میں یہاں یہ حکم بیان کیا گیا ہے کہ ایک ساتھ تین طلاقیں نہ دینی چاہئیں بلکہ متفرق طور پر دینی چاہئیں و لا تَتَحَدَّثُوا الایة کے ذریعہ یہ تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو ہر دو لمحہ کی طرح بے وقت مت سمجھو، چنانچہ آپ ﷺ نے اس آیت کی طرف اشارہ فرمایا کہ متفرق طور پر طلاق دینے کی بجائے ایک ساتھ تین طلاقیں دینا حق تعالیٰ کے حکم و نشاء کی خلاف ورزی ہے اور یہ خلاف ورزی کو یا حق تعالیٰ کے احکام کے ساتھ استہزاء ہے۔ کیونکہ جس شخص نے حق تعالیٰ کے حکم کے خلاف کیا اس نے درحقیقت اپنے عمل سے یہ ثابت کیا کہ اس کی نظر میں حکم خداوندی کی کوئی وقعت نہیں ہے کہ اس پر عمل نہ کرنا اور کرنا دونوں برابر ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک تین طلاقیں ایک ساتھ دینا بدعت و حرام ہے۔ اور اس حدیث سے بھی ثبوت ہوتا ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کسی شخص کے اس فعل پر غضب ناک ہوتے تھے۔ جو گناہ و معصیت کا باعث ہوتا تھا، حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تین طلاقیں ایک ساتھ دینا حرام نہیں ہے بلکہ خلاف اولیٰ ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ تین طلاقیں ایک ساتھ نہ دینے میں فائدہ یہ ہے۔ کہ ایک طلاق کے بعد شاید اللہ تعالیٰ غاوند کے دل کو اس کی بیوی کی طرف مائل کر دے اور اس کے فیصلہ میں کوئی ایسی خوشگوار تبدیلی آجائے کہ وہ رجوع کر لے اور ان دونوں کے درمیان مستقل جدائی کی نوبت نہ آئے۔

علماء کے اس بارہ میں مختلف اقوال ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یوں کہے کہ اَنْتَ طَالِقٌ تَلَاثًا (یعنی تجھ پر تین طلاق ہے) تو آیا اس کی بیوی پر ایک طلاق پڑے گی یا تین طلاق واقع ہوں گی چنانچہ حضرت امام مالکؒ حضرت امام شافعیؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ حضرت امام احمدؒ اور جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ تین طلاقیں پڑیں گی جب کہ طلاقیں اور بعض اہل ظاہر یہ کہتے ہیں کہ ایک طلاق پڑے گی۔ ایک صحابیؒ کا یہ کہنا کہ ”میں اس شخص کو قتل نہ کروں“ اس بناء پر تھا کہ رسول کریم ﷺ نے اس شخص کو کتاب اللہ کے ساتھ استہزاء کرنے والا کہا تھا جو کفر ہے اور اگر کوئی مسلمان کفر کی حد میں داخل ہو جائے تو اس کی سزا قتل ہے حالانکہ ان صحابیؒ نے یہ نہیں جانا کہ رسول کریم ﷺ نے اس شخص کے بارہ میں جو الفاظ ارشاد فرمائے ہیں وہ جزو توبہ پر مبنی ہیں ان کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں۔

(۱۹) وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ أَنَّ زَجَلًا قَالَ لِعَبِيدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ إِنِّي طَلَقْتُ امْرَأَتِي هَانَةَ تَطْلِيقَةً فَمَاذَا تَقُولُ عَلَيَّ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ طَلَقْتَ مِنْكَ بِثَلَاثٍ وَصَبَّحَ وَتَسْتَعِينُ اتَّخَذَتْ بِهَا آيَاتُ اللَّهِ هَذَا۔ (رواہ ابی داؤد)

”اور حضرت مالکؒ راوی ہیں کہ ابن عباسؓ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں اس بارہ میں آپ کیا کہتے ہیں؟ (یعنی کیا میری بیوی پر طلاق پڑ گئی ہے یا نہیں) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ”کہ وہ عورت تین طلاقیں کے ذریعہ تم سے جدا ہو گئی اور جو ستائیسے طلاقیں باقی تھیں ان کے ذریعہ تم نے (گویا) اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا مذاق اڑایا۔“ (سوطا)

تشریح: اوپر کی حدیث میں جس آیت اَنْتَ طَالِقٌ مَرَّتَانِ تَاوَلْتَ تَتَحَدَّثُوا آیات اللہ عزوجل کا ذکر کیا گیا ہے حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ تم نے اس طرح طلاق دے کر گویا حکم خداوندی کی خلاف ورزی کی ہے۔

اللہ کے نزدیک طلاق ایک بری چیز ہے

(۲۰) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ لَمَّا لَمْ يَسْأَلِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا مَعَاذُ مَا خَلَقَ اللَّهُ شَيْئًا عَلَمِي وَجْهَ الْأَرْضِ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنَ الْعَقَاقِي وَلَا خَلَقَ اللَّهُ شَيْئًا عَلَمِي وَجْهَ الْأَرْضِ أَنْفَعُ إِلَيَّ مِنَ الطَّلَاقِ۔ (رواہ ابی داؤد)

”اور حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا ”سناؤ اللہ تعالیٰ روئے زمین پر جتنی (مستحب) چیزیں پیدا کی ہیں ان میں سے اس کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ چیز غلام و لونڈی کو آزاد کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر جتنی (حلال) چیزیں پیدا کی ہیں ان میں سے اس کے نزدیک سب سے زیادہ بری چیز طلاق دینا ہے۔“ (ابی داؤد)

تشریح غلام و لونڈی کو آزاد کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ اس لئے ہے کہ اس کی وجہ سے ایک انسان کو اس کا پیدائشی اور فطری حق ملتا ہے اس کو ایک ایسی مخلوق کی غلامی سے نجات حاصل ہو جاتی ہے جو انسان ہونے کی حیثیت سے اس کی مرتبہ کے برابر ہے اور وہ اپنے پروردگار کی عبادت و اطاعت کے لئے فارغ ہو جاتا ہے نیز اس کا مالک (جس نے اسے آزاد کیا ہے) اپنے اس ایثار و فراخ حوصلگی کی وجہ سے دوزخ کی آگ سے پروانہ نجات حاصل کرتا ہے۔

”برنی طلاق“ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ طلاق بہت بری ہے جو کسی حاجت و ضرورت کے بغیر محض اپنے نفس کو خوش کرنے کے لئے دی گئی ہو چنانچہ علامہ ابن مہام فرماتے ہیں کہ بعض حالات میں طلاق دینا مستحب بھی ہے مثلاً اگر عورت نماز نہ پڑھتی ہو اور بدکار ہو تو اسے طلاق دینا ہی بہتر ہے۔

فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کہ اگر کسی کی بیوی نماز نہ پڑھتی ہو تو وہی لائق ہے کہ اسے طلاق دے دی جائے اگرچہ اس شخص کے پاس اثمال نہ ہو کہ وہ اس کا مہر ادا کر سکے۔

ابو حفص بخاریؒ کا یہ قول مقبول ہے کہ اگر کوئی بندہ اس حال میں خدا سے طلاقات کرے (یعنی اس کا انتقال ہو جائے) کہ اس کی گردن پر اس کی بیوی کا مہر ہو تو وہ میرے نزدیک اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ وہ ایک ایسی بیوی سے صحبت کرے جو نماز نہ پڑھتی ہو۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نکاح کرنا عبادت کے لئے کوثر یعنی اختیار کرنے سے افضل ہے۔

بَابُ الْمُطْلَقَةِ ثَلَاثًا

جس عورت کو تین طلاقیں دی جائیں اس کا بیان

جس عورت کو تین طلاقیں دی جائیں اس کا حکم اس باب میں بیان کیا گیا ہے کہ اس عورت کو اگر اس کا خاوند کہ جس نے اسے تین طلاقیں دی پھر اپنی بیوی بنا کر رکھنا چاہے تو اس صورت میں ممکن ہے جب کہ وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کر کے اس سے بہتر ہو پھر وہ مرد اس کو طلاق دے اور وہ عورت اپنی عدت کے دن پورے کر کے از سر نو پہلے خاوند سے نکاح کرے ان مرحلوں سے گزرنے کے بعد ہی وہ عورت اپنے پہلے خاوند کے لئے حلال ہوگی۔

مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں بَابُ الْمُطْلَقَةِ ثَلَاثًا کے بعد یہ عبارت بھی لکھی ہے کہ وَفِيهِ ذِكْرُ الظَّهَارِ وَالْإِبْلَاءِ یعنی اس باب میں ظہار اور ایلاء کا ذکر بھی کیا گیا ہے، ظہار اور ایلاء کے معنی اور ان کے کچھ مسائل انشاء اللہ آگے ذکر ہوں گے۔

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

حلالہ کا صحیح ہونا دوسرے خاوند کے جماع کرنے پر موقوف ہے

① وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَاءَتُ رِفَاعَةَ الْقُرْظِيِّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ إِنِّي كُنْتُ عِنْدَ رِفَاعَةَ فَمَلَأَنِي فَتَرَوْا جَنَّتْ بَعْدَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الزُّبَيْرِ وَخَامِعَةُ الْأَمْثَلُ هَذِهِ الْقَوْبُ فَقَالَ ابْنُ زُبَيْرٍ إِنِّي نَزَّحْتَنِي إِلَى رِفَاعَةَ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ لَا حَتَّى تَلْزُقِي غَسِيلَهُ وَتَلْزُقِي غَسِيلَتَكَ (بخاری علیہ)

”حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (ایک دن) رفاعہؓ قرظیؓ کی عورت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میں رفاعہؓ کے نکاح میں تھی مگر انہوں نے مجھے طلاق دے دی اور طلاق میں بھی تین یوں چنانچہ میں نے رفاعہؓ بعد عبد الرحمن بن زبیر سے نکاح کر لیا لیکن عبد الرحمن کپڑے کے پھندے کی مانند رکھتے ہیں یعنی اس عورت نے ازراہ شرم و حیاء عبد الرحمن کی نامردی کو کنایہ ان الفاظ کے ذریعہ

بیان کہ وہ عورت کے قابل نہیں ہیں آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کیا تم پھر رقاہ کے پاس جانا چاہتی ہو؟ اس نے عرض کیا کہ ”ہاں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تم اس وقت تک رقاہ سے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتیں جب تک کہ عبدالرحمن تمہارا عروہ نہ پکھ لے اور تم اس کا عروہ نہ پکھ لو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب تک تمہارا عروہ سرا شوہر تمہارے ساتھ جماع نہ کرے (اور پھر اس کی طلاق کے بعد تم عدت کے دن پورے نہ کر لو) تم اپنے سابق خاوند یعنی رقاہ سے نکاح نہیں کر سکتیں۔ چنانچہ یہ حدیث مشہور اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حلالہ یعنی سابق خاوند کے واسطے حلال ہونے کے لئے کسی دوسرے مرد سے محض نکاح کرنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ جماعت بھی ضروری ہے البتہ جماعت میں صرف دخول کافی ہے انزال شرط نہیں۔

الفصل الثانی

محل اور محل لہ، پر آنحضرت ﷺ کی طرف سے لعنت

② وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ مَسْغُودٌ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُخَلَّلَ وَالْمُخَلَّلَ لَهُ زَوْاهُ الذَّامِرُ زَوْاهُ ابْنِ مَاحِظَةَ عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَغَفِيَّةُ بِنْتُ عَامِرٍ۔

”حضرت عبداللہ ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے محل اور محل لہ، پر لعنت فرمائی ہے۔ (دارمی) ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت علیؓ اور حضرت عتبہ ابن عامرؓ سے نقل کیا ہے۔“

تشریح: فرض کیجئے دو شخص ہیں ایک کا نام زید ہے اور دوسرے کا نام بکر ہے، زید نے اپنی بیوی خالدہ کو تین طلاقیں دے دیں ہیں اور اس کی عدت کے دن پورے ہو گئے ہیں اب زید پھر چاہتا ہے کہ وہ خالدہ کو دوبارہ اپنی زوجیت میں لائے۔ لہذا دوسرا شخص یعنی بکر خالدہ سے اس شرط یا ارادہ کے ساتھ نکاح کرتا ہے کہ جماع کے بعد خالدہ کو طلاق دے دی جائے گی تاکہ خالدہ کا پہلا شوہر زید کہ جس نے اس کو تین طلاقیں دی تھیں، اس سے دوبارہ نکاح کر سکے اور خالدہ کا پہلا شوہر محل لہ (یعنی جس کے لئے حلالہ کیا گیا) کہلائے گا۔

حدیث میں انہی دونوں کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ان پر لعنت فرمائی ہے حلالہ کرنے والے پر لعنت فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے زبان سے تحلیل کی شرط کا اظہار و اقرار کرنے کے بعد اور محض جدائی اختیار کرنے کے قصد سے اس عورت سے نکاح کیا جب کہ نکاح اس لئے شروع ہوا ہے کہ اس کے ذریعہ مرد و عورت ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کے رفیق حیات اور دمساز ہیں، لہذا اس صورت میں نہ صرف یہ کہ نکاح کے اصل مقصد و منشا پر زدن پڑتی ہے بلکہ عورت کی حرمت و عزت بھی مجروح ہوتی ہے اسی لئے ایک حدیث میں اس کو مستعار بکری سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اور محل لہ، یعنی پہلے خاوند پر لعنت فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت حال اور اس نکاح کا اصل باعث وہی بنا ہے لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس صورت میں عقد باطل ہوتا ہے بلکہ حدیث کے الفاظ سے ثابت یہ ہوتا ہے کہ عقد صحیح ہو جاتا ہے کیونکہ حدیث میں اس نکاح کرنے والے کو محل کہا گیا ہے اور یہ ایک ظاہر بات ہے کہ کوئی شخص محل اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ عقد صحیح ہو عقد فاسد سے محل نہیں ہوتا لہذا ثابت ہوا کہ اس اور شوگر امی میں ”لعنت“ کا حقیقی مفہوم مراد نہیں ہے بلکہ یہاں مراد محل اور محل لہ کی خناسط طبع کو ظاہر کرنا ہے اور یہ واضح کرنا ہے کہ یہ ایک قبیح فعل ہے جس کو کوئی سیم طبع انسان پسند نہیں کر سکتا ہے۔

حلالہ کے مکروہ تحریمی ہونے کی صورت: ہدایہ اور فقہ کی دیگر کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حلالہ کو زبان سے مشروع کیا گیا ہو یعنی

محل اس عورت سے کہ جس کو اس کا خاوند تین طلاقیں دے چکا ہو یہ کہے کہ میں تم سے اس لئے نکاح کرتا ہوں کہ تمہیں اس خاوند کے لئے کہ جس نے تمہیں طلاق دی ہے، حلال کروں۔ (یعنی میں تم سے صرف اس لئے نکاح کرتا ہوں کہ میں جماع کے بعد تمہیں طلاق دے دوں تاکہ تمہارے پہلے خاوند کے لئے تم سے دوبارہ نکاح کرنا حلال ہو جائے) یا یہ عورت محل سے یوں کہے کہ میں تم سے اس لئے نکاح کرتی ہوں کہ میں اپنے پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جاؤں تو اس صورت میں طلاق مکروہ تحریمی ہو گا۔ ہاں اگر زبان سے یہ نہ کہہ جائے مگر نیت میں یہ بات ہو تو پھر محل سے ناقابل مواخا ہو گا اور نہ لعنت کا مورد ہو گا کیونکہ اس صورت میں یکنی کہا جائے گا کہ اس کا مقصد دراصل اصلاح احوال ہے۔

ابن ہمامؒ نے کہا ہے کہ اس عورت نے کہ جس کو تین طلاقیں دی جا چکی ہیں غیر کفو سے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا اور پھر اس نے اس کے ساتھ جماع بھی کر لیا۔ تو اس صورت میں وہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوگی، چنانچہ فتویٰ اسی قول پر ہے۔

ایلاء کا مسئلہ

(۳) وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ أَدْرَكْتُ بَضْعَةَ عَشْرٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ يَقُولُ يُؤَقَّفُ الْمُؤَلَّى - (رواہ فی شرح السنہ)

”اور حضرت سلیمان ابن یسارؒ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کے دس بلکہ اس سے بھی زیادہ صحابیوں کو پایا ہے وہ سب یہ فرمایا کرتے تھے کہ ایلاء کرنے والے کو ٹھہرایا جائے۔“ (شرح السنہ)

تشریح: ”ایلاء“ اس کو کہتے ہیں کہ کوئی مرد یہ قسم کھائے کہ میں چار مہینہ یا اس سے زائد (مثلاً پانچ مہینہ یا سب مہینہ) تک اپنی بیوی سے جماع نہیں کروں گا لہذا اگر اس مرد نے اپنی بیوی سے جماع نہیں کیا یہاں تک کہ چار مہینے گزر گئے تو اس صورت میں اکثر صحابہؓ کے قول کے مطابق اس مرد کی بیوی پر محض چار مہینے گزر جانے سے طلاق نہیں پڑے گی بلکہ ایلاء کرنے والے کو ”ٹھہرایا“ جائے گا یعنی حاکم وقاضی اس کو مجبور کرے گا اور اس سے یہ کہے گا۔ کہ یا تو اپنی عورت سے رجوع کرو۔ یعنی اس سے جماع کر لو اور اپنی قسم پوری نہ کرنے کا کفارہ دیا اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔ چنانچہ حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہی ہے نیز حضرت امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر مرد مرد، حاکم وقاضی کی اس بات پر عمل نہ کرے یعنی نہ تو عورت سے رجوع کرے اور نہ طلاق دے تو حاکم کو اختیار ہے کہ وہ اس کی بیوی کو طلاق دے دے۔

اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے اس صورت میں اگر اس مرد نے چار مہینے کے اندر اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو اس کا ایلاء ساقط ہو جائے گا۔ مگر اس پر قسم پوری نہ کرنے کا کفارہ لازم آئے گا اور اگر اس نے جماع نہ کیا یہاں تک کہ چار مہینے گزر گئے تو اس کی بیوی پر ایک طلاق بائن پڑ جائے گی۔ ایلاء کے دیگر مسائل اور اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ظہار کا حکم

(۴) وَعَنْ أَبِي سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ سُلَيْمَةَ ابْنِ صَخْرٍ وَنُقِلَ لَهُ سَلَمَةُ ابْنُ صَخْرٍ الْبَنِيَّانِيُّ جَعَلَ امْرَأَتَهُ عَلَيْهِ كَظْهَرِ أَبِيهِ حَتَّى يَمْنَعِي زَمْعَانُ فَنَمَّا مَضَى نِصْفُ جَنْ زَمْعَانُ وَفَعَّ عَلَيْهِمَا لَيْلًا فَاتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْيَيْ رَقَبَةً قَالَ لَا أَجِدُهَا قَالَ فَصَمَّ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا اسْتَطِيعُ قَالَ أَطْعَمُ مِائَتَيْنِ مِنْكِينَا قَالَ لَا أَجِدُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَفَرْوَةَ بَيْنَ عَمْرٍو اعْطَهُ ذَلِكَ الْغَرْقُ وَهُوَ مَكْنَلٌ يَأْخُذُ خُمْسَةَ عَشْرٍ صَاعًا أَوْ سِتَّةَ عَشْرٍ صَاعًا لِيَطْعَمَ مِائَتَيْنِ مِنْكِينَا وَزَوْا الْبَرَّ مِائَتَيْنِ وَزَوْى الْمَوْدُودُ وَانْ مَاجَةَ وَالْدَّارِمِيُّ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ سَلَمَةَ ابْنِ صَخْرٍ نَحْوَهُ قَالَ كُنْتُ امْرَأَتَهُ أُصِيبَتْ مِنَ الْبَسَاءِ مَا لَا يَصِيبُ غَيْرِي وَهِيَ

رَوَيْتُهُمَا اُخْبِي اِمَّا ذَاوُدُ وَالْمَلَاوِيَّ فَاَطْعَمَهُمَا وَتَقَوَّيْنِ بَيْنَتَيْنِ يَسْتَكْبِحَانِ۔

”اور حضرت ابو سلمہؓ کہتے ہیں کہ (ایک صحابی) سلمانؓ ابن صحتر نے جن کو سلمہ ابن صحتر یا کسی کہا جاتا تھا اپنی بیوی کو اپنے لئے اپنی ماں کی پشت کی مانند قرار دیا تاوقتیکہ رمضان ختم ہو (یعنی انہوں نے بیوی سے یوں کہا کہ ختم رمضان تک کے لئے تو مجھ پر میری ماں کی پشت کے مثل ہے گویا اس طرح انہوں نے اپنی بیوی کو رمضان کے ختم تک کے لئے اپنے اوپر حرام قرار دیا) مگر ابھی آدھا ہی رمضان گزرا تھا کہ انہوں ایک رات اپنی بیوی سے صحبت کر لی پھر جب صبح ہوئی تو وہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ اجراء بیان کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”ایک غلام آزاد کرو“ انہوں نے عرض کیا کہ میں اس کی استطاعت نہیں رکھتا۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا ”دو مہینے یعنی پچھلے روز سے رکھو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ”مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے“ (کیونکہ حکم خداوندی تو یہ ہے کہ دو مہینے مسلسل اس طرح روز سے رکھے جائیں کہ ان مہینوں میں جماع نہ کیا جائے اور میں اپنے جسمی بچان کی وجہ سے اسے دنوں تک جماع سے باز نہیں رہ سکتا) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”ساتھ مسکینوں کو کھانا کھاؤ“ انہوں نے عرض کیا کہ میں اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے (ایک اور صحابی) حضرت غزوہ ابن عمروؓ سے فرمایا کہ ”ان کو کھجوروں کا فرق دے دو“ فرق کھجور کے درخت کے پتوں سے بنے ہوئے تھیلے تھاپے) کو کہتے ہیں جس میں پندرہ صاع یا سولہ صاع (یعنی تقریباً سارے بان سیر یا بچھن سیر کھجوریں ساتی ہیں۔) (ترمذی) اور ابوداؤدؓ ابن ماجہؓ اور دارقطنیؓ نے اس روایت کو سلیمان ابن یسارؓ سے اور انہوں نے حضرت سلمہ ابن صحترؓ سے اسی طرح نقل کیا ہے جس میں حضرت سلمہؓ کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ میں اپنی عورتوں سے اس قدر قربت کیا کرتا تھا کہ کوئی شخص میری برابر قربت نہیں کرتا تھا (چنانچہ جسمی بچان کے اتنے زیادہ غلبہ علی کی وجہ سے میں اپنی بیوی سے صحبت کرنے سے نہ رک سکا۔ اور ان دونوں یعنی ابوداؤدؓ اور دارقطنیؓ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے (ساتھ مسکینوں کو کھانا کھاؤ، فرمانے کی جگہ۔ یہ فرمایا کہ ساتھ مسکینوں کو ایک وسیع کھجوریں کھاؤ۔“

تشریح: اس حدیث میں ظہار کا حکم بیان کیا گیا ہے ”ظہار“ اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو یا اس جسم کے کسی ایسے عضو کو کہ اس کو بول کر پورا بدن مراد لیا جاتا ہو اور یا اس کے جسم کے کسی ایسے حصہ کو جو شائع (غیر متعین) ہو حرمتِ ابدیہ (یعنی ماں باپ اور پوتہ بھی وغیرہ) کے جسم کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دے جس کی طرف نظر کرنا حلال نہ ہو، جیسے وہ اپنی بیوی سے یوں کہے کہ تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح حرام ہو، یا تمہارا سرا تمہارے بدن کا نصف حصہ میری ماں کی پیٹھ یا پیٹ کے مانند ہے یا میری ماں کی ران کے، عندہ ہے یا میری ماں یا میری پوتہ بھی کی پیٹھ کے مانند ہے اس طرح کہنے سے اس بیوی سے جماع کرنا یا ایسا کوئی بھی فعل کرنا جو جماع کا سبب بنتا ہے جیسے مساس کرنا یا بوسہ لینا اس وقت تک کے لئے حرام ہو جاتا ہے جب تک کہ کفارہ ظہار ادا نہ کر دیا جائے اور اگر کسی شخص نے کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر لیا تو اس پر پہلے کفارہ کے علاوہ کچھ اور واجب نہیں ہو گا ہاں اسے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے اور پھر جب تک کفارہ ادا نہ کرے دوبارہ جماع نہ کرے۔

یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ ظہار صرف بیوی سے ہوتا ہے اور بیوی خواہ آزاد عورت ہو اور خواہ کسی کی لونڈی ہو اسی طرح خواہ وہ مسلمان ہو یا کتا یہ یعنی عیسائی و یہودی ہو، ظہار کے باقی مسائل فقہ کی کتابوں میں دیکھنے چاہئیں۔

علامہ طہطیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ ختنہ یعنی ختنہ مضان (جب تک کہ رمضان ختم ہو) کہ ظہار موقت صحیح ہو جاتا ہے اور قاضی خانؒ نے کہا ہے کہ جب کوئی شخص موقت (یعنی کسی متعین مدت و عرصہ کے لئے) ظہار کرتا ہے تو وہ اسی وقت ظہار کر لے والا ہو جاتا ہے اور جب وہ متعین عرصہ گزر جاتا ہے تو ظہار باطل ہو جاتا ہے۔

حقیق غلام حضرت ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ظہار کرے اور مثلاً جمعہ کے دن استثناء کر دے تو صحیح نہیں ہوتا اور اگر ایک دن یا ایک مہینہ کے لئے ظہار کرے (یعنی کسی مدت متعین کے لئے ظہار کرے) تو اس مدت کی قید لگانی صحیح ہے اور پھر اس مدت کے گزر

جانے کے بعد ظہار باقی نہیں رہتا۔

اعظم سنہینہ منسکینا یعنی ساتھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ سے دونوں باتیں مراد تھیں کہ یا تو تم ساتھ مسکینوں کو دونوں وقت پیرت بھر کر کھانا کھلا دو یا ان میں سے ہر ایک کو صدقہ فطری مقدار کے برابر کچانا یا اس کی قیمت دے دو۔ اور جس طرح کفارہ ادا کرنے کے لئے غلام آزاد کرنے کی صورت میں جماع سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ضروری ہے یا کفارہ ادا کرنے کے لئے دو مہینے کے روزے رکھنے کی صورت میں جماع سے پہلے دو مہینے روزے رکھنا ضروری ہے اس طرح ساتھ مسکینوں کو کھانا کھانا بھی جماع کرنے سے پہلے ضروری ہے۔

حدیث کے اس جملہ ”تاکہ یہ ساتھ مسکینوں کو کھلا دیں“ کے بارے میں بظاہر ایک اشکال پیدا ہو سکتا ہے وہ یہ کہ آپ ﷺ نے ساتھ مسکینوں کو کھلانے کے لئے حضرت سلمہ ابن اکبرؓ کو جو مجوس دلائم ان کی مقدار خود روایت کی وضاحت کے مطابق پندرہ سو ملہ صاع تھی اس سے معلوم ہوا کہ ہر مسکین کو ایک ایک صاع دینا واجب نہیں ہے جب کہ فقہ کی کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ اگر مجبوروں کی جائیں تو صدقہ فطری مقدار کے برابر یعنی ایک ایک صاع دی جائیں۔

گویا حدیث کے اس جملہ اور فقہی حکم میں تضاد واقع ہو گیا لیکن اگر اس جملہ کا یہ ترجمہ کیا جائے کہ ”تاکہ یہ ان مجبوروں کو ساتھ مسکینوں کو کھلانے میں صرف کریں“ تو پھر کوئی تضاد باقی نہیں رہے گا کیونکہ اس طرح اس ارشاد کا مطلب یہ ہو گا کہ ان مجبوروں میں اپنے پاس سے بھی مجبوروں مل کر ساتھ مسکینوں میں تقسیم کر دو۔

اس کے علاوہ ابو داؤد اور ابی دو دوسری روایت کے یہ الفاظ کہ ”ساتھ مسکینوں کو ایک و سق مجبورین کھلاؤ“ بھی اس بات کی دلیل ہیں کہ اس جملہ سے یہ مراد نہیں ہے کہ صرف سق مجبورین ساتھ مسکینوں کو کھلاؤ بلکہ مراد یہ ہے کہ ان مجبوروں میں اپنے پاس سے مجبورین مل کر ایک و سق کی مقدار پوری کر لو اور پھر ہر ایک مسکین کو ایک ایک صاع کھجور سے دو و سق دے کہ ایک و سق ساتھ صاع کے برابر ہوتا ہے۔

اگر اظہار کرنے والا کفارہ دینے سے پہلے جماع کر لے تب بھی ایک ہی کفارہ واجب ہو گا

(۵) وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ نَسَائٍ عَنْ سَلْمَةَ ابْنِ أَبِي حَتْمٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الظَّاهِرِ يُوَاقِفُ فَيَلْزِمُ أَنْ يَكْفُرَ قَالَ كَفَّارَةٌ وَاحِدَةٌ (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

”اور حضرت سلیمان ابن نسائیؒ نے اس جملہ سے پہلے جماع کر لے کر فرمایا کہ اس پر ایک ہی کفارہ واجب ہو گا۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: اگر علماء کا یہی مسلک ہے کہ اگر کوئی شخص ظہار کرے اور پھر کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر لے تو اس پر بھی ایک ہی کفارہ واجب ہو گا لیکن بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر لینے کی صورت میں دو کفارے واجب ہو جاتے ہیں۔

اگر کوئی شخص اپنی ایک سے زائد بیویا تین اور چار بیویوں سے ظہار کرے یعنی ان سب سے یوں کہے کہ تم سب مجھ پر میری ماں کی بیٹھ کی مانند حرام ہو تو اس صورت میں متفقہ طور پر تمام علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ شخص ان سب سے ظہار کرنے والا ہو جاتا ہے البتہ اس بارہ میں اختلافی اقوال ہیں کہ اس پر کفارہ ایک واجب ہو گا یا کئی واجب ہوں گے۔

چنانچہ حضرت امام اعظمؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تو اس پر کئی کفارے واجب ہوں گے یعنی وہ ان بیویوں میں سے جس کسی کے ساتھ بھی جماع کا ارادہ کرے گا پہلے کفارہ ادا کرنا واجب ہو گا، حسن، زہریؒ اور ثوریؒ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے جب کہ حضرت امام، مک، اور حضرت امام احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس پر ایک ہی کفارہ واجب ہو گا یعنی وہ پہلے ایک کفارہ ادا کر دے اس کے بعد ہر

بیوی کے ساتھ جماع کرنا جائز ہوگا۔

الْفَضْلُ الثَّالِثُ

① وَعَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَجُلًا ظَاهِرًا مِنْ أَمْرِ ابْنَةِ فَعْبِشَةَ قَبْلَ أَنْ يُكَفِّرَ فَتَى السَّيِّ ضَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ مَا حَمَلَكَ عَلَى ذَلِكَ قَالَ يَارَسُولَ اللَّهِ رَأَيْتُ بَيَاضَ خِيَلِهَا فِي الْقَمَرِ فَلَمْ أَفْهَمْ نَفْسِي أَنْ وَقَعْتُ عَلَيْهَا فَضَحِكْتُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَامْرَأَةُ أَنْ لَا يَقْرَبَهَا حَتَّى يُكَفِّرَ زَوَافُ ابْنِ مَاجَةَ وَزَوْيَ الْيَزْمِذِيِّ لِنَحْوِهِ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ وَزَوْيَ ابْنِ دَاوُدَ وَالتَّنَائِي لِنَحْوِهِ مُسْنَدًا وَمُرْسَلًا وَقَالَ التَّنَائِي الْمُرْسَلُ أَوَّلَى بِالصَّوَابِ مِنَ الْمُسْنَدِ۔

”حضرت عکرمہ“، حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا اور پھر کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر لیا، اس کے بعد وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے یہ واقعہ ذکر کیا آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ ”اُس چیز نے تمہیں ایسا کرنے پر آمادہ کیا (یعنی کیا وجہ پیش آئی کہ تم کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر بیٹھے) اس نے عرض کیا یہ ”چاندنی میں اس کی پازیب کی سفیدی پر میری نظر پڑ گئی اور میں جماع کرنے سے پہلے اپنے آپ کو روک نہ سکا“ (یہ سن کر آنحضرت ﷺ ہنس دیے۔ اور اس کو یہ حکم دیا کہ اب دوبارہ اس سے اس وقت تک جماع نہ کرنا جب تک کفارہ ادا نہ کرو۔) (ابن ماجہ) (ترمذی نے بھی اسی طرح کی (یعنی اس کے ہم معنی) روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن، صحیح، غریب ہے، نیز ابوداؤد اور نسائی نے اس طرح کی روایت مسند اور مرسل نقل کی ہے اور نسائی نے کہا ہے کہ مسند کی بہ نسبت مرسل زیادہ صحیح ہے۔“

بَابُ

گزشتہ باب کے متعلقات کا بیان

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

کفارہ ظہار میں جو پردہ آزار کیا جائے، اس کا مؤمن ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

① عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَارَسُولَ اللَّهِ إِنِّي جَارِيَةٌ كَانَتْ تَزْعُمُ عَنِّي لِي فَجَسَّيْتُهَا وَقَدْ قَدِّتُ شَاةً مِنَ الْعَتَمِ فَسَأَلْتُهَا عَنْهَا فَقَالَتْ أَكَلْتُهَا الذَّنْبَ فَأَسْفَتْ عَلَيْهَا وَكُنْتُ مِنْ بَنِي أَدَمَ فَلَنْظَمْتُ وَجْهَهَا وَعَلَى رَقَبَةٍ أَغْشَيْتُهَا فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْنَ اللَّهُ؟ فَقَالَتْ فِي السَّمَاءِ فَقَالَ مَنْ أَمَا؟ فَقَالَتْ أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَغْشَيْتُهَا زَوَافُ ابْنِ مَاجَةَ وَفِي رِوَايَةِ مُسْلِمٍ قَالَ كَانَتْ لِي جَارِيَةٌ تَزْعُمُ عَنِّي لِي قَتَلَ أَخْبَدَ وَالْجَوَارِيَّةُ فَأَطْلَعْتُ ذَاتَ يَوْمٍ فَإِذَا الذَّنْبُ قَدْ ذَهَبَ بِشَاةٍ مِنْ عَتَمٍ وَأَنَا رَجُلٌ مِنْ بَنِي أَدَمَ أَسْفَ كَمَا يَأْسَفُونَ لَكِنْ صَبَّحْتُهَا صَكَّةً فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَطَمْتُ ذَلِكَ عَلَيَّ فَقُلْتُ يَارَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا أَغْشَيْتُهَا قَالَ أَيْنِي بَهَا فَأَتَيْتُهُ بِهَا فَقَالَ لَهَا أَيْنَ اللَّهُ قَالَتُ فِي السَّمَاءِ قَالَ مَنْ أَنَا قَالَتُ أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ قَالَ أَغْشَيْتُهَا فَبَاتَهَا مُؤَمَّةً۔

”حضرت معاویہ ابن حکمؓ کہتے ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ میری ایک لونڈی یہ جو

میرا یوز چراتی ہے میں جب اس کے پاس گیا اور یوز میں اپنی ایک بکری کمپائی، تو میں نے اس سے بکری کے بارہ میں پوچھا کہ وہ کیہ ہوئی؟ اس نے کہا کہ بھینڑا لے گیا مجھ کو اس پر غصہ آگیا اور چونکہ میں بنی آدم میں سے ہوں (یعنی ایک انسان ہوں اور انسان بقاضائے بشریت مغلوب انقبض ہو جاتا ہے) اس لئے میں نے اس کو لوندی کے منہ پر ایک تھپڑ مار دیا اور اس وقت (کفارہ ظہار، یا کفارہ قسم کے طور پر) اور یا کسی اور سبب سے) مجھ پر ایک بردہ (یعنی ایک لوندی یا ایک غلام آزاد کرنا واجب ہے تو کیا میں ہی لوندی کو آزاد کر دوں (تاکہ میرے ذمہ سے وہ کفارہ بھی ادا ہو جائے اور اس کو تھپڑ مار دینے کی وجہ سے میں جس نہ است و شرمندگی میں مبتلا ہوں اس سے بھی نجات پا جاؤں) آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) اس لوندی کو طلب فرمایا (اور اس سے) پوچھا کہ ”بھلا اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟“ اس نے کہا آسمان میں، پھر آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ اس نے کہا کہ آپ (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”اس کو آزاد کر دو“ (مالک) ”مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ ”حضرت معاویہؓ نے کہا کہ میری ایک لوندی تھی جو اپنے تار اور جوانیہ کے اطراف میں میرا یوز چراتی تھی (جوانیہ امیر ہمدانی کے قریب ہی ایک جگہ کا نام ہے) ایک دن جو میں نے اپنا یوز دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ ہمیں میری ایک بکری کو یوز میں سے اٹھا کر لے گیا ہے میں بنی آدم کا ایک مرد ہوں اور جس طرح (کسی نقصان و اختلاف کی وجہ سے) اولاد آدم کو غصہ آجاتا ہے اسی طرح مجھے بھی غصہ آگیا (چنانچہ) اس غصہ کی وجہ سے میں نے چاہا کہ اس لوندی کو خوب ماروں) لیکن میں اس کو ایک ہی تھپڑ مار کر رہ گیا پھر میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا (اور آپ ﷺ کے سامنے یہ سارا ماجرا بیان کیا) آنحضرت ﷺ نے اس واقعہ کو میرے حق میں ایک امر اہم جاننا اور فرمایا کہ ”تم نے یہ بڑا گناہ کیا ہے“ میں نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! تو کیا میں اس لوندی کو آزاد کر دوں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا اس کو میرے پاس بلاؤ۔ میں اس لوندی کو آنحضرت ﷺ کے پاس بلا لایا، آنحضرت ﷺ نے اس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے اس نے جواب دیا کہ ”آسمان میں“ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ ”میں کون ہوں؟“ اس نے کہا کہ ”آپ (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”اس لوندی کو آزاد کر دو کیونکہ یہ مسلمان ہے!“

تشریح: اس باب میں اس حدیث کو نقل کرنے سے مصنف کتاب کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ ظہار میں بطور کفارہ جو بردہ (یعنی غلام یا لوندی) آزاد کیا جائے اس کا مسلمان ہونا ضروری ہے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہی ہے لیکن حنفی مسلک میں چونکہ یہ ضروری نہیں ہے اس لئے خفیہ اس حدیث کو انفعلیت پر محمول کرتے ہیں یعنی ان کے نزدیک اس حدیث کی مراد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ کفارہ ظہار میں آزاد کیا جانے والا بردہ اگر مسلمان ہو تو افضل اور بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ ان الفاظ کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کا مقصد اللہ تعالیٰ کے مکان کے بارہ میں سوال نہیں تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ تو مکان و زمان کی قید سے پاک ہے بلکہ اس موقع پر آنحضرت ﷺ کا مقصد یہ سوال کرنا تھا کہ بتاؤ اللہ تعالیٰ کا حکم کہاں جاری و ساری ہے اور اس کی بادشاہت و قدرت کس جگہ ظاہر و باہر ہے اور اس سوال کی ضرورت یہ تھی کہ اس وقت عرب کے کفار بتوں ہی کو معبود جانتے تھے اور جاہل لوگ ان بتوں کے علاوہ اور کسی کو معبود نہیں جانتے تھے لہذا آپ ﷺ نے یہ جاننا چاہا کہ آیا یہ لوندی موحده یا مشرک ہے گویا آپ ﷺ کی مراد دراصل ان بے شمار معبودوں کی نفی کرنی تھی جو زمین پر موجود تھے نہ کہ آسمان کو اللہ تعالیٰ کا مکان ثابت کرنا تھا چنانچہ جب اس لوندی نے مذکورہ جواب دیا تو آنحضرت ﷺ کو معلوم ہو گیا کہ یہ موحده ہے مشرک نہیں ہے۔

مالک کی روایت میں تو حضرت معاویہؓ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک بردہ آزاد کرنا مجھ پر کسی اور سبب سے واجب ہے تو کیا میں اس لوندی کو آزاد کر دوں؟ تاکہ وہ کفارہ بھی ادا ہو جائے جو واجب ہے اور اس کو مارنے کی وجہ سے مجھے جو شیعائی اور شرمندگی ہے وہ بھی جاتی رہے لیکن مسلم نے جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اس لوندی کو محض اس وجہ سے آزاد کرنا چاہا کہ انہوں نے اس کو غصہ میں مار دیا تھا۔

گویا دونوں روایتوں کے مفہوم میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو ان دونوں میں قطعاً کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ

مالکؒ کی روایت میں تو اس مفہوم کو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ یوں تو کسی اور سبب سے مجھ پر بردہ آزاد کرنا واجب ہے لیکن مارنے کی وجہ سے بھی اس کو آزاد کرنا میرے لئے ضروری ہو گیا ہے تو اگر میں اس کو آزاد کر دوں تو ان دونوں سبب کا تقاضا پورا ہو جائے گا، اس کے برخلاف مسلمؒ کی روایت اس بارہ میں مطبق ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں باتوں پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ لہذا ایسی کہا جائے گا کہ مسلمؒ کی روایت کا مطلق مفہوم مالکؒ کی روایت کے متعین مفہوم پر محمول ہے یعنی مسلمؒ کی روایت کے الفاظ کا مطلب بھی وہی ہے جو مالکؒ کی روایت کے الفاظ کا ہے کہ اگر میں اس کو لونڈی کو آزاد کر دوں تو کیا دونوں سبب پورے ہو جائیں گے یا نہیں؟

کفارہ ظہار کے کچھ مسائل: حنفی مسلک کے مطابق ظہار کے کفارہ میں سب سے پہلا درجہ بردہ (لونڈی یا غلام) کو آزاد کرنے کا ہے بردہ خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلمان، مرد یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا اور خواہ کانا ہو یا نہ ہو لیکن اسی قدر ہر راہ ہو کہ اگر اس کو یا از بلند خطاب کیا جائے تو سن لے اور اگر کوئی ایسا بردہ ہو کہ اس کا ایک ہاتھ اور ایک پیڑ کٹا ہوا ہو تو اس کو آزاد کرنا بھی درست ہو گا بشرطیکہ یہ دونوں عضو مختلف جانب کے کٹے ہوئے ہوں مثلاً اگر دایاں ہاتھ کٹا ہوا ہو تو پیریاں کٹا ہوا ہو اسی طرح اس مکاتب کو آزاد کرنا بھی درست ہے جس نے اپنا بدل کتابت کچھ بھی ادا نہ کیا ہو۔

جو بردہ گونگا ہو یا ایسا ہر راہ کہ سر سے کچھ نہ ہی نہ سکتا ہو (خواہ اسے کتنی ہی بلند آواز میں خطاب کیا جائے) تو اس کو آزاد کرنے سے کفارہ ظہار ادا نہیں ہو گا، اسی طرح جس بردہ کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہوں یا دونوں پیڑ یا دونوں پیروں کے دونوں انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں یا ایک ہاتھ اور ایک پیڑ دونوں ایک ہی طرف کے کٹے ہوئے ہوں مثلاً دایاں ہاتھ بھی کٹا ہوا ہو اور دایاں پیڑ بھی کٹا ہوا ہو تو ایسے بردہ کو آزاد کرنا بھی کافی نہیں ہو گا۔ ایسا بردہ جو جھون ہو (یعنی جس پر بیٹہ دیوا لگی طاری رہتی ہو) یا جو دریا آتم ولد ہو یا ایب مکاتب ہو جس نے بدل کتابت میں سے کچھ ادا کر دیا ہو تو ان میں سے بھی کسی کو آزاد کرنے سے کفارہ ظہار ادا نہیں ہو گا۔

دوسرا درجہ پے در پے روزے رکھنے کا ہے یعنی اگر ظہار کرنے والے کو بردہ نہ ملے تو پھر پھر دو مہینے مسلسل روزے رکھے اس طور پر کہ ان دونوں مہینوں میں نہ تو رمضان کا مہینہ آئے اور نہ وہ دن آئیں جن میں روزہ رکھنا ممنوع ہے جیسے عید اور بقر عید کا دن اور ایام تشریق اور جب تک روزے ختم نہ ہو جائیں (یعنی دو مہینے کے مسلسل روزے پورے نہ ہو جائیں) تب تک عورت سے محبت نہ کرے اگر روزے ختم ہونے سے پہلے اس عورت سے (کہ جس سے ظہار کیا ہے) محبت کر لی تو اب سب روزے پھر سے رکھے چاہے دن میں اس عورت سے محبت کی ہو یا رات میں اور چاہے قصداً ایسا کیا ہو یا بھولے سے سب کا ایک ہی حکم ہے اسی طرح اگر کسی عذر کی وجہ سے یا بلا عذر روزہ افطار کر لیا تو بھی اس روزے کو سب روزے رکھے۔

تیسرا درجہ ساتھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا ہے یعنی اگر کوئی شخص مذکورہ بالا شرائط و قیود کے ساتھ روزے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر وہ ساتھ مسکینوں اور فقیروں کو دو وقت کھانا کھلانے یا ان کو کچا اناج دیے کے کچا اناج دینے کی صورت یہ ہے کہ ہر مسکین و فقیر کو نصف صاع (پونے دو سیر یعنی ایک کلو ۶۲۳ گرام) مسکینوں یا ایک صاع ساڑھے تین سیر یعنی تین کلو ۲۶۶۹ گرام جو کچھ جوڑیں یا ان میں سے کسی ایک مقدار کی قیمت دے دے اسی طرح اگر ان میں سے کوئی چیز دینے کی بجائے دو چیزیں دی جائیں تو بھی جائز ہے مثلاً چودہ چھانک یعنی ۸۱ گرام مہینوں کے ساتھ پونے دو سیر یعنی ایک کلو ۶۲۳ گرام جو دیا جاسکتا ہے۔

کفارہ میں اباحت جائز ہے: ”اباحت“ کا مطلب یہ ہے کہ کھانا پکا کر فقیر کے سامنے رکھ دیا جائے تاکہ وہ اس میں سے جس قدر کھانا چاہے کھالے، چنانچہ یہ اباحت کفارات اور (رمضان کے روزے کے بدلہ میں دیئے جانے والے) فدیہ میں تو جائز ہے لیکن صدقات واجبہ مثلاً زکوٰۃ وغیرہ میں جائز نہیں ہے کیونکہ صدقات واجبہ یعنی زکوٰۃ وغیرہ میں فقیر کو مال کا مالک بنانا ضروری ہے اس وضاحت کے بعد اب سمجھئے کہ ظہار کے کفارہ میں ساتھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے خواہ ایک ہی دن میں دو وقت یعنی دوپہر اور رات میں کھلادیا جائے۔ اسی طرح ”کھلانے“ میں پیٹ بھرنے کا اعتبار ہے خواہ کتنے ہی تھوڑے کھانے میں ان کا پیٹ بھر جائے جہاں تک کھانے

کی نوعیت کا سواں ہے تو اس کا انحصار کھلانے والے کی حیثیت و استطاعت پر ہے کہ وہ جیسا کھانا کھا سکا ہو کھائے اگر کھانے میں جو کی روٹی ہو تو اس کے ساتھ سائیں ہو تا ضروری ہے البتہ گھبوں کی روٹی کے ساتھ سائیں ضروری نہیں ہیں اگر دو وقت ساتھ فقیروں کو کھلانے کی بجائے ایک ہی فقیر کو ساتھ دن تک دونوں وقت کھلانے تو بھی جائز ہے لیکن ایک ہی فقیر کو ایک ہی دن ساتھ فقیروں کا کھانا دے دیا تو یہ جائز نہیں ہو گا اس صورت میں صرف ایک ہی دن کا ادا ہو گا۔

ظہار کرنے والے نے اگر کھانا کھلانے کے درمیان جماع کر لیا تو اس صورت میں اگرچہ وہ گنہ گار ہو گا مگر از سر نو کھانا کھانا نہ دے گا۔ اگر کسی شخص پر دو ظہار کے دو کفارے واجب ہوں اور وہ ساتھ فقیروں کو مثلاً گھبوں نصف صاع فی کفارہ کا اعتبار کر کے ایک ایک صاع دے تو دونوں ظہار کا کفارہ ادا نہیں ہو گا بلکہ ایک ہی ظہار کا کفارہ ادا ہو گا۔ ہاں اگر کسی شخص پر ایک ایک کفارہ تو ظہار کا اور ایک کفارہ روزہ توڑنے کا واجب ہو اور وہ ہر فقیر کو ایک ایک صاع گھبوں دے تو یہ جائز ہو گا اور دونوں کفارے ادا ہو جائیں گے۔

بَابُ اللَّعَانِ

لعان کا بیان

لعن کے معنی و تعریف: لعان اور مَلَا عَنَّة کے معنی ہیں ”ایک دوسرے پر لعنت کرنا“ شرعی اصطلاح میں ”لعن“ اس کو کہتے ہیں کہ جب شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگانے یا جو بچہ پیدا ہو اس کے بارہ میں یہ کہے کہ یہ میرا نہیں نہ معلوم کس کا ہے اور بیوی اس سے انکار کرے اور کہے کہ تم مجھ پر تہمت لگا رہے ہو پھر وہ قاضی اور شرعی حاکم کے پاس فراد کرے، قاضی شوہر کو بلا کر اس الزام کو ثابت کرنے کے لئے کہے چنانچہ اگر شوہر گواہوں کے ذریعہ ثابت کر دے تو قاضی اس کی بیوی پر زنا کی حد جاری کرے اور اگر شوہر چار گواہوں کے زریعہ الزام ثابت نہ کر سکے تو پھر قاضی پہلے شوہر کو اس طرح کھلانے کہ ”میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے جو زنا کی نسبت اس کی طرف کی ہے اس میں سچا ہوں“ عورت کی طرف اشارہ کر کے چار دفعہ شوہر اسی طرح کہے پھر پانچویں دفعہ عورت کی طرف اشارہ کر کے یہ کہے کہ میں نے اس عورت کی طرف زنا کی نسبت کی ہے اگر میں اس میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو۔

جب شوہر پانچویں دفعہ کہے چکے تو بیوی مرد کی طرف اشارہ کر کے چار دفعہ اس طرح کہے ”میں خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ اس نے میری طرف جو زنا کی نسبت کی ہے اس میں یہ جھوٹا ہے“ پھر پانچویں دفعہ مرد کی طرف اشارہ کر کے یوں کہے کہ ”اس مرد نے میری طرف جو زنا کی نسبت کی ہے اگر اس میں یہ سچا ہے تو مجھ پر خدا کا غضب ٹوٹے۔“

جب دونوں اس طرح ملاعنات کریں تو حاکم دونوں میں جدائی کر دے گا اور ایک طلاق بائن پڑ جائے گی اور وہ عورت اس مرد کے لئے ہمیشہ کو حرام ہو جائے گی ہاں اگر اس کے بعد مرد خود اپنے کو جھٹلائے (یعنی یہ اقرار کرے کہ میں نے عورت پر جھوٹی تہمت لگائی تھی) تو اس صورت میں اس پر حد تہمت جاری کی جائے گی۔ اور عورت سے پھر نکاح کرنا اس کے لئے درست ہو جائے گا۔ لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر مرد خود اپنے کو جھٹلائے تب بھی عورت اس کے لئے ہمیشہ کو حرام رہے گی۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

دو بار رسالت میں لعان کا ایک واقعہ

(۱) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ الشَّاعِدِيِّ قَالَ إِنَّ عُوَيْمَرَ الْعَجَلَانِيَّ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَزَانِيْتُ وَجَلَّاهُ وَخَذَمْتُ أَمْرًا بَهْرَةً رَحُلًا ابْتِغَاءً لِفَيْضَلٍ أَمْ تَخِيفُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَنْزَلَ فَيْضَلُكَ وَصَاحِبَتُكَ فَادْهَبْ فَأَتَتْ بِهَا

قال سعدٌ فملا عناهي المسجِدَ وَأَتَانَا مَعَ النَّاسِ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا فَرَغَ عَاقِلٌ غَوِيضًا كَدَنَتْ عَلَيْهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهُ انْصَحَتْهَا فطَلَقَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْظِرُوا هَٰذَا نَحْنُ نَسْتَحْمُ - اذْهَبِ الْعَيْنَتَيْنِ عَظِيمَتِي الْإِلَيْنَيْنِ خَلِجِ الشَّاقَيْنِ فَلَا أُخْبِصُ غَوِيضًا إِلَّا أَقْدَصِدَقَ عَلَيْهَا وَإِنْ جَاءَتْ بِهٍ أَحْبَبْتُ كِتَابَهُ وَحَرَّةً فَلَا أُخْبِصُ غَوِيضًا إِلَّا أَقْدَصِدَقَ عَلَيْهَا فَجَاءَتْ بِهٍ عَلَيَّ التَّلْعُفُ الَّذِي نَعَتْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ تَصْدِيقِ غَوِيضٍ فَكَانَ بَعْدَ يَسْتَنْتِ إِلَى أَمَةٍ (متفق عليه)

”حضرت سہل ابن سعد ساعدی کہتے ہیں کہ (ایک صحابی) عویر بکھائی نے (دوبارہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! مجھے اس شخص کے بارہ میں بتائیے جو اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو پائے اور اسے یہ یقین ہو کہ اس مرد نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا ہے) کیا وہ اس مرد کو قتل کر دالے؟ اگر وہ اس کو مار ڈالے گا تو مقتول کے وارث اس کو قتل کر دیں گے ایسی صورت میں وہ کیا کرے؟ (آپ) اس عار پر صبر کرے یا کوئی اقدام کرے؟) رسول کریم ﷺ نے (یہ سن کر اس سے فرمایا کہ ”تم میاں بیوی کے تفسیر میں وحی نازل کی گئی ہے۔ جو ڈاہنی بیوی کو بلا لاد“ حضرت سہل کہتے ہیں کہ عویر اپنی بیوی کو بلا لائے اور میاں بیوی نے مسجد نبوی میں ٹھن کیا اور میں بھی اس وقت دوسرے لوگوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے پاس ہی موجود تھا چنانچہ جب وہ دونوں میاں بیوی لیٹان سے خارج ہوئے تو عویر (یعنی میاں نے کہا کہ اگر میں اس عورت کو اپنے پاس رکھوں تو کوئی اس نے اس پر جھوٹی تہمت لگائی ہے اس کے بعد انہوں نے اس عورت کو تن بار طلاق دی پھر رسول کریم ﷺ نے فرمایا اگر یہ عورت (اپنے موجودہ حمل سے) ایسا بچہ جسے جس کا رنگ سیاہ آنکھیں بہت کالی ہوں، کو لے کر بڑے ہوں اور دونوں پندلیوں کا گوشت بھرا ہو تو میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھوں گا کہ عویر نے اس عورت کے بارہ میں جو کہہ رہے ہیں (کیونکہ عویر نے جس مرد کی طرف زنا کی نسبت کی وہ اسی رنگ و صورت کا ہے اور جب اسی کی شہادت کا بچہ پیدا ہو گا تو کوئی کہا جائے گا کہ وہ اسی کے نطفہ سے ہے) اور اگر اس عورت نے ایسا بچہ جناتس کا رنگ سرخ ہو اور بائیں کے رنگ کا معلوم ہوتا ہو تو پھر میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھوں گا کہ عویر نے اس کے بارہ میں جھوٹ بولا ہے۔“ (یعنی عویر چونکہ سرخ رنگ کے ہیں اس لئے بچہ کی رنگت بھی سرخ ہوئی تو سمجھا جائے گا کہ بچہ عویر ہی کے نطفہ سے ہے اور عویر نے اپنی بیوی کو جھوٹی تہمت لگائی ہے چنانچہ جب اس عورت کا بچہ پیدا ہوا تو وہ اسی رنگ و صورت کا تھا جس کو رسول کریم ﷺ نے عویر کی تصدیق کے لئے ذکر کیا تھا (یعنی وہ بچہ اسی مرد کی شہادت کا تھا جس کی طرف سے عویر نے زنا کی نسبت کی تھی گویا عویر کی بات سچ ثابت ہوئی) اس کے بعد وہ بچہ (آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق) اپنی ماں کی طرف منسوب کیا گیا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اگر کوئی شخص کسی غیر مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ منہ کالا کرتا ہوا پائے اور وہ شخص اس مرد کو جان سے مار ڈالے تو اس کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ آیا وہ شخص (جس نے اپنی بیوی کے ساتھ منہ کالا کرنے والے کو جان سے مار ڈالا ہے) اسلامی قانون کے مطابق قصاص یعنی سزا موت کا مستوجب ہے یا نہیں؟ چنانچہ جہور علماء کا قول یہی ہے کہ اس کو سزائے موت دی جائے ہاں اگر وہ شخص اس بات کے ثبوت میں کہ مقتول نے اس کی بیوی کے ساتھ منہ کالا کیا تھا چار گواہ پیش کرے یا خود مقتول کے در ثاء اس بات کا اقرار کر لیں تو اس صورت میں اس کو سزائے موت نہیں دی جائے گی تاہم یہ طوطا رہے کہ اگر چار پیش نہ کرے یا مقتول کے در ثاء سے اقرار نہ کرنے کی صورت میں اسے سزائے موت دے دی گئی تو واقع کے اعتبار سے وہ سچا تھا تو خدا کے نزدیک گنہ گار نہیں سمجھا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی ہے کا مطلب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں۔

وَالَّذِينَ يَزْمُونَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ اِلَّا اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَوْفَعُ شَهَادَاتِ مَالِلَهُ اِنَّهُمْ الصَّادِقِينَ (وَالْخَامِسَةُ اَنْ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ الْاَيْتُ - (النساء: ۶۴-۶۵))

”اور جو لوگ اپنی بیویوں پر (زنا کی) تہمت لگائیں اور ان کے پاس جبراً اپنے (معدوم) کے اور کوئی گواہ نہ ہو تو ان کی شہادت (جو کہ ان کو حد قذف سے بچا سکتی ہے) لیکن ہے وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ دے چنگ میں سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں۔ (آخر تک۔)“

بعض مفسرین کے قول کے مطابق یہ آیات کریمہ ہجری کے بارہ شعبان میں نازل ہوئی ہیں، امین ملکؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ لعان کے بارہ میں مذکورہ بالا آیت حضرت عویمرؓ کے واقعہ پر نازل ہوئی ہے اور اسلام میں سب سے پہلا لعان انہی کی طرف سے ہوا تھا جب کہ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت ایک دوسرے صحابیؓ حضرت ہلال ابن امیہؓ کے بارہ میں نازل ہوئی تھی اور اسلام میں سب سے پہلے ہلالؓ ہی نے لعان کیا ہے چنانچہ آگے حضرت ابن عباسؓ کی جو روایت آئے گی اس سے یکنی ثابت ہوتا ہے لہذا اس صورت میں ارشاد گرامی ”تم میاں بیوی کے قرضہ میں وحی نازل کی گئی ہے“ کا مطلب یہ ہوگا کہ تمہارے قرضہ جیسے ایک قرضہ میں وحی نازل کی گئی ہے۔“

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ آیت دونوں ہی کے بارہ میں نازل ہوئی ہو جس کی صورت یہ ہوئی ہوگی کہ پہلے ان میں سے کسی ایک نے آنحضرت ﷺ سے اپنے بارہ میں سوال کیا ہوگا پھر بعد میں دوسرے کا قرضہ پیش آیا ہوگا اور اس نے بھی آنحضرت ﷺ سے سوال کیا ہوگا یہاں تک کہ ان دونوں کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی لیکن ان دونوں میں حضرت ہلالؓ نے پہلے لعان کیا۔

”گویا میں نے اس پر جھوٹ تہمت لگائی ہے“ یہ حضرت عویمرؓ نے دراصل ثمن طلاق دینے کا سبب بیان کیا کہ اس صورت حال کے بعد بھی اگر میں اس عورت کو اپنے نکاح میں رکھوں اور طلاق نہ دوں تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ میں نے اس کی طرف زنا کی جھوٹی سبت کی ہے کیونکہ اس کو نکاح میں رکھنے کا مطلب یہی ہوگا کہ گویا میں نے جو کچھ کہا ہے سب جھوٹ ہے اور یہ عورت بدکاری کے گناہ سے پاک ہے۔

لعان کی صورت میں میاں بیوی کے درمیان تفریق کا مسئلہ

② وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عَنْ يَمِينٍ وَجُلٍّ وَأَمْرًا بِهِ فَاَنْتَقَمِي مِنْ وَلَدِهَا فَفَرَّقِي بَيْنَهُمَا وَالْحَقُّ الْقَوْلُ مَا لَمْ يَزَلْ مُتَّفَقًا عَلَيْهِ وَفِي حَدِيثِهِ لَهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَظَّمَهُ وَذَكَرَهُ وَأَخْبَرَهُ أَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ ثُمَّ دَعَاهَا فَوَعَّظَهَا وَذَكَرَهَا وَأَخْبَرَهَا أَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ۔

”اور حضرت ابن عمرؓ نے ایک شخص اور اس کی بیوی کے مابین لعان کا حکم فرمایا چنانچہ (اس لعان کی وجہ سے) وہ شخص اس عورت کے سچے سے دور ہو گیا، (یعنی جب کہ نسب اس شخص سے ہٹا دیا گیا) آنحضرت ﷺ نے میاں بیوی کے درمیان تفریق (جدائی) کرادی اور سچے کو عورت کے حوالہ کر دیا۔ (بخاری و مسلم) اور حضرت ابن عمرؓ کی ایک اور روایت میں جو بخاری و مسلم ہی نے نقل کی ہے یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو صیحت کی اور آخرت کا عذاب یاد دلایا (تاکہ وہ جھوٹ نہ بولے اور عورت اپنے الزام کو نائق ثابت نہ کرے) اور اس کو اس بات سے آگاہ کیا کہ دنیا کا عذاب، آخرت کے عذاب سے سہل ہے پھر آپ ﷺ نے صیحت کر دیا، اس کو بھی صیحت کی اور آخرت کا عذاب یاد دلایا اور آگاہ کیا کہ دنیا کا عذاب، آخرت کے عذاب سے سہل ہے۔“

تشریح: ”تفریق“ بمعنی جدائی کا مطلب یہ ہے کہ لعان کی صورت میں میاں بیوی کے درمیان تفریق (جدائی) کا حکم وقاضی کے حکم ہی سے ہوتا ہے۔ نہ کہ محض لعان سے۔ چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہی ہے نیز ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر نفس حان ہی سے تفریق واقع ہو جاتی تو پھر تین طلاقیں کیوں دی جاتیں جیسا کہ اوپر کی حدیث میں گمراہ کہ حضرت عویمرؓ نے لعان کے بعد اپنی بیوی کو تین طلاق

دی۔

دنیا کے عذاب سے مراد ”حد یعنی سزا“ ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر مرد کسی عورت کو (چاہے وہ اس کی بیوی ہی کیوں نہ ہو) زنا کی تہمت لگائے اور اس کی تہمت جموئی ثابت ہو جائے تو شرعی قانون کے مطابق اس پر حد جاری کی جائے گی۔ یعنی اس کو ایک پابدار امن عورت پر زنا کی جموئی تہمت لگانے کے جرم میں ای کوڑے مارے جائیں گے اور اگر وہ مرد سچا ثابت ہو جائے یعنی یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جائے کہ اس عورت نے بے کاری کرائی ہے تو پھر اس عورت پر حد جاری ہوگی کہ شادی شدہ ہونے کی صورت میں اس کو سنگسار کر دیا جائے گا اور غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں سو کوڑے مارے جائیں گے اس صورت میں یہ امکان ہو سکتا ہے کہ مرد نے کسی غلط فہمی کی بناء پر یا کسی خاص جذبہ کے تحت عورت کو تہمت لگادی ہو اور پھر اسے یہ یقین ہو گیا ہو کہ میں نے عورت پر جو الزام لگایا ہے وہ بے بنیاد ہے مگر اب اس خوف سے کہ ایک پابدار امن عورت پر جموئی تہمت لگائی گئی یا یہ کہ واقعہ عورت نے بے کاری کرائی ہو مگر اس خوف سے کہ میں سنگسار کر دی جاؤں گی یا سو کوڑے ماری جاؤں گی اپنے اس گناہ کا اعتراف و اقرار نہیں کرتی بلکہ طاعت پر تیار ہو جاتی ہے لہذا آنحضرت ﷺ نے اس امکانی صورت کے خلاف دونوں کو مستحب کرتے ہوئے فرمایا کہ آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں دنیا کا عذاب (یعنی یہاں کی سزا) کہیں آسان اور سہل ہے اس لئے جو صورت حال ہو اور جو جگہ بات ہو اس کا اعتراف و اقرار کر لو اور اس دنیا کے آسان عذاب کو اختیار کر کے آخرت کے سخت ترین عذاب سے بچو۔

لعان کرنے والوں کا محاسبہ آخرت میں ہوگا

﴿وَعَنْهُ أَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْفِتْلَانَيْنِ حَسَابُكُمَا عَلَى اللَّهِ أَخَذَ كُفَا دَبَّ لَا سَبِيلَ لَكَ عَلَيْهَا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا لِي قَالَ إِنْ كُنْتَ صَدَقْتَ عَلَيْهَا فَهُوَ بِمَا اسْتَخْلَلْتَ مِنْ فَرْجِهَا وَإِنْ كُنْتَ كَذَبْتَ عَلَيْهَا فَذَاكَ أَبْعَدُ وَأَبْعَدُ لَكَ مِنْهَا﴾۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے لعان کرنے والے مرد و عورت سے فرمایا (تم صرف ظاہری احوال و وجوہ کی بنیاد پر کوئی حکم نافذ کر سکتے ہیں اور وہ ہم نے لعان کی صورت میں نافذ کر دیا ہے البتہ تمہارا تمہارا حساب خدا کے ہاں ہوگا کیونکہ) (نفس الامرار حقیقت کے اعتبار سے) تم دونوں میں سے کوئی ایک ضرور جھوٹا ہے (پھر آپ ﷺ نے مرد سے فرمایا کہ) اب عورت کے بارہ میں تمہارے لئے کوئی راہ نہیں ہے (یعنی لعان کے بعد اب اس عورت کے ساتھ رہنا تمہارے لئے جائز نہیں ہے کیونکہ یہ تمہارے لئے ہمیشہ حرام ہو گئی ہے) مرد نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! اور میرا مال (یعنی میں نے اس عورت کو جو ہر دیا ہے کیا وہ مجھ سے جاتا رہے گا؟) آپ ﷺ نے فرمایا اس مال پر تمہارا کوئی حق نہیں۔ (یعنی دینے ہوئے ہر کو داہیں لینے کا نہیں کوئی حق حاصل نہیں کیونکہ) اگر تم نے اس عورت کے بارہ میں حق کہا ہے (یعنی تمہارے کہنے کے مطابق اگر اس عورت نے واقعہ بے کاری کرائی ہے) تو وہ مال اس چیز کا بدلہ ہو گیا کہ تم نے اس کی شرم گاہ کو حلال کیا ہے اگر تم نے اس عورت کے بارہ میں بولا ہے تو وہ اس صورت میں ہر کا داہیں لے لینا اس سے بھی بعید ہے اور تم سے بھی بہت بعید ہے (یعنی جب تک صورت میں ہر کو داہیں لینے کا نہیں کوئی حق نہیں ہے تو جھوٹ کی صورت میں تو بدتر چیز ادا نہیں وہ ہر داہیں نہ لینا چاہئے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: تمہارا حساب خدا کے ہاں ہوگا کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں تو ہم نے تمہارے اس تلافی کو لعان کی صورت میں ختم کر دیا ہے مگر تم دونوں کا حقیقی محاسبہ آخرت میں ہوگا کہ وہاں تمہارے معاملہ کی تحقیق کی جائے گی اور پھر تم میں سے جو جھوٹا ہوگا اس کو اس کی سزا اللہ تعالیٰ دے گا۔

”یہ تو وہ مال اس چیز کا بدلہ ہو گیا“ اس بات کی دلیل کہ لعان کرنے والا ہر داہیں نہ لے بشرطیکہ اس عورت کے ساتھ اس نے

دخول کیا ہو، چنانچہ اس بارہ میں تمام علماء کا متفقہ طور پر یہی مسلک ہے البتہ عدم دخول کے بارہ میں اختلافی اقوال ہیں حضرت امام عظیمؒ اور حنفیہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کا قول یہ ہے کہ اگر لعان کرنے والے نے اس عورت کے ساتھ دخول نہ کیا ہو تو اس صورت میں وہ آدھے ہر کی حقدار ہوگی۔

آیت لعان کا شان نزول

﴿۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ هِلَالَ بْنَ أُمَيَّةَ قَذَفَ امْرَأَتَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرِّكَ بْنِ سَخْمَاءَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّبِيَّةُ أَوْ حَدَّثَ فَيَنْظُرُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِذَا زَاغَ أَحَدُنَا عَلَى امْرَأَتِهِ زَحْلًا يَنْطَلِقُ يَلْبَسُ النَّبِيَّةُ فَحَمَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ النَّبِيَّةُ وَالْأَخَذَ فَيَنْظُرُ فَقَالَ هِلَالٌ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ إِنِّي لَصَادِقٌ فَلْيُزَلِّ لِي اللَّهُ مَا يَبْرَأُ ظَهْرِي مِنَ الْمَخْذُوفَيْنِ جَبْرِيلَ وَائِزِلَ عَلَيْهِمُ الَّذِينَ يَزْمُونُ أَزْوَاجَهُمْ فَقَرَأَ أَحَقِّي بَلَّغَ ابْنِ كَثَّانٍ مِنَ الصَّادِقِينَ فَجَاءَ هِلَالٌ فَشَهِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ أَنَّ أَحَدَكُمَا كَذِبٌ لَهْلُ بِكُمَا نَائِبٌ لَمْ قَامَتْ فَشَهِدَتْ فَلَمَّا كَانَتْ عِنْدَ الْحَافَسَةِ وَقَفَّوْهَا وَقَالُوا إِنَّمَا مُوجِبَةٌ قَالَ نَزَّ عَنَّا سَ فَكَلَّمَا نَتْ وَتَكَلَّمَتْ حَتَّى خَلَّتْهَا إِنَّمَا تَزْجِعُ فَمَ قَالَتْ لَا أَفْضَحُ فَوَ مَنِي مَنَازِلُومَ فَمَضَتْ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْصِرْ وَهَذَا فَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَكْثَلُ الْفَتَنَيْنِ سَابِعَ الْآلِثَيْنِ خَدْلِيحَ الشَّافِعِينَ فَهَوَّ لِشَرِّكَ ابْنِ سَخْمَاءَ فَجَاءَتْ بِهِ كَذَّابٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ لَا مَا قَضَى مِنْ كِتَابِ اللَّهِ لَكُنْ لِي وَلَهْا شَانٌ (رواه البخاری)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (ایک صحابی) ہلال ابن امیہؓ نے نبی کریم ﷺ کے سامنے اپنی بیوی پر شرک بن سخماء صحابی کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی (یعنی ہلالؓ نے کہا کہ شرک بن سخماء نے میری بیوی کے ساتھ زنا کیا ہے) نبی کریم ﷺ نے (ہلالؓ سے) فرمایا کہ ”(اے الزام کے ثبوت میں گواہ پیش کرو ورنہ جھوٹی تہمت لگانے کے جرم میں) تمہاری بیٹھ پر حد جاری کی جائے گی (یعنی اسی کوڑے مارے جائیں گے) ہلالؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر ہم میں سے کوئی کسی کو اپنی بیوی کے ساتھ بدکاری میں مبتلا دیکھے تو کیا وہ گواہ ڈھونڈنے چلا جائے (یعنی اول تو ایسی صورت میں اتنا موقع کہاں کہ کسی کو گواہ کرے پھر یہ کہ کسی کو گواہ کرنے کی وہ جگہ کیا ہے) لیکن نبی کریم ﷺ اپنی فرمائے جاری ہے تھے کہ گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری بیٹھ پر حد جاری کی جائے گی پھر ہلالؓ نے عرض کیا کہ قسم ہے اس پاک ذات کی جس نے آپ کو حق سچا فرمایا میں سچا ہوں مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا حکم ضرور نازل فرمائے گا جو میری بیٹھ کو حد سے بری رکھے گا، آخر کار (کچھ ہی عرصہ بعد) حضرت جبریلؑ تشریف لائے اور آنحضرت ﷺ پر یہ آیتیں نازل کی گئی ہیں وَالَّذِينَ يَزْنُونَ مِنْكُمْ فَمَنْ زَانَا مِنْكُمْ فَأُولَٰئِكَ يَبْغِيهِمْ عَذَابُ اللَّهِ الْعَظِيمُ (سورہ النور: ۲) اور ابھی پھر اس کے بعد کی آیتیں ان کان من الصادقین تک تلاوت کی، اس کے بعد ہلالؓ دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور گواہی دی (یعنی لعان کی جو تفصیل پیچھے بیان کی جا چکی ہے اس کے ساتھ) انہوں نے پانچ مرتبہ گواہی کے ذریعہ لعان کیا اور نبی کریم ﷺ فرماتے تھے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارا ہے کہ میں تم سے کوئی ایک جھوٹا ہے سو تم میں سے کون ہے جو توبہ کرے اس کے بعد ہلالؓ کی بیوی کھڑی ہوئی اور لعان کیا (یعنی چار مرتبہ اپنی پاکدامنی کی شہادت دی) اور جب وہ پانچویں مرتبہ گواہی دینے چلی تو (صحابہؓ نے) اس کو روکا اور کہا کہ اچھی طرح سوچ لو پھر یہ پانچویں گواہی (تم دونوں کے درمیان جدائی کو) واجب کر دے گی۔ (اگر تم جھوٹی ہوگی تو آخرت کے عذاب کو) واجب کر دے گی) ابن عباسؓ کہتے ہیں (یہ سن کر وہ عورت ٹھہر گئی اور پیچھے ہٹی (یعنی وہ پانچویں مرتبہ کچھ گواہی دینے میں متامل ہوئی) جس سے ہمیں یہ گمان ہوا کہ یہ اپنی بات سے پھر جانے لگی لیکن پھر اس نے کہا کہ میں (لعان سے) بچ کر اور اپنے خاوند کے الزام کی تصدیق کر کے) اپنی قوم کو ساری عمر کے لئے رسوا نہیں کروں گی (یہ کہہ کر اس نے پانچویں گواہی کو بھی پورا کر دیا) اس طرح جب لعان پورا ہو گیا اور

شریعت کا حکم دوسرا ہے جس پر عمل کرنا غیرت مندی کے تقاضا پر عمل کرنے سے زیادہ ضروری ہے۔

حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ حضرت سعدؓ کی بات کی تقریر (یعنی تائید و توثیق) نہیں فرمائی بلکہ آپ ﷺ نے ان کا رد بیان کیا، کہ حضرت سعدؓ نے جو بات کہی ہے اور جس سے بظاہر میرے حکم کی مخالفت معلوم ہوتی ہے وہ دوسرا اصل ان کی غیر معمولی غیرت مندی کی وجہ سے ان کی زبان سے نکل گئی ہے۔

حضرت مظہرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سعدؓ کا آنحضرت ﷺ کو مذکورہ جواب دینا آنحضرت ﷺ کے حکم کی مخالفت یا آپ ﷺ کے ارشاد کو قبول کرنے سے انکار کر دینے کے طور پر نہیں تھا بلکہ درحقیقت ان کی اس خواہش کے اظہار کے طور پر تھا کہ اگر کوئی غیرت مند کسی غیر مرد کو اپنی بیوی کے پاس پائے تو اس کو قتل کر دینے کی اجازت عطا ہو جائے چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے یہ اجازت دینے سے ایک مبلغ انداز میں انکار کر دیا تو انہوں نے سکوت اختیار کر لیا۔

”غیرت“ آدمی کی اندرونی کیفیت و حالت کے اس غیر کو کہتے ہیں جو اپنے اہل میں کسی ناگوار چیز کو دیکھنے پر پیدا ہوتا ہے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی غیرت کی سبب اسی معنی کے اظہار سے محال و ناممکن ہے لہذا اللہ تعالیٰ کے ”غیرت مند“ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے بغلوں کو گناہوں سے روکنے والا ہے تاکہ وہ اس کی بارگاہ کی قربت و مقبولیت سے دور نہ جائیں۔

اللہ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں ہے

(۷) وَعَنِ الْمُعْتَصِرَةِ قَالَتْ قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ لَوْ زَانَيْتُ وَجَلَّ مَعَ امْرِئِي لَفَضَرْتُهُ بِالسَّيْفِ غَيْرَ مُضْطَحٍّ فَلَمَّعَ ذَلِكَ زَمْزَلُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَعْتَصِرُونَ مِنْ غَيْرَةِ سَعْدٍ وَاللَّهِ لَا أَعْتَصِرُ مِنْهُ وَاللَّهُ أَعَزُّ مِنِّي وَمَنْ أَجَلُ غَيْرَةِ اللَّهِ حَزْمُ اللَّهِ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيَّ الْعُلُوفَ مِنَ اللَّهِ وَمَنْ أَجَلُ ذَلِكَ بَعَثَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمِينَ وَلَا أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيَّ الْعِدَّةَ مِنَ اللَّهِ وَمَنْ أَجَلُ ذَلِكَ وَعَدَ اللَّهُ الْفَجَنَةَ (متن علیہ)

”اور حضرت غیرہؓ کہتے ہیں کہ حضرت سعدؓ نے یہ کہا کہ اگر میں کسی غیر مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھوں تو میں اس کو تلوار سے مار دوں اور تلوار کی پشت کی جانب سے نہیں بلکہ دھار والی جانب سے مار دوں (حاصل یہ کہ میں تلوار سے اس کا خاتمہ کر دوں) جب رسول کریم ﷺ تک یہ بات پہنچی (کہ سعدؓ اس طرح کہتے ہیں) تو آپ ﷺ نے (صحابہؓ سے فرمایا کہ تمہیں سعدؓ کی اس غیر معمولی غیرت مندی پر تعجب ہے؟ خدا کی قسم میں یقیناً ان سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے اور اللہ نے اپنی غیرت ہی کی وجہ سے (تمام) گناہوں کو حرام کیا ہے خواہ وہ ظاہری گناہ ہوں یا پوشیدہ گناہ ہوں اور عذر کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں رکھتا اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے (راے والوں اور بشارت دینے والوں) یعنی پیغمبروں کو بھیجا ہے نیز تحریف کرنے کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی پسند نہیں کرتا اور اسی کے سبب اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”اور اللہ تعالیٰ نے اپنی غیرت ہی کی وجہ سے گناہوں کو حرام کیا ہے“ یہ جملہ دراصل ”اللہ تعالیٰ کی غیرت“ کی وضاحت کے لئے ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی غیرت کے معنی یہ ہیں کہ اس نے لوگوں کو حرام امور اختیار کرنے سے منع کیا ہے اور حرام امور کو اختیار کرنے پر عذاب مقرر کیا ہے چنانچہ اصل میں ”غیرت“ کا مطلب یہی ہے کہ آدمی اس بات کو پسند نہ کرے اور اس پر ناراض ہو کہ کوئی اس کی ملکیت میں تصرف کرے۔

اور ”غیرت“ کے مشہور معنی یہ ہیں کہ آدمی اس شخص پر غصہ کرے جو اس کی بیوی کے ساتھ بدکاری کرے یا اس کو نظربند دیکھے لہذا اللہ تعالیٰ کی ”غیرت“ یہ ہے کہ وہ اس شخص پر غصہ کرے جو گناہ کا مرتکب ہو۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ”عذر کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں رکھتا“ میں ”عذر“ مراد یعنی ازالہ عذر کے معنی میں ہے مطلب

یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ عذر ختم کر دینے کو پسند کرتا ہے اس طرح کوئی اور عذر کو ختم کرنے کو پسند نہیں کرتا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پیغمبروں اور رسولوں کو بھیجا ہے تاکہ اس طرف سے اتمام حجت ہو جائے اور یہ وہ کو عذر کرنے کا موقع نہ ملے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَا يَكُونُ عَلَيَّ اللَّهُ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ۔

”تاکہ لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے سامنے پیغمبروں کے بعد کوئی عذر باقی نہ رہے۔“

”تعریف کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی پسند نہیں کرتا“ کا مطلب یہ ہے کہ تعریف کرنے کو جتنا اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اتنا کوئی اور پسند نہیں کرتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے خود اپنی تعریف بھی فرمائی ہے اور اپنے محبوب بندوں کی بھی تعریف کی ہے اور ان لوگوں کو جنت میں داخل کرنے کا وعدہ کیا ہے جو اس کی حمد و تعریف کرتے ہیں اور اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔

اللہ کی غیرت کا تقاضا کیا ہے؟

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَغَارُ وَإِنَّ الْمُؤْمِنِينَ يَغَارُونَ غَيْرَهُ اللَّهُ أَنْ لَا يَأْتِيَ الْمُؤْمِنِينَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ۔ (بخاری علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تبارک و تعالیٰ غیرت مند ہے اور مؤمن (بھی) غیرت مند ہے (یعنی غیرت دراصل اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو مؤمن میں بھی موجود ہے) اور اللہ تعالیٰ کی غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ مؤمن وہ کام نہ کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

محض معمولی علامتوں کی بناء پر اپنے بچہ کا انکار نہ کرو

① وَعَنْهُ أَنَّ أَخْبَارَنَا أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِينَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ امْرَأَتِي وَلَدَتْ غُلَامًا أَسْوَدَ وَإِنِّي أَنْكَرُهُ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ لَكَ مِنْ ابْنٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَمَا أَلْوَاهُهَا قَالَ خَمَزُ قَالَ هَلْ فِيهَا مِنْ أَوْزَاقٍ قَالَ إِنَّ فِيهَا لَوْزَاقًا فَهَاتِي ثَوْبِي ذَلِكَ جَاءَ مَا قَالَ عَزَقِي فَرَزَعَهَا قَالَ فَلَمَّاهُا عَزَقِي فَرَزَعُوهُ لَمْ يَرِ خَصْلٌ لَهُ لَهِيَ إِلَّا نَيْفًا وَمِنْهُ۔ (بخاری علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری بیوی نے ایک ایسے بچہ کو جنم دیا ہے جس کا رنگ کالا ہے اور (اس وجہ سے کہ وہ میرا ہم رنگ نہیں ہے) میں نے اس کا انکار کر دیا ہے (یعنی یہ کہہ دیا ہے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے) رسول کریم ﷺ نے (یہ سن کر فرمایا کہ ”تمہارے پاس کچھ اونٹ ہیں؟“ اس نے عرض کیا کہ ہاں ان میں غاستری رنگ کے بھی ہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تمہارا کیا خیال ہے یہ غاستری رنگ کے اونٹ کہاں سے آئے؟“ (یعنی ان میں غاستری رنگ کہاں سے آیا جب کہ ان کے ماں باپ غاستری رنگ کے نہیں ہیں؟) اس نے عرض کیا ”کوئی رگ ہوگی جس نے انہیں سمجھنے لیا (یعنی ان کی اصل میں کوئی غاستری کار ہوا ہو جس کے مشابہ یہ بھی ہو گئے) آپ ﷺ نے فرمایا ”تو بھر یہ بچہ بھی کسی ایسی رگ کے سبب کالا ہوا ہے جس نے اس کو سمجھنے لیا ہے (یعنی اس بچہ کی اصل میں بھی کوئی شخص کالے رنگ کا رہا ہو جس کے مشابہ یہ بچہ ہو گیا ہے) اور اس طرح آنحضرت ﷺ نے اس دیہاتی کو اس بچہ کا انکار کرنے کی اجازت نہیں دی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: طبی کہتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ محض معمولی اور ضعیف علامتوں کی بناء پر اپنے بچہ کا انکار کرنا یعنی یہ کہنا کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے، ممنوع ہے بلکہ اس صورت میں مضبوط دلائل و وجوہ کا ہونا ضروری ہے مثلاً بیوی سے صحبت نہ کی ہو اور اس کے باوجود بچہ

کی ولادت ہوئی ہو یا محبت کی ہو مگر محبت کے بعد چھ مہینے سے کم مدت میں بچہ پیدا ہوا ہو اور ان صورتوں میں اس بچہ کا انکار کر دینا جائز ہے۔

زنا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچہ کا نسب زانی سے ثابت نہیں ہوتا

⑨ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ عَثْبَةُ ابْنُ أَبِي وَقَّاصٍ عَهْدَ إِلَى أَخِيهِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ أَنَّ ابْنَ وَلِيدَهُ زَفَعَهُ وَبَنِي فَاظْبَضَهُ إِلَيْكَ فَلَمَّا كَانَ عَامَ الْفَتْحِ أَخَذَهُ سَعْدٌ فَقَالَ إِنَّ ابْنَ أَخِي وَقَّاصٍ قَالَ عَثْبَةُ بْنُ زَفْعَةَ أَخِي فَنَسَا وَقَالَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ سَعْدٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أَخِي كَانَ عَهْدَ إِلَى أَخِي وَقَّاصٍ فَقَالَ عَثْبَةُ بْنُ زَفْعَةَ أَخِي وَابْنُ وَلِيدَتِهِ ابْنُ وَلِيدَةٍ ابْنِ وَلِيدَةٍ ابْنِ زَفْعَةَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ لَكَ يَا عَثْبَةُ ابْنُ زَفْعَةَ الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ لَمْ يَقُلْ بِسَوْفَةٍ بَلَتْ زَفْعَةً اخْتَبَعَ مِنْ بَيْتِهِ لَمَّا رَأَى مِنْ شِبْهِهِ مَبْعُوثَةً فَمَارَ أَمَّا حَتَّى لَقِيَ اللَّهَ وَلَقِيَ رَسُولَهُ فَقَالَ هُوَ أَخْوَالُكَ يَا عَثْبَةُ ابْنُ زَفْعَةَ مِنْ أَخِي ابْنِ ابْنِهِ وَلَدَ عَلَى فِرَاشِ أَبِيهِ۔ (بخاری ص ۱۷۱)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جبہ ابن ابی وقاصؓ نے اپنے بھائی سعد ابن ابی وقاصؓ کو وصیت کی کہ زعدہ کی کوٹری کا لاکھیرہ نطفہ سے ہے تم اس کو لے لیا چنانچہ جبکہ کے سال سعدؓ نے اس لڑکے کو لے لیا اور کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے جبکہ کہ ابن زعدہؓ نے کہا کہ یہ میرا بھائی ہے پھر وہ دونوں اپنے صاحبہ رسول کریم ﷺ کے پاس لے گئے اور سعدؓ نے کہا کہ (یہ لڑکا میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی کوٹری کا بیٹا ہے جو میرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا ہے رسول کریم ﷺ نے دونوں کی بات سن کر فرمایا کہ ”عبد ابن زعدہؓ اس بچہ کے حمی حقدار ہو کیونکہ بچہ صاحب فراش کی طرف سے منسوب ہوتا ہے اور زانی کے لئے نسب و میراث سے)“ عمروی نے (یہ کہ زانی سنگساری کا مستوجب ہے) پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت سہیلؓ سے فرمایا کہ تم اس لڑکے سے پردہ کیا کر دو کیونکہ اس میں عیب کی شہادت نظر آئی ہے چنانچہ حضرت سہیلؓ اس لڑکے کے سامنے کھجی نہیں آئیں یہاں تک کہ وہ داخل ہو گیا۔ ”ابیکہ روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”عبد ابن زعدہؓ اور لاکھیرا بھائی ہے اس لئے کہ وہ لاکھیرا کے باپ کے بستر پر پیدا ہوا تھا۔“ (بخاری ص ۱۷۱)

تشریح: اس حدیث میں جو چند نام ذکر ہوئے ہیں پہلے ان کے لحاظ میں بتا کر ضروری ہے تاکہ صورت واقعہ کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ جبکہ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کا حقیقی بھائی تھا حضرت سعدؓ کو تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت سے بہرہ ور کیا اور وہ ایک جلیل القدر صحابیؓ ہوئے مگر جبکہ کفر کے اندمیرے سے نہ نکل سکیا یہاں تک کہ فکری حالت میں مر گیا اور یہی وہ بد بخت تھا جس نے غزوہ احد کے موقع پر رحمتِ دو عالم ﷺ کا دندان مبارک شہید کیا تھا۔ زعدہ حضرت سہیلؓ کے باپ تھے اور عبد ابن (زعدہ) کے بیٹے یعنی حضرت سہیلؓ کے حقیقی بھائی تھے آنحضرت ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں۔

اب حدیث کی طرف آئیے جبکہ نے زعدہ کی کوٹری سے زنا کیا جس کے نتیجہ میں لاکھیرا ہوا چونکہ زنا نہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ زانی کے دعویٰ پر دلہ (زنا) حرامی (بچہ) کا نسب اسی زانی سے ثابت ہوتا تھا اس لئے جبکہ نے اس قدم کو دستور کے مطابق اس لڑکے کے بارہ میں دعویٰ کیا کہ یہ میرا ہے اور اپنے بھائی حضرت سعدؓ کو وصیت کی کہ تم اس لڑکے کو اپنی تحویل میں لے کر اس کی پرورش کرنا چنانچہ حضرت سعدؓ نے جبکہ کے سال اپنے بھائی کی وصیت کے مطابق اس لڑکے کو اپنی تحویل میں لے لیا اور یہ اعلان کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے، اور عمر زعدہؓ کے بیٹے عبدؓ نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ میرا بھائی ہے کیونکہ اس کو میرے باپ نے اپنی کوٹری سے جنمایا ہے مگر خدا نے ان دونوں کے درمیان ایک ترازو کی صورت ہو گئی تو وہ دونوں اس مسئلہ کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے کر آئے آنحضرت ﷺ نے عبد ابن زعدہؓ سے فرمایا کہ یہ تمہارا بھائی ہے کیونکہ بچہ کا نسب صاحب فراش ہی سے ثابت ہوتا ہے اور زانی اس سے محروم رہتا ہے۔

س جملہ الولد للفراش وللعاھر الحجر (بچہ صاحب فراش کی طرف سے منسوب ہوتا ہے اور زانی کے لئے محروم ہے) کی تفصیلی

وضاحت باب الوصایا کی پہلی فصل میں حضرت ابوالہامہؓ کی روایت کے ضمن میں کیا جا چکا ہے۔

ام المؤمنین حضرت سورہ کو آنحضرت کے اس حکم کہ ”تم اس لڑکے سے پردہ کیا کرو“ کا مطلب یہ تھا کہ اگرچہ یہ لڑکا شرعی حکم کے مطابق تمہارا بیٹا ہی ہو اب اس طور اس کا نسب تمہارے باپ زموہ سے ثابت کیا گیا ہے اور یہ بھی اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ شرعی معاملات میں مشابہت اور قیافہ و قرآن کا اعتبار نہیں لیکن وہ لڑکا چونکہ عجبہ کے مشابہ ہے اور عجبہ کے دعویٰ کی وجہ سے اس کا عجبہ کے نطفہ سے ہونا ایک حد تک حقیقت کے مطابق بھی ہے اس لئے احتیاط و ورع کا تقاضا یہی ہے کہ تم اس کے سامنے نہ آؤ۔

دوسری روایت کے یہ آخری الفاظ اِنَّهُ وَلَدٌ عَلٰی فِرَاسٍ اَبُو (اس لئے کہ وہ لڑکا ان کے باپ کے بستر پر پیدا ہوا تھا) اور اصل حدیث کے راوی کا اپنا قول ہے، یعنی راوی نے ان الفاظ کے ذریعہ یہ واضح کیا کہ آنحضرت ﷺ نے عبد بن زموہ کے حق میں یہ حکم کہ ”وہ لڑکا تمہارا بیٹا ہے“ اس لئے صادر فرمایا تھا کہ وہ ان کے باپ (زموہ) کے بستر پر پیدا ہوا تھا (ان کے بستر پر پیدا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ استقرار محل اور بچہ کی ولادت کے زمانہ میں وہ لونڈی زموہ کی ملکیت میں اور ان کے زیر تصرف تھی نیز وہ لڑکا انکی کے گھر میں پیدا ہوا تھا)۔

اثبات نسب میں قیافہ شناس کا قول معتبر ہے یا نہیں؟

⑩ وَعَنْهَا قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ وَهُوَ سُورِي فَقَالَ أَيْ عَائِشَةُ أَلَمْ تَرَ أَنِّي مُجْتَرِئٌ الْخُلْدِي جِيءَ دَخَلَ فَلَمَّا رَأَى أَسْمَاءَ وَزَيْنًا وَعَلَيْهِمَا قَطِيفَةٌ قَدْ غَطَّيَا زُورُوهُمَا وَبَدَتْ أَفْدَاهُمَا فَقَالَ إِنَّ هَذِهِ الْأَفْدَامُ بَعْضُهَا مِنِّي بَعْضُهَا مِنِّي (متن طبع)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک دن رسول کریم ﷺ بہت خوش خوش میرے ہاں تشریف لائے اور فرمایا کہ ”ماںکو کیا تمہیں معلوم نہیں (آج مجزادہ کی مسجد نبوی میں آیا اور جب اس نے اسماءؓ اور زینہؓ کو دکھا جو ان طرح چادر اوڑھے ہوئے لیٹے تھے اور ان کے سر پیچے ہوئے تھے اور پیر کھلے ہوئے تھے تو اس نے کہا کہ ان دونوں کے ہر ایک دوسرے کے مطابق ہیں“ یعنی یہ پیر جن دو آدمیوں کے ہیں وہ آپس میں باپ بیٹے ہیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت زینہ ابن حارثہؓ جو آنحضرت ﷺ کے ستینی (سلہ پاک) تھے بہت گورے اور خوبصورت تھے جب کہ ان کے صاحبزادے، حضرت اسماءؓ کالے تھے اور اپنی ماں کے ہم رنگ تھے ان کی ماں جن کا نام ام ایمنؓ تھا ایک لونڈی اور کالے رنگ کی تھیں باپ بیٹے رنگت کے اس فرق کی وجہ سے منافق حضرت اسماءؓ کے نسب میں عیب لگاتے تھے اور دلیل یہ دیتے تھے کہ ایسے حسین اور خوبصورت باپ کا بیٹا اتنا کالا کیسے ہو سکتا ہے؟ چنانچہ آنحضرت ﷺ منافقوں کی اس بات سے بہت کبیدہ خاطر ہوئے تھے کہ اسی دوران میں یہ واقعہ پیش آیا۔

مجزعہ کی عرب کا ایک مشہور قیافہ شناس اور اپنے فن میں مگاہ روزگار تھا وہ آدمی کی صورت دیکھ کر اس کے حالات و کوائف اور اوصاف و خصوصیات معلوم کر لیا کرتا تھا چنانچہ وہ مسجد نبوی میں آیا اور اس نے حضرت زینہؓ اور حضرت اسماءؓ کے پیر دیکھے تو اس نے علم قیافہ کی رو سے یہ فیصلہ کیا کہ یہ پیر جن دو آدمیوں کے ہیں ان دونوں کو آپس میں باپ بیٹا ہونا چاہیے۔ آنحضرت ﷺ اس بات سے بہت خوش ہوئے کیونکہ اہل عرب کے ہاں قیافہ شناس کا قول معتبر تھا اور اس کے فیصلہ کو سند کا درجہ دیا جاتا تھا لہذا آنحضرت ﷺ کو یہ بھی اطمینان ہو گیا کہ اب جب کہ اسماءؓ کا نسب اس سند سے ثابت ہو گیا ہے تو منافقین بھی ان کے نسب کے بارہ میں طعن کرنے کی ہمت نہیں کریں گے۔

لیکن یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ اس حدیث سے لازم نہیں آتا کہ شرعی احکام اور اثبات نسب میں قیافہ شناس کا قول معتبر ہوتا ہے، چنانچہ حضرت امام اعظمؒ ابوحنیفہؒ کا مسلک یہی ہے، البتہ حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ قیافہ شناس کے قول

کو معتبر مانتے ہیں یہاں تک کہ ان کے مسلک میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی لونڈی دو آدمیوں کی مشترک ملکیت ہو اور اس کے بچہ پیدا ہو اور پھر وہ دونوں شریک اس بچہ کے نسب کا دعویٰ کریں یعنی ہر ایک یہ کہے کہ یہ میرا بچہ ہے تو اس صورت میں ان دونوں کو قیافہ شناس کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ اور وہ قیافہ شناس اپنے قیافہ کی بنیاد پر جو فیصلہ کرے اس کو قبول کر لینا چاہئے جب کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس صورت میں وہ بچہ شری حکم کے اعتبار سے دونوں کا ہوگا اگرچہ واقعہ کے اعتبار سے وہ کسی ایک کا ہوگا اور وہ لونڈی دونوں کی اُم ولد ہوگی۔

اپنے باپ کا انکار کرنے والے کے بارہ میں وعید

⑪ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ أَبِي وَهَّابٍ وَأَبِي بَكْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَدْحَى إِلَى غَيْرِ آبَيْهِ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّ غَيْرَ آبَيْهِ فَإِنَّهُ عَلَيْهِ حَرْأٌ - (بخاری ص ۱۸۰)

”اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت ابو بکرؓ دونوں راوی ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے بجائے کسی دوسرے شخص کی طرف منسوب کرے اور وہ یہ جانتا بھی ہو کہ یہ میرا باپ نہیں ہے تو اس پر جنت حرام ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”اس پر جنت حرام ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر اپنے باپ کی بجائے کسی دوسرے شخص کی طرف اپنی نسبت کرتا ہے اور وہ اس بات کو برا نہیں جانتا بلکہ اس کا اعتقاد یہ ہے کہ اپنے نسب میں اس طرح خلط ملط کرنا حلال ہے تو ایک حرام چیز کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھنے کی وجہ سے وہ کفر کی حد میں پہنچ گیا اور جب وہ کفر کی حد میں پہنچ گیا اور اسی حال میں مر گیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس پر جنت کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند رہیں گے اور اگر وہ شخص کفر پر عقیدہ نہیں رکھتا، یعنی باپ کی بجائے کسی دوسرے شخص کی طرف اپنی نسبت کرنے کو حلال نہیں جانتا بلکہ حرام ہی جانتا ہے تو اس صورت میں ”اس پر جنت حرام ہے“ کا مطلب یہ ہوگا کہ اس وقت اس پر جنت کے دروازے بند رہیں گے جب تک کہ وہ اپنے اس گناہ کی سزا نہ بھگت لے گا۔

یا پھر یہ کہا جائے گا۔ کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد کہ ”اس پر جنت حرام ہے“ زجر یعنی تنبیہ کے طور پر ہے جس کا مقصد لوگوں کو اس برائی سے روکنا ہے۔

⑫ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزْغِبُوا عَنِّي ابْنَابَكُمْ فَمَنْ زَغَبَ عَنْ ابْنِهِ فَقَدْ كَفَرَ - (بخاری ص ۱۸۰)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تم (غیر شخص سے اپنا نسب جوڑ کر اپنے باپ سے منہ نہ پھیرو کیونکہ جس شخص نے اپنے باپ سے منہ پھیرا (یعنی اس سے اپنے نسب کا انکار کیا) تو اس نے در حقیقت کفرانِ نعمت کیا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: زمانہ جاہلیت میں یہ ایک عام برائی تھی کہ لوگ اپنے اصل باپ سے اپنے نسب کا انکار کر کے دوسروں کو اپنا باپ قرار دیتے تھے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس برائی سے منع فرمایا۔

اس بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ جان بوجھ کر اصل باپ کی بجائے کسی غیر شخص سے اپنا نسب قائم کرنا حرام ہے اور اگر کسی شخص نے غیر شخص سے اپنا نسب قائم کرنے کو مباح جانا اور اس کا عقیدہ رکھا تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ ایسی چیز کے حلال و مباح ہونے کا عقیدہ رکھنا جس کو پوری امت نے حرام قرار دیا ہے کفر ہے اس صورت میں حدیث کے الفاظ نقد کفر اپنے حقیقی معنی پر محمول ہوں گے۔ اور اگر اس کیلئے والا مباح ہونے کا یقین نہیں رکھتا تو اس صورت میں کفر کے دو معنی ہوں گے ایک تو یہ کہ ”اس شخص نے کفار کے فعل کی مشابہت اختیار کی“ دوسرے یہ کہ ”اس نے کفرانِ نعمت کیا۔“

وَقَدْ ذَكَرَ حَدِيثُ عَائِشَةَ مَا مِنْ أَحَدٍ أَغْوَى مِنَ اللَّهِ فِي بَابِ مَلُوقَةِ الْخُسُوفِ -

واجب ہو کہ جس کو ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو ایسی صورتوں میں جائز ہے کہ اس کو طلاق نہ دے لیکن یہ شرط ہے کہ وہ اس کو بدکاری سے روکے اور اگر وہ اس کو بدکاری سے نہ روک سکے تو پھر طلاق نہ دینے کی صورت میں گنہ گار ہوگا۔

اثبات نسب کے سلسلہ میں ایک واضح ہدایت و ضابطہ

(۱۵) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطَعَ أَنْ كُلُّ مُسْتَلْحِقٍ اسْتَلْحَقَ بِنَدَى أَبِيهِ الَّذِي يَدْعَى لَهُ إِذْعَاهُ وَوَلَدَهُ فَقَطَعَ أَنْ كُلُّ مَنْ كَانَ مِنْ أُمَّةٍ يَنْبَغِي لَهَا يُؤَمُّ أَصَابَتُهَا فَقَدْ لَبِغَ بَعْضُ اسْتَلْحَقَةٍ وَلَيْسَ لَهُ بِمَا قَسِمَ قِتْلَهُ مِنَ الْجَوَارِثِ حَقٌّ عَوًّا أَذْرَ لَمْ يَمُوتْ لَمْ يَنْتَسِبْ فَلَهُ نَصِيبُهُ وَلَا يُلْحِقُ إِذَا كَانَ أَبْنَاهُ الَّذِي يَدْعَى لَهُ انْكِرَهُ فَإِنْ كَانَ مِنْ أُمَّةٍ لَمْ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ يَمُوتَ حَتَّى يَخْلُقَ بِهَا قِتْلَهُ لَا يُلْحِقُ وَلَا يَرِثُ وَإِنْ كَانَ الَّذِي يَدْعَى لَهُ هُوَ الَّذِي إِذْعَاهُ فَهُوَ وَلَدٌ بِنِيبَةٍ مِنْ حَتْرَةٍ كَانَ أَوْ أَمَةً (رواہ ابو داؤد)

"اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے یہ (ہم دینے کا) فیصلہ کیا کہ جس لڑکے کا نسب اس کے اس باپ کے مرنے کے بعد اس کے باپ کی طرف نسبت کی گئی ہے ملایا گیا ہے اور اس کا دعویٰ اس باپ کے وارثوں نے کیا ہے (یعنی مثلاً زید کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں نے ایک لڑکے کو بکر کے بارہ میں کہا کہ یہ زید کا بیٹا ہے لہذا یہ بھی ہماری طرح زید کا وارث ہے) تو (اس کے باوجود میں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم صادر فرمایا کہ اگر وہ لڑکا (جس کا نسب ملایا گیا ہے) ایسی لونڈی کے بطن سے ہو جو صحبت کے دن اس کے باپ کی ملکیت میں تھی (یعنی اس لونڈی سے اس کے باپ کا جاگو طریقہ پر جماع ہوا ہو) تو وہ اس شخص کے ساتھ نسب میں مل جائے گا۔ جس نے اس کو ملا یا ہے (یعنی جو وارث اس کو ملا ہے) وہ ان وارثوں میں مل جائے گا اور ان کے ساتھ میراث کا حقدار ہو گا جیسا طور کہ اگر اس کو کبھی وارث ملا ہے تو نسب کے حق میں وارث ہو گا اور اگر بعض وارثوں نے ملایا ہو گا تو انہی بعض کے حق میں وارث ہو گا اور جو میراث اس کو ملا ہے سے پہلے تقسیم ہو چکی ہوگی اس میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہو گا جیسا جو میراث ابھی تک تقسیم نہیں ہوئی اس میں سے اس کو حصہ ملے گا۔ اور وہ لڑکا ایسا ہو کہ اس کی نسبت جس باپ کی طرف جاتی ہے اس نے اس کا انکار کر دیا تھا (یعنی اس باپ نے اپنی زندگی میں اس کے اپنا بیٹا ہونے کا انکار کر دیا تھا) تو وہ لڑکا اس کے مرنے کے بعد وارثوں کے ملائے سے نہیں ملے گا اور اس باپ کا وارث نہیں ہو گا اسی طرح اگر وہ لڑکا کسی ایسی لونڈی کے بطن سے ہو جو صحبت کے دن اس باپ کی ملکیت میں نہ رہی ہو (یعنی اس نے کسی دوسرے شخص کی لونڈی سے زنا کیا تھا اور اس زنا کے نتیجہ میں یہ لڑکا پیدا ہوا تھا) یا کسی ایسی آزاد عورت کے بطن سے ہو جس سے اس باپ نے زنا کیا تھا تو وہ لڑکا اس باپ کے وارثوں میں شامل نہیں ہو گا اور نہ اسے میراث ملے گی اگرچہ خود اس شخص (یعنی باپ) نے کہ جس کی طرف اس لڑکے کی نسبت کی جاتی ہے اس کا دعویٰ ہو (یہ جملہ گویا پہلے حکم کی تائید کے طور پر ہے کہ وہ لڑکا لڑکا تھا تو اس کو اس باپ یعنی زانی کے وارثوں میں کرنا جاگو نہیں ہے۔ کیونکہ اگر خود زانی اپنی زندگی میں اس کے نسب کا دعویٰ کرتا ہے کہ یہ میراث ہے تب بھی اس کے ساتھ اس لڑکے کا نسب نہ ملے گا چنانچہ اس کے مرنے کے بعد اس کے وارث اس لڑکے کو اپنے میں شامل کریں) لہذا وہ لڑکا حرام ہے خواہ وہ لونڈی کے بطن سے ہو یا آزاد عورت کے پیت سے پیدا ہوا ہو۔" (الہرم زاد)

تشریح: خطابی کہتے ہیں کہ یہ وہ احکام ہیں جو شروع زمانہ اسلام میں آنحضرت ﷺ نے نافذ فرمائے تھے اس زمانہ میں لوگوں کی بدکاری لونڈیاں تھیں جو زنا کرتی تھیں اور ان کے مالک بھی ان سے محبت کرتے تھے اور پھر جب ان کے کوئی بچہ ہوتا تو اس کا دعویٰ مالک بھی کرتا اور زانی بھی، اس قسم کے تنازعہ کو شرعی طور پر ختم کرنے کے لئے آپ ﷺ نے مذکورہ بالا احکام صادر فرمائے، چنانچہ اس بارہ میں آپ ﷺ نے جو شرعی ضابطہ مقرر فرمایا اور جس کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص زید کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد زید کے وارثوں کا یہ دعویٰ تسلیم کر لیا جائے گا اور اس لڑکے کا نسب زید سے قائم کر کے اس کی میراث کا حصہ دار قرار دے دیا جائے گا۔ لیکن یہ اسی صورت میں ہو گا جب کہ وہ لڑکا کسی ایسی لونڈی کے بطن سے ہو جو زید کی ملکیت میں رہی ہو اور زید کا

اس کے ساتھ جائز طور پر جماع ہوا ہو، یا وہ کسی آزاد عورت کے بطن سے ہو جو ذیہ کے نکاح میں ہو، اور خود ذیہ نے بھی اپنی زندگی میں یہ اقرار و اعلان کیا ہو کہ یہ میرا لڑکا ہے۔

پھر جب کہ حدیث میں وضاحت ہے یہ لڑکا انہی وارثوں کے حق میں حصہ دار ہو گا جنہوں نے مذکورہ بالا دعویٰ کیا ہو اگر سب ہی وارثوں نے یہ دعویٰ کیا ہو گا وہ لڑکا سب وارثوں کے حق میں حصہ دار ہو گا اور اگر بعض وارثوں نے دعویٰ کیا ہو گا تو صرف انہی بعض وارثوں کے حق میں حصہ دار ہو گا۔ نیز یہ لڑکا صرف اس میراث میں حصہ دار ہو گا جو ابھی تقسیم نہیں ہوئی ہے جو میراث اس دعویٰ سے پہلے تقسیم ہو چکی ہوگی اس میں اسے کوئی حصہ نہیں ملے گا اور اگر یہ صورت ہو کہ ذیہ نے اپنی زندگی میں اس لڑکے کے نسب کا انکار کر دیا یعنی یہ کہا تھا کہ یہ لڑکا میرا نہیں ہے تو پھر اس کے مرنے کے بعد اگر اس کے وارث اس لڑکے کو اپنے میں شامل کرنا چاہیں تو وہ شامل نہیں ہو سکے گا اور نہ اس کو ذیہ کی میراث میں سے کوئی حصہ ملے گا۔

اگر اسی طرح وہ لڑکا کسی ایسی لونڈی کے بطن سے ہو جو ذیہ کی ملکیت میں نہیں تھی (جیسا کہ حضرت عائشہ کی روایت میں مذکور ہے) کے بیٹے کے بارہ میں گھر چکا ہے یا کسی ایسی آزاد عورت کے بطن سے جو ذیہ کے نکاح میں نہیں تھی (جیسا کہ ذیہ کے نکاح کے نتیجہ میں پیدا ہوا تو اس صورت میں بھی وہ ذیہ کے وارثوں میں شامل نہیں ہو سکے گا اور نہ اس کو ذیہ کی میراث میں سے کچھ ملے گا بلکہ اگر ذیہ اپنی زندگی میں خود بھی یہ چاہے کہ اس کے ساتھ اپنا نسب جوڑ کر اس کو اپنے وارثوں میں شامل کر دے تو بھی وہ شامل نہیں کیا جائے گا کیونکہ ولد الزنا کا نسب زانی سے قائم نہیں ہوتا اور نہ وہ زانی کا وارث ہوتا ہے۔

غیرت بعض صورتوں میں پسندیدہ اور بعض صورتوں میں ناپسندیدہ ہے

(۱۶) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنَ الْغَيْرَةِ مَا يُحِبُّ اللَّهُ وَمِنْهَا مَا يَبْغِضُ اللَّهُ فَأَمَّا الَّذِي يَبْغِضُ اللَّهُ فَالْغَيْرَةُ فِي الزَّيْنَةِ وَأَمَّا الَّذِي يَبْغِضُهَا اللَّهُ فَالْغَيْرَةُ فِي غَيْرِ زَيْنَةٍ وَإِنَّ مِنَ الْخِيَلَاءِ مَا يَبْغِضُ اللَّهُ وَمِنْهَا مَا يُحِبُّ اللَّهُ فَأَمَّا الْخِيَلَاءُ الَّذِي يَبْغِضُ اللَّهُ فَالْخِيَلَاءُ الْمَزْخَلُ عِنْدَ الْفَقَائِلِ وَالْخِيَلَاءُ عِنْدَ الصَّدَقَةِ وَأَمَّا الَّذِي يَبْغِضُ اللَّهُ فَالْخِيَلَاءُ فِي الْفَخْرِ وَلَيْسَ رِوَايَةُ فِي الْبَيْعِ۔ (رد المحتار ج ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶،

تشریح: ”اپنے نسب پر فخر کا تکبر“ یہ ہے کہ جو شخص اعلیٰ حسب و نسب اور اچھے خاندان کا ہو وہ یہ کہتا پھرے کہ مجھے نسب میں برتری اور امتیاز حاصل ہے اور میرے باپ دادا اعلیٰ نسل و خاندان کے افراد ہونے کی وجہ سے بزرگ و افضل ہیں یہ ایسا تکبر ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو برتری و فوقیت اور بزرگی و فضیلت اکی شخص کو حاصل ہے جو دین کے اعتبار سے سب میں ممتاز ہو، چنانچہ ارشاد رہا ہے۔

إِنَّ أَكْبَرَ مَعَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتِّفَاقُكُمْ

”اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ بزرگ و بلند مرتبہ وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ متفق ہے۔“

مشکوٰۃ کے ایک نسخہ میں اس روایت میں فی الخمر کی بجائے فی الفقر ہے یعنی جس تکبر کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ فقر کا تکبر ہے، مطلب یہ کہ خدا کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ کوئی شخص حالت فقر میں اپنی قناعت اور اپنے صبر و تحمل پر تکبر کرے چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ یہ تکبر اس تکبر سے بدرجہا جو اپنے غنا اور اپنی ثروت پر کیا جاتا ہے لیکن فقر کا تکبر اس صورت میں برا اور خدا کے نزدیک ناپسندیدہ ہے جب کہ وہ فقراء کے مقابلہ پر کیا جائے ہاں اگر وہ تکبر امراء و اعیانہ کے مقابلہ پر ہو تو اچھا اور پسندیدہ ہے کیونکہ ایسے تکبر کو تو صدق کہا گیا ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

ولد الزنا کا نسب زانی سے ثابت نہیں ہوتا

(۱۷) وَعَنْ عُمَرَو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ فَلَانًا ابْنِي عَاهَزَتْ بَأْتَمَهُ فِي الْخَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا دَعْوَةَ فِي الْإِسْلَامِ فَهَبْ أَمْرَ الْخَاهِلِيَّةِ الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْبَيْتُخَرْ - (رواہ ابو داؤد)

”حضرت عمر و ابن شعیب (اپنے والد حضرت شعیب) سے اور حضرت شعیب (اپنے دادا حضرت عبد اللہ ابن عمر) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص (مجلس نبوی میں کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! ظلال میرا لڑکا ہے جس نے زمانہ جاہلیت میں اس کی ماں سے زنا کیا تھا“ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”زمانہ جاہلیت کی کئی گزری بات کا زمانہ اسلام میں دعویٰ نہیں ہو سکتا“ یعنی یہ بات زمانہ جاہلیت ہی کے ساتھ مخصوص تھی اور جو بچہ زنا کے نتیجہ میں پیدا ہوا کرتا تھا اس کا نسب زانی (اپنے ساتھ جوڑ لیتا تھا اب زمانہ اسلام میں یہ بات درست نہیں) بچہ صاحب فراش کا ہے اور زانی کے لئے پھر یعنی عروہی ہے یا سنگاری۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”صاحب فراش“ سے وہ شخص مراد ہے جو ولد الزنا کی ماں کا خاوند یا مالک ہوا مطلب یہ ہے کہ جو عورت کسی کے نکاح میں ہو، یا لونڈی ہونے کی صورت میں کسی کی ملک میں ہو تو اس کے زنا کے نتیجہ میں جو بچہ پیدا ہوگا اس کا نسب اس کے خاوند یا مالک سے ثابت ہوگا اور اگر وہ عورت کسی کے نکاح یا کسی کی ملک میں نہ ہو تو پھر بچہ ماں ہی کی طرف منسوب ہوگا، بہر صورت زانی کا اس بچہ سے کوئی نسب قائل نہیں ہوگا۔

وہ چار عورتیں جن سے لعان نہیں ہوتا

(۱۸) وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَزْنَعُ مِنَ النِّسَاءِ لَا مِلَّةَ بَيْنَهُنَّ النَّصْرَانِيَّةُ تَحْتَ الْمُسْلِمِ وَالْيَهُودِيَّةُ تَحْتَ الْمُسْلِمِ وَالْمَنْشَرَةُ تَحْتَ الْمُفْلُوكِ وَالْمَمْلُوكَةُ تَحْتَ الْخَبَرِ - (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت عمرو ابن شعیبؓ اپنے والد سے اور وہ اپنے دوہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”چار طرح کی عورتیں ہیں کہ ان کے (اور ان کے شوہروں کے) درمیان لعان نہیں ہوتا ایک تو وہ نصرانیہ (یعنی عیسائی عورت) جو کسی مسلمان کے نکاح میں ہو اور دوسری یہودیہ (یعنی یہودی عورت) جو کسی مسلمان کے نکاح میں ہو اور تیسری وہ آزاد عورت جو کسی غلام کے نکاح میں ہو اور چوتھی وہ لونڈی جو کسی آزاد کے نکاح میں ہو۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی عیسائی یا یہودی عورت کسی مسلمان کے نکاح میں ہو اور اس کا خاوند اس پر زنا کی تہمت لگائے اور وہ اس کی تردید کرے تو اس صورت میں ان دونوں کے درمیان لعان نہیں کرایا جائے گا اسی طرح اگر کوئی آزاد عورت کسی غلام کے نکاح میں ہو یا کوئی لونڈی کسی آزاد کے نکاح میں ہو تو اس کے درمیان بھی لعان نہیں ہوگا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لعان دراصل شہادت و گواہی ہے اس لئے لعان کی صورت میں مرد و عورت دونوں کا اہل شہادت (کہ جن کی شہادت شرعی طور پر معتبر ہوتی ہے) ہونا ضروری ہے جب کہ مملوک (یعنی غلام و لونڈی) اور کافر اہل شہادت نہیں ہیں یعنی کسی معاملہ میں ان کی شہادت و گواہی شرعی طور پر معتبر نہیں ہے لہذا ان کے درمیان لعان کی کوئی صورت نہیں۔

آنحضرت ﷺ حتی الامکان لعان سے باز رکھنا چاہتے تھے

(۱۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آمَرَ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْقُرْآنِ عَيْنِينَ أَنْ يَنْلَأَ عَنَّا أَنْ يُصْغَ بَذُهُ عِنْدَ الْحَامِصَةِ عَلَى فِئِهِ وَقَالَ إِنَّهَا مَوْجِبَةٌ (رواہ انسائی)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) جب نبی کریم ﷺ کے حکم پر دو لعان کرنے والے (یعنی میاں بیوی) لعان کر رہے تھے تو آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ پانچویں گواہی کے وقت لعان کرنے والے کے منہ پر ہاتھ رکھ دے اور فرمایا کہ پانچویں گواہی واجب کرنے والی ہے۔“ (نسائی)

تشریح: کسی خاوند نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی ہوگی اور بیوی نے اس کی تردید کی ہوگی اور صورت حال کو ختم کرنے کے لئے انہوں نے لعان کا رد کیا ہوگا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کو لعان کا حکم دیا اور اسی وقت ایک دوسرے شخص کو یہ حکم فرمایا کہ جب پانچویں گواہی کی باری آئے تو لعان کرنے والے کے منہ پر ہاتھ رکھ دیتا کہ وہ پانچویں گواہی دے کہ لعان کو پورا نہ کرے۔

اس حکم کا بظاہر مقصد یہ تھا کہ جب اس کے منہ پر ہاتھ رکھا جائے گا تو اسے تہیہ اور احساس ہوگا اور جو جگہ بات ہوگی اس کا اقرار کر کے پانچویں گواہی سے باز رہے گا اور جب پانچویں گواہی پوری نہیں ہوگی تو لعان واجب نہیں ہوگا یہ گویا اس بات کی علامت ہے کہ آنحضرت ﷺ حتی الامکان لعان سے روکنے کی کوشش کرتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ جو جگہ بات ہو میاں بیوی اس کا اقرار کریں اور اس دنیا کے آسان مذاہب (یعنی زنا یا تہمت کی حد) کو اختیار کر کے آخرت کے سخت ترین عذاب سے محفوظ رہیں۔

شیطان، میاں بیوی کو ایک دوسرے سے بدظن کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

(۲۰) وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا لَيْلًا قَالَتْ فَغَبَرْتُ عَلَيْهِ فَجَاءَ فَوَاضَى مَا أَصْنَعُ فَقَالَ مَالِكُ يَا عَائِشَةُ اغْزِي قُلَّتِي عَلَى مِثْلِكَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ جَاءَ لِي شَيْطَانٌ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَمْعَى شَيْطَانٌ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ وَمَعَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ نَعَمْ وَلَكِنْ أَعَانِيَ اللَّهُ عَلَيْهِ حَتَّى أَسْلَمْتُ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عائشہؓ کے بارہ میں مقول ہے کہ ایک (مرتبہ) شعبان کی پندرہویں رات کو نبی کریم ﷺ ان کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے تو

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ مجھے آپ ﷺ پر بڑی غیرت آئی پھر جب آنحضرت ﷺ واپس تشریف لائے اور میں جس کیفیت میں مبتلا تھی اس کو دیکھا تو فرمایا کہ ”عائشہ! تمہیں کیا ہوا؟ کیا تم مجھ پر غیرت کرتی ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ”بھلا میری ایسی عورت کو آپ ﷺ جیسے مرد پر غیرت کیوں نہ آئے گی؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”وہ اصل قبلہ سے پاس جھلا“ شیطان آگیا ہے (یعنی شیطان نے تمہیں شک و شبہ میں مبتلا کر دیا) میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا میرے ساتھ شیطان ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں“ میں نے کہا ”یا رسول اللہ! کیا آپ ﷺ کے ساتھ بھی ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر حاوی کر دیا ہے یہاں تک کہ میں اس (دوسرے) سے سالم (محفوظ) رہتا ہوں (خشعی مسلم) کا ترجمہ یہ ہے کہ یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ یعنی میرا تعلق ہو گیا ہے۔“ (اسلم)

تشریح: ایک مرتبہ شعبان کی چند روزیں شب میں آنحضرت ﷺ چلے گئے حضرت عائشہؓ کے پاس سے اللہ کر جنت البقیع تشریف لے گئے تاکہ وہاں مردوں کے لئے ایصال ثواب اور دعا و مغفرت کریں لیکن حضرت عائشہؓ یہ سمجھیں کہ آپ ﷺ میرے پاس سے اللہ کر اپنی کسی اور بیوی کے پاس چلے گئے ہیں یہ گویا شیطان کا فریب تھا جس نے انہیں اس شک میں مبتلا کر دیا اس کی وجہ سے ان کو بڑی غیرت آئی ان کی طبیعت خفیہ ہو گئی، چنانچہ وہ بھی گھبرا کر انہیں اور آنحضرت ﷺ کے پیچھے پیچھے چل پڑیں پھر انہوں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی منزل کسی دوسری بیوی کا مکان نہیں ہے بلکہ جنت البقیع (مدینہ کا قبرستان) ہے جہاں آپ ﷺ اس دنیا سے چلے جانے والے مسلمانوں کے لئے دعا و مغفرت میں مشغول ہیں، یعنی بات ہے کہ جس شک و شبہ نے حضرت عائشہؓ کو اتنا آسایا اور گھبراہٹ میں مبتلا کیا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے واپس پہنچنے سے پہلے ہی گھر میں پہنچ جانا چاہتی ہوں گی چنانچہ وہ وہاں سے بھاگ دوڑ کر گھر کی طرف چلیں جب گھر میں داخل ہوئیں تو کچھ دوڑنے کی وجہ سے اور کچھ ندامت کے سبب سینہ دھو گئی بن گیا اور دم پھولنے لگا ان کے بعد ہی آنحضرت ﷺ گھر میں آئے اور حضرت عائشہؓ کی یہ کیفیت دیکھی کہ دم چڑھ رہا ہے اور گھبراہٹ طاری ہے تو فرمایا آخر اتنی گھبراہٹ تم پر کیوں طاری ہو گئی کیا تم نے محض اس وجہ سے غیرت محسوس کی کہ میں اس طرح کیوں چلا گیا اس کے جواب میں حضرت عائشہؓ نے جو کچھ کہا وہ دراصل عورت کے جذباتِ نفرت کی بڑی حسین اور دلچسپ ترجمانی تھی انہوں نے کہا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ مجھ جیسی صورت آپ ﷺ جیسے مرد پر غیرت نہ کرے؟ یعنی اگرچہ مجھے آپ ﷺ کی بے پناہ محبت حاصل ہے لیکن میری سوسنیں بھی کئی ہیں اور پھر آپ ﷺ تمام ظاہری و باطنی جمال و کمال سے متصف ہیں ایسی صورت میں کہ پھر شک و غیرت میں مبتلا نہ ہوں۔

بَابُ الْعِدَّةِ

عدت کا بیان

عدت کے معنی: نفث میں عدت کے معنی ہیں ”بشار کرنا“ اور اصطلاح شریعت میں عدت اسے کہتے ہیں کہ جب کسی عورت کو اس کا خاوند طلاق دیے یا طلاق و ایلاء وغیرہ کے ذریعہ نکاح یا نکاح جیسی چیز مثلاً نکاح فاسد یا نکاح جائز ہو گیا کہ اس نکاح میں جماع یا غلطی سمجھ ہو چکی ہو، یا شوہر مر جائے تو وہ مقررہ مدت تک (جس کی تفصیل آگے آئے گی) گھر میں رہی رہے جب تک وہ مدت ختم نہ ہو جائے تب تک نہ کہیں جائے اور نہ کسی دوسرے مرد سے ملاقات کرے، جب مدت پوری ہو جائے تو جہاں چاہے جائے اور جس طرح چاہے نکاح کرے۔

عدت کی مدت: جس آزاد عورت کو اس کے خاوند نے طلاق دے دی ہو یا نکاح فسخ ہو گیا ہو اور اس کو حیض آتا ہو تو اس کی عدت کی مدت تین حیض ہے یعنی وہ تین حیض آئے تک شوہر ہی کے گھر میں جہاں طلاق ملی ہو، یعنی رہے اس گھر سے باہر نہ نکلے اور نہ کسی سے نکاح کرے ابی طرح جو عورت کے ساتھ خبرہ میں جماع ہو گیا ہو اس کی عدت کی مدت بھی تین حیض ہے یعنی کسی مرد سے کسی غیر

عورت کو اپنی بیوی سمجھ کر دھوکہ سے محبت کر لی تو اس عورت کو بھی تمہیں حیض آنے تک عدت میں بیٹھنا ہوگا جب تک عدت ختم نہ ہو جائے تب تک وہ اپنے شوہر کو جماع نہ کرنے دے جس عورت کے ساتھ بے قاعدہ یعنی فاسد نکاح ختم ہوا ہو، جیسے وقت نکاح اور پھر تفریق کرادی گئی یا تفریق کرانے سے پہلے ہی عاوند مر گیا ہو تو اس عدت کی مدت بھی تمہیں حیض ہے۔ آم و دلہ جب کہ آزاد کردی جائے یا اس کا مولیٰ مر جائے تو اس کی عدت بھی تمہیں حیض ہیں۔

اگر کسی عورت کو کم سن ہونے کی وجہ سے یا بچہ ہونے کی وجہ سے اور یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت تین مہینہ

ہے۔

جس آزاد عورت کا عاوند مر گیا اور اس کی عدت چار مہینہ دس دن ہے خواہ اس عورت سے جماع کیا گیا ہو یا جماع نہ کیا گیا ہو۔ خواہ وہ مسلمان عورت ہو یا مسلمان مرد کے نکاح میں ہو اور یہ نضرانیہ ہو، خواہ وہ ہائفہ ہو یا بائفہ اور یا آئسہ ہو خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام ہو اور خواہ اس کی مدت میں اگر کو حیض آئے یا نہ آئے۔

حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے خواہ اس عورت کو اس کے عاوند نے طلاق دی ہو یا اس کا عاوند مر گیا ہو اور خواہ وہ عورت آزاد ہو یا لونڈی۔ ولادت ہوتے ہی اس کی عدت پوری ہو جائے گی اگرچہ عاوند کے طلاق دینے یا عاوند کے مرنے کے کچھ ہی دور بعد ولادت ہو جائے یہاں تک کہ کتاب مبسوط میں لکھا ہے کہ اگر حاملہ عورت کا شوہر مر گیا ہو اور وہ انجمنی تختہ پر نہ لایا جا رہا تھا یا جارہا تھا کہ اس عورت کے ولادت ہوگئی تو اس صورت میں بھی اس کی عدت پوری ہو جائے گی۔

جو عورت آزاد نہ ہو یعنی کسی کی لونڈی ہو اور اس کا عاوند اس کو طلاق دے تو اس کی عدت دو حیض ہے بشرطیکہ اس کو حیض آتا ہو اور اگر اس کو حیض نہ آتا ہو تو پھر اس کی عدت دس مہینہ ہوگی اور اگر اس کا عاوند مر جائے تو اس کی عدت دو مہینے پانچ دن ہوگی خواہ اس کو حیض آتا ہو یا نہ آتا ہو۔

عدت کی ابتداء کا وقت: طلاق کی صورت میں عدت کی ابتداء طلاق کے بعد سے ہوگی یعنی طلاق کے بعد جو تین حیض آئیں گے ان کا شمار ہوگا، اگر کسی نے حیض کی حالت میں طلاق دی ہوگی تو اس حیض کا شمار نہ ہوگا بلکہ اس کے بعد کے تین حیض کا اعتبار کیا جائے گا اور وفات میں عدت کا شمار شوہر کی وفات کے بعد سے ہوگا، اگر عورت کو طلاق یا وفات کی خبر نہیں ہوئی یہاں تک کہ عدت کی مدت گزر گئی، تو اس کی عدت پوری ہوگی اعدت کے مسائل کی بانی تفصیل فقہ کی کتابوں میں بھی مل سکتی ہے۔

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

عدت کے دنوں میں شوہر پر نفقہ اور سکنی واجب ہے یا نہیں

① عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ فاطمة بنت قيس أن أبا عمرو بن حفص طلقها البتة وهو غائب فأرسل إليها وكيلة الشيعية فاستخلفته فقال والله ماليك عليتا من شيء فاجأت رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكرت ذلك له فقال ليس لك نفقة فأمرها أن تعتد في بيت أم شريك ثم قال تلك امرأة يغشاها أصحابي اعتدي عند أبي أمم مكتوم فإنه رجل أعشى تصيبين بيته قال فأخذت فأدبيني قالت فلما خللت ذكرت له أن معاوية ابن أبي سفيان وأبا جهيم خطباني فقال أما أبو جهيم فلا يتبع غشاء عن عاتقه وأما معاوية فصفوا لك لا ماله إنكجي أسامة بن زيد فكرهته ثم قال إنكجي أسامة فتكحنت فبعل الله فيه خير أو اغبط وفي رواية عنها فأما أبو جهيم فزجل صرأت للبتساء زواجه مسلمة وفي رواية أن زوجها طلقها ثلاثاً فأتت النبي صلى الله عليه وسلم فقال لا نفقة لك إلا أن تكونين حاملاً.

”ابو سلمہؓ قاطر بن قیس سے نقل کرتے ہیں کہ ابو عمرو بن حفصؓ نے قاطر بن قیسؓ کو (جو ان کی بیوی تھیں) تین طلاقیں دیں جب کہ وہ خود موجود نہیں تھے (یعنی عمرو بن قیس باہر تھے) وہیں سے انہوں نے کسی کی زبانی کہلا کر بھیجا کہ میں نے طلاق دی! پھر ابو عمروؓ کے وکیل (کارندے) نے (بطور نقد) قاطرؓ کے پاس کچھ جو بھیجے۔ قاطرؓ (کے خیال میں جو کہ وہ مقدار بہت کم تھی اس لئے) وہ اس پر ناراض ہوئیں وکیل نے کہا کہ ”خدا کی قسم! ہم پر تمہارا کوئی حق نہیں ہے“ کیونکہ تمہیں تین طلاقیں مل چکی ہیں اس کے نقد کا کوئی حکم نہیں ہے۔ اس وقت تمہیں جو کہ جو بھی مقدار دی گئی ہے وہ محض احسان و سلوک کے طور پر ہے۔ قاطرؓ نے سن کر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا نقد (ابو عمروؓ پر ہوا) جب نہیں ہے پھر آپ ﷺ نے قاطرؓ کو یہ حکم دیا کہ وہ اہم شریک کے گھر عدت میں بیٹھ جائیں لیکن پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اہم شریک کے گھر میں میرے صحابہؓ (جو اہم شریک کے عزیز و اقارب اور اولاد ہیں) آتے جاتے ہیں (اس لئے ان کے گھر میں تمہارا بیٹھنا مناسب نہیں ہوگا) البتہ تم ہمیں مکتومؓ کے ہاں عدت کے دن گزار لو کیونکہ وہ ایک اندھے آدمی ہیں وہاں تم اپنے کپڑے رکھ سکتی ہو اور جب تم حلال ہو جاؤ (یعنی تمہاری عدت کے دن پورے ہو جائیں) تو مجھے اطلاع کر دینا تاکہ میں تمہارے دو سرے نکاح کی فکر کروں) قاطرؓ کہتی ہیں کہ پھر جب میں حلال ہو گئی تو میں رسول کریم ﷺ سے عرض کیا کہ ”معاذی اللہ! ابن ابی سفیانؓ اور ابو جہمؓ نے میرے پاس نکاح کا پیغام بھیجا ہے (آپ ﷺ کی کیا رائے ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا ”ابو جہمؓ (کی بات تو یہ ہے کہ وہ) اپنی لاشی اپنے کاندھے سے (کھینچ کر رکھتی تھیں اور صحابیہؓ غریب آدمی ہیں جن کے پاس مال و اسباب نہیں ہے) لہذا میری رائے میں تو مناسب یہ ہے کہ تم اسامہؓ (بن زیدؓ) سے نکاح کرو“ چنانچہ میں نے اسامہؓ سے نکاح کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے اس (نکاح اور اسامہؓ کی رفاقت) میں خیر و برکت عطا فرمائی اور مجھ پر رشک کیا جانے لگا (یعنی ہم دونوں کی رفاقت اتنی راس آئی اور ہم میں اتنی الفت و محبت پیدا ہوئی کہ جو بھی کچھ ساتھ پر رشک کرتا) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ قاطرؓ کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”ابو جہمؓ ایک ایسا مرد ہے جو عورتوں کو بہت مارتا ہے“ (مسلمؓ) اور مسلمؓ ہی کی ایک اور روایت میں یوں ہے کہ قاطرؓ کے شوہر نے ان کو تین طلاقیں دی تھیں چنانچہ جب وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تمہارا نقد (تمہارے شوہر کے ذمہ نہیں ہے ہاں اگر تم حاملہ ہو گئیں تو اس پر تمہارا نقد واجب ہوگا۔“

تشریح: ”وہاں تم اپنے کپڑے رکھ سکتی ہو“ کا مطلب یہ ہے کہ ابن ام مکتومؓ چونکہ نابینا ہیں اس لئے تمہیں وہاں پردے کی احتیاط کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی اور اگر یہ ترجمہ کیا جائے کہ ”وہاں تم اپنے کپڑے رکھ دو“ تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ وہاں تم جب تک عدت میں رہو، زینت و آرائش کے کپڑے نہ پہننا یا پھر اس جملہ کے ذریعہ کنایہ یہ اظہار مقصود تھا کہ اسامہؓ کی عدت میں گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ عورت کو اجنبی مرد کی طرف دیکھنا جائز ہے بشرطیکہ وہ اجنبی مرد اس کو نہ دیکھے، لیکن یہ استدلال کمزور و ضعیف ہے اور صحیح دینی بات ہے جو اکثر علماء کا قول ہے کہ جس طرح اجنبی مرد کو اجنبی عورت دیکھنا حرام ہے اسی طرح اجنبی عورت کو بھی اجنبی مرد کی طرف دیکھنا حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح مردوں کے حق میں یہ حکم دیا ہے کہ:

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّونَ أَبْصَارَهُمْ (الایہ)۔

”اے محمد ﷺ! آپ (ﷺ) مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں (آخر آیت تک)۔“

ای طرح عورتوں کے حق میں بھی یہ حکم دیا گیا ہے کہ:

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ۔

”اور مسلمان عورتوں سے (بھی) کہہ دیجئے کہ (وہ) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں (آخر آیت تک)۔“

فاروقؓ بھی اسی کے قائل تھے بلکہ وہ اس حدیث کے بارہ میں فرماتے تھے کہ ہم ایک عورت (فاطمہ بنت قیسؓ) کے کہنے سے (کہ رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تمہارا عقد اور کئی تمہارے شوہر کے ذمہ نہیں ہے) کتاب اللہ اور آنحضرت ﷺ کی سنت کو ترک نہیں کر سکتے (جس سے عقد اور کئی کا واجب ہونا ثابت ہے) ہو سکتا ہے کہ فاطمہؓ کو اشتہاء ہو یا نہیں آپ کا اصل ارشاد یاد نہ رہا ہو چنانچہ میں نے خود رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس عورت کا عقد اور کئی شوہر کے ذمہ ہے لیکن حضرت ابن ملک کہتے ہیں کہ یہ واقعہ صحابہؓ کے سامنے پیش آیا تھا (ان صحابہؓ میں سے کسی نے فاطمہؓ کے قول کی تردید نہیں کی ہے اس لئے یہ بمنزلہ اجماع کے ہوا۔)

حضرت امام احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس عورت کے لئے نہ تو عقد واجب ہے اور نہ کئی اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس آیت **اَمْكُنْ لَهُنَّ الْبُيُوتَ** کے موجب اس عورت کے لئے کئی کا واجب ہے عقد واجب نہیں ہے ہاں اگر اسے حل کی حالت میں طلاق دی گئی ہو تو اس حدیث کے مطابق اس کے لئے عقد واجب ہوگا۔

① وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ بَانَ فَاطِمَةُ كَانَتْ فِي مَكَانٍ وَخَشَّ فَجِئْتُ عَلَى نَاجِيَتِهَا فَلَمَّا لَكَ رَخِصَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَغَيَّنَ فِي الثَّقَلِ وَفِي زَوَاجِهَا قَالَتْ مَا لِفَاطِمَةَ أَنْ تَتَغَيَّرَ اللَّهُ تَغَيَّرَ لِي قَوْلُهَا لَا سَكُنِي وَلَا تَقْفَرْ (رواہ بخاری)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ فاطمہ بنت قیسؓ جس مکان میں رہتی تھیں وہ ایک دیر ان جگہ میں ٹھہری رہیں کہ بارہ میں اندیشہ رہتا تھا اس لئے نبی کریم ﷺ نے اس کو (عدت کے دنوں میں اپنے مکان سے ابن ام مکتومؓ کے مکان میں) منتقل ہونے کی آسانی عطا فرمادی تھی۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے کہا ”کہ فاطمہؓ کو کیا ہوا ہے کہ وہ اللہ سے نہیں ڈرتی؟“ اس سے حضرت کی مراد فاطمہؓ کے اس قول کہ نہ عقد واجب ہے اور نہ کئی ”کی تردید کرنا ہے۔“ (بخاری)

تشریح: حدیث کے ابتدائی الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ فاطمہ بنت قیسؓ جس مکان میں رہتی تھیں وہ ایک دیر ان جگہ میں تھا جہاں ہر وقت چور وغیرہ کا اندیشہ رہتا تھا اسی لئے آنحضرت ﷺ نے انہیں اس مکان سے حضرت ابن ام مکتومؓ کے مکان میں منتقل ہونے کی اجازت مرحمت فرمادی اور اس بیان سے حضرت عائشہؓ کا مقصد یہ آگاہ کرنا تھا کہ فاطمہؓ اپنی عدت کے دنوں میں اپنے خاوند کے گھر کو چھوڑ کر غیر کے گھر میں جو بیٹھی تھیں اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ تین طلاقیں والی عورت کے لئے کئی نہیں ہے اور وہ جہاں چاہے عدت میں بیٹھ جائے، بلکہ فاطمہؓ کا اپنے خاوند کے مکان کو چھوڑ کر ایک دوسرے شخص کے مکان میں عدت گزارنے کا سبب یہ ہے جو بیان کیا گیا۔

دوسری روایت کے الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ بنت قیسؓ آنحضرت ﷺ سے یہ نقل کیا کرتی تھیں، کہ جس عورت کو طلاق بائن دی گئی ہو اس کے لئے نہ تو عقد ہے اور نہ کئی ہے چنانچہ حضرت عائشہؓ نے ان کی اس بات کی تردید کی اور فرمایا کہ فاطمہؓ اس قول ”نہ عقد اور نہ کئی ہے“ کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہوئے خدا سے نہیں ڈرتی، آنحضرت نے اس طرح ہر گونہ نہیں فرمایا ہوگا بلکہ فاطمہؓ کو غلط بھی ہوئی ہے۔

گویا اس مسئلہ میں حضرت عائشہؓ کا بھی وہی مسلک تھا جو حضرت عمرؓ کا تھا اور یہ حدیث حضرت امام اظہر ابو حنیفہؒ کے مسلک کی مؤید ہے کہ طلاق بائن والی عورت کے لئے کئی بھی ہے اور عقد بھی ہے۔

② وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ إِذَا تَقَلَّتْ فَاطِمَةُ لَظْفَرِي لِسَانِهَا عَلَى أَحْمَأَيْتِهَا (رواہ فی شرح السنہ)

”اور حضرت سعید ابن مسیبؒ کہتے ہیں کہ فاطمہؓ کو (عدت کے زمانہ میں اس کے خاوند کے گھر سے) اس لئے منتقل کر دیا گیا تھا کہ وہ اپنے خاوند کے عزیزوں سے زبان درازی کیا کرتی تھی۔“ (شرح السنہ)

تشریح: عدت کے زمانہ میں اپنے خاوند کے گھر سے قاطرہ کے اٹھ آنے کا ایک سبب تو وہ تھا جو اوپر کی حدیث میں بیان کیا گیا یعنی ان کے گھر کا بیان جگہ میں ہونا اور دوسرا سبب یہ ہے جو اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔

عدت کے زمانہ میں کسی ضرورت سے گھر سے باہر نکلنا جائز ہے یا نہیں

④ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ طَلَّقْتُ خَاتَمِي ثَلَاثًا فَأَزَدْتُ أَنْ تَجِدَ تَخْلِفَهَا فَرَجَّوَهَا زَجْلًا أَنْ تَخْرُجَ فَأَتَبِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ تَلَى فَيَجِدِينَ تَخْلِفِينَ فَإِنَّهُ عَنِّي أَنْ تَصْدَقِي أَوْ تَفْعَلِي مَعْرُوفًا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میری خالہ کو تین طلاقیں دی گئی (اور وہ عدت میں بیٹھ گئیں) پھر (ایک دن) انہوں نے ارادہ کیا کہ (گھر سے باہر) جائیں سمجھو میں تو زلاں تو ایک شخص نے انہیں گھر سے باہر نکلنے سے منع کیا ”وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور یہ واقعہ بیان کیا اور آپ ﷺ نے فرمایا ”اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جاؤ اور اپنے درخت سے مجھو میں تو زلاں کیونکہ شاید تم مجھو میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں دویا ان کے ذریعہ احسان کرو۔“ (مسلم)۔

تشریح: آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اگر وہ مجھو میں اتنی مقدار میں ہو جائیں گی کہ ان پر زکوٰۃ واجب ہو جائے تم ان کی زکوٰۃ ادا کرو گی اور اگر بہتر نصاب نہیں ہوں گی تو پھر تم ان کے ذریعہ احسان و سلوک کر دو گی ہاں طور کہ اپنے ہمسایوں اور فقراء کو نکل صدقہ کے طور پر دو گی یا انوکوں کے پاس بطور تحفہ بھیجو گی اس سے معلوم ہوا کہ اگر وہ صدقہ نہ کر تیں تو ان کے لئے گھر سے باہر نکلنا جائز نہ ہوتا۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو عورت طلاق بائن کی عدت میں بیٹھی ہو اس کو اپنی کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنا جائز ہے اس مسئلہ میں حنفیہ کا جو مسلک ہے وہ ائمہ علیہ کی روایت کے ضمن میں بیان ہو گا جو آگے آئے گی۔

حاملہ کی عدت، وضع حمل ہے

⑤ وَعَنِ الْمُسَوِّرِينَ مَعْرُوفَةَ أَنَّ سَبْعَةَ الْأَشْهُارِ تَحْتَ بَعْدَ وَفَاةٍ زَوْجِهَا بِلَيَالٍ فَجَاءَتْ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَأْذَنَتْهُ أَنْ تَلْبِسَ قَاوُونَ لَهَا فَتَكْتَحِفَ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت مسور ابن مخرمہؓ کہتے ہیں کہ سبیعہ اسلمیہ کے ہاں ان کے خاوند کی وفات کے کچھ ہی دنوں بعد ولادت ہوئی تو وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ ﷺ سے دوسرا نکاح کرنے کی اجازت مانگی آپ ﷺ نے ان کو اجازت عطا فرمائی اور انہوں نے نکاح کر لیا۔“ (بخاری)

تشریح: سبیعہ اسلمیہ اپنے خاوند کی وفات کے وقت حاملہ تھیں چنانچہ خاوند کی وفات کے چند ہی دنوں بعد ان کے ہاں ولادت ہو گئی تو آنحضرت ﷺ نے ان کو دوسرا نکاح کرنے کی اجازت عطا فرمادی۔
علماء لکھتے ہیں کہ اگر خاوند کی وفات یا طلاق کے بعد عورت کے ہاں ولادت ہو جائے تو وہ عدت سے نکل آئی ہے اور اس کے لئے دوسرا نکاح کرنا جائز ہو جاتا ہے اگرچہ ولادت یا وفات کے تھوڑی ہی دیر بعد ہو۔

عدت کے دنوں میں سرمہ لگانے کی ممانعت

⑥ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ جَاءَتْ بِأَمْرًا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ بَنِي ثَوَفَى عَثَبًا زَوْجَهَا وَقَدْ اشْتَكَتْ عَثَبًا أَفَكَتُهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا مَرْتَبِينَ أَوْ لَا تَأْكُلِي ذَلِكَ يَقُولُ لَأَنَّهُ قَالَ إِنَّمَا هِيَ أَرْعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشِيرٌ وَقَدْ كَانَتْ إِخْدَاكُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تَزِمِينَ بِالْبَغْزَةِ عَلَى رَأْسِ الْحَوْلِ۔ (مسلم)

”اور حضرت اُم سلمہؓ کہتی ہیں کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میری لڑکی کا خاوند مر گیا ہے (جس کی وجہ سے وہ عدت میں ہے) اور اس کی آنکھیں دکھائی ہیں تو کیا میں اس کی آنکھوں میں سرمہ لگا دوں جو رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”نہیں“ اس عورت نے یہ دوبار تین بار پوچھا اور آپ ﷺ ہر بار ملکی جواب دیتے تھے کہ ”نہیں“ پھر فرمایا کہ ”عدت چار مہینہ اور دس دن ہے جب کہ ایام جاہلیت میں تم میں کی ایک عورت (یعنی یہ وہ سال بھر کے بعد جنگیں ہوتی تھیں۔ بخاری و مسلم)“

تشریح: یہ حدیث بظاہر امام احمدؒ کی دلیل ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس عورت کو سرمہ لگانا جائز نہیں ہے جس کا خاوند مر گیا ہو اور وہ عدت میں بیٹھی ہو، خواہ آنکھیں دکھنے کی وجہ سے اس کو سرمہ لگانے کی ضرورت ہو اور خواہ وہ محض زینت یا عادت کی بنا پر لگانا چاہے جب کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک مجبوری کی حالت میں مثلاً آنکھ دکھنے کی صورت میں سرمہ لگانا جائز ہے اور حضرت امام شافعیؒ بھی آنکھیں دکھنے کی صورت میں سرمہ لگانے کی اجازت دیتے ہیں مگر اس شرط کے ساتھ کہ رات میں لگانے اور دن میں پونچھ ڈالنے۔

اس حدیث کے بارہ میں حنفی علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس عورت نے زینت کے لئے سرمہ لگانا چاہا ہو گا مگر یہ نہ کہ یہاں لگانے دیکھنے کا اور چونکہ آپ ﷺ کو اس بات کا علم ہو گا اس لئے آپ ﷺ نے سرمہ لگانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔

حدیث کے آخری جملہ کی وضاحت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ جس عورت کا خاوند مر جاتا وہ ایک لنگو تاریک کو ٹھہری میں بیٹھی رہتی اور بہت خراب کپڑے جو اکثر وہ بیخبر ثابت اور مردے کی صورت میں ہوتا تھا پہنے رہا کرتی تھی، زینت کی کوئی چیز استعمال نہیں کرتی تھی خوشبو بھی نہیں لگاتی تھی، غرض کہ پورے ایک سال تک اسی حالت میں رہتی پھر جس دن سال ختم ہوتا، اس دن اس کے پاس کہ عدا یا کبریٰ اور یا کوئی بھی جانور پر بندہ لایا جاتا جس سے وہ اپنی شرمگاہ روگتی اور اس کے بعد اس کو ٹھہری سے باہر نکلتی پھر اس کے ہاتھ میں چند جنگلیاں دی جاتیں جن کو وہ بیچتی اور اس کے ساتھ ہی عدت سے نکل آتی۔ لہذا آنحضرت ﷺ نے اسی رسم کی طرف اشارہ فرمایا کہ پچھلے زمانہ میں عدت کی مدت بھی بہت زیادہ تھی اور اس میں خرابیاں اور پریشانیاں بھی بہت تھیں جب کہ اسلام میں عدت کی مدت بھی بہت کم ہے یعنی چار مہینہ دس دن زیادہ تھی اور اس میں خرابی اور پریشانی بھی نہیں ہے تو پھر اتنا اضطراب کیوں ہے؟

زمانہ عدت میں سوگ کرنے کا حکم

⑥ وَعَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ وَزَيْنَبِ بْنِتِ جَحْشٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَجُوزُ لِمَاؤُ أَقْتَوَامٍ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ أَنْ يَجْعَلَ عَلَى مَتَبٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَوْ نَعْتَةٍ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا۔ (بخاری و مسلم)

”اور حضرت اُم حبیبہؓ اور حضرت زینب بنت جحشؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جو بھی عورت اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ وہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے ہاں اپنے شوہر کا سوگ چار مہینے دس دن تک کیا کرے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”سوگ“ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بناؤ سنگھار ترک کر دے اور خوشبود سرمہ وغیرہ لگانے سے پرہیز کرے؟ چنانچہ یہ سوگ کرنا کسی درد مری میت پر تین دن سے زیادہ جائز نہیں ہے۔ لیکن اپنے شوہر کی وفات پر چار مہینے دس دن تک یعنی ایام عدت میں سوگ کرنا واجب ہے۔

اب رہی یہ بات کہ چار مہینہ دس دن یعنی عدت کی مدت کی ابتداء تک سے ہوگی تو جوہر علماء کے نزدیک اس مدت کی ابتداء خداوند کی موت کے بعد سے ہوگی، لیکن حضرت علیؓ اس کے قائل تھے کہ عدت کی ابتداء اس وقت سے ہوگی جس وقت کہ عورت کو خاوند کے انتقال کی خبر ہوئی ہے لہذا اگر کسی عورت کا خاوند کہیں باہر سفر وغیرہ میں مر گیا اور اس عورت کو اس کی خبر نہیں ہوئی یہاں تک کہ چار

میں نے دس دن گزر گئے تو جمہور علماء کے نزدیک عدت پوری ہو گئی جب کہ حضرت علیؑ کے قول کے مطابق اس کی مدت پوری نہیں ہوگی، بلکہ اس کو خیر ہونے کے وقت سے چار مہینے دس دن تک عدت میں بیٹھنا ہوگا۔

⑧ وَعَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُعَجِّدُ امْرَأَةً عَلَى مَيْتَةٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلَى رُوحِ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ وَعَشْرٍ أَوْ لَا تَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوعًا إِلَّا تَوْبَ غَضَبٍ وَلَا تَكْتَحِلَ وَلَا تَقْشَطَ طَبِيبًا إِلَّا إِذَا ظَهَرَتْ ثَبَاتٌ مِنْ قُنْطَبٍ أَوْ أَظْفَارٍ - متفق عليه وزاد ابو داؤد وَلَا تَخْتَصِبَ -

”اور حضرت ام عطیہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”کوئی عورت کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے ہاں اپنے شوہر کے مرے چار مہینے دس دن تک سوگ نہ کرے اور (اس پر ایمان یعنی زیادہ مدت میں) عصب کے علاوہ نہ کوئی رنگین کپڑا پہنے، نہ سرمہ لگائے اور نہ خوشبو لگائے البتہ حیض سے پاک ہوئے وقت تمہارا قنطاریا استعمال کرے تو قیاحت نہیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”رنگین“ کپڑے سے مراد وہ کپڑا ہے جو کسم، زعفران اور گیدو وغیرہ کے تیز اور شوخ رنگ میں رنگا گیا ہو اور عام طور پر قرینت و آرائش کے طور پر پہنا جاتا ہو اور کتاب ”کافی“ میں لکھا ہے کہ اگر کسی عورت کے پاس رنگین کپڑوں کے علاوہ اور کوئی کپڑا نہ ہو تو وہ رنگین کپڑا بھی پہن سکتی ہے کیونکہ اس کی ستر پوشی ہر حال زیادہ ضروری ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ ان رنگین کپڑوں کو زیب و زینت کے مقصد سے استعمال نہ کرے۔

”عصب“ اس زمانہ میں ایک خاص قسم کی چادر کو کہتے تھے جو اس طور پر بنی جاتی تھی کہ پہلے سوت کو جمع کر کے ایک جگہ باندھ لیتے تھے پھر اس کو کسم میں رکتے تھے اور اس کے بعد اس کو بچتے تھے چنانچہ وہ سرخ رنگ کی ایک چادر ہو جاتی تھی جس میں سفید دھاریاں بھی ہوتی تھیں کیونکہ سوت کو باندھ کر رکتے کی وجہ سے سوت کا وہ حصہ سفید رہ جاتا تھا جو بندھا ہوا ہوتا تھا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ عدت والی عورت کو رنگین کپڑا پہننے کی جو ممانعت ہے اس کا قائل اس کپڑے سے ہے جو بننے کے بعد رنگا گیا ہو تو اس کا پہننا بھی درست ہے۔

علامہ ابن ہمامؒ حنفی یہ فرماتے ہیں کہ ہمارے علمہ (حنفیہ) کے نزدیک عدت والی عورت کو عصب کا پہننا بھی درست نہیں ہے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک عدت والی عورت کو عصب پہننا جائز ہے خواہ وہ موٹا ہو یا کمین ہو جب کہ حضرت امام مالکؒ ”مہین عصب کو پہننے سے منع کرتے ہیں مولیٰ عصب کو منع نہیں کرتے۔“

سرمہ لگانے کے سلسلہ میں آئمہ کے جو اختلافی اقوال ہیں وہ پیچھے حضرت ام سلمہؓ کی روایت کے ضمن میں بیان کئے جا چکے ہیں، علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ (حنفی مسک کے مطابق) عدت والی عورت کو مجبوری کی حالت میں سرمہ لگانا جائز ہے ویسے جائز نہیں ہے۔ ”قط اور اظفار“ یہ دونوں ایک قسم کی خوشبو ہیں ”قط“ تو عود کو کہتے ہیں جس کی عام طور پر عورتیں یا اپنے دھوئی لیتے ہیں کرائی لے کہا ہے کہ ”قط“ عود ہندی کو کہتے ہیں جسے اگر یا کوٹ کہا جاتا ہے۔

”اظفار“ ایک قسم کا عطر ہوتا تھا یہ دونوں خوشبوئیں اس زمانہ میں عام طور پر عرب کی عورتیں حیض سے پاک ہوتے وقت بدبو دور کرنے کے لئے شہر گاہ میں استعمال کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے عدت والی عورت کو خوشبو استعمال کرنے سے منع فرمایا لیکن حائضہ کو حیض سے پاک ہوتے وقت بدبو دور کرنے کے لئے ان دونوں خوشبوؤں کے استعمال کی اجازت دیدی۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس عورت کا خاوند مر گیا ہو اس پر عدت کے زمانہ میں سوگ کرنا واجب ہے۔ چنانچہ اس پر تمام علماء کا اجماع و اتفاق ہے البتہ سوگ کی تفصیل میں اختلافی اقوال ہیں۔

حضرت ام شافعیؒ اور جمہور علماء تو یہ کہتے ہیں کہ خاوند کی وفات کے بعد ہر عدت والی عورت پر سوگ کرنا واجب ہے۔ خواہ وہ مدغول بہا ہو (یعنی جس کے ساتھ جماع ہو چکا ہو) یا فمید خول بہا ہو (یعنی جس کے ساتھ جماع نہ ہوا ہو) خواہ چھوٹی ہو یا بڑی۔ خواہ باکرہ ہو یا

شیبہ خواہ آزاد ہو یا لونڈی اور خواہ مسلمہ ہو یا کافرہ۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک سات قسم کی عورتوں پر سوگ واجب نہیں ہے جس کی تفصیل درمختار کے مطابق یہ ہے: ① کافرہ ② بجنونہ ③ صغیرہ ④ معتدہ عتق یعنی وہ ام ولد جو اپنے مولیٰ کی طرف سے آزاد کئے جانے یا اپنے مولیٰ کے مرجانے کی وجہ سے عدت میں بیٹھی ہو۔ ⑤ وہ عورت جو نکاح فاسد کی عدت میں بیٹھی ہو۔ ⑥ وہ عورت جو طلاق رجعی کی عدت میں بیٹھی ہو۔ ⑦ کسی غیر مرد نے غلط فہمی میں جماع کر لیا ہو اور اس کی وجہ سے عدت میں بیٹھی ہو۔ ⑧ وہ عورت جو طلاق رجعی کی عدت میں بیٹھی ہو۔ جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ فساد کے علاوہ کسی کفر سے پر عورت کو تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں ہے اور تین دن تک بھی صرف مباح ہے واجب نہیں ہے چنانچہ اگر تین دنوں میں بھی خاوند سوگ کرنے سے منع کرے تو اس کو اس کا حق ہے کیونکہ بیوی کے بناؤ سنگار کا تعلق خاوند کے حق سے ہے اگر تین دنوں میں خاوند کی خواہش یہ ہو کہ وہ سوگ ترک کر کے بناؤ سنگار کرے اور بیوی خاوند کا کہنا نہ مانے تو اس بات پر بیوی کو مارنا خاوند کے لئے جائز ہے کیونکہ سوگ کرنے میں خاوند کا حق فوت ہو جاتا ہے۔

سوگ کے احکام و مسائل: جس عورت کو طلاق رجعی ملی ہو اس کی عدت تو نفقہ اتنی ہی ہے کہ وہ مقررہ مدت تک گھر سے باہر نہ نکلے اور نہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے۔ اس کے لئے بناؤ سنگار وغیرہ درست ہے اور جس عورت کو جوعہ کلفہ و مسلمہ (یعنی بالغ و عاقل اور مسلمان) ہو تین طلاقیں مل گئیں یا ایک طلاق بائن یا اور کسی طرح سے نکاح ٹوٹ گیا یا خاوند مر گیا تو ان سب صورتوں میں اس کے لئے یہ حکم ہے کہ جب تک عدت میں رہے تب تک نہ تو گھر سے باہر نکلے نہ اپنا دوسرا نکاح کرے اور نہ بناؤ سنگار کرے یہ سب باتیں اس پر حرام ہیں۔ ام سنگار نہ کرنے اور میلے پھیلے رہنے کو سوگ کہتے ہیں۔

جب تک عدت ختم نہ ہو تب تک خوشبو لگانا، کپڑے بسانا، پور کھنا، پھول پہننا، سرمہ لگانا، ہان کھا کر منہ لال کرنا، می ملنا، سر میں تیل ڈالنا، سٹیکھی کرنا، مہندی لگانا، اچھے کپڑے پہننا، دھنسی اور رنگے ہوئے پہرہ دار کپڑے پہننا یہ سب باتیں ممنوع ہیں۔ ہاں مجبوری کی حالت میں اگر ان میں سے کوئی چیز اختیار کی گئی تو کوئی مضائقہ نہیں مثلاً سر میں درو ہونے کی وجہ سے تیل ڈالنے کی ضرورت پڑے تو بغیر خوشبو کا تیل ڈالنا درست ہے۔ اسی طرح دردا کے لئے سرمہ لگانا بھی ضرورت کے وقت درست ہے۔

جس عورت کا نکاح صحیح نہیں ہوا تھا بلکہ بے قاعدہ ہو گیا تھا اور وہ فسخ کر دیا گیا یا خاوند مر گیا تو ایسی عورت پر سوگ کرنا واجب نہیں ہے۔ اسی طرح جو عورت عتق (یعنی آزاد ہوئی) کی عدت میں ہو جیسے ام ولد کو اس کا مولیٰ آزاد کر دے اور وہ اس کی وجہ سے عدت میں بیٹھی ہو، تو اس پر بھی سوگ کرنا واجب نہیں ہے۔

جو عورت عدت میں بیٹھی ہو اس کے پاس نکاح کا پیغام بھیجنا جائز نہیں ہے ہاں نکاح کا کتا ہے یعنی یہ کہنا کہ میں اس عورت سے نکاح کرنے کی خواہش رکھتا ہوں، یا اس سے نکاح کرنے کا اس ارادہ رکھتا ہوں، جائز ہے، مگر یہ بھی اس صورت میں جائز ہے جب کہ وہ عورت وفات کی عدت میں بیٹھی ہو اگر طلاق کی عدت میں بیٹھی ہو تو یہ بھی جائز نہیں ہے۔

جو عورت طلاق کی عدت میں بیٹھی ہو اس کو تو کسی بھی وقت گھر سے نکلتا جائز نہیں ہے ہاں جو عورت وفات کی عدت میں بیٹھی ہو وہ دن میں نکل سکتی ہے اور کچھ رات تک نکل سکتی ہے مگر رات اپنے گھر سے علاوہ دوسری جگہ بسر نہ کرے لونڈی اپنے آقا کے کام سے گھر سے باہر نکل سکتی ہے۔

معتدہ (عدت والی عورت) کو اپنی عدت کے دن اسی مکان میں گزارنے چاہئیں جس میں وہ فسخ و طلاق یا خاوند کی موت کے وقت سکونت پذیر ہو، ہاں اگر اس مکان سے زبردستی نکالا جائے اس مکان میں اپنے مال و اسباب کے ضائع ہو جانے کا خوف ہو یا اس مکان کے گر پڑنے کا خطرہ ہو اور یا اس مکان کا کرایہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو ان صورتوں میں کسی دوسرے مکان میں عدت بیٹھنا جائز ہے۔

اسی طرح اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ میاں بیوی ایک ہی مکان میں رہیں اگرچہ وہ طلاق بائن کی عدت میں بیٹھی ہو بشرطیکہ دونوں

کے درمیان پر وہ سناں رہے ہوں اگر خاندان قاسم اور ناقابل اعتماد ہو یا مکان تنگ ہو تو عورت اس گھر سے منتقل ہو جائے اگرچہ خاندان کا منتقل ہونا اولیٰ ہے اور اگر میاں بیوی کے ایک ہی مکان میں رہنے کی صورت میں وہ دونوں اپنے ساتھ کسی ایسی معتمد عورت کو رکھ لیں جو دونوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھنے پر قادر ہو تو بہت ہی اچھا ہے۔

اگر مرد، عورت کو اپنے ساتھ سفر میں لے گیا اور پھر سفر کے دوران اس کو طلاق بائن یا تین طلاقیں دیدیں یہ مرد مرگیا اور عورت کا شہر یعنی اس کا وطن اس جگہ سے کہ جہاں طلاق یا وفات واقع ہوئی ہے سفر شرعی (یعنی تین دن کے سفر) سے کم مسافت پر واقع ہو تو وہ اپنے شہر واپس آجائے اور اگر اس مقام سے جہاں طلاق یا وفات واقع ہوئی ہے اس کا شہر سفر شرعی (یعنی تین دن کی مسافت) کے بقدر یا اس سے زائد فاصلہ پر واقع ہے اور وہ منزل مقصود (جہاں کے لئے سفر اختیار کیا تھا) اس مسافت سے کم فاصلہ پر واقع ہے تو اپنے شہر واپس آنے کی بجائے منزل مقصود چل جائے اور ان دونوں صورتوں میں خود اس کا ولی اس کے ساتھ ہو یا ساتھ نہ ہو لیکن بہتر یہ ہے کہ وہ عورت طلاق یا وفات کے وقت کسی شہر میں ہو تو وہاں سے عدت گزارے بغیر نہ نکلے اور نکلے تو کسی محرم کا ساتھ نہ ہونا ضروری ہے لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر اس کا کوئی محرم اس کے ساتھ ہو تو پھر عدت سے پہلے بھی اس شہر سے نکل سکتی ہے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

معتدہ کو بلا ضرورت ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل ہونا جائز نہیں

④ وَعَنْ زَيْنَبِ بِنْتِ كَعْبٍ أَنَّ الْفَرِيقَةَ بَنِي مَالِكِ بْنِ سَبَّاحٍ وَهِيَ اخْتُ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ اخْتَبَرَتْهَا أَهْلُهَا حَتَّى أَتَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَكَاحَهُ أَنْ تَرْجِعَ إِلَى أَهْلِهَا فِي بَيْتِ خُدْرَةَ فَإِنْ رَوَّجَهَا خَرَجَ فِي طَلَبِ أَغْنِبُولَةَ أَبْغَوْا فَقَتَلُوهُ قَالَتْ فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَرْجِعَ إِلَى أَهْلِي حَتَّى يَرْجِعَ لَمْ يَتَرَكَنِي فِي مَنْزِلٍ يَبْلُغُكَ وَلَا نَفَقَةٍ فَقَالَتْ فَإِنْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعِمَ فَانْصَرَفْتُ حَتَّى إِذَا كُنْتُ فِي الْحُجْرَةِ أَوْ فِي الْمَسْجِدِ دَعَايْنِ فَقَالَ أُمْكُنِّي فِي بَيْتِكَ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ قَالَتْ فَاعْتَذَرْتُ فِيهِ أَزِيغُهُ أَشْهُرًا وَعَشْرًا۔

(ردہ مالک و الترمذی و ابو داؤد و النسائی و ابن ماجہ و الدارمی)

”حضرت زینب بنت کعبؓ فرماتی ہیں کہ فریقہ بنت مالک بن سنان نے جو حضرت ابو سعید خدریؓ کی بہن ہیں، مجھے بتایا کہ وہ (فریقہ) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں یہ پوچھنے حاضر ہوئیں کہ کیا وہ (اپنی عدت گزارنے کے لئے) اپنے ایک بھائی خدرہ میں منتقل ہو سکتی ہیں کیونکہ ان کے شوہر اپنے بھائے کے غلاموں کی تلاش میں گئے تھے کہ ان غلاموں نے انہیں مار ڈالا چنانچہ فریقہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا کہ میں اپنے بیکے میں آجاؤں کیونکہ میرے شوہر نے مجھے جس مکان میں چھوڑا ہے وہ اس کے ملک نہیں تھے (یعنی میں جس مکان میں رہتی ہوں وہ ان کی ملکیت میں نہیں تھا) اور نہ ہی میرے پاس کھانے پینے کے خرچ کا کوئی انتظام ہے۔ فریقہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ”بہتر ہے کہ تم اپنے بیکے چلی جاؤ چنانچہ میں (یہ اجازت حاصل کر کے) واپس ہوئی اور جب حجرہ مبارک کے صحن میں یا مسجد نبویؐ میں پہنچی تو آپ ﷺ نے مجھے پھر بلایا اور فرمایا ”تم اپنے اسی گھر میں عدت میں بیٹھو (جس میں تمہارے شوہر کے مرنے کی خبر آئی ہے) اگرچہ وہ تمہارے شوہر کی ملکیت میں نہیں ہے ہاں اگر کلب (یعنی عدت) اپنی مدت تک پہنچ جائے ”فریقہؓ کہتی ہیں کہ میں (آنحضرت ﷺ) کے اس حکم کے مطابق چار مہینہ دس دن تک ایک مکان میں عدت میں بیٹھی رہی۔“

(مالک، ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معتدہ (یعنی عدت میں بیٹھی) عدت کو بلا ضرورت ایک مکان سے دوسرے مکان میں اٹھ آتا

درست نہیں ہے۔

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ اس بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ جو عورت اپنے خاوند کے مرجانے کا وجہ سے عدت میں بیٹھی ہو، اس کے لئے سکنی (یعنی شوہر ہی کے مکان میں عدت گزارنا) ضروری ہے یا نہیں؟ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت امام شافعیؒ کے دو قول ہیں جس میں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس کے لئے سکنی ضروری ہے، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بھی اسی کے قائل تھے۔ ان کی طرف سے یہی حدیث بطور دلیل پیش کی جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پہلے تو فریہ کو مکان منتقل کرنے کی اجازت دیدی مگر پھر آپ ﷺ نے ان کو منتقل ہونے سے منع کر دیا اور یہ حکم دیا کہ وہ اپنے شوہر کے اسی مکان میں عدت کے دن گزاریں، اس سے ثابت ہوا کہ فریہ کو پہلے آپ ﷺ کا اجازت دیتا آپ ﷺ کے اس اہمکنی فی بیتک البیخ اتم اپنے اسی گھر میں عدت میں بیٹھو کے ذریعہ منسوخ ہو گیا۔

حضرت امام شافعیؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ متعدد وفات کے لئے سکنی ضروری نہیں ہے بلکہ وہ جہاں چاہے عدت میں بیٹھ جائے اور یہی قول حضرت علّیؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کا بھی تھا اس قول کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فریہ کو مکان میں منتقل ہونے کی اجازت عطا فرمادی تھی۔ اور پھر بعد میں آپ ﷺ نے ان کو اپنے ہی مکان میں عدت گزارنے کا جو حکم فرمایا وہ استحباب کے طور پر تھا، اس مسئلہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا جو مسلک ہے۔ وہ انشاء اللہ باب التفات کے ابتداء میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

عدت کے دنوں میں بناؤ سنگار کی کوئی بھی چیز استعمال نہ کی جائے

①۰ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ تُوُفِّيَ أَبُو سَلَمَةَ وَقَدْ جَعَلْتُ عَلَيَّ حَبْرًا فَقَالَ مَا هَذَا يَا أُمَّ سَلَمَةَ قُلْتُ إِنَّمَا هُوَ صَبْرٌ لَيْسَ فِيهِ طِبُّ فَقَالَ إِنَّهُ يَنْشُبُ التَّوَجُّةَ فَلَا تَحْفَلِيهِ إِلَّا بِاللَّيْلِ وَتَشْرَبِيهِ بِالتَّهَارِ وَلَا تَمْسُطِي بِالطَّلِيبِ وَلَا بِالْحِجَابِ فَإِنَّهُ يَخْضَابُ قُلْتُ يَا بَنِي خُزَيْمَةَ أَتَمْسُطُ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ بِالتَّبَدُّ وَتَعْلِيلَيْنِ بِهِ زَامِلَتٌ۔ (رواہ ابو داؤد و ترمذی)

”اور حضرت ام سلمہؓ (جو آنحضرت ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں) روایت کرتی ہیں کہ جب (میرے پہلے شوہر) ابو سلمہؓ کا انتقال ہوا اور میں عدت میں بیٹھی ہوئی تھی تو (ایک دن) رسول کریم ﷺ میرے گھر تشریف لائے، اس وقت میں نے اپنے منہ پر ایلا لگا رکھا تھا، آپ ﷺ نے یہ (دیکھ کر) فرمایا کہ ام سلمہ! یہ کیا ہے؟ (یعنی تم نے عدت کے دنوں میں منہ پر یہ کیا لگا رکھا ہے؟) میں نے عرض کیا کہ ”یہ تو ایلا ہے جس میں کسی قسم کی کوئی خوشبو نہیں ہے“ آپ ﷺ نے فرمایا ”مگر ایلا چیرے کو جو ان بنا دیتا ہے (یعنی ایلا لگانے سے چہرہ چمکدار ہو جاتا ہے اور اس کا رنگ گھر جاتا ہے) لہذا تم اس کو نہ لگاؤ! اگر کسی وجہ سے لگانا ضروری ہی ہو تو رات میں لگاؤ اور دن میں صاف کر ڈالو! کیونکہ رات میں استعمال کرنے سے بناؤ سنگار لگانا بھی ہوگا، اسی طرح خوشبودار کھنکھی بھی نہ کرو اور نہ ہندی کے ساتھ کھنکھی کرو کیونکہ ہندی (سرخ رنگ لٹے ہوئی ہے اور اس میں خوشبو ہوتی ہے جب کہ یہ سوگ کی حالت میں ممنوع ہے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! پھر میں کس چیز کے ساتھ کھنکھی کروں؟ (یعنی اپنے بالوں کو کس چیز سے صاف کروں) آپ ﷺ نے فرمایا بیری کے چوں کے ساتھ کھنکھی کرو اور ان چوں سے اپنے سر کو غلاف کی طرح ڈھانپ لو (یعنی بیری کے پتے اپنے سر پر اتنی مقدار میں ڈالو کہ وہ تمہارے سر کو غلاف کی طرح ڈھانپ لیں۔“ (ابو داؤد و ترمذی)

تشریح: خوشبودار تیل کے بارہ میں تو علماء کا اتفاق و اجماع ہے کہ عدت و اولی عورت اس کا استعمال نہ کرے البتہ بغیر خوشبو کے تیل مثلاً روغن زیتون و تیل کے بارہ میں اختلافی اقوال ہیں چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ تو بغیر خوشبو کا تیل لگانے سے بھی منع

کرتے ہیں البتہ ضرورت و مجبوری کی حالت میں اس کی اجازت دیتے ہیں اور حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمدؒ، اور علماء خواہر نے عدت والی عورت کے لئے ایسے تیل کے استعمال کو جائز رکھا ہے جس میں خوشبو نہ ہو۔

(۱۱) وَعَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا لَا تَلْبَسُ الْمُعْضَفُ مِنَ الْقِيَابِ وَلَا الْمُعْشَقَةَ وَلَا الْخَلْجِيَّ وَلَا تَخْضَبُ وَلَا تَكْتَجِلُ۔ (رواہ ابو داؤد و الترمذی)

”اور حضرت ائمہ سلمہؒ، نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جس عورت کا خاوند مر جائے وہ نہ کسم میں رنگا ہوا کپڑا پہنے نہ کیر میں رنگا ہوا کپڑا پہنے، نہ زلیور پہنے، نہ ہاتھ پاؤں اور بالوں پر ہندی لگائے اور نہ سرمہ لگائے۔“ (ابو داؤد و ترمذی)

تشریح: اگر سیدہ اور خاکسری رنگ کے کپڑے پہنے تو کوئی مضائقہ نہیں اسی طرح کسم میں زیادہ دنوں کا رنگا ہوا کپڑا کہ جس سے خوشبو نہ آتی ہو، پہننا بھی درست ہے، ہدایہ میں لکھا ہے کہ مذکورہ بالا عورت کو کسی عذر مثلاً مہلکی یا جوئیں یا کسی بیماری کی وجہ سے ریشمی کپڑا پہننا بھی جائز ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

مطلقہ کی عدت کے بارہ میں ایک بحث

(۱۲) عَنْ سَلِيمَانَ بْنِ يَسَافٍ أَنَّ الْأَخْوَصَ هَلَكَ بِالشَّامِ جَنَنْ دَخَلَتْ مَرْأَتُهُ فِي الدَّمِ مِنَ الْخَيْضَةِ الثَّالِيَةِ وَقَدْ كَانَ عَاطِلًا فَكَتَبَ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ إِلَى زَيْنَبِ بْنِ قَابِطٍ مَسْأَلَةً عَنْ ذَلِكَ فَكَتَبَ إِلَيْهِ زَيْنَبٌ أَنَّهَا إِذَا دَخَلَتْ فِي الدَّمِ مِنَ الْخَيْضَةِ الثَّالِيَةِ فَقَدْ بَرَأَتْ مِنْهُ وَتَوَبَّى مِنْهَا لَا يَرْتَفَعُ وَلَا تَرْتَفَعُ۔ (رواہ مالک)

”حضرت سلیمان ابن یسافؒ کہتے ہیں کہ اخوصؒ نے ملک شام میں اس وقت وفات پائی جب کہ ان کی بیوی کا تیسرا حیض شروع ہو چکا تھا اور اخوصؒ نے (اپنے مرنے سے پہلے) ان کو طلاق دیدی تھی چنانچہ حضرت معاویہ ابن ابوسفیانؓ نے اس مسئلہ کو دریافت کرنے کے لئے حضرت زینہ ابن ثابتؓ کو خط لکھا، حضرت زینہؓ نے حضرت معاویہؓ کو جواب میں لکھا کہ ”جب اس عورت کا تیسرا حیض شروع ہو گیا تو وہ اخوصؒ سے الگ ہوگئی اور اخوصؒ اس سے الگ ہوگئے نہ تو اخوصؒ اس کے وارث ہوئے اور نہ وہ اخوصؒ کی وارث ہوئی۔“ (مالک)

تشریح: صورت مسئلہ یہ تھی کہ حضرت اخوصؒ نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور وہ تین حیض آنے تک کے لئے عدت میں بیٹھ گئیں جیسا کہ طلاق کی عدت کا حکم ہے پھر ابھی ان کی عدت پوری نہیں ہوئی تھی (اور تیسرا حیض شروع ہوا تھا کہ اخوصؒ کا انتقال ہو گیا اس صورت میں انہیں چار مہینے دس دن تک وفات کی عدت میں بیٹھنا چاہئے تھا چنانچہ حضرت معاویہؓ نے حضرت زینہ ابن ثابتؓ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ اس صورت میں عورت، خاوند کی وارث ہوگی یا نہیں؟ حضرت زینہؓ نے حضرت معاویہؓ کو لکھا کہ جب تیسرا حیض شروع ہو گیا ہے تو محض تیسرے حیض کا خون دیکھتے ہی اس کا تعلق منقطع ہو گیا۔ اور زوجیت کی پابندی سے آزاد ہوگئی کیونکہ اس صورت میں طلاق کی عدت یا تو اس اعتبار سے کہ اس کی عدت کا زیادہ حصہ مگر ہو گیا ہے یا اس اعتبار سے کہ تیسرا حیض شروع ہو گیا۔ پوری ہوگئی ہے اس صورت میں وفات کی عدت ساقط ہوگئی لہذا جس طرح طلاق کی عدت پوری ہو جانے پر اگر مرد زندہ ہوتا تو وہ عورت کا وارث نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی طرح اب مذکورہ مسئلہ میں جب کہ مرد مر گیا ہو تو عورت اس کی وارث نہیں ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہؓ کا مقصد صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ وہ عورت اخوصؒ کی وارث ہوگی یا نہیں؟ جب کہ یہ احتمال بھی ہے کہ حضرت معاویہؓ کا مقصد عدت کے بارہ میں معلوم کرنا تھا کہ آیا یہ عورت اپنی طلاق کی عدت جاری رکھے یعنی تیسرا حیض جو شروع ہو چکا ہے اس سے پاک ہو کر عدت سے نکل آئے یا اسب وفات کی عدت بیٹھ جائے۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ اس موقع پر طبعی (شافعی) نے لکھا ہے کہ اس سے مرعایہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مطلقہ عورت کی عدت کے بارہ میں جو یہ حکم دیا ہے کہ:

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّعْنَ بَأْفَقِيهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ۔ (البقرہ: ۲۲۸)

”اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو روکے رکھیں تین حیض ختم ہونے تک۔“

تو اس میں قروہ سے مراد طہر ہیں (گویا طبعی) کا مقصد یہ واضح کرتا ہے کہ یہ حدیث شوافع کی دلیل ہے کیونکہ ان کے نزدیک مطلقہ کی عدت تین حیض نہیں بلکہ تین طہر ہیں (حالانکہ (طبعی) کی یہ بات کہ اس حدیث سے شوافع کا مسلک ثابت ہوتا ہے کوئی مضبوط بات نہیں ہے کیونکہ) اول تو یہ ایک صحابیؓ (حضرت زید بن ثابت) کا مسلک ہے دوسرے یہ کہ خود انہی (حضرت زیدؓ) سے اس امر کے برخلاف بھی منقول ہے (چنانچہ ان سے یہ منقول ہے کہ عدۃ لامۃ حیضستان یعنی لونڈی کی عدت دو حیض ہیں پھر اس کے علاوہ یہ قطعاً معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت زیدؓ کے قول پر عمل بھی کیا تھا یا نہیں۔

حنفیہ کے نزدیک ثلثۃ قروہ سے مراد ”تین حیض“ ہیں چنانچہ خلفاء راشدین اور اکثر صحابہؓ کا بھی یہ قول ہے نیز تیرہ صحابیوں سے منقول ہے کہ وہ یہ کہا کرتے تھے کہ بیوی (طلاق کی عدت میں) جب تک تیسرے حیض سے پاک نہ ہو جائے، مرد (یعنی خاوند) کہ جس نے اس کو طلاق دی ہے) اس کا زیادہ حق رکھتا ہے (مطلب یہ کہ تیسرے حیض سے پاک ہونے کے بعد اسی عدت کی مدت پوری ہوتی ہے اور اس بیوی سے مرد کا مکمل انقطاع ہو جاتا ہے) اس سے بھی یقینی ثابت ہوتا ہے کہ ”قروہ“ سے ”حیض“ مراد ہیں۔ ملا علی قاریؒ نے اپنی کتاب میں اس موقع پر تفصیلی بحث کی ہے اور حنفیہ کے بہت سے دلائل لکھے ہیں۔

مطلقہ کی عدت کا ایک مسئلہ

④۳ وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَيُّمَا امْرَأَةٍ طَلَّقَتْ فَعَاَصَتْ حَيْضَةً أَوْ حَيْضَتَيْنِ لَمْ يُفْعَلْهَا حَيْضَتُهَا فَإِنَّهَا تَنْتَظِرُ بَيْعَةَ أَشْهُرٍ فَإِنْ يَأْتِيَهَا حَمْلٌ فَلِذَلِكَ وَالْأَخْتَصَرُ بَعْدَ التَّسْفَةِ الْأَشْهُرِ ثُمَّ حَلَّتْ۔ (رواہ مالک)

”اور سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا ”جس عورت کو طلاق دی گئی ہو اور اس کو ایک یا دو بار حیض آکر پھر موقوف ہو گیا ہو تو وہ نو مہینے تک انتظار کرے اگر (اس عرصہ میں) حمل ظاہر ہو جائے تو اس کا حکم ظاہر ہے کہ جب ولادت ہوگی تو عدت پوری ہوگی اور حمل ظاہر نہ ہو تو پھر نو مہینے کے بعد تین مہینہ تک عدت کے دن گزارے اور اس کے بعد حلال ہو (یعنی عدت سے نکل آئے)۔“ (مالک)

بَابُ الْأَسْتِبْرَاءِ

استبراء کا بیان

شریعت میں ”استبراء“ کا مطلب ہے لونڈی کے رحم کی حمل سے پاکی (صفائی) طلب کرنا اس کی فقہی تفصیل یہ ہے کہ جب کسی شخص کی ملکیت میں کوئی لونڈی آئے خواہ اس نے اس کو خریدہ ہو یا کسی وصیت میں ملی ہو، یا کسی نے بہرہ کی ہو اور یا میراث میں ملی ہو تو اس شخص کو اس لونڈی سے اس وقت تک جماع کرنا یا مساس کرنا اور یا بوسہ لینا وغیرہ حرام ہے جب تک کہ استبراء نہ کر لے یعنی اس کے قبضہ میں آنے کے بعد ایک حیض نہ آجائے اگر اس کو حیض آتا ہو، یا نہ آنے کی صورت میں اس پر ایک مہینہ کی مدت نہ گزر جائے اور یا حاملہ ہونے کی صورت میں ولادت نہ ہو جائے اور یہ استبراء ہر حال میں کرنا ضروری ہے خواہ وہ بارہ ہی کیوں نہ ہو اس کو کسی عورت نے

کیوں نہ خرید ہو یا وہ کسی محرم یا اپنے نابالغ بچے کے مال سے بذریعہ وراثت وغیرہ کیوں نہ حاصل ہوگی ہو اگرچہ ان صورتوں میں قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ استبراء واجب نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ ”استبراء“ میں حکمت یہ ہے کہ اس طریقہ سے اس کے رحم کا کسی غیر کے نطفہ سے پاک ہونا معلوم ہو چلے تاکہ اس کے نطفہ کا کسی غیر کے نطفہ کے ساتھ اختلاط نہ ہو اور ظاہر ہے کہ ان صورتوں میں کسی غیر کے نطفہ کا کوئی احتمال نہیں ہے لیکن چونکہ یہ مرتب نص ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اوٹاس کے خزوہ کے موقع پر حاصل ہونے والی لونڈیوں کو بارہ میں فرمایا کہ ”خبردار! حلالہ لونڈی سے اس وقت تک محبت نہ کی جائے جب کہ اس کے ولادت نہ ہو جائے اور غیر حلالہ سے اس وقت تک محبت نہ کی جائے جب تک کہ اس کو ایک حیض نہ آجائے“ اور ظاہر ہے کہ ان لونڈیوں میں بارہ بھی ہوں گی اور ایسی لونڈیاں بھی ہوں گی جو بارہ کی طرح نطفہ کے اختلاط کا احتمال نہیں رکھتی ہوں گی، اس لئے قیاس کو نظر انداز کر کے ان صورتوں میں بھی استبراء کو واجب قرار دیا گیا۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

استبراء کے بغیر لونڈی سے جماع کرنے والا لعنت کا مستحق ہے

① عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَجِيعٌ فَسَأَلَ عَنْهَا فَقَالُوا: أَمَّا لِفُلَانٍ قَالَ أَيْلِمُ بِهَا قَالُوا نَعَمْ قَالَ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَلْعَنَهُ لَعْنًا بَدَّ خُلُوعَةً فِي قَبْرِهِ كَيْفَ يَسْتَحْدِمُهُ وَهُوَ لَا يَحِلُّ لَهُ أَمْ كَيْفَ يَبُورُهُ وَهُوَ لَا يَحِلُّ لَهُ۔ (ارودہ مسلم)

”حضرت ابوذر راوی کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ ایک عورت کے قریب سے گزرے جس کے جلد ہی ولادت ہونے والی تھی۔ آپ ﷺ نے اس کے بارہ میں دریافت فرمایا کہ یہ کوئی آزاد عورت ہے یا لونڈی ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”فلاں شخص کی لونڈی ہے“ آپ ﷺ نے پوچھا ”کیا وہ شخص اس سے محبت کرتا ہے؟“ صحابہؓ نے عرض کیا ”ہاں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”میں نے ارادہ کیا کہ اس شخص پر ایسی لعنت کروں جو اس کے ساتھ قبر میں بھی جائے (یعنی ایسی لعنت جو ہمیشہ رہے یاں طور کہ اس کا اثر اس کے مرنے کے بعد باقی رہے وہ کس طرح اپنے بیٹے سے خدمت کو کہے گا جب کہ بیٹے سے خدمت کے لئے کہنا یا اس کو غلام بنانا حلال نہیں ہے، یا اس کو کس طرح اپنا وارث قرار دے گا جب کہ غیر کے بیٹے کو اپنا وارث بنانا حلال نہیں ہے۔“ (مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے اس شخص پر لعنت کا ارادہ اس لئے فرمایا کہ جب اس نے ایک لونڈی سے جماع کیا جو حالت حمل میں اس کی ملکیت میں آئی تو اس استبراء کو ترک کیا حالانکہ وہ فرض ہے۔ ”وہ کس طرح اپنے بیٹے سے خدمت کو کہے گا اگر“ آپ ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعہ ترک استبراء پر لعنت کے سبب کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جس کا حامل یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی لونڈی سے بغیر استبراء کے محبت کرے گا اور پھر اس سے بچہ پیدا ہو گا تو اس بچہ کے بارہ میں یا یہ احتمال ہو گا کہ وہ اس شخص کے نطفہ سے جس کی ملکیت سے نکل کر یہ لونڈی، بغیر استبراء کے محبت کرنے والے کی ملکیت میں آئی ہے تو اس صورت میں اگر وہ شخص کہ جس نے بغیر استبراء کے اس لونڈی سے جماع کیا ہے اس بچہ کے نسب کا اقرار کرے گا یعنی یہ کہے گا کہ یہ بچہ میرا ہے (جب کہ حقیقت میں وہ اس کے نطفہ سے نہیں ہے) تو وہ بچہ اس شخص کا وارث ہو گا لہذا اس طرح ایک دوسرے شخص کے بچہ کو اپنا وارث بنانا لازم آئے گا جو حرام ہے اور اس پر وہ لعنت کا مستحق ہو گا یا پھر صورت ہو گی کہ وہ اس بچہ کے نسب سے انکار کر دے گا (جب کہ اس احتمال کے مطابق حقیقت میں وہ بچہ اس کا بیٹا ہو گا) لہذا اس طرح اپنے ہی بیٹے سے غلامی کرنا اور اپنا نسب منقطع کرنا لازم آئے گا اور یہ بھی لعنت کا مستحق کرنے والی صورت ہے لہذا ثابت ہوا کہ تحقیق حال کے لئے استبراء نہایت ضروری ہے۔

الفصل الثانی

بغیر استبراء لونزی سے صحبت کرنے کی ممانعت

② عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَفَعَهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِي سَتَانَا أَوْ تِلْكَ لَا تُؤْخَذُ أَحَابِلٌ حَتَّى نَضَعُ وَلَا غَيْرُ ذَاتِ خُمْطٍ حَتَّى نَحْضُضَ خَيْضَهُ (رواه احمد و ابوداؤد و الترمذی)

”حضرت ابوسعید خدریؓ نے نبی کریم ﷺ سے بطریق مرفوع نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے غزوہ ادھاس میں گرفتار ہونے والی لونزیوں کے بارہ میں فرمایا کہ کسی حاملہ عورت سے اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب تک کہ اس کے ولادت نہ ہو جائے اور غیر حاملہ سے بھی اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب تک کہ اس کو ایک حیض نہ آجائے۔“ (احمد و ابوداؤد و ترمذی)

تشریح: اگر کسی غیر حاملہ کو اس کی کم عمری کی وجہ سے یا زیادہ عمر ہو جانے کے سبب سے حیض نہ آتا ہو تو اس کا استبراء یہ ہے کہ ایک مہینہ کی مدت تک اس کے پاس جائے اسے اجتناب کرے جب ایک مہینہ گزر جائے تب اس سے جماع کرے اس صورت کو اس حدیث میں اس لئے ذکر نہیں کیا گیا ہے کہ یہ عقل الوجود اور ثلث ہے۔
لونزی حیض کی حالت میں کسی کی ملکیت میں آنے تو استبراء میں اس حیض کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ دوسرے پورے حیض کا اعتبار کیا جائے گا۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ لونزی کے لئے نئی ملکیت کا پیدا ہو جانا استبراء کو واجب کرتا ہے چنانچہ چاروں ائمہ کا یہی مسلک ہے نیز یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ دارالحرب سے کسی کافرو کو بطور لونزی کے پکڑ لانے سے اس کا پہلا نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ (یعنی نکاح سے جنگ و فتنہ کی صورت میں ان کی جو شادی شدہ عورتیں بطور لونزی ہاتھ لگیں ان کے شوہروں سے ان کی زوجیت کا تعلق ختم ہو جائے گا) لیکن اس بارہ میں حدیث کا ظاہر مفہوم مطلق ہے خواہ ان کے خاندان بھی ان کے ساتھ نہ ہوں چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کا مسلک یہی ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر میاں بیوی دونوں ایک ساتھ پکڑ کر لائے جائیں تو اس صورت میں ان کا نکاح باقی رہتا ہے۔

③ وَعَنْ زُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ لَا يَحِلُّ لَاهِرٍ يَوْمَ يَوْمٍ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَنْسِفَ مَاءَهُ زَرْعٌ غَيْرُهُ يَغْنَى إِيَّانَ الْحَبْلِ وَلَا يَحِلُّ لَاهِرٍ يَوْمَ يَوْمٍ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَفْعَ عَلَى الْغُرَّةِ مِنَ الْمَسْنِيِّ حَتَّى يَسْتَبْرَأَ هَاوٍ لَا يَحِلُّ لَاهِرٍ يَوْمَ يَوْمٍ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَبِيعَ مَغْنَمًا حَتَّى يَنْتَفِسَ - وَوَاهَا أَبُو ذَاؤَدَ وَوَاهَا الْبَزْ مَبْدُؤُ إِلَى قَوْلِهِ زَرْعٌ غَيْرُهُ -

”اور حضرت زویف بن ثابت الانصاریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے غزوہ حنین کے دن فرمایا کہ ”جو شخص خدا اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ بات درست نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کی عین کی اپنے پانی سے سیراب کرے۔“ (یعنی اس عورت سے جماع کرنا جو بطور باندی کے ہاتھ لگی ہے اس کو دوسرے کے لفظ سے حاملہ ہے، جائز نہیں ہے) اور جو شخص خدا اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ نکاح سے جنگ میں گرفتار شدہ لونزی سے اس وقت تک جماع کرے جب کہ ایک حیض آنے یا ایک مہینہ گزرنے کا انتظار کرے اس کا استبراء نہ کرے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ بھی درست نہیں ہے کہ وہ مال غنیمت کو بیچے جب تک وہ تقسیم نہ ہو جائے (یعنی مال غنیمت میں کسی قسم کا تصرف اور خیانت نہ کرے) (ابوداؤد، اور امام ترمذی، اسے اس روایت کو لفظ ذریعہ تک نقل کیا ہے۔“

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

غیر حائضہ لونڈی کے حق کے استبراء کی مدت

(۴) عَنْ مَالِكٍ قَالَ بَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُ بِاسْتِبْرَاءِ الْأَمَاءِ بِخَيْضَتِهِ إِنْ كَانَتْ مَعْنَى تَجَنُّصٍ وَلَا لَوْلَا أَشْهُرُ إِنْ كَانَتْ مَعْنَى لَا تَجَنُّصٌ وَيَنْهَى عَنْ مَسْفِي مَاءِ الْغُبَرِ۔

”حضرت امام مالکؒ کہتے ہیں کہ مجھ تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول کریم ﷺ ایک حیض کے ذریعہ لونڈیوں کے استبراء کا حکم فرماتے تھے بشرطیکہ ان لونڈیوں کو حیض آتا ہو اور اگر کوئی لونڈی ایسی ہوتی تھی جس کو حیض نہیں آتا تھا تو اس کے لئے تین مہینہ مدت کے ذریعہ استبراء کا حکم دیتے تھے (یعنی آپ ﷺ نے یہ حکم جاری فرمایا تھا کہ جن لونڈیوں کو حیض آتا ہے ان سے ان کے لئے مالک اس وقت تک جماع نہ کریں جب تک تین مہینہ کی مدت نہ گزر جائے) نیز آپ ﷺ نے غیر کو اپنا بیانیہ بلائے سے منع کیا۔“

تشریح: حدیث کے آخری جملہ میں حاملہ لونڈی کے استبراء کا حکم ہے کہ اگر کوئی لونڈی حمل کی حالت میں اپنی ملکیت میں آئے تو اس سے اس وقت تک جماع نہ کیا جائے جب تک کہ وہ ولادت سے فارغ نہ ہو جائے تاکہ اس لونڈی کے رحم میں جو ایک دوسرے شخص کے لطفہ کا مل ہے اس سے اپنے لطفہ و نسب کا اختلاط نہ ہو۔

غیر حائضہ لونڈی کے بارہ میں جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ جس لونڈی کو حیض نہ آتا ہو اس کا استبراء یہ ہے کہ اس کے ساتھ اس وقت جماع کیا جائے جب کہ اپنی ملکیت میں آنے کے بعد اس پر پورا ایک مہینہ یا اس سے زائد عرصہ گزر جائے اور بعض حضرات نے اس حدیث کے پیش نظر یہ کہا ہے کہ غیر حائضہ کا استبراء یہ ہے کہ اس سے اس وقت جماع کیا جائے جب کہ اپنی ملکیت میں آنے کے بعد اس پر تین مہینہ یا اس سے زائد عرصہ گزر جائے۔

باکرہ لونڈی کے لئے استبراء واجب ہے

(۵) وَعَنْ ابْنِ عُثْمَرَ أَنَّهُ قَالَ إِذَا وَهَبَ الْوَلِيدَةُ الْبُحْرَى تَوَطَّأَ أَوْ يَغْتَفِلُ أَوْ اغْتَبَثَ فَلَمْ تَسْتَبْرِئْ رَجَعَهَا بِخَيْضَتِهِ وَلَا تَسْتَبْرِئِ الْعَذْرَاءَ وَزَوْجَهَا زَيْنًا۔

”اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ”جب کوئی ایسی لونڈی جس سے جماع کیا جاتا تھا بہرہ کی جائے، یا فروخت کی جائے یا آزاد کی جائے تو اس کو چاہئے کہ ایک حیض کے ذریعہ اپنے رحم کو پاک (صاف) کرے البتہ باکرہ (گنہگار) کو پاک (صاف) کرنے کی ضرورت نہیں ہے“ یہ دونوں روایتیں رزینؒ نے نقل کی ہیں۔“

تشریح: اس حدیث پر ابن شریحؒ نے عمل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ باکرہ لونڈی کے لئے استبراء واجب نہیں ہے جب کہ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اس کے لئے بھی استبراء واجب ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے غزوہ اوطاس میں گرفتار ہونے والی لونڈیوں کے بارہ میں استبراء کا جو حکم دیا تھا وہ عام ہے اس میں باکرہ کا کوئی استثناء نہیں ہے۔

ام ولد کی عدت: صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ جس ام ولد کا آقا مر جائے یا اس کو اس کا آقا آزاد کرے تو اس کی عدت کی مدت تین حیض ہیں اور اگر اس کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی مدت تین مہینے ہوں گی۔

اور علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ وہ ام ولد نہ تو حاملہ ہو نہ کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہو اور نہ کسی کی عدت میں ہو، چنانچہ اگر وہ حاملہ ہو تو پھر اس کی عدت تا وضع حمل ہوگی اور اگر وہ کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہوگی یا کسی کی عدت میں ہوگی تو چونکہ ان صورتوں میں اس (موالیٰ) کے ساتھ اس کے جیسی اختلاط کا کوئی سوال ہی نہیں اس لئے آقا کے آزاد کرو دینے کی

وجہ سے یا آقا کے مرجعے کے سبب سے اس پر عدت واجب نہیں ہوگی۔ یہ خفیہ کا مسلک ہے اور حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ (آقا کی طرف سے آزاد کئے جانے یا آقا کے مرجعے کی صورت میں) اُم ولد کی عدت ایک حیض ہے، خفیہ میں سے حضرت امام محمدؒ کا بھی قول یہی ہے۔

بَابُ النِّفَقَاتِ وَحَقِّ الْمَمْلُوكِ

نفقات اور لونڈی غلام کے حقوق کا بیان

”نفقات“ نفقہ کی جمع ہے اور نفقہ اس چیز کو کہتے ہیں جو خرچ کی جائے جب کہ شرعی اصطلاح میں طعام، لباس اور سکنی (مکان) کو ”نفقہ“ کہتے ہیں چونکہ ”نفقہ“ کی کئی نوعیتیں اور قسمیں ہوتی ہیں جیسے بیوی کا نفقہ، اولاد کا نفقہ، والدین کا نفقہ اور عزیز واقارب کا نفقہ وغیرہ اس لئے نفقہ کی ان انواع کے اعتبار سے عنوان میں ”نفقات“ یعنی جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے نیز یہاں ”نفقہ“ سے اس کا عام مفہوم مراد ہے خواہ واجب ہو یا غیر واجب ہو۔

”لونڈی غلام کے حقوق“ کا مطلب ہے ان کو کھانا پہنانا اور ان پر ایسے کاموں کا بوجھ نہ ڈالنا جو ان کی طاقت و ہمت سے باہر ہوں۔ بیوی کے نفقہ کے احکام و مسائل: مرد پر اپنی بیوی کا نفقہ یعنی کھانے پینے کا خرچ لباس اور مکان دینا واجب ہے چاہے مرد عمر میں اپنی بیوی سے چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اور خواہ بیوی مسلمان ہو یا کافر ہو، خواہ بالغ ہو یا بالغہ ہو جس سے جماع نہ کیا جاسکتا ہو لیکن نفقہ واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس بیوی نے اپنے آپ کو شوہر کے گھر میں شوہر کے سپرد کر دیا ہو یا اگر سپرد نہ کیا ہو تو اس کی وجہ یا تو اس کا کوئی حق ہو کہ جس کو ادا کرنے سے انکار کرتا ہو یا خود شوہر سپرد کرنے کا مطالبہ نہ کرتا ہو۔

بہتر یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو اپنا غم پیالہ وہم و تولد بنائے، دونوں ایک ساتھ رہیں اور حیثیت کے مطابق جو کچھ میسر ہو اس میں دونوں گزارہ کریں اور جیسا کہ شریف گھرانوں کا قاعدہ ہے شوہر یا ہر کسب معاش کرے اور بیوی گھر کے انتظامات کی ذمہ دار بنے شوہر جو کچھ کمائے اس کے مطابق جنس و مسلمان گھر میں مہینا کرے اور بیوی اپنی سلیقہ شعری کے ذریعہ اس جنس و سامان کو پورے گھر اور متعلقین کی ضرورتوں میں صرف کرے اور اگر کسی وجہ سے شوہر بیوی کا اس طرح غم پیالہ وہم و تولد رہنا ممکن نہ ہو اور بیوی قاضی و حاکم کے یہاں یہ درخواست کرے کہ میرے لئے شوہر پر نفقہ مقرر کر دیا جائے تو حاکم و قاضی کی طرف سے بیوی کے لئے ماہانہ نفقہ (کھانے پینے کا خرچ) مقرر کر دیا جائے گا۔ اور وہ مقرر مقدار اس کے سپرد کرائی جائے گی اسی طرح ایک سال میں دو مرتبہ کپڑا دینا مقرر کیا جائے گا اور وہ مقرر کپڑا ہر ششماہی ہر اس کے حوالہ کر دیا جائے گا۔ اگر قاضی و حاکم نے عورت کے لئے ماہانہ نفقہ مقرر کر دیا تو شوہر اس کو ماہانہ ادا کرے گا اور اگر شوہر لے ماہانہ نہ دیا اور عورت نے روزانہ طلب کیا تو شام کے وقت عورت کو مطالبہ کرنے کا اختیار ہو گا۔

نفقہ مقرر کرنے سے پہلے میں اس مقدار کا لحاظ رکھا جائے گا جو بیوی کے لئے کافی ہو اور بغیر کسی اسراف و تنگی کے اپنا گزارہ کر سکے۔ رای معیار کی بات تو اس میں میاں بیوی دونوں کی حالت و حیثیت کا اعتبار ہو گا، اگر وہ دونوں مالی طور پر اچھی حالت و حیثیت کے مالک ہیں تو اچھی ہی حیثیت کا نفقہ بھی واجب ہو گا اور اگر وہ دونوں تنگ دست و مفلس ہوں تو نفقہ بھی اسی کے اعتبار سے واجب ہو گا اور اگر یہ صورت ہو کہ میاں تو خوش حال ہو اور بیوی تنگ دست ہو یا میاں تنگ دست ہو اور بیوی خوشحال ہو تو پھر درمیانی درجہ کا نفقہ واجب ہو گا یعنی وہ نفقہ دیا جائے گا جو خوشحالی کے درجہ سے کم ہو اور تنگ دستی کے درجہ سے زیادہ ہو اور بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ بہر صورت شوہر ہی کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا وہ جس حالت و حیثیت کا ہو گا اسی کے مطابق نفقہ مقرر کیا جائے گا خواہ بیوی کسی بھی حیثیت و حالت کی مالک ہو۔

اگر شوہر و بیوی کے درمیان خوشحالی و خلعتی کے بارہ میں اختلاف پیدا ہو یعنی شوہر تو کہے کہ میں خلعت مست ہوں اس لئے خلعتی کا نفقہ دوں گا۔ اور بیوی کہے کہ نہیں، تم خوشحال ہو اس لئے میں خوشحالی کا نفقہ لوں گی اور پھر معاملہ حاکم وقاضی کی عدالت میں پہنچے اور بیوی اپنے دعویٰ کے گواہ پیش کر دے تو ان گواہوں کا اعتبار کر کے بیوی کے لئے خوشحالی کا نفقہ مقرر کیا جائے گا۔ اور اگر بیوی نے گواہ پیش نہ کئے تو پھر شوہر کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔

اگر بیوی کے ساتھ کوئی خادم یا خادمہ بھی ہے اور شوہر خوشحال ہے تو عورت کے نفقہ کے ساتھ اس خادم یا خادمہ کا نفقہ بھی شوہر پر واجب ہو گا اور اگر شوہر خلعت مست ہو تو اس خادم یا خادمہ کا نفقہ شوہر پر لازم نہیں ہو گا۔

اگر حاکم وقاضی نے شوہر کی خلعتی کی وجہ سے اس کی بیوی کے لئے خلعتی کا نفقہ مقرر کر دیا اور پھر شوہر خوش حال ہو گیا اور بیوی نے خوش حالی کے نفقہ کا دعویٰ کیا تو اس کے لئے خوش حالی کا نفقہ مقرر کیا جائے گا اور اگر شوہر کی خوش حالی کی وجہ سے بیوی کے لئے خوشحالی کا نفقہ مقرر کیا گیا تھا اور پھر شوہر خلعت مست ہو گیا تو اب خلعتی کا نفقہ مقرر کر دیا جائے گا۔

جو عورت شوہر کی وفات کی عدت میں ہو اس کو نفقہ نہیں ملتا خواہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ وہی طرح جو بیوی نافرمان ہو جائے یعنی شوہر کی اجازت کے بغیر اور بلا کسی وجہ کے شوہر کے گھر سے چلی جائے تو اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہیں ہو گا، نیز جو بیوی کسی دین (یعنی قرض وغیرہ) کی عدم ادائیگی کی وجہ سے قید خانہ میں ڈال دی گئی ہو یا اپنے میکہ میں ایسی بیمار ہو کہ شادی کے بعد شوہر کے گھر نہ بھیجی گئی ہو، یا اس کو کوئی غاصب لے کر بھاگ گیا ہو یا وہ اتنی کم عمر ہو کہ اس کے ساتھ جماع نہ کیا جاسکے اور یا بغیر شوہر کے حج کو چلی گئی ہو تو اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہیں ہو گا ہاں جو بیوی، شوہر کے ساتھ حج کو جائے گی اس کا سفر کا نفقہ شوہر پر واجب ہو گا سفر کا خرچ اور سواری کا کرایہ واجب نہیں ہو گا۔

اگر بیوی اپنے میکہ میں بیمار ہوئی اور نکاح کے بعد بیماری شوہر کے گھر بھیجی گئی تو اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہیں ہو گا البتہ جو بیوی اپنے شوہر کے گھر اگر بیمار ہوئی ہے اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہو گا۔

شوہر کو چاہئے کہ بیوی کے رہنے کا ٹھکانہ و مکان، شرعی مقاصد کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی حیثیت و استطاعت کے مطابق خود مقرر دہیتا کرے اور وہ مکان ایسا ہونا چاہئے جو خود اس کے اہل و عیال اور اس بیوی کے اہل و عیال سے خالی ہو اور اگر خود بیوی ان اہل و عیال کے ساتھ رہنا چاہے تو پھر اس طرح کا مکان بنا دینا واجب نہیں رہے گا۔

اگر شوہر کے گھر میں کئی کمرے ہوں اور ان میں سے ایک کمرہ کہ جس میں کواز اور تالہ لٹکی ہو وغیرہ، خالی کر کے بیوی کو دیے شے تو یہ کافی ہے بیوی کو دوسرے کمرے کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہو گا۔

اگر شوہر چاہے کہ گھر میں بیوی کے پاس اس کے عزیز و اقارب کو (اگرچہ دوسرے شوہر سے اس بیوی کا لڑکا ہی کیوں نہ ہو) آنے سے منع کر دے تو اس کو اس کا حق ہے ہاں اگر بیوی کے وہ عزیز و اقارب اس کے محرم ہوں تو ان کو بیوی کا سامنا کرنے یا اس سے بات چیت کرنے سے روکنے کا حق اس کو نہیں ہے اسی طرح شوہر کو یہ بھی حق نہیں ہے کہ وہ مہینہ میں ایک بار بیوی کو اپنے والدین کے پاس جانے یا والدین کو اس کے پاس آنے سے روک دے (یعنی ہفتہ میں ایک بار سے زائد آنے جانے سے روک سکتا ہے) اور والدین کے علاوہ دوسرے ذی رحم محرم رشتہ داروں کے پاس سال بھر میں ایک مرتبہ بیوی کے جانے یا بیوی کے پاس ان کے آنے پر پابندی عائد کرنے کا حق نہیں ہے (یعنی سال بھر میں ایک بار سے زائد ان کے آنے جانے پر پابندی عائد کر سکتا ہے)۔

جو عورت طلاق کی عدت میں ہو وہ شوہر سے نفقہ اور رہنے کے لئے مکان پانے کی مستحق ہے خواہ طلاق رجعی یا بائن ہو یا مطلق ہو اور خواہ عورت حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو، اسی طرح جو عورت ایسی تفریق (جدائی) کی عدت میں ہو جو کسی مصیبت کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی شرعی حق کی وجہ سے واقع ہوئی ہو تو اس کا نفقہ و کفنی بھی شوہر کے ذمہ ہو گا، مثلاً کوئی اہم ولد یا مدبرہ کسی کے نکاح میں تھی اور پھر خیال خشت کی بناء پر

اس نے شوہر سے جدائی اختیار کر لی، یا کسی نابالغہ کا نکاح اس کے ولی نے کسی شخص کو یا تھا اور پھر اس نے بالغ ہونے کے بعد خیار بلوغ کی بناء پر اس شوہر سے جدائی اختیار کر لی تو ان صورتوں میں بھی عورت نفقہ اور سکنی پانے کی حق ہوگی اور اگر عورت کسی ایسی تفریق (جدائی) کی عدت میں ہو، جو کسی معصیت کی بناء پر واقع ہوئی ہو اس کا نفقہ و سکنی شوہر کے ذمہ نہیں ہوگا، مثلاً عورت (نحوذ باللہ) مرتد ہوگئی یا اس نے اپنے شوہر کے بیٹے سے کوئی ایسا راضی کر لیا جس سے شوہر پر حرام ہوگئی جیسے اس سے ہم بستری کر لی یا اس کو شہوت سے جھولیا یا اس کا بوسہ لے لیا اور اس کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان جدائی واقع ہوگئی اور وہ عدت میں بیٹھ گئی تو ان صورتوں میں وہ شوہر سے کھانے پینے کا خرچہ اور رہنے کے لئے مکان پانے کی حق نہیں ہوگی۔

اگر کسی عورت کو تین طلاقیں دی گئیں اور وہ عدت میں بیٹھ گئی نیز نفقہ و سکنی کی حقدار رہی لیکن پھر زمانہ عدت میں نحوذ باللہ مرتد ہوگئی تو اس کے نفقہ و سکنی کا حق ساقط ہو جائے گا اور اگر عورت نے اپنے زمانہ عدت میں شوہر کے لڑکے یا شوہر کے باپ سے ناجائز تعلق قائم کر لیا یا شہوت سے بوس و کنار کر لیا تو نفقہ و سکنی کی مستحق رہے گی بشرطیکہ وہ عدت طلاق رجعی کی نہ ہو بلکہ طلاق بائن مغلطہ کی ہو۔

اولاد کے نفقہ کے احکام و مسائل: نابالغ اولاد (جس کی ذاتی ملکیت میں کچھ بھی مال و اسباب نہ ہو) کے اخراجات اس کے باپ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ باپ خود غنڈہ ست و مفلس کیوں نہ ہو، کوئی دوسرا آدمی اس ذمہ داری میں شریک نہیں کیا جائے گا۔ اگرچہ ابھی دودھ پیتا ہو اور اس کی ماں اس کے باپ کے نکاح میں ہو نیز وہ بچہ دوسری عورت کا دودھ پلا لیتا ہو اور اس کی ماں اس کو دودھ پلانا نہ چاہتی ہو، تو اس کی ماں کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا بلکہ اگر بچہ کسی دوسری عورت کا دودھ پیتا ہو تو اس کی ماں اس کو دودھ پلانے کے علاوہ دودھ پلانے والی نہ ملے تو اس صورت میں وہ دودھ پلانے پر مجبور کی جائے گی۔

اگر ماں بچہ کو دودھ پلانے سے انکار کر دے اور کوئی دوسری عورت دودھ پلانے والی ملتی ہو تو یہ حکم ہے کہ باپ دودھ پلانے والی کو مقرر کر دے جو بچہ کو ماں کے پاس اگر دودھ پلانے اب اگر اس بچہ کی ذاتی ملکیت میں مال موجود نہ ہو تو اس دودھ پلانے والی کی اجرت اس بچہ کے مال سے دی جائے گی۔ اگر بچہ کی ذاتی ملکیت میں مال موجود نہ ہو تو پھر دودھ پلانے کی اجرت باپ کے ذمہ ہوگی۔

اگر باپ بچہ کی ماں کو دودھ پلانے کے لئے اجارہ پر مقرر کرے اور وہ اس کے نکاح میں ہو یا طلاق رجعی کی عدت میں ہو تو یہ ناجائز نہیں ہے ہاں اگر وہ مال طلاق بائن یا طلاق مغلطہ کی عدت میں ہو تو اس کو بھی دودھ پلانے کے لئے اجرت پر رکھنا بعض حضرات کے نزدیک تو ناجائز ہے اور بعض حضرات کے نزدیک جائز ہے اسی طرح عدت گزرنے کے بعد ماں کو دودھ پلانے کے لئے اجرت پر رکھ لینا جائز ہے، بلکہ اس صورت میں تو وہ ماں دودھ پلانے والی کسی دوسری عورت کی یہ نسبت زیادہ اجرت کا مطالبہ نہ کرے تو اس کی حماقت ہوگی۔

اگر کوئی شخص اپنی منکوحہ یا معتدہ کو اپنے اس بچہ کو دودھ پلانے کے لئے اجرت پر رکھے جو دوسری بیوی کے بطن سے ہو تو یہ اجارہ جائز ہے اگر کسی کی بالغ بیٹی بالکل مفلس و غنڈہ ست ہو یا بالغ بیٹا یا بالغ و معتدہ ہو تو ان کے اخراجات بھی باپ ہی کے ذمہ ہوں گے۔ چنانچہ فتویٰ آقا پر ہے۔ جب کہ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ان کے اخراجات کا دودھ پلانے کا باپ کے ذمہ اور ایک حصہ ماں کے ذمہ ہوگا۔

والدین کے نفقہ کے احکام و مسائل: اصول یعنی باپ، دادا، دادی، نانا، نانی (خواہ اس کے اوپر کے درجہ کے ہوں) اگر محتاج ہوں تو ان کے اخراجات کی ذمہ داری اولاد پر ہے، بشرطیکہ اولاد خوشحال و توغر ہو اور خوشحال و توغر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اولاد مالی طور پر اس حیثیت و درجہ کی ہو کہ اس کو صدقہ، ذکوۃ، کمال لینا حرام ہو۔ اگر توغر اولاد میں مذکور مونسٹ (یعنی بیٹا اور بیٹی) دونوں ہوں تو اس نفقہ کی ذمہ داری دونوں پر برابر ہوگی۔

محتاج شخص کا نفقہ واجب ہونے کے سلسلہ میں قرب و جواریت کا اعتبار ہے نہ کہ ارث کا، مثلاً اگر کسی محتاج شخص کی بیٹی اور پوتا دونوں مال دار ہوں تو اس کا نفقہ بیٹی پر واجب ہوگا باوجودیکہ اس شخص کی خیرات دونوں کو پہنچتی ہے اسی طرح اگر کسی محتاج شخص کی نوادی اور بھائی دونوں مالدار ہوں تو اس کا نفقہ نوادی پر واجب ہوگا اگرچہ اس شخص کی میراث کا حق صرف بھائی ہوگا۔

ذوی الارحام کے نفقہ کے احکام و مسائل: بہر مالدار شخص پر اس کے ہر ذی رحم محرم کا نفقہ واجب ہے بشرطیکہ وہ ذی رحم محرم محتاج ہو یا نابالغ ہو یا مفلس عورت ہو یا اپنا بیٹا و معذور ہو یا اندھا ہو یا طالب علم ہو اور یا جہل و سب و قوتی یا کسی اور عذر کی بنا پر کمائے پر قادر نہ ہو اور اگر وہ مالدار شخص ان لوگوں پر خرچ نہ کرے تو اس کو خرچ کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ ذی رحم محرم رشتہ داروں کا نفقہ مقدار میراث کے اعتبار سے واجب ہوتا ہے۔

اور میراث کی مقدار کے اعتبار کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنی عیالتی و عیال کی وجہ سے اپنے ذی رحم محرم رشتہ داروں سے نفقہ حاصل کرنے کا مستحق ہے اگر اس کو مردہ تصور کر لیا جائے اور اس کی میراث کو اس کے ان ذی رحم محرم وارثوں پر تقسیم کیا جائے تو جس وارث کے حصہ میں میراث کی جو مقدار آئے گی وہی مقدار اس کے نفقہ کے طور پر اس ذی رحم محرم پر واجب ہوگی مثلاً زید ایک محتاج و عیالدار شخص ہے اس کے قریبی اعضاء میں صرف تین مقرر ہیں یعنی ایک تو حقیقی بہن ہے، ایک سوتیلی بہن ہے اور ایک اختیاتی بہن ہے ان تینوں بہنوں پر زید کا نفقہ واجب ہے جس کو وہ تینوں اس طرح پورا کریں گی کہ زید کا پورا نفقہ پانچ برابر، برابر حصوں میں کر کے تین حصے تو حقیقی بہن کے ذمہ ہوگا، ایک حصہ سوتیلی بہن کے ذمہ ہوگا اور ایک حصہ اختیاتی بہن کے ذمہ ہوگا مقدار کی یہ تقسیم بالکل اسی طرح ہے جس طرح زید کے ترکہ میں سے ان بہنوں کے حصہ کی میراث کی تقسیم ہوگی۔

نیز اس سلسلہ میں مقدار میراث کا در حقیقت ہر وقت متغیّر و معلوم ہونا شرط نہیں ہے بلکہ محض وراثت کی اہلیت کا ہونا شرط ہے، چنانچہ اگر زید (جو محتاج و مفلس ہے) کا ایک ماموں ہے اور ایک چچا زاد بھائی ہے اور وہ دونوں ہی مالدار ہیں تو زید کا نفقہ اس کے ماموں پر واجب ہوگا۔

باپ کی بیوی کا نفقہ اس کے بیٹے پر واجب ہوتا ہے اور بہو (لڑکے کی بیوی) کا نفقہ سر پر واجب ہوتا ہے۔ بشرطیکہ وہ لڑکا نابالغ ہو یا اپنا بیٹا و معذور ہو۔

جو شخص محتاج و مفلس ہو اس پر کسی کا نفقہ واجب نہیں ہوتا خواہ وہ والدین ہوں یا ذی رحم محرم رشتہ دار لیکن بیوی اور اولاد کا نفقہ اس پر ہر حال میں واجب رہے گا۔

دین و مذہب کے اختلاف کی صورت میں ایک دوسرے پر نفقہ واجب نہیں ہوتا لیکن بیوی، والدین، واداد، اداہی، اور اولاد اور اولاد کی اولاد خواہ مذکور ہوں یا مومن، یہ لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں ان کا نفقہ دین و مذہب کے اختلاف کے باوجود واجب ہوتا ہے۔

محتاج باپ کے لئے یہ جانے کہ وہ اپنے نفقہ کے لئے اپنے لڑکے کا مال (یعنی اشیاء منقولہ) بیچ سکتا ہے لیکن عطار یعنی اشیاء غیر منقولہ جیسے زمین و باغات کو بیچنے کا اختیار نہیں ہوگا، اسی طرح اس لڑکے پر اگر باپ کا نفقہ کے علاوہ کوئی اور دین (یعنی قرض و مطالبہ) ہو تو اس کے لئے لڑکے کی اشیاء منقولہ کو بھی بیچنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ نیز اس کو اپنے لڑکے کا بھی کوئی مال (خواہ اشیاء منقولہ یا غیر منقولہ) بیچنے کا اختیار حاصل نہیں ہوتا اور صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک تو باپ کو بھی اشیاء منقولہ کے بیچنے کا اختیار نہیں ہے۔

باندی اور غلام کے نفقہ کے احکام و مسائل: آقا پر اپنے غلام اور باندی کے اخراجات کی کفالت ضروری ہے خواہ ان میں ملکیت پوری ہو جسے خالص غلام یا ادھوری ہو جیسے مدبرہ اور آدم ولد اور خواہ وہ کس ہوں یا بڑی عمروالے اور خواہ اپنا بیٹا و معذور ہوں۔ یا بالکل تندرست و توانا ہوں۔

اگر کوئی شخص اپنے غلاموں کی کفالت سے انکار کرے تو وہ غلام اس بات کے بخیر ہوں گے کہ محنت و مزدوری کریں اور جو کچھ کمائیں اس سے اپنے اخراجات پورے نہ کریں اور اگر ان کے لئے کوئی مزدوری کا کام نہ ہو اور وہ کم کر اپنے اخراجات پورے نہ کر سکتے ہوں تو پھر قاضی و حاکم کی طرف سے آقا کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ ان غلاموں کو فروخت کر دے۔

اگر کسی شخص نے کوئی جانور خریدا تو اس پر جانور کے چارہ پانی کا انتظام کرنا واجب ہے۔ لیکن اگر ان کو چارہ پانی دینے سے انکار کر دیا، تو اس کو قانونی طور پر اس جانور کو فروخت کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ لیکن دیانہ اور اخلاقی طور پر اس کو حکم دیا جائے گا۔ کہ وہ اس جانور کو فروخت کر دے۔ یا اس کے چارہ پانی کا انتظام کرے۔

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

بیوی اور اولاد کا بقدر ضرورت نفقہ خاوند پر واجب ہے

① عَنْ عَائِشَةَ كَانَتْ إِنْ جُنْدًا بَيْتٌ عَتِيَّةٌ قَالَتْ بَارَسُونِ اللَّهَ إِنْ أَبَا مُنْفِيَانِ وَخَلَّ شَجِيحٌ وَلَيْسَ يُغِيظُنِيْنَ مَا يَكْفِيْنِيْنَ وَوَلَدَيْنِ إِلَّا مَا أَخَذْتُمْ مِنْهُ وَهُوَ لَا يَعْلَمُ فَقَالَ خُلَيْنَ مَا يَكْفِيْنِيْكَ وَوَلَدَيْكَ بِالْمَعْرُوفِ (بخاری ص ۱۳۸)

”ام المومنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جندہ بنت جحشؓ نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! (میرا شوہر) ابو سفیان بہت بخیل اور حریص ہے وہ مجھ کو اتنا خرچ نہیں دیتا جو مجھے اور میری اولاد کی ضروریات کے لئے کافی ہو جائے البتہ اگر میں اس کے مال میں سے خود کچھ نکال لوں اس طرح اس کو خبر نہ ہو تو ہماری ضروریات پوری ہو جاتی ہیں (تو کیا یہ جائز ہے کہ میں شوہر کو خبر کئے بغیر اس کے مال میں سے اپنی اور اولاد کی ضروریات کے بقدر کچھ نکال لوں؟) آپ ﷺ نے فرمایا ”اپنی اور اپنی اولاد کی ضروریات کے بقدر کہ جو شریعت کے مطابق ہو (یعنی اوسط درجہ کا خرچ) اس کے مال میں سے لے لیا کرو۔“ (بخاری ص ۱۳۸)

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نفقہ بقدر ضرورت واجب ہے۔ چنانچہ تمام علماء کا اس پر اجماع و اتفاق ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے کئی مسئلے ثابت ہوتے ہیں۔ ① مرد پر اس کی بیوی اور تائب اولاد (جس کی ذاتی ملکیت میں مال نہ ہو) کا نفقہ واجب ہے۔ ② نفقہ ضرورت و حاجت کے بقدر واجب ہوتا ہے۔ ③ قتل کو دیتے وقت یا کوئی شرعی حق نافذ کرتے وقت اجنبی عورت کا کلام سنانا جائز ہے۔ ④ کسی شخص کے بارہ میں ایسی کوئی بات بیان کرنا کہ جس کو اگر وہ سے تو تانا کواری محسوس کرے جائز ہے، بشرطیکہ یہ بیان نہ کرنا ہو کہ کوئی مسئلہ پوچھنے یا فتویٰ لینے کی غرض سے ہو۔ ⑤ اگر کسی شخص پر کسی دوسرے شخص کا کوئی مالی مطالبہ ہو اور وہ اس کی ادائیگی نہ کرنا ہو تو مطالبہ والے کے لئے جائز ہے کہ وہ اس شخص کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے اپنے مطالبہ کے بقدر رلے لے۔ ⑥ بیوی بچہ گھولنے شوہر کے مال کے ذریعہ اپنی اولاد پر خرچ کرنے اور ان کی کفالت کرنے کی ذمہ دار ہے۔ ⑦ بیوی کو اپنی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکالنا جائز ہے خواہ شوہر نے اس کی صریح اجازت دیدی ہو یا بیوی کو اس کی رضامندی کا علم ہو۔ ⑧ قاضی اور حاکم کو یہ اختیار ہے کہ اگر وہ کسی معاملہ میں مناسب سمجھے تو محض اپنے علم اور اپنی معلومات کی بنیاد پر حکم جاری کر دے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے ہندہؓ سے گواہ طلب نہیں کئے بلکہ اپنی معلومات کی بنیاد پر حکم دیا۔

اللہ کی عطا کی ہوئی دولت کو پہلے اپنے اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرو

② وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَغْطَى اللَّهُ أَخَذَ كَيْفَ خَيْرًا فَلْيَبْذُلْ بِنَفْسِهِ وَأَهْلِيْ بَيْتِهِ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابر ابن سمرةؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کو مال و دولت عطا کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ پہلے اپنی ذات پر اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے (پھر اس کے بعد حسب مراتب اپنے دیگر متعلقین و اعمراء اور فقراء و مساکین پر خرچ کرے۔“ (مسلم)

غلام کا نفقہ اس کے مالک پر واجب ہے

③ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمَمْلُوكِ طَعَامُهُ وَكِسْوَتُهُ وَتُكْلِفُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا يَبْطُلُ فِيهِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے غلام کے بارہ میں فرمایا کہ اس کی روٹی پکڑا اس کے آقا کے ذمہ ہے اور یہ کہ اس سے صرف اتنا کام لیا جائے جو اس کی طاقت و صحت کے مطابق ہو۔“

ترشح: اس حدیث میں غلام کے بارہ میں دو ہدایتیں ہیں ایک تو یہ کہ غلام کا نفقہ چونکہ اس کے مالک پر واجب ہے اس لئے مالک کو چاہئے کہ وہ اپنے غلام کو اس کی حاجت کے بقدر اور اپنے شہر کے عام دستور کے مطابق اس کو روٹی پکڑا دے یعنی اس کے شہر میں عام طور پر غلام کو جس مقدار میں اور جس معیار کارڈی اور کپڑا دیا جاتا ہے اسی کے مطابق وہ بھی دے۔ دوسری ہدایت یہ ہے کہ اپنے غلام کو کوئی ایسا کام کرنے کا حکم نہ دیا جائے جس پر وہ مداومت نہ کر سکا ہو اور جو اس کی صحت و طاقت سے باہر ہو یا جس کی وجہ سے اس کے جسم کو کوئی ظاہری نقصان پہنچ سکتا ہو۔

گویا دو ہدایت کے ذریعہ یہ احساس دلایا گیا ہے کہ انسان اپنے غلام کے بارہ میں یہ حقیقت ذہن میں رکھے کہ جس طرح، مالک حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ان کی طاقت و صحت سے زیادہ کسی عمل و فعل کا بار نہیں ڈالا ہے اور ان کو انہی احکام کا پابند کیا ہے جو ان کے توانے فکر و عمل کے مطابق ہیں اسی طرح بندوں کو بھی کہ جو مالک مجازی ہیں ملکی چاہئے کہ وہ اپنے مملوک یعنی غلام پر کہ جو انہی کی طرح انسان ہیں، ان کی طاقت و صحت سے باہر کسی کام کا بار نہ ڈالیں۔

حضرت ابن عباسؓ صحیح حدیث مرفوعہ منقول ہے کہ ”غلام کے تیس مالک کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں۔ ① جب غلام نماز پڑھ رہا ہو تو اس کو جلد بازی کا حکم نہ دے۔ ② جب وہ کھانا کھا رہا ہو تو اس کو اپنے کسی کام کے لئے نہ اٹھائے۔ ③ اس کو اتنا کھانا دے جس سے اس کا پیٹ ابھی طرح بھر جائے۔“

غلام کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم

④ وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللَّهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ فَمَنْ جَعَلَ اللَّهُ أَخَاهُ تَحْتَ يَدَيْهِ فَلْيُطْعِمْهُ وَمَنْ يَأْكُلْ وَلَيْلِسَهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا يَكْلِفْهُ مِنَ الْعَمَلِ مَا يَغْلِبُهُ فَإِنَّ كَلْفَهُ مَا يَغْلِبُهُ فَلْيَبِيعْهُ عَلَيْهِ - (بخاری و مسلم)

”اور حضرت ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”غلام تمہارے بھائی ہیں اور (وہ) خلعت کے اعتبار سے تمہاری ہی طرح ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری آڑ میں رکھ دیا ہے لہذا اللہ تعالیٰ جس شخص کے بھائی کو اس کا ماتحت بنائے (یعنی جو شخص کسی غلام کا مالک بنے تو اس کو چاہئے کہ وہ جو خود کھائے وہی اس کو بھی کھائے اور جو خود پہنے وہی اس کو بھی پہنائے نیز اس سے کوئی ایسا کام نہ لے جو اس کی طاقت سے باہر ہو اور اگر کوئی ایسا کام اس سے لیا جائے جو اس کی طاقت سے باہر ہو تو اس کام میں خود بھی اس کی مدد کرے۔“ (بخاری و مسلم)

ترشح: ام نمودی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ذریعہ مالک کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے غلام کو وہی کھائے جو خود کھاتا ہے اور اس کو وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے۔ و جب کے طور پر نہیں بلکہ بطریق استحباب ہے چنانچہ مالک پر اس کے مملوک کا اسی حیثیت و مقدار کا نفقہ واجب ہے جو عرف عام اور رواج و دستور کے مطابق ہو خواہ وہ ملک کے کھانے پکڑنے کے برابر ہو یا اس سے کم و زیادہ ہو یہاں تک کہ

اگر ملک خواہ اپنے زبردستی کی بنا پر یا ازراہ بخل، اپنے کھانے پینے اور پہننے میں اس طرح کی بچی کرنا جو اس حیثیت کے لوگوں کے معیار کے منافی ہے تو اس بچی مملوک کے حق میں جائز نہیں ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو کام غلام کے لئے مشکل نظر آئے اور وہ اس کو پورا کرنے میں وقت محسوس کرے تو اس کام کی تکمیل میں غلام کی مدد کرو خواہ خود اس کا ہاتھ بٹا یا کسی دوسرے شخص کو اس کی مدد کرنے پر متوجہ کر دو چنانچہ بعض بزرگوں کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ بچ پینے میں اپنی لونڈیوں کی مدد کرتے تھے ہاں طور کہ ان لونڈیوں کے ساتھ مل کر کھانے پیتے تھے۔

غلام کی روزی روکنا گناہ ہے

⑤ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ وَجَاءَهُ فَهَرَمَانٌ لَهُ فَقَالَ لَدَا غُلَامٌ لِي فَزَيْقُ قَوْلِهِمْ قَالَ لَا قَالَ فَاَنْطَلِقُ فَأَعْطَاهُمْ بِلَانٍ وَشَوْلِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَفَى بِالزَّجَلِ أَلْمَا أَنْ يَنْعَسَ عَيْنٌ يَنْطَلِقُ قَوْلُهُ وَفِي رِوَايَةٍ كَفَى بِالْمَرْءِ أَلْمَا أَنْ يَضْبَعَ مِنْ يَفْقُوتِ - رواه مسلم

”اور حضرت عید اللہ ابن عمرؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ (ایک دن) ان کے پاس ان کا کارندہ آیا تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم نے غلام اور لونڈیوں کو ان کا کھانا دے دیا ہے؟ اس نے کہا کہ ”نہیں“ انہوں نے فرمایا کہ ”(لوڑا) واپس جاؤ اور ان کو ان کا کھانا دو کیونکہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آدمی کے گناہ کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے مملوک کو کھانا نہ دے۔“ اور ایک روایت میں یہ غلط نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”آدمی کے گناہ کے لئے یہ کافی ہے کہ جس شخص کی روزی اس کے ہاتھ میں ہے (یعنی اپنے اہل و عیال اور غلام لونڈی) وہ اس کی روزی کو ضائع کر دے۔“ (مسلم)

اپنے خادم و نوکر کے ساتھ کھانا، کھانے میں عار محسوس نہ کرو

⑥ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَنَعَ لِأَخِيذِكُمْ خَادِمَهُ طَعَامَهُ ثُمَّ جَاءَهُ دُهُوْهُ وَقَدْ وَلِيَ حَزْوَ دُحَانَهُ فَلْيَقْعِدْهُ مَعَهُ فَلْيَأْكُلْ فَإِنْ كَانَ الطَّعَامُ شَقِيقًا فَلْيَقْعِدْ فِي يَدِهِ مِنْهُ أَكْلَةً أَوْ أَكْلَتَيْنِ - رواه مسلم

”اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے لئے کھانا تیار کرے اور پھر وہ کھانے لے کر اس کے پاس آئے تو جس کھانے کے لئے اس نے گری اور دھوپ میں تکلیف اٹھائی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ آقا! اس خادم کو اپنے ساتھ (دستر خوان پر اٹھائے) اور اس کے ساتھ کھانا کھائے اور اگر کھانا تھوڑا ہو اور کھانے والے زیادہ ہوں تو اس کھانے میں سے ایک دو لقمہ لے کر اس خادم کے ہاتھ پر رکھ دے۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے غلاموں اور نوکروں کے ساتھ کھانا کھانے میں عار محسوس نہ کرے کیونکہ خادم و نوکر بھی ایک انسان اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس کا بھائی ہے پھر اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ ایک دسترخوان پر بیٹھے زیادہ لوگ ایک ساتھ کھانا کھاتے ہیں اس کھانے میں برکت ہوتی ہے، چنانچہ ایک روایت میں فرمایا گیا ہے کہ افضل کھانا وہ ہے جس میں زیادہ ہاتھ لگے۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ حدیث میں خادم و نوکر کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھانے یا اس کھانے میں سے اس کو تھوڑا بہت دے دینے کا حکم دیا گیا ہے وہاں استحباب کے طور پر ہے۔

غلام کے لئے دوہرا اجر

⑦ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا نَضَحَ لِسَبَدِهِ وَاحْسَنَ عِبَادَةَ اللَّهِ فَلَهُ أَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ - (بخاری)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب کوئی غلام اپنے آقا کی خیر خواہی کرتا ہے (یعنی اس کی دل و جان سے خدمت کرتا ہے) اور پھر اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی اچھی طرح کرتا ہے تو اس کو دو ہزار ثواب ملتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس کو دو ہزار ثواب ملنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک ثواب تو اپنے آقا کی خدمت کی وجہ سے اور ایک ثواب اللہ تعالیٰ کی عبادت کے سبب سے ملتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اپنے آقا کی خیر خواہی یعنی اس کی خدمت کرنا بھی عبادت ہے بلکہ حقیقت میں وہ بھی خدا کی عبادت ہے۔ کیونکہ عبادت کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرنا، اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ اپنے آقا کی خدمت و خیر خواہی کی جائے اس لئے جو غلام اپنے آقا کی خدمت کرتا ہے۔ درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرتا ہے جیسا کہ ماں باپ کی خدمت و فرمانبرداری کرنے والے کو ایسے لئے ثواب ملتا ہے کہ وہ والدین کی خدمت و اطاعت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرتا ہے، بعض حضرات اس حدیث کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ غلام کو اس کے ہر عمل پر دو ہزار ثواب ملتا ہے۔

غلام کے لئے بہتر بات کیا ہے؟

⑧ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يِعْمَلُ الْمُتَمَلِّكُ أَنْ يَنْفِقَهُ اللَّهُ خَيْرَ عِبَادَةٍ رَدَّ وَطَاعَةٍ سَيِّئَةٍ يِعْمَلُ اللَّهُ - (ترمذی علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ایک غلام کے لئے اس سے بہتر کیا بات ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے مالک کی بہترین خدمت اور اپنے پروردگار کی اچھی عبادت کرتے ہوئے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دے“ (یعنی غلام کے لئے سب سے بڑی سعادت یہی ہے کہ اس کی پوری زندگی اپنے مالک حقیقی کی اطاعت و عبادت اور مالک مجازی کی خدمت و فرمانبرداری میں گزر جائے۔“ (بخاری و مسلم)

مفروہ غلام کی نماز قبول نہیں ہوتی

⑨ وَعَنْ حُرَيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمِنَ الْعَبْدُ لَمْ يَقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ وَفِي رِوَايَةٍ عَنْهُ قَالَ أَيْمًا عَبْدًا ابْنُ فَقَدْ بَرَأَتْ مِنْهُ الذَّمَّةُ وَفِي رِوَايَةٍ عَنْهُ قَالَ أَيْمًا عَبْدًا ابْنُ فَقَدْ كَفَرْتُ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَيْهِمْ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت جریرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب غلام بھاگ جاتا ہے تو اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی“ ایک روایت میں حضرت جریرؓ سے یہ الفاظ منقول ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جو غلام بھاگ گیا اس سے ذمہ ختم ہو گیا ایک اور روایت میں حضرت جریرؓ ہی سے یہ منقول ہے کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) جو غلام اپنے مالکوں کے ہاں سے بھاگ کر کافر ہو گیا جب تک کہ ان کے پاس واپس نہ آجائے۔“ (مسلم)

تشریح: ”اس سے ذمہ ختم ہو گیا“ کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی غلام بھاگ کر دارالحرب چلا گیا اور مرتد ہو گیا تو اس سے اسلام کی ذمہ داری ختم ہو گئی اور اس کے مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس کے اسلام کے دور میں جو عہد و امان تھا اور جس کی وجہ سے اسلامی قانون اس کی جان و مال کی حفاظت کا ضامن تھا وہ منقطع ہو گیا لہذا اس کو قتل کر دینا جائز ہو گیا، ہاں اگر وہ اپنے مالکوں کے ہاں سے بھاگ کر دارالحرب نہیں گیا بلکہ مسلمانوں ہی کے کسی شہر میں چلا گیا۔ اور مرتد نہیں ہوا تو اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہو گا اس صورت میں یہ جملہ ”اس سے ذمہ ختم ہو گیا“ کا مطلب یہ ہو گا کہ اگر اس غلام کو بھاگنے کے جرم میں جائے تو نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ اسلامی قانون اس کی کوئی مدافعت نہیں کرے گا۔

”وہ کافر ہو گیا“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس نے بھاگنے کو حلال جانا یعنی وہ اس عقیدہ کے ساتھ بھاگا کہ مالک کے ہاں سے میرا مفروہ

ہو جانا کوئی گناہ کی بات نہیں ہے بلکہ یہ جانچ رہے کہ وہ حقیقتاً کافر ہو گیا اور اگر اس نے بھاگنے کو حلال نہیں جانتا تو پھر اس صورت میں اس جملہ کا مطلب یہ تو یہ ہو گا کہ وہ کفر کے قریب پہنچ گیا یا یہ کہ اس کے دائرہ کفر میں داخل ہو جانے کا خوف ہے یا اس نے کافروں کا سا عمل کیا اور یا یہ کہ اس نے اپنے مالک کا کفر انہمت کیا۔

غلام پر زنا کی جھوٹی تہمت لگانے والے کا مسئلہ

⑩ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّيَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ قَذَفَ مَمْلُوكَةً وَهُوَ بَرٌّ وَمُتَّقَانٌ جَلِيلٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ كُفْرًا قَالَ - (بخاری ص ۱۷۸)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے سنا ابو القاسمؓ (نبی کریم ﷺ) فرمایا کرتے تھے کہ ”جو شخص اپنے برادر پر زنا کی تہمت لگائے جب کہ حقیقت میں وہ اس بات سے پاک ہو جو اس کے بارہ میں کہی گئی ہے تو قیامت کے دن اس شخص کو کوڑے مارے جائیں گے ہاں اگر وہ غلام والہ تھا ایسا ہو جیسا کہ کہا گیا یعنی اگر تہمت درست ہو تو پھر اس مالک کو کوڑے نہیں مارے جائیں گے۔“ (بخاری ص ۱۷۸)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام پر زنا کی جھوٹی تہمت لگائے تو اس کی سزا میں اگرچہ دنیا میں اس کو کوڑے نہیں لگائے جائیں گے لیکن آخرت میں تمام مخلوق کے سامنے اس کو اس طرح ذلیل کیا جائے گا کہ اس کو کوڑے لگائیں جائیں گے اس سے معلوم ہوا کہ غلام کی عزت و آبرو کا بھی اتنا ہی خیال رکھنا چاہئے جتنا ایک آزاد شخص کی عزت و حرمت کا لگایا جاتا ہے اور وہ لوگ بڑے نادان ہیں جو اپنے زیر دستوں - (نوکروں اور غلاموں) کو بے جا کالیالیاں دیتے ہوئے آخرت کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔

غلام کو بلا خطا مارنے کا کافراہ

⑪ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّيَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ ضَرَبَ غُلَامًا لَهُ حَدٌّ أَلَمَ يَأْتِيَهُ اِزْوَاجُ نَارٍ قَالَ - (ترمذی ص ۱۷۸)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو اپنے غلام کو ایسی سزا دے جس کا کوئی جرم ہی نہیں ہے (یعنی بے گناہ مارے) یا اس کو طمانچہ مارے تو اس کا عذاب یہ ہے کہ اس غلام کو آزار کر دے۔“ (ترمذی ص ۱۷۸)

تشریح: یوں تو بلا کی وجہ کے کسی بھی شخص کو طمانچہ مارنا حرام ہے لیکن یہاں بطور خاص غلام کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس کو بلا گناہ مارنے یا اس کے منہ پر طمانچہ لگانے کا نادان یہ ہے کہ وہ اس غلام کو آزار کر دے۔

⑫ وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ كُنْتُ اَضْرِبُ غُلَامًا لِي فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِي صَوْتًا اَعْلَمُ اَنْهُ مَسْغُودٌ لِلَّهِ اَفْذُرُ عَلَيْهِ مِنْكَ عَلَيْهِ فَاَنْفَضْتُ لِيْدَا هُوَ زَوْلُ اللَّهِ صَلَّيَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ هُوَ خِيْلُوْهُ اللَّهُ فَقَالَ اَخَالُوْهُ لَمْ تَفْعَلْ لِلْفَعْلُ الشَّارُ اَوْ لَمْ تَفْعَلْ الشَّارُ - (ترمذی ص ۱۷۸)

”اور حضرت ابو مسعود انصاریؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں اپنے غلام کو پیٹ رہا تھا کہ میں نے اپنی پشت پر یہ آواز سنی ”ابو مسعود یا در کھو! اللہ تعالیٰ تم پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے جتنی قدرت تم اس غلام پر رکھتے ہو“ جب میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو رسول کریم ﷺ تھے میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! مجھے اپنے اس فعل پر غم و مات ہے اب میں اس غلام کو اللہ کی راہ میں آزاد کرتا ہوں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”یا در کھو! اگر تم اس غلام کو آزاد نہ کرتے تو تمہیں دوزخ کی آگ جلائی“ یا فرمایا کہ ”تمہیں دوزخ کی آگ لگتی۔“ (ترمذی ص ۱۷۸)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ تم نے اپنے غلام کو بار کر ایک بڑا گناہ کیا تھا یہ اچھا ہو کہ تم نے اس غلام کو آزاد کر دیا اور اس گناہ کے بار سے ہلکے ہو گئے ورنہ چونکہ تم نے اس کو ناحق مارا ہے اس لئے اگر یہ تمہارا قصور معاف نہ کرتا۔ تو اس کو آزاد نہ کرنے

کی صورت میں تمہیں دوزخ میں ڈالا جاتا۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعہ دراصل اپنے مملوک کے حق میں نرمی کرنے اور ان کے ساتھ ملہم و مروت کا معاملہ کرنے کی ترغیب دلائی ہے اور اس بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ جس غلام کو مارا گیا ہے اس کو آزاد کرنا واجب نہیں ہے۔ بلکہ مستحب ہے اور وہ بھی بایں امید کہ آزاد کرنا حق مارنے کے گناہ کا کفارہ ہو جائے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

اولاد کی کمائی پر باپ کا حق ہے

(۱۳) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ زُجَلًا أَقْبَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ لِي مَالًا وَإِنَّ الْبَدِيحَ يَخْتَالُ إِلَى مَالِي قَالَ أَنْتَ وَمَالُكَ لَوْ بَدَلْتُكَ إِنْ أَوْلَاذُكُمْ مِنْ أَطْلَبٍ كَسَبَكُمْ كُلُّوْا مِنْ كَسْبِ أَوْلَادِكُمْ۔

(رواہ ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ)

”حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ (ایک دن) ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ”میں مالدار ہوں اور میرا باپ میرے مال کا محتاج ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اور تمہارا مال (دونوں) تمہارے باپ کے لئے ہیں کیونکہ تمہاری اولاد تمہاری سب سے بہتر کمائی ہے لہذا اپنی اولاد کی کمائی کھاؤ۔“ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: ”تم اور تمہارا مال (دونوں) تمہارے باپ کے لئے ہیں“ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم پر اپنے باپ کی خدمت و اطاعت واجب ہے اسی طرح تم پر بھی واجب ہے کہ اپنا مال اپنے باپ پر خرچ کرو اور اس کی ضروریات زندگی پوری کرو نیز تمہارے باپ کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ تمہارے مال میں تصرف کرے۔

گویا اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ باپ کا نفقہ پینے پر واجب ہوتا ہے اس حدیث کے ضمن میں یہ مسئلہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ کہ اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کے مال میں سے کچھ چرا لے لیا اس کی کوٹری سے جماع کر لے تو بسبب شہرہ ملکیت اس پر حد (شرعی سزا) جاری نہیں ہوتی۔

”تمہاری اولاد تمہاری سب سے بہتر کمائی ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ انسان محنت و مشقت کر کے جو کچھ کماتا ہے اس میں سب سے حلال اور افضل کمائی اس کی اولاد ہوتی ہے لہذا اولاد جو کچھ کمانے وہ باپ کے لئے حلال ہے اور وہ باپ کے حق میں اپنی کمائی کے حلال ہے۔ اولاد کو باپ کی ”کمائی“ اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ دراصل اولاد باپ کے ذریعہ اور اس کی عملی و فعل کے نتیجہ میں وجود میں آتی ہے۔

مرنے کے حق میں یتیم کے مال کا حکم

(۱۴) وَعَنْهُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ زُجَلًا أَقْبَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ لِي مَالًا وَإِنَّ الْبَدِيحَ يَخْتَالُ إِلَى مَالِي قَالَ أَنْتَ وَمَالُكَ لَوْ بَدَلْتُكَ إِنْ أَوْلَادُكُمْ مِنْ أَطْلَبٍ كَسَبَكُمْ كُلُّوْا مِنْ كَسْبِ أَوْلَادِكُمْ۔

(رواہ ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ)

”اور حضرت عمرو ابن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں ایک مفلس آدمی ہوں میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے اور میری عہداشت میں ایک یتیم ہے (جو کیا میں اس کے مال میں سے کچھ کھاؤں؟) آپ ﷺ نے فرمایا ”تمہاری عمرانی میں جو یتیم ہے تم اس کے مال میں سے کھا سکتے ہو بشرطیکہ اسراف (افضل خرچ) نہ کرو، خرچ کرنے میں محنت نہ کرو۔ اور نہ اپنے لئے جمع کرو۔“ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: یتیم بچہ کے مال میں سے یتیم کے مرنے کو اپنی ضروریات زندگی پوری کرنے کی اجازت کو آنحضرت ﷺ نے تین باتوں سے

مشرط کیا۔ پہلی شرط تو یہ کہ اس کے مال میں سے صرف اتنا لیا جائے جو اصل ضروریات زندگی کے بقدر رہو اسراف اور اپنی ضرورت و حاجت سے زیادہ خرچ کر کے اس عقیقہ کے مال کو ضائع نہ کیا جائے دوسری شرط یہ کہ اس کے مال میں سے جو کچھ بھی لیا جائے ضرورت کے وقت لیا جائے چنانچہ اس خوف سے کہ اگر عقیقہ بالغ ہو گیا تو اپنا تمام مال اپنے قبضہ میں لے لے گا ضرورت سے پہلے ہرگز نہ لیا جائے اور تیسری شرط یہ کہ اپنی ضرورت و حاجت کے نام پر اس کے مال میں سے نکال نکال کر اپنے لئے جمع نہ کیا جائے۔

بہر حال حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ عقیقہ کے مرہ کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اگر محتاج و مفلس ہو تو اس عقیقہ کے مال میں سے اپنی ضرورت و حاجت کے بقدر اپنے اوپر خرچ کرے لیکن جو مرہ خود خوشحال ہو اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے چنانچہ یہ مسئلہ قرآن کریم سے بھی ثابت ہے۔

غلاموں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید

(۱۵) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ فِي مَوْضِعِهِ الْكَلْبَةَ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ زَوَاهُ الْيَهُودِيِّ لَمْ يَشْفِ الْإِنْسَانُ وَزَوَى أَخْضَدُ وَأَبُو ذَاؤُدَّ عَنْ عَلِيٍّ نَحْوُهُ۔

”اور حضرت ام سلمہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ اپنے مرض الموت میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ نماز پر مضبوطی سے قائم رہو اور جو لوگ تمہاری ملکیت میں ہیں (یعنی لونڈی غلام) ان کے حقوق ادا کرو۔ (تبیخ) اور احمد و ابوداؤد نے اسی طرح کی روایت حضرت علیؓ سے نقل کی ہے۔“

تشریح: ”نماز پر مضبوطی سے قائم رہو“ مطلب یہ ہے کہ نماز پر مداومت اختیار کرو، کوئی نماز بلا عذر شرعی قضا نہ کرو اور نماز کے جو حقوق و آداب ہیں ان کو پورے طور پر ادا کرو۔

لونڈی غلام کا حق یہ ہے کہ ان کا مالک ان کو بیعت بھر کر کھانا کھلانے، حسب حیثیت کپڑے پہنانے، ناخن رنے اور گالی گلوچ سے اجتناب کرے اور برا بھلا نہ کہے۔ اسی طرح جانوروں کا حق ادا کرنے کا بھی حکم ہے کہ جس شخص کی ملکیت میں جانور ہوں ان کے چارہ پانی کا انتظام کرے اور ان کو ناخن مارنے پینے سے پرہیز کرے چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ قیامت کے دن ذبی اور جانوروں کی خصوصیت، مسلمانوں کی خصوصیت سے زیادہ شدید ہوگی۔

اپنے مملوک کے ساتھ بد سلوکی کرنے والے کے بارہ میں وعید

(۱۶) وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ الصَّدِيقِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ سَبِيْنُ الْمَلَكََةِ۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

”اور ابو بکر صدیقؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”اپنے مملوک (لونڈی غلام) کے ساتھ برائی و بد سلوکی کرنے والا جنت میں (ابتداءً) مرحلہ پر نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ داخل نہیں ہوگا۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

اپنے مملوک کے ساتھ حسن سلوک خیر و برکت کا باعث ہے

(۱۷) وَعَنْ زَاهِدٍ بْنِ مَكْبُوتٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ الْمَلَكََةِ يُنْفِقُ وَسَوْءُ الْخَلْقِ شَوْءٌ۔ رَوَاهُ أَبُو ذَاؤُدَّ وَلَمْ أَزَلْ فِي غَيْرِ الْمَضَامِينِ مَا زَادَ عَلَيْهِ فِيهِمْ قَوْلُهُ وَالصَّدَقَةُ تَمْنَعُ مِثْلَةَ الشَّوْءِ وَالْبُرُّ زِيَادَةٌ فِي الْعَمَلِ۔

”اور حضرت زاهد ابن مکبوتؓ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”اپنے مملوک کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک، خیر و برکت کا باعث ہے اور اپنے مملوک کے ساتھ بد سلوکی، بے برکتی کا باعث ہے۔“ (ابوداؤد) اور مشکوٰۃ کے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اس نے مصاحف کے علاوہ اور کسی کتاب میں وہ الفاظ نہیں دیکھے ہیں جو صاحب مصاحف نے اس حدیث میں نقل کئے ہیں (اور وہ زائد الفاظ یہ ہیں، کہ

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا صدقہ و خیرات بری موت سے بچاتا ہے اور نیکی عمر کو بڑھاتی ہے۔“

تشریح: اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب مالک اپنے مملوک کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک کرتا ہے تو وہ اپنے مالک و آقا کے بہت زیادہ تابعدار اور خیر خواہ بن جاتے ہیں اور جو کام ان کے سپرد کیا جاتا ہے اسے وہ پوری دہمچی و محنت اور ایمان داری کے ساتھ کرتے ہیں اور نیکی چیزیں خیر و برکت کا باعث ہوتی ہیں اس کے برعکس اگر اپنے مملوک کے ساتھ بد سلوکی و بد خواہی کا معاملہ کیا جاتا ہے تو ان کے دلوں میں مالک کی طرف سے نفص و نفرت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور آخر کار وہ اپنے مالک کی جان و آبرو اور مال و دولت کی ہلاکت و نقصان کے اور تکاب سے بھی گریز نہیں کرتے۔

”بری موت“ سے مراد یا تو ”مرگ مفاجات“ یعنی اچانک موت“ ہے یا ”توحید اور یاد حق سے غفلت کے ساتھ مرنا“ مراد ہے! ”مرگ مفاجات“ اس اعتبار سے ”بری موت“ ہے کہ انسان کچلکچل موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے نہ تو حقوق اللہ اور حقوق العباد کے سلسلہ میں سرزد کوتاہیوں کی تلافی کا موقع ملتا ہے اور نہ تو پے کرنے کی مہلت نصیب ہوتی ہے۔

”نیکی“ سے مراد ”مخلوق کے ساتھ احسان و سلوک کرنا“ ہے اور ”خالق کی طاعت و عبادت“ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ ”نیکی“ کی وجہ سے عمر کا بڑھنا حقیقتہً بھی ممکن ہے یاں طور کہ اللہ تعالیٰ کسی کی عمر کو مطلق کر دے کہ اس بندہ کی عمر اتنے سال ہے لیکن اگر یہ نیکی کرے گا یعنی اپنے پروردگار کی طاعت و عبادت اور مخلوق خدا کے ساتھ حسن سلوک و خیر خواہی میں مشغول رہے گا تو اس کی عمر میں اتنے سال کا اضافہ ہو جائے گا لہذا نیکی کرنے کی صورت میں اس کی عمر اتنے ہی سال بڑھ جائے گی۔

یہ وضاحت تو ”زیادتی عمر“ کے حقیقی مفہوم سراو لینے کی صورت میں ہے اور اس کا معنوی مفہوم یہ ہے کہ ”نیکی“ کی وجہ سے عمر میں خیر و برکت حاصل ہوتی ہے۔ یا نیکی کرنے والے کو اس کی موت کے بعد لوگ بھلائی کے ساتھ یاد کرتے ہیں پس معنوی طور پر یہ بھی عمر کا بڑھنا ہی ہے۔

روایت کے آخر میں مصنف مشکوٰۃ نے جو اعتراض کیا ہے وہ میرک کی تحقیق کے مطابق شیخ جزیری کے اس قول سے ختم ہو جاتا ہے کہ اس روایت کو صاحب مصابیح نے جس طرح نقل کیا ہے بالکل ایسی طرح پوری روایت امام احمدؒ نے بھی نقل کی ہے۔

اگر غلام مار کھاتے ہوئے خدا کا واسطہ دے، تو اپنا ہاتھ روک لو

(۱۸) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمْ حَادِمُهُ فَذَكَرَ اللَّهَ فَانْفَعُوا أَيْدِيَكُمْ - زَوَاهِ التِّرْمِذِيُّ وَالتَّبَهَقُشِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ لَكِنْ عَنْهُ فَلْيَمْسِكْ بَدَنَهُ فَلْيَنْفَعُوا أَيْدِيَكُمْ -

”اور حضرت ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”مثال کے طور پر اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے غلام کو مارنے لگے اور وہ خدا کو یاد کرے (یعنی یوں کہے کہ تمہیں خدا کا واسطہ مجھے معاف کر دو) تو تم (اس کو مارنے سے) اپنا ہاتھ روک لو۔“ اس روایت کو ترمذیؒ اور شعبؒ ایمان میں تہنیؒ کی روایت میں فانفعوا ایدیکم کی بجائے فلیمسک نقل کیا گیا ہے (اور دونوں لفظ کا مطلب ایک ہی ہے)۔“

تشریح: ”طبی“ کہتے ہیں کہ ”تم اپنا ہاتھ روک لو“ کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ اس غلام کو مالک تادیبا مار رہا ہو اور اگر اس پر حد جاری کر رہا ہو یعنی شراب پینے یا کسی پر جھوٹی تہمت لگانے کی سزا میں اس کو کوڑے مار رہا ہو تو پھر ہاتھ نہ روکے بلکہ حد پوری کرے۔

کسمن بردہ کو اس کی ماں وغیرہ سے الگ نہ کرو

(۱۹) وَعَنْ أَبِي أَنُوبٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الذِّئْبِ وَوَلَدِهَا فَزَقَ اللَّهُ بَيْتَهُ

وَنِسَّ احْتِبَابَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ - (رواہ الترمذی واداری)

”اور حضرت ابو یوسف کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”جو شخص ماں اور بیٹے کے درمیان جدائی کرانے کا توقیعت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے عزیزوں کے درمیان جدائی کرادے گا۔“ (ترمذی واداری)

تشریح: ”ماں اور بیٹے“ سے مراد ”لونڈی اور اس کا بچہ“ ہے اسی طرح ”جدائی کرانے“ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مالک مثلاً لونڈی کو تو کسی کے ہاتھ فروخت کر دے یا کسی کو بہہ کر دے اور بچہ کو اپنے پاس روک لے، یا بچہ کو کسی کے ہاتھ فروخت کر دے یا کسی کو بہہ کر دے اور اس کی ماں کو اپنے پاس رکھنے دے لہذا اگر کوئی شخص اس طرح سے ماں اور بیٹے کو ایک دوسرے سے جدا کرے گا تو قیامت کے دن اس موقف میں کہ جہاں تمام مخلوق اپنے تمام عزیزوں کے ساتھ جمع ہوگی اور لوگ اپنے پروردگار سے ایک دوسرے کی شفاعت کر رہے ہوں گے اللہ تعالیٰ اس شخص اور اس کے عزیزوں مثلاً ماں باپ یا اولاد وغیرہ کے درمیان جدائی کرادے گا۔

علماء لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں صرف ”ماں بیٹے“ کا ذکر محض اتفاقی ہے ورنہ تو ہر چھوٹے اکسن (برہہ) اور اس کے ذی رحم محرم رشتہ دار خواہ وہ ماں ہو، باپ دادا، بھوپاداری اور بھائی بہن کے درمیان جدائی کرانے کا لگائی حکم ہے خفیہ کے ہاں دو چھوٹے بھائیوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دینا جائز ہے۔

ذکورہ بالا وضاحت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ”چھوٹے“ کی قید سے بڑے کا استثناء ہو گیا، یعنی اگر بڑی عمر والے برہہ کو اس کی ماں یا اس کے باپ یا کسی اور ذی رحم محرم رشتہ دار سے جدا کر دیا جائے تو جائز ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ”بڑے“ کی تعریف کیا ہے تو اس بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ کس عمر کے برہہ کو بڑا کہیں گے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تو سات برس یا آٹھ برس کی عمر والا ”بڑا“ کہلائے گا، جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ جو بچہ ہو جائے وہ بڑا کہلائے گا نیز حضرت امام اعظمؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک چھوٹے بچے اور اس کے ذی رحم محرم رشتہ دار کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر کے بیچنا مکروہ ہے جب کہ حضرت امام ابو یوسفؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر ان دونوں یعنی بچہ اور اس کے ذی رحم محرم رشتہ دار میں ولادت کی قربت ہو (جیسے وہ دونوں ماں اور بیٹا ہوں یا باپ اور بیٹا ہوں) تو اس صورت میں ان دونوں کو جدا کر کے بیچنا سرے سے جائز ہی نہیں ہو گا اور ان کا قول یہ بھی ہے کہ ولادت کی قربت کے استثناء کے بغیر تمام ذی رحم محرم رشتہ داروں کے بارے میں لگائی حکم ہے۔

(۲۰) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ وَهَبَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامَيْنِ أَخَوَيْنِ فَبِعْتُ أَحَدَهُمَا فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ مَا فَعَلَ غُلَامُكَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ زَوْجُهُ زَوْجٌ - (رواہ الترمذی واداری)

”اور حضرت علی کریم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے دو غلام عطا فرمائے جو آپس میں بھائی بھائی تھے پھر (جب) میں نے ان میں سے ایک کو بیچ دیا تو رسول کریم ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ ”علی! تمہارا (ایک) غلام کہاں گیا؟“ میں نے آپ ﷺ کو بتایا کہ ایک غلام میں نے بیچ دیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اس کو داپس کر لو، اس کو داپس کر لو۔“ (ترمذی واداری)

تشریح: ”اس کو داپس کر لو“ کا مطلب یہ تھا کہ تم نے جو بیچ کی ہے اس کو بیچ کر دو اور اس غلام کو اپنے پاس لے آؤ تاکہ دونوں بھائیوں کے درمیان جدائی واقع نہ ہو اس جملہ کو تاکید اور مرتبہ فرماتے ہیں اس طرف اشارہ تھا کہ جو حکم دیا جا رہا ہے وہ وجوب کے طور پر ہے اور بیچ مکروہ تحریمی ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک دوسرے کے درمیان جدائی نہ کرانے کا حکم صرف ماں بیٹوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

(۲۱) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَا الْبَلِّ قَوْلُ الْبَيْعِ زَوَاهُ أَنْ تَزَادَ مِنْهُ طَعَامٌ -

”اور حضرت علی کریم اللہ وجہ کے بارہ میں محتول ہے کہ (ایک مرتبہ) انہوں نے ایک لونڈی اور اس کے بیٹے کو ایک دوسرے سے جدا کر

دیا یعنی ان دونوں میں ایک کو حج دیا اور ایک کو اپنے پاس رہنے والا چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور انہوں نے یعنی حضرت عائشہؓ نے اس حج کو حج کر دیا۔ ”ابوداؤد“ نے اس روایت کو بطریق انقطاع نقل کیا ہے۔“

تشریح: مذکورہ بالا دونوں حدیثیں حضرت امام ابو یوسفؒ کے اس مسلک کی دلیل ہیں کہ چھوٹے بردے اور اس کی ماں یا اس کے باپ کو ایک دوسرے سے الگ کر کے بچانا جائز ہے۔

غلام پر احسان کرنے کا اجر

(۲۲) وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ يَنْتَرِ اللَّهُ حَتْفَهُ وَأَذْعَلَهُ جَنَّتُهُ وَفَقِيَ بِالْصَّغِيرِ وَشَفَقَهُ عَلَى الْوَالِدَيْنِ وَإِحْسَانًا إِلَى الْمَمْلُوكِ۔ زَوَاهُ الْقَزْمَدِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت جابرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”جس شخص میں یہ تین باتیں ہوں گی اللہ تعالیٰ اس پر موت کو آسان کر دے گا اور اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ ① کمزوروں اور ضعیفوں کے ساتھ نرمی کرنا ② ماں باپ پر شفقت کرنا ③ اپنے مملوک پر احسان کرنا۔ اس روایت کو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: ”ضعیف و کمزور“ سے ہر وہ شخص مراد ہے جو خواہ جسم و جان کے اعتبار ضعیف و ناتواں ہو یا مالی حالت کے اعتبار سے اور یا عقل و خرد کے اعتبار سے کمزور ہو۔ ”احسان کرنے“ کا مطلب یہ ہے کہ مالک پر اس کے غلام کے تئیں جو کچھ واجب ہے اس سے بھی زیادہ اس کے ساتھ سلوک کرے۔

نمازی کو مارنے کی ممانعت

(۲۳) وَعَنْ ابْنِ أُمَامَةَ أَنَّ زُسْلُقَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَبَ لِعَلِيٍّ غَلَامًا فَقَالَ لَا تَضْرِبْهُ فَإِنَّهُ يَهَيْئُ عَنْ حُزْبِ أَهْلِ الصَّلَاةِ وَقَدْ زُيِّنَ لَهُ بِصَلِيِّ هَذَا الْقَطْرِ الْمَصَابِيحِ وَفِي الْمَجْتَبَى لِلْفَارِغِيِّ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ لَهَا زُسْلُقُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ حُزْبِ الْمُضَلِّينَ۔

”اور حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت علیؓ کو ایک غلام عطا کیا اور یہ حکم دیا کہ اس کو (بے حکم شرعی) مارا نہیں کیونکہ (میرے رب کی طرف سے) مجھے نمازیوں کو مارنے سے منع کیا گیا ہے اور میں نے اس غلام کو نماز پڑھنے دیکھا ہے۔“ یہ الفاظ (جو مشکوٰۃ میں مذکور ہیں) مصابیح کے ہیں اور دارقطنیؒ کی تصنیف مجتبیٰ میں یہ منقول ہے کہ حضرت عمرؓ ابن خطابؓ نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں نمازیوں کو مارنے سے منع فرمایا ہے۔“

تشریح: نمازیوں کو مارنے سے ممانعت خدا کے نزدیک ان کے شرف و فضیلت کی بناء پر اور مخلوق خدا کے درمیان ان کی عزت و توقیر کو محفوظ رکھنے کے لئے ہے۔

طبیب نے اس موقع پر یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے دنیا میں نمازیوں کو مارنے سے منع کیا ہے تو اس کے بے پایاں فضل و کرم سے امید ہے کہ وہ آخرت میں ان کو عذاب میں مبتلا کر کے ذلیل و رسوا نہیں کرے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

مملوک کی خطائیں معاف کرنے کا حکم

(۲۴) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَأَلَ زُجْلُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ تَغْفِرُ عَنِ الْخَادِمِ فَسَكَتَ ثُمَّ أَعَادَ عَلَيْهِ الْكَلَامَ فَصَمَّتْ فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةَ قَالَ أَعْفُوا عَنْهُ كُلَّ يَوْمٍ مَرَّةٍ مَرَّةً رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَرَوَاهُ

النَّزْهَذِيُّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو۔

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم کتنی مرتبہ اپنے غلام بونڈی کی خطائیں معاف کریں؟ آنحضرت ﷺ خاموش رہے (اور کوئی جواب نہیں دیا) اس شخص نے پھر یہی سوچا کہ کیا تو اس مرتبہ بھی خاموش رہے پھر جب اس نے تیسری مرتبہ یہی پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”ہر روز ستر مرتبہ“ (ابوداؤد الترمذی) نے اس روایت کو حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے۔“

تشریح: ”ستر مرتبہ“ سے یہ خاص عدد مراد نہیں ہے بلکہ جیسا کہ اہل عرب کے ہاں کبھی چیز کی زیادتی اور کثرت کو بیان کرنے کے لئے عام طور پر ستر کا عدد ذکر کیا جاتا تھا، آپ ﷺ کا مقصد بھی واضح کرنا تھا کہ زیادہ سے زیادہ مرتبہ ان کی خطائیں معاف کرو۔
سائل کے سوال پر آنحضرت ﷺ کا خاموش رہنا سوال کی رکاکت کی بناء پر تھا کہ غصہ تو سب اور پسند یہ ہے نہ کہ اس کو کسی خاص عدد کے ساتھ متعین کرنا مقصود ہے اور یہ ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے وحی کے انتظار میں خاموشی اختیار فرمائی ہو۔

مملوک کے بارہ میں ایک ہدایت

(۲۵) وَعَنْ ابْنِ دَرَّ قَالِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَأَمَّكُمْ مِنْ مَمْلُوكِكُمْ فَاطْعَمَوْا مِمَّا تَأْكُلُونَ وَكَسَبُوا مِمَّا تَكْسِبُونَ وَمَنْ لَا يَلَأِمُّكُمْ مِنْهُمْ فَيُعْذِرَهُمْ وَلَا تَعَذِّبُوا اخْلُقَ اللَّهُ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد)

”اور حضرت ابودرّ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تمہارے مملوک (بونڈی غلام) میں سے جو (بونڈی غلام) تمہاری اطاعت و خدمت (تمہاری خواہش کے مطابق) کرے (اور وہ تمہارے مزاج کے موافق ہو) تو اس کو بیس کھلاؤ جو تم کھاتے ہو اور اس کو بیس پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو (کیونکہ جب وہ تمہارا دل خوش کرتا ہے تو تم بھی اس کا دل خوش کرو) اور جو (بونڈی غلام) تمہارے مزاج کے موافق نہ ہو تو اس کو (تکلیف نہ دو بلکہ) (بچ ڈالو) خدا کی مخلوق کو تکلیف نہ دلاؤ رست نہیں ہے۔“ (احمد و ابوداؤد)

جانوروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم

(۲۶) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ الْحِظْلِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْعِرُ قَدْ لَحِقَ ظُهُورُهُ بِنَظْبِهِ فَقَالَ اتَّقُوا اللَّهَ فِي هَذِهِ الْبَهَائِمِ الْمَفْعَلَةُ فَارْكَبُوا صَالِحَةً وَارْكَبُوا صَالِحَةً۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت سہلؓ ابن حنظلہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ ایک اونٹ کے قریب سے گزرے تو دیکھا کہ (بھوک و پیاس کی شدت اور سواری و بار برداری کی زیادتی سے) اس کی پیٹھ پیٹ سے لگ گئی تھی آپ ﷺ نے فرمایا ”ان بے زبان چوپایوں کے بارہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور ان پر ایسی حالت میں سواری کرو، جب کہ وہ قوی اور سواری کے قابل ہوں اور ان کو اس اچھی حالت میں چھوڑ دو کہ وہ تھکے نہ ہوں۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”ان بے زبان چوپایوں کے بارہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو“ کا مطلب یہ ہے کہ یہ بولنے پر قادر نہیں ہیں کہ اپنی بھوک و پیاس وغیرہ کا حال اپنے آپ سے بیان کر سکیں اس لئے ان کے چارہ پانی کے جو بھی اوقات ہوں ان میں ان کو کھلانے پلانے میں کوتاہی نہ کرو۔ اس میں گویا اس بات کی دلیل ہے کہ چوپایوں کا چارہ پانی ان کے مالکوں پر واجب ہے۔

”ان پر ایسی حالت میں سواری نہ کرو“ کا مطلب گھاس دانہ کے ذریعہ کی خبر گیری رکھنے کی ترغیب دلاتا ہے کہ ان کے گھاس دانہ میں کمی کو کوتاہی نہ کرو تاکہ یہ قوی اور سواری کے قابل رہیں، نیز جب یہ تھکنے کے قریب ہوں تو ان کو چھوڑ دو اور گھاس دانہ دو جب وہ کھائی میں اور ان میں توانائی آجائے تو اس کے بعد اس پر سواری یا بار برداری کرو، کیونکہ اس طرح چوپائے فریہ ہوتے ہیں۔

مشکلات میں اضافہ ہوا بلکہ قیدیوں کے مال کا نقصان بھی ہونے لگا تو ان مریضوں کی عرض پر اللہ تعالیٰ نے یہ اجازت عطا فرمائی کہ قیدیوں کے گمران ان قیدیوں کے مال و اسباب کو اپنے مال و اسباب میں ملا سکتے ہیں اور وَاللّٰهُ يَغْلِبُ الْمُفْسِدِينَ الخ کے ذریعہ اس طرف ارشاد فرمایا کہ ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ مخلوط تو کر لو لیکن ان کے خیر خواہ اور بہرہ ور بہر صورت رہو اپنی بیویوں کو خراب نہ کرو اور ان کے مال کو فریب و دغا کے ذریعہ نقصان نہ پہنچاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ مصلحت کی رعایت رکھنے والوں اور نہ رکھنے والوں کو خوب جانتا ہے اگر کسی گمران نے بدعتی، بدخواہی اور بددیانتی کے ساتھ حقیقہ کے ساتھ حقیقہ کے مال پر تصرف کیا تو اس کو سخت سزا دی جائے گی۔

منقول ہے کہ حضرت امام محمدؒ کے ایک شاگرد کا انتقال ہو گیا تو وہ قبروں نے اس کی کتابیں فروخت کر کے اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا، لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ کے اس شاگرد نے اس کی وصیت تو کی نہیں تھی آپ نے ایسا کیوں کیا؟ حضرت امام محمدؒ نے اس کے جواب میں یہی آیت وَاللّٰهُ يَغْلِبُ الْمُفْسِدِينَ الْمُفْسِدِينَ الخ مصلح فرمائی۔

باب بیٹوں یا دو بھائیوں میں جدائی نہ ڈالو

(۲۸) وَعَنْ أَبِي مُؤَسَّى قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَّبَ بَيْنَ الْوَالِدِ وَوَلَدِهِ وَبَيْنَ الْأَخِ وَبَيْنَ أُخِيهِ۔

(رواہ ابن ماجہ والدارقطنی)

”اور حضرت ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو باپ اور اس کے بیٹے کے درمیان اور دو بھائیوں کے درمیان جدائی ڈالے۔“ (ابن ماجہ، دارقطنی)

تشریح: جدائی ڈالنے سے مراد ان دونوں میں سے کسی ایک کو بیچ ڈالنا یا بہرہ و غیرہ کر دینا ہے بشرطیکہ بیٹا یا ایک بھائی چھوٹا (کسن) ہو اس کی تفصیل حضرت ابو ایوبؓ کی روایت کی تشریح میں پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے یا جدائی ڈالنے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ کسی باپ بیٹے یا دو بھائیوں کے درمیان لگائی بھائی کے ذریعہ غلط بیانی اور جدائی پیدا کر دی جائے۔

(۲۹) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَى بِالسَّبْيِ أَغْلَى أَهْلَ الْبَيْتِ حِمِيئًا

كَرَاهِيَةً أَنْ يَفَرَّقَ بَيْنَهُمْ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ جب کسی غزوہ و غیرہ میں قیدی لائے جاتے تو نبی کریم ﷺ پورے گھر کو ہم میں سے کسی ایک شخص کو (بطور لونڈی غلام) عطا فرما دیتے تھے (یعنی قیدیوں میں ایک گھر کے بچے بھی افراد ہوتے ان سب کو آپ کسی ایک ہی شخص کے حوالے کر دیتے تھے) کیونکہ ان کے درمیان جدائی ڈالنا آپ ﷺ کو ناپسند تھا۔“ (ابن ماجہ)

کون لوگ بُرے ہیں

(۳۰) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا أَتَيْنَكُمْ بِشَرِّ الْأُمَّةِ يَأْكُلُ وَحَدَهُ وَيَغْلِبُ عَبْدَهُ وَيَمْنَعُ وَفْدَهُ۔ (رواہ زر بن ابی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے فرمایا کیا میں تم میں یہ نہ بتا دوں کہ تم میں برے لوگ کون ہیں؟ (ابو مسنن) برا وہ شخص ہے جو کھانا تباہ کھائے، اپنے غلام کو (باقی ہمارے اور کسی اپنی بخش و عطا سے فائدہ نہ پہنچائے۔“ (زر بن ابی)

تشریح: اس حدیث میں چند ایسی چیزیں کو ذکر کیا گیا ہے جو ناپسندیدہ اور بری ہیں اور یہ چیزیں جن لوگوں کی خصلت بن جاتی ہیں وہ ناپسندیدہ اور برے سمجھے جاتے ہیں۔ چنانچہ سب سے تمباہو کر کھانا برا ہے، اپنے غلام کو بلا کسی جرم و خطا کے مارنا برا ہے اور کسی کو کچھ نہ دینا جیا ہے حاصل یہ ہے کہ جو لوگ بد خلق اور بخیل ہوں وہ برے ہیں۔

جامع صغیر میں ابن عساکر نے حضرت معاذؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ (آنحضرت ﷺ نے) فرمایا ”کیا میں تمہیں یہ نہ بتا دوں کہ لوگوں میں برے کون ہیں؟ برا وہ شخص ہے جو کھانا تہا کھائے کسی کو اپنی بخشش و عطا سے فائدہ نہ پہنچائے، تنہاء سفر کرے اور اپنے غلام کو (ناحق) مارے۔ اور کیا تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ اس سے بھی برا کون شخص ہے؟ وہ شخص اس سے بھی برا ہے جو لوگوں سے بغض رکھے اور لوگ اس سے بغض رکھیں اور کیا تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ اس سے بھی برا کون شخص ہے؟ اس سے بھی برا وہ شخص ہے جس کے شرف و قدر سے لوگ ڈریں اور اس سے کسی بھلائی کی امید نہ رکھیں اور کیا تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ اس سے بھی برا کون شخص ہے؟ اس سے بھی برا وہ شخص ہے جو اپنی آخرت کو دنیا کے عوض بیچ دے۔ اور کیا تمہیں نہ بتاؤں کہ اس سے بھی برا کون شخص ہے؟ اس سے بھی برا وہ شخص ہے جو دین کے ذریعہ دنیا کھائے۔“

لونڈی غلاموں کو اپنی اولاد اور اپنے بھائی کی طرح رکھو

(۳۱) وَ عَنْ أَنَسٍ بَنِ الْبَضْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْخَنَاءُ سَبِيلَ الْمَلَائِكَةِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَيْسَ أَحَبَّ لَنَا أَنْ هَذِهِ الْأُمَّةُ أَكْثَرُ الْأَهْمِ مَمْلُوكِينَ وَيَسْأَلُنِي قَالَ نَعَمْ فَأَكْرَمُوا هُمْ كَكْرَامَةِ أَوْلَادِكُمْ وَأَطْعَمُوا هُمْ مِثْلًا تَأْكُلُونَ قَالُوا فَمَا تَنْفَعُنَا الدُّنْيَا قَالَ قَوْمٌ تَرْبِطُهُ تَقَابِلُ عَلَيْهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَمْلُوكٌ يَكْفِيكَ إِذَا صَلَّيْتَ فَهُوَ أَحْوَلُ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت انس بن بکر صہبیؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ اپنے غلام لونڈی کے ساتھ برائی کرنے والا کبھی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (یہ سن کر) صحابہؓ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! کیا آپ (ﷺ) نے ہمیں یہ نہیں بتایا کہ آپ (ﷺ) کی امت، غلام لونڈی اور قیدیوں کے اعتبار سے پچھلی تمام امتوں سے بڑی ہوئی ہوگی (یعنی آپ (ﷺ) کی امت میں غلام لونڈی اور قیدی بہت ہوں گے تو کیا اتنی کثرت کی حالت میں سب کے ساتھ خوش خلقی کا برتاؤ کرنا ممکن ہوگا؟) آپ (ﷺ) نے فرمایا ”ہاں! میری امت میں لونڈی غلام بہت ہوں گے اور اتنی کثرت کی حالت میں سب ہی کے ساتھ خوش خلقی کا برتاؤ کرنا مشکل بھی بہت ہوگا لیکن اگر تم جنت میں داخل ہونا چاہتے ہو تو تم ان کے ساتھ دوسری طرح ایسے احسان کرو جو ان کے ساتھ تمہاری بد خلقی کا بدلہ ہو جائیں اور وہ احسان یہ ہے کہ تم ان کو اپنے کی طرح عزیز رکھو (یعنی ان پر بایں طور نرمی و رحم کیا کرو کہ ان پر کسی ایسے کام کا بوجھ نہ ڈالو جو ان کے بس سے باہر ہو اور ان پر ظلم و زیادتی نہ کیا کرو) اور ان کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو۔“ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمیں دنیا میں تسخیر پہنچانے والی کون سی چیز ہے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا ایک گھوڑا جس کو تم اللہ کی راہ میں لڑنے کے لئے باندھ رکھو اور ایک غلام جو تمہیں کفایت کرے (یعنی وہ تمہارے دنیاوی امور کو انجام دیتا رہے تاکہ تم فارغ رہ کر آخرت کے امور انجام دے سکو اور اگر تمہارا غلام نماز پڑھے تو وہ تمہارا بھی ہے۔) (لہذا اس کے ساتھ بھائی جیسا سلوک کرو)۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: یہ فرمایا گیا ہے کہ امت میں لونڈی غلام اور قیدی بہت زیادہ ہوں گے تو اس کا سبب یہ ہے کہ جب جہاد کثرت سے ہوگا تو کفار کے قیدی بھی کثرت سے ہاتھ آئیں گے اور جہاد کی کثرت ہی سے مسلمان شہید ہوں گے اور جب مسلمان شہید ہوں گے تو ان کے بچے جیم ہو جائیں گے۔

بَابُ بُلُوغِ الصَّغِيرِ وَ حَصَانَتِهِ فِي الصِّغَرِ

چھوٹے بچوں کی تربیت و پرورش اور ان کے بالغ ہونے کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا۔ کہ لڑکے اور لڑکی کے بالغ ہونے کی علامت اور حد کیا ہے اور یہ کہ بچے کی تربیت و پرورش کرنے کا

حق کس پر ہے؟

بوغ کی علامت و عمر: لڑکے کے بالغ ہونے کی علامت یہ کہ اس کو احتلام ہونے لگے اور اس میں عورت کو حاملہ کر دینے کی صلاحیت پیدا ہو جائے اور انزال ہو سکتا ہو۔ اسی طرح لڑکی کے بالغ ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کو ماہواری آجائے احتلام ہو جائے اور اس کے قفل ہو سکتا ہو اگر یہ علامتیں نہ پائی جائیں تو پھر جب لڑکے اور لڑکی دونوں کی عمر پندرہ سال کی ہو جائے تو وہ بالغ بننے کے حکم میں داخل ہو جائیں گے۔ فتویٰ اسی قول پر ہے لڑکے کے بالغ ہونے کی کم سے کم مدت بارہ برس کی عمر ہے اور لڑکی کے بالغ ہونے کی کم سے کم مدت نو برس ہے۔

اگر لڑکا لڑکی بالغ ہونے کے قریب ہوں اور وہ یہ کہیں کہ ہم بالغ ہو گئے ہیں تو ان دونوں کی اس بات کو صحیح سمجھ جائے گا اور وہ دونوں حکم میں بالغ کی مانند ہوں گے۔

بچہ کی پرورش کا حق کس کو ہے؟: چھوٹے بچے کی پرورش کا حق سب سے زیادہ ماں کو ہے خواہ وہ شادی قائم ہونے کی حالت میں ہو یا اس کو طلاق دے دی گئی ہو ماں اگر ماں مرتد یا بدکار ہے جس سے امن نہ ہو تو پھر اس کو حق سب سے زیادہ نہیں ہو گا۔ اگر ماں طلاق کے بعد بچہ کی پرورش کرنے سے انکار کر دے تو صحیح یہ ہے کہ اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ عاجز ہو لیکن اگر اس بچہ کا کوئی ذی رحم اس کی ماں کے علاوہ نہ ہو تو بچہ کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے ماں کو پرورش کرنے کے لئے مجبور کیا جائے گا۔ اگر ماں نے بچہ کے باپ کی وفات یا طلاق کے بعد اس بچہ کے غیر محرم سے شادی کر لی تو پھر اس بچہ کی پرورش کا سب سے زیادہ حق اس کو نہیں ہو گا اور اس نے کسی محرم سے شادی کر لی ہے مثلاً بچہ کے چچا سے نکاح کر لیا ہے تو اس صورت میں اس کا حق ساقط نہیں ہو گا اسی طرح ماں نے پہلے کسی غیر محرم سے نکاح کر لیا، اور اس کی وجہ سے اس کا حق ساقط ہو گیا مگر پھر ماں نے (اس غیر محرم کی وفات یا طلاق کے بعد) کسی محرم سے جیسے بچہ کے چچا سے شادی کر لی تو اب اس کو پرورش کا سب سے زیادہ حق مل جائے گا۔

اگر بچہ کی ماں پرورش کا حق نہ رکھتی ہو، یا میں سبب کہ اس نے غیر محرم سے شادی کر لی ہے یا مرتد ہو گئی اور یا وہ مر گئی ہو تو پھر اس بچہ کی پرورش کا حق سب سے زیادہ نانی کو ہو گا۔ اگر نانی موجود نہ ہو تو اس سے اوپر کے درجہ والی مثلاً چنانی وغیرہ کو ہو گا نانی و چنانی وغیرہ کے بعد پرورش کرنے کی سب سے زیادہ مستحق داوی و پرداوی وغیرہ ہوگی، اگر داوی و پرداوی وغیرہ بھی موجود نہ ہو تو پرورش کا سب سے زیادہ حق بچہ کی حقیقی بہن اس کے بعد اخیانی بہن اور اس کے بعد سوتیلی بہن کو ہو گا اور اگر ان میں سے بھی کوئی موجود نہ ہو۔ یا پرورش کرنے کی اہلیت نہ رکھتی ہو تو پھر اسی ترتیب کے مطابق پرورش کرنے کا حق سب سے زیادہ بچہ کی خالہ کو اس کے بعد بچہ کی چچو بھی ہو گا اور بھانجیاں، بھتیجیاں اور بھتیجیاں چچو بھتیجوں سے اولیٰ ہوں گی۔

استحقاق پرورش کے سلسلہ میں جن عزیزوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کا افراد ہونا شرط ہے لہذا باندہ کی اور ام والد کو پرورش کا کوئی حق نہیں ہے لیکن ذمیہ مسند کے حکم میں ہے کہ ذمیہ کو پرورش کا حق حاصل ہے بشرطیکہ بچہ دین کی سمجھ بوجھ کی عمر کو نہ پہنچ گیا ہو اگر ایسی کوئی بھی عورت موجود نہ ہو جس کو پرورش کا حق پہنچتا ہے تو پھر اس بچہ کی پرورش کا حق عصبائے کو ہو گا اور ان کی ترتیب وہی ہوگی جو میراث پانے میں ہوتی ہے لیکن لڑکی کسی ایسے عصبہ کی پرورش میں نہ دی جائے جو غیر محرم ہو جیسا چچا کا لڑکا یا وہ فاق و لا پرداہ ہو۔

حق پرورش کی مدت: حق پرورش کی مدت نو سال یا سات سال کی عمر مقرر کی گئی ہے اور قدوری نے لکھا ہے کہ جب بچہ تنہا کھانے پینے لگے کپڑا پہننے لگے اور خود استنجہ کرنے لگے تو حق پرورش ختم ہو جاتا ہے اس کے بعد اس بچہ کو اس کا باپ زبردستی اپنی تحویل و نگہداشت میں لے سکتا ہے اور لڑکی کی صورت میں ماں اور نانی اس وقت تک مستحق رہیں گی جب تک کہ اس کی لڑکی کو حیض نہ آجائے اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک لڑکی کے قابل شہوت ہونے تک ماں اور نانی کو پرورش کا استحقاق رہتا ہے جیسا کہ ماں، نانی اور داوی کے علاوہ دوسری عورتوں کے استحقاق کے بارہ میں یہ شرط ہے کہ جب لڑکی محروم کے قابل ہو جائے تو وہ ان کی پرورش سے نکل جائے گی۔

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

عمر بلوغ پندرہ سال ہے

① وَعَنْ ابْنِ عُثْمَانَ قَالَ غُرِصْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ أُخِدُوا أَنَا ابْنُ أَرْبَعٍ عَشْرَةَ سَنَةً فَوَدَّعَنِي ثُمَّ غُرِصْتُ عَلَيْهِ عَامَ الْخُدُوقِ وَأَنَا ابْنُ خَمْسٍ عَشْرَةَ سَنَةً فَأَحَازَنِي فَقَالَ عُثْمَانُ ابْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ هَذَا فَرْقٌ مَا بَيْنَ الْمُفَاتَلَةِ وَالْمُدْرِيَّةِ - (متن علیہ)

”حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ (تین ہجری میں) غزوہ اُحد کے موقع پر اچھا دیس جانے کے لئے مجھے رسول کریم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا جب کہ میری عمر چودہ سال تھی مگر آنحضرت ﷺ نے مجھے واپس کر دیا۔ (یعنی چھادس شرک کے لئے مجھ کو نہ لے گئے) پھر غزوہ خندق کے موقع جب کہ میری عمر پندرہ سال تھی مجھے آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے مجھے (چھو دیس جانے کی) اجازت عطا فرمادی کیونکہ بالغ ہونے کی عمر پندرہ سال ہے) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ ”عمر لڑنے والوں اور لڑکوں کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ حدیث سنی تو غور و بالا جملہ ارشاد فرمایا جس سے ان کی مراد یہ تھی کہ جب لڑکا پندرہ سال کی عمر کو پہنچ جائے۔ اور جو پندرہ سال کی عمر کو نہ پہنچے اس کو نابالغ لڑکوں میں شمار کیا جائے اس سے معلوم ہوا کہ بالغ ہونے کی عمر پندرہ سال ہے۔

حضرت حمزہ کی صاحبزادی کی پرورش کا تنازعہ اور اس کا تصفیہ

② وَعَنِ الْبَرَاءِ ابْنِ عَازِبٍ قَالَ ضَالِحُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْخُدُوبَةِ عَلَى ثَلَاثَةِ أَشْيَاءَ عَلَى أَنْ مِنْ أَدُهُ مِنَ الْمُسْرِكِينَ رَذَةُ الْبَيْهَمِ وَمَنْ أَتَاهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِينَ لَمْ يُوَدُّهُ وَعَلَى أَنْ يَدْخُلَهَا مِنْ قَابِلٍ وَيَقْبِضَ بِهَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَلَمَّا دَخَلَهَا وَمَضَى الْأَجَلَ خَرَجَ فَنَبِغَتْهُ ابْنَةُ حَمْزَةَ تَعَالَى بِتَاعِمٍ فَتَنَّا وَلَهَا عَلِيٌّ فَأَحْذَبْنَاهَا فَخْتَضَمَ فِيهَا عَلِيٌّ وَزَيْدٌ وَخُفَعْفُ فَقَالَ عَلِيٌّ إِنَّ أَحَدُنَّهَا وَهِيَ بِنْتُ عَمِّي وَقَالَ جَعْفَرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ وَخَالَتُهَا تَحْتِي وَقَالَ زَيْدُ بْنُ أَحْمَرَ فَقَضَى بِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَخَالَتَهَا وَقَالَ النَّحَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ وَقَالَ لِعَلِيٍّ أَنْتَ بِنْتِي وَأَنَا مِنْكَ وَقَالَ لِيَخْفَرُ أَشْبَهَتْ خَلْقِي وَخَلْقِي وَقَالَ لِيَزِيدُ أَنْتَ أَخُونَا وَهَذَا لَنَا - (متن علیہ)

”اور حضرت براء ابن عازبؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حدیبیہ کے دن اُحدہ مکہ سے (تین باتوں پر صلح کی تھی ایک تو یہ کہ مشرکوں میں سے جو شخص آپ کے پاس آجائے آپ ﷺ اسے واپس فرما دیں گے دوسرے یہ کہ آپ ﷺ اُحدہ سال (مدینہ سے) مکہ تشریف لائیں اور اپنا عمرہ قضا کریں اور (ارکانِ عمرہ کی) اور تیسری اس بات کے لئے) مکہ میں صرف تین دن قیام فرمائیں، چنانچہ (اُحدہ سال) جب آپ ﷺ مکہ تشریف لائے اور حدیبیہ مدت پوری ہو گئی (یعنی تین دن گزر گئے) اور آپ ﷺ نے (مکہ سے) واپس کا ارادہ کیا تو حضرت حمزہؓ کی بیٹی، اے میرے چچا اے میرے چچا کہتی ہوئی آپ ﷺ کے پیچھے لگ گئی حضرت علیؓ نے اس کو پکڑنے (یعنی اپنے ہمراہ لینے) کا ارادہ کیا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا (یعنی اپنے ہمراہ لے لیا) اس کے بعد حضرت حمزہؓ کی بیٹی کی پرورش کے بارہ میں حضرت علیؓ حضرت زیدؓ اور حضرت جعفرؓ کے درمیان تنازعہ پیدا ہو گیا حضرت علیؓ تو یہ کہتے تھے کہ پہلے میں نے اس بچی کو لیا ہے اور یہ میرے بچہ کی بیٹی ہے (اس لئے اس کی پرورش کا سب سے زیادہ حق مجھ کو ہے) اور حضرت جعفرؓ یہ کہتے تھے کہ یہ میرے بچہ کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے (اس لئے اس کی پرورش کا سب سے زیادہ حق مجھ کو ہے) نبی کریم ﷺ نے (اس تنازعہ کا فیصلہ اس طرح کیا کہ) اس کو اس کی خالہ کے

سپرد کر دیا (جو جعفرؑ کے نکاح میں تھیں) اور فرمایا کہ خالہ ماں کے برابر ہے، پھر آپ ﷺ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو (یعنی ہم دونوں میں کمال اخلاص و یگانگت ہے) اور حضرت جعفرؑ سے فرمایا کہ تم میری پیدائش اور میرے غفلت میں مشابہ ہو۔ اور حضرت زینؑ سے فرمایا کہ "تم ہمارے بھائی اور ہمارے محبوب ہو۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "حدیث یہ کہ سے تقریباً پندرہ سال کے فاصلہ پر بجانب جدہ ایک جگہ کا نام ہے ۱۶ میں آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ کی معیت میں عمرہ کرنے کے لئے مدینہ سے مکہ کو روانہ ہوئے جب حدیبیہ پہنچے تو کفار مکہ نے وہیں سے روک دیا اور مکہ میں نہ آنے دیا اور پھر اس مقام پر آنحضرت ﷺ اور کفار مکہ کے درمیان ایک معاہدہ کے تحت صلح ہوئی جس کی تین بنیادی دفعات کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے یہ صلح حدیبیہ بڑا مشہور واقعہ ہے اور اس کا تفصیلی بیان ان شاء اللہ کتاب الجہاد میں آئے گا۔

حضرت حمزہؑ آنحضرت ﷺ کے چچا اور دودھ شریک بھائی بھی تھے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اور حضرت حمزہؑ نے ابولسب کی لونڈی ثویبہ کا دودھ پیا تھا اسی رشتہ رضاعت کی بنا پر حضرت حمزہؑ کی بیٹی نے آنحضرت ﷺ کو چچا کہا۔ حضرت جعفرؑ آنحضرت ﷺ کے چچا زاد بھائی یعنی ابوطالب کے لڑکے اور حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کے بھائی تھے اور عمر میں حضرت علیؑ سے دس سال بڑے تھے۔

حضرت زینہؑ ابیہ ثابتؑ ایک غلام تھے جن کو آنحضرت ﷺ نے آزاد کیا تھا۔ اور اپنا بیٹی (لے پاک) بنایا تھا ان سے آنحضرت ﷺ کو بہت محبت تھی چونکہ آپ ﷺ نے دوسرے صحابہ کی مانند حضرت حمزہؑ اور حضرت زینہؑ کے درمیان بھائی چارہ کا تعلق قائم کر دیا تھا اس لئے حضرت زینہؑ نے حضرت حمزہؑ کی بیٹی کو بیٹی کہا۔

حضرت علیؑ جب حضرت حمزہؑ کی بیٹی کو مدینہ لے آئے تو اس کی پرورش کے بارہ میں مذکورہ بالا تین حضرات کے درمیان تنازعہ ہوا ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرتا تھا کہ اس بچی کی پرورش کرنا سب سے زیادہ میرا حق ہے اور ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ یہ میری تربیت و کفالت میں رہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس تنازعہ کا فیصلہ اس طرح فرمایا کہ اس بچی کو اس کی خالہ کی پرورش میں دے دیا جو حضرت جعفرؑ کے نکاح میں تھیں اور ان تینوں حضرات کی تسلی اور ان کا دل خوش کرنے کے لئے مذکورہ کلمات ارشاد فرمائے تاکہ وہ آزرہ نہ ہوں۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

کس بچہ کی پرورش کا سب سے زیادہ حق اس کی ماں کو ہے؟

﴿وَعَنْ عَمْرٍو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ ابْنِي هَذَا كَانَ يُظْلَمُ لَهُ وَعَمَاءُ وَنَدَى لَهُ بِسَاءَةٍ وَجَبْتَنِي لَهُ جَوَاءَ وَإِنَّ أَبَاكَ ظَلَمْتَنِي وَأَرَادَ أَنْ يَنْزِعَهُ مِنِّي فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْتَ أَحَقُّ بِهِ خَالَتُهُ تَذَكِّجَنِي﴾ (رواہ احمد و ابوداؤد)

"حضرت عمرو ابن شعیبؓ اپنے والد کرم (حضرت شعیبؓ) اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ ابن عمروؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک عورت نے عرض کیا "یا رسول اللہ! میرا یہ بیٹا کہ (ایک مدت تک) میرا بیٹ اس کا برتن رہا (یعنی مدتوں سے میرے پیٹ میں رہا) میری بھائی اس کی منکر رہی (یعنی مدتوں میری بھائی سے دودھ پیتا رہا) اور میری گود اس کا گوارہ رہی (یعنی مدتوں میں نے اس کو اپنی گود میں پالا ہے) اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دئی ہے اور میرے بیٹے کو بھی مجھ سے چھین لینا چاہتا ہے۔ رسول کرم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا۔ "جب تک تم کسی سے نکاح نہ کرو اس بچہ کی پرورش کرنے کی تم سب سے زیادہ مستحق ہو۔" (احمد و ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کے بعد جو حدیث آ رہی ہے اس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے لڑکے کو اختیار دے دیا تھا کہ وہ چاہے تو اپنی ماں کے پاس رہے اور چاہے اپنے باپ کے ہاں رہے اس طرح دونوں حدیثوں کے مفہوم میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے چنانچہ یگانہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جس لڑکے کا ذکر ہے ہو سکتا ہے کہ وہ کم سن رہا ہو اور سن تیز کو نہ پہنچا ہو اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس کی پرورش کا سب سے زیادہ حق ماں کو دیا جب کہ آگے آنے والی حدیث میں جس لڑکے کا ذکر کیا گیا ہے وہ من قبہ کو پہنچ چکا تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس کو یہ حق دے دیا کہ وہ اپنے اختیار تیزی کی بنا پر ماں یا باپ میں سے جس کو چاہے پسند کرے اور اس کے پاس چلا جائے ”جب تک کہ تم کسی سے نکاح نہ کرو“ اس بارہ میں یہ حدیث مطلق ہے لیکن علماء نے اس مسئلہ کو ”غیر محرم“ کے ساتھ متعید کیا ہے یعنی اگر مطلق ماں وغیرہ کسی ایسے شخص کے ساتھ شادی کر لے جو لڑکے کا غیر محرم ہے تو اس کو اس لڑکے کی پرورش کا حق نہیں رہتا۔ اور اگر کسی ایسے شخص سے شادی کرے جو لڑکے کا محرم ہے جیسے اس کے چچا سے نکاح، تو اس صورت میں اس کو پرورش کا حق رہتا ہے کیونکہ وہ محرم لڑکے کے حق میں یتیمنا شفیق و مہربان ثابت ہو گا۔

مدت پرورش کے بعد لڑکے کو ماں باپ میں سے کسی کے بھی پاس رہنے کا اختیار ہے

۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرَ غُلَامَيْنِ آتِيَهُ وَأَمِهِ - (رواه الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک لڑکے کو یہ اختیار دیا کہ وہ چاہے اپنے باپ کے پاس رہے اور چاہے اپنی ماں کے پاس رہے۔“ (ترمذی)

تشریح: جیسا کہ اس سے پہلے کی حدیث کی تشریح میں بتایا گیا ہے یہ لڑکا چونکہ سن تیز کو پہنچ گیا تھا یعنی بالغ ہو گیا تھا۔ اس لئے اس کو یہ اختیار دے دیا گیا کہ وہ خواہ اپنے باپ کے پاس چلا جائے خواہ وہ اپنی ماں کے پاس رہے لہذا اس کا تعلق ”حضنانہ“ (یعنی پرورش کرنے) کے باب اور مسئلہ سے نہیں ہے جب کہ پہلی حدیث میں جس لڑکے کا ذکر کیا گیا ہے اس کا تعلق ”حضنانہ“ کے مسئلہ سے ہے اس لئے آپ ﷺ نے حضنانہ یعنی پرورش کرنے کے حق کے بارے میں ماں کو مقدم رکھا۔

چنانچہ حنفیہ کے نزدیک یہی مسئلہ ہے کہ ”مدت پرورش“ میں لڑکے کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ وہ چاہے تو اپنی ماں کے پاس رہے اور چاہے باپ کے پاس رہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک لڑکے کو مدت پرورش میں بھی یہ اختیار حاصل ہوتا ہے۔

(۵) وَعَنْهُ قَالَ جَاءَتْ أُمِّي وَسُئِلَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ إِنَّ زَوْجِي يُرِيدُ أَنْ يَنْدُبَ بَنِيَّ وَقَدْ سَأَلَنِي وَيَقْنِي فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا أَبُوكَ وَهَذَا أُمُّكَ فَاحْذَرِيهِمَا شَيْئًا فَاحْذَرِيهِمَا شَيْئًا فَانْطَلَقَ بِهِ - (رواه المروزي ورواه النسائي)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک عورت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ ”میرا خاوند چاہتا ہے کہ میرے بیٹے کو لے جائے حالانکہ وہ مجھے پانی پلاتا ہے اور بیعت پہنچاتا ہے (یعنی وہ اب اس عمر کو پہنچ گیا ہے کہ میں اس کی خدمت سے فائدہ اٹھا سکی ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے (اس لڑکے سے) فرمایا کہ تمہارا باپ اور تمہاری ماں سے ان میں سے تم جس کو پسند کرو اس کا ہاتھ پکڑو۔ چنانچہ اس لڑکے نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ اس کو انے ساتھ لے گئی۔“ (ابوداؤد، نسائی، دارمی)

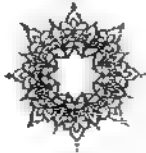
٦) وَعَنْ هِرَاقِلَ بْنِ اسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي هِنَمَةَ سَلِيمَانَ مَوْلَى لَأَهْلِ الْمَدِينَةِ قَالَ يَتِمُّمَا أَنَا جَالِسٌ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ جَاءَهُ نَهْزَةٌ فَارِسِيَّةٌ مَعَهَا ابْنٌ لَهَا وَقَدْ طَلَّقَهَا زَوْجَهَا فَأَدْعَاهَا فَرُطْتُ لَهُ فَقَوْلُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ زَوْجِي يُرِيدُ أَنْ يَذْهَبَ بِابْنِي فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ اسْتَهْمَا عَلَيْهِ وَظَنَ لَهَا بِذَلِكَ فَجَاءَهُ زَوْجُهَا وَقَالَ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي قَتَابَةَ قَالَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ اللَّهُمَّ إِنِّي لَا أَقُولُ هَذَا إِلَّا أَنِّي كُنْتُ فَاغْتَدِمُكَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَانْتَهَتْ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ زَوْجِي يُرِيدُ

اَنْ يَنْدُھِبْ يَابَنِي وَ قَدْ نَفَعْنِي وَ سَقَانِي مِنْ يَمْنَانِي عِنْتَهُ وَ عِنْدَ النَّسَائِيِّ مِنْ عَذَابِ الْخَبَاءِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَهْمَا عَلَيْهِ فَقَالَ زَوْجُهَا مِنْ يَخَافُنِي فِي وَلَدَيْنِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا اَبْنُكَ وَ هَذِهِ اُمُّكَ فَحُذِّبْهُ اَيْتِهْمَا شَتَّ فَاَخَذَ بِنِدَائِهِ زَوْاهُ اَبْنُو ذَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ لِكِتْمَةِ ذِكْرِ الْمُسْنَدِ وَ زَوْاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ هِلَالِ بْنِ اَسْمَاعِيلَ۔

”حضرت ہلال ابن اسامہؓ حضرت میمونہؓ سے کہ جن کا نام سلیمان تھا اور اہل مدینہ میں سے کسی کے آزار کردہ غلام تھے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا (ایک دن) جب کہ میں حضرت ابوہریرہؓ کے ہاں بیٹھا ہوا تھا ان کے پاس فارسی کی ایک عورت آئی جس کے ساتھ اس کا لڑکا بھی تھا اور اس کے خوند نے اس کو طلاق دے دی تھی اور میاں بیوی کے درمیان اس لڑکے کے بارہ میں تنازعہ تھا اس عورت نے ابوہریرہؓ سے فارسی زبان میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ابوہریرہؓ میرا شوہر میرے بیٹے کو لے جانا چاہتا ہے! حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ تم دونوں اس پر قرعہ ڈالو (جس کے نام قرعہ نکل آئے وہ اس لڑکے کو لے لے) حضرت ابوہریرہؓ نے بھی اس عورت کے سامنے اسی مفہوم کو فارسی زبان میں ادا کیا پھر اس عورت کا خاوند آیا کہ میرے بیٹے کے بارہ میں مجھ سے کون جھگڑا کرتا ہے؟ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ ”یا اللہ! میں یہ ۲ (اپنی طرف سے) نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں (ایک دن) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک عورت آئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ میرا شوہر چاہتا ہے کہ میرے بیٹے کو مجھ سے جھین لے جب کہ یہ مجھے فائدہ پہنچاتا ہے اور ابوہریرہؓ کے کنوئیں سے مجھ کو پانی اور نسائیؓ میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ (شوہر کے باہر کافی فاصلہ سے) بیٹھا پانی (لا کر) مجھ کو پلاتا ہے۔ یہ سن کر رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”تم دونوں اس پر قرعہ ڈالو خاوند نے کہا کہ ”میرے بیٹے کے بارہ میں مجھ سے کون جھگڑا کرتا ہے؟“ پھر رسول کریم ﷺ نے (اس لڑکے سے) فرمایا کہ ”یہ تمہارا باپ ہے اور یہ تمہاری ماں ہے ان دونوں میں سے تم جس کو پسند کرو، اس کا ہاتھ پکڑ لو اچانچہ اس لڑکے نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ لیا۔ (اور وہ اس کو اپنے ساتھ لے گئی)۔“ (ابوداؤد، نسائی، دارمی)

تشریح: حضرت ابوہریرہؓ نے اس عورت سے جو فارسی زبان میں گفتگو کی اس سے معلوم ہوا کہ بعض صحابہؓ اہل عجم کے ساتھ میل جول رکھنے اور ان کے ساتھ رہنے پہنے کی وجہ سے ان کی زبان سیکھ گئے تھے۔

اس حدیث میں جس لڑکے کا ذکر کیا گیا ہے وہ بھی بالغ تھا اور چونکہ بالغ کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ چاہے ماں کے پاس رہے اور چاہے باپ کے ساتھ رہے اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اس کو یہ حق دے دیا اور اس نے ماں کے پاس رہنے کو اختیار کیا، اس لڑکے کے بالغ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ شہر کے باہر بہت دور دور سے پانی بھر کر لاتا تھا اگر وہ نابالغ ہوتا تو نہ صرف یہ کہ وہ اپنی کنوئیں کی وجہ سے شہر کے ہر اتنی دور سے پانی بھرنے کی ہمت نہ کرتا بلکہ اس کی ماں بھی اس خوف سے کہ کہیں یہ اپنی نادانی کی وجہ سے کنوئیں میں گر نہ جائے۔ اس کو اتنی دور سے پانی لانے کے لئے ہرگز نہ بھیجتیں۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کتاب العتق

غلام کو آزاد کرنے کا بیان

ہزادی کی شرعی حیثیت

شرعی نقطہ نظر سے ”آزادی“ دراصل ایک ایسی قوت حکمہ کا نام ہے جو انسان کو اس کا یہ فطری اور پیدا نشی حق دیتی ہے کہ وہ مالک ہونے، سرپرست بننے اور شہادت (گواہی) دینے کا اہل بن جائے، چنانچہ جس انسان کا یہ فطری اور پیدا نشی حق مسلوب ہوتا ہے یا اس طور کہ وہ کسی غلامی میں ہوتا ہے اور پھر اسے آزادی کی صورت میں یہ قوت حکمہ حاصل ہو جاتی ہے تو اس میں نہ صرف مالک ہونے کی لیاقت، سرپرست بننے کی قابلیت اور شہادت دینے کی اہلیت پیدا ہو جاتی ہے بلکہ وہ اس قوت حکمہ یا یہ کہنے کہ اس آزادی کی وجہ سے دوسروں پر تصرف کرنے اور دوسروں کے تصرف کو اپنے سے روکنے پر قادر ہو جاتا ہے اور وہ آزاد و خود مختار انسانوں کی صف میں آکھڑا ہوتا ہے۔

آزاد کرنے کی شرط

کسی بردہ (غلام باندی) کو آزاد کرنے کے لئے شرط یہ ہے کہ آزاد کرنے والا خود مختار ہو بالغ ہو عقل مند ہو اور جس بردہ کو آزاد کر رہا ہے اس کا مالک ہو۔

آزاد کرنے کی قسمیں

غلام کو آزاد کرنا بعض صورتوں میں واجب ہے جیسے کفارہ، بعض صورتوں میں مستحب ہے اور بعض صورتوں میں مکہ نہ بھی ہے، جیسے اگر یہ ظن غالب ہو کہ اگر اس غلام کو آزاد کر دیا جائے گا تو یہ دارالحرب بھاگ جائے گا یا مرتد ہو جائے گا یا یہ خوف ہو کہ چوری قزاقی کرنے لگے گا! بعض صورتوں میں مباح ہے جیسے کسی شخص کی خاطر کسی شخص کو ثواب پہنچانے کے لئے بردہ کو آزاد کیا جائے اور بعض صورتوں میں عبادت ہے جیسے کسی بردہ کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے آزاد کیا جائے۔

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

بردہ (غلام یا باندی) کو آزاد کرنے کا اجر

① عَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مُسْلِمَةً أَعْتَقَ اللَّهُ بِكُلِّ غَضَبٍ مِنْهُ

غضوا من النار حتى فزحذ بقضجہ (محق علیہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص کسی مسلمان برودہ کو غلامی سے نجات دے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کو اس برودہ کے ہر عضو کے بدلے دوزخ کی آگ سے نجات دے گا یہاں تک کہ اس کی شرمگاہ کو اس برودہ کی شرمگاہ کے بدلے نجات دے گا۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: ”مسلمان برودہ“ میں اسلام کی قید اس لئے لگائی گئی ہے تاکہ اس فعل (آزاد کرنے) کا ثواب زیادہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ یوں تو کسی بھی برودہ کو آزاد کرنا اجر کا باعث ہے لیکن اگر کسی مسلمان کو آزاد کیا جائے تو اس کے اجر کی حیثیت اور ثواب کی مقدار کہیں زیادہ ہوگی۔ ”ہر عضو“ کے ذکر کے بعد پھر ”شرمگاہ“ کو بطور خاص اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ زنانہ جگہ ہے اور زنا شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے ہذا وضاحت فرمائی گئی کہ اللہ تعالیٰ جسم کے اس حصہ کو بھی نجات دے گا۔ اس کے پیش نظر بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ اس سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ آزاد کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اس غلام کو آزاد کرے جو شخصی یا ستر پردہ نہ ہو نیز یہ اولیٰ ہے کہ اگر آزاد کرے دال مرد ہو تو وہ مرد (یعنی غلام) کو آزاد کرے اور اگر آزاد کرنے والی عورت ہو تو وہ عورت (یعنی باندی) کو آزاد کرے۔

گراں قیمت اور اپنا پسندیدہ غلام آزاد کرنا زیادہ بہتر ہے

② وَعَنْ ابْنِ ذَرِّقَانَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ قَالَ إِيْمَانٌ بِاللَّهِ وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِهِ قَالَ قُلْتُ فَأَيُّ التَّرَقَاتِ أَفْضَلُ قَالَ أَعْلَاهَا نَمَتَا وَانْفَسَحْنَا عَنْدَ أَهْلِهَا قُلْتُ فَإِن لَّمْ أَفْعَلْ قَالَ تَعِينْ صَانِعَهُ أَوْ تَضَعْ لَاحِرَ قُلْتُ فَإِن لَّمْ أَفْعَلْ قَالَ تَدْعُ النَّاسَ مِنَ الشِّرْكِ فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ تَصْلُقُ بِهَا عِلَى غَفْلَتِكَ (محق علیہ)

”اور حضرت ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا کہ کون سا عمل بہتر ہے؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا“ ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ پھر میں نے عرض کیا ”کون سا برودہ آزاد کرنا بہتر ہے؟“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”جو گراں قیمت ہو اور اپنے مالک کو بہت پیارا ہو“ میں نے عرض کیا کہ ”اگر میں ایمان نہ کر سکوں؟“ (یعنی آزادہ مکمل نہیں بلکہ آزادہ محروم عدم استطاعت یا غلام آزاد نہ کر سکوں؟) آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”کام کرنے والے کی مدد کر دو یا جو شخص کسی چیز کو نہانا چاہتا ہو اس کی وہ چیز نہانا“ میں نے عرض کیا ”اگر میں یہ (بھی) نہ کر سکوں (تو کیا کروں؟)“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”لوگوں کو برائی پہنچانے سے احتساب کرنا یہ درکھو یہ ایک اچھی خدمت ہے جس کے ذریعہ تم اپنے نفس کے ساتھ بھلائی کرتے ہو۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: ایمان کا بہتر ہونا تو بالکل بدیہی بات ہے کہ خیر و بھلائی کی بنیاد ہی ایمان ہے، اگر ایمان کی روشنی موجود نہ ہو تو پھر کوئی بھی عمل مقبول نہیں ہوتا خواہ وہ کتنا ہی اہم اور کتنا ہی افضل کیوں نہ ہو! اور جہاد اس اعتبار سے بہتر عمل ہے کہ وہ دین کی تقویت اور مسلمانوں کی برتری و عظمت اور غلبہ کا باعث ہوتا ہے۔

جہاں تک نماز، روزہ کا تعلق ہے وہ تو دوسری حیثیات اور دوسرے وجوہ کی بناء پر (ایک دوسرے) عمل سے برتر اور بہتر ہیں لہذا یہاں جہاد کو نماز و روزہ پر فوقیت دینا مراد نہیں ہے۔ یا پھر یہ کہ اس موقع پر ”جہاد“ سے مراد مطلق ”مشقت برداشت کرنا“ ہے جس کا تعلق جہاد سے بھی ہے اور دوسری طاعات و عبادات سے بھی۔ چنانچہ ماسورات پر عمل کرنے اور مشیبت سے بچنے کی نفسانی مشقت اور ریاضت کو ”جہاد اکبر“ فرمایا گیا ہے اس صورت میں آنحضرت ﷺ کے مذکورہ بالا جواب کا حاصل یہ ہو گا کہ سب سے بہتر عمل، ایمان لانا اور ایمان کے تقاضوں پر عمل کرنا ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے قُلْ أَفْضَلُ بِاللَّهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ كَامِ كَرْنِے والے کی مدد کرو میں ”کام سے“ مراد برودہ چیز ہے جو انسان کے معاش کا ذریعہ ہو خواہ وہ صنعت و کارگیری ہو یا تجارت ہو۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اپنے کسی پیشہ و کسب میں لگا ہوا ہو اور اس کا وہ پیشہ و کسب اس کی اور اس کے اہل و عیال کی ضروریات کو پورا نہ کرتا ہو وہ شخص اپنے ضعف و مجبوری کی وجہ سے اس کسب و پیشہ

کو پوری طرح انجام نہ دے سکتا ہو تو ہم اس شخص کی مدد کرو! اسی طرح ”جو شخص کسی چیز کو بتانا نہ جانتا ہو اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے اپنے پیشے کے کام کو نہ کر سکتا ہو تو ہم اس کا کام کر دوں تاکہ وہ تمہارے سہارے اپنی ضروریات زندگی کو پورا کر سکے۔

”لوگوں کو برائی پہنچانے سے اجتناب کرو“ کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو برے کام میں مبتلا نہ کرو، کسی کو اپنی زبان اور اپنے ہاتھ سے ایذا نہ پہنچو اور نہ کسی کو کسی بھی قسم کا نقصان پہنچاؤ کیونکہ لوگوں کو برائی پہنچانے سے اجتناب کرنا بھی خیر و بھلائی ہے خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ برائی (یعنی کسی کو ایذا و نقصان) پہنچانے پر قدرت بھی حاصل ہو۔

مراد خیر تو امید نیست شر مراد

اس موقع پر عبارت کے ظاہری اسلوب کا تقاضہ یہ تھا کہ آپ ﷺ یوں فرماتے کہ ”یہ ایک اچھی خصلت ہے جس کے ذریعہ تم لوگوں کے ساتھ بھلائی کرتے ہو“ لیکن چونکہ لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنا درحقیقت اپنے نفس کے ساتھ بھلائی کرنا ہے بایں طور کہ اس بھلائی کے خلف نوائے اسے حاصل ہوتے ہیں اس لئے آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ ”جس کے ذریعہ تم اپنے نفس کے ساتھ بھلائی کرتے ہو۔“

الْفَضْلُ الثَّانِي

برہ کو آزاد کرنے یا برہ کی آزادی میں مدد کرنے کی فضیلت

(۴) عن البراء بن عازب قال حُذِرْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَلَيْنِي عَمَلًا يَنْجِلُنِي النَّحْلَةَ قَالَ لَنْ تَكُنْتَ أَقْصَرَتْ الْخَطِيئَةُ لَقَدْ أَغْرَضْتَ الْمُسْتَلْتَ أَغْنَى السَّمَةَ وَفَكَ الرِّقَةَ قَالَ أَوْلَيْتَنَا وَاجِدًا لَأَنْ لَا عَقْلَ النَّسَمَةِ أَنْ تَعْرِضَ بِعَقْلِهَا وَفَكَ الرِّقَةَ أَنْ تُعِينَ فِي شُعْبِهَا وَالْمُسْتَلَمَةُ الْوَخُوفُ وَالْفَقْرُ عَلَى ذِي الْوَحْمِ الْمَطْلَمِ فَإِنْ لَمْ تُطِيقْ ذَلِكَ فَأَطْلِمِ الْحَائِجَ وَاسْقِ الظَّمْآنَ وَأَهْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَأَمَّا عَنِ الْمُنْكَرِ فَإِنْ لَمْ تُطِيقْ ذَلِكَ فَكُفَّ لِسَانَكَ إِلَّا مِنْ خَيْرٍ - زَوَاهِ النَّبِيِّ قَبْلِي فِي شُعْبِ الْإِسْلَامِ -

”حضرت براء ابن عازب کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا اور عرض کیا کہ ”مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جس کے ذریعہ میں (ابتدائی مرحلہ میں نجات پانے والوں کے ساتھ) جنت میں داخل ہو جاؤں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا اگرچہ تم نے سوال کرنے میں بہت اختصار سے کام لیا ہے لیکن جزی اہم بات دریافت کی ہے (پھر آپ ﷺ نے اس کو یہ عمل بتایا کہ) تم جان کو آزاد کرو اور برہ کو نجات دو“ دیہاتی نے عرض کیا کہ ”کیا یہ دونوں باتیں (یعنی جان کو آزاد کرنے اور غلام کو نجات دینا) ایک ہی نہیں ہیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں! جان کا آزاد کرنا تو یہ ہے کہ تم اس کو آزاد کرنے میں تیار اور مستقل ہو اور برہ کو نجات دینا یہ ہے کہ تم اس کی قیمت کی ادائیگی (میں اس کی مدد کرو (بجز جنت میں داخل کرنے والیہ بھی عمل ہے کہ تم کسی محتاج کی شہر دار مسخرو اور اس ظالم ہرشت دار پر ہرمانی اور احسان کرو جو تم پر ظلم کرتا ہے! اگر تم سے یہ نہ ہو سکتے تو مجھ کے کو کچھ کھلاؤ اور نیاسے کو پانی پلاؤ۔ نیز لوگوں کو بھلائی دینا تلقین و تبلیغ کرو اور برائی سے روکو۔ اور اگر تم یہ (بھی) نہ کر سکو تو پھر لکم سے کم اتنا ہی کرو کہ پہلی بات کے علاوہ اپنی زبان کو بند رکھو۔“ یعنی

تشریح: جان یعنی برہ کو آزاد کرنا، اور برہ کو نجات دینا، ان دونوں باتوں میں جو فرق واضح کیا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جان کو آزاد کرنا تو یہ ہے کہ تم خود اپنے برہ کو آزاد کرو، اور برہ کو نجات دینا یہ ہے کہ تم کسی دوسرے شخص کے برہ کی آزادی کے لئے سعی و کوشش کرو، بایں طور کہ اس کی قیمت کی ادائیگی میں اس برہ کی مدد کرو! مثال کے طور پر یہ کہ اپنے غلام کو لکھ کر دے دیا کہ جب تم مجھے اتنے

روپے ادا کر دو گئے تو تم آزاد ہو جاؤ گے، اب اس غلام کی روپے پیسے سے امداد کرنا تاکہ وہ متعین رقم اپنے مالک زید کو ادا کر کے آزاد ہو جائے، دوسرے شخص کے بردہ کی آزادی کے لئے کوشش کرتا ہے، یاد رہے کہ ایسے غلام کو ”مکاتب“ کہا جاتا ہے۔

”منہ“ سے مراد وہ بکری یا اونٹنی ہے جو کسی محتاج کو اس مقصد سے عارضی طور پر دے دی جائے کہ وہ اس بکری یا اونٹنی کے دودھ پر ان کے بالوں سے نفع حاصل کرے اور ”وکوف“ بہت دودھ دینے والے جانور کہتے ہیں۔

”بھلی بات کے علاوہ اپنی زبان کو بند رکھو“ اس مضمون کو ایک دوسری حدیث میں یوں فرمایا گیا ہے۔

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكَلِّمْ غَيْرَهُ أَوْ لِيَصْمُتْ۔

”جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہ اپنی زبان سے بھلائی (کی بات) نکالے یا خاموشی اختیار کرے۔“

ان دونوں فرمودات کا حاصل یہ ہے کہ اپنی زبان پر پوری طرح قابو رکھنا چاہئے۔ یاد ہو گئی، بدکلامی اور بری باتوں کا زبان سے صدور نہ ہونا چاہئے۔ زبان جب بھی حرکت میں آئے، اس سے بھلائی ہی کی بات نکلتی چاہئے۔ کیونکہ یہ ایک ایسا نکتہ ہے جس پر عمل کر کے بہت سی خرابیاں اور دینی و دنیاوی نقصانات سے محفوظ رہا جاسکتا ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ ان دونوں حدیثوں میں ”بھلائی“ سے مراد وہ چیز ہے جس میں ثواب ہو اس صورت میں وہ کلام جس پر مباح کا اطلاق ہوتا ہو، بھلائی کے زمرہ میں نہیں آئے گا لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ ”بھلائی“ سے مراد وہ چیز ہے جو برائی کے مقابل ہو لہذا اس صورت میں مباح کلام بھلائی کے زمرہ میں آئے گا ورنہ ہر غیر موزوں رہے گا۔

④ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْسَةَ أَنَّ الشَّيْخَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ بَنَى مَسْجِدًا لِيَذْكُرَ اللَّهَ فِيهِ نُسِي لَهُ نَيْتٌ فِي الْحَيَاةِ وَمَنْ اغْتَنَقَ نَفْسًا مُسْلِمَةً كَانَتْ فِدْيَتُهُ مِنْ حَبْثِهِمْ وَمَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَانَتْ لَهُ نَوَازِلُ يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

(رواہ فی شرح السنۃ)

”اور حضرت عمرو ابن عبسہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص کوئی (چھوٹی یا بڑی) مسجد (نام نمود کے لئے) بنیں بلکہ اس نیت سے بنائے کہ اس میں اللہ کا ذکر کیا جائے تو اس کے لئے جنت میں ایک بڑا مکان بنایا جائے گا اور جو شخص کسی مسلمان بردہ کو آزاد کرے گا تو وہ بردہ اس شخص کے لئے دوزخ کی آگ سے نجات کا سبب ہو گا اور جو شخص خدا کی راہ میں (یعنی جہاد میں یا حق میں) یا طلب علم میں دیر یا اسلام میں جیسا کہ ایک روایت میں فرمایا گیا ہے) ایڑھا ہو تو اس کا بڑھا پاتا جیت کے دن اس کے لئے نور ہو گا جس کے سبب وہ اس دن کی تاریکیوں سے نجات پائے گا۔“ اس روایت کو صاحب صحاح نے اپنی اسناد کے ساتھ اشرح السنہ میں نقل کیا ہے۔“

تشریح: ان الفاظ ”رواہ فی شرح السنۃ“ میں اس طرف اشارہ ہے کہ مشکوٰۃ کے مصنف کو یہ حدیث شرح السنہ کے علاوہ حدیث کی کسی اور کتاب میں نہیں ملی ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

⑤ عَنْ الْمَغْرِبِيِّ أَنَّهُ عَنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي نَضْرَةَ قَالَ أَتَيْنَا وَابِلَةَ بْنَ الْأَسْفَعِ فَقُلْنَا حَدِّثْنَا حَدِيثًا لَيْسَ فِيهِ زِيَادَةٌ وَلَا نَقْصَانٌ فَغَضِبَ وَقَالَ إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيُفْرَأُ وَغَضَبُهُ مُعْلَقٌ فِي بَيْتِهِ فَيَزِيدُ وَيَنْقُصُ فَقُلْنَا إِنَّمَا أَزِدْنَا حَدِيثًا سَمِعْنَاهُ مِنَ الشَّيْخِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَتَيْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ضَاغِبٍ لَنَا أَوْحَبَ بَعْضِ النَّاسِ بِالْقَتْلِ فَقَالَ أَعْتَبُوا عَنِّي يُعْنِي اللَّهُ بِكُلِّ غَضَبٍ مِنْهُ غَضَبُ امْرِئٍ مِنَ النَّاسِ۔ (رواہ البیہقی ورواہ ابوداؤد وائساق)

”اور حضرت غریب ابن ربیع (تاجی) کہتے ہیں کہ ہم حضرت وابلہؓ و ابن اسحق (صحابی) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ تم سے کوئی

حدیث بیان کیجئے جس میں کی بیشی نہ ہو۔ ”حضرت دائلہؓ (یہ بات سن کر غصہ ہوئے اور کہنے لگے کہ تم لوگ (شب و روز) قرآن کریم پڑھتے ہو اور تمہارا قرآن کریم تمہارے گھر میں انکار رہتا ہے لیکن اس کے باوجود (ازراہ ہجو خطا) کی بیشی ہو رہی جاتی ہے (یعنی شب کوئی شخص قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے تو اس کا قرآن کریم اس کے گھر میں یا اس کے پاس موجود ہوتا ہے اور اس صورت میں اگر اسے کہیں کوئی شبہ ہو تو وہ قرآن دیکھ سکتا ہے لیکن اس کے باوجود تلاوت میں غلطی سے کوئی لفظ چھوڑ دیتا ہے یا کوئی لفظ بڑھا دیتا ہے، لہذا معلوم ہوا کہ جیسا و مگر اور پوری احتیاط کے باوجود نقل و روایت میں الفاظ کی کمی بیشی کا ہونا ضروری ہے) ہم نے عرض کیا کہ ”ہمارا مطلب تو صرف یہ ہے کہ آپ نے آنحضرت ﷺ سے جو حدیث سنی ہو ہمیں سنا ہے، چنانچہ حضرت دائلہؓ نے یہ حدیث بیان کی کہ (ایک دن) ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اپنے ایک دوست کا معاملہ لے کر آئے جس نے (خود کشی کر کے یا کسی دوسرے کو مائت) قتل کر کے اپنے لئے دوزخ کی آگ کو واجب کر لیا تھا، آنحضرت ﷺ نے (واقعہ سن کر) فرمایا کہ ”اس شخص کی طرف سے (غلام آزاد کر دو اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے قاتل کے ہر عضو کو (دوزخ کی آگ سے نجات دے گا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: حضرت دائلہؓ سمجھے کہ فریفتہ کی مراد یہ ہے کہ حدیث بیان کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے الفاظ بعینہ روایت کئے جائیں۔ چنانچہ ان کو اس بات پر غصہ آیا اور مذکورہ بالا جواب دیا۔ لیکن حضرت فریفتہؓ نے اپنی بات کو وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا مطلب یہ نہیں تھا جو آپ سمجھے ہیں بلکہ ہماری مراد تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حدیث اس طرح بیان فرمائیں کہ اس کے مضمون و مفہوم میں کوئی تغیر نہ ہو اگرچہ الفاظ میں کمی بیشی ہو جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کو اس طرح بیان کرنا کہ اس کا مضمون و مفہوم بعینہ نقل ہو جائے گو الفاظ میں کچھ تغیر ہو تو جائز ہے۔

کسی غلام کے حق میں سفارش کرنا بہترین صدقہ ہے

① وَعَنْ سُؤْرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ الشَّفَاعَةُ بِهَا تُنْقَذُ الرَّقَبَةُ دَوَاهُ الْيَهُودِيِّ فِي شُعْبِ الْإِيمَانِ۔

”اور حضرت سرہ ابن جندب کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”بہترین صدقہ وہ سفارش ہے جس کے نتیجہ میں (برہوں کی) گردن کو نجات حاصل ہو جائے۔“ (بخاری)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ سفارش کر کے کسی غلام کو آزاد کرادینا یا کوئی شخص اپنے غلام کو قتل کر دینا چاہتا ہو یا اس کو مارتا دھاڑتا ہو تو سفارش کر کے اس غلام کو بچا دینا بہترین صدقہ ہے۔

بَابُ اعْتِقَاقِ الْعَبْدِ الْمُشْتَرَكِ وَشِرَاءِ الْقَرْنَبِ وَالْعَتَقِ فِي الْمَرَضِ
مُشْتَرَكِ غُلَامٍ كَوَازِدِ كَرْنِي، قَرَابَتِ دَارِ كَوَازِدِ كَرْنِي فِي بِيَارِي كِي حَالَتِ مِي

آزاد کرنے کا بیان

اس باب میں جن مسائل و احکام سے متعلق احادیث نقل کی جائیں گی ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ اگر کوئی غلام مشترک ہو مثلاً دو شخص زید اور بکر مشترک طور پر ایک غلام کے مالک ہوں اور ان میں کا ایک شریک مثلاً زید اپنا حصہ آزاد کر دے تو دوسرا کیا کرے؟ چنانچہ اس بارہ میں جزوی آزادی (یعنی ایک غلام کا حصہ آزاد ہو جائے اور دوسرا حصہ غلام ہی رہے) معتبر ہے یا نہیں خود حنفیہ کے ہاں مختلف اقوال ہیں، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ ”جزوی آزادی“ معتبر ہے لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور

حضرت امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ جزیٰ آزادی معتبر نہیں ہے، اقوال کے اس اختلاف کا تعلق مسئلہ کے صرف اسی ایک جزو سے نہیں ہے بلکہ اس سے دوسرے احکام و مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

باب کا دوسرا جزو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے غلام کو خریدے جو اس کا قرابت دار ہو تو وہ غلام محض خرید لینے ہی سے آزاد ہو جائے گا خواہ وہ شخص اس کو آزاد کرے یا آزاد نہ کرے! البتہ اس بارہ میں اختلافی اقوال ہیں کہ ”قرابت دار“ سے کس کس رشتہ کے لوگ مراد ہیں اس کی تفصیل بھی آگے آئے گی۔

باب کا تیسرا جزو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیماری کی حالت میں غلام کو آزاد کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ چنانچہ اس کے متعلق احکام و مسائل بھی حسب موقع احادیث کی تشریح کے ضمن میں بیان کئے جائیں گے۔

الفصل الأول

مشترک غلام کو آزاد کرنے کے بارے میں ایک ہدایت

① عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اشْتَرَى شُرَكَاءَ لِي غَنِيٍّ وَكَانَ لَهُ مَالٌ يَبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ فَوَرِّمَ الْعَبْدَ عَلَيْهِ فَيَمْنَعَهُ غَدًى فَأَغْنِي شُرَكَاءَهُ فَحَصَصَهُمْ وَعَقَّقَ عَلَيْهِ الْعَبْدُ وَالْأَقْدَقُ عَقَقَ مِنْهُ مَا عَقَقَ - (متفق علیہ)

”حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی (مشترک غلام کے اپنے حصہ کو آزاد کرے) (تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ، اگر اس کے پاس احتمال موجود ہو جو (اس غلام کے باقی حصوں) کی قیمت کے بقدر ہو تو انصاف کے ساتھ (یعنی بغیر کمی بیشی کے) اس غلام کے باقی ان حصوں) کی قیمت لگائی جائے گی اور وہ اس غلام کے دوسرے شریکوں کو ان کے حصوں کی قیمت دے دے وہ غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا اور اگر اس کے پاس احتمال نہ ہو تو پھر اس غلام کا جو حصہ اس شخص نے آزاد کیا ہے وہ آزاد ہو جائے گا اور دوسرے شرکاء کے حصے مملوک رہیں گے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث کا ظاہری مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر ایک غلام کے مثلاً دو مالک ہوں اور ان میں سے ایک حصہ دار اپنا حصہ آزاد کرنا چاہے تو اگر وہ آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور ہو تو وہ دوسرے شریک کو اس کے حصہ کے بقدر قیمت ادا کر دے اس صورت میں وہ غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا اور اگر آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور نہ ہو (اور دوسرے شریک کو اس کے حصہ کی قیمت ادا نہ کر سکتا ہو) تو اس صورت میں وہ غلام اس شخص کے حصہ کے بقدر تو آزاد ہو جائے گا اور دوسرے شریک کے حصہ سے بقدر غلام رہے گا۔

نیز حدیث کا ظاہری مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آزادی اور غلامی متجزی ہو سکتی ہیں (یعنی کسی غلام کا کچھ حصہ آزاد ہو جانا اور کچھ حصہ غلام رہنا جائز رہتا ہے) اور دوسرے شریک کو اپنا حصہ آزاد کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا اور نہ اس غلام سے استسعاء (مخت) کرائی جائے! چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ باوجودیکہ آزادی اور غلامی کے متجزی ہونے کا قائل ہیں لیکن اس صورت میں ان کا مسلک یہ ہے کہ اگر آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور ہو تو وہ دوسرے شریک کا حصہ بھروسے (یعنی وہ اس کو اس کے حصہ کی قیمت ادا کر دے) یا دوسرا شریک اپنے حصے کے بقدر اس غلام سے استسعاء کرے یا وہ شریک بھی اپنا حصہ آزاد کر دے اور اگر آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور نہ ہو تو پھر وہ اپنے شریک کو اس کا حصہ نہ پھیر دے۔ بلکہ وہ شریک یا تو اس غلام سے استسعاء کے ذریعہ اپنے حصے کی قیمت وصول کر لے یا اپنا حصہ آزاد کر دے اس صورت میں حق و لام دونوں کو حاصل ہو گا! اس بارہ میں جابینہ یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا یہ قول ہے کہ آزاد کرنے والا شخص اگر صاحب مقدور ہو تو وہ دوسرے شریک کا حصہ پھیر دے اور اگر صاحب مقدور نہ ہو دوسرا شریک

اس غلام سے استنحاء کے ذریعہ اپنے حصہ کی قیمت حاصل کر لے، اور چونکہ آزادی متجری نہیں ہوتی اس لئے اس صورت میں حق و لاء صرف آزاد کرنے والے کو حاصل ہوگا۔

صاحبین کی مستدل حدیث

(۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَعْتَقَ شَقِيقًا فِي عَتِيدٍ أَعْتَقَ كُلَّهُ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ أَشْتَرَى الْعِتْدَ غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ۔ (مشق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص (مشترب) غلام کے اپنے حصہ کو آزاد کرے گا تو وہ غلام چر، آزاد ہو جائے گا۔ اور یہ آزادی اس آزاد کرنے والے شخص کی طرف سے منظور ہوگی اور اگر اس شخص کے پاس (اتنا) مال ہو (کہ وہ اپنے حصہ کے علاوہ باقی حصوں کی قیمت کی ادائیگی کر سکے تو وہ مزے شرکاء کو ان کے حصوں کی قیمت دے دے) اور اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو تو پھر وہ غلام (ان باقی حصوں) کے بقدر محنت مزدوری یا دوسرے شرکاء کی خدمت پر مامور کیا جائے لیکن غلام کو کسی ایسے کام اور محنت کی) مشقت میں مبتلا نہ کیا جائے (جو اس کی طاقت سے باہر ہو)۔“ بخاری، ۱۰، ج ۱، ص ۱۰۰

مرض الموت میں اپنے تمام غلام آزاد کر کے اپنے ورثاء کی حق تلفی نہ کرو

(۳) وَعَنْ عُمَرَانَ بْنِ خُصَيْنٍ أَنَّ زُحْلًا أَعْتَقَ مِائَةَ مَسْلُوكِيْنٍ لَهُ عِنْدَ مَوْتِهِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرَ هُمُ فِدَاعِهِمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَّاهُمْ أَعْرَاقَ بَيْنَهُمْ فَأَعْتَقَ أَكْثَرَهُمْ وَأَذَقَ أَرْبَعَةً وَقَالَ لَهُ قَوْلًا شَدِيدًا وَهُوَ مُنْجِلٌ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْهُ وَذَكَرَ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ لَا أَصْلِي عَلَيْهِ بَدَلٍ وَقَالَ لَهُ قَوْلًا شَدِيدًا۔ وَفِي زَوَايَا أَبِي خَالِدٍ قَالَ لَوْ شَهِدْتُ قَتْلَ أَنْ يَذُو لَمْ يَذْفَنْ فِي مَقَابِرِ الْمُسْلِمِينَ۔

”اور حضرت عمران ابن حصینؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نے اپنی موت کے وقت اپنے چھ غلام آزاد کر دیئے اور اس شخص کے پاس ان غلاموں کے علاوہ اور کوئی مال نہ تھا پھر اس شخص کی وفات کے بعد جب رسول کریم ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے ان غلاموں کو بلایا اور اودھائی تھادیں ان کے تین حصے کے اور پھر ان کے درمیان قرعہ ڈالا اس طرح ان سے دو کو تو آزاد کر دیا اور چار کو غلام رکھا اور آزاد کرنے والے کے حق میں (اظہارِ ناراضگی) کے لئے سخت الفاظ فرمائے۔“ اور نسائیؒ کی روایت میں جو حضرت عمرانؓ کی سے منقول ہے، ان الفاظ ”سخت الفاظ فرمائے“ کی بجائے یہ الفاظ ہیں ”کہ میں نے تو یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اس شخص کی نماز جنازہ نہ پڑھوں“ اور ابو داؤدؒ کی روایت میں جو اس ہے کہ ”آنحضرت ﷺ نے اس شخص کے حق میں بطور تنبیہ و تہدید یہ فرمایا کہ اگر میں اس کی تدفین سے پہلے اس کے جنازہ پڑھتا تو وہ مسلمانوں کے قبرستان میں تدفین کیا جاتا۔“

تشریح: ”دو کو تو آزاد کر دیا الخ“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ حکم جاری فرمایا کہ جن دو کے نام قرعہ نکلا ہے وہ آزاد ہیں اور باقی چاروں غلام رہیں گے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنے مرض الموت میں اپنے سارے غلاموں کو آزاد کر دے تو اس آزادی کا اجراء ان غلاموں کی صرف تہائی تعداد میں ہو گا کیونکہ مرض الموت میں اس کے مال کے ساتھ اس کے ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے اس کی طرح وصیت، صدقہ، ہبہ اور ان کے مثل کا اجراء بھی تہائی مال میں ہوگا۔

زمین العربؒ نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ حکم اس لئے جاری فرمایا کہ اس وقت عام طور پر غلام رنگی ہو کر تھے جو قیمت میں مساوی ہوتے تھے۔ اور امام نوویؒ نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ایسی صورت میں (مساوی سلوک کے پیش نظر) ہر غلام کی تہائی حصہ تو آزاد منظور ہوگا اور باقی دو حصوں کے بقدر اس سے محنت یا خدمت ملی جائے گی۔

اپنے دائیں اور اپنے بائیں خرچ کر دے (یعنی تمہارے لئے آگے اور واپس بائیں جو سالک جمع ہوں ان کو اللہ واسطے دے دو۔“

تشریح: ”مدر“ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنے غلام سے یہ کہہ دے کہ تم میرے مرنے کے بعد آزاد ہو، چنانچہ اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے مطابق ایسے غلام کو بیچنا حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک جائز ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ مدر دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو مدر مطلق اور دوسرا مدر مقید۔ مدر مطلق تو وہ غلام ہے جس کا مالک اس سے یوں کہے کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو۔ اور مدر مقید وہ غلام ہے جس سے اس کا مالک یوں کہے کہ اگر میں اس بیماری میں مری جاؤں تو تم آزاد ہو۔ ”مدر مطلق کا حکم تو یہ ہے کہ ایسے غلام کو آزادی کے علاوہ کسی اور صورت میں اپنی ملکیت سے لگانا مالک کے لئے جائز نہیں ہے یعنی وہ مالک اس غلام کو آزاد تو کر سکتا ہے لیکن نہ تو اس کو فروخت کر سکتا ہے اور نہ ہیہ کر سکتا ہے، ہاں اس سے خدمت لینا جائز ہے، اسی طرح اگر لونڈی ہو تو اس سے جماع کرنا بھی جائز ہے اور اس کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح کرنا بھی جائز ہے ایسا غلام اپنے مالک کے مرنے کے بعد اس کے تہی مال میں سے آزاد ہو جاتا ہے اور اگر تہی مال میں سے پورا آزاد نہ ہو سکا ہو تو پھر تہی مال کے بقدر (جزوی طور پر ہی آزاد ہو گا) مدر مطلق کے برخلاف مدر مقید کو بیچنا جائز ہے اور اگر وہ شرط پوری ہو جائے یعنی مالک اس مرض میں مری جائے تو پھر جس طرح مدر مطلق اپنے مالک کے مرنے کے بعد آزاد ہو جاتا ہے اسی طرح مدر مقید بھی آزاد ہو جائے گا لہذا امام ابوحنیفہؒ اس حدیث کے مفہوم میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جس مدر کو فروخت فرمایا وہ مدر مقید ہو گا۔

مشکوٰۃ کے تمام نسخوں میں فیص ابن خنم لکھا ہے لیکن علماء نے یہ وضاحت کی ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہے اصل میں فیص ہی کا دوسرا نام خنم ہے۔ اس دوسرے نام کی وجہ کسیر یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے بارہ میں فرمایا تھا کہ میں جنت میں داخل ہوا تو وہاں فیص کی حمہ (یعنی آواز سن) اس مناسبت سے انہیں خنم کہا جانے لگا۔

الفصل الثانی

ذی رحم محرم ملکیت میں آتے ہی آزاد ہو جاتا ہے

① وعن النخس عن سفيوۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من ملک ذار جہم فسخزم فھو حرّ۔

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

”حضرت حسن بصریؒ حضرت سمرہؓ سے اور وہ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ”جو شخص خواہ خریدنے کی وجہ سے خواہ بہہ یا وراثت کے ذریعہ اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو گا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔“ (ترمذی ابن ماجہ)

تشریح: مثلاً باپ نے اپنے اس بیٹے کو خرید لیا جو کسی دوسرے شخص کی غلامی میں تھا یا بیٹے نے اپنے غلام باپ کو خرید لیا یا بھائی نے غلام خرید لیا تو محض خرید لینے کی وجہ سے وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔

”ذی رحم“ اس قربت دار کو کہتے ہیں جو ولادت کی قربت رکھے جس کا تعلق رحم سے ہوتا ہے ذی رحم میں بیٹا، باپ، بھائی، چچا، بھتیجا اور اسی قسم کے دوسرے قربت دار شامل ہیں ”اور محرم“ اس قربت دار کو کہتے ہیں جس سے نکاح جائز نہ ہو۔ اس سے معصوم ہوا کہ چچا بیٹا اور اسی قسم کے دوسرے رشتہ دار ذی رحم محرم کے زمرہ میں شامل نہیں ہیں۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں قربت دار محض ملکیت میں آ جانے کی وجہ سے آزاد ہو جاتا ہے یا نہیں؟ علماء کے اختلافی اقوال ہیں چنانچہ اہل خواہر کا قول تو یہ ہے کہ ان قربت داروں میں سے کوئی بھی محض ملکیت میں آ جانے سے آزاد نہیں ہو جاتا بلکہ آزاد کرنا ضروری ہوتا ہے ان کی دلیل حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے جو پہلی فصل میں گوری ہے۔

جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ محض ملکیت میں آجانے کی وجہ سے اصول کے درجہ کے قربت وار (جیسے باپ دادا) پر دواؤ وغیرہ اور فروغ کے درجہ کے قربت وار (جیسے بیٹا، پوتا، پڑپوتا وغیرہ) آزاد ہو جاتے ہیں، البتہ اصول اور فروغ کے علاوہ دوسرے قربت واروں کے بارہ میں جمہور علماء کے بھی مختلف اقوال ہیں، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک تو یہ ہے کہ یہ خصوصیت صرف اصول و فروغ کے قربت واروں ہی کو حاصل ہے کہ وہ محض ملکیت میں آجانے کی وجہ سے آزاد ہو جاتے ہیں جب کہ حضرت امام مالکؒ نے اس خصوصیت میں بھائی کو بھی شامل کیا ہے، ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ تمام ذی رحم محرم آزاد ہو جاتے ہیں۔

نیز ان کی تیسری روایت امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق ہے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ ہر وہ قربت وار جو ذی رحم محرم ہو محض ملکیت میں آجانے کی وجہ سے آزاد ہو جاتا ہے۔

ام ولد، اپنے آقا کی وفات کے بعد آزاد ہو جاتی ہے

② وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ الشَّيْبِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا وَلَدَتْ أُمُّهُ الزَّوْجِلَ مِنْهُ فَهِيَ مُعْتَقَةٌ عَنْ ذُنُوبِ مَنْذُ أَوْ نَعْدَةٍ۔

(رواہ الدارمی)

”اور حضرت عباسؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جب کسی شخص کی لونڈی اس کے (نطفہ سے) بچہ بنے تو وہ لونڈی اس شخص کے مرنے کے پیچھے یا یہ فرمایا کہ اس شخص کے مرنے کے بعد آزاد ہو جائے گی۔“ (دارمی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو لونڈی اپنے مالک کے بچہ کو جنم دے وہ اس مالک کے مرنے کے بعد آزاد ہو جاتی ہے وہ مالک کی زندگی میں آزاد نہیں ہوتی لیکن مالک اس لونڈی کو نہ تو فروخت کر سکتا ہے اور نہ ہیہ کر سکتا ہے اس مسک پر علماء کا اجماع و اتفاق ہے اس کے برخلاف جو روایت منقول ہے وہ منسوخ ہے اس کی تفصیل اگلی حدیث کے ضمن میں آئے گی۔

① وَعَنْ حَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ فَلَمَّا كَانَ عَمْرُوهَا۔

عَنْهُ فَانْتَهَبَهَا۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں بچوں کی ماؤں کو بچا لیکن حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے ہمیں ان کو بچے سے منع کر دیا اور ہم اس سے باز رہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”بچوں کی ماؤں“ سے مراد وہ لونڈیاں ہیں جن سے ان کے مالکوں کی اولاد ہو چکی تھی۔ یہاں ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں ان لونڈیوں کو بچا جاتا تھا تو حضرت عمرؓ نے اس سے کیوں منع کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس بات کا قوی احتمال ہے کہ ان لونڈیوں کو بچنے کی اجازت کی منسوخی کا حکم آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں عام لوگوں تک نہ پہنچا ہو گا اور ان لونڈیوں کو بچنے جانے کی خبر آنحضرت ﷺ تک نہیں پہنچی ہوگی۔ لہذا اس صورت میں حضرت جابرؓ کا یہ ارشاد ایسی لونڈیوں کے بچنے کے جوازی دلیل نہیں ہو سکتا۔ دلیل تو جب ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ان لونڈیوں کے بچنے جانے کی اطلاع ہوتی اور آپ ﷺ اس کو جائز رکھتے۔

نیز ایک احتمال یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ان لونڈیوں کو بچنے جانے کا واقعہ اس کی اجازت کی منسوخی سے پہلے کا ہو گا، اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ کے بارے میں بھی یہ احتمال ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا زمانہ خلافت چونکہ بہت قلیل تھا اس میں بھی وہ دوسری مہمات میں مشغول رہے اس لئے انہیں اس کا علم نہ ہوا۔ دیکھا۔ اگر ان کو اس کی خبر ہوتی تو وہ اس فعل سے ضرور باز رکھتے۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد جب عمر فاروقؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے لوگوں کو اس سے روک دیا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ رسول کریم ﷺ نے ام ولد کو بچنے کی عمنان فرمادی تھی۔

اگر آزادی کے وقت غلام کے پاس کچھ مال ہو تو آقا کی اجازت کے بعد ہی وہ اس مال کا مالک ہوگا

⑨ وَعَنْ أَبِي عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَعْتَقَ عِتْمًا وَلَهُ مَالٌ فَغَنَى الْعِتْمُ لَهُ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِيَ ظَا
الْمُسْتَفْتَى - (ردود الہود وان ما جہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر کوئی شخص اپنے غلام کو آزاد کرے اور اس غلام کے پاس کچھ مال ہو تو غلام کا وہ مال اس کے مالک بن جائے گا۔ ہاں اگر مالک اس کی شرط کر دے (تو پھر وہ مال اس غلام کا ہو جائے گا۔“ (الہود وان ما جہ)

تشریح: ظاہر ہے کہ کوئی بھی غلام کسی بھی مال کا مالک ہو تا ہی نہیں تو اس کے پاس مال کہاں سے ہوگا ”لہذا“ اور اس غلام کے پاس کچھ مال ہو“ سے مراد یہ ہے کہ اس غلام نے اپنے مالک کی اجازت سے جو محنت مزدوری یا تجارت وغیرہ کی ہے اور اس کے نتیجہ میں جو مال حاصل ہوا ہے اگر وہ مال اس غلام کے پاس ہو تو اس کے ہمارے میں بھی حکم ہے کہ وہ وہ مال اس غلام کے آقا کی ملکیت ہے، کیونکہ غلام اور اس کے پاس جو کچھ ہوتا ہے سب کا مالک اس کا آقا ہی ہوتا ہے لہذا یہ ممکن نہ کیا جائے کہ غلام جب آزاد ہو جائے کی وجہ سے ملکیت قائم کرنے کا اہل ہو گیا ہے تو وہ مال جو اس کے پاس پہلے سے موجود تھا وہ اس کی ملکیت میں آگیا ہے کیونکہ وہ مال تو پہلے بھی اس کے آقا کی ملکیت تھا اور اب اس کے آقا کی ملکیت رہے گا۔ غلام کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہوگا، ہاں اگر اس کا آقا اس کو آزاد کرتے وقت یہ کہہ دے کہ یہ مال غلام کی ملکیت ہے تو اس صورت میں وہ مال اس آقا کی طرف سے اس غلام کے لئے صدقہ اور ہبہ ہو جائے گا اور وہ آزاد ہونے کے بعد اس کا مالک ہو جائے گا۔

آزادی جزوی طور پر واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

⑩ وَعَنْ أَبِي الْمُنْذِرِ عَنْ أَبِيهِ أَنْ رَجُلًا أَعْتَقَ شِفْصًا مِنْ غُلَامٍ فَذَكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَنْتَسِلَ
لِلْبَيْتِ شَرِيكَ فَأَجَازَ عَفْوَ - (ردود الہود وان ما جہ)

”اور حضرت ابو ذرؓ (تابعی) اپنے والد کرمؓ حضرت اسامہؓ ابن مریمؓ صحابیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے ایک غلام میں سے کچھ حصہ آزاد کیا، جب نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”خدا کا کوئی شریک نہیں ہے“ اور پھر یہ حکم دیا کہ اس غلام کو بالکل آزاد کر دیا جائے۔“ (الہود وان ما جہ)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ جو بھی کام اللہ تعالیٰ کے لئے کیا جائے اور وہ عبادت کی قسم سے ہو تو اس میں اپنے حصہ کو شریک نہ کرنا چاہئے۔ لہذا ایک غلام کے بعض حصوں کو آزاد کر دینا اور بعض حصوں کو بدستور غلام رکھنا مناسب نہیں ہے۔ حدیث کے آخری الفاظ سے ظاہر ہے ثابت ہوتا ہے کہ آزادی اور غلامی متجزی نہیں ہوتی، لیکن حضرت امام اعظمؒ ابو حنیفہؒ چونکہ متجزی کے قائل ہیں اس لئے ان کے نزدیک ان الفاظ کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس غلام کو بالکل آزاد کر دینے کا حکم دیا یا اس طور کہ آپ ﷺ نے اس کے مالک کو اس کی ترغیب دلائی کہ وہ اس غلام کو بالکل آزاد کر دے۔

مشروط آزادی کا ایک واقعہ

⑪ وَعَنْ شَفِيَّةَ قَالَتْ كُنْتُ مِنْ لَوْلَا لَمْ يَسْلَمْ فَتَمَلَّكَ وَأَشْرَطَ عَلَيْكَ أَنْ تَخْذَمَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عِشْتُ فَقُلْتُ إِنْ لَمْ تَشْتَرِ طَبِي عَلَيَّ مَا فَارَقْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عِشْتُ فَاغْتَنَسَنِي
وَأَشْرَطَ طَبِي عَلَيَّ - (ردود الہود وان ما جہ)

”اور حضرت شفیہہؓ کہتے ہیں کہ (ابتداء میں) حضرت ام سلمہؓ کی ملکیت میں تھا (ایک دن) انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ ”میں تمہیں آزاد کرنا

چاہتی ہوں، لیکن یہ شرط عائد کرتی ہوں کہ تم جب تک زندہ رہو رسول کریم ﷺ کی خدمت کرتے رہو گے۔ میں نے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت تو میرے لئے سعادت و خوش بخشی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اگر آپ یہ شرط عائد نہ کرتی تب بھی میں اپنے بیٹے جی رسول کریم ﷺ سے جدا نہ ہوتا۔ چنانچہ حضرت اُم سلمہؓ نے مجھے آزاد کر دیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت کی شرط مجھ پر عائد کر دی۔“

(ابوداؤد... سن ۱۸۱)

تشریح: سفینہؓ نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے، لیکن بعض حضرات یہ فرماتے تھے کہ یہ حضرت اُم سلمہؓ کے غلام تھے جو آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ تھیں، پھر حضرت اُم سلمہؓ نے ان کو مذکورہ بالا شرط کے ساتھ آزاد کر دیا تھا سفینہ کا اصل نام مہران یا رونا اور یارب یا ربان تھا ان کی کنیت ابو عبد الرحمن یا ابو اُحمر تھی، سفینہ ان کا لقب تھا اور اسی نام کے ساتھ زیادہ مشہور تھے، اس لقب کا جس منظر یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کی خدمت کرا کرتے تھے جب غزوات میں جاتے تو لوگوں کا سامان اپنی پیٹھ پر لاد کر اوپر اور بہنچاتے تھے۔

”سفینہ“ کیسکی کو کہتے ہیں جس طرح کشتی باربرداری کے کام آتی ہے اس طرح یہ بھی لوگوں کے بوجھ و بھرتے تھے، اسی اعتبار سے ان کا لقب ”سفینہ“ ہو گیا۔ منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سفینہ اسلامی لشکر کے ہمراہ تھے کہ قافلہ سے گھڑنے اور جنگل میں راستہ بھول گئے، وہ راستہ کی تلاش میں سرگرداں تھے کہ اتنے میں قریب کی جھالوں سے ایک شیر نمودار ہوا اور ان کے سامنے آگیا، انہوں نے شیر کو دیکھتے ہی کہا کہ ابو الحارث! میں سفینہ ہوں جو رسول کریم ﷺ کا آزاد کردہ غلام ہے، یہ سننے ہی شیر دم ہلانے لگا اور پھر ان کے آگے ہولیا اور ان کو منزل مقصود تک پہنچا دیا۔

مکاتب جب تک پورا بادل کتابت ادا نہ کر دے غلام ہی رہے گا

(۱۲) وَعَنْ عُمَرُو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حَبِيبٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الْمَكَاتِبُ عَبْدٌ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ مِنْ مَّكَاتِبِهِ دُونَ خَمْسٍ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عمرو ابن شعیبؓ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ مکاتب (اس وقت تک) غلام رہے گا جب تک کہ اس کے بدل کتابت میں سے ایک سو درہم بھی باقی رہے گا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”مکاتب“ اس غلام کو کہتے ہیں جس کو اس کا مالک یہ لکھ کر دے دے کہ جب تم اسے روپے ادا کرو گے آزاد ہو جاؤ گے، چنانچہ اسی کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ مالک نے اس کی آزادی کے لئے جتنے روپے مقرر کئے ہیں جب تک وہ پورے مالک کو ادا نہ ہو جائیں گے وہ مکاتب غلام ہی رہے گا، اگر اسی مقدار میں سے مثلاً ایک سو روپے بھی باقی رہ گیا تھا تو وہ آزاد نہیں ہو گا۔ یہ نہیں ہو گا کہ اس نے بتا دیا کہ مالک کو ادا کر دیا ہے اس کے حساب سے اس کا کچھ حصہ آزاد ہو جائے اور جو روپے باقی رہ گیا اس کے مطابق کچھ حصہ غلام رہے۔

عورتوں کو اپنے مکاتب غلام سے پردہ کا حکم

(۱۳) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا كَانَ عَبْدٌ مَكَاتِبٍ أَحَدًا أَكْثَرُ وَفَاءً فَلَنَنْتَحِثَ حَتَّى

هَذِهِ۔ (ابوداؤد، الترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

”اور حضرت اُم سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (عورتوں) سے فرمایا کہ ”جب تم میں سے کسی (عورت) کے مکاتب غلام کے پاس اتنا روپیہ ہو جائے جس سے وہ اپنا پورا بدل کتابت ادا کر سکے تو اس (مالک) کو کہنے کہ وہ اس مکاتب سے پردہ کرے۔“

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مکاتب نے جب تک پورا بدل کتابت ادا نہیں کر دیا غلام اور محرم ہے اس سے پردہ کرنا ضروری نہیں ہے اگر اس کے پاس اتنا مال و زر ہو گیا ہے جس سے وہ اپنا پورا بدل کتابت ادا کر سکتا ہے تو آزادہ تقویٰ و احتیاط اس سے پردہ کرنا چاہئے کیونکہ جب وہ پورا بدل کتابت ادا کرنے کی قدرت و استطاعت رکھتا ہے تو گویا اس نے واقعی اپنا بدل کتابت ادا کر دیا ہے۔
اس حدیث کے سلسلہ میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ حکم مخصوص طور پر اپنی ازواج مطہرات کے لئے فرمایا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد و تشفی کا خدیجہ بنت النبیؐ کے مطابق ازواج مطہرات کا پردہ بھی دوسری عورتوں کی بہ نسبت زیادہ سخت تھا۔

مکاتب کی طرف سے بدل کتابت کی جزوی عدم ادائیگی کا مسئلہ

(۱۴) وَعَنْ عُمَرُو بْنِ شُعْبَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ جَدْرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْ كِتَابٍ عَبْدُهُ عَلَى مَانَةٍ أَزَوِيَّةٍ فَادَّهَأْ أَوْ بِي أَزْوَالٍ غَضْرَةً ذُنَابِيرُ ثُمَّ غَضْرَ فَهُوَ رَقِيقٌ۔ (رواہ الترمذی والبیہقی و ابوداؤد وابن ماجہ)

”اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد (حضرت شعیب) سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”اگر کسی شخص نے اپنے غلام کو سو اوقہ کے بدلے مکاتب کیا اور اس غلام نے سب اوقے ادا کر دیئے مگر دس اوقے ادا نہ کر سکا یا یہ فرمایا کہ ”دس وینہر ادا نہ کر سکا یہاں روٹی کو خشک ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے دس اوقہ فرمایا تھا یا دس دینار کا ذکر کیا تھا اور پھر وہ اس باقی کی ادائیگی سے عاجز ہو گیا تو وہ مکاتب (بدستور غلام بنی رہے گا۔“ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مکاتب کا اپنے بدل کتابت کے کچھ حصے کی ادائیگی سے قاصر رہنا پورے بدل کتابت کی ادائیگی سے قاصر ہونا ہے نیز ایسی صورت میں مالک کو اس کی کتابت صحیح کر دینے کا حق حاصل ہو جاتا ہے اور فتح کتابت کے بعد وہ مکاتب بدستور غلام رہتا ہے، نیز حدیث کے الفاظ فَهُوَ رَقِيقٌ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس مکاتب نے اپنے بدل کتابت کا جو کچھ حصہ مالک کو ادا کر دیا ہے وہ اس مالک کی ملکیت رہے گا۔

(۱۵) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَصَابَ الْمَكْتَابُ حَتًّا أَوْ مِيزَانًا وَرَثَ بِحِسَابِ مَا عَقِبَ مِنْهُ۔ رَوَاهُ ابْنُ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ قَالَ يُؤَدَّى الْمَكْتَابُ بِحَصَبَةِ مَا أَدَّى دِيْنَهُ حَرْقًا وَمَا بَقِيَ دِيْنَهُ عِنْدَ وَصَفَقَةٍ۔

”اور حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر کوئی مکاتب“ دیت یا میراث کا حق ہو جائے تو اس کو (اس دیت یا میراث کا) صرف اس قدر حصہ ملے گا جس قدر وہ آزاد ہوا ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی) اور ترمذی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا: ”مکاتب کو دیت میں اس حصہ کے بقدر مال دیا جائے گا جو وہ اپنی آزادی کی قیمت (یعنی بدل کتابت) میں سے ادا کر چکا تھا، اور اس حصہ کے بقدر قیمت دی جائے گی اور ابھی بطور غلام باقی ہے، اس روایت کو ترمذی نے ضعیف کہا ہے۔“

تشریح: ”دیت یا میراث کا حق ہو جائے“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مکاتب کسی دیت یا کسی میراث کا حقدار ہو جائے تو اس دیت یا میراث میں سے اس کو اسی قدر ملے گا جس قدر وہ آزاد ہوا ہے اس کو مثال کے طور پر یوں سمجھا جاتا ہے کہ زید کسی شخص کا غلام تھا اس کے مالک نے اس کو مکاتب کیا، اور زید نے ابھی اپنے بدل کتابت میں سے قسط چھٹی حصہ اپنے مالک کو ادا کیا تھا کہ اس کا باپ مر گیا جو ایک آزاد شخص تھا لیکن اس نے اپنے اس مکاتب بیٹے یعنی زید کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں چھوڑا تو اس صورت میں زید اپنے مرحوم باپ کی وراثت میں صرف آدھے حصہ کا حقدار ہو گا۔ یا دوسری صورت جس کو دوسروں نے بیان کیا ہے، یہ ہو کہ اسی مکاتب نے اپنے بدل کتابت میں سے آدھا حصہ اپنے مالک کو ادا کیا تھا کہ کسی نے اس (زید) کو قتل کر دیا تھا، اس صورت میں قاتل اس مکاتب کے آدھے آزاد

حصہ کی دیت تو اس کے ورثاء کو ادا کرے گا اور اس کے آدھے غلام حصہ کی دیت جو اس کی قیمت کا بھی آدھا حصہ ہے اس کے مالک کو ادا کرے۔ مثلاً اگر نے اپنے غلام زید کو ایک ہزار کے بدلے مکاتب کی دیت کے غلام ہونے کی حیثیت سے سو روپے کی قیمت کا تھا۔ مکاتب ہونے کے بعد زید اپنے مالک کے بدلے مکاتب کے مقررہ ایک ہزار روپے میں سے پانچ سو روپے ہی ادا کر لیا تھا کہ کسی شخص نے اس کو قتل کر دیا۔ اس صورت میں قاتل زید کے ورثاء کو پانچ سو روپے ادا کرے گا جو اس کی آزادی کی قیمت (یعنی بدل کتابت) کا نصف حصہ ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کے مالک کے کو پیاس روپے ادا کرے گا جو اس کی اصل قیمت کا نصف حصہ ہے۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مکاتب اپنے بدل کتابت میں ہے جو مقدار مالک کو ادا کر دے گا اس کے بقدر وہ آزاد ہو جائے گا اور جو مقدار ادا نہیں کرے گا اس کے بقدر غلام رہے گا چنانچہ اس حدیث پر صرف امام بخاری نے عمل کیا ہے لیکن جمہور علماء نے فراموش کیا کہ نہ صرف یہ کہ یہ حدیث ضعیف ہے جس کو کسی مسلک کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا بلکہ یہ ان دونوں صحیح حدیثوں کے معارض بھی ہے جو اس سے پہلے بروایت حضرت عمرو ابن شعیب نقل ہو چکی ہیں جن سے یہ بات بصراحت ثابت ہوئی ہے کہ مکاتب کے ذمہ جب تک بدل کتابت کا کچھ حصہ باقی رہے گا وہ غلام ہی رہے گا۔

الْفَضْلُ الثَّالِثُ

مالی عبادت کا ثواب میت کو پہنچتا ہے

(۱۱) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي عُمَرَ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّ أُمَّةً آزَدَتْ أَنْ تُغْفِقَ فَأَخْرَجَتْ ذَلِكَ إِلَى أَنْ تُصْبِحَ فَمَاتَتْ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ فَقُلْتُ لِلْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ أَيْتُفَعُّهَا أَنْ أُعْطِيَ عَنْهَا فَقَالَ الْقَاسِمُ أَيْ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ زَسْأَلُ اللَّهَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ أَيْتُ هَلَكْتُ لَهَلْ يَتَفَعُّهَا أَنْ أُعْطِيَ عَنْهَا فَقَالَ زَسْأَلُ اللَّهَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ۔ (رواہ مالک)

”حضرت عبدالرحمن ابن ابی عمر انصاری (تابعی) کے بارہ میں منقول ہے کہ ان کی والدہ نے (ایک دن) اردے کو آزاد کرنے کا ارادہ کیا مگر وہ اگلی صبح ہوئے تب تک اس ارادہ کو عملی جامہ نہ پہنچا کہ جس کے اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ عبدالرحمن کہتے ہیں کہ میں نے حضرت قاسم ابن محمد سے (اس صورت حال کو ذکر کیا اور ان سے پوچھا کہ اگر میں اپنی والدہ کی طرف سے (برہہ کو) آزاد کروں تو کیا اس سے ان کو نفع پہنچے گا؟“ حضرت قاسم نے فرمایا کہ (ایک مرتبہ) حضرت سعد ابن عبادہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری والدہ کا (اچانک) انتقال ہو گیا ہے، اگر میں ان کی طرف سے برہہ آزاد کروں تو کیا اس سے ان کو نفع پہنچے گا؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”ہاں“ نفع پہنچے گا۔“ (مالک)

ترجمہ: حضرت قاسم ابن عمر، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے تھے، اس وقت مدینہ میں جو سات فقہاء مشہور تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھے۔

”ہاں نفع پہنچے گا“ کا مطلب یہ ہے کہ تم ان کی طرف سے جو برہہ آزاد کرو گے اس کا ثواب تمہاری والدہ کو پہنچے گا، چنانچہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مالی عبادت کا ثواب میت کو پہنچتا ہے البتہ بدنی عبادت کے ثواب پہنچنے کے بارہ میں اختلافی اقوال ہیں لیکن زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ بدنی عبادت کا ثواب بھی پہنچتا ہے۔

(۱۲) وَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ تَوَفَّى عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي يَكْرِفٍ فَوُجِدَ نَاعِمَةً فَأَعْتَقَتْ عَنْهُ عَائِشَةُ أُخْتَهُ وَقَالَتْ كَتَبْتُ لَهُ۔

(رواہ مالک)

”اور حضرت یحییٰ ابن سعید (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمن ابن ابوبکرؓ سوئے ہوئے تھے کہ اسی سوئے کی حالت میں (اچانک) انتقال

کر گئے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ جو ان کی بہن تھیں ان کی طرف سے بہت سے بروے آزاد کئے۔ (مالک)

تشریح: حضرت عائشہؓ نے جو بہت سے بروے آزاد کئے ان کا سبب یا تو یہ تھا کہ حضرت عبدالرحمنؓ پر کسی وجہ سے بروے آزاد کرنے واجب ہوئے جس پر وہ اپنی زندگی میں عمل نہ کر سکے اور پھر ناکہانی موت کی وجہ سے اس کی وصیت بھی نہ کر سکے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ نے از خود ان کی طرف سے بروے آزاد کر دیئے، یا پھر یہ کہ بعض حالات میں ناکہانی موت کو اچھا نہیں سمجھا جاتا، ظاہر ہے کہ اس صورت میں عائشہؓ بہت زیادہ غمگین ہوئی ہوں گی، اس لئے انہوں نے بہت سارے بروے آزاد کئے تاکہ اس صورت میں نقصان کا تدارک ہو سکے۔

غیر مشروط طور پر غلام خریدنے والا اس غلام کے مال کا حقدار نہیں ہوگا

①۸ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ غَزْوَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اشْتَرَى عَبْدًا فَلَمْ يَشْرَوْهُ فَلَا شَيْءَ لَهُ (رواہ الدارمی)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص کسی غلام کو خریدے اور اس کے مال کی شرط نہ کرے تو خریدنے والے کو اس مال میں سے کچھ نہیں ملے گا۔“ (دارمی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے غلام کو خرید اور خریداری کے معاملہ میں اس مال کو شامل نہیں کیا جو غلام کے ساتھ ہے تو وہ اس مال کا حقدار نہیں ہوگا کیونکہ وہ مال تو دراصل اس مالک کی ملکیت ہے۔ جس سے اس نے غلام کو خریدا ہے۔

بَابُ الْإِيمَانِ وَالتَّذْوِيرِ

قسموں اور نذروں کا بیان

قسم کی قسمیں اور ان کے احکام

قسم کی تین قسمیں ہیں۔ ① غموس۔ ② لغو۔ ③ منقذہ۔ ”غموس“ اس قسم کو کہتے ہیں کہ کسی گزشتہ یا حالیہ بات پر جموں قسم کھائی جائے، مثلاً یوں کہا جائے ”خدا کی قسم“ میں نے یہ کام کیا تھا“ حالانکہ واقعہ“ وہ کام نہیں کیا تھا یا یوں کہا جائے ”خدا کی قسم میں نے یہ کام نہیں کیا تھا“ حالانکہ واقعہ وہ کام کیا گیا تھا! اسی طرح مثلاً زید نے یہ کہا ہے کہ خدا کی قسم! خالد کے ذمہ میرے ہزار روپے ہیں۔ یا۔ خدا کی قسم! میرے ذمہ خالد کے ہزار روپے نہیں ہیں حالانکہ حقیقت میں خالد کے ذمہ اس کے ہزار روپے نہیں ہیں یا اس کے ذمہ خالد کے ہزار روپے ہیں۔ غموس کا حکم یہ ہے کہ اس طرح جموں قسم کھانے والا شخص گناہ گار ہوتا ہے، لیکن اس پر کفارہ واجب نہیں ہوتا البتہ توبہ و استغفار ضروری ہوتا ہے۔

”لغو“ اس قسم کو کہتے ہیں جو کسی گزشتہ یا حالیہ بات پر کھائی جائے اور قسم کھانے والے کو یہ گمان ہو کہ وہ اسی طرح ہے جس طرح میں کہہ رہا ہوں لیکن واقعہ کے اعتبار سے وہ بات اس طرح نہ ہو جس طرح وہ کہہ رہا ہے۔ مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ ”واللہ! یہ کام میں نے نہیں کیا تھا“ حالانکہ اس شخص نے یہ کام کیا تھا مگر اس کو یہی گمان ہے کہ میں نے کام نہیں کیا ہے یا اس شخص نے دور سے کسی شخص کو دیکھا اور کہا کہ خدا کی قسم! یہ زید ہے حالانکہ وہ زید نہیں تھا۔ بلکہ خالد تھا لیکن! یہ قسم اس شخص نے یہی گمان کر کے کھائی تھی کہ وہ زید ہے۔ قسم کی اس نوعیت کا حکم یہ ہے کہ اس طرح کھانے والے کے بارہ میں امید یہی ہے کہ اس سے مواخذہ نہیں ہوگا۔

”منقذہ“ اس قسم کو کہتے ہیں کہ کسی آئندہ کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارہ میں قسم کھائی جائے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر قسم کے خلاف

کہا جائے گا تو کفارہ واجب ہو گا۔ مثلاً زید نے یوں کہا کہ اُخدا کی قسم، میں آنے والی کل میں خالد کو سو روپے دوں گا۔ اب اگر اس نے آنے والی کل میں خالد کو سو روپے نہیں دیئے تو اس پر قسم کو توڑنے کا کفارہ واجب ہو گا۔ متفقہاً قسم کی بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں قسم کو پورا کرنا واجب ہوتا ہے، جیسے فرائض کے کرنے یا کئے کو ترک کرنے کی قسم کھائی جائے، مثلاً یوں کہا جائے کہ خدا کی قسم! میں ظہر کی نماز پڑھوں گا۔ یا۔ خدا کی قسم! میں زنا کرنا چھوڑ دوں گا ان صورتوں میں قسم کو پورا کرنا واجب ہے۔

بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں قسم کو پورا نہ کرنا واجب ہوتا ہے، جیسے کوئی نادان کسی گناہ کو کرنے یا کسی واجب پر عمل نہ کرنے کی قسم کھائے تو وہیں قسم کو توڑنا ہی واجب ہے۔ اسی طرح متفقہاً قسم کی بعض صورتوں میں قسم کو توڑنا واجب تو نہیں ہوتا مگر بہتر ہوتا ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ "خدا کی قسم! میں کسی مسلمان سے ملاقات نہیں کروں گا" تو اس قسم کو پورا نہ کرنا بہتر ہے ان کے علاوہ اور صورتوں میں مخالفت قسم کے پیش نظر قسم کو پورا کرنا افضل ہے۔

دوبہ کفارہ کے سلسلے میں یہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ "متفقہاً قسم توڑنے پر ہر صورت کفارہ واجب ہوتا ہے۔ قسم خواہ قصداً کھائی گئی ہو اور خواہ قسم کھانے والے کو قسم کھانے پر یاسم توڑنے پر زبردستی مجبور کیا گیا ہو۔

قسم کا کفارہ

قسم توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ بروہ کو آزاد کیا جائے، یا دس مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے۔ ان دونوں ہی صورتوں میں ان شرائط و احکام کو سامنے رکھا جائے جو کفارہ ظہار میں بروہ کو آزاد کرنے یا مسکینوں کو کھانا کھلانے کے سلسلے میں منقول ہیں اور یا دس مسکینوں کو پینے کا کپڑا دیا جائے اور ان میں سے ہر ایک کو ایسا کپڑا دیا جائے جس سے بدن کا اکثر حصہ چھپ جائے، لہذا اگر صرف چادر دیا جائے گا تو یہ کافی نہیں ہو گا۔ اور اگر کوئی شخص ان تینوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت پر بھی قادر نہ ہو یعنی نہ تو بروہ آزاد کر سکتا ہو، نہ دس مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہو اور نہ دس مسکینوں کو لباس دے سکتا ہو تو چھ روزے نپے در پے رکھے۔

قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دے دینا جائز ہے، کافی قسم میں کفارہ واجب نہیں ہوتا مگر چودہ حالت اسلام میں اس قسم کو توڑے۔ اسی طرح چونکہ بیچ، سوئے ہوئے شخص اور بوائے کی قسم، سرے سے صحیح ہی نہیں ہوتی اس لئے ان پر قسم توڑنے کا کفارہ بھی واجب نہیں ہوتا۔

قسم کے دیگر احکام و مسائل

عربی میں قسم کے لئے تین حروف ہیں۔ ① وا ② ی ③ ہ مثلاً یوں کہا جائے واللہ یا اللہ یا اللہ ان تینوں کا مفہوم یہ ہے۔ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں، عربی زبان و اسلوب کے مطابق یہاں اوقات یہ حروف مقدر ہوتے ہیں یعنی لفظوں میں تو ان کا ذکر نہیں ہوتا لیکن حقیقت میں ان کے معنی مراد ہوتے ہیں۔ جیسے یوں کہا جائے اللہ افعلہ یہ معنی مفہوم کے اعتبار سے واللہ افعلہ ہے۔

قسم باری تعالیٰ کی آم ذات اللہ کے ساتھ یا اس کے دوسرے ناموں میں سے کسی اور نام مثلاً رحمن، رحیم اور حق وغیرہ کے ساتھ کھائی جاتی ہے اور ان ناموں میں سے نیت کی ضرورت نہیں ہوتی ہاں اگر ایسے ناموں کے ساتھ قسم کھائی جائے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کی ذات کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں جیسے عظیم و عظیم و غیرہ تو ان میں نیت کی احتیاج ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ان صفات کے ساتھ قسم کھانا بھی صحیح ہے جن کے ساتھ عام طور پر قسم کھانے کا رواج ہو جیسے اللہ کی عزت و جلال کی قسم! اللہ کی بڑائی اور بزرگی کی قسم اور اللہ کی عظمت و قدرت کی قسم! ہاں ان صفات کے ساتھ قسم کھانا صحیح نہیں ہوتا۔ جن کے ساتھ قسم کھانے کا عام طور پر رواج نہ ہو، جیسے رحمت، علم، رضا، غضب اور عذاب۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا جائز نہیں ہے جیسے باپ اور دادا کی قسم، قرآن کی قسم، اعیان کی قسم، ملائکہ کی قسم کبھی کی قسم، نماز روزہ

کی قسم، مسجد حرام اور زمزم کی قسم اور دیگر تمام شعاہ کی قسم یا اسی طرح بعض لوگ اس طرح قسم کھاتے ہیں اپنی جوانی کی قسم، اپنے سر کی قسم، تہہ پاری جان کی قسم، تہہ پاری قسم، اپنی اولاد کی قسم، یہ سب ناجائز ہیں، لیکن اگر اس طرح کی کوئی قسم کھائی جائے اور پھر اس کے خلاف کیا جائے تو قسم توڑنے کا کفارہ دینا چاہیے گا۔

عربی میں لغیر اللہ قسم ہے، اسی طرح، ”سوگند خدا“ یا ”خدا کی سوگند کھاتا ہوں“ بھی قسم ہے، نیز عبد اللہ، بیات اللہ قسم کھاتا ہوں، حلف کرتا ہوں اور احمد (اگرچہ اس کے ساتھ لفظ اللہ ذکر نہ کیا جائے) یہ سب بھی قسمیں ہیں۔

اسی طرح کہنا ”مجھ پر نذر ہے“ یا ”مجھ پر عین ہے“ یا ”مجھ پر عہد ہے“ (اگرچہ اس کی اضافت اللہ کی طرف نہ کرے) بھی قسم ہے ایسے ہی اگر کوئی شخص یوں کہے کہ اگر میں فلاں کام کروں تو کافر ہو جاؤں یا یہودی ہو جاؤں یا عیسائی ہو جاؤں یا یوں کہے کہ اگر میں فلاں کام کروں تو میں اللہ تعالیٰ سے بری ہوں تو اس طرح کہنے سے بھی قسم ہو جاتی ہے، اس کے خلاف کرنے سے قسم توڑنے کا حکم ثابت ہو جاتا ہے لیکن اپنے کہنے کے مطابق وہ کافر یا یہودی یا عیسائی نہیں ہو جاتا۔ خواہ اس فلاں کام کا تعلق مکرشتہ زمانہ سے ہو یا آئندہ زمانہ سے، بشرطیکہ اسے یہ علم ہو کہ اس طرح کہا قسم ہے، ہاں اگر اس طرح کہتے وقت اس کے ذہن میں قسم کا تصور نہ ہو بلکہ واقعہ غریبی کا تصور رکھتا ہو پھر اس صورت میں اس وجہ سے کہ اس نے خود کو نذر اختیار کیا ہے وہ کافر ہو جائے گا۔

اگر یہ کہا جائے کہ ”اگر فلاں شخص یہ کام کرے تو اس پر اللہ کا غضب لوٹے یا اس پر اللہ کی لعنت ہو“ یا یوں کہے کہ اگر فلاں شخص یہ کام کرے تو وہ زانی ہے، یا چور ہے، یا شرابی ہے، یا سود خوار ہے، تو اس کو قسم نہیں کہیں گے، اسی طرح یہ کہنا ”حق اللہ“ بھی قسم نہیں ہے، لیکن اس میں حضرت امام ابو یوسفؒ کا اختلافی قول ہے۔

اسی طرح کہنا کہ ”میں خدا کی سوگند کھاتا ہوں یا یہودی پر طلاق کی سوگند کھاتا ہوں“ بھی قسم نہیں ہے، اگر کوئی شخص اپنی کسی مملوکہ چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے تو وہ چیز اس پر حرام نہیں ہو جاتی۔ لیکن اس کو استعمال کرنے سے کفارہ واجب نہیں ہو جاتا ہے مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ میں نے اپنے اوپر روٹی کو حرام کر لیا ہے، اس طرح کہنے سے اس پر روٹی حرام نہیں ہو جاتی، لیکن اگر وہ اس کے بعد روٹی کھائے گا تو قسم کا کفارہ دینا لازم ہے۔

اگر کوئی شخص یوں کہے کہ تمام حلال چیزیں مجھ پر حرام ہیں تو اس کا اطلاق کھانے پینے کی تمام چیزوں پر ہو گا یعنی اگر وہ کوئی حلال چیز کھائے گا تو اس پر قسم کا کفارہ واجب ہو جائے گا، نیز اس پر فتویٰ ہے کہ اس طرح کہنے سے بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ اس نے اس کی نیت نہ کی ہو، اسی طرح یوں کہنا کہ ”حلال چیز مجھ پر حرام ہے“ یا یہ کہنا کہ اپنے دائیں ہاتھ میں جو چیز بھی لوں وہ مجھ پر حرام ہے۔ کا بھی حکم یوں ہے۔

اگر کوئی شخص قسم کے ساتھ لفظ ”ان شاء اللہ“ بھی ادا کرے تو وہ حاشہ نہیں ہو گا یعنی چونکہ وہ سرے سے قسم ہی نہیں ہوئی اس لئے اس کے خلاف کرنے سے کفارہ بھی واجب نہیں ہو گا۔

یہ تو قسموں کے بارے میں کچھ تفصیل تھی، اب باب کے دوسرے جزو ”نذر“ کے متعلق بھی چند باتیں ذہن نشین کر لیجئے۔

نذر اور اس کے احکام

”نذر“ منت کو کہتے ہیں یعنی کسی ایسی چیز کو اپنے اوپر واجب کر لینا جو واجب نہیں تھی مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ اے اللہ! ”اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں پانچ روزے رکھوں گا“۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ تمام اہل علم کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ نذر نامباح ہے اور اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے بشرطیکہ وہ نذر کوئی گناہ کی چیز نہ ہو اور اس نذر کا تعلق کسی گناہ کی چیز سے ہو تو حضرت امام شافعیؒ اور جہور علماء کے نزدیک وہ نذر صحیح نہیں ہوگی، اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ نذر صحیح نہیں ہوگی بلکہ ایسی نذر مانتے والے پر قسم کا کفارہ

واجب ہوگا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

لَا تَذَرُ فِي مَغْصَبَةٍ وَكَفَّارَةٍ سَكَّارٌ

”مغصبت کی نذر کا کوئی اعتبار نہیں لیکن اس پر قسم کا کفارہ واجب ہوگا۔“

مٹی میں نکھابے کہ جس شخص نے مطلق نذر مانی یعنی اس نذر کو کسی شرط کے ساتھ مطلق نہیں کیا مثلاً یوں کہا ”کہ میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے روزے رکھوں گا۔“ یا ایسی نذر مانی جو کسی شرط کے ساتھ مطلق ہو اور وہ شرط بھی ایسی ہو جس کے پورے ہونے کی وہ خواہش و ارادہ رکھتا ہو مثلاً یوں کہے کہ اگر میں صحت یاب ہو جاؤں تو روزے رکھوں گا۔ اور پھر وہ شرط پوری ہو جائے۔ یعنی وہ محتایاب ہو جائے تو ان دونوں ہی صورتوں میں اس نذر کو پورا کرنا ضروری ہوگا، اور اگر اس نے اپنی نذر کو کسی ایسی شرط کے ساتھ مطلق کیا جس کے پورا ہونے کی وہ خواہش نہ رکھتا ہو ”مثلاً یوں کہے کہ“ ”اگر میں نذر کروں تو مجھ پر غلام آزاد کرنا واجب ہوگا۔“ تو اس صورت میں اسے اختیار ہے کہ چاہے تو تم کا کفارہ دے اور چاہے اس نذر کو پورا کرے یعنی غلام آزاد کرے۔

نذر کے سلسلے میں دیگر مسائل و احکام تفصیل کے ساتھ فقہ کی کتابوں اور فتاویٰ عالمگیری میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں ان میں دیکھے جاسکتے ہیں البتہ اس موقع پر نذر کے سلسلہ میں بڑی اور اہم فائدے کی بات ذکر کرنا بیجا ضروری معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کی نذر ماننا جائز نہیں ہے، نہ نبی کی، نہ فرشتے کی، نہ اولیاء اللہ کی نہ کسی اور کی۔ مثلاً یوں کہنا کہ ”اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو مولود پڑھاؤں گا۔ یا۔ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو فلاں بزرگ کے مزار پر چادر چڑھاؤں گا۔ یا اگر فلاں کام ہو گیا تو مولوی مشکل کشا کا روزہ رکھوں گا۔“ ایسی طرح غیر اللہ کی نذر ماننا بڑے گناہ کی بات ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا محمد اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”ماتہ مسائل“ معتبر و مستند کتابوں کے حوالہ سے جو مفید اور کارآمد باتیں لکھی ہیں ان سب کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

مولانا لکھتے ہیں کہ ”اس طرح نذر مانی کہ“ ”اگر اللہ تعالیٰ نے میری فلاں حاجت پوری کر دی تو میں فلاں بزرگ کے مزار پر اتنے روپے یا اتنے کھانے چڑھاؤں گا اور ست نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نذر ماننے میں چند ایسی شرائط ہیں جو پائی جائیں تو نذر صحیح ہوتی ہے اور اگر وہ شرائط پوری نہ ہوں تو پھر نذر صحیح نہیں ہوتی۔ ایک شرط تو یہ ہے کہ جو چیز اپنی طرف سے نذر مانی جائے وہ ایسی ہونی چاہئے جس کی جنس شرعی طور پر واجب ہو (جیسے نماز روزہ وغیرہ) چنانچہ اسی لئے اگر کوئی شخص مریض کی عیادت کرنے کی نذر مانے (یعنی یوں کہے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں فلاں فلاں مریض کی عیادت کروں گا) تو اس کی نذر صحیح نہیں ہوگی کیونکہ مریض کی عیادت ایسی جنس سے ہے جو شرعاً واجب نہیں ہے۔“

تیسری شرط یہ کہ جو چیز نذر مانی جائے وہ فی الحال یا ماضی الحال اس پر واجب نہ ہو جیسے نماز پڑگانہ۔

اور چوتھی شرط یہ کہ جو چیز نذر مانی جائے وہ خود کوئی گناہ کی چیز نہ ہو۔ ان شرائط کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ ثابت ہوگا کہ اس طرح نذر، ناکام فلاں بزرگ کے مزار پر اتنے روپے یا اتنے کھانے چڑھاؤں گا، صحیح نہیں ہے کیونکہ کسی مزار پر روپے یا کھانا نہ چڑھنا کوئی عبادت نہیں ہے، ہاں اگر اس طرح نذر مانی گئی کہ ”اگر اللہ تعالیٰ نے میری فلاں حاجت پوری کر دی تو میں فلاں بزرگ کے مزار کے خدام و فقراء کو کھانا کھلاؤں گا“ تو یہ نذر صحیح ہوگی اور اس کو پورا کرنا لازم ہوگا، لیکن نذر کو پورا کرنے کے لئے اس مزار کے خدام و فقراء کے درمیان تخصیص کرنا ضروری نہیں ہوگا بلکہ جس خادم و فقیر کو بھی کھانا کھلاوے گا تو نذر پوری ہو جائے گی اور اگر یوں کہے کہ ”اگر میری فلاں حاجت بر آئے گی تو میں فلاں بزرگ کے نام پر یا فلاں بزرگ کے واسطے اتنے روپے یا اتنا کھانا دوں گا ناجائز ہے، اس طرح کی نذر نہ صرف یہ کہ باطل و فاسد ہے، بلکہ اس نذر کا رد یہ یہ کھانا استعمال کرنا حرام بھی ہے اس مسئلہ کو بحر الرائق میں تفصیل کے ساتھ یوں بیان کیا گیا ہے۔

وَأَمَّا الذَّكَرُ الَّذِي يَنْذَرُهُ أَكْثَرُ الْعَوَامِ عَلَى مَا هُوَ مُشَاهِدٌ كَانَ يَكُونُ الْإِنْسَانُ غَائِبٌ أَوْ هَرَبٌ نَصَّ أَوْلَاهُ حَاجَةً مُتَوَرِّئَةً

قیاتی فی بعض مزارات الصلحاء فیجعل سترہ علی رأسہ ویقول یا سیدی فلا ین رد غاسی او غوفی مرینسی او
 قضیت حاجتی فلک من الذہب کذا او من الفضة کذا او من الطعام کذا او من الماء کذا او من الفصح کذا او من
 الرزق کذا فہذہ التذکرۃ باطل بالاجماع لوجوبہا اذ لعلہ لمخلوق والتذکرۃ للمخلوق لا یجوز لانہ عبادۃ
 لا یکون للمخلوق ومنہا ان المندوز لہ میت والمیت لا یملک ومنہا ان کل ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ
 فاعتقادہ بہ ذلک کفر اللہم الا ان یقال یا اللہ انی تذرت لک ان شفیت مرینسی او وددت غائبی او قضیت
 حاجتی ان اطلعہ الفقراء الذین یناب السیدۃ نعینۃ او الفقراء الذین یناب الامام الشافعی او الامام ابی اللیث
 او اشتری حصیر المساجد ہم اوزینا بوقودہا او ذرا ہم لمن یقوم بشعائریہا الی غیر ذلک معا یکون فیہ الترفع
 للفقراء والتذکرۃ لہ عزوجل وذکر الشیخ انما ہو لیسان مغل تصرف التذکرۃ لمتصفحہ القاطن برطاعہ او مسجده
 او جامعہ فیحوز بہذا الاعتبار ان تصرف التذکرۃ الفقراء وقد وجد المتصرف ولا یجوز ان یصرف ذلک بغیر
 محتاج ولا یشریف النسب لانه لا یحل لہ الاخذ مالم تکن محتاجا ولا لدی منصب لا یحل منصبہ مالم یکن
 فقیرا ولا لدی علم لا یحل علیمہ مالم یکن فقیرا ولم یثبت فی الشرع جواز التصرف بالاعیاء للاخصص علی حزمۃ
 التذکرۃ للمخلوق ولا یتعد ولا یشعل الذمۃ بہ وانه حرام بل شحت فلا یجوز لخدام الشیخ اخذہ ولا اکلہ ولا
 التصرف فیہ بوجہ من الوجود الا ان یکون فقیرا ولہ عیال فقراء عاجزون عن الکسب وھم مضطرون فی اخذہ
 علی سبیل الصدقۃ المبتدأہ واخذہ انما مکتوزہ مالم یقصد بہ التذکرۃ التقرب الی اللہ تعالیٰ وصرفہ الی الفقراء
 یقطع التطر عن نذر الشیخ فاذ علمت هذا فما یؤخذ من التذکرۃ والسمع والمزین وغیرھا ینقل الی صراح
 الاولیاء تقرن انھم فخرام یا جماع المبلعین مالم یقصد بصرفہا الفقراء الاخفاء قولاً واحداً فی التہر
 والتذکر۔

”اور جہاں تک نذر کا سوال ہے تو یہاں کہ مشاہدہ ہے، عام طور پر (چال) لوگ اس طرح نذر مانتے ہیں کہ اگر کسی شخص کا کوئی عزیز غائب
 ہو جائے، یا بیمار ہو جائے، اور یا اس کی ضروری مراد ہوگی ہے تو وہ کسی بزرگ کے مزار پر آئے اور اس کا پردہ اپنے سر پر ڈال کر (یا قبر کی)
 چادر پکڑ کر یوں کہتے ہیں کہ ”اے میرے قدامتِ مراد اگر میرا وہ عزیز جو غائب ہو گیا ہے واپس ہو گیا، یا اس کو مرض سے صحت یابی ہو گئی اور یا
 میری قدامتِ مراد پوری ہو گئی تو میں آپ کے مزار پر اس قدر سونا چڑھاؤں یا اس قدر چاندی چڑھاؤں گا، یا اس قدر کھانا چڑھاؤں گا، یا اس
 قدر دینی چڑھاؤں گا، یا اس قدر شیعیانِ زایت (یعنی تیل) چڑھاؤں گا تو اس طرح نذر مانتا تمام علماء کے نزدیک باطل ہے اور اس کے باطل ہونے
 کے کئی سبب ہیں، اول تو یہ مخلوق (یعنی غیر اللہ) کی نذر ہے اور غیر اللہ کی نذر جائز نہیں ہے کیونکہ نذر (اصل عبادت ہے)، اور مخلوق کی
 عبادت جائز نہیں ہے، دوم یہ کہ جس کے نام کی (یعنی صاحبِ مزار کی نذر مانی گئی ہے وہ ایک بے جان ہے اور بے جان مالک نہیں ہوتا۔
 سوم یہ کہ اگر اس طرح نذر مانتے کے وقت یہ گمان کیا تھا کہ اللہ کے علاوہ یہ میت (یعنی صاحبِ مزار) بھی بندوں کے معاملات میں
 تصرف کرتا ہے تو اب اعتقاد رکھنا کفر ہے۔ لہذا اسے اللہ (اس بات کی ہدایت دے کہ) اس طرح نذر مانتے کی بجائے یوں نذر مانی جائے کہ
 ”اے خدا میں تیری نذر مانتا ہوں کہ اگر تو میرے بیمار کو شفا بخشے گا یا میرے غائب کو واپس کر دے گا، یا میری مراد کو پوری کرے گا تو
 میں (مثلاً) ان فقراء وخدام کو کھانا کھلاؤں گا، جو بی بی فقیرہ کے دروازے (یعنی مزار) پر ہیں، یا ان فقراء وخدام کو کھانا کھلاؤں گا جو حضرت
 امام شافعی یا حضرت امام ابو الیث کے دروازے (یعنی مزار) پر ہیں یا میں ان کی مسجدوں کے لئے پورے، یا ان کی مسجدوں کی روشنی کے
 لئے تیل خرید دوں گا، یا میں ان لوگوں کو روپے دوں گا جو ان بزرگوں کی مسجدوں کے شعائر قائم رکھتے ہیں (یعنی مؤذن اور ائمہ) یا ان کے
 علاوہ کسی ایسی چیز کا ذکر کرے جس میں فقراء و مسکین کا فلاح ہو۔ لہذا اس طرح نذر مانتے میں نذر تو دراصل اللہ عزوجل کے لئے ہوگی اور

بزرگ کا ذکر کرنا محض نذر کے مصرف کو بیان کرنے کے پیش نظر ہوگا اور وہ مصرف نذر کے دو مستحقین ہیں جو ان بزرگ کی خانقاہ یا ان کی مسجد اور یہ ان کی جامع مسجد میں رہتے ہیں، پس اس طرح نذر مانتی درست ہے، کیونکہ نذر کے مصرف فقراء ہی ہیں اور وہ مصرف یہاں پایا گیا، نیز نذر کی ہوئی چیز کو تنطیع (غیر محتاج) پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے اور نہ کسی شریف الشب پر خرچ کرنا جائز ہے کیونکہ جب تک کہ وہ محتاج نہ ہو اس کے لئے نذر کی ہوئی چیز کا لینا درست نہیں ہے، اور نہ کسی منصب والے پر خرچ کرنا جائز ہے اس کے منصب کی وجہ سے جب تک کہ وہ محتاج نہ ہو، اور نہ کسی اہل علم پر خرچ کرنا جائز ہے، اس کے علم کی وجہ سے جب تک وہ مستحق نہ ہو۔ اور شریعت میں نذر کی ہوئی چیز کا تنطیع لوگوں پر خرچ کرنے کا جائز ثابت نہیں ہے، نیز اس بات پر علامہ آنت کا اجماع و اتفاق ہے کہ غفلت کی نذر مانتا حرام ہے، اور اگر کوئی شخص کسی غفلت (یعنی بزرگ) کی نذر مانے تو وہ نذر صحیح نہیں ہوتی اور نہ اس نذر کو پورا کرنا اس پر واجب ہوتا ہے اور وہ نذر نہ صرف حرام بلکہ رشوت کے حکم میں ہے لہذا اس بزرگ کے خادم اور حاکم کے لئے اس نذر کا لینا اس کا کھانا اور اس میں کسی طرح کا تصرف کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر کوئی خادم یا حاکم محتاج ہو اور اپنے ان نادار بچوں کا کھلے ہو جو کھانے سے محذور ہوں اور وہ حالت اضطرار میں ہوں تو ان کو اس نذر کا مال ابتدائی صدقہ کے طور پر لینا جائز ہے لیکن اس صورت میں بھی اس مال کو اس وقت تک لینا مکروہ ہوگا جب کہ نذر کرنے والے کی نیت اس بزرگ کی نذر سے قطع نظر تقرب الی اللہ اور فقراء پر خرچ کرنے کی نہ ہو، پس جب کہ ہمیں یہ تفصیل معلوم ہوگئی تو (جان لو کہ) اگر اولیاء اللہ کے تقرب کی نیت سے جو روپے پیسے اور موم بتی و تیل وغیرہ ان کی قبروں پر چڑھایا جاتا ہے، وہ تمام مسلمانوں کے نزدیک مستغنیہ طور پر حرام ہے جب تک کہ نذر کرنے والا اس کو فقیروں پر خرچ کرنے کی نیت نہ کرے۔ (المنہر الفائق۔ اور الدار المختار میں بھی اسی طرح منقول ہے۔)

حضرت مولانا محمد اعظمیؒ کے مذکورہ عقولات کے علاوہ اس سلسلہ میں مولانا رشید الدین خاں مرحوم نے ایک سوال کا جو جواب لکھا ہے۔ وہ بھی اس قابل ہے کہ اس کو مع سوال کے یہاں نقل کر دیا جائے۔

سوال: جو کھانا بزرگوں کی نذر و نیاز کے طور پر مانا جاتا ہے اس کو کھانا اور اس طرح (یعنی بزرگوں کی نذر مانتا اور ان کی نیاز کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس طرح؟ نیز بعض نذر بشرط حاجت براری مانی جاتی ہے اور بعض نذر بلا شرط مانی جاتی ہے ان دونوں میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

جواب: شریعت میں نذر کا مفہوم ہے اپنے اوپر کسی غیروا جب کو واجب کر لینا، چنانچہ جامع الرموز میں لکھا ہے کہ:

النذر: إيجاب على النفس ما ليس عليها بالقبول۔

”کسی ایسی چیز کو اپنے اوپر واجب کر لینے کو ”نذر“ کہتے ہیں جس پر عمل کرنا اس کے لئے ضروری نہیں تھا۔“

اور امام ربڑی نے تفسیر کبیر میں آیت کریمہ اور نذر تم من نذر کی تفسیر کے تحت فرمایا ہے کہ:

النذر ما ألزمه الإنسان على نفسه۔

”نذر وہ ہے جس کو انسان اپنے اوپر لازم کرے۔“

”نذر“ کی مختصر توضیح تو یہ ہے اور اس کی تفصیل فقہ اور اصول فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

”نیاز“ فارسی کا لفظ ہے جس کے کتنے ہی معنی ہیں ان میں سے ایک معنی یہ بھی ہیں ”تحفہ درویشاں و کذا فی البرہان الطالع ان دونوں غفلتوں یعنی نذر و نیاز کے ان لغوی اور اصطلاحی معنی کو جن میں رکھتے ہوئے ان کا شرعی حکم ماننا چاہئے کہ نذر خدا کے علاوہ کسی کے لئے جائز نہیں ہے اور اگر کوئی شخص غیر اللہ کی نذر مانے تو وہ صحیح نہیں ہوگی، نیز ایسی نذر کی چیز کو لینا یا کھنا صحیح و مستند فقہی روایات کے بموجب قطعاً ناروا ہے یہ تو نذر کا حکم ہے اب رہا نیاز کا معاملہ تو جیسا کہ معلوم ہوا لفظ ”نیاز“ کے معنی ہیں، تحفہ درویشاں“ اور وہ بروصلہ ہے (یعنی

بخشش و ہدیہ ہے، لہذا اگر کوئی شخص کسی زندہ بزرگ کی خدمت میں کوئی چیز بطریق نیاز یعنی عطا و ہدیہ اور تحفہ کے طور پر پیش کرے تو وہ نیاز جائز ہے اور اس بزرگ کو وہ چیز کھانا یا استعمال کرنا جائز ہے۔ اسی طرح اگر کسی مرحوم بزرگ کی نیاز یعنی فاتحہ و ایصال ثواب کی جائے تو یہ نیاز بھی جائز ہے لیکن اس نیاز کی چیز کو کھانے کے سلسلے میں کچھ تفصیل ہے اور وہ یہ کہ اگر نیاز دینے والے نے وفات پانے ہوئے بزرگ کو صدقہ مالولی کا ثواب پہنچانے کی نیت کی ہو تو اس چیز کو کھانا صرف فقراء کے لئے جائز ہے مستطیع لوگوں کے لئے جائز نہیں ہے، اگر نیاز دینے والے نے عام مسلمانوں کے حق میں ”اباحت مالولی“ کا ثواب اس بزرگ کو پہنچانے کی نیت کی ہو تو اس صورت میں اس چیز کو کھانا ہر صوفی کے لئے جائز ہے خواہ وہ مستطیع ہو یا فقیر ہو۔ حاصل یہ ہے کہ کسی بزرگ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے یا حاجت براری کی شرط کے ساتھ اس بزرگ کی جو نذر مانی جاتی ہے وہ منقولات بالاک روشنی میں ناجائز ہے اور اس نذر کی چیز کو کھانا یا استعمال کرنا ناروا ہے۔ ہاں جس نذر کا تعلق نہ تو بزرگ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے ہوتا ہے اور نہ وہ کسی حاجت براری کے ساتھ مشروط ہوتی ہے بلکہ پہلے وہ چیز اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کا تقرب حاصل کرنے کے لئے صدقہ کی جاتی ہے اور پھر اس بزرگ کو پہنچایا جاتا ہے تو اس چیز کو کھانا اور استعمال کرنا مستطیع لوگوں کے لئے تو جائز نہیں ہے بشرطیکہ نذر ماننے والے نے اس بزرگ کو صدقہ مالولی کا ثواب پہنچانے کی نیت کی ہو اور اگر نذر ماننے والے نے اس بزرگ کو اباحت مالولی کا ثواب پہنچانے کی نیت کی ہو تو اس چیز کو کھانا اور استعمال کرنا مستطیع لوگوں کے لئے بھی جائز ہے اور فقراء کے لئے بھی جائز ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اسی طرح نیاز کا مسئلہ بھی یہ ہے کہ بزرگوں کی نیاز اگر محض ایصال ثواب کے طور پر ہو تو جائز ہے اور ان کا تقرب یا ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے کسی چیز کو ان کے نام پر اپنے اوپر واجب کرنا جائز نہیں ہے۔ خواہ اس چیز کو اپنے اوپر واجب کرنا کسی حاجت براری کے ساتھ متعلق ہو اور خواہ اس کے بغیر ہو، کیونکہ یہ نذر ہے اور نذر خدا کے علاوہ کسی اور کے لئے جائز نہیں ہے۔ لہذا واضح ہو کہ خواہ حاجت براری کے ساتھ متعلق کر کے اور خواہ اس کے بغیر کسی چیز کو اپنے اوپر خدا کے علاوہ کسی اور کے نام پر واجب کرنا دونوں ہی صورتوں میں ناجائز ہے۔ ہاں بزرگوں کی نیاز اس معنی میں جائز ہے کہ اس سے کسی بزرگ کا تقرب یا حاجت براری کی نیت نہ ہو بلکہ اس کا مقصد محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول اور اس کا ثواب اس بزرگ کو پہنچانا ہو اور نیاز کی ہوتی چیز کو نذر ہوا بالافصیل کی روشنی میں کھانا اور استعمال کرنا جائز ہے۔

دلیل الضامین میں لکھا ہے کہ ”نذر“ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتی ہے اور کسی کے لئے نہیں ہوتی، لہذا اگر کسی شخص نے انبیاء میں سے کسی نبی یا اولیاء میں سے کسی ولی کی نذر مانی تو اس پر کچھ واجب نہیں ہوتا یعنی اس نذر کو پورا کرنا اس شخص پر لازم نہیں ہوتا، نیز اگر وہ شخص اس نذر کی چیز کو اپنی اسی نیت کے ساتھ کسی آدمی کو دے دے تو اس آدمی کو وہ چیز لینا جائز ہے اگر وہ کھانے کی کوئی چیز ہو تو اس کو کھانا حلال نہیں ہے اور اگر وہ چیز کو اپنی اسی نیت کے ساتھ کسی آدمی کو دے دے تو وہ مردار کے حکم میں ہے بلکہ اگر لوگ اس کو بسم اللہ کر کے کھائیں تو سب کافر ہو جائیں گے، ہاں اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے لئے نذر ملنے اور پھر نذر کی ہوتی چیز کو لوگ کھائیں اور اس کا ثواب کسی میت کو بخشش تو یہ جائز ہے۔

الفصل الاول

① عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ... اَكْثَرُ مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْلِفُ لَأَوْ مَقْلَبِ الْقُلُوبِ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول کریم ﷺ اکثر اس طرح قسم کھاتا کرتے تھے ”قسم ہے دلوں کو پھیرنے والے کی۔“ (بخاری)

تشریح: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محنت میں سے کسی صفت کی قسم کھانا جائز ہے۔

غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت

② وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ إِنَّ اللَّهَ يَنْهَاهُمْ أَنْ تَخْلِفُوا بِأَيْدِيكُمْ مَنْ كَانَ خَالِفًا فَيَخْلِفُ مَالَهُ

اُولَیْئِضْلَمْتُ - اُتَقَّ عَلَیْہِ

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ ہمیں اس بات سے منع فرماتا ہے کہ تم اپنے باپوں کی قسم کھاؤ“ جس شخص کو قسم کھانا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اللہ (کے نام یا اس کی صفات) کی قسم کھائے یا چپ رہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: باپ کی قسم کھانے سے منع کرنا مثال کے طور پر ہے، اصل مقصد تو یہ ہدایت دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی قسم نہ کھایا کرو۔ بطور خاص ”باپ“ کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی عادت ہے کہ وہ باپ کی قسم بہت کھاتے ہیں انیز عبد اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کمال عظمت و جلالت کے سبب چونکہ قسم اہی کی ذات کے ساتھ مختص ہے اس لئے کسی غیر اللہ کو اللہ کے مشابہ نہ قرار دیا جائے، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھاؤں اور پھر اس کو توڑ ڈالوں، اس کو اس سے بہتر سمجھتا ہوں کہ کسی غیر اللہ کی قسم کھاؤں اور اس کو پورا کروں۔ ہاں جہاں تک حق تعالیٰ کی ذات پاک کا سوال ہے تو اس کو مزادار ہے کہ وہ اپنی عظمت و جلالت کے اظہار کے لئے اپنی مخلوقات میں سے جس کی چاہے قسم کھائے۔

اس حدیث کے ضمن میں ایک اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ سے یوں منقول ہوا ہے اَفْلَحَ وَاِبْنُہُ یعنی آپ نے باپ کی قسم کھائی جب کہ یہ حدیث اس کے سراسر خلاف ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا باپ کی قسم کھانا اس ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہو گا۔ اس صورت میں دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد باقی نہیں رہتا، یا پھر یہ کہ آپ ﷺ نے یہ باپ کی قسم قصداً نہ کھائی ہوگی، بلکہ قسم کے یہ الفاظ قدیم عادت کی بنا پر اضطرار آپ ﷺ کی زبان سے نکل گئے ہوں گے۔

۳) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَخْلِفُوا بِالْظُّوْاغِي وَلَا بَأَنَانِكُمْ۔

(رداء مسلم)

”اور حضرت عبد الرحمن بن اسود کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”انہ بتوں کی قسم کھاؤ اور نہ اپنے باپوں کی قسم کھاؤ۔“ (مسلم)

تشریح: ایام جاہلیت میں عام طور پر لوگ بتوں اور باپوں کی قسم کھایا کرتے تھے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو قبولیت اسلام کے بعد اس سے منع فرمایا تاکہ وہ اس بارہ میں احتیاط رہیں اور قدیم عادت کی بنا پر اس طرح کی قسمیں ان کی زبان پر نہ چڑھیں۔

۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ خَلَفَ فَقَالَ لِي خَلِيفَةُ بِاللَّابِ وَالْعَرُؤِ فَلْيُفْلِلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَمَنْ قَالَ لِمُصَاحِبِهِ تَعَالَى فَأَمْرُكَ فَلْيُضْلَقْ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص قسم کھائے اور اپنی قسم میں یہ الفاظ ادا کرے“ میں لات و عزی کی قسم کھاتا ہوں تو اسے چاہئے کہ وہ لا الہ الا اللہ کہے۔ اور جو شخص اپنے کسی دوست سے یہ کہے کہ آؤ ہم دونوں جو کھیلیں تو اس کو چاہئے کہ وہ صدقہ و خیرات کرے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”وہ لا الہ الا اللہ کہے“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرے۔ اس حکم کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ اگر لات و عزی کے نام کسی کو مسلم کی زبان سے سہواً نکل جائیں تو اس کے کفارہ کے طور پر کلمہ پڑھے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَإِنْ لَمْ يَجِدْ يَدَیْہِ الْغَنَیْمَتِ یُجْزِئُ الشَّيْءَ (سورہ اعراف: ۳۳)

”بلاشبہ نیکیاں، برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔“

پس اس صورت میں غفلت و سہو سے توبہ ہو جائے گی۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ اگر ان کی زبان سے لات و عزی کے نام ان بتوں کی تعظیم کے قصد سے نکلے ہوں گے تو یہ صراحتاً ارتداد اور کفر ہے لہذا اس کے لئے ضروری ہو گا کہ وہ تجدید ایمان کے لئے کلمہ پڑھے اس

صورت میں معصیت سے توبہ ہوگی۔

”صدقہ و خیرات کرے“ کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے دوست کو جو اکیلے کی دعوت دے کر چونکہ ایک بڑی برائی کی ترغیب دی ہے، لہذا اس کے کفارہ کے طور پر وہ اپنے مال میں سے کچھ حصہ خدا کی راہ میں خرچ کرے۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس نے جس مال کے ذریعہ جو اکیلے کا ارادہ کیا تھا اسی مال کو صدقہ و خیرات کر دے! اس سے معلوم ہوا کہ جب شخص جو اکیلے کی دعوت دینے کا کفارہ یہ ہے کہ صدقہ خیرات کرنا چاہئے تو یہ شخص واقعہً اکیلے کا تو اس کا کیا اثر ہوگا۔

اسلام کے خلاف کسی دوسرے مذہب کی قسم کھانے کا مسئلہ

⑤ وَعَنْ نَابِثِ بْنِ الصَّخَالِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خَلْفٍ عَلَى بِلَّةٍ غَيْرِ الْأَسْلَامِ كَذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ وَلَيْسَ عَلَى ابْنِ آدَمَ نَذْرٌ فِيمَا لَا يَمْلِكُ وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ فِي الدُّنْيَا عَذَبَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ لَعَنَ فُجُورًا فَهُوَ كَفْتَلِهِ وَمَنْ ادَّعَى ذَعْوَى كَاذِبَةٍ لَيْسَ كَيْفَ يَأْتِيهِ ذَلِكَ اللَّهُ إِلَّا قَلَّةٌ (مشق علیہ)

”اور حضرت ثابت ابن سخاک کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اسلام کے خلاف کسی دوسرے مذہب کی قسم کھائے تو وہ ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسے کہ اس نے کہا، اور کسی انسان پر اس چیز کی نذر پوری کرنا واجب نہیں جس کا وہ مالک نہ ہو، اور جس شخص نے دنیا میں اپنے آپ کو کسی چیز (مثلاً پھری وغیرہ) سے ہلاک کر لیا تو وہ قیامت کے دن اسی چیز کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا، حتیٰ اگر کسی شخص نے چھری گھونپ کر خود کشی کر لی تو قیامت میں اس کے ہاتھ میں وہی چھری دی جائے گی جس کو وہ اپنے جسم میں گھونپتا رہے گا اور جب تک کہ حق تعالیٰ کی طرف سے نجات کا حکم نہ ہو گا وہ مسلسل اسی عذاب میں مبتلا رہے گا اور جس شخص نے کسی مسلمان پر لعنت کی تو وہ اصل گناہ کے اعتبار سے ایسا ہی ہے جیسے کہ اس نے اس مسلمان کو قتل کر دیا ہو، اور اسی طرح جس شخص نے کسی مسلمان پر کفر کی تہمت لگائی تو گویا اس نے اس مسلمان کو قتل کر دیا (کیونکہ کفر کی تہمت لگانا سب قتل سے ہے لہذا کفر کی تہمت قتل کر دینے کے مانند ہے) اور جو شخص جو غلام و غوی کرے تاکہ اس کے من و دولت میں اضافہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے مال و دولت میں کمی کر دے گا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے مثلاً یوں قسم کھائی کہ ”اگر میں فلاں کام کروں تو یہودی یا نصرانی ہوں، یا دین اسلام سے یا یہ غیر اسلام سے اور یا قرآن سے بیزار ہوں۔ اور پھر اس نے اس کے برخلاف کیا۔ یعنی قسم کو جھوٹی کر دیا، یا اس طرح کہ اس نے وہ کام کر لیا جس کے نہ کرنے کی اس نے قسم کھائی تھی تو وہ ایسا ہی یہودی و نصرانی ہو گیا یا دین اسلام یا یہ غیر اسلام اور یا قرآن سے بیزار ہو گیا کیونکہ قسم دراصل اس کام کو روکنے کے واسطے ہوتی ہے جس کے لئے وہ قسم کھائی گئی ہے۔ لہذا قسم کا کچھ ہونا تو یہ ہے کہ قسم کھانے والا وہ کام نہ کرے اور اگر وہ اس کام کو کرے گا تو وہی قسم میں جھوٹا ہوگا اور اب جب جھوٹا ہوگا تو لاعلمہ و بیاسی ہوگا جیسے کہ اس نے کہا ہے۔

حدیث کے اس ظاہری مفہوم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی قسم کھانے والا محض قسم کھانے کی وجہ سے اس قسم کو توڑنے کے بعد کافر ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اس طرح قسم کھا کر ایک صریح حرام فعل کا ارتکاب کرتا ہے اور پھر اس قسم کو جھوٹی کر کے گویا کفر کو برضا و رغبت اختیار کرتا ہے۔ لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ اس ارشاد گرامی کی مراد یہ بتانا نہ ہو کہ اس طرح کی قسم کھانے والا واقعہً یہودی و غیرہ ہو جاتا ہے بلکہ اس کی مراد بطور تہدید و تنبیہ یہ ظاہر کرنا ہو کہ وہ شخص یہودیوں وغیرہ کی مانند عذاب کا مستوجب ہوتا ہے، چنانچہ اس کی نظیر آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ مَنْ قَرَأَ الصَّلَاةَ فَقَدْ كَفَرَ (یعنی جس شخص نے نماز چھوڑ دی وہ کافر ہو گیا) اس ارشاد کا بھی یہی مطلب ہے کہ نماز چھوڑنے والا کافروں کے عذاب کا مستوجب ہوتا ہے۔ اب یہی بات کہ اس طرح قسم کھانا اگرچہ حرام ہے لیکن اگر کوئی شخص اس طرح قسم کھائی لے تو کیا شرعی طور پر اس کو قسم کہیں گے اور کیا اس قسم کو توڑنے کا کفارہ واجب ہو گا یا نہیں؟ تو اس بارہ

میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور بعض علماء کا قول تو یہ ہے کہ یہ قسم ہے اور اگر اس قسم کو توڑا جائے گا تو اس شخص پر کفر و واجب ہوگا، ان کی دلیل ہادیہ وغیرہ میں منقول ہے۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس طرح کہنے پر قسم کا اطلاق نہیں ہوگا یعنی شرعی طور پر اس کو قسم نہیں کہیں اور جب یہ قسم ہی نہیں ہے تو اس کو توڑنے پر کفر و واجب نہیں ہوگا، ماہاں اس طرح کہنے والا سخت گنہگار ہوگا خواہ وہ اپنی بات کو پورا کرے یا توڑ دالے۔

در مقام میں لکھ ہے کہ (نذکرہ بالا مسئلہ میں) زیادہ بات یہ ہے کہ اس طرح کی قسم کھانے والا (اس قسم کے برخلاف عمل کرنے کی صورت میں) کافر نہیں ہو جاتا خواہ وہ اس طرح کا تعلق گزرے ہوئے زمانہ سے ہو یا آنے والے زمانہ سے ہو بشرطیکہ وہ اس طرح کہنے کے بارہ میں قسم ہی کا اعتقاد رکھتا ہو لیکن اگر وہ اس قسم کے ہونے سے لاعلم ہو اور اس اعتقاد کے ساتھ یہ الفاظ ادا کرے کہ اس طرح کہنے والا اپنی بات کو جھوٹا ہونے کی صورت میں کافر ہو جاتا ہے تو خواہ اس بات کا تعلق گزرے ہوئے زمانہ سے ہو یا آنے والے زمانہ میں کسی شرط کے پورا ہونے کے ساتھ وہ دونوں ہی صورتوں میں کفر کو خود برضا و رغبت اختیار کرنے کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔

”اور کسی انسان پر اس چیز کی نذر پوری کرنا واجب نہیں جس کا وہ مالک نہ ہو“ کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً اگر کوئی شخص یوں کہے ”اگر میرا فلاح عزیز صحت یاب ہو جائے تو میں فلاں غلام آزاد کروں گا“ جب کہ وہ فلاں غلام درحقیقت اس کی ملکیت میں نہ ہو، تو اس صورت میں اس نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہے، اگر اس کے بعد وہ غلام اس کی ملکیت میں کیوں نہ آجائے ہاں اگر اس نے آزادی کو ملکیت کے ساتھ مشروط کر دیا یعنی یوں کہا کہ ”اگر میرا فلاح عزیز صحت یاب ہو گیا اور فلاں غلام میری ملکیت میں آگیا فلاں غلام کو میں نے خرید یا تو میں اس کو آزاد کروں گا“ تو اس صورت میں وہ غلام ملکیت میں آنے کے بعد باخیر ادائی کے بعد اس نذر کے مطابق آزاد ہو جائے گا۔

”تاکہ اس کے مال و دولت میں اضافہ ہو یہ اکثر کے اعتبار سے دعویٰ کی علت و سبب کی طرف اشارہ ہے کہ اکثر لوگ محض اپنے مال و دولت میں اضافہ کی خاطر جھوٹے وعدے کرتے ہیں مذکورہ شمرہ (حسنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے مال میں کمی کر دیا جانا) مرتب ہوگا۔ جھوٹے وعدے کا مذکورہ شمرہ محض مال و دولت ہی سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ یہی شمرہ ان لوگوں کے حق میں بھی مرتب ہوتا ہے جو اپنے احوال و فضائل اور کمالات کے بارہ میں محض اس مقصد سے جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں کہ عام انسانوں کی نظروں میں ان کا جاہ و مرتبہ زیادہ سے زیادہ بڑھے جیسا کہ نام نہاد اور بتاؤنی صوفیوں اور پتروں کا شیوہ ہے۔

اگر قسم کو توڑ دینے ہی میں بھلائی ہو تو اس قسم کو توڑ دینا چاہئے

٦) وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَا خَلِيفَ عَلَى نَبِيِّهِ قَاضِي غَيْرِ هَاجِرٍ إِنَّهَا الْأَكْفَرُ عَنْ عَمِينِي وَأَتَيْتُ النَّبِيَّ مُحَمَّدًا (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) (متن به)

اور حضرت ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "غدا کی قسم اگر میں کسی چیز پر قسم کھاؤں اور پھر اس قسم کے خلاف کرنے ہی کو بہتر سمجھوں تو میں اپنی قسم توڑ دوں گا اور اس کا نفاذ اور اکر دوں گا اس طرح اس چیز کو اختیار کروں گا جو بہتر ہو۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر میں کسی کام کے بارہ میں قسم کھاؤں کہ وہ کام نہ کروں گا مگر پھر مجھوں کہ اس کام کو کرنا ہی بہتر ہے تو میں قسم کو توڑ کر کفارہ ادا کر دوں گا اور اس کام کو کروں گا، اس مسئلہ کی مثالیں آگے آنے والی حدیث کی تشریح میں بیان ہوں گی۔

⑥ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سُمْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ سُمْرَةَ لَا تَسْأَلِ الْأَمْرَةَ فِدَانًا إِنْ أُوْثِقَتْهَا عَنْ مَسْئَلَةٍ وَكَذَلِكَ الْيَهُوَانُ إِنْ أُوْثِقَتْهَا عَنْ غَيْرِ مَسْئَلَةٍ أَعْمَتْ عَلَيْهَا وَإِذَا حُلِفَتْ عَلَى بَعْضِ فِرَاقٍ أَيْتَ غَيْرَ حَاجِزٍ مِمَّا فَكَّرَ عَنْ يَمِينِكَ وَآتَى الْبَاقِيَ هُوَ خَيْرٌ وَفِي رِوَايَةٍ قَاتِ الْبَاقِيَ هُوَ خَيْرٌ وَكَفَّرَ عَنْ يَمِينِكَ.

(مفتوح علیہ)

”اور حضرت عبدالرحمن ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (ایک دن مجھ سے) فرمایا کہ ”عبدالرحمن! سروراری کی خواہش نہ کرو (یعنی اس بات کی طلب نہ کرو کہ مجھے فلاں جگہ کا حاکم و سرور بنا دیا جائے) کیونکہ اگر تمہاری طلب پر تمہیں سروراری دی جائے گی تو تم اس سروراری کے سپرد کر دینے جاؤ گے اور اگر بغیر طلب کے کہیں سروراری ملے گی تو اس میں تمہاری مدد کی جائے گی، نیز اگر تم کسی بات پر قسم کھاؤ اور پھر دیکھو کہ اس قسم کا خلاف کرنا ہی اس قسم کو پوری کرنے سے بہتر ہے، تو تم اس قسم کا کفارہ دے دو اور دہائی کام کرو جو بہتر ہے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اس چیز کو عمل میں لاؤ جو بہتر ہے اور اپنی قسم کا کفارہ دے دو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”سروراری کی خواہش نہ کرو“ کا مطلب یہ ہے کہ سروراری و سیادت کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ ایک بہت ہی دشوار اور سخت ذمہ داری کی چیز ہے اس کے فرائض اور حقوق کی ادائیگی ہر شخص کے بس کا کام نہیں ہے بلکہ صرف چند ہی لوگ اس کا بار اٹھانے کی صلاحیت رکھتے ہیں لہذا نفس کی حرص میں مبتلا ہو کر سروراری و سیادت کی خواہش نہ کرو کیونکہ اگر تم اپنی طلب پر سروراری و سیادت پاؤ گے تو پھر تمہیں اسی کے سپرد کر دیا جائے گا یاں معنی کہ اس کے فرائض کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مدد نہیں ہوگی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر چار طرف شرد و فساد برپا ہوں گے اور تم حقوق خدا کی نظروں میں پڑی ہو آبروئی کے ساتھ اس منصب کے نامہ لی قرار دے دیئے جاؤ گے، ہاں اگر بلا طلب تمہیں سروراری و سیادت کے مرتبہ سے نوازا جائے گا تو اس صورت میں حق تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مدد کی جائے گی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے معاملات انتظام و انصرام درست ہوں گے اور حقوق خدا کی نظروں میں تمہاری بہت زیادہ عزت و وقعت ہوگی۔

”اور وہی کام کرو گے جو بہتر ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم کسی گناہ کی بات پر قسم کھاؤ مثلاً یوں کہو کہ خدا کی قسم! میں نماز نہیں پڑھوں گا۔ یا۔ خدا کی قسم میں فلاں شخص کو جان سے مار دوں گا۔ یا۔ خدا کی قسم میں اپنے باپ سے کلام نہیں کروں گا۔ تو اس صورت میں اس قسم کو توڑنا ناجائز و واجب ہوگا اور اس قسم کے توڑنے کا کفارہ دینا ہوگا۔ اور اگر کسی ایسی بات پر قسم کھائی جائے جس کے خلاف کرنا، اس سے بہتر ہو مثلاً یوں کہ جائے کہ ”خدا کی قسم! میں اپنی بیوی سے ایک مہینہ تک صحبت نہیں کروں گا“ یا ”اسی طرح کسی اور بات پر قسم کھائی جائے تو اس صورت میں اس قسم کو توڑ دینا محض اولیٰ ہوگا۔ اس بارہ میں زیادہ تفصیل ابتداء باب میں تحریر ہو چکی ہے۔

یہاں جو روایتیں نقل کی گئی ہیں ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی روایت سے تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کر دینا چاہئے۔ جب کہ دوسری روایت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ کفارہ قسم توڑنے کے بعد ادا کرنا چاہئے، چنانچہ اس مسئلہ پر تینوں ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ کفارہ قسم توڑنے سے پہلے ادا کر دینا جائز ہے لیکن حضرت امام شافعی کے ہاں یہ جواز اس تفصیل کے ساتھ ہے کہ اگر کفارہ کی ادائیگی روزہ کی صورت میں ہو تو قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کرنا جائز نہیں ہوگا اور اگر کفارہ کی ادائیگی غلام آزاد کرنے، یا مشقین کو کھانا کھانے اور یا پیرا پہنانے کی صورت میں ہو تو پھر قسم توڑنے سے پہلے کفارہ کی ادائیگی جائز ہوگی، حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ کی ادائیگی کسی صورت میں جائز نہیں ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جن احادیث سے تقدیم کفارہ مفہوم ہوتا ہے ان میں حرف واؤ محض جمع کے لئے ہے اس سے تقدیم و تاخیر کا مفہوم مراد نہیں ہے اور نہ حقیقہ و وہ احادیث تقدیم و تاخیر پر دلالت کرتی ہیں۔

⑧ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ خَلَفَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَى خَيْرًا مِنْهَا فَلْيُكْفِرْ عَنْ يَمِينِهِ وَلْيُفْعَلْ (ارادہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر کوئی شخص کسی بات پر قسم کھائے اور پھر وہ یہ سمجھے کہ اس کے خلاف کرنا ہی قسم پوری کرنے سے بہتر ہے تو اسے چاہئے کہ وہ کفارہ ادا کر دے اور اس کام کو کرے جس سے قسم توڑ دے۔“ (مسلم)

⑨ وَعَنْ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللَّهِ لَا يُلْجَأُ أَحَدُكُمْ بِيَمِينِهِ فِي أَهْلِهِ اِثْمَ لَهُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ أَنْ يُعْطَى كَفَّارَتُهُ النَّبِيُّ افْتَرَضَ اللَّهُ عَلَيْهِ (مسلم علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”خدا کی قسم اتم میں سے کسی شخص کا اپنی قسم پر اصرار کرنا ایسی ہی قسم کو پوری کرنے کی منہ کرنا جو اپنے اہل و عیال سے متعلق ہو، واللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کو زیادہ گناہ جاتا ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ اس قسم کو توڑے اور اس کا کفارہ ادا کر دے جو اس پر فرض کر دیا گیا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر قسم توڑنے میں بظاہر حق تعالیٰ کے نام کی عزت و حرمت کی جنگ ہے اور قسم کھانے والا بھی اس کو اپنے خیال سے معاذ حق نہ دیتی سمجھتا ہے لیکن اس قسم کو پوری کرنے پر اصرار کرنا جو اہل و عیال کی کسی حق تلفی کا باعث ہوتی ہے زیادہ گناہ کی بات ہے! کوئی اس حدیث کا مقصد بھی یہ واضح کرتا ہے کہ قسم کے برخلاف عمل کی بھلائی ظاہر ہونے کی صورت میں قسم کو توڑ دینا اور اس کا کفارہ ادا کرنا لازم ہے۔

کسی تنازعہ کی صورت میں قسم دینے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا

(۱۰) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِيَّتُكَ عَلَى مَا يَبْذُفُكَ عَنْكَ حَسْبُكَ (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تمہاری قسم اس وقت صحیح ہوتی ہے جب تمہارا سامنی (یعنی قسم دینے والا) تمہیں سچا کہے۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قسم سچی ثابت ہونے کے سلسلے میں اس شخص کی نیت و ارادہ کا اعتبار ہوگا جس نے تمہیں قسم دی ہے اس میں قسم کھانے والے کی نہ تو نیت کا اعتبار ہوگا اور نہ اس کے تور یہ و تاویل کا اعتبار کیا جائے گا لیکن اس حکم کا تعلق کسی تنازعہ کی اس صورت سے ہے جب کہ قسم دینے والے کا کوئی حق و مطالبہ قسم کھانے والے پر ہو اور قسم کھانے والے کے تور یہ و تاویل سے اس کا حق ساقط ہوتا ہو یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی مقدمہ کے سلسلہ میں اگر قاضی و حاکم مدعا علیہ کو قسم دلائے تو اس میں قاضی و حاکم کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے، ہاں اگر کسی کی حق تلفی کا کوئی معاملہ نہ ہو یا کوئی قسم دینے والا نہ ہو تو پھر تور یہ میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بطور خاص جب کہ اس تور یہ کی وجہ سے کسی کا فائدہ ہوتا ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ یہ میری دینی بہن ہیں۔

(۱۱) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيَعْنِي عَلَى نِيَّتِ الْفُسْطُ خَلِيفَ (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”قسم کا اعتبار قسم دینے والے کی نیت پر ہوتا ہے۔“ (مسلم)

لعو قسم پر مواخذہ نہیں ہوگا

(۱۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أُنْزِلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ لَا يُوَاحِدُكُمْ اللَّهُ بِاللُّعُو فِي أَيْمَانِكُمْ فِي قَوْلِ الزُّجُلِ لَا وَاللَّهِ وَبَلَى وَاللَّهُ رَؤُوفٌ الرَّحِيمُ وَفِي شَرْحِ الشُّنَّةِ لَفْظُ الْمَصَانِيحِ وَقَالَ رَفَعَهُ عَنْهُمْ عَنْ عَائِشَةَ۔

”اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ یہ آیت لَا يُوَاحِدُكُمْ اللَّهُ بِاللُّعُو فِي أَيْمَانِكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری لعو قسموں پر تم سے مواخذہ نہیں کرتا۔ اس شخص کے حق میں نازل ہوئی ہے جو لا واللہ اور بلی واللہ کہتا ہے۔ (بخاری) شرح السنہ میں یہ روایت بلفظ مصابیح نقل کی گئی ہے نیز شرح السنہ میں کہا گیا ہے کہ بعض راویوں نے یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً نقل کی ہے (یعنی ان راویوں کے مطابق یہ حدیث آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے)۔“

تشریح: اہل عرب کی یہ عادت تھی کہ وہ آپس میں گفتگو کرتے وقت بات بات پر یہ کہہ کرتے تھے کہ لا واللہ (خدا کی قسم) میں نے یہ کام نہیں کیا یا اور میں واللہ (خدا کی قسم) میں نے یہ کام کیا ہے ان الفاظ سے ان کا مقصد قسم کھانا نہیں ہوتا تھا بلکہ اپنی بات میں زور پیدا کرنے کے لئے یا بطور تکیہ کلام وہ ان الفاظ کو بیان کرتے تھے، چنانچہ اس صورت میں قسم واقع نہیں ہوتی اور اس کو ”لعو قسم“ کہتے ہیں۔ حضرت

امام شافعیؒ نے اس پر عمل کیا ہے۔ ان کے نزدیک ”لغو قسم“ اس قسم کو کہتے ہیں جو بلا قصد زمانہ یا ماضی یا زمانہ مستقبل، زبان سے صادر ہو جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک ”لغو قسم“ اس قسم کو کہتے ہیں جو کسی ایسی بات پر کھائی جائے جس کے بارہ میں قسم حانہ نہ ہو۔ گمان تو یہ ہو کہ وہ صحیح ہے لیکن واقعہ تو صحیح نہ ہو، چنانچہ اس کی تفصیل ابتداء باب میں گزر چکی ہے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت

(۱۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَخْلِفُوا بَابَانَا نَكْمُ وَلَا يَأْتِيَنَّكُمْ وَلَا يَكُنَا دُونَ دَا
تَخْلِفُوا بَابَانَا اللَّهُ الْأَوَّلُ صَادِقُونَ - (رواہ ابوہریرہ و انسائی)

”اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تم نہ تو اپنے باپوں کی قسم کھاؤ اور نہ اپنی ماؤں کی اور نہ بتوں کی اور خدا کی قسم بھی تم اسی صورت میں کھاؤ جب کہ تم سچے ہو۔“ یعنی جو قسم نہ کھاؤ خواہ اس کا تعلق گواہی زمانہ سے ہو یا آنکندہ زمانہ سے۔“ (ابوہریرہؓ و انسائی، ۱۳) وَعَنْ أَبِي عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ خَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ أَشْرَكَ بِهِ - (ابوہریرہؓ و انسائی، ۱۴)

”ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جس نے اللہ کے غیر کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے غیر اللہ کی قسم اس کی تعظیم کے اعتقاد کے ساتھ کھائی اس نے شرک جلی یا شرک خفی کا ارتکاب کیا۔ کیونکہ اس طرح اس نے اس تعظیم میں غیر اللہ کو شریک کیا جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔

عام طور پر لوگوں کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنے کسی عزیز یا قریبی والے کی انتہائی محبت میں اس کی قسم کھاتے ہیں جیسے یوں کہتے ہیں کہ بیٹے کی قسم، یا اس کے سر کی یہ اس کی جان کی قسم تو یہ بھی گناہ سے خالی نہیں مگر چونکہ اس پر شرک کا حکم عائد نہ ہوتا ہو یا اس اگر قدیم عادت کی بنا پر کسی کی زبان سے بلا قصد مثلاً یوں نکل گیا کہ ”اپنے باپ کی قسم، یا اپنے بیٹے کی قسم میں نے یہ کام نہیں کیا ہے تو اس پر گناہ اور شرک کا اطلاق نہیں ہوگا۔

(۱۵) وَعَنْ بَرِئَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَلَفَ بِالْأَهَانَةِ فَلَيْسَ بِشَا - (رواہ ابوہریرہؓ و انسائی، ۱۵)

”اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے امانت کی قسم کھائی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“ (ابوہریرہؓ و انسائی، ۱۵)

تشریح: اس ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت کے بغیر محض امانت کی قسم کھائے گا اس کا شمار ہمارے قبیحین میں نہیں ہوگا کیونکہ یہ اہل کتاب (یعنی غیر مسلموں) کی عادات میں سے ہے اور غیر اللہ کی قسم کے حکم میں ہے۔ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی میں ”امانت“ سے مراد ”فرائض“ ہیں گویا آپ ﷺ کا مقصد نماز اور حج جیسے فرائض کی قسم کھانے سے منع کرنا ہے، بہر کیف دونوں صورتوں میں تمام علماء کے نزدیک اس قسم کو توڑنے پر کفارہ واجب نہیں ہوتا اور اگر ”امانت اللہ“ (یعنی اللہ کی طرف سے اضافت کر کے امانت کی قسم کھائی جائے تو اکثر علماء کے نزدیک اس میں بھی کفارہ واجب نہیں ہوتا لیکن حضرت امام اعظمؒ چونکہ اس کو تسلیم کرتے ہیں بایں وجہ کہ ”امین“ اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہونے کی بنا پر ”امانت“ اس کی صفات میں سے ہے اس لئے ان کے نزدیک اس میں کفارہ واجب ہوتا ہے یا یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ”امانت اللہ“ سے مراد کلہ توحید ہے۔

اسلام سے بیزاروں کی قسم کا مسئلہ

(۱۶) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ لَيْسَ بِي مِنَ الْإِسْلَامِ فَإِنَّ كَأَنِّي بَاغِيَةٌ كَمَا قَالَ وَإِنْ كَانَ ضَادًّا فَلَنْ يُرْجَعَ إِلَيَّ الْإِسْلَامُ سَالِمًا (رواہ ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ)

”اور حضرت بريد کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص یوں کہے کہ (اگر میں نے ایسا کیا ہو یا ایسا نہ کیا ہو تو) میں اسلام سے برنی ہوں، لہذا اگر وہ اپنی بات میں مجھوت ہے تو وہ ایسا ہی ہو گیا ہے کہ اس نے کہا ہے اور اگر وہ اپنی بات میں سچا ہے تب بھی وہ اسلام کی طرف پوری طرح واپس نہ آئے گا۔“ (ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس طرح قسم کھائے کہ ”اگر میں نے فلاں کام کیا ہو تو میں اسلام سے بیزار ہوں۔“ تو اگر وہ اپنی بات میں مجھوت ہے، یعنی واقعہ اس نے وہ کام کیا ہے تو وہ اسلام سے بیزار ہو گیا۔ گویا یہ ارشاد تو اس طرح قسم کھانے کی شدید ممانعت کو ظاہر کرنے کے لئے بطور ممانعت فرمایا گیا ہے۔ اگر وہ شخص اپنی بات میں سچا ہے یعنی واقعہ اس نے وہ کام نہیں کیا ہے تو اس صورت میں بھی اس کا اس طرح کہنا گناہ سے خالی نہیں ہے کیونکہ اس طرح کی قسم کھانے سے مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس روایت میں مذکورہ قسم کو ”منعقدہ قسم“ پر محمول کیا ہے جیسا کہ انہوں نے حضرت ثابت کی روایت نمبر ۱۱۱ میں بھی مذکورہ قسم کو بھی ”منعقدہ قسم“ پر محمول کیا ہے، چنانچہ اس کی وضاحت حضرت ثابت کی روایت کی تشریح میں مکرر چکی ہے، لیکن ملا علی قاری نے اس کو ”غوس قسم“ پر محمول کیا ہے، اس کتاب کے مؤلف کے نزدیک یہ دونوں قسمیں ”منعقدہ“ پر بھی محمول ہو سکتی ہیں اور ”غوس“ پر بھی۔

آنحضرت ﷺ بعض مواقع پر کس طرح قسم کھاتے تھے

(۱۷) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اجْتَمَعَ فِي الْجُمُعَةِ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي أَبِي الْقَاسِمِ بِيَدِهِ (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب (بعض مواقع پر) اپنی قسم میں مذکور پیدا کرتا چاہتے تو اس طرح قسم کھاتے تھے ”نہیں قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں ابو القاسم کی جان ہے (یہ بات نہیں بلکہ یہ بات ہے)۔“ (ابو داؤد)

تشریح: ”ابو القاسم“ سرکارِ دو عالم ﷺ کی کنیت مبارک تھی۔ آنحضرت ﷺ کی قسم کے ان الفاظ میں زور بیان اور شدت و تاکید بایں معنی ہے کہ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت اور آنحضرت ﷺ کی عبودیت کا لہذا آپ ﷺ کے نفس مبارک کے مسخر و مطیع ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

(۱۸) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَتْ يَدِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَلَفَ لَا وَاسْتَغْفِرُ اللَّهَ

(رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب قسم کھاتے تھے تو آپ ﷺ کی قسم اس طرح بنتی تھی۔ لا واستغفر اللہ۔“

(ابو داؤد و ابن ماجہ)

تشریح: ان الفاظ کو قسم کہنا بایں وجہ ہے کہ یہ الفاظ اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے قسم ہی کے مشابہ ہیں، کیونکہ ان الفاظ کے معنی ہیں ”اگر یہ بات اس کے برخلاف ہو تو میں اللہ سے بخشش چاہتا ہوں“ اور ظاہر ہے کہ اس طرح کہنا اپنی بات اور اپنے مطلب کو مضبوط و مؤکد کرنا ہے لہذا یہ قسم ہی کے حکم میں ہوا۔

قسم کے ساتھ "انشاء اللہ" کہنے کا مسئلہ

(۱۹) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ خَلَفَ عَلَى يَمِينِي فَقَالَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ فَلَا حُثَّ عَلَيْهِ زَوَاهِ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو ذَاوُدَ وَالتَّسَنُّيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَذَكَرَ التِّرْمِذِيُّ جَمَاعَةً وَقَفَّوهُ عَلَى ابْنِ عُمَرَ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو کسی بات پر قسم کھائے اور قسم کے ساتھ ہی انشاء اللہ بھی کہہ دے تو اس پر حث (کا اطلاق) نہیں ہوگا۔ (ترمذی) ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، نیز امام ترمذیؒ نے کچھ محدثین کے بارہ میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اس روایت کو حضرت ابن عمرؓ پر موقوف کیا ہے (یعنی ان محدثین کے نزدیک یہ روایت حضرت ابن عمرؓ کا ارشاد ہے)۔"

تشریح: "حث کے معنی ہیں، گناہ اور قسم توڑنا چنانچہ قسم توڑنے والے کو "عاقبت" کہا جاتا ہے، حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس قسم کے الفاظ کے ساتھ لفظ "انشاء اللہ" کہہ دیا جائے وہ قسم منعقد نہیں ہوگی اور جب وہ قسم منعقدی نہیں ہوگی تو اس کو توڑنے پر کفارہ بھی واجب نہیں ہوگا، اسی طرح تمام عقد و معاملات کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر الفاظ عقد کے ساتھ لفظ "انشاء اللہ" متصل ہو تو وہ عقد و الامتداد منعقد نہیں ہوگا، چنانچہ اکثر علماء اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا یہی مسلک ہے البتہ حضرت ابن عباسؓ کا قول یہ تھا کہ اگر لفظ "انشاء اللہ" متصل ہو تو بھی یہی حکم ہے۔"

اس بارہ میں متصل اور مفصل کی حد یہ ہے کہ قسم کے الفاظ کے بعد کسی اور بات میں مشغول ہوئے بغیر فوراً انشاء اللہ کہہ گیا تو یہ "متصل" ہے اور اگر اس قسم کے الفاظ کے بعد کسی دوسری بات میں مشغول ہوا تو پھر انشاء اللہ کہا تو "مفصل" ہے! بعض علماء نے "متصل" کی حد کچھ اور بھی بیان کی ہے جس کی تفصیل مرقات میں دیکھی جاسکتی ہے۔

الفصل الثالث

غیر مناسب قسم توڑ دو اور اس کا کفارہ ادا کرو

(۲۰) عَنْ أَبِي الْأَخْوَصِ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ ابْنَ عَمِي لِي أَتَيْتُهُ أَسْأَلُهُ فَلَا يَعْطِينِي وَلَا يَصْلِيَنِي ثُمَّ يَخْتَأِجُ إِلَيَّ فَيَأْتِينِي فَيَسْأَلُنِي وَقَدْ خَلَفْتُ أَنْ لَا أُعْطِيَهُ وَلَا أُصَلِّعَهُ فَأَمْرِي أَنْ أَتِيَّ الْبَدِي هُوَ خَيْرٌ وَأَكْفَرُ عَنْ يَمِينِي رَوَاهُ التَّسَنُّيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ يَأْتِينِي ابْنُ عَمِي فَأَخْلِفُ أَنْ لَا أُعْطِيَهُ وَلَا أُصَلِّعَهُ قَالَ كَفِّرُوا عَنْ يَمِينِكُ۔

"اور ابوالاخوص عوف ابن مالک اپنے والد (حضرت مالکؒ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! آپ میرے چچا کے بیٹے کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں کہ جب میں (اپنی کسی ضرورت کے موقع پر) اس سے (کچھ مال و اسباب) مانگا ہوں تو وہ مجھ کو (کچھ) نہیں دیتا اور میرے ساتھ حسن سلوک نہیں کرتا ہے۔ لیکن جب خود اس کو مجھ سے کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے مانگتا ہے مگر میں نے (اس کو اس کے مل کی مرادینے کے لئے کہ خود تو مجھ کو کچھ دیتا نہیں، لیکن مجھ سے مانگنے کے لئے آجاتا ہے) اس بات پر قسم کھالی ہے کہ میں نہ تو اس کو کچھ دوں گا اور نہ اس سے حسن سلوک کروں گا۔" حضرت ﷺ نے (یہ سن کر) مجھے حکم فرمایا کہ "میں وہ کام کروں جو بہتر ہے (یعنی اس کی ضرورت پوری کروں اور اس کے ساتھ حسن سلوک کروں) اور قسم توڑنے کا کفارہ دوں۔" (نسائی، ابن ماجہ) اور ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "مالکؒ نے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! میرے چچا کا بیٹا میرے پاس (کچھ مانگتا ہے) آتا ہے تو میں یہ قسم کھالیتا ہوں کہ نہ تو میں اس کو کچھ دوں گا اور نہ اس کے ساتھ حسن سلوک کروں گا۔" آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا "تم اپنی قسم (توڑ دو اور اس کا کفارہ دو۔"

بَابُ فِي التَّنْذِيرِ

نذروں کا بیان

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

نذر کی ممانعت

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ عُثْمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَنْذِرُوا لِمَا لَمْ يَنْذِرْهُ اللَّهُ لَا يُلْغِيهِ مِنَ الْقَدَرِ شَيْئًا وَانْصَابُ يَنْسَخُ مِنْهُ مِنَ الْخَبْلِ - (بخاری)

"حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ فرمادیں ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تم نذر نہ مانو کیونکہ نذر تقدیر کی کسی چیز کو دور نہیں کرتی البتہ نذر کے ذریعہ خیل کا کچھ مال ضریحاً خرچ ہوتا ہے۔" (بخاری، مسلم)

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ کے ذریعہ خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے کے سلسلہ میں خلی و خیل کے درمیان ایک بڑا لطیف فرق بتایا گیا ہے کہ کئی کی شان تو یہ ہوتی ہے کہ وہ بلا واسطہ نذر، از خود خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتا ہے لیکن خیل کو اس کی توفیق نہیں ہوتی، اگر اسے کچھ مال خرچ کرنا ہوتا ہے تو اس کے لئے نذر کو واسطہ بنانا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں خدا کے نام پر اپنا مال خرچ کروں گا، اس طرح خلی تو "ایثار" کا وصف اختیار کرتا ہے اور خیل "غرض" کی راہ اختیار کرتا ہے۔

اس حدیث کی بناء پر بعض علماء نے نذر کے ماننے کو بالکل مکروہ قرار دیا ہے، لیکن حنفی نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ عام طور پر لوگوں کی عادت ہے کہ وہ نذر (یعنی خدا کی راہ میں اپنا کچھ مال خرچ کرنے) کو کسی فائدہ کے حصول اور کسی ضرورت و حاجت کے پوری ہونے پر معلق کر دیتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا کیونکہ یہ خیلوں کا کام ہے، خلی تو جب اللہ تعالیٰ کا تقرب اور اس کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا ہے وہ اس میں غلت کرتا ہے اور فوراً ہی اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کر دیتا ہے، لیکن اس کے برخلاف خیل کا حال یہ ہوتا ہے کہ اس کا دل یہ گوارا نہیں کرتا کہ اپنے ہاتھ سے اپنا مال کسی کو دے یا اس کی کوئی غرض ہوتی ہے تو وہ اپنا مال خرچ کرتا ہے چنانچہ یا تو وہ اپنی حاجت پوری ہونے کے بعد اللہ کے نام پر اپنا کچھ مال نکال دیتا ہے یا خدا کی راہ میں اپنا کچھ مال نکالنے کو حصول نفع یا دفع مضرت پر معلق کر دیتا ہے۔ یعنی یہ نذر مانتا ہے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا یا مجھے فلاں نقصان نہ پہنچا تو میں اپنا اتنا مال خدا کی راہ میں خرچ کروں گا اور ظاہر ہے کہ اس بات سے تقدیر کا فیصلہ نہیں بدلتا لہذا اس صورت میں بھی اس کو مال خرچ کرنے کی نوبت نہیں آتی، ہاں بھی اس کی نذر، تقدیر کے فیصلہ کے موافق ہو جاتی ہے تو کو یا وہ نذر اس خیل کو اپنا وہ مال خرچ کرنے پر مجبور کر دیتی ہے جس کو وہ خرچ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں نذر سے منع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ نذر ماننے کے بعد اس کو پورا کرنے میں سستی و کاہلی نہ کی جائے کیونکہ جب کسی نے نذر مانی تو اس نذر کو پورا کرنا اس کے ذمہ واجب ہو گیا لہذا اس واجب کی ادائیگی میں تاخیر مناسب نہیں ہے۔ اور بعض علماء کے نزدیک یہاں نذر کی ممانعت سے مراد یہ ہے کہ اس اعتقاد و خیال کے ساتھ نذر مانی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کام کو مقدر نہیں کیا ہے وہ نذر سے ہو جائے گا۔ لہذا نذر سے منع کرنا اس اعتبار سے ہے نہ کہ مطلق نذر سے منع کرنا مقصود ہے۔

جس نذر کو پورا کرنے میں گناہ ہوتا ہو اسے پورا نہ کرو

② وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللَّهَ فَلْيُطِعهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَهُ فَلَا

بغصہ۔ ۱۔ روہ بخاری

”اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”مَنْ خَصَّ امْرَأَةً مِنْ نِسَائِهِ فَهُوَ كَمَنْ خَصَّ امْرَأَةً مِنَ امْرِئَاتِ النَّبِيِّ“ (یعنی اس نذر کو پورا کرے) اور جو شخص ایسی نذر مانے جس سے اللہ تعالیٰ کی معصیت (نافرمانی) ہوتی ہو تو وہ اس کی معصیت نہ کرے (یعنی ایسی نذر کو پورا نہ کرے)۔“ (بخاری)

(۳) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةٍ وَلَا فِي مَالٍ يَخْلُقُ الْقَبْضَ - زَوَاهِدُ مُسْلِمٍ وَفِي زَوَاهِدِ لَا تَنْذِرُ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ -

”اور حضرت عمرانؓ ابن حصین سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو نذر گناہ کا باعث ہو اس کو پورا کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس چیز کی نذر پوری کرنا جائز ہے جس کا وہ بندہ مذکور ہو۔“ (مسلم) اور مسلم ہی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جس نذر سے اللہ تعالیٰ کی معصیت (نافرمانی) ہوتی ہو اس کو پورا کرنا جائز نہیں۔“

تشریح: حدیث کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص گناہ کرنے کی نذر مانے مثلاً یوں کہے کہ ”اگر میری ملاں حاجت پوری ہوگئی تو میں تاج گانے کی محفل متعقد کروں گا“ یا یوں کہے کہ ”میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کرنے کے لئے قوالی کرنے کو اپنے اوپر واجب کرتا ہوں“ تو ایسی نذر کو پورا کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس صورت میں نذر کو پوری نہ کرنے میں کفارہ واجب ہوگا۔ چنانچہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا قول یہی ہے، جب کہ اس صورت میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک قسم کا کفارہ واجب ہوگا۔

حدیث کے دوسرے جزو کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایسی چیز کی نذر ماننا جو اپنی ملکیت میں نہ ہو اس نذر کو پورا کرنے کو جائز نہیں رکھتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے غلام یا کسی دوسرے شخص کی کسی چیز کے بارے میں یہ نذر مانے کہ میں خدا کی راہ میں اس غلام کو آزاد کرتا ہوں یا اللہ کے واسطے اس چیز کو دینا اپنے اوپر واجب کرتا ہوں تو اس صورت میں اس نذر کے صحیح نہ ہونے کی وجہ سے اس غلام کو آزاد کرنا یا اس چیز کو اللہ واسطے دینا اس کے ذمہ لازم نہیں ہوگا۔

نذر کا کفارہ

(۴) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَفَّارَةُ النَّذْرِ كَفَّارَةُ الْيَمِينِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عقبہؓ ابن عامر رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ”آپ ﷺ نے فرمایا ”نذر کا کفارہ قسم کے کفارے جیسا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: اگر کوئی شخص کسی چیز کا نام لئے بغیر محض نذر مانے مثلاً صرف یوں کہے کہ ”میں نذر مانا ہوں“ تو اس پر کفارہ واجب ہوگا اور اگر وہ نذر میں بلا تین عدد کے روزے کی نیت کرے تو اس پر تین روزے رکھنے واجب ہوں گے اور اگر نذر میں صدقہ کی نیت کرے تو صدقہ فطر کے مانند دس سکینوں کو کھانا کھانا واجب ہوگا۔

نذر کی جن باتوں کو پورا کرنا ممکن نہ ہو ان کو پورا نہ کرنے کی اجازت

(۵) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَبِئْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ إِذَا هُوَ بِرَحْلِ قَانِمٍ فَيَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ أَنْ تَنْزِلَ عَلَيَّ نَذْرًا أَنْ يَفْعَدَ وَلَا يَفْعُدَ وَلَا يَنْتَظِلَ وَلَا يَنْتَظِلَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْزُوعٌ فَبِئْسَ كَلِمٌ وَلَيْسَ يَنْتَظِلُ وَلَيْفَعْدٌ وَلَيْسَ مَوْزُوعٌ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اچانک آپ کی نظر ایک شخص پر پڑی جو کھڑا

تھا۔ آپ ﷺ نے اس شخص کے بارہ میں دریافت فرمایا (اس کا نام کیا ہے اور یہ اس وقت کیوں کھڑا ہے؟) تو لوگوں نے بتایا کہ اس کا نام ابو اسرائیل ہے اور اس نے یہ نذرمانی ہے کہ کھڑا رہے گا نہ بیٹھے گا نہ سائے میں آئے گا اور نہ (بالکل) بولے گا اور (بیشد روزے رکھے گا رسول کریم ﷺ نے ایہ سن کر فرمایا کہ اس سے کہو، بولے، سایہ میں آئے، بیٹھے اور اپنا روزہ پورا کرے۔ "بخاری"۔

تشریح: اس شخص نے جن باتوں کی نذرمانی تھی ان میں سے جس بات پر عمل کرنا اس کے لئے ممکن تھا اس کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا اور جن باتوں پر عمل کرنا کسی وجہ سے ممکن نہ تھا ان کو پورا نہ کرنے کا حکم دیا گیا، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ وہ روزے کو پورا کرے یعنی اپنی نذر کے مطابق بیشد روزے رکھا کرے، کیونکہ طاعت و عبادات کی نذر کو پورا کرنا لازم ہے اور بیشد روزے رکھنا اس شخص کے لئے ایک بہتر عمل ہے جو اس پر قادر ہو، لیکن واضح رہے کہ اس صورت میں وہ پانچ روزے مستثنیٰ ہوتے ہیں جو شرعاً و عرفاً ممنوع ہیں اور اگر وہ ان پانچ روزوں کی بھی نیت کرے گا تو ان روزوں کو توڑنا اس پر واجب ہو گا اور حقیقہ کے نزدیک روزہ توڑنے کا کفارہ اس پر واجب ہو گا۔

جن باتوں پر عمل کرنا ممکن نہ تھا ان میں سے ایک تو "ہولنا" تھا کہ شرعی طور پر یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص بالکل عین نہ بولے کیونکہ بعض مواقع پر "ہولنا" واجب ہے۔ جیسے نماز میں قرأت، سلام کا جواب دینا اور اس کو ترک کرنا گناہ ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو بولنے کا حکم دیا اسی طرح بالکل نہ بیٹھنا اور سایہ میں نہ آنا انسان کے بس سے باہر ہے اس لئے آپ ﷺ نے اس کو بیٹھنے اور سایہ میں آنے کا حکم دیا۔

⑤ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى شَيْخًا يَهْدِي بَيْنَ الْيَتِيمَيْنِ فَقَالَ هَذَا قَالَ لَدُنَّ أَنْ يَمْسِي إِلَيَّ يَتِيمٌ اللَّهُ قَالَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى عَنْ تَغْلِبِ هَذَا نَفْسَهُ لَغَيِّبٌ وَأَمْرُهُ أَنْ يَرْكَبَ مُتَّقِفٌ عَلَيْهِ وَلَهُ دَوَابٌّ لِيُسَلِّمَ عَنْ أَهْلِهِ هُوَ يُؤْتِي قَالَ ارْكَبْ أَتَيْهَا الشَّيْخُ فَأَنَّ اللَّهَ عَزَّيَّ عَنْكَ وَعَنْ نَدْرِكَ۔

"اور حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (بیت اللہ کے سفر کے دوران) ایک بوڑھے کو دیکھا جو (ضعف و کمزوری کی وجہ سے) اپنے دو بیٹوں کے درمیان ان کے کانڈھے پر ہاتھ رکھے راستہ چل رہا تھا آپ ﷺ نے پوچھا کہ "اے کیا ہو؟" صحابہ نے عرض کیا کہ اس شخص نے (بیت اللہ کو) پیادہ پاجانے کی منت مان رکھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اس طرح اپنے آپ کو عذاب (تکلیف) میں ڈالنے کی خدا کو ہر دا نہیں ہے" پھر آپ ﷺ نے اس شخص کو سواری پر چلنے کا حکم دیا۔ "بخاری" و مسلم اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے اس بوڑھے سے فرمایا کہ "بڑے میاں اسواری پر چلو کیونکہ اللہ تعالیٰ تم سے اور (تمہیں تکلیف میں ڈالنے والی) تہناری اس منت سے بے نیاز ہے۔"

تشریح: چونکہ وہ شخص اپنے بڑھاپے اور ضعف کی وجہ سے پیادہ چلنے سے عاجز و معذور تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس کو سواری پر چلنے کا حکم فرمایا۔

حضرت امام شافعیؒ نے اس حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے ہوئے فرمایا کہ ایسی منت کی صورت میں سواری پر چلنے کی وجہ سے منت مانتے والے پر (بطور کفارہ) کوئی چیز واجب نہیں ہوتی لیکن امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس پر جائز (یعنی بکری یا اس کے مثل) ذبح کرنا واجب ہوتا ہے کیونکہ اس طرح ایک چیز کو اپنے اوپر لازم کر لینے کے بعد اس کو پورا کرنے سے قاصر رہتا ہے، حضرت امام شافعیؒ کا دوسرا قول بھی یہی ہے۔

مظہر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ نذر مانے کہ میں پیادہ یا بیت اللہ جاؤں گا تو اس کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں چنانچہ حضرت امام شافعیؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ شخص بیت اللہ کا سفر پیادہ طے کرنے کی طاقت رکھتا ہو تو وہ پیادہ پاجانے اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو بطور کفارہ چالور ذبح کرے اور سواری پر سفر طے کرے۔ اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص خواہ پیادہ یا

چلنے پر قادر ہوئے نہ قادر ہو، بہر صورت سواری کے ذریعہ سفر کرے اور جانور ذبح کرے۔

حنفی علماء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ ”میں پیادہ پائیت اللہ جانا اپنے اوپر لازم کرتا ہوں“ تو اس پر حج یا عمرہ واجب ہوتا ہے، اب وہ اپنی نیت کے مطابق ان دونوں میں سے جس کو چاہے پورا کرے۔ (یعنی اگر اس نے یہ کہتے وقت حج کی نیت کی تھی تو حج کرے اور اگر عمرہ کی نیت کی تھی تو عمرہ کرے) اور اگر یوں کہے کہ ”میں پیادہ یا حرام جانا پیادہ یا مسجد حرام جانا اپنے اوپر لازم کرتا ہوں۔“ تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس پر کچھ واجب نہیں ہوتا مگر صائین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اس پر حج یا عمرہ واجب ہو جاتا ہے۔ اور اگر یوں کہے کہ ”میں بیت اللہ جانا اپنے اوپر لازم کرتا ہوں“ تو اس صورت میں متفقہ طور پر مسئلہ یہ ہے کہ اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا یعنی اس پر حج یا عمرہ واجب نہیں ہوگا۔

اگر کوئی شخص پیادہ پا حج کو جانے کی نذر مانے تو اس پر واجب ہے۔ کہ وہ گھر سے پیادہ پاروانہ ہو اور جب تک کہ طواف نورات سے فارغ نہ ہو جانے کوئی سواری استعمال نہ کرے اور اگر پیادہ پا عمرے کو جانے کی نذر مانی ہو تو جب تک کہ سرنہ منڈالے سواری پر نہ چڑھے۔ اور اگر نذر ماننے والے نے کسی عذر کی وجہ سے یا بلا عذر پورا راستہ یا آدمے سے زیادہ سواری پر بٹے کیا تو جانور ذبح کرنا اس پر واجب ہوگا اور اگر آدمے راستہ سے کم سواری کا استعمال کیا تو اس کے بقدر ایک بکری کی قیمت میں سے صدقہ کرنا واجب ہوگا۔

نذر ماننے والے کے ورثاء پر نذر پوری کرنا واجب ہے یا نہیں؟

(۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ اسْتَفْضَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِي نَذِرَ كَانَ عَلَى ابْنِهِ فَتَوَقَّيْتُ قَبْلَ أَنْ تَلْجِئَهُ فَاثْقَا أَنِ يَفْضِيَهُ عَنْهَا۔ (بخاری علیہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہؓ نے رسول کریم ﷺ سے اس نذر کے بارہ میں مسئلہ پوچھا جو ان کی ماں نے مانی تھی اور اس کو پورا کرنے سے پہلے وہ مر گئی تھی چنانچہ آنحضرت ﷺ نے سعدؓ کو یہ فتویٰ دیا کہ وہ اپنی ماں کی طرف سے اس نذر کو پورا کریں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت سعدؓ کی والدہ کی نذر کے بارہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، بعض حضرات تو یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے مطلق نذر مانی تھی، بعض یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے روزے کی نذر مانی تھی، بعض کا قول یہ ہے کہ ان کی نذر غلام کو آزاد کرنے کی تھی، اور بعض یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے صدقہ کی نذر مانی تھی، لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ انہوں نے یا تو مالی نذر مانی تھی یا ان کی نذر جہم تھی چنانچہ اس کی تائید دارقطنیؒ کی روایت کے ان الفاظ سے ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت سعدؓ سے فرمایا کہ ”ان کی طرف سے پانی پلاؤ۔“

اگر کسی شخص نے کوئی نذر مانی ہو اور اس نذر کو پورا کرنے سے پہلے مر گیا ہو تو اس کے بارہ میں جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اس شخص کے وارث پر اس نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہے جب کہ وہ نذر غیر مالی ہو، اسی طرح اگر نذر مالی ہو اور اس میت نے کچھ ترک نہ چھوڑا ہو تو اس صورت میں بھی اس کے وارث پر اس نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہوگا، البتہ مستحب ہوگا، لیکن علماء علو اہر اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے بموجب یہ کہتے ہیں کہ وارث پر اس نذر کو پورا کرنا واجب ہوگا۔ جمہور علماء کی دلیل یہ ہے کہ اس نذر کو خود وارث نے اپنے اوپر لازم نہیں کیا ہے کہ اس کو پورا کرنا واجب ہوگا۔ البتہ مستحب ہوگا۔ لیکن علماء علو اہر اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے بموجب یہ کہتے ہیں کہ وارث پر اس نذر کو پورا کرنا واجب ہوگا۔ جمہور علماء کی دلیل یہ ہے کہ اس نذر کو خود وارث نے اپنے اوپر لازم نہیں کیا ہے کہ اس کو پورا کرنا اس پر واجب ہو، اور جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے تو اول تو یہ حدیث جو مستحب پر دلالت ہی نہیں کرتی دوسرے یہ کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت سعدؓ کی والدہ نے ترکہ چھوڑا ہو اور اس ترکہ میں سے ان کی نذر پوری کرنے کا حکم دیا گیا ہو یا یہ کہ محض تبرعاً یہ حکم دیا گیا ہو۔

اپنا سارا مال خیرات کر دینے کی ممانعت

⑧ وعن كعب بن مالك قال قلت يا رسول الله إن من توبيخني أن أتخلىع من مالي صدقة إلى الله وإلى رسوله فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم أمسك بعض مالك فهو خير لك قلت فإني أملك مني الذي يخبئ - فنفق عليه وهذا عطف من حديث موقوف -

"اور حضرت کعبؓ ابن مالک کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری تکمل اور پوری طرح توبہ کا تقاضہ تو یہ ہے کہ میں اپنے سارے مال سے دست کش ہو جاؤں اور اس کو اللہ اور اس کے رسول کے لئے خیرات کر دوں۔" رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "تمہارے حق میں بہتر یہ ہے کہ تم کچھ مال روک لو۔" (میں نے عرض کیا) (اچھا!) میں اپنا پیٹیر کا حصہ روک لیتا ہوں۔ (بخاری و مسلم) یہ روایت ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے۔"

تشریح: جب رسول کریم ﷺ غزوہ تبوک میں تشریف لے گئے تو تین صحابہ، حضرت کعبؓ ابن مالک، حضرت مرثدہؓ ابن رفیع اور حضرت بلالؓ ابن امیہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ نہ گئے، جب آنحضرت ﷺ واپس تشریف لائے تو ان تینوں صحابہؓ پر بہت غصہ ہونے اور لوگوں کو ان تینوں سے بولنے اور بات چیت کرنے سے منع فرمایا۔ یہ اس صورت حال سے سخت پریشان ہوئے اور اپنی اس کوتاہی اور ندامت و شرمساری کے ساتھ ہار کاغہ حق جلد میں دعا و زاری اور توبہ و استغفار کرنے لگے، چند دنوں کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی اور ان کے حق میں یہ آیت وَ عَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَقُوا الْآيَةَ نازل ہوئی چنانچہ اسی موقع پر حضرت مالکؓ نے جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں عرض کیا کہ میں اس معافی کے شکرانہ کے طور پر اور اپنی توبہ کو کمال کرنے کے لئے یہ چاہتا ہوں کہ میرے پاس جو کچھ مال ہے سب صدقہ و خیرات کر دوں جس پر انہیں یہ حکم دیا گیا کہ کچھ مال بچا کر رکھ لو۔ بظاہر اس حکم کا مقصد یہ تھا کہ دو تہائی مال روک کر ایک تہائی مال صدقہ کر دو۔ نیز آنحضرت ﷺ نے ان کو سارا مال صدقہ کرنے سے اس لئے منع کیا کہ سب وہ انہیں اپنی ضروریات زندگی کے لئے کچھ مال کی احتیاج ہو اور اس صورت میں مبر و توکل کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ جائے، اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ ایسے معاملات میں ہر شخص کے مرتبہ و مقام کو مد نظر رکھ کر ہی کوئی حکم دیتے تھے، چنانچہ ایک طرف تو حضرت کعبؓ کا یہ واقعہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو اپنا سارا مال صدقہ کرنے سے منع کر دیا، دوسری طرف حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مثال ہے کہ جب انہوں نے اپنا سارا مال و اسباب آنحضرت ﷺ کے قدموں میں لا کر ڈال دیا اور سب کچھ اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا تو آپ نے ان کو اس سے منع نہیں کیا کیونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شان بالکل جدا گانہ تھی، وہ مبر و توکل راضی برضاء مولیٰ کے جس اونچے مرتبہ پر فائز تھے اس کی بنا پر اس کا ہلکا سا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ کسی بھی مرحلہ پر اپنی اور اپنی کسی بھی سخت سے سخت ضرورت کے موقع پر مبر و توکل کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیں گے۔

کتاب کے مؤلف نے اس حدیث کو اس باب میں شاید اس لئے نقل کیا ہے کہ حضرت کعبؓ کا ذکر وہ قول نذر کے مشابہ ہے یا میں طور کہ حضرت کعبؓ نے اپنے اوپر ایک ایسے امر کو (یعنی اپنا مال خدا کی راہ میں دے دینے کو) واجب کیا۔ جو ایک مخصوص صورت حال (یعنی قیوت توبہ) کی وجہ سے ان پر مطلقاً واجب نہیں تھا۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

گناہ کی نذر کو پورا کرنا جائز نہیں

⑨ عَنْ عَابِثَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَذَرُونِي مَغْصِبَةً وَكَفَّارَةً كَفَّارَةُ الْمَغْصِرِ .

”حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا گناہ کی نذر کو پورا کرنا جائز نہیں ہے اور اس نذر کا کفارہ قسم کے کفارہ جیسا ہے۔“

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

تشریح: گناہ کی نذر کے بارہ میں تفصیلی بحث پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے، یہ حدیث اس مسئلہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کی دلیل اور حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کے برخلاف ہے۔

غیر معین نذر کا کفارہ

⑩ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَذَرَ نَذْرًا لَمْ يُسَيِّمْهُ فَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِينٍ وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا لَمْ يَغْتَصِبْهُ فَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِينٍ وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا لَا يُطِيقُهُ وَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِينٍ وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا غَلَاظَةً فَلْيَلِيقْ بِهِ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَوَقَّعَهُ نَعُصْبَةُ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ۔

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص غیر معین نذر مانے (یعنی صرف یہ کہے کہ ”میں نذر دیتا ہوں“ اور اس بات کا تعین نہ کرے کہ کس چیز کی نذر مان رہا ہے مثلاً روزہ کی نذر مان رہا ہے یا صدقہ کی؟) تو اس نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے (یعنی غیر معین نذر کی صورت میں اس کو وہ کفارہ دہا کرنا ہو گا جو قسم توڑنے کی صورت میں دیا جاتا ہے) اسی طرح جو شخص کسی ایسی چیز کی نذر دے جو گناہ ہے تو (اس کو پورا کرنا جائز نہیں) اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے نیز جو شخص ایسی چیز کی نذر مانے جس کو پورا کرنے کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو (جیسے کوئی شخص پہنزا ٹھانے یا پیادہ بیت اللہ جانے کی نذر مانے یا اسی طرح کی ناممکن العمل کسی بھی چیز کو اپنے اوپر بطور نذر واجب کرے) تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے، اور جو شخص ایسی چیز کی نذر مانے جس کو پورا کرنے کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کو چاہئے کہ اس نذر کو پورا کرے (ابوداؤد، ابن ماجہ) بعض راویوں نے اس حدیث کو حضرت ابن عباسؓ پر موقوف کیا ہے۔“

صرف اس نذر کو پورا کرو جو جائز ہے

⑪ وَعَنِ ثَابِتِ بْنِ الصَّحَّاحِ قَالَ نَذَرَ زَجَلٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَسْحَرَ ابْنًا بِسَوَاقِةٍ فَأَنَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ كَانَ فِيهَا وَثَنٌ مِنْ أَوْفَانِ الْخَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ قَالُوا لَا هَلْ هُوَ كَانَ فِيهَا عَيْدٌ مِنْ أَغْيَادِهِمْ قَالُوا لَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْفَ بِنَذْرِكَ فَإِنَّهُ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ وَلَا فِيمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ثابت بن صحاحؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں ایک شخص نے یہ نذر مانی کہ وہ ہوانہ میں (جو مکہ کے نصیبی علاقہ میں واقع ایک جگہ کا نام تھا) اونٹ ذبح کرے گا، پھر وہ شخص رسول کریم ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ کو اپنی (نذر کی) خبر دی۔ رسول کریم ﷺ نے (صحیحہ سے) دریافت فرمایا کہ ”نذرانہ جاہلیت میں اس مقام پر کوئی بت تھا جس کی پرستش کی جاتی تھی؟“ صحیحہؓ نے عرض کیا کہ ”نہیں“ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا وہاں کفار کے سیلوں میں سے کوئی سیلا لگتا تھا؟ ”صحیحہؓ نے عرض کیا کہ ”نہیں“ اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے (اس شخص کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ ”تم اپنی نذر کو پورا کرو، نیز ابن آدم پر اس چیز کی نذر کو پورا کرنا بھی ضروری نہیں ہے جو اس کی ملکیت میں نہ ہو۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس جگہ کے بارہ میں آپ ﷺ کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ اگر وہاں زمانہ جاہلیت میں کوئی بت تھا جس کی پرستش کی جاتی تھی یا وہاں کفار کا کوئی سیلا لگتا تھا جس وہ میر تاش اور تاج گانے میں مشغول ہوتے تھے تو اس صورت میں اس شخص کو اپنی نذر پوری کرنے کی اجازت نہ دی جائے تاکہ اس طرح کفار کے ساتھ مشابہت نہ ہو لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ وہاں ان دونوں میں سے کوئی چیز بھی نہیں

تھی تو آپ ﷺ نے اس شخص کو نذر پوری کرنے کا حکم دیا۔

دف بجانے کی نذر کو پورا کرنے کا حکم

(۱۲) وَعَنْ عُمَرُو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي لَنَذْرُثُ أَنْ أَصْرُبَ عَلَى زَائِلِكُ بِالذَّنْبِ قَالَ أَوْفِي بِنَذْرِكَ - زَوْاهُ أَبُو ذَاوُدَ وَزَادَ رَزْمٌ قَالَتْ وَلَنَذْرُثُ أَنْ أَذْبَحَ بِمَكَانٍ كَذَا وَكَذَا مَكَّنٌ يَذْبَحُ فِيهِ أَهْلُ الْحَاجِلِيَّةِ فَقَالَ هَلْ كَانَ بِذَلِكَ الْمَكَانِ وَفِي مَنْ أَوْفَانِ الْحَاجِلِيَّةِ يُعْبَدُ قَالَتْ لَا قَالَ هَلْ كَانَ فِيهِ عَيْدٌ مِنْ أَهْنَاءِ هِمَّ قَالَتْ لَا قَالَ أَوْفِي بِنَذْرِكَ -

”اور حضرت عمر ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے (حضرت عبداللہ ابن عمرؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے یہ نذر مانی کہ (جب آپ ﷺ چلاؤں گا تو میں شریف لائیں تو میں آپ ﷺ کے سامنے دف بجاؤں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی نذر پوری کرو۔“ (ابوداؤد اور رزمی) نے اس روایت میں یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں کہ اس عورت نے (یہ) بھی کہا کہ ”اور میں نے یہ نذر مانی ہے کہ میں فلاں فلاں مقام پر جہاں زمانہ جاہلیت میں لوگ ذبح کرتے تھے، جانور ذبح کروں۔“ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ ”کیا وہاں زمانہ جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا؟“ اس عورت نے کہا کہ نہیں۔“ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ ”کیا وہاں کفار کے میلوں میں سے کوئی میلہ لگتا تھا؟ عورت نے کہا کہ ”نہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”اپنی نذر پوری کرو۔“

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دف بجانا مباح ہے! جو حضرات یہ فرماتے ہیں کہ صرف اس چیز کی نذر مانی چاہے جو طاعت (یعنی بھلائی) کی قسم سے ہو وہ اس حدیث کے بارہ میں یہ وضاحت کرتے ہیں کہ اگرچہ دف بجانا کوئی طاعت نہیں ہے بلکہ مباح ہے لیکن اس عورت نے چونکہ آنحضرت ﷺ کے لئے اپنے جذبات عقیدت و محبت کی بنا پر یہ نذر مانی تھی کہ آنحضرت ﷺ جب جہاد کے معرکوں سے فارغ ہو کر خیر و عافیت کے ساتھ واپس تشریف لائیں گے تو میں دف بجاؤں گی، لہذا اس اعتبار سے اس دف کا بجانا بھی گویا طاعت کی قسم سے ہوا۔

تہائی مال سے زیادہ صدقہ کرنے کی ممانعت

(۱۳) وَعَنْ أَبِي ثَيْبَانَةَ أَنَّهُ قَالَ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ قَوْمِي أَنْ أَهْجُزُوا ذَا قَوْمِي الْيَتَى أَصْنَبْتُ فِيهَا الذَّنْبَ وَأَنْ أَلْخَلِجَ مِنْ مَالِي كَلْبَةً صَدَقَةً فَإِنْ يُعْجِزَنِي عَنْكَ الْفُلْتُ - (ابوداؤد رزمی)

”اور حضرت ابو ثیبہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ ”میری تمام وکال تو یہ ہے کہ میں اپنی قوم کا گھر چھوڑ دوں جہاں مجھ سے گناہ مرزد ہوا ہے اور یہ کہ میں اپنے تمام مال کو خیرات کرنے کے لئے اس سے دست کش ہو جاؤں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تہائی مال کا صدقہ تمہارے لئے کافی ہے۔“ (رزمی)

تشریح: حضرت ابو ثیبہؓ کا واقعہ اسلامی تاریخ کا ایک بہت بڑا عجیب، سبق آموز اور عظیم الشان واقعہ ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا جو یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا۔ تو بنو قریظہ نے یہ پیغام بھیجا کہ آپ اپنے صحابی ابو ثیبہؓ کو ہمارے پاس بھیج دیجئے تاکہ ہم اپنے بارہ میں ان سے مشورہ کریں، آنحضرت ﷺ نے اس پیغام کو منظور فرمایا اور ابو ثیبہؓ کو ان کے پاس بھیج دیا، جب بنو قریظہ نے ابو ثیبہؓ کو دیکھا تو ان کے مرد عورت اور بچے پوڑے سب ہی ان کے آگے رونے کو کھڑا کرنے لگے ان کی اس کیفیت کو دیکھ کر ابو ثیبہؓ کا دل پہنچ گیا، پھر انہوں نے ابو ثیبہؓ سے پوچھا کہ اگر ہم حکم محمدی کو مان لیں اور اپنے آپ کو ان کے حوالہ کریں تو ہمارے ساتھ

”اور اپنی قسم کا کفارہ دین“ کے بارہ میں زیادہ صحیح ہے کہ اس حکم میں ”کفارہ“ سے مراد کفارہ جنایت ہے اور وہ ہدی ہے، یا روزہ ہے جو ہدی کا قائم مقام ہے اور جس کا ذکر بھی اگلی حدیث میں کیا گیا ہے ”کفارہ“ کے بارہ میں یہ تاویل اس لئے کی جاتی ہیں تاکہ یہ روایت اس بارہ میں معتول دوسری روایتوں کے مطابق ہو جائے، حاصل یہ کہ یہاں ”قسم کے کفارہ“ سے وہ کفارہ مراد نہیں ہے جو قسم توڑنے کی صورت میں ادا کیا جاتا ہے۔

(۲) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَلِكٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَسَايَرٍ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اخْتِيارِ نَذْرٍ أَنْ يَفْعَلَ خَالِفِيَةً غَيْرَ مُخْتَصِمَةٍ فَقَالَ مُؤْخَا فَلَمْ تَحْتَمِزْ وَلَنْ تَزْكُ وَلَنْ تَصْمُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ۔ (رد الوادود و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ و الدارمی)

”اور حضرت عبد اللہ ابن مالک کہتے ہیں کہ جب عمرؓ نے (سفر حج کے دوران) اپنی بہن کے بارہ میں نبی کریم ﷺ سے پوچھا جنہوں نے یہ نذر دینی تھی کہ وہ پیارہ پاؤں لگے پاؤں اور شے سرخ کو چائیں گی، تو آنحضرت نے فرمایا کہ ”اے نبی کو حکم دو کہ وہ اپنا سوا حاکمیں اور سواری پر بیٹھ جائیں، نیز انہیں چاہئے کہ وہ تین روزے رکھیں۔“ (الوادود و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ و دارمی)

تشریح: سرزدھانکے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ عورت کا سر اور بال حرام ہیں۔ یعنی اس کے جسم کے یہ وہ حصے ہیں جس کو چھپانا اس پر واجب ہے اور اس کا کھرا کھنکنا ہے اور سواری پر بیٹھنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ وہ پیدل چلنے سے عاجز تھیں اور اس کی وجہ سے وہ سخت مشقت و تکلیف میں مبتلا تھیں۔

چونکہ ادھر کی حدیث میں ہدی کا ذکر ہے اس لئے یہاں وہ ”تین روزے رکھیں“ کا مطلب یہ ہو گا کہ اگر وہ ہدی (یعنی جو روزہ نذر کرنے سے عاجز ہوں تو تین روزے رکھ لیں۔ یا پھر روزے رکھنے کے لئے اس لئے فرمایا گیا کہ قسم کے کفارہ کی جو کئی قسمیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص کفارہ کی قسموں سے عاجز ہو تو وہ تین روزے رکھے اب ان تین روزوں کے بارہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر تین روزے قسم کے کفارہ کے طور پر رکھے جائیں تو تین دن پہلے درپے رکھنے واجب ہیں اس کے علاوہ کی صورت میں اختیار ہے کہ جس طرح چاہے رکھے گا۔

ناجائز نذر کا کفارہ دینا واجب ہے

(۳) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيْبِ أَنَّ أَخَوَيْنِ مِنَ الْأَنْصَارِ كَانَ يَتَّبِعُهُمَا يَرَاثُ فَسَأَلَ أَحَدَهُمَا ضَاحِجَةَ الْفُسْمَةِ فَقَالَ إِنَّ عَدَّتْ نَسَائِي الْفُسْمَةَ فَكُلْ مَالِي فِي رَنَاجِ الْكُفْبَةِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ بْنُ الْكُفْبَةِ عُبَيْةُ عَنْ مَالِكِ كَفَّرَ عَنْ يَمِينِكَ وَكَلِمَةُ أَخَاكَ فَوَيْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَجِيزُ عَلَيْكَ وَلَا نَذْرٌ فِي غَضَبِيهِ الرَّبِّ وَلَا فِي قَطِيعَةِ الرِّجَمِ وَلَا فِي ضَاغِتِ الْيَمَلِ۔ (رواه ابو داؤد)

”اور حضرت سعیدؓ ابن مسیب کہتے ہیں کہ دو انصاری بھائیوں کو کسی کی میراث ملی تھی (جسے ان دونوں کے درمیان تقسیم ہونا تھا) چنانچہ ان دونوں میں سے ایک بھائی نے ایک دوسرے بھائی سے اس میراث کو تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا تو اس دوسرے بھائی نے کہا کہ (میراث یہ نذر تھا ہوں کہ) اگر اب تم مجھ پر سے تقسیم کا مطالبہ کرو گے تو میرا سارا مال کعبہ میں خرچ کیا جائے گا۔ جب یہ صورت حال حضرت عمرؓ فاروقؓ (کے علم میں آئی تو انہوں نے فرمایا کہ کعبہ تمہارے مال سے بے پروا ہے۔ یعنی کعبہ کو اس کی ضرورت نہیں ہے تم اپنا مال اس کی نذر کرو) درجہ کہ تمہارے اوپر اس نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہے اس لئے تم اپنی قسم کا (یعنی اس ناجائز نذر کا کفارہ ادا کرو اور جب تمہارے بھائی اس میراث کو تقسیم کرنے کا مطالبہ کرے تو اس معاملہ میں تم اپنے بھائی سے بات چیت کرو (یعنی اس میراث کو تقسیم کر کے اس کا مطالبہ پورا کرو) کیونکہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”تم پر اس قسم (یعنی اس طرح کی نذر) کا پورا کرنا واجب نہیں ہے درپردہ دغا کی معصیت کی نذر جائز نہیں ہے (یعنی جس نذر کا تحقق پروردگار کی نافرمانی اور کسی گنہ سے ہو اس کو پورا۔

کرنا چاہئے) اور نہ اس نذر کو پورا کرنا چاہئے جو قربت واری کو مستحق کرنے سے متعلق ہو اور جس چیز کا انسان مالک نہ ہو اس کی نذر پوری کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ (بلکہ جو نذر ناجائز ہو نہ کی وجہ سے پوری نہ کی جائے اس کا کفارہ دینا واجب ہے)۔ (ابوداؤد)

تشریح: تاج الکعبۃ کا لفظی ترجمہ ہے ”کعبہ کا دروازہ“ کیونکہ ”رتاج“ بڑے دروازہ (پچھانک) کو کہتے ہیں لیکن رتاج کعبہ سے کعبہ کا دروازہ مراد نہیں ہے بلکہ نفس کعبہ مراد ہے۔

الفصل الثالث

جائز اور ناجائز نذر

(۱۸) عَنْ عِصْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ النَّذْرُ إِذَا كَانَ نَذْرًا لِمَنْ لَا يَلْزَمُ لَهُ إِلَّا الْوَفَاءُ وَمَنْ كَانَ نَذْرًا لِمَنْ يَلْزَمُهُ الْوَفَاءُ فَلَيْسَ بِنَذْرٍ وَلَا وَفَاءً فِيهِ وَنِكَاحُهُ مَا يَكُونُ الْهَبِيبِينَ۔

(رواہ النسائی)

”حضرت عسرا بن حصین کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ”نذر دو قسم کی ہے (ایک تو یہ کہ) کوئی شخص طاعت (یعنی حق تعالیٰ کی بندگی) کی نذر مانے، یہ نذر خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اس طرح کی نذر کو پورا کرنا واجب ہے، اور دوسری یہ کہ کوئی شخص کسے کی نذر مانے، یہ نذر شیطان کے لئے ہے، اس طرح کی نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ ایسی صورت میں وہ کفارہ ادا کیا جائے جو قسم تولی کی صورت میں دیا جاتا ہے۔“ (انسائی)

جان قربان کرنے کی نذر کا مسئلہ

(۱۹) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُثَنَّبِ قَالَ إِذَا زَعَمَ نَذْرُ أَنْ يَنْتَحِرَ نَفْسَهُ إِنْ نَحَاهُ اللَّهُ مِنْ عَدُوِّهِ فَسَقَطَ ابْنُ عَسَا بْنِ فَقَالَ لَهُ مَسْلُومٌ مَسْرُوقٌ فَذَكَرَ لَهُ فَقَالَ لَهُ لَا تَنْتَحِرْ نَفْسَكَ فَإِنَّكَ إِنْ كُنْتَ مُؤْمِنًا قَتَلْتَ نَفْسًا مُؤْمِنَةً وَإِنْ كُنْتَ كَافِرًا اتَّعَجَلْتَ إِلَى النَّارِ وَالْأَشْرَافُ كُنْتُ لَكَ دُنْبُوعًا لِلْمَسَاكِينِ فَإِنْ أَسْحَقْتَ خَيْرَ مِنْكَ وَفَدَيْ بِكَ نَفْسًا فَخَبَّرَ ابْنُ عَسَا بْنِ فَقَالَ هَكَذَا كُنْتُ أَرَدْتُ أَنْ أَفْعَلُكَ۔ (رواہ زرین)

”اور حضرت محمد ابن مثنب کہتے ہیں کہ ایک شخص نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کو دشمن سے نجات دلاوے تو وہ اپنے آپ کو ذبح کر ڈالے گا، چنانچہ جب اس کو اپنے دشمن سے نجات مل گئی تو اس نے اس مسئلہ میں حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا حضرت ابن عباسؓ نے اس سے فرمایا کہ یہ مسئلہ مسروقؓ (تابعی) سے پوچھو، اس شخص نے مسروقؓ سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ”تم اپنے آپ کو ذبح نہ کرو، کیونکہ اگر تم مسلمان ہو تو (اس صورت میں) تم ایک مسلمان کو قتل کرنے کے مرتکب ہو گے اور اگر تم کافر ہو تو (اس صورت میں) تم دوزخ میں جانے میں جلدی کر دو گے، لہذا اگر تمہارے بارہ میں یہ حکم ہے کہ (تم دینہ خرید کر مسکینوں کے لئے اس کو ذبح کرو، حضرت اسحاقؓ کا حکم ہے بہتر ہے جن کا دل ایک دینہ کو قرار دیا، جب اس شخص نے حضرت ابن عباسؓ کو (حضرت مسروقؓ کے اس فتویٰ سے آگاہ کیا) انہوں نے فرمایا کہ حقیقت یہی ہے، میں خود تمہیں یہی فتویٰ دینے کا ارادہ رکھتا تھا۔“ (زرین)

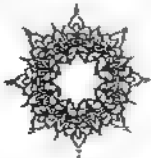
تشریح: حضرت مسروقؓ ابن ابیجر کا شمار اونچے درجے کے تابعین میں ہوتا ہے۔ ان کی علمی فضیلت اور فقہی حیثیت اپنے زمانہ میں ایک امتیازی شان رکھتی تھی۔ مرہ ابن شریمل کا قول ہے کہ کسی بھائی عورت نے مسروقؓ جیسا سپوت نہیں جانا، انہوں نے آنحضرت ﷺ کی وفات سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔ مرد بارہ رسالت میں حاضری کی سعادت سے محروم رہے تھے، چنانچہ انہوں نے چاروں خلفاء راشدین اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے تعمیل علم کیا تھا اس لئے جب اس شخص نے حضرت ابن عباسؓ سے مسئلہ دریافت کیا تو انہوں

نے اپنی جلالتِ علم کے باوجود اس شخص کو حضرت مسروقؒ سے مسلک پوچھنے کے لئے کہا، اس سے جہاں حضرت مسروقؒ کی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے، وہیں حضرت ابن عباسؓ کے جذبہ احتیاط اور ان کے کمالِ مہر و دیانت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

حدیث میں جس شخص کا ذکر کیا گیا ہے اس کو اپنے دشمن کے ہاتھوں مرنا نہایت شدید اور فضیلت ناک معلوم ہوتا تھا، چنانچہ اس نے اسی کی کہ ”پروردگار! اصل موت مجھ پر سخت نہیں ہے اور نہ میں اپنی زندگی کے خاتمہ سے گھبراتا ہوں، میں اپنی جان اپنے ہاتھوں تجھے سونپتا ہوں اور اپنے آپ کو تیرے نام پر قربان کرتا ہوں لیکن دشمن کے ہاتھوں مرنا مجھ پر سخت شاق ہے اس لئے اگر تو مجھے دشمن سے نجات دے گا تو میں اپنے آپ کو تیرے نام پر قربان کر دوں گا“ یہ تو گویا اس کا جذبہ اور اس کی ایک طبعی خواہش تھی لیکن اس نے یہ نہیں جانا کہ اپنے آپ کو ہلاک کر لینا اس سے کہیں زیادہ سخت اور حرام ہے، چنانچہ حضرت مسروقؒ نے اس کے سامنے اس مسئلہ کو بڑے لطیف انداز میں واضح کیا کہ اگر تم مسلمان ہو اور اپنے آپ کو قتل کر ڈالتے ہو تو اس طرح درحقیقت تم ایک مسلمان کو قتل کرنے کے مرتکب گردانے جاؤ گے اور یہ معلوم ہونا چاہئے کہ نفسِ مؤمن کو قتل کرنے والے کے بارہ میں اس آیت کریمہ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ وَمَنْ يَفْعَلْ فَأُولَٰئِكَ سُلُّوا السُّورَۃَ کے بموجب دوزخ کے دائمی عذاب کی وعید بیان کی گئی ہے، اور اگر تم کافر ہو تو اس صورت میں تمہارا اپنے آپ کو قتل کر دینا اس بات کے مترادف ہو گا کہ تم دوزخ میں جانے میں جلدی کر رہے ہو، کیونکہ اگر تم بقیدِ حیات رہتے ہو تو عجب نہیں کہ حق تعالیٰ تمہیں راہِ ہدایت سے نوازے اور تم اسلام قبول کر کے دائمی نجات پاؤ۔ بہر حال کسی بھی صورت میں تمہارا اپنے آپ کو قتل کر دینا نہ صرف یہ کہ نامشروع ہے بلکہ غیر معقول بھی ہے۔

حدیث کا یہ جملہ ”حضرت اسحق علیہ السلام تم سے بہتر تھے جن کا بدلہ ایک دینہ کو قرار دیا گیا تھا“ بعض علماء کے اس قول پر مبنی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو خواب دیکھا تھا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں تو وہ بیٹے حضرت اسحق علیہ السلام تھے۔ لیکن اس بارہ میں مشہور و مختار اور صحیح قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ حضرت اسمعیل علیہ السلام تھے۔ چنانچہ جلال الدین سیوطیؒ نے وضاحت کی ہے کہ اس واقعہ میں اہل کتاب نے سخت تحریف و تکذیب سے کام لیا ہے، سابقہ آسانی سن لوں میں اصل نام اسمعیل تھا جس کو اہل کتاب نے حذف کر کے اسحق بنا دیا۔

در مختار میں لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر مانی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کی موافقت میں اس پر بکری ذبح کرنا واجب ہو گا لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ ایسی نذر لغو ہوگی اسی طرح اپنے آپ کو یا اپنے غلام کو ذبح کرنے کی نذر بھی لغو ہوگی لیکن حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اس صورت میں ایک بکری ذبح کرنا واجب ہو گا اور اگر کسی نے اپنے باپ یا اپنے دادا کو اور یا اپنی ماں کو ذبح کرنے کی نذر مانی تو تمام علماء کے نزدیک اس کی نذر ”لغو“ ہوگی۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کتاب القصاص

قصاص کا بیان

اصطلاح شریعت میں ”قصاص“ کا مفہوم ہے، قاتل کی جان لینا، جس شخص نے کسی کو ناحق قتل کر دیا ہو اس کو مقتول کے بدلے میں قتل کر دینا یہ لفظ قص اور قصص سے نکلا ہے جس کے لغوی معنی ہیں کسی کے پیچھے پیچھے جانا، چونکہ مقتول کا ولی قاتل کا پیچھا کرتا ہے۔ تاکہ اسے مقتول کے بدلے میں قتل کرائے اس لئے قاتل کی جان لینے کو قصاص کہا جاتا ہے، ویسے قصاصات کے معنی مساوات (برابری) کے بھی ہیں۔ ”قصاص“ پر اس معنی کا اطلاق اس طرح ہوتا ہے کہ جب قاتل کو مقتول کے بدلے میں قتل کر دیا جاتا ہے تو مقتول کا ولی اور قاتل مقتول اور قاتل برابر ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ قصاص میں قاتل کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا ہے جو قاتل نے مقتول کے ساتھ کیا تھا۔

الْقَصْلُ الْأَوَّلُ

خون مسلم کی حرمت

① عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجْعَلُ ذِمَّ افْرِقْ شَيْءٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُ اللَّهِ إِلَّا يَأْخُذَ ثَلَاثَ أَنْفُسٍ بِالنَّفْسِ بِالنَّفْسِ وَالْقَيْبِ الزَّائِي وَالْعَادِقِ لِيَوْمِهِ النَّارُكَ لِلْعَمَاءَةِ۔ (مشق میر)

”حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”مسلم انسان کہ جو اس امر کی شہادت دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بلا شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، اس کا خون یہاں جائز نہیں الا یہ کہ ان تین باتوں میں سے کوئی ایک بات پیش آجائے۔ ① ناحق قتل کرنا کہ خون کے بدلے خون (یعنی قصاص) لیا جائے (لیکن یہ مقتول کے ولی کا حق ہے کہ وہ اس بارہ میں شریعت کے مقرر کردہ اصول کے مطابق قاتل سے بدلہ لے لے۔ ② شادی شدہ (مسلمان، مکلف اور آزاد) کا زنا کرنا (اس کو سنگسار کیا جائے۔ ③ اپنے دین سے نکلنے اور اپنی جماعت کو چھوڑنے والا (یعنی جو مسلمان مرتد ہو جائے اس کو قتل کرنا جائز ہے۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: یہ جملہ ”جو اس امر کی شہادت دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بلا شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں“ دراصل لفظ مسلم کی وضاحت و بیان اور اس کے موکر کرنے کے لئے ارشاد فرمایا گیا ہے، نیز اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ محض کلمہ شہادت پڑھ لینا خون یہاں سے نجات دہانے کے لئے کافی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص (جو پہلے سے مسلمان نہ ہو یا جس کا مسلمان ہونا معلوم نہ ہو) محض زبان سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور آنحضرت ﷺ کی رسالت کی شہادت دے دے تو اس شخص کا ناحق خون یہاں بھی اسی طرح ناجائز ہوگا جس طرح کسی دوسرے جانے پہچانے مسلمان کا۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مسلمان کا خون یہاں قطعاً جائز نہیں ہے الا یہ کہ ان تینوں چیزوں میں سے کوئی ایک چیز پیش آجائے اور تو یہ کہ اگر کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو ناحق قتل کر دے تو "خون کا بدلہ خون" کے اصول کے تحت اس کو قتل کیا جاسکتا ہے، دوم یہ کہ اگر کوئی شادی شدہ شخص جو مکلف، مسلمان اور آزاد ہو، زنا کا مرتکب ہو تو اس کو سنگسار کر دیا جائے اور سوم یہ کہ جو مسلمان دین سے نکل آئے یعنی مرتد ہو جائے اس کو قتل کر دینا بھی جائز ہے۔

"اپنی جماعت چھوڑنے والا" یہ عمارت کی صفت مؤکدہ ہے جتنی جو شخص قولاً یا فعلاً اور یا اعتقاداً مرتد ہو جائے کہ وہ اسلام کو ترک کر دیتا ہے اور اس کی وجہ سے مسلمانوں کی قوم سے علیحدگی اختیار کرے تو اس شخص کو قتل کر دینا واجب ہے بشرطیکہ وہ اپنے ارتداد سے توبہ نہ کرے۔ حدیث میں ایسے شخص (یعنی مرتد) کو "مسلمان" کے زیل میں ذکر کرنا اس کی پہلی حالت کے اعتبار سے مجاز ہے۔ یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اگر کوئی عورت مرتد ہو جائے تو حنفیہ کے مسلک کے مطابق اس عورت کو قتل نہ کرنا چاہئے۔

خون ناحق کرنے والے اور رحمت خداوندی سے محروم رہتا ہے

(۲) وَعَنْ أَبِي غَمْرٍاءٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَرَأَ الْمُؤْمِنِينَ فِي فَسْحَةِ مِنْ دُونِهِ مَا لَمْ يَصْطِ دَمًا حَرَامًا - (رواه البخاری)

"اور حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص کسی مسلمان خون حرام یعنی ناحق قتل کر مرتکب نہ ہو وہ ہمیشہ اپنے دین کی وسعت و کشادگی میں رہتا ہے۔" (بخاری)

تشریح: یوں تو ہر برائی انسان کی دینی و اخلاقی زندگی کے لئے زوال کا باعث اور غضب خداوندی کا موجب ہوتی ہے لیکن یہاں بطور خاص خون ناحق کے مذموم ترین فعل کے بارے میں واضح کیا گیا ہے کہ جب تک کوئی شخص کسی کے خون ناحق سے اپنا ہاتھ نہیں رکتا، اس پر رحمت خداوندی کا ہاتھ رہتا ہے اور اس کو حق تعالیٰ کی امید رحمت اور اس کی بخشش و مغفرت کا سہارا اپنے وسیع دامن میں لئے رہتا ہے لیکن جب کوئی شخص خون ناحق سے اپنے ہاتھ رنگ لیتا ہے تو اس پر سختی مسلط ہو جاتی ہے اور وہ ان لوگوں کے زمرہ میں شامل ہو جاتا ہے جو رحمت خداوندی سے ناامید و محروم ہیں۔

قیامت میں سب سے پہلے خون کے بارے میں پریش ہوگی

(۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلُ مَا يَقْضَى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الدِّمَاءِ - (مشق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن سب سے پہلے جس چیز کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا وہ خون ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن بندوں کے حقوق میں سے جس مقدمہ کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا، وہ انسان کے خون کا مقدمہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے جس چیز کے بارے میں سب سے پہلے سوال کیا جائے گا وہ نماز ہوگی۔ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ منہیات میں سے جس چیز کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا وہ خون کا مقدمہ ہوگا اور مسمورات میں سے جس چیز کے بارے میں سب سے پہلے سوال کیا جائے گا وہ نماز ہوگی۔

جس شخص نے کلمہ پڑھ لیا وہ معصوم الدم ہو گیا

(۴) وَعَنْ الْمُقَدِّدَاتِ بْنِ الْأَسْوَدِ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ إِنْ لَقِيتُ رَجُلًا مِنَ الْكُفَّارِ فَاقْتَتَلْتُ فَضَرَبَ اخِذِي بَدِي

بِالسَّيْفِ فَقَطَعُوهَا ثُمَّ لَا تَقْتُلُوا بِسَحَرَةٍ فَقَالَ اسْلَمْتُ لِلَّهِ وَفِي ذَوَابَّةٍ فَلَمَّا اخْرُجْتُ لَا تَقْتُلُوا قَالُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَتَقْتُلُهُ نَعْدُ
أَنْ قَاتَلَهَا قَالُوا لَا تَقْتُلُوا فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهُ قَطَعَ بِحَدِيثِي فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْتُلُوا قَالُوا
فَقَتَلْنَاهُ فَإِنَّهُ بَصَرٌ لَيْلٌ قَبْلَ أَنْ تَقْتُلُوهُ وَأَنْتَ بِمَنْزِلَةِ قَبْلِ أَنْ تَقُولَ كَلِمَةَ التَّيْنِ قَالُوا (حسن علیہ)

”اور حضرت مقداد ابن اسود سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کہ اگر مجھے کوئی کافر مل جائے اور
ہمارے درمیان لڑائی چھڑ جائے اور وہ کافر میرے ایک ہاتھ پر تلوار کا دھر کر کے اس کو کاٹ دے اور پھر ایک درخت کی آڑ میں مجھ سے پناہ
پکڑ کر یہ کہے کہ میں خدا کے لئے مسلمان ہو گیا اور ایک روایت میں ہے کہ اوزجوں میں سے اس کو مار ڈالنے کا ارادہ کر دے تو وہ یہ کہے
کہ لا الہ الا اللہ تو کیا میں اس کی زبان سے یہ الفاظ نکالنے کے بعد اس کو قتل کر سکتا ہوں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں اس کو قتل
نہ کرو، ”مقدادؓ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! اس نے جو میرا ایک ہاتھ کاٹ ڈالا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا (اس کے باوجود) اس
کو قتل نہ کرو، کیونکہ اگر تم اس کو قتل کرو گے تو وہ اس جگہ پہنچ جائے گا، جہاں تم اس کو قتل کرنے سے پہلے تھے اور تم اس جگہ پہنچ
جاؤ گے جہاں وہ کلمہ پڑھنے سے پہلے تھا۔“ (بخاری و مسلم)

تفسیر: مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے اس کو کلمہ پڑھنے کے بعد قتل کر دیا تو جس طرح تم اس کو قتل کرنے سے پہلے معصوم الدم تھے اب وہ
اسلام لانے کی وجہ سے معصوم الدم ہو گیا اور جس طرح وہ کلمہ اسلام پڑھنے سے پہلے غیر معصوم الدم تھا اب تم اس کو قتل کر دینے کی وجہ
سے غیر معصوم الدم ہو گئے۔ اس کو مزید وضاحت کے ساتھ یوں کہا جاسکتا ہے کہ کلمہ اسلام پڑھنے سے پہلے اس شخص کو اس کے کافر
ہونے کی وجہ سے قتل کر دینا درست تھا اب اس کے مسلمان ہو جانے کے بعد اس کو قتل کر دینے کی وجہ سے تمہیں قتل کر دینا درست
ہوگا۔

⑤ وَعَنْ أَسَمَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ بَعَثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَنَاسٍ مِنْ جَهَنَّةٍ فَأَتَيْتُ عَلَى رَجُلٍ مِنْهُمْ
فَلَمْ أَهْبُتْ أَقْتُلْهُ فَقَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَظَنَنْتُهُ فَقَتَلْتُهُ فَجِئْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ أَتَقْتُلُهُ وَقَدْ
شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ؟ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَتَشَاقِدُ ذَلِكَ تَمُودًا قَالُوا فَهَلَّا شَقَقْتُ عَنْ قَلْبِهِ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَفِي رِوَايَةٍ
جُنْدُبُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ التَّبْلَجِيُّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ إِذَا جَاءَتْ بِؤْمُ
الْقِيَامَةِ قَالَ مِيزَانًا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں قریۃ جیزہ کے لوگوں کے مقابلہ پر بھیجا چنانچہ (ان کے مقابلہ کے
دوران) میں ایک شخص پر بھیجا اور اس پر نیزہ کا حملہ کر دیا پھر اس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا لیکن میں نے اس میں اپنا نیزہ پھونک کر
کے اس کو قتل کر دیا۔ پھر جب میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ہوا میں آیا اور آپ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا
(صد افسوس!) کہ تم نے اس کو اس صورت میں قتل کر دیا جب کہ اس نے لا الہ الا اللہ پڑھ لیا تھا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ!
کیا اس نے محض قتل سے بچنے کے لئے کلمہ نہیں پڑھا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”تو تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھ لیا
تھا؟“ اور جندبؓ ابن عبد اللہ بجلي نے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب قیامت کے
دن کلمہ لا الہ الا اللہ اپنے پڑھنے والے یعنی (محتول) کی طرف سے جھڑپا ہوا تمہارے پاس آئے گا تو اس وقت تم اس کو کیا
جواب دو گے۔ آنحضرت ﷺ نے (خوف دلانے کے لئے) یہ الفاظ کئی بار ارشاد فرمائے۔“ (مسلم)

تشریح: ”تو تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا؟“ آپ ﷺ نے یہ ارشاد اس شخص کے باطن کے مطابق فرمایا کہ اگر تم اس شخص کے
باطن پر مطلع ہو سکتے تھے تو تم اس کا دل چیر کر دیکھ لیتے اور یہ معلوم کرتے کہ کیا اس شخص نے محض اپنے آپ کو ہلاکت سے بچانے کے

لئے کفر لا الہ الا اللہ پڑھا تھا یا واقعہ یہ کہ اس کے قلب کے صدق و اخلاص کے ساتھ اس کی زبان سے نکلا تھا لیکن ظاہر ہے کہ تم نے اس کے دل کو چیر کر اس کے باطن کو دیکھ سکتے تھے اور نہ فوری طور پر اس کے باطن کا حال کسی اور ذریعہ سے تمہیں معلوم ہو سکتا تھا اس لئے معقول بات تو یہ تھی کہ تم اس کے ظاہر پر حکم لگاتے یعنی اس کے کفر پڑھ لینے کی وجہ سے اس کو مؤمن سمجھ بیٹے اور اس کو قتل کرنے سے باز رہتے۔ اور حضرت اسامہؓ نے یہ گمان کیا کہ ایسی حالت میں جب میرا نیزہ موت بن کر اس کے سر پر پہنچ چکا ہے اب اس کا ایمان قبول کرنا فائدہ مند نہیں ہے اس لئے انہوں نے اس شخص کا کام تمام کر دیا، یہ گویا ان کا اجتہاد تھا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان پر یہ کو ظاہر فرمایا کہ تم سے اجتہاد ہی غلط ہو گئی ہے لیکن ان پر دیت لازم نہیں کی کیوں کہ مجھ اپنی غلطاء اجتہاد میں معذور ہوتا ہے، ہاں اس بات کے لئے آپ ﷺ نے ہر حال اپنی غلطی کا بھی اظہار فرمایا کہ اس کی اصل حیثیت و حقیقت ظاہر ہونے تک تم پر توقف لازم تھا، لیکن تم نے توقف نہ کر کے اپنے اجتہاد پر عمل کیا۔

معاهد کو قتل کرنے کی ممانعت

① وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ مَعَاهِدًا أَلَمْ يَرَوْحْ زَانِحَةَ الْحَبْثَةِ وَأَنَّ

رَبِّهَا تَوَجَّدَ مِنْ فَيْسُورَةٍ أَرْبَعِينَ خَرَفًا (رواہ بخاری)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص عہد والے کو قتل کرے گا وہ جنت کی بو نہیں پائے گا اور جنت کی بو چالیس برس کی راہ سے آتی ہے۔“ (بخاری)

تشریح: معاهد یعنی عہد والا اس کافر کو کہتے ہیں جس نے امام وقت (سربراہ مملکت اسلامی) سے جنگ و جدل نہ کرنے کا عہد کر لیا ہو خواہ وہ ذی ہویا غیر ذی۔

اس روایت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جنت کی بو چالیس برس کی راہ سے آتی ہے۔ ”جب کہ ایک روایت میں شریسر“ ایک روایت میں ”سورس“ مؤطامیں ”پانچ سورس“ اور فردوس میں ”ہزار برس“ کے الفاظ ہیں، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان روایتوں میں یہ فرق و اختلاف دراصل اشخاص و اعمال کے مختلف ہونے اور درجات کے تفاوت کی بناء پر ہے چنانچہ (میدان شریس) بعض لوگوں کو جنت کی بو ہزار برس کی راہ سے بعض لوگوں کو پانچ سورس کی راہ سے آنے لگی، اسی طرح بعض لوگ جنت کی اس بو کو ایک سورس اور بعض لوگ ستر برس اور چالیس برس کی مسافت سے آتی ہوئی محسوس کریں گے، ہر کیف ان تمام مذکورہ اعداد سے تحدید مراد نہیں ہے بلکہ طول مسافت مراد ہے۔ نیز جنت کی بو نہ پانے سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ شخص ہمیشہ کے لئے جنت کی بو سے محروم رہے گا بلکہ یہ مراد ہے کہ ابتدائی مرحلہ میں جب کہ مقررین اور علماء جنت کی بو پائیں گے۔ وہ فیصل اس وقت جنت کی بو سے محروم رہے گا۔ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد سے مراد معاهد کو قتل کرنے کی سخت مذمت بیان کرنا اور قتل کرنے والے کے خلاف سخت الفاظ میں تنبیہ و تہدید کا اظہار کرنا ہے۔

خودکشی کرنے والے کے بارہ میں وعید

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ

يَتَرَدَّى فِيهَا خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا وَمَنْ تَحَسَّى سَقَطَ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَسَمَتْهُ فِي يَدِهِ يَتَحَسَّى فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحِدِيدَةٍ فَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ يَتَوَجَّأُ بِهَا فِي نَظْمِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا۔

(متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے اپنے آپ کو پیار سے گرا کر خودکشی کر لی وہ شخص ہمیشہ دوزخ

میں گرایا جائے گا اور وہاں بیش بیش رہے گا اور کبھی اس سے نہیں نکلے گا۔ جو شخص زہری کر خود کشی کرے گا اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا جسے وہ دوزخ کی آگ میں پنے گا وہ دوزخ میں بیش بیش رہے گا اس سے کبھی نہیں نکلے گا۔ اور جس شخص نے لوہے کے (کسی) ہتھیار (جیسے چھری وغیرہ) سے اپنے آپ کو مار ڈالا اس کا وہ ہتھیار دوزخ کی آگ میں اس کے ہاتھ میں ہوگا جس کو وہ اپنے پیٹ میں بھونکے گا اور دوزخ میں بیش بیش رہے گا اس سے کبھی نہیں نکلے گا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: لفظ ”مخلدا“ اور ”ایندھا لدا“ کی تاکید ہیں۔ حاصل حدیث کا یہ ہے کہ اس دنیا میں جو شخص جس چیز کے ذریعہ خود کشی کرے گا آخرت میں اس کو بیش کے لئے اسی چیز کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ لیکن یہاں ”بیش“ سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ خود کشی کو حلال جان کر اس کا ارتکاب کر رہے ہیں وہ بیش بیش کے لئے عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے، یا پھر ”بیش“ سے مراد یہ ہے کہ خود کشی کرنے والے مدت دراز تک عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

⑧ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي يُغَيِّقُ نَفْسَهُ يَغْلِقُهَا فِي النَّارِ وَالَّذِي يَغْلِقُهَا يَغْلِقُهَا فِي النَّارِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے کھاموٹ کر اپنے آپ کو مار ڈالا وہ دوزخ میں بھی اپنا کھاموٹ لے گا اور جس شخص نے اپنے آپ کو نیزہ مار کر خود کشی کر لی (وہ دوزخ میں بھی) اپنے آپ کو نیزہ مارے گا۔“

⑨ وَعَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ رَحُلٌ بِهِ خُزْجٌ فَخُزِعَ فَأَخَذَ سَكِينَتًا فَجَرَّبَهَا يَدَهُ فَمَارَ فَاذْلَمَ حَتَّى مَاتَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى يَأْذُرُنِي عَبْدِي بِنَفْسِهِ فَخُزِمْتُ عَلَيْهِ الْحَنَةُ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت جندبؓ ابن عبد اللہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (ایک دن) فرمایا: ”تم سے پہلے گزے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص تھا (جو کسی طرح زخمی ہو گیا تھا) چاقو (جب زخم کی تکلیف شدید ہونے کی وجہ سے) اس نے میرا کادان ہاتھ سے چھوڑ دیا تو چھری اٹھائی اور اپنے (اس) ہاتھ کو کاٹ ڈالا (جس میں زخم تھا) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زخم نہ رکا اور وہ مر گیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”میرے بندے نے اپنی جان کے بارے میں میرے فیصلہ کا انتظار نہیں کیا بلکہ اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا (لہذا میں نے) اس پر جنت کو حرام کر دیا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”میں نے اس پر جنت کو حرام کر دیا“ اس بات پر محمول ہے کہ اس نے خود کشی کو حلال جانا تھا اور چونکہ ایک حرام چیز کے بارہ میں حلال کا عقیدہ رکھنا صریحاً کفر ہے اس لئے اس پر دخول جنت کو حرام کر دیا گیا۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک وہ دوزخ میں جا کر اپنے کئے کی سزا نہ چکے، اس کو اول مرحلہ میں نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ جنت میں جانے سے محروم کر دیا گیا۔

خود کشی حرام ہے

خود کشی یعنی اپنے آپ کو ہلاک کر لینا دنیا کے کسی بھی مذہب قانون اور سماج میں جائز نہیں ہے۔ اس کا تعلق دراصل اس بات سے ہے کہ انسان جو کچھ ہے یعنی اس کا ہر بھی اور اس کا باطن بھی کیا وہ خود اس کا مالک ہے؟ یا اس کا ظاہر و باطن سب کچھ کسی اور کی ملکیت ہے؟ یا بالکل بدیہی بات ہے کہ انسان بذات خود اپنے وجود کا مالک نہیں ہے بلکہ اس کا وجود اس دنیا میں صرف ایک امانت کے طور پر ہے خود اس کے لئے بھی اور دنیا والوں کے لئے بھی اور اس کا مالک حقیقی وہ ذات پاک ہے جس نے اس کو تخلیق سے نوازا ہے اور اس دنیا میں پیدا کیا ہے۔ پھر کیا امانت میں خیانت نہیں ہے یہ کہ انسان اپنے وجود کو نقصان پہنچائے کیا یہ جرم نہیں ہے کہ بندہ اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالے جس کا ظاہر و باطن سب کچھ پروردگار کی ملکیت ہے؟ یقیناً یہ ایک بہت بڑا جرم ہے اور بہت بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ اپنے آپ کو ہلاک کرنا درحقیقت غیر کی ملکیت میں تصرف کرنا ہے اور کسی بندہ کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ پروردگار کی ملکیت میں تصرف کرے اسی

اے شریعت نے خود کشی کو حرام قرار دیا ہے اور اسے گناہ کبیرہ کہا ہے اور اس کے مرتکب کو بڑے دردناک عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔

خود کشی کے بارہ میں ایک سبق آموز واقعہ

⑩ وعن جابر ان الطفيل بن عمرو والنوبسي لساها جز النبي صلى الله عليه وسلم الى المدينة هاخر اليه وهاخر معه رجل من قومه فمرض فخرجوا فخذوا من الاصل له فقتلوه بها تراجمة فماتت فبداه خشي مات فزاد الطفيل بن عمرو ولين مياميه وهنثته حسنة وزاد مغطيا يديه فقال له ما صنع بك ربك فقال غفولي به جز لي الى نبي صلى الله عليه وسلم فقال مالي اراك مغطيا يديك قال قيل لي لن نصلحك منك ما افسدت فقطضها الطفيل على رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم وليد يده فاعفوه (رواه مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو طفیل ابن عمرو دوسری بھی ہجرت کر کے آنحضرت ﷺ کے پاس آئے ان کے ساتھ ان کے قبیلے کے ایک اور شخص نے بھی ہجرت کی (اتحاد سے) وہ شخص مدینہ میں بیمار ہو گیا اور (جب مرض نے شدت اختیار کی) اس سے مرہ ہو سکا، چنانچہ اس نے تیر کی پیکار لے کر اس نے اپنی آنکھوں کے جوڑ کاٹ ڈالے، اس کی وجہ سے اس کے دونوں ہاتھوں سے اتنا خون جاری ہوا کہ وہ مر گیا (اس کے اتھال کے بعد ایک دن) طفیل بن عمروؓ نے اس شخص کو اپنے خواب میں اس حالت میں دیکھا کہ اس کی بیست تو اچھی تھی مگر اس نے اپنے دونوں ہاتھ چپا رکھے تھے۔ طفیلؓ نے اس سے پوچھا کہ ”تمہارے رب نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟“ اس شخص نے کہا ”اللہ تعالیٰ نے مجھے اس وجہ سے بخش دیا ہے کہ میں نے اس کے نبی ﷺ کی طرف ہجرت کی تھی“ پھر طفیلؓ نے کہا کہ ”میں تمہیں اپنے دونوں ہاتھ چپانے کو بے دکھ رہا ہوں؟“ اس شخص نے بڑی حسرت کے ساتھ کہا کہ (پروردگار کی طرف سے) مجھ سے کہا گیا ہے کہ جس چیز کو تم نے خود خراب کیا ہے ہم اس کو درست نہیں کریں گے“ جب طفیلؓ نے یہ خواب رسول کریم ﷺ کے سامنے پیش کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”اے اللہ! اس کو اور اس کے دونوں ہاتھوں کو بخش دے۔“ (مسلم)

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ اپنے وطن سے ہجرت کر کے نبی کریم ﷺ کے پاس چلے جانے کی یہ برکت تھی کہ مہاجر کو حق تعالیٰ کی مغفرت و رحمت ہوتی ہے اور اگر مہاجر کسی گنہگار ہو جاتا تھا تو آنحضرت ﷺ کے استغفار کی وجہ سے اس کی بخشش ہو جاتی تھی۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے روضہ اطہر کی زیارت، آپ ﷺ کے حیات مبارک میں آپ کی جسمانی زیارت کے مانند ہے لہذا آپ کی حیات مبارک میں آپ کی زیارت کرنے والوں کو حق تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کی بزرگ برکت ہوتی تھی آپ ﷺ کے روضہ اطہر کے زیارت کرنے والے کو بھی اسی نعمت عظمیٰ کی امید رکھنی چاہئے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہ تو کفر کا باعث ہے اور نہ روزخ کے دائمی عذاب کا موجب ہے، چنانچہ اہل سنت والجماعت کا یہی مسلک ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب اپنے گنہگار ہونے کے سزا پالنے کے بعد جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

مقتول کے ورثاء کو قصاص اور دیت دونوں میں سے کسی ایک کو لینے کا اختیار ہے

⑪ وعن أبي شريح الكعبي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ثم انتم يا خوار اعدوا قد قتلتم هذا القليل من هذا قليل والله عاقلة من قتل بئذ فقلنا فاهله بين خيرتين ان اخبوا قبلوا وان اخبوا اخذوا العقل - وزاد الترمذي والشافعي وفي شرح الشافعي ما سنده وشرح ياتيه ليس في الصحيحين عن أبي شريح وقال واخره من رواية أبي هريرة يعني بضعافه۔

”اور حضرت ابو شریح عقی رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے (فتح مکہ کے دن جو خطبہ ارشاد فرمایا اور جس کا ابتدائی حصہ حرم مکہ کے باپ میں گر چکا ہے اس کے آخری الفاظ یہ تھے) فرمایا ”اے خزانہ اُمّ نے اس مقتول کو جو قبیلہ ہذیل کا ایک فرد تھا، قتل کیا ہے اور میں خدا کی قسم، اس کا خون پہلوئے کاظمہ داروں، اب اس کے بعد (اس حکم سے مطلق کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر دے تو مقتول کے ورثہ کو دو چروں میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔ ① چاہے وہ قاتل کو مار ڈالیں۔ ② چاہے اس سے خون بہا لے لیں۔ (ترغی، شافعی، شرح السنہ میں یہ روایت شافعی کی اسناد کے ساتھ مذکور ہے، اور شرح السنہ کے مصنف علامہ بغویؒ نے یہ صراحت کی ہے کہ یہ حدیث بخاری و مسلم میں ابو شریح سے منقول نہیں ہے، لیکن بغویؒ نے کہا ہے کہ بخاری و مسلم میں یہ روایت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے حالانکہ اس میں بھی بالمتنی منقول ہے۔“

تشریح: حدیث کا دانتالی پس منظر یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں قبیلہ ہذیل نے قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص کو مار ڈالا تھا، چنانچہ قبیلہ خزاعہ کے لوگوں نے اب اگر اپنے مقتول کے بدلے میں قبیلہ ہذیل کے ایک شخص کو قتل کر دیا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں قبیلوں کے درمیان متوقع فتنہ و فساد کو روکنے کے لئے قبیلہ ہذیل کے اس مقتول کا خون بہا دے دیا جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”اور میں خدا کی قسم! اس خون بہا دینے کا ذمہ دار ہوں“ پھر آپ ﷺ نے اس کے بعد اس سلسلہ میں یہ شرعی قانون بیان فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی کو قاتل کر دے تو مقتول کے ورثہ کا حق یہ ہے کہ چاہے وہ قاتل کو قتل کر دیں اور چاہے قاتل سے خون بہا لے لیں۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہی ہے اور اس اعتبار سے یہ ارشاد گرامی ان دونوں کے مسلک کی دلیل ہے لیکن حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ مقتول کے ورثہ کو قاتل سے خون بہا لینے کا حق اسی صورت میں حاصل ہو گا جب کہ قاتل خود بھی اس پر راضی ہو، اگر قاتل خون بہا دینے پر راضی نہ ہو تو مقتول کے ورثہ کو صرف یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ قاتل کو قتل کر دیں، کہا جاتا ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے، ان حضرات کے نزدیک اس ارشاد گرامی کی تاویل یہ ہے کہ مقتول کے ورثہ کو اختیار ہے کہ چاہے وہ قاتل کو قتل کر دیں چاہے اس سے خون بہا لے لیں اگر خون بہا ان کو دیا جائے۔

”حالانکہ ان سے بھی بالمتنی منقول ہے“ اس کے ذریعہ مصنف مشکوٰۃ نے گویا صاحب مصابح امام بغویؒ پر اعتراض کیا ہے بخاری و مسلم میں یہ حدیث بالمتنی تو مذکور ہے لیکن اصل حالت میں یعنی یہاں کے مذکور الفاظ کے ساتھ نہ تو ابو شریحؓ سے اور نہ ابو ہریرہؓ سے منقول ہے جیسا کہ خود بغویؒ نے کہا ہے کہ یہ روایت بخاری و مسلم میں نہیں ہے اور پھر اس روایت کو یوں فصل اول میں کیوں نقل کیا ہے کیونکہ فصل اول میں تو وہی حدیثیں نقل کی جاتی ہیں جو بخاری و مسلم میں مذکور ہوں۔

عورت کے مرد قاتل کو قتل کیا جاسکتا ہے

①۴ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ يَهُودِيًّا دَخَلَ دَارَ جَارِيَةٍ مِّنْ صَحَابَةٍ فَقَتَلَ لَهَا مَنَ فَعَلَ بِكَ هَذَا أَفَلَا؟ أَفَلَا؟ حَتَّى سَبَّحَتْ الْيَهُودِيُّ فَأَوْمَأَتْ بِرَأْسِهَا لِحَيْثُ بِالْيَهُودِيِّ فَاغْتَرَفَ فَاغْتَرَفَ وَشَوَّاهُ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَّ رَأْسَهُ بِالْبَحْرِ حَاوَةً۔ (متن طبع)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک کاسروہ چھروں کے درمیان چل ڈالا (یعنی ایک چھرہ اس کاسروہ کے دوسرے چھرہ سے اس پر ضرب ماری) چنانچہ اب لڑکی کا زخمی بیان لایا گیا تو اس سے پوچھا گیا کہ تمہارے ساتھ کس نے یہ معاملہ کیا ہے، کیا فلاں شخص نے؟ کیا فلاں شخص نے؟ (یعنی جن جن لوگوں پر شبہ تھا ان کا نام لیا گیا یہاں تک کہ جب اس یہودی کا نام لیا گیا تو لڑکی نے اپنے سر کے اشارے سے بتایا کہ ہاں اس نے ایسا کیا ہے۔ پھر اس یہودی کو حاضر کیا گیا اور اس نے اپنے جرم کا اقرار کیا، لہذا رسول کریم ﷺ نے اسی طرح اس یہودی کاسر کپٹنے کا حکم فرمایا اور اس کاسر چھروں سے پکلا گیا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: بظاہر یہ مفہوم معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اس بیوقوف نے لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچلا تھا، اسی طرح اس بیہودی کا بھی دو پتھروں کے درمیان کچلا گیا ہو۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جس طرح اگر کوئی عورت کسی مرد کو قتل کر دے تو مقتول مرد کے بدلے میں اس عورت کو قتل کیا جاسکتا ہے، اسی طرح مقتول عورت کے بدلے میں اس کے مرد قاتل کو بھی قتل کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اکثر علماء کا یہی قول ہے، نیز یہ حدیث اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ ایسے بھاری پتھر سے کسی کو ہلاک کر دینا جس کی ضرب سے عام طور پر ہلاکت واقع ہو جاتی ہو، قصاص کا بموجب ہے۔ چنانچہ اکثر علماء اور تینوں ائمہ کا یہی قول ہے لیکن امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر پتھر کی ضرب سے ہلاکت واقع ہو جائے تو اس کی وجہ سے قصاص لازم نہیں ہوتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جہاں تک اس بیہودی سے قصاص لینے کا سوال ہے تو اس کا تعلق سیاسی اور وقتی مصالح سے تھا۔

جو جیسا کرے اس کو ویسی ہی سزا دو

(۱۲) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَسَّرَتِ الزُّبَيْغُ وَهِيَ عَمَةٌ أَنَسٍ مِنْ مَالِكٍ نَيْفَةً جَارِيَةً مِنَ الْأَنْصَارِ فَأَتَوْا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَ بِالْقِصَاصِ فَقَالَ أَنَسٌ نَزَّ النَّصْرُ عَمَّ أَنَسٍ بْنِ مَالِكٍ لَا وَاللَّهِ لَا تُكْسَرُ نَيْفَتُهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَنَسُ كَيْتَابُ اللَّهِ الْقِصَاصُ فَرَجَحْنِ الْقَوْمَ وَقَبِلُوا الْأَرْضَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ مَنْ لَوْ أَقْسَمْتُ عَلَى اللَّهِ لَا يُزِفُهُ (متن بدلا)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رجب نے جو حضرت انسؓ ابن مالک کی بیوی بھی قہیں، ایک انصاری لڑکی کے دانت توڑ دیے اس لڑکی کے رشتہ دار استغاثہ لے کر، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آنحضرت ﷺ نے بدلہ لینے کا حکم فرمایا (یعنی یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ رجب کے بھی دانت توڑے جائیں) انسؓ ابن نضر نے جو انسؓ ابن مالک کے چچا تھے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! ایسا نہیں ہوگا، خدا کی قسم رجب کے دانت نہیں توڑے جائیں گے آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ انسؓ! اللہ کا حکم بدلہ لینے کا ہے“ لیکن (خدا نے ایسا کیا) کہ لڑکی کے خاندان والے (رجب کے دانت نہ توڑے جانے پر راضی ہو گئے اور دیت (مالی ملحوظہ) قبول کر لیا، چنانچہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”بعض بندگان خدا ایسے ہیں کہ اگر وہ کسی بات پر خدا کی قسم کھائیں تو خداوند تعالیٰ ان کی قسم پوری کرتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: رجبؓ انسؓ اور مالکؓ یہ تینوں بہن بھائی تھے ان کے والد کا نام نضر تھا، مالک کے لڑکے کا نام بھی انس تھا گویا چچا اور چچے دونوں ایک ہی نام سے موسوم تھے اس حدیث میں جن رجب کا ذکر ہے وہ ایک انس یعنی، حضرت انسؓ ابن مالک کی بیوی بھی تھیں اور دوسرے انس یعنی حضرت انسؓ ابن نضر کی بہن تھیں۔

حضرت انسؓ ابن نضر کا یہ کہنا کہ ”یا رسول اللہ! ایسا نہیں ہوگا، رسول کریم ﷺ کے حکم کی مخالفت اور آپ کے فیصلے کو ماننے کا انکار کرنے کے طور پر نہیں تھا بلکہ اس کی بنا حق تعالیٰ کے اس فضل و کرم کی توقع اور امید پر تھی کہ وہ مدھیوں کو راضی اور ان کے دل میں ڈال دے گا کہ وہ قصاص (یعنی بدلہ لینے) کو معاف کر دیں، چنانچہ حق تعالیٰ نے ان کی امید و توقع کو پورا کیا اور لڑکی کے خاندان والوں نے دیت قبول کر کے قصاص کو معاف کر دیا۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے حضرت انسؓ ابن نضر کے بارہ مہینے بدیہ حکمت ارشاد فرمائے کہ حضرت انسؓ ابن نضر خدا کے ان بندگان خاص میں سے ہیں جو اگر کسی بات پر قسم کھالیتے ہیں تو خدا ان کو حاث نہیں کرتا بلکہ ان کی اس بات کو پورا کرتا ہے اور قسم کو پکی کرتا ہے۔

”اے انسؓ! اللہ کا حکم بدلہ لینے کا ہے اس ارشاد سے آنحضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَكُنْتُمْ عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنْ تُنْفُسَ بِالنَّفْسِ تَا وَالنَّفْسِ بِالنَّفْسِ کی طرف اشارہ فرمایا۔

اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ کسی ایسی بات پر قسم کھانا جائز ہے جس کے واقع ہونے کا قسم کھانے والے کو گمان ہو۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی شخص کے منہ پر اس کی تعریف و توصیف کا اظہار کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس کی وجہ سے اس شخص کے کسی فتنہ و برائی میں مبتلا ہو جائے یا خوف نہ ہو اور تیسری بات یہ ثابت ہوئی کہ قصاص کو معاف کر دینا صحیح ہے۔

مقتول کافر کے بدلے میں قاتل مسلمان کو قتل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۱۲) وعن ابی خنیفۃ قال سألت علیاً ھذا عندکم شیء لیس فی القرآن فقال واللہ فلی الخبۃ وبوالسفسۃ ما عندنا الا ما فی القرآن الا فھما یغفلون رجل فی کتابہ وما فی الصحنۃ قلت وما فی الصحنۃ قال الغفل وفکاکہ الامیر وان لا یقتل مسلم بکافر۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس قرآن کے علاوہ کوئی اور چیز ہے؟ انہوں نے فرمایا ”قسم ہے اس ذات کی جس نے اناج کو پیدا کیا اور جان کو وجود بخشا، میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو قرآن میں موجود نہ ہو۔ ہاں قرآن کی وہ جگہ (جگہ) جو ضروری ہو گئی (جو کسی انسان کو عطا ہو سکتی ہے، نیز ہمارے پاس کچھ ایسی چیزیں ہیں جو کاغذ میں لکھی ہوئی ہیں) میں نے عرض کیا کہ ”وہ کیا چیزیں ہیں جو کاغذ میں لکھی ہوئی ہیں؟“ انہوں نے فرمایا ”اتاق قتل کا خون بہا، اس کی مقدار اور اس کے احکام اور قیدی کو چھوڑنے کا ثواب لکھا ہے) اور یہ لکھا ہے کہ کافر (جو زنی نہ ہو) کے بدلے میں مسلمان کو قتل نہ کیا جائے۔“ (بخاری)

تشریح: ”ہاں قرآن کی وہ جگہ جو کسی بھی انسان کو عطا ہو سکتی ہے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ فہم عطا فرمایا ہے جس سے میں قرآن کے معنی و احکام کا استنباط کرتا ہوں، اس کے اجمال و اشارات سے مطلع ہو جاتا ہوں اور اسی فہم کے ذریعہ میری رسائی ان پوشیدہ علوم اور باطنی اسرار تک ہو جاتی ہے جو علماء متبحرین اور ارباب نفس پر منکشف ہوتے ہیں۔“

ہمارے پاس کچھ ایسی چیزیں ہیں جو کاغذ میں لکھی ہوئی ہیں۔ اس سے وہ نوشتہ مراوے جس میں حضرت علیؑ نے خون بہا وہ فیروہ کے کچھ احکام و مسائل لکھ کر اس کو اپنی تلوار کی نیام میں دھ کر رکھا تھا۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس نوشتہ میں مذکورہ بالا تین چیزوں کے علاوہ اور بہت سی چیزوں کے احکام و مسائل لکھے ہوئے تھے، جن کو یہاں ذکر نہیں کیا گیا، کیونکہ اس باب میں صرف قصاص اور خون بہا کا ذکر کرنا مقصود ہے، البتہ قیدی بعض نوعیت کے اعتبار سے چونکہ قریب القتل ہوتا ہے اس مناسبت سے اس کا بھی ذکر کر دیا گیا۔

”کافر کے بدلے میں مسلمان کو قتل نہ کیا جائے گا“ بہت سے صحابہ و تابعین، تبع تابعین اور تینوں اماموں کا مسلک یہی ہے کہ اگر کوئی مسلمان کافر کو قتل کر دے تو مقتول کافر کے بدلے میں قاتل مسلمان کو قتل نہ کیا جائے خواہ وہ مقتول کافر زنی ہو یا حری ہو لیکن حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور اکثر علماء کا مسلک یہ ہے کہ اگر وہ مقتول کافر زنی ہو تو اس کے بدلے میں قاتل مسلمان کو قتل کیا جاسکتا ہے جو حدیث ان کے مسلک کی دلیل ہے وہ مرقات میں مذکور ہے۔

حضرت ابو حنیفہؒ نے حضرت علیؑ سے جو سوال کیا اس کی بنیاد یہ تھی۔ کہ شیعوں کا وجود مختلف صورتوں میں اس زمانہ میں تھا کہا کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اہل بیت کے مخصوص افراد اور خاص طور پر حضرت علیؑ کو علم وحی کے کچھ ایسے اسرار و نکات بتائے ہیں جو ان کے علاوہ کسی دوسرے کو نہیں بتائے گئے ایسا پھر حضرت ابو حنیفہؒ نے یہ سوال اس لئے کیا کہ حضرت علیؑ کے زمانہ میں کوئی بھی شخص علم و تحقیق میں حضرت علیؑ کا سر نہیں تھا، ان کی اس غیر معمولی خصوصیت و برتری نے سب ہی کو حیران کر رکھا تھا کہ آخر ان کے پاس اتنا علم کہاں سے آیا؟ بہر کیف حضرت علیؑ نے قسم کھا کر بتایا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ نے میرے دامنِ مہم و حکمت کو سب لوگوں سے زیادہ بھرا دیا دوسرے لوگوں کے سوا مجھے مخصوص طور پر تبلیغ و ارشاد سے نوازا ہوا، بلکہ میرے پاس بھی وہی قرآن ہے۔ جو دوسروں کے پاس ہے اس سے زیادہ میرے پاس کچھ نہیں ہے، یا پھر وہ نوشتہ ہے۔ جس میں کچھ چیزوں کے احکام لکھے ہوئے ہیں اور وہ میرے پاس محفوظ ہیں۔ ہاں مجھ میں اور دوسروں میں جو علمی تفاوت ہے اس کی بنیاد فہم اور استعداد و استنباط

ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے قرآن کی جو سمجھ عطا کی ہے اس کے ذریعہ میں قرآن کے علوم و معانی تک رسائی حاصل کرتا ہوں اور پھر اس سے احکام و مسائل نکالتا ہوں، اور یہ مجھ ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ جس شخص کو بھی یہ سمجھ اور احکام اور فضیلت عطا فرما دے گا اس پر قرآنی حکمت و علوم کی راہیں مشکف ہو جائیں گی۔ الحاصل تمام علوم و حق کی بنیاد چونکہ قرآن کریم ہے۔ اسی لئے توفیق خداوندی اور تائید الہی سے جس شخص کو بھی قرآن کریم کا فہم حاصل ہو گیا اس پر تمام علوم اور حکمتوں کے دروازے کھل گئے ہیں اور بات ہے کہ حق تعالیٰ اس نعمت سے کسی کسی ہی کو نوازا ہے، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن میں تمام علوم ہیں لیکن (عام طور پر) لوگوں کے فہم (قرآن کی گہرائی تک پہنچنے سے) قاصر رہتے ہیں۔

وَذَكِّرْ حَدِيثَ بْنِ مَسْعُودٍ لَا تَقْتُلْ نَفْسَ ظُلْمًا فِي كِتَابِ الْوَعْدِ

”اور حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث ”ازراہ ظلم کسی کی جان نہ لی جائے“ کتاب اہم میں قتل کی جا چکا ہے۔“

الفصل الثانی

خون مسلم کی اہمیت

(۱۵) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَرَوَّالِ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللَّهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ۔

رَوَّاهُ الْبُخَارِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَوَقَفَهُ بَعْضُهُمْ وَهُوَ الْأَصَحُّ وَرَوَّاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ التِّرْمِذِيِّ عَزَّاب۔

”حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ کے نزدیک پوری دنیا کا قتل ہو جانا ایک مرد مسلم کے قتل ہو جانے سے زیادہ سہل ہے۔ (ترمذی، نسائی) اور بعض راویوں نے اس حدیث کو موقوف بیان کیا ہے (یعنی یہ کہا ہے کہ یہ حدیث نبوی ﷺ نہیں ہے بلکہ عبداللہ ابن عمرؓ کا قول ہے) اور یکن زیادہ صحیح ہے، نیز ابن ماجہ نے اس روایت کو (حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کی بجائے) حضرت براء ابن عازبؓ سے نقل کیا ہے۔“

تشریح: اللہ تعالیٰ نے دنیا کی چیزیں زمین و آسمان وغیرہ مسلمانوں کے لئے پیدا کی ہیں تاکہ وہ پروردگار کی عبادت کریں اور چیزوں کو کچھ کر اللہ تعالیٰ کی قدرت پر یقین رکھیں، لہذا جس شخص نے کسی مسلمان کو کہ جس کے لئے یہ دنیا پیدا کی گئی ہے، قتل کیا اس نے گویا پوری دنیا کو قتل کے کھاتے اتار دیے، چنانچہ اسی نکتہ کی طرف قرآن کریم کی یہ آیت اشارہ کرتی ہے:

وَمَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا۔

”جس شخص نے کسی کو ناحق قتل کیا (یعنی بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے) ملک میں فساد پھیلانے کی سزا دی جائے۔ اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا۔“

(۱۶) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَرَوَّالِ أَهْلِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَشْرُكَوْا مِنِّي ذَمٌّ مَوْصِلٌ لَا كِتْمَتُهُمُ اللَّهُ فِي النَّارِ۔ رَوَّاهُ الْبُخَارِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: (اگر یہ ثابت ہو جائے کہ آسمان والے اور زمین والے سب کے سب کسی ایک مرد مسلم کے قتل میں شریک ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو دوزخ کی آگ میں الٹا ڈال دے گا) ام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: بعض شارحین نے لکھا ہے لفظ اکتھم فعل لازم ہے اور لفظ کتھم فعل متعدی ہے لہذا یہاں کسی راوی سے سہو ہو گیا ہے کہ

اس نے لکھنہم کی بجائے لاکھنہم نقل کر دیا ہے، لیکن ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ لفظ اکثہ کاموس میں لازمی اور متعدی دونوں طرح نقل کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ نقشہ اور عادل راولپنڈی کی طرف خطا اور سہو کی نسبت کرنے سے اولیٰ اور احوط یہ ہے کہ بعض بلکہ تمام اہل لغت کی طرف خطا کی نسبت کر دی جائے! بہر کیف چونکہ یہاں لفظ اکثہم ہے اس لئے اس موقع پر یہ تحقیق پیش کی گئی، جامع صغیر میں اس روایت کے یہ الفاظ منقول ہیں۔ لکھنہم اللہ عز و جل ہی القاد۔

قیامت کے دن مقتول کا استغاثہ

(۱۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ الشَّيْخِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَجْنَى الْمُقْتُولُ مِنَ الْقَاتِلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ نَاصِيئَتُهُ وَرَأْسُهُ بَيِّنَةٌ وَ أَوْ ذَا حُجَّةٍ تَنْشُخُوبُ دَمًا تَقُولُ يَا رَبِّ قَتَلَنِي خَتَنِي يُذَيِّتُهُ مِنَ الْعَرْشِ۔ (درواد الترمذی و النسائی و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ عَنِ الشَّيْخِ عَزَّمُہُ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”قیامت کے دن مقتول اپنے قاتل کو اس طرح پکڑ کر لائے گا کہ قاتل کی پیشانی اور اس کا سر مقتول کے ہاتھ میں ہو گا اور خود اس کی رگوں سے خون بہہ رہا ہو گا اور اس کی زبان پر یہ الفاظ ہوں گے ”پروردگار! اس نے مجھے قتل کیا ہے“ (میری فریاد رہی) کہ یہاں تک کہ مقتول اس قاتل کو (کھینچتا ہو گا) عرض الہی کے قریب تک لے جائے گا۔“ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ مقتول قیامت کے دن اپنا پورا حق طلب کرے گا، نیز یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عدل و انصاف سے مقتول کو راضی و مطمئن کر دے گا۔

اپنی مظلومیت کے دن حضرت عثمانؓ کی تقریر

(۱۸) وَعَنِ أَبِي أَنَسٍ عَنِ مَسْلَبِ بْنِ خُثَيْفٍ أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ أَصْرَفَ يَوْمَ الدَّارِ فَقَالَ آمْسُدْكُمْ بِاللَّهِ انْعَمُونِ أَنْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَجُوزُ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِأَحَدٍ ثَلَاثٍ زَوِي نَعْدَا حَضَانٍ أَوْ كُفْرٍ نَعْدَا إِسْلَامٍ أَوْ قَتْلٍ نَفْسٍ بَغَيْرِ حَقٍّ فَقِيلَ بِهِ هُوَ اللَّهُ مَا زَيْتُ فِي حَاجِلِيهِ وَلَا إِسْلَامَ وَلَا إِزْدَدْتُ مُنْذُنَا نَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا قَتَلْتُ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ فِيمَا تَقْتُلُونَنِي۔ زَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ لَفْظُ الْمُحَدِّثِ۔

”اور حضرت ابو امامہؓ ابن اسلم ابن خثیف کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ ابن عفانؓ دار کے دن مکان کی بھت پر چڑھے اور (بلوایوں کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم نہیں جانتے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے ”کسی مرد مسلم کی خون ریزی (کسی صورت میں جائز نہیں ہوگی) الا یہ کہ تین باتوں میں سے کوئی ایک بات پیش آجائے“ ① کاغ کرنے کے بعد زنا کرنا۔ ② اسلام لانے کے بعد کافر ہو جانا۔ ③ اور کسی کا نام قتل کر دینا کہ اس کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔ پس قسم ہے خدا کی، میں نے تو زمانہ جاہلیت میں زنا کیا ہے اور نہ زمانہ اسلام میں۔ اور جب سے رسول کریم ﷺ سے بیعت کی ہے آج تک اسلام سے نہیں پھرا ہوں اور نہ میں نے کسی ایسے شخص کو قتل کیا ہے جس کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو، تو خدا را مجھے بتاؤ تم مجھے کس بنا پر قتل کرنا چاہتے ہو؟۔ اس روایت کو ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے اور حدیث کے الفاظ وادری کے ہیں۔“

تشریح: یوم الدار یعنی دار (گھر) کا دن، وہ دن مراد ہیں جن میں تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ فرمائی کے مخالف ہو ایوں نے ان کے مکان کو محاصرہ میں لے رکھا تھا، چنانچہ انہی دنوں میں حضرت عثمانؓ نے اپنے مکان کی بھت پر چڑھ کر بلوایوں کے سامنے مذکورہ بالا جیسے ارشاد فرمائے۔

”نکاح کرنے کے بعد زنا کرنا“ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کا ارتکاب کرے اس کو سنگسار کرنا مشروع ہے۔ ”محض“ اس شخص کو کہتے ہیں جو مسلمان ہو، آزاد ہو، عقیق ہو اور نکاح صحیح کے ساتھ اپنی عورت سے جماع کرچکا ہو۔
 ”اور حدیث کے الفاظ داری کے ہیں“ اس کا مطلب یہ ہے کہ روایت میں حضرت عثمانؓ کا جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے یعنی اشرف بنوم الدار الخ اس کے الفاظ داری نے نقل نہیں کئے ہیں بلکہ اس کی روایت میں صرف اصل حدیث کے الفاظ لا یحل دم امرء مسلم الخ ہیں۔

قاتل، توفیق خیر سے محروم رہتا ہے

(۱۹) وَعَنْ أَبِي الدُّدَاءِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزَالُ الْمُؤْمِرُ مُنْقَضًا صَلَاتُهُ مَا لَمْ يَصِبْ دَمًا
 خِرًا مِمَّا فَادَا أَصَابَتْ دُمَا حَرْزًا مِمَّا نَلَخَ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابودرداءؓ رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”مسلمان اس وقت تک نیکی کی طرف سبقت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں مشغول رہتا ہے جب تک کہ وہ خون حرام کا ارتکاب نہیں کرتا اور جب وہ خون حرام کا مرتکب ہوتا ہے تو تھک جاتا ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مومن جب تک نافع خون سے اپنا ہاتھ نہیں رکتا، اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کو برابر نیکی کرنے اور بھلائی کی طرف سبقت کرنے کی توفیق دی جاتی ہے لیکن جب وہ کسی کو نافع قتل کر دیتا ہے تو وہ اس گناہ کی شامت سے نیکی و بھلائی حاصل کرنے سے باز رہتا ہے گویا یہ قتل نافع کا وبال ہے کہ قاتل کا قلب سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ خیر کی توفیق سے محروم رہتا ہے اگرچہ سارے گنہوں کا نیکی وہاں ہوتا ہے لیکن یہ گناہ اور تمام گناہوں کی یہ نسبت زیادہ سخت ہے۔

قتل نافع، ناقابل معافی جرم ہے

(۲۰) وَعَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ ذَنْبٍ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَغْفِرَهُ إِلَّا هُنَّ مَاتَ مُشْرِكًا أَوْ مِنْ يَفْتُلُ
 فَمُؤْمِنًا مُعْتَدًا۔ رَوَاهُ ابْنُ دَاوُدَ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْ مُعَاوِيَةَ۔

”اور حضرت ابودرداءؓ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہر گناہ کے بارے میں یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا مگر اس شخص کو نہیں بخشے گا جو شرک کی حالت میں مرجائے یا جس نے کسی مسلمان کا قتل عداوت سے کیا ہو۔“ (ابوداؤد) اسی نے اسی روایت کو حضرت معاویہؓ سے نقل کیا ہے۔“

تشریح: بظاہر اس حدیث سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جس طرح شرک کا گناہ ناقابل معافی ہے اسی طرح قتل عداوت کے گناہ کی بخشش نہیں ہوتی لیکن اہل سنت و الجماعت کا مسلک یہ ہے کہ قتل کا گناہ کار مدت دراز تک شدید ترین عذاب میں مبتلا ہونے کے بعد بخش دیا جائے گا ان کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ۔

”اللہ تعالیٰ شرک کے گناہ کو نہیں بخشے گا، شرک کے علاوہ اور گناہوں کو، جس کو وہ چاہے بخش دیتا ہے۔“

جہاں تب اس حدیث کے ظاہری مفہوم کا سوال ہے تو یہ قتل کی شدید ترین مذمت اور اس کی سخت ترین سزائے اہتمام پر محمول ہے یا اس سے یہ مراد ہے کہ جو شخص قتل مسلم کو حلال جان کر کسی مسلمان کو قتل کرے گا اس کو نہیں بخشا جائے گا علاوہ انہی لفظ مُعْتَدًا کے (قتل عداوت کے) یہ معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ جو شخص کسی مومن کے قتل کا اس لئے قصد کرے کہ وہ مومن ہے تو اس شخص کی بخشش نہ

ہوگی۔

باپ سے اولاد کا قصاص نہ لیا جائے

(۲۱) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقَامُ الدِّمُاءُ وَهِيَ الْفَسَادُ وَلَا يَقَادُ الْمَالُ وَلَا النَّفْسُ۔ (رواه الترمذی والدہری)

”اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”مسجدوں میں حدود جاری نہ کی جائیں اور نہ اولاد کے قتل کے بدلے میں باپ کو قتل کیا جائے (بلکہ باپ سے دیت یعنی مالی معاوضہ لیا جائے)۔“ (ترمذی، دہری)

تشریح: حدیث کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ زنا، چوری، یا اسی قسم کے دوسرے جرائم حدود (یعنی ان کی شرعی سزائیں) مساجد میں جاری نہ کی جائیں، اسی طرح قصاص بھی اسی حکم میں داخل ہے کہ کسی قاتل کو بطور قصاص مسجد میں قتل نہ کیا جائے کیونکہ مسجدیں فرض نماز پڑھنے کے لئے ہیں یا فرض نماز کے توابع کے لئے ہیں جیسے نفل نمازیں یا ذکر و شغل اور دینی علوم کا پڑھنا پڑھانا۔

حدیث کے دوسرے جزو کا مطلب یہ ہے کہ اگر باپ اپنی اولاد کو قتل کر دے تو اس کو مقتول اولاد کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے اس بارہ میں فقہی تفصیل یہ ہے کہ اگر بیٹا اپنے ماں باپ کو قتل کر دے تو اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ بیٹے کو بطور قصاص قتل کیا جاسکتا ہے، لیکن اگر ماں باپ، بیٹے کو مار ڈالے تو اس میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ باپ کو بطور قصاص قتل نہ کیا جائے، امام مالکؒ کا قول یہ ہے کہ اگر باپ نے بیٹے کو زنج کر کے مار ڈالا ہے تو اس صورت میں باپ کو بطور قصاص قتل کیا جاسکتا ہے اور اگر اس نے بیٹے کو تلوار سے قتل کیا ہے تو پھر اس سے قصاص نہ لیا جائے ایہ ملحوظ رہے کہ اس بارہ میں ماں کا حکم بھی ویسی ہے جو باپ کا ہے، نیز داد اور دی، اور نالی بھی ماں اور باپ کے حکم میں ہیں۔

باپ بیٹے ایک دوسرے کے جرم میں قاتل موانعہ نہیں

(۲۲) وَعَنْ أَبِي رِفْعَةَ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ أَبِي فَقَالَ مَنْ هَذَا الَّذِي مَعَكَ قَالَ ابْنِي اشْهَدْ بِهِ قَالَ أَمَا اللَّهُ لَا يَخْبِي عَنْكَ وَلَا تُخْبِي عَنْكَ۔ زَوْاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتَّسَائِي وَزَادَ فِيهِ شَرْحُ الشُّنَّةِ فِي أَوَّلِهِ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ أَبِي عَلِيٍّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَى أَبِي الَّذِي يَظْهَرُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دَعْنِي أَعْلِيحَ الَّذِي يَظْهَرُ لِي فَأَبَى خَلَيْتُ فَقَالَ ابْنُ زَيْدٍ وَاللَّهِ الظَّلِيمُ۔

”اور حضرت ابو ریحہؓ کہتے ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں اپنے والد کے ساتھ حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ والد نے کہا کہ ”یہ میرا بیٹا ہے، آپ گواہ رہئے آپ ﷺ نے فرمایا ”تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ تو یہ تمہیں اپنے گناہ کی وجہ سے جہنم کرے گا اور نہ تم اس کو اپنے گناہ کی وجہ سے جہنم کر دو گے“ (ابوداؤد، نسائی) اور صاحب مصابح سے شرح السنہ میں اس روایت کے شروع میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ ”ابو ریحہؓ نے کہا کہ جب میں اپنے والد کے ہمراہ رسول کریم ﷺ کی پشت مبارک پر ہر نبوت دیکھی تو وہ اس کی حقیقت نہ سمجھ سکے اور کہا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ آپ کی پشت پر جو چیز ہے میں اس کا علاج کروں کیونکہ میں طیب ہوں۔ رسول کریم نے فرمایا ”تم تو بس برحق ہو، طیب (تو) اللہ ہے۔“

تشریح: ”آپ گواہ رہئے“ کا مطلب یہ ہے کہ ”کہ آپ اس بات کے گواہ رہئے کہ یہ میرا صلیبی بیٹا ہے“ اور اس گواہ بنانے سے مقصود یہ تھا کہ اگر مجھ سے کوئی جرم چھپے قتل وغیرہ مرتد ہو جائے ”تو میرے اس بیٹے سے موانعہ کیا جائے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کہ باپ بیٹے ایک دوسرے کے جرم میں قاتل موانعہ ہوتے تھے لیکن رسول کریم ﷺ نے اپنے اس ارشاد نہ تمہیں یہ اپنے گناہ کی وجہ سے

بتلا کرے گا اس کے ذریعہ ابورمٹہ کے والد پر یہ واضح کر دیا کہ اگر تمہارے بیٹے نے کوئی جرم کیا تو اس کی وجہ سے تمہیں نہیں پکڑا جائے گا اور نہ اس کے گناہ کی وجہ سے آخرت میں تم سے پرستش ہوگی، اسی طرح اگر تم سے کوئی جرم و گناہ سرزد ہو جائے تو دنیا و آخرت میں تمہارے بیٹے سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، یہ صرف زمانہ جاہلیت کا رواج تھا کہ باپ بیٹے ایک دوسرے کے گناہ کی وجہ سے پکڑے جاتے تھے، یہ ایک غیر منصفانہ طرز عمل تھا جو اب ختم کر دیا گیا ہے۔

”کیونکہ میں طیب ہوں“ اس جملہ کے ذریعہ ابورمٹہ کے والد نے گویا طب ودانائی کا دعویٰ کیا، ان کی یہ بات جس سے ان کی ناہنجی اور بے ادبی مترشح تھی، آنحضرت ﷺ کو سخت ناپسند ہوئی، چنانچہ آپ نے ان سے فرمایا کہ تم تو بس رفیق ہو، باپیں سنی کہ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ جب تم کسی مریض کو دیکھو تو اس کی ظاہری حالت کو دیکھ کر کوئی نسخہ اور دوا تجویز کرو، اس کے علاج کے دوران اس کے ساتھ نرمی و مہربانی کی خواہش کرو اور جو چیز بظاہر اس کے لئے نقصان دہ ہوتی ہو اس سے اس کو دور رکھنے کی کوشش کرو، اس کے علاوہ اور تمہارے بس میں کیا ہے؟ کیا شفا تمہارے ہاتھ میں ہے؟ کیا مرض کی حقیقت تمہارے علم و فن کی رسائی ہو جاتی ہے؟ ہرگز نہیں طیب تو خدا ہے کیونکہ مرض کی حقیقت بھی وہی جانتا ہے اور دوا کی حقیقت بھی اسی کے علم میں ہے اور شفا بھی صرف ہی ذات پاک کے ہاتھ میں ہے۔ جو بقا کے ساتھ موصوف ہے۔ اسی ذات پاک کے علاوہ کوئی بڑی سے بڑی طاقت شفا نہیں دے سکتی۔

بیٹے سے باپ کا قصاص لیا جائے

(۲۳) وَعَنْ عُمَرَو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ سُرَّاقَةَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: حَضَرْتُ زَوْجَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبِذُ الْأَبَ مِنْ أَمِّهِ وَلَا يَقْبِذُ الْإِبْنَ مِنْ أَبِيهِ - وَزَوْهُ الْقَتْلَ مَدْنً وَصَغْفَةً -

”اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے، وہ اپنے دادا سے، اور وہ حضرت سراقہ ابن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ”میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، آپ بیٹے سے باپ کا قصاص لیتے تھے لیکن باپ سے بیٹے کا قصاص نہیں لیتے تھے۔ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور اسے ضعیف قرار دیا ہے۔“

تشریح: یعنی اگر بیٹے اپنے باپ کو مارا، لٹا یا تو باپ کے قصاص میں بیٹے کو قتل کر دیا جاتا ہے لیکن اگر باپ اپنے بیٹے کو مارا، لٹا یا تو باپ دینے کے قصاص میں قتل نہیں کیا جاتا تھا بلکہ اس سے خون پیرا (خون کلامی معاوضہ) لیا جاتا تھا۔

غلام کے قصاص میں آزاد کو قتل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۲۴) وَعَبِ الْحَنْسِ عَنْ سُرَّاقَةَ قَالَتْ زَوْجُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَتْلِ عِبْدَةٍ قَتَلَهُ وَمِنْ جَدْعِ عُنْدَةِ حَدِصَاءَ - وَزَوْهُ الْقَتْلَ مَدْنً وَابْنُ دَاوُدَ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَابْنُ التَّنَافُوسِي فِي رَوَايَةٍ أُخْرَى وَمِنْ حَصَى عِبْدَةٍ حَصْبَاءَ -

”اور حضرت حسن ابصری (تابعی) حضرت سراقہ صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے یا غلام کو قتل کر دے اور جو شخص اپنے غلام کے اعضاء کاٹ دے، ہم اس کے قتل کر دیں گے اور جو شخص اپنے غلام کے اعضاء کاٹ دے، ہم اس کے قتل کر دیں گے۔“ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی) اور نسائی نے ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے یا غلام کو قتل کر دے۔“

تشریح: جو شخص اپنے غلام کو قتل کر دے یا غلام کو قتل کر دے، ہم اس کو قتل کر دیں گے۔ یہ آپ ﷺ نے بطور زجر و تشدید اور تنبیہ فرمایا کہ لوگ اپنے غلاموں کو مار ڈالنے سے باز رہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک شخص نے سخت ترین ممانعت غیبی کے باوجود بھی جب چوٹی و پانچویں بار شراب پی لی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو قتل کر دو، لیکن جب وہ آپ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے اس کو قتل نہیں کیا۔ بعض

حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں غلام سے مراد وہ شخص ہے جو غلام بھی رہا ہو اور پھر آزاد کر دیا گیا ہو، اگرچہ ایسے شخص کو غلام نہیں کہا جاتا لیکن اس کے سابق حال کے اعتبار سے اس کو یہاں غلام تعبیر کیا گیا۔

اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس آیت کریمہ **الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ** الخ کے ذریعہ منسوخ ہے اس بارہ میں جہاں تک فقہی مسئلہ کا تعلق ہے تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے غلام کو قتل کر دے تو اس کو غلام کے بدلے میں قتل کیا جاسکتا ہے لیکن اگر اس نے اپنے غلام کو قتل کر دیا تو اس غلام کے بدلے میں اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ امام اعظمؒ کے سوا تینوں ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ آیت کریمہ **الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ** الخ کے بموجب کسی آزاد شخص کو نہ تو اپنے غلام کے بدلے میں قتل کیا جائے اور نہ کسی دوسرے کے بدلے میں۔ حضرت ابراہیم نخعیؒ اور حضرت سفیان ثوریؒ کا قول یہ ہے کہ مقتول غلام کے بدلے میں قاتل آزاد کو قتل کیا جائے خواہ وہ مقتول اس کا اپنا غلام ہو یا کسی دوسرے کا۔

”اور جو شخص اعضاء کاٹنے کا رنج، شرح السنہ میں لکھا ہے کہ ”تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی آزاد کسی غلام کے اعضاء جسم کاٹ ڈالے تو اس کے بدلے میں اس آزاد کے اعضاء جسم نہ کاٹے جائیں“ علماء کے اس اتفاق سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد و کرامی ”امم اس کے اعضاء کاٹ دیں گے“ یا تو زجر و تعزیر پر محمول ہے یا منسوخ ہے۔

قاتل کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا جائے

(۲۵) **وَعَنْ عُمَرُو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَتَلَ مُنْعَعًا ذُلِفَعَ إِلَى أَوْلِيَاءِ الْمَقْتُولِ فَإِنْ شَاءُوا قَتَلُوا وَإِنْ شَاءُوا أَبْعَدُوا الدِّيَةَ وَهِيَ تَلَاوُنٌ حَقَّةٌ وَتَلَاوُنٌ جَذَعَةٌ وَأَزْبَعُونَ خَلِيفَةً وَمَا صَلَحُوا عَلَيْهِ فَهُوَ لَهُمْ۔** (ردو الاسرری)

”اور حضرت عمرو بن شعیبؓ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص قتل کرے اور قاتل کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا جائے چاہے وہ اس کو (مقتول کے بدلے میں) قتل کر دیں اور چاہے اس سے دیت یعنی خون بہا لے لیں، اور خون بہا کی مقدار وہ تعدد (داد) ہے کہ تیس اونٹیاں وہ ہوں جو (تین برس کی ہو) کس پر کس چوتھے برس میں لگی ہوں اور تیس اونٹیاں وہ ہوں جو (تین برس کی ہو) چالیس اونٹیاں حاملہ ہوں (اس کے علاوہ) اور جس چیز پر صلح ہو جائے تو وہ اس کے حق وار ہوں گے (یعنی دیت جو مقتول کے ورثاء کا حق ہے اس کی اصل مقدار وہ تعدد کو یہ ہے۔ ہاں اگر ورثاء اس سے کم پر راضی ہو جائیں تو قاتل پر وہی واجب ہو گا۔“

تشریح: دیت یعنی خون بہا کے بارہ میں حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مسلک بھی یہی ہے لیکن حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ (دیت میں جو سوانت شروع ہیں وہ اس طرح کے ہونے چاہئیں چھتیس بنت مخاض، پچیس بنت لبون پچیس حقہ اور پچیس جزمہ! ان کی دلیل حضرت سائبؒ ابن زیدؒ کی یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے (خون بہا میں) چار طرح کے اونٹ دینے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ حدیث ثابت ہوتی تو صحابہؓ اختلاف کرنے کی بجائے متفقہ طور سے اسی حدیث پر عمل کرتے۔

قصاص و دیت کے بارہ میں سب مسلمان برابر ہیں

(۲۶) **وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُونَ تَتَكَافَأُونَ بَيْنَهُمْ وَيَسْتَعْنِي بَيْنَهُمْ إِذَا مَاتَ وَبَرَدَ عَسِيْبُهُمْ أَفْصَاهُمْ وَهُمْ بَدُّ عَلِيٍّ مِنْ سِوَاهُمْ إِلَّا لَا يَقْبَلُ فِتْلَةً مَكَاْفٍ وَلَا دَوُّ عَهْدٍ فِي عَهْدِهِ رَوَاهُ الْإِسْنَادُ وَالتَّسَانُّ وَرَوَاهُ أَهْلُ مَحَدَاتِ عَنِّ عَنَّا۔**

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فہم کی کرم چٹکتے سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا قصاص اور دیت میں سب مسلمان برابر ہیں اور ایک ادنیٰ مسلمان بھی امان دے سکتا ہے اور دور والا مسلمان بھی حق رکھتا ہے اور سب مسلمان ایک ہاتھ کی طرح ہوتے ہیں (یعنی تمام مسلمان غیر مسلموں کے مقابلہ میں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہونے میں ایک ہاتھ کی مانند ہوتے ہیں کہ جس طرح کسی چیز کو پکڑنے یا سکون و حرکت کے موقع پر ایک ہاتھ کے تمام اجزاء میں کوئی مخالفت یا جدائی نہیں ہوتی اسی طرح مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ غیروں کے مقابلے پر متحد و متفق رہیں اور آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں) اور خبردار کافر کے بدلے میں مسلمان نہ مارا جائے اور نہ عہد والے (یعنی ذی اکو مارا جائے) جب تک کہ وہ عہد و ضمان میں ہے۔ ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے اس روایت کو ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔“

تشریح: ”سب مسلمان برابر ہیں“ کا مطلب یہ ہے کہ قصاص اور خون یہاں کے لینے دینے میں سب مسلمان برابر ہیں اور یکساں ہیں شریف اور رزیل میں، چھوٹے اور بڑے میں، عالم اور جاہل میں، امیر اور غریب میں اور مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ نہیں ہے کہ بڑے درجہ والے کو چھوٹے درجہ والا کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے، یا بڑی ذات والے کے خون یہاں کی مقدار پوری دی جائے اور چھوٹی ذات والے کے خون یہاں کی مقدار کم دی جائے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کہ اگر کوئی باحیثیت آدمی کسی کم حیثیت والے کو قتل کر دیتا تھا وہ تو قصاص میں اس کو قتل نہیں کرتے تھے بلکہ اس کے عوض میں اس کے قبیلے کے ان چند آدمیوں کو قتل کر دیتا تھا جو زیر دست ہوتے تھے۔

”اور ایک ادنیٰ مسلمان بھی امان دے سکتا ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسلمانوں میں کا کوئی ادنیٰ ترین فرد جیسے غلام یا عورت کسی کافر کو امان دے دے تو سب مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کافر کو امان دیں اور اس کے جان و مال کی حفاظت کا جو عہد اس مسلمان کی طرف سے کیا گیا ہے اس کو نہ توڑیں۔

”اور دور والا مسلمان بھی حق رکھتا ہے“ اس جملہ کے دو مطلب ہیں ایک تو یہ ہے کہ اگر کسی ایسے مسلمان نے جو دارالحرب سے دور رہ رہا ہے کسی کافر کو امان دے رکھی ہے تو ان مسلمانوں کے لئے جو دارالحرب کے قریب ہیں یہ جا کر نہیں ہے کہ اس مسلمان کے عہد امان کو توڑ دیں۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ جب مسلمانوں کا لشکر دارالحرب میں داخل ہو جائے، اور مسلمانوں کا امیر لشکر کے ایک دستہ کو کسی دوسری سمت بھیج دے اور پھر وہ دستہ مال غنیمت لے کر واپس آئے تو وہ مال غنیمت صرف اسی دستہ کا حق نہیں ہوگا، بلکہ وہ سارے لشکر والوں کو تقسیم کیا جائے گا۔

”جب تک کہ وہ عہد و ضمان میں ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ جو کافر جزیہ (ٹیکس) ادا کر کے اسلامی سلطنت کا وفادار شہری بن گیا ہے اور اسلامی سلطنت نے اس کے جان و مال کی حفاظت کا عہد و ضمان کر لیا ہے تو جب تک وہ جزیہ دے اور اپنے ذی ہونے کے منافی کوئی کام نہیں کرتا اس کو مسلمان قتل نہ کرے بلکہ اس کی حفاظت کو ذمہ داری سمجھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی قانون حکومت کی نظر میں ایک ذی کے خون کی بھی دینی قیمت ہے جو ایک مسلمان کے خون کی ہے لہذا اگر کوئی مسلمان کسی ذی کو ناحق قتل کر دے تو اس کے قصاص میں اس کے قاتل مسلمان کو قتل کر دینا چاہئے جیسا کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے۔

اس نکتہ سے حدیث کے اس جملہ ”کافر کے بدلے میں مسلمان کو نہ مارا جائے“ کا مفہوم بھی واضح ہو گیا کہ یہاں ”کافر“ سے مراد حربی کافر ہے نہ کہ ذی احوال یہ کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک کسی مسلمان کو حربی کافر کے قصاص میں تو قتل نہ کیا جائے لیکن ذی کے قصاص میں قتل کیا جائے اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک کسی مسلمان کو کسی بھی کافر کے قصاص میں قتل نہ کیا جائے خواہ وہ کافر حربی ہو یا ذی۔

مقتول یا زخم خوردہ کے ورثاء کا حق

(۷۷) وَعَنْ أَبِي شُرَيْبٍ الْخَوَّارِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ أُصِيبَ بَدَنٌ أَوْ خَبِلَ وَالْحُلُّ الْخُرْجُ فَهُوَ بِالْخِيَارِ بَيْنَ اخْتِلَافٍ ثَلَاثٍ فَإِنْ أَرَادَ الزَّائِفَةَ فَخُذُوا عَلَى يَدَيْهِ نَبِيَّ أَنْ يَفْتَضَّ أَوْ يَغْفُوا أَوْ يَأْخُذَ الْغُفْلَ فَإِنْ أَخَذَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا نَمَّ عَدَا بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ الثَّأْنُ خَالِدًا فِيهَا مَا خَلَدْنَا أَبَدًا (رواه الدارمی)

”اور حضرت ابو شریب خروائی کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”جو شخص قتل یا زخم کی وجہ سے غمزدہ ہو یعنی جس شخص کے مورث کو ناخن قتل کروایا گیا ہو یا اس کے جسم کا کوئی عضو کاٹ دیا گیا ہو تو وہ میں چیزوں میں کسی ایک چیز کا اختیار کرنے کا حقدار ہے اور اگر وہ ان تینوں چیزوں سے (اس کا) کسی چیز کا طلب کرے تو اس کا ہاتھ پکڑ لو (یعنی اس کو وہ چیز بھی چیز طلب کرنے سے منع کر دو) اور وہ تین چیزیں یہ ہیں۔ ① یا تو وہ قصاص لے سکے ② یا سزا دیں کر دے ③ اور یا مالی معاوضہ لے سکے۔ پھر اگر اس نے ان چیزوں میں سے کسی ایک چیز کا اختیار کیا اور اس کے بعد کسی دوسری چیز کا اضافہ کیا (یعنی مثلاً پہلے تو اس نے معاف کر دیا اور پھر بعد میں قصاص یا مالی معاوضہ کا مطالبہ کیا تو اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس میں اس کو ہمیشہ رکھا جائے گا جیسا کہ اس سے نہیں ملے گا۔“ (دارمی)

تشریح: خالداً فیہا ما خلدنا اس جملہ میں ”تا نکد کے بعد تاکید“ کا اسلوب سخت زجر و تنبیہ اور شدید وعید کے اظہار کے لئے ہے۔ دوزخ میں ہمیشہ رہنے کے بارے میں جو وضاحت پہلی فصل میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت نمبر سات کے ضمن میں کی جا چکی ہے وہی وضاحت یہاں بھی پیش نظر آتی چاہئے۔

قتل خطاء کا حکم

(۷۸) وَعَنْ عَدُوٍّ مِنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قُتِلَ لِمِنْ عَتِيَّةٍ فَمِنْ ذِمِّيٍّ يَكُونُ نَفْسُهُمْ بِالْجَحَاةِ أَوْ حُلْدٍ أَوْ حَبِيبٍ أَوْ حَرْبٍ بَعْضُ فَهُوَ خَطَاةٌ وَعَقْلُهُ غُفْلٌ الْخَطَاةُ وَمَنْ قُتِلَ عَنْهُمْ فَهُوَ ذُوٌّ مِنْ حِلٍّ ذُوُّهُ فَعَلِيهِ لِقَاءُ اللَّهِ غَضَبُهُ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ (رواه ابو داؤد والبیہقی)

”اور حضرت عدویٰ ابن عباسؓ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص لوگوں کے درمیان پھر: میں یا کوڑوں اور لاشوں کی اندھا دھند مار میں مارا جائے (یعنی یہ نہ پتہ چلے) کہ اس کا قاتل کون ہے تو یہ قتل اگنا نہ ہونے کے اعتبار سے) قتل خطاء سے حکم میں ہوگا کہ کوئی دھمکا یا قصد قتل مارا گیا ہے اور اس کی دیت، قتل خطا کی دیت ہے۔ اور جو شخص جان بوجھ کر مارا گیا ہو تو اس کا قتل قتل قصاص سے ہوگا اور جو شخص قصاص لینے میں حائل (مزامم) ہو اس پر اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہے۔ نہ اس کے قتل قبول سے جائے اور نہ فرض۔“ (ابو داؤد)

تشریح: ”لوگوں کے درمیان پھر ادا“ کا مطلب یہ ہے کہ خطا زد کسی ایسی جگہ گھر گیا جہاں دو مخالف گروہ آپس میں لڑتے تھے۔ اور دونوں طرف سے ایک دوسرے پر پتھر اڑھو رہا تھا کہ اپنی ایک پتھر اس (زید) سے آکر لگا۔ اور وہ مر گیا۔ کوئی اگر کوئی شخص پتھر کی ضرب سے مر جائے بلکہ ہوں کہے کہ یہاں ”پتھر“ کا ذکر محض اتفاق سے مراد ہے کہ کسی بھی قاتل (بجاری) چیز کی ضرب سے مر جائے تو یہ قتل قصاص و واجب نہیں کرتا بلکہ اس میں دیت واجب ہوتی ہے اور دیت بھی وہ جو قتل خطاء میں واجب ہوتی ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں قتل خطاء کا ”شہرہ عم“ کہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت امام عظیم ابو حنیفہؒ کے نزدیک شہرہ عم کی تعریف یہ ہے کہ ”وہ قتل جو کسی غیر دھاردار چیز سے واقع ہوا ہو اگرچہ کوئی ایسی چیز نہ ہو جس سے اکثر بلائیں واقع ہو جاتی ہو“ لیکن صاحبین اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک شہرہ عم کی

تعریف یہ ہے کہ وہ قتل جو بارادہ قتل کسی ایسی چیز سے ہوا جو جس سے اکثر بلاک واقع نہ ہوتی ہو اور جو قتل کسی ایسی چیز سے ہوا جس سے اکثر بلاک واقع ہو جاتی ہو قتل عمد میں داخل ہوگا۔ لہذا حدیث میں مذکورہ چیزیں یعنی پتھر اور لاٹھی، حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک تو اپنے مطلق معنی پر محمول ہیں کہ خلوہ وہ ہلکی ہوں یا بھاری، جب کہ صاحبین اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک یہ چیزیں ”ہلکی (غیر مشعل) ہونے پر محمول ہیں، گویا خلاصہ یہ نکلا کہ جو قتل مشعل (بھاری) چیز کے ذریعہ ہوا اس میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک قصاص واجب نہیں ہوگا اور صاحبین اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مذکورہ بالا تفصیل کا اعتبار کیا جائے گا۔

”جو شخص قصاص لینے میں حائل ہو اٹخ“ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مقتول کے وارثوں سے قصاص نہ لینے دے تو اس کے بارے میں بطور زجر تشدید اور تہدید و عید یہ فرمایا گیا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور اس کا غضب نازل ہوگا۔ یعنی وہ خدا کی ناراضگی کا موجب بنے گا۔

قتل کی قسمیں: فقہاء کے نزدیک قتل کی پانچ قسمیں ہیں۔ ① قتل عمد۔ ② قتل شبه عمد۔ ③ قتل خطا۔ ④ قتل جاری مجری خطا۔ ⑤ قتل بسبب۔ ① قتل عمد یہ ہے کہ مقتول کو کسی چیز سے مارا جائے جو اعضاء کو جدا کر دے (یا اجزاء جسم کو پھاڑ ڈالے) خواہ وہ قصاص کی قسم سے ہو یا پتھر، لکڑی، بھینچ کی قسم سے کوئی تیز (دھار دار) چیز ہو اور بارہ آگ کا شعلہ ہو، صاحبین کے نزدیک قتل عمد کی تعریف یہ ہے کہ ”مقتول کو بارادہ قتل کسی بھی ایسی چیز سے مارا جائے جس سے عام طور پر انسان کو ہلاک کیا جاسکتا ہے“ قتل عمد کا مرتب سخت گنہ گار ہوتا ہے اور اس قتل کی سزا قصاص (یعنی مقتول کے بدلے میں قاتل کو قتل کر دینا) ہے الا یہ کہ مقتول کے ورثاء اس کو معاف کر دیں یا دیت (دلی معوضہ) لینے پر راضی ہو جائیں، اس میں گفارہ واجب نہیں ہوتا۔

② قتل شبه عمد۔ یہ ہے کہ مقتول کو مذکورہ بالا چیزوں (قصاص اور دھار دار چیز وغیرہ) کے علاوہ کسی اور چیز سے قصداً ضرب پہنچائی گئی ہو قتل کی یہ صورت بھی (باعتبار ترک عزیمت اور عدم احتیاط) گنہ گار کرتی ہے، لیکن اس میں قصاص کی بجائے قاتل کے عاقلہ (برادری کے لوگوں) پر دیت مفطلہ واجب ہوتی ہے (دیت مفطلہ چار طرح کے سوا دوسروں کو کہتے ہیں، لیکن اگر بلاک واقع نہ ہو تو قصاص واجب ہوتا ہے۔ یعنی اس کی وجہ سے مرنے کی بجائے مضروب کا کوئی عضو کٹ گیا ہو تو مارنے والے کا بھی وہی عضو کاٹا جائے گا۔ ③ قتل خطا کی دو قسمیں ہیں، ایک تو یہ کہ ”خطا“ کا تعلق ”قصداً“ سے ہو، مثلاً ایک چیز کا شکار گمان کر کے تیرا گولی کا نشان بنایا گیا مگر وہ آدمی نکلا، کسی شخص کو حربی کا فوجہ کر تیرا گولی کا نشان بنایا مگر وہ مسلمان نکلا۔ دوسرے یہ کہ ”خطا“ کا تعلق ”فعل“ سے ہو مثلاً کسی خاص نشان پر تیرا گولی چلائی گئی مگر وہ تیرا گولی بہت کر کسی آدمی کے جا لگی۔

④ قتل جاری مجری خطا کی صورت یہ ہے مثلاً ایک شخص سوتے میں کسی دوسرے شخص پر چاڑھا اور اس کو ہلاک کر ڈالا قتل خطا اور جاری مجری خطا میں گفارہ لازم آتا ہے اور عاقلہ پر دیت واجب ہوتی ہے، نیز ان صورتوں میں (باعتبار ترک عزیمت) گناہ بھی ہوتا ہے۔ ⑤ قتل بسبب یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص نے دوسرے شخص کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کنواں کھدایا کوئی پتھر رکھ دیا اور کوئی میرا شخص اس کنوئیں میں گر کر یا اس پتھر سے ٹھوکر کھا کر مر گیا۔ اس صورت میں عاقلہ پر دیت واجب ہوتی ہے گفارہ لازم نہیں آتا۔ یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ قتل کی پہلی چار قسمیں یعنی عمد، شبه عمد، اور جاری مجری خطا میں قاتل، مقتول کی میراث سے محروم ہو جاتا ہے (اور وہ صورت کہ مقتول، قاتل کا مورث ہو) اور پانچویں قسم یعنی ”قتل بسبب“ میں قاتل، مقتول کی میراث سے محروم نہیں ہوتا۔

قاتل سے دیت لینے کے بعد پھر اس کو قتل کر دینا ناقابل معافی جرم ہے

(۴۹) وَغَن جَابِرٌ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُعْفَى عَنْ قَتْلِ بَعْدَ أَخَذِ الدِّيَةِ۔ (رواد، ۱۱۰)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”مقتول کے ولی اور وارثوں میں سے (جو شخص قاتل سے) دیت (خون بہا) لینے

کے بعد اس کو قتل کرے گا میں اس کو معاف نہیں کروں گا بلکہ اس کو بھی بطور قصاص قتل کروں گا۔“ (ابوداؤد)

زخمی کر دینے والے کو معاف کرنے کا اجر

(۳۵) وَعَنْ أَبِي الدُّدَّاءِ فَإِنْ سَمِعْتَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ هَاهُنَا زَجَلٌ يُضَابُ بِشَيْءٍ مِنْ جَسَدِهِ فَتَضَدَّ بِهِ الْأَرْفَعَةَ اللَّهُ بِهِ ذَرْجَةً وَحَقَّ عَنْهُ خَطِيئَةٌ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

”اور حضرت ابودرداء کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”جس شخص کے بدن کے کسی حصہ کو زخمی کیا گیا اور اس نے زخمی کرنے والے کو معاف کر دیا یعنی اس سے کوئی بدلہ نہیں لیا بلکہ درگزر کیا اور تقدیر الہی پر صابر رہا تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند کرے گا اور اس کا ایک گناہ معاف کر دے گا۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

الفصل الثالث

ایک آدمی کو لگی آدمی مل کر قتل کریں تو سب ہی قصاص کے سزاوار ہوں گے

(۳۱) عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَتَلَ نَفَرًا خَمْسَةً أَوْ سِتَّةً مِنْ جُلٍّ وَاجِدٍ قَتَلُوهُ قَتْلَ خَيْلَةٍ وَقَالَ عُمَرُو لَوْ لَمْ يَلَا عَلَيْهِ أَهْلٌ صَنَعَاءُ لَفَتَنَّا لَهُمْ خَيْمَتَهُمَا زَوَاهُ مَالِكٌ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ عَنْ ابْنِ عُمَرَ نَحْوَهُ۔

”اور حضرت سعید ابن مسیبؓ راوی ہیں کہ حضرت عمر ابن خطابؓ (خلیفہ المسلمین) نے ایسے پانچ یا سات آدمیوں کی ایک جماعت کو قتل کیا جنہوں نے قریب اور دوسرے سے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ نیز حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”اگر صنعاہ والے سب اس شخص کو قتل کر دیتے یا قاتلوں کی مدد کرتے تو میں ان سب کو قتل کر دیتا۔ (مالک) امام بخاریؒ نے بھی حضرت ابن عمرؓ سے اسی کے عند نقل کیا ہے۔“

تشریح: ”صنعاہ“ یمن کا ایک مشہور شہر ہے جو آج کل اپنے ملک کا دار الحکومت بھی ہے، حضرت عمرؓ نے ”صنعاہ“ کا ذکر کیا تو اس لئے کیا کہ جن قاتلوں کو انہوں نے قتل کیا تھا قصاص میں وہ سب ہی صنعاہ کے ہی رہنے والے تھے، یا یہ کہ اہل عرب کے ہاں کسی چیز کی زیادتی اور کثرت کو ظاہر کرنے کے لئے اپنے کام میں ”صنعاہ“ مثل کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ اگر ایک شخص کو قتل کرنے میں کسی آدمی شریک ہوں تو قصاص میں ان سب کو قتل کر دینا چاہئے۔

قیامت کے دن مقتول اپنے قاتل کو پکڑ کر خدا سے فریاد کرے گا

(۳۲) وَعَنْ جُنْدُبٍ فَإِنْ حَدَّثَنِي فَلَاَنْ أَرَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَحْنَى الْمَقْتُولُ بِقَاتِلِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُ سَلْ هَذَا فَيَقُولُ فَيَقُولُ قَتَلْتُهُ عَلَى مَالِكٍ فَلَاَنْ قَالَ جُنْدُبٌ فَأَتَقَهَمَا (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت جندبؓ کہتے ہیں کہ مجھے فلاں صحابی نے (کہ جن کا نام یا تو حضرت جندبؓ ہی سے تھا یا انہوں نے نام لیا لیکن راوی کے ذہن میں وہ نام نہیں رہا) یہ حدیث بیان کی کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”قیامت کے دن مقتول اپنے قاتل کو (پکڑ کر) لائے گا اور اللہ تعالیٰ سے (فریاد کرے گا کہ ”اس سے پوچھئے کہ اس نے مجھ کو کس وجہ سے قتل کیا تھا؟ چنانچہ قاتل کہے گا کہ میں نے اس کو فلاں شخص کی سلطنت میں قتل کیا تھا“ جندبؓ نے (یہ حدیث بیان کرنے کے بعد) کہا کہ ”تم اس سے پوچھ“۔“ (نسائی)

تشریح: بظاہر مقتول کے سوال اور قاتل کے جواب میں کوئی مطابقت نظر نہیں آتی، کیونکہ مقتول نے تو قتل کا سبب پوچھا تھا کہ قتل کی جگہ کو دریافت کیا تھا؟ اس بارہ میں شاعرین لکھتے ہیں کہ قاتل کے جملہ ”میں نے اس کو فلاں شخص کی سلطنت میں قتل کیا تھا“ کی مراد یہ ہے کہ میں فلاں حاکم یا فلاں بادشاہ یا فلاں و نیا دار کے زمانہ میں اس کی مدد سے یا اس کے ایماء پر اس قتل کا ارتکاب کیا تھا۔ لیکن یہ معنی

اس صورت میں ہوں گے جب کہ روایت میں لفظ ”ملک“ بمعنی کے پیش کے ساتھ (یعنی ملک) ہو اور اگر یہ لفظ بمعنی کے زیر کے ساتھ (یعنی ملک) ہے تو پھر یہ معنی مراد ہوں گے کہ میں نے اس کو جکڑنے کے دوران قتل کیا تھا جو میرے اور اس کے درمیان فلاں شخص (مثلاً زید کی عملداری میں ہوا تھا) اس اعتبار سے قاتل کا ذکر ہوا۔ جملہ بیان واقعہ کے لئے ہو گا۔

جندبؓ کے قول ”تم اس سے بچو“ سے مراد مخاطب کو قتل اور قتل میں مدد دینے سے نیز جکڑنا سدا کرنے سے جو عام طور پر قتل کا باعث ہوتا ہے، روکنا ہے، مگر کہتے ہیں کہ حضرت جندبؓ نے ایک بادشاہ کو نصیحت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی تھی اور مذکورہ جملہ کا مخاطب وہی بادشاہ تھا، اس سے حضرت جندبؓ کا مقصود یہ تھا کہ بادشاہ کسی ظالم کی مدد نہ کرے۔

قاتل کی مدد کرنے والے کے بارہ میں وعید

(۳۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَعَانَ عَلَى قَتْلِ مُؤْمِنٍ شَطَطَ كَلْبُهُ لِقَى اللَّهَ مَكْنُوثٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ اِيش مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص آدمی جملہ کہہ کر بھی کسی مؤمن کے قتل میں مدد کرے گا (یعنی مثلاً اقل پورا نہیں کیا جملہ صرف اتنا کہا تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان یہ لکھا ہو گا“ یہ اللہ کی رحمت سے ناامید ہے۔“ (ابن ماجہ)۔

تشریح: مسلمان کو قتل کرنا گناہ کی شدت و سختی میں کفر کے مشابہ ہے، اس اعتبار سے یہ جملہ ”یہ اللہ کی رحمت سے ناامید ہے“ کو یا کفر کا کنایہ پیرایہ اظہار ہے کیونکہ آیت کریمہ: لَا يَشْفِيهِمْ مِنْ ذُنُوبِهِمْ إِلَّا الْقَوْلُ الْكَافِرُونَ ترجمہ۔ اللہ کی رحمت سے کافروں کی قوم ہی ناامید ہوتی ہے۔ کے بموجب اللہ کی رحمت سے ناامیدی صرف کافر کے لئے ہے۔

اس جملہ کا ماحصل یہ ہے کہ ایسا شخص قیامت کے دن مذکورہ علامت کے ذریعہ خلافت کے درمیان رسوا ہو گا۔ لیکن یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ حدیث کا مفہوم یا تو ایسے شخص کے بارہ میں سخت وعید و تہدید پر محمول ہے، یا پھر اس کا محمول وہ شخص ہے جو قتل مؤمن میں معاونت کو حلال جان کر اس کا مرتکب ہو۔

قاتل کے مددگار کو تعزیراً قید کیا جائے

(۳۳) وَعَنْ ابْنِ عُثْمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَمْسَكَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ وَقَتْنَهُ الْآخِرَ نَفْسُ الَّذِي قُتِلَ وَيُخَشِّسُ الَّذِي أَمْسَكَهُ۔ (رواہ الدارقطني)

”اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے کہ آپ نے فرمایا ”جب ایک شخص کسی آدمی کو پکڑے اور دوسرا اس کو قتل کر دے (تو مقتول کے بدلہ میں) اس شخص کو قتل کیا جائے جس نے اس کو قتل کیا ہے اور پکڑنے والے کو سزا کے قیدوی جائے۔“ (دارقطنی)

تشریح: جس طرح کسی عورت کو ایک شخص پکڑے اور دوسرا شخص اس سے زنا کرے تو پکڑنے والے پر حد جاری نہیں کی جاتی اسی طرح مقتول کو پکڑنے والے سے بھی قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ اس کو بطریق تعزیر قید کیا جائے گا اور قیدی کی مدت کا انحصار حاکم و قاضی کی رائے پر ہو گا کہ وہ جتنی مدت کے لئے مناسب سمجھے سزا کے قید دے۔ یہ بعض شارحین کی تصریح ہے، لیکن یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ مقتول کو پکڑنا دراصل اس کے قتل میں معاونت کرنا ہے اور دوسری احادیث کی روشنی میں قتل کے مددگار کی سزا بھی قصاص ہی ہے، اس اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

غشی نے ملحق میں مذکور یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو شیر یا کسی اور درندے کے سامنے ڈال دے اور وہ شیر یا درندہ اس شخص

کو مار ڈالے تو اس صورت میں ڈالنے والے پر قصاص واجب ہو گا اور نہ دیت بلکہ اس کے لئے یہ سزا ہے کہ جب تک وہ توبہ نہ کرے اس کو قید میں ڈالا جائے اور اس طرح بارہا جلتے کہ اس کا جسم درد کرنے لگے۔

بَابُ الدِّيَاتِ

دیات کا بیان

دیت کے معنی اور اس کی قسمیں: ”دیات“ جمع ہے دیت کی جس کے معنی ہیں ”مالی معاوضہ“ ”گویا“ ”دیت“ اس مال کو کہتے ہیں جو جان کو ٹھم کرنے یا کسی شخص کے جسمانی اعضاء کو ناقص (مجرد و مجروح) کرنے کے بدلہ میں دیا جاتا ہے اعتراف میں جمع کا لفظ ”دیات“ دیت کی انواع (قسموں) کے اعتبار سے لایا گیا ہے اس سے یہ اظہار مقصود ہے کہ دیت کی مختلف قسمیں ہیں مثلاً ایک دیت تو وہ ہوتی ہے جو کسی کو جان سے مار ڈالنے کے بدلہ میں دی جاتی ہے اور ایک دیت وہ ہوتی ہے جو اعضاء کے نقصان کے بدلے میں دی جاتی ہے۔ پھر نوعیت و حیثیت کے اعتبار سے بھی دیت دو طرح کی ہوتی ہے ایک تو منقطع کہلاتی ہے اور دوسری کو مخففہ کہتے ہیں۔

دیت منقطع تو یہ ہے کہ چار طرح کی سواو نسیاں ہوں یعنی پچیس ہنٹ خاص (جو ایک سال کی ہو کر دوسرے سال میں لگی ہو) پچیس بنت لبون (جو دو سال میں لگی ہو) پچیس حقد (جو تین سال کی ہو کر چوتھے سال میں لگی ہو) اور پچیس جذعہ (جو چار سال کی ہو کر پانچویں سال میں لگی ہو) یہ تفصیل حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے مسلک کے مطابق ہے، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک دیت منقطع یہ ہے کہ تین طرح کی سواو نسیاں ہوں یعنی تیس حقد، تیس جذعہ اور چالیس مشنہ (جو پانچ سال کی ہو کر چھ سال میں لگی ہو) اور سب حاملہ ہوں۔ دیت مخففہ اس شخص پر واجب ہوتی ہے جو قتل شبہ عمدہ کا مرتکب پایا گیا ہو۔

دیت مخففہ یہ ہے کہ اگر سونے کی قسم سے دیت دی جائے تو اس کی مقدار ایک ہزار درہم (اشرفی) ہے اور اگر چاندی کی قسم سے دی جائے تو دس ہزار درہم دیئے جائیں گے اور اگر اونٹ کی قسم سے دے تو پانچ طرح کے سواونٹ دینے ہوں گے یعنی تیس ابن عیسیٰ (وہ اونٹ جو ایک سال کے ہو کر دوسرے سال میں لگے ہوں) تیس بنت عیسیٰ بنت لبون، تیس حقد اور تیس جذعہ دیت مخففہ اس شخص پر واجب ہوتی ہے جو قتل خطاء یا قتل جاری مجرئی خطا اور یا قتل تہیب کا مرتکب پایا گیا ہو۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

انگلی کا نئے کی دیت

① عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَذِهِ سَوَاءٌ بَيْنِي وَالْجَنَاحِ وَالْأَنْهَامِ - (رواہ بخاری)

”حضرت ابن عباسؓ کا نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ”یہ اور یہ یعنی آپؐ کے ہاتھ کے سب سے پھوٹی انگلی اور انگوٹھے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ انگوٹھا اور انگوٹھا دیت کے اعتبار سے اردو نوں برابر ہیں۔“ (بخاری)

تشریح: اگر کوئی شخص کسی کے دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں کی تمام انگلیاں کاٹ دے تو چونکہ اس نے ایک انسان کو اس کی منفعت کے ایک بہت بڑے ذریعہ سے محروم کر دیا اس لئے اس پر بطور سزا پوری دیت واجب ہوگی اس اعتبار سے ہر انگلی کاٹنے پر پوری دیت (یعنی سواونٹ) کا دسواں حصہ دینا واجب ہوگا، اسی کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ انگوٹھے اور چنگلیاں کی دیت برابر ہے اگرچہ انگوٹھے میں دو گانٹھ اور چنگلی میں تین گانٹھ ہوتی ہیں لیکن اصل منفعت میں دونوں انگلیوں کے مساوی ہونے کے اعتبار سے گانٹھ کی کمی زیادتی کا اعتبار نہیں ہوگا جس طرح کہ دائیں اور بائیں میں فرق نہیں ہوتا اور جب ہر انگلی میں پوری دیت کا دسواں حصہ واجب ہوگا تو انگلی کی ہر گانٹھ کی دیت

میں اسی حساب کا اعتبار ہو گا کہ انگلی کی دیت میں سو سو حصہ کا تہائی دینا ہو گا اور انگوٹھے کی ہر ایک گانٹھ کی دیت میں سو سو حصہ کا آدھا دینا ہو گا کیونکہ انگوٹھے میں دو گانٹھ ہوتی ہیں اور انگلیوں میں تین گانٹھ ہوتی ہیں۔

حمل کے بچہ کی دیت

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَبِيبِ امْرَأَةٍ مِنْ بَنِي إِسْحَانَ سَقَطَ مَهْثًا بِغُرَّةٍ عَنْدَ أُمِّهِ ثُمَّ إِنَّ امْرَأَةَ التَّيْنِ قَضَى عَلَيْهَا بِالْغُرَّةِ ثَوْبَيْتٌ فَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَنَّ وَبِئِزَّاءَ لَيْبِنَهَا وَذَوَّجَهَا وَالْعَقْلَ عَلَى عَصَبَتَيْهَا۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بنی اسحان کی ایک عورت سے اس کے بچہ کی دیت میں جو مردہ اس کے پیٹ سے گر پڑا تھا (عائلہ پر) غرہ واجب کیا تھا، اور غرہ سے مراد غلام یا لونڈی ہے، پھر جب وہ عورت کہ جس کے عائلہ پر غرہ واجب کیا تھا (مرگئی تو آپ نے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ اس کی میراث اس کے بیٹوں اور خاوند کے لئے ہے اور اس کی دیت اس کے عصبہ پر ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ دو عورتیں آپس میں لڑ پڑیں اور ان میں سے ایک نے دوسری عورت کے پتھر کھینچ مارا اتفاق سے وہ عورت حاملہ تھی اور پھر اس کے پیٹ پر لگا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بچہ اس کے پیٹ میں تھا اس پتھر کی چوٹ سے مرگ پیٹ سے باہر آ گیا چنانچہ اس کی دیت میں پتھر مارنے والے کے عائلہ (یعنی اہل خاندان) پر ایک غرہ یعنی ایک لونڈی یا ایک غلام واجب کیا گیا، اور اگر وہ بچہ زندہ پیدا ہو کر بعد میں مرجاتا یا اگر وہ بچہ زندہ پیدا ہوتا اور اس کے بعد وہ پتھر مارتی اور اس پتھر کی چوٹ سے وہ بچہ مرجاتا تو اس صورت میں پوری دیت واجب کی جاتی۔

غرہ اصل میں تو اس سفیدی کو کہتے ہیں جو گھوڑے کی پیشانی پر ہوتی ہے، پھر سفید رنگ کے غلام یا لونڈی کو بھی غرہ کہا جانے لگا لیکن یہاں مراد مطلق غلام یا لونڈی ہے، ویسے فقہاء کے نزدیک ”غرہ“ سے دیت کا یہ سوال حصہ یعنی پانچ سو درہم مراد ہے۔

”اور اس کی دیت اس کے عصبہ پر ہے“ میں عصبہ سے مراد عائلہ ہیں اس جملہ سے یہ واضح کرنا مراد ہے کہ اگرچہ اس کی دیت اس کے عائلہ یعنی خاندان اور برادری والوں پر واجب ہوگی مگر وہ خاندان اور برادری والے اس کی میراث کے وارث نہیں قرار پائیں گے کیونکہ کسی کی دیت کا ذمہ دار ہونے سے اس کی میراث کا حقدار ہونا لازم نہیں آتا، بلکہ اس کی میراث تو انہی لوگوں کو ملے گی جو اس کے شرعی وارث ہیں، اب رہی یہ بات کہ یہاں وارثوں میں صرف بیٹوں اور خاوند کی تخصیص کیوں کی گئی تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں جس عورت کا ذکر ہے اس کے درہم میں صرف انہی لوگ موجود ہوں گے اس لئے انہی کا ذکر کیا گیا اور نہ مقصود یہ ہے کہ میراث ہر اس وارث کو ملے گی جو موجود ہو جیسا کہ اگلی حدیث کے الفاظ وَ ذَئِهَا وَلِلْعَاوِ مِنْ مَعَهُم سے واضح ہے۔

پتھر کے ذریعہ ہونے والے قتل میں دیت واجب ہوگی

③ وَعَنْهُ قَالَ اِقْتُلْتُ امْرَأَتَانِ مِنْ هُرَیْلَ فَرَمَتْ اِحْدَهُمَا الْاُخْرَى بِحَجَرٍ فَقَتَلَتْهَا وَمَا لِي بِتَلْبِئِهَا فَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ دِيَةَ حَبِيبَتِهَا غُرَّةٌ عَبْدٌ أَوْ وَلِيدَةٌ وَقَضَى بِدِيَةِ امْرَأَةٍ عَلَى عَاقِلِيهَا وَذَئِهَا وَوَلَدَها وَمَنْ مَعَهُمْ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) قبیلہ ہزہل کی دو عورتیں آپس میں لڑ پڑیں چنانچہ ان میں سے ایک عورت نے دوسری کے پتھر کھینچ مارا جس سے وہ عورت بھی مر گئی اور اس کے پیٹ کا بچہ بھی مر گیا چنانچہ رسول کریم ﷺ نے حکم فرمایا کہ متوہ کہ اس بچہ کی دیت جو اس کے پیٹ میں مر گیا غرہ یعنی ایک لونڈی یا ایک غلام ہے، اور حکم فرمایا کہ متوہ کی دیت، تاکہ کے خاندان و برادری والوں پر ہے نیز

(نسائی، ابن ماجہ، دارمی) ابو داؤد نے اس روایت کو ابن عمر اور ابن عمرو دونوں سے نقل کیا ہے، نیز شرح السنہ میں یہ روایت ابن عمر سے بالفاظ مصراح نقل کی گئی ہے۔

تشریح: یہ روایت بالفاظ مصراح یوں ہے "الان فی قتل العمد المخطئ بالسوط والعصا ما نعلم من الابل مغلطة مها الربعون خلقه فی بطونہا اولادہا یعنی جو نانا چاہے کہ قتل عمر خطا جو کوڑے اور لاٹھی کے ذریعہ واقع ہوا ہو اس کی دیت سزا و دیت مغلطہ ہے جن میں چالیس اونٹیاں ایسی بھی ہوتی چالیس جن کے پیٹ میں بچے ہوں۔ گویا اس روایت میں قتل عمر خطا سے مراد قتل خطا شبہ عمر ہے جو اوپر کی روایت میں مذکور ہوا۔

اس بارہ میں یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ ارتکاب میں یا عمد کا دخل ہوتا ہے یا شبہ عمد کا اور یا خطا محض کا۔ قتل عمد سے تو یہ مراد ہوتا ہے کہ کسی شخص کو جان بوجھ کر کسی ایسی چیز (مثلاً ہتھیار یا دھاردار آلہ) سے ہلاک کیا جائے جو اعضاء جسم کو جدا کر دے، یا پھاڑ ڈالے، اور شبہ عمد کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ کسی شخص کو جان بوجھ کر کسی ایسی چیز سے ہلاک کیا جائے جو دھاردار اور ہتھیار کی قسم سے نہ ہو خواہ عام طور پر اس چیز سے انسان کو ہلاک کیا جاسکتا ہو، یا ہلاک نہ کیا جاسکتا ہو، اور قتل خطا یہ ہے کہ کسی کو خطا (یعنی بلیا قصد قتل یا نشانہ کی خطا سے) ہلاک کر دیا جائے۔ ان تینوں کا ذکر پچھلے صفحات (مگر شہ قضا میں گورچکا ہے اور یہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کے مطابق ہے۔ چنانچہ وہ اس حدیث میں مذکورہ "لاٹھی" کو مطلق معنی پر محمول کرتے ہیں کہ خواہ وہ ہلکی ہو یا بھاری، جب کہ دوسرے ائمہ چونکہ یہ کہتے ہیں کہ کسی ایسی بھاری چیز سے قتل کرنا جس سے عام طور پر انسان کو قتل کیا جاسکتا ہو قتل عمد کے حکم میں ہے اس لئے وہ "لاٹھی" کو ہلکی لاٹھی پر محمول کرتے ہیں یعنی ان کے نزدیک یہاں وہ ہلکی لاٹھی (چھڑی) مراد ہے جس سے عام طور پر انسان کو ہلاک نہ کیا جاسکتا ہو۔

بعض روایتوں میں "دیت" کے ساتھ مغلطہ کا لفظ بھی مقول ہے جیسا کہ مذکورہ بالا مصاح کی روایت میں بھی یہ لفظ موجود ہے۔ چنانچہ قتل شبہ عمد میں دیت کی تغلیظ حضرت ابن مسعودؓ، حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک تو یہ ہے کہ چار طرح کے سوا دت واجب ہوں جن کی تفصیل ابتداء باب میں گورچکا ہے اور حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک تغلیظ یہ ہے کہ تین طرح کے سوا دت واجب ہوں ان کی تفصیل بھی ابتداء باب میں گورچکا ہے لیکن قتل خطا میں بالاتفاق دیت مغلطہ واجب نہیں ہوتی بلکہ اس میں پانچ طرح کے سوا دت واجب ہوتے ہیں یعنی تیس ابن حنابل، تیس بنت خاض، تیس بنت لبون، تیس حقہ اور تیس جہد۔

دیت مغلطہ کی تفصیل کے سلسلہ میں یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام محمدؒ کے مسلک کی دلیل ہے، لیکن حنفیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث اس حدیث کے معارض ہے جو حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت سائبؓ ابن خدیجہ سے مروی ہے لہذا ائمہ نے متعین پر عمل کیا ہے۔

مختلف اعضاء جسم کی دیت

② وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ بْنِ مُحَمَّدٍ بْنِ عَمْرِو بْنِ خَزْمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَى أَهْلِ الْيَمَنِ وَكَانَ فِي كِتَابِهِ أَنْ مَنْ اغْتَبَطَ مُؤْمِنًا قَتَلًا فَإِنَّهُ قَدْ دَبِدَ إِلَّا أَنْ يَرِضَى أَوْ لِيَاءُ الْمُغْتَبَطِ وَلِيهِ أَنْ الرَّجُلُ يُقْتَلَ بِالْمَرْأَةِ وَلِيهِ فِي النَّفْسِ الدِّيَّةُ مِائَةٌ مِنَ الْإِبِلِ وَعَلَى أَهْلِ الذَّهَبِ أَلْفٌ دِينَارٌ وَفِي الْأَنْفِ إِذَا أُؤِجِبَ جَدُّهُ الدِّيَّةُ مِائَةٌ مِنَ الْإِبِلِ وَفِي الْأَسْنَانِ الدِّيَّةُ وَفِي الشَّفَتَيْنِ الدِّيَّةُ وَفِي الْبَيْضَتَيْنِ الدِّيَّةُ وَفِي الذَّكَرِ الدِّيَّةُ وَفِي الصُّلْبِ الدِّيَّةُ وَفِي الْغَنَينِ الدِّيَّةُ وَفِي الرَّحْلِ وَاجِدَةٌ نِصْفُ الدِّيَّةِ وَفِي الْمَأْمُومَةِ ثُلُثُ الدِّيَّةِ وَفِي الْجَائِفَةِ ثُلُثُ الدِّيَّةِ وَفِي الْمُسْقَلَةِ حُمْسُ عَشْرَةٍ مِنَ الْإِبِلِ وَفِي كُلِّ أَصْبَعٍ مِنْ أَصَابِعِ الْيَدِ وَالرَّحْلِ عَشْرٌ مِنَ الْإِبِلِ وَفِي السِّمِّ حُمْسٌ مِنَ الْإِبِلِ وَزَوْاهُ

النَّسَائِيُّ وَالذَّهْرِيُّ وَفِي رَوَايَةِ مَالِكٍ وَفِي الْعَيْنِ خَفْسُونَ وَفِي الْيَبِيدِ خَفْسُونَ وَفِي الرَّجُلِ خَفْسُونَ وَفِي الْمَوْجِبَةِ خَفْسٌ -

”اور حضرت ابو بکر ابن محمد ابن عمرو ابن حزم اپنے والد (حضرت محمد ابن عمرو) سے اور وہ ابو بکر کے دادا (حضرت عمرو ابن حزم) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اہل یمن کے پاس ایک ہدایت نامہ بھیجا جس میں لکھا ہوا تھا کہ جو شخص قصداً کسی مسلمان کو ناحق مار ڈالے (یعنی قتل عمد کا ارتکاب کرے) تو اس کے ہاتھوں کے فعل کا قصاص ہے (یعنی اس نے اپنے ہاتھوں کے فعل اور قصاص کے ذریعہ جو قتل عمد کیا ہے اس کی سزا میں اس کو بھی قتل کر دیا جائے) الا یہ کہ مقتول کے در ثاء راضی ہو جائیں (یعنی اگر مقتول کے وارث قاتل کو معاف کر دیں یا اس سے خون پہا لینے پر راضی ہو جائیں تو اس کو قتل نہ کیا جائے) اس ہدایت نامہ میں یہ بھی تھا کہ (مقتول) عورت کے بدلے میں (قاتل) مرد کو قصاص میں قتل کیا جائے۔ اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ ”جان کا خون پرہاسو اونٹ ہیں (یعنی جس کے پاس اونٹ ہوں وہ خون پرہاس میں مذکورہ تحصیل کے مطابق سو اونٹ دے) اور جس کے پاس سونا ہو وہ ایک ہزار دینار دے اور ناک کی دیت (جب کہ وہ سب کو توڑے گئے ہوں) پوری دیت (یعنی ایک سو اونٹ کی تعداد) ہے اور ہوتوں کی دیت (جب کہ وہ پورے کاٹ دیئے گئے ہوں) پوری دیت ہے اور دونوں خصیوں کے کاٹے جانے کی بھی پوری دیت ہے اور ٹیڈی کی بڑی ٹوڑے جانے کی پوری دیت ہے اور عضو خاص کے کاٹے جانے کی بھی پوری دیت ہے اور دونوں آنکھوں کو پھوڑنے کی بھی پوری دیت ہے، اور ایک چرکاتے پر آدھی دیت ہے، اور سر کی جلد زخمی کرنے پر تہائی دیت ہے اور پیش میں زخم پہنچانے پر بھی تہائی دیت ہے اور اس طرح مجروح کرنے پر کہ بڑی اپنی جگہ سے سرک گئی ہو پندرہ اونٹ دینے واجب ہیں، اور ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں میں سے ہر ایک انگلی (کاٹنے) پر دس اونٹ دینے واجب ہیں، اور ہر رانہ کا بدلہ پانچ پانچ اونٹ ہیں۔ (نسائی، دارمی) اور امام مالک کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ایک آنکھ (پھوڑنے) کی دیت پچاس اونٹ ہیں، اور ایک ہاتھ اور ایک پیر کی دیت پچاس اونٹ ہیں اور ایسا زخم پہنچانے کی دیت جس میں ہڈی ٹکل آئی ہو یا ظاہر ہو گئی ہو پانچ اونٹ ہیں۔“

تشریح: ”جان کا خون پرہاسو اونٹ ہیں“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر قتل عمد کے مرتکب کو مقتول کے وارث قصاص میں قتل نہ کرنا چاہیں بلکہ اس سے دیت یعنی خون پہا لینے پر راضی ہو جائیں تب دیت واجب ہوگی لیکن قتل شہرہ اور عمدہ قتل خطا کا مرتکب سرے سے قصاص کا سزاوار ہوتا تھا نہیں بلکہ اس پر صرف دیت واجب ہوتی ہے۔ دیت اونٹ کے ذریعہ بھی ادا کی جاسکتی ہے اور جن کے پاس سونا ہو وہ ایک ہزار دینار اور جن کے پاس چاندی ہو وہ دس ہزار درہم کے ذریعہ بھی دیت کی ادائیگی کر سکتے ہیں۔ لیکن یہاں قیاس پر اکتفا کرتے ہوئے چاندی کا ذکر نہیں کیا گیا ہے جس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ اگر اونٹ اور سونے کے علاوہ وہ چاندی کے ذریعہ دیت دی جائے تو وہ مقبول و محسوب نہیں ہوگی بلکہ مراد یہ ہے کہ مقتول کے در ثاء اور قاتل کے درمیان جس چیز پر اتفاق ہو جائے اسی کو بطور دیت لیا جائے جس کے پاس اونٹ ہوں اور وہ اونٹ دینا چاہے اس سے اونٹ لے لئے جائیں اور جو زر نقد دینا چاہے اس سے زر نقد لے لیا جائے۔

اس سلسلہ میں جہاں تک فقہی مسئلہ کا تعلق ہے تو درہم اور دینار کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ آیا دیت میں درہم و دینار قبول کئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت امام احمد کا قول یہ ہے کہ اگر دینے والے کے پاس اونٹ موجود ہوں لیکن وہ زر نقد کی صورت میں دیت ادا کرنا چاہتا ہو تو اس سے زر نقد لینا جائز ہے لیکن حضرت شافعی یہ فرماتے ہیں کہ اونٹوں کی موجودگی میں زر نقد دے کر اونٹوں سے عدول نہ کیا جائے بلکہ اگر طریقاً راضی ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

”اور دونوں آنکھوں کو پھوڑنے کی بھی پوری دیت ہے“ موطا کا وہ ہے کہ قطعاً اعضاء (اعضاء) جسم کو کاٹنے یا نقصان پہنچانے کی دیت کے سلسلہ میں اصل ضابطہ یہ ہے کہ اگر اعضاء جسم کی جن منفعات بالکل ختم کر دی جائے یا اس کی موزونیت اور خوبصورتی کو بالکل زائل کر دیا جائے جو جسم انسانی میں مقصود ہے تو ایسی صورت میں پوری دیت واجب ہوتی ہے کیونکہ یہ ایک طرح کا جانی نقصان ہے جسے انسانی

عقلیت کی وجہ سے ممکن جانی نقصان کا درجہ دیا جاتا ہے، اس سے بڑھ کر اصل یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ان مخصوص اعضاء کی کہ جن کے نقصان سے انسان کے جمال و کمال میں فرق آجاتا ہے اور آدمی کی عقلیت تکلیف مجروح ہوتی ہے، جیسے ناک، زبان اور آنکھیں وغیرہ ان کی پوری دیت دینے کا حکم فرمایا ہے، پھر اس اصل سے اور بہت سے فوری مسائل کا استنباط کیا جاتا ہے۔ منقول ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک ایسے شخص پر چار دینتیں واجب کی تھیں جس نے ایک شخص کو اگرچہ ایک ہی زخم پہنچایا تھا مگر اس ایک زخم کی وجہ سے اس کی عقل، اس کی سماعت، اس کی بصارت اور اس کی بول چال یعنی چاروں چیزیں ناکل ہو گئی تھیں، نیز یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی دائمی سونڈ ڈالے اور پھر وہ نکلے تو اس کی وجہ سے سونڈ ڈالنے والے پر دیت لازم ہوگی کیونکہ اس نے اپنی اسی حرکت سے چہرہ انسانی کے جمال و موزونیت کو ختم کر دیا، اسی طرح سر کے بالوں کا بھی بڑی مسئلہ ہے۔

⑥ وَعَنْ غَيْرِ بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ خَدَّهِ قَالَ قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخَوَاصِّ حَفْشًا حَفْشًا مِنَ الْإِبِلِ وَلِی الْأَنْثَانِ حَفْشًا حَفْشًا مِنَ الْإِبِلِ - زَوْاهُ أَنْوَ ذَاؤُوهُ وَالْثَنَانِ وَالْأَدَامِیُّ وَزَوْی الْقَرْمَدِیِّ وَالْإِنِّ مَاحَةِ الْفُصْلِ الْأَوَّلِ -

”اور حضرت عمرو بن شعیبؓ اپنے والدہ اور وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حکم فرمایا کہ ایسے زخموں کی دیت جس میں ہڈی ظاہر ہو جائے پانچ پانچ اونٹ ہیں اور دانتوں کی (یعنی ہر روانت) کی دیت بھی پانچ پانچ اونٹ ہیں۔ (ابوداؤد، نسائی، دارمی، ترمذی اور ابن ماجہ نے) (اس حدیث کا) پہلا جزو (یعنی جس میں زخموں کی دیت بیان کی گئی ہے) نقل کیا ہے۔“

تشریح: اگر یہ سوال پیدا ہو کہ جب سب دانتوں کی پوری دیت سوا اونٹ ہیں تو ایک دانت کی دیت پانچ اونٹ کیسے ہوئے کیونکہ سب دانتوں کی تعداد تیس یا اٹھائیس ہوتی ہے اور اس کے اعتبار سے ایک دانت کی دیت تو کچھ زیادہ تین اونٹ ہوتی چاہئے؟ اس کا سیدھا سارا جواب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ شارح نے بتئے احکام نافذ کئے ہیں عقل ان سب کا اور اک و احاطہ کر لے بہت سے احکام ایسے ہیں جن میں عقل کے دخل کا کام نہیں چنانچہ یہ مسئلہ بھی ایسا ہی ہے کہ شارح کا بن یہ حکم دے دینا ہی کافی اور واجب العمل ہونے کی معقول ترین وجہ ہے، ہاں دیت ہی کے بارہ میں بعض صورتیں ایسی ہیں جو حکم شارح کے بھی مطابق ہیں اور عقلی بھی ہیں جیسے آنکھوں کی دیت کا معاملہ ہے کہ دونوں آنکھوں کی دیت پوری ہے اور ایک آنکھ کی دیت آدمی ہے حاصل یہ کہ ہر حکم اور ہر مسئلہ کی بنیاد بس شارح کا حکم ہے جو بھی حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرنا ہی عقل کا سب سے بڑا تقاضہ ہونا چاہئے۔

دیت کے اعتبار سے انگلیاں برابر ہیں

⑧ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَابِعَ الْيَدَيْنِ وَالْأُصَابِعَ سَوَاءً - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے دونوں ہاتھوں اور دونوں چروں کی سب انگلیوں کو مساوی قرار دیا ہے (یہاں تک کہ انگوٹھے اور چنگلی کو بھی ایک دوسرے کے برابر قرار دیا ہے، اگرچہ مٹھوں کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہے)۔“ (ابوداؤد، ترمذی)

⑨ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَصَابِعُ سَوَاءٌ وَالْأَنْثَانُ سَوَاءٌ وَالْثَنِيَّةُ وَالْبُصْرُ سَوَاءٌ هَذِهِ وَهَذِهِ سَوَاءٌ - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا (دیت کے اعتبار سے) تمام انگلیاں برابر ہیں اور تمام دانت برابر ہیں (اگرچہ بعض دانت بڑے ہیں اور بعض دانت چھوٹے ہیں) اور آگے کے دانت اور وڑھیں برابر ہیں (اگرچہ وڑھیں آگے کے دانتوں سے بڑی ہیں مگر دیت دونوں کی برابر ہے) نیز آپؐ نے انگوٹھے اور چنگلی کی طرف سے اشارہ کر کے بتایا کہ یہ اور یہ برابر ہیں۔“ (ابوداؤد)

ذمی کافر کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے

⑩ وعن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال خطب رسول الله صلى الله عليه وسلم عام الفتح ثم قال أيها الناس إن لا حلف في الإسلام وما كان من حلف في الجاهلية فإن الإسلام لا يبرئكم إلا شدة المؤمن وإن على من سواههم ينجي عنهم أذيائهم ويؤدّ عليهم أفضاهم يؤدّ سزائهم على قبيحتهم لا يقتل مؤمن بكافر، دية الكافر بصف دية المسلم لا جلت ولا جنب ولا تؤخذ صدقاتهم إلا في ذورهم وفي رواية قال دية المعاهد بصف دية المخز - (رواه ابو داود)

”اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد (حضرت شعیب) سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فتح مکہ کے سال ایک خطبہ دیا اور اس میں حمد و ثناء کے بعد فرمایا کہ ”لوگو! اسلام میں قسم اور عہد و پیمان کرنا جائز نہیں ہے لیکن وہ عہد و قسم جس کا رواج زمانہ جاہلیت میں تھا اس کو اسلام مغربی سے قائم کرتا ہے (یاد رکھو تمام مسلمان اپنے غیر (یعنی کفار) کے مقابلے پر (بھلائیوں کو) پہیلانے اور آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہونے میں) ایک ہاتھ کی طرح ہیں ایک ادنیٰ ترین مسلمان بھی تمام مسلمانوں کی طرف سے چاند بے سکتا ہے، اور وہ مسلمان بھی حق رکھتا ہے جو سب مسلمانوں سے کہیں دور ہو اور مسلمانوں کا لشکر ان مسلمانوں کو بھی (مال غنیمت کا) حقدار بناتا ہے جو (لشکر کے ساتھ نہ گئے ہوں بلکہ) بیٹھے رہے ہوں، (خبردار کوئی مسلمان کسی (حربی) کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے (امام شافعی) کہتے ہیں کہ ذمی کافر کے بدلے میں بھی مسلمان کو قتل نہ کیا جائے) اور (ذمی کافر کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے اور (زکوٰۃ وصول کرنے والے کارکن بطور خاص میں لیں کہ) زکوٰۃ کے مویشیوں کو نہ کھینچا نہ گایا جائے اور (زکوٰۃ دینے والے بھی سن لیں کہ وہ) اپنے مویشیوں کو کہیں دور لے کر نہ چلے جائیں، (زکوٰۃ وصول کرنے والے کو چاہئے کہ از زکوٰۃ ان کے گھروں پر ہی لی جائے۔ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ”عہد والے کی دیت، آزاد کی دیت کا نصف ہے“۔“ (ابو داؤد)

تشریح: لا حلف فی الإسلام اصل میں ”حلف“ کے معنی ہیں ”عقد کرنا، عہد باندھنا“ زمانہ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے عہد و پیمان باندھ لیا کرتے تھے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے لڑائی جھگڑے کے موقع پر ایک دوسرے کی مدد کی جائے گی، اور اگر کسی معاملہ میں ایک پر کوئی تادان واجب ہوگا تو دوسرا تادان کو ادا کرے گا۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے اپنے ارشاد گرامی لا حلف فی الإسلام کے ذریعہ اس قسم کی عہد و پیمان سے منع کیا کہ یہ ایک خالص غیر متصفیانہ اور غیر معقول رواج ہے جس کے لئے اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے لیکن زمانہ جاہلیت ہی میں عہد و پیمان کی ایک یہ بھی صورت ہوتی تھی کہ لوگ آپس میں اس بات کا عہد کرتے تھے کہ وہ مظلوم کی مدد کریں گے، قریبہ داروں سے حسن سلوک کریں گے اور انسانی حقوق کی حفاظت و تائید کریں گے۔ یہ عہد و پیمان چونکہ سماجی اور معاشرتی نقطہ نظر سے باہمی محبت و موانست اور انسانی بہبود و بھلائی کے لئے ایک بہترین صورت تھی اس لئے آنحضرت ﷺ نے ماکان من حلف الخ کے ذریعہ اس کو اسلام میں بھی جائز رکھا۔

یؤدّ سزائہم علی قبیحتہم یہ دراصل پہلے حملہ و یؤدّ علیہم افضاہم کا بیان اور وضاحت ہے اس عبارت کی تشریح کتاب القصاص کی دوسری فصل میں حضرت علیؓ کی روایت کے تحت کی جا چکی ہے اسی طرح لا یقتل مؤمن بکافر کی وضاحت بھی اسی حدیث کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔

”کافر کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے“ یہ حضرت امام مالکؒ کے مسلک کی دلیل ہے، حضرت امام شافعیؒ اور ایک قول کے مطابق حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ کافر کی دیت، مسلمان کی دیت کا ثلث (یعنی تہائی) ہے، حضرت امام اعظمؒ ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ کافر کی دیت، مسلمان کی طرح پوری دیت ہے۔ ملحوظ رہے کہ یہ ساری بحث ذمی کافر کے بارہ میں ہے حربی کافر کی کوئی دیت نہیں

ہے۔ ہدایہ میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ ہر ذی کی جس سے اسلامی مملکت کا معاہدہ ہو، جب تک کہ وہ معاہدہ باقی ہے اس کی دیت ایک ہزار دینار ہیں۔ ”اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد وضاحت کی گئی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا عمل بھی اسی حدیث کے مطابق رہا ہے لیکن جب حضرت امیر معاویہؓ کا زمانہ آیا تو اس کو نصف کر دیا گیا۔ ہدایہ نے حضرت علیؓ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ذی اسی لئے جزیہ دیتے ہیں کہ ان کا خون ہمارے خون کی طرح اور ان کا مال ہمارے مال کی طرح محفوظ رہا ہوا ہے“ گویا صاحب ہدایہ نے ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ اصل یہی ہے کہ ذی کی دیت بھی مسلمان کی دیت کی طرح پوری ہو۔ چنانچہ انہوں نے یہ لکھا ہے کہ دوسرے صحابہ سے اس کے خلاف جو کچھ منقول ہے وہ ان مشہور و مستند ترین آثار و اقوال کے معارض نہیں ہو سکتا۔

لا جالب ولا جنب کے متعلق کتاب الزکوٰۃ میں بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے، یہاں بھی اجمالی طور پر اتنا سمجھ بیٹھنے کہ ”جنب“ کے معنی یہ ہیں کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا مویشیوں کی زکوٰۃ لینے کے لئے جانے تو وہ کسی ایسی جگہ مقام کرے جو مویشیوں کے مالکوں کے مکانات سے دور ہو اور ان کو حکم دے کہ اپنے اپنے جانور لے کر اس کے پاس حاضر ہوں۔ ”جنب“ کے معنی یہ ہیں کہ مویشیوں کے مالک اپنے اپنے مویش لے کر زکوٰۃ وصول کرنے والے کی قیام جگہ سے دور چلے جائیں اور اس سے کہیں کہ وہ ان کے پاس پہنچ کر زکوٰۃ کے مویش حاصل کرے۔ آپ ﷺ نے ان دونوں باتوں سے منع فرمایا کیونکہ پہلی صورت میں مویشیوں کے مالکوں کو تکلیف ہوگی اور دوسری صورت میں زکوٰۃ وصول کرنے والا تکلیف و مشقت میں مبتلا ہو گا۔

لَا يُؤْخَذُ مِنْهُمْ الْخِزْيَانَةُ حَتَّىٰ يَمْلِكُوا جَلْبَ وَلَا جَنْبَ لَا جَنْبَ وَلَا جَبَ کی توضیح و تاکید کے طور پر ہے۔

قل خطاء کی دیت

⑪ وَعَنْ خُشَيْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَضَىٰ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي دِيْنَةِ الْخَطَا عَشْرِينَ بَسْتٍ مَخَاصٍ وَعَشْرِينَ ابْنِ مَخَاصٍ ذُكُورٌ وَعَشْرِينَ بَسْتٍ لِّبُنَى وَعَشْرِينَ جَذَعَةٌ وَعَشْرِينَ حَقَّةٌ زَوْاءُ الْبُؤْدَاؤِ وَالْبَزْمُذِيُّ وَالسَّائِي وَالصُّجَيْحُ أَنَّهُ مَوْفُوفٌ عَلَى ابْنِ مَسْعُودٍ وَخُشَيْبٍ مَخْهُوْلٌ لَا يَعْرِفُ إِلَّا هَذَا الْخَبْرَ وَرَوَى فِي شَرْحِ الشُّعْبَةِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَىٰ قَيْتِلَ خَيْرٍ بِمَعَانَةٍ مِنْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ وَلَيْسَ فِي أَسْتَانِ إِبِلِ الصَّدَقَةِ ابْنُ مَخَاصٍ إِنَّمَا فِيهَا ابْنُ لَبُونٍ۔

”اور حضرت خشف ابن مالک، حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ”رسول کریم ﷺ نے قل خطاء کی دیت یہ مقرر فرمائی کہ بیس اونٹیاں وہ ہوں جو دوسرے سال میں لگی ہوں اور بیس اونٹ وہ ہوں جو دوسرے سال میں گئے ہوں، اور بیس اونٹیاں وہ ہوں جو تیسرے سال میں لگی ہوں اور بیس اونٹیاں وہ ہوں جو چارہویں سال میں لگی ہوں۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) اس حدیث کے بارہ میں صحیح بات یہ ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ پر موقوف ہے یعنی ان کا اپنا قول ہے اور (اس کے راوی) خشف ایک غیر معروف راوی ہیں جو صرف اس حدیث کے ذریعہ پہچانے جاتے ہیں یعنی اس کے علاوہ اور کوئی روایت ان سے منقول ہی نہیں بلقی نے شرح السنہ میں یوں نقل کیا ہے کہ ”رسول کریم ﷺ نے اس شخص کی دیت میں کہ جو مخیر میں قتل کر دیا گیا تھا اور جس کا تقصیل واقعہ باب القصاص میں بیان ہو گا زکوٰۃ میں آئے ہوئے اونٹوں میں سو اونٹ دیئے تھے اور زکوٰۃ کے ان اونٹوں میں کوئی اونٹ ایک سال کا نہیں تھا بلکہ دو دو سال کے تھے۔“

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قل خطاء کی دیت میں جو سو اونٹ دیئے جائیں وہ پانچ طرح کے ہونے چاہئیں، چنانچہ اس بارہ میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن ان کی تقسیم میں البتہ اختلاف ہے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک میں تو وہ سو اونٹ اس طرح کے

دینے جاتے ہیں جس طرح اس حدیث میں مذکور ہیں، لیکن امام شافعیؒ کے مسلک میں اتنا سافرق ہے کہ میں ابن مخاض (پورے ایک سال کے میں اونٹ کی بجائے میں ابن لبون (پورے دو سال کے میں اونٹ) ہیں۔ اس اعتبار سے یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ کے خلاف حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے چنانچہ شوافع کی طرف سے اس حدیث میں جو کچھ کہا جاتا ہے اس کا جواب ملا علی قاری نے بڑی عمدگی سے دیا ہے اہل علم ان کی کتاب ”مرقات“ میں دیکھ سکتے ہیں، ان کے جوابات کے خلاصہ کے طور پر یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ آنحضرت ﷺ نے مذکورہ شخص کی جو دیت دی تھی وہ بطریق وجوب یا بطور حکم نہیں تھی بلکہ آپ ﷺ نے محض ازراہ احسان دی تھی۔ آخر میں بغویؒ کی جو روایت نقل کی گئی ہے اس کا مقصود پہلی روایت کی تردید ہے جس میں ابن مخاض کا اثبات ہے اور بغویؒ کی روایت میں ابن لبون کا اثبات ہے اور گویا یہ حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کی دلیل ہے ملا علی قاری نے اس کا جواب بھی بڑی عمدگی کے ساتھ لکھا ہے۔

دیت کی بنیاد اونٹ پر ہے

⑫ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ كَانَتْ قِيَمَةُ الدِّيَةِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِي مِائَةِ دِينَارٍ أَوْ ثَمَانِيَةِ أَلْفٍ دِرْهَمٍ وَدِيَةُ أَهْلِ الْكِتَابِ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهَا مِنْ دِيَةِ الْمُؤْمِنِينَ قَالَ فَكَانَ كَذَلِكَ حَتَّى اسْتُخْلِفَ عُمَرُ فَقَامَ حَطَبِيًّا فَقَالَ إِنَّ الْإِبِلَ قَدْ غَلَّتْ قَالَ فَفَرَضَهَا عُمَرُ عَلَى أَهْلِ الذَّهَبِ أَلْفَ دِينَارٍ وَعَلَى أَهْلِ الْوَرِقِ اِثْنَيْ عَشَرَ أَلْفًا وَعَلَى أَهْلِ الْبَقَرِ مِائَتَيْنِ بَقْرَةً وَعَلَى أَهْلِ الشَّاةِ أَلْفِي شَاةٍ وَعَلَى أَهْلِ الْحِجْلِ مِائَتِي حِلَّةٍ قَالَ وَتَوَلَّى دِيَةَ أَهْلِ الدِّيَةِ لَمْ يَرُفْعُهَا فِيمَا زَفَعَ مِنَ الدِّيَةِ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں دیت (ادیت کے سو اونٹوں کی قیمت اٹھ سو دینار یا اٹھ ہزار درہم تھی، نیز اس زمانہ میں اہل کتاب (یعنی عیسائی اور یہودی) کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف تھی۔ ان کے دادا کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ کے خلیفہ ہونے تک اسی کے مطابق عمل کیا اور آہ بتواتر یہ چنانچہ عمرؓ (خلیفہ ہونے کے بعد) خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ ”اونٹ کی قیمت بڑھ گئی ہے“ راوی کا بیان ہے کہ (اس کے بعد) حضرت عمرؓ نے جو دیت مقرر کی تھی اس کی تفصیل یہ ہے، سونا رکھنے والوں پر ایک ہزار دینار، چاندی رکھنے والوں پر بارہ ہزار درہم، گائے کے مالکوں پر دو سو گائیں، بکری کے مالکوں پر دو ہزار بکریاں اور کپڑے کے جوڑوں (کی تجارت کرنے) والوں پر دو سو جوڑے۔ راوی نے کہا کہ ”حضرت عمرؓ نے ذمیوں کی دیت جو ان کی توسا قائم رکھی تھی (یعنی آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ذمیوں کی دیت چار ہزار درہم تھی حضرت عمرؓ نے اسی کو برقرار رکھا) اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا جیسا کہ اور روایتوں میں اضافہ ہوا۔“ (ابو داؤد)

تشریح: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ دیت کی بنیاد اونٹ پر ہے، چنانچہ دیت میں سونا اور چاندی کی جو مقدار بیان کی گئی ہے وہ اس زمانہ میں سوا اونٹ کی قیمت کا حساب لگا کر بیان کی گئی تھی، اسی لئے قول جدید کے مطابق شافعی مسلک یہ ہے کہ اختلاف قیمت کے اعتبار سے ان دونوں کی مقدار میں فرق ہو سکتا ہے۔

ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ کپڑے کے جوڑے سے مراد ایک تہیند اور ایک چادر ہے۔

”اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا“ کے بارہ میں طہیؒ کہتے ہیں کہ جب مسلمان کی دیت بارہ ہزار درہم مقرر ہوئی اور ذمی کی دیت وہی رہی جو پیسہ تھی یعنی چار ہزار درہم تو اس اعتبار سے ایک ذمی کی دیت، ایک مسلمان کی دیت کا ٹکٹ (تہائی) ہوتی۔

چنانچہ اس سے شوافع اور ان کے متوابع استدلال کرتے ہیں کہ ذمی کی دیت، مسلمان کی دیت کا ٹکٹ ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک میں ذمی کی دیت ہے جو مسلمان کی ہے۔

غشی نے کہا ہے کہ اس بارہ میں جو فقہی مسئلہ ہے اور جس پر عمل ہے وہ یہ ہے کہ اس نے کی دیت ایک ہزار دینار چاندی کی دیت دس ہزار درہم اور اونٹ کی دیت سواونت ہیں لیکن امام شافعی کے نزدیک چاندی کی دیت بارہ ہزار درہم ہیں۔

امام شافعی کی مستدل حدیث

(۱۳) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ جَعَلَ الدِّيَّةَ اثْنَيْ عَشَرَ أَلْفًا۔ (رواہ الترمذی والیہود والانسائی والدارمی)

”اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے بارہ ہزار درہم کی دیت مقرر فرمائی۔“ (ترمذی والیہود والانسائی، دارمی)

دیت مقتول کے ورثاء کا حق ہے

(۱۴) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ دِيَّةُ الْخَطَا عَلَى أَهْلِ الْقُرَى أَرْبَعُ مِائَةِ دِينَارٍ أَوْ عِدْلُهَا مِنَ الْوَرِقِ وَيَقُولُ مَهَا عَلَى الثَّمَانِ الْإِبِلَ فَإِذَا غَلَّتْ رَفَعَ لَهَا قِيمَتَهَا وَإِذَا هَارَتْ رُخْصَ نَقْصَ مِنْ قِيمَتِهَا وَتَلَفَتْ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَائَتَيْنِ أَرْبَعُ مِائَةِ دِينَارٍ إِلَى ثَمَانِ مِائَةِ دِينَارٍ وَعِدْلُهَا مِنَ الْوَرِقِ ثَمَانِيَةَ أَلْفٍ دِرْهَمٍ قَالَ وَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَهْلِ الْقُرَى مِائَتِي نَفْرَةٍ وَعَلَى أَهْلِ الشَّأَاءِ أَلْفِي شَاةٍ وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْعَقْلَ يَمِيزُ بَيْنَ زَنَةِ الْقَتِيلِ وَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ عَقْلَ الْمَرْأَةِ يَمِيزُ عَصَبَتِهَا وَلَا يَرِثُ الْقَاتِلُ شَيْئًا۔ (رواہ الیہود والانسائی)

”اور حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ بیستوں والوں پر قتل خطا کی دیت چار سو دینار یا اس کے مساوی قیمت (یعنی چاندی کے چار ہزار درہم) مقرر فرماتے اور یہ مقدار اونٹوں کی قیمت کے مطابق ہوتی تھی۔ چنانچہ جب اونٹوں کی قیمت میں اضافہ ہوتا تو آپ ﷺ دیت کی مقدار میں بھی اضافہ کرتے تھے اور جب اونٹوں کی قیمت میں کمی واقع ہوتی تو آپ ﷺ دیت کی مقدار میں بھی کمی کر دیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں دیت کی مقدار چار سو دینار سے آٹھ سو دینار یا اس کی مساوی قیمت (چاندی کے آٹھ ہزار درہم) تک رہی۔ راوی کہتے ہیں کہ ”اور رسول کریم ﷺ نے گائے والوں پر دوسو گائیں اور بکری والوں پر دو ہزار بکریاں (بطور دیت) مقرر فرمائی تھیں۔ نیز رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ دیت کا مال مقتول کے ورثاء کا حق ہے۔ اور رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”عورت کی دیت اس کے عصبات پر ہے اور قاتل (نے اگر اپنے مورث ہی کو قتل کیا ہے تو وہ) مورث کی وراثت سے محروم رہے گا (نہ اسے مقتول کی دیت میں سے کوئی حصہ ملے گا اور نہ وہ اس کے ترکے میں سے کسی چیز کا حقدار ہوگا)۔“ (الیہود والانسائی)

تشریح: طبیاً فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دیت کی بنیاد اونٹ پر ہے یعنی دیت اصل میں تواونت ہی کی صورت میں اور اس کی مذکورہ تعداد میں ہونا واجب ہوگی جیسا کہ قول جدید کے مطابق امام شافعی کا مسلک ہے۔

”عورت کی دیت اس کے عصبات پر ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی عورت جانیات کی مرتکب ہوئی اور اس نے کسی کو مارا تو اس کی دیت اس کے عصبات یعنی اس کے مددگار اور خاندان والوں پر ہوگی جیسا کہ مرد کے بارے میں حکم ہے گویا یہاں یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ اس بارہ میں عورت غلام کے مانند نہیں ہوگی کہ جس طرح غلام کی دیت خود اس پر واجب ہوتی ہے اس کے عصبات پر واجب نہیں ہوتی۔ اس طرح عورت کی دیت خود اس پر واجب نہیں ہوگی بلکہ اس کے عصبات پر واجب ہوگی۔

قتل شہرہ عہد کے مرتکب کو مزائے موت نہیں دی جاسکتی

(۱۵) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَقْلٌ شِبْهُ الْعَمْدِ مُغْلَظٌ مِثْلُ عَقْلِ

الْعَدُوَّ لَا يُقْتَلُ صَاحِبُهُ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عمرو ابن شعیبؓ اپنی والدہ سے اور وہ اپنے دادا سے قتل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”قتل شرعاً دیت قتل عمد کی دیت کی طرح سخت ہے لیکن شرعاً محمد کے مرگب کو قتل نہ کیا جائے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی کو بطریق شرعاً قتل کیا تو اس کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا یہ بات اس شرع کو دور کرنے کے لئے فرمائی گئی ہے کہ حدیث کے پہلے جملہ کے مطابق قتل شرعاً محمد کا مرگب قتل عمد کے مرگب کے مشابہ ہو تو چاہئے کہ جس طرح قتل عمد کے مرگب کو سزا موت دی جاتی ہے اسی طرح شرعاً محمد کا مرگب بھی سزا موت کا مستوجب ہو لہذا اس شرع کو دور کر دیا گیا کہ اس مشابہت کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ اس کو قصاص میں قتل بھی کیا جائے۔

زخم خوردہ آنکھ کی دیت

(۱۱) وَعَنْهُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَيْنِ الْقَائِمَةِ السَّادَةَ لِمَكَائِهَا بِثَلَاثِ الدِّيَةِ۔ (رواہ ابوداؤد و ترمذی)

”اور حضرت عمرو ابن شعیبؓ اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے قتل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایسی آنکھ کے بارے میں کہ جو زخمی ہونے کے بعد اپنی جگہ باقی رہے لیکن روشنی سے محروم ہو جائے یہ حکم فرمایا کہ اس کی دیت (پوری دیت کا) ٹکٹ (تہائی) ہے۔“

(ابوداؤد و ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کی آنکھ کو زخم پہنچایا گیا اور اس کی وجہ سے روشنی جاتی رہی مگر آنکھ اپنی جگہ سے ہار نہیں آئی اور اس کے چہرہ کو موزونیت و جمال میں کوئی خلل نہیں پڑا تو زخم پہنچانے والے پر تہائی دیت واجب ہوگی اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ دونوں آنکھ کے تلف ہو جانے کی صورت میں پوری دیت (کہ جس کی مقدار سواونٹ ہے) واجب ہوگی اور اگر ایک آنکھ تلف ہوگی تو نصف دیت واجب ہوگی۔

اس حدیث سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں زخم خوردہ آنکھ کی دیت تہائی ہے اور بعض علماء کا مسلک بھی یہی ہے لیکن بعض علماء اس صورت میں عدل کی ”حکومت“ کو واجب قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ زخم پہنچانے کی یہ وہ صورت ہے جس میں منفعت بالکلہ زائل نہیں ہوئی لہذا اس کی دیت بھی اس شخص کی ہوئی چاہئے جس کو مارا گیا ہو اور اس مار کی وجہ سے (نہ تو اس کا کوئی عضو تلف ہوا ہو، اور نہ کوئی زخم پہنچا ہو) بلکہ اس کے بدن کا رنگ سیلا ہو گیا ہو۔

”حکومت“ دیت کے بارے میں ایک اصطلاحی لفظ ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ فرض کیجئے جو شخص زخمی ہوا ہے اگر وہ غلام ہوتا تو اس زخم کی وجہ سے اس کی قیمت میں سے کسی قدر کی توقع ہو جاتی پس اس قدر اس شخص کی دیت زخمی کرنے والے پر واجب ہوگی لہذا بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ”حکومت“ پر محمول ہے۔ یعنی آنحضرت ﷺ نے یہاں تہائی دیت کا جو حکم فرمایا ہے وہ بطریق حکومت ہے نہ بطریق قاعدہ کلیہ۔

تو رپشتی نے اس حدیث کے سلسلہ میں جو بحث کی ہے وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس حدیث کی صحت میں کلام ہے۔

بیٹ کے بچہ کی دیت

(۱۲) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخَبَنِ بِغَيْرِ عَيْدٍ أَوْ أَمَةٍ أَوْ فَرْسٍ أَوْ نَعْلٍ۔ وَوَأَهْلُ بَوَادٍ وَقَالَ رَوَى هَذَا الْعَدِيثُ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ وَخَالِدُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ

نَبِيٍّ غَمْرُو وَلَمْ يَذْكُرْ أَزْوَاجَ نَفْلٍ۔

”اور حضرت محمد ابن عمرو، حضرت ابو سلمہ سے اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (عاملہ کے) بیٹ کے بچے کا خون سیاغہ مقرر فرمایا۔ اور غمرہ سے مراد ایک لونڈی یا ایک غلام یا ایک گھوڑا یا ایک گھڑے۔ ابو داؤد نے اس روایت کو نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس روایت کو حماد ابن سلمہ اور خالد واسطی نے محمد ابن عمرو سے نقل کیا ہے لیکن ان دونوں میں سے کسی نے بھی لفظ فرس اور بغل (یعنی گھوڑا اور گھڑے) ذکر نہیں کیا ہے (لہذا اس روایت میں فرس اور بغل کا اضافہ شاذ ہے اور بائیں اعتبار پر یہ حدیث ضعیف ہے۔“ (ابو داؤد، نسائی)

تشریح: علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ یوں تو ”غمرہ“ نہایت نفیس چیز کو کہتے ہیں لیکن اس باب میں اس لفظ کا اطلاق ”انسان“ پر ہاں طور اعتبار کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ اس حدیث میں ”غمرہ“ کے مفہوم میں ”فرس اور بغل“ کو شامل کرنا راوی کا اپنا دہیم ہے۔ کیونکہ غمرہ کا اطلاق صرف اس انسان پر ہوتا ہے جو کسی کا مملوک ہو یعنی غلام یا لونڈی۔

جعلی طیب اگر کسی کی موت کا باعث بنے تو وہ ضامن ہوگا

(۱۸) وَعَنْ غَمْرُو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَطَلَّبَ وَلَمْ يُعْلَمْ مِنْهُ طَلَبٌ فَهُوَ ضَامِنٌ۔ (رواہ ابو داؤد و الترمذی)

”اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اپنے آپ کو طیب ظاہر کرے در آخر ایک اس کا طیب ہو تا معلوم نہ ہو (یعنی وہ فن طب میں کوئی مہارت نہ رکھتا ہو) اور پھر کوئی اس کے ہاتھ سے مر گیا۔ تو وہ ضامن ہوگا۔“ (ابو داؤد، نسائی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص علم طب سے کوراہو اور اس کے قواعد و فن سے واقفیت نہ رکھتا ہو اس کے باوجود وہ کسی مریض کا علاج کرے اور علاج خواہ ہاتھ کے ذریعہ کرے جیسے فصد کھولے یا آپریشن وغیرہ کرے اور خواہ کرنے کے ذریعہ کرے تو اگر وہ مریض مر جائے گا تو متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک وہ جعلی حکیم یا ڈاکٹر ضامن ہوگا۔ یعنی اس کی دیت اس کے عاقلہ پر واجب ہوگی مگر اس کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ بہر حال خود اس مریض کی اجازت اور اس کی رضامندی ہی سے اس نے اس کا علاج کیا ہوگا۔

دیت کی معافی کا ایک واقعہ

(۱۹) وَعَنْ عُمَرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ غُلَامًا لَنَا سَبَّ فَقَرَاءَ فَطَلَعَ أَذُنُ غُلَامٍ لَنَا سَبَّ أَغْنِيَاءَ فَأَتَى أَهْلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا إِنَّا نَأْسُ فَقَرَاءَ فَلَمْ يَجْعَلْ عَلَيْنَا شَيْئًا۔ (رواہ ابو داؤد و الترمذی)

”اور حضرت عمران ابن حصین کہتے ہیں کہ ایک لڑکے نے جو مجلس خاندان سے لقمہ رکھتا تھا، ایک ایسے لڑکے کا کان کاٹ ڈالا جو ایک دولت مند خاندان سے تھا، چنانچہ جس لڑکے نے کان کاٹا تھا، اس کے خاندان والے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم محتاج و مفلس ہیں (لہذا ہم پر دیت مقرر نہ کی جائے) رسول کریم ﷺ نے (ان کی درخواست منظور کرتے ہوئے) ان پر کوئی چیز مقرر نہیں فرمائی۔“ (ابو داؤد، نسائی)

تشریح: اگر کسی لڑکے سے کوئی جنایت (یعنی کسی کو کوئی نقصان یا تکلیف پہنچانے کا کوئی قصور) سرزد ہو جائے تو ”اختیار صحیح“ کے فقدان کی وجہ سے وہ جنایت خطائی کے حکم میں ہوتی ہے اور اس کا تادان لڑکے کے عاقلہ (یعنی اس کے خاندان و برادری والوں پر) واجب ہوتا ہے۔

اس لئے اگر کوئی لڑکا کسی شخص کو قتل کر دے تو اس کو قصاص میں قتل نہیں کیا جاتا۔ حدیث میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے اس میں قاعدہ کے اعتبار سے لڑکے کے عاقل ہونا واجب ہوتا چاہے تین لیکن لڑکے کے عاقل نہ ہونے کے باوجود غریب و مفلس تھے اور غریب و مفلس کی تاوان کے معقول نہیں ہو سکتے اس لئے رسول کریم ﷺ نے کان کاٹنے والے لڑکے کے خاندان والوں پر کوئی دیت واجب نہیں فرمائی۔

حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جس لڑکے نے کان کاٹا تھا وہ "آزاد" تھا کیونکہ وہ غلام ہوتا تو اس کی جنایت و دیت خود اس کی ذات کے ساتھ متعلق کی جاتی اور اس کے مالکوں کا فقیر و مفلس ہونا اس کے وجوب کو اس کی ذات سے ختم نہ کرتا۔

الفصل الثالث

قتل شہر عمد اور قتل خطاء کی دیت

(۲۵) عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ قَالَ دِيَّةُ شَبِيهِ الْعَمْدِ اثْنَاثَا ثَلَاثٌ وَثَلَاثُونَ حَقَّةً وَثَلَاثٌ وَثَلَاثُونَ جَذَعَةً وَأَرْبَعٌ وَثَلَاثُونَ لَبِيَّةً إِلَى بَابِلَ عَامِيهَا كُلُّهَا خِلْفَاتٌ وَلِيْنِ زَوَانِيَةٍ قَالَ فِي الْحَقْلِ أَزْبَاعًا خَمْسٌ وَعِشْرُونَ حَقَّةً وَخَمْسٌ وَعِشْرُونَ جَذَعَةً وَخَمْسٌ وَعِشْرُونَ ثَلَاثَ لَبِيَّةٍ وَخَمْسٌ وَعِشْرُونَ ثَبَاتٌ مَخَاضٍ۔ (رواہ ابو داؤد)

"حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے معقول ہے کہ انہوں نے فرمایا قتل شہر عمد کی دیت میں (سو) اونٹیاں دینی واجب ہیں بائیں تفصیل تینتیس اونٹیاں وہ ہوں جو چھ برس میں لگی ہوں اور تینتیس اونٹیاں وہ ہوں جو پانچ برس میں لگی ہوں اور پچیس اونٹیاں وہ جو چھ برس میں لگی ہوں۔ ایک اور روایت میں حضرت علیؑ سے یہ معقول ہے کہ انہوں نے فرمایا قتل خطاء کی دیت میں چار طرح کی (سو) اونٹیاں دینی واجب ہیں، بائیں تفصیل کہ پچیس اونٹیاں جو تین برس کی ہوں اور پچیس اونٹیاں جو چار برس کی ہوں اور پچیس اونٹیاں جو دو برس کی ہوں اور ایک ایک برس کی ہوں۔" (ابو داؤد)

(۲۶) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَضَى عُمَرُ فِي شَبِيهِ الْعَمْدِ ثَلَاثِينَ حَقَّةً وَثَلَاثِينَ جَذَعَةً وَأَرْبَعِينَ خِلْفَةً مَا بَيْنَ لَبِيَّةٍ إِلَى بَابِلَ عَامِيهَا۔ (رواہ ابو داؤد)

"اور حضرت مجاہدؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے قتل شہر عمد کی دیت میں تیس اونٹیاں تین برس کی اور تیس اونٹیاں چار برس کی اور پچیس اونٹیاں عاقلہ جو پانچ برس کی ہوں دینے کا حکم فرمایا۔ (گویا یہ روایت حضرت امام شافعی کے مسلک کے موافق ہے)۔"

(ابو داؤد)

پیٹ کے بچہ کی دیت

(۲۷) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى فِي الْحَبْنِ يَقْتُلُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ بِغَرَّةٍ عَمْدٌ أَوْ وَلِيدَةٌ فَقَالَ الَّذِي قَضَى عَلَيْهِ كَيْفَ أَغْرَمْتُ مَنْ لَا شَرَّ وَلَا أَكْلَ وَلَا تَقْلُقَ وَلَا اسْتَهْلَ وَبِئْسَ ذَلِكَ يَقْتُلُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا هَذَا مِنْ أَخَوَانِ الْكُفَّانِ زَوْاهُ مَالِكٍ وَالتَّسَالِي مُرْسَلَةٌ وَزَوْاهُ أَبُو ذَاؤُدَ عَنْهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مُنْصَلًّا۔

"اور حضرت سعید ابن مسیب کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے پیٹ کے اس بچہ کی دیت جو مارا جائے ایک غرہ جیٹی ایک غلام یا ایک لونڈی مقرر فرمائی۔ "جس شخص پر یہ دیت واجب کی گئی تھی اس نے عرض کیا کہ میں اس شخص کا تاوان کس طرح بھروں جس نے کوئی چیز لی اور نہ کھائی ہو اور نہ بولا نہ چلایا اس قسم کا قتل تو سہل کیا جاتا ہے" رسول کریم ﷺ نے (اس شخص کی یہ بات سن کر حاضرین سے) فرمایا کہ "اس کے علاوہ اور کیا کہا جائے کہ یہ شخص کانٹوں کا بھائی ہے۔" (اسما مالک اور امام نسائی نے تو اس روایت کو بطریق ارسال (یعنی راوی

صحابی کا ذکر کرتے بغیر نقل کیا ہے لیکن ابو داؤد نے حضرت سعیدؓ سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے بطریق متصل نقل کیا ہے۔

تشریح: ”کان“ اس شخص کو کہتے ہیں جو غیبی وحی کا دعویٰ کرتا ہے اور لوگوں کی غیب کی باتیں بتاتا ہے اور وہ لوگوں کو فریضہ کرنے کے لئے اپنی جھوٹی اور غلط سلف باتوں کو سمجھ اور متقی عبارتوں کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ حدیث میں مذکور شخص نے بھی چونکہ اپنے ایک غلط خیال کو بڑے مسجع اور متقی الفاظ کے ذریعہ پیش کیا تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس مناسبت سے اس کو کانہوں کا بھائی فرمایا اور نہ تو جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے مطلق مسجع و متقی عبارتیں بذات خود مذموم نہیں ہیں بلکہ انسان کے کلام کی فصاحت و بلاغت اور قابلیت کا پر توہوتی ہیں چنانچہ خود رسول کریم ﷺ کا انداز بیان اور آپ کا کلام بڑی مسجع و متقی عبارتوں سے مزین ہوتا تھا۔ بطور خاص آپ سے جو دعائیں منقول ہیں ان کے الفاظ کی جامعیت مسجع و متقی عبارتوں کی بہترین مثال ہیں جیسے یہ دعا ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ وَ مِنْ قَلْبٍ لَا یُبْخِشُ الْبَخِ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس علم سے جو نافع نہ ہو اور اس قلب سے جو ترساں نہ ہو اے حاصل یہ کہ وہ مسجع عبارت مذموم ہے جو بہ تکلف زبان و قلم سے ادا ہو اور جس کا مقصد باطل کو رد اور حق کو تباہ و تباہی دینا ہو جیسا کہ مذکورہ شخص نے کہا۔

شخصی فرماتے ہیں کہ حدیث میں مذکورہ مسئلہ کے بارے میں فقہی مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی حاملہ کے پیٹ پر مارے اور اس کی وجہ سے اس کے پیٹ کا بچہ مردہ ہو کر باہر آجائے تو اس کی دیت میں غرہ یعنی پانچ سو درہم ہمارے والے کے عاقلہ پر واجب ہوں گے وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء نے ”غرہ“ سے مراد پانچ سو درہم لئے ہیں اور وہ اس لئے کہ اکثر روایتوں میں غرہ کی توضیح یہی کی گئی ہے اور اگر حاملہ کے پیٹ مارنے کی وجہ سے زندہ بچہ باہر آجائے اور پھر مر جائے تو اس صورت میں پوری دیت واجب ہوگی۔

بَابُ مَا لَا یُضْمَنُ مِنَ الْجَنَایَاتِ

جنایات کی جن صورتوں میں تاوان واجب نہیں ہوتا ان کا بیان

”جنایات“ جمع ہے جنایت کی۔ جنایت کے معنی ہیں ”تھور کرنا، جرم کرنا“ اس سے قبل وہ ایوانب گزرے ہیں جن میں جنایات کی سزا نہیں تاوان اور قصاص وغیرہ کے سلسلہ میں احادیث گزری ہیں، اس باب کا مقصد جنایات کی ان صورتوں کو بیان کرنا ہے جن میں معاوضہ اور تاوان واجب نہیں ہوتا۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

جانور کے مارنے، کان میں دب جانے اور کنویں میں گر پڑنے کا کوئی تاوان نہیں

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْفَعْمَاءُ جَزَ خُفَّهَا جُنَازُ الْمُتَعَبِّدِ جُنَازُ الْبَشِيرِ جُنَازُ

(مطلق علیہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو ہاویں کا زخمی کر دیا معاف ہے، کان میں دب جانا بھی معاف ہے، اور کنویں میں گر پڑنا بھی معاف ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اگر کسی کا جانور کسی آدمی کو اپنے پاؤں سے روندے یا کسی کو جینگ یا دم مار کر یا منہ سے کالت کر زخمی کر دے اور وہ آدمی مر جائے یا جو جانور کسی چیز کو نقصان و ضائع کر دے تو اس کا کوئی تاوان نہیں ہے بشرطیکہ اس جانور کے ساتھ کوئی آدمی نہ ہو، ہاں اگر جانور کے ساتھ کوئی ہانکنے والا یا کھینچنے والا یا اس جانور پر کوئی سوار ہو اور اس جانور سے کوئی چیز ضائع ہو گئی ہو تو اس صورت میں اس جانور کے ساتھ جو بھی آدمی ہو گا اس پر تاوان واجب ہو گا۔ یہ حضرت امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے۔

اس بارہ میں حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر جانور نے دن میں کسی چیز کو ضائع کیا ہے تو اس کے مالک پر کوئی تاوان وغیرہ واجب نہیں ہوگا لیکن اگر جانور نے رات میں کسی چیز کو ضائع کیا ہے مثلاً کسی کھیت پر گیا یا کسی کے باغ کو نقصان پہنچایا تو اس صورت میں جانور کے مالک پر تاوان واجب ہوگا کیونکہ رات میں جانوروں کی نگہبانی ان کے مالکوں پر لازم ہے اور دن میں اپنے نصیب و نمانت اور دوسری چیزوں کی حفاظت کرنا ان کے مالکوں پر لازم ہے۔

ہدایہ میں لکھا ہے کہ (جانور سے کسی چیز کا نقصان ہو جانے کی صورت میں جانور کو ہانکنے والے پر اس چیز کا تاوان واجب ہوگا جو جانور کے ہاتھوں اور پیروں کے ذریعہ تلف ہوئی ہے، اور جو شخص جانور کو پکڑ کر کھینچتا ہو اسے جارہا ہو وہ اس چیز کے تاوان کا ذمہ دار ہوگا جو جانور کے پیروں کے ذریعہ نہیں بلکہ صرف ہاتھوں کے ذریعہ نقصان ہوئی ہے، اور اگر کسی ایسے جانور نے کسی چیز کو ضائع کیا ہے جس پر کوئی شخص سوار ہو تو اس سوار پر اس چیز کا تاوان واجب ہوگا جو اس جانور کے ہاتھ یا پیروں کے ذریعہ تلف ہوئی ہے۔ نیز اگر نقصان کرنے والے والا کوئی جانور ہو جس کے ساتھ اس کو ہانکنے والا بھی ہو اور اس پر کوئی سوار بھی ہو بھی ہو تو اس نقصان کا تاوان دونوں پر واجب ہوگا۔

”کان میں دب جانا معاف ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کھدی ہوئی کان میں جائے یا اس کے اوپر کھڑا ہو اور پھر کان میں بیٹھ جائے جس کی وجہ سے وہ شخص ہلاک ہو جائے تو اس شخص پر کوئی تاوان واجب نہیں ہوگا جس نے کان کھودی ہے یا کسی مزدور کو کان کھودنے کے لئے اجرت پر لگایا اور اتفاق سے وہ مزدور کان میں دب کر مر گیا تو کان کے مالک پر کوئی تاوان واجب نہیں ہوگا یہ دوسری نوعیت صرف کان ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ حکم اجارہ (مزدوری) کی دیگر صورتوں میں بھی نافذ ہوگا جب کہ پہلی نوعیت صرف اس صورت سے متعلق ہے جو حدیث کے آخری جزو والینہ جبار (کنوین میں گر پڑنا معاف ہے) کے مطابق ہو چنانچہ ”کنوین میں گر پڑنا معاف ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص نے اپنی زمین یا کسی اور مباح زمین میں کنواں کھودا اور پھر اس میں کوئی شخص گر کر مر گیا تو کنواں کھودنے والے پر کوئی تاوان واجب نہیں ہوگا۔

مدافعت میں کوئی تاوان واجب نہیں ہوتا

(۲) وَعَنْ يَغْلَى بْنِ أُمَيَّةَ قَالَ غَرَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَجَيْشِ الْعُسْزَةِ وَكَانَ لِي أُجَيَّةٌ فَقَاتِلْتُ أَهْلًا فَقُصَّ أَخَذَ هُمَا يَدَ الْأَخَرِ فَأَنْتَزَعَ الْمَقْصُورُ يَدَهُ مِنْ فِي الْعَاظِ فَأَنْدَرْتُ نَيْبَتَهُ فَتَسَقَطَتْ فَأَنْطَلَقَ إِلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاهْلَزْتُ نَيْبَتَهُ وَقَالَ يَدُكَ غَرَبَتْهُ فَنَيْبَتُكَ تَقْصُصُهَا كَمَا تَلْفَحُ - (بخاری ص ۱۷۱)

”اور حضرت یعل بن امیہ کہتے ہیں کہ (غزوہ تبوک کے) خبر آ رہا تھا کہ رسول کریم ﷺ کے ہمراہ (جہاد میں) شریک تھا، میرے ساتھ ایک نوکر بھی تھا، چنانچہ وہ (کسی بات پر) ایک شخص سے لڑ پڑا اور ان دونوں میں سے ایک نے دوسرے کا ہاتھ کاٹ لیا مگر اس نے اپنا ہاتھ کاٹنے والے کے منہ سے (اس طرح) کھینچا کہ اس کے دانت جھڑ پڑے۔ وہ شخص کے جس کے دانت گر پڑے تھے (داروری کے لئے) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ آپ ﷺ اس کے حق میں فیصلہ کریں، لیکن آپ ﷺ نے اس کے دانتوں کا کوئی تاوان واجب نہیں کیا اور اس سے فرمایا کہ وہ شخص اپنا ہاتھ تمہارے منہ میں چھوڑ دیتا تاکہ اس کو اسی طرح چبائے رہے جس طرح اونٹ چباتا ہے۔“ (بخاری ص ۱۷۱)

تشریح: ”کیا وہ شخص اپنا ہاتھ تمہارے منہ میں چھوڑ دیتا؟“ اس ارشاد کے ذریعہ آپ ﷺ نے اس کے دانتوں کا تاوان واجب نہ کرنے کے سبب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جس شخص کی وجہ سے تمہارے دانت ٹوٹ کر گرے ہیں وہ اس مدافعتی کارروائی پر مجبور تھا کہ اس نے دراصل اپنا ہاتھ چبانے کے لئے تمہارے منہ سے کھینچا۔ شرح السنہ میں لکھا ہے کہ اسی طرح اگر کوئی مرد کسی عورت سے بدکاری

کرنا چاہے اور وہ عورت اپنی آبرو بچانے کے لئے اس پر حملہ کرے جس کے نتیجے میں وہ مرد ہلاک ہو جائے تو اس کی وجہ سے عورت پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی۔ چنانچہ منقول ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس یہ مقدمہ آیا کہ ایک لڑکی (بہنیں) جنگل میں لکڑیاں کاٹ رہی تھی کہ ایک شخص نے اس کا پیچھا کیا اور اس سے منہ کالا کرنا چاہا، لڑکی نے اپنی آبرو خطرہ میں دیکھ کر ایک پتھر اٹھایا اور اس شخص کے پیچھے مارا جس سے وہ مر گیا، حضرت عمرؓ نے اس کے بارے میں یہ فیصلہ دیا کہ ”یہ قتل (حقیقت میں) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے (کہ اس نے اس شخص کو سزا دے کر ایک پاک دامن لڑکی کی عصمت کو محفوظ رکھا) لہذا خدا کی قسم اس کی کوئی دیت نہیں دلوائی جائے گی“ حضرت امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔

ایسی طرح اگر کوئی شخص کسی کا مال لوٹے، خوں ریزی کرنے اور اس کے گھر والوں کو تباہ و برباد کرنے کا ارادہ کرے تو اس قسم کا ارادہ کرنے والے اور قتل کرنے والے کی مداخلت کرنا جائز ہے، لہذا پہلے تو یہ چاہئے کہ ایسے شخص کو انسانیت کے ساتھ اس کے ارادہ و فعل سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے لیکن اگر وہ اپنے ارادہ قتل و قتل سے باز نہ آئے اور اس کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے اس کو ہار ڈالا جائے تو اس کا خون معاف ہوگا۔

اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جانے والا شہید ہے

(۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ۔

(متن عربی)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اپنے مال کے لئے مارا جائے تو وہ شہید ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے مال و اسباب کی حفاظت کر رہا تھا کہ کسی نے اس کو قتل کر دیا تو وہ شہید ہے یہی حکم اس شخص کے بارہ میں ہے جو اپنے مال و عیال کی حفاظت کر رہا ہو مارا جائے۔

(۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ۔

(متن عربی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے (جواب رسالت آپ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! مجھے بتائیے اگر کوئی شخص میرے پاس میرا مال (زبردستی) لینے آئے (تو کیا میں اپنا مال اس کے حوالے کر دوں؟) آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”نہیں تم اس کو اپنا مال نہ دو“ اس نے عرض کیا ”یہ بتائیے اگر وہ مجھ سے لڑ پڑے (تو کیا میں اس کو دوں؟) آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”تم بھی اس سے لڑو“ اس نے عرض کیا ”بتائیے اگر اس نے مجھے ہار ڈالا آپ نے فرمایا تم شہید ہو گے دریافت کیا اگر وہ مر جائے (تو اس کا کیا حشر ہوگا؟) آپ ﷺ نے فرمایا وہ دوزخ میں جائے گا (اور تم پر اس کا کوئی وبال نہیں ہوگا)۔“ (مسلم)

تشریح: یہ حدیث مسلمانوں کو اپنی جان و مال اور عزت و آبرو بچانے کے لئے حملہ آور کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی تلقین کرتی ہے اور اللہ کے نام لیواؤں کے شعور پر احساس جاگزیں کرنا چاہتی ہے کہ مسلمان کا یہ شیوہ نہیں ہے کہ وہ کسی بھی ایسے شخص کے مقابلہ میں کم ہمتی اور ہزدلی کا ثبوت دے جو اس کے مال کو لوٹنا چاہتا ہے اور اس کی زندگی کو تباہ و برباد کرنے پر تلا ہوا ہے۔ بلکہ ایک مسلمان کو ایمان و یقین اور اعتماد علی اللہ کی جو طاقت حاصل ہوتی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ حملہ آور اور فساد کی کاپوری مرد آغلی سے مقابلہ کرے اور زلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دے کہ شہادت کا مرتبہ حاصل کرے یا اس حملہ آور فساد کی خوشم کرے کہ اس کو جہنم رسید کر دے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر قاتل و فسادی مسلمان بھی ہو تو اس کی مداخلت کرنا اور اس مداخلت میں اس کو ہلاک کر دینا باج ہے۔

گھر میں جھانکنے والے کو زخمی کر دینا معاف ہے

⑤ وَعَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَوْ أَطْلَعَ فِي بَيْتِكَ أَحَدٌ وَلَمْ تَأْتِ لَهُ وَخَذَ فَتْنَهُ مَخْصَاةً فَقَطَّاعَتْ عَيْنَهُ مَا كَانَ عَلَيْكَ مِنْ جُنَاحٍ - (بخاری ص ۱۰۸)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر تمہارا دروازہ بند ہو اور اس کی دروازہ میں سے کوئی شخص تمہارے گھر میں جھانکے در اندھا کی طرح اس کو (گھر میں آنے کی) اجازت نہیں دے دے گی ہے اور تم اس کے نکمری مارو اور اس نکمری سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تم پر کوئی گناہ (تواوان) نہیں۔“ (بخاری ص ۱۰۸)

ترشح: امام شافعیؒ نے اس حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے ہوئے ایسے شخص پر سے آنکھ کے تاوان کو ساقط کیا ہے جب کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس پر تاوان واجب ہوگا، انہوں نے اس حدیث کو مبالغہ اور سخت تعبیر پر محمول کیا ہے۔

⑥ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ زَيْدًا أَطْلَعَ فِي بَيْتِهِ فِي يَوْمٍ مِنْ يَوْمِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِذْرَى يَخْتَلِكُ بِهِ زَيْدًا فَقَالَ لَوْ أَعْلِمَ أَنَّكَ تَنْتَظِرُنِي لَطَعْتُ بِهِ فِي عَيْنِكَ أَلَمَّا جُعِلَ الْأَسْبَدَانِ مِنْ أَجْلِ الْبَصَرِ - (بخاری ص ۱۰۸)

”اور حضرت سہلؓ ابن سعد کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ کے دروازے سے جھانکا اور اس وقت رسول کریم ﷺ پشت خاں (ننگے) سے اپنا سر کھارے تھے آپ ﷺ نے (جب اس شخص کو جھانکنے ہوئے دیکھا تو) فرمایا کہ اگر میں جانتا (یعنی مجھ کو یقین ہوتا) کہ تم (قصدًا) جھانک کر مجھ کو دیکھ رہے ہو تو میں (یہ) لگتا تہجدی آنکھ میں جھونک دیتا (کیا تم نہیں جانتے کہ کسی غیر کے گھر میں آنے کے وقت) اجازت لینے کا حکم ہی آنکھ کی وجہ سے دیا گیا ہے (کہ وہ کسی غیر عمر پر نہ چڑ جائے)۔“ (بخاری ص ۱۰۸)

ترشح: اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح بغیر اجازت کے کسی کے گھر میں داخل ہونا برا ہے اسی طرح بغیر اجازت کے کسی گھر میں جھانکنا بھی برا ہے، نیز یحییٰؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر کوئی شخص بلا قصد کسی کے گھر میں جھانکے گا مرتکب ہو جائے مثلاً کوئی شخص کسی کے گھر کے سامنے سے گزر رہا ہو اور انصافاً اس کی نظر گھر میں چلی جائے تو اس پر کوئی برائی نہیں ہے۔

خواہ مخواہ نکمریاں نہ پھینکو

⑦ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَعْقِلٍ أَنَّهُ زَاىَ زَيْدًا يَخْذِفُ فَقَالَ لَا تَخْذِفْ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَهَيَّأَ عَنِ الْخَذْفِ وَقَالَ إِنَّهُ لَا يَضَادُّهُ صَدِيقٌ وَلَا يَتَكَايَاهُ عَدُوٌّ وَلَكِنَّهَا قَدْ تَكْسِرُ السِّنَّ وَتَنْقُضُ الْعَيْنَ - (بخاری ص ۱۰۸)

”اور حضرت عبد اللہ ابن معقلؓ نے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے پکڑ کر نکمریاں پھینکتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ نکمریاں نہ پھینکو کیونکہ رسول کریم ﷺ اس طرح نکمریاں پھینکتے سے منع کیا ہے اور فرمایا کہ اس طرح نکمری پھینک کر نہ تو شکار کیا جاسکتا ہے اور نہ (دین کے) دشمن کو زخمی کیا جاسکتا ہے (بلکہ یہ محض ہود و لعب ہے جس سے نہ دنیا کا کوئی فائدہ ہے اور نہ دین کا اور مستزاد یہ کہ لوگوں کو اس سے ضرر پہنچتا ہے جیسا کہ خود آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ) البتہ اس طرح نکمریاں پھینکانا دانت کو توڑ دیتا ہے اور آنکھ کو پھوڑ دیتا ہے۔“ (بخاری ص ۱۰۸)

ترشح: ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس طرح بلا قصد نکمریاں پھینکنے سے اس لئے منع فرمایا کہ اس میں کوئی مصیحت اور فائدہ تو ہوتا نہیں البتہ فتنہ و فساد پھوٹ پڑے اور لڑائی جھگڑا ہو جانے کا خوف ضرور رہتا ہے چنانچہ یہی حکم ہر ایسے عمل کے بارہ میں ہے جس میں یہ بات موجود ہو۔

مجمع اور بازار میں ہتھیاروں کو احتیاط کے ساتھ رکھو

⑧ وَعَنْ أَبِي مُؤَسَّسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَرَّ أَحَدُكُمْ لِنِ حَسْبِجِنَا وَفِي شَوْقِنَا وَمَعَهُ نَبَلٌ فَلْيَنْسِكْ عَلَى نِصَالِهَا أَنْ يُصِيبَ أَحَدًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ مِنْهَا بِسَيْفٍ - (متن علیہ)

”اور حضرت ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص ہماری مسجد اور ہمارے بازار میں آئے یا وہاں سے گزرے اور اس کے پاس تیر ہوں تو اس کو چاہئے کہ ان کو نہ کرے (یعنی ان کے کپڑوں پر ہاتھ نہ رکھے تاکہ اس سے کسی مسلمان کو کوئی ضرر نہ پہنچے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مساجد اور بازار ایسے تمام مقامات جہاں مسلمان جمع ہوں وہاں ہتھیاروں کو بہت دیکھ بھال کے ساتھ اپنے پاس رکھنا چاہئے خواہ وہ تیر ہوں یا دوسرے ہتھیار جیسے بدوق، تلوار نیزہ اور لمبو وغیرہ تاکہ ایسا نہ ہو کہ کسی چوک اور غلطی سے کوئی مسلمان کسی کے ہتھیار سے زخمی ہوا کرے۔

کسی مسلمان کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرو

⑨ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُجْبَرُ أَحَدُكُمْ عَلَى أُخْبِيهِ بِالسَّلَاحِ فَإِنَّهُ لَا يُلْزِمُ لَعَلَّ الشُّبْطَانِ يَنْتَفِعُ بِيَدِهِ فَيَقْبِضُ لِنِ حَقْفَرَةٍ مِنَ النَّارِ - (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے کوئی شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے اس لئے کہ اس کو نہیں معلوم کہ شاید شیطان اس کے ہاتھ سے ہتھیار کھینچ لے اور اس کی وجہ سے وہ ہتھیار کا مالک روزِ قیامت کی آگ میں ڈال دیا جائے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: شیطان تو کاتب میں رہتا ہے کہ جہاں کوئی انسان چوکا اور اس لعین نے اس کو گناہ میں مبتلا کیا اسی لئے فرمایا گیا کہ کسی مسلمان بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرو کہ مبارک شیطان تم پر اثر انداز ہو جائے اور وہ ہتھیار اشارے اشارے میں مسلمان بھائی کے جاگے اور اس کی وجہ سے تم روزِ قیامت کے سزاوار بنو۔

⑩ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَشَارَ إِلَى أُخْبِيهِ بِحُلَيْدَةٍ فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تُلْقِيهِ حَتَّى يَضَعَهَا وَإِنْ كَانَ أَخَاهُ لَا يَدْرِيهِ وَأَيْبِهِ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی طرف لوہے (یعنی ہتھیار وغیرہ) سے اشارہ کرتا ہے اس پر فرشتے اس وقت تک لعنت بھیجتے ہیں جب تک کہ وہ اس لوہے کو رکھ نہیں دیتا اگرچہ وہ اس کا حقیقی بھائی کیوں نہ ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے حقیقی بھائی کی طرف لوہے سے اشارہ کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ اس کو قتل کرنے یا اس کو نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہے بلکہ اس کا تعلق کسی مذاق ہی سے ہو سکتا ہے مگر اس کے باوجود فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اس ارشادِ گرامی کا مقصد کوئی مسلمان پر اشارہ ہتھیار یا لوہے کی ممانعت کو بطور مبالغہ بیان کرنا ہے۔

⑪ وَعَنْ ابْنِ عُثْمَرَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السَّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا - وَزَادَ الْبُخَارِيُّ وَزَادَ مُسْلِمٌ وَمَنْ عَشَنَّا فَلَيْسَ مِنَّا -

”اور حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ”جو شخص انہی مذاق کے طور پر بھی ہم پر

تجسار اخصائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ یعنی ہمارے طریقہ پر حال نہیں ہے۔ (اماری و مسلم) اور مسلم نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ (جو شخص اپنی کوئی چیز فروخت کرتے وقت فروخت کی جانے والی چیز کے کسی عیب و نقصان کو چھپا کر، ہمیں فریب دے دو ہم میں سے نہیں ہے۔)

(۱۲) وَعَنْ سَلَسَةَ بْنِ الْأَخْبَعِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَلَّ عَلَيْنَا الشَّيْفَ فَلَيْسَ مِنَّا۔ (ردہ اہم)
 ”اور حضرت سلمہ ابن اکوع کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے (بلا ارادہ قتل کسی نہاق میں بھی) ہمارے اوپر تلوار کھینچی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“ (اسلم)

دنیا میں کسی کو سخت اذیت میں مبتلا کرنے والا خود آخرت میں عذاب الہی میں گرفتار ہوگا

(۱۳) وَعَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ هِشَامَ بْنَ خَكِيمٍ مَرَّ بِالشَّامِ عَلَى أَنَاسٍ مِنَ الْأَنْبِيَّاتِ وَقَدْ أُقِيمُوا فِي الشَّمْسِ وَحُبَّتْ عَلَى ذُو وَبِهِمْ الرِّيثُ فَقَالَ مَا هَذَا قِيلَ يُعَذِّبُونَ فِي الْخُرَاجِ فَقَالَ هِشَامٌ أَشْهَدُ لَسَبَّحْتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ يُعَذِّبُ الَّذِينَ يُعَذِّبُونَ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا۔ (ردہ اہم)

”اور حضرت ہشام ابن عروہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ہشام ابن حکیم نے ملک شام (کے سفر کے دوران) انہی قوم کے کچھ افراد کو اس حال میں دیکھا کہ انہیں دھوپ میں کھڑا کیا گیا تھا اور ان کے سروں پر گرم گرم تیل ڈالا گیا تھا، ہشام ابن حکیم نے (یہ روح فرسا منظر دیکھ کر) کہا کہ یہ کیا ہے؟“ (یعنی ان لوگوں کو کس جرم کی پاداش میں یہ غیر انسانی سزا دی جا رہی ہے؟) انہیں بتایا گیا کہ ”خروج (زری نکس نہ دینے) کی وجہ سے ان کو اس عذاب میں مبتلا کیا گیا ہے؟ حضرت ہشام نے فرمایا ”میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ (آخرت میں) ان لوگوں کو عذاب میں مبتلا کرے گا جو لوگوں کو دنیا میں عذاب میں مبتلا کرتے ہیں۔“ (اسلم)

تشریح: یعنی جو شخص کسی کو دنیا میں ناحق کسی چیز کے عذاب میں مبتلا کرے گا مثلاً کسی کو دھوپ میں کھڑا کر کے اس کے اوپر گرم تیل ڈالے گا تو اللہ تعالیٰ عقیقی میں اس کو اسی چیز کے عذاب میں گرفتار کرے گا۔

ظلم کے حاشیہ برداروں پر غضب خداوندی

(۱۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْحُشُكَ إِنْ ظَلَمْتَ بَلْكَ مُدَّةَ أَنْ تَزِي قَوْمًا فِي أَيْدِيهِمْ جِيلًا أَذْنَابُ الْبَقَرِ يُعَذِّبُونَ فِي غَضَبِ اللَّهِ وَتَزِي حُونَ فِي سَخَطِ اللَّهِ وَفِي رِوَايَةٍ تَزِي حُونَ فِي لَعْنَةِ اللَّهِ۔ (ردہ اہم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر تمہاری عمر دوڑ ہوگی تو تم حشر میں ان لوگوں کو دیکھو گے جن کے ہاتھوں میں گائے کی دم کی مانند ایک ایسی چیز یعنی کوڑے ہوں گے، ان کی بیعت اللہ کے غضب میں اور ان کی شام اللہ کی شدید پناہ میں گزرے گی (یعنی ان لوگوں پر ہمہ وقت اللہ کا عذاب نازل ہوتا رہے گا) اور ایک روایت میں یہ ہے کہ ”ان کی شام اللہ کی لعنت میں گزرے گی۔“ (اسلم)

تشریح: ”ان لوگوں“ سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی ظالم و جاہل کی صاحب اقتدار کے حاشیہ نشین ہوتے ہیں یا ان کے دروازوں پر بڑے رہتے ہیں اور ان کے آگے پیچھے لگے رہتے ہیں اور پھر اس ظالم و جاہل کے غلے ہوتے پر وہ لوگ عام انسانوں کو ڈراتے دھمکاتے پھرتے ہیں غریبوں کو مارتے پیٹتے ہیں، کمزوروں کو گالیاں دیتے ہیں اور نادار و شرفاء کی عزت و آبرو کو ہمال کرتے ہیں اور کٹ کٹنے کے لیے کی طرح ہر ایک کو کاٹنے دوڑتے ہیں۔

ناروا فیشن کرنے والی عورتوں کے بارے میں وعید

(۱۵) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبَقَانِي مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرُ حَمَلًا قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطُ كَذَّابِ الْبُفْرِ يَنْصُرُونَ بِنَا النَّاسَ وَنِسَاءً كَابِسَاتٍ عَارِيَاتٍ مُبِيلَاتٍ مَقَابِلَاتٍ ذُءٌ وَشُهُنَّ كَأَسْمِيقَةِ الْبُخْتِ الْقَابِلَةِ لَا يَذُحِلْنَ الْخُفَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا وَإِنْ رِيحُهَا لَتُؤْخِذُ مِنْ قِسِيَتِهِمْ وَكَذَّاءُ وَكَذَّاءُ (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”دو چیزوں کے دو گروہ ایسے ہیں جنہیں میں نے نہیں دیکھا (اور نہ میں دیکھوں گا) ایک گروہ تو ان لوگوں کا ہے جن کے ہاتھوں میں گائے کی مانند کوڑے ہوں گے جس سے وہ (لوگوں کو ناکام) باریں گے اور دوسرا وہ گروہ ان عورتوں کا ہے جو بظاہر تو کپڑے پہنے ہوئے ہوں مگر حقیقت میں ننگی ہوں گی وہ مردوں کو اپنی طرف مائل کر دیں گی اور خود مردوں کی طرف مائل ہوں گی ان کے سرخنی اونٹ کے کوبان کی طرح ہٹے ہوں گے ایسی عورتیں تو جنت میں داخل ہوں گی اور نہ جنت کی ہوائیں گی حالانکہ جنت کی ہوائی آتی (یعنی مثلاً سرور سادوری سے آتی ہے۔)“ (اسلم)

تشریح: ”مگر حقیقت میں ننگی ہوں گی“ اس میں ان عورتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو اسے باریک اور صمیم کپڑے پہنتی ہیں کہ ان کا بدن جھلکتا ہے، یا اس طرح کپڑے پہنتی ہیں کہ جسم کا کچھ حصہ چھپا رہتا ہے اور کچھ حصہ کھلا رہتا ہے (جیسا کہ آجکل ساراں اور بلاڈ کا رواج ہے) یا دوپٹے سے اپنے پیٹ اور سینہ وغیرہ کو ڈھانکنے کی بجائے اس کو گلے میں یا ہاتھ پر ڈال لیتی ہیں، ان تمام صورتوں میں عورت بظاہر تو کپڑے پہنے ہوئے نظر آتی ہے مگر حقیقت میں وہ ننگی ہوتی ہے۔

اس جملہ سے ایسی عورتوں کی طرف بھی اشارہ مقصود ہو سکتا ہے جو دنیا میں تو انواع و اقسام کے لباس زیب تن کرتی ہیں مگر تقویٰ اور عملِ صالح کے لباس سے محروم رہتی ہیں کہ وہ تقویٰ اور عملِ صالح ہی کی وجہ سے آخرت میں جنت کے لباس کی منتہی ہوں گی۔

”مبیلات“ اور ”مقابلات“ سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اپنے بناؤ سنگار اور اپنی جگہ کے ذریعہ مردوں کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں۔ اور خود بھی مردوں کی طرف مائل ہوتی ہیں۔ یا ”مبیلات“ سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اپنے دوپٹے اپنے سروں سے اتار بیچتی ہیں۔ تاکہ مردان کے چہرے دیکھیں اور ”مقابلات“ سے مراد وہ عورتیں ہیں جو جھک ٹھک کر چلتی ہیں تاکہ لوگوں کے دل لرزٹے کریں۔

”ان کے سرخنی اونٹ کے کوبان کی طرح ہٹے ہوں گے“ سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اپنی چوٹیوں کو جوڑے کی صورت میں سر پر باندھ لیتی ہیں اور جس طرح سرخنی اونٹ کے کوبان فریبکی کی وجہ سے ادھر ادھر ہٹتے رہتے ہیں اسی طرح ان کے سر کے جوڑے بھی ادھر ادھر ہٹتے رہتے ہیں۔ اس حدیث میں عورتوں کے جس خاص طبقہ کی نشان دہی کی گئی ہے اس کا وجود آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں نہیں تھا بلکہ یہ آپ کا عجزوہ ہے کہ آپ ﷺ نے آنے والے زمانہ میں اس قسم کی عورتوں کے پیدا ہونے کی خبر دی۔

”نہ تو جنت میں داخل ہوں گی اور نہ جنت میں گروہ کے بارے میں فرمایا گیا ہے مردوں کے گروہ کے بارے میں اس طرح کی بات محض اختصار کے پیش نظر نہیں فرمائی گئی ہے، فاضل عیاضؒ کے کہنے کے مطابق اس جملہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایسی عورتیں بھی جنت میں داخل نہیں ہوں گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس وقت نیک و پارسا اور پرہیزگار عورتیں جنت میں داخل ہوں گی اور جنت کی بو پائیں گی اس وقت ایسی عورتیں نہ تو جنت میں داخل ہوں گی اور نہ جنت کی ہوائیں گی، ہاں اپنی اپنی سزا بھگتنے کے بعد ان کو بھی جنت کی سعادت سے نوازا دیا جائے گا۔ یا پھر یہ کہ یہ بات ان عورتوں کے بارے میں فرمائی گئی ہے جو ان چیزوں کو حلال جان کر ان کا ارتکاب کریں گی، نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس جملہ سے سخت تحریر و تنبیہ مراد ہے۔

کسی کے منہ پر نہ مارو

(۱۶) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَاتَلَ أَخَذَكُمْ فَلْيَتَحَبَّبِ الْوُجْهَ فَإِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى

صُوْرَتِہ۔ (تتق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب تم سے کوئی شخص کسی کو مارے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کے چہرے کو بچائے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صفات پر پیدا کیا اور اس کو اپنی صفات جلالیہ و جمالیہ کا مظہر بنایا۔ یا یہ مراد ہے کہ آدم کو اس صورت خاصہ پر پیدا کیا گیا جس کو حق تعالیٰ نے صرف انبیاوں کے لئے اختراع کیا اور پیدا کیا۔ اس اعتبار سے ”اپنی“ کی طرف ”صورت“ کی اضافت، انسانی شرف و کرامت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے جیسا کہ نفخت فیہ من زوجی میں حق تعالیٰ نے روح کی اضافت اپنی طرف فرما کر روح انسانی کی عظمت و فضیلت کو ظاہر کیا ہے۔ اور بعضوں نے یہ کہا کہ صورت کی ضمیر و اصل آدم کی طرف راجع ہے یعنی آدم کو اس صورت پر پیدا کیا جو آدم کے ساتھ مخصوص ہے اور جو تمام مخلوقات سے ممتاز ہے اور خاصا نفس و کرامات پر مشتمل ہے۔

اس طرح حدیث کا حاصل یہ ہو گا کہ حق تعالیٰ نے انسان کو تمام مخلوقات میں اشرف پیدا کیا ہے اور اس کے تمام اعضاء میں اس کا چہرہ اشرف و کرم اور انسانی صورت و کمال کے ظہور کا محل ہے لہذا انسان کے چہرہ پر مارنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ حکم استحباب کے طور پر ہے۔

الفصل الثانی

غیر کے گھر میں بلا اجازت جھانکنے اور داخل ہونے والا قابل تعزیر ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَشَفَ سِتْرًا فَادْخَلَ بَصَرَهُ فِي الْبَيْتِ قَبْلَ أَنْ يُؤْذَنَ لَهُ فَوَإِي عِزَّةُ أَهْلِهِ فَقَدْ أَفْئَى خُدًّا لَا يَجُوزُ لَهُ أَنْ يَأْتِيَهُ وَقَوْلُهُ جِئْتُكَ أَذْخُلُ بَصَرُهُ فَاسْتَنْبَلَهُ وَجَلَّ فَقَفَا عَيْنُهُ مَا عَيَّرَتْ عَلَيْهِ وَإِنْ مَرَّ الرَّجُلُ عَلَى بَابٍ لَا سِتْرَ لَهُ خَيْرٌ مَغْلُوقٍ فَتَنْظُرُ فَلَا تُحِيطُ بِهِ عَلَيْهِ إِنَّمَا الْخَطِيئَةُ عَلَى أَهْلِ الْبَيْتِ - وَوَاهُ التَّيْمِزِيُّ وَقَالَ هَذَا أَخِيذٌ غَرِيبٌ.

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر کسی شخص نے کسی کے گھر کا پردہ کھولا اور اس کے گھر میں اپنی نظر ڈالی جب کہ اس کو (اس گھر میں جھانکنے اور داخل ہونے کی) اجازت حاصل نہیں تھی اور اس نے اس کی گھر والی کو دیکھا تو (اس نے) ایک ایسی چیز کا ارتکاب کیا جس کی وجہ سے (وہ قابل تعزیر ہو) اس کے لئے یہ (زجر) جائز نہیں ہے کہ وہ (بلا اجازت کسی کے گھر پر) آئے (اور اس کے گھر میں جھانکے) اگر اس نے گھر میں جھانک کر دیکھا اور گھر والوں میں سے کوئی شخص سامنے آگیا اور اس نے اس (جھانکنے والے) کی آنکھ پھوڑ ڈالی تو میں اس (آنکھ پھوڑنے والے) کو مرزئ نہیں کروں گا اور نہ (بطور تادیب) اس پر کوئی چیز داجب کروں گا ہاں اگر کوئی مرد کسی ایسے دروازے پر سے گزرے جس پر نہ کوئی پردہ نہ ہو اور نہ وہ بند ہو اور اس کی نظر گھر کے اندر پڑے تو اس پر کوئی گناہ نہیں بلکہ گناہ تو گھر والوں پر ہو گا کہ انہوں نے دروازے کو بند نہیں کیا اور اس پر پردہ کیوں نہیں ڈالا۔ (ترمذی) نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریبہ ہے۔“

تشریح: ”اس کے لئے“ یہ (زجر) جائز نہیں ہے اس لئے یہ استیفاء ہے جو علت کو متضمن ہے، یعنی یہ جملہ ایک الگ عبارت کو شروع کرتا ہے جس کا مقصد پہلی عبارت کے مفہوم کی علت کو بیان کرنا ہے۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اہل خانہ پر واجب ہے کہ وہ اپنے مکان کا دروازہ بند رکھے یا دروازے پر پردہ ڈالے رکھے۔

ہاتھ میں نگلی تلواریں رکھنے کی ممانعت

(۱۸) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُتَعَاظَى السَّيْفُ مَسْلُوكًا - (رواہ الترمذی والبیہقی)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بے نیام تلواریں ہاتھ میں رکھنے سے منع کیا ہے۔“ (ترمذی، البیہقی)

تشریح: بے نیام تلواریں ہاتھ میں رکھنے سے اس خوف کے پیش نظر منع فرمایا گیا ہے کہ مبارک ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑے اور کسی کے ہالے یا لگے اس کے ہاتھ میں نگلی تلواریں رکھ کر خوف و وحشت میں پڑ جائیں۔

انگلیوں کے درمیان تسمہ چیرنے کی ممانعت

(۱۹) وَعَنْ الْحَسَنِ عَنْ سَعْدَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يُقَدَّ السَّيْفُ بَيْنَ إِبْهَامَيْهِ - (رواہ البیہقی)

”اور حضرت حسنؓ حضرت سعادہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ تسمہ کو دونوں انگلیوں کے درمیان چیرا جائے۔“ (البیہقی)

تشریح: اس ممانعت کا سبب یہ ہے کہ اس طرح تسمہ چیرنے سے انگلیاں ترشگی ہو جائیں۔ یہ حدیث اور اس سے پہلی حدیث دونوں میں مذکور ممانعت تخریکی ہے اور ازراہ شفقت و مہربانی ہے۔

اپنے دین، اپنی جان، اپنے مال اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت میں مارا جانے والا شہید ہے

(۲۰) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قُتِلَ دُونَ دِينِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونَ أَهْلِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ - (رواہ الترمذی والبیہقی)

”اور حضرت سعید ابن زیدؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اپنے دین کی حفاظت کرتا ہو مارا جائے گا وہ شہید ہے جو شخص اپنی جان کی حفاظت کرتا ہو مارا جائے گا وہ شہید ہے جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتا ہو مارا جائے گا وہ شہید ہے اور جو شخص اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتا ہو مارا جائے گا وہ شہید ہے۔“ (ترمذی، البیہقی)

تشریح: دین کی حفاظت میں مارے جانے کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کسی مسلمان کے سامنے کسی کافر یا کسی بت پرست نے اس کے دین کی توہین و عداوت کی اور وہ مسلمان اس سے لڑ کر اور مار مار کر اس کو شہادت کا درجہ ملے گا۔

اگر علماء کا مسلک یہ ہے کہ اگر مثلاً زیدؓ کا مال کوئی شخص لوٹے گا اور وہ کرے یا اس کو قتل کرے پر اتر آئے اور یا اس کے اہل و عیال کو کسی قسم کا کوئی نقصان پہنچائے گا قصہ کرے تو زیدؓ کو چاہئے کہ وہ اس طرح کا برا ارادہ رکھے ورنہ اس کی ممانعت کرے یعنی پہلے تو اس کو اچھے اور نرم انداز میں اس کے برے ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کرے لیکن اگر وہ بغیر لڑائی جھگڑے کے اپنے ارادہ سے باز نہ آئے اور زیدؓ اس کو مار ڈالے تو زیدؓ پر (بظہور تادان) کوئی چیز نہیں ہوگی۔ اور اگر زیدؓ مارا گیا تو وہ شہید کا درجہ پائے گا۔

مسلمان پر تلوار اٹھانے والے کے بارہ میں وعید

(۲۱) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ الشَّيْخِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِحَبَّتِهِمْ سَبْعَةُ أَبْوَابٍ مِنْهَا لِمَنْ مَثَلَ السَّيْفِ عَلَى أَهْلِيهِ أَوْ قَالَ عَلَى أَهْلِهِ مُحْتَدٍ - وَوَأَهْلُ التَّيْمِ مَذْبُوحٌ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ -

”اور حضرت ابن عمرؓ نے کہا کہ آپ نے فرمایا ”دو دروازے کے سات دروازے ہیں، ان میں سے ایک دروازہ اس شخص کے لئے ہے جو میری امت (کے لوگوں) پر ایسا فرمایا۔ امت محمدیہ پر (حق) تلوار اٹھائے“ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور

کہا ہے کہ حدیث غریب ہے۔

وَحَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ الرَّجُلُ جُنَادٍ ذَكَرَ فِي بَابِ الْقَسَامَةِ
”اور حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث الرجال جبار فتح باب القسام میں نقل کی جا چکی ہے۔“

بَابُ الْقَسَامَةِ

قسامت کا بیان

”قسامت“ ق کے زبر کے ساتھ قسم کے معنی میں ہے یعنی سوگند کھانا۔ شرعی اصطلاح میں ”قسامت“ کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی آبادی و محلہ میں یا اس کی آبادی و محلہ کے قریب میں کسی شخص کا قتل ہو جائے اور قاتل کا پتہ نہ ملے تو حکومت و اوقات کی تحقیق کرے اگر قاتل کا پتہ نہ مل جائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس آبادی یا محلہ کے باشندوں میں سے چالیس آدمیوں سے قسم لی جائے اس طرح کہ ان میں سے ہر آدمی یہ قسم کھائے کہ ”خدا کی قسم! نہ میں نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ اس کے قاتل کا مجھے علم ہے“ یہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے جس کی بنیاد یہ مشہور حدیث ہے کہ اَلْبَيْتَةُ عَلٰی الْفُلْجِيِّ وَالْبَيْتَةُ عَلٰی مَنْ اَنْكَرَ چنانچہ اس باب کی تیسری فصل میں حضرت رافع ابن خدیج سے منقول روایت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔

حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک ”قسامت“ کا مفہوم یہ ہے کہ جس آبادی و محلہ میں یا جس آبادی و محلہ کے قریب میں لاش پائی گئی ہے اگر اس کے باشندوں اور متول کے درمیان کوئی عداوت ہو گئی ہو یا کوئی ایسی علامت پائی گئی ہو۔ جس سے یہ ظن غالب ہو کہ اس آبادی و محلہ کے لوگوں نے اس کو قتل کیا ہے جیسے اس آبادی یا محلہ میں لاش کا پایا جانا، تو متول کے وارثوں سے قسم لی جائے یعنی ان سے کہا جائے کہ وہ یہ قسم کھائیں کہ ”خدا کی قسم! ہم نے (یعنی اس آبادی یا محلہ کے لوگوں نے) اس کو قتل کیا ہے“ اگر متول کے وارث یہ قسم کھاتے سے انکار کر دیں تو پھر ان لوگوں سے قسم لی جائے جن پر قتل کا شبہ کیا گیا ہے“ چنانچہ اس باب کی پہلی حدیث جو حضرت رافع سے منقول ہے اسی پر دلالت کرتی ہے۔

قسامت میں قصاص واجب نہیں ہوتا اگرچہ قتل عمد کا دعویٰ ہو بلکہ اس میں دیت واجب ہوتی ہے خواہ قتل عمد کا دعویٰ ہو یا قتل خطا کا۔ لیکن حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر قتل عمد کا دعویٰ ہو تو پھر قصاص کا حکم نافذ کرنا چاہیے اور حضرت امام شافعیؒ کا قہم قول بھی یہی ہے۔

قسامت کے بارہ میں یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ قسامت کا یہ طریقہ زمانہ جاہلیت میں بھی رائج تھا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس طریقہ کو بائی رکھا اور اسی کے مطابق انصار یوں میں اس متول کا فیصلہ کیا جس کے قتل کا انہوں نے خیر کے یہودیوں پر دعویٰ کیا تھا۔

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

قسامت میں مدعی سے قسم لی جائے یا مدعا علیہ سے

① وَعَنْ زَافِعِ بْنِ خُوَيْلِدٍ وَسَهْلِ بْنِ أَبِي حَسَنَةَ أَنَّهُمَا حَدَّثَا أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ سَهْلٍ وَمُحَبَّبَةَ بْنَ مَسْعُودٍ ابْنَا خَيْبَةَ فَتَفَرَّقَا فِي الشَّخْصِ فَقِيلَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَهْلٍ فُجَاءَ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنُ سَهْلٍ وَخُوَيْبَةَ وَمُحَبَّبَةَ ابْنَا مَسْعُودٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَكَلَّمُوا فِي أَمْرِ صَاحِبِهِمْ فَبَدَأَ عَبْدَ الرَّحْمَنِ وَكَانَ أَصْغَرَ الْقَوْمِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اكْبِرْ الْكَبِيرُ قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ يُعْنِي لِيْلِي الْكَلَامَ الْأَكْبَرُ فَتَكَلَّمُوا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَحَقُّوا

قَتِيلَكُمْ أَوْ قَالَ صَاحِبَكُمْ بِأَيِّمَانِ خَمْسِينَ وَنُكْمٌ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَمْ لَمْ تَقْرَأْ قَالَ فَخَبِّرْكُمْ يَهُودُ فِي أَيِّمَانِ خَمْسِينَ مِنْهُمْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَوْمٌ كَفَرُوا فَقَدْ أَهَمَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَبْلِهِ وَفِي زَوَايَةِ تَخْلُفُونَ خَمْسِينَ يَمِينًا وَتَشْجَعُونَ قَاتِلَكُمْ أَوْ صَاحِبَكُمْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَشِيدِهِ بِعَانَةِ نَاقَةٍ (متل یہ)

”حضرت رافع ابن خدیج اور حضرت سہل ابن حنفہ دونوں بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ ابن سہل اور حمیرہ ابن مسودہ خیر آئے تو ایک دن سیر کرتے ہوئے دونوں کھجور کے درختوں میں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے (یعنی ایک کسی اور سمت کو نکل گیا اور دوسرا کسی اور سمت چلا گیا) چنانچہ عبداللہ ابن سہل کو (اکیلا یا کسی نے قتل کر دیا) اس حادثہ کے بعد (عبدالرحمن ابن سہل (جو مقتول کے حقیقی بھائی تھے) اور مسودہ کے دونوں بیٹے حویصہ اور حمیرہ (جو مقتول کے چچا اور بھائی تھے) اپنی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے عزیز مقتول کے بارہ میں مقدمہ پیش کیا، جب عبدالرحمن نے گفتگو کی ابتداء کی (جو مقتول کے حقیقی بھائی تھے) اور تینوں میں سب سے چھوٹے تھے تو نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اپنے بڑے کی برائی کو ٹھوڑا کر دو، یعنی تم تینوں میں جو شخص سب سے بڑا ہے اس کو گفتگو کی ابتداء کرے (دعا حضرت نجی ابن سعید) جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں کہتے ہیں کہ اس ارشاد مگر ای سے آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ جو شخص سب سے بڑا ہو وہ گفتگو کا ذمہ دار ہو، چنانچہ (اس کے بعد) انہوں نے (یعنی ان کے بڑے نے) گفتگو کی نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”اگر تم میں سے پچاس آدمی قسم کھالیں تو تم اپنے مقتول یا (اپنے مقتول کی بجائے) یہ فرمایا کہ اپنے ساتھی کا خون بھاپا تصافح لینے کے مستحق ہو۔“ انہوں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! یہ تو ایسی چیز ہے جس کو ہم نے نہیں دیکھا ہے (یعنی ہم یہ قطعاً نہیں جانتے کہ مقتول کو کس شخص نے قتل کیا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا، پچاس یہودی قسم کھا کر (تہارے اس شہر سے) ہمیں پاک کر دیں (یعنی وہ یہ قسم کھالیں گے کہ مقتول کو ہم نے قتل نہیں کیا ہے) اور اس طرح ان پر جو قتل کا شبہ یا الزام ہے اس کو وہ قسم کر دیں گے (انہوں نے عرض کیا) ”یا رسول اللہ! وہ تو کافر ہیں (ان کی قسموں کا کیا اعتبار) چنانچہ رسول کریم ﷺ نے (فتنہ دفع کرنے کے لئے) مقتول کے درمیان کو اپنی طرف سے خون پیرا دوا کر دیا“ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) ہمیں پچاس قسمیں کھاؤ اور اپنے مقتول - یا یہ - فرمایا کہ اپنے ساتھی کے خون بھاپا کے حق ہو جاؤ (اس کے بعد) آپ ﷺ نے اپنی طرف سے سوا دس خون پیراں دوا کر دیئے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”جو شخص سب سے بڑا ہو وہ گفتگو کا ذمہ دار ہو“ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جو شخص عمر میں سب سے بڑا ہو اس کا اکرام و احترام ضروری ہے اور گفتگو کی ابتداء اس کی طرف سے ہونی چاہئے۔

یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حدود میں وکالت جائز ہے، نیز اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ حاضر کی وکالت بھی جائز ہے کیونکہ مقتول کے خون کے ولی ان کے حقیقی بھائی یعنی عبدالرحمن ابن سہل تھے اور حویصہ اور حمیرہ ان کے چچا اور بھائی تھے۔ اس حدیث سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ قسمت میں پہلے درجی سے قسم لی جائے جب کہ حقیقی مسلک یہ ہے کہ پہلے مدعا علیہ سے قسم لی جائے۔

وَهَذَا الْبَابُ خَالَ عَنِ الْقَضِيلِ الثَّانِيَةِ۔

”اور اس باب میں دوسری فصل نہیں ہے۔“

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

قسم کی ابتداء مدعا علیہ سے ہونی چاہئے

② عَنْ زَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ أَصْبَحَ وَرَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ مَقْتُولًا يَخْتَبِرُ فَأَتَانِي أَوْلِيَاؤُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرُوا ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ أَلَا تَرَوْنَ شَاهِدَيْنِ تَشْهَدَانِ عَلَيَّ قَاتِلَ صَاحِبِكُمْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ لَمْ يَكُنْ قَدْ أَخَذَ مِنْ

الْمُسْلِمِينَ وَالْمَا هُمْ يَهُودٌ وَقَدْ بَخَسُوا عَلِيَّ أَكْظَمَ مِنْ هَذَا قَالُوا فَاحْتَازُوا مِنْهُمْ خَمْسِينَ فَاسْتَحْلِفُوا هُمْ فَأَنزَلُوا
فَوَدَّاهُ سُوْلُ الْمَلِكِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَشْرِهِ (رواه ابو داؤد)

”حضرت رافع ابن خدیج کہتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص (یعنی عبداللہ ابن سلم) خیر میں قتل کر دینے کے چنانچہ ان کے در تاء (یعنی ان کے بیٹے اور چچا زاد بھائی) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا مقدمہ پیش کیا، آنحضرت ﷺ نے (ان سے) فرمایا کہ ”کیا تمہارے پاس دو گواہ ہیں جو تمہارے مقتول کے قاتل کے بارہ میں گواہی دیں انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہاں کوئی مسلمان تو موجود نہیں تھا البتہ یہ دو تھے (جو ظلم کرنے، قتل و قتل پھیلانے اور جیلہ گری میں بہت مشہور ہیں) وہ تو اس سے بھی بڑے کام کی جرأت رکھتے ہیں (جیسے انبیاء کو قتل کر دینا، کلام اللہ میں تحریف کرنا اور احکام خداوندی سے صریح شرکی کرنا) آپ نے فرمایا ”اچھا ان میں چار اس آدمیوں کو منتخب کر لو اور ان سے قسمیں لو“ لیکن مقتول کے در تاء نے یہودیوں سے قسم لینے سے انکار کر دیا (کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ اسے مکار ہیں کہ جوئی قسمیں کھائیں گے) چنانچہ رسول کریم ﷺ نے اس مقتول کا خون پر اپنے پاس سے دے دیا۔“ (ابو داؤد)

تشریح: ملا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا ظاہری مفہوم حقیقہ کے اسی مسلک کی واضح دلیل ہے کہ قسمت میں پہلے مدعا علیہ سے قسم لینی چاہئے۔
ملا علی قاریؒ نے اس موقع پر تمام احمد کے مسلک کو قتل کرنے کے بعد حقیقہ مسلک کے دلائل بڑی عمدگی کے ساتھ بیان کئے ہیں۔

بَابُ قَتْلِ أَهْلِ الرِّدَّةِ وَالسَّعَاءِ بِالْفَسَادِ

مرتدوں اور فساد پر پانے کرنے والوں کو قتل کر دینے کا بیان

مرتد کسے کہتے ہیں؟: ”مرتد“ اس شخص کو کہتے ہیں جو دین اسلام سے پھر جائے یعنی ایمان و اسلام کے نورانی دائرہ سے نکل کر کفر و شرک کے ظلمت کے دہان میں چلا جائے۔

مرتد کے بارہ میں حکم: جب کوئی مسلمان نعوذ باللہ، اسلام سے پھر جائے تو اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی جائے اگر وہ اسلام کے بارہ میں کسی شک و شبہ کا شکار ہو تو اس کا شک و شبہ رفع کیا جائے گا، اگرچہ اسلام کی دعوت دینا اور اس کا شک و شبہ دور کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے کیونکہ اسلام کی دعوت اس کو پہلے ہی پہنچ چکی ہے اب اس کی تجدید و دعوت کی احتیاج نہیں ہے۔ نیز مستحب یہ ہے کہ ایسے شخص کو تین دن کے لیے قید میں ڈال دیا جائے اگر وہ ان تین دنوں میں توبہ کر کے دائرہ اسلام میں لوٹ آئے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے کیونکہ اسلام نے مرتد کی سزا قتل مقرر کی ہے اور بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ اگر وہ مہلت طلب کرے تب اس کو مہلت دی جائے ورنہ مہلت دینے کی ضرورت نہیں لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک امام وقت (حکومت) پر تین دن کی مہلت دینی واجب ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کے فرمان اَفْلَحُوا الْمُشْرِكِينَ (شرکوں کو قتل کرو) اور آنحضرت ﷺ کے ارشاد من بدل دینہ بالخلوہ (جس شخص نے اپنا دین اسلام تبدیل کر دیا اس کو قتل کر دو) سے یہی ثابت ہوتا کہ مرتد کو مہلت دینا واجب نہیں ہے۔

فساد پر پانے کرنے والے کون ہیں؟: حدیث کے دوسرے جزو کا تعلق فساد پر پانے کرنے والوں سے ہے۔ یہ یوں تو عام طور پر فساد پر پانے کرنے والے سے وہ لوگ مراد ہوتے ہیں جو زمین پر قتل و قتل اور لوٹ پھاتے ہیں اور قتل و غارت گری کے ذریعہ لوگوں کے امن و سکون کو تباہ و برباد کرتے ہیں لیکن یہاں بطور خاص قطع الحرق یعنی قراقرم مراد ہیں کہ اُنکی سزا بھی قتل ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے:

اِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا۔

”جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑتے ہیں اور زمین پر فساد پر پانے کرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔“

ارتداد اور مرتد کے بارہ میں کچھ تفصیلی مسائل و احکام: آج کل ہلکی روزمرہ زندگی بڑی بے اعتدالیوں کی شکار ہے نہ ہمیں اپنی زبان پر قابو رہتا ہے نہ ہم اپنے اعتقادات و نظریات کے دائرہ میں پوری طرح رہتے ہیں اور نہ ہمارے افعال و اعمال پابند احتیاط ہوتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسی بہت سی باتیں ہماری زبانوں سے نکلتی رہتی ہیں جنہیں ہم بظاہر بالکل غیر اہم سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ باتیں ہمیں کفر کے دائرہ تک پہنچا دیتی ہیں اسی طرح ایسے بہت سے افعال و اعمال ہم سے سرزد ہوتے رہتے ہیں جنہیں ہم بہت معمولی سمجھتے ہیں لیکن مالِ کار وہ ہمارے لئے سخت خسران آخرت کا ذریعہ بن جاتے ہیں لہذا ضروری ہے کہ اس موقع پر اس بارہ میں تفصیل کے ساتھ کچھ عرض کیا جائے۔

قائدی عالمگیریؒ کے ایک باب میں مرتد کے احکام و مسائل بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اس باب سے باب کو علاوہ چند نادر الوجود مسائل کو یہاں نقل کیا جاتا ہے اس میں جو مسائل ہیں ان کا جائزہ مسلمان کے لئے ضروری ہے تاکہ مرتد کے بارہ میں احکام و مسائل ہونے کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو جائے کہ وہ کون سے الفاظ ہیں جو زبان سے ادا ہونے پر کفر تک پہنچا دیتے ہیں یا وہ کون سے عقائد و اعمال ہیں جن کو اختیار کرنے والا کفر تک پہنچ جاتا ہے۔

”مرتد“ عرف عام میں اس شخص کو کہتے ہیں جو دین اسلام سے پھر جائے۔ وجود ایمان کے بعد کفر کا زبان سے ادا ہونا مرتد ہونے کا رکن ہے اور مرتد کا حکم کچھ ہونے کے لئے عقل کا ہونا شرط ہے لہذا مجنوں اور بے عقل بچے پر مرتد کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے اور جس شخص پر جنون کی کیفیت مستقل طور پر طاری رہتی ہو تو اس پر مرتد کا حکم اس صورت میں لگے گا جب کہ وہ اپنے صحیح الدماغ ہونے کی حالت میں ارتداد کا مرتکب ہو، اگر وہ اس وقت ارتداد کا مرتکب ہو جب کہ اس پر جنون کی کیفیت طاری تھی تو اس پر مرتد کا حکم نہیں لگے گا اسی طرح اس شخص پر بھی مرتد کا حکم لگانا صحیح نہیں ہوگا جو ہر وقت نشے کی حالت میں رہتا ہو اور اس کی عقل ماؤف ہو چکی ہو۔

مرتد کا حکم نافذ ہونے کے لئے بالغ ہونا شرط نہیں ہے یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ جو شخص حالت بلوغ میں ارتداد کا مرتکب ہو، اسی کو مرتد اقرار دیا جائے جب کہ نابالغ پر بھی مرتد کا حکم لگ سکتا ہے اسی طرح مرد و نابالغ مرتد کے حکم نافذ ہونے کے لئے شرط نہیں ہے بلکہ اگر عورت ارتداد کی مرتکب ہوگی تو اس پر بھی مرتد کا حکم لگے گا۔

مرتد کا حکم نافذ ہونے کے لئے رضا و رغبت شرط ہے لہذا اس شخص پر مرتد ہونے کا حکم نافذ نہیں ہو سکتا جس کو مرتد ہو جانے پر مجبور کیا گیا ہو۔

جس شخص کو برسام کی بیماری ہو اس کو کوئی ایسی چیز کھلا دی جائے جس سے اس کی عقل باقی رہی اور زبان بکنے لگے، اور پھر اسی حالت میں وہ مرتد ہو جائے تو اس پر مرتد کا حکم نہیں لگایا جائے گا، اسی طرح جو شخص مجنوں ہو یا وہ سواہی ہو یا کسی بھی قسم کا مغلوب العقل ہو تو اس پر بھی مرتد کا حکم نہیں لگے گا۔

جیسا کہ ابتداء باب میں بیان کیا گیا، جو شخص مرتد ہو جائے اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی جائے اور اگر اس کو کوئی شک و شبہ ہو تو اسے دور کیا جائے اور پھر جب وہ دائرہ اسلام میں آنا چاہے تو کلمہ شہادت پڑھے اور مذہب اسلام کے سوا اور سب مذاہب سے بیزارگی کا اظہار کرے، اور اگر اسی مذہب سے بیزارگی کا اظہار کرے جس کے دائرہ میں وہ اسلام کو چھوڑ کر گیا تھا تو یہ بھی کافی ہوگا۔

اگر کوئی شخص مرتد ہونے کے بعد پھر اسلام میں لوٹ آئے اور پھر کفر کی طرف لوٹ جائے، اسی طرح تین مرتبہ کرے اور ہر مرتبہ امام وقت سے مہلت چاہے تو امام وقت اس کو تین تین دن کی تینوں مرتبہ تو مہلت دے دے لیکن اگر وہ پھر بھی بار کفر کی طرف لوٹے اور مہلت طلب کرے تو اب جو تیس بار امام وقت اس کو مہلت دے لگے اگر وہ آخری طور پر دائرہ اسلام واپس آجائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے۔

اگر کوئی صاحب عقل لڑکا مرتد ہو جائے تو اس کا مرتد ہونا حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک معتبر ہوگا لہذا اس

کو دائرہ اسلام میں آجانے پر مجبور کیا جائے اور اس کو قتل نہ کیا جائے یہی حکم اس لڑکے کا ہے جو قریب البلوغ ہو۔ صاحب عقل لڑکے سے مراد ایسی عمر کا لڑکا ہے جو یہ سمجھتا ہو کہ اسلام نجات کا ذریعہ ہے اور وہ اپنے اور رے میں اور بیٹھے اور کڑے میں تیز کر سکتا ہو۔ بعض حضرات کے نزدیک وہ لڑکا مراد ہے جو سات سال کی عمر کو پہنچ گیا ہو۔

اگر کوئی عورت مرتد ہو جائے تو اس کو قتل نہ کیا جائے بلکہ جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائے اس کو قید میں ڈالے رکھا جائے اور ہر تیسرے دن اس کو بطور تنبیہ مارا جائے تاکہ وہ اپنے ارتداد سے توبہ کر کے دائرہ اسلام میں آجائے لیکن اگر کوئی شخص کسی مرتد عورت کو قتل کر دے تو قاتل پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔

کوئی باندی مرتد ہو جائے تو اس کا مالک اس کو اسلام قبول کرنے پر پابیاں طود مجبور کرے کہ اس کو اپنے گھر میں مجبور کر دے اس سے اپنی خدمت لینے کے ساتھ ساتھ ہزاؤ کچھ دوسرے کام بھی اس کے سپرد کر دے اور وہ مالک اس کے ساتھ محبت نہ کرے۔
عالمہ لڑکی کا وہی حکم ہے جو بالغ کا ہے اسی طرح قسطنطینی مشکل بھی عورت کے حکم میں ہے۔ آزاد عورت جو مرتد ہو جائے اس کو اس وقت تک بطور باندی گرفتار نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ وہ دارالاسلام میں ہے ہاں اگر وہ دارالحرب میں چلی جائے اور پھر وہاں سے وہ (اسلامی لشکر کے) قیدیوں میں آئے تو اس کو باندی بنایا جاسکتا ہے۔

اور امام ابوحنیفہؒ کے نوادر میں سے ایک قول یہ ہے کہ مرتدہ کو دارالاسلام میں بھی بطور باندی گرفتار کیا جاسکتا ہے چنانچہ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اگر اس قول پر اس عورت کے بارے میں فتویٰ دیا جائے جو خاوندانی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ مناسب یہ ہے کہ اس عورت کا خاوند حکومت وقت سے اس کو باندی بنانے کی درخواست کرے یا اگر وہ خاوند اس کا مصرف (یعنی مسلمان) ہو تو حکومت وقت اس عورت کو خاوند کے تئیں ہدیہ کر دے۔ اس صورت میں خاوند اس عورت کو مجبور کرنے اور اسلام لانے کے لئے اس کو ہزاؤ مارنے کا ذمہ دار ہوگا۔

جب کوئی مرتد اپنے ارتداد سے انکار کر دے تو اللہ تعالیٰ کی داد احدث محمد ﷺ کی حالت اور دین اسلام کی حقانیت کا اقرار کرے تو یہ گویا اس کی طرف سے توبہ کا مظہر ہوگا اور اس صورت میں وہ مسلمان سمجھا جائے گا۔

جب کوئی شخص مرتد ہو جاتا ہے تو اس کے مال سے اس کی ملکیت نازل ہو جاتی ہے لیکن یہ ملکیت کا نازل ہونا موقوف رہتا ہے اگر اس شخص کو توبہ کی توفیق نصیب ہو جائے اور پھر وہ مسلمان ہو جائے تو اس کی ملکیت بھی واپس آجاتی ہے اور اگر وہ اسی حالت ارتداد میں مر جائے یا اس کو قتل کر دیا جائے تو اس کے اس مال کے جو اس نے اسلام کی حالت میں کمایا تھا اس کے مسلمان وارث اور حقدار ہوں گے اور ان کو اس مال کا وہی حصہ ملے گا جو اس زمانہ میں اس کے دین (قرض وغیرہ) کی ادائیگی کے بعد بچے گا اور جو مال اس نے حالت ارتداد میں کمایا ہوگا اس میں سے اس کے زمانہ ارتداد کے دین کی ادائیگی کے بعد جو کچھ بچے گا وہ فقی شام ہوگا۔ یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا قول ہے، صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک مرتد کی ملکیت نازل نہیں ہوتی۔

مرتد کی میراث پانے والے کے بارے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے حقیق اقوال بیان کئے جاتے ہیں، چنانچہ حضرت امام محمدؒ نے، حضرت امام اعظمؒ سے نقل کیا ہے اور اس کی قول زیادہ صحیح ہے کہ جب مرتد خراجے یا اس کو قتل کر دیا جائے اور یا دارالحرب بھاگ جائے تو اس کا مسلمان وارث اس کی میراث پانے کا اسی طرح اس کے مر جانے یا قتل کئے جانے یا دارالحرب بھاگ جانے کے بعد اس کی مسلمان بیوی بھی اس کے مال کی وارث ہوگی بشرطیکہ اس (مرتد کی) وفات یا قتل یا دارالحرب بھاگ جانے کے وقت وہ وہ بیوی عدت میں ہو کیونکہ وہ مرتد اپنے ارتداد کے ذریعہ گویا اپنی بیوی کو اپنی میراث دینے سے براہ قرار اختیار کرنے والا والہ اللہ اس کا ارتداد اور مرض الموت کی مانند ہوا کہ جس طرح اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے مرض الموت میں طلاق مختلہ دے دے تو شریعت اس امر کے پیش نظر کہ اس کے شوہر نے اس کو اپنی میراث سے محروم رکھنے کی بجائے مرض الموت میں طلاق دی ہے اس کو اس کے شوہر کی میراث کی حقدار تسلیم

کرتی ہے اسی طرح مرتد بھی اپنے ارتداد کے ذریعہ کو اپنی بیوی کو اپنی میراث سے محروم رکھنا چاہتا ہے اس لئے شریعت اس کے علی الرغم اس کی بیوی کو اس کی میراث کا حقدار تسلیم کرتی ہے، اگر کوئی عورت مرتد ہو جائے تو اس کے مرنے کے بعد اس کا خاوند اس کی میراث کا حقدار نہیں ہوتا، بلکہ اگر بیوی بیاری کی حالت میں مرتد ہوئی (پھر مر گئی) تو اس کا شوہر اس کی میراث پانے کا اسی طرح تمام اقرباء اس کے سارے مال کے وارث ہوں گے یہاں تک کہ اس نے حالت ارتداد میں جو مال جمع کیا ہو گا وہ بھی ان وارثوں کو ملے گا۔

اگر کوئی شخص مرتد ہو کر دار الحرب میں چلا گیا یا حاکم نے اس کے دار الحرب چلے جانے کا حکم نافذ کر دیا تو اس کا مدبر غلام آزاد ہو جائے گا اور اس کی امہات اولاد بھی آزاد ہو جائیں گی اور اس کے جو دیون موجدہ ہوں گے وہ فوری طور پر قائل اور تسک ہوں گے اور اس نے حالت اسلام میں جو مال پیدا کیا تھا وہ سب اس کے مسلمان ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گا اور اگر کسی مرتد نے اپنے زائد اسلام میں کوئی وصیت کی ہوگی تو بمسوط وغیرہ کی ظاہری روایت کے بموجب وہ وصیت مطلقاً باطل ہوگی یعنی اس کی وصیت کا اجراء نہیں ہو گا خواہ وہ اس وصیت کا تعلق کسی قرابت دار سے ہو یا غیر قرابت دار سے۔

مرتد جب تک دار السلام میں گھومتا پھرتا نظر آئے اس کے بارہ میں قاضی ان احکام میں سے کوئی بھی حکم نافذ نہ کرے جو ذکر کئے گئے ہیں۔

جو شخص مرتد ہو جائے، معاملات و عقود میں اس کے تصرف کرنے کی چار قسمیں ہیں۔ اول تو وہ تصرف ہے جو سب کے نزدیک پوری طرح جاری و نافذ ہوتا ہے جیسے اگر اس کو کوئی چیز ہبہ کی جائے اور وہ اس ہبہ کو قبول کر لے، یا وہ اپنی لونڈی کو اتم ولد بنادے، یا جب اس کی لونڈی کسی بچے کو جنم دے اور وہ مرتد اس بچے کے نسب کا دعویٰ کرے (یعنی یہ کہے کہ یہ میرا بچہ ہے) تو اس بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور وہ بچہ اس کے دوسرے وارثوں کے ساتھ اس کی میراث کا حقدار ہو گا اور وہ لونڈی (کس کے یمن سے بچہ پیدا ہوا ہے) اس مرتد کی اتم ولد ہوگی نیز مرتد کی طرف سے تسلیم شدہ کو قبول و نافذ کیا جائے گا، اسی طرح اگر مرتد اپنے مازون غلام پر ”عمر“ نافذ کرے تو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

دوسرا تصرف وہ ہے جو بالاتفاق باطل ہوتا ہے یعنی شریعت کی نظر میں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا جیسے نکاح کرنا کہ یہ مطلقاً ناجائز نہیں ہے کہ کوئی مرتد کسی عورت سے نکاح کرے خواہ وہ مسلمان ہو، مرتد ہو، ذمید ہو یا مملوک ہو اسی طرح مرتد کا ذبیحہ بھی حرام ہے اور اگر اس نے کوئی شکار پکڑا خواہ وہ شکار کئے کے ذریعہ پکڑا گیا ہو یا باز کے ذریعہ اور یا بندوق کے ذریعہ مارا گیا ہو تو وہ بھی حرام ہو گا۔

تیسرا تصرف وہ ہے جو سب کے نزدیک موقوف رہتا ہے جیسے شرکت مفادست چنانچہ اگر کوئی مرتد کسی مسلمان سے شرکت و مفادست کرے تو اس کا حکم موقوف (معلق) رہتا ہے کہ اگر وہ مرتد مسلمان ہو گیا تو وہ شرکت مفادست بھی نافذ ہو جائے گی اور اگر وہ ارتداد کی حالت میں مر گیا یا اس کو قتل کر دیا گیا یا وہ دار الحرب چلا گیا اور قاضی و حاکم نے اس کے دار الحرب چلے جانا کا حکم نافذ کر دیا تو اس صورت میں وہ شرکت مفادست شروع سے شرکت عثمان میں تبدیل ہو جائے گی، یہ صاحبین کا مسلک ہے لیکن حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک شرکت مفادست سرے سے باطل ہی نہیں ہوتی۔

چوتھا تصرف وہ ہے جس کے موقوف رہنے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں جیسے خرید و فروخت کے معاملات اجارہ کرنا، غلام کو آزاد کرنا، مدبر کرنا یا مکاتب کرنا، وصیت کرنا اور قبض دیون وغیرہ چنانچہ حضرت امام اعظمؒ ابوحنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ ان سب معاملات میں مرتد کے تصرفات موقوف رہتے ہیں اگر وہ اسلام قبول کرے تو نافذ ہو جاتے ہیں، اور اگر مر جائے، یا قتل کر دیا جائے یا قاضی و حاکم اس کے دار الحرب چلے جانے کا حکم نافذ کر دے تو یہ سارے تصرفات باطل ہو جاتے ہیں۔

ارتداد کے دوران مکاتب کے سارے تصرفات نافذ ہوتے ہیں، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے مرتد غلام یا باندی کو فروخت کرے تو اس کی بیع جائز ہوتی ہے۔

اگر کوئی مرتد اپنے ارتداد سے تائب ہو کر دارالاسلام واپس آجائے اور یہ واپسی قاضی و حاکم کی طرف سے اس کے دارالحرب چلے جانے کے حکم کے نفاذ سے پہلے ہو تو اس کے مال و اسباب کے بارہ میں اس کے مرتد ہوجانے کا حکم باطل ہو جاتا ہے اور وہ ایسا ہو جاتا ہے گویا کہ مسلمان ہی تھا اور نہ اس کی کوئی آتم ولد آزاد ہوتی ہے اور نہ اس کا کوئی مدبر آزاد ہوتا ہے اور اگر اس کی واپسی قاضی و حاکم کے حکم کے نفاذ کے بعد ہوئی تو وہ اپنے وارثوں کے پاس اپنی جو چیز پائے اس کو لے لے اور جو مال و اسباب اس کے وارثوں نے بھی لے لیا اور عتاق وغیرہ کے ذریعہ اپنی ملکیت سے نکال دیا ہے اس کے مطالبہ کائن اس کو نہیں پہنچے گا اور اپنے وارثوں سے اس کو ایسے مال کا بدلہ و معاوضہ لینے کا حق حاصل ہوگا۔

جو شخص اپنے ماں باپ کی انتہاء میں مسلمان تھا (یعنی وہ بچہ تھا اور اپنے مسلمان ماں باپ کی وجہ سے مسلمان کے حکم میں تھا) اور پھر ارتداد کے ساتھ ہالٹ ہوا تو اگرچہ قیاس کا قاضی یہ ہے کہ اس کو قتل کیا جائے مگر اس کے بارہ میں ازراہ استحسان یہ حکم ہے کہ اس کو قتل نہ کیا جائے (کیونکہ بلوغ سے پہلے وہ مستحل بالذات مسلمان نہیں تھا بلکہ اپنے ماں باپ کی انتہاء میں مسلمان کے حکم میں تھا) اسی طرح یہی حکم اس شخص کے بارہ میں ہے جو چھوٹی عمر میں مسلمان ہو گیا تھا مگر جب بالغ ہوا تو مرتد تھا، نیز اگر کسی شخص کو زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا تھا اور پھر وہ اسلام سے پھر گیا تو اس کو بھی ازراہ استحسان قتل نہ کیا جائے لیکن ان تمام صورتوں میں حکم یہ ہے کہ اس کو اسلام قبول کر لینے پر مجبور کیا جائے اور اگر اسلام قبول کرنے سے پہلے کسی نے اس کو مار ڈالا تو قاتل نے اسے پرکھ دیا واجب نہیں ہوگا۔

لفظ (وہ بچہ جو کہیں پڑا ہو یا پایا جائے) اگر وہ دارالاسلام میں ہو تو اس کے مسلمان ہونے کا حکم نافذ کیا جائے اور اگر کفر کی حالت میں بالغ ہو تو اس کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے لیکن اس کو قتل نہ کیا جائے۔

یہاں تک تو مرتد کے بارہ میں کچھ احکام و مسائل کا ذکر تھا اب کچھ ان باتوں کو بیان کر دینا ضروری ہے جن کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے چنانچہ ان میں سے بعض باتیں وہ ہیں جن کا تعلق ایمان و اسلام سے ہے بعض باتیں وہ ہیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات وغیرہ سے ہے، بعض باتیں وہ ہیں جن کا تعلق نماز، روزے اور زکوٰۃ سے ہے، بعض باتیں وہ ہیں جن کا تعلق علم اور علماء سے ہے بعض باتیں وہ ہیں جن کا تعلق حلال و حرام وغیرہ سے ہے، بعض باتیں وہ جن کا تعلق قیامت وغیرہ سے ہے اور بعض باتیں وہ ہیں جن کا تعلق کفر کی تکفیر سے ہے۔ چونکہ یہ ایک طویل سلسلہ ہے اس لئے ان باتوں کو یعنی موجبات کفر کو ترتیب کے ساتھ الگ الگ عنوان کے ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

وہ موجبات کفر جن کا تعلق ایمان و اسلام سے ہے: ایمان و اسلام کے بارہ میں وہ باتیں جن کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے، یہ ہیں۔

اگر کوئی شخص یوں کہے کہ ”مجھے نہیں معلوم، میرا ایمان ہے یا نہیں؟“ تو یہ خطائے عظیم ہے، ہاں اور اس بات کا مقصد اپنے شک کی نفی کرنا ہو تو خطائے عظیم نہیں ہے۔ جس شخص نے اپنے ایمان میں شک کیا اور یہ کہا کہ ”میں مؤمن ہوں انشاء اللہ“ تو وہ کافر ہے ہاں اگر وہ یہ تاویل کرے کہ مجھے نہیں معلوم کہ میں اس دنیا سے ایمان کے ساتھ انھوں گیا یا نہیں؟ تو اس صورت میں وہ کافر نہیں ہوگا جس شخص نے یہ کہا کہ ”قرآن مخلوق ہے، یا ایمان مخلوق ہے“ تو وہ کافر ہو گیا۔ جس شخص نے یہ عقیدہ رکھا کہ ایمان و کفر ایک ہیں تو وہ کافر ہے۔ جو شخص ایمان پر راضی و مطمئن نہ ہو اور کافر ہے جو شخص اپنے نفس کے کفر پر راضی ہو اور کافر ہے، اور جو شخص اپنے غیر کے کفر پر راضی ہو اس کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں اور فتویٰ اس قول پر ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے غیر کے کفر پر اس لئے راضی ہوا تاکہ وہ (کافر) ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہے تو وہ کافر نہیں ہوگا، اور اگر وہ اس کے کفر پر اس لئے راضی ہوا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حق میں اس چیز کا اظہار کرے جو اس کی صفات کے لائق نہیں ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ جس شخص نے یہ کہا کہ اسلام کی صفت نہیں جانتا، تو وہ کافر ہو گیا۔ جس شخص نے اس مسئلہ کو بڑے سخت انداز میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس طرح کہنے والا ایسا شخص ہے جس کے لئے نہ دین ہے، نہ نماز ہے، نہ روزہ، نہ طاعت و عبادت ہے نہ نکاح ہے اور اس کی اولاد زمانہ کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد ہے۔

• ایک مسلمان نے کسی عیسائی لڑکی سے نکاح کیا جس کے ماں باپ بھی عیسائی ہیں اور پھر وہ اس حال میں بڑی ہوئی کہ وہ کسی مذہب اور دین کو نہیں جانتی یعنی نہ تو وہ دین کو دل سے پہچانتی ہے اور نہ اس کو زبان سے بیان کر سکتی ہے اور وہ دیوانی بھی نہیں ہے تو اس صورت میں اس کے اور اس کے شوہر کے درمیان تفریق ہو جائے گی۔ اسی طرح کسی مسلم بچی سے نکاح کیا، اور پھر جب وہ حالت عقل میں بالغ ہوئی تو نہ وہ اسلام کو دل سے جانتی پہچانتی ہے اور اس کو زبان سے بیان کر سکتی ہے اور وہ دیوانی بھی نہیں ہے تو اس صورت میں بھی اس کے شوہر کے درمیان جدائی ہو جائے گی۔

اگر کسی عورت سے پوچھا گیا کہ ”توحید کیا ہے“ اس نے جواب میں کہا ”میں نہیں جانتی“ تو اس جواب سے اس امر کی مراد اگر یہ ہو کہ مجھے وہ توحید (یعنی لکھنے توحید) یاد نہیں ہے جو بچے مکتب میں پڑھا کرتے ہیں، تو اس میں اس کا کوئی نقصان نہیں۔ لیکن اگر وہ اس جواب سے یہ مراد رکھتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو نہیں پہچانتی تو اس صورت میں وہ مؤمنہ نہیں رہے گی، اور اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔

اگر کوئی شخص اس حالت میں مرا کہ وہ یہ نہیں پہچانتا تھا کہ کوئی میرا خالق ہے، اس کے گھر کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک اور گھر بھی ہے اور یہ کہ ظلم حرام ہے تو وہ مؤمن نہیں تھا۔ ایک شخص گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ (گناہ کے ذریعہ) اپنے اسلام کو ظاہر کرنا چاہئے تو وہ کافر ہے۔ ایک شخص نے کسی سے کہا کہ میں مسلمان ہوں تو اس نے جواب میں کہا کہ تجھ پر بھی لعنت اور تیری مسلمان پر بھی لعنت، تو وہ کافر ہو گیا۔ ایک عیسائی نے اسلام قبول کیا، اس کے بعد اس کا (عیسائی) باپ مر گیا، اس نے کہا کہ کاش میں اس وقت مسلمان نہ ہوتا تو اپنے باپ کا مال پا جاتا، وہ کافر ہو گیا۔ ایک عیسائی کسی مسلمان کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ میرے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرو تاکہ میں تمہارے ہاتھ پر اسلام قبول کروں اس مسلمان نے جواب دیا کہ ”تم ظالم عالم کے پاس چلے جاؤ تاکہ وہ تمہارے سامنے اسلام پیش کرے۔ اور تم اس کے ہاتھ پر اسلام قبول کرو“ اس طرح کہنے والے کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔ ابو جعفر کہتے ہیں کہ اس طرح کہنے والا کافر نہیں ہو گا۔

ایک کافر نے اسلام قبول کیا تو ایک مسلمان نے اس سے کہا کہ تمہیں اپنے دین میں کیا برائی نظر آئی تھی (جو تم نے اسلام قبول کر لیا؟) یہ کہنے والا کافر ہو جائے گا۔

وہ موجبات کفر جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے ہے: وہ شخص کافر ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی ایسے وصف کی نسبت کرے جو اس کی شان کے لائق نہیں، یا کسی کو اس کا شریک یا بیٹا اور یا بیوی ٹھہرائے، یا اس کی طرف جبل کی یا عمر کی یا کسی اور خرابی کی نسبت کرے۔ یہ کہنے والا بھی کافر ہے کہ ”یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا کام کرے جس میں کوئی حکمت نہ ہو“ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کفر پر راضی ہوتا ہے تو وہ کافر ہے۔ اور کوئی شخص یوں کہے کہ ”اگر اللہ تعالیٰ مجھے یہ کام کرنے کا حکم دے تو میں جب بھی یہ کام نہ کروں“ تو وہ کافر ہو جائے گا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی طرف جو ”یہ“ اور ”وہ“ کی نسبت کی گئی ہے وہ آخالیکہ وہ جارح نہیں، تو کیا کسی دوسری زبان میں ان چیزوں کا اطلاق جائز ہے یا نہیں؟ اس بارہ میں بعض علماء نے فرمایا کہ جائز ہے بشرطیکہ ان چیزوں سے (ان کے حقیقی مفہوم یعنی) اعضاء مردانہ ہوں، اور اکثر علماء یہ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں اور یہی معتمد علیہ قول ہے۔

اگر کسی شخص نے یوں کہا کہ ”فلان شخص میری آنکھ میں ایسا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی آنکھ میں ہے سووی۔ تو جو یہ علماء کے نزدیک وہ شخص کافر ہو جائے گا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف آنکھ کے اصل معنی یعنی ایک انسانی آنکھ کی نسبت کی ہے (لیکن بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اگر اس جملہ سے کہنے والے کی مراد اس فلان شخص کے افعال کی برائی کو ظاہر کرنا تھا تو کافر نہیں ہو گا۔ ایک انسان کی وفات ہو گئی ایک دوسرے شخص نے کہا کہ خدا کو ایسا نہیں چاہئے تھا۔ تو یہ کفر ہے۔

ایک شخص نے اپنے دشمن سے کہا کہ ”میں خدا کے حکم سے تیرے ساتھ پہنچا ہوں“ دشمن نے جواب میں کہا کہ ”میں خدا کا حکم نہیں جانتا یہ کہا کہ اس جگہ خدا کا حکم نہیں چلا گیا“ اس جگہ کوئی حکم نہیں ہے۔ کیا یہ کہا کہ اس جگہ تو دیوہی کا حکم چلے گا۔ یہ سب نیلے کفر کو لازم کرتے ہیں۔

حاکم عبدالرحمنؒ سے اس شخص کے بارہ میں پوچھا گیا جو یہ کہے کہ ”میں فلاں کام رواج کے مطابق کر رہا ہوں خدا کے حکم سے نہیں کرتا“ تو کیا ایسا شخص کافر ہو جائے گا؟ انہوں نے فرمایا کہ اگر اس جملہ سے اس کی مراد صرف فساد حق، ترک شریعت، اور اثبات رکن ہے نہ کہ اس کا مقصد خدا کے حکم کو رد کرنا ہے تو وہ کافر نہیں ہوگا۔

اگر کوئی شخص کسی ایسے آدمی کے بارہ میں جو کبھی بیعت ہوتا ہو کہے کہ ”اللہ تعالیٰ اس شخص کو بھول گیا ہے“ یا یہ کہا کہ یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ بھول گیا ہے تو یہ کفر ہے۔ اگر کسی شخص نے کسی سے یوں کہا کہ ”تیری زبان سے تو خدا بھی بس نہیں نہیں آتا بس کس طرح بس میں آؤں گا۔“ تو وہ کافر ہو جائے گا۔ کسی شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ ”تم کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبوب ہو“ تو وہ کافر ہو جائے گا۔ یہ کہنا کہ ”فلاں شخص بری تقدیر میں پھنس گیا ہے“ خطائے عقیم ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے مکان کو ثابت کرنا کفر ہے چنانچہ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ ”اللہ تعالیٰ سے کوئی مکان خالی نہیں ہے“ تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اور اگر کسی نے یوں کہا کہ ”اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے“ تو دیکھا جائے گا کہ یہ بات اس نے کس مقصد سے کہی ہے، اگر اس کا مقصد اس چیز کی حکایت کرنا ہے جو ظاہری طور پر مقبول ہے تو کافر نہیں ہوگا اور اگر اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی طرف مکان کی نسبت کرنا ہے تو پھر کافر ہو جائے گا اور اکثر علماء کے نزدیک اگر اس کی نیت کچھ بھی نہ ہو تو بھی کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح یہ کہنے والا بھی کافر ہو جائے گا کہ ”اللہ تعالیٰ انصاف کے لئے بیچارا اللہ تعالیٰ انصاف کے لئے کھڑا ہوا“ کیونکہ اس جملہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف فوق اور محبت کی نسبت لگائی گئی ہے۔ یہ کہنا بھی کفر ہے کہ ”(میرا) حادی وعدہ کا آسان پر خدا ہے اور زمین پر فلاں شخص ہے۔“

اکثر علماء کے نزدیک یہ کہنا بھی کفر ہے کہ ”خدا آسمان پر ہے“ یا صرف یہ کہا کہ ”خدا آسمان پر ہے دیکھ رہا ہے۔“ یا یہ کہا کہ ”خدا عرش پر ہے دیکھ رہا ہے۔“

جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت کی وہ کافر ہو گیا۔ اگر کسی شخص نے یوں کہا کہ ”اے اللہ! یہ ظلم مت پسند کر“ تو بعض علماء کے نزدیک وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی دوسرے شخص سے یوں کہا کہ ”اگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے انصاف کیا تو مجھے تم سے انصاف ملے گا“ تو وہ کافر ہو جائے گا۔ یہی لفظ ”اگر“ کی بجائے ”جس وقت“ کہا تو کافر نہیں ہوگا۔ اور اگر کسی سے یوں کہا کہ ”اگر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن حق اور عدل کے ساتھ حکم کیا تو میں تم سے اپنا حق لے لوں گا“ کافر ہو جائے گا۔

اگر کسی نے یوں کہا کہ ”اے اللہ! جب ایک ظالم ظلم کرتا ہے تو اس کا ظلم قبول مت کر، اگر تو نے اس کا ظلم قبول کیا تو میں قبول نہیں کروں گا“ یہ کفر ہے، کیونکہ اس شخص نے گویا یہ کہا کہ اے اللہ! اگر تو اس کے ظلم پر راضی ہو گا تو میں راضی نہیں ہوں گا۔

ایک شخص نے کسی سے کہا کہ ”جھوٹ مت کہو“ اس شخص نے جواب میں کہا کہ ”جھوٹ کس لئے ہے، کہنے ہی کے لئے تو ہے“ یہ کفر ہے۔

کسی شخص سے کہا گیا کہ ”اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرو“ اس نے کہا کہ ”مجھے نہیں چاہئے“ یا کسی نے کہا کہ ”اگر اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل کرے، غارت کروں“ یا کسی سے کہا گیا کہ ”اللہ تعالیٰ کی نافرمانی مت کرو کیونکہ اگر تم نافرمانی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دوزخ میں داخل کرے گا“ اس نے کہا کہ ”میں دوزخ سے نہیں ڈرتا“ یا کسی سے یہ کہا کہ ”ہیوادہ مت کھاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہیں دوست نہیں رکھے گا“ اس نے کہا کہ ”میں تو کھاؤں گا چاہے دشمن رکھے دوست رکھے“ یہ باتیں کفر کو لازم کرتی ہیں۔ اسی طرح اگر کسی سے یہ کہا گیا کہ ”زیادہ مت بنو“ یا زیادہ مت سو“ اس کے جواب میں اس نے کہا کہ ”میں اتنا کھاؤں گا، اتنا سوؤں گا اور اتنا بنوں گا کہ جتنا

چاہوں گا“ یہ کفر ہے۔

ایک شخص سے یہ کہا کہ ”گنہ گار کرو کیونکہ خدا کا عذاب بہت سخت ہے“ اس نے کہا کہ ”میں عذاب کو ایک ہاتھ پر اٹھا لوں گا“ یہ کفر ہے۔

اگر کسی شخص سے یہ کہا گیا کہ ”اے ماں باپ کو مت ستاؤ“ اس نے کہا کہ ”اے ماں کا مجھ پر کوئی حق نہیں ہے“ یہ اگرچہ کفر نہیں ہے لیکن سخت گنہ کی بات ہے۔ ایک شخص نے اٹیس لین سے کہا کہ ”اے اٹیس! تو میرا قتل کام کر دے تاکہ میں تیرا کہنا، نوحوں اور اپنے باپ کو ستاؤں اور توجس چیز سے منع کرے اس سے باز رہوں“ یہ کفر ہے۔

اگر کسی شخص نے کسی سے یہ کہا کہ ”اگر خدا یہ دونوں جہاں نہ بناتا تو میں تم سے اپنا حق لے لیتا“ یہ کفر ہے۔ ایک شخص نے کوئی جموئی بات کہی اور ایک سننے والے نے کہا کہ ”میرا خدا تمہارے اس جھوٹ کو بچ کر دے۔ یا یہ کہا کہ خدا تمہارے اس جھوٹ کے ساتھ برکت دے۔“ تو یہ کفر کے قریب ہے اسی طرح ایک شخص نے جھوٹ بولا اور سننے والے نے کہا کہ ”خدا تمہارے جھوٹ میں برکت دے“ تو وہ کافر ہو گیا۔

ایک شخص نے کسی سے کہا کہ ”للاں! شخص تمہارے ساتھ سیدھا نہیں چلا“ اس نے جواب میں کہا کہ ”اس کے ساتھ تو خدا بھی سیدھا نہیں چلے گا“ تو یہ کہنے والا کافر ہو جائے گا۔

اگر کسی نے یہ کہا کہ ”اللہ تعالیٰ زکوٰۃ کو محبوب رکھتا ہے اس لئے اس نے مجھے زکوٰۃ نہیں دیا“ تو وہ کافر ہو جائے گا بشرطیکہ اس کہنے سے اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی طرف بغل کی نسبت کرنا ہو۔ ہاں صرف اتنا کہنا کفر کو لازم نہیں کرتا کہ ”اللہ تعالیٰ زکوٰۃ پسند نہیں کرتا ہے“۔

ایک شخص نے کسی سے کہا کہ ”انشاء اللہ تم یہ للاں کام کرو“ اس نے جواب دیا کہ ”میں ان شاء اللہ کے بغیر یہ کام کروں گا“ تو یہ کفر ہے۔

ایک مظلوم نے کہا کہ ”(میرے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے) اللہ پر الٹی کے مطابق ہے“ عالم نے یہ سن کر کہا کہ ”میں جو کچھ کر رہا ہوں اللہ پر الٹی کے بغیر کر رہا ہوں“ یہ کفر ہے۔ اگر کسی نے یہ کہا کہ ”اے خدا! مجھ پر رحمت کرنے سے دریغ نہ کیجئے“ تو یہ کفر یہ الفاظ میں سے ہے۔

میاں بیوی آپس میں گفتگو کر رہے تھے (بیوی کی طرف سے) جب گفتگو کا سلسلہ دراز ہوا تو میاں نے کہا کہ ”خدا سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو“ بیوی نے جواب میں کہا کہ ”میں اللہ سے نہیں ڈرتی“ یہ کہنے سے بیوی مرتد ہو جائے گی۔ اور ان دونوں (میاں بیوی) کے درمیان جدائی واقع ہو جائے گی بشرطیکہ میاں نے بیوی کو اس کی کسی مرتع مصیبت پر ٹوکا ہو اور اس کو خدا سے ڈرایا ہو اور اس کے جواب میں بیوی نے مذکورہ جملہ کہا ہو، ہاں اگر میاں نے بیوی کو اس کی کسی ایسی بات پر ٹوکا ہو جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا کوئی موقع نہ ہو (یعنی بیوی نے کوئی مصیبت نہ کی ہو) تو اس صورت میں وہ کافر نہیں ہوگی۔ البتہ اگر اس صورت میں بھی اس جملہ سے بیوی کا مقصد خوف خدا اور تقویٰ کی اہانت ہو تو دونوں کے درمیان جدائی واقع ہو جائے گی۔

ایک شخص نے کسی کو مارنے کا ارادہ کیا اور اس سے کہا کہ ”تم خدا سے نہیں ڈرتے“ اس نے مارنے والے سے کہا کہ ”نہیں“ یہ کفر نہیں ہے کیونکہ اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کہے کہ خدا سے ڈرتے کا سوال تو اس چیز میں پیدا ہوتا ہے جس کو میں کروں۔

ایک شخص کسی گنہ گار کا رتکاب کر رہا تھا کہ کسی نے اس کو ٹوکا اور کہا کہ ”کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟“ اس نے جواب دیا کہ ”نہیں“ وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے، اسی طرح کسی اور شخص سے کہا گیا کہ ”کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟“ اور اس نے غصہ کی حالت میں جواب دیا کہ ”نہیں“ تو وہ کافر ہو جائے گا۔

اگر کوئی شخص خدا کے کسی حکم کو یا پیغمبر کی شریعت کو پسند نہ کرے مثلاً زید سے بکرنے کہا کہ خدا نے چار بیویاں حلال کی ہیں اور زید کہے

کہ میں اس حکم کو پسند نہیں کرتا تو یہ کفر ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ”صرف خدا کا جو ہونا چاہئے اور کسی چیز کا جو نہیں ہونا چاہئے“ تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ ”میرے حق میں تمام نیکیاں خدا نے پیدا کی ہیں اور رزائی کا خالق میں ہوں“ تو وہ کافر ہو جائے گا۔

ایک شخص سے کہا گیا کہ ”یار اتم اپنی بیوی کے بس میں نہیں آئے“ اس نے جواب دیا کہ ”عورتوں کے بس میں خدا بھی نہیں آتا میں کیونکر بس میں آ جاؤں گا“ یہ کفر ہے۔

اگر کسی شخص نے کسی سے یہ کہا کہ ”خدا کی طرف سے دیکھتا ہوں اور تمہاری طرف سے دیکھتا ہوں“ (یعنی جو چیز مجھے ملی ہے وہ خدا کی جانب سے ہے اور تمہاری جانب سے ہے یا یہ کہہ کہ ”میں خدا سے امید رکھتا ہوں اور تم سے امید رکھتا ہوں“ تو یہ برا ہے ہاں اگر لوگوں کہے کہ ”میں خدا کی طرف سے دیکھتا ہوں اور اس کا ظاہری سبب نہیں سمجھتا ہوں“ تو یہ ایک اچھی بات ہے۔

ایک شخص نے اپنے کسی مخالف سے کسی بات میں قسم کھلائی چاہی، اس مخالف نے کہا کہ ”میں خدا کی قسم کھاتا ہوں“ لیکن قسم کھلائے والے نے کہا کہ ”میں خدا کی قسم نہیں چاہتا بلکہ طلاق یا حاکم کی قسم لینا چاہتا ہوں“ تو وہ بعض علماء کے نزدیک کافر ہو جائے گا لیکن اکثر علماء کے نزدیک کافر نہیں ہوگا اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

اگر کسی شخص نے کسی سے کہا کہ ”خدا جانتا ہے کہ میں تمہیں ہمیشہ دعا کے ساتھ یاد رکھتا ہوں“ تو اس کے کفر کے بارے میں مشائخ کے اختلافی اقوال ہیں۔

اگر کسی شخص نے بطور عجزی مزاح قاری میں کہ ”میں خدا کا مطلب یہ کہنا تھا کہ خدا ایک کافر ہو جائے گا۔“ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ ”تمہیں ہمسایہ کے حق کی پروا نہیں“ بیوی نے کہا ”نہیں“ شوہر نے کہا ”تمہیں خداوند کے حق کی پروا نہیں؟ بیوی نے کہا ”نہیں“ اچھر شوہر نے کہا ”تمہیں خدا کے حق کی پروا نہیں“ بیوی نے اس کے جواب میں بھی کہا ”نہیں“ تو وہ کافر ہو جائے گی۔

اگر کسی شخص نے اپنی بیماری سے پریشان ہو کر یا لگی معاش کے ابتلاء کی وجہ سے کہا کہ ”میں معلوم خدا نے مجھے پیدا کیوں کیا ہے جب کہ دنیا کی لذتوں اور راحتوں سے میں محروم ہوں“ تو اس کے بارے میں بعض علماء تو یہ کہتے ہیں کہ وہ کافر نہیں ہوگا لیکن اس کی یہ بات ایک خطائے عظیم ہے۔

ایک شخص نے کسی سے کہا کہ ”تم نے جو رازیاں کی ہیں ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب میں مبتلا کرے گا۔“ اس نے جواب میں کہا کہ ”کیا خدا تم نے مقرر کر رکھا ہے کہ خدا وہی کرے گا جو تم کہو“ وہ کافر ہو جائے گا۔

اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ ”خدا روزِ آخر بنانے کے سوا اور کیا کر سکتا ہے“ تو وہ کافر ہو جائے گا، اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی بد نما جانور یا بد نما انسان کو دیکھ کر کہا کہ ”کیا کوئی خدا کا کارِ بدواز نہیں ہے کہ اس نے اس قسم کا جانور یا انسان پیدا کیا“ تو وہ کافر ہو جائے گا۔

ایک مفلس نے شدتِ افلاس میں کہا کہ ”ملاں شخص بھی اللہ کا بندہ ہے اور اس کو اس قدر نعمتیں حاصل ہیں اور میں بھی اللہ کا بندہ ہوں اور اتنے رنج و آلام میں مبتلا ہوں، کیا یہ اصفاف ہے“ یہ کہنے سے وہ کافر ہو گیا۔ اسی طرح ایک شخص سے کہا گیا کہ خدا سے ڈرو، اس نے جواب دیا کہ ”خدا کہاں ہے“ تو وہ کافر ہو گیا۔ نیز اگر کسی نے یہ کہا کہ ”پیغمبرِ الٰہی قبر میں نہیں ہیں“ یا یہ کہا کہ ”خدا کا علم قدیم نہیں ہے“ یا یہ کہا کہ ”معدوم کا علم اللہ کو نہیں ہے“ تو وہ بھی کافر ہو گیا۔

اگر کسی شخص کا نام عبد اللہ ہو اور ایک اور شخص اس کو پکارتے وقت لفظ اللہ کے بجائے حرف کاف کا اضافہ کر دے تو وہ کافر ہو جائے گا بشرطیکہ وہ پکارنے والا عالم ہو۔ اسی طرح اگر کوئی عالم لفظ خالق کی عدا تصغیر کرے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ ”خدا تمہارے دل پر رحم کرے میرے دل پر نہیں“ تو وہ کافر ہو جائے گا بشرطیکہ اس نے یہ بات رحمتِ الٰہی

سے بے نیازی کے پیش نظر کہی ہو۔ اور اگر اس بات سے اس کا مطلب یہ ہو کہ میرا دل ثابت باثبات اللہ ہے مضطرب نہیں ہے، تو وہ کافر نہیں ہوگا۔

اگر کسی شخص نے یوں قسم کھ لی کہ ”خدا کی قسم اور تیری خاک پاک کی قسم“ تو وہ کافر ہو جائے گا۔ ہاں اگر کسی نے یوں قسم کھائی کہ خدا کی قسم اور تیرے سر، تیری جان کی قسم، تو اس کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔

وہ موجبات کفر جن کا تعلق انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہے: جو شخص انبیاء میں سے کسی بھی نبی کا اقرار نہیں کرے گا یا رسولوں میں سے کسی بھی رسول کی کسی بھی شنت پر ناراضگی یا عدم اعتقاد و اطمینان کا اظہار کرے گا تو وہ کافر ہو جائے گا۔ ابن مقاتلؒ سے اس شخص کے بارہ میں پوچھا گیا جو حضرت خضرؑ یا حضرت ذی النعلج کی نبوت کا انکار کرے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ کسی ایسے نبی کی نبوت کا انکار کہ جس کی نبوت پر اس کی امت کے لوگ حلق نہ ہوئے ہوں، نقصان دہ نہیں ہے۔

اگر کسی شخص نے یوں کہا کہ اگر فلاں نبی ہوتا تو میں اس پر ایمان لاتا تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اور حضرت جعفرؑ سے منقول ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ ”میں اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء پر ایمان لایا اور مجھے نہیں معلوم کہ آدم علیہ السلامؑ نبی تھے یا نہیں“ تو وہ کافر ہو جائے گا۔ حضرت جعفرؑ سے اس شخص کے بارہ پوچھا گیا جو انبیاء کی طرف خود اٹھنے کی نسبت کرے جیسے کسی نبی کی طرف عزم زنا کی نسبت کرنا یا اسی طرح کوئی اور بات کہنا جیسا کہ خشوہ (ایک باطل فرقہ) حضرت یوسف علیہ السلام کے بارہ میں اس قسم کا اظہار کرتے ہیں، تو انہوں نے فرمایا کہ ایسا شخص کافر ہے، کیونکہ یہ انبیاء کے حق میں بد گوئی ہے اور ان کی اہانت کے مترادف ہے۔

ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ جس شخص نے یہ کہا کہ ”ہر تافرنانی کفر ہے“ اور پھر یہ کہا کہ انبیاء علیہم السلام نے تافرنانی کی، تو وہ کافر ہے کیونکہ اس نے انبیاء کے حق میں بد گوئی کی، اور اگر یہ کہا کہ ”انبیاء علیہم السلام نے کبھی کوئی تافرنانی نہیں کی نہ حالت نبوت میں اور نہ اس سے پہلے“ تو بھی وہ کافر ہے کیونکہ اس نے یہ بات کہہ کر گویا انھوں (قرآن کریم کی آیات عسی وہ الامید وغیرہ) کی تردید کی۔

بعض علماء سے یہ منقول ہے کہ ”جس شخص نے یہ نہیں جانا کہ محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں، وہ مسلمان نہیں ہے، جو شخص اپنے قلب میں کسی بھی نبی کے بارہ میں بغض رکھے وہ کافر ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے یوں کہا کہ ”اگر فلاں اللہ کا رسول ہوتا تو میں اس پر ایمان نہ لاتا“ تو وہ کافر ہو جائے گا جیسا کہ یہ کہنے والا کافر ہو جاتا ہے کہ ”اگر اللہ تعالیٰ بھی مجھے فلاں کام کا حکم دیتا تو میں نہ کرتا“۔

جس شخص نے یہ کہا کہ ”انبیاء نے جو کچھ فرمایا ہے اگر وہ سچ اور حقیقت ہوتا تو ہم نجات پا جاتے“ وہ کافر ہو گیا۔ اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ ”میں اللہ کا رسول ہوں“ یا فلاں میں کہا کہ ”میں پیغمبر“ اور اس سے اس کی مراد بھی یہ ہے کہ ”میں اللہ کا پیغام پہنچانے والا ہوں“ تو وہ کافر ہو جائے گا اور جس وقت اس نے یہ بات کہی اور کسی دوسرے شخص نے اس سے معجزہ کا مطالبہ کیا تو بعض علماء کے نزدیک معجزہ کا مطالبہ کرنے والا بھی کافر ہو جائے گا۔ جب کہ متاخرین علماء کہتے ہیں کہ اگر معجزہ طلب کرنے والے کا مقصد اس شخص کو ذلیل کرنا اور اس کو عاجز کرنا ہے تو وہ کافر نہیں ہوگا۔

اگر کسی شخص نے آنحضرت ﷺ کے ہال مبارک کو ”چھوٹا سا بال“ کہا تو وہ بعض علماء کے نزدیک کافر ہو جائے گا اور بعض علماء کے نزدیک کافر نہیں ہوگا۔ ہاں اگر اس نے یہ بات اہانت کے طور پر کہی ہے تو ان کے نزدیک بھی کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ ”میں نہیں جانتا کہ محمد ﷺ انسان تھے یا جن“ تو وہ کافر ہو جائے گا۔

اگر کسی نے یوں کہا کہ ”اگر فلاں شخص پیغمبر ہے تو میں اس سے اپنا حق لوں گا“ وہ کافر نہیں ہوگا۔ اور اگر کسی نے یہ کہا کہ محمد درویش ملک بود (مثنیٰ محمدؐ ایک چھوٹے فقیر تھے) یا یہ کہا کہ ”پیغمبر کا پیرا بودار اور میل چکلا تھا۔ یا یہ کہ آنحضرت ﷺ کے ناخن بڑھ رہے تھے“ تو بعض علماء کے نزدیک وہ کسی قید کے کافر ہو جائے گا جب کہ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ اس صورت میں کافر ہو گا جب کہ وہ یہ بات بطریق اہانت کہے۔

اگر کسی نے کسی ایسے شخص کو گالی دی جس کا نام محمد یا احمد تھا یا اس کی کتہ ابوالقاسم تھی اور اس کو یوں خطاب کیا کہ ”اے زانیہ کی اولاد، تو وہ کافر ہو گیا بشرطیکہ (اس کا مقصد ہر اس شخص کو یہ گالی دینا ہو جس کا نام محمد یا احمد اور یا اس کی کیفیت ابوالقاسم ہو اور اس طرح نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی بھی اس کے پیش نظر ہو۔

یہ کہنے سے کوئی کافر نہیں ہوتا کہ ”ہر گناہ کبیرہ ہے لیکن انبیاء کے گناہ صغیرہ ہیں“ اور اگر کسی نے یہ کہا کہ ”ہر رائی کا کام جو قصداً کیا جائے گناہ کبیرہ ہے اس کلمہ کا کرنے والا قاتل ہے“ اور پھر اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ ”انبیاء کے معاصی قصداً تھے، تو وہ کافر ہو گیا کیونکہ اس نے انبیاء کی شان میں بد گوئی کی۔ ہاں اگر اس نے یہ کہا کہ ”انبیاء کے معاصی قصداً نہیں تھے، تو وہ کافر نہیں ہو گا۔

چونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی شان میں بد زبانی کرے اور نعوذ باللہ ان پر لعنت بھیجے تو وہ کافر ہے ہاں اگر اس نے حضرت علیؓ کو حضرت ابوبکرؓ پر فضیلت دی تو وہ کافر نہیں ہو گا لیکن اس کو جتدہ کہا جائے گا، مغضوب بھی مبتدع ہے لیکن اگر وہ یہ کہے کہ خدا کا دین ارحم الہ ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

حضرت عائشہؓ پر زنا کی تہمت لگانے والے اللہ کے ساتھ کفر کرنے والا ہے ہاں اگر کسی نے آنحضرت ﷺ کی دوسری ازواج مطہرات پر زنا کی تہمت لگائی تو وہ کافر نہیں ہوتا لیکن سخت ہو تب اسی طرح جو شخص یہ کہے کہ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ رسول کریم ﷺ کے صحابہ نہیں تھے تو وہ کافر نہیں ہو گا لیکن سخت ہو گا۔

حضرت ابوبکرؓ کی امت، خلافت کا انکار کرنے والا بعض علماء کے نزدیک تو کافر ہو جاتا ہے اور بعض علماء کے نزدیک کافر نہیں ہوتا بلکہ مبتدع ہوتا ہے لیکن صحیح قول یہی ہے کہ وہ کافر ہو جاتا ہے، اسی طرح حضرت عمرؓ کی خلافت کا انکار کرنے والا بھی صحیح قول کے مطابق کافر ہو جاتا ہے۔

جو لوگ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کو نعوذ باللہ کافر کہیں، خود ان کو کافر کہنا لازم ہے، اسی طرح فرقہ زیدیہ کے تمام لوگوں کو بھی کافر کہنا واجب ہے کیونکہ وہ یہ باطل اعتقاد رکھتے ہیں کہ نعوذ باللہ کسی بھی ملک میں ایک نبی کا ظہور ہو گا جو ہرے نبی ﷺ کے دین کو منسوخ کرے گا اور ہمارے سردار محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو کالعدم کرے گا۔

ان ردائش کو بھی کافر کہنا واجب ہے جو تاج ازواج کے قاتل ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ مر جانے والا دوبارہ دنیا میں لوٹ آئے گا اور ائمہ میں اللہ تعالیٰ کی روح حلول کئے ہوئے ہے، امام باطن کا ظہور ہو گا، جب تک اس امام باطن کا ظہور نہ ہو اور مردنواہی معطل ہیں اور یہ کہ جبرئیل علیہ السلام نے وحی لانے میں غلطی کی کیونکہ انہیں محمد ﷺ کی بجائے حضرت علیؓ کے پاس وحی لانی چاہئے تھی: یہ فرقہ ملت اسلامیہ سے خارج ہے اور جو احکام مرتدوں کے بارہ میں ہیں وہی اس فرقہ کے لوگوں پر نافذ ہوتے ہیں۔

جس شخص کو آنحضرت ﷺ کی شان میں بد زبانی کرنے پر مجبور کیا گیا ہو اس کی تین صورتیں ہیں۔

① اگر وہ یہ اقرار کرے کہ میرے دل میں محمد ﷺ کی برائی کا کوئی خطرہ بھی نہیں گزرنا بلکہ میں نے اپنی زبان سے صرف وہی الفاظ ادا کئے جن کو ادا کرنے پر مجھے مجبور کیا گیا تھا اور انھیں کہہ ان الفاظ کی ادا نہ تھی، مجھ پر سخت شاق تھی، تو وہ کافر نہیں ہو گا اور اس کی مثال اس شخص کی سی ہوگی جس کو اپنی زبان سے کلمہ کفر کی ادا ہو اور اس نے وہ کلمہ کفر اپنی زبان سے ادا کیا ہو مگر اس کا قلب ایمان پر ثابت و مطمئن رہا ہو۔

② اگر وہ اقرار کرے کہ (جب مجھے مجھ کو برا کہنے پر مجبور کیا گیا تو) میرے دل میں اس عیسیٰ کا خیال آ گیا جس کا نام محمد تھا چنانچہ جب میں نے اپنی زبان سے محمد کے بارہ میں برے الفاظ کہے تو میری مراد وہی عیسیٰ تھا، اس صورت میں بھی وہ کافر نہیں ہو گا۔

③ اگر وہ اگر وہ یہ اقرار کرے کہ (جب مجھے مجھ کے بارہ میں برے الفاظ کہنے پر مجبور کیا گیا تو) میرے دل میں اس عیسیٰ کا بھی خیال آ گیا جس کا نام محمد ہے لیکن میں نے اپنی زبان سے جو برے الفاظ ادا کئے وہ اس عیسیٰ کے بارہ میں نہیں تھے بلکہ محمد ﷺ کے بارہ میں تھے، اس

صورت میں وہ کافر ہو جائے گا قانوناً بھی اور عند اللہ بھی۔

جس شخص نے یہ کہا کہ محمد ﷺ مجنوں تھے، وہ کافر ہے، ہاں یہ کہنے والا کہ محمد ﷺ بیہوش ہو گئے تھے، کافر نہیں ہوگا۔

اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ ”اگر حضرت آدم علیہ السلام (جنت میں) گمبوں نہ کھاتے تھے تو ہم ہاشقیاء نہ ہوتے“ تو وہ کافر ہو جائے گا۔

جس شخص نے حدیث متواتر کا انکار کیا وہ کافر ہو گیا، جس شخص نے حدیث مشہور کا انکار کیا وہ بعض علماء کے مطابق تو کافر ہو گیا لیکن بعض علماء کے مطابق گمراہ ہوا کافر نہیں ہوا، اور جس شخص نے خبر واحد کا انکار کیا وہ بھی کافر نہیں ہوتا مگر اس کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوتا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی نبی کے بارہ میں اپنی اس خواہش کا اظہار کرے کہ ”وہ نبی نہ ہوتا“ تو اس کے متعلق علماء کہتے ہیں کہ اگر اس کی مراد یہ ہو کہ اس نبی کا مبعوث ہونا خارج از حکمت نہ ہوتا تو وہ کافر نہیں ہوگا اور اگر اس کی مراد اس نبی کی تو حین اور اپنے کسی بغض کا اظہار ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

ایک شخص نے کسی کے سامنے کہا کہ ”آنحضرت ﷺ فلاں چیز مثلاً لکڑی کو بہت پسند فرماتے تھے“ اگر سننے والے نے جواب میں کہا کہ ”میں اس کو پسند نہیں کرتا“ تو یہ کفر ہے، حضرت امام ابو یوسفؒ سے بھی یہی مقول ہے لیکن بعض متاخرین علماء فرماتے ہیں کہ اگر اس نے یہ بات کہ ”میں اس کو پسند نہیں کرتا“ بطور اہانت کی ہے تو وہ کافر ہو جائے گا ورنہ کافر نہیں ہوگا۔

اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ ”حضرت آدم علیہ السلام نے کپڑا پہنا تھا اس لئے ہم سب جو لاپے زارے ہیں“ یہ کفر ہے۔ ایک شخص نے کسی کے سامنے کہا کہ ”آنحضرت ﷺ جب کھانا کھاتے تھے تو اپنی تینوں انگلیاں چاٹ لیتے تھے“ اگر سننے والے نے یہ کہا ”یہ کوئی اچھی چیز نہیں ہے“ تو وہ کافر ہو گیا۔

جس شخص نے یہ کہا کہ ”گنہگاروں میں عجیب رواج ہے کہ کھانا کھاتے ہیں اور ہاتھ نہیں دھوتے“ تو اگر اس نے یہ بات آنحضرت ﷺ کے عمل کی نفارت کے پیش نظر کی ہے تو وہ کافر ہو گیا اسی طرح جس شخص نے یہ کہا کہ ”جو ہمیں بہت (بلی) کرانے اور عمامہ (کاسرا یعنی شلہ) گلے کے نیچے تک لٹکانے کا نہ معلوم کیا رواج ہے؟“ تو اگر اس نے یہ بات رسول کریم ﷺ کی سنت پر طنز کے طور پر کی ہے تو وہ کافر ہو گیا۔

ایک شخص نے کوئی بات کہی اس پر دوسرے نے اس سے کہا کہ ”جھوٹ کہتا ہے اگرچہ ساری بات پیغمبرانہ ہے“ اس کہنے سے اس پر کفر لازم ہو جائے گا ایسے ہی اگر یہ کہا کہ میں اس کی بات کو نہیں مانوں گا اگرچہ اس کی ساری بات پیغمبرانہ ہے تو اس سے بھی کفر لازم آئے گا۔

ایک شخص نے اپنے غلام کو مارنے پینے کا ارادہ کیا، اس سے دوسرے نے کہا کہ اسے مت مارو، اس نے کہا کہ تم تو تم، اگر محمد مصطفیٰ ﷺ بھی کہیں تو بھی نہیں چھوڑ سکتا، یا یہ کہا کہ اگر آسمان سے آواز آئے کہ ”اس کو مت مارو“ تو بھی میں نہیں چھوڑ سکتا، ماروں گا، یہ کہنے سے اس پر کفر لازم آئے گا۔

کسی نے احادیث نبوی ﷺ سے کوئی حدیث چمی جس کو سن کر ایک شخص نے کہا کہ ”ہمد روز خلیفہ افغانہ“ یعنی ہر روز، بھنسن کی چیز پڑتا ہے تو اگرچہ اس نے اس کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف نہ کی ہو بلکہ پڑھنے والے کی طرف کی ہو لیکن وہ کافر ہو جائے گا بشرطیکہ اس حدیث کا تعلق احکام شریعت میں سے کسی حکم کے ساتھ ہو یا دین کے ساتھ ہو، اور اگر وہ ایسی حدیث تھی کہ جس کا تعلق دین و شریعت سے نہیں تھا تو اس کی بغیر نہیں ہوگی اور اس کے اس قول کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ وہ اس کا پڑھنا غیر اولیٰ بتا رہا تھا۔

اگر کسی نے کہا ”حجرت جو انک عربی“ اور اس جملہ سے اس کی مراد آنحضرت ﷺ تھے تو اس کی تکفیر کی جائے گی کسی نے کہا کہ ”نبی کریم ﷺ ایک وقت پیغمبر تھے۔ اور ایک وقت ایسا تھا کہ پیغمبر نہ تھے“ یا اس طرح کہا کہ ”میں نہیں جانتا کہ آنحضرت ﷺ قبر میں

مومن ہیں یہ کافر تو یہ کہتے سے کافر ہو جائے گا۔

کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ ”خلاف بات نہ کہو“ اس عورت نے کہا کہ ”بیٹیہوں نے خلاف کہا ہے“ تو اس کا یہ کہنا کفر ہے تو بہ کرے اور پھر نکاح کی تجدید کرے کسی نے کسی سے کہا کہ مجھے تیرا دیکھنا گویا ملک الموت کا دیکھنا معلوم ہوتا ہے، تو اس کا ایسا کہنا بہت بڑی غلطی ہے اور اس کے کفر میں مشاکح اختلاف ہے۔ بعضوں نے کہا کہ کافر ہو جانے کا اور اکثر علماء کہتے ہیں کہ اس کہنے سے وہ کافر نہیں ہوگا۔

اور فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کہ بعضوں نے یہ کہا ہے کہ اگر اس نے یہ جملہ ملک الموت سے عداوت کی بنیاد پر کہا تو وہ کافر ہو جائے گا اور اگر موت سے ناگواری کی بنا پر کہا ہے تو کافر نہیں ہوگا، اور اگر یہ کہا کہ فلاں کے منہ کو ملک الموت کی طرح دشمن سمجھتا ہوں تو اکثر مشاکح کا کہنا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ کافر ہو جائے گا، کسی نے کہا کہ میں فلاں کی گواہی نہیں سنتا خواہ وہ جبریل و میکائیل ہو تو اس صورت میں اس کی تکفیر کی جائے گی۔ اگر کسی نے فرشتوں میں سے کسی فرشتے کو عیب لگایا تو اس کی تکفیر کی جائے گی، اگر کوئی کہے کہ میں فرشتہ ہوں تو اس کہنے سے وہ کافر نہیں ہوتا، اور اگر یہ کہے کہ میں نبی ہوں تو اس کہنے سے وہ کافر ہو جائے گا۔

ایک شخص نے ایک عورت سے بغیر کسی شخص کی موجودگی کے نکاح کیا اور کہا کہ میں نے خدا اور رسول کو گواہ بنایا، یا یہ کہ کہا کہ خدا اور فرشتہ کو گواہ بنایا تو اس صورت میں وہ کافر ہو جائے گا، اور اگر کہا کہ دائیں اور بائیں والے فرشتوں کو گواہ بنایا تو اس صورت میں کافر نہ ہوگا۔

وہ موجبات کفر جن کا تعلق قرآن پاک سے ہے: اگر کسی نے کہا کہ قرآن مخلوق ہے تو وہ کافر ہو جائے گا، اسی طرح اگر کسی نے کسی آیت قرآنی کا انکار کیا یا اس کے ساتھ ٹھٹھا ٹھول کیا یا عیب لگایا تو ان تمام صورتوں میں وہ کافر ہو جائے گا۔ کسی نے دف کی تھاپ پر یا بانسری کی لے پر قرآن پڑھا تو اس نے کفر کیا، ایک شخص قرآن پڑھ رہا تھا دوسرے نے سن کر کہا کہ ”یہ کیا طوفان کیا آواز ہے“ تو اس کا یہ کہنا کفر ہے، اور اگر کسی نے کہا کہ میں نے بہت قرآن پڑھا اور مجھ سے گناہ معاف نہیں کیا گیا تو اس کہنے سے وہ کافر ہو گیا۔

کسی نے کسی سے کہا کہ تو نے قل هو اللہ کی کمال سمجھ لی، یا یہ کہا کہ تو نے الہم نشرح کا گریبان پکڑ لیا، یا اس شخص سے جو کسی بیمار کے پاس سورہ ناس پڑھ رہا تھا کہا ”تس مرده کے منہ میں مت رکھو“ یا کسی سے کہا اے انا اعطيتک الکون منی سے بھی زیادہ کوتاہ۔ یا ایک شخص قرآن پڑھ رہا تھا اور اس کو کوئی کلمہ یاد نہیں آ رہا تھا اس سے کہا والنصف الساق والنصف الساق یا کسی کے پاس بھرا ہوا پیالہ لایا اور کہہ کاما دھا ق یا کسی سے مذاق کے طور پر کہا فکانت سرابا یا ناپ تول کے وقت مذاق کے طور پر کہا و ادا کا الہم او و زوہم یا خسروں یا کسی سے یہ کہا کہ تو نے الہم نشرح کی پٹری باندھ لی ہے اور اس کی مراد یہ تھی کہ تو نے علم کا اظہار کیا ہے یا کسی نے کسی جگہ کے لوگوں کو جمع کیا اور کہا فجمعناہم جمعنا یا یہ کہا و خسرناہم فلم نغادر منہم احدا یا کسی سے کہا کہ تو و النازعات نزعنا کیونکر پڑھتا ہے نون کے پیش کے ساتھ یا استے زردے کر اور مراد اس کی نظر کرنا تھی، یا کسی نے کسی شخص سے کہا میں تو تجھ کو اس لئے بڑا کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کلاب دان یا کسی سے کہا گیا کہ نماز پڑھنے چلو یا جماعت کی نماز میں چلو، اس نے جواب میں کہا کہ میں شہا پڑھتا ہوں اللہ تعالیٰ کا قول ہے ان الصلوٰۃ فانتہا تو ان تمام صورتوں میں کافر ہوگا۔

ایک شخص نے کسی سے کہا کہ تو نے ایسا گمراہ صاف کیا ہے مجھے و السماء و الطارق تو بعضوں نے کہا کہ اس کہنے سے وہ کافر ہو جائے گا، اور امام ابو بکر اسحاق نے کہا کہ یہ کہنے والا اگر جاہل ہے تو کافر نہیں ہوگا اور اگر وہ عالم ہے تو کافر ہوگا۔ اور اگر کسی نے کہا قی عا صفا صفا ہو گیا ہے تو اس جملہ میں بڑا خطرہ ہے کہ وہ کافر ہو جائے، یا دیکھ میں کچھ نگارہ کیا اس وقت کہا و الباقیات الصالحات تو یہ بھی بڑے خطرے کی چیز ہے۔

اور جب کسی نے یہ کہا کہ قرآن عجمی ہے تو وہ کافر ہو گیا، اور اگر یہ کہا کہ قرآن میں ایک کلمہ عجمی ہے تو اسے کافر کہنے میں غلط نہ کرنی

چاہئے یہ قائل غور ہے، کسی سے کسی نے کہا تو قرآن پاک کیوں نہیں پڑھتا ہے، اس نے جواب میں کہا کہ میں قرآن سے بجز اوروں کا تو اس کی تکفیر کی جائے گی، ایک شخص کو قرآن پاک کی کوئی ایسی سورت یاد ہے جسے وہ بکثرت پڑھتا رہتا ہے، دوسرے نے اس پڑھنے والے سے کہا کہ تو نے اس سورت کو کم از کم روزوں کا لیا ہے تو وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا، اگر کسی نے قرآن پاک کو مثلاً فارسی میں نظم کیا، تو اس کو قتل کیا جائے گا اس لئے کہ وہ کافر ہو گیا۔

وہ موجبات کفر جن کا تعلق نماز روزہ اور زکوٰۃ سے ہے: کسی نے کسی پیارے مسلمان سے کہا کہ نماز پڑھ لے اس نے اس کے جواب میں کہا کہ خدا کی قسم میں کبھی نماز نہیں پڑھوں گا اور اس نے پھر کبھی نماز پڑھی بھی نہیں یہاں تک کہ مر گیا تو وہ کافر کہا جائے گا، اور اگر صرف یہ کہا کہ میں پڑھوں گا تو اس کے اس کہنے میں چار احتمال ہیں۔ ① ایک ٹوپہ کہ نماز نہیں پڑھتا اس لئے کہ پڑھ چکا۔ ② دوسرے یہ کہ نماز نہیں پڑھتا یعنی تیرے حکم سے نہیں پڑھتا اس لئے کہ تجھ سے جو بہتر ہے وہ حکم کر چکا ہے۔ ③ تیسرے یہ کہ نہیں پڑھتا یعنی بے ہاں اور فسق کے طور پر کہا، ان تینوں صورتوں میں وہ کافر نہیں ہوگا۔ ④ چوتھے یہ کہ نماز نہیں پڑھتا اس وجہ سے کہ مجھ پر نماز واجب نہیں ہے اور نہ مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے، اس چوتھی صورت میں وہ کافر ہو جائے گا اور اگر اس نے جواب میں مطلقاً یہ کہا کہ میں نماز نہیں پڑھتا تو وہ ان وجوہ کی وجہ سے کافر نہیں ہوگا۔ کسی سے کہا گیا کہ نماز پڑھ لے اس نے جواب میں کہا کہ میں پاگل ہوں جو نماز پڑھوں اور اپنے اوپر کام بڑھاؤں یا اس طرح کہ مدت گزری کہ میں نے بیکار نہیں کی، یا یہ کہا کہ یہ کام کون آخر تک پورا کر سکتا ہے، یا یہ کہ عقل مند کو ایسے کام میں نہ پڑنا چاہئے جس کو آخر تک نہ سیکے، یا یہ کہا کہ میرے واسطے اور لوگ کر لیتے ہیں یا یہ کہا کہ نماز پڑھنے سے مجھے کوئی سرفرازی نہیں مل جاتی ہے، یا کہا کہ تو نے نماز پڑھ لی تو کیا سربلندی حاصل کر لی، یا کہا کہ میں نماز کس لئے پڑھوں میرے ماں باپ تو مر چکے ہیں، یا کہا کہ نماز پڑھنی نہ پڑھنی دونوں برابر ہے یا کہا کہ اس قدر نماز پڑھ چکا کہ دل اکٹا گیا، یا کہا کہ نماز ایسی چیز نہیں ہے کہ وہ باقی رہے گی تو سزا جائے گی۔ یہ تمام جوابات کفریہ ہیں۔

اسی طرح ایک شخص نے کسی سے کہا کہ آؤ نکلاں کام کے لئے نماز پڑھیں، اس نے کہا میں نے بہت نماز پڑھی میری کوئی حاجت پوری نہیں ہوئی اور جواب میں یہ بات بطور طنز و استخفاف کہی تو اس سے وہ کافر ہو جائے گا، ایک قاضی نمازیوں کو مخاطب کر کے کہے آؤ مسلمان دیکھو اور اس کے بعد وہ فسق کی مجلس کی طرف اشارہ کرے تو وہ کافر ہو جائے گا، اور اگر کسی نے کہا کہ بے نمازی ہو ناکیا ہی بہتر ہے تو وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا، ایک شخص نے کسی سے کہا کہ نماز پڑھو تاکہ تمہیں بندگی کا مشغلاں حاصل ہو، یا فارسی میں کہے نماز بخوان تا خلاوت نمازیابی۔ اس کے جواب میں اس نے کہا کہ ”تو کُن کہ خلاوت بے نمازی بدعتی، یعنی تم نماز نہ پڑھو تاکہ نماز نہ پڑھنے کی لذت محسوس کر سکو، تو اس کہنے سے وہ کافر ہو جائے گا۔

۱۔ غلام سے کسی نے کہا کہ نماز پڑھ اس نے کہا میں نہیں پڑھتا اس لئے کہ اس کا ثواب میرے آقا کو حاصل ہو گا وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا۔ ایک شخص سے کسی نے کہا کہ نماز پڑھ لے اس نے جواب میں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے مال میں نقصان دیا لہذا میں اس کے حق میں نقصان کروں گا تو یہ جواب بھی کفر ہے۔

ایک شخص صرف رمضان میں نماز پڑھتا ہے پھر بعد میں نہیں پڑھتا اور کہتا ہے کہ بیکار بہت ہے، یا کہتا ہے بیکار بہت زیادہ ہو گی اس لئے کہ رمضان کی ہر نماز شرمنازوں کے برابر ہے تو وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا، کوئی جان بوجھ کر قبلہ کے سوا کسی اور طرف منہ کر کے نماز پڑھے مگر اتفاق سے وہ قبلہ نکل گیا تو امام عظیمؒ فرماتے ہیں کہ وہ کافر ہو گیا اور اسی پر فقیہ ابوالملیح نے عمل کیا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی نماز بغیر وضو پڑھے یا پانا پاک کپڑوں میں پڑھے تو کافر ہو جائے گا، اور اگر کوئی جان بوجھ کر اس طرح نماز پڑھا کرتا ہے تو وہ بھی کافر ہے۔ ایک شخص کو قبلہ کا پتہ نہیں چلا اس نے تحریکی یعنی غورو فکر کیا کہ قبلہ کس طرف ہے، دل نے یہ بیان لیا کہ اس طرف قبلہ ہے، پھر اس نے اس طرف کو چھوڑ کر دوسری طرف مت کر کے نماز پڑھی، امام ابوحنیفہؒ ایسے شخص کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں

اس کے حق میں کفر کا خوف رکھتا ہوں اس لئے کہ اس نے قبلہ سے اعراض کیا اور دوسرے مشائخ کا اس کے کفر میں اختلاف ہے شمس الانحرہ حلوائی فرماتے ہیں کہ جب اس نے قبلہ چھوڑ کر بطور استہزاء وہاں سے دوسری طرف نماز پڑھی تو ظاہر ہے کہ وہ کافر ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی ایسی صورت میں کسی وجہ سے مبتلا ہو گیا مثلاً چند لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ اسے حادث ہو گیا اور شرم کی وجہ سے اس نے سوچا کہ ظاہر نہ ہونے پائے چنانچہ چھپانے کے لئے بغیر وضو نماز پڑھتا رہا یا دشمن کے پاس تھا اور کھڑے ہو کر اس حالت میں نماز پڑھی کہ وہ پاک نہ تھا، بعض مشائخ نے یہ کہا کہ اس صورت میں وہ کافر نہیں ہوگا اس لئے کہ اس نے اپنا استہزاء کے طور پر نہیں کیا ہے لیکن اگر کوئی ضرورت یا حیاتی وجہ سے ایسی صورت میں مبتلا ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ اپنے اس قیام سے نماز کے قیام کا ارادہ نہ کرے اور نہ کچھ پڑھے اور جب ان کے ساتھ رکوع میں جائے تو وہ رکوع کا قصد نہ کرے اور نہ اس کی تسبیح پڑھے تاکہ وہ کسی کے نزدیک کافر نہ ہوئے پاس نہ اور ناپاک کپڑوں میں نماز پڑھنے سے بعض علماء کہتے ہیں کہ کافر نہیں ہوتا۔

کسی نے کہا کہ نماز فرض ہے لیکن رکوع اور سجدہ فرض نہیں تو اس کہنے سے کافر نہ ہوگا، اس لئے اس کو تاویل کی گنجائش ہے کہ نماز سے میری مراد جنازہ کی نماز بھی جس میں رکوع سجدہ فرض نہیں ہیں۔ اگر کوئی رکوع اور سجدوں کی فرضیت کا بالکل یہ انکار کرے گا تو وہ کافر ہو جائے گا حتیٰ کہ اگر صرف دوسرے سجدے کی فرضیت کا بھی انکار کرے گا تو وہ کافر ہوگا اس لئے کہ اس نے اجماع اور تواتر کا رد کیا۔ کسی نے کہا کہ اگر کعبہ محرمہ قبلہ نہ ہوتا اور اس کی جگہ بیت المقدس قبلہ ہوتا تو بھی میں کعبہ ہی کی طرف رج کر کے نماز پڑھتا اور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نہ پڑھتا، یا اس طرح کہا کہ اگر فلاں قبلہ ہوتا تو اس کی طرف میں منہ نہ کرتا، یا یوں کہا کہ اگر فلاں جانب کعبہ ہوتا تو میں اس طرف منہ نہ کرتا یا یہ کہا کہ قبلہ وہ ہیں ایک کعبہ عود سرایت المقدس، تو ان تمام صورتوں میں وہ کافر ہو جائے گا۔

ابراہیم بن یوسف نے کہا ہے کہ اگر کسی نے دکھانے کے لئے نماز پڑھی تو اس کو ثواب نہیں ملے گا بلکہ اس کے نامہ اعمال میں گناہ لکھا جائے گا، اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس سے کافر ہو جاتا ہے اور بعضوں نے کہا کہ اس صورت میں اس پر نہ گناہ ہے اور نہ اس کے لئے ثواب ہی ہے اور وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے نماز نہیں پڑھی۔

ایک شخص کسی کافر کے پاس آیا اور ایک دو وقت کی نماز چھوڑ دی نہیں پڑھی، اگر اس نے ایسا اس کافر کی تعظیم کی وجہ سے کیا ہے تو کافر ہوگا اور اس پر ان نمازوں کی قضاء نہیں ہے، اور اگر ایسا فسق و فجور کی وجہ سے کیا ہے تو کافر نہ ہوگا اور اس کو ان نمازوں کی قضاء کرنی ہوگی۔ ایک شخص نے دارالاسلام میں اسلام قبول کیا ایک ماہ کے بعد اس سے شیخ وقفہ نماز کے متعلق سوال کیا گیا، اس نے جواب میں کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہ وہ مجھ پر فرض ہے تو اس سے وہ کافر ہو جائے گا، ہاں اگر وہ نو مسلموں میں رہتا ہے تو کافر نہ ہوگا۔

اگر کوئی مؤذن سے اذان دیتے وقت کہے کہ تو نے جھوٹ کہا تو وہ کافر ہو جائے گا، اگر کوئی اذان سن کر یہ کہے کہ گھنٹہ کی آواز ہے تو وہ کافر ہے ایک شخص سے کہا گیا کہ تم زکوٰۃ ادا کرو، اس نے یہ سن کر کہا کہ میں ادا نہیں کرتا تو وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا، بعض حضرات علماء نے کہا کہ مطلقاً اس جواب سے کافر ہو جائے گا، اور بعض کہتے ہیں کہ احوال ظاہر میں اس جواب سے کافر ہوگا لیکن احوال باطنہ میں اس جواب سے کافر نہ ہوگا، اور مناسب یہ ہے کہ یہاں بھی نماز کی طرح چار احتمال ہونے چاہئیں اور تین صورتوں میں کافر نہ ہوگا اور ایک صورت میں ہو جائے گا، اگر کوئی کہے کہ کاش رمضان فرض نہ ہوتا تو اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ کہنے والے کی نیت پر موقوف ہوگا۔ اگر اس نیت سے یہ کہہ کہ رمضان کے حقوق اس سے ادا نہیں ہو سکتے تو کافر نہ ہوگا، اگر کوئی رمضان آئے وقت یہ کہے کہ ہماری مہینہ یا ہماری مہمان آیا تو کافر ہوگا، جب رجب کا مہینہ آیا اور کسی نے کہا کہ اس کے بعد خرابی میں مبتلا ہوں گے تو اگر اس نے یہ محترم مہینوں کے لئے عداوت کے طور پر کہا ہے تو کافر ہوگا اور اگر اپنے نفس پر گمراہی کو ظاہر کرنے کے لئے کہا ہے تو کافر نہ ہوگا اور اس سے میرے مسئلہ میں بھی جواب اسی تفصیل کے ساتھ ہونا چاہئے۔

ایک شخص نے کہا کہ ”رمضان کا روزہ جلد مقرر جائے“ تو بعض کہتے ہیں کہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا اور بعض کہتے ہیں کہ کافر نہیں

ہوگا، اور اگر کوئی کہے چند ازیں روزہ کہ مراد یہ گرفت یعنی اتنے روزے کب تک؟ میرا تو اس سے دل اکٹایا تو اس کا یہ کہنا کفر ہے، اور اسی طرح کوئی کہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے طاعات کو ہمارے لئے عذاب بنا دیا ہے“ اس جملہ کی اگر تاویل کی تو کافرنہ ہوگا، یا اسی طرح یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ اگر ان طاعات کو فرض نہ کرتا تو ہمارے لئے بہتر ہوتا، مگر اس جملہ کی کوئی تاویل کرے تو کافرنہ ہوگا۔

کوئی کہے کہ ”نماز میرے لائق نہیں ہے“ یا ”حلال میرے مناسب نہیں ہے“ یا یہ کہا کہ ”کس لئے نماز چھوٹی بیوی بچے تو میں رکھتا ہی نہیں“ یا اس طرح کہا کہ ”نماز کو میں نے طاق پر رکھ دیا“ تو ان تمام صورتوں میں کافر ہو جائے گا۔

وہ موجبات کفر جن کا تعلق علم اور علماء سے ہے: اگر کوئی بغیر کسی ظاہر سبب کے کسی عالم دین سے بغض رکھے تو اس کے کافر ہو جانے کا خوف ہے، ایک شخص نے ہام صحرانے والے کے متعلق کہا کہ اس کا دیکھنا میرے لئے ایسا ہے جیسے خنزیر (سور کا دیکھنا، تو اس کے کافر ہو جانے کا بھی خوف ہے، اور اس پر بھی کفر کا خوف ہے جو کسی عالم یا فقیہ کو بغیر سبب برا کہے، اور وہ کافر ہو جاتا ہے جو کسی کو اس طرح کہے کہ ”تیرے علم کے مقدم میں گدھے کا ذکر“ اور اس علم سے اس کی مراد علم دین ہو۔

ایک جاہل نے علم سیکھنے والے کو اس طرح کہا کہ ”یہ جو کچھ سیکھتے ہیں وہ کہانیاں اور داستانیں ہیں“ یا یہ کہا کہ یہ سب فریب ہے یا یہ کہا کہ میں علم حیلہ کا منکر ہوں۔ تو واضح رہے کہ یہ سب جملے کفریہ ہیں۔

ایک شخص اونچی جگہ پر بیٹھ جائے اور پھر لوگ اس سے بطور مذاق اور استہزاء مسائل پوچھنے لگیں اور اس کے بعد اس کو ٹکیوں سے مارنے لگیں اور سب بٹنے لگیں تو وہ سب اس فعل کی وجہ سے کافر ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی علم کی مجلس میں واپس آ رہا تھا اس کو کسی نے کہا کہ تو بت خانہ سے آ رہا ہے تو وہ اس کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے، یا اسی طرح یہ کہا کہ مجھے علم کی مجلس سے کیا کام، یا یہ کہا کون شخص ان چیزوں کے ادا کرنے پر قدرت رکھتا ہے جو علماء کہتے ہیں تو وہ کافر ہوگا۔

اگر کوئی کہے کہ علم کو کاسہ اور کسر میں نہیں رکھ سکتے یعنی یہ علم نہ کھانے کے پیالہ میں رکھنے کے لائق ہے اور نہ روپے کی تھیلی میں اور ضرورت انہی دونوں کی ہے، یا یہ کہا کہ علم کا کیا کروں گا مجھے جیب میں چاندی چاہئے تو اس کہنے سے وہ کافر ہو جائے گا۔ اگر کوئی کہے کہ مجھے بال بچوں کی اتنی مصروفیات ہے کہ علم کی مجلس میں نہیں پہنچ سکتا اور اس نے اس سے علم کی اہانت کا ارادہ کیا تو اس جملہ سے بھی کفر کا خطرہ ہے۔

کوئی عالم فقیہ، علم کا تذکرہ کر رہا تھا یا کوئی صحیح حدیث بیان کر رہا تھا کسی نے اسے سن کر کہا کہ یہ کچھ نہیں ہے اور اسے رو کر دیا یا کہا کہ یہ بات کیا کام آوے گی روپیہ چاہئے، کہ آج اسی کو عظمت حاصل ہے علم کیا کام آتا ہے، تو یہ کفر ہے۔

اگر کسی نے کہا کہ دانشمندی سے بہتر فساد پر کرتا ہے تو یہ کفر ہے، کوئی عورت جس کا شوہر عالم ہو اگر یوں کہے کہ عالم شوہر کے اوپر لعنت ہو تو وہ کافر ہو جائے گی کسی نے کہا کہ عالموں کا فضل وہی ہے جیسے کافروں کا تو وہ اس کہنے سے اس وقت کافر ہو جائے گا جب تمام افعال میں برابری ظاہر کرے کہ اس طرح حق و باطل میں اس نے برابری کو ظاہر کیا۔

ایک شخص کا کسی فقیہ سے کسی بات میں جھگڑا ہو گیا، اس فقیہ نے اس کی کوئی شرعی وجہ بیان کی، اسے سن کر جھگڑنے والے نے کہا، یہ عالمانہ پن نہ کر، یہاں کچھ نہیں چل سکتی، تو ایسے شخص پر کفر کا خوف ہے، اگر کسی نے فقیہ سے کہا ”اے دانشمند“ یا ”اے علویک“ تو اس سے کافرنہ ہوگا اگر اس کی نیت اہانت دین کی نہیں ہے۔

ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک فقیہ عالم نے اپنی کتاب ایک دوکاندار کی دوکان میں رکھ دی اور کسی کام سے چلا گیا پھر جب وہ دوکان سے گزرا تو وہ دوکاندار نے اس کو مخاطب کر کے کہا کہ تم بھولہ بھول گئے، فقیہ نے کہانی دوکان میں میری کتاب ہے بھولہ نہیں، دوکاندار نے کہا کہ چڑھی بھولہ سے لکڑی کا ٹکڑا ہے اور تم کتاب سے لوگوں کی گردن کاٹتے ہو۔ فقیہ نے شیخ امام ابو بکر محمد بن فضل سے اس واقعہ کا شکوہ کیا۔ انہوں نے اس شخص کے قتل کا حکم کیا۔

ایک شخص نے بیوی پر غصہ کیا اور کہا کہ تو خدا کی اطاعت کر، اور ساتھ ہی گناہ سے منع کیا، بیوی نے جواب میں کہا میں اللہ اور علم کیا جانوں میں نے اپنے کو دوزخ میں رکھ چھوڑا ہے تو وہ اس کی وجہ سے کافر ہو گئی، ایک شخص سے کہا گیا کہ علم دین کے طلب کرنے والے فرشتوں کے ہاتھوں پر چلتے ہیں، اس نے کہا یہ جھوٹ ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اگر کوئی کہے کہ امام ابو حنیفہؒ کا قیاس صحیح نہیں تو وہ کافر ہو جائے گا اس لئے کہ اس نے مطلقاً قیاس کی صحت کا انکار کیا کسی نے کہا کہ شریہ بلاؤ کا پالہ علم سے بہتر ہے تو وہ کافر ہو جائے گا، اور کہا کہ بلاؤ کا پالہ اللہ سے بہتر ہے تو وہ کافر نہ ہو گا۔ یہ اس وجہ سے کہ ”اللہ سے“ کا مطلب ”اللہ کی طرف سے“ ہو سکتا ہے اور علم میں یہ تاویل نہیں ہو سکتا۔

ایک شخص نے اپنے دشمن سے کہا کہ ”میرے ساتھ شریعت کی طرف چلو“ اس نے کہا کہ کوئی سپاہی بلاؤ تو چلوں بیہ جبر و اکراہ نہیں جاسکتا تو وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا کیونکہ اس نے شریعت کا مقابلہ کیا، اور اگر اس نے یہ کہا کہ میرے ساتھ قاضی کے پاس چل اور اس لئے بھی جواب دیا تو کافر نہ ہو گا، اور اگر اس نے یہ کہا کہ میرے ساتھ شریعت اور حیلہ مفید نہیں ہو گا یا یہ کہہ کہ ”یہ پیش نہ جاویں گے۔ یا یہ کہہ کہ میرے لئے کھجور کا طوطہ ہے شریعت کیا کروں گا۔ یہ ساری صورتیں ٹکری ہیں، اور اگر یہ کہا کہ ”جس وقت تو نے چاند لی تھی اس وقت شریعت اور قاضی کہاں تھا“ تو اس کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔ اور علماء متاخرین میں سے بعض نے کہا کہ اگر اس نے قاضی سے شہر کے قاضی کو مراد لیا ہے۔ تو کافر نہ ہو گا۔

کسی شخص سے کہا گیا کہ ”اس بارہ میں شریعت کا حکم یہ ہے“ اس نے جواب دیا کہ ”میں رسم پر عمل کرتا ہوں نہ کہ شریعت پر“ تو اس کہنے سے بعض کے نزدیک کافر ہو جائے گا، ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ ”تو کیا جتنی ہے شریعت کا کیا حکم ہے“ بیوی نے بلند آواز سے ڈکاری اور کہا ”ایک شرع را“ تو وہ کافر ہو جائے گی اور اس کا نکاح حیاتار ہے گا۔ ایک شخص نے اپنے مخالف کے سامنے اگر کا فتویٰ پیش کیا، اس نے اس فتویٰ کو رد کر دیا اور کہا ”یہ فتویٰ کا انبار تو کیا لے آیا ہے؟“ بعضوں نے کہا کہ وہ کافر ہو جائے گا اس لئے اس نے شریعت کا حکم رد کر دیا۔ اسی طرح اگر اس فتویٰ کے بارے میں کچھ نہ کہا مگر فتویٰ لے کر زمین پر ڈال دیا اور کہا ”یہ کیا شریعت ہے؟“ تو بھی کافر ہو جائے گا۔

ایک شخص نے ایک عالم سے اپنی بیوی کے متعلق کا مسئلہ دریافت کیا، اس نے جواب دیا کہ تمہاری بیوی پر طلاق واقع ہو گئی پوچھنے والے نے کہا ”میں طلاق ملایا تو کیا جانوں ماں بچے گھر میں ہونے چاہئیں“ تو وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا۔ دو شخصوں میں جھگڑا ہوا، اس میں سے ایک دوسرے کے پاس علماء کا فتویٰ لے کر آیا اس نے کہا ”ایسا نہیں جیسا کہ فتویٰ دیا“ یا یہ کہہ کہ میں اس پر عمل نہیں کرتا تو اس کو تعزیر (سزا) دی جائے گی۔

وہ موجبات کفر جن کا تعلق حلال و حرام اور فاسق و فاجر وغیرہ کے کلام سے ہے، جو کوئی حلال کے حرام ہونے کا یا حرام کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھے گا تو وہ کافر ہو جائے گا۔ لیکن اگر کوئی حرام و حلال اس لئے بتائے کہ یہ سامان رائج ہو جائے یا ایسا جہالت کی وجہ سے کیا تو وہ کافر نہ ہو گا، لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ وہ حرام حرام لعینہ ہو، اور وہ اس کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھے تب کافر ہو گا اور اگر حرام، حرام لعینہ ہو اور اس کو حلال بتائے تو کافر نہ ہو گا، اور اس حرام لعینہ کو حلال سمجھنے میں کافر ہو گا جب اس کی لعینہ حرام کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہو، لیکن اگر حرام لعینہ کی حرمت خیرا حوالہ سے ثابت ہوگی تو اس کے حلال کا عقیدہ رکھنے میں کافر نہ ہو گا۔

ایک شخص سے کہا گیا کہ ایک حلال تم کو زیادہ پسند ہے یا وہ حرام، اس نے کہا دونوں میں سے جو بلند سمجھ جائے، تو اس کے بارہ میں کفر کا خوف ہے، اسی طرح اس وقت بھی خوف کفر ہے جب کہے کہ ہمیں مال چاہئے خواہ حلال ہو خواہ حرام ہو، اور اگر یہ کہا کہ جب تک میں حرام ہوں گا حلال کے پاس نہیں پھنکوں گا تو اس کہنے سے کافر نہ ہو گا۔

اگر کوئی شخص حرام مال کسی فقیر کو ثواب کی نیت سے دے دے اور ثواب کی امید رکھے تو وہ کافر ہو جاتا ہے، اور اگر فقیر کو یہ معلوم تھا کہ یہ

مال حرام ہے اور اس کے باوجود اس نے وہ مال لے لیا اور دینے والے کو عادی اور اس دینے والے نے آمین کہی تو وہ کافر ہو گا۔ ایک شخص سے کہا گیا کہ ”حلال مال کھاؤ“ اس نے کہا کہ ”مجھے تو حرام مال بہت پیارا ہے“ تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اور اگر اس کے جواب میں یہ کہا کہ ”اس دنیا میں کسی ایک حلال کھانے والے کو لڑاکا میں اسے جہدہ کروں“ تو وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا، کسی نے ایک شخص سے کہا کہ ”حلال کھایا کرو“ جواب میں اس نے کہا کہ ”مجھے تو حرام چاہیے“ تو وہ کافر ہو گیا۔

کسی فحش کے لڑکے نے شراب پی۔ پھر اس کے عز و اقبال اگر اس پر روپے پھلور کرنے لگے تو وہ سب کافر ہو گئے، اور اگر پھلور نہیں کیا بلکہ کہا کہ ”تمہیں مبارک ہو“ تو بھی کافر ہو جائیں گے۔ اگر کسی نے کہا کہ شراب کی حرمت قرآن سے نہیں ثابت ہوتی تو وہ کافر ہو جائے گا۔

کسی نے شراب پینے والے سے کہا کہ قرآن سے شراب کی حرمت ثابت ہے پھر تو شراب کیوں پیتے ہو تو یہ کیوں نہیں کرتے؟ تو اس کے جواب میں شرابی نے کہا کہ ”از شیر باد رشکید“ یعنی کیلیاں کے دودھ سے مبر ہو سکتا ہے؟ تو وہ اس کہنے سے کافر نہیں ہو گا، اس وجہ سے کہ یا تو یہ استفہام ہے یا شراب اور دودھ میں شغف کے اندر برابری ظاہر کرتا ہے۔

اگر کوئی حالت حیض میں اپنی بیوی سے جماع (محبت) کو حلال سمجھے گا تو وہ کافر ہو جائے گا، اسی طرح وہ بھی کافر سمجھا جائے گا جو اپنی بیوی سے اغلام (لواطت) کو جائز دیکھ جائے، اور نوادر میں امام محمدؒ سے روایت ہے کہ ان دونوں صورتوں میں کافر نہیں ہوتا اور اس حکم کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔

ایک شخص نے شراب پی اور پھر کہا کہ ”جو شخص ہمارے اس کیف میں ہمارا شریک مسرت ہے اصل مسرت اسی کی ہے اور جو شخص ہمارے اس کیف و مسرت سے ناراض ہے وہ کھائے میں ہے“ تو وہ کافر ہو گیا۔ اسی طرح جب وہ شراب پینے میں مشغول تھا تو اس نے کہا کہ مسلمان ہونے کو آشکارا کر باہوں یا مسلمان ہونا ظاہر ہو رہا ہے تو اس سے کافر ہو جائے گا۔ اگر کسی بدکار اور شرابی نے یہ کہا کہ اگر شراب کا کوئی قطرہ گر جائے گا۔ تو جبریل علیہ السلام اپنے پیروں سے اٹھائیں گے تو اس سے وہ کافر ہو جائے گا۔

ایک فاضل سے کسی نے کہا کہ تو ہر دن اس طرح صبح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق خدا کو تکلیف دیتا ہے، اس نے کہا خوب کرتا ہوں تو وہ کافر ہو جائے گا۔ گناہوں کے متعلق کسی نے کہا کہ یہ بھی ایک مذہب ہے تو وہ اس کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔ محیط میں ایسا ہی ہے اور تجنیس ناطقی میں ہے کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ کہنے والا کافر نہیں ہوتا،

اسی طرح وہ بھی کافر ہو گا جو تسبیح و تہلیل کے وقت یہ جملے کہے۔ ایک شخص نے سجان اللہ کہا، دوسرے نے کہا کہ تو نے سجان اللہ کی رونق قسم کر دی، یا کہا کہ تو نے اسی کی کھال اوھیز دی تو وہ کافر ہو جائے گا کسی نے کہا گیا کہ تم لا الہ الا اللہ کہو اس نے کہا میں نہیں کہتا بعض مشائخ کہتے ہیں کہ یہ کفر ہے، اور بعضوں نے یہ کہا ہے کہ اگر اس کی مراد اس سے یہ تھی کہ ترے حکم سے میں لا الہ الا اللہ نہیں کہتا تو وہ کافر نہیں ہو گا اور بعضوں نے کہا کہ مطلقاً کافر ہو جائے گا اور اگر جواب میں یہ کہا کہ تو نے یہ کلمہ پڑھ کر کیا بندی حاصل کر لی کہ میں کہوں، تو بھی کافر ہو جائے گا، ایک بادشاہ کو چھینک آئی اس کی پھینک پر کسی نے کہا یہ حکم اللہ۔ دوسرے نے یہ حکم اللہ کہنے والے سے کہا کہ بادشاہ کے لئے اس طرح موت کو تو یہ کہنے والا کافر ہو جائے گا۔

وہ موجبات کفر جن کا تعلق یوم قیامت اور قیامت سے متعلق چیزوں سے ہے: جو کوئی قیامت یا جنت دوزخ یا میزان و ہل صراط اور نامہ اعمال کا انکار کر دے تو وہ کافر ہو جائے گا، اسی طرح کوئی مرنے کے بعد پھرتی اٹھنے کا انکار کر دے تو وہ بھی کافر ہے۔

کوئی شخص یہ کہے ”میں یہ نہیں جانتا کہ بیہودہ افسلہ قیامت میں جب اٹھائے جائیں گے تو وہ آگ کے عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے یا نہیں تو اس کہنے سے وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح وہ شخص بھی کافر ہو جاتا ہے جو جنت میں داخل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے دیدار کا انکار کر دے۔ یا مرنے کے بعد عذاب قبر کا انکار کرے یا انسان کے حشر و نشر کا انکار کر لے، لیکن انسان کے علاوہ دوسری مخلوق کے حشر کا

انکار کرنے والا کافر نہیں ہوتا اسی طرح وہ بھی کافر نہیں ہوتا جو یہ کہے کہ عذاب اور ثواب کا تعلق صرف روح سے مخصوص ہے۔

ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ گناہ نہ کرو اس لئے کہ ایک دوسری دنیا بھی ہے جہاں حساب و کتاب ہوگا اس نے جواب دیا کہ اس دنیا کی کسی کو خبر ہے تو کافر ہو جائے گا ایک شخص کا دوسرے کے ذمہ قرض باقی تھا، اس نے اس کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر یہاں تم نہیں دیتے ہو تو قیامت میں تم سے وصول کر لوں گا اس نے جواب میں کہا جی ہاں قیامت قائم ہوگی؟ تو اگر اس نے قیامت کی توہین کے ارادہ سے ایسا کہا تو کافر ہو جائے گا۔

ایک شخص نے دوسرے پر ظلم و ستم ڈھایا، اس پر مظلوم نے کہا آخر قیامت کا دن آنے والا ہے اس لئے ڈرو اس نے جواب میں کہا فلاں گدھا قیامت میں ہوگا تو اس سے کافر ہو جائے گا ایک شخص نے اپنے قرضدار سے کہا میرے روپے دنیا میں دے کر قیامت میں روپیہ نہ ہوگا اس نے کہا کہ اچھا دس روپے اور دے دو اس دنیا میں لے لینا یا میں تمہیں وہاں دے دوں گا تو وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا کسی نے کہا کہ مجھے حشر سے کیا کام ہے، یا یہ کہہ کر کہ میں قیامت سے نہیں ڈرتا تو وہ کافر ہو جائے گا۔

کسی نے اپنے دشمن سے کہا کہ میں اپنا حق تجھ سے قیامت میں وصول کر لوں گا اس نے کہا اس دن اس بھٹیر میں مجھے کہاں پائے گا؟ مشائخ کو اس کے کفر میں اختلاف ہے فقیر ابو الیث کہتے ہیں کہ وہ اس کہنے سے کافر نہ ہوگا۔

کسی نے کہا اس دنیا میں سب اچھا رہتا ہے اس دنیا میں جو ہوگا سو ہوگا تو وہ کافر ہو جائے گا ایک شخص سے کہا گیا کہ تم آخرت کے پیش نظر دنیا سے گریز کرو اس نے کہا کہ نقد چھوڑ کر ادھر پر کون بیروں کرے؟ تو وہ کافر ہو جائے گا۔

کسی نے کہا کہ جو اس دنیا میں بے عقل و خرد ہو گا وہ اس دنیا میں اس شخص کی طرح ہوگا جس کی عقل بھٹی ہوئی ہے یعنی ناکارہ ہوگا امام ابو بکر محمد بن الفضل نے کہا کہ اگر اس سے اس کا نشا آخرت کے ساتھ مستخر اور مطرب ہے تو یہ باعث تکفیر ہوگا۔ کسی نے کسی سے کہا کہ میں تیرے ساتھ دوزخ میں جاؤں گا لیکن اندر نہیں آسکتا تو کافر ہو جائے گا۔

اگر کسی نے کہا کہ جب تک تم رضوان جنت کے لئے کچھ نہیں لے جاؤ گے تو وہ جنت کا دروازہ نہیں کھولے گا تو اس کہنے سے کافر ہو جائے گا۔ کسی نے بھلائی کا حکم دینے والوں سے کہا کہ یہ کیا ہنگامہ جارہا ہے اگر یہ انکار و رد کے طور پر کہ ہے تو اس کے کافر ہو جانے کا خوف ہے کسی نے ایک شخص سے کہا کہ فلاں کے گھر جا کر بجلی بات کا حکم کرو، جواب میں کہا کہ اس نے میرے ساتھ کیا کیا ہے یا مجھے اس کو اذیت دینے کی کیا وجہ ہے؟ یا کہا میں الگ تھلگ ہوں اس فضول کام سے کیا واسطہ؟ تو یہ سب کفریہ الفاظ ہیں۔

کسی نے ایک شخص سے تعزیت کرتے ہوئے کہا جو اس کی جان سے کم ہوا وہ تم پر زیادہ ہو تو اس سے بھی کفر کا خوف ہے۔ یا کہا کہ تم پر زیادہ کیا جائے تو یہ جہالت اور غلطی ہے یا کہا کہ فلاں کی جان کم ہو کر تیری جان پر آگیا، تو یہ بھی جہالت ہے اور اگر یہ کہا کہ وہ مر گیا لیکن اپنی جان تیرے سپرد کر گیا تو کافر ہو جائے گا۔ ایک شخص بیمار تھا وہ اچھا ہوا دوسرے نے اس سے کہا فلاں گدھا چہرہ پیچیدہ تو یہ بھی کفر ہے۔ ایک شخص بیمار ہوا اور اس کی بیماری بہت بڑھ گئی اور اس نے طول کھینچا پانے لے آکر خدا کو خطاب کر کے کہا کہ خواہ تو حالت اسلام پر موت دے یا حالت کفر تو یہ بھی باعث کفر ہے۔

وہ موجبات کفر جن کا تعلق تلقین کفر و ارتداد وغیرہ سے ہے: جب کوئی کسی کو کلمہ کفر کی تلقین کرے گا تو وہ کافر ہو جائے گا خواہ یہ کھیل کود اور ہنسی مذاق ہی کے طور پر کیوں نہ ہو اسی طرح وہ بھی کافر ہو جائے گا جو کسی کی بیوی کو حکم دے کہ تو مر نہ ہو جا اور اس طرح اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کر لے، امام عظیم اور امام ابو یوسف سے یہی روایت ہے، ایک شخص نے کسی کو حکم دیا کہ تو کافر ہو جا تو حکم دینے والا کافر ہو جائے گا خواہ جس کو حکم دیا گیا وہ کافر ہو یا نہ ہو۔ امام ابو الیث فرماتے ہیں کہ جس وقت کوئی شخص کسی کو کلمہ کفر کی تعلیم دے گا وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی مرد یا عورت کو مرتد ہونے کا حکم دے گا تو بھی وہ کافر ہوگا۔

امام محمد فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو مجبور کیا گیا کہ وہ کلمہ کفر زبان سے نکالے ورنہ اس کے ساتھ ایسا ایسا کرے گا یعنی جان یا کسی عضو

کے تلف کرنے کی دھمکی دی گئی اس نے اس خوف سے کلمہ کفر زبان سے کہہ دیا تو اس کی چند صورتیں ہوں گی اگر اس نے کلمہ کفر اس طرح زبان سے ادا کیا کہ اس کا دل ایمان پر بالکل مطمئن ہے دل میں کفر کا کھانکبک بھی نہیں گذرا صرف زبان سے کلمہ کفر سرزد ہوا ہے تو اس صورت میں نہ قضاء اس کی تکفیر کی جائے گی اور نہ وہ عند اللہ کافر ہوگا، اور اگر کلمہ کفر زبان سے کہنے والا کہے کہ میں نے تو یہ سوچا تھا کہ اپنے بارہ میں زمانہ ماضی میں کفر کی جھوٹی خبر دے کر چمکدار حاصل کر لوں میں نے مستقل کفر کا ارادہ نہیں کیا تھا تو اس صورت میں قضائینی قانوناً اس کے کفر کا فیصلہ دیا جائے گا اور قاضی اس میں اور اس کی بیوی میں تفریق کر دے گا اور اگر وہ یہ کہے کہ کلمہ کفر کہتے وقت میرے دل میں یہ بات گذری کہ گذرے ہوئے زمانہ میں کفر کی جھوٹی خبر دے دوں لیکن زمانہ ماضی میں جھوٹے کفر کا میں نے ارادہ نہیں کیا بلکہ ایام مستقبل میں ارادہ کیا تو اس صورت میں خدا کے نزدیک بھی کافر ہو جانے کا اور نیلے حکم میں بھی۔

ایک شخص کو مجبور کیا گیا کہ وہ صلیب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے چنانچہ اس نے پڑھی تو اس کی تین صورتیں ہوں گی۔ ① اگر وہ یہ کہتا ہے کہ زبردستی کی وجہ سے صلیب کی طرف نماز پڑھ لی ہے لیکن دل میں کوئی وہم و گہم اس کی حقیقت کا نہیں گذرا ہے تو وہ کافر نہیں ہوگا نہ قضاء اور نہ فی مابینہ و بین اللہ۔ ② اگر وہ یہ کہتا ہے کہ میرے دل میں یہ بات گذری کہ اللہ تعالیٰ کے لئے نماز پڑھ رہا ہوں نہ کہ صلیب کے لئے تو اس صورت میں بھی وہ کافر نہیں ہوگا۔ ③ اگر وہ یہ کہتا ہے کہ میرے دل میں یہ بات گذری کہ میں اللہ کے لئے نماز پڑھوں لیکن میں نے اس کو چھوڑ دیا اور صلیب کے لئے نماز پڑھی تو اس صورت میں وہ فضلہ بھی کافر ہوگا اور فی مابینہ و بین اللہ بھی۔

ایک مسلمان سے کہا گیا کہ تم ہمارا شاہ کو جبرہ کر دو ورنہ ہم تمہیں قتل کر ڈالیں گے تو افضل یہ ہے کہ سجدہ نہ کرے ایک شخص نے کلمہ کفر زبان سے جان بوجھ کر نکالا لیکن کفر کا اعتقاد پیدا نہیں ہوا تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ کافر نہیں ہوگا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ کافر ہو جائے گا اور یہی صحیح ہے۔ ایک شخص نے کلمہ کفر زبان سے ادا کیا لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ کفر کا کلمہ ہے مگر اس نے یہ اپنے اختیار سے کہا ہے تو تمام علماء کے نزدیک وہ کافر ہو جائے گا۔ اور جہالت عذر شارح ہوگی اور بعض لوگوں نے کہا کہ کافر نہیں ہوگا مگر ان کے لئے والا یہاں اصرار محض کر کے کفر امتناع کے طور پر بالذات آخری کے طور پر کہے گا تو وہ تمام کے نزدیک کافر قرار دیا جائے گا اگرچہ اس کا اعتقاد اس کے خلاف ہو۔

ایک شخص کی زبان سے کلمہ کفر غلطی سے جاری ہو گیا اس طرح کہ وہ دوسرا کلمہ بولنا چاہتے تھے لیکن آگے کفر کا کلمہ تو وہ کافر نہیں ہوگا جو سیوں کی ٹوٹی سر پر رکھنے سے مسلمان کافر ہو جاتا ہے البتہ گرمی یا سردی سے بچنے کے لئے ایسا کرے تو کافر نہ ہوگا زنا یعنی حیثیت پسنے سے مسلمان کافر ہو جاتا ہے لیکن اگر لڑائی میں جاسوسی کے لئے ایسا کرے تو کافر نہ ہوگا۔

کسی نے کہا کہ تو جو کچھ کر رہا ہے اس سے بہتر کفر کرنے والا ہے، اگر اس سے اس کی نیت کفر کا اچھا جانا ہے تو وہ کافر ہو جائے گا اور بعض علماء جیسے فقیہ ابواللیث کہتے ہیں کہ صرف اس جملہ سے آدمی کافر ہو جاتا ہے خواہ اس کی نیت کچھ بھی ہو۔ مجس نوہ روز کے دن جو کچھ کرتے ہیں اگر کوئی مسلمان اس کی موافقت میں ان کے ساتھ نکلے گا تو کافر ہو جائے گا، اسی طرح اگر اس نوہ روز کے دن ایسی چیز خریدے گا جو کبھی نہ خریدتا تھا اور یہ خریدنا تو روز کی تعظیم کے لئے ہو تو کافر ہو جائے گا، کھانے پینے اور ضروریات زندگی کی چیز خریدنے سے کافر نہیں ہوگا، اس دن اگر کوئی مسلمان مشرکوں کو اس دن کی تعظیم کے اظہار کے لئے کوئی تحفہ بھیجے خواہ وہ معمولی ہی کیوں نہ ہو تو وہ کافر ہو جائے گا یاں اگر ان کے بچوں کی رسم و سنن میں دعوت قبول کرے تو اس سے کافر نہ ہوگا۔

کفار کی باتوں اور معاملہ کو اچھا جاننے والا کافر ہو جاتا ہے مثلاً یہ کہے کہ کھانے کے وقت مجس کا یہ مذہب بہتر ہے کہ اس وقت مفتنگونہ کی جائے یا مجس کے یہاں یہ اچھا ہے کہ حالت حیض میں بیوی کو ساتھ لیٹے بھی نہ دیا جائے، اس کہنے سے کافر ہو جائے گا، کسی نے کسی شخص کی عزت و جدہ کی وجہ سے اس کے جوڑے پسنے کے وقت جانور ذبح کیا تو وہ کافر ہو جائے گا اور یہ ذبیحہ مردار ہے اس کا کھانا جائز نہیں۔ اسی طرح غیر اللہ کی عظمت کے اظہار کے لئے گائے، اونٹ یا کسی جانور کا ذبح کرنا یا غازیوں اور حایوں کی داپھی پر اس کی عظمت

کے اظہار کے لئے ایسا کرنا باعث کفر ہے۔

جو جانور کسی دیوی دیوتا یا بزرگ کے نام پر چھوڑا گیا اور تاحذر کر کے اس کو شہرت دیدی گئی جیسے جاہل اور بد عقیدہ لوگ کوئی جانور مثلاً بکرا چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے پھرتے ہیں کہ یہ بکرا شیخ سدا کے نام پر ہے یا یہ گائے احمد کبیر کی ہے یا یہ مرغدار صاحب کا ہے وغیرہ وغیرہ یا کسی غیر اللہ کے نام کی عظمت اور تقرب کے لئے ایسا کیا گیا تو یہ سب کفر کی باتیں ہیں، اسی طرح بزرگوں کی قبر پر یاد دہانے کے کنارے جانور ذبح کرنا یا کسی دیوی دیوتا کو بھوک دینا یہ سب کام ایسے ہیں کہ ان کی وجہ سے آدمی کافر ہو جاتا ہے اور ایسا ذبح مردار کے حکم میں ہے اس کا کھانا درست نہیں اس سے کوئی فرق نہیں ہوتا کہ ان مواقع پر جانور ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو دونوں صورتوں میں وہ حرام ہے کیونکہ جب غیر اللہ کے نام پر تاحذر ہو چکا ہے تو بسم اللہ پڑھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا ایسا ہی الاشہد والانظار، تنویر الابصار، در مختار، شیخ الغفار، فتاویٰ عالمگیری اور مطالب المؤمنین وغیرہ کتابوں میں مذکور ہے۔

ان میں سے بعض کتابوں میں یہ بھی صراحت ہے کہ ایسے غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کا ذبح کرنے والا کافر ہے اور یہ ذبح حرام ہے علماء میں ابو جہش کبیر ابو علی دقاق، عبد اللہ کاتب، عبد الواحد، اور ابو الحسن نووی وغیرہ مشہور علماء نے یہی لکھا ہے۔ اور اس کو صحیح کہا ہے اور تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ تمام علماء کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ جو مسلمان کسی جانور کو اللہ کے سوا کسی اور کے تقرب و تعظیم کے لئے ذبح کرے وہ مرتد ہے اور اس کے ذبح کئے ہوئے جانور کا وہی حکم ہے جو ایک مرتد کے ذبح کئے ہوئے جانور کا ہے اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ وہ شخص ملعون ہے جو غیر اللہ کے تقرب و تعظیم کے لئے جانور ذبح کرے جیسا کہ حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ شریف میں ہے اور شہ عبد الحزیز محدث دہلوی نے اپنی کتاب تفسیر عزیزی میں آیت وَمَا أَهْلَ الْاَلْهٰی تَعْبٰی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ جانور جو غیر اللہ کے نام کے ساتھ شہرت دیا گیا ہے وہ حسن زہد سے بدتر ہے اور مردار ہے جن حضرات کو تفصیل مطلوب ہو ان کو چاہئے کہ وہ تفسیر عزیزی کے مطالعہ کریں انشاء اللہ اس کے مطالعہ سے یہ مسئلہ متفق ہو کر ان کے ذہن میں قائم ہو جائے گا۔

ایک عورت نے اپنی کمرے میں باغہ کر کہا کہ بھارت (جنٹل) ہے تو وہ کافر ہوگئی ایک شخص نے اس طرح کہا کہ خیانت کرنے سے بہتر کافر بنی ہے تو ان علماء کہتے ہیں کہ وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا اس اور اس پر ابوالقاسم مکار کا فتویٰ ہے ایک شخص نے کسی عورت کو لباس عورت سے کہا تو مسلمان نہیں ہے مرد نے یہ سن کر کہا اب میں مسلمان نہیں ہوں تو وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا ایک شخص نے کہا کہ کافر مسلمان نہیں ہے اس نے کہا نہیں تو میری کمرے میں سے ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ تمہارے اندر وہی حقیقت اور اسلامی حقیقت نہیں کہ تم اسے پسند کرتے ہو کہ میں ایسی مردوں کے ساتھ خلوت کروں؟ خاوند کے جواب میں کہا ہاں مجھ میں وہی حقیقت اور اسلامی غیرت نہیں ہے تو وہ اس سے کافر ہو جائے گا۔

ایک مرد نے اپنی بیوی کو اس طرح مخاطب کیا اے یہودیہ، اے مجوسہ اے کافرہ! عورت نے یہ سن کر کہا کہ میں ایسی ہی ہوں یا کہا ایسی ہوں تو مجھے طلاق دے دیا یہ کہا کہ اگر ایسی نہ ہوتی تو تمہارے ساتھ کبھی رہتی یا نہ رہتی یا یہ کہا کہ اگر ایسی نہ ہوتی تو تمہارے ساتھ صحبت نہ کرتی یہ تم مجھے نہ رکھتے تو اس کہنے سے وہ عورت کافر ہو جائے گی، اور اگر اس کے جواب میں یہ کہا کہ اگر میں ایسی ہوں تو تم مجھے نہ رکھو تو اس سے کافر نہ ہوگی۔ اور اگر کسی بیوی نے اپنے شوہر کو مخاطب کیا اے کافر اے یہودی، اے مجوسی! پس شوہر نے اس کے جواب میں کہا اگر ایسا نہ ہوتا تو تم کو نہ رکھتا تو وہ ایسی کیونکر سے کافر ہو گیا، اور اگر کہا کہ اگر میں ایسا ہوں تو تم میرے ساتھ نہ رہو تو اس صورت میں وہ کافر نہ ہوگا۔

اور اگر کسی اجنبی نے کہا اے کافر یہودی! اس نے کہا کہ میں ایسا ہی ہوں میرے ساتھ تم رہو یا کہا اگر ایسا نہ ہوتا تو تمہارے ساتھ نہ رہتا اسی طرح کا کوئی جملہ کہا تو وہ کافر ہو جائے گا ایک شخص نے ایک کام کا ارادہ کیا اس کی بیوی نے اس سے کہا کہ اگر تم یہ کام کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے اس شوہر نے وہ کام کیا اور عورت کی بات پر توجہ نہ دی تو وہ شوہر کافر نہ ہوگا اپنی بیوی کو کسی نے مخاطب کر کے کہا اے کافر! بیوی نے کہا میں نہیں تم ہو، کسی عورت نے اپنے شوہر سے کہا اے کافر! شوہر نے کہا کہ میں نہیں بلکہ تم کافر ہو تو اس سے میں بیوی میں جدائی واقع نہیں ہوگی اور اگر کسی اجنبی مسلمان سے کہا اے کافر! اجنبی عورت کو کہا اے کافرہ! اور مخاطب مرد عورت نے

جواب میں کچھ نہیں کہا کسی شوہر نے اپنی بیوی کو کہا اے کافر! اور عورت نے کچھ جواب نہ دیا یا بیوی نے اپنے شوہر کو کافر کے ساتھ خطاب کیا اور شوہر نے کچھ جواب نہ دیا تو اس صورت میں ابو بکر اُغش غلی کا قول ہے کہ کہنے والا کافر ہے اور بقیہ دوسرے صحابہؓ کہتے ہیں کہ وہ کافر نہیں ہوتا، اور صحیح جواب یہ ہے کہ اگر کہنے والے کا ارادہ صرف برا بھلا کرنا مقصد ہو تو وہ کافر نہیں ہوتا اور اگر وہ اعتقاد بھی یہ ہی رکھتا ہے کہ یہ مسلمان کافر ہے اور پھر اس کو کافر سے خطاب کرتا ہے تو البتہ وہ اس کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔

اگر کوئی عورت اپنے بچے کو کافر بچے کے ساتھ خطاب کرے تو یہ باعث کفر نہیں ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ کفر ہے اسی طرح کوئی مرد اپنے بچے کو ان الفاظ سے خطاب کرے تو وہ بھی کافر نہیں ہے اور اگر اپنے جانور کو کہا اے کافر تو اس سے کافر نہ ہوگا اور کسی شخص نے کسی مسلمان کو اے کافر اے یہودی یا اے بجوی کہا کہ خطاب کیا اور اس مسلمان نے جواب میں لیک کہا تو وہ کافر ہوگا۔ اگر یوں کہے کہ میں ڈر گیا کہ نہیں کافر نہ ہو جاؤں تو اس سے کافر نہ ہوگا اگر کسی نے کسی سے کہا کہ تو نے مجھے اتنا ستایا کہ میرا بیجا چاہا کہ کافر ہو جاؤں تو وہ کافر ہو جائے گا کسی نے کہا کہ یہ زمانہ مسلمان رہنے کا نہیں ہے بلکہ یہ زمانہ کافری کا ہے۔ بعضوں نے کہا اس سے کافر ہو جائے گا اور صاحب محیط نے لکھا ہے کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ وہ کافر نہ ہوگا۔

ایک بجوی اور ایک مسلمان ایک جگہ ساتھ ساتھ تھے ایک شخص نے بجوی کو پکارا کہ اے بجوی اب اگر مسلمان نے یہ سمجھ کر جواب دیا کہ مجھے پکار رہا ہے تو وہ کافر نہیں ہوگا بشرطیکہ وہ دونوں اس پکارنے والے کی ایک کام میں مشغول تھے اور اگر دونوں کسی ایک کام میں مشغول نہ تھے بلکہ الگ الگ کاموں میں مشغول تھے تو اس پر کفر کا خوف ہے۔ اگر کوئی مسلمان کہے کہ میں ٹھہ ہوں تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اور اگر وہ کہے کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس جملہ سے آدمی کافر ہو جاتا ہے تو اسے اس کی وجہ سے معذور قرار نہیں دیا جائے گا ایک شخص نے ایک جملہ زبان سے نکالا جسے لوگوں نے کفر یہ کلمہ سمجھا حالانکہ درحقیقت وہ کلمہ کفر نہ تھا مگر اس سے ان لوگوں نے کہا کہ تو کافر ہو گیا اور تیرے اور تیری بیوی کے درمیان جدائی واقع ہوگئی، اس کے جواب میں اس نے کہا کافر شدہ گیر، وزن طلاق شدہ گیر، تو کافر ہو جائے گا اور اس کی بیوی اور اس کے درمیان جدائی واقع ہو جائے گی۔

ایک شخص نے کہا کہ میں فرعون ہوں یا کہا کہ میں اٹلیس ہوں تو اس سے وہ کافر ہو جائے گا ایک شخص نے ایک بدکار کو نصیحت کی اور تو بہ کر ترغیب دی اس کے جواب میں اس نے کہا ازلیں ایں ہمہ کلام مغالہ سر سر ہم تو وہ اس سے کافر ہو جائے گا ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ تمہارے ساتھ رہنے سے کافر ہونا بہتر ہے تو وہ کافر ہو جائے گی ایک عورت نے کہا کہ اگر میں ایسا کام کروں تو کافر ہوں ابو بکر محمد بن الفضل کہتے ہیں کہ اس کہنے سے وہ عورت کافر ہوگئی اور اس کا نکاح ٹوٹ گیا اور قاضی علی السعدی کا کہنا ہے کہ یہ جملہ تعلیق و تینین ہے کفر نہیں ہے ایک عورت نے اپنے خاوند سے کہا کہ تم اس کے بعد مجھ پر ظلم کر دے یا یہ کہا کہ اگر تم میرے لئے ایسی چیز نہ خرید دے تو میں کافر ہو جاؤں گی تو وہ فوراً یہ کہتے ہی کافر ہوگئی۔

ایک شخص نے تمثیل کے طور پر کہا کہ میں بجوی تھا مگر مسلمان ہو گیا یہ صرف زبان سے بطور حکایت کہا اعتقاد نہ تھا تو بھی وہ کافر ہو جائے گا اگر کوئی مسلمان کسی آدمی کو سجدہ تحیۃ کرے تو وہ اس سے کافر نہ ہوگا ایک شخص نے کسی مسلمان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تم سے تہارا ایمان چھین لے اس نے اس کے جواب میں آمین کہا تو وہ دونوں کافر ہو جائیں گے کسی شخص نے کسی کو تکلیف دی اس نے کہا کہ مجھے مت ستاؤ مسلمان ہوں ستانے والے نے جواب دیا چاہے مسلمان رہو چاہے کافر تو وہ ایذا دینے والا کافر ہو جائے گا یا کہا کہ اگر تو کافر بھی ہو جائے تو میرا کیا نقصان تو اس سے بھی کافر ہو جائے گا۔

ایک کافر نے اسلام قبول کیا لوگوں نے اس کو تحفے دیے دیئے ایک مسلمان نے یہ دیکھ کر کہا کہ کاش میں بھی کافر ہوتا اور پھر مسلمان ہوتا تو لوگ مجھ کو بھی تحفے دیے دیتے یا اس نے یہ بات کہی نہیں لیکن دل میں اس کی آرزو کی تو وہ کافر ہو گیا۔ ایک شخص نے آرزو کی کہ اللہ تعالیٰ شراب کو حرام نہ کرتا تو اس سے وہ کافر نہ ہوگا۔ اور اگر کسی نے یہ آرزو کی کہ اللہ تعالیٰ ظلم و زنا کو حرام نہ کرتا یا ناحق قتل و خور و زنی کو حرام نہ کرتا تو وہ کافر ہو جائے گا اس لئے کہ یہ وہ چیزیں ہیں کہ کبھی بھی حلال نہ رہیں تو یا کبھی صورت میں ایسی چیزیں آرزو نہ

محال نہیں اور دوسری میں ایسی چیز کی آرزو کی جو محال ہے اسی طرح اگر کوئی قہر نہ کرے کہ بھائی بہن کے درمیان نکاح حرام نہ ہوتا تو اس سے کافر نہ ہوگا۔ اس لئے کہ یہ شروع میں محال راہ چکے ہیں لہذا محال نہیں کہا جائے گا۔ ماحصل یہ ہوا کہ جو چیز کبھی حلال تھی اور بعد میں حرام ہو گئی اس کے حلال ہونے کی تمنا کرنا موجب کفر نہیں ہے۔

ایک مسلمان نے کسی خوبصورت گداؤں عیسیٰ عورت کو دیکھ کر آرزو کی کہ کاش میں عیسائی ہوتا کہ اس سے بیاہ کر سکتا، تو وہ کافر ہو جائے گا ایک شخص نے کسی سے کہا کہ بات پر میری مدد کرو اس نے کہا کہ کہیں مدد حق پر کی جاتی ہے میں ناخ پر بہت تیزی مدد کروں گا تو وہ اس کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے اس درخت کو پیدا کیا ہے تو وہ اس کہنے سے کافر نہیں ہوا اس لئے کہ اس کی مراد درخت لگانا بھی جائے گی ہاں اگر کوئی جھپٹا پدا کرنا مراد لے تو کافر ہو جائے گا ایک شخص نے کہا کہ جب تک میرے یہ بازو موجود ہیں میری روزی کم نہ ہوگی تو بعض مشائخ نے کہا کہ اس کی وجہ سے وہ کافر ہو جائے گا اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس پر کفر کا خوف ہے اگر کوئی یہ کہے کہ درویشی یا تصوف بد بختی ہے تو یہ بہت بری بات ہے۔

کسی نے چاند کے گرد کوئی دائرہ دیکھا اور دعویٰ کیا کہ بارش ہوگی اور اس طرح اس نے غیب کا دعویٰ کیا تو وہ کافر ہو جائے گا ایک نجومی نے کسی سے کہا کہ تیری بیوی حاملہ ہے اور اس نے اس پر اعتقاد جمایا تو وہ کافر ہو گیا۔ ایک شخص نے الو کی آواز سن لی اور پھر کسی سے کہا کہ بیمار مر جائے گا یا کوئی معصیت آئے گی یا اسی طرح کو بولا اور اس کی آواز سن کر کسی نے کہا کہ کوئی سفر سے آ رہا ہے تو ایسے شخص کے کفر میں مشائخ کے اختلافی اقوال ہیں۔ کسی نے کوئی ناجائز بات کہی دوسرے نے اس سے کہا کہ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ اس کہنے سے تم کافر ہو جاؤ گے! اس نے کہا کہ پھر میں کیا کروں کافر ہوتا ہوں گا تو وہ کافر ہو جائے گا۔

ایک شخص نے قرأت کے دوران حرف خدا کی جگہ زحریا یا صاحب الہی کی جگہ اصحاب النار پڑھا تو ایسے شخص کی امامت جائز نہیں ہے اگر کوئی قصداً ایہ پڑھے گا تو کافر ہو جائے گا۔ جو شخص کہے کہ تم میری زندگی یا میری زندگی کا کوئی یا اسی طرح کی کوئی اور قسم کھائے تو اس پر کفر کا خوف ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ رزق تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے مگر وہ بھڑے سے حرکت چاہتا ہے تو بعضوں نے کہا ہے کہ شرک ہے ایک شخص نے کہا کہ میں ثواب و عذاب سے بری ہوں تو کہا گیا کہ وہ اس سے کافر ہو جائے گا اگر کسی نے کہا کہ فلاں شخص جو کچھ بھی کہے گا میں کروں گا اگرچہ وہ کفر ہی کیوں نہ ہو تو وہ کافر ہو جائے گا اگر کوئی کہے کہ میں مسلمان ہونے سے بیزار ہوں تو وہ کافر ہو جائے گا۔

مامون رشید کے زمانے کا ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ خلیفہ وقت نے ایک فقیہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا جس نے کسی کپڑا پہنے والے کو قتل کر دیا تھا کہ اس قاتل پر کیا واجب ہو گا فقیہ نے کہا تو میرا واجب ہے مامون نے حکم دیا کہ فقیہ کو پھانسی دیا جائے چنانچہ اسے پھانسی دیا گیا یہاں تک کہ وہ مر گیا، پھر مامون نے کہا کہ میں نے یہ حکم اس لئے دیا تھا کہ اس نے شریعت کے ساتھ استہزا کیا اور شریعت کے ساتھ اس طرح کا مذاق کفر ہے ایک فقیہ کالی اوڑھے ہوئے تھا کسی نے اس کو دیکھ کر نہر کہا تو یہ کفر ہے۔

جو ظالم بادشاہ کو عادل کہے وہ کافر ہے اور بعضوں نے کہا کہ وہ کافر نہیں ہوتا ہے اگر کوئی کسی ظالم کو اسے خدا سے خطاب کرے گا تو وہ کافر ہو جائے گا اور اگر کہے اسے بار خدا تو اکثر مشائخ کہتے ہیں اس سے کافر نہیں ہو گا ایک عالم مفسر نامی سے ان خطیبوں کے متعلق سوال کیا گیا جو جمعہ کے دن منبروں پر خطبہ پڑھتے ہیں اور سلطان کو السلطان الاعظم یا شہنشاہ الاعظم یا ملک رقاب الامام یا سلطان ارض اللہ یا ملک بلاد اللہ یا محسن خلیفہ اللہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں کیا بادشاہ ہوں کو خطبہ میں ان القاب کے ساتھ یاد کرنا جائز؟ تحقیق اس مسئلہ میں کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ ان القاب کے بعض الفاظ کفر ہیں اور بعض معصیت اور کذب ہیں۔ اور شہنشاہ کا لفظ بغیر اعظم کی صفت کے اللہ تعالیٰ کے اسماء کے لئے مخصوص ہے اس کے ساتھ بندوں کی صفت بیان کرنا جائز نہیں ہے اور ملک رقاب الامام کا جملہ بادشاہ کے لئے صریح جھوٹ ہے اسی طرح بادشاہ کو سلطان ارض اللہ یا اس طرح کے لقب سے یاد کرنا بھی

جھوٹ ہے۔

امام ابو منصور نے کہا کہ اگر کوئی کسی کے آگے زمین ہوشی کرے یا اس کے سامنے بٹھکے، یا اپنا سر جھکاے تو وہ کافر نہیں ہوگا اس لئے کہ اس کا نفاذ عظیم و تکریم ہے عبادت نہیں ہے اور دوسرے مشائخ نے کہا کہ جاہلوں کے سامنے سجدہ رنج ہونا گناہ کبیرہ ہے اور بعض عالموں نے کہا کہ اس سے وہ مطلقاً کافر ہو جاتا ہے اور بعضوں نے کہا کہ اس میں تفصیل ہے اگر عبادت کا ارادہ کیا تو کافر ہو جائے گا اور اگر عظیم کا ارادہ کیا تو کافر نہ ہوگا مگر اس کا یہ فعل حرام ہوگا اور اگر کوئی ارادہ سرے سے پایا ہی نہ جائے تو بھی اکثر کے نزدیک کافر ہوگا زمین چومنا سجدہ کرنے کے برابر ہے ہاں زمین پر پیشانی یا رخسار رکھنے سے ملکا جرم ہے، اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ خراج، سلطان کی ملکیت ہے تو یہ کفر ہے اگر کوئی کسی کے ساتھ برائی سے پیش آئے اور وہ یہ کہے کہ یہ سب تیری لائی ہوئی مصیبت ہے خدا کو اس میں دخل نہیں ہے تو یہ بھی کفر ہے اگر کوئی پادشاہ کے خلعت زیب تن کرتے وقت اس کی خوشنودی اور مبارکبادی کے لئے قربانی کرے گا تو کافر ہوگا اور یہ قربانی مردار کے حکم میں ہوگی اور اس کا کھانا درست نہ ہوگا۔

کہیں کہیں یہ جو ہندو نہ رواں ہے کہ جب کسی کے چپکے نکلتی ہے تو عورتیں کسی چتر کا نام چپکے رکھ دیتی ہیں اور اس کی پوجا کر کے بچوں کی چپکے سے شفا پاتی ہیں اور اعتقاد رکھتی ہیں کہ اس سے بچہ اچھا ہو جائے گا یا باعث کفر ہے اور وہ عورتیں کافر ہو جاتی ہیں اور اگر ان کے شوہر بھی اسے پسند کریں تو وہ بھی کافر ہیں۔ اسی طرح دریا کے کنارے جا کر پانی کو پوجنا اور وہاں بکری وغیرہ ذبح کرنا بھی خالص مشرکانہ رسم ہے اور باعث تکفیر ہے اور وہ بکری مردار کے حکم میں ہے اور اس کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے ایسے ہی مگر میں تصویر بنا کر رکھتا ہوں اور اس کی پرستش کرتا جیسے کہ آتش پرست کرتے ہیں۔ یا بچہ پیدا ہونے کے وقت شکر فے نقشہ بتاتا اور اس میں تیل ڈالتا اور پھر بھائی بت کے نام سے اس کی پوجا کرنا یا اس طرح اور جو دوسرے کام کئے جاتے ہیں یہ سب مشرکانہ رسم اور کفر کا باعث ہیں چنانچہ جو عورتیں یہ سب کچھ کرتی ہیں وہ کافر ہو جاتی ہیں اور ان کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔

اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ اب تک جب تک خیانت نہ کرو اور جھوٹ نہ بولو گوارہ نہیں ہو سکتا، یا کہتا ہے کہ جب تک خرید و فروخت میں تم جھوٹ نہ بولو گے روٹی نہیں ملے گی، یا کسی سے کوئی کہے کہ تم کیوں خیانت کرتے ہو یا کیوں جھوٹ بولتے ہو وہ جواب دے کہ اس کے علاوہ چارہ نہیں ہے تو ان الفاظ سے وہ کافر ہو جائے گا اگر کوئی کسی سے کہے کہ تم جھوٹ نہ بولا کرو اور وہ اس کے جواب میں کہے کہ یہ بات تو کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے زیادہ درست ہے تو وہ کافر ہو جائے گا اگر کسی کو غصہ آئے اور دوسرا اس کا غصہ دیکھ کر کہے کہ غصہ سے بہتر تو کافر ہی ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اگر کوئی شخص ایک ناجائز بات کہنے لگے دوسرا کہے یہ تم کیا کہہ رہے ہو اس سے تو تم پر کفر لازم آ رہا ہے وہ جواب میں کہے کہ اگر مجھ پر کفر لازم آتا ہے تو تم کیا کرو گے۔ تو وہ اس کی وجہ سے کافر ہو جائے گا کسی کے دل میں ایسی چیز کا خطرہ گذر جا جو باعث کفر ہے اگر وہ اس کو اس حالت میں زبان پر لایا کہ وہ اسے برا جانتا ہے تو یہ ایمان کی عبادت ہے اور اگر کفر کے ارادہ سے اس کو زبان پر لایا تو اسی وقت وہ کافر ہو جائے گا اگرچہ سو برس کے بعد کفر اختیار کرے اگر کوئی شخص بخوشی اپنی زبان پر کلمہ کفر لایا مگر اس کا دل ایمان پر قائم ہے تو وہ کافر ہو جائے گا

اور عند اللہ مؤمن باقی نہ رہے گا اور جو شخص بھول کر ایسے الفاظ زبان پر لائے جو باعث کفر نہیں ہیں تو وہ علیٰ حالہ مؤمن ہے اور اس کو نہ توبہ کا حکم دیا جائے گا اور نہ تجدیہ نکاح کا اگر کسی شخص نے کوئی ایسی بات کہی یا کوئی ایسا عمل کیا جس میں کئی صورتیں کفر کی ہوں اور ایک صورت ایسی ہو کہ کفر لازم نہ آتا ہو تو مفتی پر لازم ہے کہ وہی عدم کفر کی طرف رجحان رکھے ہاں اگر وہ شخص صراحت کے ساتھ اس صورت کو اختیار کرے جو باعث کفر ہے تو اس وقت کوئی تاویل مفید نہیں ہوگی، لیکن اگر کہنے والے کی نیت میں وہ صورت ہو جس سے آدمی کافر نہیں ہوتا ہے تو وہ مسلمان ہے اور اگر وہ صورت اختیار کرے جو باعث کفر ہے تو کسی قسم کا توفیق اس کے لئے کار آمد نہ ہوگا اور اسے حکم دیا جائے گا کہ وہ توبہ کرے اور اس بات سے رجوع کرے اور اپنی بیوی سے دوبارہ نکاح کرے۔

مُسْهَاءً إِلَّا خَلَامٌ يَقُولُ مِنْ خَيْرٍ قَوْلَ الْبَرِّ لَآ يَخَافُ زُلْمَانَهُمْ حَتَّىٰ جَزَوْهُمْ بِتَرْقُونِ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَنْتَرِفُ السَّهْمُ مِنَ الزُّمَةِ فَإِنَّمَا الْقَبْضُ مِنْهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ فَإِنَّ فِي قَتْلِهِمْ أَجْرًا مِمَّنْ قَتَلْتَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (متن علی)

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب اس زمانہ کے آخر میں چھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو نوجوان ہوں گے بلکی عقل والے ہوں گے لوگوں کی اچھی باتیں بیان کریں گے لیکن ان کا ایمان ان کے حلق ہے آگے نہیں جانے کا ایمان سے مراد نماز ہے یعنی ان کی نمازیں قبول نہیں ہوں گی اور وہ لوگ دین یعنی امام وقت اور علماء حق کی اطاعت سے اس طرح نکل بھاگیں گے جس طرح تیر شکار کے درمیان سے نکل جاتا ہے لہذا تم میں سے جس شخص کی ایسے لوگوں سے ملے بھیڑ ہو جائے وہ انہیں قتل کر دے کیونکہ ان کے قتل کرنے کا اس شخص کو قیامت کے دن انعام ملے گا جو انہیں قتل کرے گا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: لوگوں کی اچھی باتیں بیان کریں گے اس سے مراد یہ ہے کہ مذکورہ لوگ وہ بہترین اقوال اور اچھی باتیں بیان کریں گے جو عام طور پر خدا کے نیک بندوں کی زبانوں پر رہتی ہیں یعنی قرآن کریم کی آیات لیکن ملحوظ رہے کہ مشکوٰۃ کے نسخوں میں تو من خصہ قول البوریہ ہے یعنی خیر کا تعلق قول سے ہے چنانچہ یہاں اسی کے مطابق ترجمہ و مطلب بیان کیا گیا ہے جب کہ مصاحف میں من قول حیر البوریہ ہے یعنی اس میں خیر کا تعلق البریہ سے ہے جس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ لوگ بہترین انسان کے اقوال بیان کریں گے اس صورت میں قرآن کریم کی آیات کی بجائے رسول کریم ﷺ کی احادیث مراد ہوں گی۔ لیکن علماء کہتے ہیں کہ جملہ کی زیادہ مناسب اور موزوں ترکیب وہی ہے جو یہاں مشکوٰۃ میں نقل کی گئی ہے کیونکہ احادیث میں خوارج کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ قرآن کریم کی آیات پڑھیں گے اور ان سے اپنے عند عقائد و نظریات پر استدلال کریں گے اور ان آیات کی غلط تائید کریں گے۔

جس طرح تیر شکار کے درمیان سے نکل جاتا ہے اسی طرح یہ لوگ تیر شکار کے درمیان سے نکل جائیں گے اور ان کی پیوست ہو کر فوجاً نکل جانے کی وجہ سے وہ تیر شکار کے خون و غیرہ سے آلودہ نہیں ہوتا اسی طرح وہ لوگ بھی امام وقت اور علماء حق کی اطاعت سے نکل جائیں گے ا طبعی کہتے ہیں کہ اس تشبیل کی مراد ان لوگوں کا دین کے دائرہ میں داخل ہونے پھر دین کے دائرہ سے نکل جانے اور اس تیر کی مانند کہ جو شکار میں پیوست ہو کر نکل جائے اور آلودہ نہ ہو ان لوگوں پر دین کی کسی بات کے اثر نہ ہونے کو ظاہر کرتا ہے نیز اس کا منشاء ان خوارج کی نشان دہی کرتا ہے جو امام وقت اور اسلامی حکومت کے اطاعت گذار نہیں ہوتے اور لوگوں پر ہتھیار اٹھاتے ہیں چنانچہ ابتداء میں ان خوارج کا ظہور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں ہوا جن میں سے اکثر کو حضرت علی کرم وجہہ نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

خوارج کے بارہ میں علماء کا فیصلہ: خطاب کہتے ہیں کہ علمائے اُمت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خوارج کی جماعت باوجود گمراہی کے مسلمانوں ہی کے فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے ان کے ہاں نکاح کرنا بھی جائز ہے اور ان کا زوجہ کھانا بھی درست ہے نیز ان کی گواہی بھی معتبر ہے چنانچہ منقول ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان لوگوں کے بارہ میں پوچھا گیا کہ کیا وہ لوگ کافر ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ وہ تو کفر سے بھاگ کر آئے ہیں پھر ہم ان کو کافر کس طرح کہہ سکتے ہیں اس کے بعد پوچھا گیا کہ کیا وہ منافق ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ منافق تو اللہ تعالیٰ کو بہت تھوڑا یاد کرتے ہیں اس لئے انہیں منافق بھی نہیں کہا جاسکا پھر پوچھا گیا کہ تو آخر وہ کیا ہیں؟ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں میں سے ایک فرقہ کے لوگ ہیں فتنہ و گمراہی نے ان کو گمیر لیا ہے چنانچہ وہ اندھے اور بہرے ہو گئے ہیں۔

جیسا کہ بتایا گیا خوارج مسلمانوں کے ایک فرقہ کا نام ہے جو گمراہی میں مبتلا ہے اس فرقہ کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ بندہ نہ صرف گناہ کبیرہ بلکہ صغیرہ گناہوں کے ارتکاب سے بھی کافر ہو جاتا ہے۔

خوارج کے بارہ میں آنحضرت کی پیش گوئی

(۴) وَعَنْ أَنَسٍ سَعِيدِ الْحَضَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُونُ أَمْنَيْنِ فَرَقَتَيْنِ فَيُخْرَجُ مِنْ بَيْنَهُمَا

مَارَقَةً يَلْبَسُ قَتْلُهُمْ أَوْ لَا هُمْ بِالْحَقِّ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کچھ دنوں بعد میری امت دو فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی ان دونوں فرقوں میں سے ایک ایسی جماعت پیدا ہوگی جو حق کی اطاعت سے لگنے والی ہوگی اس جماعت کو موت کے گھاٹ اتارنے کی ذمہ داری ان دونوں فرقوں میں سے وہ شخص پورا کرے گا جو حق سے زیادہ قریب ہوگا۔“ (مسلم)

تشریح: دو فرقوں سے مراد ایک تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حامیوں کی جماعت ہے اور دوسری حضرت امیر معاویہؓ کے حامیوں کی جماعت ہے ان دونوں کے درمیان سے جو ایک تیسری جماعت پیدا ہوئی اسی کو خوارج کہا گیا ہے خوارج کو قتل کے گھاٹ اتارنے اور ان کے قتل و لہذا کا دفعہ کرنے کی طرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ متوجہ ہوئے کیونکہ اس وقت انہی کی شخصیت حق سے زیادہ قریب کا سب سے بڑا مصداق تھی۔

مسلمان کا مسلمان کو قتل کرنا کفر کے قریب پہنچ جاتا ہے

⑤ وَعَنْ جَبْرِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنْ خَرَجَ الْوَدَاعَ لَا تَوْجُوهً نَبْعِدِي كَفَّارًا أَنْتَضِرُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ۔ (بخاری)

”اور حضرت جبرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ خبردار میرے بعد کفر کے ذریعہ پیچھے نہ پھر جانا کہ تم میں سے ایک دوسرے کی گردن مارنے لگے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: تم میں سے ایک دوسرے کی گردن مارنے لگے یہ استیفاء ہے یعنی ایک الگ جملہ ہے جو اس ممانعت کفر کے ذریعہ پیچھے نہ پھر جانا کی وضاحت اور بیان ہے گویا سوال کرنے والے نے سوال کیا کہ کفر کے ذریعہ پیچھے پھر جانا کیونکر ممکن ہے؟ تو جواب میں فرمایا گیا کہ مسلمانوں کا آپس میں ایک دوسرے کی گردن مارنا یعنی یہ ایک ایسا عمل ہے جو کافروں کے عمل کے مشابہ ہے یا یہ عمل کفر کے قریب پہنچا دیتا ہے۔

⑥ وَعَنْ أَمْرِ بْنِ نُفَرَةَ عَنِ الشَّيْبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا التَّقِيُّ الْمُسْلِمَانِ حَمَلَ أَحَدُهُمَا عَلَى آخِيهِ السَّلَاحَ فَهَذَا فِي جُزْءٍ جَهَنَّمَ فَإِذَا قَتَلَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ دَخَلَ هَا جِوْنَهُ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ إِذَا التَّقِيُّ الْمُسْلِمَانِ بَسَفَعِيهِمَا فَالْقَائِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ قُلْتُ هَذَا الْقَائِلُ لِمَا بَالِ الْمَقْتُولِ قَالَ إِنَّهُ كَانَ خَرِصًا عَلَى قَتْلِ صَاحِبِهِ (بخاری و مسلم)

”اور حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا جب دو مسلمانوں کی آپس میں اس طرح لڑ بھڑ ہو کہ ان میں کا ایک اپنے دوسرے (مسلمان) بھائی پر ہتھیار اٹھائے تو وہ دونوں دوزخ کے کنارے پہنچ جاتے ہیں اور پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے کو قتل کر دے تو دونوں ایک ساتھ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ ایک روایت میں ابوبکرؓ ہی سے یوں منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اگر دو مسلمانوں کی آپس میں تلوار کے ساتھ لڑ بھڑ ہو اور ان میں کا ایک دوسرے کو قتل کر دے تو قاتل و مقتول دونوں ہی دوزخ کی آگ میں ڈالے جائیں گے جس نے عرض کیا کہ قاتل کا دوزخ میں جانا تو ظاہر ہے کہ اس نے چرک حکم کیا ہے اس لئے وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا مگر مقتول کے بارے میں ایسا کیوں ہے؟ کہ وہ تو مظلوم ہے اس کو دوزخ میں کیوں ڈالا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس لئے کہ وہ بھی تو اپنے ساتھی یعنی حریف کو قتل کرنے پر آمادہ تھا یہ اور بات ہے کہ اس تلوار خالی کیا اور دوسرے کا وار پھر پورا ہوا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: دونوں ایک ساتھ دوزخ میں ڈالے جائیں گے کے بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ ان دونوں میں سے ایک بھی حق پر نہ ہو، ہاں اگر ان میں سے ایک حق پر ہو گا تو دوزخ کی آگ میں اسی کو ڈالا جائے گا جو ناحق پر ہوگا، لیکن یہ بھی اسی

صورت میں ہے جب کہ اشتہاء، التباس اور تاویل سے قتل مرزد نہ ہو۔
وہ بھی تو اپنے ساتھی کو قتل کرنے پر آمادہ تھا اور ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ یہ ارشاد اس بات کی دلیل ہے کہ کسی حرام چیز کے ارتکاب کی محض آمادگی پر بھی مواخذہ ہوتا ہے چنانچہ صورت مذکورہ میں یہی نوعیت ہے کہ وہ دونوں ہی ایک دوسرے کی جان کے طلب گار ہوتے ہیں ہاں اگر مقتول محض اپنے دفاع کا ارادہ رکھتا ہو اور اس کی نیت میں دوسرے کے قتل کی خواہش و ارادہ کا دخل نہ ہوتا تو اس سے مواخذہ نہ ہوتا کیونکہ شریعت نے ”دفاعی کاروائی“ کی اجازت دی ہے۔

مرتد اور قراقرقوں کی سزا

﴿وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَدِمَ عَلَيَّ الشَّيْخُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مِنْ عُكْلٍ فَلَسَلْتُوْا فَاخْتَرُوا الْمَدِينَةَ فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَأْتُوا إِبِلَ الْعِدَّةِ فَذَلُّوا مِنْ أَنْتَوِ الْهَيَاؤِ الْبَاهِا فَعَلُوا فَفَصَحُوا فَأَنْزَلُوا وَقَتَلُوا زَعَاتَهَا وَمَسَاقُوا الْإِبِلَ فَبَعَثَ فِيهِمْ نَارَهُمْ فَأَتَتْهُمْ بِهَمْ فَقَطَّعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَزْجَلَهُمْ وَسَمَلُ أَعْيُنَهُمْ ثُمَّ لَمْ يَبْخَسْنَهُمْ حَتَّى مَاتُوا وَفِي رِوَايَةٍ فَسَمَرُوا أَعْيُنَهُمْ وَفِي رِوَايَةٍ أَمَرَهُمْ بِمِزْوَةٍ فَأَخَذَتْ فَكَلَّحَتْهُمْ بِهَا وَظَرَّوْهُمْ بِالْحَوْزَةِ يَسْتَشْفُونَ فَعَمَّاسُفُونَ حَتَّى مَاتُوا (مسند طبرانی)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں قبیلہ عکلی کے کچھ لوگ آئے اور اسلام قبول کیا لیکن ان کو مدینہ کی آب و ہوا موافق نہیں آئی جس کی وجہ سے وہ اس مرض میں مبتلا ہو گئے کہ ان کے پیٹ پھول گئے اور رنگ زرد ہو گیا آنحضرت ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ شہر سے باہر زکوۃ کے اونٹوں کے رہنے کی جگہ چلے جائیں اور وہاں ان اونٹوں کا پیہ شتاب اور دودھ پیا کریں، چنانچہ انہوں نے اس پر عمل کیا اور اچھے ہو گئے پھر وہ ایسی گراہی میں مبتلا ہو گئے کہ مرتد ہو گئے اور مستر ہوئے کہ ان اونٹوں کے چرواہوں کو قتل کر کے اونٹوں کو ہانک کر لے گئے جب رسول کریم ﷺ کو اس کا علم ہو تو آپ ﷺ نے ان کے پیچھے چند سواروں کو بھیجا تو ان سب کو پکڑ لائے۔ ان کے اس جرم کی سزا کے طور پر آنحضرت ﷺ کے حکم سے ان کے ہاتھ اور پیر کاٹ دیے گئے اور ان کی آنکھیں پھوڑ دی گئیں یہاں تک کہ ان کے ہاتھوں اور پیروں کو گرم تیل میں داغ بھی نہیں کیا یعنی جیسا کہ قصہ وہ ہے کہ ان اعضاء کو کاٹنے کے بعد گرم تیل میں داغ دیا جاتا ہے تاکہ خون بند ہو جائے لیکن ان کے ساتھ یہ بھی نہیں کیا گیا آخر کار وہ سب مرتد ہو گئے۔“

تشریح: ان اونٹوں کا پیہ شتاب اور دودھ پیا کریں اس ارشاد گرامی سے حضرت امام محمدؒ نے یہ استدلال کیا ہے کہ جن جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کا پیہ شتاب بھی پاک ہے یہی قول امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کا ہے، لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان جانوروں کا پیہ شتاب نجس (ناپاک) ہے ان کی طرف سے اس ارشاد گرامی کی یہ تاویل کی جاتی ہے کہ ان لوگوں کے مرض کی نوعیت کے اعتبار سے آنحضرت ﷺ کو بذریعہ وحی یہ معلوم ہوا ہو گا کہ ان کے مرض کا علاج صرف اونٹ کا پیہ شتاب ہے اس لئے آپ ﷺ نے مخصوص طور پر ان لوگوں کو اس کا حکم دیا۔ پھر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ جس طرح اونٹ کا پیہ شتاب چنانچہ ادا کے علاوہ حلال نہیں ہے اسی طرح دوا کے طور پر پیہ بھی حلال نہیں ہے، کیونکہ اس بات پر کوئی بھی حقیق نہیں ہے کہ پیہ شتاب میں کسی مرض کی شفا ہے، لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کسی مرض کے علاج کے لئے پیہ حلال ہے۔

ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ باوجودیکہ آنحضرت ﷺ نے مسئلہ سے منع فرمایا ہے لیکن آپ ﷺ نے ان لوگوں کو اس طرح کی سزا دی، اس کی وجہ یہ تو یہ ہے کہ ان لوگوں نے اونٹوں کے چرواہوں کے ساتھ یہی برتاؤ کیا تھا اس لئے آنحضرت نے بطور قصاص ان لوگوں کے ساتھ بھی ویسا ہی معاملہ کیا۔ یہ وجہ تھی کہ چونکہ ان مفسدوں نے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا تھا یعنی مرتد بھی ہوئے، چرواہوں کو قتل بھی کیا ہے اور قراقرق بھی کی کہ لوٹ مار کر کے سارے اونٹ لے گئے اور اسی وقت کوئی بہتیا ہے کہ اس قسم کے جرم کی صورت میں بطور زجر و تنبیہ اور بصحت امن و انتظام مجرم کو مختلف طرح کی سزائیں دے چنانچہ آپ ﷺ نے اسی کے پیش نظر ان لوگوں کے ساتھ اس

طرح کا معاملہ کیا۔

نوویؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے معنی و منشاء کے بارہ میں عللہ کے اختلافی اقوال ہیں۔ بعض حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جو واقعہ نقل کیا گیا ہے وہ ان آیات کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے جن میں حدود کی شرعی سزاؤں اور قزاقوں کی سزا کے بارہ میں صریح احکام بیان کئے گئے ہیں اسی طرح آنحضرت ﷺ نے مسئلہ کی جو ممانعت فرمائی ہے وہ بھی اسی واقعہ کے بعد کا حکم ہے اس اعتبار سے یہ حدیث منسوخ ہے، لیکن دوسرے بعض حضرات کا قول یہی ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے، بلکہ اسی موقع پر وہ آیت نازل ہوئی تھی جس میں قزاقوں کی یہ سزایان کی گئی ہے کہ ان کو قتل کر دیا جائے یا سولی دے دی جائے اور یا ان کا ایک ہاتھ اور پیر کاٹ دیا جائے، لیکن آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو جو سزا دی وہ بطور قصاص تھی کہ انہوں نے اونٹوں کے چرواہوں کے ساتھ جو معاملہ کیا تھا ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا گیا۔

اب رہی یہ بات کہ آخری وقت میں ان مفسدوں کو پانی کیوں نہیں دیا گیا، تو اس کے بارہ میں بعض علماء کا کہنا یہ ہے کہ یہ بھی قصاص کے طور پر تھا کہ ان مفسدوں نے بھی اونٹوں کے چرواہوں کو اسی طرح بغیر پانی کے تیرا تیرا کر مار ڈالا تھا چنانچہ ان کے ساتھ بھی یہی کیا گیا کہ جب انہوں نے پانی مانگا تو انہیں پانی نہیں دیا گیا، لیکن بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ان کو پانی نہ دینے کا حکم آنحضرت ﷺ نے نہیں دیا تھا بلکہ لوگوں نے ان مفسدوں کے تنہا انتہائی نفرت اور غصہ کے اظہار کے طور پر ان خود ان کو پانی نہیں دیا۔ اس بارہ میں جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے تو علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص سزا موت کا مستوجب ہو چکا ہو اور اس کو قتل کرنا واجب ہو وہ اگر پانی مانگے تو پانی دینے سے انکار نہ کرتا چاہئے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

مسئلہ کی ممانعت

① عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْتَضِرُ عَلَى الصَّدَقَةِ وَيَنْهَانِ عَنِ الْمُنْثَلَةِ - رواه أبو داود ورواه الترمذی عن أنس۔

”حضرت عمر ابن خطابؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صدقہ خیرات دینے پر ہمیں رغبت دلاتے تھے اور منثلہ سے منع فرماتے تھے (ابوداؤد انسؓ نے اس روایت کو حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے۔“

تشریح: جسم کے کسی عضو جیسے ناک، کان، تیرا کسی اور حصہ جسم کے کاٹ ڈالنے کو منثلہ سے منع فرمانا بعض حضرات کے نزدیک تو بطور تحریم ہے یعنی یہ مکروہ تحریمی ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ بطور تنزیہی ہے یعنی یہ مکروہ تنزیہی ہے لیکن زیادہ صحیح قول تحریم ہی کا ہے جہاں تک اس سے پہلے حدیث میں مذکور واقعہ کا تعلق ہے تو یہ بات وہاں بھی بتائی چا چکی ہے کہ آپ کی طرف سے ان مفسدوں کے اعضاء جسم کا کاٹنا یا قصاص کے طور پر تھا۔

جانوروں کے ساتھ آنحضرت کا جذبہ رحمت

② وَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَأُتِيَ بِإِخْتَابَةٍ فَأَتَيْنَا خُفْرَةَ مَعَهَا فُرْخَانٌ فَأَخَذْنَا فَرَخَيْهَا فَبَجَاءَتِ الْمُخْمَرَةُ فَجَعَلَتْ تَقْرُشُ فُجَاءَتِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ فُجِعَ هَذِهِ بَوْلُهُ هَذَا زَوَّارٌ لَهَا إِلَيْهَا وَزَأَى قُرْبَةً نَبِلٍ قَدْ حَزَّ قَتَاها قَالَ مَنْ حَزَّ هَذِهِ فَقُلْنَا سَحَنٌ قَالَ إِنَّهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ يُعَذِّبَ بِالنَّارِ الْأَرْبُ الثَّانِي - (رواه ابوداؤد)

”اور حضرت عبدالرحمن ابن عبداللہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ایک مرتبہ ہم لوگ رسول کریم ﷺ کے ہمراہ سفر میں تھے جب ایک موقع پر آنحضرت ﷺ تعصاے حاجت کے لئے تشریف لے گئے تو ہم نے ایک حرمہ کو دیکھا جس کے ساتھ دو بچے تھے ہم نے ان دونوں بچوں کو پکڑ لیا، اس کے بعد حرمہ آئی اور اپنے بچوں کی گرفتاری پر احتجاج شروع کیا بھی نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے، آپ ﷺ نے جب حرمہ کو اس طرح بیتاب دیکھا تو فرمایا کہ کس نے اس کے بچوں کو پکڑ کر اس کو مضطرب کر رکھا ہے؟ اس کے بچے اس کو دواہں کر دو پھر آپ ﷺ نے ان چونیوں کے رہنے کی جگہ کو دیکھا جس کو ہم نے جلا دیا تھا اور فرمایا کہ ان چونیوں کو کس نے جلا دیا ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم نے جلا دیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا پروردگار کے علاوہ جو آگ کا بھی مالک ہے اور کسی کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ کسی کو آگ کے عذاب میں مبتلا کرے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”خبر“ ح پر پیش اور ہم پر تشدید و زبر ایک ہندے کا نام ہے جو سرخ رنگ کا اور چڑیا کی مانند چھوٹا ہوتا ہے، حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ آگ کے ذریعہ کسی کو عذاب بتا کر اللہ تعالیٰ کی شکایاں ہے اور چونکہ یہ سب سے بڑا عذاب ہے اس لئے کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی کو آگ میں جلائے۔

چونیوں کے بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر چونیوں کی تکلیف پہنچانے میں ابتدا کریں یعنی از خود کسی کو کاٹنے لگیں تو ان کو مار ڈالنا چاہئے ورنہ ان کو مارنا مناسب نہیں ہے، اسی طرح چونیوں کے بلوں کو آگ سے جلاتا بھی ممنوع ہے، نیز چونیوں کو پانی میں ڈال کر وہ ہے اگر ایک چونی پانی کاٹنے کو صرف اسی کو مارا جائے اس کے ساتھ اور چونیوں کو مار ڈالنے کی ممانعت ہے۔

ایک باطل فرقہ کے بارہ میں پیش گوئی

①۵ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ وَآلِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي اخْتِلَافٌ وَفُرْقَةٌ قَوْمٌ يَخْسِفُونَ الْقَبِيلَ وَيَسْتَفُونَ الْقَبِيلَ يَقْرَأُونَ الْقُرْآنَ لَا يَحَازِرُونَ قُرْآنَهُمْ يَنْتَفِقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَنْتَفِقُ السَّهْمُ مِنَ الزَّمِينَةِ لَا يَزْجِفُونَ حَتَّى يَرْتَدَّ السَّهْمُ عَلَى فُرْقِهِ هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيقَةِ طَلُونِي لِمَنْ قَتَلَهُمْ قَتَلَوْهُ يَذْعُونَ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ وَلَيْسُوا بِمَا فِيهِ ضَيٌّ مَنْ قَاتَلَهُمْ كَانَ أَوْلَى بِاللَّهِ مِنْهُمْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا بَيْنَهُمْ قَالَ التَّحْلِيلُ۔

(رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت انسؓ ابن مالک رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”مغرب میری اُمت میں اختلاف و افتراق پیدا ہوگا ایک فرقہ جو باتیں تو اچھی کرے مگر اس کا عمل برا ہوگا اس فرقہ کے لوگ قرآن کریم پڑھیں گے لیکن ان کا وہ پڑھنا ان کے حلق سے نیچے نہیں جائے گا یعنی قبول نہیں ہوگا اور وہ لوگ دین یعنی امام وقت اور علماء حق کی اطاعت سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر، شکار کے درمیان سے نکل جاتا ہے اور وہ دین کی طرف اس وقت تک نہیں لوٹیں گے جب تک کہ تیر اپنے سوغاری کی طرف نہ لوٹ آئے اور وہ لوگ آدمیوں اور جانوروں میں سب سے بدترین ہوں گے۔ خوشخبری ہے اس شخص کے لئے جو ان لوگوں کو قتل کر دے یا وہ لوگ اس کو قتل کر دیں۔ یعنی جو شخص ان لوگوں کے قتل اور ان کی گمراہی کا سرکینے کے لئے ان کا مقابلہ کرے یہاں تک کہ یا تو وہ ان لوگوں کو قتل کرے یا وہ ان لوگوں سے حق کے لئے لڑتا ہوا خود قتل ہو جائے تو دونوں صورتوں میں اس کے لئے حق تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت کی سعادت کی خوشخبری ہے کہ پہلی صورت میں تو وہ غازی کا لقب پائے گا اور دوسری صورت میں شہادت کا عظیم مرتبہ حاصل کرے گا وہ لوگ بظاہر تو انسانوں کو کتاب اللہ کی دعوت دیں گے لیکن رسول کریم ﷺ کی سنت اور ان کی احادیث کو ترک کرنے پر اکتائیں گے حالانکہ احادیث نبوی ﷺ قرآن کریم کی تفسیر و تشریح ہیں کہ احادیث کے بغیر قرآن کریم کو سمجھنا اور اس کے احکام پر عمل کرنا ناممکن ہے وہ لوگ کسی مسئلہ میں ہم مسلمانوں میں سے نہیں ہیں یعنی وہ کسی بات میں مسلمان شمار نہیں ہوں گے جو

شخص ان لوگوں کو فنا کے گھاٹ اتارے گا وہ اپنی جماعت میں خدا کے سب سے زیادہ قریب ہو گا صحابہؓ نے یہ سن کر عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) ان لوگوں کی پہچان کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا ”سرمزنا انا۔“ (۱) اور (۲)

تشریح: میری امت میں اختلاف و افتراق پیدا ہو گا کا مطلب یہ ہے کہ میری امت میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو آپس میں اختلاف و افتراق کو ہوا دیں گے اور اپنی اغراض کے لئے امت کے اتحاد کو ختم کرنے کی کوشش کریں گے ایہ جملہ ایک فرقہ بائیس تو ابھی کرے گا بائیس کے جملہ کی وضاحت اور بیان ہے یعنی امت میں جو لوگ اختلاف و افتراق پیدا کرنے کی کوشش کریں گے ان کی ایک خاص علامت یہ ہوگی کہ وہ بائیس تو بڑی اچھی اچھی کریں گے لیکن ان کا عمل بہت ہی برا ہو گا ان کی زبان سے تو یہ ظاہر ہو گا کہ پوری امت میں یہی لوگ ہیں جو دین کے شہدائی ہیں، خدا اور رسول ﷺ کے سچے اطاعت گزار ہیں، اور مسلمانوں کے بکلی خواہ ہیں لیکن ان کے عمل و کردار کا یہ حال ہو گا کہ وہ اپنی اغراض کے لئے مسلمانوں میں طاعتوں کا آلہ کار، اپنے نفس کے غلام اپنی خواہشات کے بندے اور مال و جاہ کی حرص میں مبتلا ہوں گے اور ان کا بنیادی مقصد اتحاد امت کی جڑیں کھوکھلی کرنا ہو گا۔

یہ جملہ یَفْزُؤُنَ الْقُرْآنَ اس فرقہ کے لوگ قرآن پڑھیں گے یا تو استہانہ یعنی ایک الگ جملہ ہے جو بائیس کی عبادت کی توجہ و بیان ہے یا شاطہی کے مسلک کے مطابق بدل ہے یا پھر اس سے نفس اختلاف کی وضاحت مراد ہے کہ عقرب میری امت کے لوگوں میں اختلاف و افتراق پیدا ہو جائے گا اور وہ دو فرقوں میں تقسیم ہو جائیں گے ان میں سے ایک فرقہ حق پر ہو گا اور ایک فرقہ باطل پر ہو گا طہی کہتے ہیں کہ اس تاویل کی تائید آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے جو اسی باب کی پہلی فصل میں نقل ہو چکا ہے کہ تَكُونُ أُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرَقًا مِّنْ بَيْنِهِمَا مَذَآرِقٌ يَلْبِسُ قُلُوبُهُمْ أَوْلَاهُمْ بِالْحَقِّ (اس صورت میں کہا جائے گا کہ لفظ فَرَقًا مِّنْ بَيْنِهِمَا کے جملہ کا موصوف ہے اور اس کی خبر جملہ یَفْزُؤُنَ الْقُرْآنَ ہے اور اس جملہ کا مقصد ان دونوں فرقوں میں سے ایک فرقہ کی (جو باطل ہے) نشان دہی کرنا ہے جب کہ دوسرے فرقہ کے ذکر کو اس لئے چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ خود بخود مفہوم ہو جاتا ہے۔

لا یجاوِزُ لِرِیْبِهِمُ ان کا پڑھنا ان کے حلق سے نیچے نہیں جانے کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ وہ لوگ بنیادی طور پر گمراہی میں مبتلا ہوں گے اور محض آلہ کار کے طور پر قرآن کریم کو پڑھیں گے اس لئے ان کی قرات کا اثر ان کے باطن پر نہ ہو گا اور ان کی آوازوں سے آگے نہیں جائے گا جس کی وجہ سے قرآن کریم کی آیات کا کوئی بھی اثر نہ ان کے دل پر ہو گا اور نہ ان کے دوسرے اعضاء حرکت و عمل پر اثر پڑے ہوں گے چنانچہ قرآن کریم کی جن باتوں پر یقین و اعتقاد کرنا لازم ہے ان پر وہ اعتقاد و یقین نہیں رکھیں گے اور قرآن کریم کی جن باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے وہ ان پر عمل نہیں کریں گے۔ یا اس جملہ کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی قرات کو اس دنیا سے اوپر نہیں اٹھائے گا یعنی اس کو قبول نہیں کرے گا کیونکہ ان کی قرات ان کے حلق سے آگے نہیں بڑھے گی۔

حَتَّىٰ يَرْتَدَّ إِلَيْهِمُ طَبَقُ حَشَىٰ فَوَہ جب تک کہ تیر اپنے سرفار کی طرف نہ لوٹ آئے یہ تعلیق بالحال ہے یعنی جس طرح تیر کا اپنے سرفار اپنی چٹکی کی جگہ واپس آنا حال ہے وی طرح ان لوگوں کا دین کی طرف پھر آنا بھی محال ہے گویا جملہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد حَشَىٰ يَلْبِسُ الْخَلْقَ فَنَفْسٌ مِّنْ بَيْنِهِمَا مَذَآرِقٌ کی مانند ہے اور اس جملہ کا انشاء اس بات کو تاکید اور شدت کے ساتھ بیان کرنا ہے کیونکہ وہ لوگ سخت قسم کی جہالت اور گمراہی میں مبتلا ہوں گے اور یہ غلط گمان ان کے قلب و دماغ میں بیٹھ چکا ہو گا کہ ہم حق اور ہدایت پر ہیں اس لئے ان کا دین کے دائرہ میں لوٹ آنا ناممکن ہو گا۔

”سرمزنا انا“ آپ ﷺ نے یہ بات شاید اس لئے فرمائی کہ اس زمانہ میں عرب میں سرمزنا نے کار و اج نہیں تھا، بلکہ اکثر لوگ سروں پر بال رکھ کرتے تھے، اس ارشاد کا مقصد سرمزنا نے کی برائی یا تحقیر کرنا نہیں ہے کیونکہ سرمزنا تو خدا کے شعلہ اور اس کی طاعت میں سے ایک عمل ہے اور ان لوگوں کی عادات میں سے ہے جو خدا کے نیک و صالح بندے ہیں۔ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ تہلیق سے مراد سرمزنا نا نہیں ہے بلکہ لوگوں کو ”حلقہ در حلقہ بٹھانا“ مراد ہے جو ان لوگوں کی طرف سے محض تمناش اور تکلف کے طور

پر ہو گا۔

وہ تین صورتیں جن میں ایک مسلمان کو سزائے موت دی جاسکتی ہے

(۱) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجُوزُ دَمُ امْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ بِسَهْوٍ إِلَّا اللَّهُ وَأَنْ مُسَحَّدًا رَسُولُ اللَّهِ الْأَيَّاحُذِي ثَلَاثَ زَمَنٍ بَعْدَ اخْتِصَانِ قِيَامِهِ وَزَجَلٌ خَرَجَ مُحَارِبًا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّهُ يُقْتَلُ أَوْ يُصَلَّبُ أَوْ يُنْفَخُ مِنَ الْأَرْضِ أَوْ يُقْتَلُ نَفْسًا لِيُقْتَلَ بِهَا۔ (رواہ البیہقی)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا نفس مسلمان کہ جو اس امر کی شہادت دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اس کا خون حلال نہیں ہے ہاں ان تین صورتوں میں سے کوئی ایک صورت واقع ہو جانے کی وجہ سے اس کا خون حلال ہو جاتا ہے ایک تو یہ کہ وہ محض ہونے کے بعد زنا کرے تو اس کو سنگسار کر دیا جائے دوسری صورت یہ کہ کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول کے لئے کئے گئے نیکے یعنی جو مسلمان قربانی کرے یا بناوٹ کی رو پر لگ جائے تو اس کو قتل کر دیا جائے یا سولی دے دی جائے اور یہ اس کو قید میں ڈال دیا جائے اور تیسری صورت قتل نفس کی ہے کہ جو مسلمان کسی کو عمدہ قتل کر دے تو اس کے بدلے میں اس کو قتل کر دیا جائے۔“ (بیہقی)

تشریح: ”محض“ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ مسلمان جو آزاد ہو مکلف ہو اور نکاح صحیح کے ساتھ صحبت کر چکا ہو یعنی شادی شدہ ہو اور پھر اس کے بعد زنا کا مرتکب ہو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو سنگسار کر کے ختم کر دیا جائے۔

قربانی کرنے والے کے بارہ میں تین سزائیں بیان کی گئی ہیں ① قتل کر دیا جائے ② سولی دیا جائے ③ قید میں ڈالا جائے ان تینوں میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ قراق مال تو نہ لوٹ کا ہو مگر اس نے کسی کو جان سے مار ڈالا ہو تو اس صورت میں اس کو قتل کیا جائے گا اور اگر اس نے مال بھی لوٹا ہو اور کسی کو قتل بھی کیا ہو تو اس صورت میں اس کو سولی دی جائے گی۔ اب اس کے متعلق حضرت امام مالکؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ اس کو زندہ سولی پر لٹکا دیا جائے تاکہ وہ مرجائے لیکن حضرت امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس کو قتل کر کے اس کی لاش سولی پر لٹکا دی جائے تاکہ دوسرے لوگوں کو اس کے انعام سے عبرت ہو۔

تیسری سزا قید کی ہے اس کے لئے حدیث میں یُنْفَخُ فی الْأَرْضِ کے الفاظ ہیں اس کے معنی حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تو یہ ہیں کہ اس کو مسلسل شہر بدر کیا جاتا رہے یعنی اسے کسی ایک شہر میں ٹھہرنے اور رہنے نہ دیا جائے بلکہ ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف نکالا جاتا رہے تاکہ اسے قرار و آرام نہ مل سکے۔ لیکن حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان الفاظ کے معنی یہ ہیں کہ اس کو قید میں ڈال دیا جائے اور یہ قید کی سزا اس صورت میں ہے جب کہ اس نے نہ تو مال لوٹا ہو اور نہ کسی کو قتل کیا ہو بلکہ راہگیروں کو ڈرایا دھمکایا ہو اور اس طرح اس نے راستے کے اس وعافیت کی طرف سے لوگوں کو خوف و تشویش میں مبتلا کیا ہو حدیث کا یہ جز جس میں قزاقوں اور راہزنوں کی مذکورہ بالا سزائوں کا حکم ہے؟ دراصل قرآن کریم کی اس آیت سے مستنبط ہے کہ:

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ

بِمَنْ جَلَابِ أَوْ يُنْفَخُوا مِنَ الْأَرْضِ۔ (المائدہ: ۳۳)

”جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد یعنی بدعتی پھیلاتے پھرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ وہ قتل کئے جائیں یا سولی دیئے جائیں، یا ان میں سے ہر ایک کا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ دیا جائے یا زمین سے نکال کر تیل خانہ بھیج دیئے جائیں اس اعتبار سے بظاہر حدیث میں اَوْ یُنْفَخُوا فی الْأَرْضِ سے پہلے یہ عبارت اَوْ تُقَطَّعُ يَدَاؤُهُمْ وَجُلُوهُمْ مِنْ جَلَابِ بھی ہوئی چاہئے تھی تاکہ یہ حدیث مذکورہ آیت کے پوری مطابق ہو جاتی لیکن یہ قوی احتمال ہے کہ اصل حدیث میں تو یہ عبارت رہی ہو البتہ یہاں حدیث کے

راوی کی بھول سے نقل ہونے سے روکئی ہو یا راوی نے اختصار کے پیش نظر اس کو قصداً حذف کر دیا ہے۔“
حرف او حدیث میں بھی قرآن کی آیت میں بھی اظہار تفصیل کے لئے ہے لیکن بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ تحمیر کے لئے ہے یعنی یہ ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ امام وقت اور حاکم کو یہ اختیار ہے کہ وہ قصداً تفصیل کا لگانا کے بغیر ان سزاؤں میں سے جو سزا مناسب جانے قرار کو دے۔

کسی مسلمان کو خوف و دہشت میں مبتلا کرنے کی ممانعت

(۱۲) وَعَنِ ابْنِ لُطَيْلٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُمْ كَانُوا يَسْتَبْرِئُونَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَامُوا وَخَلَّ مَتْنُهُمْ فَانْطَلَقَ بَعْضُهُمْ إِلَى جَبَلٍ مَعَهُ قَاحِلَةٌ فَفَرَّغَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُتْرَعَ مَسْلُماً۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابن ابی لیلیٰ (تابعی) کہتے ہیں کہ محمد ﷺ کے صحابہؓ نے ہم سے یہ حدیث بیان کی کہ وہ کسی موقع پر رات میں رسول کریم ﷺ کے ہمراہ سفر میں تھے ان میں سے ایک شخص جب کسی پڑاؤ پر سو گیا تو ان میں کا ایک دوسرا شخص اپنی جگہ سے اٹھ کر چلا اور سونے والا اس سے ڈر گیا، آنحضرت ﷺ نے بھی اس کی یہ حرکت دیکھ لی یا آپ ﷺ نے اس کے بارہ میں سنا تو فرمایا کہ کسی مسلمان کے لئے یہ بات حلال نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان کو ڈرائے۔“ (ابوداؤد)

اسلام کی عزت کا کفر کی ذلت سے سودا نہ کرو

(۱۳) وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَخَذَ أَرْضًا بِحُرِّيَّتِهَا فَقَدْ اسْتَقَالَ هِجْرَتَهُ وَمَنْ تَرَغَ صَفَارَ كَافِرٍ مِنْ عَتِقِهِ فَبَعَلَهُ لَيْنَ عَلَيْهِ فَقَدْ وَلَّى الْإِسْلَامَ ظَهْرَهُ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابودرداء اور رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کسی جزیہ والی زمین کو خرید لیا اس نے اپنی ہجرت کو توڑ دیا اور جس نے کافر کی ذلت کو اس کی گردن سے نکال کر اپنی گردن میں ڈال لیا اس نے اسلام کو پیٹ پٹ ڈال دیا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کسی ذی سے کوئی خرابی جزیہ والی زمین خرید لی تو اس مسلمان پر اس زمین کا وہ جزیہ عائد ہو گا جو اس زمین کے پہلے مالک ذی پر عائد تھا۔ اور طرح پر گویا وہ مسلمان دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنے کی وجہ سے جن حقوق اور جس شرف و عزت کے دائرہ میں تھا اس سے نکل جائے گا اور ایک کافر کی ذلت یعنی جزیہ کی جتنی کو اپنے ہاتھوں اپنے گلے میں ڈالنے والا ہو گا۔ اور جس نے کافر کی ذلت کو اس کی گردن سے نکال کر اس کے گردن میں ڈال لیا اس نے گویا اسلام کی عطا کی عزت و رسوائی مول لے لی اور مسلمان نے ایک کافر کے جزیہ کو اپنے ذمہ لے لیا اس نے گویا اسلام کی عطا کی عزت و رسوائی کفر کی ذلت و رسوائی مول لے لی اور اس طرح اس نے کفر کو اسلام کا بدل قرار دیا۔

خطابیؒ کہتے ہیں کہ یہاں ”جزیہ“ سے مراد ”خراج“ ہے یعنی اگر کوئی مسلمان کسی کافر سے کوئی خرابی زمین خریدے گا تو اس زمین کا خراج ساقط نہیں ہو گا بلکہ وہ اب اس مسلمان پر عائد ہو جائے گا۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا یہی مسلک ہے۔

مسلمان، کافروں میں مخلوط نہ رہیں

(۱۴) وَعَنْ خُرَيْبِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً إِلَى خَنْعَمٍ فَأَصْغَمَ نَاسٌ مِنْهُمْ بِالشَّجْوِدِ فَأَسْرَعَ وَبِهِمُ الْقَتْلُ فَلَمَّا ذَلِكَ الشَّيْءُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَ لَهُمْ بِتَضْيِيقِ الْعَقْلِ وَقَالَ أَنَا سَرِيٌّ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ مَقْتُولٍ بَيْنَ أَظْهُرِ الْمُشْرِكِينَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ لِمَ؟ قَالَ لَا تَقْتُلُوا نِيَّائِي نَارَ أَهْلِي۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت جریر ابن عبد اللہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے قبیلہ خثعم کے مقابلہ پر ایک لشکر بھیجا تو اس قبیلہ کے کچھ لوگ اجو اسلام قبول کر چکے تھے لیکن ان کا رہن سہن قبیلہ کے کافروں ہی کے ساتھ تھا غزوہ بدر کے بعد ان کو عہد ہو جائے کہ یہ مسلمان ہیں اور اس طرح وہ حملہ سے بچ جائیں لیکن ان کے قتل میں جلت سے کام لیا گیا یعنی لشکر والوں نے ان کے سجدوں کا اعتبار نہ کیا اور یہ گمان کر کے کہ یہ بھی کافر ہیں اور محض قتل سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر رہے ہیں ان کو بھی قتل کر دیا جب اس واقعہ کی اطلاع رسول کریم ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے ان مسلمان متوکلین کے درمیان آدھی دیت دیے جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ میں اس مسلمان سے بیزار کی کا اظہار کرتا ہوں جو مشرکوں کے درمیان اقامت اختیار کرے صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کی بیزار کی کا سبب کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا مسلمانوں کو کافروں سے اتنی دور رہنا چاہئے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی آگ نہ دیکھ سکیں لیکن اگر کوئی مسلمان کافروں میں مخلوط رہا تو گویا اس نے حکم کی پرواہ نہیں کی۔“ (ابوداؤد)

تشریح: رسول کریم ﷺ نے ان متوکلین کے مسلمان ہونے کا علم ہو جانے کے باوجود ان کے درمیان کو پوری دیت کا حقدار قرار نہیں دیا بلکہ آدھی دیت دیے جانے کا حکم فرمایا اس کا سبب یہ تھا کہ ان لوگوں نے مشرکین کے درمیان اقامت اختیار کر کے گویا خود اپنے قتل میں معاونت کی جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے اس کا اظہار بھی فرمایا کہ میں ہر اس مسلمان سے وہی بیزار کی اور برات کا اظہار کرتا ہوں جو مشرکین اور کفار کے درمیان اقامت پذیر ہو۔

”وہ آپس میں ایک دوسرے کی آگ نہ دیکھ سکیں۔“ کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اور کافر ایک دوسرے سے اتنی دور اقامت اختیار کریں کہ اگر دونوں طرف آگ جلائی جائے تو مسلمانوں کی آگ کافروں کی آگ نہ دیکھ سکیں اور کافروں کی آگ مسلمانوں کی آگ نہ دیکھ سکیں۔ جیسا کہ ترجمہ میں وضاحت کی گئی ہے اس جملہ میں آنحضرت ﷺ کی اس بیزار کی کی علت مذکور ہے جو آپ ﷺ نے کافروں کے درمیان رہنے والے مسلمانوں کے متعلق ظاہر فرمائی ہے۔

بلا تحقیق حال کسی کو قتل نہ کرو

(۱۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الْإِيمَانُ قَبْدُ الْفَتْنِ لَا يَفْتَنُكَ مُؤْمِنٌ - (ابوداؤد اور ذہبی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ بنی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ایمان اپنے حال یعنی مؤمن کو اس بات سے روکتا ہے کہ وہ کسی کو ناگہاں قتل کر دے۔ لہذا کوئی مؤمن ناگہاں قتل نہ کرے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کسی مسلمان کو یہ نہ چاہئے کہ وہ غفلت میں کسی کی جان لے لے اور کسی کو اس کے حال کی تحقیق کے بغیر کہ وہ مسلمان ہے یا کافر قتل کر دے۔ چونکہ ذی کافر، اسلامی حکومت کی طرف سے جان و مال کی حفاظت کے عہد و یقین دہانی کے زیر سایہ ہوتا ہے اس لئے اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اس کو بھی قتل نہ کیا جائے ہاں اگر کوئی مفید و غدار ہو کہ وہ مسلمانوں کے درپے آزار ہو اور فتنہ و فساد اور بدنامی پھیلاتا ہو تو اس کی بات دوسری ہے، جیسا کہ کعب ابن اشرف یہودی یا ابو رافع کو ناگہاں قتل کیا گیا، علاوہ ازیں ان دونوں کو آنحضرت ﷺ نے جو قتل کیا وہ خاص حکم الہی تھا نیز بعض حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان دونوں کا قتل اس ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہے۔

دارالحرب بھاگ جانے والے غلام کو قتل کر دینے والا مستوجب مواخذہ نہیں

(۱۶) وَعَنْ خُرَيْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا اتَى الْعَبْدُ إِلَى الشَّرِّكَ فَقَدْ حَلَّ دَمُهُ - (ابوداؤد اور ذہبی)

”اور حضرت جریر بنی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی غلام، شرک یعنی دارالحرب کی جانب بھاگ

جائے تو اس کا خون حلال ہو گا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”اس کا خون حلال ہو گا“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایسے غلام کو کوئی قتل کر دے تو قاتل سے کوئی مواخذہ نہیں ہو گا اور نہ اس پر کچھ واجب ہو گا یا اس سبب کہ اس غلام نے مشرکوں کی مخالفت اختیار کی اور دھرم الاسلام کو ترک کیا اور اگر کوئی غلام نہ صرف یہ کہ دارالحرب بھاگ جائے بلکہ مرتد بھی ہو جائے تو اس کا خون بطریق اولیٰ حلال ہو گا۔

آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والا ذی مباح الدم ہے یا نہیں؟

(۱۷) وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّ يَهُوذَا بْنَ كَثَّانَ قَتَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَفَعَّ فِيهِ فَحَنَفَهَا زَجْلٌ حَتَّى فَاثَقَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذِمَّهَا۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت نبی کریم ﷺ کو برا بھلا کہا کرتی تھی اور آپ میں عیب نکال کر طعن کیا کرتی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ کی شان اقدس میں یہ گستاخی ایک شخص برداشت نہ کر سکا اور اس نے اس عورت کا گلا گھونٹ ڈالا جس سے وہ مر گئی۔ نبی کریم ﷺ اس کے کا خون معاف کر دیا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی ذی کافر آنحضرت ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرنے لگے تو وہ اس عہد و ذمہ کو توڑ دیتا ہے جس کی وجہ سے اسلامی حکومت میں اس کو اپنی جان و مال کی حفاظت حاصل تھی، اور وہ مباح الدم حربی وہ کافر جس کا خون مباح ہو اس کی مانند ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک ہے، لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ سے اس ذی کا عہد و ذمہ نہیں ٹوٹتا چنانچہ یہ مسلک فقہ کی کتابوں میں ”کتاب الجزیہ“ کے آخر میں مذکور ہے اور ہدایہ میں اس کے دلائل بھی لکھے ہوئے ہیں۔

ساحر کو قتل کر دیا جائے

(۱۸) وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَذُوا السَّاحِرَ حِزْبًا بِالشَّيْئِيفِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت جندبؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جاؤ اور گر کی حد (شرعی سزا) یہ ہے کہ اس کو تلوار سے قتل کر دیا جائے۔“

(ترمذی)

تشریح: علماء کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ جاؤد کرنا حرام ہے۔ ویسے جاؤد کے مسلک میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، حضرت امام شافعیؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ جاؤد گر کو قتل کر دیا جائے بشرطیکہ اس کا جاؤد موجب کفر ہو اور وہ توبہ نہ کرے۔ حضرت امام مالکؒ اور بعض دوسرے علماء کا قول یہ ہے کہ ساحر کافر ہے، محرک فہر ہے، محرک سبکدانا بھی کفر ہے ساحر کو قتل کر دیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے خواہ اس نے کسی مسلمان پر محرک کیا ہو یا کسی ذی پر۔

اور حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اگر ساحر کا یہ عقیدہ ہو کہ سارے شیطان کی ذات ہے کہ وہ میرے لئے جو چاہتا ہے کرتا ہے تو وہ کافر ہے اور اگر یہ عقیدہ ہو کہ سحر مجرد خیال ہے تو وہ کافر نہیں ہے بلکہ قاتل ہے اور محرک سبکدانا حرام ہے۔

در مختار کے حاشیہ طحاوی میں یہ لکھا ہے کہ سحر کی تین قسمیں ہیں ① فرض ② حرام ③ جائز اگر کوئی شخص اہل حرب کے ساحر کے تونے کے لئے سحر کیجے تو وہ فرض ہے، اگر کوئی شخص اس مقصد کے لئے کیجے کہ اس کے ذریعہ میاں بیوی کے درمیان تفریق کرا دے گا تو حرام ہے، اور اگر اس مقصد کے لئے کیجے کہ اس کے ذریعہ میاں بیوی کے درمیان پیار و محبت پیدا کرے گا تو جائز ہے۔

سحر کے کفر ہونے میں اگرچہ جناب علماء کے اختلافی اقوال ہیں لیکن صحیح میں ان کی کتابوں کے حوالہ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ ساحر کی توبہ

کا اعتبار نہ کیا جائے، ساحرا اپنے محرکی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان پر محرک رہے اس کو قتل کر دیا جائے۔
محرکی طرح کہانت، نجوم، رمل اور علم شعبہ کا سیکنا اور سکھانا بھی حرام ہے اور اس کے ذریعہ سکھایا ہوا مال بھی حرام ہے۔

الْفَضْلُ الثَّالِثُ

(۱۹) عَنْ أَسَمَةَ بْنِ شَرِيكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْمًا زَجَلٍ خَرَجَ يَغْزِي بَيْنَ أَمْنَيْنِ فَاضْرِبُوا عَقْبَهُ - (رواه النسائي)

”حضرت اسامہؓ ابن شریک کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص امام وقت کے خلاف خروج کرے اور اس طرح وہ میری امت میں تفرقہ ڈالے تو اس کی گردن اڑا دو۔“ (نسائی)

تشریح: امام وقت، امت کے اتحاد و اجتماع کا بنیادی محور ہوتا ہے اس کی اطاعت و فرمانبرداری ہر مسلمان پر ایسی لازم ہے کہ اس کی وجہ سے نہ صرف اسلام کی تعلیم و اجتماع کا تقاضہ پورا ہوتا ہے بلکہ مسلمان ایک جھنڈے کے نیچے متفق و متحد رہ کر اسلام دشمن و مسلم مخالف طاقتوں کے مقابلہ پر ایک مضبوط جٹان بن جاتے ہیں اور اس طرح وہ اسلام کی شان و شوکت کو بائی رکھنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص اس اجتماعی دائرہ سے لگتا ہے تو وہ صرف ایک برائی کامرکب نہیں ہوتا بلکہ پوری امت کے اتفاق و اتحاد کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی اعتراض ہو تو اس کے اس شک و شبہ اور اعتراض کو دور کیا جائے لیکن اس کے باوجود وہ اپنی حرکت سے باز نہ آئے اور اصلاح کی کوئی کوشش اس کو سرکشی و بغاوت کی راہ سے واپس نہ لائے تو پھر اس کو ہر اوجہ سے جیسا کہ حضرت علیؓ نے خوارج کے ساتھ کیا۔

خوارج کے متعلق پیشین گوئی

(۲۰) وَعَنْ شَرِيكٍ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ كُنْتُ أَسْمَعُ أَنَّ أَلْفِي زَجَلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْأَلُهُ عَنِ الْخَوَارِجِ فَلَقِيتُ أَبَا بَرَّةَ فِي يَوْمٍ غَدٍ فِي نَقَرٍ مِنْ أَصْحَابِهِ فَقُلْتُ لَهُ هَلْ سَمِعْتَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ الْخَوَارِجَ قَالَ نَعَمْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ بِأَذْنِي وَرَأَيْتُهُ يَقُولُ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَالٍ فَقَسَمْتُ فَأَعْطَى مَنْ عَنِ نَعْيِهِ وَمَنْ عَنْ شِعَالِهِ وَلَمْ يَعْطَ مَنْ وَرَأَاهُ شَيْئًا فَقَامَ زَجَلٌ مِنْ وَرَائِهِ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ مَا عَدَلْتُ فِي الْقِسْمَةِ زَجَلٌ أَسْأَلُكَ عَنْ مَقْصُودِ الشَّعْرِ عَلَيْهِ فَوَيَايَا أَيُّهَا النَّبِيُّ فَقَضِبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَضَبًا شَدِيدًا وَقَالَ وَاللَّهِ لَا تَجِدُونَنِي بِعَدْوٍ وَخَلَا هُوَ أَعْدَلُ مِنِّي ثُمَّ قَالَ يَخْرُجُ فِي الْبُحْرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ كَانُوا هَذَا مِنْهُمْ يَفْرَعُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُونَ الْقُرْآنَ يَفْرَعُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَفْرَعُونَ مِنَ السُّهْمِ مِنَ الزُّمَيْتَةِ سَيَمَانُ هُمُ الْبُخْلِيُّفِيُّ لَا يَزَالُونَ يَخْرُجُونَ حَتَّى يَخْرُجَ أَحَدُهُمْ مَعَ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ فَإِذَا لَقِيَهُمْ هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخُلُقِ - (رواه النسائي)

”اور حضرت شریکؓ ابن شہابؓ بتائے کہ میں نے ایک بزرگ آدمی کو سنا کہ نبی کریم ﷺ نے کسی صحابیؓ سے ملاقات کی سعادت حاصل کروں اور ان سے خوارج کے بارہ میں پوچھوں کہ آج کل جو خوارج پیدا ہو رہے ہیں کیا ان حضرت ﷺ نے ان کے متعلق کوئی پیشین گوئی کی تھی؟ چنانچہ میں ایک صحابیؓ حضرت ابو براءؓ سے عید کے دن ان کے دوستوں کی موجودگی میں مل گیا اور ان سے پوچھا کہ کیا آپ نے رسول کریم ﷺ کو خوارج کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں! میں نے اپنے کانوں سے رسول کریم ﷺ کو خوارج کا ذکر کرتے ہوئے بھی سنا ہے اور اپنی آنکھوں سے یہ واقعہ بھی دیکھا ہے کہ ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں کچھ مال لایا گیا، آپ ﷺ نے اس مال کو حاضرین مجلس میں اس طرح تقسیم فرمایا کہ جو لوگ آپ کی دینی جانب میں ہوئے تھے ان کو دین اور جو لوگ

بائیں جانب بیٹھے تھے ان کو دیکھ کر لوگ آپ کے پیچھے تھے ان کو کچھ نہیں دیکھا۔ چنانچہ آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اے محمد ﷺ (آپ ﷺ) نے قسم میں اصراف نہیں کیا وہ شخص کالے رنگ کا تھا اس کے سر کے بال منڈے ہوئے تھے اور وہ سفید کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ (اس کی بات سن کر رسول کریم ﷺ سخت غضبناک ہو گئے اور فرمایا کہ "خدا کی قسم" تم میرے بعد کسی شخص کو مجھ سے زیادہ اصراف کرنے والا نہیں پاؤ گے اور پھر فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایک گروہ پیدا ہوگا اور یہ شخص گویا اسی گروہ کا ایک فرد ہے اس گروہ کے لوگ قرآن پڑھیں گے لیکن ان کا چہرہ ان کے حلق سے آگے نہیں جائے گا اور وہ لوگ امام وقت کے خلاف خروج و سرکشی کے ذریعہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیرہ ہزار کے درمیان سے نکل جاتا ہے ان لوگوں کی عدت یہ ہے کہ ان کے سر منڈے ہوئے ہوں گے اس گروہ کے لوگ ہر زمانہ میں پیاسے جائیں گے اور ہمیشہ خروج کرتے رہیں گے یہیں تک کہ ان کا آخری شخص مسک و حال یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف خروج کرے گا جب کہ وہ قیامت کے قریب دنیا میں نازل ہوں گے، لہذا جب بھی تمہارا ان سے سامنا ہو جائے ان کو قتل کر ڈالو، وہ لوگ آدمیوں اور جانوروں میں بدترین مخلوق ہیں۔" لہذا،

قیامت کے دن اہل حق کے چہرے منور اور اہل باطل کے چہرے سیاہ ہوں گے

(۲۱) وَعَنْ ابْنِ غَالِبٍ زَاوَى ابْنِ اُمَامَةَ رَاَوْنَا مَنصُوبَةً عَلٰی ذَرْحٍ ذَمِشْقٍ فَقَالَ ابْنُ اُمَامَةَ كَلَابُ النَّارِ شَرُّ قَتْلَى نَحْنُ اَدِيمِ السَّمَاءِ حَتَّى قَتَلْنٰ مِنْ قَتْلُوهُ ثُمَّ قَرَأَ اَيُّوْمَ تَبْيِضُ وَخُوَّةٌ وَتَسْوَدُ وَخُوَّةٌ الْاَيَّةُ قَبْلُ لَا بِنِي اُمَامَةَ اَلَّتْ تَسْمَعُ مِنْ زَمِيلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ لَمْ اَسْمَعْهُ اِلَّا مَرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ اَوْ فَلَانَا حَتَّى عَدَسِنَا مَاحِذَ تَشْكُمُوهُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا اَحَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

"اور حضرت ابو غالب (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت ابو امامہ (صحابی) نے (ایک دن) دمشق کی شاہراہ (خوارج کے) سرخے ہوئے دیکھے یا وہ سوئی پر لٹکے ہوئے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ یہ دوزخ کے کتے ہیں اور آسمان کے پتھر بدترین مقلول ہیں اور بہترین مقلول وہ ہے جس کو انہوں نے قتل کیا ہو۔ اور پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی۔ اس قیامت کے دن کہ بہت سے منہ سفید منور ہوں گے اور بہت سے منہ سیاہ ہوں گے ابو غالب نے حضرت ابو امامہؓ سے پوچھا کہ کیا آپ نے یہ بات رسول کریم ﷺ سے سنی ہے؟ ابو امامہؓ نے فرمایا اگر میں نے یہ بات ایک ہر دو بار تین بار یہاں تک کہ انہوں نے سات بار گناہ سنی ہوئی تو تمہارے سامنے بیان نہ کرتا یعنی اگر میں اس بات کو آنحضرت ﷺ سے اکتی کثرت سے بار بار نہ سنا تو میں تمہارے سامنے بیان نہ کرتا۔ ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔"

تشریح: حضرت ابو امامہؓ نے جو آیت پڑھی وہ پوری یوں ہے:

يَوْمَ تَبْيَضُّ وَخُوَّةٌ وَتَسْوَدُ وَخُوَّةٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اَسْوَدَتْ وَخُوَّتُهُمْ اَكْفَرُوْهُمْ بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ فَلَقَوْهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْهُمْ تَكْفُرُوْنَ۔ (ال عمران ۱۱۶: ۱۱۷)

"اس دن کو بہت سے منہ سفید (منور) ہوں گے اور بہت سے منہ کالے ہوں گے پس جن کے منہ کالے ہوں گے ان سے کہا جائے گا کہ تم ایمان لانے کے بعد پھر کافر ہو گئے تھے؟ تو تم نے جو کچھ کفر کیا ہے اس کے بدلے میں عذاب یکسو۔"

حدیث میں جن لوگوں کے سروں کا ذکر ہے ان کے بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ وہ مرتد تھے، بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ بدعتی تھے۔ جب کہ حضرت ابو امامہؓ سے مقلول ہے کہ وہ خوارج تھے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کتاب الحدود

حدود کا بیان

حد کے معنی: حدود حد کی جمع ہے اور حد کے اصل معنی ہیں ممنوع نیز اس چیز کو بھی حد کہا جاتا ہے جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو اصطلاح شریعت میں ”حدود“ ان سزاؤں کو کہتے ہیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت ہیں اور ساتھ ہی متعین ہیں جیسے چوری، زنا، شراب نوشی کی سزائیں۔ لفظ حد کے اصل معنی ممنوع یا حائل اگر پیش نظر ہوں تو واضح ہو گا کہ شرعی سزاؤں کو ”حدود“ اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ سزائیں ہندوں کو گناہوں میں مبتلا ہونے سے روکتی ہیں اور ان کا خوف انسان اور جرم کے درمیان حائل رہتا ہے۔

”حدود اللہ“ محارم کے معنی میں بھی منقول ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے بَلِّغْ خُذْ ذَٰلِكَ اللَّهُ فَلَا تَفْوَ بَٰلِغْ اِی طرح مقدار شرعی یعنی تین طلاؤں کا مقرر ہونا وغیرہ کے معنی میں بھی منقول ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے بَلِّغْ خُذْ ذَٰلِكَ اللَّهُ فَلَا تَفْوَ لَٰكِنْ وَاضِعٌ رَّہے کہ ان دونوں میں بھی ”حدود“ کا اطلاق اصل معنی ”ممنوع“ ہی کے اعتبار سے ہے کہ محارم کی قربت (یعنی ان سے نکاح و غلط) ابھی ممنوع ہے اور مقدار شرعی سے تجاوز کرنا بھی ممنوع ہے۔

سزا کی تفصیل: شرعی قانون نے ”جرم و سزا“ کا جو ضابطہ مقرر کیا ہے اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں سزائیں تین طرح کی ہیں۔

① وہ سزائیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے متعین کر دی ہے مگر ان کے اجراء کو خود ہندوں پر چھوڑ دیا ہے ان میں کسی خارجی طاقت جیسے حاکم یا حکومت کو دخل انداز ہونے کا حکم نہیں ہے، شریعت نے اس طرح کی سزا کا نام کفارہ رکھا ہے جیسے قسم کی خلاف ورزی یا رمضان میں بلا عذر شرعی روزہ توڑ دینے کا کفارہ! ② وہ سزائیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت ہیں اور ساتھ ہی متعین ہیں، ان سزاؤں کو جاری کرنے کا اختیار تو حاکم یا حکومت کو ہے مگر ان میں قانون سازی کا حق کسی کو حاصل نہیں ہے، اس طرح کی سزا کو شریعت میں حد کہتے ہیں جیسے چوری، زنا، اور شراب نوشی کی سزائیں۔ ③ وہ سزائیں جنہیں کتاب و سنت نے متعین تو نہیں کیا ہے مگر جن پر بے کاموں کی یہ سزائیں ہیں ان کو جراثیم کی فہرست میں داخل کیا ہے اور سزائے تعین کا مسئلہ حاکم یا حکومت کے سپرد کر دیا ہے کہ وہ موقع و محل اور ضرورت کے مطابق سزا خود متعین کریں گویا اس قسم کی سزاؤں میں حکومت کو قانون سازی کا حق بھی حاصل ہے مگر اس دائرہ کے اندر وہ کہ جو شریعت نے متعین کر رکھا ہے اس طرح کی سزا شریعت میں ”مختصر“ کہلاتی ہے۔

حد اور تعزیر میں فرق: حد اور تعزیر میں بنیادی فرق یہ ہے کہ حد تو شریعت میں ”مختبر“ ہے جو اللہ کا حق قرار دی گئی ہے اسی لئے اس کو حق اللہ کہا جاتا ہے بایں وجہ کہ اس میں کوئی بندہ تصرف نہیں کر سکتا، اور تعزیر کو حق اللہ کہا جاتا ہے بایں وجہ کہ بندہ اس میں تصرف

کر سکتا ہے یعنی اگر وہ کوئی مصلحت دیکھے تو قاتلِ قزور مجرم کو معاف بھی کر سکتا ہے اور موقعِ دُعا اور جرم کی نوعیت کے اعتبار سے سزا میں کمی زیادتی اور تغیر و تبدل بھی کر سکتا ہے، حاصل یہ کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حقیق ہے جس میں کوئی تصرف ممکن نہیں اور تغیر و قاضی بے حکومت کے سپرد ہے اسی عدمِ تقدیر و تحقیق کی بنا پر قزور کو حد نہیں کہا جاتا۔ چونکہ ”قصاص“ بھی بندہ کا قاص ہے کہ وہ اپنے اہل قتل سے مجرم کو معاف کر سکتا ہے اس لئے اس کو بھی ”حد“ نہیں کہا جاتا۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

بارگاہ نبوت سے زمانا کے ایک مقدمہ کا فیصلہ

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَحَدُهُمَا أَفْضَلُ بَيْتَنَا بِكِتَابِ اللَّهِ وَقَالَ الْآخَرُ أَجَلُ بِنَا رَسُولَ اللَّهِ فَأَفْضَلُ بَيْتَنَا بِكِتَابِ اللَّهِ وَانْزَلَنِي أَنْ أَتَكَلَّمَ قَالَ تَكَلَّمْ قَالَ إِنَّ الْبَيْتَ كَانَ عَسِيفًا عَلَى هَذَا فَرَأَى بِأَمْرِهِ فَأَحْبَزُونِي أَنْ عَلَى ابْنِي الرَّجْمُ فَأَقْبَلْتُ مِنْهُ بِعَانَةِ ضَاهٍ وَبِجَارِيَةٍ لِي لَمْ يَلْنِ سَأَلْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ فَأَحْبَزُونِي أَنْ عَلَى ابْنِي جَلْدٌ مِائَةً وَتَغْرِيبٌ عَامٍ وَأَمَّا الرَّجْمُ عَلَى أَمْرِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا أَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللَّهِ أَمَا عَمَلُكَ وَجَارِيَتُكَ فَوَيْلٌ عَلَيْكَ وَأَمَّا ابْنُكَ فَقَلْبِيهِ جَلْدٌ مِائَةً وَتَغْرِيبٌ عَامٍ وَأَمَّا أَنْتَ يَا أَتَيْسَ فَأَعُدْ عَلَى امْرَأَةٍ هَذَا فَإِنْ اعْتَرَفَتْ فَأَرْجَمْهَا فَاغْتَرَفَ لَهَا عَرَفَتْ فَرَجَمَهَا.

(متفق عليه)

”حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت زید ابن خالدؓ کہتے ہیں ایک دن رسول کریم ﷺ کی خدمت میں دو آدمی اپنا قضیہ لے کر آئے، ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے موافق حکم کیجئے دوسرے نے بھی عرض کیا کہ ہاں، یا رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے موافق حکم کیجئے اور مجھے اجازت دیجئے کہ میں بیان کروں کہ قضیہ کی صورت کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا بیان کرو اس شخص نے بیان کیا کہ میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدور تھا اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا، لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تمہارے بیٹے کی سزا سنگساری ہے لیکن میں نے اس کو سنگسار کرنے کے بدلے میں سو بکریاں اور ایک لونڈی دیدی، پھر جب میں نے اس بار میں علماء سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ تمہارا بیٹا چونکہ محض یعنی شادی شدہ نہیں ہے اس لیے اس کی سزا سو کوڑوں ہے اور ایک سال کی جلا وطنی ہے اور اس شخص کی عورت کی سزا سنگساری ہے کیونکہ وہ شادی شدہ ہے رسول کریم ﷺ نے یہ قصہ سن کر فرمایا کہ آگاہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ یعنی قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان کتاب اللہ ہی کے موافق فیصلہ کروں گا تو سنو کہ تمہاری بکریاں اور تمہاری لونڈی تمہیں واپس مل جائے گی اور اگر خود طرح کے اقرار یا چار گواہوں کی شہادت سے زنا کا جرم ثابت ہے تو تمہارے بیٹے کو سو کوڑوں کی سزا دی جائے گی اور ایک سال کے لیے جلا وطن کر دیا جائے گا پھر آپ ﷺ نے حضرت انیسؓ کو فرمایا کہ انیس تم اس شخص کی عورت کے پاس جاؤ اگر وہ زنا کا اقرار کرے تو اس کو سنگسار کر دو چنانچہ اس عورت نے زنا کا اقرار کر لیا اور حضرت انیس نے اس کو سنگسار کر دیا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”کتاب اللہ“ سے مراد قرآن کریم نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم مراد ہے کیونکہ قرآن کریم میں رجم و سنگساری کا حکم مذکور نہیں ہے، لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ کتاب اللہ سے قرآن کریم ہی مراد ہو اس صورت میں کہا جائے گا کہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ آیت رجم کے الفاظ قرآن کریم سے منسوخ الحلاوت نہیں ہوئے تھے۔

ایک سال کے لئے جلاوطن کر دیا جائے گا کے بارہ میں حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ ایک سال کی جلاوطنی بھی حد میں داخل ہے، یعنی ان کے نزدیک غیر شدی شہرہ زنا کاری حد شرعی سزا ہے کہ اس کو سو کوڑے بھی مارے جائیں اور ایک سال کے لئے جلاوطن

بھی کر دیا جائے جب کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ ایک سال کی جلاوطنی کے حکم کو مصلحت پر محمول فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ایک سال کی جلاوطنی کے طور پر نہیں ہے بلکہ بطور مصلحت ہے کہ اگر امام وقت اور حکومت کسی سیاسی اور حکومتی مصلحت کے پیش نظر ضروری سمجھے تو ایک سال کے لئے جلاوطن بھی کیا جاسکتا ہے، بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں یہی حکم نافذ جاری تھا مگر جب یہ آیت کریمہ التَّائِبُ وَالْمُتَّوِّبُ لَا جُنْدُ وَلَا اِكْلٌ وَاحِدٌ مِنْهُمَا مَآئَةَ جَلْدَةٍ (یعنی زانی اور زانیہ کو کوڑے مارے جائیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارے جائیں) نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

طاعت و طاعت فرما کر جمعہا چنانچہ اس عورت نے اقرار کیا اور حضرت انیسؒ نے اس کو سزا کر دیا اس سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حد زنا کے جاری ہونے کے لئے ایک مرتبہ اقرار کرنا کافی ہے جیسا کہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے، لیکن حضرت امام حنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ چار مجلسوں میں چار بار اقرار کرنا ضروری ہے، یہاں حدیث میں جس ”اقرار“ کا ذکر کیا گیا ہے اس سے امام اعظمؒ وہی اقرار یعنی چار مرتبہ مراد لیتے ہیں جو اس سلسلہ میں معتبر و مقرر ہے چنانچہ دوسری احادیث سے یہ صراحت ثابت ہے کہ چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے۔

غیر محسن زانی کی سزا

(۲) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتُرُ فَيُحْضِنُ زَانِيًا وَلَمْ يُخْصِنْ جَلْدَ مِائَةٍ وَتَغْرِيبَ عَامٍ۔ (ردہ بخاری)

”اور حضرت زید ابن خالدؒ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو غیر محسن زانی کے بارہ میں یہ حکم دیتے سنا ہے کہ اس کو سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لئے جلاوطن کیا جائے۔“ (بخاری)

تشریح: ”محسن“ اس عاقل بالغ مسلمان کو کہتے ہیں جس کی شادی ہو چکی ہو اور اپنی بیوی سے بھرتی کر چکا ہو۔ غیر محسن اگر زنا کا مرتکب ہو تو اس کی سزا اس حدیث کے مطابق سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے، جلاوطنی کے بارہ میں جو تفصیل ہے وہ پہلے بیان ہو چکی۔ کوڑے مارنے کے سلسلہ میں یہ حکم ہے کہ سزا دہ اور ستر کوڑے نہ مارے جائیں۔

محسن زانی کی سزا

(۳) وَعَنْ عُمَرَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) بِالْحَقِّ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ فَكَانَ مِمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى آيَةَ الزَّجِيمِ وَزَجِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَزَجِمْنَا بَعْدَهُ وَالزَّجِيمُ لَفِي كِتَابِ اللَّهِ حَقٌّ عَلَى مَنْ زَانَى إِذَا اخْصَنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ إِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ أَوْ كَانَ الْجَبَلُ أَوْ الْإِخْرَافُ۔ (مسند علیہ)

”اور حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا اور ان پر اپنی کتاب نازل کی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں جو کچھ نازل کیا ہے اس میں آیت رجم بھی ہے۔ اور کتاب اللہ میں اس شخص کو رجم کرنے کا حکم ثابت ہے جو محسن ہونے کے باوجود زنا کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو اور یہ رجم کی سزا اس وقت دی جائے گی، جب کہ زنا کا جرم کو انہوں نے ذریعہ باطل کے ذریعہ اور یا اعتراف و اقرار کے ذریعہ ثابت ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اوپر کی حدیث میں اس زانی کی سزا بیان کی گئی تھی جو غیر محسن ہو۔ اس حدیث میں اس زانی کی سزا بیان کی گئی ہے جو محسن ہو۔ محسن کی وضاحت اوپر کی حدیث کے ضمن میں کی جا چکی ہے چنانچہ جو شخص محسن ہونے کے باوجود زنا کا مرتکب ہو اور اس کا جرم ثابت ہو جائے اس کی سزا رجم یعنی سنگساری ہے کہ اس شخص کو پتھروں سے مار مار کر ہلاک کر دیا جائے۔

جس آیت سے رجم کا حکم ثابت ہے وہ پہلے قرآن کریم میں موجود تھی لیکن بعد میں اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی یعنی اس کے الفاظ قرآن

ہونا شرط ہے یعنی سنگسار کی سزا ای زانی کو دی جاسکتی ہے جو محض ہو اور محض کا اطلاق اسی شخص پر ہو سکتا ہے جو مسلمان ہو تو آنحضرت ﷺ نے ان یہودیوں کو جو مسلمان نہیں تھے رجم کا حکم کیوں دیا؟

اس کا جواب ہے یہ کہ آنحضرت ﷺ نے ان یہود کو رجم کا جو حکم زیادہ تورات کے حکم کے تحت تھا اور یہودیوں کے مذہب میں رجم کے سزاوار کے لئے محض ہونا شرط نہیں تھا، پھر یہ کہ آنحضرت ﷺ اس بارہ میں پہلے تورات کے حکم پر عمل کرتے تھے مگر جب قرآن میں اس کا حکم نازل ہو گیا تو تورات کا حکم منسوخ ہو گیا۔

اس موقع پر یہ بتادینا بھی ضروری ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک محض ہونے کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے یعنی ان کے مسلک کے مطابق ”محض“ کا اطلاق اس شادی شدہ آدمی پر بھی ہو سکتا جو مسلمان نہ ہو، نیز حنفیہ میں سے حضرت امام ابو یوسفؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔

ایک اشکال یہ بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے محض یہودیوں کے کہنے پر ان دونوں کو کیسے سنگسار کرادیا کیونکہ یہودیوں کی گواہی سرے سے معتبری نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کیا ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صرف ان یہودیوں کے کہنے پر ہی حکم نافذ کیا ہو، بلکہ بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ کیا تو خود ان دونوں نے زنا کا اقرار کیا ہو گا یا ان کے زنا کی چار مسلمائوں نے گواہی دی ہوگی اور اسی پر آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کو سنگسار کرایا ہوگا۔

اس موقع پر بلاغی قاری نے بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے یہاں اس کا خلاصہ نقل کیا گیا ہے اہل علم ان کی کتاب ”مرقات“ سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

زنا کے اقراری مجرم کے بارہ میں آنحضرت ﷺ کا فیصلہ رجم

⑥ وعن أبي هريرة قال أتى النبي صلى الله عليه وسلم رجلٌ وهو في المسجد فذاه يارسول الله اتى زينب فاعرض عنه النبي صلى الله عليه وسلم فتسخطى ليشق وجهه الذي أعرض قبله فقال اتى زينب فاعرض عنه النبي صلى الله عليه وسلم فلما شهد أربع شهادات دعاه النبي صلى الله عليه وسلم فقال أهلك حنونٌ قال لا فقال أخضت؟ قال نعم يارسول الله قال اذهني إليه فازجموه قال ابن شهاب فأتى بنين من سمع جابر بن عبد الله يقول فركضاه بالمدينة فلما أزلقته الجحازة هرب حتى أذكر كناه بالحرّة فزجماه حتى مات. فمتفق عليه وفي رواية للبخاري عن جابر بعد قوله قال نعم فأمّ به فزجم بالمصلى فلما أزلقته الجحازة فزفأذرك فزجم حتى مات فقال له النبي صلى الله عليه وسلم خيرًا وصلى عليه.

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص آجانب کہ آپ ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے اس شخص نے آواز دی ”یا رسول اللہ! مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے“ آپ ﷺ نے یہ سن کر اپنا منہ اس کی طرف سے پھیر لیا وہ شخص پھر اس سمت آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا پھر آپ ﷺ نے اپنا منہ پھیرا تھا اور کہا کہ مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے آپ ﷺ نے پھر اپنا منہ اس کی طرف سے پھیر لیا، یہاں تک کہ جب اس نے اس طرح چار مرتبہ اپنے جرم کا اقرار کیا تو آنحضرت ﷺ نے اس کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا کہ کیا تو یوانہ ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں! پھر آپ ﷺ نے پوچھا کیا تو محض ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں! یا رسول اللہ اس کے بعد آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اس شخص کو سولہ جاؤ اور اس کو سنگسار کر دو۔ اس حدیث کے ایک راوی ابن شہاب کا بیان ہے کہ جس شخص نے اس حدیث کو حضرت جابرؓ ابن عبد اللہ سے سنا تھا اس نے مجھے بتایا کہ حضرت جابرؓ نے کہا کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کے اس حکم کے بعد اس شخص کو مدینہ میں سنگسار کیا پتا چلتا ہے جب ہم نے اس کو پتھر مارنے شروع کئے اور

اس کو پتھر گنتے گئے تو وہ بھاگ کھڑا ہوا یہاں تک کہ ہم نے اس کو ”حرہ“ میں جا کر پکڑا لیا۔ کاذب مسخاتی عداوت جو کالے پتھروں والا تھا حرہ کہلاتا تھا اور پھر اس کو سنگسار کیا تاکہ وہ مر گیا۔“ (بخاری مؤسل)

اور امام بخاری کی ایک اور روایت میں جو حضرت جابرؓ سے متواتر ہے آنحضرت ﷺ کے پوچھنے پر کہ کیا تو محسن ہے؟ اس شخص کے جواب ”ہاں“ کے بعد یہ الفاظ ہیں کہ اس کے بعد آپ نے اس شخص کو سنگسار کئے جانے کا حکم دیا چنانچہ اس کو عید گاہ میں سنگسار کیا گیا جب اس کو پتھر گنتے گئے تو وہ بھاگ کھڑا ہوا مگر پتھر پکڑ لیا گیا اور سنگسار کیا گیا یہاں تک کہ مر گیا، اس کے مرنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے بھلائی بیان کی یعنی اس کی تعریف و توصیف کی اور اس کی نماز جنازہ پڑھی یا و صلی علیہ کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لئے دعا کی۔

تشریح: اور اس نے چار مرتبہ اقرار کیا یعنی اس شخص نے چاروں طرف سے آپ ﷺ کے سامنے آکر اپنے جرم کا اقرار کر کے اور گویا ہر دفعہ میں تبدل ہمس کر کے اس طرح چار مجلسوں میں چار مرتبہ اپنے جرم کا اقرار کیا۔ چنانچہ حضرت امام عظیم ابو حنیفہؒ نے اس کے آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک کے سامنے چاروں طرف سے آکر اقرار کرنے سے یہ استدلال کیا ہے کہ زنا کے ثبوت جرم کے لئے لازم کا چار مجلسوں میں چار بار اقرار کرنا شرط ہے۔

”کی تو دیوانہ ہے؟“ یعنی کیا تم پر دیوانگی طاری ہے کہ تم اپنے گناہ کا خود انشاء کرو رہے ہو اور سنگساری کے ذریعہ خود اپنی ہلاکت کا باعث بن رہے ہو حالانکہ چاہئے تو یہ کہ تم خدا سے توبہ استغفار کرو اور آئندہ کے لئے ہر رائی سے بچنے کا پختہ عہد و عزم کرو۔ نوویؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے اس ارشاد کا مقصد اس شخص کے حال کی تحقیق تھا کیونکہ عام طور پر کوئی بھی انسان اپنے کسی بھی ایسے جرم و گناہ کے اقرار پر مصر نہیں ہوتا جس کی سزا میں اس کو موت کا منہ دیکھنا پڑے بلکہ وہ ایسی میں اپنی راہ نجات دیکھتا ہے کہ اپنے جرم و گناہ پر شرمسار و اندام ہو کر خدا سے توبہ و استغفار کرے اور اس کے ذریعہ اپنے گناہ کو ختم کرائے۔

حاصل یہ کہ یہ ارشاد جہاں اس بات کو واضح کرتا ہے کہ ایسے معاملات میں مسلمان کی حالت کی تحقیق و تفتیش میں پوری پوری سہی کرنی چاہئے تاکہ فیصد میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ نہ رہے وہیں اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کسی جرم کی سزا میں ایک مسلمان کی جان بچانے کے لئے اس کو جو بھی قانونی فائدہ پہنچایا جاسکتا ہو اس سے صرف نظر نہ کیا جائے، نیز جملہ اس طرف بھی ارشاد کرتا ہے کہ اگر کوئی دیوانہ یہ کہے کہ میں نے زنا کیا ہے تو اس کے اقرار کا اعتبار نہیں ہوگا اور نہ اس پر حد جاری کی جائے گی۔

”کیا تو محسن ہے؟“ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس جملہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ امام دقت و حاکم یا قاضی پر لازم ہے کہ وہ ان چیزوں کے بارہ میں تحقیق کر لے جو سزا جرم (سنگساری) کے نفاذ کے لئے شرط ہیں جیسے محسن ہو یا غیور، خواہ زنا کا جرم خود اس کے اقرار سے ثابت ہو چکا ہو یا گواہوں کے ذریعہ ثابت کیا گیا ہو۔ نیز اس ارشاد سے کنا یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایسا شخص اپنے اقرار سے رجوع کرے تو اس کو معافی دے کر زنا کی حد ساقط کر دی جائے۔

”وہ بھاگ کھڑا ہوا۔“ ابن ہشامؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی مرد کو کسی بھی حد یا تعزیر میں مارا جائے تو کھڑا کر کے مارا جائے نہ کہ گرا کر مارا جائے اور عورت کو بٹھا کر مارا جائے بلکہ اگر کسی عورت کو جہم کی سزا دی جا رہی ہو تو بہتر یہ ہے کہ ایک گڑھا کھود کر اس میں اس کو (سینہ) تک گاڑ کر سنگسار کیا جائے کیونکہ اس میں اس کے ستر (پردہ پوشی) کی زیادہ رعایت ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے غدیہ کے لئے گڑھا کھدوایا تھا۔

”یہاں تک کہ ہم نے اس کو حرہ میں جا کر پکڑا“ اس بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر سنگسار کیا جانے والا سنگساری کے دوران بھاگ کھڑا ہو تو اس کا پیچ نہ کیا جائے بشرطیکہ اس کے جرم زنا خود اس کے اقرار سے ثابت ہو، اور اگر اس کا جرم زنا گواہوں کے ذریعہ ثابت ہوا ہو تو پھر اس کا پیچا کیا جائے اور اس کو سنگسار کیا جائے یہاں تک کہ وہ مرجائے کیونکہ اس کا بھگنا دراصل اس کے رجوع

(جرم سے انکار کو ظاہر کرتا ہے اور یہ رجوع کا آمد نہیں ہوگا۔

نووی کہتے ہیں کہ علماء نے لکھا ہے کہ اس جملہ فرجہ بالمصلیٰ (چنانچہ اس کو عید گاہ میں سنگدہ کیا گیا) میں مصلیٰ سے مراد وہ جگہ ہے جہاں جنازے کی نماز پڑھی جاتی تھی، چنانچہ ایک روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

بخاری وغیرہ کہتے ہیں کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس جگہ جتھرے اور عیدین کی نماز پڑھی جاتی ہو اگر اس کو مسجد قرار نہ دیا گیا ہو تو وہ جگہ مسجد کے حکم میں نہیں ہوتی کیونکہ جنازہ یا عیدین کی نماز پڑھنے کی جگہ کا وہی حکم ہو تا جو مسجد کا ہوتا ہے تو اس جگہ کو خون سے آلودہ ہونے سے بچانے کے لئے اور اس کی شدتیں و احرام کے پیش نظر وہاں زانی کو سنگسار نہ کیا جاتا۔

مساجد میں حدود تعزیر جاری نہ کی جائیں: علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ مسجد میں کسی پر کوئی حد جاری کی جائے اور نہ کسی کو کوئی تعزیر دی جائے کیونکہ اس پر تمام علماء کا اجماع و اتفاق ہے اور اس کی بنیاد آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے۔

قال جبروا مساجدکم صحنانکم ومجانینکم ورفع اصواتکم وشرانکم وبيع واقامة حد و دکم وحملوہا فی جمعکم وضعہا علی ابوابہا المظاہر۔

”آپ ﷺ نے فرمایا تم اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں سے، دیوانوں سے، شور مچانے سے، خرید و فروخت کرنے سے اور حد قائم کرنے سے بچانے رکھو، اور جمعہ کے دن مسجدوں کو اگر کی دھونی دو تیر مسجدوں کے دروازوں پر طہارت (وضو) کی جگہ بناؤ۔“

جب تک زانی کے بارہ میں پوری تحقیق نہ کر لو اس کی سزا کا فیصلہ نہ کرو

② وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا أَتَى مَا عَزَّ بَنُو مَالِكٍ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ لَعَلَّكَ قَبِلْتَ أَوْ عَمَرْتَ أَوْ نَظَرْتَ قَالَ لَا يَأْزِمُكَ اللَّهُ قَالَ أَبَيْتُهَا لَا يَكُنِّي قَالَ نَعَمْ فَعِنْدَ ذَلِكَ أَمَرَ بِرَجْعِهِ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب امیر ابن مالکؓ نبی کریم ﷺ کے پاس (مسجد نبویؐ میں) آئے اور کہا کہ ”مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ شہادت تم نے اجنبیہ کا پور لیا ہو گا یا اس کو شہوت کے ساتھ چھو ا ہو گا یا دیکھا ہو گا یعنی یہ چیزیں زنا کا باعث بنتی ہیں تم ان میں سے کوئی حرکت کر گزرے ہو گے اور اب اسی کو زنا سے تعبیر کر رہے ہو“ انہوں نے عرض کیا کہ ”کیس“ یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے جماع کیا ہے۔ اور راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ بات اشارے میں نہیں پوچھی بلکہ صاف لفظوں میں پوچھا کہ کیا واقعی تم نے زنا کیا ہے؟ مارتے کہا کہ ہاں میں نے جماع کیا ہو۔“ اس تحقیق و تفتیش کے بعد آپ ﷺ نے امیر کو سنگسار کئے جانے کا حکم فرمایا۔“ (بخاری)

اقامت جہ گناہ کو ساقط کر دیتی ہے

① وَعَنْ بَرِئَةَ قَالَ جَاءَ مَا عَزَّ بَنُو مَالِكٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ طَهَّرْنِي فَقَالَ وَيَحْثُكَ إِنْ جِئْتَ فَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ وَتُبْ إِلَيْهِ قَالَ فَرَجَعَ غَيْرَ بَعِيدٍ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ طَهَّرْنِي فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِثْلَ ذَلِكَ حَتَّى إِذَا كَانَتِ الرَّابِعَةُ قَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَ أَطْهَرُكَ قَالَ مِنَ الزَّنا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبِى حُزْنٌ فَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ لَيْسَ بِمُحْضُونٍ فَقَالَ أَشْرَبَ حَمْرًا فَقَامَ رَجُلٌ فَاسْتَسْكَنَهُ فَلَمْ يَجِدْ مِنْهُ رِيحَ خَمْرٍ فَقَالَ أَرَأَيْتَ قَالَ نَعَمْ فَأَمَرَ بِهِ فَرَجَمَ فَلْيَسُوا يَوْمَئِذٍ أَوْ ثَلَاثَةً ثُمَّ جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اسْتَغْفِرُوا لِمَا عَزَّ بَنُو مَالِكٍ لَقَدْ نَابَ تَوْبَةً لَوْ قُبِلَتْ بَيْنَ أُمَّةٍ لَوْ سَعَتْهُمْ ثُمَّ جَاءَهُ إِفْرَاءٌ مِنْ غَامِدٍ مِنَ الْأَزْدِ فَقَالَتْ يَ رَسُولَ اللَّهِ طَهَّرْنِي فَقَالَ وَيَحْثُكَ إِنْ جِئْتَ فَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ وَتُبْ إِلَيْهِ فَقَالَتْ تَوْبَتِي أَنْ تَرُدَّ ذَنْبِي كَمَا رَدَدْتَ مَاعِرِسَ

مالک! اِنَّا خُبِّلِي مِنَ الزَّيْنِ فَقَالَ اَنْتَ؟ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ لَهَا حَتَّى تَضَعِي مَا فِيكَ تَطْلُقُ قَالَ فَكَفَّلَهَا زَجَلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ حَتَّى وَضَعَتْ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ قَدْ وَضَعْتُ الْعَامِيَّةَ فَقَالَ اِذَا لَا تُرَحِمُهَا وَنَدَعُ وَلَهَا ضَعِيزًا لَيْسَ لَهُ مِنْ يَرْضَعُهُ فَنَامَ وَرَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ اِلَى رَضَاعَةٍ يَأْتِيكَ اللَّهُ قَالَ فَرَحِمَهَا وَفِي رِوَايَةٍ اِنَّهُ قَالَ لَهَا اَذْهَبِي حَتَّى تَلِدِي فَلَمَّا وَلَدَتْ قَالَ اَذْهَبِي فَارْضَعِيهِ حَتَّى تَقْطِعِيهِ فَلَمَّا قَطَعْتَهُ اِنَّهُ بِالضُّبِّي وَفِي يَدِهِ كِسْفَةٌ خُبْرٍ فَقَالَتْ هَذَا نَبِيُّ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) قَدْ قَطَعْتُهُ وَقَدْ أَكَلَ الطَّعَامَ فَذَفَعَ الصَّبِيَّ إِلَى رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ثُمَّ أَمْرَ بِهَا فَخَفِزَ لَهَا إِلَى صَدْرِهَا وَأَمَرَ النَّاسَ فَرَحِمُوْهَا فَتَقَبَّلَ حَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ بِحَبْرٍ فَرَضَى رَأْسُهَا فَتَنْصَحَ الدَّمُ عَلَى وَجْهِ خَالِدٍ فَسَبَّحَهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا بَنُو الْوَلَدِ نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ ثَابَتْ تَوْبَةُ لَوْ نَا بِهَا صَاحِبُ مَكْنَسٍ لَغَفِرَ لَهُ ثُمَّ أَمْرَ بِهَا فَصَلَّى عَلَيْهَا وَذَلِّسَتْ (رواه مسلم)

”اور حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عازن بن مالک آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے یعنی (مجھ سے جو گناہ سرزد ہو گیا ہے اس کی حد جاری کر کے میرے اس گناہ کی معافی کا سبب بن جائے) آپ ﷺ نے فرمایا مجھ پر افسوس ہے واپس جاتی رہنا کے ذریعہ استغفار کرو اور دل سے توبہ کر راہی کہتے ہیں وہ چلا گیا اور تھوڑی دور جا کر پھر واپس آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے، نبی کریم ﷺ نے وہی الفاظ فرمائے جو پہلے فرمائے تھے، پھر مرتبہ اسی طرح ہوا اور جب چوتھی بار عازن نے کہا کہ یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے، تو رسول کریم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ میں تجھے کسی چیز سے اور کس وجہ سے پاک کروں؟ اس نے کہا کہ (حد جاری کر کے) ازان کے گناہ سے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی بات سن کر صحابہؓ سے فرمایا کہ کیا یہ دیوانہ ہے؟ (صحابہؓ کی طرف سے) آنحضرت ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ دیوانہ نہیں ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ کیا اس نے شراب پی رہی ہے؟ (ایہ سن کر ایک شخص نے کھڑے ہو کر اس کا منہ سوجھا تاکہ مطمئن ہو جائے کہ اس نے شراب پی رہی ہے یا نہیں) لیکن شراب کی بو نہیں پائی گئی، آنحضرت ﷺ نے پھر عازن سے پوچھا کہ کیا (واقعی) اتنے زنا کیا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں! اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس کو سنگسار کئے جانے کا حکم دیا چنانچہ اس کو سنگسار کر دیا گیا دو تین روز ای طرح گذر گئے تھے جتنی نبویؐ میں ماضی سنگسار کی بارے میں دو تین دن تک کوئی ذکر نہیں ہوا پھر (ایک دن) رسول کریم ﷺ شریف لائے تو فرمایا کہ تم لوگ حاضر کے درجہ کی بلندی کے لئے دعا کرو بلاشبہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس کے ثواب کو پوری امت پر تقسیم کیا جائے تو وہ سب کے لئے کافی ہو جائے۔ پھر اس کے بعد (ایک دن) ایک عورت جو قبیلہ ازد کے ایک خاندان غلامہ میں سے تھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تجھ پر افسوس ہے، واپس جا اور اللہ سے استغفار توبہ کر۔ اس عورت نے عرض کیا کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ جس طرح آپ ﷺ نے عازن بن مالک کو پہلی دفعہ واپس کر دیا تھا اسی طرح مجھ کو بھی واپس کر دیں؟ اور دراصل ایک (میں) اڑھ عورت (ہوں) جو ازان کے ذریعہ حاملہ ہے لہذا اس اقرار کے بعد میرے انگار کی محاش گئی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تو (یعنی آنحضرت ﷺ) نے ایک طرح سے اپنے غافل کو ظاہر کرنے اور اس کو اقرار ازان سے رجوع کرنے کا ایک اور موقع دینے کے لئے فرمایا کہ تو کیا کہہ رہی ہے؟ کیا تو ازان کے ذریعہ حاملہ ہے؟ اس عورت نے اس کے باوجود اپنے اقرار پر اصرار کیا اور کہا کہ ”ہاں“ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا تو اس وقت تک انتظار کر جب تک کہ تو اپنے بچہ کی ولادت سے فارغ نہ ہو جائے۔ راوی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے بعد ایک انصاری نے اس عورت کی خبر گیری اور کلمات کا اس وقت تک کے لئے ذمہ لے لیا جب تک کہ وہ ولادت سے فارغ نہ ہو جائے اور پھر کچھ عرصہ کے بعد اس شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ وہ غلامیہ عورت ولادت سے فارغ ہو گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہم ابھی اس کو سنگسار نہیں کریں گے اور اس کے کفن سے بچے کو اس حالت میں نہیں چھوڑیں گے کہ کوئی اس کو دودھ پلانے والا نہ ہو۔ یعنی اگر ہم نے اس کو ابھی سنگسار کر دیا تو اس کا بچہ جو شیر خوار اور بہت چھوٹا ہے ہلاک ہو جائے گا

کیونکہ اس کی ماں کے بعد اس کی خبر گیری کرنے والا کوئی نہیں ہے اس لئے ابھی اس کو سنگسار کرنا مناسب نہیں ہے۔ ایک اور قصہ داری (یہ سن کر کمزور ہوا اور اس نے عرض کیا کہ "یار رسول اللہ! اس بچے کے دودھ پلانے اور اس کی خبر گیری کا شیئہ ضرور ہوں" راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو سنگسار کیا یعنی اس کو سنگسار کئے جانے کا حکم دیا اور وہ سنگسار کی گئی۔ ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس عورت سے فرمایا کہ جا جب تک کہ ولادت سے فارغ نہ ہو جائے (انتظار کر) پھر جب ولادت سے فارغ ہوگی تو آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اس بچے کو دودھ پلانا تاکہ تو اس کا دودھ چمڑائے اور پھر جب اس نے بچہ کا دودھ بھی چمڑا دیا تو اس بچے کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئی اس وقت اس کے بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا اس نے عرض کیا کہ یار رسول اللہ! میں نے اس بچہ کا دودھ چمڑا دیا ہے یہ اب روٹی کھانے لگا ہے! آنحضرت ﷺ نے اس بچے کو ایک مسلمان کے حوالے کیا اور اس عورت کے لئے حکم فرمایا کہ ایک گڑھا کھودا جائے جو اس کے سینہ تک کھودا جائے جب اس کے سینہ تک گڑھا کھود دیا گیا تو آپ ﷺ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور اس کو سنگسار کیا گیا اس کی سنگساری کے دوران جب حضرت خالد ابن ولیدؓ نے ایک چھرا اس کے سر پر مارا اور اس کے سر کا خون حضرت خالدؓ کے منہ پر گر پڑا تو حضرت خالدؓ اس کو برا بھلا کہنے لگے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ خالد! اس کی بخشش ہو چکی ہے اس کو برا بھلا مت کہو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایسی توبہ (تاروا) ٹیکس لینے والا کرے تو اس کی مغفرت و بخشش ہو جائے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے اس کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا چنانچہ اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور وہ دفن کی گئی۔ (مسلم)

تشریح: بلاشبہ ماعز نے ایسی توبہ کی اس ارشاد کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے ماعز کی سعادت اور اس کی توبہ کی فضیلت کو ظاہر فرمایا کہ اس نے ایسی توبہ کی ہے جو اس مغفرت اور رحمت کو لازم کرتی ہے جس کا دامن، مخلوق خدا کی ایک بہت بڑی جماعت پر سایہ فگن ہو سکتا ہے یہاں اقامت حد (حد کے قائم ہونے) کو توبہ اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ جس طرح توبہ کے ذریعہ گنہ دہس جاتے ہیں اسی طرح حد جاری ہونے سے بھی گناہ ختم ہو جاتا ہے۔

جب تک کہ تو اپنے بچے کی ولادت سے فارغ نہ ہو جائے "ابن مالک" کہتے ہیں کہ اس ارشاد سے یہ معلوم ہوا کہ حاملہ جب تک کہ ولادت سے فارغ نہ ہو جائے اس پر حد قائم نہ کی جائے تاکہ ایک بے گناہ کو جو اس کے پیٹ میں ہے ہلاک کرنا لازم نہ آئے۔ میں نے اس کا دودھ چمڑا دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ زانیہ کو سنگسار کرنے میں اس وقت تک کی مہلت دی جائے جب تک کہ اس کا وہ بچہ جو اس کے زنا کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے اس سے مستثنیٰ نہ ہو جائے بشرطیکہ اس کی پرورش اور دیکھ بھال کرنے والا اور کوئی نہ ہو، چنانچہ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کا یہ مسلک ہے۔

اگر ایسی توبہ (تاروا) ٹیکس لینے والا کرے اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ غیر شرعی طور پر اور نامناسب طریقوں سے لوگوں سے محصول ٹیکس وصول کرتے ہیں وہ بڑے گناہگار ہیں کیونکہ اس طرح کے محصول و ٹیکس وصول کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص کا مال زور زبردستی سے اور ظلم کر کے چھین لیا جائے۔

حدیث کے آخری جملہ میں لفظ صلیٰ مسلم کے تمام راویوں سے صادر اور لام کے زیر یعنی حیضہ معروف کے ساتھ مقول ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس عورت کی نماز جنازہ پڑھی تھی جب کہ طبری کے نزدیک اور ابن ابی شیبہ اور ابو داؤد کی روایت میں یہ لفظ صمد کے پیش اور لام کے زیر یعنی حیضہ مجہول کے ساتھ مقول ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کی نماز جنازہ دوسرے لوگوں نے پڑھی آنحضرت ﷺ نے نہیں پڑھی چنانچہ ابو داؤد کی روایت میں تو صراحت کے ساتھ یہ مقول ہے کہ لم یصل علیہا یعنی آنحضرت ﷺ نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی بلکہ آپ ﷺ نے لوگوں کو اس کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا، اسی وجہ سے ائمہ کے ہاں سنگسار کئے جانے والے کی نماز جنازہ پڑھنے کے بارے میں سخت لٹائی، قوال ہیں۔ چنانچہ امام مالکؒ کے ہاں اس کی نماز جنازہ

پڑھنا مکروہ ہے اور حضرت امام احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ امام وقت اور اہل فضل نہ چرخیں دوسرے لوگ چڑھ سکتے ہیں لیکن حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اس کی نماز جنازہ چڑھی جائے بلکہ ہر اس شخص کی نماز جنازہ چڑھی جائے جو کلمہ گوار اور اہل قبلہ ہو اگرچہ وہ قاتل و فاجر ہو یا اس پر حد قائم کی گئی ہو نیز ایک روایت میں حضرت امام احمدؒ سے بھی ایسی معقول ہے۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ صحیح مسلم کے تمام راویوں نے لفظ "معلیٰ" کو صادر اور لام کے زیر یعنی صیغہ معروف کے ساتھ نقل کیا ہے جب کہ طبریؒ کے نزدیک یہ لفظ صاؤ کے پیش یعنی صیغہ مجہول کے ساتھ ہے نیز ابن ابی شیبہؒ ابو داؤد اور امام نوویؒ نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے لہذا اس بارہ میں یہ بات کہنی زیادہ مناسب ہے کہ یہ لفظ اصل میں توصیہ معروف ہی کے ساتھ ہے البتہ باتیں کے الفاظ ثم امر بہا اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو اس عورت کے جنازہ کو نہ لانے کفنانے اور نماز جنازہ چڑھنے کی جگہ لانے کا حکم دیا، چنانچہ اس کی تائید اس عبارت سے ہوتی ہے جو مسلم کی روایت میں ہے کہ امر بہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرجعت ثم صلی علیہا فقال لہ عمر تصلی علیہا یا نبی اللہ فقلت یہ روایت صراحت کے ساتھ یہ ثابت کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ اس کے جنازہ کی نماز چڑھی تھی۔ اور ابو داؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ثم امر ہم بصلو علیہا (یعنی پھر آپ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ اس کی نماز جنازہ چڑھی جائے، قاضی عیاضؒ نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ اگرچہ مسلم نے اپنی روایت میں آنحضرت ﷺ کا حاذ ابن مالک کے جنازہ کی نماز پڑھنا ذکر نہیں کیا ہے لیکن بخاریؒ نے اس کو ذکر کیا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ جب مسلم کے اکثر راویوں نے لفظ "معلیٰ" صیغہ معروف کے ساتھ نقل کیا ہے تو یہاں صاحب مشکوٰۃ نے اس لفظ کو صیغہ مجہول کے ساتھ کیوں نقل کیا؟ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اگرچہ اثبات، نفی پر مقدم ہوتا ہے اس اعتبار سے صاحب مشکوٰۃ کو یہ لفظ صیغہ معروف کے ساتھ نقل کر کے اثبات کو ترجیح دینا چاہئے تھا لیکن جب انہوں نے متعدد صحیح نسخوں میں دیکھا کہ اس بارہ میں مختلف روایات ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس عورت کے جنازہ کی نماز چڑھی یا نہیں چڑھی تو انہوں نے لفظ معلیٰ کو صیغہ مجہول کے ساتھ نقل کرنے کو ترجیح دی تاکہ اس صورت میں دونوں ہی احتمال ملحوظ رہیں لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ صورت ایہم سے خالی نہیں ہے اس لئے اس بارہ میں اوئی اور پھر یہی ہے کہ جہور کی متابعت اور نقل مشہور کی موافقت کے پیش نظر اس لفظ کو صیغہ معروف ہی کے ساتھ قبول کیا جائے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی نماز جنازہ چڑھی تھی۔

بہر کیف یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حد، اس گناہ کو ختم کر دیتی ہے جس کی سزائیں اس کا نفاذ و اجراء ہوتا ہے مثلاً اگر زیہ زنا کا مرتکب ہوا اور اس کے اس جرم کی سزائیں اس پر حد جاری کی جائے تو وہ زنا کے گناہ سے بری ہو جائے گا اور آخرت میں اس سے اس زنا پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

ایک بات اور نوویؒ کہتے ہیں کہ (یہاں اس عورت کے بارے میں دور دہائیں نقل کی گئی ہیں ادرا) بظاہر دوسری روایت پہلی روایت کے مخالف ہے کیونکہ دوسری روایت سے تو صراحت یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت کو اس وقت سنگسار کیا گیا جب اس عورت نے اپنے بچے کا دودھ چھڑا دیا تھا اور وہ روئی کھانے لگا تھا لیکن پہلی روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بچے کی ولادت کے بعد ہی سنگسار کر دیا گیا تھا، لہذا دوسری روایت کے صریح مفہوم کے پیش نظر پہلی روایت کی تاویل کرنی ضروری ہوتی تاکہ دونوں روایتوں کا مفہوم یکساں ہو جائے کیونکہ دونوں روایتوں کا تعلق ایک ہی واقعہ سے ہے اور دونوں ہی روایتیں صحیح ہیں۔ پس تاویل یہ ہے کہ پہلی روایت میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک انصاری نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں اس بچے کو دودھ پلانے کا ذمہ دار ہوں تو انہوں نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب کہ اس عورت نے اپنے بچے کا دودھ چھڑا دیا تھا، اور دودھ پلانے کا ذمہ دار ہونے سے اس کی مراد یہ تھی کہ میں اس بچہ کی کفالت اور پرورش کی ذمہ داری لیتا ہوں اور اپنے اس مفہوم کو انہوں نے مجازاً دودھ پلانے سے تعبیر کیا۔

بدکار لونڈی کی سزا

⑨ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا زَلَّتْ أَمَةٌ أَحَدَكُمْ فَتَشِيزْ رِثَاها فَلْيَجْلِدْها
الْخَدَوَيْنِ لَا يَنْتَرِبَ عَلَيْها ثُمَّ إِنْ زَلَّتْ فَلْيَجْلِدْها الْخَدَوَيْنِ لَا يَنْتَرِبَ ثُمَّ إِنْ زَلَّتْ الثَّالِثَةَ فَتَشِيزْ رِثَاها فَلْيَجْلِدْها وَلْيُؤْجِبْ مِنْ
شَعْرَةٍ أَشْفَلِ مِنْهُ

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر تم میں سے کسی شخص کی لونڈی زنا کی مرتکب ہو
اور اس کا رونا ظاہر ہو جائے (یعنی اس کی زنا کاری ثابت ہو جائے) تو وہ اس پر حد جاری کرے اور اس کو عار نہ دلائے اگر وہ پھر زنا کی مرتکب
ہو تو اس پر حد جاری کرے اور اس کو عار نہ دلائے۔ اور اگر وہ تیسری مرتبہ زنا کی مرتکب ہو اور اس کی زنا کاری ظاہر ثابت ہو جائے تو اب
اس کو چاہئے کہ وہ اس لونڈی کو بیچ ڈالے مگر یہ بالوں کی ری (یعنی حقیر ترین چیز) ہی کے بدلے کیوں نہ بیچنا پڑے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: تو اودہ اس پر حد جاری کرے، یعنی اس کو بیچ اس کوڑے مارے یا یہ واضح رہے کہ لونڈی غلام کی حد، آزاد مرد عورت کی بہ نسبت
آدھی حد ہے اور لونڈی غلام کے لئے سنگسار کی سزا شروع نہیں ہے۔ حضرت امام شافعیؒ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ آقا
کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مملوک پر خود بخود حد جاری کرے جب کہ حقی علماء کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے، ان کے نزدیک یہ حکم وہ
اس پر حد جاری کرے دراصل سبب پر محمول ہے یعنی اس حکم کا مطلب یہ ہے کہ آقا اپنی زنا کار لونڈی پر حد جاری ہونے کا سبب اور واسطہ
بنے باقی طور کہ وہ اس لونڈی کو حاکم کے سامنے پیش کر دے تاکہ وہ اس پر حد جاری کرے۔

اور اس کو عار نہ دلائے کا مطلب یہ ہے کہ حد جاری ہو جانے کے بعد اس لونڈی پر لعن طعن نہ کرے اور نہ اس کو حد جاری ہونے کی
عار وغیرہ دلائے کیونکہ جب اس نے حد کی صورت میں اپنے گناہ کا کفارہ بھردیا اور وہ گناہ سے پاک ہوگئی تو اب اس پر لعن طعن کب اور
اسے عار کیوں دلائی جائے! اور یہ حکم خاص طور پر لونڈی ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ آزاد کا بھی یہی حکم ہے لیکن لونڈیاں چونکہ تو بیع و سرز نش
کا محل ہوتی ہیں اس لئے خاص طور پر لونڈی کے بارہ میں یہ حکم بیان کیا گیا۔

وہ اس لونڈی کو بیچ ڈالے کا مطلب یہ ہے کہ چاہے تو حد جاری کرنے کے بعد اس کو بیچے اور چاہے حد جاری کرنے سے پہلے ہی بیچ
وہ لیکن حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حد جاری کرنے سے پہلے ہی بیچ دینا چاہئے۔
امام نوویؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ قاتل و قاتلہ اور اہل محاسن کے ساتھ رعین سن کو ترک کر دینا اور اس طرح
کی لونڈی کو بیچ دینا مستحب ہے لیکن علماء خواہر کے نزدیک واجب ہے۔

مریض پر حد جاری کرنے کا مسئلہ

⑩ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللَّهَ أَوْ قَاتِلُوا عَلَىٰ أَرْقَابِكُمُ الْخُدَعَنَ أَخَصَصْ مِنْهُمُ وَفَرَنْ لَمْ يَخْصِصْ فَإِنَّ أَمَةً لَوْ سَوَّلَ اللَّهُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَلَّتْ فَأَمْرَيْنِ أَنْ أَجْلِدْها فَلَا هِيَ حَدِيثٌ عَنْهُ يَنْفَاسٌ فَخَشِيتُ أَنْ أَجْلِدْها أَنْ أَكْثَلْها
فَلَمْ تَكُنْ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَحْسَنْتَ - زَوَاهِ مُسْلِمٌ - وَفِي رِوَايَةِ أَبِي دَاوُدَ قَالَ دَعَاها حَتَّى يَنْقَطِعَ
دُمُها ثُمَّ أَقِمَ عَلَيْها الْخَدَوَيْنِ الْخُدَوَيْنِ الْخُدَوَيْنِ عَلَى مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ

”اور حضرت علیؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا ”لوگو! اپنے غلام لونڈیوں پر حد جاری کرو یعنی اگر وہ زنا کے مرتکب ہوں تو
پچاس کوڑے مارو خواہ وہ عمن یعنی شادی شدہ ہوں یا غیر محسن۔“ رسول کریم ﷺ کی ایک لونڈی نے زنا کا ارتکاب کیا تو
آنحضرت ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں اس پر حد جاری کروں مگر جب مجھے معلوم ہوا کہ ابھی حال ہی میں اس کے ولادت ہوئی ہے تو مجھے

اندیشہ ہوا کہ اگر میں اس کے پیچاس کوڑے مارتا ہوں تو وہ مر جائے گی چنانچہ میں نے نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اچھا کیا کہ اس حالت میں اس پر حد جاری نہیں کی۔ (مسلم)

اور ابو داؤد کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (جب حضرت علیؓ نے آنحضرت ﷺ سے اس بارہ میں ذکر کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تک کہ اس کا نفاس کا خون بند نہ ہو جائے اس وقت تک کے لئے اسے چھوڑ دو اس کے بعد اس پر حد جاری کرو اور اپنے بردوں غلام لونڈیوں پر حد جاری کیا کرو۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حد کی سزا اور عورت اگر نفاس کی حالت میں ہو تو اس پر اس وقت تک حد جاری نہ کی جائے جب تک کہ وہ نفاس سے فارغ نہ ہو جائے کیونکہ نفاس ایک طرح کا مرض ہے اور مریض کو اس کے اچھا ہونے تک مہلت دینی چاہئے۔ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مریض، زنا کا مرتکب ہو اور اس کے محسن شادی شدہ ہونے کی وجہ سے اس کو رجم سنگری کا سزا اور گرد آنا چکا ہو تو اس کو ای مرض کی حالت میں رجم کیا جائے اور اگر اس کے غیر محسن غیر شادی شدہ ہونے کی وجہ سے اس کو کوڑے مارے جانے کا سزا وار گرد آنا گیا ہو تو پھر اس کو اس وقت تک کوڑے نہ مارے جائیں جب تک کہ وہ اچھا نہ ہو جائے ہاں اگر وہ کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جس سے شہیے کی امید نہ کی جاتی ہو جیسے دق و غیرہ یا وہ ناقص و ضعیف الفتق ہو تو اس صورت میں حضرت امام اعظمؒ ابو حنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ سزا پوری کرنے کے لئے اس کو کھجور کی کسی ایسی بڑی شاخ سے مارا جائے جس میں چھوٹی چھوٹی سو ٹہنیاں ہوں اور وہ شاخ اس کو ایک وقفہ اس طرح ماری جائے کہ اس کی ایک ایک ٹہنی اس کے بدن پر لگ جائے اسی لئے کہا گیا ہے کہ اس مقصد کے لئے پھیلی ہوئی شاخ استعمال کرنا ضروری ہے۔

یہ بھی ٹھوسا ہے کہ تنف کے خوف سے کوڑے مارنے کی حد نہ تو شدید گزری میں جاری کی جائے اور نہ سخت جاوے میں بلکہ اس کے لئے معتدل موسم کا انتظار کیا جائے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

اگر زنا کا اقراری مجرم اپنے اقرار سے رجوع کر لے تو حد ساقط ہو جائے گی یا نہیں؟

⑪ عن ابنِ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ مَا عَزَّ الْأَنْسَلَمِيُّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّهُ قَدَرَسِيَ فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَ مِنْ شِقْبِهِ الْأَخَرُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهُ قَدَرَسَنِي فَأَعْرَضَ فِيهِ الرَّابِعَةَ فَأُخْرِجَ إِلَى الْحَوْرَةِ فَرَجَمَ بِالْحِجَارَةِ فَلَمَّا وَجَدَ مَشَّ الْحِجَارَةَ فَرَقَّ شِدَّةً حَتَّى مَزَّيْرُ جَبَلٍ مَعَهُ لَحْزِي جَبَلٍ فَفَضَرَتْ بِهِ وَضَرْبَةَ الثَّامِسِ حَتَّى مَاتَ فَلَمْ تَكُنْ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ لَفَرَّجَنِي وَجَدَ مَشَّ الْحِجَارَةَ وَمَشَّ الْمَوْتِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَّا تَرَكْتُمْوهَ زَوْاهَ الْبَرِّ مَبْدِي وَأَبْنِي مَاجِدَةً وَلَئِنْ رَوَاةُ هَلَّا تَرَكْتُمْوهَ لَعَلَّهَ أَنْ يَتُوبَ اللَّهُ عَلَيْهِ.

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ماہز انسؓ نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ اس نے (یعنی میں نے) زنا کیا ہے، یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے اپنا منہ اس کی طرف سے پھیر لیا اور دوسری جانب سے گھوم کر یہی تبدیلی مجلس کر کے پھر آپ ﷺ کے سامنے آیا اور کہا کہ اس نے زنا کیا ہے آنحضرت ﷺ نے پھر اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور وہ بھی پھر دوسری جانب سے گھوم کر آپ ﷺ کے سامنے آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! اس نے زنا کیا ہے! آخر کار جو تہی مرتبہ میں آنحضرت ﷺ نے اس کی سنگاری کا حکم صادر فرمایا، چنانچہ اس کو حرمہ لایا گیا جو مرد کا کالے پتروں والا صفاتی علاقہ ہے اور اس کو پھر مارے جانے لگے جب اسے پتروں کی چوٹ لگنے لگی تو بھاگ کھڑا ہوا یہاں تک کہ وہ ایک شخص کے پاس سے گذرا جس کے ہاتھ میں اونٹن کے جڑے کی ہڈی تھی اس شخص نے کی جڑے کی ہڈی

سے اس کو مارا اور دوسرے لوگوں نے بھی دوسری چیزوں سے اس کو مارا تا آنکہ وہ مر گیا۔ جب صحابہؓ نے رسول کریم ﷺ سے یہ ذکر کیا کہ وہ پتھروں کی چوٹ کھا کر اور موت کی سختی کو بھگ کر بھاگ کھڑا ہوا تھا لیکن ہم نے اس کا بچہا کر کے سنگسار کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا؟" (ترمذی، ابن ماجہ)

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ ذکر سن کر فرمایا کہ تم لوگوں نے اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا، بہت ممکن تھا کہ وہ توبہ کر لیتا اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا۔

تشریح: یثرب فیسوب اللہ علیہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ تو اپنے اس برے فعل سے رجوع کرتا (یعنی نہ امت و شرمساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنے اس گناہ کی معافی چاہتا اور اللہ تعالیٰ قبولیت توبہ کے ساتھ اس پر رجوع کرتا یعنی بنظر رحمت اس کی طرح حجتہ ہوتا اور اس کے گناہ کو معاف کر دیتا۔)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص پہلے اپنے ارتکاب زنا کا خود اقرار کرے۔ اور پھر بعد میں یہ کہے کہ میں نے زنا کا ارتکاب نہیں کیا ہے یا میں نے جھوٹ بولا ہے یا میں اب اپنے اقرار سے رجوع کرتا ہوں تو اس صورت میں اس سے حد ساقط ہو جائے گی، اسی طرح اگر وہ قاکم ہونے کے درمیان اپنے اقرار سے رجوع کرے تو حد کا جو حصہ باقی رہ گیا ہے وہ ساقط ہو جائے گا جب کہ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس سے حد ساقط نہیں ہوگی۔

ماعز کا اعتراف جرم

(۱۲) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَاصِمِ بْنِ مَالِكٍ أَحَقُّ مَا بَلَغْتَنِي عَنْكَ قَالَ وَمَا بَلَغْتُكَ عَنِّي قَالَ بَلَغْتَنِي أَنَّكَ قَدَوْتُمْ عَلَيَّ جَارِيَةً أَلِ فُلَانٍ قَالَ نَعَمْ فَشَهِدْتُ أَنْزَعْتُ فَتُحَدِّثُ فَاقْتَرَبَهُ فَوَجَّحَ - (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ماعز ابن مالک سے فرمایا کہ تمہارے بارے میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے فلاں شخص کی لونڈی سے زنا کیا ہے؟ ماعز نے عرض کیا کہ ہاں (یہ سچ ہے) اور اس نے یہ (چار مجلسوں میں) چار مرتبہ اقرار کیا۔ لہذا رسول کریم ﷺ نے اس کی سنگساری کا حکم فرمایا اور ان کو سنگسار کر دیا گیا۔" (مسلم)

تشریح: اس حدیث کے بارے میں صاحب مصلح پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو پہلی فصل کے بجائے یہاں دوسری فصل میں کیوں نقل کیا؟

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ماعز کے ارتکاب زنا کا علم تھا اور پھر آپ ﷺ نے اس سے اعتراف جرم کرایا جب کہ دوسری احادیث سے اس کے برخلاف ثابت ہوتا ہے؟ گویا اس اعتبار سے ان احادیث میں باہم تضاد نظر آتا ہے لہذا ان کے درمیان وجہ تطبیق یہ ہوگی کہ دراصل اس حدیث میں اختصار کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور پورا واقعہ نقل کے بغیر صرف رجم کا ذکر کیا گیا ہے جب کہ دوسری احادیث میں واقعہ کو پوری تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا چنانچہ یہ مطلب ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ماعز کے ارتکاب زنا کا علم پہلے سے ہو گا پھر بعد میں آپ ﷺ نے خود ماعز سے اس کا اقرار کرایا اور صورت وہ اختیار کی جو دوسری احادیث میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے کہ جب ماعز اپنے ارتکاب زنا کا اقرار کرتا تو آپ ﷺ اس کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیتے تھے، اس طرح آپ ﷺ نے جب گویا چار مجلسوں میں چار مرتبہ اقرار کرایا تب سنگسار کا حکم صادر فرمایا، اس اعتبار سے ان احادیث میں باہم کوئی تضاد نہیں رہا۔

دوسروں کے عیوب کی پردہ پوشی کرو

(۱۳) وَعَنْ يَزِيدَ بْنِ نَعِيمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ هَاجِرًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَقْرَبَهُ عِنْدَهُ أَنْزَعَتْ مَزَابَ فَا مَرَجَمَهُ وَقَالَ

لِهَٰذَا لَمْ يَسْتَرْزِقْ بِغُفْرَتِكَ كَانَ خَيْرًا لَّكَ قَالَ إِنَّهُ الْمُتَكَبِّرُ إِنَّ هَٰذَا إِلَّا اَهْتَمَّا عِزًّا أَنْ يَأْتِيَ التَّبَيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فِي خَيْرٍ ۝ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت نے یہ ابن نعیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ماعزؓ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے چار مجلسوں (چار مرتبہ) اپنے زنا کا اقرار کیا پانچ آنحضرت ﷺ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور اس کو سنگسار کر دیا نیز آنحضرت ﷺ نے ہزالؓ سے فرمایا کہ اگر تم ماعزؓ کو اپنے کپڑے سے چمپا لیتے یعنی اس کے زنا کے واقعہ پر پردہ ڈال دیتے اور اس کو ظاہر نہ کرتے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوتا ابن مکتدؓ جو تابعی ہیں اور اس حدیث کے ایک راوی ہیں کہتے ہیں کہ ہزالؓ ہی نے ماعزؓ سے کہا تھا کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کو اپنے واقعہ سے آگاہ کر دو۔“ (ابو داؤد)

تشریح: ہزالؓ کی ایک لونڈی تھی جس کا نام قاطرہ تھا اس کو انہوں نے آزاد کر دیا تھا اسی قاطرہ سے ماعزؓ نے زنا کا ارتکاب کیا اور جب ہزالؓ کو اس کا علم ہو گیا تو انہوں نے ماعزؓ کو تادمہ کیا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے پاس جا کر واقعہ کی اطلاع دے اور اپنے جرم کا اعتراف کر لے اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ہزالؓ سے فرمایا کہ اگر تم اس کے گناہ کا افشاء نہ کرتے بلکہ اس پر پردہ ڈال دیتے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوتا کہ اس کے سبب اللہ تعالیٰ تمہیں خیر و بھلائی سے نوازتا اور تمہارے گناہوں کی پردہ پوشی کرتا۔

کسی حاکم کو حد معاف کرنے کا اختیار حاصل نہیں

(۱۴) وَعَنْ عُمَرُو بْنِ شُعْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْعَاصِ أَنَّ زَيْنَبَ ابْنَةَ عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ تَعَاذُوا الْخُلُوفَ فِيمَا بَيْنَكُمْ فَمَا بَلَّغْتَنِي مِنْ حَدِّ قُلْتُ وَجَبَ۔ (رواہ ابو داؤد و الترمذی)

”اور حضرت عمرو بن شعیبؓ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم آپس میں اپنی حدود کو معاف و مخور نہ کرو اس سے پہلے کہ ان کی خبر مجھ تک پہنچے ہاں اگر جرم کی اطلاع مجھ تک پہنچ جائے گی اور وہ ثابت ہو جائے گا تو پھر اس پر حد جاری کرنا واجب یعنی فرض ہو جائے گا۔“ (ابو داؤد و الترمذی)

تشریح: حدود کو معاف و مخور نہ کرو یہ دراصل عوام سے خطاب ہے چنانچہ ان کو اس احسان کی تلقین کی جا رہی ہے کہ اگر تم میں سے کسی شخص سے کوئی گناہ جرم سرزد ہو جائے تو اس کا قصہ حاکم کے سامنے نہ لے جاؤ بلکہ اس سے درگزر کرو۔ ہاں اگر وہ قصہ حاکم کے پاس پہنچ جائے گا تو پھر حاکم کے لئے یہ جائز نہیں ہوتا کہ وہ اس کو معاف کر دے۔ لہذا آپ ﷺ نے اپنے ارشاد اگر جرم کی اطلاع مجھ تک پہنچ جائے گی کے ذریعہ اسی کو واضح کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اگر وہ قصہ حاکم کے پاس پہنچ جائے اور اس میں حد واجب ہوتی ہو تو اس حد کو معاف کرنا اس کے لئے جائز نہیں ہوگا۔

حدیث کا مطلق مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر کسی مملوک (غلام یا لونڈی) سے اس قسم کا کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس کے آکا کو نہ تو خود اس مملوک پر حد جاری کرنا چاہئے اور نہ اس کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ اس مملوک کو حاکم کے سامنے پیش کرے بلکہ چاہئے کہ وہ اس کو معاف کر دے۔

یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ حدیث میں ”معاف کرنے“ کا حکم دیا گیا ہے وہ وجوب کے طور پر نہیں ہے بلکہ استحباب کے طور پر ہے۔

عزت داروں کی لغزشوں سے درگزر کرنا چاہئے

(۱۵) وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَكْفَلُوا نَوِيَّ الْهَيْبَاتِ عَفْوًا بِهِمْ إِلَّا الْخُلُوفَ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا عزت داروں کی خطائیں معاف کرو علاوہ حدوں کے کہ ان کی صفائی جا کر نہیں

ہے۔ (ابو داؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر ان سے بھول چک میں کوئی گناہ سرزد ہو جائے اور تاگہانی طور پر کسی لغزش میں مبتلا ہو جائیں تو ان کو معاف کر دیا جائے، سزا و عقوبت میں مبتلا کر کے ظاہری طور پر ان کو ذلیل و رسوا مت کرو خواہ ان کی اس لغزش و گناہ کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے ہاں اگر ان سے کوئی ایسا جرم صادر ہو جس کی وجہ سے ان پر حد جاری کرنا واجب ہوتا ہو تو اس جرم کو معاف کرنے کی اجازت نہیں ہے خواہ اس جرم کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے۔ گویا اس حکم کے مخاطب دوسرے لوگ بھی ہیں نیز یہ حکم بھی احتجاج کے طور پر ہے۔

شبہ کا فائدہ طرم کو ملنا چاہئے

(N) وَهِيَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَأَوَّاهُ الْخُدُودُ عَنِ الْمُسْلِمِينَ مَا اسْتَغْنَتْكُمْ فَإِنْ كَانَ لَهُ مَخْرُجٌ فَخَلُّوا سَبِيلَهُ فَإِنَّ الْإِمَامَ أَنْ يَخْطِئَ فِي الْعَفْوِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَخْطِئَ فِي الْقَوْبَةِ. وَوَأَوَّاهُ الْقَبْرَ مَذِيئٌ وَقَالَ لَقَدْ رَوَى عَنْهَا وَلَمْ يَرَفَعْ وَهُوَ أَصَحُّ.

"اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا یہاں تک ہو سکے مسلمانوں کو حد کی سزا سے بچاؤ، اگر مسلمان (طرم) کے لئے بچاؤ کا ذرا بھی موقع نکل آئے تو اس کی راہ چھوڑ دو یعنی اس کو بری کر دو کیونکہ امام یعنی حاکم و منصف کا معاف کرنے میں خطا کرنا، سزا دینے میں خطا کرنے سے بہتر ہے امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے روایت کی گئی ہے اور اس کا سلسلہ رواۃ آنحضرت ﷺ تک جیسے پہنچایا گیا ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہؓ کا اپنا ارشاد ہے حدیث نبوی ﷺ نہیں ہے کیونکہ جس سلسلہ سند سے یہ حدیث موقوف ثابت ہوئی ہے وہ اس سلسلہ سند سے زیادہ صحیح اور قوی ہے جس سے اس کا حدیث مرفوع ہونا معلوم ہوتا ہے۔"

تشریح: اس ارشاد کے مخاطب دراصل حکام ہیں جنہیں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر کسی مسلمان کے بارے میں کوئی ایسا قضیہ ان کے پاس آئے جس کی سزا حد ہے مثلاً زنا کا قضیہ، تو انہیں چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے اس مسلمان کو "حد" سے بچانے کی کوشش کریں اور شبہ کا جو بھی موقع نکلے ہو اس کا فائدہ طرم کو پہنچائیں، یہی نہیں بلکہ وہ طرم کو عذر کی تلقین کریں یعنی اس سے پوچھیں کہ کیا تم دیوانے ہو؟ کیا تم نے شراب پی رکھی ہے؟ کیا ایسا تو نہیں ہے کہ تم نے اس عورت سے زنا کے ارٹکاب کی بجائے اس کا بوسہ لے لیا ہو یا شہوت کے ساتھ اس کو چھو لیا ہو۔ اور اب تم اس کو اپنے اقراء میں زنا سے تعبیر کر رہے ہو فرمائیے اس سے اس قسم کے سوالات کئے جائیں تاکہ وہ اس تلقین عذر کی بنا پر کوئی عذر بیان کر دے جس سے حد کا اجراء نہ ہو سکے اور وہ بری ہو جائے، چنانچہ ماخوذ وغیرہ سے آنحضرت ﷺ نے جو اس قسم کے سوالات کئے ان کا مقصد بھی تلقین عذر تھا۔

آخر میں لے جو یہ فرمایا کہ امام کے معاف کرنے میں خطا سزا دینے میں خطا کرنے سے بہتر ہے تو اس کا منشاء بھی مذکورہ بالا بات کو مبالغہ و تاکید کے ساتھ بیان کرنا ہے اور یہ واضح کرنا ہے کہ اگر کوئی حاکم کسی مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہوئے طرم کو بری کر دے اور اس کے اس فیصلہ میں کوئی غلطی ہو جائے یا وہ طرم کو سزا دینے کا فیصلہ کرے اور اس میں کوئی غلطی ہو جائے تو اگرچہ غلطی کے اعتبار سے دونوں ہی فیصلے کل نظر ہوں گے اور انصاف کے معیار پر پورے نہیں اتریں گے لیکن چونکہ طرم کی برأت میں ہر حال ایک مسلمان کی جان و عزت بچ جائے گی۔ اس لئے یہ غلطی اس غلطی سے بہتر ہوگی جو مزاکے فیصلہ میں سرزد ہو اور جس کے نتیجے میں ایک مسلمان کو اپنی جان اور عزت سے ہتھ دھونا پڑے۔

زنا بالجبر میں صرف مرد پر حد جاری ہوگی

(۱۷) وَعَنْ وَالِ بْنِ خُخْرٍ قَالَ اسْتَشْرَفَتِ امْرَأَةٌ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَرَتْ أَعْتَهَا الْخُذُودَ وَأَفَاعَتْهَا عَلَى الذَّيِّ أَصَابَهَا وَلَمْ يَذْكُرْ أَنَّهَا جَعَلَ لَهَا مَهْرًا (رواه الترمذی)

”اور حضرت واکلؓ ابن خخر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک عورت کے ساتھ زبردستی کی گئی یعنی ایک مرد نے اس سے زبردستی زنا کیا اس عورت کو توحہ سے برات دی گئی لیکن اس زنا کرنے والے پر حد جاری کی گئی۔ راوی نے یہ ذکر نہیں کیا کہ آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو زنا کرنے والے سے مہر بھی دلوا دیا۔“ (ترمذی)

تشریح: راوی کے ذکر نہ کرنے سے لازم نہیں آتا کہ ایسی صورت میں مہر واجب نہیں ہوتا کیونکہ دوسری احادیث سے یہ ثابت ہے کہ جس عورت سے زنا بالجبر کیا گیا ہو اس کے لئے مہر واجب ہوتا ہے اور یہاں ”مہر“ سے مراد ”عقر“ ہے اور ”عقر“ صحبت حرام اور صحبت تشبہ کے مابین (موضع اور بدلہ) کو کہتے ہیں اور اس کا اطلاق ایک ایسی مقدار پر ہوتا ہے کہ اگر حرام صحبت کی اجرت یعنی حلال ہوتی تو وہ مقدار واجب ہوتی۔ برجندی قادی عاصیری میں یہ لکھا ہے کہ ”عقر“ مہر مثل کو کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ زنا بالجبر کی صورت میں زنا کرنے والے مرد سے عورت کو جو رقم دلوائی جائے گی اس کی مقدار اس عورت کے مہر مثل کے برابر ہونی چاہئے۔

(۱۸) وَعَنْهُ أَنَّ امْرَأَةً خَرَجَتْ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرِيدُ الصَّلَاةَ فَتَلْقَاهَا رَجُلٌ فَتَخْلُلُهَا فَفَضَى خَاصَتَهَا مِنْهَا فَصَاحَتْ وَانْطَلَقَ وَهَزَّتْ عَصَابَةً مِنَ النَّهْجِ جَرَيْنِ فَقَالَتْ إِنَّ ذَلِكَ الرَّجُلَ فَعَلَ بِي كَذَا وَكَذَا فَاخْذُوا الرَّجُلَ فَأَتَوْاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهَا أَذْهَبِي فَقَدْ عَفَا اللَّهُ لَكَ وَقَالَ لِلرَّجُلِ الذَّيِّ وَقَعَ عَلَيْهِهَا أَنْ جُمُوعُهُ وَقَالَ لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ تَابَتْهَا أَهْلُ الْمَدِينَةِ لَقَبِلَ مِنْهُمْ۔ (رواه ابو داؤد و الترمذی)

”اور حضرت واکلؓ ابن خخر کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک دن ایک عورت نماز کے لئے گھر سے نکلی تو راستہ میں اس کو ایک شخص ملا جس نے اس پر کپڑا ڈال کر اس سے اپنی حالت پوری کر لی یعنی اس کے ساتھ زبردستی زنا کیا وہ عورت چلائی اور وہ مرد اس کو وہیں چھوڑ کر چلا گیا۔ جب کچھ مہر مجھے بے بس کر دیا اور پھر مجھ سے بدکاری کی لوگوں نے اس شخص کو پکڑ لیا اور رسول کریم ﷺ کی خدمت میں لائے اور سارا واقعہ بیان کیا آنحضرت ﷺ نے اس عورت سے قویٰ فرمایا کہ جاؤ تمیں اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے۔ (کیونکہ اس بدکاری میں نہ صرف یہ کہ تمہاری خواہش و رضا کا دخل نہیں تھا بلکہ تمہیں مجبور دے بس بھی کر دیا گیا تھا) اور جس شخص نے اس عورت سے بدکاری کی تھی اس کے حق میں یہ فیصلہ دیا کہ اس کو سنگسار کر دیا جائے یعنی اس نے اپنے جرم کا اقرار کیا اور چونکہ وہ معصن تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ اس کو سنگسار کر دو چنانچہ اس کو سنگسار کر دیا گیا۔ اس سنگسار کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص نے اپنے اوپر حد جاری کر اگر ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس طرح کی توبہ دینے والے کرتے تو ان کی توبہ قبول کی جاتی۔“

(ترمذی و ابو داؤد)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے اپنے جرم کی سزا محبت کر ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس توبہ کو اہل مدینہ کے درمیان تقسیم کیا جاتا تو نہ صرف یہ کہ ان سب کی توبہ قبول کی جاتی بلکہ اس کا ثواب سارے مدینے والوں کے لئے کافی ہو جاتا۔ گویا اس ارشاد کے ذریعہ آپ نے یہ واضح کیا کہ اس شخص نے اگرچہ شروع میں ایک بڑی بے حیائی کا ارتکاب کیا اور سخت بد کام کیا مگر جب اس پر حد جاری کر دی گئی تو وہ اپنے جرم سے پاک ہو گیا اور بخش دیا گیا۔

ایک زنانکی دو سزائیں

(۱۹) وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَجُلًا رَمَى بِامْرَأَةٍ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَلَدَ الْحَدَّثُ ثُمَّ أَحْبَزَ أَنَّهُ مُنْخَصَرٌّ فَأَمَرَهُ
فَلَوْحًا - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے زنا کیا تو نبی کریم ﷺ نے اس کو کوڑے مارے جانے کا حکم دیا، چنانچہ اس کو بطور حد، کوڑے مارے گئے۔ اس کے بعد جب آپ کو بتایا گیا کہ وہ شخص محض ہے تو آپ ﷺ نے اس کو سنسار کرنے کا حکم دیا اور وہ سنسار کر دیا گیا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے پہلے کوڑے مارنے کا جو حکم دیا اس کے بارے میں یہ بھی احتمال ہے کہ آپ کو یہ بتایا گیا ہو گا کہ وہ شخص غیر محض غیر شادی شدہ ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ کو بتایا نہیں گیا ہو گا بلکہ خود آپ ﷺ نے ہی گمان کیا ہو گا کہ یہ غیر محض ہے اس لئے آپ ﷺ نے اس کو کوڑے کی سزا دی، لیکن جب بعد میں یہ ثابت ہوا کہ یہ شخص محض ہے اور محض ہونے کی وجہ سے سنساری کا سزاوار ہے تو اس کو سنسار کرنے کا حکم دیا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اگر امام وقت (حاکم شرعی) کسی کو حد کی کوئی سزا دے اور پھر بعد میں اسے معلوم ہو کہ یہ مجرم حد کی اس سزا کا نہیں بلکہ حد کی کسی دوسری سزا کا مستوجب ہے مثلاً اس کو کوڑے مارنے کی سزا دی مگر بعد میں ثابت ہوا کہ حقیقت میں یہ سنساری کا سزاوار ہے تو اس حاکم کے لئے ضروری ہے کہ وہ دوبارہ اس سزا کو جاری کرے جس کا وہ مجرم شرعی طور پر مستوجب ہے۔

بیچارہ مجرم پر حد جاری کرنے کا طریقہ

(۲۰) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ سَعْدَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَجِلٍ كَانَ فِي الْحَيِّ مُنْخَدِحٍ سَقِيمٍ فَوَجَدَ عَلَى أَمَةِ مِنْ إِمَائِهِمْ يَخْبِثُ بِهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذْهُ وَاللَّهِ عِنْدَكَ لَا فِيهِ مَانَةٌ بِشُمْرٍ أَحَاضِرٍ نَوْهٌ صُرْنَةٌ - زَوَاهِي شَرْحِ الشُّعْرِ وَفِي زَوَاهِيهِ مَنَاجِدٌ نَحْوُهُ

”اور حضرت سعید بن سعد بن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت سعد ابن عبادہ ایک ایسے شخص کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لائے جو اپنے محلہ کا ایک ناقص الخلقہ کمزور اور بیمار شخص تھا (اور ایسا بیمار تھا کہ اس کے اچھا ہونے کی کوئی امید نہ تھی) اس شخص کو اہل محلہ کو لونڈیوں میں سے ایک لونڈی کے ساتھ زنا کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا، نبی کریم ﷺ نے اس کے بارہ میں یہ حکم صادر فرمایا کہ مجبور کی ایک ایسی (بڑی) ٹہنی جو جس میں سوچوٹی چھوٹی ٹھنڈی ہوں اور پھر اس ٹہنی سے اس شخص کو ایک دفعہ مارو (شرح اسناد) ابن ماجہ نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔“

تشریح: ”ایک دفعہ مارو“ کا مطلب یہ ہے کہ اس بڑی ٹہنی کو اس طرح ایک دفعہ مارو کہ اس کی ساری سوئیوں کی چوٹ اس کے جسم کو پہنچ جائے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام حاکم کو اس بات کی گنجبلی کرنی چاہئے کہ جس شخص کو کوڑے مارنے کی سزا دی جا رہی ہو وہ مرنے نہ جائے۔ اور یہ مسئلہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ اگر کوئی مریض کسی حد کا مستوجب ہو تو اس پر اس وقت تک حد جاری نہ کی جائے جب تک کہ وہ اچھا نہ ہو جائے اور جس مریض کے اچھا ہونے کی توقع ہی نہ ہو اس پر اس طرح حد جاری کی جائے جس طرح اس حدیث میں مذکور ہے۔

اعلام کی سزا

(۲۱) وَعَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَجَدَ ثَمْرَةً يَعْمَلُ عَمَلِ قَوْمٍ لَوْطٍ

فَقَتِلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بِهِ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

”اور حضرت عمرؓ حضرت ابن عباسؓ سے قتل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اگر تم کسی شخص کو قوم لوط کا سائل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو مار دو۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: شرح السنہ میں لکھا ہے کہ اغلام کی حد کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے زیادہ صحیح قول اور صاحبینؒ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ فاعل غلام کرنے والے کی حدودی سے جو زانی کی حد ہے یعنی اگر وہ محض ہو تو اس کو سنگسار کیا جائے اور اگر غیر محض ہو تو سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لئے جلا وطن کر دیا جائے خواہ وہ مرد ہو یا عورت جب کہ ایک جماعت کا رجحان اس طرف ہے کہ اغلام کرنے والے کو بہر صورت سنگسار کیا جائے خواہ وہ محض ہو یا غیر محض ہو حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کا قول بھی یہی ہے حضرت امام شافعیؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ فاعل و مفعول اغلام کرنے والے اور غلام کرانے والے دونوں ہی کو قتل کر دیا جائے جیسا کہ اس حدیث کے ظاہر مفہوم سے معلوم ہوتا ہے۔

اسب رہی یہ بات کہ ان کے قتل کا طریقہ کیا ہو تو بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں پر مکان گرا دیا جائے تاکہ وہ اس کے نیچے دب کر مر جائیں اور بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ان کو پہاڑ کے اوپر لے جا کر وہاں سے نیچے پھینک دیا جائے۔ اس بارہ میں حضرت امام عظیم ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اغلام کی سزا کے فیصلے کا اختیار حاکم وقت کے سپرد ہے کہ اگر وہ چاہے تو اغلام کرنے والے کو قتل کر دے جب کہ یہ برائی اس کی علت بن چکی ہو، نیز چاہے اس کو مارے اور چاہے قید خانہ میں ڈال دے۔

جانور کے ساتھ بد فعلی کرنے والے کی سزا

(۲۲) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَتَى بَهِيمَةً فَاقْتُلُوهُ وَاقْتُلُوا هَامَةً قَتِلَ لَانِ عَدَسٍ مَا شَأْنُ الْبَهِيمَةِ قَالَ مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ شَيْئًا وَلَكِنْ أَرَاهُ كَرِهَ أَنْ يُؤْكَلَ لِحُمْلِهِ أَوْ يُنْتَفَعَ بِهَا وَقَدْ فَعَلَ بِهَا ذُلْفٌ (رواہ الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی جانور کے ساتھ بد فعلی کرے اس کو قتل کر دو اور اس کے ساتھ اس جانور کو بھی قتل کر دو۔ حضرت ابن عباسؓ سے کہا گیا کہ جانور کے بارہ میں یہ حکم کیوں ہے یعنی جانور تو نوحل رکھتا ہے اور نہ وہ مکلف ہے تو اس کو قتل کرنے کا کیوں حکم ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں نے اس کی حکمت و مصلحت کے بارہ میں رسول کریم ﷺ سے تو کچھ نہیں سنا ہے البتہ میرا گمان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس بات کو ناپسند فرمایا کہ جس جانور کے ساتھ بد فعلی کی گئی ہے اس کا گوشت کھایا جائے یا اس کے دودھ بالوں اور اس کی افزائش نسل سے فائدہ اٹھایا جائے اور جب اس جانور سے کسی قسم کا کوئی فائدہ اٹھانا نہ ہو تو پھر اس کو قتل کر دینا ہی ضروری ہے۔“ (ترمذی، ابن ماجہ، ابو داؤد)

تشریح: اس کو قتل کر دو سے مراد یہ ہے کہ اس کی بہت سخت پناہی کرو۔ گویا اس کو قتل کر دینے کا حکم سخت زبردست تہدیر کے طور پر ہے اس کو واقعہ قتل کر دینا مراد نہیں ہے۔

”اس کے جانور کو بھی قتل کر دو“ اس حکم کی حکمت و علت بعض حضرات نے یہ بیان کی ہے کہ اگر وہ جانور زندہ رکھا گیا تو وہ سوسکتا ہے کہ جس شخص نے اس کے ساتھ بد فعلی کی ہے اس کا لطفہ اس کے رحم میں قرار پایا جائے اور اس کے نتیجہ میں ایک حیوان بصورت انسان پیدا ہو جائے اس لئے اس صورت حال سے بچنے کے لئے اس کو مار ڈالنا ہی ضروری ہے یا یہ کہ اس جانور کی موجودگی اس کے مالک کو دنیاوی ذلت و رسوائی سے دوچار کر سکتی ہے لہذا اس کو مار ڈالا جائے۔

شرح مظہر میں لکھا ہے کہ چاروں امام اس بات پر متفق ہیں کہ جو شخص کسی جانور کے ساتھ بد فعلی کرے اس کو قتل نہ کیا جائے بلکہ

تقریباً کوئی دوسری سزا دی جائے اور یہ حدیث زبرد و قویٰ پر محمول ہے ربی جانور کی بات تو بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ جانور ایسا ہے جس کا گوشت کھایا جاتا ہے تو اس کو قتل کر دیا جائے اور اگر اس کا گوشت نہیں کھایا جاتا تو اس کے بارہ میں دونوں صورتیں ہیں کہ اگر اس حدیث کا ظاہری مفہوم پیش نظر ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے اور اگر اس کو ملحوظ رکھا جائے کہ جانور کا گوشت کھانا مقصود یا حلال نہ ہو اس کو ذبح کرنے کی ممانعت محمول ہے تو اس جانور کو قتل نہ کیا جائے۔

اعلام، بدترین برائی ہے

(۳۲) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَى أَهْلِيْنَ غَضَبُ فُلَانٍ لُوطًا۔

(رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اپنی امت کے بارے میں مجھے سب سے زیادہ جس چیز کا خوف ہے وہ قوم لوط کا عمل (یعنی اعلام) ہے۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: یعنی مجھے اس بات کا خوف ہے کہ کہیں میری امت کے لوگ خواہشات نفسانی کا شکار ہو کر بے مبری نہ کر بیٹھیں اور اس برائی میں مبتلا ہو جائیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ یہ کام نہایت برا اور سخت قبیح ہے اور اس کی حرمت بڑی شدید ہے میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میری امت کے لوگ اس میں مبتلا نہ ہو جائیں اور اس کی وجہ سے انہیں عذاب الہی میں گرفتار ہونا پڑے۔

ایک ہی شخص کو پہلے زنا کی سزا اور پھر تہمت زنا کی سزا

(۳۳) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ زَيْدَ بْنَ جَحْشٍ بَنِيَّ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَقْرَبُ أَهْلِ زُنَى بِأَهْلِ زُنَى مَوَاتٍ فَخَلَدَهُ مَائَةً وَكَانَ يَكُونُ سَأَلَهُ النَّبِيَّةَ عَلَى الْعَرَاةِ فَقَالَتْ كَذَبَ وَاللَّهِ يَأْتِي رَسُولُ اللَّهِ فَخَلَدَ حَدَّ الْفَرْثَةِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دن بکر بن لیث کے خاندان کا ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور اقرار کیا کہ اس نے (یعنی میں نے) ایک عورت کے ساتھ چار بار یعنی چار مجلسوں میں زنا کیا ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس کو سو کوڑے لگوائے اور وہ شخص غیر محض یعنی کواہ تھا پھر آنحضرت ﷺ نے اس سے اس عورت کی زنا کاری پر کواہ طلب کئے، عورت نے عرض کیا کہ ”خدا کی قسم یا رسول اللہ! یہ شخص جھوٹ بولتا ہے“ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس شخص پر تہمت لگانے کی حد جاری کی۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”کواہ طلب کئے“ کا مطلب یہ ہے کہ جب اس شخص نے ایک عورت کے ساتھ زنا کا اقرار کیا تو اس کے اس اقرار پر اس کو زنا کی سزا دی گئی یعنی اس کے سو کوڑے مارے گئے اور چونکہ یہ بات اس عورت کو بھی زنا کا مرکب گرد آتی تھی اس لئے آنحضرتؐ نے اس شخص سے کہا کہ اب تم ایسے کواہوں کو پیش کرو جو اس عورت کے ساتھ تمہارے زنا کو ثابت کریں مگر جب وہ شخص کواہ پیش کرنے سے عاجز رہا تو اس عورت نے یہ کہا کہ خدا کی قسم یہ شخص جھوٹا ہے یہ میری طرف زنا کی نسبت کر رہا ہے حالانکہ میں اس برائی سے پاک ہوں اس طرح اس عورت نے یہ ثابت کیا کہ اس مرد نے اس پر تہمت لگائی ہے لہذا آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو دوسری سزا تہمت لگانے کی دی یعنی اسی کوڑے مارے۔

حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے والوں کو سزا

(۳۴) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا نَزَلَ غَدْرِي قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمَيْمَنِ فَذَكَرَ ذَلِكَ فَلَمَّا نَزَلَ مِنَ الْمَيْمَنِ

أَمَرَ بِالزُّخْلِيِّ وَالْعَرَاةِ فَصَرَنُوا حَدَّهِنَّ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب میری برات نازل ہوئی یعنی عفت و پاکدامنی کے ثبوت میں آئیں نازل ہوئیں تو نبی کریم ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا اور اس کا ذکر کیا اور پھر جب آپ ﷺ منبر سے اترے تو وہ مردوں اور ایک عورت کو سزا دینے کا فیصلہ کیا چنانچہ تہمت لگانے کی ان پر مدد جاری کی گئی۔“ (ابوداؤد)

تشریح: بعض لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ پر نحوہ باللہ زنا کا بہتان لگایا تھا اور آنحضرت ﷺ کے دل میں بھی ان کی طرف سے کچھ شک پڑ گیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی برات نازل کی جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ ان کے دامن عفت و عصمت پر تہمت کے جو چھینے ڈالے گئے ان کا تعلق محض ایک سازش اور چند لوگوں کی مفسدہ پروازی سے تھا، چنانچہ جب حضرت عائشہؓ کی عفت و پاکدامنی کے ثبوت میں آئیں نازل ہوئیں جو سورہ نور میں ہیں تو آنحضرت ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور یہ اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حرم نبوی ﷺ کی تقدیس و حرمت کی لاج رکھ لی ہے اور عائشہ کو عفت و پاکدامنی قرار دیا ہے اور اس کے ثبوت میں آپ نے نازل ہونے والی آیتوں کا ذکر کیا پھر منبر سے اترتے ہی آپ نے ان لوگوں پر حد و قذف تہمت لگانے کی شرعی سزا کہ وہ اسی کوڑے ہیں جاری کرنے کا حکم دیا جنہوں نے اس ناپاک سازش میں حصہ لیا تھا، ان میں دو مرد تھے جن کا نام سلح اور جہان ابن ثابت تھا اور ایک عورت تھی جس کا نام حنہ بنت جہش تھا اور جو اس واقعہ میں سب سے بڑی فتنہ پرواز تھی ان سب کو اسی کوڑے مارے گئے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

زنا بالجبر میں صرف زانی حد کا سزا اور ہوگا

(۲۶) عَنْ نَافِعٍ أَنَّ صُلَيْمَةَ بِنْتَ أَبِي حَنْظِلَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ عَمْرُوًّا مِنْ زَيْتِي الْأَمَاةِ وَقَعَ عَلَى وَلِيدَةٍ مِنَ الْخُمْسِ فَاسْتَكْرَهَهَا حَتَّى افْتَضَلَهَا فَبَعَلَهُ عَمْرُوٌّ وَلَمْ يَبْعِلْهَا مِنْ أَجْلِ أَنَّهُ اسْتَكْرَهَهَا۔ (رواہ بخاری)

”حضرت نافعؓ سے روایت ہے کہ حضرت صفیہؓ بنت ابی حنظلہ نے ان سے بیان کیا کہ امارت و عداوت یعنی حضرت عمرؓ کی حکومت کے ایک غلام نے ایک ایسی لونڈی سے زنا کرنا چاہا جو مالِ نمیت کے غم میں سے تھی اور جب وہ لونڈی اس بدکاری کے لیے تیار نہیں ہوئی تو اس نے اس کے ساتھ زبردستی جماع کیا یہاں تک کہ اس کی بکارت یعنی اس کے کنوارے پن کو زائل کر دیا چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے اس کو پچاس درے لگوائے اور اس لونڈی کے ورے نہیں لگوائے یعنی اس کو اس بدکاری کی سزا نہیں دی کیونکہ اس غلام نے اس کے ساتھ زبردستی جماع کیا تھا۔“ (بخاری)

ماہر کے واقعہ زنا کی ایک اور تفصیل

(۲۷) وَعَنْ يَزِيدَ بْنِ نَعِيمٍ بْنِ هَزَالٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ يَتِيمًا فِي حَجْرٍ أَبِي فَاصَابَ حَارِثَةُ مِنَ الْخَثْعِ فَقَالَ لَهُ أَبِي انْتَبِ رَسُوْلُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبِرْهُ بِمَا صَنَعْتَ لَعَلَّكَ يَسْتَفْهِرُ لَكَ وَاسْمَا يُرِيدُ بِذَلِكَ رِخَاءً أَنْ يَكُونَ لَهُ مَخْرُجًا فَإِذَا هُوَ قَالَ يَا رَسُوْلُ اللَّهِ إِنِّي زَنَيْتُ عَلَى كِتَابِ اللَّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهُ فَقَادَ فَقَالَ يَا رَسُوْلُ اللَّهِ إِنِّي زَنَيْتُ فَأَقِمْ عَلَيَّ كِتَابَ اللَّهِ حَتَّى قَالَ أَرَزَعُ مَرَاتٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكَ قَدْ قُلْتَهَا أَرَزَعُ مَرَاتٍ فَحَسَنَ قَالَ بِلَايَةٍ قَالَ هَلْ صَاحَبْتَهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ بَاشَرْتَهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ جَامَعْتَهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَمُرْ بِهِ أَنْ يُرْحَمَ فَأُخْرِجَ بِهِ إِلَى الْحِزَّةِ فَلَمَّا رُحِمَ فَوَجَدَ مَتَى الْجَمَاعَةَ فَجَرَعَ فَخَرَجَ يَشْتَدُّ فَلَمَقِبَهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَنَسٍ وَقَدْ عَحَرَ أَصْحَابُهُ فَرَعَ لَهُ بُوَيْطَيْبٌ يَجْعَلُ فَرَمَاهُ بِهِ فَبَعْلَتْهُ ثُمَّ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ هَلَا تَرَ كُنْهُنَّ لَعَلَّكَ أَنْ يَنْزُبَ فَيَنْزُبَ اللَّهُ عَلَيْهِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت زید ابن حنیف ابن ہزال اپنے والد حضرت ضیم ابن ہزال سے قتل کرتے ہیں کہ انہوں نے یعنی حضرت ضیم نے کہا کہ، مرا ابن مالک تیم تھا اور میرے والد حضرت ہزال کی پرورش میں تھا اس نے جوان ہو کر حد کی ایک لونڈی سے زنا کر لیا جب میرے والد کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے اس سے کہا کہ تو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں چلا جا اور جو کچھ تو نے کیا ہے وہ آپ ﷺ کو بتادے شاید آنحضرت ﷺ تیری مغفرت کی دعا کروں اور میرے والد کے اس کہنے کا اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں تھا کہ استغفار گنہ سے اس کی نجات کا سبب بن جائے یعنی میرے والد کا یہ مقصد نہیں تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے پاس جائے اور آنحضرت ﷺ اس کو سنگسار کئے جانے کا حکم دیں جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے ماعز نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے آپ مجھ پر کتاب اللہ کا حکم جاری کیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی یہ بات سن کر اپنا من اس کی طرف سے بھیر لیا وہ وہاں سے ہٹ گیا اور پھر آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے آپ مجھ پر کتاب اللہ کا حکم جاری کیجئے یہاں تک کہ اس نے یہ بات بار بار یعنی چار مجلسوں میں بھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے یہ بات چار بار کہی ہے یعنی چار بار اقرار کرنے سے تیرا جرم زنا ثابت ہو گیا ہے اب یہ بتا کہ تو نے کس کے ساتھ زنا کیا ہے اس نے نام لے کر کہا کہ فلاں عورت کے ساتھ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو اس کے ساتھ خواب یعنی ہم آغوش ہوا تھا اس نے کہا ہاں آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو نے اس کے بدن کو اپنے بدن سے لپٹا یا تھا؟ اس نے کہا ہاں آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو نے اس کے ساتھ جماع کیا تھا؟ اس نے کہا ہاں اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس کو حور لے جایا گیا اور جب وہاں سنگسار کیا جانے لگا اور اسے پتھروں کی چوٹ کتنی لگی تو وہ بدحواس ہو گیا یعنی وہ پتھروں کی چوٹ برداشت نہ کر سکا اور جہاں سنگسار کیا جا رہا تھا وہاں سے بھاگ نکلا ہوا راستہ میں اس کو عبد اللہ ابن انیس ملے جن کے ساتھی باعز کو سنگسار کرنے والے تھے تھے عبد اللہ نے اونٹ کے پاؤں کی ہڈی اٹھائی اور اس سے باعز کو مارا یہاں تک کہ انہوں نے اس کو قتل کر ڈالا اس کے بعد عبد اللہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ ﷺ کے سامنے سارا واقعہ بیان کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اس کو چھوڑ دیا نہیں دیکھا شاید وہ اپنے اقرار سے رجوع کر لیتا اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر کے سنگساری کئے بغیر ہی اس کا گنہ معاف کر دیتا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس کو حور لے جایا گیا۔ ابن ہمام کہتے ہیں کہ صحیح بخاری کی روایت میں تو یہ ہے کہ باعز کو مصلیٰ میں سنگسار کیا گیا اور مسلم اور ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ ہے کہ اس کو بقیع غرقہ لے جایا گیا ان دونوں روایتوں میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے لیکن اگر یہ بات غلط رہے کہ مصلیٰ سے نماز جنازہ پڑھنے کی جگہ مراد ہے اور نماز جنازہ پڑھنے کی جگہ وہیں بقیع غرقہ میں تھی تو پھر کوئی تضاد نہیں رہے گا رہی یہ بات کہ ترمذی کی روایت میں جو یہ موقوف ہے کہ باعز کے چوتھی بلد اقرار کرنے کے بعد اس کی سنگساری کا حکم جاری کیا گیا چنانچہ اس کو حور لے جایا گیا اور وہاں سنگسار کیا گیا جیسا کہ یہاں ابوداؤد کی روایت میں بھی ملتی ہے کہ اس کو حور لے جایا گیا تو اس کی تاویل یہ کی جائے گی کہ جب وہ پتھروں کی چوٹ کھا کر بھاگا تو اس کا پیچھا کیا گیا تاکہ اس کو حور لے جایا گیا یہ تاویل اس لئے ضروری ہے کہ پھر یہ بات صحیح ثابت نہیں ہوگی کہ باعز کو سنگسار کرنے کے لئے حور لے جایا گیا تھا کیونکہ صحاح اور حسان کی روایتیں اس بات کی مؤید ہیں کہ شروع میں باعز کو سنگسار کرنے کے لئے حرہ کی طرف نہیں لے جایا گیا تھا بلکہ جب اس کو سنگسار کیا جانے لگا تو وہ خود بھاگ کر حرہ چلا گیا تھا یا یہ توجیہ کی جائے کہ مصلیٰ جہاں باعز کو سنگسار کیا گیا حرہ ہی کے آس پاس ہو گا لہذا کسی روایتی نے تو مصلیٰ کا ذکر کیا اور کسی روایتی نے حرہ کا اس صورت میں دونوں احادیث کے مفہوم میں یکسانیت پیدا ہو جائے گی۔

زنا کی کثرت کا وبال

(۲۸) وَعَنْ غَيْرِهِ نَبِيٍّ الْغَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ قَوْمٍ يَنْظُرُونَ فِيهِمْ الزَّانِي إِلَّا

أَجْنُزُوا بِالْإِسْنَةِ وَهَامِنْ قَوْمٍ يَنْظُرُونَ فِيهِمُ الرُّشَا إِلَّا أَجْنُزُوا بِالرُّعْبِ - (رواہ احمد)

”اور حضرت عمروؓ ابن العاص کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس قوم میں زنا کی کثرت ہو جاتی ہے اس کو قتل اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور جس قوم میں رشوت کی وباعام ہو جاتی ہے اس پر عیب (خوف) مسلط کر دیا جاتا ہے۔“ (احمد)

تشریح: ”رشوت“ اس مال کو کہتے ہیں جو کسی شخص کو اس شرط کے ساتھ دیا جائے کہ وہ اس کے کام میں مدد کرے۔ بعض حضرات نے اس تعریف میں اس قید کا بھی اضافہ کیا ہے کہ اس کام میں اتنی مشقت و محنت نہ ہو جس کی اجرت عام طور پر دیئے گئے مال کے بقدر دی جاتی ہو جیسے کسی بادشاہ یا حاکم کے سامنے کوئی بات سفارش کے طور پر کہہ دوئی یا اس میں سنی کو کوشش کرنی اس سے معلوم ہوا کہ محنت و مشقت کے بقدر مال و دنیا رشوت نہیں کہلائے گا اسی طرح اگر بلا شرط مال دیا جائے تو بھی رشوت کے حکم میں نہیں ہوگا۔

بہر کیف اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رشوت محض ایک سبائی برائی اور ایک شرعی گناہ ہی نہیں ہے بلکہ ایک اخلاقی ظلم بھی ہے کہ جس کی سزا آخرت میں تو لے لی ہی کی اس کا دہال مختلف صورتوں میں اس دنیا میں بھی ظاہر ہوتا ہے چنانچہ یہاں حدیث میں اسی ذکر کیا گیا ہے کہ رشوت کی نعمت ساری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔ نیز اسے بزدل بنا کر غیروں کی ہیبت میں اور اپنوں کے خوف میں مبتلا کر دیتی ہے۔

غیروں کی ہیبت تو یوں مسلط ہو جاتی ہے کہ راضی رشوت لینے والا اپنا ضمیر و ایمان بیچ ڈالتا ہے اور جب وہ ضمیر و ایمان داری کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے تو اس کے اندر سے وہ ساری توانائی اور قوت ختم ہو جاتی ہے جو اس کو غیروں کے مقابلہ پر عظمت و برتری کا احساس دلاتی ہے۔ اپنوں کا خوف اس طرح مسلط ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی حاکم و کارکن رشوت نہیں لیتا تو وہ اپنا تھم اپنے ہراونی و اعلیٰ پر جاری کرتا ہے اور اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا لیکن جب وہ رشوت سے آلودہ ہو جاتا ہے تو پھر اس پر ایک خوف مسلط ہو جاتا ہے جو اسے قدم قدم پر اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی اور اجرائے احکام سے جھجکا رہتا ہے کہ اس کے کسی حکم یا کسی کارروائی سے کوئی ایسا شخص ناراض نہ ہو جائے جس سے کہ اس کو رشوت کی صورت میں ناجائز مالی فائدہ حاصل ہیں یا جو اس کو رشوت ستانی کے جرم کا رازدار ہے اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ جب رشوت کی وباعام ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ سے ہر حاکم و کارکن ہیبت و خوف میں مبتلا ہو جاتا ہے تو پورا نظام حکومت بہت خوفناک قسم کی بد حالی و بے اعتمادی اور لاقانونیت کا شکار ہو جاتا ہے اور ساری قوم بے اطاعتی اور مصائب و پریشانیوں میں گھر کر رہ جاتی ہے۔

اغلام لعنت کا باعث ہے

(۲۹) وَعَنْ بَنِي عَبَّاسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَلْعُونٌ مَنْ عَمِلَ عَمَلِ قَوْمِ لُوطٍ - زَوَاهُ زَيْنٌ وَطَهْرٌ وَبَابُ لُوطٍ عَنْ أَبِي عَبَّاسٍ أَنَّ عَلِيًّا أَخَذَ قَهْقَرًا وَأَبَا بَكْرٍ هَذَمَ عَلَيْهِمَا حَتًّا بَطْلًا -

”اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص قوم لوط کا عمل یعنی اغلام کرے وہ ملعون ہے۔“ (از زین)

اور زینؓ ہی کی ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ”حضرت علیؓ نے بطور سزا اغلام کرنے والے اور کرانے والے دونوں کو جو ادا یا تھا اور حضرت ابو بکرؓ نے ان پر دیوار گروادی تھی۔“

تشریح: جامع صغیر میں امام احمدؒ نے حضرت حسنؓ کی سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ جو شخص اپنی ماں کو برا کہے وہ ملعون ہے جو شخص غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرے وہ ملعون ہے جو شخص اسلامی سلطنت کی زمین کی سرحدوں میں رد و بدل کرے وہ ملعون ہے جو شخص کسی اندھے کو قتل راستہ بتائے وہ ملعون ہے جو شخص جانور سے بد فعلی کرے وہ ملعون ہے

اور جو شخص قوم لوط کا معاملہ کرے یعنی اقلام کرے وہ ملعون ہے۔

(۳۰) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَنْظُرُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى زُحَلٍ أَمَى زُحَلًا أَوْ أَمْرَأَةٍ فِي ذُبِّهَا - وَوَأَهْلَ التَّزْمِذِي وَفَالِ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ -

”اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ عزوجل اس شخص پر نظر رحمت نہیں کرتا جو کسی مرد عورت کے ساتھ بد فعلی کرے۔“ اس روایت کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔“

جانور کے ساتھ بد فعلی کرنے والا حد کا سزاوار نہیں ہوتا

(۳۱) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ أَنَسِي بَهِيمَةً فَلَا خَذَّ عَلَيْهِ - وَوَأَهْلَ التَّزْمِذِي وَأَبُو ذَاؤُدَّ وَقَالَ التَّزْمِذِي عَنْ سَلْمَانَ التَّوْرِيِّ أَنَّهُ قَالَ وَهَذَا أَصَحُّ مِنَ الْخُدْيَةِ الْأُولَى وَهُوَ مِنْ أَنَسِي بَهِيمَةً فَالْقُلُوبُ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ -

”اور حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے بطریق مرفوع کہا کہ جو شخص جانور کے ساتھ بد فعلی کرے وہ حد کا سزاوار نہیں لیکن قابلِ تعزیر ہے اس روایت کو ترمذیؒ اور ابو داؤدؒ نے نقل کیا ہے نیز ترمذیؒ سفیان ثوریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے (یعنی سفیان نے) کہا کہ یہ حدیث ابن عباسؓ کی اس پہلی حدیث سے زیادہ صحیح ہے جو دو سری فصل میں ان سے نقل کی گئی ہے اور وہ پہلی حدیث یہ ہے کہ جو شخص جانور سے بد فعلی کرے اس کو مار ڈالو چنانچہ علماء نے اسی پر عمل کیا ہے کہ جانور کے ساتھ بد فعلی کرنے والا حد کا سزاوار نہیں ہوتا البتہ بطور تعزیر اس کو کوئی سزا دی جاسکتی ہے۔“

تشریح: بظاہر یہ معوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ کا اپنا قول ہے لیکن اس صورت میں سفیان ثوریؒ کے اس قول کے یہ حدیث پہلی حدیث سے زیادہ صحیح ہے کہ کوئی سختی نہیں رہیں گے لہذا صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث ابن عباسؓ کا اپنا قول نہیں ہے بلکہ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

حد جاری کرنے میں کوئی فرق و امتیاز نہ کرو

(۳۲) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَيْتُمَا اخَذُوا اللَّهُ فِي الْقَرِيبِ وَالْبَعِيدِ وَلَا تَأْخُذْ كُمْ فِي اللَّهِ لَوْ مَنَّا لَانِيَم - (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت عبادہؓ ابن صامتؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”قریب و بعید سب پر حدود اللہ جاری کرو اور خبردار اللہ کا حکم یعنی حد جاری کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت تمہارے آڑے نہ آئے۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: قریب و بعید سے نزدیک کے اور دور کے رشتہ دار مراد ہیں کہ اگر مجرم تمہارا دور کا مہمانہ والا ہے تو اس پر بھی حد جاری کرو اور اگر نزدیکی رشتہ دار ہے تو اس پر بھی حد جاری کرو ایسا نہ ہو کہ دور کے جاننے والے پر تو حد جاری کرو اور نزدیکی رشتہ دار پر حد جاری کرنے سے باز رہو یا یہ کہ قریب سے مراد کمزور ہے کہ اس تک پہنچنا نزدیک اور اس پر حد جاری کرنا آسان ہوتا ہے اور بعید سے مراد قوی ہے کہ اس تک پہنچنا بعید اور اس پر حد جاری کرنا دشوار ہوتا ہے اور یہی مراد حدیث کی منشاء کے زیادہ قریب ہے کیونکہ یہاں بھی ہدایت دینا مقصد ہے کہ حد مجرم پر جاری کرو خواہ وہ امیر ہو یا غریب، شاہ ہو یا گدا، کمزور ہو یا قوی اور اپنا تعزیر ہو یا غیر تعزیر ہو۔

حد جاری کرنے کے دور رس قواعد

(۳۳) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِقَامَةُ حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ خَيْرٌ مِنْ مِطْرٍ أَوْ بَعْضِ لَيْلَةٍ فِي

مِلَادُ اللّٰهِ - زَوَاةُ نَبِيٍّ مَّاجِدَةٍ وَ زَوَاةُ النَّبَاتِ عَنِ أَبِي هُرَيْرَةَ

”اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ حدود اللہ میں سے کسی ایک حد کا جاری کرنا خدا کے تمام شہروں پر پالیس رات تک بارش برسنے سے بہتر ہے (ابن ماجہ)۔ انسانی نے اس روایت کو حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے۔“

تشریح: اس کی وجہ یہ ہے کہ حد جاری کرنا گویا مخلوق کو گناہ اور معاصی کے ارتکاب سے روکنا ہے اور یہ آسمان کے دروازوں کے کھلنے یعنی نزول برکات کا سبب ہے، اس کے برخلاف حدود کو معاف کرنا یا ان کو جاری کرنے میں سستی کرنا گویا مخلوق کو گناہ و معاصی میں مبتلا ہونے کا موقع دیتا ہے اور یہ چیز یعنی گناہ و معاصی کا مکمل جانا قحط سالی میں گرفتار ہونے کا سبب اور انسان ہی نہیں بلکہ غیر انسانی مخلوق کو بھی ہلاکت و بربادی کے دروازے پر پہنچانے کا ذریعہ ہے جیسا کہ منقول ہے کہ جاری بنی آدم کے گناہوں کے سبب بارے دہلاپ کے مرجاتا ہے یعنی انسان عمومی طور پر راستوں کی راہ پر تل جاتا ہے اور گناہ و معاصی کے ارتکاب کی کثرت ہو جاتی ہے تو اس کی نجات سے اللہ تعالیٰ بارش نہیں برساتا اور جب بارش نہیں ہوتی تو صرف انسانوں ہی کے لئے قحط نہیں پھیلتا بلکہ اس کی وجہ سے چرند پرند بھی اپنے رزق سے محروم ہو جاتے ہیں اور وہ مرے لگتے ہیں۔

”جباری“ ایک جانور کا نام ہے یہاں خاص طور پر اس کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ دور دور سے اپنے چارہ تلاش کر کے لاتا ہے۔

بَابُ قَطْعِ السَّرْقَةِ

چور کے ہاتھ کاٹنے کا بیان

طبی نے کہا ہے کہ قطع السرقة میں اضافت بخلاف مضاف مفعول کی طرف ہے یعنی معنی کے اعتبار سے یہ عنوان یوں ہے باب قطع اجل السرقة۔

سرقة کے معنی: سرقة سین کے زیر اور راکے زیر کے ساتھ چوری کے معنی میں ہے اور اصطلاح شریعت میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی مکلف کسی کے ایسے مخزن مال میں سے کچھ یا سب خفیہ طور پر لے لے جس میں نہ تو اس کی ملکیت ہو اور نہ شبہ ملکیت۔

چوری کی سزا اور اس کا نصاب: یہ بات تو عنوان ہی سے معلوم ہو گئی کہ اسلامی قانون میں چور کی سزا قطع ہاتھ کاٹ دینا ہے لیکن اس بارہ میں فقہاء کا باہم اختلاف ہے کہ کتنی مالیت کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے؟ چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نصاب سرقة مال کی وہ مقدار جس پر قطع ہونے کی سزا دی جائے گی کم از کم دس درہم تقریباً ساڑھے سات ماشہ چاندی ہے اس سے کم مالیت کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی اور حضرت امام شافعیؒ چوتھائی دینار سونا یا تین درہم چاندی اور یا اس قیمت کی کسی بھی چیز کو نصاب سرقة قرار دیتے ہیں ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں چوتھائی دینار چرانے والے کو قطع ہونے کی سزا دینا مذکور ہے اور اس وقت چوتھائی دینار تین درہم کے برابر تھا اور ایک دینار کی مالیت بارہ درہم کے برابر تھی۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کی دلیل آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد مگر یہ ہے کہ:

لَا قَطْعَ إِلَّا فِي دِينَارٍ أَوْ عَشْرَةِ دِينَارِهِمْ

”ایک دینار یا دس درہم سے کم کی چوری پر قطع نہیں ہے۔“

نیز ہذا یہ قول کے مطابق اس بارہ میں ”اکثر“ پر عمل کرنا ”قل“ پر عمل کرنے سے بہتر ہے کیونکہ معاملہ ایک انسانی عضو کے کاٹنے کا ہے اور ”قل“ میں عدم جنایت کا شبہ ہو سکتا ہے۔

واضح رہے کہ فقہاء کے اس اختلاف کی بنیاد اس پر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہاتھ کاٹنے کی سزا ایک ڈھال کی چوری پر دی گئی تھی۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کی طرف سے تو یہ کہا جاتا ہے کہ اس وقت ایک ڈھال کی قیمت تین درہم تھی جب کہ خنیفہ کی طرف سے سختی کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں اس کی قیمت دس درہم تھی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ ابن ابی شیبہؒ نے یہی نقل کیا ہے نیز کافی میں بھی یہ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جس ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا دی گئی تھی تو اس کی قیمت دس درہم تھی۔

الفصل الاول

نصاب سرقہ کے بارہ میں امام شافعیؒ کی مستدل حدیث

① عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقْطَعُ يَدَ السَّارِقِ إِلَّا بِتَمَتُّعٍ دِينَارٍ (بخاری ص ۱۷۸)

”حضرت عائشہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”چور کا ہاتھ اسی صورت میں کاٹا جائے جب کہ اس نے چوتھی دینار یا اس سے زیادہ کی مالیت کی چوری کی ہو۔“ (بخاری ص ۱۷۸)

تشریح: یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ اس مسلک کی دلیل ہے کہ چوتھائی دینار سے کم مالیت کی چوری پر ہاتھ نہ کاٹا جائے گویا ان کے نزدیک نصاب سرقہ کی کم سے کم مقدار چوتھائی دینار ہے ملا علی قاریؒ نے اپنی کتاب میں اس حدیث کے تحت بڑی تفصیلی بحث کی ہے اور اس مسئلہ میں علماء کے جو اختلافی اقوال ہیں ان کو نقل کر کے خنیفہ کے مسلک کو بڑی مضبوط دلیلوں سے ثابت کیا ہے۔

ڈھال کی قیمت کے قعین میں اختلافی اقوال

② وَعَنْ ابْنِ عُثْمَانَ قَالَ قَطَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَ سَارِقٍ لَمْ يَمُتْ فَمَتُّهُ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمٍ (بخاری ص ۱۷۸)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک ڈھال کے چروانے پر جس کی قیمت تین درہم تھی چور کا ہاتھ کاٹوا دیا تھا۔“ (بخاری ص ۱۷۸)

تشریح: سختی کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس روایت کے معارض ہے جو ابن ابی شیبہؒ نے حضرت عبداللہ ابن عمروؓ ابن عباسؓ سے نقل کی ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ اس ڈھال کی قیمت دس درہم تھی حضرت ابن عباسؓ اور عمرو ابن شعیبہؒ سے بھی اسی طرح منقول ہے نیز شیخ ابن ہمامؒ نے بھی ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے یہی بات نقل کی ہے کہ اس ڈھال کی قیمت دس درہم تھی اور یحییٰؒ نے ہدایہ کے حاشیہ میں بھی یہی لکھا ہے چنانچہ اسی بنیاد پر خنیفہ کا یہ مسلک ہے کہ قطع ہاتھ کاٹنے کی سزا انکی چور پر نافذ ہوگی جس نے کم سے کم دس درہم کے بعد مال کی چوری کی ہو اس سے کم مالیت کی چوری پر یہ سزا نہیں دی جائے گی جہاں تک ابن عمرؓ اس روایت کا تعلق ہے جس سے اس ڈھال کی قیمت تین درہم سختین کی حالانکہ حقیقت میں وہ ڈھال دس درہم کی مالیت کی تھی جیسا کہ اکثر روایتوں سے ثابت ہوا اس موقع پر شیخ عبدالحقؒ اور ملا علی قاریؒ نے اپنی اپنی شرح میں بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اہل علم ان کی کتابوں سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

تمام ائمہ کے مسلک کے خلاف ایک حدیث اور اس کی وضاحت

③ وَعَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللَّهُ السَّارِقَ يَسْرِقُ الْبَيْضَةَ فَتَقْطَعُ يَدُهُ وَيَسْرِقُ

الْحَبْلَ فَتَقْطَعُ يَدُهُ۔ (بخاری ص ۱۷۸)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ جب ﷺ نے فرمایا چور پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کہ وہ بیضہ چراتا ہے اور اس کا

ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور رکی چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔“ (بخاری مسلم)

تشریح: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بلا تعین مکہ کا رہا ہے اور رکی بات اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد اَلَا تَعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰی الظَّالِمِیْنَ سے بھی ثابت ہوتی ہے ہاں کسی شخص کو تعین کر کے یعنی اس کا نام لے کر اس پر لعنت بھیجتا جائز نہیں ہے۔

نصاب سرقہ کے مسئلے میں یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ چوٹھائی دینار یا تین درہم سے بھی کم مالیت کی چوری پر قطع ید کی سزا جاری ہو سکتی ہے جب کہ چاروں ائمہ میں سے کسی کے بھی مسلک میں چوٹھائی دینار یا تین درہم سے کم میں قطع ید کی سزا نہیں ہے اس اعتبار سے یہ حدیث تمام ائمہ کے خلاف ہے لہذا ان سب کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہاں بیضہ سے بعد آہن مراد ہے کہ جسے خود کہا جاتا ہے اور جس کو مجاہدین اور نوویؒ اپنے سروں پر پہنتے ہیں اسی طرح رکی سے کشتی کی رکی مراد ہے جو بڑی قیمتی ہوتی ہے علاوہ ازیں بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں انڈے اور رکی کے چرمانے پر قطع ید کی سزا دی جاتی تھی مگر بعد میں اس کو منسوخ قرار دے دیا گیا۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد کی مراد یہ ہے کہ اس کو چوری کی عادت اسی طرح پڑتی ہے کہ چھوٹی چھوٹی اور کٹر چیزیں چراتے چراتے بڑی بڑی اور قیمتی چیزیں چراتے لگتا ہے جس کے نتیجے میں اس کو قطع ید کی سزا بھیجتی پڑتی ہے۔

الفصل الثانی

پھل وغیرہ کی چوری میں قطع ید کی سزا ہے یا نہیں؟

(۴) عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِیجٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقْطَعُ فِي ثَمَرٍ وَلَا خَمْرٍ۔

(رواہ مالک و الترمذی و ابو داؤد و النسائی و الدارقانی و ابن ماجہ)

”حضرت رافعؓ ابن خدیجؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا درخت پر لگے ہوئے میوے اور خمر کے سفید گامے کی چوری میں قطع ید کی سزا نہیں ہے۔“ (مالک ترمذی ابو داؤد و النسائی و الدارقانی و ابن ماجہ)

تشریح: یہ حدیث حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کی مستدل ہے وہ اس کی بنیاد پر فرماتے ہیں کہ ترمیہ پھل چراتے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا خواہ وہ میوہ خرزہ ہو یا غیر خرزہ ہو خرزہ کی تقریب پیچھے گذر چکی ہے اسی طرح خشک میوہ جو درخت پر لگا ہوا ہو اور وہ کھیتی جو کاٹ کر کھلیان میں جمع نہ کی گئی ہو ان کی چوری میں بھی ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے اسی پر گوشت دودھ اور ان چیزوں کو بھی قیاس کیا گیا ہے جو درہانہ ہوں اور جلدی ہی خراب و خفیر ہو جاتی ہوں کہ ان کی چوری میں بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا امام اعظمؒ کے علاوہ دوسروں نے ان سب چیزوں کی چوری میں قطع ید کی سزا کو واجب کیا ہے چنانچہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا بھی مسلک ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ وہ چیزیں جو بہت معمولی اور خفیر ہوں اور جو دار اسلام میں ہر شخص کے لئے مباح کے درجہ میں ہوں جیسے گھاس لکڑی نرسل پھل پرندہ پر تال اور چرواہا وغیرہ ان کی چوری کرنے والا بھی قطع ید کا سزاوار نہیں ہوگا۔

(۵) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ النَّعَّاسِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ سَبَّلَ عَنِ الثَّمَرِ الْمُتَعَلِّقِ قَالَ مَنْ سَوَّقَ مِنْهُ شَيْئًا بَعْدَ أَنْ يُؤْوَىٰهُ الْخَزِيرُ فَيُلْعَقُ ثَمَرُ الْمَجْرِي فَعَلَيْهِ الْقَطْعُ۔

(رواہ ابو داؤد و النسائی)

”اور حضرت عمرو ابن شعیبؓ اپنے والد سے وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن النعاسؓ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے

ہیں کہ آپ ﷺ سے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ان پھلوں میں سے کچھ اس وقت چرائے جب کہ ان کو درختوں سے توڑ کر جمع کر لیا گیا ہو اور ان چرائے ہوئے پھلوں کی قیمت ایک ڈھال کی قیمت کے برابر ہو تو وہ قطع یہ کامزادار ہو گا۔ ۱۱۳ (ابو یوسف، نسائی)

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ درخت پر لگے ہوئے پھل کی چوری میں قطع ید کی سزا نہیں ہے کیونکہ وہ حرز نہیں ہے ہاں جب وہ پھل درخت پر سے توڑ لئے گئے اور ان کو خشک ہونے کے لئے کھلیاں میں جمع کر دیا گیا تو اب ان کی چوری میں قطع ید کی سزا واجب ہوگی کیونکہ اس صورت میں وہ حرز ہو گئے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ حدیث امام ابو حنیفہؒ کے سوا جمہور علماء کی دلیل ہے کیونکہ امام ابو حنیفہؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ پھل جب تک خشک نہیں ہوا ہے اس کی چوری پر ہاتھ نہیں کانے جائیں گے خواہ وہ پھل حرز ہو یا غیر حرز۔ اس حدیث کے بارہ میں حنفیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ حدیث میں ”جب کہ ان کو توڑ کر جمع کر لیا گیا ہو“ قید کا تعلق ان پھلوں کے خشک ہو جانے کے بعد سے ہے جیسا کہ عرب میں روان تھا کہ جس طرح درخت سے پھلوں کو توڑ کر خشک ہونے کے لئے ان کو کھیاں وغیرہ میں پھیلا دیا جاتا تھا اس طرح پھلوں کو ان کے خشک ہونے کے بعد کسی جگہ جمع بھی کر دیا جاتا تھا اور حنفیہ کے نزدیک بھی ان پھلوں کی چوری میں قطع ید کی سزا جاری ہوگی جو خشک ہونے کے بعد کھیاں وغیرہ میں جمع کئے گئے ہیں۔ پھل جب تک خشک نہ ہوں اس وقت تک ان کی چوری میں قطع ید کی سزا نہیں ہوگی خواہ وہ درخت پر لگے ہوئے ہوں یا ان کو توڑ کر کھیاں وغیرہ میں جمع کر دیا گیا ہو جیسا کہ ”شعر“ (تازہ پھل) کے بارہ میں مجملی حدیث میں بیان کیا جا چکا ہے۔

علامہ ازیس یہ بات مد نظر رہی چاہئے کہ یہ حدیث نہ صرف مجملی حدیث لا قطع فی نمرود لاکٹر کے مطلق مفہوم کے معارض ہے بلکہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد لا قطع فی الطعام (کھانے کی چوری میں قطع ید کی سزا نہیں ہے) کے بھی معارض ہے چونکہ حدود کے باب میں ضروری ہے کہ مسلمان کی جان اور اس کے اعضاء کے حفظ کے پیش نظر حد جاری کرنے میں حتی الامکان احتیاط و رعایت کے تمام گوشوں کو ملحوظ رکھا جائے اور ہر ایسے نکتہ و پہلو کو ترجیح دی جائے جس سے نفاذ حد کم سے کم قابل عمل رہے اس لئے ان احادیث کے تعارض کی صورت میں اس حدیث کو ترجیح دی جانی چاہئے جس کا مفہوم پھل کی چوری کے سلسلے میں بالکل مطلق ہے۔ اس موقع پر بھی مد علی قاری نے اپنی کتاب مرقات میں بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اہل علم ان کی کتاب سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

غیر مملوکہ پہاڑی جانوروں پر چوری کا اطلاق نہیں ہو گا

⑥ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي حَسَنٍ الْمَكِّيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا قَطْعَ فِي نَمْرٍ مُعَلَّقٍ وَلَا فِي خَرْنَسَةٍ جَبَلِيٍّ فَإِنَّهُ إِذَا هُوَ الْفَوَاحُ وَالْجَرَيْنُ فَالْقَطْعُ فِيمَا نَلَعَ ثَمَنُ الْمَخَضِرِ۔ (دار)

”اور حضرت عبداللہ ابن عبدالرحمن ابن ابی حسان المکی نے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”درخت پر لگے ہوئے میوے اور پہاڑوں پر چرنے والے جانوروں کے مقدمہ میں قطع ید کی سزا نہیں ہے ہاں اگر کوئی شخص کسی پہاڑی جانور کو جانوروں کے بندھتے کی جگہ لاکر بندھ دے یا میوے کو (خشک ہونے کے بعد) کھیاں میں جمع کر دے تو اس کی چوری میں قطع ید کی سزا دی جائے گی بشرطیکہ شے مسروقہ کی مالیت ایک ڈھال کی قیمت کے بقدر رہا اس سے زائد ہو۔“ (ذوالک)

تشریح: ”جب“ کہتے ہیں کہ لفظ خرنسۃ دراصل مفعول کے معنی میں ہے گویا خرنسۃ جبل معنی کے اعتبار سے محرومۃ جبل ہے اور محرومۃ جبل اس جانور کو کہتے ہیں جو پہاڑوں پر چرتا پھرتا ہو اور کوئی شخص اس کی حفاظت نہ کرتا ہو یعنی وہ کسی کی ملکیت میں نہ ہو۔ ایسے ہی جانور کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کو پکڑ لائے تو اس پر چوری کا اطلاق نہیں ہو گا کیونکہ نہ تو وہ جانور حرز ہے اور نہ کسی کی ملکیت میں ہے۔ ہاں اگر پہلے سے کسی شخص نے اس جانور کو پکڑ کر اپنے یہاں باندھ رکھا ہے تو چونکہ اب وہ جانور ایک شخص کی

ملکیت میں آگیا ہے اس لئے اگر کوئی دوسرا شخص اس کو وہاں سے چرانے کا اور اس کی قیمت ایک ڈھال کی قیمت کے بقدر یا اس سے زائد ہوگی تو چرانے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

لیسرے کی سزا قطع یہ نہیں ہے

⑤ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ عَلَى الْمُتَنَهَبِ قَطْعٌ وَمِنِ الْمُتَنَهَبِ لَهْبَةٌ مُشْهُوْرَةٌ فَلَيْسَ بِثَأٍ - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”لیسرے کی سزا قطع یہ نہیں ہے اور جو شخص لوگوں کو لوٹے وہ ہم میں سے نہیں ہے (یعنی ہمارے بتائے ہوئے راستے پر پھٹنے والا نہیں ہے)۔“ ۱۱ ہذا

تشریح: ”لیسر“ (لوٹنے والا) اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں کا مال زبردستی حاصل کرے اس طرح لوگوں کا مال لوٹنا اگرچہ چوری جیسے مال اڑانے سے بدتر ہے لیکن ایسے شخص پر ”چور“ کا اطلاق نہ ہونے کی وجہ سے اس کو قطع یہ کی سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ چور اس شخص کو کہتے ہیں جو چسپ چسپ کر لوگوں کا مال اڑائے۔

خائن قطع یہ کا سزاوار نہیں

⑧ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ عَلَى خَائِنٍ وَلَا مُتَنَهَبٍ وَلَا مُحْتَلَسٍ قَطْعٌ - رواه الترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی وزوی فی شرح الشیخ أن صفوان بن أمية قديم المدينة قنم في المسجد وقوم سد رداءه فحاء سارق وأخذ رداءه فأخذته صفوان فجاء به إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فأنزل قطع بده فقال صفوان إني لم أر هذا هو عليه صدقة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فهل قبل أن تأتيه به وزوي نحوكم أني من حاجة عن عبد الله بن صفوان عن أبيه والدارمی عن ابن عباس۔

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”خیانت کرنے والے، لوٹنے والے اور اچھٹے کا ہاتھ کاٹنا مشروع نہیں ہے۔“ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) اور صاحب مصابح نے شرح السنہ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ (ایک دن) حضرت صفوان ابن امیہ مدینہ تشریف لائے اور مسجد میں سر کے نیچے اپنی چادر رکھ کر سو گئے اسی (دور) میں ایک چور آیا اور اس نے ان کی وہ چادر (آہستہ سے) کھینچی (اور) بھاگنا چاہا مگر صفوان نے اس کو پکڑ لیا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لائے (اور وہ واقعہ بیان کیا، آنحضرت ﷺ نے ان خود مجرم کے اقرار پر گواہوں کی ضرورت نہ چوری ثابت ہو جائے پر اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔) یہ فیعل سن کر حضرت صفوانؓ کو رحم آگیا اور انہوں نے کہا کہ ”اس کو آپ ﷺ کی خدمت میں لانے سے میرا یہ ارادہ نہیں تھا کہ صرف میری چادر کی وجہ سے اس کے ہاتھ کاٹے جائیں اس لئے میں سفارش کرتا ہوں کہ آپ ﷺ اس کو معاف فرمادیں) میں نے اپنی چادر اس کو صدقہ کر دی۔“ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”پھر اس کو میرے پاس لانے سے پہلے ہی تم نے اپنی چادر اس کو صدقہ کیوں نہ کر دی تھی اور اس کو معاف کیوں نہیں کر دیا تھا۔“ اسی طرح کی روایت ابن ماجہ نے عبد اللہ ابن صفوان سے اور انہوں نے اپنے والد (حضرت صفوانؓ سے) اور دارمی نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی۔“

تشریح: ”خائن“ اس شخص کو کہتے ہیں جس کو کوئی چیز بطور عاریت کے یا امانت رکھنے کے لئے دی جائے اور وہ اس کی چیزیں کچھ یا سب ہضم کر جائے اور یہ دعویٰ کرے کہ وہ چیز ضائع ہو گئی ہے یا سرے سے اس کا انکار کر دے۔ یعنی یہ کہے کہ وہ چیز مجھے نہیں دی گئی ہے۔ اگرچہ ایسا شخص بہت گنہ گار ہوتا ہے مگر قطع یہ کا مستوجب نہیں ہوتا کیونکہ خائن جس چیز کو ہتھیاتا ہے وہ پوری طرح ”محرر“ یعنی محفوظ مال کے حکم میں نہیں ہوتی ہدایہ میں یہ مسئلہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اسی طرح لیرے اور اچکے کو بھی قطعہ کی سزا اس لئے نہیں دی جاتی کہ وہ غیر کامل چھپ چھپا کر نہیں لیتے جیسا کہ بچھلی حدیث کی تشریح میں اس کی وضاحت کی گئی۔ ابن ہمام کہتے ہیں کہ چاروں ائمہ کا مسلک ہے۔

”سر کے نیچے چادر رکھنے“ کے بارے میں ہدایہ میں لکھا ہے کہ صحیح تر بات یہ ہے کہ کسی چیز کا اپنے سر کے نیچے رکھنا ”حرز“ ہے حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اس کو پہیلے ہی کیوں نہ معاف کر دیا تھا اور اپنا حق کیوں نہیں چھوڑ دیا تھا اب جب تم اس کو میرے پاس لے آئے اور اس کا جرم ثابت ہو جائے پر میں نے اس کا ہاتھ کاٹنے جانے کا حکم دے دیا تو اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہو گیا ہے اب اس معاملہ میں تمہارا کوئی حق باقی نہیں رہ گیا ہے بلکہ یہ اللہ کا حق ہو گیا ہے لہذا تمہارے معاف کرنے سے اس کا جرم معاف کرنے میں ہو گا اس سے معلوم ہوا کہ چور جب حاکم کے سامنے پیش ہو جائے اور اس کا جرم ثابت ہو جائے تو پھر اسے کوئی بھی سزا سے نہیں بچا سکتا، خود دینی اور صاحب مال کے معاف کرنے سے بھی اس کی سزا معاف نہیں ہوگی، ہاں حاکم کے پاس قضیہ پہنچنے سے پہلے اس کو معاف کر دینا جائز ہے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو چوری کی وجہ سے اس کے ہاتھ کاٹنے کی سزا سنائی جائے اور پھر اسے چوری کی ہوئی چیز کو اس کا مالک اس شخص (چور) کو ہبہ کر کے اس کے سپرد کر دے یا اس چیز کو اس کے ہاتھ فروخت کر دے تو اس صورت میں اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ لیکن امام زفر، امام شافعی اور امام احمد یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور حضرت امام ابو یوسف کا بھی ایک قول یہی ہے اور حضرت صفوان کی مذکورہ حدیث بھی اسی کی تائید کرتی ہے چنانچہ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک روایت میں تو یہ حدیث اسی طرح ہے جس طرح یہاں نقل کی گئی لیکن حاکم وغیرہ کی روایت میں اس طرح نہیں ہے بلکہ کچھ اضافہ و زیادتی کے ساتھ ہے لہذا اس اضافہ و زیادتی کی وجہ سے اضطراب واقع ہو گیا اور اضطراب حدیث کے ضعیف ہونے کا موجب ہو جاتا ہے۔

سفر جہاد میں چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے

⑨ وَعَنْ بُسْرِ بْنِ أَرْطَاةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تَقْطَعُ الْأَيْدِي فِي الْغَزْوِ زَوَاهُ الْبَرِّ مِلْذِي وَالْذَّارِ مِثْلُ وَأَكُوذُ أَذْوَ النَّسَائِي إِلَّا أَنَّهُمْ أَقَالَ فِي السَّعْرِ يَنْتَلِي الْغَزْوِ۔

”اور حضرت بسر بن ارتطاع کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ”غزوہ میں قطعہ کی سزا نافذ نہیں ہوگی۔“ اس روایت کو ترمذی، دارمی، ابو داؤد اور نسائی نے نقل کیا ہے لیکن ابو داؤد اور نسائی کی روایت میں ”غزوہ“ کی بجائے ”سفر“ کا لفظ ہے۔“

تشریح: ابن ملک کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب ہے کہ جب اسلامی لشکر دارالحرب میں کفار سے سرسجود ہو اور امام وقت ان میں موجود ہو بلکہ امیر لشکر ان کا کارپرداز ہو اور اس وقت (جہاد میں) کوئی شخص چوری کا مرتکب ہو جائے تو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے، اس طرح دوسری حدود بھی جاری نہ کی جائیں۔ چنانچہ بعض فقہانے اس پر عمل کیا ہے اور اس کی بنیاد پر احتمال ہے۔ کہ مبادا وہ شخص (اس سزا کے خوف سے) داراعرب ہی کو اپنا مستقل مسکن بنالے اور اس طرح وہ قندہ و گمراہی میں مبتلا ہو جائے یا یہ خوف بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ سے جہاد میں بدلہ اور ترقی نہ پیدا ہو جائے۔ طہی نے وضاحت کی ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کا یہ مسلک ہے۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ”غزوہ میں قطعہ کی سزا نافذ نہ ہونے“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر اسلامی لشکر کا کوئی فرد مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے کچھ چرائے تو اس کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں کیونکہ اس مال غنیمت میں اس کا بھی حق ہے۔

طہی کہتے ہیں ابو داؤد اور نسائی کی روایت میں ”سفر“ کا جو لفظ نقل کیا گیا ہے اس کو مقید پر محمول کیا جائے جیسا کہ ”سفر“ سے ”سفر جہاد“ مراد لیا جائے۔

دوبارہ اور سہ بارہ چوری کرنے کی سزا

⑩ وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي السَّارِقِ إِنْ سَرَقَ فَأَقْطَعُوا يَدَهُ ثُمَّ إِنْ

سَرَقَ فَاَقْطَعُوا رِجْلَهُ ثُمَّ اِنْ سَرَقَ فَاَقْطَعُوا اَيْدِيَهُ ثُمَّ اِنْ سَرَقَ فَاَقْطَعُوا رِجْلَهُ (رواہ فی شرح السنہ)

”اور حضرت ابو سلمہؓ حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے چور کے بارے میں فرمایا کہ ”جب وہ چوری کرے تو اس کا (دایاں) ہاتھ کاٹا جائے، پھر اگر چوری کرے تو اس کا (دایاں) ہاتھ کاٹا جائے اور پھر اگر چوری کرے تو اس کا (دایاں) ہاتھ کاٹا جائے۔“ (شرح السنہ)

تشریح: پہلی مرتبہ چوری کرنے پر دایاں ہاتھ کاٹنا اور پھر دوبارہ چوری کرنے پر بائیں ہاتھ کاٹنا تو علماء کا متفقہ مسلک ہے لیکن پھر تیسری مرتبہ چوری کرنے پر بائیں ہاتھ کاٹنے اور چوتھی مرتبہ چوری کرنے پر دایاں ہاتھ کاٹنے کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے مطابق تیسری اور چوتھی مرتبہ چوری کرنے پر دایاں ہاتھ اور بائیں ہاتھ کاٹا جائے، لیکن حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ تیسری مرتبہ چوری کرنے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ اس کو قید خانہ میں ڈال دیا جائے گا تاکہ وہ اسی میں مرجعۃ الیٰ تو یہ کرے امام اعظمؒ کے اس مسلک کی دلیل یہ ہے کہ اول تو اس بات پر صحابہؓ کا اجماع و اتفاق ہو گیا تھا، دوم یہ کہ کسی شخص کو اس کے چاروں ہاتھ پر سے محروم کر دیا گیا تو اس کو اپنے وجود کی بناء کے سارے ذرائع و اسباب سے محروم کر دینا ہے جو اس کے حق میں ”مزا“ سے بڑھ کر ایک قسم کی ”زادتی“ ہے جہاں تک اس حدیث کا سوال ہے تو پہلی بات یہ ہے کہ اصل میں یہ حدیث تہدید و سیاقی مصالح پر محمول ہے، دوسری بات یہ کہ محدثین نے اس کے صحیح ہونے میں کلام کیا ہے چنانچہ عطاویؒ نے اس حدیث پر ان الفاظ میں طعن کیا ہے کہ میں نے صحابہؓ کے بہت سارے آثار و قصایا (اور نظائر و نیلے) دیکھے لیکن انتہائی تلاش کے باوجود مجھے اس حدیث کی کوئی بنیاد نہیں مل سکی، علاوہ ازیں میں نے بہت سے حفاظ حدیث سے ملاقات کی وہ سب اس حدیث (کی واقفیت) سے انکار کرتے تھے۔ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ پیر کاٹنے کے بارے میں اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ گھنے کے پاس سے پاؤں کاٹا جائے۔

① وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ جِئْتُ بِسَارِقٍ اِذَا الشَّيْءُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَقْطَعُوهُ فَقُطِعَ ثُمَّ جِئْتُ بِهِ الثَّانِيَةَ فَقَالَ اَقْطَعُوهُ ثُمَّ جِئْتُ بِهِ الثَّالِيَةَ فَقَالَ اَقْطَعُوهُ فَقُطِعَ ثُمَّ جِئْتُ بِهِ الرَّابِعَةَ فَقَالَ اَقْطَعُوهُ فَقُطِعَ فَأُتِيَ بِهِ الْخَامِسَةَ فَقَالَ اَقْطَعُوهُ فَأَنْطَلَقْنَا بِهِ فَقَتَلْنَاهُ ثُمَّ اخْتَزَنَّا نَاهُ فَلَقَيْنَاهُ فِي بَيْتٍ وَزَعَيْنَا عَلَيْهِ الْجَحَادَةَ - وَرَأَاهُ أَبُو ذَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَزَوْي فِي شَرْحِ الشُّعْبَةِ فَمِنْ قَطْعِ السَّارِقِ عَنِ الشَّيْءِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْطَعُوهُ ثُمَّ اخْبَرُونَا .

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک چور کو لایا گیا تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کا (دایاں) ہاتھ کاٹ دو، چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، دوبارہ اس کو پھر لایا گیا تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ (اس کا بائیں ہاتھ) کاٹ دو، چنانچہ اس کا بائیں ہاتھ کاٹ دیا گیا، پھر تیسری مرتبہ اس کو لایا گیا تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ (اس کا بائیں ہاتھ) کاٹ دو، چنانچہ اس کا بائیں ہاتھ کاٹ دیا گیا، پھر چوتھی مرتبہ لایا گیا تو فرمایا کہ (اس کا دایاں ہاتھ) کاٹ دو، چنانچہ (اس کا دایاں ہاتھ) کاٹ دیا گیا، اور پھر جب بائیں ہاتھ کاٹ دیا گیا تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو مار ڈالو، چنانچہ ہم اس کو بچڑھ کر لے گئے اور مار ڈالا، اس کے بعد ہم اس کی لاش کو کھپتے ہوئے لائے اور کنوئیں میں ڈال کر اوپر سے پھر پھینک دیئے (ابوداؤد، نسائی، اور بخاری نے شرح السنہ میں چور کے ہاتھ کاٹنے کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ ”اس کا ہاتھ کاٹو اور پھر اس کا ہاتھ کاٹ دو۔“

تشریح: ”اور پھر اس کو داغ دو“ کا مطلب یہ ہے کہ جس ہاتھ کو کاٹا گیا ہے اس کو گرم تل یا گرم لوہے سے داغ دو تاکہ خون بند ہو جائے اگر داغ نہ جائے گا تو جسم کا تمام خون بہہ جائے گا اور چور ہلاک ہو جائے گا۔

خطابیؒ فرماتے ہیں کہ میرے علم میں ایسا کوئی قہر و عالم نہیں ہے جس نے چور کو مار ڈالا مباح رکھا ہو خواہ وہ کتنی ہی بار چوری کیوں نہ کرے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کو راوی لا یحل دم امرء الا باحدی ثلث کے ذریعہ منسوخ ہے۔

بعض حضرات یہ بتاتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس چور کو مار ڈالنے کا جو حکم دیا وہ سیاسی و انتظامی مضامین کی بناء پر تھا، چنانچہ امام وقت (حاکم) کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مقدمہ پر دائروں، چور اچلوں اور ملکی امن و قانون کے مجرموں کی تعزیر میں اپنی رائے و اجتہاد پر عمل کرے اور جس طرح چاہے ان کو سزا دے۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو یہ معلوم ہوا ہو گا کہ یہ شخص مرتد ہو گیا ہے اس لئے آپ ﷺ نے اس کا خون مباح کر دیا اور اس کو مار ڈالنے کا حکم دیا۔

اسی طرح بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو اس بات پر محمول کرنا اولیٰ ہے کہ وہ شخص چوری کو حلال جانتا تھا اس لئے بار بار اس کا ارتکاب کرتا تھا اسی وجہ سے اس کو آبی خت سزا دی گئی بہر کیف ان تاویلات میں سے کسی بھی ایک تاویل کو اختیار کرنا ضروری ہے کیونکہ اگر وہ مسلمان ہوتا تو اس کو مار ڈالنے کے بعد اس کی لاش کو اس طرح کھینچ کر کنوئیں میں ڈال دینا ہرگز صحیح نہ ہوتا۔

چور کا کٹنا ہوا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکا دینے کا مسئلہ

⑫ وَعَنْ فَضَالَةَ بْنِ عَنبِدَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَارِقٍ فَقَطَعَتْ يَدَهُ ثُمَّ أَغْرَزَهَا فَعُلِقَتْ فِي عُلُقَةٍ۔ (رواہ ابوداؤد و ابوداؤد و الترمذی و ابن ماجہ)

”اور حضرت فضالہ بن عبدہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک چور لایا گیا چنانچہ آنحضرت ﷺ کے حکم سے اس کا ہاتھ کاٹا گیا پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کا کٹنا ہوا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکایا جائے (تاکہ اس سے دوسرے عبرت پکڑیں) چنانچہ وہ ہاتھ اس کی گردن میں لٹکا دیا گیا۔“ (ابوداؤد و الترمذی و ابن ماجہ)

تشریح: ابن عاصمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ سے یہ منقول ہے کہ چور کا کٹنا ہوا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکا دینا سنت ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ امام (حاکم) کی مرضی پر موقوف ہے کہ اگر وہ مناسب جانے تو چور کا کٹنا ہوا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکا دے، یہ سنت نہیں ہے کیونکہ یہ ثابت نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے چور کا کٹنا ہوا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکایا ہو۔

جو غلام چوری کرنے لگے اس کو بیچ ڈالو

⑬ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَرَّ بِالسُّلُوفِ لَفِيعَةٍ وَلَوْ بِسَتْ۔

(رواہ ابوداؤد و الترمذی و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا ”اگر غلام چوری کرے تو اس کو بیچ ڈالو اگرچہ بے مال ہو اس کو بیچنا چاہئے۔“ (ابوداؤد و الترمذی و ابن ماجہ)

تشریح: بے مال ہونے کے زہر اور دشمن کے چبھنے کے ساتھ بغضت و قیہ یعنی میں درہم کو کہتے تھے۔ مراد یہ ہے کہ چوری کرنے والے غلام کو بیچ ڈالو اگرچہ اس کو کتنی ہی کم قیمت میں کیوں نہ بیچنا پڑے کیونکہ چوری کا ارتکاب کر کے وہ ”عیب دار“ ہو گیا ہے اور عیب دار غلام کو اپنے پاس رکھنا مناسب نہیں ہے۔

حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور اکثر اہل علم یہ فرماتے ہیں کہ اگر غلام چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹنا جائز خواہ وہ بھگوتا ہو یا غیر بھگوتا۔ اس بارہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ اگر خاوند بیوی میں سے کوئی ایک دوسرے کا مال چرائے یا کوئی غلام اپنے مالک یا اپنے مالک کی بیوی اور یا اپنی مالک کے خاوند کے مال کی چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ عام طور پر خاوند بیوی کو ایک دوسرے کے مال پر اور غلام کو اپنے آقا اور اس کے گھروالوں کے مال و اسباب پر خود ان کی اجازت سے دسترس حاصل ہوتی

ہے اس صورت میں ”حرز“ کی شرط پوری طرح نہیں پائی جاتی جو قطعہ کی سزا کے لئے ضروری ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

مجرم کو معاف کر دینے کا حق حاکم کو حاصل نہیں ہے

(۱۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أَمَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَارِقٍ فَقَطَعَهُ فَقَالُوا مَا نَحْنُ بِرَأْسِ نَشِيعٍ بِهِ هَذَا قَالَ لَوْ كَانَتْ فَاطِمَةُ لَقَطَعْتُهَا۔ (رداء الناسخ)

”حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک چور لایا گیا اور جب آنحضرت ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہمیں یہ خیال نہ تھا کہ آپ ﷺ اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمائیں گے بلکہ ہر امکان تو یہ تھا کہ آپ اس کو معاف کر دیں گے، آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا: ”اگر فاطمہ (بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ایسی ہوتی تو میں اس کا ہاتھ کنوا دیتا۔“ (نسائی)

تشریح: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ چور کوئی ایسا شخص تھا جس سے آنحضرت ﷺ کی کوئی قربت تھی، یا آپ ﷺ کے متعلقین میں سے کوئی فرد تھا اور اسی وجہ سے صحابہؓ کے گمان کے مطابق اس کے ساتھ نرمی اور رعایت کئے جانے کا امکان تھا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے واضح کر دیا کہ قطعہ کی سزا اللہ تعالیٰ کا حق ہے جس کو مانڈ کرنا مجھ پر واجب ہے، اس میں چشم پوشی کرنا نہ صرف یہ کہ عدل و انصاف کے منافی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی اور اس کے حق میں بے جا دخلت کے مترادف بھی ہے اگر بالفرض میرے جبر کا ٹکڑا فاطمہؓ سے بھی یہ فعل صادر ہوتا تو میں اس پر بھی یہ سزا نافذ کرتا اور اس کے ہاتھ کنوا دیتا۔

اگر غلام اپنے مالک کی چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

(۱۵) وَعَنْ أَبِي عُرْوَةَ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ سَوْقٍ مَوَاةَ لَمْ يَأْتِ فَقَالَ لَقَطَعُ عَنْكَ لَقَطْعَ عَلَيْهِ وَهُوَ خَادِمُكَ أَخَذَهُ مَنَاعُكُمْ۔ (رداء مالک)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمر فاروقؓ کے پاس اپنے غلام کو لے کر آیا اور کہا کہ اس کے ہاتھ کنوا دیجئے کیونکہ اس نے میری بیوی کا کینہ پرا لیا ہے، لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”یہ قطعہ کا مستوجب نہیں ہے کیونکہ یہ تمہارا خدمت گار ہے اور تمہاری ہی چیز اس نے لی ہے۔“ (مالک)

تشریح: گویا حضرت عمرؓ نے اپنے فیصلہ کے ذریعہ اس پر قطعہ کی سزا نافذ نہ کرنے کی علت و وجہ کی طرف اشارہ کیا اور وہ اذن (یعنی اجازت) کا پایا جاتا ہے کہ تمہارے غلام ہونے کی حیثیت سے جب اس کو تمہارے ساتھ رہنے پہنچے اور تمہارے مال و اسباب کی دیکھ بھال کرنے کی اجازت حاصل ہے اور اس اعتبار سے تمہارے اور تمہارے گھر کا مال خود تمہاری مرضی سے اس کی دسترس میں ہے تو اس صورت میں ”احراز یعنی مال کا غیر کی دسترس سے محفوظ ہونا“ نہ رہا اور جب ”احراز“ نہ رہا تو پھر یہ قطعہ کا سزاوار بھی نہیں ہو گا چنانچہ خفیہ اور حضرت امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے جب کہ دوسرے علماء کا مسلک اس کے برخلاف ہے۔

کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے یا نہیں؟

(۱۶) وَعَنْ أَبِي ذَرِّقَالٍ قَالَ لَمَّا رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا ذَرٍّ قُلْتُ لَيْسَ بِكَ تَأْذِينُ اللَّهِ وَسُغْدِنَاكَ وَلَنْ كَيْفَ أَتَى أَصَابَ النَّاسَ مَوْتُ يَكُونُ الْبَيْتُ فِيهِ بِالْوَحِيفِ بَعْضُ الْقَبْرِ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ عَلَيْنَا بِالضَّرِّ قَالَ

حَقًّا ذُلُّ أَبِي سَلَمَةَ نَفْطَحَ يَذُّ النَّكَاشَ لَا تَدْخُلْ عَلَيَّ الْمَقْبَرَةَ (روادہ اور ذوال)

”اور حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا ”اے ابوذرؓ“ میں نے عرض کیا ”میں حاضر ہوں یا رسول اللہ! اور فرمایا رہا ہوں، فرمایا کیا ارشاد ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تم اس وقت کیا کرو گے جب لوگوں کو موت (یعنی کوئی وبا اپنی لپیٹ میں لے لے گی) کہیا اس وقت تم موت سے بھاگ کھڑے ہو گے یا مبروہ استقامت کی راہ اختیار کرو گے؟“ اور گھر جتنی قبر کی جگہ ایک غلام کے برابر ہو جائے گی (یعنی اس وقت وہاں کی وجہ سے اتنی کثرت سے اموات ہوں گی کہ ایک ایک قبر کی جگہ ایک ایک غلام کی قیمت کے برابر خریدی جائے گی) میں نے عرض کیا اس کے بارے میں اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں (یعنی میں نہیں جانتا کہ اس وقت میرا کیا ہو گا، آیا میں مبروہ استقامت کی راہ اختیار کروں یا اپنا سکن چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”اس وقت تم پر مبرا لازم ہے“ حضرت حماد ابن سلمہ کہتے ہیں کہ کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے کیونکہ وہ میت کے گھر میں داخل ہوا ہے۔“ (ابو ذرؓ)

تشریح: حضرت حماد ابن ابوسلمان نے آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے بظاہر بڑا لطیف نکتہ پیدا کیا اور یہ استدلال کیا کہ آنحضرت ﷺ نے چونکہ قبر کو گھر کہا ہے اس طرح گھر کی طرح قبر بھی ”حرز“ ہوئی جیسے اور کوئی شخص گھر میں سے کوئی چیز چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے ایسے ہی اگر کوئی شخص قبر میں سے کفن چرائے گا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت حمادؓ کا یہ استدلال مضبوط نہیں ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ جگہ ”حرز“ کے حکم میں ہو جس پر ”گھر“ کا اطلاق ہوتا ہو مثال کے طور پر فرض کیجئے اگر کوئی شخص کسی ایسے گھر میں سے کچھ مال چرائے جس کا دروازہ بند نہ ہو یا جس میں کوئی نگہبان موجود نہ ہو تو محفوظ طور پر تمام علماء کا فیصلہ یہ ہے کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ اگرچہ اس نے ایک گھر کے اندر سے مال کی چوری کی ہے مگر اس گھر کے عدم محفوظ ہونے کی وجہ سے وہ ”حرز“ نہیں رہا، اور جب اس صورت میں ”حرز“ کی شرط نہیں پائی گئی تو اس پر قطع یہ کی سزا بھی نافذ نہیں ہوگی۔ ٹھیک اسی طرح ”قبر“ کو اگرچہ ”گھر“ فرمایا گیا ہے لیکن چونکہ وہ ”حرز“ یعنی محفوظ نہیں ہے اس لئے اس میں سے کفن چرانے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ابن ہمامؓ فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ ہاتھ کاٹنے کی سزا کفن پھور پر نافذ نہیں ہوگی جب کہ قتل (انکہ اور خلیفہ میں سے) حضرت امام ابویوسفؒ کا قول یہ ہے کہ کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا اس مسئلہ کی باقی تفصیل ”مرقات“ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

بَابُ الشَّفَاعَةِ فِي الْخُدُودِ

حدود کے مقدمہ میں سفارش کا بیان

اس باب میں وہ احادیث نقل کی جائیں گی جن سے یہ معلوم ہو گا کہ امام یعنی حاکم کو سفارش کرنا مکہ وہ فلاں مجرم کو معاف کر دے اور اس پر حد جاری نہ کرے، جائز ہے یا نہیں اور یہ کہ حاکم اس سفارش کو قبول کرنے کا اختیار رکھتا ہے یا نہیں۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

حدود میں سفارش نہیں قبول کی جاسکتی

① عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ قُرَيْشًا أَهْلَهُمْ شَأْنِ الْمَرْوَةِ الْمَخْزُومَةِ الَّتِي سَوَّقَتْ لِقَالِئَا وَمَنْ تَكَلَّمَ فِيهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا وَمَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ إِلَّا أَسْمَاءُ بِنْتُ زَيْدٍ حَبِيبَةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَهُ أَسْمَاءُ فَقَالَ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَشْفَعُ فِي حَدِيثِ خُدُودِ اللَّهِ ثُمَّ قَامَ فَأَخْطَبَ ثُمَّ قَالَ أَمَّا أَهْلُكَ الَّذِينَ قَبْلَكَمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكَوهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَأَيُّمُ اللَّهِ لَوْنُ فَاطِمَةَ بِنْتِ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَتْ كَانَتْ امْرَأَةً مَحْزُومِيَّةً تَسْتَعِينُ الْمَتَاعَ وَتَجْعَلُهُ قَامَرُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْطَلِعُ بِهَا فَاتَى أَهْلَهَا أَسْأَلَةً فَكَلَّمُوهُ فَكَلَّمَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُنْهَا ثُمَّ ذَكَرَ الْحَدِيثَ يَنْخُومًا تَقَدَّمَ

”حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ (ایک مرتبہ) قریشی صحابہؓ ایک مخدومہ عورت کے بارے میں بہت فکر مند تھے جس نے چوری کی تھی اور لوگوں سے عاریہ (سامان لے کر کریمجی جاتی تھی اور آنحضرت ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا) ان قریشی صحابہؓ نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ اس عورت کے مقدمہ میں کون شخص آنحضرت ﷺ سے گفتگو (یعنی سفارش) کر سکتا ہے اور پھر انہوں نے یہ کہا کہ حضرت اسامہ ابن زیدؓ سے رسول کریم ﷺ کو بہت محبت و تعلق ہے اس لئے اس بارہ میں آپ سے کچھ کہنے کی جرأت اسامہ کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہو سکتی (چنانچہ ان سب نے حضرت اسامہؓ کو اس پر تیار کیا کہ وہ اس عورت کے بارہ میں آنحضرت ﷺ سے گفتگو کریں) حضرت اسامہؓ نے (ان لوگوں کے کہنے پر) آنحضرت ﷺ سے گفتگو کی، رسول کریم ﷺ نے (ان کی بات سن کر) فرمایا کہ ”تم اللہ کی حمد و حمد میں سے ایک حمد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟“ اور پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا اور (حمد و ثناء کے بعد) اس خطبہ میں فرمایا کہ ”تم سے پیسے جو لوگ گذرے ہیں ان کو اسی چیز نے ہلاک کیا کہ ان میں سے اگر کوئی شریف آدمی (یعنی دنیاوی عزت و طاقت رکھنے والا) چوری کرتا تو وہ اس کو (مزاد یعنی بغیر چھوڑ دیتے تھے اور اگر ان میں سے کوئی کمزور و غریب آدمی چوری کرتا تو سزا دیتے تھے قسم ہے خدا کی اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں۔“ (بخاری و مسلم) اور مسلمؒ کی ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا ”ایک مخدومہ عورت (کی یہ عادت تھی کہ وہ لوگوں سے عاریہ کوئی چیز لیتی اور پھر اس سے انکار کر دیتی تھی) چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالنے کا حکم دے دیا (جب) اس عورت کے اعزاء کو اس کا علم ہوا تو وہ (حضرت اسامہؓ کے پاس آئے اور ان سے اس بارے میں گفتگو کی کہ وہ آنحضرت ﷺ سے سفارش کریں) اور پھر حضرت اسامہؓ نے آنحضرت ﷺ سے اس کے متعلق عرض کیا۔“ اس کے بعد حدیث کے وہی الفاظ ذکر ہیں جو اوپر کی حدیث میں نقل کئے گئے ہیں

تشریح: حدیث میں جس عورت کا ذکر کیا گیا ہے اس کا نام فاطمہ بنت اسود ابن عبد اللہ تھا اور وہ حضرت ابو سلمہؓ کے بھائی کی بیٹی تھی۔ چونکہ وہ بنی مخزوم سے تھی جو قریش کا ایک بڑا قبیلہ تھا اس لئے قبیلہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس کو ”مخدومیہ“ کہا گیا ہے۔ اس حدیث کے بموجب تمام علماء کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ جب حد کا کوئی تقبیہ (حاکم) کے پاس پہنچ جائے تو اس کے بعد مجرم کے حق میں امام سے سفارش کرنا بھی حرام ہے اور کسی دوسرے سے سفارش کرنا بھی حرام ہے۔ ہاں امام کے پاس پہنچ جانے تو اس کے پہلے سفارش کرنے کی اکثر علماء نے اجازت دی ہے بشرطیکہ جس شخص کے حق میں سفارش کی جائے وہ شریف اور لوگوں کو اپنا پہنچالے والا نہ ہو۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی ایسے جرم و گناہ کا ارتکاب کیا ہو جس میں حد جاری نہ ہو بلکہ ”تذریع“ نافذ ہوتی ہو تو اس کے حق میں سفارش کرنا اور سفارش کرنا بھی مسموع و ناجائز ہے خواہ اس کا تقبیہ امام کے پاس پہنچ چکا ہو یا نہ پہنچا ہو کیونکہ ایسی صورت میں سفارش کرنا نہ صرف یہ کہ آسان ہے بلکہ مستحب بھی ہے بشرطیکہ جس شخص کے حق میں سفارش کی جائے وہ کوئی شریف اور لوگوں کو اپنا پہنچالے والا نہ ہو۔

مسلمؒ کی جود و سری روایت نقل کی گئی ہے اس کے الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو اس جرم میں ہاتھ کاٹنے کی سزا دی تھی کہ وہ لوگوں سے عاریہ چیزیں لے کر مکر جاتی تھی حالانکہ یہ واقعہ کے بھی خلاف ہے اور شرعی مسئلہ کے بھی منافی ہے، چنانچہ اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری روایت میں ”انکار کا ذکر محض اس عورت کا حال بتانے کے لئے ہے کہ وہ عورت اس قسم کی تھی

اور اس کو قطع کر کے جو سزا دی گئی اس کا تعلق اس کے چوری کے جرم سے تھا جیسا کہ پہلی روایت (جس کو بخاری و مسلم دونوں نے نقل کیا ہے) میں بیان ہوا۔ گویا حاصل یہ نکلا کہ دوسری روایت فقط و تہجدہ کے بعد لفظ فسرت مقدم ہے، یعنی یہ لفظ "فسرت" اگرچہ عبرت میں نہیں ہے مگر اس کے معنی مراد سے جائیں گے۔ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ جو شخص کسی سے عاریہ کوئی چیز لے کر اسے مکر جائے اس کو ہاتھ کانٹے کی سزائیں دی جائے گی جب کہ حضرت امام احمد اور احناف کا قول یہ ہے کہ ایسے شخص کا بھی ہاتھ کاٹنا واجب ہے۔

الفصل الثالث

حد میں سفارش کرنے والا گویا خدا کے حکم کی مخالفت کرنے والا ہے

② عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ خَالَفَ شَفَاعَتَهُ ذُنُوبَ خَدَمِهِ خُذُوا اللَّهُ فَقَدْ ضَادَّ اللَّهَ وَمَنْ خَاصَمَ فِي بَاطِلٍ وَهُوَ يَعْلَمُ لَمْ يَزَلْ فِي سَخَطِ اللَّهِ تَعَالَى حَتَّى يَنْتَرِعَ وَمَنْ قَالَ فِي مُؤْمِنٍ مَا يَنْتَسِي فِيهِ أَسْكَنَهُ اللَّهُ زُذْغَةَ الْخِيَالِ حَتَّى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ - وَوَاهُ أَخْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَفِي رِوَايَةٍ لِلْمُسْتَهْفِي فِي شُعْبِ الْإِيمَانِ مَنْ أَعَانَ عَلَى خَصْمَةٍ لَا يَنْبَغِي أَحَقُّ أَمْ يَبْطُلُ فَهُوَ فِي سَخَطِ اللَّهِ حَتَّى يَنْتَرِعَ -

"حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "جس شخص کی سفارش اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد کے درمیان حاکم ہو (یعنی جو شخص اپنی سفارش کے ذریعہ حاکم کو غلط حد سے روکے) اس نے اللہ تعالیٰ سے ضد کی (اور گویا اس طرح اس نے اللہ تعالیٰ کی خلاف ورزی کی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہی ہے کہ حد جاری کی جائے) اور جو شخص جانتے ہوئے بھی کسی ناحق اور جھوٹی بات میں کسی سے جھگڑتا ہے) تو وہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے غضب میں رہتا ہے جب تک کہ اس سے باز نہ آجائے۔ اور جس نے کسی مؤمن کے بارے میں کوئی ایسا بات کہی جو اس میں تیس پائی جاتی (یعنی کسی مؤمن کو کوئی عیب لگائے یا اس کی طرف کسی غلط بات کی تہمت کر کے اس کو نقصان پہنچائے) تو اس کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک وہ غیب کے کچھ پیپہ اور خون میں رکھے گا جب تک کہ وہ اپنی کٹی ہوئی بات سے نہ نکل آئے یعنی جب تک کہ وہ توبہ کر کے اس گناہ سے نہ نکل آئے وہ دوزخیوں کی سی حالت میں رہے گا۔ یا یہ کہ جب تک کہ وہ اس گناہ عذاب کو بھگت کر پاگ نہ ہو جائے دوزخیوں کے درمیان رہے گا) اس روایت کو احمد اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔ اور بیہقی نے شعب الایمان میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ "جو شخص کسی ایسے مجرم سے ملحد کرے جس کے حق و ناحق ہونے کا اس کو علم نہیں تو جب تک کہ وہ اپنی مدد سے باز نہ آجائے اللہ تعالیٰ کے غضب میں رہے گا۔"

اقرار جرم پر چوری کی سزا

③ وَعَنْ أَبِي أُمَيَّةَ الْغَضْرَوِيِّ أَنَّ الشَّيْءَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى بَلْعَى فَلَا يَعْتَرِفُ اعْتَرَفَ اعْتَرَفَ مَا وَجَدَ مَنَعًا فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا إِخْلَاكَ سَرَقْتَ قَالَ بَلَى فَأَعَادَ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا كُلَّ ذَلِكَ يَعْتَرِفُ فَلَمَّا رَجَعَ فَقَطَعَ فَعِنِّي بِهِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَغْفِرِ اللَّهَ وَتُبْ إِلَيْهِ فَقَالَ اسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ ثَلَاثًا - وَوَاهُ أَخْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتَّسَانِي وَأَبُو مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ هَكَذَا وَحَدَّثَ فِي الْأَصُولِ الْأَرْبَعَةِ وَجَامِعِ الْأَصُولِ وَشُعْبِ الْإِيمَانِ وَمَعَالِمِ الشَّيْءِ عَنْ أَبِي أُمَيَّةَ وَفِي نُسْخِ الْمَصَابِيحِ عَنْ أَبِي رَمْثَةَ بِالرَّوَاءِ وَالْمُتَلَفَةِ بِذَلِكَ الْهَمْزَةِ وَالْيَاءِ -

"اور حضرت ابو امیہ غضریؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک چور کو پیش کیا گیا جس نے اپنے جرم کا صریح

اعتراف و اقرار کیا لیکن (چوری کے مال میں سے) کوئی چیز اس کے پاس نہیں نکلی چنانچہ رسول کریم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ ”میرا خیال نہیں ہے کہ تم نے چوری کی ہے“ اس کی کہہ کہ ”ہاں! میں نے چوری کی ہے“ آنحضرت نے دوبار تین بار یہ کہا کہ میرا خیال نہیں ہے کہ تم نے چوری کی ہے (مگر وہ ہر بار یہ اعتراف و اقرار کرتا تھا کہ میں نے چوری کی ہے) آخر کار آنحضرت ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم جاری کیا پھر کہنے کے بعد اس کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں دیا گیا تو رسول کریم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ ”اے نبی! زبان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو (اور اپنے دل کے ذریعہ) اس کی طرف متوجہ ہو۔“ اس نے کہا میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں اور اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں (یعنی توبہ کرتا ہوں) رسول کریم ﷺ نے عین بار فرمایا ”اے اللہ! اس کی توبہ قبول فرما۔“ (ابوداؤد و نسائی، ابن ماجہ واری اور صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ) میں نے اس روایت کو ان چاروں اصل کتابوں (ابوداؤد و نسائی، ابن ماجہ، واری) میں جامع الاصول میں، اور بیہقی کی شعب الایمان میں، اور خطابی کی معالم السنن میں اسی طرح نبی اکرم ﷺ سے منقول پایا ہے لیکن مصابیح کے بعض نسخوں میں اس روایت میں ابورشد (امروہ واری کی بجائے) راہکورہ اور ثمالک کے ساتھ) منقول ہے مگر حضرت شیخ حافظ ابن حجر عسقلانی نے وضاحت کی ہے کہ اس روایت کا ابورشد سے منقول ہونا غلط ہے، اور ابورشد اگرچہ صحابی ہیں لیکن یہ روایت ان سے منقول نہیں ہے۔“

تشریح: ”اس ارشاد میں“ میں خیال نہیں کرتا“ سے آنحضرت ﷺ کا منشاء یہ تھا کہ وہ شخص اپنے اعتراف سے رجوع کرے تاکہ اس پر سے حد ساقط ہو جائے اور اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے، جیسا کہ آنحضرت ﷺ زنا کا اقرار کرنے والوں کے سامنے اس طرح کے جیسے ارشاد فرماتے تھے جن کا مقصد ”مقتضین عذر“ ہوتا تھا۔ یہ حضرت امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور دوسرے ائمہ کے نزدیک اس طرح کی ”مقتضین عذر“ اور ”مقتضین رجوع“ صرف زنا کی حد کے ساتھ مخصوص ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو جو استغفار کا حکم دیا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس شخص پر حد جاری ہوئی ہے اس کو وہ حد بالکل (یعنی تمام گناہوں سے) پاک نہیں کرتی بلکہ اس کے اسی اصل گناہ کو ختم کرتی ہے جس کی وجہ سے اس پر حد جاری ہوئی ہے کہ حد جاری ہو جانے کے بعد وہ پروردگار کی جانب سے اس کے سبب دوبارہ عذاب میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔

بَابُ حَذِّ الْخَمْرِ شراب کی حد کا بیان

شراب کی حرمت: شراب جس کو نام التجباتؑ کہا گیا ہے، بھٹ نبوی ﷺ سے پہلے ہی جہود زندگی کا درجہ و کثرت تھی اس لئے بھٹ نبوی کے بعد ابتدا اسلام میں بھی اس کا رواج برقرار رہا، اور عام طور پر لوگ اس کو پینے چلانے میں جھگڑا رہے لیکن اس کی برائی اور اس کے نقصان کی وجہ سے مسلمانوں کے دل میں تکلمک بھی پیدا ہوئی تھی، اور حضرت عمرؓ کے قول انہما تذهب المال و تذهب العقل (یہ شراب مال کو بھی برباد کرتی ہے اور عقل کو بھی ختم کرتی ہے) کے جوش نظر لوگوں میں یہ احساس تنہا بھی روز بروز بڑھتا جاتا تھا کہ اس کی اباحت جتنی جلد ختم ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے، اور مزید نگہ پوری سوسائٹی اس لعنت میں گرفتار تھی اور یہ ایک ایسی عادت تھی جس کی جڑیں پورے معاشرہ میں بہت دور تک پھیلی ہوئی تھیں اس لئے مصلحت شریعت یہ تھی کہ اس کی حرمت کا نفاذ وقتاً کرنے کی بجائے بتدریج رو بہ عمل لایا جائے اور عام لوگوں کے دلوں میں اس کی نفرت اس طرح جاگزیں کی جائے کہ شریعت کا مقصد بھی پورا ہو جائے اور لوگ اس لعنت سے بھی نجات پا جائیں، چنانچہ جب کچھ صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے شراب کے بارے میں دریافت کیا تو اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْمِرِ فَقُلْ فِيهِمَا إِفْسٌ كَثِيرٌ وَنَافِعٌ لِلنَّاسِ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ مِمَّنْ نَنْهَاهُمْ

”اے محمد ﷺ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور (بظاہر) ان میں لوگوں کے لئے کچھ فائدہ ہے لیکن ان کا گناہ ان کے فائدوں سے بہت بڑھا ہوا ہے۔“

جو سعید رحمہ اللہ پہلے ہی سے شراب کے مضرات کا احساس رکھتی تھیں اور جو لوگ اس کی برائی سے طبعاً ہزار تھے ان کے لئے تو بس اتنا ہی کافی تھا کہ قرآن کریم نے ”شراب“ کو گناہ کہہ دیا۔ انہوں نے شراب نوشی قطعاً ترک کر دی، لیکن چونکہ اس آیت میں شراب کی حرمت کا کوئی واضح اور قطعی حکم نہیں ہے اس لئے لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے اسے نوشی کا مشغلہ بدستور جاری رکھا۔ اور پھر اس سلسلہ میں دوسری آیت نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ خَشًى تَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ

”اے ایمان والو! تم ایسی حالت میں نماز کے پاس مت جاؤ کہ تم نشہ کی حالت میں مت ہو، یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ منہ سے کیا کہتے ہو۔“

اس آیت نے شراب نوشی کے جاری مشغلہ پر ایک اور ضرب لگائی، اور نماز کے اوقات میں شراب نوشی بالکل ترک کر دی گئی البتہ نماز کے علاوہ اوقات میں بعض لوگوں کے یہاں اب بھی شراب نوشی کا مشغلہ بند نہیں ہوا اور آخر کار ۳۷ھ میں یہ تیسری آیت نازل ہوئی جس میں حرمت شراب کو واضح کر دیا گیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَفْهَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوا لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ

”اے ایمان والو! اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شراب اور جو اور بت اور قمار کے جیسے سب گمراہی چیزیں شیطان کا کام ہیں سو ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم نفع پاؤ۔“

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد شراب نوشی بالکل بند ہو گئی، شراب کے ٹکے توڑ ڈالے گئے اور شراب مدینہ کی گلیوں میں پانی کی طرح بنے گئی اور اس شراب کی حرمت کا حکم نافذ ہو گیا۔

شراب نوشی کی سزا: تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن و سنت کے حکم اور اجماعِ امت کے مطابق شراب حرام ہے اور جو شخص شراب پئے وہ ”معد“ (شرعی سزا) کا مستوجب ہے جو جہورِ علماء کے قول کے مطابق ”اسی ۸۰ کوڑے مارنا“ ہے خفیہ کا بھی یہی مسلک ہے اور حضرت امام شافعیؒ اور کچھ دوسرے علماء کے قول کے مطابق ”چالیس کوڑے مارنا“ ہے

سزا کا نفاذ: اگر کوئی شخص شراب پئے اگرچہ اس نے ایک ہی قطرہ پی ہو اور پھر اس کو حاکم و قاضی کے سامنے پیش کیا جائے اور اس وقت شراب کی بوسہ موجود ہو یا اس کو نہنے کی حالت میں پیش کیا گیا ہو اگرچہ وہ نشہ خیز پینے کی وجہ سے ہو اور دو شخص اس کی شراب نوشی کی گواہی دیں یا وہ خود اپنی شراب نوشی کا ایک مرتبہ اور امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق دو مرتبہ اقرار کرے نیز یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے اپنی خوشی سے شراب پی ہے کسی کی زبردستی سے نہیں پی ہے تو اس پر حد جاری کی جائے یعنی اگر وہ شخص آزاد ہو تو اس کو اسی ۸۰ کوڑے مارے جائیں اور اگر غلام ہو تو چالیس کوڑے مارے جائیں اور یہ کوڑے اس وقت مارے جائیں جب کہ اس کا نشہ ختم ہو جائے نیز زنا کی حد اور اس حد میں بھی اس طرح کوڑے مارے جائیں کہ بدن کے مختلف حصوں پر چوٹ آئے یعنی پورے کوڑے بدن کے کسی ایک ہی حصہ پر نہ مارے جائیں بلکہ مختلف حصوں پر مارے جائیں۔

اگر کسی شخص نے اپنی شراب نوشی کا اقرار اس وقت کیا جب کہ شراب کی بوجھ ہو گئی ہو یا دو آدمیوں نے کسی کی شراب نوشی کی گواہی اس وقت دی جب کہ بوجھ ہو گئی ہو تو اس پر حد جاری نہ کی جائے اس طرح اگر کسی شخص میں صرف شراب کی بوائی گئی یا اس نے صرف شراب کی فتنے کی یا اس نے پہلے تو اپنی شراب نوشی کا اقرار کیا مگر بعد میں مکر کیا۔ اور یا اس نے نشے کی حالت میں اقرار کیا تو ان صورتوں میں بھی اس پر حد جاری نہ کی جائے۔

واضح رہے کہ جو نشہ حد کو اوجب کرتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ شخص مرد و عورت اور زمین و آسمان کے درمیان امتیاز نہ کر سکے۔ لیکن صاحبزین
یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ ”نشہ“ سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص ہیزان اور دوائی ہا ہی باتیں کہنے لگے۔
خفی مسلک میں فتویٰ اسی قول پر ہے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

آنحضرت ﷺ کے زمانے میں شراب نوشی کی سزا

① وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَرَبَ فِي الْخَمْرِ بِالْخَرِيدِ وَالتَّبْعَالِ وَجَلَدَهُ أَكْبُوزَ كَرِزَيْنِ مُنْفَقٍ عَلَيْهِ وَلَهُ زَوَاجَةٌ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَضْرِبُ فِي الْخَمْرِ بِالتَّبْعَالِ وَالْخَرِيدِ أَكْبُوزَيْنِ۔

”حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے شراب نوشی کی حد (سزا میں) بخور کی ٹہنیوں (چھڑیوں) اور جوتوں سے مارا یعنی مارنے کا حکم
(دیا) اور حضرت ابوبکرؓ نے (اپنے دور خلافت میں شراب پینے والے کو چالیس کوڑے مارے۔)“ (بخاری و مسلم) اور ایک روایت میں
حضرت انسؓ ہی سے چون منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ شراب نوشی کی حد (سزا) میں چالیس بخور کی ٹہنیوں اور جوتوں سے مارے تھے یعنی
مارنے کا حکم دیتے تھے۔“

تشریح: پہلی روایت میں توحہ کا ذکر عدو کے قتل کے بغیر ہے اس اعتبار سے وہ مجمل ہے جس کی وضاحت دوسری روایت نے کی ہے۔
جس میں عدو کا قتل کیا گیا ہے اور وہ چالیس ہے چنانچہ یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کی دلیل ہے حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے
مسلک کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں ے نوشی کی شرعی سزا اتنی کوڑے مارنا بیان کیا گیا ہے ملا علی قادریؒ نے ان احادیث کو اپنی کتاب
مرقات میں نقل کیا ہے۔

اتنی کوڑے کی سزا عہد صحابہ میں متعین ہوئی ہے

② وَعَنِ الشَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ يُؤْتَى بِالشَّرَابِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمْرُؤَ آيِنَ يَكْرُو وَهَذَا
مِنْ جِلَافِهِ عُمَرُ قُفْتُومٌ عَلَيْهِ بَايِدِيَتَا وَتَعَالِيَتَا وَآزْدِيَتَا حَتَّى كَانَ أَخِيْرُ أَمْرَةٍ عُمَرُ فِجْلَدَ أَكْبُوزَيْنِ حَتَّى إِذَا عَفُوا وَفَسَقُوا
جَلَدَهُ ثَمَانَيْنِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت سائب ابن یزیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے عہد مبارک میں حضرت ابوبکرؓ کے ایام خلافت میں اور حضرت عمر
فاروقؓ کے زمانہ خلافت کے ابتدائی دور میں یہ معمول تھا کہ جب کوئی شراب پینے والا لایا جاتا تو ہم اٹھ کر اس کو اپنے ہاتھوں اپنے
جو توبہ اور اپنی چادروں سے یعنی چادروں سے کوڑے بنا کر اس کی پٹائی کرتے پھر حضرت عمر فاروقؓ اپنی خلافت کے آخری دور میں
چالیس کوڑے مارنے کی سزا دینے لگے یہاں تک کہ جب شراب پینے والوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا اور سرکشی بڑھ گئی تو حضرت عمرؓ
نے اسی کوڑے کی سزا متعین کی۔“ (بخاری)

تشریح: حضرت سائب ابن یزیدؓ کی مراد یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس وقت شراب نوشی کی حد کا نفاذ عدو کے قتل کے بغیر ہوتا تھا لیکن زیادہ صحیح یہ
ہے کہ ان کی مراد یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس زمانہ میں شراب پینے کی سزا چالیس کوڑوں سے بھی کم تھی جیسا کہ ان کے قول پھر حضرت عمر
فاروقؓ اپنی خلافت کے دور میں چالیس کوڑے مارنے کی سزا دینے لگے سے ثابت ہوتا ہے۔

بہر کیف اس حدیث سے واضح ہوا کہ شراب کی حد کے طور پر اسی کوڑے کی سزا عہد نبوی ﷺ میں نافذ نہیں تھی بلکہ عہد صحابہ میں
طے پائی ہے چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے شراب کے معاملہ میں بڑھتی ہوئی سرکشی کو دیکھتے ہوئے اور قانونی و انتظامی مصالح کے پیش نظر

شراب پینے والے کو اسی کوڑے مارنے کی سزا تھیں کی اور اسی پر تمام صحابہ کا اجماع و اتفاق ہو گیا لہذا اب کسی کے لئے جائز نہیں ہے چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ ارشاد ہے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے شراب پینے والے کو چالیس کوڑے کی سزا دی اور اس سزا کو حضرت عمر فاروقؓ نے کال کیا یاں طور کہ انہوں نے اسی کوڑے کی سزا تھیں کی اور اگرچہ سب سنت ہے لیکن اسی کوڑے ہی پر اجماع و اتفاق ہے۔

الفصل الثانی

شرابی کو قتل کر دینے کا حکم منسوخ ہے

(۳) عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوهُ فَإِنْ غَادَى فِي الزَّابِعَةِ فَاقْتُلُوهُ قَالَ ثُمَّ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذَلِكَ بَرَجْلٌ فَقَدْ شَرِبَ فِي الزَّابِعَةِ فَضْرَبُوهُ وَلَمْ يَقْتُلُوهُ زَوْاهُ الْبَيْتِ مِلْحِي وَزَوْاهُ أَبُو ذَاؤُدَ عَنْ قَبِيْضَةَ بْنِ ذُوَيْبٍ وَفِيْ أُخْرَى لَهُمَا وَلِلْبُخَارِيِّ وَالْبَيْهَقِيِّ وَالدَّارِمِيِّ عَنْ ثَعْلَبٍ عَنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ بَنُو عَمْرٍو وَمُعَاوِيَةُ وَأَبُو هُرَيْرَةَ وَالْشَّرِيدَةُ إِلَى قَوْلِهِ فَاقْتُلُوهُ۔

"حضرت جابرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص شراب پے اس کو کوڑے مارو اور جو شخص بار بار پے یہاں تک کہ چوٹی مرتبہ پینا ہو پایا جائے تو اس کو قتل کرو اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی کے بعد ایک دن آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک ایسے شخص کو پیش کیا گیا جس نے چوٹی مرتبہ شراب پی چکی تو آپ ﷺ نے اس کی پٹائی کی اور اس کو قتل نہیں کیا۔ (ترمذی) ابو ذؤاد کی ایک اور روایت میں اور نسائی کہیں باجوہ اور داری کی روایت میں جو انہوں نے رسول کریم ﷺ کے صحابہ کی ایک جماعت سے نقل کی ہے جس میں حضرت ابن عمرو، حضرت معاویہ، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت شریہ بھی شامل ہیں یہ حدیث لفظاً نقلوہ تک منقول ہے یعنی ان روایتوں میں ثُمَّ أَتَى النَّبِيَّ عَنِ الْبَيْتِ کی عبارت نہیں ہے۔"

تشریح: تو اس کو قتل کرو اور اس حکم سے یا تو یہ مراد ہے کہ اس شخص کی بہت پٹائی کرو اور خوب مارو یا پھر یہ کہ آپ ﷺ نے یہ حکم زجر و تہدید کے طور پر اور قانونی و انتظامی مصلح کے پیش نظر دیا تھا اس کا تعلق کسی مستقل قانون اور وجوب سے نہیں تھا نیز بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں یہی حکم تھا مگر بعد میں منسوخ ہو گیا۔

اس کو قتل نہیں کیا اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ قتل کر دینے کا حکم یا تو زجر و تہدید اور قانونی و انتظامی مصلحتوں کی بناء پر تھا یا پہلے تو یہی حکم تھا مگر بعد میں آپ نے خود اپنے اس عمل سے کہ اس کو قتل نہیں کیا یہ حکم منسوخ قرار دے دیا۔

نوٹی: نے امام ترمذی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میری کتاب میں دو حدیثوں کے علاوہ اور کوئی ایسی حدیث نہیں ہے جس کو متروک العمل قرار دینے پر پوری اہمیت کا اجماع و اتفاق ہو اور دونوں میں سے ایک حدیث تو وہ ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی خوف و دہشت یا بارش نہ ہو تب بھی صحابہ میں اہل صلہ و شہادت کی اجازت ہے اور دوسری حدیث یہ ہے جس میں چوٹی بار شراب پینے والے کو قتل کر دینے کا حکم ہے گویا امام ترمذی کے اس قول کو قتل کرنے کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ یہ حدیث جس میں چوٹی بار شراب پینے والے کو قتل کر دینے کا حکم ہے منسوخ ہے اور اس کی منسوخی پر سب کا اتفاق و اجماع ہے۔

شرابی کی تعزیر

(۴) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَزْهَرَ قَالَ كَانَتْ أُمَّتُكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَى بِرَجُلٍ فَقَدْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَقَالَ لِلنَّاسِ اصْبِرُوا فَيُسَبِّحُونَ مِنْ حُرَّتِهِ بِالْبَغَالِ وَمِنْهُمْ مَنْ حُرَّتَهُ بِالْقَضَاءِ وَمِنْهُمْ مَنْ حُرَّتَهُ بِالْبَيْتِ خُفَّةٍ قَالَ ابْنُ

وَهُبْ بِنَعْيِ الْخُرَيْدَةِ الرُّطْبَةِ ثُمَّ أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَرَابًا مِنَ الْأَرْضِ فَرَمَى بِهِ فَي وَجْهَهُ

(رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عبدالرحمنؓ ابن ازہر کہتے ہیں کہ گویا وہ منظر اس وقت بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ ایک دن رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک ایسے شخص کو پیش کیا گیا جس نے شراب پی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی پٹائی کی رو چنانچہ ان لوگوں میں سے بعض نے اس کو جو تلوں سے مارا اور بعض نے گجور کی ٹہنی (چھڑی) سے مارا۔ حضرت ابن وہبؒ جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں کہتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمنؓ نے میتخہ سے گجور کی ہڈی جس پر پتے نہ ہوں یعنی چھڑی مرادی تھی۔ پھر حضرت عبدالرحمنؓ نے بیان کیا کہ جب سب لوگ اس شرابی کی پٹائی کر چکے تو آنحضرت ﷺ نے زمین سے مٹی اٹھائی اور اس کے منہ پر پیسٹک دی اس کے منہ پر مٹی پیسٹک کر گویا آپ ﷺ نے اس کے تئیں خمار کا اظہار کیا کیونکہ اس نے شراب پی کر ایک بہت ہی شعی غصہ نکل کا اور کتاب کیا تھا۔“ (ابوداؤد)

شرابی کو سزا دو اس کو عار دلاؤ لیکن اس کے حق میں بددعا نہ کرو

⑤ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أتى بَزَجِلَ فَلَشَّرَبَ الْخَمْرَ فَقَدَلْ أَصْرُ يَوْمَ فَمِثَا الصُّارِبِ يَبْدُوهُ الصُّارِبُ بِبُزْجِيهِ وَالصُّارِبُ بِبُزْجِيهِ ثُمَّ قَالَ تَكْتَوُفُ فَاقْبَلُوا عَلَيْهِ يَقُولُونَ مَا اتَّقَيْتُ اللَّهَ مَا حَشَيْتُ اللَّهَ وَمَا اسْتَحْشَيْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَعْضُ الْقَوْمُ أَخْرَاكَ اللَّهُ قَالَ لَا تَقُولُوا هَكَذَا لَا تُعَيِّنُوا عَلَيْهِ الشَّيْطَانَ وَلَكِنْ قُولُوا اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم ﷺ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے شراب پی تھی آنحضرت ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ اس کی پٹائی کرو۔ چنانچہ ہم میں سے بعض نے اپنی جوتیوں سے اس کی پٹائی کی پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب زبان سے اس کو تنبیہ کرو اور عار دلاؤ۔ چنانچہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے کہا شروع کیا کہ تو نے اللہ کی مخالفت سے اجتناب نہیں کیا تو خدا سے نہیں ڈرا اور تو رسول اللہ ﷺ کی متابعت ترک کرنے یا اس حالت میں آپ کے سامنے آنے سے بھی نہیں شرمایا۔ اور پھر جب بعض لوگوں نے یہ کہا اللہ تعالیٰ تجھ کو دنیا و آخرت دونوں جگہ یا آخرت میں بیکس اور سزا کرے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس طرح نہ کہو اور اس پر شیطان کے غالب ہو جانے میں مدد نہ کرو بلکہ یوں کہو کہ اے اللہ اس کا گناہ مٹا کر اس کو بخش دے اور اس کو طاعت و نیکی کی توفیق عطا فرما کر اس پر رحم کر اس کو دنیا میں بخش دے اور عاقبت میں اس پر اپنا رحم فرما۔“ (ابوداؤد)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے زبان سے تنبیہ کرنے کا جو حکم دیا وہ استحباب کے طور پر تھا جب کہ آپ ﷺ کا پہلا حکم کہ اس کی پٹائی کرو و جب کے طور پر تھا۔

اس پر شیطان کے عذاب ہو جانے میں مدد نہ کرو کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح کی بددعا کر کے شیطان کی اعانت نہ کرو کیونکہ جو اللہ تعالیٰ اسکو ذلیل و رسوا کر دے گا تو اس پر شیطان کا تسلط ہو جائے گا یا جب وہ تم کو یہ بددعا کرتے ہوئے نہ گئے گا۔ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید و مایوس ہو جانے کا اور یہ مایوسی و ناامیدی اس کو گناہوں میں مہسک رکھنے کی اس طرح اس پر اپنا غلبہ رکھنے کا شیطان کا مقصد بھی پورا ہوگا اور اس کا گناہوں پر اصرار و تکرار اللہ کے غضب کا سبب بھی ہوگا لہذا اس اعتبار سے ہماری بددعا شیطان کے بہکانے میں مددگار ہوگی۔

بلکہ یوں کہو اس حکم کا مطلب یا تو یہ تھا کہ شروع ہی میں اس کے لئے مغفرت و رحمت کی دعا کرنی چاہئے یا یہ کہ اب اس کے لئے دعا و مغفرت و رحمت کرو اور زیادہ صحیح یہی بات ہے کیونکہ شروع میں تو اس کو عار دلاؤ تا مطلوب تھا اور ظاہر ہے کہ اس دعا اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ کے ساتھ عار دلانے یا اس کو تنبیہ کرنے کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔

ثبوت جرم کے بغیر سزا نہیں

⑥ وَعَنْ أَبِي عُبَّاسٍ قَالَ شَرِبَ رَجُلٌ فَتَسَكَّرَ فَلَقِيَ بَعْثًا فِي الْفَجِّ فَأَنْطَلَقَ بِهِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا حَاضَى دَارَ الْعُبَّاسِ انْقَلَبَ فَدَخَلَ عَلَى الْعُبَّاسِ فَأَتَرَهُمْ فَذَكَرَ ذَلِكَ لِلْبَيْتِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَحَّحَهُ فَقَالُوا أَفْعَلَهَا وَلَمْ يَأْخُزْ فِيهِ بَشَرٌ؟ (رواه البخاري)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے شراب پی اور بدست ہو گیا یہاں تک کہ لوگوں نے اس کو راستہ میں اس حال میں پایا کہ وہ مجھوتا چلا جاتا تھا جیسا کہ شرابیوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ نشہ کی حالت میں لڑکھڑاتے جھوٹے راستہ چلتے ہیں، چنانچہ لوگوں نے اس کو پکڑ لیا اور رسول کریم ﷺ کی خدمت میں لے چلے، لیکن جب وہ حضرت عباسؓ کے مکان کے قریب پہنچا تو لوگوں کے ہاتھ سے چھٹ گیا اور حضرت عباسؓ کے پاس پہنچ کر ان سے چٹ گیا یعنی اس نے اس طرح حضرت عباسؓ سے سفارش اور پناہ چاہی جب نبی کریم ﷺ سے یہ بیان کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا اس نے ایسا کہا اور پھر آپ ﷺ نے اس کے بارہ کوئی حکم نہیں دیا۔"

(ابو داؤد)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے نہ تو اس شخص پر حد جاری کرنے کا حکم دیا اور نہ اس کو کوئی دوسری سزا دی اس کا سبب یہ تھا کہ اس کا شراب پینا نہ تو خود اس کے اقرار سے اور نہ عادل گواہوں کی گواہی کے ذریعہ ثابت ہوا۔ اگر وہ بار بار رسالت میں حاضر ہو کر اپنی شراب نوشی کا اعتراف و اقرار کرتا تو گواہوں کے ذریعہ اس کی شراب نوشی کا جرم ثابت ہوتا تو یقیناً اس پر حد جاری کرنے کا حکم دیا جاتا۔ اور جہاں تک اس شخص کا راستہ میں نشہ کی حالت میں پائے جانے کا تعلق ہے تو یہ مسئلہ ہے کہ شرعی قانون کی نظر میں کسی شخص کا شخص راستہ میں لڑکھڑاتے اور جھوٹے ہوئے چلنا اس نشہ کے ثبوت کے لئے کافی نہیں ہے جو اس پر حد کے جاری ہونے کو واجب کرے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

جو شخص سزا کوڑے کھاتے ہوئے مرجائے اس کی دیت واجب نہیں ہوگی

⑦ عَنْ عُمَيْرِ بْنِ سَعْدٍ التَّحَمِي قَالَ سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ يَقُولُ مَا كُنْتُ لَا أَقِيمُ عَلَى أَحَدٍ حَدًّا فَيَمُوتُ فَاجِدُ فِي نَفْسِي مِنْهُ شَيْئًا إِلَّا صَاحَبَتِ الْحَقْمُ فَإِنَّهُ لَوْ مَاتَ وَكَذِبَهُ وَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسْتَفْهَمْ.

(بخاری)

"حضرت عمیر ابن سعد تحمیمی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی ابن ابی طالبؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر میں کسی شخص پر حد جاری کروں اور وہ شخص صدمہ مارے جانے کی وجہ سے مرجائے تو مجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو گا جتنی مجھے کوئی غم نہیں ہو گا کیونکہ اس پر حد جاری کرنا شریعت کے حکم کے مطابق ہو گا اور شریعت کے حکم کے خلاف میں رحم و شفقت کا کوئی عمل نہیں ہے ہاں شراب پینے والے کی بات دوسری ہے کہ اگر وہ چالیس سے زیادہ کوڑے مارے جانے کی وجہ سے مرجائے تو میں اس کی دیت بھروں گا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شراب پینے کی حد سزا تعین نہیں فرمائی۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: حد مقرر نہیں فرمائی ہے کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے شراب پینے کی حد سزا تعین نہیں کیا ہے کہ اتنے کوڑے مارنے چاہئیں اگرچہ بعض احادیث میں چالیس یا چالیس کے ساتھ کہ حد کا ذکر ہے اس لئے اگر میں نے کسی شراب پینے والے کو کوئی ۸۰ کوڑے مارے اور وہ مر گیا تو میں ذرا ہوں کہ شاید یہ زیادتی میری طرف سے منسوب ہو جائے اس اعتبار سے میں اس مرنے والے کی دیت ادا کروں گا۔ حضرت علیؓ کی یہ بات محض احتیاط پسندی پر محمول ہے حالانکہ جب عمرؓ نے شراب پینے والے کو سزا مارے جانے والے

کوڑوں کی تعداد متعین کرنی چاہی اور صحابہؓ نے اس بارہ میں مشورہ کیا تو خود حضرت علیؓ نے یہ فرمایا کہ شرابی کو ای کوڑے مارنا میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔

حضرت عمرؓ کی طرف سے شراب نوشی کا سزا کا تعین

① وَعَنْ ثَوْرِبْنِ زَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ قَالَ إِنَّ عُمَرَ اسْتَشَارَ فِي حَدِّ الْخَمْرِ فَقَالَ لَهُ عَلِيٌّ أَرَى أَنْ تَجْلِدَهُ نِصْفَيْنِ جُلْدَةً فَإِنَّهُ إِذَا شَرِبَ شَجِرُوا وَإِذَا سَجِرُوا هَذِي وَإِذَا هَذِي أَفْتَرَى فَجُلِدَ عُمَرُ فِي حَدِّ الْخَمْرِ نِصْفَيْنِ - (رواہ مالک)

”اور حضرت ثور بن زید دلیلی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ عروقؓ نے شراب کی حد سزائے تعین کے بارے میں صحابہؓ سے مشورہ کیا تو حضرت علیؓ نے ان سے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ شرابی کو ای کوڑے مارے جائیں کیونکہ جب وہ شراب پیتا ہے تو بدست ہو جاتا ہے اور ہڈیاں بکنا ہے اور جب ہڈیاں بکنا ہے تو بہتان لگاتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حکم جاری کیا کہ شراب پینے والے کو ای کوڑے مارے جائیں۔“ (مالک)

تشریح: حضرت علیؓ نے اپنی رائے کی دلیل میں بڑی جانداریات فرمائی کہ شراب پینے والے کی عقل مآؤف ہو جاتی ہے اور وہ نشہ کی حالت میں اول قول بکنا ہے اور خواہ خڑا کسی پر الزام لگاتا پھرتا ہے یہاں تک کہ نیک پارسا اور پاکدامن عورتوں پر زنا کا بہتان لگانے سے بھی باز نہیں رہتا، اس اعتبار سے اس کا نشہ کو باقذوف و افتراء پروا دینی پاکدامن پر زنا کی تہمت لگانے کا باعث ہوتا ہے اور چونکہ قذوف بہتان تراشی کی سزا ای کوڑے ہے لہذا قذوف پر قیاس کرتے ہوئے شرابی کی سزا بھی زیادہ سے زیادہ دینی ہو سکتی ہے گویا حضرت علیؓ نے یہ بات اغلب کا اعتبار کرتے ہوئے فرمائی کہ زیادہ تر شرابی اپنے نشے کی حالت میں اول قول بکھتے ہیں اور دوسروں پر الزام لگاتے ہیں اور چونکہ حکم کا انحصار اغلب پر ہوتا ہے اس لئے ہر شرابی کے لئے یہ ایک ہی سزا مقرر ہوگی خواہ نشہ کی حالت میں اول قول کہے یا نہ کہے اور کسی پر الزام لگائے یا نہ لگائے بہر حال حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی اس رائے کو تسلیم کیا اور شراب پینے کی سزا ای کوڑے متعین فرمائی جس پر تمام صحابہؓ نے اجماع و اتفاق کیا۔

بَابُ مَا لَا يُدْعَى عَلَى الْمَحْذُودِ

جس پر حد جاری کی جائے اس کے حق میں بدو عانہ کرنے کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے گناہ کا ارتکاب کرے جس کی وجہ سے وہ حد شرعی سزا کا مستوجب ہوتا ہو اور پھر اس پر وہ حد جاری ہو جائے تو اس کے حق میں کسی طرح کی بدو عانہ کی جائے جیسا کہ جب ایک شخص نے ایک شراب پینے والے کے حق میں یہ بدو عانہ اُخرا کہ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ تجھ کو ذلیل و سوا کرے تو آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا کہ یوں نہ کہو بلکہ اس کے حق میں مغفرت و رحمت کی دعا کرو۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

کسی گناہگار پر لعنت بھیجنا ناجائز ہے

① عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّ زَجَلًا اسْتَعَاذَ عِنْدَ اللَّهِ بِتَلْقُبٍ حَمَازًا كَانَ يُضْحِكُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ جُلِدَهُ فِي الشَّرَابِ فَأَتَى بِهِ يَوْمًا فَأَمَرَ بِهِ فَجُلِدَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ اللَّهُمَّ الْعَنَهُ مَا

اَكْثَرُ مَا يُؤْتَى بِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلْعَنُوهُ فَإِنَّ اللَّهَ مَا عَلِمْتُ أَنَّهُ يَحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ (رواه البخاری)

”حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص تھامس کا نام تو عبد اللہ تھا مگر اس کی پر توئی کی وجہ سے اس کو حمار یعنی گدھا کہا جاتا تھا وہ اپنی حماقت آمیز باتوں سے نبی کریم ﷺ کو بسایا کرتا تھا نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ شراب پیئے کے جرم میں اس پر حد جاری فرما چکے تھے پھر وہ ایک دن آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا کیا تو آپ ﷺ نے اس کو کوڑے مارنے کا حکم دیا اور اس کو کوڑے مارے گئے حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے کہا اے اللہ اس پر تیری لعنت ہو اس کو کتنی کثرت کے ساتھ بار بار شراب پیئے کے جرم میں پکڑ کر لایا جاتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس پر لعنت نہ بھیجو خدا کی قسم میں یہ جانتا ہوں کہ یہ شخص اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے۔“ (بخاری)

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کسی گنہگار کو مخصوص کر کے اس پر لعنت بھیجنا جائز نہیں ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت قرب الہی کا سبب ہے لہذا اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت رکھنے والے پر لعنت بھیجنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہے کیونکہ لعنت کے معنی ہیں اللہ کی رحمت سے دور کرنا۔

④ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَمَّا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ قَدْ ضَرَبَ فَقَالَ اضْرِبُوهُ فَمَضَى الضَّارِبُ بِبُندِهِ وَالضَّارِبُ بِتَغْلِبِهِ وَالضَّارِبُ بِتَرْبِهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ بَغِضَ الْقَوْمِ أَخْرَاكَ اللَّهُ قَالَ لَا تَقُولُوا هَكَذَا لَا تَعْبَثُوا عَلَيْهِ الشَّيْطَانُ - (رواه البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک ایسے شخص کو پیش کیا گیا جس نے شراب نوشی کا ارتکاب کیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا اس کی چال کرو چنانچہ ہم میں سے بعض نے اس کو اپنے ہاتھ سے مارا بعض نے اپنے جوتوں سے مارا اور بعض نے اپنے کپڑے کا کوڑا بنا کر اس سے مارا جب وہ شخص وہیں جانے لگا تو بعض لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو ذلیل و رسوا کرے آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ اس طرح نہ کہو اور اس پر غالب ہونے میں شیطان کی مدد نہ کرو۔“ (بخاری)

الفصل الثاني

جو مجرم سزا پا چکا ہے اس کی آبروریزی مردار کھانے کے مترادف ہے

⑤ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ الْأَسْلَمِيُّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَهِدَ عَلَى نَفْسِهِ أَنَّهُ أَصَابَ امْرَأَةً حَرَامًا أَرْبَعَ مَرَّاتٍ كُلُّ ذَلِكَ يَغْرُضُ عَنْهُ فَأَقْبَلَ فِي الْخَامِسَةِ فَقَالَ أَنْكِهْهَا؟ قَالَ نَعَمْ وَقَالَ حَتَّى غَابَ ذَلِكَ بِلَكَ فِي ذَلِكَ مِثْلَهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ كَمَا يَغِيبُ الْمِرْوَدُ فِي الْمُكْتَحَلَةِ وَلَوْ شَاءَ فِي الْبُيُوتِ قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ تَدْرِي مَا الزَّيْنُ قَالَ نَعَمْ أَتَيْتُ بِهَا حَرَامًا مَا يَأْتِي الرَّجُلُ مِنْ أَهْلِهِ خِلَالًا قَالَ فَمَا تَرِيدُ بِهَذَا الْقَوْلِ قَالَ أُرِيدُ أَنْ تَطْلُبَنِي فَأَمْرِي بِهِ فَرَجِمَ فَسَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَلَّيْنِ مِنْ أَصْحَابِهِ يَقُولُ أَخَذَهُمَا لِصَاحِبِهِ أَنْظُرْ إِلَى هَذَا الَّذِي سَمَرَ اللَّهُ عَلَيْهِ فَلَمْ تَدْعُهُ نَفْسُهُ حَتَّى رَجِمَ الرِّجْمَ الْكَلْبَ فَسَكَتَ عَنْهُمَا ثُمَّ سَارَ سَاعَةً حَتَّى مَرَّ بِجَيْفَةٍ جَمَارٍ شَائِلٍ بِرِجْلِهِ فَقَالَ آيْنُ فَلَانُ وَفَلَانُ فَقَالَ لَنْحُ ذَانِ يَأْمُرُونَ اللَّهَ فَقَالَ لَنْحُ لَا فَكُلَا مِنْ جَيْفَةِ هَذَا الْجَمَارِ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ مَنْ يَأْكُلُ مِنْ هَذَا قَالَ فَمَا بَلَّغْتُمَا مِنْ عِزِّهِ أَجَبْتُمَا أَيْضًا أَشَدَّ مِنْ أَكْلِ مَنَعُو الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّهُ الْآنَ لَفِي أَنْهَارِ الْجَنَّةِ يَنْعَمُشُ فِيهَا۔

(رواه ابو ہریرہؓ)

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ مضر اسلمیؓ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے بارہ میں چار بار یعنی چار مجلسوں میں یہ گواہی دی (یعنی یہ اقرار کیا) کہ اس نے ایک عورت کے ساتھ بطریق زنا جماع کیا ہے اور آنحضرت ﷺ ہر بار (اس کے اقرار کرنے پر) سزا پھیر لیتے

تھے تاکہ وہ اپنے اقرار سے رجوع کرے اور مد سے بچ جائے اور پھر پانچویں بار اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ”کیا تو نے اس عورت کے ساتھ صحبت کی ہے؟“ اس نے کہا کہ ”ہاں“ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو نے اس طرح صحبت کی کہ وہ (یعنی تیرا عضو مخصوص) اس عورت کے حصہ مخصوص میں غائب ہو گیا؟“ اس نے کہا کہ ”ہاں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”کیا اس طرح جس طرح سلائی، سرسہ دانی میں اور ری کنویں میں غائب ہو جاتی ہے؟“ اس نے کہا کہ ”ہاں“ آپ نے پوچھا جانتے ہو زنا کیا ہے کہا ”ہاں“ میں نے اس عورت کے ساتھ حرام طور پر وہ کام کیا ہے جو ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ حلال طور پر کرتا ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”(اچھا یہ بتا) یہ جو کچھ تو نے کہا ہے اس سے تیرا مقصد کیا ہے؟“ اس نے کہا کہ ”میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ (مجھ پر مد جاری فرمائیں) مجھ کو (اس گناہ سے) پاک کر دیجئے۔“ چنانچہ (انہی جرح کرنے کے بعد جب اس کا جرم زنا بالکل ثابت ہو گیا تو انحضرت ﷺ نے اس کی سنگساری کا حکم جاری فرمایا اور اس کو سنگسار کروایا پھر نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ میں سے دو آدمیوں کو یہ ٹکٹو کرتے ہوئے سنا کہ ان میں سے ایک اپنے ساتھی سے یہ کہہ رہا تھا: ”اس شخص کو دیکھو، اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کی تھی لیکن اس کے نفس نے اس کو (اپنے اقوام گناہ سے) باز نہ رکھا یہاں تک کہ وہ ایک کتے کی مانند سنگسار کیا گیا۔“ آپ ﷺ نے یہ سن کر اس وقت کو ان دونوں سے کچھ نہیں کہا البتہ کچھ دیر تک چلے کے بعد ایک مرد سے ہوئے گدھے کے قریب سے گذرے جس کے پاؤں (اس کا جسم بہت زیادہ پھول جانے کے سبب) اوپر اٹھے ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ فلاں فلاں (یعنی وہ دونوں) شخص کہا ہیں (جنہوں نے اس طرح سے تحقیق کی تھی کہ اس کو سنگسار کیا گیا تھا) انہوں نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! ہم دونوں (حاضر ہیں)۔“ آپ ﷺ نے فرمایا تم دونوں اترو اور اس گدھے کا مردار گوشت کھاؤ۔“ انہوں نے (بڑی حیرت کے ساتھ) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس کا گوشت کون کھاتا ہے؟ (یعنی اس کا گوشت کھانے والے کے قابل نہیں ہے آپ ہم سے اس کے کھانے کو کیوں فرماتے ہیں؟) آپ ﷺ نے فرمایا تم نے ابھی اپنے بھائی کی جو پردہ پوشی کی ہے وہ اس گدھے کا گوشت کھانے سے بگڑا ہوا تھوڑا سا (بڑی بات ہے) قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے بلاشبہ وہ (اس طرح) جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔“ (ابوداؤد)

④ وَعَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ فَايَظٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَصَابَ ذَنْبًا أَفْنَمَ عَلَيْهِ حَدَّ ذَلِكَ الذَّنْبِ فَهُوَ كَشْفَارْتُهُ زَوْاهُ فِي شَرْحِ الشُّعْبَةِ۔

”اور حضرت خزیمہ ابن ثابت کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص کسی ایسے گناہ کا مرتکب ہو جو حد کو واجب کرنے والا ہو اور پھر اس پر اس گناہ کی حد جاری کی جائے مثلاً کسی شخص نے زنا کیا اور اس کو کوڑے مارے گئے، یا کسی شخص نے چوری کی اور اس کا ہاتھ کاٹا گیا تو وہ حد اس کے اس گناہ کا کٹہر ہے (یعنی حد جاری ہونے کے بعد وہ شخص اس گناہ سے پاک و صاف ہو جائے گا) (شرح السنہ)

جس گناہ پر سزا جاری ہو چکی ہے اس پر آخرت میں مواخذہ نہیں ہوگا

⑤ وَعَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَصَابَ حَدًّا فَغَضِبَ عَلَيْهِ عَقُوبَتُهُ فِي الدُّنْيَا فَلَا تَأْخُذُ بِهِ فِي الْآخِرَةِ عَلَى عَقْدِهِ الْعُقُوبَةُ فِي الْآخِرَةِ وَمَنْ أَصَابَ حَدًّا فَاسْتَفْرَغَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَعَفَا عَنْهُ فَلَا تَأْخُذُ بِهِ مِنْ أَنْ يَتُودِدَ فِي شَيْءٍ قَدْ عَفَا عَنْهُ زَوْاهُ الْبَزْجِي وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت علی کریم اللہ وجہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص حد کا سزاوار ہو (یعنی کوئی ایسا گناہ کرے جس پر حد متعین ہے) اور پھر اس دنیا میں اس کو اس کی سزا دے دی گئی (یعنی اس پر حد جاری کی گئی یا تعزیری یعنی کوئی اور سزا دی گئی تو) آخرت میں اس کو اس گناہ کی کوئی سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی شان عدل تھی یہ بعید ہے کہ وہ آخرت میں اپنے بندے کو دوبارہ سزا دے، اور جو شخص کسی حد (یعنی گناہ) کا مرتکب ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے اس گناہ کو چھپالیا اور اس کو معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ

کی شان کر رہی ہے یہ عید ہے کہ وہ اس چیز پر دوبارہ مواخذہ کرے جس کو وہ معاف کر چکا ہے (ترمذی، ابن ماجہ، ترمذی) سے کہہ رہے ہیں۔ حدیث غریب ہے۔

تشریح: ۱۰، اللہ تعالیٰ نے اس کے اس گناہ کو چھاپا یا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے نہ است و شرم ساری کے ساتھ اپنے گناہ سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت و بخشش کا مطلب لگا رہا یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے اس کے اس گناہ کی پردہ پوشی فرمائی اور اس طرح اس کو اسی دنیا میں معاف کر دیا تو اللہ اس کی شان کر رہی ہے یہ امید ہے کہ آخرت میں بھی اس کو معاف کر دے۔

اپنے گناہ کی پردہ پوشی کرنا اس کو ظاہر کرنے سے بہتر ہے

جمہور علماء کا یہ مسلک ہے کہ اگر کوئی بندہ کسی گناہ کا مرتکب ہو جائے تو اس کی دنیا میں اس کی سزا بھگتنے کے لئے اس کو ظاہر کرنا (یعنی حاکم کے سامنے خود اپنے گناہ کا اقرار کرنا) اگرچہ اس کے ایمان کی بچش، اس کے قلب و احساس کی سلامتی اور اس خدا ترسی کا مظہر ہو گا لیکن اس کے حق میں زیادہ بہتر اور اولیٰ بات یہی ہے کہ وہ اپنے گناہ کو چھپا کر اپنے نفس کی پردہ پوشی کرے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ و طلب مغفرت و بخشش کرے۔

بَابُ التَّعْزِيرِ

تعزیر کا بیان

”تعزیر“ کی اصل ہے ”عزز“ جس کے لغوی معنی ہیں مزع کرنا، باز رکھنا، ملامت کرنا۔ اصطلاح شریعت میں اس لفظ (تعزیر) کا استعمال اس سزا کے مفہوم میں کیا جاتا ہے جو حد سے کم درجہ کی ہو اور شیعہ اور ثنویہ کے طور پر کسی کو دی جائے۔ اور اس سزا کو ”تعزیر“ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ آدمی کو اس فعل (گناہ و جرم) کے دوبارہ ارتکاب سے باز رکھتی ہے جس کی وجہ سے اسے وہ سزا (تعزیر) عیناً پہنچتی ہے۔

حد اور تعزیر میں فرق: حد اور تعزیر میں فرق یہ ہے کہ ”حد“ تو وہ عام سزا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور ساتھ ہی متعین ہے، حاکم کو صرف اس سزا کے نفاذ کا اختیار حاصل ہے اس کی قانون سازی یا اس میں کسی تغیر و تبدل کا حق اس کو حاصل نہیں ہے، اس کے برخلاف ”تعزیر“ وہ سزا ہے جس کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے متعین نہیں کیا ہے بلکہ اس کا تعین حاکم کی رائے پر موقوف رکھا گیا ہے کہ وہ موقع و محل اور اقتضاء و وقت و ضرورت کے مطابق جو سزا چاہے متعین کرے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

بطور تعزیر زیادہ سے زیادہ کتنی سزا دی جاسکتی ہے

① عَنْ أَبِي بَرْزَةَ بْنِ بَنَارٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُخْلَدُ فَوْقَ عَشْرِ جَلْدَاتٍ إِلَّا فِي حَدٍّ مِنْ خُلُودٍ (البُخَارِي، تَعْلِيلًا)

”اور حضرت البرورہؓ ابن بنارؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”اللہ نے جو حدود مقرر کی ہیں ان میں دس کوڑوں سے زیادہ کی سزا نہ دی جائے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بطور تعزیر دس سے زیادہ کوڑے مارنے کی سزا دینا جائز نہیں ہے لیکن علماء نے لکھا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

اس بارے میں فقہاء کے اختلافی اقوال ہیں کہ بطور تعزیر زیادہ سے زیادہ کتنے کوڑے مارنے کی سزا دی جاسکتی ہے؟ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ اثنائیس سے زیادہ نہ ہو، جب کہ حضرت امام ابو یوسفؒ یہ فرماتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ پچھتر کوڑے ہو سکتے ہیں، البتہ کم سے کم تعداد کے بارے میں تین کوڑے پر سب کا اتفاق ہے، اسی طرح اس مسئلہ پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ تعزیر میں جو کوڑے مارے جائیں ان کی تعداد حد میں مارے جانے والی تعداد تک نہ پہنچے لیکن سختی و شدت میں اس سے بھی بڑھ جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

مجرم کے منہ پر نہ مارو

(۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا حُزِبَ أَخَذْتُمْ فَلْيَتَّقِ النَّوَجَةَ (رواہ ابو ہریرہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص (کسی مجرم کو سزا) مارے تو اس کو چاہئے کہ وہ (اس مجرم کے منہ کو بچائے۔“ (ابو ہریرہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو بطور حد کوڑے مارے جائیں یا بطور تعزیر و تادیب اس کی پٹائی کی جائے تو ہر صورت یہ ضروری ہے کہ اس کے چہرے کو بچایا جائے یعنی اس کے چہرے پر نہ مارا جائے۔

بدر بانی کی سزا

(۳) وَعَنْ بَنِي عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ يَا يَهُودِيٌّ فَاصْرِبْ نَوْهَ عَشْرِينَ وَإِذَا قَالَ يَا نَحْشَ فَاصْرِبْ نَوْهَ عَشْرِينَ وَمَنْ وَقَعَ عَلَى ذَاتِ مَحْزُومٍ فَاصْلَوْهُ - وَهَذَا التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”اگر کوئی شخص کسی (مسلمان) کو کہے ”اے یہودی“ تو اس کو تیس کوڑے مارو اور اگر اے غنٹ“ کہے تب بھی اس کو تیس کوڑے مارو اور جو شخص محرم عورت سے زنا کا مرتکب ہوا اس کو مارو واللہ“ ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: ”غنٹ“ اس کو کہتے ہیں جس کے اعضاء اور بات چیت کے انداز میں زنا نہ ہن جو اور حرکات و سکنات میں غورتوں کے مشابہ ہوا جس کو زنا خوا اور زنا نہ بھی کہا جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی غلام پر یا کسی کافر پر زنا کی تہمت لگائے تو اس کو تعزیر (کوئی سزا دی جانی چاہئے) اسی طرح اس شخص کو بھی تعزیر دی جائے جو کسی مسلمان پر زنا کے علاوہ کسی اور برائی کی تہمت لگائے مثلاً ان الفاظ کے ذریعہ اس کو مخاطب کرے اے فاسق، اے فاجر، اے کافر، اے غبیث، اے چور، اے منافق، اے لوطی یعنی انعام باز، اے یہودی، اے لڑکوں کے ساتھ کھیلنے والے، اے سود خوار، اے دیوث اے غنٹ، اے خائن، اے رنڈی کی اولاد اے بدکار عورت کے بچے، اے زندقہ، اے نکمے، اے زانیوں یا چوروں کے پشت بٹا اور اے حرامزادے۔

اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو ان الفاظ کے ذریعہ مخاطب کرے تو وہ قابل تعزیر نہیں ہوگا، اے گدھے، اے کتے، اے بندر، اے بکرے، اے لالہ، اے سانپ، اے سور، اے بیل، اے بھیڑیے، اے حجام، اے حجام کی اولاد (درائخ لکھ وہ کسی حجام کی اولاد نہ ہو) اے ولد الخرام، اے ناکس، اے منکوس، اے مسخرے، اے ٹھٹھے باز، عیار اے بوقوف اور اے وہی۔ لیکن اس سلسلہ میں یہ واضح رہے کہ علماء نے اس شخص کو تعزیر دینا پسند کیا ہے جہت کو کہ وہ بالا الفاظ کے ذریعہ کسی ایسے شخص کو مخاطب کرے جو شرفاء میں سے ہو۔

خاندان کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی بیوی کو تہریر (کوئی سزا) دے جب کہ وہ کہے کہ باوجود اس کے سامنے زینت و آرائش کرنے سے اجتناب کرتی ہو یا وہ اس کو اپنے بستر پر (بستری کے لئے) بلائے اور وہ انکار کر دے، یا وہ غمناک رہتی ہو، یا غل جنت ترک کرتی ہو اور یہ اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے باہر آتی جاتی ہو۔

”جو شخص محرم عورت سے زنا کا مرتکب ہو اس کو مار ڈالو۔“ حضرت امام احمدؒ نے اس ارشاد کے ظاہری مفہوم پر عمل کیا ہے جب کہ جمہور علماء کے نزدیک اس کا ظاہری مفہوم مروی نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق صرف زنا جرم تک ہی ہے۔ بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ یہ ارشاد اس بات پر محمول ہے کہ جو شخص حلال اور ہلکا جان کر کسی محرم عورت سے زنا کرے اس کو مار ڈالا جائے ورنہ محرم عورت کے ساتھ زنا کا بھی وہی حکم ہے جو بد سوزی عورتوں کے ساتھ زنا کا ہے کہ اگر زانی محسن (شاد شدہ) ہو تو اس کو شکار کیا جائے اور اگر غیر محسن (کنوار) ہو تو کوڑے مارے جائیں۔

مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کی سزا

﴿وَعَنْ عُمَرَ أَيْ ذَسُلُوا اللَّهَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا وَجَدْتُمُ الرَّجُلَ قَدْ غَلَّ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَأَخْبِرُوا مَنَاقِبَهُ وَأَصْرِبُوا لَهُ ذَوَاهُ التَّيْمِ مَبْدُؤُا وَابْنُ دَاوُدَ قَالَ التَّيْمِ مَبْدُؤُا هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت عمر فاروقؓ کو یہی کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر تم کسی ایسے شخص کو پکڑو جس نے خدا کی راہ میں خیانت کی ہو یعنی اس نے مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے کچھ چرا لیا ہو تو اس کا مال و اسباب جلا ڈالو اور اس کی پٹائی کرو۔“ (ابوداؤد، ترمذی) اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: ”اس کا مال و اسباب جلا ڈالو“ کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔ بعض حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ جو شخص مال غنیمت میں سے کچھ چرائے بطور سزا اس کا مال و اسباب جلا دینا نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ حکم کہ ”اس کا مال و اسباب جلا ڈالو“ اسلام سے ابتدائی زمانہ میں نافذ تھا مگر بعد میں منسوخ قرار دے دیا گیا۔ یا یہ کہ یہ ارشاد دراصل تخیل اور تشبیہ پر محمول ہے حضرت امام احمدؒ نے اس حکم کو اس کے ظاہری معنی پر محمول کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس شخص کا تمام مال و اسباب جلا دیا جائے۔ البتہ اگر اس کے سامان میں قرآن کریم، ہتھیار اور جانور بھی ہوں تو ان کو نہ جلا دیا جائے۔ نیز بطریق تہریر اس کی پٹائی کی جائے اور یہ بات پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ مال غنیمت کی چوری کرنے والا قطعاً کاسزاوار نہیں ہوتا۔

بَابُ بَيَانِ الْخَمْرِ وَوَعِيدِ شَارِبِهَا

شراب کی حقیقت اور شراب پینے والے کے بارے میں وعید کا بیان

اس باب میں ایک تو خمر یعنی شراب کی حقیقت کو بیان کیا جائے گا کہ خمر کس کو کہتے ہیں۔ دوسری چیز یہ بیان ہوگی کہ شراب پینے والے کے بارے میں کس چیز کا خوف ہے اور اس کے حق میں کیا عیدیں منقول ہیں۔

خمر کسے کہتے ہیں؟ قاسموس میں لکھا ہے کہ خمر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے استعمال (یعنی جس کو پینے) سے نشہ و مستی پیدا ہو جائے۔ اور وہ انگوڑے کے شیرے کی صورت میں ہو یا عام کہ وہ انگوڑے کا شیرہ ہو یا اور کسی چیز کا عرق و کاڑھا وغیرہ ہو، زیادہ صحیح یہی ہے کہ اس کا عام مفہوم مراد لیا جائے یعنی نشہ لانے والی چیز خواہ وہ انگوڑے کا شیرہ ہو یا کسی دوسری چیز کا شیرہ وغیرہ کیونکہ شراب بد مذہ میں حرام ہوئی ہے اور اس زمانہ میں انگوڑے کی شراب کا کوئی وجود نہیں تھا بلکہ وہ سمجھور سے بنائی جاتی تھی خمر کی یہ قسم یہ ہے کہ نعت میں ”خمر“ کے معنی ہیں ”وہا پتلا، چھپتا، غلط“

کرنا“ اور چونکہ شراب انسان کی عقل کو مہلک و مہلک دیتی ہے اور اس کے فہم و شعور کی قوتوں کو غلط و خبط کر دیتی ہے اس لئے اس کو ”مضر“ کہا گیا۔

نشہ آور چیزوں کی قسمیں: جو چیزیں نشہ پیدا کرتی ہیں ان کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک قسم تو شراب کی ہے جو انگوڑے سے اس طرح بنتی ہے کہ انگوڑا عاقل نکال کر کسی برتن میں رکھ دیتے ہیں، کچھ دنوں کے بعد وہ گاڑھا ہو جاتا ہے اور اس میں ابال پیدا ہو جاتا ہے اور اس طرح وہ نشہ آور ہو جاتا ہے، صحیح تر اور مختار قول کے مطابق اس میں جھاگ کا پیدہا ہونا شرط نہیں ہے اس کو عربی میں ”مضر“ کہتے ہیں۔

دوسری قسم یہ کہ انگوڑے کے عرق کو قدر سے جوش دے کر رکھ دیتے ہیں اس کو عربی میں ”ہاذق“ اور فارسی میں ”ہادہ“ کہتے ہیں اور انگوڑا وہ عرق جس کو اتکا پکا جاتا ہے کہ اس کا چھٹائی حصہ جل کر صرف تین چھٹائی حصہ رہ جاتا ہے۔ ”طلحہ“ کہلاتا ہے۔

تیسری قسم ”نقیع النعور“ ہے جس کو ”سکر“ بھی کہتے ہیں یعنی تر خرم کا وہ شربت جو گاڑھا ہو جائے اور اس میں جھاگ پیدا ہو جائے اور چوتھی قسم ”نقیع الزبيب“ ہے یعنی خنی اور کشمش وغیرہ کا وہ شربت جس میں ابال اور جھاگ پیدا ہو جائے۔

ان چاروں قسموں میں سے پہلی قسم تو بلا کسی تہ کے حرام ہے اور باقی تین قسمیں اس صورت میں بہ اتفاق حرام ہیں جب کہ ان کو جوش دے کر رکھ دیا جائے اور ان میں گاڑھا پان آجائے کیونکہ اس صورت میں ان چیزوں میں نشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر ان میں نہ کورہ چیزیں نہ پانی جائیں تو ان کو حرام نہیں کہیں گے مثلاً کچھ دیر کے لئے پانی میں خرم یا جھک کر رکھ دیا جائے یہاں تک کہ وہ پانی شربت کی طرح ہو جائے اور اس میں کسی قسم کا کوئی تہ نہ واقع ہو تو اس کا پینا درست ہوگا۔

ان کے علاوہ بننے کے چار مشروب اور ہیں جن کا پینا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک حلال ہے بشرطیکہ ان کو معمولی طرز پر اس طرح جوش دیا گیا ان میں نشہ پیدا نہ ہوا ہو اور اگر ان میں نشہ پیدا ہو گیا ہو تو یہ قسمیں بھی حرام ہوں گی، اسی طرح اگر ان کو جوش دیئے بغیر کافی عرصہ کے لئے رکھ دیا گیا ان میں جھاگ پیدا ہو گیا تب بھی ان کا پینا حرام ہوگا۔ ان چاروں میں سے ایک قسم تو ”نمیز“ ہے۔ یعنی وہ مشروب جو خرما سے بنایا گیا ہو اور اس کو قدر سے جوش دیا گیا ہو، اگر اس میں کچھ گاڑھا پان بھی آگیا ہو تو اس کا پینا جائز ہے۔

دوسری قسم ”مخلیط“ ہے یعنی وہ شربت جو خرما اور خنی کو قدر سے جوش دے کر ان سے نکالا گیا ہو۔

تیسری قسم وہ نمیز ہے جو شہد، گیکوں، جو اور جوہر وغیرہ کو پانی میں قدر سے جوش دے کر مشروب کی صورت میں بنائی گئی ہو۔ اور چوتھی قسم شلث یعنی ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ انگوڑے کے عرق کو اتکا پکا جاتا ہے کہ اس کا وہ حصہ خشک ہو جاتا ہے اور ایک حصہ شراب کی شکل میں باقی رہ جاتا ہے۔

ان چاروں چیزوں کے بارہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان کو عبادت کے لئے طاقت حاصل کرنے کی غرض سے پئے تو جائز ہے اور اگر ہو و لعب کے طور پر اور نفسی لذت کے لئے پئے تو حرام ہے لیکن حضرت امام محمدؒ کے نزدیک عبادت کے لئے طاقت حاصل کرنے کی غرض سے بھی ان کا پینا حرام ہے۔ چنانچہ حنفی مسلک میں اہل تحقیق کا فتویٰ حضرت امام محمدؒ ہی کے قول پر ہے جیسا کہ یمنی شرح کنز میں لکھا ہے کہ ”حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمدؒ اور حنفیہ میں سے حضرت امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ آور ہو اور بدست برداری ہو اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے خواہ کسی طرح کا نشہ ہو کیونکہ ایمان مایہ اور دلائل کی روایت کے مطابق رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو چیز نشہ آور ہو وہ شراب ہے اور ساری نشہ آور چیزیں حرام ہیں، لہذا حنفی مسلک میں فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر نشہ آور چیز ”شراب“ ہے اور حرام ہے خواہ وہ ”مشروب“ کی صورت میں ہو اور انگوڑا یا کھجور یا خنی یا شہد سے بنے یا گیکوں، جو، باجرہ یا جوہر سے بنے اور خواہ وہ کسی اور خست کا عرق ہو جیسے تازی وغیرہ یا کوئی گھاس ہو جیسے بھنگ وغیرہ یا کسی طرح ہر مقدار میں حرام ہے خواہ تھوڑی ہو یا بہت ہو، نیز اگر کوئی شخص نشہ کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے تو مفتی بہ قول کے مطابق اس کی طلاق واقع

ہو جائے گی خواہ شراب کا نشہ ہو یا میزہ وغیرہ کا۔

جیسا کہ اوپر بتایا گیا حضرت امام مالکؒ حضرت امام شافعیؒ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور حنفیہ میں سے حضرت امام محمدؒ نیز محدثین کرام کا مسلک یہ ہے کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے خواہ تھوڑی ہو یا بہت ہو، اور اگرچہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ مشروب نجس و حرام اور شراب کے حکم میں ہے جس میں ابال، گاز، حایاں اور جھاگ پیدا ہو گیا ہو، اس کے علاوہ اور چیزیں جب تک کہ ان میں نشہ نہ ہو حرام نہیں ہیں۔ لیکن حنفی مسلک کے اصحاب اپنے مصنفین کے پاس فتویٰ حضرت امام محمدؒ ہی کے قول پر ہے جیسا کہ نہایت، یعنی، ذہنی، اور مختار، الاشباہ والنظائر، فتاویٰ عالمگیری، فتاویٰ حلاوی اور شرح مواہب الرحمن میں مذکور ہے بلکہ شرح دیبانیہ وغیرہ میں تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا قول بھی حضرت امام محمدؒ کے قول کے مطابق ہی مقبول ہے، اس صورت میں یہ مسئلہ تمام ائمہ و مجتہدین کا حنفیہ ہو جاتا ہے، چنانچہ حضرت مولانا عبدالعلی کھٹنوی نے ایک استفتاء کے جواب میں تازی اور تان پاؤ (ایک قسم کی خمیری روٹی) کی حرمت کو ظاہر کرتے ہوئے اس مسئلہ پر بڑی تحقیق اور وضاحت کے ساتھ لکھا ہے اور تیس چالیس حنفی و شافعی علماء نے اپنی تصدیق کی مہر ثبت کی ہیں۔

نشہ آور چیزوں میں ایک قسم بھنگ، نشہ لانے والی گھاس اور جڑی بوٹیاں اور انجوناں ہیں کہ ان کو کھانا پینا حرام ہے کیونکہ یہ چیزیں بھی انسان کی عقل کو تباہ کرتی ہیں اور ذکر اللہ وغنا وغیرہ سے باز رکھتی ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص بھنگ وغیرہ کو حلال جانے وہ زندقہ و بدعتی ہے، بلکہ فقیہ نجم الدین زہدائی نے تو ایسے شخص پر کفر کا حکم لگایا ہے اور اس کو قتل کو دینا مباح جانا ہے۔

اسی طرح تمباکو بھی حرام ہے جیسا کہ درمیان میں لکھا ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے حقہ نوشی کو مکروہ تنزیہی کہا ہے کیونکہ حقہ پینے والے کے منہ سے پیازو، بوس کے مانند بد بو ہی نہیں بلکہ اس میں ایک طرح سے روزخوں کی مشابہت بھی ہے۔ کہ جس طرح روزخوں کے منہ سے دھواں نکلے گا اسی طرح حقہ پینے والے کے منہ سے بھی دھواں نکلتا ہے، علاوہ ازیں حقہ نوشی ایک ایسی عادت ہے جس کو سلیم طبع، مکروہ جانتی ہے اور حقہ پینے سے بدن میں بہت زیادہ کئی پیدا ہو جاتی ہے اور بعضوں پر غشی بھی طاری ہوتی ہے اور یہ چیز ”مفتر“ میں داخل ہے اور ایک روایت کے مطابق جس کو حضرت امام احمدؒ وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

جو چیز مفتر یعنی سستی پیدا کرنے والی ہو وہ حرام ہے۔ صاحب صراح اور صحاح نے ”مفتر“ کے معنی کہتی پیدا کرنے والا“ لکھا ہے اور حضرت امام ابو العلام حسن ابن عمر ابن مفضل راغب نے اپنی کتاب ”مفردات و لغز القرآن“ میں ”مفتر“ اور ”فتر“ کے معنی یہ لکھے ہیں کہ ”تیزی کے بعد قہم جانا، شدت (جستی) کے بعد نرم (احت) کے بعد کمزور ہو جانا“ چنانچہ یہ معنی حقہ پینے والے پر صادق آتے ہیں۔ ثن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ مفتر کے معنی میں ”بدن کا گرم ہو جانا“ بھی داخل ہے تو یہ شاید جی ہے جو اکثر علماء لغت کی تحقیق کے خلاف ہے یا اس سے ”اندرو کی گرمی“ مراد ہے۔ بہر حال حقہ نوشی کی رضاد خوشنودی سے بعید ہے کیونکہ حقہ، مسواک کی سنت کے منافی ہے یا اس وجہ کہ مسواک منہ کو بدبو سے پاک کرتی ہے جب کہ حقہ منہ کو بدبو دار بناتا ہے اور مسواک کے بارہ میں یہ حدیث صحاح و فیروہ میں منقول ہے کہ:

الْبُيُوتُ الْمَطْهُورَةُ لِلْفَقِيرِ وَمَرْضَاتُ لِلزَّيْبِ

”مسواک منہ کی صفائی دیکر کی کا ڈریدہ اور حق تعالیٰ کی رضاد خوشنودی کا سبب ہے۔“

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

شراب کن چیزوں سے عتی ہے

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْخَمْرُ مِنْ هَاتَيْنِ الشَّخْرَتَيْنِ: الْخَمْلَةُ وَالْعَبِيَّةُ۔ متفق

علیہ۔

”حضرت ابو ہریرہؓ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”شراب ابن دو درختوں یعنی انگور اور کھجور سے بنتی ہے۔“ (مسلم)

تشریح: مراد یہ ہے کہ اکثر انکی دو چیزوں سے شراب بنتی ہے، گویا یہاں حصہ یعنی یہ ظاہر کرنا مراد نہیں ہے کہ شراب بس انکی دو چیزوں سے بنتی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ کُلُّ مُنْكِوْ حَقْوٍ یعنی ہر نشہ آور چیز شراب ہے چنانچہ اس ارشاد میں جو عمومیت ہے اس سے بھی یک واضح ہوتا ہے۔

② وَعَنْ مَنْ غَضِبَ قَالَ حَبِطَ غَمْرُ عَلِيٍّ وَبَيَّزَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّهُ قَدْ تَرَلَّ تَعْوِزُهُمُ الْخَمْرُ وَهِيَ مِنْ خَمْسَةِ أَشْيَاءَ الْعَسْبُ وَتَنْفَرُ الْجَنْظَةُ وَالشَّعْبِيُّ وَالْقَسَلُ وَالْخَمْزُ مَا خَافَرُ الْقَفْلِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت عمر فاروقؓ نے رسول کریم ﷺ کے منبر پر کھڑے ہو کر غصہ دیا اور ارشاد فرمایا کہ ”شراب کی حرمت تین سو ہوگئی ہے اور شراب پانچ چیزوں سے بنتی ہے یعنی انگور سے، کھجور سے، گیہوں سے، جو سے اور شہد سے اور شراب وہ ہے جو عقل کو دھانپ لے۔“ (بخاری)

تشریح: علماء نے وضاحت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ”اور شراب وہ ہے جو عقل کو دھانپ لے۔“ کے ذریعہ اس طرف اشارہ کیا کہ شراب کا انحصار انکی پانچ چیزوں میں نہیں ہے بلکہ ان کے علاوہ کسی بھی چیز سے بنا ہوا وہ مشروب، شراب ہے جس میں نشہ ہو اور اس کے پینے سے عقل و شعور پر ہر وہ ڈھچکا جاتا ہو۔

پہلے زیادہ تر کھجور سے شراب بنتی تھی

③ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ لَقَدْ خَرَفَتِ الْخَمْزُ حِينَ خَرَفَتْ وَمَا جَعَدَ غَمْرُ الْأَغْصَابِ إِلَّا قَلِيلًا وَغَامَّةٌ خَمْزُهَا الشُّبُوءُ الشُّفُوءُ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تھی اسی وقت اس کی حرمت (تائید ہو گئی تھی اور) اس وقت) ہمیں انھوں نے شراب کم ملتی تھی ہماری شراب زیادہ تر کھجور اور خشک کھجور سے بنتی تھی۔“ (بخاری)

تشریح: کھجور کے درخت پر پہلے جو شگوفہ لگتا ہے اس کو عربی میں ”طلع“ کہتے ہیں اور وہ کھجور کی ابتدائی حالت ہوتی ہے پھر اس کے بعد ”خلال“ پھر ”بسر“ پھر ”سلب“ اور پھر خشک ہو جانے کے بعد اس کی آخری شکل ”عتر“ ہوتی ہے۔

ہر نشہ آور مشروب حرام ہے

④ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَثَلُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبَيْعِ وَهُوَ كَيْدُ الْقَسَلِ فَقَالَ كُلُّ شَرَابٍ أَمْشَكَزَ فَهُوَ حَرَامٌ۔ (مسلم)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے بیع یعنی شہد کی نیذ کے بارہ میں پوچھا گیا کہ آیا اس کا بیجا جائز ہے یا نہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”وہ مشروب جو نشہ لائے حرام ہے۔“ (بخاری)

تشریح: اس حدیث میں تو ”بیع“ کو باکے زیر اور تاکے جزم کے ساتھ یعنی ”بیع“ نقل کیا گیا ہے جب کہ یہ بعض جگہ تاکے زیر کے ساتھ منقول ہے ”شہد کی نیذ“ اس شہد کو کہتے ہیں جس کو کسی برتن میں ڈال کر رکھ چھوڑا جائے تاکہ کھجور کی نیذ کی طرح اس میں ایک خاص قسم کی تیزی پیدا ہو جائے، چنانچہ اس کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر شہد کی نیذ بھی نشہ لائے تو وہ بھی حرام ہے اور

ترکی نبیذ کا بھی یہی حکم ہے کہا جاتا ہے کہ اہل یمن کی شراب لگ بھگ ختم ہوئی ہے۔

جو شخص اس دنیا میں شراب پئے گا وہ شراب طہور سے محروم رہیگا

(۵) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مُسْكِرٍ خَمَزٌ وَكُلُّ مُسْكِرٍ خَرَامٌ وَمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا لَفَسَتْ وَهُوَ يَذُوقُهَا لَمْ يَشْرَبْ يَهْدِي إِلَى الْآخِرَةِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو چیز نشہ لائے وہ شراب ہے اور جو چیز نشہ لانے والی ہے وہ حرام ہے (خواہ مقدار میں تعویذ ہو یا زیادہ ہو) اور جو شخص دنیا میں شراب پئے گا اور بیش چارہ ہے گا یہاں تک کہ بغیر توبہ کے مر جائے گا تو اس کو آخرت میں شراب پینا نصیب نہ ہو گا۔“ (مسلم)

تشریح: ”اس کو آخرت میں شراب پینا نصیب نہ ہو گا“ سے مراد یا تو اس شخص کی حالت کو بیان کرتا ہے، شراب کو حلال جانتے ہوئے بیش پیتا تھا، یا یہ ارشاد زبرد تو خج اور شراب پینے کی شدید ممانعت پر محمول ہے، اور یا یہ مراد ہے کہ اس شخص کو آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ شراب طہور پینا نصیب نہیں ہو گا جو نجات یافتہ اور جنت میں پہلے داخل ہوئے والوں میں ہوں گے۔

شرابی کے بارے میں وعید

(۶) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَرَابٍ يَشْرَبُونَ لَهُ بَارِزِهِمْ مِنَ الذَّلَّةِ يُقَالُ لَهُ الْمِزُّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ مُسْكِرٌ هُوَ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ كُلُّ مُسْكِرٍ خَرَامٌ إِنَّ عَلَى اللَّهِ عَهْدَ الْيَمَنِ يَشْرَبُ الْمُسْكِرُ أَنْ يُسْقِيَهُ مِنْ بَيْتِهِ الْخَيْالَ قَالَ أَوْ يَأْتِيَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا يَطِئُهُ الْخَيْالَ قَالَ عَرَفُوا أَهْلَ النَّارِ أَوْ غُصَاةَ أَهْلِ النَّارِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ یمن کا ایک شخص (دربار نبوی ﷺ میں آیا اور نبی کریم ﷺ سے جواری شراب کے بارہ میں پوچھا جو یمن میں پل جاتی تھی اور جس کو ”حمر“ کہا جاتا تھا، آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ ”کیا وہ نشہ لاتی ہے؟“ اس نے کہا کہ ”ہاں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”نشہ لانے والی ہر چیز حرام ہے، اور (یاد رکھو) کہ اللہ تعالیٰ کا یہ عہد ہے کہ جو شخص نشہ لانے والی کوئی بھی چیز پئے گا وہ اس کو طبعہ الخبال ”پلانے کا“ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! طبعہ الخبال کیا ہے؟“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”خبال“ دوزخیوں کا پینہ ہے۔ یا فرمایا کہ ”خبال وہ پیپ اور ہوسہ جو دوزخیوں کے زخموں سے بہتا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے ترجمہ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ دوزخیوں کا پینہ۔ یا۔ ان کے زخموں سے بہنے والا ہوسہ اور پیپ۔ خبال کے معنی ہیں۔ اور ”طبعہ الخبال“ کے معنی ہیں تلچمت۔

نبیذ کے بارے میں ایک حکم

(۷) وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ خَلِيطِ الثَّمَرِ وَالْثَمَرِ وَالْبُسْرِ وَعَنْ خَلِيطِ الزُّهْبِ وَالزُّهْبِ وَقَالَ انْشُدُوا كُتْلًا وَاجِدُوا عَلَى جِلْدَةٍ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے خشک کھجور اور کئی کھجور کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے، خشک کھجور اور خشک انگور کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے اور کئی کھجور اور تر کھجور کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے کہ (اگر نبیذ بنا لیں تو) ان میں سے ہر ایک کی ایک انگ نبیذ بنائے۔“ (مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے دو پهلوں کو ملا کر بھگونے (یعنی ان کا نیب تانے) سے منع فرمایا اور الگ الگ کر کے بھگونے (اور اس کی نیب تانے) کو جائز رکھا اس میں حکمت یہ ہے کہ جب دو مختلف طرح کے پھل ایک ساتھ بھگونے جائیں گے تو ایک پر پانی جلد اثر کرے گا۔ اور دوسرے پر دیر سے، نتیجہ یہ ہوگا جو پانی سے جلد تغیر قبول کرے گا اس میں نشہ پیدا ہو جائے گا اور اس کا اثر دوسرے تک پہنچے گا اس طرح جو نیب تیز ہوگی اس میں ایک نشہ آور چیز کے مخلوط ہو جانے کا قوی امکان ہوگا جس کا امتیاز کرنا ممکن نہیں ہوگا لہذا جب اس نیب کو بیا جانے کا تو گویا ایک حرام چیز کو پینا لازم آئے گا چنانچہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ نے اسی بنیاد پر اس حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کیا ہے اور کہا ہے کہ ایسی نیب تیز ہو جو دو پهلوں کو باہم بھگو کر بنا لی گئی ہو، حرام ہے خواہ اس میں نشہ ہو یا نشہ نہ ہو لیکن مہرور علماء یہ فرماتے ہیں کہ ایسی نیب کا پینا ہی صورت میں حرام ہوگا جب کہ وہ نشہ آور ہو۔

شراب کا سرکہ بنا کر اس کو کھانے پینے کے کام میں لانا جائز ہے

⑧ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَبِلَ عَنِ الْخَمْرِ يَتَخَذُ خَلًّا فَقَالَ لَا - (رواہ مسلم)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ اگر شراب (میں) خشک و پیاز وغیرہ ڈال کر اس کا سرکہ بنالیا جائے تو وہ حلال ہے یا نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں۔“ (مسلم)

تشریح: حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر شراب، سرکہ میں تبدیل ہو جائے تو اس کو کھانے پینے کے معارف میں لانا جائز ہوگا خواہ شراب میں کوئی چیز ڈال کر اس کا سرکہ بنالیا گیا ہو یا اس میں کوئی چیز ڈالے بغیر مثلاً زیادہ دن رکھے روئے یا دھوپ میں رکھ دینے کی وجہ سے خود بخود اس کا سرکہ بن گیا ہو۔ حضرت امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر شراب میں کوئی چیز ڈال کر اس کا سرکہ بنالیا تو وہ حلال نہیں ہے۔ اور اگر کچھ ڈالے بغیر مثلاً دھوپ میں رکھ دینے کی وجہ سے اس کا سرکہ بن گیا تو اس کے بارے میں ان کے دو قول ہیں جس میں سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ وہ شراب، شراب نہیں رہے گی بلکہ اس میں پانی آجائے گی اور اس کو کھانے پینے کے کام میں لانا جائز ہوگا۔

حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اول تو بلا کسی قید کے یہ فرمایا ہے کہ نَعَمْ إِلَّا ذَا مِ الْعَلِّ (بہترین سائل، سرکہ ہے) لہذا جو چیز بھی سرکہ ہوگی اس کا استعمال حلال ہوگا، دوسرے جب شراب میں سے وہ بری خاصیت نکل گئی جس کی وجہ سے وہ حرام تھی اور اس میں ابھی خاصیت پیدا ہوگئی تو اب وہ ایک مباح چیز کے درجہ میں آگئی لہذا اس کا کھانا پینا حلال ہوگا جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں حنفیہ کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کو حلال اس لئے نہیں فرمایا تھا کہ اس وقت شراب کی حرمت نازل ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا اور لوگوں نے بڑی طویل عادت کو ترک کر کے شراب سے منہ موڑا تھا، اور یہ ایک فطری بات ہے کہ انسان جس کو ایک طویل عادت کے بعد چھوڑتا ہے اس کی طرف اس کی طبیعت اور خواہش کا میلان کافی عرصہ تک رہتا ہے، لہذا آنحضرت ﷺ نے اس وقت شیطان کی مداخلت سے خوف محسوس فرما کر کہ مبادا شیطان لعین کو اپنا حربہ آزمائے گا موقع مل جائے اور اس کے نتیجہ میں لوگ اس چیز کو شراب پینے کا وسیلہ بنالیں، آپ نے اس کو حلال نہیں فرمایا لیکن شراب کی حرمت پر طویل عرصہ گزر جانے اور شراب کی طرف لوگوں کے میلان کے بلکلے سے بھی شائبے کی چیزیں تک اکھڑ جانے کے بعد جب اس قسم کا کوئی خوف نہ رہا اور اس طرح وہ ”مصلحت“ ختم ہوگئی جس کی بناء اس کو حلال نہ فرمایا گیا تھا تو وہ حرمت زائل ہوگئی اور پھر شراب سے بے ہوشی سرکہ کو استعمال کرنا بھی حلال ہو گیا۔ علاوہ ازیں صاحب ہدایہ نے ایک روایت بھی نقل کی ہے جس کو بیہقیؒ نے اپنی کتاب معرفت میں حضرت جابرؓ سے بطریق مرفوع نقل کیا ہے کہ:

خَيْرُ خَلِّكُمْ خَلٌّ خَمْرٌ - (بیہقی)

”یعنی تہلہ بے سرکوں میں بہترین سرکہ وہ ہے۔ جو شراب سے بنا ہو۔“

شراب کو دوا کے طور پر بھی استعمال کرنا جائز نہیں ہے

⑨ وَعَنْ وائل الحضرمي أَنَّ طَارِقَ بْنِ سُوَيْدٍ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحُمْرِ فَهِيَ فَقَالَ إِنَّمَا أَصْنَعُهَا لِلدَّوَاءِ فَقَالَ إِنَّهُ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَلَكِنَّهُ دَاءٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

”اور حضرت وائل صغریٰ روایت کرتے ہیں کہ طارق ابن سویدؓ نے نبی کریم ﷺ سے شراب نوشی کے بارے میں پوچھا تو آپ نے ان کو منع فرمایا، پھر طارقؓ نے کہا کہ ہم تو شراب و دود کے طور پر استعمال کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”دود و انہیں ہے بلکہ (خود ایک) بارہی ہے۔“ (مسلم)

تشریح: اکثر علماء نے شراب کو دوا کے طور پر بھی استعمال کرنے سے منع کیا ہے جب کہ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اگر حاذق طبیب و معانی کے کہنے کے مطابق شراب ہی کسی مرض کا دوا علاج ہو یعنی معالج یہ کہے کہ اس مرض کی بس شراب ہی دوا ہے اور کوئی دوا نہیں ہے تو اس صورت میں اس کا استعمال مباح ہو گا۔ اسی طرح اگر طلق میں کوئی لقمہ وغیرہ انک جائے اور اس کی وجہ سے جان کی ہلاکت کا خوف ہو نیز اس وقت پانی یا ایسی اور کوئی چیز موجود نہ ہو جس سے وہ لقمہ وغیرہ طلق سے اتر جائے تو اس صورت میں تمام علماء کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ صرف اتنی شراب لی لینا حلال ہے جس سے وہ لقمہ وغیرہ طلق سے نیچے چلا جائے۔

کسی حرام چیز میں اللہ نے شفا نہیں رکھی ہے: پچھلے باب کے ابتدا میں بتایا گیا تھا کہ شراب کی حرمت دفعہ نازل ہونے کی بجائے بتدریج نازل ہوئی ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں جو پہلی آیت نازل ہوئی ہے وہ بھی اس موقع پر نازل کی گئی ہے، اس آیت میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ وہ مافع للناس یعنی اس شراب میں لوگوں کے لئے کچھ فائدہ بھی ہیں۔ ”وہ فائدہ کیا ہیں، اس بارے میں مفسرین نے بہت کچھ لکھا ہے، لیکن بعض مفسرین نے وضاحت کی ہے کہ ”فائدہ“ سے مراد انسانی بدن کی صحت ہے کہ شراب انسان کی جسم کو کوئی فائدہ پہنچاتی ہے یا اس کے ذریعہ کسی مرض سے نجات مل سکتی ہے۔ اس ضمن میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ ”اللہ تعالیٰ نے کسی حرام چیز میں شفا نہیں رکھی ہے۔“

الفصل الثاني

شراب نوشی کا وبال

[illegible]

”حضرت عبداللہ ابن عمروؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص (مکلی مرتبہ) شراب پیتا ہے (اور توبہ نہیں کرتا) تو اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں کرتا۔ پھر اگر وہ (غلوں میں) اس سے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے، پھر اگر وہ (دوسری مرتبہ) شراب پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں کرتا اور پھر اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے پھر اگر وہ (تیسری مرتبہ) شراب پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ

چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں کرتا اور پھر اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ

جو تھی مرتبہ شراب پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ (نہ صرف یہ کہ) چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں کرتا (بلکہ) اگر وہ توبہ کرتا ہے تو اس کی توبہ (بھی) قبول نہیں کرتا اور (آخرت میں) اس کو دوزخیوں کی صف میں لپیٹ کر اور لہو کی نہر سے چلائے گا۔“ (ترمذی، انسانی ماجہ اور دارمی نے اس روایت کو عبد اللہ ابن عمرو سے نقل کیا ہے۔)

تشریح: ”اس کی نماز قبول نہیں کرتا“ کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کو اپنی نماز کا ثواب نہیں ملتا اگرچہ وقت پر نماز کی ادائیگی کا فرض اس پر سے ساقط ہو جاتا ہے۔ یہاں خاص طور پر نماز کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ جب نماز جیسی عبادت قبول نہیں ہوتی جو تمام ہدائی عبادتوں میں سب سے افضل ہے تو دوسری عبادتیں بطریق اولیٰ قبول نہیں ہوں گی نیز ”چالیس دن“ کی تعداد شاید اس لئے لکائی گئی ہے کہ شراب پینے والے کے ہاں میں شراب کا اثر مختلف نوعیتوں سے اتنی عبادت تک رہتا ہے۔

یہ ۲۰ طوطا رہتی چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ جو تھی ۷ میں توبہ قبول نہیں کی جاتی دراصل جزو تشدید اور سخت تنبیہ پر محمول ہے کیونکہ ایک جگہ یہ فرمایا گیا ہے کہ ”جس شخص نے گناہ سے توبہ کی اور نام ہوا اور اللہ تعالیٰ سے بخشش کی امید رکھی تو اس لئے اصرار نہیں کیا (یعنی ایسے شخص کو ”مصر“ نہیں کہہ سکتے اور اس کی توبہ قبول ہوگی) اگرچہ ایک عیون میں وہی گناہ شراب کرے“ یا یہ مراد ہے کہ جو شخص بار بار شراب پیتا ہے تو اس اہم کیفیت کے ارتکاب کی نحوست کی وجہ سے اس کو حقیقی توبہ کی توفیق عطا نہیں ہوتی اور آخر کار وہ ”مصر“ مر جاتا ہے۔

نشد اور چیز کی قلیل مقدار بھی حرام ہے

⑪ وَعَنْ حَازِمِ بْنِ زُسْلٍ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا أَشْكُرُ تَخْتِيَةً قَلِيلَةً خَزَأً۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابی ماجہ)

”اور حضرت حازم سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو چیز نشہ لاتی ہو اس کی قلیل ترین مقدار بھی حرام ہے۔“

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر مثلاً شراب کی کوئی ایسی قسم ہے جس کی زیادہ مقدار نشہ لاتی ہے، کم مقدار نشہ نہیں لاتی توبہ نہیں ہے کہ اس کو کم مقدار میں چنا جائز ہو گا بلکہ اس کی کم مقدار بھی حرام ہوگی کیونکہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ پہلے جس چیز کی کم مقدار کو اختیار کرتا ہے وہی کم مقدار اس کو زیادہ مقدار تک پہنچاتی ہے لہذا اس کم مقدار سے بھی اجتناب کرنا ضروری ہوگا۔

مسکر چیز کا ایک چلو بھی حرام ہے

⑫ وَعَنْ عَائِشَةَ عَنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا أَشْكُرُهُ الْفَرْقِي فِعْلًا فِي الْكَفِّ مِنْهُ خَزَأً۔

(رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد)

”اور حضرت عائشہؓ سے رسول کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جس چیز (مثلاً شراب) کا ایک ”فرق“ (یعنی اٹھ ہیر کی مقدار) لائے اس کا ایک پھر ہوا چلو بھی حرام ہے۔“ (ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کا بھی یہی مطلب ہے کہ جس نشہ آور چیز کی زیادہ مقدار حرام ہے۔ اس کی قلیل ترین مقدار بھی حرام ہے۔

شراب کن چیزوں سے بنتی ہے

① وَعَنِ الثَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ الْجَنَظَةِ خَمْزًا وَمِنْ الشَّعْبِرِ خَمْزًا وَمِنْ الثَّقَرِ خَمْزًا وَمِنْ الرِّبَنِيبِ خَمْزًا وَمِنْ الْعَسَلِ خَمْزًا وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ

عزیزت۔

”اور حضرت نعمان ابن بشیر کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”مکیہوں کی بھی شراب ہوتی ہے، جو کی بھی شراب ہوتی ہے، بھجور کی بھی شراب ہوتی ہے، انجور کی بھی شراب ہوتی ہے اور شہد کی بھی شراب ہوتی ہے۔“ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: علوٰی نے لکھا ہے کہ یہاں حصر مراد نہیں ہے کہ بس انہی چیزوں سے شراب بنتی ہے، بلکہ ان چیزوں کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ عام طور پر شراب انہی چیزوں سے بنتی ہے۔ اس ارشاد میں اس بات کی دلیل ہے کہ خمر صرف انگوری شراب کو نہیں کہتے جب کہ ابن ملک کہتے ہیں کہ یہاں انگوری شراب کے علاوہ دوسری چیزوں کی شراب کو بھی خمر جارا کہا گیا ہے اور اس میں مناسبت یہ ہے کہ ان چیزوں کی شراب (یا نشہ آور نہیں) بھی انسان کی محل کو زائل کر دیتی ہے۔

شراب مال مقوم نہیں ہے

(۱۴) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ عِنْدَنَا خَمْرٌ لِيَتِيمٍ فَلَمَّا تَوَلَّتِ الْمَائِدَةُ سَأَلْتُ وَسُئِلَ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ وَقُلْتُ إِنَّهُ لِيَتِيمٌ فَقَالَ أَهْرِي فَقَوَّهَ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک یتیم کی شراب رکھی ہوئی تھی (یعنی ہمارے گھر میں ایک یتیم رہا کرتا تھا جو ہماری پرورش میں تھا) اس کی ملکیت میں جہاں اور بہت سالوں کا سبب تھا وہیں شراب بھی تھی کیونکہ اس زمانہ میں شراب مباح تھی چنانچہ سورہ مائدہ کی وہ آیت انما الخمر الا یہ تازل ہوئی (جس میں شراب کی حرمت کا بیان ہے اور جو اب حد و الخمر کے ابتدا میں نقل کی جا چکی ہے) تو میں نے اس یتیم کی شراب کے بارے میں رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا اور عرض کیا کہ وہ ایک یتیم کا مال ہے (اور چونکہ یتیم کا مال ضائع نہیں کرنا چاہئے اس لئے اب کیا حکم ہے) آپ ﷺ نے فرمایا ”اس کو پیچیدہ دو۔“ (ترمذی)

تشریح: آپ ﷺ نے اپنے ارشاد کے ذریعہ واضح فرمایا کہ شراب مقوم مال نہیں ہے نہ صرف یہ کہ اس سے کوئی نفع حاصل کرنا کسی بھی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے بلکہ ہمیں اس کی اہانت کا حکم دیا گیا ہے۔ لہذا اس صورت میں اس شراب کو پیچیدہ کرنا ہی ضروری ہے۔

(۱۵) وَعَنْ أَنَسٍ عَنْ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّهُ قَالَ يَأْتِيَنِي اللَّهُ إِنِّي اشْتَرَيْتُ خَمْرًا لِأَيَّتَامٍ لِي جَعَلَنِي فَقَالَ أَهْرِي فَقَوَّهَ وَانْخَبِرَ الْيَتَامَانَ - وَوَأَهْلَ الْبَرِيذِ وَصَفَقَهُ وَفِي رِوَايَةٍ أُخْرَى أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَيَّتَامٍ وَرَفِئًا اخْتَفَا فَقَالَ أَهْرِي فَقَالَ أَفَلَا أَجْعَلُهَا خَلًّا قَالَ لَا -

”اور حضرت انسؓ نے حضرت ابو طلحہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے (یعنی ابو طلحہؓ نے) عرض کیا کہ ”یائی اللہ! میں نے ان یتیموں کے لئے شراب خریدی تھی جو میری پرورش میں ہیں؟“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”شراب کو پیچیدہ دو اور اس کے برتن کو توڑ ڈالو۔“ (ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور ضعیف قرار دیا ہے۔“

تشریح: حضرت ابو طلحہؓ نے شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے اپنے زیر پرورش یتیموں کے لئے جو شراب خریدی تھی اس کے بارہ میں پوچھا کہ اب شراب حرام ہو گئی ہے میں اس شراب کا کیا کروں؟ آیا اس کو پیچیدہ دوں یا رہنے دوں؟ آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ اس کو میاؤں والوں کے ساتھ ہی اس کے برتن کو توڑ ڈالنے کا حکم اس لئے دیا کہ شراب کی نجاست اس میں نہایت کر گئی تھی اور اس کا پاک کرنا اب ممکن نہیں رہا تھا۔ یا یہ کہ آپ ﷺ نے شراب کی ممانعت میں شدت کو ظاہر کرنے کے لئے یہ حکم دیا کہ جس برتن میں وہ

شراب رکھی ہے اس کو بھی توڑ ڈالو، اسی طرح آپ ﷺ نے اس شراب کا سرکہ بنا لینے سے جو منع فرمایا اس کا تعلق بھی یا تو جزو تہمید سے ہے یا یہ ممانعت ”نہی تنہیک“ کے طور پر ہے۔

الفصل الثالث

ہر مسکروہ مفتر چیز حرام ہے

(۱۶) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ مُسْكِرٍ وَمُفْتَرٍ۔ (رواہ ابو داؤد)

”حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہر اس چیز کو کھانے پینے سے منع فرمایا ہے جو نہ آور اور مفتر ہو۔“ (ابو داؤد)

تشریح: نہایہ میں لکھا ہے کہ ”مفتر“ اس چیز کو کہتے ہیں جس کو پینے سے قلب و دماغ میں گرمی سرایت کر جائے اور ان اعضاء و ریسہ میں فتور یعنی ضعف و اضطراب پیدا ہو جائے چنانچہ ”المفترہ المرحلہ“ کسی شخص کے بارے میں اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ اس کی پلکیں کمزور ہو جاتی ہیں اور گوشہ چشم مضحل ہو جاتا ہے جیسے جو شخص بہت بوڑھا ہو جاتا ہے اس کی پلکیں کمزور ہو جاتی ہیں یا ٹوٹ کر گر جاتی رہتی ہیں جس کی وجہ سے آنکھیں چند صیالی رہتی ہیں۔

اس ارشاد گرامی سے بچ (خراسانی اجناس یا منگ) اور دوسری مغیرات اور مفتر چیزوں کی حرمت پر استدلال کیا جاتا ہے۔

شراب نوشی کی کسی حال میں اجازت نہیں ہے

(۱۷) وَعَنْ ذَيْلِمْ الْجُمَيْزِيِّ قَالَ قُلْتُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا بَارِضٌ بَارِدَةٌ وَنَعَالِجٌ فِيهَا عَمَلٌ شَدِيدٌ وَإِنَّا نَتَّخِذُ شَرَابًا مِنْ هَذَا الْقَمْحِ نَتَّقُوهُ بِهٖ عَلَى أَعْمَالِنَا وَعَلَى بَرْدِ بِلَادِنَا قَالَ هَلْ يُسْكِرُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاجْتَنِبُوهُ قُلْتُ إِنَّ النَّاسَ غَيْرَ تَارِكِيهِ قَالَ إِنْ لَمْ يَتْرُكُوهُ فَفَاعْلَوْهُمْ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت ذیلیم جمیریؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! ہم لوگ ایک سرد علاقے کے باشندے ہیں جہاں ہمیں سخت محنت کے کام کرنے پڑتے ہیں (اور وہ سخت محنت بہت زیادہ جسمانی مشقت کے متقاضی ہوتی ہے۔ اس لئے ہم لوگ گھوڑوں سے شراب تیار کرتے ہیں جس کے ذریعہ ہم اپنی محنت کے لئے طاقت حاصل کرتے ہیں اور اس کی قوت سے اپنے علاقے کی سردی پر قابو پاتے ہیں۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”کیا وہ شراب خور لاتی ہے؟“ میں نے عرض کیا ”ہاں“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”تو پھر اس سے اجتناب کرو۔“ میں نے عرض کیا ”لوگ اس کو چھوڑنے والے نہیں ہیں“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”مگر لوگ اس کو پیتا بند نہ کریں (اور اس کو حلال جانیں) تو ان سے قتال کرو۔“ (ابو داؤد)

شراب اور جوئے کی ممانعت

(۱۸) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْخَمْرِ وَالْمُسْبِرِ وَالْكُؤْبَةِ وَالْعَبِيْزِ وَأَوْ قَالَ كُلِّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عبد اللہ بن عمروؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے شراب پینے اور جو اکیلے سے منع فرمایا اور کوبہ اور عبیز اسے بھی منع کیا ہے، نیز فرمایا کہ ”جو چیز بھی نشہ لائے وہ حرام ہے۔“ (ابو داؤد)

تشریح: خاموس میں لکھا ہے کہ ”کوبہ“ (نرد) (ایک کھیل) اور عبیز کو کہتے ہیں، اسی طرح طبل یعنی نقارے سے اور برط کو بھی ”کوبہ“ کہتے ہیں، چونکہ یہ ساری ہی چیزیں ممنوع ہیں اس لئے یہاں کوبہ سے جو بھی چیز مراد لی جائے صحیح ہے۔ ”عبیز“ ایک قسم کی شراب کا نام ہے جو پینے سے ہتی بھی اور عام طور پر عیشی بنایا کرتے تھے۔

شرابی جنت میں داخل نہیں ہوگا

(۱۹) وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَقَاقٌ وَلَا قَمَّازٌ وَلَا مُثَانٍ وَلَا مُذْمٌ مِنْ حَمْزٍ - زَوْاهِ الدَّارِمْ وَهِيَ زَوْاِبَةُ لَوْلَا وَلَدُ زَيْنَةَ بَذَلُ قَمَّازٍ -

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو بندگان غاص نجات پا کر شروع میں جنت میں داخل ہوں گے ان کے ساتھ (جنت میں نہ تو وہ شخص داخل ہوگا جو اپنے ماں باپ کی (بلاوجہ شرع) نافرمانی کرتا ہے نہ جواری داخل ہوگا نہ وہ شخص داخل ہوگا جو فقراء کو صدقہ دے کر احسان جتنا ہے، اور نہ وہ شخص داخل ہوگا جو ہمیشہ شراب پیتا ہے (دارمی) اور ذاری ہی کی ایک روایت میں ”نہ جواری داخل ہوگا“ کے بجائے یہ ہے کہ ”نہ ولد الزنا جنت میں داخل ہوگا۔“

تشریح: موجودہ زمانے کے اعتبار سے ہر وہ کھیل جو ہے جس میں عام طور پر شرط باندھی جاتی ہے کہ جیتنے والا ہارنے والے سے اتنے روپے یا فلاں چیز لے گا جیسے تاش و نرد اور شرط و غیرہ، اسی طرح ”سٹ“ بھی جوئے کے حکم میں داخل ہے۔
”کھیل“ کے قول کے مطابق ممان کے ایک معنی تو وہ ہیں جو ترجمہ سے ظاہر ہیں یعنی ”کسی فقیر و محتاج کو صدقہ و خیرات دے کر اس پر احسان جتنا“ لیکن ایک احتمال یہ بھی ممکن ممان دراصل من سے جو جس کے معنی ”قطع“ کے ہیں اس طرح ممان وہ شخص ہوا جو رشتوں ناتوں کو قطع کرنے والا ہو۔

یہ حدیث کہ ”ولد الزنا جنت میں داخل نہیں ہوگا“ نہ تو صحیح ہے اور نہ اس کو موضوع ہی قرار دیا جاسکتا ہے بلکہ یہ ایک ضعیف روایت ہے، تاہم اگر اس کے کسی درجہ میں صحیح ہونے کا احتمال بھی ہو تو اس صورت میں اس کی تاویل اور وضاحت یہ ہے کہ جو اولاد زنا کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے وہ چونکہ باپ کی تربیت و نگرانی سے محروم رہتی ہے اور ماں کی بدکرداری کا سایہ اس کے اوپر ہوتا ہے اس لئے وہ عام طور پر بگڑ جاتی ہے اور ظاہری دنیا کی تربیت نہ پانے کی وجہ سے مختلف طرح کی برائیوں اور بد اعمالیوں میں مبتلا ہو جاتی ہے اور کمال کار و عذاب خداوندی میں گرفتار رہتی ہے، مزید برآں جس طرح حرام ذرائع مثلاً جوئے اور سوسے کمائے جانے والے مال میں ایک طرح کی ”مخوست“ ہوتی ہے اس طرح ولد الزنا میں بھی ایک طرح کی مخوست ہوتی ہے کیونکہ وہ ایسے نفع سے وجود میں آتا ہے جو ”حرام“ جگہ میں ”حرام ذریعہ“ سے قرار پایا تھا۔ یا یہ کہا جائے کہ اس ارشاد ”ولد الزنا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔“ کے ذریعہ دراصل زانی پر تعزیر و تنبیہ مقصود ہے جو اس (ولد الزنا) کی پیدائش کا سبب بنتا ہے۔

علاوہ ازیں بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ یہاں ”ولد الزنا“ سے مراد وہ شخص ہے جو زنا پر مواظبت و مداومت اختیار کرتا ہے اور بدکاری اس کی عادت بن جاتی ہے جیسے یہاں روئے کو بنو العرب (یعنی جنگ کی اولاد) یا مسلمانوں کو بنو الاسلام (یعنی اسلام کی اولاد) کہہ دیتے ہیں۔ حاصل یہ کہ اس ارشاد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ولد الزنا محض اس وجہ سے کہ وہ زنا کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے، عذاب خداوندی میں گرفتار ہوگا یا اس کو جنت کی سعادت سے محروم رکھا جائے گا کیونکہ جس برائی نے اس کو جنم دیا، ہے اس میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔

شرابی کے باوے میں ایک وعید

(۲۰) وَعَنْ أَبِي أَسَامَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعْتَيْنِ رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ وَهَذِي لِلْعَالَمِينَ وَأَمْرَيْنِ زَيْنِ عَزَّوَجَلَّ بِمَقْصِدِ الْمَغَارِبِ وَالْمَازِهِرِ وَالْأَوَّلَانِ وَالْضَّلْبِ وَأَمْرُ الْجَاهِلِيَّةِ وَخَلْفَ زَيْنِ عَزَّوَجَلَّ بِمَقْصِدِ الْيَشْرِبِ عَنْهُ مِنْ عِبْدِي خَزَعَةٌ مِنْ خَمَرٍ إِلَّا سَقَيْتُهُ مِنَ الصُّدْبِ مِثْلَهَا وَلَا يَتْرُكُهَا مِنْ مَخَافَتِي إِلَّا سَقَيْتُهُ مِنْ جِوَارِي الْقُدْسِ -

”اور حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے مجھ کو پوری دنیا کے لئے رحمت اور تمام عالم کے لئے ہادی بنا کر بھیجا ہے۔“ اور میرے بزرگ و ترخدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں باجوں، مزامیر، بتوں، سولیوں اور زمانہ جاہلیت (یعنی حالت کفر) کے تمام رسوم و عادات کو مٹا دوں۔ اور میرے بزرگ و ترخدا نے اپنی عزت کی قسم کھائی ہے کہ میرے بندوں میں سے جو بھی زندہ شراب کا ایک گھونٹ بھی پئے گا میں اس کو آخر میں) اسی کے ہتھ روڑوں کی پیپ پلاؤں گا۔ اور جو بندہ میرے خوف سے شراب چٹا چھوڑ دے گا میں اس کو آخرت میں) پاک حوضوں (یعنی جنت کی نہروں) سے (شراب طہور) پلاؤں گا۔“ (احمد)

تشریح: ”باجوں“ سے ڈھول، ڈھولکی، نقارہ، تاشہ، طبلہ، طنبورہ، سارنگی، ستار اور اسی قسم کے دوسرے باجے مراد ہیں۔ اسی طرح ”مزامیر“ سے شہنائی، چنگ، بانسری اور اسی قسم کی دوسری چیزیں مراد ہیں۔ یہ حدیث باجوں اور مزامیر کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ چیزیں زمانہ قدیم سے اہل فسق اور گمراہ لوگوں کے رسوم و عادات میں داخل رہی ہیں۔

فقہاء لکھتے ہیں کہ راگ و نغمہ، باجوں اور مزامیر کے ساتھ تو حرام ہے اور محض آواز کے ساتھ مکروہ ہے، نیز اجنبی عورتوں سے سنتا سخت حرام ہے۔

”سولی“ سے مراد وہ صلیبی نشان (کر اس) ہے جو عیسائیوں کے ہاں ایک مقدس علامت اور قومی و مذہبی نشان ہے جو اس شکل میں ہوتا ہے یعنی ایک خط دو سرے خط کو کاٹتا ہے۔ یہ دراصل اس سولی کا نشان ہے جس پر عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چڑھا لیا تھا، اسی مناسبت سے عیسائی اس نشان کو بہت ہی مقدس اور بابرکت سمجھتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ ان کے مرد و عورت اس نشان کو مختلف صورتوں میں اپنے جہم پر آونے اور رکھنے میں بلکہ اپنی اور تمام چیزوں پر بھی یہ نشان بتاتے ہیں، اس سے ان کا مقصد حصول برکت بھی ہوتا ہے اور اس واقعہ کی حسرتناکی اور گھٹنی کو یاد رکھنا بھی ہوتا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا تھا۔ لہذا آنحضرت ﷺ کو اس نشان کے نیست و نابود کرنے کا بھی حکم دیا گیا اور مسلمانوں کو سختی کے ساتھ منع کیا گیا کہ وہ کسی بھی ایسی چیز کو استعمال نہ کریں جس پر یہ نشان ہو اور نہ اپنی کسی چیز پر یہ نشان بنائیں کیونکہ اس سے ایک غیر قوم کی مشابہت ہوتی ہے جو اسلام میں سخت حرام ہے۔

زمانہ جاہلیت کی رسوم و عادات سے مراد وہ چیزیں ہیں جو مسلمانوں میں داخل ہیں اور جو زمانہ اسلام سے قبل کثرت سے رائج تھیں جیسے نوحہ و بین کرنا، اپنی نسل یا اپنے خاندان پر بے جا فخر کرنا اور دوسروں کے نسب میں طعن و طنز کرنا وغیرہ وغیرہ۔

والدین کی نافرمانی کرنے والے، دیوث اور شرابی پر جنت کے دروازے بند ہیں

(۲۱) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثَةٌ قَدْ حَزَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ الْخُتْمَ مَذْمُومٌ الْخَمْرُ وَالْعَاقُ وَالذَّيْثُ الَّذِي يَقْرَأُ أَهْلُ الْخَيْثِ - (رواہ احمد و الترمذی)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تین طرح کے آدمیوں پر اللہ تعالیٰ نے جنت کو حرام کر دیا ہے (یہ نجات یافتہ بندوں کے ساتھ ابتداء جنت میں داخل ہونا ان تینوں پر حرام قرار دیا ہے) ایک تو وہ شخص جو بیشہ شراب پئے، دوسرا وہ شخص جو اپنے والدین کی نافرمانی کرے، اور تیسرا وہ دیوث کہ جو اپنے اہل و عیال میں ناپاکی پیدا کرے۔“ (احمد، نسائی)

تشریح: ”جو اپنے اہل و عیال میں ناپاکی پیدا کرے“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اپنی بیوی، اپنی لونڈی یا اپنی کسی اور رشتہ دار کو برائی اور بد چلنی کی راہ پر لگائے۔ یعنی انہیں غیر مردوں کے ساتھ ہم بستروں یا مقدمات و ناجائزے بوس و کنار اور غیر چاہا نہ اختلاط وغیرہ پر مجبور کرے، یا انہیں اس کا موقع دے۔ اسی حکم میں اور تمام گناہ جیسے شراب نوشی، اور محض جنابت کا ترک وغیرہ بھی شامل ہیں، یعنی اگر وہ شخص اپنی بیوی

کو شراب پیتے دیکھے یا اس کو غسل جنابت ترک کرتے دیکھے یا ای طرح کے کسی اور گناہ میں مبتلا دیکھے اور اس کو اس سے منع نہ کرے تو یہ بھی دلوٹی ہے۔

طبیعی کہتے ہیں کہ ”دیوث“ اس بے غیرت شخص کو کہتے ہیں جو اپنے اہل یعنی اپنی عورت کو کسی برائی میں مبتلا دیکھے لیکن نہ تو اس کو اس کی وجہ سے کوئی غیرت محسوس ہو اور نہ اس کو اس برائی سے منع کرے یعنی اپنی عورت کے پاس غیر مردوں کا آنا گوارا کرے۔ مجمع البحرین میں لکھا ہے کہ ”دیوث“ کو کشخان، اور ”قرنان“ بھی کہتے ہیں، لیکن بعض حضرات نے دیوث، کشخان اور قرنان کے مفہوم میں تموزا سا فرق و امتیاز پیدا کیا ہے، یعنی دیوث وہ ہے جو غیر مرد کو اپنی عورت کے پاس آنے دے کشخان وہ ہے جو اپنی بیویوں کے پاس غیر مردوں کو آنے دے۔

(۲۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَلَانَةٌ لَا تَدْخُلُ الْهَيْئَةَ مُذْعِنُ الْخَمْرِ وَقَاطِعُ الزَّجَمِ وَمُضْطَبِّقُ الْبَلْبَخُو - (رواہ احمد)

”اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”تین طرح کے لوگ جنت میں (ابتداءً) داخل ہونے سے محروم رہیں گے۔ ① بیٹ شراب پینے والا۔ ② نائے کا توڑنے والا۔ ③ عمر بچپن کرنے والا۔“ (احمد)

تشریح: ”عمر بچپن کرنے والا“ سے وہ شخص مراد ہے جو محرم کو مؤثر بالذات جانے، ورنہ سحر یا سحری میں متقی نہیں کرنا صحیح ہے۔ کہ وہ حق تعالیٰ ہی کا بیدار کیا ہوا ہے اور حق تعالیٰ کے حکم سے اس کا اثر انداز ہونا ثابت ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ الکسوخو حق یعنی سحر ایک حقیقت ہے۔

شراب نوشی بت پرستی کے مترادف ہے

(۲۳) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُذْعِنُ الْخَمْرِ إِنْ مَاتَ لَقِيَ اللَّهَ تَعَالَى كَعَبَادِهِ وَنِ زَوَّاءِ أَخْمَدُ وَزَوْى ابْنِ مَاجَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ مَرْثُ عَنْ شُعْبٍ الْأَيْمَانِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ وَقَالَ ذَكَرَ الْبُخَارِيُّ فِي التَّارِيخِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ -

”اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص بیٹ شراب نوشی میں مبتلا رہے اور پھر مر جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں بت پرستی کی طرح حاضر ہوگا۔“ (احمد) (ابن ماجہ) نے اس روایت کو حضرت ابو ہریرہؓ سے اور بیہقی نے شعب الايمان میں محمد ابن عبد اللہ سے اور انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے نیز بیہقی نے کہا ہے کہ امام بخاریؒ نے اس روایت کو اپنی تاریخ میں محمد ابن عبد اللہ سے اور انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے۔“

(۲۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَلَانَةٌ لَا تَدْخُلُ الْهَيْئَةَ مُذْعِنُ الْخَمْرِ وَقَاطِعُ الزَّجَمِ وَمُضْطَبِّقُ الْبَلْبَخُو - (رواہ الساقی)

”اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے ”میں اس میں کوئی فکر (فرق) نہیں کرتا کہ میں شراب پیوں یا اللہ کے سوا اس ستون (یعنی پتھر کے بت) کو پوچھوں۔“ (اسحاق)

تشریح: اس ارشاد سے حضرت ابو موسیٰؓ کا مقصد یہ ظاہر کرتا ہے کہ میرے نزدیک شراب نوشی اور بت پرستی دونوں ایک ہی حکم رکھتے ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کتاب الامارة والقضاء امارت وقضاء کا بیان

امارت سے مراد ”سرکاری و حکمرانی“ ہے اور قضا سے مراد ”شرعی عدالت“ ہے اسلامی نظام حکومت کی عہدیت کے یہ دو بنیادی ستون ہیں! امیر و امام (یعنی سربراہ مملکت) اسلام کے قانون اساسی کا محافظ، نظم حکومت اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کا ذمہ دار حفاظت مذہب اور اُمت اسلامیہ کی طاقت و قوت کا امین، اور امور عامہ کا نگہبان ہوتا ہے۔ اسلامی معاشرہ کے افراد کا تعلق جن امور سے ہے ان سب پر امیر و امام ہی کا اختیار کار فرما ہوتا ہے۔

خاصی، اسلامی عدالت کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے شہریوں کے حقوق (امن، آزادی، مساوات) کا محافظ ہوتا ہے اور وہ معاملات کا فیصلہ کرنے میں شریعت کی طرف سے حکم کی حیثیت رکھتا ہے، اس کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کے نواحی مقدمات کا شریعت کے مطابق فیصلہ کرے اور اس کا اس سے بڑا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ عدل و انصاف، دیانت داری اور ایمان داری کے تقاضوں کو ہر حالت میں مد نظر رکھے۔

اسلام اور حکومت

اسلام، دنیا کا یگانہ مذہب بھی ہے اور دنیا کی سب سے بڑی طاقت بھی اسلام جس طرح انسانیت عامہ کی دینی، مذہبی اور اخلاقی، اخروی نفع کا سب سے آخری اور مکمل قانون ہدایت ہے اس طرح وہ ایک ایسی لافانی سیاسی طاقت بھی ہے جو انسانوں کے عام فائدے، عام بہتری اور عام عظیم کے لئے حکومت دیاست سے اپنے تعلق کو برملا اظہار کرتی ہے۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اسلام صرف ایک مذہب ہی نہیں بلکہ مذہب کی حیثیت سے کچھ اور بھی ہے اس کو حکومت حاکمیت، سیاست اور سلطنت سے وہی تعلق ہے جو اس کا نکت کی کسی بھی بڑی حقیقت سے ہو سکتا ہے اس کو محض ایک ایسا نظام نہیں کہا جاسکتا ہے جو صرف باطن کی اصلاح کا فرض انجام دیتا ہے بلکہ اس کو ایسا دینی نظام بھی سمجھنا چاہیے جو خدا ترس و خدا شناس روح کی قوت سے دنیا کے مادی نظام پر عالمگیر غلبہ کا دعویٰ رکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم جو اسلامی تصورات و نظریات کا سرچشمہ ہے اور احادیث نبوی ﷺ جو قرآنی ہدایات کی شارح و ترجمان ہیں، ان کا ایک بہت بڑا حصہ اسلام اور حکومت و سیاست کے تعلق کو ثابت کرتا ہے کہیں تاریخی انداز میں، کہیں تعلیمات کے چرچہ میں اور کہیں نعمت الہی کو ظاہری کرتے ہوئے ہم پر یہ واضح کیا جاتا ہے کہ اسلام اور حکومت کے درمیان تعلق ہی نہیں ہے بلکہ اسلام کے بنیادی عقیدے و تصورات کے مطابق چونکہ یہ زمین خدا کی ملکیت ہے اور اس زمین میں حکومت خدا کا حق ہے اس لئے اسلام کا ایک بنیادی مقصد یہ بھی ہے کہ اس زمین پر خدا کی حکومت قائم کی جائے اور اس کا اتارا ہوا قانون نافذ کیا

جائے۔

ہمیں سے جو کچھ فکر لوگ ”مذہب اور سیاست“ کے درمیان تفریق کی دیوار حائل کر کے اسلام کو سیاست و حکومت سے بالکل بے تعلق ڈبے واسطہ رکھنا چاہتے ہیں وہ دراصل مسلم مخالف عناصر کے اس شاطر دماغ کی سازش کا شکار ہیں جو خود تو حقیقی منہ میں آج تک حکومت کو ”مذہب“ سے آزاد نہ کر سکا لیکن مسلمانوں کی سیاسی پروا اور ہمہ گیر پیش قدمی کو محض کرنے کے لئے ”مذہب“ اور سیاست و حکومت کی مستقل بخش پیدا کر کے مسلمانوں کے چشمہ فکر و عمل میں دین اور دنیا کی پلیدی کا زہر گھول رہا ہے۔

کتاب الامارۃ والقضاء سے اس کتاب کا جو حصہ شروع ہو رہا ہے اور اس میں جو احادیث نقل ہوئی وہ اس دعویٰ کی واضح دلیل ہیں کہ اسلام اور حکومت و سیاست دو متضاد چیزیں نہیں ہیں ان احادیث میں امیر و خلیفہ قاضی و منصف، عوام اور رعایا، ملک و فوج اور نظم و ملکت کے دیگر گوشوں سے متعلق جو ہدایات و احکام بیان کئے جائیں گے ان سے واضح ہو گا کہ حکومت و سیاست بھی اسلام کا ایک موضوع ہے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

امیر کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَمَنْ يَطْعِ الْأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي وَمَنْ يَعْصِ الْأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي وَإِنَّمَا الْأَمَامُ جُنَّةٌ يَنْقَاتِلُ مِنْ وَرَآئِهِ وَيَنْتَقِي بِهِ فَإِنْ نَفَقِيَ اللَّهُ وَعَدَلْنَا لَهْ يَذَلُّكَ أَجْرًا وَإِنْ قَالَ بَعْضُهُمْ فَإِنَّ عَلَيْهِ مِنْهُ (متن بید)

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص میری فرمانبرداری کرتا ہے اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اور جس شخص نے میری نافرمانی کی اس شخص نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس شخص نے اپنے امیر/سرور کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس شخص نے اپنے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی! اور یاد رکھو، امام یعنی سربراہ مملکت (مسلمانوں کے لئے) ذوالحال کی مانند ہے جس کے پیچھے سے (یعنی اس کی اطاعت کے طے ہوتے پر) جنگ کی جاتی ہے اور جس کے ذریعہ (دشمنوں کی افات و ہلاکت سے) حفاظت حاصل کی جاتی ہے! اچس! اگر وہ (امام) اللہ سے ڈر کر (اس کے قانون کے مطابق) فیصلہ کرے اور عدل و انصاف سے کام لے تو اس کی وجہ سے وہ امام بڑے اجر و ثواب کا مستحق ہو گا اور اگر وہ ایسا نہ کرے۔ (یعنی اس کے احکام و فیصلے، اللہ کے خوف، قانون الہی کی روح اور عدل و انصاف سے غائب ہوں) تو اس کی وجہ سے وہ سخت گنہگار ہو گا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: امام (سربراہ مملکت) کو ذوالحال کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح ذوالحال جنگ میں (دشمن کے تیر و تلواریں بچاتی ہے اسی طرح امام کا وجود، مسلمانوں کو دشمنان دین کے حملوں اور ان کی افات و بلاؤں سے بچانے کا باعث ہے۔

اگر کسی کمتر شخص کو امیر بنایا جائے تو اس کی اطاعت بھی ضروری ہے

② وَعَنْ أُمِّ الْخَضِجِ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَمِيرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ مُجَدِّعٌ يَفْخُو دُكْمَ بَيْكِنَابِ اللَّهِ فَاسْتَمُوا لَهُ وَأَطِيعُوا (وردہ مسلم)

”اور حضرت امّ الخدیجہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر کسی نکلے اور کن کے غلام کو بھی تمہارا حاکم بنایا جائے اور وہ اللہ کے قانون کے مطابق تم پر حکمرانی کرے تو تم اس کا حکم سنو اور اس کی اطاعت کرو۔“ (مسلم)

تشریح: اس ارشاد گرامی کا مقصد اولو الامر کی اطاعت و فرمانبرداری کی اہمیت کو واضح کرنا ہے اور اس اہمیت کو زیادہ سے زیادہ واضح کرنے کے لئے ”غلام“ کا ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا ہے ”جو شخص مسجد بنائے اگرچہ وہ چڑیا کے گھونسلے کی

مانع ہوا۔" سے ظاہر ہے کہ مسجد چڑیا کے گھونسلے کی مانند کبھی نہیں ہو سکتی بلکہ اس ارشاد کا مقصد مسجد بنانے کی اہمیت اور اس کی فضیلت کو زیادہ سے زیادہ بیان کرتا ہے اس طرح یہاں بھی "غلام" کے ذکر سے مبالغہ مقصود ہے یا پھر یہ مراد ہے کہ وہ غلام جو بادشاہ یا خلیفہ اعظم (سربراہ مملکت) کا نائب ہو یا اسے کسی خاص علاقہ کا حاکم بنایا گیا ہو۔ اس ساری تاویل کی بنیاد یہ ہے کہ "غلام" کو امیر و ام (سربراہ مملکت) بنانا جائز نہیں ہے۔

واضح رہے کہ ان تمام احادیث میں بھی ملکی تاویل کی جائے گی جن میں غلام کی امارت و سرداری کا ذکر ہے۔
 "تکلتا اور کن کتا" کے الفاظ بھی مقصد کو مؤکد کرنے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں اور ان سے مراد "حقیر و کسر" غلام ہے حاصل یہ کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے امیر و ام کی اطاعت و فرمانبرداری کریں اور اس کے منصب امارت و امت کی پوری عزت و توقیر کریں خواہ وہ امیر اپنی ذاتی حیثیت میں کتنا ہی کسر کیوں نہ ہوں۔

﴿وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَإِنْ اسْتَعْبَلَكُمْ عَبْدٌ خَبِيثٌ كَانَتْ رَأْسُهُ زَيْبَةً﴾ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا (اپنے امیر و حاکم کا فرمان سنا) اور (اس کے ادا کرو) اطاعت کرو۔ تاوقتیکہ اس کا کوئی حکم و فرمان اللہ کے اور اس کے رسول کے خلاف نہ ہو اگرچہ تم پر کسی ایسے غلام ہی کو سحر کرنا کیوں نہ بنایا گیا ہو جس کا سر (چھوٹے پن اور سیاہی میں) انگور (کی مانند) ہو۔" (بخاری)

غیر شرعی حکم کی اطاعت واجب نہیں

﴿وَعَنْ أَنَسٍ عُمَرُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشَّمْعَةُ وَالْقَطَاعَةُ عَلَى الْمُتَمْلِكِ وَبَيْنَا أَحْتِ وَكَبْرُهُ مَا لَمْ يَقُمْ بِمَغْضَبَةٍ فَإِذَا أَمَرَ بِمَغْضَبَةٍ فَلَا تَسْمَعُ وَلَا تَطَاعُ﴾ (ترمذی)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اپنے امیر و حاکم کی بات کو" سنا اور (اس کے احکام کی) فرمانبرداری کرنا ہر حالت میں مرد مسلم پر واجب ہے خواہ (اس کا کوئی حکم اس کو پسند ہو یا پسند نہ ہو۔ تاوقتیکہ کسی گناہ کی بات کا حکم نہ کیا جائے۔ لہذا جب حاکم کوئی ایسا حکم دے جس پر عمل کرنے میں گناہ ہو تو اس کی اطاعت کرنا واجب نہیں۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: امیر و حاکم کی بات کو سنا اور اس کے احکام و فرامین کی اطاعت کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ اس کا حکم و فرمان طبیعت و پسند کے موافق ہو یا غیر موافق ہو لیکن شرط یہ ہے کہ اس کا کوئی حکم شریعت کی حدود سے تجاوز نہ ہو لہذا اگر امیر و حاکم کوئی ایسا حکم و فرمان جاری کرے جس پر عمل کرنے سے گناہ لازم آتا ہو۔ اس کی اطاعت و فرمانبرداری واجب نہیں ہوگی لیکن اس صورت میں بھی امیر و حاکم کے خلاف بغاوت کرنا یا اس سے جنگ و جدال کرنا جائز نہیں ہوگا۔

﴿وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا طَاعَةَ فِي مَغْضَبَةٍ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَغْضُوفِ﴾ (ترمذی)

"اور حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کسی بھی ایسے حکم کی اطاعت و فرمانبرداری جائز نہیں ہے جس کا تعلق گناہ سے ہو (خواہ وہ حکم امیر و حاکم کی طرف سے ہو یا باپ اور استاد پر وغیرہ کی جانب سے ہو) اطاعت و فرمانبرداری تو صرف اچھے حکم میں واجب ہے۔" (بخاری و مسلم)

اطاعت و فرمانبرداری کا عہد

﴿وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ بَايَعْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الشَّمْعَةِ وَالْقَطَاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ﴾

وَالْفَنَاشُطُ وَالْمَكْرَهُ عَلَى أَنْ لَا تَنَازَعَ الْأَمْرُ أَهْلُهُ وَعَلَى أَنْ تَقُولَ بِالْحَقِّ إِنَّمَا كُنَّا فِي اللَّهِ
لَوْ مَعَهُ لَا يَمِيزُ وَيُحْيِي دَوَابَّهُ وَعَلَى أَنْ لَا تَسْأَعَ الْأَمْرُ أَهْلُهُ إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا يُوَاحِدُكُمْ مِنَ اللَّهِ فِيهِ بَرَاهَانٌ (متفق علیہ)

”اور حضرت عبادہ ابن صامت کہتے ہیں کہ ہم نے رسول کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی یعنی آپ کے رد و برہان امور کا عہد کیا کہ ”ہم (آپ کی ہدایات کو توجہ سے) سنیں گے (اور ہر قسم کے حالات میں آپ ﷺ کے احکام کی) اطاعت کریں گے غلطی اور سخت حالات میں بھی اور آسان و خوش آئند زمانہ میں بھی، خوشی کے موقع پر بھی اور ناخوشی کی حالت میں بھی ہم پر ترجیح دی جائے گی (تو ہم مبرا کریں گے۔ ہم امر کو اس کی جگہ سے نہیں نکالیں گے، ہم (جب زبان سے کوئی بات کہیں گے تو) حق کہیں گے خواہ ہم کسی جگہ ہوں (اور کسی حال میں ہوں) اور ہم اللہ کے معاملے میں (یعنی دین پہنچانے اور حق بات کہنے میں) کسی ملامت کرنے والے شخص کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ (ہم نے اس بات کا عہد کیا کہ ہم امر کو جگہ سے نہیں نکالیں گے۔“ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ امر کو اس کی جگہ سے نہ نکالو! ہاں اگر تم صریح کفر و کجوحی پر جہلہ سے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے (یعنی قرآن کی کسی آیت یا کسی حدیث کی صورت میں، دلیل ہو) اور اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہ ہو تو اس صورت میں امر کو اس کی جگہ سے نکالنے کی اجازت ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”ہم پر ترجیح دی جائے گی“ کا مطلب یہ ہے کہ ہم انصار نے یہ بھی عہد کیا کہ اگر ہم پر کسی کو ترجیح دی جائے گی ہم مبرا و قحی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں گے۔ ایک روایت میں متقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انصار سے فرمایا تھا کہ (میرے بعد تم لوگوں سے ترجیحی سلوک ہو گا یعنی بخشش و انعام اور اعزاز و متاصیب کی تقسیم کے وقت تم پر دوسرے لوگوں کو ترجیح و تفضیل دی جائے گی ایسے موقع پر تم لوگ مبرا کرنا“ چنانچہ آپ کی یہ پیش گوئی ثابت ہوئی کہ خلفائے راشدین کے زمانے کے بعد جب امراء کا عہد حکومت شروع ہوا تو انصار کے ساتھ ترجیحی سلوک کیا گیا اور انصار نے بھی آپ کے ارشاد کی تعمیل میں اور اپنا عہد نباہتے ہوئے اس ترجیحی سلوک کے خلاف شکوہ شکایت کرنے کی بجائے مبرا و قحی کی راہ کو اختیار کیا۔

”ہم امر کو اس کی جگہ سے نہیں نکالیں گے“ کا مطلب یہ ہے کہ ہم امارت و حکومت کی طلب و خواہش نہیں کریں گے ہم پر جس شخص کو امیر و حاکم بنادیا جائیگا ہم اس کو معزول نہیں کریں گے اور اپنے امیر و حاکم کے خلاف ہنگامہ آرائی کر کے کوئی شورش پیدا نہیں کریں گے۔ روایت کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اگر امیر و حاکم کے قول و فعل میں صریح کفر دیکھو تو اس کو معزول کر دینے کی اجازت ہے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا واجب ہو گا۔

فسق و فجور، عزل منصب کی بنیاد بن سکتا ہے یا نہیں؟

اس ارشاد گرامی سے یہ واضح ہوا کہ امام یعنی سربراہ مملکت کو معزول کرنے کی اسی صورت میں اجازت ہے جب کہ وہ صریح طور پر کفر کا مرتکب ہو اور اس کا کفر قرآن و حدیث کی روشنی میں اتنے واضح طور پر ثابت ہو کہ اس امام کے لئے اس کفر کی کوئی تاویل کرنا ممکن نہ ہو۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر امام فسق و فجور میں مبتلا ہو جائے تو اس کو معزول کیا جاسکتا ہے یہی مسئلہ ہرقاضی و امیر کا ہے۔

واضح رہے کہ اس مسئلہ میں ان ائمہ کے اختلافی اقوال کی بنیاد یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تو فاسق شخص اس بات کا اہل نہیں ہو گا کہ اس کو ولایت (کسی کا ولی ہونے) کی ذمہ داری سونپی جائے جب کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ فاسق، ولایت کا اہل ہو سکتا ہے چنانچہ ان کے نزدیک فاسق باپ کے لئے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کر دینا جائز ہے۔

فرمانبرداری بقدر طاقت

(۷) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا إِذَا بَايَعْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِمَ الشُّعْبُ وَالطَّاعَةُ يَقُولُ لَنَا فِيمَا

استغفرکم۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب ہم رسول کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرتے (یعنی اس بات کا عہد کرتے) کہ ہم (آپ کی ہدایات کو توجہ سے سنیں گے اور (آپ کے احکام کی) اطاعت کریں گے تو آپ ﷺ ہم سے فرماتے کہ ”ان امور میں جن کی تم طاقت رکھتے ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت ﷺ نے یا تو اپنے مذکورہ ارشاد کے ذریعہ صحابہ کو یہ رخصت (یعنی آسانی و سہولت) عطا فرمائی کہ تم سے جس قدر فرمانبرداری ہو سکے اس قدر کرو۔ یا یہ ارشاد اسی بات کی تاکید و تہذیب کے لئے تھا کہ تم جتنی فرمانبرداری کر سکو اسی میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی یا قصور واقع نہ ہونا چاہئے۔

ملت کی اجتماعیت میں رخنہ ڈالنے والے کے بارے میں وعید

⑧ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ زَاوِي مِنْ أَمِيرِهِ شَيْخٌ يَخْرُجُ فَلْيَضْمِرْ فَإِنَّهُ لَيَنْسِ أَخَذَ يَلْمِزُ فِي الْجَمَاعَةِ يَسْتَوِي فِي مَوْتِ الْأَمَانَةِ مَيْتَةً جَاهِلِيَّةً۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر کوئی شخص اپنے امیر و سردار کی طرف سے کوئی ایسی بات دیکھے جو اس کو (شرعاً یا طبعاً) پسند نہ ہو تو اس کو اس پر صبر کرنا چاہئے اور اس کی وجہ سے امام کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند نہ کرنا چاہئے کیونکہ جو شخص جماعت سے باشت بھریا (بغیر اسی حالت میں) مر گیا تو اس کی موت، اہل جاہلیت کی موت کی مانند ہوگی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے امام و امیر کی اطاعت و فرمانبرداری بے اپنے کو ترک کر لیا اور مسلمانوں کی جماعت (تہذیب) سے علیحدگی اختیار کر لی اور تمام مسلمانوں کے اجتماع و اتحاد کی مخالفت پر کمر بستہ رہا اور پھر اسی حالت میں وہ مر گیا تو گویا زمانہ جاہلیت کے لوگوں کی موت مرا اور ان مشابہت کی بنیاد ہے کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ چونکہ دین سے بے بہرہ تھے اس لئے وہ اپنے امیر و سردار کی اطاعت کرتے تھے نہ اپنے امام (ربنما) کی ہدایت کو مانتے تھے بلکہ ان سے وہ علی الامان بیزاری کا اظہار کرتے تھے اسی طرح چونکہ ان کے یہاں ملی شیرازہ بندی اور اجتماعی تنظیم کا کوئی اہتمام نہیں تھا اس لئے وہ نہ کسی چیز پر اجتماع و اتحاد کا مظاہرہ کرتے تھے اور نہ کسی رائے پر اتفاق ہوتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام میں ملت کی شیرازہ بندی، مسلمانوں کی مضبوط اجتماعی تنظیم، لیڈر شپ پر مکمل اتفاق اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری اور ملی امور میں آپس میں اتفاق و اتحاد کی بڑی اہمیت ہے بلکہ یہ چیزیں دین کا مطلوب ہیں اور دین کی سرپرستی کا بنیادی عنصر ہیں۔

تعصب کے خلاف تنبیہ

⑨ وَعَنْ ابْنِ مَرْزُوقَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ فَغَاتَ غَاثَ مَيْتَةٍ جَاهِلِيَّةٍ وَمَنْ قَاتَلَ تَحْتَ زَاوِيَةٍ يَعْصِيهِ أَوْ يَدْعُو لِعَصِيَّةٍ أَوْ يَنْصُرُ عَصِيَّةً فَقَتِلَ فَقَتِيلٌ جَاهِلِيَّةٌ وَمَنْ خَرَجَ عَلَى أُمَّتِي بِسَيْفِهِ يَنْصُرُ بَرَّهَا وَفَاجِرَها وَلَا يَنْتَ حَاشِي مِنْ مُؤْمِنِها وَلَا يَنْبِي لِبَيْتِ عَهْدِ عَهْدَةٍ فَلَيْسَ مِنِّي وَلَسْتُ مِنْهُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”جو شخص، امام (سربراہ مملکت) کی اطاعت

دفرمانبرداری سے نکل جائے اور اسلام کی جماعت (ملت کی اجتماعی حیثیت) سے علیحدگی اختیار کرے اور پھر اس حالت میں مرجائے تو اس کا امر ناجاہلیت پر مرنے کے مترادف ہو گا، جو شخص کسی ایسے جہنم سے بچنے چاہے یعنی کسی ایسے مقصد کے لئے (مثلاً جس کا حق و باطل ہونا ظاہر نہ ہو) ورنہ بالکل وہ تعصب سے غصبناک ہوا اور متعصب ہوا اور تعصب کی وجہ سے لوگوں کو اپنی طرف بلایا یا تعصب کی وجہ سے کسی کی مدد کی (یعنی اس کا لڑنا غصبناک ہونا لوگوں کو اپنی مدد کے لئے بلانا یا کسی کی مدد کرنا اعلاء کلمۃ الحق اور دین سے اظہار کے لئے نہیں تھا بلکہ محض تعصب یعنی اپنی قوم کے ظلم کی حمایت اور اس کی ناروا جانب داری کی بنیاد پر تھا) اور اسی حالت میں (وہ مارا گیا تو اس کا امر ناجاہلیت پر مرنے کے مترادف ہو گا اور جس شخص نے میری آنت کے خلاف تلوار اٹھائی اور اس کے ذریعہ میری آنت کے اچھے اور برے آدمیوں کو مارا اور میری آنت کے مسلمان کی پرواہ نہیں کی (یعنی اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کی کہ ایک مسلمان کو مارنا کتنا بڑا جرم ہے اور اس کا وبال و عذاب کتنا سخت ہے) اور نہ اس نے جہد والے کے جہد کو پورا کیا تو نہ وہ میری آنت میں سے ہے (یعنی میرے راستے پر چھنے والوں میں سے نہیں ہے اور نہ میرا اس سے کوئی تعلق ہے۔) (مسلم)

بہترین اور بدترین حاکم

(۱۰) وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ أَمْرِكُمُ الدِّينَ نَجِئُوهُمُ وَيُجِئُوكُمْ وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ وَتُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَيُزَوِّدُ أَيْمَتَكُمْ الَّذِينَ يُبَغِضُونَكُمْ وَيُبَغِضُونَكُمْ وَتُلْعَنُونَ لَهُمْ وَتُلْعَنُونَ لَهُمْ يُلْعَنُونَكُمْ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا تَأْتِيهِمْ عِنْدَ ذَلِكَ قَالَ لَا مَا أَقَامُوا فِيكُمْ الصَّلَاةَ لَا مَا أَقَامُوا فِيكُمْ الصَّلَاةَ إِلَّا تَمَنَّى لَوْ أَنَّهُ عَلَيْهِ وَالْأَفْرَاقُ يَا بَنِي شَيْبَانَ مَغْصِيَةِ اللَّهِ فَيَكُونُ مَا يَتَى مِنْ مَغْصِيَةِ اللَّهِ وَلَا يَتَى عَنْ يَدِ ابْنِ خَالَتِهِ (رواه مسلم)

”ہو حضرت عوف ابن مالک اشجعیؓ سے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”تمہارے حاکموں میں سے بہترین حاکم وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں اور تم ان کے لئے اور وہ تمہارے لئے دعا کریں اور اس کی وجہ سے انہیں میں ربط و تعلق اور محبت پیدا ہو) اور تمہارے حاکموں میں سے بدترین حاکم وہ ہیں جن سے تم بغض و کد اور کد اور وہ تم سے بغض و کد اور تم ان پر لعنت بھیجیں۔“ حضرت عوف کہتے ہیں کہ ہم (صحابہؓ) نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! کیا اس صورت میں ہم ان سے کئے ہوئے جہد و فاداری کو توڑ نہ ڈالیں (یعنی کیا ان بدترین حاکموں کو معزول نہ کر دیں اور ان کے خلاف علم بغاوت بلند نہ کر دیں؟) آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں! جب تک وہ تمہارے درمیان نماز قائم کریں، نہیں! جب تک وہ تمہارے درمیان نماز قائم کریں! خبردار! جس شخص کو تم پر حاکم مقرر کیا جائے اور تم اس کا کوئی ایسا فعل نہ دیکھو جو خدا کی نافرمانی (گناہ) پر مبنی ہو تو اس کے اس گناہ کے فعل کو برا سمجھنا چاہئے۔ لیکن اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے دست بردار نہ ہونا چاہئے۔“ (مسلم)

تشریح: ”جب تک وہ تمہارے درمیان نماز قائم کریں“ اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اسلامی مملکت کے سربراہ کا نماز ترک کر دینا مسلمانوں کے کئے ہوئے عہد و فاداری کو توڑ ڈالنے کا موجب ہے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے دست بردار ہو جانے کا سبب ہے کہ جس طرح اگر سربراہ مملکت مرتد یا کفر کا مرتکب ہو جائے تو مسلمان اپنا عہد و فاداری توڑ کر اس کو معزول کر سکتے ہیں اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے دست بردار ہو سکتے ہیں، اسی طرح اگر وہ نماز چھوڑ دیں تو مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس کے تئیں اپنا عہد و فاداری توڑ دیں اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے انکار کر دیں! کیونکہ نماز دین کا ستون ہے اور کفر و ایمان کے درمیان فرق و امتیاز کرنے والی ہے۔ اس کے برخلاف دوسرے گناہ چونکہ ترک نماز کی طرح نہیں ہیں اس لئے ان کا ارتکاب عہد و فاداری کو توڑنے اور اطاعت و فرمانبرداری سے دست بردار ہونے کا موجب نہیں ہو سکتا۔ اس ارشادِ باری میں ترک نماز پر سخت ترین زجر و تنبیہ اور عظیم

حاکم کی بے راہ روی پر اس کو ٹوکنا ہر مسلمان کی ایک ذمہ داری ہے

⑪ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُونُ عَلَيْكُمْ أَمْرًا تَغْفِرُونَ وَتُكَذِّبُونَ فَمَنْ أَنْكَرَ فَقَدْ بَوَّأَ وَمَنْ كَوَّرَهُ فَقَدْ سَلِمَ وَلَكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَوَاعَقَ قَالُوا أَفَلَا نَعَاتِلُهُمْ قَالَ لَا مَاصِلُوا إِلَّا مَا صَلَوَاتُنِي مَنْ كَوَّرَهُ بِقَلْبِهِ وَأَنْكَرَ بِقَلْبِهِ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ایسے لوگ بھی تم پر حاکم مقرر کئے جائیں گے جو اچھے برے دونوں قسم کے کام کریں گے لہذا جس شخص نے انکار کیا (یعنی جو شخص اپنے حاکم کے سامنے زبان سے یہ کہنے پر قادر ہو کہ تمہارا یہ فعل برا ہے اور اس نے اس طرح کہہ بھی دیا) تو وہ نفاق اور دہانت سے پاک اور (اپنی ذمہ داری سے) ابری ہو گیا اور جس شخص نے کمرہ دانا (یعنی جو شخص حاکم کے منہ پر اس کے کسی برے فعل کو بیان کر دینے پر قادر نہ ہو لیکن اپنے دل سے اس کے اس فعل کو برا سمجھے) تو وہ سالم رہا (یعنی اس فعل کی برائی و گناہ اور اس کے وبال میں شریک ہونے سے محفوظ رہا) لیکن جو شخص (حاکم کے برے افعال پر دل سے خوش ہوا اور (خود بھی ان برے افعال میں مبتلا ہو کر گویا حاکم کی اتباع کی) تو وہ گناہ اور اس کے وبال میں شریک ہوا صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”ایسی صورت میں جب کہ حکام برائیوں میں مبتلا ہو جائیں اور ان کی بے راہ روی کا اثر عوام پر بھی پڑنے لگے تو کیا ہم ان کے خلاف جنگ نہ کریں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں!“ جب تک وہ نماز پڑھیں، نہیں! جب تک وہ نماز پڑھیں۔“ یعنی جس شخص نے اپنے دل سے برا سمجھا اور اپنے دل سے انکار کیا۔“ (مسلم)

تشریح: روایت کے آخری الفاظ ”یعنی جس شخص نے اپنے دل سے برا سمجھا اور اپنے دل سے انکار کیا“ کے بارہ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے تویہ لکھا ہے کہ راوی کی عبارت ہے جس کے ذریعہ انہوں نے حدیث کے الفاظ ”من کوہ فقد سلم کی توجیہ کی ہے، جب کہ ملا علی قاریؒ نے یہ لکھا ہے کہ راوی نے اس عبارت کے ذریعہ حدیث کے ان دونوں جملوں ”فمن انکر اور من کوہ الح کی توجیہ کی ہے۔

اگر حاکم کی طرف سے کسی کی حق تلفی ہو تب بھی اس کی فرما نبرداری کی جائے

⑫ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكُمْ مَسْخُورُونَ تَعْبُدُونِ أَثَرَهُ وَأَهْوَاؤَهُ تَكْذِبُونَ نَهَائِهِ قَالُوا أَفَمَا نَأْمُرُ نَايَا رَسُولِ اللَّهِ قَالَ أَذْوَا إِلَهُكُمْ حَقَّهُمْ وَسَلُّوا اللَّهَ حَقَّكُمْ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ ”تم میرے بعد اپنے ساتھ ترجیحی سلوک اور بہت سی ایسی چیزیں کو دیکھو گے جس کو تم برا سمجھو گے۔“ صحابہؓ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! پھر آپ ہمیں کیا ہدایت دیتے ہیں (کہ اس وقت ہمارا رویہ کیا ہو؟) آپ ﷺ نے فرمایا ”ہم ان (حاکموں کا حق اور اگر وہ اپنا حق اللہ تعالیٰ سے مانگو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارے حاکم تمہارے ساتھ ترجیحی سلوک کریں ہیں طور کہ تمہاری حق تلفی کریں تو ایسی صورت میں بھی ان کے تیل تمہارا رویہ لگی ہونا چاہئے کہ تم ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرو یعنی ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرو اور ان کے مددگار و معین بنے رہو اور وہ تمہارے حق کی ادائیگی میں جو کوتاہی کریں ان پر صبر کرو اور بارگاہ کبریائی میں اتھا کر دو کہ وہ تمہیں تمہارے حق کا نعم البدل عطا کرے۔

⑬ وَعَنْ زَالِي بْنِ خُجْرٍ قَالَ سَأَلَ سَلَمَةَ بْنَ زَيْدٍ الْجُعْفِيَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ أَرَأَيْتَ إِنْ قَامَتْ عَلَيْنَا أَمْرًا يَسْأَلُونَا حَقَّهُمْ وَنَعْمَتُونَا حَقَّنَا فَمَا تَأْمُرُنَا قَالَ اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا فَإِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا حَاجَبُوا

وَعَلَيْكُمْ مَا حَمَلْتُمْ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت واکلؓ ابن حجر کہتے ہیں کہ حضرت سلمہ ابن زیدؓ نے رسول کریم ﷺ سے سوال کیا اور کہا کہ ”یا رسول اللہ! اس بارہ میں ہمارے لئے آپ ﷺ کی کیا ہدایت ہے کہ اگر ہم پر ایسے حاکم مقرر ہوں جو ہم سے تو اپنے حق (یعنی اطاعت و فرمانبرداری کا مطالبہ کریں) لیکن ہمیں ہمارا حق (یعنی عدل و انصاف اور مال و قیمت کا تحفظ نہ دیں؟ آپ نے فرمایا ”تم ظاہر میں ان کی بات سنو اور دھن میں ان کی فرمانبرداری کرو“ یعنی ان کی بات اور ان کے احکام کو مستحکم ظاہری اطاعت ہے اور ان احکام پر عمل کرنا بھی فرمانبرداری ہے ایسا اور کھو! ان پر وہ چیز فرض ہے جو ان کے کاندھوں پر ڈالی گئی ہے (یعنی رعایا کو عدل و انصاف دینا اور ان کے حقوق ادا کرنا اور تم پر وہ چیز فرض ہے جو تمہارے کاندھوں پر ڈالی گئی ہے) (یعنی اپنے حاکم و سرور کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا اور اگر ان حاکموں کی طرف سے تمہاری حق تلفی ہو یا اور کوئی مصیبت پیش آئے تو اس پر صبر کرنا۔“ (مسلم)

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حاکم در رعایا میں۔ ہر ایک کے سپرد جو ذمہ داریاں ہیں ان کو پورا کرنا ہر ایک پر واجب ہے جس طرح حاکم کے کاندھوں پر عوام کے حقوق کا تحفظ اور ان کو عدل و انصاف دینے کی ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری کو پورا کرنا اس پر واجب ہے۔ اسی طرح رعایا کے کاندھوں پر اپنے حاکم کی مدد و اعانت اور اس اطاعت کی فرمانبرداری ہے اور اس ذمہ داری کو پورا کرنا رعایا پر واجب ہے لہذا دونوں ہی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی حدود سے تجاوز نہ کریں۔

امام کی اطاعت سے دست بردار ہونے والے کے بارے میں وعید

(۱۴) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ خَلَعَ يَدَايْنِ طَاعَةَ لِقَى اللَّهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا حُجَّةَ لَهُ وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عَقِبِهِ بَيِّنَةٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”جو شخص وہام یعنی اسلامی مملکت کے سربراہ کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لے وہ قیامت کے دن بارگاہ رب العزت میں اس طرح حاضر ہوگا کہ اس کے پاس (ایمان کی) دلیل نہیں ہوگی اور جو شخص اس حال میں مرے کہ اس کی گردن امام کی بیعت (یعنی وہام برحق کی اطاعت) سے آزاد ہو (یعنی وہ امام برحق کا باغی ہو کر مچا جائے) تو اس کی موت جاہلیت پر مرنے کے مترادف ہوگی۔“ (مسلم)

خليفة وامير کی موجودگی میں اگر کوئی دوسرا شخص خلافت و امامت کا دعویٰ کرے تو اس کو تسلیم نہ کرو

(۱۵) وَعَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ عَنِ الثَّيْبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَتْ ثَلَاثُ إِسْرَائِيلَ تَشْمُوهُمْ الْأَكْبِيَاءُ ثَلَاثًا هَلَكَ نَبِيُّ خَلْفَةٍ نَبِيٌّ وَابْنُهُ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُمْ وَكَانُوا خُلَفَاءَ فَيَكْتُمُونَ قَالُوا أَمَا تَأْتُرُنَا قَالَ لَوْ بَيِّنَةٌ الْأَوَّلِ فَلَا تَوَلَّيْ أَعْظَمُوا هُمْ حَقُّهُمْ قَالُوا اللَّهُ سَابِلُهُمْ عِشَاءَ اسْتَفْزَجَهُمْ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ و ثئیبیؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ”بنی اسرائیل کو انبیاء ادب و تہذیب سکھایا کرتے تھے چنانچہ جب ایک نبی کی وفات ہو جاتی تو اس کا جانشین کوئی دوسرا نبی ہو جاتا (اس طرح یکے بعد دیگرے انبیاء اپنی قوم کی تربیت کیا کرتے تھے۔) لیکن میرے بعد کوئی نبی آئے والا نہیں ہے البتہ میرے بعد امراء و خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے (جن کے ذمے) امت کی راہنمائی و نگہبانی ہوگی صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”جب بیک وقت متعدد امراء ملک و امت کی سیادت کے دعویدار ہوں گے اور آپس میں ایک دوسرے کی مخالفت کریں گے تو اس وقت کے لئے آپ ہمیں کیا ہدایت فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”پہلے امیر کی بیعت پوری کرو (پھر دوسرے زمانہ میں) پہلے امیر کی (یعنی جب بھی بیک وقت مخلد و امیر اپنی سیادت کا دعویٰ کریں تو اس امیر کی بیعت و طاعت کرو جو پہلے

مقرر ہوا اور دوسرے کی مطلق پیروی نہ کرو اور ان کے حقوق ادا کرو اور جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی مخلوق کی انجہداشت و حکومت کی ذمہ داری سونپی ہے اس کے بارہ میں وہ خود اس سے پوچھ لے گا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: ہو ابیۃ الاول فالاول کا مطلب یہ کہ اس خلیفہ و امیر کی بیعت پوری کرو جو پہلے مقرر ہوا پھر اس خلیفہ و امیر کی اطاعت کرو جو اس کے بعد مقرر ہوا۔ اور اس دوسرے خلیفہ و امیر کو "اول" اس امیر و خلیفہ کی نسبت سے فرمایا گیا ہے جو اس کے بعد مقرر ہو گا۔ گویا حاصل یہ ہے کہ جس طرح علی المرتبہ ایک کے بعد دوسرا خلیفہ مقرر ہو اسی طرح تم بھی ترتیب کے ساتھ ایک کے بعد دوسرے خلیفہ کی بیعت و اطاعت کرنا۔ ہاں اگر ایک ہی وقت میں دو شخص امارت و خلافت کا دعویٰ کریں تو ہم جس شخص کی بیعت و اطاعت کرو جو پہلے مقرر ہوا ہے اور دوسرے کے بارہ میں یہ سمجھو کہ یہ شخص حکومت و سیاست کے لالچ میں غلام دعویٰ کر رہا ہے لہذا اس کو اپنا خلیفہ و امیر ماننے سے انکار کرو، چنانچہ آگے جو حدیث آ رہی ہے اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے۔

اعطوہم حقیقہم (ان کے حقوق ادا کرو) گویا پہلے جملہ ہو ابیۃ الاول (پہلے امیر کی اطاعت پوری کرو) کا بدلہ ہے اور حدیث کے آخری الفاظ یعنی فَاِنْ لَمْ يَكُنْ مِنْكُمْ رَجُلٌ يَخْلُفُكُمْ اُولَٰئِكَ سَيَحْلُفُونَ (اگر تم میں سے کوئی شخص نہیں ہے تو ان لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں سے ان لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کر رکھی جائے گی اور وہ اس پر قادر نہ ہو سکے گا تو سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

(۱۶) وَ عَنِ اَبِي سَعِيدٍ رَاوٰی ہُنَّ کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو ان میں سے جو بعد کا ہے اس کو قتل کر ڈالو۔" (مسلم)

تشریح: اگر ایسی صورت پیش آ جائے کہ پہلے سے مقرر خلیفہ و امیر کی موجودگی میں کوئی دوسرا شخص اپنی خلافت و امارت کا اعلان کر دے اور لوگوں سے بیعت لینے لگے تو اس سے جنگ کی جائے یہاں تک کہ وہ راہ راست پر آجائے اور خدا کے حکم کے مطابق پہلے سے مقرر خلیفہ و امیر کی اطاعت قبول کر لے یا اسی حالت میں مارا جائے کیونکہ وہ خدا کے حکم اور اسلامی مملکت کا باغی ہے اور باغی کی ہلکی سزا ہے کہ اگر وہ اپنی بغاوت سے باز نہ آئے تو اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔

بعض حضرات نے "اس کو قتل کر ڈالو" کی مراد یہ بیان کی ہے کہ جن لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا عہد کر لیا ہے اور وہ اپنی بیعت اور اپنا عہد چھوڑ کر اس شخص کو اس طرح کمزور کر دیں کہ وہ خلیفہ کے خلاف شورش نہ پھیلا سکے۔

جو شخص امت میں تفرقہ پیدا کرے اس کو موت کے گھاٹ اتار دو

(۱۷) وَ عَنِ عُرْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اللّٰهُ سَیَکُوْنُ فِتْنَاتٌ وَهَنَاتٌ فَمَنْ اَزَادَا نَ یَقُوْلُ فَاَمْرٌ هَذِهِ الْاُمَّةُ وَهْنٌ خَبِیْعٌ فَاَضْرِبُوْهُ بِالسَّیْفِ کَاتِبًا مِّنْ کَانَ۔ (روہ مسلم)

"اور حضرت عرفہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "عقرب تحریب و فساد و تمنا ہوں گے، لہذا جو شخص اس

انت میں تفریق پیدا کرنا چاہے وہ عمالیکہ انت آپس میں متحد و متفق ہو تو اس شخص کو کومار سے اڑاؤ خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ (مسلم)

تشریح: ”عقرب خرب و فساد و نماہوں گے“ کا مطلب یہ ہے کہ جوں جوں زمانہ گزرتا جائے گا توں توں دین کے مخالف اور دشمن طاقتوں کی فتنہ پروازیاں بڑھتی جائیں گی، وہ مختلف طریقے سے انت میں انتشار پیدا کر کے خرب و فساد کے شعلے بھڑکائیں گے وہ کوشش کریں گے کہ ملت اسلامیہ کے درمیان سے اتحاد و اتفاق کی رو کو نکال لیں اور چونکہ ”امارت و سیادت انسان کی سب سے بڑی خواہش ہوتی ہے اس لئے کچھ مسلمان اس انسانی کمزوری سے مجبور ہو کر ان کی سازشوں کا شکار ہو جائیں گے اور طلب امارت و حصول جاہ کے لئے مسلم مخالف طاقتوں کا آلہ کار بن کر طرح طرح کے فتنوں کو بچائیں گے۔ جس کا انجام یہ ہوگا کہ تمام بدامنی و انتشار کی فضا پیدا ہو جائے گی اور انت گروہ بندیوں اور تفرقوں کا شکار ہو جائے گی۔ ایسے وقت میں مسلمانوں کو چاہئے کہ جو شخص پہلے سے ان کی قیادت کے مرتبہ پر فائز ہے اور جس کو وہ شرعاً میں اپنا مرجع اطاعت بتا چکے ہیں اسی کے جھنڈے کے نیچے جیں ہیں اور اس کی قیادت میں ہر اس طبقہ اور فرد کے فتنوں کی سرکوبی کریں جو انت کے اتحاد و اتفاق میں رخنہ اندازی کر رہا ہو، کیونکہ (اصل میں امیر و خلیفہ وہی شخص ہے اور اسی کی قیود قابل اطاعت ہے۔

”خواہ وہ کوئی بھی ہو“ کے ذریعے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ انت کا اتحاد، فرد کی حیثیت و شخصیت پر مقدم ہے اگر انت کے اتحاد اور ملت کی اجتماعی حیثیت کو بچانے کے لئے کسی بھی بڑے سے بڑے فرد کو راستہ سے ہٹانا پڑے تو اس میں کوئی الجھاہٹ محسوس نہ کرنی چاہئے خواہ وہ شخص کتنا ہی کوئی بڑا عالم کیوں نہ ہو۔ اور دیکھنے میں کتنا ہی بڑا شیخ طریقت اور کتنا ہی معزز و حیثیت دار کیوں نہ ہو بلکہ یہاں تک لحاظ رہنا چاہئے کہ اگر کوئی ایسا شخص امارت و سیادت کا دعویٰ کرے جو حقیقت میں بھی اس منصب کا زیادہ سے زیادہ اہل ہے تو علماء لکھتے ہیں کہ اس کو بھی قتل کر دینا چاہئے کیونکہ فتنہ و فساد اور انت میں تفریق پیدا کرنے کا باعث ہونے کی وجہ سے وہ قتل حق کا مستحق ہے بشرطیکہ جو شخص پہلے منصب امارت و امامت پر فائز ہے وہ اپنے منصب کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کا اہل ہو اور اس کو معزول کرنے کی کوئی وجہ نہ ہو۔

(۱۸) وَعَنْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ اتَّخَذَ مِنْكُمْ جَمِيعًا عَلِيًّا وَجِبِلًّا وَاجِدَ لِي نِدَانًا يَشُقُّ عَصَاكُمْ أَوْ يَفْرِقُ بَيْنَكُمْ فَافْتَنُواهُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت علیؑ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”جو شخص (امام وقت کے خلاف بغاوت کرے اور اپنی خلافت و امارت کا اعلان کرے) تمہارے پاس آئے اور تمہاریک تم سب (پہلے سے) ایک شخص پر متفق اور ایک خلیفہ پر متحد ہو اور وہ شخص تمہاری لامٹی کو جبر سے یا تمہاری اجتماعی تنظیم میں تفریق پیدا کرنا چاہتا ہو تو تم اس کو قتل کرو۔“ (مسلم)

تشریح: ”لامٹی چرنے“ کو ”لامٹی“ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس اتفاق و اتحاد اور اجتماعیت میں رخنہ اندازی کو ”چرنے“ کا معنوم دیا گیا ہے۔

أَوْ يَفْرِقُ بَيْنَكُمْ (یا تمہاری اجتماعی تنظیم میں تفریق پیدا کرنا چاہتا ہو) بتا رہے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں روای نے اپنے شک کو ظاہر کیا ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ نے یا تو پہلا جملہ انشق عصابکم ارشاد فرمایا تھا یا جملہ ارشاد فرمایا تھا، لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں ہی جملے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمائے تھے، اس صورت میں پہلے جملہ کو دنیاوی امور یعنی مسلمانوں کی سیاسی طاقت میں انتشار پیدا کرنے پر محمول کیا جائے اور دوسرے جملہ کو دینی احکام یعنی مسلمانوں کی دینی زندگی اور ان کے مذہبی معاملات میں فتنہ پروازی پر محمول کیا جائے۔

(۱۹) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَابَعَ إِمَامًا فَأَغَاظَهُ صَفْعَةً يَدِهِ وَغَمْرَةً قَلْبِهِ

فَلْيَطِطْهُ إِنِ اسْتَطَاعَ فَإِنِ حَاءَ أَخُو تَائِي غَةُ فَاضْرِبُوا عُنُقِي الْآخِرَ۔ (روہ مسلم)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے امام سے بیعت کی یاں طور کہ اس کو اپنا ہاتھ دے کر اطاعت و فرمانبرداری کا عہد کیا اور غلوں سے دل سے بھی اس کی حاکمیت و قیادت کو قبول کیا تو اس کو چاہئے کہ وہ (حق المحدث) اس امام کی اطاعت و فرمانبرداری کرے اور پھر اگر کوئی دوسرا شخص اپنی امامت کا اعلان کرے اور اپنے امام کے خلاف بغاوت کرے تو اس کی گردن اڑا دو۔“ (مسلم)

حکومت و امارت کے طلب گار نہ بنو

(۲۰) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا فُسْأَلِي إِلَّا مَارَةً فَاتَّكُ إِنِّي أُغْلِبُهَا عَنْكَ مَسْنَلَةً وَكُلَّتْ إِلَيْهَا وَإِنِّي أُغْلِبُهَا عَنْكَ غَيْرَ مَسْنَلَةٍ أُعِثْتُ عَلَيْهَا۔ (بخاری)

”اور حضرت عبدالرحمن بن سمرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تم حکومت و سیادت کو طلب نہ کرو کیونکہ اگر تمہاری خواہش اور طلب پر تم کو حکومت و سیادت دی گئی تو تمہیں اسی کے سپرد کر دیا جائے گا (تاکہ تم اس منصب کی ذمہ داریوں کو انجام دو در آخر ایک منصب و امارت کی ذمہ داریاں آتی دوشوار اور مشقت طلب ہیں کہ بغیر مدد و امداد کے کوئی شخص ان کو انجام نہیں دے سکتا اور اگر تمہاری خواہش و طلب کے بغیر تمہیں حکومت و سیادت ملے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مدد کی جائیگی) یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے تمہیں یہ توفیق بخشی جائے گی کہ تم بدل و اضافت اور تقم و ضبط کے ساتھ اس کی ذمہ داریوں کو انجام دے سکو۔“ (مسلم)

(۲۱) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّكُمْ مَسْخُورُونَ عَلَى الْإِمَارَةِ وَمَنْ كُونُوا بِدَامَةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَبِعَمِّ الْمُزْمَعَةِ وَبَنِي النَّظَّاطِطَةِ۔ (روہ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”(تم) دیکھ رہا ہوں کہ تم آئے والے زمانہ میں حکومت و سیادت کی حرص میں مبتلا ہو گے حالانکہ وہ حکومت و سیادت (جو حرص و طلب کے ساتھ ملے) قیامت کے دن پشیمانی کا موجب ہے (یاد رکھو) حکومت و سیادت دودھ پلانے والی بھی ہے اور دودھ چھڑانے والی بھی ہے۔“ (بخاری)

تشریح: حکومت و سیادت کی ابتداء دودھ پلانے والی عورت کے ساتھ اور اس کی انتہا دودھ چھڑانے والی عورت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جب کسی شخص کے پاس حکومت و سیادت آتی ہے تو وہ دودھ پلانے والی عورت کی طرح بہت اچھی لگتی ہے اور جب موت کا آہنی پنجہ اس کو حکومت و سیادت سے جدا کر دیتا ہے یا اس کی جگہ کوئی دوسرا شخص راجہ کی سنبھال لیتا ہے تو وہی حکومت و سیادت اس وقت دودھ چھڑانے والی عورت کی طرح بری لگتی ہے لہذا یہ بات مرد و ان کے لائق نہیں ہے کہ وہ ایسی لذت کے حصول کی خواہش و کوشش کرے جس کا انجام حسرت و غم ہے۔

(۲۲) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَا تَسْتَعْمَلُنِي فَإِنْ فَضَرْتُ بِيَدِهِ عَلَى مَتَكِي ثُمَّ قَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ أَنْتَ ضَعِيفٌ وَإِنَّهَا أَمَانَةٌ وَإِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِزْبٌ وَلَدَامَةٌ الْأَمْنُ أَخَذَهَا بِحَقِيقَتِهَا وَأَدَّى إِلَيْكَ عَلَيْهَا فَيُهَا وَلِي ذَوَابَّةٌ قَالَ لَنْ يَأْتِيَا فَبَرَأَنِي أَنْتَ ضَعِيفٌ وَأَنْتَ أَحَبُّ لَكَ مَا أَحَبُّ لِنَفْسِي لَأَمُوتَنَّ عَلَى الْخَيْرِ وَلَا تَوَلَّيْتُ مَالِي يَوْمَئِذٍ۔ (روہ مسلم)

”اور حضرت ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ ایک دن (میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ مجھے (کسی جگہ کا مال) حاکم) کیوں نہیں بتا دیتے؟ حضرت ابو ذرؓ کا بیان ہے (میری یہ بات سن کر) آنحضرت ﷺ نے (ازراہ لطف و شفقت) میرے سونے پر اپنا ہاتھ مارا اور پھر فرمایا کہ ”ابو ذرؓ! تم نا توانا ہو اور یہ مرداری (خدا کی طرف سے) ایک امانت ہے جس کے ساتھ بندوں کے حقوق متعلق ہیں اور اس میں خیانت نہیں کرنی چاہئے اور تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ) مرداری قیامت کے دن رسوائی کا باعث ہوگی لہذا یہ کہ جس شخص نے اس

(سرداری کو حق کے ساتھ حاصل کیا اور اس حق کو ادا کیا جو اس سرداری کے تین اس پر ہے) یعنی جو شخص مستحق ہونے کی وجہ سے سردار یا گیا اور پھر اس نے اپنے زمانہ میں حکومت میں عدل و انصاف کا نام روشن کیا اور رعایا کے ساتھ احسان و خیر خواہی کا پر تاؤ کیا تو وہ سرداری اس کے لئے رسوائی اور وبال کا باعث نہیں ہوگی) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”ہو زرا میں نہیں تاواں دیکھتا ہوں کہ سرداری کا بار برداشت نہیں کر سکو گے) اور میں تمہارے لئے اس چیز کو پسند کرتا ہوں جو میں اپنے نفس کے لئے پسند کرتا ہوں۔ جم دو آدمیوں کا بھی سردار و عامل نہ بننا اور کسی عظیم کے بھی مال کی کار پر داری و نگرانی نہ کرنا۔“ (مسلم)

تشریح: ”جو میں اپنے نفس کے لئے پسند کرتا ہوں“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں تمہاری طرح ضعیف و ناتوان ہوتا تو میں اس سرداری و حاکمیت کے لئے جو کہ نہ اٹھاتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے قوت بھی دی ہے اور پھر قتل بھی عطا کیا ہے۔ اگر حق تعالیٰ کی طرف سے مجھ کو قتل عطا نہ ہوتا تو میں ہرگز اس بار لو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حکومت و سیادت سے پرہیز کرنے کے بارے میں یہ حدیث اصل عظیم اور سب سے بڑی رہنما ہے بطور خاص اس شخص کے لئے جو اس منصب کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی قوت نہ رکھتا ہو۔“

جو شخص خود کسی عہدہ و منصب کا طلب گار ہو اس کو اس منصب پر فائز نہ کرو

(۴۳) وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَرَجُلَانِ مِنْ بَنِي عَمِي فَقَالَ أَخَذَ هُمَانَا زَسْنُوهُ اللَّهُ أَجْرًا عَلَى بَعْضِ مَا لَكَ اللَّهُ وَقَالَ الْآخَرُ مِثْلَ ذَلِكَ فَقَالَ إِنَّا وَاللَّهِ لَا نُوَلِّي عَلَى هَذَا الْفِعْلِ أَخْذًا مَسْأَلَةً وَلَا أَخْذًا خَرَضَ خَرْصَ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ لَا نَسْتَعْمِلُ عَلَى عَمَلِنَا مَنْ أَرَادَهُ. (بخاری)

”اور حضرت ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں اور میرے چچا کی اولاد میں سے دو شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں سے ایک نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام مسلمانوں اور روئے زمین کا حاکم بنایا ہے، مجھ کو کس جگہ یا کس کام کا حاکم دواں مقرر فرما دیجئے۔“ دوسرے نے بھی اسی طرح کی خواہش کا اظہار کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”خدا کی قسم! ہم (دین و شریعت کے) ان امور میں کسی بھی ایسے شخص کو دواں اور ذمہ دار نہیں بناتے جو ہم سے ولایت و ذمہ داری کا طلب گار ہو یا اس کی حرص رکھتا ہو۔“ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہم اپنے کام پر اس شخص کو (حال کار پر دانا مقرر نہیں کرتے جو اس کا ارادہ) (یعنی عامل ہو سکی خواہش رکھے۔“ (مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جو شخص کسی خدمت و ذمہ داری کا طالب ہوتا اور آپ ﷺ سے اس کی درخواست کرتا تو آپ ﷺ اس کو اس کام پر مقرر نہ فرماتے کیونکہ کسی منصب کا طالب ہونا جب جہاں پر ولایت کرتا ہے جو آخر کار طالب کے حق میں شرابی کا باعث ہوتا ہے۔

حکومت و امارت سے انکار کرنے والا بہترین شخص ہے

(۴۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجِدُونَ مِنْ خَيْرِ النَّاسِ أَشَدَّهُمْ كَرَاهِيَةً لِهَذَا الْاَمْرِ حَتَّى يَفْغَ فِيهِ. (بخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”لوگوں میں بہتر ہم اس شخص کو پاؤ گے جو اس چیز (یعنی حکومت و سیادت) کو ناپسند کرنے کے معاملہ میں سب سے زیادہ سخت ہو یاں تک کہ وہ اس میں جھلا ہو جائے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص حکومت و سیادت کے منصب و اختیارات کو قبول کرنا سخت ناپسند کرے اس کو لوگوں میں کا بہترین شخص

جانونہیں تک کہ وہ اگر کسی وجہ سے اس منصب کو قبول کر لیا تو اس کو بھی آخر کار وہی ندامت و پشیمانی ہوگی جو اس منصب کا آخری انجام ہے۔

طین نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ایسے شخص کو جو حکومت و سیادت سے سخت متفر ہو، تم ایک بہترین شخص پاؤ گے یہاں تک کہ اگر وہ اپنی اس نفرت پر قائم نہ رہے گا اور حکومت و سیادت کی طلب میں مبتلا ہو گیا تو اس وقت وہ لوگوں میں کا بہترین نہیں بلکہ بدترین شخص ہوگا۔

قیامت کے دن ہر شخص کو اپنی ذمہ داری کی جواب دہی کرنی ہوگی

(۴۵) وَعَلَىٰ خُنْدَالٍ بْنِ غَزْوٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَكْلُكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْنُونٌ عَلَىٰ رَعِيَّتِهِ فَلَا مَهْلَ نَبْدَىٰ عَمَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْنُونٌ عَلَىٰ رَعِيَّتِهِ وَالزُّخْلُ رَاعٍ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْنُونٌ عَلَىٰ رَعِيَّتِهِ وَالسُّرَادَةُ رَاعِيَةٌ عَنِ نَبْتٍ رُوحِيًّا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْنُونَةٌ عَنْهُمْ وَعِنْدَ الزُّخْلِ رَاعٍ عَلَىٰ مَالٍ مَسْنُونٌ وَهُوَ مَسْنُونٌ عَنْهُ إِلَّا الْكَلْبُكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْنُونٌ عَلَىٰ رَعِيَّتِهِ۔ (بخاری ص ۱۷۱)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”خبردار تم میں سے ہر شخص اپنی رعیت کا نگہبان ہے اور اقیامت کے دن تم میں سے ہر شخص کو اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہونا پڑے گا۔ لہذا امام یعنی سربراہ مملکت و حکومت جو لوگوں کا نگہبان ہے اس کو اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہی کرنا ہوگی، مرد جو اپنے گھروالوں کا نگہبان ہے اس کو اپنے گھروالوں کے بارے میں جواب دہی کرنا ہوگی عورت جو اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کا نگہبان ہے، اس کو ان کے حقوق کے بارے میں جوابدہی کرنی ہوگی اور غلام مرد جو اپنے مالک کے مال کا نگہبان ہے اس کو اس کے مال کے بارے میں جوابدہی کرنا ہوگی لہذا نگہدار ہونا تم میں سے ہر ایک شخص کا نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک شخص اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہوگا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”رعیت“ اس چیز کو کہتے ہیں جو نگہبان کی حفاظت و نگرانی میں ہوئے ہیں اور اس اعتبار سے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اپنی اپنی جگہ اور رعایا اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سب حکمران کی حفاظت و نگرانی میں ہوتے ہیں اور اس اعتبار سے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اپنی اپنی جگہ پر ہر شخص نگہبان ہے کہ مرد کے لئے گھروالے اس کی رعیت ہیں، عورت کے لئے خاوند کا گھر یا اور اس کے بچے اس کی رعیت ہیں اور غلام کے مالک کا مال اس کی رعیت ہے۔ یہاں تک کہ علماء نے لکھا ہے کہ ہر شخص اپنے جسم کے اعضاء حواس کا نگہبان ہے اور وہ اعضاء اس کی رعیت ہیں لہذا قیامت کے دن ہر شخص سے اس کے اعضاء حواس کے بارے میں بھی جواب طلب کیا جائے گا کہ تم نے ان اعضاء کو کہاں کہاں اور کس کس طرح استعمال کیا؟ اور اس کو حدیث میں اس لئے نقل نہیں کیا گیا کہ یہ بالکل ظاہرات ہے۔

خائن و ظالم حاکم کے بارے میں وعید

(۴۶) وَعَنْ مُغَفَّلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فَاغْنِ وَالِ ابْنِي ذِي رَعِيَّتِهِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَيُخَوِّثُ وَهُوَ غَاشٍ لَّهُمْ إِلَّا حَزَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ۔ (بخاری ص ۱۷۱)

”اور حضرت مغفلؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو بھی شخص حکومت و سیادت حاصل کر کے اپنی رعیت پر حکمرانی کرے اور پھر اس حالت میں مرجائے کہ وہ اپنی رعیت پر ظلم اور ان کے حقوق میں خیانت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر دے گا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: جنت کے حرام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو عجات یافتہ لوگوں کے ساتھ ابتداء میں جنت میں داخل ہونے سے محروم کر دیا جائے گا۔ یا یہ ارشاد گرامی ”مسحول“ یعنی اس حاکم پر محمول ہے جو خیانت اور ظلم کو حلال جان کر ظالم و خائن بنا ہو اور یہ کہ آپ نے

زجر و تنبیہ اور سخت وعید کے طور پر یہ فرمایا ہو۔

رعایا کے حق میں بھلائی و خیر خواہی نہ کرنے والا حاکم جنت کی پونے محروم رکھا جائے گا

(۲۷) وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَوْفِي عَيْنَهُ زَعِيَةً فَلَمْ يَحْطِمْهَا بِنَصِيحَةٍ الْأَلَمِ يَحْذَرُ الْحَقَّةَ الْخَفَّةَ أَتَقْنِي بِهِ

”اور حضرت معقل ابن یسارؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”اللہ تعالیٰ جس شخص سے رعیت کی نگہبانی کرائے یعنی جس شخص کو رعیت کا حاکم و نگہبان بنائے اور وہ بھلائی و خیر خواہی کے ساتھ نگہبانی نہ کرے تو وہ ہشت کی پونہ پائے گا۔“ بخاری و مسلم

تشریح: ”تو وہ جنت کی پونہ پائے گا۔“ کا مطلب یہ تو یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن ہشت کی پونہ پائے والوں کے ساتھ پونہ پائے گا حالانکہ ہشت کی پونچ سو برس کی مسافت کے فاصلے سے بھی آنے کی یا یہ مطلب ہے کہ وہ نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ ہشت کی پونیس پائے گا اور یا یہ کہ اگر وہ ظہر پر مرے گا یا رعایا پر ظلم کرنے کو محال جانے اور اس عقیدے پر چر جائے تو اس کو مطلق ہشت کی پونیس نہیں ہوگی۔

بدترین حاکم وہ ہے جو اپنی رعایا پر ظلم کرے

(۲۸) وَعَنْ غَالِبِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ شَرَّ الرِّعَاءِ الْخَطِيفُ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (بارگاہِ قاضی الامارات میں یہ عرض کی ”اے میرے پروردگار! جس شخص کو میری امت کے (دینی و دنیاوی) امور میں سے کسی کا دل و متصرف بنایا گیا اور پھر اس نے (اپنے اختیار و ولایت و تصرف کے ذریعہ) میری امت کے لوگوں پر مشقت و سختی مسلط کر دی تو اس شخص پر تو بھی، مشقت و سختی مسلط کر دے اور جس شخص کو میری امت کے امور میں کسی چیز کا دل و متصرف بنایا گیا اور اس نے میری امت کے لوگوں کے ساتھ نرمی و بھلائی کا رستہ کیا تو اس شخص کے ساتھ تو بھی نرمی و عنایت کا معاملہ فرما۔“ (مسلم)

عادل حکمران کا مرتبہ عظیم

(۲۹) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ النَّعَّاسِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللَّهِ عَلَى مَتَابِرٍ مِنْ نُورٍ عَنْ يَمِينِ الرَّحْمَنِ وَكَلْنَا بَيْنَهُ بَيْنَ الدِّينِ يَغْدُلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَآمَلْتُهُمْ وَمَاؤُلُوا (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ ابن النعاسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”یاد رکھ عادل حکمران، اللہ کے بائیں نور کے منبروں پر جگہ پائیں گے جو رحمن (اللہ) کے داہنے ہاتھ کی طرف ہوں گے اور اللہ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں (اور عادل حکمران وہ ہیں) جو اپنے احکام اپنے اہل اور اپنے زیر تصرف معاملات میں عدل و انصاف کرتے ہیں۔“ (مسلم)

تشریح: ”داہنے ہاتھ کی طرف اٹھ“ یہ اللہ کے نزدیک عادل حکمران کے مرتبہ عظیم اور جلالت قدر کا کتنا یہ پیرا یہ بیان ہے کیونکہ جو شخص عظیم قدر ہوتا ہے وہ دائیں طرف کھڑا ہوتا یا بیٹھتا ہے۔

”اور اللہ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں“ یہ وضع تو ہم کے لئے فرمایا گیا ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ داہنا ہاتھ، بائیں ہاتھ کے مقابل میں کہا گیا ہے کیونکہ بائیں ہاتھ نسبتاً کمزور ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کی کمزوری اور نقصان سے پاک و منزہ ہے و وضع کرے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہاتھ کی نسبت مشابہت میں سے ہے کہ اس کی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے تاہم ظاہری طور پر ”ہاتھ“ سے مراد قوت و غلبہ ہے۔

”حکام میں عدل و انصاف کا مطلب یہ ہے کہ حکومت و ولایت کے تقاضے سے ان کے ذمے جو امور ہیں ان کی انجام دہی میں وہ انصاف، ایمان داری اور دیانت کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ اہل میں عدل و انصاف کا مطلب یہ ہے کہ ان کے زیر تسلط جو لوگ ہیں خطہ وہ ان کے اہل و عیال ہوں یا رعیت کے عام لوگ ہوں سب کے حقوق کی ادائیگی میں جو ان پر واجب ہیں پورا پورا انصاف کرتے ہیں۔“

ایسی طرح ”زیر تصرف معاملات میں عدل و انصاف کا مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں ان کی ولایت و نگہبانی میں ہیں جیسے قیم اور غریا کی پرورش اور وقف کے مال کی خبر گیری وغیرہ، ان میں وہ پوری دیانت داری اور انصاف کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتی ہیں۔ ایک مرد حق کو کاقول ہے کہ انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس کے بارے میں بھی عدل و انصاف کرے یاں طور کہ اپنے اوقات ایسی چیزوں میں ضائع نہ کرے جن میں اپنا وقت صرف کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا ہے بلکہ اپنے تمام اوقات کو اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی چیزوں اور مخلوق خدا کے حقوق کی ادائیگی میں مشغول رکھے اور حق تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری اور ممنوع چیزوں سے اجتناب پر ہدایت اختیار کرے جیسا کہ اولیاء کرام اور اہل اللہ کا طریقہ ہے، یا اپنے وقت کا اکثر حصہ ان چیزوں میں مشغول رکھے جیسا کہ مؤمنین و صالحین کا معمول ہے۔

ہر حاکم و امیر کے ہمراہ ہمیشہ دو متضاد طاقتیں رہتی ہیں

(۳۱) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَعَثَ اللَّهُ مِنْ نَبِيٍّ وَلَا اسْتَخْلَفَ مِنْ خَلِيفَةٍ إِلَّا كَانَتْ لَهُ سُلْطَانٌ بَظَانَةٍ قَامِرَةٌ بِالْمَعْرُوفِ وَنَخْصَةٌ عَلَيْهِ وَبَظَانَةٌ قَامِرَةٌ بِالْبَشْرِ وَفُحْصَةٌ عَلَيْهِ وَالْمَعْضُومُ مِنْ عَصْنَةِ اللَّهِ۔ (ردو البخاری)

”اور حضرت ابوسعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی نبی نہیں بھیجا اور ایسا کوئی خلیفہ مقرر نہیں کیا جس کے لئے دو چھپے ہوئے رفتی نہ ہوں، ایک چھپا ہوا رفتی تو نیک کام کرنے کا حکم دیتا ہے اور نیکی کی طرف راغب کرتا ہے اور دوسرا چھپا ہوا رفتی برائی کا حکم دیتا ہے اور برائی کی طرف راغب کرتا ہے اور معصوم (بے گناہ) وہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے محفوظ رکھا۔“ (بخاری)

تشریح: دو چھپے ہوئے رفتیوں سے مراد فرشتے اور شیطان ہیں۔ دونوں انسان کے باطن میں رہتے ہیں چنانچہ فرشتہ تو نیک کام کرنے کی ہدایت کرتا رہتا ہے اور نیکی کی ترغیب دیتا ہے جب کہ شیطان برے کام کرنے پر اکساتا رہتا ہے اور برائی کی طرف دھکیلتا رہتا ہے۔ ”اور معصوم وہ ہے اللہ کے زیرِ انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین، خلفاء راشدین اور بعض دوسرے خفاء و امراء کا حال بیان کیا گیا ہے جن کو اللہ نے شیطان کے شر و فتنے سے محفوظ رکھا ہے۔

”دو رفتیوں“ سے مراد دو زیر و مشیر ہو سکتے ہیں جو خلیفہ کے ساتھ ہر دم رہنے کی وجہ سے بظانہ (استرا سے مشابہ ہو گئے ہیں، چنانچہ ہر نبی اور خلیفہ کے ساتھ جو مشیر کار اور مصاحب رہتے تھے ان میں دو خلف خیالات کے حامل افراد بھی ہوتے تھے یا ان کے ساتھ دو جماعتیں ہوتی تھیں جو آپس میں مختلف المرائے ہوتی تھیں جیسا کہ عام طور پر امراء و سلاطین اور دہلیان ریاست کے یہاں دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ ان کے مصاحب، مشیران کار اور کارپرداز ہوتے ہیں ان کے خیالات اور آراء کا بعد میں اشرافین ہوتا ہے، چنانچہ ان میں سے جو لوگ اچھے خیالات کے اور صاحب المرائے ہوتے ہیں وہ اپنے والدی و امیر کو اچھے مشورے دیتے ہیں اور جن کے خیالات فاسد ہوتے ہیں یا جن کے طبائع میں برائی کا مادہ ہوتا ہے وہ اپنے والدی و امیر کو غلط مشورے دیتے ہیں اور ان کو برائی کی راہ پر چلانا چاہتے ہیں آگے اللہ کی مصلحت کار فرما ہوتی ہے کہ وہ جس والدی و امیر کو چاہتا ہے برے مصاحبین کے خیالات اور ان کے مشورے قبول کرنے سے بچاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے ہاں حضرت قیس ابن سعدؓ کا منصب

(۳۲) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ قَيْسُ بْنُ سَعْدٍ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْزِلَةِ صَاحِبِ الشَّرْطِ مِنَ الْأَمَنَةِ.

(رداء البخاری)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ہاں حضرت قیسؓ ابن سعد کے سپرد وہ خدمت تھی جو امراء و سلاطین کے ہاں کوتوال انجام دیتے ہیں۔“ (بخاری)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حضرت قیسؓ ابن سعد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے تاکہ آنحضرت ﷺ جو احکام دیں وہ ان کو جاری و نافذ کریں جیسا کہ امراء و سلاطین کے ہاں کوتوال اس خدمت پر مقرر رہتے ہیں۔

عورت کو اپنا حاکم بنانے والی قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی

(۳۳) وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ لَمَّا نَبَغَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ أَهْلَ فَارَسٍ قَدْ مَلَكَوْا عَلَيْهِمْ نِسَاءً كَسَرَى قَالَ لَنْ يَفْلَحَ قَوْمٌ وَلَوْ أَهْرَضَهُمْ أَهْرَافُهُ. (رداء البخاری)

”اور حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ کے پاس یہ خبر پہنچی کہ فارس والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا حکمران بنالیا ہے تو فرمایا کہ ”وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسے گی جس نے (ملک کے) امور کا حاکم وہابی کسی عورت کو بنالیا ہو۔“ (بخاری)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ولایت و حکمرانی کا اہل مردی ہو سکتا ہے عورت حکمرانی و سربراہی کے منصب کی اہل نہیں۔

الفصل الثانی

ملت کی اجتماعی ہیئت سے علیحدگی اختیار کرنے والے کے بارے میں وعید

(۳۴) عَنْ الْحَدَّثِ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْتَصِمُ بِالْحِصَاةِ وَالشَّيْبِ وَالْقَلَاعَةِ وَالْهَيْخَرَةِ وَالْجِهَادِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنُهُمْ خَرَجَ مِنَ الْخِصَاةِ قَيْدَ شَيْبٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْأَسَاءَةِ مِنْ غَلْقِهِ إِلَّا أَنْ تَوَاضَعَ وَمِنْ دَعَا يَدْعُوهُ الْحَاهِلِيَّةُ فَيُؤْمِنُ حَتَّى جَهَنَّمُ وَإِنْ صَامَ وَصَلَّى وَزَعَمَ أَنَّهُ مُسْلِمٌ. (رداء البخاری)

”حضرت حارث اشعریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”میں تمہیں پانچ چیزوں کا گھمسا دیتا ہوں۔ (۱) مسلمانوں کی نجات دہ قوس و قوس اور عقدا میں) اطاعت کرو یعنی ملت کی اجتماعی ہیئت کو بہر صورت برقرار کرو اور سربراہان ملت کی طرف سے جو احکام جاری ہوں اس کو ہر حالت میں تسلیم کرو اور ان کی اطاعت کرو (۲) امراء علماء (شریعت کے مطابق) جو ہدایت دیں ان کو سنو اور تسلیم کرو (۳) علماء کے احکام کی اطاعت و فرمانبرداری کرو (۴) ہجرت کرو (۵) اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور یاد رکھو جو شخص ملت کی اجتماعی ہیئت سے بالشت بھر بھی الگ ہوا اس نے (گویا) اسلام کی رسی کو اپنی گردن سے نکال دیا الایہ کہ وہ واپس آجائے اور جس شخص نے نیکارا جاہلیت کا سدا پکارنا، وہ (گویا) روز خیوں کی جمعیت کا نذر ہے اگرچہ وہ روزے رکھے، نماز پڑھے اور یہ کہے کہ میں مسلمان ہوں۔“ (امام ترمذی)

تشریح: ”ہجرت کرو“ اس حکم میں ”ہجرت“ سے مراد ہے کہ دار الکفر میں رہنے والا مسلمان ترک وطن کر کے دار الاسلام چلا جائے یا اگر کسی ایسے مسلم ملک یا شہر میں ہو جو بدعات و منہیات کا گڑھ ہونے کی وجہ سے ”دار البدعہ“ کے حکم میں ہو تو اس کو چھوڑ کر ملک یا ایسے شہر میں چلا جائے جو سنت دین کا مرکز ہونے کی وجہ سے دارالسنۃ کے حکم میں ہو اسی طرح مکتاہ حصیہ کی زندگی کو چھوڑ کر توبہ و انابت الی اللہ کی راہ کو اختیار کر لینا بھی ”ہجرت“ کے حکم میں ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

أَلَمْ يَجْعَلْ مِنْ هَاجَزٍ مَآئِمْهُ اللَّهُ عَزَّ

”وہ شخص (محمی) مہاجر ہے جس نے ان چیزوں کو چھوڑ دیا جس سے اللہ نے روکا۔“

”اللہ کی راہ میں جہاد کرو“ اس حکم میں ”جہاد“ سے مراد یہ ہے کہ اسلام کی ترقی و شوکت، دین کی سر بلندی اور روئے زمین پر قانون الہی کے غلبہ کے لئے اسلام دشمن طاقتوں اور کافروں سے جنگ کرو، نیز اپنے نفس کو اس کی خواہشات سے باز رکھ کر اس کو مارنا بھی ”جہاد“ ہے کیونکہ انسان کے ساتھ اس کے نفس کی دشمنی سے زیادہ سخت اور نقصان دہ اور چیز نہیں ہے۔

”جو شخص ملت کی اجتماعی ریاست سے باشت بھر بھی الگ ہو اٹھے یعنی جس مسلمان نے اس چیز کو ترک کیا جس پر پوری ملت عمل پیرا ہے جیسے سنت کو اختیار کرنا، بدعات سے اجتناب کرنا، ایماں و امیر کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا اور اگرچہ اس نے ان چیزوں کو بہت معمولی درجے میں ترک کیا ہو تو اس نے گویا اسلام کی فرمانبرداری کا پتہ اپنی گردن سے نکال دیا یعنی اس نے اسلام کے تین اپنے کئے ہوئے عہد کو توڑ دیا اور اپنی اس ذمہ داری کو ختم کر دیا جو مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس پر واجب تھی۔ یا یہ کہ خود (اسلام اس سے بری الذمہ ہو گیا۔ ہاں اگر وہ اپنے اس (فصل) (ملت کی اجتماعی ریاست سے علیحدگی) سے باز آگیا اور اس نے اپنی مہمڈی سے رجوع کر لیا تو پھر وہ پہلے ہی کی طرح اسلام کا ایک فرمانبردار فرد ہو جائے گا۔

”اور جس شخص نے نیکار جاہلیت کا سا نیکار تاریخ سے مراد یہ ہے کہ جس شخص نے زمانہ جاہلیت کے رسم و رواج کی طرف بلایا اور اس طرح وہ مخلوق کو اسلام مخالف عقائد و نظریات اور باطل رسوم و عادات میں مبتلا کرنے کا باعث ہوا اور بعض حضرات یہ مراد بیان کرتے ہیں کہ اس نے کسی حادثہ و حملہ کے وقت اس طرح لوگوں کو اپنی مدد کے لئے بلایا جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کہ جب کسی شخص پر دشمن غالب آجاتا تھا تو اپنی مدد کے لئے لوگوں سے بازو بلند یوں فرما کر ”اے فلاں شخص کے خاندان والو! اے فلاں شخص کے خاندان والو! چنانچہ وہ لوگ اس کی مدد کے لئے دوڑ پڑے قطع نظر اس بات سے کہ وہ شخص ظالم ہے یا مظلوم ہے۔“

امیر و والی کی امانت کرو

﴿۳۵﴾ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ كُثَيْبٍ الْقُدَوِيِّ قَالَ كُنْتُ مَعَ أَبِي بَكْرَةَ تَحْتَ جَنْبِ ابْنِ عَامِرٍ وَهُوَ يَخْطُبُ وَغَلِيظُ ثِيَابٍ زَفَاقٍ فَقَالَ أَبُو بَلَالٍ أَنْظُرُوا إِلَى أَمِيرٍ يَأْتِي بِثِيَابِ الْفَسَاقِ فَقَالَ أَبُو بَكْرَةَ اسْكُتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ أَخَانَ سُلْطَانَ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ أَخَانَهُ اللَّهُ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ -

”اور حضرت زید ابن کثیب (تابعی) کہتے ہیں (ایک دن) میں حضرت ابوبکرؓ (صحابی) کے ہمراہ حضرت عامرؓ کے منبر کے نیچے بیٹھا تھا جب کہ وہ (ابن عامر) خطبہ دے رہے تھے اور انہوں نے باریک کپڑے پہن رکھے تھے (ایسی موقع پر ایک تابعی) ابوبلالؓ نے کہا کہ ”زارم ہمارے اس امیر کو تو دیکھو، اس نے فاسقوں کے سے کپڑے پہن رکھے ہیں!؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا ”عامرؓ! میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”جو شخص بادشاہ کی امانت کرے گا جس کو اللہ نے (اپنی مخلوق کے کاموں کی انجام دہی کے لئے) زمین پر مقرر کیا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو بہت بخیر و خیر کرے گا اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔“

ترجمہ: ”اس نے فاسقوں کے سے کپڑے پہن رکھے ہیں۔“ (ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت حضرت ابن عامرؓ نے کسی ایسے کپڑے کا بہت زیب تن کر رکھا تھا جس کا پہننا مردوں کے لئے حرام ہے جیسے حریری یا کوئی دوسرا دلکش کپڑا، حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بلالؓ کو اس بات سے منع کیا کہ وہ حضرت ابن عامرؓ کو مطعون نہ کریں تو اس کی بنیاد یہ تھی کہ ایسے موقع پر ابوبلالؓ کی نصیحت کہیں نکال فحش اور مسلمانوں میں فتنہ و فساد پیدا ہو جانے کا باعث نہ بن جائے۔

یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے کپڑے ریشمی نہ رہے ہوں بلکہ بہت اعلیٰ قسم کے اور بہت زیادہ باریک رہے ہوں جو عام طور پر اہل

حیث وحکم کا لباس ہوتا ہے اور زائد و عابد لوگ جس سے پرہیز کرتے ہیں اس لئے حضرت ابوبلالؓ نے اس کپڑے کو فاسقوں کے لباس سے منسوبہ دی ہے بعض مارتھن کا یہ قول ہے کہ **خَيْرُ رَقٍ قُوَّةٌ وَرَقٍ دِينَةٌ** "خیر شخص نے بہت باریک کپڑے پہنے اس نے اپنے دین کو باریک کیا۔"

اگر امیر و حاکم کسی گناہ کا حکم دے تو اس کی اطاعت نہ کرو

(۳۶) وَعَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ۔

"اور حضرت نواسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "مخلوق کے کسی ایسے حکم کی بھی تابعداری جائز نہیں جس سے خالق کی تافرونی ہو۔" (شرح السنہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر مخلوق (کوئی انسان) خواہ وہ امیر و حاکم ہی کیوں نہ ہو، کوئی ایسا حکم دے جس پر عمل کرنے سے خالق (یعنی اللہ تعالیٰ) کی تافرونی ہوگی تو اس حکم کو مطلقاً ماننا چاہئے۔ ہاں اگر کسی شخص کو اس کی اطاعت پر زور طاقت مجبور کیا گیا ہو تو اس صورت میں گناہ نہیں۔

امیر و حاکم کا انجام

(۳۷) وَعَنْ أَبِي خُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ أَمِيرٍ عَشْرَةَ أَيَّامٍ يُوْثِي بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَغْلُوبًا حَتَّى يَلْعَنَ عَنْهُ الْعَذَلُ أَوْ يَرْفُقَهُ النَّجْوَى۔ (ردہ الماری)

"اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ہر امیر و حاکم، خواہ وہ دس ہی آدمیوں کا امیر و حاکم کیوں نہ ہو قیامت کے دن اس طرح الیا جائے گا اس کی گردن میں طوق ہوگا جیسا کہ تک کہ اس کو اس طوق سے یا تو اس کا عدل نجات دلائے گا یا اس کا ظلم ہلاک کرے گا۔" (اردی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ایک بار تو ہر حاکم خواہ وہ عادل ہو یا ظالم، بارگاہ رب العزت میں باندھ کر لایا جائے گا اور پھر تحقیق کے بعد اگر وہ عادل ثابت ہوگا اس کو نجات دے دی جائے گی اور اگر ظالم ثابت ہوگا تو بلا ت یعنی عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

قیامت کے دن امراء و حکام کی حسرت ناکی

(۳۸) وَعَنْ أَبِي خُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِلْأَمْرَاءِ وَيْلٌ لِلْمُرَفَاءِ وَيْلٌ لِلْأَسْبَاءِ لَيَنْصُمِينَ أَقْوَامَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنْ يَرَوْا صِيفَهُمْ مَعْلَقَةً مَلْفُوفَةً بِحُلِيِّ خَلْقٍ نَبِيٍّ الشَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَهُمْ لَمْ يَلَوْا عَمَلًا۔ زَوَاهٍ فِي شَرْحِ الشُّعْبَةِ وَ زَوَاهٍ أَحْمَدُ وَفِي رَوَايَةٍ أَنْ دُخِّنَتْ فِيهِمْ مَلْفُوفَةً مَلْفُوفَةً بِحُلِيِّ نَبِيٍّ الشَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَمْ يَكُونُوا أَعْمَلُوا عَلَى شَيْءٍ۔

"اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "افسوس ہے امراء و حکام پر۔ افسوس ہے چودھریوں پر۔ افسوس ہے امینوں پر! بہت سے لوگ قیامت کے دن آرزو کریں گے کہ اکاش و نیاس (ان کی چیز تاجوں کے بال ٹریاں باندھ کر ان کو لٹکا دیا جاتا اور زمین و آسمان کے درمیان جھولتے رہتے لیکن ان کو کسی کام کی ولایت و سرداری نہ ملتی۔" (شرح السنہ)

تشریح: لفظ "ویل" کے معنی ہیں "وہ غم ہلاکت اور دکھ و تکلیف جو عذاب کی وجہ سے ہو۔" اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ "ویل" دوزخ کے ایک (تالے) کھائی کا نام ہے۔ چنانچہ محفل ہے کہ "ویل" دوزخ کا ایک تالا ہے جس میں کافر چابیس برس تک گمراہ لٹکا چلا جائے گا۔ گمراہ تک نہیں پہنچے گا۔"

”امین“ اس کار پر دواز کو کہتے ہیں جس کو حاکم نے صدقات اور خراج محصولات لینے پر مقرر کیا ہو۔ یا وہ مسلمانوں کے دوسرے قسم کے مال و اسباب کا نگران و محافظ بنایا گیا ہو۔ اور یا حاکم کے علاوہ کسی اور شخص نے اس کو اپنے مال کا امانت دار بنایا ہو۔

”ثریا“ ان پانچ ستاروں کا مجموعہ کا نام ہے جو پاس پاس رہتے ہیں اور جن میں روشنی کم ہوتی ہے۔ پیشانی کے بل دریا میں باندھ کر لٹکانا دراصل ذلت و خواری کی تمثیل ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب امراء و حکام قیامت کے دن یہ دیکھیں گے کہ دنیا میں ہمیں لوگوں میں جو برتری و حاکمیت، شان و شوکت اور عزت و ریاست حاصل تھی آج اس کے بدلے میں ہمیں یہاں کی ذلت و خواری اور سبکی و سزا مل رہی ہے تو وہ آرزو کریں گے کہ کاش ہمیں دنیا میں لوگوں پر وہ برتری و فوقیت اور عزت اور ریاست حاصل نہ ہوتی بلکہ ان کے مقابلہ میں ذلت و خواری اور کسری ملتی جو یہاں کی ذلت و خواری سے کہیں کم دہلکی ہوئی، یہاں تک کہ ہمارے سر کے بالوں کو کبھی بلند چڑھے باندھ کر ہمیں مہلک کر دیا جاتا اور لوگ ہماری عزت و ریاست اور رفعت کی بجائے اس ذلت و کسری کا مشاہدہ کرتے۔

حدیث کا مقصد یہ تلقین کرنا ہے کہ اگر کسی شخص کے ذمہ کوئی خدمت سپرد کی جائے یا اس کو کسی جگہ یا کچھ لوگوں کا امیر و اہل بنایا جائے تو وہ عدل و انصاف کرے کہ عادل و منصف امیر و حاکم کے حق میں بہت زیادہ ثواب کی بشارتیں ہیں اور نہ کسی کے ساتھ ظلم و جور کا معاملہ کرے اور نہ کسی کی حق تلفی کرے کہ ظلم و جور حق تلفی کرنے والوں کا یہ شتر ہو گا جو حدیث میں مذکور ہوا۔

امیر و چودھریوں اور امینوں پر افسوس کا اظہار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مناصب اور ذمہ داریاں عام طور پر لغزش میں مبتلا کر دیتی ہیں اور باطل کی طرف مائل کر دیتی ہیں اور ان کے امور کی انجام دہی میں عدل و انصاف اور راہ راست پر چہرے رہنے کے تقاضے کم ہی پورے ہوتے ہیں۔ ہاں جن کو حق تعالیٰ کی حفاظت و مدد اور توفیق عطا ہوئی ہے اور وہ اپنے مناصب کی ذمہ داریوں کو ان کے شرائط کے مطابق پورا کرتے ہیں۔

اکثر چودھری دوزخ میں جائیں گے

(۴۹) وَعَنْ غَالِبِ الْفُطَّانِ عَنْ زَيْدِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْعَزَافَةَ حَقٌّ وَلَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ عَزَافَةٍ وَلَكِنَّ الْعَزَافَةَ فِي النَّارِ - رواه ابو داود

”اور حضرت غالب طحان ایک شخص سے اور وہ شخص اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”چودھراست ایک حقیقت ہے اور لوگوں کے لئے چودھریوں کا ہونا ضروری ہے لیکن چودھری دوزخ میں جائیں گے۔“ (المواور)

تشریح: ”چودھراست ایک حقیقت ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے معاملات کی دیکھ بھال اور نگرانی کے لئے چودھری ہونا ایک امر واقع ہے اور ان کی طرف لوگوں کی احتیاج مسلم ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ (اکثر) چودھری دوزخ میں جائیں گے کیونکہ وہ اپنی چودھراست میں حق و انصاف سے کام نہیں لیں گے اور عدل و ایمان داری کے تقاضوں کو ملحوظ رکھیں گے۔ اس اعتبار سے چودھراست کو قبول کرنا بلا شک و عذاب کا سخت خطرہ مول لینا ہے لہذا عاقل و دانا کو چاہئے کہ وہ اس بارے میں ہوشیار رہے اور اس منصب کو قبول کرنے سے حتی الامکان پرہیز کرے تاکہ وہ کسی ایسے فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے جو اس کو دوزخ کے عذاب کا مستوجب بنا دے۔“

الحق سردار و حاکم سے خدا کی پناہ چاہو

(۴۰) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُزْرَةَ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعِيذُكَ بِاللَّهِ مِنْ إِمَارَةِ الشُّفَهَاءِ فَإِنَّ وَمَا ذَاكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَإِنَّ أَمْرَاءَ سَيَكُونُونَ مِنْ بَعْدِي مَنْ دَخَلَ عَلَيْهِمْ فَضَضَقْتَهُمْ بِكَذِبِهِمْ وَأَعَانَتْهُمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ فَلْيَسُوا مِنِّي وَلَسْتُ مِنْهُمْ وَلَنْ يَرُدُّوا عَلَيَّ الْخَوْصَ وَمَنْ لَمْ يَدْخُلْ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يَضَعْ قَدَمَهُمْ بِكَذِبِهِمْ وَلَمْ يَحْنُكْهُمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ فَأُولَئِكَ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُمْ وَأُولَئِكَ يَرُدُّونَ عَلَيَّ الْخَوْصَ - رواه الترمذی والنسائی

”اور حضرت کعبؓ ابن عجرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا میں تمکو یہ قوف لوگوں کی سرداری کے طور طریقوں سے یا ان کی مصاحبت و حمایت سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟ (یعنی اس طرح کی سرداری کب ہوگی اور کیونکر ہوگی اور وہ کون لوگ ہوں گے؟) آنحضرت ﷺ نے فرمایا میرے بعد (بعض زانوں میں) جو لوگ امیر و حاکم ہوں گے (وہ احمق و نادان آئین جہانپانی سے نااہل اور جھوٹے اور ظالم ہوں گے، لہذا جو لوگ ان (احق و نادان اور کذاب و ظالم امیروں و حاکموں) کے پاس گئے (یعنی ان کی مصاحبت و اختیار کی اور ان کے جھوٹ کو کچ بکھا (اور اپنے قول و فعل کے ذریعہ) ان کے ظلم کی امداد و حمایت کی تو نہ ان کا مجھ سے کوئی تعلق ہے اور نہ میں ان سے کوئی تعلق رکھتا ہوں) (بلکہ ان سے اپنی بیزارگی کا اظہار کرتا ہوں) اور نہ وہ لوگ حوض پر میرے پاس آئیں گے اور جو لوگ نہ تو ان امیروں اور حاکموں کے پاس گئے اور نہ ان کے جھوٹ کو کچ بکھا اور نہ ان کے ظلم کی امداد و حمایت کی تو وہ لوگ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں اور وہ حوض پر میرے پاس آئیں گے۔“ (ترمذی و نسائی)

تشریح: ”اور نہ وہ لوگ میرے پاس حوض پر آئیں گے“ میں ”حوض“ سے مراد یہاں تو ”حوض کوثر“ ہے کہ ان لوگوں کو حوض کوثر پر میرے پاس آنے کی اجازت نہیں ہوگی یا ”جنت“ مراد ہے کہ ان لوگوں کو جنت میں میرے پاس نہیں آنے یا جانے کا۔ ہر ارشاد گرامی کو یا اس بات کو سخت و عید کے طور پر واضح کرتا ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی حکومت اور نظام مملکت کی رکنیت اختیار کرتا ہے یا اس کی امداد و حمایت کو اپنا شیوہ بناتا ہے جس کی ہاگ ڈور کم ظرف اور احمق لوگوں کے ہاتھ میں ہے اور جس کا سایہ میں خدا کے بندوں پر ظلم و جور کے پھیلے توڑے جاتے ہیں۔ تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص میں ایمان کا نقد ان ہے اور وہ شخص مسلمان کہلانے کا حق نہیں ہے۔

سرمراہان حکومت کی حاشیہ نشینی دین و دنیا کی تباہی کا باعث ہے

(۴) وَ هُنَّ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَاَ عَنْ أَتْبَاعِ الشَّيْطَانِ غُفْلًا وَ هُنَّ ابْنُ السُّلْطَانِ الْفَاسِقِينَ - زَوَاةُ الْيَزْمِيدِي وَ أَخْضَدُ وَ النَّسَائِيُّ وَ فِي زَوَايَةِ أَبِي دَاوُدَ مَنْ لَزِمَ السُّلْطَانَ الْفَاسِقِينَ وَ مَا أَزْدَادَ عُقْدَةً مِنَ السُّلْطَانِ دُفْؤًا إِلَّا أَزْدَادَ مِنَ اللَّهِ بُعْدًا۔

”اور حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص جنگلی (دیہات) میں رہتا ہے وہ جاہل ہوتا ہے، جو شخص شکار کے پیچھے ڈار رہتا ہے وہ غافل ہوتا ہے اور جو شخص بادشاہ کے پاس آتا جاتا ہے وہ فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے (احمد، ترمذی، نسائی) اور الہوداذ کی روایت میں ہے کہ (جو شخص بادشاہ کی ملازمت میں رہتا ہے) (یعنی اسی کے ہاں ہر وقت حاضر باشی و حاشیہ نشین اور مددگار رہتا ہے وہ فتنہ میں مبتلا ہوتا ہے اور جو شخص بادشاہ کا جتنی زیادہ قرب چاہتا ہے اتنا ہی اللہ سے دور ہو جاتا ہے۔

تشریح: ”جو شخص جنگلی (دیہات) میں رہتا ہے“ سے دیہات میں رہنے والوں کی ہنک و تفہیک مراد نہیں ہے اور نہ ان کو کٹر بنانا مقصود ہے بلکہ یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ دیہات و گاؤں میں رہنے والے لوگوں کو چونکہ علماء و صلحاء اور اولیاء اللہ کی صحبت میں نہیں ہوتی اس لئے ان کے دل خست ہو جاتے ہیں اور ان میں علم و معرفت محض و دانش اور فہم و ذکاوت کی روشنی پیدا نہیں ہو پاتی۔

”جو شخص شکار کے پیچھے ڈار رہتا ہے“ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ازراہ ہجو و لعب اور حصول لذت و خوشی کی خاطر ہر وقت شکار کی جن میں رہتا ہے وہ طاعت و عبادت اور جہد اور جماعت نماز کے التزام سے غافل ہو جاتا ہے نیز اس میں شغقت و محبت اور نرم خوئی کی صفات ختم ہو جاتی ہیں۔

واضح رہے کہ اس ارشاد کے ذریعہ ان لوگوں کو متنبہ کرنا مقصود ہے جو شکار کو عادت بتا لیتے ہیں اور حلال رزق حاصل کرنے کی نیت سے نہیں بلکہ محض تفریح اور وقت گزاری کے لئے اپنے اوقات کا اکثر حصہ اس میں مصروف رکھتے ہیں، ورنہ تو جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے مطلق شکار کے مباح و حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، اور بعض صحابہؓ نے شکار کیا ہے البتہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں علماء

نے لکھا ہے کہ آپ نے خود یہ نفس نہیں کبھی شکار نہیں کیا ہے لیکن کسی کو شکار کرنے سے منع نہیں کیا ہے۔

حدیث کے آخر میں بادشاہ و حاکم کی حاشیہ نشینی اور دربار حکومت میں حاضری کی خرابی کو واضح کیا گیا ہے کہ جو شخص بغیر کسی ضرورت و حاجت کے بادشاہ و حاکم کی چوکھٹ پر گیا وہ قتل میں مبتلا ہو گیا کیونکہ اگر وہ بادشاہ و حاکم کے ان افعال و اعمال کی موافقت و تمایز کرے گا جو خلاف شرع ہوں تو اس کا دین خطرہ میں چلے گا اور اگر ان کی مخالفت کرے گا تو اپنی دنیا خراب کرے گا منظر کہتے ہیں کہ جو شخص بادشاہ و حاکم کے دربار میں حاضر ہو اور وہاں عداوت و بغاوت کی باتیں ان کے خلاف شرع امور پر ان کو نواکھیں، تو اس نے قتل میں اپنے آپ کو مبتلا کیا (یعنی اپنا دین خطرے میں ڈالا) اور اگر اس نے عداوت و بغاوت کی باتیں ان کی مخالفت کرے گا تو انکو نصیحت کی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا تو اس صورت میں دربار حکومت میں اس کی حاضری چاہیے بھی افضل ہوگی۔

دہلویؒ نے مسند فردوس میں حضرت علیؑ سے بطریق مرفوع یہ روایت نقل کی ہے کہ:

”إِذَا دُعِيَ لِمَنْ دُعِيَ فِي الدُّنْيَا هَذَا لَمْ يَزِدْ مِنَ اللَّهِ إِلَّا بَعْدًا۔“

”جس شخص نے اپنا علم کو زیادہ کیا لیکن دنیا کے (مال و متاع) میں بے رقی کو زیادہ نہیں کیا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے دوری کو زیادہ کیا۔“

گمنامی راحت کا باعث ہے اور شہرت، آفت کا باعث

(۴۲) وَعَنْ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ أَنَّ زَمَنُومَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَضَرَ عَلَى مَثَكِيْبِهِ ثُمَّ قَالَ أَلْفَلَحْتُ يَا قَدْ نَبِمَ إِنِّي مَثٌ وَنَمْ تَكُنْ أَمِيرًا وَلَا تَكُنْ بَغْدًا۔ (رواہ احمد و ابوداؤد)

”اور حضرت مقدم امین معدی کرپؒ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ان (یعنی مقدم) کے سونے پر اپنے ہاتھ مار کر فرمایا اے مقدم! اگر اس حالت میں تمہاری موت ہو کہ نہ تو تم امیر و حاکم ہو، نہ شی ہو اور نہ چودھری تو تم نے فلاں پائی۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس ارشاد گمراہی میں اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ گمنامی و بے نامی راحت ہے اور شہرت و منصب آفت ہے۔

لوگوں سے خلاف شرع محصول و عین وصول کرنے والا حاکم جنت سے محروم رہے گا

(۴۳) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ زَمَنُومُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ صَاحِبٌ مَنُكِبٌ يَنْعِي الْبُذَى يَنْعِي النَّاسَ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد و الدارقوتی)

”اور حضرت عقبہ بن عامرؒ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”صاحب کس جنت میں داخل نہیں ہوگا“ صاحب کس سے آنحضرت ﷺ کی مراد (حاکم کا کار پر دانہ ہے جو لوگوں سے خلاف شرع محصولات و عین وصول کرتا ہے۔“ (احمد و ابوداؤد و دارقوتی)

امام عادل کی فضیلت

(۴۴) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ زَمَنُومُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَيَّ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَفْرَ نَهْمُ مِنْهُ مَجْلِسًا إِنْهَا مَعَادِلٌ وَإِنْ أَنْفَضَ النَّاسِ إِلَيَّ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَشَدُّهُمْ عَذَابًا وَفِي زَوَاجَةٍ وَأَبْعَدُ هُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا إِنْهَا مَحَاوِرٌ۔ زَوَاجَةُ التَّوْبَةِ وَقَالَ هَذَا جَدِيْتُ حَسَنٌ عَوْنٌ۔

”اور حضرت ابو سعیدؒ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب اور مجلس (یعنی مرتبہ) کے اعتبار سے سب سے زیادہ قریب جو شخص ہو گا وہ عادل امام و حاکم ہے اور قیامت کے دن اللہ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ نفرت کا مستحق اور سب سے زیادہ عذاب کا مستحق اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اللہ سے سب سے زیادہ دور جو شخص

”ظالم امام و حاکم ہے۔“ امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔“

ظالم حاکم کے سامنے حق گوئی سب سے بہتر جہاد ہے

(۳۵) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الْجِهَادِ مَنْ قَالَ كَلِمَةً حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَانِبِ رِوَاهُ الْبُزْجَانِيُّ وَأَبُو ذَاؤَدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَزَوْادَةُ وَخَمْدُو النَّسَائِيُّ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ۔

”اور حضرت ابو سعیدؓ کہتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”سب سے بہتر جہاد اس شخص کا ہے جو ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہے۔“ (ترمذی کا بوداؤد ابن ماجہ اور احمد و نسائی نے اس روایت کو طارق ابن شہابؓ سے نقل کیا ہے۔“

تشریح: جابر و ظالم حکمران کے سامنے حق گوئی کو بہترین جہاد اس لئے فرمایا گیا کہ جو شخص کسی دشمن سے جہاد کرتا ہے وہ خوف و امید دونوں کے درمیان رہتا ہے اگر اس کو یہ خوف ہو تا کہ شاید دشمن مجھ پر غالب آجائے اور میں مجروح یا شہید ہو جاں تو اس کے ساتھ ہی اس کو یہ امید ہوتی ہے کہ میں اس دشمن کو زیر کر کے اپنی جان کو پوری طرح بچاؤں گا۔ اس کے برخلاف جو شخص ظالم و جابر حکمران کے سامنے حق بات کہنے کا ارادہ رکھتا ہے اس کے لئے امید کی کوئی جگہ نہیں ہوتی بلکہ خوف ہی خوف ہوتا ہے چنانچہ وہ اس حکمران کے مکمل اختیار و قبضہ میں ہونے کی وجہ سے اس یقین کے ساتھ امر بالمعروف و نہی منکر کا فرض ادا کرتا ہے کہ اس کا انجام دنیا میں نری تباہی و نقصان کے علاوہ اور کچھ نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جس ہم میں انسان کو اپنی زندگی اور اپنے مال و متاع کے باقی رہنے کی جگہ کی امید بھی نہ ہو اس کو انجام دینا اس ہم کو انجام دینے سے کہیں زیادہ مہر آزا، ہمت طلب اور مردانگی کا کام اور بدد جہا افضل ہو گا جس کی انجام دہی میں اپنی زندگی اور اپنے مال و متاع کے باقی رہنے کی بہتر حد تک امید ہو۔ اس کو بہترین جہاد اس لئے فرمایا گیا ہے کہ حکمران کا ظلم و جور ان تمام لوگوں کو متاثر کرتا ہے جو اس کی رعیت میں ہوتے ہیں وہ کوئی دو چار دس آدمی نہیں بلکہ ہزاروں لاکھوں کروڑوں بندگان خدا ہوتے ہیں لہذا جب کوئی شخص اس حکمران کو اس کے ظلم و جور سے روکے گا وہ اپنے اس عمل سے خدا کی غیر مخلوق کو فائدہ پہنچائے گا۔ جب کہ دشمن سے جہاد کرنے میں یہ بات نہیں۔

ظالم حکمران کے سامنے حق گوئی کا انداز

شیخ ابو حامد نے احیاء میں لکھا ہے کہ بادشاہ و حکمران کو امر بالمعروف یہ ہے کہ اس کو اس کی بے راہ روی سے روکا جائے اور اس کے جو اعمال و افعال میں بر غلط ہوں۔ ان کو اس پر واضح کیا جائے یعنی اسے یہ بتایا جائے کہ تمہارا یہ کام عدل و انصاف کے خلاف ہے، تمہارا یہ فیصلہ باپہ فرمان، قانون اور نظام حکمرانی کے مطابق نہیں ہے اور تمہارا یہ فعل دین و اخلاق اور خدا کے حکم کے منافی ہے، لیکن رعایا کے کسی فرد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ حکمران کو اس کے کسی غلط کام و فعل سے شدت کے ذریعہ روکے کیونکہ یہ ملک میں تشدد و فساد اور قوم میں انتشار و افتراق کا باعث ہو گا اب رہی یہ بات کہ اگر کوئی شخص کسی حکمران کو اس کی غلط روی سے روکنے کے لئے تند و تیز الفاظ اور سخت و غضبناک سپ و بجد اور سخت کلامی اختیار کرے مثلاً وہ اس کو ”ظالم“ کہہ کر مخاطب کرے یا یوں کہے ”مَنْ لَا يَخَافُ اللَّهَ (اے خدا سے نہ ڈرنے والے شخص) وغیرہ وغیرہ، تو اس بارے میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر اس شخص کا درشت لب و لہجہ اور اس کے تند و تیز الفاظ اس شخص کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لئے بھی اس حکمران کے عتاب کا نشانہ بن جانے کا باعث ہوں تو یہ (سخت کلامی) جائز نہیں۔ اور اگر اس شخص کو اس کا خوف نہیں کہ میری سخت کلامی کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی حکمران کے عتاب کا نشانہ بن جائیں گے بلکہ صرف میری ہی جان پر رہنے کی تو یہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے کیونکہ سلف (پہلے زمانوں کے مردان حق اگاہ) کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ اپنی جان کی ہلاکت کا خدشہ لئے بغیر حکمرانوں کو ان کی غلط روی سے پوری پوری سختی سے نوکارتے تھے اس لئے وہ جانتے تھے کہ اگر اس کے نتیجہ میں حکمران کا عتاب میں کی ہلاکت کا باعث بن گیا تو اس سے بڑی سزا کیا ہو سکتی ہے۔ کہ جہاں میں شہادت کا درجہ نصیب ہو گا۔

حکمران کے صالح مشیر کار اس کی فلاح کا باعث ہوتے ہیں

(۳۶) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِالْأَمِيرِ خَيْرًا جَعَلَ لَهُ وَزِيرًا صَدِيقًا نَجَسِي ذَكَرَهُ وَإِنْ أَرَادَهُ غَيْرَ ذَلِكَ جَعَلَ لَهُ وَزِيرًا شَرًّا إِنَّ نَجَسِي لَمْ يَذْكُرْهُ وَإِنْ ذَكَرْهُ لَمْ يَنْدَعَمْ

(رواہ ابوداؤد والنسائی)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب اللہ تعالیٰ کسی امیر (حکمران) کی (دینی و دنیاوی) بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لئے سچا (یعنی راست گفتار و راست کردار) وزیر و مشیر مقرر فرماتا ہے کہ جب وہ امیر (خدا کے احکام کو) بھول جاتا ہے تو وہ وزیر اس کو یاد دلاتا ہے (اور اگر وہ یاد رکھتا ہے تو وہ وزیر اس کو یاد رکھنے میں امداد دیتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی امیر کی بھلائی کا ارادہ نہیں کرتا تو اس پر بد وزیر و مشیر مسلط کر دیتا ہے۔ اور اگر امیر خدا کے احکام کو فراموش کر دیتا ہے تو وہ وزیر اس کو یاد دہش دلاتا اور فراموش نہیں کرتا تو وہ وزیر اس کی مدد نہیں کرتا۔“ (ابوداؤد و نسائی)

رعایا کے تئیں حکمران کا شک و شبہ عام انتشار و بدولی کا باعث ہے

(۳۷) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنْ الْأَمِيرُ إِذَا اتَّعَى الرِّيَاسَةَ فِي النَّاسِ أَفْسَدَهُمْ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابوامامہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ”حکمران جب لوگوں میں شک و شبہ کی بات وصوت دیتا ہے تو لوگوں کو خراب کر دیتا ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس ارشاد گرامی کے ذریعہ آئین جہانی کے ایک بڑے اہم نکتہ کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ ملک و قوم کی سالمیت عوام کی فلاح و بہبودی اور عام اطمینان و امن کے لئے یہ ضروری ہے کہ حکمران اور رعایا کے درمیان مکمل اعتماد ہو بطور خاص حکمران کو یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اس کو اپنی رعایا کے تئیں اپنے اعتماد کا اظہار کرنا ہے جو تک نفور اور کم ظرف حکمران اپنی مملکت کے عام لوگوں یا کسی خاص طبقے کے بارے میں مستقل طور پر شک و شبہ میں مبتلا رہتے ہیں اور ان کی وفاداری پر یا ان کی حرکات و سکنات پر بدگمانی کرتے ہیں اور ان پر طرح طرح کے الزامات عائد کر کے ان سے مواخذہ کرتے ہیں اور ان کو مختلف قسم کی سزاؤں اور عقوبتوں میں گرفتار کرتے ہیں وہ اپنے ہی ہاتھوں اپنی حکمرانی کی جڑیں کھودتے ہیں کیونکہ اس صورت حال سے نہ صرف یہ کہ جن طبقوں پر مستقل شک و شبہ کا اظہار کیا جاتا ہے ان کے حالات و مگرگوں جو جاتے ہیں بلکہ ملک و قوم میں بے اطمینانی اور اضطراب و انتشار کی عام فضا پیدا ہو جاتی ہے۔

اس حدیث کا مقصد جہاں لوگوں کے احوال کے تجسس اور ان کے عیوب تلاش کرنے سے منع کرنا ہے وہیں اس بات کا حکم دینا بھی ہے کہ اگر لوگوں میں کچھ عیوب ہوں تو ان کی پردہ پوشی کی جائے اور ان سے جو گنہ و لغزش سرزد ہوں ان سے درگزر کیا جائے۔

(۳۸) وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّكَ إِذَا اتَّعْتَ خَزَائِنَ النَّاسِ أَفْسَدَهُمْ زَوَاةَ النَّبِيِّ فِي شُغْبِ الْإِنْسَانِ

”اور حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ ”جب تم لوگوں کے (پوشیدہ) عیوب کو تلاش کرو گے تو ان کو خرابی میں مبتلا کر دے۔“ (بخاری)

حق تلفی کرنے والے حاکم کے خلاف تلوار اٹھانے سے صبر کرنا بہتر ہے

(۳۹) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ أَنْتُمْ وَأَيُّكُمْ مِنْ تَعْدِي سَيَأْتِيَنَّوُنَ بِهَذَا الْفَقِيءِ قُلْتُ أَمَّا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ أَصَحُّ سَبْعِي عَلَى عَائِيهِ ثُمَّ أَهْرَبُ بِهِ حَتَّى الْفَقَاءُ قَالَ أَوْ لَا أَذْلكَ عَلَى خَيْرٍ مِنْ ذَلكَ

تفسیر ختمی تلقانی۔ (روادع اور اذکار)

”اور حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (میں مخاطب کر کے) فرمایا ”میرے بعد تم حاکموں اور سرداروں کے ساتھ اس وقت کی برتاؤ کرو گے جب کہ وہ اس فنی کو خود کو لیں گے (کیا میری راہ اختیار کرو گے یا ان کے خلاف تلوار اٹھاؤ گے؟) میں نے عرض کیا ”سن لیجئے قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے میں اپنی تلوار کا گدھے پر رکھوں گا اور پھر اس کے سبب آپ سے جاملوں گا۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”کیا میں تمہیں اس تلوار اٹھانے (بجائے بھرتاؤں؟) (اوسنو) تم اس وقت میری راہ اختیار کرنا یہاں تک کہ تم مجھ سے آلو (کیونکہ کسی دنیاوی حق کے تلف ہونے کی صورت میں تلوار اٹھانے سے صبر کرنا اور خاموش رہنا بہتر بھی ہے اور دنیا کی چیزوں سے بے رغبتی اور زور دے کے شایان شان بھی ہے۔“ (ابوذرؓ)

تشریح: فنی اس مال کو کہتے ہیں جو کفار سے بغیر جنگ و جدل کے حاصل ہو جیسے خراج و جزیہ یا اس قسم کے وہ دوسرے عیس جو اسلامی مملکت میں غیر مسلموں سے وصول کئے جاتے ہیں اور کفار سے جو مال جنگ و جدل کے حاصل ہوتا ہے اس کو ”غنیمت“ کہتے ہیں۔ فنی کا حکم یہ ہے کہ حاصل شدہ مال کے چار حصے تو تمام مسلمانوں کا حق ہے کہ وہ ان کے درمیان تقسیم کیا جائے اور پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کر دیا جائے جب کہ غنیمت میں جو مال حاصل ہوتا ہے اس کے چار حصے بیت المال میں داخل ہوتے ہیں اور پانچواں حصہ مسلمانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اس فنی کے بارے میں یہ تلقین کی گئی ہے کہ اگر کوئی حکمران اس کو اپنے تصرف میں لے آئے اور مستحقین میں تقسیم نہ کرے تو اگرچہ یہ حق تلقی ہے اور مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس حکمران سے اپنا اپنا حصہ وصول کریں لیکن محض اس مال کے لئے اس حکمران کے خلاف تلوار اٹھانے اور تشدد کی راہ اختیار کرنے سے بھترے ہے کہ میری راہ اختیار کی جائے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اس ارشادِ گرامی کے مفہوم میں فنی اور غنیمت دونوں شامل ہیں، نیز اس کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ جو حکمران فنی یا غنیمت کے سارے مال کو اپنے تصرف میں لاکر بیت المال کو نقصان پہنچائے گا اور مسلمانوں کی حق تلقی کرے گا وہ ظالم ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

امام عادل کی فضیلت

(۵) عَنْ عَائِشَةَ عَنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَتَمْلُؤُونَ مِنَ السَّابِقُونَ إِلَى ظِلِّ اللَّهِ عِزُّوْ جَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ لَلَّذِينَ إِذَا أَعْطُوا الْحَقَّ قَبِلُوهُ وَإِذَا سَبَلُوهُ بَذَلُوهُ وَحَكَمُوا لِلثَّلَاسِ كَحُكْمِهِمْ لَا تَنْفَبَهُمْ۔

”حضرت عائشہؓ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے (صحابہؓ سے) فرمایا ”جانتے ہو قیامت کے دن اللہ عزوجل اس کے عرش یا اس کے لطف و کرم کے سایہ کی طرف بہت لے جانے والے کون لوگ ہیں؟ (یعنی قیامت کے دن سب سے پہلے کون لوگ اللہ تعالیٰ کے عرش یا اس کے فضل و کرم کے سایہ میں جائیں گے؟) صحابہؓ نے عرض کیا ”اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے والے ہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”بہت لے جانے والے وہ لوگ ہیں جن کے سامنے حق بات نہ گئی جاتی ہے تو وہ قبول کرتے ہیں، جب ان سے حق کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو وہ خرچ کرتے ہیں اور لوگوں کے حق میں وہی فیصلہ کرتے ہیں جو اپنی ذات کے بارے میں کرتے ہیں۔“

تشریح: اسی حدیث میں عادل حکمرانوں کے تین اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ ان کی وجہ سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی عنایات و کرم اور اس کے سایہ کے سب سے پہلے حق ہو جائیں عادل حکمرانوں کا یہ لادعویٰ تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب ان کے سامنے رعایا کی بھلائی و بہتری اور عدل و مساوت کے تقاضے سے کوئی صحیح اور حق بات پیش کی جاتی ہے تو وہ اس کو قبول کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔

دوسرا وصف یہ ہے کہ جب رعایا ان سے اپنا حق مانگتی ہے تو وہ اس کا حق دیتے ہیں اور لوگوں کی بھلائی اور بہتری اور ان کی ضروریات زندگی پوری کرنے کے لئے خرچ کرنے سے دریغ نہیں کرتے اور تیسرا وصف یہ ہے کہ وہ جس چیز کو اپنے لئے پسند کرتے ہیں اسی کو رعایا کے لئے بھی پسند کرتے ہیں اگر وہ اپنی راحت اور اپنا چین چاہتے ہیں تو رعایا کے حق میں بھی وہ یہی چاہتے ہیں کہ عام لوگ راحت و چین اور امن و سکون کے ساتھ رہیں، خود غرض اور عیش و عشرت کی طرح کا شہیہ یہ نہیں ہوتا کہ خود تو عیش و عشرت اور شہوت رانیوں میں مبتلا رہیں اور رعایا کو سختی اور بد حالی میں مبتلا رہنے دیں۔

حکمرانوں کے ظلم سے آنحضرت ﷺ کا خوف:

(۵۱) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ثَلَاثٌ أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي إِلَّا مَسْئِفَةً بِأَلَانِوَاءٍ وَخَيْفَ السُّلْطَانِ وَتَكْذِيبَ بِالْقُدْرَةِ۔

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”میں اپنی امت کے حق میں تین باتوں سے ڈرتا ہوں کہ (کہیں وہ ان کو اختیار کر کے گمراہی میں مبتلا نہ ہو جائے) ایک تو چاند کی منزل کے حباب سے بارش مانگنا، دوسرے بادشاہ کا ظلم کرنا اور تیسرے قدر کا جھٹلانا (یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ قدرت الہی کوئی چیز نہیں ہے بلکہ انسان جو بھی فعل کرتا ہے وہ خود اس کا خالق ہوتا ہے جیسا کہ ایک جماعت قدر یہ کاسک ہے۔“

تشریح: اَنَوَاءٌ: نوہ۔ کی جمع ہے جس کے لغوی معنی تو ”انہما“ اور (گرنے) ہیں لیکن عام طور پر اس کا استعمال چاند کی منزل کے مفہوم میں ہوتا ہے اقدیم علماء فلکیات کے مطابق چاند کی انہمائیں منزلیں ہوتی ہیں کہ وہ ہر شب ایک منزل میں رہتا ہے غالباً اگلے ”۱۲“ گھنٹے اور گرنے سے ”طلوع“ اور غروب“ مراد لے کر ”انواء“ کو چاند کی منزل کے مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ہر حال حرب کے مشرکین بارش کو ان منزل کی طرف منسوب کرتے تھے اور جب بارش ہوتی تو وہ یہ کہتے کہ چاند کی فلاں منزل کی وجہ سے بارش ہوئی ہے۔ چونکہ یہ ایک باطل عقیدہ ہے اس لئے دوسری احادیث میں یہ عقیدہ رکھنے سے صریح ممانعت فرمادہ ہے۔ توحید کی اہمیت کو واضح کرنے اور شرک کے انہما سے دور رکھنے کے لئے اس پر لفظ ”کفر“ کا اطلاق کیا گیا ہے۔

بلاد وجہ نہ تو امین بنو اور نہ حاکم بنو

(۵۲) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ آيَاتٍ أَتَقَرَّبُ بِهَا إِلَى اللَّهِ مَا يَقَالُ لَكَ بَعْدَ فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمَ الشَّابِعُ قَالَ أَوْصِيكَ بِتَقْوَى اللَّهِ فِي مِزْ أَمْرِكَ وَعَلَانِيَتِهِمْ وَإِذَا أَسَاءَتْ فَخَسِبْ وَلَا تَسْأَلْ أَحَدًا شَيْئًا وَإِنْ سَقَطَ مَنُوطُكَ وَلَا تَقْبِضُ أَهَانَةً وَلَا تَقْضِ بَيْنَ اثْنَيْنِ۔

”اور حضرت ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے چھ دن تک مجھ سے یہ فرماتے رہے کہ ”ابو ذر! بعد میں جو بات تم سے کہی جائے والی ہے اس کے لئے تیار رہو (یعنی آنحضرت ﷺ نے چھ دن تک مجھے آگاہ کرتے رہے کہ میں تمہیں ایک ہدایت دوں گا تم کو اس پر خوب غور کرنا اس کو یاد رکھنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے جب ساتواں دن ہوا تو آپ نے فرمایا ”میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ظاہر و باطن میں اللہ سے ڈرتے رہنا، جب تم سے کوئی برائی سرزد ہو جائے تو ساتھ ہی نیکی بھی کرتا کیونکہ وہ برائی کو مٹا دیتی ہے یا یہ مقصد ہے کہ اگر تم کسی کے ساتھ کوئی برا سلوک کرینو تو اس کے ساتھ (نیکی کا سلوک بھی کرو) کی (خلوق) کے آگے دست سوال دراز نہ کرنا اگرچہ تمہارا کوڑا ہی کیوں نہ گر پڑا ہو (یعنی اگر کوڑا گرے تو اس کو اٹھانے کے لئے بھی کسی سے نہ کہو) کسی کی امانت اپنے پاس نہ رکھنا اور دو آدمیوں کے حکم نہ مانتا۔“

تشریح: ”کسی کی امانت اپنے پاس نہ رکھنا۔“ کا مطلب یہ ہے کہ بلا ضرورت کسی کی امانت اپنے پاس رکھنا احتیاط اور دور اندیشی کے

خلاف ہے کیونکہ نفس کا کوئی ہمسوسہ نہیں کہ وسوسہ اور شیطان کے قریب میں مبتلا ہو جائے اور امانت میں خیانت کا ارتکاب ہو جائے یا اگر خیانت کا ارتکاب نہ بھی ہو تو یہ چیز تہمت کا قائل تو ہے ہی کہ کسی وجہ سے خود امانت کا مالک یا کوئی دوسرا شخص تم پر خبیثت کی تہمت لگا دے۔

حکمران کے حق میں حکومت کے تین تدریجی مرحلے

(۵۲) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَا مِنْ دَجَلٍ بَلِيٍّ أَفْزَعُ عَشِيرَةً فَمَا هُوَ فِي ذَلِكَ إِلَّا أَنَّهُ الْبَلَاءُ غَزَوْا جَلًّا مَعْلُومًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَذُّهُ الْفِي عُنُقِهِ فَكَيْفَ بَرَّهَ أَوْ أَوْفَقَهُ أَفْنَةً أَوَّلُهَا مَخْلَعَةٌ وَأَوَّلُهَا نَدَامَةٌ وَأَحْزَنُهَا حَرْقٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

”اور حضرت ابوامامہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے (اس آدمیوں کی) بھی، یا اس گمراہ لوگوں کی حکمرانی قبول کی اس کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس طرح طعن میں بکڑا دے گا کہ اس کے سامنے میدان میں اٹھنے کا کہ اس کے ہاتھ نے اس کی گردن کو بکڑ رکھا ہو گا یہاں تک کہ یا تو اس کی نیکی اس کو چھڑائے گی (یعنی اگر اس نے دنیا میں اپنے زیر دستوں کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ اور حسن سلوک کیا ہو گا تو یہ اس کی نجات کا باعث بنے گا) یا اس کا گناہ (یعنی اپنے زیر دستوں پر اس کا کیا ہوا ظلم وغیرہ) اس کو بلا نکات، عذاب میں مبتلا کر دیگا۔ (یورکھو سرداری و حکمرانی کی ابتداء علامت ہے اس کا درمیان پیشانی و ندامت ہے اور اس کا آخر قیامت کے دن کی ذلت و رسوائی ہے۔“

تشریح: حکومت و سرداری اگرچہ انسان کی طبعی خواہش ہے اور کم ہی انسان ایسے ہوں گے جن کو اس کے حصول کی تمنا نہیں ہوگی لیکن اس حکومت و سرداری کی حقیقت اور اس کا کمال کیا ہے؟ اس کو یہ حدیث واضح کر رہی ہے کہ جب کوئی شخص حکومت و سیاست کی مسند پر فائز ہوتا ہے تو اس کا ابتدائی مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو ہر طرف سے ملامت کے تیر کا نشانہ بننا پڑتا ہے، لوگ مطعون کرتے ہیں کہ اس نے ایسا کیا و یا کیا، کوئی اختیارات کے ناجائز استعمال کا الزام عائد کرتا ہے، کوئی خویش پروری اور جنہ داری کی تہمت لگاتا ہے تو کوئی فرائض حکومت کی انجام دہی میں غفلت کا طرم گردانتا ہے غرضیکہ ہر طرف سے طعن و تشنیع، سب و شتم اور اعتراضات کی بو بھار ہوتی ہے اس کے بعد درمیانی مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ حکمران حکومت کی سخت کوشیوں اور لوگوں کے طعن و تشنیع سے بددل ہو کر سخت ندامت و پشیمانی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اس منصب کو کیوں قبول کیا اور اس محنت و مصیبت میں اپنے آپ کو کیوں مبتلا کیا اور پھر اس کا آخری حصہ ذلت و رسوائی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ دنیا کی ذلت و رسوائی بھی اور آخرت کی ذلت و رسوائی بھی (دنیا کی ذلت و رسوائی تو یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے اس کو اس منصب سے محروم کر دیا جاتا ہے تو اس کی خواری و تحقیر ہوتی ہے یا اگر رعایا اس کے طرز حکومت اور انتظام سلطنت سے مطمئن نہیں ہوتی تو ان کے دلوں میں اس کے تئیں سخت قسم کی نفرت و نفرت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ایک حکمران کے لئے اس سے بڑھ کر دنیا میں ذلت و رسوائی اور کیا ہو سکتی ہے اور آخرت کی ذلت و رسوائی یہ ہے کہ وہ اپنے دور حکومت میں جو کچھ کرتا ہے اس کی جواب دہی اہم الحاکمین کی بارگاہ میں کرنی ہوتی ہے یہاں تک کہ اس سے جو کوتاہیاں، جو ظلم اور جو غلط افعال سرزد ہوتے ہیں ان کی وجہ سے عذاب میں گرفتار ہونا پڑتا ہے۔ فاعصروا وایا اولی الابصار۔

یہاں حدیث میں صرف قیامت کے دن کی ذلت و رسوائی کا ذکر کیا گیا ہے دنیا کی خواری و کور نہیں ہے اس کی وجہ یہ کہ قیامت کے دن کی ذلت و رسوائی دنیا کی ذلت و رسوائی سے کہیں زیادہ سخت ہے اسی لئے اس کے ذکر پر اکتفا کیا گیا۔

حضرت معاویہؓ کے حق میں آنحضرت ﷺ کی پیش گوئی

(۵۳) وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مُعَاوِيَةُ إِنَّ زَيْنْتَ أَفْرَأَ فَأَتَيْتِ اللَّهَ وَاعْبَلْتَ قَالَ فَمَدَانَتْ

أَطْلُ أَنْى مُنْتَلَى بِعَمَلِ لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى التَّلَاحُ.

”اور حضرت امیر معاویہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا ”معاویہ! اگر تمہیں کسی کام (یا کسی جگہ) امیر و حاکم بنایا جائے تو اس اور حکومت کی انجام دہی میں اللہ سے ڈرتے رہنا اور عدل و انصاف کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔“ حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ برابر خیال کرتا رہا کہ آنحضرت ﷺ کے فرمانے کے بموجب میں کسی کام (یعنی عمارت و سرداری میں مبتلا کیا جاؤں گا۔ یہاں تک کہ میں جتنا کیا گیا یعنی آنحضرت ﷺ کا فرمان سچ ہوا اور عمارت و سرداری میرا نصیب ہوئی۔“

آنے والے زمانے کے بارے میں چیشمین گوئی

(۵۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ زَأْسِ الشَّيْطَانِ وَإِمَارَةِ الصَّيْبَانِ۔
رَوَى الْأَخْبَارُ فِي السِّيَرَةِ أَحْمَدُ وَزَوْعِي النَّيْهَقِيُّ حَدِيثَ مُعَاوِيَةَ فِي ذَلَالِ التَّبَوُّةِ۔

”اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”سرسال کی ابتداء سے اور بچوں کی حکومت سے اللہ کی پناہ مانگو۔“
ذکرہ بالا چھ حدیثوں کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کو تینٹی نے بھی دلائل النبوة میں نقل کیا ہے۔“

تشریح: ”سرسال کی ابتداء“ سے مراد سن ہجری کی ساتویں دہائی ہے جس کی ابتداء ۶۵ھ سے ہو جاتی ہے۔ ۶۵ھ کے آخر میں حضرت معاویہؓ کا دور حکومت ان کی وفات پر پورا ہوا اور نیرہ ابن معاویہؓ کی عمارت قائم ہوئی اس کے ساتھ ہی حکومت پر سے ”صحابت“ کا بابرکت سایہ اقتدار مکمل طور پر اٹھ گیا اور اس کے بعد سے امت کی تاریخ حکومت کا دور شروع ہو گیا جو اختراق اور انتشار، فتنہ و فساد، ظلم و جور، حصول اقتدار کی کشمکش اور طوگرت کی فتنہ سالانیاں اپنے دامن میں لے کر آیا۔ نیرہ کل عمل سال آٹھ ماہ تحت حکومت پر ہوا اس دوران میں اس کی حکومت کا سب سے شرمناک واقعہ ”سانحہ کربلا“ ہے۔ نیرہ کے بعد اس کا بیٹا معاویہؓ ابن نیرہ ابن معاویہؓ برائے نام تخت نشین ہوا اور آخر میں حکومت کی باگ ڈور نواسرہ کے سفیانی خاندان سے گھر کر بی مروان کے ہاتھ آئی۔

حدیث میں انہی بی مروان کی حکومت کو ”بچوں کی حکومت“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بی مروان کے زمانہ حکومت میں اقتدار کی رسد کشتی، استبداد و جبر، مذہبی انتشار و فتنہ، دین سے برکت شکنی، خاندانی و قبائلی مصیبت، اسلامی شعائر سے لاپرواہی اور بزرگان حق کے ساتھ سختی و تشدد کا جو مظاہرہ ہوا اس نے پورے نظام حکومت و مملکت کو ”باز پچھ اطفال“ بنا کر رکھ دیا تھا۔ رسوائے تاریخ عالم جابر ابن یوسف، بی مروان ہی کے عہد حکومت کا سب سے بڑا متحدہ والی صحابو اپنے ظلم و ستم میں ہتکیز دہلا کوٹے کہہ دیا نام نہیں ہے۔

سن ہجری کی ساتویں دہائی کی ابتداء سے نیرہ ابن معاویہؓ کی عمارت کی صورت میں زندہ نہ ہونے والی ہولناکیوں اور اس کے بعد کے عرصہ میں بی مروان کی حکومت کی ستم رانیاں و وقوع پر ہونے سے ساہا سال پہلے نگاہ نبوت کے سامنے ایک کمل کتاب کی مانند محسوس اور آپ ﷺ کی فراست حکم آلے والے اس زمانہ کا دور اک کر رہی تھی جس میں امت کی اجتماعی ہیبت اور اس کی ملی خصوصیات کو چند خود غرض، مفاد پرست اور دنیا دار حکمران اپنے اقتدار طلبی اور پیش رانوں پر قربان کرنے والے تھے۔ لہذا آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا اس وقت جیسے آنے والے سخت ترین حالات اور عاقبت مانند پیش حکمرانوں کے عہد حکومت سے خدا کی پناہ مانگو کہ خدا تم میں سے کسی کو وہ زمانہ نہ دکھائے۔

جیسے عمل کرو گے ویسے ہی حکمران مقرر ہوں گے

(۵۶) وَعَنْ يَحْيَى بْنِ هَاشِمٍ عَنْ يُونُسَ بْنِ أَبِي اسْمَاقٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

كَمَا تَكْفُونُونَ كَذَلِكَ يُؤْتَرَعَلَيْكُمْ۔

”اور حضرت عائشہ بنت ابی بکرؓ حضرت یونسؑ ابن اسحاق سے اور وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں۔ کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جیسے تم ہو گے ویسے ہی تمہارے اوپر حکمران مقرر کئے جائیں گے۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ تمہارے طور طریقے اور تمہارے اعمال جیسے ہوں گے ویسے ہی تم پر حاکم و عامل مقرر ہوں گے اگر تمہارے اعمال اچھے ہوں گے تو تمہارے حاکم بھی اچھے ہوں گے اور اگر تم برے اعمال کرو گے تو تمہارے حاکم بھی برے ہوں گے۔

بادشاہ روم کے زمین پر خدا کا سایہ ہوتا ہے

⑤۷ وَعَنْ أَنَسٍ عُمَرُ بْنُ الْكَثْمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ السُّلْطَانَ ظِلُّ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ يَا وَيْكَ الْيَوْمَ كُلُّ مَظْلُومٍ مِنْ عِبَادِهِ فَإِذَا غَدَلْ كَانَ لَهُ الْأَجْرُ وَعَلَى الزُّعْمَةِ الشُّكْرُ وَإِذَا جَاؤَ كَانَ عَلَيْهِ الْأَمْرُ وَعَلَى الزُّعْمَةِ الصَّبْرُ۔

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”بادشاہ روم کے زمین پر خدا کا سایہ ہے جس کے نیچے خدا کے بندوں میں سے مظلوم بندہ پناہ حاصل کرتا ہے لہذا جب بادشاہ عدل و انصاف کرتا ہے تو اس کو ثواب ملتا ہے اور رعایا پر اس کا شکر واجب ہوتا ہے اور جب وہ قلم و طغیانی کرتا ہے تو وہ گناہ گار ہوتا ہے اور رعایا پر میر لازم ہوتا ہے۔“

تشریح: بادشاہ کے وجود کو ”خدا کا سایہ“ اس اعتبار سے فرمایا گیا ہے جس طرح کسی چیز کا سایہ سورج کی تیش و گرمی کی انہما سے بچاتا ہے اسی طرح بادشاہ اپنی رعیت کے لوگوں کو مختلف قسم کی افواہوں اور سختیوں سے بچاتا ہے نیز یہاں اوقات ”لفظ سایہ“ سے کنایت ”محافظت و حمایت“ کا مفہوم بھی مروا لیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے بھی اگر دیکھا جائے تو بادشاہ کے وجود کا بجا طور پر اپنی رعایا کے لئے ”محافظت و حمایت“ کا سب سے بڑا ذریعہ ہونا بالکل ظاہر ہے۔

طبی نے یہ وضاحت کی ہے کہ لفظ ”ظل اللہ“ ایک تشبیہ ہے اور عبادت یا تو یہ یا تو یہ مَظْلُومُ الْخَلْقِ اس تشبیہ کی وضاحت اور مراد بیان کرتی ہے یعنی لوگ جس طرح سایہ کی غنڈک میں سورج کی گرمی سے راحت پاتے ہیں اسی طرح بادشاہ کے عدل کی غنڈک میں ظلم و جور کی گرمی سے راحت پاتے ہیں۔

”ظل اللہ“ میں اللہ کی طرف ظل (سایہ) کی نسبت اس (سایہ) کی عظمت و برتری کے اظہار کے لئے ہے جیسا کہ بیت اللہ میں اللہ کی طرف بیت کی نسبت اس (بیت) کی عظمت و برتری کو ظاہر کرنے کے لئے ہے، اور اس سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ وہ سایہ (یعنی بادشاہ) دوسرے سایوں کی طرح نہیں ہے بلکہ وہ اللہ کے قلعے سے اپنی الگ شان اور خصوصیت و برتری رکھتا ہے کیونکہ اس کو روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ (نائب) قرار دیا گیا ہے کہ اس کا فریضہ اللہ تعالیٰ کے عدل و احسان کو اس کے بندوں پر پھیلاتا ہے۔

قیامت کے دن سب سے بلند مرتبہ نرم خو اور عادل حکمران ہوگا

⑤۸ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَفْضَلَ عِبَادِ اللَّهِ عِنْدَ اللَّهِ مَثَرَةَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِعَادَ عَادِلٍ وَفَيْقَ وَأَنْ شَرُّ النَّاسِ عِنْدَ اللَّهِ مَثَرَةَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِعَادَ جَائِعٍ خَرِقٍ۔

”اور حضرت عمرؓ ابن خطابؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بندوں میں بلند مرتبہ کے اعتبار سے سب سے بہتر جو شخص ہو گا وہ عادل اور نرمی کرنے والا حاکم ہے اور قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بندوں میں مرتبہ کے اعتبار سے سب سے بدتر جو شخص ہو گا وہ ظالم اور سختی کرنے والا حاکم ہے۔“

کسی مسلمان کو محض ڈرانا دھمکانا بھی عذاب کا سزاوار کرتا ہے

(۵۹) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَظَرَ إِلَى أَخِيهِ نَظْرَةً يُبْغِي فِيهَا مَنَافِعَهُ ضَعِيفٌ۔

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اپنے کسی بھائی کی طرف ڈر اوسے والی نظر سے دیکھے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو مارے گا۔“ مذکورہ چاروں روایتوں کو نبیؐ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے اور محلیؒ ابن ہمامؒ کی روایت کے بارے میں کہا ہے کہ یہ منقطع ہے اور محلیؒ کی روایت ضعیف (مجھ جاتی ہے)۔“

تشریح: اس حدیث کو اس باب میں نقل کرنے سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ جب کسی مسلمان کو محض ڈرانا دھمکانا قیامت کے دن عذاب کا سزاوار بنائے گا تو مسلمانوں پر ظلم و ستم کرنے والے کا کیا حشر ہوگا؟

حکمران کے ظلم پر اس کو برا بھلا کہنے کی بجائے اپنے اعمال درست کرو

(۶۰) وَعَنْ أَبِي الدُّدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ إِنَّا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا مَالِكُ الْمَلُوكِ وَجَلِيلُ الْمُلُوكِ قُلُوبُ الْمَلُوكِ فِي يَدِي وَإِنِ الْعِبَادَ إِذَا أَطَاعُونِي حَوَّلْتُ قُلُوبَ مَلُوكِهِمْ عَلَيْهِمْ بِالرَّحْمَةِ وَالرَّأْفَةِ وَإِنِ الْعِبَادَ إِذَا عَصَوْنِي حَوَّلْتُ قُلُوبَهُمْ بِالسَّخَطَةِ وَالْبَغْضَةِ فَسَامُوا مِنْهُمُ مَوْتُ الْعَذَابِ فَلَا تَسْخَعُوا أَنفُسَكُمْ بِاللَّعْنَةِ عَلَى الْمَلُوكِ وَلَكِنِ اسْعَلُوا أَنْفُسَكُمْ بِالذِّكْرِ وَالتَّضَرُّعِ كَيْ تَكْفِيَكُمْ مَلُوكَكُمْ۔ رَوَاهُ أَبُو نَعِيمٍ فِي الْحِلْيَةِ۔

”اور حضرت ابو الدرداءؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ (حدیث قدسی) میں ارشاد فرماتا ہے کہ میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں بادشاہوں کا مالک اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ (یعنی میرے قبضہ قدرت) میں ہیں لہذا جب میرے (اکثر بندے میری اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں تو میں ان کے حق میں (حاکم) بادشاہوں کے دلوں کو رحمت و شفقت کی طرف پھیر دیتا ہوں اور جب میرے بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے حق میں (عادل و نرم خور) بادشاہوں کے دلوں کو غضبناکی اور سخت گیری کی طرف پھیر دیتا ہوں جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ (بادشاہ) ان کو سخت سختیوں میں مبتلا کرتے ہیں۔ اس لئے (ایسی صورت میں، تم اپنے آپ کو ان بادشاہوں کے لئے بددعا کرنے میں مشغول نہ کرو بلکہ (میری بارگاہ میں تضرع و زاری کر کے اپنے آپ کو (میرے) ذکر میں مشغول کرو تاکہ میں تمہارے ان بادشاہوں کو شریعت میں بچاؤں۔“ اس روایت کو ابو نعیمؒ نے اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں نقل کیا ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ رعایا کے تئیں حکمرانوں کے رویہ کا تعلق باطنی طور پر لوگوں کے اعمال و کردار سے ہوتا ہے کہ اگر رعایا کے لوگ خدا کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں اور ان کے اعمال و معاملات بالعموم راست بازی و نیک کرداری کے پابند ہوتے ہیں تو ان کا ظالم حکمران بھی ان کے حق میں عادل، نرم خور و شفیق و کرم و سحرین جاتا ہے اور اگر رعایا کے لوگ خدا کی سرکشی و طغیان میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ان کے اعمال و معاملات عام طور پر بد خوئی و بد کرداری کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں تو پھر ان کا عادل و نرم خور حکمران بھی ان کے حق میں غضبناک اور سخت گرد ہو جاتا ہے لہذا حکمران کے ظلم و ستم اور اس کی سخت گیری و نا انصافی پر اس کو برا بھلا کہنے اور اس کے لئے بددعا کرنے کی بجائے یہ راہ اختیار کرنی چاہئے کہ اللہ کی طرف رجوع کیا جائے، اپنی بد اعمالیوں پر توبہ و استغفار کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے دربار میں عاجزی و زاری کے ساتھ اتحاد و فریاد کی جائے اور اپنے اعمال و اپنے معاملات کو مکمل طور پر اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم کے تابع کر دیا جائے تاکہ رحمت خداوندی متوجہ ہو اور ظالم حکمران کے دل کو عدل و انصاف اور نرمی و شفقت کی طرف پھیر دے۔

بَابُ مَا عَلَى الْوَالِدَيْنِ مِنَ التَّنْبِيْهِ

حاکموں پر آسانی و نرمی کے واجب ہونے کا بیان

گزشتہ باب میں اس بات کا ذکر تھا کہ رعایا کو اپنے حاکموں کی اطاعت و فرمانبرداری کرنی چاہئے اب اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ حاکموں کو بھی اپنی رعایا کے لوگوں پر نرمی و شفقت کرنی چاہئے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

حکمران کو اپنی رعایا کے تئیں نرم روی اختیار کرنی چاہئے

① عَنْ اِمْرِئِ مَوْسٰی قَالَ كَانَ زَمَلُوهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا بَعَثَ اَحَدًا مِنْ اَصْحَابِهِ فَيَنْعَضُ اَمْرًا فَيَقَالُ
مَنْزُوْدًا وَلَا تَقْرَؤْا وَابْتِغَاوْا لَا تَعْتَبِرُوْا۔ (بخاری ص ۱۰۰)

”حضرت ابو موسیٰ کہتے ہیں رسول کریم ﷺ جب اپنے کسی صحابی کو اپنے کسی کام پر مامور کر کے (یعنی کسی جگہ کا حکم بنا کر بھیجے تو ان کو یہ ہدایت فرماتے کہ لوگوں کو طاعات و عبادات اور نیک کام کرنے پر اجرو ثواب کی بشارت دیتے رہنا اور ان کو ان کے گناہوں پر عذاب کے عذاب سے (انتظار یا وہ) امت ڈرانا کہ وہ رحمت خداوندی سے ایسے ہو جائیں جتنے لوگوں کے ساتھ آسانی کا برتاؤ کرنا (یعنی ان سے زکوٰۃ وغیرہ کی وصولی میں نرمی و آسانی کا طریقہ اختیار کرنا) اور (لوگوں سے زکوٰۃ وغیرہ کامل واجب مقدار سے زیادہ وصول کر کے) ان کو دشواری و تنگی میں مبتلا نہ کرنا۔“ (بخاری و مسلم)

② وَ عَنْ اَبِيْ قَالٍ قَالَ زَمَلُوهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَّبِعُوْا وَلَا تَعْتَبِرُوْا وَاسْتَجِبُوْا وَلَا تَنْفِرُوْا۔ (بخاری ص ۱۰۰)

”اور حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (حاکموں اور عاملوں کے لئے) فرمایا (لوگوں کے ساتھ) آسانی کا برتاؤ کرو (ان کو مشکلات اور غمیوں میں مبتلا نہ کرو) (ان کو خدا کی نعمتوں کی بشارت کے ذریعہ) تسکین و قلی دو، اور ان کو خدا کے عذاب سے بہت زیادہ ڈرانے کے ذریعہ یا ان پر ایسے دشوار اور سخت بوجھ ڈال کر کہ جو ان کو خدا کی نافرمانی پر مجبور کر دے (نفرت و خوف میں مبتلا نہ کرو۔“ (بخاری و مسلم)

③ عَنْ اَبِيْ بُرْدَةَ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَدَّةَ اَبَا مَوْسٰی وَفَغَاذًا اِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ لَا تَعْتَبِرُوْا وَابْتِغَاوْا وَلَا تَقْرَؤْا وَلَا تَخْلِفُوْا۔ (بخاری ص ۱۰۰)

”اور حضرت ابو بردہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ان کے دادا یعنی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت مغاذہؓ کو یمن بھیجا اور ان سے ”فرمایا کہ آسانی کا برتاؤ کرنا، مشکلات اور غمیوں میں مبتلا نہ کرنا بشارت دیتے رہنا، خوف و مایوسی میں مبتلا نہ کرنا، باہم اختلاف و اتحاد کے ساتھ کام کرنا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: صحیح ہے کہ مؤلف مشکوٰۃ یہاں یوں نقل کرتے ہیں عن ابن ابی بردۃ الخ یعنی اپنی بروہ کے ساتھ ”ابن“ کا لفظ بھی لانا ہے کیونکہ ابو بردہؓ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے بیٹے ہیں نہ کہ پوتے، اور ان (ابو بردہ) سے ان کے صاحبزادگان عبد اللہ، یوسف، سعید اور بلال روایت حدیث کرتے ہیں، چنانچہ یہاں جو حدیث نقل ہوئی ہے سعید ابن ابی بردہ سے مروی ہے جیسا کہ صحیح بخاری نے نقل کیا ہے کہ حضرت سعید ابن ابی بردہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ (حضرت ابو بردہ) سے سنا وہ کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے میرے باپ یعنی

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا۔

قیامت کے دن عہد شکن کی رسوائی

④ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْعَاوِزَ يُنْصَبُ لَهُ لُؤَاءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ هَذِهِ عَذْرَةُ فُلَانٍ فُلَانٍ - (متفق علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”قیامت کے دن ہر عہد شکن کی نصیحت و رسوائی کے لئے ایک نشان لٹا دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں ابن فلاں کی عہد شکنی کی علامت ہے۔“ (بخاری و مسلم)

⑤ وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِكُلِّ عَادِلٍ لُؤَاءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُعْزَفُ بِهِ - (متفق علیہ)

”اور حضرت انسؓ ہی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ فرمایا ”قیامت کے دن ہر عہد شکن کے لئے ایک نشان (مقرر) ہو گا جس کے ذریعہ وہ پچھتا جائے گا۔“ (بخاری و مسلم)

⑥ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِكُلِّ عَادِلٍ لُؤَاءٌ عِنْدَ اسْتِمَاءِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَفِي رِوَايَةٍ لِكُلِّ عَادِلٍ لُؤَاءُ يَوْمِ الْقِيَامَةِ يُزَفُّ لِفَتْحِ عَذْرَةِ الْأَوَّلَاءِ عَظُمَ عَذْرَاهُنَّ عَنِ عَامَةِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابوسعیدؓ ہی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”قیامت کے دن ہر عہد شکن (کی رسوائی و نصیحت کی تمہیرا کے لئے اس کے مقدمہ کے قریب ایک نشان ہو گا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ”قیامت کے دن ہر عہد شکن کے لئے ایک نشان ہو گا جو اس کی عہد شکنی کے بعد رہندہ کی جائے گا۔“ (بخاری و مسلم) جتنی زیادہ عہد شکنی ہوگی اسی قدر وہ نشان اور اس کی تشہیر زیادہ ہوگی (خبردار کوئی عہد شکن، عہد شکن کے اعتبار سے، مہاجر یعنی صحرا کی وقت سے بڑا نہیں) یعنی عمر کی عہد شکنی سب سے بڑی عہد شکنی ہے۔“ (مسلم)

الْفَصْلُ الثَّانِي

رعایا کی ضروریات پوری نہ کرنے والے حکمران کے بارے میں وعید

⑦ عَنْ عُمَرَ وَابْنِ مَرْثَدَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ وَلَّاهُ اللَّهُ شَيْئًا مِنْ أَهْلِ الْمَسْلَمِينَ فَاحْتَجَبَ دُونُ حَاجَتِهِمْ وَفَقَّرَهُمْ حَاجَتُهُمْ وَحَلَبَهُمْ فَقَرَّهُمْ فَقَرَّهُمْ فَحَلَبَهُمْ مَعَاوِيَةُ وَجَلَاءُ عَلَى خَوَالِجِ النَّاسِ - زَوْا أَنْوَادًا وَذَوَاتِ التَّيْمِثِي - وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ وَلَا تَحْمَدُ اللَّهُ لَكَ أَنْتَ ابْنُ السَّمَاءِ دُونُ حَلَبِهِ وَحَاجَتِهِ وَمُسْكِنَتِهِ -

”حضرت عمرو بن مارتہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت امیر مصلوٰیؓ سے کہا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے کسی کام کا ولی و حاکم بنایا اور اس نے (مسلمانوں کی حاجت، عرضداشت اور محتاجی سے جواب کیا) یعنی اس کی ضرورت و حاجت کو پورا نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اس (والی و حاکم کی حاجت عرضداشت اور محتاجی سے جواب فرمانے کا) یعنی اس کو اس کے مطلوب سے دور رکھے گا۔ اور اس کی دعا قبول نہیں کرے گا۔“ حضرت امیر مصلوٰیؓ (یہ حدیث سن کر بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے ایک شخص کو (اس کام) پر مقرر کر دیا کہ وہ لوگوں کی ضروریات پر نظر رکھے اور ان کی حاجتوں کو پورا کرتا رہے۔ (ابوداؤد ترمذی) اور ترمذی کی ایک اور روایت میں اور احمدؓ کی روایت میں یوں ہے کہ ”اللہ تعالیٰ اس (والی و حاکم کی حاجت، عرضداشت اور محتاجی پر آسمان کے دروازے بند کر دے گا۔“

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

رعایا پر اپنے دروازے رکھنے والے حاکم پر رحمت خداوندی کے دروازے بند ہونگے

⑧ عَنْ أَبِي الشَّيْخِ الْأَزْدِيِّ عَنْ ابْنِ عَمْرِو لَمْ يَنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ أَتَى مُعَاوَةَ فَذَخَلَ عَلَيْهِ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ النَّاسِ شَيْئًا لَمْ أَغْلِقْ بَابَهُ ذُنُوبَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمَظْلُومِ أَوْ ذِي الْحَاجَةِ أَغْلِقَ اللَّهُ ذُوْنَهُ أَنْوَابَ رَحْمَتِهِ عِنْدَ حَاجَتِهِ وَفَقْرِهِ أَفْقَرُ مَا يَكُونُ إِلَيْهِ۔

”حضرت ابو شریح ازدی سے روایت ہے کہ ان کے چچا زاد بھائی جو نبی کریم ﷺ کے ایک بھائی تھے (ایک دن حضرت امیر معاویہؓ کے پاس آئے) اور جب ان کی خدمت میں ہار پاب ہوئے تو کہا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کو لوگوں کے کسی کام کا دوا لی بنایا گیا اور اس نے مسلمانوں پر یا کسی مظلوم پر، یا کسی حاجت مند پر اپنے دروازے بند رکھے (یعنی ان کو ان کی اپنی حاجت و ضرورت کے وقت اپنے پاس نہ آئے دیا یا اس کی حاجت روائی نہ کی) تو اللہ تعالیٰ اس پر اس کی ضرورت و حاجت اور محتاجی کے وقت جب کہ وہ اس کی طرف بہت زیادہ حاجت مند محتاج ہو اپنی رحمت کے دروازے بند رکھے گا (یعنی اگر وہ کسی وقت اپنی دنیا یا اپنی تقویٰ کے بارے میں اللہ کی بارگاہ میں اپنی حاجت و ضرورت کا اظہار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی اس حاجت و ضرورت کو پورا نہیں کرے گا یا اگر وہ دنیا میں کسی مخلوق سے اپنی کسی احتیاج کا اظہار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی اس حاجت و ضرورت کو بھی پورا نہیں ہونے دے گا۔“

اپنے حکام کو حضرت عمر فاروقؓ کی ہدایات

⑨ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّهُ كَانَ إِذَا بَعَثَ عَمَلًا شَرَطَ عَلَيْهِمْ أَنْ لَا تَكْتُمُوا بِرِّ ذُنُوبًا وَلَا نَأْكُلُوا نَفْسًا وَلَا تَلْسَنُوا رَافِقًا وَلَا تَغْلِقُوا أَنْوَابَكُمْ ذُنُوبَ حَوَائِجِ النَّاسِ فَإِنْ فَعَلْتُمْ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ فَقَدْ خَلَّتْ بِكُمْ الْعُقُوتُ ثُمَّ يُشْفِقُهُمْ زَوَاجُهُمَا النَّبِيَّ فِي شُعْبِ الْإِيمَانِ۔

”اور حضرت عمر ابن خطابؓ کے بارے میں معقول ہے کہ جب عمل (حکام) کو روانہ کرتے تو ان سے یہ شرط کر لیتے (یعنی ان کو یہ ہدایات دیتے) کہ تری گھوڑے پر سوار نہ ہونا (میدہ و باریک آٹے کی روٹی وغیرہ نہ کھانا یا باریک کپڑے نہ پہننا اور لوگوں کی حاجت و ضرورت کے وقت ان پر اپنے دروازے بند نہ کرنا (یا در کھولا) اگر تم نے ان میں سے کوئی چیز اختیار کی تو تم کو دنیا و عاقبت میں سزا کے حق ہو جائے گا اس کے بعد حضرت عمرؓ ان کو (کچھ دور تک) پہنچانے جاتے۔ یہ دونوں حدیثیں بیعتیؓ نے شعب الایمان میں نقل کی ہیں۔“ (بیعتی)

تشریح: تری گھوڑے پر سوار نہ ہونے کی ممانعت کی علت چونکہ کبیر اور ذراہٹ ہے اس لئے عربی گھوڑے پر سوار ہونے کی ممانعت بطریق اولیٰ ہوگی۔

”طبی“ کہتے ہیں کہ تری گھوڑے پر سوار ہونے سے منع کرنا دراصل کبیر و ذراہٹ سے منع کرنا ہے (میدہ کھانے اور باریک کپڑے پہننے سے منع کرنا، اسراف اور بیش و عشرت کی زندگی اختیار کرنے سے منع کرنا ہے اور حاجتوں پر اپنے دروازے بند رکھنے سے منع کرنا، مسلمانوں کی حاجت روائی نہ کرنے سے منع کرنا ہے۔

بَابُ الْعَمَلِ فِي الْقَضَاءِ وَالْخَوْفِ مِنْهُ

منصب قضاء کی انجام دہی اور اس سے ڈرنے کا بیان

جیسا کہ کتاب الامارۃ و قضاء کے ابتدائیہ میں بتایا گیا تھا کہ اسلامی نظام حکومت کا اصل محور امام و امیر یعنی سربراہ مملکت اور قاضی

ہوتے ہیں، چنانچہ گزشتہ دونوں ابواب میں امام دامیر کے متعلقات کو بیان کیا گیا اب اس باب میں منصب قضاء کا بیان ہوگا اور اس سلسلہ میں بطور خاص دونوں کا ذکر کیا جائے گا ایک تو یہ کہ قاضی اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی میں صرف اسلامی قانون کے ماتخذ یعنی کتاب وسنت اور اجتہاد کو رہنما بنائے اور اس کا کوئی فیصلہ و حکم ان چیزوں کے خلاف نہیں ہونا چاہئے دوسری بات یہ ہے کہ منصب قضاء اپنی اہمیت و عظمت اور اپنی بھرپور ذمہ داریوں کے اعتبار سے اتنا اونچا ہے کہ نہ صرف یہ کہ ہر شخص کو اس تک پہنچنے کی کوشش نہ کرنی چاہئے، بلکہ جہاں تک ہو سکے۔ اس منصب کو قبول کرنے سے ڈرنا اور اجتہاد کرنا چاہئے۔

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

غصہ کی حالت میں کسی قضیہ کا فیصلہ نہ کیا جائے

① عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَقْضِيَنَّ حَكَمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضَبَانِ۔

(بخاری ص ۱۰۰)

”حضرت ابو بکرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”جب کوئی حاکم وقاضی غصہ کی حالت میں ہو تو وہ اس وقت دو آدمیوں (کے نزاعی معاملے) میں فیصلہ نہ دے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: غصہ کی حالت میں چونکہ غور و فکر کی قوت مغلوب ہو جاتی ہے اور ایسی صورت میں حقیقی برائیاں انصاف کے فیصلے کا صدور ہو نا ممکن نظر ہو جاتا ہے اس لئے حکم دیا گیا ہے کہ کوئی حاکم وقاضی غصہ و غضب کی حالت میں کسی قضیہ کا فیصلہ نہ کرے تاکہ اس کا بغض و غضب اس کے غور و فکر اور اجتہاد میں رکاوٹ نہ بنے اور وہ متفقانہ فیصلہ دے سکے اسی طرح سخت گرمی و سخت سردی، بھوک پیاس اور بیماری کی حالت میں بھی کوئی حکم و فیصلہ نہ دے کیونکہ ان اوقات میں بھی حواس پوری طرح قابو میں نہیں ہوتے اور دماغ حاضر نہیں رہتا۔ لہذا اگر کوئی حاکم وقاضی ان احوال میں حکم و فیصلہ دے گا تو وہ کرہ است کے ساتھ جاری و تاقذہ ہوگا۔

قاضی کو اجتہاد کا اختیار

② وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ وَوَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حُكِمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَنَبْهُ وَأَصَابَ فَلَهُ الْجُزْآنِ وَإِذَا حُكِمَ فَاجْتَنَبْهُ وَأَخْطَأَ فَلَهُ الْجُزْءُ وَاجْتَنَبْ۔ (بخاری ص ۱۰۰)

”اور حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت ابو ہریرہؓ دونوں کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب کوئی حاکم فیصلہ دینے کا ارادہ کرے اور اجتہاد کرے یعنی غور و فکر کے ذریعہ حکم و فیصلہ دے اور پھر اس کا وہ حکم و فیصلہ صحیح یعنی کتاب وسنت کے موافق ہو تو اس کا دواجر ابرا ملے گا ایک اجر تو اجتہاد کرنے کا اور دوسرا اجر صحیح فیصلہ پر پہنچنے کا اور اگر اس نے کوئی ایسا حکم و فیصلہ دیا جس میں اس نے اجتہاد کیا لیکن نتیجہ اخذ کرنے میں (جہاک گیا) یعنی صحیح حکم تک پہنچنے میں خطا کر لیا تو اس کو ایک اجر ملے گا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر حاکم وقاضی کسی سے قضیہ و معاملہ کا حکم و فیصلہ دینا چاہے جس کے بارے میں کتاب وسنت اور اسلامی فقہ میں کوئی صریح اور واضح ہدایت نہیں ہے اور پھر وہ اجتہاد کرے یعنی کتاب وسنت کے احکام و تعلیمات و فقہ اسلامی کے مسائل اور اسلامی عدالتوں کے نظائر میں پوری طرح غور و فکر کرنے کے بعد وہ کسی ایسے نتیجہ پر پہنچ جائے جس کے بارے میں اس کے ضمیر کی رہنمائی نہ ہو کہ یہ جتنی برحق ہے اور پھر وہی نتیجہ اس کا حکم و فیصلہ بن جائے تو وہ حکم و فیصلہ ظاہری قانون کے اعتبار سے تو بالکل صحیح تسلیم کیا جائے گا البتہ عقلمندی کے لحاظ سے اس کی دو صورتیں ہوں گی ایک تو یہ کہ اگر حقیقت میں بھی وہ فیصلہ کتاب وسنت کی منشاء کے موافق رہا تو اس کو دواجر ملیں گے، اور اگر اس کا فیصلہ کتاب وسنت کے موافق نہیں ہوا ہے تو اس کو ایک ہی اجر ملے گا۔ بالکل ایسی حکم مجتہد کا ہے کہ اگر وہ

استنباط مسائل کے وقت اپنے اجتہاد کے نتیجے میں کتاب و سنت کی منشاء تک پہنچ گیا تو اس کو دو اجزائیں مل گئیں اور اگر کتاب و سنت کی منشاء تک پہنچنے میں نہ کر گیا تو اس کو ایک ثواب ملے گا۔ لہذا یہ حدیث جہاں اس بات کی دلیل ہے کہ قاضی اسلام کو ایسی جزئیات میں اجتہاد کا اختیار حاصل ہے جو اسلامی قانون کے مابعد میں صراحت کے ساتھ مذکور نہیں ہیں اور جن کا کوئی حکم واضح نہیں ہے وہیں اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد میں بھی ترجیح حکم تک پہنچ جاتا ہے اور بھی خطا کر جاتا ہے یعنی صحیح حکم تک نہیں پہنچ پاتا لیکن اجر و ثواب اس کو بہر صورت ملتا ہے۔

طاہری قارئیؒ نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی چیز کا حکم و مسئلہ، خصوصاً یعنی کتاب اللہ، احادیث رسول اللہ اور اجماع امت میں مذکور نہ ہونے کی وجہ سے قیاس پر عمل کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ ہو تو اس صورت میں قیاس پر عمل کرنا تحریمی قبلہ کی مانند ہوگا جس طرح اگر کسی شخص کو کسی وجہ سے قبلہ کی سمت کا پتہ نہ پلے اور وہ نماز کے وقت غورو فکر اور تحریمی کر کے اپنے گمان غالب کے مطابق قبلہ کی کوئی سمت مقرر کر لے اور اس طرف منہ کر کے نماز پڑھے تو اس کی نماز صحیح ہوگی اگرچہ حقیقت میں قبلہ اس سمت نہ ہو اسی طرح قیاس پر عمل کرنے والا، مصیبت یعنی درست عمل کرنے والا ہوگا اگرچہ اس قیاس میں اس سے خطا غلطی آہوگی ہو۔

الفصل الثانی

منصب قضاء ایک ابتلاء ہے

(۳) عَنْ ابْنِ خُرَيْزَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جُعِلَ قَاضِيًا بَيْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ مَبَكِّبٍ۔

(رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص لوگوں کے درمیان قاضی مقرر کیا گیا (گویا) اس کو بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔“ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: ”ذبح“ سے اس کے متعارف معنی (یعنی ہلاکت بدن) مراد نہیں ہے بلکہ غیر متعارف معنی ”ذبحی“ دروہائی ہلاکت“ مراد ہے۔ چنانچہ جس شخص کو قاضی مقرر کیا جاتا ہے وہ نہ صرف یہ کہ ہمہ وقت کی تکلیفیں و پریشانی اور دروہائی، (اذیت) دیا یوں کہے۔ کہ دروہے دوا اور مفت کی تیاری میں مبتلا رہتا ہے بلکہ اس کو اپنی عاقبت کی خرابی کا خوف بھی رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ چھری سے ذبح ہو جانا صرف لمحہ بھر کے لیے اذیت برداشت کرنا ہے جب کہ یہ اذیت عمر بھر کی ہے بلکہ اس کی حسرت و پشیمانی قیامت تک باقی رہنے والی ہے۔

قاضی بننے کی خواہش نہ کرو

(۴) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اجْتَفَى الْقَضَاءَ وَشَتَّى إِلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أَكْثَرَهُ عَلَيْهِ أَتَوَّلَ اللَّهُ عَلَيْهِ مَلَكٌ يَنْسُدُّهُ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص (اپنے دل میں) منصب و تعاقب طلب و خواہش کرے اور پھر (سربراہ) مملکت سے اس کا فخر و شکار ہو (یہاں تک کہ اس کی خواہش مکاری پر اس کو قاضی بنا دیا جائے) تو وہ منصب اس کے نفس کے حوالے کر دیا جاتا ہے (یعنی اس کو اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی میں اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق حاصل نہیں ہوتی) اور جس کو (اس کی طلب و خواہش کے بغیر) زبردستی اس منصب پر فائز کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک فرشتے کو مقرر کر دیتا ہے جو اس کو گفتار و کردار میں راست و درست رکھتا ہے۔“ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

جنی اور دوزخی قاضی!

⑤ وَعَنْ مُزَيْنَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَضَاءُ ثَلَاثَةٌ وَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ وَثَانٍ فِي النَّارِ فَأَمَّا الَّذِي فِي الْجَنَّةِ فَهُوَ خَلَّ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضَى بِهِ وَوَجَلَ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَازَى فِي الْحُكْمِ فَهُوَ فِي النَّارِ وَرَجَلَ فَقَضَى لِلنَّاسِ عَلَى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت مزینہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”قاضی تین طرح کے ہوتے ہیں ایک طرح کے توجت میں جانے والے اور دوسری طرح کے دوزخ میں جانے والے! لہذا جنت میں جانے والا قاضی تو وہ شخص ہے جس نے حق کو جاننا (یعنی یہ جانا کہ حق اس بات میں ہے) اور پھر حق ہی کے مطابق فیصلہ کیا اور جس نے حق کو جاننا (مگر اس کے باوجود) اپنے حکم و فیصلہ میں ظلم کیا (یعنی اس نے دیے وہ دانت حق کو کما کمال کیا تو وہ دوزخی ہے، اسی طرح جو اپنی جہالت کی وجہ سے حق کو نہیں پہچانا اور اسی حالت میں لوگوں کے تنازعات کا فیصلہ کیا تو بھی دوزخی ہے) کیونکہ اس نے حق دہی میں کوتاہی اور قصیر کیا۔“ (ابو داؤد، ابن ماجہ)

⑥ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ظَلَمَ قَضَاءَ الْمُسْلِمِينَ حَتَّى يَبَالَهُ ثُمَّ غَلَبَ عَذْلَهُ خُزْرُهُ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَمَنْ غَلَبَ خُزْرُهُ عَذْلَهُ فَلَهُ النَّارُ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص مسلمانوں کے منصب قضاء کا طالب اور خواستگار ہو یہاں تک کہ اس نے اس کو حاصل بھی کر لیا اور پھر اپنے فرائض و حقوق کی اوائلی میں اس کا عدل و انصاف ظلم پر غالب رہا تو وہ جنت کا مستحق ہوگا اور جس شخص کا ظلم اس کے عدل و انصاف پر غالب رہا تو وہ دوزخ کا مستحق ہوگا۔“ (ابو داؤد)

تشریح: ظاہری مفہوم کے مطابق ظلم پر عدل کے اور عدل پر ظلم کے غلبہ سے مراد یہ ہے کہ ایک دوسرے سے زیادہ ہو اور وہ دوسرا بھی وجود رکھتا ہو اور چونکہ حکم غالب کے مطابق ہوتا ہے اس لئے اگر عدل و انصاف غالب ہوگا تو جنت ملے گی اور اگر ظلم غالب ہوگا تو دوزخ ملے گی۔ لیکن علماء نے لکھا ہے کہ دونوں ہی صورتوں میں ”غالب“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس درجہ کا ہو کہ دوسرے کے لئے رکاوٹ بن جائے۔ مثلاً اس کے عدل و انصاف کا وصف اس طرح حاوی ہو کہ اس کا ظلم مرتد اٹھا سکے یا اس کے ظلم کی فہمیت اتنی حاوی ہو کہ اس کے مقابلہ پر اس کا عدل ظاہر نہ ہو سکے۔

قیاس و اجتہاد برحق ہے

⑦ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ قَالَ تَخِيفُ نَفْضِي إِذَا غَوَضَ لَكَ قَضَاءً؟ قَالَ أَقْضِي بِكِتَابِ اللَّهِ قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي كِتَابِ اللَّهِ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ قَالَ أَجْتَهِدُ زَايَ وَلَا أَلَوْ قَالَ فَضَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى صَدْرِهِ وَقَالَ أَلْعَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَلَّى رَسُولَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَا يَرَى فِي رَسُولِ اللَّهِ۔ (رواہ الترمذی و ابو داؤد و الدارقانی)

”اور حضرت معاذ ابن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے جب ان (معاذؓ) کو (قاضی و حاکم بنا کر) یمن بھیجا تو ان سے (بطور امتحان) پوچھا کہ جب تمہارے سامنے کوئی قضیہ پیش ہوگا تو تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ ”میں کتاب اللہ (قرآن کریم) کے موافق فیصلہ کروں گا۔“ ”فرمایا“ ”اگر تمہیں وہ مسئلہ (مصرحہ) کتاب اللہ میں نہ ملا؟“ انہوں نے کہا ”پھر میں سنت رسول اللہ (حدیث نبوی) کے موافق فیصلہ کروں گا۔“ ”فرمایا“ ”اگر تمہیں وہ مسئلہ سنت رسول اللہ (حدیث نبوی) میں بھی نہ ملا؟“ انہوں نے کہا تو پھر میں اپنی عقل سے اجتہاد کروں گا اور (اپنے اجتہاد و حقیقت دہی میں) کوتاہی نہیں کروں گا۔“ ”معاذؓ (یادہ راوی جنہوں نے یہ حدیث معاذ سے روایت کی ہے،

کہتے ہیں کہ آنحضرت نے (یہ سن کر) اپنا دست مبارک معاذ کے سینے پر مارا تاکہ اس کی برکت سے وہ اپنی بات پر ثابت قدم رہیں اور ان کے علم میں اضافہ ہو۔ اور فرمایا: ”تمام تر شخص خدا کے لئے ہیں جس نے رسول اللہ ﷺ کے رسول (یعنی معاذ) کو اس چیز کی توفیق عطا کی جس سے اس (اللہ) کا رسول ﷺ راضی ہو۔“ (ترمذی، ابوداؤد، دارقطنی)

تشریح: ”میں اپنی عقل سے اجتہاد کروں گا“ کا مطلب یہ ہے کہ میں اس قضیہ کا حکم ان مسائل پر قیاس کے ذریعہ حاصل کروں گا جو نصوص یعنی کتاب و سنت میں مذکور ہیں ایسی طور کہ کتاب و سنت میں اس قضیہ کے مشابہ جو مسائل مذکور ہیں ان کے مطابق اس قضیہ کا حکم و فیصلہ کروں گا۔

منظور نے بھی اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے۔ کہ پہلے میں غور و فکر کروں گا کہ میرے سامنے جو قضیہ پیش ہوا ہے کہ جس کا کوئی حکم کتاب و سنت میں مذکور نہیں ہے وہ کوئی ایسے مسئلہ سے مشابہ ہے جو کتاب و سنت میں مذکور ہے جب میں ان دونوں کے درمیان مشابہت پاؤں گا تو اس کا وہی حکم و فیصلہ کروں گا جو کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ میں مذکور مسئلہ کا ہے، چنانچہ ائمہ مجتہدین کے یہاں اس قیاس پر بہت سے مسائل کا استنباط کیا گیا ہے، یہ الگ بات ہے کہ ان ائمہ مجتہدین نے قیاس کی علت و بنیاد میں اختلاف کیا ہے مثلاً گیسوں کے ربو (سود) کے حرام ہونے کے بارے میں فقہ میں نفس (یعنی صریح حکم) ہے جب کہ ربو کے بارے میں ایسی نفس نہیں ہے۔ لہذا حضرت امام شافعیؒ نے ربو کو گیسوں پر قیاس کرتے ہوئے اس کے ربو کو بھی حرام قرار دیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک گیسوں کے ربو کے حرام ہونے کی علت اس کا ”کھائی جانے والی چیز“ ہونا ہے اور چونکہ ربو بھی ”کھائی جانے والی چیز“ اس لئے گیسوں کے حکم پر قیاس کرتے ہوئے اس کا ربو بھی حرام ہوگا۔ جب کہ حضرت امام اعظمؒ، ابو حنیفہؒ کے نزدیک گیسوں کے ربو کے حرام ہونے کی علت چونکہ اس کا مکمل (یا موزون) ہونا ہے اس لئے انہوں نے گیسوں پر چونے کو قیاس کیا اور یہ مسئلہ اخذ کیا کہ چونے کا ربو بھی حرام ہے۔

بہر حال یہ حدیث قیاس و اجتہاد کے مشروع ہونے کی بہت مضبوط دلیل ہے اور اصحاب غواہ (غیر مقلدین) کے مسلک کے خلاف ہے جو قیاس و اجتہاد کے منکر ہیں۔

مدعا علیہ کا بیان سے بغیر مدعی کے حق میں فیصلہ نہ کیا جائے

⑧ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَغْيُنِي وَسُؤْلُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمِينِ قَاضِيًا فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ تَرْسُلْنِي وَأَنَا حَدِيثُ السِّنِّ وَلَا عِلْمَ لِي بِالْقَضَاءِ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ سَيَهْدِي قَلْبَكَ وَيُنَبِّئُ لِسَانَكَ إِذَا تَقَاضَى إِلَيْكَ زَجْلَانِ فَلَا تَقْضِي لِلْأُولَى حَتَّى تَسْمَعَ كَلَامَ الْآخِرِ فَإِنَّهُ أَخْوَى أَنْ يَبْشِيَ لَكَ الْقَضَاءُ قَالَ فَمَا شَكُكَ فِي قَضَائِهِ بَعْدَ وَسْطِكَ حَدِيثِ أَمِّ سَلَمَةَ إِنَّمَا الْقَضَى بَيْنَكُمْ بَرَأَيْ لِي مَابِ الْإِقْضِيَةِ وَالشَّهَادَاتِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ نے مجھے قاضی بنا کر بھیجے گا ارادہ کیا تو میں نے عرض کیا کہ آپ مجھ کو جان کا گواہ بنائیں، میرے پاس کوئی علم نہیں ہے اور جس کو منصب قضا کی ذمہ داریوں کا پوری طرح علم بھی نہیں ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا (تم اس بارے میں کچھ فکر نہ کرو) اللہ تمہارے دل کو فہم و فرست کی ہدایت عطا کرے گا اور تمہاری زبان کو صحیح اور برحق حکم و فیصلہ کرنے پر ثابت رکھے گا۔ (پھر آنحضرت ﷺ نے منصب قضا کی ذمہ داریوں کی انجام دہی کے سلسلہ میں یہ تعلیم و ہدایت دی کہ جب تمہارے پاس دو آدمی آپنا قضیہ لے کر آئیں تو تم پہلے آؤں (یعنی مدعا علیہ کا بیان نہ کن کو کیونکہ یہ مدعا علیہ کا بیان تمہیں صحیح حکم و فیصلہ دینے میں ابھی مدد دے گا۔“ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ (آنحضرت ﷺ کی) اس مبارک دعا کی برکت سے اور آپ ﷺ کی اس ہدایت و تعلیم پر عمل کرنے کے بعد میں کسی بھی قضیہ کا حکم و فیصلہ کرنے میں مذتذب نہیں ہوا۔“

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

قیامت کے دن ظالم حاکم کا انجام

⑨ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ حَاكِمٍ يَحْكُمُ بَيْنَ النَّاسِ إِلَّا جَاءَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَلَكٌ أَحْبَدَ بِقَعْدِهِ لَمْ يَرْفَعْ وَاسْتَأْذَنَ إِلَى السَّمَاءِ فَإِنْ قَالَ اللَّهُ الْفَاحِشُ فِي مَهْوَاهُ أَزْنَعِينَ خَرْنَفًا۔

(رواہ احمد و ابن ماجہ و اسبقی فی شعب الایمان)

”حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ہر وہ حاکم جو لوگوں پر اپنا حکم و فیصلہ جاری و نافذ کرتا ہے قیامت کے دن (اعظم الماکن کی بارگاہ میں) اس طرف پیش کیا جائے گا کہ ایک فرشتہ اس کی گردی پکڑے ہو گا۔ پھر وہ فرشتہ اپنا سر آسمان کی طرف اٹھائے (کھڑا رہے گا، یہاں تک کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ حکم دے گا کہ اس کو (دوزخ میں) اذل دو تو وہ اس کو دوزخ کے گڑھے میں اذل دے گا جو چالیس برس کی مسافت کے بعد و گہرا ہو گا۔“ (احمد، ابن ماجہ، ترمذی و شعب الایمان)

تشریح: ”پھر وہ فرشتہ اپنا سر آسمان کی طرف اٹھائے گا“ سے مراد فرشتہ کی اس حالت کو بیان کرتا ہے جس میں وہ حکم خداوندی کا منتظر ہوگا، یعنی جس طرح بادشاہ کے ہاں یہ درباری آداب میں سے ہے کہ جب وہاں کوئی لطم پیش کیا جاتا ہے کھڑا ہو جاتا ہے اور یہ انتظار کرتا ہے کہ بادشاہ حاکم کی طرف سے کیا حکم و فیصلہ صادر ہوتا ہے، اسی طرح وہ فرشتہ بھی اس حاکم کو بارگاہ رب العزت میں پیش کر کے اس انتظار میں کھڑا رہے گا کہ اس کے بارے میں کیا حکم ہوتا ہے۔

”چالیس برس کے بعد وہ مراد اس کو گھرے گی کہ کوئی کو زیادہ سے زیادہ کر کے بیان کرتا ہے نہ کہ اس سے اس مدت کی تیسری مدت یہ لڑچک اس حدیث میں جس حاکم کا انجام بیان کیا گیا ظالم حاکم ہے، عدل و انصاف پر وہ حاکم کے بارے میں یہ حکم دیا جائے گا کہ اس کو بہشت میں پہنچایا جائے۔ جیسا کہ کتاب الامارۃ و القضاء میں حضرت ابوالامامہؓ کی روایت سے واضح ہو چکا ہے۔“

قیامت کے دن قاضی کی حسرتناک آرزو؟

⑩ وَعَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى الْقَاضِيِ الْعَدْلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَتَمَتَّى أَنَّهُ لَمْ يَقْضِ بَيْنَ اثْنَيْنِ فَيُنْفَرُ قَطَطَ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت عائشہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”قیامت کے دن (جب حاکموں، سرداروں، اور قانون و انصاف کے ذمہ داروں سے سخت مواخذہ ہو رہا ہوگا تو عادل و منصف قاضی کے لئے بھی ایک ایسا لمحہ آئے گا جس میں وہ یہ آرزو کرے گا کہ کاش اس کو وہ آدمیوں کے درمیان ایک سمجھور کے (بھی) قضیہ کا فیصلہ کرنے کی ذمہ داری انجام دینا پڑتی ہو۔“ (احمد)

عادل و منصف کو حق تعالیٰ کی توفیق و تائید حاصل رہتی ہے

⑪ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الْقَاضِيِ مَا لَمْ يَحْزُ فَيُذْأَجَازُ تَحْطَى عَنْهُ وَلَوْ مَعَهُ الشَّيْطَانُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِي رِوَايَةٍ لَفَذًا جَلَوُ وَكَلِمَةً إِلَى تَقْسِيمِهِ۔

”اور حضرت عبداللہ ابن ابی اوفیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”قاضی جب تک علم و انصاف کی راہ اختیار نہیں کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتا ہے یعنی حق تعالیٰ کی توفیق و تائید اس کے شامل حال ہوتی ہے لیکن جب وہ علم و انصاف کی راہ اختیار کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے الگ ہو جاتا ہے (یعنی اس کے ادھر سے حق تعالیٰ کی تائید و توفیق کا سامنا ہیست جاتا ہے اور شیطان اس کا ساتھی بن جاتا ہے

(ترجمہ) ابن ماجہ اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ قاضی جب ظہر دیکھتا ہے تو اختیار کر لیتا ہے تو (اللہ تعالیٰ) اس کے کام کو اس کے سپرد کر دیتا ہے (یعنی اس کو اپنی توفیق دیتا ہے) محروم کر دیتا ہے۔

(۱۲) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيْبِ أَنَّ مُسْلِمًا وَنَهْودِيًّا اخْتَصَمَا إِلَى عُمَرَ فَأَمَرَ أَيْ الْحَقُّ لِلْيَهُودِيِّ فَقَضَى لَهُ عُمَرُ بِهِ فَقَالَ لَهُ الْيَهُودِيُّ وَاللَّهِ لَقَدْ قَضَيْتَ بِالْحَقِّ فَصُرْبَةُ عُمَرَ بِالزُّورَةِ وَقَالَ وَمَا يَنْبُذُكَ فَقَالَ الْيَهُودِيُّ وَاللَّهِ إِنَّا نَجِدُ فِي التَّوْرَةِ أَنَّهُ لَيْسَ قَاضٍ يَقْضِي بِالْحَقِّ إِلَّا كَانَ عَنْ نِيَّتِهِ مَلَكٌ وَعَنْ جِغَالِهِ مَلَكٌ يُسَبِّحُ ذِيهِ وَيُؤَرِّقُ قَابِهِ لِلْحَقِّ مَا دَامَ مَعَ الْحَقِّ فَإِذَا تَرَكَ الْحَقُّ عَزَّ وَجَلَّ تَرَكَ كَأَنَّهُ أَرَادَهُ الْمَلِكُ

”اور حضرت سعید ابن مسیبؓ راوی ہیں کہ (ایک دن) حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں ایک مسلمان اور ایک یہودی اپنا جھگڑا لے کر آئے حضرت عمرؓ نے جب (قضیہ کی تحقیق کے بعد) یہ دیکھا کہ یہودی حق ہے تو انہوں نے اس (یہودی) کے حق میں فیصلہ دیا اس یہودی نے (اپنے حق میں فیصلہ سن کر) کہا ”خدا کی قسم! آپ نے حق کے مطابق فیصلہ دیا ہے“ حضرت عمرؓ نے (یہ سن کر) اس کے ایک درہ ہارا اور فرمایا مجھے کیسے علم ہوا کہ میں نے حق کے مطابق فیصلہ دیا ہے؟ یہودی نے کہا ”خدا کی قسم! ہم نے تو توراہ میں (یہ) لکھا ہوا پایا ہے کہ جو بھی قاضی حق کے مطابق فیصلہ دیتا ہے اس کے دائیں ایک فرشتہ ہوتا ہے اور اس کے بائیں ایک فرشتہ ہوتا ہے وہ دونوں فرشتے اس کو تعزیت پہنچاتے ہیں اور حق کی توفیق دیتے ہیں جب تک وہ حق پر رہتا ہے۔ اور جب قاضی حق کو چھوڑتا ہے تو وہ فرشتے آسمان پر چلے جاتے ہیں اور اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔“ (الحاکم)

تشریح: ایک ظہان تو یہ واقع ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس یہودی کو اپنے در سے سے کیوں مارا اور اٹھا لیکہ اس نے ان کے فیصلہ کے منصفانہ اور برحق ہونے کا اقرار و اعتراف کیا تھا؟ اور ایک اشکال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ عمرؓ کے سوال ”مجھ کو یہ کیسے معلوم ہوا“ اور یہودی کے جواب ”ہم نے تو توراہ میں پایا ہے“ میں مطابقت کیا ہوگی۔ ”پہلے ظہان کا جواب تو یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہودی کو کسی سزا یا غصہ کے طور پر نہیں مارا تھا بلکہ نرمی اور خوش طبعی کے طور پر مارا تھا اور دوسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس بات کو یہودی ہے زیادہ اور کون جان سکتا تھا کہ اس تنازعہ میں حق پر کون ہے، لہذا جب اس یہودی نے دیکھا کہ اگر حضرت عمرؓ سے انحراف کرتے تو فرقہ مخالف یعنی مسلمان کے حق میں فیصلہ کرتے، اس صورت میں ان کا فیصلہ جی بر انصاف ہوتا اور نہ ان کا حق پر قائم رہنا ظاہر ہوتا۔ لہذا جب انہوں نے مسلمان کے خلاف یہودی کے حق میں فیصلہ دیا تو معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ برحق پر قائم ہیں اور انہوں نے انصاف سے انحراف نہیں کیا ہے۔

منصب قضا قبول کرنے سے حضرت ابن عمرؓ کا انکار

(۱۳) وَعَنْ ابْنِ مَرْزُوقٍ أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ قَالَ لِابْنِ عُمَرَ أَقْضِ بَيْنَ النَّاسِ قَالَ أَوْتَعَاثُنِي يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ قَالَ مَا تَكُونُ مِنْ ذَلِكَ وَقَدْ تَكُنْ أَبْرَكَ يَقْضِي قَالَ لَا أَلَيَّ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ كَانَ قَاضِيًا فَقَضَى بِالْعَدْلِ فَلَمْ يَحْرَجْ أَنْ يَتَقَلَّبَ مِنْهُ كَقَفَا فَمَتَّ جَعَةً بَعْدَ ذَلِكَ - وَوَاهُ الْيَوْمَ مَبْدُؤُ - وَفِي رِوَايَةٍ زَيْنٌ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ لِعُثْمَانَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ لَا أَقْضِي بَيْنَ رَجُلَيْنِ قَالَ فَإِنْ أَبَاكَ تَكُنْ يَقْضِي فَقَالَ إِنْ أَبِي لَوْ أَشْكَلَ عَلَيْهِ شَيْءٌ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَوْ أَشْكَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ عَادَ بِاللَّهِ فَقَدْ عَادَ بِعَظِيمِ السَّلَامِ وَإِنِّي لَا أَجِدُ مَنْ أَسْأَلُهُ وَسَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ عَادَ بِاللَّهِ فَقَدْ عَادَ بِعَظِيمِ وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ مَنْ عَادَ بِاللَّهِ فَأَعْيِزْهُ وَبِقِي آغُوْذُ بِاللَّهِ أَنْ تَجْعَلَنِي قَاضِيًا قَاعِقَادَ وَقَالَ لَا تُخْبِرْ أَخِي

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان ابن عفانؓ نے (اپنے زیادہ خلاف میں حضرت ابن عمرؓ سے کہا کہ ”لوگوں کا قاضی

بن جاؤ یعنی حضرت عثمانؓ نے حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں منصب قتالی پیش کئی کہ حضرت ابن عمرؓ نے کہا "امیر المؤمنین! مجھ کو تو اس کام سے معاف رکھ کر" حضرت عثمانؓ نے فرمایا "تم اس منصب کو کیوں پسند کرتے ہو حالانکہ تمہارے والد حضرت عمر فاروقؓ تو اپنے دور خلافت کے عاویہ بھی نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں قتلہ کا کام کرتے تھے؟" حضرت ابن عمرؓ نے کہا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جو شخص منصب قتلہ پر فائز ہو اور جس پر انصاف فیصلے کرے تو وہ اس لائق ہے کہ وہ اس منصب سے برابر سزا بردار ہو یعنی نہ نقصان پہنچائے نہ فائدہ نہ ثواب پائے نہ عذاب۔" ابن عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ نے حضرت ابن عمرؓ سے اس بارہ میں کوئی بات نہیں کی (ترذیٰ) اور رزین کی روایت میں جو انہوں نے خدمتِ نبیؐ سے نقل کی ہے یہ الفاظ ہیں "کہ حضرت ابن عمرؓ نے کہا "امیر المؤمنین" میں (تو) دو آدمیوں کے درمیان (بھی) کوئی علم و فیصلہ نہیں کروں گا (چہ جائیکہ بہت زیادہ لوگوں کا قاضی بنوں۔" حضرت عثمانؓ نے فرمایا "تمہارے والد حضرت عمرؓ تو لوگوں کے درمیان فیصلے کیا کرتے تھے؟" حضرت ابن عمرؓ نے کہا "میرے والد کی بات تو یہ تھی کہ اگر ان کو کوئی دشوار پیش آتی تھی تو وہ رسول کریم ﷺ سے پوچھ لیا کرتے تھے اور اگر رسول کریم ﷺ کو کوئی دشواری پیش آتی تو آپ ﷺ جبریل علیہ السلام سے پوچھ لیا کرتے تھے جب کہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں پاتا جس سے پوچھ لیا کروں گا اور میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی اس نے بڑی ذات کی پناہ مانگی۔" نیز میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ (بھی) فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذریعہ پناہ مانگے اس کو پناہ دو۔" لہذا میں اللہ تعالیٰ کے ذریعے اس بات سے پناہ لگتا ہوں کہ آپ مجھے قاضی مقرر کریں" چنانچہ حضرت عثمانؓ نے ان کو معاف کیا، لیکن ان سے فرمایا کہ "کسی اور کو آگاہ نہ کرنا کہ وہ منصب قضا قبول نہ کرے ورنہ لوگ عام طور پر اس منصب کو قبول کرنے سے گریز کرنے لگیں گے اور نظام حکومت مضطرب ہو کر رہ جائے گا۔"

بَابُ رِزْقِ الْوَلَاءِ وَ هَذَا يَأْتِيهِمْ حکام کو تنخواہ اور ہدایا و تحائف دینے کا بیان

اس باب میں یہ بیان ہو گا کہ حکام و عمال کے لئے یہ امتیازات کیا ہیں۔ بطور تنخواہ و اجرت کچھ مقرر کیا جائے یا نہیں اور یہ کہ اگر کوئی شخص حاکم کے لئے بطور ہدیہ و تحفہ کوئی چیز لائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

بارگاہ رسالت سے مال کی تقسیم

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أُعْطِيَكُمْ وَلَا أُفْعِلُكُمْ أَتَأْخِذُكُمْ خَيْبُ أَهْلِ بَيْتٍ

(رداء البخاری)

"حضرت ابو ہریرہؓ کہتے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "میں نہ تو تمہیں عطا کرتا ہوں اور نہ تمہیں محروم رکھتا ہوں، میں تو صرف پائنتی والا ہوں کہ جس جگہ مجھے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے میں وہاں رکھ دیتا ہوں۔" (بخاری)

تشریح: آنحضرت ﷺ سے صحابہؓ کے درمیان مال تقسیم کرتے ہوئے نہ کوہ بلا جملہ ارشاد فرمائے تاکہ وہ تقسیم ہو کر کسی شخص کی وجہ سے اپنے دل میں کوئی خیال نہ لائیں، چنانچہ "مَا أُعْطِيَكُمْ الْخ" کا مطلب یہ ہے کہ نہ عطا کرتا میرے بس میں ہے اور نہ تمہیں محروم رکھتا میرے اختیار میں ہے کہ اگر میں کسی کو کچھ دیتا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں نے اپنی خواہش اور اپنی مرضی سے اس کو دیا ہے یا اگر کسی کو نہیں

دیتا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میرا دل اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ اس لئے میں نے اس کو نہیں دیا، بلکہ میں صرف بانٹنے والا ہوں اس لئے جو کچھ بھی دیتا ہوں یا نہیں دیتا ہوں یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم کی بنا پر ہے، جہاں اور جس کو دینے کا مجھے حکم دیا گیا ہے وہاں اور اس کو دیتا ہوں اور جہاں اور جس کو نہ دینے کی ہدایت کی گئی ہے میں وہاں اور اس کو نہیں دیتا۔

قومی خزانے اور بیت المال میں نافع تصرف کرنے والوں کے بارے میں وعید

(۲) وَعَنْ خَوْلَةَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ رَجُلًا يَتَخَوَّضُونَ فِي مَالِ اللَّهِ بِغَيْرِ حَقِّ فَلَهُمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت خولہ انصاریؓ یہ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”بہت سے لوگ خدا کے مال میں نافع تصرف کرتے ہیں (یعنی بیکار، نیست اور بیت المال کے مال میں اہم و محرم کی اجازت کے بغیر تصرف کرتے ہیں اور اپنے حق اور اپنی محنت سے زیادہ وصول کرتے ہیں وہ قیامت کے دن دوزخ کی آگ کے سزاوار ہوں گے۔“ (بخاری)

لام وقت بیت المال سے اپنی تنخواہ لینے کا حقدار ہے

(۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا اسْتُخْلِفَ ابْنُ بَكْرٍ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتُ قَوْمِي أَنَّ جَزْفِي لَمْ تَكُنْ تَعْبُرُ عَنْ مُؤْتَاةِ أَهْلِي وَشِعْلَتْ بِأَمْرِ الْمُسْلِمِينَ فَسَتَا كُلُّ آلٍ أَبِي بَكْرٍ مِنْ هَذَا الْمَالِ وَيَتَخَوَّضُ لِلْمُسْلِمِينَ فِيهِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ جب خلیفہ بنائے گئے تو فرمایا کہ میری قوم کے لوگ (یعنی مسلمان) جانتے ہیں کہ میرا کاروبار میرے اہل عیال کے اخراجات کے لئے کافی تھا اب میں مسلمانوں کے امور میں مشغول ہو گیا ہوں (اور اس کی وجہ سے ابوبکر کے اہل و عیال بیت المال کے مال سے کھائیں گے اور ابوبکر اس بیت المال کی آمدنی میں اضافہ کرنے اس کی حفاظت کرنے اور اس کو مسلمانوں کی ضروریات و دیگر مصارف میں اس کو خرچ کرنے کے ذریعہ مسلمانوں کی خدمت کرے گا۔“ (بخاری)

تشریح: حضرت ابوبکر صدیقؓ بازار میں کپڑے کی تجارت کرتے تھے اور اس کے ذریعہ اپنے اہل و عیال کے مصارف پورے کرتے تھے، لیکن جب مسلمانوں نے ان کو منصب خلافت پر فائز کیا تو انہوں نے صحابہ کو اطلاع دے دی کہ اب میں امور خلافت کی انجام دہی اور مسلمانوں کی خدمت میں مشغول ہو گیا ہوں اس لئے اپنا کاروبار جاری نہیں رکھ سکا، لہذا اپنے اور اپنے اہل و عیال کے اخراجات کے بقدر بیت المال سے تنخواہ لیا کروں گا۔

جلیل القدر صحابہؓ کی تجارتیں

حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں تو معلوم ہوا کہ وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے، اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ فلہ کی تجارت کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے ہاں بھجوروں اور کپڑے کا کاروبار ہوتا تھا اور حضرت عباسؓ عطاری کرتے تھے۔ علماء نے لکھا ہے کہ تجارت کی انواع میں سب سے بہتر تجارت کپڑے کی اور پھر عطری ہے، نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر چنی تجارت کرتے تو کپڑے کی تجارت کرتے اور دوزخی تجارت کرتے تو صرف چنی سونے چاندی کی تجارت کرتے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

تنخواہ سے زیادہ لینا خیانت ہے

(۴) وَعَنْ مُرَيْدَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اسْتَفْعَلَنَاهُ عَلَى عَمَلٍ فَرَزَقْنَاهُ رِزْقًا فَمَا أَحْذَبَ بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ

غللوں"۔ (رواہ ابو داؤد)

"حضرت بریدہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو ہم نے کسی کام پر مامور کیا اور اس کو رزق دیا مگر اس کے اس کام کی اجرت و تنخواہ مقرر کر دی اس بعد اگر وہ (اپنی تنخواہ سے زائد) کچھ وصول کرے گا تو یہ مال خیمت میں خیانت ہے۔"

(ابو داؤد)

عالم کی اجرت

⑤ وَغْنُ غَنَرٍ قَالَ غَمَلْتُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَمَلْنِي - (رواہ ابو داؤد)

"اور حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں مجھے عالم بنایا گیا اور اس کی اجرت (تنخواہ) مجھ کو دی گئی۔" (ابو داؤد)

حضرت معاذؓ کو ہدایت

⑥ وَغْنُ مُعَاذٍ قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ فَلَمَّا مِيزْتُ أُرْسِلَ لِي أَثَرِي فَرُدَدْتُ فَقَالَ أَتَدْرِي لِمَ بَعَثْتُ إِلَيْكَ نَصِيبِي شَيْئًا بَغِيرِ أَذْنِي فَإِنَّهُ غُلُوٌّ وَمَنْ يَغْلُو يَأْتِ بِمَاعِلٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِهَذَا دَعَوْتُكَ فَأَمْنَصِ لِعَمَلِكَ - (رواہ ابن مسعود)

"اور حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے (عالم) بنا کر یمن بھیجا (جب میں یمن جانے کے لئے روانہ ہوا اور کچھ دور چلا گیا) تو آپ ﷺ نے مجھے بلانے کے لئے ایک شخص کی سرے پیچھے بھیجا جس لوٹ کر آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تم جانتے ہو۔ میں نے تمہیں بلانے کے لئے (آؤں) کیوں بھیجا تھا؟ (میں نے یہ آگاہی دینے کے لئے تمہیں بلایا ہے کہ تم (اپنی مدت ملازمت کے دوران میں) میری اجازت کے بغیر کچھ نہ لینا کیونکہ یہ خیانت ہے، اور جو شخص خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن وہ چیز لے کر آئے گا جس میں اس نے خیانت کی ہے یہی کہنے کے لئے میں نے تمہیں بلایا تھا اب تم اپنے کام پر جاؤ۔" (مسند)

بلا تنخواہ حاکم کے مصارف کا بیت المال کفیل ہوگا

⑦ وَغْنُ الْفُسْتُورِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ كَانَ لَنَا عَامِلًا فَلْيَكُنْ نَيْبَ زَوْجَةٍ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ عَادِمٌ فَلْيَكُنْ نَيْبَ خَادِمٍ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مُسَكِّنٌ فَلْيَكُنْ نَيْبَ مُسَكِّنٍ - وَفِي رِوَايَةٍ مِنْ أَتَّخَذَ غَيْرَ ذَلِكَ فَهُوَ غَالٍ - (رواہ ابو داؤد)

"اور حضرت فسطور بن شدادؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "جس شخص کو ہم نے عالم (کسی جگہ کا حاکم و کارپرداز بنایا) اگر اس کے بیوی نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ ایک بیوی یاہ لے، اگر اس کے پاس کوئی خادم (غلام و لونڈی) نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ ایک خادم خرید لے، اور اگر اس کا کوئی گھرنہ ہو تو اس کو چاہئے کہ ایک گھرنالے یا خرید لے۔" اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ "اگر وہ اس کے علاوہ کچھ لے گا تو وہ خیانت کرنے والا ہوگا۔" (ابو داؤد)

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عالم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے زیر تصرف بیت المال سے اپنی بیوی کے مبرا، اس کے نان نفقے اور اس کے لباس کے بقدر حاجت (بلا اسراف) روپیہ و مال لے سکتا ہے، اسی طرح وہ اپنی رہائشی ضروریات کے مطابق ایک مکان اور خدمت کے لئے خادم (کی قیمت و اجرت کے بقدر بھی) اس بیت المال سے لے سکتا ہے البتہ اگر وہ ان ضرورت و حاجت سے زیادہ لے گا تو وہ اس کے حق میں حرام ہوگا۔

نظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ اس عامل کے لئے کوئی تحوہ واجرت مقرر نہ کی گئی ہو اور بیت المال اس کی (تحوہ واجرت کا اور اس کے مذکورہ مصارف) کا کلیل ہو سکتا ہو۔

قوی حاصل و بیت المال میں خیانت نہ کرو

⑧ وَعَنْ عَبْدِ بْنِ عَجْفَرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّهَا النَّاسُ مِنْ عَجَلٍ مِنْكُمْ لَنَا عَلَى عَمَلٍ فَكُنْصَا مِنْهُ مَخِيطًا فَمَا فُزِفَهُ فَهُوَ عَالٌ يَأْتِي بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَنَقَامُ وَجْهًا مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَبِلِ عَنِي سِدَانِ قَالَ وَمَا ذَلِكَ قَالَ سَمِعْتُكَ تَقُولُ كَذَا وَكَذَا قَالَ وَأَنَا أَقُولُ ذَلِكَ مَنْ اسْتَعْمَلَنَاهُ عَلَى عَجَلٍ فَلْيَأْتِ بِقَلْبِهِ وَكَثِيرٍ عَمَّا أَتَى بِهِ أَحَدُهُ وَمَا نَهَيْتُ عَنْهُ إِلَّا نَهْيَ - زَوْاهُ مُسْلِمٌ وَأَبُو ذَاوُدَ وَاللَّفْظُ لَفْ -

”اور حضرت عبد بن عجمہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (ایک دن مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے) فرمایا ”لوگو! تم جن سے جو شخص ہماری طرف سے کسی کام کا عامل بنایا جائے (یعنی جس کو ہم کسی خدمت مثلاً زکوٰۃ وغیرہ وصول کرنے پر مامور کریں) اور وہ اپنے اس کام کے حاصل (آمدنی) میں سے سو کی برابر یا اس سے زیادہ ہم سے چھپائے (یعنی وہ جو کچھ وصول تحصیل کرے اس میں سے ہماری اجازت اور ہمارے علم کے بغیر تحوہ یا بہت لے لے) تو وہ خیانت کرنے والا ہے اور وہ قیامت کے دن اس (خیانت کی ہوئی چیز) کو لے کر آئے گا۔“ (یہ سن کر ایک ہمارے شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! آپ نے (وصول تحصیل کا) جو کام میرے سپرد کیا ہے وہ مجھ سے واپس لے لیجئے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”یہ کیوں؟“ اس نے عرض کیا کہ میں نے جو آپ کو اس اس طرح فرماتے ہوئے سنا ہے (یعنی آپ ﷺ نے اس کے کام کے سلسلے میں جو وہ میرے پاس فرمائی ہے اس کی وجہ سے میں بہت خوفزدہ ہو گیا ہوں، کیونکہ یہ کام لغزش سے تو غافل نہیں ہے، اگر میں کسی لغزش میں مبتلا ہو گیا تو قیامت کے دن کیا جواب دوں گا؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں، میں پھر کی کہتا ہوں کہ ہم جس شخص کو عامل مقرر کریں اس کو چاہئے کہ وہ جو کچھ وصول کریں، وہ تحوہ یا زیادہ سب ہمارے پاس لے کر آئے اور اس میں سے اس کو (اس کی اجرت تحوہ کے طور پر) جس قدر دیا جائے وہ اس کو لے لے اور جو نہ دیا جائے اس سے باز رہے (اب اس واقعہ بدایت و تنبیہ کے بعد جو شخص اس کام کو انجام دے سکے وہ اس کی ذمہ داری قبول کرے اور جو شخص اس شرائط کے ساتھ اس کی انجام دہی میں اپنے کو معذور سمجھے وہ اس کی ذمہ داری کو قبول نہ کرے۔“ مسلم و ابوداؤد۔ الفاظ ابوداؤد کے ہیں۔“

رشوت دینے، لینے والے پر آنحضرت ﷺ کی لعنت

⑨ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَجْفَرٍ قَالَ لَقِيَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّائِيَّ وَالْمُؤْتَمِسَ - زَوْاهُ أَبُو ذَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَهْزُومٍ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ عَنْ ثَوْبَانَ وَرَوَاهُ الرَّائِيَّ يَحْيَى بْنُ أَبِي شَيْبَةَ -

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے رشوت لینے اور رشوت دینے والے (دونوں) پر لعنت فرمائی ہے۔“ ابوداؤد ابن ماجہ۔ ترمذی نے اس روایت کو حضرت عبد اللہ ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہؓ سے اور یحییٰ نے شعب الایمان میں حضرت ثوبانؓ سے نقل کیا ہے نیز یحییٰ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے راکش یعنی وہ شخص جو رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے کے درمیان واسطہ و ذریعہ بنے اس پر بھی لعنت فرمائی ہے۔“

تشریح: رشوت (پارہ) کے پیش کے ساتھ یعنی رشوت (اس مال کو کہتے ہیں جو کسی (حاکم و عامل وغیرہ) کو اس مقصد کے لئے دیا جائے کہ وہ باطل (ناحق) کو حق کر دے اور حق کو باطل کر دے۔ ہاں اگر باطل حق ثابت کر لیا اپنے اوپر ہونے والے کے دفعیہ کے لئے کچھ دین

جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

حلال ذرائع سے کمایا ہوا مال ایک اچھی چیز ہے

⑩ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ النَّعَّاسِ قَالَ أَرْسَلَ إِلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَجْمَعَ عَلَيْكَ بِمَلَاحِلَ وَثِيَابًا ثُمَّ الْبَيْتِيُّ قَالَ فَأَتَيْتُهُ وَهُوَ يَقُولُ صَافِقَانِ يَأْعَمَزُو إِلَيَّ أَرْسَلْتُ إِلَيْكَ لِأَتَعْنَكَ فِي وَجْهِ يَسْتَلِمُكَ اللَّهُ وَيَغْنَمَكَ وَأَزْعِبَ لَكَ وَغَنَةً مِنَ النَّعَالِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا كَانَتْ هَجْوَتِي لِلنَّعَالِ وَمَا كَانَتْ إِلَّا لِلَّهِ وَلَوْ سُئِلْتُ فَقَالَ بَعْدًا بِالنَّعَالِ الصَّالِحِ لِلزُّجَلِ الصَّالِحِ وَوَأَفِي شَرْحِ الشُّعْبَةِ وَرَوَى أَحْمَدُ نَحْوَهُ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ يَغْنَمُ النَّعَالُ الصَّالِحُ لِلزُّجَلِ الصَّالِحِ۔

”اور حضرت عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم ﷺ نے کسی شخص کے ذریعہ میرے پاس یہ کہنا بھیج دیا کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے کپڑوں کو اکٹھا کر لو یعنی سفر کی تیاری کر لی اور پھر میرے پاس آ جاؤ حضرت عمروؓ کہتے ہیں کہ میں (آنحضرت ﷺ) کے فرمان کے مطابق سفر کی تیاری کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ اس وقت وضو کر رہے تھے، مجھے دیکھ کر فرمایا کہ عمرو! میں نے تمہارے پاس آدمی بھیج کر تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ میں تمہیں ایک طرف (یعنی کسی جگہ کا حاکم یا عامل بنا کر بھیجوں، اللہ تعالیٰ تمہیں عافیت و سلامتی کے ساتھ رکھے، تمہیں مال غنیمت عطا فرمائے اور میں بھی تمہیں کچھ مال دوں۔ میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! میرا ہجرت کرنا (یعنی میرا ایمان قبول کرنا اور اپنا وطن چھوڑ کر آپ ﷺ کے پاس آ جانا) مال کی خاطر نہیں تھا بلکہ میرا ایمان قبول کرنا خدا تعالیٰ سے تھا اور میری ہجرت صرف اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی و رضا کے لئے تھی۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”نیک بخت آدمی کے لئے اچھا مال اچھی چیز ہے۔“ شرح السنہ الامام احمدؒ نے بھی اس طرح کی روایت نقل کی ہے اور ان کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ”ایک مرو کے لئے اچھا مال اچھی چیز ہے۔“

تشریح: حضرت عمرو بن العاصؓ نے ۵ھ میں اسلام قبول کیا اور حضرت خالد ابن ولیدؓ کی بھراہی میں حبشہ سے مدینہ کو ہجرت کی بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ۸ھ میں اسلام قبول کیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو عمان کا حاکم مقرر فرمایا تھا، اغلب ہے کہ اس روایت کا تعلق اس وقت سے ہے جب کہ ان کو بطور حاکم عامل عمان بھیجا جا رہا تھا۔

اچھا مال وہ ہے جو حلال ذریعہ سے کمایا گیا ہو اور اچھی جگہوں اور نیک مصارف میں خرچ کیا گیا ہو ”اور نیک بخت مرو“ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حقوق کو بھی ادا کرے اور بندوں کے حقوق کی بھی ادائیگی کرے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

سفارش کرنے والا کوئی ہدیہ و تحفہ قبول نہ کرے

⑪ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَفَعَ لَأَخِي شَفَاعَةً فَأَهْدَى لَهُ هَدِيَّةً عَلَيْهِمَا فَقَبِلَهَا فَقَدْ أَتَى بَابًا عَظِيمًا مِنْ أَتْوَابِ الرَّبِّ۔ (رواہ ابوداؤد)

”حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص (کسی بادشاہ و حکم سے) کسی شخص مثلاً زچہ ک سفارش کرے اور وہ (زچہ) اس (سفارش) کرنے والے کے پاس سفارش کے عوض کوئی چیز بطور ہدیہ و تحفہ بھیجے اور وہ سفارش کرنے والا اس تحفہ کو قبول کرے تو وہ سود کے دروازوں میں سے ایک بڑے دروازہ میں داخل ہوا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس طرح کا تحفہ ہدیہ اگرچہ ”رشوت“ کی تعریف میں آتا ہے مگر اس کو ”سود“ اس اعتبار سے فرمایا گیا ہے کہ وہ سفارش کرنے والے کو بلا کسی عوض کے حاصل ہوا ہے۔

بَابُ الْأَقْصِيَّةِ وَالشَّهَادَاتِ قَضِيَّوْنَ اور شہادتوں کا بیان

”قضية“ اس نرائی معاملے کو کہتے ہیں جو حاکم و تاجرانے کے پاس اس غرض سے لے جایا جائے کہ وہ فریقین کے درمیان کوئی حکم دینے کے لئے اور ”شہادت“ گواہی دینے کو کہتے ہیں اور ”گواہی“ کا مطلب ہے ”دو فریقوں میں سے ایک فریق کے مقابلہ پر دوسرے فریق کے حق کا آثار و اثبات کرنا۔“

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

مدعی کا دعویٰ گواہوں کے بغیر معتبر نہیں

① عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ الشَّيْخِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ يَغْضَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَا دَعَى نَاسٌ دِمْنًا وَجِبَالًا وَ أَمْوَالِهِمْ وَلَكِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ عَلَى الْمَدْعَى وَوَأَهْ مُسْلِمٌ وَفِي شَرْحِهِ لِلتَّوْبَةِ أَنَّهُ قَالَ وَجَاءَ فِي رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ أَوْ صَحِيحٍ بِإِثْنَادٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوعًا بِكَيْفِ التَّيْسَةِ عَلَى الْمَدْعَى وَالْيَمِينِ عَلَى مَنْ أَكْثَرَ۔

”حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ”اگر لوگوں کو محض ان کے دعویٰ پر (ان کا مدعا) دیا جائے (یعنی مدعی سے نہ تو گواہ طلب کئے جائیں اور نہ مدعا علیہ سے تصدیق کی جائے) بلکہ محض اس کے دعویٰ پر اس کا از قسم مال و جان و دعا کو دے دیا جائے (تو لوگ اپنے آدمیوں کے خون اور اپنے مال کا (جھوٹا) دعویٰ کرنے لگیں (لہذا صرف مدعی کا گواہی کے بیان معتبر نہیں ہے) لیکن قسم کھانا مدعا علیہ پر ضروری ہے (مسلم) اور خود اپنی کتب شرح مسلم میں لکھا ہے کہ جتنی کی روایت میں جو حسن یا صحیح اسناد سے منقول ہے حضرت ابن عباسؓ سے (مذکورہ بالا حدیث میں بطریق مرفوع ان الفاظ کا اضافہ بھی منقول ہے کہ ”گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اور قسم کھانا اس شخص کا حق ہے جو انکار کرے یعنی مدعا علیہ۔“

تشریح: ”لیکن قسم کھانا مدعا علیہ کا حق ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر فریق دوم یعنی مدعا علیہ، فریق اول یعنی مدعی کے دعویٰ سے انکار کرے اور مدعی اس سے قسم کا مطالبہ کرے تو اس (مدعا علیہ) پر قسم کھانا ضروری ہے اس (مسلم کی) روایت میں مدعی سے گواہ طلب کرنے کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا کہ یہ یعنی مدعی کا گواہ پیش کرنے کا ذمہ دہر ہونا شریعت کا ثابت شدہ اور بالکل ظاہری ضابطہ ہے اس اعتبار سے گویا یہ فرمایا گیا ہے کہ گواہ پیش کرنے کی ذمہ داری مدعی پر ہے، اگر مدعی گواہ پیش نہ کرے تو پھر مدعا علیہ قسم اور جحد (انکار) کے ذریعہ اپنی صفائی پیش کرنے کا حق رکھتا ہے، یہ مفہوم حضرت ابن عباسؓ کی دوسری روایت سے ظاہر ہے۔

عدالت میں جھوٹی قسم کھانے والے کے بارے میں وعید

② وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ صَبِيرٍ وَهُوَ فِيهَا فَاجِرٌ يَنْقُطُ عَنْهَا مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَيْقَى اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضَبَانُ فَاتَّقُوا اللَّهَ تَصَدِّقُ ذَلِكَ إِنَّ الدِّينَ يَنْشُرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَلْمَانِيهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا إِلَى آخِرِ الْآيَةِ۔ (متن لے)

”اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص کسی چیز پر متہد ہو کر (یعنی حاکم کی مجلس میں) قسم کھائے اور وہ اپنی قسم میں جھوٹا ہو کہ اس کا مقصد قسم کھا کر کسی مسلمان شخص کا مال حاصل کرنا ہو تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات

کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہو گا۔ چنانچہ اس ارشاد کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْكُرُوْنَ بَعْدَ الْعِلْمِ وَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ اَقْلَبُوا اِلَىٰ اٰخِرِ الْاٰيَةِ۔ (نکاری)

تشریح: پوری آیت اور اس کا ترجمہ یہ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْكُرُوْنَ بَعْدَ الْعِلْمِ وَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ اَقْلَبُوا اِلَىٰ اٰخِرِ الْاٰيَةِ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يَكْتُمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُرْكِبُهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيمٌ۔ (ال عمران: ۷۷)

”یقیناً جو لوگ معاذ حقیر لے لیتے ہیں، مقابلہ اس عہد کے جو اللہ تعالیٰ سے (انہوں نے) کیا ہے اور (مقابلہ اپنی قسموں کے۔ ان لوگوں کو کچھ حصہ آخرت میں (وہاں کی نعمت کا) نہیں ملے گا اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ نہ ان سے (الطف کا) کلام فرمائیں گے اور نہ ان کی طرف (انظر محبت سے) دیکھیں گے۔ اور نہ (ان کے گناہوں کو معاف کر کے) ان کو پاک کر دیں گے۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا۔“

حدیث کی عبارت میں حلف علیٰ یمن ”صبر“ کے لغوی معنی ہیں ”جس، روکنا، لزوم“ اور ”یمن صبر“ سے مراد یہ ہے کہ حکم خدا میں کسی شخص کو اس وقت تک کے لئے محسوس (مقید) کر دے جب تک کہ وہ قسم نہ کھائے اس صورت میں مسلم حکام کی اطاعت میں اس شخص پر قسم کھانا لازمی ہے گویا علیٰ یمن صبر میں ”علی“ حرف ہائے محلیٰ ہے اور اس سے مراد مخلوق علیہ ہے بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ”یمن صبر“ یہ ہے کہ کسی چیز پر قسم کھائے والا اس مقدمہ سے دیدہ و دانستہ غلط بیانی کرتا ہے کہ ایک مسلمان کا مال تلف کر دے یا اس کو ہڑپ کر لے، چنانچہ وہ وہی تھا فاجح اور وہ اپنی قسم میں مجبور تھا، کے الفاظ سے اسی مفہوم کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

(۳) وَعَنْ أَبِي اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ افْتَطَعَ حَقَّ الْمَرْءِ مُسْلِمٍ يَجْزِيهِ فَقَدْ اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ النَّارَ وَ حَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ فَقَالَ لَهُ وَجَلَّ وَ اِنْ كَانَ شَيْئًا نَبِيْرًا يَزْهَلُ اللّٰهُ قَالَ وَ اِنْ كَانَ قَضِيْرًا مِنْ اَوْلِيَاءِ (رواہ مسلم)

”اور حضرت امامہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے اپنی (جھوٹی) قسم کے ذریعہ کسی مسلمان شخص کا حق غصب کیا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے آگ کو واجب کیا اور اس پر بہشت کو حرام کر دیا۔“ ایک شخص نے (یہ سن کر) آپ ﷺ سے عرض کیا ”اگرچہ وہ حق کوئی معمولی ہی چیز ہو۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”(ہاں) اگرچہ نیلے کے درخت کا ایک ٹکڑا (یعنی مسواک) ہی کیوں نہ ہو۔“ (مسلم)

تشریح: ”اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے آگ کو واجب کیا“ اس جملہ کی دو تلوہیں ہیں ایک تو یہ کہ یہ حکم اس شخص پر محمول ہے جو جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی مسلمان کا حق غصب کرنا حلال جانے اور اسی عقیدہ پر اس کی موت ہو جائے دوسری تاویل یہ ہے کہ ایسا شخص اگرچہ دوزخ کی آگ کا یقیناً سزاوارد ہو گا لیکن یہ بھی غیر بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو معاف کر دے! اسی طرح ”بہشت کو اس پر حرام کر دیا۔“ کی تاویل یہ ہے کہ ایسا شخص اول دوزخ میں عذاب یافتہ لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل ہوئے سے محروم قرار دیا جائے گا۔ واضح رہے کہ جس طرح جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی مسلمان کے حق کو ہڑپ کرنے والے کے بارے میں مذکورہ وعید ہے اسی طرح وہ شخص بھی اس وعید میں شامل ہے جو جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی ذی حق مارے۔

مدعی کو ایک ہدایت

(۴) وَعَنْ اَبِي سَلَمَةَ اَنَّ زَوْسِلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا اَبَشَرُوْا اَنْكُمْ تَخْشَعُونَ اِلَیَّ وَلَعَلَّ نَعُصْكُمْ اَنْ يَكُوْنَ الْحَقُّ يَحْجِبُ عَنْ بَعْضٍ فَاَقْضِ لَهٗ عَلٰی نَحْوِ مَا اَسْمَعُ مِنْهُ فَمَنْ قَضَيْتَ لَهٗ بِشْيَءٍ مِنْ حَقِّ اَخِيْهِ فَلَا يَأْخُذْ لَهٗ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهٗ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ائمہ سلمہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اس میں کوئی شک نہیں کہ میں ایک انسان ہوں اور تم اپنے قصے (بھڑکے) لے کر میرے پاس آتے ہو، ممکن ہے تم میں کوئی شخص اپنے دلائل پیش کرنے میں دوسرے سے زیادہ فصیح و بلیغ بیان کا حامل ہو اور میں اس کا مدلل بیان سن کر اسی کے مطابق فیصلہ کروں لہذا وہ شخص کہ میں جس کے حق میں کسی ایسی چیز کا فیصلہ کروں جو حقیقت میں اس کے بھائی مسلمان کی ہو، اس چیز کو نہ لے کر کہ (ایسی صورت میں گویا میں اس کے حق میں شک کے ایک ٹکڑے کا فیصلہ کروں گا۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: ”میں ایک انسان ہوں“ کے ذریعہ اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ سہو اور نسیان کسی انسان سے بعید نہیں ہے اور انسان کی فطرت اور وضع بشری کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کبھی معاملہ کے صرف اسی پہلو کو دیکھے جو ظاہری طور پر عیاں ہو اور اس کے متعلق اسی بات کو قبول کرے جو ایک کھلی ہوئی دلیل کی صورت میں اس کے سامنے آئے اور چونکہ میں بھی ایک انسان ہوں اور اس حیثیت سے وہ تمام احکام و عوارض مجھ پر بھی پیش آتے ہیں جو بشریت کا خاصہ ہیں اور جن کا تعلق انسانی جبلت سے ہے، لہذا جن معاملات میں مجھے وحی کے ذریعہ براہ راست ہدایت ملے گی وہ میرے حق میں ہی رہے گی اور حق سبحانہ تعالیٰ کی جانب سے مجھے تعلیم و ہدایت دی جاتی ہے ان کے علاوہ دوسرے امور میں مجھے انہی ضابطوں اور قاعدوں کے مطابق عمل کرنا ہوتا ہے جن کی بنیاد انسانی عقل اور بشری تقاضوں پر ہے۔ چنانچہ جب میرے سامنے کوئی قضیہ آتا ہے تو میں اس کے ظاہری پہلوؤں کے مطابق ہی فیصلہ کرتا ہوں۔ اگر مدعی اپنے دلائل، اپنے گواہ اور اپنے زوریان سے میرے سامنے یہ ثابت کر دیتا ہے کہ اس کا دعویٰ صحیح ہے اور اس نے جس چیز کا مطالبہ کیا ہے وہ اسی کا حق ہے تو میں اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں کہ ظاہری حکم کا تقاضا یہی ہے اب اس کے بعد مدعی جانے کہ اگر حقیقت میں اس کا دعویٰ صحیح ہے اور جس چیز کا اس نے مطالبہ کیا ہے وہ اسی کا حق ہے تو وہ اپنی مراد پالے۔ لیکن اگر حقیقت میں اس کا دعویٰ صحیح نہ تھا اور جس چیز کا اس نے مطالبہ کیا تھا وہ اس کا حق نہیں تھا بلکہ کسی دوسرے کا حق تھا اور میں نے اس کے ظاہری دلائل و ثبوت اور اس کی چرب زبانی اور قوت سانی سے یہ سمجھ کر اس کا دعویٰ صحیح ہے۔ اور اس کا مدعا اس کو دلوایا تو اس کو چاہئے کہ وہ اس چیز کو اپنے حق میں حلال نہ جانے بلکہ یہ سمجھ کر کہ یہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے جو بلا ہے۔ اس سے اجتناب کرے۔

ناحق مقدمہ بازی کرنے والے کے بارے میں وعید

⑤ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَبْقَضَ الرِّجَالِ إِلَى اللَّهِ أَلَا لَذَّ الْخِصْمِ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت عائشہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں بدترین اور مبغوض ترین وہ شخص ہے جو بہت زیادہ نایق، بھڑکے والا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

کیا مدعی ایک گواہ اور ایک قسم کے ذریعہ اپنا دعویٰ ثابت کر سکتا ہے

⑥ وَغَابِ ابْنُ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى بَيْنَ بَنِي وَشَاهِدٍ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (ایک قضیہ میں) ایک گواہ اور ایک قسم پر فیصلہ صادر فرمایا۔“ (مسلم)

تشریح: حدیث کا ظاہری مفہوم یہ بتاتا ہے کہ اگر مدعی اپنے دعویٰ کے ثبوت میں صرف ایک گواہ پیش کر سکے تو اس (مدعی) سے دوسرے گواہ کے بدلے ایک قسم لے لی جائے اور اس قسم کو ایک گواہ کا قائم مقام قرار دے کر اس کا دعویٰ تسلیم کر لیا جائے چنانچہ حضرت امام شافعی، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد تینوں کا یہی مسلک ہے۔ لیکن حضرت امام اعظم ابو حنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ ایک گواہ اور ایک قسم پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے بلکہ دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ قرآن کریم سے ثابت ہے، اور چونکہ قرآن کے حکم کو خبر واحد

کے ذریعہ منسوخ کرنا جائز نہیں ہے اس لئے اس روایت کی بناء پر ایسے کسی مسلک کی بنیاد صحیح نہیں ہو سکتی جو قرآن کے حکم کے خلاف ہو۔ درآخرا لیکر اس روایت کے بارے میں یہ احتمال بھی ہے جب مدعی اپنا دعویٰ لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا ہو اور وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں صرف ایک گواہ پیش کر سکا ہو تو چونکہ وہ اپنے ثبوت شہادت کی تکمیل نہ کر سکا اور آنحضرت ﷺ نے صرف ایک گواہ کے وجود کا اعتبار نہیں کیا اس لئے مدعا علیہ کو قسم کھانے کا حکم دیا۔ مدعا علیہ کے قسم کھانے کے بعد آپ ﷺ نے اس قضیہ کا فیصلہ دیا۔ اسی کو راوی نے ”ایک گواہ اور ایک قسم پر فیصلہ دینے سے تعبیر کیا۔“

”میں“ کہتے ہیں اگر کا یہ اختلاف بھی اس صورت میں ہے جب کہ قضیہ کا تعلق کسی مالی دعویٰ سے ہو اگر دعویٰ کا تعلق مال کے علاوہ کسی اور معاملہ سے ہو تو اس صورت میں مستند طور پر تمام امر کا مسلک یہی ہے کہ گواہ اور قسم (یعنی مدعی) کی طرف سے مثلاً ایک گواہ پیش کرنے اور ایک قسم کھانے کا اعتبار نہ کیا جائے۔

مدعا علیہ کی قسم کا اعتبار کیا جائے خواہ وہ حقیقت میں جھوٹی قسم کیوں نہ ہو

④ وَغْنِ عَاقِبَتَهُنَّ وَالْبِیِّنَاتِ عَنْ أَيْمَنِ قَالِ جَاءَ زَيْدٌ مِنْ حَضْرَتٍ وَزَجَلٌ مِنْ كَثْفَةٍ إِلَى الثَّيْبِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الْخَضِرُ مِثْلًا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ هَذَا عَلَيْنِي عَلَى أَرْضٍ لِي فَقَالَ الْكِنْدِيُّ هِيَ أَرْضِي وَلِي بِنَدَى لَيْسَ لَهُ فِيهَا حَقٌّ فَقَالَ الثَّيْبُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْخَضِرِ مِثْلًا قَالِ لَكَ بَيْتَةٌ قَالِ لَا قَالِ فَلَكَ بَيْتَةٌ قَالِ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ الزَّجَلُ فَاجِرٌ لَا يَبَالِغُ عَلَيَّ مَا خَلَفَ عَلَيْهِ وَلَيْسَ يَتَوَخَّعُ مِنْ شَيْءٍ قَالِ لَيْسَ لَكَ بِهِ إِلَّا ذَلِكَ فَانْطَلِقْ لِي خَلِيفٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا أَذْهَبَ لَيْسَ خَلْفَ عَلَيَّ خَلِيفَةٌ لِي أَكُلُهُ خَلْفًا لِي لَيْفَتِ اللَّهُ وَهُوَ عَشَّةٌ مَعْرُوحٌ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت علقمہ ابن وائل“ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حضروت کا رہنے والا اور ایک شخص کندہ کا۔ دونوں حاضر ہوئے حضری (یعنی حضروت کے رہنے والے) نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! اس شخص نے میری زمین (کو غصب کر کے اس) پر قبضہ کر لیا ہے۔“ کندہ نے کہا کہ ”وہ میری زمین ہے اور میرے ہاتھ (یعنی میرے قبضے) میں ہے۔ اس شخص کا اس زمین پر کوئی حق نہیں ہے۔“ رسول کریم ﷺ نے ”دونوں فریق کا بیان سن کر حضری سے فرمایا کہ ”کیا تمہارے پاس گواہ ہیں؟“ اس نے کہا کہ ”نہیں“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”تو اب تمہارے دعویٰ کا دہرہ دار اس (مدعا علیہ کی قسم پر ہے) کہ اگر یہ قسم کھانے سے انکار کر دے گا تو تمہارا دعویٰ تسلیم کر لیا جائے گا اور اگر اس نے قسم کھائی تو تمہارا دعویٰ باطل کر دیا جائے گا۔“ اس (حضری) نے کہا کہ ”یا رسول اللہ! یہ شخص تو فاجر (جھوٹا ہے) اس کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ اس نے جس چیز کی قسم کھائی ہے وہ سچ ہے یا جھوٹ اور اس کو کسی چیز سے پرہیز نہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”بہر حال تمہارے لئے اس شخص کی طرف سے سوائے اس (قسم) کے اور کچھ نہیں ہے۔“ (یہ سن کر وہ) کندہ (یعنی شخص قسم کھانے کے لئے چلا اور جب اس نے اپنے بھائی کو رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر یہ شخص اس حضری کے مال پر قسم کھائے گا تاکہ اس کا مال زبردستی ختم کر جائے تو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کر گئے کہ وہ (اللہ) اس سے بیزار ہو گا۔“ (مسلم)

تشریح: ”وہ شخص قسم کھانے کے لئے چلا ممکن ہے کہ اس کا چلنا اس اعتبار سے ہے کہ جیسے شافعیہ کے یہاں یہ مسلک ہے کہ یہ قسم کھانے والا پہلے وضو کرتا ہے اور پھر ایک خاص وقت میں یعنی جمعہ کے روز عصر کے بعد قسم کھاتا ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ وہ مدعی کی طرف سے اپنے بھائی کو آنحضرت ﷺ کی طرف چلا تاکہ آپ کے پاس پہنچ کر قسم کھائے۔“

نوٹی: کہتے ہیں کہ اس حدیث سے کئی مسئلے نکلے ہیں کہ ایک تو یہ کہ اس طرح کے قصے میں اس (یعنی سے قبضے والا) اولیٰ ہے۔ جو اس کے ذریعہ چیز پر دعویٰ کرے۔

دوسرے کہ مدعا علیہ پر قسم کھانا لازم ہے جب کہ وہ مدعی کے دعویٰ کو تسلیم نہ کرے۔

اور تیسرا یہ کہ فاجر مدعا علیہ کی قسم کو بھی اس طرح تسلیم و قبول کیا جائے جس طرح عادل مدعا علیہ کی قسم تسلیم و قبول کی جاتی ہے نیز اس قسم کھالینے کی وجہ سے اس پر سے مدعی کا مطالبہ ساقط ہو جاتا ہے (لیکن یہ واضح رہے کہ اگر عدالت میں جی گواہی سے مدعا علیہ کی قسم کا جھوٹ معلوم ہو جائے تو پھر اس کی قسم کا عدم قرار پائے گی۔)

جھوٹا دعویٰ کرنے والے کا ٹھکانا دوزخ ہے

(۸) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ ادَّخَى مَالَيْنِ لَهُ فَلَيْسَ بِمُتَّقٍ وَلَا يَتَّقِي مَغْدِفَةً مِنْ النَّارِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ”جو شخص کسی ایسی چیز کا دعویٰ کرے جو اس کی نہیں ہے تو وہ ہمیشہ سے نہیں ہے اور اس کو چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں ڈھونڈ لے۔“ (مسلم)

بہترین گواہ کون ہے

(۹) وَحَدَّثَنَا ابْنُ خَالِدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَخْبَرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهُدَاءِ الَّذِي يَأْتِي بِشَهَادَتِهِ لَيْسَ فِي نَفْسِهِ لِبَاءٌ - (رواہ مسلم)

”اور زید ابن خالدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”کیا میں تمہیں بہترین گواہوں کے بارے میں نہ بتا دوں؟ (تو سنو کہ) تو اہوں میں بہترین گواہ وہ ہے جو گواہی طلب کئے جانے سے پہلے گواہی دے دے۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ گواہی دراصل ”بیان حقیقت“ کا دوسرا نام ہے اور حقیقت بیان کرنے کو طلب و درخواست پر موقوف رکھنا بغیر موزوں بات ہے۔ لہذا بہترین گواہ وہ ہے جو گواہی طلب کئے جانے سے پہلے اور قبل اسی کے اس سے پوچھا جائے کہ کیا تم وہ گواہی دینا چاہتے ہو وہ از خود گواہی دے دے اور اس طرح حق کو ظاہر کرنے کی ذمہ داری پوری کرے۔

بغیر طلب کے گواہی دینی چاہئے یا نہیں؟

لیکن اس کے برعکس ایک دوسری حدیث میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو بغیر طلب کے گواہی دیں۔ چنانچہ حنفی مسلک کی ہدایت یہی ہے کہ جب تک گواہی طلب نہ کی جائے اس وقت تک گواہی نہ دی جائے، گواہی طلب کئے جانے کے بعد گواہی دینا واجب ہے اور حد و حد میں گواہی کا چھپانا افضل ہے۔

جہاں تک مذکورہ بالا روایت کا تعلق ہے کہ جس سے بغیر طلب کے گواہی دینے والے کا بہترین گواہ ہونا ثابت ہوتا ہے تو اس کے بارہ میں حنفیہ کی طرف سے دو تاویلیں کی جاتی ہیں ایک تو یہ کہ یہ ارشاد گرامی دراصل اس شخص پر محمول ہے جو کسی کے حق کا گواہ ہے لیکن مدعی کو اس کے گواہ بننے کا علم نہیں ہے۔ لہذا اس کو چاہئے کہ وہ مدعی کو بتا دے کہ میں اس قضیہ میں تمہارا گواہ ہوں۔

دوسری تاویل یہ ہے کہ اس حدیث کا تعلق حق تعالیٰ کے حقوق میں گواہی دینے سے ہے۔ جیسے زکوٰۃ، کفارہ رویت ہلال اور وصیت اور اس طرح کی دوسری چیزیں، لہذا جو شخص ان میں سے کسی چیز کا شاہد ہو۔ مثلاً اس نے چاند کو دیکھا ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ حاکم و کاظمی کے ہاں حاضر ہو اور گواہی دے۔

ان دونوں تاویلوں کے علاوہ ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ ارشاد گرامی اس حکم کو بطور مبالغہ بیان کرنے پر محمول ہے کہ جو شخص کسی قضیہ میں گواہ کی حیثیت رکھتا ہو اور اس سے گواہی طلب کی گئی ہو تو اس طلب گواہی کے بعد اس کو چاہئے کہ وہ گواہی دینے کی اپنی ذمہ

داری کو جلد سے جلد پورا کرے اور بغیر طلب کے گواہی دینے کی جو خدمت مقول ہے وہ اس کے عکس پر محمول ہے۔

جھوٹی گواہی دینے والوں کے بارے میں پیشین گوئی

(۱۰) وَغَيْرِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ النَّاسِ قُرَيْشِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ يَنْسِفُ شَهَادَتَهُمْ وَأَخْبَدَهُمْ بِمِثْلِهِ وَيَمِثُّهُ شَهَادَتُهُ (مشق ط)

”اور حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو میرے زمانے میں ہیں یعنی صحابہؓ پھر وہ جو ان کے متصل ہیں یعنی تابعین اور پھر وہ لوگ جو ان کے متصل ہیں یعنی تابع تابعین اور پھر آخر میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے کہ ان میں سے ایک کی گواہی اس کی قسم سے پہلے اور اس کی قسم اس کی گواہی سے پہلے ہوگی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”گواہی قسم سے پہلے اور قسم گواہی سے پہلے ہوگی۔“ سے گواہی و قسم میں حالات پسندی و زیادتی کو بطور کنایہ بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ جلالت و زیادتی کی وجہ سے گواہی دینے اور قسم کھانے میں اس قدر ٹاپراہوا ہو گا کہ کبھی گواہی سے پہلے قسم کھائے گا اور کبھی پہلے گواہی دے گا اور پھر قسم کھائے گا۔

مظہر نے کہا ہے کہ یہ جملہ گواہی و قسم میں تیروی و جلالت پسندی کی تمثیل کے طور پر ہے۔ یعنی وہ گواہی دینے اور قسم کھانے میں اتنی تیزی و پرحریٹ دکھایا کرے گا کہ نہ تو اس کو دین کی کوئی پرواہ ہوگی اور نہ وہ ان چیزوں میں کوئی پرواہ کرے گا۔ یہاں تک کہ اس کو یہ بھی معلوم نہیں ہو گا کہ پہلے قسم کھائے یا پہلے گواہی دے۔ یا یہ کہ اس کو یہ بھی یاد نہیں رہے گا کہ اس نے پہلے قسم کھائی ہے یا پہلے گواہی دی ہے۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد گمراہی و راصل جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسم کے عام ہو جانے کی خبر دینے کے طور پر ہے کہ ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں لوگ گواہی دینے کو پیشہ بنالیں گے اور جھوٹی قسم کھانا ان کا کلیہ کلام بن جائے گا۔ جیسا کہ آج کل عام طور پر رواج ہے کہ پیشہ ور گواہ مدالتوں میں جھوٹی گواہی دیتے پھرتے ہیں اور ان کو اس بات کا ذرا جہر احساس نہیں ہوتا کہ وہ چند روپوں کی خاطر مدالت میں جھوٹی قسم کھا کر اور جھوٹی گواہی دے کر اپنی آخرت کو کس طرح برباد کر رہے ہیں۔ اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس جملہ کے یہ معنی ہیں کہ وہ شخص کبھی تو قسم کے ذریعہ اپنی گواہی کو ترویج دے گا یعنی یوں کہے گا کہ ”خدا کی قسم! میں سچا گواہ ہوں۔“ اور کبھی گواہی کے ذریعہ اپنی قسم کو ترویج دے گا یعنی یہ اعلان کرتا پھرے گا کہ ”لوگ میری قسم کے سچے ہونے پر گواہ ہیں۔“

قسم کے لئے قرعہ ڈالنے کا ذکر

(۱۱) وَغَيْرِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ أَبِي شَيْبَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَضَ عَلَيَّ قَوْمٌ الْيَمِينِ فَأَسْرَعُوا فَأَمَرْتُ أَنْ يُسْهَمَ بَيْنَهُمْ فَبَيْنَهُمْ الْيَمِينُ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے کچھ لوگوں پر قسم کو پیش کیا (یعنی ان سے کہا کہ قسم کھاؤ کہ مدعی سچ نہیں ہے) چنانچہ ان لوگوں نے قسم کھانے میں جلدی دکھائی تو آپ نے فرمایا کہ قسم کھانے کے لئے ان لوگوں کے درمیان قرعہ ڈالا جائے کہ ان میں سے کون کس قسم کھائے۔“ (بخاری)

تشریح: عبارت کے ظاہری مفہوم سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ ایک شخص نے دربار رسالت میں کچھ لوگوں کے خلاف دعویٰ دائر کیا۔ ان لوگوں (مدعیان) نے مدعی کو صحیح ماننے سے انکار کیا۔ آنحضرت نے ان لوگوں کو قسم کھانے کا حکم دیا ان لوگوں نے قسم کھانے میں جلدی

دکھائی، یعنی ہر شخص قسم کھانے کے لئے مستعد نظر آنے لگا۔ لہذا آنحضرت ﷺ نے سب لوگوں سے قسم نہیں کھوائی بلکہ یہ حکم دیا کہ تم اپنے درمیان قرعہ ڈالو، قرعہ میں جس کا نام نکلے وہی قسم کھائے۔

لیکن شارمین نے اس مسئلہ کی یہ صورت نکلی ہے کہ مثلاً دو مختلف آدمیوں نے کسی ایسی چیز کا دعویٰ کیا جو تیسرے شخص کے پاس ہے۔ ان دونوں (مدعیوں) میں سے ہر شخص یہ کہتا ہے کہ وہ چیز میری ہے لیکن ان دونوں میں سے کوئی بھی گواہ نہیں رکھتا، یا یہ کہ دونوں ہی کے پاس گواہ ہیں لیکن وہ تیسرا شخص یہ کہتا ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ یہ چیز ان دونوں میں سے کس کی ہے، لہذا اس صورت میں ان دونوں مدعیوں کے بارے میں یہ حکم ہے کہ ان کے درمیان قرعہ ڈالا جائے اور ان میں سے جس کے نام قرعہ نکلے اس سے قسم کھانے کے لئے کہا جائے جب وہ قسم کھائے تو وہ چیز اس شخص کے حوالے کرنے کا حکم دیا جائے۔ رہی یہ بات کہ اس صورت میں قسم کھانے کی ذمہ داری مدعی پر عائد ہوتی ہے۔ جب کہ قسم مدعا علیہ کو کھائی چاہئے تو بظاہر اس (مدعی) سے قسم کھلوانا اس اعتبار سے ہے کہ ان دونوں مدعیوں میں سے ہر ایک دوسرے کے حق کا منکر ہوتا ہے اور ضابطہ لگا ہے کہ والہیعین علی غنی انکھو یعنی قسم اس شخص کو کھائی چاہئے جو منکر ہو۔

بہر حال مذکورہ بالا دونوں صورتیں حدیث کے ظاہری مفہوم کی روشنی میں بیان کی گئی ہیں لیکن چنانچہ فقہی مسئلہ کا تعلق ہے تو حضرت علیؑ اس کے قائل تھے جو مذکورہ صورت میں بیان ہوا لیکن حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ ایسے قضاہ میں حاکم عدالت کو چاہئے کہ وہ چیز اسی تیسرے شخص کے پاس چھوڑ دے اور دونوں مدعیوں میں سے کسی کو بھی نہ دلوائے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس چیز کو ان دونوں مدعیوں کے درمیان آدھوں آدھ تقسیم کر دیا جائے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں امامؒ اور امام شافعیؒ کے دو قول ہیں ایک قول حضرت علیؑ کے قول کے مطابق ہے اور دوسرا قول حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق ہے۔ آگے حضرت ائمہ سلمہؒ کی جو روایت آ رہی ہے وہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے قاضیوں کی موید ہے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ اور قسم کھانا مدعا علیہ کے ذمہ ہے

(۱۲) عَنْ عُمَرَ بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ النَّبِيُّ عَلَى الْمُذْغَبِيِّ وَالْمُذْغَبِي عَلَى

الْمُذْغَبِي عَلَيْهِ۔ (رواہ الترمذی)

”حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”گواہ مدعی کے ذمہ ہے اور قسم مدعا علیہ کے ذمہ۔“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ پیش کرنا مدعی کا حق ہے اور اگر مدعا علیہ مدعی کے دعویٰ کو صحیح ماننے سے انکار کر دے اور مدعی اس سے قسم کھانے کا مطالبہ کرے تو مدعا علیہ پر قسم کھانا لازم ہے۔

اگر ایک ہی چیز کے دو مدعی ہوں تو وہ چیز ان دونوں کے درمیان تقسیم کر دی جائے

(۱۳) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي وَحْلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلَيْنَا يَوَارِثُ لَمْ تَكُنْ لَهَا مِيرَاثَةٌ إِلَّا ذَوَاهُمَا فَقَالَ مَنْ فَطِنْتَ لَهُ بَشِيٍّ مِنْ خِيٍّ أَحَبُّهُ لَنَا مِمَّا بَطَلَ لَهُ فَطَنَةٌ مِنَ النَّارِ فَقَالَ الرَّجُلَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَأْتِي سُبُلَ اللَّهِ حَقِّي هَذَا لِصَاحِبِي فَقَالَ لَا وَلَكِنْ اذْهَبَا فَاقْسِمَا وَتَوَخَّيَا الْحَقَّ ثُمَّ اسْتَخِيْمَا ثُمَّ لِي خَلِيلٌ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْكُمَا صَاحِبَةٌ وَفِي زَوَايَا فَإِنْ أَمَّا أَقْصَى يَسْكُنُ بَرَاءِي فَيَسْأَلُ يَسْأَلُ عَلِيٍّ فَيُؤَدِّي

(رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت ام سلمہؓ نبی کریم ﷺ سے دو آدمیوں کے قضاہ کے بارے میں نقل کرتے ہیں جو اپنا ایک میراث کا معاملہ لے کر

آپ ﷺ کی خدمت میں آئے تھے اور ان دونوں میں سے کسی کا کوئی گواہ نہیں تھا بلکہ صرف دعویٰ ہی دعویٰ تھا یعنی ان میں سے ایک شخص نے دربار رسالت میں دعویٰ کیا کہ فلاں چیز میری ہے جو مجھے میراث میں ملے ہو اور دوسرے شخص نے بھی اسی چیز کے بارے میں یہی دعویٰ کیا اور دونوں میں سے کوئی بھی اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ نہیں رکھتا تھا آپ ﷺ نے (ان دونوں کے جواب سن کر فرمایا۔) ”یاد رکھو میں جس شخص کے لئے کسی ایسی چیز کا فیصلہ کروں جو اس کے چھائی کا حق ہو تو وہ چیز اس کے لئے آگ کے ایک ٹکڑے کے علاوہ کچھ نہیں ہوگی (یعنی اگر شلادھی سے کسی ایسی چیز کا دعویٰ کیا ہے جس کے بارے میں وہ ابھی طرح جانتا ہے کہ اس کی نہیں ہے بلکہ واقعہ عدلیہ کی ہے لیکن اس نے مجھ سے گواہوں یا جھوٹی قسم کے ذریعہ اپنا دعویٰ ثابت کر دیا اور میں نے ظاہری قانون کے مطابق اس کی گواہیوں اور قسم پر اعتبار کر کے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا اور وہ چیز اس کو دلوادی تو اس کو یاد رکھنا چاہئے کہ وہ چیز اس کے حق میں آگ کا ایک ٹکڑا ثابت ہوگئی یعنی اس کو دوزخ کی آگ کا سزاوارتہ بنے گی) ان دونوں میں سے ہر ایک نے (یہ سن کر عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! میرا حق میرے ساتھی (یعنی فرق مخالف) کے لئے ہے (میں اپنا دعویٰ ترک کرتا ہوں)“ آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں! (اے کیسے ممکن ہے کہ چیز ایک ہو اور اس کے حق دار دونوں ہوں) بلکہ تم دونوں چاہو اس چیز کو (آدمیوں آدمہ) تقسیم کر لو اور اپنا اپنا حق لے لو (یعنی تقسیم میں عدل و ایمان داری کو ملحوظ رکھا اور (یہ طریقہ اختیار کرو کہ پہلے اس چیز کے دو حصے کو لو (اور اگر یہ تنازعہ ہو کہ ان دونوں حصوں میں سے کون سا حصہ کس کو ملے تو ان دونوں حصوں کو قرعہ پر ڈال لو تاکہ ملے ہو جائے کہ ان دونوں حصوں میں کون سا حصہ کس شخص کو ملے گا اس طرح تم دونوں میں سے ہر ایک اس حصہ کو ملے لے جس پر اس کا قرعہ نکلا ہے اور پھر تم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ وہ اپنا (وہ حق) اپنے ساتھی کو معاف کر دے (جو اس کی طرف سے چلا گیا ہو۔“ اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”میں تم دونوں کے درمیان یہ فیصلہ اپنی رائے اور اپنے اجتہاد سے کر رہا ہوں۔ اس معاملہ میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی ہے۔“ (ابوداؤد)

قائض کے حق میں فیصلہ

(۱۴) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ زَوْجَيْنِ قَدَا عِيَادًا ذَاتَهُ قَالَا قَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا إِلَى بَيْتِهِ ذَاتَهُ تَنَجَّهَا فَقَضَى بَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمِنْ يَدِهِ۔ (رواہ فی شرح الحدیث)

”اور حضرت جابر ابن عبد اللہ کہتے ہیں کہ دو آدمیوں نے دربار رسالت میں ایک جانور کے بارے میں دعویٰ کیا اور ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے گواہ پیش کئے کہ یہ جانور اس کا یعنی میں نے ہی اس کی ماں پر زکوچھوڑا تھا جس کے نتیجہ میں یہ پیدا ہوا اور اس طرح اس کے پیدا ہونے کا میں ہی سبب بنا تھا تو کیا ان دونوں میں سے ہر ایک نے یہی دعویٰ کیا (چنانچہ رسول کریم ﷺ نے اس جانور کو اس شخص کا حق قرار دیا جس کے وہ قبضے میں تھا۔“ (شرح الحدیث)

تشریح: بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر کوئی ایسا قبضہ ہو جس میں کسی چیز کی ملکیت کو ثابت کرنے کے لئے دونوں فرق اپنے اپنے گواہ پیش کریں تو دونوں میں سے اس فرق کے گواہوں کو ترجیح دی جائے گی۔ جس کے قبضے میں وہ چیز ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ حکم اس صورت کے لئے ہے جب کہ وہ قبضہ کسی جانور کے متعلق ہو اور ہر فرق یہ دعویٰ کرے کہ اس جانور کو اسی نے جنمایا ہے۔

شرح الحدیث میں لکھا ہے کہ علماء نے کہا ہے کہ اگر کوئی ایسا قبضہ پیش ہو جس میں دو آدمیوں نے ایک جانور یا کسی چیز کی ملکیت کا دعویٰ کیا اور وہ جانور کسی ایک کے قبضے میں ہو تو اس جانور یا اس چیز پر قاض کا حق تسلیم کیا جائے گا اور اس سے قسم کھلائی جائے گی۔ ہاں اگر فرق مخالف نے اپنے گواہ پیش کر دیئے جنہوں نے یہ گواہی دی کہ یہ جانور یا یہ چیز قاض کی نہیں ہے بلکہ اس فرق کی ہے تو وہ جانور یا وہ چیز قاض سے لے کر دوسرے فرق کے حوالے کر دی جائے گی اور اگر یہ صورت ہو کہ دونوں ہی فرق اپنے اپنے گواہ پیش کر دیں تو پھر

قابض کے گواہوں کو ترجیح دی جائے گی۔

خفی مسلک میں یہ مسئلہ اس طرح ہے کہ مذکورہ صورت میں (یعنی جب کہ دونوں فرق اپنے اپنے گواہ پیش کریں) قابض کے گواہوں کا اعتبار نہ کیا جائے بلکہ دوسرے فرق کے گواہوں کا اعتبار کیا جائے اور وہ چیز قابض کے قبضے سے نکلوا کر دوسرے فرق کے سپرد کر دی جائے، لیکن اگر دعویٰ کا تعلق جانور کے جنائے سے ہو یعنی ہر فرق یہ دعویٰ کرے کہ یہ جانور میری ملکیت ہے اور میں نے اس کو جنا دیا ہے اور پھر ہر ایک اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کرے تو پھر قابض کے لئے فیصلہ کیا جائے گا اور اگر تفسیر کا تعلق کسی ایسی چیز سے ہو جو دونوں فرق کے قبضے میں ہو اور دونوں فرق اس کے بارے میں پر اپنی اپنی ملکیت کا دعویٰ کریں تو دونوں سے قسم کھلائی جائے اور اس چیز کو دونوں کے درمیان ہر ایک کے قبضے کے مطابق تقسیم کر دی جائے اسی طرح اگر وہ چیز ان میں سے کسی ایک کے بھی قبضے میں نہ ہو مگر دونوں ہی اپنے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ پیش کریں تو اس چیز کو دونوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے۔

دو دعویوں کے درمیان متنازعہ مال کی تقسیم

(۱۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِعَتْ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا بِشَاهِدَيْنِ فَقَسَمَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ وَذَلِكَ أَبُو ذَاؤَدَ وَعَبْنُ رَوَابِعَةَ وَلِلنَّاسِ وَالنَّاسِ حَاجَةٌ أَنْ يَخْلُبَ إِذْ عَابَعَهُ النَّبِيُّ لَوْ أَحَدٌ مِنْهُمَا نِصْفَهُ فَجَعَلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهُمَا۔

”اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں دو آدمیوں نے ایک اونٹ کے بارے میں دعویٰ کیا یعنی ہر ایک نے کہا یہ اونٹ میرا ہے اور پھر ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے دو گواہ پیش کئے۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے اس اونٹ کو ان دونوں کے درمیان آدھوں آدھ تقسیم کر دیا۔“ (ابوداؤد) اور ابوداؤد کی ایک اور روایت نیز نسائی وابن ماجہ کی روایت میں یوں ہے کہ دو آدمیوں نے ایک اونٹ کے بارے میں دعویٰ کیا لیکن ان دونوں میں سے کسی کے پاس گواہ نہیں تھے۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے اس اونٹ کو دونوں کا مشترکہ حق قرار دیا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”اس اونٹ کو ان دونوں میں آدھوں آدھ تقسیم کر دیا۔“ کے بارے میں خطاب کیجئے ہیں کہ شاید وہ اونٹ دونوں کے قبضے میں ہو گا۔ اور طاعی قاری کہتے ہیں کہ۔ یا وہ اونٹ کسی ایسے تیسرے آدمی کے قبضہ میں ہو گا جو اس اونٹ کے بارے میں ان دونوں سے کوئی تنازعہ رکھتا تھا۔

پہلی روایت میں تو یہ بتایا گیا ہے کہ دونوں دعویٰ اپنے اپنے گواہ رکھتے تھے جب کہ دوسری روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں میں سے کسی کے پاس بھی گواہ نہیں تھے؟ لہذا یہ ممکن ہے کہ دونوں روایتوں میں مذکور تھے الگ الگ ہوں، اور یہ بھی کوئی بعید نہیں ہے کہ روایتوں کا تعلق ایک ہی قصے سے ہو۔ اس صورت میں کہا جائے گا کہ پہلی روایت میں تو نفس واقعہ کا بیان ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ رکھتا ہے اور دوسری روایت میں حقیقت حکم کا بیان ہے کہ جب دونوں نے گواہ پیش کئے تو دونوں کی گواہیاں باہم متعارض ہونے کی بنا پر ساقط قرار پائیں لہذا وہ دونوں ایسے دو دعویوں کی مانند ہونے جو گواہ نہ رکھتے ہوں۔ ”اس اعتبار سے“ ان دونوں میں سے کسی کے پاس گواہ نہیں تھے۔“ کے معنی یہ ہوں گے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے پاس بھی اس طرح کے گواہ نہیں تھے جن کو دوسرے کے گواہوں پر ترجیح دی جاسکتی ہو۔

”اس اونٹ کو ان دونوں کا مشترکہ حق قرار دیا۔“ کے بارے میں ابن ملک کہتے ہیں کہ یہ ارشاد گرامی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر دو آدمی کسی ایک چیز کی ملکیت کا دعویٰ کریں اور ان میں سے کسی کے پاس گواہ نہ ہو یا ان میں سے ہر ایک کے پاس گواہ ہوں اور وہ چیز دونوں کے قبضے میں ہو یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے بھی قبضے میں نہ ہوں تو اس چیز کو ان دونوں کے درمیان آدھوں آدھ تقسیم کیا

جائے۔

(۱۶) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا فِي ذَاتِهِ وَلَيْسَ لِهَمَا يَسْتَفْتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَفْتِيَهُمَا عَلَيَّ الْيَهُودِيَّ - (رواہ ابو ہریرہ و ابی ہاشم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ دو آدمیوں کا ایک جانور کے بارے میں تنازعہ ہوا کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اس جانور کو اپنی ملکیت کہتا تھا اور ان دونوں کے پاس گواہ نہیں تھے۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ قسم کھانے پر قرعہ ڈال لو جس کے نام قرعہ نکل آئے وہ قسم کھا کر کہے کہ یہ جانور میرا ہے اسی کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔“ (ابو داؤد، ابن ماجہ)

تشریح: اس روایت میں جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ اس روایت کے حکم کی مانند ہے جو پہلی فصل کے آخر میں ذکر کی گئی ہے اور جس کو حضرت ابو ہریرہؓ نے نقل کیا ہے۔

مدعا علیہ کی قسم

(۱۷) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ حَلَفَهُ بِخَلْفِ الْيَهُودِيِّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ مَا لَهُ مِنْكَ شَيْءٌ يَغْنِيهِ لِلْيَهُودِيِّ - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ (ایک قصبہ میں) جس شخص (یعنی مدعا علیہ) سے قسم کھوائی جانی تھی اس سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم اس بات پر اللہ کی قسم کھاؤ جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ اس شخص (یعنی مدعی) کا تم پر کوئی حق نہیں ہے۔“ (ابو داؤد)

تشریح: جیسا کہ پہلے بتایا گیا اگر مدعی اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ پیش نہ کر سکے اور مدعا علیہ اس کے دعویٰ سے انکار کرے تو اس کے مطالبہ پر مدعا علیہ کو قسم کھانا ضروری ہو گا اور وہ اس طرح قسم کھائے گا کہ ”میں اس خدا کے واحد کی قسم کھاتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ اس شخص (یعنی مدعی) نے مجھ پر اپنے جس حق کا دعویٰ کیا ہے وہ جی بر صراحت نہیں ہے اور اس کا مجھ پر کوئی حق نہیں ہے۔“

قسم و حلف کے سلسلے میں یہ ضابطہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ حلف، قاضی، یعنی حاکم عدالت دے گا مسلمان سے خدا کے واحد کا حلف لیا جائے گا، عیسائی کو خدا کے انجیل کا، یہودی کو خدا کے تورات کا اور مجوسی کو فیر و کورف خدا کا حلف دیا جائے گا۔

یہ بات بھی پہلے بتائی جا چکی ہے کہ مدعا علیہ کی قسم کا ہر صورت اعتبار ہو گا خواہ وہ عادل (سچا) ہو یا فاجر (جھوٹا) ہوں اگر قاضی، یعنی حاکم عدالت کو یہی گواہی کے ذریعہ اس کے حلف کا جھوٹ معلوم ہو جائے گا تو اس صورت میں اس کا حلف کا عدم ہو جائے گا۔

مدعا علیہ کو حلف کا حق دیا جائے گا خواہ وہ جھوٹا ہی کیوں نہ ہو

(۱۸) وَعَنْ الْأَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَ رَجُلٍ مِنَ الْيَهُودِ أَرْضٌ فَخَجَدْتُ فَقَدَّمْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَلَيْكَ يَسَّةٌ فَلَمْ أَقَالَ لِلْيَهُودِيِّ أَخْلَفَ فَلَمْ يَأْذَنْهُ فَقَالَ يَخْلِفُ وَيَذْهَبُ بِمَا لِي فَأَتَوَى اللَّهُ تَعَالَى إِنَّ الدِّينَ يَنْشُرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَتَعَابِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا الْإِيفَ - (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت اشعثؓ ابن قیس سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا ”ایک زمین میرے اور ایک یہودی کے درمیان مشترک تھی لیکن یہودی نے (اس زمین پر) میرے حصے (کو تسلیم کرنے) سے انکار کر دیا چنانچہ میں اس کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے گیا اور اپنا معاملہ پیش کیا) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”کیا تمہارے پاس گواہ ہیں؟“ میں نے عرض کیا ”نہیں“ آنحضرت ﷺ نے یہودی سے فرمایا کہ ”تم قسم کھاؤ“ میں نے (اس کو) عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! یہ اس وقت قسم کھائے گا اور میرا مال بربط کر لے گا“ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (اسی طرح کے ایک قصبہ کے سلسلے میں جس کا ذکر حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں مگر رکھا ہے) یہ آیت نازل فرمائی۔ اِنَّ الدِّينَ يَنْشُرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَاِيْمَانِهِمْ ثَمَنًا

قَبِيلًا (الایہ) یقیناً جو لوگ معاوضہ حقیر لے لیتے ہیں بمقابلہ اس عہد کے جو اللہ تعالیٰ سے انہوں نے کیا ہے اور (بمقابلہ) اپنی قسموں کے الخ اس روایت کو ابو داؤد اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔“

تشریح: حدیث میں جو آیت نقل کی گئی ہے وہ دراصل اس قضیہ کے سلسلہ میں تازل ہوئی تھی جو حضرت ابن مسعودؓ کی روایت (نمبر ۲) میں بیان ہوا ہے۔ چونکہ اس روایت میں جو قضیہ ذکر کیا گیا ہے وہ بھی اس قضیہ کی مانند ہے اس لئے یہاں اسی آیت کا حوالہ دیا گیا۔ پوری روایت حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کی تشریح میں نقل کی جا چکی ہے۔

حضرت اشعثؓ کا نقطہ اعتراض یہ تھا کہ اس یہودی کو قسم کھانے کا حکم دیا جا رہا ہے اور اس کی قسم پر فیصلہ کا انحصار ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ بطور خاص مالی معاملات میں یہودیوں کی فطرت کیا ہے، اس یہودی کے لئے اس میں کوئی باک نہیں ہے کہ یہ میرا مال ہڑپ کرنے کے لئے جھوٹی قسم کھالے، لہذا بہتر یہ ہے کہ اس کی قسم پر فیصلہ کا انحصار نہ رکھا جائے۔ حضرت اشعثؓ کے اس نقطہ اعتراض کے جواب میں صرف اس آیت کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے جو اس سلسلہ میں تازل ہوئی تھی، لہذا اس آیت کو ذکر کرنا گویا آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا ہے کہ شریعت نے اس صورت کے لئے جو ضابطہ مقرر کیا ہے وہ یہی ہے کہ مدعا علیہ سے قسم لی جائے اور چونکہ اس طرح کے قضیہ میں قسم کھانا مدعا علیہ کا حق ہے اس لئے کسی نقطہ اعتراض کی بنا پر مدعا علیہ کو اس حق سے محروم کرنا اس مقررہ ضابطہ کی خلاف ورزی کرنا ہے جو ہمارے لئے غیر موزوں بات ہے۔ پس اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر کوئی مدعا علیہ اپنے اس حق سے نا جائز فائدہ اٹھاتا ہے اور اس مقصد سے جھوٹی قسم کھاتا ہے کہ مدعی کا مال ہڑپ کرے تو اس کو آگاہ ہو جانا چاہئے کہ اس کی اس جھوٹی قسم کا وبال اس کی گردن پر ہوگا اور جیسا کہ قرآن مجید نے اعلان کیا ہے۔ اس شخص کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

جھوٹی قسم کے ذریعہ دوسرے کا مال ہڑپ کرنے والے کے بارے میں وعید

(۱۹) وَعَلَهُ أَنْ رَجُلًا مِنْ كَيْدَةٍ وَرَجُلًا مَنْ خَضِرَ مَوْتَ اخْتَصَمَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَرْضِ مِنْ الْيَمَنِ فَقَالَ الْخَضِرُ مَيَّذَا رَسُولُ اللَّهِ إِنَّ أَرْضِي اغْتَصَبْتِهَا أَبَوْ هَذَا وَهِيَ فِي يَدِهِ قَالَ هَلْ لَكَ بِنَفْسِكَ قَالَ لَا وَلَكِنْ أَخْلَقَهُ اللَّهُ مَا يَفْلَحُ أَكْفَا أَرْضِي اغْتَصَبْتِهَا أَبَوْهُ فَهَيَّا الْكَيْدِيُّ لِلْيَمِينِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْطَعُ أَحَدٌ مَالًا يَمِينِ الْإِنْفَقَى اللَّهُ وَهُوَ أَحَدٌ فَقَالَ الْكَيْدِيُّ هِيَ أَرْضِي (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت اشعثؓ ابن قیس سے روایت ہے کہ قبیلہ کنده کا ایک شخص اور حضر موت کا ایک شخص دونوں یمن کی ایک زمین کے بارے میں اپنا قضیہ لے کر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضری نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! اس شخص کے ہاپنے میری زمین مجھ سے یمن کی تھی اور اب وہ اس کے قبضہ میں ہے“ (اس آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری وہ زمین مجھ کو واپس دلوائی جائے)۔ آنحضرت ﷺ نے حضری سے فرمایا کہ ”کیا تمہارے پاس گواہ ہیں (جو کوئی دے سکیں کہ وہ زمین واقعہً تمہاری تھی؟) اس نے عرض کیا کہ ”نہیں لیکن میں اس سے خدا کی قسم کھلا کر یہ اقرار کر دوں گا کہ وہ نہیں جانتا کہ وہ زمین میری (حضری نے کہا ہے جس کو اس کے باپ نے مجھ سے یمن لیا ہے۔“ چنانچہ وہ کندی) قسم کھانے کے لئے تیار ہو گیا (اور جب قسم کھانے چلا) تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”(یاد رکھو) جو بھی شخص (جھوٹی) قسم کھا کر کسی کا مال ہڑپ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا اس کا ہاتھ کٹا ہوگا۔“ کندی نے یہ (سن کر) کہا کہ میں اقرار کرتا ہوں کہ وہ زمین اسی شخص کی ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: الا لقی اللہ وہو اجزم ہذا ایک مشہور بیاری کا نام ہے جس میں اعضائے جسمانی سرگنل جاتے ہیں ویسے نکت میں ”ہذا“ کی اصل ”ہذا“ ہے جس کے معنی ہیں ”کاٹا۔“ جلدی سے کاٹا۔“ نیز یہ لفظ قطع یہ یعنی ہاتھ کاٹنے یا کٹے ہوئے ہاتھ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں حدیث میں یہ لفظ ”قطع“ یہ معنی کے معنی میں استعمال ہوا ہے جس سے مراد ہے ”برکت ہونا اور بھلائی سے

خالی ہوں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا:

مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ تُمِّمَتْ نَفْسُهُ لَقِيَ اللَّهَ وَهُوَ أَجْزَلُ

”یعنی جس شخص نے قرآن سیکھا (یا دیکھا) پھر اس کو بحول کیا تو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہوگا۔ یعنی بے برکت۔“

بعض حضرات یہ کہتے ہیں یہاں اجزیم سے مراد ”مقطوع الجذع“ (بے دلیل) ہے یعنی وہ شخص اس حال میں بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوگا کہ اس کے پاس نہ تو اپنے دین و دیانت کی اور خدا ترکی و حقوق شاہکی کی بظاہر کوئی دلیل ہوگی جس سے وہ اپنی نجات کا راستہ تلاش کر سکے اور نہ اس کے پاس ایسی زبان ہوگی جس کے ذریعہ وہ عرض معروض کی جرات کر سکے۔

جموئی قسم کھانا ایک بڑا گناہ ہے

(۲۰) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَكْبَرِ الذُّكْبَانِ الْفِتْنُوكَ بِاللَّهِ وَغُفُوقَ الْوَالِدَيْنِ وَالْيَمِينِ الْغُمُوسَ وَمَا خَلَفَ خَالِفٌ بِاللَّهِ يَمِينٍ حَتَّى يَفْذُلَ فِيهَا مِثْلَ جَنَاحِ نَعُوقِهَا إِلَّا جَعَلَتْ فِي قَلْبِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ زَوْادًا يَكْرَهُ مِذْيُ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ

”اور حضرت عبداللہ بن انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”بڑے گناہوں میں سب سے بڑے گناہ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا ① ماں باپ کی نافرمانی کرنا ② اور جموئی قسم کھانی (یا رکھنا) جس قسم کھانے والے نے بھی مجبوری و قید کی حالت میں خدا کی قسم کھانی اور اس قسم میں پھر کے بازو کے برابر (یعنی تھوڑا سا) بھی جھوٹ شامل کیا تو اس کے دل میں قیامت تک کے لئے ایک نکتہ پیدا ہو جائے گا جس کا وبال آخرت میں ظاہر ہوگا“ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا اور کہا ہے کہ یہ حدیث طرییعہ

تشریح: ”غموس“ دراصل ”غمس“ سے ہے جس کے معنی ہیں ”غوطہ دینا“ اور ”یمین غموس“ کسی گندری بات پر دہرہ و دانستہ جموئی قسم کھانے کو کہتے ہیں۔ خفی مسک کے مطابق ایسی قسم کھانے والے پر کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ لیکن اس پر لازم ہوتا ہے کہ وہ توبہ استغفار کرے اور آئندہ اس طرح جموئی قسم نہ کھانے کا پختہ عہد کرے کیونکہ یمین غموس کے بارے میں دوزخ کی آگ سے ڈرایا گیا ہے چنانچہ ایسی قسم ”کو غموس“ اسی اعتبار سے کہتے ہیں کہ وہ ایسی قسم کھانے والے کو دوزخ کی آگ میں غوطہ دے گی۔ نیز فقیر کا حق دوسرے کامال ہزب کرنے کے لئے جو جموئی قسم کھانی جاتی ہے وہ اسی قبیل سے (یعنی یمین غموس کی قسم) ہے۔

یمین صبر (یعنی مجبوری و قید کی حالت میں قسم کھانا) کی تفصیل پہلی فصل (حدیث نمبر ۲) کی تشریح میں گزر چکی ہے نتیجہ کے اعتبار سے ”یمین صبر“ بھی ”یمین غموس“ کے مفہوم میں داخل ہے کہ جس طرح یمین غموس میں کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ بلکہ آخرت کی سزا (یعنی دوزخ کی آگ) ملتی ہے اسی طرح ”یمین صبر“ میں بھی کوئی کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی سزا بھی آخرت ہی میں ملے گی۔

جعلت مکفہ فی قلبہ الی یوم القیامۃ (اس کے دل میں قیامت تک کے لئے ایک نکتہ پیدا ہو جائے گا) کا مطلب یہ ہے کہ اس نکتہ (داغ) کا اثر زندگی کی طرح ہے کہ وہ اپنی قسم میں تھوڑے سے بھی جھوٹ کی آمیزش کرنے والے شخص کے دل پر قیامت تک ہوگا پھر قیامت میں اس کا وبال اس طرح ظاہر ہوگا کہ اس کو عذاب خداوندی میں مبتلا کیا جائے گا۔ اس سے عبرت پکڑنی چاہئے جب کہ تھوڑے سے جھوٹ کی آمیزش کرنے کا انجام یہ ہے کہ تو اس صورت میں کیا حشر ہوگا جب کہ جس بات پر قسم کھائی جائے وہ سرے جھوٹ ہو۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں تین چیزوں کو ذکر کیا جو بڑے گناہوں میں سب سے بڑے گناہ ہیں اور پھر ان میں سے صرف آخر کے بارے میں دو عید بیان فرمائی تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ یہ بھی سب سے بڑے گناہوں میں داخل ہے اور لوگ یہ گمان کر کے عدالت میں جموئی قسم کھانا گناہ کے اعتبار سے شرک اور ماں باپ کی نافرمانی کی طرح نہیں ہے اس کو کثر نہ جائیں اسی طرح آگے حضرت

خریمہ ابن فاکک کی جو روایت آئی ہے اس کے یہ الفاظ عَدَلْتُ شَہَادَةَ الزُّورِ بِاللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُ الْبَشَرُ سے بھی بیک وضع ہوتا ہے کہ یہ بھی ”اکر کبار“ میں داخل ہے۔

(۶۱) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْلِفُ أَحَدٌ عِنْدَ جَنَابِي هَذَا عَلَى يَمِينِي ابْتِغَاءَ وَلَوْ عَلَى سِوَاكَ أَنْ تَبْوَأَ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ أَوْ وَجِبَتْ لَهُ النَّارُ۔ (رواہ مالک والیہ و ابو داؤد وابن ماجہ)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو بھی شخص میرے اس منبر کے پاس قسم کھاتا ہے اور اس کی وہ قسم جھوٹی ہوتی ہے اگرچہ وہ ایک ہزار سو اک ہی کے لئے کیوں نہ ہو تو وہ (دوزخ کی) آگ میں اپنا ٹھکانہ تیار کرتا ہے۔ یا یہ فرمایا کہ۔ اس کے لئے (دوزخ کی) آگ واجب ہوتی ہے۔“ مالک، ابو داؤد، ابن ماجہ،

تشریح: منبر کے پاس قسم کھانے کی قید اس لئے لگائی کہ وہ ایک مقدس و با عظمت جگہ ہے وہاں جھوٹی قسم کھانا بہت بڑا گناہ ہے۔ ورنہ مطلق جھوٹی قسم کھانا خواہ جہاں بھی کھائی جائے۔ اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے عذاب کو واجب کرتا ہے۔

”ہزار سو اک“ کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ وہ ایک حقیر ترین چیز ہوتی ہے جب کہ خشک ہو جانے کے بعد اس میں قدر و قیمت پیدا ہو جاتی ہے۔ حاصل یہ کہ سو اک بذات خود بہت معمولی و حقیر چیز ہے۔ جب کہ خشک ہونے سے پہلے تو اس کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہوتی۔ جب اس کے لئے جھوٹی قسم کھاتا اتنی بڑی وعید کا محمول ہے تو جو لوگ ہزاروں میں بڑی بے باکی کے ساتھ بڑی بڑی چیز کے لئے جھوٹی قسمیں کھاتے پھرتے ہیں ان کا حشر کیا ہوگا؟

جھوٹی گواہی، شرک کے برابر ہے

(۶۲) وَعَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاكِكٍ قَالَ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الْمُسْتَبِحِ فَلَمَّا انْتَصَرَفَ قَامَ قَائِمًا فَقَالَ عَدَلْتُ شَہَادَةَ الزُّورِ بِاللَّهِ بِاللَّهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَرَأَ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ حُفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ۔ زَوَاهِدُ ابْنِ أَبِي ذَوْدٍ وَأَبْنُ مَاجَةَ وَزَوَاهِدُ أَحْمَدَ وَالتِّرْمِذِيُّ عَنْ إِبْنِ خُرَيْمٍ أَنَّ ابْنَ مَاجَةَ لَمْ يَذْكُرِ الْقِرَاءَةَ۔

”اور حضرت خریمؓ ابن فاکک کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ جب صبح کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو (صحابہؓ) سے خطاب کرنے کے لئے کھڑے ہوئے اور تین مرتبہ یہ الفاظ فرمائے کہ ”جھوٹی گواہی شرک یا اللہ کے برابر کی گئی ہے۔“ اس کے بعد آپ ﷺ نے (بطور دلیل) یہ آیت تلاوت فرمائی فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ حُفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ (بتوں کی پرستش) سے بچو اور جھوٹ بولنے سے اجتناب کرو، کیونکہ تم باطل سے حق کی طرف رجوع کرنے والے ہو نہ کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے ہو۔ اس روایت کو ابو داؤد اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے نیز اس روایت کو احمد و ترمذی نے بھی لیکن ابن خرم سے نقل کیا ہے اور ابن ماجہ کی نقل کردہ روایت میں آیت شریفہ کا تلاوت کرنا ذکر نہیں ہے۔“

تشریح: ”جھوٹی گواہی شرک یا اللہ کے برابر کی گئی ہے۔“ کا مطلب یہ ہے کہ شرک کرنا اور جھوٹی گواہی دینا دونوں گناہ میں برابر ہیں۔ کیونکہ شرک کا مطلب ہے ”اللہ تعالیٰ کی طرف اس چیز کا جھوٹ بولنا جو جائز نہیں ہے۔“ اس اعتبار سے چونکہ ان دونوں کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں ہوتا لہذا حکم میں بھی ان دونوں برابر ہوئے۔

کن لوگوں کی گواہی کا اعتبار نہیں؟

(۶۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحْجُزُ شَہَادَةُ خَائِنٍ وَلَا حَاسِبَةٍ وَلَا مَخْلُودٍ خَدَاوًا دِيْنًا غَيْرَ عَلَى أَجْبِهِ وَلَا ظَنٍّ فِي وَلَا يَدٍ وَلَا قَرَابَةٍ وَلَا قَرَابَةٍ مَعَ أَهْلِ الْبَيْتِ۔ زَوَاهِدُ التِّرْمِذِيِّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ

وَبَرِّئْنَا مِنَ الدَّخْلِ عَلَى الْغَائِبِ مِنَ الْغَائِبِ مَنْكَرُ الْخَدِیْثِ۔

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ان لوگوں کی کوئی جائز و معتبر نہیں۔ ① خیانت کرنے والے مرد اور خیانت کرنے والی عورت ② جس شخص پر تہمت کی حد جاری کی گئی ہو ③ دشمن، جو اپنے (مسلمان) بھائی کے خلاف ہو ④ وہ شخص جو ولہ کے بارے میں تہم ہو ⑤ وہ شخص جو قرابت کے بارے میں تہم ہو۔ ⑥ وہ شخص جو کسی ایک گھر کا قلعہ ہو۔“ امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے نیز اس حدیث کا ایک راوی یہ ابن زیاد شافعی منکر الحدیث ہے۔“

تشریح: اسلام کی رو سے گواہ کا عادل ہونا اتنا ہی ضروری ہے جس قدر حاکم کا عادل ہونا کیونکہ گواہی ایک ایسا اہم درمیانی وسیلہ ہے جو عدالت کو عدل تک پہنچنے میں فیصلہ کن مدد دیتا ہے، اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ حدیث میں جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ چونکہ عدل کے معیار پر پورے نہیں اترتے اس لئے ان کی کوئی کو تا قائل اعتبار قرار دیا گیا ہے خیانت کرنے والا مرد اور عورت میں ”خیانت“ سے ”لوگوں کی امانتوں میں خیانت مراد ہے، یعنی ان مردوں اور عورتوں کی کوئی کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جو لوگوں کی امانتوں میں خیانت کرنے والے مشہور ہوں اور ان کا جرم خیانت بار بار سرزد ہونے کی وجہ سے لوگوں پر عیاں ہو۔ ورنہ تو ظاہر ہے کہ (خیانت) ایک ایسا خفی جرم ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں تو ہوتا ہے مگر عام طور سے بندوں پر عیاں نہیں ہوتا۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ یہاں ”خیانت“ سے مراد فسق ہے خواہ وہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب اور گناہ صغیرہ پر اصرار کی صورت میں ہو یا احکام دین اور فرائض دین کی عدم بجا آوری کی شکل میں ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دین کے حکام کو بھی ”امانت“ فرمایا ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ارشاد ہے

إِنَّا عَزَمْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ۔ (الاحزاب: ۳۳)

”جتنی ہم نے امانت (یعنی اپنے دین کے بارگاہ) آسمانوں اور زمین پر عیسیٰ کیا اس نے۔“

اور دین کے احکام کو بچانے کو ”خیانت“ فرمایا جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ارشاد ہے۔

لَا تَقْرَبُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَقُولُوا مَا نَتْلُو (النحل: ۱۱۷)

”نہ تو خدا اور اس کے رسول کی امانت (یعنی دین کے امور) میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔“

اس صورت میں اول تو حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ جو مرد و عورت احکام شرع اور فرائض دین کی بجا آوری نہ کرتے ہوں یا گناہ کبیرہ کے ارتکاب اور گناہ صغیرہ پر اصرار کرتے ہوں ان کی کوئی معتبر نہیں ہوگی۔ دوسرے یہ کہ آگے آنے والی حدیث میں ”خیانت کے بعد“ ”زنا“ کا جو ذکر کیا گیا ہے اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ یہ ”شخص بعد نعیم“ کے طور پر ہے۔ علاوہ کچھ ہیں کہ یہ تاویل (یعنی خیانت سے فسق مراد لینا، اولیٰ ہے ورنہ دوسری صورت میں ان تمام برائیوں اور گناہوں کا ذکر باقی رہ جائے گا۔ جن کا ارتکاب قبول گواہی سے مانع ہے اور ان سب کو چھوڑ کر صرف خیانت کا ذکر کرنا بھیج میں نہیں آئے گا۔

جس شخص پر تہمت کی حد جاری کی گئی ہو تو اس شخص کی کوئی قائل قبول نہیں ہوگی اگرچہ وہ اس سے توبہ بھی کر لے۔

اس بارہ میں فقہی مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ حد قذف کے علاوہ دوسرے تمام حدود میں یہ رعایت حاصل ہے کہ جس شخص پر حد جاری ہوئی ہو اگر وہ توبہ کرے تو اس کی کوئی قبول ہوگی، توبہ سے پہلے تو اس کی کوئی تا قائل اعتبار قرار پائے گی جب کہ حد قذف میں یہ سزا ہے کہ جس شخص پر یہ حد جاری ہوئی اگر وہ توبہ بھی کرے تو اس کی کوئی قبول نہیں کی جائے گی لیکن دوسرے ائمہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ تمام ہی حدود سے متعلق ہے کہ اگر کسی شخص پر حد جاری ہوگی تو اس کے توبہ کر لینے

خیانت کرنے والے مرد اور خیانت کرنے والی عورت کی گواہی درست ہے اور نہ زنا کرنے والے مرد اور زنا کرنے والی عورت کی گواہی درست ہے اسی طرح دشمن کی گواہی (اپنے دشمن کے خلاف مقبول نہیں۔ نیز آنحضرت ﷺ نے (ایک مقدمہ میں) اس شخص کی گواہی کو رد کر دیا جو ایک مکہ کی کفالت و پرورش میں تھا اور اس نے وہ گواہی اس کے گمراہوں کے حق میں دی تھی۔" (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کی وضاحت اس سے قبل کی حدیث کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔

شہری کے حق میں یا اس کے خلاف جنگی کی شہادت قبول ہوگی یا نہیں؟

(۷۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ بَلْعُوتِي عَلَى صَاحِبِ قَرْيَةٍ۔

(رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

"اور حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "بلیتی میں رہنے والے کے حق میں یا اس کے خلاف، جنگل میں رہنے والے کی گواہی درست نہیں ہوگی۔" (ابوداؤد و ابن ماجہ)

تشریح: جنگل میں رہنے والے کی گواہی اس لئے درست نہیں کہ عام طور پر وہ نہ تو شریعت کے احکام کا علم رکھتا ہے اور نہ گواہی دینے کی شرائط و کیفیت کی واقفیت رکھتا ہے اسی طرح اس پر غفلت و نسیان کا غلبہ زیادہ رہتا ہے لہذا اگر جنگل میں رہنے والا گواہی کی ذمہ داریوں کا احساس رکھتا ہو اور دینے کی جو شرائط و کیفیات ہیں ان سے واقف ہو نیز عادل اہل شہادت کے ذمے میں آتا ہو تو اس کی گواہی درست و معتبر ہوگی۔

حضرت امام مالکؒ نے اس حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کیا ہے چنانچہ ان کے نزدیک کسی شہری کے حق میں یا اس کے خلاف جنگل میں رہنے والے کی گواہی جائز نہیں ہوگی، جب کہ اکثر ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ جنگل میں رہنے والا اگر عادل ہو اور گواہی کے معیار پر پورا اترتا ہو تو شہری کے حق یا اس کے خلاف اس کی گواہی درست و معتبر ہوگی۔ ان ائمہ کے نزدیک حدیث کے الفاظ لا یجوز گویا لا یحسن کے معنی میں ہیں اور "جنگلی کی گواہی کا جائز نہ ہونا" صفات مذکورہ کے نہ پائے جانے کے ساتھ متعین ہے۔

اپنے معاملے مقدمے میں دلائل و ہوشیاری کو ملحوظ رکھو

(۷۶) وَعَنْ عُرْفَةَ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَّي نَيْنَ وَجَلَيْنَ فَقَالَ الْمُفَضِّلُ عَلَيْهِ لَمَّا أَذْنُو حَسْبِي اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَلْعَلُ عَلَى الْفَعْفُورِ وَلَكِنْ عَلَيْكَ بِالْكَيْسِ فَإِذَا عَلَيْنَكَ أَمْرٌ فَقُلْ حَسْبِي اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ۔ (رواہ ابو داؤد)

"اور حضرت عرفہؓ بن مالک کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ نے دو شخصوں کے درمیان ایک مقدمہ کا فیصلہ دیا) جو ایک شخص کے خلاف اور دوسرے شخص کے حق میں تھا چنانچہ مقدمہ کا فیصلہ جس شخص کے خلاف ہوا تھا اس نے مجلس نبوی ﷺ سے اٹھ کر واپس جاتے ہوئے کہا کہ حَسْبِي اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ یعنی مجھ کو میرا اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ نبی کریم ﷺ نے یہ (سن کر) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تارائی و لاہر واپس پر ملامت کرتا ہے، تم کو چالاک اور ہوشیاری ضروری ہے اگر تم پر کوئی مصیبت آئے تو حَسْبِي اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ کہو۔" (ابوداؤد)

تشریح: مظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص نے کسی دوسرے شخص سے کچھ قرض لیا ہو گا اور وہ قرض اس نے ادا بھی کر دیا ہو گا لیکن اس سے یہ نادانی اور حماقت ہوئی کہ اس نے قرض واپس کرتے وقت قرض خواہ سے کوئی رسید نہ لی اور نہ کسی کو گواہ کیا، آخر مدعی (قرض خواہ)

نے بارگاہ رسالت میں اس شخص پر دعویٰ کر دیا چونکہ اس (مدعی) نے قرض دینے کا ثبوت پیش کر دیا ہو گا لیکن یہ شخص (مدعا علیہ) وہی قرض کا کوئی ثبوت پیش نہ کر سکا اس لئے مقدمہ فیصلہ اس کے خلاف ہوا اور مدعی نے ڈگری حاصل کر لی۔ جب وہ مقدمہ ہار کر رہا رہا رسالت سے نکلا تو اس نے انرا غم و حسرت ”حسبی اللہ ونعم الوکیل“ کہا اور اس طرح اس نے یہ اشارہ کیا کہ مدعی نے مجھ سے ناحق مال لے لیا اور میں خواہ مخواہ نقصان اٹھا بیٹھا۔

اس پر رسول کریم ﷺ نے غصہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنے کاروبار زندگی اور اپنے معاملات میں لاپرواہی نادانی اور غفلت و کوتاہی کوئی اچھی چیز نہیں ہے بلکہ ایسا کرنے والے پر اللہ تعالیٰ ملامت کرتا ہے، پھر آپ نے تنبیہ فرمائی کہ تم کو لازم ہے کہ اپنے کاروبار اور اپنے معاملات میں ہوشیار ہو کس رہو اور احتیاط و داناتی اختیار کرو۔

حاصل یہ کہ غفلت و کوتاہی سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا کیونکہ حق تعالیٰ نے انسان کو عقل سلیم کی جس دولت سے نوازا ہے اس کا صحیح مفصلیٰ یہی ہے کہ بندہ اپنے تمام دینی و دنیاوی معاملات میں داناتی و ہوشیاری کو ملحوظ رکھے لہذا اس معاملہ میں تم نے جو کوتاہی و غفلت سرزد ہوئی ہے اس کو اپنے مجزے محمول کر کے حسبی اللہ ونعم الوکیل نہ کہو بلکہ آئندہ کے لئے اس بات کا عہد کر لو کہ پھر بھی اس طرح کی غفلت و کوتاہی نہیں کرو گے اور احتیاط و ہوشیاری کو ہر صورت ملحوظ رکھو گے۔

مجھے یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ گویا اس شخص پر یہ واضح کیا کہ لازم تو یہ تھا کہ تم اپنے معاملے میں ہوشیار رہتے اور کسی کو گواہ بنا کر یا اس کے ہاتھ کوئی اور ثبوت رکھ کر کوتاہی و غفلت میں مبتلا نہ ہوتے تاکہ جب تمہارا مقدمہ پیش ہوتا اور تم فیصلے کے لئے یہاں حاضر ہوتے تو گواہوں اور ثبوت کے ذریعہ مدعی کو ناحق ثابت کرنے پر قادر ہوتے مگر اب جب کہ تم اپنی غفلت و کوتاہی کی وجہ سے مدعی کے دعویٰ کو ناحق ثابت کرنے سے عاجز ہو تو حسبی اللہ ونعم الوکیل کہتے ہو حالانکہ حسبی اللہ ونعم الوکیل اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ حصول مقصد کی تمام راہیں مسدود ہو جائیں ہیں اور اپنی تمام تدابیر و احتیاط کے باوجود کوئی چارہ کار نہیں رہ جاتا، لہذا یہ ذہن نشین رہے کہ جب کوئی معاملہ کیا جائے اس میں پوری پوری احتیاط اور ہوشیاری کو ملحوظ رکھا جائے اور جب تمام تر امکانی احتیاط و ہوشیاری کے باوجود حصول مقصد کا کوئی راستہ ہاتھ نہ آئے اور اس طرح محروم و معذوری کے درجہ پر پہنچ جائے تو اس وقت حسبی اللہ ونعم الوکیل کہے۔

مزم کو قید کرنا شرعی سزا ہے

(۲۵) وَعَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَتَمَ رَجُلًا مِمَّنْ رَزَاؤُهُ أَوْ ذُو رَأْدٍ

الْقَرْمِذِيُّ وَالتَّسَانِيثِيُّ ثُمَّ خَلَّى عَتِفَهُ۔ (ابوداؤد)

”اور حضرت بہز ابن حکیم اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک شخص کو تہمت کی بنا پر قید کر دیا

تھا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”تہمت کی بنا پر“ کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے اس پر اپنے دینے ہوئے قرض کا دعویٰ کیا تھا یا اس پر کسی گنہگار کا الزام عائد کیا تھا، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس کو قید (حوالات) میں رکھا تاکہ اس دوران میں گواہوں کے ذریعہ مدعی کے دعویٰ کا صحیح ہونا معلوم ہو جائے۔ لیکن مدعی اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ پیش کرنے سے عاجز رہا تو آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو الزام سے بری قرار دے کر ہار کر دیا۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مزم کو قید کرنا شرعی حکم کے مطابق ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

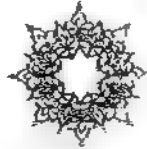
مدعی اور مدعا علیہ دونوں حاکم کے سامنے موجود رہیں

(۲۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الرَّبِيعِ قَالَ قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ الْحَضْمَيْنِ يَقْعُدَانِ بَيْنَ يَدَيِ الْحَاكِمِ۔

(رواہ احمد والہذاؤ)

”حضرت عبداللہ ابن ربیعؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے یہ فرمان (عدالتی ضابطہ) جاری فرمایا کہ مدعی اور مدعا علیہ دونوں حاکم کے روبرو بیٹھیں۔“ (احمد والہذاؤ)

تشریح: طبعی کہتے ہیں کہ کلاشی (حاکم عدالت) کے لئے اس سے دشوار اور سخت ترین مرحلہ کوئی نہیں ہے کہ جب اس کے سامنے مقدمہ پیش ہو تو وہ دونوں فریق، یعنی مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان پوری برابری رکھے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کتاب الجہاد

جہاد کا بیان

جہاد کے معنی

جہاد اور جہاد کے لغوی معنی ہیں مشقت اٹھانا اور طاقت سے زیادہ بوجھ لادنا۔ امام رافضی نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ:

الجهاد استفراغ الوسع في ملاحقة العدو۔

”جہاد کا مطلب ہے، انتہائی قوت سے حملہ آور دشمن کی ملاحقت کرنا۔“

اصطلاح شریعت میں ”جہاد“ کا مفہوم ہے۔ ”کفار کے ساتھ لڑی جانے والی جنگ میں اپنی طاقت خرچ کرنا یا اس طور کہ خواہ اپنی جان کو پیش کیا جائے یا اپنے مال کے ذریعہ مدد کی جائے اور خواہ اپنی عقل و تدبیر یعنی اپنی رائے اور مشوروں کا تعاون دیا جائے یا محض اسلامی لشکر میں شامل ہو کر اس کی نفی میں اضافہ کیا جائے اور یا ان کے علاوہ کسی بھی طریقے سے دشمنان اسلام کے مقابلے میں اسلامی لشکر کی معاونت و حمایت کی جائے۔“

جہاد کا نصب العین

جہاد کا نصب العین یہ ہے کہ دنیا میں ہمیشہ خدا کا بول بالا رہے، خدا کی اس سرزمین پر اس کا جہنڈا سر بلند اور اس کے باقی عنکروں کا دعویٰ سرنگوں رہے۔

جہاد کا حکم

جہاد فرض کفایہ ہے۔ اگر فقیر عام (اعلان جنگ) نہ ہو اور اگر فقیر عام ہو یا اس طور کہ کفار مسلمانوں کے کسی شہر پر لوٹ پڑیں یا اسلامی مملکت کے خلاف جنگ شروع کر دیں اور مسلمانوں کی طرف سے جنگ کا عام اعلان کر دیا جائے تو اس صورت میں ہر مسلمان پر جہاد فرض عین ہو گا خواہ فقیر کرنے والا (یعنی اعلان جنگ کرنے والا عادل ہو یا فاسق، لہذا اس صورت میں دشمنوں کا مقابلہ کرنا اور جہاد میں شرکت کرنا اس شہر اور اس مملکت کے تمام باشندوں پر واجب ہو گا اور ایسے ہی ان لوگوں پر بھی واجب ہو گا جو اس شہر یا مملکت کے قریب رہتے ہوں بشرطیکہ اس شہر یا مملکت کے رہنے والے اپنے شہر اور اپنے ملک کی حفاظت اور دشمنوں کے مقابلہ کرنے کے لئے کافی نہ ہوں یا وہ اپنی جنگی رد و فائی ذمہ داروں کو انجام دینے میں کسل و سستی کریں اور گنہگار ہوں چنانچہ جس طرح نیت کا مسئلہ ہے کہ اس کی تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ پہلے اس کے اہل محلہ پر واجب ہے اگر وہ اس کی انجام دہی سے عاجز ہوں تو پھر یہ چیزیں اس کے شہر والوں پر واجب ہوں گی

اسی طرح جہاد کا بھی مسئلہ ہے کہ جس شہر ملک کے مسلمانوں کو کفار اور دشمنان دین کی جارحیت اور جنگی حملوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو اگر وہ اپنے دفاع سے عاجز ہوں اور دشمنوں کا مقابلہ کرنے میں کوتاہ یا کامیاب نہ رہے ہوں تو اس وقت ان کے چرخی شہر و ملک کے مسلمانوں بلکہ مائین المشرق والمغرب کے تمام مسلمانوں پر واجب ہو گا کہ وہ جہاد میں شریک ہو کر اسلام اور مسلمانوں کے وقار کا تحفظ اور دشمنان دین کا دعویٰ سرنگوں کریں۔

الفصل الأول

کون سا جہاد افضل ہے؟

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَامَ رَمَضَانَ كَانَتْ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ جَاهِدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ جَلَسَ فِي أَزْوَاجِهِ النَّبِيِّ وَلِدَتْ فِيهَا قَوْلًا أَوْ فَلَا تَبْشُرْ بِهِ النَّاسُ قَالَ إِنْ فِي الْجَنَّةِ مِائَةٌ ذَرَّةٍ أَعَدَّهَا اللَّهُ لِلْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ مِائَتَيْنِ الَّذِينَ حَتَّتِ كَمَا تَنْتِ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ فَإِذَا سَأَلْتُمْ اللَّهَ فَنَسَأَلُوهُ الْغَيْرَ دُونَ فَائِهِ أَوْ سَطَّ الْجَنَّةَ وَأَعْلَى الْجَنَّةَ وَفَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمَنِ وَمِنَهُ تَنْفَخُ أَلْهُدَى الْجَنَّةِ۔

(رواہ البخاری)

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ذریعہ دنیا میں بھیجی (یعنی شریعت پر ایمان لایا اور نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ پر (ازراہ فضل و کرم بحسب اپنے وعدے کے) واجب ہے کہ وہ اس شخص کو جنت میں داخل کرے خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے (اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اور خواہ ہجرت کرے) اور خواہ اپنے وطن و گھر میں جہاد پیدا ہوا ہے (یعنی نہ جہاد کرے اور نہ ہجرت کرے) صحابہؓ نے سن کر عرض کیا کہ ”کیا لوگوں کو ہم یہ خوشخبری نہ سنا دیں؟“ آنحضرت نے فرمایا ”لیکن جہاد کرنے والے کی یہ فضیلت بھی سن لو کہ جنت میں سو درجے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے تیار کیا ہے جو خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور ان کے دو درجوں کا درمیانی فاصلہ اتنا ہے جتنے آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ ہے۔ لہذا جب تم اللہ سے (جہاد پر درجہ عالی) مانگو تو فرودوں کو مانگو کیونکہ وہ (غزویں) اوسط جنت ہے (یعنی جنت کے تمام درجات میں سب سے بہتر و افضل ہے) اور سب سے بلند جنت ہے اور اس کے اوپر خدا کا عرش ہے (گویا وہ عرش الہی کے سایہ میں ہے) اور وہیں سے جنت کی نہریں بہتی ہیں (یعنی جو چار چیزیں جنت کی نہروں کی اصل ہیں جیسے پانی، دودھ، شراب اور شہد وہ جنت الغزویں ہی سے جاری ہوتی ہیں۔“ (بخاری)

تشریح: اس حدیث میں نماز اور روزے کا تو ذکر کیا گیا ہے لیکن حج اور زکوٰۃ کا ذکر نہیں ہے اس کی وجہ اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ یہ دو عبادتیں یعنی نماز اور روزہ دیگر عبادتوں کی نسبت اپنی امتیازی اور برتری شان رکھتی ہیں دوسرے یہ کہ ان دونوں عبادات کا تعلق ہر مسلمان سے ہے کہ وہ سب ہی مسلمانوں پر واجب ہیں جب کہ حج اور زکوٰۃ ایسی عبادتیں ہیں جو ہر مسلمان پر واجب نہیں ہیں بلکہ اسی مسلمان پر واجب ہیں جو مالدار صاحب استطاعت ہو۔

خواہ اپنے گھر و وطن میں بیمار ہے۔ اس عبادت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ حدیث فتح مکہ کے دن ارشاد فرمائی تھی کیونکہ فتح مکہ کے دن سے پہلے ہجرت ہر مومن پر فرض تھی۔

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْقَائِمِ بِأَيَاتِ اللَّهِ لَا يَفْشُرُ مِنْ صِيَامِهِ وَلَا صَلَاةٍ حَتَّى يَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (متن طبع)

”اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ روزہ رکھنے والا نماز اور طاعت و عبادات میں (منہک رہنے والا اور اللہ کی آیتوں یعنی قرآن کریم کی تلاوت کرنے والا جو روزہ رکھنے اور نماز پڑھنے یعنی عبادات میں منہک رہے) سے کبھی نہیں ٹھکے یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا اپنے گھر واپس آجائے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: جب مجاہد اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے گھر سے نکلتا ہے اور پھر جہاد کے گھر واپس آتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس دوران میں وہ ہمہ وقت جہاد ہی میں مصروف نہیں رہتا بلکہ اس کے اوقات کا کچھ حصہ جہاد سے خالی بھی گزرتا ہے کہ جن میں وہ کھاتا پیتا بھی ہے اور سوتا لیٹتا بھی ہے اور ایسے ہی دوسرے کاموں میں بھی وقت گزرتا ہے مگر اس کے باوجود اس کو یہ درجہ عطا کیا گیا ہے کہ گویا وہ کبھی بھی اور کسی وقت بھی عبادت سے خالی نہیں رہتا۔ چنانچہ ہر حرکت و سکون پر اور ہر عیش و آرام پر اس کے نامہ اعمال میں ثواب ہی لکھا جاتا ہے۔

﴿۳﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْتَذَبَ اللَّهُ لِمَنْ خَرَجَ فِي سَبِيلِهِ لَا يَخْرُجُهُ إِلَّا إِنْشَاءً يَنْبَغِي وَتَصَدَّقَ بِرُشْدٍ أَوْ أَزْجَعَةً بِهَذَا نَالَ مِنْ أَجْرِ أَوْ غَنِيمَةً أَوْ أَزْجَعَةً لِحُجَّةٍ۔ (بخاری و مسلم)

”اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ) جو شخص اللہ کی راہ میں (جہاد کے لئے) نکلا اللہ تعالیٰ اس کا سامن ہو گیا۔ اس کو جہاد کے لئے مجھ پر اس کے ایمان اور میرے رسولوں کی تصدیق کے علاوہ اور کسی نے نہیں نکالا (یعنی اس کا جہاد میں جانا دکھ دے سناٹے کے لئے یا دنیا میں کسی طلب و خواہش کے پیش نظر نہیں بلکہ وہ محض میری رضا و خوشنودی طلب کرنے کے لئے نکلا ہے) تو میں اس کو (یا تو بغیر قیمت کے محض) آخرت کے اجر و ثواب کے ساتھ یا بل قیمت کے ساتھ واپس کروں گا اور یا (اگر شہید ہو گیا تو) میں اس کو (بغیر حساب و عذاب کے سب سے پہلے جنت میں جانے والوں کے ساتھ) جنت میں داخل کروں گا (یا اس کی موت کے بعد ہی قیامت کے دن سے بھی پہلے جنت میں داخل کروں گا) جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ خدا کی راہ میں شہید ہو گئے ہیں ان کو مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔“ (بخاری و مسلم)

آنحضرت ﷺ کا جذبہ جہاد اور شوق شہادت

﴿۴﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ رَجُلًا مِنْ الْمُؤْمِنِينَ لَا يَغْتَنِبُ أَنْفُسَهُمْ أَنْ يَنْتَحِلُوا عَنِّي وَلَا أَجِدَ مَا أُحِبُّهُمْ عَلَيْهِ مَا خَلَقْتُ عَنْ سِرَّةٍ تَغْزُو إِلَى سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوِ دِدْتُ أَنْ أَقْتُلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ أَخْضِيَ ثُمَّ أَقْتُلَ ثُمَّ أَخْضِيَ ثُمَّ أَقْتُلَ ثُمَّ أَخْضِيَ ثُمَّ أَقْتُلَ۔ (بخاری و مسلم)

”اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر مجھے یہ خوف و لحاظ نہ ہوتا کہ بہت سے (مرد) مسلمان (جو غفل و غلام ہیں) اپنے بارے میں اس بات سے خوش نہیں ہوں گے کہ وہ مجھ سے پیچھے اور مجھ سے جدا رہیں اور مجھے ایسی کوئی سواری میرے نہیں ہے جس پر ان سب کو سوار کروں تو میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کسی بھی لشکر سے پیچھے نہ رہتا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میری خواہش و تمنا تو یہی ہے کہ میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں (یعنی بار بار زندہ کیا جاؤں اور بار بار مارا جاؤں تاکہ ہر بار نیا ثواب پاؤں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس ارشاد گرامی سے جہاں آنحضرت ﷺ کے بے پناہ جذبہ جہاد اور شوق شہادت کا اظہار ہوتا ہے وہیں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ میں کفار سے جتنی بھی جنگیں ہوئیں آپ چند کے علاوہ اور سب میں نہیں شریک کیوں نہ ہوئے۔ چنانچہ آپ نے اس کی علت بیان فرمائی کہ میں کفار سے جنگ کرنے کے لئے جانے والے ہر لشکر اور ہر فوج میں اس لئے

شریک نہیں ہوتا کہ اگر میں جنگ میں شریک ہونے کے لئے ہر لشکر کے ہمراہ جاؤں تو یقیناً وہ بہت سے مسلمان جو تارار اور بے سرو سامان ہونے کی وجہ سے اپنی سواریاں نہیں رکھتے جنگ میں شریک ہونے سے محروم بھی رہ جائیں گے اور میری جدائی کا غم بھی اٹھائیں گے۔ اور خود میں اتنی سواریوں کا انتظام کرنے پر قادر نہیں ہوں کہ ان پر سب مسلمانوں کو سوار کر کے اپنے ہمراہ لے جاؤں، اس لئے اگر مجھے یہ لحاظ نہ ہو کہ بہت سے مسلمان جنگ میں شریک ہونے سے محروم رہ جانے اور پھر مجھ سے جدا ہو جانے کی وجہ سے افسردہ دل اور شکستہ خاطر ہوں گے اور وہ اس کا بہت زیادہ غم محسوس کریں گے تو میرے اندر جہاد کا جذبہ اور اللہ کی راہ میں شہید ہو جانے کا شوق اتنا زیادہ ہے کہ میں کسی بھی لشکر کے ہمراہ جانے سے باز نہیں رہنا چاہتا اور اس بات کو بہت زیادہ پسند کرتا ہوں کہ میں بار بار زندہ کیا جاؤں اور ہر بار خدا کی راہ میں مارا جاؤں۔

جہاد میں معمولی درجہ کی شرکت بھی دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر

(۵) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا۔ (مشن علیہ)

”اور حضرت سهل ابن سعد کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ کی راہ میں ایک دن کی چوکیداری دنیا سے اور دنیا کی چیزوں سے بہتر ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یا تو یہ مطلب ہے کہ جہاد میں ایک دن کے لئے بھی چوکیداری جیسی معمولی خدمت کو انجام دینا اس مال سے بہتر ہے جو اللہ کے نام پر خرچ کیا جائے، یا یہ مطلب ہے کہ جہاد میں محض ایک دن کی چوکیداری کے عوض جو اجر ملے گا وہ دنیا اور دنیا کی چیزوں سے کہیں زیادہ بہتر اور افضل ہے۔

(۶) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنُوا فِئَةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْزَوْا وَحَةَ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا۔

(مشن علیہ)

”اور حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ایک بیچ کے لئے یا ایک شام کے لئے خدا کی راہ میں شرکت جہاد کی غرض سے جانا دنیا اور دنیا کی چیزوں سے بہتر ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص محض ایک صبح کے لئے یا ایک شام کے لئے بھی جہاد میں شریک ہو تو اس پر اس کو جو اجر ملے گا اور اس کی جو فضیلت حاصل ہوگی وہ دنیا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے کیونکہ دنیا کی تمام نعمتیں فنا ہو جانے والی ہیں اور آخرت کی نعمت باقی رہے ہوئی ہے۔

جہاد میں ایک دن اور ایک رات کی چوکیداری ایک مہینے کے روزے اور شب بیداری سے بہتر ہے

(۷) وَعَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ رِبَاطُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهِ وَإِنْ مَاتَ جُرِي عَلَيْهِ غَسَلُهُ الَّذِي كَانَ يَغْتَلُّهُ وَأُجْرِي عَلَيْهِ وَزَقَّهُ وَأَمْسَ الْفَقَّانُ۔ (رداء مسلم)

”اور حضرت سلمان فارسی کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جہاد میں ایک دن اور ایک رات کی چوکیداری کی خدمت انجام دینا ایک مہینے کے روزے اور شب بیداری سے بہتر ہے اور اگر وہ چوکیدار (اس خدمت کی انجام دہی کے دوران) مر جائے تو اس کے اس عمل کا ثواب کہ جس پر وہ (اپنی زندگی میں اعمال اچلے جاری رہتا ہے) (یعنی اپنی زندگی میں وہ جس نیک عمل پر عامل تھا) اس کا ثواب اس کو مرنے کے بعد بھی پہنچتا رہے گا اور اس کے لئے جنت کے طعام و شراب سے اس کا رزق کروایا جاتا ہے اور وہ شیطان یا

جال کے کمر فریب اور یاقبر میں عذاب کے فرشتے کے محفوظ رہتا ہے۔ (مسلم)

جہاد میں شرکت، دوزخ سے محفوظ رکھنے کی ضامن ہے

⑧ وَعَنْ أَبِي عَنِسَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اغْتَرَبْتُ قَدًا عَنِ عَذَابٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَمَسَّهُ النَّارُ۔

(رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو عنیسہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس بندے کے پاؤں خدا کی راہ (یعنی جہاد) میں گرو آلودہ ہو جائے ہیں تو پھر اس کو (دوزخ کی آگ نہیں چھوٹی)۔“ (بخاری)

تشریح: یہ ارشاد گرامی دراصل راہ جہاد میں سبھی مشقت کے اظہار کا نکتہ چراییہ بیان ہے اس بات کو زیادہ سے زیادہ بیان کرتا ہے کہ جب جہاد کے راستے میں محض قدموں کا گرد آلودہ ہو جانا دوزخ کی آگ سے حفاظت کا ضامن ہے تو نفس جہاد کے ثواب اور اس شخص کی فضیلت کا کیا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو راہ جہاد کی مشقتیں برداشت کرتا ہو امید ان جنگ میں پہنچے اور جہاد میں شریک ہو۔

کافر کو مارنے والے مجاہد کے بارے میں ایک خاص بشارت

⑨ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَجْتَمِعُ كَافِرٌ وَقَاتِلُهُ فِي النَّارِ أَبَدًا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”کافر اور اس کو مارنے والا (مسلمان) کبھی بھی دوزخ میں ایک جانیس ہو سکتے۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں بطور خاص اس مسلمان کے لئے بشارت ہے جو جہاد میں کسی کافر کو مارے کہ وہ (مسلمان) ہرگز دوزخ میں نہیں جائے گا۔ اور حقیقت میں یہ ارشاد گرامی جہاد کی فضیلت کو ظاہر کرتا ہے جو مسلمان جہاد میں شریک ہو گا وہ غالباً کسی کافر کو مارے گا اور جب کافر کو مارے گا تو وہ دوزخ سے محفوظ رہے گا اگرچہ اس کی جراثیمی جنت ہے جو جہاد میں شریک ہوا اور اس میں پوری جدوجہد کرے لیکن کسی کافر کو قتل نہ کر سکے۔

بہترین زندگی کون سی ہے؟

⑩ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَيْرِ مَعَاشِ النَّاسِ لَهُمْ زَجَلٌ مُنْجِيكَ عَنَّا فَرَسُهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَطِيئُ عَلَى مَنْبِهِ كُلَّمَا سَمِعَ هَيْعَةً أَوْ فَرَعَةً طَارَ عَلَيْهِ يَتَّبِعِي الْقَتْلَ وَالْمَوْتَ مَطْلَانَةً أَوْ زَجَلٌ فِي غَنِيْمَةٍ فِي رَأْسِ شَعْفَةٍ مِنْ هَذِهِ الشَّعْفِ أَوْ بَطْنٍ وَأَمِنْ هَذِهِ الْأَوْدِيَةِ يَغْنَمُ الصَّلَاةَ وَيُؤْتِي الرِّسْكَوَةَ وَيُعْبَدُ رَبَّهُ حَتَّى يَأْتِيَهُ الْيَقِينُ لَيْسَ مِنَ النَّاسِ إِلَّا فِي غَنِيْمَةٍ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”انسانی زندگی میں بہترین زندگی اس شخص کی ہے جو خدا کی راہ میں اپنے گھوڑے کی ہانگ پکڑے اور جب کسی کی خوفزدہ آوازی کسی کے فریاد کرنے کی آواز سنے تو جلت کے ساتھ گھوڑے کی پشت پر سوار ہو جائے اور اس خوفزدہ یا فریاد رس کی آواز کی طرف دوڑتا ہو اچلا جائے اور اپنی موت کو یا اس جگہ کو تلاش کرتا پھرے جہاں موت کا گمان ہو (یعنی جب وہ کسی کی خوفزدہ چیخ و پکار یا فریاد و مدد چاہنے والے کی آواز سنے تو جلت کے ساتھ جلی پڑے اور اس آواز کو تلاش کرتا پھرے تاکہ موقع پر پہنچ کر فیر کرنے والے کی مدد کرے اور اس بات سے نہ ڈرے کہ کہیں میری جان پر نہ بن جائے اور مجھے اپنی ہی زندگی سے ہاتھ نہ دھونا پڑے یا بہترین زندگی اس شخص کی ہے جو کچھ کبریوں کے ساتھ ان پھاڑوں میں سے کسی ایک پیٹڑ کی چوٹی پر یا ان دادیوں میں سے کسی ایک

داوی میں اقامت گزین ہے اور نماز پڑھتا ہے اور ”اگر وہ بکریاں حد نصاب کو پہنچتی ہیں تو ان کی زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور پروردگار کی عبادت و بندگی میں مشغول رہتا ہے یہاں تک کہ اس کو موت آجائے اور یہ شخص انسانوں کا شریک نہیں ہے بلکہ صرف بھلائی کے درمیان زندگی بسر کرتا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص دنیا والوں سے الگ تھلک رہ کر ان کی برائیوں اور ان کے فتنہ و شر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتا ہے اور اپنے فتنہ و شر سے دنیا والوں کو بچاتا ہے۔
اس حدیث کا حاصل دراصل دشمنانِ دین کے مقابلہ پر جہاد، اپنے نفس و شیطان سے مجاہدہ اور دنیا کی فانی لذتوں اور نفس کی باطل خواہشات و شہوات سے اجتناب کی طرف راغب کرتا ہے نیز اس بات کی آگاہی دیتا ہے کہ اگر دین کی تائید اور شریعت کی تقویت کے لئے لوگوں کے درمیان رہن سہن اختیار کرے تو بہتر ہے ورنہ (اگر دنیا والوں کے درمیان رہے ہوتے) دین و شریعت کو نقصان پہنچنے اور ایمان کے کمزور ہو جانے کا خوف ہو) تو گوشہ عافیت اختیار کرنے۔

گوشہ گزینی افضل ہے یا مخالفت؟

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ان لوگوں کے مسلک کی دلیل ہے جو مخالفت (یعنی دنیا والوں کے درمیان رہن سہن پر گوشہ گزینی کو فضیلت دیتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مشہور اختلافی اقوال یہ ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ اور اکثر علماء کے نزدیک اختلاط (یعنی دنیا والوں کے درمیان رہنا سہنا) افضل ہے بشرطیکہ (دین میں) فتنہ فساد سے محفوظ و مامون رہنے کی امید ہو جب کہ زاہد ان طریقت کی ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ دنیا والوں سے کنارہ کشی کر کے گوشہ گزینی اختیار کرنا افضل ہے۔ انہوں نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے لیکن جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث یا تو فتنوں سے بھرپور زمانہ پر محمول ہے۔ یا اس کے علاوہ اس کا تعلق اس شخص سے ہے جو لوگوں کی انیاد پر صبر نہ کر سکتا ہو۔ یا لوگ خود اس کی وجہ سے سلامت نہ رہتے ہوں، پھر ان کی سب سے بڑی دلیل یہ کہ انبیاء صلوات اللہ علیہم اجمعین صحابہ کرام، تابعین عظام، علماء و مشائخ اور زاہد ان طریقت کا معمول یہی رہا ہے کہ انہوں نے دنیا سے کنارہ کشی اور گوشہ نشینی سے احتراز کر کے اسی دنیا میں اور اسی دنیا والوں کے درمیان رہن سہن کو اختیار کیا اور اس کے ذریعہ وہ بہت سارے دینی فوائد حاصل کرتے رہے جو گوشہ گزینی کی صورت میں ناممکن الحصول تھے جیسے نماز جمعہ و جماعت نماز جنازہ اور عبادت مرضی وغیرہ وغیرہ۔

مجاہد کا سامان تیار کرنے والے اور مجاہد کے اہل و عیال کی نگہبانی کرنے والے کی فضیلت

⑪ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَاهَدَ غَازِيَنَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَقَدْ غَرَاؤُنْ خَلْفَ غَازِيَنَا فِي أَهْلِهِ فَقَدْ غَرَا (بخاری و مسلم)

”اور حضرت زیدؓ ابن خالد کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”جس شخص نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کا سامان درست کیا اس نے (گویا) جہاد (کی) کیا (یعنی وہ بھی جہاد کرنے والوں کے حکم میں داخل ہے اور جہاد کے ثواب میں شریک ہے) اور جو شخص کسی غازی و مجاہد کا اس کے اہل و عیال کے لئے نائب و خلیفہ بنا (یعنی جو شخص کسی غازی و مجاہد کے جہاد میں چلے جانے کے بعد اس کے اہل و عیال کا خدمت گزار ہوا اور نگہبان بناؤں نے بھی گویا (جہاد کی) کیا۔“ (بخاری و مسلم)

مجاہدین کی عورتوں کے احترام کا حکم

⑫ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُرْمَةُ نِسَاءِ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ كَحُرْمَةِ أَهْلِهِمْ وَمَنْ زَجَلَ مِنَ الْقَاعِدِينَ يَخْلَفُ رَجُلًا مِنَ الْمُجَاهِدِينَ فِي أَهْلِهِ قَتَلُوهُ فَبِهِمْ إِلَّا وَقَفَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

فَيَاخُذُ مِنْ غَدَلِهِ مَا شَاءَ فَمَا ظَنُّكُمْ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”مجاہدین کی عورتوں کی عزت و حرمت (گھروں میں) بیٹھنے والوں (یعنی جہاد کے لئے نہ جانے والوں) پر اسی طرح لازم ہے جس طرح کہ ان کی ماؤں کی عزت و حرمت ان پر لازم ہے (یعنی جو لوگ کسی وجہ سے جہاد پر نہیں جاسکتے ہیں اور اپنے اپنے گھروں میں رہ گئے ہیں ان کو چاہئے کہ جو لوگ جہاد میں گئے ہوں ان مسلمانوں کی عورتوں کی عزت و آبرو میں خیانت نہ کریں اور ان کی طرف نظر بد سے نہ دیکھیں بلکہ ان کو اپنے حق میں ایسا حرام جانیں گویا وہ ان کی مائیں ہیں) لہذا اس کے اہل و عیال (یعنی اس کی بیوی اور لوتھیلوں یا دوسرے قریبیوں) کے لئے تاب و خلیفہ بنا یعنی ان کا نگران بنا اور پھر اس نے اس (مجاہد) کے اہل و عیال (کی عزت و آبرو) میں خیانت کی تو اس کو قیامت کے دن اس مجاہد کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور مجاہد اس کے (جنگ) اعمال میں سے جس قدر چاہے گا لے لیگا“ ایسی حالت میں تمہارا کیا خیال ہے؟“ (مسلم)

تشریح: ”ایسی حالت میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کا مطلب یہ ہے کہ کیا تم یہ خیال کر سکتے ہو کہ ایسی حالت میں وہ مجاہد قیامت کے دن اس شخص کی نیکیوں کو لے لینے میں کم راغب ہو گا؟ نہیں، بلکہ وہ اس کے پاس کچھ بھی نہیں چھوڑے گا اور اس کی تمام ہی نیکیاں لے لیگا۔ اسی شخص نے اس مجاہد کے حق میں جو خیانت کی ہے اس کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا وہ خیانت کرنے والے کے نیکیوں کی صورت میں مجاہد کو جو عوض دیدہ دے گا اس میں تمہیں کوئی شک ہے؟ اگر تمہیں کوئی شک نہیں ہے اور تم یہ یقین رکھتے ہو کہ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ قطعی سچ ہے تو پھر تم پر لازم ہے کہ تم مجاہدین کی عورتوں کی عزت و آبرو میں خیانت کرنے سے احتراز نہ کرو مبادا اس کی وجہ سے تمہیں آخرت میں اپنی ساری نیکیوں سے ہاتھ دھونا پڑ جائے۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجاہد کو جو یہ مرتبہ عظیم عطا فرمایا ہے اور اس کو اس فضیلت کے ساتھ جو مخصوص کیا ہے تو تمہارا کیا خیال ہے کہ اس مجاہد کو بس یہی مرتبہ ملے گا؟ نہیں بلکہ اس مرتبہ اور اس مخصوص فضیلت کے علاوہ بھی اس کو اور بہت عظمتیں اور بزرگیاں ملیں گی اور اس سے بھی بڑے بڑے درجات اس کو نصیب ہوں گے۔

جہاد میں مالی مدد کرنے کی فضیلت

(۱۲) وَعَنْ أَبِي سَعْدٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ بِثَاقَةٍ مَخْطُومَةٍ فَقَالَ هَذِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعُ مِائَةِ نَاقَةٍ تَأْكُلُهَا مَخْطُومَةٌ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو سعید انصاریؓ کہتے ہیں کہ (اور بار نبوت میں) ایک شخص کھیل پکڑی ہوئی اونٹنی لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اللہ کی راہ کے لئے ہے یعنی میں اس اونٹنی کو اللہ کی رضا کے لئے جہاد میں پیش کرتا ہوں رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”(میں تمہاری اس پیشکش کو بہ حسین قبول کرتا ہوں اور تمہیں یہ بشارت دیتا ہوں کہ (اس کے بدلے میں قیامت کے دن تمہیں سات سو اونٹنیاں ملیں گی اور سب کے کھیل پکڑی ہوگی)۔“ (مسلم)

مجاہد کے گھربار کی نگہبانی کرنے کی فضیلت

(۱۳) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى إِلَى بَنِي لُحْيَانَ مِنْ هَذِلٍ فَقَالَ لَسْتُ بِمِنْ كَلْبٍ زَبْلَيْنِ أَخَذَهُمَا وَالْأَجْرُ بَيْنَهُمَا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے قبیلہ ہذیل کی ایک شاخ بنو لحيان کے مقابلہ پر جہاد (کے لئے) ایک لشکر روانہ کرنے کا ارادہ کیا تو حکم دیا کہ دو شخصوں میں ایک شخص جہاد میں جانے کے لئے نکلے (یعنی ہر قبیلے میں سے آدھے آدمی جہاد میں جائیں اور

آدمی رہ جائیں تاکہ وہ جہاد میں جانے والوں کے اہل و عیال کی خبر گیری کریں اور جہاد کا ثواب دونوں کو برابر ملے گا۔“ (اسلم)
 تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ جو لوگ جہاد میں جائیں گے ان کو تو جہاد کا ثواب ملے ہی گا لیکن جو لوگ اپنے گھروں پر رہ کر مجاہدین کے گھرباری نگرانی اور ان کے اہل و عیال کی پرورش و دیکھ بھال کریں گے۔ تو ان کو بھی مجاہدین جیسا ثواب ملے گا۔

بیشہ امت محمدی کی کوئی نہ کوئی جماعت برسر جہاد رہے گی

(۱۵) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يَبْرَحَ هَذَا الدِّينُ قَابِلًا بِقَابِلٍ عَلَيْهِ عَصَاةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ. (رواه مسلم)

”اور حضرت جابر ابن سمورہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”یہ دین بیشہ قائم رہے گا اور مسلمانوں میں سے ایک نہ ایک جماعت اس دین کی حفاظت کے لئے قیامت (حکم ہونے کے قریب) تک لڑتی رہے گی“ (یعنی روئے زمین جہاد سے خالی نہیں رہے گی کہیں نہ کہیں اور کسی نہ کسی صورت میں بیشہ جہاد رہتا رہے گا۔“ (اسلم)

تشریح: یہی کہتے ہیں کہ یہ مہارت بقا قاتل علیہ الصلوٰۃ والسلام جو متغیر ہے جس کا مقصد پہلی عبارت کی وضاحت کرتا ہے اس طرح حاصل یہ ہوگا کہ یہ دین اسی سبب سے قائم رہے گا کہ مسلمانوں میں سے کوئی نہ کوئی جماعت اور کوئی نہ کوئی قوم بیشہ دین کے دشمنوں سے لڑتی رہے گی اور خدا کے باغیوں کا دعویٰ سرنگون کرتی رہے گی۔

خدا کی راہ میں زخمی ہونے والا مجاہد قیامت کے دن اکی حال میں اٹھے گا

(۱۶) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَكْتُمُ أَحَدٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَغْلَمُ بِمَنْ يَكْتُمُ فِي سَبِيلِهِ إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَخِرْجُهُ يَنْبَغُ دَمًا لَوْنُ لَوْنِ الدَّمِ وَزَيْجُ الْمُسْلِمِ. (متن ملہ)

”اور حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص خدا کی راہ (یعنی جہاد میں) زخمی کیا جاتا ہے، اور خدا اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ میں زخمی کیا جاتا ہے تو وہ مجاہد قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون بہتا ہوگا اور اس خون کا رنگ خون کے رنگ کا سا ہوگا اور اس کی ہونٹ کی خوشبو کی طرح ہوگی۔“ (بخاری و مسلم)

شہادت کی فضیلت

(۱۷) وَعَنْ أَنَسِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ أَحَدٌ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يَجِبُ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا وَلَهُ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا الشَّهِيدُ يَنْتَهِي أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا فَيَقْتُلَ عَشْرَ مَوْتٍ لِمَا يَرَى مِنَ الْكُفْرَانَةِ. (متن ملہ)

”اور حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جنت میں داخل ہونے والا کوئی شخص بھی یہ پند نہیں کرے گا کہ وہ دنیا میں واپس جائے اور (جنت کی نعمتوں کے عوض دنیا کی تمام چیزوں کو قبول کرے مگر شہید یہ آرزو کرتا ہے کہ وہ دنیا میں واپس جائے اور دس بار خدا کی راہ میں شہید ہو کیونکہ وہ شہادت کی عظمت اور اس کے ثواب کو جانتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

شہداء کی حیات بعد الموت کے بارے میں آیت کریمہ کی تفسیر

(۱۸) وَعَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ سَأَلْنَا عَنِ الدُّنْيَا مَسْرُودٌ عَنْ هَذِهِ الْآيَةِ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَعْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ الْآيَةُ قَالَ إِنْ قَدْ سَأَلْنَا عَنْ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَرْزَوْهُمْ فِي أَجْوَابِ ظُهُرٍ خَضِرٍ لَهَا قَنَا دِيْلٌ مُعْلَقَةٌ بِالْعَرْشِ تَنْسُخُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ ثُمَّ تَأْوِي إِلَى تِلْكَ الْقَنَادِيلِ فَاطْلَعُ

إِلَيْهِمْ رُبُّهُمْ إِظْلَاعَةً فَقَالَ هَلْ تَسْتَهْوُونَ شَيْئًا قَالُوا أَيْ شَيْءٍ نَسْتَهْوِي وَنَحْنُ نَسْرَحُ مِنْ الْحَيَّةِ حَيْثُ شِئْنَا فَقَعَلَ ذَلِكَ بِهِمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَلَمَّا رَأَوْا أَنَّهُمْ لَمْ يَنْتَرِكُوا مِنْ أَنْ يَسْتَأْذِنُوا قَالُوا يَا رَبِّ نُؤْذِنُكَ أَنْ تُوْذِيَ أَخَانَا فِي أَخْسَانِنَا حَتَّى نَقْتُلَ فِي سَبِيلِكَ مَرَّةً أُخْرَى فَلَمَّا رَأَى أَنْ لَيْسَ لَهُمْ حَاجَةٌ تَرَكُوا - (رواہ مسلم)

”اور حضرت سرورؑ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے اس آیت کریمہ کی تفسیر پوچھی۔ وَلَا تَحْسِنَ الَّذِي قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَالَهُمْ أَمْوَالُهُمْ بِرُزْقٍ (الایۃ) جو لوگ خدا کی راہ جہاد میں مارے گئے ہیں ان کو تم مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے اے۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم نے رسول کریم ﷺ سے اس آیت کریمہ کی تفسیر پوچھی تو آپؐ نے فرمایا کہ (ان شہداء) ان کی رو میں ہیز رنگ کے پرندوں کے قلب میں ہیں ان کے (رہنے) کے لئے عرش الہی کے نیچے (منزلہ غموسوں) کے قد ملیں لٹکا کی گئی ہیں وہ (رو میں) بہشت میں سے جہاں سے ان کا گئی چاہتا ہے میوے کھاتی ہیں پھر ان قدیلوں میں جا کر بیٹھا کرتی ہیں تب پروردگار (ان شہداء) طرف جھانکتا ہے فرماتا ہے کہ ”کیا تم کو کسی چیز کی خواہش ہے؟“ وہ عرض کرتے ہیں کہ ہم کس چیز کی خواہش کریں در انحالیکہ ہم بہشت میں سے جہاں سے ہمارا گئی چاہتا ہے میوے کھاتے ہیں۔“ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ تین مرتبہ ملکی معاملہ کرتا ہے (یعنی تین بار ان سے ملکی سول کرتا ہے) اور جب وہ دیکھتے ہیں کہ ہمیں پوچھے جانے والے سے چھوڑا نہیں جانے گا (یعنی جب وہ یہ جانتے ہیں کہ پروردگار کی مراد یہ ہے کہ ہم کسی خواہش کا اظہار کریں) تو وہ عرض کرتے ہیں کہ ”اے ہمارے پروردگار! ہماری بس یہی خواہش ہے تو ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں واپس کر دے (اور ہمیں دنیا میں واپس بھیج دے) تاکہ ہم ایک بار اور تیری راہ میں مارے جائیں“ جب اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ ان کی کوئی (معتیق) خواہش و حاجت نہیں ہے (کیونکہ انہوں نے جس خواہش کا اظہار کیا ہے اس کو پورا کرنا اللہ کے ارادہ اور مصلحت کے خلاف ہے دوسرے یہ کہ ان کو پہلی ہی بار میں جو عظیم ثواب اور عظیم اجر ملا ہے اور انکی درجہ سے ان کی کوئی حاجت و خواہش نہیں ہے اگر وہ دوبارہ دنیا میں بھیج دیئے جائیں تو وہی اجر و انعام انہیں دوبارہ بھی ملے گا اور اس کی انہیں حاجت ہی نہیں ہے کیونکہ شہید کا اجر و ثواب ایک ہی ہے جو انہیں حاصل ہے) تو ان کو چھوڑ دیا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان سے پوچھنا چھوڑ دیتا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: کسی کے ذہن میں اعتراض پیدا ہو سکتا ہے کہ ترجمہ میں میں تین التوسین عبارت کے مطابق اگر دوسری بار میں بھی پہلی ہی بار جیسا ثواب ملے تو پھر ان شہداء کی خواہش کا کیا فائدہ کہ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں واپس کر کے دنیا میں بھیج دیا جائے تاکہ ہم دوبارہ خدا کی راہ میں مارے جائیں

علماء نے اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ اس خواہش کے اظہار سے اس کی مراد حقیقت میں اپنی روحوں کو جسموں میں واپس کئے جانے کی درخواست کرنا نہیں ہے بلکہ ان کا مقصود اللہ تعالیٰ کے ان انعامات و اکرامات کا شکر ادا کرنا ہے جس سے ان کو نوازا گیا ”گو اپنی اس خواہش کے ذریعہ یہ واضح کرتے ہیں کہ اے اللہ! تو نے ہمیں اپنی جو نعمتیں عطا کی ہیں اور ہمیں جن عظیم درجہ سے نوازا ہے اور ان کی وجہ سے ہم پر جو تیرا شکر ادا کرنا واجب ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ ہم ایک مرتبہ پھر دنیا میں واپس جائیں اور تیری راہ میں اپنی جان قربان کر دیں۔“

یا پھر وہ اپنی اس خواہش کا اظہار اپنے گلان کے مطابق کرتے ہوں کہ ہم چونکہ دوسری مرتبہ میں اور زیادہ مستعدی بہمت اور جان نثاری کے فردوس ترچہ بے کے ساتھ خدا کی راہ میں اپنی جان قربان کریں گے اس لئے کیا عجب کہ دوسری مرتبہ میں ہمیں اور زیادہ بہتر اور کامل تر جزا ملے لیکن نظام قدرت اور جاری معمول چونکہ اس کے خلاف ہے اور حق تعالیٰ کے علم میں یہ بات ہے کہ ان کو دوسری مرتبہ میاویٰ اجر سے جا جو پہلی مرتبہ مل چکا ہے اور اس کی انہیں حاجت نہیں ہے تو ان سے پوچھنا چھوڑ دیا جاتا ہے۔

تنبیہ: علماء نے یہ لکھا ہے کہ شہداء کی ارواح کو پرندوں کے قالب میں رکھنا ان ارواح کی عزت و توقیر اور نگریم کی بنا پر ہے جیسا کہ جواہرات کو ان کی حفاظت و احتیاط کے لئے صندوق میں رکھا جاتا ہے اور ساتھ ہی یہ مقصد ہوتا ہے کہ ان ارواح کو ان کے دنیاوی جسم کے بغیر اس صورت (یعنی پرندوں کے قلب میں جنت میں داخل کیا جائے، چنانچہ وہ ارواح ان پرندوں کے قالب میں جنت کے مرغزاروں میں سیر کرتی ہیں، وہاں کی فضاؤں میں گھومتی ہیں جنت کی پاکیزہ ترین خوشبوؤں اور کیف آور ہواؤں سے لطف اندوز ہوتی ہیں۔ وہاں کے انوار و برکات کا مشاہدہ کرتی ہیں، وہاں کی نعمتوں اور لذتوں سے بہرہ اندوز ہوتی ہیں اور ان کو صرف ان ہی چیزوں کے ذریعہ ہمہ وقت کی خوش طبعی و آسودہ خاطرگی حاصل نہیں ہوتی بلکہ حق جل جہدہ کے مقرب ملائکہ کے قرب و جوار کی عظیم ترین سعادت بھی میسر ہوتی ہے جو بجائے خود سب سے بڑی نعمت اور فرحت و انبساط کا سبب ہے چنانچہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی یہی مراد ہے کہ:

يُؤْذَنُونَ فَحِينَئِذٍ يَمَآ اَتَتْهُمْ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ۔

”وہ رزق دیئے جاتے ہیں اور جبکہ خدا نے ان کو اپنے فضل سے بخش رکھا ہے اس میں خوش ہیں۔“

اس موقع پر یہ بات بطور خاص ملحوظ رہنی چاہئے کہ اس حدیث سے تنازع (آواگون) کا نظریہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ جو لوگ تنازع کا قائل ہیں ان کے نزدیک تنازع اس کو کہتے ہیں کہ ”اس عالم میں روح کا کسی قالب و بدن میں لوٹنا“ گویا ان کے نزدیک کسی قالب و بدن میں روح کے لوٹنے کا نظریہ آخرت سے متعلق نہیں ہے اور یہ جوں بھی ممکن نہیں ہے کہ ان کے نزدیک آخرت کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ بلکہ وہ آخرت کے منکر ہیں۔

ایک بات اور اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ جنت مخلوق ہے اور موجود ہے۔ جیسا کہ اہل سنت و الجماعت کا مسلک

ہے۔

جہاد، حقوق العباد کے علاوہ تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے

(۱۹) وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فِيهِمْ فَذَكَرَ لَهُمْ أَنَّ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْإِيمَانَ بِاللَّهِ أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ فَقَامَ وَجِلَّ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَكْفُرُوا عَنِّي خَطَابَتِي فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرٌ مُذْهِبٌ لِمَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ قُلْتَ فَقَالَ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَيْكَفُرُوا عَنِّي خَطَابَتِي فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرٌ مُذْهِبٌ إِلَّا اللَّهُ فَإِنَّ جِبْرِيلَ قَالَ لِي ذَلِكَ۔ (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو قتادہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے صحابہ کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا اور (اس خطبہ میں) ان کو آگاہ کیا کہ ”اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور اللہ پر ایمان لانا سب سے بہتر اعمال ہیں۔“ یہ سن کر ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! مجھے یہ بتائیے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں تو کیا میرے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے؟“ رسول کریم ﷺ نے اس نے فرمایا کہ ہاں۔ ”بشرطیکہ تم اللہ کی راہ میں اس حال میں مارے گئے کہ تم (مختیوں پر) صبر کرنے والے ہو، ثواب کے طالب ہو اور پیچھے دکھا کر بھاگنے والے نہ ہو بلکہ دشمن کے مقابلے پر مجھے رہنے والے ہو۔“ پھر رسول کریم ﷺ نے ان سے پوچھا کہ ”تم نے کیا کہا تھا؟“ اس نے عرض کیا کہ ”مجھے یہ بتائیں کہ اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں تو کیا میرے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے؟“ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ہاں! بشرطیکہ تم صبر کرنے والے ہو، ثواب کے طالب ہو اور پیچھے دکھا کر بھاگنے والے نہ ہو بلکہ دشمن کے مقابلے پر مجھے رہنے والے ہو مگر دین (یعنی وہ فرض معاف نہیں ہو گا جس کی ادائیگی کی نیت ہی نہ ہو) اور مجھ سے جبرئیل ﷺ نے یہی فرمایا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: ایمان کا سب سے بہتر عمل ہو نا تو ظاہر ہی ہے اس کے لئے کسی توجیح و تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔ رہی جہاد کی بات تو اہل عمل

(یعنی جہاد) کو اس اعتبار سے سب سے بہتر عمل فرمایا گیا ہے کہ تمام نیک اعمال میں دیکھا گیا ہے جس کے ذریعہ اعلاء کلمۃ اللہ (اللہ کے دین کو سر بلند کرنے) کا فریضہ سر انجام پاتا ہے، خدا کے باغیوں اور دین کے دشمنوں کی کٹی ہوئی ہے، جان و مال کی قربانی پیش کی جاتی ہے اور مختلف قسم کی تکلیفیں مشقتیں اور پریشائیاں برداشت کرتا رہتی ہیں گویا یہ اعمال اللہ کے حضور میں اور اس کی راہ میں بندے کے جذبہ عبودیت اور بندگی اور کمال ایثار و قربانی کا سب سے بڑا مظہر ہوتا ہے اور جو دوسری احادیث میں نماز کو سب سے بہتر عمل فرمایا گیا ہے تو وہ اس اعتبار سے ہے کہ نماز ہی ایک ایسا مکمل ہے جس میں عبادت و محنت کی ہر اور جو ایک عمل ہونے کے باوجود عبادات کی کثیرہ پر مشتمل ہے۔

”مکر دین“ کے بارے میں علامہ تور بشتیؒ لکھتے ہیں کہ یہاں ”دین“ سے مراد ”مسلمانوں کے حقوق“ ہیں لہذا اس ارشادِ مگر می کا حاصل یہ ہے کہ جہاد سے حقوق العباد کے علاوہ تمام کلمہ منلوئے جاتے ہیں۔

(۲۰) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ النَّعَاصِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْقَتْلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَكْفِرُ كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا الذَّنْبَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی راہ (یعنی جہاد میں) مارا جانا، دین (حقوق العباد) کے علاوہ تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: ”علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ بحری جہاد (پانی میں لڑی جانے والی جنگ) کے شہداء اس حکم سے مستثنیٰ ہیں یعنی ان کے زے جو حقوق العباد ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بھی معاف کر دیتا ہے۔

وہ قاتل و مقتول جو جنت میں جائیں گے

(۲۱) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَضْحَكُ اللَّهُ تَعَالَى وَجَلَيْنِ يَقْتُلُ أَخَذَهُمَا الْغَزْوُ يَنْدَحِلَانِ الْيَمِينَةَ يُقَاتِلُ هَذَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَقْتُلُ ثُمَّ يَقْتُوبُ اللَّهُ عَلَى الْقَابِلِ فَيَسْتَعْتِبُهُ۔ (بخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ ان دو شخصوں پر ہنستا ہے (یعنی ان سے ایک کو وہ ہے جو جنت میں داخل ہوتا ہے) پھر اللہ تعالیٰ اس کے قاتل کو توہ کی توفیق عطا کرتا ہے (اور وہ کفر سے تائب ہو کر ایمان لے آتا ہے) اور پھر خدا کی راہ میں جہاد کر کے شہید ہو جاتا ہے (لہذا اس کو بھی جنت میں داخل کیا جاتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

شہادت کی طلب صادق کی فضیلت

(۲۲) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ شَيْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ اللَّهَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَغَهُ اللَّهُ مَنَازِلَ الشَّهَدَاءِ وَإِنْ خَافَ عَلَى فَوَاضِلِهِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت سہلؓ ابن شیبانہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص بے دل (یعنی طلب صادق کے جذبے سے) اللہ تعالیٰ سے شہادت کا طالب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے شہیدوں کے درجہ پر پہنچاتا ہے اگرچہ وہ اپنے بہتر ہرے (یعنی وہ صدق نیت اور طلب صادق کی وجہ سے شہیدوں جیسا ثواب پاتا ہے۔“ (مسلم)

شہداء کا مسکن فردوس اعلیٰ ہے

(۲۳) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ اللَّهَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَغَهُ اللَّهُ مَنَازِلَ الشَّهَدَاءِ وَإِنْ خَافَ عَلَى فَوَاضِلِهِ۔ (رواہ مسلم)

عَلَيْهِ فِي الشَّكَاةِ فَقَالَ يَا أُمَّ حَارِثَةَ إِنَّهَا جَنَّتْ فِي الْحَيَّةِ وَأَنَّ ابْنَكَ أَصَابَ الْفَرْقُوسَ الْأَعْلَى - (رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ (میری چھو بھی) حضرت ریح بنت براء جو حضرت حارثہؓ بن سراقہ کی ماں ہیں (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں کہ (یا نبی اللہ! کیا آپ مجھ سے میرے بیٹے حارثہؓ کا حال بیان نہیں کریں گے اور حارثہؓ بدھ کے دن (یعنی جنگ بدر میں) شہید ہو گئے اور ان کو ایسا ہی لگا تھا جس کا چلانے والا معلوم نہ ہوا کہ کون تھا اگر وہ جنت میں ہو تو میں صبر کروں اور اگر وہ کسی اور جگہ ہو تو میں رونے کی کوشش کروں (یعنی خوب روؤں جیسا کہ عورتوں کی عادت ہے)“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”حارثہؓ کی ماں! حقیقت یہ ہے کہ جنت میں بہت سے باغ ہیں اور تمہارا بیٹا فرقوس اعلیٰ میں پہنچا ہوا ہے (جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے)۔“ بخاری

شہید کی منزل جنت ہے

(۳۳) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ انْطَلَقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ حَتَّى سَبَقُوا الْمُشْرِكِينَ إِلَى نَذْرِ وَجَاءَ الْمُشْرِكُونَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُومُوا إِلَى جَنَّةٍ عَرْضُهَا الشَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ فَإِنَّ عُمَيْرَ بَنِي الْحُصَامِ نَبِيٌّ نَبِيٌّ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ جَنَّتْ عَلَى قَوْلِكَ نَبِيٌّ نَبِيٌّ قُلْ لَا وَاللَّهِ بِنَا رَسُولُ اللَّهِ إِلَّا ذِخَاءً أَنْ أَكُونَ مِنْ أَهْلِهَا قَالَ فَأَنْتَ مَنْ أَهْلِهَا قَالَ فَأَخْرَجَ نَسْرَابَ مِنْ قَرْبِهِ فَجَعَلَ يَأْكُلُ مِنْهُمْ ثُمَّ قَالَ لَنْ أَمَّا حَبِيبَتُ خَتْمِي أَكُلُ نَبِيٍّ أَلَيْسَ أَهْلُهَا حَيَّةٌ ظَوْنِلَهُ قُلْ فَرَمَى بِمَا كَانَ مَعَهُ مِنَ الشَّرِّ ثُمَّ قَاتَلَهُمْ حَتَّى قُتِلَ - (رواہ مسلم)

”اور انسؓ کہتے ہیں (غزوہ بدر کے موقع پر) رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ (عدت سے) روانہ ہوئے اور مشرکوں سے پہلے بدر (کے میدان جنگ) میں پہنچ گئے پھر (جب اسلامی مجاہدین کے پیچھے کے بعد) مشرکین کا لشکر آیا اور (مقابلہ کی تیاری شروع ہوئی) تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”جنت کے راستے پر کھڑے ہو جاؤ، وہ جنت جس کا عرض زمین و آسمان کے عرض کے برابر ہے۔ (ایک صحابی) حضرت عمیرؓ ابن حمام انصاری نے یہ ارشاد سن کر کہا کہ ”خوب! خوب!“ یا رسول اللہ ﷺ نے پوچھا، تم نے خوب خوب کیوں کہا؟ عمیرؓ نے کہا کہ ”یا رسول اللہ! میں نے یہ الفاظ (اظہار تعجب یا کسی اور مطلب سے) نہیں کہے بلکہ میں نے (درحقیقت ان الفاظ کے ذریعہ اپنا اس آرزو کا انہار کیا ہے کہ میں بھی بنی ہوں“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”اس میں کوئی شک نہیں تم بنی ہو۔“ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمیرؓ نے سرکارِ دو عالمؐ کی زبان مبارک سے یہ بشارت سن کر اپنے ترکش سے کچھ بھجوریں نکالیں اور ان کو کھانا شروع کیا اور پھر کہنے لگے کہ اگر میں ان اساری بھجوروں کو کھانے تک زندہ رہا تو زندگی طویل ہوگی چنانچہ انہوں نے ان بھجوروں کو جو ان کے پاس تھیں پیسٹیک دیا اور کدے سے لائے گئے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔“ (مسلم)

تشریح: ”جنت کے راستے پر کھڑے ہو جاؤ“ کا مطلب یہ ہے کہ اس عمل کی راہ کو اختیار کرو۔ جو جنت میں لے جانے کا باعث ہے۔ اور وہ جہاد ہے۔

”جس کا عرض زمین و آسمان کے عرض کے برابر ہے“ اس ارشاد کے ذریعہ درحقیقت جنت کی وسعت و کشادگی کو بیان کرنا ہے چنانچہ اس مقصد کے لئے ایسی چیز (یعنی زمین و آسمان کے درمیانی فاصلے) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس سے زیادہ وسیع و عریض چیز انسان کے ہم میں اور کوئی نہیں آسکتی، نیز اس ارشاد میں صرف عرض کو ذکر کیا گیا ہے طول کو بیان نہیں کیا گیا تاکہ انسانی فہم خود اندازہ کر لے کہ جس چیز کا عرض اتنا ہے اس کے طول کا کیا حال ہو گا۔

”تم نے خوب خوب کیوں کہا“ گویا آنحضرت ﷺ نے یہ خیال فرمایا کہ عمیرؓ نے جو یہ الفاظ کہے ہیں وہ بغیر کسی نیت و ارادہ کے اور بغیر سوچے سمجھے ان کی زبان سے ادا ہوئے ہیں جیسا کہ اس قسم کے الفاظ یا تو اس شخص کی زبان سے صادر ہوتے ہیں جو کسی کی کس بات پر اپنے بزل و مزاح اور استہزاء کا اظہار کرتا ہے۔ یا اپنے قل کے خوف میں مبتلا ہوتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے جب عمیرؓ سے ان

افلاک کی وضاحت طلب کی تو انہوں نے ان دونوں باتوں سے انکار کیا اور خدا کی قسم کھا کر اپنا اصل مطلب بیان کیا۔
 ”تو زندگی طویل ہوگی۔“ سے حضرت عمرؓ کی مراد یہ تھی کہ اگر میں ساری مجبوریں کھائے کا انتظار کروں اور جب تک جیوں تو زندگی طویل ہو جائے گی۔ جب کہ آرزو یہ ہے کہ اب ایک منٹ کھوائے بغیر خدا کی راہ میں اپنی جان قربان کر دوں اور شہادت کا مرتبہ حاصل کر کے جنت کی راہ پکڑ لوں۔ گویا انہوں نے حصول شہادت کے شوق کی وجہ سے اپنی زندگی کو اور کفار سے تبرہ آزمائی میں تاخیر کو اپنے حق میں وبال جانا۔

شہداء کی اقسام

(۲۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَعْدُونَ الشَّهِيدَ فَيُكْتَمُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُوَ شَهِيدٌ قَالَ إِنَّ شَهْدَاءَ أُخْتِي إِذَا لَقِيتُ مَنْ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ مَاتَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ مَاتَ فِي الْقَاعِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ مَاتَ فِي الْبَطْنِ فَهُوَ شَهِيدٌ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (صحابہ) سے پوچھا کہ تم اپنے آپ میں سے کس کو شہید شمار کرتے ہو؟“ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! جو شخص اللہ کی راہ میں مارا جائے وہ شہید ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس صورت میں میری امت کے اندر شہیدوں کی تعداد کم ہو جائے گی جو شخص اللہ کی راہ میں مارا جائے وہ تو (حقیقی شہید ہے) لیکن جو شخص اللہ کی راہ (یعنی جہاد) میں (بغیر قتل و قتل کے خود اپنی موت سے) مر جائے وہ بھی شہید ہے جو شخص دیہات میں مرے وہ بھی شہید ہے اور جو شخص بیابان کی بیلہ (یعنی استقامت اور اسہال وغیرہ) میں مرے وہ بھی شہید ہے یعنی یہ سب بھی حقیقی شہداء کے درجات و درجہ ہیں میں نے یہ کسان کے صحیح احکام میں۔ (مسلم)

جہاد کے اجر کی تقسیم

(۲۶) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ غَزَاةٍ أَوْ سَرِيَةٍ نَلْقَوُا فِيهَا نَفْسًا وَنَسْلَمُ إِلَّا كَانُوا لَنَا تَحْجِلُوا لِنُفْسِ الْجُودِ هُمْ وَمَا مِنْ غَزَاةٍ أَوْ سَرِيَةٍ نَخْشَى وَنُصَابُ إِلَّا نَمُوتُ أَوْ جُودُ هُمْ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جہاد کرنے والی جس جماعت یا جہاد کرنے والے جس لشکر نے جہاد کیا اور مال غنیمت لے کر صحیح و سالم واپس آیا اس کو اس کا دو تہائی اجر جلدی یعنی اسی دنیا میں مل گیا اور جہاد کرنے والی جس جماعت یا جہاد کرنے والے جس لشکر نے جہاد کیا اور نہ صرف یہ کہ اس کو مال غنیمت نہیں ملا بلکہ اس جماعت و لشکر کے لوگ بھی کئے گئے یا شہید کر دیئے گئے تو ان کا اجر پورا باقی رہا۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اسلام کے جو جہاد کفار سے جنگ کرنے کے لئے نکلیں گے ان کی تین صورتیں ہوں گی ایک تو یہ کہ وہ کفار سے جنگ کے بعد صحیح و سالم لوٹ کر بھی آئیں گے اور جو مال غنیمت ان کو ہاتھ لگے گا اس کے بھی حقدار ہوں گے۔ ایسے ہی مجاہدین کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی محنت و مشقت کا دو تہائی اجر کہ سلامتی کے ساتھ لوٹا اور مال غنیمت حاصل کرنا ہے اسی دنیا میں حاصل کر لیا ایک تہائی اجر جو باقی رہا ہے یعنی جہاد کا ثواب وہ انہیں قیامت کے دن ملے گا دوسرے یہ کہ جو جہاد صحیح و سلامت لوٹ کر تو آئے مگر مال غنیمت ان کے ہاتھ نہیں لگا تو انہوں نے کیا اس دنیا میں ایک تہائی اجر پایا ہے اور جو دو تہائی باقی رہا ہے وہ قیامت کے دن پائیں گے تیسرے وہ مجاہد ہیں جنہوں نے جہاد کیا اور میدان جنگ میں قتل ہو گئے یا شہید کر دیئے گئے اور ان کے ہاتھ مال غنیمت بھی نہیں لگا تو ان کا پورا اجر باقی ہے جو انہیں پوری طرح قیامت کے دن ملے گا۔

جس مؤمن کے دل میں جذبہ جہاد نہ ہو وہ منافق کی طرح ہے

(۲۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهِ نَفْسَهُ مَاتَ عَلَى

شُعْبَةُ مِنْ تَفَاقٍ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص (مومن) سر جائے اور جہاد نہ کرے اور نہ اس کے دل میں جہاد کرنے کا خیال گزرا ہو تو اس کی موت ایک طرح کے تفاق پر ہوگی۔“ (مسلم)

تشریح: اور نہ اس کے دل میں جہاد کرنے کا خیال گزرا ہو کا مطلب یہ ہے کہ اس نے نہ صرف یہ کہ اپنی پوری زندگی میں کبھی جہاد نہیں کیا بلکہ کبھی جہاد کرنے کا قصد ارادہ بھی نہیں کیا اور نہ کسی موقع پر یہ کہا کہ کاش! میں بھی جہاد کرتا اور چونکہ یہ منافقین کی خصلت ہے کہ وہ جہاد کے وقت منہ چھپا کر گھروں میں بیٹھ جاتے ہیں اور ان کے دل میں جہاد کرنے کا خیال بھی پیدا نہیں ہوتا لہذا من تشنہ بفم فہو بفہم کے مطابق ایسا مومن بھی منافق کے مشابہ ہوا۔

امام نوویؒ شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص کوئی واجب عبادت کرنے کی نیت دارادہ کرے اور پھر اس عبادت کو کرنے سے پہلے مرجائے تو اس عبادت کے نہ کرنے کا وبال اتنا زیادہ اس کے حق میں ظاہر نہیں ہوگا۔ جتنا اس صورت میں ظاہر ہوتا کہ وہ اس عبادت کے کرنے کی نیت بھی نہ کرتا اور مرجاتا۔

نیز نوویؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہمارے علماء شوافع کا اس شخص کے بارے میں اختلاف اقول ہے جو نماز کو اس کے اول وقت میں ادا کرنے پر قادر ہو اور اس کو پڑھنے کی نیت بھی رکھتا ہو مگر اس کی ادا نگیل میں تاخیر کرے اور اس نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے مرجائے اسی طرح حج کا معاملہ ہے کہ اس پر حج فرض ہو اور وہ شروع ہی میں اس فرض کی ادا نگیل پر قادر تھا مگر اس میں تاخیر کی یہاں تکے مگر کیا تو بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ نماز و حج دونوں صورتوں میں گناہ گار ہوگا۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ دونوں ہی صورتوں میں گناہ گار نہیں ہوگا اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ حج کی صورت میں تو گنہ گار ہوگا لیکن نماز کی صورت میں گناہ گار نہیں ہوگا۔ حتیٰ علماء کا مسلک بھی اپنی آخری قول کے مطابق ہے۔

حقیقی مجاہد کون ہے؟

①۸ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ زَيْدٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلْمَدِينَةِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلدَّيْنِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِرَبِيٍّ مَكَانَهُ فَمَنْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ مَنْ قَاتَلَ لِنَكْلَةٍ لِكَلِمَةِ اللَّهِ هِيَ الْعُلَيَّا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ایک تو وہ شخص ہے جو مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے جنگ کرتا ہے ایک وہ شخص ہے جو ذکر یعنی آوازہ اور شہرت کے جس کو سمجھتے ہیں کہ لئے جنگ کرتا ہے اور ایک وہ شخص ہے جو اس لئے جنگ کرتا ہے تاکہ اس کا مرتبہ دیکھا جائے یعنی اپنی شجاعت و بہادری دکھانے کے لئے جنگ کرتا ہے کہ جس کو ریا کہتے ہیں تو ان تینوں میں کون اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہے؟ حضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص اس لئے جنگ کرے تاکہ اللہ کا دین سربلند ہو حقیقت میں وہی اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

عذر کی بنا پر جہاد میں نہ جانے والے کا حکم

①۹ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ زَيْنَ بْنَ مَرْثَدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعَ مِنْ غَزْوَةِ تَبُوكَ فَقَدْ نَامَ مِنَ الْمَدِينَةِ فَقَالَ إِنَّ بَا الْمَدِينَةِ أَهْوَا مَا سَابِقُ مَسِيرًا وَلَا قَطْعُ مَسِيرًا وَلَا كُنَّا مَعَكُمْ وَفِي زَوَائِدِ الْأَشْرَ كُتُوبُكُمْ إِلَى الْأَجْرِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَهُمْ بِالْمَدِينَةِ قَالَ وَهُمْ بِالْمَدِينَةِ خَبَسَهُمُ الْغَدْرُ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ عَنْ جَابِرٍ۔

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ غزوہ تبوک سے واپس آ رہے تھے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو فرمایا کہ مدینے میں مجھ لوگ ایسے ہیں جو اس سفر جہاد میں بظاہر تمہارے ساتھ نہیں تھے لیکن تم نے ایسا کوئی راستہ طے نہیں کیا اور کسی ایسی دواوی و جنگل کو عبور نہیں کیا جس میں وہ تمہارے ساتھ نہ رہے ہوں یعنی ان کے جسم تو ان کے گھروں میں تھے لیکن ان کی دعا میں ان کے دل اور ان کی ہمتیں تمہارے ساتھ تھیں۔ اور ایک روایت میں اَلَا كَانُوا اَمْعٰكُم یعنی جس میں تمہارے شریک نہ ہوں محابہؓ نے یہ سن کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اور وہ لوگ مدینہ ہی میں ہیں؟ یعنی جب کہ وہ ہمارے ساتھ جہاد میں نہیں گئے اور اپنے گھروں میں سوجھو رہے پھر وہ ہمارے ساتھ _____ کیسے رہے اور ہمارے اجر و ثواب میں کیسے شریک ہوئے؟

آنحضرت ﷺ نے فرمایا یاں وہ مدینہ میں ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اجر و ثواب میں تمہارے شریک ہیں کیونکہ ان کے غز کرنے اور دعا ہے یعنی وہ اپنے اعزاز کے سبب سے تمہارے ساتھ جہاد میں نہیں جا سکے ہیں۔ بخاریؒ اور مسلمؒ نے اس روایت کو حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے

شرح: جو لوگ غز کی بنا پر جہاد میں نہیں جا سکے اور مدینہ میں رہ گئے وہ جہاد کرنے والوں کے ثواب میں شریک تھے نہ یہ کہ مرتبہ و درجہ کے اعتبار سے وہ مجاہدین کے برابر تھے کیونکہ جن لوگوں نے بنفس نفیس جہاد میں شرکت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال کی قربانی پیش کردہ افضل ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً.

”مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو میٹھ رہنے والوں پر اللہ نے درجہ میں فضیلت بخشی ہے۔“

ماں باپ کی خدمت کا درجہ

(٣٠) وعن عبد الله بن عمرو قال جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فاستأذنه في الجهاد فقبل النبي عليه السلام وقال نعم قال فإجابته متفق عليه وفي رواية فإن رجع إلى الديار فاحسن ضيقتهم - بحسب ما يرى -

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرو کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر جہاد پر جانے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟ اس نے عرض کیا ہاں آپ ﷺ نے فرمایا پھر تم انہیں کے درمیان راہ رکھ جاؤ کہ وہ یعنی پوری محنت و تہیک کے ساتھ ان کی خدمت کو کہ تمہارے حق میں کی جہاد ہے۔“ (بخاری و مسلم)

اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس شخص سے فرمایا کہ تو پھر اپنے ماں باپ کے پاس جاؤ اور ان کی صحبت کو بہتر نہ کرو یعنی ان کی خدمت اور ان کے حقوق کی ادائیگی اچھی طرح کرو۔

تشریح: شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے جو حکم ثابت ہوتا ہے اس کا تعلق نفل جہاد سے ہے کہ جس شخص کے والدین زندہ ہوں اور مسلمان ہوں وہ ان کی اجازت کے بغیر نفل جہاد میں شرکت کے لئے گھر سے نہ جائے ہاں اگر جہاد فرض ہو تو پھر اس صورت میں ان والدین کی اجازت کی حاجت نہیں ہے۔ بلکہ اگر وہ منع بھی کریں اور جہاد میں جانے سے روکیں تو ان کا حکم نہ مانا جائے اور جہاد میں شریک ہو کر اپنا فرض ادا کیا جائے نیز اگر والدین کو خدا نے اسلام کی ہدایت نہ بخشی ہو اور وہ کافر ہوں تو جہاد میں شریک ہونے کے لئے ان کی اجازت کی کسی حال میں بھی حاجت نہیں ہے خواہ جہاد فرض ہو یا نفل اسی طرح علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر مسلمان ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کو ناگوار خاطر ہو تو ان کی اجازت کے بغیر کسی بھی نفل عبادت جیسے نفل حج و عمرہ کے لئے نہ جائے اور نہ نفل روزہ رکھے۔

فتح مکہ کے بعد ہجرت کی فرضیت ختم ہو گئی

(٣١) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلَكِنْ جِهَادٌ وَبَيْتَةٌ وَأَذَى

استنصر لثم فانفروا۔ (فتح طبر)

”اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا اب فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت باقی ہے لہذا جب تم کو جہاد کے لئے بلایا جائے تو تم سب فوراً چلے جاؤ۔ کیونکہ لغیر عام کے موقع پر جہاد میں جانا فرض ہے اور اس فرض کی ادائیگی ہر ایک پر ضروری ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”ہجرت نہیں ہے کا مطلب یہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے تو مکہ سے بلکہ ہر دار الکفر سے مدینہ کو ہجرت کرنی فرض میں تھی کیونکہ مدینہ میں دین کے نام لیاؤں کی تعداد بہت کم تھی اور وہ ہر اعتبار سے بہت کمزور و ضعیف تھے لہذا ہجرت کو فرض قرار دیا گیا تاکہ ہر طرف سے مسلمان مدینہ پہنچ کر وہاں کے مسلمانوں کی مدد و اعانت کریں اور اس طرح مشرکوں اور خدا کے باغیوں کی طاقت زائل و مفلوج ہو پھر جب اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کے ذریعہ مسلمانوں کو عام غلبہ عطا فرمایا اور ان کی شوکت بڑھائی تو وہ طاقت یعنی مدینہ کے مسلمانوں کا کمزور اور قلیل المقدار ہونا ”زائل ہو گئی اور اس وقت سے ہجرت کی فرضیت ختم ہو گئی۔ لیکن کچھ صورتوں میں ہجرت کا استحباب باقی ہے جیسے جہاد کے لئے اپنے وطن سے نکلنا حصول علم کی خاطر کسی دوسری جگہ چلے جانا اور دار الکفر و دار الفتنہ سے یا کسی ایسے ملک و شہر سے نکلنا جہاں بھلائیاں مشرک ہو چکی ہوں اور برائیاں مروج ہو گئی ہوں۔“

لیکن جہاد اور نیت باقی ہے کا مطلب یہ ہے کہ دین کے دشمنوں اور خدا کے باغیوں کا دعویٰ سرخوش کرنے کے لئے جہاد کی نیت رکھنے اور اخلاص عمل پیدا کرنے کا حکم باقی ہے حاصل یہ کہ ہجرت یعنی اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ چلے جانا پہلے ہر مسلمان پر فرض تھا پھر یہ حکم ختم ہو گیا لیکن جہاد کے سبب سے یا نیت صاف کی بنا پر کفار کے لئے اور جاملہ بدعت اور فتنوں کے گروہ سے نکلنا جہاں تک یا طلب علم کے لئے اپنا وطن چھوڑ دینا باقی رہا اور اس کا حکم منسوخ نہیں ہوا۔

الفصل الثانی

دین کی سرملندی کے لئے اُمت محمدی ﷺ کی کوئی نہ کوئی جماعت ہمیشہ برسر جہاد رہے گی

(۳۲) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ خُصَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ طَاهِرِينَ عَلَى مَنْ نَاوَاهُمْ حَتَّى يُقَاتِلَ أَخْوَثُهُمُ الْمَسِيحُ الدَّجَالُ۔ (ارواء اور اورد)

”حضرت عمرانؓ ابن حصین کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میری اُمت کی کوئی نہ کوئی جماعت ہمیشہ حق کی حمایت و حفاظت کے لئے برسر جنگ رہے گی اور جو بھی شخص اس جماعت سے دشمنی کریگا وہ اس پر غالب رہے گی، یہاں تک کہ اس اُمت کے آخری لوگ تک دجال سے جنگ کریں گے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس ارشاد گرامی سے جہاں یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ اُمت کسی بھی زمانے میں ایسے سرفروشوں اور جاننازوں سے خالی نہیں رہے گی جو دین کی سرملندی حق کی حمایت و حفاظت اور ملت کے تحفظ کے لئے اپنے جان و مال کی قربانی پیش کریں گے اور دشمنان اسلام کا دعویٰ سرخوش کریں گے وہیں یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ مجاہدین اسلام کے مقابلہ پر آنے والے کو آخر کار ہزیمت اور شکست کی رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا خواہ وہ کوئی فرد ہو یا کوئی جماعتی طاقت، جو سکتا ہے کہ وقت کی نزاکت اور حالات کی رفتار کسی مرحلہ پر مسلمانوں کے لئے بظاہر کسی پسپائی کا موقعہ پیدا کر دے لیکن آخر کار فتح و کامرانی مسلمانوں کا ہی نصیب بنے گی۔

اس اُمت کے آخری لوگ سے حضرت امام مہدیؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور ان کے تابعین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو قرب قیامت میں دجال کے ذریعہ سے جنگ کریں گے۔ اور آخر کار حضرت عیسیٰؑ اس کو قتل کے گھاٹ اتاریں گے، دجال کے قتل کے بعد پھر کوئی

جہ و نہیں ہوگا۔ کیونکہ یا جو جہاد کے خلاف توجہ دلا کر اس لئے نہیں ہوگا کہ ان سے جنگ کرنے کی طاقت کسی کو حاصل نہیں ہوں اور جب اللہ تعالیٰ ان کو بلا تک کروے گا تو پھر جب تک عیسائی علیہ السلام اس دنیا میں موجود رہیں گے روئے زمین پر کوئی کافر باقی نہیں رہے گا آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد بعض لوگ کافر ہو جائیں گے اور اس وقت تمام مسلمان ایک پاکیزہ ہوا کے ذریعہ وفات پا جائیں گے اور دنیا میں صرف کافر یہ رہ جائیں گے اس طرح جب قیامت آئے گی تو اس وقت روئے زمین پر کوئی بھی اللہ کا نام یاد باقی موجود نہیں ہوگا۔ اس اعتبار سے بعض احادیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ لا تزال طائفة من امتی ظاہرین علی الحق حتی تقوم الساعة یعنی میری امت کی کوئی نہ کوئی جماعت عیسٰی حق کی حمایت و حفاظت کرتی رہے گی یہاں تک کہ قیامت قائم ہو تو یہ قرب قیامت پر محمول ہے کہ قرب قیامت تک اس روئے زمین پر حق کی حفاظت کرنے والی کوئی نہ کوئی جماعت موجود رہے گی، چنانچہ حق کی حمایت میں حق والوں کا آخری معرکہ و جال ہے جو گا اور دجال کا خروج علامات قیامت میں سے ہے۔

جہاد میں کسی طرح سے بھی شرکت نہ کرنے والے کے بارے میں وعید

(۳۲) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَمْ يَغْزَوْهُمْ لَمْ يَغْزَوْهُمُ غَزَايَا أَوْ يَخْلُفَ غَزَايَا فَيُؤْخِرُ أَصَابَهُ اللَّهُ بِقَارِعَةٍ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت ابوامامہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے نہ تو (میں) غزو (جہاد) کیا اور نہ کسی عہد کا سامان درست کیا اور نہ کسی غازی کے (جہاد میں ہونے کے دوران اس کے) اہل و عیال کے حق میں بھلائی کے ساتھ اس کا نائب بنا تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے پہلے دن کسی سخت مصیبت میں مبتلا کرے گا۔“ (ابو داؤد)

(۳۳) وَعَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَاهِلُوا الْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَأَلْسِنَتِكُمْ۔

(رواہ ابو داؤد و الترمذی و ابوداؤد)

”اور حضرت ابوامامہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا مشرکین یعنی دشمنان اسلام سے تم اپنی جان اپنے مال اور اپنی زبان کے ذریعہ جہاد کرو۔“ (ابو داؤد، ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: جان و مال کے ذریعہ جہاد کرنا تو یہ ہے کہ حق و باطل کے درمیان ہونے والے معرکہ کے موقع پر میدان جنگ میں اپنی جان کو پیش کرے اور زخمی ہو اور اپنے مال کو جہاد کی ضروریات میں خرچ کرے زبان کے ذریعہ جہاد کرنا یہ ہے کہ دشمنان اسلام کے عقائد و نظریات اور ان کے بتوں کی مذمت کرے ان کے حق میں بدو عا کرے کہ انہیں حق کے مقابلہ پر ذلت و سوائی اور شکست کا سامنا کرنا پڑے ان کو قتل و قید کرنے یا اسی طرح کی اور چیزوں سے ڈرائے و محاکمے مسلمانوں کی فتح و کامرانی اور ان کو مال غنیمت ملنے کی دعا کرے اور لوگوں کو جہاد میں شریک ہونے کی ترغیب دلائے۔

جنت کے وارث

(۳۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطِيعُوا الطَّعَامَ وَاضْرِبُوا أَلْهَامَ تَوَدُّوا الْجَنَّةَ۔ وَوَاهُ التَّوْبَةُ بِيَدِي وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا سلام کو عام یعنی ہر آتش و آفتاب و سلام ترکہ اور غریب و محتاج لوگوں کو کھانا کھلاؤ اور کفار کے فتنہ و فساد کا سرچلو جنت کے وارث بنائے جاؤ گے اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

جہاد میں پاسبانی کی فضیلت

(۳۶) عَنْ فَصَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ حَيْبٍ يُخْتَمُ عَلَى عَمَلِهِ إِلَّا الذُّبَابَ مَاتَ مُرَابِطًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَإِنَّهُ لَنُفْسٍ لَهُ عَمَلُهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَيَأْتِيهِ فَتْنَةُ الْقَبْرِ - زَوَاهُ الْقِرْمِذِيُّ وَابْنُ دَاوُدَ وَزَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ غُثَّةِ بْنِ عَامِرٍ -

۳۳ اور حضرت فضالہ ابن عبید رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہر میت اپنے عمل پر اختتام پذیر ہوتی ہے یعنی ہر شخص کا عمل اس کی زندگی تک رہتا ہے مرنے کا بعد اس کا عمل ایسی طور پر ہی نہیں رہتا کہ اس کو نیا ثواب ملتا ہے لیکن جو شخص اللہ کی راہ یعنی جہاد میں پاسبانی کرتا ہو اسے تو اس کے لئے اس کا عمل قیامت کے دن تک بڑھا دیا جاتا ہے اور قبر کے فتنہ و عذاب سے ، مومن رہتا ہے ترمذی کا ہذا واد اور دارمی نے اس روایت کو عقبہ ابن عامر سے نقل کیا ہے۔

تشریح : اس کا عمل قیامت تک کے لئے بڑھا دیا جاتا ہے کا مطلب یہ ہے کہ مرنے کے بعد بھی اس کو ہر لمحہ اس کے اس عمل کا نیا ثواب ملتا رہتا ہے کیونکہ اس نے ایک ایسے عمل پر اپنی جان نذر کی ہے جس کا فائدہ ہمیشہ مسلمانوں کو پہنچتا رہے گا اور وہ عمل ہے دین کو زندہ کرنا اور رکھنا جو اس شخص نے جہاد میں پاسبانی کے ذریعہ سے مسلمانوں کو دشمنوں سے محفوظ و محاط رکھ کر انجام دیا۔

جہاد میں شرکت کرنے والے کی فضیلت

(۳۷) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ قَاتَلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَوَاقٍ نَافِلَةً فَقَدْ وَجِبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَمَنْ جَرَحَ جَرْحًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ نَكَبَ نَكْبَةً فَاتَتْهَا فِجْحٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَمَا غَزَوْا مَا كَانَتْ لَوْ تُهَيَّا التَّوَعُّوَانِ وَيَنْفَعُهَا الْمُسْتَكُ وَمَنْ خَرَجَ بِهِ خُرَاجٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَإِنَّ عَمَلَهُ طَالِعُ الشَّهَادَةِ - (رواہ الترمذی والبخاری والنسائی)

۳۴ اور حضرت معاذ ابن جبل سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد میں اونٹنی کے فواق کے بعد یعنی تھوڑی دیر کے لئے بھی لڑا اس کے لئے اتنا ہی جنت واجب ہوگی جو شخص اللہ کی راہ (جہاد) میں دشمنوں کے ہتھیاروں سے زخمی ہوا یا وہ کسی زخم کی تکلیف میں مبتلا ہو تو وہ زخم قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا جیسا کہ وہ دنیا میں تھا یعنی وہ شخص قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا وہ زخم زیادہ تازہ حالت میں ہو گا اور اس زخم کا رنگ زعفران جیسا اور اس کی بو مشک جیسی ہوگی اور جس شخص کے بدن میں اللہ کی راہ (جہاد) میں پھوڑا نکلا تو قیامت کے دن اس کی پھوڑے پر پھوڑے والے پر شہیدوں کی ہر ہوگی یعنی اس شخص کے ساتھ شہیدوں کی علامت ہوگی تاکہ جانا جائے کہ اس شخص نے دین کی سربلندی و حفاظت کے لئے جدوجہد کی تھی چنانچہ اس کو وہی اجر و انعام دیا جائے گا جو پھوڑے میں اسلام کو ملے گا۔

تشریح : فواق اس وقت کہ کہتے ہیں جو اونٹنی کے دودھ دوہنے کے درمیان ہوتا ہے یعنی پہلے ایک مرتبہ اونٹنی کا دودھ دوہا اس کے بعد پھر تھوڑی دیر میں پھر دوہا اس دنوں میں مرتبہ دودھ دوہنے کے درمیان جو وقفہ ہوتا ہے اس کو عربی میں فواق کہتے ہیں یہاں حدیث میں "فواق" سے مراد تھوڑی دیر ہے۔

جہاد میں اپنا مال و اسباب خرچ کرنے کی فضیلت

(۳۸) وَعَنْ حُزَيْنِ بْنِ قَابِلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اتَّفَقَ تَفَقُّةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ كُنْتُ لَهُ سَبْعَ عِمَامَةٍ صَغُفٍ - (رواہ الترمذی)

۳۵ اور حضرت خزیمہ ابن قاتک کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص خدا کی راہ یعنی جہاد میں اپنے مال میں سے جو کچھ بھی خرچ

کرے گا اس کے لئے سات سو گنا ثواب کما جائے گا۔ (ترمذی)

تشریح: خدا کی راہ میں اپنے مال و اسباب کو خرچ کرنے کا جو ثواب ہے اس کا ادنیٰ درجہ یہاں ذکر کر گیا ہے کہ جہاد میں خرچ کیا جائے والا مال اپنے مالک کو سات سو گنا ثواب کا حقدار کرے گا ویسے یہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر موقوف ہے کہ وہ جس کو چاہے گا اس سے بھی زیادہ ثواب عطا فرمائے گا۔

(۳۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الصَّدَقَاتِ ظِلٌّ قُضِيَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَنْحَةٌ خَادِمٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ ظَرْفَةٌ فَخِلٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا بہترین صدقہ اس خیرہ کا سایہ ہے جو خدا کی راہ میں یعنی کسی مجاہد یا حاجی اور یا طالب علم دین وغیرہ کو دیا جائے اور بہترین صدقہ وہ خادم ہے جو خدا کی راہ میں (کلیہ یا عاریہ) دیا جائے اور بہترین صدقہ اللہ کی راہ میں ایسی اونٹنی کا دینا ہے جو زر کی جتنی کے قابل ہو یعنی خدا کی راہ میں ایسی اونٹنی کا دینا افضل ہے جو زر کے ساتھ جتنی کی عمر کو پہنچ گئی ہے تاکہ وہ سواروں کے کام آسکے۔“ (ترمذی)

مجاہد کی فضیلت

(۴۰) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَلِيحُ النَّارُ مِنْ بَكِيٍّ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ حَتَّى يَمُوتَ اللَّهُ فِي الصُّرْعِ وَلَا يَجْتَمِعُ عَلَى عَبْدٍ غَارٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَذُخَانٌ خَنَثَمٍ وَزَادَ التَّوْبَةُ وَزَادَ النَّسَاءُ فِي الْخَيْرِ فِي مَنْجُوٍّ مُسْلِمٍ أَبَدًا وَفِي الْخَيْرِ لَهْفٍ يَبُوءُ عَبْدًا أَبَدًا لَا يَجْتَمِعُ الشَّيْخُ وَالْإِيْمَانُ فِي قَلْبٍ عَبْدًا أَبَدًا۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا وہ شخص دوزخ میں نہیں جائے گا جو خدا کے خوف سے رویا ہو یہاں تک کہ دودھ تھنوں میں واپس نہ چلا جائے اور کسی بندے میں اللہ کی راہ کا غبار اور دوزخ کا دھواں ایک جائیں ہو سکتے ہیں جس مسلمان کا جسم خدا کی راہ یعنی جہاد میں غبار آلود ہو اس کو دوزخ کا دھواں چھو بھی نہیں سکتا۔ حامل یہ کہ مجاہد دوزخ میں نہیں جائے گا۔ (ترمذی) اور نسائی نے ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ جو کسی مسلمان کی ناک کے دونوں تھنوں میں خدا کی راہ کا غبار اور دوزخ کا دھواں بھی بھی ایک جائیں ہو سکتے اور نسائی ہی کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ بندے کے پیٹ میں خدا کی راہ کا غبار اور دوزخ کا دھواں بھی بھی ایک جائیں ہو سکتے اور کسی بندے کے دل میں (کامل) ایمان اور نکل بھی بھی ایک جائیں ہو سکتے۔“

تشریح: یہاں تک کہ دودھ تھنوں میں واپس نہ چلا جائے یہ جملہ تعلق بالخال کے طور پر ہے یعنی جس طرح دودھ ہوئے دودھ کا تھنوں میں واپس جانا محال ہے۔ اس طرح اس شخص کا دوزخ میں جانا محال ہے۔

(۴۱) وَعَنْ أَبِي غَسْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَيْنَانِ لَا تَمْسُهُمَا النَّارُ عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَعَيْنٌ بَاتَتْ تَحْزُنُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا دو آنکھیں ایسی ہیں جن کو دوزخ کی آگ چھو بھی نہ سکے گی ایک تو وہ آنکھ جو خدا کے خوف سے روئی ہو۔ اور دوسری وہ آنکھ ہے جس نے خدا کی راہ یعنی جہاد میں کھار سے مجاہدین کی نگہبانی کرتے ہوئے رات گزار لی ہو۔“ (ترمذی)

جہاد کی برتری و فضیلت

(۴۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَرَّ زَيْلٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِغَنِيَّةٍ مِنْ مَاءٍ غَذِيَةٍ

وَاغْنَيْنَا عَنْهُمُ الْفِتْنَةَ فَفَاقَتْ فِي هَذَا الشَّعْبِ فَلَذَكَرَ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تَفْعَلْ فَإِنْ مَقَامَ أَحَدِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهِ فِي بَيْتِهِ سِتِّينَ عَامًا أَلَا تَنْحَنُونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَيُنْذِرَ حُلُمَكُمْ النِّجَةَ أَعَزُّوْا لِي سَبِيلَ اللَّهِ مَنْ قَاتَلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَرَأَى نَاقَةً وَجَبَتْ لَهُ النِّجَةُ (رواه الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک سفر کے دوران رسول کریم ﷺ کے ایک صحابیؓ پیڑی کے درہ سے گزرے جس میں شیریں پانی کا ایک چشمہ تھا تو وہ چشمہ ان کو بہت اچھا لگا وہ کہنے لگے کہ کاش میں لوگوں سے علیحدگی اختیار کر لوں اور اس درہ سے میں رہا؟ جب رسول کریم ﷺ نے اس بات کا ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے ان صحابیؓ سے فرمایا کہ تم ایسا نہ کرنا کیونکہ تم میں ہے کسی شخص کا اللہ کی راہ یعنی جہاد میں قیام کرنا اس کا گھر میں شر بر سر نماز پڑھنے سے بہتر ہے کیا تم اس کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کامل طور پر بخش دے اور تمہیں ابتداء ہی میں جنت میں داخل کر دے خدا کی راہ میں جہاد کرو کیونکہ جس شخص نے خدا کی راہ میں اونٹنی کے فرائض کے بقدر یعنی تھوڑی دیر کے لئے بھی جہاد کیا اس کے لئے جنت واجب ہوگی۔“ (ترمذی)

تشریح: متربرس سے تحدید یہ مراد نہیں ہے بلکہ آخرت مراد ہے چنانچہ یہ ارشاد گرامی اس روایت کے منافی نہیں ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ:

مقام الرجل في الصف في سبيل الله افضل عند الله من عبادة الرجل ستين سنة۔

”کسی شخص کا اللہ کی راہ میں دشمن کے مقابلہ پر صف میں کھڑا ہونا خدا کے نزدیک کسی شخص کی ساتھ درج کی عبادت سے بہتر ہے۔“

اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے چونکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں سے گوشہ گزینی اختیار کرنے اور جنگل و کوہستان میں عبادت خداوندی میں مشغول رہنے سے بخشش و مغفرت حاصل نہیں ہوتی اس لئے علماء اس ارشاد گرامی کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ چونکہ اس زمانے میں جہاد واجب تھا۔ اور کسی نفل کے لئے واجب کو ترک کرنا گناہ ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعہ ان صحابیؓ پر گویا یہ واضح کیا کہ اگر تم نے دنیا اور دنیا والوں سے ترک تعلق کر کے اس پیڑی درہ سے گوشہ گزینی اختیار کی اور اگرچہ اس کا مقصد محض مکمل تنہائی و خلوت میں خدا کی عبادت میں مشغول رہنا ہو تو اس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ تم ان بہت سی سعادتوں اور فضیلتوں سے محروم رہ جاؤ گے جو دنیا والوں کے درمیان رہ کر دینی فرائض و ذمہ داریوں کو انجام دینے کی صورت میں حاصل ہوتی ہیں بلکہ تمہارا یہ نفل عمل ایک واجب عمل اور ایک اہم دینی فریضہ یعنی جہاد کے ترک کا باعث بھی ہوگا جس سے تم گنہ گاروں کے زمرے میں شامل ہو جاؤ گے۔ علاوہ ازیں جیسا کہ ترجمہ میں واضح کیا گیا ہے اس ارشاد گرامی سے کامل مغفرت اور ابتداء جنت میں جانے والوں کے ساتھ جنت میں داخل ہونے پر معمول کیا جاسکتا ہے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں کے درمیان رہنا گوشہ گزینی سے افضل ہے خصوصاً آنحضرت ﷺ کے زیادہ سعادت نشان میں تو یہ افضلیت کہیں زیادہ تھی البتہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے بعد بھی کسی گوشہ گزینی ہی کو افضلیت حاصل ہوتی ہے جب کہ لوگوں کے درمیان رہنے سے فتنہ و شر کے غلبہ کا خوف ہو۔

جہاد میں پاسبانی کی فضیلت

(۴۲) وَعَنْ عَثْمَانَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ الْمِائَةِ يَوْمٍ فِيهَا سِوَاهُ مِنَ الْمَنَاسِلِ۔ (رواه الترمذی والسنائی)

”اور حضرت عثمانؓ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی راہ یعنی جہاد میں کفر کی سرحدوں پر ایک دن کے

لئے بھی پاسبانی کی خدمت اس پاسبانی کے منصب و خدمت کے علاوہ اور عہدوں کے میں ہزاروں تک مشغول رہے بہتر ہے۔“
ترغی و تنبیہ

تشریح: ”اس منصب و خدمت کے علاوہ“ کے ذریعہ اقامت دین کے لئے خدا کی راہ میں جدوجہد کرنے کی خدمت کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔

بظاہر اس حدیث کا تعلق اس شخص سے ہے جو چاروں اسلامی سرحدوں کی حفاظت و نگہبانی کی خدمت پر مامور کیا گیا ہو اور پاسبانی کی ذمہ داریوں کو انجام دیتا اس پر واجب ہو کیونکہ اس شخص کا اسی موضوعہ خدمت کے علاوہ کسی اور عبادت و فہمہ میں مشغول ہونا معصیت ہے اگرچہ وہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھ کر اس عمل کی بھی بہت فضیلت ہے اور اس کو بھی ربط کہا گیا ہے۔

شہداء ابتداء ہی جنت میں داخل کئے جائیں گے

(۳۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ غُرَضَ عَلَى أَوَّلِ ثَلَاثَةِ مَنْ خَلَوْا الْخَلَّةَ شَهِيدًا وَغَفِيرًا مُتَغَفَّرًا وَعَبْدًا أَحْسَنَ عِبَادَةَ اللَّهِ وَنَصَحَ لِعَمَلِهِ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میرے سامنے وہ پہلے تین شخص پیش کئے گئے جو شروع ہی میں جنت میں داخل ہوں گے ان میں سے ایک شخص تو شہید ہے دوسرا وہ شخص ہے جو حرام سے بچے اور سوال نہ کرے اپنی نفس و جان سے بچنے والا اور کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے والا) تیسرا شخص وہ غلام ہے جس نے اپنے اللہ کی بھی اچھی اطاعت و عبادت کی اور اپنے انگوٹوں کا بھی خیر خواہ رہا۔“ (ترمذی)

تشریح: پہلے تین شخص سے مراد یہ ہے کہ بالکل شروع میں جنت میں جو تین تین شخص داخل ہوں گے ان میں سے یہ تین شخص پہلے داخل ہوں گے لیکن انبیاء کے بعد کیونکہ انبیاء سب سے مقدم ہوں گے اور وہ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے نیز تین تین شخص سے تین تین جماعتیں مراد ہیں۔

افضل مجاہد اور افضل شہید

(۳۵) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ خُبَيْشٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبَّلَ أَيْ الْأَعْمَالَ أَفْضَلَ قَالَ طَوْلُ الْقِيَامِ قِيلَ فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ قَالَ جِهْدُ الْمُقِلِّ قِيلَ فَأَيُّ الْهَجْرَةِ أَفْضَلُ قَالَ مَنْ هَجَرَ مَخَارِمَ اللَّهِ عَلَيْهِ قِيلَ فَأَيُّ الْجِهَادِ أَفْضَلُ قَالَ مَنْ حَاذَ الْمُشْرِكِينَ بِمَالِهِ وَنَفْسِهِ قِيلَ فَأَيُّ الْقَتْلِ أَشْرَفُ قَالَ مَنْ أَهْرَقَ دَمَهُ وَغَفَرَ جَوَادِفَهُ زَوَاهُ أَنْوَادُ وَفِي زَوَايَا الشَّجَائِرِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبَّلَ أَيْ الْأَعْمَالَ أَفْضَلَ قَالَ الْإِيمَانُ لَا شَكَّ فِيهِ وَجِهَادُ لَا عَمَلٌ فِيهِ وَحَسْبُهُ مَبْرُورَةٌ قِيلَ فَأَيُّ الصَّلَاةِ أَفْضَلُ قَالَ طَوْلُ الْقَنُوتِ ثُمَّ اتَّفَقُوا عَلَى الْبَاقِي

”اور حضرت عبداللہ ابن خبیشؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ نماز کے اعمال (ارکان) میں سے کونسا عمل (رکن) افضل ہے آپ ﷺ نے فرمایا طویل قیام کرنا پوچھا گیا کونسا صدقہ افضل ہے فرمایا غلبہ و عین جانچنے پر غور و تلاش کے باوجود محنت و مشقت کر کے نکالنے پوچھا گیا کونسی ہجرت بہتر ہے فرمایا اس شخص کی ہجرت جو اس چیز کو چھوڑ دے جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے یعنی اگرچہ ہجرت کے معنی دار کفر کو چھوڑ کر دارالاسلام میں چلے جانا ہیں لیکن حرام چیزوں کو چھوڑ کر حلال چیزوں کو اختیار کرنا بھی ہجرت ہی کہلاتا ہے بلکہ یہی ہجرت بہتر ہے پوچھا گیا کونسا سہا جہاد بہتر ہے فرمایا اس شخص کا جہاد جو اپنے اہل اور اپنی جان کے ذریعہ مشرکین سے جہاد کرے پوچھا گیا جہاد میں

نوں سادہ جانا بہتر ہے یعنی کون سا شہید افضل ہے فرمایا اس شخص کا مارا جانا جس کا خون بہایا جائے اور جس کے گھوڑے کی کوئی بھی کائی جائے یعنی وہ شہید افضل ہے جو خود بھی مارا جائے اور اس کا گھوڑا بھی مارا جائے ابو داؤد اور نسائی کی روایت میں یوں ہے کہ رسول کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ اعمال میں کون سا عمل افضل ہے آپ ﷺ نے فرمایا وہ ایمان جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہ ہو۔ وہ جہاد جس میں حاصل شدہ مال غنیمت کے بارے میں کسی طرح کی خیانت نہ کی گئی ہو اور حج مقبول پھر پوچھا گیا کہ نماز میں کونسی چیز افضل ہے؟ فرمایا قیام کو طویل کرنا اس کے بعد حدیث کے الفاظ ابو داؤد و نسائی نے یکساں نقل کئے ہیں۔“

تشریح: جو اپنے جان اور مال کے ذریعہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ وہی جہاد افضل ہے جس میں مجاہد نے اپنا مال و اسباب اور اپنا روپیہ پیسہ بھی اپنے اور دوسرے مجاہدین کی ضروریات جہاد میں صرف کیا ہو اور میدان جنگ میں اپنی جان کو بھی پیش کیا ہو یہاں تک کہ زخمی ہوا اور مارا گیا۔

افضل اعمال کے سلسلے میں یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ احادیث میں افضل اعمال کے تعین و بیان کے سلسلے میں مختلف ارشاد معقول ہیں کہیں کسی عمل کو افضل فرمایا گیا ہے اور کہیں کسی عمل کو اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے افضل عمل کے بارے میں کئے جانے والے سوالات کے جوابات مسائل کی حیثیت اور اس کے احوال کے مناسب ارشاد فرمائے چنانچہ جس مسئلے میں تکبر و ورشی کے آثار دیکھے اس کو جواب دیا کہ سب سے بہتر عمل تو جس و نرم خوئی ہے جیسے سلام کو ظاہر کرنا اور نرم گوئی اختیار کرنا۔ جس سے مسائل میں جھگڑ اور حسد کے آثار پائے اس سے فرمایا کہ سب سے بہتر عمل سخاوت ہے جیسے حق جان اور فقیروں کو کھانا کھانا وغیرہ کی طرح جس مسائل میں عبادت کے معاملے میں سستی کے آثار پائے اس کو جواب دیا کہ سب سے بہتر عمل تہجد کی نماز ہے فرسیدہ جس مسائل کو جس حالت میں پایا اس کا جواب اسی کے مناسب حال دیا۔ اس اعتباراً عمل کی افضلیت کی مراد کو یاد رکھتے ہو کہ حق میں ہے کہ مثلاً جس مسائل میں جھگڑ و حسد کی فصلیں تھیں اس کے حق میں سب سے بہتر عمل سخاوت ہی تھا یا پھر یہ کہا جائے گا کہ جس موقع پر جس عمل کو سب سے بہتر عمل فرمایا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ یہ عمل افضل اعمال میں سے ایک افضل عمل ہے۔

شہداء پر حق تعالیٰ کے انعامات

﴿۳۶﴾ وَعَنِ الْبُقْعَةِ بْنِ مُعَدٍ يَكْرُبُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلشَّهِيدِ عِنْدَ اللَّهِ بِسْثُ جِصَالٍ يُغْفَرُ لَهُ فِي أَوَّلِ ذَفْعَةٍ وَيُزَيُّ مَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَيُجَازَى مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَيَأْمَنُ مِنَ الْفَزَعِ الْأَكْبَرِ وَيُوضَعُ عَلَيْهِ زَابِعُ تَابِ الْوَقَارِ أَلْهَا قُوَّةُهَا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَهَافِيهَا وَيَرْوَجُ لِنَتْنِينِ وَسَبْعِينَ زَوْجَةً مِنَ الْخَوْدِ الْعَيْنِ وَيُشَفِّعُ فِي سَبْعِينَ مِنْ أَقْرَبَائِهِ۔

(رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

”اور حضرت مقدم ابن معدی کربؒ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا حق تعالیٰ کے یہاں شہید کے لئے چھ امتیازی انعامات ہیں۔ ① اس کو پہلی مرتبہ میں ہی (یعنی اس کے خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی) بخش دیا جاتا ہے ② اس کو جان نکلنے والے وقت میں جنت میں اپنا ٹھکانا دکھا دیا جاتا ہے ③ وہ قبر کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے ④ وہ بڑی گھمراہت یعنی آگ کے عذاب سے مامون رہے گا ⑤ اس کے سر پر عظمت و وقار کا تاج رکھا جائے گا جس کا قوت دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر و گرانمایہ ہو گا ⑥ اس کی زوجیت میں بڑی آنکھوں والی بہتر حوریں دی جائیں گی اور اس کے عزیز و اقرباء میں سے ستر آدمیوں کے حق میں اس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔“

جہاد میں شرکت نہ کرنے والے کے بارے میں وعید

﴿۳۷﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَقِيَ اللَّهَ بِغَيْرِ آثَرٍ مِنْ جِهَادٍ لَقِيَ اللَّهَ وَجْهَهُ ثَلَاثَةً۔

(رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اللہ تعالیٰ کے حضور اس حال میں حاضر ہو گا کہ اس پر جہاد کا کوئی اثر نہیں ہو گا تو وہ گوئی اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کا بین ناقص ہو گا۔“ (ترمذی، المستدرک)

تشریح: ”اثر“ سے مراد ”علامت و نشان“ ہے حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اس حال میں اس دنیا سے رخصت ہو گا کہ نہ تو اس کے جسم پر جہاد کی کوئی علامت ہوگی جیسے زخم یا غبارِ راہ یا کسی اور جسمانی تکلیف کا کوئی نشان۔ اور نہ اس کے نامہ اعمال میں شرکتِ جہاد کا کوئی ثبوت ہو گا جیسے جہاد اور مجاہدین کی ضرورت میں اپنا مال خرچ کرنا یا مجاہدین کو سامانِ جہاد مہیا کرنا تو وہ گویا اس حالت پر مرے گا کہ اس کے دین میں رخصت ہو گا ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کا حلقہ اس شخص سے ہو جس پر جہاد فرض ہوا اور وہ نہ صرف یہ کہ اس فرض کی ادائیگی سے عملی طور پر محروم رہا ہو بلکہ اس نے جہاد میں شریک ہونے اور مستعد رہنے کا ارادہ بھی نہ کیا ہو۔

طبی: کہتے ہیں کہ یہاں جس ”جہاد“ کا ذکر کیا گیا ہے اس سے کفار کے مقابلہ میں لڑی جانے والی جنگ بھی مراد ہے اور اپنے نفس و شیطان سے لڑنا بھی مراد ہے جس کو مجاہدہ کہتے ہیں، چنانچہ اس کی تائید حضرت ابوامامہؓ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جو آگے آ رہی ہے۔

شہید، قتل کی اذیت سے محفوظ رہتا ہے

(۳۸) وَعَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشَّهِيدُ لَا يَجِدُ أَلَمَ الْقَتْلِ إِلَّا كَمَا يَحْذُ احْذُكُمُ أَلَمَ الْقَرْصَةِ۔ زَوَاهِدُ التِّرْمِذِيِّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا شہید اپنے قتل کی بس اتنی تکلیف محسوس کرتا ہے جتنی تکلیف تم میں سے کوئی شخص چوٹی کے کانٹے پر محسوس کرتا ہے ترمذی، دارمی، نسائی، دارمی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔“

تشریح: ”طبی“ کہتے ہیں کہ یہ اس شہید کا حال بیان کیا گیا ہے جو خدا کی راہ میں اپنی جان دینے میں لذت و کیف محسوس کرتا ہے اور اس قربانی پر اس کا نفس خوش و مطمئن ہوتا ہے لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ مراد یہ ہو کہ شہید کو موت کے بعد حق تعالیٰ کی نعمتوں اور رحمتوں کی وجہ سے جلد تیس حاصل ہوتی ہیں اس کی یہ نسبت اس کو اپنے قتل کی تکلیف چوٹی کے کانٹے کی تکلیف سے زیادہ محسوس نہیں ہوتی ہذا داناً مؤمن کو چاہئے کہ وہ خدا کی راہ میں جان دینے سے نہ گھبرائے اور نہ ڈرے بلکہ انہی خوشی کے ساتھ شہادت کو گلے لگائے۔

جہاد میں مؤمن کا بسنے والا قطرہ خون خدا کے نزدیک محبوب ترین چیز ہے

(۳۹) وَعَنْ ابْنِ أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيَّ اللَّهُ مِنْ قَطْرَةٍ نَبَسٍ وَأَنْزَلَنَ قَطْرَةً ذَمُوعًا مِنْ خُشْيَةِ اللَّهِ وَقَطْرَةً دَمٍ يُهْرَاقُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَمَّا الْآخَرَانِ فَأَتَوْنِي سَبِيلَ اللَّهِ وَأَتَوْنِي هَرَبًا مِنْ هَرَابِ النَّبِيِّ نَعَالِي۔ زَوَاهِدُ التِّرْمِذِيِّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت ابوامامہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا خدا کے نزدیک دو قطرے اور دو نشانوں سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں ہے ایک تو خدا کے خوف سے بہا ہوا آنسوؤں کا قطرہ ہے اور دوسرا قطرہ خون ہے جو خدا کی راہ میں بہایا گیا ہو۔ اور دو نشانوں میں سے ایک نشان تو وہ ہے جو اللہ کی راہ میں قائم ہوا ہو۔ اور دوسرا نشان وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کی ہوئی چیزوں میں سے کسی فرض چیز کے سلسلے میں پیدا ہوا ہو امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔“

تشریح: اللہ کی راہ میں قائم ہونے والے نشان کا مطلب یہ ہے کہ جیسے مجاہد جہاد میں جائے اور راستہ میں اس سے قدم کے نشان پڑ جائیں یا اس کے جسم پر غبارِ راہ کا اثر قائم ہو جائے یا اس کے بدن پر کوئی زخم آجائے اور یا مطلب علم دین کے کپڑوں یا جسم کے کسی حصہ پر روشنی کے داغ دھبے پڑ جائیں کہ علم دین کی راہ بھی خدا کی راہ ہے اور اس راہ کا راسخ بھی مجاہد ہی کی طرح ہے۔

کسی فرض چیز کے سلسلے میں پیدا ہونے والے نشان کا مطلب یہ ہے کہ جیسے چاڑے کے موسم میں وضو کی وجہ سے نماز کے ہاتھ پیر پھٹ جائیں، نمازیں مسجدوں کی وجہ سے پیشانی پر داغ پڑ جائے یا گرمی میں سجدہ کے وقت تپتے ہوئے فرش سے نماز کی پیشانی چل جائے اور اس کا کوئی وحید پڑ جائے، یا روزے میں روزے دار کے منہ سے پو آنے لگے اور یا سفر حج میں حاجی کے بدن پر راستے کی گرد و غبار کی مہیں جم جائیں۔

بلا ضرورت شرعی بحری سفر کی ممانعت

(۵۰) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ وَقَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَرْكَبُ الْبَحْرَ إِلَّا خَاحًا أَوْ مُغَسِّرًا أَوْ عَارِبًا
فَمَنْ سَبِيلَ اللَّهِ فَإِنَّ تَحْتَ الْبَحْرِ مَاءً وَتَحْتَ الْمَاءِ مَخْرَابٌ (رواه البیہقی)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم بارادہ حج یا عمرہ اور یا اللہ کی راہ میں جہد سے لگے جانے کے علاوہ دریا میں سفر نہ کرو کیونکہ دریا کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے دریا ہے۔“ (ابو داؤد)

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ پانی میں سفر کرنا یک خطرناک مہم ہے اور عقلمند آدمی کو چاہئے کہ وہ اس خطرناک مہم کے ذریعہ اپنے آپ کو ہلاکت و خوف میں نہ ڈالے کیونکہ کسی شرعی ضرورت کی بناء پر کہ جو تقرب بارگاہ الہی کے حصول کا ذریعہ ہے کسی خطرناک و ہلاکت خیز مہم میں اپنے آپ کو ڈالنا ایک مستحسن فعل ہے لیکن بلا ضرورت شرعی ایسا کوئی بھی فعل عقل و دانش کے منافی ہے۔

اس حدیث سے ان لوگوں کے قول کی تردید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ترک حج کے لئے سمندر و دریا ایک عذر شرعی ہے چنانچہ اس سلسلے میں سب سے بہتر اور قابل عمل بات مشہور فقیہ حضرت ابواللیث سمرقندیؒ کی ہے جو یہ فرماتے ہیں کہ جب دریا یا سفر میں سلامتی کا پہلو غالب ہو تو حج پر جانا فرض ہوتا ہے اور اگر سلامتی کا پہلو غالب نہ ہو تو پھر حج کا ارادہ کرنے والا مختار ہے کہ اگر اس کو ہمت ساتھ نہ دے تو نہ جائے اور اگر وہ سلامتی کا ٹھن غالب نہ ہونے کے باوجود جانا چاہے تو چلا جائے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اس موقع پر اس آیت کریمہ:

وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ۔

”اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی و ہلاکت میں مت ڈالو۔“

کے بارہ میں بھی یہ بتا دینا ضروری ہے کہ یہ آیت اس صورت پر محمول ہے جب کہ اس جگہ کوئی شرعی غرض اور دینی کام نہ ہو چنانچہ اسی لئے بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر میں تباہی و ہلاکت کی پچھ صورتیں بیان کی ہیں کہ جیسے اپنے مال کا اسراف کرنا یا اپنی معاش کے ذریعہ مثلاً نوکری یا تجارت وغیرہ کو اپنے ہاتھوں ضائع و ختم کر دینا اور جہاد میں شرکت کرنے یا اپنا مال خرچ کرنے سے باز رہنا دراصل دشمن کو قوت پہنچانا اور ان کو اپنی ہلاکت کے لئے اپنے اوپر مسئلہ کر لینا ہے۔

”دریا کے نیچے آگ ہے“ اس جملہ کا مقصد لوگوں کو سمندر و دریا سے ڈرانا اور اس بات کو اہمیت کے ساتھ بیان کرنا ہے کہ سمندر و دریا کے سفر میں بڑا خطرہ ہے کیونکہ سمندر و دریا میں سفر کرنے والا مختلف قسم کے آفات سے دوچار رہتا ہے اور خصوصاً پہلے زمانے میں تو پانی کا سفر اپنے دامن میں بہت ہی خطرے و رکھتا تھا اور مسافروں کو یکے بعد دیگرے ایسی مختلف خطرناک صورت حال سے دوچار ہونا پڑتا تھا جس کی وجہ سے ہر لمحہ موت و ہلاکت بالکل سامنے کھڑی نظر آتی تھی۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس جملہ کو اس کے اصل معنی پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

پانی کے سفر میں مرنے والا شہید کا درجہ پانے کا

(۵۱) وَعَنْ أَمِّ حَرَامٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعَمْدُ فِي الْبَحْرِ الَّذِي يُصَيِّبُهُ الْقَيْئُ لَهُ أَخْرُ شَهِيدٍ وَالْعَرِيقُ

”لَا اخْرُجُ شَهِيدًا“۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور اُم حرام“ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا دیر یا دیر مسند کے سفر میں جس شخص کا سر گھونٹنے لگے اور اس کی وجہ سے اس کو قتل ہو تو اس کو ایک شہید کا ثواب ملے گا اور جو شخص سفر کے دوران دیر یا دیر مذکور ہو جائے تو اس کو دو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔“

(ابو داؤد)

تشریح: ان دونوں کو شہید کا ثواب اس صورت میں ملے گا جب کہ وہ جہاد کے لئے یا طلب علم اور حج جیسے مقاصد کے لئے نکلتی ہو غیر وہ کے ذریعہ دیر یا دیر مسند میں سفر کر رہا ہو نیز اگر اس کے سفر کا مقصد تجارت ہو اور اس تجارت کی غرض محض اپنے جسم کو زندہ و طاقت ور رکھنا اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات زندگی کو پورا کرنا ہو اور وہ تجارت اس دیر یا دیر سفر کے بغیر ممکن الحصول نہ ہو تو اس صورت میں بھی ایسی حکم ہے۔

جہاد میں کسی بھی طرح مرنے والا شہید ہے

(۵۲) وَعَنْ أَبِي خَالِدٍ أَنَّ الْأَشْعَرِيَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ فَضِّلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَضَاتٍ أَوْ قَتِلَ أَوْ قُصِفَ فَهُوَ شَهِيدٌ أَوْ لَدَغَتْهُ مَآفِقَةُ أَوْ حَاتَتْ عَلَى فَرْسِهِ بَابِي حَتَّى شَاءَ اللَّهُ فَإِنَّهُ شَهِيدٌ وَإِنْ لَمْ يَخْتَفِ

(رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت ابوالکاشعری کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ یعنی جہاد جیسے مقاصد میں گھر سے نکلا اور زخمی ہو جائے کی وجہ سے مر گیا یا اس کو جان سے مار ڈالا گیا یا اس کے گھوڑے یا اس کے اونٹ نے اس کو کچل ڈالا یا کسی زہریلے جانور جیسے سانپ وغیرہ نے اس کو کوس لیا اور یا کسی بیماری کی وجہ سے یا اچانک ایسی ہی اللہ کی مرضی سے اپنے بستر پر مارا گیا تو وہ ہر صورت میں شہید ہے۔ یعنی یا تو وہ قتل ہو گیا یا شہید کے حکم میں ہے اور اس کے لئے جنت ہے یعنی وہ اپنا ہی میں شہداء و صالحین کے ساتھ جنت میں داخل ہو گا۔“ (ابو داؤد)

جہاد اپنے گھر لوٹ آنے پر بھی جہاد کا ثواب پاتا ہے

(۵۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَعْلَةٌ كَعْرُؤَةٍ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جہاد سے لوٹ کر آنا بھی جہاد کے مانند ہے۔“ (ابو داؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جہاد اور غازی جب جہاد سے فارغ ہو کر اپنے گھر لوٹ آتا ہے تو اس کے لئے بھی انتہائی اجر ملتا ہے جتنا جہاد کرنے میں کیونکہ جہاد غازی تو ہر وقت اللہ کی راہ میں اپنی جان پیش کرنے کی نیت رکھتا ہے چنانچہ جب وہ کسی جہاد سے فارغ ہو کر گھر آتا ہے تو اس کی نیت یہی ہوتی ہے کہ کچھ دن راحت لے کر پھر جہاد کرنے کی طاقت و قوت پیدا کروں اور جوں ہی اللہ کی راہ کا بلاوا آجائے تو ذامیدان جنگ میں پہنچ کر نئے حوصلوں اور نئی انگلیوں کے ساتھ دشمنان دین کے ساتھ نہرو آزمائی کروں۔

جامل کو جہاد کا دہرا ثواب ملتا ہے

(۵۴) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْعَازِي أَخُوهُ وَلِلْجَاعِلِ أَجْرُهُ وَأَخُو

الْعَازِي۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جہاد کرنے والے کو اس کا اپنا اجر ملتا ہے یعنی جہاد کے لئے جہاد کا جو

مخصوص اجر ہے وہ اس کو پورا ملتا ہے اور جامل یعنی مال دینے والے لگاس کا اپنا اجر بھی ملتا ہے اور جہاد کرنے والے کا بھی۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”جامل“ اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو کسی غازی کو مال دے اور اس کی مدد کرے تاکہ وہ جہاد کرے لہذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جامل کو دو برابر ثواب ملتا ہے ایک ثواب تو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا اور دوسرا ثواب اس بات کا ملتا ہے کہ وہ اس غازی کے جہاد کرنے کا سبب و ذریعہ بنا ہے اس اعتبار سے جمل سے مراد ہے غازی کی مالی مدد کرنا اور اس کے لئے جہاد کا سامان و ضرورت مہیا کرنا چنانچہ اس عمل یعنی جمل کے جاکر ہونے اور اس کی فضیلت کے بارے میں کوئی شبہ ہی نہیں ہے اور تمام ہی علماء اس پر متفق ہیں۔

لیکن ابن ملک کہتے ہیں کہ جامل سے مراد ہے وہ شخص جو کسی غازی کو اجرت دے کر جہاد کرائے مٹنی علماء کے نزدیک یہ بھی جائز ہے اور اس صورت میں

ہر دو جہاد اور مشقت کا ثواب ملے گا اور جامل یعنی اجرت دینے والے کو دو برابر ثواب ملے گا ایک ثواب تو مال دینے کا اور دوسرا ثواب اس غازی کے جہاد کرنے کا سبب و ذریعہ بننے کا مگر حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک میں یہ یعنی کسی شخص کا اجرت دے کر جہاد کرانا منع ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی غازی نے کسی شخص سے اسی طرح کی اجرت لے لی ہے تو اس کو واپس کر دینا واجب ہے۔

بلا اجرت جہاد نہ کرنے والے کے بارے میں وعید

﴿۵۵﴾ وَعَنْ أَبِي أَنُوبٍ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ سَنَفُتُكُمْ عَلَى كَيْفِ الْأَنْفَازِ وَتَسْكُنُونَ جُلُودَ مُجْتَدِدَةٍ يَقْطَعُ عَلَيْكُمْ فِيهَا بَعُوثٌ فَيُكْفَرُ الزَّجَلُ النَّبْتُ فَيَنْتَحِلُصُ مِنْ قَوْمِهِ ثُمَّ يَنْصَفُ الْقَبَائِلَ بَعْرُصَ نَفْسِهِ عَلَيْهِمْ مِنْ أَكْثَرِهِ بَعْتُ كَذَا لَا وَذَلِكَ الْأَجِيرُ إِلَى أَخْرِ قَطْرَةٍ مِنْ دِمَاحٍ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابوالیوبؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عتق رب تمہارے لئے بڑے بڑے شہر فتح ہوں گے اور لشکر کے جہاد جدا کرتی جھڑنے ہوں گے جن میں تمہارے لئے جو بھی معین کی جائیں گی تو جو شخص امام یعنی سربراہ مملکت کی طرف سے اپنے آپ کو بلا معاوضہ فوج کے سربراہ جہاد میں بھیجے جانے کو تاپند کرے گا تو وہ اپنی قوم سے نکل بھاگے گا تاکہ جہاد میں جانے سے بچ جائے اور پھر دوسرے قبیلوں کو تلاش کرتا پھرے گا اور ان کے سامنے اپنی خدمات پیش کرے گا اور کہے گا کہ کون شخص ہے جس کو میں ایسے لشکر سے کفایت کروں یعنی وہ کون ہے جو میری خدمات کو اجرت پر ماحل کرے اور مجھے نوکر رکھے تاکہ میں اس کی طرف سے لشکر میں جاکر لڑائی کی محنت و مشقت اپنے ذمہ لوں ماحل ہے کہ وہ شخص بغیر اجرت کے محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے جہاد میں جانے کے لئے تیار نہیں ہوگا چنانچہ آنحضرت ﷺ ایسے شخص کی خدمت فرماتے ہیں کہ خبردار وہ شخص اپنے آخری قطرہ خون تک مزدور ہی رہے گا یعنی ایسے شخص کو غازی یا مجاہد مت سمجھنا بلکہ وہ کراہے کا ٹھوہکا جو دوسروں کی طرف سے میدان جنگ میں لڑے گا یہاں تک کہ مارا بھی جائے گا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”جن میں تمہارے لئے جو بھی معین کی جائیں گی“ کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی مملکت کے سربراہ اس بات کو ضروری قرار دیں گے کہ اپنے ملک کی ہر قوم اور ہر جماعت کے لوگوں کی فوجیں بنا کر انہیں جہاد کے لئے بھیجیں۔

اور مظہر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جب اسلام کی آواز دنیا کی ہر سمت میں پہنچ جائے گی تو امام وقت یعنی اسلامی مملکت کا سربراہ اس بات کی ضرورت سمجھے گا کہ وہ اسلامی فوج کے لشکر تیار کر کر ہر سمت کو بھیجے تاکہ وہ لشکر ان کفار کا قلع قمع کرے جو اسی سمت میں موجود مسلمانوں کے قریب ہوں اور مسلمانوں پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے ریشہ دہائیاں کر رہے ہوں۔

اجرت پر جہاد میں جانے والے کا مسئلہ

﴿۵۶﴾ وَعَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ قَالَ أَدْنَوْسُونِي اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْفَرُوقِ وَأَنَا شَيْخٌ كَبِيرٌ لَيْسَ لِي خَادِمٌ فَأَلْتَمَسْتُ

حقیقی جہاد کس کا ہے

(۵۸) وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعُرُؤُ عَزَّوَانُ فَأَمَّا هُنَّ ابْتِغَى وَجْهَ اللَّهِ وَأَطَاعَ الْإِمَامَ وَالْفَقِيَّ الْكِرْبَنِمَةَ وَيَأْتِرُ الشَّرْبَنِيَّةَ وَاجْتَنَبَ الْفَسَادَ فَإِنَّ تَوَمُّعَهُ وَتَبَهُّهُ أَجْرُ كُلِّهِ وَأَمَّا هُنَّ عَزَّافَتُهُنَّ وَبَنَاءُ وَشُعْطُهُ وَعَصَى الْإِمَامَ وَالْمُسْلِمِي الْأَوْصِي فَإِنَّهُنَّ لَمْ يَزَجْنَ بِالْكَفَّابِ - (رواہ مالک و ابوداؤد و الترمذی)

”اور حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جہاد دو طرح کا ہوتا ہے پہنچا جس شخص نے مولیٰ کی رضا طلب کرنے کے لئے جہاد میں شرکت کی امام یعنی سربراہ مملکت اور قانون حکومت اسلامی کی اطاعت کی اپنے پاک مال اور اپنی پاک جان کو خدا کی راہ صرف کیا اور اپنے شریک کار سے اچھا معاملہ رکھا اور ہتھیار فساد کرنے سے بچکر بائیس لوٹ مار کرنے والی پھیلانے اور غیبت کرنے کے ذریعہ حدود شریعت سے تجاوز نہیں کیا تو اس کا سونا اور اس کا جائیداد اس کے لئے اجر و ثواب کا موجب ہے اور جس شخص نے بطریق فخر یعنی ناموری اور دکھانے سنانے کے لئے جہاد کیا امام کی نافرمانی کی اور روئے زمین پر ہتھیار فساد پھیلایا تو وہ کوئی بدلہ لے کر واپس نہیں آئے گا یعنی اس طرح کے جہاد سے نہ تو اس کے گناہ بخشے جائیں گے اور نہ اس کو کوئی ثواب ملے گا۔“ (مالک ابوداؤد و ترمذی)

ناموری کے لئے جہاد کرنے والے کے بارے میں وعید

(۵۹) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَخْبِرْنِي عَنِ الْجِهَادِ فَقَالَ يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو إِنَّ قَاتِلْتَ صَابِرًا مُخْتَصِبًا بَعَثَكَ اللَّهُ صَابِرًا مُخْتَصِبًا وَإِنْ قَاتِلْتَ غَرِيبًا مُكَافَرًا بَعَثَكَ اللَّهُ مُرْتَابًا مُكَافَرًا يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو عَلَى أَيْ خَالٍ قَاتِلْتَ أَوْ قَاتِلْتَ بَعَثَكَ اللَّهُ عَلَى بَلَدٍ الْفَخَالِ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے جہاد کے بارے میں بتائیے کہ کس طرح کا جہاد موجب ثواب ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا عبداللہ ابن عمرو! اگر تم اس حال میں لڑو کہ میرے لئے لڑو اور ثواب چاہنے والے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں (قیامت کے دن) میرے لئے والا ای اٹھائے گا یعنی تم جس طرح ان صفات کے ساتھ جہاد کرو گے اور ان صفات پر مرو گے اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہیں ان صفات کے ساتھ اٹھائے گا اور تمہیں ان کا ثواب عطا فرمائے گا جیسا کہ ایک روایت میں ہے كَتَحَا فَعِيشُونَ فَمَوْتُونَ وَكَتَحَا فَمَوْتُونَ تَحْشَرُونَ یعنی تم جس حالت پر جیتے ہو اسی حالت پر مرو گے اور جس حالت پر مرو گے اسی حالت پر اٹھائے جاؤ گے اور اگر تم فحاش کی نیت سے اور اپنا زور جٹانے کے لئے لڑو گے یعنی اگر تم لوگوں میں یہ فخر کرنے کے لئے لڑو گے کہ میں مال اور طاقت اور لشکر کے اعتبار سے تم سے بڑھ کر ہوں اور جہاد کے حکم کی اتباع تم سے زیادہ کرنے والا ہوں تو اللہ تعالیٰ تمہیں قیامت کے دن فحاش کر لے والا اور زور جٹانے والا اٹھائے گا یعنی میدانِ حشر میں جہاد کے بارے میں اعلان کیا جائے گا کہ یہ شخص کون ہے جو فحاش کی نیت سے اور فخر کرنے اور زیادہ مال و مثال حاصل کرنے کے لئے لڑا جیسا کہ عبداللہ ابن عمروؓ نے فرمایا کہ جس حال میں لڑو گے یا جس حال میں مارے جاؤ گے اللہ تعالیٰ تمہیں اسی حال میں اٹھائے گا۔“ (ابوداؤد)

امیر کو معزول کر دینا چاہئے

(۶۰) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ مَالِكٍ عَنِ الشَّيْبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَعَجَزْتُمْ إِذَا بَعَثْتُمْ رَجُلًا فَلَمْ يَمْضِ بِأَمْرِي أَنْ تَجْعَلُوا أَمْكَاةً مِّنْ يَّمْضِي بِأَمْرِي - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عقبہؓ ابن مالک بن شیبہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم اس سے عاجز ہو کہ جب میں کسی شخص کو تمہارا امیر و حاکم بنا کر بھیجوں اور وہ میرے حکم کی نافرمانی نہ کرے یعنی وہ میرے کسی حکم یا میری کسی ممانعت کی مخالفت کرے تو تم اس کو

معزول کر دو اور اس کی جگہ کسی ایسے شخص کو مقرر کر دو جو میرے مفوض کام کو انجام دے۔ (الامداد)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ واضح کرنا ہے کہ اگر میں کسی شخص کو کسی کام کے لئے مثلاً حاکم دوا کی بنا کر کہیں بھیجوں اور وہ وہاں نہ جائے یا وہاں جا کر میرے حکم کی تعمیل نہ کرے اور میری بتائی ہوئی راہ سے ہٹ کر اپنے بتائے ہوئے راستے پر چلے گئے تو تم اس کو معزول کر دو اور اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو میرے حکم کے مطابق اپنا حاکم بن لو۔ اس حکم پر قیاس کرتے ہوئے علماء نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کوئی امیر و حاکم رعیت پر ظلم کرنے لگے اور عوام کے حقوق کی اور انکی میں کوتاہی کرنے لگے تو عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس امیر کو معزول کر کے اور اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو امیر و حاکم بن لیں۔

وَذِكْرُ خَدِیْثٍ فَضَالَةٍ وَالْمُجَاهِدِ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِي كِتَابِ الْإِيمَانِ

اور حضرت کھالہ کی روایت والی جہاد من جاهد نفسه کتاب الایمان میں نقل کی جا رہی ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

اسلام میں رہنمائی کی گنجائش نہیں

(۶۱) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرِيَّةٍ فَمَعَزَ وَجَلَّ بِغَارٍ فِيهِ شَيْءٌ مِنْ مَاءٍ وَبَقِلَ فَخَدَّتْ نَفْسُهُ بِأَنْ يَقِيمَ فِيهِ وَيَتَخَلَّى مِنَ الدُّنْيَا فَاسْتَأْذَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذَلِكَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَمْ أَتُفَّ بِالنَّهْزِ وَدِيَّةٍ وَلَا بِالنَّصْرِ أَيْتِيَةٍ وَلَكِنِّي بُعِثْتُ بِالْحَيِيَّةِ السَّمْحَةِ وَالْبَيِّنِ نَفْسٍ مُعْتَدِيَةٍ لِقُدُورَةٍ أَوْ وَحَةٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَلِمَقَامٍ أَحَدُكُمْ فِي الصَّفِّ خَيْرٌ مِنْ صَلَاحِهِ مَسْتَقْبَلٌ (رواه احمد)

”حضرت ابوامامہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ رسول کریم ﷺ کے ساتھ ایک لشکر میں نکلے تو دو دران سفر جب ہم میں سے ایک شخص ایک ایسے غار (دوادی) کے درمیان سے گورا جس میں کچھ پانی اور سبزہ تھا تو اس نے اپنے دل میں سوچا کہ وہ اپنی غار میں رہ جائے اور دنیا سے کنارہ کشی کر لے۔ چنانچہ اس نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے اجازت چاہی آپ ﷺ نے فرمایا یاد رکھو! انہ تو میں دین یہودیت دے کر اس دنیا میں بھیجا گیا ہوں اور نہ دین عیسائیت دے کر کہ میں تم لوگوں کو رہنمائی کی تعلیم دوں، بھلا مشقت و تکلیف میں مبتلا کروں اور لوگوں کے ساتھ رہن سہن اور لذات دنیا سے ملنا کنارہ کشی کی اجازت دوں بلکہ میں تو دین خفیہ دے کر بھیجا گیا ہوں جو ایک آسان دین ہے جس میں نہ تو انسانیت عامہ کے لئے بھلا تکلیف و حرج ہے اور نہ زائد ضرورت مشقت و محنت ہے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے دن کے صرف ابتدائی یا آخری حصے میں یعنی صبح و شام کو خدا کی راہ چار میں چلے جانا دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے اور تم میں سے کسی کامیاب جنگ کی جماعت نمازی صبح میں کمزور ہونا اس کی ساتھ سال کی تباہی چھی جائے والی نماز سے بہتر ہے۔“ (احمد)

جہاد میں اخلاص نیت کا آخری درجہ

(۶۲) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَزَا إِلَى سَبِيلِ اللَّهِ وَلَمْ يَنْتِزِعْ إِلَّا عَقْلًا فَلَهُ مَا نَوَى (رواه السنائي)

”اور حضرت عبادہ ابن صامت کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے ایک دے (کے بھی حصول) کی نیت کے ساتھ اللہ

کی راہ میں جہاد کیا تو اس کو وہی چیز حاصل ہوگی جس کی اس نے نیت کی ہے۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر جہاد میں دنیا کی کوئی چیز ترین چیز بھی مد نظر ہو تو یہ اخلاص کے متافی ہے گویا اس ارشادِ گرامی کا مقصد اس بات کو زیادہ سے زیادہ کر کے بیان کرنا ہے اور یہ ترغیب دینا ہے کہ جہاد میں مالی غنیمت کے حصول سے کلیہ قطع نظر کیا جائے اور نیت میں اس درجہ اخلاص پیدا کیا جائے کہ اس میں دنیا کی کسی بھی غرض کی ہلکی سی بھی آمیزش نہ ہو لیکن یہ واضح رہے کہ جہاد میں اخلاص نیت کا یہ آخری درجہ ہے۔

چنانچہ یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ جہاد میں رضائے الہی اور سر بلندی دین کے ساتھ مال غنیمت کے حصول کا مقصد بھی شامل ہو تو یہ جائز ہے اور اس صورت میں بھی جہاد کا ثواب ملتا ہے اسی طرح اگر اس نیت میں فرائض کا بندہ شامل ہو تو اس کی وجہ سے بھی جہاد کا ثواب کلیہً باطل نہیں ہوگا۔

جہاد جنت میں ترقی درجات کا باعث ہے

(۳۲) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَضِيَ بِاللَّهِ وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِ مُحَمَّدٍ رَسُولًا وَجَنَّتْ لَهُ الْجَنَّةُ فَجَبَّتْ لَهَا أَبُو سَعِيدٍ فَقَالَ أَعَدَّهَا عَلَيَّ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَأَعَادَهَا عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ وَالْأُخْرَى يَرْفَعُ اللَّهُ بِهَا الْعَبْدَ مِائَةَ ذَرَجَةٍ فِي الْجَنَّةِ مَا يَنْبَغِي كُلَّ ذَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ قَالَ وَمَا هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ کے رب ہونے پر اسلام کے دینِ رب حق ہونے پر اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہو یعنی دل سے ان سب کو مانا تو اس کے لئے جنت واجب ہوگی ابو سعیدؓ نے یہ ارشاد سنا تو ان کو اس پر بڑا تعجب ہوا انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ان کلمات کو ایک مرتبہ پھر میرے سامنے ارشاد فرمائیے: آنحضرت ﷺ نے ان کے سامنے پھر یہی کلمات ارشاد فرمائے اور پھر فرمایا کہ ایک چیز اور ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ جنت میں بندے کو سوار کرے گی بلندی پر پہنچاتا ہے اور ان میں کے ہر درجہ میں ان کا قافلہ ہے جتنا کہ آسمان و زمین کے درمیان ہے ابو سعیدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کیا چیز ہے آپ ﷺ نے فرمایا وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔“ (مسلم)

جنت کے دروازے تلواروں کے سایہ میں ہیں

(۳۳) وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلِّ الشُّيُوفِ فَقَامَ زُجَلٌ وَثَّ الْهَيْئَةَ فَقَالَ يَا أَبَا مُوسَى أَنْتَ سَمِعْتَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ هَذَا قَالَ نَعَمْ فَوَجَّعَ إِلَى أَصْحَابِهِ فَقَالَ أَلَا أَعْلَيْتُكُمْ السَّلَامَ ثُمَّ كَسَرَتْ جَفْنَ سَيْفِهِ فَأَلْقَاهُ ثُمَّ مَشَى بِسَيْفِهِ إِلَى الْعَدُوِّ فَضَرَبَ بِهِ خَشْيَ قَبْلَ - (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک مجلس میں یہ بیان کیا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے جنت کے دروازے تلواروں کے سامنے میں ہیں (یعنی کہ ایک خستہ حال شخص کمزور ہو اور کہنے لگا کہ ابو موسیٰ! کیا تم نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ یعنی آنحضرت ﷺ سے تمہارا یہ سنا جو مومنین کے طور پر ہے؟ انہوں نے کہا ہاں یہ سنتے ہی وہ شخص اپنے ساتھیوں کی طرف مڑا اور کہا کہ میں تمہیں (آخری) سلام کرتا ہوں اور پھر اسے اپنی تلوار کا تپاں توڑ کر پیسہ نکال دیا یعنی اس کے ذریعہ اس نے اپنے اس ارادہ کا اظہار کیا کہ اب میں لوٹ کر نہیں آؤں گا) یعنی اپنی تلوار لے کر دشمن کی طرف روانہ ہو اور ان سے لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔“ (مسلم)

تشریح: جنت کے دروازے تلواروں کے سامنے میں ہیں کا مطلب یہ ہے کہ مجاہد و غازی کا میدان جنگ میں اس طرح ہوتا

کہ کفار کی تلواریں اس کے اوپر اٹھی ہوئی ہوں اسی کے جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے اور وہ حالت گویا اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ جنت کے دروازے اس مجاہد و غازی کے ساتھ ہیں کہ اور اس نے کفار کی تلواروں کے ذریعہ جام شہادت نوش کیا اور اور جنت میں داخل ہوا۔

شہداء احد کے بارے میں بشارت

(۶۵) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَا صَاحِبَ لَهُ إِنَّهُ لَنَا أَصِيبَ إِخْوَانُكُمْ يَوْمَ أُحُدٍ جَعَلَ اللَّهُ أَزْوَاجَهُمْ فِي حَوْفٍ خَلْفَ حُضْرٍ قَدْ أَتَاهَا الْجَنَّةُ فَكُلُوا مِنْ لِبَاسِهَا وَتَابُوا إِلَى قَادِئِلٍ مِنْ ذَهَبٍ مُعَلَّقَةٍ فِي ظِلِّ الْعَرْشِ فَلَمَّا وَجَدُوا طِيبَ مَا كُلِهِمْ وَمَشَرُ بِهِمْ وَمَقِيلُهُمْ قَالُوا مَنْ تَبِعْنَا إِخْوَانَنَا عَنَّا أَنَا أَصْحَابُ فِي الْجَنَّةِ لَنَّا يَزْهَدُوا فِي الْجَنَّةِ وَلَا يَنْكَلُوا عِنْدَ الْحَزَبِ فَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى أَنَا أَبْلَعُهُمْ عَنْكُمْ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْواتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُزَكُّونَ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ - (رواہ احمد)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا جب تمہارے بھائی حمزہ احد میں شہید کئے گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں جنت منتقل کر دیا، چنانچہ دو رو میں (ان پرندوں کے قالب) جنت کی نہروں پر آئی ہیں وہاں کے میرے کھاتی ہیں اور پھر ان سونے کی قدحوں میں جا کر پیرا کرتی ہیں جو عرش کے سایے میں لٹکی ہوئی ہیں۔ تو جب ان روحوں نے اپنے کھانے پینے اور اپنے پیرے کی لطف اندوزی کو پایا تو کہنے لگیں کہ کون ہے جو ہماری طرف سے ہمارے بھائیوں کو یہ پیغام پہنچا کہ ہم جنت میں زندہ ہیں اور حق تعالیٰ کی ایسی ایسی عظیم نعمتوں سے لطف اندوز ہیں تاکہ وہ جنت کو حاصل کرنے میں بے رغبتی و کوتاہی نہ کریں بلکہ جنت کے ان درجہات کو حاصل کرنے میں رغب ہوں اور لڑائی کے وقت سستی نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ بات سن کر فرمایا گھبراؤ نہیں تمہاری طرف سے میں ان کو پیغام پہنچاؤں گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْواتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُزَكُّونَ آخر آیت تک۔

تشریح: پوری آیت یوں ہے: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْواتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُزَكُّونَ ﴿۱﴾ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲﴾ (ال عمران ۳: ۱۶۹، ۱۷۰) (ترجمہ) جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے ان کو مرے ہوئے نہ سمجھنا وہ مرے ہوئے نہیں ہیں بلکہ وہ خدا کے نزدیک زندہ ہیں اور ان کو رزق مل رہا ہے جو خدا نے اپنے فضل سے بخش رکھا ہے اس میں خوشی ہیں اور جو لوگ ان کے پیچھے رہ گئے ہیں اور شہید ہو کر ان میں شامل نہیں ہو سکے ان کی نسبت خوشیاں منا رہے ہیں کہ قیامت کے دن ان کو بھی نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔

مؤمنین کی اعلیٰ جماعت

(۶۶) وَعَنْ أَبِي سَجْدَةَ أَخْبَرَنِي أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُونَ فِي الدُّنْيَا عَلَى ثَلَاثَةِ أَجْزَاءٍ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَزَالُوا يَاجِدُوا جَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ يَأْتِيَهُ النَّاسُ عَلَى أَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ثُمَّ الْإِسْلَامُ إِذَا أَشْرَفَ عَلَى ظَمْعٍ فَتَوَلَّى إِلَيْهِ عَزَّ وَجَلَّ - (رواہ احمد)

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا دنیا میں تین جماعتیں ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر کسی جنگ و جدوجہد میں جلا نہیں ہوئے نیز انہوں نے اپنی جانوں اور اپنے اموال کے ذریعہ اللہ کی راہ میں جہاد کیا یعنی مؤمنین کی یہ وہ جماعت ہے جس نے اپنے ایمان کو کامل اور اپنے نفس کو مہذب پاکیزہ بنایا اور اس کے ساتھ ہی مخلوق خدا کی فلاح

و بیہودی اور ان کی پاکیزگی کے لئے بھی جدوجہد کی اور انکی وہ جماعت ہے جو مرتبہ کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ و اشرف ہے و دوسرا مؤمن وہ شخص ہے جس سے لوگوں کے مال اور ان کی جان محفوظ ہیں۔ یعنی اگرچہ اس نے مخلوق خدا کی فلاح و بیہودی کے لئے جدوجہد نہیں کی لیکن اس کے ذریعہ لوگوں کو کسی طرح کا نقصان و ضرر بھی نہیں پہنچایا نیز نہ تو اس نے اختلاف رکھا اور نہ طمع و حرص میں مبتلا ہوا اور پھر تیسرا مؤمن وہ شخص ہے کہ جب اس کے دل میں طمع پیدا ہو جائے تو اللہ کے خوف سے اس طمع کو چھوڑ دے۔ (امام)

تشریح: مؤمنین کی اس آخری جماعت کا وصف یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر اس کے دل میں دنیا کی کسی چیز کی طمع و حرص پیدا ہوتی ہے تو وہ اس پر عمل نہیں کرتا بلکہ خدا کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس طمع و حرص کو چھوڑ دیتا ہے گویا یہ وہ جماعت ہے جس نے اگرچہ دنیا داروں کے ساتھ اختلاف رکھا اور اس اختلاف کی وجہ سے اس کے دل میں طمع و حرص پیدا ہوئی لیکن عین وقت پر خدا نے اس کو طمع و حرص پر عمل کرنے سے بچا لیا۔ یہ جماعت مرتبہ کے اعتبار سے پہلی دونوں جماعتوں سے اونچی ہے پھر اس تیسری جماعت کے بعد مؤمنین کی اور بھی کئی ہیں۔ لیکن وہ سب مرتبہ کے اعتبار سے ساقط ہیں۔

شہید کی حمتا

(۶۷) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي عَمِيرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَاتَمَنْ نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ يَقْبِضُهَا رَبُّهَا تُحِبُّ أَنْ تَرْجِعَ إِلَيْكُمْ وَأَنْ لَهَا الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا غَيْرَ الشَّهِيدِ قَالَ ابْنُ أَبِي عَمِيرَةَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أَقْتُلُ لِي مَسْبِلُ اللَّهِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَكُونَ لِي أَهْلُ الْوَبَرِ وَالْمَذْمُورِ۔ (رواہ النسائی)

”اور حضرت عبدالرحمن بن ابی عمیرہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا شہید کے علاوہ اور ایسا کوئی مسلمان شخص نہیں ہے جو اپنے پروردگار کی طرف سے اپنی روح قبض کئے جانے کے بعد اس بات کو پسند کرے کہ وہ لوٹ کر تمہارے پاس آئے اور دنیا و مافیہا کی چیزوں کو حاصل کرے (یعنی شہید حق تعالیٰ کے ہاں پہنچنے کے بعد جب شہادت کے عظیم مرتبہ کی سعادتوں اور عظمتوں کو دیکھتا ہے تو پروردگار سے اس خواہش کا اظہار کرتا ہے کہ وہ لوٹ کر دوبارہ دنیا میں آئے اور اللہ کی راہ میں پھر مارا جائے) حضرت عبدالرحمن بن ابی عمیرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ خدا کی قسم! امیرا خدا کی راہ میں مارا جاتا میرے نزدیک اس چیز سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ خیمے والے اور حویلیوں والے میرے ملک و مملکت ہوں۔“ (نسائی)

تشریح: ”خیمے والے“ سے جنگل میں اقامت پذیر لوگ مراد ہیں کیونکہ وہ خیموں میں رہا کرتے ہیں اور ”حویلی والے“ سے شہر و گاؤں یعنی آبادی میں رہنے والے لوگ مراد ہیں ان دونوں کے مجموعے سے پوری دنیا اور دنیا بھر کے لوگ مراد ہیں؟ اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ اگر مجھے پوری دنیا کا امیر و حاکم بنا دیا جائے اور پھر دنیا بھر کے لوگ میری غلامی و برحمت میں آجائیں تو میں اس کے مقابلہ پر اس چیز کو زیادہ پسند کروں گا کہ مجھے جہاد میں جانے کا موقع مل جائے اور میں خدا کی راہ میں اپنی جان قربان کر دوں۔

ہر مؤمن پر شہید کا اطلاق

(۶۸) وَعَنْ حَسَنَاءَ بِنْتِ مُعَاوِيَةَ قَالَتْ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ قُلْتُبُ قَالَ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لِي الْجَنَّةُ قَالَ النَّبِيُّ لِي الْجَنَّةُ وَالشَّهِيدُ لِي الْجَنَّةُ وَالْمَوْلُودُ فِي الْجَنَّةِ وَالْمَوْلُودُ فِي الْجَنَّةِ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت حسانہ بنت معاویہ نے بیان کیا کہ مجھ سے میرے چچا حضرت اسلم ابن سلیم نے بیان کیا (کہ ایک دن) میں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ جنت میں کون کون لوگ ہوں گے؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں نبی ہوں گے شہید ہوں گے، جنت میں بچے ہوں گے اور جنت میں وہ ہوں گے جن کو جنت ہی ملا دیا گیا ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”یہاں شہید“ سے مراد صرف وہ شخص نہیں ہے جو خدا کی راہ میں مارا گیا ہو بلکہ ”مومن“ مراد ہے کہ خواہ وہ حقیقہ شہید ہو یا حکما شہید ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی اس آیت میں ایمان لانے والوں پر شہید کا اطلاق کیا ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ وَالشَّهَادَةُ عَنْهُمْ بِهَمٍّ

”اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے لیکن وہ لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کے نزدیک صدیق اور شہداء ہیں۔“

”اور جنت میں پہنچے ہوں گے“ یعنی بچہ خواہ مومن کا ہو یا کافر کا جنت میں داخل کیا جائے گا اسی طرح وہ کچا بچہ بھی جنت ہی میں داخل کیا جائے گا جو اسقاط حمل کی صورت میں ختم ہو گیا ہے۔

”جن کو جیتے جی کاڑیا گیا ہے“ یعنی جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی زندہ لڑکیوں کو زمین میں گاڑ دیا کرتے تھے۔ بلکہ بعض لوگ معاشی تنگیوں اور دوسری پریشانیوں کے وقت اپنے زندہ لڑکوں کو بھی گاڑ دیتے تھے تو ایسے لڑکے اور لڑکیاں بھی جنت میں داخل کی جائیں گی۔

حدیث میں بطور خاص صرف چار طرح کے لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے تو شاید اول الذکر دونوں کی تخصیص ان کے فضل و شرف کے اعتبار سے ہے اور آخر الذکر دونوں کی تخصیص اس سبب سے ہے کہ یہ کسی کسب و عمل کے بغیر جنت میں داخل ہونگے۔

جہاد میں مال و جان دونوں سے شرکت کرنے والوں کی فضیلت

(۶۹) وَعَنْ عَلِيٍّ وَآبِي الذَّرْدَاءِ وَآبِي هُرَيْرَةَ وَأَمَامَةَ وَعَبْدَ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ وَعَبْدَ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو وَخَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ وَعَمْرُو بْنُ حُصَيْنٍ كُلُّهُمْ يَحَدِّثُونَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ أَرْسَلَ نَفَقَةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَقَامَ فِي سَبِيلِهِ فَلَهُ بِكُلِّ دِرْهَمٍ سِتْعُمِائَةِ دِرْهَمٍ وَمَنْ عَزَا بِنَفْسِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاتَّقَى فِي وَجْهِهِ ذَلِكَ فَلَهُ بِكُلِّ دِرْهَمٍ سِتْعُمِائَةِ الْفِ دِرْهَمٍ ثُمَّ تَلَاهُ الْآيَةَ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ (رواه ابن ماجہ)

”اور حضرت علیؓ، حضرت ابوذرؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت امامہؓ، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ، حضرت خابریؓ اور حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے سب رسول کریم ﷺ سے یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اللہ کی راہ یعنی جہاد میں روپیہ پیسہ اور سامان و اسباب بھیجا اور خود اپنے گھر میں بیٹھا رہا یعنی جہاد میں خود شریک نہیں ہوا بلکہ روپیہ پیسے اور سامان سے جہاد میں مدد کی تو اس کو ہر درہم کے بدلے سات سو درہم کا ثواب ملے گا اور جس شخص نے جس خود جہاد بھی کیا اور جہاد میں روپیہ پیسہ اور مال بھی خرچ کیا یعنی لڑائی میں خود شریک بھی ہوا اور مالی مدد بھی پہنچائی تو اس کو ہر درہم کے بدلے سات لاکھ درہم کا ثواب ملے گا کیونکہ اس نے اپنے نفس کو بھی مشقت و رکھ میں مبتلا کیا اور اپنا مال بھی خرچ کیا پھر آنحضرت ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ یعنی اللہ تعالیٰ جس کے چاہتا ہے اس کے ثواب میں اور اضافہ کرتا ہے۔ (ابن ماجہ)

تشریح: آیت تلاوت فرما کر گویا آپ ﷺ نے اس طرف اشارہ کیا کہ یہاں ثواب کی جو مقدار بیان کی گئی ہے وہ کوئی آخری حد نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے کہ اگر وہ چاہے گا تو اس مقدار سے بھی زیادہ اور کہیں زیادہ ثواب عطا فرمائے گا۔

شہداء کی قسمیں

(۷۰) وَعَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الشَّهَادَةُ أَزْنَعُ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ جِدَّ الْإِيمَانِ لِقَبِي الْعَلَوُ فَصَدَّقَ اللَّهُ حَتَّى قِيلَ فَلَيْكَ الَّذِي يَرَفَعُ النَّاسَ إِلَيْهِ أَغْنِيَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ هَكَذَا وَرَفَعَ رَأْسَهُ حَتَّى سَقَطَتْ فَلَنَسُوهُ فَمَا أَذْوَبَ أَقْلَنَسُوهُ عُمَرُو أَرَادَ أَنْ فَلَئَسُوهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ قَالَ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ حَيْثُ الْإِيمَانُ لَقِيَ الْعَلَوُ كَمَا ضَرِبَ جِلْدُهُ بِشَوْكٍ طَلَعَ مِنَ الْخُصْبِ أَنَا هُ مِنْهُمْ غَرِبَ فَقَتَلَهُ
فَهُوَ فِي الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ خَلَطَ عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا لَقِيَ الْعَلَوُ فَصَدَّقَ اللَّهُ حَتَّى قُبِلَ فَذَلِكَ فِي
الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ أَشْرَفَ عَلَى نَفْسِهِ لَقِيَ الْعَلَوُ فَصَدَّقَ اللَّهُ حَتَّى قُبِلَ فَذَلِكَ فِي الدَّرَجَةِ الرَّابِعَةِ - زَوَاهِ
التَّبَرُّكِ مِثْلُ وَقَالَ هَذَا أَحَدُ نَبِيِّ غَرِيبَتِ -

اور حضرت فضالہ ابن عبید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن خطابؓ سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ شہید چار طرح کے ہوتے ہیں ایک تو وہ شخص جو کمال الایمان مسلمان تھا اور جب دشمن سے اس کی مدد بھیڑ ہوئی تو اس نے اللہ تعالیٰ کو شک کر دیکھا یا یہاں تک کہ لڑتے لڑتے مارا گیا تو یہ وہ شخص ہے جس کی طرف قیامت کے دن لوگ اس طرح سراخا اٹھا کر دیکھیں گے یہ کہہ کر انہوں نے اپنا سراخا یہاں تک کہ ان کی ٹوپی گر پڑی حدیث کے وہ راوی جنہوں نے اس روایت کو حضرت فضالہؓ سے نقل کیا ہے کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ حضرت فضالہؓ کی مراد کس کی ٹوپی تھی یعنی انہوں نے یہ واضح نہیں کیا کہ حضرت عمرؓ نے حدیث بیان کرتے وقت آنحضرت ﷺ کی طرح سراخا کر دکھایا تو ان کی ٹوپی گرئی تھی یا انہوں نے روایت حدیث کے وقت یہ بتلایا نبی کریم ﷺ کی ٹوپی گرئی تھی بہر کیف حاصل یہ کہ قیامت کے دن یہ شخص اتنا عالی مرتبہ ہو گا کہ لوگ اس کی طرف ایک ایک کر دیکھیں گے پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اور دوسرا وہ شخص جو جید الایمان مؤمن تھا اور جب دشمن سے اس کی مدد بھیڑ ہوئی تو وہ اپنی بزدلی کی وجہ سے ایسا نظر آنے لگا جیسے اس کے بدن میں خار دار درخت کے کاٹنے ہوں (یعنی یہ اس شخص کے خوف کی وجہ سے تھر تھرا کانپنے اور درشت سے اس کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جانے کی کیفیت کو کہنا یہ بیان کیا گیا ہے) اور پھر ایک تیسرا اگر اس کو لگا جس کو چلانے والا نامعلوم تھا اور اس نے اس کو موت کی آنکھ میں پہنچا دیا تو یہ شخص پہلے شخص کی بہ نسبت دوسرے درجہ کا ہے اور تیسرا شخص وہ مؤمن تھا جس نے کچھ اچھے اور کچھ برے اعمال کئے تھے اور جب دشمن سے اس کی مدد بھیڑ ہوئی تو اللہ تعالیٰ کو شک کر دکھایا یہاں تک کہ لڑتے لڑتے مارا گیا تو یہ شخص تیسرے درجہ کا ہے اور چوتھا شخص وہ مسلمان ہے جس نے اپنی جان پر بہت اسراف کیا تھا (یعنی جس نے بہت زیادہ کھائے تھے) اور جب دشمن سے اس کی مدد بھیڑ ہوئی تو اس نے اللہ کو شک کر دکھایا یہاں تک کہ لڑتے لڑتے مارا گیا تو یہ شخص چوتھے درجہ کا ہے۔ امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: اس نے اللہ تعالیٰ کو شک کر دکھایا کہ بارے میں واضح ہو کہ اگر لفظ صدق میں دال پر تشبیہ نہ ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس شخص نے اپنی شجاعت و بہادری کے ذریعہ اس چیز کو چھپا لیا جس کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر عائد ہوئی تھی یعنی خدا کی راہ میں ثابت قدم رہنا اور دشمن کو پیچھے نہ دکھانا اور اگر دال پر تشبیہ ہو تو اس صورت میں معنی ہوں گے کہ اس شخص نے اپنے عمل اور اپنی شجاعت و بہادری کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو راست گو ثابت کیا اور اس کے قول کی تصدیق کی باقی طور کہ اس نے خدا کی راہ میں جہاد کیا، اور اس راہ کی تمام مشقوں، تکلیفوں اور مصائب کو بروہت تحمل کیا اور حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہونے والے اجر و ثواب کا امیدوار ہوا۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے جو جہادین اسلام کی یہ تعریف بیان کی ہے کہ وہ خدا کی راہ میں پیش آنے والی ہر مصیبت و تکلیف پر صبر کرتے ہیں اور اپنے پرہیزگار کی طرف سے اجر و ثواب کے طلب گار ہوتے ہیں تو جب وہ شخص لڑا اور طلب ثواب کی خاطر مبروہ استقامت کی راہ اختیار کی تو گویا اس نے اپنے اس عمل کے ذریعہ حق تعالیٰ کی بات کی تصدیق کی۔

حدیث میں شہید امہ کی جو قسمیں بیان کی گئی ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ جس مسلمان نے خدا کی راہ میں شہادت پائی ہے وہ یا متقی و پرہیزگار بھی تھا اور شجاع و بہادر بھی اور یہ پہلی قسم ہے یا وہ متقی و پرہیزگار تو تھا لیکن شجاع و بہادر نہیں تھا یہ دوسری قسم ہے اور یا وہ شجاع و بہادر تو تھا مگر متقی و پرہیزگار نہیں تھا پھر اس کی تیسری قسم ہوئی کہ ایک یہ کہ یا تو وہ ایسا غیر متقی و غیر پرہیزگار تھا کہ اس کے اعمال محفوظ تھے۔ لیکن زندگی میں اس سے نیک عمل بھی صادر ہوئے تھے اور برے عمل بھی سرزد ہوئے تھے لیکن اس کے برے اعمال اتنے زیادہ

نہیں تھے کہ اس کو فاسق و مسرف کہا گیا ہو۔ اور یہ حدیث میں بیان کی گئی تیسری قسم ہے اور زیادہ ایسا غیر متقی و غیر ہرگز کا تھا کہ اس کی بد عملیاں اس کی زندگی میں غالب رہی تھیں یعنی اس نے اتنے زیادہ برے اعمال کئے تھے کہ فاسق و مسرف مانا گیا تھا اور یہ چوتھی قسم ہے لہذا دوسری قسم کے علاوہ اور ساری قسموں میں اللہ کی راہ کی تصدیق حاصل ہوتی ہے نیز اس وضاحت سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ کی تصدیق کرنے سے ”صبر اور طلب ثواب کے وعدے کی تصدیق مراد ہے“ کیونکہ وہ دوسری قسم میں بھی حاصل ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود اس دوسری قسم کے شہید کے بارے میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو گرج کر دکھایا۔“

منافق اگر جہاد میں شہید بھی ہو جائے تو جنت کا حقدار نہیں ہوگا

(۷) وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عُمَرَ السَّلْمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَنَلِيُّ فَلَا تَلْهُمُ جَاهِدَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَإِذَا لَقِيَ الْعَدُوَّ قَاتَلَ حَتَّى يَمُوتَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِ قَدْ لَكَ الشَّهَادَةُ الْمُسْتَعْتَبَةُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ تَحْتَ عِزِّهِ لَا يَفْضُلُهُ السَّبِيحُونَ إِلَّا بِدَرَجَةِ النَّبُوَّةِ وَمُؤْمِنٌ خَلَعَ عَمَلًا صَالِحًا وَآخِرُ سَبِيلًا جَاهِدَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِذَا لَقِيَ الْعَدُوَّ قَاتَلَ حَتَّى يَمُوتَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِ مُتَّصِلَةٌ مَحْتِ ذُنُوبُهُ وَحَظَاتِيَاهُ ابْنُ الشَّيْفِ مَخَافَةَ لِيُخْطِئَا وَأُدْخِلَ مِنْ أَيْمَنِ الْبُيُوتِ الْجَنَّةَ شَاءَ وَمُتَّافِقٌ جَاهِدَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فَإِذَا لَقِيَ الْعَدُوَّ قَاتَلَ حَتَّى يَمُوتَ فَلَا فِيهِ إِلَّا الشَّيْفُ لَا يَفْضُوهُ الْبَقَاقُ۔ (رواه الدارمی)

”اور حضرت عتبہؓ ابن عبدالمطلبؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو لوگ چلوں مارے جاتے ہیں وہ تین طرح کے ہوتے ہیں ایک تو وہ کامل مؤمن جس نے اللہ کی راہ میں اپنی جان اور اپنے مال کے ذریعہ جہاد کیا چنانچہ جب دشمن سے اس کی ٹہ بھڑھوئی (تو وہ پوری بہادری اور شجاعت) کے ساتھ لڑا یہاں تک کہ مارا گیا نبی کریم ﷺ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا کہ یہ وہ شہید ہے جس کو جہاد کی مشقوں اور مصائب پر مبر کرنے کی آزمائش میں جلا گیا کیونکہ شہید آخرت میں عرش الہی کے نیچے اللہ کے خیمے میں ہو گا جس کی اس کو حق تعالیٰ کا کمال قرب اور اس کے حضور میں درجہ خاص حاصل ہو گا اور امتیاء اس سے صرف درجہ نبوت میں زیادہ ہوں گے اور دوسرا شخص وہ مؤمن ہے جس کے اعمال طے چلے ہوں کہ اس نے کچھ نیک عمل کئے ہوں اور کچھ برے عمل چنانچہ اس نے اپنی جان اور اپنے مال کے ذریعہ خدا کی راہ میں جہاد کیا اور جب دشمن سے اس کی ٹہ بھڑھوئی تو پوری بہادری اور شجاعت کے ساتھ لڑا یہاں تک کہ مارا گیا نبی کریم ﷺ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا کہ شہادت یا فحلت پاک کرنے والی ہے کہ اس کے گناہوں اور خطاؤں کو مٹاتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تلوار خطاؤں کو بہت زیادہ مٹانے والی ہے یہ وہ شہید ہے کہ جس دروازے سے جانا چاہے گا جنت میں داخل کیا جائے گا اور تیسرا شخص منافق ہے کہ (اگرچہ) اس نے بھی اپنی جان اور اپنے مال کے ذریعہ جہاد کیا اور جب دشمن سے اس کی ٹہ بھڑھوئی (تو خوب لڑا یہاں تک کہ مارا گیا لیکن) یہ شخص دوزخ میں جائے گا کیونکہ تلوار فحلت کو نہیں مٹاتی۔“ (دارمی)

جہاد میں پاسبانی کی خدمت انجام دینا بد عملیوں کا کفارہ اور نجات ابدی کا ذریعہ ہے

(۸) وَعَنْ أَبِي عَائِدَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةٍ وَجَلِي فَلَمَّا وَجَّعَ قَالَ عُثْمَانُ بْنُ الْخَطَّابِ لَا تُفْضِلْ عَلَيْهِ بِنَا رَسُولُ اللَّهِ فَإِنَّهُ زَجَلٌ فَاجِرٌ فَانْفَضَّتْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى النَّاسِ فَقَالَ هَذَا زَاةٌ أَخَذَ مِنْكُمْ عَلِيٌّ عَمَلُ الْإِسْلَامِ فَقَالَ زَجَلٌ نَعَمْ بِنَا رَسُولُ اللَّهِ خَوْسَ لَيْلَةٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَفَضَّلَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَتَّى عَلَيْهِ الثَّرَابُ وَقَالَ أَصْحَابُكَ يَنْظُرُونَ أَتَاكَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَأَنَا أَشْهَدُ أَنَّكَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَقَالَ يَا عُثْمَانُ إِنَّكَ لَأَنْتُمْ عَنْ أَعْمَالِ النَّاسِ وَلَكِنْ تَسْتَأْذِنُ عَنِ الْفُطُورَةِ وَوَاهِ الْبَيْهَقَةِ فِي شُعْبِ الْإِيمَانِ۔

”اور حضرت ابن عابدؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم ﷺ ایک شخص کے جنازے کے ساتھ چلے تاکہ اس کی نماز پڑھیں جب جنازہ

رکھا گیا تو حضرت عمر ابن خطابؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ اس جنازے کی نماز نہ پڑھتے کیونکہ یہ ایک فاسق شخص تھا (یہ سن کر رسول کریم ﷺ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی شخص نے اس کو اسلام کا کوئی کام کرتے دیکھا ہے؟) یعنی اگر تم میں سے کسی نے اس کو اپنی زندگی میں کوئی ایسا عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے جو حقیقی اسلام پر دلالت کرے تو وہ ہمیں بتائے، ایک شخص نے عرض کیا "ہاں، یا رسول اللہ! اس شخص نے ایک رات اللہ کی راہ میں جہاد میں پاسبانی کی خدمت انجام دی تھی"۔ (یہ سن کر رسول کریم ﷺ نے اس جنازہ کی نماز پڑھی اور اہل قین کے وقت اس کے قبر پر اٹھی ڈالی اور آگوا میت کو مخاطب کر کے (فرمایا کہ تیرے ساتھیوں کا تو یہ گمان ہے کہ تو دوزخی ہے اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تو حقیقی ہے اور پھر حضرت عمرؓ سے فرمایا عمر! تم سے لوگوں کے اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا بلکہ تم سے دین اسلام کی بابت پوچھا جائے گا۔" (اس روایت کو بیہقی نے حسب الایمان میں نقل کیا ہے)

تشریح: "بلکہ تم سے دین اسلام کی بابت پوچھا جائے گا" یعنی اس چیز کے بارے میں پوچھا جائے گا جو شعار دین اور علامات یقین میں سے ہونے کی وجہ سے اسلام پر دلالت کرے۔

اس ارشاد کا مقصد دراصل حضرت عمرؓ کو اس جرات سے باز رکھنا تھا جو انہوں نے اس میت کے فسق کا تذکرہ کر کے کی تھی اور وہ ایک ناپسندیدہ چیز ہے چنانچہ ان الفاظ کے ذریعہ گویا آنحضرت ﷺ نے یہ واضح کیا کہ کسی مسلمان کی محض ظاہری زندگی اور اس کے اعمال کو دیکھ کر اس کی اخروی حیثیت کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس چیز کو معیار بنانا چاہئے جو اس کے دین و اسلام پر کامل یقین و اعتقاد کی غمازی کرے اور یہ ثابت کرے کہ اس کے اصل ایمان میں کوئی کھوکھ اور اس کے بنیادی عقائد میں کوئی کمی نہیں ہے جہاں تک اعمال کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی بے نیاز ہے۔ اور وہ اپنے بندوں پر بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

نبیؐ نے حدیث کے مذکورہ جملہ کی وضاحت یہ کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو یہ مسئلہ کیا کہ عمر! ہمیں اس موقع پر میت کے برے اعمال اور اس کے ظاہری فسق کا ذکر نہیں کرنا چاہئے بلکہ ہمیں یہ چاہئے کہ ہم اس کے نیک اعمال اور اس کی اچھی باتوں کو سامنے لاؤ۔ جیسا کہ ایک جگہ یوں فرمایا گیا ہے کہ:

أَذْكُرُوا مَوْتَ نَاكِمٍ بِالْخَيْرِ۔

"ہم اپنے مرے ہوئے لوگوں کا تذکرہ بھلائی کے ساتھ کرو۔"

نیز حضرت عمرؓ کو ان کے اس اقدام و جرات سے روکنا مقصود تھا جس کا انہوں نے اس موقع پر مظاہر کیا تھا۔ یعنی اس کے فسق کا ذکر و اظہار کیونکہ کسی انسان کی اخروی فلاح اور ابدی نجات کا واحد اصل میں فطرت یعنی اسلام اور اس کے عقائد پر ہے جب کہ اس شخص نے ایک ایسا عمل بھی کیا تھا جو اعمال اسلام میں سے ہے اور اس کے مسلمان ہونے کو ثابت کرنے کے لئے تہا و بی عمل کافی ہے۔

بَابُ اَعْدَادِ اَللّٰهِ الْجِهَادِ سلمان جہاد کی تیاری کا بیان الْفَضْلُ الْاَوَّلُ

جہاد کے لئے بقدر استطاعت، قوت طاقت فراہم کرنا حکم

① عَنْ غُفَّةِ بْنِ غَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْبَيْتِ يَقُولُ وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَّا

اسْتَغْفِرُكُمْ مِنْ قُوَّةِ آلَاِ الْقُوَّةِ الرَّمْنِيِ الْآلَاِ الْقُوَّةِ الرَّمْنِيِ - (رواہ مسلم)

”حضرت عقبہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو صبر پر فرماتے ہوئے سنا کہ اور تم کافروں سے جنگ کرنے کے لئے اپنی طاقت و قوت کی جو (بھی) چیز تیار و فراہم کر سکتے ہو کرو۔ یا رسول کریم! تیرا اندازی قوت ہے۔“ (مسلم)

تشریح: ”تیرا اندازی قوت ہے“ کے ذریعہ اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ قرآن کریم میں یہ جو حکم دیا گیا ہے کہ وَأَعِزُّوا لِنَفْسِكُمْ اسْتَغْفِرُكُمْ مِنْ قُوَّةِ جِسْمِ تَمَّ كَفَّار سے جنگ کرنے کے لئے اپنی طاقت و قوت کی جو بھی چیز تیار و فراہم کر سکتے ہو کرو، تو اس آیت میں ”قوت“ سے مراد تیرا اندازی ہے۔

اور بیاضی وغیرہ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ ”قوت“ سے مراد ہر وہ چیز جس کے ذریعہ انسان لڑائی میں طاقت و قوت حاصل کر سکتا ہو اس صورت میں کہا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ کا ”قوت“ سے تیرا اندازی مراد لینا شاید اس بناء پر ہے کہ اس زمانہ میں اور چیزوں کی بہ نسبت یہ چیز یعنی تیرا اندازی سب سے زیادہ طاقت و قوت کا ذریعہ بھی تھی اور سہل و آسان بھی۔

دشمن جس چیز کو اپنی طاقت کا ذریعہ بنائے تم بھی اس میں مہارت حاصل کرو

② وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ سَتَفْتَحُ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ وَيَكْفِيكُمْ اللَّهُ فَلَا يَغْزُرُ أَخْذُكُمْ أَنْ يُلْهَوْا بِأَمْتِهِمْ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عقبہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عترب تمہارے لئے روم کو فتح کر دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ تمہیں اہل روم کی شرارتوں سے نکالت کرے گا لہذا غرور و اراحم میں سے کوئی شخص اپنے تیروں کے ساتھ کیلئے میں سکتی نہ کرے۔“ (مسلم)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں روم والے عام طور پر نیزا اندازی ہی کے ذریعہ جنگ کرتے ہیں اور چونکہ ہمیں ان کے ساتھ جنگ کرنی ہے اس لئے ضروری ہے کہ تم لوگ تیرا اندازی کو اپنا مشغلہ بنا لو اور اس کی مشق کے ذریعہ اس کے گر اور کمالات کیلئے رہو تاکہ تم ان سے جنگ کرنے پر قادر ہو سکو اور اللہ تمہیں ان سے بڑھ کر کے وقت اپنی مدد و نصرت کے ساتھ میں رکھے۔ یا آنحضرت ﷺ کی یہ مروی تھی کہ تیرا اندازی کی مشق کو ترک نہ کرو بلکہ جنگ میں فتح کے بعد بھی اس کا مشغلہ جاری رکھو اور اس بات پر غور اور اطمینان کر کے نہ بیٹھ جاؤ کہ اب تو روم فتح ہو گیا ہے اس مشغلہ کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ گئی کیونکہ تیرا اندازی کی ضرورت ہمیشہ اور ہر جنگ کے وقت پرنے والی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے یہ ہدایت پیش بندی کے طور پر دی تھی، چنانچہ اس پر پوری طرح عمل کیا گیا اگرچہ اہل روم کے قتال کے موقع پر اس کی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو روم پر بڑی آسانی کے ساتھ فتح عطا فرمادی تھی۔ تیرا اندازی کی مشق کو ”اہو“ یعنی کھیل سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ کسی بھی چیز کی مشق ضرورت کے، ہتیار سے کھیل ہی کے درجے کی چیز ہوتی ہے دوسرے اس کے ذریعہ لوگوں کو تیرا اندازی کی مشق کی ترغیب دلانا مقصود تھا کہ کسی چیز پر ”کھیل“ کا نام آجائے تو اس کی طرف جلدی مائل ہو جانا انسانی فطرت میں داخل ہے۔

تیرا اندازی کی اہمیت

③ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ عَلِمَ الرَّمْنِيَّ لَمْ تَوْكُهُ فَلَيْسَ مِنَّا أَوْ قَدْ غَضَى -

(رواہ مسلم)

”اور حضرت عقبہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے تیر اندازی کی تھی اور پھر اس کو چھوڑ دیا تو وہ ہم میں سے نہیں ہے یعنی ہمارے طریقہ پر چلنے والوں میں شامل نہیں ہے۔ یا پھر یہ کہ اس نے نافرمانی کی۔“ (مسلم)

تشریح: ”وہ ہم میں سے نہیں ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہم سے قریب نہیں ہے اور ایک ایسے شخص کی مانند ہے جس کا شمار ہمارے زمرے میں نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک قویہ کہ تیر اندازی کی تھی اس کو سیکہ کر پھر چھوڑ دینا نہ کیجئے کی یہ نسبت کہیں زیادہ برا ہے کیونکہ جس شخص نے تیر اندازی نہیں کی وہ تو گویا آپ ﷺ کے زمرے میں داخل ہی نہیں ہوا لیکن یہ تو وہ شخص ہے جو آپ ﷺ کے زمرے میں داخل ہو اور پھر کل گیا گویا اس نے اس کام میں کوئی نقصان دیکھا یا اس کو کوئی برائی محسوس ہوئی اور یہ اس نے ایسا استہزاء کے طور پر کیا اور ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں ایک بڑی نعمت کا انکار کرنے کا مرادف ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی طرف سے تیر اندازی کی عملی ترغیب

④ وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَخْوَعِ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى قَوْمٍ مِنْ أَهْلِ بَنِي تَمِيمٍ يَتَنَاقَشُونَ بِالْمُشَقِّ فَقَالَ أَوْمُوا بَنِي إِسْمَاعِيلَ فَإِنَّ أَبَاكُمْ كَانَ زَامِيًا وَآمًا مَعَ بَنِي فَلَانٍ لِأَخِيهِ الْقُرَيْشِيِّينَ فَأَمْسَكُوا بِأَيْدِيهِمْ فَقَالَ مَا لَكُمْ فَلَانُوا تَخْشَفُونَ بَنِي فَلَانٍ قَالَ أَوْمُوا وَأَنَا مَعَكُمْ كُلَّكُمْ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت سلمہ ابن اکوع کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم ﷺ نبی اکرم کے ایک قبیلہ میں تشریف لائے اور وہ لوگ اس وقت بازار میں آپس میں تیر اندازی (کی مشق) کر رہے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو اس حالت میں دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اے اولاد اسماعیل (یعنی اے عرب) تیر اندازی کرو کیونکہ تمہارے باپ (حضرت اسماعیل علیہ السلام) تیر انداز تھے۔ اور میں (بھی) فلاں قبیلے کے ساتھ ہوں (یعنی اس وقت نبی اکرم کے جو دو فرقہ آپس میں تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے آپ ﷺ نے ان میں ایک کا نام لے کر فرمایا کہ اس مشق میں میں اس فرقہ کی طرف ہوں) لیکن دوسرے فرقہ نے اپنے ہاتھ روک لئے (یعنی جب آنحضرت ﷺ ایک فرقہ کی طرف ہو گئے تو مقابل فرقہ نے تیر اندازی سے اپنے ہاتھ کھینچ لئے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں کیا ہوا؟ یعنی تم نے تیر چھینکے کیوں بند کر دیے؟ انہوں نے کہا کہ ہم اس صورت میں کیسے تیر اندازی کر سکتے ہیں جب کہ آپ فلاں (فرقہ) کے ساتھ ہیں یعنی ہمیں یہ گوارا نہیں ہے کہ آپ ﷺ ہمیں چھوڑ کر دوسرے فرقہ کی طرف ہو جائیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا (اجما) تم تیر اندازی کرو میں تم سب کے ساتھ ہوں۔“ (بخاری)

حضرت ابو طلحہ کی تیر اندازی

⑤ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ أَبُو طَلْحَةَ يَنْتَظِرُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبُزْجٍ وَاجِدٍ وَكَانَ أَبُو طَلْحَةَ حَسَنَ الرُّسُومِ فَكَانَ إِذَا رَمَى تَشْتَرَفُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَنْظُرُ إِلَيْهِ مَوْضِعَ نَبْلِهِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت انس کہتے ہیں کہ ابو طلحہ (میدان جنگ میں) ایک ڈھال کے ذریعہ نبی کریم ﷺ کا بچاؤ کر رہے تھے ابو طلحہ ایک بہترین تیر انداز تھے چنانچہ (دو دشمنوں پر بڑی مہارت اور چالاکدستی کے ساتھ تیر اندازی بھی کر رہے تھے اور آنحضرت ﷺ کی حفاظت بھی) جب وہ تیر چھینکتے تو نبی کریم ﷺ جھانک کر دیکھتے کہ تیر کہاں چڑا ہے اور کس کو لگا ہے۔“ (بخاری)

گھوڑوں کی فضیلت

⑥ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَرَكَةُ فِي نَوَاصِي الْخَيْلِ۔ (مشق علیہ)

”اور حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا گھوڑوں کی پیٹھوں میں برکت ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: پیشانی سے مراد ”ذات“ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں میں ایک خاص قسم کی برکت رکھی ہے کیونکہ گھوڑوں کے ذریعہ جہاد کیا جاتا ہے جس میں دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی ہے۔

⑥ وَعَنْ جُرَيْجٍ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبِسُ فَرَسًا بِأَصْبَعِهِ وَهُوَ يَقُولُ: «الْحَبْلُ مَقْقُودٌ بِئِذَا أَصْبَحَ الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ الْأَخِيرِ وَالْفَرَسُ مَقْقُودٌ» (رواه مسلم)

”اور حضرت جریر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ ایک گھوڑے کی پیشانی کے بالوں کو اپنی انگلی سے مل دیتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ گھوڑے (وہ جانور ہیں) جن کی پیشانیوں میں قیامت تک کے لئے خیر و بھلائی بندھی ہوئی ہے کیونکہ گھوڑوں کے ذریعہ جہاد کرنے کی سعادت حاصل ہوتی ہے جس میں دنیا کا مال غنیمت حاصل ہوتا ہے۔“ (مسلم)

⑦ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اخْتَبَسَ فَرَسًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اِيْمَانًا بِاللَّهِ وَتَصَدَّقًا بِوَعْدِهِ فَإِنَّ سَبْعَةَ رُزُقَةٍ وَرُزُقَةً وَبُزْلَةً مِمَّا يَوْمَ الْقِيَامَةِ» (رواه البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کے وعدے کو سچ جاننے کی وجہ سے خدا کی راہ میں (کام لینے کے لئے اپنے گھر، گھوڑا، بندہ، حاتو اس گھوڑے کی سیر کی اور اس کے لئے دنیا میں جو کچھ کھایا اور پیا ہے وہ) اور اس کی لید اور اس کا پیٹاب قیامت کے دن اس شخص کے اعمال کی ترازو میں تولے جائیگا۔“ (بخاری)

تشریح: ”اللہ پر ایمان لانے اور اس کے وعدے کو سچ جاننے کی وجہ سے“ کا مطلب یہ ہے کہ اس نے جہاد میں جانے اور دشمنوں سے لڑائی کے لئے جو گھوڑا اپنے ہاں باندھا ہو اس میں اس کی نیت محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول اور اس کے حکم کی فرمانبرداری کی ہو اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے لئے جس عظیم اجر و ثواب کا وعدہ کیا ہے اس کی طلب گاری ہی خاطر ہو۔

”سیری اور یرائی“ سے مراد وہ چیزیں ہیں جن سے جانور کا پیٹ بھرتا ہے اور سیراب ہوتا ہے۔ یعنی گھاس، دانہ، پانی وغیرہ لہذا یہ ساری چیزیں بھی ثواب لینے کے اعتبار سے اس شخص کے نامہ اعمال میں لکھی جائیں گی کہ قیامت کے دن یہ چیزیں ثواب کی شکل میں اس کو حاصل ہوں گی اور اس کے میزان اعمال میں تولی جائیں گی۔

اشکل گھوڑا نا پسندیہ

⑧ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْنُوهُ الشِّكَاةَ فِي الْخَيْلِ وَالشِّكَاةُ أَنْ يَكُونَ الْفَرَسُ فِي رِجْلَيْهِ الثَّمَنِي بِيَاضٍ وَفِي يَدَيْهِ الثَّمَنِي أَوْ فِي يَدَيْهِ الثَّمَنِي وَرِجْلَيْهِ الثَّمَنِي» (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ گھوڑے میں شکار کو ناپسند کرتے تھے اور شکار یہ ہے کہ گھوڑے کے دائیں پاؤں اور بائیں ہاتھ پر سفیدی ہو یا دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں پر سفیدی ہو۔“ (مسلم)

تشریح: راوی نے تو شکار کی وضاحت یہ کی ہے کہ گھوڑا جس کے ایک ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں پر سفیدی ہو لیکن صاحب قلموں اور دوسرے تمام اہل نعت کے نزدیک گھوڑے میں شکار کا مطلب یہ ہے کہ اس گھوڑے کے تین پاؤں تو سفید ہوں اور ایک پاؤں باقی تمام بدن کا سرنگ ہو یا اس کے برعکس ہو یعنی ایک پاؤں سفید ہو اور تین پاؤں بدن کے سرنگ ہوں۔

اصل میں ”شکل“ لغت میں اس درجہ کو کہتے ہیں جس پر چپائے کے پیر باندھے جاتے ہیں۔ لہذا اس طرح کے گھوڑے کو اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور آنحضرت ﷺ ایسے گھوڑے کو ازراہ تقاضا کے ناپسند فرماتے تھے کہ وہ گھوڑا گویا بصورت شکل ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کو تجربہ یہ معلوم ہوا ہو کہ اس شخص کا گھوڑا امیل نہیں ہوتا۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اگر اشکل گھوڑے کی پیشانی پر اتنی سفیدی ہو کہ جہاں تھکے انگوٹھے سے نہ چھپ سکے تو اس کا عیب دور

ہو جاتا ہے اور پھر وہ ناپسندیدہ نمکس رہتا۔

گھوڑ دوڑ کا ذکر

(۱۰) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ غَفَرَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ رَسُوْلُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَابِقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِي أُحْضِرَتْ مِنَ الْخَفِيَاءِ وَأَمْلَ هَذِهِ الْوُدَاعِ وَبَيْنَهُمَا مِثَّةُ أَحْيَالٍ وَسَابِقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِي لَمْ تُضْعَرْ مِنَ النَّبِيَّةِ إِلَى مَسْجِدِ نَبِيِّ رَزِيقٍ وَبَيْنَهُمَا مِثْلٌ - (تقریباً)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ان دونوں گھوڑوں کے درمیان مسابقت گھوڑ دوڑ کرائی جو اضمار کئے گئے تھے اور یہ مسابقت خفاء سے شروع ہوئی اور مِثَّةُ الوداع پر ختم ہوئی اور ان دونوں مقامات (یعنی خفاء اور مِثَّةُ الوداع) کے درمیان چھ میل کا فاصلہ تھا اور جن گھوڑوں کا اضمار نہیں کیا گیا تھا ان کے درمیان مِثَّةُ الوداع سے مسجد نبیؐ زریقی تک مسابقت کرائی اور ان دونوں مقامات (یعنی مِثَّةُ الوداع اور مسجد نبیؐ زریقی) کا دور مِثلی فاصلہ ایک میل تھا۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: ”گھوڑوں کے درمیان مسابقت“ کو یا گھوڑ دوڑ کے مفہوم کے مرادف ہے یعنی دو آدمی اپنے گھوڑوں کو اس لئے دوڑائیں کہ دیکھیں کہ کس کا گھوڑا آگے نکل جاتا ہے۔

”اضمار“ اس کو کہتے ہیں کہ پہلے تو گھوڑے کو خوب گھاس دانہ کھلا جائے کہ بھرتی ہو جائے اور پھر اس کو ایک مکان پر بند کر کے اس پر گرونی ڈال دیتے ہیں اس کی وجہ سے وہ گرم ہو جاتا ہے اور پسینہ چھوڑتا ہے اور جب پسینہ خشک ہو جاتا ہے تو وہ گھوڑا تک ہو جاتا ہے یعنی اس کا گوشت تو ہلکا ہو جاتا ہے لیکن دوڑنے میں قوی رہتا ہے۔

”خفاء“ ایک جگہ کا نام ہے۔ جو مدینہ سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہے، مِثَّةُ الوداع ایک پہاڑ کا نام ہے اہل مدینہ اپنے مسافروں کو پہنچانے کے لئے اس پہاڑ تک جاتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی ایک اونٹنی کا ذکر

(۱۱) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ كَثَّانَةَ نَافَةَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُسَفِّي الْعُضْبَاءَ وَكَانَتْ لَا تُسَبِّقُ لِهَجَاءِ أَهْلِ بَيْتِ عَلِيٍّ فَلَمَّا قُودَ لَهُ فَتَسَبَّقَهَا فَاسْتَدْرَكَ ذَلِكَ عَلَى الشَّيْخِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ حَقَّكَ عَلَى اللَّهِ أَنْ لَا يُزِيلَ شَيْءٌ مِنْ الدُّنْيَا إِلَّا وَضَعَهُ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے پاس ایک اونٹنی تھی جس کا نام عضباء تھا اور وہ کبھی پیچھے نہیں رہتی تھی (یعنی اس کا پس اونٹ سے بھی دوڑ میں مقابلہ ہوتا اس کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل جاتی تھی) لیکن (ایک دن) ایک دیہاتی اپنے اونٹ پر آیا اور (جب اس نے عضباء سے اپنا اونٹ دوڑایا) اس کا اونٹ آگے نکل گیا یہ بات مسلمانوں پر سخت گھری تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کا یہ ایک ثابت شدہ فیصلہ ہے کہ دنیا کی جو بھی چیز خراب ہو جائے خدا اس کو پست کر دیتا ہے۔“ (بخاری)

تشریح: اصل میں ”عضباء“ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے کان کٹے ہوئے یا چرے ہوئے ہوں۔ آنحضرت ﷺ کی اس اونٹنی کا کان گوٹھ ہوا یا چرا ہوا نہیں تھا کہ اس کا نام ”عضباء“ تھا البتہ نقلی طور پر اس کے کان چھوٹے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی یہ وہی اونٹنی ہے جس کو ”قصواء“ بھی کہتے ہیں، لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اونٹنی اور بھی اور ”قصواء“ ایک دوسری اونٹنی تھی۔

”قعود“ اس جوان اونٹ کو کہتے ہیں جو نایاب سواری میں آیا ہو اور سواری کے لائق ہو گیا ہو ایسا اونٹ دو برس سے چھ برس تک کی

عمر کا ہوتا ہے جس اونٹ کی عمر چھ برس سے زائد ہو اس کو ”جمل“ کہتے ہیں۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

جہاد میں کام آنے والا ہتھیار اپنے بنانے والے کو بھی جنت میں لے جائے گا

(۱۲) عَنْ عَقْبَةَ بْنِ غَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَذْجِلُ بِالسَّهْمِ الْوَاحِدِ فَلَاحَةً نَفَرِ الْجَنَّةِ ضَابِعَةً يَحْتَسِبُ فِيهِ صَنَعَتُهُ الْخَيْرَ وَالزَّامِي بِهِ مَقْبِلُهُ لَمْ يَمُوتُوا وَارْتَكَبُوا وَأَنْ تَزْمُوا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ تَزْكُوا كُلُّ شَيْءٍ يُلْهَوُ بِهِ الرَّجُلُ بَاطِلٌ إِلَّا زَمِيَهُ يَقْضِيهِ وَتَادِيَهُ قَرَسَةٌ وَمَلَأَ عَيْنَهُ بِمِرْوَانَةٍ فَإِنَّهُمْ مِنَ الْحَقِّ - زَوْاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حَاجَةَ وَزَادَ أَبُو دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَمَنْ تَرَكَ الزَّمِيَّ بَعْدَ مَا عَلَيْهِمْ زُغْبَةٌ فَإِنَّهُ بِعَمَّةٍ تَرَكَهَا أَنْ قَالَ كَفَرَهَا -

”حضرت عقبہؓ ابن عامر کہتے ہیں میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ (کفار پر چلانے والے) ایک تیر کے بدلے میں تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرتا ہے ایک تو اس تیر کے بنانے والے کو جب کہ وہ اپنے روزگار کے ساتھ ثواب کی بھی امید رکھے (یعنی جب وہ تیر بنائے تو اپنے روزگار کے ساتھ بھی رکھے) تیر جہاد میں کام آنے کے لئے بنادیا ہوں (دوسرے) جہاد میں تیر چلانے والے کو اور (تیسرے) تیر دینے والے کو (یعنی وہ شخص جو تیر انداز کے ہاتھ میں دیکھا اسی کا تیر دے اور خواہ پیسہ ہی دے یہ نشانے پر سے اٹھا کر دے) لہذا تیر اندازی کرو اور گھوڑوں پر سواری کرو یعنی تیر اندازی اور گھوڑ سواری کی حق کرو اور تمہاری تیر اندازی میرے نزدیک سواری کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے اور یاد رکھو انسان جس چیز کو لبو و لعب (یعنی محض کھیل اور تفریح) کے طور پر اختیار کرے وہ باطل اور ناروا ہے مگر اپنی کمان سے تیر اندازی کرنا اپنے گھوڑے کو سدھارنا اور اپنی بیوی کے ساتھ کھیل و تفریح کرنا یہ سب چیزیں حق ہیں ترمذی ابن ماجہ ابوداؤد اور دارمی نے (اپنی روایت میں) یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ اور جو شخص تیر اندازی کیلئے کے بعد اس کو بے نیازی اور بیزاری کے جذبہ سے چھوڑ دے تو وہ تیر اندازی ایک نعمت ہے جس کو اس نے چھوڑ دیا ہے یا یہ فرمایا کہ اس نے اس نعمت کا انکار کیا۔“

تشریح: ”یہ چیزیں حق ہیں“ ان چیزوں کے حکم میں ہر وہ چیز داخل ہے جو حق و بھلائی کی راہ میں معاون ہو خواہ وہ علم کے قبیل سے ہو یا عمل کے قبیل سے جب کہ وہ مقابلہ بازی کی قسم سے ہو جیسے پیدل چلنے اور دوڑنے، گھوڑ سواری اور اونٹوں کی دوڑ کا مقابلہ وغیرہ۔

تیر انداز کے ثواب کا ذکر

(۱۳) وَعَنْ أَبِي نَجِيحٍ السَّلْمِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ بَلَغَ بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُوَ لَهُ ذِرَّةٌ فِي الْجَنَّةِ وَمَنْ زَمِي بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُوَ لَهُ عِدْلُ شُحْرُورٍ وَمَنْ شَابَ شَيْئَةً فِي الْإِسْلَامِ كَأَنَّ لَهُ نُورًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ - زَوْاهُ التَّبَهِيُّقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ وَزَوَى أَبُو دَاوُدَ وَالْفَصْلُ الْأَوَّلُ وَالنَّسَائِيُّ الْأَوَّلُ وَالثَّانِي وَالتِّرْمِذِيُّ الثَّانِي وَالثَّالِثُ وَفِي رِوَايَتِهِمَا عَنْ شَابَ شَيْئَةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَنْدِلُ فِي الْإِسْلَامِ -

”اور حضرت ابو نجیح سلمیؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے اللہ کی راہ (یعنی جہاد) میں ایک تیر (نشانے پر) پہنچایا (یعنی اس نے تیر چلا کر کافر کو مار ڈالا تو) اس کے لئے جنت میں ایک چراغ ہے اور جس شخص نے اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد) میں تیر چیکا (خواہ وہ کافر کو لگایا نہ لگا) تو وہ اس کے لئے ایک برہہ (غلام یا لونڈی) آزاد کرنے کے برابر ہے اور جو شخص اسلام (کی حالت) میں پوڑھا ہو گیا اور مر گیا تو وہ بڑھاپا قیامت کے دن اس کے لئے نور ہو گا (اس روایت کو ترمذی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے) ابوداؤد نے (روایت کا حرف) پہلا جزو یعنی مَنْ بَلَغَ بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُوَ لَهُ ذِرَّةٌ فِي الْجَنَّةِ نقل کیا ہے (سائی نے پہلا اور

دوسرا جزء کہ جن میں تیس اندازی کی فضیلت بیان کی گئی ہے (نقل کیا ہے اور ترمذی نے دوسرا اور تیسرا جہز نقل کیا ہے۔ نیز بیہقی اور ترمذی کی روایت میں ”فی الاسلام“ یعنی اسلام کی حالت میں کے بجائے ”فی سبیل اللہ“ یعنی ”اللہ کی راہ میں“ ہے۔

تشریح: ”جو شخص اسلام کی (حالات) میں لڑو ہا ہو گیا اس“ سے واضح ہوا کہ کسی شخص کا ایمان و اسلام کی حالت میں لڑو ہا ہو جانا یا اس پر بڑھا پے کی علامت کا ظاہر ہو جانا گویا اس کی اخروی سعادت کی نشانی ہے کیونکہ زندگی آخری منزلوں تک اسلام و ایمان کی حالت پر قائم رہنا اللہ کا ایک بڑھنسل و کرم ہے۔

ایک بڑے بزرگ حضرت ابو نریہؓ کے بارے میں منقول ہے کہ ایک دن انہوں نے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھا تو وہاں ان کو بڑھاپے کی علامات نظر آئیں بے اختیار ان کے منہ سے یہ نکلا کہ ظہور الشیب و لم یمظہر العیب و ما ادری ما فی العیب یعنی خدا کا شکر ہے کہ مجھ پر بڑھاپا ظاہر ہوا ہے، کوئی عیب ظاہر نہیں ہوا، اور پروغیب میں کیا چیز ہے مجھے کچھ معلوم نہیں۔

ایک بات یہ واضح رہے کہ کتاب کی عبارت میں دو اینٹھا کی ضمیر بظاہر نسائی اور ترمذی کی طرف لونی چاہئے کیونکہ باقی کی عبارت میں یہی دونوں پاس پاس مذکور ہیں لیکن حقیقت میں یہ (نسائی اور ترمذی کی طرف ضمیر لونا تا) اس وجہ سے صحیح نہیں ہوگا کہ نسائی نے تیسرا جہز نقل ہی نہیں کیا، لہذا ضمیر بیہقی اور ترمذی کی طرف مدح و تہنیت ہوگی اور فی روایت ہما کے یہی معنی ہوں گے۔ کہ ”بیہقی اور ترمذی کی روایت میں اس“ البتہ اس صورت میں ایک اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب اصل روایت میں کہ جس کو بیہقی نے نقل کیا ہے ”فی الاسلام“ کے لفظ مذکور ہیں تو پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ بیہقی اور ترمذی کی روایت میں ”فی الاسلام“ کے بجائے فی سبیل اللہ کے الفاظ ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ فی روایت ہما اصل میں مفہوم کے اعتبار سے یوں ہے کہ وہی روایت لیبیہ فی و روایت الترمذی یعنی بیہقی کی ایک اور روایت میں اور ترمذی کی روایت میں (فی الاسلام کے بجائے فی سبیل اللہ ہے) اس طرح بات صاف ہو جائے گی کہ بیہقی کی ایک روایت میں جو یہاں متن میں نقل کی گئی ہے فی الاسلام ہے اور ایک دوسری روایت میں فی الاسلام کے بجائے فی سبیل اللہ ہے۔

جہاد کی چیزوں میں شرط کا مال لینا جائز ہے

(۱۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا سَبَقَ الْأَفْنِ نَضْلُ أَوْ خُفٍّ أَوْ خَافِظٍ۔

(رواہ الترمذی و ابو داؤد و النسائی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”مسابقت کی شرط کا مال لینا صرف تین چیزوں (یعنی) تیر چٹائے، اونٹ دوڑانے، اور گھوڑوں میں جا کر ہے۔“ (ترمذی، ابو داؤد، نسائی)

تشریح: ”سبق“ شرط کی رقم کو کہتے ہیں، یعنی وہ مال جو آگے بڑھ جانے کی شرط جیتنے والے کو دیا جاتا ہے۔ اس حدیث سے بظاہر یہ واضح ہوتا ہے کہ ان تین چیزوں کے علاوہ اور کسی چیز میں مسابقت یعنی آگے بڑھ جانے کی بازی لگانا اور اس کا مال لینا جائز نہیں ہے، لیکن فقہاء نے ان تینوں کے حکم میں ان چیزوں کو بھی شامل کیا ہے جو جہاد کا مسلمان و ذریعہ ہیں جیسے گدھا اور گھوڑے کے حکم میں ہیں اور ہاتھی، اونٹ کے حکم میں ہے۔ بعض حضرات نے پیدل دوڑنے اور بعض نے چڑھنے کی مسابقت کو جوار کے حکم میں شامل کیا ہے کیونکہ یہ چیزیں تیر کے مفہوم میں داخل ہیں۔

جو چیزیں جہاد کے ذرائع میں شامل ہیں ان کی مسابقت میں شرط باندھنا اور بازی لگانا اور شرط کی رقم لینا دراصل جہاد کی ترغیب دینے کے پیش نظر ہوتا ہے اور اسی لئے اس کا جواز کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ ہاں جو چیزیں جہاد کے اسباب و ذرائع میں سے نہیں ہیں ان میں مسابقت کی بازی لگانا اور شرط باندھنا چونکہ ایسے کسی صالح مقصد کے لئے نہیں ہوتا اس لئے نہ تو ان چیزوں میں مسابقت ہی جائز ہے اور نہ اس کی

جس کے سبب سے وہ ”محاملہ“ حلال و جائز ہو گیا جو پہلے حائنین کی طرف سے شرط و بازی لگانے کی وجہ سے ایک ”حرام“ معاملہ“ یعنی لذت، چنانچہ نہ لورہ صورت میں اگر محلل کا گھوڑا آگے نکل جائے تو وہ ان دونوں سے معذور و قہراً مقررہ چیز نہ لے اور اگر ان دونوں کے گھوڑے اس کے گھوڑے سے آگے نکل جائیں تو وہ ان کو کچھ نہ دے البتہ جو ان دونوں میں سے ایک کا گھوڑا آگے نکلے گا اس کو دوسرے سے معذور و قہراً مقررہ چیز لینا جائز ہو گا۔

واضح رہے کہ علماء نے لکھا ہے اور جیسا کہ اس حدیث سے بھی واضح ہوتا ہے کہ تحلیل کی صورت میں محلل کو چاہئے کہ وہ اس گھوڑ دوڑ میں ایسے گھوڑے کو شامل کرے جو دوڑنے میں ان دونوں کے گھوڑے کے برابر یا تقریباً برابر ہو، چنانچہ اگر محلل کا گھوڑا ان دونوں کے گھوڑے سے آگے اس طرح کا تیز رو ہو کہ وہ ”محلل“ جانتا ہے کہ ان دونوں کے گھوڑے میرے گھوڑے سے آگے نہیں نکل سکتے تو نہ صرف یہ کہ یہ جائز نہیں بلکہ اس کا اپنے گھوڑے کو اس گھوڑ دوڑ میں شامل کرنا اور نہ کرنا برابر ہو گا یعنی یہ صورت تحلیل کی نہیں ہوگی۔ ہاں اگر وہ یہ نہیں جانتا کہ میرا گھوڑا ان دونوں کے آگے نکل جائے گا اور نہ یہ جانتا ہے کہ میرا گھوڑا ان دونوں کے گھوڑے سے پیچھے رہ جائے گا تو یہ جائز ہے اور یہ صورت تحلیل کی مانی جائے گی۔ حاصل یہ کہ اگر محلل کا گھوڑا ایسا ہے کہ وہ آگے نکل جائے گا بھی احتمال رکھتا ہے اور پیچھے رہ جائے گا بھی احتمال رکھتا ہے تو جائز ہو گا ورنہ نہیں۔

گھوڑ دوڑ میں ”جلب“ اور ”جنب“ کی ممانعت

(۱۶) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حِلَّ وَلَا حَبْرَ رَادَّ بَخِيٍّ فِي حَدِيثِهِ فِي الرِّهَانِ - زَوْاهُ الْوَادُؤُ وَالنَّسَائِيَّ وَزَوْاهُ التَّرْمِذِيُّ مَعَزُ بْنُ زِيَادٍ فِي بَابِ الْغَضَبِ -

”اور حضرت عمر ابن خطابؓ کہتے ہیں کہ ”جلب (جائزہ) ہے اور نہ جنب اور (ایک راوی) بخلی نے اپنی روایت میں لفظ ”فی الرہان“ بھی نقل کیا ہے (یعنی ان کی روایت میں یہ ہے کہ رہان یعنی گھوڑوں کی شرط و مسابقت میں نہ جلب جائز ہے اور نہ جنب) اس روایت کو ابوداؤد و نسائی نے نقل کیا ہے۔ نیز ترمذی نے بھی اس روایت کو کچھ زائد الفاظ و معانی کے ساتھ باب الغضب میں نقل کیا۔“

تشریح: ”جلب اور جنب“ یہ ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا زکوٰۃ دینے والوں کی قیام گاہوں سے کہیں دور ٹھہرے اور ان کو یہ حکم دے کہ وہ اپنی زکوٰۃ کا مال جیسے مویشی لے کر یہاں آجائیں۔ اور ”جنب“ یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے والے اپنے زکوٰۃ کے مال جیسے مویشیوں کو لے کر اپنی قیام گاہوں سے کہیں دور چلے جائیں اور زکوٰۃ وصول کرنے والے کو اس مشقت میں مبتلا کریں کہ وہ ان کے پاس پہنچ کر زکوٰۃ وصول کرے۔ لہذا یہ دونوں ہی ممنوع و مکروہ ہیں۔

گھوڑ دوڑ میں ”جنب“ یہ ہے کہ گھوڑ دوڑ میں شریک ہونے والا کوئی سوار کسی دوسرے شخص کو اس مقصد سے اپنے گھوڑے کے پیچھے لگالے کہ وہ اس کے گھوڑے کو ڈانٹا اور جھڑکے تاکہ وہ آگے بڑھ جائے۔ اور ”جنب“ یہ ہے کہ اپنے گھوڑے کے پہلو پہ پہلو ایک دوسرا گھوڑا رکھے تاکہ جب سوار کا گھوڑا ٹھک جائے تو اس گھوڑے پر سوار ہو جائے یہ دونوں باتیں بھی ممنوع ہیں۔“

بہترین گھوڑے کی علامات

(۱۷) وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ التَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ الْبَحْلِ الْأَذْهَمُ الْأَفْرَحُ الْأَزْهَمُ ثُمَّ الْأَفْرَحُ الْمَخْجَلُ عُلُقُ الْبَحْلَيْنِ هُنَّ لَمْ يَكُنْ أَذْهَمُ فَكُنْ مَشَتْ عَلَى هَذِهِ النُّشْبَةِ - (رواہ الترمذی و الدارقانی)

”اور حضرت ابوقرظہؓ نے فرمایا ”بہترین گھوڑا ایسا گھوڑا ہے جس کی پیشانی پر تھوڑی سی سفیدی ہو اور ناک کی جانب سفیدی نہ پھروہ گھوڑا بہتر ہے جس کی پیشانی پر تھوڑی سی سفیدی ہو اور ہاتھ پاؤں سفید ہوں لیکن وایاں ہاتھ

سفید۔ ہو اور اگر سیاہ گھوڑا نہ ہو پھر وہی قسم کا کیت (بھی بہتر گھوڑا نہ ہے۔) (ترمذی، دارقطنی)

تشریح: ”کیت“ اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی دم اور ایال سیاہ ہوں اور باقی بدن سرخ ہو اور ”ای قسم“ کا مطلب یہ ہے کہ جو علامتیں سیاہ گھوڑے میں زبان کی گئی ہیں۔ یعنی پیشانی پر سفیدی وغیرہ۔ وہی ”کیت“ میں بھی ہوں تو یہ گھوڑا بھی ایک بہترین گھوڑا ہے۔

(۱۸) وَعَنِ أَبِي وَهَبٍ الْجَنْشَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْنَكُمْ بَكْلُ كَتْمِيَّةٍ اعْزَمَ فَخْخَلٍ أَوْ اشْقَرِ اعْزَمَ فَخْخَلٍ أَوْ أَذْهَمَ اعْزَمَ فَخْخَلٍ۔ (رواہ ابو داؤد، الترمذی، والنسائی)

”اور حضرت ابو وہب جشمی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: تمہارے لئے سفید پیشانی اور سفید ہاتھ یا دوس والا کیت گھوڑا ضروری ہے، یعنی اگر تم گھوڑا رکھو تو اس طرح کا گھوڑا رکھو، پھر، شفر گھوڑا ہونا چاہئے جس کی پیشانی بھی سفید ہو اور ہاتھ۔ دس بھی سفید ہوں یا سیاہ سفید پیشانی ہو اور سفید ہاتھ یا دس ہوں۔“ (ابو داؤد، ترمذی، والنسائی)

تشریح: ”اشقر سرخ رنگ کے گھوڑے کو کہتے ہیں۔ کیت اور اشقر میں فرق یہ ہے کہ کیت کی دم اور ایال سیاہ ہوتی ہے اور اشقر کی سرخ۔

(۱۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْفَعُ الْخَيْلَ هِيَ الشَّقِيرُ۔ (رواہ الترمذی، ابو داؤد،

”اور حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: گھوڑوں کی برکت سرخ رنگ کے گھوڑوں میں ہوتی ہے۔“

(ترمذی، ابو داؤد)

گھوڑوں کی پیشانی کے بال اور ان کی ایال و دم نہ کاٹو

(۲۰) وَعَنِ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ السَّلَمِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تَقْصُوا أَنْوَاصِي الْخَيْلِ وَلَا مَعَادِقَهَا وَلَا أَذْنَانَهَا فَإِنَّ أَذْنَانَهَا مَذَاتُهَا وَمَعَادِقُهَا دَفَاءُهَا وَتَوَاصِيهَا مَعْقُودُ قَبْلِهَا الْخَيْرُ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عثمان بن عبد اللہ سلمی سے روایت ہے انہوں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”گھوڑوں کی پیشانی کے بال، ان کی ایال اور لگی دوسوں کو نہ کاٹو کیونکہ ان کی دس، ان کے مورچل ہیں کہ جن کو وہ ہلا کر کھینوں اور کیزوں کو اڑاتے ہیں) اور ان کی ایالیں ان کو گر کر پہنچانے کی چیز ہیں، تو ان کی پیشانی کے بالوں میں بھلائی بندھی ہوئی ہے۔“ (ابو داؤد)

گھوڑوں کے بارے میں چند ہدایات

(۲۱) وَعَنِ أَبِي وَهَبٍ الْجَنْشَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبْطُلُوا الْخَيْلَ وَامْسُخُوا ابْنَوَاصِيهَا وَاعْجَارَهَا وَأَوْقَانِ أَكْصَانِهَا وَقَلْبُهَا وَلَا تَقْلَبْزُهَا الْأَوْقَانُ۔ (رواہ ابو داؤد، والنسائی)

”اور حضرت ابو وہب جشمی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”گھوڑوں کو باندھ کر رکھو، ان کی پیشانیوں اور ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا کرو۔ یہ (اعجاز حاکی جگہ) اکمال فرمایا (اور دونوں نظروں کے ایک ہی حق ہیں یعنی پیٹھ) ان کی گردن میں کنڈا (پٹا) باندھو لیکن ان کی گردن میں مکان کی تانت نہ باندھو۔“ (ابو داؤد، والنسائی)

تشریح: ”باندھ رکھو“ گھوڑوں کو جہاد کے لئے فرار اور چاق و چوبند رکھنے سے کٹا یہ ہے یعنی اس کے ذریعہ گویا یہ حکم دیا گیا ہے کہ گھوڑوں کی اچھی طرح دیکھ بھال رکھو اور ان کو خوب کھلاؤ پلاؤ تاکہ وہ موٹے نہ رہیں اور جہاد میں اچھی طرح کام آئیں۔

”ہاتھ پھیرنے“ کا مقصد یہ ہے کہ ان کو گرد و غبار سے صاف ستھرا رکھا جائے اور ان کی گردن معلوم ہوتی رہے نیز اس کے ذریعہ گھوڑوں کو اس وحشت بھی حاصل ہوتی ہے۔

زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کا معمول تھا کہ وہ اپنے گھوڑوں کی گردنوں میں کمان کے تانت باندھ دیا کرتے تھے ان کا عقیدہ تھا کہ اس کی وجہ سے گھوڑے نظریہ سے محفوظ رہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ یہ چیز تقدیر کو بدل نہیں سکتی۔ یا اس لئے منع فرمایا کہ تانت باندھنے سے ان کا گلا نہ کھنکے۔

اہل بیت رسول ﷺ کو تین مخصوص احکام

(۲۲) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَنِيًا مَنَافِرًا مَا اخْتَصَبَا ذُرُومَ النَّاسِ مَشِيًّ بِنِثَابٍ امْرَأًا أَنْ يُنْسَفَ الْفُضُوءُ وَأَنْ لَا تَأْكُلَ الصَّدَقَةُ وَأَنْ لَا تَنْتَوِي جِمَاؤَ اَعْلَى فَرْسٍ۔ (رواہ احمد بن حنبل و ترمذی)

”اور حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ ایک مامور بندے تھے آپ ﷺ نے ہم کو (اپنے اہل بیت کو) دوسرے لوگوں سے الگ کر کے تین باتوں کے علاوہ اور کسی بات کا بندہ جس پر حکم نہیں دیا اور وہ (تین باتیں) جن کا خاص طور پر اہل بیت کو حکم دیا ہے ہیں کہ (۱) ہم کو وضو کو پورا کریں (۲) ہم صدقہ کا مال نہ کھائیں (۳) ہم گھوڑیوں پر گدھے نہ چھوڑیں۔“ (ترمذی و سنن)

تشریح: ”رسول کریم ایک مامور بندے تھے“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو خدا کی طرف سے جس بات کا حکم ہوتا تھا وہی کرتے تھے اپنی طرف سے نہ کوئی قانون بناتے تھے اور نہ اپنی خواہش نفس کے تحت کوئی حکم دیتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کسی بھی طبقہ و جماعت یا کسی بھی شخص و خاندان کے لئے خواہ وہ آپ کے نزدیک کتنا ہی محبوب کیوں نہ ہو الگ سے کسی چیز کا حکم دے کر اس کو دوسرے لوگوں پر ترجیح نہیں دیتے تھے، یہاں تک کہ اہل بیت جو اخص و اقرب تھے ان کے لئے بھی احکام میں کسی امتیاز و خصوصیت کو روا نہیں رکھتے تھے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ نے وضاحت کی ہے کہ آنحضرت نے ہم اہل بیت کو بھی کسی چیز کا مخصوص طور پر حکم نہیں دیا ہاں تین چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں اہل بیت کو بھی خصوصی حکم دیا گیا۔

گھوڑیوں پر غریبید کرنے کے لئے (۲) پر گدھے چھوڑنے سے اس لئے منع فرمایا کہ اول تو اس سے لسل کو قطع کرنا لازم آتا ہے دوسرے یہ ایک انہی چیز کے بدلے ایک گھنٹیا چیز چاہنا ہے کیونکہ گھوڑے کے مقابلہ میں ٹھہرا ایک ادنی جانو ہے جو نہ گھوڑے کی طرح کار آمد ہوتا ہے اور نہ جہاد وغیرہ کے کام آتا ہے، لہذا ایسا کرنا مکروہ ہے۔

اس موقع پر ایک سوال اٹھتا ہے کہ صدقہ کا مال کھانے کا مسئلہ تو بالکل صاف ہے کہ اس سے صرف اہل بیت کو منع کیا گیا ہے باقی امت اس کے حکم میں داخل نہیں ہے لیکن باقی دو حکم (یعنی وضو کو پورا کرنا اور گھوڑیوں پر گدھے نہ چھوڑنا) تو ایسے ہیں جن میں پوری امت داخل ہے کہ سارے ہی مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وضو کو پورا کرو (یعنی اچھی طرح) کریں اور اپنی گھوڑیوں پر گدھے نہ چھوڑیں پھر ان دونوں چیزوں کو صرف اہل بیت کے ساتھ مخصوص کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس سے مراد ان دونوں چیزوں کو اہل بیت پر واجب و لازم کرنا ہے، یا یہ کہ ان احکام کو اہل بیت کے حق میں زیادہ سے زیادہ اہمیت اور تاکید کے ساتھ نافذ کرنا مقصد ہے۔

یہ حدیث اپنے مفہوم کے اعتبار سے شیعوں کے اس نظریہ کی واضح تردید کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اہل بیت کو کچھ ایسے مخصوص علوم سے نوازا تھا جن میں باقی امت کا کوئی حصہ نہیں تھا! اسی طرح وہ حدیث بھی شیعوں کے اس نظریہ کی تردید میں ایک مضبوط دلیل ہے۔ جو پہچنے گر رہ گئی ہے۔ اور جس میں حضرت علی کریم اللہ وجہ کے بارے میں منقول ہے۔

هل عدكم شييء ليس في القرآن فقال والذي فلق الحبة وبرأ النسمة ما عدنا الا ما في القرآن الا فهمما يعطى الرحل في كتابه وما في الصحيفة الحديث۔

”جب حضرت علیؓ سے یہ پوچھا گیا کہ کیا آپ کے پاس ایسا کوئی علم ہے جو قرآن میں موجود نہیں ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس نے دانہ کو چیرا اور جان کو پیرا کیا قرآن میں جو علوم ہیں ان کے علاوہ ہمارے پاس اور کچھ نہیں ہے ہاں مجھے یہ شک کتاب اللہ کا وہ فہم

ملا جو کسی انسان کو عطا ہوتا ہے اور میرے پاس تجھ کو وہ چیزیں (مسائل) ہیں جو اس عینہ میں لکھے ہوئے ہیں۔ آخر حدیث تک۔“

گھوڑی پر گدھا چھوڑنے کی ممانعت

(۲۲) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ أَهْدَيْتُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَغْلَةً فَرَسَهَا فَقَالَ عَلِيٌّ لَوْ خَمَلْنَا الْحَمِيرَ غُلَى الْخَيْلِ لَكَانَتْ لَنَا مِثْلُ هَذِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا يَفْعَلُ ذَلِكَ الَّذِينَ لَا يَغْلِفُونَ۔

(رواہ ابو داؤد والنسائی)

”اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ایک موقع پر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک غمر بطور ہدیہ پیش کیا گیا تو آپ ﷺ اس پر سوار ہوئے، حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ ”اگر ہم گھوڑیوں پر گدھے چھوڑیں تو ہمیں (بھی) ایسے غمر مل جائیں؟“ رسول کریم ﷺ نے یہ (سن کر فرمایا کہ) ”یہ کام وہ لوگ کرتے ہیں جو نادانف ہیں۔“ (ابو داؤد والنسائی)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ یہ غیر دانشمندانہ کام تو وہی لوگ کر سکتے ہیں جو یہ نہیں جانتے کہ اس (گھوڑیوں پر گدھے چھوڑنے) سے بہتر گھوڑی پر گھوڑا ہی چھوڑنا ہے کیونکہ جو فوائد گھوڑی سے اس کی نسل پیدا ہونے کی صورت میں حاصل ہوتے ہیں وہ اس کے پیٹ سے نچر پیدا ہونے سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ یا یہ مراد ہے کہ یہ کام وہی نادان کر سکتے ہیں جو شریعت کے احکام سے واقف نہیں ہیں اور ان کو اس چیز کا راستہ نظر نہیں آتا جو ان کے حق میں اولیٰ اور بہتر ہے۔

اس حدیث میں گویا گھوڑی پر گدھا چھوڑنے کی ممانعت مذکور ہے، اور یہ ممانعت ”اُنکی کرہت“ کے طور پر ہے۔

تکوار کو تھوڑی بہت چاندی سے مزین کرنا جائز ہے

(۲۳) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَتْ قَبْعَةُ شَيْفٍ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِطْيَةٍ۔ (رواہ الترمذی و ابو داؤد والنسائی و الدارمی)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تکوار کے قبضے کی ٹوپی چاندی کی تھی۔“ (ترمذی و ابو داؤد والنسائی و دارمی)

تشریح: شرح السنہ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ تکوار کو تھوڑی بہت چاندی کے ساتھ مزین و آراستہ کرنا جائز ہے، یہی حکم جینی کا بھی ہے۔ البتہ ان میں سے کسی میں بھی سونے کے استعمال کی اجازت نہیں ہے۔

(۲۴) وَعَنْ هُرَيْثِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ جَدِّهِ مَرْثِدَةَ قَالَ دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَغُلَى سَيْفُهُ ذَهَبَ وَفِطْيَةً۔ وَوَأَهَّ الْقِرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت حوثر بن عبد اللہ بن سعد اللہ بن سعد اپنے دادا سے کہ جن کا نام مرثدہ تھا نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ فتح کے دن (اکہ میں) داخل ہوئے تو اس وقت آپ کے پاس جو تکوار تھی اس پر سونے اور چاندی کا کام تھا۔“ امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے کہا یہ حدیث غریب۔“

تشریح: ”اس حدیث کی بنیاد پر ہتھیار و اسلحہ جات میں سونے کے استعمال کو ناجائز قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اس حدیث کی سند مضبوط نہیں ہے۔“

جنگ میں حفاظت کے زیادہ سے زیادہ سامان استعمال کرنا تو کل کے منافی نہیں ہے

(۲۵) وَعَنِ الشَّامِيِّ بْنِ بَرْثَدَانَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَلَيْهِ يَوْمَ أُحُدٍ دُعَانٌ قَدْ طَاهَرَ نَيْسُهَا۔

(رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت سائبؓ ابن یزید سے روایت ہے کہ غزوہ احد کے دن نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک پر دو زخم تھے آپ ﷺ نے ایک دوسرے پر پہن رکھا تھا۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ جنگ کے کارآمد زیادہ سے زیادہ سامان فراہم کرنا اور میدان جنگ میں اپنی حفاظت کے لئے حتیٰ الوسعت زیادہ سے زیادہ چیزوں کو اختیار کرنا جائز ہے۔ اور یہ توکل کے معانی نہیں ہے۔“

آنحضرت ﷺ کے جھنڈے کا ذکر

(۲۷) وَعَنْ أَبِي عَتَايَةَ قَالَ كَانَتْ رَايَةُ نَبِيِّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوْدَاءَ وَالْوَاوُءُ أَيْضًا۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا بڑا جھنڈا سیاہ رنگ کا تھا اور چھوٹا جھنڈا سفید رنگ کا۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

(۲۸) وَعَنْ مُوسَى بْنِ عَبْدِ اللَّهِ مَوْلَى مُحَمَّدِ بْنِ الْقَاسِمِ قَالَ يَخْبِي مُحَمَّدُ بْنُ الْقَاسِمِ إِلَى الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ لَيْسَ لَهُ غِلٌّ رَايَةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَتْ سَوْدَاءَ مُرْتَبَعَةً مِنْ نَمِرَةٍ۔ (رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد)

”اور حضرت موسیٰ ابن عبیدہؓ جو حضرت محمد ابن قاسمؓ کے آقا زاد کردہ غلام تھے کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت عمر ابن قاسمؓ نے مجھے حضرت براءؓ ابن عازبؓ (صحابی) کے پاس بھیجا تاکہ یہ دریافت ہو سکے کہ رسول کریم ﷺ کا جھنڈا کیسا تھا۔ چنانچہ حضرت براءؓ نے فرمایا کہ (آنحضرت ﷺ کا) جھنڈا سیاہ رنگ کا تھا اس کا کپڑا چمڑے اور نمرہ کی طرح تھا۔“ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: چونکہ جھنڈے کے کپڑے کو ”نمرہ“ کی طرح بیان کیا گیا ہے اس لئے ”سیاہ رنگ کا تھا“ سے مراد یہ ہے کہ اس کا اکثر حصہ سیاہ رنگ کا تھا جس کی وجہ سے وہ دور سے سیاہ ہی معلوم ہوتا تھا نہ کہ خالص سیاہ رنگ کا تھا۔
”نمرہ“ اس مکمل یا چادر کو کہتے ہیں جس میں سیاہ اور سفید دھاریاں اور خط ہوں۔ ویسے لغت میں ”نمر“ مشہور درندہ چیتے کو کہتے ہیں اسی لئے ایسے کپڑے کو چیتے سے تشبیہ دی ہے کہ اسی کمال پر سیاہ و سفید دھاریاں ہوتی ہیں۔

(۲۹) وَعَنْ خَابِرِ بْنِ النُّعْمَانِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ وَلَوَاؤُهُ أَيْضًا۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد، ابن ماجہ)

”اور حضرت خابرؓ بن النعمانؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ حج مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ سفید جھنڈا تھا۔“

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

آنحضرت ﷺ کی نظر میں گھوڑوں کی قدر و قیمت

(۳۰) عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيَّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ التَّسَاءُلِ مِنَ الْخَيْلِ۔ (رواہ النسائی)

”حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی نظر میں غورقوں کے بعد (جہاد کے مقاصد کے لئے) گھوڑوں سے زیادہ محبوب و پسندیدہ اور کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔“ (نسائی)

جنگ میں حقیقی طاقت حق تعالیٰ کی مدد و نصرت سے حاصل ہوتی ہے

(۳۱) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَتْ بَيْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْسٌ غَزِيَّةٌ قَرَأَى رُحْلًا بَيْدَهُ قَوْسٌ فَارِسِيَّةٌ قَالَ مَا هَذِهِ عَلَيْكُمْ يَهْدُوهُ وَأَسْبَاهُهَا وَدِمَاحُ الْفَتَا فَاثْنَاهَا يُؤْتِي اللَّهُ لَكُمْ بِهَا فِي الدِّينِ وَبِمَكْنٍ لَكُمْ فِي الْبِلَادِ۔

(رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں (کسی میدان میں یا ویسے ہی کسی موقع پر یا رسول کریم ﷺ کے ہاتھ میں عربی کن تھ، جب آپ ﷺ نے ایک شخص (صحابی) کے ہاتھ میں فارسی (ایرانی) کمان دیکھی تو فرمایا کہ ”یہ کیا ہے؟ اس کو پھینک دو۔“ تمہیں ایسی (یعنی عربی) کمان رکھنی چاہئے۔ اور اس طرح (یعنی اس وضع کی) رکھنی چاہئے۔ نیز تمہیں کال نیسے رکھنے چاہئیں، یقیناً ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دین (کو) سرہند کرنے میں تمہاری مدد کرے گا اور (دشمنوں کے) شہروں میں تمہیں جملہ بے لگ۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: گویا ان صحابی نے جب یہ دیکھا ہوگا کہ فارسی (ایرانی) کمان زیادہ مضبوط اور زیادہ سخت ہوتی ہے تو انہوں نے اس کمان کو عربی کمان پر ترجیح دی۔ نیز پھر انہوں نے یہ گمان کیا ہوگا کہ ایسی کمان جنگ میں بہت کارآمد ہوتی ہے اور دشمنوں کے شہروں کو فتح کرنے کا مضبوط ذریعہ ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان پر واضح کیا کہ تمہارا جو خیال ہے صحیح نہیں ہے بلکہ آلات حرب خواہ کسی قسم کے ہوں اور دیکھنے میں کتنی ہی مضبوط و عمدہ ہوں حقیقت میں میدان جنگ کی کامیابی کا ان پر انحصار نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی مرضی پر موقوف ہے کہ وہ جس کو چاہتا ہے اپنے دین کی سر بلندی کی جدوجہد میں مدد و نصرت دے کہ کامیاب و کامران کرتا ہے۔ حقیقی مدد و نصرت اسی کی طرف سے اور اسی کی قوت و قدرت کے ساتھ ہوتی ہے، نہ تمہاری قوت و طاقت سے دین کی سر بلندی میں نصرت حاصل ہوتی ہے اور نہ محض تمہارے ساز و سامان اور آلات حرب کی۔ ویسے تو عسکری دشمنوں کے مقابلے پر مدد ملتی ہے۔

بَابُ آدَابِ السَّفَرِ

آداب سفر کا بیان

اس باب میں احادیث نقل ہوں گی جن سے سفر کے آداب اور طور طریقے معلوم ہوں گے، سفر خواہ جہاد کا ہو یا حج کا اور یا ان کے علاوہ اور کسی طرح کا۔

واضح رہے کہ ”سفر کے آداب“ بہت ہیں بعض تو اس طرح کے ہیں کہ ان کا تعلق سفر شروع کرنے سے پہلے سے ہے اور بعض آداب اس نوعیت کے ہیں کہ ان کا لحاظ سفر کے دوران ہونا چاہئے اور بعض آداب ایسے ہیں جو سفر سے واپس آنے پر ملحوظ رہنے چاہئیں، ان میں سے کچھ بارے میں اس باب میں منقول احادیث اور ان کی تشریحات سے معلوم ہوگا لیکن اس کی سب سے عمدہ تفصیل احیاء العلوم میں مذکور ہے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

جہاد کے لئے جمعات کے دن نکلتا آنحضرت ﷺ کے نزدیک پسندیدہ تھا

① عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمَ الْخَمِيسِ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ وَكَانَ يُحِبُّ أَنْ يُخْرَجَ يَوْمَ الْخَمِيسِ۔ (رواہ البخاری)

”حضرت کعبؓ ابن مالک راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ غزوہ تبوک کے لئے جمعات کے دن روانہ ہوئے اور آنحضرت ﷺ اس کو پسند فرماتے تھے کہ جہاد کے سفر کی ابتداء جمعات کے دن سے کریں۔“ (بخاری)

تشریح: ”تبوک ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ اور دمشق کے درمیانی راستہ پر خیبر اور اطلقاء کے خط پر واقع ہے، یہ پہلے شام کے علاقہ میں تھا اب حجاز کی حدود میں ہے۔ مدینہ سے اس کا فاصلہ ۱۵۰ میل ہے، اس وقت یہ جگہ مدینہ سے ایک مہینہ کی مسافت کے بقدر تھی،

آنحضرت ﷺ ۹ھ میں اس جگہ پر قریح لے کر گئے تھے اسی کو غزوہٴ یوکر کہا جاتا ہے، یہ آنحضرت ﷺ کا آخری غزوہ تھا۔

ابو داؤد نے حضرت کعب بن مالکؓ کی جو روایت نقل کی ہے اس میں یوں ہے کہ ”ایسا کم ہوتا تھا کہ آنحضرت ﷺ جہاد کے لئے اپنے سفر کی ابتداء جمعات کے دن سے نہ کرتے ہوں۔“

آنحضرت ﷺ جہاد کے سفر میں جمعات ہی کے دن روانہ ہونا کیوں پسند کرتے تھے؟ اس میں کئی احتمال ہیں ایک تو یہ کہ چونکہ بندوں کے نیک اعمال جمعات ہی کے دن سے اللہ تعالیٰ تک اٹھائے جاتے ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ یہ چاہا کرتے تھے کہ جہاد کا عمل آج ہی اللہ تعالیٰ تک اٹھایا جائے کہ وہ افضل اعمال ہے اور دوسرے یہ کہ ”غیس“ لشکر کو بھی کہتے ہیں (اور جمعات کا دن بھی یوم النہیس کہلاتا ہے) لہذا آپ جمعات کے دن سفر جہاد کی ابتداء کر کے یہ قال نیک لیتے تھے کہ جس لشکر کے مقابلہ پر جا رہے ہیں اس پر فتح حاصل ہوگی۔

بہر کیف اس سلسلے میں سنت نبوی ﷺ کے مطابق جو چیز ہے وہ یہی ہے کہ جب جہاد کے لئے سفر اختیار کیا جائے تو جمعات کے دن روانگی عمل میں لائی جائے لیکن اصل مدار استخارہ اور تفویض اور توکل پر ہے۔

یہ واضح رہے کہ سلف (صحابہؓ) سے یہ قطعاً منقول نہیں ہے کہ وہ سفر کی ابتداء کرنے کے سلسلے میں علم نجوم کا اتباع کرتے ہوں اور روانگی سفر کے لئے وہی ساعت اختیار کرتے ہوں جو وحش کا حسب ظاہر کرتا ہو! حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں منقول ہے کہ ایک دن ان کے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص سے کہا کہ تم سفر میں قلاں روز جانا، قلاں روز روانہ نہ ہونا، یہ سن کر حضرت علیؓ نے اس شخص سے فرمایا کہ اگر اس وقت میرے ہاتھ میں تھوار ہوتی تو میں (اقتی غلط اور غلاف اسلام بات کہنے پر) تمہاری گردن اڑا دیتا، ہم حضرت ابو القاسم محمدؓ کی خدمت میں (برابر) حاضر رہا کرتے تھے، ہم نے تو کبھی بھی آپ کی مجلس میں یہ ذکر ہوتے نہیں سنا کہ قلاں روز سفر کرنا چاہئے اور قلاں روز سفر نہ کرنا چاہئے۔

اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ”قرور عقبہ“ اور ”محاق“ کے سلسلے میں جو کچھ روایت کیا جاتا ہے وہ پایہ صحت کو پہنچا ہوا نہیں ہے۔

تنہا سفر کرنے کی ممانعت

(۲) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي الْوَحْدَةِ مَا أَغْلَمُوا نَسْرَ رَاكِبٍ بِلَيْلٍ وَخَدَفٍ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر لوگ اس چیز کو جانتے تو یہ ہے کہ تنہائی کی وجہ سے نماز کی جماعت میسر نہیں جتنا سنا جاتا ہو تو کوئی سو رات میں کبھی سفر کرنے کی صحت نہ کرے۔“ (بخاری)

تشریح: ”اس چیز سے“ دینی اور دنیاوی نقصانات ”مراو ہیں۔ چنانچہ دینی نقصان تو یہ ہے کہ تنہائی کی وجہ سے نماز کی جماعت میسر نہیں ہوتی اور دنیاوی نقصان یہ ہے کہ کوئی غم خوار و دوا گار نہیں ہوتا کہ اگر کوئی ضرورت یا کوئی حادثہ پیش آئے تو اس سے مدد مل سکے۔ ”سوار“ اور ”رات“ کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ سوار کو پیادہ کی بہ نسبت زیادہ خطرہ رہتا ہے اور خصوصاً رات میں۔

جس قافلہ میں کتا اور گھنٹال ہوتا ہے اس کے ساتھ رحمت کے فرشتے نہیں ہوتے

(۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصْحَبُ الْعَلَا بَكَةً زَفَقَةً فِيهَا كَلْتُ وَلَا خَرَشَ۔

(رد المحتار)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اس قافلہ کے ساتھ فرشتے نہیں ہوتے جس میں کتا اور گھنٹھال ہو۔“

(مسلم)

تشریح: ”فرشتے“ سے کتبہ یعنی اعمال لکھنے والے فرشتے اور حفظ یعنی حفاظت کرنے والے مراد نہیں ہیں بلکہ رحمت کے فرشتے مراد ہیں۔ کتبہ سے مراد وہ کتاب ہے جو پاسبانی کے لئے ہو، قافلہ پاسبانی اور مویشیوں کی حفاظت کے لئے کتا رکھنا مباح ہے۔ جس (گھنٹھال) ان گھنٹیوں اور گھنگروں کو کہتے ہیں جو جانوروں کے گلے میں باندھی جاتی ہے۔ اس (جرس) کے ممنوع ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہ ناقوس کی مشابہت رکھتا ہے یا اس لئے ممنوع ہے کہ یہ ان ہلکانے والی چیزوں میں سے ہے جن کی آواز کی تائید یہ کی وکراہت کی وجہ سے ان کا لگانا ممنوع ہے۔ چنانچہ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو آگے آرہی ہے اور جس میں جرس کو مزامیر الشیطان کہا گیا ہے۔ نیز شرح السنہ میں یہ روایت مذکور ہے کہ ایک دن حضرت عائشہؓ کے پاس ایک لڑکی آئی جس کے پاؤں میں جھانجھیں یا گھنگھرو تھے، حضرت عائشہؓ نے کہا کہ میرے پاس سے وہ چیز ہٹاؤ جو لڑکے کو درد کرنے والی ہے، تیز منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر جرس کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔

گھنگھرو اور گھنٹیاں شیطانی باجہ ہیں

④ وَعَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْخَوْضُ مِزَامِيرُ الشَّيْطَانِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”جرس (یعنی گھنگھرو اور گھنٹی) مزامیر شیطان (یعنی شیطانی باجہ) ہے۔“ (مسلم)

تشریح: ”مزامیر“ دراصل ”مزمار“ کی جمع ہے اور مزمار ”ہانسی“ کو کہتے ہیں جو بجائی جاتی ہے، نیز ”زمر“ اور ”تزمیر“ ہانسی کے ساتھ گالے کو کہتے ہیں۔ مزامیر حفظ جمع اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اس کی آواز میں اس طرح کا تسلسل ہوتا ہے کہ وہ منقطع نہیں ہوتی گویا اس آواز کی ہر لے اور ہر سلسلہ ایک مزمار ہے۔ نیز ”جرس“ کو مزامیر شیطان اس وجہ سے فرمایا گیا ہے کہ وہ انسان کو ذکر و استغفار اور مشغولیت عبادت سے باز رکھتا ہے۔

اونٹ کے گلے میں تانت کا پٹا باندھنے کی ممانعت

⑤ وَعَنْ أَبِي بَشِيرٍ أَنَّ نَصَارِيَّ أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَعَصِ أَصْفَادِهِ فَأَرَسَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَقَةً يَبْعُرُ قِلَادَةً مِنْ وَتَرٍ أَوْ قِلَادَةً أَلْقَطَتْ۔ (بخاری)

”اور حضرت ابو بشارؓ سے روایت ہے کہ وہ کسی سفر میں رسول کریم ﷺ کے ہمراہ تھے، قلاوہ بیان کرتے ہیں کہ اس سفر کے موقع پر رسول کریم ﷺ نے ایک شخص کو قافلہ کے اندر اس حکم کا اعلان کرنے کے لئے بھیجا کہ کسی اونٹ کی گردن میں کمان کی تانت کے قلاوے (پٹے) کو باقی نہ رکھا جائے۔ فرمایا کہ قلاوے کو باقی نہ رکھا جائے بلکہ کاٹ ڈالا جائے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”یہ فرمایا کہ“ یہ دراصل راوی کا شک ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قلاوے میں تانت یعنی کمان کی تانت کا قلاوہ فرمایا تھا یا صرف ”قلاوہ“ فرمایا تھا۔

قلاوے کو کاٹ دینے کا حکم اس لئے فرمایا کہ لوگ اس میں گھنگھرو اور گھنٹیاں باندھ دیتے تھے اور یہ چیز ”مزامیر الشیطان“ ہے جیسا کہ پہلی حدیث میں گزرا، یا اس لئے منع فرمایا کہ بعض کمزور عقیدہ لوگ کمان کی تانت میں سینکے (بالے کے دانے) وغیرہ باندھ کر اور اس کا قلاوہ (پٹا) بنا کر جانوروں کے گلے میں ڈال دیا کرتے تھے اور یہ کمان رکھنے تھے کہ اس کے ذریعہ جانور آفات وغیرہ سے محفوظ رہیں گے، لہذا

آنحضرت ﷺ نے اس چیز سے منع فرمایا کیونکہ ایسا کوئی بھی ذریعہ اللہ تعالیٰ سے ختم و نیمہ اور فتنہ بنے لکھے کو نال نہیں سکتا۔

جانوروں پر سفر کر کے بارے میں چند ہدایات

⑥ وَعَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَافَرَ مِنْ فِى الْحَبَشِ وَالْأَيْلِ حَقِيقًا مِنْ الْأَرْضِ وَإِذَا سَافَرَ فِي السَّيَةِ فَاسْتَرْعُوا عَلَيْهَا الشَّيْبَ وَالْإِغْوِثَ وَاسْتَرْعُوا الظَّرِيقَ فَإِنَّهُ يَطْرُقُ الدُّوَابَّ وَيَقَاوِي الْهَوَامَّ بِاللَّيْلِ وَفِي زَوَايَا إِذَا سَافَرَ تَمَّ فِي السَّيَةِ فَنَادُوا بِهِ مَعَهُ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب تم ار زانی کے زانے میں (اور ننوں پر) سفر کرو تو ان اونٹوں کو ان کا زمین (سے کہنے) کا حق دو یعنی ان کو گھاس کھانے کا موقع دو پس طور کہ سفر کے دوران ان کو تھوڑی دیر کے بعد چرے لے گئے پھوڑو کرو تاکہ وہ بیت بھر کر چریں اور تیز چلیں اور جب تم قلعہ سالی کے زمانے میں سفر کرو تو ان پر ملدن فرکو (یعنی سفر کے دوران راستہ میں تاخیر نہ کرو تاکہ اونٹ پوری خوراک نہ کھلے کی وجہ سے ضعف و ناتوانی میں مبتلا نہ ہوں) سے پہلے تیس منزل متسو پر پہنچیں نیز جب تم کہیں رات میں چراؤ تو اذکار اور استے پر چراؤ نہ ڈالو کیونکہ ان پر چراپائے ملتے ہیں اور وہ ڈی (زیر بے) جانوروں (جیسے سانپ و بچھو وغیرہ) کا مسکن اور ان کی گزر گاہیں ہیں“ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب تم قلعہ سالی کے زانے (اونٹوں پر) سفر کرو تو تیزی کے ساتھ سفر لے کر جب کہ اونٹوں میں گودا (یعنی بدن کی طاقت) موجود ہو۔“ (رواہ مسلم)

ضرورت مند رفیق سفر کی خبر گیری کرو

⑦ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ خَدْرَجٍ قَالَ يَتِمُّ مَعَهُ فِي سَفَرٍ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَاجَّ رَحْلًا عَلَى رَاحِلَةٍ فَخَعَلَ يَصْرُتَ يَمِينًا وَشِمَالًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ مَعَهُ فَضْلٌ طَهَّرَ فَيُعْطِيهِ عَلَى مَنْ لَا ظَهْرَ لَهُ وَمَنْ كَانَ لَهُ فَضْلٌ زَادَ فَلْيُعْطِهِ عَلَى مَنْ لَا ذَاذِلَةَ قَالَ فَكَذَلِكَ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ حَتَّى زَانِدًا إِنَّهُ لَا حَقَّ لِأَحَدٍ مَتَاهِي فَضْلٍ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ایک موقع پر جب کہ ہم ایک سفر میں رسول کریم ﷺ کے ہمراہ تھے۔ اچانک ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس اونٹ پر آیا اور اونٹ کو دائیں بائیں پھیرنے موزے لگا چٹاچیرے (دیکھ کر رسول کریم ﷺ سنے فرمایا کہ) جس شخص کے پاس (اپنی ضرورت سے) زائد سوار ہو اس کو چاہئے کہ وہ سوار کی اس شخص کو دے دے جس کے پاس سوار کی نہیں ہے اور جس شخص کے پاس اپنی ضرورت سے زائد کھانے پینے کا سامان ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ کھانے پینے کا سامان اس شخص کو دے جس کے پاس کھانے پینے کا سامان نہیں ہے۔“ اور یہی کہتے ہیں کہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے مال اور چیزوں کی انصاف کو ذکر کیا (یعنی آپ نے چیزوں کا نام لے کر فرمایا کہ کچھ سامان چیرے اور کھانے چیرے پر کراؤ وغیرہ اپنی حاجت سے زائد ہو تو جس کو اس شخص پر خرچ کیا جانا چاہئے جس کے پاس وہ چیز نہ ہو) یہاں تک کہ (آپ کی ترفیہ و نصیحت سے) ہمیں احساس ہو گیا کہ ہم میں سے کسی کا اپنی اس چیز پر کوئی حق نہیں ہے جو اس کے پاس اس کی ضرورت سے زائد ہے (بلکہ اس چیز کا حق کسی دوسرے شخص ہے جو اس وقت اس چیز سے محروم ہے۔“ (مسلم)

تشریح: ”دائیں بائیں پھیرنے موزے لگا“ کا مطلب یا تو یہ ہے کہ اس کا اونٹ اتنا تھک گیا تھا یا پوری خوراک نہ ملنے کی وجہ سے اتنا لالچ ہو گیا تھا کہ وہ شخص اس اونٹ کو کسی ایک جگہ پر کھڑا کر دینے پر تیار نہیں ہو رہا تھا بلکہ کبھی اس کو دائیں موزو دیتا تھا اور کبھی بائیں مھماوت دیتا تھا۔ یا مطلب ہے کہ وہ شخص اپنی آنکھوں کو چاروں طرف پھیرتا تھا اور ان کو دائیں بائیں گھما کر دیکھتا تھا کہ کہیں سے اس کو وہ چیزیں مل جائیں جو اس کی ضروریات اور حاجتوں کو پورا کر دیں۔ اس صورت میں حاصل یہ ہو گا کہ اس شخص کے پاس نہ تو سوار کی کے لئے کوئی

مناسب انتظام تھا اور نہ اس کے ساتھ کھانے پینے اور اوزھنے چھونے کا کوئی سامان تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس کی اس بے سرو سامانی کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا اور پھر ترغیب دلائی کہ وہ اس ضرورت مند اور روانہ کی خبر گیری کریں۔

مقصود سفر پورا ہو جانے پر گھر لوٹنے میں تاخیر نہ کرو

⑧ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشَّفَرُ قِطْعَةٌ مِنَ الْعَذَابِ يَنْصُغُ أَحَدُكُمْ بَوْمَةً وَظَعَامَةً وَشَرَانَةً فَإِذَا قَضَى بَهْمَتَهُ مِنْ وَجْهِهِ فَلْيَغْتَبِلْ إِلَى أَهْلِهِ أَتَقْبَلُ

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے جو تمہیں نہ تو آرام و راحت سے اسونے دیتا ہے اور نہ (ذھنک سے) کھانے پینے دیتا ہے، لہذا جب تم میں سے کوئی شخص (کہیں سفر میں جائے اور اپنے سفر کی غرض کو پورا کرے) (یعنی جس مقصد کے لئے سفر کیا ہے وہ مقصد پورا ہو جائے) تو اس کو چاہئے کہ اپنے گھر والوں کے پاس واپس آجائے جس جلدی کرے۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: ”سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ سفر اپنی صورت کے اعتبار سے جہنم کے عذاب کی انواع میں سے ایک نوع ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے سَاءَ ذِكْرُهُمْ فِيهِمْ۔

چبے بھی جسمانی تکلیف اور روحانی اذیت کے اعتبار سے کسی شخص کے حق میں سفر پریشانیوں اور مصیبتوں کا ذریعہ ہونے سے کم نہیں ہوتا۔ خصوصاً اس دور میں جب کہ آج کی طرح سفر کے تیز رفتار اور اطمینان بخش ذرائع نہیں تھے، لوگ سفر کے دوران کسی کسی مشقتیں برداشت کرتے تھے۔ اور کسی کسی مصیبتوں سے دوچار ہوتے تھے اس کا اندازہ بھی آج کے دور میں نہیں لگایا جاسکتا۔

حدیث میں سفر کی بطور خاص دو پریشانیوں کا یاد ذکر کیا گیا ہے کہ سفر کے دوران نہ تو قوت پر اور طبیعت کے موافق کھا نا پینا ملتا ہے اور نہ آرام و چین کی نیند نصیب ہوتی ہے وہ محض مثالی کے طور پر ہے ورنہ سفر میں تو نہ معلوم کتنے ہی برائی اور دنیاوی امور فوت ہوتے ہیں جیسے جمعہ و جماعت کی نماز سے محرومی رہتی ہے، اہل بیت اور دیگر قربت داروں کے حقوق برکت ادا نہیں ہوتے اور گرمی سردی کی مشقت و تکلیف اور اس طرح کی دوسری پریشائیاں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔

مسافر کا اپنے گھر واپس آنے پر بچوں کے ذریعہ استقبال

⑨ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ تَلَقَّى بِصَنِيَانِ أَهْلِ بَيْتِهِ وَأَنَّهُ قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَمَسَّقَ بِي إِلَيْهِ فَحَمَلَنِي بَيْنَ يَدَيْهِ ثُمَّ جَنَىءَ بِأَخِي ابْنِي فَاطِمَةَ فَأَزْدَفَهُ حُلَّتَهُ قَالَ فَأَذْجَلْنَا الْمَدِينَةَ ثَلَاثَةً عَلَى ذَاتِهِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ سفر سے تشریف لائے تو آپ ﷺ کے اہل بیت کے بچوں کے ذریعہ آپ کا استقبال کیا جاتا (یعنی آپ ﷺ کے اہل بیت اپنے بچوں کو آپ ﷺ کی خدمت میں لے جاتے) چنانچہ (ایک روز) آنحضرت ﷺ جب سفر سے واپس تشریف لائے (اور مدینہ کے قریب پہنچے) تو مجھ کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ ﷺ نے مجھے اٹھالیا اور اپنے آگے سوار کر لیا پھر حضرت فاطمہؓ کے دونوں بیٹوں میں سے ایک بیٹے (یعنی حضرت حسنؓ یا حضرت حسینؓ) کو لایا گیا، تو آپ ﷺ نے ان کو اپنے پیچھے اٹھالیا اور پھر اس طرح ہم تینوں ایک جالور پر (سوار مدینہ میں داخل ہوئے۔“ (مسلم)

⑩ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّهُ أَقْبَلَ هُوَ وَأَبُو طَلْحَةَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَقَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَفِيَّةَ مُرَدِّهَا عَلَى رَأْسِهَا۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ وہ (انسؓ) اور حضرت طلحہؓ رسول کریم ﷺ کے ہمراہ (خیر کے سفر سے) واپس آئے تو اس موقع پر حضرت صفیہؓ بنی کریم ﷺ کے ساتھ تھیں اور آپ ﷺ نے ان کو اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھا رکھا تھا۔“ (بخاری تشریح: یہ خیر سے واپس ہونے کے وقت کا واقعہ ہے کہ حضرت صفیہؓ خیر کے مال قیمت میں سے تھیں اور پیچھے حضرت درجہ بھی کے ساتھ گئی تھیں جن سے آنحضرت ﷺ نے ان کو لے لیا اور پھر انہیں آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا اور سواری پر اپنے ساتھ بٹھا کر مدینہ لائے۔

سفر سے آنحضرت ﷺ کی واپسی کا وقت

⑪ وَعَلَّةُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْظُرُ أَهْلَهُ لَيْلًا وَكَانَ لَا يَدْخُلُ الْأَعْدُوَّةَ أَوْ عَشِيَّةً۔ (فتح علیہ)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ اپنے گھروالوں کے پاس (سفر سے) رات کے وقت واپس نہیں آیا کرتے تھے بلکہ دن کے ابتدائی حصہ میں یعنی صبح کے وقت، یا آخری حصہ میں یعنی شام کے وقت گھر میں داخل ہوا کرتے تھے۔“ (بخاری ص ۲۷)

رات کے وقت سفر سے واپس نہ آنے کی ہدایت

⑫ وَعَنْ خَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَطَالَ أَحَدُكُمْ الْغَيْبَةَ فَلَا يَنْظُرُ أَهْلَهُ لَيْلًا۔ (فتح علیہ)

”اور حضرت خابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کی غیر حاضری کا عرصہ طویل ہو جائے (یعنی اس کو سفر میں زیادہ دن مل جائیں) تو وہ (سفر سے) واپس کے وقت (اپنے گھر میں) رات کے وقت داخل نہ ہو۔“ (بخاری ص ۲۷)

تشریح: شرح السنہ میں ایک یہ روایت منقول ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے اس ممانعت کے بعد (کا واقعہ ہے کہ) دو آدمیوں نے (آنحضرت ﷺ کے اس حکم پر عمل نہیں کیا اور) اپنے سفر سے واپسی پر گھر میں داخل ہونے کے لئے رات ہی کا وقت اختیار کیا تو (جب وہ اپنے اپنے گھر میں داخل ہوئے تو وہاں) ان میں سے ہر ایک نے اپنی بیوی کے ساتھ غیر مردوں کو پایا۔

⑬ وَعَنْ خَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دَخَلْتَ لَيْلًا فَلَا تَدْخُلْ عَلَى أَهْلِكَ حَتَّى تَسْتَحِدَّ السُّعْيَةَ وَتَسْتَظِلَّ السُّعْيَةَ۔ (فتح علیہ)

”اور حضرت خابرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”اگر تم (سفر سے) واپسی پر اپنے شہر آبادی میں (رات کے وقت پہنچو تو اپنے گھر میں داخل نہ ہو جب تک کہ بیوی زہد ناف بالوں کو صاف نہ کر لے اور وہ بیوی کے جس کے بال پر گندہ ہوں کٹھنی چوٹی نہ کر لے۔“ (بخاری ص ۲۷)

تشریح: ان احادیث کا مطلب یہ واضح کرنا ہے کہ سفر سے واپس کے لئے رات کا وقت اختیار کرنا مناسب نہیں ہے، بہتر یہ ہے کہ سفر سے واپسی کی ابتداء ایسے وقت کی جائے کہ اپنے گھروالوں کے پاس رات ہونے سے پہلے پہنچ جائے تاکہ رات کے وقت گھر پہنچنے کی وجہ سے گھروالے بے آرام نہ ہوں اور ان کی نیندوں میں خلل نہ پڑے، اور اگر اپنے شہر اور اپنی آبادی میں پہنچنے پر رات ہو جائے تو ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ گھر میں داخل ہونے کے لئے اس وقت تک صبر و انتظار کرے جب تک کہ اس کی بیوی کو اس کا آنا معلوم نہ ہو جائے اور وہ بنو سفاک کے ذریعہ اپنے آپ کو آراستہ اور جنسی اختلاط کے لئے تیار نہ کر لے تاکہ شوہر جب اس کے پاس پہنچ جائے تو سفر کی مکان اور جدائی کی پڑمردگی، جسمانی انبساط و نشاط میں تبدیل ہو جائے۔

نووی کہتے ہیں کہ یہ چیزیں (یعنی رات کے وقت سفر سے واپسی اور کچھ دیر انتظار و صبر کے بغیر گھر میں داخل ہو جانا) اس شخص کے حق

میں گمراہ ہیں جو لمبے سفر سے واپس آ رہے ہوں، ہاں جو شخص کسی چھوٹے سفر سے واپس آ رہا ہو یا اس کے گھر والوں کو رات کے وقت اس کے پونچنے کی اطلاع ہو تو اس کے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر کی ایک حدیث (نمبر ۱۲) سے واضح ہوا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی بڑے لشکر یا بڑے قافلہ میں ہو اور اس لشکر و قافلہ کی واپسی کی خبر مشہور ہو چکی ہو اور اس کی بیوی کو بھی اس کے آنے کا علم ہو کہ وہ لشکر و قافلہ کے ساتھ فلاں رات میں آئے گا تو اس کے لئے بھی رات کے وقت آنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس لئے کہ اصل مقصد تو بیوی کا اس کے آنے سے پہلے تیار و مستعد رہنا ہے سو وہ اس صورت حال میں حاصل ہے۔ لیکن طاعلی قاریؒ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی گھر پہنچ کر پہلے دروازہ کھٹکھٹانا اور جواب کا انتظار کرنا ضروری ہوگا۔

سفر سے واپس آنے پر دعوت کرنے مسنون ہے

(۱۴) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ نَحَرَ خَزْزُورًا أَوْ بَغْزُوفًا - (رواہ البخاری و مسلم)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے اونٹ یا گائیں ذبح کیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ سفر سے واپس آنے کے بعد ضیافت کرنا اور لوگوں کو اپنے یہاں کھانے وغیرہ پر مدعو کرنا مسنون ہے۔

آنحضرت ﷺ کا سفر سے واپس آنے کا وقت

(۱۵) وَعَنْ كُثَيْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْدُمُ مِنْ سَفَرٍ إِلَّا نَهَارًا فِي الضُّحَى فَإِذَا قَدِمَ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلَّى فِيهِ وَكَعْتَنِي - ثُمَّ جَلَسَ فِيهِ لِلنَّاسِ - (ترمذی)

”اور حضرت کعبؓ ابن مالک کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ چاشت کے وقت کے علاوہ اور کسی وقت سفر سے واپس نہیں آیا کرتے تھے، چنانچہ جب آپ (سفر سے) واپس آتے تو پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے اور وہاں بیٹھتے تھے پہلے تحیہ و تسبیح یا چاشت کی (دور رکعت نماز پڑھتے اور پھر لوگوں سے ملاقات کرنے کے لئے وہاں بیٹھتے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”چاشت کے وقت الخ“ یہ اکثر کے اعتبار سے کہا گیا ہے یعنی چونکہ آپ اکثراً عصر چاشت ہی کے وقت واپس تشریف لاتے تھے اس لئے یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ چاشت کے وقت کے علاوہ اور وقت واپس نہیں آتے تھے، ورنہ یہ حدیث پہلے گورچکی ہے کہ آپ ﷺ دن کے ابتدائی حصہ یعنی صبح اور آخری حصہ شام کے وقت ہی سفر سے آیا کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ صرف صبح ہی کے وقت واپس نہیں آیا کرتے تھے بلکہ شام کے وقت بھی واپس آ جاتا کرتے تھے۔

سفر سے واپس آنے پر پہلے مسجد میں جانے کا حکم

(۱۶) وَعَنْ خَابِرٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ قَالَ لِي ادْخُلِ الْمَسْجِدَ فَصَلِّ فِيهِ وَكَعْتَنِي - (رواہ البخاری)

”اور حضرت خابرؓ کہتے ہیں کہ میں (ایک) سفر میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھا چنانچہ جب ہم مدینہ واپس آئے تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ ”مسجد میں جاؤ اور وہاں دور رکعت نماز پڑھو۔“ (بخاری)

تشریح: مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کے پیش نظر مسافر کا سفر سے واپس آنے پر پہلے مسجد میں جانا آنحضرت ﷺ سے نفعاً بھی ثابت ہوا اور قولاً بھی نیز مذکورہ بالا حکم میں نہ صرف شعائر اللہ کی تعظیم کی طرف اشارہ ہے بلکہ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ مسجد گویا اللہ کے گھروں

میں سے ایک گھر ہے اور مسجد میں جانے والا گویا اللہ سبحانہ سے ملاقات کرنے والا ہے لہذا جو شخص سفر سے واپس آئے اس کے حق میں اس سے بہتر اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ کہ وہ سب نے پیسے اللہ کے گھر میں جانے اور اللہ سے ملاقات کرے جس نے اس کو سفر کی آفت سے محفوظ رکھ کر بعافیت اس کے اہل و عیال کے درمیان واپس پہنچایا۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

امت کے حق میں صبح کے وقت کے لئے آنحضرت کی دعاء برکت

(۱۷) عَنْ صَخْرِ بْنِ وَدَاعَةَ الْأَعْمَدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ تباركُ لَا مَنبِي فِي بَنُكُورِهَا وَكَانَ إِذَا بَعَثَ سَرِيَّةً أَوْ جَيْشًا بَعَثَهُمْ مِنْ أَوَّلِ النَّهْرِ وَكَانَ صَخْرٌ تاجرًا فَكَانَ يَبْعَثُ تَحَارُثَهُ أَوَّلَ النَّهَارِ فَأَتَوْنِي وَكَثُرَ مَالُهُ۔
(رواہ الترمذی و ابوداؤد و الدارقانی)

”حضرت صخر بن وداعہ اعلمدی کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے یہ فرمایا (یعنی یوں دعا فرمائی) ”اے اللہ! میری امت کے لئے دن کے ابتدائی حصہ میں برکت بٹا فرما، یعنی اگر میری امت کے لوگ دن کے ابتدائی حصہ (صبح) میں طلب علم میں مشغول ہوں یا اپنے ذریعہ معاش میں مہتمم اور یا سفرو وغیرہ کریں تو اس میں انہیں برکت حاصل ہو۔“ چنانچہ آنحضرت ﷺ جب کوئی چھوٹا بڑا لشکر روانہ فرماتے تو اس کو دن کے ابتدائی حصہ میں روانہ فرماتے۔ اور صخرؓ جو ایک تاجر سوداگر تھے (اس دعا کی برکت حاصل کرنے کے پیش نظر) اپنا تجارتی مال دن کے ابتدائی حصہ ہی میں روانہ کرتے تھے۔ چنانچہ وہ مال دار ہوئے اور ان کے مال میں بہت اضافہ ہوا۔“
(ترمذی و ابوداؤد و دارقانی)

رات کے وقت سفر کرنے کا حکم

(۱۸) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِاللَّيْلِ فَإِنَّ الْأَرْضَ تَغْلُو بِاللَّيْلِ۔ (رواہ ابوداؤد)
”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تم رات کے وقت چلنا اپنے لئے ضروری سمجھو کیونکہ رات کے وقت زمین لپیٹ دی جاتی ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب تم کسی سفر کے لئے گھر سے نکلو تو محض دن کے وقت چلنے پر محنت نہ کرو بلکہ تھوڑا سا رات کے وقت بھی چلا کرو کیونکہ رات میں سفر آسانی کے ساتھ طے ہوتا ہے اور اس خیال سے مسافر کی بہت سفر پر کوئی بار نہیں ہوتا کہ ابھی میں نے بہت تھوڑا فاصلہ کیا ہے جب کہ حقیقت میں وہ کافی فاصلہ طے کر چکا ہوتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اول تو رات کے وقت چلنے کے علاوہ اور کوئی مشغل نہیں ہوتا دوسرے فاصلے کی علامات و نشانات پر نظر نہیں پڑتی اور یہ چیزیں راستہ چلنے والے کی نظر میں سفر کو بھاری کر دیتی ہے چنانچہ اسی مفہوم کو زمین کے لپیٹ دیئے جانے سے تعبیر کیا گیا ہے اس سے یہ واضح ہو کہ یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ دن کے وقت بالکل چلو ہی مت، چنانچہ دوسری احادیث میں یہ حکم بیان فرمایا گیا ہے کہ اپنا سفروں کے ابتدائی حصہ اور آخری حصہ میں طے (کرنے کی کوشش) کرو اور کچھ حصہ رات کے وقت بھی چلو۔

سفر میں کم سے کم تین آدمیوں کا ساتھ ہونا چاہئے

(۱۹) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حَبِيبِ بْنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الزَّكَاةُ شَيْطَانٌ وَالزَّكَاةُ شَيْطَانٌ وَالثَّلَاةُ رَكْبٌ رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابُودَاؤُدُ وَالتَّسَائِيُّ۔

”اور حضرت عمرو بن شعیبؓ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”ایک سوار ایک شیطان ہے، دو سوار دو شیطان ہیں اور تین سوار، تین شیطان ہیں۔“ (مالک، ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: ”تین سوار، سوار ہیں“ کا مطلب یہ ہے کہ تین سوار اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کو سوار کہا جائے کیونکہ وہ شیطان کی فریب کاریوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ گویا اس طرح ایک یا دو سوار کو سفر کرنے سے منع کیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ سفر میں کم سے کم تین ساتھیوں کا ہونا ضروری ہے اس لئے کہ تنہا سفر کرنے میں ایک نقصان تو یہ ہے کہ جماعت فوت ہو جاتی ہے اور دوسرے یہ کہ اگر اس کو کوئی ضرورت و حادثہ پیش آجائے تو اس کا کوئی مددگار نہیں ہوتا اور وہ ہر معاملے میں درماندہ رہتا ہے، اسی طرح اگر شخص دو ساتھی سفر کریں تو اس صورت میں اگر خدا نخواستہ یہ بات پیش آجائے کہ ایک ساتھی بیمار ہو جائے یا مر جائے تو دوسرا ساتھی سخت مضطرب و پریشان ہو گا اور یہ چیز شیطان کی خوشی کا باعث ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ اگر کوئی شخص تنہا سفر کرے یا سفر کے دوسری ساتھی ہوں تو شیطان کو بڑی آسانی کے ساتھ یہ موقع ملتا ہے کہ وہ ان کو گمراہ کرے اور برائی میں مبتلا کرے، اسی بات کو زیادہ سے زیادہ اہمیت کے ساتھ بیان کرنے کے لئے ایک سوار یا دو سوار کو شیطان فرمایا گیا ہے۔

بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سفر میں کم سے کم تین آدمی ہونے چاہئیں تاکہ اول تو وہ جماعت سے تدارک ادا کریں اور دوسرے یہ کہ اگر ایک شخص کو دوران سفر کی ضرورت سے کہیں جانا پڑے تو دو دہائی رہیں اور آپس میں ایک دوسرے کی دہشت و اطمینان کا ذریعہ بنیں اور اگر اس شخص کے آنے میں تاخیر ہو جائے تو ان دونوں میں سے ایک اس کی خبر لینے اور تاخیر کا سبب جاننے کے لئے چلا جائے اور دوسرا سامان وغیرہ کی دیکھ بھال کرتا رہے۔

سفر میں ایک سے زائد لوگ ہونے کی صورت میں کسی ایک رفیق سفر کو امیر بنالیا جائے

(۲۰) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا كَانَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤْتُوا أَحَدَهُمْ-

(رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”اگر (سفر میں) تین شخص ہوں تو ان میں سے کسی ایک کو امیر بنالیا جائے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”تین شخص“ سے مراد جماعت ہے کہ جس کا ادنیٰ درجہ تین ہے، ویسے یہ حکم اس صورت کے متعلق بھی ہے جب کہ دو آدمی بھی ساتھ سفر کر رہے ہوں، یہاں تین کے ذکر پر اکتفا اس لئے کیا گیا ہے کہ پہلے ایک حدیث میں بیان فرمایا جا چکا ہے کہ دو سوار شیطان ہوتے ہیں۔ بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی سفر میں ایک سے زائد لوگ ہوں تو اس صورت میں ان میں سے ایک شخص کو اپنا امیر و سردار مقرر کر لیا جائے جو سب سے افضل ہو اور کسی کو امیر و سردار بنالینے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ اگر دوران سفر کسی معاملہ میں آپس میں کوئی نزاعی صورت پیدا ہو جائے تو اس امیر و سردار کی طرف رجوع کر لیا جائے اور وہ جو فیصلہ کرے اس کو تسلیم کر کے اپنے نزاع کو ختم کر دیا جائے۔ امیر و سردار کے لئے یہ ضروری ہو گا کہ وہ اپنے تمام رفقاء سفر کے حق میں خیر خواہ، مہربان اور نگہبان ہو اور اپنی سرداری کو اپنے لئے محض وجہ افتخار سمجھ کر کسی بڑائی میں مبتلا نہ ہو بلکہ محض حق میں اپنے آپ کو اس کا خادم سمجھے جیسا کہ فرمایا گیا ہے۔ سید القوم خدامہم یعنی کسی جماعت کا سردار اصل میں اپنی جماعت کا خدمت گزار ہوتا ہے۔

بہترین رفقاء سفر

(۲۱) وَعَبَّاسُ بْنُ النَّسْرِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ الصَّحَابَةِ أَرْبَعَةٌ وَخَيْرُ الشَّرَاِبِ أَرْبَعَانِيَّةٌ وَخَيْرُ

الخَيْشُ اَرْبَعَةُ اَلْفٍ وَلَمْ يُغَلِّبْ اَتَا عَشَرَ اَلْفًا مِنْ قَلْبِ زَوَاةِ التِّرْمِذِيِّ وَابْنِ دَاوُدَ وَالنَّازِمِيَّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ عَرَبِيٌّ -

”اور حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: (مثلاً کسی سحر کے) بہترین ساتھی اور رفیق وہ ہیں جو (کم سے کم) چار کنی تعداد میں ہوں، چھوٹے لشکروں میں بہترین لشکر وہ ہے جس میں چار سو (عجلہ) ہوں، اور بڑے لشکروں میں بہترین لشکر وہ ہے جس میں بارہ ہزار (عجلہ) ہوں، اور بارہ ہزار (عجلہ) کم ہونے کی وجہ سے کبھی مغلوب نہیں ہوتے“ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی، نیز ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: چار رفقاء اور ساتھیوں کو ”بہترین“ اس اعتبار سے فرمایا گیا ہے کہ فرض کیجئے اگر ان چاروں میں سے کوئی ایک پہلہ ہو جائے اور وہ اپنی زندگی سے واپس ہو کر اپنے ان تین ساتھیوں میں سے کسی ایک ساتھی کو کوئی وصیت کرے تو باقی دو ساتھی اس کی وصیت کے گواہ ہو جائیں۔ ویسے علماء نے لکھا ہے پانچ ساتھی، چار ساتھیوں سے بہتر ہوتے ہیں بلکہ پانچ سے بھی جتنے زیادہ ہوں گے اتنے ہی بہتر ہوں گے اور یہاں حدیث مختار کا ذکر کر کے گویا ادنیٰ درجہ بیان کیا گیا ہے۔

”مغلوب نہیں ہوتے“ کا مطلب یہ ہے کہ بارہ ہزار مجاہدین کے لشکر کی طاقت ایک بڑی طاقت ہوتی ہے، اتنے زیادہ مجاہدین دشمن کے مقابلے پر بھی مغلوب نہیں ہوں گے، اور اگر مغلوب بھی ہوں گے تو تعداد اس کی کمی کی وجہ سے تو ہوں گے نہیں کیونکہ بارہ ہزار کا عدد اس کی حد سے نکل گیا ہے البتہ کسی اور سبب سے مغلوب ہوں گے۔ جیسے اپنی تعداد طاقت پر چڑھا تراہٹ اور غرور اور تکبر وغیرہ۔

اپنے رفقاء سفر کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا معمول

﴿٢٢﴾ وَعَنْ حَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَلَّفُ فِي الْمَسِيرِ فَيُرْجَى الضَّعِيفُ وَيُزْدَفُ وَيُدْعَوُ لَهُمْ - (رواه أبو داود)

۳۹ اور حضرت چارہ کنبے ہیں کہ رسول کریم ﷺ (سفر کے دور ان) پہلے وقت (توابع و انصار کی وجہ سے اور دوسروں کی مدد و خبر گیری کے پیش نظر) نکلے۔ پیچھے رہا کرتے تھے چنانچہ آپ ﷺ کزور کی سواری (اور کھنکھارتے تاکہ مدھر پیوں کے ساتھ مل جائے) اور جو کزور و ضعیف شخص سواری سے محروم ہونے کی وجہ سے پیدل چلتا ہو اس کو اپنے پیچھے سوار کر لیتے اور ان (فائدہ والوں) کے لئے دعا کرتے رہتے۔ ۴۰ (ابو داؤد)

منزل پر پہنچ کر تمام رفقاء سفر کو ایک جگہ ٹھہرنا چاہئے

(٢٣) وَعِزَّ ابْنِ عُقْلَةَ الْحَشْبِيِّ قَالَ كَانَ النَّاسُ إِذَا تَرَوْا امْتَرَلُوا امْتَرَلُوا لَا تَقْرَأُ قُرْآنِي الشَّعَابِ وَالْأَوْدِيَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ قُرْآنَكُمْ فِي هَذِهِ الشَّعَابِ وَالْأَوْدِيَةِ آمَنَّا بِكُمْ مِنَ الشَّيْطَانِ فَلَمْ يَسْرُ لَوْ أَعَدَّ ذَلِكَ مَرًّا لَا إِلَّا أَنْصَمَ نَعْضُهُمْ إِلَى نَعْضٍ حَتَّى يُقَالَ لَوْ بَطَلَ عَلَيْهِمْ ثَوْبٌ لَعَثَمُوا - (رواه أبو داود)

اور حضرت ثعلبیؒ کہتے ہیں کہ (پہلے عام طور پر ایسا ہوتا تھا کہ لوگ یعنی صحابہؓ جب کسی منزل پر اترتے تو ایک الگ ہو کر پہاڑی دروں اور وادوں میں پھیل جاتے تھے (یعنی کوئی کہیں اترتا اور کوئی کہیں) چنانچہ رسول کریم ﷺ نے (اس طریقہ کو ختم کرنے کے لئے) بایں طور فرمایا کہ سمجھ لو تمہارا اس طرح ان دروں اور وادوں میں الگ الگ ہو کر اترنا محض شیطان کی طرف سے ہے (یعنی یہ شیطان سے فریب کے سبب سے ہے کہ وہ تمہیں الگ الگ کر دینا چاہتا ہے تاکہ دشمن تم پر قابو پالے اور تمہیں نقصان اور آزار پہنچائے) اس ارشاد کے بعد لوگ جب بھی کسی منزل پر اترتے تو آپس میں اتنے پاس پاس ٹھہرتے کہ کہا جائے لگا کہ اگر ان سب پر ایک ہی کڑی پڑا دیا جائے تو

وہ سب کو جھانک لے۔ (ابو داؤد)

آنحضرت ﷺ کے کمال انگسار کا مظہر ایک واقعہ

(۲۴) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كُنَّا يَوْمَ بَدْرٍ كُلِّ ثَلَاثَةٍ عَلَى نَبِيٍّ كَانَ أَبُو لَيْثَةَ وَعَلِيٌّ ابْنِي طَالِبٍ وَمِنْهُمْ زَيْدُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَكَانَتْ إِذَا جَاءَتْ عَشِيَّةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَحْنُ نَمْسِي عَنْكَ قَالَ مَا أَشْفَاكَ فَوَيْ قُتَيْبٍ وَمَا أَشْفَاكَ عَنْكَ الْآخِرُ مِنْكُمْ مَا رَوَاهُ فِي شَرْحِ الْمَدِينَةِ

”اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ بدر کے دن (یعنی جنگ بدر کے موقع پر) ہماری یہ حالت تھی کہ ہم میں سے ہر تین آدمی ایک اونٹ پر سوار ہوتے تھے۔ ”تین تین آدمیوں میں ایک اونٹ تھا کہ وہ تینوں باریکی ایک اونٹ پر سوار ہوتے تھے اور ابوبہارہؓ اور حضرت علیؓ رسول کریم ﷺ کے اونٹ میں شریک سفر تھے! حضرت عبداللہؓ نے بیان کیا کہ صورت حال یہ تھی کہ نسب (اس اونٹ پر) رسول کریم ﷺ کے اترنے کی باری آئی تو ابوبہارہؓ اور حضرت علیؓ عرض کرتے کہ آپ ﷺ کے بدلے ہم پیدل چلیں گے۔ آپ ﷺ اونٹ ہی پر سوار ہیں! ”لیکن آنحضرت ﷺ فرماتے کہ ”تم تو ہم (اس دنیا کی) مجھ سے زیادہ طاقت رکھتے ہو کہ بس ہم پیدل چلنے کی طاقت رکھتے ہو اور میں پیدل نہیں چل سکتا، اور نہ میں (آخرت کا) زیادہ ثواب حاصل کرنے میں تم سے بے پروا ہوں! ”یعنی میں آخرت کے اجر و ثواب کا تم سے کم محتاج نہیں ہوں۔“ (شرح المدینہ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کمال انگسار و تواضع کے کس بلند مقام پر تھے اور یہ کہ آپ ﷺ اپنے رفقاء اور ساتھیوں کے حق میں کسی قدر مہربان اور خیر خواہ تھے کہ ان کی راحت کو کبھی ترجیح نہیں دیتے تھے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر آنحضرت ﷺ اللہ کے نبی اور رسول ہونے کی حیثیت سے معصوم عن الخطا تھے اور خدا کے محبوب بندے تھے مگر اس کے باوجود آپ ﷺ ہارگاہ الوہیت میں اپنی عبدیت کے اقرار کے طور پر خدا کی طرف سے اپنے احتیاج اور اس کے حضور میں اپنی نیکو بیجاگی کو ظاہر فرمایا کرتے تھے۔

سواری کے جانوروں کے بارے میں ایک حکم

(۲۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَتَّعِلُوا وَطَهُورَ دَوَابِّكُمْ مَتَابَرُ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى إِنَّمَا سَخَّرَ هَٰلِكُمْ لِتَبْلُغَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ الْأَوْشَقِ الْأَنْفُسِ وَجَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ فَعَلَيْهَا فَافْضُوا خِصَابَكُمْ۔

(رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جانوروں کی پشت کو منبر نہ بناؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو محض اس لئے تمہارے تابع کیا ہے کہ وہ تمہیں ان شہروں اور علاقوں میں پہنچا دیں جہاں تم (پیدل چلنے کے ذریعہ) جانی مشقت و محنت کے ساتھ ہی پہنچ سکتے تھے۔ یعنی جانوروں سے مقصود ان پر سواری کرنا اور ان کے ذریعہ اپنے مقصد کو حاصل کرنا ہے لہذا ان کو ایذا پہنچانا روا نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لئے (ایسی غرض سے) پیدا کیا ہے لہذا تم اس پر اپنے کاموں اور اپنی حاجتوں کو پورا کرو۔“ (ابو داؤد)

تشریح: ”جانوروں کی پشت کو منبر نہ بناؤ“ کا مطلب یہ ہے کہ باتیں کرنے کے لئے جانور کی پشت پر سوار ہو کے نہ کھڑے رہو بلکہ اگر کسی سے بات کرنی ہے تو اس کی پشت پر سے اتر کر اپنی حاجت پوری کرو اور پھر اس پر سوار ہو، لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ سواری کے علاوہ جانور کی اور کوئی حاجت یا اس کے ساتھ کوئی اور صحیح غرض متعلق نہ ہو، ہاں اگر اس جانور سے کوئی اور صحیح غرض متعلق

ہو کہ اس میں کوئی ضائقہ نہیں جیسا کہ یہ ثابت ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع میں عرف کے دن اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو اس لئے پیدا کیا کہ تم اس پر اغویں بیٹھو اور کھڑے ہو اور ان کے علاوہ اپنی ضرورتیں پوری کرو، لہذا اپنے کام زمین پر ہی کرو سواری کے جانور کی پشت پر سوائے سوار ہونے کے، کہ وہ تمہیں منزل مقصود پر پہنچا دے اور کوئی کام نہ کر دے۔

صحابہؓ کے نزدیک سواری کے جانوروں کی دیکھ بھال کی اہمیت

(۶۱) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِذَا تَوَضَّعَ لَمْ يَلْبَسْ خِمَارًا وَلَا تَسْبِيحًا حَتَّى يَحْلَلَ الزَّحَالَ - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب ہم (دوران سفر) سفر کے بعد کسی منزل پر اترتے تو اس وقت تک نفل نماز نہ پڑھتے تھے جب کہ جانوروں پر سے سامان نہ کھول لیا جاتا۔“ (ابو داؤد)

تشریح: مسجد اور تسبیح کا اطلاق اکثر نفل نماز پر ہوتا ہے لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہاں نماز چاشت ہی مراد ہے کہ اس زمانے میں عام طور پر منزلوں پر اترنے کا وقت یہی چاشت کا وقت ہوتا تھا۔ بہر حال حدیث کا مطلب یہ بتانا ہے کہ باوجودیکہ صحابہؓ نماز کا بہت زیادہ اہتمام و خیال رکھتے تھے لیکن وہ اپنے جانوروں کی دیکھ بھال کے اہتمام کو بھی پہلے ملحوظ رکھتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی حق شناسی

(۶۲) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ يَتَّبِعُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَّقِي إِذَا جَاءَهُ وَجُلُّ مَعَهُ جَمَاعًا فَقَالَ يَأْزِمُ سُلَّوَالَهُ إِذْ كُنْتَ وَتَأْخُذُ الزَّجْلُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أَتَى أَحَقُّ بِصَلَاةٍ فَاتَّبَعْتُ إِلَّا أَنْ تَجْعَلَ لِي قَالَ حَفَلَتْهُ لَكَ فَزَكَبَ - (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

”اور حضرت بريدہؓ کہتے کہ رسول کریم ﷺ (ایک سفر میں) بیدل راستہ طے کر رہے تھے کہ اس دوران اچانک ایک شخص اپنے گدھے کے ساتھ، (یعنی اس پر سوار) آپ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! امیرے گدھے پر سوار ہو جائیے۔“ اور (یہ کہہ کر) وہ شخص گدھے کی پشت پر پیچھے سرک گیا (تاکہ آنحضرت ﷺ آگے بیٹھ جائیں) لیکن آپ نے فرمایا کہ میں آگے نہیں بیٹھوں گا کیونکہ (اپنی سواری کے) جانور پر آگے بیٹھنے کے تم ہی حق ہو الا یہ کہ تم مجھے اس کا حقدار بنا دو (یعنی اگرچہ اس شخص کا پیچھے نہ سکرنا اسی لئے تھا کہ گویا اس نے آپ کو آگے بیٹھے رہنے کا حقدار بنا دیا تھا) آنحضرت ﷺ نے کمال احتیاط کے پیش نظر اس پر واضح کیا کہ میں تمہاری سواری پر آگے اکی وقت بیٹھ سکتا ہوں جب کہ تم صریح الفاظ میں مجھ سے آگے بیٹھنے کے لئے کہو، اس شخص نے کہا کہ (میں) صراحت کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ آپ کو میں نے اس کا حقدار بنا دیا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ (اس کے آگے بیٹھ گئے۔“ (ترمذی و ابو داؤد)

تشریح: اس حدیث سے جہاں آنحضرت ﷺ کا یہ احساس انصاف و حق شناسی قابر ہوا کہ آپ ﷺ نے اس وقت تک اس شخص کی سواری پر آگے بیٹھنے سے انکار کر دیا جب تک کہ اس نے صراحت کے ساتھ اپنی سواری پر آگے بیٹھنے کے اپنے حق کو آپ کی طرف منتقل نہ کر دیا وہیں آنحضرت ﷺ کا وصف تراش و نکاش بھی پورے کمال کے ساتھ ثابت ہوا کہ آپ ﷺ نے اس شخص کے پیچھے بیٹھنے میں کوئی عار محسوس نہیں کیا اور اس پر راضی ہوئے۔

شیطانی اونٹ اور شیطانی گھر

(۶۳) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَكُونُ أَيْلٌ لِلشَّيَاطِينِ وَبُيُوتٌ لِلشَّيَاطِينِ فَأَمَّا أَيْلٌ الشَّيَاطِينِ فَقَدْ رَأَيْتُهَا تَخْرُجُ أَحَدُكُمْ بِحَبِيَابٍ مَعَهُ فَذَكَرَ أَسْمَئُهَا فَلَا يَغْلُو أَيْعُوزُ أَيْمُهَا وَيَمُزُّ رَاحِيَةَ

فَلَمْ يَنْقُطْ لَهُ فَلَا يَحْمِلُهُ وَأَمَّا ثُبُوتُ الشَّيَاطِينِ فَلَمْ أَزْهَأْكَانَ سَعِيدٌ يَقُولُ لَا أَرَاهَا إِلَّا هَذِهِ الْأَقْفَاضُ الَّتِي يَسْتَرْكُزُ سَالِدُ الْبَيْتِاجِ - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت سعید ابن ابیہر (تابعی) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ بیان کیا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا (کہو) اونٹ شیطانوں کے لئے ہو جاتے ہیں اور (کہو) گھر شیطانوں کے لئے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جو اونٹ شیطانوں کے لئے ہو جاتے ہیں ان کو میں نے دیکھا ہے (جیسے) تم سے کوئی شخص عمدہ قسم کی اونٹنیوں کو لئے کر رکھتا ہے جن کو اس نے خوب فریہ کیا لیکن ان میں سے کسی اونٹ پر سوار نہیں ہوتا ہے اور جب (کسی سفر میں) اپنے اس مسلمان بھائی کے ساتھ راستے طے کرتا ہے جو (اپنی کمزوری اور سواری سے محرومی کی وجہ سے) اچھے چلتے چھٹک گیا ہے تو اس کو (بھی) اس اونٹ پر سوار نہیں کرتا۔ اور جو گھر شیطانوں کے لئے ہو جاتے ہیں ان کو میں نے نہیں دیکھا ہے۔“ حدیث کے راوی حضرت سعیدؓ کہتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ وہ گھر جو شیطانوں کے لئے ہو جاتے ہیں (وہ پتھر سے ہیں جن کو لوگ دھکی پتھروں (کے پردوں سے) اٹھا لیتے ہیں۔“ (ابو داؤد)

تشریح: ”جو اونٹ شیطانوں کے ہو جاتے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ اونٹوں کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ ان کو اپنی سواری اور بار برداری کے مصارف میں لایا جائے اور خدا نے اس کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ ان کے ذریعہ اپنی بھی سفری ضروریات پوری کی جائیں اور دوسرے ضرورت مند مسلمانوں کو بھی ان سے نفع پہنچایا جائے، لیکن اگر کوئی شخص ان کو خوب مونا تارہ کر کے محض اظہار تفاخر اور نام آوری کے لئے رکھتا ہے اور ان کو اپنے سفر میں اپنی یا اپنے کسی ضرورت مند مسلمان بھائی کے رفع احتیاج کے لئے نہیں بلکہ ”کو تکل“ رکھتا ہے تو اس طرح اس نے اس اونٹ کو نہ تو اپنے مصارف میں لاکر اور نہ کسی محکمے ہوئے مسلمان بھائی کی راحت کا ذریعہ بنا کر گویا شیطان کی اطاعت کی اور شیطان کو خوش کیا اس لئے وہ اونٹ گویا شیطان کے لئے ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی گھوڑا ممنوع ہے اور گویا وہ شیطان گھوڑا ہوتا ہے۔“

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ حدیث کا جزء فَأَمَّا ابِلُ الشَّيَاطِينِ (چنانچہ جو اونٹ شیطانوں کے لئے ہوتے ہیں ابیل اور اصل حدیث کے راوی جنی حضرت ابوہریرہؓ کے اپنے الفاظ ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی اصل حدیث صرف اقبل کی مجمل عبارت ہے یعنی ہيكون ابيل للشياطين ويؤت للشياطين اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ (جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہوا) اصل حدیث فلم ارها (ان کو میں نے نہیں دیکھا ہے) تک ہے! اسی قول کو ماطل قاری نے بھی پسند کیا ہے۔

شیطان گھروں سے مراد یا تو عماریاں اور ہودج ہیں جن کو بعض لوگ دھکی پتھروں سے آراستہ پیراستہ رکھتے ہیں یا وہ گھر ہیں جن کو دھکی پتھروں کی دیوار گھیروں کے ساتھ مزین کیا گیا ہو، ظاہر ہے جہاں خود ان ہودجوں یا گھروں کی ممانعت مقصود نہیں ہے بلکہ ان کو دھکی پتھروں کے ساتھ سمائے اور مزین کرنے کے سبب سے ان کی برائی بیان کی گئی ہے جس میں نہ صرف مال کی بربادی اور اسراف ہی ہے بلکہ اظہار تفاخر اور ریاضی ہے۔

”میں پڑاؤ اور کوٹوہاں نہ زیادہ جگہ گھیرا اور نہ راستہ روکو

(۲۹) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ مَعَاذٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ فَصَيِّقُ النَّاسِ الْمَنَازِلَ وَقَطِّعُوا الطُّرُقَ فَبَعَثَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَنَادِيحًا يَتَابِعُونَ فِي النَّاسِ إِنَّ مَنْ صَيَّقَ مَنَزِلًا أَوْ قَطَّعَ طَرِيقًا فَلَا جِهَادَ لَهُ - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت سہل ابن معاذ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ”ایک مرتبہ جب ہم رسول کریم ﷺ کے ہمراہ جہاد میں گئے (اور منزل پر قیام کیا) تو لوگوں نے (اس منزل کی) ساری جگہوں کو تنگ کر دیا اور راستہ کو کاٹ دیا (یعنی بعض لوگوں نے بلا ضرورت یا ضرورت سے زیادہ جگہوں پر قبضہ کر لیا)۔“ دوسرے لوگوں کو جبکہ کی جگہ ہو گئی اس طرح راستہ بھی تنگ ہو گیا جس سے آنے جانے

والوں کو پریشانی ہونے لگی، چنانچہ (یہ دیکھ کر) نبی کریم ﷺ نے ایک منادی کرنے والے کو لوگوں کے درمیان بھیج کر یہ اعلان کرایا کہ ”جس شخص نے منزل کی (جگہوں) کو تنگ کر لیا یا اسے کوکھلا تو لوگوں کو ضرر و تکلیف پہنچانے کی وجہ سے) اس کو جہاد کا ثواب نہیں ملے گا۔“

(ابوداؤد)

سفر سے واپسی کا بہترین وقت

(۲۰) وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنْ أَحْسَنْتَ مَا دَخَلَ الرَّجُلُ أَهْلَهُ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ أَوَّلَ اللَّيْلِ۔

(رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت جابرؓ نے نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”سفر سے واپس آنے والے مرد کے لئے اپنے گھر والوں کے پاس پہنچنے کا بہترین وقت رات کا ابتدائی حصہ ہے۔“

تشریح: یہ اس صورت میں ہے جب کہ قریب کا سفر ہو چنانچہ پہلے جو یہ گزرا ہے کہ سفر سے واپسی میں رات کے وقت اپنے گھر نہ آنا چاہئے تو اس کا تعلق دور کے سفر سے ہے! اور نوحی یہ کہتے ہیں کہ اگر دور کا بھی سفر ہو اور اس کے آنے کی اطلاع اس کے گھر والوں کو دن میں مل چکی ہو تو رات کے وقت آنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ”گھر والوں کے پاس پہنچنے“ سے گھر والی کے پاس آنا یعنی جماع مراد ہے کیونکہ مسافر کا معنی جذبہ بہت زیادہ بیدار ہو جاتا ہے لہذا جب وہ سفر سے واپس ہو کر رات کے ابتدائی حصہ ہی میں جماع سے فارغ ہو جائے گا تو پھر سکون و آرام کے ساتھ سوئے گا بھی اور بیوی کا حق بھی جلدی ادا ہو جائے گا۔

الفصل الثالث

سفر کے دوران رات میں آنحضرت ﷺ کے آرام کرنے کی کیفیت

(۲۱) عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ فِي سَفَرٍ فَعَرَسَ بِلَيْلٍ اِضْطَجَعَ عَلَى نَمِينِهِ وَإِذَا عَرَسَ قُبِيلَ النَّصْبِ ذُو اِغْعَةٍ وَوَضَعَ رَأْسَهُ عَلَى كَتِفِهِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابوقادہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب سفر میں ہوتے تو کسی بڑا اور ہر رات کے آخری حصہ میں (یعنی طلوعِ صبح سے پہلے اترتے اور دائیں کر دھرت پر لیٹ رہتے اور جب صبح کے کچھ پہلے اترتے تو اپنا (دایاں) ہاتھ کھڑا کر کے اس کی پشت پر اپنا سر رکھ کر لیٹتے (یعنی کچھ دیر کے لئے اس انداز میں آرام فرماتے تاکہ نیند غالب نہ آجائے۔“ (مسلم)

صبح کے وقت سفر شروع کرنے کی فضیلت

(۲۲) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ زُوَاْحَةَ فِي مَسِيرَةٍ فَأَوَّلَ ذَلِكَ يَوْمَ الْيَوْمَةِ فَقَدَا أَصْحَابَهُ وَقَالَ اتَّخَلَّفَ وَأَصْلَى مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ الْحَقُّهُمْ فَلَمَّا صَلَّى مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى لَقَالًا مَاتَعَكَ أَنْ تَعْدُو مَعَ أَصْحَابِكَ فَقَالَ أَرَدْتُ أَنْ أَصْلَى مَعَكَ ثُمَّ الْحَقُّهُمْ فَقَالَ لَوْ أَنْفَعَتْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَذْرَكَتَ فَضْلَ غَدُوِّهِمْ۔ (رواہ ابونعیم)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن زواحہؓ (جہاد کے لئے ایک چھوٹے لشکر کے ساتھ روانہ کیا، اتفاق سے وہ جمعہ کا دن تھا جس (میں) آنحضرت ﷺ نے ان کو جہاد کے لئے جانے کا حکم دیا تھا) چنانچہ ان کے ساتھی (یعنی لشکر کے لوگ) صبح کے وقت روانہ ہوئے لیکن عبداللہؓ نے (اپنے دل میں سوچا) کیا کسی ساتھی سے کہا کہ ”میں بعد میں روانہ ہوں گا“ (پہلے یہاں مدینہ میں رسول

اسلامی مملکت کا وقار و شہری بننا قبول نہ کر لیں۔

کفار کے خلاف اعلان جنگ سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دینا واجب ہے: اسلام نے یہ ضابطہ مقرر کیا ہے کہ مخالفین اسلام کے خلاف اس وقت اعلان جنگ نہ کیا جائے جب تک کہ ان کو اسلام کی دعوت نہ دی جائے۔ چنانچہ اسلامی قانون کے مطابق کفار سے جنگ کرنے سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دینا واجب ہے اور ان کو اسلام کی دعوت دینے سے پہلے ان سے جنگ کرنا حرام ہے بشرطیکہ ان کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو۔ اور اگر ان کو اسلام کی دعوت پہنچی چکی ہے تو اس صورت میں جنگ سے پہلے ان کو پھر دو بارہ اسلام کی دعوت دینا مستحب ہے۔

اسلام کی دعوت دینے کے مختلف طریقے ہیں ان میں سے ایک طریقہ خط و کتابت بھی ہے خاص طور پر سربراہان مملکت، ملاطین اور احرار کو عام طور پر خط و کتابت ہی کے ذریعہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے مختلف غیر مسلم بادشاہوں اور سربراہان مملکت و قوم جیسے قیصر، کسری اور نجاشی کو کتببات گرامی ارسال فرمائے جن میں انہیں خطرات و تباہی کا راستہ چھوڑ کر اسلام کے سیدھے راستے پر آنے کی دعوت دی گئی۔

مقول ہے کہ آنحضرت ﷺ جب صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ تشریف لائے اور قیصر روم کو مکتوب بھیجے گا ارادہ کیا تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ شاہان روم و ایران کا دستوریہ ہے کہ وہ کسی تحریر کو اس وقت تک مستند نہیں مانتے جب تک اس پر مہر نہ لگی ہوئی ہو۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے مہر کے لئے چاندی کی انگوٹھی تیار کرنے کا حکم ارشاد فرمایا اور اس میں تین سطریں کندہ کرائیں اور ان تین سطروں میں اپنا نام مبارک ﷺ اس طرح نقش کرایا کہ اوپر کی سطر میں ”اللہ“ درمیانی سطر میں ”رسول“ اور نیچے کی سطر میں ”محمد“ تھا اس طرح آپ ﷺ نے بادشاہوں کے نام جو مکتوب ارسال فرمائے ان پر یہ مہر ثبت فرمائی۔

طبرانی نے یہ ارشاد گرامی نقل کیا ہے کہ کرامۃ الکتاب ختمہ یعنی کتب کی عظمت اس کی مہر ہے۔

الفصل الأول

قیصر روم کے نام مکتوب نبوی ﷺ

① وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَى قَيْصَرَ يَدْعُوهُ إِلَى الْإِسْلَامِ وَتَعَثَّ بَكِتَابِهِ إِلَيْهِ دُخِيَّةَ الْكَلْبِيِّ وَأَمَرَهُ أَنْ يَدْفَعَهُ إِلَى عَظِيمٍ بَصْرِيٍّ لِيَدْفَعَهُ إِلَى قَيْصَرَ فَإِذَا بَسِمَ اللَّهُ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى هِرَقْلٍ عَظِيمِ الزُّرُومِ سَلَامٌ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدَاعِيَةِ الْإِسْلَامِ أَسْلِمْتَ تَسْلِمًا وَسَلِّمْتَ تَسْلِيمًا يُؤْتِيكَ اللَّهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ وَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ الْإِلْمُ الْأَوَّلِيُّ سَيِّئٌ وَنَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَوْ أَنْ لَا تُغْهَبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَا تُنْفِرْكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ۔

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ سُلَيْمٍ قَالَ مِنْ مُحَمَّدٍ وَرَسُولِ اللَّهِ وَقَالَ الْبَرَاءُ سَيِّئٌ وَقَالَ بَدْعُ عَائِدَةِ الْإِسْلَامِ۔ (بخاری و مسلم)

”حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے قیصر یعنی روم کے بادشاہ کو ایک گرامی نامہ لکھا جس میں اس کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی اور آپ ﷺ نے اپنا وہ گرامی نامہ لکھا جس میں اس کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی اور آپ ﷺ نے اپنا وہ گرامی نامہ دجیہ کلبنؓ (صحابی) کے ہاتھ روانہ فرمایا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ اس گرامی نامہ کو بصری کے حاکم کے پاس پہنچادیں تاکہ وہاں بصری اس کو قیصر کے پاس پہنچادے۔ اس گرامی نامہ میں یہ لکھا تھا۔ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ محمد کی جانب سے جو خدا کا بندہ خاص اور رسول ہے۔ برقل کے نام جو روم کا حکمران اعلیٰ ہے۔ اس پر سلامتی ہو (جو قبولیت اسلام اور اپنے نیک کردار و اعمال کے ذریعہ) ہدایت کا پیرو ہے۔ بعد ازاں میں آپ کو اسلام کلمہ شہادت کی دعوت دیتا ہوں آپ اسلام قبول کر لیجئے تو نیا کے اور آخرت کے عذاب سے

محفوظ ناموں رہے گا، آپ مسلمان ہو جائیے اللہ تعالیٰ آپ کو دھرا اجر عطا فرمائے گا کہ ایک اجر تو اپنے نبی علیہ السلام پر ایمان لانے کا اور ایک اجر مجھ (ﷺ) پر ایمان لانے کا اور اگر آپ منہ پھیریں گے یعنی اسلام قبول نہیں کریں گے تو آپ کو واضح رہنا چاہئے کہ اس انکار و اعراض کی وجہ سے آپ پر صرف اپنے ہی گناہ کا وبال نہیں ہوگا بلکہ آپ کے ملک والوں اور آپ کی رعیت کا گناہ (مجھ) آپ پر ہوگا کیونکہ آپ کے اسلام نہ لانے سے وہ بھی گمراہ بن جائیں گے اس لئے ان کی گمراہی کی ذمہ داری بھی آپ ہی پر ہوگی اسے اہل کتاب! ایسے ظلم اور ایسے دین کی طرف آؤ جو دھڑے اور تہمتوں کے درمیان یکساں اور مشترک ہے۔ (یعنی اس کلمہ اور دین میں تمہارے اور تمہارے رسولوں اور کتابوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اور وہ کلمہ و دین یہ ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا رب نہ بنائے (جیسا کہ یہاں یوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رب بنا لیا ہے) پس اگر اہل کتاب اس بات کو قبول کرنے سے اعراض و انکار کریں تو (اے مومن) تم یہ اعلان کرو کہ (اے کافرو!) گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔“ (بخاری و مسلم)

اور مسلم کی ایک روایت میں من مضمند عند اللہ و مسئولہ کی جگہ من مضمند و رسول اللہ ہے اور ائمہ الاربابین کی جگہ ائمہ النبییین ہے اور بدعا عینہ الاسلام کی جگہ بدعا عینہ الاسلام ہے۔

تشریح: آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت روم (رومن امپائر) کی حکومت اپنی سطوت و جبروت اور طاقت و عظمت کے لحاظ سے دنیا کی ایک بڑی عظیم طاقت اور ہر شوکت حکومت تھی۔ روم کی حکومت کا دار السلطنت قسطنطنیہ تھا اور اس وقت یورپ کے مختلف ممالک کے علاوہ شام و فلسطین اور مصر بھی اسی کے زیر اقتدار تھے۔ قیصر روم کے بادشاہ کا لقب ہوا کرتا تھا جیسا کہ فارس (ایران) کے بادشاہ کو کسری جس کے بادشاہ کو ”نحاشی“ ترک بادشاہ کو ”خاقان“ قبضہ کے بادشاہ کو فرعون مصر کے بادشاہ کے عزیز اور حمیر کے بادشاہ کو تبع کہا جاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے زمانے میں روم کا جو قیصر تھا اور جس کو آپ ﷺ نے یہ گرامی نام بھیجا تھا اس کا نام ہرقل (ہرل یوس) تھا یہ ہرقل جس طرح اپنی شاہی شان و شوکت میں مستر بہا جاتا تھا اسی طرح مذہبی علوم میں تورات و انجیل کا بھی زبردست عالم تھا۔ دیکھیں کہ ایک صحابی تھے ان کی سب سے بڑی امتیازی شان یہ تھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام اکثر انہیں کی صورت میں اترتے تھے۔ ”بصری“ شام کے ایک شہر کا نام تھا جو ایک بڑا متمدن اور تجارتی مرکز تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی ابتدائی زندگی میں جود و تجارتی سفر فرمائے تھے اس میں سے ایک سفر میں آپ ﷺ بصری بھی تشریف لے گئے تھے۔

حضرت وحید کلبیؒ کا سفارت پر مامور ہو کر قیصر کے نام آنحضرت ﷺ کا کتب گرامی لے جانا سنہ ۶ھ یا سنہ ۷ھ کے شروع کا واقعہ ہے۔ روایات اور تاریخ سے ثابت ہے کہ قیصر روم نے اس نام مبارک سے اس حد تک اثر قبول کیا تھا کہ اس نے آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی تھی اور اس کے دل میں نور اسلام جلوہ گن ہو چکا تھا مگر عایا اور اہل دربار کے خوف سے اور سخت و تاج کی محبت میں وہ روشی بچھ کر رہ گئی اور مسلمان نہیں ہو سکا۔ چنانچہ مقتول ہے کہ اس نے نام مبارک پڑھے جانے کے بعد اپنے اہل دربار کی ہر بھی دیکھ کر حضرت وحیدؒ سے کہا کہ اگر مجھے اپنے لوگوں سے اپنی جان کا خوف نہ ہوتا تو میں ضرور تمہارے نبی کا اثبات کرتا وہ محمد ﷺ بلاشبہ وہی نبی ہیں جن کے ہم منتظر تھے۔

ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ خط لکھنے کا یہ بہترین طریقہ ہے کہ تحریر کی ابتداء بسم اللہ سے ہو اور خط لکھنے والے کا نام بھی پہلے لکھا جائے۔ ملا علی قاریؒ کہتے ہیں یہ بات حدیث ہی سے ثابت نہیں بلکہ قرآن کریم کی اس آیت اِنَّهُ مِنْ سُلَيْمٰنٍ وَاِنَّهُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے بھی منہموم ہوتی ہے۔

ہر قل چونکہ غیر مسلم تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے اپنے نام مبارک میں اس کو خطاب کرتے ہوئے سلام علیک تم پر سلامتی ہو، نہیں لکھا بلکہ یہ بیخ اسلوب اختیار فرمایا کہ سلام علی من اتبع الهدی اس پر سلامتی ہو جو ہدایت کا پیرو ہے اس میں گویا اس طرف

اشارہ ہے کہ غیر مسلم کے ساتھ مخاطب کی ابتداء کنا یہ سلام کے ساتھ کرنا جائز ہے۔

کتوب نبوی ﷺ کے ساتھ شہنشاہ ایران کا نخوت آمیز معاملہ اور اس پر اس کا وبال

(۲) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بِكِتَابِهِ إِلَى كِسْرَى مَعَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ خَدَّافَةَ السَّهْمِيِّ فَأَمَرَ أَنْ يَذْفَعَهُ إِلَى عَظِيمِ الْبَحْرَيْنِ فَنَفَّذَهُ عَظِيمُ الْبَحْرَيْنِ إِلَى كِسْرَى فَلَمَّا قَرَأَ أَهْرَاقَهُ قَالَتْ ابْنُ الْمُسَيْبِ هَذَا عَابِدُكُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُصَرِّقُوا أَكْلَ شَعْتَرِي - (رواہ بخاری)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے کسریٰ کے نام اپنا نامہ مبارک عبداللہ ابن خدافہ سہمی کے ہاتھ روانہ کیا جو تقریباً اسی مضمون پر مشتمل تھا جو قیسرہ وغیرہ کو بھیجا گیا تھا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ اس نامہ مبارک کو بحرین کے حاکم کے پاس لے جائیں تاکہ وہ اس کو کسریٰ تک پہنچا دے چنانچہ عبداللہ ابن خدافہؓ نامہ مبارک بحرین کے حاکم کے پاس لے گئے اور بحرین کے حاکم نے اس کو کسریٰ کے پاس پہنچا دیا جب کسریٰ نے وہ نامہ مبارک پڑھا تو بجائے اس پر قہر کرنے کے اس کو چھڑا ڈالا۔ حدیث کے ایک راوی ابن مسیب کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کسریٰ اور اس کی رعایا کے لئے یہ بد عارفائی کر دیا کہ وہ بارہ بارہ کر دیے جائیں بالکل بارہ بارہ۔“ (بخاری)

تشریح: روم کی طرح فارس (ایران) بھی قدیم ترین شہنشاہیت کا گوارہ تھا اور ایشیاء کی ایک عظیم الشان سلطنت تھی اس وقت اس کی حدود سلطنت ایک طرف سندھ تک پہنچی ہوئی تھیں اور دوسری جانب عرب کے اکثر حصے یمن، بحرین اور عمان بھی فارس ہی کے زیر اقتدار تھے اس کی اخلاقی حالت بھی گروہ پیش کے ممالک کی طرح نہایت ابتر تھی نہ دان اور ہرمین نیکی اور ہدی کے دو خدا کبھے جاتے تھے آتش پرستی ملک کا عام مذہب تھا اس سلطنت کے شہنشاہ کا لقب خسرو ہوا کرتا تھا جس کا عربی لفظ کسریٰ بنایا گیا تھا آنحضرت ﷺ نے جس خسرو یا کسریٰ کے پاس نامہ مبارک بھیجا تھا اس کا نام پردیز تھا جو ہرمز ابن نوشیرواں کا بیٹا تھا۔ تاریخی روایت میں آتا ہے کہ اس وقت ایران کا دستور یہ تھا کہ بادشاہوں کو جو خطوط لکھے جاتے تھے ان میں سب سے پہلے بادشاہ کا نام ہوتا تھا لیکن چونکہ نامہ مبارک کو خدا کے نام (بسم اللہ) سے شروع کیا گیا تھا، پھر سرور کائنات ﷺ کا نام تھا اس لئے جب وہ خسرو پردیز کے سامنے پڑھا گیا تو وہ خفت غضب ناک ہوا اور کہنے لگا کہ میرے غلام کو یہ جرات ہے کہ وہ میرے نام اس طرح خط لکھے۔ اور پھر پیش میں آکر نامہ مبارک کو پڑے پڑے کر دیا۔ قاصد رسول ﷺ نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس طرح اس کی حکومت کے بھی پڑے پڑے ہو جائیں گے چنانچہ نامہ مبارک کے ساتھ خسرو پردیز کے اس نخوت آمیز رویہ پر سرکار عالم ﷺ کی بددعا کا یہ نتیجہ نکلا کہ کچھ ہی عرصہ بعد طبری کی روایت کے مطابق ۳۳۔ جمادی الاول ۳۹ھ کی شب میں پردیز کو اسی کے بیٹے شروہ نے قتل کر دیا اور پھر چھ مہینے کے بعد ہی اس کا بیٹا شروہ یہ بھی مر گیا اور اس طرح اس کی حکومت و سلطنت پر بیشہ بیشہ کے لئے ایسا وبال پڑا اور ایسی لعنت نازل ہوئی کہ تھوڑی ہی مدت کے بعد ہزاروں برس کی اس عظیم الشان سلطنت کے پڑے پڑے اڑ گئے۔

آنحضور ﷺ نے تمام سربراہان مملکت کو خطوط لکھ کر اسلام کی دعوت دی

(۳) وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَى كِسْرَى وَإِلَى قَيْصَرٍ وَإِلَى التَّخَاشِ وَإِلَى كُلِّ خَتَّارٍ يَذْعُوهُمْ إِلَى اللَّهِ وَلَيْسَ بِالتَّخَاشِ الَّذِي صَلَّى عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فارس یعنی ایران کے بادشاہ کسریٰ روم کے بادشاہ قیسر اور حبش کے بادشاہ نجاشی اور ہر منکبرو مقتدر بادشاہ کو خطوط لکھے جن میں انہیں اللہ تعالیٰ کی اسلام کی طرف بلایا گیا تھا۔ اور یہ نجاشی کے جس کو آپ ﷺ نے یہ خط بھیجا تھا وہ نجاشی نہیں ہے جس کے لئے نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں عاقبات نماز جنازہ پڑھی تھی۔“ (مسلم)

تشریح: روایت کے آخری جزء کا مقصد ان لوگوں کے خیال کی تردید کرتا ہے جن کے نزدیک یہ نجاشی کہ جس کو مکتوب بھیجا گیا تھا وہی نجاشی ہے جس کا نام احمد تھا اور جو آنحضرت کا مطلع و فرستادار اور آپ ﷺ کے اصحاب کا اپنے ملک میں خادم و نگہبان تھا جب مدینہ میں اس کے انتقال کی خبر آئی تو آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ مرد صالح اور تہلہ ایمانی احمد اللہ کو پیارا ہو گیا ہے، انھو اور اس کی نماز جنازہ پڑھو چنانچہ آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔

لیکن بعض محققین کے نزدیک اس تردید کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے دونوں نجاشیوں کو مکتوب بھیجے، پہلے تو احمد کے نام بھیجا تھا اور پھر احمد کے بعد جو شخص نجاشی ہوا اس کے پاس بھی آپ ﷺ نے مکتوب بھیجا۔

اب رہی یہ بات کہ جس طرح پہلا نجاشی یعنی احمد مسلمان ہو گیا تھا اسی طرح دوسرا نجاشی بھی مسلمان ہو گیا تھا یا نہیں؟ اس بارہ میں تحقیق روایات مختلف ہیں بعض کے نزدیک وہ بھی مسلمان ہو گیا تھا مگر بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ مسلمان نہیں ہوا تھا۔

چونکہ پہلے قیصر اور کسری کے بارے میں ذکر کیا جا چکا ہے اس لئے نجاشی کے بارے میں بھی کچھ باتیں ذکر کر دینا ضروری ہے جہش عرب کی جنوبی سمت میں مشرقی الریقہ میں واقع ایک ملک ہے آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت اس ملک پر جو شخص حکمران تھا اس کا نام ”احمد“ اور پورا ملک یہاں تک کا پیر تھا۔

”جہش“ اصل میں عربی نام ہے یونانی میں اسے ”اقویا“ کہتے ہیں اور دنیا کے موجودہ نقشہ میں بھی یہ اقصیہ ہای کے نام سے موسوم ہے۔ جہش زبان میں بادشاہ کو رئیس کہتے ہیں نجاشی اسی جہش کا معرب ہے۔

اسلامی تاریخ میں اس وقت کے جہش کا ذکر نہایت ہی عزت و احترام اور شکر گذاری و ممنونیت کے انتہائی جذبات کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ محمد رسول اللہ ﷺ نے جب اپنی بعثت کے فوراً بعد دنیا کو اللہ کے آخری دین اسلام کی طرف بلایا اور اپنی رسالت کا اعلان کر کے دنیا والوں کو اپنی اطاعت کی دعوت دی اور رفتہ رفتہ مکہ کے لوگ آپ ﷺ کے حلقہ اطاعت میں داخل ہونے لگے اور اس طرح اللہ کے نام کا جھنڈا سر بلند ہونے لگا تو مکہ کے کفار اس کو برداشت نہ کر سکے اور ان کی طرف سے مکہ مکرمہ کی وسیع سرزمین حلقہ بگوشان اسلام پر خدائے واحد کا نام لینے کے جرم میں عک کر دی گئی چنانچہ اس وقت جب قریش مکہ کے مظالم انسانیت کی تمام حدود کو چھیچھے چھوڑ گئے اور ہر ستار ان توحید پر ظلم و ستم اور بربریت کی انتہا ہو گئی اور آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت کر کے چھ جانے کی اجازت دی تو یہ جہش ہی تھا جس نے اپنے ملک کے دروازے ان مظلوموں کے لئے پوری فراخ دلی کے ساتھ کھول دیئے اور ان کو اپنی سرزمین پر انتہائی عزت و احترام کے ساتھ پناہ دی۔

مسلمانوں کا پہلا قافلہ جس نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی حضرت عثمان غنیؓ کی سربراہی میں جہش پہنچا اس کے بعد جب دوسرا قافلہ جہش پہنچا اور جس کے قائد حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے بڑے بھائی حضرت جعفر طیارؓ تھے تو اس مرتبہ آنحضرت ﷺ نے شاہ جہش کے نام ایک مکتوب گرامی بھی ارسال فرمایا اور بعض مورخین کے قول کے مطابق مکتوبات نبوی ﷺ میں یہ پہلا نامہ مبارک ہے اس میں نجاشی کو صرف اسلام کی دعوت ہی نہیں دی گئی تھی بلکہ اس بات کی صحت کی گئی تھی کہ وہ حکومت کے غرور و تکبر کو ترک کر کے جہش میں پناہ لینے کے لئے جانے والے مظلوم کی مسلمانوں کے ساتھ تواضع سے پیش آئے قریش مکہ کو چونکہ یہ بھی گوارہ نہ تھا کہ مسلمان جہش میں اس دن سکون کی زندگی گزار سکیں اس لئے انہوں نے معززین مکہ کا ایک وفد عجبین العالم جیسے زبردست موقع شناس اور دانش مند سیاستدان کی سربراہی میں شاہ جہش کے دربار میں بھیجا تاکہ وہ ان مہاجر مسلمانوں کو جہش سے واپس لے آئے اور مکہ میں انہیں پھر سے اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جائے اس وفد نے شاہ جہش کے سامنے مسلمانوں کی شکایت کی اور نجاشی کو مشتعل کرنے کے لئے یہ کہا کہ۔

”یہ لوگ عجیب و غریب عقائد رکھتے ہیں جن سے نہ ہم واقف ہیں اور نہ آپ۔“

نجاشی شاہ جہش نے وفد کی اس شکایت پر مہاجرین سے حقیقت حال کی وضاحت کے لئے کہا اور ان سے ان کے عقائد دریافت کئے تو

اس موقع پر حضرت جعفر طیارؓ نے جو معرکہ آراء تقریر کی وہ حق گوئی و سچے باکی اور ایک شاہی دربار میں اسلامی عقائد و نظریات کا جرات مندانہ ذریعہ تعارف ہونے کی وجہ سے صرف اسلامی تاریخ ہی کا ایک جلیں پہاڑیہ نہیں ہے بلکہ دنیا کی ادبی تاریخ کا ایک زریں ورق اور فن خطابت و تقریر کا ایک انمول شاہ کار بھی ہے انہوں نے شاہ جلیں کا مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

”شاہ ذی جاہ! ہم ایک سخت جاہل قوم تھے، معصوم اور خود ساختہ جن کی پرستش ہمارا ہی شعار تھا مرد اور خوری، بدکاری اور بے رحمی ہماری معاشرت کا اہم جزو بن گیا تھا ہم نہ ہمسایہ کے حقوق سے واقف تھے اور نہ اخوت و ہمدردی کے جذبہ سے آتش، ہر طاقتور کمزوروں کو ہڑپ کر جانے پر فخر کرتا تھا یہ تھا ہمارا معیار زندگی۔

ہماری اس تباہ حالی کا دور عرصہ دراز سے قائم تھا کہ یک بیک خدا نے ہر ترے ہمارے قسمت کا پانسہ پلٹ دیا، اور ہم میں ایک ایسا پیغمبر بھیجا جس کے نسب و حسب سے ہم واقف ہیں جس کی چاچی اور امانت کا حال ہم پر روشن ہے اور جس کی عفت و پاکدامنی ہر وقت ہماری نظروں میں رہی ہے وہ آیا اور اس نے ہمیں ہدایت کی وہ روشن شمع دکھلائی جس نے ہماری آنکھوں سے ہماری بد کرداری اور جہالت کی تاریکی کے تمام پردے چاک کر دیے۔

اس پیغمبر نے ہمیں بتایا کہ تم صرف خدا کے واحد کی پرستش کرو اور اسی کو اپنا خالق و مالک سمجھو، بت پرستی کو چھوڑ دو، تمہارے یہ خود ساختہ معبود نہ ہمیں کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان! (یا اور کھو) اگر ان کی بنیاد باپ دادا کی کو رائے تھیں تو انہیں ہمیں تعلیم دی کہ ”بیٹھ بچ پلو“ امانت میں بھی خیانت نہ کرو، ہمسایہ کے ساتھ ہمدردی اور حسن سلوک کو ہمیشہ اپنا شعار بنائے رکھو، خون ریزی اور خدا کی حرام کی ہوئی باتوں سے بچو، فحش کاموں اور جھوٹ کے قریب نہ جاؤ، عظیم کائنات کو لکھاؤ اور پاکدامنی کو تہمت نہ لگاؤ، خدا کے واحد کی عبادت کرو، روزہ رکھو اور اسواہ کی زکوٰۃ دیا کرو۔

بادشاہ سلامت! اس نبی ﷺ نے اس قسم کے اور بہت سے بہترین اسوہ کی ہمیں تعلیم دی ہے ہم نے اس کی تصدیق کی، اس کو خدا کا پیغمبر سمجھا، اور اس پر ایمان لائے اور جو کچھ اس نے خدا کا حکم ہمیں سنایا، ہم نے اس کی پیروی کی، ہم نے خدا کو ایک جانا، شرک سے توبہ کی، حلال کو حلال سمجھا اور حرام کو حرام جانا۔ یہ ہے ہمارا جرم جس پر ہمارے ہم وطنوں نے ہمیں اپنا گمراہ چھوڑ دیا ہے پر مجبور کر دیا اور ہم نے آپ کے ملک میں اگر پناہ لی ہے۔

شاہ جلیں! اس پر حقانیت اور بصیرت افروز تقریر کا بہت اثر ہوا، اس نے قریش کے وفد کے صاف جواب دے دیا کہ ”ایسے پاکیزہ عقائد رکھنے والے نیکو کار لوگوں کو میں واپس کر کے خالوں کے ظلم و ستم کا شکار ہرگز ہرگز نہ بننے دوں گا۔“

۶ھ کے آخر میں آنحضرت ﷺ حبشہ کے بعد مدینہ واپس آئے اور محرم ۷ھ = ۶۲۹ء میں آپ ﷺ نے شاہان عالم کے نام نامہ ہائے مہارک روانہ فرمائے گوشاہ جلیں کو پھر ایک مکتوب گرامی ارسال فرمایا، بارگاہ رسالت کے سفیر حضرت عمر و ابن امیہ ضمریؓ آپ ﷺ کا نامہ مہارک لے کر شاہ جلیں کے دربار میں پہنچے تو پہلے انہوں نے نجاشی کے سامنے ایک اثر انگیز تقریر کی جس میں انہوں نے نجاشی کے اس مشتعل رویہ پر اظہار اطمینان کیا جو اس نے مکہ کے مظلوم مسلمانوں کے تئیں اختیار کیا ہوا تھا اور پھر اسلامی عقائد اور آنحضرت ﷺ کی پیروی اختیار کرنے کی مؤثر تبلیغ کرنے کے بعد انہوں نے کہا کہ نہ

میری طرح رسول اللہ ﷺ کی جانب سے بعض دیگر اشخاص مختلف بادشاہوں کے پاس دعوت اسلام کے لئے قاصد بنا کر بھیجے گئے ہیں مگر سرور کائنات ﷺ کو جو امید آپ کی ذات سے وابستہ ہے دو سرور سے ایسی امید نہیں ہے آپ سے اس بارے میں پورا اطمینان ہے کہ آپ اپنے اور خدا کے درمیان اپنی گزشتہ نکل اور آئندہ کے اجر و ثواب کا خیال رکھیں گے۔

کچھ عرصہ پہلے حضرت جعفر طیارؓ کی مجربانی سے نجاشی اسلام کی دعوت سے واقف ہو چکا تھا اب حضرت عمر و ابن امیہ کی اثر انگیز تبلیغ نے اس کے سینے میں ایمان کی سرخوشی کر دی، وہ تخت شاہی سے نیچے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا، نامہ مہارک کو ہاتھ میں لے کر تعظیماً اتر

کوچہ اور دونوں آنکھوں سے لگایا اور پھر ترجمان کو لپکا کر پڑھنے کا حکم دیا، تجاشی فرمان رسالت ﷺ کو سنتا جاتا تھا اور متاثر ہوتا جاتا تھا جو ہی مضمون ختم ہوا اور وہ اس کے مندرجات پر مطلع ہوا فرط شوق میں نامہ مبارک کو لپکے دے کر سر پر رکھ لیا اور کہا اللہ ہذا لا الہ الا اللہ وان محمدًا رسول اللہ اور پھر کہا کہ اگر میں خود جاسکے تو آنحضرت ﷺ کی خدمت مبارک میں حاضر ہوتا پھر اس نے اپنے بیٹے آرا کو تجھے تھا فم دے کر بارگاہ رسالت میں بھیجا مگر بد قسمتی سے آرا پر اس میں ہی انتقال کر گیا اور بارگاہ رسالت میں نہیں پہنچ سکا۔

اس کے بعد پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی کے نام اپنے ایک اور مکتوب گرامی دے کر حبش بھیجا نجاشی نے ان مبارک ناموں کو احتیاط کے ساتھ ہاتھی دانت کے ایک صندوق میں محفوظ رکھ کر اپنے خسرانہ میں رکھ دیئے اور کہا کہ جب تک یہ فرمان موجود ہیں مجھے یقین ہے کہ اہل حبش ہاموں و محفوظ رہیں گے۔ چنانچہ یہ مبارک نامے جب تک حبش کے خزانے میں موجود رہے ہر والی سلطنت اس مکتوب گرامی کی انتہائی تعظیم و تکریم کرتا اور پورے ملک کے لوگ اس کے ذریعہ برکت حاصل کرتے۔

چہاؤ کرنے والوں کے بارے میں چند ہدایات

وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بَرْزَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَقْرَأَ امِيرًا أَعْلَى جَنْحِشٍ أَوْ سُرْبَةٍ أَوْ سِدَةٍ فِي خَاصِيهِ يَتَقَوَّى اللَّهُ وَمِنْ مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرُ النَّاسِ قَالَ أَغْرَوْا بِاسْمِ اللَّهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ أَغْرَوْا فَلَا تَغْلُوا وَلَا تَقْدَرُوا وَلَا تَمْتَلِكُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلِذَا إِذَا قَاتَيْتُمْ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَادْعُهُمْ إِلَى ثَلَاثَ خِصَالٍ أَوْ جَلَالٍ فَإِنْ تَنَهَّيْتُمْ مَا جَاءَتْكَ فَأَقْبَلْ مِنْهُمْ وَكَفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَإِنْ أَجَابَتْكَ فَأَقْبَلْ مِنْهُمْ وَكَفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الشُّحُولِ مِنْ دَارِهِمْ إِلَى دَارِ الْمُهَاجِرِينَ وَآخِزْهُمْ أَنْتَهُمْ إِنْ فَعَلُوا ذَلِكَ فَلَهُمْ مَا لِمُهَاجِرِينَ وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُهَاجِرِينَ فَإِنْ أَبَوْا أَنْ يَتَّخِذُوا مِنْهَا مَخِيزَ هُمْ أَنْتَهُمْ يَكُونُونَ كَأَعْرَابِ الْمُسْلِمِينَ يَجُورِي عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللَّهِ الَّذِي يَجُورِي عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَكُونُ لَهُمْ فِي الْغَنِيمَةِ وَالْفَيْ وَالْأَنْفِ يَخَاجِدُوا مَعَ الْمُسْلِمِينَ فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَاسْلُطْهُمْ الْجَزِيَّةَ فَإِنْ هُمْ أَجَابَتْكَ فَأَقْبَلْ مِنْهُمْ وَكَفَّ عَنْهُمْ فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَاغْتَنِمِ بِاللَّهِ وَقَاتِلْهُمْ وَإِذَا حَاصَرْتَ أَهْلَ جُصْنٍ فَارْأُوكَ أَنْ تَجْعَلَ لَهُمْ دِمَّةَ اللَّهِ وَدِمَّةَ نَبِيهِ وَلَا تَجْعَلَ لَهُمْ دِمَّةَ اللَّهِ وَلَا دِمَّةَ نَبِيهِ وَلَكِنْ اجْعَلْ لَهُمْ دِمَّتَكَ وَدِمَّةَ أَصْحَابِكَ فَإِنَّكُمْ إِنْ تَخَفِزُوا دِمَّتَكُمْ وَدِمَّتَهُمْ أَصْحَابَكُمْ أَهْوَى مِنْ أَنْ تَخَفِزُوا دِمَّةَ اللَّهِ وَدِمَّةَ رَسُولِهِ وَإِنْ حَاصَرْتَ أَهْلَ جُصْنٍ فَارْأُوكَ أَنْ تُرْلِيَهُمْ عَلَى حُكْمِ اللَّهِ فَلَا تُرْلِيَهُمْ عَلَى حُكْمِ اللَّهِ وَلَكِنْ اتْرْلِيَهُمْ عَلَى حُكْمِكَ فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي أَنْتَضِبَ حُكْمُ اللَّهِ فِيهِمْ أَمْ لَا - (رواه مسلم)

”اور حضرت سلیمان بن بریدہ اپنے والد حضرت بریدہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ جب کسی شخص کو کسی چھوٹے یا بڑے لشکر کا امیر مقرر فرماتے تو خاص طور پر اس کی ذات سے متعلق تو اس کو اللہ سے ڈرتے رہنے کی اور اس کے ساتھ (جہاد میں) جانے والے مسلمانوں کے متعلق اس کو نیکی و بھلائی کرنے کی نصیحت فرماتے (کہ علیحدہ بن کا بولشکر تمہاری کمان میں جا رہا ہے بیش ان کے ساتھ خیر و بھلائی کا معاملہ کرنا اور ان کے حق میں حسن سلوک و احسان اور نرمی و ملاطفت کا رویہ اختیار کرنا) اور اس کے بعد یہ فرماتے کہ جاؤ خدا کا نام لے کر خدا کی راہ میں جہاد کرو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے اور اس کے دین کا جہد و سرانجام کرنے کی غرض سے اسلام دشمن طاقتوں سے جنگ کرو اس شخص کے خلاف جہاد کرو جس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا ہے جہاد کرو، قیمت کے مال میں خیانت نہ کرنا، عہد شکنی نہ کرنا مثلاً نہ کرنا یعنی کسی کے اعضاء جسم جیسے ناک کان وغیرہ نہ کاٹنا اور بچوں کو قتل نہ کرنا اور (اے امیر لشکر) جب تم اپنے مشرک دشمنوں کے سامنے جانچو تو پہلے ان کو تین چیزوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لینے کی دعوت دو یا حدیث کے راوی اپنے شک کا اظہار کرتے ہیں کہ آپ نے ٹکٹ خصال کے بجائے ٹکٹ خلال فرمایا (خصال اور خلال دونوں کے ایک معنی ہیں) ن تین چیزوں میں سے وہ مشرک جس چیز کو تم سے اختیار کریں اور اپنے لئے پسند کریں تمہیں اس کو منظور کرو اور ان کو اس سے زیادہ کسی اور چیز پر مجبور کرنے سے باز

رہو۔ پھر یعنی ان تین چیزوں میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ ان کو اسلام کی دعوت دو اگر وہ اس دعوت کو قبول کریں تو تم بھی اس کو منظور کر لو اور ان سے جنگ کرنے سے باز رہو۔ (پھر وہ اسلام قبول کریں تو ان کو اپنے ملک یعنی دار الحرب سے امجاہرین سے ملک یعنی دارالاسلام کو منتقل ہو جانے یعنی ہجرت کے لئے کنگا دعوت دو اور ان کو یہ بتادو کہ ایسا کریں گے یعنی ہجرت کر کے دارالاسلام آجائیں گے تو ان کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو مہاجرین کو حاصل ہیں اور ان پر وہی ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو مہاجرین پر عائد ہیں، اگر وہ ترک سکونت اختیار کرنے پر تیار نہ ہوں تو ان کو بتادو کہ ایسی صورت میں وہ وہاں مسلمانوں کی طرح ہوں گے اور ان پر خدا کا ایسا حکم کیا جائے گا جو تمام مسلمانوں پر نافذ ہوتا ہے یعنی نماز روزکاف وغیرہ کا واجب ہونا اور تمام حدود ویت جیسے احکام کا نافذ ہونا اور غنیمت و فتنے کے ماں میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا البتہ اس وقت حتم لے گا جب کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو کر جہاد کریں اور اگر وہ اسلام کی دعوت قبول نہ کریں اور مسلمان ہونے سے انکار کریں تو دوسری چیز یہ ہے کہ ان سے جزیہ کا مطالبہ کرو اگر وہ جزیہ دینا قبول کریں تو تم بھی اس کو منظور کر لو اور ان سے (جنگ کرنے) سے باز رہو اور اگر وہ جزیہ دینا بھی قبول نہ کریں تو تیسری چیز یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کر کے ان سے جنگ شروع کرو۔ اور جب تم کسی قلعہ یا بستی کے لوگوں یعنی دشمن کا محاصرہ کرو اور وہ قلعہ یا بستی والے تم سے اللہ اور اس کے نبی ﷺ کا عہد مان لینا چاہیں تو تم ان کو اللہ اور اس کے نبی کے طرف سے امان دینے کا عہد نہ کرنا البتہ اپنے اور اپنے رفقاء جہاد کی طرف سے عہد امان دے دینے کیونکہ اگر تم اپنے اپنے رفقاء کے دیئے ہوئے عہد امان کو توڑ دو گے تو یہ اللہ اور اس کے رسول کے عہد امان کو توڑنے سے زیادہ سہل ہوگا۔ اور جب تم کسی قلعہ کے لوگوں کا محاصرہ کرو اور وہ قلعہ والے تم سے اللہ کے حکم پر اپنا محاصرہ اٹھالینے کی درخواست کریں تو تم اللہ کے حکم پر ان کا محاصرہ نہ اٹھانا بلکہ اپنے حکم پر ان کا محاصرہ اٹھانا کیونکہ تمہیں یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ تم ان کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت اللہ کے حکم تک پہنچ گئے ہو یا نہیں (یعنی تمہیں یہ کیسے معلوم ہوگا کہ تم نے ان کا محاصرہ اٹھالینے کا جو فیصلہ کیا ہے وہ خدا کے نزدیک صحیح بھی ہے یا نہیں اور اس کے حکم کے مطابق بھی ہے یا نہیں اور ہو سکتا ہے کہ تم سے چوک ہو جائے جیسا کہ مجاہد کی شان ہے کہ وہ صحیح حکم تک بھی پہنچ جاتا ہے اور فضاء میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے۔) (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں اس ضابطہ کا اظہار کیا گیا ہے جو اسلام کے دشمنوں کے خلاف جہاد کرنے کے سلسلہ میں شریعت نے نافذ کیا ہے اور وہ ضابطہ یہ ہے کہ جب دشمن (مخالفین اسلام) سامنے آئیں تو سب سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو، اگر وہ اس دعوت کو قبول نہ کریں تو ان سے یہ مطالبہ کرو کہ جزیہ ادا کر کے اسلامی مملکت کے وقار دار شہری بن جائیں اور اگر اس پر بھی تیار نہ ہوں تو پھر آخری صورت یہ ہے کہ ان کے خلاف جہاد کرو۔

ثُمَّ اذْغَلَبُوا (پھر ان کو اسلام کی دعوت دو) اس جملہ سے ان تین چیزوں کا اظہار شروع کیا گیا ہے جن کا تعلق مذکورہ بالا ضابطہ سے ہے اور غلبہ ثَمَّ (پھر) ذکر فرما کر گویا مخاطب امیر لشکر کو آگاہ کرنا مقصود ہے کہ جب تم نے ان تین چیزوں کو اجمالی طور پر جان لیا تو اب ان تینوں چیزوں کا تفصیلی حکم جان لو اور وہ یہ ہے کہ پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو پھر ان کے خلاف جہاد کرو۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ تمام صحیح نسخوں میں ثَمَّ اذْغَلَبُوا ہی ہے لیکن قاضی عیاضؒ نے فرمایا ہے کہ روایت کی زیادہ صحت اور موزونیت اسی میں معلوم ہوتی ہے کہ یہ یعنی ابتداء میں ادعہ بغیر لفظ ثَمَّ کے ہو چنانچہ کتاب ابو عبیدہ اور سنن ابوداؤد وغیرہ میں بھی یہ لفظ ”ثَمَّ“ کے بغیر ہے کیونکہ اس جملہ سے دراصل ملٹ نصل (تین چیزوں) کی وضاحت بیان کی جا رہی ہے نہ کہ ان تین چیزوں کے علاوہ کسی اور چیز کی وضاحت مقصود ہے، ماذریؒ یہ کہتے ہیں کہ یہاں لفظ ”ثَمَّ“ معنی کے اعتبار سے تورات ہے لیکن جملہ میں اس کا استعمال آگے کی جالے والی بات کے ابتداء کے طور پر ہے اور گویا یہ ان تین چیزوں میں سے پہلی چیز کی توجیہ و بیان کے لئے ہے اور لفظ ”مَعَ اَسْلَمِينَ“ تک اسی کا ختم ہے اس کے بعد دوسری چیز یعنی جزیہ کا مطالبہ کرنا اور پھر تیسری چیز یعنی جہاد کرنا کیا گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے جو یہ حکم فرمایا کہ (اگر وہ لوگ اسلام کی دعوت قبول کریں تو ان کو ہجرت کرنے کی دعوت دو تو بعض حضرات

نے زید اس حکم کی بنیاد پر ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ہجرت کرنا اسلام کا ایک رکن تھا۔

ان کو وہی حقوق حاصل ہوں گے یعنی مدینہ کے مہاجرین کو جو ثواب و فضیلت اور مال فی کا جو استحقاق حاصل ہے یہی سب کچھ ہمیں بھی حاصل ہو گا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں مہاجرین کو استحقاق ایسے طور حاصل تھا کہ ان کو امام کی طرف سے جہاد کا حکم ہو جانے پر جہاد کے لئے نکلنے کے وقت ہی سے ان پر مال فی خرچ کیا جاتا تھا اور دشمن کے مقابلہ پر لڑنے والے مسلمانوں کی تعداد کافی ہونے کی صورت میں ان پر جہاد کے لئے فکنا واجب نہیں تھا چنانچہ اس ارشاد گرامی۔

وعلینہم ماعلی المہاجرین (اور ان پر وہی ذمہ واریاں عائد ہوں گی)

کا مطلب بھی یہی ہے کیونکہ ذمہ داری سے مراد ”جہاد“ ہے۔

”دیہاتی مسلمانوں“ سے مراد وہ مسلمان ہیں جو دارالاسلام کے دیہات و جنگلات میں رہتے ہوں نہ کہ دارالکفر میں بسنے والے دیہاتی

مسلمان۔

”قیمت اور فی“ کے ایک ہی معنی ہیں یعنی وہ مال جو کفار سے مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ لیکن بعض حضرات نے ان دونوں میں فرق کیا ہے کہ ”غنیمت“ اس مال کو کہتے ہیں جو جنگ کے ذریعہ اور محنت و مشقت کے ساتھ کفار سے حاصل ہو اور ”فی“ اس مال کو کہتے ہیں جو جنگ اور مشقت کے بغیر کفار سے ہاتھ لگے۔

اگر تم اپنے اور اپنے رفقاء کے دئیے ہوئے عہد امان کو توڑ دو گے کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم ان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے عہد امان دو گے اور وہ کفار اس عہد امان کو کسی وقت توڑیں یا اس طور کہ وہ ان شرائط کو پورا کرنے سے انکار کریں جن کی بنیاد پر ان کو وہ عہد امان ملا ہے تو اس صورت میں تمہارے لئے ان کے تین کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہو جائے گا تا آنکہ تمہیں وحی یا دربار رسالت ﷺ کے ذریعے ان کے حق میں کوئی فیصلہ کرنے کی اجازت دی جائے جو اس وقت ممکن نہیں ہو گا۔ کیونکہ تم وحی یعنی دربار رسالت سے دور رہو گے اس کے برخلاف اگر تم ان کو اپنی اور اپنے رفقاء جہاد کی طرف سے عہد امان دو گے اور وہ شرائط و معاہدہ کے خلاف ورزی کر کے اس عہد امان کو توڑیں گے تو اس صورت میں تمہارے لئے ان کے تین فیصلہ کرنا مشکل نہیں ہو گا کہ تم ان کا پھر ہی صبر کر کے چاہے تو ان کو قتل کر دو گے، چاہے جزیہ کا مطالبہ کر دو گے، چاہے ان کو قیدی بنالو گے اور یا ان کے علاوہ ان کے خلاف از روئے مصلحت جو بھی اقدام کرنا چاہو گے اس میں تمہیں مکمل اختیار حاصل ہو گا۔

سورج ڈھلنے کے بعد جنگ شروع کرنے کی حکمت

⑤ وَغُلَّ عَبْدُ اللَّهِ نَبِيَّ ابْنِ أَوْفَى أَنْ زَسُلَ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَيَّامِهِ الَّتِي لَقِيَ فِيهَا الْعُدُوَّ أَنْظَرُ حَتَّى مَالَبَ الشَّمْسُ ثُمَّ قَامَ فِي النَّاسِ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ لَا تَتَمَتَّوْا الْعُدُوَّ وَاسْأَلُوا اللَّهَ الْعَاقِبَةَ فَإِذَا لَقِيتُمْ فَاصْبِرُوا وَاعْلَمُوا أَنَّ الْخِشَةَ نَحْتُ طَلَالِ الشُّيُوفِ ثُمَّ قَالَ أَلَلَّهُمْ فَتَنَزَّلَ الْكِتَابُ وَشَجَرِي السَّحَابِ وَهَارَمَ الْأَخْرَابُ أَهْرَ مِنْهُمْ وَأَنْظَرُ مَا عَلَيْهِمْ۔

”اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ اپنے دنوں میں سے ایک دن جب کہ آپ ﷺ دشمن کے مقابلہ پر تھے (یعنی جہاد کے موقع پر میدان جنگ میں تھے) سورج ڈھلنے تک جنگ شروع کرنے کا انتظار کرتے رہے پھر جب سورج ڈھل گیا تو آپ ﷺ لوگوں کے سامنے (خطبہ دینے کے لئے) کھڑے ہوئے اور فرمایا لوگو! تم اپنے دشمن سے مقابلہ کی آرزو نہ کرو (یعنی یہ نہ چاہو کہ کفار سے قتل و قتال کا باز آ کر اگر ہو کیونکہ یہ چاہنا گویا ابتلاء و معیت کی خواہش کرتا ہے جو ممنوع ہے) بلکہ اللہ تعالیٰ سے اس وعایت کے طالب رہو۔ ہاں جب دشمن سے تمہارا مقابلہ ہو جائے تو پھر پوری پھلوری کے ساتھ ڈٹ جاؤ اور صبر و استقامت سے کام لو اور اس بات کو

جان کو کہ جنت، تلواروں کے سامنے کیے گئے تھے (یعنی تم جنت کے بالکل قریب ہو) اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی۔ اے اللہ! کتاب کو نازل فرماتے والے بادلوں کو چلانے والے اور کفار کی جماعت کو شکست دینے والے ان دشمنوں کو شکست دے اور ہم کو ان پر فتح عطا فرما۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: سورج ڈھلنے تک جنگ کی ابتداء نہ کرنے میں یہ حکمت تھی کہ جتنی ہوئی دوسپہر کے بعد جب سورج ڈھل جاتا ہے، تو تمازت و تپش میں کمی آجاتی ہے، ہوا چلنے لگتی ہے جو فرحت پہنچاتی ہے اور اس طرح وہ وقت طبعیت کے انبساط و نشاط کا ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ وہ نمرود دعا کا بھی وقت ہوتا ہے۔

نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس وقت آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور انسانوں کے اعمال اور برکات قبولیت میں اٹھانے جاتے ہیں لہذا ایسے وقت میں جب کہ اللہ اور برکات اور فتح و نصرت کے نزول کی امید ہوتی ہے آنحضرت ﷺ نے چاہا کہ جہاد جو افضل ترین عمل ہے اسی بابرکت وقت میں واقع ہو۔

آنحضرت ﷺ صبح ہونے سے پہلے دشمن آبادی پر حملے نہیں کرتے تھے

① وَغَزَا نَسِیَ أَنْ التَّبِیُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا غَزَا بِنَا قَوْمًا لَمْ يَكُنْ يَغْزُوا سَاحَتِي يَنْصُبُ وَيَنْظُرُ إِلَيْهِمْ فَإِنْ سَمِعَ إِذَا نَاكَفَ عَنْهُمْ وَإِنْ لَمْ يَسْمَعْ إِذَا نَا أَعَارَ عَلَيْهِمْ قَالَ فَغَزَا إِلَى خَيْبَرَ فَأَتَتْهُمْ إِلَيْهِمْ لَيْلًا فَمَا أَصْبَحَ وَلَمْ يَسْمَعْ إِذَا نَا رَكِبَتْ وَرَكِبَتْ خَلْفَ أُنْثَى طَلْحَةَ وَإِنْ قَدِمِي لَتَمَشَّ قَدَمِي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَغَزَا إِلَى خَيْبَرَ فَغَزَا إِلَى مَيْكَا تَلَهُمْ وَمَسَاجِينَهُمْ فَلَمَّا رَأَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاتِلُوا مُحَمَّدًا وَاللَّهُ فَحَمَّدٌ وَالْحُسَيْنُ فَلَحِقُوا إِلَى الْحَضَنِ فَلَمَّا رَأَاهُمْ زَسَوْهُ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ أَنْ أَدْنُو لَنَا سَاحَةَ قَوْمٍ فَهَسَاءَ ضَبَاحِ الْمُتَذَلِّلِينَ۔ (بخاری و مسلم)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ ہمارے ساتھ کسی (دشمن) قوم سے جہاد کرتے (یعنی جب جہاد کے موقع پر کسی ایسی دشمن آبادی پر حملہ آور ہونے کا ارادہ فرماتے جس کے حالات کا علم نہیں ہوتا اور ہم لوگ آپ ﷺ کے ہمراہ شریک جہاد ہوتے تو نبی ہونے سے پہلے ہمارے ساتھ ان پر حملہ آور نہیں ہوتے، پھر جب صبح ہو جاتی تو ان (دشمنوں کی آبادی اور ان کے ٹھکانوں) پر نظر ڈالتے (تاکہ مشاہدہ یا قرائن سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ کون لوگ ہیں) اگر (ان کی طرف سے) اذان کی آواز نہ آتی تو ان سے (جنگ کرنے سے) باز رہتے اور اگر اذان کی آواز نہیں سننے (اور اس پر قرینہ سے یہ ثابت ہو جاتا کہ (ان لوگوں میں مسلمان نہیں ہیں) تو ان پر حملہ کر دیتے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ چنانچہ جب ہم آنحضرت ﷺ کے ہمراہ جہاد کے لیے خیر روانہ ہوئے تو ان کی سرحدوں پر رات کے وقت پہنچے، جب صبح ہو گئی اور (ان کی طرف سے) اذان سنائی نہ دی تو آنحضرت ﷺ سواری پر سوار ہوئے اور میں ابو طلحہؓ کی سواری پر ان کے پیچھے بیٹھا اور (ہماری سواری آنحضرت ﷺ کی سواری کے اتنے قریب تھی کہ) میرے پاؤں آنحضرت ﷺ کے قدم مبارک سے لگتے تھے، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب صبح ہونے پر خیر والے (ہماری آمد سے بے خبر اپنے کیمپوں میں جانے کے لیے) اپنے پیروں سے تھپتھپاتی ہوا (یعنی ہتھی ہوا) کاسمان لے ہوئے (اپنے گھروں سے نکلے اور ہماری طرف آئے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا تو (چراغ جگ کر) کہنے لگے، محمد ﷺ آگئے، خدا کی قسم محمد ﷺ اور ان کا لشکر آگئے، یہ کہتے ہوئے وہ جہاک کمرے ہوئے اور قلعہ میں پناہ گزین ہو گئے، جب رسول کریم ﷺ نے ان کو اس طرح بھیجے ہوئے دیکھا تو (گویا اس کو ان کی شکست سے تعبیر کرتے ہوئے اور اذراہ تعالٰیٰ فرمایا) ”اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے، خیر برادر ہو گیا، اس میں کوئی شک نہیں، ہم مسلمانوں کی جماعت یا انبیاءؑ جب کسی قوم کے میدان میں (جنگ کے لیے) اترتے ہیں تو اس ڈرائی گئی قوم کی صبح بڑی خراب ہو جاتی ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کا یہ جنگی معمول بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ جب دشمنوں کی آبادی پر حملہ کرنے کا ارادہ کرتے تو طولوں فجر کے بعد اس آبادی کے بارے میں غور و تامل فرماتے اور آبادی والوں کی حرکات و سکنات اور ان کے افعال کے ذریعہ ان کے عقائد کا پتہ چلاتے کہ یہ کون لوگ ہیں، اگرچہ آپ ﷺ کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی آبادی ہے لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ محض اس احتمال کے پیش نظر یہ تامل فرماتے کہ شاید اس آبادی میں مسلمان بھی ہوں اگر آپ ﷺ کو اس آبادی کی طرف سے (فجری) اذان سنائی دیتی تو اس کو اس بات کی علامت اور قرینہ سمجھ کر کہ یا تو یہ آبادی مسلمانوں ہی کی ہے یا اس آبادی میں مسلمان بھی ہیں آپ ﷺ حمد اور سونے کا ارادہ موثوق فرمادیتے اور اس آبادی کو جنگی شطوں کے حوالے نہ کرتے، ہاں اذان نہ سنائی دیتی تو پھر آپ ﷺ اس پر حملہ کر دیتے اور اس کو جنگی میدان میں تبدیل کر دیتے، کیونکہ اس زمانے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ مسلمان اذان ترک کر سکتے ہیں۔ اس لئے اس آبادی کی طرف سے اذان کی آواز نہ آنا اس بات کی واضح دلیل ہوتی کہ یہ آبادی اللہ کے نام پر یواؤں سے بالکل فانی ہے اور یہاں صرف کفر کا گھمٹا ہے۔

خطابیؒ کہتے ہیں بلکہ یہ اس بات کی محکم دلیل ہے کہ اذان اسلام کے شعار میں سے ہے اور اس کو ترک کرنا قطعاً جائز نہیں ہے بلکہ اگر کسی آبادی و شہر کے لوگ اذان ترک کرنے پر اتفاق کر کے بیٹھ جائیں اور اذان دینا چھوڑ دیں تو اس صورت میں امام وقت (اسلامی مملکت کے سربراہ) پر واجب ہوگا کہ ان سے جنگ و قتال کرے اور ان کو اس عام گمراہی سے بچائے، چنانچہ حنفی فقہاء نے بھی یہی لکھا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہم جب کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں انہیں یہ جملہ مستلذات ہے، جس کا مقصد اقبال کی بات ”خیبر کی بربادی“ کی وضاحت کرنا اور امن کی وجہ بیان کرنا ہے۔

”ذرائع نئی قوم“ سے مراد کفار ہیں۔ اس جملہ سے آنحضرت ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ ان پر قتل و غارت گری کی صورت میں اللہ کی طرف سے نازل ہونے والے عذاب کی وجہ سے ان کی مہج بڑی بے باک ہوگئی ہے۔ نیز آپ ﷺ نے یہ بات قرآن کریم کی اس آیت کریمہ سے پید کی کہ:

أَلَيْسَ الْبِرُّ بِشَعْلُونَ، فَلَا تَزَلْ يَسْأَلُكُمْ فَنَاءَ صَبَاحَ الْفَلْسُفُونَ۔ (المائدہ: ۶۰-۶۱)

”کیا یہ (کفار) ہمارے خطاب کے لئے جلدی کر رہے ہیں؟ پس جب ان کے میدان میں دُعا عذاب اترے گا تو ان کی مہج بڑی خراب ہوگی جن کو ذرا پایا گیا ہے۔“

نوویؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دشمن کے مقابلہ پر پہنچنے کے وقت (یعنی میدان جنگ میں) خرو بخیر (اللہ اکبر) بلند کرنا مستحب ہے اور ایسے موقع کے مثل حالات کے امور محققہ میں قرآن کریم کے ذریعہ استشاد جائز ہے چنانچہ اسی کے مثل وہ صورت تھی جب کہ آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے وقت کہا تھا:

جَاءَ الْفَحْقُ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔ (الاسراء: ۸۷)

”حق آیا اور باطل مٹا کر رہا۔“

نیز علماء نے کہا ہے کہ قرآن کریم سے ایسا استشاد جو محاورات میں بطریق ضرب المثل ہو یا نحو بے فائدہ فنگو و کلام کے دوران ہو، مکرر ہے۔ بلکہ طبعی قاری کہتے ہیں کہ ہمارے بعض علماء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ کسی شخص کا اپنے کسی منہوم و ادا سنگی کے لئے اپنے الفاظ استعمال کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کا کلام یعنی قرآن کریم کی کوئی آیت یا کسی آیت کا کلمہ استعمال کرنا کفر ہے جیسے کوئی شخص اپنے مخاطب کو جس کا نام بھی ہو کوئی کتاب دیتے وقت ایوں خطاب کرے۔ یا یا یحییٰ خذ الکتاب ببقوہ و دراصل ایک آیت کا کلمہ ہے جس

کا ترجمہ یہ ہے کہ اے نبی! اس کتاب کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو یا کوئی شخص اپنے مخاطب کو شٹا کھانا کھانے کے لئے یا آب: پھینکے کے لئے کہنا چاہتا ہے مگر اپنے الفاظ "کھاؤ یا" آگے بڑھو کی بجائے "بسم اللہ" کہتا ہے اور یا ای طرح کی کسی بھی صورت میں قرآن کریم کے الفاظ کا استعمال کرنا۔

نیز علامہ علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ فرمانا کہ اشتہار کے طور پر نہیں تھا بلکہ دراصل امثال امر (اطاعت حکم) کے طور پر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا تھا۔

فَلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔ (اسراء: ۸۱)

"یعنی (اے محمد ﷺ) کہہ دیجئے کہ (دین) حق (ظالم) ہوئے کو آیا اور باطل (میں) گمراہ ہوا۔"

اسی طرح آپ ﷺ کا رُبُّ زُذْنِ عَلَمًا کہنا اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق تھا کہ:

وَقُلْ رُبُّ زُذْنِ عَلَمًا۔ (طہ: ۲۰)

"یعنی (اے محمد ﷺ) میں دعا کیجئے کہ اے میرے رب! مجھے زیادہ سے زیادہ علم عطا فرما۔"

غرضیکہ اس طرح کے جتنے معقولات آپ ﷺ سے ثابت ہیں وہ سب دراصل حکم الہی کی اطاعت و بجا آوری ہے اور یہ مستحب ہے۔

ظہر کے وقت آنحضرت ﷺ کی طرف سے جنگ کی ابتداء

④ وَعَنِ الثُّغَمَانِ بْنِ مُقَرَّبٍ قَالَ شَهِدْتُ الْقِتَالَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ إِذَا لَمْ يُقَاتِلِ الْقِتَالِ أَوَّلَ النَّهَارِ النَّظَرُ حَتَّى تَهْبِ الْأَزْوَاحُ وَتَحْضُرَ الصَّلَاةُ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ثعمان بن مقرنؓ کہتے ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کے ساتھ جنگ میں شریک ہوا ہوں، چنانچہ جب (کسی دن) آپ ﷺ صبح کے وقت جنگ شروع نہ کرتے تو اس وقت کا انتظار فرماتے جب کہ ہوا چل پڑے اور (ظہر کی) نماز کا وقت آجائے۔" بخاری

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ظہر کی نماز کے وقت جنگ کی ابتداء اس صورت میں ہوتی جب کہ کسی وجہ سے صبح کے وقت جنگ شروع نہ ہو پائی، ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کی ابتداء حالات و مصلحت کے مطابق کی جاتی تھی، اگر حالات کا تقاضا صبح کے وقت جنگ چھیڑنے کا ہوتا تو صبح کے وقت لازماً شروع کی جاتی اور اگر کسی وجہ سے صبح کے وقت جنگ چھیڑنا مناسب نہیں ہوتا تو پھر دوپہر ڈھبے جنگ کی ابتداء کی جاتی۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

دوپہر ڈھبے جنگ کی ابتداء

⑤ عَنِ الثُّغَمَانِ بْنِ مُقَرَّبٍ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ إِذَا لَمْ يُقَاتِلِ أَوَّلَ النَّهَارِ النَّظَرُ حَتَّى تَزُولَ السُّنُوسُ وَتَهْبِ الرِّوَاحُ وَتُزِيلَ النَّظَرُ۔ (رواہ ابو داؤد)

"حضرت ثعمان بن مقرنؓ کہتے ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کے ہمراہ (لڑائیوں میں) شریک ہوا ہوں، چنانچہ آنحضرت ﷺ جب دن کے ابتدائی حصہ میں (صبح کے وقت) جنگ نہ چھیڑتے تو اس وقت تک (جنگ کی ابتداء کرنے کا) انتظار کرتے جب تک کہ سورج نہ ڈھل جاتا ہو۔ پسے گئی اور نصرت (یعنی فتح کی) نازل نہ ہو جاتی، (یا نصرت نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک ظہر کی نماز کے بعد عشاء نہ آئے) کے لئے مسلمانوں کی دعا کی برکت سے فتح کے آثار ظاہر نہ ہو جاتے۔" (ابو داؤد)

آنحضرت ﷺ کی جنگ کے اوقات

⑨ وَعَنْ قَتَادَةَ عَنِ الثَّعْمَانِ بْنِ مَقْرُونٍ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ أَمْسَكَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَإِذَا ظَلَعَتْ قَاتَلَ فَإِذَا تَنَصَّفَ النَّهَارُ أَمْسَكَ حَتَّى تَزُولَ الشَّمْسُ فَإِذَا زَالَتْ الشَّمْسُ قَاتَلَ حَتَّى أَمْسَكَ حَتَّى يَصْلَى الْعَصْرُ ثُمَّ يُقَابِلُ قَالَ قَتَادَةُ كَانَ يُغَالِ جُنْدَ ذَلِكَ تَهْبِيجُ رِيَاخِ النَّصْرِ وَيَدْعُو الْمُؤْمِنُونَ لِيُحْمِلُوا بِهِمْ مِنْ صَلَاتِهِمْ - (رواه الترمذی)

”اور حضرت قتادہ، حضرت ثعمان ابن مقرن سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ”میں نے نبی کریم ﷺ کے ہمراہ جہاد کیا ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ طلوع فجر کے بعد اس وقت تک (جنگ شروع کرنے سے) ارکے رہتے جب تک کہ آپ ﷺ فجر کی نماز سے فارغ نہ ہو جائے اور سورج نہ نکل آتا، پھر جب سورج نکل آتا تو جنگ شروع کر دیتے اور جب دوپہر ہو جاتی (یعنی شرعی دوپہر کہ دعاہشت کا وقت ہے جو دوپہر کے قریب ہوتا ہے) تو دوپہر پڑھنے تک کے لئے (جنگ سے) ارک جاتے۔ پھر جب دوپہر وصل جاتی (اور ظہر کی نماز پڑھ لیتے) تو عصر تک جنگ کرتے اور پھر رک جاتے یہاں تک کہ عصر کی نماز پڑھنے کے بعد پھر جنگ میں مشغول ہو جاتے“ قتادہ کہتے ہیں کہ کہ جاتا تھا (یعنی صحابہؓ) آنحضرت ﷺ کے اس جنگی نظام الاوقات کی حکمت کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ یہ اس وجہ سے تھا کہ ان اوقات میں نصرت کی ہوائیں چلتی ہیں اور مسلمان اپنی نماز میں اپنے لشکروں کے لئے (حق و کامرانی کی) دعائیں کرتے ہیں (یعنی نماز کے بعد دعائیں مانگتے ہیں یا نماز کے دوران ہی دعائیں کرتے ہیں) یہاں کہ قوت پڑھنے کے سلسلہ میں احادیث مشغول ہیں۔“ (ترمذی)

جہادین اسلام کو ایک خاص ہدایت

⑩ وَعَنْ عِصَامِ بْنِ مَرْثَدٍ قَالَ بَشَّارَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَرِيَّةٍ فَقَالَ إِذَا رَأَيْتُمْ مُنْجِدًا أَوْ سَمِعْتُمْ مُؤَذِّنًا فَلَا تَقْتُلُوا أَحَدًا - (رواه الترمذی والابوداؤد)

”اور حضرت عیصام بن مرثد کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں (جہاد کے لئے) ایک چھوٹے لشکر میں روانہ کیا، اور فرمایا کہ ”جب (کسی جگہ) تم کوئی مسجد دیکھو یا مؤذن کو اذان دیتے سنو تو وہاں کسی کو قتل نہ کرنا۔“ (ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر تم کسی جگہ شعلہ اسلام میں کوئی قوی یا فطی علامت پاؤ تو اس وقت تک کسی کو قتل نہ کرو جب کہ یہ ظاہر نہ ہو جائے کہ کون مؤمن ہے اور کون کافر ہے۔

الْفَضْلُ الثَّالِثُ

زملاء اہل ان کے نام حضرت خالد بن ولیدؓ کا مکتوب

⑪ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ كَتَبَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ إِلَى أَهْلِ فَارَسَ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مِنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ إِلَى رُسُومٍ وَمُهْرَانٍ فِيْنَ مَلَاءِ فَارَسَ سَلَامٌ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهَزْدِيَّ أَثَمًا بَعْدَ قِيَامِنَا نَذْرًا غَوْكُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَإِنْ أَبَيْتُمْ فَأَخْطَلُوا الْحِزْبَ عَنِ يَدِ وَأَنْتُمْ صَاغِرُونَ فَإِنْ كُنْتُمْ تَتَّقُونَ الْقَتْلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَا يُحِبُّ فَارَسُ الْحَمْدُ وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهَزْدِيَّ - (رواه أبي شرح البغد)

”حضرت ابوداؤد کہتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے فارس یعنی اہل ان کے لوگوں (یعنی ان کے زعماء اور سرداروں) کو یہ مکتوب بھیجا: بسم اللہ الرحمن الرحیم خالد ابن ولید کی طرف سے رسم و مہراں کے نام جو زعماء اہل ان میں سے ہیں اس شخص پر سلامتی ہو جو حق و

ہدایت کی پیروی کرے۔ بعد ازاں اوضح ہو کہ ہم جنس اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں، اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے ہو تو زلت و خواری کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کرو اور اگر تم اس (جزیہ ادا کرنے) سے (بھی) انکار کرو گے تو تمہیں آگاہ ہو جانا چاہئے کہ ہلاکت و پشیمانی تمہارا مقدر بن چکی ہے کیونکہ ابلا شک و شبہ میرے ساتھ ایسے لوگوں کی جماعت ہے جو خون بہانے کو (یا خدا کی راہ میں اپنی جان قربان کر دینے کی) اسی طرح پسند کرتے ہیں جس طرح ابراہن کے لوگ شراب کو پسند کرتے ہیں (یعنی جس طرح تم ابراہن والوں کو شراب کے نشہ میں کیف و سرور حاصل ہوتا ہے اسی طرح میری جماعت کے لوگوں کو قتل و قتل میں سرمستی و سرشاری حاصل ہوتی ہے یا ان کو جان لینے اور جان دینے میں وہی خوشی اور وہی لذت حاصل ہوتی ہے جو تم شراب میں محسوس کرتے ہو) اور سلاحتی ہوا اس پر جو حق و ہدایت کی پیروی کرے۔“ (شرح اسناد)

بَابُ الْقِتَالِ فِي الْجِهَادِ جہاد میں لڑنے کا بیان

اس باب میں وہ احادیث نقل ہوں گی جن میں آنحضرت ﷺ نے جہاد کی ترغیب دی ہے اور جہاد کے فضائل و ثواب بیان فرمائے ہیں۔

الفصل الأول

شہید کی منزل جنت ہے

① عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتَ فَأَتَيْتَ فِي الْجَنَّةِ فَأَلْقَى تَمْرَاتٍ فِي يَدِهِ ثُمَّ قَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ - (تہذیب)

”حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ احد کی جنگ کے دن (میدان جنگ میں) ایک شخص نبی کریم ﷺ سے کہنے لگا کہ ”آپ بتائیے اگر میں مارا جاؤں (یعنی دشمنان اسلام سے لڑتا ہوا شہید ہو جاؤں) تو میں کہاں ہوں گا یعنی جنت میں جاؤں گا یا دوزخ میں؟“ آنحضرت نے فرمایا ”جنت میں“ (یہ سننے پر) اس شخص نے جنت میں پہنچ جانے کی تمنا میں مرتبہ شہادت جلد سے جلد حاصل کرنے کے لئے (وہ مجبور میں پھینک دیں جو اکھاٹے کے لئے) اس کے ہاتھ میں نہیں اور لڑائی میں مشغول ہو گیا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔“ (بخاری و مسلم)

اعلان جہاد کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ کی جنگی حکمت عملی

② وَعَنْ كُثَيْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْذِي غَزْوَةً إِلَّا وَزَى بِغَيْرِهَا حَتَّى كَانَتْ يَلُوكُ الْغَزْوَةُ بَغْيِينَ غَزْوَةً تَتَوَلَّى غَزَاَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَزَقٍ حَبِيدٍ وَاسْتَقْبَلَ سَهْمًا وَبَعْدَ وَمَقَارًا وَغَدَا كَبِيرًا أَلْحَى لِلْمُسْلِمِينَ أَعَزَّهُمْ لَنَا هَبْرًا أَهْبَهُ غَزَوْهُمْ فَأَخْبَرَهُمْ بِوَجْهِهِ الَّذِي يُؤْنِسُهُ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت کعب ابن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب کسی غزوہ (یعنی جہاد کرنے) کا ارادہ کرتے تو اس کے بچے دوسرے کا گورہ فرماتے یہاں تک کہ یہ غزوہ یعنی غزوہ تبوک واقع ہو اور رسول کریم ﷺ نے غزوہ تبوک سخت ترین گرمی کے زمانے میں کیا، آپ ﷺ نے اس کے لئے دو روزہ کا سفر فرمایا اور یہ آب و گیاہ جنگلات کو طے کیا۔ نیز اس میں دشمنوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی، چنانچہ آنحضرت نے (جب اس غزوہ کا ارادہ فرمایا تو) اس کے بارے میں مسلمانوں کے درمیان صاف صاف اعلان کیا۔ (اور اس

غزوے کے دوران پیش آنے والی مشکلات اور پریشانیوں کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا تاکہ وہ لوگ (جنگ کے لئے) اچھی طرح تیار ہو جائیں اور اپنے سامان جہاد کو درست کر لیں نیز آپ ﷺ نے صحابہ کو ان رستوں اور مقامات کے بارے میں بھی بتادیا تھا جن کو آپ ﷺ (تبوک پہنچنے کے لئے) اختیار کرنا چاہتے تھے۔ (بخاری)

تشریح: ”تور یہ“ معنی ہیں ”خبر کو چھپانا یا اس طور کہ اصل بات کو چھپایا جائے اور دوسری بات کو ظاہر کیا جائے“ چنانچہ آنحضرت ﷺ ارادہ جہاد کے موقع پر یہ جنگی حکمت عملی اختیار فرماتے تھے کہ آپ ﷺ کو جس مقام پر جہاد کے لئے جانا ہوتا اس کا اعلان نہ کرتے بلکہ اسی دو سرب مقام کے بارے میں مشہور کر دیتے کہ وہاں جہاد کے لئے جانا ہے اور یہ حکمت عملی آپ ﷺ اس لئے اختیار فرماتے تھے تاکہ دشمن کو آپ ﷺ کے ارادہ کا پتہ نہ چلے اور وہ غافل رہے اس طرح کی حکمت عملیاں دراصل جنگ جیتنے کے لئے انتہائی ضروری ہوتی ہیں اور دنیا کا ہر قانون ان کو رد اور کتاب الہی کے لئے اسلام نے بھی ”الحرب خدعہ“ (لڑائی کرو فریب کا نام ہے) کہہ کر جنگ میں اس طرح کے ”فریب دینے کو جائز رکھا ہے، چنانچہ آنحضرت کا یہ تور یہ بھی اگرچہ ”خدعہ“ کی قسم سے تھا لیکن آپ ﷺ اس کو صریح قول کے ذریعہ اختیار نہیں فرماتے تھے بلکہ بطریق تفسیر و کنایہ اختیار فرماتے تھے جیسے اگر آپ ﷺ کسی مقام پر جہاد کے لئے جانے کا ارادہ فرماتے کہ لوگوں کو آپ ﷺ کے حقیقی ارادے کا علم نہیں ہوتا تھا، آپ ﷺ صریح الفاظ میں کسی دوسرے مقام کا نام لے کر یہ بالکل نہیں کہتے تھے کہ میں فساد جگہ کے جانے کا ارادہ رکھتا ہوں تاکہ جھوٹا ہونا لازم نہ آئے

یہاں تک کہ یہ غزوہ الخ، حضرت کعب بن مالک نے اس کے ذریعہ اس غزوہ معنی غزوہ تبوک کی طرف اشارہ کیا جو ان کی ذات کے تعلق سے مشہور و معروف تھا۔ حضرت کعب بن مالک بذات خود اس غزوہ میں شریک نہیں ہوئے تھے چنانچہ ان کا واقعہ بہت مشہور ہے جو قرآن کریم میں بھی مذکور ہے۔

”دور دراز کا سفر فرمایا“ جہاد کرنے کے لئے تبوک جانے کو دور دراز کا سفر اس لئے فرمایا گیا ہے کہ تبوک جو دمشق (شام) اور مدینہ کے درمیانی پرغیر اور الجلاو کے خط پر واقع ایک جگہ کا نام ہے، مدینہ سے اس زمانہ کی مسافت کے اعتبار سے چودہ منزل اور آج کل کے حساب کے مطابق تقریباً ۲۵۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں جن غزوات میں یہ نفس نفیس شرکت فرمائی ان میں یہ غزوہ تبوک واقع ہے آخری غزوہ تھا۔ اس غزوہ کے موقع پر صحابہ کو بڑی سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور انہوں نے بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کیں۔

جنگ مکرو فریب کا نام ہے

(۳) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَزْبُ خُدْعَةٌ (بخاری)

”اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جنگ مکرو فریب (کا نام) ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جنگ میں لشکر کی زیادہ تعداد اور بہت لڑنا اتنا کارآمد و مفید نہیں ہوتا جتنا مکرو فریب مفید ہوتا ہے، جس کو آج کے مہذب الفاظ میں ”حکمت عملی“ بھی کہتے ہیں۔ اسی مکرو فریب یا حکمت عملی کا کرشمہ ہوتا ہے کہ پوری جنگ ایک ہی داؤے ختم ہو جاتی ہے، جو داؤہ کھاتا ہے مارا جاتا ہے اور داؤہ مارنے والا جنگ پر غالب آ جاتا ہے۔ چنانچہ ہاترین کمانڈروں کی کہلاتا ہے جو میدان جنگ میں اپنی تدبیر اور حکمت عملی سے دشمن کی بڑی سے بڑی فوج کو پیہا ہونے پر مجبور کر دے۔

اگرچہ علماء اسلام نے محقق طور پر فکار کے ساتھ ہی جانے والی جنگ میں مکرو فریب کو جائز قرار دیا ہے لیکن اس بارے میں کچھ حدود بھی مقرر کی ہیں تاکہ اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر کوئی حرف نہ آئے، چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ مکرو فریب کا راستہ اختیار کرنے کی صورت میں یہی بات تو یہ ملحوظ ہونی چاہئے کہ کھلا ہوا جھوٹ نہ بولا جائے اور یہ کہ کسی بھی ایسی صورت میں مکرو فریب نہ کیا جائے جس

میں مسلمانوں کی طرف سے دیا ہوا عہد امان توڑا جائے پھر علماء نے ”قریب دینے“ کی کچھ صورتیں بھی متعین کر دی ہیں مثلاً اس طرح فریب دیا جائے کہ اسلامی لشکر میدان جنگ سے ہٹ جائے یا جنگ بند کر دے تاکہ دشمن غافل ہو جائے اور یہ سمجھ لے کہ اسلامی لشکر جنگ سے ہٹا گیا ہے اور پھر دشمن کی اس غفلت سے فائدہ اٹھا کر اس پر یکبارگی حملہ کر دیا جائے اس طرح کی ایسی کوئی بھی حکمت عملی اختیار کی جائے جس میں مذکورہ بالا دونوں امور کا لحاظ ہو۔

حدیث میں مذکور لفظ ”خذعہ“ اصل میں تورخ کے پیش اور دال کے جزم کے ساتھ یعنی خذعۃ ہے لیکن زیادہ فصیح حم کے زر کے ساتھ یعنی خذعۃ ہے جس کے معنی بیکہ لڑائی ایک ہی فریب (دانا) سے ختم ہو جاتی ہے لیکن یہ لفظ حم کے زیر کے ساتھ (یعنی لفظ فریب کا) اہم نوع خذعۃ اور خ کے پیش اور دال کے زیر کے ساتھ یعنی خذعۃ بھی مقول ہے اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ ”جنگ بہت دھوکے میں ڈالنے والی ہے“ یعنی جو لوگ دشمن کے مقابلہ پر جاتے ہیں ان کے دل میں طرح طرح کے خیال پیدا ہوتے ہیں لیکن جب وہ میدان جنگ میں پہنچتے ہیں اور لڑائی ہوتی ہے تو ان خیالات کے برعکس نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔ کوئی شخص فتح پانے اور دشمن کو مار ڈالنے کا خیال لے کر جاتا ہے مگر میدان جنگ میں شکست کا سامنا کرتا ہے اور خود مارا جاتا ہے اسی طرح کوئی شخص شکست و ناکامی کے یوس کن خیالات لے کر جاتا ہے مگر وہاں جنگ کا پانسہ پلٹ جاتا ہے اور وہ کامیاب و کامران ہو کر آتا ہے۔ غرضیکہ جنگ اسی طرح دھوکے اور فریب میں مبتلا کرنے والی چیز ہے۔

جہاد میں عورتوں کو لے جانے کا مسئلہ

④ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُو بَنَاتِ سُلَيْمٍ وَنِسْوَةً مِنَ الْأَنْصَارِ مَعَهُ إِذَا غَزَا يَنْسَلِفِينَ الْخَيْلَ وَيَنْدَوِيْنَ الْخُزْمَى - (رواه مسلم)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب اصحاب کے ہمراہ جہاد میں شریک لے جاتے تو اپنے ساتھ اہم سیم اور انصار کی دوسری عورتوں کو بھی لے جاتے، وہ عورتیں افازین اسلام کو پائی جاتیں اور زخموں کی مرہم بنی اور دیکھ بھال کرتیں۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجاہدین کو پائی پانے اور زخموں کی مرہم بنی اور دیکھ بھال کرنے کی غرض سے زیادہ عموماً عورتوں کو اپنے ساتھ لے جانا جائز ہے اور اگر مباشرت و محبت کی غرض سے لے جانا ہو تو پھر آواز عورتوں (یعنی اپنی بیویوں) کی بہ نسبت لونڈیوں کو لے جانا بہتر ہے۔ (یہ حکم اس وقت تھا جب کہ ایسی لونڈیاں رکھنے کا رواج تھا جن کے ساتھ محبت و مباشرت جائز تھی)۔

⑤ وَعَنْ أَنَسٍ عَطِیَّةٌ قَالَتْ غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ أَخْلَفَهُمْ فِي رَحَالِهِمْ فَاصْطَبَحَ لَهُمْ الطَّعَامُ وَأَذَاوَى الْخُزْمَى وَأَقْوَمَ عَلَى الْغَزَا - (رواه مسلم)

”اور حضرت انسؓ عطیہ کہتی ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کے ہمراہ سات غزوات میں شریک ہوئی ہوں میں (میدان جنگ میں) ان (مجاہدین) کے پیچھے ان کے ڈیروں میں رہا کرتی تھی جہاد میں ان کے لئے کھانا پکائی دزخموں کی مرہم بنی اور دو بار دزخموں کی دیکھ بھال کیا کرتی تھی۔“ (مسلم)

جہاد میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کا مسئلہ

⑥ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِ الْبَنَاتِ وَالْبَنِينَ - (متفق علیہ)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے عورتوں اور لڑکیوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ہدایہ میں لکھا ہے کہ عورت، لڑکے، جاماندہ، اندھے اور شیخ فانی (بڑے کھوسٹ) کو قتل نہ کیا جائے ہاں اگر کوئی لڑکا یا دیوانہ

جنگ میں شریک ہوں اور قتال کر رہے ہوں تو ان کو قتل کیا جاسکتا ہے، اسی طرح ملکہ عورت کو بھی قتل کیا جاسکتا ہے، یہ اس کے کوئی قتل کرنا جو نہ ہے جو بادشاہ و سردار ہو کیونکہ دشمن کے بادشاہ و سردار کے قتل ہو جانے سے ان کی شان و شوکت ٹوٹ جاتی ہے۔

④ وَعَنِ الصُّغْبِ بْنِ خُثَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ أَهْلِ الذِّبَارِ يَتَّبِعُونَ مِنَ الْمُنْشَرِكِينَ فَيَصَابُ مِنْ نَسَائِهِمْ وَفَزَارِئِهِمْ قَالَتْ هُمْ مِنْهُمْ وَفِي رِوَايَةٍ هُمْ مِنْ آبَائِهِمْ۔ (بخاری)

”اور حضرت صعب ابن جشم کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ ان شرکین کے بارے میں پوچھا گیا جو گھروں والے ہیں، انہیں جو آبادیوں میں رہتے ہیں کہ اگر ان پر شیخوں مارا جائے اور اس کے نتیجے میں ان کی عورت اور بچے مارے جائیں (تو کیا حکم ہے؟) آنحضرت ﷺ نے (اس کے جواب میں) فرمایا کہ ”وہ بھی انہیں میں سے ہیں۔“ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”وہ اپنے باپوں کے تابع ہیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جہاد میں عورتوں اور بچوں کو قصد قتل نہ کیا جائے ہاں اگر وہ شیخوں کی صورت میں، رے جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ ان کے جوڑنے والے بڑے مرد ہیں ان سے ان کا امتیاز نہ ہونے کی وجہ سے وہ بھی قتل کے حکم میں اپنے بڑوں کے مانند ہیں۔

دشمن کے درختوں کو کاٹنے اور جلائے کا مسئلہ

⑤ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطَعَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ وَخَرَّقَ وَلَهَا يَقُولُ خَسَانٌ وَهَانَ عَلَى سَرَاةٍ بَنِي لُؤَيٍّ خَرِيقٌ بِاللُّؤَيَّةِ مُسْتَظْفِرٌ وَفِي ذَلِكَ تَرَلَتْ۔ مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لَيْتَةٍ أَوْ نَرَتْ كُنْتُمْ حَافَاتٍ لَهَا غَلَاظٌ عَلَى أَصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

”اور حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بنی النضیر کے کجوروں کے درختوں کو کاٹنے اور جلائے کا حکم فرمایا، اسی کے بارے میں (دو بار) رسالت ﷺ کے صحابی شاعر حضرت حسان ابن ثابت (رضی اللہ عنہ) نے یہ شعر کہا۔“

وَهَانَ عَلَى سَرَاةٍ بَنِي لُؤَيٍّ خَرِيقٌ بِاللُّؤَيَّةِ مُسْتَظْفِرٌ
بَنِي لُؤَيٍّ كَيْ تُلَوَّنَ كَيْ سَرَادِيلُ كَيْ تَحْمِلُ بَعْلُ بَنِي لُؤَيٍّ
نِزَايَ كَيْ تَحْمِلُ بِهَ آيَتُ كَيْ تَزِلْ بَنِي لُؤَيٍّ

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لَيْتَةٍ أَوْ نَرَتْ كُنْتُمْ حَافَاتٍ لَهَا غَلَاظٌ عَلَى أَصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ۔

”ہم نے کجور کے درخت پر سے جو کچھ کاٹا یا جو کچھ اس کی جڑ پر کھتا ہوا چھوڑ دیا (یعنی جو کچھ نہیں کاٹا) یہ سب خدا کے حکم سے ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ شریف گئے تو یہاں یہودیوں سے بھی واسطہ پڑا، اس وقت مدینہ میں ان (یہودیوں) کے تین قبائل آباد تھے، بنو نضیر، بنو قریظہ، اور بنو قریظہ، آنحضرت ﷺ نے ایک باہمی معاہدہ کیا جس کے تحت مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان بہت اہم سماجی اور معاشرتی معاملات سے حلقہ اور آپس میں مکمل ملاپ سے رہنے کے بارے میں کچھ دفعات طے ہوئیں جن میں یہودیوں کو مسلمانوں کے سیاسی اور تمدنی حقوق میں صراحت کے ساتھ مساوات دے کر ”پورے حقوق شہریت“ عطا کئے گئے اور ان کو نہ ہی آزادی دے کر نہایت فیاضانہ رواداری کا رویہ برتا گیا اور مسلمانوں کی طرف سے ان پر عمل بھی کیا گیا، مگر یہودیوں کی طرف سے اس معاہدے کی خلاف ورزی کی گئی یہاں تک کہ بنو نضیر کے یہودیوں کی طرف سے اس حد تک جہد شکنی کا مظاہرہ ہوا کہ ان کی جانب سے آنحضرت ﷺ کے قتل کی سازش بھی تیار کر لی گئی لیکن اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کو اس ناپاک سازش پر مطلع کر دیا، چنانچہ ان یہودیوں کو مدینہ سے جلا وطن کر کے خیرہ بھگایا گیا، ان کے کجوروں کے باغات جلا ڈالے گئے اور ان کے مکانات کو

تس نس کردیا گیا۔

نوی لام کے پیش اور ہمزہ کے زیر اور یاء کے تشدید کے ساتھ، نصر ابن کنانہ کی اولاد میں سے ایک شخص کا نام تھا جو آنحضرت ﷺ کے اجداد میں سے ہیں۔ اور بسی لہوی سے مراد قریش کے اشراف ہیں، جو آنحضرت ﷺ کے صحابہ تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے۔

”بوریہ“ ایک جگہ کا نام تھا جہاں بنو نضیر کے یہودیوں کے باغات تھے اور جن کو صحابہ نے جلا ڈالا تھا۔

منقول ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے بنو نضیر کے مجوروں کے درختوں کو کاٹنے اور جلا ڈالنے کا حکم دیا تو انہوں نے کہا کہ ”محمدؐ! آپ تو زمین پر فساد برپا کرنے سے منع کر سکتے تھے پھر آپ ﷺ نے ہمارے مجوروں کے ان درختوں کو کیوں کنوا یا اور جلا ڈالا؟“ چنانچہ مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی جس نے آنحضرت ﷺ نے حکم کی توثیق کر دی اور یہ واضح کر دیا کہ ان یہودیوں کو جو سزا دی گئی ہے وہ حکم الہی کے مطابق ہے اور اسلام دشمن لوگوں کے درختوں کو کاٹنا اور جلا کر ہے۔

دشمن کی غفلت کا فائدہ اٹھا کر اس کا قتل اور غارتگری جائز ہے

⑨ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَزَبٍ أَنَّ نَافِعًا كَتَبَ إِلَيْهِ يَنْحِزُهُ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ أَخْبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعَادَ عَلِيَّ بْنَ الْمُصْطَلِقِ غَارِيضًا فِي نَعْبِهِمْ بِالْمَرْبِيسِ فَقُتِلَ الْمُقَابِلَةُ وَسَبَى الْمَرْبِيسُ (احسن حدیث)

”اور حضرت عبداللہ ابن عوفؓ سے روایت ہے کہ (حضرت ابن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام) حضرت نافعؓ نے ان (عبداللہ ابن عوفؓ کو ایک کتبہ بھیجا جس میں حضرت نافعؓ نے ان کو مطلع کیا کہ حضرت ابن عمرؓ نے ان (نافعؓ) سے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ مصطلق پر اس وقت لوٹ پڑے تھے جب وہ مرہبیس میں اپنے مویہوں کے درمیان غافل پڑے تھے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کے لڑنے والوں کو قتل کر دیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا کر لے آئے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”بنی مصطلق“ قبیلہ خزاع کی ایک شاخ تھی۔ اور ”مرہبیس“ ایک جگہ کا نام تھا جو مکہ و مدینہ کے درمیان مدینہ منورہ سے تقریباً ستر ۷۰ ای ۸۰ میل کے فاصلہ پر واقع تھا، یہاں کافی مقدار میں پانی موجود تھا جس پر بنی مصطلق کا تسلط تھا۔

”لڑنے والوں“ سے وہ لوگ مراد ہیں جو لڑنے کی صلاحیت و اہلیت رکھتے تھے یعنی عاقل و بالغ مرد اور ”ذریعت“ سے ان کی عورتیں اور بچے مراد ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام دشمن اگر کہیں غافل پڑے ہوں تو ان کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر ہر اچانک لوٹ پڑنا اور ان کی حالت غفلت میں ان کو قتل کر دینا انہماک کے مال و اسباب پر قبضہ کر لینا جائز ہے۔

میدان جنگ سے متعلق ایک فوجی حکم

⑩ وَعَنْ أَبِي أُسَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَنَا يَوْمَ بَدْرٍ جِزْنٌ صَفَقْنَا لِقُرَيْشٍ وَصَفَقُوا لَنَا إِذَا اُكْتُبُوا كُتِمَ فَعَلَيْكُمْ بِالنَّبِيلِ وَفِي رِوَايَةٍ إِذَا اُكْتُبُوا كُتِمَ فَأَرْوَهُمْ وَاسْتَبَقُوا تَبَلَّكُمُ - وَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَحَدِيثٌ مَعْبُودٌ هَلْ تَنْصُرُونَ مِنْكُمْ فِي نَابِ فَضْلِ الْفُقَرَاءِ وَحَدِيثُ الْبُرَاءِ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَذَا فِي نَابِ الْمُعْجَزَاتِ أَنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى -

”اور حضرت ابواسیدؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ بدر کے دن (میدان جنگ میں) جب کہ ہم قریش کے خلاف اور قریش ہم سے خلاف صف آراء ہو گئے تو ہمیں یہ حکم دیا کہ ”جب وہ (دشمن یعنی قریش مکہ) تمہارے (اتنے) قریب آجائیں کہ تمہارے تیر ان تک پہنچ

سکس اتوا ان پر تیر چلاؤ جب وہ تمہارے قریب آجائیں اور اپنے تیروں کو باقی رکھیں اپنے سب تیر ختم نہ کرو البتہ ان کو احتیاط کے ساتھ استعمال کے کچھ باقی بھی رکھو تاکہ دشمن تمہارے بچنے ہونے کا فائدہ اٹھا کر تم پر غالب نہ آجائے۔“ (بخاری)

وَحَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَنْبَلٍ عَنْ ثَمَّارِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَهَّطَ فِي بَابِ الْمُعْجَزَاتِ ابْنُ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى۔

”اور حضرت سعدی روایت ہے کہ تَمَّارُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زہط (محظوظ) باب المعجزات میں ہم انشاء اللہ ذکر کریں گے۔“

الفصل الثانی

میدان جنگ میں لشکر کی تیاری

① عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ عَثَرْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْدُو لَنَا۔ (رواہ الترمذی)

”حضرت عبدالرحمن ابن عوف کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بدر میں ہمیں رات کو تعبیہ کیا۔“ (ترمذی)

تشریح: تعبیہ کے لغوی معنی ہیں ”تیار کرنا“ لہذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غزوہ بدر کے موقع پر جنگ شروع ہونے سے پہلے رات میں اپنے لشکر کو بایں طور تیار و مرتب کیا کہ مجاہدین اسلام کے بدن پر ہتھیار لگائے، ان کی صفیں قائم کیں اور ہر ایک مجاہد کو اپنے اپنے مقام پر جمایا یعنی جس کو جس جگہ مناسب سمجھا وہاں کھڑا کر کے بتایا کہ دن میں جب جنگ شروع ہو تو ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر ای طرح قائم رہے۔

مجاہدین اسلام کے لئے امتیازی علامات

② وَعَنِ النَّهْطِ بْنِ رَسُولٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ يَسْكُمُ الْعَدُوُّ فَلْيَكُنْ شِعَارَكُمْ خَمٌ لَا يَنْتَصُرُونَ۔

(رواہ الترمذی و ابوداؤد)

”اور حضرت نہسب کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (غزوہ خندق میں) ہم سے فرمایا کہ اگر دشمن تم پر شیون مارے تو تمہاری (یعنی مسلمانوں کی) علامت خم نہ لےنا۔“ (ترمذی و ابوداؤد)

تشریح: فوجی اور جنگی قواعد و ضوابط میں عام طور سے یہ معمول ہوتا ہے کہ فوجیوں کے لئے کچھ مخصوص علامتیں اور نشان متعین کر دیئے جاتے ہیں جن سے موافق و مخالف کے درمیان امتیاز کیا جاسکے، یہ علامتیں غیر لفظی نشانات کی صورتوں میں بھی متعین ہوتی ہیں جو فوجیوں کے بدن اور وردیوں پر لگائے جاتے ہیں اور لفظی اشارات کی صورت میں بھی ہوتی ہیں جن کو زبان سے ادا کر کے اپنی حیثیت و حقیقت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سربراہ لشکر کی طرف سے اپنے لشکروالوں کو پہلے سے یہ بتا دیا جاتا ہے کہ اگر میدان جنگ میں یا کسی اور موقع پر تم سے پوچھا جائے کہ تم کون ہو تو یہ لفظ اپنی زبان سے ادا کرنا تاکہ اگر پوچھنے والا اپنے ہی لشکر کا فرد ہو تو تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچ سکے۔ خاص طور پر شیون مارے جانے کے وقت جب کہ عام افراقی کا عالم ہوتا ہے اور اس موقع پر اپنے اور غیروں کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہوتا ہے اور اکثر اشتباہ ہو جاتا ہے ایسی علامات اور اشاراتی الفاظ کی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔ آج کل کی رائج الوقت اصطلاحات میں ایسے اشاراتی الفاظ کو انگریزی میں ”کوڈ ورڈ“ (code word) کہتے ہیں۔ لہذا غزوہ خنین کے موقع پر جب آنحضرت ﷺ کو دشمن کی طرف سے شیون مارے جانے کا خطرہ پیدا ہوا تو آپ نے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا کہ وہ ایسی حالت میں اپنی

علامت ختم لایتنصرون کے الفاظ کو قرار دیں تاکہ اس کے ذریعہ پہچانا جائے کہ کون مسلمان ہے اور کون کافر ہے۔ ان الفاظ کے معنی یہ ہیں (اے ہم کے اتارنے والے دشمنوں کو کوئی مدد کو نہ ملے۔

(۱۳) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ شِعَارَ الْمُهَاجِرِينَ عِنْدَ اللَّهِ وَشِعَارَ الْأَنْصَارِ عِنْدَ الرَّحْمَنِ... (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت سرہ ابن جندبؓ کہتے ہیں کہ (کی اور غزوے میں) لفظ ”عبداللہ“ تو مہاجرین کی علامت تھی اور لفظ ”عبدالرحمن“ انصار کی علامت تھی۔“ (ابو داؤد)

(۱۴) وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَخْطَعِ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ أَبِي نَكْرٍ فِي ذِمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيَّسَاهُمْ نَقْلَهُمْ وَكَانَ شِعَارَ نَابِلَتِ اللَّيْلَةِ أَمْتُ أُمِّ... (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت سلمہ ابن اکوعؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں ہم نے (ایک مرتبہ) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ (یعنی اسی سرہابی میں) جہاد کیا، چنانچہ ہم نے ان (دشمنوں) پر شیون مارا اور ان کو قتل کیا اور اس رات میں ہماری شائقی علامت اُمّ ایٹ کے الفاظ تھے (ان الفاظ پر) ہیں ”اے اللہ! دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار دے۔“ (ابو داؤد)

صحابہ کرامؓ جنگ کے وقت شور و شغب ناپسند کرتے تھے

(۱۵) وَعَنْ فَنَسِ بْنِ عُبَادَةَ قَالَ كَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْكُرُونَ الصُّرُوحَ عِنْدَ الْقِتَالِ۔

رواہ ابو داؤد

”اور حضرت قیس ابن عبادہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ (میدان جنگ میں) لڑائی کے وقت (اللہ کا نام لینے کے علاوہ) آواز کے (شور و شغب) کو ناپسند کرتے تھے۔“ (ابو داؤد)

تشریح: فوجیوں کی عام عادت ہوتی ہے کہ وہ میدان جنگ میں لڑائی کے وقت شور و شغب مچا دیکار اور بے مقصد نعرہ بازی کرتے ہیں اور اپنی شجاعت و بہادری کے نعرے بلند کرتے ہیں تاکہ دشمن پر ہیبت و رعب پڑے لیکن صحابہؓ اس بات کی کوئی حقیقت نہیں جانتے تھے بلکہ وہ صرف اللہ کا نام بلند کرتے تھے (یعنی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا کرتے تھے) اور اگر ان کے منہ سے آواز بلند ہوتی تھی تو وہ صرف ذکر الہی پر مشتمل ہوتی تھی کیونکہ درحقیقت صرف اللہ ہی کا نام بلند کرنے میں دنیا و آخرت کی مطلب برآوری ہے۔

دشمن کے بڑی عمروالوں کو قتل کرو اور چھوٹوں کو باقی رکھو

(۱۶) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اقْتُلُوا شُبُوحَ الْمُشْرِكِينَ وَاسْتَفْخِزُوا أَشْرَ خَلْقِهِمْ أَيْ

صَبِيَّائِهِمْ۔ (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

”اور حضرت سرہ ابن جندبؓ، نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”مشرکین (یعنی دشمنوں) کے بڑی عمروالے لوگوں کو قتل کرو اور چھوٹی عمروالوں (یعنی ان (دشمنوں) کے بچوں کو زندہ رہنے دو۔“ (ترمذی، ابو داؤد)

تشریح: ”بڑی عمروالوں“ سے مراد یا تو وہ فوجیان ہیں جو بچوں کے مقابلے میں بڑے ہوتے ہیں یا وہ بڑھے مراد ہیں جو مضبوط قوی کے مالک ہوں اور لڑنے کی طاقت و قوت رکھتے ہوں۔ جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے، شیخ فانی (یعنی بڑھے کو سب) کو قتل کرنا درست نہیں ہے۔ جو شیخ فانی جنگ میں اپنی عقل اور اپنی رائے کو ملحوظ رکھتا ہو اور دشمن، لڑائی میں کسی کی بتائی ہوئی تدبیروں پر عمل کرتا ہو تو اس کو قتل کرنا جائز ہے۔

دشمن کے شہر اور ان کے کھیت کھلیان وغیرہ کو جلاؤ الٹا جائز ہے

(۱۷) وَعَنْ غَزْوَةِ قَالَ حَدَّثَنِي أَسَافَةُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَهْدَ إِلَيْهِ قَالَ أَعَزَّ عَلَى أُنْسَى صَاحِبٍ وَحَرْقٍ - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عمروؓ کہتے ہیں کہ حضرت اسامہؓ نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ جب رسول کریم ﷺ نے ان (اسامہؓ) کو ایک لشکر کا امیر بنا کر جہاد کے لئے بھیجا تو یہ ہدایت و تاکید کی کہ ”تم اپنا پرچم کے وقت وصول اول دینا اور دشمن کے گھربار، کھیت کھلیان، اور درخت و باغات کو جلاؤ الٹا۔“ (ابو داؤد)

تشریح: اُنسا ایک آبادی کا نام ہے۔ جو ملک شام میں واقع تھی، اور جہاں حضرت اسامہؓ ابن زید کو مجاہدین اسلام کا سردار بنا کر جہاد کے لئے بھیجا گیا تھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام کے دشمنوں کے شہروں کو تاخت و تاراج کرو دینا، ان کے گھربار، کھیت کھلیان اور درخت و باغات کو جلا دینا جائز ہے۔

دشمن پر اس وقت حملہ کرو جب وہ بالکل قریب آجائے

(۱۸) وَعَنْ أَبِي أُسَيْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ إِذَا أَكْتَبُواكُمْ فَلَا تَهْلِكُوا لَهُمْ وَلَا تَسْلُوا السُّيُوفَ حَتَّى يَنْفُسُوا كُفْمً - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت ابواسیدہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جنگ بذر کے دن (مجاہدین اسلام سے) فرمایا کہ (میدان جنگ میں) جب کفار (یعنی دشمن) تمہارے بالکل قریب آجائیں تو ان پر تیر چلاؤ اور تلوار اس وقت تک نہ مارو کہ وہ تمہارے بالکل قریب نہ پہنچ جائیں۔“ (ابو داؤد)

دشمن کے مزدوروں کو قتل کرنے کی ممانعت

(۱۹) وَعَنْ زُبَّانِ بْنِ الرَّبِيعِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ قَرَأَى النَّاسَ مُجْتَمِعِينَ عَلَى شَيْءٍ وَفَبَعَثَ رَجُلًا فَقَالَ انْظُرْ عَلَى مَا اجْتَمَعَ هُؤُلَاءُ فَجَاءَ فَقَالَ عَلَى امْرَأَةٍ فَبَعَثَ فَقَالَ مَا كَانَتْ هَذِهِ لِتَقَابِلِ وَعَلَى الْمُقَدَّمَةِ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ فَبَعَثَ رَجُلًا فَقَالَ قُلْ لِحَالِدٍ لَا تَقْتُلِ امْرَأَةً وَلَا عَسِيفًا - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت زببان بن الربیعؓ کہتے ہیں کہ ہم نے ایک غزوے میں رسول کریم ﷺ کے ہلو (میدان جنگ) میں تھے، آپ ﷺ نے دیکھا کہ کچھ لوگ (ایک جگہ) کسی چیز کے پاس جمع ہو رہے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو بھیجا اور فرمایا کہ وہاں جا کر دیکھو، لوگ کس چیز کے پاس جمع ہو رہے ہیں، اس شخص نے واپس آ کر عرض کیا کہ ایک عورت کو قتل کر دیا گیا ہے، لوگ اس کی نعش کے پاس جمع ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا ”وہ عورت تو جس لڑکی تھی (پھر اس کو کیوں قتل کر دیا گیا؟)“ لشکر کی اگلی صفوں کی کمان حضرت خالد ابن ولیدؓ کے پر دھکی، آپ ﷺ نے پھر اس شخص کو (ان کے پاس) بھیجا کہ وہ جا کر خالدؓ سے یہ کہہ دے کہ ”کسی عورت اور مزدور کو قتل نہ کرو۔“

(ابو داؤد)

تشریح: ”مزدور“ سے مراد وہ مزدور ہے جس کو میدان جنگ میں لڑنے کے لئے نہ لایا گیا ہو بلکہ خدمت اور دوسرے کام کاج کے لئے لایا گیا ہو۔

جہادین کو میدان جنگ بھیجتے وقت آنحضرت ﷺ کی ہدایات

(۲۰) وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَتَغْلِقُوا بِسْمِ اللَّهِ وَبِاللَّهِ وَعَلَى بِلَدِّ رَسُولِ اللَّهِ لَا تَقْتُلُوا نَفْسًا فَنَانِيًا وَلَا يَطْلًا صَغِيرًا وَلَا امْرَأَةً وَلَا تَغْلِقُوا شُؤْمًا غَنَابَكُمْ وَأَصْلِحُوا وَأَحْسِنُوا فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جہادین کو (جہاد کے لئے روانہ کرتے وقت) یہ ہدایت دی کہ ”جاؤ اللہ کا نام لے کر اللہ کی تائید و تقویٰ کے ساتھ اور اللہ کے رسول ﷺ کے دین پر، یہاں سے کوچ کرو (ایداور کھو) شیخ فانی (یعنی بڑے کوسٹ) کی جان نہ مارنا، نہ چھوٹے لڑکے اور نہ عورت کو قتل کرنا، مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا، مال غنیمت کو جمع کرنا، آپس میں صلح مصالحت رکھنا (اصلاحی امور کے ایک مٹی توڑکی ہیں کہ ہم جہادین اپنے آپس کے تنازع و عداوت کو ختم کر کے ایک دوسرے کے ساتھ میل ملاپ سے رہتا یا یہ مٹی ہیں کہ اگر تم مصالحت و یکجہاد دشمن سے صلح کر لینا اور یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تم اپنے دینی اور دنیاوی معاملات کو ٹھیک خاک رکھنا) اور آپس میں (ایک دوسرے کے ساتھ) ٹکڑ ٹکڑ نہ بھلائی کرتے رہنا کیونکہ اللہ تعالیٰ ٹکڑ ٹکڑ اور بھلائی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“ (ابو داؤد ۱)

تشریح: ”شیخ فانی کی جان نہ مارنا“ لیکن اگر کوئی بڑھاڑنے کی صلاحیت رکھتا ہو یا اس کی رائے اور اس کی جنگی تہ تیہ دشمن کے لئے نفع بخش اور مؤثر ہوں تو اس کی جان مارنا جائز ہے

”طفلاً صغیراً“ میں ”صغیراً“ بچہ اور بچان ہے لفظ ”طفلاً“ یعنی وہ لڑکا جو حد بلوغ کو نہ پہنچا ہو۔ اس حکم سے وہ لڑکا مٹی ہے جو دشمن کی قوم کا بادشاہ و سردار ہو یا جنگ میں حصہ لیتا ہو، اسی طرح سے عورت کو قتل کرنا ممنوع ہے، جو لڑائی میں شریک نہ ہو اور نہ اپنی قوم کی ملک اور جنگی معاملات میں رائے اور تہ تیہ پیش کرنے والی ہو۔

بدر کے میدان جنگ میں زعماء مکہ کی دعوت مبارزت

(۲۱) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ تَقَدَّمَ عُبَيْدُ بْنُ رِيعَةَ وَتَيْعَةُ ابْنَةُ وَأَخُوهُ قَتَادَةُ مِنْ يَمَامٍ فَانْتَدَبَ لَهُ ضَمَنُ الْأَنْصَارِ فَقَالَ مَنْ أَنْتُمْ فَأَخْبَرُوهُ فَقَالَ لَا حَاجَةَ لَنَا بِكُمْ إِنَّمَا أَرَدْنَا نَبِيَّ عَيْنًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُمْ يَا خُزَافَةُ قُمْ يَا عَلِيٌّ قُمْ يَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْحَارِثِ فَأَقْبَلَ خُزَافَةُ إِلَى عُبَيْدَةَ وَأَقْبَلَتْ إِلَى شَيْبَةَ وَاخْتَلَفَ بَيْنَ عُبَيْدَةَ وَالْوَلِيدِ ضَرَبَتَانِ فَأَفْخَحَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا صَاحِبَهُ ثُمَّ مَلَأْنَا عَلَى الْوَلِيدِ فَهَقَّتْ لَهُ وَأَخْتَلَفْنَا عُبَيْدَةَ۔ (رواہ احمد و ابو داؤد)

”اور حضرت علی کریم اللہ وجہ کہتے ہیں کہ جب معرکہ بدر کا دن آیا (اور میدان جنگ میں جہادین اسلام اور کفار مکہ، ایک دوسرے کے سامنے صف آراء ہو گئے تو کفار مکہ میں سے) ابن ریعہ (لڑنے کے لئے صف میں سے نکل کر) آگے بڑھا اس کا بھائی (یعنی شیبہ ابن ریعہ) بھی آیا، عقبہ نے پکار کر کہا ”کون ہے جو (ہمارے مقابلہ پر) لڑنے کے لئے میدان میں آئے؟“ (جہادین اسلام کی جانب سے) اس کا جواب انصار کے کئی جو انوں نے دیا (یعنی وہ عقبہ اور اس کے ساتھیوں سے لڑنے کے لئے صف میں سے نکل کر میدان میں آئے) عقبہ نے (ان کو دیکھا تو) پوچھا کہ ”تم کون ہو؟“ ان جو انوں نے عقبہ کو بتایا کہ ہم (مدینہ کے) انصار ہیں، عقبہ نے کہا کہ ”ہمیں تمہاری ضرورت نہیں ہے“ (یعنی ہم تمہارے ساتھ لڑنے کا ارادہ نہیں رکھتے بلکہ تم کو اپنے چچا کے بیٹوں (یعنی مکہ سے ہجرت کر کے چلے جانے والے قریشی مسلمانوں) سے لڑنا چاہیے تھا۔) (یعنی کہ رسول کریم ﷺ نے اپنی صف کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا ”حزۃ اہم کھڑے ہو جاؤ، علیؑ اہم کھڑے ہو جاؤ) عبیدہ ابن حارث اہم کھڑے ہو جاؤ اور آتبہؓ کھڑے ہو کر ان شہدائیت کے سرستوں کا سر غرور و تکبر چلے دو“ چنانچہ حزۃ عقبہ کے مقابلہ پر گئے (اور اس کو، رواۃ) میں (یعنی علیؑ) شیبہ کے مقابلہ پر گیا اور اس کو مار ڈالا اور عبیدہؓ و ولید کے درمیان دو سخت وار ہوئے اور ان میں سے ایک

نے اپنے مقابل کو زخمی اور زخمی کر دیا۔ پھر ہم نے ولید پر حملہ کیا اور اس کو مار ڈالا اور عبیدہؓ کو اجڑا کر دے اور سے سخت زخمی ہو گئے تھے۔
معرکہ کے میدان سے اٹھلا گئے۔ ”احمد ابو داؤد“

نئی ملک لانے کی غرض سے میدان جنگ سے بھاگ آنا جائز ہے

(۲۲) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَخْتَارُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَرِيَّةٍ فَحَاضَ النَّاسُ خَيْصَةً فَأَتَيْنَا الْمَدِينَةَ فَاحْتَفِلْنَا بِهَا وَفَلْنَا هَلَكًا ثُمَّ أَتَيْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ نَحْنُ الْفُقَرَاءُ قَالَ نَلِ أَنْتُمْ الْعَكَازُونَ وَأَنَا فِنْشُكُمْ- وَوَاهُ التَّزْمِيدُ وَفِي رِوَايَةٍ ابْنِ دَوْدٍ وَوَقَالَ لَابِلِ أَنْتُمْ الْعَكَازُونَ قَالَ قَدْ تَوَدَّ أَنْتُمْ أَنْ تَقْتُلُنَا بِذَلِكَ فَقَالَ إِنَّا فَتَنَةُ الْمُسْلِمِينَ وَسَدُوكُمْ حَدِيثُ أُمِّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ كَانَ يَسْتَفْتِي وَحَدِيثُ أَبِي الدُّدَاءِ ابْنُ قُتَيْبٍ فِي ضَعْفَانِكُمْ فِي نَابِ فَضْلِ الْفُقَرَاءِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى-

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ نے (کسی جگہ جہاد کرنے کے لئے) ہمارا ایک لشکر بھیجا (وہاں پہنچ کر ہمارے لشکر کے) لوگ بھاگ کر رہ گئے۔ چنانچہ ہم مدینہ واپس آئے تو (ہمارے) شرم و ندامت کے) اپنے گھروں میں چھپ کر بیٹھ گئے اور ہم نے (انہیں میں اپنے دل میں) کہا کہ ”دشمنوں کے مقابلہ سے بھاگ کر ہم نے جو گناہ کیا ہے اس کی وجہ سے گویا“ ہم تو ہلاک ہو گئے پھر ہم رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا کہ (یا رسول اللہ ﷺ) ہم کو میدان چھوڑ کر بھاگ آئے والے لوگ ہیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”(نہیں) بلکہ تم دوبارہ حملہ کرنے والے لوگ ہو اور میں تمہاری جماعت ہوں۔“ (ترمذی)

اور ابو داؤد نے بھی ایسی روایت نقل کی ہے۔ اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ ”نہیں“ بلکہ تم دوبارہ حملہ کرنے والے لوگ ہو۔ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں (جب ہم نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ نے ہم سے کوئی جواب طلب کرنے یا کوئی سرزنش کرنے کے بجائے اس شفقت آمیز انداز میں ہماری ہمت برعکاسی ہے تو فوراً عقیدت و محبت سے) ہم آپ ﷺ کے قریب پہنچے۔ اور آپ ﷺ کے دست مبارک کا ہوس لیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”میں مسلمانوں کی جماعت ہوں۔“

تشریح: ”عکس“ کے معنی ہیں ”لوٹنا“ جنگ میں واپس چلے جانا“ اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ تھا کہ اگر کوئی لشکر اپنی کمزوری محسوس کرتا ہو اور وہ دشمن کے مقابلہ سے اس نیت کے ساتھ بھاگ آئے کہ اپنے مرکز سے نئی ملک اور نئی مدد لے کر پھر میدان جنگ میں آئیں گے تو یہ گناہ نہیں اور چونکہ ہم لوگ اسی نیت کے ساتھ میدان جنگ سے بھاگے ہو اس لئے ندامت اور شرمندگی محسوس کرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔

”میں مسلمانوں کی جماعت ہوں“ آپ ﷺ نے اپنی عظمت و برکت کی بناء پر اپنی تمہائزات شریف کو ایک پوری جماعت قرار دیا جیسا کہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً، نیز آپ ﷺ نے اس ارشاد گرامی کے ذریعہ گویا اپنی مرکزیت کی طرف بھی اشارہ فرمایا کہ میری ذات مسلمانوں کے لئے شیخ قوت و طاقت ہے، جہاں سے انہیں مدد و نصرت حاصل ہوتی ہے لہذا اسے ابن عمرؓ اس عارضی پیمائی سے ہر اس اہل گرفتہ نہ ہو، میں تمہارا بھی مدد و کاروبار اور ناصر ہوں

وَسَدُّكُمْ حَدِيثُ أُمِّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ كَانَ يَسْتَفْتِي وَحَدِيثُ أَبِي الدُّدَاءِ ابْنُ قُتَيْبٍ فِي ضَعْفَانِكُمْ فِي نَابِ فَضْلِ الْفُقَرَاءِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى-

”اور امیہ ابن عبد اللہ کی روایت كَانَ يَسْتَفْتِي اور ابو داؤد کی روایت ابْنُ قُتَيْبٍ فِي ضَعْفَانِكُمْ ہم انتہاء اللہ فضل الفقراء کے باب میں ذکر کریں گے۔“

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

غزوہ طائف میں منجیق کا استعمال

(۲۳) عَنْ فُؤَادِ بْنِ مُزَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَصَبَ الْمَنْجِيْقَ عَلَى أَهْلِ الطَّائِفِ - (رواہ الترمذی مرسلًا)

”اور حضرت فوہان ابن مزید سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اہل طائف کے مقابلہ پر منجیق نصب کیا۔ اس روایت کو ترمذی نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔“

تشریح: قدیم آلات حرب میں ”منجیق“ کی حیثیت آج کل کی گولے پھینکنے والی توپ کی سی تھی۔ چنانچہ یہ ایک ایسی دستی مشین تھی جس سے بڑے بڑے پتھر پھینکے جاتے تھے۔ بطور خاص جب کسی قلعہ وغیرہ کا محاصرہ کیا جاتا تو اس پر منجیق کے ذریعہ پتھر برسائے جاتے تھے۔ ”طائف“ آج بھی حجاز کا ایک بڑا شہر ہے جو مکہ مکرمہ سے اصلاً تو ۳۵-۴۵ میل کے فاصلہ پر جنوب مشرق میں واقع ہے لیکن ابھی کچھ دنوں پہلے تک وہاں پہنچنے کے لئے ایسا کوئی سیدھا راستہ نہیں تھا جس سے گاڑیاں آجائیں اور پختہ یا خام سڑک ہو، مکہ مکرمہ سے طائف کے لئے جو سڑک بنی تھی وہ پہاڑوں کا چکر کھاتی ہوئی جاتی تھی اس لئے یہ راستہ طویل ہو جاتا تھا اس راستہ سے مکہ مکرمہ سے طائف کا فاصلہ ۸۵ میل بتایا جاتا ہے، اسی راستہ میں منی و عرقات ملتے ہیں اور محققین کے نزدیک یہی وہ راستہ تھا جس سے آنحضرت ﷺ ابتداء میں تیغ کی غرض سے طائف تشریف لے گئے تھے۔

موجودہ طائف سے ڈھائی تین میل کے فاصلے پر جنوب مغرب کی طرف ایک چھوٹی سی بستی ”مشفاتہ“ ہے، یہ طائف ہی کا ایک حصہ بھی جاتی ہے، یہ بستی اس جگہ بتائی جاتی ہے جس کے قریب آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اصل طائف آباد تھا۔ یہاں دو باغوں میں دو چھوٹی چھوٹی مسجدیں بنی ہوئی ہیں ان میں سے ایک کو مسجد علی کہتے ہیں اور دوسرے کو مسجد الجعشی، ان دونوں مسجدوں کے درمیان ایک وادی ہے جو وادی اوج کہلاتی ہے۔ محققین کا خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غزوہ طائف میں طائف کا محاصرہ ہی جگہ فرمایا تھا اور غالباً یہی وہ جگہ ہے جہاں آپ ﷺ نے منجیق نصب کیا تھی۔

بَابُ حُكْمِ الْأَسْرَاءِ

قیدیوں کے احکام کا بیان

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

وہ کفار قیدی جو جنت میں داخل ہوں گے

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَنِ اللَّهِ تَعَالَى قَوْمٌ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ فِي السَّلَاسِلِ وَلَهُمْ دَوَابُّ يُقَادُّونَ إِلَى الْجَنَّةِ بِالسَّلَاسِلِ - (رواہ البخاری)

”حضرت ابو ہریرہؓ، نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”اللہ اس قوم پر تعجب کرتا ہے یعنی ان لوگوں سے خوش ہوتا ہے جو زنجیروں میں بندھے ہوئے جنت میں داخل ہوتے ہیں۔“ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے خوش ہوتا ہے (جو زنجیروں میں باندھے کر جنت کی طرف لے جائے جاتے ہیں۔“ (بخاری)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کفار (دشمن) کے جو لوگ جہاد وغیرہ کے موقع پر قیدی بنائے جاتے ہیں اور ان کو زنجیروں اور جیلوں میں جبر کر دیا اسلام میں لایا جاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ ان کو ایمان نصیب فرماتا ہے تو ان کو جنت میں داخل کیا جائے گا اس اعتبار سے اگرچہ ان کے دخول جنت کا سبب ان کا ایمان قبول کر لینا ہے لیکن ظاہر میں گویا وہ زنجیروں اور جیلوں میں باندھ کر جنت میں داخل کئے گئے ہیں۔

دشمن کے جاسوس کو قتل کرنے کا حکم

(۲) وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ آتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَيْنٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَهُوَ فِي سَفَرٍ فَخَلَسَ عِنْدَ أَصْحَابِهِ يَتَخَدَّثُ ثُمَّ انْعَمَلَتْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَظَلُّوهُوَ أَفْطَلُوهُ فَقَتَلُوهُ فَتَقَالَبَتِ سَلَمَةُ رَجُلًا بِيَدِهِ

”اور حضرت سلمہ ابن اکوعؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) مشرکین (دشمن) کا ایک جاسوس نبی کریم ﷺ کے پاس آیا جب کہ آپ ﷺ سفر کے دوران تھے، چنانچہ اس جاسوس نے (لوہ لینے کے لئے) آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ کے پاس بیٹھ کر باتیں کیں اور پھر چلا گیا، نبی کریم ﷺ کو جب اس کے بارے میں معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”اس کو حلاش کرو اور قتل کر دو“ چنانچہ میں نے اس کو (موت دے دیا اور) قتل کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کا سامان و اسباب مجھے مرحمت فرمایا۔“ (بخاری و مسلم)

(۳) وَعَنْهُ قَالَ عَزَّوْا نَاعِمٌ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَوَانٌ فَبَيْنَا نَحْنُ نَنْصُحُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَاءَ رَجُلٌ عَلَى جَمَلٍ أَوْ عَلَى فَرَسٍ أَوْ عَلَى دَابَّةٍ أَوْ عَلَى رَجُلٍ يَنْظُرُ فَبَيْنَا نَصِفُهُ وَرَفَقَةً مِنَ الظُّهْرِ وَنَعْفُفًا مَشَاءَ إِذَا خَرَجَ نَشِدْتُ فَأَنَّنِي جَمَلُهُ فَأَنَارُهُ فَأَشَدُّ بِهِ الْخِمْلَ فَخَرَجْتُ أَشَدُّ حَتَّى أَخَذْتُ بِحِقْطَامِ الْجَمَلِ فَأَتَيْتُهُ ثُمَّ أَخْبَرْتُ سَلَمَةَ فَخَصَرْتُ وَأَمْسَ الرَّجُلُ ثُمَّ جِثْتُ بِالْخِمْلِ الْفَوْدُ وَوَعَلِيهِ رَحْلُهُ وَسَلَاخُهُ فَاسْتَقْبَلَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ فَقَالَ مَنْ قَتَلَ الرَّجُلَ فَأَتُوا ابْنَ الْأَكْوَعِ قَالَ لَهُ سَلَمَةُ أَجْمَعُ - (بخاری و مسلم)

”اور حضرت سلمہ ابن اکوعؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ (قبیلہ) قس کی ایک شاخ (ہوازن) کے خلاف جہاد میں شریک تھے، (ایک دن) اس وقت جب کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ہمراہ دہرہ کھلا کھارہے تھے، اچانک ایک شخص (جو دشمن کا جاسوس تھا اور اس رخ اونٹ پر سوار تھا آیا، اس نے اونٹ کو بٹھلایا اور (ادھر ادھر دیکھنے لگا) یعنی وہ ہماری حالت و کیفیت کی لوہ لینے لگا) اس وقت ہم (اپنی خستہ حالی اور پیادہ پائی کی وجہ سے) بہت بزدل ہو رہے تھے، ہماری پاس سوار یوں کی کمی تھی اور ہم میں سے بعض لوگ پیدل تھے۔ چنانچہ (جب اس شخص نے ہماری اس کمزوری کا اندازہ کر لیا کہ ہم سوار یوں کی کمی اور اپنی خستہ حالی کی وجہ سے سخت پریشان اور بزدل ہیں تو دشمن کو اس کی اطلاع دینے کے لئے) وہ اچانک (ہمارے درمیان سے) دوڑتا ہوا نکلا اور اپنے اوٹھ کے پاس پہنچ کر (اس پر سوار ہوئے) بعد اس کو کھڑ کیا اور وہ اونٹ اس کو لے کر تیزی سے دوڑنے لگا، میں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو میں بھی اپنے لوگوں کے درمیان سے نکلا اور (اس شخص کے پیچھے) دوڑا یہاں تک کہ میں نے (اس کو چالیا اور) اونٹ کی مہار پکڑ لی اور اس کو بٹھلایا اور پھر اپنی تلوار سونٹ کر اس شخص کے سر پر بھرا دیا اور کیا جس سے اس کا کام تمام ہو گیا) اس کے بعد اونٹ کو، جس پر اس شخص کا سامان اور اس کے ہتھیار تھے، بھینچتا ہوا لایا، جب رسول کریم ﷺ اور دوسرے لوگ میرے سامنے آئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”اس شخص کو کس نے قتل کیا ہے؟“ صحابہؓ نے کہا کہ ”سلمہ ابن اکوعؓ نے“ آپ ﷺ نے فرمایا ”اس سارے سامان کے حقدار اسکی (سلمہ) ہیں۔“ (بخاری و مسلم)

مدینہ کے عہد شکن یہودیوں کے متعلق فیصلہ

(۴) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ بَنُو قُرَيْظَةَ عَلَى حُكْمِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِجَاءً عَلَى جِمَارٍ فَلَمَّا ذُكِرَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُومُوا إِلَى سَيِّدِكُمْ فِجَاءً فَخَلَسَ وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ قَوْمًا لَا تَزُولُوا عَلَى حُكْمِكُمْ قَالَ قَاتِلِي أَوْ حُكْمُكُمْ أَنْ تَقْتُلَ الْمُقَاتِلَةَ وَأَنْ تُسَيِّسَ الدَّرِيَّةَ

قَالَ لَقَدْ حَكَمْتَ فِيهِمْ بِحُكْمِ الْمَلِكِ وَفِي رِوَايَةٍ بِحُكْمِ اللَّهِ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ جب (مدینہ میں آباد) بنو قریظہ (کے یہودی) حضرت سعد ابن معاذؓ کو حکم تسلیم کرنے پر اترا آئے (یعنی وہ اس پر آمادہ ہوئے کہ سعد ابن معاذؓ جو فیصلہ کریں گے، ہم اس کو تسلیم کر لیں گے، اور رسول کریم ﷺ نے حضرت سعدؓ کو بلانے کے لئے ایک آدمی بھیجا، سعد ابن معاذؓ ایک گھر سے پر سوار ہو کر آئے اور جب وہ قریب پہنچے تو رسول کریم ﷺ نے حاضرین سے کہا کہ ”تم لوگ اپنے سردار کی تعظیم یا ان کی مدد“ کے لئے کھڑے ہو جاؤ“ سعد ابن معاذؓ (آپ ﷺ کے قریب) آکر بیٹھ گئے تو رسول کریم ﷺ نے (ان کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ ”یہ لوگ (یعنی بنو قریظہ کے یہودی) تمہیں حکم دیتے ہیں پر راضی ہو گئے ہیں۔“ سعد ابن معاذؓ نے کہا کہ ”میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان (یہودیوں) میں سے جو لوگ لڑنے (کی صلاحیت رکھنے والے ہیں ان کو قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا جائے۔“ آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا ”تم نے ان کے بارے میں بادشاہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے یعنی تم نے ایسا فیصلہ کیا ہے جس سے اللہ تعالیٰ بھی راضی ہے) اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ”تم نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ بڑے اوسچے درجہ کے صحابیؓ اور مشاہیر انصار میں سے ہیں، مدینہ کے انصار ان کو اپنا سردار اور بڑا مانتے تھے۔

”بنو قریظہ“ مدینہ کے یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا، یہ قبیلہ حضرت سعد ابن معاذؓ کا حلیف اور اس کے یہودی ان کے عہد و امان میں تھے، جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ پہنچ کر وہاں کے قبائل یہود سے ایک باہمی معاہدہ کیا تھا جس کے تحت یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان، باہمی مکمل ملاپ کے ساتھ رہنے اور ایک دوسرے کے شہری اور سیاسی حقوق و مفادات کے تحفظ کے معاملات طے پائے تھے لیکن یہودیوں نے کچھ عرصوں بعد اس معاہدہ کو بالائے طاق رکھ دیا، اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور ان کو نقصان پہنچانے کے اقدامات میں مشغول ہو گئے، چنانچہ دوسرے یہودی قبائل کی طرح ”بنو قریظہ“ بھی اس عہد شکنی کے مرتکب ہوئے اور آنحضرت ﷺ نے ۵ھ میں غزوہ خندق کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان (بنو قریظہ) کے خلاف جہاد کا ارادہ کیا اور ان کا محاصرہ کر لیا، اور یہ محاصرہ پچیس ۵۵ روز تک جاری رہا جب بنو قریظہ بالکل مجبور ہو گئے تو انہوں نے کہا کہ سعد ابن معاذؓ ہمارے بارے میں جو فیصلہ کریں گے ہم اس کو منظور کریں گے، ان کا خیال تھا کہ چونکہ ہم سعدؓ کے حلیف اور ان کے عہد و امان میں ہیں اس لئے وہ ہماری رعایت کریں گے اور ہمیں اس محاصرہ سے نجات دلانے کی کوشش کریں گے، لیکن حضرت سعدؓ نے اس تعلق کا لحاظ کئے بغیر وہی فیصلہ دیا جو ان یہودیوں کے حسب حال اور مصلحت و حکمت کے عین مطابق تھا۔

”تم اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ“ اس حکم کے بارے میں نوویؒ کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ صاحب فضل کی تعظیم و توقیر کی جائے اور اس کے آنے پر تعظیماً کھڑا ہو جانا چاہئے چنانچہ اکثر علماء نے اس مسئلہ میں اس ارشاد گرامی کو دلیل قرار دیا ہے، اور بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا یہ حکم حضرت سعدؓ کی تعظیم کرنے کی غرض سے نہیں تھا بلکہ اس بنا پر تھا کہ ان (سعدؓ) کی ران پر تیر کا زخم تھا جو غزوہ خندق میں ان کو لگا تھا اور اس کی وجہ سے وہ سواری پر سے خود اترنے سے مجبور تھے، لہذا آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ جاؤ اور سواری پر سے اترنے میں سعدؓ کی مدد کرو۔

سردارِ یمامہ کے اسلام لانے کا واقعہ

(۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْلًا قَلِيلًا فَبَجَدَ فَبَجَاءَتْ بِرِخْلٍ مِنْ بَنِي خَبِيفَةَ يُقَالُ لَهُ لُثَمَاءُ بْنُ أَنَابِلٍ سَيِّدُ أَهْلِ الْيَمَامَةِ فَرَبَطُوا بِسَارِقَةٍ مِنْ مَوَارِي الْمَسْجِدِ فَخَرَجَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

ساتھ) گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور (پھر کہنے لگا کہ) اے محمد (ﷺ) اخلاقی قسم میرے نزدیک روئے زمین پر آپ (ﷺ) کے چہرے سے زیادہ نفرت انگیز کوئی چہرہ نہیں تھا لیکن اب آپ (ﷺ) کا چہرہ مبارک میرے نزدیک (دنیا کے) سارے چہروں سے زیادہ پیارا ہے، خدا کی قسم میرے نزدیک آپ (ﷺ) کے دین سے زیادہ نفرت انگیز کوئی دین نہیں تھا لیکن اب آپ (ﷺ) کا دین میرے نزدیک سارے دینوں سے زیادہ پیارا ہے اور خدا کی قسم میرے نزدیک آپ (ﷺ) کے شہر سے زیادہ نفرت انگیز کوئی شہر نہیں تھے لیکن اب میرے نزدیک آپ (ﷺ) کا شہر (دنیا کے) سارے شہروں سے زیادہ پیارا ہے۔ پھر (اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ!) آپ (ﷺ) کے لشکر نے مجھے اس وقت گرفتار کیا تھا جب کہ میں عمرہ کرنے کے لئے مکہ جانے کا ارادہ کر رہا تھا تو اب آپ (ﷺ) مجھ کو کیا حکم دیتے ہیں (آیا میں عمرہ کے لئے مکہ جاؤں یا نہیں؟) رسول کریم (ﷺ) نے (پچھے تو) اس کو بشارت دی (کہ اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے تمہیں شرف و عظمت انانیت حاصل ہوگئی ہے اور تمہارے پہلے سارے گناہ بخش دیئے گئے ہیں) اور پھر ان کو عمرہ کرنے کا حکم دیا۔

اس کے بعد ثمرہ جب (عمرہ کرنے کے لئے) مکہ پہنچے تو کسی کہنے والے نے ان سے کہا کہ "تم تو بے دین ہو گئے ہو۔" ثمرہ نے جواب دیا کہ "نہیں! میں نے رسول کریم (ﷺ) کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے، میں بے دین نہیں ہوا ہوں اور یاد رکھو! خدا کی قسم! اب یہاں سے تم لوگ یہوں کا ایک دانہ بھی نہیں بچھا جائے گا جب تک کہ رسول کریم (ﷺ) اس کی اجازت نہ دیں۔" (مسلم) اس روایت کو بخاری نے بھی اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔

جبیر ابن مطعمؓ کو آنحضرت ﷺ کی طرف سے ترغیب اسلام

① وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي أَسَارَى مَدَنِيٍّ لَوْ كَانَ الْمُطْعِمُ بَنِي عَدِيٍّ حَتَّى لَمْ يَكُنْ يَفِي هَذَا لَا وَاللَّيْلِ لَأَتَرْتُهُمْ لَدُنِّي. (رواہ البخاری)

"اور حضرت جبیر ابن مطعمؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جبکہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں فرمایا کہ اگر مطعمؓ ابن عدی زندہ ہوتے اور مجھ سے ان ناپاک قیدیوں کے حق میں سفارش کرتے، تو میں ان (قیدیوں) کو ان (مطعمؓ کی سفارش پر رہا کر دیتا۔" (بخاری)

تشریح: حضرت جبیرؓ اسلام قبول کرنے سے پہلے جنگ بدر کے موقع پر کفار مکہ کے ساتھ تھے اور مسلمانوں کے مقابلے پر لڑ رہے تھے، جنگ کے بعد ان کفار میں سے جو لوگ قیدی بنا کر مدینہ لائے گئے ان میں حضرت جبیرؓ بھی تھے اس طرح حضرت جبیرؓ نے آنحضرت ﷺ سے یہ حدیث سنی تو کفر کی حالت میں، مگر اس کو بیان کیا اسلام قبول کرنے کے بعد۔

مطعمؓ ابن عدی، حضرت جبیرؓ کے والد تھے اور نوفل ابن عبد مناف کا پوتا ہونے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کے ہم جد قرائی تھے، ان (مطعمؓ) کو آنحضرت ﷺ پر ایک یہ احسان تھا کہ جب آنحضرت ﷺ تبلیغ اسلام کے لئے طائف تشریف لے گئے اور وہاں سے واپس آئے تو مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو پھر اپنے زنجے میں لے کر نقصان پہنچانا چاہا مگر مطعمؓ نے ان مشرکین کو آنحضرت ﷺ سے دور کیا، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے جبیرؓ کے سامنے مذکورہ کلمات ارشاد فرمائے جس کا ایک بڑا مقصد جبیرؓ کی تالیف قلب اور ان کو اسلام کی طرف راغب کرنا تھا۔

حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ پر حملے کا ارادہ کرنے والے کفار مکہ کو

گرفتار کر کے چھوڑ دینے کا واقعہ

② وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ ثَمَالَيْنِ وَرَجُلًا مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ هَبَطُوا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حَيْلِ التَّبَعِيمِ

مُتَّعِلِينَ يُرِيدُونَ غَزَاَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ فَأَخَذَهُمْ سَلْمًا فَأَسْتَحْيَاهُمْ وَهِيَ رَوْيَةٌ فَاسْتَقْبَحَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّيْبِكُمْ عَنْهُمْ يُبْطِلُنَّ مَكَّةَ (رواه مسلم)

۳ اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ (صلح حدیبیہ کے سال) نبی کریم ﷺ کے خلاف سے کہی آوی تھی یاروں نے یس ہور جمع کر کے ہمارے اتر آئے جن کا ارادہ یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ پر اچانک حملہ کر کے ان کو نقصان پہنچائیں لیکن آنحضرت ﷺ نے (اوسے بھڑے بغیر) ان سب کو پس پھیر دیا اور وکیل کر کے گرفتار کر لیا اور پھر ان کو زندہ چھوڑ دیا۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ۔
 ۴ اور پھر ان کو رہا کر دیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّيْبِكُمْ عَنْهُمْ يُبْطِلُنَّ مَكَّةَ (اور وہ اللہ ایسا ہے جس نے نواح کہ میں ان کفار کا ہاتھ تمہارے خلاف اور تمہارا ہاتھ ان کے خلاف بند رکھا۔) (مسلم)

جنگ بدر کے بعد متوکلین مکہ سے آنحضرت ﷺ کا خطاب

⑧ وَهَنَ قِتَادَةُ قَالَ ذَكَرْنَا أَنَّهُ مِنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي ظَلْحَمَةَ أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ يَوْمَ بَدْرٍ بِأَرْبَعَةِ وَعِشْرِينَ رَجُلًا مِنْ مَسَانِيدِ قُرَيْشٍ فَقَدَّحُوا فِي طَلْحٍ مِنْ أَطْلُوَاءٍ بِدْرٍ حَبِيبٍ مُخْبِتٍ وَكَانَ إِذَا ظَهَرَ عَلَى قَوْمٍ أَقَامَ بِالْغُرَضِ ثَلَاثَ لَيَالٍ فَلَمَّا كَانَ بِبَدْرِ الْيَوْمِ الثَّالثِ أَمَرَ بِأَجْلِيَةٍ فَشَدَّ عَلَيْهِمْ أَرْحَافَهُمْ مَشَى وَالتَّبَعَهُ أَصْحَابُهُ حَتَّى قَامَ عَلَى شَفَةِ الرِّكَبِ لِيَجْعَلَ لِبَنَاتِهِمْ بِأَسْمَائِهِمْ وَأَسْمَاءُ آبَائِهِمْ يَا فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ وَيَا فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ أَيْسُرُكُمْ أَنْكُمْ أَطْعَمَكُمْ اللَّهُ وَرَسُولُهُ فَإِنْ قَدْ وَخَدْنَاكُمْ وَعَدْنَاكُمْ حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَوكُمْ حَقًّا فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا نَكَلِمُ مِنْ أَجْسَادٍ لَا أَرْوِاحَ لَهَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ مَا أَنْتُمْ بِأَسْمِعَ لِمَا أَقُولُ مِنْهُمْ وَفِي رِوَايَةٍ مَا أَنْتُمْ بِأَسْمِعَ مِنْهُمْ وَلَكِنْ لَا يُجِيبُونَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ الْبُخَارِيُّ قَالَ قِتَادَةُ أَخْبَاهُمْ اللَّهُ حَتَّى أَسْمِعَهُمْ قَوْلَهُ تَوْبِيخًا وَتَضْيِيقًا وَخُسْرًا وَفَتْحًا

۳ اور حضرت قتادہؓ کہتے ہیں حضرت انس بن مالکؓ نے حضرت ابو طلحہؓ کے حوالہ سے ہمارے سامنے یہ بیان کیا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے جنگ بدر کے دن (مکہ کے) کفار قریش کے چوبیس (مستحقین) سرداروں کے بارے میں حکم دیا کہ ان کو ٹھکانے لگا دیا جائے (چنانچہ ان کی نعشوں کو بدر کے ایک ایسے کنوئیں میں ڈال کیا گیا جو تپاک تھا اور تپاک کرنے والا تنہا نبی کریم ﷺ کی یہ عادت تھی کہ جب آپ ﷺ (جنگ میں) کسی قوم (یعنی دشمن) پر غلبہ اور فتح پالیتے تھے تو اس میدان جنگ میں تین راتیں قیام فرماتے تھے چنانچہ اسی عادت کے مطابق آپ ﷺ جنگ جیت لینے کے بعد کے میدان جنگ میں بھی تین راتیں قیام فرما رہے اور جب تین دن گزر گئے تو آپ ﷺ نے اپنی ہمدردی کے ادب پر کچھ ہاتھ پیر کر دیا، چنانچہ کچھ ہاتھ دیا گیا اور دہائے روانہ ہوئے اور آپ کے صحابہؓ بھی آپ ﷺ کے پیچھے ہوئے (جب اس کنوئیں پر پہنچے جس میں سردار ان قریش کی نعشیں ڈالی گئی تھیں تو آپ ﷺ اس کنوئیں کے کنارے ٹھہرے ہوئے اور ان سرداروں کو ان کا اور ان کے باپوں کا نام لے کر پکارنا شروع کیا کہ اے فلان ابن فلان اور اے فلان ابن فلان (اور پھر گویا ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ) (اب) تمہیں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے؟ بلاشبہ تمہیں خود چڑھ حاصل ہوگئی جس کا ہم سے ہمارے رب نے قطعی وعدہ کیا تھا یعنی تمہارے مقابلہ پر ہماری فتح اور باطل طاقتوں پر ہمارے غلبہ کا) اور کیا تم نے بھی وہ چیز پالی جس کا تم سے تمہارے پروردگار نے قطعی وعدہ کیا تھا یعنی تمہارے عذاب کا مطلب یہ کہ ہم کو تو خدا کے وعدے کے مطابق فتح و کامیابی حاصل ہوگی کیا تم کو بھی عذاب ملا جس سے تمہارے پروردگار نے تمہیں ڈر دیا تھا؟ گویا آنحضرت ﷺ کا یہ سوال ازراہ توبیخ تھا) حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ ایسے جسموں کو چھلک کر رہے ہیں جن میں دوس جسم نہیں ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے ان جسموں سے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تم اس کو زیادہ سننے والے نہیں

ہو۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ تم ان سے زیادہ شہداء لے نہیں ہو لیکن (فرق صرف اتنا ہے کہ تم جواب دینے پر قادر ہو اور یہ نہاد نہیں دے سکتے۔ بخاری و مسلم)

بخاری نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت قتادہؓ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے ان (سرواران قریش) کو آنحضرتؐ کے خطاب کے وقت زندہ کر دیا تھا تاکہ وہ آنحضرتؐ کی بات کو سن لیں جس سے (انکا دنیا میں آنحضرتؐ کے سامنے) ان کو سرزنش ہو اور وہ ذلت و خواری، عذاب اور افسوس و پشیمانی کو محسوس کریں۔“

تشریح: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ وغیرہ نے اس حدیث کے ذریعہ سماع موتی کے مسئلہ کو ثابت کیا ہے جب کہ اکثر حنفی علماء نے اس (سماع موتی) کا انکار کیا ہے، ان علماء کی طرف سے مختلف انداز میں جواب دیئے گئے ہیں جن کی تفصیل فقہ کی کتابوں جیسے فتح القدر وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

غزوہ حنین کے قیدیوں کی واپسی

⑨ وَعَنْ مَرْوَانَ وَالْجَسَّاسِ بْنِ مَعْرُومَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ حِينَئِذٍ جَاءَهُ وَفَدَهُ هَوَازِنٌ مُسْلِمِينَ فَسَأَلُوهُ أَنْ يُرَدَّ إِلَيْهِمْ أَمْوَالُهُمْ وَسَبْتُهُمْ فَقَالَ قَاخْتَارُوا اخَذُوا الْقَطَايِفَتَيْنِ بِمَا لِسْنِي وَإِنَّمَا الْغَنَاءُ قَالُوا فَإِنَّا نَخْشَى سَلْبَنَا لِقَامِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْتَ عَلَى اللَّهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ أَتَابِعُكُمْ فَإِنْ أَخَوَانَكُمْ قَدْ جَاءَ وَاتَابِعِينَ وَإِنِّي قَدْ رَأَيْتُ أَنْ أُرَدَّ إِلَيْهِمْ سَبْتُهُمْ لَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يُطِيبَ ذَلِكَ فَلْيَفْعَلْ وَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يَكُونَ عَلَى حَقْلِهِ حَتَّى نَعْطِيَهُ رِثَاءً مِنْ أَوَّلِ مَا يَلْبِسُهُ اللَّهُ عَلَيْنَا فَلْيَفْعَلْ فَقَالَ النَّاسُ قَدْ عَلَيْنَا ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّا لَا نُلْدِرِي مَنْ أَذِنَ مِنْكُمْ مَعْنٍ لَمْ يَأْخُذْ فَلَزَجُوا حَتَّى يَرَفَعَ الْبَنَاءُ غُرْفَاءَ كُمْ أَمْوَالُكُمْ فَرَجَعَ النَّاسُ فَكَلَّمَهُمْ غُرْفَاءَ كُمْ لَمْ يَزَجُوا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاخْتَارُوهُ أَلَيْسَ قَدْ طَبِقُوا وَأَذِنُوا (رواه البخاری)

”اور حضرت مروان اور حضرت مسورابن مخرمہ روایت ہیں کہ رسول کریم ﷺ اس وقت (خطبہ ارشاد کر کے) کھڑے ہوئے جب قبیلہ ہوازن کے لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ ﷺ سے یہ درخواست کی کہ ان کا مال اور ان کے قیدی واپس کر دیئے جائیں۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ دونوں چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کرو یعنی یا تو قیدیوں کو رہا کر کے یا تو مال واپس لے لو؟“ انہوں نے عرض کیا کہ ”ہم اپنے قیدیوں کو رہا کرنا پسند کرتے ہیں“ تب رسول کریم ﷺ نے (صحابہ کے سامنے) یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ پہلے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی جس کا وہ مستحق ہے اور پھر فرمایا کہ! بعد ازاں یہ (قبیلہ ہوازن کے لوگ) جو تمہارے (دینی یا دنیا کی) بھائی ہیں (اپنے کفر و شرک سے) توبہ کر کے (اور مسلمان ہو کر) تمہارے پاس آئے ہیں، میں نے اس چیز کو مناسب سمجھا ہے کہ ان کو ان کے قیدی واپس کر دوں، لہذا تم میں سے جو شخص خوشی کے ساتھ قیدیوں کو واپس کرنا چاہے تو وہ ایسا ہی کرے (یعنی اس کے پاس جو قیدی ہے اس کو واپس کر دے) اور جو شخص اپنے حصہ پر قائم رہنا چاہے تا وقتیکہ ہم اس کو اس کا عوض اس پہلے آنے والے مال میں سے نہ دے دیں جو اللہ تعالیٰ ہمیں غنیمت کے طور پر عطا کرے تو وہ ایسا ہی کرے (یعنی جو شخص اپنے حصے کے قیدی کو بغیر معاوضہ نہ دیتا چاہے تو وہ ہمیں بتائے کہ وہ کیا معاوضہ لے گا تاکہ ہم یہ انتظام کر دیں کہ اب کہیں سے جو سب سے پہلے مال غنیمت آئے اس میں سے اس کا وہ معاوضہ ادا کر دیا جائے) انہوں نے (یعنی بعض صحابہؓ) ایلا اختیار تمام صحابہؓ نے (عرض کیا کہ) ”یا رسول اللہ! ہم اس پر (یعنی قیدیوں کو واپس کر دینے پر) خوشی کے ساتھ آمادہ ہیں۔“ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہمیں (اس غنیمت میں) یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ تم میں سے کون شخص راضی ہے اور جو شخص راضی نہیں ہے اس کا اختیار نہیں کیا جاسکتا لہذا تم سب لوگ (اپنے اپنے گھر لوٹ جاؤ) (اور اپنے خاندان و قبیلہ کے سرداروں سے اس بارے میں مشورہ کر لو تاکہ تمہارے (وہ)

سردار تفصیل کے ساتھ) ہمارے سامنے تمہارا فیصلہ پیش کریں۔ ”چنانچہ سب لوگ لوٹ کر چلے گئے اور جب ان سے سرداروں نے اسے گفتگو کر لی تو وہ لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں واپس آئے اور آپ ﷺ کو بتایا کہ وہ (قیدیوں کو واپس کر دینے پر راضی ہیں اور انہوں نے) اس امر کی اجازت دے دی ہے۔“ (بخاری)

تشریح: مکہ مکرمہ سے شمال مشرقی جانب طائف کے لئے جو راستہ جاتا ہے اس راستے پر ایک وسیع میدان ملتا ہے جس کے اطراف میں پہاڑیاں ہیں اور اس سے گذرنے کے بعد ایک چھوٹی سی بستی ملتی ہے، اس میدان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کے اس پاس قبیلہ ہوازن کے لوگ آباد تھے اور ہمیں فتح مکہ کے بعد وہ غزوہ ہوا تھا جس کو غزوہ حنین یا غزوہ ہوازن کہتے ہیں۔ اس غزوہ میں غنیمت کا بہت زیادہ مال مسلمانوں کے ہاتھ لگا اور دشمن کے بے شمار بال بچے قیدی بنا کر مدینے لائے گئے تھے جن کو صحابہؓ کے درمیان تقسیم کر دیا گیا تھا چنانچہ جب اس غزوہ کے بعد قبیلہ ہوازن کے لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے تو وہ دربار رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور اپنے مال اور اپنے قیدیوں کی واپسی کا مطالبہ کیا، چونکہ ان کا مال اور قیدی مجاہدین اسلام (یعنی صحابہؓ) کی ملکیت ہو گئے تھے اور ان کی اجازت کے بغیر ان کی ملکیت کو واپس کرنا جائز نہیں تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس سلسلے میں صحابہؓ کے سامنے مذکورہ بالا ارشاد فرمایا اور ان سے مذکورہ اجازت طلب کی۔

مگر قاری کے بدلے گرفتاری

①۰ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ حُضَيْنٍ قَالَ كَانَ عَقِيلٌ خَلِيفًا لِّبَنِي عَقِيلٍ فَأَسْرَتْ ثَقِيفٌ وَجُلَيْنٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأَسْرَتْ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَأَوْقَفُوهُ فَظَرَحُوهُ فِي الْحِزْوَةِ فَمَرَّ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَسَلَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنَادَهُ بِأَمْحَمَدَ يَا مَحْمَدُ فَنِمَ أُجِدْتُ قَالَ بِخَيْرٍ يَا خَلِيفَةَ بَنِي عَقِيلٍ فَتَرَكَهُ وَخَطَبَى فَأَنَادَهُ يَا مَحْمَدُ يَا مَحْمَدُ يَا مَحْمَدُ فَوَجَدَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَجَعَ قَالَ مَا شَأْنُكَ قَالَ إِنِّي مُسْلِمٌ فَقَالَ لَوْ قُلْتَهَا وَأَنْتَ تَمْلِكُ أَمْزَكَ أَلَمْ تَخْتِ كُلَّ الْفَلَاحِ قَالَ فَقَدَاهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْأَنْزِلَيْنِ الَّذِينَ أَسَرُّهُمَا ثَقِيفٌ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عمرانؓ ابن حصین کہتے ہیں کہ قبیلہ ثقیف بنو عقیل کا حلیف تھا چنانچہ جو قبیلہ ثقیف کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابیوں کو گرفتار کر لیا تو رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ نے بنو عقیل کے ایک آدمی کو گرفتار کر لیا اور اس کو مضبوطی سے باندھ کر حرہ میں ڈال دیا۔ رسول کریم ﷺ دوسرے گزرے تو اس (قیدی) نے پکارا ”عمیر (عمیرہ) (عمیرہ)“ مجھے کس جرم میں گرفتار کر لیا گیا ہے؟“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”اپنے حلیف، قبیلہ ثقیف (کے لوگوں کے جرم میں یعنی قبیلہ ثقیف کے لوگوں نے ہمارے دو مسلمانوں کو پکڑ لیا ہے، ان کے بدلے میں تمہیں پکڑ لیا گیا ہے۔“ یہ کہہ کر آپ ﷺ نے اس کو اس کے حال پر اس کی جگہ چھوڑ دیا اور آگے بڑھ گئے، اس نے آنحضرت ﷺ کو پھر پکارا ”عمیر (عمیرہ) (عمیرہ)“ رسول کریم ﷺ کو اس پر رم گیا، آپ ﷺ اس کے پاس واپس آئے اور فرمایا کہ تم ”کس حال میں ہو؟“ اس نے کہا کہ ”میں مسلمان ہوں“ آپ ﷺ نے فرمایا (کاٹا) تم یہ بات اس وقت کہتے جب تم خود اپنے اختیار کے مالک تھے (یعنی جب کہ تم قید ہونے سے پہلے اپنے اوپر اختیار رکھتے تھے اور تم پر کوئی دباؤ نہیں تھا مگر اس وقت بطریق رغبت کے یہ کہتے کہ میں مسلمان ہوں“ تو تم نجات پا جاتے کمال نجات (یعنی دنیا میں تو یہ نجات ملتی کہ قید نہ ہوتے اور آخرت میں فوز عظیم کے عذاب سے چھٹکارا پاتے)“ رادی کہتے ہیں کہ اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے ان کو ان دونوں آدمیوں کے بدلے میں جن کو ثقیف نے گرفتار کیا تھا چھوڑ دیا۔“ (مسلم)

تشریح: ”ثقیف“ عرب کے ایک بڑے اور مشہور قبیلہ کا نام ہے جو بنو ہوازن کی ایک شاخ اور طائف میں آباد تھا، اسی طرح ”بنو عقیل“ بھی ایک قبیلہ تھا، یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے کے حلیف تھے۔ زمانہ جاہلیت کے عرب میں یہ دستور تھا کہ قبل آپس میں

ایک دوسرے کے درمیان حلف و قسم کے ساتھ یہ عہد و پیمان کیا کرتے تھے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے برے بھلے کام کے سرگرم ہوں گے اور ہم میں سے کسی ایک کا دشمن دوسرے کا بھی دشمن اور کسی ایک کا دوست دوسرے کا بھی دوست ہوگا۔ لیکن جب اسلام کا زمانہ آیا تو زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق وہ قسم قسمی توجا تر رہی جس کا تعلق حق اور جائز باتوں سے تھا لیکن جس کا تعلق باحق اور ناجائز باتوں سے تھا اس کو ختم کر دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ اسلام کا جو حلف ہے وہ کافی ہے۔

”بنو عقیل کے ایک آدمی کو گرفتار کر لیا“ یعنی قبیلہ ثقیف کے لوگوں نے جن دو صحابہؓ کو پکڑ کر اپنے یہاں قید کر لیا تھا ان کے بدلے میں مسلمانوں نے بنو عقیل کے ایک آدمی کو پکڑ کر اپنے یہاں باندھ دیا۔ کیونکہ اس وقت قبل کا یہی دستور یہی تھا کہ ایک حلیف کے جرم میں دوسرے حلیف کے آدمی کو پکڑ لیا جاتا تھا چنانچہ مسلمانوں نے بھی اسی دستور کے مطابق عمل کیا اور بظاہر اس میں مصعوت بھی تھی۔

”حرہ“ عینہ کے مضامات میں پہاڑی علاقہ کے اس قلعہ کو کہا جاتا تھا جس کی زمین کالی چٹری تھی۔

”میں مسلمان ہوں اس لیے“ ان الفاظ کے ذریعہ اس شخص نے گویا یہ بتانا چاہا کہ میں پہلے ہی سے مسلمان ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو غیر مسلم، مسلمانوں کی قید میں ہو اور وہ یہ دعویٰ کرے کہ میں مسلمان ہوں تو اس کی بات کو اس وقت تک تسلیم نہ کیا جائے جب تک کہ اس کا دعویٰ گواہی کے ذریعہ ثابت نہ ہو جائے۔ لیکن یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ ان الفاظ کے ذریعہ اس شخص کی یہ مراد ہو میں اب اسلام قبول کرتا ہوں۔ بہر حال آنحضرت ﷺ نے اس کے دعویٰ اسلام کو قبول نہیں کیا کیونکہ آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہ یا تو زراہ خانی اپنے اسلام کا دعویٰ کر رہا ہے یا بطریق اضطرار وہ اس دعوے پر مجبور ہے اس لئے آپ ﷺ نے اسے جھوٹا سمجھتے ہوئے دارا حرب جانے دیا۔ اس اعتبار سے اس شخص کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا یہ معاملہ گویا آپ ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

جنگ بدر کے قیدیوں میں سے آنحضرت ﷺ کے داماد ابوالعاص کی رہائی کا واقعہ

⑪ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا بَعَثَ أَهْلُ مَكَّةَ فِي فِدَاءِ أَهْلِ بَيْتِهِمْ بَعَثَتْ زَيْنَبُ فِي فِدَاءِ أَبِي الْعَاصِ بِمَالٍ وَبَعَثَتْ فِيهِ بِقِلَافٍ لَهَا كَانَتْ عِنْدَ خَدِيجَةَ أَذْخَلَتْهَا بِهَا عَلَيَّ أَبِي الْعَاصِ فَلَمَّا رَأَى أَهْلَ مَكَّةَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَتْ لَهَا رِفْعَةً شَدِيدَةً وَقَالَتْ إِنَّ زَيْنَبَ أَنْ تَنْظُرُوا إِلَيْهَا أَسِيرَهَا وَتَرُدُّوْا عَلَيْهَا الَّذِي لَهَا فَقَالُوا نَعَمْ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ عَلَيْهِ أَنْ يُخَلِّيَ سَبِيلَ زَيْنَبَ إِلَيْهِ وَبَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْنَبَ حَارِثَةَ وَزَجْلَانِ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالُوا كُونَا بَنَظَرَ يَأْجِجُ حَتَّى نَلْمُزَ بِكُمْ مَازَيْنَبَ نَقَضَ حَبَاغَهَا حَتَّى نَأْتِيَا بِهَا۔ (رواہ احمد و ابوداؤد)

”حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب (جنگ بدر میں) اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو لکھا کہ ہر غلبہ اور فتح عطا فرمائی اور ان میں سے کچھ کو قتل کر دیے گئے اور کچھ قیدی بنا کر مدینہ لائے گئے اور پھر آنحضرت ﷺ نے ان کی رہائی کے بدلے میں مال طلب کیا تو اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کی رہائی کا معاوضہ روانہ کیا۔ (آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی) حضرت زینبؓ نے (اپنے شوہر) ابوالعاص کی رہائی کے بدلے میں کچھ مال بھیجا جس میں ان کا وہ ہار بھی تھا جو (پہلے) حضرت خدیجہؓ کے پاس تھا اور اس کو (انہوں نے) ابوالعاص کے ساتھ زینبؓ کے نکاح کے وقت ان کو (جیز میں) ادیا تھا جب رسول کریم ﷺ نے وہ ہار دیکھا تو زینبؓ کے لئے آپ ﷺ پر سخت رقت طاری ہو گئی (یعنی) اس وقت اپنی بیٹی حضرت زینبؓ کی غربت و تنہائی کا احساس کر کے اور حضرت خدیجہؓ کی رفاقت کی یاد تازہ ہو جانے کی وجہ سے جن کے گلے میں وہ ہار رہتا تھا آپ ﷺ کا دل ہلنڈا آیا) اور آپ ﷺ نے (صحابہؓ سے) فرمایا کہ ”اگر تم مناسب سمجھو تو زینبؓ کی خاطر اس کے قیدی (ابوالعاص) کو (باجا معاوضہ) رہا کر دو اور اس (زینبؓ) کو اس کی (وہ سب چیزیں) جو اس نے ابوالعاص کی رہائی کے لئے بھیجی ہیں (واپس کر دو۔“ صحابہؓ نے عرض کیا کہ بہتر ہے (ہم زینبؓ کا مال واپس کر کے ابوالعاص کو بلا معاوضہ رہا کر دیتے ہیں) چنانچہ (ابوالعاص) کو رہا کر دیا

گیا اور رہائی کے وقت آنحضرت ﷺ نے ابو العاصؓ سے یہ عہد و وعدہ لیا کہ وہ آپ ﷺ کے پاس زینبؓ کے آنے کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈالیں۔ یعنی آپ ﷺ نے ابو العاصؓ کو رہا کرتے وقت ان سے کہا کہ یہ پختہ وعدہ کرو کہ کہہ بیچ کر زینبؓ کو میرے پاس مدینہ آنے دو گے اور اس کا راستہ نہیں روکے گے اور پھر رسول کریم ﷺ نے زینبؓ کی حالت اور انصار میں سے ایک شخص کو (کہہ) روانہ کیا اور ان سے کہا کہ تم لوگ یمن یا نجد میں ٹھہر جانا جب زینبؓ (کہہ) سے روانہ ہو کر وہاں تمہارے پاس آجائے تو تم اس کے ساتھ ہو جاؤ اور (مدینہ) لے آنا۔ (احمد، ابوداؤد)

تشریح: حضرت زینبؓ آنحضرت ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں، اور ابو العاصؓ ابن ربیع جو عبدالعزیٰ ابن عبد شمس ابن عبد مناف کے پوتے تھے، اہم المؤمنین حضرت خدیجہؓ کے بھانجے تھے اور حضرت زینبؓ کے شوہر ہونے کی وجہ سے داماد بھی تھے۔ حضرت خدیجہؓ، آنحضرت ﷺ کی سب سے پہلی زوجہ مطہرہ ہیں، آپ ﷺ کی ساری اولاد علاوہ ابراہیمؑ کے حضرت خدیجہؓ ہی کے بطن سے تھی۔ ابراہیمؑ جن کا کمسنی میں انتقال ہو گیا تھا حضرت مدیہؓ کے بطن سے تھے۔

حضرت زینبؓ جو ایک کافر یعنی ابو العاصؓ کے نکاح میں تھیں تو اس کا سبب یہ تھا کہ اس وقت مسلمان عورت کا کافر مرد کے ساتھ نکاح جائز تھا، نیز کہ سے حضرت زینبؓ کو لائے گئے آنحضرت ﷺ کی طرف سے ایسے دو آدمیوں کا بیجا جانا جو حضرت زینبؓ کے شرعی محرم نہیں تھے ایک بالکل مخصوص نوعیت کا معاملہ تھا اور وہ ایک ایسی صورت تھی جو (اس کی) صورت کہلائی جا سکتی ہے کہ حضرت زینبؓ چونکہ صاحبزادی رسول تھیں اس لئے ان کے ساتھ کسی غیر محرم کا ہونا کسی قسم کے شک و شبہ سے بالاتر تھا اور کسی خوف و خطرہ کے پیدا ہونے کا سوال نہیں تھا۔ ویسے ایک عام مسئلہ ہے کہ عورت کو کسی نامحرم کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں ہے

”بطن یا نجد“ ایک جگہ کا نام تھا جو مکہ سے تقریباً آٹھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس لفظ ”یا نجد“ کو صاحب قاموس نے یا اور دونوں نیم کے ساتھ یعنی ”یا نجد“ لکھا ہے، اور علاوہ اس کو نون اور یا و نیم کے ساتھ یعنی ”یا نجد“ بھی نقل کیا ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ المصابیح کے اکثر قدیم نسخوں میں یہ لفظ ”یا نجد“ ہی مذکور ہے۔

حضرت زینبؓ جب مکہ سے مدینہ آئیں تو ابو العاصؓ مکہ ہی میں رہے اور کفر کی حالت پر قائم رہے، کچھ دنوں کے بعد ان کو تجارت کی غرض سے شام کا سفر کرنا پڑا، جب مدینہ کے مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ ابو العاصؓ اس سفر میں مدینہ کے قریب سے گذرنے والے ہیں تو انہوں نے یہ اسکیم بنائی کہ ابو العاصؓ جیسے ہی مدینہ کے علاقہ میں داخل ہوں ان کا سارا مال چھین لیا جائے، اس اسکیم کی خبر حضرت زینبؓ کو پہنچی تو ان کا دل شوہر کی محبت میں بے تاب ہو گیا، فوراً آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں کہ ”یا رسول اللہ ﷺ کیا مسلمانوں میں سے کسی ایک کے عہد امان کا اعتبار نہیں ہے؟“ یعنی اگر کوئی ایک مسلمان کسی کافر کو عہد امان دے دے تو پھر یہ سارے ہی مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگی تاکہ وہ اس کافر کو امان دینا نہ دیں؟“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”ہاں! ایک مسلمان کے عہد امان کا اعتبار ہے۔“ حضرت زینبؓ نے کہا کہ ”تو پھر یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کو گواہ رہنے کے میں ابو العاصؓ کو عہد امان دیتی ہوں۔“ جب صحابہؓ نے یہ حال دیکھا تو ان کے لئے اپنی اسکیم پر عمل کرنا قطعاً ممکن نہیں رہا تاہم وہ بغیر ہتھیار و اسلحہ کے مدینہ کے قریب ابو العاصؓ کی گذرگاہ پر پہنچے اور ان سے ملے تو کہا کہ ”ابو العاصؓ اہم قریش کے ایک معزز و شریف اور صاحب حیثیت“ فرد ہو اور بغیر اسلام ﷺ کے چچا کے بیٹے بھی ہو (اس نسبت سے تمہارے حق میں اس سے بہتر اور کوئی راہ نہیں ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ تاکہ تمہیں آخرت کی فلاح و نجات تو ملے ہی گی) تمہارا یہ سب مال بھی تمہارے ہی پاس رہے۔“ ابو العاصؓ نے (یہ سن کر) کہا کہ ”تم نے جو یہ کہا ہے (کہ مسلمان ہو جانے کی وجہ سے مال محفوظ رہے گا) تو یہ ایک قطعی نامناسب اور غیر موزوں بات ہے میں اس سے پناہ مانگتا ہوں کہ اپنے اسلام کو مال و دولت (کی کثافت) سے منہ نہ کروں؟“ اس کے بعد ابو العاصؓ مکہ روانہ ہو گئے اور وہیں پہنچ کر لوگوں کا مال ان کے سپرد کیا اور پھر (سب کو جمع کر کے) کہا کہ مکہ والو! تم لوگوں کے مال تمہارے پاس پہنچ گئے؟“ انہوں نے کہا کہ ”ہاں، پہنچ گئے۔“ پھر ابو العاصؓ

نے ان سے سامنے اعلان کیا کہ ”جسم سب گواہ رہا“ میں مسلمان ہو گیا ہوں اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ اس کے بعد حضرت ابوالعاصؓ نے مکہ میں اپنا گھر بار، دوست عزیز، اور مال و اسباب سب کچھ چھوڑ کر راہ ہجرت اختیار کی اور مدینہ منورہؓ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، آنحضرت ﷺ نے کمال محبت و الفت ان کو خوش آمدید کہا، اور حضرت زینبؓ کی بیرونی میں دے دیا۔

اس بارہ میں اختلافی قوال ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ابوالعاصؓ کے مدینہ پہنچنے پر حضرت زینبؓ سے ان کا دوبارہ (از سر نو) نکاح کیا تھا یا پہلا ہی نکاح باقی رکھا تھا۔

آنحضرت ﷺ کو ابوالعاصؓ سے بہت زیادہ تعلق تھا، خاص طور سے ان کے مسلمان ہو جانے کے بعد تو آپ ان سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اور ان سے بہت خوش رہا کرتے تھے۔ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں جنگ یمامہ کے دوران شہید ہو گئے۔

جنگ بدر کے قیدیوں میں سے قتل کئے جانے والے کفار

(۱۲) وَعَمَّا اَنْ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم لَمَّا اَسْرَ اَهْلُ بَنَدْرِ قَتَلَ عُقْبَةُ بْنُ اَبِیْ مُعْطِبٍ وَالتَّضَرُّبُ بْنُ الْحَارِثِ وَ مِنْ عَلِیِّ ابْنِ عَرْفَةَ الْخَصَفِجِ۔ (رواد فی شرح السنہ)

”اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بدر کی جنگ میں مجاہدین اسلام کے خلاف لڑنے والوں (میں سے جن کفار کو قید کیا تھا ان میں سے عقبہ ابن ابومعیط اور نضر ابن حارث کو قتل کر دیا اور ابو غرہ کو (بلا معاوضہ رہا کر کے) ممنون کیا۔“ (شرح السنہ)

تشریح: امام وقت (یعنی اسلامی مملکت کے سربراہ) کو یہ اختیار حاصل ہے کہ جو غیر مسلم (کفر کے لوگ) اس کی قید میں ہوں اور وہ اسلام قبول نہ کریں تو وہ چاہے ان کو موت کے گھاٹ اتار دے، چاہے غلام بنا کر رکھے اور چاہے مسلمانوں کے عہد امان کی بناء پر ان کو آزاد کر کے چھوڑ دے، البتہ ان کو ممنون کرنا یعنی بلا کسی معاوضہ کے ان کو رہا کر دینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس کا جواز منسوخ ہو گیا ہے۔

(۱۳) وَعَنْ اَبِیْ مُسْعُوْدٍ اَنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم لَمَّا اَزَادَ قَتَلَ عُقْبَةُ بْنُ اَبِیْ مُعْطِبٍ قَالِ مِنْ لِلْبَنَاتِیْنِ قَالَ

الْبَنَاتُ۔ (رواد ابو داؤد)

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جب عقبہ ابن ابومعیط کو مار ڈالنے کا ارادہ کیا تو (اس نے) کہا کہ (میرے) بچوں کو کون پالے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”آگ“۔ (ابوداؤد)

تشریح: آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان کہ بچوں کو آگ پالے گی، گویا ان بچوں کے منافع ہو جانے کے مفہوم کا حامل ہے، یعنی اگر آگ اس چیز کی صلاحیت رکھتی کہ وہ کسی کی مدد کا رُوخوار ہو سکتی ہو تو یقیناً وہ بچوں کی بھی مدد کا رُوخوار ہوگی لیکن چونکہ وہ ایسی صلاحیت ہی نہیں رکھتی اگر لئے بچوں کا کوئی دوسرا مددگار نہ ہونے کی وجہ سے ان کی تباہی لازمی ہے۔

یا آپ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ تو اب اپنی فکر کر کہ دوزخ کی آگ تیرا نکھانا بننے والی ہے، بچوں کی فکر میں مبتلا نہ ہو کہ ان کی پرورش نہ تجھ پر منحصر ہے اور نہ کسی دوسرے پر، ان کا مددگار تو فیصل خدا کی ذات ہے، وہی ان کی پرورش کرانے گا۔

جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں دیا گیا اختیار

(۱۴) وَعَنْ عَلِیِّ بْنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اَنْ جَبْرِیْلَ هَبَطَ عَلَیْہِ فَقَالَ لَہٗ خَیْرَتُہُمْ یَعْنِیْ اَصْحَابُکَ لَہِیْ اَسَاذِیْ نَذِرُ الْقَتْلِ اَوْ الْبُعْدَ عَلٰی اَنْ یَّقْتَلَ مِنْہُمْ قَابِلًا مِّمْلَہُمْ قَالُوْا الْبُعْدُ وَ یَقْتُلُ مِثْلًا۔ (رواد الترمذی و قال صحاح حدیث عربی)

”اور حضرت علیؓ کریم اللہ وجہ رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام، آنحضرت کے پاس تشریف لائے اور

کہا کہ آپ (ﷺ) اپنے صحابہ کو جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں اختیار دے دیجئے کہ خواہ وہ ان قیدیوں کو قتل کر دیں یا فدیہ لے لیں (یعنی مال لے کر ان کو چھوڑ دیں) لیکن فدیہ لینے کی صورت میں آئندہ سال ان (صحابہ) کے اتنے ہی (یعنی ستر) آدمی مارے جائیں گے۔ صحابہ نے اس اختیار کو سن کر عرض کیا کہ ”ہم فدیہ لینے کو اور اپنے ستر آدمیوں کے بارے جانے کو اختیار کرتے ہیں۔“ اس روایت کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: جنگ بدر میں مکہ کے جو کفار قریش مسلمانوں کے مقابلہ پر آئے تھے ان میں سے ستر کفار قریش قتل کر دیئے گئے تھے اور ستر ہی کی تعداد گرفتار کر کے مدینہ لائی گئی تھی، جب یہ ستر قیدی مدینہ پہنچے تو آنحضرت (ﷺ) نے ان کے بارے میں صاحب الرائے صحابہ سے مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا جائے، آیا ان کو قتل کر دیا جائے یا فدیہ یعنی مالی معاوضہ لے کر ان کو رہا کر دیا جائے؟ حضرت ابو بکرؓ نے یہ مشورہ دیا کہ آپ (ﷺ) ان کو قتل نہ کرائیے بلکہ زندہ چھوڑ دیجئے، جب انہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو کفر سے توبہ کی توفیق عطا فرمادے اور یہ مسلمان ہو جائیں، البتہ ان سے فدیہ لے لیجئے تاکہ ان سے فدیہ کے طور پر جو مال حاصل ہووے آپ کے رفقاء (یعنی مسلمانوں کی تقویت اور ان کی کچھ دینی و دنیوی ضروریات کے تکمیل کا ذریعہ بن جائے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا کہ ”میری رائے یہ ہے کہ آپ (ﷺ) ان سب کی گردن اڑا دیجئے کیونکہ یہ کفر و شرک کے پیشوا اور سردار ہیں (ان کی موت سے کفر و شرک پر کلاری ضرب لگے گی) اور (جہاں تک ان کی رہائی کے ذریعہ کچھ مالی منفعت حاصل ہو جانے کا سوال ہے تو) اللہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کو مال حاصل کرنے سے مستثنیٰ و بے نیاز بنا رکھا ہے (آنحضرت (ﷺ) نے یہ اختلاف آراء دیکھتے ہوئے) (حضرت جبرئیل علیہ السلام کے مشورہ پر صحابہ کو اختیار دے دیا کہ تم لوگ دونوں چیزوں میں سے کسی ایک کو منتخب کر لو کہ چاہے تو اپنے قیدیوں کی گردن اڑا دو اور چاہے فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دو لیکن یہ واضح رہے کہ فدیہ لینے کی صورت میں یہ مقدر ہو چکا ہے کہ آئندہ سال تم میں ستر آدمی شہید ہوں گے اور فی الحکمہ کفار کو فتح بھی حاصل ہوگی۔ صحابہ نے اس اجتہاد کے باوجود فدیہ لینے کو اختیار کیا۔ جب آئندہ سال غزوہ احد ہوا اور مدینہ ان جنگ میں مسلمانوں کو زبردست مقابلہ کا سامن کرنا پڑا یہاں تک کہ ایک موقع پر پساپی کی صورت بھی اختیار کرنی پڑی، تو آنحضرت (ﷺ) نے ایک سال پہلے جس چیز سے متنبہ کیا تھا وہ سامنے آئی یعنی اس عرصہ میں مسلمانوں کو اپنی ستر قیمتی جانوں سے ہاتھ دھونا پڑا اور ان ستر شہیدوں میں حضرت حمزہؓ ابن عبد المطلب اور حضرت مصعبؓ ابن عمیر جیسے جلیل القدر صحابہ بھی شامل تھے۔

ہنگامہ جنگ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ دربار رسالت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آنحضرت (ﷺ) اور حضرت ابو بکر صدیقؓ دونوں رو رہے ہیں، انہوں نے پوچھا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ مجھے بھی بتائیے تاکہ میں بھی رو دوں۔ آنحضرت (ﷺ) نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھیوں پر رونا ہوں جنہوں نے فدیہ لینے کو اختیار کیا تھا اور آپ کے نزدیک ایک درخت کھڑا تھا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے اس درخت سے بھی زیادہ قریب سے ان کا عذاب دیکھ لیا گیا ہے۔“ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ (ﷺ) نے فرمایا ”اگر ان پر عذاب نازل کیا جاتا تو اس عذاب سے عمرؓ اور سعدؓ ابن معاذ کے علاوہ کسی کو نجات نہ ملتی (حضرت سعدؓ ابن معاذ بھی حضرت عمرؓ کی اس رائے کے حامی تھے کہ ان قیدیوں سے فدیہ نہیں لینا چاہئے بلکہ ان کو قتل کر دینا ہی مناسب ہے)۔

بہر حال۔ صحابہ کرامؓ نے فدیہ لینے کو جو اختیار کیا تو اس کی بنیاد ان قیدیوں کے تئیں ان (صحابہ) کی یہ انتہائی خواہش اور رغبت تھی کہ اگر یہ قتل ہونے سے بچ گئے تو شاید بھی نہ بھی مسلمان ہو جائیں نیز آئندہ سال خود اپنے شہید ہوجانے کی تمنا بھی اس کا محرک بنی اس کے ساتھ ہی ان قیدیوں کے اہل و عیال اور ان کے اقرباء کے ساتھ ان (صحابہ) کا جذبیہ ترحم بھی اس کا متقاضی ہوا کہ یہ قیدی قتل نہ کئے جائیں۔

اس موقع پر ایک یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں کو دو چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو پسند کرنے کا اختیار دے دیا گیا تھا اور

آپ ﷺ ان غلاموں کو ان کے مالکوں کے پاس واپس بھیج دیجئے (یہ سن کر رسول کریم ﷺ غضب ناک ہو گئے اور فرمایا کہ "قریش والو! میں دیکھتا ہوں کہ تم (اپنی سرکشی اور نافرمانی سے) بلا نہیں آؤ گے تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ تم پر اس شخص کو مسلط نہ کر دے جو تمہارے اس فیصلے (کہ ان غلاموں کو ان کے مالکوں کے پاس واپس بھیج دیا جائے اور اس طرح ان کے مسلمان ہو جانے کے بعد ان کو دار الحرب کے حوالے کر دیا جائے) کی بناء پر تمہاری گردن اڑا دے" اور پھر آپ ﷺ نے ان غلاموں کی واپسی کے مطالبہ کو رد کر دیا اور فرمایا کہ "یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں۔" (ابوداؤد)

تشریح: آنحضرت ﷺ اس لئے غضب ناک ہوئے کہ صحابہؓ نے ان غلاموں کے حق میں اپنی ذاتی رائے کو شرعی حکم کے مقابل کیا اور گویا ان کے مالکوں کے دعوے کی گواہی دی، چنانچہ ان غلاموں کے حق میں شرعی حکم یہ تھا کہ وہ چونکہ دار الحرب سے نکل آنے کے سبب محض اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے معصوم اور آزاد ہو گئے تھے، ان کو ان کے پاس دار الحرب واپس کر دینا جائز نہیں تھا، لہذا صحابہؓ کا ان کی واپسی کے مطالبہ کی تائید کرنا، جبر و زیادتی پر ان کے مالکوں کی مدد کرنے کے مترادف تھا۔

الفصل الثالث

حضرت خالدؓ کی طرف سے عدم احتیاط کا ایک واقعہ

(۱۷) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ إِلَى بَنِي حَذِیْمَةَ فَلَدَّعَاهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَلَمْ يُخْبِسُونَهُمْ أَنْ يَقُولُوا أَسْلَمْنَا فَجَعَلُوا يَقُولُونَ صَبَانًا صَبَانًا فَجَعَلَ خَالِدٌ يَقْتُلُ وَيَأْسِرُ وَدَفَعَ إِلَى كُلِّ رَجُلٍ مِمَّا أُسِيرَ حَتَّى إِذَا كَانَ يَوْمٌ أَمَرَ خَالِدٌ أَنْ يَقْتُلَ كُلَّ رَجُلٍ مِمَّا أُسِيرَ وَفَلَّتْ وَاللَّهِ لَا أَقْتُلُ أُسِيرِي وَلا يَقْتُلُ رَجُلٌ مِّنْ أَصْحَابِي أُسِيرَ حَتَّى قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَدَّكَرْنَاهُ فَرَفَعَ بَنَدِيهِ فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ مَوْثِقِينَ - (رواه البخاری)

"حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے خالدؓ (ابن ولید) کو ایک قبیلہ (بنی حذیمہ) میں بھیجا، خالدؓ نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، وہ لوگ اضطراب و سراسیمگی کے عالم میں یہ بھی طرح سے نہیں کہہ سکے کہ ہم اسلام لائے (یعنی وہ اپنی زبانوں سے اسلام کا کلمہ پوری طرح ادا نہیں کر سکے) بلکہ انہوں نے یہ کہا شروع کیا کہ صبا، صبا، صبا، یعنی ہم نے اپنا دین چھوڑ دیا، اپنا دین چھوڑ دیا" خالدؓ نے (جب ان کی زبان سے یہ سنا تو ان کے) بعض لوگوں کو قتل کرنا اور (بعض کی گرفتار کرنا شروع کر دیا اور پھر ہم (لوگ جو ان کے ساتھ تھے ان) میں سے ہر شخص کو اس قیدی پر چڑھ کر دیا (یعنی جو لوگ قیدی بنائے گئے ان کو ہمارے درمیان تقسیم کر کے ایک ایک قیدی ہر ایک کے سپرد کر دیا اور یہ حکم دیا کہ ہم ان قیدیوں کی اس وقت تک حفاظت و نگرانی کریں جب تک کہ ہمیں ان کو قتل کر دینے کا حکم نہ دیا جائے) چنانچہ جب ایک (وہ دن آیا جس میں خالدؓ نے ان قیدیوں کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا تھا) تو انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے قیدی کو قتل کر دے (یہ حکم سن کر میں (یعنی ابن عمرؓ) نے کہا کہ "خدا کی قسم! میں اپنے قیدی کو قتل نہیں کروں گا اور نہ میرے ساتھیوں میں سے کوئی شخص اپنے قیدی کو قتل کرے گا) (بلکہ ہم لوگ اپنے قیدیوں کو اس وقت تک اپنی حفاظت میں رکھیں گے جب تک کہ ہم ہمارے رسالت میں نہ پہنچ جائیں اور اس بارے میں کوئی آخری حکم حاصل نہ کریں) چنانچہ ہم نے اپنے قیدیوں کو اپنی حفاظت میں رکھا، یہاں تک کہ ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کے سامنے پورا واقعہ بیان کیا، آنحضرت ﷺ نے (واقعہ کی تفصیل سن کر) اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کر کے یہ کہا کہ "اے اللہ! میں تیرے حضور میں خالدؓ کے عمل سے اپنی بیجاری دے کر رضائی کا اظہار کرتا ہوں۔" آپ نے یہ الفاظ دو مرتبہ ارشاد فرمائے۔" (بخاری)

تشریح: خطابی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے بارگاہ رب العزت میں حضرت خالدؓ کے عمل سے اس لئے اظہارِ بیزاری فرمایا کہ خالدؓ نے اس موقع پر احتیاط کی روہ اختیار نہیں کی اور اس بات میں غور و تامل نہیں کیا کہ وہ لوگ ”صبا“ سے کیا مراد رکھتے تھے کیونکہ یہ لفظ ”صبا“ دین اسلام اختیار کر لینے کے مفہوم کا بھی استعمال رکھتا تھا لیکن خالدؓ نے محض یہ دیکھ کر کہ ان لوگوں نے قبولیت اسلام کے مفہوم کو واضح طور پر ظاہر کرنے والے الفاظ ”اصلعنا“ استعمال کرنے سے روگردانی کی ہے اس لئے انہوں نے ان لوگوں کی بات کو تسلیم نہیں کیا اور ان کے کہے ہوئے نہ کوہ الفاظ کو ان کے بددین ہو جانے پر محمول کر کے ان کو قتل کرنا اور قیدی بنانا شروع کر دیا۔

بَابُ الْأَمَانِ امان دینے کا بیان الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

ام ہانی کی طرف سے اپنے ایک عزیز کو امان دینے کا واقعہ

① عَنْ أُمِّ هَانِيٍّ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ قَالَتْ ذَهَبْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَامَ الْفَتْحِ فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ ابْنَتُهُ تَسْتَوِئُ بِقُوبٍ فَسَلَّمْتُ فَقَالَ مَنْ هَذِهِ فَقُلْتُ أَنَا أُمُّ هَانِيٍّ بِنْتُ أَبِي طَالِبٍ فَقَالَ مَرْحَبًا يَا هَانِيٍّ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهِ قَامَ فَصَلَّى ثُمَّ نَامَ زَكَتَابٌ مَلْتَحَ جَفَايَ قُوبٌ ثُمَّ انْصَرَفَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ زَعَمَ ابْنُ أُخْتِي عَلِيٍّ أَنَّهُ قَاتِلٌ زُحَلَا أَجَزْتُهُ فَلَا بَنَ هُنَيْرَةَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَجَزْنَا مَنْ أَجَزْتَ يَا أُمُّ هَانِيٍّ قَالَتْ أُمُّ هَانِيٍّ وَذَلِكَ صَحِيحٌ - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبَيْهَقِيِّ قَالَتْ أَجَزْتُ زُحَلَيْنِ مِنْ أَخِي هَانِيٍّ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَقْنَا مِنْ أَمْنِيٍّ -

”حضرت ام ہانی بنت ابوطالب کہتی ہیں کہ فتح مکہ کے سال (یعنی فتح مکہ کے موقع پر) میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، آنحضرت ﷺ اس وقت غسل فرما رہے تھے اور آپ ﷺ کی ساجزادی حضرت فاطمہؓ کپڑے سے آپ ﷺ کا پردہ کئے ہوئے تھیں۔ میں نے سلام عرض کیا، آپ ﷺ نے پوچھا ”کون ہے؟“ میں نے عرض کیا کہ ”میں ہوں، ام ہانی بنت ابوطالب!“ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”ام ہانی کو خوش آمدید!“ پھر جب آپ ﷺ غسل سے فارغ ہوئے تو جسم پر کپڑا لپیٹے ہوئے آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور نماز چاشت کی (اللہ رکعتیں پڑھیں اور جب نماز پڑھ چکے تو میں نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! میری ماں کے بیٹے یعنی حضرت علیؓ نے بتایا ہے کہ وہ اس شخص کو قتل کرنے والے ہیں جس کو میں نے اپنے گھر میں پناہ دی ہے یعنی طلاس شخص کو جو ہیرہ کا پتھر ہے؟“ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ام ہانی، جس کو تم نے پناہ دی ہے (گویا) اس کو ہم نے پناہ دی۔“ حضرت ام ہانی کہتی ہیں کہ ”یہ واقعہ چاشت کے وقت کا ہے۔“ اور ترمذی کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت ام ہانیؓ نے (آنحضرت ﷺ سے) عرض کیا کہ ”میں نے دو آدمیوں کو پناہ دی ہے جو میرے خاندان کے رشتہ دار ہیں؟“ رسول کریم ﷺ وسلم نے فرمایا ”ہماری طرف سے اس شخص کے لئے امان ہے جس کو تم نے امان دی ہے۔“

تشریح: حضرت ام ہانیؓ کا اصل نام ”فاختہ“ تھا اور بعض نے ”عاتکہ“ بیان کیا ہے۔ یہ ابوطالب کی بیٹی اور حضرت علیؓ کی زوجہ کی حقیقی بہن ہیں، ہیرہ ان کے خاندان کا نام ہے، جب ام ہانیؓ نے فتح مکہ کے سال اسلام قبول کیا تو ہیرہ سے ان کی جدائی واقع ہو گئی کیونکہ وہ مسلمان نہیں ہوا۔

جس شخص کو حضرت اُمّ ہانیؓ نے پناہ دی تھی وہ ان کے خاوند ہبیرو کی اولاد میں سے تھا، اطلب یہ ہے کہ وہ اُمّ ہانیؓ کے عداوہ ہبیرو کی کسی اور بیوی کے بطن سے تھا، حضرت علیؓ نے ان کی پناہ کو قبول نہ کرتے ہوئے اس شخص کو قتل کر ڈالنا چاہا تو اُمّ ہانیؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر صورت حال بیان کی، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کی پناہ کو قبول کیا اور وہ شخص حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ گیا۔

ترمذیؒ نے جو روایت نقل کی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اس وقت اُمّ ہانیؓ ہی کے مکان میں غسل فرما رہے تھے، لیکن یہاں بخاریؒ و مسلمؒ کی جو روایت نقل کی گئی ہے اس کے ظاہری مفہوم سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے مکان میں یا حضرت فاطمہؓ کے گھر میں نہا رہے تھے، اس صورت میں دونوں روایتوں کے درمیان یوں مطابقت ہوگی کہ بخاریؒ و مسلمؒ کی روایت میں یہ عبارت مقرر مانی جائے کہ ”آنحضرت ﷺ میرے گھر میں غسل فرما رہے تھے“ یا پھر یہ کہا جائے کہ ترمذیؒ کی روایت میں جو واقعہ نقل کیا گیا ہے وہ کسی اور موقع کا ہے اور بخاریؒ و مسلمؒ کی روایت کسی اور موقع سے متعلق ہے۔

الفصل الثانی

عورت کے عہد امان کی پاسداری سارے مسلمانوں پر لازم ہے

(۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْمَرْأَةَ لَتَأْخُذَ لِلْقَوْمِ بِغَيْرِ نَجْتٍ عَلَى الْمُسْلِمِينَ۔

(رواہ الترمذی)

”حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا ”عورت کسی قوم کے لئے (عہد) لیتی ہے یعنی وہ مسلمانوں کی طرف سے پناہ دے سکتی ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان عورت، کسی کافر کو یا کافروں کی کسی جماعت کو امان دینا دے دے تو یہ سارے مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ اس عورت کے عہد امان کو ملحوظ رکھ کر اس کافر کو یا کافروں کی اس جماعت کو امان دینا دیں اور اس عہد امان کو توڑیں نہیں۔

اپنے عہد امان کو توڑنے والے کے بارے میں وعید

(۳) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطْمِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ أَخَذَ وَجُلًا عَلَى نَفْسِهِ فَقَتَلَهُ أُعْطِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْقِيَامَةَ۔ (رواہی شرح السنہ)

”اور حضرت عمر بن خطابؓ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”جو شخص کسی کو اس کی جان کی ضمانت دے اور پھر اس کو مار ڈالے تو قیامت کے دن اس کو یہ عہدی کا نشان دیا جائے گا۔“ (شرح السنہ)

تشریح: ”اس کو یہ عہدی کا نشان دیا جائے گا“ اس جملہ کے ذریعہ کہتا ہے کہ اس شخص کو میدان حشر میں تمام مخلوق کے سامنے ذلیل و رسوا کیا جائے گا۔ دوسری حدیثوں میں یہ بیان کیا گیا ہے قیامت کے دن عہد شکن کو ایک ایسا نشان دیا جائے گا جس کے ذریعہ اس کو پہچانا جائے گا کہ یہ وہ شخص ہے جس نے عہد شکنی کا ارتکاب کیا تھا۔

معاہدہ کی پوری طرح پابندی کرنی چاہئے

(۴) وَعَنْ سُلَيْمِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ كَانَ بَيْنَ مُعَاوِيَةَ وَبَيْنَ الزُّوْمِ عَهْدٌ وَكَانَ يَسِيرُ تَحْوِيلًا بِهِمْ حَتَّى إِذَا انْقَضَى الْعَهْدُ اَعْدَرَ

عَلَيْهِمْ فِجَاءٌ وَحُلٌّ عَلَى فَرْسٍ أَوْ بَرٍّ ذَوْنٌ هُوَ يَقُولُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَفَاءٌ لَا عُدَّةَ فَتَقْتَرُونَ إِيَّاهُذَا هُوَ عَمْرُو بْنُ عَبْسَةَ فَسَأَلَهُ مُعَاوِيَةُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ كَانَ نِيَّةً وَنِيْسَ فَرَمَ غَيْدًا فَلَا يَخْلُدُ غَيْدًا وَلَا يَنْشُدُهُ حَتَّى يَمُتْ نِيْمَتِي أَعْدَةُ أَوْ يَنْبُذَ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ قَالَ فَرَجَعَ مُعَاوِيَةُ بِالْأَسْرِ - (رواه الترمذی و ابوداؤد)

”اور حضرت سلیم ابن عامر (تابعی) کہتے ہیں کہ امیر معاویہؓ اور رومیوں کے درمیان (یہ) معاہدہ ہوا تھا کہ (اسنے) دنوں تک ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے، اور حضرت معاویہؓ (اس معاہدہ کے زمانہ میں) رومیوں کے شہروں میں گشت (کے کر کے) حالات کا اندازہ لگا کر کرتے تھے تاکہ جب معاہدہ کی مدت گزر جائے تو وہ ان (رومیوں) پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں (اور ان کے ٹھکانوں کو تاخت و تاراج کر دیں جب کہ اگر وہ گشت کے ذریعہ ان کے حالات اور ٹھکانوں کا جائزہ لینے کی بجائے اطمینان کے ساتھ اپنے کیمپ میں پڑے رہتے اور پھر معاہدہ کی مدت ختم ہونے پر حملہ کرتے تو ان رومیوں کے چوکنا ہونے کی وجہ سے خاطر خواہ جنگی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا تھا پھر انہی دنوں میں جب کہ امیر معاویہؓ اپنے لشکر والوں کے ساتھ رومیوں کے شہر میں پھر رہے تھے، ایک شخص عربی بآثر کی گھوڑے پر سوار یہ کہتے ہوئے آئے کہ ”اللہ اکبر اللہ اکبر، دفا کو غولار کھونہ بد مہدی کو اپنی تم پر معاہدہ کو پورا کرنا لازم ہے نہ کہ تم معاہدہ کی خلاف ورزی کرو گوا انہوں نے یہ واضح کیا کہ تم لوگ معاہدہ کے زمانہ میں دشمنوں کے شہروں میں گشت لگاتے پھرتے ہو تو یہ اپنے مہدی کی پاسداری کی علامت نہیں ہے بلکہ یہ جہد فکشی اور معاہدہ کی خلاف ورزی کے حکم میں داخل ہے) جب لوگوں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ شخص (ایک صحابی) حضرت عمرو ابن عبسہؓ ہیں، حضرت امیر معاویہؓ نے ان سے اس بات کو پوچھا کہ رومیوں کے شہروں میں ہمارا پھرتا، جہد فکشی کے مرادف کیسے ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”جس شخص اور کسی قوم کے درمیان معاہدہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے مہد کو نہ توڑے اور نہ باندھے، تاکہ اس معاہدہ کی مدت گزر جائے یا وہ ان کو مطلع کر کے برابری کی بنیاد پر اپنا مہد توڑ دے (یعنی اس معاہدہ کے خلاف کرنا، یا تو اس صورت میں چاہئے جب کہ اس معاہدہ کی مدت ختم ہوگئی ہو یا اس صورت میں جائز ہے جب کہ کسی مجبوری یا مصیبت کی بناء پر مدت کے دوران ہی معاہدہ کو توڑنا ضروری ہو گیا ہو اور فرق مخالف کو پہلے سے آگاہ کر دیا گیا ہو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا تم اس کو توڑتے ہیں، اب ہم اوکو دونوں برابر ہیں کہ جس کی (جو مرضی ہو کرے) حدیث کے روای حضرت سلیم ابن عامر کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ! حضرت ابن عباسؓ کی یہ بات اور آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث سن کر“ اپنے لوگوں کے ساتھ (رومیوں کے شہر اپنے کیمپ میں) واپس چلے آئے۔“ (ترمذی و ابوداؤد)

تشریح: ”اور نہ باندھے“ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے کسی بھی فعل سے معاہدہ کے مقصد و منشاء میں کوئی تغیر و تبدیلی نہ کرے آگوا اس جملہ کی مراد ایفاء عہد میں کسی طرح کا تغیر نہ کرنا ہے، ورنہ وہ کبھی کے حتیٰ اپنے عہد کو باندھنا اور مستحکم کرنا ہے، شریعت کی نظر میں مستحسن و مطلوب ہے۔

ایفاء عہد اور احترام قاصد کی اہمیت

⑤ وَعَنْ أَبِي زَائِعٍ قَالَ تَغَيَّبَ قُرَيْشٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا زَارَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْفِي فِي فَلَيْسَ الْإِسْلَامَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي لَا أَجِئُ بِالْعَهْدِ وَلَا أَجِئُ بِالْبُرْءِ وَلَكِنْ أَرْجِعُ فَإِنْ تَكُنْ لِي نَفْسُكَ الَّذِي فِي نَفْسِكَ الْآنَ فَارْجِعْ قَالَ قَدْ هَبْتَ ثُمَّ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَلَمْتُ - (رواه ابوداؤد)

”اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ (صلح حدیبیہ کے موقع پر) قاریش نے مجھے (اپنا قاصد تاکہ رسول کریم ﷺ کا ہاتھ میں لے کر) میری نظر رسول کریم ﷺ پر پڑی، تو (بے اختیار) میرے دل میں اسلام (کی صداقت و حقانیت) نے گھر کر لیا، میں نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ

خدا کی قسم، میں اب کبھی بھی ان (کفار قریش) کے پاس واپس نہیں جاؤں گا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”میں نہ تو جہد کو توڑا کرتا ہوں اور نہ قاصدوں کو روکا کرتا ہوں، البتہ تم (اب تو) واپس چلے جاؤ، اگر تمہارے دل میں وہ چیز (یعنی اسلام) قائم رہے جو اس وقت موجود ہے تو پھر (میرے پاس) چلے آنا۔“ حضرت ابورافعؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق، میں (اگر) واپس ہو گیا اور پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور اسلام قبول کر لیا (یعنی اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: چونکہ ابورافعؓ کفار مکہ کی طرف سے کوئی پیغام لے کر آئے تھے اس لئے آنحضرت نے ان کو اپنے پاس نہیں روکا، تاکہ وہ مکہ واپس جا کر کفار قریش کو ان کے پیغام کا جواب دے دیں، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کو جو حکم دیا اس کا مطلب یہی تھا کہ اسلام نے تمہارے دل میں گھر لیا ہے، اور اب مسلمان ہونے سے تمہیں کوئی چیز نہیں روک سکتی، لیکن احتیاط اور ایفاء عہد کا تقاضا یہ ہے کہ تم ابھی اپنے اسلام کا اظہار و اعلان نہ کرو بلکہ پہلے حکم دے واپس جاؤ اور کفار قریش نے جو ذمہ داری تمہارے سپرد کی تھی اس کو پورا کر دو، یعنی انہوں نے تمہیں جس بات کا جواب لانے کے لئے یہاں بھیجا تھا ان کو وہ جواب پہنچاؤ اور پھر اس کے بعد وہاں سے ہمارے پاس اگر اپنے اسلام کا اظہار و اعلان کرنا۔

⑥ وَعَنْ نَعِيمِ بْنِ عَسَاوٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ خَلَّيْنَا جَاءَ مِنْ غَدٍ مُسْلِمَةً أَخَاؤُا اللَّهُ لَوَ لَا أُنْزِلَ الرَّسُلُ لَأَقْتُلَنَّكَ لَمْ نَكُنْ أَغْنَاكَ كَمَا (رواہ احمد و ابوداؤد)

”اور حضرت نعیم ابن عساورؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ان دونوں آدمیوں سے فرمایا جو میلہ کے پاس سے آئے تھے کہ ”یاد رکھو خدا کی قسم اگر تمہارا شرعی طور پر ممنوع نہ ہوتا تو میں تمہاری گردنیں لٹا دیتا۔“ (احمد و ابوداؤد)

تشریح: میلہ ایک شخص کا نام ہے جس نے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اپنی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اسی لئے اس کو میلہ کذاب کہا جاتا ہے۔ وہ دو شخص جو میلہ کذاب کے پاس سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے تھے ان میں سے ایک کا نام عبداللہ ابن نواحہ تھا اور دوسرے کا نام ابن امیال تھا ان دونوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے یہ کہا تھا کہ نبی شہدان مسیحیہ رسول اللہ ہم کو اسی دیتے ہیں کہ میلہ اللہ کا رسول ہے، اسی لئے آپ ﷺ نے غصہ کر کے وہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

زمانہ جاہلیت کے ان معاہدوں کو پورا کرنے کا حکم جو اسلام کے منافی نہ ہوں

⑦ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي خُطْبَتِهِ أَوْفُوا بِحُلُوفِ الْحَبْلَيْنِ فَإِنَّهُ لَا يَزِيدُكَ يَغْنَى الْإِسْلَامُ إِلَّا حِلَّةً وَلَا تُخَذِّلُوكَ جُلُفًا فِي الْإِسْلَامِ - زَوَاهِ التِّرْمِذِيُّ مِنْ طَرِيقِ حُسَيْنِ بْنِ ذَكْوَانَ عَنْ عُمَرَ وَقَالَ حَسَنٌ -

”اور حضرت عمرو ابن شعیبؓ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (ایک دن) اپنے خطبہ کے دوران یہ فرمایا کہ ”زمانہ جاہلیت کی قسم کو پورا کرو، کیونکہ وہ (یعنی اسلام) اس قسم کو زیادہ ہی (مضبوط) کرتا ہے (مطلب یہ ہے کہ اپنے قسم اور اپنے عہد کو پورا کرنا اسلام میں کہیں زیادہ ضروری ہے اس اعتبار سے اسلامی احکام اور ایفاء عہد و حلف میں کوئی تضاد نہیں ہے) اور اسلام میں حلف (یعنی قسم) کو روکنا ناجائز ہے۔“ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسین ابن ذکوانؒ کی سند سے روایت حضرت عمروؓ نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔“

تشریح: ”قسم کو پورا کرو“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے قبل اپنے زمانہ جاہلیت میں اپنے مابین ایک دوسرے کی مدد کرنے کا عہد و پیمان باندھا ہو یا قسم قسمی کی ہو تو اللہ تعالیٰ کے اس حکم أَوْفُوا بِالْعُقُودِ (اپنے معاہدوں کو پورا کرو) کے بموجب اس عہد و پیمان اور قسم قسمی کو پورا کرو، لیکن انہی عہد و پیمان اور قسموں کو پورا کرو جو اسلام کی تعلیمات و عقائد کے منافی اور دین میں

نقصان کا سبب نہ ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے کہ:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (المائدہ ۳۵)

”اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی اعانت کرتے رہو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو۔“

حاصل یہ کہ اسلام لانے کے بعد زمانہ جاہلیت کے اس عہد و پیمان اور قسم کو پورا کرنا ممنوع ہے جس کا تعلق فتنہ و فساد اور خون ریزی وغیرہ سے ہو جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لَا خَلْفَ فِي الْإِسْلَامِ اور زمانہ جاہلیت کے جس عہد و پیمان اور قسم کا تعلق مظلوم و سبکے لوگوں کی امداد و اعانت، قرابت و اربوں کے ساتھ حسن سلوک اور اسی طرح کے دوسرے نیک امور سے ہو، اسلام ان کا موہیہ اور مضبوط کرنے والا ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ایسا حلف کنان فی الجاہلیۃ تمیز دہ الاسلام الا شدۃ

”اسلام میں حلف یعنی قسم کسی کو رواج نہ دو“ کیونکہ مسلمانوں پر ایک دوسرے کی مدد و اعانت اور باہمی حسن سلوک واجب ہونے کے لئے ان کے مذہب اسلام کی تعلیم و تلقین کافی ہے۔

طبیعی سمجھتے ہیں کہ ”اسلام میں حلف کو رواج نہ دو“ میں جو مخالفت بیان کی گئی ہے اس کے بارے میں دونوں احتمال ہیں، ایک تو یہ کہ یہ مخالفت، جس کے لئے ہو، لیکن ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک دوسرا ہی احتمال زیادہ قوی اور صاحب ہے، چنانچہ منظر کا یہ قول بھی اس بات کی تائید کرتا ہے جو مذکورہ بالا حدیث کی وضاحت کے طور پر ہے کہ اس اور شاد گرامی کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ اگر تم نے اپنے زمانہ جاہلیت میں (یعنی مسلمان ہونے سے پہلے) یہ قسم کھائی ہو کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے تو (اب مسلمان ہو جانے کے بعد بھی) اس قسم کو پورا کرو یعنی اپنے باہمی معاہدہ و حلف کے مطابق ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو بشرطیکہ جس کی مدد کی جائے وہ حق پر ہو لیکن اسلام میں اسی طرح کی قسم کو رواج نہ دو جس کا تعلق تمہیں ایک دوسرے کا وارث قرار دینے سے ہو جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کہ کوئی بھی دو شخص آپس میں ایک دوسرے سے قسم کے ساتھ یہ عہد کیا کرتے تھے کہ اگر میں پہلے مر گیا تو تم میرے وارث ہو گے اور اگر تم پہلے مر گئے تو میں تمہارا وارث ہوں گا)

وَذَكَرَ حَدِيثُ عَلِيِّ الْمُسْلِمِينَ تَنَكُّا فَأَذِمَّا نَهُمُ فِي كِتَابِ الْقَضَائِ۔ اور حضرت علیؓ کی یہ روایت کہ: المسلمون تنكفأ دما نهم کتاب القضا میں نقل کی جا چکی ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

قاصد اور ایچیوں کو قتل نہیں کیا جاسکتا

① عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ جَاءَ ابْنُ التَّوَّاحِ وَ ابْنُ أُمِّ الْيَاسِ وَ ابْنُ الْوَيْثَانِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا لَنَا أَمْرٌ نَسْأَلُكَ فِيهِ اللَّهُ فَقَالَ نَسْأَلُكَ اللَّهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلُ الْبَلَدِ وَ زُجُورُهُ لَوْ كُنْتُمْ قَاتِلًا زُجُورًا فَقَالَ ابْنُ التَّوَّاحِ فَصَحِبْتُ الشُّعْبَةَ أَنْ الزُّجُورَ لَا يَقْتُلُ۔ (رواہ احمد)

”حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ سبلہ (مدنی نبوت) کے دو قاصد ابن تواحہ اور ابن امی الیاس اور ابن الویثان نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ”کیونکہ اس حقیقت کی گواہی دیتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں؟“ ان دونوں نے کہا کہ ”نہیں بلکہ ہم اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ سبلہ، خدا کا رسول ہے۔“ نبی کریم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ تم میرا شہادہ اس کے رسول پر ایمان لایا، اگر میں قاصدوں اور ایچیوں کو قتل کرنے والا ہوتا تو یقیناً میں تم دونوں کو بھی قتل کر دیتا۔“ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ (آنحضرت ﷺ کے اس اور شاد گرامی کے پیش نظر) پھر یہ سنت جاری ہو گئی (یعنی یہ ضابطہ قرار پایا) کہ کسی قاصد یا ایچی کو قتل نہ کیا جائے

(خواہ وہ کتنی ہی غیر مناسب بات کیوں نہ کرے اور نقل علی کا سزاوار کیوں نہ ہو۔) (احمد)

تشریح: ان الجلیوں نے جو جواب دیا اس کے ذریعہ انہوں نے گویا آنحضرت ﷺ کی رسالت کا انکار اور میلہ کذاب کے خود ساختہ رسالت کا اقرار کیا اور پھر آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ ”میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا“ تو اس کے ذریعہ گویا آپ ﷺ نے اپنے جذبہ طلب حق، صفت علم و بردباری، اور ان کے عذاب خداوندی میں جلدی مبتلا ہونے کا اظہار کیا نیز ان الفاظ کے ذریعہ آپ ﷺ نے اس یعنی (میلہ کذاب) کی نبوت کے انکار اور اس کے دعوے کے جھوٹ ہونے کی طرف اشارہ فرمایا۔

بَابُ قِسْمَةِ الْغَنَائِمِ وَالْغُلُولِ فِيهَا

مال غنیمت کی تقسیم اور اس میں خیانت کرنے کا بیان

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

غنیمت کا مال مسلمانوں کے لئے حلال کیا گیا ہے

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ فَلَمْ تَحُلَّ الْغَنَائِمُ لِأَحَدٍ مِنْ قَبْلِنَا ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ زَايٍ صَغْفَاً وَعَجْزَا فُطَيْهَالًا۔ (بخاری)

”حضرت ابو ہریرہؓ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”میں غنیمت کا مال ہم سے پہلے کسی امت کے لئے حلال نہیں تھا، جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں (مالی طور پر) کمزور و عاجز و کھٹا تو اس (مال غنیمت) کو ہمارے لئے حلال قرار دیا۔“

تشریح: ”یعنی“ کہتے ہیں کہ ”فلَمْ تَحُلَّ“ میں حرف فال (پس) ملحوظ ہے جس کے ذریعہ ارشاد گرامی کے ان جملوں پر عطف کیا گیا ہے جو اس سے پہلے فرمائے گئے تھے، حاصل یہ کہ یہاں جو حدیث نقل کی گئی ہے وہ دراصل اس ارشاد گرامی کا ترجمہ ہے جو یہاں نقل نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس باب کی تیسری فصل میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں منقول ہے۔

مقتول سے چھینا ہوا مال قاتل کا ہے

② وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ عَزَّ وَجَلَّ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَامَ حُنَيْنٍ فَلَمَّا التَقَيْنَا كَانَتْ لِلْمُسْلِمِينَ جُزْءٌ وَأَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ قَدْ خَلَا وَخَلَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَضَرَبْتُهُ مِنْ وَرَاقِهِ عَلَى خَنْبَلٍ عَاتِقِهِ بِالسَّيْفِ فَقَطَعْتُ الْبَدَنَ وَأَقْبَلَ عَلَيَّ فَطَمَسَنِي صَمَةً وَجَدْتُ مِنْهَا رِيحَ الْمَوْتِ ثُمَّ أَذْرَكَةُ الْمَوْتِ فَأَرْسَلَنِي فَلَجَعْتُ عَمْرَيْنَ الْخَطَّابِ فَقُلْتُ مَا تَأْتِي النَّاسِ قَالَ أَمَرَ اللَّهُ ثُمَّ وَجَعُوا وَجَلَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ قَتَلَ فَيَبِئَالَهُ عَلَيْهِ بَيْتَةٌ فَلَهُ سَلْبَةٌ فَقُلْتُ مَنْ يَشْهَدُ لِي ثُمَّ جَلَسْتُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ فَقَطَعْتُ مِنْ يَشْهَدُ لِي ثُمَّ جَلَسْتُ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ فَقُلْتُ فَقَالَ مَا لَكَ يَا أَبَا قَتَادَةَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ وَجَلَّ صَدَقَ وَسَلْبُهُ عِنْدِي فَأَرْجِيهِ مِنِّي فَقَالَ أَبُو نَكْرٍ لَأَهَا اللَّهُ إِذَا لَا يَنْجِدُ إِلَى أَسَدٍ مِنْ أَسَدِ اللَّهِ يُقَاتِلُ عَنِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَيُعْطِيكَ سَلْبَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ فَأَعْطَاهُ فَأَعْطَانِي بِهِ مَحْزُوفَيْنِ بَنِي سُلَيْمَةَ فَأَتَانَهُ لَأَوَّلُ مَا لَاقَتْهُ فِي الْأَسْلَامِ۔ (بخاری)

”اور حضرت ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ (فتح مکہ کے بعد) خروہ حنین کے سال ہجرت کے لئے نبی کریم ﷺ کے ہمراہ روانہ ہوئے، جب کافروں

سے ہمارا مقابلہ ہوا تو کچھ دیر کے لئے مسلمانوں کو شکست کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا، میں نے دیکھا کہ ایک مشرک ایک مسلمان پر غالب آ گیا ہے، میں نے اس کے پیچھے سے اس کی گردن کی رک پر تلوار کا بھروسہ کر کے اس کی زور کاٹ ڈالی، وہ مشرک مجھ پر بھٹ پڑا اور اس نے اتنے زور سے مجھے دبوچا کہ اس کی وجہ سے موت کا مزہ آگیا (یعنی میں مرنے کے قریب ہو گیا، پھر میرے ایک اور وارے) موت نے اسے دبا دیا اور میں اس سے چھوٹ گیا، اس کے بعد میں حضرت عمر ابن خطابؓ سے ملا اور کہا کہ ”لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ (کہ دشمن کے مقابلہ سے بھاگ رہے؟)“ انہوں نے کہا کہ ”اللہ کا حکم یہی ہے یعنی یہ جو کچھ ہو رہا ہے قضا و قدر الہی کے مطابق ہو رہا ہے۔“ پھر لوگ (اس عارضی پسپائی کے بعد دوبارہ لڑنے کے لئے میدان جنگ میں) اہلپس آ گئے اور نبی کریم ﷺ (ایک جگہ) بیٹھ گئے اور فرمایا کہ ”جو شخص دشمن کے کسی آدمی کو قتل کر دے اور اس کے قتل کرنے کا کوئی گواہ ہو (اور خواہ ایک ہی گواہ ہو) تو مقتول کا بیٹہ نہ ہلال اسی (قتل کرنے والے) شخص کا ہو گا۔“ (یہ سن کر میں کھڑا ہوا اور ارادہ کیا کہ اس مشرک کو قتل کرنے کا واقع بیان کروں، لیکن (دل میں) میں نے کہا کہ ”میری گواہی کون شخص دے گا؟ (کہ میں نے اس مشرک کو قتل کیا ہے۔“ آخر میں بیٹھ گیا، نبی کریم ﷺ نے اسی طرح پھر فرمایا کہ جو شخص دشمن کے کسی آدمی کو قتل کرنے کا کوئی گواہ ہو (تو مقتول کا بیٹہ نہ ہلال اسی کا ہو گا) میں نے پھر کھڑے ہو کر اپنے واقعہ بیان کرنا چاہا لیکن میں نے دل میں کہا کہ ”میری گواہی کون شخص دے گا؟“ اور میں پھر بیٹھ گیا، نبی کریم ﷺ نے پھر اسی طرح (تیسری مرتبہ) فرمایا، میں (جب اس مرتبہ بھی کھڑا ہوا) لیکن زبان سے کچھ نہ کہہ سکا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”ابو قتادہ! کیا بات ہے؟ تم کسی غرض مند اور طالب حاجت کی طرح بار بار کھڑے ہوتے ہو اور بیٹھ جاتے ہو مگر زبان سے کچھ نہیں کہتے؟“ تب میں نے آنحضرت ﷺ کو بتایا کہ میں نے فلاں مشرک کو قتل کیا ہے۔“ ایک شخص نے (میری بات سن کر) کہا کہ ”ابو قتادہ! سچ کہتے ہیں اور اس مشرک کا مال میرے پاس موجود ہے، آپ ﷺ ان کو میری طرف سے راضی کرو دیجئے کہ یہ اپنے حق سے دستبردار ہو جائیں اور ان کو اس مشرک کے مال کے عوض کوئی اور چیز دے دی جائے یا ان کو اس بات پر رضامند کر دیجئے کہ یہ میرے ساتھ کسی اور طرح مصالحت کر لیں۔“ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے (یہ سن کر اس شخص سے) کہا کہ ”نہیں، خدا کی قسم ایسا نہیں ہو سکا، رسول کریم ﷺ اس معاملہ میں ان (ابو قتادہ) کی مرضی کے خلاف کوئی ارادہ نہیں کریں گے ابو قتادہ! اللہ کے شہروں میں سے ایک شیر ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی کے لئے (دشمن سے) لڑتا ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جس مال پر ان (ابو قتادہ) کا حق ہے وہ انہیں دے دیں؟ نبی کریم ﷺ نے اس شخص سے فرمایا کہ ”ابو بکر! ٹھیک کہتے ہیں، تم ابو قتادہ کو اس مشرک (مقتول) کا مال دے دو۔“ پھر پندرہ شخص جس کا مال مجھ کو دے دیا اور میں نے (بعد میں) اس مال کے ذریعہ ایک ہارغ غریبہ ازبوقیلہ بنو سلمہ میں واقع تھا اور یہ سب سے پہلا مال تھا جو مجھے اسلام لانے کے بعد حاصل ہوا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس غزوہ (جنگ) میں مسلمانوں کو کچھ دیر کے لئے شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا کیونکہ اسلامی لشکر کے کچھ لوگوں نے ایک موقع پر پسپائی اختیار کی جس سے دشمن کے لشکر کو بظاہر حادی ہونے کا موقع مل گیا لیکن آنحضرت ﷺ میدان جنگ میں اپنی جگہ پر قائم رہے، آپ ﷺ ایک فوج پر سوار تھے جس کی باگ حضرت عباسؓ ابن عبدالمطلب اور حضرت ابوسفیانؓ بن الحارث نے تھام رکھی تھی۔ اس عارضی پسپائی کے موقع پر جب کہ اسلامی لشکر میں تقریباً افراتفری کا عالم تھا آپ ﷺ نے صرف بڑی بیادری کے ساتھ دشمن کے مقابلے پر ڈٹے رہے بلکہ آگے بڑھ کر دشمن کے لشکر پر تنہا حملہ کرنے کا ارادہ کرتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے۔

انا للہی لا کذب، انا ابن عبدالمطلب۔

”یعنی میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں، اور جھوٹ نہیں کہتا چاہی ہوں۔“

لیکن یہ دونوں حضرات جنہوں نے آپ ﷺ کے فوجی باگ تھام رکھی تھی آپ ﷺ کو روک دیتے تھے، آخر کار حق تعالیٰ نے اسلامی لشکر کو ثابت قدمی بخشی اور اس نے دوبارہ دشمن پر حملہ کر کے اس کے لشکر کو تیس تیس کر دیا اور آخری فتح حاصل کی۔

مال غنیمت کی تقسیم

(۳۰) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْتَهَمَ لِلزُّجُلِ وَلَقَرَّ بِهِ ثَلَاثَةَ أَشْهُمٍ سَهْمَانَهُ وَسَهْمَيْنِ لِقَرَّ بِهِ - (بخاری علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (مال غنیمت میں سے) ایک شخص اور اس کے گھوڑے کے لئے تین حصے دیئے یعنی ایک حصہ تو خود اس کا اور دو حصے اس کے گھوڑے کے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اگر علماء کا مسلک اسی حدیث کے مطابق ہے، جب کہ بعض علماء کے نزدیک مال غنیمت میں سوار مجاہد کے دو حصے ہیں، حضرت امام مہکم ابو حنیفہؒ کا مسلک بھی یہی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے سوار مجاہد کو دو حصے دیئے جیسا کہ ابی بابت کی دوسری دلیل میں مقول روایت سے واضح ہوگا، نیز حضرت علیؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے بھی یہی مقول ہے بلکہ ہادیہؓ نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے بھی یہی نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ جب اس بارے میں خود حضرت ابن عمرؓ کی دو روایتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ اس روایت کو ترجیح دی جائے گی جو ان کے علاوہ دوسرے نے نقل کی ہے

مال غنیمت میں غلام اور عورتوں کا کوئی حصہ مقرر نہیں

(۳۱) وَعَنْ يَزِيدَ بْنِ هُرَيْرٍ قَالَ كَتَبَ نَجْدَةُ الْخَزْرَاءُ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ يَسْأَلُهُ عَنِ الْعَبْدِ وَالْمَرْأَةِ يَخْضِرَانِ الْعَمَلَ هَلْ يَنْتَسِبْنَ لَهُمَا فَقَالَ يَزِيدُ أَكْتُبْتُ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَيْسَ لَهُمَا سَهْمٌ إِلَّا أَنْ يُحْدِنَا - وَفِي رِوَايَةٍ كَتَبَ إِلَيْهِ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنَّكَ كُنْتَ تَسْأَلُنِي هَلْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِالنِّسَاءِ وَهَلْ كَانَ يُضْرَبُ لَهُنَّ بِسَهْمٍ فَقَدْ كَانَ يَقْرَأُ بِهِنَ يُدَاوِينَ الْمُزْنَى وَيُحْدِنُ مِنَ الْغَنِيمَةِ وَأَمَّا السَّهْمُ فَلَمْ يُضْرَبْ لَهُنَّ بِسَهْمٍ - (رواه مسلم)

”اور حضرت یزید ابن ہریرہؓ کہتے ہیں کہ نجدہ الخزراء نے حضرت ابن عباسؓ کو ایک خط لکھا جس میں انہوں نے غلام اور عورت کے بارے میں یہ دریافت کیا تھا کہ جب وہ مال غنیمت کی تقسیم کے وقت موجود ہوں تو ان کو بھی اس مال غنیمت سے حصہ دیا جائے یا نہیں؟ حضرت ابن عباسؓ نے یزید سے (یعنی مجھ سے) فرمایا کہ تم میری طرف سے (نجدہ کو یہ جواب لکھ دو کہ ان دونوں کا حصہ مقرر نہیں ہے البتہ تقسیم کے وقت ان کو یوں ہی کچھ دے دیا جائے۔“ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس (نجدہ) کو یہ جواب لکھا کہ ”تم نے خط لکھ کر مجھ سے یہ دریافت کیا تھا کہ کیا رسول کریم ﷺ مجاہدیں عورتوں کو ساتھ لے جایا کرتے تھے اور کیا آپ ﷺ ان (عورتوں) کو مال غنیمت میں سے حصہ دیتے تھے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ (آنحضرتؐ) مجاہدیں عورتوں کو ساتھ لے جاتے تھے جو بیابانوں کی دوا داروں کرتی تھیں (اور زخموں کی مرہمی بھی کیا کرتی تھیں) اور ان کو مال غنیمت میں سے یوں ہی کچھ دے دیا جاتا تھا لیکن ان کے لئے حصہ مقرر نہیں کیا گیا تھا۔“ (مسلم)

تشریح: ”نجدہ“ اس شخص کا نام ہے جو خوارج یعنی حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے مخالفین کا سردار تھا، اور حروری دراصل حروراء کی طرف منسوب ہے جو کوفہ کے نواح میں ایک آبادی کا نام تھا کہا جاتا ہے کہ خوارج کا سب سے پہلا اجتماع اسی آبادی میں ہوا تھا اگر علماء کا یہی مسلک ہے کہ غلام بچوں اور عورتوں کو مال غنیمت میں سے کچھ دے دیا جائے۔ یعنی حصہ سے کم دیا جائے پورا حصہ نہ دیا جائے، حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے۔ اور ہادیہؓ میں لکھا ہے کہ غلام کو مال غنیمت میں سے کچھ اس صورت میں دیا جائے جب کہ وہ جنگ میں شریک رہ کر دشمن سے لڑا ہو، اسی طرح عورت کو بھی اس صورت میں دیا جائے جب کہ وہ بیمار اور زخمی مجاہدین کی تیمارداری اور ان کی دوا داروں کرے۔

مخصوص طور پر بعض مجاہدوں کو ان کے حصے سے زائد دیا جاسکتا ہے

⑤ وعن سلمة بن الأكوع قال نصت رسول الله صلى الله عليه وسلم بظهره مع غلام رسول الله صلى الله عليه وسلم وأما معه فلما أصبحنا إذا عبد الرحمن القرظي قد أغار على ظهر رسول الله صلى الله عليه وسلم فقتلت على أكمة فاستقبلت المدينة فناديت ثلاثاً يا صبياً خذ فمخرجت في آثار القوم أزمينهم بالنبل وأزجروا أقول أما ابن الأكوع واليوم يوم الرضع - فمأزلت أزمينهم وأعقرتهم حتى ما خلق الله من بعدي من ظهر رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا حلقته وراء ظهره ثم أيقنهم أزمينهم حتى القوا أكثر من ثلاثين زيادةً وثلاثين زماً ينشقون ولا يظفر خنق شيئاً إلا خعلت عليه أزماناً من الحجازة يعرفها رسول الله صلى الله عليه وسلم وأصحابه حتى رأيت فارس رسول الله صلى الله عليه وسلم ولحق أبو قتادة فارس رسول الله صلى الله عليه وسلم فقتله قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خير فزسانا اليوم أبو قتادة وخير رجالنا سلمة قال ثم أعطينا رسول الله صلى الله عليه وسلم منهم مئتين مئتين الفارس منهم الزاجل فجمعهم مائتي جنيغاً ثم أذلني رسول الله صلى الله عليه وسلم وزاد علي المضيء واجعتني إلى المدينة - (رواه مسلم)

”اور حضرت سلمہ ابن اکوعؓ کہتے ہیں کہ (مسلمانوں اور کفار قریش کے درمیان معرکہ ہو جانے کا بعد مدینہ سے واپس کے دوران رات میں رسول کریم ﷺ نے اپنی سواری کے اونٹ رہان کے ساتھ جو رسول کریم ﷺ کے غلام تھے آگے روانہ کر دیے مگر رباحؓ کے ساتھ ہو گیا۔ (مردوں نے رات میں ایک جگہ قیام کیا اور) جب صبح ہوئی تو ہمیں معلوم ہوا کہ عبدالرحمن قرظی نے (جو مسلمانوں کا ایک مشہور دشمن اور کافر تھا) رسول کریم ﷺ کے اونٹوں پر چھاپ مارا اور ان کو ہٹا کر لے گیا، میں ایک ٹیلے پر چڑھ گیا اور مدینہ کی طرف متہ کر کے تین مرتبہ مباحہ (یعنی خبردار! دشمن! آگیا!) کا نعرہ بلند کیا اور تیر پر تیر پھینکا ہوا اس قوم یعنی عبدالرحمن اور اس کے ساتھیوں کے نشانات قدم پر (یعنی ان کے پیچھے) چل رہا اس وقت میری زبان پر (بلند آواز میں) ہرجسئی زید می شہر تھے۔ میں نے کہا تھا اما ابن الاکوع والیوم یوم الرضع یعنی (اے دین کے دشمنو! کان کھول کر سن لو! میں اکوع کا بیٹا ہوں، آج کا دن برے لوگوں (یعنی تم دشمنان دین) کے ہلاک ہونے کا دن ہے! میں اسی طرح برابر تیرا تار اور ان کی سواریوں کی کونجیں کاٹنا آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ رسول کریم ﷺ کے اونٹوں میں سے اللہ کا پیدا کیا ہوا ایسا کوئی اونٹ باقی نہیں بچا جس کو میں نے اپنے پیچھے نہ چھوڑ دیا ہو۔ میں تیر پر ساتا ہوا ان کا تعاقب جاری رکھے ہوئے تھا یہاں تک کہ انہوں نے ملکا ہو جانے کے خیال سے اپنی تیس سے زیادہ چادریں اور تیس کپڑے پھینک دیئے (یعنی وہ بھاگتے ہوئے اپنی چادریں اور اپنے کپڑے بھی پھینکتے جا رہے تھے تاکہ جسم ملکا ہو جانے کی وجہ سے بھاگنے میں آسانی ہو) اور وہ جس چیز کو بھی پھینکتے تھے میں اس پر نشان کے طور پر پھیرا کرتا تھا تاکہ رسول کریم ﷺ آپ ﷺ کے رفقاء (مگر پیچھے سے آئیں تو) اس کو پہچان لیں یہاں تک میں نے رسول کریم ﷺ کے سواروں کو (آتے) دیکھا اور پھر (یہ دیکھا کہ) حضرت ابو قتادہؓ نے جنہیں رسول کریم ﷺ کا سوار کہا جاتا تھا عبدالرحمن کو جالیا (جس نے آنحضرت ﷺ کے اونٹوں کو ہٹا لے جانا چاہا تھا) اور اس کو قتل کر دیا۔ پھر (اس ہنگامے کے ختم ہونے کے بعد) رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”آج ہمارے سواروں میں سب سے بہتر سوار ابو قتادہؓ ہیں اور یہ لوگوں میں سب سے بہتر پیادہ سلمہ ابن اکوعؓ ہیں۔“ اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے (جب ان کافروں سے ہاتھ لگے ہوئے مال کو ہمارے درمیان تقسیم فرمایا تو) مجھ کو دو حصے دیئے (ایک حصہ سوار کا کہ وہ جسب اختلاف روکھے ہیں یا تین حصے) اور ایک حصہ پیادہ کا۔ دونوں حصے اکٹھا کر کے مجھے عطا فرمائے اور پھر رسول کریم ﷺ نے اپنی اونٹنی اعضاء پر مجھے اپنے پیچھے بٹھالیا اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔“ (مسلم)

تشریح: ”وصح“ دراصل راضع کی جمع ہے جیسے ارک کی جمع رک ہے! راضع پانی اور کینہ شخص کو کہتے ہیں آرام (پہلے الف کے مد کے ساتھ) آدم کی جمع ہے عصب کی جمع اعصاب ہے! آدم اس پھتر کو کہتے ہیں جو جنگل و میدان میں راستہ یا کسی دھند کے نشان و علامت کے طور پر نصب کیا گیا ہو۔ اہل عرب کی یہ عادت تھی جب وہ راستہ میں کوئی چیز پاتے اور اس کو اپنے ساتھ نہ لے سکتے تو اس پر بطور نشان کو یا پھتر رکھ دینے یا پھروں کا ڈھیر کر کے اس کے نیچے اس کو چھپا دیتے اور پھر اُگرای نشان سے وہ چیز نکال کر لے جاتے۔

حضرت سلمہؓ اگرچہ پیادہ تھے لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کو پیادہ کا حقد دینے کے ساتھ سوار کا حقد بھی دیا کیونکہ یہ سارا محرکہ ایک طرح سے انہی کی جدوجہد سے سر ہوا گویا وہ اس غزوے کے ایک بڑے فکرم بھی تھے، اس سے معلوم ہوا کہ امام وقت کے لئے یہ جانو ہے کہ وہ مال غنیمت میں سے کسی ایسے مجاہد کو اس کے حصے سے زیادہ دیدے۔ جس نے جہاد میں بہت زیادہ محنت و جدوجہد کی ہو تاکہ لوگ جہاد میں زیادہ سے زیادہ محنت و جدوجہد کرنے کی طرف راغب ہوں

④ وَ اِنْ اَنْ عَمَزَ اَنْ رَّسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْقُولُ بَعْضُ مَنْ يَنْبَغُ مِنَ السَّوْاِيَا لَا تَنْفِسُ لَهُمْ خَاصَّةً بَسُوِي لِشَمَةِ عَامَّةِ النَّبِيِّ - (متن علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جن لوگوں کو جہاد کے لئے بھیجتے تھے ان میں سے بعض لوگوں کے لئے عام شکر والوں کی بہ نسبت مخصوص طور پر کچھ زیادہ حصہ لگا دیا کرتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ مال غنیمت کی تقسیم کے وقت بعض مجاہدوں کو ان کے مقررہ حصوں سے کچھ زیادہ دے دیا کرتے تھے تاکہ انہیں دشمنوں کے مقابلہ پر لڑنے کی ترغیب ہو۔

⑤ وَعَنْهُ قَالَ نَقَلْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَقَلًا بَسُوِي نَصِيْبًا مِنْ الْخُمْسِ فَاصْبِيْبِي شَارِفَ وَالشَّارِفِ الْمُسِيْبِي الْكَبِيْرِي - (متن علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ نے ہم لوگوں کو خمس مال میں سے ہمارے مقررہ حصوں کے علاوہ بھی کچھ زیادہ مرحمت فرمایا، چنانچہ میرے حصے میں ایک شارف آئی اور شارف آئی اونٹنی کو کہتے ہیں جو بوزی اور بڑی ہو۔“ (بخاری و مسلم)

مسلمانوں کے ان جانوروں اور غلاموں کا حکم جو دشمنوں کے ہاتھ لگ جائیں

اور پھر مال غنیمت میں واپس آئیں

⑧ وَعَنْهُ قَالَ ذَهَبَتْ فَرَسٌ لَّهُ فَاصْحَدَةُ الْقَدُوْ فَظَهَرَتْ عَلَيْهِمْ الْمُسْلِمُوْنَ فَزَادَ عَلَيْهِ فِي رَحْمَتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِيْنِ رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ لَّهُ فَلَجَحَ بِالْزَّوْمِ فَظَهَرَتْ عَلَيْهِمْ الْمُسْلِمُوْنَ فَزَادَ عَلَيْهِ خَالِدُ ابْنِ الْوَلِيْدِ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ (ایک مرتبہ) ان کا گھوڑا بھاگ گیا جس کو دشمنوں (یعنی کافروں) نے پکڑ لیا، پھر جب مسلمانوں کو ان دشمنوں پر فتح حاصل ہوئی (اور ان کے مال غنیمت میں وہ گھوڑا بھی آیا) تو ابن عمرؓ کو ان کا گھوڑا واپس کر دیا گیا (اور اس کو مال غنیمت میں شمار نہیں کیا گیا) یہ واقعہ رسول کریم ﷺ کے زمانے کا ہے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ ”ابن عمرؓ کا غلام بھاگ کر روم پہنچ گیا، پھر جب مسلمانوں کو رومیوں پر فتح حاصل ہوئی تو خالد بن ولیدؓ نے ابن عمرؓ کو (ان کا غلام) واپس کر دیا۔ یہ نبی کریم ﷺ کے زمانے کے بعد کا واقعہ ہے۔“ (بخاری)

تشریح: ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا اگر کافر مسلمانوں کے بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ لیں تو وہ اس کے مالک نہیں

ہوتے، چنانچہ ان کافروں پر مسلمانوں کے غلبہ حاصل کر لینے کی صورت میں اگر وہ غلام مال غنیمت کے ساتھ مسلمانوں کے قبضے میں آجائے تو یہ واجب ہے کہ وہ غلام اس کے مالک کو واپس کر دیا جائے خواہ یہ وہی مال غنیمت کی تحسیم سے پہلے عمل میں آجائے یا تحسیم کے بعد واپس کرنا پڑے۔ اور ابن ہمام کہتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان یا ذی کاسلمان غلام بھاگ کر درالحرب پہنچ جائے اور وہاں کے کافر اس کو پکڑ لیں تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ کافر اس کے مالک نہیں قرار پائیں گے جب کہ صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک وہ کافر اس کے مالک ہو جائیں گے، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ بھی یہی قول ہے لیکن اگر وہ غلام مرتد ہو کر بھاگے اور کافروں نے اس کو پکڑ لیا ہو تو اس صورت میں تمام ائمہؒ کے نزدیک وہ اس کے مالک قرار پائیں گے۔ اسی طرح اگر کسی مسلمان یا ذی کاکوئی اونٹ بھاگ کر چلا گیا اور کافروں نے اس کو پکڑ لیا تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے۔

خیبر کے مال شمس میں سے بنو عبد شمس اور بنو نوفل کی محرومی

⑨ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ مَشَيْتُ أَنَا وَغُثْمَانُ بْنُ عُثْمَانَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا أَغْضَيْتَ بَنِي الْمُطْطَلِبِ مِنْ شَمْسٍ خَبِيرٌ وَتَمْرُكُنَا وَنَحْنُ بَنُو إِدْرِيسَ قَالَ أَغْضَيْتُكَ فَكُلْنَا أَغْضَيْتُكَ مَا شِئْنَا وَبَنُو الْمُطْطَلِبِ شَيْءٌ وَأَحَدٌ قَالَ خَبِيرٌ وَلَمْ يَنْفَسِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِبَنِي عَبْدِ شَمْسٍ وَبَنِي نُوْفَلٍ شَيْئًا۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت جبرائیل ابن مطعمؒ کہتے ہیں کہ میں اور حضرت عثمان ابن عفانؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ ﷺ نے خیبر کے شمس میں سے بنو مطلب کو حصہ دیا اور ہم کو نہیں دیا حالانکہ آپ ﷺ کے اعتبار سے ہم سب ایک ہی مرتبہ کے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا) کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہیں۔ “حضرت جبرائیلؑ کہتے ہیں کہ ”اور نبی کریم ﷺ نے بنو عبد شمس (یعنی حضرت عثمانؓ وغیرہ) اور بنو نوفل (یعنی حضرت جبرائیلؑ وغیرہ) کو کوئی حصہ نہیں دیا۔“ (بخاری)

تشریح: ”ہم سب ایک ہی مرتبہ کے ہیں“ کا مطلب یہ تھا کہ میں، حضرت عثمانؓ، بنو ہاشم اور بنو مطلب، آپ ﷺ کے اعتبار سے ایک ہی درجہ کے ہیں یا اس طور کہ ہم سب ایک ہی جد اعلیٰ یعنی عبد مناف کی اولاد ہونے کی وجہ سے ایک ہی سلسلہ کی کڑی ہیں، اور وہ یوں کہ ہاشم، مطلب، نوفل اور عبد شمس، یہ چاروں عبد مناف کے بیٹے تھے جو ہمارے اور آپ ﷺ کے چوتھے جد ہیں، چنانچہ میں، جبرائیل ابن مطعم ابن عدی ابن نوفل ابن عبد مناف ہوں، حضرت عثمان ابن عفان ابن ابوالحسین ابن امیر ابن عبد شمس ابن عبد مناف ہیں اور آپ ﷺ عمر ابن عبد اللہ ابن عبد المطلب ابن ہاشم ابن عبد مناف ہیں۔ اس طرح ہم سب ایک ہی سلسلہ نسب کی کڑی ہیں تو پھر ہماری کچھ میں سے نہیں آتا کہ آپ ﷺ نے خیبر سے آئے ہوئے مال کے شمس میں سے اس سلسلہ نسب کی ایک شاخ بنو مطلب کو تو حصہ دیا لیکن ہمیں، یعنی عبد شمس اور بنو نوفل کو کیوں محروم کر دیا؟ اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ جو یہ فرمایا کہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہیں، تو اس کا حاصل یہ تھا کہ اگرچہ یہ چاروں ایک ہی سلسلہ نسب کی کڑی اور ایک ہی جد اعلیٰ عبد مناف کی اولاد ہونے کی وجہ سے ایک ہی خاندان کے فرد ہیں لیکن اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ تعلقات و معاملات کے اعتبار سے اصل میں صرف بنو ہاشم اور بنو مطلب ہی ایک مرتبہ کے اور بنو نوفل کے بعد ہیں کیونکہ وہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے مدد و معاون رفیق و همکار اور ایک دوسرے کے دست و پاؤں ہیں۔ ان دونوں کے درمیان نہ زمانہ جاہلیت میں مخالفت و منافرت تھی اور نہ اب زمانہ اسلام میں کوئی اختلاف و انتشار ہے جب کہ ہم دونوں یعنی بنو عبد شمس اور بنو نوفل زمانہ جاہلیت میں بنو ہاشم اور بنو مطلب کے حریف و مخالف رہے ہو چنانچہ اس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مرتبہ نبوت پر فائز ہونے کے بعد کہ میں اسلام کی تبلیغ شروع کی اور کفار قریش کو اللہ کی وحدانیت اور اپنی رسالت کی طرف بلایا تو بنو عبد شمس اور بنو نوفل (کے لوگوں) نے آپ ﷺ کی دعوت و تبلیغ کی سخت مخالفت ہی نہیں کی بلکہ آپ ﷺ کے ورپے آزار بھی ہوئے، یہاں تک کہ ان دونوں یعنی بنو عبد شمس اور بنو نوفل نے اسی مخالفت

وعداوت کی بناء پر آپس میں ایک دوسرے سے عہد کی کہ جب تک نبوہاشم کے لوگ، محمد (ﷺ) کو ہم میں سے کسی ایک کے حوالے نہ کروں اس وقت تک ہم نبوہاشم کے ساتھ بڑا شادی، لین دین اور خرید و فروخت کا کوئی معاملہ نہیں کریں گے۔ اس وقت نبوہاشم نے نبوہاشم کے ساتھ پورا تعاون کیا اور ان کے ساتھ متفق و متحد رہے لہذا آنحضرت (ﷺ) نے نبوہاشم (یعنی حضرت عثمان وغیرہ) بنو نوفل (یعنی حضرت جبیر وغیرہ) کو خیر کے نفس میں سے کوئی حصہ نہیں دیا یا جو دیکھ وہ آنحضرت (ﷺ) کے ذوی القربیٰ میں سے تھے کیونکہ ان کے اور نبوہاشم کے درمیان کوئی اتفاق و اتحاد نہیں تھا جب کہ بظاہر دونوں کے درمیان مخالفت و منافرت تھی۔

مال فنی کا حکم

(۱۰) وَعَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا قَرْيَةٍ اتَّخَذْتُمُوهَا وَأَقْفَنْتُمْ فِيهَا فَهَنَّمْتُكُمْ فِيهَا وَأَيُّمَا قَرْيَةٍ غَضَبْتُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ غَضَبَنَا اللَّهُ وَلَوْ سَأَلْتُمْ عَنْ لَكُمْ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم (ﷺ) نے فرمایا ”جس بستی میں تم جاؤ اور اس میں قیام کرو تو اس (کے مال) میں تمہارا حصہ ہے اور جو بستی خدا اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے تو اس (کے مال) میں پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے۔“

تشریح: ”اور اس میں قیام کرو“ کا مطلب یہ ہے کہ تم جہاد کے لئے کسی بستی میں گئے اور بستی والے لڑے بھڑے بغیر اس بستی کو چھوڑ کر بھاگ گئے یا انہوں نے تمہارے ساتھ مصالحت کر کے اس بستی اور اپنے آپ کو تمہارے حوالے کر دیا اور تم اس میں قیام پزیر ہو گئے۔ ”تو اس میں تمہارا حصہ ہے“ کے ذریعہ یہ واضح کیا گیا ہے کہ مذکورہ بستی سے جو مال و اسباب تمہارے ہاتھ لگے گا وہ صرف تمہارا حق نہیں ہوگا بلکہ تمہارے اور ان مجاہدین کے درمیان مشترک رہے گا جو تمہارے ساتھ جہاد کے لئے نہیں جاسکے ہیں بلکہ اپنے گھروں میں رہ گئے ہیں کیونکہ اس طرح کا مال (جو مسلمانوں کو نفاذ سے جنگ و جدل کے بغیر حاصل ہو) ”فنی“ کہلاتا ہے اور مال فنی کا حکم یہ ہے کہ وہ صرف انہی مجاہدین کے لئے مخصوص نہیں ہوتا جو جنگ میں شریک ہونے کے لئے اپنے گھروں سے نکلے ہوں۔

”جو بستی خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے“ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس بستی کے لوگوں نے نہ تو دعوت اسلام قبول کی اور نہ مصالحت کے ذریعہ اپنے آپ کو تمہارے حوالے کیا بلکہ تمہارے دشمنوں کی راہ اختیار کر کے تمہارے ساتھ جنگ کی اور تم نے لڑائی اوطاقت کے ذریعہ ان پر غلبہ حاصل کر لیا تو اس صورت میں اس بستی سے جو مال اسباب ہاتھ لگے گا وہ ”مال قیمت“ کہلائے گا، اس مال میں سے پہلے نفس یعنی پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے لئے علیحدہ کر دیا جائے گا اور پھر جو باقی بچے گا وہ اس جنگ میں شریک ہونے والے مجاہدین کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ نفس صرف مال قیمت میں سے نکالا جائے گا، مال فنی میں سے بھی نکالا جائے گا اس اعتبار سے یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ کے خلاف مسلک کی دلیل ہے۔

بعض حنفی علماء نے اس حدیث کی تشریح یوں کی ہے پہلے جزو سے مراد وہ صورت ہے جس میں مسلمانوں نے کسی آبادی و بستی کو اس حال میں فتح کیا ہو کہ ان کے ساتھ رسول کریم (ﷺ) نہ رہے ہوں اور دوسرے جزو سے مراد وہ صورت ہے جس میں مسلمانوں نے کسی آبادی و بستی کو اس حال میں فتح کیا ہو کہ آنحضرت (ﷺ) بذات خود اس جہاد میں شریک رہے ہوں، لہذا اس دوسری صورت میں آنحضرت (ﷺ) نفس وصول فرماتے تھے، اور باقی لشکر والوں کے درمیان تقسیم ہوتا تھا۔

مال قیمت میں خیانت کرنے والوں کے بارے میں وعید

(۱۱) وَعَنْ خُوَلَةَ الْأَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ رَجُلًا يَتَحَوَّضُونَ فِي مَالِ اللَّهِ

مَعِيرَ حَقِّ فَلَهُمْ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت غزوہٴ انصاریہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بعض لوگ اللہ کا مال یعنی غنیمت فنی اور زکوٰۃ کے مال میں نا حق یعنی بغیر کسی استحقاق کے صرف کرتے ہیں لہذا ایسے لوگ قیامت کے دن آگ کے سزاوار ہوں گے۔“ (بخاری)

تشریح: یعنی اگر انہوں نے حلال جان کر نا حق تصرف کیا ہو گا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ کی آگ میں جلیں گے اور اگر انہوں نے اس گناہ کا ارتکاب اس کو حلال جان کر نہیں کیا ہو گا پھر حق تعالیٰ جتنی مدت کے لئے چاہے گا ان کو دوزخ کے عذاب میں مبتلا رکھے گا۔

(۱۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَذَكَرَ الْعُلُولُ فَقَعِظَهُ وَعَظَّمَهُ انْفِرُوا ثُمَّ قَالَ لَا الْفَيْئَ أَخَذْتُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ نَعْبِزُ لَهُ زُعَاةٌ يَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَغْنَيْنِي فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَتْلَعْتَ لَا الْفَيْئَ أَخَذْتُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ فَرَسٌ لَهُ خُمْصَةُ فَيْقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَغْنَيْنِي فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَتْلَعْتَ لَا الْفَيْئَ أَخَذْتُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ شَاةٌ لَهَا نَعَاةٌ يَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَغْنَيْنِي فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَتْلَعْتَ لَا الْفَيْئَ أَخَذْتُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ نَفْسٌ لَهَا صِاحٌ فَيَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَغْنَيْنِي فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَتْلَعْتَ لَا الْفَيْئَ أَخَذْتُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ وَقَاعٌ تَحْفُقُ فَيَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَغْنَيْنِي فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَتْلَعْتَ لَا الْفَيْئَ أَخَذْتُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ صَامِتٌ فَيَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَغْنَيْنِي فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَتْلَعْتَ فَتُحَقِّقُ عَلَيْهِ وَهَذَا لَقِظٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ أَتَمُّ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک دن ہمارے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا اور (اس خطبہ کے دوران مال غنیمت میں خیانت کا ذکر فرمایا، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو بہت بڑا گناہ بتایا، اور بڑی اہمیت کے ساتھ اس کو بیان کیا اور پھر فرمایا کہ ”خبردار! میں تم سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ اپنی گردن پر بلاتے ہوئے اونٹ کو لا دے ہوئے (میدانِ حشر میں) آئے (یعنی جو شخص مال غنیمت میں سے مثلاً اونٹ کی خیانت کرے گا تو وہ شخص میدانِ حشر میں اس حالت میں آئے گا کہ اس کی گردن پر وہی اونٹ سوار ہو گا اور بلایا رہا ہو گا) اور پھر مجھ سے یہ کہے کہ یا رسول اللہ! امیری فریادری (شعاعت) کیجئے اور میں اس کے جواب میں یہ کہہ دوں کہ میں (اب) تمہارا کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہوں (یعنی میں تمہیں اللہ کے عذاب سے چھٹکارا نہیں دلا سکتا) کیونکہ میں نے تمہیں (دنیا میں) شریعت کے احکام پہنچا دیئے تھے۔ (اور خبردار!) میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ اپنی گردن پر وہی اونٹ گھوڑے کو لا دے ہوئے (میدانِ حشر میں آئے اور پھر مجھ سے یہ کہے کہ یا رسول اللہ! امیری فریادری کیجئے اور میں اس کے جواب میں یہ کہہ دوں کہ میں (اب) تمہارا کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہوں (یعنی تمہیں پہلے ہی آگاہ کر دیا گیا تھا کہ مال غنیمت میں خیانت یا کسی چیز میں نا حق تصرف بڑا گناہ ہے)۔ (اور خبردار!) میں تم سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ اپنی گردن پر صیائی ہوئی بکری لا دے ہوئے (میدانِ حشر میں آئے اور پھر مجھ سے یہ کہے کہ یا رسول اللہ! امیری فریادری کیجئے اور میں اس کے جواب میں یہ کہہ دوں کہ میں (اب) تمہارا کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہوں (یعنی تمہیں پہلے ہی آگاہ کر دیا گیا تھا کہ مال غنیمت میں خیانت یا کسی چیز میں نا حق تصرف بڑا گناہ ہے)۔ (اور خبردار!) میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ اپنی گردن پر کسی چلاتے ہوئے آدمی کو (یعنی اس غلام یا باندی کو جو اس نے غنیمت کے قیدیوں میں سے خیانت کر کے لئے ہوا لا دے ہوئے (میدانِ حشر میں آئے اور پھر مجھ سے یہ کہے کہ یا رسول اللہ! امیری فریادری کیجئے اور میں اس کے جواب میں یہ کہہ دوں کہ میں (اب) تمہارا کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہوں (یعنی تمہیں پہلے ہی آگاہ کر دیا گیا تھا کہ مال غنیمت میں خیانت یا کسی چیز میں نا حق تصرف بڑا گناہ ہے)۔ (اور خبردار!) میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ اپنی گردن پر گھبراتے ہوئے کپڑے رکھے ہوئے (میدانِ حشر میں آئے اور پھر مجھ سے یہ کہے کہ یا رسول اللہ! امیری فریادری کیجئے اور میں اس کے جواب میں یہ کہے کہ میں (اب) تمہارا کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہوں (یعنی تمہیں پہلے ہی آگاہ کر دیا گیا تھا کہ مال غنیمت میں خیانت یا کسی چیز میں نا حق تصرف بڑا گناہ ہے)۔ (اور خبردار!) میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ اپنی گردن پر سونا چاندی لا دے ہوئے (میدانِ حشر میں آئے اور پھر مجھ سے یہ کہے کہ

یا رسول اللہ! میری فرادری کیجئے اور میں اس کے جواب میں یہ کہہ دوں کہ میں (اب) تمہاری کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا کیونکہ میں نے تمہیں شریعت کے احکام پہنچا دیئے۔“ اس روایت کو (حق و مضمون کے اعتبار سے) بخاری و مسلم دونوں نے نقل کیا ہے، الفاظ مسلم کے ہیں جو بخاری کے الفاظ کی یہ نسبت پورے و مکمل ہیں۔“

جس مال سے مسلمانوں کے حقوق متعلق ہوں اس میں ناحق تصرف کرنے والے کے بارے میں وعید

(۱۲) وَعَنْهُ قَالَ اِهْدِي زَجْلًا لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَلَاظًا يُقَالُ لَهُ يَذْعُمُ فَيَنْصَحُ اِهْذُ غَمًّا يَحْطُرُ زَجْلًا لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصَابَهُ مِنْهُمْ عَائِلٌ فَقَالَ النَّاسُ هَيْبَةً لَهُ الْخُفَّةُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ اِنْ السُّلَّةَ الَّتِي اخَذَهَا يَوْمَ خَيْبَرَ مِنْ الْغَنَابَةِ لَمْ تَنْصَحْهَا الْغَنَابَةُ لَمْ تَشْتَعْبَلْ عَلَيْهِ نَارًا فَلَمَّا سَمِعَ ذَلِكَ النَّاسُ جَاءَ زَجْلًا بِشِرَاكٍ اَوْشَرَ اَكْبَنِي اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ شِرَاكٌ مِنْ نَادٍ اَوْ شِرَاكٌ مِنْ نَادٍ - (نقل علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک غلام ہدیہ کے طور پر پیش کیا جس کا نام مدغم تھا (ایک دن غلاب کی میدان جنگ میں) وہ رسول کریم ﷺ کا کجاوہ اتار رہا تھا کہ چانک کسی نامعلوم شخص کا تیرا گراس کو لگا جس سے جان بچ ہو گیا، لوگوں نے کہا ”مدغم کو جنت مبارک ہو یعنی مدغم خوش قسمت رہا کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت کرتے ہوئے شہید ہوا اور جنت میں پہنچ گیا“ (یہ سن کر رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”نہیں! ایسا نہیں ہے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں جان ہے، وہ چادر جس کو مدغم نے خیر کے دن مال غنیمت میں سے اس کی تقسیم سے قبل لے لیا تھا، آگ بن کر مدغم پر شعلے برسا رہی ہے۔“ جب (ان لوگوں نے) اس شہید و عید و عید کو) سنا (جنہوں نے مال غنیمت میں خیانت کرنے کو سہل سمجھ لیا تھا اور یہ گمان کر لیا تھا کہ چھوٹی موٹی اور حقیر چیزوں کو لے لینے پر کوئی مداخلت نہیں ہوگا تو وہ کانپ گئے اور انہوں نے مال غنیمت میں سے جو چھوٹی موٹی چیزیں لے لی تھیں ان کو لا کر واپس کرنے لگے یہاں تک کہ) ایک شخص ایک قسمہ یادوتے (واپس کرنے کے لئے) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لایا۔ آپ ﷺ نے (اس کو دیکھ کر) فرمایا کہ ”یہ آگ کا ایک قسمہ ہے یا آگ کے دو قسمے ہیں یعنی خیانت کی چیز ہر حالت میں دوزخ کی آگ کا سزاوار کرے گی خواہ وہ کتنی ہی معمولی اور حقیر کیوں نہ ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں اس شخص کے لئے سخت عیب اور شدید وعید ہے جو کسی ایسے مال میں سے کھائے جس کے ساتھ مسلمانوں کے حقوق متعلق ہوں۔ جیسے اوقاف اور بیت المال وغیرہ کیونکہ کسی ایک شخص کا حق تو واپس کیا جاسکتا ہے لیکن بہت سوں کے حقوق کی واپسی اور ان کی حق تلفیوں کی حتمی مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے۔

(۱۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي قَتْلَبٍ يَقُولُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَجْلًا يُقَالُ لَهُ لَوْ كَبُرَ كِبَرُ فَمَاتَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ فِي النَّارِ فَلَمْ يَنْظُرُوا يَنْظُرُونَ فَوَجَدُوا غَنَابَةً فَقَدْ غَلَبَهَا - (رواہ بخاری)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص جس کا نام کرکرہ تھا کسی غزوہ میں) رسول کریم ﷺ (کی طرف سے سامان و اسباب) کا گران مقرر ہوا، جب اس کا انتقال ہوا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”وہ کرکرہ دوزخ میں ڈالا گیا ہے۔“ چنانچہ لوگوں نے (اس کے سامان کو) دیکھنا شروع کیا تو اس میں ایک کھلی پائی گئی جس کو اس نے مال غنیمت میں سے خیانت کر کے لیا تھا۔“ (بخاری)

تشریح: ”جلی“ کہتے ہیں کہ لفظ فذہبوا میں حرف فاعاطفہ ہے، گویا اس لفظ سے پہلے یہ مفہوم مخدوف ہے کہ ”صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سنا تو انہیں معلوم ہوا کہ کرکرہ کے حق میں یہ وعید اس سبب سے ہے کہ اس نے مال غنیمت میں خیانت کی تھی چنانچہ انہوں نے اس کے سامان کو دیکھنا شروع کیا ان“

مجاہدین کو مال غنیمت میں سے خورد و نوش کی چیزوں کو تقسیم سے پہلے استعمال کرنے کی اجازت

(۱۵) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا نَصِيبُ فِي مَقَارِنَا الْغَنَمَ وَالْعَبْثَ فَتَأْكُلُهُ وَلَا تَزِفُّهُ (رواہ بخاری)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ہمیں غزوات میں شہد اور انگوڑے تو ہم ان کو کھاتے تھے اٹھا کر لے نہیں جاتے تھے۔“ (بخاری)

تشریح: یعنی ہم اس شہد اور انگوڑے کو تقسیم کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کے پاس اٹھا کر نہیں لے جاتے تھے ان کو یا اس سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ آنحضرت ﷺ ہمارے اس فعل کو جائز رکھتے تھے، چنانچہ اس مسئلہ پر علماء کا اتفاق ہے، کہ مجاہدین اسلام جب تک دار الحرب ختمی دشمن کے محاذ جنگ پر رہیں اس وقت ان کو مال غنیمت میں سے خورد و نوش کی چیزوں کو ان کی تقسیم سے پہلے بقدر ضرورت و حاجت کھانے پینے کے معارف میں لانا جائز ہے

(۱۶) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَغْفَلٍ قَالَ أَصْنَيْتُ جَزَائِمًا مِنْ شَعْبِ يَوْمَ خَيْبَرٍ فَأَلْتَرْتُهُ فَقُلْتُ لَا أُعْطِي الْيَوْمَ أَحَدًا مِنْ هَذَا

شَيْئًا فَأَلْتَمَسْتُ لِقَاءَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْتَبِشُمُ إِلَيَّ - (بخاری)

”اور حضرت عبد اللہ ابن مغفلؓ کہتے ہیں کہ خیر کے دن مجھ کو چربی سے بھری ہوئی ایک تھیلی ملی میں نے اس کو اٹھا کر اپنے (پیسے سے) نکال دیا اور (دل میں زبان سے) کہا کہ آج میں اس چربی میں سے کسی کو کچھ نہیں دوں گا پھر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو رسول کریم ﷺ (کھڑے ہوئے) مجھ پر (یعنی میرے اس فعل پر اسکا رعبہ ہے)۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: جیسا کہ اوپر کی حدیث کے ضمن میں بیان کیا گیا، اس روایت سے بھی یہی معلوم ہوا کہ مجاہدوں کو مال غنیمت میں سے بقدر ضرورت کھانے پینے کی چیز لے لینا جائز ہے۔

وَذَكَرَ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ مَا أُعْطِيَكُمْ فِيهِ بَابُ رِزْقِي الْوَلَاؤِ -

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ما اعطیکم فیہ باب رزق دلاۃ“ کے باب میں ذکر کی جا چکی ہے۔“

الفصل الثانی

مال غنیمت کے جواز کے ذریعہ اُمت حمریؓ کو دوسری امتوں پر فضیلت

(۱۷) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ فَضَّلَنِي عَلَى الْأَنْبِيَاءِ أَوْ قَالَ فَضَّلَ أُمَّتِي عَلَى الْأُمَمِ

وَاحْتَلَّ لَنَا الْغَنَائِمُ - (رواہ الترمذی)

”حضرت ابو امامہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو انبیاء پر فضیلت و بزرگی عطا فرمائی ہے۔“ یہ فرمایا کہ میری اُمت کو دوسری امتوں پر فضیلت و بزرگی عطا کی ہے اور مال غنیمت کو ہمارے لئے حلال قرار دیا۔“ (ترمذی)

تشریح: حدیث کا آخری جملہ نہ کوہ فضیلت و بزرگی کی وضاحت کے طور پر ہے یعنی حق تعالیٰ نے ہمارے لئے مال غنیمت کو مخصوص طور پر حلال قرار دے کر ہمیں دوسری امتوں پر فضیلت و بزرگی عطا کی ہے۔ یہ مراد ہے کہ حق تعالیٰ نے ہمیں دوسری امتوں پر جہاں اور بہت سی فضیلتیں عطا کی ہیں وہیں ایک فضیلت یہ بھی عطا کی ہے کہ ہمارے لئے مال غنیمت کو حلال کیا ہے۔

مقتول کا مال قاتل کو ملے گا

(۱۸) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ خَيْبَرٍ بَعْضُنَا يَوْمَ خَيْبَرٍ قَتَلَ كَذَا فَلَهِ سَلْبُهُ فَقَتَلَ

اِنْ يُّظْلَحَ يَوْمَئِذٍ عَشْرٌ مِّنْ رَّجُلًا وَّأَخَذَ اسْلَاحَهُمْ - (رواہ الداری)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اس روز یعنی غزوہ حنین کے دن فرمایا جو شخص کسی کافر (دشمن) کو قتل کرے گا اس (مقتول) کا مال و اسباب اکی (ھلک) کو ملے گا۔ ”چنانچہ ابو طلحہؓ نے اس دن (دشمن کے) ہمیں آدمیوں کو قتل کیا اور ان کا سب مال اور اسباب حاصل کیا۔“ (داری)

(۱۹) وَعَنْ عُرْفٍ ابْنِ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيِّ وَخَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى فِي السَّلْبِ لِلْقَاتِلِ وَلَمْ يُخَيِّسِ السَّلْبَ - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عوفؓ ابن مالک انصاری اور حضرت خالد بن الولیدؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے مقتول کے مال و اسباب کے بارے میں حکم فرمایا کہ وہ قتل کرنے والے کا حق ہے، نیز اس مال و اسباب میں سے آپ ﷺ نے خمس نہیں نکالا (جیسا کہ مال غنیمت میں سے نکالتے تھے)۔“ (ابو داؤد)

(۲۰) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ نَفَّلَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ صِنْفَ ابْنِي جَهْلٍ وَكَانَ قَتْمَهُ -

(رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جنگ بدر کے دن مجھ کو ابو جہل کی تلوار (میری حصہ سے) آزاد دی۔ واضح ہو کہ ابو جہل کو عبداللہ بن مسعودؓ نے قتل کیا تھا۔“ (ابو داؤد)

تشریح: جنگ بدر میں ابو جہل کو اصل میں تو انصار مدینہ کے دو عمروں نے قتل کیا تھا لیکن حضرت ابن مسعودؓ اس کے قتل کرنے میں ان کے شریک تھے بایں طور کہ اس کا سر تن سے انہوں نے ہی جدا کیا تھا، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اس کے سامان کی ایک چیز یعنی تلوار حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو عطا فرمائی۔

غلام کو مال غنیمت میں سے تھوڑا بہت دیا جاسکتا ہے

(۲۱) وَعَنْ عُمَيْرِ بْنِ أَبِي الْإِصْمَعِيلِ قَالَ شَهِدْتُ خَيْبَرَ مَعَ سَادَتَيْنِ فَكَلَّمَا فِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَلَّمَا أَنِي مَسْلُوكًا فَأَمَرَنِي فَقَبِلْتُ صِنْفًا فَإِذَا أَنَا أَجْزُهُ فَأَمَرَنِي بِشَيْءٍ مِنْهُ خُزْنِي الْمَنَاعَ وَغَرَضْتُ عَلَيْهِ رُفِيَةً كُنْتُ أَزْفِي بِهَا الْفَحَائِشَ فَأَمَرَنِي بِطَرَحِ بَعْضِهَا وَخَسِبَ بَعْضُهَا - وَوَاهِ التَّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ إِلَّا أَنَّ بَوَائِنَهُ انْتَهَتْ بِحَدِّ قَوْلِهِ الْمَنَاعَ -

”اور حضرت عمیرؓ ابی الیصمعیلؓ کے آزاد کردہ غلام تھے، کہتے ہیں کہ میں اپنے مالکوں کے ساتھ غزوہ خیبر میں شریک ہوا ہوں (اس غزوہ کے لئے روانگی کے وقت) میرے مالکوں نے میرے بارے میں رسول کریم ﷺ سے شکوئی (یعنی انہوں نے میری تعریف و توصیف کی اور عرض کیا کہ یہ ان جنگ میں لڑنے کے لئے یا خدمت کی غرض سے عمیرؓ کو بھی ساتھ لے چلے) نیز انہوں نے آنحضرت ﷺ کو یہ بھی بتایا کہ میں ایک مملوک (غلام) ہوں، آپ ﷺ نے (میرے مالکوں کی درخواست منظور فرمائی اور) مجھ کو حکم دیا کہ میں مسلح ہو جاؤں اور مجاہدین کے ساتھ شامل رہوں۔ چنانچہ مجھے تلوار سے سزا گیا (یعنی ایک تلوار میری گردن میں ڈال دی گئی) جب چلا تو صفائی کی وجہ سے باپے کو تھکا ہونے کے سبب اس تلوار کو زمین پر گھینٹا ہوا چلا، پھر دشمنوں پر ظہر حاصل کر لینے کے بعد مال غنیمت کی تقسیم شروع ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے اس مال غنیمت میں سے تھوڑا بہت مجھے بھی دے جانے کا حکم صادر فرمایا۔ نیز ایک موقع پر اس نے آنحضرت ﷺ کو اپنا ہنر چڑھ کر سنایا جو میری دلواری کے مرئیضوں پر چھا کر تھکا اور آپ ﷺ نے اس بارے میں دریافت کیا، تو آپ ﷺ نے مجھے اس کے بعض حصوں کو موقوف کر دیئے اور بعض حصوں کو باقی رکھنے کا حکم دیا۔ اس روایت کو ترمذیؓ اور ابو داؤدؓ نے نقل کیا ہے لیکن ابو داؤدؓ کی روایت لفظ ”المناع“ پر پوری ہو گئی ہے۔“

تشریح: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمیر جو مضر جانتے تھے اس سے بعض کلمات اسلامی عقائد کے منافی ہوں گے، لہذا آپ ﷺ نے ان کلمات کو ترک کر دیئے کا حکم دیا البتہ جو کلمات اسلامی عقائد و تعلیمات کے منافی نہیں تھے ان کو باقی رکھنے کی اجازت دے دی۔

خبر کے مال غنیمت کی تقسیم

(۲۲) وَعَنْ مُجَنَّبِ بْنِ جَادِيَةَ قَالَ قَسَمَتْ خَبِيرٌ عَلَى أَهْلِ الْخُدَيْيَةِ فَتَسَمَّيْنَهَا زَسُوْلُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لُغَانِيَةً عَشْرَ سَهْمًا وَكَانَ الْخَيْشُ الْفَلَاوُ خَلْسَمَانِيَةً فِيهِمْ ثَلَاثُمِائَةِ فَارِسٍ فَأَعْطَى الْفَارِسَ سَهْمَيْنِ وَالزَّاجِلَ سَهْمًا زَوْاهُ الْبُؤْدَاؤُذُ وَقَالَ خَلِيْبُ بْنُ عَمْرٍو أَصْبَحُ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ وَأَتَى الْوَهْمُ فِي حَدِيثِ مُجَنَّبِ بْنِ جَادِيَةَ أَنَّ الْفَارِسَ وَالْمَاكَاثُ مَا تَنَى الْفَارِسَ۔

”اور حضرت مجؓ بن جادیہ نے کہا کہ میں نے خبیرؓ کو ان لوگوں کے درمیان تقسیم کیا جو حدیبیہ میں حاضر تھے۔ شریک تھے، چنانچہ رسول کریم ﷺ نے اسے (خبیر کے مال غنیمت اور زمین) کو اٹھارہ حصوں پر تقسیم کیا اور (مصل حدیبیہ) میں شریک لشکری تعداد پندرہ سو آدمیوں پر مشتمل تھی جن میں تین سو سوار تھے، اس طرح سوار کو آپ ﷺ نے دو حصے دیئے اور پیادہ کو ایک حصہ۔ البوداؤذ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس بارہ میں ابن عمرؓ کی روایت زیادہ صحیح ہے اور ای پر اکثر ائمہ نے عمل کیا ہے نیز مجؓ ہی (اس) روایت میں واہمہ واقع ہوا ہے کہ انہوں (مجؓ) نے کہا ہے کہ تین سو سوار تھے حالانکہ سواروں کی تعداد دو سو تھی۔“

تشریح: جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ مال غنیمت میں اسلامی لشکر کے سوار مجاہد کے دو حصے ہیں جیسا کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے، وہ اس حدیث مجؓ کو اپنے مسلک کی دلیل قرار دیتے ہیں، کیونکہ جب اٹھارہ حصوں میں سے تین سو سواروں میں ہر سو سوار کو دو حصے دیئے گئے تو چھ حصے ہو گئے اور بارہ حصے باقی بچے۔ چنانچہ ان بارہ حصوں کو بارہ سو پیادوں کے درمیان اس طرح تقسیم کیا گیا کہ ہر سو پیادوں کو ایک حصہ ملا۔ جب کہ جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ مال غنیمت میں سوار مجاہد کے تین حصے ہیں، ان کے اعتبار سے یہ حساب درست نہیں۔ جیسا کہ کیونکہ اس صورت میں سواروں پر نو حصوں کی تقسیم لازم آتی ہے اور بارہ حصے پیادوں کے ہوئے، اس حساب سے ان حصوں کی مجموعی تعداد ایکس ہوتی ہے حالانکہ حدیث میں مجموعی تعداد اٹھارہ بیان کی گئی ہے، دوسرے یہ کہ حضرت ابن عباسؓ اور خود حضرت ابن عمرؓ سے بھی حضرت مجؓ جیسی روایت منقول ہے، ان سے بھی یکنی ثابت ہوتا ہے کہ سواروں کو دو دو ہی حصے دیئے گئے تاہم جن حضرات کے نزدیک سواروں کے تین حصے ہیں وہ یہی کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں حضرت ابن عمرؓ ہی کی روایت (جو اہی باب کی پہلی فصل میں نقل کی جا چکی ہے) زیادہ صحیح و ثابت اور فیصلہ کن ہے۔ جہاں تک حنفیہ کا تعلق ہے، وہ حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت پر جس وجہ سے عمل نہیں کرتے وہ اس روایت کی تشریح میں بیان کی جا چکی ہے۔

روایت کے آخر میں جس ”واہمہ“ کا ذکر کیا گیا ہے اس کی بنیاد اختلاف روایت پر ہے، چنانچہ اس بارہ میں مختلف روایتیں منقول ہیں کہ مصل حدیبیہ کے موقع پر اسلامی لشکر کی تعداد کتنی تھی، ایک روایت تو یہی ہے جو حضرت مجؓ نے نقل کی ہے کہ پندرہ سو کی تعداد تھی جس میں تین سو سوار تھے لیکن ایک روایت میں یہ تعداد چودہ سو بیان کی گئی ہے جو بارہ سو پیادوں اور دو سو سواروں پر مشتمل تھی۔

جہاد میں زیادہ سعی و محنت کرنے والوں کے لئے مال غنیمت میں سے خصوصی حصہ

(۲۳) وَعَنْ خَبِيْبِ بْنِ مُسْلِمَةَ الْفِهْرِيِّ قَالَ شَهِدْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَقَلَ الزُّنْعَ فِي الْبِدَاةِ وَالْثُلُثَ فِي الزُّخْفَةِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت حبیب ابن مسلمہؓ قہری کہتے ہیں کہ اسی غزوے کے موقع پر میں نبی کریم ﷺ خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے جنگ کی

ابتداء میں (لڑنے والوں کو) مال غنیمت میں سے جو تھائی حصہ زائد عطا کیا اور واپسی کے وقت (لڑنے والوں کو) تہائی حصہ زائد عطا کیا۔

(ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث میں مال غنیمت کی تقسیم کے سلسلے میں ایک مخصوص نوعیت کے معاملہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر میدان جنگ میں جہاد کے شروع ہونے کے وقت اسلامی لشکر کا کوئی دستہ اپنے لشکر سے آگے نکل کر دشمن کے مقابلہ پر پہنچ جاتا اور اپنے پورے لشکر کے پیچھے سے پہلے دشمن کے ساتھ جنگ میں مشغول ہو جاتا تو آنحضرت ﷺ اس دستہ کو مخصوص طور پر مال غنیمت کا جو تھائی حصہ عطا فرماتے اور پھر جب باقی تین چوتھائی حصے تقسیم ہوتے تو اس میں بھی پورے لشکر کے ساتھ اس دستہ کو شریک کرتے، اسی طرح میدان جنگ میں دشمن کے مقابلہ سے اسلامی لشکر کے واپس آنے کے بعد اگر مجاہدین کا کوئی دستہ بدستور جنگ میں مشغول رہتا تو آنحضرت ﷺ اس دستہ کو مخصوص طور پر مال غنیمت کا تہائی حصہ عطا فرماتے اور پھر جب باقی دو تہائی حصے تقسیم ہوتے تو اس میں بھی پورے لشکر کے ساتھ اس دستہ کو شریک کرتے۔ اور اس دستہ کو تہائی حصہ اس لئے عطا فرماتے کہ پورے لشکر کی واپسی کے بعد صرف چند مجاہدین کا دشمن کے مقابلہ پر بچے رہنا اور لڑائی جاری رکھنا ایک انتہائی سخت مرحلہ اور نہایت خطرناک اقدام اور غیر معمولی حوصلے کا کام ہوتا تھا جب کہ ابتداء میں انتہائی سخت مرحلہ نہیں ہوتا تھا کیونکہ اس وقت تو پورا لشکر آجاتا تھا اور ان مجاہدین کی مدد کرتا تھا، اس کے برخلاف لشکر کی واپسی کی صورت میں جب کہ سارے مجاہدین واپس آجاتے تھے تو اس وقت جنگ کرنا اور دشمن کا مقابلہ کرنا سخت مشکل اور انتہائی سخت ہوتا تھا

بہر حال ان مجاہدین کو مال غنیمت میں سے ان کے حصے سے زیادہ عطا کرنا جنگ میں ان کی بہادری، غیر معمولی حوصلہ اور سخت ترین جدوجہد کے امتیازی کارنامے کی بناء پر تھا

(۳۴) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ الرَّابِعُ بَعْدَ الْخُمْسِ وَالثَّلَاثُ بَعْدَ الْخُمْسِ إِذَا قُتِلَ۔

(رواہ ابوداؤد)

اور حضرت حبیب ابن مسلمہ فہمیؓ روایت ہیں کہ رسول کریم ﷺ (جنگ کی ابتداء میں اسلامی لشکر کے پیچھے سے پہلے لڑنے والے مجاہدین کو مال غنیمت میں سے خمس نکالنے کے بعد جو تھائی حصہ زیادہ دیتے تھے اور (لشکر کے) واپس آ جانے کی صورت میں (لڑنے والے مجاہدین کو) خمس نکالنے کے بعد تہائی حصہ زیادہ دیتے تھے۔ (ابوداؤد)

تشریح: اوپر کی حدیث میں یہ تو بیان کیا گیا تھا کہ ابتداءً جنگ میں لڑنے والے مجاہدین کو جو تھائی حصہ اور لشکر کے واپس آ جانے کے بعد لڑنے والے مجاہدین کو تہائی حصہ دیا جاتا تھا لیکن یہ وضاحت نہیں کی گئی تھی کہ یہ جو تھائی یا تہائی حصہ خمس نکالنے کے بعد دیا جاتا تھا یا اس سے پہلے؟ چنانچہ اس حدیث میں اسی کو واضح کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ پورے مال غنیمت میں سے پہلے خمس نکالتے، اس کے بعد جو تھائی یا تہائی حصہ دیتے اور پھر اس کو پورے لشکر کے درمیان تقسیم فرماتے۔

مال فنی میں کوئی خصوصی حصہ نہیں

(۳۵) وَعَنْ أَبِي الْخُوَيْرِيزَةَ الْبَجَرَمِيِّ قَالَ أَصَبْتُ بِأَرْضِ الرُّومِ جَزَّةً حَفَرَاءَ فِيهَا دَنَّا يَبُورُ فَمِنْ إِثَرِهَا مَعَاوِيَةُ وَعُثَيْبُ بْنُ جُلٍّ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ يَقَالُ لَهُ مَعْنُ بْنُ يَزِيدَ فَأَتَيْتُهُ بِهَا فَقَسَمْتُهَا بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ وَأَعْطَانِي مِنْهَا مِثْلَ مَا أَعْطَى رَجُلًا مِنْهُمْ ثُمَّ قَالَ لَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تَقْلُ إِلَّا بَعْدَ الْخُمْسِ لَأَعْطَيْتُكَ۔ (رواہ ابوداؤد)

اور حضرت ابو حریرہؓ کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت کے زمانہ میں (ایک دن) میں نے روم کی زمین میں ایک سرخ رنگ کی

ٹھہرایا گیا جس میں دنیا پر (بھرے ہوئے) تھے، اس وقت ہمارے علاقے کے حاکم، رسول کریم ﷺ کے صحابہ میں سے ایک شخص تھے جن کا نام معن ابن نزیہ تھا، میں وہ ٹھہرایا کر ان کے پاس آیا، انہوں نے ان دنیاویوں کو مسلمانوں (یعنی مجاہدین اسلام) کے درمیان تقسیم کر دیا اور ان میں سے مجھ کو بھی اتنا ہی دیا، جتنا کسی ایک شخص کے حصے میں آیا تھا (یعنی مجھے بھی سب کے برابر) کوئی زیادہ حصہ نہیں دیا، اور پھر انہوں نے فرمایا کہ اگر میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ "خمس نکالنے کے بعد ہی حصے سے زیادہ دیا جاسکتا ہے۔" تو یقیناً میں بھی جنیس دوسروں سے زیادہ لایا۔" (ابوداؤد)

تشریح: حضرت معن ابن نزیہؓ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق کسی مجاہد کو مخصوص طور پر کوئی زیادہ حصہ اس مال میں سے دیا جاسکتا ہے جس میں سے خمس نکالا ضروری ہو اور وہ خمس نکالا جا چکا ہو، اور یہ ظاہر ہے کہ خمس اس مال میں سے نکالا جاتا ہے جو لڑنے سے جنگ و جدال کے بعد لگا ہوا جو جس کو مال غنیمت کہتے ہیں جب کہ یہ مال جو تمہارے ہاتھ لگا ہے "مال فنی" ہے، اور "مال فنی" میں کوئی زائد حصہ نہیں لگتا اس لئے جنیس بھی اس مال میں سے دوسرے سے زیادہ نہیں ملے گا۔

شریک معرکہ نہ ہونے والوں کو مال غنیمت میں سے خصوصی عطیہ

﴿۲۶﴾ وَعَنْ أَبِي مُؤَسَّى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَدِمْنَا قَوْفًا فَقَاتَلَ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَئِذٍ الْفَتْحَ حَتَّى جَاءَهُمْ لَنَا أَوْ قَالَ فَأَعْطَانَا مِنْهَا وَمَا قَسَمَ لِأَخِيذٍ غَابَ عَنْ فَتْحِ حَتَّى جَاءَهُ مِنْهَا شَيْئًا إِلَّا لَعَنَ شَهِيدًا مَعَهُ إِلَّا أَصْحَابَ سَفِينَتِنَا حَفَفُوا وَأَصْحَابَانِ أَسْنَهُم لَهُمْ مَعَهُمْ۔ (رواہ ابو داؤد)

اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ (جب ہم حبشہ سے آئے اور رسول کریم ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ اس وقت خیبر کو فتح کر چکے تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے (خیبر کے مال غنیمت میں سے) ہمیں بھی حصہ عطا فرمایا۔ یا ابو موسیٰ اشعریؓ نے یہ کہا کہ۔ چنانچہ آپ ﷺ نے خیبر کے مال غنیمت میں سے ہمیں بھی عطا فرمایا اور آپ ﷺ نے اس (مال غنیمت) میں سے کسی بھی ایسے شخص کو کوئی حصہ نہیں دیا جو فتح خیبر کے موقع پر موجود نہ رہا، جو علاوہ اس شخص کے جو (غزوہ خیبر کے وقت) آپ ﷺ کے ساتھ تھا اور علاوہ ہم کشتی والوں (یعنی حضرت جعفرؓ اور ان کے رفقاء کے کہ آپ ﷺ نے ہم) کشتی والوں کو بھی ان (غزوہ خیبر میں شریک ہونے والے مجاہدوں) کے ساتھ حصہ دیا (یاد جو دیکھ ہم اس غزوہ میں شریک نہیں تھے۔" (ابوداؤد)

تشریح: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ دعوت اسلام کے بالکل ابتدائی زمانہ میں یمن سے مکہ آئے اور اسلام قبول کیا اور پھر ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے جہاں حضرت جعفر ابن ابوطالبؓ اور دوسرے صحابہؓ بھی مکہ سے ہجرت کر کے چلے گئے تھے، جب ان سب لوگوں نے حبشہ میں یہ خبر سنی کہ آنحضرت ﷺ بھی مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ چلے گئے ہیں تو یہ لوگ بھی حبشہ سے کشتیوں کے ذریعہ مدینہ کے لئے روانہ ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے پاس اس وقت پہنچے۔ جب کہ آپ ﷺ خیبر کو فتح کر چکے تھے بعض حضرات یہ کہتے ہی کہ حبشہ سے آنے والے ان لوگوں کو خیبر کے مال غنیمت میں سے اس لئے حصہ دیا گیا کہ اگرچہ ان کا اتنا جنگ کے بعد ہوا تھا لیکن وہ مال غنیمت کے جمع کرنے اور اس کی تقسیم سے پہلے پہنچ گئے تھے، یہ تاویل ان علماء کی طرف سے کی جاتی ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کوئی مجاہد جنگ میں شریک نہ ہو سکے مگر مال غنیمت کے جمع ہونے اور اس کی تقسیم کے وقت موجود ہو تو اس مال غنیمت میں سے اس کو بھی لشکر والوں کے ساتھ حصہ ملے گا جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ کا ایک قول ہے لیکن جو علماء اس بات کے قائل نہیں ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں کو خیبر کے مال غنیمت میں سے حصہ دینا آنحضرت ﷺ کی طرف سے ایک خصوصی نوعیت کا عطیہ تھا جو غزوہ خیبر میں شریک ہونے والے مجاہدین کی رضامندی سے دیا گیا تھا اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھنے سے آنحضرت ﷺ کا انکار

(۷۷) وَعَنْ عُرَيْذِ بْنِ خَالِدٍ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَفَّى يَوْمَ حَيْبَرٍ فَلَمْ يَكُنْ مِنَ الرُّسُولِ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَلُّوا عَلَيَّ صَاحِبَكُمْ فَتَغَيَّرَتْ وَجْهَةُ النَّاسِ لِذَلِكَ فَقَالَ إِنَّ صَاحِبَكُمْ غُلٌّ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَقُتِلْنَا فَمَنَّا عَاهُ فَوَجَدْنَا خُزًا مِنْ خُزْنِ يَهُوذَا لَا يَسَاوِي حِقْدَ هَمَيْنِ (رواه الألبان في الإبرور والسنن)

”اور حضرت زید ابن عمارؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ میں سے ایک شخص کا خیبر کے دن انتقال ہو گیا، صحابہؓ نے رسول کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا (یعنی آپ ﷺ کو بتایا کہ فلاں شخص کا انتقال ہو گیا ہے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”تم لوگ اس کے جنازہ کی نماز پڑھ لو (میں اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھوں گا) لوگوں (کا یہ سنا تھا کہ ان کے چہروں کا رنگ اس (خوف کی) وجہ سے بدل گیا (کہ نہ معلوم کیوں) آنحضرت ﷺ اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھیں گے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا (میں اس کی نماز جنازہ اس وجہ سے نہیں پڑھوں گا کہ تمہارے (اس) ساتھی نے اللہ کی راہ میں (یعنی مال غنیمت میں) خیانت کا ارتکاب کیا تھا۔“ چنانچہ جب ہم نے اس اسباب کی تلاشی لی تو اس میں ہمیں یہودیوں (یعنی یہودی عورتوں) کے سینے کے (گلے کے) ہار ملے جو دو درہموں کے برابر بھی نہیں تھے (یعنی ان کی قیمت دو درہم سے کم تھی۔“ (الکلبہ، الإبرور والسنن)

مال غنیمت جمع کرنے میں تاخیر کرنے والے کے بارے میں وعید

(۷۸) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ وَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَصَابَ غَنِيمَةً أَمَرَ بِإِلَاقَةِ فَنَادَى فِي النَّاسِ فَيَجِئُونَ بِغَنَائِمِهِمْ فَيُخَبِّئُهَا وَيَقْبِضُهَا فَيَقُولُ ذَلِكَ يَوْمَئِذٍ بِرَمَامٍ مِنْ شَعْرِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذَا فِيمَا كُنَّا أَصْنَاهُ مِنَ الْغَنِيمَةِ قَالَ أَسَمِعْتَ فَلَا نَادَى فَلَا قَوْلَ قَالِ نَعَمْ فَمَا مَتَعْتُ أَنْ تَجِئَ بِهِ فَاغْتَدَرْتُ قَالَ كُنْ أَنْتَ نَحْيُ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَلَنْ أَقْبِلَهُ عَنْكَ۔ (رواه الإبرور والسنن)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ عرو کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب مال غنیمت کو جمع کرنا کر تقسیم کرنے کا ارادہ فرماتے تو حضرت بلالؓ کو (اعلان کرنے کا) حکم دیتے چنانچہ وہ لوگوں کے درمیان اعلان کر دیتے اور (اس اعلان کو سنتے ہی) لوگ اپنی اپنی غنیمت لے آتے (یعنی جس کے پاس مال غنیمت کی جو بھی چیز ہوتی وہ اس کو لا کر دو بار رسالت میں جمع کر دیتا) پھر آنحضرت ﷺ (پہلے) غنیمت کو (پچھلے) غنیمت سے الگ کر دیتے اور اس کے بعد (اس مال غنیمت کو) لوگوں (یعنی مجاہدین) کے درمیان تقسیم فرماتے۔ (ایک دفعہ ایسا ہوا کہ) ایک شخص (مال غنیمت میں سے) غنیمت لے لے کر آیا اور اس کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کرنے کے) ایک دن بعد بالوں کی بنی ہوئی ایک مہار لے کر آیا اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! جو مال غنیمت ہمارے ہاتھ لگا تھا اس میں یہ مہار بھی تھی۔“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”بلال! نے تین بار جو اعلان کیا تھا اس کو تم نے سنا تھا؟“ اس نے کہا کہ ”ہاں! میں نے سنا تھا۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”پھر اس کو (کی وقت) لانے سے تمہیں کس چیز نے روکا تھا؟“ اس نے (اس تاخیر کے لئے) کوئی مدد بیان کیا، آپ ﷺ نے فرمایا ”بس! (اب ایوں ہی رہو) (یعنی) اس کو اپنے پاس ہی رکھو، اب تو کل قیامت کے دن ہی اس کو لے کر آنا، اب تو یہ خدا کو اس تاخیر کا جواب دینا) میں (اب) اس کو تم سے ہرگز نہ لوں گا۔“ (الإبرور والسنن)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے اس مہار کو اس لئے قبول نہیں کیا کہ اس میں سارے مجاہدوں کا حق تھا، اور اس وقت چونکہ سارے مجاہد منتشر ہو گئے تھے اس لئے اس میں سے ہر ایک کو اس کا حصہ پہنچانا مشکل تھا۔

مال غنیمت میں خیانت کی سزا

(۷۹) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا تَكْرٍ وَعُمَرُ خَوْفًا مَتَاعَ الْغَنَائِمِ

وَضَرُّ نَفْسٍ - (رداء ابو داؤد)

”اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد (حضرت شعیب) سے اور وہ (شعیب) اپنے دادا (حضرت عبداللہ ابن عمرو) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کا سامان و اسباب جلاؤالا اور اس کی پٹائی (بھی) کی۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس خیانت کی سزا یہ دی کہ اس کا سامان و اسباب غزوہٴ تیش کر دیا اور ازراہ تعزیر اس کی پٹائی بھی کی۔ بعض علماء جیسے حضرت امام احمد ابن حنبل و غیرہ نے اس حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کیا ہے اور کہا ہے کہ جو شخص مال غنیمت میں خیانت کرے اس کی سزا یہ ہے کہ اس کے گھر کا سامان و اسباب جلا دیا جائے، علاوہ جانوروں اور مصحف مجید (قرآن کریم) کے، نیز اس چیز کو بھی نہ جلا دیا جائے جس کو اس نے مال غنیمت میں سے خیانت کر کے لیا ہے کیونکہ وہ (اس کی ملکیت میں داخل نہیں ہے بلکہ) مجاہدین کا حق ہے۔ جب کہ تینوں ائمہ یعنی حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ یہ کہتے ہیں کہ اس کا سامان و اسباب نہ جلا دیا جائے بلکہ اس کو کوئی اور تعزیر جو حاکم و قاضی مناسب جانے دے۔ ان حضرات نے اس حدیث کو سخت عمیدہ و عیدہ پر محمول کیا ہے۔

خائن کی اطلاع نہ دینے والا بھی خائن کے حکم میں ہے

(۳۰) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ خُنْدَبٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ يَكْتُمُ غُلًا فَاتَهُ مُخْلَفٌ - (رداء ابو داؤد)

”اور حضرت سمرہ ابن جندبؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص نے مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کی خیانت کو چھپایا (یعنی وہ امیر و حاکم کے علم میں یہ بات نہیں لایا کہ فلاں شخص نے خیانت کی ہے) تو گوگنہ گار ہونے کے اعتبار سے (وہ بھی) خیانت کرنے والے کی طرح ہے۔“ (ابوداؤد)

غنیمت کا مال تقسیم ہونے سے پہلے اس کی خرید و فروخت کی ممانعت

(۳۱) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ بَرِيٍّ الْغَنَائِمِ حَتَّى تَقْسَمَ - (رداء ترمذی)

”اور حضرت ابوسیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے غنیمت کا مال تقسیم ہونے سے پہلے اس کو خریدنے سے منع فرمایا ہے (کیونکہ تقسیم سے پہلے اس کا کوئی مالک نہیں ہوتا۔) (ترمذی)

(۳۲) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى أَنْ تُبَاعَ الْبَرِيَّةُ حَتَّى تَقْسَمَ - (رداء اسداری)

”اور حضرت ابو امامہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس ممانعت کا اعلان فرمایا کہ (مال غنیمت کے) حصے جب تک تقسیم نہ ہو جائیں ان کو فروخت نہ کیا جائے۔“ (دارقطنی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مال غنیمت کے اپنے حصہ کو تقسیم سے پہلے بیچنے لگے تو یہ جائز نہیں ہوگا ایک تو اس وجہ سے کہ جس حصہ کو وہ بیچنا چاہتا ہے ابھی وہ اس کی ملکیت میں نہیں آیا ہے (جیسا کہ بعض علماء کا قول ہے کہ تقسیم سے پہلے کسی بھی حصہ کی ملکیت موقوف رہتی ہے اور سب اس وجہ سے کہ) حصہ دار کو تقسیم سے پہلے مالک ان بھی لیا جائے تو خود اس (مالک) کو تقسیم سے پہلے تک یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے حصے میں کیا چیز آئے گی اور وہ چیز کبھی ہوگی، اس صورت میں اس حصے کو بیچنا گویا ایک ایسی چیز کو بیچنا لازم آئے گا جو غیر معلوم و غیر متعین ہے اور یہ ناجائز ہے۔

مال غنیمت میں ناحق تصرف کرنے والے دوزخ کی آگ کے سزاوار ہوں گے

(۳۳) وَعَنْ خُوْزَلَةَ بْنِ قَبِيْصٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ هَذِهِ أَمْالَ حَصْرَةِ خُلُوْفَةٍ مِّنْ

اَصَابَهُ بِحَقِّهِ يُؤَدِّكَ لَهُ فِيهِ وَرُبَّ مُتَخَوِّضٍ فَيَضْأُ شَاءَتْ بِهِ نَفْسُهُ مِنْ عَالِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ لَيْسَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا النَّارُ۔

(رواہ الترمذی)

”اور حضرت خولہ بنت قیسؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”بلاشبہ یہ مال ایک سبز دھریں چیز ہے (یعنی مال ایک ایسی چیز ہے جو انسان کی نظر کو بھاتا ہے اور دل کو لہو لہاتا ہے) لہذا جو شخص اس (مال کو) بیعت کرے اس سے حاصل کرتا ہے اس کے لئے اس میں برکت عطا کی جاتی ہے۔ اور یاد رکھو بہت سے لوگ ایسے ہیں جو غورہ اور اس کے رسول ﷺ کے مال یعنی مال غنیمت میں سے جس چیز کو ان کا دل چاہتا ہے اپنے تصرف میں لے آتے ہیں، قیامت کے دن ان کے لئے صرف دوزخ کی آگ ہوگی۔“ (ترمذی)

ذوالفقار تلوار کا ذکر

(۳۳) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقَبَّلَ سَيْفَهُ ذَا الْفَقَّارِ يَوْمَ بَدْرٍ۔ وَوَأَمَّنْ حَاجَةً وَزَادَ التَّزْوِيلُ وَهُوَ الَّذِي رَأَى فِيهِ الزُّوْيَا يَوْمَ أُحُدٍ۔

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی تلوار جس کا نام ذوالفقار تھا، جنگ بدر کے دن صبح سے زیادہ لی تھی۔ (ابن ماجہ) اور ترمذی نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ ”اور یہی تلوار ہے جس کے متعلق آنحضرت ﷺ نے جنگ احد کے دن خواب دیکھا تھا۔“

تشریح: ”صبح سے زیادہ لی تھی“ کا مطلب یہ ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر جو مال غنیمت ہاتھ لگا تھا اس میں یہ تلوار بھی تھی، جس کو آنحضرت ﷺ نے پسند کر کے اپنے حصے سے زائد لے لیا تھا۔ یہ بات صرف آنحضرت ﷺ کے لئے جائز تھی اور کسی کے لئے جائز نہیں۔ جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوا، اس تلوار کا نام ”ذوالفقار“ تھا، جو ایک کافر بنی تھاج کی ملکیت تھی، وہ جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا، آنحضرت ﷺ کو یہ تلوار پسند آئی، چنانچہ آپ ﷺ نے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت اس کو اپنے حصے سے زائد اپنے پاس رکھ لیا۔ چنانچہ کئی ہی جنگوں میں اور تلواروں کے ساتھ یہ تلوار بھی آنحضرت ﷺ کے پاس رہی۔ اور قاموس میں یہ لکھا ہے کہ یہ تلوار فہرہ کے بننے عام کی ملکیت تھی جو جنگ بدر میں (حضرت علیؓ کے ہاتھوں) مارا گیا، پھر آنحضرت ﷺ نے وہ تلوار حضرت علیؓ ہی کو عطا فرمادی۔

اس تلوار کا نام ”ذوالفقار“ اس مناسبت سے تھا کہ اصل میں ”فقار“ پشت کی ہڈی کو کہتے ہیں، چونکہ اس تلوار کی پشت پر چھوٹے چھوٹے خوبصورت گروہ تھے یا پشت کی ہڈیوں کی طرح جوڑتے، اس لئے اس کو ”ذوالفقار“ کہا جانے لگا۔

غزوہ احد کے موقع پر ذوالفقار سے متعلق خواب دیکھنے کا قصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک خواب میں یہ دیکھا کہ آپ ﷺ نے اسی تلوار (ذوالفقار) کو ہلایا تو وہ درمیان سے ٹوٹ گئی، پھر دوبارہ اس کو ہلایا تو وہ پہلے سے بھی زیادہ ابھی ہو گئی چنانچہ غزوہ احد کے دن اس خواب کی یہ تعبیر سامنے آئی کہ پہلے کو شکست کا سامنا کرنا پڑا لیکن آخر میں فتح و کامرانی حاصل ہوئی۔

تقسیم سے پہلے مال غنیمت کی کسی چیز کو استعمال کرنے کی ممانعت

(۳۵) وَعَنْ زُوَيْنِعٍ بْنِ قَابِطٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَرْكَبُ ذَاتَهُ مِنْ فَيْءِ الْمُسْلِمِينَ حَتَّى إِذَا أَخْلَقَهَا زَادَهَا فِيهِ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَلْبَسُ ثَوْبًا مِنْ فَيْءِ الْمُسْلِمِينَ حَتَّى إِذَا أَخْلَقَهُ زَادَهُ فِيهِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت زوین بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے قطعاً روا نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کے (مشترک) مال غنیمت کے کسی جانور پر (بلا ضرورت شرعی) سوار ہو اور پھر جب وہ (جانور) دبو

ہو جائے تو اس کو مال غنیمت میں واپس کر دے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے یہ قطعاً واجب ہے کہ وہ مسلمانوں کے (مشترک) مال غنیمت کے کسی کپڑے کو (یا ضرورت شرع) پیئے اور پھر جب وہ (کپڑا) پرانا ہو جائے تو اس کو مال غنیمت میں واپس کر دے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ اگر اپنی سواری کے مصرف میں لانے کی وجہ سے وہ جانور دہانہ ہو تو اس صورت میں اس پر سوار ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن حقیقت میں یہ مفہوم مراد ہے اور نہ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے بلکہ یہ بات محض محاورہ فرمائی گئی ہے کہ عام طور پر جانور سواری کے کام آنے سے دہلے ہو جاتے۔

مال غنیمت میں کھانے کی جو چیزیں ہاتھ آئیں ان کا حکم

(۳۶) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي الْمَخَالِدِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ قُلْتُ هَلْ كُنْتُمْ تُخَيِّمُونَ الْقَطَاعَ فِي غَنَائِمِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَصْنَأُ عِلْمًا يَوْمَ خَيْبَرٍ فَكَانَ الرَّجُلُ يَجِيءُ فَيَأْخُذُ مِنْهُ بِقَدْزٍ مَا يَكْفِيهِ ثُمَّ يَنْصَرِفُ۔

(رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت محمد ابن ابوالخالد، حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے (حضرت عبداللہ) سے پوچھا کہ ”کیا آپ لوگ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں کھانے کی چیزوں میں سے بھی شمس یعنی پانچواں حصہ نکالتے تھے؟“ انہوں نے فرمایا کہ ”غزوہ خیبر کے دن کھانے کی چیزیں بھی ہمارے ہاتھ لگی تھیں، چنانچہ ہر کوئی شخص آتا اور ان میں سے بقدر رکابیت لے کر واپس چلا جاتا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: سوال کا مطلب یہ تھا کہ آیا ان چیزوں میں سے بھی شمس نکالا جاتا تھا جو چیزیں کھانے کی قسم سے ہوتیں، ان کو تقسیم سے مستثنیٰ رکھ جاتا تھا کہ جو شخص چاہتا ان کو اپنے مصرف میں لے آتا؟ جواب کا ماحصل یہ تھا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں سے شمس نہیں نکالنا چاہئے لیکن اس بات کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ ایسی چیزوں میں سے جو کچھ بھی لیا جائے وہ جس اتنی ہی مقدار میں ہو کہ ضرورت و حاجت پوری ہو جائے

(۳۷) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ جَنِيحًا غَنِمُوا فِي زَمَنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا وَغَسَلًا فَلَمْ يُوْخَذْ مِنْهُمْ الْخُفْضُ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں) لشکر (میں) کھانا (یا) شمس (یا) چھوٹے (یا) بڑے (یا) مال غنیمت میں کھانے کی چیزیں اور شہدے کر آیا۔ چنانچہ (ان) لشکر والوں نے ان چیزوں میں سے جو کچھ کھپائی یا تھایا وہ جو کچھ بچا کر لے لئے تھے اس میں سے) ان سے شمس یعنی پانچواں حصہ نہیں لیا گیا۔“ (ابوداؤد)

(۳۸) وَعَنْ الْقَاسِمِ مَوْلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنَّا نَأْكُلُ الْخَزْرُوزَ فِي الْغَزْوِ وَلَا نَقْسِمُهُ حَتَّى إِذَا كُنَّا نَزْجَعُ إِلَى وَحَالِنَا وَآخِرُ جَنَانِنَا مَقْلُوءَةً۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت قاسمؓ (مابقی) جو عبدالرحمن کے آزاد کردہ غلام ہیں بنی کریمؓ کے بعض صحابہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے (یعنی) ان (بعض صحابہؓ) نے) بیان کیا کہ ”ہم غزوہ میں اونٹ (کا گوشت) کھاتے اور اس کو تقسیم نہ کرتے (یعنی ہم محاذ جنگ پر ضرورت کے وقت مال غنیمت کے اونٹوں کو ذبح کرتے اور اس کا گوشت تقسیم کے بغیر اپنی حاجت کے بقدر لے لیتے) جہاں تک کہ جب ہم (سفر کے دوران) اپنے زیدوں، خیوں میں واپس آتے تو ہمارے تھیلے گوشت سے بھرے ہوتے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ابن ہشامؒ فرماتے ہیں کہ جب مسلمان (جہاد کے بعد) واپس آتے ہوئے دارالحرب کی سرحدوں سے پار ہو جائیں نہ

اس کے بعد ان کے لئے یہ جائز نہیں ہو گا کہ وہ اپنے جانوروں کو مال غنیمت میں سے کھاس واند کھائیں یا مال غنیمت کی کھانے پینے کی چیزوں میں سے خود کچھ کھائیں کیونکہ اس صورت میں وہ ضرورت باقی نہیں رہ گئی ہے جس کی بناء پر دارالحرب میں مال غنیمت کی کھانے پینے کی چیزوں کا اپنے مصرف میں لانا مجاہدین کے لئے مباح تھا۔ نیز جس شخص کے پاس دارالحرب میں غیر تقسیم شدہ مال غنیمت کا کھاس واند یا کھانے پینے کی چیزیں اس کی ضرورت و حاجت سے زائد ہوں وہ ان کو مال غنیمت میں واپس کر دے۔

خیانت کرنے والوں کو قیامت کے دن بے عزت ہونا پڑے گا

(۳۹) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ أَقْوَى الْخِيَاظِ وَالْمَخِيطِ وَإِتَاكُمُ وَالْفُلُوقِ لِبَانَةِ عَاذٍ عَلَى أَهْلِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ - وَزَوْادَةُ الدَّارِ مِثْلُ وَزَوْادَةِ النَّسَائِي عَنْ عُمَرُو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ -

”اور حضرت عمارہ ابن صامتؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ”ساتھ کے اور سوئی کی (جھکی) اور انگلی کرو (یعنی مال غنیمت میں سے اس قدر معمولی چیزیں بھی چپا کر نہ رکھو) اور تم (مال غنیمت میں باطلی) خیانت کرنے سے اجتناب کرو کیونکہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خیانت کرنا خیانت کے مرکب (لوگوں کے لئے قیامت کے دن بے عزت ہونے والا ہو گا۔ “واری” اور سنائی“ کے اس روایت کو عمرو ابن شعیب سے اور انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے نقل کیا ہے۔“

مال غنیمت میں حقیر ترین چیز کی خیانت مستوجب مواخذہ ہے

(۴۰) وَعَنْ عُمَرُو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ ذَكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ تَعْيِيرٍ فَأَخَذَ وَبَرَّةً مِنْ سَنَامِهِ ثُمَّ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ لَيْسَ لِي مِنْ هَذَا ثَمَنٌ عَشْرِي وَلَا هَذَا وَرَفَعَ اصْبَعَةً إِلَّا الْخُمْسَ وَالْخُمْسُ مَزْدُودٌ عَلَيْكُمْ فَأَذْوَا الْخِيَاظِ وَالْمَخِيطِ لِقَامِ رَجُلٍ فِي يَدِهِ كَنْةٌ مِنْ شَعْرِ فَقَالَ أَخْلَتْ هَذِهِ لِصَلْبٍ بِهَا بَرْدَةٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا مَا كَانَ لِي وَلِبَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَهُوَ لَكَ فَقَالَ أَمَا إِنْ بَلَغْتَ مَا أَزَى فَلَا أَزُبُ لِي فِيهَا وَنَسَبَهَا (رواه ابو داؤد)

”اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا (ایک دن) نبی کریم ﷺ (مال فنی میں آئے ہوئے) ایک اونٹ کے پاس تشریف لائے اور اس کے کوہان کے (دو ایک) بال اکھاڑ کر فرمایا ”لوگو! حقیقت یہ ہے کہ اس مال فنی میں میرا کوئی حصہ نہیں ہے اور۔“ آپ ﷺ کی جس انگلی پر وہ بال تھے، لوگوں کو دکھانے کے لئے) اس انگلی کو اکھاڑ کر فرمایا کہ یہ (مال بھی اتنا معمولی حصہ بھی) میرے لئے نہیں ہے البتہ جس میں پانچویں حصے کا میں حقدار ہوں لیکن جس میں بھی (میری ذات پر خرچ نہیں ہوتا بلکہ تمہارے ہی اوپر خرچ کیا جاتا ہے) (جس شخص کا مال تمہاری ہی بھلائی میں خرچ ہوتا ہے) اس طرح کہ اس سے تمہارے لئے اختیار اور گھوڑے وغیرہ حاصل کئے جاتے ہیں) لہذا (اگر تمہارے پاس مال غنیمت میں کا) سوئی تاکہ بھی ہو تو اس کو لا کر جمع کروادو۔“ (ایک شخص جس کے ہاتھ میں بالوں کی رسی کا ایک ٹکڑا تھا، اکھاڑا اور کہا کہ ”میں نے رسی کے اس ٹکڑے کو اپنے پاس رکھ لیا تھا تاکہ اس کے ذریعہ بالان کے نیچے کی کھلی کو (گاتھ کر) ٹھیک کر لو (اب) اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟“ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ چہاں تک اس چیز کا سوال ہے جو میرے اور بنو عبدالمطلب کے حصے کی ہے تو وہ تمہاری ہے (یعنی اس ٹکڑے میں سے جو کچھ میرے خاندان بنو ہاشم اور ان کے حلیف و ساتھی بنو عبدالمطلب کے لوگوں کے حصے کا ہے وہ تو ہم نے ہمیں بخش دیا لیکن اس میں سے جو کچھ ہمارے علاوہ دوسرے مجاہدین کا حصہ ہے اس کے بارے میں تم جانو، کہ اگر تم ان سے بھی ان کے حصے معاف کرالو گے تو کوئی مواخذہ نہیں ہو گا اور اگر ان کے حصے معاف نہیں کرانے تو قیامت کے دن پکڑے جاؤ گے۔“ اس شخص نے اس کو کہا کہ جب یہ رسی (گتھ کی) اس حد تک پینچ گئی ہے جو میرے سامنے ہے تو پھر کچھ کو اس کی ضرورت نہیں ہے اور (یہ کہہ کر) اس نے اس رسی کو پھینک دیا۔“ (ابوداؤد)

آنحضرت ﷺ خمس کا مال بھی مسلمانوں ہی کے اجتماعی منافع میں خرچ کرتے تھے

(۴۱) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى بَعْضِ مَنْ الْمَغْنَمِ فَلَمَّا سَلِمَ أَحَدٌ وَتَرَفَ مِنْ جَنْبِ النَّبِيِّ لَمْ يَقُلْ لِي مِنْ غَنَائِمِكُمْ مِثْلَ هَذَا إِلَّا الْخُمْسَ وَالْخُمْسُ مَرْدُودٌ فِيكُمْ - (رواه ابو داؤد)

”اور حضرت عمرو ابن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (ایک موقع پر مال غنیمت کے ایک اونٹ کو سترہ قرار دے کر ہمیں نماز پڑھائی، جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا (اور نماز سے فارغ ہو گئے) تو اس اونٹ کے پہلو سے (دو ایک) ہال اکھاڑے اور پھر فرمایا کہ ”جہارے مال غنیمت میں میرے لئے اتنا (یعنی ان بالوں کے بقدر) بھی حصہ نہیں ہے علاوہ خمس کے اور وہ خمس بھی تمہاری ہی ضرورتوں میں خرچ کیا جاتا ہے۔“ (ابو داؤد)

تشریح: اگر ”پہلو“ سے مراد ہو کہ آپ ﷺ نے اس اونٹ کے کوبان کی کسی جانب سے ہال اکھاڑے تو اس صورت میں یہ وہی واقعہ ہوگا جس کا ذکر اوپر کی حدیث میں تھا اور اگر ظاہری مفہوم یعنی ”اونٹ کا پہلو“ مراد لیا جائے تو اس صورت میں یہ کوئی دوسرا واقعہ ہوگا۔

زوی القرنی میں مال خمس کی تقسیم کے موقع پر حضرت عثمانؓ و غیرہ کی محرومی

(۴۲) وَعَنْ حُجْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ لَمَّا قَسَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَهْمَ ذَوِي الْقُرْنَيْنِ بَيْنَ نِسِيِّ هَاشِمٍ وَبَيْنِ الْمُظْلِبِ أَتَيْتُهُ أَنَا وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانٍ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ هُوَ لَا إِخْوَانَيْنِ بَيْنَ هَاشِمٍ لَأَنَّهُمْ فَضَّلَهُمْ لِمَكَانِكَ الَّذِي وَضَعَكَ اللَّهُ مِنْهُمْ أَرَأَيْتَ إِخْوَانَكَا بَيْنَ الْمُظْلِبِ أَعْطَيْنَهُمْ وَتَرَكْنَا وَإِنَّمَا قَرَابَتَا وَقَرَابَتُهُمْ وَاجِدَةٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا بَنُو هَاشِمٍ وَبَنُو الْمُظْلِبِ شَيْءٌ وَوَاجِدٌ هَكَذَا وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ زَوَاهِ الشَّاعِبِيِّ وَفِي رِوَايَةِ أَبِي ذَاوُدَ وَالتَّسَانِي نَحْوُهُ أَنَا وَبَنُو الْمُظْلِبِ لَا تَقْتَرِفُ فِي جَاهِلِيَّةٍ وَلَا إِسْلَامٍ وَإِنَّمَا نَحْنُ وَهُمْ شَيْءٌ وَوَاجِدٌ وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ۔

”اور حضرت حیر ابن مطعم کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ نے (مال غنیمت میں سے اپنے قرابت داروں کا حصہ یعنی خمس) جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے، بنو ہاشم اور بنو مطلب کے درمیان تقسیم کیا تو میں یعنی حیر (بنو قریظ کی طرف سے) اور عثمان ابن عفان (بنو عبد شمس کی طرف سے) آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے یہ بھائی جن کا تعلق بنو ہاشم سے ہے، ہم ان کی فضیلت و بزرگی کا تو انکار نہیں کرتے کیونکہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ان میں پیدا کیا ہے لہذا اس اعتبار سے ہماری بہ نسبت وہ آپ کے زیادہ (قریب) ہیں کیونکہ ان کے اور آپ ﷺ کے یہ ایک ہی ہیں یعنی ہاشم اور چچ ہمارے اور ان کے جدا ہی بھی ایک ہی ہیں یعنی عبد مناف! لیکن ہمیں یہ بتائیے کہ اس کا کیا سبب ہے کہ آپ ﷺ نے (خمس کے مال میں سے جو زوی القرنی کا حصہ ہے) ہمارے ان بھائیوں کو جو حصہ بنو قریظ کے جن کا تعلق بنو مطلب سے ہے اور ہمیں محروم رکھا جب کہ ہماری یعنی بنو قریظ اور بنی عبد شمس کی اور ان کی یعنی بنی مطلب کی قرابت ایک ہی ہے (بائیں طور کہ جس طرح ان کے دادا ہاشم کے بھائی تھے اسی طرح ہمارے دادا بھی ہاشم کے بھائی تھے کیونکہ ان دونوں حضرات کی غرض کا حاصل یہ تھا کہ مال غنیمت میں سے جو خمس نکالا جاتا ہے وہ قرآن کریم کے حکم کے مطابق آپ ﷺ کے قرابت داروں کا حصہ ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے قرابت داروں کی ایک شاخ بنو مطلب کو مال خمس میں سے دیا لیکن دوسری دو شاخوں یعنی بنو نوفل اور بنو عبد شمس کو کچھ نہیں دیا، جب کہ یہ سارے شامیں ایک ہی جدِ اعلیٰ یعنی عبد مناف کی اولاد ہیں، تو اس امتیازی سلوک کی کیا وجہ ہے؟) آنحضرت ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کے درمیان داخل کر کے (اور اس کی طرف اشارہ کر کے) فرمایا کہ ”(میں) اس کے علاوہ اور کچھ نہیں (جانتا) کہ (جس طرح دونوں ہاتھوں کی یہ انگلیاں باہم مل کر ایک چیز ہو گئی ہیں اسی طرح) بنو ہاشم

اور بنو مطلب بھی ایک چیز ہیں۔ ”شافعی“ ابو داؤد اور نسائی کی روایت بھی اسی طرح ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہم اور مطلب کی اولاد نہ زمانہ جاہلیت میں بھی ایک دوسرے کے مخالف ہوئے اور نہ زمانہ اسلام میں، لہذا اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ ہم اور وہ دونوں ایک چیز ہیں“ یہ کہہ کر آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں داخل کیں۔“

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

ابو جہل کے قتل کا واقعہ

(۳۲) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ اتَيْنَا لَوِاقِفَ فِي الصَّفِّ يَوْمَ بَدْرٍ فَظَنَرْتُ عَنْ يَمِينِي وَعَنْ شِمَالِي فَيَا أَيُّهَا الْعَرَبِيُّ مِنَ الْأَنْصَارِ خِدْيَةُ أَسْنَانُهَا قَتَمَتْنِي أَنْ أَكُونَ بَيْنَ أَضْلَعٍ مِنْهُمَا فَعَمَّرَ بَنِي أَحَدَهُمَا فَقَالَ أَيْ عِمَّ هَلْ تَعْرِفُ أَبَا جَهْلٍ قُلْتُ نَعَمْ فَمَا حَاجَتُكَ إِلَيْهِ يَا ابْنَ أَخِي قَالَ أَخْبَرْتُ أَنَّهْ يَسُبُّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَئِنْ رَأَيْتُهُ لَا يَفَارِقُ سِوَادِي سِوَادَهُ حَتَّى يَمُوتَ الْأَعْمَلُ مَا قَالَ فَتَضَعِيْتُ لِلذِّكْرِ قَالِ وَغَيْرِي الْأَخْرَفُ فَقَالَ لِي مِثْلُهَا فَلَمَ الْتَسَّبْتُ أَنْ تَنْظُرْتَ إِلَيَّ ابْنَ جَهْلٍ يَخْتَلِي فِي النَّاسِ فَقُلْتُ أَلَا تَرَاهُ هَذَا حَاجِبُكُمْ الذِّي تَسْأَلُونِي عَنْهُ قَالَ فَايْتَقَدُّهُ يَسْتَفْتِيهِمَا فَضَرَّ بَاهُ حَتَّى قَتَلَهُ ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ أَلَيْكُمَا قَتَلَهُ فَقَالَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَنَا قَتَلْتُهُ فَقَالَ هَلْ مَسَحْتُمَا سَيْفَيْكُمَا فَقَالَ لَا فَظَنَرْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الشَّيْطَانِ فَقَالَ كَلَاكُمَا قَتَلَهُ وَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَلْبِهِ لِمُعَاذِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعُجْلَمِ وَالرَّجُلَانِ مُعَاذُ بْنُ عَمْرٍو بْنِ الْخُثَمِ وَمُعَاذُ بْنُ عَمْرٍو (متن پلید)

”حضرت عبدالرحمن ابن عوف کہتے ہیں کہ غزوہ بدر کے دن میں (دشمن کی مقاتل) صف میں کھڑا تھا، جب میں نے دائیں بائیں نظر ڈالی تو کیا دیکھتا ہوں کہ میں دو انصار لڑکوں کے درمیان کھڑا ہوں، جو بالکل نو عمر تھے، مجھے یہ گستاہوئی کہ کاش (اس وقت) میں ان دونوں سے زیادہ طاقتور اور تجربہ کار دو آدمیوں کے درمیان کھڑا ہوتا (یعنی) میں نے دونوں نو عمروں کو حوصلہ و شجاعت کے اعتبار سے بے وقعت جانا اور یہ خیال کیا کہ چونکہ یہ نو عمروں آکر مودہ کا رہیں، اس لئے ہو سکتا ہے کہ دشمن کے حملہ کی تاب نہ لائیں اور محرکہ کے وقت بھاگ کھڑے ہوں جس سے میری ذات کو بھی ہشہ گئے، میں انہیں خیالات میں غلطیاں دیکھاں تھا کہ اچانک ان دونوں میں سے ایک نے مجھ کو ٹھوکا دیا اور کہا کہ ”چچا جان اکیا آپ ابو جہل کو پکارتے ہیں، وہ کون سا ہے اور کہاں ہے؟“ میں نے کہا کہ ”ہاں! میں جانتا ہوں، لیکن میرے بیٹے! جنہیں ابو جہل سے کہی غرض ہے؟ اس نے کہا“ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ (یعنی ابو جہل) رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیا کرتا ہے، اس ذات کی قسم کہ اگر میں اس کو دیکھ لوں تو میرا جسم اس کے جسم سے اس وقت تک جدا نہ ہوگا جب تک کہ ہمیں سے کوئی ایک موت کی طرف پرستے میں ملدی نہ کرے (یعنی ابو جہل کے خلاف میرے دل میں اتنی نفرت ہے کہ میں اس کو دیکھتے ہی اس پر چھٹ چڑوں گا اور اس وقت تک اس سے لڑوں گا جب تک کہ ہم دونوں میں سے جس کی موت پہلے آنے والی ہوگی وہ نہ مر جائے خواہ میں شہید ہو جاؤں، خواہ میں اس کو جیت کر دوں)۔“ حضرت عبدالرحمن کہتے ہیں کہ میں اس نو عمر کی اس بات کو سن کر حیران رہ گیا کہ خدایا، ان نو عمروں کے دل میں آنحضرت ﷺ کی کتنی محبت ہے اور ان کے جذبات میں ہمت و حوصلہ اور شجاعت و بہادری کا کیا عرش بن گیا ہے) عبدالرحمن کہتے ہیں کہ (پھر دوسرے لڑکے نے مجھ کو ٹھوکا دیا اور اس نے بھی وہی الفاظ کہے جو پہلے نے کہے تھے، اس کے بعد میں نے کوئی توقف نہیں کیا اور ابو جہل کو دیکھا جو (دشمن کے لوگوں میں پھرتا تھا، میں نے اس کی طرف اشارہ کر کے) ان لڑکوں سے کہا کیا تم اس شخص کو نہیں دیکھ رہے جو دشمن کے گروہ میں پھرتا ہے؟ کیا تمہارا ہر مطلوب ہے جس کے ہارے میں تم مجھ سے پوچھ رہے تھے (یعنی اس شخص کو پچان لو کی ابو جہل ہے)۔“ عبدالرحمن کہتے ہیں کہ (یہ سنتے ہی) وہ دونوں لڑکے اپنی تلوار سنبھال کر فورا

ابو جہل کی طرف لپکا اور اس پر حملہ کر دیا۔ یہاں تک کہ اس کو قتل کر ڈالا، پھر دونوں رسول کریم ﷺ کے پاس لوٹ کر آئے اور آپ کو (اس واقعہ سے) آگاہ کیا، آپ ﷺ نے پوچھا کہ ”تم دونوں میں سے کس نے اس کو قتل کیا ہے؟“ ان میں سے ہر ایک نے عرض کیا کہ اس کو میں نے قتل کیا ہے آپ کا، اللہ مجھ پر مسلّم ہے جو چاہا کیا تم دونوں نے اپنی تلواریں پونچھ ڈالی ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں چنانچہ آپ نے ان دونوں کی تلواروں کو دیکھا اور فرمایا کہ ”تم دونوں ہی نے اس کو قتل کیا ہے۔“ پیغمبر رسول کریم ﷺ نے حکم دیا کہ ابو جہل کا سامانِ محاذ ابن عمرو ابن جوح کو دیا جائے۔ اور وہ دونوں لڑکے (جنہوں نے ابو جہل کو موت کے گھاٹ اتارا) محاذ ابن عمرو ابن جوح اور محاذ ابن عفرہ تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: صحیح بخاری کی روایت میں محاذ ابن عفرہ کی بجائے معوذ ابن عفرہ ہے۔ نیز آگے جو روایت آ رہی ہے اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابو جہل کو عفرہ کے دونوں بیٹوں نے قتل کیا، جب کہ اوپر جو روایت نقل کی گئی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان دونوں قتل کرنے والوں میں صرف ایک ہی عفرہ کا بیٹا تھا، اس طرح دونوں روایتوں میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے چنانچہ علماء محققین نے اس تضاد کو اس توجہ سے دور کیا ہے کہ وہ دونوں ایک ماں کے بیٹے تھے لیکن ان کے باپ الگ الگ تھے، اس اعتبار سے وہ دونوں ماں کی طرف سے تو حقیقی بھائی تھے اور باپ کی طرف سے سوئیے بھائی تھے، ان کی ماں کا نام عفرہ تھا۔ ان میں سے ایک کے باپ کا نام عمرو ابن جوح تھا اور دوسرے کے باپ کا نام قطلانہ کے قول کے مطابق حارث تھا چنانچہ ان میں سے ایک کو اس کے باپ کی طرف منسوب کر کے محاذ ابن عمرو ابن جوح کہا گیا اور دوسرے کو اس کی ماں کی طرف منسوب کر کے محاذ ابن عفرہ یا معوذ ابن عفرہ کہا گیا۔

اس موقع پر دو سوال اور بھی پیدا ہوتے ہیں، ایک تو یہ کہ جب آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابو جہل کو تم دونوں ہی نے قتل کیا ہے تو پھر آپ ﷺ نے ابو جہل کا سامان ان دونوں کو دینے کی بجائے ان میں سے ایک ہی کو دینے جانے کا حکم کیوں دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ابو جہل کو قتل کرنے میں شریک تو شاید دونوں ہی رہے ہوں گے لیکن اصل میں جس نے پہلے ابو جہل پر حملہ کر کے اس کو بھاگنے اور چلے پھرنے وغیرہ سے مجبور اور بے دم نہا دیا ہو گا وہ ایک ہی ہو گا پھر بعد میں دوسرے نے بھی اگر اس پر مزید وار کر کے اس کو اور زیادہ زخمی کر دیا ہو گا اس اعتبار سے اس کے سامان کا حق ہی کو قرار دیا گیا جس نے پہلے حملہ کر کے اس کو بھاگنے یا یا مفتی حملہ کرنے سے ناکارہ کر دیا تھا لیکن آپ ﷺ نے دوسرے کو بھی خوش کرنے کے لئے یہ فرمایا کہ اس کو تم دونوں نے قتل کیا ہے۔

دوسرا سوال وہی ہے جو دوسری فصل میں حضرت ابن مسعود کی اس روایت کے ضمن میں بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابو جہل کی تلوار میرے حصے سے زائد مجھ کو عطا کی، اس روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ ابو جہل کو حضرت ابن مسعود نے قتل کیا، اس اعتبار سے گویا ان دونوں روایتوں میں تضاد واقع ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں نو عمروں نے ابو جہل کو زخمی کر کے زمین پر ڈال دیا، جب ابن مسعود نے دیکھا کہ اس میں زندگی کی ریق موجود ہے تو انہوں نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا، اس طرح، حضرت ابن مسعود کے اس عمل کو ابو جہل کے قتل سے تعبیر کیا گیا، نیز آنحضرت ﷺ نے اس بناء پر کہ اس کے قتل میں ہر حال ابن مسعود کا بھی کچھ نہ کچھ حصہ تھا اس لئے ان کو بھی اس کے سامان کی ایک چیز یعنی تلوار عطا فرمائی۔ ایک بات یہ بھی ملحوظ رہنی چاہئے، کہ حضرت امام مالک کے بعض تبعین کا یہ قول ہے کہ اس ہمارے میں امام سردار کو اختیار حاصل ہے کہ وہ جو چاہے فیصلہ کرے اور مقتول کا سامان جس کو چاہے دے دے، اس صورت میں مذکورہ بالا دونوں سوالوں کے پیرا ہونے کا بھی موقع باقی نہیں رہ جاتا۔

(۳۷) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ مَنْ يَنْظُرُ لَنَا مَا صَنَعَ أَبُو جَهْلٍ فَإِنَّا نَنْتَقِلُ إِلَيْهِ مَسْجُودٌ فَوَجَدَهُ قَدْ صَرَبَتْهُ أَسَافِعُاءُ حَتَّى بَرَدَ قَالَ فَاتَّخَذَ بِلَحْيَتِهِ فَقَالَ أَنْتَ أَبُو جَهْلٍ فَقَالَ وَهَلْ فَوْقَ رَجُلٍ قَتَلْتُمُوهُ وَطَعْتُمْ دَوَابَّهُ فَإِنِ هَلُوْا غَيْرَ أَكْبَارٍ قَتَلْتُمُوهُ - (متن علیہ)

”اور حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جنگِ بدر کے دن (میدانِ جنگ میں) فرمایا کہ کون شخص ہے جو دیکھ کر ہمیں بتائے کہ

ابو جہل نے کیا کیا (یعنی اس کا کیا مشورہ، آیا وہ مارا گیا، یا زندہ رہے؟) چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ نے انہوں نے ابو جہل کو اس حالت میں پایا کہ عفرہ کے دونوں بیٹوں نے اس کو مار مار کر ٹھنڈا یعنی قریب المرگ کر دیا تھا۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے یہ دیکھ کر ابو جہل کی فاضلی پکڑ لی اور اس سے کہا کہ ”تو ابو جہل ہی ہے نا؟“ ابو جہل نے ”ابن مسعودؓ کے اس سوال کے پیچھے پیچھے ہوئے طنز اور عداوت کو محسوس کر لیا اور کہا کہ ”اے بے شک میں ابو جہل ہی ہوں لیکن کہا تو اس شخص سے زیادہ بڑے مرتبہ کے ہو جس کو تم نے قتل کیا ہے؟“ یعنی جس شخص کو تم نے قتل کیا ہے (اس سے زیادہ بڑے مرتبہ کا کوئی شخص نہیں ہے) ان الفاظ کے ذریعہ گویا ابو جہل نے یہ دعویٰ کیا کہ قریش میں مجھ سے زیادہ بڑے مرتبہ کا کوئی شخص نہیں ہے۔“ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ ابو جہل نے (اس موقع پر) کہا کہ اگر غیر ذراعت پیشہ لوگ مجھے قتل کرتے تو بہت بہتر ہوتا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”اگر غیر ذراعت پیشہ لوگ مجھے قتل کرتے اس لئے“ سے ابو جہل کو مطلب یہ تھا کہ مجھے اس میں کوئی عار محسوس نہیں ہوا ہے کہ تم لوگوں نے مجھے قتل کر دیا ہے لیکن اس بات کا افسوس ضرور ہے کہ مجھے ان آدمیوں نے مارا ہے جو کبھی باڑی کرنے والے ہیں اگر کاش! مجھے ان کے علاوہ دوسرے لوگ مارتے تو میرے نزدیک یہ زیادہ بہتر ہوتا۔ گویا ابو جہل نے عفرہ کے دونوں بیٹوں کی طرف اشارہ کیا جنہوں نے اس کو قتل کیا تھا چنانچہ وہ دونوں انصار سے تعلق رکھتے تھے اور انصار کبھی باڑی کرتے تھے۔ اس طور کہ ان کے پاس کھیت بھی تھی اور کھجور کے باغات بھی۔

کسی کو مال دینے سے اس کی دینی فضیلت لازم نہیں آتی

﴿۳۵﴾ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ أَعْطَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَّاقًا وَأَنَا جَالِشٌ فَتَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ وَجَلَّاهُ أَغْبَضَهُمْ إِلَيَّ فَقُلْتُ قُلْتُ مَا لَكَ عَنْ فَلَانٍ وَاللَّهِ إِنِّي لَأَرَاهُ مُؤْمِنًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ تَسْلِبُنَا ذَكَرَ ذَلِكَ سَعْدٌ فَلَنَا وَأَجَابَنِي بِمِثْلِ ذَلِكَ ثُمَّ قَالَ إِنِّي لَأَعْطِي الرَّجُلَ وَغَيْرَهُ وَأَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ خَشْيَةُ أَنْ يَكُتَبَ لِي السَّارِ عَلَيَّ وَجِهَهُ. فَتَفَقَّحَ عَلَيْهِ. وَفِي رِوَايَةٍ لِيَهُمَا قَالَ الرَّهْطِيُّ فَتَرَى أَنَّ الْإِسْلَامَ الْكَلِمَةُ وَالْإِيمَانُ الْعَمَلُ الصَّالِحُ۔

”حضرت ابن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) جب کہ میں مجلس نبویؐ میں بیٹھا ہوا تھا رسول کریم ﷺ نے ایک جماعت کو کچھ مال عطا فرمایا اور (اس جماعت میں سے) ایک شخص کو رسول کریم ﷺ نے چھوڑ دیا (یعنی اس کو کچھ نہیں دیا) حالانکہ وہ شخص میرے نزدیک (دین کے اعتبار سے ان میں سب سے بہتر تھا) یہ دیکھ کر میں کھڑا ہوا اور آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ ”میں ان شخص کے لئے کیا ہے یعنی آپ ﷺ نے اس کو اپنے عطیہ سے کیوں محروم رکھا؟ خدا کی قسم! (میں) اس کو مؤمن صادق سمجھتا ہوں۔“ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”ہوں نہ کہو کہ میں اس کو مؤمن صادق سمجھتا ہوں“ بلکہ یہ کہو کہ میں اس کو مسلمان سمجھتا ہوں۔“ سعدؓ نے (آپ ﷺ کے سامنے) تین بار یہ بات کہی اور آنحضرت ﷺ نے بھی (ہر بار) اسی طرح جواب دیا اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”میں ایک شخص کو (مال) دیتا ہوں درحالیکہ اس کی نسبت دوسرا شخص میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں وہ شخص منہ کے بل دوزخ میں نہ ڈالا جائے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”بلکہ یہ کہو“ اس ارشاد کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے یہ واضح کیا کہ ایمان حقیقی کہ جس کا تعلق قلب کی گہرائیوں اور صدق باطن سے ہوتا ہے، بہت اعلیٰ مرتبہ ہے اور چونکہ یہ کوئی ظاہری چیز نہیں ہوتی اس لئے اس پر مطلع ہونا ممکن نہیں ہے (یعنی کسی شخص کے ظاہری احوال کو دیکھ کر فیصلہ کرنا ناممکن ہے کہ اس کے باطنی اعمال کیسے ہیں اور اس کا ایمان کس درجہ کا ہے، کیونکہ ایمان حقیقی کوئی نظر آنے والی چیز نہیں ہے)۔ اس کے برخلاف اسلام، ایک نظر آنے والی چیز ہے کیونکہ اسلام نام ہے ظاہری اطاعت و فرمانبرداری کا۔ اس لئے اگر تہداری نظروں میں اس شخص کے ظاہری اعمال بہت اچھے ہیں تو ہم اس کے بارے میں یقین کے ساتھ یہ تو کہہ سکتے ہو کہ میں اس کو

اچھا مسلمان سمجھتا ہوں لیکن یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں اس کو مؤمن صادق سمجھتا ہوں۔ گویا اس طرح آنحضرت ﷺ کا مقصد سعدؓ کو اس غیر مناسب بات پر متنبہ کرنا تھا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے اس شخص کے سختی مال ہونے کو اپنی دلیل کے ساتھ بیان کیا اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے اس شخص کو مال نہ دیئے جانے کو بعد از حقیقت جانتا تھا انہوں نے اس شخص کے ایمان حقیقی کا دعویٰ کیا۔

”اس کی وجہ یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اس سے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ کسی شخص کو مال دینے سے اس کو پسندیدہ سمجھنا اس کو افضل جاننا لازم نہیں آتا اور نہ یہ ضروری ہے کہ مال کا دیا جانا اپنی فضیلت و امتیاز کے اعتبار سے ہو بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس شخص کا ایمان کمزور ہوتا ہے اس کو تائیف قلب کے پیش نظر مال عطا کیا جاتا ہے تاکہ وہ محض مال نہ پائے کی وجہ سے کسی، پوی اور غصہ کا شکار ہو کر کفر کے اندھیروں میں نہ چلا جائے اور پھر دوزخ میں ڈالا جائے۔ لہذا اے سعد! اس شخص کو مال دینے جانے کا مطالبہ اتنے بڑے دعوے کے ساتھ نہ کر کہ وہ کامل الایمان مؤمن ہے جب کہ اس کے حقیقی کو کامل ایمان کا یقین کرنا بھی تمہارے لئے ممکن نہیں ہے۔“

”اسلام کلمہ کا نام ہے الخ۔“ واضح رہے کہ اصل میں تو زہریؒ کو یوں کہنا چاہئے تھا کہ اسلام، عمل صالح اور احکام شریعت کی اطاعت و فرمانبرداری سے عبارت ہے اور ایمان تصدیقی قلبی کا نام ہے، لیکن انہوں نے اس مشہور تفریف کی بجائے اسلام کو کلمہ سے اور ایمان کو عمل صالح سے تعبیر کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اقرار اسلام کا لفظی کلمہ شہادت کو زبان سے ادا کرنے سے ہے، جس شخص نے کلمہ شہادت پڑھا اس نے گویا اپنے اسلام کا اقرار کیا ہے اور اس کا یہ اقرار اس کو بظاہر مسلمان ثابت کرنے کے لئے کافی ہے، اس بات کو زہریؒ نے اس سے تعبیر کیا کہ اسلام کلمہ کا نام ہے کہ جس شخص نے کلمہ شہادت پڑھا اس پر مسلمان ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ اب رہی ایمان کو عمل صالح سے تعبیر کرنے کی بات، تو اس کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ عمل صالح صادر ہونے کی بنیاد کیا ہوتی ہے؟ بالکل ظاہر بات ہے کہ اس کی بنیاد تصدیق قلبی حتیٰ دل سے ایمان لانا ہے، جو شخص اخلاص کے ساتھ عمل صالح کرتا ہے وہ گویا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اس کے قلب میں ایمان جاگزیں ہے اور اس سے عمل صالح کا صادر ہونا تصدیق قلبی اور کمال ایمان کی بناء پر ہے، اس اعتبار سے زہریؒ نے ”ایمان کی وضاحت عمل صالح سے کی۔“

جنگ میں شریک نہ ہونے کے باوجود مال غنیمت میں سے حضرت عثمانؓ کا حصہ

(۳۷) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ يَتَخَنَّى يَوْمَ بَدْرٍ فَقَالَ إِنَّ عِشْقَانِ انْظُرَا فِي خَاجَةِ اللَّهِ وَخَاجَةِ رَسُولِهِ وَإِنِّي أَبَايَعُ لِمَنْ قَضَرْتُ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَسْتَهْمُ وَلَمْ يَنْصُرْ لِأَخِي عَابَ غَيْرُهُ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ جنگ بدر کے دن (غلبہ دینے کے لئے) کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ بلاشبہ ”عثمانؓ، اللہ اور اس کے رسول کے کام سے مجھے ہیں اس لئے میں (غور) ان کی طرف سے بیعت کرتا ہوں۔“ پھر رسول کریم ﷺ نے حضرت عثمانؓ کے لئے (جنگ بدر کے مال غنیمت میں سے) حصہ مقرر کیا اور آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کے علاوہ اور کسی ایسے شخص کے لئے حصہ مقرر نہیں کیا جو جنگ میں شریک نہیں تھا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: آنحضرت ﷺ جب اپنے صحابہ کے ہمراہ بدر پہنچے تو اس وقت آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ جو حضرت عثمانؓ کے نکاح میں تھیں سخت بیمار تھیں، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے عثمانؓ کو مدینہ بھیج دیا تاکہ وہ وہاں جا کر حضرت رقیہؓ کی تیمارداری کریں۔ اور پھر جب مال غنیمت کی تقسیم کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس جنگ کے تیس عثمانؓ پر جو ذمہ داری عائد ہوئی تھی اس کو انہوں

نے پورا کیا اور وہ جنگ میں شریک ہونے کے لئے یہاں آئے، لیکن خدا اور اس کے رسول ﷺ کا یہ حکم ہوا کہ وہ مدینہ واپس چلے جائیں اور ریت کی دیکھ بھال کریں، اس اعتبار سے وہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کی کام سے گئے ہیں، لہذا میں خود ان کی طرف سے بیعت کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ ﷺ نے اپنا بایاں ہاتھ اپنے دائیں ہاتھ پر مارا اور فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے، اور پھر آپ ﷺ نے مال غنیمت میں حضرت عثمان کا بھی حصہ لکھا۔

ایک اونٹ دس بکریوں کے برابر ہے

(۳۷) وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْعَلُ فِي قَسْمِ الْغَنَائِمِ غَنَاشًا مِنَ الشَّاءِ

بِجَنْجِيرٍ - (رواہ الترمذی)

"اور حضرت رافع ابن خدیجؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ مال غنیمت کی تقسیم کے وقت ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر قرار دیتے۔" (ترمذی)

پہلی امتوں میں مال غنیمت کو آسانی آگ جلا ڈالتی تھی

(۳۸) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزَائِي مِنَ الْأَنْبِيَاءِ فَقَالَ لَقَوْمُهُ لَا يَشْعُرُونَ بِخَلْقِ مَنْ لَمْ يَنْصَحْ أَمْرًا وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يَنْبِيَّ بِهَا وَلَسَّائِي بِهَا وَلَا أَحَدٌ بَنَى بُيُوتًا وَلَمْ يَوْفَعْ مَقُوفَهَا وَلَا رَجُلٌ أَشْتَرَى غَنَمًا أَوْ خِلْفًا وَهُوَ يَنْتَظِرُ أَوْ لَا دَهَافَرًا فَذَنَابِي الْقَرْيَةِ صَلَاةَ الْعَصْرِ وَقَرِيبًا مِنْ ذَلِكَ فَقَالَ لِلشَّمْسِ إِنَّكَ حَامِزَةٌ وَأَنَا مَأْمُورٌ بِاللَّهِمَّ احْبِسْهَا عَلَيَّ فَحَبَسَتْ حَتَّى فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِ فَجَمَعَ الْغَنَائِمَ فَجَاءَتْ يَغْيِي النَّارُ لَنَا كُلُّهَا فَلَمْ تَقْطَعْنَهَا فَقَالَ إِنَّ يَدَكُمْ عَلَوْلًا فَلْيَبِيعْنِي مِنْ كُلِّ قَبِيلَةٍ رَجُلٌ فَلَلَيْقَتْ يَدُ رَجُلٍ فَقَالَ فَيَكُنُّمُ الْغُلُولُ فَجَاءَ زَانِسٌ مِثْلُ زَانِسٍ بَقَرَةً مِنَ الذَّهَبِ فَوَضَعَهَا فَجَاءَتْ النَّارُ فَكُلَّتْهَا وَذَافِقِي رِوَابَةٍ فَلَمْ تَجْعَلِ الْغَنَائِمَ لَأَحَدٍ قَبْلَنَا ثُمَّ أَخَلَّ اللَّهُ لَنَا الْغَنَائِمَ زَانِسٌ صَغَفْنَا وَعَجَزْنَا فَاحْلَلْنَا لَنَا - (مسند طبرانی)

"اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "انبیاء میں سے ایک نبی (یعنی حضرت یوشع ابن نون علیہ السلام کا ذکر ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے) جہاد کا ارادہ کیا اور جب وہ جہاد کے لئے روانہ ہوئے لگے تو انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ میرے ساتھ وہ شخص نہ چلے جس نے کسی عورت سے نکاح کیا ہو اور اس عورت کو اپنے گھر لاکر اس سے چاشت کا ارادہ رکھا ہو اور ابھی تک اس سے چاشت نہ کی اور میرے ساتھ نہ وہ شخص چلے جس نے گھر بنا لیا ہو لیکن (ابھی تک) اس کی چشت نہ ڈال سکا ہو نیز وہ شخص (ابھی) میرے ساتھ نہ چلے جس نے گاجھن بکریوں یا گاجھن اونٹنیوں خرید کر لی ہو اور وہ ان کے پیچھے چلنے کا منتظر ہو۔ اس کے بعد وہ نبی ﷺ (اپنے بانی ساتھیوں کے ساتھ) جہاد کے لئے روانہ ہوئے اور جب اس بستی کے قریب پہنچے کہ جہاں وہ جہاد کرنے کا ارادہ رکھتے تھے تو نماز عصر کا وقت ہو چکا تھا (یعنی وہ ایسے وقت اس بستی کے قریب پہنچے جب کہ عصر کی نماز کا وقت ختم ہوتا ہے یا تم ہونے کے قریب ہوتا ہے) اس نبی ﷺ نے آداب کو مخاطب کر کے کہا کہ تو بھی (چلے بھرا) مور ہے اور میں بھی (اس بستی کو) حج کرنے پر مامور ہوں۔ اے اللہ! تو اس آداب کو ٹھہرا دے۔" چنانچہ آداب ٹھہرا دیا گیا (یعنی قدم بجا ہر جن فلسفیات کے نظریے کے مطابق آداب کی رفتار کو یا جدید نظریے کے مطابق زمین کی گردش کو حکم الہی سے روک دیا گیا تاکہ رات کی تاریکی سے پہلے پہلے وہ نبی جہاد کر لیں تاکہ اللہ تعالیٰ نے اس نبی ﷺ کو حج عطا فرمادی۔ پھر جب مال غنیمت جمع کیا گیا اور اس کو جلا ڈالنے کے لئے آگ آئی تو اس آگ نے مال غنیمت کو نہیں جلا دیا (یہ دیکھ کر اس نبی ﷺ نے) اپنے ساتھیوں سے) فرمایا کہ (یقیناً تمہارے اندر مال غنیمت میں خیانت واقع ہوئی ہے یعنی تم میں سے کسی نے مال غنیمت کے اندر خیانت کی ہے) جس کی وجہ سے یہ آگ اپنا کام نہیں کر رہی ہے) لہذا تم میں سے ہر قبیلہ کے ایک ایک شخص کو چاہئے کہ وہ بیعت کرے، چنانچہ (جب بیعت شروع ہوئی اور ہر

قبیلہ کا ایک ایک اپنا ہاتھ اس نبی (ﷺ) کے ہاتھ میں دینے (۱) ایک شخص کا ہاتھ اس نبی کے ہاتھ کو چپک کر رہ گیا، نبی (ﷺ) نے اس شخص سے فرمایا کہ ”اس ذریعہ سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ خیانت، تمہارے قبیلہ کی طرف سے ہوئی ہے۔“ پھر اس قبیلہ کے لوگ سوئے گا ایک سر لٹانے جو تیل کے سر کی مانند تھا اور اس کو دکھ دیا، اس کے بعد آگ آئی اور اس نے اس کو جلا دیا۔ اور ایک روایت میں راوی سے یہ عبارت بھی نقل کی ہے کہ ”آنحضرت نے یہ فرمایا کہ اچانچہ ہم سے پہلے کسی کے لئے مال قیمت حلال نہیں تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے مال قیمت کو ہمارے لئے حلال قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں (مالی طور پر) ضعیف و کمزور دیکھا تو مال قیمت کو ہمارے لئے حلال کر دیا۔“ بخاری و مسلم۔

تشریح: حضرت یوشع علیہ السلام نے جہاد کے لئے روانگی کے وقت ان چند لوگوں کو اپنے ساتھ چلنے سے اس لئے روک دیا تھا کہ جب دل کسی اور چیز میں اٹکا ہوا ہوتا ہے تو اس چیز کے علاوہ کسی اور کام میں طبیعت نہیں لگتی لہذا اگر مذکورہ لوگوں کو جانے والے لشکر میں شریک کیا جاتا تو وہ پورے جوش و جذبہ اور جتنی وسعتی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا تھا جس کے لئے ان کو لے جایا جاتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جنگی مہمات وغیرہ کے موقع پر اپنے تمام ضروری امور و معاملات سے فراغت و یکسوئی حاصل کرینی چاہئے تاکہ جس مہم میں نکلا جائے اس کو بخوبی سرانجام دیا جاسکے۔

”آفتاب ٹھہرایا گیا ارغ۔“ مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ (نظام شخصی کی پوری مدت ہمراہ میں حضرت یوشع ابن نون علیہ السلام کے علاوہ اور کسی کے لئے سورج کو بھی نہیں ٹھہرایا گیا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ سورج کا ٹھہرانا صرف حضرت یوشع (ﷺ) کے خصائص میں سے ہے حالانکہ آنحضرت (ﷺ) کے لئے بھی سورج کا ٹھہرایا جانا ثابت ہے! اس طرح ان دونوں باتوں میں جو تباہی تضاد ہے اس کو اس وجہ سے ذریعہ دور کیا جاسکتا ہے کہ حضرت یوشع (ﷺ) کے متعلق آنحضرت (ﷺ) کا جو ارشاد ہے (کہ) یوشع کے علاوہ اور کسی کے لئے سورج نہیں ٹھہرایا گیا۔ اس سے آنحضرت (ﷺ) کی مراد یہ ہے کہ پیغمبروں میں حضرت یوشع کے سوا اور کوئی ایسا پیغمبر نہیں ہے جس کے لئے سورج ٹھہرایا گیا ہو علاوہ میرے۔ نیز یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ جب آنحضرت (ﷺ) کے لئے سورج ٹھہرایا گیا تھا آپ (ﷺ) نے اس سے پہلے یہ ارشاد فرمایا ہو۔

مواہب لدنیہ کی روایت کے مطابق آنحضرت (ﷺ) کے لئے سورج ٹھہرنے کا واقعہ دو مرتبہ پیش آیا ہے۔ ایک بار تو شب معراج کے دوسرے دن اور دوسری بار غزوہ خندق کے دن جب کہ کفار نے آپ (ﷺ) کو جنگ میں الجھائے رکھ کر عصر کی نماز پڑھنے سے روک دیا تھا یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت (ﷺ) کے لئے سورج کو واپس کیا (یعنی عصر کا وقت لوٹا) تب آپ (ﷺ) نے عصر کی نماز پڑھی۔ اسی طرح ایک مرتبہ آنحضرت کے حکم سے حضرت علیؓ کے لئے بھی سورج واپس ہوا ہے وہ یوں کہ ایک دن آنحضرت (ﷺ) ان کے زانوں پر سر رکھ کر لیٹے ہوئے تھے کہ اسی حالت میں آپ (ﷺ) پر وحی کا نزول شروع ہو گیا، اس صورت میں حضرت (ﷺ) کا سر مبارک اپنے زانوں پر نہ اٹھانے کی یہاں تک کہ عصر کا وقت ختم ہو گیا اور وہ نماز نہیں پڑھ پائے، چنانچہ آنحضرت (ﷺ) نے ان کے لئے دعائیٰ تو اللہ تعالیٰ نے سورج کو واپس کیا، تب انہوں نے عصر کی نماز وقت پر ادا کی، مواہب لدنیہ نے اس واقعہ کو بھی تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے لیکن علماء نے اس واقعہ میں کلام بھی کیا ہے۔

”اس کو جلاڈالنے کے لئے آگ آئی ارغ۔“ جیسا کہ پہلے بھی معلوم ہو چکا ہے، یہ صرف اس اُمت محمدیہ کی خصوصیت ہے کہ اس کے لئے مال قیمت کو حلال قرار دیا گیا ہے۔ پہلی باتوں کو غنیمت کا مال اپنے مصرف میں لانے کی اجازت نہیں تھی۔ بلکہ حکم الہی کے مطابق یہ دستور تھا کہ جنگ کے بعد غنیمت کا سارا مال حج کر کے جنگ میں دکھ دیا جاتا تھا، اس کے بعد آسمان سے آگ آئی اور اس کو جلا دیتی، جو قبولیت کی علامت ہوتی۔

مال غنیمت میں خیانت کرنے والا دوزخ میں ڈالا جائے گا

﴿۴۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُمَرُو قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمَ خَيْبَرَ أَهْبَلَ تَقَرُّمَنَ صَحَابَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا فُلَانٌ شَهِيدٌ وَفُلَانٌ شَهِيدٌ حَتَّى مَرُّوا عَلَيَّ رَجُلٌ فَقَالُوا فُلَانٌ شَهِيدٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا إِنِّي رَأَيْتُهُ فِي الشَّارِفِ بَرْدَةً عَلَيْهَا أَوْ عِبَاءَةً ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ إِذْ هَبْتَ فَتَدَا فِي النَّاسِ أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ فَلَمَّا قَالَ فَخَرَجْتُ فَتَدَا هَبْتُ إِلَّا أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ فَلَمَّا

(رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے کہ حضرت عمر ابن خطابؓ نے ہم سے یہ بیان کیا کہ جب خیر کا دن آیا یعنی جب غزوہ خیر ختم ہو گیا تو نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ میں سے چند لوگ آئے اور (اہل میں) کہنے لگے کہ فلاں شخص شہید ہو گئے تھے ان کے نام لے لے کر ان کی شہادت کا ذکر کرتے رہے یہاں تک کہ وہ لوگ ایک شخص (کی لاش) پر سے گذرے اور کہا کہ (یہ) فلاں شخص شہید ہے، رسول کریم ﷺ نے (یہ نہ کر) فرمایا کہ ”ہرگز نہیں“ ہم لوگ جس معنی میں اس کو شہید کہتے ہو وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ہم نے اس شخص کو مال غنیمت میں سے ایک چادر یا فرمایا کہ ایک دھاری دار کملی چرانے کے سبب دوزخ میں (جتنے) دیکھا ہے۔“ پھر رسول کریم ﷺ نے (مجھ کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ ”ابن خطاب! جاؤ اور لوگوں کے درمیان تین مرتبہ یہ منادی کرو کہ ”جنت میں (ابتداء) صرف مؤمن (یعنی کامل سون) ہی داخل ہوں گے۔“ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ چنانچہ میں نکلا اور تین مرتبہ یہ منادی کی کہ ”خبردار! جنت میں صرف مؤمن ہی داخل ہوں گے۔“

(مسلم)

تشریح: ”جنت میں صرف مؤمن ہی داخل ہوں گے۔“ ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ شرعی اصطلاح اور عرف عام میں ”مؤمن“ اس شخص کو کہتے ہیں جو آنحضرت ﷺ پر اور آپ ﷺ کی شریعت پر ایمان لائے۔ اس اعتبار سے جس شخص نے خیانت کا ارتکاب کیا اس نے گویا آنحضرت ﷺ کی رسالت و شریعت کی تصدیق سے انکار کیا یا اس طور کہ اس تصدیق کے نتیجہ میں اس پر جو احکام نافذ ہوتے ہیں اس نے ان پر عمل نہیں کیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب بہر حال نہیں ہو سکتا کہ جس شخص نے خیانت کا ارتکاب کر کے آنحضرت ﷺ کی تصدیق کے منافی عمل کیا وہ سرے سے مؤمن نہیں رہا لہذا اس اعلان کے ذریعہ کہ ”جنت میں صرف مؤمن ہی داخل ہوں گے۔“ آنحضرت ﷺ کا اس شخص کو بظاہر زمرہ مؤمنین سے خارج کرنا اصل میں سخت زجر و تنبیہ اور وعید کے طور پر تھا یا یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس ارشاد میں ”مؤمن“ سے مراد متقی و پرہیزگار مؤمن ہے اور ”داخل ہونے“ سے مراد بلا عذاب داخل ہونا ہے، اس طرح اس ارشاد کا مطلب یہ ہو گا کہ جو مؤمن، تقویٰ و پرہیزگاری کی راہ پر گامزن ہوں گے وہ جنت میں بغیر عذاب کے داخل کئے جائیں گے، لیکن جو مؤمن متقی و پرہیزگار نہیں ہوں گے اور گناہ کا ارتکاب کریں گے انہیں پہلے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا تاکہ وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگت لیں اور پھر بعد میں انہیں بھی جنت میں داخل کر دیا جائے گا

چونکہ یہ ارشاد ”میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا ہے“ بظاہر ان نصوص کے خلاف ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ کسی کا حقیقتہ دوزخ میں ڈالا جانا، حشر کے بعد ہی واقع ہو گا۔ لہذا اس ارشاد گمراہی کو ”تشبیہ“ پر محمول کیا جائے، یعنی آنحضرت ﷺ نے اس اسلوب بیان کے ذریعہ درحقیقت اس طرف اشارہ فرمایا کہ یہ شخص دوزخ میں ڈالا جائے گا جیسا کہ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ کے انتقال سے پہلے ہی ان کے جنت میں داخل ہونے کو تمثیل کے طور پر بیان فرمایا تھا، میرے نزدیک یہ احتمال بھی ہے کہ یہ ارشاد مجازی اسلوب بیان کا مظہر ہو، یعنی آنحضرت ﷺ کی مراد یہ تھی کہ میں اس شخص کو ایک ایسے گناہ کا مرتکب جانتا ہوں جو دوزخ کے عذاب کو واجب کرنے والا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ ان الا بر اولیٰ نعیم (نیک لوگ جنت میں ہیں) ظاہر ہے کہ اس آیت کا

مطلب یہ نہیں ہے کہ نیک لوگ ابھی سے جنت میں پہنچ گئے ہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ نیک لوگ ان اوصاف حمیدہ کے حامل ہوتے ہیں جو ان کو جنت میں لے جائیں گے۔

بَابُ الْجَزِيَةِ

جزیہ کا بیان

جزیہ کس کو کہتے ہیں؟ ”جزیہ“ اسلامی قانون کی ایک خاص اصطلاح ہے جس کا اطلاق اس خاص محصول (نکس) پر ہوتا ہے جو اسلامی مملکت میں بسنے والے غیر مسلم افراد (ذمیوں) سے ان کی ملے شدہ مرضی کے مطابق لیا جاتا ہے۔

”جزیہ“ اصل میں ”جزاء“ سے نکلا ہے جس کے لغوی معنی ”بدلہ کے ہیں! اس خاص محصول (نکس) کو جزیہ اسی لئے کہا جاتا ہے وہ گویا اسلامی ریاست میں ترک اسلام اور کفر یا قلم کرنے کا ایک بدلہ اور عوض ہے جو ان کے مال، جان، اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے وصول کیا جاتا ہے۔

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

مجوسیوں سے جزیہ لیا جاسکتا ہے

① عَنْ بَعْثَالَةَ قَالَ كُنْتُ مَعَ ابْنِ حَزْرَةَ بْنِ مُعَاوِيَةَ عَمِّ الْأَخْطَبِ فَأَتَانَا كِتَابُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَبْلَ مَوْزِنِهِ بِسَبْعَةِ فَوْزَاتٍ بَيْنَ كُلِّ ذِي مِخْزَمٍ مِنَ الْمُخَضَّمِ وَلَمْ يَكُنْ عُمَرُ أَخَذَ الْجَزِيَةَ مِنَ الْمُخَضَّمِ حَتَّى شَهِدَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ أَنْ يُسَوِّلَ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَهَا مِنْ مُخَضَّمٍ فَخَزَ۔ (رداء الناری)

”حضرت بجاالہ“ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں حضرت جزء ابن معاویہ (تابعی) کے پاس جو حضرت اخف (صحابی) کے چاچے، ششی تھا۔ ایک مرتبہ ہمارے پاس حضرت (امیر المومنین) عمر بن خطابؓ کا ان کی وفات سے ایک سال پہلے ایک کتب آیا جس میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ ”مجوسیوں یعنی آتش پرستوں میں ان کے محارم کے درمیان تفریق کرادو۔“ نیز (راوی کہتے ہیں کہ) عمرؓ (پہلے) مجوسیوں سے جزیہ نہیں لیا کرتے تھے یہاں تک کہ جب حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ نے گواہی دی (یعنی انہوں نے یہ بیان کیا) کہ رسول کریم ﷺ نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا (تب حضرت عمرؓ نے مجوسیوں سے جزیہ لینا شروع کیا۔“ (بخاری)

تشریح: ”محرم“ اس قریبی رشتہ دار کو کہتے ہیں جس سے نکاح جائز ہو جیسے ماں، بیٹی اور بہن وغیرہ۔ مجوسیوں میں یہ دستور تھا کہ وہ اپنے محرم سے شادی کر لیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے یہ حکم بھیجا کہ جن مجوسیوں نے اپنے محارم سے شادی کر رکھی ہو ان میاں بیوی کے درمیان تفریق کرادو یعنی ان کی شادی فسخ قرار دے دو۔ اگرچہ اسلامی قانون کا یہ ضابطہ ہے کہ جو غیر مسلم اسلامی ریاست کے زیرِ حفاظت میں ہوں ان کے نہ ہی معاملات میں مداخلت نہ کی جائے بلکہ ان کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی پوری آزادی دی جائے اور یہ بات (یعنی اپنے محرم سے شادی) چونکہ ان کے مذہب میں جائز تھی اس لئے حضرت عمرؓ کا یہ حکم نہایت ناظر ایک سوالیہ نشان ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اسلامی ریاست کی طرف سے ذمیوں کو اپنے مذہبی معاملات میں پوری آزادی حاصل ہوتی ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اہم وقت کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اسلامی فکروں میں جہاں صرف خدا کا اتارا ہوا قانون نافذ و جاری ہوتا ہے کسی بھی ایسے عمل کو روک دے جو براہِ راست اسلامی شعائر کے متصادف اور دین کے بنیادی اصولوں اور قانون حکومت کے مخالف ہو۔ چنانچہ مجوسیوں کا اپنے محرم سے شادی کرنا بھی چونکہ نہ صرف اسلامی شعائر کے صریح مخالف ہی تھا بلکہ اخلاقی اور سماجی طور پر بھی نہایت مذموم اور شنیع فعل تھا اس لئے حضرت عمرؓ نے اس طرح کی شادیوں کو ختم کر دینے کا حکم صادر فرمایا۔

جو سیوں کے بارہ میں جمہور علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ان سے جزیرہ لیا جائے بلکہ ضعیف کے نزدیک عجمی بہت پرستوں سے بھی جزیرہ لیا جائے لیکن اس میں حضرت امام شافعیؒ کا اختلافی قول ہے۔

”ہجر“ ایک جگہ کا نام ہے جو بعض حضرات کے نزدیک یمن میں بحرین کے قریب ایک شہر تھا، مگر موجودہ محققین کے مطابق جزیرہ نمائے عرب کا شرعی ساحل جو ”احساء“ کہلاتا ہے پہلے ”ہجر“ کے نام سے موسوم تھا اور اسی کو ”بحرین“ بھی کہتے تھے۔

وذكر حديثاً بؤنفة إذا أقر أئمة اعلیٰ جیش فی باب الکتاب الی الکفار اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت إذا أقر أئمة املح باب الکتاب الی الکفار میں قتل کی جا چکی ہے۔

الفصل الثانی

جزیرہ کی مقدار

② عَنْ مُعَاذِ بْنِ زَرْوَنِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا وَجَّهَهُ إِلَى الْيَمَنِ أَمَرَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنْ كُلِّ خَالِيمٍ يَنْعِي مُخْتَلِمٍ وَيَتَّزَا أَوْ غَدَلَهُ مِنَ الْمُعَاوِيَةِ ثِيَابَ تَكُونُ بِالْيَمَنِ۔ (ابوداؤد)

”حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ جب رسول کریم ﷺ نے ان (معاذؓ) کو (احساء) کو (احساء) و حاکم بنا کر یمن روانہ کیا تو ان کو یہ ہدایت کی کہ وہ (وہاں کے) ہر عالم یعنی ہر بالغ سے ایک دینار یا ایک دینار کی قیمت کا معافی گیر جو یمن میں تیار ہوتا ہے (جزیرہ کے طور پر لیں)“ (ابوداؤد)

تشریح: ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ جزیرہ نہ تو عورت پر عائد ہوتا ہے اور نہ بچہ پر۔ (اسی طرح مجنون، اندھے، اور قانع زدہ پر بھی) جزیرہ واجب نہیں ہوتا۔ نیز وہ بڑھا جو لڑنے اور کام کرنے پر قادر نہ ہو اور وہ عیاج جو کوئی کام کرنے پر قادر نہ ہو جزیرہ سے مستثنیٰ ہے یہ حدیث بظاہر حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کی دلیل ہے جن کے نزدیک جزیرہ کی واجب مقدار کے بارے میں غنی اور فقیر (یعنی امیر و غریب) برابر ہیں کیونکہ اس حدیث میں کوئی تخصیص ذکر نہیں ہے۔ لیکن خفیہ کے نزدیک غنی (امیر) ہر سال اڑتالیس درہم واجب ہوتے ہیں جو ہر مہینے چار درہم کے حساب سے ادا کرنے ہوتے ہیں، درمیانی درجہ والے ہر سال چوبیس درہم ہوتے ہیں جنہیں وہ ہر ماہ دو درہم کر کے ادا کرے گا اور فقیر یعنی پچھلے طبقہ والے جو کھانے والا ہو ہر سال بارہ درہم واجب ہوتے ہیں جنہیں وہ ہر ماہ ایک ایک درہم کر کے ادا کرے گا۔

اسی حنفی مسلک کے بارہ میں ہدایہ میں لکھا ہے کہ یہ مسلک حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ سے منقول ہے نیز انصار و مہاجرین میں سے کسی سے بھی اس کے خلاف منقول نہیں ہے اور جہاں تک اس حدیث کا سوال ہے جس میں ہر بالغ سے ایک ایک دینار لینا روایت کیا گیا ہے تو یہ صلح کی صورت پر محمول ہے کہ یمن چونکہ جنگ و جدال کے ذریعہ فتح نہیں ہوا تھا بلکہ باہمی صلح کے ذریعہ یمن والوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے تسلط و اقتدار میں دے دیا تھا لہذا جزیرہ کے بارے میں بھی ان کے ساتھ مذکورہ مقدار پر مصالحت ہوئی۔ یا یہ اس پر محمول ہے کہ اہل یمن چونکہ مالی طور پر بہت پس ماندہ اور خستہ حال تھے اس لئے ان پر جزیرہ کی وہی مقدار واجب کی گئی جو فقراء (غریبوں) پر واجب کی جاتی چاہئے تھی۔

مسلمانوں پر جزیرہ واجب نہیں

③ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَضْلَعُ قِبْلَتَانِ فِي أَرْضٍ وَاحِدَةٍ وَلَيْتَ عَلَى الْمُسْلِمِ جَزْيَةٌ۔ (رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ایک زمین میں دو قبلے نہیں ہونے چاہئیں اور مسلمان پر جزیرہ عائد“

تشریح: یہاں عشر یعنی دسویں حصے کا تعلق مال تجارت سے ہے صدقات واجبہ (یعنی زکوٰۃ پیداوار کا عشر مراد نہیں ہے، کیونکہ مسلمانوں پر زکوٰۃ پیداوار کا عشر واجب ہوتا ہے۔

خطائی کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ پر عشر کی قسم سے جو چیز واجب ہوتی ہے وہ بس دہی ہے جس پر ان کو ذی بناتے وقت صلح ہوئی ہو اور جس کا ان کے ساتھ معاہدہ ہوا ہو اور اگر ان کو ذی بناتے وقت ان سے کسی چیز پر صلح نہیں ہوتی ہے تو اس صورت میں ان پر جزیہ کے علاوہ اور کچھ واجب نہیں ہوگا۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہی ہے۔

اس سلسلے میں حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر یہود و نصاریٰ اپنے شہروں میں مسلمانوں کے داخل ہونے کے وقت ان کے مال تجارت پر محصول (ٹیکس) وغیرہ لیتے ہوں تو مسلمانوں کو بھی یہ حق حاصل ہوگا کہ جب ان کے شہروں میں یہود و نصاریٰ آئیں تو ان کے تجارت پر محصول بھی ان سے محصول لیں اور اگر وہ مسلمانوں سے کسی طرح کا کوئی محصول نہ لیتے ہوں تو پھر مسلمان بھی ان سے کوئی محصول نہیں لیں گے۔

ذمیوں سے معاہدہ کی شرائط زبردستی کرائی جاسکتی ہیں

⑥ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا نَمُزُّ بِقَوْمٍ فَلَا هُمْ يَصِفُ قَوْمَنَا وَلَا هُمْ يُؤَدُّونَ مَالَنَا عَلَيْهِمْ مِنَ الْحَقِّ وَلَا نَخُذُّ مِنْهُمْ فَفَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَبْوَابَ الْأَنْفِ تَاخُذُ مَا خُذُوا فَخُذُوا (رواہ الترمذی)

”اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم جب (جہاد کو جاتے) ہوئے ایک (فلس) قوم (کی آبادی) میں سے گزرتے ہیں تو وہ لوگ نہ ہماری میزبانی کرتے ہیں اور نہ ہمیں وہ چیز دیتے ہیں جس کا ہم (از روئے اسلام) ان پر حق رکھتے ہیں (یعنی اسلام کی رو سے ان پر عمار جو یہ حق ہے کہ وہ عرض وغیرہ دے کر ہماری ضرورتیں پوری کریں اور ہماری دیکھ بھال کریں وہ اس کو پورا نہیں کرتے) اور (چونکہ ہم ان سے کوئی چیز (زبردستی) حاصل نہیں کرتے) اس لئے ہم سخت پریشان ہوتے ہیں اور ان کے اس رویہ کی وجہ سے ہمیں بڑی مضطرب حالت اور بڑے نقصان میں مبتلا ہونا پڑتا ہے) چنانچہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”اگر وہ لوگ (تمہاری میزبانی کرنے یا تمہارے ہاتھ نقد و ادھار کوئی چیز فروخت کرنے سے انکار کریں اور (اس صورت میں) ان سے کوئی چیز زبردستی لینے کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو تو (زبردستی) لے لو۔“ (ترمذی)

تشریح: جن لوگوں کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے وہ دراصل ذمی تھے (جہوں نے اسلام قبول کیا تھا بلکہ جزیہ ادا کر کے اسلامی قلمرو میں آباد تھے) اور ان کو ذی بناتے وقت ان کے ساتھ جو معاملہ ہوا تھا اس میں ان پر یہ شرط عائد کی گئی تھی کہ جو مسلمان جہاد کے لئے جاتا ہو اور ان کے ہاں سے گزرے وہ اس کی میزبانی کریں، لیکن انہوں نے اس شرط سے رد گردانی کی چنانچہ جو مسلمان جہاد کو جاتے ہوئے ان کے ہاں ٹھہرتے وہ نہ صرف یہ کہ ان کی میزبانی نہ کرتے بلکہ ان کے ہاتھ غلہ وغیرہ بھی فروخت نہیں کرتے تھے، جب مسلمانوں نے اس صورت حال سے تنگ آکر آنحضرت ﷺ سے اس کے بارے میں عرض کیا تو آپ ﷺ نے مذکورہ حکم ارشاد فرمایا۔

لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ ان ذمیوں پر پہلے سے اس طرح کی کوئی شرط عائد نہ کی گئی تھی تو اس صورت میں ان کے ہاں ٹھہرنے والے مسلمان کے لئے جو غیر مضطرب ہو، یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ ان کے مال و اسباب ان کی رضاد خوشی کے بغیر لے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

ذمیوں پر جزیہ کی مقررہ مقدار کے علاوہ مسلمانوں کی ضیافت بھی واجب کی جاسکتی ہے

⑦ وَعَنْ أَسْلَمَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ حَرَّبَ الْجُزْيَةَ عَلَى أَهْلِ الذَّهَبِ أَرْبَعَةَ دِينَارٍ وَعَلَى أَهْلِ الْوَرِقِ أَرْبَعِينَ دِينَارًا مَعَ ذَلِكَ أَرْزَأَى الْمُسْلِمِينَ وَضِيَافَةً ثَلَاثَةَ أَشْهُامٍ۔ (رواہ مالک)

”حضرت اسلم“ (تالیفی) کہتے ہیں کہ حضرت عمر ابن خطابؓ نے (اپنے دور خلافت میں) ان (ذمیوں) پر جو بہت زیادہ سونا نکلتے تھے، چار دینار جزیہ مقرر کیا اور جو (ذمی) چاندی رکھتے تھے ان پر چالیس درہم جزیہ مقرر کیا اور اس کے علاوہ ان پر مسلمانوں کا خورد و نوش اور تین دن کی میزبانی بھی مقرر کی تھی۔ ”مالک“

تشریح: ”اور تین دن کی میزبانی اس“ یہ اصل میں ”خورد و نوش“ کی وضاحت ہے، یعنی ان غیر مسلموں کو ذمی بناتے وقت ان پر جزیہ کی جو مذکورہ مقدار مقرر کی گئی تھی اس کے ساتھ ہی ان کے لئے یہ بھی ضروری قرار دیا گیا تھا کہ جب ان کے ہاں کوئی مسلمان پہنچے تو وہ کم سے کم تین دن تک اس کی میزبانی کے فرائض انجام دیں۔

چنانچہ شرح السنہ میں لکھا ہے کہ ذمیوں سے ایک دینار سے زائد کی مقدار پر مصالحت کرنا نیز ان پر یہ شرط عائد کرنا کہ اگر ان کے ہاں سے مسلمان گزری تو ان کی میزبانی کے فرائض انجام دیں، یہ جائز ہے اور اس میزبانی کے اخراجات اصلی جزیہ سے وضع نہیں ہوں گے بلکہ وہ جزیہ کی مقررہ مقدار سے ایک زائد چیز ہوگی۔ اس مسئلہ کی بابت تفصیل حرقات وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

بَابُ الصَّلْحِ صلح کا بیان

”صلح“ اصل میں صلاح اور صلوح کا اسم ہے جو فساد یعنی تباہی کے مقابلہ پر استعمال ہوتا ہے۔ اسلامی مملکت کے سربراہ کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ نظریہ توحید کو مطابق مانگیر اس کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے، تبلیغ اسلام کے صحیح نظریں خاطر انسانی سلامتی و آزادی کی حفاظت اور سیاسی و جنگی صلح کے پیش نظر دشمن اقوام سے معاہدہ صلح و امن کر لے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ۶ھ میں اپنے سب سے بڑے دشمن کفار مکہ سے صلح کی جو ”صلح حدیبیہ“ کے نام سے مشہور ہے۔ اس معاہدہ صلح کی مدت دس سال مقرر کی گئی تھی اور حدیبیہ و تاریخ کے اس متفقہ فیصلہ کے مطابق کہ حدیبیہ کا یہی وہ معاہدہ صلح ہے جس نے نہ صرف اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی راہ میں بڑی آسانیاں پیدا کیں بلکہ دنیا کو معلوم ہو گیا کہ اسلام، انسانیت اور امن کے قیام کا حقیقی علمبردار ہے اور مسلمان اس راہ میں اس حد تک صادق ہیں کہ جنگ جو عرب اور بالخصوص کفار مکہ کے وحشیانہ تشدد اور عیارانہ سازشوں کے پود جو اس معاہدہ کی پوری پوری پابندی کرتے رہے لیکن اس معاہدہ صلح کی مدت پر تین سال ہی گزرے تھے کہ کفار مکہ نے آنحضرت ﷺ کے حلیف بنو خزاعہ کے مقابلہ پر جنگ کرنے والے بنو بکر کی مدد کر کے اس معاہدہ کو توڑ ڈالا۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ صلح حدیبیہ

① عَنِ الْمُسَوِّدِ بْنِ مَخْزُومٍ وَ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكِيمِ قَالَا خَوَّحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْخُدَيْبِيَةِ فِي بَعْضِ عَشْرَةِ جَانَّةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ فَلَمَّا أَتَى ذَا الْحُلَيْفَةِ قُلْتُ الْهَدْنَى وَأَشْعُرَ وَأَخْرَجَ مِنْهَا بِعُضْمَةٍ وَ سَارَ حَتَّى إِذَا كَانَ بِالنَّبِيتَةِ النَّبِيِّ يُهَيِّظُ عَلَيْهِمْ مِنْهَا تَوَكَّعَتْ بِهِ رَاجِلَتُهُ فَقَالَ النَّاسُ خَلَّ خَلَّاتِ الْقَصُوءِ خَالَاتِ الْقَصُوءِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا خَالَاتِ الْقَصُوءِ إِذْ هَذَا كَلْبًا يَخْلُقُ وَلَكِنْ حَيْسَهَا حَابِشُ الْفَيْلِ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَسْأَلُونِي حُظَّةً يُعْطَمُونَ فِيهَا حُرْمَاتِ اللَّهِ إِلَّا أَعْطَيْتُهُمْ إِيَّاهُمْ ثُمَّ زَجَرَهَا فَوُتِبَتْ فَمَدَّ عَنْهُمْ حَتَّى تَرَى بِأَفْصَى الْخُدَيْبِيَةِ عَلِيَّ تَمْدًا قَلِيلًا لِمَاءٍ يَنْتَبِزُهُ النَّاسُ تَبْزُؤًا فَلَمْ يَلْبِثْهُ النَّاسُ حَتَّى تَزْخُوفَ وَ شَكَنِي إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

الْعَطَشُ فَاتَّعَرَّ سَهْمًا مِنْ كِتَابِهِ ثُمَّ أَمَرَهُمْ أَنْ يَجْعَلُوهُ فِيهِ قَوْلَ اللَّهِ مَا زَالَ يُجَنِّشُ لَهُمْ بِالْوَيْحِ حَتَّى صَدَرُوا عَنْهُ
فَنَبَّيْنَاهُمْ كَذَلِكَ إِذْ خَافَ نَذِيرُ بْنُ وَرْقَاءَ الْخُرَاعِيَّ لَمَّا تَقَرَّرَ مِنْ خُرَاعَةٍ ثُمَّ آتَاهُ عَزْرَةُ بْنُ مَسْعُودٍ وَسَاقِ الْخُبَرِ إِلَى أَنْ
قَالَ إِذْ خَافَ سَهْمُ بْنُ عَمْرٍو فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْتُبْ هَذَا مَا قَاضَى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ زُسُؤُ اللَّهِ فَقَالَ
سَهْمٌ وَاللَّهِ لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ مَا صَدَدْنَاكَ عَنِ النَّبِيِّ وَلَا قَاتَلْنَاكَ وَلَكِنْ أَكْتُبْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ
فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللَّهِ إِنِّي لَرَسُولُ اللَّهِ وَإِنْ كَذَّبْتُمُونِي أَكْتُبْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ فَقَالَ سَهْمٌ
وَعَلَى أَنْ لَا يَأْتِيَكُ مَنَّا رَجُلٌ وَإِنْ كَانَ عَلَى دِينِكَ إِلَّا وَدِدْتُهُ عَلَيَّاءَ فَلَمَّا فَرَّغَ مِنْ قِصَّةِ الْكِتَابِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا ضَرَابَةَ قَوْمًا فَانْحَرُوا ثُمَّ اخْلِقُوا ثُمَّ جَاءَ بِسُوءِ مُؤْمِنَاتٍ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا
جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مِنْهَا جَرَّاتُ الْآيَةِ فَهَاجَهُنَّ اللَّهُ تَعَالَى أَنْ يَرُدَّوهُنَّ وَأَمَرَهُمْ أَنْ يَرُدُّوا الْوِضَاقَ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى الْمَدِينَةِ
فَجَاءَ أَبُو بَصِيرٍ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ وَهُوَ مُسْلِمٌ فَأَرْسَلُوهُ فِي طَلَبِ رَجُلَيْنِ فَدَفَعَهُ إِلَى الرَّجُلَيْنِ فَخَرَّ حَابَهُ حَتَّى إِذَا بَلَغَا دَا
الْخَلِيفَةَ تَرَاوَا بِمَا كُنَّا مِنْ قَبْلِ لَهُمْ فَقَالَ أَبُو بَصِيرٍ لِأَحَدِ الرَّجُلَيْنِ وَاللَّهِ إِنِّي لَا أَرَى سَيْفَكَ هَذَا يَا فَلَانُ جَيْدًا أَرْنِي النَّظَرَ
إِلَيْهِ فَأَمَكَّنَهُ مِنْهُ فَصَرَبَهُ حَتَّى يَرُدَّ قَوْلَ الْأَخْرُومَةِ حَتَّى أَتَى الْمَدِينَةَ فَلَمَّا خَلَّ الْمَسْجِدَ بَعْدَ وَقْعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ لَقِيَ رَأَى هَذَا أَعْرَاقًا فَقَالَ قِيلَ وَاللَّهِ صَاحِبِي وَابْنِي لَمَقْتُولٌ فَجَاءَ أَبُو بَصِيرٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَبَلِّغْهُ بِسَفَرٍ حَزْبٍ لَوْ كَانَ لَهُ أَحَدٌ فَلَمَّا سَمِعَ ذَلِكَ عَرَفَ أَنَّهُ سَيَرُّهُ إِلَيْهِمْ فَخَرَجَ حَتَّى أَتَى سَيْفَ الْبَحْرِ قَالَ
وَأَنْقَلَبْتُ أَبُو جَنْدَلٍ بْنُ سَهْمٍ فَلَمَّا جَاءَ أَبِي بَصِيرٍ فَخَعَلَ لَا يَخْرُجُ مِنْ قُرَيْشٍ رَجُلٌ قَدْ أَسْلَمَ إِلَّا لِحَقِّ بَابِي بِصِيرٍ حَتَّى
أَجْتَمَعَتْ مِنْهُمْ عِصْيَانَةٌ قَوْلَ اللَّهِ مَا يَسْمَعُونَ بَعِيرٌ خَرَجَتْ لِقُرَيْشٍ إِلَى الشَّامِ إِلَّا اخْتَرَضُوا إِلَيْهَا فَفَعَلُوا لَهُمْ وَأَخَذُوا
أَمْرَهُمْ فَأَرْسَلَتْ قُرَيْشٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَنَادِيَةً اللَّهُ وَالرَّجَمَ لَمَّا أَرْسَلَ إِلَيْهِمْ لَمَّا آتَاهُ فَهُوَ آمِنٌ
فَأَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ - (رواه البخاري)

”اور حضرت مسور ابن عزمہ اور حضرت مروان ابن الحکم سے روایت ہے۔ یہ دونوں کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ حدیبی کے پہلے اپنے
ایک بڑا بیکھ سو صحابہ کو لے کر (مدینہ سے) اردان ہوئے، جب آپ ﷺ ذوالحجہ پہنچے (جو مدینہ منورہ سے جنوب میں تقریباً چھ میل کے
فاصلہ پر واقع ہے اور جس کو ابیار علی بھی کہتے ہیں) تو پوری (یعنی اپنی قریائی کے جانور کی گردن میں تلوادہ باندھا اور اشعار کیا اور پھر ذوالحجہ
(۱۱) سے عمرو کے لئے احرام باندھ کر آگے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ جب شب (یعنی اس گھاٹی پر) پہنچے جس طرف سے اہل مکہ پر اترا جاتا
ہے تو آنحضرت ﷺ کی اونٹنی (جس کا نام قصواء تھا) آپ ﷺ کو سولہ کر بیٹھ گئی (جب لوگوں نے (یہ دیکھ کر) کہا شروع کیا کہ ”حل مل
(یہ لفظ اونٹ کو اٹھانے کے لئے کہا جاتا تھا) قصواء اونٹنی قصواء اڑ گئی۔“ نبی کریم ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ”نہیں! قصواء نے اڑ نہیں
کی ہے اور نہ اس کو اڑنے کی عادت ہے، بلکہ اس کو اس ذات (اللہ تعالیٰ) نے روک دیا ہے جس نے بھی کو روکا تھا۔“ اور پھر فرمایا ”قسم
ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے قریش مجھ سے ایسی جو بات بھی چاہیں گے جس میں اللہ تعالیٰ (کے حرم کی)
عظمت ہو تو میں ان کی اس بات کو پورا کروں گا یعنی آج تک کے لوگ صلح کے وقت ایسی جس بات کا بھی مطالبہ کریں گے جس میں حرم مکہ کی
عظمت کا لحاظ ہو تو میں اس کو پورا کروں گا۔“ پھر آپ ﷺ نے اونٹنی کو اٹھایا جو فوراً اٹھ گئی اور آپ ﷺ اہل مکہ کا راستہ چھوڑ کر
دوسری سمت کو چلے گئے تاکہ حدیبیہ کے آخری کنارہ پر پہنچ کر چلیں (ایک گھوڑا جس) تموزا سہانی تھا اترے (اور وہاں پڑاؤ ڈال دیا) لوگوں
نے اس گڑھے میں سے تموزا تموزا سہانی لے کر کیا استعمال کرنا شروع کیا یہاں تک کہ ذرا بعد پور میں ہمارے پانی کو کھینچ ڈالا (یعنی اس گڑھے
میں پانی چونکہ بہت تموزا تھا اس لئے لوگوں کے گم سے کم مقدار لینے کا باوجود وہ پانی بہت جلد ختم ہو گیا) لوگوں نے رسول کریم ﷺ کی
خدمت میں یہاں کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے اپنے ترکش میں سے ایک تیر کا لٹا اور صحابہ کو حکم دیا کہ تیر کو پانی کے (اس گڑھے) میں

ڈال دیا جائے۔ اور پھر (راوی کہتے ہیں کہ) خدا کی قسم! (اس تیر کی برکت سے) ان لوگوں کو سیراب کرنے کے لئے کبھی قحط نہ ہونے والا پانی (گویا) موجیں مارتا رہا تا آنکہ سب اس پانی پر سے بہت گئے (یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو جسے میں اتنا زیادہ پانی پیدا فرمایا کہ سب لوگوں کی ضرورتیں نہایت اطمینان سے پوری ہوتی رہیں بلکہ جب وہاں سے واپسی ہوئی تو اس وقت بھی پانی باقی رہا، بہر حال صحابہؓ اسی حالت میں تھے، کہ ایک بدیل ابن ورقاء خزاعی، خزاعہ کے کچھ لوگوں کے ساتھ (کفار مکہ کی طرف سے مصالحت کے لئے) آیا، پھر عروہ ابن مسعود بھی آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ اس کے بعد بخاری نے (وہ طویل گفت و شنید نقل کی، جو آنحضرت ﷺ اور بدیل و عروہ کے درمیان ہوئی، جس کو صاحب مصابح نے اختصار کے پیش نظر یہاں نقل نہیں کیا اور پھر یہ بیان کیا کہ آخر کار جب سبیل ابن عمرو (اہل مکہ کا آخری سفیر اور نمائندہ بن کر آیا تو نبی کریم ﷺ نے (حضرت علیؓ سے فرمایا کہ، "لکھو۔" یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ) نے صلح کی ہے۔" سبیل نے (یہ الفاظ دیکھ کر کہا کہ "بخدا! اگر تم یہ ماننے کہ تم اللہ کے رسول ہو تو نہ تم نہیں خانہ کعبہ (میں جانے) سے روکتے اور نہ جنگ کرتے۔ لہذا یوں لکھو کہ (یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد ابن عبد اللہ (صلى الله عليه وسلم) نے (نبی کریم ﷺ) نے (یہ سن کر) فرمایا کہ "خدا کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم مجھ کو جھوٹا سمجھتے ہو (خیر میں مصالحت کی خاطر الفاظ میں تمہاری اس ترمیم کو تسلیم کے لیتا ہوں) علیؓ! تم محمد ابن عبد اللہ کی لکھ دو۔" پھر سبیل نے یہ کہا کہ "اور اس معاہدہ صلح میں اس بات کو بھی تسلیم کرو کہ (تم میں سے جو شخص ہمارے ہاں آجائے گا تم تو اس کو واپس نہ جانے دیں گے لیکن) ہم میں سے جو شخص تمہارے ہاں چلا جائے گا اگرچہ وہ تمہارے دین کو قبول کر چکا ہو اس کو تم ہمارے ہاں واپس کر دو گے۔" (چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کو بھی قبول کر لیا، اس موقع پر بھی واقعہ میں اختصار سے کام لیا گیا ہے یعنی صاحب مصابح نے اسی معاہدہ سے متعلق بخاری کی بیان کردہ ساری تفصیل کو نقل نہیں کیا ہے یا یہ بخاری کا کوئی اور روایت ہے جس میں صرف اسی قدر بیان کیا گیا ہے) بہر حال جب آنحضرت ﷺ (یا حضرت علیؓ) صلح نامہ لکھ جانے سے فارغ ہوئے تو رسول کریم ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ "اٹھو جاؤ، اب (ہدی کے جانوروں کو ذبح کر ڈالو اور پھر سر منڈاؤ۔" اس کے بعد (مکہ سے) کئی عورتیں مسلمان ہو کر آئیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مِنْهَا جُزْءٌ الْخَبَرِ (المائدہ ۵۷:۵۸)

"اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں (خ)"

لہذا اللہ تعالیٰ نے (اس آیت کے ذریعہ) مسلمانوں کو اس بات سے منع کیا کہ وہ ان عورتوں کو (کفار مکہ کے ہاں) واپس کر دیں اور انہیں اس بات کا حکم دیا کہ ان کا ہر واپس کر دیں، اس کے بعد آنحضرت ﷺ مدینہ واپس تشریف لے آئے (کچھ دنوں بعد قریش کے ایک شخص ابو بصیر جو مسلمان ہو گئے تھے (مکہ سے نکل کر) آنحضرت کے پاس آئے، قریش مکہ نے دو آدمیوں کو ان کی تلاش میں (مدینہ) بھیجا، آنحضرت ﷺ نے (معاہدہ صلح کے مطابق) ابو بصیر کو ان دونوں آدمیوں کے حوالہ کر دیا، وہ دونوں آدمی ابو بصیر کو لے کر (مکہ) روانہ ہوئے اور جب (پہلی منزل) اذولخلفہ میں قیام کیا اور ان کے پاس جو کچھ وہیں تھیں ان کو کھانے لگے تو ابو بصیر نے ان میں سے ایک شخص کو مخاطب کر کے کہا کہ "خدا کی قسم! اے فلاں شخص! میرا خیال ہے کہ تمہاری ہی تلوار (ہتھیار) ہے) اور اچھے تو دو کھلاؤ میں بھی اس کو دکھاؤں، اس شخص نے ابو بصیر کو تلوار دیکھنے کا موقع دے دیا (یعنی اس نے اپنی تلوار ابو بصیر کے ہاتھ دے دی، پس اتنا موقع کافی تھا) ابو بصیر نے اس پر (اس تلوار سے آٹا بھر لو) وار کیا کہ وہ فوراً ٹھنڈا ہو گیا (یعنی مر گیا) اور دو سر اس شخص (یہ دیکھتے ہی وہاں سے) بھاگ کھڑا ہوا یہاں تک کہ مدینہ میں (واپس آ گیا اور اپنے قتل کے خوف سے) اور دوتا ہوا مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوا رسول کریم ﷺ نے (اس کی حالت دیکھ کر) فرمایا کہ "یہ شخص خود فرما معلوم ہوتا ہے۔" اس شخص نے کہا کہ (جی ہاں) خدا کی قسم میرا ساقی تو مارا گیا اور میرے بھی رے جانے میں کوئی شبہ نہیں ہے (یعنی مجھ پر خوف سوار ہے کہ میں بھی مارا جاؤں گا یا میں بس بچ ہی گیا ہوں) میں بھی مارا جاتا، پھر ابو بصیر بھی آگئے، نبی کریم ﷺ نے (ان کو دیکھ کر) فرمایا کہ، "افسوس ہے اس کی ماں پر! (یعنی تعجب و حیرت کا مقام سے) یہ ابو بصیر تو لڑائی

کی ایک بھڑکانے والا ہے اگر اس کا کوئی مددگار ہوتا تو وہ اس کی مدد کرتا۔ جب ابو بصیرؓ نے آنحضرت ﷺ کی یہ بات سنی تو وہ سمجھ گئے کہ آنحضرت ﷺ مجھے (پھر) کافروں کے پاس واپس بھیج دیں گے چنانچہ ابو بصیرؓ (دوبارہ کافروں کے حوالے کئے جانے کے خوف سے روپوش ہونے کے لئے) مدینہ سے نکل گئے یہاں تک کہ وہ سمندر کے ساحل پر ایک علاقہ میں پہنچ گئے۔

راوی کہتے ہیں کہ ابو جندلؓ ابن کبیلؓ بھی کفار کے قبضے سے نکل بھاگے اور ابو بصیرؓ سے آگرم ل گئے اور پھر تو یہ حال ہوا کہ (مکہ میں) جو بھی شخص اسلام قبول کر کے قریش کے قبضہ سے نکل بھاگا وہ ابو بصیرؓ سے جاملتا یہاں تک کہ (چند ہی روز میں) ابو بصیرؓ کے پاس (قریش سے) چھوٹ کر آنے والوں کا ایک بڑا گروہ جمع ہو گیا اور خدا کی قسم! جب بھی یہ لوگ سننے کہ قریش کا کوئی قافلہ (تجارت وغیرہ کے لئے) شام کی طرف روانہ ہوا ہے، وہ اس کا پیچھا کرتے اور اس کو موت کے گھاٹ اتار کر اس کا سارا مال و اسباب لے لیتے آخر کار (جب ان لوگوں کی وجہ سے) قریش (کا نااطاقہ بند ہو گیا اور وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہو گئے تو انکو احساس ہوا کہ ہم نے مسلمانوں سے ایک انتہائی غیر معقول شرط منوا کر کتنی بڑی نادانی کی ہے اور اس کی خیریت کس طرح ممکن ہے لہذا انہوں نے کسی شخص کو (اپنا سفیر و نمائندہ بنا کر) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور اس کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کو اللہ کی قسم دلائی اور (اس) قربت کے حق کا واسطہ دیا (جو ان میں اور آنحضرت ﷺ میں تھی اور یہ اتنا کہ آپ کسی نہ کسی طرح صرف اتنا کرم ضرور کر دیں کہ اپنے کسی آدمی کو ابو بصیرؓ اور ان کے ساتھیوں کے پاس بھیج کر یہ حکم دیں کہ وہ مدینہ میں آجائیں اور ہمارے کسی قافلہ کے ساتھ تعرض نہ کریں) اور جب آپ ان کو یہ حکم بھیج دیں (اور وہ لوگ آپ کے پاس چلے آئیں) تو پھر ہم اہل مکہ میں سے (جو بھی شخص) مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئے گا وہ امن میں رہے گا (یعنی نہ صرف یہ کہ اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی بلکہ اس کو ہمارے پاس واپس بھیجے کی ضرورت بھی نہیں ہوگی۔ نیز انہوں نے کہا کہ آپ ابو بصیرؓ کو ان کے طریقہ کار سے روک دیں ہم معاملہ صلح کی اس شرط سے باز آئے) چنانچہ نبی کریم ﷺ نے کسی شخص کو ابو بصیرؓ اور ان کے ساتھیوں کے پاس بھیجا (جس کے ذریعہ ان کو یہ حکم دیا کہ وہ قریش کے قافلوں سے کوئی تعرض نہ کریں اور میرے پاس چلے آئیں)۔ (بخاری)

تشریح: ”حدیث“ ”مکہ مکرمہ سے مغربی جانب تقریباً پندرہ سو مل کے فاصلے پر واقع ایک جگہ کا نام ہے یہیں جبل الطیسی نامی ایک پہاڑ ہے جس کی وجہ سے اب اس کو شعیبہ بھی کہتے ہیں، حدود حرم یہاں سے بھی گزرتے ہیں بلکہ اس جگہ کا اکثر حرم ہی میں داخل ہے۔“

”ایک ہزار کچھ سو صحابہ ان“ میں ”بضع“ کا اطلاق تین سے نو تک کی تعداد پر ہوتا ہے۔ یہاں تعداد کو تحقیق کی بجائے مبہم اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ اس موقع پر صحابہ کی جو تعداد آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھی اس کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ بعض روایتوں میں چودہ سو کی تعداد بیان کی گئی ہے بعض میں پندرہ سو اور بعض روایتوں میں ”ایک ہزار چار سو یا اس سے زیادہ“ کے الفاظ بھی ہیں۔ علماء نے ان روایتوں میں یوں مطابقت پیدا کی ہے کہ ابتداء میں تو آنحضرت ﷺ چودہ سو صحابہ کے ساتھ روانہ ہوئے تھے لیکن بعد میں مختلف مراحل پر اس تعداد میں اضافہ ہوتا رہا چنانچہ جس راوی نے سو سے پہلے شمار کیا اس نے چودہ سو کی تعداد پائی اور پھر بعد میں جن لوگوں کا اضافہ ہوا اس نے ان کو نہیں دیکھا لہذا اس نے اپنی روایت میں چودہ سو کی تعداد بیان کی لیکن جس راوی نے بعد میں آنے والے لوگوں کو بھی دیکھا اس نے پندرہ سو کی تعداد کا ذکر کیا اور جس راوی نے تعداد کی تحقیق نہیں کی اس نے اپنی روایت میں ایک ہزار چار سو یا اس سے زیادہ ”کو بیان کیا۔“

”زنج کر ڈالو اور پھر منڈاؤ“ احصار یعنی حج یا عمرہ کا احرام باندھ لینے کے بعد اس حج یا عمرہ کی ادائیگی سے روک دیئے جانے کی صورت میں یہی حکم ہے، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس کو حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد اس حج یا عمرہ سے روک دیا گیا تو جس کو ”محصر“ کہتے ہیں۔ تو وہ اپنے ہدی کو اکی جگہ زنج کر ڈالے جہاں وہ روک دیا ہے اگرچہ وہ جگہ حدود حرم میں واقع نہ ہو وہ اپنے

قول کی دلیل میں یہ بات پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر حدیبیہ میں ہدیٰ کو ذبح کرنے کا حکم دیا تھا جب کہ حدیبیہ حدود حرم میں نہیں ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہدیٰ کا چونکہ حدود حرم میں ذبح ہونا شرط ہے اس لئے ان کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ حدیبیہ کا سارا علاقہ حدود حرم سے باہر نہیں ہے بلکہ اس کا بعض حصہ بلکہ اکثر حدود حرم میں داخل ہے اور ظاہر ہے کہ اس موقع پر ہدیٰ اسی حصے میں ذبح کی گئی تھی جو حدود حرم میں ہے۔

”ان کا ہر وہاں کر دیں“ اس حکم کا مطلب یہ تھا کہ اگر ان مسلمان عورتوں کے کافر خاندان کو لینے کے لئے آئیں اور وہ ان کے ہمراہ ہوں رکھتے ہوں تو وہ ہر ان کو وہاں کر دیا جائے۔ تفسیر مدارک وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر کو وہاں کر دینے کا یہ حکم اسی موقع کے لئے مخصوص تھا پھر میں اس کو منسوخ قرار دے دیا گیا۔

یہ بات ملحوظ رہے کہ معاہدہ صلح کی یہ شرط کہ ”مکہ سے جو شخص آپ کے پاس آئے گا اگرچہ وہ مسلمان ہو کر آئے تو اس کو کفار تک کے حوالے کرنا ضروری ہوگا۔“ صرف مردوں سے متعلق تھی اسی لئے جب مکہ کی یہ عورتیں مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئیں تو اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا کہ صلح نامہ میں صرف مردوں کو واپس کرنا ملے پایا تھا نہ کہ عورتوں کو بھی، اس لئے ان عورتوں کو جو اپنے آپ کو ذریٰ آزما تھیں اور سخت ابتلاء میں ڈال کی آئی ہیں وہاں نہ کیا جائے

”اگر اس کا کوئی مددگار ہوتا تو اس کو پہنچا دیتا کہ وہ اب میرے پاس نہ آئے تاکہ میں اس کو دوبارہ واپس نہ کر دوں۔“ حدیث کے سیاق کے مطابق یہی مطلب زیادہ مناسب ہے۔

”جب ابوبصیرؓ نے آنحضرت ﷺ کی یہ بات سنی تو اس نے فرمایا کہ ”یہ ابوبصیر تو لڑائی کی ایک بھرپور والا ہے۔“ تو وہ مجھ کے لئے یہاں مدینہ میں مجھے پہنچانے کے لئے بلکہ مجھے دوبارہ کفار کے حوالے کر دیا جائے گا کیونکہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد صحرا میں اس طرف اشارہ کر رہا تھا کہ آپ ﷺ ہر حالت میں صلح کی پابندی کریں گے اور نہ تو ابوبصیرؓ کو اپنے پاس رکھیں گے اور نہ ان کی کوئی مدد کریں گے۔

حضرت ابو جندلؓ اسی کھیل کے بیٹے تھے جو صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش مکہ کا سفیر اور نمائندہ بن کر آیا اور جس نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ معاہدہ صلح کیا تھا، حضرت ابو جندلؓ مکہ ہی میں اسلام قبول کر چکے تھے جس کے نتیجہ میں ان کے باپ کھیل نے ان کو قید کر دیا تھا چنانچہ پہلے تو وہ کسی نہ کسی طرح مکہ سے بھاگ کر حدیبیہ گئے تھے لیکن آنحضرت ﷺ نے معاہدہ صلح کی مذکورہ شرط کے مطابق انہیں سلی، دلاسہ کے ذریعہ سمجھا بھاگ کر اور بڑی بحث و ٹکرار کے بعد مکہ واپس کر دیا تھا مگر پھر دوبارہ وہ مکہ سے بھاگ نکلے، اور ابوبصیرؓ سے اگر مل سکے۔

صلح حدیبیہ کی تین خاص شرطیں

② وَعَنِ النَّبَإِ بْنِ غَارِبٍ قَالَ صَلَّحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُشْرِكِينَ يَوْمَ الْحَدَيْبِيَةِ عَلَى ثَلَاثَةِ أَشْيَاءَ عَلَى أَنْ يَأْتُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ زِدَّةَ الْيَهُودِ وَمَنْ آتَاهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِينَ لَمْ يَتَوَكَّفُوهُ وَعَلَى أَنْ يَذْخُلَهَا مِنْ قَابِلٍ وَيَقِيمُوا بِهَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَا يَدْخُلَهَا إِلَّا بِجَلْبَانِ السَّلَاحِ وَالسَّيْفِ وَالْقَوْسِ وَنَعْوِهِمْ فَجَاءَ أَبُو جَنْدَلٍ مُخْلٍ فِي قَبْضِهِ فَرَدَّهُ إِلَيْهِمْ۔

(بخاری)

”اور حضرت براءؓ ابن مازبؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حدیبیہ کے دن نین والوں پر صلح کی تھی۔ ازل تو یہ کہ (مکہ کے) مشرکین میں سے جو شخص (مسلمان ہو کر) آنحضرت ﷺ کے پاس آئے گا آنحضرت ﷺ اس کو مشرکین کے پاس نہ واپس کر دیں گے اور مسلمانوں میں سے جو

شخص مشرکین کے پاس آئے گا اس کو مشرکین واپس نہیں کریں گے، دوم یہ کہ آنحضرت ﷺ (حج و عمرہ کے لئے اس سال مکہ میں داخل نہ ہوں بلکہ) آئندہ سال مکہ آئیں اور صرف تین دن مکہ میں ٹھہریں اور سوم یہ کہ (آئندہ سال) مکہ میں جب داخل ہوں تو اپنے تمام ہتھیار، تلوار، کن، اور اسی طرح کی دوسری چیزیں غلاف میں رکھ کر لائیں۔ اس موقع پر ابو جندل آنحضرت ﷺ کے پاس اس حال میں پہنچے کہ ان کے پیروں میں چیراں پڑی ہوئی تھیں جن کی وجہ سے وہ کوڑا کوڑا کھل رہے تھے لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کو مشرکین کے پاس واپس بھیج دیا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: جہاں چڑے کا ایک تھیلا ہوتا تھا جس کا مصرف یہ تھا کہ جب لوگ سفر کرتے تو نیام سمیت تلواریں اور دوسرے ہتھیار وغیرہ اس میں رکھ کر گھوڑے کی زین کے پچھلے حصہ میں باندھ دیتے تھے۔ یہاں جہاں یعنی غلاف میں ہتھیاروں کو رکھ کر لانے کی شرط سے مشرکین کی مراد یہ تھی کہ جب آئندہ سال مسلمان مکہ آئیں تو اپنے ہتھیار نکلے کھلے کر شہر میں داخل نہ ہوں بلکہ ان کو نیام وغیرہ میں رکھیں تاکہ اس طرح مسلمانوں کے غلبہ، ان کی طاقت کی فوقیت برتری اور ان کے جنگی ارادوں کا اظہار نہ ہو۔

حضرت ابو جندلؓ ابن کبیل جن کے بارے میں تفصیلی حدیث کے ضمن میں بھی بیان کیا جا چکا ہے، مکہ ہی میں اسلام قبول کر چکے تھے اور جن دنوں صحریہ ہوئی ہے وہ مشرکین مکہ کی قید میں تھے، چنانچہ وہ کسی طرح مکہ سے بھاگ کر آنحضرت ﷺ کے پاس صحریہ پہنچے لیکن آنحضرت ﷺ نے معاہدہ صلح کے پیش نظر ان کو مشرکین کے حوالے کر دیا اور انہیں مبرورہ استقامت کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ ابو جندل! مبرورہ استقامت کی راہ اختیار کرو اور آخرت کے اجر و ثواب کی امید رکھو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بھی اور دوسرے ضعیف و بے بس لوگوں کے لئے بھی (جلدی جلدی) خلاصی و نجات اور شادمانی کے سلمان پیدا کر دے گا۔

علماء لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا اہل مکہ کی اس خرافہ کو قبول کرنا جو بظاہر مسلمانوں کے لئے سوبان روح اور ان کی ملی جمیعت و وقار کے خلاف تھیں، اس وجہ سے تھا کہ ایک تو اس وقت مسلمان بہر حال کمزور و خستہ حال تھے اور ان میں اتنی مادی طاقت اور ان کے پاس اتنے وسائل نہیں تھے جن کے ذریعہ وہ اہل مکہ کا مقابلہ کر پاتے، دوسرے یہ کہ آنحضرت ﷺ بھی مدینہ سے کسی جنگ کے ارادے سے نہیں چلے تھے بلکہ عمرہ کے لئے روانہ ہوئے تھے اور اس کے لئے احطام بھی باندھ چکے تھے، اور حدود و حرم کی عظمت اور ان کے شرعی تقاضوں کا لحاظ بھی ضروری تھا، نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنگ کرنے کا حکم بھی نازل نہیں ہوا تھا ان کے علاوہ اور بھی بہت سی مصلحتیں تھیں جو آپ ﷺ کے پیش نظر تھیں۔ چنانچہ انجام کار اس معاہدہ صلح کے بہت زیادہ فائدے ظاہر ہوئے کہ اسلام کی (اشاعت و تبلیغ کے ایسے مواقع میسر آئے جنہوں نے دور دراز تک کی فضا کو مسلمانوں کے حق میں بدل دیا اور اسلام کی آواز حق چارواں گ عالم میں پھیل گئی، پھر اللہ تعالیٰ نے مکہ کی فتح عظیم عطا فرمائی، وہاں کے لوگوں کو اسلام کے دامن میں پہنچا دیا، اور اس طرح یہ ثابت ہو گیا کہ اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے اہل مکہ کی پیش کردہ شرائط پر معاہدہ صلح کر کے اپنے جذبہ امن پسندی و انسانیت نوازی ہی کا اظہار نہیں کیا بلکہ اپنی بے مثال سیاسی بصیرت و بالغ نظری اور دور اندیشی کا نمونہ بھی پیش کیا اور سب سے بڑھ کر حقیقت میں منشاء خداوندی اور حکم الہی کی فراہم واری کی اور کمال عبودیت کا اظہار کیا۔

(۴) وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ قُرَيْشًا هَانُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَشْرَطُوا عَلَيَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ مَرَّ جَاءَنَا مِنْكُمْ لَمْ تَزِدْهُ عَلَيْنَاكُمْ وَمَنْ جَاءَنَا مِنْكُمْ جَاءَنَا وَذَنُومُهُ عَلَيْنَا فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَتُكْثِبُ هَذَا قَالَ نَعَمْ إِنَّهُ مِنْ دَهَبٍ مِنَّا إِلَيْهِمْ فَأَبْعَدَهُ اللَّهُ وَمَنْ جَاءَنَا مِنْهُمْ سَبَّحَ اللَّهُ لَهُ فَرَجًا وَمَنْ جَاءَنَا - (رواه مسلم)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مکہ کے قریش نے نبی کریم ﷺ سے مصالحت کی۔ چنانچہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے یہ شرط منوائی کہ آپ میں سے جو شخص ہمارے پاس آئے ہم اس کو واپس نہیں کریں گے اور ہم میں سے جو شخص آپ کے پاس آئے آپ (ﷺ) اس کو ہمارے پاس واپس کر دیں گے۔ صحابہؓ نے (اس شرط کو اپنی ملی حیثیت و وقار کے منافی اور اصول مصالحت کے تقاضوں سے بعید جان کر)

عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ (ﷺ) کیا ہم ان شرائط کو لکھ دیں یعنی کیا یہ شرائط آپ تسلیم کرتے ہیں؟“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”ہاں! بات یہ ہے کہ ہم میں سے جو شخص ان کے پاس جائے گا تو ظاہر ہے کہ وہ مرتد ہو کر جگہ سے اٹھ جائے گا اس اعتبار سے (اور ایک ایسا شخص ہو گا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہو گا اور ان میں سے جو شخص ہمارے پاس آئے گا (اس کو اگرچہ اس وقت ہم وہاں کر دینے پر مجبور ہوں گے لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ جلد ہی اس کے لئے شادمانی و کشتی اور غلامی و نجات کے سامان پیدا کر دے گا۔“ ہمس

عورتوں کی بیعت

② وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فِي بَيْعَةِ النِّسَاءِ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْتَصِمُهُنَّ بِهَذِهِ الْإِثْنِيَا أَثْنِيَا النَّبِيِّ إِذَا جَاءَهُنَّ الْمُؤَمِّنَاتُ يَبَايِعُهُنَّ فَمَنْ أَفْرَضَ بِهَذَا الشَّرْطِ جَنَّهُنَّ قَالَ لَهَا قَدْ بَايَعْتُكَ كُلًّا مَا يَكُلُمُهَا بِهِ وَاللَّهُ مَا مَشَتْ يَدُهُ يَنْدِمُوهُ أَوْ يَفْظُ فِي الْمُبَايَعَةِ (مسند طبرانی)

”اور حضرت عائشہ عورتوں کی بیعت کے بارے میں فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ ان عورتوں کو جو مکہ سے آئیں اور قبولیت اسلام کا اظہار کرتیں) اس آیت کریمہ کی روشنی میں پرکھتے تھے یا اَثْنِيَا النَّبِيِّ إِذَا جَاءَهُنَّ الْمُؤَمِّنَاتُ يَبَايِعُهُنَّ اے نبی! جب مومن عورتیں آپ (ﷺ) کے پاس بیعت کے لئے حاضر ہوں گی۔ چنانچہ ان میں سے جو عورت اس آیت میں مذکورہ شرائط کو ماننے کا اقرار کرتی آپ اس سے فرماتے کہ ”میں نے تم کو بیعت کیا۔“ دراصل ایک آپ گفتگو کرتے اور عورت سے یہ بات فرماتے مگر خدا کی قسم! کبھی ایسا نہیں ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے کسی عورت کو بیعت کیا ہو اور اس کے ہاتھ کو آپ ﷺ کے ہاتھ نے چھوا ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”اس آیت کریمہ کی روشنی میں پرکھتے تھے۔“ یعنی اس آیت میں عورتوں کے لئے جن احکام کی پابندی کو بیعت کی شرط قرار دیا گیا ہے آپ ﷺ ان عورتوں سے ان احکام پر عمل کرنے کا عہد کرتے جن وہ عہد اقرار کرتیں تو آپ ﷺ ان کو بیعت کرتے چنانچہ اس پوری آیت کا مفہوم و مضمون یہ ہے کہ مسلمان عورتیں ان شرائط پر عمل کرنے کی بیعت کریں کہ وہ (عورتیں) کسی ذات اور کسی چیز کو خدا کا شریک نہیں مانتیں گی (یعنی ہر طرح کے شرک سے کلیہً اجتناب کریں گی) چوری نہیں کریں گی، زنا کی مرتکب نہیں ہوں گی، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی (جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کہ بیٹوں کو مار ڈالا جاتا تھا) کسی پر جہمت نہیں لگائیں گی اور عصیان نہیں کریں گی (یعنی خدا اور اس کے رسول کے احکام سے روگردانی نہیں کریں گی، اسی اعتبار سے یہ آیت اس آیت کریمہ کی تفسیر و وضاحت ہے جو پہلی حدیث میں گزر چکی ہے۔ یعنی بَايَعْنَا اللَّهُ نَعْتُوَ إِذَا جَاءَهُنَّ الْمُؤَمِّنَاتُ الخ۔

حدیث کے آخری جزء کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ بیعت ہاتھ میں ہاتھ لے کر یا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر لی جاتی ہے لیکن آنحضرت ﷺ عورتوں سے زبانی بیعت لیتے تھے یعنی ان سے یہ فرماتے تھے کہ ”میں نے تمہاری بیعت قبول کی۔“ اس سے معلوم ہوا کہ بعض مشائخ عورتوں سے بیعت لینے کا جو یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ مرید کرتے وقت کسی برتن میں رکھے ہوئے پانی میں اپنے ہاتھ ڈالتے ہیں اور وہ عورت بھی اس پانی میں اپنا ہاتھ ڈالتی ہے، یا بعض حضرات یہ کرتے ہیں کہ کسی کپڑے کا ایک آٹھل آٹھل اپنے ہاتھ میں پکڑتے ہیں اور دوسرا آٹھل عورت پکڑ لیتی ہے، تو اس طرح کے تکلفات کی ضرورت نہیں بلکہ جو طریقہ آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے اسی پر اکتفا کرنا افضل و احسن ہے۔

مؤلف کتاب نے بیعت سے متعلق اس حدیث کو یہاں ”باب الصلح“ میں اس لئے نقل کیا ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ کا صحابہ سے بیعت لینے کا مرحلہ بھی آیا تھا جو ”بیعت الرضوان“ کے نام سے مشہور ہے اور جس کو قرآن کریم نے بھی اس آیت لَقَدْ وَصَّى اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ الخ میں بیان کیا ہے اسی مناسبت سے عورتوں کی بیعت سے متعلق اس حدیث کو یہاں نقل کیا گیا ہے اگرچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر عورتوں سے بیعت نہیں لی گئی تھی۔

الفصل الثانی

معاہدہ حدیبیہ کی کچھ اور دفعات

⑤ عَنْ الْمَسْوُورِ وَمَرْوَانَ أَنَّهُمَا أَصْطَلَحَا عَلَى وَضْعِ الْخَوْبِ عَشْرَ مِائَتَيْنِ يَأْتِيَنَّ النَّاسَ وَغُلَىٰ أَنْ يَنْتَازِعِيَهُ مُكَثَّفَةً وَأَنَّهُ لَا اسْتِلَالٌ وَلَا إِغْلَالٌ۔ (رواہ ابو داؤد)

”حضرت مسورؓ اور حضرت مروانؓ سے روایت ہے، کہ قریش مکہ نے حدیبیہ میں (جن باتوں پر مصالحت کی تھی ان میں سے ایک بات یہ) بھی تھی کہ دس سال تک (فریقین کے درمیان) کوئی جنگ نہیں ہوگی تاکہ ان دونوں میں لوگ آسنا و امان کے ساتھ رہیں۔ یہ بات بھی معاہدہ صلح میں شامل تھی کہ ہمارے درمیان بندی ہوئی گھری رہے اور یہ کہ ہم آپس میں نہ تو چھمی ہوگی چوری کریں اور نہ خیانت۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”بندی ہوئی گھری“ سے مراد یہ تھی کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے لئے اپنے سینوں کو مکرو فریب، کینہ و عداوت اور شرو و ساد سے پاک رکھیں اور صلح و وفا کا ہر وقت خیال رکھیں۔

”نہ چھمی ہوئی چوری کریں اور نہ خیانت“ کا مطلب یہ تھا کہ ہر فریق اس بات کو ملحوظ رکھے کہ اس کا کوئی فرد دوسرے فریق کے کسی فرد کا کوئی مال اور اس کی کوئی چیز نہ تو چوری چھپی، تحریات اور تحکم کھلا غصب کرے۔

غیر مسلموں سے کئے ہوئے معاہدوں کی پابندی نہ کرنے والوں کے خلاف آنحضرت ﷺ کا اعتقاد

⑥ وَعَنْ صفوانِ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ عِدَّةٍ مِنْ أَتْبَاعِ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ آبَائِهِمْ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَلَا مَنْ عَلِمَ مَعَاهِدًا أَوْ تَنْفِصَةً أَوْ كَلْفَةً فَوْقَ طَاقِهِ أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طَلَبٍ لِنَفْسٍ فَإِنَّا حَاجِبِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت صفوان ابن سہم رسول کریم ﷺ کے کچھ صحابہؓ کے عاجزادوں سے، وہ (ساجزادے) اپنے (صحابی) باپوں سے اور وہ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”یاد رکھو“ جس شخص نے اس (غیر مسلم) شخص پر حکم کیا جس سے معاہدہ ہو چکا ہے (جیسے ذی اور مسلمان) یا اس کے حقوق کو نقصان پہنچایا، یا اس پر اس کی طاقت و استطاعت سے زیادہ بار ڈالا (جیسے کسی ذی سے اس کی حیثیت و استطاعت سے زیادہ جزیہ لیا یا اس حربی مسلمان سے جو دارالاسلام میں تجارت کی غرض سے آیا ہو اس کے مال تجارت میں سے عشر یعنی دسویں حصے سے زیادہ لیا) اور یا اس کی مرضی و خوشنودی کے بغیر اس سے کوئی چیز لے لی تو میں قیامت کے دن اس شخص کے خلاف احتجاج کروں گا۔“ (ابوداؤد)

عورتوں کی اجتماعی بیعت کا مسنون طریقہ

⑦ وَعَنْ أُمِّمَةَ بِنْتِ زَيْفَةَ قَالَتْ يَا نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِينِ بَيْعَةٍ لَنَا فِيمَا اسْتَظَلُّنَّ وَأَطَقْنَّ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَرْحَمُ بِبَائِعَاتٍ بِأَنْفُسِهِنَّ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ بَائِعَاتُنَّ تَحْضِي صَاحِبُنَا قَالَ إِنَّمَا قَوْلِي لِبَائِعَةِ أَمْرٍ أَوْ كَقَوْلِي لِأَمْرَةٍ وَاحِدَةٍ وَوَأَهْ۔

”اور حضرت امیرہ بنت زیدہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کچھ عورتوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ سے بیعت کی (یعنی ہم چند عورتوں نے اجتماعی طور پر آپ سے بیعت کی) (اس وقت) آپ نے ہم سے فرمایا کہ (اے خواتین! میں نے تمیں اسی چیز پر بیعت کیا ہے) جس (پر عمل کرنے) کی تم طاقت و استطاعت رکھتی ہو (یعنی آنحضرت ﷺ نے ازراہ شفقت ان عورتوں کی بیعت کو انکی کم طاقت و استطاعت و ہمت

ہی کو ذکر کر دیا جائے؟ پھر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ ابن ابی طالب سے فرمایا (جو صلح نامہ لکھ رہے تھے) کہ ”رسول اللہ لفظ کو ہٹا دو۔“ حضرت علیؓ نے کہا کہ ”خدا کی قسم! میں تو آپ کا نام بھی نہیں مٹا سکتا۔“ (یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کے ہاتھ سے وہ صلح نامہ لے لیا اور یاد کر دیا کہ آپ ﷺ لکھنا نہیں جانتے تھے لیکن آپ ﷺ نے (رسول اللہ کا لفظ مٹا کر) یہ لکھا کہ ”یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد ابن عبد اللہ نے مصالحت کی ہے (اور اس معاہدہ میں یہ شرطیں تھیں) کہ وہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ اکملہ میں ہتھیاروں کے ساتھ داخل نہیں ہوں گے الا یہ کہ ان کی تلواریں نیا سوں میں ہوں، اور یہ کہ اگر اہل مکہ میں سے کوئی شخص آپ کے ساتھ جانے کا ارادہ کرے تو اس کو مکہ سے جانے نہیں دیا جائے گا یعنی جب آپ ﷺ مکہ میں آئیں اور پھر واپس جانے لگیں تو اہل مکہ میں سے کسی شخص کو اپنے ساتھ لے کر نہ جائیں، اور یہ کہ اگر آپ ﷺ کے صحابہ میں سے کوئی شخص مکہ میں ٹھہر جائے گا ارادہ کرے تو آپ ﷺ اس کو (مکہ میں ٹھہرنے سے منع نہیں کریں گے۔“ چنانچہ جب (اگلے سال) آنحضرت ﷺ مکہ میں تشریف لائے اور (مکہ میں ٹھہرنے کی تین دن کی) وہ مدت (جو معاہدہ صلح میں طے پائی تھی) گزر گئی (یعنی تین دن پورے ہونے کو ہوئے) تو اہل مکہ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ ”ہم اپنے سردار (یعنی آنحضرت ﷺ) سے کہو کہ (اٹے شدہ مدت پوری ہو گئی ہے اب ہمارے شہر سے چلے جاؤ۔“ چنانچہ نبی کریم ﷺ مکہ سے روانہ ہو گئے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت علیؓ نے رسول اللہ کے لفظ کو مٹانے سے جو انکار کیا کو یاد یہ سمجھے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ حکم بطریق وجوب نہیں ہے ورنہ وہ ہرگز انکار نہ کرتے، اور حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ انکار نہیں تھا بلکہ عین اتباع کے درجہ کی چیز تھی کیونکہ اس انکار کی بنیاد آنحضرت ﷺ کے تین دو غایت محبت اور انتہائی عقیدت تھی جو حضرت علیؓ کا واحد سراپہ روح و جان بھی تھی اور ان کی کائنات تسلیم و رضا بھی، آخر وہ کس دل سے یہ گوارا کر سکتے تھے کہ وہ اپنے ہاتھ سے اس سب سے بڑی حقیقت کو مٹا دیں جس کو مٹو کر طاس پر انہی کے قلم نے الفاظ کی صورت میں مرسم کیا تھا اور جس کی ابدی سچائی کو دنیا بھر کے قلب و ذہن میں راسخ کرنا ہی ان کا کامل ایمان بھی تھا اور مقصد حیات بھی۔

یہ بات علماء کے درمیان اختلافی نوعیت کی ہے کہ اس صلح نامہ کو آنحضرت ﷺ نے خود لکھا تھا جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اکثر حضرات تو یہ کہتے ہیں کہ یہ صلح نامہ آنحضرت ﷺ نے خود قطعا نہیں لکھا تھا اور نہ آپ ﷺ لکھ ہی سکتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ”امی“ فرمایا ہے اور امی وہی شخص ہوتا ہے جو نہ لکھ سکے اور نہ پڑھ سکے۔ جب کہ دوسرے حضرات یہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا اس صلح نامہ کو لکھنا ایک حقیقت ہے کیونکہ اگرچہ آپ کو نبی امی فرمایا گیا ہے لیکن جب آپ کی نبوت و رسالت کے بارے میں پیدا ہونے والے خلوک و شہادت ختم ہو گئے اور آپ ﷺ کے رسول اللہ ہونے کے دلائل روز روشن کی طرح عیاں ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو لکھنے پر قادر کر دیا، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت آپ ﷺ کا لکھنا بطریق معجزہ کے تھا۔ اس حدیث کا ظاہری مفہوم ان حضرات کی دلیل ہے۔

لیکن اول الذکر حضرات کی طرف سے اس حدیث کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ ”آپ نے لکھا“ سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو لکھنے کا حکم دیا اور یہ جملہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ یہ کہا جائے کہ بادشاہ نے فلاں شہر کو تعمیر کیا۔ تاہم اس جملہ کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے شہر کو تعمیر کیا بلکہ اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ بادشاہ نے اس شہر کو تعمیر کرنے کا حکم دیا۔

بَابُ اخْرَاجِ الْيَهُودِ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ

یہودیوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دینے کا بیان

”جزیرہ“ اصل میں زمین و خشکی کے اس قطعہ کو کہتے ہیں جس کو چاروں طرف سے پانی نے گھیر رکھا ہو اور ”جزیرۃ العرب“ اس

علاقے کو کہتے ہیں جس کو بحر مند، بحر شام اور جلد و قرات نے گھیر رکھا ہے، یاد دہانی کے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ”جزیرۃ العرب“ کا اطلاق عرب دنیا کے اس خطہ ارض پر ہوتا ہے جو سبائی میں عدن سے شام کی سرحد تک اور چوڑائی میں جدہ سے ریف عراق تک پر مشتمل ہے۔

الفصل الأول

جزیرۃ العرب سے یہودیوں کا اخراج

① عن ابن ہریرۃ قال ینبأ نحن فی المنسجد خرج النبی ﷺ فقال انطلقوا الی یہود فحرقوا منہم ختی جناسیت المذو اس فقام الشی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا معشر یہود اسلمو اذ اسلمو اعلمو ان الارض لله ولزمنہ وانی اریذ ان اجلیکم من هذه الارض فمن وجد منکم بغالہ شیئا فلیبغہ حتی یموت

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) جب کہ ہم لوگ مسجد نبوی ﷺ میں بیٹھے ہوئے تھے نبی کریم ﷺ (اپنے حجرہ مبارکہ سے) برآمد ہوئے اور فرمایا کہ ”یہودیوں کے پاس چلو۔“ چنانچہ ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے یہاں تک کہ یہودیوں کے در سے میں پہنچے، نبی کریم ﷺ کھڑے ہو گئے اور فرمایا ”اے جماعت یہودیوں! تم لوگ مسلمان ہو جاؤ تاکہ (دنیا کی پریشانیوں اور آخرت کے شراب سے) سلاستی پاؤ! تمہیں جان لینا چاہئے کہ زمین خدا اور اس کے رسول کی ہے (یعنی اس زمین کا خالق و مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا رسول اس کا نائب و غنیف ہونے کی حیثیت سے اس زمین پر حصر و عمران ہے لہذا اگر تم مسلمان ہونے سے انکار کرتے ہو تو پھر سن لو کہ (میں نے) یہ ارادہ کر لیا ہے کہ تم کو اس زمین (یعنی جزیرۃ العرب) سے جلا وطن کر دوں، پس تم میں سے کوئی شخص اپنے دل و اسباب میں سے (کوئی ایسی) چیز رکھتا ہو (جس کو اپنے ساتھ لے جانا ممکن نہ ہو جیسے جائیداد غیر حقوقہ وغیرہ) تو اس کو چاہئے کہ وہ اسے فروخت کر دے۔“ (بخاری و مسلم)

② وعن ابن عمر قال قام عمر خطیباً فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان عاملاً یہود خبیث علی أموالہم وقال لیفرکم ما افترکم اللہ وقد زانی ائت اجلا نهم فلما اجتمع عمر علی ذلک اتوا اخذ بنی امیہ الخفیفی فقال یا امیر المؤمنین اخرجنا وقد افترنا محمد و عاملاً علی الأموال فقال عمر اظننت انی نسیبت قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذب بل اذا اخرجت من خبیث تعدو بک فلو صلت لیلة بعد لیلة فقال هذه کانت ہزلیۃ بن امیہ القایم فقال کذبت یا عدو اللہ فاجلاہم عمر واعطاهم فینۃ ما کان لہم من الثمر مالاً و ابلاً و غزو ضابین اقصاب و جناب و غیر ذلک۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور (اس خطبہ میں) فرمایا کہ ”تم سب جانتے ہو گے کہ اس رسول کریم ﷺ نے خیر کے یہودیوں سے اگلے مال و جائیداد سے متعلق ایک معاملہ طے فرمایا تھا اور وہ یہ کہ ان یہودیوں کو خیر ہی میں رہنے دیا جائے گا نیز ان کے گھوروں کے باغات اور کھیت کلیان کو بھی انہی کی تحویل و حکیت میں باقی رکھا جائے گا البتہ ان کی پیداوار اور آمدنی میں سے آوا حصر لیا جائے گا اور آنحضرت ﷺ نے ان پر ای طرح جزیرہ بھی مقرر کیا تھا) اور آپ نے (ایسی وقت) ان یہودیوں سے فرما دیا تھا کہ تم تمہیں (خیر میں) اس وقت تک رہے وہیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ تمہیں رہنے دے گا (یعنی تم لوگ اس وقت تک خیر میں مقیم رہنے کے حقدار ہو گے جب تک کہ ہمیں اللہ تعالیٰ تم کو جلا وطن کر دینے کا حکم نہ دے دے) لہذا (حضرت عمرؓ نے کہا کہ) اب میں ان کو جلا وطن کر دیتا مناسب سمجھتا ہوں۔“

پھر جب حضرت عمرؓ نے اس بات کا فیصلہ کر لیا کہ ان کو جلا وطن کر دیا جائے تو ان یہودیوں کے قبیلہ بنی امیہ الخفیف کا ایک شخص (جو اپنی قوم کا بڑا بوڑھا سردار تھا) حضرت عمرؓ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ امیر المؤمنین! کیا آپ ہمیں جلا وطن کر رہے ہیں حالانکہ ہمراہ ﷺ نے ہمیں

(خیر میں) رہنے دیا تھا، اور دوسرے مال و اسباب سے متعلق ہم سے ایک معاملہ بھی طے کیا تھا! حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "کیا تم یہ گمان رکھتے ہو کہ میں رسول کریم ﷺ کی (یہ) بات بھول گیا ہوں (جو آپ ﷺ نے تم کو مخاطب کر کے کہی تھی) کہ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا اور تو کیا کرے گا جب تجھ کو خیر سے جلا وطن کر دیا جائے گا اور رات کے بعد رات میں تیری اونٹنی تیرے پیچھے دوڑ رہی ہوگی" اگویا آنحضرت ﷺ نے تجھ کو اس آنے والے وقت سے ڈرایا تھا جب تجھ کو راتوں رات خیر سے نکل جانا پڑے گا! اس شخص نے یہ سن کر کہا کہ "یہ بات تو ابوالہقام نے بطور مذاق کہی تھی۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "اے خدا کے دشمن، تم جھوٹ بگھڑاؤ آنحضرت ﷺ نے یہ بات مذاق کے طور پر نہیں کہی تھی بلکہ ازراہ معجزہ تمہیں ایک نبی بات کی خبر دی تھی، اور پھر حضرت عمرؓ نے یہودیوں کو جلا وطن کر دیا اور ان کے پاس ازرقسم یہود جو کچھ تھا پیسے، گھوڑے وغیرہ ان کی قیمت میں ان کو مال، اونٹ اور اسباب جیسے رسیاں اور پالاٹن وغیرہ دے دیئے۔" (بخاری)

مشرکین کو جزیرۃ العرب سے جلا وطن کر دینے کیلئے آنحضرت ﷺ کی وصیت

② وَغَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْضَى بِخَلِيفَةٍ قَالَ أَخْرَجُوا الْمُشْرِكِينَ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ وَاجْزُوا الْوَلَدَ بِنَحْوِ مَا كُنْتُمْ أَجْزِيهِمْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَصَلَتْ عَنْ النَّبِيِّ أَوْ قَالَ فَأَتَيْتُهَا - (بخاری)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (وفات کے وقت) تین باتوں کی وصیت کی چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ "مشرکوں کو جزیرۃ عرب (یعنی مکہ اور مدینہ سے باہر نکال دینا اور قاصدوں اور ایلیوں کے ساتھ وہی سلوک کرنا جو میں کیا کرتا تھا) یعنی وہ جب تک تمہارے پاس رہیں ان کی دیکھ بھال کرنا اور انہیں ان کی ضروریات زندگی مہیا کرنا۔" راوی کہتے ہیں حضرت ابن عباسؓ نے تیسری بات سے خاموشی اختیار کی، یا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تیسری بات کو میں بھول گیا ہوں۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: بعض مباحث کہتے ہیں کہ احتمال ہے کہ وہ تیسری بات آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہو کر لا تسخذوا القبری و لتابعہ یعنی میری قبر کو بت (کی طرح) نہ قرار دینا جس کی پوجا کی جائے۔ اس ارشاد کو امام مالکؒ نے اپنی کتاب مواہم نقل کیا ہے۔

جزیرۃ العرب سے یہود و نصاریٰ کی جلا وطنی

③ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ أَخْبَرَنِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا خَيْرَ جَنْ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ حَتَّى لَا أَدْعَ فِيهَا إِلَّا مُسْلِمًا - وَهُوَ مُسْلِمٌ وَلَوْ رِوَايَةً لَيْنِ عِشْبُ إِنَّ طَاءَ اللَّهُ لِأَخْرِجَ جَنْ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ -

"اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ "میں یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے ضرور باہر نکال دوں گا یہاں تک کہ مسلمانوں کے سوا (جزیرہ عرب میں) کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔" (مسلم)

اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے یوں فرمایا کہ "اگر میری زندگی بری تو میں انا واللہ یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے ضرور باہر نکال دوں گا۔"

الفصل الثانی

لَيْسَ فِيهِ إِلَّا حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ لَا يَكُونُ قَبْلَتَانِ وَقَدْ مَرَّ فِي بَابِ الْجَزِيرَةِ

(مصباح کی) اور سری فصل میں ابن عباسؓ کی صرف یہ ایک حدیث لا یكون قبلتان الخ تھی اور وہ جزیرہ کے بیان میں نقل کی جا چکی ہے۔

الفصل الثالث

حجاز سے یہود و نصاریٰ کی جلاوطنی کا کام حضرت عمرؓ کے ہاتھوں انجام پایا

⑤ عن ابن عمر أن عمر بن الخطاب أجلى اليهود والنصارى من أرض الحجاز وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم لما ظهر على أهل خيبر أراد أن يخرج اليهود منها وكانت الأرض لما ظهر عليها لله ورسوله وللمسلمين فسأل اليهود رسول الله صلى الله عليه وسلم بأن يتركهم على أن يكفوا العمل ولهم نصف الثمر فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم تتركهم على ذلك عاشنا فأقروا حتى أجلاهم عمر في إمارة بني تميم وأبجاءه (ابن عبد البر)

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ سرزمین حجاز یعنی جزیرہ العرب سے یہود و نصاریٰ کی جلاوطنی کا کام حضرت عمرؓ کے ہاتھوں انجام پایا۔ (اس سے پہلے) جب رسول کریم ﷺ کو اہل خیبر پر غلبہ حاصل ہوا تھا تو آپ نے یہودیوں کو خیبر سے نکال دینے کا ارادہ کیا تھا کیونکہ (جس بھی) زمین پر (دین حق کو) غلبہ حاصل ہوتا ہے وہ زمین اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کی ہو جاتی ہے (کہ وہاں صرف اللہ ہی کا دین غالب اور مسلمانوں ہی کو حق تصرف و حکمرانی حاصل ہوتا ہے) لیکن یہودیوں نے رسول کریم ﷺ سے یہ درخواست کی کہ آپ ﷺ ان (یہودیوں کو) اس شرط پر (خیبر کی زمینوں پر قابض و تصرف کرنے دیں کہ وہ محنت کریں) یعنی باغات کی دیکھ بھل اور ان کی سیرانی و فیرا کا سارا کام کریں گے اور (ان سے یہ) ہونے والے پھلوں کا آدھا حصہ آپ ﷺ کا ہوگا۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے (ان کی یہ درخواست منظور کر لی لیکن یہ) فرمایا کہ ”ہم تمہیں اس شرط پر (خیبر میں) اسی وقت رہنے دیں گے جب تک کہ ہم چاہیں گے“ اس کے بعد ان کو خیبر میں رہنے دیا گیا یہاں تک کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ان سب کو تہاء اور بیکاری طرف جلاوطن کر دیا۔ (بخاری، مسلم)

باب الفنی

فنی کا بیان

فنی کس کو کہتے ہیں؟ ”فنی“ اس مال کو کہا جاتا ہے جو مسلمانوں کو کفار سے جنگ کے بغیر حاصل ہوا ہو، اس مال کا حکم یہ ہے کہ وہ سب کا سب مسلمانوں کا حق ہے، اس میں سے نہ تو فحش نکالا جاتا ہے اور نہ اس کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کیا جاتا ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں جب کوئی لشکر کسی جگہ سے مال فنی لے کر آتا تو اس پر آنحضرت ﷺ کو پورا اختیار حاصل ہوتا تھا کہ اس میں سے جس کو چاہتے دیتے اور جس کو چاہتے نہ دیتے، اسی طرح جس کو چاہتے زیادہ دیتے اور جس کو چاہتے کم دیتے۔ اور جو مال جنگ کے ذریعہ کفار پر غالب آنے کے بعد مسلمانوں کو حاصل ہوتا ہے اس کو ”مال غنیمت“ کہتے ہیں۔ اس مال کا یہ حکم ہے کہ پہلے اس میں سے فحش نکالا جائے اور پھر بقیہ کو مجاہدین کے درمیان اس طرح تقسیم کر دیا جائے کہ پیادے کو ایک اور سوار کو دو حصے ملیں۔

الفصل الأول

مال فنی کا مصرف

① عن مالك بن نويرة قال قال عمر بن الخطاب إن الله قد حصّ رسول الله صلى الله عليه وسلم

هَذَا الْفَيْءُ بَشْنَى لَمْ يَغْطِهِ أَحَدٌ غَيْرُهُ ثُمَّ قَرَأَ مَا آفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ إِلَى قَوْلِهِ قَدْ بَيَّنَّا هَذِهِ حَالِصَةُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْفِقُ عَلَى أَهْلِهِ نَفَقَةً مَسْتَقِيمَةً مِنْ هَذَا الْمَالِ ثُمَّ تَأْخُذُ مَا نَقَى فَيَجْعَلُهُ مَجْعَلُ مَالِ اللَّهِ - (شق عليه)

"حضرت مالک ابن انس اور ابن جریران کہتے ہیں کہ حضرت عمر ابن خطابؓ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے اس مال فئی کے مسئلے میں اپنے رسول ﷺ کو ایک خاص خصوصیت عطا کی کہ آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور کو وہ خصوصیت عطا نہیں کی۔" پھر حضرت عمرؓ نے یہ آیت ما افاء اللہ علی رسولہ منہم.... تا قدین پڑھی اور فرمایا کہ چنانچہ یہ مال صرف رسول کریم ﷺ کے لئے مخصوص ہو گیا تھا، جس میں سے آنحضرت ﷺ اپنے مہمراؤں کے سال بھر کا خرچ دیا کرتے تھے اس کے بعد اس میں سے جو کچھ بچ رہتا تھا اس کو ان جگہوں میں خرچ کرتے جو اللہ کا مال خرچ کئے جانے کی جگہیں ہیں (یعنی اس مال کو مسلمانوں کے مفاد و مصالح جیسے ہتھیاروں اور گھوڑوں وغیرہ کی خریداری پر خرچ کر دیتے تھے، نیز محتاج و مسکین میں سے جس کو چاہتے اس کی مدد کرتے تھے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: مذکورہ آیت کریمہ سورہ حشر کی ہے جو پوری اس طرح ہے۔

وَمَا آفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا آوَتْهُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا كِتَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔

"اور جو کچھ (مال) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان سے دلوایا ہے وہ رسول کے لئے مخصوص ہو گیا ہے) کیونکہ تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ (یعنی تم نے اس کے حصول کے لئے کسی جنگ و جدال کی مشقت برداشت نہیں کی ہے نہ سفر کی پریشانیوں جھیل ہیں، بلکہ پیدل ہی چلے گئے تھے) لیکن اللہ تعالیٰ (کی عبادت ہے کہ) اپنے رسولوں کو جس پر چاہے (خاص طور پر) مسلط فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت حاصل ہے۔"

اس آیت کریمہ کے ذریعہ گویا مسلمانوں پر یہ واضح کیا گیا تھا کہ اللہ نے آنحضرت ﷺ کو یہودیوں کے قبیلہ بنو نضیر کے ماں و جائیداد کا جو مالک و متصرف بنایا ہے تو وہ مال اس طرح کا ہے جس کو تم نے جنگ و جدال کے ذریعہ ان (بنو نضیر) پر غلبہ پاکر اور دور دراز کے سفر کی مشقت برداشت کر کے حاصل نہیں کیا ہے بلکہ بلا کسی جدوجہد کے ہاتھ لگا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب بنو نضیر کو مدینہ سے جلا وطن کر دینے کا حکم دیا گیا اور بنو نضیر نے اس حکم کی تعمیل کرنے میں چون چڑھائی تو آنحضرت ﷺ اپنے صحابہؓ کو لے کر اس جگہ کے لئے روانہ ہوئے جہاں بنو نضیر کے محلات، قلعے اور جائیدادیں تھیں۔ وہ جگہ چونکہ مدینہ سے صرف دو میل کے فاصلے پر تھی اس لئے آنحضرت ﷺ کے علاوہ اور سب ہی لوگ پیدل تھے، وہیں پہنچنے پر جنگ و جدال کی نوبت نہیں آئی، کچھ عرصہ کے عاصروں کے بعد بنو نضیر نے ہتھیار ڈال دیئے اور وہ جو کچھ سامان اپنے ساتھ لے جاسکتے تھے انہوں پر لا کر خیر کوروانہ ہو گئے اس طرح اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو ان پر غلبہ و تسلط فرمایا جیسا کہ حق تعالیٰ کی عادت یہی ہے کہ وہ اپنے رسولوں اور دین کے علمبرداروں کو دشمنان دین پر غلبہ و تسلط عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ ان کی جائیداد و زمین وغیرہ بھی آنحضرت ﷺ ضبط کر لی گئیں اور وہاں کا سارا مال (فئی) کے حکم میں ہونے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کے تصرف و اختیار میں آگیا۔ اسی لئے جب مسلمانوں نے اس مال کو تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا تو مذکورہ آیت نازل ہوئی اور اس مال کا یہ حکم بتایا گیا کہ اس طرح کا مال "مال غنیمت" کی طرح تقسیم نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے تصرف و خرچ کا سارا اختیار صرف آنحضرت ﷺ کو ہے کہ آپ ﷺ جس طرح چاہیں خرچ کریں اور جس کو چاہیں اس میں سے دیں۔ چنانچہ احادیث میں اس مال کے مصرف بھی بیان کئے گئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اس مال میں سے اپنی بیویوں کو ان کا سال بھر کا خرچ دے دیا کرتے تھے اور پھر جو باقی بچتا اس کو مسلمانوں کے اجتماعی مفاد و مصالح میں خرچ کرتے اور جن فقراء و مسکین و غیروہ کو چاہتے ان کو دیتے۔

مال فنی کے مسئلہ میں حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے جو اوپر بیان ہوا لیکن طہی نے حضرت امام شافعیؒ کا مسلک اس طرح بیان کیا ہے کہ مال فنی میں چار قسم اور ایک قسم کے پانچ حصے پر آنحضرت ﷺ کا حق ہوتا تھا۔ یعنی وہ مال پانچوں حصوں میں تقسیم ہو کر آپ کے حصے میں تو آنحضرت ﷺ کے ذاتی تصرف و اختیار میں آتا اور باقی چار حصے آپ اپنے ذاتی اہل حق و عیال میں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرتے تھے۔

تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد مال فنی کے مصرف کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔ چنانچہ ایک جماعت کا قول تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد مال فنی اسلامی مملکت و خلافت کے سربراہ کا حق ہے۔ امام شافعیؒ کے دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ وہ چارہاں وقت تین کا حق ہے کہ اس کو ان کے درمیان تقسیم کیا جائے۔ اور دوسرا قول ہے کہ اس مال کو عام مسلمانوں کے اجتماعی مفاد و مصالح میں خرچ کیا جائے۔

”سال بھر کا خرچہ دیا کرتے تھے۔“ اس موقع پر ذہن میں یہ اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ احادیث میں تو یہ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کل تک کے لئے بھی کوئی چیز بچا کر نہیں رکھتے تھے تو پھر سال بھر کا خرچہ کس طرح جمع کر کے رکھتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جن احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کل تک کے لئے بھی کوئی چیز بچا کر نہیں رکھتے تھے تو اس کا تعلق آپ ﷺ کی ذات سے ہے کہ آپ ﷺ اپنی ذات کے لئے کسی چیز کو بچا کر یا جمع کر کے رکھنا گوارا نہیں کرتے تھے اور یہاں جس بات کا ذکر کیا گیا ہے اس کا تعلق آپ ﷺ کے اہل و عیال سے ہے۔

لیکن واضح رہے کہ آپ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کو سال بھر خرچہ کبھی بھی دیتے تھے مستقل طور پر یہ معمول نہیں تھا تاہم امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ سال بھر کی ضروریات زندگی کی چیزیں مینا کر کے رکھ لیا جاتا ہے اور یہ توکل کے منافی نہیں ہے۔

② وَعَنْ عُمَرَ قَالَ كَانَتْ أَمْوَالُ بَنِي النَّضِيرِ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِمَّا مَلَكَ يُوْجِبُ الْمُسْلِمُونَ عَلَيْهِ بَحِيلَ وَلَا رِكَابَ فَكَانَتْ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاصَّةً يَتَفَقَّحُ عَلَى أَهْلِهِ تَفَقُّهُ سَنَةً ثُمَّ يَجْعَلُ عَاشِقِي فِي السَّلَاحِ وَالْكَوْاعِ غَدَّةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ (ترمذی علیہ)

”اور حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ“ (یہود کے قبیلہ) بنو نضیر کمال اس قسم کے مال میں سے تھاجس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اسی جہ و جد کے بغیر عطا فرمایا تھا اس کے لئے نہ تو مسلمانوں نے گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ، اس لئے وہ مال آنحضرت ﷺ کے لئے مخصوص ہو گیا تھا کہ جس میں سے آپ اپنے گھروالوں کی سال بھر کی ضروریات میں خرچہ کرتے تھے اور پھر اس میں سے جو کچھ بچ رہتا تھا اس کو ہتھیاروں اور گھوڑوں کی خریداری پر خرچ کر دیا کرتے تھے تاکہ وہ اللہ کی راہ (یعنی جہاد میں کام آئیں۔“ (بخاری و مسلم)

الْفَصْلُ الثَّانِي

آنحضرت ﷺ کی طرف سے مال فنی کی تقسیم

③ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا آتَاهُ الْفَيْءُ قَسَمَهُ فِي بَيْتِهِ فَأَعْطَى الْأَهْلَ حَظَّهُمْ وَأَعْطَى الْأَعْرَبَ حَقَّهُمْ فَأَعْطَانِي حَظَّيْنِ وَكَانَ لِي أَهْلٌ لَمْ دَعْنِي بَعْدِي عُمَارُ بْنُ يَاسِرٍ فَأَعْطَانِي حَقَّهُ وَاجِدًا۔ (رواہ ابوداؤد)

”حضرت عوف ابن مالکؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ کے پاس مال فنی آتا تو آپ ﷺ اس کو اہل دن و ضرورت مندوں کے درمیان تقسیم فرما دیتے تھے، جو بیوی والا ہوتا اس کو تو دھو دیتے اور مجرد کو ایک حصہ عطا فرماتے، چنانچہ (ایک مرتبہ) مجھ کو بھی بلایا اور آپ ﷺ نے مجھے دھو عطا فرمائے کیونکہ میری بیوی تھی اور پھر میرے بعد عہد ابن یاسرؓ کو بلایا گیا (جن کی بیوی نہیں تھی) ان کو

آپ ﷺ نے ایک حدیث روایت کی۔ (ابوداؤد)

④ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلَ مَا جَاءَهُ شَيْءٌ يُبْدَأُ بِالْمَحْزُونِينَ - (ابو داؤد)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول کریم ﷺ مال فقی کے آنے کے بعد اس میں سے سب سے پہلے ان لوگوں کو مرحمت فرماتے جن کو (حال ہی میں غلامی سے آزاد کیا گیا ہو)۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مال فقی میں سے سب سے پہلے حال ہی میں غلامی سے نجات پائے ہوئے لوگوں کو اس لئے عطا کیا جاتا کہ وہ بے ٹھکانہ اور بے سہارا ہوتے تھے، اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ”آزاد کئے گئے لوگوں“ سے مراد ”مکاتب“ ہیں۔ نیز بعض حضرات کے نزدیک ”مفردین العبادۃ“ مراد ہیں۔

⑤ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّى يَكْتَبُ بِهَا خَيْرٌ فَقَسَمَ لَهَا الْخَيْرَ وَالْأَمْرَ قَالَتْ عَائِشَةُ كَانَ ابْنُ أَبِي سَلَمَةَ بِالْمَحْزُونِ وَالْعَقَبِ - (ابو داؤد)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک غلام آیا جس میں گھینے بھرے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے ان بچپنوں کو بیویوں (یعنی آزاد عورتوں) اور باندہ لڑکیوں کو ہائٹ دیا۔“ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ”میرے والد یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ (کے پاس لے آئے تو وہ ان بچپنوں کو آزاد اور غلام مردوں کو (بھی) لے آئے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اگرچہ آنحضرت ﷺ بچپنوں کی تقسیم کو صرف عورتوں تک محدود رکھتے تھے لیکن حضرت ابو بکرؓ کے عمل سے معلوم ہوا کہ بچپنوں کی تقسیم صرف عورتوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتی بلکہ مردوں کو بھی بائٹا کرتے تھے۔

مال فقی کی تقسیم میں فرق مراتب کا لحاظ

⑥ وَعَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسٍ بْنِ الْحَدَّادِ قَالَ ذَكَرْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَوْمَما الْقَيْءَ فَقَالَ مَا أَنَا بِأَحَقُّ بِهَذَا الْقَيْءِ مِنْكُمْ وَمَا أَحَدٌ مِمَّنْ لَعَنَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا أَنَا عَلَى مَنَازِلَتَانِ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَقَسِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَالزَّجَلُ وَلِلْمُدَّةِ وَالزَّجَلُ وَبِلَاؤُهُ وَالزَّجَلُ وَغِيَالُهُ وَالزَّجَلُ وَحَاجَتُهُ - (ابو داؤد)

”اور حضرت مالک ابن اوس ابن حدادؓ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر فاروقؓ نے مال فقی کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ”اس مال“ فقی کا میں تم سے زیادہ مستحق نہیں ہوں اور نہ ہم میں سے کوئی شخص اس مال فقی کا کسی دوسرے شخص سے زیادہ مستحق ہے البتہ ہم اللہ عزوجل کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی تقسیم کے مطابق اپنے اپنے مرتبہ پر ہیں چنانچہ ایک وہ شخص ہے جو (قبولیت اسلام) اقامت رکھتا ہے، ایک وہ شخص ہے جو (دین کی راہ میں) شہادت دیا اور (کے بھانپنے نمایاں) اور سکا دشمن (کے اوصاف) رکھتا ہے، ایک وہ شخص ہے جو مال و عیال رکھتا ہے اور ایک وہ شخص ہے جو ضرورت و حاجت رکھتا ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”میں تم سے زیادہ مستحق نہیں ہوں۔“ حضرت عمرؓ نے یہ بات اس دہم و مہم کو دور کرنے کے لئے فرمائی کہ وہ چونکہ خلیفہ رسول ہیں اس لئے جس طرح آنحضرت ﷺ اس مال کا سب سے زیادہ استحقاق رکھتے تھے ہو سکتا ہے کہ آپ کے بعد اب وہ (حضرت عمرؓ) اس کے سب سے زیادہ مستحق ہوں! حضرت عمرؓ نے اسی کی نفی کی کہ کسی دوسرے مسلمان کی طرح میں بھی اس مال کا سب سے زیادہ مستحق نہیں ہوں، پھر انہوں نے اس مال کا سب سے زیادہ استحقاق رکھنے کی نفی عمومیت کے طور پر فرمائی کہ ہم میں سے کوئی بھی شخص دوسرے شخص سے زیادہ حق دار نہیں ہے بلکہ اس مال کے استحقاق کی اصل بنیاد وہی فرق مراتب ہے جو کتاب اللہ کے اس ارشاد لِلْفُقَرَاءِ وَالْمُهَاجِرِينَ ثَمَنَ آيَاتِنَا اور وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِن الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ آخر آیت تک یا ان آیتوں سے ظاہر ہے جو اس

بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مسلمانوں کے مراتب میں تفاوت ہے کہ ہر شخص کو اس کے مرتبے کے مطابق کم یا زیادہ دیا جائے گا۔

”اللہ عزوجل کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی تقسیم میں ”رسول اللہ کی تقسیم“ کا عطف ”کتاب اللہ“ پر کیا گیا ہے، یعنی جس طرح کتاب اللہ کی مذکورہ آیتوں سے مسلمانوں کے فرق مراتب کا اظہار ہوتا ہے اسی طرح آنحضرت ﷺ کے طریقہ تقسیم سے بھی مراتب میں تفاوت کا پتہ چلتا ہے کہ آپ اس مال کی تقسیم کے وقت دوسرے مسلمانوں کے یہ نسبت جنگ بدر میں شریک ہونے والے صحابہ کو زیادہ حصہ دیا کرتے تھے، اسی طرح جو صحابہ (مطلع حدیبیہ کے موقع پر ہجرت) از حرمین میں شریک تھے، ان کا لحاظ عام مسلمانوں سے زیادہ رکھتے تھے، یا جو شخص اہل و عیال والا ہوتا تھا اس کو مجرد شخص سے زیادہ دیتے تھے۔

”ایک وہ شخص ہے اہل“ حضرت عمرؓ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ اوپر کی بات کو اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا کہ مال فنی کی تقسیم کے وقت ہر شخص کے مرتبہ اور اس کی حیثیت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، اگر کوئی شخص قدیم الاسلام ہے تو اس کی اس خصوصیت کو دیکھنا چاہئے۔ اگر کوئی شخص خدا کی راہ میں شجاعت و بہادری کے کارنامے انجام دینے والا اور دین کو پھیلانے میں سخت جدوجہد کرے اور مشقت برداشت کرنے والا ہے تو اس کے اس وصف کو سامنے رکھنا چاہئے، اسی طرح اگر کوئی اہل و عیال والا زیادہ حاجت مند ہے تو اس کی اس حیثیت و حالت کا خیال کیا جانا چاہیے غرضیکہ جس شخص کو جس طرح کی احتیاج و ضرورت ہو، اس کو اسی کے مطابق دینا چاہئے۔

(۷) وَ عَنْهُ قَالَ قَرَأَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اِنَّ الْمَالَةَ لِلْفَقْرِ آءِوَالْمَسْكِينِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ عَلَيْهِمْ حَكِيمٌ فَقَالَ هَذَا لِهَؤُلَاءِ ثُمَّ قَرَأَ وَاغْلَمُوا اَلْمَا غَنِيمَتُمْ مِنْ شَيْءٍ ؕ فَاِنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ وَابْنُ السَّبِيلِ ثُمَّ قَالَ هَذَا لِهَؤُلَاءِ ثُمَّ قَرَأَ مَا آفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهِ مِنْ اَهْلِ الْغَزَىٰ حَتَّىٰ يَبْلُغَ لِلْفَقْرِ آءِوَالْمَسْكِينِ ثُمَّ قَرَأَ وَابْنُ السَّبِيلِ ثُمَّ قَالَ هَذِهِ اسْتَوْعَبَتْ الْمُسْلِمِينَ عَامَةً فَلْيُنِمْ عِشْتَ فَلْيُتَابِعِ الْوَارِثِيْنَ وَهُوَ بَسْرٌ وَجَنَازَةٌ يَصْبِيحُهَا مِنْهَا لَمْ يَغْرِقْ فِيْهَا شَيْءٌ (رواہ فی شرح السنہ)

”اور حضرت مالکؓ ابن اس کہتے ہیں کہ (ایک موقع پر) حضرت عمر فاروقؓ نے یہ آیت پڑھی (جس میں زکوٰۃ کے مصارف کا بیان ہے) اَلْمَالَةُ الصَّدَقَةُ لِلْفَقْرِ آءِوَالْمَسْكِينِ اور اس آیت کو انہوں نے عَلَيْنِمْ حَكِيمٌ تک پڑھا اور فرمایا کہ اس (زکوٰۃ کے مال) کو پانے کے مستحق یہی لوگ ہیں (جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے یعنی فراء مساکین وغیرہ) پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی وَاغْلَمُوا اَلْمَا غَنِيمَتُمْ مِنْ شَيْءٍ ؕ فَاِنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ اور اس آیت کو وَابْنُ السَّبِيلِ تک پڑھا اور فرمایا کہ یہ (خمس کا مال) انہی لوگوں کا حق ہے (جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے یعنی ذی القربی وغیرہ) اس کے بعد انہوں نے یہ آیت پڑھی (جس میں مال فنی کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ وہ کس کس کو دیا جائے) مَا آفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهِ مِنْ اَهْلِ الْغَزَىٰ اس آیت کو لِلْفَقْرِ آءِو... وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ تک پڑھا (ایک نسخہ میں یہ عبارت ہے کہ حَتَّىٰ يَبْلُغَ لِلْفَقْرِ آءِوَالْمَسْكِينِ جَاءُوا اس کے مطابق منہوم یہ ہو گا کہ انہوں نے اس آیت مَا آفَاءَ اللّٰهُ کو پڑھنا شروع کیا اور لِلْفَقْرِ آءِو... تک کی دو آیتوں کو پڑھا اور پھر یہ آیت وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ پڑھی) اور فرمایا کہ اس آیت نے سارے مسلمانوں کا احاطہ کر لیا ہے۔ لہذا اگر میری زندگی رہی تو (میری حدود و خلافات میں کوئی ایسا مسلمان نہیں ہے) گا جس کو اس کے حصہ کا مال نہ پہنچے یہاں تک کہ اس چرواہے کو بھی مال فنی میں سے اس کا حصہ پہنچے گا جو مقام ہجر اور حمیر میں ہو گا درنحالیکہ اس (مال کے حاصل کرنے) میں اس کی پیشانی بھی عرق آلود نہیں ہوئی ہوگی۔“ (شرح السنہ)

تشریح: ”اس آیت نے سارے مسلمانوں کا احاطہ کر لیا ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اس میں جن لوگوں کو دینے کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سارے ہی مسلمان آجاتے ہیں، خلاف پہلے دونوں آیتوں کے کہ ایک میں تو صرف مستحقین زکوٰۃ کا ذکر ہے اور دوسری میں مستحقین خمس کا۔ حضرت عمرؓ مال فنی میں سے خمس نکالنے کے قائل نہیں تھے جیسا کہ مال غنیمت میں سے خمس نکالاجاتا ہے، ان کے نزدیک پورا مال فنی مسلمانوں کے اجتماعی مفاد و مصالح اور ان کی فلاح و عانت میں خرچ کیا جانا چاہئے جو قرآن و حدیث میں مذکور فرق مراتب کے ساتھ

ان کا حق ہے، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کے سوا اکثر ائمہ فقہ کا مسلک بھی یوں ہی ہے، نیز حضرت عمرؓ کے بھی قائل تھے کہ مال فنی کی تقسیم کے سلسلے میں مسلمانوں کے درجات و مراتب کے تفاوت کا لحاظ ضروری ہے جب کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ ہر مسلمان کا برابر، برابر حصہ لگاتے تھے وہ قدامت اسلام اور نسب کی برتری وغیرہ کا لحاظ ضروری نہیں سمجھتے تھے بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ اس چیز کا تعلق آخرت سے ہے اگر کوئی شخص پہلے مسلمان ہوا ہے اور کسی شخص نے دین کی راہ میں زیادہ شجاعت و بہادری اور زیادہ سعی و مشقت اختیار کی ہے تو ان کا یہ عمل اللہ کے لئے ہے اور ان کا اجر بھی اللہ ہی پر موقوف ہے ان چیزوں کو زیادہ مال کے استحقاق کی بنیاد نہیں بنانا چاہئے لیکن حضرت عمرؓ چونکہ فرق مراتب اور تفاوت درجات کو ملحوظ رکھتے تھے اس لئے وہ جب مال تقسیم کرتے تو حضرت عائشہؓ کو زیادہ دیتے اور حضرت حفصہؓ کو کم، اور ان (حضرت حفصہؓ) سے فرماتے کہ ”(بیٹی) تمہاری بہ نسبت عائشہؓ کو اس خصوصیت کی بناء پر زیادہ دیتا ہوں کہ (آنحضرت ﷺ کے نزدیک وہ (عائشہؓ) تم سے زیادہ جیوتی حصص اور آنحضرت ﷺ کو تمہارے باپ کی (یعنی میری) بہ نسبت عائشہؓ کے باپ (یعنی حضرت ابو بکرؓ) سے زیادہ تعلق خاطر تھا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ (اپنے بیٹے) حضرت ابن عمرؓ کی بہ نسبت حضرت اسامہؓ ابن زیدؓ کا حصہ زیادہ لگایا کرتے تھے اور ان (ابن عمرؓ) سے بھی یہی فرماتے تھے کہ اسامہؓ کو تمہارے اوپر یہ فضیلت حاصل ہے کہ (آنحضرت ﷺ کو تمہاری بہ نسبت اسامہؓ سے زیادہ تعلق خاطر تھا اور تمہارے باپ سے زیادہ ان کا باپ آپ ﷺ کی نظر میں پسندیدہ تھا۔

”حیر“ مکن کے ایک علاقہ کا نام ہے جہاں مکن کے مشہور قبیلہ حیر کے لوگ آباد تھے۔ اسی طرح ”سرد“ ایک جگہ کا نام تھا، جو ”حیر“ کے علاقہ میں تھا۔

روایت کے آخر میں حضرت عمرؓ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے زندہ رکھا اور میری خلافت کے زمانے میں اسلام کو زیادہ سے زیادہ شہروں اور ملکوں پر تسلط و غلبہ حاصل ہوا اور اس کے نتیجہ میں مال فنی بھی بہت بڑھ گیا تو ان میں سے تمام مسلمانوں کو مال کا حصہ پہنچے گا خواہ وہ کتنے ہی دور دراز کے شہروں اور دیہاتوں میں کیوں نہ رہتے ہوں اور اس کے باوجود کہ اس مال کو حاصل کرنے میں انہیں ذرا سی بھی محنت و مشقت برداشت نہیں کرنا پڑی ہوگی۔

تقسیم فداک میں حضرت عمرؓ کا استدلال

① وَعَنْهُ قَالَ كَانَ لَيْنَا احْتِجَاجٌ بِهِ عَمْرُو أَنْ قَالَ كَانَتْ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثُ صَفَاتٍ بَنُو النَّظِيرِ وَخَبِيرٌ وَفَدَاكٌ فَأَمَّا بَنُو النَّظِيرِ فَكَانَتْ خُبْنًا لِلنَّوَابِيهِ وَأَمَّا فَدَاكُ فَكَانَتْ خُبْنًا لِلْأَنْبَاءِ السَّيِّئَةِ وَأَمَّا خَبِيرٌ فَخَبَرُ أَهْلِ أَسْوَءِ سَوَالٍ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ أَجْزَاءٍ خَزَنَتَيْنِ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ وَخِزْنَةٌ لِعَلِيٍّ فَمَا فَضَّلَ عَنْ نَفَقَةِ أَهْلِهِ جَعَلَهُ بَيْنَ فَقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت، لگ“ ابن اوس کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے جس بات سے استدلال کیا وہ یہ تھی کہ انہوں نے فرمایا کہ ”رسول کریم ﷺ کے پاس تین صفات تھیں۔ ① بنو نظیر۔ ② خیر۔ ③ فداک۔ چنانچہ بنو نظیر کے جلاوطن ہو جانے کے بعد ان کی جو زمین جائیداد قبضے میں آئی تھی اسے حاصل ہونے والا مال) آنحضرت ﷺ کے اخراجات (جیسے مہمانوں کی ضیافت و ترواح اور مجاہدین کے لئے ہتھیاروں اور گھوڑوں کی خریداری وغیرہ) کے لئے مخصوص تھا، فداک کے حاصل (ان مسافروں (آئی آمد و اعانت کرنے کے لئے) مخصوص تھے (جو اگرچہ اپنے وطن میں تو مال رکھتے ہوں مگر سفر کے دوران ان کے پاس مال و اسباب ختم ہو گیا ہو)۔ اور خیر (کے حاصل) کے رسول کریم ﷺ نے تین حصے کر رکھے تھے، ان میں سے دو حصے تو آپ مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور ایک حصہ اپنے اہل و عیال کے اخراجات کے لئے رکھتے تھے اور اس میں سے بھی اہل اعیال کے خرچے سے جو کچھ بچ جاتا اس کو آپ ﷺ نادار مجاہدین پر خرچ کر دیتے

تشریح: ”جس بات سے استدلال کیا جائے یعنی جب حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ فدک کے مال کے بارے میں اپنا مطالبہ لے کر حضرت عمرؓ کے پاس آئے تو حضرت عمرؓ نے ان کے مطالبہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، اور جن جائیداد و زمینوں پر آنحضرت ﷺ کا ذاتی حق تھا (جیسے بنو نضیر، خیبر اور فدک کی زمین، جائیدادیں) ان کے بارے میں مذکورہ بالا تفصیل بیان کی اور چونکہ اس تفصیل کے بیان کے وقت دوسرے صحابہؓ بھی موجود تھے جن میں سے کسی نے بھی حضرت عمرؓ کی بیان کردہ تفصیل کی تردید نہیں کی اس لئے گویا یہ بات ان کے فیصلے کی دلیل قرار پائی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اتنا ضرور کیا کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کو فدک کے حاصل کا متولی بنا دیا کہ وہ دونوں اس حاصل کو اسی طرح صرف کریں جس طرح آنحضرت ﷺ صرف کیا کرتے تھے۔

”صفایا“ صفیہ کی جمع ہے اور ”صفیہ“ اس کو کہتے ہیں کہ امام وقت اسلامی مملکت کا سربراہ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے کوئی چیز چھانٹ کر اپنے لئے مخصوص کرے۔ یہ بات صرف آنحضرت ﷺ کے لئے مخصوص تھی کہ آپ ﷺ مال غنیمت میں سے غس کے علاوہ اور بھی جو چیز جیسے لوٹنی، غلام، تلوار اور گھوڑا وغیرہ چاہتے اس کو لے لینے کا حق رکھتے تھے، لیکن آنحضرت ﷺ کے بعد کسی دوسرے امام وقت کے لئے یہ بات جائز نہیں۔

”فدک“ ایک بستی کا نام تھا جو خیبر کے مواضع میں سے تھی اور مدینہ سے دو روز کے فاصلہ پر واقع تھی یہ ایک شاداب اور سرسبز جگہ تھی جہاں زیادہ تر کجور کے اور تھوڑے بہت دوسرے پھلوں کے باغات تھے۔ رسول کریم ﷺ کو فدک پر صلح کے ذریعہ تسلط حاصل ہوا تھا اور صلح کی بنیاد یہ معاہدہ تھا کہ وہاں کی آدمی زمین تو فدک والوں کی رہے گی آدمی زمین پر آنحضرت ﷺ کا حق ہوگا، چنانچہ فدک کی وہ آدمی زمین آنحضرت ﷺ کی ذاتی ملکیت میں رہی جس کی آمدنی اور پیداوار سے آپ ﷺ حدیث کے مطابق محتاج مسافروں کی امداد و اعانت فرماتے تھے۔

خیبر کے حاصل کو آپ ﷺ تین حصوں میں اس لئے تقسیم کرتے تھے کہ خیبر کا علاقہ اصل میں بہت سارے مواضع اور بستیوں پر مشتمل تھا ان میں سے بعض گاؤں تو بزرگ طاقت مند تھے اور بعض گاؤں بغیر جنگ و جدال کے صلح کے ذریعہ قبضہ و اختیار میں آئے تھے، چنانچہ جو گاؤں بزرگ طاقت مند تھے ان سے حاصل ہونے والا مال چونکہ ”مال غنیمت“ تھا اس لئے اس میں سے آپ ﷺ حصہ لیتے تھے اور جو گاؤں بذریعہ صلح قبضہ و اختیار میں آئے تھے ان سے حاصل ہونے والا مال چونکہ ”مال فنی“ تھا اس لئے وہ تمام تر آپ ﷺ کی ذاتی ملکیت تھا جس کو آپ ﷺ اپنی ضروریات، اپنے اہل و عیال کے اخراجات اور عام مسلمانوں کے اجتماعی مفاد و مصالح میں جہاں مناسب سمجھتے صرف کرتے تھے۔ لہذا اس بنا پر تقسیم و مسادات کا تقاضا یہی تھا کہ آپ ﷺ خیبر کے سارے مال کو اپنے اور مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرنے کے لئے تین حصوں میں کر کے دو حصے مسلمانوں کو دیں اور ایک حصہ اپنے پاس رکھیں۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

تخصیہ فدک وغیرہ کی تفصیل

⑨ عَنْ ابْنِ شُعْبَةَ قَالَ إِنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ جَمَعَ نَبِيَّ مَرْوَانَ جِئْنَا مُشْتَغِلِينَ فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهُ فَدَكٌ فَكَانَ يَتَّقِي مِنْهَا وَيُعْذَرُ مِنْهَا عَلَى صُغُرِ نَبِيِّ هَاشِمٍ وَيُؤَوِّجُ مِنْهَا إِيَّاهُمْ وَأَنَّ فَاطِمَةَ سَأَلَتْهُ أَنْ يَخْجُلَهَا فَأَبَى فَكَانَتْ كَذَلِكَ فِي حَيَاتِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى مَضَى لِسَبِيلِهِ فَلَمَّا أَنْ وَلَّى أَبُو بَكْرٍ عَمِلَ فِيهَا بِمَا عَمِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا أَنْ وَلَّى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَمِلَ فِيهَا بِمِثْلِ مَا عَمِلَ حَتَّى مَضَى لِسَبِيلِهِ ثُمَّ انْقَطَعَهَا مَرْوَانَ ثُمَّ صَارَتْ لِعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ فَرَأَيْتُ أَمْرًا مَعْنَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ لَيْسَ لِي بِحَقٍّ وَإِنِّي أَشْهَدُكُمْ أَنِّي رَدَدْتُهَا عَلَى مَا كَانَتْ يَعْني عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَسَلِّمْ وَأَبِیْ بَكْرٍ وَعُثْمَ - (ردہ الہوداد)

”اور حضرت صفیہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر ابن عبدالعزیز ابن مروان ابن حکم رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے مروان کے بیٹوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ ”رسول کریم ﷺ فدک (کی زمین) دجا بنیاد اور پر اپنا ذاتی حق رکھتے تھے جس کے حاصل (آمدنی) وہید اور کو آپ ﷺ (اپنے اہل و عیال اور فقراء و مساکین پر خرچ کرتے تھے، اسی میں سے نبوآثم کے چھوٹے بچوں کی امداد و اعانت پر خرچ کر کے ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے اور بے شوہر عورتوں اور بغیر زین مردوں کی شادی کرتے تھے) (ایک مرتبہ) حضرت فاطمہ نے آنحضرت ﷺ سے یہ درخواست کی تھی کہ فدک (کی زمین) دجا بنیاد دیجئے لیکن آپ ﷺ نے ان کی درخواست کو رد کر دیا، رسول کریم ﷺ کی زندگی میں اسی طرح چلتا رہا یہاں تک کہ آپ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور جب حضرت ابو بکر صدیقؓ کو خلیفہ بنایا گیا تو ان کا معمول بھی وہی رہا جو رسول کریم ﷺ کا اپنی حیات مبارکہ میں رہا تھا یعنی آنحضرت کے مذکورہ معمول کی طرح حضرت ابو بکرؓ بھی فدک کے حاصل کو آنحضرت ﷺ کے اہل و عیال اور نبوآثم کے بچوں پر اور نادار مرد و عورتوں کی شادی میں خرچ کرتے تھے) یہاں تک کہ حضرت ابو بکرؓ اللہ کو پیارے ہو گئے اور (ان کے بعد) جب حضرت عمر ابن خطابؓ کو خلیفہ بنایا گیا تو اس سلسلہ میں ان کا بھی عمل وہی رہا جو ان دونوں (یعنی آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ) کا رہا تھا یہاں تک کہ حضرت عمرؓ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے اور پھر مروان نے (حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانے میں یا اپنی عمرائی کے دور میں) اس (فدک) کو اپنی (اور اپنے وارثین کی) جاگیر قرار دیا چنانچہ (اب) وہ جاگیر عمر ابن عبدالعزیز ابن مروان کی ہو گئی ہے، لیکن میں دیکھتا ہوں کہ جس چیز کو رسول کریم ﷺ نے (اپنی نبی فاطمہؓ کو نہیں دیا) اس کا حق میں بھی نہیں ہو سکتا، لہذا میں تمہیں (اپنے اس فیصلہ کا) گواہ بناتا ہوں کہ میں نے فدک کو اس کی اسی حیثیت پر واپس کر دیا ہے۔ جس پر وہ تھا یعنی رسول کریم ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں (جس طریقہ پر اس کے حاصل کو خرچ کیا جاتا تھا) اب پھر اسی طریقہ پر خرچ کیا جائے گا اور فدک کسی شخص کی ذاتی جاگیر نہیں بنے گا۔“ (ابوہاداد)

تشریح: جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے، نبو نفیہ، فدک اور خیبر کی زمین جائیدادیں آنحضرت ﷺ کی ذاتی ملکیت تھیں چونکہ وہ زمین جائیدادیں آنحضرت ﷺ کے بعد بھی باقی رہی تھیں اس لئے آپ کے اہل بیت اور خاندان کے کچھ افراد نے ان پر اپنی میراث کا دعویٰ کیا اور خلقت سے اس کا مطالعہ کیا، پھر ان میں آپس میں بھی کچھ اختلافات پیدا ہوئے اس طرح ان زمین جائیدادوں کا قصہ بڑا عجیب و غریب ہو گیا اگرچہ وہ ایک وقتی قضیہ تھا جس کی بنیاد کسی غلط جذبہ پر نہیں تھی لیکن پھر بھی بعد کے زمانوں میں کم فہم اور کم رو لوگوں نے اس سے غلط نتائج اخذ کرنے شروع کر دیئے اور ایسے ایسے افسانے تراشے جن سے دوسرے لوگوں کے ذہن بھی فاسد ہوئے اس سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کتب صحاح سے منتخب کر کے اس قضیہ کی کچھ تفصیل اور اس کے بارے میں کچھ باتیں نقل کر دی جائیں۔

صحیح بخاری میں حضرت مالکؓ ابن عوس ابن حدثان سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دن امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطابؓ نے مجھ کو اپنے پاس بلا بھیجا، میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ان کا غلام یرغامہ آیا اور کہا کہ ”امیر المؤمنین“ حضرت عثمانؓ ابن عفانؓ حضرت عبدالرحمنؓ ابن عوفؓ حضرت زبیر بن عوفؓ اور حضرت سعد ابن ابوداؤدؓ دو دن پہلے ہوئے ہیں اور حاضری کی اجازت چاہتے ہیں“ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”آجائے دو“ وہ سب حضرات آگئے، تھوڑی دیر بعد یرغامہ پھر آیا اور کہا کہ (حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ (حاضری کی) اجازت چاہتے ہیں، اگر حکم ہو تو آنے دیا جائے“ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”آئے دو“ جب وہ بھی آگئے تو حضرت عباسؓ نے کہا کہ ”امیر المؤمنین! ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کیجئے (یعنی میرے اور علیؓ کے قضیہ کو نمٹائیے) یہ نبو نفیہ کے اس مال و جائیداد کے بارے میں جھگڑے کی صورت اختیار کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کے حق میں فنی قرار دیا تھا۔“ پھر حضرت عباسؓ اور علیؓ آپس میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے، وہاں موجود دوسرے لوگوں (یعنی حضرت عثمانؓ وغیرہ) نے بھی کہا کہ ”ہاں امیر المؤمنین! ان دونوں کے معاملہ کا فیصلہ کر دیجئے اور ان کو ایک دوسرے (کے جھگڑے) سے نجات دلائیے“ (یہ سن کر حضرت عمرؓ

نے فرمایا کہ ”ذرا صبر و سکون سے کام لو، میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں، کیا تم جانتے ہو کہ رسول کریم ﷺ نے یہ فرمایا کہ ہم یعنی انبیاء و میراث نہیں چھوڑتے یعنی ہمارا چھوڑنا ہوا مال کسی کا ورثہ نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔“ حاضرین نے کہا کہ ہاں! (ہم کو یاد ہے) بیشک آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا۔ پھر حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ ”میں تم دونوں کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم کو نہیں معلوم کہ آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا تھا؟“ حضرت علیؓ و حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ ”ہاں! (ہم کو بھی یاد ہے) آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا تھا۔“ حضرت نے فرمایا کہ ”تو میں تم کو اس بات سے ابھی آگاہ کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مال فنی کے بارے میں اپنے رسول کو وہ خاص خصوصیت عطا کی تھی جو آپ ﷺ کے علاوہ اور کسی کو عطا نہیں کی پھر حضرت عمرؓ نے یہ آیت عَاذًا بِاللّٰهِ عَلٰی ذٰلِکَ آخر تک پڑھی اور فرمایا کہ۔ پس یہ سارا مال آنحضرت ﷺ کے لئے مخصوص تھا، لیکن خدا کی قسم! آپ ﷺ نے اس مال کو تمہارے پاس جمع نہیں کیا اور نہ اس کے ذریعہ تم پر کوئی اثار کیا۔ (ملکہ) آپ ﷺ وہ مال تمہیں (ہی) بویا کرتے تھے اور تمہارے درمیان تقسیم کرتے تھے، پھر جو کچھ بچتا آپ ﷺ اس میں سے اپنے اہل و عیال کا خرچ چلاتے اس کے بعد بھی جو بچ جاتا اس کو آپ ﷺ نیک کاموں (جیسے فقراء و مساکین کی امداد و اعانت) اور عام مسلمانوں کے اجتماعی مفاد و مصالح (جیسے ہتھیاروں اور گھوڑوں وغیرہ کی خریداری) میں صرف کرتے۔ رسول کریم ﷺ کا پنی زندگی کے آخر تک یہی معمول رہا، پھر آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے یہ کہہ کر کہ ”میں رسول خدا کا خلیفہ ہوں۔“ اس مال کو اپنے قبضے میں لے لیا اور اس کے خرچ و تصرف کا وہی نظام باقی رکھا جو آنحضرت ﷺ نے جاری کیا۔“

(اس موقعہ پر) حضرت علیؓ و حضرت عباسؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ”تم اس وقت حضرت ابوبکرؓ کا ذکر برائی کے ساتھ کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اس بارے میں ابوبکرؓ صحیح راستے پر نہیں ہیں، حالانکہ تم جو کچھ کہتے تھے وہ سب نہیں تھا اور خدا خوب جانتا ہے کہ ابوبکرؓ اپنے اس عمل میں صادق، نیکو کار، ہدایت یافتہ اور حق کے تابع تھے، پھر جب حضرت ابوبکرؓ اللہ کو پیارے ہو گئے (اور میں خلیفہ بنا) تو میں نے کہا کہ میں رسول خدا کا خلیفہ اور حضرت ابوبکرؓ کا ولی (جانشین) ہوں، اس لئے میں نے اس مال و جائیداد کو دو سال تک اپنے اختیار و قبضے میں رکھا اور اس کے خرچ و تصرف کا وہی نظم و طریقہ اختیار کیا جو آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کا تھا اور خدا خوب جانتا ہے کہ میں اپنی اس بات اور اپنے اس عمل میں صادق، نیکو کار، ہدایت یافتہ اور حق کے تابع ہوں، ذریعہ دو سال کے بعد تم دونوں (علیؓ و عباسؓ) میرے پاس آئے اور تم دونوں نے ایک ہی بات کہی کہ آنحضرت ﷺ کا مال ہم کو دے دو (میں نے تمہارے مطالبہ کے جواب میں) تم سے کہا تھا کہ رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ ”ہم (انبیاء) میراث نہیں چھوڑتے بلکہ ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ (ہوتا) ہے۔“ لیکن جب میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ مجھے اس مال و جائیداد کو تمہارے سپرد کر دینا چاہئے تو میں نے تم سے کہا کہ ”اگر تم چاہتے ہو تو میں یہ مال و جائیداد اس شرط پر تمہارے سپرد کر سکتا ہوں کہ تم (اس بات کا عہد کرو کہ) اس مال کو خرچ کرنے کا وہی نظم و طریقہ باقی رکھو گے جو آنحضرت ﷺ نے جاری کیا تھا اور جس پر حضرت ابوبکرؓ نے اور خلیفہ ہونے کے بعد میں نے عمل کیا تھا اور اگر تم لوگوں کو یہ شرط منظور نہ ہو تو پھر آئندہ اس بارے میں مجھ سے کوئی بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ تم نے (اس شرط کو منظور کر لیا اور) کہا کہ ”آپ اس مال و جائیداد کو اس شرط پر ہمارے حوالے کر دیجئے۔“ چنانچہ میں نے تمہارے سپرد کر دیا۔ (تم لوگوں کو یہ ساری بات اچھی طرح یاد ہوگی) تو کیا تم لوگ اب مجھ سے یہ چاہتے ہو کہ (اس سلسلے میں جو بات میرے اور تمہارے درمیان طے ہو چکی ہے) میں اس کے خلاف فیصلہ کروں؟ تمہیں اس خدا کی قسم جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں، میں قیامت تک بھی اس کے خلاف فیصلہ نہیں کر سکتا، ہاں اگر تم اس مال و جائیداد کے انتظام سے عاجز آ گئے ہو تو اس کو دوبارہ میرے حوالے کرو میں تمہیں اس کے انتظامی جھیلوں سے بے پردہ کر دوں گا اور خود مشقت اٹھا کر (میں) اس کا انتظام کروں گا۔“

اس روایت کے راوی حضرت امام زہریؒ کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کے بارے میں حضرت عروہ ابن زبیرؓ سے بیان کیا تو

انہوں نے کہا کہ مالکؓ ابن اوس نے بالکل صحیح بیان کیا ہے، میں نے حضرت عائشہؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد (کچھ) ازدواج مطہرات سنئے حضرت عثمانؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس بھیج کر اس مال و جائیداد کی اپنی میراث کا مطالبہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مال فنی کے طور پر عطا کیا تھا جب مجھے یہ معلوم ہوا تو میں نے ان کی مخالفت کی اور ان سے کہا کہ تمہیں خدا کا خوف محسوس نہیں ہوتا؟ کیا رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد تمہارے علم میں نہیں ہے کہ ہم میراث نہیں چھوڑتے بلکہ ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ (ہوتا) ہے اور آل محمد اس میں سے کھائے گی۔ تب ازدواج مطہرات آنحضرت ﷺ کی میراث کے مطالبہ سے باز آئیں اور میرے بیان کی ہوئی حدیث کی بناء پر انہوں نے رجوع کر لیا۔

حضرت عروہ کہتے تھے (حضرت عمرؓ نے جب آنحضرت کا وہ صدقہ یعنی بنو نضیر کا وہ مال جو مدینہ میں تھا اور جس کے بارے میں مذکورہ بالا قضیہ تھا حضرت علیؓ و حضرت عباسؓ کی تولیت میں دے دیا تھا تو کچھ دنوں کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت عباسؓ پر غلبہ حاصل کر کے اس کو تنہا اپنے قبضہ تولیت میں لے لیا تھا، ان کے بعد حضرت حسن ابن علیؓ کے قبضے میں آیا، حضرت حسنؓ کے بعد حضرت حسینؓ کے قبضے میں آیا۔ ان کے بعد علی ابن حسین اور حسن ابن حسین کے قبضے میں رہا کہ یہ دونوں باری باری اس کو اپنے قبضے میں رکھتے تھے، ان کے بعد زید ابن حسن کے پاس آگیا۔ اور ایماہ ادوی و سحائی کے ساتھ یہ (مال و جائیداد رسول کریم ﷺ کا صدقہ ہے کس شخص کی میراث و ملکیت نہیں ہے۔“

یہ بخاری کی حدیث کا اختصار ہے جس کو انہوں نے کتاب المغازی میں بنو نضیر کے واقعہ کے تحت نقل کیا ہے۔ کتاب الخس میں بھی بعض الفاظ کے فرق کے ساتھ اسی طرح کی حدیث بیان کی ہے۔

یہ روایت بھی بخاری کی ہے کہ حضرت عائشہؓ بیان فرماتی تھیں کہ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ اور عباسؓ، حضرت ابوبکرؓ کے پاس ذرک کی زمین و جائیداد وغیرہ کے حصے کی میراث کا مطالبہ لے کر آئے، حضرت ابوبکرؓ نے ان سے فرمایا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”ہم کسی کو اپنے مال کا وارث نہیں چھوڑتے، ہم جو کچھ چھوڑیں صدقہ ہے۔ اس مال میں سے آل محمد ﷺ کھائے گی۔“ خدا کی قسم میرے نزدیک رسول خدا کی قرابت والوں کے حقوق کی حفاظت کرنا اور ان کے ساتھ حسن سلوک و بھلائی کا معاملہ کرنا اے قرابت والوں کے ساتھ حسن سلوک سے زیادہ محبوب اور عزیز تر ہے۔

پچھلے جو طویل حدیث نقل کی گئی ہے اور جس میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے اپنا قضیہ لے کر آنے کا ذکر ہے اس کو صاحب جامع الاصول نے بھی اپنی کتاب میں بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور شافعی کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ (اس حدیث کے سلسلے میں) ابوداؤد نے یہ وضاحت کی ہے کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ نے حضرت عمر فاروقؓ سے جو مطالبہ کیا تھا اس کا مقصد صرف یہ درخواست کرنا تھا کہ آپ نے جس مال و جائیداد کو مشترک طور پر ہم دونوں کی تولیت میں دیا تھا اب اس کو آدھوں آدھ بانٹ کر ہم دونوں کی تولیت اور ہر دیک میں الگ الگ حصہ دے دیجئے، نہ کہ وہ دونوں حضرات آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد ”ہم (انبیاء) میراث نہیں چھوڑتے۔“ سے غافل و لاعلم تھے اور داؤد ان کا مقصد اس مال و جائیداد کو اپنی میراث قرار دینا تھا، چنانچہ ان دونوں کی نیت بھی صادق تھی اور ان کا مطالبہ بھی ایک درست عمل (یعنی اس مال و جائیداد کے انتظام میں زیادہ بہتری پیدا کرنے کے تقاضے کے پیش نظر تھا تاہم اس کے باوجود حضرت عمرؓ نے ان کے مطالبہ کو پورا نہیں کیا بلکہ انہوں نے یہ واضح کر دیا کہ میں اس کو گوارا نہیں کر سکتا کہ کسی بھی صورت میں اس مال و جائیداد پر تقسیم کا نام آئے بلکہ اس کو جو کتوں رکھنا ہی میرے نزدیک زیادہ ضروری ہے۔

بخاری نے کتاب الخس میں حضرت عروہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ان (عروہؓ) سے حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مطالبہ کیا کہ ان کو وہ میراث دی جائے جو رسول کریم ﷺ اس مال و جائیداد میں سے چھوڑ گئے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مال فنی کے طور پر عطا فرمایا تھا۔ حضرت ابوبکر

صدقہ نے ان کو جواب دیا کہ ”تمہارا یہ مطالبہ قابل تسلیم نہیں ہے کیونکہ ہر رسول کریم ﷺ گمراہی کا یہ ارشاد ہے کہ:

لَا تُؤْثَرُ مَاتَرُ كِنَاهِ صَدَقَةٍ

”یعنی ہم انبیاء میراث نہیں چھوڑتے ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہے۔“

اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے یہ حدیث بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ وہ مال میرے قبضہ و اختیار میں ہے اور جب میں مر جاؤں گا تو اس شخص کے قبضہ و اختیار میں ہو گا جو میرے بعد خلافت و امارت کی ذمہ داریاں سنبھالے گا۔ حضرت فاطمہؓ کو اس بات سے سخت ناگواری ہوئی یہاں تک کہ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے ہجران (یعنی ترک سلام و کلام) کر لیا اور اپنی وفات تک اسی ترک سلام و کلام پر قائم رہیں۔ واضح رہے کہ حضرت فاطمہؓ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد صرف چھ مہینے تک بقیہ حیات رہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔

”حضرت فاطمہؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اس مال و جائیداد میں سے اپنے مال دھسے کا مطالبہ کیا کرتی تھیں جو آنحضرت ﷺ نے خیر و فدا کی زمین و باغات اور مدینہ میں اپنے صدقہ (یعنی بنو نضیر کے مال و جائیداد) کی صورت میں چھوڑا تھا، لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے اس مطالبہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کرتے تھے کہ میں کسی ایسی چیز کو ترک نہیں کروں گا جس پر آنحضرت ﷺ کا معمول رہا ہو، اس مال و جائیداد کے بارے میں میرا وہی عمل رہے گا جو آنحضرت ﷺ کا رہا ہے، مجھے خوف محسوس ہوتا ہے کہ اگر میں کسی ایسی چیز پر عمل کرنے سے باز رہوں جو آنحضرت ﷺ کے حکم و مشائے مطابق ہے تو یقیناً میرا یہ فعل راہ حق سے اعراض و گریز کے مرادف ہو گا۔“

چنانچہ (حضرت ابوبکرؓ) آخر تک اپنے اسی فیصلے پر قائم رہے اور پھر ان کی وفات کے بعد (حضرت عمر فاروقؓ) نے یہ صورت اختیار کی کہ آنحضرت نے مدینہ میں جو صدقہ چھوڑا تھا (یعنی بنو نضیر کی زمین جائیداد) اس کو تو حضرت عباسؓ اور علیؓ کے سپرد کر دیا کہ وہ دونوں حضرات مشترک طور پر اس کی تولیت کے فرائض انجام دیں اور خیر و فدا کی زمین، جائیداد کو اپنی تولیت میں رکھا اور فرمایا کہ ”یہ رسول خدا ﷺ کا (چھوڑا ہوا) صدقہ ہے جس سے آپ ﷺ کے حقوق متعلق تھے۔“ نیز انہوں نے (کسی فرمان یا وصیت کے ذریعہ) ان زمین، جائیدادوں کا متولی و مگرال اسی شخص کو قرار دیا جو خلافت و امارت کی ذمہ داریاں سنبھالے۔ چنانچہ وہ اب تک اسی صورت حال کے مطابق ہیں۔

بہر حال اس بارے میں اوپر جو احادیث نقل کی گئیں یا وہ احادیث جو اسی مفہوم و مضمون سے متعلق صحاح ستہ میں متعدد طرق و اسانید سے منقول ہیں ان سب سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ارشاد گرامی لا نؤثرت مآثر کناہ صدقہ کا صحیح تر ثابت اور معمول یہ ہونا، آنحضرت ﷺ نے مال و جائیداد کی قسم سے جو کچھ چھوڑا اس کا عام مسلمانوں کے درمیان مشترک ہونا اور ان کے اجتماعی مفاد و مصالح میں خرچ کیا جانا اور اس کا اس شخص کے قبضہ و اختیار میں ہونا جو خلافت و امارت کا منصب سنبھالے ہوئے ہو تمام صحابہؓ حتیٰ کہ حضرت عباسؓ کے نزدیک بھی ایک متفق علیہ مسئلہ تھا۔

لیکن یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس مال و جائیداد کو حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کی تولیت میں دیا جانا ایک درست عمل اور بہتر طریقہ تھا تو حضرت عمرؓ نے شروع ہی میں یہ صورت اختیار کیوں نہ کر لی اور اگر وہ کوئی درست عمل اور بہتر طریقہ نہیں تھا تو پھر انہوں نے بعد میں اس مال و جائیداد کو ان لوگوں کی تولیت میں کیوں دیا؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شروع میں ان دونوں کا مطالبہ چونکہ یہ تھا کہ اس مال و جائیداد کو ان کی ملکیت میں دے دیا جائے اس لئے حضرت عمرؓ نے ان کے مطالبہ کو منظور نہیں کیا اور پھر بعد میں جو ان لوگوں کو دیا تو اس کی بنیاد یہ تھی کہ اس مال و جائیداد کا ملک نہیں بنایا گیا بلکہ صرف متولی و عظم بنایا گیا تھا اور یہ شرط عائد کی گئی تھی کہ اس کو انہی مہارف میں خرچ کیا جائے گا جن میں

آنحضرت ﷺ خرچ کرتے رہے۔ مہربان نہیں صاف نہیں ہو جاتی بلکہ جیسا کہ خطابی نے کہا ہے، مسئلہ میں ایک دوسری طرف سے انحصار پیدا ہوتا ہے اور وہ ان سوال کی صورت میں کہ جب حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ نے اس مال و جائیداد کو مذکورہ شرط پر قبضے میں لیا تھا اور ان لوگوں نے یہ اعتراف بھی کیا تھا کہ یہ مال و جائیداد آنحضرت ﷺ کا ورثہ نہیں ہے اور علیل القدر مہاجر صحابہؓ نے اس کی تصدیق بھی کی تھی تو پھر آخر ان لوگوں کے درمیان یہ اختلاف و خصومت کی شکل کیوں پیدا ہوئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس تولیت میں شرکت دونوں ہی پر شاق و گوری تھی لہذا انہوں نے یہ درخواست کی کہ اس مال و جائیداد کو تقسیم کر کے ہر ایک کو ایک ایک حصے کا تنظیم و متولی بنا دیا جائے تاکہ دونوں ایک دوسرے سے کوئی واسطہ رکھے بغیر اپنے اپنے حصے کی دیکھ بھال اور اس کے خرچ و تصرف کا انتظام آزادی و یکسوئی کے ساتھ کرتے رہیں، لیکن حضرت عمرؓ نے ان کی درخواست کو اس لئے قبول نہیں کیا کہ مراد یہ تقسیم ملکیت کی صورت کے مشابہ ہو جائے کیونکہ تقسیم املاک میں ہوا کرتی ہے، دوسرے یہ کہ فی الوقت نہ کسی لیکن طویل زمانہ گزر جانے پر اس میں خود بخود ملکیت کا شائبہ ہونے لگتا ہے۔

حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ سے زیادہ ابوجہا و امسکہ حضرت فاطمہؓ کا ہے کیونکہ اگر ان کے مطالبہ کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی اس حدیث اور آپ ﷺ کے اس عمل سے قطعاً علم نہیں تو یہ بات بعید از حقیقت ہوئی اور اگر یہ کہا جائے کہ بہر حال ممکن ہے کہ ان کو آنحضرت ﷺ سے یہ ارشاد سننے کا اتفاق نہ ہوا ہو تو پھر یہ سوال کھڑا ہوتا ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ نے ان کے سامنے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد بیان فرمایا اور دوسرے صحابہؓ نے بھی اس کی تصدیق کی تو پھر انہوں نے اس بات کو قبول کرنے سے کیوں انکار کیا اور حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ اس قدر ناراضگی کی صورت کیوں اختیار کی یا اگر ناراضگی کی صورت اس حدیث کو سننے سے پہلے پیدا ہو چکی تھی تو سننے کے بعد انہوں نے اس کو ختم کیوں نہیں کیا جس نے اتنا طویل گنج گچا کہ وہ زندگی کے آخری لمحہ تک حضرت ابو بکرؓ سے ترک سلام و کلام پر قائم رہیں؟

کرمائی نے بخاری کی شرح میں اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی ناراضگی اصل میں ایک ایسی صورت تھی جو ان میں تقاضائے بشریت پیدا ہو گئی تھی اور ”ہجران“ سے ہجران محرم یعنی ترک سلام و کلام اور انقطاع تعلق مراد نہیں ہے بلکہ ملنے جلنے سے طبیعت میں انقباض و کوفت کا پیدا ہونا مراد ہے۔

علاوہ ازیں بعض روایات میں منقول ہے کہ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت فاطمہؓ کے درمیان مذکورہ صورت حال پیدا ہو گئی (کہ حضرت ابو بکرؓ کی طرف سے حضرت فاطمہؓ کا مطالبہ تسلیم نہ کئے جانے کی وجہ سے وہ ان سے ناراض ہو گئیں) تو (ایک دن) حضرت ابو بکرؓ حضرت فاطمہؓ کے ہاں تشریف لے گئے اور آفتاب کی سخت گرمی اور دھوپ کی شدید تمازت کے باوجود ان کے دروازے پر کھڑے رہے اور ان سے غرض خواہی کرتے رہے اور یہ فرمایا کہ ”خدا کی قسم اگر رسول خدا ﷺ کی قرابت (کے حقوق کی رعایت و حفاظت) مجھے اپنی قرابت سے زیادہ محبوب اور عزیز تر ہے لیکن میں کیا کروں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے اس حدیث کو سنا ہے اور دوسرے صحابہؓ اس پر گواہ ہیں۔“ تب حضرت فاطمہؓ کا دل صاف ہو گیا اور ان کی ناراضگی ختم ہو گئی۔

تمت بالخیر

